بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسلسلہ
اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

اضافہ واصلاح شدہ
جدید ایڈیشن

ماہِ محرم الحرام کے فضائل و احکام

مؤلف
مفتی محمد رضوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

اصلاح وترمیم شدہ جدید ایڈیشن

ماہِ محرمُ الحرام

کے

فضائل واحکام

اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام کے سلسلے میں ماہِ محرم الحرام کے فضائل واحکام

ماہِ محرمُ الحرام سے اسلامی سال کے آغاز وسنِ ہجری کا تعلق

دینی احکام میں اسلامی وقمری سَن وماہ کی اہمیت

دس محرم کے دن نفلی روزہ وغیرہ کی فضیلت واہمیت اوراس سلسلہ میں متفرق احکام

مؤلف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

نام کتاب: ماہِ محرمُ الحرام کے فضائل واحکام

مؤلف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اوّل: ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ۔ مارچ 2002ء۔ طباعتِ ششم: ذوالقعدہ 1438 اگست 2017ء

صفحات: 392

ملنے کے پتے

فہرست

رائے گرامی

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالٰی

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

امابعد! احقر نے رسالہ ''ماہِ محرم الحرام کے فضائل واحکام'' کے مطالعہ کا شرف حاصل کیا۔
یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ فاضل مؤلف صاحب زید مجدہم نے مستند مآخذ سے اپنے موضوع پر تاریخی، علمی، فقہی مباحث کو عمدہ طریقہ سے جمع کر دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی منکرات کا رد بھی بلیغ انداز سے کیا ہے۔
آخر میں بعض کثیرُ الوقوع اہم سوالات کے جواب بھی اعتدال کے ساتھ تحقیقی انداز میں دیئے گئے ہیں، ماشاءاللہ تعالیٰ یہ رسالہ اہلِ سنت واہلِ تشیع دونوں کے لئے مفید اور نافع ہے۔
دونوں فریق اگر بنظرِ انصاف مطالعہ کریں گے تو بہت نفع کی امید ہے۔
حق تعالیٰ مؤلف کی سعی کو قبول فرمائیں اور جزائے خیر دے، آمین۔ [1]

احقر سید عبدالقدوس ترمذی غفرلہٗ
جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا
۷/ ربیع الاول/۱۴۲۲ھ ۳۱/ مئی/ ۲۰۰۱ء

---

[1] ملحوظ رہے کہ! حضرت موصوف کی مندرجہ بالا رائے رسالہ ھٰذا کے ابتدائی ایڈیشن سے متعلق ہے، جبکہ بعد کے ایڈیشن میں کچھ اصلاحات کی گئی تھیں، اور کتاب میں موجود احادیث کی اسناد پر نظر کی گئی تھی، اور چند ایسی احادیث کو حذف کر دیا گیا تھا، جو سند کے اعتبار سے معتبر معلوم نہیں ہوئی تھیں، اور ساتھ ہی ایسی کچھ احادیث وروایات کا اضافہ کیا گیا تھا، جو متعلقہ موضوع پر معتبر ومستند معلوم ہوئی تھیں، اور بعض مقامات پر اجمالی حوالہ جات کے بجائے اصل عبارات کا اضافہ کیا گیا تھا۔
نیز مولانا طارق محمود صاحب سلمہٗ (بندہ کے کاتب ومعین) نے بھی اپنے مضمون ماہِ محرم کے تاریخی واقعات میں اضافہ کیا تھا، اور اس مرتبہ بعض چیزوں کی اصلاح یا ان کو حذف کیا گیا ہے۔
محمد رضوان۔۲۱/ ذیقعدہ/۱۴۳۲ھ 20/ اکتوبر/ 2011ء بروز جمعرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

اسلامی سال کے بارہ مہینے ہیں، جن کا تعارف اور ان کے فضائل واحکام سے مسلمانوں کو واقفیت ضروری ہے، اور اسلامی سال کے بارہ مہینوں میں سے ہر مہینہ سے متعلق کچھ نہ کچھ شریعت کی طرف سے فضائل یا احکام مقرر کئے گئے ہیں۔

اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام سے متعلق بندہ نے الگ الگ مہینوں پر کتابیں ترتیب دی ہیں، جو مفصل ہونے کی وجہ سے الگ الگ شائع ہوئی ہیں، ان بارہ مہینوں میں سے زیرِ نظر کتاب ''ماہِ محرم کے فضائل واحکام'' پر مشتمل ہے، لہٰذا اس کتاب کو خاص محرم کے مہینہ یا کسی مسلک ومذہب کو مقصود بنا کر تحریر نہیں کیا گیا، بلکہ اس کتاب کا اصل مقصود دوسرے مہینوں کی طرح اس مہینہ کی فضیلت واہمیت اور اس کے احکام کو واضح کرنا ہے۔

لیکن ماہِ محرم کا مہینہ بعض وجوہات کی بناء پر متنازع سمجھا جانے لگا ہے، اور اس مہینہ سے متعلق کئی قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں، جن پر تمام مسلمانوں کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ کتاب ماہِ محرم سے متعلق قرآن وسنت اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے موقف کے مطابق مرتب کی گئی ہے، اور موجودہ ایڈیشن میں سابقہ ایڈیشنوں کے مقابلہ میں نظرِ ثانی کے بعد کچھ حذف و اصلاح کی گئی ہے، اور جملہ مسائل میں اعتدال کو ملحوظ رکھنے اور بے اعتدالیوں کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو متحد ومتفق ہو کر قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان

29/ذیقعدہ/1438ھ 22/اگست/2017ء بروز منگل

(باب نمبر1)

اسلامی سال کا آغاز اور مختلف تاریخی نظام

اسلامی نقطۂ نظر سے مُحرَّم کا مہینہ قمری یعنی چاند والے سال کا پہلا مہینہ ہے، محرم کے مہینے سے اسلامی سال کا آغاز ہوتا ہے، اور کیونکہ قمری ماہ وسال اور سنہ وصدی سے اسلام کے اہم احکام اور واقعات بلکہ اسلامی تاریخ کا اہم حصّہ وابستہ ہے، اس لئے قمری تاریخوں کے نظام اور قمری حساب کو اسلامی تقویم کہا جاتا ہے۔

تاریخی نظام

سال کے دنوں، ہفتوں اور مہینوں کو صحیح اندازے اور صحیح مقدار کے ساتھ تقسیم کرنے کو اردو بول چال میں نظامُ الاوقات اور عربی زبان میں تقویم کہتے ہیں۔

انگریزی زبان میں اس کو کیلنڈر، سنسکرت کی زبان میں پترا اور ہندی زبان میں اس کو جنتری کہا اور بولا جاتا ہے۔

اور اس تقویم کے ذریعے سے دن اور وقت معلوم کرنے کا نام تاریخ ہے۔

خلاصہ یہ کہ وقت معلوم کرنا تاریخ ہے اور تاریخ کا ذریعہ تقویم ہے۔

تاریخی نظام کی ضرورت

ماضی کے واقعات وحادثات وغیرہ کو محفوظ رکھنے، اور مستقبل میں معاملات، معاہدات، اور مذہبی وسماجی، غمی، خوشی وغیرہ کی تقریبات کی تاریخیں متعین کرنے اور انجام دینے بلکہ بہت سے مذہبی احکامات پر عمل کرنے کے لئے انسانوں کو تاریخی نظام کی اشد ضرورت ہے، کیونکہ اس کے بغیر مذہبی وسماجی کاموں کو انجام دینا صرف مشکل ہی نہیں، بلکہ ناممکن بھی ہے، لہٰذا

ضروری ہوا کہ ایک مستقل تاریخی نظام کا سلسلہ قائم ہو۔

تاریخی نظام کی قسمیں

اسی ضرورت کے لئے دنیا میں کئی قسم کے تاریخی نظام چلتے ہیں جن کا دارومدار بنیادی طور پر مندرجہ ذیل تین چیزیں ہیں:

(1)......سورج (2)......چاند (3)......ستارے۔

اسی وجہ سے بنیادی تاریخی نظام تین ہیں:

(1)......شمسی (یعنی سورج والا)

(2)......قمری (یعنی چاندوالا)

(3)......نجومی (یعنی ستارے والا)

پھر شمسی تاریخی نظام کی کئی قسمیں ہیں۔

ایک تو عیسوی ہے، جس کو انگریزی اور میلادی بھی کہتے ہیں۔ [1]

عیسوی سال کی ابتداء جنوری سے اور اختتام دسمبر پر ہوتا ہے۔

---

[1] موجودہ سنہ عیسوی دراصل رومی سنہ ہے، اور بقول بعض حضرات اس کے بیشتر مہینوں کے نام مختلف رومی دیویوں اور دیوتاؤں کے ناموں سے لئے گئے ہیں:

(1)......جنوری: یہ جانوس سے لیا گیا ہے۔ جانوس ایک دیوتا کا نام ہے۔ رومی لوگ اس کے آگے پیچھے دو چہرے بناتے تھے، جس سے ان کے گمان میں وہ سامنے اور پیچھے دونوں جانب دیکھتا تھا۔

(2)......فروری: یہ نام فبروا نامی ایک دیوی سے لیا گیا ہے، جسے روم کے لوگ پاکیزہ دیوی کا مقام دیتے تھے۔

(3)......مارچ: یہ مارس سے لیا گیا ہے، جو رومیوں کے نزدیک جنگ کا دیوتا تھا۔

(4)......اپریل: یہ نام ابریری کے لفظ سے لیا گیا ہے، جس کے معنی رومی میں کسی چیز کے پھوٹنے یا کھلنے کے ہوتے ہیں، اس مہینے کا یہ نام اس مناسبت سے تجویز کیا گیا تھا کہ اس مہینے میں پھول کھلتے ہیں۔

(5)......مئی: ''میا'' سے لیا گیا ہے، جو افسانوی شیطان اٹلس کی بیٹیوں میں سے ایک کا نام ہے۔

(6)......جون: یہ نام یونون سے لیا گیا ہے، جو دیویوں کے سردار جیوپڑ کی بیوی تھی۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عیسوی سن حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی ولادت یا نصاریٰ کے غلط گمان اور خیال کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو صلیب دیئے جانے سے شروع ہوتا ہے۔ [1]

دوسرا سن والا نظام ''بکرمی'' ہے اس کو زیادہ تر ہندو استعمال کرتے ہیں، جس کا شروع ''چیت'' اور ختم ''پھاگن'' پر ہوتا ہے۔

''بکرمی'' کے مہینے بالترتیب یہ ہیں:

چیت، بیساکھ، جیٹھ، اساڑھ، ساون، بھادوں، کنوار (جس کو اسوج اور آسن بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(7)...... جولائی: جولیائی کیلنڈر کے بانی جولیس قیصر کی یادگار کے طور پر اس مہینے کا نام ''جولائی'' رکھ دیا گیا۔

(8)...... اگست: رومیوں کے پہلے بادشاہ اور جولیس قیصر کے جانشین اگسٹس کی یادگار کے طور پر اس مہینے کا نام ''اگست'' رکھ دیا گیا۔

(9)...... ستمبر: اس کے معنیٰ ہیں ''ساتواں مہینہ'' کیونکہ قدیم اصولوں کے مطابق مارچ کو سال کا پہلا مہینہ شمار کیا جاتا تھا۔

(10)...... اکتوبر: اس کے معنیٰ ہیں ''آٹھواں مہینہ'' کیونکہ قدیم اصولوں کے مطابق یہ سال کا آٹھواں مہینہ بنتا تھا۔

(11)...... نومبر: اس کے معنیٰ ہیں ''نواں مہینہ'' کیونکہ قدیم اصولوں کے مطابق یہ سال کا نواں ماہ تھا۔

(12)...... دسمبر: س کے معنیٰ ہیں ''دسواں مہینہ'' کیونکہ قدیم اصولوں کے مطابق یہ سال کا دسواں ماہ تھا

(ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مادہ months of the year، وتفسیر الجواہر للطنطاوی ج ۵ ص ۱۱۰ طبع دوم ۱۳۵۳ھ)

[1] جبکہ یہ عقیدہ اسلام کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ○ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (سورۃ النسآء رقم الآیات ۱۵۷، ۱۵۸)

ترجمہ: حالانکہ انہوں نے ان (عیسیٰ علیہ السلام) کو نہ قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا۔ لیکن ان کو اشتباہ ہوگیا۔ اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں۔ ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں۔ بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے ان (عیسیٰ علیہ السلام) کو یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا۔ بلکہ ان کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف (زندہ) اٹھالیا (سورہ نساء)

کہتے ہیں) کاتک، اگھن (جس کو منگسر بھی کہتے ہیں) پوس (جس کو پوہ بھی کہتے ہیں) ماگھ (جس کو ماہ اور مگھر بھی کہتے ہیں) پھاگن۔

اور تیسرا سن والا نظام ''فصلی'' ہے فصلوں کے سلسلے میں بعض جگہ عام طور پر اسی کو استعمال کیا جاتا ہے۔

فصلی مہینوں کے نام بالترتیب یہ ہیں:

بیساکھ، جیٹھ، اساڑھ، ساون، بھادوں، اسوج، کاتک، مگھر، پوس، ماگھ، پھاگن، چیت۔ [1]

اور نجومی جنتری ''شاکھا'' کے نام سے مشہور ہے، جس کا آغاز حمل سے اور اختتام حوت پر ہوتا ہے۔ شاکھا کے مہینے ترتیب واریوں ہیں:

حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔

اور قمری سال کا نظام یکم محرم سے شروع ہوتا ہے اور ذوالحجہ کی آخری تاریخ پر ختم ہوتا ہے۔

قمری سال کے بارہ مہینے بالترتیب اس طرح ہیں:

---

[1] ملحوظ رہے کہ پھاگن، چیت، بیساکھ، جیٹھ، یہ چار مہینے گرمی کے کہلاتے ہیں؛ اور اساڑھ، ساون، بھادوں، کنوار (جس کو اسوج بھی کہتے ہیں) یہ چار مہینے برسات کے ہیں؛ اور کاتک، اگھن (جس کو منگسر بھی کہتے ہیں) پوس (جس کو پوہ بھی کہتے ہیں) ماگھ (جس کو ماہ بھی کہتے ہیں) یہ چار مہینے جاڑے (یعنی سردی) کے ہیں، اور ان میں جو بارش ہوتی ہے، اس کو مہاوٹ کہتے ہیں؛ اور یاد رکھو کہ تیسرے برس ان مہینوں میں ایک مہینہ دو دفعہ آتا ہے، اس کو لوند کا مہینہ کہتے ہیں، اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہ مہینے چاند رات سے شروع نہیں ہوتے، بلکہ چاند کے پورے ہونے سے یعنی چودھویں رات سے شروع ہوتے ہیں۔ اور جس فصل میں گیہوں، چنا پیدا ہوتا ہے، وہ ربیع اور ساڑھی کہلاتی ہے، اور جس موسم میں چاول اور ننھا اناج (مکئی، باجرہ، جوار وغیرہ) پیدا ہوتا ہے، وہ خریف اور ساونی کہلاتی ہے (ماخوذ از بہشتی زیور، حصہ دہم، صفحہ ۴۳)

ملحوظہ: آج کل اخباروں وغیرہ میں ان فصلی مہینوں کو قمری کی بجائے شمسی یعنی عیسوی مہینوں کی 14 تاریخ کے لگ بھگ شروع کرتے ہیں، کوئی اضافی مہینہ کسی سال میں نہیں لگاتے اور دس اضافی دن جو ہر سال کے بچتے ہیں، ان کا حل یہ نکالا ہے کہ ان کو مختلف فصلی مہینوں میں ڈال دیا، اس لئے بعض فصلی مہینے اکتیس دن کے بعض تیس دن کے ہوتے ہیں۔

محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ،
رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ۔

اور اس اسلامی سن کا آغاز نبیوں کے سردار جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے ہوتا ہے۔ [1]

موجودہ قمری اور غیر قمری نظاموں میں فرق

(1)......موجودہ قمری نظام خالص فطری نظام ہے، انسانوں کا اپنا بنایا ہوا یا گھڑا ہوا نظام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس دن زمین وآسمان کو پیدا کیا تھا، اسی وقت یہ نظام بھی مقرر فرما دیا تھا (تفصیل ''ماہِ محرم الحرام کے فضائل'' کے ضمن میں آرہی ہے) جبکہ مروجہ شمسی یا عیسوی نظام یورپ کی ایجاد اور انسانوں کا اپنا بنایا ہوا نظام ہے اور نجومی جنتری نجومیوں کے دماغ کا اختراع ہے، جو انہوں نے اپنے حسابی تجربات سے تیار کیا ہے، جس کے ستاروں کے مطابق ہونے کی کوئی معقول دلیل نہیں۔ [2]

(2)......موجودہ قمری مہینوں کی ترتیب آسمان وزمین کی پیدائش کے وقت جو تھی، اب وہ

---

[1] یہاں یہ بھی یاد رہے کہ موجودہ شمسی وعیسوی تاریخی نظام کی نسبت اگرچہ سورج کی طرف اور نجومی تاریخی نظام کی نسبت ستاروں کی طرف ہے اور سورج وستاروں کا بھی باقاعدہ ایک نظام اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے، لیکن ان مروجہ شمسی اور نجومی تاریخی نظاموں کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ سو فیصدی شمسی یا نجومی نظام کے عین مطابق ہیں۔
اس کے علاوہ ان موجودہ شمسی ونجومی نظامہائے تاریخ کی نسبت کا اگر صحیح ہونا ثابت بھی ہوجائے تب بھی یہ نظام قمری نظام کے مقابلہ میں کمزور حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے برخلاف قمری سلسلۂ تاریخ کا مروجہ عمومی نظام چاند کے مطابق ہے اور اس کی نسبت چاند کی طرف بالکل صحیح ہے (کہ ہر ماہ چاند کی رؤیت سے مہینہ کی ابتداء ہوتی ہے) صرف رسمی نسبت نہیں اور کئی وجہ سے یہ دوسرے تاریخی نظاموں سے افضل واعلیٰ ہے (اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے)

[2] وقد اجمع محققوا المنجمين على ان اصولهم غير قطعية (احكام القرآن للتهانوى، تحت سورة يونس)

اسی اپنی فطری حالت پر ہے۔

جبکہ مروجہ عیسوی نظام کی ترتیب میں اب تک کئی مرتبہ تبدیلیاں کی جا چکی ہیں 8ء، 799ء، 1477ء، 1582ء کی ترمیمیں تو تاریخ سے واضح ہیں اور حقیقت میں کتنی ترمیمیں ہوئیں، ان کا تاریخ میں واضح ذکر نہیں ملتا، وہ اللہ ہی جانتا ہے، سال میں کبھی آٹھ دن کم ہوئے، کبھی دس دن، کبھی بیس دن اور کبھی سال چودہ مہینوں کا شمار ہوا، اور کبھی ساڑھے دس مہینوں کا۔

بلکہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی دنیا برسوں نہیں صدیوں تک اپنے مقدس دنوں، عیدوں، تہواروں وغیرہ کے دن گم کیے رہی اور اپنے اقرار کے مطابق 1582ء تک صحیح دنوں کی تعیین نہ کرسکی اور اپنی مذہبی عبادات کو اسی غلط حساب سے ادا کرتی چلی آئی ہے۔ [1]

(3)......قمری تقویم کی بنیاد اللہ کی اہم مخلوق ''چاند'' کے گھٹنے بڑھنے کے نظام پر ہے، اور ہر مہینے کا آغاز نئے چاند سے ہوتا ہے، اور قمری مہینہ کبھی انتیس دن کا اور کبھی تیس دن کا ہوتا ہے۔

جبکہ موجودہ رائج عیسوی نظام کے مہینوں میں سے، جنوری، مارچ، مئی، جولائی، اگست، اکتوبر اور دسمبر کے مہینے اکتیس دن کے اور سوائے فروری کے باقی سب مہینے تیس دن کے شمار کئے جاتے ہیں اور فروری کا مہینہ عام سالوں میں اٹھائیس دن کا اور لیپ (Leap) کے سالوں (یعنی چار پر پورا تقسیم ہونے والے ہر چوتھے سال) میں انتیس دن کا ہوتا ہے۔

گویا کہ جس سال فروری کا مہینہ اٹھائیس کی بجائے انتیس دن کا ہوتا ہے، وہ لیپ کا سال کہلاتا ہے، اور یہ سال تین سو پینسٹھ دنوں کے بجائے تین سو چھیاسٹھ دن کا ہوتا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو ''تقویم المنهاج القویم'' ص ۱۰۰ الیٰ ۱۱۹، التاریخ المیلادی وماجری له من التعدیلات والتصحیحات، تالیف: حسن وفقی بک آل القاضی، المعروف بالخیمی الدمشقی، مطبوعة: المطبعة السلفیة، القاهرة ۱۳۴۵ھ، 1927ء، و''تقویم تاریخی'' از عبدالقدوس ہاشمی مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

جبکہ اس کے برعکس بعض زمانوں میں چار سال کے بجائے ہر تیسرے سال میں ایک دن کا اضافہ کیا جاتا تھا۔ [1]

ایسا اس لیے ہے کہ یہ نظام انسانوں نے اپنی سوچ اور فکر کی بنیاد پر قائم کیا ہے۔ [2]

(4)...... چونکہ اسلام فطری دین ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے تاریخی نظام بھی فطری عطا فرمایا ہے اور یہ ہر انسان کی روزمرہ کی ضرورت ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے چاند کا نظام ایسی ترتیب پر قائم فرمایا ہے کہ ہر انسان ہر علاقہ میں چاند دیکھ

---

[1] اور اسی وجہ سے قمری اور موجودہ شمسی سال میں تقریباً دس دنوں کا فرق ہوتا ہے، کیونکہ قمری سال عموماً تین سو چوّن دن کا اور شمسی سال تین سو چونسٹھ دن کا ہوتا ہے، اور اس طرح تین سال بعد قمری مہینوں پر ایک شمسی مہینہ زیادہ ہوجاتا ہے۔

أنواع السنة:

السنة تتنوع إلى سنة شمسية وهي التي تعتمد في بدايتها ونهايتها على حركة الشمس، قال زكريا الأنصاري :وعدد أيامها ثلاث مائة وخمسة وستون يوما، وربع يوم إلا جزء ا من ثلاث مائة جزء من يوم، وإلى سنة قمرية وهي التي تعتمد على ظهور الهلال واختفائه في بداية الشهر ونهايته، قال زكريا الأنصاري :وعدد أيامها كما قال صاحب المهذب وغيره :ثلاث مائة وأربعة وخمسون يوما وخمس يوم وسدسه .فالسنة الشمسية تتفق مع السنة القمرية في عدد الشهور وتختلف معها في عدد الأيام فتزيد أيامها على أيام السنة القمرية بأحد عشر يوما وجزء من واحد وعشرين جزء ا من اليوم.

وقد اعتمد على السنة الشمسية الروم والسريان والفرس والقبط في تأريخهم، فهناك السنة الرومية، والسنة السريانية، والسنة الفارسية والسنة القبطية، وهذه السنون وإن كانت متفقة في عدد شهور كل سنة منها، إلا أنها تختلف في أسماء تلك الشهور وفي موعد بدء كل سنة منها وفي عدد أيامها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵ ص ۲۵۹، ۲۶۰، مادة " سنة ")

وأيام السنة القمرية ثلاثمائة وأربعة وخمسون يوماً (۳۵۴)وأيام السنة الشمسية ثلاثمائة وخمسة وستون يوماً وربع يومٍ (۳۶۵) فبعد ثلاث سنين ، تزيد الشمسية على القمرية بشهر(العرف الشذى للكشميرى ج ۲ ص ۱۷۸ ،باب ما جاء في صوم يوم عاشوراء أي يوم هو؟)

[2] آج جس شمسی کیلنڈر کو ہم عیسوی سنہ کہتے ہیں اور یہ گریگوری کیلنڈر بھی کہلاتا ہے۔ یہ پرانا رومی کیلنڈر ہے، جسے اگسٹس نے ترمیم کیا، پھر جولین نے ترمیم کیا اور جولین کیلنڈر کہلانے لگا، اور اس کے بعد بھی کئی بار ترمیم کی گئی، آخری بار اس میں 1582ء میں پاپائے گریگوری کے حکم سے ترمیم ہوئی ، جولین کے چھ سو سال بعد ایک عیسائی راہب ڈینس ایگزیگوس نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف غلط حساب کر کے منسوب کر دیا جب سے اسے مسیحی کیلنڈر کہنے لگے، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس کا حقیقتاً کوئی تعلق نہیں ہے (امریکن پیپلز انسائیکلوپیڈیا۔ مادہ کیلنڈر، و ''تقویم تاریخی'' از عبدالقدوس ہاشمی صاحب ص ث)

کرتاریخ کا اندازہ کرسکتا ہے، مثلاً چاند جب مغرب کی طرف سے بہت پتلا نظر آتا ہے، تو پہاڑوں کے بے پڑھے لکھے چرواہے بھی اندازہ کرسکتے ہیں کہ مہینہ کی پہلی تاریخ ہے، پھر جب چاند بالکل مکمل ہوجائے تو اس سے چودھویں رات کا علم ہوجاتا ہے، اور جب چاند مشرق کی طرف بالکل باریک طلوع ہو، تو اس سے ستائیس اٹھائیس تاریخ کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ غرضیکہ چاند کی ان حالتوں سے ہر آدمی پڑھا لکھا، ان پڑھ، شہری، دیہاتی اور جنگلی انسان قمری تاریخ کا اندازہ کرسکتا ہے۔ [1]

جبکہ موجودہ عیسوی شمسی اور نجومی نظام میں سورج اور ستاروں کو دیکھ کر اس طرح کا اندازہ لگانا مشکل بلکہ ناممکن ہے، کیونکہ موجودہ عیسوی شمسی اور نجومی نظام سورج اور ستاروں کے صحیح اصولوں اور ضابطوں کے مطابق معلوم نہیں ہوتا۔ اور اگر صحیح بھی ہو تب بھی سورج اور ستاروں کی حالتوں کو دیکھ کر اتنی آسانی سے اندازہ کرنا کہ آج کون سی تاریخ ہے؟ مشکل ہے۔

(5)...... قمری نظام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی شریعتوں میں جاری رہا ہے۔ جبکہ مروّجہ عیسوی یا دوسرے مروّجہ نظاموں میں سے کوئی ایک بھی ایسا ثابت کیا جانا مشکل ہے، جو کسی نبی کی شریعت میں جاری رہا ہو۔

(6)...... قمری مہینہ کا آغاز چاند کے طلوع ہونے سے ہوتا ہے، اور ہر دن کی تاریخ کی ابتداء سورج غروب ہونے سے ہوتی ہے، اس لئے اسلامی حوالہ سے غروب کے ہوتے ہی تاریخ بدل جاتی ہے اور پوری رات اگلے دن کے تابع شمار ہوتی ہے۔ [2]

مثلاً جمعہ کی برکات، جمعرات کا دن ختم ہوتے ہی سورج غروب ہونے پر شروع ہوجاتی ہیں،

---

[1] لقولہٖ تعالٰی : يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ ۱۸۹)

[2] البتہ حج میں وقوف عرفہ کے اعتبار سے دسویں ذی الحجہ کی رات اور منیٰ میں کنکریاں مارنے کے اعتبار سے 11، 12 ذی الحجہ کی راتیں پہلے دن کے تابع شمار کی گئی ہیں۔

واللیالی کلها تابعة للایام المستقبلة لاللایام الماضیة الافی الحج الخ (معارف السنن ج ۵ ص ۴۳۲، ابواب الصوم، باب الحث علی صوم یوم عاشوراء)

اور مغرب وعشاء کی نمازیں جمعہ کے دن کی شمار ہوتی ہیں، اسی طرح مثلاً رمضان کا چاند نظر آتے ہی رمضان کی برکات شروع ہوجاتی ہیں جبکہ مروجہ عیسوی نظام میں اس کی ابتداء رات بارہ بجے کے بعد ہوتی ہے، جس میں جمعہ اور رمضان کی دو نمازوں ''مغرب وعشاء'' کے اوقات ایک دن پہلے کے ماننے پڑتے ہیں۔

(7)......قمری مہینوں خاص کر اشہرِ حرام کے نام اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت ہی متعین فرمادیئے تھے، جبکہ مروجہ عیسوی وشمسی مہینوں کے نام خود انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے ہیں۔

(8)......قمری مہینوں کے ناموں میں کسی شرک یا گناہ کی بات کی طرف نسبت نہیں ہے، جبکہ مروَّجہ عیسوی یا دوسرے مہینوں کے ناموں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔

(9)......اسلامی سن کا آغاز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے شروع ہوتا ہے جو کہ ہر قسم کے مفاسد اور شرک ونجوم پرستی جیسے رذائل سے یکسر خالی اور ایک اہم ترین روحانی عبادت ہے۔ اس کے برخلاف دنیا کے ہر ملک اور قوم میں کسی مشہور اور اہم واقعہ سے سال کا شمار ہوتا ہے، کہیں بادشاہوں کی تخت نشینی سے، کہیں کسی حادثے سے اور کہیں ملکی فتوحات اور زمین اور آسمان کے مختلف تغیرات سے۔ جو مادی چیزیں ہیں اور ان میں عبادت کا پہلو بھی نہیں۔ [1]

---

[1] جس طرح جہاد کے متعلق آیات قرآن مجید میں پھیلی ہوئی ہیں، اسی طرح ہجرت کا ذکر بھی قرآن کریم کی کئی سورتوں میں متعدد مرتبہ آیا ہے، سب آیات کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کی آیات میں تین قسم کے مضامین ہیں:

(1) اول ہجرت کے فضائل (2) دوسرے اس کی دنیاوی اور اخروی برکات (3) تیسرے باوجود قدرت کے دار الکفر سے ہجرت نہ کرنے پر وعیدیں (ملاحظہ ہو سورہ بقرہ آیت ۲۱۸، توبہ آیت ۲۲، نساء آیت ۱۰۰)

ایک حدیث میں ہے کہ:

الهجرة تهدم ماكان قبلها (مسلم، رقم الحديث ۱۲۱ ''۱۹۲'' كتاب الايمان)

یعنی ہجرت ان سب گناہوں کو ختم کردیتی ہے جو ہجرت سے پہلے کئے ہوں۔

ہجرت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول کے لئے ہجرت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا میں راہیں کھول دیتے ہیں اور اس کو دنیا میں بھی اچھا ٹھکانا دیتے ہیں اور آخرت کے ثواب ودرجات تو وہم وگمان سے بالاتر ہیں (معارف القرآن ج۱ ص ۵۲۷، ۵۲۸)

(10)......قمری نظام میں اسلامی تہوار اور عبادات واحکام (مثلاً عیدین، روزہ، حج وغیرہ) مختلف موسموں میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں اور اس طرح ایک مسلمان کو ہر موقع اور ہر موسم میں اپنی خواہشات کے خلاف چلنے اور مجاہدہ کرنے کا عادی بنایا جاتا ہے اور مروجہ عیسوی نظام میں ایسی صورتِ حال نہیں ہے۔

(11)......قمری نظام سے اسلامی تہواروں کے لئے مسلمانوں کے دلوں میں انتظار کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے اور چاند نظر آنے پر بچوں، جوانوں، بوڑھوں اور عورتوں سب کی خوشی کا ایک عجیب سماں پیدا ہوجاتا ہے۔

جبکہ مروَّجہ عیسوی یا دوسرے نظاموں کے اعتبار سے تہواروں کے دن وتاریخ پہلے ہی سے سو فیصد متعین ہوتے ہیں جن میں قمری نظاموں کی طرح کی خوشی والی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔

(12)......قمری نظامِ تاریخ پر اسلام کے اکثر احکام کا دارومدار ہے مثلاً :

رمضان المبارک:......کی ابتداء وانتہاء جس میں روزے کی فرضیت، اعتکاف، تراویح اور شبِ قدر وغیرہ یعنی رمضان المبارک کے مہینہ سے وابستہ تمام احکام کی تفصیل داخل ہے۔

عیدالفطر:......جو اسلامی تہوار ہے اور شوال کے مہینہ کی پہلی تاریخ کو ادا کیا جاتا ہے، اس دن دوگانہ نمازِ عید ادا کی جاتی ہے، اور صدقۂ فطر ادا کیا جاتا ہے۔

عیدالاضحیٰ:......جو دوسرا اسلامی تہوار ہے، ذی الحجہ کی دسویں تاریخ میں ادا کیا جاتا ہے، اس میں عید کی نماز کے علاوہ قربانی کی عبادت بھی ادا کی جاتی ہے اور اس کے بعد بارہ ذی الحجہ کی غروب تک قربانی کے دن ہیں۔

زکاۃ:......صاحبِ نصاب شخص پر سال پورا ہونے پر واجب ہے۔

اس میں بھی قمری سال کا اعتبار ہے۔

روزہ کا ناجائز ہونا:......سال کے پانچ دنوں میں روزہ رکھنا ناجائز ہے۔ جن میں سے ایک عیدالفطر دوسرے عیدالاضحیٰ، اور ذی الحجہ کی 13،12،11 تاریخ کے دن ہیں۔

یہ بھی قمری مہینوں کے اعتبار سے ہیں۔ [1]

ایامِ تشریق:......نو ذی الحجہ سے تیرہ ذی الحجہ تک کے دن جن میں ہر فرض نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھی جاتی ہے۔

ان کا تعلق بھی قمری مہینہ کے اعتبار سے ہے۔ [2]

حج:......اسلام کا اہم رکن ہے، یہ بھی قمری مہینے کے اعتبار سے ذی الحجہ کے مہینے میں ادا کیا جاتا ہے، اور حج کی مخصوص تاریخوں کے مخصوص احکام ہیں۔ [3]

---

[1] ذهب الجمهور إلى تحريم صوم الأيام التالية:
أ – صوم يوم عيد الفطر، ويوم عيد الأضحى، وأيام التشريق، وهي ثلاثة أيام بعد يوم النحر.......
وذهب الحنفية إلى جواز الصوم فيها مع الكراهة التحريمية.......وصرح الحنابلة بأن صومها لا يصح فرضا ولا نفلا، وفي رواية عن أحمد أنه يصومها عن الفرض(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٨ص١٧، مادة " صوم")

[2] ومع اتفاق الفقهاء على مشروعية التكبير في أيام التشريق، فإنهم يختلفون في حكمه، فعند الحنابلة والشافعية وبعض الحنفية هو سنة لمواظبة النبي صلى الله عليه وسلم على ذلك.
وهو مندوب عند المالكية، والصحيح عند الحنفية أنه واجب؛ للأمر به في قوله تعالى: (واذكروا الله في أيام معدودات)
كذلك اختلف الفقهاء في وقت التكبير، فبالنسبة للبدء فإنه باتفاق الفقهاء يكون قبل بداية أيام التشريق، مع اختلافهم في كونه من ظهر يوم النحر كما يقول المالكية وبعض الشافعية، أو من فجر يوم عرفة كما يقول الحنابلة وعلماء الحنفية في ظاهر الرواية وفي قول للشافعية.
وأما بالنسبة للختم فعند الحنابلة وأبي يوسف ومحمد من الحنفية، وفي قول للشافعية والمالكية يكون إلى عصر آخر أيام التشريق .والمعتمد عند المالكية، وفي قول للشافعية يكون إلى صبح آخر أيام التشريق .وقال ابن بشير من المالكية: يكون إلى ظهر آخر أيام التشريق.
والتكبير في هذه الأيام يكون عقيب الصلوات المفروضة، ولا يكون بعد النافلة، إلا في قول للشافعية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٧ص ٣٢٥، مادة "أيام التشريق")

[3] المعتبر في الشرع هو الحساب بالاهلة والسنة القمرية دون الشمسية،قال تعالیٰ:هو الذی جعل الشمس ضياء والقمر نوراوقدره منازل لتعلموا عددالسنين والحساب.فلو كان الهلال مدوراكالشمس اوملازما حالة واحدة لم يكد يتيسر التوقيت به،ففي التوقيت بالاهلة من اليسر ماليس في التوقيت بالشمس،فلايعجزعنه عالم ولاعامي،بخلاف التوقيت بالشمس..........فلاجل ذالک جعلت الشريعة مدارالاحكام والعبادات على الحساب القمري فمنها مايجب اعتباره فيه كالحج ،وصوم رمضان ،وصلاة العيدين،والزكوٰة،وعددالطلاق ،وامثالها،ومنهامالايجب اعتباره فيه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے علاوہ بے شمار احکام میں قمری تاریخوں اور حساب کا اعتبار کیا گیا ہے، مثلاً: بچہ کا بالغ ہونا، بچے کے نسب کا ثابت ہونا، عدت کی مدت، قربانی کے جانوروں کی عمریں، مختلف مہینوں اور تاریخوں میں عبادت اور نفل وسنت روزوں کے فضائل وغیرہ وغیرہ۔ [1]

اور مروَّجہ غیر قمری تاریخی نظام سے اسلام کا کوئی بھی اہم حکم وابستہ نہیں۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

ویجوز توقیته بالحساب الشمسی کآجال الدیون والاجارات ،وان کان الاولیٰ توقیته بالقمری ایضا کمالایخفیٰ..........فاستعمال الحساب القمری مطلوب شرعا،وبعید من المسلم ان یترک المطلوب الشرعی ویستعمل الحساب الشمسی الذی هوضده فی الجملة ویبعدمنه کل البعد ان یمیل الیٰ هذا الضدبحیث لایبقیٰ له میل الی المطلوب الشرعی بالمرة ،کماهومشاهد من غوائداکثرالمسلمین فی هذاالزمان بل ومن عادة کثیرمن العلماء ایضاً فالی اللّٰہالمشتکیٰ من انقلاب القلوب ومیلهاالی العیوب ،المؤدیة الی الذنوب ،وکل ذلک مع دعواهم بغض النصاریٰ وقد اشرب قلوبهم حب النصرانیة (احکام القرآن ج ا ص ۲۷۹،۲۸۰ملخصاًللتهانوی ، المحدث الشیخ ظفراحمد العثمانی)

[1] المراد بالسنة:

الفقهاء علی أنه إذا أطلقت الأشهر فإنما یقصد بها الهلالیة، قال ابن الهمام :الصحیح أن المراد بالسنة السنة القمریة وإذا أطلق لفظ السنة انصرف إلی ذلک ما لم یصرحوا بخلافه ، وقال صاحب الإنصاف :المراد اثنا عشر شهرا هلالیة .قال الشیخ تقی الدین :هو هذا، ولکن تعلیلهم بالفصول یوهم خلاف ذلک (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۳۱ص ۱۹ ،مادة "عنة")

السنة فی اللغة والاصطلاح :الحول، وجمعها سنوات ویجوز سنهات، وإذا أطلقت السنة فی کلام الفقهاء فهی السنة القمریة، ولیست الشمسیة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۵ ص ۲۵۹ ،مادة "سنة")

إن حساب أشهر العدة فی الطلاق أو الفسخ أو الوفاة یکون بالشهور القمریة لا الشمسیة، فإذا کان الطلاق أو الوفاة فی أول الهلال اعتبرت الأشهر بالأهلة، لقوله تعالی :(یسألونک عن الأهلة قل هی مواقیت للناس والحج)حتی ولو نقص عدد الأیام؛ لأن الله أمرنا بالعدة بالأشهر ، فقال سبحانه (فعدتهن ثلاثة أشهر)وقال تعالی :(أربعة أشهر وعشرا)فلزم اعتبار الأشهر ، سواء أکانت ثلاثین یوما أو أقل، ولما روی عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه قال :الشهر هکذا وهکذا وهکذاوأشار بأصابعه العشر مرتین وهکذا فی الثالثة وأشار بأصابعه کلها وحبس أو خنس إبهامه وهذا عند جمهور الفقهاء.

وإن کانت الفرقة فی أثناء الشهر ، فإن الفقهاء قد اختلفوا فی ذلک علی قولین(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۲۹ ص ۳۱۵،مادة " عدة")

(فصل نمبر 1)

سن ہجری کی ابتداء اور قمری حساب

تاریخ کے لئے کوئی خاص سن یا سال مقرر کرنے کا رواج بہت پہلے سے چلا آرہا ہے۔

دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں کسی مشہور اور اہم واقعہ سے سال کا شمار ہوتا ہے، کہیں بادشاہوں کی تخت نشینی سے، کہیں کسی حادثہ سے، کہیں کسی میلے ٹھیلے سے، کبھی بے شمار ملکی فتوحات سے اور کبھی ارضی وسماوی تغیرات (زلزلہ، سیلاب وغیرہ) سے ہوتا ہے، مثلاً ہندوستان کے مختلف حصوں میں راجہ بکرماجیت کے جشنِ تخت نشینی سے بکرمی کا رواج ہے۔

غرضیکہ تاریخ کے لئے سَن کا استعمال کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ اس کا رواج بہت قدیمی ہے، اور حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی کی امت میں اس کا مختلف طریقوں سے استعمال رہا ہے۔

چنانچہ شروع میں حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے آسمان سے زمین پر اترنے کا سَن مقرر کیا گیا، پھر طوفانِ نوح کے واقعہ کو بطور سَن مقرر کیا گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متبعین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے واقعہ کو مقرر کیا، حضرت یوسف علیہ السلام کے متبعین نے ان کے مصر میں وزیر بننے کے واقعہ کو مقرر کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبعین نے بنی اسرائیل کے فرعون سے خلاصی پانے کے زمانہ کو مقرر کیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے زمانے کو مقرر کیا۔

یہ واقعات بطور سَن یکے بعد دیگرے مقرر ہوتے رہے تھے، اس کے بعد ہر قوم اپنے علاقہ میں کسی اہم واقعہ کو سَن قرار دیتی تھی۔

مثلاً عرب کے لوگ ابتداء میں تعمیرِ کعبہ اور پھر مشہور واقعات وشخصیات کے اعتبار سے سَن

شمار کرتے تھے، جیسے کعب بن لوئی کی وفات، جنگِ بسوس، جنگِ داحس، جنگِ غبراء، جنگِ ذی قار، جنگِ فجار وغیرہ کو۔ [1]

---

[1] یہ مختلف جنگوں کے نام ہیں اور کعب بن لوئی عرب کی مشہور شخصیت ہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سو برس پہلے ہوئے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے زمانۂ جاہلیت میں بھی بت پرستی سے محفوظ رکھا تھا (معارف القرآن ج ۸ ص ۴۴۰، تفسیر سورہ جمعہ)

قال الشعبی :لما هبط آدم من الجنة، وانتظر ولده أرخ بنو آدم من هبوط آدم،فكان التأريخ حتى بعث الله نوحا، فأرخوا من مبعث نوح حتى كان الغرق، وكان التاريخ من الطوفان إلى نار إبراهيم، فلما كثر ولد إسماعيل افترقوا، فأرخ بنو إسحاق من نار إبراهيم إلى مبعث يوسف، ومن مبعث يوسف إلى مبعث موسى، ومن مبعث موسى إلى ملك سليمان، ومن ملك سليمان إلى مبعث عيسى، ومن مبعث عيسى إلى أن بعث رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وعليهم أجمعين.
وأرخ بنو إسماعيل من نار إبراهيم إلى بناء البيت، ومن بناء البيت حتى تفرقت معد، وكانت للعرب أيام وأعلام يعدونها، ثم أرخوا من موت كعب بن لؤى إلى الفيل، وكان التأريخ من الفيل حتى أرخ عمر بن الخطاب من الهجرة(المنتظم لابن الجوزى، ج۴ص ۲۲۶،ثم دخلت سنة سبع عشرة)

قوله :(من أين أرخوا التاريخ) ، أى :ابتداء التاريخ من أى وقت كان، وفيه اختلاف.
فروى ابن الجوزى بإسناده إلى الشعبى، قال :لما كثر بنو آدم فى الأرض وانتشروا أرخوا من هبوط آدم، عليه الصلاة والسلام ثم إلى زمان يوسف عليه السلام ثم إلى خروج موسى عليه السلام من مصر بنى اسرائيل ثم إلى زمان داود عليه السلام، فكان التاريخ منه إلى الطوفان، ثم إلى نار الخليل، عليه الصلاة والسلام، ثم إلى زمان سليمان، عليه الصلاة والسلام، ثم إلى زمان عيسى، عليه الصلاة والسلام، ورواه أيضا ابن إسحاق عن ابن عباس، رضى الله تعالى عنهما، وحكى محمد بن سعد عن ابن الكلبى : أن حمير كانت تؤرخ بالتبابعة وغسان بالسد، وأهل صنعاء بظهور الحبشة على اليمن، ثم بغلبة الفرس، ثم أرخت العرب بالأيام المشهورة : كحرب البسوس، وداحس والغبراء ، وبيوم ذى قار، والفجارات ونحوها، وبين حرب البسوس ومبعث نبينا صلى الله عليه وسلم، ستون سنة .وقال ابن هشام الكلبى عن أبيه :أما الروم فأرخت بقتل دارا بن دارا إلى ظهور الفرس عليهم، وأما القبط فأرخت ببخت نصر إلى فلابطرة صاحبة مصر، وأما اليهود فأرخت بخراب بيت المقدس، وأما النصارى فبرفع المسيح، عليه الصلاة والسلام (عمدة القارى للعينى، ج۱۷ ص ۶۶، كتاب المناقب، باب التاريخ من أين أرخوا التاريخ)

وأما قبل الإسلام فقد كان بنو إبراهيم يؤرخون من نار إبراهيم إلى بنيان البيت حتى بناه إبراهيم، وإسماعيل -عليهما السلام -ثم أرخ بنو إسماعيل من بنيان البيت حتى تفرقوا، فكان كلما خرج قوم من تهامة أرخوا بمخرجهم، ومن بقى بتهامة من بنى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے غیر عربیوں میں شمسی نظام رائج تھا (جو موجودہ مروّجہ شمسی نظام کی ترتیب اور تفصیل سے مختلف تھا) اور عرب میں مہینے تو قمری رائج تھے، مگر سَن عمومی سطح پر باضابطہ کوئی متعین نہیں تھا، اور اس وقت عربوں کی اندرونی زندگی جاہلیت اور لاعلمی کی وجہ سے اس قدر متمدن نہیں تھی کہ حساب وکتاب کی وسیع پیمانہ پر ضرورت ہوتی، اپنی اپنی حسبِ ضرورت موسموں، یادداشتوں اور دوسرے اوقات وواقعات کی حفاظت کے لئے مشہور واقعہ لے لیتے تھے اور اس سے وقت کا حساب لگا لیتے تھے، اس لئے دورِ جاہلیت میں مختلف سَنوں کے نام ملتے ہیں۔

یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اس کے بعد پھر نبوت کے سَن سے یا کسی اور اہم واقعہ وغیرہ سے تخمینہ لگا لیا جاتا تھا، مگر پھر بھی باقاعدہ سَن نہیں تھا اور اس کی اس وقت اتنی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی تھی، پھر بعض روایات کے مطابق جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور شروع ہوا تو مفتوحہ ملکوں اور علاقوں کی وسعت زیادہ ہوگئی، اور حکومت کا نظام پھیل گیا، حساب وکتاب وغیرہ کے معاملات وسیع ہوگئے تو ضرورت پیش آئی کہ مسلمانوں کے لئے اجتماعی طور پر کوئی علیٰحدہ باقاعدہ سَن مقرر ہونا چاہیے۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظیم جماعت سے کہ جن کا ذہن،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

إسماعيل يؤرخون من خروج سعد، ونهد، وجهينة بني زيد من تهامة حتى مات كعب بن لؤى، وأرخوا من موته إلى الفيل، ثم كان التاريخ من الفيل حتى أرخ عمر بن الخطاب من الهجرة، وذلك سنة سبع عشرة أو ثماني عشرة.

وقد كان كل طائفة من العرب تؤرخ بالحادثات المشهورة فيها، ولم يكن لهم تاريخ يجمعهم، فمن ذلك قول بعضهم:

ها أنا ذا آمل الخلود وقد ...أدرك عقلي ومولدى حجرا

وقال الجعدى:فمن يك سائلا عنى فإنى ...من الشبان أيام الخنان

وقال آخر:وما هى إلا فى إزار وعقلة ...بغار ابن همام على حى خثعما

وكل واحد أرخ بحادث مشهور عندهم، فلو كان لهم تاريخ يجمعهم لم يختلفوا فى التاريخ .والله أعلم(الكامل فى التاريخ لابن الاثير ج ١ ص ١٣، ١٤،القول فى الزمان)

سوچ، اوردل ودماغ نبوت کے مزاج میں ڈھلے ہوئے تھے، مشورہ کرکے سَنِ ہجری کا تقرر کیا، جوآج تک الحمدللہ جاری ہے۔ [1]

اور بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سن ہجری کی ابتداء خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے

---

[1] والتواريخ العربية إنما هى على الليالى، وسائر تواريخ الأمم على الأيام لأن سنيهم تجرى على أمر الشمس، وهى نهارية، وسنو العرب يعمل فيها على القمر، وابتداء رؤيتنا له الليل، فيقال فى أول ليلة مستهل، ولا يقال ذلك فى النهار، ويقال فى آخر الشهر يوم كذا :انسلاخ شهر كذا، لأن الشهر يبتدء بابتداء الليل وينقضى بانقضاء النهار، وما قبل الخامس عشر يعرف بالليالى المواضى، وإذا كان بعده عرف بالليالى البواقى(المنتظم لابن الجوزى ج۴ص ۲۲۹ ،ثم دخلت سنة سبع عشرة)

وهى ابتداء التاريخ الإسلامى، أما لفظة التاريخ فإنه محدث فى لغة العرب؛ لأنه معرب من ماه روز، وبذلك جاء ت الرواية، روى ابن سليمان عن ميمون بن مهران أنه رفع إلى عمر بن الخطاب فى خلافته رضى الله تعالى عنه صك محله شعبان فقال :أى شعبان؟ أهذا هو الذى نحن فيه؟ أو الذى هو آت؟ ثم جمع وجوه الصحابة وقال :إن الأموال قد كثرت وما قسمنا منها غير موقت، فكيف التوصل إلى ما نضبط به ذلك؟ فقالوا :نحب أن نتعرف ذلك من رسوم الفرس، فعندها استحضر عمر الهرمزان سأله عن ذلك، فقال :إن لنا به حساباً نسميه ماه روز، ومعناه حساب الشهور والأيام، فعربوا الكلمة فقالوا مؤرخ، ثم جعلوا اسمه التاريخ واستعملوه، ثم طلبوا وقتاً يجعلونه أولاً لتاريخ دولة الإسلام، واتفقوا على أن يكون المبدأ سنة هذه الهجرة، وكانت الهجرة من مكة إلى المدينة شرفهما الله، وقد تصوم من شهور هذه السنة وأيامها المحرم وصفر وثمانية أيام من ربيع الأول .فلما عزموا على تأسيس الهجرة رجعوا القهقرى ثمانية وستين يوماً، وجعلوا مبدأ التاريخ أول المحرم من هذه السنة، ثم أحصوا من أول يوم فى المحرم إلى آخر يوم من عمر النبى صلى الله عليه وسلم فكان عشر سنين وشهرين (المختصر فى أخبار البشر لأبى الفداء، ج ا ص ۱۲۳، الفصل السادس التاريخ الإسلام، الهجرة النبوية على صاحبها أفضل الصلاة والسلام)

عن عثمان بن عبد الله عن رافع عن ابن المسيب قال فأول من كتب التاريخ عمر لسنتين ونصف من خلافته فكتبه لست عشرة من المحرم بمشورة على بن أبى طالب وأخبرنا أبو القاسم السمرقندى أنبأنا عمر بن عبد الله بن عمر أنا أبو الحسين بن بشران أنا عثمان بن أحمد نا حنبل حدثنى أبى نا محمد بن عمر نا ابن أبى الزياد عن أبيه قال استشار عمر فى التاريخ فأجمعوا على الهجرة رواه أبو الحسن المدائنى عن عبد الرحمن بن أبى الزياد أخبرناه أبو غالب أحمد وأبو عبد الله يحيى ابنا البنا أنبأنا أبو الحسين بن الآبنوسى أنبأنا أحمد بن عبيد بن الفضل إجازة أنا أبو عبد الله الزعفرانى أنا ابن أبى خيثمة أنا على بن محمد المدائنى عن ابن أبى الزياد عن أبيه أن عمر شاور فى التاريخ فقائل يقول من النبوة وقائل يقول من الهجرة وقائل يقول من الوفاة فأجمعوا على الهجرة انتهى(تاريخ مدينة دمشق لابنِ عساكر، ج ا ص۴۵، باب ذكر اختلاف الصحابة رضى الله تعالى عنهم فى التاريخ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں بلکہ ہجرت کے وقت ہی ہو چکی تھی، بعض حضرات نے اسی کو زیادہ راجح قرار دیا ہے، البتہ سرکاری مراسلات میں تاریخ کا باضابطہ اندراج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں لازمی قرار دیا گیا تھا (عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۱۳۰، وتقویم تاریخی) [1]

---

[1] مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''اِس (ہجرت کے) وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسلامی تاریخ کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی اور اس کا پہلا مہینہ محرم کو قرار دیا، شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالہ ''الشماریخ فی علم التاریخ'' میں اسی کی تائید کی ہے'' (سیرتِ خاتم الانبیاء مع حاشیہ، ص ۸۳،۸۴)

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ:

ذكر مبدأ التاريخ الهجرى: أخبرنى شيخنا شيخ الإسلام البلقينى "شفاها "عن أبى إسحاق التنوخى أنا محمد بن عساكر "إجازة "عن عبد الرحيم بن تاج الأمناء أنا حافظ الإسلام أبو القاسم بن عساكر أنا أبو الكرم الشهرزورى وغيره "إجازة "أنا ابن طلحة أنا الحسن بن الحسين أنا إسماعيل الصفار أنا محمد بن إسحق ثنا "أبو عاصم "عن ابن جريج عن أبى سلمة عن ابن شهاب أن النبى صلى الله عليه وسلم أمر بالتاريخ يوم قدم المدينة فى شهر ربيع الأول "رواه يعقوب بن سفيان حدثنا يونس ثنا ابن وهب عن ابن جريج عن ابن شهاب أنه قال: التاريخ من يوم قدوم النبى صلى الله عليه وسلم المدينة مهاجرا قال ابن عساكر: هذا أصوب والمحفوظ أن الآمر بالتاريخ عمر قلت": وقفت على ما يعضد الأول فرأيت بخط ابن القماح فى مجموع له: قال ابن الصلاح": وقفت على كتاب فى الشروط للأستاذ أبى طاهر ابن محمش "الزيادى "ذكر فيه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أرخ بالهجرة حين كتب الكتاب لنصارى نجران وأقر عليا أن يكتب فيه "إنه كتب لخمس من الهجرة."

فالمؤرخ إذن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعمر تبعه. وقد يقال: هذا صريح فى أنه أرخ سنة خمس والحديث الأول فيه أنه أرخ يوم قدم المدينة؟!

ويجاب بأنه لا منافاة فإن الظرف وهو قوله ": يوم قدم المدينة "ليس متعلقا بالفعل وهو "أمر "بل بالمصدر وهو "التاريخ "أى أمر بأن يؤرخ بذلك اليوم لا أن الأمر فى ذلك اليوم فتامله فإنه نفيس. وقال البخارى فى تاريخه الصغير: ثنا ابن أبى مريم ثنا يعقوب ابن إسحاق -هو العلوى- ثنا محمد بن مسلم عن عمرو بن دينار عن ابن عباس قال: كان التاريخ فى السنة التى قدم فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة."

أخبرنا محمد بن عثمان بن أبى شيبة فى "تاريخه 1"حدثنا مصعب ابن عبد الله الزبيرى عن ابن أبى حازم عن أبيه عن سهل عن سعد قال": أخطأ الناس العدد ولم يعدوا من مبعث النبى صلى الله عليه وسلم ولا من وفاته إنما عدوا من مقدمة المدينة."

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگراس روایت کولیا جائے ،جس کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہی سن ہجری کا آغاز ہوگیا تھا (جبکہ اس روایت کو بعض حضرات نے زیادہ راجح بھی قرار دیا ہے) تب تو سن ہجری کے سنت ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔

لیکن اگر بالفرض اس روایت کو معتبر نہ بھی مانا جائے بلکہ پہلی روایت کو ہی معتبر مانا جائے اور یہ کہا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں سن ہجری کے استعمال کا آغاز ہوا، تب بھی سن ہجری کے سنت ہونے میں شبہ نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت پر عمل کیا ہے اور ہجرت دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی عمل تھا، حدیث شریف میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقہ کو سنت فرمایا گیا ہے، ان کی طرف سنت کی نسبت یا تو اس لئے ہوئی کہ انہوں نے سنت ہی پر عمل کیا اور یا اس لئے کہ انہوں نے خود قیاس اور استنباط کر کے سنت کو اختیار فرمایا۔

لہٰذا بہر صورت ہجری سنہ کا تقرر سنت ہوا، اب اس کے استعمال سے ان شاء اللہ تعالیٰ سنت ہی کا ثواب حاصل ہوگا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال مصعب :وكان تاريخ قريش من متوفى هشام بن المغيرة "يعنى أرخوا تواريخهم"
وأخرج البخارى فى صحيحه حديث سهل بلفظ " :ما عدوا "إلى آخره ولم يقل "أخطأ الناس."

وقال أحمد بن حنبل :ثنا روح ثنا زكريا بن إسحق ثنا عمرو بن دينار :أن أول من أرخ فى الكتب يعلى بن أمية وهو باليمن وكان يعلى أميرا عليها لعمر.

وقال البخارى فى -التاريخ الصغير -ثنا عبد الله بن عبد الوهاب ثنا عبد العزيز بن محمد بن عثمان بن رافع سمعت سعيد بن المسيب يقول قال عمر " :متى نكتب التاريخ"؟؟؟ فجمع المهاجرين فقال له على " :من يوم هاجر النبى صلى الله عليه وسلم نكتب التاريخ ".''رواه الواقدى عن ابن سيرين عن عثمان بن عبد الله بن رافع -فكأنه نسب إلى جده (الشماريخ فى علم التاريخ ،ج ۱ ص ۱۱ الیٰ ۱۴ ،ذكر مبدأ التاريخ الهجرى)

[1] (وسنة الخلفاء الراشدين)فإنهم لم يعملوا إلا بسنتى، فالإضافة إليهم إما لعملهم بها أو لاستنباطهم واختيارهم إياها(مرقاة المفاتيح، ج ۱ ص ۲۵۲ ، كتاب الايمان،باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

سن ہجری سے متعلق ایک شبہ کا جواب

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ جو عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو اگرچہ وہ کتنے بڑے صحابی بلکہ خلفائے راشدین ہی سے کیوں نہ ثابت ہو، وہ حجت اور معتبر نہیں اور کیونکہ سن ہجری کی موجودہ تفصیلات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، لہٰذا ہمارے لئے یہ قابلِ قبول نہیں۔

حالانکہ اول تو بعض روایات کے پیشِ نظر سن ہجری کا آغاز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہو چکا تھا (اگرچہ سرکاری طور پر اس کا رواج بعد میں ہوا ہو) دوسرے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کے عمل کو بھی امت کے لئے سنت و حجت قرار دیا ہے۔

اور اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کرنے والے حضرات میں سے ہر صحابی ہی اپنی جگہ ہدایت کے آفتاب کا روشن ستارہ ہے، لیکن ان میں جیسا فیض آپ کے چار خلفائے راشدین (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین) کو درجہ بدرجہ حاصل ہوا، مجموعی لحاظ سے وہ دوسروں سے افضل و اعلیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد متصلاً انہی ہستیوں کو اپنے دینِ حق کی ترویج و اشاعت کے لئے زمین کی نیابت و خلافت سپرد فرمائی، جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں ان الفاظ کے ساتھ فرمایا تھا کہ:

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ الخ (سورۃ النور، رقم الآیۃ ۵۵)

یعنی ’’تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں (یعنی ہدایت کی پوری اتباع کریں) ان کو اللہ (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں ضرور خلافت عطا

فرمائے گا“ (سورہ نور)

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلفائے راشدین کو معیارِ حق بتلاتے ہوئے ان کی اتباع اور پیروی کرنے کا حکم دیا اور اس کو سنت قرار دیا ہے۔

چنانچہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

صَلّٰی لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْفَجْرَ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَیْنَا، فَوَعَظَنَا مَوْعِظَۃً بَلِیْغَۃً، ذَرَفَتْ لَھَا الْأَعْیُنُ، وَوَجِلَتْ مِنْھَا الْقُلُوْبُ، قُلْنَا أَوْ قَالُوْا :یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، کَأَنَّ ھٰذِہٖ مَوْعِظَۃُ مُوَدِّعٍ، فَأَوْصِنَا .قَالَ أُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَإِنْ کَانَ عَبْدًا حَبَشِیًّا،فَإِنَّہٗ مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ یَرٰی بَعْدِیْ اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا، فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ، وَعَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ ، وَإِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ کُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ، وَإِنَّ کُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ

(مسند احمد)[1]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوکر انتہائی مؤثر وعظ فرمایا، جس سے آنکھیں نمدار ہوگئیں، اور دل ڈر گئے، ہم نے یا صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ! گویا کہ یہ تو رخصت ہونے والے کا وعظ ہے، لہٰذا آپ ہمیں وصیت فرمائیے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور (امیر کی بات) سننے اور فرمانبرداری کرنے کی نصیحت کرتا ہوں، اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، پس بلاشبہ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلافات دیکھے گا، پس تم پر (ایسے

[1] رقم الحدیث ۱۷۱۴۴، مؤسسة الرسالة، بیروت.

قال شعیب الارنؤوط:

حدیث صحیح(حاشیة مسند احمد)

وقت) میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے، جو ہدایت یافتہ ہیں، اس سنت کو تم مضبوطی سے پکڑے رکھنا اور اس کو اپنی ڈاڑھوں کے نیچے خوب دبا لینا، اور تم (دین میں) نئی نئی باتوں کے (پیدا کرنے) سے بچنا کیونکہ (دین میں) جو بھی نئی چیز نکالی جائے، وہ بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے (مسند احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں صاف طور پر عربی قواعد کے لحاظ سے خلفائے راشدین کی سنت کے لازم ہونے اور اس کی مخالفت سے بچنے کی تاکید فرمادی ہے۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو خلفاء کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور خلیفہ اور نائب کے حکم کی اتباع ضروری ہوتی ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''عَلَیْکُمْ'' فرما کر خلفائے راشدین کی سنت کو بھی لازم قرار دے دیا، کیونکہ یہ لفظ لازم کے معنٰی میں آتا ہے۔ [1]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلفاء کو راشدین بھی فرمایا، جس کے معنٰی درست راستہ پر ہونے والوں کے آتے ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے راشدین کے بعد '' مَھْدِیِّیْنَ'' کے لفظ کا اضافہ فرما کر بتلا دیا کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں، کیونکہ '' مَھْدِیِّیْنَ'' کے معنٰی ہدایت یافتہ ہونے والوں کے آتے ہیں۔

اور اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''تَمَسَّکُوْا بِھَا'' فرمایا، جس کے معنٰی مضبوطی سے تھامے رکھنے کے آتے ہیں، جس کا مطلب ہے کہ تم مضبوطی سے ان کی سنت کو تھامے رکھو۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ ''عَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ'' کہ ان کی سنت کو اپنی ڈاڑھوں کے ساتھ پکڑو، اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جو چیز ڈاڑھوں

---

[1] فان لفظ "عليكم" يدل على اللزوم وضعا، والمعطوف فى حكم المعطوف عليه لغة، فثبت به لزوم سنة الخلفاء كلزوم سنة الرسول صلى الله عليه وسلم ، فلايصح التفرقة بالسنية والندب، فان المندوب لايكون لازما(اعلاء السنن ج ۷ ص ۸۰،باب التراويح،للعلامة ظفر احمد عثمانى رحمه الله)

سے پکڑی جاتی ہے وہ دوسرے دانتوں میں پکڑے جانے کی بنسبت زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔
پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام تاکیدیں اور ہدایات ایک ہی صیغے اور جملے کے ساتھ اس طرح ارشاد فرمائیں کہ اپنی سنت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت کو جمع فرمادیا۔
پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح طور پر فرمادیا کہ جس کو (آپ کے بعد) زندگی حاصل ہوگی اور زمانہ گزرنے سے دینی اور مذہبی ماحول تبدیل ہوتا جائے گا، تو بہت سے اختلافات سامنے آئیں گے۔
ایسے موقع پر ہر مسلمان کو اختلاف سے بچنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے بعد آپ کے خلفائے راشدین کی سنت کو پیشِ نظر رکھنا نجات وعافیت کا راستہ ہوگا۔
اس کے علاوہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی نشاندہی فرمادی کہ آپ کی اور آپ کے خلفائے راشدین کی سنت کے مقابلہ میں جو جو کام بھی دین میں رونما کئے جائیں گے وہ قابلِ اعتبار نہیں ہوں گے۔
پھر آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین میں نئی بات پیدا کرنا ضلالت وگمراہی ہے۔
لہٰذا اگر اسلامی سن کا آغاز خلفائے راشدین کے دور میں ہوا ہو، اور ان کی اتباع میں تمام مسلمان محرم کے مہینہ سے اسلامی سن کا آغاز کرتے ہوں، تو اس کو بھی غلط نہیں کہا جاسکتا۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تحفة الاخیار مع نخبة الانظار، للامام المحدث الفقیه الشیخ محمد عبدالحیی اللکنوی الهندی، مشمولة: مجموعة رسائل اللکنوی ج۴)

اسلامی سَن کے لئے ہجرت کی ترجیح کیوں؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہجرت کے واقعہ کو اسلامی سَن کے لئے کیوں منتخب کیا گیا، حالانکہ قمری سنہ کے لئے اور بھی بہت سی چیزیں تھیں، مثلاً داعیِ اسلام خاتم النبیین افضل الرسل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش، آپ کی وفات، اسلام کا ظہور، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

نبوت، قرآن مجید کے نزول کی ابتداء وانتہاء، بدر کی تاریخی فتح، مکہ میں فتح مندانہ داخلہ، اور حجۃُ الوداع کا اہم ترین اجتماع، جو اسلام کی ظاہری ومعنوی تکمیل کا آخری اعلان تھا، اس مقصد کے لئے یہ تمام چیزیں موزوں تھیں، مگر ان سب کو چھوڑ کر ہجرت ہی کو منتخب کیا گیا جو بظاہر نہ کسی کی اہم ترین پیدائش کا جشن ہے، اور نہ بظاہر کسی غلبہ اور جنگ کی فتح ہے، جیسا کہ دوسری قوموں کے یہاں دستور ہے، اور ہجرت تو اس زمانہ کی نشاندہی کرتی ہے، جبکہ اسلام کے آغاز کی بے سروسامانیاں اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ داعیِ اسلام کے لئے اپنے محبوب وطن میں زندگی بسر کرنا بظاہر مشکل بلکہ ناممکن ہوگیا تھا، مظلومیت کی انتہاء تھی، کہ اپنا وطن، اپنا گھر، اپنے عزیز واقارب اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر آقائے نامدار تاجدارِ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رفیقِ غمگسار کے ساتھ رات کی تاریکی میں گمنامی کے ساتھ سفر کررہے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے ظہور کی تاریخ دراصل دو بڑے اور اصولی زمانوں میں تقسیم ہے، ایک مکہ مکرمہ کی زندگی اور وہاں کے اعمال کا زمانہ ہے دوسرا مدینہ منورہ کی زندگی اور وہاں کے اعمال کا۔

پہلا زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے شروع ہوتا ہے اور ہجرت پر ختم ہوجاتا ہے، اس کی ابتداء غارِ حرا کے اعتکاف سے ہوتی ہے اور تکمیل غارِ ثور کے قیام پر ہوتی ہے۔

دوسرا زمانہ ہجرت سے شروع ہوتا ہے اور حجۃُ الوداع پر ختم ہوجاتا ہے۔ اس کی ابتداء مدینہ مدینہ منورہ کی فتح سے ہوئی اور تکمیل مکہ کی فتح پر ہوئی، لیکن اسلام کی تکمیل، تمکین اور نشرواشاعت کے لئے دراصل ہجرت کا عمل ہی محرک اور ذریعہ تھا، یہی وجہ ہے کہ جب ہم ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد کے حالات کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہجرت کا واقعہ تاریخِ اسلام میں وہ اہم ترین واقعہ نظر آتا ہے کہ جس نے حالات کا رخ بدل دیا اور نتائج کے اعتبار سے ہجرت کا واقعہ کئی طرح سے ممتاز اور اہمیت کا حامل ثابت ہوا۔

چنانچہ ہجرت کے چند فوائد اور خصوصیات یہ ہیں:

(1)...... ہجرت کی وجہ سے مدینہ منورہ میں ایمان والوں کو عزت، غلبہ اور راحت وثروت عطا ہوئی۔ [1]

(2)...... ہجرت کی وجہ سے ایمان والوں کو ایک مضبوط قلعہ اور مرکز حاصل ہوا۔

(3)...... ہجرت کی وجہ سے مسلمانوں کو آزادی سے عبادت کرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے جانے، مسلسل حاضری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مستقل فیض یاب ہونے کے مواقع مل گئے۔

(4)...... ہجرت کی وجہ سے اہلِ اسلام نسبتاً چین سے زندگی گزارنے لگے۔

(5)...... ہجرت کی وجہ سے اسلامی طرزِ معاشرت کے خدوخال نمایاں ہوئے۔

(6)...... ہجرت کی وجہ سے اسلام کے اقتصادی ومعاشی پروگراموں کے لئے عملی راہ ہموار ہوگئی۔

(7)...... ہجرت کی وجہ سے تعلیم وتعلّم کے لئے سازگار ماحول میسر آیا۔

(8)...... ہجرت کی وجہ سے آزاد فضا میں رہ کر لوگوں کو اسلام کی تعلیمات سمجھنے میں آسانی ہوگئی۔

(9)...... ہجرت کی وجہ سے تعلیماتِ اسلام کی نشرواشاعت اور تبلیغ کے لئے پاکیزہ ماحول مہیا ہوا۔

(10)...... ہجرت کی وجہ سے ایک اسلامی حکومت قائم ہوئی، جس کے سربراہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے، جو شروع میں مدینہ منورہ اور اس کے مضافات پر مشتمل تھی، مگر رفتہ رفتہ بحرُ الکاہل سے لے کر بحرِ اوقیانوس تک وسیع ہوگئی۔

---

[1] ہجرت کے ابتدائی دور میں چند روزہ تکلیف ومشقت کا اعتبار نہیں اس عارضی دور کے بعد جو نعمتیں حق تعالیٰ کی طرف سے ان حضرات کو عطا ہوئیں اور ان کی کئی نسلوں میں جاری رہیں اسی کا اعتبار ہوگا۔ صحابہ کرام کے فقروفاقہ کے جو واقعات موجود ہیں وہ عموماً ہجرت کے ابتدائی دور کے ہیں، یا وہ اختیاری فقروفاقہ کے ہیں کہ انہوں نے دنیاوی مال ودولت کو پسند ہی نہیں کیا اور جو حاصل ہوا اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کردیا جیسا کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا حال یہی تھا کہ آپ کا فقروفاقہ اختیاری تھا آپ نے مال ودولت کو اختیار نہیں فرمایا (معارف القرآن بتغیر، ج۲ص۵۲۹)

(11)...... ہجرت کی وجہ سے اسلام کا اہم فریضہ جہاد وقتال زندہ ہوکر قیامت تک کے لئے اپنی شرائط اور مختلف شکلوں کے ساتھ جاری ہوگیا۔

علاوہ ازیں ہجرت سے اسلامی سَن کا آغاز کرنے میں ایک سبق یہ بھی پوشیدہ ہے کہ جب تک یہ سنہ باقی ہوگا، مسلمانوں کی یہ یاد ہر وقت تازہ رہے گی کہ اسلام کو مضبوط تھام لینے کے لئے ہجرت ضروری ہے اور ہجرت دراصل اپنی قوم، خاندان، وطن، رسم ورواج، عزت وراحت اور غیر مسلموں کی معاشرت سب کو چھوڑنے کا نام ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر روزمرہ تاریخ کے لئے ہجرت کو بطور سنہ مقرر کیا گیا۔ [1]

قمری تقویم (Calendar) کی اہمیت

دنیوی مقاصد کے لئے شمسی وعیسوی تاریخوں کا استعمال بھی اگرچہ ایک حد تک جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس کا اتنا عام رواج نہ ہوجائے کہ لوگ قمری حساب کو بالکل بھلادیں، کیونکہ ایسا کرنے میں کئی نقصانات ہیں، جیسا کہ اس زمانے میں عام دفتروں اور کاروباری اداروں بلکہ نجی اور شخصی لکھائی پڑھائی اور بول چال میں بھی شمسی حساب کا ایسا رواج ہوگیا ہے، جو ایک طرح سے قوم اور ملت کی ایک اہم معاشرت کا دیوالیہ پن ہے۔

قمری وہجری ماہ وسال کو زندہ اور باقی رکھنا درجِ ذیل وجوہات کی بناء پر سب مسلمانوں پر

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے سنہ کے آغاز میں غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت تھی اور وفات میں ہر وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا غم تازہ ہوتا رہتا مگر ہجرت میں ان رکاوٹوں میں سے کوئی بھی نہیں تھی۔
یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت ربیع الاول میں فرمائی ہے، تو اسلامی سنہ کا آغاز محرم سے ہونا کیسے صحیح ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے (جو مدینہ سے آئے تھے) بیعت عقبہ ثانیہ ماہِ ذی الحجہ 13 نبوی میں کی تھی اس وقت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ہجرت کا ارادہ پیدا ہوا تھا تو اس ارادہ پر سب سے پہلے جو چاند نکلا وہ محرم کا تھا، مقصد یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت اگرچہ ربیع الاول میں فرمائی مگر ہجرت کا ارادہ محرم کے مہینہ ہی سے تھا، اس لئے اسلامی سنہ کا آغاز ماہِ محرم سے ہونا صحیح ہے۔ محمد رضوان۔

فرضِ کفایہ ہونے کے علاوہ دینی اور ملی حمیت کا بھی تقاضا ہے۔ [1]

(1)......شرعی احکام کا دارومدار قمری تقویم پر ہے اس لئے اس کو محفوظ رکھنا یقیناً فرض کفایہ ہے، اوراس کو محفوظ کرنے کا اس وقت سہل طریقہ یہ ہے کہ روزمرہ اس کا استعمال رکھا جائے۔

(2)...... جب شرعی احکام کا تعلق قمری تقویم سے ہے تو اس نیت سے اس کا استعمال بذاتِ خود ثواب ہے، کیونکہ عبادت کی حفاظت کا ذریعہ بھی ثواب ہوتا ہے، اور قمری یعنی چاند والے مہینوں کے نام اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں، جن کا زبان وقلم سے بولنا واستعمال کرنا بھی یقیناً ثواب ہے۔

(3)......قمری تقویم کا استعمال انبیائے کرام، صحابۂ کرام اور سلفِ صالحین کا طریقہ ہے، جس کی اتباع کرنے کی ہر مسلمان کو ضرورت ہے۔

اوراس میں ہرطرح کی خیروبرکت اور بھلائی ہے۔

(4)......قمری تقویم کے استعمال سے اسلامی تشخص برقرار رہتا ہے، جس کا باقی رکھنا اسلام میں بہت ضروری ہے۔

---

[1] بعض لوگ کہتے ہیں کہ قمری حساب یقینی نہیں ہوتا کیونکہ قمری مہینہ کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی تیس دن کا، لہٰذا اس سے حساب لگانا دشوار ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ پہلے سے چاند کے طلوع ہونے کی تاریخ متعین نہیں کی جاسکتی، لیکن جو مہینہ چل رہا ہو اس کے متعلق یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا البتہ آنے والے مہینہ کے بارے میں یہ شبہ صحیح ہے مگر اس کو بھی کسی دوسرے طریقہ سے متعین کیا جاسکتا ہے، مثلاً چاند کی متوقع تاریخ کے بعد دن متعین کر کے یا دوسرے درجہ میں ضمنی طور پر غیر قمری تاریخ کا حوالہ دے کر اور روزمرہ کے استعمال میں تو یہ خدشہ بالکل نہیں چلتا۔

اسی طرح ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ بعض اوقات ایک ملک کا دوسرے ملک کے اعتبار سے چاند نظر آنے میں فرق ہوجاتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں سب جگہ کے لئے ایک تاریخ کو کیسے متعین کیا جاسکتا ہے۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اگر کبھی ایسا ہو جائے تو اس سلسلے میں ہر ملک کی اپنی تاریخ کا اعتبار ہوگا، جیسا کہ دوسرے احکام مثلاً نمازوں کے اوقات وغیرہ میں اپنی اپنی جگہ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ دوسرے اگر کبھی اس کی ضرورت پیش آئے تو اس کے لئے بھی وہ طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں جو پہلے ذکر کیے گئے۔

محمد رضوان۔

(5)......قمری تقویم کو چھوڑ کر شمسی وعیسوی تقویم کو استعمال کرنے میں ایک درجہ میں غیر مسلموں سے مشابہت ہے، اگر چہ کمزور درجہ کی ہو۔

اور اس دور میں جبکہ عیسوی تاریخوں کا استعمال بہت بڑھ گیا ہے، اور اسلامی تاریخ کا استعمال نہ صرف یہ کہ بہت کم ہو گیا ہے، بلکہ تقریباً چھوٹتا ہی جا رہا ہے۔

اس وقت مجموعی صورتِ حال یہ ہے کہ بیشتر مسلمانوں نے اپنا نظام پس پشت ڈال کر اپنی شناخت و پہچان ہی ختم کر دی ہے، یہاں تک کہ بہت سے مسلمانوں کو تو اسلامی وقمری مہینوں کے نام بھی پوری طرح یاد نہیں ہیں، بلکہ اسلامی مہینوں کے ناموں کے الفاظ زبان سے ادا ہونا بھی مشکل ہوتا ہے گویا کہ ان حضرات کا برائے نام بھی تعلق نہیں ہے۔

عام مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اسلامی سال کب شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے، اور اب کونسا مہینہ چل رہا ہے اور اس کے بعد کونسا مہینہ آنے والا ہے، بلکہ عیدین اور رمضان وغیرہ کی تعیین اور پہچان کے لئے بھی انگریزی وعیسوی تاریخوں اور مہینوں کو بنیاد بنایا جاتا ہے کہ رمضان فلاں عیسوی مہینہ کی فلاں تاریخ سے شروع ہو رہا ہے اور عید، بقرعید، انگریزی مہینہ کی فلاں تاریخ میں آ رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔

ایسے حالات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اسلامی وقمری تاریخی نظام کو رواج دیا جائے، بول چال اور تحریر میں اس کا استعمال کیا جائے، اور حتی الامکان بغیر ضرورت ومجبوری کے عیسوی تاریخیں استعمال کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

بعض لوگ ملکی سطح پر اسلامی وقمری نظام کے استعمال کو مشکل اور عیسوی تاریخوں کے استعمال کو ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ بعض اسلامی ممالک میں ملکی سطح پر قمری نظام کا استعمال ہو رہا ہے اور وہاں کسی نظام میں کوئی خلل نہیں آ رہا، اور ملک اور ملت کے معاملات بہتر طریقہ پر انجام پا رہے ہیں۔

دینی اداروں کو بھی قمری تاریخوں کی اشاعت اور ترویج پر خاص توجہ دینی چاہیے اور مسلمانوں

کے اس قابلِ فخر امتیاز کو جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا ہے باقی و برقرار رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ [1]

اسلامی سال یا ماہ کے آغاز پر مبارک باد دینا

ماہِ محرم سے اسلامی سال کا آغاز ہوتا ہے، اس لیے یہ مبارک موقع ہے، اس لیے اسلامی سال کے آغاز پر مسلمانوں کا ایک دوسرے کو مبارک باد دینا، جائز بلکہ مستحب ہے، اور اسی طرح اسلامی مہینہ کے شروع ہونے پر بھی، مبارکباد دینا مستحب ہے۔ [2]

---

[1] فمن البدع الواجبة على الكفاية تعلم العلوم المتوقف عليها فهم الكتاب والسنة والتى فيها حفظ الشريعة، لأن حفظها واجب على الكفاية فيما زاد على التعين ولا يتأتى حفظها إلا بذلك فوجب (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج٢ص ٤١٩، باب فى الأمر بالمحافظة على السنة)

صرح الفقهاء بأن ما لا تتم مصالح الأمة إلا به فهو واجب على الكفاية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٩ص ١٤١، مادة" ملك")

[2] التهنئة مستحبة فى الجملة؛ لأنها مشاركة بالتبريك والدعاء -من المسلم لأخيه المسلم فيما يسره ويرضيه؛ ولما فى ذلك من التواد، والتراحم، والتعاطف بين المسلمين .وقد جاء فى القرآن الكريم تهنئة المؤمنين على ما ينالون من نعيم، وذلك فى قوله تعالى (كلوا واشربوا هنيئا بما كنتم تعملون. والتهنئة تكون بكل ما يسر ويسعد مما يوافق شرع الله تعالى، ومن ذلك :التهنئة بالنكاح، والتهنئة بالمولود، والتهنئة بالعيد والأعوام والأشهر، والتهنئة بالقدوم من السفر، والتهنئة بالقدوم من الحج أو العمرة، والتهنئة بالطعام، والتهنئة بالفرج بعد الشدة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١٤، ص ٩٥، مادة "تهنئة")

(باب نمبر2)

ماہِ مُحَرَّمُ الْحَرامُ کے فضائل

لغت کے اعتبار سے محرم کے معنٰی ، معظم ، محترم اور معزز کے ہیں ، اور کیونکہ یہ مہینہ اعزاز ، احترام اور عظمت وفضیلت والا مہینہ ہے، اس لئے اس مہینہ کا نام مُحَرَّم ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللّٰهِ اثْنَاعَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ (سورة التوبة ،رقم الآية ٣٦)

یعنی مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں، جس دن اس نے پیدا کئے تھے آسمان اور زمین، ان میں چار مہینے ہیں احترام والے، یہی ہے سیدھا دین، سو اِن میں ظلم مت کرو اپنے اوپر (سورہ توبہ)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ السَّنَةُ اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِّنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلٰثٌ مُّتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحَجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِيْ بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے خطبہ میں) فرمایا کہ (اس وقت) زمانہ کی وہی رفتار ہے جس دن اللہ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا تھا (یعنی اب اس کے دنوں اور مہینوں میں کمی زیادتی نہیں ہے، جو جاہلیت کے

---

[1] رقم الحدیث ۴۶۶۲، کتاب تفسیر القرآن،باب قوله إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا فی کتاب الله.

زمانے میں مشرک کیا کرتے تھے، اب وہ ٹھیک ہو کر اس طرز پر آ گئی ہے جس پر ابتداء اور اصل میں تھی لہٰذا) ایک سال بارہ مہینہ کا ہوتا ہے، ان میں چار مہینے حرمت وعزت والے ہیں جن میں تین مہینے مسلسل ہیں یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور ایک رجب کا مہینہ ہے جو کہ جمادی الاخریٰ اور ماہِ شعبان کے درمیان آتا ہے (بخاری)

تشریح: مذکورہ آیتِ مبارکہ اور حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ قمری مہینوں کی جو ترتیب اور ان مہینوں کے جو نام (یعنی محرم، رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ وغیرہ) اسلام میں معروف ومشہور اور رائج ہیں وہ انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ ربُّ العالمین نے جس دن آسمان وزمین پیدا کئے تھے، اسی دن یہ ترتیب اور یہ نام اور ان کے ساتھ مخصوص مہینوں کے خاص خاص احکام بھی متعین وطے فرمادیئے تھے، ان احکام کو ان مہینوں کے مطابق رکھنا ہی دینِ مستقیم ہے، اور ان میں اپنی طرف سے کمی، زیادتی اور ترمیم وتبدیلی کرنا دراصل فہم اور طبیعت کے ٹیڑھا ہونے کی علامت ونشانی ہے اور ان مہینوں میں ان متعینہ احکام واحترام کی خلاف ورزی کرنا، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو چھوڑ دینا، خاص کر کوئی گناہ کرنا، اور عبادت گزاری میں کوتاہی کرنا اپنے اوپر ظلم ہے۔ [1]

---

[1] وكانت شهور القمر ثلاثين وتسعة وعشرين فيما يتعلق بها من أحكام الشرع ولم يكن لنصف اليوم الذى هو زيادة على تسعة وعشرين يوما حكم فكان ذلك هو القسمة التى قسم الله تعالى السنة فى ابتداء وضع الخلق ثم غيرت الأمم العادلة عن كثير من شرائع الأنبياء هذا الترتيب فكانت شهور الروم بعضها ثمانية وعشرين وبعضها ثمانية وعشرين ونصفا وبعضها واحدا وثلاثين وذلك على خلاف ما أمر الله تعالى من اعتبار الشهور فى الأحكام التى تتعلق بها ثم كانت الفرس شهورها ثلاثين إلا شهرا واحدا وهو بادماه فإنه خمسة وثلاثون ثم كانت تكبس فى كل مائة وعشرين سنة شهرا كاملا فتصير السنة ثلاثة عشر أخبر الله تعالى أن عدة شهور السنة اثنا عشر شهرا لا زيادة فيها ولا نقصان وهى الشهور القمرية التى إما أن تكون تسعة وعشرين وإما أن تكون ثلاثين ......

فأعلمنا الله فى هذه الآية أنه كذلك وضع الشهور والسنين فى ابتداء الخلق أخبر النبى صلى الله عليه وسلم عود الزمان إلى ما كان عليه وأبطل به ما غيره المشركون من ترتيب الشهور ونظامها وما زاد به فى السنين والشهور وأن الأمر قد استقر على ما وضعه الله تعالى فى الأصل لما علم تبارك وتعالى من تعلق مصالح الناس فى عبادتهم وشرائعهم بكون الشهور والسنين على هذا الوجه(احكام القرآن للجصاص ،ج۴ص۳۰۷، سورة التوبة ، تحت رقم الآية ۳۶،ملخصاً)

تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شریعتوں میں سال کے بارہ مہینے مانے جاتے تھے اور ان میں سے چار یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، اور رجب کے مہینے بڑے مبارک اور فضیلت وعظمت، ادب وشرافت، اعزاز واکرام اور احترام والے مہینے سمجھے جاتے تھے، تمام نبیوں کی شریعتیں اس بات پر متفق ہیں کہ ان چار مہینوں میں ہر عبادت کا ثواب زیادہ ہو جاتا ہے، اور ان مہینوں میں کوئی گناہ کرے تو اس کا عذاب اور وبال بھی زیادہ ہوتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی شریعتوں میں ان مہینوں کے اندر جہاد وقتال بھی منع تھا، ان چار مہینوں کو عربی زبان میں "اَشْھُرِ حُرُمْ" یعنی عظمت واحترام والے مہینے کہا جاتا ہے۔

ان چار مہینوں کو عظمت اور احترام والے مہینے دو وجہ سے کہا گیا ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ ان مہینوں میں جہاد وقتال حرام تھا، دوسرے اس وجہ سے کہ یہ مہینے عظمت وفضیلت اور ادب وشرافت والے ہیں، ان کا احترام ضروری ہے اور ان مہینوں میں عبادت کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔

ان دونوں حکموں میں سے پہلا حکم یعنی جہاد وقتال کا منع ہونا تو ہماری اسلامی شریعت میں منسوخ اور ختم ہو گیا اور اب ان مہینوں میں جہاد وقتال جائز ہے، جبکہ جہاد شرعی تقاضوں کے مطابق ہو، غیروں کے مفاد اور ان کے اشاروں پر اور شرعی اصولوں کے خلاف نہ ہو۔ [1]

اور دوسرا حکم یعنی ادب واحترام اور عبادت کا اہتمام اب بھی اسلام میں باقی ہے۔

---

[1] اگرچہ اب بھی افضل یہی ہے کہ ان مہینوں میں بطورِ خود بلا ضرورت جہاد وقتال کے لئے پیش قدمی نہ کی جائے۔

فلا بأس بالقتال فی الأشهر الحرم وهی ذی القعدة وذی الحجة ومحرم ورجب .وترک البداءة بالقتال فی الأشهر الحرم أفضل(فتاویٰ قاضیخان، ج۳ص ۳۵۰، ابواب القتال)

ثم نقل عن الخانیة ان الافضل ان لایبتدأ به فی الاشهر الحرم(رد المحتار، ج ۴، ص ۱۲۳، کتاب الجهاد)

جہاد وقتال کی ممانعت کے منسوخ اور ختم ہونے سے ان مہینوں کی عظمت اور فضیلت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لئے کہ ان مہینوں کا احترام جہاد وقتال کی ممانعت کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ اس کی ممانعت خود ان مہینوں کے احترام کی وجہ سے تھی یعنی ان مہینوں کے احترام کا ایک اثر اس ممانعت کی شکل میں تھا جو کہ اب باقی نہیں رہا، لہٰذا اصل ان مہینوں کا عظمت واحترام والا ہونا اپنی حیثیت پر اب بھی برقرار ہے۔ محمد رضوان۔

امام ابوبکر جصّاص رحمہ اللہ اپنی تفسیر ''احکام القرآن'' میں فرماتے ہیں کہ:

ان متبرک مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے، تو اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمّت ہوتی ہے، اسی طرح جو شخص کوشش کر کے ان مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور بُرے کاموں سے بچالے تو سال کے باقی مہینوں میں اس کو ان برائیوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے، اس لئے ان مہینوں سے فائدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے (معارف القرآن ج ۴ ص ۳۷۲، انوار البیان ج ۴ ص ۲۷۳ بتغیر) [1]

خلاصہ یہ کہ محرم کا مہینہ اسلامی سال کے چار متبرک ومحترم مہینوں میں سے ہے، جس کی سب مسلمانوں کو قدر کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

---

[1] فعلق بالشهور كثيرا من مصالح الدنيا والدين وبين فى هذه الآية هذه الشهور وإنما تجرى على منهاج واحد لا يقدم المؤخر منها ولا يؤخر المقدم وقال إن عدة الشهور عند الله وذلك يحتمل وجهين أحدهما أن الله وضع هذه الشهور وسماها بأسمائها على ما رتبها عليه يوم خلق السموات والأرض وأنزل ذلك على أنبيائه فى كتبه المنزلة وهو معنى قوله إن عدة الشهور عند الله وحكمها باق على ما كانت عليه لم يزلها عن ترتيبها تغيير المشركين لأسمائها وتقديم المؤخر وتأخير المقدم فى الأسماء منها وذكر ذلك لنا لنتبع أمر الله فيها ونرفض ما كان عليه أمر الجاهلية من تأخير أسماء الشهور وتقديمها وتعليق الأحكام على الأسماء التى رتبوها عليها ولذلك قال النبى صلى الله عليه وسلم فى حجة الوداع ما رواه ابن عمر وأبو بكر أن النبى صلى الله عليه وسلم قال فى خطبته بالعقبة أيها الناس إن الزمان قد استدار قال ابن عمر فهو اليوم كهيئته يوم خلق الله السموات والأرض وقال أبو بكرة قد استدار كهيئته يوم خلق الله السموات والأرض وإن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا منها أربعة حرم ثلاث متواليات ذو القعدة وذو الحجة والمحرم ورجب مضر الذى بين جمادى وشعبان وإن النسىء زيادة فى الكفر الآية قال ابن عمر وذلك أنهم كانوا يجعلون صفر عاما حراما وعاما حلالا ويجعلون المحرم عاما حلالا وعاما حراما وكان النسىء من الشيطان فأخبر النبى صلى الله عليه وسلم أن الزمان يعنى زمان الشهور قد استدار كهيئته يوم خلق الله السموات والأرض وأن كل شهر قد عاد إلى الموضع الذى وضعه الله به على ترتيبه ونظامه(احكام القرآن للجصاص ج۴ص ۳۰۵،۳۰۶، سورة التوبة ، تحت رقم الآية ۳۶)

(فصل نمبر 1)

ماہِ محرَّم الحرام کے روزوں کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصِّیَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَھْرُاللّٰہِ الْمُحَرَّمُ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کے روزوں کے بعد سب سے بہترین روزے، اللہ کے مہینہ ''محرم'' کے روزے ہیں (مسلم)

فائدہ: اس مہینے کی عظمت وفضیلت بتلانے اور ظاہر کرنے کے لئے اس کو اللہ کا مہینہ فرمایا گیا ورنہ تمام مہینے اور دن اللہ ہی کی مخلوق ہیں اور اسی کے حکم سے چلتے ہیں اور بعض دوسرے روزوں (مثلاً ذی الحجہ، شوال وغیرہ کے روزوں) کی فضیلتیں بھی اپنی جگہ ہیں، لیکن محرم کے روزوں کو جو خاص قسم اور نوعیت کی فضیلت حاصل ہے، اس قسم کی فضیلت رمضان کے بعد محرم کے علاوہ دوسرے روزوں کو حاصل نہیں۔ [2]

اس حدیث میں محرم کے روزے سے صرف دسویں تاریخ یعنی عاشوراء کا روزہ مراد نہیں، بلکہ محرم کے مہینے کے عام نفلی روزے مراد ہیں۔ [3]

---

[1] رقم الحدیث ١١٦٣ "٢٠٢"، کتاب الصیام، باب فضل صوم المحرم.

[2] قال النووی "تصریح بانہ افضل الشھور للصوم" (شرح النووی علیٰ مسلم ج٨ص٥٥، کتاب الصیام، باب فضل صوم المحرم)

[3] الظاھر انہ ارید شھر المحرم نفسہ کلہ اواکثرہ اوالصوم فیہ (معارف السنن ج ٥ ص ٤٢١، ابواب الصوم، باب ماجاء فی صوم المحرم)

ھذا الفضیلۃ شاملۃ لغیر یوم عاشوراء ایضاً (الکوکب الدری ج ٢ ص ٥٦، ابواب الصوم، باب افضل الصیام بعد رمضان شھر اللہ المحرم)

قال الطیبی: أراد بصیام شھر اللہ صیام یوم عاشوراء اھـ فیکون من باب ذکر الکل وإرادۃ البعض، ویمکن أن یقال أفضلیتہ لما فیہ من یوم عاشوراء لکن الظاھر أن المراد جمیع شھر المحرم (مرقاۃ المفاتیح، ج٤ص ١٤١١، کتاب الصیام، باب صیام التطوع)

لٰہذا اس مہینے میں کسی بھی دن روزہ رکھ لیا جائے تو ان شاءاللہ تعالیٰ یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی، یہی زیادہ صحیح اور راجح ہے، اور دس محرم کے روزے کی فضیلت اس کے علاوہ مستقل اور علیٰحدہ ہے، لیکن عاشوراء (یعنی دس محرم کا روزہ) بھی محرم ہی کے مہینہ میں داخل ہے، لٰہذا اس سے بھی یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ [1]

---

[1] یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کی احادیث سے محرم کے روزوں کی رمضان کے بعد تمام مہینوں کے روزوں پر فضیلت معلوم ہوتی ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا محرم کے بجائے شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزے رکھنے کا معمول تھا، جیسا کہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی روایات سے پتہ چلتا ہے جو ترمذی وغیرہ میں مذکور ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب محدثین نے یہ دیا ہے کہ شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محرم میں بعض عوارض مثلاً سفر، بیماری وغیرہ کی وجہ سے زیادہ روزے رکھنے کا موقع نہ ملا ہو۔ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محرم کے روزوں کی اس درجہ فضیلت کا علم آپ کی حیات کے آخری دور میں دیا گیا ہو (اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ہو)

والحکمة فی کونه لم یستکمل غیر رمضان لئلا یظن وجوبه .فإن قلت :صح فی مسلم :أفضل الصوم بعد رمضان شهر الله المحرم، فکیف أکثر منه فی شعبان؟ ویعارضه أیضا روایة الترمذی : (أی الصوم أفضل بعد رمضان؟ قال :شعبان) . قلت :لعله کان یعرض له فیه إعذار من سفر أو مرض أو غیر ذلک، أو لعله لم یعلم بفضل المحرم إلا فی آخر عمره قبل التمکن منه (عمدة القاری، ج ۱۱، ص ۸۴ باب صوم شعبان)

اور شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزے رکھنے کی کئی وجہ ہو سکتی ہیں، مثلاً رمضان کا احترام اور تعظیم اور اس کی تیاری اور رمضان کا قرب اور اس کے خاص انوار و برکات سے مزید مناسبت پیدا کرنے کا شوق اور داعیہ اور اس کا استقبال اور شعبان کے ان روزوں کی وہی نسبت اور برکت ہوگی جو فرض نمازوں سے پہلے پڑھے جانے والے نوافل کو فرضوں سے ہوتی ہے اور اس مہینہ میں شب برأت اور اس کے فضائل کا پایا جانا وغیرہ بھی اس مہینہ میں زیادہ روزے رکھنے کا باعث ہو سکتا ہے۔ ان میں سے بعض باتوں کا احادیث میں بھی ذکر ملتا ہے۔

ان توجیہات کے بعد اب دونوں مہینوں کے متعلق قولی ارشاد **افضل بعد رمضان** ، کی تطبیق یوں ہوگی کہ شعبان کے متعلق افضلیت بعد رمضان آپ کے عمل (اکثار صوم) کے قرینے کے مل جانے کی وجہ سے ''علیٰ اطلاقہ'' ہے اور محرم کے متعلق افضلیت اضافی ہے یعنی شعبان کے علاوہ باقی سب مہینوں کی بنسبت ، اور یہ تاویل بعید بھی نہیں کیونکہ اسم تفضیل کے کلام عرب میں استعمال کی تین قسمیں متواتر ہیں، الف لام کے ساتھ، مِن کے ساتھ اور اضافت کے ساتھ جیسے کہ کتب فن میں واضح ہے۔

چونکہ شارحین نے اس توجیہ کو ذکر نہیں کیا اور (شاید اس میں درایت کی کوئی کمی ہو) تو دوسری تطبیق یہ بھی ہو سکتی ہے کہ رمضان کے بعد باقی سب قسم کے روزوں سے افضلیت میں دونوں برابر وشریک ہیں لیکن رمضان کی قربت کی وجہ سے جو ایک خارجی اعتبار سے افضلیت کا وصف شعبان میں بڑھ گیا تھا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک صحابی کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ تو اس کو اپنے عمل سے واضح کیا، اس طرح قولی ارشاد میں ذاتی ونفسی فضیلت دونوں کے لئے یکساں ثابت ہے۔

فأحب أن يرفع عملي وأنا صائم فبين -صلى الله عليه وسلم -وجه صيامه لشعبان دون غيره من الشهور بقوله :إنه شهر يغافل الناس عنه بين رجب ورمضان يشير إلى أنه لما اكتنفه شهران عظيمان :الشهر الحرام وشهر الصيام، اشتغل الناس بهما، فصار مغفولا عنه، وكثير من الناس يظن أن صيام رجب أفضل من صيامه لأنه شهر حرام وليس كذلك (المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ، ج٣، ص٤٣٨، النوع الرابع،القسم الثانى، الفصل الثالث)

واختلف فى الحكمة فى اكثاره صلى الله عليه و سلم من صوم شعبان فقيل كان يشتغل عن صوم الثلاثة أيام من كل شهر لسفر أو غيره فتجتمع فيقضيها فى شعبان أشار إلى ذلك بن بطال وفيه حديث ضعيف أخرجه الطبرانى فى الأوسط من طريق بن أبى ليلى عن أخيه عيسى عن أبيه عن عائشة كان رسول الله صلى الله عليه و سلم يصوم ثلاثة أيام من كل شهر فربما أخر ذلك حتى يجتمع عليه صوم السنة فيصوم شعبان وبن أبى ليلى ضعيف وحديث الباب والذى بعده دال على ضعف ما رواه وقيل كان يصنع ذلك لتعظيم رمضان وورد فيه حديث آخر أخرجه الترمذى من طريق صدقة بن موسى عن ثابت عن أنس قال سئل النبى صلى الله عليه و سلم أى الصوم أفضل بعد رمضان قال شعبان لتعظيم رمضان قال الترمذى حديث غريب وصدقة عندهم ليس بذاك القوى قلت ويعارضه ما رواه مسلم من حديث أبى هريرة مرفوعا أفضل الصوم بعد رمضان صوم المحرم وقيل الحكمة فى إكثاره من الصيام فى شعبان دون غيره أن نساءه كن يقضين ما عليهن من رمضان فى شعبان وهذا عكس ما تقدم فى الحكمة فى كونهن كن يؤخرن قضاء رمضان إلى شعبان لأنه ورد فيه أن ذلك لكونهن كن يشتغلن معه صلى الله عليه و سلم عن الصوم وقيل الحكمة فى ذلك أنه يعقبه رمضان وصومه مفترض وكان يكثر من الصوم فى شعبان قدر ما يصوم فى شهرين غيره لما يفوته من التطوع بذلك فى أيام رمضان والأولى فى ذلك ما جاء فى حديث أصح مما مضى أخرجه النسائى وأبو داود وصححه بن خزيمة عن أسامة بن زيد قال قلت يا رسول الله لم أرك تصوم من شهر من الشهور ما تصوم من شعبان قال ذلك شهر يغفل الناس عنه بين رجب ورمضان وهو شهر ترفع فيه الأعمال إلى رب العالمين فأحب أن يرفع عملى وأنا صائم ونحوه من حديث عائشة عند أبى يعلى لكن قال فيه إن الله يكتب كل نفس ميته تلك السنة فأحب أن يأتينى أجلى وأنا صائم ولا تعارض بين هذا وبين ما تقدم من الأحاديث فى النهى عن تقدم رمضان بصوم يوم أو يومين وكذا ما جاء من النهى عن صوم نصف شعبان الثانى فإن الجمع بينهما ظاهر بان يحمل النهى على من لم يدخل تلك الأيام فى صيام اعتاده وفى الحديث دليل على فضل الصوم فى شعبان وأجاب النووى عن كونه لم يكثر من الصوم فى المحرم مع قوله أن أفضل الصيام ما يقع فيه بأنه يحتمل أن يكون ما علم ذلك إلا فى آخر عمره فلم يتمكن من كثرة الصوم فى المحرم أو اتفق له فيه من الاعذار بالسفر والمرض مثلا ما منعه من كثرة الصوم فيه وقد تقدم الكلام على قوله لا يمل الله حتى تملوا وعلى بقية الحديث فى باب أحب الدين إلى الله أدومه وهو فى آخر كتاب الإيمان (فتح البارى لابنِ حجر، ج٤ص ٢١٤، ٢١٥،قوله باب صوم شعبان)

صُمْ شَهْرَ الصَّبْرِ وَيَوْمًا مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ قَالَ زِدْنِي فَإِنَّ بِي قُوَّةً قَالَ صُمْ يَوْمَيْنِ قَالَ زِدْنِي قَالَ صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ قَالَ زِدْنِي قَالَ صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ وَقَالَ بِأَصَابِعِهِ الثَّلَاثَةِ فَضَمَّهَا ثُمَّ أَرْسَلَهَا (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: صبر یعنی رمضان کے مہینے کے روزے رکھو اور ہر مہینے میں ایک دن کا روزہ رکھ لیا کرو، ان صحابی نے عرض کیا کہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے، لہٰذا میرے لئے اور اضافہ کر دیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مہینے میں دو دن روزہ رکھ لیا کیجئے، پھر ان صحابی نے عرض کیا کہ میرے لئے اور اضافہ فرما دیجئے (کیونکہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھ لیا کیجئے، پھر ان صحابی نے عرض کیا کہ میرے لئے اور اضافہ فرما دیجئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَشْهُرِ حُرُمْ (ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، اور رجب کے مہینوں) میں روزہ رکھو اور چھوڑو (آپ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی) اور آپ نے اپنی تین انگلیوں سے اشارہ فرمایا ان کو ساتھ ملا دیا پھر چھوڑ دیا (یعنی کہ ان مہینوں میں تین دن روزہ رکھو پھر تین دن ناغہ کرو اور اسی طرح کرتے رہو) (ابوداؤد)

اس حدیث کی سند کو بعض اہلِ علم حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن اس کی تائید بعض دیگر روایات سے ہوتی ہے، اور فضیلت کی حد تک اس حدیث کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۲۴۲۸، کتاب الصوم، باب فی صوم أشهر الحرم.

[2] قال شعیب الارنؤوط: إسناده ضعیف لجهالة مُجیبة الباهلیة، وذكر بعضهم أن مُجیبة رجل، وقیل فیه: أبو مجیبة. حمّاد: هو ابن سلمة، سعید الجریری: هو ابن إیاس، وأبو السلیل: هو ضُریب بن نُقیر. وأخرجه ابن ماجه (۱۷۴۱) والنسائی فی "الكبری (۲۷۵۶)" من طریق سفیان الثوری، عن سعید الجریری، بهذا الإسناد. وقال ابن ماجه فیه: عن أبی مجیبة الباهلی عن أبیه أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حدیث میں ان چار مہینوں کے اندر روزہ رکھنے کا جو طریقہ بتلایا گیا ہے، ضروری نہیں کہ ہر شخص اس طریقہ پر عمل کرے، بلکہ جس طرح اور جتنے روزے کوئی رکھ سکتا ہو، اجازت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کے لئے یہی طریقہ مناسب سمجھا تھا، اس لئے ان کی شان اور حالت کے مطابق یہ طریقہ تجویز فرمایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے معلوم کیا کہ ماہِ رمضان کے بعد آپ کس مہینے میں مجھے روزہ رکھنے کا حکم دیتے ہیں؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ:

مَاسَمِعْتُ اَحَدًا یَسْأَلُ عَنْ هٰذَا اِلَّا رَجُلاً سَمِعْتُهٗ یَسْأَلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا قَاعِدٌ عِنْدَهٗ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ شَهْرٍ تَأْمُرُنِیْ اَنْ اَصُوْمَ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ قَالَ اِنْ كُنْتَ صَائِمًا بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ فَصُمِ الْمُحَرَّمَ فَاِنَّهٗ شَهْرُ اللّٰهِ فِیْهِ یَوْمٌ تَابَ فِیْهِ عَلٰى قَوْمٍ وَیَتُوْبُ فِیْهِ عَلٰى قَوْمٍ اٰخَرِیْنَ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: میں نے کسی کو اس بارے میں سوال کرتے ہوئے نہیں دیکھا، سوائے ایک شخص کے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت یہ سوال کیا تھا، جبکہ میں آپ کے پاس حاضر تھا۔ اس آدمی نے سوال کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول! ماہِ رمضان کے روزوں کے بعد مجھے کس مہینہ میں روزے رکھنے کا حکم ہے؟ ارشاد عالی ہوا تھا ماہِ رمضان کے روزوں کے بعد اگر تم روزے رکھنا چاہتے ہو تو ماہِ محرم

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

عن عمه.وهو فی "مسند أحمد(٢٠٣٢٣)"وقوله" :صم ثلاثة أيام "له شاهد من حديث عبد الله بن عمرو بن العاص عند أحمد فی "مسنده(٦٤٧٧)"وإسناده صحيح .وآخر من حديث أبی هريرة عند النسائی فی "الكبرى(٢٧٢٩) "وإسناده صحيح أيضاً .وهو فی "المسند(٧٥٧٧) " ولصوم شهر المحرَّم شاهد صحيح سيأتی بعده(حاشية سنن ابی داوٗد)

[1] رقم الحديث ٦٧٢، كتاب الصوم،باب ماجاء فی صوم المحرم،مسند احمد رقم الحديث ١٣٢٢ ،ورقم الحديث ١٣٣٥ .

کے روزے رکھو، کیونکہ یہ اللہ کا وہ مہینہ ہے، جس کے ایک دن اللہ نے ایک قوم (یعنی بنی اسرائیل) کی توبہ قبول کی اور اسی دن دوسرے لوگوں کی بھی توبہ قبول فرمائے گا (ترمذی)

اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے، اور بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن فضیلت کی حد تک اس حدیث کو قبول کرنے میں حرج نہیں، بالخصوص جبکہ اس کی تائید دیگر روایات سے ہوتی ہے۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ محرم کے مہینے میں حسبِ حیثیت نفل روزے رکھنا افضل ہے۔ [2]

---

[1] قال الترمذی: هذا حدیث حسن غریب(حواله بالا)
حسنه الترمذی مع ان فیه عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی وهو ضعیف کمافی "التهذیب" و"التقریب"فلعل تحسین الترمذی نظرًا الٰی شواهدهٖ، ونقل المنذری تحسینهٗ واقره کماقیل والله اعلم (معارف السنن ج ۵ ص ۴۲۲،کتاب الصوم،باب ماجاء فی صوم المحرم)
وقال شعیب الارنؤوط:إسناده ضعیف لضعف عبد الرحمن بن إسحاق أبی شیبة الواسطی وجهالة النعمان بن سعد.وأخرجه البزار (۶۹۹)عن أبی کامل، عن عبد الواحد بن زیاد، بهذا الإسناد.
وأخرجه الدارمی(۱۷۵۶)والترمذی(۷۴۱) وابن عدی۴/۱۶۱۴ من طرق عن عبد الرحمن بن إسحاق، به .وقال الترمذی :حسن غریب، وسیأتی برقم (۱۳۳۵)
وفی الباب عن أبی هریرة مرفوعاً عند مسلم (۱۱۶۳)بلفظ " :أفضل الصیام بعد رمضان شهر الله المحرم ."(حاشیة مسند احمد)

[2] (ان کنت صائما)شهرابعدشهر(رمضان)الذی هو الفرض (فصم)ندباً(المحرم فانه شهرالله)قال الزین العراقی :هذاکالتعلیل لاستحباب صومه بکونه شهرالله‌لاماعلله به القرطبی وابن دحیة لکونه فاتحة السنة وتفضیل الاشخاص والازمنة والامکنة حیث ورد لایعلل الاان ورد تعلیله فی کتاب أوسنة (فیه یوم تاب الله فیه علی قوم)قال العراقی:یحتمل أنه تتمة للعلة للأمر بصیامه أی فانه کذاوکذاویحتمل الاستئناف وأنه لاتعلق له بالأمر بالصوم وقوله (ویتوب فیه علیٰ آخرین)هذامن الاخبار بالغیب المستقبل قال:والظاهرأن هذالیوم المبهم یعم عاشوراء ففی حدیث أبی هریرة أنه یوم تاب الله فیه علیٰ آدم لکن فیه ضرارابن عمرو ضعفه ابن معین وغیره وقد ورد أیضاً أنه تاب فیه علیٰ قوم یونس روی أبوالشیخ (ابن حبان)فی فضائل الأعمال أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال:أن نوحاًهبط من السفینة یوم عاشوراء فصامه نوح وأمر من معه بصیامه شکرا لله تعالیٰ وفیه تاب الله علی آدم وعلیٰ أنه یونس وفیه فلق البحرلبنی أسرائیل وفیه ولد أبراهیم وعیسی قال : وفیه عثمان بن مطرمنکرالحدیث وقال وهب:أوحی الله ألی موسی علیه السلام أن مرقومک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

محرم کے مہینے میں روزوں کی فضیلت سے متعلق بعض دوسری روایات بھی ہیں، جن کو اہلِ علم حضرات نے سند کے لحاظ سے غیر معمولی ضعیف قرار دیا ہے۔

مگر محرم کے روزوں کی فضیلت کا معاملہ ان روایات پر موقوف نہیں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أن يتوبوا ألي في عشر المحرم فأذا كان في اليوم العاشر فليخرجوا ألىّ أغفرلهم .قال ابن رجب :هذالحديث حث على التوبة فيه وأنه أرجى لقبول التوبة انتهى(فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ۲۶۷۵)

(ان كنت صائماً) شهراً (بعد شهر رمضان) الذى هو الفرض (فصم) ندباً شهر (المحرّم فإنه شهر الله) هذا تعليل لندب صومه لا ما علله به القرطبي من كونه فاتحة السنة (فيه يوم تاب الله فيه على قوم ويتوب فيه على آخرين) وهو يوم عاشوراء فإنه يوم تاب الله فيه على آدم وعلى قوم يونس ويتوب فيه على قوم غيرهم (ت عن على) قال قال رجل يا رسول الله أى شهر تأمرنى أن أصوم بعد رمضان فذكره (التيسير بشرح الجامع الصغير للمناوى، حرف الهمزه، جزء ۱ صفحه ۷۵۸)

۱؎ عن ابن عباس قال :قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم :من صام يوم عرفة كان له كفارة سنتين ,ومن صام يوما من المحرم فله بكل يوم ثلاثون يوما لم يروه عن حمزة الزيات إلا سلام الطويل تفرد به الهيثم بن حبيب(المعجم الصغير للطبرانى ، رقم الحديث ۹۶۳)

عن ابن عباس، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من صام يومان من المحرم فله بكل يوم ثلاثين حسنة(المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۱۱۰۸۲)

قال الهيثمى:

رواه الطبرانى فى الصغير وفيه الهيثم بن حبيب عن سلام الطويل وسلام ضعيف وأما الهيثم بن حبيب فلم أر من تكلم فيه غير الذهبى إتهمه بخبر رواه وقد وثقه ابن حبان (مجمع الزوائد ج۳ ص۱۹۰ .باب صيا م يوم عرفة)

وقال ايضاً:

رواه الطبرانى فى الكبير وفيه الهيثم بن حبيب أيضا(ايضاً)

وقال ابن حجر:قال الطبرانى لم يروه عن حمزة الإسلام تفرد به الهيثم بن حبيب . وهكذا قال فى المعجم . وذكر المنذرى فى كتاب الترغيب هذا الحديث وعزاه للطبرانى وقال لأبأس بإسناده الهيثم بن حبيب وثقه ابن حبان انتهى كلامه .

وهو يوهم أنه ليس فى الإسناد من ينظر فى حاله إلا الهيثم وليس كذلك فإن ليث بن أبى سليم متكلم فى حفظه وكذا حمزة . وأما سلام فقال على بن المدينى وأبو زرعة ضعيف . وقال أحمد بن حنبل ويحيى بن معين أحاديثه منكرة وقال البخارى وأبو حاتم تركوه . وقال الجوزجانى والنسائى ليس بالثقة . وقال ابن فراش كذاب . وقال ابن حبان والحاكم روى أحاديث موضوعة . وقال ابن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیونکہ محرم کا مہینہ عظمت واحترام والے مہینوں میں سے ہے جن میں عبادت کی خاص فضیلت ہے اور روزہ بھی اہم عبادت ہے، لہٰذا دوسری عبادات کے ساتھ ساتھ روزے کی عبادت کو بھی ان مہینوں کے احترام کی وجہ سے خاص اہمیت وفضیلت عطا کی گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہائے کرام اَشْھُرِ حُرُمُ (یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، اور رجب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عدی لا يتابع على حديثه .وأما الهيثم فلم أر للمتقدمين فيه كلاما وهو فى ثقات ابن حبان كما قال لكن شيخ شيوخنا الذهبى ذكره فى الميزان وذكر له حديثا عن ابن عيينة وقال إنه باطل والآفة فيه من الهيثم . فظهر بمجموع ما ذكرت أن بإسناده كل البأس ويغنى عنه ما أمليته فى العام الماضى من حديث أبى هريرة فى فضل صيام شهر الله المحرم فإنه أفضل الشهور بعد رمضان (الأمالى المطلقة، لأحمد بن حجر العسقلانى، اول الكتاب، جزء ۱ صفحه ۲۲)

وقال الالبانى: "من صام يوم عرفة كان له كفارة سنتين، ومن صام يوما من المحرم فله بكل يوم ثلاثون يوما ."موضوع.أخرجه الطبرانى فى "المعجم الصغير(ص ۲۰۰)"من طريق الهيثم بن حبيب حدثنا سلام الطويل عن حمزة الزيات عن ليث بن أبى سليم عن مجاهد عن ابن عباس مرفوعا وقال :تفرد به الهيثم بن حبيب قلت :اتهمه الذهبى بخبر باطل، وذكره ابن حبان فى "الثقات !" وسلام الطويل متهم، وابن أبى سليم ضعيف .والحديث أعله الهيثمى(۳/۱۹۰)بالهيثم هذا وهو قصور لا يخفى، وأعجب منه قول المنذرى فى "الترغيب(۱/۷۸) "رواه الطبرانى فى "الصغير " وهو غريب وإسناده لا بأس به !"، وهذا ذهول عجيب، وإلا فكيف يسلم من البأس إذا كان فيه ذاك المتهم الطويل !قال فيه ابن خراش :كذاب، وقال ابن حبان :يروى عن الثقات الموضوعات، كأنه كان المتعمد لها، وقال الحاكم :روى أحاديث موضوعة.والحديث رواه الطبرانى أيضا فى " الكبير(۱/۱۰۹) "من هذا الوجه بالشطر الأول فقط، وهذا القدر منه صحيح لأن له شواهد كثيرة منها حديث أبى قتادة مرفوعا :صيام يوم عرفة إنى أحتسب على الله أن يكفر السنة التى بعده والسنة التى قبله.أخرجه مسلم(۳/۱۶۷ ـ ۱۶۸)وغيره، وهو قطعة من حديث مخرج فى "الإرواء (۹۵۲) "ثم إن الطبرانى روى الشطر الثانى من الحديث بلفظ آخر وهو:من صام يوما من المحرم فله بكل يوم ثلاثون حسنة ."موضوع.أخرجه الطبرانى فى "الكبير(۳/۱۰۹/۱) "حدثنا محمد بن زريق بن جامع حدثنا الهيثم بن حبيب أخبرنا سلام الطويل عن حمزة الزيات عن ليث عن مجاهد عن ابن عباس مرفوعا.قلت :وهذا إسناد موضوع، وله علل ثلاث تقدم بيانها فى الحديث الذى قبله.

ومع أن إسنادهما واحد فالمتن مختلف، ففى هذا قال " :ثلاثون حسنة "وفى ذاك قال " :ثلاثون يوما "وهذه علة أخرى تضم إلى ما قبلها!

وقد ذهل عن علة هذا الحديث أيضا المقتضية لوضعه الهيثمى كما ذهل عنها فى الحديث الذى قبله على ما سبق بيانه وقد تبعه فى هذا المناوى فى "شرح الجامع الصغير "فقال :قال الهيثمى: فيه الهيثم بن حبيب ضعفه الذهبى!(سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۴۱۲،۴۱۳)

کے مہینوں) میں اور بطورِ خاص محرم کے مہینہ میں نفلی روزوں کے حسبِ حیثیت اور وسعت مستحب ہونے کے قائل ہیں۔ [1]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ محرم الحرام کا مہینہ عظمت وفضیلت والے مہینوں میں سے ہے اوراللہ تعالیٰ کی خاص تجلیات وانوار اس مہینہ میں نازل ہونے کی وجہ سے اس مہینہ کو خاص طور پراللہ کا مہینہ فرمایا گیا ہے۔

لہٰذا اس مبارک مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت بہت لگن اور توجہ کے ساتھ کرنی چاہئے ،اور ہر قسم کے گناہوں سے بچنے اور حسبِ حیثیت نفلی روزوں اور توبہ واستغفار کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے ،تاکہ اس مبارک مہینے کے تقاضے پورے ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی سال کی ابتداء،سال کے باقی آنے والے مہینوں کے لئے نیک فال ثابت ہو۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

---

[1] وانـمافعل اللہ تعالیٰ ذالک لمافیه من المصلحة فی ترک الظلم فیهالعظم منزلتها فی حکم اللہ والـمبـادرـة الـی الـطـاعـات مـن الاعـتـمـار والـصـلاـة والـصـوم وغیـرها(احکام القرآن للجصاص ج۴ص۳۰۸، سورة التوبة ، تحت رقم الآیة ۳۶)

ح -صوم الأشهر الحرم:

ذهب جمهور الفقهاء -الحنفیة والمالکیة والشافعیة -إلی استحباب صوم الأشهر الحرم.

وصرح المالکیة والشافعیة بأن أفضل الأشهر الحرم :المحرم، ثم رجب، ثم باقیها :ذو القعدة وذو الحجة .والأصـل فـی ذلک قول النبی صلی الله علیه وسلم :أفـضـل الصلاة بعد الصلاة المکتوبة الصلاة فی جوف اللیل، وأفضل الصیام بعد شهر رمضان صیام شهر الله المحرم .

ومذهب الحنفیة :أنـه من المستحب أن یصوم الخمیس والجمعة والسبت من کل شهر من الأشهر الحرم.وذهب الحنابلة إلی أنه یسن صوم شهر المحرم فقط من الأشهر الحرم.

وذکـر بـعـضـهـم استـحـبـاب صـوم الأشهـر الحرم، لکن الأکثر لم یذکروا استحبابه، بل نصوا علی کراهة إفراد رجب بالصوم، لما روی ابن عباس -رضی الله تعالی عنهما :-أن النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن صیام رجب .ولأن فیه إحیاء لشعار الجاهلیة بتعظیمه .وتزول الکراهة بفطره فیه ولو یـوما، أو بصومه شهرا آخر من السنة وإن لم یل رجبا (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۸، ص۹۵ ، مادة ”صوم“)

(فصل نمبر 2)

دس محرم کی فضیلت

گزشتہ تفصیل سے محرم الحرام کے مہینے کی فضیلت وعظمت اوراس مہینے میں عبادت اورروزے کی اہمیت واضح ہوچکی ہے، پھراس مہینے میں جوفضیلت عاشوراءیعنی دس محرم کے دن کو حاصل ہے، وہ اس مہینے کے دوسرے عام دنوں سے بھی زیادہ ہے اوردس محرم کے روزے کی جوفضیلت ہے وہ اس مہینے کے عام دنوں کے روزوں سے بھی زیادہ ہے، ایک تو خوددس محرم کا دن ہونے کی وجہ سے، دوسرے محرم کے مہینے کا دن ہونے کی وجہ سے۔

جمہور صحابہ، تابعین اورائمہ مجتہدین کے نزدیک عاشوراء سے دس محرم کا دن مراد ہے اورلغت کے اعتبار سے بھی عاشوراء کالفظ دس محرم پر ہی صادق آتا ہے۔ [1]

---

[1] النوع الثانی: اختلفوا فیہ فی أی یوم: فقال الخلیل: هو الیوم العاشر، والاشتقاق یدل علیه، وهو مذهب جمهور العلماء من الصحابة والتابعین .ومن بعدهم، فممن ذهب إلیه من الصحابة: عائشة، ومن التابعین: سعید بن المسیب والحسن البصری، ومن الأئمة: مالک والشافعی وأحمد وإسحاق وأصحابهم(عمدة القاری للعینی، ج ۱۱ ص ۱۱۷ کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء)

واختلف أهل الشرع فی تعیینه فقال الأکثر هو الیوم العاشر قال القرطبی عاشوراء معدول عن عاشرة للمبالغة والتعظیم وهو فی الأصل صفة للیلة العاشرة لأنه ماخوذ من العشر الذی هو اسم العقد والیوم مضاف إلیها فإذا قیل یوم عاشوراء فکأنه قیل یوم اللیلة العاشرة الا إنهم لما عدلوا به عن الصفة غلبت علیه الاسمیة فاستغنوا عن الموصوف فحذفوا اللیلة فصار هذا اللفظ علما علی الیوم العاشر وذکر أبو منصور الجوالیقی أنه لم یسمع فاعولاء إلا هذا وضاروراء وساروراء ودالولاء من الضار والسار والدال وعلی هذا فیوم عاشوراء هو العاشر وهذا قول الخلیل وغیره وقال الزین بن المنیر الأکثر علی أن عاشوراء هو الیوم العاشر من شهر الله المحرم وهو مقتضی الاشتقاق والتسمیة وقیل هو الیوم التاسع(فتح الباری لابنِ حجر، ج ۲ ص ۲۴۵ کتاب الصوم،قوله باب صیام یوم عاشوراء)

وذهب جماهیر العلماء من السلف والخلف :إلی أن عاشوراء هو الیوم العاشر من المحرم ، وممن قال ذلک :سعید بن المسیب ، والحسن البصری ، ومالک وأحمد وإسحاق ، وخلائق ، وهذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس دن حضرت موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرعون سے نجات عطا فرمائی تھی، یہود ونصاریٰ اور قریشِ مکہ اس دن کی فضیلت کے قائل تھے اور اس دن کی تعظیم کیا کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس دن میں روزہ رکھا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کی ترغیب دیتے تھے، زمانۂ جاہلیت میں کعبہ کو تعظیم کی وجہ سے غلاف بھی اسی دن پہنایا جاتا تھا۔

بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے اس دن کا روزہ فرض تھا جو کہ بعد میں منسوخ ہو گیا، مگر اب بھی اس دن کے روزے کی فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس سے ایک سال کے (صغیرہ) گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ بعض دوسری چیزیں اور ان کے متعلق مختلف فضائل بھی محرم اور خاص کر دس محرم کے دن کے بارے میں کچھ لوگوں میں مشہور ہیں، جن میں سے متعدد غیر مستند ہیں۔

خلاصہ یہ کہ دس محرم کا دن شریعت کی نظر میں انتہائی معظم ومحترم اور بابرکت دن ہے، جس میں عبادت اور بطورِ خاص روزہ رکھنے کی بڑی فضیلت ہے، البتہ اس دن کے حوالہ سے بعض چیزیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں کہ شرعی اعتبار سے ان کا مستند ثبوت نہیں، اس لئے ان پر عمل پیرا ہونے کے بجائے شریعت سے ثابت شدہ چیزوں پر ہی عمل پیرا ہونا چاہئے، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ظاهر الأحاديث، ومقتضى اللفظ، وأما تقدير أخذه من (الإظماء) فبعيد (شرح النووی علیٰ مسلم، ج۸ص ۱۲، کتاب الصيام، باب ای يوم يصام فی عاشوراء)

والدليل على صحة ما نقوله أن هذا الاسم مأخوذ من العشر فكان أظهر فی اليوم العاشر بل يلزمه ويختص به وأما اليوم التاسع فإنما سمى التاسوعاء (المنتقیٰ شرح المؤطا، ۲ص۵۸، کتاب الصيام، باب صيام يوم عاشوراء)

وهذا هو مقتضى الاشتقاق والتسمية، وعليه الاكثر، وقيل هو يوم التاسع، فعلى الاول، فاليوم مضاف لليلة الماضية، وعلى الثانی للآتية، كما فی "الفتح" والحاصل ان كون عاشوراء هو اليوم العاشر هو مذهب الصحابة والتابعين ومن بعدهم، كما ذكره النووی وغيره (معارف السنن، ج ۵ ص ۴۳۲، ابواب الصوم، باب ماجاء فی الحث علی صوم يوم عاشوراء)

(فصل نمبر 3)

دس محرم کے روزہ کے فضائل واحکام

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرّٰى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلٰى غَيْرِهِ إِلَّا هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَهٰذَا الشَّهْرَ يَعْنِيْ شَهْرَ رَمَضَانَ (بخاری) [1]

ترجمہ: میں نے نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص دن روزہ کا اہتمام فرماتے ہوں اوراس کوکسی دوسرے دن پرفضیلت دیتے ہوں، سوائے اس دس محرم کے دن کے اوراس مہینہ یعنی رمضان المبارک کے مہینہ کے (بخاری)

فائدہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے یہی سمجھا کہ آپ جس قدر نفلی روزوں میں عاشوراء یعنی دس محرم کے دن کے روزے کا اہتمام فرماتے تھے، اتنا رمضان کے بعد کسی دوسرے نفلی روزے کا نہیں فرماتے تھے۔

اس حدیث سے دس محرم کے روزہ کی فضیلت بالکل ظاہر اورواضح ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۲۰۰۶، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء.

[2] قیل: لعل ھذا علی فھم ابن عباس وإلا فیوم عرفۃ أفضل الأیام، ودفع بأن الکلام فی فضل الصوم فی الیوم لا فی فضل الیوم مطلقا مع أن الیوم أیضا مختلف فیہ(مرقاۃ المفاتیح، ج۴ص ۱۴۱۲، کتاب الصوم، باب صیام التطوع)

قولہ ما رأیت إلخ ھذا یقتضی أن یوم عاشوراء أفضل الأیام للصائم بعد رمضان لکن بن عباس أسند ذلک إلی علمہ فلیس فیہ ما یرد علم غیرہ وقد روی مسلم من حدیث أبی قتادۃ مرفوعا إن صوم عاشوراء یکفر سنۃ وإن صیام یوم عرفۃ یکفر سنتین وظاھرہ أن صیام یوم عرفۃ أفضل من صیام یوم عاشوراء(فتح الباری لابنِ حجر، ج۴ص ۲۴۹، کتاب الصوم، قولہ باب صیام یوم عاشوراء)

قال الحافظ وھذا یقتضی ان یوم عاشورآء افضل الایام للصائم بعدرمضان لکن ابن عباس اسند

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پرملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن کے روزہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ (مسلم) [1]

ترجمہ: میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ عرفہ (یعنی نو ذی الحجہ) کا روزہ رکھنا گزشتہ اور آنے والے سال کے (صغیرہ) گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے، اور میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ عاشوراء (یعنی دس محرم) کا روزہ گزشتہ ایک سال کے (صغیرہ) گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے (مسلم)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذلک الی علمه فليس فيه مايردعلم غيره وقدروى مسلم من حديث ابى قتاده مرفوعًاان صوم عاشورآء يكفر سنة وان صيام يوم عرفة يكفرسنتين وظاهره ان صيام يوم عرفة افضل من صيام يوم عاشورآء وقد قيل فى الحكمة فى ذلک ان يوم عاشورآء منسوب الى موسٰى عليه السلام ويوم عرفة منسوب الى النبى صلى الله عليه وسلم فلذلک كان افضل (فتح الملهم شرح صحيح مسلم ج ٣ ص ١٢٥ للعلامه شبير احمد عثمانى رحمه الله)

(المحرم) أى هو أفضل شهر يتطوع بصومه كاملا بعد رمضان ، فأما التطوع ببعض شهر فقد يكون أفضل من بعض أيامه كصوم عرفة وعشر الحجة ذكره الحافظ ابن رجب وذلک لأنه أول السنة المستأنفة وافتتاحهابالصوم الذى هو ضياء أفضل الأعمال ، وقال الزمخشرى : خصه من بين الأشهر الحرم لمكان عاشوراء فأفضل الأشهر لصوم التطوع المحرم ثم رجب ثم بقية الأشهر الحرم ثم شعبان ، ولا يعارضه إكثار النبى صلى الله عليه وسلم صوم شهر شعبان دونه لأنه إنما علم فضل صوم المحرم آخرا ، ولعله لعارض ، وتفضيل صوم داود باعتبار الطريقة وهذا باعتبار الزمن ، فطريقة داود فى المحرم أفضل من طريقته فى غيره كذا وفق جمع وضعف ، والظاهر أن التطوع المطلق بالصوم أفضله المحرم كما أن أفضل النفل المطلق صلاة الليل وما صيامه تبع كصوم ما قبل رمضان وما بعده فليس من المطلق بل صومه تبع لرمضان ، ولذا قيل إن صوم ست شوال يلحق رمضان ويكتب معه بصيام الدهر فرضا ، فهذا النوع صومه أفضل التطوع مطلقا ، والمطلق أفضله المحرم اهـ(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ١٢٧٤)

[1] رقم الحديث ٢٨٠٣، كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر الخ.

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابنِ حجر فرماتے ہیں:

وَظَاهِرُهُ أَنَّ صِيَامَ يَوْمِ عَرَفَةَ أَفْضَلُ مِنْ صِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ وَقَدْ قِيْلَ فِيْ الْحِكْمَةِ فِيْ ذٰلِكَ أَنَّ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ مَنْسُوْبٌ إِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَيَوْمُ عَرَفَةَ مَنْسُوْبٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِذٰلِكَ كَانَ أَفْضَلُ (فتح الباری لابنِ حجر، ج۴ص ۲۴۹، کتاب الصوم، قوله باب صيام يوم عاشوراء)

ترجمہ: اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا، عاشوراء کے دن کے روزہ سے افضل ہے، اوراس فرق کی حکمت کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ عاشوراء کا روزہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، اور عرفہ کا دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے، پس اسی وجہ سے عرفہ کے دن کا روزہ زیادہ فضیلت کا باعث ہے (فتح الباری)

بعض ضعیف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عاشورہ کے دن کا روزہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کئی انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے بھی رکھا ہے۔ [1]

---

[1] حدثنا حفص بن غياث ، عن الهجرى ، عن أبى عياض ، عن أبى هريرة ، قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : يوم عاشوراء يوم كانت تصومه الأنبياء ، فصوموه أنتم (مصنف ابنِ ابى شيبة ،رقم الحديث ۹۴۴۶، كتاب الصيام، باب ما قالوا فى صوم يوم عاشوراء)

قال المناوى:(صوموايوم عاشوراء)فأن فضيلته عظيمة وحرمته قديمة (يوم كانت الأنبياء تصومه) فصوموه .قال ابن رجب :صامه نوح وموسى وغيرهماوقد كان اهل الكتاب يصومونه وكذااهل الجاهلية فأن قريشا كانت تصومه ومن اعجب ماورد انه كان يصومه الوحش والهوام فقد أخرج الخطيب فى التاريخ مرفوعاًان الصرد والطيرصام عاشوراء قال ابن رجب :سنده غريب وقد روى ذلك عن ابى هريرة اه وروى عن الخليفة القادربالله انه كان يبعث الخبز للنمل كل يوم فناكله ألايوم عاشوراء. (ش عن ابى هريرة)رمز لصحته(فيض القديرللمناوى،تحت رقم الحديث ۵۰۶۷،الجزء الرابع،حرف الصاد)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وضاحت: بہت سے علمائے کرام کی تحقیق کے مطابق اس روزہ کے رکھنے کی وجہ سے صغیرہ گناہوں کی معافی ہوتی ہے۔ [1]

اور صغیرہ گناہوں کی معافی بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

کبیرہ گناہوں کے لئے توبہ ضروری ہے اور سچی توبہ کے لئے تین باتیں ضروری ہیں۔

(1)...... پہلی یہ کہ گزرے ہوئے گناہوں پر افسوس اور شرمندگی کا ہونا اور ساتھ ہی جن چیزوں کی قضاء ضروری ہے، خواہ وہ اللہ کے حقوق ہوں (جیسے قضاء نمازیں، روزے، زکاۃ، حج، صدقۂ فطر، قسم کا کفارہ، جائز منت وغیرہ) ان کو حسبِ قدرت ادا کرنا اور خواہ بندوں کے حقوق ہوں (جیسے قرض و دین، تقسیمِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال البوصيرى: رواه أبو بكر بن أبى شيبة بسند ضعيف لضعف إبراهيم الهجرى(اتحاف الخيرة المهرة بزوائد مسانيد العشرة، ج۳ص ۸۲، كتاب الصوم، باب صوم يوم عاشوراء)

وقال ايضا:إبراهيم بن مسلم العبدى أبو إسحاق الهجرى بفتح الهاء والجيم يذكر بكنيته لين الحديث رفع موقوفات من الخامسة (تقريب التهذيب ج ۱ ص ۹۴، تحت رقم الترجمة ۲۵۱)

وقال المزى:قال على ابن المدينى عن سفيان بن عُيَيْنَة :كان إبراهيم الهجرى يسوق الحديث سياقة جيدة على ما فيه.وَقَال إبراهيم بن بشار الرمادى عن سفيان :رأيت إبراهيم الهجرى وقد أقاموه فى الشمس يستخرج منه شىء ، وكان يلعب بالشطرنج.وَقَال عَبد الله بن محمد المسندى عن سفيان : إنه كان يضعف إبراهيم الهجرى .وَقَال عبد الرحمن بن بشر بن الحكم عن سفيان : أتيت إبراهيم الهجرى ، فدفع إلى عامة كتبه ، فرحمت الشيخ ، فأصلحت له كتابه.قلت :هذا عن عَبد الله ، وهذا عن النبى صلى الله عليه وسلم ، وهذا عن عُمَر.وَقَال محمد بن المثنى :ما سمعت يحيى يحدث عن سفيان عن الهجرى .وكان عبد الرحمن يحدث عن سفيان عنه.وَقَال عَباس الدُّورِيُّ عن يحيى بن مَعِين :ضعيف ليس بشىء.وَقَال أبو حاتم لين الحديث ليس بقوى.وَقَال النَّسَائى :ضعيف.وَقَال أبو أحمد بن عدى :وأحاديثه عامتها مستقيمة المتن ،وإنما أنكروا عليه كثرة روايته عَن أبى الأحوص ، عن عَبد الله ، وهو عندى ممن يكتب حديثه(تهذيب الكمال ج۲ ص ۲۰۴ تا ۲۰۶، ملخصاً، تحت ترجمة ابراهيم بن مسلم العبدى)

[1] (صوم يوم عرفة يكفر سنتين ماضية) يعنى التى هو فيها (ومستقبلة) أى التى بعده يعنى يكفر ذنوب صائمه فى السنتين والمراد الصغائر (وصوم عاشوراء) بالمد (يكفر سنة ماضية) لأن يوم عرفة سنة المصطفى ويوم عاشوراء سنة موسى فجعل سنة نبينا تضاعف على سنة موسى (التيسير بشرح الجامع الصغير للمناوى، ج۲ ص ۹۵، حرف الصاد)

میراث، کسی بھی قسم کا جانی، مالی نقصان اور ایذاء رسانی وغیرہ) ان کو ممکنہ حد تک ادا کرنے کی کوشش کرنا یا حقدار سے غیر رسمی معافی حاصل کرنا۔

(2)...... دوسری یہ کہ اس وقت فوراً ان گناہوں کو چھوڑ دینا اور ان سے الگ ہوجانا۔

(3)...... تیسری یہ کہ آئندہ کے لئے ان گناہوں کو نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلینا (کذافی معارف القرآن ج۲ تحت سورہ نساء آیت ۳۱) ل

ل أن حد التوبة الرجوع عن الذنب والعزم ان لا يعود إليه والاقلاع عنه والاستغفار بمجرده لا يفهم منه ذلک انتهى وقال غيره شروط التوبة ثلاثة الاقلاع والندم والعزم على ان لا يعود والتعبير بالرجوع عن الذنب لا يفيد معنى الندم بل هو إلى معنى الاقلاع أقرب وقال بعضهم يكفى فى التوبة تحقق الندم على وقوعه منه فإنه يستلزم الاقلاع عنه والعزم على عدم العود فهما ناشئان عن الندم لا أصلان معه ومن ثم جاء الحديث الندم توبة وهو حديث حسن من حديث بن مسعود أخرجه بن ماجة وصححه الحاكم وأخرجه بن حبان من حديث أنس وصححه وقد تقدم البحث فى ذلک فى باب التوبة من أوائل كتاب الدعوات مستوفى(فتح البارى لابنِ حجر، ج۱۳ ص ۴۷۱، كتاب التوحيد، قوله باب قول الله تعالى يريدون ان يبدلوا كلام الله)

ثم اعلم ان التوبة اما من الكفر واما من الذنب فتوبة الكافر مقبولة قطعا وتوبة العاصى مقبولة بالوعد الصادق ومعنى القبول الخلاص من ضرر الذنوب حتى يرجع كمن لم يعمل ثم توبة العاصى اما من حق الله واما من حق غيره فحق الله تعالى يكفى فى التوبة منه الترک على ما تقدم غير ان منه ما لم يكتف الشرع فيه بالترک فقط بل أضاف إليه القضاء أو الكفارة وحق غير الله يحتاج إلى ايصالها لمستحقها والا لم يحصل الخلاص من ضرر ذلک الذنب لكن من لم يقدر على الايصال بعد بذله الوسع فى ذلک فعفو الله مأمول فإنه يضمن التبعات ويبدل السيئات حسنات والله اعلم(فتح البارى لابنِ حجر، ج۱۱ ص۱۰۳، كتاب الدعوات، باب التوبة)

قال العلماء :التوبة واجبة من كل ذنب، فإن كانت المعصية بين العبد وبين الله تعالى لا تتعلق بحق آدمى، فلها ثلاثة شروط :أحدها :أن يقلع عن المعصية .والثانى :أن يندم على فعلها . والثالث :أن يعزم أن لا يعود إليها أبداً، فإن فقد أحد الثلاثة لم تصح توبته .وإن كانت المعصية تتعلق بآدمى فشروطها أربعة :هذه الثلاثة، وأن يبرأ من حق صاحبها :فإن كانت مالاً أو نحوه رده إليه، وإن كانت حد قذف ونحوه مكنه منه أو طلب عفوه وإن كانت غيبة استحله منها ويجب أن يتوب من جميع الذنوب فإن تاب من بعضها صحت توبته عند أهل الحق من ذلک الذنب وبقى عليه الباقى وقد تظاهرت دلائل الكتاب، والسن، وإجماع الأمة على وجوب التوبة (شرح رياض الصالحين للعثيمين ،ج ۱ ص۸۵،آداب عامة ، باب التوبة)

دس محرم اور اس کے روزہ کی شرعی وتاریخی حیثیت واہمیت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانُوْا يَصُوْمُوْنَ عَاشُوْرَاءَ قَبْلَ اَنْ يُّفْرَضَ رَمَضَانُ وَكَانَ يَوْمًا تُسْتَرُفِيْهِ الْكَعْبَةُ فَلَمَّا فَرَضَ اللّٰهُ رَمَضَانَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَآءَ اَنْ يَّصُوْمَهٗ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ شَآءَ اَنْ يَّتْرُكَهٗ فَلْيَتْرُكْهُ

(بخاری) [1]

ترجمہ: رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے لوگ دس محرم کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے اور دس محرم کے دن کعبہ کو غلاف بھی پہنایا جاتا تھا، پھر جب اللہ نے رمضان کے روزے فرض فرمادیئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دس محرم کا روزہ رکھنا چاہے وہ رکھ لے اور جو چھوڑنا چاہے وہ چھوڑ دے

(بخاری)

کعبہ کو غلاف اس کی تعظیم وتکریم کے لئے پہنایا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٥٩٢، كتاب الحج،باب قول الله تعالى جعل الله الكعبة البيت الحرام قياما للناس الخ.

[2] قد مر وجه المطابقة بين الحديث والترجمة ووجه آخر وهو أن المشركين كانوا يعظمون الكعبة قديما بالستوروالكسوة ويقومون إليها كما يقوم المسلمون وبين الله تعالى فى الآية المذكور أنه جعل الكعبة بيتا حراما ومن حرمتها تعظيمها فعظمها المسلمون ومن جملة تعظيمهم إياها أنهم كانوا يكسونها فى كل سنة يوم عاشوراء الذى هو من الأيام المعظمة(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج٩ص ٢٣٣، ٢٣٤، كتاب الحج،باب قول الله تعالى جعل الله الكعبة البيت الحرام قياما للناس)

وكان يوما تستر فيه الكعبة فإنه يفيد أن الجاهلية كانوا يعظمون الكعبة قديما بالستور ويقومون بها وعرف بهذا جواب الإسماعيلى فى قوله ليس فى الحديث مما ترجم به شيء سوى بيان اسم الكعبة المذكورة فى الآية ويستفاد من الحديث أيضا معرفة الوقت الذى كانت الكعبة تكسى فيه من كل سنة وهو يوم عاشوراء وكذا ذكر الواقدى بإسناده عن أبى جعفر الباقر أن الأمر استمر على ذلك

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

كَانَ يَوْمُ عَاشُوْرَآءَ تَصُوْمُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُهُ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ صَامَهُ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ تَرَكَ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ فَمَنْ شَآءَ صَامَهُ وَمَنْ شَآءَ تَرَكَهُ (بخاری) [1]

ترجمہ: قریشِ مکہ زمانۂ جاہلیت میں دس محرم کے دن روزہ رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزہ رکھتے تھے۔ پھر جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو وہاں خود اس دن کا روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا، پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو دس محرم کے دن (بطورِ تاکید) روزہ رکھنا چھوڑ دیا، اس کے بعد جس کی خواہش ہوتی اس دن روزہ رکھتا اور جو چاہتا اس دن روزہ نہ رکھتا (بخاری)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ: هٰذَا يَوْمُ عَاشُوْرَاءَ، وَلَمْ يُكْتَبْ عَلَيْكُمْ صِيَامُهُ، وَأَنَا صَائِمٌ، فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّصُوْمَ فَلْيَصُمْ (صحیح ابنِ حبان) [2]

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

فی زمانهم وقد تغير ذلك بعد فصارت تكسى في يوم النحر وصاروا يعمدون إليه في ذي القعدة فيعلقون كسوته إلى نحو نصفه ثم صاروا يقطعونها فيصير البيت كهيئة المحرم فإذا حل الناس يوم النحر كسوه الكسوة الجديدة(فتح الباری لابنِ حجر، ج۳ ص ۴۵۵، كتاب الحج، قوله باب قول الله عز و جل وإذ قال إبراهيم رب اجعل هذا البلد آمنا واجنبني إلى قوله لعلهم يشكرون)

[1] رقم الحديث ۲۰۰۲، كتاب الصوم، باب صيام يوم عاشوراء .

[2] رقم الحديث ۳۶۲۶، كتاب الصوم، باب صوم التطوع.

قال شعيب الأرنؤوط:

إسناده صحيح على شرط مسلم(حاشية صحيح ابنِ حبان)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرمارہے تھے کہ یہ عاشوراء (یعنی دس محرم) کا دن ہے، اور تمہارے اوپر اس دن کا روزہ فرض نہیں کیا گیا، لیکن میں روزہ سے ہوں، تو جو شخص روزہ رکھنے کو پسند کرے، تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھ لے (ابنِ حبان)

فائدہ: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں دس محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے، اور مکہ کے کفارِ قریش بھی، اور بعض فقہائے کرام کی تحقیق یہ ہے کہ دس محرم کا روزہ رکھنا ابتدائے اسلام میں رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے فرض تھا، بعد میں اس کے فرض ہونے کی حیثیت منسوخ اور ختم ہوگئی، جس کی تائید مندرجہ بالا احادیث سے ہوتی ہے اور بعض دوسری احادیث سے بھی یہی مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔

مگر اس روزے کے اہم فضائل اور اس کا سنت و مستحب ہونا اب بھی باقی ہے۔ [1]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ صِيَامًا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِىْ تَصُوْمُوْنَهٗ فَقَالُوْا هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ أَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهٗ فَصَامَهٗ مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ

---

[1] عن عائشة، قالت :كان يوم عاشوراء يوما تصومه قريش فى الجاهلية، وكان رسول الله -صلى الله عليه وسلم -يصومه فى الجاهلية، فلما قدم رسول الله -صلى الله عليه وسلم -المدينة صامه وأمر بصيامه، فلما فرض رمضان كان هو الفريضة، وترك عاشوراء ، فمن شاء صامه، ومن شاء تركه(ابوداؤد، رقم الحديث ۲۴۴۲،سنن الترمذى، رقم الحديث ۷۵۳)

قال شعيب الارنؤوط:

اسناده صحيح(حاشية ابى داؤد)

وقد كان صوم يوم عاشوراء فرضا فى الإسلام، ثم نسخت فرضيته بصوم رمضان، فخير النبى صلى الله عليه وسلم المسلمين فى صومه، وهو اختيار كثيرين واختيار الشيخ تقى الدين من الحنابلة، وهو الذى قاله الأصوليون(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۸ ص ۸۹، مادة "صوم")

نَصُوْمُهٗ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَحْنُ أَحَقُّ وَأَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ بِصِيَامِهٖ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو دس محرم کے دن روزہ رکھتے ہوئے دیکھا، آپ نے ان سے پوچھا کہ اس دن کی کیا خصوصیت ہے کہ تم روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ بڑا عظیم (اور نیک) دن ہے، اسی دن اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی (اور فرعون پر غلبہ عطا فرمایا) اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا۔

چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے بطور شکر (اور بطور تعظیم) اس دن روزہ رکھا تھا، اس لئے ہم بھی روزہ رکھتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ! تمہارے مقابلے میں ہم موسیٰ سے زیادہ قریب ہیں، اور (بطور شکر روزہ رکھنے کے) زیادہ حق دار ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس محرم کے دن خود بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کی تلقین فرمائی (مسلم، بخاری)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ يَوْمُ عَاشُوْرَاءَ يَوْمًا تُعَظِّمُهُ الْيَهُوْدُ وَتَتَّخِذُهٗ عِيْدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُوْمُوْهُ أَنْتُمْ (مسلم) [2]

ترجمہ: یہودی دس محرم کے دن کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے اور اس دن عید منایا کرتے تھے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس دن روزہ رکھو (مسلم، بخاری)

---

[1] رقم الحدیث ۱۳۰ ۱ ”۱۲۸ ۱“ کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، ورقم الحدیث ۲۰۰۴، بخاری رقم الحدیث ۳۹۴۳۔

[2] رقم الحدیث ۱۳۱ ۱ ”۱۲۹ ۱“ کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشوراء، بخاری رقم الحدیث ۲۰۰۵۔

فائدہ: بعض حضرات نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لا کر یہودیوں کی اطلاع دینے کی وجہ سے دس محرم کا روزہ رکھنا شروع نہیں کیا بلکہ آپ دس محرم کا روزہ اس سے پہلے مکہ مکرمہ میں بھی رکھا کرتے تھے، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہودیوں نے خبر دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی یا دوسرے قرائن وغیرہ کے ذریعے سے اس خبر کو سچا قرار دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھی دس محرم کا روزہ رکھا۔ [1]

تنہا دس محرم کا روزہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

حِيْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ ، وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ ، قَالُوْا ، يَا رَسُوْلَ اللهِ ! اِنَّهٗ يَوْمٌ تُعَظِّمُهُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ فَاِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ قَالَ فَلَمْ يَأْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتّٰى تُوَفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ

---

[1] ظاهر هذه الأحاديث تدل على أن النبى صلى الله عليه وسلم إنما صام عاشوراء وأمر بصيامه اقتداء بموسى عليه السلام على ما أخبر به اليهود وليس كذلك لما روته عائشة رضى الله عنها(تفسير القرطبی، ج ا ص ٣٩٠،سورة البقرة ، رقم الآية ٥٠)

قال المازرى خبر اليهود غير مقبول فيحتمل أن النبى صلى الله عليه وسلم أوحى إليه بصدقهم فيما قالوه أو تواتر عنده النقل بذلك حتى حصل له العلم به قال القاضى عياض ردا على المازرى قد روى مسلم أن قريشا كانت تصومه فلما قدم النبى صلى الله عليه وسلم المدينة صامه فلم يحدث له بقول اليهود حكم يحتاج إلى الكلام عليه وإنما هى صفة حال وجواب سؤال فقوله صامه ليس فيه أنه ابتدأ صومه حينئذ بقولهم ولو كان هذا لحملناه على أنه أخبر به من أسلم من علمائهم كابن سلام وغيره قال القاضى وقد قال قال بعضهم يحتمل أنه صلى الله عليه وسلم كان يصومه بمكة ثم ترك صيامه حتى علم ما عند أهل الكتاب فيه فصامه قال القاضى وما ذكرناه أولى بلفظ الحديث قلت المختار قوله المازرى ومختصر ذلك أنه صلى الله عليه وسلم كان يصومه كما تصومه قريش فى مكة ثم قدم المدينة فوجد اليهود يصومونه فصامه أيضا بوحى أو تواتر أو اجتهاد لا بمجرد أخبار آحادهم والله أعلم (شرح النووى علىٰ مسلم ج٨ص ١٠، ١١ ، كتاب الصيام،باب صوم يوم عاشوراء)

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسلم) [1]

ترجمہ: جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء (یعنی دس محرم) کے دن کا روزہ رکھا، اور صحابہ کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا، تو صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ ایسا دن ہے کہ یہود ونصاریٰ اس کی بہت تعظیم کرتے ہیں (اور روزہ رکھ کر ہم اس دن کی تعظیم کرنے میں یہود ونصاریٰ کی موافقت کرنے لگتے ہیں، جبکہ ہمارے اور ان کے دین میں بڑا فرق ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اگلا سال ہوگا، تو ان شاء اللہ ہم نویں تاریخ کو (بھی) روزہ رکھیں گے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آئندہ سال نہیں آیا، یہاں تک کہ (ربیعُ الاول میں) آپ کا وصال ہوگیا (مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی مخالفت کا ارادہ فرمالیا تھا، لیکن اس کے بعد اگلے سال محرم کے آنے سے پہلے ہی ربیع الاول میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، اور آپ کا یہ ارادہ فرمانا بھی عمل کے درجہ میں تھا۔ [2]

متقدمین ومتاخرین جمہور علماء کے نزدیک عاشوراء کا دن دس محرم کا دن کہلاتا ہے۔

اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی مخالفت کی غرض سے تنہا دس محرم کا روزہ رکھنے کا ارادہ ترک فرما کر آئندہ سال دس محرم کے ساتھ نویں کا روزہ رکھنے کا ارادہ فرمایا تھا۔

اگر دسویں محرم کے ساتھ نویں کے بجائے گیارہویں تاریخ کا روزہ ملالیا جائے، تب بھی کوئی حرج نہیں، اس کی تائید اور وضاحت خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایات

---

[1] رقم الحدیث ۱۱۳۴ "۱۳۳" کتاب الصیام، باب أی یوم یصام فی عاشوراء.

[2] قال الطیبی: لم یعش رسول الله – صلى الله علیه وسلم – إلى القابل بل توفی فی الثانی عشر من ربیع الأول فصار الیوم التاسع من المحرم صوم سنة، وإن لم یصمه لأنه عزم على صومه (مرقاة المفاتیح، ج۴ ص۱۴۱۲، کتاب الصوم، باب صیام التطوع)

سے ہوتی ہے، کما سیجیئ۔ ۱؎

۱؎ وذهب جماهير العلماء من السلف والخلف إلى أن عاشوراء هو اليوم العاشر من المحرم وممن قال ذلك سعيد بن المسيب والحسن البصرى ومالك وأحمد وإسحاق وخلائق وهذا ظاهر الأحاديث ومقتضى اللفظ وأما تقدير أخذه من الاظماء فبعيد ثم ان حديث بن عباس الثانى يرد عليه لأنه قال أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يصوم عاشوراء فذكروا أن اليهود والنصارى تصومه فقال إنه فى العام المقبل يصوم التاسع وهذا تصريح بأن الذى كان يصومه ليس هو التاسع فتعين كونه العاشر قال الشافعى وأصحابه وأحمد وإسحاق وآخرون يستحب صوم التاسع والعاشر جميعا لأن النبى صلى الله عليه وسلم صام العاشر ونوى صيام التاسع وقد سبق فى صحيح مسلم فى كتاب الصلاة من رواية أبى هريرة أن النبى صلى الله عليه وسلم قال أفضل الصيام بعد رمضان شهر الله المحرم قال بعض العلماء ولعل السبب فى صوم التاسع مع العاشر أن لا يتشبه باليهود فى إفراد العاشر وفى الحديث إشارة إلى هذا وقيل للاحتياط فى تحصيل عاشوراء والأول أولى والله أعلم (شرح النووى علىٰ مسلم، ج۸ص ۱۲، ۱۳، كتاب الصيام، باب أى يوم يصام فى عاشوراء)

ثم ما هم به من صوم التاسع يحتمل معناه أنه لا يقتصر عليه بل يضيفه إلى اليوم العاشر إما احتياطا له وإما مخالفة لليهود والنصارى وهو الأرجح وبه يشعر بعض روايات مسلم ولأحمد من وجه آخر عن بن عباس مرفوعا صوموا يوم عاشوراء وخالفوا اليهود صوموا يوما قبله أو يوما بعده وهذا كان فى آخر الأمر وقد كان صلى الله عليه وسلم يحب موافقة أهل الكتاب فيما لم يؤمر فيه بشيء ولا سيما إذا كان فيما يخالف فيه أهل الأوثان فلما فتحت مكة واشتهر أمر الإسلام أحب مخالفة أهل الكتاب أيضا كما ثبت فى الصحيح فهذا من ذلك فوافقهم أو لا وقال نحن أحق بموسى منكم ثم أحب مخالفتهم فأمر بأن يضاف إليه يوم قبله ويوم بعده خلافا لهم ويؤيده رواية الترمذى من طريق أخرى بلفظ أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بصيام عاشوراء يوم العاشر وقال بعض أهل العلم قوله صلى الله عليه وسلم فى صحيح مسلم لئن عشت إلى قابل لأصومن التاسع يحتمل أمرين أحدهما أنه أراد نقل العاشر إلى التاسع والثانى أراد أن يضيفه إليه فى الصوم فلما توفى صلى الله عليه وسلم قبل بيان ذلك كان الاحتياط صوم اليومين وعلى هذا فصيام عاشوراء على ثلاث مراتب أدناها أن يصام وحده وفوقه أن يصام التاسع معه وفوقه أن يصام التاسع والحادى عشر والله أعلم(فتح البارى لابنِ حجر، ج۴ص ۲۴۵، ۲۴۶، كتاب الصيام، باب صيام يوم عاشوراء)

(لئن بقيت) فى رواية لئن عشت (إلى قابل) أى عشت إلى المحرم الآتى (لأصومن) اليوم (التاسع) مع عاشوراء مخالفة لليهود فلم يأت المحرم القابل حتى مات فيسن صومه وإن لم يصمه لأن ما عزم عليه فهو سنة قال التوربشتى: أراد أن يضم إليه يوما

《بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں》

حضرت عطاء سے صحیح سند کے ساتھ روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے عاشوراء کے دن کے بارے میں یہ ارشاد سنا کہ:

خَالِفُوْا الْیَهُوْدَ وَصُوْمُوْا التَّاسِعَ وَالْعَاشِرَ (مصنف عبدالرزاق) [1]

ترجمہ: تم یہود کی مخالفت کرو اور نویں اور دسویں تاریخ کا روزہ رکھو (عبدالرزاق)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہود کی مخالفت کی وجہ سے آئندہ سال نویں تاریخ کا روزہ رکھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا، اس سے مراد دسویں کے ساتھ نویں تاریخ کا روزہ رکھنا تھا۔

اس کی تائید بعض مرفوع احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

آخر ليكون هديه مخالفا لهدى أهل الكتاب لأنه وقع موقع الجواب لقولهم لأنه يوم يعظمه اليهود (م هـ عن ابن عباس) ورواه عنه البيهقي بلفظ لآمرن بصيام يوم قبله ويوم بعده (فيض القدير للمناوى ، تحت رقم الحديث ٧٢٢٠، ج٥، حرف اللام)

فثبت بهذا الحديث ما ذكرناه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم إنما أراد بصوم يوم التاسع أن يدخل صومه يوم عاشوراء فی غيره من الصيام , حتى لا يكون مقصودا إلى صومه بعينه . كما جاء عنه فی صوم يوم الجمعة (شرح معانی الآثار للطحاوی ، ج٢ ص ٧٨، تحت رقم الحديث ٣٣٠٢، كتاب الصيام، باب صوم يوم عاشوراء)

وما نسب الى ابن عباس من القول بالتاسع فمنشاؤه رواية عند مسلم والترمذی، و هذا ليس بصحيح . فانه مؤول بصومه مع العاشر، لا انه عاشوراء جمعا بين كل ماروی عن حبر الامة وبحرها موقوفا ومرفوعا واشتقاق العاشوراء من العشر وعليه ائمة اللغة (معارف السنن ج ٥ ص ٤٣٨، ابواب الصوم، باب ماجاء فی عاشوراء ای يوم هو؟)

ایک حدیث میں ''ثُمَّ اَصْبَحَ مِنْ یَوْمِ التَّاسِعِ صَائِمًا'' کے الفاظ ہیں اس جملے میں کلمہ ''مِنْ'' ابتداء کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نویں تاریخ سے روزے کی ابتداء کی جائے (حاشیہ درس ترمذی)

[1] رقم الحديث ٧٨٣٩، كتاب الصيام، باب صيام يوم عاشوراء، شعب الايمان رقم الحديث ٣٥٠٩، سنن البيهقی رقم الحديث ٨٤٠٤ ، شرح معانی الآثار رقم الحديث ٣٣٠٢،سنن الترمذی تحت رقم الحديث ٧٥٥، كتاب الصوم، باب ماجاء عاشوراء ای يوم هو.

[2] فدل ذلک على أن ابن عباس قد صرف قول رسول الله صلى الله عليه وسلم: لئن عشت إلى قابل لأصومن يوم التاسع إلى ما صرفناه إليه، وقد جاء عن رسول الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: صُوْمُوْا یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ، وَخَالِفُوْا فِیْہِ الْیَهُوْدَ، صُوْمُوْا قَبْلَهٗ یَوْمًا، أَوْ بَعْدَهٗ یَوْمًا (مسند احمد)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم عاشوراء کا روزہ رکھو، اور یہود کی مخالفت کرو، اور اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھو (مسند احمد)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَئِنْ بَقِیْتُ لَأَٰمُرَنَّ بِصِیَامِ یَوْمٍ قَبْلَهٗ أَوْ بَعْدَهٗ یَعْنِیْ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ (شعب الایمان للبیہقی)[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال بقیدِ حیات رہا تو عاشوراء کے دن کے ساتھ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا روزہ رکھنے کا حکم دوں گا (بیہقی)

اس حدیث کی سند میں اگرچہ کچھ ضعف پایا جاتا ہے، لیکن اس کی تائید خود حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے صحیح سند کے ساتھ مروی ارشادِ مبارک سے ہوتی ہے، اس لئے اس کی سند میں

﴿ گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ﴾

صلی اللہ علیه وسلم فی ذلک أیضا ......حدثنا فهد , قال: ثنا أحمد بن یونس , قال: ثنا أبو شهاب , عن ابن أبی لیلی , فذكر بإسناده مثله فثبت بهذا الحدیث ما ذكرناه أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم إنما أراد بصوم یوم التاسع أن یدخل صومه یوم عاشوراء فی غیره من الصیام , حتی لا یكون مقصودا إلی صومه بعینه . كما جاء عنه فی صوم یوم الجمعة(شرح معانی الآثار ،تحت رقم الحدیث ۳۳۰۲، ج۲ ص۷۸ ، كتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء) وروی عن ابن عباس أنه قال: صوموا التاسع والعاشر وخالفوا الیهود، وبهذا الحدیث یقول الشافعی، وأحمد، وإسحاق(سنن الترمذی تحت رقم الحدیث رقم ۷۵۵، ابواب الصوم، باب ماجاء عاشوراء ای یوم هو)

[1] رقم الحدیث ۲۱۵۴، شرح معانی الآثار رقم الحدیث ۳۳۰۳.

[2] رقم الحدیث ۳۵۱۰، كتاب الصوم، باب صوم التاسع مع العاشر.

ضعف ہونا نقصان دہ نہیں ہوگا۔ [1]

بعض اہلِ علم حضرات نے اس موقع پر فرمایا کہ:

عاشوراء (یعنی دس محرم) کے دن روزہ رکھنے کے سلسلہ میں مختلف قسم کی وارد ہونے والی احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل شروع میں مکہ مکرمہ میں دس محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے، مگر دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتے تھے، پھر جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو آپ نے اہلِ کتاب کو اس دن کی تعظیم اور روزہ رکھتے ہوئے دیکھا، تو آپ نے بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی اس روزہ کی تاکید فرمائی، پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو اس روزہ کی تاکید ختم کردی گئی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری عمر میں یہودیوں کی مخالفت کی غرض سے دس محرم کے ساتھ ایک روزہ

---

[1] قال سفیان: " سمع ابن أبی لیلی هذا الحدیث من داود فی زمن بنی أمیة "(شعب الایمان، تحت رقم الحدیث ۳۵۱۰)

وقال شعیب الارنؤوط:

إسناده ضعیف، ابن أبی لیلی -واسمه محمد بن عبد الرحمن -سیء الحفظ، وداود بن علی -وهو ابن عبد الله بن عباس الهاشمی -روی عنه جمع، وذکره ابن حبان فی "الثقات"، وقال :یخطیء، وقال الإمام الذهبی :ولیس حدیثه بحجة.

وأخرجه ابن خزیمة(۲۰۹۵)وابن عدی۹۵۶/۳، والبیهقی ۲۸۷/۴من طریق هشیم، بهذا الإسناد.

وأخرجه البزار(۱۰۵۲ کشف الأستار) ، والطحاوی ۷۸/۲من طرق عن محمد بن عبد الرحمن بن أبی لیلی، به.وأخرجه الحمیدی (۴۸۵)ومن طریقه البیهقی ۲۸۷/۴عن سفیان بن عیینة، عن محمد بن عبد الرحمن بن أبی لیلی، بلفظ " :لئن بقیت لآمرن بصیام یوم قبله أو یوم بعد یوم عاشوراء "، وبهذا اللفظ أخرجه ابن عدی فی "الکامل۹۵۶/۳"من طریق عباس بن یزید البحرانی، عن سفیان بن عیینة، عن ابن حی، عن داود بن علی، به.وأخرجه ابن عدی۹۵۶/۳من طریق الحارث بن النعمان بن سالم، عن سفیان -وهو الثوری -عن داود بن علی، به مختصراً "صوموا عاشوراء ."وأخرجه عبد الرزاق (۷۸۳۹)والطحاوی۷۸/۲، والبیهقی ۲۸۷/۴من طریق ابن جریج، عن عطاء، عن ابن عباس، قال :صوموا التاسع والعاشر وخالفوا الیهود .وهذاإسناده صحیح موقوف .وانظر ما سیأتی برقم (۳۲۱۳)(حاشیة مسند احمد)

اور ملانے کا پختہ ارادہ ظاہر فرمایا۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے اسلام میں ان باتوں میں جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا، اہلِ کتاب (یعنی یہود ونصاریٰ) کی موافقت کو پسند فرماتے تھے، جس میں بہت سی حکمتیں تھیں، لیکن بعد میں یہ بات منسوخ اور ختم ہوگئی اور اہلِ کتاب کی مخالفت کا قولاً اور فعلاً اہتمام کیا جانے لگا تھا، جو بہت سی وجہ سے ضروری تھا (خصائل نبوی بتغیر) [2]

---

[1] (صوموا يوم عاشوراء وخالفوا فيه اليهود صوموا قبله يوما وبعده يوما) اتفقوا على ندب صومه .قال النووى: كان النبى صلى الله عليه وسلم يصومه بمكة فلما هاجروا وجد اليهود يصومونه فصامه بوحى أو اجتهاد لا بإخبارهم وقال ابن رجب: ويتحصل من الأخبار أنه كان للنبى صلى الله عليه وسلم أربع حالات كان يصومه بمكة ولا يأمر بصومه فلما قدم المدينة وجد أهل الكتاب يصومونه ويعظمونه وكان يحب موافقتهم فيما لم يؤمر فيه فصامه وأمر به وأكد فلما فرض رمضان ترك التأكيد ثم عزم فى آخر عمره أن يضم إليه يوما آخر مخالفة لأهل الكتاب ولم يكن فرضا قط على الأرجح (فيض القدير،شرح الجامع الصغيرللأمام المناوى ،الجزء الرابع ٢١٥،حرف الصاد،تحت رقم الحديث ٥٠٦٨)

قال المناوى بعد نقل هذا الحديث :فيه محمد بن أبى ليلى وفيه كلام كثير اه وفيه أيضا داود بن على الهاشمى قال فى الميزان: ليس بحجة ثم ساق له هذا الخبر(فيض القديرشرح الجامع الصغيرللأمام المناوى ،الجزء الرابع،حرف الصاد،الحديث رقم٥٠٦٨)

[2] قال الحافظ رحمه الله وهذا كان فى آخرالامروقدكان صلى الله عليه وسلم يحب موافقة اهل الكتاب فيمالم يؤمر فيه بشيئ ولاسيما اذا كان فيما يخالف فيه اهل الاوثان فلما فتحت مكة واشتهر امرالاسلام أحب مخالفة اهل الكتاب ايضاً كما ثبت فى الصحيح فهذا من ذلک فوافقهم اولاً وقال نحن احق بموسٰى منكم ثم أحب مخالفتهم فأمر بان يضاف اليه يوم قبله ويوم بعده خلافاً لهم (فتح الملهم ج ٣ ص ١٤٦ ،للعلامة شبير احمد عثمانى رحمه الله)

قال النووى: واختلفوا فى تأويل موافقة أهل الكتاب فيما لم ينزل عليه فيه شىء، فقيل فعله ائتلافا لهم فى أول الإسلام، وموافقة لهم على مخالفة عبدة الأصنام، فلما أغناه الله تعالى عن ذلک، وأظهر الإسلام على الدين كله خالفهم فى أمور منها (مرقاة المفاتيح،ج٧ص٢٨١٧،كتاب اللباس، باب الترجل)

إن ذلک كان فى أول الأمر عند قدومه على المدينة فى الوقت الذى كان يستقبل قبلتهم ، وإن ذلک كله كانت حكمته التأنيس لأهل الكتاب حتى يصغوا إلى ما جاء به ، فيتبين لهم أنه الحق ، والاستئلاف لهم ليدخلوا فى الدين ، فلما غلبت عليهم الشقوة ، ولم ينفع معهم ذلک نسخ الله تعالى استقبال قبلتهم بالتوجه نحو الكعبة ، وأمر النبى ـ صلى الله عليه وسلم ـ بمخالفتهم فى غير شىء (المفهم لما اشكل فيه من تلخيص كتاب مسلم للقرطبى، ج١٩ ص٥٢، كتاب النبوات، ومن باب فى شعر رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ وكيفيته)

مذکورہ احادیث وروایات کے پیشِ نظر دس محرم کا روزہ رکھنا یہودیوں کی مشابہت سے خالی نہ تھا اور اس کو چھوڑ دینا بھی اس کے فضائل اور برکات سے محرومی کا باعث ہوتا، لہٰذا فقہائے کرام ان ارشادات کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ تنہا دس محرم کا روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی (یعنی خلافِ اولیٰ) ہے۔ [1]

---

[1] اس موقع پر بعض اہل علم حضرات کا کہنا یہ ہے کہ:

''ہمارے زمانے میں چونکہ یہود ونصاریٰ وغیرہ یومِ عاشوراء (دسویں محرم) کو روزہ نہیں رکھتے، بلکہ ان کا کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا، اس لئے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں رہا، لہٰذا فی زمانہ نارفع تشابہ کے لئے نویں یا گیارہویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہئے'' (معارف الحدیث بلفظہٖ ج۴ص۱۷۱)

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ خواہ اب یہود ونصاریٰ کے ساتھ یہ تشبہ نہ پایا جارہا ہو، تب بھی احادیث وروایات کی اتباع کا تقاضا یہی ہے کہ ان پر عمل کیا جائے ''لانہٗ منصوص'' جیسا کہ چودہ سو سال سے امت کا اس پر عمل چلا آرہا ہے، ورنہ اس سے تو بہت سے اسلامی احکام میں تغیر پیدا کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔

وفی الجملة الاقتداء به سنة؛ لاحتمال بقاء المعنی الذی فعله من أجله، ولأنه قد یفعل الشیء لمعنی ویبقی فی حق غیره سنة، مع زوال المعنی، کالرمل والاضطباع فی طواف القدوم، فعله هو وأصحابه لإظهار الجلد للکفار، وبقی سنة بعد زوالهم(المغنی لابن قدامه ج ۲ ص ۲۸۹، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین)

پھر ضروری نہیں کہ تمام یہود ونصاریٰ آج کل اس پر عمل نہ کرتے ہوں کیونکہ یہ ثابت کرنا مشکل ہے (کذا فی فتاویٰ رحیمیہ ج۵ص۱۹۷)

یا آئندہ کسی بھی وقت اس پر عمل نہ کریں یا ان کے اصل مذہب میں بھی یہ بات نہ ہو، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہود ونصاریٰ وغیرہ قمری تاریخوں کا استعمال نہیں کرتے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہود ونصاریٰ کے لئے آج کے دور میں دس محرم کے دن کا حساب قمری تاریخ کے اعتبار سے کرنا ممکن بھی نہیں، جیسا کہ عام طور پر مسلمانوں نے قمری تاریخوں کا استعمال چھوڑا ہوا ہے، لیکن اس کے باوجود قمری تاریخوں سے متعلق اسلامی احکام (مثلاً رمضان، عیدین وغیرہ) قمری حساب سے ہی معلوم اور طے کیے جاتے ہیں۔

جناب عبدالقدوس ہاشمی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مگر مذہبی امور کے لئے قمری حساب کسی نہ کسی قدر باقی رکھا گیا۔ مثلاً نصاریٰ کا ایسٹر ہندوؤں کی دیپاولی اور یہودیوں کا صوم کبور (یعنی عاشوراء) اب بھی قمری حساب سے ہوتے ہیں۔ باقی کاروباری ضرورتوں کے لئے شمسی سال رائج ہوگیا'' (تقویم تاریخی، صفحہ ''ق'' داستان ماہ وسال، از مولانا عبدالقدوس ہاشمی صاحب، مطبوعہ: ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم: 1407ہجری/ 1987 عیسوی)

پس بہتر و مستحب یہ ہے کہ دس محرم کے ساتھ ایک دن پہلے یعنی نویں تاریخ کا ایک روزہ اور ملالیا جائے اور اگر ایک دن پہلے کوئی روزہ نہ رکھ سکے تو ایک دن بعد کا ایک روزہ اس کے ساتھ اور ملالیا جائے تاکہ یہودیوں کی مخالفت بھی ہو جائے اور اس دن کے روزہ کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے۔ [1]

---

[1] وعلى هذا فصيام عاشوراء على ثلاث مراتب أدناها أن يصام وحده وفوقه أن يصام التاسع معه وفوقه أن يصام التاسع والحادى عشر والله أعلم (فتح البارى لابنِ حجر، ج۴ص ۲۴۶، كتاب الصوم، باب صيام يوم عاشوراء)

وبهذه الأحاديث القولية والفعلية اتفق العلماء على استحباب صيام يوم عاشوراء بل سنيته لثبوت المواظبة النبوية عليه واستحباب أن يضم معه يوم التاسع أو الحادى عشر (الاثار المرفوعة فى الاخبار الموضوعة ص۷۷،مشمولة :مجموعة رسائل اللكنوى ج۵)

(قوله: المكروه) بالنصب عطفا على السنة أو بالرفع على الابتداء وخبره قوله: كالعيدين وحينئذ لا يحتاج إلى التكلف المار فى وجه إدخاله فى النفل على أن صوم العيدين مكروه تحريما ولو كان الصوم واجبا (قوله: كالعيدين) أى وأيام التشريق نهر (قوله: وعاشوراء وحده) أى مفردا عن التاسع أو عن الحادى عشر إمداد؛ لأنه تشبه باليهود محيط (قوله: وسبت وحده) للتشبه باليهود بحر وهذه العلة تفيد كراهة التحريم إلا أن يقال: إنما تثبت بقصد التشبه كما مر نظيره ط(ردالمحتار، ج ۲ ص ۳۷۵،كتاب الصوم)

والظاهر أن صوم عاشوراء من القسم الثانى بل سماه فى الخانية مستحبا فقال: ويستحب أن يصوم يوم عاشوراء بصوم يوم قبله أو يوم بعده ليكون مخالفا لأهل الكتاب ونحوه فى البدائع (ردالمحتار، ج ۲ ص ۳۷۵،كتاب الصوم)

قال بعض العلماء :ولعل السبب فى صوم التاسع مع العاشر أن لا يتشبه باليهود فى إفراد العاشر وفى الحديث إشارة إلى هذا وقيل للاحتياط فى تحصيل عاشوراء والأول أولى والله أعلم (شرح النووى علىٰ مسلم، ج۸ص۱۳ ،كتاب الصيام، باب اى يوم يصام فى عاشوراء)

قلت :قال الحافظ فى الفتح :ولأحمد مرفوعا عن ابن عباس :صوموا يوم عاشوراء ، خالفوا اليهود ، صوموا يوما قبله أو يوما بعده ، وهذا كان فى آخر الأمر ، وقد كان صلى الله عليه وسلم يحب موافقة أهل الكتاب فيما لم يؤمر فيه بشىء ولا سيما إذا كان فيما يخالف فيه أهل الأوثان ، فلما فتحت مكة واشتهر أمر الإسلام أحب مخالفة أهل الكتاب أيضا كما ثبت فى الصحيح ، فهذا من ذلك ، فوافقهم أولا وقال " :نحن أحق بموسى منكم "، ثم أحب مخالفتهم فأمر بأن يضاف إليه يوم قبله ويوم بعده خلافا لهم انتهى (تحفة الاحوذى، ج۳ص۳۸۳، ابواب الصوم،باب ماجاء عاشوراء اى يوم هو؟)

قوله :(فأنا أحق بموسى منكم) لقوله تعالى :(فبهداهم اقتده) .وعلم بهذا أن المطلوب منه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور دو روزوں کے بہتر و مستحب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی تنہا صرف دس محرم کا روزہ رکھے، تو وہ بھی گناہ گار نہیں، بلکہ ثواب کا مستحق ہے، البتہ اس کے مقابلہ میں زیادہ بہتر یہ ہے کہ دسویں کے ساتھ نویں یا گیارہویں کا بھی روزہ رکھ لے۔

لہٰذا جو بعض لوگ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ تنہا دس محرم کا روزہ رکھنا گناہ ہے، یہ بات درست نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دس محرم کے روزہ کی جو فضیلت بیان فرمائی ہے، وہ تو دس محرم کا روزہ رکھنے سے ہی حاصل ہوتی ہے، البتہ یہود کی مخالفت وغیرہ کی وجہ سے ایک اضافی فضیلت و مستحب درجہ کا عمل یہ ہے کہ اس کے ساتھ آگے یا پیچھے کا ایک روزہ اور ملا لیا جائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الموافقة لموسى لا الموافقة لليهود فلا يشكل أنه يجب مخالفة اليهود لا موافقتهم على أنه كان فى أول الأمر يجب موافقتهم لتأليفهم ثم علم منهم إصرارهم على الكفر وعدم التأثير للتأليف فيهم ترك موافقتهم ومال إلى مخالفتهم ، ولهذا عزم على المخالفة فى آخر الأمر بضم اليوم الثانى إلى صوم عاشوراء كما ثبت والله تعالى أعلم(حاشية السندى على البخارى، ج ا ص ٢٢٣، كتاب الصوم،باب صيام يوم عاشوراء)

إفراد يوم عاشوراء بالصوم:

ذهب الحنفية -وهو مقتضى كلام أحمد كما يقول ابن تيمية -إلى كراهة إفراد يوم عاشوراء بالصوم للتشبه باليهود .

فقد روى مسلم عن ابن عباس رضى الله عنهما أنه قال :حين صام رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عاشوراء وأمر بصيامه قالوا :يا رسول الله، إنه يوم تعظمه اليهود والنصارى .فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :فإذا كان العام المقبل إن شاء الله صمنا اليوم التاسع ،قال :فلم يأت العام المقبل حتى توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم.

قال النووى، نقلا عن بعض العلماء فى تعليقه على الحديث :لعل السبب فى صوم التاسع مع العاشر أن لا يتشبه باليهود فى إفراد العاشر، وفى الحديث إشارة إلى هذا .

هذا، واستحب الشافعية والحنابلة صوم عاشوراء -وهو العاشر من المحرم -وتاسوعاء -وهو التاسع منه ويرى الحنفية أنه يستحب أن يصوم قبل عاشوراء يوما وبعده يوما .

وقال المالكية :ندب صوم عاشوراء وتاسوعاء والثمانية قبله(الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج١٢ ص ١١ ،مادة "تشبه")

نفل روزوں سے متعلق چند مسائل

مسئلہ نمبر 1...... دس محرم کے روزے کے احکام وہی ہیں جو دوسرے سنت ونفل روزوں کے ہیں۔ ؎

مسئلہ نمبر 2...... نفل روزوں کی دل میں نیت اگر یہ مقرر کر کے کی جائے کہ میں نفل کا روزہ

؎ والتطوع اصطلاحا :التقرب إلى الله تعالى بما ليس بفرض من العبادات .
وصوم التطوع :التقرب إلى الله تعالى بما ليس بفرض من الصوم.
فضل صوم التطوع:
ورد في فضل صوم التطوع أحاديث كثيرة، منها :حديث سهل -رضي الله تعالى عنه -عن النبي صلى الله عليه وسلم قال :إن في الجنة بابا يقال له :الريان، يدخل منه الصائمون يوم القيامة، لا يدخل منه أحد غيرهم .فيقال :أين الصائمون؟ فيقومون، لا يدخل منه أحد غيرهم .فإذا دخلوا أغلق، فلم يدخل منه أحد .
ومنها ما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال :من صام يوما في سبيل الله باعد الله تعالى وجهه عن النار سبعين خريفا .
أنواع صوم التطوع:قسم الحنفية صوم التطوع إلى مسنون، ومندوب، ونفل.
فالمسنون :عاشوراء مع تاسوعاء .والمندوب :صوم ثلاثة أيام من كل شهر، وصوم يوم الاثنين والخميس، وصوم ست من شوال، وكل صوم ثبت طلبه والوعد عليه؛ كصوم داود عليه الصلاة والسلام، ونحوه.
والنفل :ما سوى ذلك مما لم تثبت كراهته.
وقسم المالكية -أيضا -صوم التطوع إلى ثلاثة أقسام :سنة، ومستحب، ونافلة.
فالسنة :صيام يوم عاشوراء .والمستحب :صيام الأشهر الحرم، وشعبان، والعشر الأول من ذي الحجة، ويوم عرفة، وستة أيام من شوال، وثلاثة أيام من كل شهر، ويوم الاثنين والخميس.والنافلة: كل صوم لغير وقت ولا سبب، في غير الأيام التي يجب صومها أو يمنع.
وعند الشافعية والحنابلة :صوم التطوع والصوم المسنون بمرتبة واحدة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۸، ص ۸۶،۸۷، مادة "صوم")
صوم التطوع -:وهو:
- 1صوم يوم عاشوراء - 2.صوم يوم عرفة - 3.صوم يوم الاثنين والخميس من كل أسبوع -4. صيام ثلاثة أيام من كل شهر، وهي الأيام البيض - 5.صيام ستة أيام من شوال - 6.صوم شهر شعبان - 7.صوم شهر المحرم - 8.صوم شهر رجب - 9.صيام ما ثبت طلبه والوعد عليه في السنة الشريفة.(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۸، ص ۱۳ وص ۱۴، ماده صوم)

رکھتا ہوں یا رکھتی ہوں تو بھی صحیح ہے اور اگر صرف یہ نیت کرے کہ میں روزہ رکھتا ہوں یا رکھتی ہوں تب بھی صحیح ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر 3...... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک نفل روزے کی رات سے نیت کرنا ضروری نہیں۔

اگر کسی کا دن کے شروع وقت میں روزہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا، لیکن طلوعِ فجر کے بعد سے ابھی تک کچھ کھایا پیا نہیں پھر روزہ رکھنے کا ارادہ ہوگیا، تو حنفیہ کے نزدیک زوال سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے (یعنی ضحوۂ کبریٰ جو طلوعِ فجر سے سورج غروب ہونے تک کے آدھے حصہ کا نام ہے) تک نفل روزے کی نیت کرلینا صحیح ہے، اس کے بعد نیت کرنا صحیح نہیں۔ [2]

---

[1] أما كيفية النية فينظر إن كان الصوم عينا يكفيه نية مطلق الصوم حتى لو صام رمضان بنية مطلق الصوم يقع على رمضان، وكذا في صوم التطوع إذا صام مطلقا خارج رمضان يقع عن النفل لأن الوقت متعين للنفل شرعا(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ا ص٣٤٧، كتاب الصوم)

(قال) : ولا يكون صائما في رمضان ولا في غيره ما لم ينو الصوم، وإن اجتنب المفطرات إلى آخر يومه بمرض أو غير مرض، وقد بينا قول زفر -رحمه الله تعالى -في الصحيح المقيم إنه يتأدى منه الصوم بمجرد الإمساك من غير النية فإن كان مريضا أو مسافرا فلا خلاف أنه لا يكون صائما ما لم ينو وعند زفر -رحمه الله تعالى -ما لم ينو من الليل قال :لأن الأداء غير مستحق عليه في هذا الوقت نفسه فلا يتعين إلا بنيته بخلاف الصحيح المقيم وعندنا اشتراط النية ليصير الفعل قربة فإن الإخلاص والقربة لا يحصل إلا بالنية قال الله تعالى (:وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين) ففي هذا المسافر والمقيم سواء إنما فارق المسافر المقيم في الترخيص بالفطر فإذا لم يترخص صحت منه النية قبل انتصاف النهار كما تصح من المقيم(المبسوط للسرخسى، ج٣ص٨٦، كتاب الصوم)

[2] أحكام النية في صوم التطوع:

أ -وقت النية:

ذهب جمهور الفقهاء -الحنفية والشافعية والحنابلة -إلى أنه لا يشترط تبييت النية في صوم التطوع، لحديث عائشة رضي الله تعالى عنها قالت :دخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم فقال :هل عندكم شيء؟ فقلنا :لا، فقال :فإني إذا صائم .

وذهب المالكية إلى أنه يشترط في نية صوم التطوع التبييت كالفرض .لقول النبي صلى الله عليه وسلم :من لم يبيت الصيام من الليل فلا صيام له فلا تكفي النية بعد الفجر، لأن النية القصد، وقصد الماضي محال عقلا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 4......نفل روزہ میں کسی مخصوص نفل روزہ کی نیت کرنا ضروری نہیں، بلکہ عام روزہ کی نیت کے ساتھ اس دن کے نفلی روزہ کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر 5......مشہور ہے کہ جب تک فجر کی اذان کی آواز نہ آئے اس وقت تک سحری کھانا جائز رہتا ہے، یہ غلط ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ سحری کا وقت طلوعِ فجر ہونے پر ختم ہوجاتا ہے، خواہ ابھی اذان بھی نہ

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

واختلف جمهور الفقهاء في آخر وقت نية التطوع.
فذهب الحنفية :إلى أن آخر وقت نية صوم التطوع الضحوة الكبرى.
والمراد بها :نصف النهار الشرعي، والنهار الشرعي :من استطارة الضوء في أفق المشرق إلى غروب الشمس، ونصوا على أنه لا بد من وقوع النية قبل الضحوة الكبرى، فلا تجزء النية عند الضحوة الكبرى اعتبارا لأكثر اليوم كما قال الحصكفي .
وذهب الشافعية :إلى أن آخر وقت نية صوم التطوع قبل الزوال، واختص بما قبل الزوال لما روى أن النبي -صلى الله عليه وسلم -قال لعائشة يوما :هل عندكم شيء ؟ قالت :لا .قال :فإني إذن صائم .إذ الغداء اسم لما يؤكل قبل الزوال، والعشاء اسم لما يؤكل بعده؛ ولأنه مضبوط بين، ولإدراك معظم النهار به كما في ركعة المسبوق .قال الشربيني الخطيب :وهذا جرى على الغالب ممن يريد صوم النفل وإلا فلو نوى قبل الزوال -وقد مضى معظم النهار -صح صومه.
وذهب الحنابلة -والشافعية في قول مرجوح -إلى امتداد وقت النية إلى ما بعد الزوال، قالوا :إنه قول معاذ وابن مسعود وحذيفة، ولم ينقل عن أحد من الصحابة -رضي الله عنهم -ما يخالفه صريحا، ولأن النية وجدت في جزء النهار، فأشبه وجودها قبل الزوال بلحظة.
ويشترط لصحة نية النفل في النهار :أن لا يكون فعل ما يفطره قبل النية، فإن فعل فلا يجزئه الصوم حينئذ (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٨، ص٨٧ وص٨٨، مادة "صوم")

[1] ب -تعيين النية:اتفق الفقهاء على أنه لا يشترط في نية صوم التطوع التعيين، فيصح صوم التطوع بمطلق النية، وقال النووي :وينبغي أن يشترط التعيين في الصوم المرتب، كصوم عرفة، وعاشوراء ، والأيام البيض، والستة من شوال، ونحوها، كما يشترط ذلك في الرواتب من نوافل الصلاة.
والمعتمد عند الشافعية خلاف ما صرح به النووي، قال المحلي :ويجاب بأن الصوم في الأيام المذكورة منصرف إليها، بل لو نوى به غيرها حصلت أيضا -كتحية المسجد -لأن المقصود وجود الصوم فيها، قال القليوبي :هذا الجواب معتمد من حيث الصحة، وإن كان التعيين أولى مطلقا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٨، ص٨٨ وص٨٩، مادة "صوم")

ہوئی ہو۔ [1]

اورطلوعِ فجر کا وقت مستند جنتریوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مسئلہ نمبر 6...... نیت زبان سے الفاظ ادا کرنے کا نام نہیں بلکہ دل کے ارادہ کا نام ہے۔

لہٰذا دل میں نیت کرلینا کافی ہے، زبان سے الفاظ ادا کرنا ضروری نہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر 7...... سحری کھانا سنت ہے، اگر بھوک نہ ہو تو سنت کی نیت سے تھوڑا بہت کچھ کھا لینا چاہئے، لیکن اگر کسی نے بالکل سحری نہ کھائی اور بغیر سحری کے روزہ رکھ لیا تب بھی روزہ ہوجائے گا۔ [3]

مسئلہ نمبر 8...... نفلی روزہ اگر رکھ کر پورا کرنے سے پہلے توڑ دیا جائے، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس کی قضاء ضروری ہوجاتی ہے، لیکن کفارہ وغیرہ لازم نہیں ہوتا۔

اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک نفلی روزہ شروع کرکے اس کو پورا کرنا مستحب ہوتا ہے، لیکن اس کو توڑنے کے بعد قضاء کرنا واجب نہیں ہوتا۔ [4]

---

[1] وعليه اجماع الامة اى لايجوز الاكل والشرب للصائم بعد طلوع الفجر.
تفصیل کے لئے ہماری کتاب "رمضان المبارک کے فضائل واحکام" ملاحظہ فرمائیں۔

[2] (قوله: بنية) قال فى الاختيار النية شرط فى الصوم وهى أن يعلم بقلبه أنه يصوم ...... وليست النية باللسان شرطا(ردالمحتار، ج ٢ ص ٣٧٧كتاب الصوم ملخصاً)
والنية معرفته بقلبه أن يصوم كذا فى الخلاصة، ومحيط السرخسى .والسنة أن يتلفظ بها كذا فى النهر الفائق .ثم عندنا لا بد من النية لكل يوم فى رمضان كذا فى فتاوى قاضى خان .والتسحر فى رمضان نية ذكره نجم الدين النسفى، وكذا إذا تسحر لصوم آخر، وإن تسحر على أنه لا يصبح صائما لا يكون نية، ولو نوى من الليل ثم رجع عن نيته قبل طلوع الفجر صح رجوعه فى الصيامات كلها كذا فى السراج الوهاج، ولو قال نويت أن أصوم غدا إن شاء الله -تعالى -صحت نيته هو الصحيح كذا فى الظهيرية (الفتاوىٰ الهندية ج ١ ص ١٩٥ كتاب الصوم، الباب الاول)

[3] التسحر مستحب، ووقته آخر الليل قال الفقيه أبو الليث، وهو السدس الأخير هكذا فى السراج الوهاج ثم تأخير السحور مستحب كذا فى النهاية ويكره تأخير السحور إلى وقت يقع فيه الشك هكذا فى السراج الوهاج(الفتاوىٰ الهندية، ج ١ ص ٢٠٠، كتاب الصوم، الباب الثالث)

[4] البتہ مالکیہ کے نزدیک اگر عذر کی وجہ سے نفل روزہ توڑا جائے، تو اس کی قضا لازم نہیں ہوتی۔
إذا كان التطوع عبادة كالصلاة والصيام، فعند الحنفية والمالكية :إذا شرع فيه وجب إتمامه، وإذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 9......عورت اگر اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہو، تو اس کو اپنے شوہر کی اجازت کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فسد وجب قضاؤه؛ لأن التطوع يلزم بالشروع مضيا وقضاء .
ولأن المؤدى عبادة، وإبطال العبادة حرام، لقوله تعالى :(ولا تبطلوا أعمالكم) وقد قال النبى صلى الله عليه وسلم لعائشة وحفصة رضى الله عنهما وقد أفطرتا فى صوم التطوع اقضيا يوما مكانه.
غير أن المالكية لا يوجبون القضاء إلا إذا كان الفساد متعمدا، فإن كان لعذر فلا قضاء .
وعند الشافعية والحنابلة :يستحب الإتمام إذا شرع فى التطوع ولا يجب، كما أنه يستحب القضاء إذا فسد، إلا فى تطوع الحج والعمرة فيجب إتمامهما إذا شرع فيهما؛ لأن نفلهما كفرضهما نية وفدية وغيرهما .
واستدل الشافعية والحنابلة على عدم وجوب الإتمام بقول النبى صلى الله عليه وسلم :الصائم المتطوع أمير نفسه، إن شاء صام، وإن شاء أفطر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٢ ص ١٦٠ ، مادة "تطوع")
واختلف الفقهاء فى حكم قضاء صوم التطوع عند إفساده.
فذهب الحنفية والمالكية إلى وجوب قضاء صوم التطوع عند إفساده .لما روت عائشة رضى الله تعالى عنها أنها قالت :كنت أنا وحفصة صائمتين، فعرض لنا طعام اشتهيناه، فأكلنا منه، فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فبدرتنى إليه حفصة -وكانت ابنة أبيها -فقالت:يا رسول الله إنا كنا صائمتين، فعرض لنا طعام اشتهيناه فأكلنا منه، فقال :اقضيا يوما آخر مكانه .
ولأن ما أتى به قربة، فيجب صيانته وحفظه عن البطلان، وقضاؤه عند الإفساد لقوله تعالى :(ولا تبطلوا أعمالكم)، ولا يمكن ذلك إلا بإتيان الباقى، فيجب إتمامه وقضاؤه عند الإفساد ضرورة، فصار كالحج والعمرة التطوعين.
ومذهب الحنفية :وجوب القضاء عند الإفساد مطلقا، أى :سواء أفسد عن قصد -وهذا لا خلاف فيه -أو غير قصد، بأن عرض الحيض للصائمة المتطوعة، وذلك فى أصح الروايتين، واستثنوا من ذلك :صوم العيدين وأيام التشريق، فلا تلزم بالشروع، لا أداء ولا قضاء ، إذا أفسد، لارتكابه النهى بصيامها، فلا تجب صيانته، بل يجب إبطاله، ووجوب القضاء ينبنى على وجوب الصيانة، فلم يجب قضاء ، كما لم يجب أداء .
وخص المالكية وجوب القضاء بالفطر العمد الحرام، وذلك كمن شرع فى صوم التطوع، ثم أفطر من غير ضرورة ولا عذر،قال الحطاب :احترز بالعمد من النسيان والإكراه، وبالحرام عمن أفطر لشدة الجوع والعطش والحر الذى يخاف منه تجدد مرض أو زيادته، وكذلك عمن أفطر لأمر والديه وشيخه، وعدوا السفر الذى يطرأ عليه من الفطر العمد.
وذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه لا يجب القضاء على من أفسد صوم التطوع، لأن القضاء يتبع المقضى عنه، فإذا لم يكن واجبا، لم يكن القضاء واجبا، لكن يندب له القضاء ، سواء أفسد صوم التطوع بعذر أم بغير عذر، خروجا من خلاف من أوجب قضاءه.
ونص الشافعية والحنابلة على أنه إذا أفطر الصائم تطوعا لم يثب على ما مضى، إن خرج منه بغير عذر، ويثاب عليه إن خرج بعذر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٨ ص٩٨، ٩٩ ،مادة "صوم")

بغیر نفلی روزہ رکھنا منع ہے، اس لئے عورت کو نفل روزہ رکھنے کے لئے اپنے شوہر سے اجازت لے لینا چاہئے۔ [1]

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

---
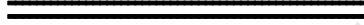
[1] الإذن فی صوم التطوع:
اتـفق الفقهاء على أنه ليس للمرأة أن تصوم تطوعا إلا بإذن زوجها، لقول النبی صلى الله عليه وسلم :لا تـصـم الـمرأة وبعلها شاهد، إلا بإذنه، ولأن حق الزوج فرض، فلا يجوز تركه لنفل.
ولـو صـامـت الـمـرأة بغير إذن زوجها صح مع الحرمة عند جمهور الفقهاء ، والكراهة التحريمية عند الحنفية، إلا أن الشافعية خصوا الحرمة بما يتكرر صومه، أما ما لا يتكرر صومه كعرفة وعاشوراء وستة من شوال فلها صومها بغير إذنه، إلا إن منعها.
ولا تـحتـاج الـمرأة إلى إذن الزوج إذا كان غائبا، لمفهوم الحديث ولزوال معنى النهی .
قال الشافعية :وعـلمها برضاه كإذنه .ومثـل الغائب عند الحنفية -الـمريض، والصائم والـمحرم بحج أو عمرة، قالوا :وإذا كـان الـزوج مريضا أو صائما أو محرما لم يكن له منع الزوجة من ذلک، ولها أن تصوم وإن نهاها.
وصرح الحنفية والمالكية بأنه لا يصوم الأجير تطوعا إلا بإذن المستأجر، إن كان صومه يضر به فی الخدمة، وإن كان لا يضره فله أن يصوم بغير إذنه.
وإذا صـامـت الـزوجة تـطـوعـا بـغيـر إذن زوجهـا فله أن يفطرها، وخص المالكية جواز تـفـطيـرهـا بـالـجـمـاع فـقـط، أمـا بالأكل والشرب فليس له ذلک، لأن احتياجه إليها الـموجب لتفطيرها إنما هو من جهة الوطء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٨، ص ٩٩ تا ص ١٠٠ ، مادة ”صوم“)

(فصل نمبر۴)

دس محرم کو اہل وعیال پر وسعت کرنا

ابنِ عبدالبر اپنی سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ وَسَّعَ عَلٰی نَفْسِہٖ وَأَھْلِہٖ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَسَّعَ اللّٰہُ عَلَیْہِ سَائِرَ سَنَتِہٖ .قَالَ جَابِرٌ جَرَّبْنَاہُ فَوَجَدْنَاہُ کَذٰلِکَ (الاستذکار لجامع لمذاھب فقھاء الأمصار، ج۳ ص ۳۳۱، کتاب الصیام ،باب صیام یوم عاشوراء)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرمارہے تھے کہ جو اپنے آپ پر اور اپنے گھر والوں پر عاشوراء (یعنی دس محرم) کے دن (کھانے پینے وغیرہ میں) وسعت (یعنی کشادگی وفراخی) کرے گا، اللہ اس پر پورے سال وسعت (کشادگی وفراخی)فرمائے گا۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کا تجربہ کیا، تو اس کو اپنے تجربہ میں اسی طرح پایا (الاستذکار)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اپنی سند کے ساتھ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی روایت کی ہے۔ [۱]

ابنِ عبدالبر کی سند سے روایت کردہ مذکورہ حدیث کو بعض محدثین نے سند کے لحاظ سے صحیح،

---

[۱] أخبرنا علی بن أحمد بن عبدان، أخبرنا أحمد بن عبید، حدثنا محمد بن یونس، حدثنا عبد اللہ بن إبراھیم الغفاری، حدثنا عبد اللہ بن أبی بکر ابن أخی محمد بن المنکدر، عن محمد بن المنکدر عن جابر، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من وسع علی أھلہ یوم عاشوراء وسع اللہ علی أھلہ طول سنتہ " ."ھذا إسناد ضعیف وروی من وجہ آخر کما "(شعب الایمان للبیھقی رقم الحدیث ۳۵۱۲)

قلت: وھذا اسناد ضعیف،فان فیہ محمد بن یونس الکدیمی .بل عند البعض متھم بالکذب.

بلکہ صحیح مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے۔ [1]

البتہ بعض حضرات نے اس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے، اوراس کو منکر کہا ہے۔ [2]

---

[1] وقال الحافظ ابو الفضل العراقی فی امالیه .... وله طریق عن جابر علی شرط مسلم اخرجها ابن عبد البر فی الاستذکارمن روایة ابی الزبیر،وھو اصح طرقه(کشف الخفاء ومزیل الالباس للعجلونی،ج۲ص ۳۴۱،تحت رقم الحدیث ۲۶۴۲)

وله طریق عن جابر علی شرط مسلم، أخرجها ابن عبد البر فی الاستذکار من روایة أبی الزبیر عنه، وھی أصح طرقه(المقاصد الحسنة فی بیان کثیر من الاحادیث المشتھرة علی الألسنة للسخاوی حرف المیم،ص ۶۷۵، تحت رقم الحدیث ۱۱۹۳)

والحدیث جابر طریق آخر غیر الذی أخرجه منه البیھقی وھو علی شرط مسلم أخرجه ابن عبد البر فی الاستذکار من حدیث شعبة عن أبی الزبیر عن جابر فذکره ثم قال قال جابر جربناه فوجدناه کذلک وقال أبو الزبیر مثله وقال شعبة مثله(تنزیه الشریعة المرفوعة عن الاحادیث الشنیعة الموضوعة للکنانی ج۲ص۱۵۷ ،رقم الحدیث ۳۳، کتاب الصوم،الفصل الثانی)

قال (ای العراقی)وله طرق عن جابر علی شرط مسلم اخرجها ابن عبدالبرفی الاستذکار من روایة ابی الزبیر عنه وھی اصح طرقه (الموضوعات الکبیر ص ۱۲۷ حرف المیم)

قلت قال العراقی له طرق صحح بعضها وبعضها علی شرط مسلم، قال البیھقی أسانیده الضعیفة أحدثت قوة بالتضام وکذا فی المقاصد (تذکرة الموضوعات للامام الطاھر الفتنی ص۱۱۸ ، باب الفاضلة من الأوقات والأیام والجمعة وعاشوراء والکحل وسعة الرزق وخلق کل شیء فیه والشھور وأیام النحس وما حدث فیھا من البدع)

[2] چنانچہ لسان المیزان میں اس حدیث کے ایک راوی ابوخلیفہ فضل بن حباب کے بارے میں پہلے تو ابوعلی خلیلی سے ان کی کتب کا جل جانا بیان کیا گیا، اور پھر اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس کو منکر قرار دیا گیا، اوراس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ ابوخلیفہ فضل بن حباب سے اس حدیث کو روایت کرنے والے راوی ابنِ احمر یعنی محمد بن معاویہ نے شاید ان سے ان کی کتب جلنے کے بعد سماعت کی ہو۔

ملاحظہ ہو اس سلسلہ میں لسان المیزان کا کلام:

وقال أبو یعلی الخلیلی: احترقت کتبه , منھم من وثقه , ومنھم من تکلم فیه , وھو إلی التوثیق أقرب.............قلت: وروی ابن عبد البر فی "الاستذکار "من طریقه حدیثا منکرا جدا ما أدری من الآفة فیه؟.

قال ابن عبد البر: أخبرنا أحمد بن قاسم، ومحمد بن إبراھیم، ومحمد بن حکم قالوا: حدثنا محمد بن معاویة حدثنا الفضل بن الحباب حدثنا ھشام بن عبد الملک الطیالسی حدثنی شعبة، عن أبی الزبیر، عن جابر رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: من وسع علی نفسه وأھله یوم عاشوراء وسع الله علیه سائر سنته .قال جابر: جربناه فوجدناه کذلک.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر واقعہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے، بالخصوص جبکہ اس کی تائید دیگر احادیث وآثار سے بھی ہوتی ہے، تو اس مضمون کو منکر قرار دینے کے کوئی معنیٰ نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾ وقال أبو الزبير مثله .وقال شعبة مثله.

وشيوخ ابن عبد البر الثلاثة موثقون وشيخهم محمد بن معاوية هو ابن الأحمر راوى السنن عن النسائى وثقه ابن حزم، وغيره فالظاهر أن الغلط فيه من أبى خليفة فلعل ابن الأحمر سمعه منه بعد احتراق كتبه والله أعلم(لسان الميزان لابن حجر العسقلانى، ج٦ ص ٣٣٦، تحت رقم الترجمة ٦٠٤٢، باب من اسمه الفضل، تحت ترجمة الفضل بن الحباب بن محمد بن شعيب بن عبد الرحمن أبو خليفة الجمحى)

[1] چنانچہ صرف ابوعلی خلیلی کے کلام کی بنیاد پر لسان المیزان میں مذکور احتمال کی وجہ سے اس حدیث کو منکر قرار دینا درست معلوم نہیں ہوا، کیونکہ ابوخلیفہ کی اکثر محدثین نے توثیق فرمائی ہے، اور ان کو اپنے وقت کا شیخ اور امام، علامہ، محدث وغیرہ قرار دیا ہے۔

أبو خليفة الامام العلامة، المحدث الاديب الاخبارى، شيخ الوقت، أبو خليفة، الفضل بن الحباب، واسم الحباب :عمرو بن محمد بن شعيب، الجمحى البصرى الاعمى.
ولد فى سنة ست ومئتين، وعنى بهذا الشأن وهو مراهق، فسمع فى سنة عشرين ومئتين، ولقى الاعلام، وكتب علما جما ....توفى أبو خليفة فى شهر ربيع الآخر، أو فى الذى يليه، سنة خمس وثلاث مئة بالبصرة(سير اعلام النبلاء ج١٤ ص٧)

الفضل بن الحباب بن محمد بن صخر بن عبد الرحمن الجمحى أبو خليفة واسم أبيه عمرو والحباب لقبه يروى عن أبى الوليد الطيالسى مات سنة خمس وثلاثمائة وكان مولده سنة سبع ومائتين(كتاب الثقات لابنِ حبان ج٩ ص٨، ٩، تحت رقم الترجمة ١٤٨٨٨)

أبو خليفة الامام الثقة محدث البصرة الفضل بن الحباب الجمحى البصرى ......وكان محدثا صادقا مكثرا عن طبقة الوقت(تذكرة الحفاظ ج٢ص ٦٧٠، ٦٧١، تحت رقم الترجمة ٦٩٠/٣٦/١٠)

الفضل بن الحباب، أبو خليفة الجمحى.مسند عصره بالبصرة............ وكان ثقة عالما(ميزان الاعتدال للذهبى، ج٣ص ٣٥٠، تحت رقم الترجمة ٦٧١٧)

الفضل بن الحباب بن محمد بن شعيب .أبو خليفة الجمحى البصرى .رحلة الآفاق فى زمانه .اسم أبيه عمرو، ولقبه :الحباب......وكان محدثاً ثقة، مكثراً راوية للأخبار والأدب، فصيحاً مفوهاً(تاريخ الاسلام للذهبى، ج ٧ص ٩٢،تحت رقم الترجمة ٢٤٠،حرف الفاء)

جناب ناصر الدین البانی صاحب نے اپنی کتاب ''تمام المنۃ'' میں اس حدیث کے اندر ایک علت ابوالزبیر راوی کا عنعنہ ہونا اور ان کا مدلس ہونا بیان کی ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ دس محرم کے بارے میں اسی طرح کی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

نیز حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا مضمون مروی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

لیکن کیونکہ دیگر احادیث اور حضرت جابر اور ابوالزبیر اور شعبہ اور حضرت سفیان اور یحییٰ بن سعید اور ابراہیم بن محمد بن منتشر وغیرہ سے یومِ عاشوراء میں توسیعِ عیال اور اس پر مرتب ہونے والے ثمرہ کا ثبوت موجود ہے، اس لئے ان شاء اللہ تعالیٰ یہ عنعنہ نقصان دہ نہیں ہوگا۔

قال جابر جربناه فوجدناه كذلك......وقال أبو الزبير وقال شعبة مثله ......قال يحيى بن سعيد جربنا ذلك فوجدناه حقا(الاستذكار لجامع لمذاهب فقهاء الأمصار، ج٣ص ٣٣١، كتاب الصيام ،باب صيام يوم عاشوراء)

[1] حدثنا عبد الوارث بن إبراهيم أبو عبيدة العسكرى، ثنا على بن أبى طالب البزاز، ثنا الهيثم بن الشداخ، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من وسع على عياله يوم عاشوراء لم يزل فى سعة سائر سنته (المعجم الكبير للطبرانى،رقم الحديث ١٠٠٠٧ ،الكامل لابن عدى، جزء٥، صفحه ٢١١ ،شعب الايمان للبيهقى رقم الحديث ٣٥١٣)

قال الهيثمى:

رواه الطبرانى فى الكبير وفيه الهيصم بن الشداخ وهو ضعيف جدا (مجمع الزوائد،باب التوسعة على العيال يوم عاشوراء ، تحت رقم الحديث ٥١٣٧)

وقال ابن حجر:

هذا حديث غريب أخرجه الطبرانى عن عبد الوارث بن إبراهيم عن على بن أبى طالب البزار وهو على بن مهاجر المذكور فى روايتنا. وهكذا أخرجه العقيلى فى ترجمة على بن مهاجر من كتاب الضعفاء أخرجه عن عبد الوارث بن إبراهيم عنه لكن وقع عنده عن يحى بن وثاب بدل إبراهيم وهو وهم فقد أخرجه ابن عدى فى ترجمة على بن أبى طالب من طريق محمد بن يحى القطيعى عنه كما فى روايتنا وكذلك أخرجه من طريق عمار بن رجاء عن على ، وكذلك أخرجه ابن حبان فى ترجمة الهيصم بن الشداخ من طريق عمار بن رجاء واتفقوا على ضعف الهيصم وعلى أنه تفرد به (الامالى المطلقة، جزء ١ صفحه ٢٨،٢٩)

[2] عن أبى سعيد الخدرى، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من وسع على أهله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته "(شعب الايمان للبيهقى رقم الحديث ٣٥١٤،وتحت رقم الحديث ٣٥١٣،الامالى المطلقة، جزء ١ صفحه ٢٨،المعجم الاوسط للطبرانى رقم الحديث ٩٣٠٢، معجم ابن الاعرابى رقم الحديث ٢٢٢)

اور وہ حدیث اگرچہ سند کے لحاظ سے کمزور ہے، لیکن اس کے دوسرے شواہد موجود ہیں۔ [1]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔ [2]

یہ احادیث اگرچہ فرداً فرداً سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں، مگر ایک دوسرے کے ساتھ مل کر قوت حاصل کر لیتی ہیں۔

چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ مختلف سندوں سے احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

هٰذِهِ الْأَسَانِيْدُ وَإِنْ كَانَتْ ضَعِيْفَةً فَهِيَ إِذَا ضُمَّ بَعْضُهَا إِلٰى بَعْضٍ أَخَذَتْ قُوَّةً (شعب الایمان للبیهقی، ج۵ص۳۳۳،تحت رقم الحدیث ۳۵۱۵، کتاب الصوم، باب صوم التاسع مع العاشر)

ترجمہ: یہ سندیں اگرچہ ضعیف ہیں، لیکن جب بعض کو بعض کے ساتھ ملایا جاتا ہے، تو قوت حاصل کر لیتی ہیں (بیہقی)

---

[1] قال الهيثمی:

رواه الطبرانی فی الاوسط وفيه محمد بن اسماعيل الجعفری قال أبو حاتم منكر الحديث. (مجمع الزوائد،باب التوسعة على العيال يوم عاشوراء ، تحت رقم الحديث ۵۱۳۶)

وقال ابن حجر:

قلت هو ومن فوقه مدنيون معروفون لكن شيخه ضعفه أبو زرعة وضعف الجعفرى المذكور أبو حاتم والحصر المذكور مردود فقد وقع لنا من وجه آخر عن أبى سعيد أخبرنيه أبو الحسن المرداوى بالإسناد الماضى إلى أحمد بن الحسين قال أخبرنا على بن أحمد بن عبدان قال أخبرنا أحمد بن عبيد قال حدثنا عبد الله بن محمد ابن أبى الدنيا قال حدثنا خالد بن خداش قال حدثنا عبد الله بن نافع عن أيوب بن سليمان بن مينا عن رجل عن أبى سعيد الخدرى فذكر نحوه ، وهكذا أخرجه إسحاق بن راهويه فى مسنده عن عبد الله بن نافع ، ولولا الرجل المبهم لكان إسناده جيدا ، لكنه يقوى بالذى قبله ،وله شواهد عن جماعة من الصحابة غير أبى سعيد منهم عبد الله بن مسعود وعبد الله بن عمر وجابر وأبو هريرة (الامالى المطلقة، جزء ۱ صفحه ۲۸)

[2] عن أبى هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: " من وسع على عياله وأهله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته ."(شعب الايمان للبيهقى رقم الحديث ۳۵۱۵، اخبارِ اصبهان رقم الحديث ۷۰۷)

محدثین کا اصول یہ ہے کہ جو حدیث متعدد ضعیف اسناد سے منقول ہو تو مختلف سندوں کے باہم ایک دوسرے کی تائید کی وجہ سے وہ ضعف ختم ہو جاتا ہے اور حدیث حسن ومقبول کے درجہ میں آ جاتی ہے۔ [1]

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مَنْ وَسَّعَ عَلٰى أَهْلِهٖ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ سَائِرَ السَّنَةِ (الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار) [2]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے اپنے گھر والوں پر عاشوراء (یعنی دس محرم) کے دن وسعت (یعنی کشادگی وفراخی) کی، اللہ اس پر پورے سال وسعت (کشادگی وفراخی) فرمائے گا (الاستذکار)

حضرت ابراہیم بن محمد بن منتشر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ يُقَالُ: مَنْ وَسَّعَ عَلٰى عِيَالِهٖ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ لَمْ يَزَالُوْا فِيْ سَعَةٍ مِنْ رِزْقِهِمْ سَائِرَ سَنَتِهِمْ (شعب الایمان للبیهقی رقم الحدیث ٣٥١٦، کتاب الصوم، باب صوم التاسع مع العاشر)

ترجمہ: یہ بات کہی جاتی تھی کہ جس نے اپنے اہل وعیال پر عاشوراء (یعنی دس محرم) کے دن وسعت کی، تو ان پر پورے سال رزق کی وسعت رہے گی (بیہقی)

ایک روایت میں حضرت ابراہیم بن محمد بن منتشر کے یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

أَنَّهٗ بَلَغَهٗ أَنَّهٗ مَنْ وَسَّعَ عَلٰى أَهْلِهٖ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ سَائِرَ

---

[1] حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں گردن کے مسح سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

ان روایات کی سند میں اگرچہ کلام ہے مگر فضائل میں ضعیف روایت پر بھی عمل جائز ہے، نیز تعددِ طرق کی وجہ سے روایت میں قوت آ جاتی ہے اگرچہ ہر سند ضعیف ہو (احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۳)

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی ''ماثبت بالسنۃ'' میں اس حدیث کی سند پر تفصیلی کلام کیا ہے۔

[2] ج ۳ ص ۳۳۱، کتاب الصیام، باب صیام یوم عاشوراء .

سَنَتِهٖ (اخبارِ اصبهان) [1]

ترجمہ: ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ جس نے اپنی گھر والوں پر عاشوراء (یعنی دس محرم) کے دن وسعت کی، تو اللہ اس پر سارے سال وسعت فرمائے گا (اخبارِ اصبہان)

حضرت ابراہیم بن محمد بن منتشر رحمہ اللہ اپنے زمانہ کے افضل ترین علماء اور ائمۂ دین میں شمار کئے گئے ہیں، ان کے شاگردوں میں جلیل القدر محدثین وفقہاء مثلاً حضرت شعبہ، حضرت سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، مسعر بن کدام اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ وغیرہ جیسی شخصیتیں شامل ہیں۔ [2]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ دس محرم کے دن اہل وعیال پر وسعت کرنے پر سال بھر وسعت حاصل ہونے کی فضیلت صحابہ وتابعین کے دور میں بھی موجود تھی۔

---

[1] ج۲ص ۱۳۲، تحت رقم الترجمة ۱۳۰۲، تحت الترجمة القاسم بن عبدالوهاب ابو العباس.

[2] إبراهيم بن محمد بن المنتشر بن الاجدع الهمدانی الكوفی، ابن ابن أخی مسروق بن الاجدع. رَوَى عَن: أنس بن مالك، وحميد بن عبد الرحمن الحميری، وقيس بن مسلم (د)، وأبيه محمد بن المنتشر (ع) رَوَى عَنه: جرير بن عبدالحميد (م س)، وجعفر بن زياد الاحمر، وسفيان الثوری (خ م س)، وسفيان بن عُيَيْنَة (ق)، وشعبة ابن الحجاج (خ م د س)، وعيسى بن عُمَر القارء، وغيلان بن جامع، والقاسم بن معن المسعودی، ومسعر بن كدام (م س)، وأبو حنيفة النعمان بن ثابت، وهريم بن سفيان (د)، وأبو عوانة (ع) قال صالح بن أحمد بن حنبل عَن أبيه، وأبو حاتم: ثقة صدوق. زاد أبو حاتم: صالح. وَقَال النَّسَائی: ثقة. وَقَال جعفر الاحمر: كان من أفضل من رأينا بالكوفة فی زمانه. روى له الجماعة (تهذيب الكمال ج۲ص ۱۸۳، ۱۸۴، تحت ترجمة إبراهيم بن محمد بن المنتشر بن الاجدع)

إبراهيم بن محمد بن المنتشر بن الأجدع الهمدانی الكوفی ثقة من الخامسة (تقريب التهذيب ج ۱ ص ۶۵)

إبراهيم بن محمد (ع) ابن المنتشر بن الاجدع الهمدانی الكوفی، أحد أئمة الدين، ومن ثبت العلم. وجده المنتشر هو أخو مسروق أحد الاعلام. حدث عن: أبيه وطائفة. أحاديثه يسيرة. حدث عنه: شعبة، وسفيان الثوری، وأبو عوانة، وجماعة. قال جعفر الاحمر: كان من أفضل من رأيناه بالكوفة فی زمانه. قلت: كان ذا تأله ودين وثقة وتزهد، روى له الجماعة، وهو قديم الوفاة، وكان ينبغی أن يذكر فی الطبقة الماضية - رحمه الله - ولم أر له شيئا عن أحد من الصحابة (سيراعلام النبلاء ج۷ص ۵۵، ۵۶، تحت ترجمة إبراهيم بن محمد بن المنتشر بن الاجدع)

حضرت سعید بن مسیّب کے شاگرد حضرت یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ:

جَرَّبْنَا ذٰلِکَ فَوَجَدْنَاہُ حَقًّا (الاستذکار الجامع لمذاھب فقھاء الأمصار، ج۳ص ۳۳۱، کتاب الصیام ،باب صیام یوم عاشوراء)

ترجمہ: ہم نے اس (عاشوراء کے دن وسعت کرنے کے عمل) کا تجربہ کیا تو اس کو درست پایا(الاستذکار)

عظیم محدث حضرت سفیان بن عیینہ سے روایت ہے کہ:

جَرَّبْنَا ذٰلِکَ فَوَجَدْنَاہُ کَذٰلِکَ (الاستذکار الجامع لمذاھب فقھاء الأمصار، ج۳ص ۳۳۱، کتاب الصیام ،باب صیام یوم عاشوراء)

ترجمہ: ہم نے اس (عاشوراء کے دن وسعت کرنے کے عمل) کا تجربہ کیا تو اس کو اسی طرح پایا(الاستذکار)

ایک روایت میں حضرت سفیان رحمہ اللہ کے یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

فَجَرَّبْنَا ذٰلِکَ مُنْذُ خَمْسِیْنَ سَنَةً فَلَمْ نَرَ إِلَّا سِعَةً (اخبارِ اصبھان) [1]

ترجمہ: ہم نے اس (عاشوراء کے دن وسعت کرنے کے عمل) کا تقریباً پچاس سال تجربہ کیا، تو ہم نے (اس عمل کے نتیجہ میں) وسعت ہی دیکھی(اخبارِ اصبہان)

اس سے معلوم ہوا کہ عاشوراء یعنی دس محرم کے دن کی تاثیر یہ ہے کہ اس دن اپنے اہل وعیال پر وسعت کرنے کے نتیجہ میں اللہ سارے سال وسعت اور فراخی عطا فرماتا ہے۔ [2]

---

[1] ج۲ص ۱۳۲ ، تحت رقم الترجمة ۱۳۰۲ ، تحت الترجمة القاسم بن عبدالوھاب ابو العباس.

[2] (من وسع علی عیاله) وھم فی نفقته (فی یوم عاشوراء) عاشر المحرم وفی روایة بإسقاط فی (وسع الله علیه فی سنته کلھا) دعاء أو خبر وذلک لأن الله سبحانه أغرق الدنیا بالطوفان فلم یبق إلا سفینة نوح بمن فیھا فرد علیھم دنیاھم یوم عاشوراء وأمروا بالھبوط للتأھب للعیال فی أمر معاشھم بسلام وبرکات علیھم وعلی من فی أصلابھم من الموحدین فکان ذلک یوم التوسعة والزیادة فی وظائف المعاش فیسن زیادة ذلک فی کل عام ذکره الحکیم وذلک مجرب للبرکة والتوسعة ، قال جابر الصحابی :جربناه فوجدناه صحیحا وقال ابن عیینة :جربناه خمسین أو ستین

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حدیث توسع علی العیال کا محدثین سے ثبوت

گزشتہ بحث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ دس محرم کو اہل وعیال پر نان نفقہ میں وسعت کی احادیث وروایات اور آثار محدثین کے نزدیک قابلِ حجت ہیں، اور سلف کے دور میں اس عمل کا وجود تھا، نیز بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک بھی دس محرم کو اہل وعیال پر وسعت کرنا مستحب ہے۔ کما سیجیئ۔

لہٰذا بعض حضرات کا یہ کہنا کہ سلف کے دور میں اس عمل کا وجود نہیں تھا، یہ بات درست یا کم از کم راجح معلوم نہیں ہوتی۔ [1]

اور بعض نے جو اِن احادیث وروایات کو باطل یا موضوع قرار دیا ہے، وہ بھی درست نہیں، مبالغہ آمیزی پر مبنی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

سنة وقال ابن حبيب أحد أئمة المالكية :لا تنس ينسك الرحمن عاشورا *واذكره لا زلت فى الأخبار مذكورا قال الرسول صلاة الله تشمله *قولا وجدنا عليه الحق والنورا من بات فى ليل عاشوراء ذا سعة *يكن بعيشته فى الحول مجبورا فارغب فديتك فيما فيه رغبنا *خير الورى كلهم حيا ومقبورا قال المؤلف :فهذا من هذا الإمام الجليل يدل على أن للحديث أصلا(فيض القدير شرح الجامع الصغير من أحاديث البشير النذير تحت رقم الحديث ٩٠٧٥)

[1] جیسا کہ ناصرالدین البانی صاحب نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ میں یہ دعویٰ کیا ہے۔

[2] اور امام احمد رحمہ اللہ نے جو ''لایصح'' فرمایا ہے، تو اس سے حسن ہونے کی نفی مراد نہیں۔

وقد ورد موقوفا على عمر أخرجه ابن عبد البر بسند رجاله ثقات لكنه من رواية ابن المسيب عنه وقد اختلف فى سماعه منه ورواه فى الشعب من قول إبراهيم بن محمد بن المنتشر وأما قول الشيخ تقى الدين بن تيمية إن حديث التوسعة ما رواه أحد من الأئمة وإن أعلى ما بلغه من قول ابن المنتشر فهو عجب منه كما ترى وقد جمعت طرقه فى جزء انتهى كلام العراقى،وفى جواهر العقدين فى فضل الشرفين لنور الدين السمهودى لا يلزم من قول أحمد فى حديث التوسعة أنه لا يصح أن يكون باطلا فقد يكون غير صحيح وهو صالح للاحتجاج به إذ الحسن رتبته بين الصحيح والضعيف انتهى.وفى تنزيه الشريعة قول الإمام أحمد لا يصح لا يلزم منه أن يكون باطلا كما فهمه ابن القيم فقد يكون الحديث غير صحيح وهو صالح للاحتجاج به بأن يكون حسنا انتهى.قلت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

احادیث پر نقد و جرح کرنے والے بڑے بڑے محدثین نے دس محرم کے دن اہل وعیال پر وسعت کرنے کی حدیث پر کلام کیا، اوراس کو درست ومعتبر قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام سخاوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ثابت قرار دیا ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ﴾

بهذا كله بطل قول الشوكاني في الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة بعد نقل شيء من كلام العراقي ذكره ابن الجوزي في الموضوعات وابن تيمية في فتوى له فحكم بوضع الحديث من تلك الطرق والحق ما قالاه انتهى كلامه. وجه البطلان أنه كيف يكون ما قال ابن الجوزي وابن تيمية حقا،مع كونهما من المشددين المتعنتين في الحكم بالوضع على ما بسطته في رسالتي الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة وفي تعليقات تحفة الطلبة في مسح الرقبة المسماة (بتحفة الكملة) وقد تعقبهما جمع من العلماء المحققين وأثبتوا كون الحديث حسنا إما لذاته ببعض أسانيده وإما لغيره بجمع أسانيده بالبراهين لا بمجرد الظن والتخمين فانظر إلى ما قال ولا تنظر إلى من قال وكذا بطل الحكم في قول ابن تيمية في منهاج السنة ما يذكرون من فضائل عاشوراء وما ورد من التوسعة على العيال وفضائل المصافحة والحناء والخضاب والاغتسال ونحو ذلك ويذكرون فيها صلاة كل ذلك كذب على رسول الله لم يصح في عاشوراء إلا في فضل صيامه انتهى. وذلك لأن كون أحاديث الحناء والاغتسال ونحو ذلك كذبا وإن كان صحيحا لكن كذب حديث التوسعة على العيال ليس بصحيح بل هو حسن محتج به فهو في الحكم الكلي كاذب كذبه من جاء بعده فاحفظ هذا كله ينفعك في الدنيا والآخرة (الاثار المرفوعة في الاخبار الموضوعة ص٨٥،الإيقاظ الأول في ذكر أحاديث صلوات أيام الأسبوع ولياليها،مشمولة: رسائل اللكنوى ج٥)

[1] حديث: من وسع على عياله في يوم عاشوراء وسع الله عليه السنة كلها، الطبراني في الشعب وفضائل الأوقات، وأبو الشيخ عن ابن مسعود، والأولان فقط عن أبي سعيد، والثاني فقط في الشعب عن جابر وأبي هريرة، وقال: إن أسانيده كلها ضعيفة، ولكن إذا ضم بعضها إلى بعض أفاد قوة، بل قال العراقي في أماليه: لحديث أبي هريرة طرق، صحح بعضها ابن ناصر الحافظ، وأورده ابن الجوزي في الموضوعات من طريق سليمان ابن أبي عبد الله عنه، وقال: سليمان مجهول، وسليمان ذكره ابن حبان في الثقات،فالحديث حسن على رأيه، قال: وله طريق عن جابر على شرط مسلم، أخرجها ابن عبد البر في الاستذكار من رواية أبي الزبير عنه، وهي أصح طرقه، ورواه هو والدارقطني في الأفراد بسند جيد، عن عمر موقوفا عليه(المقاصد الحسنة في بيان كثير من الاحاديث المشتهرة على الألسنة للسخاوي،ص٦٧٥، تحت رقم الحديث ١١٩٣، الباب الاول الاحاديث بحسب ترتيب الاحرف، حرف الميم)

اسی طرح امام عجلونی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی مختلف سندوں پر کلام کرتے ہوئے اس کو قابلِ استدلال فرمایا ہے۔ [1]

نیز علامہ طاہر پٹنی نے بھی یہی تفصیل نقل فرمائی ہے۔ [2]

---

[1] وأخرجه البيهقي في "الشعب "عن أبي سعيد الخدري وأبي هريرة وابن مسعود وجابر بأسانيد ضعيفة إذا ضم بعضها إلى بعض تقوت.
وقال الحافظ أبو الفضل العراقي في "أماليه :"حديث أبي هريرة، ورد من طرق صحح بعضها الحافظ أبو الفضل بن ناصر.
وأورده ابن الجوزي في "الموضوعات "من طريق سليمان بن أبي عبد الله عنه، وقال سليمان: مجهول، وسليمان ذكره ابن حبان في الثقات، قال: وله طريق عن جابر على شرط مسلم أخرجه ابن عبد البر في "الاستذكار "من رواية أبي الزبير، وهو أصح طرقه.
قال النجم ولفظه:" من وسع على نفسه وأهله يوم عاشوراء؛ أوسع الله عليه سائر سنته."
وورد أيضًا من حديث ابن عمر؛ أخرجه الدارقطني في "الأفراد "موقوفًا على عمر، وأخرجه ابن عبد البر بسند جيد، ورواه في "الشعب "عن محمد بن المنتشر فذكره.
قال وقد جمعت طرقه في جزء، هذا كلام العراقي في أماليه، وقد لخصت الجزء الذي جمعه في "التعقبات "على "الموضوعات "انتهى ما في "الدرر."
وقال السخاوي في "المقاصد :"رواه الطبراني والبيهقي وأبو الشيخ عن ابن مسعود والأولان فقط عن أبي سعيد، والثاني فقط عن جابر وأبي هريرة، وقال: إن أسانيده كلها ضعيفة؛ ولكن إذا ضم بعضها إلى بعض؛ استفاد قوة.
بل قال العراقي في أماليه: لحديث أبي هريرة طرق صحح بعضها الحافظ ابن ناصر الدين، قال العراقي وقد جمعت طرقه في جزء، واستدرك عليه الحافظ ابن حجر كثيرًا لم يذكره.
وتعقب اعتماد ابن الجوزي ذكره له في "الموضوعات"، وأورده ابن حبان في الثقات؛ فالحديث حسن على رأيه(كشف الخفاء ومزيل الالباس للعجلوني، ج٢ ص ٣٤١، ٣٤٢، تحت رقم الحديث ٢٦٤٢، حرف الميم)

[2] من وسع على عياله وأهله يوم عاشوراء وسع الله عليه السنة كلها فيه سليمان مجهول والحديث غير محفوظ: قلت قال العراقي له طرق صحح بعضها وبعضها على شرط مسلم، قال البيهقي أسانيده الضعيفة أحدثت قوة بالتضام وكذا في المقاصد وقد أورده ابن الجوزي في الموضوعات من طريق لسليمان لجهالته، وقد ذكره ابن حبان في الثقات فالحديث حسن على رأيه وله طريق أخرى على شرط مسلم وهو أصح طرقه وروى بسند جيد عن عمر موقوفا وتعقب شيخنا اعتماد ابن الجوزي قول العقيلي في هيصم أنه مجهول قال بل ذكره ابن حبان في الثقات والضعفاء، وفي الوجيز هو عن ابن مسعود وفيه الهيصم راوي الطامات، وأبي هريرة وفيه سليمان بن أبي عبد الله مجهول قال ولا يثبت فيه حديث: قلت أخرجه البيهقي عن أبي سعيد وأبي هريرة وجابر قال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام کنانی رحمہ اللہ نے بھی یہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أسانيده كلها ضعيفة ولكن قويت بالتضام، وقال العراقى حديث أبى هريرة ورد من طرق صحح بعضها (تذكرة الموضوعات للامام الطاهر الفتنى ص١١٨ ،باب الفاضلة من الأوقات والأيام والجمعة وعاشوراء والكحل وسعة الرزق وخلق كل شىء فيه والشهور وأيام النحس وما حدث فيها من البدع)

؎ [حديث] من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته (طب) من حديث ابن مسعود وفيه هيصم بن شداخ (عد) من حديث أبى هريرة وفيه سليمان بن عبد الله مجهول قال العقيلى والحديثان غير محفوظين (تعقب) بأن حديث ابن مسعود أخرجه الطبرانى فى الكبير والبيهقى فى الشعث وحديث أبى هريرة قال الحافظ العراقى فى أماليه ورد من طرق صحح بعضها الحافظ ابن ناصر وسليمان الذى قال ابن الجوزى مجهول ذكره ابن حبان فى الثقات قال فالحديث حسن على رأى ابن حبان وقد روى من حديث أبى سعيد وجابر أخرجهما البيهقى فى الشعث وقال فيهما وفى حديث أبى هريرة وابن مسعود أسانيدهما ضعيفة ولكنها إذا ضم بعضها إلى بعض أخذت قوة انتهى والحديث جابر طريق آخر غير الذى أخرجه منه البيهقى وهو على شرط مسلم أخرجه ابن عبد البر فى الاستذكار من حديث شعبة عن أبى الزبير عن جابر فذكره ثم قال قال جابر جربناه فوجدناه كذلك وقال أبو الزبير مثله وقال شعبة مثله (قلت) قال الحافظ ابن حجر منكر جدا ورجاله موثوقون والظاهر أن الغلط فيه من أبى خليفة الفضل بن الحباب فلعل ابن الأحمر سمعه منه بعد احتراق كتبه والله أعلم، وورد من حديث ابن عمر أخرجه الدارقطنى فى الأفراد وقال منكر وموقوفا على عمر أخرجه ابن عبد البر فى الاستذكار بسند رجاله ثقات إلا أنه من رواية ابن المسيب عن عمر وقد اختلف فى سماعه منه وعن إبراهيم بن محمد بن المنتشر قال كان يقال فذكره أخرجه البيهقى فى الشعب قال العراقى وأما قول الشيخ تقى الدين ابن تيمية إن حديث التوسعة ما رواه أحد من الأئمة وإن أعلى ما بلغه فيه قول ابن المنتشر فهو عجيب منه فهو كما ذكرته فى عدة من كتب الأئمة وقد جمعت طرقه فى جزء انتهى (وقال) عبد الملك بن حبيب أحد أئمة المالكية أورده صاحب المغرب:

لا تنس لا ينسك الرحمن عاشورا ۔۔۔ واذكره لا زلت فى الأخيار مذكورا
قال الرسول صلاة الله تشمله ۔۔۔ قولا عليه وجدنا الحق والنورا
من بات فى ليل عاشوراء ذا سعة ۔۔۔ يكن بعيشته فى الحول محبورا
فارغب فديتك فيما فيه رغبنا ۔۔۔ خير الورى كلهم حيا ومقبورا

وهذا من هذا الإمام الجليل دليل على ثبوت الحديث عنده (قلت) وقول الإمام أحمد لا يصح لا يلزم منه أن يكون باطلا كما فهمه ابن القيم فقد يكون الحديث غير صحيح وهو صالح للاحتجاج به بأن يكون حسنا والله تعالى أعلم (تنزيه الشريعة المرفوعة عن الاحاديث الشنيعة الموضوعة للكنانى ج٢ص١٥٧، ١٥٨، تحت رقم الحديث ٣٣، كتاب الصوم، الفصل الثانى)

اور امام مناوی رحمہ اللہ نے بھی تفصیلی کلام کے بعد فرمایا کہ اس حدیث کی اصل موجود ہے۔ [1]
اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے علامہ عراقی سے اس حدیث کا صحیح اور ثابت ہونا تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ [2]

---

[1] (من وسع على عياله) وهم في نفقته (في يوم عاشوراء) عاشر المحرم وفي رواية بإسقاط في (وسع الله عليه في سنته كلها) دعاء أو خبر وذلك لأن الله سبحانه أغرق الدنيا بالطوفان فلم يبق إلا سفينة نوح بمن فيها فرد عليهم دنياهم يوم عاشوراء وأمروا بالهبوط للتأهب للعيال في أمر معاشهم بسلام وبركات عليهم وعلى من في أصلابهم من الموحدين فكان ذلك يوم التوسعة والزيادة في وظائف المعاش فيسن زيادة ذلك في كل عام ذكره الحكيم وذلك مجرب للبركة والتوسعة قال جابر الصحابي: جربناه فوجدناه صحيحا وقال ابن عيينة: جربناه خمسين أو ستين سنة وقال ابن حبيب أحد أئمة المالكية:

لا تنس لا ينسك الرحمن عاشورا ... واذكره لا زلت في الأخيار مذكورا
قال الرسول صلاة الله تشمله ... قولا عليه وجدنا الحق والنورا
من بات في ليل عاشوراء ذا سعة ... يكن بعيشته في الحول محبورا
فارغب فديتك فيما فيه رغبنا ... خير الورى كلهم حيا ومقبورا

قال المؤلف: فهذا من هذا الإمام الجليل يدل على أن للحديث أصلا (فيض القدير للمناوى ج٦ ص٢٣٥، تحت رقم الحديث ٩٠٧٥)

[2] قال العراقي: له طرق صحح بعضها وبعضها على شرط مسلم (مرقاة المفاتيح، ج ۴ ص ۱۳۴۹، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة)

وأما ما ورى: من وسع على عياله في يوم عاشوراء وسع الله عليه السنة كلها، فرواه الطبراني والبيهقي في الشعب وفي فضائل الأوقات، وأبو الشيخ عن ابن مسعود، والأولان فقط عن أبي سعيد، والثاني فقط في الشعب عن جابر وأبي هريرة، وقال: إن أسانيده كلها ضعيفة، ولكن إذا ضم بعضها إلى بعض أفاد قوة، بل قال العراقي في أماليه: لحديث أبي هريرة طرق صحح بعضها ابن ناصر الحافظ (المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ج٣ص ٤٣٥، ٤٣٦، المقصد التاسع، النوع الرابع، القسم الثاني، الفصل الثاني)

من وسع علٰى عياله في يوم عاشوراء وسع الله عليه السنة كلها وفي رواية سائرسنته قال الزركشي لايثبت انما هو من كلام محمد بن المنتشر قال السيوطي كلابل هو ثابت صحيح اخرجه البيهقي في الشعب من حديث ابي سعيد الخدري وابي هريرة وابن مسعود وجابر ث وقال اسانيده كلها ضعيفة ولكن اذاضم بعضها الٰى بعض افادقوة وقال الحافظ ابوالفضل العراقي في اماليه حديث ابي هريرة هذا ورد من طرق صحح بعضها ابوالفضل بن ناصر واورده ابن الجوزي في الموضوعات من طريق سليمان ابن ابي عبدالله عنه وقال سليمان مجهول وسليمان ذكره ابن حبان في الثقات قال فالحديث حسن علىٰ رأيه قال وله طرق عن جابر على شرط مسلم اخرجها ابن عبدالبرفي

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فقہائے اربعہ کی کتب سے ثبوت

محدّثین کے علاوہ اہلُ السنۃ والجماعۃ کے چاروں فقہائے کرام کے مسلک کی کتب سے بھی عاشوراء (یعنی دس محرم) کے دن اہل وعیال پر وُسعت کا ثبوت ملتا ہے۔

چنانچہ حنفیہ کی کتب درِمختار، اور ردالمختار میں دس محرم کے دن اہل وعیال پر وسعت کی حدیث کا ثبوت اوراس عمل کا استحباب مذکور ہے۔ [1]

حنفیہ کے علاوہ فقہ شافعیہ کی کئی کتابوں میں بھی اس حدیث کے ثبوت اوراس پر عمل کو برقرار رکھا گیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾ الاستذکار من رواية ابی الزبير عنه وهی اصح طرقه قال وقدورد ايضا من حديث ابن عمر رضی اللہ عنه اخرجه الدارقطنی فی الافراد موقوفا علٰی عمر وقداخرجه ابن عبدالبر بسند جيد ورواه البيهقی فی الشعب عن محمد بن المنتشر قال كان يقال فذكره وقد جمعت طرقه فی جزء هذا كلام العراقی فی اماليه نقله السيوطی وقال قد لخصت الجزء الذی جمعه فی التعقبات على الموضوعات (الموضوعات الكبير ص ١٢٧ حرف الميم)

[1] (قوله: وحديث التوسعة إلخ) وهو من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه السنة كلها قال جابر: جربته أربعين عاما فلم يتخلف ط...........وأما حديث التوسعة فرواه الثقات (رد المحتار، ج٢ ص٤١٨، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسدهٗ)

وفی يوم عاشوراء يكره كحلهم ...ولا بأس بالمعتاد خلطا ويؤجر (الدرالمختار)

(قوله ولا بأس إلخ) نقل فی القنية عن الوبری أنه لم يرد فيه أثر قوی، ولا بأس اهـ، وربما يثاب قال الشارح: والذی فی حفظی أنه يثاب بالتوسعة على عياله المندوب إليها فی الحديث بقوله من وسع على عياله فی يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته فأخذ الناس منه أن وسعوا باستعمال أنواع من الحبوب، وهو مما يصدق عليه التوسعة .وقد رأيت لبعض العلماء كلاما حسنا محصله: أنه لا يقتصر فيه على التوسعة بنوع واحد بل يعمها فی المآكل والملابس وغير ذلك، وأنه أحق من سائر المواسم بما يعمل فيها من التوسعات الغير المشروعة فيها كالأعياد ونحوها اهـ ......قلت: والحاصل أنه وردت التوسعة فيه بأسانيد ضعيفة، وصحيح بعضها يرتقی بها الحديث إلى الحسن، وتعقب ابن الجوزی فی عده من الموضوعات......والتوسعة على من وسع مجربة .نقل ذلك المناوی عن جابر وابن عيينة (ردالمحتار ج٦ ص٤٢٩و٤٣٠،ملخصاً،كتاب الحظروالاباحة ،آخرفصل البيع ،قبيل كتاب احياء الموات)

[2] وورد من طرق صحح بعضها بعض الحفاظ خلافا لمن زعم أنها موضوعة من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه السنة كلها(الفتاویٰ الفقهية الكبریٰ ،لاحمد بن محمدبن علی بن حجرالهيتمی شافعی ،ج٢ ص٦٨، كتاب الصوم)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حنفیہ اور شافعیہ کے علاوہ فقہ حنبلیہ کی متعدد کتابوں میں بھی اس حدیث کو ثابت اور اس عمل کو درست قرار دیا گیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

ويسن التوسعة على العيال فى يوم عاشوراء ليوسع الله عليه السنة كلها كما فى الحديث الحسن وقد ذكر غير واحد من رواة الحديث أنه جربه فوجده كذلك كردى على بافضل عبارة المناوى فى شرح الشمائل وورد من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه السنة كلها وطرقه وإن كانت كلها ضعيفة لكن اكتسبت قوة بضم بعضها لبعض بل صحح بعضها الزين العراقى كابن ناصر الدين وخطء ابن الجوزى فى جزمه بوضعه (حاشية الشروانى علىٰ تحفة المحتاج فى شرح المنهاج ، للامام عبدالحميد الشروانى الشافعى، ج۳ص۴۵۵،باب صوم التطوع ، كتاب الصيام)

ترك التبسط فى الطعام المباح مستحب فإنه ليس من أخلاق السلف هذا إذا لم تدع إليه حاجة كقرى الضيف وأوقات التوسعة كيوم عاشوراء ويوم العيد فيستحب أن يبسط فيها من أنواع الطعام إذ لم يقصد بذلك التفاخر والتكاثر بل تطيب خاطر الضيف والعيال وقضاء وطرهم مما يشتهونه (حاشية الشروانى علىٰ تحفة المحتاج فى شرح المنهاج ، للامام عبدالحميد الشروانى الشافعى، ج۹ ص۳۹۷، كتاب بيان ما يحل ويحرم من الأطعمة، خاتمة)

[1] سأل ابن منصور أحمد: هل سمعت فى الحديث "من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر السنة ""فقال: نعم, رواه سفيان بن عيينة عن جعفر الأحمر عن إبراهيم بن محمد بن المنتشر وكان من أفضل أهل زمانه أنه بلغه أن من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته."

قال ابن عيينة: قد جربناه منذ خمسين أو ستين سنة فما رأيناه إلا خيرا, وذكره ابن الجوزى فى العلل المتناهية من حديث ابن عمر, قال الدارقطنى منكر, ومن حديث أبى هريرة والإسناد ضعيف, وعن جابر مرفوعا مثله, وفيه: " على نفسه وأهله "ذكره ابن عبد البر فى الاستذكار, قال جابر: جربناه فوجدناه كذلك .وقال أبو الزبير مثله, وقال شعبة مثله, وعن الليث بن سعد عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب عن عمر بن الخطاب "رضى الله عنه "مثله, ولفظه: " من وسع على أهله ."قال يحيى بن سعيد: جربنا ذلك فوجدناه حقا, وكره شيخنا ذلك وغيره سوى صومه (الفروع لابن مفلح الحنبلى، ج۵ص ۹۲، ۹۳، كتاب الصوم،باب صوم التطوع وذكر ليلة القدر وما يتعلق بذلك)

وينبغى فيه التوسعة على العيال سأل ابن منصور أحمد عنه فقال: نعم رواه سفيان بن عيينة عن جعفر عن إبراهيم بن محمد بن المنتشر وكان أفضل أهل زمانه أنه بلغه: من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته "قال ابن عيينة: قد جربناه منذ خمسين سنة أو ستين فما رأينا إلا خيرا . (كشاف القناع عن متن الاقناع لمنصوربن يونس البهوتى حنبلى، ج۲ ص ۳۳۹، كتاب الصيام، باب صوم التطوع وما يكره منه وذكر ليلة القدر وما يتعلق بذلك)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورفقہ مالکی کی کتب میں بھی دس محرم کو اہل وعیال پر وسعت کو مستحب قرار دیا گیا ہے، اور اہلِ مکہ واہلِ مدینہ کے اس عمل کو اختیار کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فائدة: ينبغي فيه التوسعة على العيال، سأل ابن منصور أحمد عنه قال: " نعم ." رواه سفيان بن عيينة عن جعفر الأحمر عن إبراهيم بن محمد بن المنتشر، وكان من أفضل زمانه أنه بلغه أن من، وسع على عياله يوم عاشوراء، وسع الله عليه سائر سنته، قال ابن عيينة: قد جربنا منذ خمسين سنة أو ستين فما رأينا إلا خيرا (المبدع فى شرح المقنع لابن المفلح الحنبلى، ج٣ص ٤٩،٥٠، كتاب الصيام، باب صوم التطوع)

[1] ويستحب فيه التوسعة على العيال وهو عاشر المحرم (الذخيرة للقرافى المالكى، ج٢ ص ٥٢٩، كتاب الصيام،الباب الثامن فى صيام التطوع)

الرابع: قال ابن حبيب: يستحب في يوم عاشوراء التوسعة على العيال، وقال فى المدخل: الموسم الثالث من المواسم الشرعية يوم عاشوراء، والتوسعة فيه على الأهل والأقارب واليتامى والمساكين، وزيادة النفقة والصدقة مندوب إليها، بحيث لا يجهل ذلك .لكن بشرط عدم التكلف، وأن لا يصير ذلك سنة يستن بها لا بد من فعلها، فإن وصل إلى هذا الحد لا بد أن يفعلها سيما إن كان من أهل العلم وممن يقتدى به، ولم يكن لمن مضى فيه طعام معلوم لا بد من فعله، وكان بعض العلماء يتركون النفقة فيه قصدا لينبهوا على أنها ليست بواجبة، وأما ما يفعلونه اليوم من أن عاشوراء يختص بذبح الدجاج وغيرها وطبخ الحبوب وغيره، فلم يكن السلف يتعرضون فى هذه المواسم ولا يعرفون تعظيمها إلا بكثرة العبادة والصدقة والخير لا فى المأكول، ثم قال: ومما أحدثوه فيه من البدع زيارة القبور، وزيارة القبور فى هذا اليوم المعلوم بدعة مطلقا للرجال والنساء ...... وفى الأثر الذى ذكره عمر التوسعة على الأهل في ليلة عاشوراء، وفى الأحاديث السابقة التوسعة على الأهل في يوم عاشوراء فينبغى أن يوسع على الأهل فيهما، وقال الشيخ زروق فى شرح القرطبية: فيوسع يومه وليلته من غير إسراف ولا مرآة ولا مماراة، وقد جرب ذلك جماعة من العلماء فصح، انتهى.

وقال الشيخ يوسف بن عمر فى باب جمل من الفرائض: ويستحب التوسعة فى النفقة على العيال ليلة عاشوراء، واختلف هل هى ليلة العاشر أو ليلة الحادى عشر؟ انتهى(مواهب الجليل لشرح مختصر خليل،للحطاب الرعينى المالكى، ج٢ ص ٤٠٣ الیٰ ٤٠٥ ملخصاً،كتاب الصيام،باب مايثبت به رمضان)

وجاء الترغيب فى النفقة فيه على العيال وقد روى أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – قال: من وسع على أهله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر السنة وإن أهل مكة والمدينة يتحرون ذلك حتى كأنه يوم عيد .انتهى نص ابن يونس.

وقال ابن العربى: أما النفقة فى يوم عاشوراء والتوسعة فمخلوقة باتفاق وأنه يخلف الله بالدرهم عشرة أمثاله ورأيت لابن حبيب:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسلکِ اہل حدیث کے عالم عبداللہ بن محمد مبارک پوری نے بھی اس حدیث کے مختلف سندوں سے مروی ہونے کی وجہ سے معتبر قرار دیا ہے۔ [1]

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ دس محرم کے دن دو چیزیں سنت سے ثابت ہیں، ایک نفل روزہ جس کے ساتھ نو یا گیارہ تاریخ کا روزہ ملا لینا بہتر ہے، دوسرے اہل وعیال پر نان نفقہ میں وسعت وفراخی اور بس، اس کے علاوہ دوسری چیزیں ثابت نہیں۔ [2]

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب عاشوراء کے دن روزہ رکھا جائے گا، تو کھانے پینے وغیرہ میں وسعت والا عمل کیسے ادا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اہلِ علم حضرات کے مطابق اہل وعیال پر وسعت کھانے کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اہل وعیال کی دوسری ضروریات مثلاً لباس وغیرہ میں بھی وسعت کی جاسکتی ہے۔

لہٰذا جب وسعت کھانے پینے کے ساتھ خاص نہیں بلکہ لباس وغیرہ کی شکل میں بھی ہوسکتی ہے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لا تنس لا ينسك الرحمن عاشورا واذكره لا زلت فى الأخيار مذكورا
قال الرسول صلاة الله تشمله قولا عليه وجدنا الحق والنورا
من بات فى ليل عاشوراء ذا سعة يكن بعيشته فى الحول محبورا
فارغب فديتك فيما فيه رغبنا خير الورى كلهم حيا ومقبورا

وأنشدنى شيخى الأستاذ أبو عبد الله المنثورى جدد الله عليه رحمته قال: أنشدنى الخطيب أبو بكر بن جزى يوم عاشوراء قال: أنشدنى الخطيب أبو على القرشى يوم عاشوراء قال: أنشدنى الخطيب أبو عبد الله بن رشيد لنفسه يوم عاشوراء وذكر أن نظمه يوم عاشوراء:

صيام يوم عاشوراء أتى فضله فى سنة محكمة قاضيه
قال النبى المصطفى إنه تكفير ذنب السنة الماضيه
ومن يوسع يومه لم يزل فى عامه فى عيشة راضيه

(التاج والاكليل لمختصر خليل لابى عبدالله المواق المالكى، ج۳ص ۳۱۳، کتاب الصيام، باب فى احكام الصيام)

[1] والمعتمد عندى هو ما ذهب إليه البيهقى إن له طرقاً بعضها بعضاً، إن أسانيده الضعيفة أحدثت قوة بإلتضام والله تعالى أعلم (مرعاة المفاتيح، ج٦ص ٣٦٤، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة، الفصل الثالث)

[2] دریں روز جز صیام از عبادت وتوسیع علی العیال از عادات چیزے دیگر در شریعت وارد نشدہ لہٰذا زیادت بریں ہر چہ باشد بدعت باشد (امداد الفتاویٰ ج۵ص ۲۷۹)

تو اس وسیع مفہوم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کھانے پینے کے علاوہ دوسری چیزوں کے ذریعہ وسعت روزہ رکھ کر بھی ہو سکتی ہے۔

دوسرے بعض محدثین نے عاشوراء کی رات میں بھی وسعت کا ذکر فرمایا ہے۔

تیسرے بہت سی جگہ دن کے مفہوم میں رات بھی داخل ہوا کرتی ہے، اس لئے نو محرم کے دن کا غروب ہونے کے بعد بھی اس وسعت پر عمل کیا جا سکتا ہے، اور اگر عاشوراء کے دن بالفرض اپنا روزہ ہو اور کوئی کھانے کی شکل میں وسعت کرنا چاہے تو گھر میں جن لوگوں کا روزہ نہ ہو یا جو چھوٹے بچے ہوں ان پر وسعت دن میں خود روزہ رکھ کر بھی کی جا سکتی ہے۔ [1]

اس عمل میں اعتدال کی ضرورت

لیکن یہ ملحوظ رہے کہ جو چیزیں جس درجہ میں ثابت ہیں، ان کو اسی درجہ میں رکھ کر ماننا اور عمل کرنا چاہئے، اور ان کو ان کے درجہ سے بڑھانا نہیں چاہئے۔

آج کل مذکورہ حدیث سے ثابت شدہ عمل کے بارے میں عام طور پر بہت سے لوگ افراط وتفریط (کمی وزیادتی) کا شکار ہیں، بعض لوگ تو سرے سے اس حدیث کو ثابت ہی نہیں مانتے، حالانکہ ابھی ذکر ہو چکا کہ متعدد مختلف درجہ کی سندوں سے یہ حدیث منقول ہے اور

---

[1] (قوله ولا بأس إلخ) نقل فی القنية عن الوبری أنه لم يرد فيه أثر قوی، ولا بأس اهـ، وربما يثاب قال الشارح: والذی فی حفظی أنه يثاب بالتوسعة علی عياله المندوب إليها فی الحديث بقوله من وسع علی عياله فی يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته فأخذ الناس منه أن وسعوا باستعمال أنواع من الحبوب، وهو مما يصدق عليه التوسعة .وقد رأيت لبعض العلماء كلاما حسنا محصله: أنه لا يقتصر فيه علی التوسعة بنوع واحد بل يعمها فی المآكل والملابس وغير ذلک، وأنه أحق من سائر المواسم بما يعمل فيها من التوسعات الغير المشروعة فيها كالأعياد ونحوها اهـ (ردالمحتار، ج٦ ص ٤٢٩، ٤٣٠، كتاب الحظر والاباحة)

(من بات فی ليل عاشوراء ذا سعة ...يكن بعيشته فی الحول محبورا)

(فارغب فديتک فيما فيه رغبنا ...خير الورى كلهم حيا ومقبورا)(تنزيه الشريعة المرفوعة لابنِ عراقی الكنانی، ج٢ص١٥٨، كتاب الصوم، الفصل الثانی)

قال الحافظ ابن حجر فی أماليه :كذا وقع فی روايات يوم الجمعة وفی روايات ليلة الجمعة ويجمع بأن المراد اليوم بليلته والليلة بيومها (فيض القدير، تحت رقم الحديث ٨٩٣٢)

اس کا یک طرفہ اور بالکلیہ انکار درست نہیں اور متعدد فقہائے کرام سے بھی اس دن اہل و عیال پر وسعت کا ثبوت ملتا ہے۔

دوسری طرف بعض لوگ اس کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ فرائض وواجبات ادا کرنے اور گناہوں وحرام کاموں سے بچنے کے مقابلہ میں اس قسم کی کھانے پینے کی چیزوں کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور اس کو اپنے درجہ سے بڑھا دیتے ہیں، نیز صرف اسی عمل کو سارے سال کی روزی میں برکت ووسعت کا یقینی ذریعہ سمجھتے ہیں۔

حالانکہ بعض اوقات گناہوں کی وجہ سے بھی انسان کی روزی تنگ ہو جاتی ہے، اس لئے اس حدیث کے بارے میں افراط تفریط (اور کمی وزیادتی) سے بچ کر اعتدال والی راہ اختیار کرنی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اس حدیث کا انکار نہ کیا جائے، لیکن دوسری طرف اس حدیث میں بیان کردہ عمل کو فرض اور واجب نہ سمجھا جائے، بلکہ دنیوی برکت کا ایک عمل سمجھا جائے، اور نہ کرنے پر اپنے آپ کو یا دوسروں کو گناہ گار یا قابلِ ملامت بھی نہ خیال کیا جائے۔

نیز یہ بھی وہم نہ کیا جائے کہ یہ عمل نہ کرنے کی وجہ سے یقینی طور پر تمام سال بے برکتی رہے گی اور جو یہ عمل نہ کرے اس پر لعن طعن بھی نہ کیا جائے۔

اسی طرح اس موقع پر اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرنا، فضول خرچی کرنا یا اس کے لئے قرض لینا، یا کسی خاص قسم کے کھانے (مثلاً کھچڑ، کھیر، حلیم وغیرہ) کو لازم وضروری سمجھنا درست نہیں۔

پھر مذکورہ حدیث میں کیونکہ اپنے اہل وعیال پر وسعت کرنے کی قید لگی ہوئی ہے، اس لئے یہ سمجھنا کہ جب تک اہل وعیال کے علاوہ علاقہ اور محلّہ والے لوگوں کو شامل نہیں کیا جائے گا یا بڑی بڑی دیگیں نہیں اتاری جائیں گی، یا مختلف قسم کی سبیلیں نہیں لگائی جائیں گی، تو یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا، یہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔

کیونکہ حدیث میں اپنے اہل وعیال پر نان نفقہ میں کشادگی کی برکت بیان کی گئی ہے، اور اہل وعیال میں اہلِ محلّہ اور دوسرے لوگ شامل نہیں ہوتے، اگر گناہوں سے بچنے اور توبہ کے

ساتھ ساتھ اس دن صرف اپنے گھر کی حد تک بغیر قرض لئے حلال مال سے کوئی اچھا کھانا تیار کر لے تو یہ عمل جائز بلکہ بہتر ہے، لیکن یہ معاملہ اپنے گھر تک محدود رکھا جائے اس کو نہ تو ضروری سمجھا جائے اور نہ ہی اس کا دائرہ بڑھا کر اپنی کفالت سے باہر کے افراد کو لینے دینے میں شامل کیا جائے، کیونکہ حدیث میں ایک دوسرے کو لینے دینے کا ذکر نہیں بلکہ صرف اپنے اہل وعیال پر وسعت کا ذکر ہے، اور اس حدیث سے اپنے اہل وعیال پر وسعت کا جو حکم ہے، وہ ایصالِ ثواب سے الگ عمل ہے، اس لئے اس کو ایصالِ ثواب سمجھنا بھی غلط فہمی ہے (ماخذہٗ ''خطبات حکیم الامت'' ج۹، وعظ تحریم المحرم، بتغیر) [1]

اس کے علاوہ قرآن مجید اور صحیح احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نیک اعمال اور توبہ استغفار سے رزق میں برکت اور بداعمالیوں اور گناہوں سے رزق میں تنگی ہوتی ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَايَحْتَسِبُ ؕ

---

[1] التوسعة فی عاشوراء :قال بعض الفقهاء تستحب التوسعة على العيال والأهل فی عاشوراء ، واستدلوا بما روی عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :من وسع على أهله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته .

قال ابن عيينة :قد جربناه منذ خمسين سنة أو ستين فما رأينا إلا خيرا أما غير التوسعة على العيال مما يحدث من الاحتفال والاكتحال والاختضاب يوم العاشر وليلته :فقد ذهب جمهور الفقهاء من الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة إلى أن الاحتفال فی ليلة العاشر من محرم أو فی يومه بدعة، وأنه لا يستحب شیء منه، بل ما روی فی هذا الباب إنما هو من وضع الوضاعين أهل البدع تشجيعا لبدعتهم التی يصنعونها فی هذا اليوم.ولم يثبت فی فضل هذا اليوم إلا الصيام فقط(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٩،ص ٢٢١،مادة " عاشوراء ")

وفيه يوجد التشبه باهل الباطل ،ويوجد التقوية والتائيدلعقيدة الباطلة كالتقرب لغيرالله وايصال الثواب لروح الحسين رضی الله عنه تخصيصاً بيوم العاشوراء اوان يصل هذا الطعام بعينهٖ الٰی ارواح الشهداء وانهم جائعون وهذا العمل يفضی العوام الی الضلالة فافهم هذا الفرق اللطيف بين التوسعة على العيال والتوسيع الٰی غيرهم .

بعض لوگ اہل وعیال پر وسعت والی حدیث سے یہ مطلب نکالتے ہیں کہ دس محرم کے دن جو بھی کام کیا جاتا ہے، سال بھر وہی کام ہوتا ہے، مثلاً اگر کوئی اس دن سفر کرے تو سال بھر سفر واسفار کثرت سے ہوتے ہیں اور اسی طرح دوسری چیزیں بھی، حدیث کا یہ مطلب نکالنا درست نہیں، کیونکہ اس کا حدیث میں کوئی ذکر نہیں۔ محمد رضوان۔

(سورة الطلاق، رقم الآية ۲،۳)

یعنی اور جو ڈرتا ہے اللہ سے، اللہ اس کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا (سورہ طلاق)

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا (سورة طٰهٰ، رقم الآية ۱۲۴)

یعنی اور جو اعراض کرے گا میرے ذکر سے، تو اس کی معیشت تنگ ہوگی (سورہ طٰہٰ)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهٗ، وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ، وَلَا يَزِيْدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ (موارد الظمآن الیٰ زوائد ابنِ حبان)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک آدمی رزق سے محروم کردیا جاتا ہے، اس گناہ کی (نحوست کی) وجہ سے جس کو وہ اختیار کرتا ہے، اور تقدیر کو صرف دعاء ہی رَد کرتی ہے، اور عمر میں صرف صلہ رحمی (ورشتہ داروں سے نیک سلوک) کرنا ہی اضافہ کرتا ہے (موارد)

---

[1] رقم الحديث ۱۰۹۰، كتاب البيوع، باب فی موانع الرزق.

قال حسين سليم اسد الدارانی:

إسناده جيد، وهو فی الإحسان ۱۱۶/۲ ا برقم(۸۶۹)

وأخرجه أبو يعلى فی "معجم "شيوخه برقم(۲۸۲)من طريق فضل بن إسحاق البغدادی، حدثنا الأشجعی، عن سفيان، بهذا الإسناد .وهناک استوفيت تخريجه.

ونضيف هنا أن الطحاوی أخرجه فی "مشكل الآثار ۱۶۹/۴ "من طريق فهد بن سليمان قال :حدثنا إبراهيم.

وأخرجه أبو نعيم فی "ذكر أخبار أصبهان ۱۰/۲ "من طريق ...محمد بن عاصم، حدثنا أبی.وأخرجه البغوی فی "شرح السنة ۱۳/۶ برقم(۳۴۱۸) "من طريق ...محمد ابن يوسف، وأبی نعيم، جميعهم حدثنا سفيان، بهذا الإسناد(حاشية موارد الظمآن)

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کی نحوست سے آدمی رزق کی برکت سے محروم ہوجاتا ہے۔ [1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ:لَا تَسْتَبْطِئُوا الرِّزْقَ ،

---

[1] (إن الرجل) يعنى الإنسان (ليحرم) بالبناء للمفعول أى يمنع وحذف الفاعل فى مقام منع الرزق أنسب (الرزق) أى بعضه يعنى ثواب الآخرة أو نعم الدنيا من نحو صحة ومال بمعنى محق البركة منه (بالذنب يصيبه) وفى رواية بذنبه أى بشؤم كسبه للذنب ولو بأن تسقط منزلته من القلوب ويستولى عليه أعداؤه أو ينسى العلم حتى قال بعضهم إنى لأعرف عقوبة ذنبى فى سوء خلق حمارى وقال آخر أعرفه من تغير الزمان وجفاء الإخوان ولا يقدح فيه ما يرى من أن الكفرة والفسقة أعظم مالا وصحة من العلماء لأن الكلام فى مسلم يريد الله رفع درجته فى الآخرة فيعقبه من ذنوبه فى الدنيا فاللام فى الرجل للعهد والمعهود بعض الجنس من المسلمين ذكره المظهر وبه عرف أنه لا تناقض بينه وبين خبر إن الرزق لا ينقصه المعصية ولهذا وجه بعضهم الخبر بأن لله لطائف يحدثها للمؤمن ليصرف وجهه إليه عن اتباع شهوته والانهماک فى نهمته فإذا اشتغل بذلک عن ربه حرم رزقه فيكون زجرا له إليه عما أقبل عليه وتأديبا له أن لا يعود لمثله كطفل دعته أمه فأعرض عنها فيعدو إلى لهو فيعثر فيقوم ويعدو إليها راجعا قال بعضهم: واعلم أن من الحوادث ما ظاهره عنف وباطنه لطف كحرمان الرزق بما يصيبه من الذنب فإن العبد إذا أعرض عن ربه واشتغل بما أسبغ عليه وأحب إقباله عليه حرمه سعة ما بسط له ليخاف فيرتدع ويضيق عليه جهات الرزق فيلجأ إليه ويقبل بالتضرع إليه ومن أراد غير ذلک زاده على ذنبه نعما ليزداد إعراضا وشغلا فإن قيل كيف يحرم الرزق المقسوم؟ قلنا يحرم بركته أو سعته أو الشكر عليه ذكره بعضهم وقال القونوى الذنوب كلها نجاسات باطنه وإن كان لبعضها خواص تتعدى من الباطن إلى الظاهر وهو ما أشار إليه بهذا الحديث ولهذا الحديث سر آخر وهو أن الحرمان قد يكون بالنسبة إلى الرزق المعنوى والروحانى وقد يكون من الرزق الظاهر المحسوس (ولا يرد القضاء إلا الدعاء)بمعنى أن الدوام على الدعاء يطيب ورود القضاء فكأنه رده ذكره أبو حاتم وهو معنى قول البعض رده للقدر تهوينه حتى يصير القضاء النازل كأنه ما نزل ثم المراد أن الدعاء أعظم أسباب رده فبالنسبة لذلک حصره فيه وإلا فالصدقة تشاركه بدليل باكروا بالصدقة فأن البلاء لا يتخطاها ويأتى نظيره فى الحصر المذكور فى قوله (ولا يزيد فى العمر إلا البر) لأن البر يطيب عيشه فكأنه يزيد فى عمره والذنب يكدر صفاء رزقه فكلما فكر فى عاقبة أمره فكأنه حرمه أو المراد الزيادة بالنسبة لملک الموت أو اللوح لا لما فى علمه تقدس فإنه لا يتبدل.

(حم ن هـ حب ک عن ثوبان) مولى المصطفى صلى الله عليه وسلم قال الحاكم صحيح وأقره الذهبى ثم العراقى وقال المنذرى رواه النسائى بإسناد صحيح(فيض القدير للمناوى ، تحت رقم الحديث ١٩٧٥)

فَإِنَّـهُ لَمْ يَكُنْ عَبْدٌ يَمُوْتُ حَتّٰى يَبْلُغَهُ آخِرُ رِزْقٍ هُوَ لَهُ ، فَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ فِي الْحَلاَلِ ، وَتَرْكِ الْحَرَامِ(صحیح ابنِ حبان) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم رزق کو حاصل کرنے میں زیادہ تکلف اختیار نہ کرو، کیونکہ کوئی بندہ بھی ایسا نہیں، جو اپنے مقدر کا آخری رزق پائے بغیر فوت ہوجاتا ہو، لہٰذا تم حلال رزق کو طلب کرنے میں اور حرام رزق کو چھوڑنے میں اجمالی کوشش کرلو (ابنِ حبان)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

جِبْرِيْلُ نَفَثَ فِيْ رَوْعِيْ أَنَّهُ لاَ تَمُوْتُ نَفْسٌ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا ، وَإِنْ أَبْطَأَ عَلَيْهَا ، فَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ ، وَلاَ يَحْمِلَنَّكُمُ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَأْخُذُوْهُ بِمَعْصِيَةِ اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ لاَ يُنَالُ مَا عِنْدَهُ إِلَّا بِطَاعَتِهِ(مسند البزار، رقم الحديث ۲۹۱۴) [2]

ترجمہ: حضرت جبریل نے میرے دل میں وحی ڈالی کہ کوئی جاندار اس وقت تک فوت نہیں ہوگا، جب تک اپنا رزق مکمل حاصل نہ کرلے، اگرچہ وہ رزق اس پر کتنا

---

[1] رقم الحديث ۳۲۴۱، كتاب الزكاة، باب ما جاء في الحرص وما يتعلق به.

قال شعيب الأرنؤوط:

إسناده صحيح (حاشية صحيح ابنِ حبان)

[2] قال الهيثمي:

رواه البزار، وفيه قدامة بن زائدة بن قدامة، ولم أجد من ترجمه، وبقية رجاله ثقات(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۶۲۸۷، باب الاقتصاد في طلب الرزق)

وقال المنذري:

رواه البزار ورواته ثقات إلا قدامة بن زائدة بن قدامة فإنه لا يحضرني فيه جرح ولا تعديل (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۲۶۳۱، كتاب البيوع، باب في الاكتساب بالبيع وغيره)

قلت: ذكره ابن حبان في الثقات فقال :

قدامة بن زائدة الثقفي والد زائدة بن قدامة من أهل الكوفة يروي عن بن أبي مليكة روى عنه شريك (ثقات ابن حبان، جزء۷ صفحه ۳۴۰، تحت رقم الترجمة ۱۰۳۵۴)

ہی مؤخر ہو جائے، پس تم اللہ سے ڈرو اور تم (رزق کو) طلب کرنے میں اختصار سے کام لو، اور تمہیں رزق کا دیر سے ملنا اس چیز پر نہ ابھارے کہ تم رزق کو اللہ کی نافرمانی کر کے حاصل کرو، کیونکہ جو چیز اللہ کے پاس ہے، وہ اللہ کی فرمانبرداری سے ہی حاصل ہو سکتی ہے (مسند البزار)

اسی قسم کی حدیث حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی حدیث مروی ہے۔ [2]

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کی نحوست اور حرام و ناجائز طریقوں سے رزق میں بے برکتی اور نیک عمل سے رزق میں برکت پیدا ہوتی ہے۔ [3]

---

[1] عن أبي أمامة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: نفث روح القدس في روعي أن نفسا لن تخرج من الدنيا حتى تستكمل أجلها، وتستوعب رزقها، فأجملوا في الطلب، ولا يحملنكم استبطاء الرزق أن تطلبوه بمعصية الله، فإن الله لا ينال ما عنده إلا بطاعته (المعجم الكبير رقم الحديث ٧٦٩٤)

قال الهيثمي:

رواه الطبراني في الكبير وفيه عفير بن معدان وهو ضعيف (مجمع الزوائد، جزء ٤ صفحه ٧٢، تحت رقم الحديث ٦٢٩٣)

[2] عن ابن مسعود، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ليس من عمل يقرب إلى الجنة، إلا قد أمرتكم به، ولا عمل يقرب إلى النار، إلا قد نهيتكم عنه، لا يستبطئن أحد منكم رزقه أن جبريل عليه السلام ألقى في روعي أن أحدا منكم لن يخرج من الدنيا حتى يستكمل رزقه، فاتقوا الله أيها الناس، وأجملوا في الطلب، فإن استبطأ أحد منكم رزقه، فلا يطلبه بمعصية الله، فإن الله لا ينال فضله بمعصية (مستدرك حاكم، رقم الحديث ٢١٣٦)

قال البوصيري:

وله شاهد من حديث حذيفة رواه البزار في مسنده .ورواه الطبراني في الكبير من حديث الحسن بن علي .ورواه ابن ماجه والحاكم والبيهقي في سننه الكبرى من حديث جابر بن عبدالله . (اتحاف الخيرة المهرة للبوصيري، تحت رقم الحديث ٢٧٢٢ ''٣'' كتاب الزكاة، باب الإجمال في طاب الدنيا وترك طلبها مما لا يحل)

[3] (نفث) بفاء ومثلثة تفل بغير ريق (في روعي) بضم الراء أي ألقى الوحي في خلدي وبالي أو في نفسي أو قلبي أو عقلي من غير أن أسمعه ولا أراه والنفث ما يلقيه الله إلى نبيه صلى الله تعالى عليه وآله وسلم إلهاما كشفيا بمشاهدة عين اليقين .أما الروع بفتح فهو الفزع لا دخل له هنا (إن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ:

وَلَا نَقَصَ قَوْمٌ الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ إِلَّا قُطِعَ عَنْهُمُ الرِّزْقُ (مؤطا امام مالک) [1]

ترجمہ: اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرے گی اس سے رزق اٹھالیا جائے گا (مؤطا)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَزِمَ الاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لاَ يَحْتَسِبُ (ابوداؤد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص استغفار میں لگا رہے، اللہ اس کے لئے ہر دشواری سے نکلنے کے راستے بنادے گا، اور ہر فکر کو ہٹا کر کشادگی فرمادے گا، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا، جہاں سے اس کو دھیان بھی نہ ہوگا (ابوداؤد)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ نفسا لن تموت حتى تستكمل أجلها) الذى كتبه لها الملك وهى فى بطن أمها فلا وجه للوله والتعب والحرص والنصب إلا عن شك فى الوعد (وتستوعب رزقها) كذلك فإنه سبحانه وتعالى قسم الرزق وقدره لكل أحد بحسب إرادته لا يتقدم ولا يتأخر ولا يزيد ولا ينقص بحسب علمه القديم الأزلى ولهذا سئل حكيم عن الرزق فقال إن قسم فلا تعجل وإن لم يقسم فلا تتعب (فاتقوا الله) أى ثقوا بضمانه لكنه أمرنا تعبدا بطلبه من حله فلهذا قال (وأجملوا فى الطلب) بأن تطلبوه بالطرق الجميلة المحللة بغير كد ولا حرص ولا تهافت على الحرام والشبهات (ولا يحملن أحدكم استبطاء الرزق) أى حصوله (أن يطلبه بمعصية الله) فإن الله تعالى لا ينال عنده) من الرزق وغيره (إلا بطاعته) قال الطيبى رحمه الله: والاستبطاء يعنى الإبطاء والسير للمبالغة وفيه أن الرزق مقدر مقسوم لا بد من وصوله إلى العبد) لكنه إذا سعى وطلب على وجه مشروع وصف بأنه حلال وإذا طلب بوجه غير مشروع فهو حرام فقوله ما عنده إشارة إلى أن الرزق كله من عند الله الحلال والحرام وقوله أن يطلبه بمعصية إشارة إلى ما عند الله إذا طلب بمعصية سمى حراما وقوله إلا بطاعته إشارة إلى أن ما عند الله إذا طلب بطاعته مدح وسمى حلالا وفيه دليل ظاهر لأهل السنة أن الحرام يسمى رزقا والكل من عند الله تعالى خلافا للمعتزلة(فيض القدير للمناوى تحت رقم الحديث ٢٢٧٣)

[1] رقم الحديث ٨٧٠، كتاب الجهاد، باب ماجاء فى الغلول.

[2] رقم الحديث ١٥١٨، كتاب الوتر، باب فى الاستغفار، ابنِ ماجه رقم الحديث ٣٨١٩، المعجم الكبير للطبرانى رقم الحديث ١٠٦٦٥، سنن البيهقى رقم الحديث ٦٤٢١.

اس حدیث کو سند کے اعتبار سے بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے، مگر اس کی تائید گزشتہ دلائل سے ہوتی ہے۔ [1]

خلاصہ یہ کہ کئی آیات واحادیث اس مضمون کی موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ اور نیک اعمال سے رزق اور نعمتوں میں برکت اور گناہوں سے تنگی و بے برکتی آتی ہے۔

لہٰذا نیک اعمال اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا بھی ضروری ہے، بلکہ اس کا درجہ دس محرم کے دن اپنے اہل وعیال پر نان نفقہ میں کشادگی وفراخی والے عمل سے بھی زیادہ اہم ہے، نہ یہ کہ کھانے پکانے کا تو بہت اہتمام کیا جائے اور فرائض، واجبات، نماز، روزہ، زکاۃ وغیرہ جیسے بڑے احکام سے غفلت اختیار کی جائے جیسا کہ عام طور پر آج کل ہو رہا ہے۔

اسی سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ جو شخص اس دن اس عمل میں حد سے آگے بڑھے گا یا کسی قسم کا کوئی گناہ کرے گا (جیسا کہ آج کل بے شمار گناہوں کا دور دورہ ہے) تو باوجود اس وسعت اور فراخی والے عمل کو انجام دینے کے پھر بھی بے برکتی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے دس محرم کے علاوہ عام دنوں میں بھی گناہوں سے بچنے کا بھی خصوصی اہتمام کرنا چاہئے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

---

[1] قال المنذری:رواه أبو داود والنسائی وابن ماجه والحاکم والبیهقی کلهم من روایة الحکم بن مصعب وقال الحاکم صحیح الإسناد (الترغیب والترهیب، تحت رقم الحدیث ۲۵۰۲، کتاب الذکر والدعاء، باب الترغیب فی الإکثار من ذکر الله سرا وجهرا)

وقال العینی:الحکم بن مصعب :القرشی الدمشقی .روی عن :محمد بن علی بن عبد الله بن عباس .روی عنه :الولید بن مسلم، قال أبو حاتم :لا أعلم روی عنه غیره .قال الحافظ :ولا أعرف له سوی حدیث الاستغفار .روی له :أبو داود، والترمذی، وابن ماجه .والحدیث أخرجه :النسائی، وابن ماجه، وقال فی "مختصر السنن :"وفی إسناده الحکم بن مصعب، ولا یحتج به(شرح ابی داوٗد للعینی، ج۵ ص ۴۲۹، کتاب الصلاة، باب فی الاستغفار)

وقال شعیب الارنؤوط:إسناده ضعیف .الحکم بن مصعب فیه جهالة، کما قال الحافظ الذهبی فی "تلخیص المستدرک ۲/۲۶۲"

وأخرجه ابن ماجه (۳۸۱۹)والنسائی فی "الکبری(۱۰۲۱۷)"من طریقین عن الولید بن مسلم، بهذا الإسناد .ولیی عند ابن ماجه" :عن أبیه."(حاشیة ابی داوٗد، تحت رقم الحدیث ۱۵۱۸)

(فصل نمبر۵)

دس محرم سے متعلق بعض من گھڑت روایات

بعض لوگوں کی طرف سے دس محرم کے دن سے متعلق کئی چیزوں کی فضیلت مشہور کردی گئی ہے، جوکہ موضوع ومن گھڑت یا شدید ضعیف روایات پرمبنی ہیں، مثلاً دس محرم کے دن خوشبو یا خضاب لگانا، غسل کرنا، لباس تبدیل کرنا، زیب وزینت کرنا، صلاۃُ العاشوراء کے نام سے باجماعت نفل نماز ادا کرنا، رشتہ داروں وعزیزوں سے ملنا، قبروں کی زیارت کرنا، قبروں کو پختہ کرنا، قبروں پر سبز چھڑیاں، شاخیں اور پھول پتیاں رکھنا، ان پر مٹی اور چادر وغیرہ ڈالنا اور لپائی وغیرہ کرنا، مصافحہ ومعانقہ کرنا، اس دن مخصوص قسم کا کھانا وغیرہ پکا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ یا اپنے مرحوم رشتہ داروں کی روحوں کو ثواب بخشنا، اوران کے نام کی نذر ونیاز دینا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روح کو اس دن حاضر سمجھنا، روٹیاں پکا کر تقسیم کرنا اور چھت کے اوپر سے پھینکنا، شادی کے بعد پہلی محرم میں بیوی کو ماں باپ کے گھر بھیج دینے کوضروری سمجھنا، مختلف قسم کے سوگ اور ماتم کرنا، تعزیہ وغیرہ نکالنا، عورتوں کا بالوں کوکھول دینا، زیب وزینت کی چیزوں کو ترک کردینا، چوڑیاں توڑ ڈالنا، سوگ کے طور پر سیاہ لباس پہننا، ننگے پاؤں پھرنا، چارپائی پر نہ سونا، سر پر سبز رنگ کی مخصوص ٹوپی رکھنا، بچوں کے گلے میں سبز رنگ کی تھیلیاں لٹکا دینا کہ یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فقیر ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

شرعی اعتبار سے اس قسم کی باتیں اوران کے متعلق مختلف فضائل مستند طریقہ پر ثابت نہیں، لہٰذا ان سے پرہیز کرتے ہوئے شریعت سے ثابت شدہ مستند ومعتبر احکام پر عمل پیرا ہونا چاہیے (والتفصیل فی ما ثبت بالسنہ فی ایام السنہ از شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ:

دس محرم کے دن حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ قبول ہوئی تھی اور دس محرم کو حضرت نوح صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی کنارہ پر آئی تھی، اسی دن حضرت عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی اور اسی دن آسمان پر اٹھائے گئے تھے۔

اسی دن حضرت یونس صلی اللہ علیہ وسلم کو مچھلی کے پیٹ سے خلاصی ملی اور اسی دن ان کی امت کا قصور معاف ہوا اور اسی دن حضرت یوسف صلی اللہ علیہ وسلم کنوئیں سے نکالے گئے۔

اسی دن حضرت ایوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض سے صحت عطا ہوئی اور اسی دن حضرت ادریس صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر اٹھائے گئے۔

اسی دن حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی، اور اسی دن حضرت سلیمان صلی اللہ علیہ وسلم کو ملک عطا ہوا۔

اس کے علاوہ اور بھی واقعات اس دن کے متعلق تاریخ دانوں نے لکھے ہیں۔

مگر تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ اس قسم کی روایات کی اسناد پر محدثین کو کلام ہے۔[1]

---

[1] وقد ورد أيضا أنه تاب فيه على قوم يونس روى أبو الشيخ (ابن حبان) فى فضائل الأعمال أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :إن نوحا هبط من السفينة يوم عاشوراء فصامه نوح وأمر من معه بصيامه شكرا لله تعالى وفيه تاب الله على آدم وعلى أمه يونس وفيه فلق البحر لبنى إسرائيل وفيه ولد إبراهيم وعيسى قال :وفيه عثمان بن مطر منكر الحديث وقال وهب :أوحى الله إلى موسى عليه السلام أن مر قومك أن يتوبوا إلى فى عشر المحرم فإذا كان فى اليوم العاشر فليخرجوا إلى أغفر لهم .قال ابن رجب :هذا الحديث حث على التوبة فيه وأنه أرجى لقبول التوبة انتهى (فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوى، ج٣ص ٣٤، تحت رقم الحديث ٢٦٧٥)

النوع الثالث: لم سمى اليوم العاشر عاشوراء؟ اختلفوا فيه، فقيل: لأنه عاشر المحرم، وهذا ظاهر، وقيل: لأن الله تعالى أكرم فيه عشرة من الأنبياء، عليهم الصلاة والسلام بعشر كرامات .الأول: موسى عليه السلام، فإنه نصر فيه، وفلق البحر له، وغرق فرعون وجنوده .الثانى: نوح عليه السلام استوت سفينته على الجودى فيه .الثالث: يونس، عليه السلام، أنجى فيه من بطن الحوت .الرابع: فيه تاب الله على آدم عليه السلام، قاله عكرمة .الخامس: يوسف عليه السلام، فإنه أخرج من الجب فيه .السادس: عيسى عليه السلام، فإنه ولد فيه، وفيه رفع .السابع: داود، عليه السلام، فيه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آ گے اس طرح کی چند روایات کی اسنادی حیثیت کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حضرت آدم ویونس کی توبہ قبول ہونے، کشتیٔ نوح کے جودی پہاڑ پر ٹھہرنے اور حضرت ابراہیم کی ولادت کی روایت

امام طبرانی نے ایک لمبی حدیث روایت کی ہے، جس میں یہ مضمون آیا ہے کہ:

''عاشوراء (یعنی دس محرم) کے دن حضرت نوح صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی جودی پہاڑ پر پہنچی تھی، تو حضرت نوح صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہیوں نے اللہ عزوجل کا شکر ادا کرنے کے طور پر روزہ رکھا تھا، اور اسی دن اللہ عزوجل نے حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ قبول فرمائی تھی، اور حضرت یونس صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی توبہ قبول فرمائی، اور اسی دن حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کی

﴿ گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ﴾

تاب الله عليه .الثامن: إبراهيم، عليه السلام، ولد فيه .التاسع: يعقوب، عليه السلام، فيه رد بصره. العاشر: نبينا محمد، صلى الله عليه وسلم، فيه غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر.

هكذا ذكروا عشرة من الأنبياء، عليهم الصلاة والسلام .قلت: ذكر بعضهم من العشرة: إدريس، عليه السلام، فإنه رفع إلى مكان في السماء، وأيوب، عليه السلام، فيه كشف الله ضره، وسليمان؟ عليه السلام، فيه أعطى الملك(عمدة القارى للعينى، ج ۱۱ ص۱۱۷، ۱۱۸، كتاب الصوم، باب صيام يوم عاشوراء)

وليوم عاشوراء فضائل منها :ما ذكر في الحديث أن الله فرق فيه البحر لموسى بن عمران ، وغرق فرعون وجنوده ، ومنها ما روى معمر عن قتادة قال :ركب نوح في السفينة في رجب في عشر بقين منه ، ونزل من السفينة يوم عاشوراء .وقال عكرمة :هو يوم تاب الله فيه على آدم .وقال ابن حبيب :وفيه أخرج يوسف من الجب ، وفيه نَجّى الله يونس من بطن الحوت ، وفيه تاب الله على قوم يونس ، وفيه ولد عيسى بن مريم ، وفيه تكسى الكعبة البيت الحرام في كل عام .وروى شعبة ، عن أبي الزبير ، عن جابر ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال :(من وسع على نفسه وأهله يوم عاشوراء ، وسع الله عليه سائر السنة) قال جابر وأبو الزبير وشعبة :جربناه فوجدناه كذلك ، وقاله يحيى بن سعيد وابن عيينة أيضًا(شرح صحيح البخارى لابن بطال، ج۴ص ۱۴۴، ۱۴۵، كتاب الصيام)

ولادت ہوئی تھی‘‘۔ [1]

لیکن اس روایت کی سند میں بعض راوی شدید ضعیف ہیں، جس کی وجہ سے یہ روایت قابلِ اعتبار نہیں ہے، لہٰذا اس روایت کے مضمون پر عقیدہ نہیں رکھنا چاہئے۔ [2]

---

[1] حدثنا علی بن عبد العزیز، ثنا معلی بن مهدی الموصلی، ثنا عثمان بن مطر الشیبانی، عن عبد الغفور یعنی ابن سعید، عن عبد العزیز، عن أبیه -قال عثمان :وكانت لأبیه صحبة -قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :رجب شهر عظیم، یضاعف الله فیه الحسنات، فمن صام یوما من رجب فكأنما صام سنة، ومن صام منه سبعة أیام غلقت عنه سبعة أبواب جهنم، ومن صام منه ثمانیة أیام فتحت له ثمانیة أبواب الجنة، ومن صام منه عشرة أیام لم یسأل الله شیئا إلا أعطاه إیاه، ومن صام منه خمسة عشر یوما نادی مناد فی السماء قد غفر لک ما مضی فاستئنف العمل، ومن زاد زاده الله عز وجل، وفی رجب حمل الله نوحا فی السفینة فصام رجبا، وأمر من معه أن یصوموا، فجرت بهم السفینة ستة أشهر،آخر ذلک یوم عاشوراء أهبط علی الجودی فصام نوح ومن معه والوحش شكرا لله عز وجل، وفی یوم عاشوراء أفلق الله البحر لبنی إسرائیل، وفی یوم عاشوراء تاب الله عز وجل علی آدم صلی الله علیه وسلم وعلی مدینة یونس، وفیه ولد إبراهیم صلی الله علیه وسلم(المعجم الكبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۵۵۳۸،ج۶ص ۶۹)

[2] قال الهیثمی:
رواه الطبرانی فی الكبیر، وفیه عبد الغفور، وهو متروک(مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۵۱۳۲)

وقال ابن حجر العسقلانی:
رویناه فی فضائل الأوقات للبیهقی؛ وفضائل رجب لعبد العزیز الكتانی، وفی الترغیب والترهیب لأبی القاسم التیمی من طریق عثمان بن مطر، عن عبد الغفور، عن عبد العزیز بن سعید، عن أبیه :عن النبی صلی الله علیه وسلم .وعثمان بن مطر كذبه ابن حبان، وأجمع الأئمة علی ضعفه (تبیین العجب بما ورد فی شهر رجب، ص۱۲)

وقال الالبانی:
موضوع .أخرجه الطبرانی فی "المعجم الكبیر(۵۵۳۸) "من طریق عثمان ابن مطر الشیبانی عن عبد الغفور -یعنی :ابن سعید -عن عبد العزیز بن سعید عن أبیه -قال عثمان :وكانت لأبیه صحبة -قال ... :فذكره مرفوعا.
قلت :وهذا موضوع؛ آفته عثمان بن مطر؛ قال ابن حبان(۲/ ۹۹) "یروی الموضوعات عن الأثبات."
وشیخه عبد الغفور؛ قریب منه .وبه أعله الهیثمی، فقال (۳/ ۱۸۸)"وهو متروک."

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دس محرم کے روزہ و دیگر اعمال کی مخصوص فضیلت اور اس دن میں اہم واقعات کی روایت

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک لمبی حدیث میں یہ مضمون مروی ہے کہ:

’’جس نے دس محرم کا روزہ رکھا، تو اس کے لیے ساٹھ سال کے روزوں اور عبادت کا ثواب لکھا جائے گا، اور جس نے دس محرم کا روزہ رکھا تو اس کے لیے دس ہزار فرشتوں کے برابر ثواب دیا جائے گا، اور جس نے دس محرم کا روزہ رکھا تو اس کو ہزار حاجیوں اور ہزار عمرہ کرنے والوں کے برابر ثواب دیا جائے گا، اور جس نے دس محرم کا روزہ رکھا تو اس کو دس ہزار شہیدوں کے برابر ثواب عطا کیا جائے گا، اور جس نے دس محرم کا روزہ رکھا تو اس کے لیے ساتوں آسمانوں کے برابر ثواب لکھا جائے گا، اور جس نے کسی مومن کا دس محرم کے دن روزہ افطار کرایا تو اس کا اجر وثواب ایسا ہے گویا کہ اس نے پوری امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزہ افطار کرایا، اور جس نے دس محرم کو کسی بھوکے کو کھانا کھلایا، تو اس کا اجر وثواب ایسا

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت: وقال ابن حبان(۱۴۸/۲) "كان ممن يضع الحديث على الثقات على كعب وغيره، لا يحل كتابة حديثه ولا الذكر عنه إلا على جهة الاعتبار."

وقوله في إسناد الطبراني "يعني :ابن سعيد !"خطأ لا أدرى ممن هو؟ !فإنه عبد الغفور بن عبد العزيز أبو الصباح الواسطي؛ قال ابن أبي حاتم(۵۵/۱/۳)بعد أن ساق نسبه هكذا ":-روى عن أبيه عن جده عن النبي -صلى الله عليه وسلم -، روى عنه عثمان بن مطر الشيباني."

وقال الحافظ في ترجمة سعيد الشامي -والد عبد العزيز -من "الإصابة":"جاء ت عنه أحاديث من رواية ولده عنه .تفرد بها عبد الغفور أبو الصباح بن عبد العزيز عن أبيه عبد العزيز عن أبيه سعيد " ...؛ ثم ساق بعضها.

وعبد العزيز بن سعيد والد عبد الغفور؛ لم أجد من ترجمه(سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۵۴۱۳)

ہے، گویا کہ اس نے پوری امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فقیروں کو کھانا کھلایا، اور ان کا پیٹ بھرا، اور جس نے دس محرم کو کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کے سر کے ہر بال کے بدلہ میں اس کا جنت میں ایک درجہ بڑھا دیا جائے گا۔

یہ سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ عزوجل نے ہمیں دس محرم کے دن کی بڑی فضیلت عطا فرمائی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں، اللہ نے آسمانوں کو اور اس کے مثل زمینوں کو دس محرم کے دن پیدا فرمایا، اور عرش کو بھی دس محرم کے دن پیدا فرمایا، اور پہاڑوں کو بھی دس محرم کے دن پیدا فرمایا، اور ستاروں کو بھی دس محرم کے دن پیدا فرمایا، اور قلم کو بھی دس محرم کے دن پیدا فرمایا، اور لوح کو بھی دس محرم کے دن پیدا فرمایا، اور جبریل علیہ السلام کو بھی دس محرم کے دن پیدا فرمایا، اور دوسرے فرشتوں کو بھی دس محرم کے دن پیدا فرمایا، اور حضرت آدم علیہ السلام کو بھی دس محرم کے دن پیدا فرمایا، اور حضرت حوا علیہا السلام کو بھی دس محرم کے دن پیدا فرمایا، اور جنت کو بھی دس محرم کے دن پیدا فرمایا، اور حضرت آدم علیہ السلام کو (جنت میں) دس محرم کے دن سکونت عطا فرمائی، اور حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن کی دس محرم کے دن ولادت ہوئی، اور اللہ نے ان کو آگ سے بھی دس محرم کے دن نجات عطا فرمائی، اور اللہ عزوجل نے ان (کے بیٹے کا مینڈھا) ان کی جان کے بدلہ میں دس محرم کے دن عطا کیا، اور اللہ نے دس محرم کے دن فرعون کو غرق کیا، اور اللہ نے دس محرم کے دن حضرت ادریس علیہ السلام کو (آسمان پر) اٹھایا، اور دس محرم کے دن اللہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف دور فرمائی، اور دس محرم کے دن اللہ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو (آسمان پر) اٹھایا، اور دس محرم کے دن ہی ان کی ولادت ہوئی، اور دس محرم کے دن اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ (قبول) فرمائی،

اور دس محرم کے دن حضرت داؤد علیہ السلام کے گناہ کو معاف فرمایا، اور دس محرم کے دن اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلطنت عطا فرمائی، اور دس محرم کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی، اور دس محرم کے دن اللہ رب عزوجل عرش پر مستوی ہوا، اور دس محرم کے دن قیامت قائم ہوگی“۔ [1]

مگر مذکورہ روایت سند کے اعتبار سے قابلِ اطمینان ثابت نہیں ہوسکی۔

---

[1] أخبرنا السيد أبو الحسن محمد بن الحسين بن داود العلوى قراء ة عليه ، وأبو بكر أحمد بن الحسن القاضى رحمه الله إملاء قالا :أخبرنا أبو محمد حاجب بن أحمد الطوسى ، حدثنا عبد الرحيم بن منيب ، حدثنا حبيب بن محمد المروزى حدثنى أبى عن إبراهيم الصائغ ، عن ميمون بن مهران ، عن ابن عباس ، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من صام يوم عاشوراء كتبت له عبادة ستين سنة بصيامها وقيامها ، ومن صام يوم عاشوراء أعطى ثواب عشرة آلاف ملك ، ومن صام يوم عاشوراء أعطى ثواب ألف حاج ومعتمر ، ومن صام يوم عاشوراء أعطى ثواب عشرة آلاف شهيد ، ومن صام يوم عاشوراء كتب له أجر سبع سماوات ، ومن أفطر عنده مؤمن فى يوم عاشوراء فكأنما أفطر عنده جميع أمة محمد عليه الصلاة والسلام ، ومن أشبع جائعا فى يوم عاشوراء فكأنما أطعم جميع فقراء أمة محمد صلى الله عليه وسلم ، وأشبع بطونهم ومن مسح يده على رأس يتيم فى يوم عاشوراء رفعت له بكل شعرة على رأسه درجة فى الجنة قال :قال عمر رضى الله عنه :يا رسول الله ، لقد فضلنا الله عز وجل فى يوم عاشوراء ، قال : نعم خلق الله السماوات فى يوم عاشوراء ، والأرضين كمثله ، وخلق العرش فى يوم عاشوراء ، والكرسى كمثله ، وخلق الجبال فى يوم عاشوراء والنجوم كمثله ، وخلق القلم فى يوم عاشوراء واللوح كمثله ، وخلق جبريل عليه السلام فى يوم عاشوراء وملائكته فى يوم عاشوراء ، وخلق آدم عليه السلام فى يوم عاشوراء ، وحواء كمثله ، وخلق الجنة فى يوم عاشوراء ، وأسكن آدم عليه السلام فى يوم عاشوراء ، وولد إبراهيم خليل الرحمن فى يوم عاشوراء ، ونجاه الله من النار فى يوم عاشوراء ، وفداه الله عز وجل فى يوم عاشوراء ، وأغرق فرعون فى يوم عاشوراء ، ورفع إدريس عليه السلام فى يوم عاشوراء ، وكشف الله عن أيوب فى يوم عاشوراء ، ورفع عيسى بن مريم فى يوم عاشوراء ، وولد فى يوم عاشوراء ، وتاب الله على آدم فى يوم عاشوراء ، وغفر ذنب داود عليه السلام فى يوم عاشوراء ، وأعطى ملك سليمان فى يوم عاشوراء ، وولد النبى صلى الله عليه وسلم فى يوم عاشوراء ، واستوى الرب عز وجل على العرش فى يوم عاشوراء ، ويوم القيامة فى يوم عاشوراء قال القاضى أبو بكر :استوى من غير مماسة ولا حركة كما يليق بذاته (فضائل الاوقات للبيهقى ج ا ص ۴۳۹،رقم الحديث ۲۳۷)

چنانچہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

''یہ حدیث منکر ہے، اور اس کی سند بہت کمزور ہے، اور میں اس حدیث کی ذمہ داری سے اللہ کے آگے اپنے آپ کو بری کرتا ہوں، اور اس حدیث کا مضمون درست نہیں، اور اس روایت میں آسمانوں اور زمین اور پہاڑ سب کو دس محرم کے دن پیدا کرنے کا ذکر ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ ''اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا'' اور یہ بات ناممکن ہے کہ سارا سال دس محرم کا دن ہی ہو، سو یہ تمام امور اس حدیث کے ضعف (اور غیر معتبر ہونے) پر دلالت کرتے ہیں''۔ [1]

دیگر محدثین واہلِ علم حضرات نے بھی مذکورہ بالا حدیث کے بعض راویوں کو شدید ضعیف اور بعض نے کذاب قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] هـذا حديث منكر ، وإسناده ضعيف بمرة وأنا أبرأ إلى الله من عهدته ، وفى متنه ما لا يستقيم وهو ما روى فيه من خلق السماوات والأرضين والجبال كلها فى يوم عاشوراء والله تعالى يقول :(الله الذى خلق السموات والأرض فى ستة أيام ثم استوى على العرش) ومن المحال أن تكون السنة كلها فى يوم عاشوراء فدل ذلک على ضعف هذا الخبر ، والله أعلم(فضائل الاوقات للبيهقى ج ا ص ۴۳۹،تحت رقم الحديث ۲۳۷)

[2] قال ابن حبان:
حبيب بن أبى حبيب الخرططى من أهل مرو يروى عن أبى حمزة وإبراهيم الصائغ روى عنه أهل مرو كان يضع الحديث على الثقات لا تحل كتابة حديثه ولا الرواية عنه إلا على سبيل القدح فيه روى عن إبراهيم الصائغ عن ميمون بن مهران عن بن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صام يوم عاشوراء كتب الله له عبادة سبعين سنة بصيامها وقيامها الخ .... وهذا كله باطل لا أصل له(المجروحين لابنِ حبان، ج ا ص ۲۶۵، ۲۶۶، ملخصاً، رقم الترجمة ۲۶۹)

وقال ابن حجر:
حبيب بن أبى حبيب الخرططى بفتح المعجمة وسكون الراء وبمهملتين الأولى مفتوحة المروزى كذبه بن حبان من التاسعة أيضا(تقريب التهذيب لابنِ حجر، ج ا ص ۱۹۴، رقم الترجمة ۱۰۹۱)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس کی وجہ سے یہ روایت شدید ضعیف بلکہ موضوع ومن گھڑت معلوم ہوتی ہے، جس پر عقیدہ

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال ایضاً:

حبیب "بن أبی حبیب الخرططی المروزی روی عن إبراهیم الصائغ وأبی حمزة السکری وعنه محمد بن قهزاد قال بن حبان کان یضع الحدیث علی الثقات لا یحل کتب حدیثه الا علی سبیل القدح فیه وقال الحاکم روی أحادیث موضوعة وکذا رماه بالوضع النقاش وأبو سعید السمعانی وقال أن خرطط من قری مرو ذکرته للتمییز أیضا لأنه هو والذی قبله فی طبقة کاتب مالک(تهذیب التهذیب، ج۲ص ۱۸۲، ۱۸۳، رقم الترجمة ۳۲۸)

وقال ایضاً:

حبیب بن أبی حبیب الخرططی المروزی (ویقال له :حبیب بن محمد)عن إبراهیم الصائغ، وغیره.

کان یضع الحدیث قاله ابن حبان، وغیره.

وروی محمد بن عبد الله بن قهزاد، عن حبیب، عن إبراهیم الصائغ، عن میمون بن مهران، عن ابن عباس مرفوعا من صام عاشوراء کتب الله له عبادة سبعین سنة صیامها وقیامها وأعطی ثواب عشرة آلاف ملک وثواب سبع سماوات.

ومن أفطر عنده مؤمن یوم عاشوراء فکأنما أفطر عنده جمیع أمة محمد صلی الله علیه وسلم ومن أشبع جائعا فی یوم عاشوراء فکأنما أطعم فقراء الأمة.

ومن مسح رأس یتیم یوم عاشوراء رفعت له بکل شعرة درجة فی الجنة . ...

وذکر حدیثا طویلا موضوعا وفیه :إن الله خلق العرش یوم عاشوراء والکرسی یوم عاشوراء والقلم یوم عاشوراء وخلق الجنة یوم عاشوراء وأسکن آدم الجنة یوم عاشوراء.إلی أن قال :وولد النبی صلی الله علیه وسلم یوم عاشوراء واستوی الله علی العرش یوم عاشوراء ویوم القیامة یوم عاشوراء ...فانظر إلی هذا الإفک، انتهی.

وقال الحاکم :روی عن أبی حمزة وإبراهیم الصائغ أحادیث موضوعة وقال نحوه النقاش.

وقال ابن عدی :کان یضع الحدیث.

وقال أحمد بن حنبل :حبیب بن أبی حبیب کذاب.

کذا ذکره ابن الجوزی عنه عقب الحدیث المذکور فی الموضوعات ثم قال ابن الجوزی :وفی الرواة من یدخل بین حبیب وإبراهیم الصائغ أباه.

قلت :وهو فی الجزء الرابع من فوائد حاجب الطوسی :حدثنا عبد الرحیم بن منیب، حدثنا حبیب بن محمد، حدثنا أبی، حدثنا إبراهیم الصائغ به(لسان المیزان لابنِ حجر العسقلانی، ج۲ص ۵۴۶، رقم الترجمة ۲۱۱۴)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رکھنا جائز نہیں، اور اس روایت میں مذکورہ باتوں کو دس محرم کے حوالہ سے منسوب و بیان کرنا درست نہیں، مگر یہ کہ جو بات کسی دوسرے معتبر طریقہ سے ثابت ہو۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقال الذهبی:

حبیب بن أبی حبیب الخرططی المروزی.عن إبراهیم الصائغ وغیره.

کان یضع الحدیث.قاله ابن حبان وغیره.

روی محمد بن عبد الله بن قهزاذ، عن حبیب، عن إبراهیم الصائغ، عن میمون بن مهران، عن ابن عباس -مرفوعاً :من صام عاشوراء کتب الله له عبادة سبعین سنة بصیامها وقیامها، وأعطی ثواب عشرة آلاف ملک، وثواب سبع سموات.

ومن أفطر عنده مؤمن یوم عاشوراء فکأنما أفطر عنده جمیع أمة محمد.

ومن أشبع جائعا فی یوم عاشوراء فکأنما أطعم فقراء الأمة.

ومن مسح رأس یتیم یوم عاشوراء رفعت له بکل شعرة درجة فی الجنة.

وذکر حدیثاً طویلا موضوعا، وفیه :إن الله خلق العرش یوم عاشوراء ، والکرسی یوم عاشوراء ، والقلم یوم عاشوراء ، وخلق الجنة یوم عاشوراء ، وأسکن آدم الجنة یوم عاشوراء ..إلی أن قال :وولد النبی صلی الله علیه وسلم (یوم عاشوراء)واستوی الله علی العرش یوم عاشوراء ، ویوم القیامة یوم عاشوراء ، فانظر إلی هذا الافک !(میزان الاعتدال، ج ۱ ص ۴۵۱، ۴۵۲،رقم الترجمة ۱۶۹۳)

وقال ابو الوفاء ابراهیم بن محمد الطرابلسی الشافعی :

حبیب بن أبی حبیب الخرططی المروزی کان یضع الحدیث قال بن حبان وغیره(کشف الحثیث، ص۸۸،باب الحاء المهملة ، رقم الترجمة ۲۰۷)

وقال ابونعیم الاصبهانی:

حبیب بن أبی حبیب المروزی حدث عن إبراهیم الصائغ وأبی حمزة السکری أحادیث موضوعة لا شیء (الضعفاء لابی نعیم، ص ۵۲، رقم الترجمة ۵۳)

وقال محمد بن طاهر المقدسی:

من صام یوم عاشوراء کتب الله له عبادة ستین سنة

فیه حبیب ابن أبی حبیب کان یضع الحدیث(کتاب معرفة التذکرة ،ج ۱ ص ۲۲۰ رقم الحدیث ۸۳۲)

[1] وقال ابن الجوزی:

هذا حدیث موضوع بلا شک .قال أحمد بن حنبل :کان حبیب بن أبی حبیب یکذب .وقال ابن عدی :کان یضع الحدیث .وفی الرواة من یدخل بین حبیب وبین إبراهیم إبله .وقال أبو حاتم أبو حبان :هذا حدیث باطل لا أصل له .قال وکان حبیب من أهل

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

دس محرم کے دن رونے کی فضیلت کی روایت

ایک روایت میں یہ مضمون آیا ہے کہ:

’’جوشخص دس محرم کے دن روئے گا (اور ماتم وسوگ کرے گا) تو وہ قیامت کے دن معزز رسولوں کے ساتھ ہوگا۔

اوراسی طریقہ سے دس محرم کے دن رونا قیامت کے دن مکمل نور کا باعث بنے گا‘‘۔

مگر یہ روایت سند کے اعتبار سے درست نہیں، بلکہ موضوع ومن گھڑت ہے، جس کو بعض اہلِ

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

مرو يضع الحديث على الثقاة لا يحل كتب حديثه إلا على سبيل القدح فيه(الموضوعات لابن الجوزى ج۲ص۲۰۳، كتاب الصيام)

وقال ابن القيم الجوزى:

ومن ذلک حديث من صام يوم عاشوراء كتب الله له عبادة ستين سنة وهذا باطل يرويه حبيب بن أبى حبيب عن إبراهيم الصائغ عن ميمون بن مهران عن ابن عباس وحبيب كان يضع الأحاديث(المنار المنيف فى الصحيح والضعيف، ص۴۷، رقم الحديث ۴۴)

وقال الشوكانى:

حديث" :من صام يوم عاشوراء أعطى ثواب عشرة آلاف ملک.

ذكره فى اللآلىء مطولا عن ابن عباس مرفوعا وهو موضوع(الفوئد المجموعة،ص۹۶ ، رقم الحديث ۳۳،كتاب الصيام)

وقال اللكنوى:

أخرجه ابن الجوزى بسند فيه حبيب بن أبى حبيب وقال موضوع آفته حبيب انتهى وأقره عليه السيوطى وابن عراق والحافظ ابن حجر وغيرهم وفى ميزان الاعتدال للذهبى حبيب بن أبى حبيب الخرططى المروزى عن إبراهيم الصائغ وغيره كان يضع الحديث(الآثار المرفوعة فى الاخبار الموضوعة للكنوى ج۱ص۹۵،فضل يوم عاشوراء وصيامه)

قال محمد بن محمد درويش الحوت الشافعي:

حديث من صام يوم عاشوراء كتب الله له عبادة ستين سنة. باطل وهذا يرويه حبيب بن أبى حبيب قال الهيثمى متروک كذاب(اسنى المطالب فى احاديث مختلفة المراتب ،ص۲۷۳، رقم الحديث ۱۴۱۶)

روافض نے دس محرم کے دن رونے اور ماتم کرنے پر ابھارنے کے لیے گھڑا ہے۔ ل

دس محرم کے دن سرمہ لگانے کی روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک روایت میں یہ مضمون مروی ہے کہ:

''جس نے دس محرم کے دن اثمد سرمہ لگایا تو اس کو کبھی آنکھ کی بیماری نہ ہوگی''۔ ٢

ل قال محمد بن طاهر الفتنى:

ما من عبد يبكى يوم قتل الحسين إلا كان يوم القيامة مع أولى العزم من الرسل موضوع رتنى.وكذا البكاء يوم عاشوراء نورا تاما يوم القيامة(تذكرة الموضوعات للفتنى ،ص ١١٩ ،كتاب العلم،باب الفاضلة من الأوقات والأيام والجمعة وعاشوراء والكحل وسعة الرزق وخلق كل شيء فيه والشهور وأيام النحس وما حدث فيها من البدع)

قال الشوكانى:

حديث" :ما من عبد يبكى يوم قتل الحسين .يعنى :يوم عاشوراء إلا كان يوم القيامة مع أولى العزم من الرسل.قال فى الذيل :موضوع.

وكذا ما روى :من أن البكاء يوم عاشوراء نور تام يوم القيامة .هو موضوع .وضعته الرافضة ,وقد قدمنا فى كتاب الصيام .ما فى صيام يوم عاشوراء من الأحاديث الموضوعة(الفوئد المجموعة ج ١ ص ٤٤٠ ، رقم الحديث ٤، كتاب الفضائل، باب فضائل الأمكنة والأزمنة، احاديث الادعية والعبادات فى الشهور)

وقال ابن عراق الكنانى:

(ومنهم رتن الهندى) قال الذهبى فى الميزان :رتن الهندى وما أدراک ما رتن؟ شيخ دجال بلا ريب ظهر بعد الستمائة فادعى الصحبة والصحابة لا يكذبون، وهذا جرىء على الله ورسوله، وقد ألفت فى أمره جزءا وقد قيل إنه مات سنة اثنتين وثلاثين وستمائة، ومع كونه كذابا فقد كذبوا عليه جملة كثيرة من أسمج الكذب والمحال، قال الحافظ ابن حجر فى لسان الميزان :وقد وقفت على الجزء الذى ألفه الذهبى بخطه، فقال بعد البسملة :سبحانک هذا بهتان عظيم.......... (وقال) ما من عبد يبكى يوم قتل الحسين إلا كان يوم القيامة مع أولى العزم من الرسل، وقال البكاء فى يوم عاشوراء نور تام يوم القيامة(تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة، ج٢ ص ٣٩، كتاب المناقب والمثالب، باب فى مناقب ومثالب متفرقة، الفصل الثالث)

٢ أخبرناه أبو عبد الله الحافظ، قال :أخبرنى عبد العزيز بن محمد بن إسحاق، حدثنا على بن محمد الوراق، حدثنا الحسين بن بشر، حدثنا محمد بن الصلت، حدثنا جويبر، عن الضحاک، عن ابن عباس، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من اكتحل بالإثمد يوم عاشوراء لم يرمد أبدا "(شعب الايمان للبيهقى ، رقم الحديث ٣٥١٧، ج٥ ص ٣٣٤،مكتبة الرشد بالرياض)

بعض روایات میں خاص ''اثمد'' سرمہ کا ذکر نہیں۔

مگر دس محرم کے دن اثمد سرمہ لگانے یا عام سرمہ لگانے سے متعلق روایت کو محدثین نے شدید ضعیف اور من گھڑت قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] قال البیهقی:

وکذلک رواه بشر بن حمدان بن بشر النیسابوری، عن عمه الحسین بن بشر، ولم أر ذلک فی روایة غیره، عن جویبر، وجویبر ضعیف، والضحاک لم یلق ابن عباس(شعب الایمان للبیهقی، تحت رقم الحدیث ۳۵۱۷، ج۵ص ۳۳۴،مکتبة الرشد بالریاض)

وقال السخاوی:

حدیث :من اکتحل بالإثمد یوم عاشوراء لم ترمد عینه أبدا،الحاکم والبیهقی فی الثالث والعشرین من الشعب، والدیلمی من حدیث جویبر عن الضحاک عن ابن عباس به مرفوعا، وقال الحاکم :إنه منکر، قلت :بل موضوع أورده ابن الجوزی فی الموضوعات من هذا الوجه، ومن حدیث أبی هریرة بسند لین فیه أحمد بن منصور الشونیزی، فکأنه أدخل علیه وهو إسناد مختلق لهذا المتن قطعا، قال الحاکم : والاکتحال یوم عاشوراء لم یرد عن النبی صلی الله علیه وسلم فیه أثر، وهو بدعة ابتدعها قتلة الحسین علیه السلام(المقاصد الحسنة، ص ۶۳۲،۶۳۳، رقم الحدیث ۱۰۸۵، حرف المیم)

وقال العجلونی:

من اکتحل بالإثمد یوم عاشوراء لم ترمد عینه.

ویروی "عیناه أبدًا"، رواه الحاکم والبیهقی فی شعبه، والدیلمی عن ابن عباس رفعه، وقال الحاکم :منکر.

وقال فی "المقاصد :"بل موضوع، وقال فی "اللآلء "بعد أن رواه عن ابن عباس من طریق الحاکم :حدیث منکر، والاکتحال لا یصح فیه أثر؛ فهو بدعة.

وأورده ابن الجوزی فی "الموضوعات"، وقال الحاکم أیضًا :الاکتحال یوم عاشوراء لم یرو عن النبی -صلی الله علیه وسلم -فیه أثر، وهو بدعة ابتدعها قتلة الحسین رضی الله عنه وقبحهم.

نعم رواه فی "الجامع الصغیر "بلفظ" :من اکتحل بالإثمد یوم عاشوراء ؛ لم یرمد أبدًا"، قال المناوی نقلًا عن البیهقی :وهو ضعیف بالمرة .وقال ابن رجب فی "لطائف المعارف :"کل ما روی فی فضل الاکتحال والاختضاب والاغتسال فیه موضوع، لم یصح(کشف الخفاء ومزیل الالباس، ج۲ص ۲۷۸، رقم الحدیث ۲۴۱۰، حرف المیم)

وقال محمد بن طاهر الفتنی:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دس محرم کے دن مخصوص نماز کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک روایت میں یہ مضمون مروی ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

فی المختصر من اکتحل بالإثمد یوم عاشوراء لم ترمد عینه أبدا لجماعة مرفوعا قال الحاکم منکر قلت بل موضوع کما قال ابن الجوزی، قال المذنب وکذا قال الصغانی(تذکرة الموضوعات، ص ۱۱۸،کتاب العلم، باب الفاضلة من الأوقات والأیام والجمعة وعاشوراء والکحل وسعة الرزق وخلق کل شیء فیه والشهور وأیام النحس وما حدث فیها من البدع)

وقال محمد بن محمد درویش الحوت الشافعی:

خبر " :من اکتحل یوم عاشوراء بالإثمد لم ترمد عینه أبدا ."رواه الحاکم وقال :إنه منکر وأورده ابن الجوزی فی الموضوعات(اسنی المطالب فی احادیث مختلفة المراتب ،ص ۲۶۱، رقم الحدیث ۱۳۴۵ ،حرف المیم)

وقال الالبانی:

من اکتحل بالإثمد یوم عاشوراء لم یرمد أبدا ."موضوع.

أورده ابن الجوزی فی "الموضوعات "من طریق الحاکم عن جویبر عن الضحاک عن ابن عباس مرفوعا .وقال(۲/۲۰۴) "قال الحاکم :أنا ابرأ إلی الله من عهدة جویبر ."وأما السیوطی فکأنه أقره فی "اللآلی "فإنه قال عقبه(۲/۱۱۱) "قلت :أخرجه البیهقی فی "شعب الإیمان "عن الحاکم وقال :إسناده ضعیف بمرة، وجویبر ضعیف، والضحاک لم یلق ابن عباس ."ثم ساق له شاهدا من حدیث أبی هریرة رواه ابن النجار، وفیه إسماعیل بن معمر قال السیوطی " :قال فی "المیزان :"لیس بثقة ." فالعجب منه کیف سها عن هذا فأورده فی "الجامع الصغیر !"وقد تعقبه المناوی بما نقله .عن السخاوی أنه قال عقب قول الحاکم السابق " :بل هو موضوع ."ونقل نحوه عن ابن رجب، ونقل الشیخ القاریء فی "موضوعاته "(ص ۱۲۲) عن ابن القیم أنه قال " :وأما أحادیث الاکتحال والادهان والتطیب یوم عاشوراء فمن وضع الکذابین، وقابلهم آخرون فاتخذوه یوم تألم وحزن، والطائفتان مبتدعتان خارجتان عن السنة، وأهل السنة یفعلون ما أمر به النبی صلی الله علیه وسلم من الصوم، ویجتنبون ما أمر به الشیطان من البدع (سلسلة الاحادیث الضعیفة، تحت رقم الحدیث ۶۲۴)

وقال اللکنوی:

ومن الأحادیث الواردة فی یوم عاشوراء أحادیث فضل الاکتحال فیه وهی لا تخلو من ضعف شدید بل هی موضوعة وأحادیث التوسعة علی العیال وقد حکم علیها ابن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’جس نے دس محرم کے دن ظہر اور عصر کے درمیان چالیس رکعات پڑھیں، ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورہ فاتحہ اور دس مرتبہ آیۃ الکرسی اور گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص اور پانچ مرتبہ معوذتین (یعنی سورہ فلق اور سورہ ناس) پڑھیں اور سلام پھیرنے

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

الجوزی وابن تیمیة فی منهاج السنة وغیرهما ممن حذی حذوهما بالوضع وقد تعقب کثیر من المحققین قولهم وأثبتوا أنها حسنة قابلة للاحتجاج والعمل بها ومع ذلک فهو مجرب أیضا.

فأخرج الحاکم فی مستدرکه ومن طریقه ابن الجوزی بسنده إلی جویبر عن الضحاک عن ابن عباس مرفوعا من اکتحل بالإثمد یوم عاشوراء لم یرمد أبدا قال الحاکم أنا أبرأ إلی الله من عهدة جویبر انتهی .وفی میزان الاعتدال .جویبر بن سعید أبو القاسم الأزدی المفسر البلخی صاحب الضحاک قال ابن معین لیس بشیء وقال الجوزقانی لا یشتغل به وقال النسائی والدارقطنی وغیرهما متروک الحدیث قلت له عن أنس شیء روی عنه حماد بن زید وابن المبارک ویزید بن هارون وطائفة أبو مالک عن جویبر عن الضحاک عن ابن عباس مرفوعا قال تجب الصلاة علی الغلام إذا عقل والصوم إذا أطاقه ویروی عن جویبر عن الضحاک عن ابن عباس حدیث من اکتحل بالإثمد یوم عاشوراء لم یرمد أبد قال أبو قدامة السرخسی قال یحیی القطان تساهلوا فی أخذ التفسیر عن القوم لا توثقوهم فی الحدیث ثم ذکر لیث بن أبی سلیم وجویبر والضحاک ومحمد بن السائب وقال هؤلاء لا یحمد حدیثهم ویکتب التفسیر عنهم انتهی.

وأخرج البیهقی حدیث الکحل من طریق الحاکم وقال سنده ضعیف بمرة وکذلک رواه بشر بن حمدان بن بشر النیسابوری عن عمه الحسین بن بشر ولم أر ذلک فی روایة غیره عن جویبر وجویبر ضعیف والضحاک لم یلق ابن عباس انتهی.

وأخرجه ابن النجار فی تاریخه من حدیث أبی هریرة بلفظ من اکتحل یوم عاشوراء بإثمد فیه مسک عوفی من الرمد وفی سنده إسماعیل بن معمر قال الذهبی فی المیزان لیس ثقة .انتهی .وقال ابن عراق فی تنزیه الشریعة وجاء فی حدیث سلمان رأیت بخط العلامة أبی الفتح المراغی منسوبا إلی تخریج الحافظ السلفی وفی سنده محمد بن عبد الرحمن ضعیف وفی الجزء المسمی بالغنی عن الحافظ والکتاب بقولهم لم یصح شیء فی هذا الباب للحافظ أبی حفص بن بدر الموصلی ما نصه الاکتحال یوم عاشوراء لم یرد فیه شیء عن النبی وهو بدعة ابتدعها قتلة الحسین انتهی وفی بعض کتب الحنفیة ما نصه یکره الکحل یوم عاشوراء لأن یزیدا وابن زیاد اکتحل بدم الحسین وقیل بالأثمد لتقر عینه بقتله الحسین انتهی کلام ابن عراق(الآثار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة، ص۹۷، ۹۸، فضل یوم عاشوراء وصیامه)

کے بعد ستّر مرتبہ استغفار کیا، تو اللہ تعالیٰ اسے جنت الفردوس میں ایک ایسا سفید گنبد عطا کرے گا، جس میں سبز زمرد کا گھر ہوگا، اس گھر کی کشادگی اس دنیا سے تین گنا ہوگی، اور اس گھر میں ایک نور کا تخت ہوگا، جس کے پائے بھورے رنگ کے عنبر کے ہوں گے، اور اس پر زعفران کے ایک ہزار بچھونے ہوں گے"۔ [1]

مگر اس روایت کو بھی محدثین نے موضوع ومن گھڑت قرار دیا ہے، جس پر عقیدہ رکھنا اور عمل کرنا جائز نہیں۔ [2]

---

[1] أنبأنا إبراهيم بن محمد الطيبى أنبأنا الحسين بن إبراهيم أنبأنا الحسن بن على ابن جعفر أنبأنا عبدالله بن عبيدالله بن كلالة حدثنا أبو القاسم عبدالله بن أحمد حدثنا أحمد بن نصر بن على الرازى حدثنا أبو عبد الله محمد بن إبراهيم حدثنا أحمد بن محمد حدثنا محمد بن عبدالله النهروانى حدثنا محمد بن سهل عن أبيه عن أبى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من صلى يوم عاشوراء ما بين الظهر والعصر أربعين ركعة ، يقرأ فى كل ركعة بفاتحة الكتاب مرة ، وآية الكرسى عشر مرات ، وقل هو الله أحد إحدى عشرة مرة ، والمعوذتين خمس مرات ، فإذا سلم استغفر سبعين مرة ، أعطاه الله فى الفردوس قبة بيضاء فيها بيت من زمردة خضراء ، سعة ذلك البيت مثل الدنيا ثلاث مرات ، وفى ذلك البيت سرير من نور ، قوائم السرير من العنبر الاشهب ، على ذلك السرير ألفا فراش من الزعفران(الموضوعات لابن الجوزى ج٢ ص١٢٢ ، كتاب الصلاة)

[2] قال ابن الجوزى:

هذا حديث موضوع .وكلمات الرسول عليه السلام منزهة عن مثل هذا التخليط . والرواة مجاهيل .والمتهم به الحسين(الموضوعات لابن الجوزى ج٢ ص١٢٣ كتاب الصلاة)

وقال الشوكانى:

حديث" :من صلى يوم عاشوراء ما بين الظهر والعصر أربع ركعات يقرأ فى كل ركعة بفاتحة الكتاب مرة وآية الكرسى عشر مرات وقل هو الله أحد إحدى عشرة مرة والمعوذتين خمس مرات فإذا سلم استغفر الله سبعين مرة أعطاه الله فى الفردوس قبة بيضاء _إلخ."

رواه الجوزقانى عن أبى هريرة مرفوعا وهو موضوع ورواته مجاهيل(الفوائد المجموعة، ص٤٧، كتاب الصلاة، باب التطوع)

وقال اللكنوى:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دس محرم کی رات میں مخصوص نماز کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک روایت میں یہ مضمون مروی ہے کہ:

’’جس نے دس محرم کی رات کو زندہ کیا (یعنی عبادت کی) تو گویا کہ اس نے آسمان والوں کے بقدر عبادت کی، اور جس نے چار رکعات نماز پڑھی، جس کی ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورہ فاتحہ، اور پانچ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھی، تو اللہ اس کے اگلے پانچ اور پچھلے پانچ سالوں کے گناہ معاف کردے گا، اور مثلِ اعلی میں اس کے لیے ایک لاکھ نور کے منبر بنادے گا‘‘۔ [1]

علامہ ابن جوزی نے اس روایت کے متعلق فرمایا کہ اس روایت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

حديث أبي هريرة مرفوعا من صلى يوم عاشوراء ما بين الظهر والعصر أربعين ركعة يقرأ في كل ركعة بفاتحة الكتاب مرة وآية الكرسي عشر مرات وقل هو الله أحد إحدى عشرة مرة والمعوذتين خمس مرات فإذا سلم استغفر سبعين مرة أعطاه الله في الفردوس قبة بيضاء فيها بيت من زمردة خضراء سعة ذلك البيت مثل الدنيا ثلاث مرات وفي ذلك البيت سرير من نور قوائم السرير من العنبر الأشهب على ذلك السرير ألف فراش من الزعفران.

أخرجه ابن الجوزي بسنده وقال ذكر حديثا طويلا من هذا الجنس وهو موضوع ورواته مجاهيل انتهى وأقره عليه السيوطي وقال ابن عراق في تنزيه الشريعة أخرجه الجوزقاني من حديث أبي هريرة وهو أطول من هذا وكله من هذا الجنس ورواته مجاهيل انتهى(الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة، ص ٩٠،صلاة يوم عاشوراء)

[1] حدثنا محمد بن ناصر أنبأنا أحمد بن الحسين بن قريش أنبأنا العشاري أنبأنا أبو بكر النوشري حدثنا أحمد بن سلمان حدثنا إبراهيم الحربي حدثنا شريح بن النعمان حدثنا ابن أبي الزناد عن أبيه عن الاعرج عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من أحيى ليلة عاشوراء فكأنما عبدالله تعالى بمثل عبادة أهل السموات ، ومن صلى أربع ركعات ، يقرأ في كل ركعة الحمد مرة ، وخمسة مرة قل هو الله أحد ، غفر الله له ذنوب خمسين عاما ماض ، وخمسين عاما مستقبل ، وبنى له في المثل الاعلى ألف ألف منبر من نور "(الموضوعات لابن الجوزي ج٢ص ١٢٢ ، كتاب الصلاة)

سے صحیح ہونا ثابت نہیں، لہٰذا اس روایت پر بھی عقیدہ رکھنا درست نہیں۔ [1]

دس محرم کے دن تیل اور خوشبو وغیرہ لگانے اور اسی طرح زیب وزینت اختیار کرنے کی فضیلت سے متعلق بھی بعض روایات مروی ہیں، جن کو محدثین نے بے بنیاد اور موضوع ومن گھڑت قرار دیا ہے۔ [2]

پس اس قسم کی شدید ضعیف، نا قابلِ اعتبار اور من گھڑت روایات پر عقیدہ رکھنا درست نہیں۔

اللہ تعالیٰ اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

---

[1] قال ابن الجوزی: هذا حديث لا يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم .وقد أدخل على بعض المتأخرين من أهل الغفلة ، على أن عبدالرحمن بن أبى الزناد مجروح .قال أحمد :هو مضطرب الحديث ، وقال يحيى:لا يحتج به (الموضوعات لابن الجوزی ج۲ص ۱۲۲، كتاب الصلاة)

[2] ومن الاحاديث الموضوعة احاديث الاكتحال والادهان والتطيب يوم عاشوراء.فمن فعل ذلک فيه معتمدا السنة مظهرا للفرح والسرور فهو مبتدع.وكذ امن اتخذه يوم تألم واحزان ولبس سواد ودوران فى البلاد وجرح الرأس والابدان كما اشتهر ذلک عن الرفضة فى بلاد العجم من خراسان، فعليهم غضب الجبار(كشف الخفاء ومزيل الالباس للعجلونی،ج۲ص ۵۱۰،خاتمة يختم بها الكتاب)

أما غير ذلک مما اشتهر فعله في يوم عاشوراء :كالإكتحال والتزين باللباس وغيره وزيارة العلماء والإخوان ونحو ذلک من الأمور الحسنة فلم يصح منها شىء ، بل هى من وضع قتلة الحسين اتخذوا عيدا، كما اتخذه الروافض يوم الحزن، وكذا ما يذكر فی كتب الترغيب " :إن آدم تاب الله عليه يوم عاشوراء ، ونوحا نجاه الله يوم عاشوراء ، وإبراهيم نجاه الله من النار يوم عاشوراء ، ويونس أخرجه الله من بطن الحوت يوم عاشوراء ، ويعقوب اجتمع بيوسف يوم عاشوراء ، والتوراة نزلت يوم عاشوراء ، وما أشبه ذلک من الأخلاط، فكله كذب ولا أصل له(اسنى المطالب فى احاديث مختلفة المراتب ج ۱ ص ۳۴۳ ،احاديث فضل يوم عاشوراء)

وأما أحاديث الاكتحال والادهان والتطيب فمن وضع الكذابين وقابلهم آخرون فاتخذوه يوم تألم وحزن والطائفتان مبتدعتان خارجتان عن السنة .

وأهل السنة يفعلون ما أمر به النبى صلى الله عليه وسلم من الصوم ويجتنبون ما أمر به الشيطان من البدع .قلت فينبغى لمن يكتحل يوم عاشوراء أن يكون تبعا للحديث لا لإظهار الفرح والحزن كما هو طريق الخوارج المضادة للروافض وقد اشتهر عن الرافضة فى بلاد العجم من خراسان والعراق بل فى بلاد ما وراء النهر منكرات عظيمة من لبس السواد والدوران فى البلاد وجرح رؤوسهم وأبدانهم بأنواع من الجراحة ويدعون أنهم محبو أهل البيت وهم بريئون منهم(الأسرار المرفوعة فى الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الكبرى لمنلا على القارى، ص ۴۷۵)

(باب نمبر 3)

شہادتِ حسین سے متعلق احادیث وروایات

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ماہِ محرم کے مہینہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، اوراس مہینہ میں کربلا کا واقعہ پیش آیا، جس کی بنیاد پر ماہِ محرم سے متعلق کئی چیزیں مسلمانوں میں زیرِ بحث آتی اور متنازع بنتی رہتی ہیں۔

اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشگی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل وشہادت اور کربلا کا واقعہ پیش آنے کی اطلاع دے دی گئی تھی، جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اپنی حیاتِ طیبہ میں ذکر فرما دیا تھا، اور یہ احادیث کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پہنچی تھیں، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی پہنچی تھیں، اس طرح کی کئی احادیث وروایات ہیں، جن کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

فرشتہ کا نبی ﷺ کو شہادتِ حسین کی خبر دینا اور مٹی دکھلانا

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ الْحُسَيْنُ جَالِسًا فِيْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: جِبْرِيْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتُحِبُّهُ؟ فَقَالَ: وَكَيْفَ لَا أُحِبُّهُ وَهُوَ ثَمَرَةُ فُؤَادِيْ؟ فَقَالَ: أَمَا إِنَّ أُمَّتَكَ سَتَقْتُلُهُ، أَلَا أُرِيْكَ مِنْ مَوْضِعِ قَبْرِهٖ؟ فَقَبَضَ قَبْضَةً، فَإِذَا تُرْبَةٌ حَمْرَاءُ (كشف الاستار عن زوائد البزار، رقم الحديث ٢٦٤٠)[1]

---

[1] قال الهيثمي: رواه البزار، ورجاله ثقات، وفي بعضهم خلاف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٥١٢٩، كتاب المناقب، باب مناقب الحسين بن علي عليهما السلام)

ترجمہ: حضرت حسین رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے، تو جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے (رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ کیا آپ ان سے محبت کرتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان سے کیسے محبت نہیں کروں گا، جبکہ وہ میرے دل کا ثمرہ (ٹکڑا) ہیں، تو حضرت جبریل نے کہا کہ آپ کی امت عنقریب ان کو قتل کردے گی، کیا میں آپ کو ان کی قبر کی جگہ نہ دکھلا دوں؟ پس جبریل نے ایک مُٹھی بھری، تو وہ سرخ مٹی تھی (بزار)

حضرت عائشہ یا حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِإِحْدَاهُمَا :لَقَدْ دَخَلَ عَلَیَّ الْبَيْتَ مَلَکٌ لَمْ يَدْخُلْ عَلَیَّ قَبْلَهَا، فَقَالَ لِیْ: إِنَّ ابْنَکَ هٰذَا حُسَيْنٌ مَقْتُوْلٌ، وَإِنْ شِئْتَ أَرَيْتُکَ مِنْ تُرْبَةِ الْأَرْضِ الَّتِیْ يُقْتَلُ بِهَا،قَالَ: فَأَخْرَجَ تُرْبَةً حَمْرَآءَ (مسند أحمد، رقم الحديث ٢٦٥٢٤) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں (یعنی حضرت عائشہ یا حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہما) میں سے کسی ایک سے فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا، جو اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا (اور یہ واقعہ حضرت جبریل کے واقعہ سے الگ ہے) پھر

---

[1] قال الهيثمی:

رواه أحمد، ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٥١١٣، كتاب المناقب، باب مناقب الحسين بن علی عليهما السلام)

وقال شعيب الارنؤوط:

حديث حسن بطرقه وشاهده(حاشية مسند احمد)

وقال الالبانی:

قلت :وهذا إسناد صحيح على شرط الشيخين(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٨٢٢)

اس فرشتہ نے مجھے کہا کہ آپ کا یہ بیٹا حسین مقتول ہوگا، اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اس زمین کی مٹی دکھا سکتا ہوں، جس میں ان کو قتل کیا جائے گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس فرشتہ نے سرخ مٹی نکالی (اور مجھے دکھائی) (مسند احمد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِنِسَائِہٖ: لَا تُبْکُوْا ھٰذَا الصَّبِیَّ ۔ یَعْنِیْ حُسَیْنًا ۔ قَالَ: وَکَانَ یَوْمَ أُمِّ سَلَمَۃَ، فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ، فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الدَّاخِلَ، وَقَالَ لِأُمِّ سَلَمَۃَ: لَا تَدَعِی أَحَدًا یَدْخُلُ عَلَیَّ فَجَاءَ الْحُسَیْنُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، فَلَمَّا نَظَرَ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْبَیْتِ أَرَادَ أَنْ یَّدْخُلَ، فَأَخَذَتْہُ أُمُّ سَلَمَۃَ، فَاحْتَضَنَتْہُ وَجَعَلَتْ تُنَاغِیْہِ وَتُسْکِنُہُ، فَلَمَّا اشْتَدَّ فِی الْبُکَاءِ خَلَّتْ عَنْہُ، فَدَخَلَ حَتّٰی جَلَسَ فِیْ حِجْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ جِبْرِیْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أُمَّتَکَ سَتَقْتُلُ ابْنَکَ ھٰذَا، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَقْتُلُوْنَہٗ وَھُمْ مُؤْمِنُوْنَ بِیْ؟ قَالَ: نَعَمْ، یَقْتُلُوْنَہٗ، فَتَنَاوَلَ جِبْرِیْلُ تُرْبَۃً، فَقَالَ بِمَکَانِ کَذَا وَکَذَا، فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدِ احْتَضَنَ حُسَیْنًا کَاسِفَ الْبَالِ، مَھْمُوْمًا، فَظَنَّتْ أُمُّ سَلَمَۃَ أَنَّہٗ غَضِبَ مِنْ دُخُوْلِ الصَّبِیِّ عَلَیْہِ فَقَالَتْ: یَا نَبِیَّ اللّٰہِ، جُعِلْتُ لَکَ الْفِدَاءَ، إِنَّکَ قُلْتَ لَنَا لَا تُبْکُوْا ھٰذَا الصَّبِیَّ، وَأَمَرْتَنِی أَنْ لَّا أَدَعَ یَدْخُلُ عَلَیْکَ، فَجَاءَ فَخَلَّیْتُ عَنْہُ، فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیْھَا، فَخَرَجَ إِلٰی أَصْحَابِہٖ وَھُمْ جُلُوْسٌ، فَقَالَ لَھُمْ: إِنَّ أُمَّتِیْ یَقْتُلُوْنَ ھٰذَا. وَفِی الْقَوْمِ أَبُوْ بَکْرٍ وَعُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا، وَکَانَا أَجْرَأَ الْقَوْمِ عَلَیْہِ، فَقَالَا: یَا نَبِیَّ اللّٰہِ یَقْتُلُوْنَہٗ وَھُمْ مُؤْمِنُوْنَ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَھٰذِہٖ

تُرْبَتُهُ وَأَرَاهُمْ إِيَّاهَا(المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ٨٠٩٦) ؎[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے فرمایا کہ تم اس بچہ یعنی حضرت حسین کو نہ رُلاؤ، اور (حضرت ابوامامہ نے) فرمایا کہ اس دن حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا، پھر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریل امین اندر داخل ہوئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امِ سلمہ سے فرمایا کہ آپ کسی کو ہمارے پاس آنے مت دینا، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ آگئے، اور انہوں نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کمرے میں دیکھا، تو اندر داخل ہونا چاہا، تو ان کو حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے پکڑ لیا، اور ان کو گود میں بٹھا لیا، اور ان کو بہلانے اور پیار کرنے لگیں، پھر جب حضرت حسین زیادہ رونے لگے، تو حضرت امِ سلمہ نے ان کو چھوڑ دیا، اور وہ اندر چلے گئے، یہاں تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھ گئے، تو حضرت جبریل امین نے فرمایا کہ آپ کی امت عنقریب آپ کے اس بیٹے کو قتل کردے گی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا وہ لوگ اس کو قتل کردیں گے، اور وہ مجھ پر ایمان بھی رکھتے ہوں گے؟ تو حضرت جبریل نے فرمایا کہ جی ہاں! وہ لوگ اس کو قتل کردیں گے، پھر حضرت جبریل نے مٹی لی اور فرمایا کہ یہ فلاں فلاں جگہ کی مٹی ہے (جہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا جائے گا) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غم زدہ اور رنجیدہ ہو کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں لیا، تو حضرت امِ

؎[1] قال الهيثمي:

رواه الطبراني، ورجاله موثقون، وفي بعضهم ضعف(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٥١١٢، كتاب المناقب، باب مناقب الحسين بن على عليهما السلام)

وقال الذهبي:

إسناده حسن(سير أعلام النبلاء، ج٣ص ٢٨٩، ومن صغار الصحابة، الحسين الشهيد)

سلمہ نے سمجھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بچے کے اپنے پاس داخل ہونے پر غصہ ہوئے ہیں (کیونکہ آپ نے اندر کسی کو داخل ہونے سے منع کیا تھا) حضرت امِ سلمہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! میں آپ پر قربان ہو جاؤں، آپ نے فرمایا تھا کہ اس بچہ کو رلانا نہیں، اور آپ نے یہ بھی حکم فرمایا تھا کہ آپ کے پاس کسی کو داخل نہ ہونے دیا جائے، پھر یہ (یعنی حضرت حسین) آ گئے، تو میں نے (ان کے رونے کی وجہ سے) ان کو آپ کے پاس جانے دیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امِ سلمہ کو کچھ نہیں فرمایا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس تشریف لے گئے، جو کہ بیٹھے ہوئے تھے، پھر ان کو فرمایا کہ میری امت اس بچے کو قتل کردے گی، اور اس وقت لوگوں میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، اور یہ دونوں دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زیادہ ہمت والے تھے، تو ان دونوں صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! وہ لوگ ان کو قتل کردیں گے، حالانکہ وہ مومن ہوں گے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! اور یہ اس جگہ کی مٹی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو وہ مٹی دکھلائی (طبرانی)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیشگی اطلاع دیئے جانے اور اس جگہ کی مٹی پیش کرنے کی حدیث حضرت اُمِ فضل بنتِ حارث رضی اللہ عنہا کی سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

---

[1] عن أبی عمار شداد بن عبد الله، عن أم الفضل بنت الحارث، أنها دخلت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت :یا رسول الله، إنی رأیت حلما منکرا اللیلة، قال :ما هو؟ قالت :إنه شدید، قال :ما هو؟ قالت :رأیت کأن قطعة من جسدک قطعت ووضعت فی حجری، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم :رأیت خیرا، تلد فاطمة إن شاء الله غلاما، فیکون فی حجرک فولدت فاطمة الحسین فکان فی حجری کما قال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیز حضرت زینب بنتِ جحش کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

زمینِ عراق میں شہادتِ حسین اور اس کی مٹی ملنے کی حدیث

مستدرک حاکم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِضْطَجَعَ ذَاتَ لَيْلَةٍ لِلنَّوْمِ فَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ حَائِرٌ، ثُمَّ اضْطَجَعَ فَرَقَدَ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ حَائِرٌ، دُوْنَ مَا رَأَيْتُ بِهِ الْمَرَّةَ الْأُوْلٰى، ثُمَّ اضْطَجَعَ فَاسْتَيْقَظَ وَفِيْ يَدِهٖ تُرْبَةٌ حَمْرَاءُ يُقَبِّلُهَا، فَقُلْتُ: مَا هٰذِهِ التُّرْبَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: أَخْبَرَنِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَنَّ هٰذَا يُقْتَلُ بِأَرْضِ الْعِرَاقِ، لِلْحُسَيْنِ، فَقُلْتُ لِجِبْرِيْلَ: أَرِنِيْ تُرْبَةَ الْأَرْضِ الَّتِيْ يُقْتَلُ بِهَا فَهٰذِهٖ تُرْبَتُهَا

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

رسول الله صلى الله عليه وسلم، فدخلت يوما إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضعته فى حجره، ثم حانت منى التفاتة، فإذا عينا رسول الله صلى الله عليه وسلم تهريقان من الدموع، قالت :فقلت :يا نبى الله، بأبى أنت وأمى ما لک؟ قال :أتانى جبريل عليه الصلاة والسلام، فأخبرنى أن أمتى ستقتل ابنى هذا فقلت :هذا؟ فقال :نعم، وأتانى بتربة من تربته حمراء (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۴۸۱۸، دلائل النبوة للبيهقى، ج۶ص ۴۶۹)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه.

وقال الذهبى فى التلخيص: بل منقطع ضعيف.

[1] عن زينب بنت جحش، أن النبى صلى الله عليه وسلم كان نائما عندها وحسين يحبو فى البيت، فغفلت عنه فحبا حتى بلغ النبى صلى الله عليه وسلم، فصعد على بطنه، ثم وضع ذكره فى سرته، قالت :واستيقظ النبى صلى الله عليه وسلم فقمت إليه فحططته عن بطنه، فقال النبى صلى الله عليه وسلم : دعى ابنى فلما قضى بوله أخذ كوزا من ماء فصبه عليه، ثم قال :إنه يصب من الغلام ويغسل من الجارية قالت :توضأ ثم قام يصلى، واحتضنه، فكان إذا ركع وسجد وضعه، وإذا قام حمله، فلما جلس جعل يدعو ويرفع يديه ويقول :فلما قضى الصلاة قلت :يا رسول الله لقد رأيتک تصنع اليوم شيئا ما رأيتک تصنعه، قال: إن جبريل أتانى وأخبرنى أن ابنى يقتل قلت :فأرنى إذا فأتانى تربة حمراء (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۱۴۱)

(مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۸۲۰۲، کتاب تعبیر الرؤیا) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات سونے کے لئے لیٹے، پھر آپ گھبرا کر بیدار ہوئے، پھر لیٹے اور آپ کی آنکھ لگ گئی، پھر گھبرا کر بیدار ہوئے، اس سے مختلف حالت میں (گھبرا کر بیدار ہوئے) جو میں نے پہلی مرتبہ دیکھی تھی، پھر آپ لیٹ گئے، پھر بیدار ہوئے، اور آپ کے ہاتھ میں سرخ مٹی تھی، جس کو آپ (منہ سے) چوم رہے تھے، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ مٹی کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے خبر دی کہ یہ حسین، عراق کی زمین میں قتل کئے جائیں گے، میں نے جبریل سے کہا کہ مجھے اس جگہ کی مٹی دکھلائیے، جس جگہ ان کو قتل کیا جائے گا، تو یہ (حضرت جبریل کی طرف سے دی ہوئی) اسی جگہ کی مٹی ہے (مستدرک حاکم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نہ صرف یہ کہ وحی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کئے جانے کی اطلاع دے دی گئی تھی، بلکہ آپ کو قتل کی جگہ بھی بتلا دی گئی تھی، اور وہاں کی مٹی بھی دکھلا دی اور پیش کر دی گئی تھی۔

فرشتہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کربلا کی مٹی دینے کی حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اِسْتَأْذَنَ مَلَكُ الْقَطْرِ رَبَّهُ أَنْ يَّزُوْرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَذِنَ لَهُ، فَكَانَ فِيْ يَوْمِ أُمِّ سَلَمَةَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِحْفَظِيْ عَلَيْنَا الْبَابَ، لَا يَدْخُلُ عَلَيْنَا أَحَدٌ، فَبَيْنَا هِيَ عَلَى الْبَابِ إِذْ جَاءَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ، فَظَفِرَ، فَاقْتَحَمَ، فَفَتَحَ الْبَابَ فَدَخَلَ، فَجَعَلَ

---

[1] قال الحاکم: هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین، ولم یخرجاه.
وقال الذهبی فی التلخیص: مر هذا علی شرط البخاری ومسلم.

يَتَوَثَّبُ عَلٰى ظَهْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَجَعَلَ النَّبِيُّ يَتَلَثَّمُهُ وَيُقَبِّلُهُ، فَقَالَ لَهُ الْمَلَكُ: أَتُحِبُّهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَمَا إِنَّ أُمَّتَكَ سَتَقْتُلُهُ، إِنْ شِئْتَ أَرَيْتُكَ الْمَكَانَ الَّذِي يُقْتَلُ فِيهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَبَضَ قَبْضَةً مِنَ الْمَكَانِ الَّذِي يُقْتَلُ فِيهِ، فَأَرَاهُ إِيَّاهُ فَجَاءَهُ بِسَهْلَةٍ أَوْ تُرَابٍ أَحْمَرَ، فَأَخَذَتْهُ أُمُّ سَلَمَةَ، فَجَعَلَتْهُ فِي ثَوْبِهَا.

قَالَ ثَابِتٌ: كُنَّا نَقُولُ إِنَّهَا كَرْبَلَاءَ (صحیح ابنِ حبان) [1]

ترجمہ: بارش کے فرشتے نے اپنے رب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے کی اجازت طلب کی، تو رب تعالیٰ نے ان کو اس کی اجازت دے دی، پس حضرت اُمِّ سلمہ کی باری کے دن وہ تشریف لے آئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمِّ سلمہ سے فرمایا کہ آپ دروازے پر ہماری نگرانی کیجئے، کوئی ہمارے پاس نہ آئے، تو جب وہ دروازے پر تھیں، اتنے میں حضرت حسین بن علی تشریف لائے، اور وہ اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے، انہوں نے دروازہ کھولا اور

---

[1] رقم الحدیث ٦٧٤٢، کتاب التاریخ، باب إخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم عما یکون فی أمتہ من الفتن والحوادث الخ، موارد الظمآن الی زوائد ابنِ حبان، رقم الحدیث ٢٢٤٠، کتاب المناقب، باب ما جاء فی الحسن والحسین رضی اللہ عنهما، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ٢٨١٣، مسند ابی یعلیٰ الموصلی، رقم الحدیث ٣٤٠٢، مسند البزار، رقم الحدیث ٦٩٠٠.

قال شعیب الارنؤوط:

حدیث حسن، إسنادہ ضعیف، عمارۃ بن زاذان مختلف فیہ (حاشیۃ ابن حبان)

وقال حسین سلیم اسد الدارانی:

إسنادہ حسن من أجل عمارۃ بن زاذان (حاشیۃ موارد الظمآن)

وقال ایضاً:

اسنادہ حسین (حاشیۃ ابی یعلیٰ)

وقال الهیثمی:

رواہ أحمد، وأبو یعلی، والبزار، والطبرانی بأسانید، وفیها عمارۃ بن زاذان وثقہ جماعۃ، وفیہ ضعف، وبقیۃ رجال أبی یعلی رجال الصحیح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ١٥١١١، کتاب المناقب، باب مناقب الحسین بن علی علیهما السلام)

اندر تشریف لے گئے، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر کودنے لگے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو پیار کرنے لگے، تو آپ سے (اس آنے والے) فرشتے نے کہا کہ کیا آپ ان سے محبت کرتے ہیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک، اس فرشتے نے کہا کہ آپ کی امت عنقریب ان کو قتل کر دے گی، اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھلا دوں، جس میں ان کو قتل کیا جائے گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک، تو اس فرشتے نے اس جگہ سے جس میں حضرت حسین کو قتل کیے جانا تھا ایک مٹھی بھر کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی، تو وہ نرم یا سرخ مٹی تھی، جس کو اُمِّ سلمہ نے لے لیا، اور اپنے کپڑے میں رکھ لیا، حضرت ثابت راوی کہتے ہیں کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ کربلاء کی جگہ (اور وہیں کی مٹی) تھی (ابن حبان)

حضرت اِمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی بعض روایات کے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ یہ کرب اور بلاء کی زمین ہے۔ [1]

فرات کے کنارے شہادتِ حسین کی حدیثِ علی

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] عن أم سلمة رضى الله عنها قالت :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا نام لم يترک أحدا يدخل عليه؛ إلا حسنا وحسينا رضى الله عنهما قالت :فنام يوما فى بيتى , وجلست على الباب أمنع من يدخل ,فجاء حسين يسعى فخليت عنه ,فذهب حتى سقط على بطنه ,ففزع رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يبكى فالتزمه ,فقلت :يا رسول الله ,ما لک تبکى وقد نمت وأنت مسرور؟ فقال :إن جبريل عليه السلام أتانى بهذه التربة قالت :وبسط رسول الله صلى الله عليه وسلم كفه ,فإذا فيها تربة حمراء فأخبرنى أن ابنى هذا يقتل فى هذه التربة قالت :فقلت :وما هذه الأرض؟ قال هذه كربلاء فقلت :أرض كرب وبلاء (الشريعة للآجرى، رقم الحديث ١٦٦٢، باب إخبار النبى صلى الله عليه وسلم بقتل الحسين رضى الله عنه)

دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَعَيْنَاهُ تَفِيْضَانِ، قَالَ: قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، أَغْضَبَكَ أَحَدٌ؟ مَا شَأْنُ عَيْنَيْكَ تَفِيْضَانِ؟ قَالَ: بَلْ قَامَ مِنْ عِنْدِي جِبْرِيْلُ قَبْلُ، فَحَدَّثَنِي أَنَّ الْحُسَيْنَ يُقْتَلُ بِشَطِّ الْفُرَاتِ، قَالَ: فَقَالَ: هَلْ لَّكَ أَنْ أُشِمَّكَ مِنْ تُرْبَتِهِ، قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَمَدَّ يَدَهُ فَقَبَضَ قَبْضَةً مِّنْ تُرَابٍ فَأَعْطَانِيْهَا، فَلَمْ أَمْلِكْ عَيْنَيَّ أَنْ فَاضَتَا (مسند ابی یعلی، رقم الحديث ٣٦٣) [1]

---

[1] قال حسين سليم أسد:
إسناده حسن (حاشية مسند ابی یعلیٰ)
وقال الهيثمي:
رواه أحمد، وأبو يعلى، والبزار، والطبراني، ورجاله ثقات، ولم ينفرد نجي بهذا (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٥١١٢، كتاب المناقب، باب مناقب الحسين بن على عليهما السلام)
وقال الالبانى:
"قام من عندى جبريل قبل، فحدثنى أن الحسين يقتل بشط الفرات."
أخرجه أحمد(١/٨٥)عن عبد الله بن نجي عن أبيه أنه سار مع علي وكان صاحب مطهرته، فلما حاذى (نينوى) وهو منطلق إلى صفين، فنادى علي :أصبر أبا عبد الله: أصبر أبا عبد الله بشط الفرات، قلت :وماذا؟ قال " :دخلت على النبى صلى الله عليه وسلم ذات يوم وعيناه تفيضان، قلت :يا نبى الله أغضبك أحد؟ ما شأن عينيك تفيضان؟ قال :بل قام ...قال :فقال :هل لك إلى أن أشمك من تربته؟ قال :قلت: نعم، فمد يده فقبض قبضة من تراب فأعطانيها، فلم أملك عينى أن فاضتا."
قلت :وهذا إسناد ضعيف، نجي والد عبد الله لا يدرى من هو كما قال الذهبى ولم يوثقه غير ابن حبان وابنه أشهر منه، فمن صحح هذا الإسناد فقد وهم. والحديث قال الهيثمي(١٨٧/٩) "رواه أحمد وأبو يعلى والبزار والطبرانى ورجاله ثقات ولم ينفرد نجي بهذا."
قلت :يعني أن له شواهد تقويه وهو كذلك.
١ ـ :روى عمارة بن زاذان حدثنا ثابت عن أنس قال " :استأذن ملك القطر ربه أن يزور النبى صلى الله عليه وسلم، فأذن له، فكان في يوم أم سلمة ...فبينا هي على الباب إذ دخل الحسين بن علي ...فجعل يتوثب على ظهر النبى صلى الله عليه وسلم وجعل النبى صلى الله عليه وسلم يتلثمه ويقبله، فقال له الملك :تحبه؟ قال :نعم .قال :أما إن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: ایک دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حالت میں حاضر ہوا کہ آپ کے آنسو بہہ رہے تھے، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی کیا آپ کو کسی نے غصہ دلایا ہے؟ آپ کی آنکھوں سے آنسو کیوں جاری ہیں؟ تو نبی صلی اللہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أمتک ستقتله إن شئت أريتک المكان الذى يقتل فيه؟ قال :نعم، فقبض قبضة من المكان الذى يقتل فيه، فأراه إياه فجاء سهلة، أو تراب أحمر، فأخذته أم سلمة، فجعلته فى ثوبها، قال ثابت :كنا نقول :إنها كربلاء ."أخرجه أحمد(۳/۲۴۲ و ۲۶۵)وابن حبان(۲۲۴۱)وأبو نعيم فى "الدلائل(۲۰۲) "

قلت :ورجاله ثقات غير عمارة هذا قال الحافظ " :صدوق كثير الخطأ ."وقال الهيثمى " :رواه أحمد وأبو يعلى والبزار والطبرانى بأسانيد وفيها عمارة بن زاذان وثقه جماعة وفيه ضعف وبقية رجال أبى يعلى رجال الصحيح ."

۲ ـ : وروى محمد بن مصعب :حدثنا الأوزاعى عن أبى عمار شداد بن عبد الله عن أم الفضل بنت الحارث أنها دخلت ...يوما إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضعته (تعنى الحسين) فى حجرة، ثم حانت منى التفاتة، فإذا عينا رسول الله صلى الله عليه وسلم تهريقان من الدموع، قالت :فقلت :يا نبى الله بأبى أنت وأمى مالک ؟ قال : أتانى جبريل عليه الصلاة والسلام فأخبرنى أن أمتى ستقتل ابنى هذا، فقلت :هذا؟ فقال: نعم وأتانى بتربة من تربته حمراء ."أخرجه الحاكم (۳/۱۷۶ و ۱۷۷)وقال ": صحيح على شرط الشيخين !"ورده الذهبى بقوله " :قلت: بل منقطع ضعيف، فإن شدادا لم يدرک أم الفضل، ومحمد بن مصعب ضعيف ."

۳ـ :وروى عبد الله بن سعيد عن أبيه عن عائشة أو أم سلمة -شک عبد الله بن سعيد - أن النبى صلى الله عليه وسلم قال لإحداهما " :لقد دخل على البيت ملک لم يدخل على قبلها، فقال لى :إن ابنک هذا حسين مقتول وإن شئت أريتک من تربة الأرض التى يقتل بها .قال :فأخرج تربة حمراء ." أخرجه أحمد(۶/۲۹۴) :حدثنا وكيع قال : حدثنى عبد الله بن سعيد.

قلت :وهذا إسناد رجاله كلهم ثقات رجال الشيخين، فهو صحيح إن كان سعيد وهو ابن أبى هند سمعه من عائشة أو أم سلمة ولم أطمئن لذلک، فإنهم لم يذكروا له سماعا منهما وبين وفاته ووفاة أم سلمة نحو أربع وخمسين سنة وبين وفاته ووفاة عائشة نحو ثمان وخمسين .والله أعلم .وأخرجه الطبرانى عن عائشة نحوه بلفظ " :يا عائشة إن جبريل أخبرنى أن ابنى حسين مقتول فى أرض الطف " ... قال الهيثمى(۹/۱۸۸) ": رواه الطبرانى فى "الكبير "و "الأوسط "وفى إسناد "الكبير "ابن لهيعة وفى إسناد "الأوسط "من لم أعرفه ."

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی جبریل میرے پاس آئے تھے، انہوں نے مجھے بتلایا کہ حضرت حسین کو فرات (نہر) کے کنارے قتل کیا جائے گا، جبریل نے کہا کہ کیا آپ کو اس جگہ کی مٹی کی خوشبو دکھاؤں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! پھر جبریل نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور ایک مٹھی بھر مٹی لی، اور مجھے دی، تو میری آنکھوں سے آنسو بے اختیار بہہ پڑے (ابویعلیٰ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لَیُقْتَلَنَّ الْحُسَیْنُ ظُلْمًا، وَإِنِّیْ لَاَعْرِفُ تُرْبَةَ الْأَرْضِ الَّتِیْ یُقْتَلُ فِیْهَا، قَرِیْبًا مِّنَ النَّهْرَیْنِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

۴ــ :وأخرجه الطبرانی أیضا عن أم سلمة نحوه بلفظ " :إن أمتک ستقتل هذا بأرض یقال لها کربلاء، فتناول جبریل من تربتها، فأراها النبی صلی الله علیه وسلم ."... (انظر الاستدراک رقم(۲۱/۱۶۱) .قال الهیثمی(۹/۱۸۹) "رواه الطبرانی بأسانید، ورجال أحدها ثقات ."(انظر الاستدراک رقم (۲۶/۱۶۱)

۵ــ :وعن أبی الطفیل قال " :استأذن ملک القطر أن یسلم علی النبی صلی الله علیه وسلم ." ...قلت :فذکره نحو حدیث أنس المتقدم .قال الهیثمی(۹/۱۹۰) " رواه الطبرانی وإسناده حسن ."

۶ــ :ویروی حجاج بن نصیر :حدثنا قرة بن خالد حدثنا عامر بن عبد الواحد عن أبی الضحی عن ابن عباس رضی الله عنهما قال " :ما کنا نشک وأهل البیت متوافرون أن الحسین بن علی یقتل بـ (الطف) ." أخرجه الحاکم(۳/۱۷۹)وسکت علیه، وتعقبه الذهبی بقوله " :قلت :حجاج متروک ."قلت :بالجملة فالحدیث المذکور أعلاه والمترجم له صحیح بمجموع هذه الطرق وإن کانت مفرداتها لا تخلو من ضعف ولکنه ضعف یسیر، لاسیما وبعضها قد حسنه الهیثمی، والله أعلم.

(تنبیه) حدیث عائشة وعلی عزاهما السیوطی (فتح ۱/۵۵ و ۵۶) لابن سعد فی " الطبقات "ولم أره فیها، فلعله فی القسم الذی لم یطبع منها، والله أعلم(سلسلة الاحادیث الصحیحة ،تحت رقم الحدیث ۱۱۷۱)

[1] رقم الحدیث ۳۱۳۳۳،کتاب الأمراء،باب ما ذکر من حدیث الأمراء والدخول علیهم، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۲۸۲۴، ج۳ص ۱۱۰.

قال الهیثمی:رواه الطبرانی، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۱۵۱۲۴، کتاب المناقب، باب مناقب الحسین بن علی علیهما السلام)

ترجمہ: ضرور بالضرور حسین کو ظلماً قتل کیا جائے گا، اور میں اس زمین کی مٹی کو پہچانتا ہوں، جس میں ان کو قتل کیا جائے گا، وہ دونہروں کے قریب ہے (ابنِ ابی شیبہ، طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کئے جانے کی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی پہنچ چکی تھی، اور آپ کو بھی معلوم تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ظلماً قتل کئے جائیں گے، ظلماً کے الفاظ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان احادیث کی تصدیق

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کربلاء میں محاصرہ اور گھیراؤ کیا گیا، تو انہوں نے معلوم کیا کہ اس جگہ کا نام کیا ہے؟ تو لوگوں نے جواب میں کہا کہ کربلاء! تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا، کرب اور بلاء کی زمین ہے۔

چنانچہ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا ذَاتَ يَوْمٍ فِيْ بَيْتِيْ، فَقَالَ: لَا يَدْخُلُ عَلَيَّ أَحَدٌ. فَانْتَظَرْتُ فَدَخَلَ الْحُسَيْنُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَسَمِعْتُ نَشِيْجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيْ، فَاطَّلَعْتُ فَإِذَا حُسَيْنٌ فِيْ حِجْرِهٖ، وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ جَبِيْنَهٗ وَهُوَ يَبْكِيْ، فَقُلْتُ: وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ حِيْنَ دَخَلَ، فَقَالَ: إِنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ مَعَنَا فِي الْبَيْتِ، فَقَالَ: تُحِبُّهٗ؟ قُلْتُ: أَمَّا مِنَ الدُّنْيَا فَنَعَمْ. قَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ سَتَقْتُلُ هٰذَا بِأَرْضٍ يُقَالُ لَهَا كَرْبَلَاءُ. فَتَنَاوَلَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ تُرْبَتِهَا، فَأَرَاهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

فَلَمَّا أُحِيطَ بِحُسَيْنٍ حِينَ قُتِلَ، قَالَ: مَا اسْمُ هٰذِهِ الْأَرْضِ؟ قَالُوا: كَرْبَلَاءُ. قَالَ: صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ، أَرْضُ كَرْبٍ وَبَلَاءٍ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۲۸۱۹، ج۳ص ۱۰۸، ورقم الحديث ۶۳۷، ج۲۳ ص ۲۸۹)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میرے گھر میں تشریف فرما تھے، تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی نہ آئے، پس میں منتظر رہی، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ (کسی طرح سے اندر) داخل ہوئے، پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کی آواز سنی، میں نے جھانک کر دیکھا، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر ہاتھ پھیر رہے تھے اور رو رہے تھے، میں نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم! مجھے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے داخل ہونے کا پتہ ہی نہیں چلا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام گھر میں ہمارے ساتھ تھے، انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ آپ اس (حضرت حسین) سے محبت رکھتے ہیں؟ میں نے کہا کہ بے شک میں دنیا میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو حضرت جبریل نے فرمایا کہ بے شک آپ کی امت عنقریب اسے ایک ایسی زمین میں قتل کردے گی، جس کو کربلاء کہا جاتا ہے، پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے کربلاء کی مٹی لی، اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا۔

پھر جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کے وقت ان کا محاصرہ کیا گیا، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے معلوم کیا کہ اس زمین کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ''کربلاء'' تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول نے

---

[1] قال الهيثمی:

رواه الطبرانی بأسانيد، ورجال أحدها ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۵۱۱۷، كتاب المناقب، باب مناقب الحسين بن علی عليهما السلام)

سچ فرمایا، کرب وبلاء (یعنی بے چینی اور آزمائش) کی زمین ہے (طبرانی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زمین کو کرب وبلاء قرار دینے کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے تصدیق سے متعلق ایک اور سند سے بھی روایت مروی ہے۔[1]

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کو وہ مٹی دے کر یہ فرمایا کہ جب یہ مٹی خون سے تبدیل ہوجائے، تو تم یہ سمجھ لینا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا گیا ہے۔[2]

مگر اس حدیث کی سند شدید ضعیف اور نا قابلِ اعتبار قرار دی گئی ہے۔[3]

---

[1] عن المطلب بن عبد الله بن حنطب، قال :لما أحيط بالحسين بن علي، قال :ما اسم هذه الأرض؟ قيل :كربلاء .فقال :صدق النبي صلى الله عليه وسلم :إنها أرض كرب وبلاء (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ٢٨١٢، ج٣ص١٠٦، واللفظ لهٗ، معرفة الصحابة لابی نعيم، رقم الحديث ١٨٠٥، الشريعة للآجری، رقم الحديث ١٦٦٦، الآحاد والمثانی لابنِ ابی عاصم، رقم الحديث ٣٢٤)

قال الهيثمی:

رواه الطبرانی، وفيه يعقوب بن حميد بن كاسب، وهو ضعيف وقد وثق(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٥١٣٣، كتاب المناقب، باب مناقب الحسين بن علی)

[2] حدثنا عبد الله بن أحمد بن حنبل، حدثني عباد بن زياد الأسدي، ثنا عمرو بن ثابت، عن الأعمش، عن أبي وائل شقيق بن سلمة، عن أم سلمة، قالت :كان الحسن والحسين رضي الله عنهما يلعبان بين يدی النبي صلى الله عليه وسلم في بيتي، فنزل جبريل عليه السلام، فقال :يا محمد، إن أمتک تقتل ابنک هذا من بعدک .فأومأ بيده إلى الحسين، فبكى رسول الله صلى الله عليه وسلم، وضمه إلى صدره، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :وديعة عندک هذه التربة .فشمها رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال :ويح كرب وبلاء .قالت :وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :يا أم سلمة إذا تحولت هذه التربة دما فاعلمي أن ابني قد قتل قال :فجعلتها أم سلمة في قارورة، ثم جعلت تنظر إليها كل يوم، وتقول :إن يوما تحولين دما ليوم عظيم "(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ٢٨١٧، ج٣ص١٠٨)

[3] قال الهيثمی:

رواه الطبرانی، وفيه عمرو بن ثابت النكری، وهو متروک(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٥١١٨، كتاب المناقب، باب مناقب الحسين بن علی عليهما السلام)

وقال الالبانی:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شہادتِ حسین کی بناء پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان دیکھنے کا خواب

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِي الْمَنَامِ بِنِصْفِ النَّهَارِ أَشْعَثَ أَغْبَرَ مَعَهُ قَارُوْرَةٌ فِيْهَا دَمٌ يَلْتَقِطُهُ أَوْ يَتَتَبَّعُ فِيْهَا شَيْئًا قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذَا ؟ قَالَ: دَمُ الْحُسَيْنِ وَأَصْحَابِهٖ لَمْ أَزَلْ أَتَتَبَّعُهُ مُنْذُ الْيَوْمَ، قَالَ عَمَّارٌ: فَحَفِظْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ فَوَجَدْنَاهُ قُتِلَ ذٰلِكَ الْيَوْمَ

(مسند أحمد، رقم الحديث ٢١٦٥) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں ٹھیک دوپہر کے وقت گرد وغبار

﴿ گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ﴾

(يا أم سلمة !إذا تحولت هذه التربة دما، فاعلمي أن ابني قد قتل .يعني :الحسين رضي الله عنه). موضوع.

أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير(٣/١١١/٢٨١٧) "ومن طريقه الشجري في "الأسالي (١/١٦٣) "من طريق عمرو بن ثابت عن الأعمش عن أبي وائل شقيق بن سلمة عن أم سلمة قالت:

كان الحسن والحسين رضي الله عنهما يلعبان بين يدي النبي صلى الله عليه وسلم في بيتي، فنزل جبريل عليه السلام فقال :يا محمد !إن أمتك تقتل ابنك هذا من بعدك. فأومأ بيده إلى الحسين، فبكى رسول الله عن، وضمه إلى صدره، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ":وديعة عندك هذه التربة ."فشمها رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقال ... :فذكر الحديث .قال:فجعلتها أم سلمة في قارورة، ثم جعلت تنظر إليها كل يوم وتقول :إن يوما تحولين دما ليوم عظيم.

قلت :وهذا إسناد موضوع، رجاله كلهم ثقات، غير عمرو بن ثابت، وهو رافضي متروك، متفق على تضعيفه، بل قال ابن حبان(٢/٧٦) "كان يروي الموضوعات، لا يحل ذكره إلا على سبيل الاعتبار ."وقال الهيثمي في "المجمع(٩/١٨٩) ""رواه الطبراني، وفيه عمرو برد ثابت النكري، وهو متروك "(سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ٢٦٠٤)

[1] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده قوي على شرط مسلم(حاشية مسند احمد)

سے آلودہ حالت میں دیکھا، آپ کے پاس ایک شیشی تھی، جس میں خون تھا، جس کو آپ لے رہے تھے، یا اس میں کسی چیز کو تلاش کر رہے تھے، تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ کیا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ حسین اور آپ کے ساتھیوں کا خون ہے، میں آج پورے دن اس کو تلاش کرتا رہا ہوں، حضرت عمار (راوی) کہتے ہیں کہ ہم نے اس دن کو یاد رکھا، پھر ہم نے حضرت حسین کو (کربلا کے سانحہ کے موقع پر) اسی (خواب نظر آنے والے) دن قتل ہوتے ہوئے پایا (کہ بعد میں معلوم ہونے پر شہادتِ حسین کا وہی خواب والا دن بنتا تھا) (مسند احمد)

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیشگی اطلاع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی گئی تھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اطلاع صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی دے دی تھی، جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، بلکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بھی اس طرح کی بعض احادیث پہنچ چکی تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے اس واقعہ کا علم ہونے کے باوجود جن کاموں کا اختیار کرنا یا حکم دینا ثابت نہیں، ظاہر ہے کہ وہ کام شریعت کے مطابق نہیں ہوں گے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو اس واقعہ کا علم ہونے سے رنج وغم پیش آیا، اس لئے اس واقعہ پر رنج وغم کا ہونا ایمان کی علامت ہے، لیکن انہوں نے نوحہ وماتم یا کسی اور رنج وغم والے کام کو نہ خود اختیار فرمایا اور نہ دوسروں کو اس کے کرنے کا حکم فرمایا، اور نہ ہی اس حوالہ سے محرم سے متعلق کوئی حکم بیان فرمایا، جیسا کہ آج کل بعض لوگ کیا کرتے ہیں، جو اِن کاموں کے غیر شرعی ہونے کی علامت ہے۔

اللہ اصلاح فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

(فصل نمبر 1)

محرم سے متعلق بعض چیزوں میں راہِ اعتدال

اب ماہِ محرم سے متعلق چند ایسے امور کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے، جن میں بعض لوگ راہِ اعتدال کو چھوڑ دیتے ہیں، اور افراط یا تفریط میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

(1)...... ماہِ محرم اور اس کی فضیلت کی وجہ

کسی وقت، دن یا مہینہ کو عظمت وفضیلت حاصل ہونے کی اصل وجہ اللہ تعالیٰ کی خاص تجلیات، انوار وبرکات اور رحمتوں کا اس وقت میں متوجہ اور ظاہر ہونا ہے، لیکن بعض اہم واقعات کا اس وقت میں واقع ہو جانا بھی دوسرے درجہ میں فضیلت کا باعث ہو جاتا ہے، جیسا کہ رمضان میں قرآن مجید کا نازل ہونا اور شب قدر وغیرہ کا واقع ہونا وغیرہ۔

اور فضیلت کا علم وحی کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور اس کی فضیلت حاصل کرنے کا طریقہ بھی (اصولی یا جزوی طریقہ پر) وحی کے ذریعہ سے ہی معلوم ہو سکتا ہے، اپنی طرف سے کسی دن یا تاریخ میں خاص فضیلت کا عقیدہ رکھنا یا فضیلت کی بنیاد اپنی طرف سے کسی اور چیز کو قرار دے دینا یا فضیلت حاصل کرنے کا کوئی خاص طریقہ اپنی طرف سے متعین کر لینا یہ تمام چیزیں درست نہیں۔

پس یہ سمجھنا کہ محرم کے مہینے یا دس محرم کے دن کو فضیلت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے حاصل ہوئی، یہ درست نہیں۔

کیونکہ اس مہینہ کی فضیلت تو کربلا کے واقعہ سے بہت پہلے بلکہ آسمان وزمین کی پیدائش سے ہی چلی آ رہی ہے اور ظاہر ہے کہ اُس وقت کربلا کے واقعہ کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔

اسی طرح دس محرم کے دن کی فضیلت بھی بہت پہلے سے چلی آ رہی ہے۔

یہاں تک کہ یہود ونصاریٰ اور قریشِ مکہ بھی اس دن کی عظمت وفضیلت کے قائل تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دس محرم کے روزے کے فضائل بیان فرمائے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس وقت تک کربلا کا واقعہ پیش نہیں آیا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بھی علم حاصل ہو گیا تھا، مگر پھر بھی یہ وجہ بیان نہیں فرمائی، البتہ یہ کہا جائے گا کہ خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس مہینے اور اس دن میں اس لئے واقع ہوئی کہ یہ مہینہ اور دن فضیلت کا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس مقدس مہینے کے اس مبارک دن کو اپنے مقبول بندے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اور آپ کے جانثاروں کی شہادت کے واسطے منتخب فرمادیا۔

غرضیکہ ماہِ محرم یا دس محرم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں ہوئی بلکہ خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقائے کار کو اس دن میں شہید ہونے سے شہادت کی فضیلت حاصل ہوئی۔ [1]

---

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ:

''جیسے دسویں محرم کہ اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی لیکن وہ دن شہادت کی وجہ سے افضل نہیں ہوا، بلکہ اس کے ذی فضیلت (فضیلت والا) ہونے کی وجہ سے اس میں آپ کی شہادت واقع ہوئی'' (وعظ الوقت خطباتِ حکیم الامت ج۴ ص ۴۱۷)

دوسرے وعظ میں فرماتے ہیں کہ:

''بعض لوگوں کا یہ خیال ہے بلکہ اکثر عوام کا یہی خیال ہے کہ عاشوراء کے دن کی فضیلت بوجہ شہادتِ امام حسین ہے تو یہ خیال بالکل غلط ہے، عاشورہ کے دن کی فضیلت اس وجہ سے نہیں بلکہ عاشورہ کا دن پیشتر سے شرائع سابقہ میں افضل ہے، جیسے روایات سے معلوم ہوتا ہے، پھر شریعتِ محمدیہ مقدّسہ میں بھی اس کی فضیلت وارد ہے، جب کہ اس شہادت کا وقوع بھی نہ ہوا تھا، سو اس کی فضیلت اس شہادت سے نہیں بلکہ خود یہ شہادت اس یوم میں اس لئے واقع ہوئی کہ یہ فضیلت کا دن تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مقدس دن کو اپنے مقبول بندہ حضرت حسین کی شہادت کے واسطے منتخب فرمایا، غرض اس دن کو حضرت حسین کے قصہ سے کوئی فضیلت نہیں ہوئی، بلکہ خود حضرت حسین کو اس دن میں شہید ہونے سے فضیلت ہوئی (وعظ تحریم المحرم، خطباتِ حکیم الامت ج۹ ص ۲۸ ۷)

(2)......دس محرم کو گرمی کا غلط تصور

کم علمی کی وجہ سے بعض لوگوں کا خیال اور عقیدہ یہ بن گیا ہے کہ دس محرم کے دن دوسرے دنوں کی بنسبت ہمیشہ موسم گرم رہتا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ دس محرم کو کربلا کا واقعہ پیش آیا تھا، اور کربلا کے میدان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سخت دھوپ اور گرمی کی حالت میں واقع ہوئی تھی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس دن کو ساری امت کے حق میں ہمیشہ کے لئے گرم بنا دیا ہے۔

جبکہ یہ بات قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔

پھر اول تو ہمیشہ دس محرم کو گرم موسم نہیں ہوتا بہت سی مرتبہ ٹھنڈا اور سرد بھی ہوتا ہے، اور بہت سی مرتبہ محرم کا مہینہ سردیوں کے موسم میں آتا ہے، اور دس محرم کو بعض اوقات بارشیں بھی ہو جاتی ہیں، لیکن اگر کوئی پہلے سے اپنے عقیدے اور تصور میں کوئی چیز قائم کر لے، تو نفسیاتی طور پر اس کو وہ چیز اسی طرح محسوس ہونے لگتی ہے، جس کی وجہ نفسیاتی کمزوری ہوتی ہے، اور حقیقت میں وہ چیز اس طرح نہیں ہوتی جس طرح کہ اس کے متعلق تصور قائم کیا ہوتا ہے۔

اور اگر بالفرض کسی مرتبہ دس محرم کو دوسرے دنوں کے مقابلہ میں گرم موسم ہو جائے تو اس کی وجہ بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا، جیسا کہ دوسرے دنوں میں بھی موسم کی تبدیلی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے، اسی طرح اس دن میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہو گی۔

لہٰذا محرم کے مہینہ یا دس محرم کے دن کے متعلق اس طرح کا عقیدہ اختیار کرنے سے بچنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ صحیح علم عطا فرمائے، اور کم علمی سے نجات عطا فرمائے۔ آمین۔

(3)......ماہِ محرم کو نحوست یا رنج وغم کا مہینہ قرار دینا

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہو چکا کہ محرم کا مہینہ انتہائی عظمت وفضیلت والا مہینہ ہے۔

لہٰذا اس مہینہ کو رنج وغم کا مہینہ قرار نہیں دینا چاہئے، وہ الگ بات ہے کہ اس مہینہ میں کربلا کا سانحہ پیش آیا تھا، جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور دوسری عظیم ہستیوں کو بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا تھا، مگر اس کی وجہ سے یہ مہینہ ہمیشہ کے لئے اور ہر ایک کے حق میں رنج وغم کا مہینہ قرار نہیں دیا جائے گا۔

بعض لوگ اس مہینہ کو رنج وغم کا مہینہ سمجھنے کی وجہ سے ضرورت پڑنے پر بھی اس مہینے میں خوشی کے کام (مثلاً شادی بیاہ وغیرہ) انجام دینے سے پرہیز کرتے ہیں اور بعض لوگ مختلف قسم کے سوگ بھی کرتے ہیں (مثلاً عورتوں کا زیب وزینت اور بناؤ سنگھار چھوڑ دینا، میاں بیوی کے خصوصی تعلقات سے رُکے رہنا وغیرہ وغیرہ)

اس سلسلہ میں پہلے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ خیال درست نہیں کہ یہ مہینہ رنج وغم کا مہینہ ہے، کیونکہ یہ مہینہ تو بہت محترم اور فضیلت بلکہ عبادت والا مہینہ ہے اور دس محرم کے دن اور تاریخ میں اسلام کے بہت سے عظیم اور خوشگوار واقعات رونما ہوئے ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ غمی کا واقعہ پیش آنے سے وہ مہینہ یا دن غم کے لئے مخصوص نہیں ہو جاتا کہ اس میں ہمیشہ غم کیا جاتا رہے۔

بعض لوگ اس مہینہ کو نحوست کا مہینہ سمجھتے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں لوگ بعض دنوں بعض تاریخوں اور بعض جانوروں یا انسانوں میں نحوست سمجھتے تھے، خاص کر عورت، گھوڑے اور مکان میں نحوست کا زیادہ اعتقاد رکھتے تھے اور آج کل بعض لوگ مخصوص مہینوں (مثلاً محرم، صفر وغیرہ) اور دنوں، تاریخوں اور جگہوں میں نحوست سمجھتے ہیں، خاص طور پر جس تاریخ یا جس جگہ میں کوئی حادثہ، ہلاکت یا کوئی نقصان اور غمی کا واقعہ پیش آجائے اس کو منحوس سمجھتے ہیں، اور واقعۂ کربلا کے محرم کے مہینہ میں پیش آجانے کی وجہ سے اسی بنیاد پر محرم کے مہینہ کو بعض لوگ منحوس خیال کرتے ہیں، یہاں تک کہ جو بچہ محرم کے مہینہ میں پیدا ہو جائے، بعض لوگ اس کو بھی منحوس سمجھتے ہیں۔

جبکہ اسلام کے اصولوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ثابت ہے کہ کوئی زمانہ یا دن وتاریخ اپنی ذات میں منحوس نہیں ہے، اور نہ ہی غمی کا واقعہ پیش آنے سے زمانہ منحوس بن جاتا ہے، زمانہ تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اس کی طرف نحوست یا برائی کو منسوب کرنے کی احادیث میں ممانعت آئی ہے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ یُؤْذِیْنِیْ اِبْنُ آدَمَ یَسُبُّ الدَّھْرَ وَأَنَا الدَّھْرُ بِیَدِی الْأَمْرُ أُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ (بخاری)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ بنی آدم مجھے ایذاء دیتا ہے (یعنی میری شان کے خلاف بات کہتا ہے اور وہ اس طرح) کہ وہ زمانہ کو برا کہتا ہے، حالانکہ زمانہ میں ہوں (یعنی زمانہ میرے تابع اور ماتحت ہے) میرے قبضۂ قدرت میں تمام حالات اور زمانے ہیں، میں ہی رات ودن کو پلٹتا (اور کم زیادہ کرتا) ہوں (بخاری)

زمانہ بذاتِ خود کوئی چیز نہیں، وہ تو اللہ کے حکم سے وجود میں آیا ہے اور اسی کے حکم سے چلتا ہے، نحوست اگر ہے تو انسان کی بداعمالیوں میں یا پھر اپنے فاسد خیالات کی بنیاد پر ہے۔

اوّل تو محرم کا مہینہ خود فضیلت والا مہینہ ہے اور اس میں کوئی نحوست نہیں ہے۔

دوسرے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے اس مہینہ کو غمی یا نحوست کا مہینہ سمجھنے سے یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ شہادت کوئی بری یا منحوس چیز ہے۔

جبکہ شرعی اعتبار سے شہادت ایک عظیم سعادت والا عمل ہے جو ہر کس وناکس کو بآسانی میسر نہیں آتا، اور شہادت ایسی عظیم سعادت اور دولت ہے جس کی تمنا خود اپنے لئے محمد مصطفےٰ صلی

---

[1] رقم الحدیث ۴۸۲۶، کتاب تفسیر القرآن، باب وما یھلکنا إلا الدھر، مسلم رقم الحدیث ۲۲۴۶"۲"۔

اللہ علیہ وسلم نے بھی کی ہے، اور شہید کے لئے بڑے اجر وانعام، اعزاز واکرام اور بے شمار نعمتوں کی خوشخبری سنائی ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ، بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (سورۃ البقرہ رقم الآیۃ ۱۵۴)

ترجمہ: اور نہ کہو تم ان لوگوں کو جو قتل کر دیئے جائیں اللہ کے راستہ میں، مُردہ، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم شعور نہیں رکھتے (سورہ بقرہ)

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا، بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ . فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (سورۃ آلِ عمران ، رقم الآیۃ ۱۶۹، ۱۷۰)

ترجمہ: اور نہ گمان کرو تم ان لوگوں کو جو قتل کر دیئے جائیں اللہ کے راستہ میں، مردہ، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس ان کو رزق دیا جاتا ہے، وہ خوش ہیں ان نعمتوں سے، جو اللہ نے ان کو عطا فرمائی ہیں، اپنے فضل سے (سورہ آلِ عمران)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کی کئی فضیلتیں ذکر فرمائی ہیں۔

ایک یہ کہ شہیدوں کو شہادت کے بعد برزخ میں ہمیشہ کی امتیازی زندگی عطا ہوتی ہے، لہٰذا تم ان کو عام مُردوں کی طرح کا مُردہ نہ خیال کرو، دوسری فضیلت یہ ذکر فرمائی کہ شہید اپنے رب کے مقرب ہیں، ان کو خصوصی قرب حاصل ہوتا ہے، تیسری فضیلت یہ ذکر فرمائی کہ شہیدوں کو رزق عطا ہوتا ہے، اس رزق سے مراد رزقِ حقیقی، جنت کے پھل ثمرات وغیرہ ہیں، چوتھی فضیلت یہ ذکر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا جو فضل اور انعام ان کو عطا ہوتا ہے اس پر وہ خوش ہوتے ہیں، یہ روحانی رزق ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ کے پاس شہداء کو جسمانی وروحانی دونوں قسم کے رزق ملتے ہیں۔

یادرہے شہید کو شہادت کے بعد جو زندگی عطا ہوتی ہے یہ صرف روح کی زندگی نہیں ہوتی، بلکہ روح کا تعلق جسم کے ساتھ بھی خاص درجہ کا دوسروں سے قوی اور امتیازی نوعیت کا قائم ہوتا ہے، ورنہ تو ان کو مُردہ کہنے کی ممانعت کا کوئی مطلب نہیں، کیونکہ روح تو تمام مُردوں ہی کی عالمِ برزخ میں زندہ ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْمُتُّمْ لَمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَحْمَۃٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ (سورۃ آلِ عمران، رقم الآیۃ ۱۵۷)

ترجمہ: اور اگر تم کو قتل کر دیا گیا اللہ کے راستے میں یا تم مر گئے، تو اللہ کی طرف سے مغفرت اور رحمت حاصل ہوگی، جو اس سے بہتر ہے جس کو (اس دنیا میں) لوگ جمع کرتے ہیں (سورہ آلِ عمران)

اس آیت میں شہیدوں کو مغفرت اور رحمت حاصل ہونے کی خوشخبری ہے اور اس کا ثبوت ہے کہ دنیا کی مال ودولت اور دوسری چیزوں سے بہتر نعمتیں ان کو حاصل ہوتی ہیں۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ قُتِلُوْا اَوْمَاتُوْا لَیَرْزُقَنَّھُمُ اللّٰہُ رِزْقًا حَسَنًا، وَاِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ. لَیُدْخِلَنَّھُمْ مُّدْخَلًا یَّرْضَوْنَہٗ

(سورۃ الحج رقم الآیۃ۵۸، ۵۹)

ترجمہ: اور جنہوں نے ہجرت کی اللہ کے راستے میں پھر ان کو قتل کر دیا گیا یا وہ مر گئے، تو ضرور رزق دے گا ان کو اللہ بہترین رزق، اور بے شک اللہ ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے، اور ان کو اللہ ایسی جگہ داخل کرے گا، جس سے وہ راضی ہو جائیں گے (سورہ حج)

اس آیت میں شہید سے دو چیزوں کا وعدہ ہوا ہے، ایک بہترین رزق کا، دوسرا اپنی پسند کی جگہ یعنی جنت میں داخلہ کا یہ دونوں بہت بڑے اعزاز ہیں۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ (سورة النساء، رقم الآية ٦٩)

ترجمہ: اور جو اطاعت کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی، تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے، جن پر اللہ نے انعام فرمایا، یعنی نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین (سورہ نساء)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کی یہ فضیلت ذکر فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ لوگوں میں سے ہیں، اور یہ کہ انبیاء وصدیقین کے بعد سب سے بڑھ کر شہیدوں کا مقام ومرتبہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

لَوَدِدْتُ أَنِّيْ أَغْزُوْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَأُقْتَلُ ثُمَّ أَغْزُوْ فَأُقْتَلُ ثُمَّ أَغْزُوْ فَأُقْتَلُ (مسلم) [1]

ترجمہ: میں پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں پھر شہید کیا جاؤں (پھر زندہ کیا جاؤں، اور) پھر جہاد کروں، پھر شہید کیا جاؤں (پھر زندہ کیا جاؤں، اور) پھر جہاد کروں، پھر شہید کیا جاؤں (مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَا أَحَدٌ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَّرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا الشَّهِيْدُ يَتَمَنّٰى أَنْ يَّرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ

[1] رقم الحديث ١٨٧٦ ''١٠٣'' كتاب الامارة، باب فضل الجهاد والخروج فى سبيل الله، بخارى رقم الحديث ٢٧٩٧، كتاب الجهاد والسير، باب تمنى الشهادة.

لِمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ(بخاری) [1]

ترجمہ: کوئی شخص جنت میں داخل ہونے کے بعد یہ تمنا نہیں کرے گا کہ اسے دنیا میں لوٹایا جائے، اس حال میں کہ زمین پر موجود تمام اشیاء اس کی ہوں، سوائے شہید کے کہ وہ یہ تمنا کرے گا کہ وہ دنیا میں لوٹے اور دس مرتبہ شہید کیا جائے، یہ تمنا وہ (شہید) اپنی تعظیم (اور مقام) دیکھنے کی وجہ سے کرے گا (بخاری)

اس کے علاوہ شہید کے بارے میں اور فضائل بھی احادیث میں آئے ہیں، جبکہ وہ شہادت شرعی اصولوں کے مطابق ہو۔ [2]

مگر یہ بات یادرکھنا ضروری ہے کہ شہادت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص میدانِ جہاد میں جاکر اخلاصِ نیت کے ساتھ شریک ہو، اور وہاں دشمنوں کے ہاتھوں

---

[1] رقم الحديث ٢٨١٧، كتاب الجهاد والسير، باب تمنى المجاهد أن يرجع إلى الدنيا، مسلم رقم الحديث ١٨٧٧ "١٠٩"

[2] مثلاً شہید کے قرض کے علاوہ تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، اور شہید کو صبح وشام جنت کا اعلیٰ رزق دیا جاتا ہے۔ اور شہید کے پہلے قطرے کے ساتھ بخشش کردی جاتی ہے، جنت میں اس کا مقام دکھا دیا جاتا ہے، اور اس کو عذابِ قبر اور قیامت کے دن کی بڑی گھبراہٹ سے محفوظ کردیا جاتا ہے، اور اس کو ایمان کا جوڑا پہنا کر مزین کیا جاتا ہے، اور اس کی حورِ عین سے شادی کردی جاتی ہے، اور اس کے اقارب میں سے ستر انسانوں کے حق میں شفاعت کا حق دیا جاتا ہے، وغیرہ۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين(مسلم، رقم الحديث ١٨٨٦ "١١٩")

عن المقدام بن معدى كرب، عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال" :للشهيد عند الله ست خصال :يغفر له فى أول دفعة من دمه، ويرى مقعده من الجنة، ويجار من عذاب القبر، ويأمن من الفزع الأكبر، ويحلى حلة الإيمان، ويزوج من الحور العين، ويشفع فى سبعين إنسانا من أقاربه(سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ٢٧٩٩)

قال شعيب الارنؤوط:حديث حسن(حاشية ابنِ ماجه)

سمعت أبا الدرداء يقول :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-يشفع الشهيد فى سبعين من أهل بيته"(ابوداوٗد، رقم الحديث ٢٥٢٢)

قال شعيب الارنؤوط:صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن(حاشية ابى داوٗد)

عن ابن عباس، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :الشهداء على بارق -نهر بباب الجنة -فى قبة خضراء، يخرج عليهم رزقهم من الجنة بكرة وعشيا (مسند احمد، رقم الحديث ٢٣٩٠)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده حسن(حاشية مسند احمد)

سے قتل کیا جائے، بلکہ اگر کوئی مسلمان اپنے مقام پر رہتے ہوئے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شہادت کا ثواب حاصل کرنے کی دعا کرے، تو وہ بھی شہادت کے ثواب کو پالیتا ہے۔

چنانچہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ (مسلم) [1]

ترجمہ: جس نے سچے دل کے ساتھ اللہ سے شہادت مانگی، اللہ اسے شہیدوں کے مقام تک پہنچادے گا، اگرچہ وہ اپنے بستر پر فوت ہو (مسلم)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات بندہ کی اخلاص کے ساتھ دعاء کرنے کی برکت سے اس کو اپنے گھر میں رہتے ہوئے شہادت کا مقام عطا فرمادیتا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۱۹۰۸ "۱۵۶" کتاب الامارۃ، باب استحباب طلب الشہادۃ فی سبیل اللہ تعالی، ابوداؤد رقم الحدیث ۱۵۲۲ ترمذی رقم الحدیث ۱۵۷۷، نسائی رقم الحدیث ۳۱۶۲.

[2] (وعن سهل بن حنيف رضى الله عنه) : بضم حاء مهملة وفتح نون وسكون تحتية ففاء وتقدم ذكره قال: قال رسول الله – صلى الله عليه وسلم –: من سأل الله الشهادة بصدق) : أى بإخلاص (بلغه) : بتشديد اللام ;أى أوصله (الله منازل الشهداء وإن مات على فراشه) : بكسر أوله ;أى: ولو مات غير شهيد فهو فى حكم الشهداء وله ثوابهم (مرقاة المفاتيح، ج۶ ص ۲۴۶۶، كتاب الجهاد)

(من سأل الله الشهادة بصدق) قيد السؤال بالصدق لأنه معيار الأعمال ومفتاح بركاتها وبه ترجى ثمراتها (بلغه الله منازل الشهداء) مجازاة له على صدق الطلب وفى قوله منازل الشهداء بصيغة الجمع مبالغة ظاهرة (وإن مات على فراشه) لأن كلا منهما نوى خيرا وفعل ما يقدر عليه فاستويا فى أصل الأجر ولا يلزم من استوائهما فيه من هذه الجهة استواؤهما فى كيفيته وتفاصيله إذ الأجر على العمل ونيته يزيد على مجرد النية فمن نوى الحج ولا مال له يحج به يثاب دون ثواب من باشر أعماله ولا ريب أن الحاصل للمقتول من ثواب الشهادة تزيد كيفيته وصفاته على الحاصل للناوى الميت على فراشه وإن بلغ منزلة الشهيد فهما وإن استويا فى الأجر لكن الأعمال التى قام بها العامل تقتضى أثرا زائدا وقربا خاصا وهو فضل الله يؤتيه من يشاء فعلم من التقرير أنه لا حاجة لتأويل البعض وتكلفه بتقدير من بعد قوله بلغه الله فأعط ألفاظ الرسول صلى الله عليه وسلم حقها وأنزلها منازلها يتبين لك المراد وفيه ندب سؤال الشهادة بنية صادقة(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۸۷۲۷)

غرضیکہ شہید کے بارے میں بے شمار فضائل آئے ہیں اور جب ماہِ محرم الحرام عبادت اور عظمت والا مہینہ ہے تو اس مہینہ میں شہادت کی عظمت اس مہینے کی وجہ سے اور بھی زیادہ ہوجاتی ہے، لہٰذا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے اس مہینہ کو نحوست یا غم کا مہینہ سمجھنا درست نہیں۔

اگر کوئی شبہ کرے کہ یہ فضائل تو شہید کے لئے ہیں، لیکن ہمارے اعتبار سے اس طرح کی شہادت رنج وغم کا باعث ہے، لہٰذا ہمیں اس مہینہ کو رنج وغم یا یا نحوست کا مہینہ سمجھنا چاہئے، تو یہ بات دلائل کی رُو سے درست نہیں ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت یا کربلاء کا واقعہ پیش آنے کی وجہ سے یہ مہینہ نحوست یا رنج وغم کا مہینہ نہیں بنا، بلکہ یہ مہینہ عظمت وفضیلت والا مہینہ ہے، اور اس کا دسواں دن زیادہ عظمت وفضیلت والا ہے، اور اسی دسویں دن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی ہوئی، جس کی وجہ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی زیادہ عظمت وفضیلت والی بن گئی، جو کہ ان کے لئے اعزاز کی بات ہے۔

مگر آج کل بعض لوگ محرم کے ابتدائی دس دنوں کو بڑا مغموم یا منحوس سمجھتے ہیں، اور اس میں کوئی خوشی نہیں مناتے اور دس تاریخ گزرتے ہی خوشیاں شروع کر دیتے ہیں، حالانکہ اولاً تو یہ طرزِ عمل ہی درست نہیں، دوسرے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تاریخ سے پہلے اور ان کے زندہ وحیات ہونے کے وقت غمگین رہنا اور شہادت کی تاریخ گزرتے ہی خوشیاں شروع کر دینا غیر معقول تقسیم اور خلافِ عقل طریقہ ہے۔

(4)......سوگ کا شرعی حکم

جس عورت کا شوہر فوت ہوجائے، اس کو عدت کے زمانہ میں سوگ کرنے کا حکم ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجاً يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (سورۃ البقرہ رقم الآیۃ ۲۳۴)

ترجمہ: اور جولوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے، اور چھوڑ جاتے ہیں وہ بیویاں، وہ (بیویاں) روکے رکھیں اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ سے) چار مہینے اور دس دن تک (سورہ بقرہ)

اگر شوہر کے فوت ہونے کے وقت اس کی بیوی حاملہ ہو تو اس عورت کی عدت بچہ کی ولادت پر ختم ہوتی ہے، خواہ ولادت چار مہینے دس دن سے پہلے ہو جائے یا اس کے بعد ہو۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (سورۃ الطلاق رقم الآیۃ ۴)

ترجمہ: اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے (سورہ طلاق)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

لَمَّا جَاءَ نَعْيُ اَبِيْ سُفْيَانَ مِنَ الشَّامِ دَعَتْ أُمُّ حَبِيْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا بِصُفْرَةٍ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ فَمَسَحَتْ عَارِضَيْهَا وَذِرَاعَيْهَا وَقَالَتْ اِنِّيْ كُنْتُ عَنْ هٰذَا لَغَنِيَّةً لَوْلَا اَنِّيْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ فَإِنَّهَا تُحِدُّ عَلَيْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (بخاری) [1]

ترجمہ: جب حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو (ان کے والد) حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر پہنچی تو انہوں نے تیسرے دن خوشبو منگائی جو زرد رنگ کی تھی اور اپنے بازوؤں اور رخساروں پر ملی اور فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی

---

[1] رقم الحدیث ۱۲۸۰، کتاب الجنائز، باب إحداد المرأة على غير زوجها، مسلم رقم الحدیث ۱۴۸۶ "۶۲"، سنن النسائی رقم الحدیث ۳۵۲۷.

(لیکن اس ڈر سے کہ کہیں میں تین دن سے زیادہ سوگ کرنے والوں میں شمار نہ ہوجاؤں، میں نے خوشبو لگالی) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "ایسی عورت کے لئے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو، یہ حلال نہیں ہے کہ (کسی کے فوت ہونے پر) تین دن تین رات سے زیادہ سوگ کرے، سوائے شوہر کے کہ اس (کی موت ہوجانے) پر چار مہینہ دس دن سوگ کرے (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلٰى زَوْجِهَا (مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو، تو اس کے لئے یہ بات حلال نہیں کہ وہ کسی بھی فوت شدہ شخص پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، مگر اپنے شوہر کے فوت ہونے پر (مسلم)

حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كُنَّا نُنْهٰى أَنْ نُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، وَلَا نَكْتَحِلُ، وَلَا نَتَطَيَّبُ، وَلَا نَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا (مسلم) [2]

ترجمہ: ہمیں (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) منع کردیا گیا ہے کہ ہم کسی بھی فوت شدہ پر تین دن سے زیادہ سوگ کریں، مگر شوہر کے فوت ہونے پر چار مہینے

---

[1] رقم الحدیث ١٤٩١ "٦٥" کتاب الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفی عنها زوجها، وغيرها بوضع الحمل.

[2] رقم الحدیث ٩٣٨ "٦٧" کتاب الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفی عنها زوجها، وغيرها بوضع الحمل.

اور دس دن تک (اس کی بیوی سوگ کرے گی) اور سوگ کے دوران ہم نہ تو سرمہ لگائیں، اور نہ خوشبو لگائیں، اور نہ رنگا ہوا کپڑا پہنیں (مسلم)

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ اَلْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَا تَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ مِنَ الثِّيَابِ وَلَا الْمُمَشَّقَةَ وَلَا الْحُلِيَّ وَلَا تَخْتَضِبُ وَلَا تَكْتَحِلُ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس عورت کا شوہر وفات پا گیا وہ عدت گزرنے تک عصفر سے رنگا ہوا اور خوشبو والی مٹی سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے اور خضاب بھی نہ لگائے اور سرمہ بھی نہ لگائے (ابوداؤد)

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

جَاءَ تْ اِمْرَأَةٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّ ابْنَتِيْ تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا، وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنُهَا، أَفَنَكْحُلُهَا؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا- مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، كُلَّ ذٰلِكَ يَقُوْلُ: لَا - ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا هِيَ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ (مسلم) [2]

ترجمہ: ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک میری بیٹی کا شوہر وفات پا گیا ہے، اور اس کی آنکھ میں کچھ تکلیف ہے، تو کیا میں اس کو سرمہ لگا دوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] رقم الحديث ٢٣٠٤، كتاب الطلاق، باب فيما تجتنبه المعتدة فى عدتها.
قال شعيب الارنؤوط:
اسناده صحيح(حاشية سنن ابى داوٗد)

[2] رقم الحديث ١٤٨٨، كتاب الطلاق،باب انقضاء عدة المتوفى عنها زوجها، وغيرها بوضع الحمل.

وسلم نے فرمایا کہ نہیں، اس عورت نے دو یا تین مرتبہ یہی سوال کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرتبہ منع فرمایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس یہ (سوگ کی) پابندی چار مہینے دس دن تک ہے (مسلم)

حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

لَمَّا أُصِيبَ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ أَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: تَسَلَّبِي ثَلَاثًا، ثُمَّ اصْنَعِي مَا شِئْتِ (موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، رقم الحديث ٧٤٥، كتاب الجنائز، باب ما جاء في البكاء على الميت) [1]

ترجمہ: جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا، تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ تم (اگر چاہو، تو) تین دن تک سادہ حلیہ میں رہو، پھر اس کے بعد آپ جو چاہو کرو (موارد الظمآن)

---

[1] قال حسين سليم اسد الداراني:

إسناده حسن من أجل محمد بن طلحة بن مصرف، والحديث في الإحسان ٥/٦٠ برقم (٣١٣٨) وانظر ما قاله ابن حبان في تعليقه على هذا الحديث.

وأخرجه عبد الله بن أحمد في زوائده على المسند ٦/٤٣٨ من طريق محمد بن بكار بهذا الإسناد.

وأخرجه أحمد ٦/٣٦٩، ٤٣٨ من طريق يزيد بن هارون.

وأخرجه أحمد أيضاً ٦/٤٣٨ من طريق أبي كامل، وعفان. وأخرجه الطبراني في الكبير ٢٤/١٣٩ برقم ٣٦٩ من طريق حجاج بن المنهال، وعاصم بن علي، وأحمد بن يونس.

وأخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار ٣/٧٥ "من طريق حبان بن هلال، وأحمد بن يونس، وجبارة بن المغلس، وأسد.

وأخرجه البيهقي في العدد ٧/٤٣٨ باب :الإحداد، من طريق مالك بن اسماعيل، جميعهم حدثنا محمد بن طلحة بن مصرف، بهذا الإسناد.

وذكره الهيثمي في "مجمع الزوائد ٣/١٦-١٧ "باب :ما جاء في البكاء وقال" :رواه كله أحمد، وروى الطبراني بعضه في الكبير، ورجال أحمد رجال الصحيح."

وانظر الأحاديث (٤٤٢٤، ٥٣٥، ٧٥٣، ٧٠٥٣، ٧١٥٦) في مسند أبي يعلى الموصلي. وسنن البيهقي ٧/٤٣٨ ورد ابن التركماني على دعواه، فقد كفانا مؤنة الرد (حاشية موارد الظمآن)

سوگ کو عربی زبان میں ''احداد'' کہا جاتا ہے، جس کے معنیٰ ہیں ''عورت کا زیب وزینت وغیرہ کو چھوڑ دینا''۔

عدت کے زمانہ میں بھی عورت کو زیب وزینت کے چھوڑنے کا حکم ہے۔ [1]

قرآن مجید کی مذکورہ آیات اور احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ شرعی اعتبار سے سوگ کرنا صرف چند صورتوں میں عورتوں کے حق میں ثابت ہے اور وہ یہ ہیں۔

(1)......جس عورت کا شوہر فوت ہوگیا ہو، اس پر عدت کے زمانہ میں سوگ کرنا واجب ہے، عدت کے بعد واجب نہیں بلکہ جائز بھی نہیں۔ [2]

(2)......جس عورت کو اس کے شوہر نے طلاقِ بائن (ایسی طلاق جس میں نکاح ختم ہوجاتا ہے) دے دی ہو، اس پر عدت کے زمانہ میں سوگ کرنا واجب ہے۔ عدت ختم ہونے کے بعد واجب نہیں بلکہ جائز بھی نہیں۔ [3]

---

[1] إحداد: التعريف: من معاني الإحداد في اللغة: المنع، ومنه امتناع المرأة عن الزينة وما في معناها إظهارا للحزن. وهو في الاصطلاح: امتناع المرأة من الزينة وما في معناها مدة مخصوصة في أحوال مخصوصة، وكذلك من الإحداد امتناعها من البيتوتة في غير منزلها.

لألفاظ ذات الصلة: الاعتداد:

وهو تربص المرأة مدة محددة شرعا لفراق زوجها بوفاة أو طلاق أو فسخ.

والعلاقة بين الاعتداد والإحداد أن الاعتداد طرف للإحداد، ففي العدة تترك المرأة زينتها لموت زوجها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢، ص ١٠٤، مادة " إحداد")

[2] صفته (حكمه التكليفي):

أجمع العلماء على وجوب الإحداد في عدة الوفاة من نكاح صحيح ولو من غير دخول بالزوجة.

والدليل على ذلك قوله صلى الله عليه وسلم: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد على ميت فوق ثلاث ليال إلا على زوج، أربعة أشهر وعشرا.

كما أجمعوا على أنه لا إحداد على الرجل. وقد أجمعوا أيضا على أنه لا إحداد على المطلقة رجعيا، بل يطلب منها أن تتعرض لمطلقها وتتزين له لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا. على أن للشافعي رأيا بأنه يستحب للمطلقة رجعيا الإحداد إذا لم ترج الرجعة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢، ص ١٠٤، مادة " إحداد")

[3] جس عورت نے مرد سے شرعی خلع حاصل کیا ہو یا جس عورت کا نکاح شرعی اصولوں کے مطابق کسی مسلمان حاکم نے فسخ کیا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(3)......شوہر کے علاوہ کسی قریبی رشتہ دار (باپ بیٹے وغیرہ) کے فوت ہونے پر صرف تین دن تک عورت کو سوگ کرنے کی اجازت ہے، واجب اور ضروری نہیں تین دن کے بعد یہ اجازت بھی نہیں۔ [1]

اس کے علاوہ اہلُ السنۃ والجماعۃ کے فقہائے کرام کے نزدیک دوسرے کسی موقعہ پر عورت کو سوگ کرنے کی اجازت نہیں اور مرد کو تو سوگ کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں اور شرعی سوگ کا طریقہ یہ ہے کہ عورت اتنے عرصہ میں ایسے کپڑے نہ پہنے اور ایسا رنگ ڈھنگ اختیار نہ کرے، جس سے مَرد حضرات کو کشش اور میلان ہوتا ہو، خوشبو، سرمہ، مہندی اور دوسری زیب وزینت اور بناؤ سنگھار کی چیزیں چھوڑ دے، اس کے علاوہ اپنی طرف سے سوگ کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما المعتدة من طلاق بائن بينونة صغرى أو كبرى فقد اختلف العلماء فيه على اتجاهين:
الأول :ذهب الحنفية والشافعي في قديمه، وهو إحدى الروايتين في مذهب أحمد، أن عليها الإحداد، لفوات نعمة النكاح .فهي تشبه من وجه من توفي عنها زوجها.
الثاني :ذهب المالكية والشافعي في جديده وهو إحدى الروايتين عن الإمام أحمد (وقيل في بعض الكتب إنها المذهب) إلا أنه لا إحداد عليها؛ لأن الزوج هو الذي فارقها نابذا لها، فلا يستحق أن تحد عليه .وإلى هذا ذهب جماعة من التابعين، منهم سعيد بن المسيب، وأبو ثور، وعطاء ، وربيعة، ومالك، وابن المنذر إلا أن الشافعي يرى في جديده أنه يستحب لها أن تحد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص ١٠٤ ،مادة " إحداد")

وأما المنكوحة نكاحا فاسدا إذا مات عنها زوجها فالجمهور على أنه لا إحداد عليها؛ لأنها ليست زوجة على الحقيقة، وأن بقاء الزواج الفاسد نقمة، وزواله نعمة، فلا محل للإحداد.
وذهب القاضي أبو يعلى من الحنابلة إلى وجوب الإحداد عليها تبعا لوجوب العدة، وذهب القاضي الباجي المالكي إلى أنه إذا ثبت بينها وبين زوجها المتوفى شيء من أحكام النكاح، كالتوارث وغيره، فإنها تعتد عدة الوفاة، ويلزمها الإحداد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص ١٠٤ و ١٠٥ ، مادة " إحداد")

[1] أما إحداد المرأة على قريب غير زوج فإنه جائز لمدة ثلاثة أيام فقط، ويحرم الزيادة عليها . والدليل على ذلك ما روته زينب بنت أبي سلمة، قالت :لما أتى أم حبيبة نعي أبي سفيان دعت في اليوم الثالث بصفرة، فمسحت به ذراعيها وعارضيها، وقالت :كنت عن هذا غنية، سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول :لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد فوق ثلاث إلا على زوج فإنها تحد عليه أربعة أشهر وعشرا .أخرجه البخاري ومسلم، واللفظ له .
وللزوج منعها من الإحداد على القريب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص ١٠٥ ،مادة " إحداد")

دوسرے غیر ثابت طریقے اختیار کرنا جائز نہیں۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو کسی کے بھی فوت ہونے پر تین دن کے بعد اور عدت میں ہو، تو عدت گزرنے کے بعد سوگ کرنے کو حلال قرار نہیں دیا، تو اس حکم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی داخل ہیں کہ ان کی وفات کے بعد بھی برس ہا برس گزرنے کے بعد سوگ کرنا حلال نہیں ہوگا۔

پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ اگرچہ انتہائی المناک ہے، مگر اس واقعہ کی وجہ سے اس مہینہ میں سوگ کرنا درست نہیں، کیونکہ اگر کسی مہینہ میں کوئی ظالمانہ واقعہ رونما ہونے کی وجہ سے سوگ کا حکم ہوگا، تو پھر شاید کوئی مہینہ ایسا نہ بچے، جس میں سوگ کی ضرورت نہ ہو، کیونکہ سینکڑوں تو انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام ہیں جن کی پیدائش سے لے کر شہادت اور وفات تک دنیا میں پیش آنے والی مصائب وتکالیف کی ایک لمبی فہرست ہے، قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ میں سینکڑوں واقعات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے مصائب وتکالیف سے متعلق موجود ہیں۔

نوح علیہ السلام کا قصہ ہو یا ابراہیم علیہ السلام کا، یعقوب علیہ السلام کا ہو یا موسیٰ علیہ السلام کا، یونس علیہ السلام کا ہو یا لوط علیہ السلام کا، ہر ایک واقعہ میں تکلیفوں کے مناظر نظر آئیں گے۔

انبیاء کے بعد خاتم الانبیاء محمد "صلی اللہ علیہ وسلم" کی حیاتِ طیبہ کو دیکھا جائے تو آپ کی زندگی کا کوئی دن نہیں ہر گھنٹہ اور ہر ساعت ولمحہ دین کی خاطر تکلیفوں، امت کے درد وغم اور آخرت کی فکر میں مصروف نظر آئے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہزاروں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وہ ہیں، جن میں سے ہر ایک درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شاگرد اور عملی نمونہ ہے۔

اور یہ سلسلہ چل نکلے تو پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد امت کے اکابر، اولیاء اللہ، علماء ومشائخ رحمہم اللہ پر نظر ڈالی جائے جن کی تعداد کروڑوں میں ہوگی۔

ان حضرات کو دین کی خاطر پیش آنے والے مصائب، تکالیف اور مشقتوں کا ایک طویل باب ہے جن کو سن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو سب سے زیادہ آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے، پھر ان لوگوں کو جو انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے زیادہ قریب ہیں، اور یہ آزمائش ان کے لئے باعثِ رحمت ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً؟ قَالَ: اَلْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ، فَيُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ، فَإِنْ كَانَ دِيْنُهٗ صُلْبًا اِشْتَدَّ بَلَاؤُهٗ، وَإِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ، فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتّٰى يَتْرُكَهٗ يَمْشِيْ عَلَى الْأَرْضِ مَا عَلَيْهِ خَطِيْئَةٌ (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۲۳۹۸، ابواب الزھد، باب ما جاء فی الصبر علی البلاء) [1]

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کون لوگ زیادہ آزمائش میں مبتلا کئے جاتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیائے کرام، پھر ان کے مثل اور پھر ان کے مثل، پس انسان اپنے دین کے مطابق آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے، اگر اس کا دین زیادہ مضبوط ہوتا ہے، تو اس کی آزمائش بھی زیادہ شدید ہوتی ہے اور اگر اس کے دین میں کمزوری ہوتی ہے، تو وہ اپنے دین کے مطابق آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے، پھر بندہ کی آزمائش مسلسل جاری رہتی ہے، یہاں تک کہ اسے زمین پر اس طرح چلتا ہوا چھوڑ دیا جاتا ہے، کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا (ترمذی)

---

[1] قال الترمذی:
ھذا حدیث حسن صحیح وفی الباب عن أبی ھریرۃ، وأخت حذیفۃ بن الیمان أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سئل أی الناس أشد بلاء ؟ قال :الأنبیاء ، ثم الأمثل فالأمثل.

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ أُخِفْتُ فِی اللّٰہِ وَمَا یُخَافُ أَحَدٌ، وَلَقَدْ أُوذِیْتُ فِی اللّٰہِ وَمَا یُؤْذَی أَحَدٌ، وَلَقَدْ أَتَتْ عَلَیَّ ثَلَاثُوْنَ مِنْ بَیْنِ یَوْمٍ وَلَیْلَۃٍ وَمَا لِیْ وَلِبَلَالٍ طَعَامٌ یَأْکُلُہٗ ذُوْ کَبِدٍ إِلَّا شَیْءٌ یُوَارِیْہِ إِبْطُ بِلَالٍ (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۲۴۷۲، باب من أبواب صفة القیامة والرقائق والورع، مسند احمد، رقم الحدیث ۱۴۰۵۵) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کے معاملہ میں اتنا ڈرایا گیا ہوں، جتنا اور کوئی نہیں ڈرایا گیا، اور مجھے اللہ کے معاملہ میں اتنی ایذاء پہنچائی گئی، جتنی ایذاء کسی کو نہیں پہنچائی گئی، اور میرے اوپر تیس دن اور راتیں ایسی گزری

---

[1] عن أبی عبیدة بن حذیفة، عن عمته فاطمة أنها قالت: أتینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعودہ فی نساء، فإذا سقاء معلق نحوہ یقطر ماؤہ علیه من شدة ما یجد من حر الحمی، قلنا: یا رسول اللہ، لو دعوت اللہ فشفاک، فقال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ": إن من أشد الناس بلاء الأنبیاء، ثم الذین یلونهم، ثم الذین یلونهم، ثم الذین یلونهم (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۷۰۷۹)

قال شعیب الارنؤوط:

حدیث صحیح لغیرہ، وهذا إسناد حسن (حاشیة مسند احمد)

[2] قال الترمذی:

هذا حدیث حسن صحیح، ومعنی هذا الحدیث: حین خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم هاربا من مکة ومعه بلال إنما کان مع بلال من الطعام ما یحمله تحت إبطه.

وقال شعیب الارنؤوط:

إسنادہ صحیح علی شرط مسلم (حاشیة مسند احمد)

قال فی اللمعات قوله ومعه بلال أفاد أن هذا الخروج غیر الهجرة إلی المدینة لأنه لم یکن معه بلال فیها فلعل المراد خروجه صلی اللہ علیہ وسلم هاربا من مکة فی ابتداء أمرہ إلی الطائف إلی عبد کلال بضم الکاف مخففا رئیس أهل الطائف لیحمیه من کفار مکة حتی یؤدی رسالة ربه فسلط علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم صبیانه فرموہ بالحجارة حتی أدموا کعبیه صلی اللہ علیہ وسلم وکان معه زید بن حارثه لا بلال انتهی (تحفة الاحوذی، ج۷ص۱۴۴، باب من ابواب صفة القیامة)

ہیں کہ میرے اور بلال کے پاس اتنا کھانا بھی نہیں تھا، جسے کوئی جگر والا (ذی حیات) کھائے، مگر صرف اتنی چیز جسے بلال کی بغل چھپالیتی (ترمذی)

اور اگر آزمائش، تکالیف اور مصائب کی بنیاد پر سبھی کے دن منائے جائیں، تو سال بھر میں ایک دن بھی سوگ منانے سے خالی نہیں رہے گا، بلکہ ہر دن کے ہر گھنٹہ میں سوگ منانے کی ضرورت ہوگی؟ اس لئے اصل چیز یہی ہے کہ ان سے عبرت اور سبق حاصل کر کے اپنی آخرت کی تیاری کی جائے۔

اور ان بزرگ حضرات کے نقشِ قدم پر چل کر اللہ کو راضی کیا جائے۔

(5)......سیاہ لباس کا شرعی حکم

عام حالات میں فی نفسہٖ سیاہ رنگ کا لباس پہننا جائز بلکہ بعض حضرات کے نزدیک مستحب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیاہ رنگ کا عمامہ اور سیاہ لباس پہننا ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ، وَعَلَيْهِ عَمَامَةٌ سَوْدَاءُ (مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن (مکہ مکرمہ میں) داخل ہوئے اور آپ نے سیاہ عمامہ پہنا ہوا تھا (مسلم)

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَيْهِ عَمَامَةٌ سَوْدَاءُ (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) لوگوں کو خطبہ دیا، اور آپ

---

[1] رقم الحديث ١٣٥٨، كتاب الحج، باب جواز دخول مكة بغير إحرام.

[2] رقم الحديث ١٣٥٩ "٤٥٢"، كتاب الحج، باب جواز دخول مكة بغير إحرام.

نے سیاہ عمامہ پہن رکھا تھا (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

صَنَعْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بُرْدَۃً سَوْدَاءَ فَلَبِسَھَا (سنن أبی داود، رقم الحدیث ۴۰۷۴، کتاب اللباس، باب فی السَّواد) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سیاہ چادر تیار کی، جس کو آپ نے پہنا (ابوداؤد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

صَنَعْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جُبَّۃٌ مِنْ صُوْفٍ سَوْدَاءَ فَلَبِسَھَا (المستدرک علی الصحیحین للحاکم، رقم الحدیث ۷۳۹۳، کتاب اللباس) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اون کا سیاہ جبہ بنایا، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنا (حاکم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی ایک روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَبِسَ بُرْدَۃً سَوْدَاءَ، فَقَالَتْ عَائِشَۃُ: مَا أَحْسَنَھَا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، یَشُوْبُ بَیَاضُکَ سَوَادَھَا، وَیَشُوْبُ سَوَادُھَا بَیَاضَکَ (صحیح ابن حبان) [3]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ چادر پہنی، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے

---

[1] قال شعیب الارنؤوط:
إسناده صحیح (حاشیة سنن ابی داود)

[2] قال الحاکم: ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ .
و قال الذھبی فی التلخیص: علی شرط البخاری ومسلم.

[3] رقم الحدیث ٦٣٩٥، کتاب التاریخ، باب من صفته صلی اللہ علیه وسلم، وأخبارہ.
قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح علی شرط الشیخین (حاشیة صحیح ابن حبان)

عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ آپ پر بہت خوبصورت لگتی ہے، آپ کی سفیدی اس کی سیاہی پر جچتی ہے اور اس کی سیاہی آپ کی سفیدی پر جچتی ہے (ابن حبان)

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اِسْتَسْقٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْہِ خَمِیْصَۃٌ لَہٗ سَوْدَاءُ (سنن أبی داود) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقاء کی نماز پڑھائی، اور آپ نے سیاہ چادر اوڑھ رکھی تھی (ابوداؤد)

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے موقع پر سیاہ جھنڈے کا ذکر بھی احادیث میں آیا ہے۔ [2]

اس طرح کی احادیث سے عام حالات میں فی نفسہٖ سیاہ لباس کے پہننے کا ثبوت ہوتا ہے، اسی لئے بعض فقہائے کرام نے عام حالات میں سیاہ لباس پہننے کو مستحب قرار دیا ہے۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ١١٦٤، كتاب الصلاة، جماع أبواب صلاة الاستسقاء وتفريعها.

قال شعيب الارنوؤط:

إسناده قوى من أجل عبد العزيز (حاشية سنن ابى داود)

[2] حدثني يونس بن عبيد، مولى محمد بن القاسم قال: بعثني محمد بن القاسم إلى البراء بن عازب أسأله: عن راية رسول الله صلى الله عليه وسلم ما كانت؟ قال: " كانت سوداء مربعة من نمرة "(مسند أحمد، رقم الحديث ١٨٦٢٧)

قال شعيب الارنوؤط:

حديث حسن لغيره (حاشية مسند احمد)

[3] د -السواد فى اللباس والعمامة:

يندب لبس السواد عند الحنفية، قال ابن عابدين :ندب لبس السواد، لأن محمدا ذكر فى السير الكبير فى باب الغنائم حديثا يدل على أن لبس السواد مستحب.

أما الصبغ بالأسود، ولبس المصبوغ به فنقل عن أبى حنيفة :أنه لا بأس به.

وقال الشافعية :يندب لإمام الجمعة أن يزيد فى حسن الهيئة والعمة والارتداء ، وترك لبس السواد له أولى من لبسه، إلا إن خشى مفسدة تترتب على تركه من سلطان أو غيره، وقال ابن عبد السلام فى فتاويه :المواظبة على لبسه بدعة، فإن منع الخطيب أن يخطب إلا به فليفعل.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض فقہائے کرام نے عورت کو سوگ کے زمانہ میں اور شوہر کے فوت ہونے کے بعد عدت کے دوران سیاہ لباس پہننے کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

لیکن جب عورت کے سوگ کا زمانہ ختم ہو جائے، پھر اس کو بطورِ سوگ کے سیاہ لباس پہننے سے ان حضرات نے بھی منع فرمایا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقالوا :نقل أن النبی صلی الله علیه وسلم لبس العمامة البیضاء والعمامة السوداء ، ولکن الأفضل فی لونها البیاض لعموم الخبر الصحیح الآمر بلبس البیاض، وأنه خیر الألوان فی الحیاة والموت .

وقال الحنابلة :یباح السواد ولو للجند؛ لأن النبی صلی الله علیه وسلم دخل مکة عام الفتح وعلیه عمامة سوداء (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۱۱، ص ۳۵۲، و۳۵۳ مادة " تسوید")

ذکر محمد رحمه الله فی السیر فی باب العمائم حدیثا یدل علی أن لبس السواد مستحب(المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج۵، ص ۳۴۰، کتاب الاستحسان والکراهیة،الفصل العاشر فی اللبس؛ ما یکره من ذلک، وما لا یکره)

قال -رحمه الله -(ویسن لبس السواد وإرسال ذنب العمامة بین الکتفین إلی وسط الظهر) ؛ لأن محمدا -رحمه الله -ذکر فی السیر الکبیر فی باب الغنائم حدیثا یدل علی أن لبس السواد مستحب(تکملة البحر الرائق لمحمد بن حسین بن علی الطوری الحنفی، ج۸، ص ۵۵۵، مسائل متفرقة فی اللباس)

[1] ب -لبس السواد فی الحداد:

اتفق الفقهاء علی أنه یجوز للمتوفی عنها زوجها لبس السواد من الثیاب . . .ولا یجب علیها ذلک، بل لها أن تلبس غیره.

واختلف فقهاء الحنفیة فی المدة التی یجوز لها أن تلبس فیها السواد، فقال بعضهم :لا تجاوز ثلاثة أیام .ولکن فقهاء المذهب -ومنهم ابن عابدین -حملوا ذلک علی ما تصبغه الزوجة بالسواد وتلبسه تأسفا علی زوجها، أما ما کان مصبوغا بالسواد قبل موت زوجها، فیجوز لها أن تلبسه مدة الحداد کلها .ومنع الحنفیة لبس السواد فی الحداد علی غیر الزوج.

وقال المالکیة :إن المحد یجوز لها أن تلبس الأسود، إلا إذا کانت ناصعة البیاض، أو کان الأسود زینة قومها.

وقال القلیوبی من الشافعیة :إذا کان الأسود عادة قومها فی التزین به حرم لبسه، ونقل النووی عن الماوردی أنه أورد فی "الحاوی "وجها یلزمها السواد فی الحداد .

لبس السواد فی التعزیة:

اتفق الفقهاء علی أن تسوید الوجه حزنا علی المیت -من أهله أو من المعزین لا یجوز -

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مرد کو کسی موقع پر سوگ کا حکم نہیں، اور عورتوں کو جن مواقع پر سوگ کا حکم ہے، ان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

اس لئے مرد حضرات کو بطورِ سوگ کے اور خواتین کو غیر شرعی سوگ کے موقع پر غم کا اظہار کرنے کے لئے سیاہ لباس پہننا شرعاً منع ہے۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اَلنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ (مسلم) [1]

ترجمہ: اگر نوحہ کرنے والی توبہ کرنے سے پہلے مرگئی تو قیامت میں گندھک کی شلوار اور تارکول کا کرتہ اس کو پہنایا جائے گا (مسلم)

عورت کا ذکر خاص وجہ سے کیا گیا ہے، ورنہ یہ حکم مَرد حضرات کو بھی شامل ہے۔

اس حدیث کی شرح میں محدثین فرماتے ہیں کہ تارکول کے کرتہ کو اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ وہ عورت غیر شرعی سوگ کے مواقع پر سیاہ لباس پہنتی تھی، اللہ تعالیٰ اس کو تارکول (جو کالا ہوتا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لما فيه من إظهار للجزع وعدم الرضا بقضاء الله وعلى السخط من فعله، مما ورد النهى عنه فى الأحاديث.

وتسويد الثياب للتعزية مكروه للرجال، ولا بأس به للنساء ، أما صبغ الثياب أسود أو أكهب تأسفا على الميت فلا يجوز(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١١، ص ٣٥١ و ٣٥٢، مادة "تسويد")

ويباح الحداد على قرابة ثلاثة أيام فقط، وللزوج منعها لأن الزينة حقه فتح، وينبغى حل الزيادة على الثلاثة إذا رضى الزوج، أو لم تكن مزوجة نهر.

وفى التتارخانية :ولا تعذر فى لبس السواد، وهى آثمة إلا الزوجة فى حق زوجها فتعذر إلى ثلاثة أيام .قال فى البحر :وظاهره منعها من السواد تأسفا على موت زوجها فوق الثلاثة .وفى النهر :لو بلغت فى العدة لزمها الحداد فيما بقى(الدر المختار مع ردالمحتار، ج٣ص ٥٣٣، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل فى الحداد)

[1] رقم الحديث ٩٣٤" ٢٩" كتاب الجنائز ،باب التشديد فى النياحة.

ہے) کا کرتہ پہنائے گا، تاکہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔ [1]

لہٰذا ماہِ محرم اور دوسرے مواقع پر سوگ کے طور پر سیاہ لباس پہننے اور اس مقصد سے سیاہ جھنڈے وغیرہ لگانے سے پرہیز کرنا چاہیے، اور جس طرزِ عمل سے غلط لوگوں کی مشابہت لازم آتی ہو، اس سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ [2]

اللہ تعالیٰ قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

(6)...... ماہِ محرم میں شادی بیاہ کرنا

محرم کے مہینہ کو غمی یا نحوست کا مہینہ سمجھنے اور اس میں سوگ کے نتیجہ میں بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ محرم کے مہینے اور خاص کر شروع کے دس دنوں میں شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات کرنا جائز نہیں، یا محرم کے مہینہ میں خوشی کی تقریب انجام دینے سے وہ کام منحوس

---

[1] وخصت أيضا بسرابيل من قطران ;لأنها كانت تلبس الثياب السود في المآتم، فألبسها الله تعالى السرابيل لتذوق وبال أمرها(مرقاة المفاتيح، ج٣ص١٢٣٥ ،كتاب الجنائز، باب في البكاء على الميت)

قال التوربشتي :خصت بدرع من جرب؛ لأنها كانت تجرح بكلماتها المحرقة قلوب ذوات المصيبات وتحك بها بواطنهن، فعوقبت في ذلك المعنى بما يماثله في الصورة، وخصت أيضاً بسرابيل من قطران؛ لأنها كانت تلبس الثياب السود في المأتم، فألبسها الله قميصاً من قطران لتذوق وبال أمرها -انتهى(مرعاة المفاتيح، ج٥ص ٤٦٦، كتاب الجنائز، باب في البكاء على الميت)

[2] وفي الإحياء في موضع تبعا لقول أبي طالب المكي: يكره لبس السواد.

وأفتى ابن عبد السلام: بأن المواظبة على لبس السود بدعة، وأول من أحدث لبسه في الجمع والأعياد بنو العباس في خلافتهم، محتجين بأن الراية التي عقدت لجدهم العباس يوم الفتح وحنين كانت سوداء .قال ابن هبيرة: ولأنه أبعد الألوان من الزينة، وأقربها إلى الزهد في الدنيا، ولذلك يلبسه العباد والنساك (مرقاة المفاتيح، ج٣ص١٠٤٥ ، كتاب الصلاة، باب الخطبة والصلاة)

وقد اشتهر عن الروافضة في بلاد العجم من الخراسان والعراق بل في بلاد ماوراء النهر منكرات عظيمة من لبس السواد والدوران في البلاد وجرح رؤوسهم وابدانهم بانواع من الجراحة ويدعون انهم محبوا اهل البيت وهم بريئون منهم (الموضوعات الكبيرص ١٦٩ ،در ذيل فصل ومنها الاكتحال يوم عاشوراء الخ)

ہوجاتا ہے، اس میں خیر وبرکت نہیں ہوتی یا اچھے نتائج برآمد نہیں ہوتے اور اس میں دیکھا دیکھی بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی مبتلا ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی اس مہینہ میں شادی کرے تو اسے بہت معیوب سمجھا جاتا ہے اور طرح طرح کی باتیں بنائی جاتی ہیں۔

حالانکہ یہ سوچ درست نہیں ہے، گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوچکا کہ محرم کا مہینہ بہت بابرکت ہے اور اس میں کوئی نحوست نہیں ہے۔

لہٰذا اس خیال کو ذہنوں سے نکالنا چاہئے کیونکہ شریعت میں ایسی کوئی بات ثابت نہیں، نہ ہی شریعت میں کسی جگہ محرم یا کسی دوسرے مہینہ مثلاً صفر کے مہینہ میں نکاح سے منع کیا گیا ہے اور جب اس مہینہ میں عبادت کا اہتمام دوسرے عام مہینوں سے زیادہ کرنے کا حکم ہے اور نکاح ایک اہم عبادت ہے، تو اس مہینہ میں نکاح کی عبادت بھی انجام دینی چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک موقعہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اہتمام سے فرمایا کہ:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنْ اِسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ (بخاری) [1]

ترجمہ: نوجوانو! تم میں جو بھی حقوقِ زوجیت ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو، وہ نکاح ضرور کرے، کیونکہ اس سے نگاہ میں حیاء وغیرت آتی ہے اور شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے (بخاری، مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلٰى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَسْأَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا أُخْبِرُوْا كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا، فَقَالُوْا: وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَدْ غُفِرَ

---

[1] رقم الحديث ٥٠٦٦، كتاب النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، مسلم رقم الحديث "١٤٠٠"۱

لَـهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ، قَالَ أَحَدُهُمْ: أَمَّا أَنَا فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَـدًا، وَقَـالَ آخَـرُ: أَنَـا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أُفْطِرُ، وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَـاءَ فَـلَا أَتَـزَوَّجُ أَبَـدًا، فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ، فَقَالَ: أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا، أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْـقَاكُمْ لَهُ، لٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي (بخاری) [1]

ترجمہ: تین لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے گھروں کی طرف آئے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں سوال کررہے تھے، جب ان کو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی) خبر دی گئی، تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کو گویا کہ کم سمجھا، اورانہوں نے کہا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیسے کرسکتے ہیں؟ آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے ہیں، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا، اور دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا، کبھی روزہ نہیں چھوڑوں گا، اور تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے الگ رہوں گا، کبھی بھی نکاح نہیں کروں گا، پھر ان کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ تم نے اس اس طرح کی بات کی ہے، یادرکھو کہ میں اللہ سے تمہارے مقابلہ میں زیادہ خشیت اور زیادہ تقویٰ رکھتا ہوں، اور میں روزہ بھی رکھتا ہوں، اور کبھی روزہ نہیں بھی رکھتا، اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا تو وہ مجھ میں سے نہیں ہے (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

[1] رقم الحدیث ۵۰۶۳، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح)

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُخَنَّثِي الرِّجَالِ الَّذِيْنَ يَتَشَبَّهُوْنَ بِالنِّسَاءِ، وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ، اَلْمُتَشَبِّهِيْنَ بِالرِّجَالِ، وَالْمُتَبَتِّلِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ، الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ: لَا نَتَزَوَّجُ، وَالْمُتَبَتِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ، اللَّائِيْ يَقُلْنَ ذٰلِكَ (مسند احمد، رقم الحديث ٧٨٩١) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مخنث لوگوں پر لعنت فرمائی، جو عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں، اور ایسے مردانہ پن اختیار کرنے والی عورتوں پر بھی لعنت فرمائی، جو مَردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتی ہیں، اور ایسے چھڑے چھکے مَردوں پر بھی لعنت فرمائی، جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نکاح نہیں کریں گے، اور ایسی چھڑی چھکی عورتوں پر بھی لعنت فرمائی، جو یہ کہتی ہیں کہ ہم نکاح نہیں کریں گی (مسند احمد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِالْبَاءَ ةِ، وَيَنْهٰى عَنِ التَّبَتُّلِ نَهْيًا شَدِيْدًا، وَيَقُوْلُ: تَزَوَّجُوْا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ، إِنِّيْ مُكَاثِرٌ الْأَنْبِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٢٦١٣) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کا حکم فرماتے تھے، اور نکاح کے بغیر چھڑا چھکا رہنے سے سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ تم محبت کرنے والی اور زیادہ اولاد پیدا کرنے والی عورتوں سے نکاح کرو، میں قیامت کے دن دوسرے نبیوں کی امت سے زیادہ کثرت کو پسند کروں گا (مسند احمد)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
صحيح (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط:
صحيح لغيره، وهذا إسناد قوى (حاشية مسند احمد)

حضرت عبید بن سعد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَـنُ أَحَبَّ فِطُرَتِیُ فَلُیَسُتَنَّ بِسُنَّتِیُ، وَمِنُ سُنَّتِیُ اَلنِّکَاحُ (مسند أبی یعلی، رقم الحدیث ۲۷۴۸) [1]

ترجمہ: جو میری فطرت (اور طریقہ) سے محبت رکھتا ہے، تو اسے چاہئے کہ میری سنت کو اختیار کرے، اور میری سنت نکاح کرنا ہے (ابو یعلیٰ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

مَـنُ رَزَقَـهُ اللّٰهُ اِمُرَأَةً صَالِحَةً، فَقَدُ أَعَانَهُ عَلٰی شَطُرِ دِیُنِهٖ، فَلُیَتَّقِ اللّٰهَ فِی الشَّطُرِ الثَّانِی (مستدرک حاکم) [2]

ترجمہ: جس کو اللہ نے نیک صالح بیوی عطا فرمادی، تو اللہ نے اس کے آدھے دین کی مدد فرمادی، اب اسے چاہئے کہ باقی آدھے دین میں اللہ سے ڈرے (حاکم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

إِذَا تَـزَوَّجَ الُـعَبُـدُ فَـقَـدُ کَـمُـلَ نِصُفُ الدِّیُنِ، فَلُیَتَّقِ اللّٰهَ فِی النِّصُفِ الُبَاقِی (شعب الایمان للبیهقی) [3]

---

[1] قال حسین سلیم أسد الدارانی : رجاله ثقات (حاشیة مسند ابی یعلیٰ)
و قـال الهیـثـمی: رواه أبو یعلی، ورجاله ثقات، إن کان عبید بن سعد صحابی وإلا فهو مرسل (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۷۳۰۵)

[2] رقم الحدیث ۲۶۸۱، کتاب النکاح، المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحدیث ۹۷۲.
قـال الـحـاکـم: هـذا حـدیـث صحیح الإسناد، ولم یخرجاه، وعبد الرحمن هذا هو ابن زید بن عقبة الأزرق مدنی ثقة مأمون "
وقال الذهبی فی التلخیص: صحیح.

[3] رقم الحدیث ۵۱۰۰، فصل فی الترغیب فی النکاح لما فیه من العون علی حفظ الفرج.
قال الالبانی:
رواه الطبرانی فی "الأوسط "بإسنادین وفیهما یزید الرقاشی وجابر الجعفی وکلاهما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: جب بندہ نکاح کرلیتا ہے، تو اس کا آدھا دین مکمل ہوجاتا ہے، پس باقی آدھے میں وہ اللہ سے ڈرے (بیہقی)

اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب بھی مسلمان کو نکاح کی ضرورت ہو، خواہ محرم کا مہینہ ہی کیوں نہ ہو، اس وقت نکاح کرے، اور ماہِ محرم کا مہینہ چونکہ زیادہ باعثِ برکت وعظمت ہے، لہٰذا اس مہینہ میں نکاح کرنا بھی باعثِ برکت ہوگا، تاکہ اس مہینہ کی نسبت اور تعلق کی وجہ سے عبادت میں زیادہ ثواب کا اضافہ ہو اور اس مہینہ کی عظمت وفضیلت کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ خیر وبرکت حاصل ہو، اور نکاح کا یہ رشتہ پائیدار اور زیادہ سے زیادہ مستحکم ہو۔

پھر اس مہینہ میں نکاح کرنے کی وجہ سے اچھے کام کی عملی تبلیغ بھی ہے اور عملی تبلیغ کا ثواب بہت زیادہ ہے، خاص طور پر جبکہ اس عمل کو چھوڑا جاچکا ہو۔

چنانچہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ سَنَّ فِی الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يُنْقَصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَیْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِی الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يُنْقَصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَیْءٌ (مسلم)[1]

ترجمہ: جس نے اسلام میں اچھے طریقہ کی بنیاد ڈالی (اور اچھا طریقہ جاری کیا) جس پر بعد میں عمل کیا گیا، تو اس شخص کو ان سب عمل کرنے والوں کے برابر ثواب

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾ ضعیف، وقد وثقا ."قلت :التوثيق المذكور مما لا يعتد به لاسيما فی الجعفی، فقد اتهمه بعضهم لكنه ليس فی الطريق الأخرى عند الطبرانی، وقد تابعه الخليل بن مرة وهو خير منه كما سبق تحقيقه .فإذا ضمت هذه الطريق إلى طريق عبد الرحمن بن زيد أخذ الحديث بهما قوة .والله تعالى أعلم(سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم الحديث ۶۲۵)

[1] رقم الحديث ۷ ۱۰ ۱ "۱۵" كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة أو سيئة ومن دعا إلى هدى أو ضلالة،سنن النسائی رقم الحديث ۲۵۵۴،مسند احمد رقم الحديث ۱۹۱۵۶ .

حاصل ہوگا، لیکن ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے کسی برے طریقے کی بنیاد ڈالی (اور برا طریقہ جاری کیا) جس پر اس کے بعد عمل کیا گیا، تو اس کو ان سب عمل کرنے والوں کے برابر وبال ہوگا، لیکن ان دوسروں کے وبال میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ دَعَا إِلٰى هُدًى، كَانَ لَهٗ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا، وَمَنْ دَعَا إِلٰى ضَلَالَةٍ، كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے (کسی کو) ہدایت کی طرف بلایا تو اس کو ان لوگوں کے عمل کے برابر ثواب حاصل ہوگا، جنہوں نے اس کی ہدایت کی پیروی کی، مگر اس کی وجہ سے ان (ہدایت پر چلنے والوں) کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی، اور جس نے (کسی کو) ضلالت وگمراہی کی طرف بلایا، تو اس کو ان لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ہوگا، جنہوں نے اس کی ضلالت وگمراہی کی پیروی کی، مگر اس کی وجہ سے ان (گناہ گاروں) کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی (مسلم)

معلوم ہوا کہ اچھے کام کو شروع کرنے اور بنیاد ڈالنے کا بہت ثواب ہے۔

اس طرح کی احادیث اور بھی کئی سندوں سے مروی ہیں۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٢٦٧۴ "١٦ "كتاب الزكاة، باب من سن سنة حسنة أو سيئة ومن دعا إلى هدى أو ضلالة.

[2] عن أبي هريرة، قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فحث عليه، فقال رجل: عندي كذا وكذا. قال: فما بقي في المجلس رجل إلا قد تصدق بما قل أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

أَرْبَعٌ يُعْطَاهُنَّ الرَّجُلُ بَعْدَ مَوْتِهِ: ثُلُثُ مَالِهِ إِذَا كَانَ فِيْهِ قَبْلَ ذٰلِكَ لِلّٰهِ مُطِيْعًا، وَالْوَلَدُ الصَّالِحُ يَدْعُوْ لَهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ، وَالسُّنَّةُ الْحَسَنَةُ يَسُنُّهَا الرَّجُلُ فَيُعْمَلُ بِهَا بَعْدَ مَوْتِهِ، وَالْمِائَةُ إِذَا شَفَعُوْا لِلرَّجُلِ شُفِّعُوْا فِيْهِ (سنن الدارمی) [1]

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

كثر، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من سن خيرا فاستن به، كان له أجره كاملا، ومن أجور من استن به لا ينقص من أجورهم شيئا، ومن استن شرا فاستن به، فعليه وزره كاملا، ومن أوزار الذى استن به لا ينقص من أوزارهم شيئا (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٠٧٤٩)

قال شعب الارنوؤط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

عن حذيفة قال :سأل رجل على عهد النبى صلى الله عليه وسلم فأمسك القوم، ثم إن رجلا أعطاه فأعطى القوم، فقال النبى صلى الله عليه وسلم " :من سن خيرا فاستن به كان له أجره ومن أجور من يتبعه غير منتقص من أجورهم شيئا، ومن سن شرا فاستن به كان عليه وزره ومن أوزار من يتبعه غير منتقص من أوزارهم شيئا (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ٢٣٢٨٩)

قال شعب الارنوؤط: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

عن أبى جحيفة، قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-من سن سنة حسنة عمل بها بعده، كان له أجره ومثل أجورهم من غير أن ينقص من أجورهم شيئا، ومن سن سنة سيئة، فعمل بها بعده، كان عليه وزره ومثل أوزارهم، من غير أن ينقص من أوزارهم شيئا(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٢٠٧)

قال شعب الارنوؤط:صحيح بما قبله من الأحاديث، وهذا إسناد حسن(حاشية ابن ماجه)

عن واثلة بن الأسقع، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من سن سنة حسنة فله أجرها ما عمل به فى حياته وبعد مماته حتى يترك، ومن سن سنة سيئة فعليه إثمها حتى يترك، ومن مات مرابطا فى سبيل الله جرى له أجر المرابط حتى يبعث يوم القيامة(المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ١٨٤)

قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الكبير، ورجاله موثقون(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٧٧٢)

[1] رقم الحديث ٥٣٤، كتاب المقدمة، باب من سن سنة حسنة أو سيئة.

قال حسين سليم اسد الدارانى:إسناده صحيح إلى عبد الله ولكن مثله لا يقال بالرأى(حاشية سنن الدارمى)

ترجمہ: چار چیزیں ہیں جو آدمی کو مرنے کے بعد بھی عطا کی جاتی ہیں، ایک اپنے مال کا تہائی حصہ، بشرطیکہ اس مال کے حاصل کرنے میں وہ اللہ کا تابعدار رہا ہو، دوسرے نیک صالح اولاد؛ جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لئے دعاء کرتی ہو، تیسرے نیک طریقہ جو وہ جاری کرے؛ اور لوگ اس کی موت کے بعد اس پر عمل کریں، چوتھے سو افراد جو اس کی شفاعت (یعنی مغفرت کی دعاء) کریں؛ تو یہ شفاعت قبول کی جاتی ہے (دارمی)

معلوم ہوا کہ نیک عمل کی بنیاد ڈالنے والے کو عظیم اجر وثواب حاصل ہوتا ہے۔ [1]

نیز آزمائش کے زمانے میں جبکہ شریعت کے حکم پر عمل کرنا مشکل ہو، تو اس وقت شریعت کے حکم پر ثابت قدم رہنے کی بھی عظیم فضیلت ہے۔ [2]

اور کربلا کا واقعہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیش آیا، جبکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیش آمدہ غمناک واقعات کی وجہ سے کسی دن یا مہینہ میں نکاح سے منع نہیں کیا گیا اور جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اسلام کی گزشتہ صدیوں میں بارہ مہینوں میں سے کوئی بھی ایک مہینہ ایسا نہیں ملے گا، جس میں عموماً رنج وغم کا اور ناخوشگوار کوئی واقعہ پیش نہ آیا ہو، اس طرح تو پھر کسی

---

[1] مذکورہ احادیث میں ازخود نیا طریقہ جاری کرنا مراد نہیں ہے، بلکہ جس طریقہ اور جس چیز کا شریعت میں دلالۃً، اشارتاً ثبوت موجود ہو اس کی طرف دعوت دینا، اس کی تعلیم دینا، اس کو زندہ کرنا اور خود اس پر عمل کرنا اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی تلقین کرنا مراد ہے۔

[2] حدثنی أبو أمیة الشعبانی، قال :سألت أبا ثعلبة الخشنی فقلت :یا أبا ثعلبة، کیف تقول فی هذه الآیة :(علیکم أنفسکم)؟ (المائدة :، قال :أما والله لقد سألت عنها خبیرا، سألت عنها رسول الله -صلی الله علیه وسلم -فقال" :بل ائتمروا بالمعروف، وتناهوا عن المنکر، حتی إذا رأیت شحا مطاعا، وهوی متبعا، ودنیا مؤثرة، وإعجاب کل ذی رأی برأیه، فعلیک -یعنی بنفسک -ودع عنک العوام، فإن من ورائکم أیام الصبر، الصبر فیه مثل قبض علی الجمر، للعامل فیهم مثل أجر خمسین رجلا یعملون مثل عمله "وزادنی غیره :قال :یا رسول الله :أجر خمسین منهم؟ قال" :أجر خمسین منکم(ابوداؤد رقم الحدیث ۴۳۴۱)

قال شعیب الارنؤوط: حسن (حاشیة ابی داؤد)

بھی مہینہ میں شادی کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

(1)...... چنانچہ ربیع الاول کے مہینہ میں سرورِ کائنات سیدُ المرسلین خاتم النبیین حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے پیارے نانا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے روحانی وجسمانی والد ماجد ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم'' دنیا سے رخصت ہوگئے، جس پر حضرت عائشہ وفاطمہ رضی اللہ عنہما جیسی مقدس ہستیاں آبدیدہ ہوئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے باہمت وبہادر خلیفۂ راشد غم سے نڈھال ہوئے، حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما جیسے خلفائے راشدین کی آنکھیں پرنم ہوئیں، حضرات حسنین رضی اللہ عنہما غم سے بے قرار ہوئے اور دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین رنجیدہ اور غمگین ہوئے، روئے زمین پر نبی علیہ السلام کی وفات سے زیادہ المناک واقعہ کون سا ہوسکتا ہے، لیکن اس مہینہ میں نہ کسی صحابی یا اللہ والے نے شادی بیاہ وغیرہ سے منع کیا اور نہ ہی کوئی مسلمان منع سمجھتا ہے۔

(2)......شوال کے مہینے 3ھ میں سیدُ الشہداء سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا مبارک جسم کئی ٹکڑوں میں تقسیم کیا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود آبدیدہ ہوئے، آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رنج وغم میں ڈوبیں، سیدنا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ماموں کی لاش کے ٹکڑوں کو سمیٹ کر جمع کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ستّر صحابہ اور محبوب رفیقوں کو شہید کیا گیا، ستر گھر اجڑ گئے، شہداء کی بیویاں بیوہ ہوگئیں، بچے یتیم ہوگئے، ان کی لاشوں کی بے حرمتی کی گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کیا گیا۔ [1]

مدینہ منورہ کی فضا سوگوار ہوئی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل ''وحشی'' نے اسلام قبول کیا تو آپ نے انہیں معاف فرمادیا لیکن ساتھ ہی فرمادیا کہ:

اے وحشی! تم میرے سامنے نہ آیا کرو تمہیں دیکھ کر مجھے اپنے چچا کے قتل کا منظر یاد

---

[1] البداية والنهاية ج ۴ ص ۲۰، غزوة أحد فى شوال سنة ثلاث، مقتل حمزة رضى الله عنه، العبر فى خبر من غبر للذهبى، ج ۱ ص ۶، سنة ثلاث، عہد نبوت کے ماہ وسال ص۷۲۔

آجاتا ہے۔ [1]

ان تمام باتوں کے باوجود یہی مہینہ ہے کہ جس کی یکم تاریخ کو ہر سال پوری دنیا کے مسلمان عیدالفطر کی خوشیاں مناتے ہیں، اس مہینے میں شادی بیاہ بھی کرتے ہیں، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک دنیا میں رہے اسی مہینہ میں عیدالفطر مناتے رہے، اور امت کو بھی اس مہینہ میں عیدالفطر منانے کی تعلیم وتلقین فرمائی اور اس مہینہ میں شادی بیاہ سے نہیں روکا۔

(3)...... رمضانُ المبارک کے مہینے 40ھ میں منافقین کی سازش سے دامادِ رسول، سرتاج فاطمہ، بابائے حسن وحسین ''حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ'' پر بے دردی سے حملہ کیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ [2]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما اور صاحبزادیاں حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما یتیم ہوگئے ،ان کے علاوہ مزید کئی صاحبزادے اور کئی صاحبزادیاں یتیم ہوئیں۔

اس مہینہ میں نہ کوئی شادی بیاہ سے منع کرتا، اور نہ ہی غمی کا کسی خاص صورت میں اظہار کیا جاتا ہے، بلکہ اس عظیم سانحہ کے چند دن بعد یہی عیدالفطر منائی جاتی ہے۔

(4)...... ذی الحجہ کے مہینے 35ھ میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی، خلیفہ ثالث دامادِ رسول سیدہ رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کے سرتاج، ذوالنورین کا لقب پانے

---

[1] فلما رجع الناس رجعت معهم، فأقمت بمكة حتى فشا فيها الإسلام، ثم خرجت إلى الطائف، فأرسلوا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم رسولا، فقيل لي: إنه لا يهيج الرسل، قال: فخرجت معهم حتى قدمت على رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلما رآني قال: آنت وحشي قلت: نعم، قال: أنت قتلت حمزة قلت: قد كان من الأمر ما بلغك، قال: فهل تستطيع أن تغيب وجهك عني قال: فخرجت، الخ (بخاری، رقم الحدیث ۴۰۷۲)

[2] البداية والنهاية ج۷ص ۳۶۳،صفة مقتله رضی الله عنه،الاصابة فی تمییز الصحابة لابنِ حجر، ج۴ ص۴۶۸،حرف العین المهملة،العین بعدهااللام، تحت ترجمة علی بن ابی طالب الهاشمی.

والے ناشرِ قرآن، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ظلم وستم بھری داستان کے ساتھ شہادت وجود میں آئی، جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے نکلی ہوئی فضیلتیں تاقیامت احادیث کی شکل میں محفوظ ہیں، ذی الحجہ کا ہی مہینہ ہے کہ جس میں بلوائیوں نے مسجدِ نبوی میں ''حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ'' پر پتھراؤ کیا، اس مقدس منبر کو شہید کر دیا گیا جس پر نبی آخر الزماں خطبہ دیا کرتے تھے، مسجد نبوی کی بے حرمتی کی گئی، اہلِ مدینہ کو پریشان کیا گیا، مسلمانوں کے شیرازہ کو بکھیر دیا گیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ زخمی کئے گئے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر کے کھانے پینے کی اشیاء پہنچنے سے روک دی گئیں۔ بالآخر کئی روز کی شدید بھوک و پیاس کے بعد خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے شہید کر دیا گیا، آپ کی اہلیہ محترمہ کی انگلیاں کاٹ دی گئیں، بچوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا، گھر کا تمام اثاثہ لوٹ لیا گیا۔ [1]

اتنے عظیم سانحہ کے بعد اس مہینہ میں نہ شادی بیاہ کا سلسلہ روکا جاتا ہے نہ ہی خوشی چھوڑی جاتی ہے، بلکہ ذی الحجہ ہی کا مہینہ ہے، جس میں عیدالاضحیٰ خوشیوں کے ساتھ منائی جاتی ہے۔

(5)...... جمادی الاولیٰ کے مہینے 8ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تین محبوب ترین صحابی شہید ہوئے ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّٰی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، دوسرے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور تیسرے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، جن کی شہادت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنا روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ [2]

اس مہینہ میں بھی کہیں نکاح سے منع نہیں کیا گیا، نہ ہی کوئی مسلمان اس مہینہ میں نکاح کو منع سمجھتا ہے۔

---

[1] الاصابة فی تمییز الصحابة لابنِ حجر، ج۴ ۳۷۹، حرف العین المهملة، العین بعدها الثاء، تحت ترجمة عثمان بن عفان، البداية والنهاية لابنِ كثير ج ۷ ص ۲۱۲، فصل كانت مدة حصار عثمان رضی الله عنه فی داره أربعين يوما على المشهور.

[2] الاستیعاب فی معرفة الاصحاب ج ۲ ص ۵۴۶، الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ج۲ ص ۹۷، ۹۸، سرية مؤتة، سمط النجوم العوالی فی أنباء الأوائل والتوالی للعصامی ج ۲ ص ۲۴۳.

یہ چند واقعات نمونہ کے طور پر پیش کئے گئے ہیں، ورنہ اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں۔

اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ غم چاہے جیسا ہو، موت خواہ کسی کی ہو تین دن سے زیادہ سوگ نہ منایا جائے البتہ بیوی کو اپنے مرحوم شوہر کے غم میں عدت کے دوران سوگ کا حکم ہے، اسی طرح شوہر کے ایسی طلاق دینے کے بعد جس میں نکاح ختم ہو جاتا ہے عورت پر عدت کے دوران سوگ واجب ہے، اور سالہا سال بلکہ صدیوں تک اس طرح کے سوگ میں مبتلا رہنا، اور شادی بیاہ سے رُکے رہنا، تو کہیں بھی ثابت نہیں ہے۔

(7)......صبر وتحمل اور نوحہ وماتم

شریعت نے ہر موقع پر مسلمانوں کو صبر کی تلقین کی ہے، اور اعتدال میں رہتے ہوئے غم کے اظہار سے منع نہیں کیا، لیکن اس کے متعلق کچھ اصول اور حدود مقرر کردیئے ہیں، اور جو چیزیں صبر کے خلاف تھیں، ان سے بھی منع کر دیا ہے۔

جن میں ایک چیز ''نیاحۃ'' یا نوحہ خوانی ہے۔

نیاحۃ یا نوحہ عربی زبان میں لغت کے اعتبار سے بلند آواز سے رونے کو کہا جاتا ہے، اور شرعی اعتبار سے فوت شدہ شخص کی حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے نظم یا نثر کے ساتھ (یعنی گا گا کر، یا بغیر گائے) بلند آواز سے رونے کو کہا جاتا ہے، جس میں سینہ وسر یا جسم کو پیٹنا، اور کپڑے وغیرہ پھاڑنا بھی داخل ہے۔ [1]

---

[1] نیاحة:

التعريف :النياحة لغة اسم من النوح، مصدر ناح ينوح نوحا ونواحا ونياحا .وهي :البكاء بصوت عال، كالعويل .والنائحة :الباكية .وأصل التناوح :التقابل، ومنه تناوح الجبلين؛ أي تقابلهما، وإنما سميت النساء النوائح نوائح لأن بعضهن يقابل بعضا إذا نحن .وكان النساء في الجاهلية يقابل بعضهن بعضا، فيبكين ويندبن الميت، فهذا هو النوح والنياحة .ويطلق على النساء اللواتي يجتمعن في مناحة :نوائح ونوح ونوح وأنواح ونائحات .ونوح الحمامة :ما تبديه من سجعها على شكل النوح .واستناح الرجل، كناح :بكى حتى استبكى غيره .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورکسی کے فوت ہونے پر اس طرح رونا کہ جس میں آنکھوں سے آنسو تو نکلیں، لیکن نہ تو آواز نکلے، اور نہ ہی نظم یا نثر کے ساتھ (یعنی گا گا کر، یا بغیر گائے) بلند آواز سے کچھ کہا یا پڑھا جائے، وہ نوحہ میں داخل نہیں ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

وفى الاصطلاح اختلفت عبارات الفقهاء فى تعريف النياحة.

فعرفها الحنفية بأنها :البكاء مع ندب الميت؛ أى تعديد محاسنه .وقيل :هى البكاء مع صوت.

وحاصل كلام علماء المالكية أن النياحة عندهم هى البكاء إذا اجتمع معه أحد أمرين :صراخ أو كلام مكروه.

وعرفها أكثر فقهاء الشافعية وبعض المالكية بأنها :رفع الصوت بالندب ولو من غير بكاء، وقيل :مع البكاء.

وعرفها الحنابلة وبعض الشافعية بأنها رفع الصوت بالندب برنة أو بكلام مسجع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۲،ص ۹ ۴،مادة " نياحة")

[1] الألفاظ ذات الصلة:

أ -البكاء :

البكاء :مصدر بكى، يمد ويقصر،

فيقال :بكى بكاء وبكى، وهو :خروج الدمع من العين، سواء كان مع الصوت أو بدونه .وقيل :هو بالمد إذا كان الصوت أغلب، ويقصر إذا كان الحزن أغلب .وقيل :هو بالقصر خروج الدمع فقط، وبالمد خروج الدمع مع الصوت، ويقال لخروج الدمع مع الصوت :نحيب، ومع الصياح :عويل .

واستعمال الفقهاء للبكاء لا يخرج فى معناه عما ذكر .

والصلة بين النياحة والبكاء هى أن البكاء أعم من النياحة عند من قصر معناها على البكاء مع رفع الصوت، أو على البكاء مع رفع الصوت بالندب، حيث تكون النياحة إحدى صور البكاء .وأما من جعل النياحة شاملة لرفع الصوت بالندب :سواء أكان معها بكاء أم لا، فإنها تكون أخص من البكاء من جهة وأعم من جهة أخرى.

ب -الرثاء :

الرثاء :هو الثناء على الميت بذكر صفاته الحميدة، نثرا كان أو شعرا ، (ر :رثاء ف ا)

والصلة بين الرثاء والنياحة أن الرثاء يقع على سبيل المدح ولا يكون بلفظ النداء .

وأما النياحة فتكون بتعديد محاسن الميت مع رفع الصوت بالبكاء أو بغير بكاء .

ج -التعزية:

أصل العزاء هو الصبر، وتعزية أهل البيت :تسليتهم وتأسيتهم وندبهم إلى الصبر، ووعظهم بما يزيل عنهم الحزن، فكل ما يجلب للمصاب صبرا يقال له :تعزية .(ر :تعزية ف .

والصلة بين التعزية والنياحة أن كلا منهما كلام يقال بمناسبة الموت، ولكن مضمون كل منهما مختلف، وكذلك مقصودهما، فبينما تتضمن التعزية كلاما يوجه إلى أهل الميت مباشرة ويقصد به

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

احادیث میں نیاحۃ اورنوحہ کرنے کی ممانعت آئی ہے، خواہ اس کو ماتم کہا جائے، یا کچھ اور۔ اس لئے فقہائے مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نوحہ کرنا حرام ہے، اور حنفیہ کے نزدیک نوحہ کرنا مکروہ تحریمی کے درجے کا گناہ رکھتا ہے، جس پر اجرت لینا بھی جائز نہیں۔ [1]

اور اس کے برعکس صبر وتحمل اختیار کرنا اہم عبادت ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ فقہائے کرام کے نزدیک نوحہ و ماتم کرنے میں شریعت کے کئی احکام کی خلاف ورزی لازم آتی ہے، مثلاً غم کو بھڑکانا، بے صبری کا مظاہرہ کرنا اور قضاوتقدیر کی مخالفت وغیرہ، اس لئے احادیث میں نوحہ اور جسم کوبی وغیرہ کرنے کی ممانعت آئی ہے، اور قرآن و سنت میں صبر وتحمل کو اختیار کرنے اور غم کو باقی نہ رکھنے کا حکم آیا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید کی سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَـآ اَ يُّهَـاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ . اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰابِرِيْنَ

(سورة البقره، رقم الآية ١٥٣)

ترجمہ: اے ایمان والو (مشکل اور تکلیفوں میں) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، بے شک اللہ (کی مدد) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (سورہ بقرہ)

﴿ گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ﴾

تصبيرهم على المصيبة، والدعاء لهم، تتضمن النياحة كلاما يجدد الأحزان ويوحى بالتبرم من الأقدار، لذلك اختلفا فى الحكم الشرعى، حتى كان حكم التعزية أنها مندوبة، وحكم النياحة التحريم.

د -النعى:

النعى لغة واصطلاحا :هو الإخبار بالموت .والصلة بين النعى والنياحة أن النعى مختلف عن النياحة لأنه جائز إذا لم يتضمن نياحة، ولكن قد يقع النعى بكلام فيه نياحة أو بأسلوبها، فيكون نعيا ونياحة فى آن واحد، ويكون حكمهما الشرعى واحدا، وهو التحريم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٢، ص٥٠ و ٥١، مادة " نياحة")

[1] الحكم التكليفى:

ذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى أن النياحة محرمة .وقال الحنفية بالكراهة، ويقصدون بها الكراهة التحريمية لأنهم عدوها من المعاصى التى لا تصح الإجارة عليها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٢، ص ٥١، مادة " نياحة")

سورہ بقرہ میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ (سورة البقرة، رقم الآية ١٥٥)

ترجمہ: اور خوش خبری دے دیجئے صبر کرنے والوں کو (سورہ بقرہ)

سورہ بقرہ میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالصَّابِرِيْنَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (سورة البقرة، رقم الآية ١٧٧)

ترجمہ: اور جو صبر کرنے والے ہیں تنگدستی میں اور بیماری میں اور لڑائی کے وقت یہی سچے لوگ ہیں اور یہی متقی ہیں (سورہ بقرہ)

سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ (سورة آل عمران، رقم الآية ١٨٦)

ترجمہ: اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو، تو یہ ہمت والے کاموں میں سے ہے (سورہ آلِ عمران)

جس طرح صبر ہمت والا کام ہے تو اس کے خلاف بے صبری، بزدلی والا کام ہے۔

سورہ آلِ عمران میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئاً (سورة آلِ عمران، رقم الآية ١٢٠)

ترجمہ: اور اگر صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہیں ان (تمہارے دشمنوں) کا مکر کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا (سورہ آلِ عمران)

سورہ آلِ عمران میں ہی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِيْنَ (سورة آلِ عمران، رقم الآية ١٤٦)

ترجمہ: اوراللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (سورہ آلِ عمران)

سورہ آلِ عمران میں ہی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا . وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (سورة آلِ عمران، رقم الآیة ۲۰۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر سے کام لو، اور ایک دوسرے کو صبر پر آمادہ کرو اور مستعد اور کمر بستہ رہو، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم فلاح پاؤ (سورہ آل عمران)

جنگِ احد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک شہید ہوئے اور ستر صحابہ خاک وخون میں لتھڑ کر راہِ الٰہی میں شہید ہوئے، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا حضرت حمزہ بھی تھے اور ان شہداء کا مسلمانوں کے دلوں میں طبعی طور پر صدمہ تھا اور افسردگی بھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے حزن وملال کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ:

وَلَا تَھِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (سورة آلِ عمران، رقم الآیة ۱۳۹)

ترجمہ: اور نہ تم کمزور ہو اور نہ غم کھاؤ، اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہوگے (سورہ آل عمران)

سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰہِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ (سورة الاعراف، رقم الآیة ۱۲۸)

ترجمہ: اللہ ہی سے مدد طلب کرو اور صبر کرو، بے شک زمین اللہ ہی کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس (زمین) کا وارث بنادیتا ہے (سورہ اعراف)

اس آیت کی پیشینگوئی کے ساتھ صبر وہمت کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام قیصر وکسریٰ جیسی کفار کی بڑی حکومتوں پر غالب آگئے۔

سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاصْبِرُوْا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ(سورۃ الانفال، رقم الآیۃ ۴۶)

ترجمہ: اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (سورہ انفال)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غارِ ثور میں دشمنوں کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا(سورۃ التوبۃ ، رقم الآیۃ ۴۰)

ترجمہ: آپ نہ غم کیجئے، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے (سورہ توبہ)

سورہ یونس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَ لَا اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورۃ یونس ، رقم الآیۃ ۶۲)

ترجمہ: خبردار! اولیاء اللہ کی شان یہ ہے کہ ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (سورہ یونس)

سورہ یوسف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ(سورۃ یوسف، رقم الآیۃ ۹۰)

ترجمہ: بے شک جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو بے شک اللہ نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا (سورہ یوسف)

سورہ ہود میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ أُولٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيْرٌ (سورۃ ھود، رقم الآیۃ ۱۱)

ترجمہ: مگر وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور نیک عمل کیا ان کے لئے مغفرت ہے اور

بڑا اجر ہے (سورہ ہود)

سورہ ہود ہی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (سورۃ ھود، رقم الآیۃ ۱۱۵)

ترجمہ: اور صبر کیجئے، پس بے شک، اللہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا (سورہ ہود)

سورہ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَآیَاتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ (سورۃ ابراھیم، رقم الآیۃ ۵)

ترجمہ: بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لئے جو بہت صبر کرنے والا ہو اور شکر کرنے والا ہو (سورہ ابراہیم)

سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (سورۃ النحل، رقم الآیۃ ۹۶)

ترجمہ: اور ہم ضرور جزا دیں گے ان لوگوں کو جنھوں نے صبر کیا، ان کا بہتر سے بہتر اجر، جو یہ لوگ عمل کرتے رہے (سورہ نحل)

سورہ نحل میں ہی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصَّابِرِیْنَ (سورۃ النحل، رقم الآیۃ ۱۲۶)

ترجمہ: اور اگر تم صبر کرو گے تو یہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے (سورہ نحل)

سورہ نحل میں ہی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ إِلَّا بِاللّٰہِ (سورۃ النحل، رقم الآیۃ ۱۲۷)

ترجمہ: اور صبر کیجئے، اور تمہارا صبر کرنا بھی اللہ ہی کے ذریعہ ہوگا (سورہ نحل)

سورہ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ (سورة طٰهٰ، رقم الآية ١٣٠)

ترجمہ: پس آپ صبر کیجئے ان باتوں پر جو یہ لوگ کہتے ہیں (سورہ طٰہٰ)

سورہ قصص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيْهِ فِی الْيَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَادُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (سورة القصص، رقم الآية ٧)

ترجمہ: (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو فرمایا گیا) پس جب آپ کو اپنے بچے کا ڈر ہو تو اس کو دریا میں ڈال دیجئے، اور نہ خوف کیجئے، اور نہ غم کھایئے، بے شک ہم لوٹا دیں گے، اس کو آپ کی طرف اور بنائیں گے اس کو رسولوں میں سے (سورہ قصص)

سورہ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ (سورة العنكبوت، رقم الآية ٣٣)

ترجمہ: (حضرت لوط کو فرمایا گیا) نہ خوف کیجئے، اور نہ غم کھایئے (سورہ عنکبوت)

معلوم ہوا کہ صبر کرنے کے ساتھ غم کو بھی دل سے نکالنے کا حکم ہے۔

سورہ عنکبوت میں ہی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِيْنَ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (سورة العنكبوت، رقم الآية ٥٥، ٥٩)

ترجمہ: کیا ہی اچھا اجر ہے ان عمل کرنے والوں کا جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں (سورہ عنکبوت)

سورہ زمر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (سورة الزمر، رقم الآية ١٠)

ترجمہ: پس دیا جائے گا صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے (سورہ زمر)

سورہ غافر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (سورة الغافر، رقم الآية ٥٥)

ترجمہ: پس آپ صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے (سورہ غافر)

سورہ احقاف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (سورة الاحقاف، رقم الآية ٣٥)

ترجمہ: پس آپ صبر کیجئے جیسا کہ ہمت والے رسولوں نے صبر کیا (سورہ احقاف)

سورہ محمد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْن (سورة محمد، رقم الآية ٣١)

ترجمہ: اور ہم ضرور بالضرور تمہیں آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں کو اور صبر کرنے والوں کو جان لیں (سورہ محمد)

سورہ حدید میں اللہ تعالیٰ امتحانی مصائب میں مبتلا کرنے کی حکمت بتلاتے ہوئے مومنوں کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَافَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰكُمْ (سورة الحديد، رقم الآية ٢٣)

ترجمہ: تاکہ تم نہ افسوس کرو اس چیز پر جو تم سے فوت ہوگئی ہے اور نہ اتراؤ اس چیز پر جو اللہ نے تمہیں دی ہے (سورہ حدید)

سورہ طور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ (سورة الطور، رقم الآية ٤٨)

ترجمہ: اور صبر کیجئے اپنے رب کے حکم کے لئے (سورہ طور)

سورہ انسان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً (سورة الانسان، رقم الآية ۱۲)

ترجمہ: اوران کی جزاان کے صبر کرنے کے عوض میں جنت ہے (سورہ انسان)

سورہ عصر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (سورة العصر، رقم الآية ۱ الیٰ ۳)

ترجمہ: قسم ہے زمانے کی، بلاشبہ انسان ضرور خسارے میں ہے، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اورانہوں نے نیک اعمال کئے، اورایک دوسرے کوحق کی وصیت کی، اورایک دوسرے کوصبر کی وصیت کی (سورہ عصر)

مذکورہ تمام آیات سے صبر کرنے اورغم کو باقی نہ رکھنے کی تاکیدواہمیت معلوم ہوئی۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهٗ كُلَّهٗ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ، صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا معاملہ بہت ہی اچھا ہے، اس کا ہر معاملہ خیر والا ہے، اور یہ مومن کے علاوہ کسی اورکو حاصل نہیں، مومن کو اگر کوئی خوشی پہنچتی ہے، تو شکر کرتا ہے، اس میں اس کے لئے خیر ہوتی ہے، اوراگر اسے کوئی مصیبت وتکلیف پہنچتی ہے، تو صبر کرتا ہے، اوراس میں بھی اس کے لئے خیر ہوتی ہے (مسلم)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَجِبْتُ مِنْ قَضَاءِ اللّٰهِ عَزَّ

---

[1] رقم الحديث ۲۹۹۹ "٦٤" كتاب الزهد والرقائق، باب المؤمن أمره كله خير.

وَجَلَّ لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ حَمِدَ رَبَّهُ وَشَكَرَ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ حَمِدَ رَبَّهُ وَصَبَرَ، الْمُؤْمِنُ يُؤْجَرُ فِي كُلِّ شَيْءٍ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۱۴۸۷) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ عزوجل کے مومن کے لئے فیصلہ پر خوشی ہوئی، اگر اس مومن کو خیر کی بات پہنچتی ہے، تو وہ اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور شکر کرتا ہے، اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے، تو وہ اپنے رب کی حمد کرتا ہے، اور صبر کرتا ہے، مومن کو ہر چیز پر ہی اجر وثواب عطا کیا جاتا ہے (مسند احمد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ (صحيح بخارى) [۲]

ترجمہ: اور جو اپنے ارادہ سے صبر اختیار کرتا ہے، تو اس کو اللہ تعالیٰ صبر عطا فرمادیتا ہے، اور کسی شخص کو بھی کوئی نعمت صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع تر عطا نہیں کی گئی (بخاری، مسلم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

وَمَا رُزِقَ الْعَبْدُ رِزْقًا، أَوْسَعَ لَهُ مِنَ الصَّبْرِ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۱۱۴۳۵) [۳]

---

[۱] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية مسند احمد)

[۲] رقم الحديث ۱۴۶۹، كتاب الزكاة، باب الاستعفاف عن المسألة، مسلم، رقم الحديث ۱۰۵۳ "۱۲۴"

[۳] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: اور بندہ کو کوئی رزق بھی صبر سے زیادہ کشادہ عطا نہیں کیا گیا (مسند احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ أَوَّلِ صَدْمَةٍ، أَوْ قَالَ: عِنْدَ أَوَّلِ الصَّدْمَةِ (مسلم، رقم الحديث ٩٢٦ "١٥" كتاب الجنائز، باب فى الصبر على المصيبة عند أول الصدمة)

ترجمہ: صبر تو صدمہ پہنچنے کے شروع کے وقت ہوتا ہے (جس کا بہت اجر وثواب ہے) (مسلم)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ: اِبْنَ آدَمَ إِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولٰى، لَمْ أَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابنِ آدم! اگر تو صدمہ پہنچنے کے وقت شروع سے ہی صبر کرے، اور ثواب کی امید رکھے، تو میں جنت سے نیچے ثواب دینے پر راضی نہیں ہوں گا (ابن ماجہ)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ:

إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ (مسلم) [2]

ترجمہ: اگر آپ چاہیں تو صبر کرلیں، جس پر آپ کو جنت حاصل ہوگی (مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ١٥٩٧، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى الصبر على المصيبة.
قال شعيب الارنؤوط:
صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن (حاشية سنن ابن ماجه)

[2] رقم الحديث ٢٥٧٦ "٥٤" كتاب البر والصلة والآداب، باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض، أو حزن، أو نحو ذلك حتى الشوكة يشاكها.

أُمَّ حَـارِثَةَ بْنِ سُرَاقَةَ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، أَلَا تُحَدِّثُنِيْ عَنْ حَارِثَةَ، وَكَانَ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ أَصَابَهُ سَهْمٌ غَرْبٌ، فَإِنْ كَانَ فِي الْجَنَّةِ صَبَرْتُ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ، اِجْتَهَدْتُ عَلَيْهِ فِي الْبُكَاءِ، قَالَ: يَا أُمَّ حَارِثَةَ إِنَّهَا جِنَانٌ فِي الْجَنَّةِ، وَإِنَّ ابْنَكِ أَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْأَعْلَى (صحيح بخارى) [1]

ترجمہ: اُمِّ حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، اور انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! آپ مجھے (میرے بیٹے) حارثہ کے بارے میں بتلایئے، اور حضرت حارثہ بدر کے دن تیر لگنے سے شہید ہوگئے تھے کہ اگر وہ جنت میں ہوں، تو میں صبر کرتی ہوں، اور اگر وہ جنت میں نہ ہوں، تو میں ان پر رووٗں گی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے! امِ حارثہ وہ جنت میں ہیں، اور آپ کے بیٹے نے جنت الفردوس کو پالیا ہے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ نیک اور جنتی لوگوں کی شہادت اور وفات پر بطورِ خاص صبر کا حکم ہے، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقائے کار کا جنتی ہونا بالکل ظاہر ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری آنکھوں میں تکلیف تھی، پھر وہ صحیح ہوگئی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَوْ كَانَتْ عَيْنَاكَ لِمَا بِهِمَا، ثُمَّ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ، لَلَقِيتَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا ذَنْبَ لَكَ قَالَ إِسْمَاعِيلُ: ثُمَّ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ، لَأَوْجَبَ اللّٰهُ لَكَ الْجَنَّةَ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٩٣٤٨) [2]

ترجمہ: اگر آپ کی آنکھوں میں تکلیف ہوتی، پھر آپ صبر کرتے، اور ثواب کی امید رکھتے، تو اللہ عز وجل سے اس حال میں ملاقات کرتے کہ آپ کے گناہ

---

[1] رقم الحديث ٢٨٠٩، كتاب الجهاد والسير، باب من أتاه سهم غرب فقتله.

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية مسند احمد)

معاف ہو چکے ہوتے، اور اسماعیل راوی نے یہ فرمایا کہ پھر آپ صبر کرتے، اور ثواب کی امید رکھتے، تو اللہ آپ کے لئے جنت کو واجب کر دیتا (مسند احمد)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَأُ الْمِیْزَانَ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَآنِ أَوْ تَمْلَأُ مَا بَیْنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالصَّلَاۃُ نُوْرٌ وَالصَّدَقَۃُ بُرْھَانٌ وَالصَّبْرُ ضِیَاءٌ وَالْقُرْآنُ حُجَّۃٌ لَکَ أَوْ عَلَیْکَ کُلُّ النَّاسِ یَغْدُوْ فَبَایِعٌ نَفْسَہٗ فَمُعْتِقُھَا أَوْ مُوْبِقُھَا (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پاکی نصف (یعنی آدھا) ایمان ہے، اور ''الحمدللہ'' میزانِ عمل کو پُر کر دیتا ہے، اور ''سبحان اللہ'' اور ''الحمدللہ'' دونوں میزانِ عمل کو بھر دیتے ہیں، یا یہ فرمایا کہ زمین اور آسمان کے درمیان حصہ کو بھر دیتے ہیں، اور نماز (دل، قبر وحشر میں) نور ہے، اور صدقہ برہان (یعنی واضح حجت ودلیل) ہے، اور صبر روشنی ہے، اور قرآن آپ کے حق میں یا آپ کے خلاف حجت ہے، تمام لوگ اس حال میں صبح کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کی بیع کرتے ہیں، پھر کوئی اپنے آپ کو (نیک اعمال کر کے عذاب سے) آزاد کرالیتا ہے، یا اپنے آپ کو (گناہ کر کے عذاب میں گرفتار) وہلاک کرالیتا ہے (مسلم)

مطلب یہ ہے کہ صبر کے ذریعہ سے ہدایت کی روشنی حاصل ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۲۲۳ "۱ "کتاب الطھارۃ، باب فضل الوضوء.

[2] والمراد أن الصبر محمود ولا یزال صاحبه مستضیئا مھتدیا مستمرا علی الصواب (شرح النووی علی مسلم، ج۳ص ۱۰۱، کتاب الطھارۃ، باب فضل الوضوء)

(ضیاء) أی لا یزال صاحبه مستضیئا بنور الحق علی سلوک سبیل الھدایة والتوفیق لیتحلی بضیاء المعارف والتحقیق فیظفر بمطوبه ویفوز بمرغوبه (فیض القدیر للمناوی، تحت رقم الحدیث ۹۶۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟قَالَ: اَلصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ ، قِيلَ: أَيُّ الْمُؤْمِنِينَ أَكْمَلُ إِيمَانًا ، قَالَ أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا (مصنف ابن أبى شيبة، رقم الحديث ۳۱۰۳۲) [1]

ترجمہ: عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کون سا عمل (یا کون سا ایمان) افضل ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبر کرنا اور درگزر (یعنی معاف) کرنا، عرض کیا گیا کہ مومنوں میں کس کا ایمان کامل ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں (ابن ابی شیبہ)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ رَدِيْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا غُلَامُ، أَوْ يَا غُلَيِّمُ، أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهِنَّ؟فَقُلْتُ: بَلٰى.فَقَالَ: اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ أَمَامَكَ، تَعَرَّفْ إِلَيْهِ فِي الرَّخَاءِ، يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ، وَإِذَا سَأَلْتَ، فَاسْأَلِ اللّٰهَ، وَإِذَا

---

[1] عن جابر رضى الله عنه قال :قيل يا رسول الله، أى الإيمان أفضل؟ قال صلى الله عليه وسلم " :الصبر والسماحة ."إسناده حسن.أخرجه من حديث طويل، قد أخرجوه مفرقا إلا هذه الجملة(المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية،لابنِ حجر،ج۱۳ص۱۶۷، تحت رقم الحديث ۳۱۴۱)

قال الالبانى: أفضل الإيمان الصبر والسماحة ." الديلمى(۱۲۸/۱/۱)عن عبد العزيز بن الزبير عن زيد العمى عن معاوية بن قرة عن معقل بن يسار مرفوعا. قلت :ويروى عن الحسن مرسلا ."قلت: وهذا إسناد ضعيف، زيد العمى ضعيف من قبل حفظه .وعبد العزيز بن الزبير، لم أعرفه .ومرسل الحسن وهو البصرى وصله عبد الله بن أحمد فى "زوائد الزهد(ص۱۰). وأسنده ابن أبى شيبة فى "الإيمان "(رقم ۴۳) عنه عن جابر بن عبد الله أنه قال " :قيل يا رسول الله أى الإيمان أفضل؟ قال :الصبر والسماحة ."ورجاله ثقات، فهو صحيح لولا عنعنة البصرى .والحديث صحيح المتن لأن له شاهدين عند أحمد من حديث عمرو بن عبسة وعبادة بن الصامت، وأخرج أولهما البيهقى أيضا فى "الزهد الكبير(۱/۸۷) "من طريق أخرى عنه .ووجدت له شاهدا آخر مرسل أخرجه ابن نصر فى "الصلاة "(ق۲/۱۴۳) عن عبيد بن عمير مرفوعا .وإسناده صحيح، وهو قطعة من حديث ذكرته تحت الحديث ۱۴۹۱ (سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۱۴۹۵)

اسْتَعَنْتَ، فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، قَدْ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ، فَلَوْ أَنَّ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ جَمِيعًا أَرَادُوْا أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ، وَإِنْ أَرَادُوْا أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ فِي الصَّبْرِ عَلٰى مَا تَكْرَهُ خَيْرًا كَثِيْرًا، وَأَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ، وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ، وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (مسند أحمد، رقم الحديث ٢٨٠٣) [1]

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر پیچھے سوار تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لڑکے یا اے چھوٹے سے بچے! کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ سکھلا دوں، جن کے ذریعہ سے اللہ آپ کو نفع پہنچائے گا، میں نے عرض کیا کہ ضرور بتلا دیجئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اللہ کے احکام کو محفوظ رکھو، تو اللہ آپ کو (دنیا وآخرت میں بلاؤں سے) محفوظ رکھے گا، آپ اللہ کے حقوق کو محفوظ رکھو، تو آپ اللہ کو (اپنی مدد اور قبولیت کے لئے) اپنے سامنے پائیں گے، آپ اللہ کو راحت وسکون کی حالت میں یاد رکھو، تو اللہ آپ کو تنگی کی حالت میں یاد رکھے گا، اور جب آپ سوال کریں، تو اللہ ہی سے سوال کریں، اور جب آپ مدد طلب کریں، تو اللہ ہی سے مدد طلب کریں، بلا شبہ (تقدیر لکھنے والا) قلم خشک ہو چکا ہے، جو کچھ بھی ہونے والا ہے (وہ سب تقدیر میں لکھا جا چکا ہے) پس اگر ساری مخلوق مل کر تمہیں کوئی نفع پہنچانا چاہے، جس کو اللہ نے آپ کے لئے نہیں لکھا، تو وہ لوگ اس کی قدرت نہیں رکھتے، اور اگر وہ آپ کو کچھ نقصان پہنچانا چاہے، جس کو اللہ نے آپ کے لئے نہیں لکھا، تو وہ لوگ اس کی قدرت نہیں رکھتے، اور یہ بات یاد رکھیے کہ جس چیز کو آپ ناپسند کرتے

[1] قال شعیب الارنؤوط:
حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

ہیں، اس میں صبر کرنے پر بہت بڑی خیر حاصل ہوتی ہے، اور اللہ کی نصرت صبر کے ساتھ ہوتی ہے، اور نجات، رنج وغم کے ساتھ ہوتی ہے، اور تنگی کے ساتھ آسانی ہوتی ہے (مسند احمد)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِسْمَةً، فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ: وَاللّٰهِ مَا أَرَادَ مُحَمَّدٌ بِهٰذَا وَجْهَ اللّٰهِ، فَأَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ، فَتَمَعَّرَ وَجْهُهُ، وَقَالَ: رَحِمَ اللّٰهُ مُوْسٰى، لَقَدْ أُوْذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ (لوگوں میں) مال تقسیم کیا، تو انصار کے ایک آدمی نے کہا کہ اللہ کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقسیم میں اللہ کی رضاء کا لحاظ نہیں کیا (یعنی کسی کی بے جا طرفداری کی) حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور آپ کو اس بات کی خبر دی، تو آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہوگیا، اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم فرمائے، جن کو اس سے زیادہ ایذاء دی گئی، پھر بھی انہوں نے صبر کیا (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ سخت نازیبا کلمہ تھا، مگر آپ نے صبر سے کام لیا، اور غصہ نہیں فرمایا، اور حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے طرزِ عمل کو سامنے رکھا۔

مذکورہ آیات اور احادیث سے رنج وغم اور مصیبت وتکلیف پر صبر وتحمل (اختیار کرنے اور غم کو باقی نہ رکھنے) کی اہمیت اور اس کے عظیم فضائل معلوم ہوئے۔

اور اس کے برخلاف بے صبری اور چیخ وپکار اور نوحہ کی احادیث میں ممانعت آئی ہے۔

---

[1] رقم الحديث ٦٠٥٩، كتاب الادب، باب من أخبر صاحبه بما يقال فيه.

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِثْنَتَانِ فِی النَّاسِ ھُمَا بِھِمْ کُفْرٌ: اَلطَّعْنُ فِی النَّسَبِ وَالنِّیَاحَۃُ عَلَی الْمَیِّتِ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں دو چیزیں کفر ہیں، ایک نسب میں طعن کرنا اور دوسرے میت پر نوحہ کرنا (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ مِّنَ الْکُفْرِ بِاللّٰہِ شَقُّ الْجَیْبِ وَالنِّیَاحَۃُ وَالطَّعْنُ فِی النَّسَبِ (صحیح ابن حبان) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں اللہ (یعنی اللہ کے احکام) کے ساتھ کفر میں داخل ہیں، ایک گریبان چاک کرنا، دوسرے نوحہ کرنا، تیسرے (کسی کے) نسب میں طعن (وتشنیع) کرنا (ابن حبان)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا افْتَتَحَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَکَّۃَ رَنَّ إِبْلِیْسُ رَنَّۃً اِجْتَمَعَتْ إِلَیْہِ جُنُوْدُہٗ، فَقَالَ: اَیْئَسُوْا أَنْ نُرِیْدَ أُمَّۃَ مُحَمَّدٍ عَلَی الشِّرْکِ بَعْدَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا، وَلٰکِنِ افْتِنُوْھُمْ فِیْ دِیْنِھِمْ، وَأَفْشُوْا فِیْھِمُ النَّوْحَ (المعجم الکبیر للطبرانی) [3]

---

[1] رقم الحدیث ٦٧" ١٢١ "کتاب الایمان، باب إطلاق اسم الکفر علی الطعن فی النسب والنیاحة علی المیت.

[2] رقم الحدیث ١٤٦٥، کتاب الصلاة، باب الوعید علی ترک الصلاة.

قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح (حاشیة ابن حبان)

[3] رقم الحدیث ١٢٣١٨، ج١٢ ص١١، الترغیب والترهیب لابن شاهین، رقم الحدیث ٢٤٣١.

قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الکبیر، ورجاله موثقون (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ٤٠١٤، باب فی النوح)

ترجمہ: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح فرمایا تو ابلیس چیخا (اور اس نے واویلا کیا) ابلیس کے پاس اُس کا لاؤلشکر جمع ہوا، تو ابلیس نے کہا کہ تم اس بات سے مایوس ہوجاؤ کہ آج کے دن کے بعد ہم اُمتِ محمد کو شرک پر آمادہ کریں (کیونکہ بیتُ اللہ جو توحید کا مرکز ہے، وہ ان کو حاصل ہو چکا) البتہ تم ان کو دین (کے رنگ) میں فتنہ (میں) ڈالو، اور ان میں نوحہ کو پھیلاؤ (طبرانی)

مطلب یہ ہے کہ نوحہ کرنا اور سینہ کوبی اور کپڑے پھاڑنا کفر وشرک والے کاموں سے تعلق رکھتا ہے، اور یہ شیطان کو پسند ہے، جس سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَرْبَعٌ فِيْ أُمَّتِيْ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ، لَا يَتْرُكُوْنَهُنَّ: اَلْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالْاسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُوْمِ، وَالنِّيَاحَةُ وَقَالَ النَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا، تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ، وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ (مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں چار چیزیں جاہلیت کے کاموں سے تعلق رکھتی ہیں، جن کو میری امت نہیں چھوڑے گی، ایک تو (اپنے) حَسَب نَسَب پر فخر کرنا، دوسرے (دوسروں کے) نسبوں پر طعن وتشنیع کرنا، تیسرے ستاروں سے بارش طلب کرنا، چوتھے نوحہ کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نوحہ کرنے والی اگر مَرنے سے پہلے توبہ نہیں کرے گی، تو قیامت کے دن اُسے اس حال میں پیش کیا جائے گا، کہ اس پر تارکول کا کرتہ ہوگا اور خارش والی قمیص ہوگی (جو اس کو کاٹے گی) (مسلم)

---

[1] رقم الحديث ٩٣٤ "٢٩" كتاب الجنائز، باب التشديد في النياحة.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ثَلَاثٌ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُهُنَّ أَهْلُ الْإِسْلَامِ: اَلنِّيَاحَةُ وَالْإِسْتِسْقَاءُ بِالْأَنْوَاءِ وَالتَّعَايُرُ (صحيح ابنِ حبان)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں جاہلیت کے عمل سے تعلق رکھتی ہیں، جن کو اہلِ اسلام چھوڑیں گے نہیں، ایک نوحہ کرنا، دوسرے ستاروں سے بارش طلب کرنا، اور تیسرے (نسب وغیرہ پر ایک دوسرے کو) عار دِلانا (ابنِ حبان)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

خِلَالٌ مِّنْ خِلَالِ الْجَاهِلِيَّةِ اَلطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ وَالنِّيَاحَةُ (بخاری)[2]

ترجمہ: کسی کے نسب میں طعنہ زنی کرنا اور میت پر نوحہ کرنا زمانۂ جاہلیت کی خصلت ہے (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ کسی کے فوت ہونے کے بعد اس پر نوحہ کرنا جاہلیت کے کارناموں میں سے ہے، جس سے اسلام نے منع کر دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ لَا يَزَلْنَ فِيْ أُمَّتِيْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ: اَلنِّيَاحَةُ، وَالْمُفَاخَرَةُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالْأَنْوَاءُ (مسند ابى يعلىٰ، رقم الحديث ٣٩١١، مسند البزار، رقم الحديث ٦٣٨٥)[3]

---

[1] رقم الحديث ٣١٤١، كتاب الجنائز، فصل فى النياحة ونحوها.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية ابن حبان)

[2] رقم الحديث ٣٨٥٠، كتاب مناقب الانصار، باب القسامة فى الجاهلية.

[3] قال حسين سليم اسد الدارانى: إسناده صحيح (حاشية مسند ابى يعلىٰ)
وقال الهيثمى: رواه أبو يعلى، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٤٠٠٨، باب فى النوح)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین گناہ میری امت میں قیامت قائم ہونے تک جاری رہیں گے، ایک نوحہ کرنا، دوسرے نسبوں پر فخر کرنا، اور تیسرے ستارہ پرستی (یعنی علمِ نجوم کی زائچہ بندی بسلسلہ حوادثاتِ عالم پر اعتقاد رکھنا) (ابویعلیٰ، بزار)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے بتلا دیا گیا تھا کہ اس امت میں نوحہ کے گناہ میں کچھ لوگ قیامت تک مبتلا رہیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ (بخاری) [2]

ترجمہ: وہ ہماری جماعت سے نہیں ہے جو چہرہ کو پیٹے، اور گریبان پھاڑے اور زمانۂ جاہلیت کی طرح واویلا (اور نوحہ) کرے (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ ہمارے مذہبِ اسلام میں نوحہ خوانی اور جسم کوبی وغیرہ کی گنجائش نہیں، لہٰذا جو یہ حرکت کرے، وہ ہم میں سے نہیں، یعنی ہمارے طریقہ پر نہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

نَهَيْتُ عَنْ صَوْتَيْنِ أَحْمَقَيْنِ فَاجِرَيْنِ : صَوْتِ عِنْدَ مُصِيْبَةٍ، خَمْشِ

---

[1] عن أبی هريرة، عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: أربع فی أمتی ليس هم بتاركيها الفخر فی الأحساب والطعن فی الأنساب والنياحة تبعث يوم القيامة النائحة إذا لم تتب عليها درع من قطران (مسند البزار، رقم الحديث ٨٦٢٦)

قال الهيثمی:

قلت :هو فی الصحيح باختصار. رواه البزار، وإسناده حسن (مجمع الزوائد، رقم الحديث ٤٠١١، باب فی النوح)

[2] رقم الحديث ١٢٩٧، كتاب الجنائز، باب ليس منا من ضرب الخدود، مسلم رقم الحديث ١٠٣ "١٦٥"

وُجُوْهٍ، وَشَقِّ جُيُوْبٍ، وَرَنَّةِ شَيْطَانٍ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: میں نے دو احمق، فاجر آوازوں سے منع کیا ہے، ایک مصیبت کے وقت چیخنے کی آواز (یعنی نوحہ خوانی) چہرہ کو نوچنا اور گریبان پھاڑنا، اور شیطانی مرثیہ خوانی (ترمذی)

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِيْ فَانْطَلَقْتُ مَعَهٗ إِلٰى إِبْرَاهِيْمَ اِبْنِهٖ وَهُوَ يَجُوْدُ بِنَفْسِهٖ، فَأَخَذَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حِجْرِهٖ حَتّٰى خَرَجَتْ نَفْسُهٗ قَالَ: فَوَضَعَهٗ وَبَكٰى قَالَ: فَقُلْتُ: تَبْكِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَأَنْتَ تَنْهٰى عَنِ الْبُكَاءِ قَالَ: إِنِّيْ لَمْ أَنْهَ عَنِ الْبُكَاءِ وَلٰكِنِّيْ نَهَيْتُ عَنْ صَوْتَيْنِ أَحْمَقَيْنِ فَاجِرَيْنِ، صَوْتٍ عِنْدَ نَغْمَةِ لَهْوٍ وَلَعِبٍ وَمَزَامِيْرِ الشَّيْطَانِ، وَصَوْتٍ عِنْدَ مُصِيْبَةٍ لَطْمِ وجُوْهٍ وَشَقِّ جُيُوْبٍ، وَهٰذِهٖ رَحْمَةٌ وَمَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ وَلَوْلَا أَنَّهٗ وَعْدٌ صَادِقٌ وَقَوْلٌ حَقٌّ وَأَنْ يَّلْحَقَ أُولَانَا بِأُخْرَانَا لَحَزِنَّا عَلَيْكَ حُزْنًا أَشَدَّ مِنْ هٰذَا، وَإِنَّا بِكَ يَا إِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ تَبْكِي الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ، وَلَا نَقُوْلُ مَا يُسْخِطُ الرَّبَّ (مستدرک حاکم) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا، پھر مجھے اپنے ساتھ اپنے بیٹے

---

[1] رقم الحديث ١٠٠٥، ابواب الجنائز، باب ما جاء فی الرخصة فی البكاء علی الميت.
قال الترمذی:
وفی الحديث كلام أكثر من هذا :.هذا حديث حسن.

[2] رقم الحديث ٦٨٢٥، كتاب معرفة الصحابة، ذكر سراری رسول الله صلی الله عليه وسلم فأولهن مارية القبطية أم إبراهيم، شرح معانی الآثار، رقم الحديث ٦٩٧٥.
قال الالبانی:
ورجال إسناده ثقات، إلا أن ابن أبی ليلی سيیء الحفظ، فمثله يستشهد به ويعتضد (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٤٢٧)

ابراہیم کے پاس لے گئے، اور ابراہیم اس وقت نزع کی حالت میں تھے، تو ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گود میں لیا، یہاں تک کہ ان کی جان نکل گئی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رکھ دیا، اور رونے لگے، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ روتے ہیں، حالانکہ آپ رونے سے منع فرماتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے رونے سے منع نہیں کیا، البتہ میں نے دو احمق فاجر آوازوں سے منع کیا ہے، ایک لہو ولعب اور خوشی کے وقت کی آواز سے اور شیطانی باجوں سے، اور دوسرے مصیبت کے وقت کی آواز سے، چہرے نوچنے سے، اور کپڑے پھاڑنے سے، اور یہ (بغیر آواز کے رونا) رحمت ہے، اور جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا، اور اگر سچا وعدہ اور حق قول نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ ہمارے پہلے بعد والوں سے مل جائیں گے، تو ہم (اے بیٹے) آپ پر اس سے بھی زیادہ شدید غم کرتے، اور بے شک ہم اے ابراہیم! آپ کی وجہ سے غمگین ہیں، آنکھیں روتی ہیں اور دل غمگین ہوتا ہے، اور ہم وہ بات نہیں کہتے، جس سے رب ناراض ہو (حاکم)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی صدمہ کے وقت دل میں غم ہونا اور غم کے وقت آنکھوں سے آنسو جاری ہوجانا تو باعثِ رحمت ہے، لیکن آواز کے ساتھ اور چیخ چیخ کر رونا، بَین کرنا اور جسم کو پیٹنا اور کپڑوں کو پھاڑنا اور زبان سے شکوہ شکایت اور بے صبری والی باتیں کرنا، یہ چیزیں رب تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہیں۔ [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] فأخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فى هذا الحديث ,بالبكاء الذى نهى عنه فى الأحاديث الأول ,وأنه البكاء الذى معه الصوت الشديد ,ولطم الوجوه ,وشق الجيوب .وبين أن ما سوى ذلك من البكاء ,فما فعل من جهة الرحمة ,أنه بخلاف ذلك البكاء الذى نهى عنه(شرح معانى الآثار ، تحت رقم الحديث ٦٩٧٥)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : صَوْتَانِ مَلْعُوْنَانِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ: مِزْمَارٌ عِنْدَ نِعْمَةٍ وَرَنَّةٌ عِنْدَ مُصِيْبَةٍ (مسند البزار) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آوازیں دنیا وآخرت میں ملعون ہیں، ایک خوشی کے وقت موسیقی کی آواز، اور دوسرے مصیبت کے وقت چیخنے کی آواز (یعنی نوحہ کرنا) (بزار)

معلوم ہوا کہ نوحہ کی آواز درحقیقت ملعون اور احمق وفاجر (یعنی شدید گناہ والی) آواز ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کو سخت ناپسند ہے۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ مَنْ حَلَقَ أَوْ سَلَقَ أَوْ خَرَقَ (سنن النسائی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی، اس شخص پر جو (غم میں) بال منڈوائے، یا چیخ چلائے (یعنی نوحہ کرے) یا کپڑے پھاڑے (نسائی)

اس سے معلوم ہوا کہ نوحہ کرنا باعثِ لعنت عمل ہے، اور اس سے پہلی حدیث میں نوحہ کی آواز کا ملعون ہونا گزر چکا ہے، جس سے اس حدیث کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَخَذَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْبَيْعَةِ أَنْ لَّا نَنُوْحَ (بخاری) [3]

---

[1] رقم الحديث ۷۵۱۳، الترغيب والترهيب لابن شاهين، رقم الحديث ۲۴۳۳.

قال الهيثمی:

رواه البزار، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۰۱۷، باب فی النوح)

[2] رقم الحديث ۱۸۶۳، كتاب الجنائز، باب الحلق، مسند احمد رقم الحديث ۱۹۶۲۶.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

[3] رقم الحديث ۱۳۰۶، كتاب الجنائز، باب ما ينهى من النوح والبكاء والزجر عن ذلك، مسلم رقم الحديث ۹۳۶" ۳۱" سنن النسائی رقم الحديث ۱۴۸۱، مسند احمد رقم الحديث ۲۰۷۹۱.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیعت (لینے) کے وقت عہد لیا کہ ہم نوحہ نہ کریں گی (بخاری)

حضرت ام سلمہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَتْ اِمْرَأَةٌ مِنَ النِّسْوَةِ : مَا هٰذَا الْمَعْرُوْفُ الَّذِیْ لَا یَنْبَغِیْ لَنَا أَنْ نَعْصِیَکَ فِیْهِ؟ قَالَ: لَا تَنُحْنَ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: چند عورتوں میں سے ایک عورت نے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے) عرض کیا کہ وہ کون سا معروف کام ہے کہ جس میں ہمارے لئے آپ کی نافرمانی کرنا جائز نہیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نوحہ نہ کرو (ترمذی)

قرآن مجید کی سورہ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کے لئے آنے والی عورتوں کے بارے میں یہ تاکید فرمائی ہے کہ وہ معروف (یعنی نیک) کاموں میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔ [2]

اسی کے متعلق ایک عورت نے سوال کیا تھا، جس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ نہ کرنے کا حکم فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نوحہ کرنا اتنا قبیح فعل ہے کہ جس سے بچنے کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے وقت عہد لیا تھا، اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کی بیعت کا حصہ تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحدیث ۳۳۰۷، ابواب تفسیر القرآن، باب :ومن سورۃ الممتحنۃ.
قال الترمذی:
هـذا حـدیـث حسـن غریب وفیه عن أم عطیة قال عبد بن حمید " :أم سـلمة الأنصاریة هی :أسماء بنت یزید بن السکن "

[2] یـا أیهـا الـنبی إذا جـاء ک الـمؤمنات یبایعنک علی أن لا یشرکن بالله شیئا ولا یسـرقـن ولا یـزنین ولا یقتلن أولادهن ولا یأتین ببهتان یفترینه بین أیدیهن وأرجلهن ولا یـعـصـینـک فی معروف فبایعهن واستغفر لهن الله إن الله غفور رحیم (سورة الممتحنة، رقم الآیة ۱۲)

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُصَلِّي الْمَلَائِكَةُ عَلٰى نَائِحَةٍ، وَلَا عَلٰى مُرِنَّةٍ (مسند احمد، رقم الحديث ٨٧٤٦) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے نوحہ کرنے والی اور میت پر چیخنے والی عورت کے جنازہ میں شرکت نہیں کرتے (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ نوحہ کرنے والا اگر اسی حال میں فوت ہوجائے تو اس کے جنازہ میں رحمت کے فرشتے شرکت نہیں کرتے۔

زمانۂ جاہلیت میں خاص طور پر عورتیں نوحہ کیا کرتی تھیں اور آج بھی اس قسم کی حرکتیں اکثر عورتیں ہی کرتی ہیں، اس لئے عورتوں کا ذکر آیا ہے ورنہ اگر کوئی مرد یہ حرکت کرے تو اس کے لئے بھی یہی وعیدیں ہیں، کیونکہ اس کی وجہ نوحہ کرنا ہے خواہ کوئی بھی کرے۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلنِّيَاحَةُ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ، وَإِنَّ النَّائِحَةَ إِذَا مَاتَتْ، وَلَمْ تَتُبْ، قَطَعَ اللّٰهُ لَهَا ثِيَابًا مِنْ قَطِرَانٍ، وَدِرْعًا مِنْ لَهَبِ النَّارِ (ابنِ ماجه) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نوحہ کرنا جاہلیت کے کاموں سے تعلق رکھتا ہے، اور نوحہ کرنے والی اگر مَر گئی، اور اُس نے توبہ نہیں کی، تو اُس کے لئے اللہ تارکول کا لباس تیار فرمائے گا، اور آگ کی لپٹوں کی قمیص (ابنِ ماجہ)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده قابل للتحسين (حاشية مسند احمد)
قال المنذري:
رواه أحمد وإسناده حسن (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ٥٣٥٣)

[2] رقم الحديث ١٥٨١، كتاب الجنائز، باب فى النهى عن النياحة.
قال شيعب الارنوؤط:
حديث صحيح (حاشية سنن ابن ماجه)

فَإِنَّ النَّائِحَةَ إِنْ لَمْ تَتُبْ قَبْلَ أَنْ تَمُوتَ فَإِنَّهَا تَقُومُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهَا سَرَابِيلُ مِنْ قَطِرَانٍ، ثُمَّ يُعَلُّ عَلَيْهَا دِرْعٌ مِنْ لَهَبِ النَّارِ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۲۹۰۴) [1]

ترجمہ: پس نوحہ کرنے والی عورت اگر اپنے مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے تو قیامت کے دن اسے اس حال میں کھڑا کیا جائے گا کہ اس پر تارکول کا کُرتہ ہوگا، جس پر آگ کی لپٹوں والی قمیص چڑھائی جائے گی (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

ان احادیث سے نوحہ کرنے والے کے لئے آخرت کے سخت عذاب کا ہونا معلوم ہوا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُنَحْ عَلَيْهِ (مسند البزار، رقم الحديث ۸۰۱۸) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی وفات) پر نوحہ نہیں کیا گیا (بزار)

حضرت حکیم بن قیس رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ قَيْسَ بْنَ عَاصِمٍ، قَالَ: لَا تَنُوحُوا عَلَيَّ، فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
حديث صحيح(حاشية مسند احمد)

[2] عن ابن عباس، قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-النياحة على الميت من أمر الجاهلية، فإن النائحة إن لم تتب قبل أن تموت، فإنها تبعث يوم القيامة عليها سرابيل من قطران، ثم يعلى عليها بدرع من لهب النار (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۱۵۸۲، باب فى النهى عن النياحة)

قال شعيب الارنوؤط:
إسناده ضعيف (حاشية سنن ابن ماجه)

[3] قال الهيثمى:
رواه البزار، وفيه محمد بن عمرو، وفيه كلام، وحديثه حسن(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ، ۴۰۴۲، باب فى النوح)

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُنَحْ عَلَيْهِ (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میرے اوپر نوحہ مت کرنا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نوحہ نہیں کیا گیا (نسائی)

مطلب یہ ہے کہ اگر نوحہ کی گنجائش ہوتی، اور اس سے بڑھ کر یہ کوئی عبادت والا کام ہوتا تو اس کے سب سے زیادہ مستحق نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نوحہ نہیں کیا گیا، تو اور کسی پر نوحہ کرنے کی کیسے گنجائش ہوسکتی ہے؟

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :أَنَا بَرِئٌ مِمَّنْ حَلَقَ وَسَلَقَ وَخَرَقَ (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس سے بیزار ہوں، جو (غم میں) اپنے بال منڈوائے، اور چیخے چلائے (یعنی نوحہ کرے) اور کپڑے پھاڑے (مسلم)

بیزار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش نہیں ہیں، اور ایسے شخص کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی پرواہ نہیں ہے۔

حضرت ابوبُردہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ أَبَا مُوْسٰى حِيْنَ حَضَرَهُ الْمَوْتُ قَالَ: إِذَا انْطَلَقْتُمْ بِجِنَازَتِىْ فَأَسْرِعُوْا الْمَشْىَ وَلَا تُتْبِعُوْنِىْ بِجَمْرٍ وَلَا تَجْعَلُوْا عَلٰى لَحَدِىْ شَيْئًا يَحُوْلُ بِيْنِىْ وَبَيْنَ التُّرَابِ وَلَا تَجْعَلُوْا عَلٰى قَبْرِىْ بِنَاءً وَأُشْهِدُكُمْ أَنِّىْ بَرِئٌ مِنْ كُلِّ حَالِقَةٍ أَوْ سَالِقَةٍ أَوْ خَارِقَةٍ قَالُوْا: سَمِعْتَ فِيْهِ شَيْئًا؟

---

[1] رقم الحديث ١٨٥١، كتاب الجنائز، باب النياحة على الميت.

[2] رقم الحديث ١٠٤، كتاب الجنائز، باب تحريم ضرب الخدود وشق الجيوب والدعاء بدعوى الجاهلية.

قَالَ: نَعَمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (صحیح ابن حبان) [1]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت جب قریب آیا، تو انہوں نے فرمایا کہ جب تم میرا جنازہ لے کر چلو، تو تیز چلنا، اور میرے پیچھے آگ وغیرہ نہ لانا، اور میری قبر پر کوئی ایسی چیز نہ رکھنا، جو میرے اور مٹی کے درمیان حائل ہو، اور میری قبر پر عمارت مت بنانا، اور میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں ہر اس فرد سے بری ہوں، جو (رنج وغم کی وجہ سے) سر منڈانے والی ہو، یا چیخ وپکار کرنے والی ہو، یا کپڑے پھاڑنے والی ہو، لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے اس بارے میں کچھ سنا ہے، تو انہوں نے فرمایا کہ جی ہاں! میں نے (یہ سب کچھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے (ابن حبان، مسند احمد)

حضرت صفوان بن محرز سے روایت ہے کہ:

لَمَّا حَضَرَ أَبُوْ مُوْسٰى صَاحُوْا عَلَيْهِ فَقَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ سَلَقَ وَلَا خَرَقَ وَلَا حَلَقَ (صحیح ابن حبان) [2]

ترجمہ: جب حضرت ابوموسیٰ کی موت کا وقت قریب آیا، تو لوگ چیخ وپکار کرنے لگے، تو انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص ہم میں سے

---

[1] رقم الحديث ٣١٥٠، كتاب الجنائز، فصل فى النياحة ونحوها، مسند أحمد، رقم الحديث ١٩٥٤٧.

قال شعيب الارنوؤط:

إسناده حسن من أجل أبى حريز -واسمه عبد الله بن حسين -فإنه مختلف فيه (حاشية ابن احبان)

و قال ايضاً:

إسناده حسن من أجل أبى حريز :وهو عبد الله بن الحسين الأزدى، قاضى سجستان، فقد اختلف فيه (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ٣١٥١، كتاب الجنائز، فصل فى النياحة ونحوها.

قال شعيب الارنوؤط:

إسناده جيد (حاشية ابن حبان)

نہیں، جو چیخ و پکار کرے، اور نہ وہ ہم میں سے ہے، جو کپڑے پھاڑے، اور نہ وہ شخص ہم میں سے ہے جو (رنج وغم کی وجہ سے) بال منڈائے (ابن حبان)

اس طرح کی احادیث اور سندوں سے بھی مروی ہیں۔ [1]

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَعَنَ الْخَامِشَةَ وَجْهَهَا وَالشَّاقَّةَ جَيْبَهَا وَالدَّاعِيَةَ بِالْوَيْلِ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٣١٥٦، كتاب الجنائز، فصل فى النياحة ونحوها) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی اپنے چہرہ کو نوچنے والی اور اپنے کپڑوں کو پھاڑنے والی اور واویلا مچانے والی پر (ابن حبان)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مَيِّتٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ بَاكِيْهِ فَيَقُوْلُ وَا جَبَلَاهُ وَا سَيِّدَاهُ أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ إِلَّا وُكِّلَ بِهٖ مَلَكَانِ يَلْهَزَانِهٖ أَهٰكَذَا كُنْتَ (سنن الترمذى) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی فوت ہونے والے شخص پر کوئی

---

[1] حدثنى أبو بردة بن أبى موسى قال: وجع أبو موسى وجعل يغمى عليه ورأسه فى حجر امرأة من أهله فصاحت امرأة فلم يستطع أن يرد عليها شيئا فلما أفاق قال: أنا برىء ممن برىء منه رسول الله صلى الله عليه وسلم فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم برىء من الحالقة والسالقة والشاقة (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٣١٥٢)

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية ابن حبان)

[2] قال شعيب الارنؤوط:

إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية ابن حبان)

[3] رقم الحديث ١٠٠٣، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى كراهية البكاء على الميت.

قال الترمذى:

هذا حديث حسن غريب.

رونے والا نوحہ کرے اور اس طرح کہے کہ ہائے پہاڑ جیسے (مضبوط) ہائے سردار اور اس جیسے الفاظ کہے تو اس پر دو فرشتے مسلط کر دیے جاتے ہیں جو اسے ڈستے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا تو ایسا ہی تھا (ترمذی)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ:

مَنْ نِيحَ عَلَيْهِ يُعَذَّبُ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ (بخاری) [1]

ترجمہ: جس (فوت شُدہ میت) پر نوحہ کیا جائے تو اس کو اس نوحہ کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے (بخاری)

محدثین نے فرمایا کہ نوحہ کرنے کی وجہ سے میت کو عذاب اس صورت میں ہوتا ہے، جبکہ اس نے اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کو اپنے مرنے پر نوحہ کرنے کی وصیت کی ہو یا وہ اس عمل سے راضی ہو اور اسے معلوم ہو کہ میرے مرنے کے بعد ایسا کیا جائے گا مگر پھر بھی منع نہ کیا ہو، جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں ایسا ہوتا تھا کہ مرنے سے پہلے باقاعدہ اس کی وصیت کی جاتی تھی اور اس نوحہ کو اپنے لئے قابلِ فخر کام سمجھا جاتا تھا۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٢٩١، كتاب الجنائز، باب ما يكره من النياحة على الميت، مسلم رقم الحديث ٩٣٣ "٢٨"

[2] واختلف العلماء فى هذه الأحاديث فتأولها الجمهور على من وصى بأن يبكى عليه ويناح بعد موته فنفذت وصيته، فهذا يعذب ببكاء أهله عليه ونوحهم؛ لأنه بسببه ومنسوب إليه. قالوا فأما من بكى عليه أهله وناحوا من غير وصية منه فلا يعذب لقول الله تعالى (ولا تزر وازرة وزر أخرى) قالوا: وكان من عادة العرب الوصية بذلك ومنه قول طرفة بن العبد: إذا مت فانعينى بما أنا أهله وشقى على الجيب يا ابنة معبد. قالوا: فخرج الحديث مطلقا حملا على ما كان معتادا لهم. وقالت طائفة: هو محمول على من أوصى بالبكاء والنوح أو لم يوص بتركهما. فمن أوصى بهما أو أهمل الوصية بتركهما يعذب بهما لتفريطه بإهمال الوصية بتركهما فأما من وصى بتركهما فلا يعذب بهما إذ لا صنع له فيهما ولا تفريط منه. وحاصل هذا القول إيجاب الوصية بتركهما، ومن أهملهما عذب بهما. وقالت طائفة: معنى الأحاديث أنهم كانوا ينوحون على الميت ويندبونه بتعديد شمائله ومحاسنه فى زعمهم، وتلك الشمائل قبائح فى الشرع يعذب بها كما كانوا يقولون: يا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ وَلٰكِنْ يُعَذِّبُ بِهٰذَا وَأَشَارَ إِلٰى لِسَانِهٖ أَوْ يَرْحَمُ وَإِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهٖ عَلَيْهِ. وَكَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَضْرِبُ فِيْهِ بِالْعَصَا وَيَرْمِيْ بِالْحِجَارَةِ وَيَحْثِيْ بِالتُّرَابِ (بخاری)[1]

ترجمہ: بے شک، اللہ عذاب نہیں دیتا آنسو بہنے اور دل کے غمگین ہونے سے، لیکن میت کو عذاب دیا جاتا ہے، اس کی وجہ سے اور آپ نے (یہ فرماتے وقت) اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا (یعنی زبان سے نوحہ کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے) یا اس پر رحم کیا جاتا ہے (صبر یا رضا بالقضا کے کلمات کہنے کی صورت میں) اور بلاشبہ میت کو اس کے گھر والوں کے نوحے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نوحہ کرنے والے کو چھڑی سے یا کنکر پھینک کر دھمکاتے تھے اور منہ پر خاک اُڑاتے تھے (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

مؤيد النسوان ، ومؤتم الولدان ومخرب العمران ومفرق الأخدان ، ونحو ذلك مما يرونه شجاعة وفخرا وهو حرام شرعا . وقالت طائفة : معناه أنه يعذب بسماعه بكاء أهله ويرق لهم وإلى هذا ذهب محمد بن جرير الطبرى وغيره . وقال القاضى عياض : وهو أولى الأقوال ، واحتجوا بحديث فيه أن النبى صلى الله عليه وسلم زجر امرأة عن البكاء على أبيها وقال : (إن أحدكم إذا بكى استعبر له صويحبه فيا عباد الله لا تعذبوا إخوانكم) وقالت عائشة رضى الله عنها : معنى الحديث أن الكافر أو غيره من أصحاب الذنوب يعذب فى حال بكاء أهله عليه بذنبه لا ببكائهم والصحيح من هذه الأقوال ما قدمناه عن الجمهور وأجمعوا كلهم على اختلاف مذاهبهم على أن المراد بالبكاء هنا البكاء بصوت ونياحة لا مجرد دمع العين (شرح النووى علىٰ مسلم ، ج٦ ص٢٢٨ ، ٢٢٩ ، كتاب الجنائز ، باب الميت يعذب ببكاء أهله عليه)

[1] رقم الحديث ١٣٠٤ ، كتاب الجنائز ، باب البكاء عند المريض.

لَـمَّا تُوُفِّيَ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاحَ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ فَقَـالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ هٰذَا مِنَّا لَيْسَ لِصَارِخٍ حَظٌّ الْقَلْبُ يَحْزَنُ وَالْعَيْنُ تَدْمَعُ وَلَا نَقُوْلُ مَا يُغْضِبُ الرَّبَّ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٣١٦٠، كتاب الجنائز، فصل فى النياحة ونحوها) [1]

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے (ابراہیم) کی وفات ہوئی، تو اسامہ بن زید نے چیخنا شروع کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ہم میں سے نہیں، چیخنے والے کے لئے کوئی حصہ نہیں، دل غمگین ہوتا ہے، اور آنکھیں آنسو بہاتی ہیں، اور ہم زبان سے وہ بات نہیں کہیں گے، جس سے رب ناراض ہو (ابن حبان)

دل میں غم ہونا اور آنکھوں سے آنسو آجانا بندہ کے اختیار میں نہیں، اس لئے اس پر نہ گرفت ہے اور نہ یہ بے صبری میں شامل ہے، البتہ زبان کو استعمال کرنا، اور منہ سے آواز نکالنا اور آواز کو بلند کرنا اور چیخنا چلانا، اور گا گا کر بین کرنا، اور کپڑے پھاڑنا، یا سینہ وجسم کو پیٹنا یہ سب چیزیں اختیار میں ہیں، اس لئے ان چیزوں پر گناہ اور مؤاخذہ ہے، اور میت کو عذاب دیئے جانے کی وجہ اور صورت پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔ [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤط:
إسناده حسن (حاشية ابن حبان)

[2] (لا يعذب بدمع العين، ولا بحزن القلب) بل يثاب بهما إذا كانا على جهة الرحمة. (ولكن يعذب بهذا) أى: إذا قال: ما لا يرضى الرب، بأن قال شرا من الجزع والنياحة. (وأشار إلى لسانه) يعنى المراد بالمشار إليه هنا اللسان الذى يضر به الإنسان. (أو يرحم) أى: بهذا إن قال خيرا، بأن استرجع مثلا، أو استغفر أو ترحم، وما أفاده الحديث من جواز البكاء ولو بعد الموت، لكن من غير نوح، ورفع صوت، نقل جماعة فيه الإجمال. قال ابن حجر: ولكن الأولى تركه للخبر الصحيح: فإذا وجبت لا تبكين باكية، فى الأذكار عن الشافعى، وأصحابه أن البكاء بعد الموت مكروه لهذا الخبر، بل قال جماعة إنه يفيد تحريمه اهـ. ويرده ما روى مسلم: أنه صلى الله عليه وسلم زار قبر ابنه فبكى وأبكى من حوله، وما روى البخارى: أنه بكى على قبر بنت له، فينبغى أن يحمل نهيهن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ احادیث سے نوحہ کرنے کی ممانعت اور برائی معلوم ہوئی، اور معلوم ہوا کہ نوحہ اور اظہارِ غم کے لئے واویلا کرنا، اور سینہ وجسم کوبی کرنا، اور کپڑے پھاڑ کر ماتم کرنا اسلام کے تقاضوں کے خلاف اور صبر وتحمل کے منافی ہے، جس سے ایک طرف تو صبر پر ملنے والا اجر وثواب ضائع ہوجاتا ہے، اور دوسری طرف دنیا وآخرت میں عذاب اور اللہ اور اس کے

﴿ گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ﴾

على بكاء خاص لهن، ولا عبرة بالمفهوم، ولعل فائدة القيد الإشارة إلى أنه عفا الله عما سلف، والله أعلم، ومما يؤيده أن البكاء بالدمع ليس أمرا اختياريا، ولا يتعلق الأمر والنهى بالأمور الجبلية الاضطرارية كما هو معلوم من القواعد الدينية .(وإن الميت يعذب ببكاء أهله) أى: مع رفع الصوت .(عليه) قال النووى: وفى رواية: ببعض بكاء أهله، وفى رواية: ببكاء الحى، وفى رواية: يعذب فى قبره ما نيح عليه، وفى رواية: من يبك عليه يعذب، وهذه الروايات من رواية عمر بن الخطاب وابنه عبد الله رضى الله عنهما وأنكرت عائشة رضى الله عنها ونسبتهما إلى النسيان والاشتباه عليهما، وأنكرت أن يكون ذلك من قول النبى صلى الله عليه وسلم، واحتجت بقوله تعالى:(ولا تزر وازرة وزر أخرى)قالت: وإنما قال النبى صلى الله عليه وسلم فى يهودية: إنها تعذب وهم يبكون عليها، تعنى تعذب بكفرها فى حال بكاء أهلها، لا بسبب البكاء، واختلف العلماء فيه: فذهب الجمهور إلى أن الوعيد فى حق من أوصى بأن يبكى عليه، ويناح بعد موته، فنفذت وصيته، فهذا يعذب ببكاء أهله عليه ونوحهم ;لأنه تسببه، وأما من بكوا عليه وناحوا من غير وصية فلا ;لقوله تعالى:(ولا تزر وازرة وزر أخرى)قال الخطابى: يشبه أن يكون هذا إذا أوصى بالبكاء عليه، وقيل: أراد بالميت المشرف على الموت، فإنه يشتد عليه الحال ببكائهم وصراخهم وجزعهم عنده، وقيل: هذا فى بعض الأموات: كأن يعذب فى زمان بكائهم عليه، وهذا الوجه ضعيف لما فى رواية: يعذب فى قبره بما نيح عليه ، وفى أخرى: الميت يعذب ببكاء الحى إذا قالت النائحة: واعضداه، وا ناصراه، واكاسياه، جبذا الميت، وقيل: له أنت عضداها؟ ! أنت ناصرها؟ ! أنت كاسيها؟ ! اهـ .وهذا صريح أنه إنما يعذب إذا كان أوصى أو كان بفعلهم يرضى ;ولهذا أوجب داود ومن تبعه الوصية بترك البكاء، والنوح عليه، وبهذا الذى ذكرنا يظهر وجه قوة قول الجمهور مرقاة المفاتيح، ج٣ص ١٢٣٣، كتاب الجنائز، باب البكاء)

(إن اللّه لا يعذب بدمع العين ولا بحزن القلب) سواء اجتمعا أو كان كل بانفراد (ولكن يعذب بهذا) أى بما يصدر منه مما حرّم الشارع من ندب أو نياحة أو مبالغة رفع صوت بالبكاء ، وكذا يعذب بالتبرم بالقلب والتضجر، ودليل ذلك ما يصدر من لسانه لأنه يعرب عن شأنه (أو يرحم) أو فيه للتنويع :أى أو يرحمه به إن أتى بما فيه صبر واسترجاع وحمد للّه سبحانه (وأشار) أى النبى (بيده) مبيناً للمشار إليه بقوله بهذا (إلى لسانه)متفق عليه(دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج٦ص ٤٠٣، تحت رقم الحديث ١٩٢٥ ،كتاب عيادة المريض ، باب جواز البكاء على الميت بغير ندب)

رسول کی ناراضگی کا وبال بھی سر پڑتا ہے، اور تیسرے بعض صورتوں میں میت کو بھی عذاب دیا جاتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فأما اتخاذ المآتم في المصائب, واتخاذ أوقاتها مآتم, فليس من دين الإسلام, وهو أمر لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم, ولا أحد من السابقين الأولين, ولا من التابعين لهم بإحسان, ولا من قادة أهل البيت, ولا غيرهم.

وقد شهد مقتل علي أهل بيته, وشهد مقتل الحسين من شهده من أهل بيته, وقد مرت على ذلک سنون كثيرة, وهم متمسكون بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم, لا يحدثون مأتما, ولا نياحة, بل يصبرون ويسترجعون كما أمر الله ورسوله, أو يفعلون ما لا بأس به من الحزن والبكاء عند قرب المصيبة(حقوق آل البيت لابن تيمية، ص ۴۶، اهل الاستقامة عند المصيبة)

ترجمہ: پس مصیبتوں کے وقت ماتم کرنا، اور ماتم کے اوقات (اور دن مختص و مقرر کرنا، دینِ اسلام میں سے نہیں ہے، اور یہ ایسا فعل ہے کہ جو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، اور نہ سابقین، اولین میں سے کسی نے کیا، اور نہ ان کی نیکی میں اتباع کرنے والے لوگوں نے کیا، اور نہ اہلِ بیت کے بزرگوں نے کیا، اور نہ ان کے علاوہ کسی نے کیا۔

حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی جگہ ان کے اہلِ بیت نے حاضری دی، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی جگہ بھی ان کے اہلِ بیت حاضر ہوئے (مگر انہوں نے بھی وہاں ماتم نہیں کیا) اور اس (کربلاء کے) واقعہ کو بے

شمار سال گزر چکے ہیں، اور اصل اہلِ بیت حضرات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مضبوط پکڑتے ہیں، جو ماتم اور نوحہ نہیں کرتے، بلکہ صبر کرتے ہیں، اور ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھتے ہیں، جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے، یا وہ مصیبت کے وقت غم اور رونے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں، جس میں کوئی حرج نہیں (یعنی اس میں چیخ وپکار اور نوحہ وغیرہ نہیں ہوتا) (حقوق آل البیت)

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

ومن حماقتهم إقامة المأتم، والنياحة على من قد قتل من سنين عديدة ، ومن المعلوم أن المقتول، وغيره من الموتى إذا فعل مثل ذلک بهم عقب موتهم كان ذلک مما حرمه الله، ورسوله، فقد ثبت فى الصحيح عن النبى – صلى الله عليه وسلم – أنه قال: (ليس منا من لطم الخدود، وشق الجيوب، ودعا بدعوى الجاهلية) وثبت فى الصحيح عنه" أنه برىء من الحالقة، والصالقة، والشاقة" (فالحالقة التى تحلق شعرها عند المصيبة) والصالقة هى التى ترفع صوتها (عند المصيبة) بالمصيبة، والشاقة التى تشق ثيابها.

وفى الصحيح عنه أنه قال: (إن النائحة إذا لم تتب قبل موتها، فإنها تلبس يوم القيامة درعا من جرب، وسربالا من قطران .)وفى الصحيح عنه أنه قال: (من ينح عليه، فإنه يعذب بما ينح عليه) والأحاديث فى هذا المعنى كثيرة.

وهؤلاء يأتون من لطم الخدود، وشق الجيوب، ودعوى الجاهلية، وغير ذلک من المنكرات بعد موت الميت بسنين كثيرة ما لو

فعلوه عقب موته لكان ذلك من أعظم المنكرات التي حرمها الله ورسوله، فكيف بعد هذه المدة الطويلة.

ومن المعلوم أنه قد قتل من الأنبياء، وغير الأنبياء ظلما وعدوانا من هو أفضل من الحسين قتل أبوه ظلما، وهو أفضل منه .وقتل عثمان بن عفان، وكان قتله أول الفتن العظيمة التي وقعت بعد موت النبي – صلى الله عليه وسلم –، وترتب عليه من الشر، والفساد أضعاف ما ترتب على قتل الحسين .وقتل غير هؤلاء ومات، وما فعل أحد – لا من المسلمين، ولا غيرهم – مأتما ولا نياحة على ميت، ولا قتيل بعد مدة طويلة من قتله إلا هؤلاء الحمقى(منهاج السنة النبوية، ج ۱، ص ۵۲، الی ۵۵، کلام عام عن الرافضة، بعض حماقات الشيعة)

ترجمہ: اور ان لوگوں کی کم عقلی میں سے ماتم کرنا اور (حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ کی) شہادت پر سالہا سال سے نوحہ کرنا ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ مقتول اور شہید اور ان کے علاوہ جو فوت شدہ حضرات ہیں، جب ان کی وفات کے بعد یہ ماتم اور نوحہ کیا جائے، تو اس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں، جو (بدن پر) طمانچہ مارے، گریبان پھاڑے، اور جاہلیت والی باتیں کرے، اور صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبت کے وقت بال منڈانے والی سے اور مصیبت کے وقت چیخ و پکار کرنے والی سے اور مصیبت کے وقت اپنے کپڑے پھاڑنے والی سے بری ہیں، اور صحیح حدیث میں یہ ہے کہ نوحہ کرنے والی نے اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کی، تو اسے قیامت کے دن گندھک (اور خارش) کی قمیض

اور تارکول کا کرتہ پہنایا جائے گا، اور صحیح حدیث میں ہے کہ جس پر نوحہ کیا جاتا ہے، اسے نوحہ کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے، اور اس معنیٰ کی بے شمار حدیثیں ہیں۔

اور یہ لوگ اپنے جسم کو پیٹتے ہیں، اور کپڑے پھاڑتے ہیں، اور زمانہ جاہلیت کے (زبان سے نوحہ ومرثیہ خوانی کے دوران) الفاظ کہتے ہیں، اور اس کے علاوہ وفات کے سالہا سال گزرنے کے بعد کئی منکرات اختیار کرتے ہیں کہ اگر وہ منکرات عین وفات کے بعد اختیار کرتے، تو تب بھی وہ اتنے بڑے منکرات تھے، جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے، پھر اتنی طویل مدت گزرنے کے بعد وہ منکرات کیونکر جائز ہوسکتے ہیں؟

اور یہ بات معلوم ہے کہ بے شمار نبی اور غیر نبی ظلم اور زیادتی کے ساتھ قتل کیے گئے، جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے افضل تھے، خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے والد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو ظلماً قتل کیا گیا، جو کہ حضرت حسین سے افضل تھے، اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا، جن کا قتل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عظیم فتنوں کا آغاز و پیش خیمہ تھا، جس پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل سے بھی زیادہ شر اور فساد برپا ہوا، اور ان کے علاوہ بھی بے شمار لوگ قتل کیے گئے اور فوت ہوئے، لیکن ان میں سے کسی نے اور نہ مسلمانوں وغیرہ میں سے کسی نے موت اور شہادت پر ماتم کیا اور نہ نوحہ کیا، اتنی طویل مدت گزرنے کے بعد جس طرح کہ یہ کم عقل لوگ کرتے ہیں (منہاج السنۃ)

پھر نوحہ وغیرہ کا جو عمل گلی کوچوں اور بازاروں میں علی الاعلان اور اجتماعی انداز میں کیا جائے، اس کی شدت اور بھی زیادہ ہے، کیونکہ گناہ کو اعلانیہ کرنے یا گناہ کا اظہار کرنے کو شرعاً پسند نہیں کیا گیا، جیسا کہ رمضان شریف میں بلا عذر روزہ چھوڑ دینا بڑا گناہ ہے لیکن رمضان میں

اعلانیہ کھانا پینا اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ [1]

پھر گناہ کو گناہ نہ سمجھنا، بلکہ اس سے بڑھ کر کسی گناہ پر فخر کرنا یا اس سے بھی بڑھ کر گناہ کو ثواب سمجھ لینا تو اور بھی زیادہ بڑا گناہ ہے۔

مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ ہمت، حوصلہ اور بہادری کا مظاہری کرے، اور بزدلی وغیرہ کا مظاہرہ نہ کرے، اور نوحہ و ماتم کرنا، ہمت وحوصلہ جیسی عمدہ صفات کے خلاف اور بزدلی کی علامت ہے۔

بے صبری میں آ کر اپنے جسم کو نقصان پہنچانا بھی گناہ ہے، کیونکہ جسم اللہ کی امانت ہے، اس کا انسان خود مالک نہیں، لہٰذا جسم کو بے جا تکلیف پہنچانا اس امانت میں خیانت اور گناہ ہے۔

بعض لوگ نوحہ وغیرہ کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سنت سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم یہ عمل اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (نعوذ باللہ) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سنت ہے، کیونکہ کربلا کے میدان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جسم پر تیر، نیزے اور تلواریں ماری گئی تھیں اور ان کے جسم سے خون نکلا تھا، لہٰذا ہمیں بھی خود سے اپنے جسم کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا چاہیے۔

حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے خود یہ عمل کرنا یا اس عمل کا دوسروں کو کرنے کا حکم دینا کسی معتبر سند سے ثابت نہیں، بھلا آپ اُس عمل کو کیسے کر سکتے تھے اور اُس چیز کا حکم کیسے دے سکتے تھے، جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی آپ کے نانا) روکیں۔ [2]

---

[1] اور حضرات اہلِ بیت اور ان کی پاکیزہ خواتین کی مظلومیت کے ذکر کو بازار میں علی الاعلان گا گا کر کیا جانا حیا و غیرت کے بھی خلاف ہے، کیونکہ منصف مزاج، شریف الطبع انسان اپنے خاندان کی عورتوں کا اعلان اس طرح گلیوں، کوچوں، بھری مجلسوں، محفلوں، اور بازاروں میں ہونا پسند نہیں کیا کرتا، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسی غیور شخصیت اس کو پسند فرمائے گی کہ ان کے خاندان کی ان پاکیزہ خواتین کا ذکر اس طرح برسرِ بازار اور علی الاعلان کیا جائے؟

[2] یہی وجہ ہے کہ اہلِ تشیع حضرات کی کئی اہم کتابوں میں بھی ماتم اور نوحے کو ناجائز اور منع لکھا ہے۔

ملاحظہ ہو ''اصولِ کافی ص ۴۱۰، فروعِ کافی ج ا ص ۱۲۱، جلاءُ العیون حصہ اول، نہج البلاغۃ ص ۸۵۳، ترجمہ قرآن مقبول احمد ص ۸۷۹''۔

نیز جناب احمد رضا خان بریلوی صاحب کے فتاویٰ سے بھی اس قسم کی رسوم کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے (ملاحظہ ہو ''احکامِ شریعت'' حصہ اول ص ۱۲۷، ص ۱۲۸، وص ۶۳ا وحصہ دوم ص ۱۴۹)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جسم پر تیر، تلوار اور نیزے مارے گئے تھے اور خون نکلا تھا، اس لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس طرح کے عمل کی نسبت ثابت ہے۔

تو اس سلسلہ میں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ تمام چیزیں ان کے دشمنوں کی طرف سے کی گئی تھیں، آپ نے خود یہ کام نہیں کیا۔

پس نوحہ و ماتم کے اس طرزِ عمل کو چھوڑ کر صبر وتحمل اور قضاء وقدر پر بھروسہ کی صفات کو اپنانا چاہئے، اور مرحومین کے لئے شرعی اُصولوں کے مطابق عبادت کر کے ایصالِ ثواب کرنا چاہئے، خاص طور پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقائے کار کے جنتی بلکہ اعلیٰ درجہ کے جنتی ہونے کی وجہ سے صبر وہمت کو اختیار کرنا چاہئے، اور ان مقدس ہستیوں کی تعلیمات و ہدایات پر عمل کرنا چاہئے۔

اور ساتھ ہی اپنی آخرت کی تیاری کی فکر میں بھی لگنا چاہئے۔ [1]

(8)......تعزیت یا تعزیہ

عربی زبان میں تعزیت کے اصل معنٰی مصیبت کے وقت تسلی دینے اور صبر کی تلقین کرنے اور میت کے لئے مغفرت کی دعاء کرنے کے آتے ہیں، مثلاً ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ'' پڑھنا۔

اور اس بات پر فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ تعزیت کا مذکورہ عمل مستحب اور باعثِ

---

[1] قال ابن حجر: وأخذ أئمتنا من هذه الأحاديث تحريم النوح، وتعديد محاسن الميت، بنحو واكهفاه مع رفع الصوت والبكاء، وتحريم ضرب الخد، وشق الجيب، ونشر الشعر وحلقه ونتفه، وتسويد الوجه، وإلقاء التراب على الرأس، والدعاء بالويل والثبور .قال إمام الحرمين وآخرون: والضابط أنه يحرم كل فعل يتضمن إظهار جزع ينافى الانقياد والتسليم لقضاء الله تعالى .قالوا: ومن ذلك تغيير الزى، ولبس غير ما جرت العادة بلبسه، أى: وإن اعتيد لبسه عند المصيبة(مرقاة المفاتيح، ج ٣ ص ١٢٣٥، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت)

اجروثواب ہے۔ ؎1

پھر تعزیت ان لوگوں سے کی جاتی ہے جو کسی مصیبت میں مبتلا ہوں، مثلاً ان کا کوئی قریبی عزیز فوت ہوگیا ہو۔ ؎2

اکثر فقہائے کرام کے نزدیک عام حالات میں تعزیت کے تین دن ہیں، کیونکہ اس وقت غم تازہ ہوتا ہے، اور تسلی کی ضرورت ہوتی ہے، پس کسی کے فوت ہونے کے بعد تین دن کے اندر اندر تعزیت کر لینی چاہئے، اور بلا عذر تین دن سے زیادہ مؤخر نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے غم تازہ ہوتا ہے، جو پھر بہت سے کاموں میں مخل بنتا ہے۔ ؎3

؎1 تعزية: التعريف : التعزية لغة :مصدر عزى :إذا صبر المصاب وواساه ولا يخرج المعنى الاصطلاحى عن المعنى اللغوى وقال الشربينى :هى الأمر بالصبر والحمل عليه بوعد الأجر، والتحذير من الوزر، والدعاء للميت بالمغفرة، وللمصاب بجبر المصيبة .

الحكم التكليفى :لا خلاف بين الفقهاء فى استحباب التعزية لمن أصابته مصيبة .والأصل فى مشروعيتها :خبر :من عزى مصابا فله مثل أجره

وخبر ما من مؤمن يعزى أخاه بمصيبة إلا كساه الله من حلل الكرامة يوم القيامة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٢، ص٢٨٧، مادة "تعزية")

الألفاظ ذات الصلة:التعزية:

التعزية فى اللغة :مصدر عزى والثلاثى منه عزى أى :صبر على ما نابه، يقال :عزيته تعزية :قلت له: أحسن الله عزاءك، أى رزقك الصبر الحسن، والعزاء اسم من ذلك، ويقال :تعزى هو :تصبر، وشعاره أن يقول :إنا لله وإنا إليه راجعون .

قال الأزهرى :أصلها التعبير لمن أصيب بمن يعز عليه .

والتعزية اصطلاحا :الأمر بالصبر والحمل عليه بوعد الأجر والتحذير من الوزر بالجزع، والدعاء للميت بالمغفرة، وللمصاب بجبر المصيبة .

والتعزية أخص من المأتم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٦، ص٥، مادة "مأتم")

؎2 يعزى أهل المصيبة، كبارهم وصغارهم، ذكورهم وإناثهم، إلا الصبى الذى لا يعقل، والشابة من النساء ، فلا يعزيها إلا النساء ومحارمها، خوفا من الفتنة .ونقل ابن عابدين عن شرح المنية: تستحب التعزية للرجال والنساء اللاتى لا يفتن .وقال الدردير :وندب تعزية لأهل الميت إلا مخشية الفتنة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٢، ص٢٨٨، مادة "تعزية")

؎3 مدة التعزية :جمهور الفقهاء :على أن مدة التعزية ثلاثة أيام .واستدلوا لذلك بإذن الشارع فى الإحداد فى الثلاث فقط، بقوله صلى الله عليه وسلم :لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد على ميت فوق ثلاث، إلا على زوج :أربعة أشهر وعشرا وتكره بعدها؛ لأن المقصود منها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور عربی زبان میں ''ماتم'' مرد اور خواتین کے کسی کے فوت ہونے کے موقع پر جمع ہونے کو کہا جاتا ہے۔ [1]

شافعیہ اور حنابلہ اور بہت سے حنفیہ کے نزدیک کسی کے فوت ہونے کے بعد بطور ماتم کے جمع ہونا مکروہ وممنوع ہے، بطورِ خاص جبکہ اس میں رونا پیٹنا اور نوحہ وغیرہ کرنا ہو، تو پھر نا جائز وحرام ہے، البتہ تعزیت کا عمل اس سے جدا چیز ہے، جس کا پہلے ذکر ہوا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

سكون قلب المصاب، والغالب سكونه بعد الثلاثة، فلا يجدد له الحزن بالتعزية، إلا إذا كان أحدهما (المعزى أو المعزى) غائبا، فلم يحضر إلا بعد الثلاثة، فإنه يعزيه بعد الثلاثة.

وحكى إمام الحرمين وجها وهو قول بعض الحنابلة :أنه لا أمد للتعزية، بل تبقى بعد ثلاثة أيام؛ لأن الغرض الدعاء، والحمل على الصبر، والنهي عن الجزع، وذلك يحصل على طول الزمان(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٢، ص٢٨٨، مادة " تعزية")

[1] مأتم:

التعريف :المأتم في اللغة :مجتمع الرجال والنساء في الغم والفرح، ثم خص به اجتماع النساء للموت، وقيل :هو للشواب من النساء لا غير، والعامة تخصه بالمصيبة.

والمأتم عند الفقهاء هو :اجتماع الناس في الموت (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٦، ص٥، مادة " مأتم")

[2] الحكم الإجمالي:

يرى الشافعية والحنابلة وكثير من متأخري الحنفية كراهة المأتم .

جاء في المجموع :وأما الجلوس للتعزية فنص الشافعي وسائر الأصحاب على كراهته، قالوا :يعني بالجلوس لها أن يجتمع أهل الميت في بيت فيقصدهم من أراد التعزية، قالوا :بل ينبغي أن ينصرفوا في حوائجهم، فمن صادفهم عزاهم، ولا فرق بين الرجال والنساء في كراهة الجلوس لها، قال الشافعي في الأم :وأكره المأتم وهي الجماعة، وإن لم يكن لهم بكاء فإن ذلك يجدد الحزن ويكلف المؤنة .

وقال البهوتي :ويكره الجلوس لها أي للتعزية، بأن يجلس المصاب في مكان ليعزوه، أو يجلس المعزى عند المصاب للتعزية، لما في ذلك من استدامة الحزن، وقال نقلا عن الفصول :يكره الاجتماع بعد خروج الروح لتهييجه الحزن .

وقال ابن عابدين نقلا عن الإمداد :وقال كثير من متأخري أئمتنا :يكره الاجتماع عند صاحب البيت، ويكره له الجلوس في بيته حتى يأتي إليه من يعزى، بل إذا فرغ ورجع الناس من الدفن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ بہت سے اہلِ تشیّع حضرات کے نزدیک محرم کے موقع پر ماتم کیا جاتا ہے، اور تعزیہ بھی نکالا جاتا ہے، جبکہ بعض اہلِ تشیّع اس کے خلاف بھی ہیں، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فليتفرقوا ويشتغل الناس بأمورهم وصاحب البيت بأمره .

وعند المالكية وبعض الحنفية :يجوز أن يجلس الرجل للتعزية كما فعل النبي -صلى الله عليه وسلم -حين جاء خبر جعفر، وزيد بن حارثة، وعبد الله بن رواحة، ومن قتل معهم -رضي الله عنهم -بمؤتة. وواسع كونها قبل الدفن وبعده، والأولى عند رجوع الولي إلى بيته ، وقال المالكية :كره اجتماع نساء لبكاء سرا، ومنع جهرا كالقول القبيح مطلقا .

وذهب الحنفية إلى أنه يجوز الجلوس للمصيبة ثلاثة أيام، وهو خلاف الأولى، ويكره في المسجد ، وفي الأحكام عن خزانة الفتاوى :الجلوس في المصيبة ثلاثة أيام للرجال جاء ت الرخصة فيه، ولا تجلس النساء قطعا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣٦، ص ٦ ،مادة " مأتم")

[1] تعزیہ کی آٹھ صورتیں بتائی جاتی ہیں:

(۱)تعزیہ (۲)ضریح (۳)مہندی (۴)ذوالجناح (۵)تابوت (۶)علَم (۷)براق (۸)تخت۔

جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱)......تعزیہ: دراصل لکڑی کی پھچیوں اور رنگین کاغذوں کی مدد سے تیار کیا جاتا ہے جس کی ساخت اور گنبد و مینار وغیرہ ان کے گمان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے روضہ کی طرح ہوتے ہیں اور اس کے اندر کاغذ کی دو قبریں بنائی جاتی ہیں۔

(۲)......ضریح: روضۂ حسین رضی اللہ عنہ کے اس حصہ کا نام ہے جن پر دو قبریں بنی ہوتی ہیں ضریح اور تعزیہ میں بہت تھوڑا فرق ہے، تعزیہ پورے روضہ کی شبیہ کو کہتے ہیں اور ضریح صرف ایک خاص حصہ کا نام ہے، اس میں عام طور پر گنبد و مینار ہوتے ہیں مگر تعزیہ کی طرح ضریح کا بھی احترام کیا جاتا ہے۔

(۳)......مہندی: اس کی شکل کشتی کی طرح ہوتی ہے اور یہ ۷/محرم کو جلوس کی شکل میں اٹھائی جاتی ہے، بتایا جاتا ہے کہ حضرت قاسم کی شادی کی یادگار ہے۔

(۴)......ذوالجناح: گھوڑے کی شکل ہے اس کی نسبت اس گھوڑے کی طرف کی جاتی ہے جس پر بیٹھ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے لڑائی کی تھی اس میں ایک گھوڑے کو باقاعدہ طور پر فوجی گھوڑے کی شکل دے کر اسلحہ سے مسلح کیا جاتا ہے اور اس میں گھوڑے کی لگام، زرہ، بکتر سب آلاتِ حرب ہوتے ہیں اور اس گھوڑے کی جھول پر سرخ رنگ کے دھبے ہوتے ہیں ذوالجناح اس گھوڑے کی یادگار ہے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے بقول میدان کربلا سے تنہا واپس ہوا تھا۔

(۵)......تابوت: اس پالنے کی تصویر بنائی جاتی ہے جس میں علی اصغر لیٹے تھے یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے جو شیر خواری کی حالت میں کوفہ کے غدار تیر اندازوں کے تیروں سے شہید ہوئے تھے، اس پالنے میں بھی سرخ رنگ کے نشانات ہوتے ہیں ۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر اہلُ السنۃ والجماعۃ اس کے قائل نہیں، اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک تعزیہ کے ساتھ کوئی ایسی حرکت کرنا جائز نہیں، جو خلافِ شریعت ہو، یا اس سے اس تعزیہ کی عبادت لازم آتی ہو، مثلاً تعزیہ کو سجدہ کرنا، مرادیں اور دعائیں مانگنا، اپنی حاجات طلب کرنا اور اس کو حاجت روا اور عالمُ الغیب وغیرہ سمجھنا، نذریں چڑھانا، بوس وکنار کرنا، دست بستہ تعظیم سے کھڑے ہونا، ان پر فاتحہ وغیرہ دلانا، بیماری سے شفایابی کے لئے ان پر بیٹھنا یا ان کے نیچے سے گزرنا، وغیرہ وغیرہ، کیونکہ ہاتھوں سے بنائی ہوئی چیزوں بلکہ کسی بھی غیرُ اللہ کی عبادت، اور اس کے ساتھ اس طرح کا تعلق اسلام میں جائز نہیں، سوائے اس عمل کے جو خود شریعت میں ثابت ہو۔

قرآن مجید کی سورہ صافات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا تَنْحِتُوْنَ. وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَاتَعْمَلُوْنَ (سورة الصآفات، رقم الآيات ۹۵، ۹۶)

ترجمہ: کیا تم ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو، جن کو تم بناتے ہو، حالانکہ تم کو اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے (سورہ صافات)

سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَمِ اتَّخَذُوْا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ (سورة الانبياء، رقم الآية ۲۱)

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے زمین میں سے کچھ ایسے معبود بنا رکھے ہیں جو زندہ کر کے اٹھا سکتے ہوں (سورہ انبیاء)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(۶)......علم: حضرت عباس کی یاد میں نکالا جاتا ہے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جنرل تھے اور شہید ہو گئے تھے۔

(۷)......براق: اس کی شکل بھی گھوڑے کی طرح ہوتی ہے اور اس کے دھڑ میں ایک انسانی چہرہ لگا دیا جاتا ہے۔

(۸)......تخت: یہ ساتویں محرم کو حضرت قاسم ہی کی شادی کی یاد تازہ کرنے کے لئے اپنے گھروں میں رکھا جاتا ہے (ماخوذ از تعزیہ داری بتغیر)

اورسورہ نحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ(سورة النحل، رقم الآيات ٢٠، ٢١)

ترجمہ: اوراللہ کے سوا جن کو یہ پکارتے ہیں وہ تو کچھ پیدا نہیں کر سکتے، البتہ وہ خود بنائے جاتے ہیں، بے جان ہیں، زندہ نہیں ہیں (سورہ نحل)

سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَا اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ (سورة الاعراف، رقم الآية ١٩٧)

ترجمہ: اوراللہ کے سوا جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو، وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے، اور اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے (سورہ اعراف)

سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا(سورة بنی اسرائيل، رقم الآية ٥٦)

ترجمہ: اے نبی! ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم نے اپنے خیال میں اللہ کے سوا جن ہستیوں کو معبود بنا رکھا ہے، تو وہ تم سے تکلیف دور کرنے اور حالت بدلنے کا اختیار نہیں رکھتے (سورہ بنی اسرائیل)

سورہ یونس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ(سورة يونس، رقم الآية ١٨)

ترجمہ: اور یہ لوگ اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو نقصان پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں، اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ

کے نزدیک ہماری شفاعت کرنے والے ہیں (سورہ یونس)

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیرُ اللہ کو نفع ونقصان کا مالک سمجھ کر اس کے ساتھ عبادت کا کوئی برتاؤ کرنا، خواہ اسی درجہ میں ہو کہ اس کو وسیلہ اور ذریعہ سمجھا گیا ہو، یہ جائز نہیں۔

سورہ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلاً جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۵ فَنَسِيَ ○ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلاً ۵ لا وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ○ (سورۃ طٰہٰ، رقم الآیات ۸۸تا۸۹)

ترجمہ: اس (سامری) نے لوگوں کے لئے ایک بچھڑا (بنا کر) ظاہر کیا کہ وہ ایک قالب تھا جس میں ایک (بے معنیٰ) آواز تھی، تو وہ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود تو یہ ہے، مگر حضرت موسیٰ بھول گئے۔

کیا وہ اتنا بھی نہیں دیکھتے تھے کہ وہ (بچھڑا) نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے نقصان اور نفع پر قدرت رکھتا ہے (سورہ طٰہٰ)

حضرت عمرو بن شعیب کی سند سے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِنَّمَا النَّذْرُ مَا ابْتُغِيَ بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (مسند احمد، رقم الحدیث ۶۹۷۵)[1]

ترجمہ: نذر (ومنت) تو وہ ہوتی ہے، جس کے ذریعہ سے اللہ عزوجل کی رضاء کو حاصل کیا جائے (مسند احمد)

حضرت عابس بن ربیعہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّهٗ جَاءَ إِلَى الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَقَبَّلَهٗ، فَقَالَ:

---

[1] قال شعیب الارنؤوط:
حدیث حسن (حاشیۃ مسند احمد)

إِنِّیْ أَعْلَمُ أَنَّکَ حَجَرٌ، لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّیْ رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَبِّلُکَ مَا قَبَّلْتُکَ (بخاری)[1]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجرِ اسود کے پاس آئے اور اس کو بوسہ دیا، پھر فرمایا کہ بے شک میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع، اور اگر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ حجرِ اسود کو بوسہ دینا نعوذ باللہ اس کی عبادت کرنے کے طور پر، اور اس کو نفع ونقصان کا مالک سمجھ کر نہیں ہوتا، جیسا کہ غیر مسلم لوگ، پتھروں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں سنت کے طور پر ہوتا ہے، اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل ثابت نہ ہوتا، تو پھر حجرِ اسود کو بوسہ دینا بھی جائز نہ ہوتا، اور تعزیہ کے ساتھ اس طرح کا سلوک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، بلکہ خود تعزیہ بنانا بھی ثابت نہیں، اس لئے اس کے ساتھ بھی اس طرح کا طرزِ عمل اختیار کرنا درست نہ ہوگا۔

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اگر کوئی چیز ایسی ہو کہ جس کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ سے صحیح، سچی اور مکمل نسبت ہو، مثلاً کوئی سواری ایسی ہو کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ واقعتاً اسی پر سوار ہوئے ہوں، یا کوئی لباس یا جوتا وغیرہ ایسا ہو کہ جس کو واقعتاً حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے استعمال فرمایا ہو، تو وہ چیز قابلِ محبت اور قابلِ احترام ہوگی، مگر کوئی غیر شرعی حرکت اس کے ساتھ کرنا جائز نہ ہوگا، لیکن جس چیز کو یہ نسبت حاصل نہ ہو، بلکہ وہ چیز کوئی اور ہو، یا اس کو اپنے ہاتھوں سے بنایا گیا ہو، اس کو یہ درجہ بھی حاصل نہیں ہوتا، پھر اس کے ساتھ غیر شرعی حرکت کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے، جیسا کہ کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی شبیہ بنا کر اس کے ساتھ اصل روضۂ اقدس کی طرح کا برتاؤ کرے، ظاہر ہے کہ وہ جائز نہیں ہوگا،

---

[1] رقم الحدیث ۱۵۹۷، کتاب الحج، باب ما ذکر فی الحجر الأسود.

اور اگر اس طرح کی شبیہ کو سجدہ کرے، یا اس کے ساتھ اور کوئی اسی طرح کی حرکت کرے، تو یہ بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہوگا، کیونکہ اس طرح کے افعال اصل روضۂ اقدس کے لئے بھی جائز نہیں، پھر تعزیہ کے ساتھ کس طرح سے ایسے کام جائز ہو سکتے ہیں۔

محرم کے دنوں میں اس انداز میں شہادتِ حسین کے قصے سننا اور سنانا بھی اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک منع ہیں کہ جس سے غم تازہ ہوتا ہو۔ [1]

البتہ محرم کے حوالہ سے ہونے والی قابلِ اصلاح باتوں کے لئے اگر حکمت کے ساتھ ان دنوں میں بھی روشنی ڈالی جائے تو نہ صرف جائز بلکہ مفید ہے، جب کہ کوئی اور خرابی شامل نہ ہو، کیونکہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حصہ ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول اور آداب کا لحاظ رکھا جائے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ

---

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''محرم میں جو لوگ شہادت نامے پڑھتے ہیں، یہ مقصودِ حق کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ اس میں تجدیدِ غم ہے، اور حق تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ واقعۂ غم سے سبق حاصل کر کے پھر اس کو کم کیا جائے، نہ یہ کہ ہر سال تازہ کیا جائے اور سبق حاصل کرنے کے لئے اس کی اجمالی یاد کو بلاقصد ہو کافی ہے، جس میں نہ تفصیلِ واقعات پڑھنے کی ضرورت ہے نہ ماہِ محرم کی تخصیص کی ضرورت ہے، نہ سامانِ اظہار کی ضرورت ہے، اجمالی قصہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت امام مع اپنے خاندان کے میدانِ کربلا میں یزید کی جماعت کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے اور جماعتِ یزید آپ کو بیعت پر مجبور کرتی تھی، آپ کے نزدیک یزید کو خلافت سے معزول کرنا واجب تھا، اسی کا سامان کرنے آپ کوفہ جا رہے تھے کہ وہاں جماعتِ یزید کا مقابلہ ہو گیا اور جن لوگوں نے امداد کا وعدہ کیا تھا وہ سب اپنی بات سے پھر گئے، آپ اپنی بات پر جمے رہے، آخر کار آپ کو شہادت نصیب ہوئی۔

اس سے یہ سبق حاصل ہوا کہ دین کے کام میں اگر ایک شخص اپنے نزدیک حق پر ہو تو اسے کسی کی مخالفت کا خوف نہ کرنا چاہئے، چاہے سارے مسلمان اس کا ساتھ چھوڑ دیں اور کچھ لوگ جان و آبرو کے بھی در پے ہو جائیں، دین کے مقابلے میں اس کی پرواہ نہ کرنا چاہئے، آخر موت ایک دن آئے ہی گی، پھر دین پر جم کر آ جائے تو اس سے کیا بہتر ہے'' (وعظ حقیقت الصبر، خطباتِ حکیم الامت ج۹ص۹۵)

بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (سورة النحل، رقم الآية ۱۲۵)

ترجمہ: آپ اپنے رب کی راہ (یعنی دین) کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے بلایئے (سورہ نحل)

پس ایسے طریقہ سے بچنا ضروری ہے، جس سے خواہ مخواہ غم تازہ اور دوبالا ہوتا ہو، اور بزدلی پیدا ہوتی ہو، جیسا کہ محرم کے دنوں میں شہادتِ حسین کے قصے اور مرثیے پڑھنے اور سننے اور منانے سے ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ [1]

(9)......گناہوں کی مجالس اور مواقع میں شرکت وحاضری

اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک جس مجلس میں غیر شرعی اُمور کا ارتکاب کیا جائے، مثلاً نوحہ وماتم کیا جائے، تعزیہ کے ساتھ غیر شرعی حرکات کی جائیں، یا وہاں شہادت کے قصے اور مرثیے پڑھ کر غم کو دوبالا کیا جائے، یا غیر مستند واقعات بیان کیے جائیں، یا اس میں بے پردگی وغیرہ کا

---

[1] اگر یہ شبہ کیا جائے کہ کربلا کے واقعہ کے وقت تو لوگوں کو غم پیش آیا تھا، لہٰذا اگر اب بھی ہر سال غم کیا جائے تو کیا حرج ہے، اس کا جواب حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ:

''قاعدہ ہے کہ ظہورِ حادثہ کے وقت طبعی غم بلا اختیار ہوا کرتا ہے، اور امرِ غیر اختیاری میں انسان معذور ہے، لیکن جب طبعی غم کی حد گزر جائے اس کے بعد غم کو لے کر بیٹھنا یہ مذموم (بُرا) ہے، بس اب اس کی حکمتوں پر نظر کرنا چاہیئے۔ اس فرق کو ایک مثال میں سمجھئے، مثلاً ایک شخص ڈاکٹر سے خود کہے کہ میرا آپریشن کردو، اس کے لئے وہ ڈاکٹر کو فیس بھی دیتا ہے، اس کی خوشامد بھی کرتا ہے مگر آپریشن کے وقت اس کے منہ سے آہ اور چیخ بھی نکلتی ہے۔ کیا آپ اس شخص کو اس آہ پر کچھ ملامت کریں گے؟ ہرگز نہیں، آخر کیوں؟ محض اس وجہ سے کہ یہ غیر اختیاری بات ہے۔ بس اسی طرح یہاں (واقعۂ کربلا کے بارے میں) سمجھئے کہ گو وقتِ وقوع (اگرچہ اس واقعہ کے پیش آنے کے وقت) بھی اس واقعہ کی حکمتیں عُقلاء کے پیشِ نظر ہوتیں مگر اس وقت غیر اختیاری غم بھی ساتھ ساتھ ہوتا اور اس میں وہ معذور ہوتے، لیکن اب جو ہم رنج وصدمہ ظاہر کرتے ہیں یہ عقلی غم ہے طبعی نہیں، اور اس کی ممانعت ہے۔ جیسے مثالِ مذکور میں آپریشن ختم ہونے اور زخم کے اچھا ہونے کے بعد بھی اگر کوئی شخص آپریشن کا غم کرتا رہے اور ہر سال اس پر ماتم کیا کرے تو اس کو یقیناً سب لوگ بے وقوف کہیں گے، اور اس رنج وغم میں اسے کوئی معذور نہ کہے گا، طبعی رنج وغم کی ایک حد ہوتی ہے جب وہ حد پوری ہوجائے پھر طبعی رنج نہ ہوگا'' (وعظ حقیقت الصبر، خطباتِ حکیم الامت ج۹ص۱۰۲و۱۰۳)

ارتکاب کیا جائے، اس طرح کی مجلس میں شرکت یا زیارت کرنا درست نہیں، اور اس میں اس گناہ کا تعاون بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ تماش بینوں کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو اس طرح کی حرکات کرنے کا زیادہ موقع حاصل ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَاتَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (سورة المائدة، رقم الآية ٢)

ترجمہ: اور گناہ اور زیادتی (کے کاموں میں) ایک دوسرے کی مدد مت کرو (سورہ مائدہ)

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهٖ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ (سورة النساء، رقم الآية ١٤٠)

ترجمہ: اور نازل کیا اللہ نے تم پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں (یا اللہ کے احکام) سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جارہی ہے، تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو، جب تک وہ لوگ اس کو چھوڑ کر دوسری بات میں مشغول نہ ہو جائیں، ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے (سورہ نساء)

سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْ آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ (سورة الانعام، رقم الآية ٦٨)

ترجمہ: اور جب آپ ایسے لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں (اور ہمارے حکموں) کے بارے میں بیہودہ گوئی کر رہے ہیں، تو ان سے الگ ہو جاؤ، یہاں

تک کہ وہ اس کو چھوڑ کر کسی اور بات میں مشغول نہ ہوجائیں اور اگر (یہ بات) شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے پر آپ ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو (سورہ انعام)

سورہ زخرف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ (سورة الزخرف، رقم الآية ۸۳)

ترجمہ: پس تم (ان سے علیٰحدگی اختیار کر کے) ان کو بے ہودہ گوئی کرنے اور کھیلنے دو، یہاں تک کہ جس دن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کو دیکھ لیں (سورہ زخرف)

سورہ معارج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ (سورة المعارج، رقم الآية ۴۲)

ترجمہ: پس ان کو بے ہودہ گوئی کرنے اور کھیلنے دو، یہاں تک کہ جس دن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کو دیکھ لیں (سورہ معارج)

سورہ مزمل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا (سورة المزمل، رقم الآية ۱۰)

ترجمہ: اور صبر کیجئے ان باتوں پر جو یہ کہتے ہیں، اور ان سے اچھے طریقہ پر الگ ہوجایئے (سورہ مزمل)

سورہ قصص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ (سورة القصص، رقم الآية ۵۵)

ترجمہ: اور (اللہ کی نیک بندوں کی ایک صفت یہ ہے کہ) جب وہ لغو بات سنتے

ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں، اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں، سلام ہو تم پر، ہم لاعلم لوگوں کو طلب نہیں کرتے (سورہ قصص)

سورہ مومنون میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (سورة المومنون، رقم الآية ٣)

ترجمہ: اور (کامیاب مومنوں کی ایک صفت یہ ہے کہ) وہ لغو چیزوں سے اعراض کرتے ہیں (سورہ مومنون)

سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ. إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (سورة بنى اسرائيل، رقم الآية ٣٦)

ترجمہ: اور آپ ایسی چیز کے پیچھے نہ پڑیئے، جس کا آپ کو علم نہیں، بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا (سورہ بنی اسرائیل)

اس طرح کی آیات سے گناہ کے مواقع اور مجالس میں شرکت وحاضری اور ان کو دیکھنے، سننے سے دور رہنے اور بچنے کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] هجر مكان المعصية :قال العلماء :مجالسة أهل المنكر لا تحل، وقال ابن خويز منداد :من خاض فى آيات الله تركت مجالسته وهجر، مؤمنا كان أو كافرا، واستدلوا بقوله تعالى :(وإذا رأيت الذين يخوضون فى آياتنا فأعرض عنهم حتى يخوضوا فى حديث غيره وإما ينسينك الشيطان فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين . ولقوله تعالى :(وقد نزل عليكم فى الكتاب أن إذا سمعتم آيات الله يكفر بها ويستهزأ بها فلا تقعدوا معهم حتى يخوضوا فى حديث غيره إنكم إذا مثلهم .

قال القرطبى :فدل بهذا على وجوب اجتناب أصحاب المعاصى إذا ظهر منهم منكر؛ لأن من لم يجتنبهم فقد رضى فعلهم، والرضا بالكفر كفر.

وقال الجصاص :وفى هذه الآية دلالة على وجوب إنكار المنكر على فاعله، وأن من إنكاره إظهار

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراسی وجہ سے شراب پینے کے مواقع سے بچنے کا کئی احادیث میں حکم آیا ہے، کیونکہ شراب نوشی بھی گناہ ہے۔ [1]

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، فَلَا يَقْعُدُ عَلٰى مَائِدَةٍ يُشْرَبُ عَلَيْهَا الْخَمْرُ (مسند احمد، رقم الحديث ١٤٦٥١) [2]

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے کہ جس پر خمر (وشراب) پی جارہی ہو (مسند احمد)

اورایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَجْلِسْ عَلٰى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهَا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الكراهية إذا لم يمكنه إزالته وترك مجالسة فاعله والقيام عنه حتى ينتهي ويصير إلى حال غيرها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٤٢ ص ١٧٦، مادة "هجر")

فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ اى قم من عندهم ولا تجالسهم والمقصود التحذير عن دينهم ومجالستهم (التفسير المظهرى، ج٣ص ٢٥١، ٢٥٢، سورة الانعام، تحت رقم الآية ٦٨)

[1] وقوله :وقد نزل عليكم فى الكتاب أن إذا سمعتم آيات الله يكفر بها ويستهزأ بها فلا تقعدوا معهم حتى يخوضوا فى حديث غيره إنكم إذا مثلهم، أى إنكم إذا ارتكبتم النهى بعد وصوله إليكم ورضيتم بالجلوس معهم فى المكان الذى يكفر فيه بآيات الله ويستهزأ وينتقص بها وأقررتموهم على ذلك، فقد شاركتموهم فى الذى هم فيه، فلهذا قال تعالى :إنكم إذا مثلهم فى المأثم، كما جاء فى الحديث من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فلا يجلس على مائدة يدار عليها الخمر والذى أحيل عليه فى هذه الآية من النهى فى ذلك هو قوله تعالى فى سورة الأنعام، وهى مكية وإذا رأيت الذين يخوضون فى آياتنا فأعرض عنهم(تفسير ابنِ كثير، ج ٢ ص ٣٨٥، سورة النساء)

[2] قال شعيب الارنؤوط:

حسن لغيره، وبعضه صحيح(حاشية مسند احمد)

الْخَمْرُ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۷۷۷۹، ج۴ص ۳۲۰، کتاب الأدب) [1]

ترجمہ: اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، تو وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر خمر (وشراب) کا دَور چل رہا ہو (حاکم)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

یَـا أَیُّهَـا النَّاسُ، إِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: مَـنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ، فَلَا یَقْعُدَنَّ عَلٰی مَائِدَةٍ یُدَارُ عَلَیْهَا الْخَمْرُ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۲۵) [2]

ترجمہ: اے لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے کہ جس پر خمر (وشراب) کا دَور چل رہا ہو (مسند احمد)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهٰـی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَطْعَمَیْنِ: اَلْجُلُوْسِ عَلٰی مَـائِـدَةٍ یُشْرَبُ عَلَیْهَا الْخَمْرُ أَوْ یَأْکُلُ الرَّجُلُ وَهُوَ مُنْبَطِحٌ عَلٰی بَطْنِهٖ

(مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۷۱۷۱، ج۴ص ۱۴۳، کتاب الاطعمة) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کے کھانوں کی جگہ سے منع فرمایا، ایک تو ایسے دسترخوان پر بیٹھنے سے کہ جس پر خمر (وشراب) پی جارہی ہو، دوسرے آدمی کے پیٹ کے بل اوندھا ہو کر کھانے سے (حاکم)

---

[1] قال الحاکم: هذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاه.
وقال الذهبی: علی شرط مسلم.

[2] قال شعیب الارنؤوط:
حسن لغیره (حاشیة مسند احمد)

[3] قال الحاکم: هذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاه.
وقال الذهبی فی التلخیص: علی شرط مسلم.

اس طرح کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

اس کے علاوہ گناہ کی مجالس اور مواقع میں حاضر ہونے سے اس کے کچھ نہ کچھ بُرے اثرات انسان پر ضرور پڑتے ہیں، جس طرح سے اچھی مجالس اور مواقع میں حاضر ہونے سے کچھ نہ کچھ اچھے اثرات پڑتے ہیں۔

چنانچہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَثَلُ الجَلِیْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِیْسِ السَّوْءِ، کَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْکِ وَکِیْرِ الْحَدَّادِ، لَا یَعْدَمُکَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْکِ إِمَّا تَشْتَرِیْهِ، أَوْ تَجِدُ رِیْحَهٗ، وَکِیْرُ الْحَدَّادِ یُحْرِقُ بَدَنَکَ، أَوْ ثَوْبَکَ، أَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِیْحًا خَبِیْثَةً (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۲۱۰۱، کتاب البیوع، باب فی العطار وبیع المسک)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھے اور برے ساتھی کی مثال ایسی ہے، جیسے مشک والا اور لوہاروں کی بھٹی، پس مشک والے کے پاس سے تم بغیر فائدے کے واپس نہ ہوگے یا تو اسے خریدو گے یا اس کی خوشبو کو پاؤ گے اور لوہار کی بھٹی آپ کے بدن کو یا آپ کے کپڑے کو جلادے گی، یا تم اس کی بدبو سونگھو گے (بخاری)

پھر بُرائی اور گناہ کے بارے میں یہ حکم ہے کہ کم از کم اس کو دل سے برا سمجھے۔

چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ رَّأٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ فَإِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَإِنْ لَّمْ

---

[1] عن مکحول الشامی، سمعت أبا هریرة، یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یقعد علی مائدة یشرب علیها الخمر (مسند الشامیین للطبرانی، رقم الحدیث ۳۴۶۹)

يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِکَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ (مسلم) [1]

ترجمہ: تم میں سے جو شخص منکَر (گناہ وبُرائی) کو دیکھے، تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اُسے بدل دے، اور اگر اس کی طاقت وقدرت نہ ہو (جیسا کہ حکمرانوں کے علاوہ عوام کی حالت ہے) تو اپنی زبان سے بدل دے، اور اگر اس کی بھی طاقت وقدرت نہ ہو، تو اپنے دل سے بدل دے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے (مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

مَنْ رَّأٰى مُنْكَرًا فَغَيَّرَهٗ بِيَدِهٖ فَقَدْ بَرِءَ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُّغَيِّرَهٗ بِيَدِهٖ، فَغَيَّرَهٗ بِلِسَانِهٖ فَقَدْ بَرِءَ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُّغَيِّرَهٗ بِلِسَانِهٖ، فَغَيَّرَهٗ بِقَلْبِهٖ فَقَدْ بَرِءَ، وَذٰلِکَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ (سنن النسائی) [2]

ترجمہ: جو شخص کسی منکر (وگناہ) کو دیکھے، پھر اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، تو وہ بریٔ الذمہ ہوگیا، اور جو شخص اپنے ہاتھ سے اس کو بدلنے کی طاقت نہ رکھے پھر وہ اپنی زبان سے بدل دے (یعنی زبان سے نہی عن المنکر کردے) تو وہ بھی بریٔ الذمہ ہوگیا، اور جو شخص اپنی زبان سے اس کو بدلنے کی طاقت نہ رکھے پھر وہ اپنے دل سے اس کو بدل دے (یعنی دل سے اس منکر کو برا اور غلط سمجھے) تو وہ بھی بریٔ الذمہ ہوگیا اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے (نسائی)

اور گناہ کی مجالس اور مواقع میں بلا عذر شریک ہونا، اسے پسند کرنے کی علامت ہے، جو کہ گناہ ہے۔

---

[1] رقم الحدیث ۴۹ "۷۸" ج ۱ ص ۶۹، کتاب الایمان، باب بیان کون النھی عن المنکر من الإیمان الخ، دار إحیاء التراث العربی - بیروت.

[2] رقم الحدیث ۵۰۰۹، کتاب الایمان وشرائعہ، باب تفاضل اھل الایمان.

اور اگر کوئی شخص کسی مجبوری سے کسی گناہ کے مقام پر موجود ہو، مثلاً وہ کسی کام سے وہاں گیا ہو، یا کوئی وہاں سرکاری سطح پر اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہو، لیکن وہ گناہ کو دل سے بُرا سمجھے، تو وہ گناہ سے بری ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عمیرہ کندی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا عُمِلَتِ الُخَطِيئَةُ فِي الُأَرُضِ كَانَ مَنُ شَهِدَهَا فَكَرِهَهَا. وَقَالَ مَرَّةً أَنُكَرَهَا كَمَنُ غَابَ عَنُهَا وَمَنُ غَابَ عَنُهَا فَرَضِيَهَا كَانَ كَمَنُ شَهِدَهَا (سنن ابی داود) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب زمین میں کوئی گناہ کیا جاتا ہے، تو جو شخص (کسی مجبوری سے) وہاں موجود ہو، مگر وہ اس کو ناپسند سمجھے، یا اس کو منکر (یعنی بُرا) سمجھے، تو وہ ایسا ہے، جیسا کہ وہاں موجود نہ ہو، اور جو شخص وہاں موجود نہ ہو، لیکن اس گناہ کو پسند کرے، تو وہ ایسا ہے، جیسا کہ وہاں موجود ہو (ابوداؤد)

مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ گناہ کی مجالس میں شرکت ممنوع ہے، اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک مروجہ نوحہ اور ماتم کا گناہ ہونا پہلے شرعی دلائل سے معلوم ہو چکا، لہٰذا اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اس طرح کی مجالس میں شرکت بھی ممنوع ہوگی، فقہائے کرام نے نوحہ خوانی کے سننے کو بھی ناجائز قرار دیا ہے، خواہ وہ براہِ راست سنا جائے یا کسی واسطہ سے۔ [2]

اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ گناہ والی مجلس میں صرف شرکت کی جائے، اور اگر وہاں جا کر خود

---

[1] رقم الحديث ۴۳۴۵، كتاب الملاحم، باب الامر والنهى ،المكتبة العصرية، صيدا -بيروت.
قال شعيب الارنوؤط:
إسناده حسن من أجل أبى بكر (حاشية سنن ابى داود)

[2] د -الاستماع للنياحة:
عن أبى سعيد الخدرى -رضى الله عنه -قال :لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم النائحة والمستمعة قال القارى :المراد بالمستمعة فى الحديث هى التى تقصد السماع ويعجبها، كما أن المستمع للمغتاب يكون شريكا له فى الوزر، والمستمع لقارء القرآن يكون شريكا له فى الأجر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۲، ص ۵۸، مادة "نياحة")

ان گناہوں میں بھی مبتلا ہوا جائے، تو اس کے ناجائز اور شدید گناہ ہونے میں شبہ نہیں۔

اور فقہائے کرام نے نوحہ اور مروجہ ماتم وغیرہ کرنے پر اجرت اور معاوضہ لینے کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ [1]

ملحوظ رہے کہ فقہائے کرام نے مسلمانوں کے حکمران کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں کو نوحہ کرنے پر نصیحت کرے، اور بعض حضرات نے حکمران کے لئے اس عمل پر لوگوں اور اس کی رعایا کو زجر وتعزیر کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ [2]

---

[1] هـ -الإجارة على النياحة وكسب النائحة :اتفق الفقهاء على أنه لا يجوز الاستئجار على المعاصى، كاستئجار النائحة للنوح؛ لأنه استئجار على منفعة غير مقدورة الاستيفاء شرعا، فلا تصح الإجارة على النياحة، وتقع باطلة، ولا تستحق أجرة عليها، فإن أخذتها النائحة كانت كسبا محرما خبيثا، ويجب عليها أن ترده على أربابه إن علموا، وإلا وجب عليها التصدق به.

لكن الحنفية قصروا هذا الحكم على حالة اشتراط الأجرة فى العقد، فإن أعطيت النائحة شيئا من غير شرط فهو لها، لكنهم قالوا :المعروف كالمشروط، فلا يحل لها ما تأخذه إذا كانت العادة جارية على إعطاء النوائح أجرا على نياحتهن من غير شرط، قال ابن عابدين :وهذا مما يتعين الأخذ به فى زماننا لعلمهم أنهم لا يذهبون إلا بأجر.

ثم قال الحنفية :لا تحرم الإجارة على كتابة النوح؛ لأن الممنوع هو النوح نفسه لا كتابته.

وذهب الحنابلة إلى تحريم الإجارة على كتابة النوح؛ لأنها انتفاع بمحرم، فلا يجوز (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۲،ص ۵۸،مادة "نياحة")

(والمستمعة) أى :التى تقصد السماع ويعجبها، كما أن المستمع والمغتاب شريكان فى الوزر، والمستمع والقارء مشتركان فى الأجر(مرقاة المفاتيح، ج۳ص۱۲۳۷ ،كتاب الجنائز،باب البكاء على الميت)

[2] ج -عقوبة النائحة:

لما كانت النياحة على الميت محرمة فإنه يجب على الإمام أو من يقوم مقامه عند جمهور العلماء أن يزجر عنها ويعاقب عليها بعقوبات تعزيرية، فقد روى عن عمر -رضى الله عنه " -أنه كان يضرب عليها بالعصا ويرمى بالحجارة ويحثى بالتراب " وروى الأوزاعى أن عمر بن الخطاب -رضى الله عنه " -أمر بضرب نائحة، فضربت حتى بدا شعرها، فقيل له :يا أمير المؤمنين، إنه قد بدا شعرها، فقال :لا حرمة لها، إنما تأمر بالجزع وقد نهى الله عنه، وتنهى عن الصبر وقد أمر الله به، وتفتن الحى وتؤذى الميت، وتبيع عبرتها، وتبكى شجو غيرها، إنها لا تبكى على ميتكم، وإنما تبكى لأخذ دراهمكم .

ولكن بعض العلماء ذهبوا إلى أنه لا يعاقب بالضرب على النياحة، وإنما تمنع النائحة من الاستمرار،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن ظاہر ہے کہ زجر وتعزیر حکومت کا کام ہے، اور عام انسانوں کو بشرطِ قدرت زبان سے حکمت ونرمی اور اخلاقِ حسنہ کے ساتھ نہی عن المنکر پر ہی اکتفاء کرنا چاہیئے، اور اس پر قدرت نہ ہو، یا کوئی فتنہ لازم آتا ہو، تو صرف دل سے گناہ سمجھنے پر اکتفاء کرنا چاہیئے۔ [1]

آج کل بعض سنی لوگ زور زبردستی کر کے نوحہ، ماتم وغیرہ سے اہلِ تشیع کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں، اور پھر اس کے نتیجہ میں کئی قسم کے فسادات رونما ہوتے ہیں، اور جانی ومالی نقصانات سامنے آتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ طریقہ احادیث کی روشنی میں نامناسب طریقہ ہے، ایسی صورت میں اس گناہ کو دل سے برا سمجھنے اور خود سے گناہ کرنے اور اس طرح کی مجالس میں شرکت سے عملی طور پر بچنے پر اکتفاء کرنے میں ہی عافیت اور سلامتی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وتنصح بعدم العود، وإلا نفيت من البلد ، واستدل القاری علی عدم جواز الضرب بما روی ابن عباس -رضی الله عنهما -أنه لما ماتت زینب (وفی روایة رقیة) ابنة رسول الله صلی الله علیه وسلم، بکت النساء ، فجعل عمر یضربهن بسوطه، فأخذ رسول الله صلی الله علیه وسلم بیده، وقال :مهلا یا عمر، ثم قال :ابکین وإیاکن ونعیق الشیطان، ثم قال :إنه مهما کان من العین والقلب فمن الله ومن الرحمة، وما کان من الید واللسان فمن الشیطان ، قال القاری :فیه إشعار أنه لا یجوز الضرب علی النیاحة، بل ینبغی النصیحة، ولذلک أخذ بیده وقال له :(مهلا) ، أی أمهلهن . ونص ابن تیمیة علی وجوب النهی عن النیاحة، فإن لم ترتدع النائحة وجب عقابها بما یزجرها؛ لأنها من المعاصی، ولما فیها من أذیة المیت (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۴۲ص۵۷، ۵۸، مادة "نیاحة")

[1] قال العلماء: الأمر بالمعروف بالید علی الأمراء، وباللسان علی العلماء، وبالقلب علی الضعفاء، یعنی عوام الناس(تفسیر القرطبی ج۴ص ۴۹،سوره آلِ عمران ، تحت رقم الآیة ۲۱)

ینبغی لمن یتصدی لتغییر المنکر أن یأخذ نفسه بما یحمد قولا وفعلا، وأن یتحلی بمکارم الأخلاق حتی یکون عمله مقبولا، وقوله مسموعا(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۲ ص ۲۹۴، مادة "رفق")

[2] وقد قال العلماء رحمة الله علیهم إن التغییر بالید متعین علی الأمراء وباللسان متعین علی العلماء وبالقلب متعین علی غیرهما، وما قالوه هو فی غالب الحال، وإلا فقد نجد کثیرا منه یتعین تغییره بالید علی غیر الأمیر وغیر العالم فضلا عنهما.

وإذا کان الأمر کذلک فینقسم التغییر بالنسبة إلی العالم قسمین: قسم یتغیر بالید، وقسم یتغیر باللسان، والشاذ النادر الذی یتعین علیه بالقلب.

وقد نقل ابن رشد – رحمه الله تعالی –فی البیان والتحصیل ما هذا لفظه إن الأمر بالمعروف والنهی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

احادیث میں صراحتاً بھی ایسے مواقع پر اسی طرزِ عمل کو اختیار کرنے کا حکم آیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

بَيْنَمَا نَحْنُ حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- إِذْ ذَكَرَ الْفِتْنَةَ فَقَالَ إِذَا رَأَيْتُمُ النَّاسَ قَدْ مَرِجَتْ عُهُوْدُهُمْ وَخَفَّتْ أَمَانَاتُهُمْ وَكَانُوْا هٰكَذَا. وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ قَالَ فَقُمْتُ إِلَيْهِ فَقُلْتُ كَيْفَ أَفْعَلُ عِنْدَ ذٰلِكَ جَعَلَنِىَ اللّٰهُ فِدَاكَ قَالَ اِلْزَمْ بَيْتَكَ وَامْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَخُذْ بِمَا تَعْرِفُ وَدَعْ مَا تُنْكِرُ وَعَلَيْكَ بِأَمْرِ خَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعْ عَنْكَ أَمْرَ الْعَامَّةِ (ابوداؤد) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عن المنكر واجب على كل مسلم بثلاثة شروط:

أحدها: أن يكون عارفا بالمعروف والمنكر؛ لأنه إن لم يكن عارفا بهما لم يصح له أمر ولا نهى إذ لا يأمن من أن ينهى عن المعروف ويأمر بالمنكر لجهله بحكمهما وتتميز كل منهما عن الآخر.

والثانى: أن لا يؤدى إنكاره المنكر إلى منكر أكبر منه مثل أن ينهاه عن شرب الخمر فيؤول نهيه عن ذلك إلى قتل نفس وما أشبه ذلك؛ لأنه إذا لم يأمن ذلك لم يجز له أمر ولا نهى.

والثالث: أن يعلم أو يغلب على ظنه أن إنكاره المنكر مزيل له، وأن أمره مؤثر ونافع؛ لأنه إذا لم يعلم ذلك ولا غلب على ظنه لم يجب عليه أمر ولا نهى.

فالشرطان: الأول والثانى مشترطان فى الجواز والشرط الثالث مشترط فى الوجوب فإذا عدم الشرط الأول والثانى لم يجز أن يأمر ولا ينهى، وإذا عدم الشرط الثالث ووجد الشرط الأول والثانى جاز له أن يأمر وينهى ولم يجب ذلك عليه (المدخل لابنِ الحاج ،الجزء الاول ص ٧٠، ٧١،فصل فى العالم وكيفية نيته)

[1] رقم الحديث ٤٣٤٣، كتاب الملاحم،باب الأمر والنهى ،مستدرك حاكم، رقم الحديث ٧٨٦٦؛ مسند احمد، رقم الحديث ٦٩٨٧؛ معرفة الصحابه لابى نعيم، رقم الحديث ٤٣٥٩.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد و لم يخرجاه.

وقال الذهبى فى التلخيص :صحيح.

وقال شعيب الارنؤوط:

حديث صحيح .وهذا إسناد حسن من أجل يونس بن أبى إسحاق السبيعى، لكن الحديث صحيح بالأسناد السابق(حاشية سنن ابى داوٗد)

وقال ايضاً:

إسناده صحيح، رجاله رجال الصحيح غير هلال بن خبّاب، فقد روى له أصحاب السنن، وهو ثقة(حاشية مسند احمد)

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فتنے کا ذکر کیا، پھر فرمایا کہ جب لوگوں کے ساتھ عہد (ومعاہدوں) کی خلاف ورزی ہوگی، اور لوگوں کی امانتوں کو ہلکا سمجھا جائے گا (یعنی اُن کی ادائیگی کی اہمیت دِلوں میں نہ رہے گی) اور لوگ اس طرح (ایک دوسرے میں خلط ملط) ہوجائیں گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُنگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کرلیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ ایسے وقت میں میں کیا طرزِ عمل اختیار کروں، اللہ مجھے آپ پر فدا کرے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھر کو لازم پکڑلو (یعنی اپنے گھر میں رہو) اور اپنی زبان کو اپنی ذات تک قابو میں رکھو، اور جو معروف (نیکی) دیکھو، اُسے اختیار کرو، اور جو منکَر (بُرا کام) دیکھو، اُسے چھوڑ دو، اور اپنے اوپر اپنی ذات کے معاملات لازم رکھو، اور عام لوگوں کے معاملات کو اپنے سے چھوڑ دو (یعنی دوسروں کے معاملات میں نہ پڑو) (ابوداؤد)

حضرت سحیم بن نوفل فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا اقْتَتَلَ الْمُصَلُّوْنَ قُلْتُ: وَيَكُوْنُ ذٰلِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قُلْتُ: وَكَيْفَ أَصْنَعُ، قَالَ: كُفِّ لِسَانَكَ وَأَخْفِ مَكَانَكَ، وَعَلَيْكَ بِمَا تَعْرِفُ، وَلَا تَدَعْ مَا تَعْرِفُ لِمَا تُنْكِرُ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: تمہاری اس وقت کیا حالت ہوگی جبکہ نمازی (یعنی دیندار لوگ) بھی ایک دوسرے سے لڑائی کریں گے؟ میں نے عرض کیا کہ کیا ایسا بھی ہوگا؟ تو حضرت

---

[1] رقم الحديث ٣٨٦٠٥، كتاب الفتن، باب من كره الخروج فى الفتنة وتعوذ منها.

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیو (ایسا بھی ہوگا) میں نے عرض کیا کہ (اگر میں وہ زمانہ پالوں تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟) تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھنا، اور اپنے مکان میں چُھپ جانا اور نیکی کے کام کرتے رہنا، اور کسی بُرائی کی وجہ سے کسی نیکی کو نہ چھوڑنا (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَتَكُوْنُ فِتَنٌ كَرِيَاحِ الصَّيْفِ، اَلْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِيِ، مَنِ اسْتَشْرَفَ لَهَا، اِسْتَشْرَفَتْهُ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٥٩٥٩، باب ماجاء فى الفتن) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تیز ترین ہواؤں کی طرح فتنے رونما ہوں گے، جن میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا، جو اُن فتنوں میں جھانکے گا، تو فتنہ اُس کو جھانک لے گا (یعنی اُس کو بھی کسی درجہ میں فتنہ پہنچ جائے گا) (ابنِ حبان)

معلوم ہوا کہ فتنوں کے دور میں دوسروں سے اُلجھنا اور ان کے معاملات میں پڑنا مناسب طریقہ نہیں، بلکہ ایسے حالات میں سلامتی وعافیت والا راستہ یہ ہے کہ خود گناہوں سے بچتے ہوئے، ان سے علیحدگی اختیار کر کے اپنے گھروں میں رہیں، اور فتنوں کو جھانکیں بھی نہیں، یعنی ان کو دیکھنے سے پرہیز کریں۔

(10)......ایصالِ ثواب اور کھانا کھلانا و پانی پلانا

اسلام میں کسی کو کھلانے پلانے اور کسی زندہ یا فوت شدہ مسلمان کو نیک عمل کر کے ثواب

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده صحيح على شرط مسلم(حاشية ابن حبان)

پہنچانے کی بڑی فضیلت ہے، جس میں کوئی شبہ نہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَيُّ الإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ :تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ

(بخاری، رقم الحديث ۱۲، كتاب الايمان ، باب: إطعام الطعام من الإسلام)

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا اسلام سب سے بہتر ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کھانا کھلائیں، اور جان پہچان والے اور غیر جان پہچان والے کو سلام کریں (بخاری)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، اور (ضرورت مندوں کو) کھانا کھلاؤ، اور لوگوں کے سونے کی حالت میں (یعنی رات کے وقت جب لوگ سوئے ہوئے ہوں) نماز پڑھو، تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ گے (ترمذی)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۷۸۴) [2]

ترجمہ: تم سلام کو پھیلاؤ، اور کھانا کھلاؤ، اور صلہ رحمی کرو، اور لوگوں کے سونے کی

---

[1] رقم الحديث ۲۴۸۵، أبواب صفة القيامة والرقائق والورع.
قال الترمذی: هذا حديث صحيح.

[2] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين (حاشية مسند احمد)

حالت میں (یعنی رات کے وقت) نماز پڑھو، تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے (مسند احمد)

حضرت ہانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، حَدِّثْنِيْ بِشَيْءٍ يُوْجِبُ لِيَ الْجَنَّةَ، قَالَ:يُوْجِبُ الْجَنَّةَ إِطْعَامُ الطَّعَامِ وَإِفْشَاءُ السَّلَامِ (المعجم الكبير للطبراني، رقم ٤٦٧، ج ٢٢ ص ١٨٠)[1]

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ایسی چیز بتا دیجئے، جو میرے لئے جنت کو واجب کر دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانا کھلانا اور سلام کا پھیلانا جنت کو واجب کرتا ہے (طبرانی)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرْفَةً يُرَى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا، وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِمَنْ أَطْعَمَ الطَّعَامَ، وَأَلَانَ الْكَلَامَ، وَتَابَعَ الصِّيَامَ وَصَلّٰى وَالنَّاسُ نِيَامٌ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٢٩٠٥)[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک بالا خانہ ہے، جس کے اندر سے باہر کا حصہ اور باہر سے اندر کا حصہ نظر آتا ہے، اللہ نے اس کو ان کاموں کے کرنے والے کے لئے تیار کر رکھا ہے، جو کھانا کھلاتا ہے، اور نرم بات کرتا ہے، اور پے در پے روزہ رکھتا ہے، اور لوگوں کے سوئے ہوئے ہونے کی حالت میں (یعنی رات کے وقت) نماز پڑھتا ہے (مسند احمد)

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني بإسنادين ورجال أحدهما ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٤٨٧٢)

[2] قال شعيب الارنؤط: إسناده حسن (حاشية مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَكُوْنُوْا إِخْوَانًا، كَمَا أَمَرَكُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ(ابنِ ماجه، رقم الحديث ص ٣٢٥٢،أبواب الأطعمة،باب إطعام الطعام) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سلام کو پھیلاؤ، اور کھانا کھلاؤ، اور بھائی بھائی ہوکر رہو، جس طرح تمہیں اللہ وعزوجل نے حکم دیا ہے (ابن ماجہ)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:أَطْعِمُوْا الطَّعَامَ، وَأَطِيْبُوْا الْكَلَامَ(المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ٢٧٦٣) [2]

---

[1] قال شعيب الارنوؤط: إسناده صحيح (حاشية سنن ابن ماجه)

[2] قال الالباني: أطعموا الطعام، وأطيبوا الكلام ." رواه الطبراني (١/١٧٥/٢)حدثنا القاسم بن محمد الدلال حدثنا مخول بن إبراهيم حدثنا كامل أبو العلاء عن عبد الله بن سليمان عن الحسن بن علي مرفوعا . قلت :وهذا إسناد ضعيف، الدلال هذا، ضعفه الدارقطني، وذكره ابن حبان في " الثقات "، وأخرج له الحاكم في "المستدرك "، ومن فوقه ثقات غير عبد الله ابن سليمان فلم أعرفه .ثم رواه (١/١٩٤/٢)حدثنا أحمد بن عمرو القطراني حدثنا زياد بن يحيى حدثنا أبو عتاب الدلال حدثنا عمرو بن ثابت حدثني حبيب بن أبي ثابت عن الحسن مرفوعا قلت :وهذا إسناد ضعيف أيضا من أجل عمرو بن ثابت، فقد جزم بضعفه الحافظ وغيره وبقية رجاله ثقات، رجال مسلم غير القطراني هذا فلم أجد له ترجمة، وحبيب مدلس وقد عنعنه . قلت :فلعل الحديث يتقوى بمجموع الطريقين، وهو قوي بما له من الشواهد، منها عن جابر قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :يمكنكم من الجنة، إطعام الطعام، يا بني عبد المطلب، أطعموا الطعام وأطيبوا الكلام ."ذكره الهيثمي (٥/١٧) وسقط من قلمه أو من الناسخ ذكر مخرجه، وقال " :وفيه عبد الله ابن محمد العبادي، ولم أعرفه، وبقية رجاله رجال الصحيح ."وعن مقدام بن شريح عن أبيه، عن جده قال " :قلت :يا رسول الله حدثني بشيء يوجب لي الجنة، قال :يوجب الجنة إطعام الطعام، وإفشاء السلام "وفي رواية حسن الكلام ." قال الهيثمي " :رواه الطبراني بإسنادين، ورجال أحدهما ثقات ."وعن أنس قال " :قال رجل للنبي صلى الله عليه وسلم علمني عملا يدخلني الجنة، قال : أطعم الطعام، وأفش السلام، وأطيب الكلام، وصل بالليل والناس نيام، تدخل الجنة بسلام ."قال: "رواه الطبراني وفيه حفص بن أسلم وهو ضعيف "(سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ١٤٦٥)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کھانا کھلاؤ، اور پاکیزہ کلام کرو (طبرانی)

حضرت عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ:

قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَنْ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ؟ قَالَ: أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ، وَإِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ سُرُورٌ تُدْخِلُهُ عَلَى مُؤْمِنٍ: تَكْشِفُ عَنْهُ كَرْبًا، أَوْ تَقْضِي عَنْهُ دَيْنًا، أَوْ تَطْرُدُ عَنْهُ جُوعًا، وَلَأَنْ أَمْشِيَ مَعَ أَخِي الْمُسْلِمِ فِي حَاجَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتَكِفَ شَهْرَيْنِ فِي مَسْجِدٍ، وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهُ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ كَظَمَ غَيْظَهُ، وَلَوْ شَاءَ أَنْ يُمْضِيَهُ أَمْضَاهُ، مَلَأَ اللّٰهُ قَلْبَهُ رِضًى، وَمَنْ مَشَى مَعَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ فِي حَاجَةٍ حَتَّى يُثْبِتَهَا لَهُ ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ تَزِلُّ الْأَقْدَامُ، وَإِنَّ سُوءَ الْخُلُقِ لَيُفْسِدُ الْعَمَلَ كَمَا يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ "(قضاء الحوائج لابنِ ابی الدنیا، رقم الحدیث ٣٦) [1]

ترجمہ: عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! لوگوں میں اللہ کو سب سے زیادہ

---

[1] قال الالبانی:
أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير(٣/٢٠٩/٢)" وابن عساكر في "التاريخ (٢/١/١٨)" عن عبد الرحمن بن قيس الضبي أنبأنا سكين ابن أبي سراج أنبأنا عمرو بن دينار عن ابن عمر: " أن رجلا جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله أي الناس أحب إلى الله وأي الأعمال أحب إلى الله؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " فذكره .وليس فيه الجملة التي بين المعكوفتين وليس عند ابن عساكر قوله: "ولأن أمشي " ...الخ.
قلت: وهذا إسناد ضعيف جدا سكين هذا اتهمه ابن حبان، فقال: " يروي الموضوعات ."وقال البخاري: " منكر الحديث ."وعبد الرحمن بن قيس الضبي مثله أو شر منه، قال الحافظ في "التقريب " :"متروك، كذبه أبو زرعة وغيره ."
لكن قد جاء بإسناد خير من هذا، فرواه ابن أبي الدنيا في "قضاء الحوائج(ص ٨٠ رقم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

محبوب کون ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جولوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہو، اور اللہ تعالیٰ کو اعمال میں سب سے زیادہ محبوب وہ خوشی ہے، جو آپ مومن کو پہنچائیں، جس سے آپ اس کی تکلیف کو دور کر دیں، یا آپ اس کا قرض ادا کر دیں، یا آپ اس کی بھوک کو دور کر دیں، اور میں اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ کسی ضرورت کے لئے چلوں، یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں مسجد میں دو مہینے کا اعتکاف کروں، اور جو شخص اپنے غصہ کو روکتا ہے، تو اللہ اس کے عیب کو چھپاتا ہے، اور جو شخص اپنے غصہ کو پیتا ہے، حالانکہ اگر وہ چاہے، تو اپنے غصہ پر عمل درآمد بھی کر سکتا ہے، تو اللہ اس کے دل کو رضا سے بھر دیتا ہے، اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت کے لئے چلتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس ضرورت کو پورا کر دیتا ہے، تو اللہ اس کے قدموں کو اس دن ثابت قدم رکھے گا، جس دن لوگوں کے قدم ڈگمگا جائیں گے، اور برے اخلاق، عمل کو اس طرح سے خراب کر دیتے ہیں، جس طرح سے سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے (ابنِ ابی الدنیا)

کھانا کھلانا ایک اصطلاح ہے، ورنہ اس میں دوسرے طریقوں سے کسی ضرورت مند کی مدد کرنا اور صدقہ خیرات کرنا بھی داخل ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

٣٦) "وأبو إسحاق المزكي في "الفوائد المنتخبة (١/١٤٧/٢)" ببعضه – وابن عساكر (١١/٤٤٤/١) من طرق عن بكر بن خنيس عن عبد الله بن دينار عن بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم (كذا قال ابن أبي الدنيا، وقال الآخران: عن عبد الله بن عمر – قال: قيل يا رسول الله من أحب الناس إلى الله " ...وفيه الزيادة.
قلت: وهذا إسناد حسن، فإن بكر بن خنيس صدوق له أغلاط كما قال الحافظ. وعبد الله بن دينار ثقة من رجال الشيخين. فثبت الحديث. والحمد لله تعالى (سلسلة الاحاديث الصحيحة ، تحت رقم الحديث ٩٠٦)

[1] (أفشوا السلام) أظهروه ودخل في عموم إفشائه من دخل مكانا ليس فيه أحد لقوله تعالى (فإذا دخلتم بيوتا فسلموا على أنفسكم) ذكره ابن حجر وفي الأدب بسند حسن عن ابن عمر يستحب إذا لم يكن بالبيت أحد أن يقول السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين (وأطعموا الطعام) قال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَالصَّدَقَةُ تُطْفِءُ الْخَطِيْئَةَ (مسند احمد، رقم الحديث ١٤٤٤١) [1]

ترجمہ: اور صدقہ خطاؤں کو بجھا دیتا ہے (مسند احمد)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَالصَّدَقَةُ تُطْفِءُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا يُطْفِءُ الْمَاءُ النَّارَ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٢١٣٣) [2]

ترجمہ: اور صدقہ خطاؤں کو اس طرح بجھا دیتا ہے، جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے (مسند احمد)

صدقہ سے متعلق اور بھی بے شمار حدیثیں اور فضیلتیں آئی ہیں۔

ان احادیث سے دوسروں کو کھانا کھلانے اور دوسروں کی ضرورت پوری کرنے اور صدقہ خیرات کرنے کی فضیلت معلوم ہوئی۔

اسی طرح زندہ اور فوت شدہ مسلمانوں کی روحوں کو نیک عمل کر کے اس کا ثواب پہنچانا بھی شرعاً ثابت ہے، خواہ بدنی عبادت کر کے ہو، جیسا کہ تلاوت کر کے درود شریف یا استغفار اور نماز وغیرہ پڑھ کر یا طواف وغیرہ کر کے، یا مالی عبادت کر کے ہو، جیسا کہ صدقہ و خیرات کر کے، اور حج یا عمرہ کر کے۔

لیکن شریعت نے دوسروں کی ضرورت پوری کرنے اور اسی طرح ایصالِ ثواب کے لئے بڑی سہولت رکھی ہے کہ جس وقت بھی اور جو مسلمان بھی اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق

﴿ گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ﴾

العراقی المراد به هنا قدر زائد على الواجب فى الزكاة سواء فيه الصدقة والهدية والضيافة والأمر للندب وقد يجب (فيض القدير، تحت رقم الحديث ١٢٣١)

[1] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده قوى على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط:
صحيح بطرقه وشواهده (حاشية مسند احمد)

جب چاہے، یہ اعمال انجام دے سکتا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور شہدائے کربلا کی ارواح کو ثواب پہنچانے کے لئے بھی یہ اعمال کیے جاسکتے ہیں، لیکن اس سلسلہ میں چند باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

(1)......ضرورت مندوں کو کسی بھی وقت کھانا کھلایا جاسکتا ہے، اور پانی پلایا جاسکتا ہے، اس کے لئے شریعت کی طرف سے خاص دس محرم کی قید نہیں لگائی گئی، لہٰذا اس کام کے لئے دس محرم کو خاص کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ جب بھی کوئی بھوک یا پیاس میں مبتلاء اور ضرورت مند سامنے آئے، اس وقت حسبِ توفیق اس کی مدد کرنی چاہیئے۔

لہٰذا دوسرے دنوں کے مقابلہ میں محرم کے دنوں اور خاص کر نو، دس تاریخ میں سبیلیں لگانے اور کھانے پکانے اور کھلانے پلانے کی اتنی پابندی کرنا کہ خواہ گرمی ہو یا سردی اور ضرورت ہو یا نہ ہو اور خواہ کھانے پینے والے غریب ہوں یا امیر، بہرصورت اس کا اہتمام کرنا اور دوسرے دنوں میں خواہ کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو، اس کا اہتمام نہ کرنا صحیح طریقہ نہیں۔

(2)...... ہمیشہ خاص کھانا کھلانے اور پانی پلانے کو لازم اور ضروری نہیں سمجھنا چاہیئے، بلکہ جب جس طرح کا ضرورت مند سامنے آئے، اس کا لحاظ کر کے اس کی مدد کرنی چاہیئے، مثلاً جس کو لباس کی ضرورت ہو، اس کے لباس کا انتظام کیا جائے، جس کو سفر کے اخراجات کی ضرورت ہو، اس کے سفر کے اخراجات کا انتظام کیا جائے، جس کو دوا یا علاج کی ضرورت ہو، اس کی دوا کا انتظام کیا جائے، اور جس کو کھانے پینے کی ضرورت ہو اس کی یہ ضرورت پوری کی جائے، پس تمام ضرورت کی چیزوں کو نظر انداز کر کے کھانے، پینے کو خاص کرنا درست نہیں۔

(3)...... عام حالات میں صدقہ نقدی کی صورت میں دینا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اس میں اخلاص بھی زیادہ ہے کہ چھپا کر دینا آسان ہے اور غریبوں کے لئے زیادہ مفید بھی ہے۔ کیونکہ غریبوں کی مختلف موقعوں پر مختلف ضرورتیں ہوتی ہیں۔ نقدی سے غریب اپنی ہر قسم کی

ضرورت پوری کرسکتا ہے(مثلاً لباس کی ضرورت ہوتو پیسوں سے اس کوخرید سکتا ہے، دوا کی ضرورت ہوتو وہ لے سکتا ہے وغیرہ وغیرہ) اور اگر فی الحال اس کوضرورت نہ ہوتو اپنی آئندہ کی ضروریات کے لئے رکھ سکتا ہے اور اپنے بال بچوں کی بھی ہر قسم کی ضرورت پوری کرسکتا ہے اور بال بچے اس کے پاس موجود نہ ہوں تو دوسری جگہ ان کی ضرورت کے لئے یہ رقم بھیج سکتا ہے اور کھانے کو خاص کرنے کی صورت میں غریبوں کی ان تمام ضروریات وسہولیات کا لحاظ نہیں ہوتا اور نہ ہی ممکن ہے۔اور صدقہ کا ایک صحیح طریقہ یہ ہے کہ غریبوں کی ضرورت کے مطابق ان کا تعاون کیا جائے ،مثلاً مریض کو دوا، مسافر کو کرایہ ٹکٹ وغیرہ کا خرچ، بھوکے کو کھانا اور برہنہ کو لباس، جوتا، سردی میں بے سروسامان کو کمبل، رضائی اور گرم لباس وغیرہ ،غرض یہ کہ غریب کی ضرورت پوری کرنے کا خیال رکھا جائے۔

(4)...... صدقہ وخیرات کے اصل مستحق غریب لوگ ہیں، لہٰذا اس کھانے اور مشروب کو غریبوں میں تقسیم کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے ،اور بلا امتیاز ہر ایک کوشریک کرنے اور اس سے بڑھ کر امیروں اور بڑے لوگوں یا اپنے جاننے والوں کو خاص طور پر اس کھانے میں شریک کرنے اور ایک دعوت کا سماں بنانے سے بھی پرہیز کرنا چاہئے،اس میں جہاں ایک طرف غریبوں کی رعایت ہے، اسی کے ساتھ اخلاص کا لحاظ بھی زیادہ ہے، اور اخلاص کی بڑی اہمیت ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

(5)......کسی خاص قسم کے کھانے پینے مثلاً شربت، کھیچڑ، کھیر، حلیم وغیرہ کو مخصوص اور لازم نہ سمجھا جائے، بلکہ حسبِ توفیق وحسبِ سہولت اعتدال والا راستہ ملحوظ رکھا جائے۔

(6)......کسی کو کھانا کھلاتے یا پانی پلاتے وقت یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ ہمارا یہ کھانا یا پانی شربت وغیرہ بعینہٖ ان مرحومین کے پاس پہنچ رہا ہے، جن کوثواب پہنچانے کے لئے ہم یہ عمل کررہے ہیں، خاص طور پر شہدائے کربلا کے بارے میں یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں بھوکے پیاسے شہید ہوئے تھے اور یہ شربت وکھانا ان کے پاس

پہنچ کران کی بھوک پیاس بجھائے گا۔ [1]

کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نعوذ باللہ تعالیٰ شہدائے کربلا شہادت کے بعد صدیاں گزرنے کے باوجود بھی بھوکے پیاسے ہیں۔

دوسرے یہ کہ خاص یہ شربت اور کھانا وغیرہ وہاں پہنچتا ہے۔

جبکہ یہ دونوں باتیں درست نہیں۔

شہیدوں کے لئے شہادت کے بعد قرآن وسنت میں عمدہ اور اعلیٰ رزق دیئے جانے اور اعلیٰ نعمتوں کے عطا فرمانے کا ذکر پایا جاتا ہے، جن کے مقابلہ میں یہاں کا شربت اور کھانا کوئی

---

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اوراس سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ محرم کے شربت میں بھی عوام کے عمل کا مبنیٰ یہی خیال ہے کہ شہداءِ کربلا پیاسے شہید ہوئے تھے اس لئے شربت پہنچانا چاہئے کہ پیاس بجھے، سواول تو یہی سمجھنا غلط ہے کہ ان کو یہ شربت پہنچتا ہے، شربت ہرگز نہیں پہنچتا، دوسرے یہ عمل عقیدت کے بھی تو خلاف ہے، کیا آپ کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ حضرات ابھی تک پیاسے ہی ہیں۔ کیا ان کو جنت سے اب تک شربت بھی نہیں ملا، اوراب تک پیاسے ہیں، یہ اعتقاد آپ ہی کو مبارک ہو، ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ ان کو شہادت کے وقت ہی ان شاء اللہ شرابِ طہور کا وہ جام مل چکا ہے، جس سے پہلی بھی پیاس جاتی رہی اور آئندہ کی بھی جاتی رہی، اوراس اعتقادِ فاسد کا ایک مفسدہ یہ ہے کہ بعض دفعہ محرم کا مہینہ سردیوں میں آتا ہے تواس وقت بھی شربت ہی پلایا جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت لوگ بیمار پڑ جاتے ہیں، کسی کو نمونیہ ہوجاتا ہے، خدا بچائے ایسی پابندیٔ رسم سے، اورغور کرکے دیکھا جاتا ہے کہ رسوم کی پابندی ہمیشہ بے سوچے سمجھے ہی ہوتی ہے (وعظ دارالمسعود ص۹، خطباتِ حکیم الامت ج۱)

فان قال قائل ليس مبنا هذ العمل اعتقاد وصول هذ المشروب بعينه بل مبناه ماقاله بعض الصوفية ان لكل عمل صورة مثالية فى عالم الاخرة تناسب العمل وفسروابذلک قوله تعالىٰ كلما رزقوا منهامن ثمرة رزقاقالوا هذاالذى رزقنا من قبل واتوابه متشابها ط اى اوتواجزاء العمل متشابها للعمل واذا كان كذلک فالتصدق بالمشروب وان لم يستلزم وصول هذابعينه ولكنه يستلزم وصول شئ من نعماء الجنة مناسبالهذا المشروب ومتشابها له وهذا لاقدح فيه ولابرده شئ من النصوص نعم لما كان اعتقاد العوام فى هذه المسئلة فاسدا يلزمنا منعهم من امثال هذه الاعمال واللّٰه اعلم، قلناان المناسبة مسلم لكنها موسومة الى اللّٰه تعالىٰ لاالىٰ رأينا فمن اين لزم ان الماكول يناسب الماكول والمشروب يناسب المشروب بل ثبت بالحديث ان اللبن المشروب يناسب العلم والدين الغير المشروبين وهكذا فلايصح ماقاله هذاالقائل (حاشيه وعظ مذكور دارالمسعود ص ۹)

حیثیت نہیں رکھتا۔ [1]

علاوہ ازیں اللہ کے حضور جو چیز پیش کی جاتی ہے بعینہٖ وہی نہیں پہنچتی بلکہ اس کا تقویٰ اوراخلاص پہنچتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآئُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (سورة الحج رقم الآية ۳۷)

ترجمہ: ہرگز نہیں پہنچتا اللہ کو، ان قربانیوں کا گوشت اور نہ ان کا خون، بلکہ اللہ کو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے (سورہ حج)

(7)......اس کھانے اور خاص کر محرم کی سبیل سے پینے کو دوسرے کھانوں اور مشروبات سے افضل نہ سمجھا جائے، کیونکہ یہ پہلے ذکر کیا جا چکا کہ اس کا دارومدار ضرورت پر ہے۔

(8)......اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور شہدائے کربلا کے لئے نیک عمل کرنا ہو، تو ان کی روحوں کو ایصالِ ثواب کرنے کی نیت رکھی جائے، اور اس عمل کو اللہ کی رضا اور اللہ کی عبادت سمجھ کر انجام دیا جائے۔

بعض کم علم لوگ اس کے بجائے، خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو نفع ونقصان کا مالک سمجھ کر اور ان کا قرب اور رضا حاصل کرنے کے لئے یہ عمل کرتے ہیں، جو کہ درست نہیں۔

(9)......بعض لوگ یہ سمجھا کرتے ہیں کہ جس دن کسی کی وفات ہو ہر سال اسی تاریخ کو اس

---

[1] وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ (سورة آلِ عمران، رقم الآيات ۱۶۹ الیٰ ۱۷۱)

عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :الشهداء على بارق -نهر بباب الجنة -في قبة خضراء، يخرج عليهم رزقهم من الجنة بكرة وعشيا (مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۹۰)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده حسن(حاشية مسند احمد)

کے لئے صدقہ یا ایصالِ ثواب کرنا ضروری یا کم از کم زیادہ فضیلت کا باعث ہے، اس طرح کی کوئی بات شریعت کی طرف سے ثابت نہیں، بلکہ شریعت کی طرف اس سلسلہ میں بڑی سہولت رکھی گئی ہے، اس سہولت سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

(10)...... ایصالِ ثواب کے لئے عمل میں اخلاص ضروری ہے، لہٰذا کھلانے، پلانے اور ایصالِ ثواب کے عمل کو ایسے طریقہ پر کرنا چاہئے، جس میں ریاکاری شامل نہ ہو۔

(11)...... ایصالِ ثواب اگر قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ کی شکل میں ہو، تو اس میں بھی شریعت کی طرف سے کسی مخصوص دن کی قید نہیں لگائی گئی، لہٰذا اس کے لئے بھی کسی مخصوص دن کو لازم وضروری نہیں کرنا چاہئے۔

(12)...... کھانا وغیرہ تیار کرنے اور کھلانے میں یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ اس کی وجہ سے خوش ہو کر شہدائے کربلاء ہماری ضروریات وحاجات کو پورا کریں گے، اور ہماری مرادیں بَر لائیں گے، کیونکہ غیرُ اللہ کے ساتھ اس طرح کا عقیدہ رکھنا گناہ ہے، بلکہ اس میں ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

نفع ونقصان کا مالک ہونا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے، اور غیرُ اللہ کے ساتھ اس طرح کا عقیدہ رکھنے سے قرآن وسنت میں جابجا منع کیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] اگر کوئی غیرُ اللہ کو نفع ونقصان کا مالک سمجھ کر اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اس طرح کا کھانا تیار کرے، یا غیرُ اللہ کے تقرب کے لئے نذر ومنت مان کر کسی شخص کو کوئی ایسا کھانا وغیرہ پیش کرے، تو بعض حضرات نے اس طرح کے کھانے کو ''ما اُہِل لغیر اللہ بہ'' میں داخل کر کے مُردار کی طرح حرام قرار دیا ہے، اور ہم نے بھی پہلے اس کے مطابق حکم لکھا تھا، لیکن بعد میں تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ بہت سے حضرات کے نزدیک ایسا کھانا فی نفسہٖ حرام نہیں ہے، جبکہ استعمال کرنے والے کا اپنا عقیدہ درست ہو، تاہم اس کے قبول کرنے میں گناہ کا تعاون لازم آتا ہے، اس لئے ایسا کھانا کھانے اور اشیاء کے استعمال کرنے سے اجتناب وپرہیز کرنا چاہئے، تاآنکہ اس طرح کا کھانا تیار کرنے والا اپنے غلط عقیدہ کی اصلاح وتوبہ نہ کر لے، اور دلائل کے لحاظ سے اب ہمارے نزدیک یہی راجح ہے، البتہ اگر کوئی اس طرح کے مذکورہ عقیدہ کے ساتھ جانور ذبح کرے، تو اس کے ''ما اُہِل لغیر اللہ بہ'' میں داخل ہو کر حرام ہونے میں شبہ نہیں۔

وَهَلْ كَرَاهَةُ اَخْذِهٖ لِكَوْنِ هٰذَا الْمَنْذُوْرِ دَاخِلًا فِيْمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اَمْ لِوَجْهٍ آخَرَ، وَعِنْدِیْ اَنَّ عِلَّةَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(13)...... خاص دس محرم کو سبیل لگانے، اور شربت وغیرہ پلانے میں غیروں کے ساتھ تشبہ ومشابہت کا بھی اندیشہ ہے، لہٰذا ان وجوہات کی بناء پر خاص دس محرم کو سبیل لگانے اور کھانا کھلانے سے بچنا چاہیے۔

(12)......زیارتِ قبور

ویسے تو مَرد حضرات کو منکرات اور خرابیوں سے بچتے ہوئے قبرستان میں کسی وقت بھی چلے جانا احادیث سے ثابت ہونے کی وجہ سے سنت ومستحب عمل ہے۔ [1]

چنانچہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

الْكَرَاهَةِ لَيْسَ كَوْنُهٗ مِمَّا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ لِمَا عَرَفْتَ اَنَّ مَعْنَاهُ مَاذُبِحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَبِاسْمِ غَيْرِ اللّٰهِ فَغَيْرُ الْمَذْبُوْحِ خَارِجٌ عَنْهُ سَوَاءٌ كَانَ غَيْرَ حَيْوَان اَوْحَيْوَانًا قُرِبَ بِهٖ اِلٰى قَبْرِ صَالِحٍ لَايَقْصَدُ الذِّبْحَ.........
وَيُؤَيِّدُ مَاقُلْنَا اِطْلَاقُ الْبَحْرِ عَلَيْهِ لَفْظَ السُّحْتِ وَالْحَرَامِ دُوْنَ الْمَيْتَةِ وَالنَّجِسِ وَالسُّحْتُ يُطْلَقُ عَلَى الرِّشْوَةِ وَالرِّبَا وَكُلِّ مَالَا يَجُوْزُ كَسْبُهٗ وَعَلَى الْمَغْصُوْبِ وَغَيْرِهٖ وَالْكَلَامُ لَيْسَ فِيْ ذٰلِكَ وَاِنَّمَا الْكَلَامُ فِي الْحُرْمَةِ الَّتِيْ تُلْحَقُ الشَّيْئَ بِمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ حَتّٰى يَكُوْنُ مَيْتَةً بَعْدَ الذِّبْحِ ،فَكَلَامُ الْبَحْرِ لَايَدُلُّ عَلٰى حُدُوْثِ مِثْلِ تِلْكَ الْحُرْمَةِ فِيْ مِثْلِ هٰذَا الْمَنْذُوْرِ فَلَمْ يَكُنْ مُعَارِضًا لِقَوْلِ اِبْنِ تَيْمِيَّةَ اَنَّ هٰذَا الْمَالَ الْمَنْذُوْرَ، إِذَا صَرَفَهٗ فِيْ جِنْسِ تِلْكَ الْعِبَادَةِ مِنَ الْمَشْرُوْعِ، مِثْلِ أَنْ يَّصْرِفَهٗ فِيْ عِمَارَةِ الْمَسَاجِدِ، أَوِ الصَّالِحِيْنِ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ كَانَ حَسَنًا. اھ.
فَاِنَّ الْمَالِكَ اَيِ النَّاذِرَ اِذَا صَرَفَهٗ فِيْ غَيْرِالْمَنْذُوْرِ كَانَ ذٰلِكَ تَغْيِيْرًا لِنَذْرِهِ الْاَوَّلِ الَّذِيْ هُوَ مَعْصِيَةٌ فَلَا شَكَّ فِيْ كَوْنِ صَرْفِهٖ اِلَى الْمَشْرُوْعِ حَسَنًا وَاَمَّا اِذَا لَمْ يَصْرِفْهُ الْمَالِكُ بِنَفْسِهٖ وَصَرَفَهٗ غَيْرُهٗ اِلَى الْمَصْرَفِ الْمَشْرُوْعِ فَلَايَجُوْزُ لِبَقَاءِ الْحُرْمَةِ فِيْهِ لِكَوْنِهٖ سَائِبَةً لَايَمْلِكُهَا آخِذُهَا وَمَصْرَفُهَا الْفُقَرَاءُ الْمُضْطَرُّوْنَ الْعَاجِزُوْنَ عَنِ الْكَسْبِ. هٰذَا مَاظَهَرَ لِيْ فِيْ تَحْرِيْرِ الْمَقَامِ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْعَلَّامِ
(”البذر للخيرفی النذر للغير“، سلسله النور، رمضان صفحه ۲۲ تاصفحه ۲۴، وذيقعده صفحه ۱۵، مطبوعه: تهانه بهون)

(تفصیل ودلائل کے لئے ملاحظہ ہو، ہمارا رسالہ ”غیرُ اللہ کی نذر ونیاز وذبح کا حکم“)

[1] فاتفقت نصوص الشافعی والأصحاب علی أنه يستحب للرجال زيارة القبور وهو قول العلماء كافة نقل العبدری فيه إجماع المسلمين ودليله مع الإجماع الأحاديث الصحيحة المشهورة(المجموع شرح المهذب ج۵، ص۳۱۰، كتاب الجنائز، باب التعزية والبكاء علی الميت)
اتفق الفقهاء علی أنه يندب زيارة القبور للرجال، لقول النبی صلی الله عليه وسلم :إنی كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها فإنها تذكر الآخرة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲ص۲۵۲،مادة ”قبر“)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: نَھَیْتُکُمْ عَنْ زِیَارَۃِ الْقُبُوْرِ، فَزُوْرُوْھَا، فَإِنَّ فِیْ زِیَارَتِھَا تَذْکِرَۃً (سنن ابی داؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے (پہلے شرک و بت پرستی اور بدعات وغیرہ سے بچانے کے لئے) تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کردیا تھا، پس اب تم قبروں کی زیارت کرلیا کرو (اور اب تمہیں اس کی اجازت ہے) کیونکہ قبروں کی زیارت میں عبرت ونصیحت کا سامان ہے (ابوداؤد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنِّیْ نَھَیْتُکُمْ عَنْ زِیَارَۃِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْھَا، فَإِنَّ فِیْھَا عِبْرَۃً (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۱۳۲۹) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے (پہلے شرک و بت پرستی اور بدعات وغیرہ سے بچانے کے لئے) تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کردیا تھا، پس اب تم قبروں کی زیارت کرلیا کرو (اور اب تمہیں اس کی اجازت ہے) کیونکہ قبروں کی زیارت میں عبرت کا سامان ہے (مسند احمد)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، قَالَ: کُنْتُ نَھَیْتُکُمْ عَنْ زِیَارَۃِ الْقُبُوْرِ، فَزُوْرُوْھَا، فَإِنَّھَا تُزَھِّدُ فِی الدُّنْیَا، وَتُذَکِّرُ الْآخِرَۃَ (سنن ابنِ ماجہ) [3]

---

[1] رقم الحدیث ۳۲۳۵، کتاب الجنائز، باب فی زیارۃ القبور.
قال شعیب الارنؤوط:
إسنادہ صحیح (حاشیۃ ابی داؤد)

[2] قال شعیب الارنؤوط:
حدیث صحیح (حاشیۃ مسند احمد)

[3] ۱۵۷۱، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی زیارۃ القبور.
قال شعیب الارنؤوط:
صحیح لغیرہ (حاشیۃ ابنِ ماجہ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے (پہلے شرک وبت پرستی اور بدعات وغیرہ سے بچانے کے لئے) تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کردیا تھا، پس اب تم قبروں کی زیارت کرلیا کرو (اور اب تمہیں اس کی اجازت ہے) کیونکہ قبروں کی زیارت دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہے، اور آخرت کو یاد دلاتی ہے (ابنِ ماجہ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ منکرات اور خرابیوں سے بچتے ہوئے قبروں پر حاضری جائز ہے، اور اس کا اہم مقصد دنیا کی بے رغبتی کا پیدا ہونا اور موت، قبر وآخرت کو یاد کرنا اور عبرت ونصیحت کا حاصل کرنا ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوْا إِلَى الْمَقَابِرِ، كَانَ قَائِلُهُمْ يَقُوْلُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ، نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ(سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو یہ تعلیم دیا کرتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں، تو کہنے والا یہ کہے کہ تم پر سلام ہو، مومنین اور مسلمین کے گھر والو!، اور ہم بے شک ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں، ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت (یعنی تکلیف وعذاب سے سلامتی) کی دعاء کرتے ہیں (ابنِ ماجہ)

---

[1] رقم الحديث ١٥٤٧، كتاب الجنائز، باب ما جاء فيما يقال إذا دخل المقابر.
قال شعيب الارنؤوط:
إسناده صحيح (حاشية ابنِ ماجه)

اس حدیث سے مومن کی قبر پر اس کے لئے سلامتی کی دعاء کا کرنا معلوم ہوا۔ [1]

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّمَا كَانَ لَيْلَتُهَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ إِلَى الْبَقِيْعِ، فَيَقُوْلُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ، وَأَتَاكُمْ مَا تُوْعَدُوْنَ غَدًا، مُؤَجَّلُوْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ، بِكُمْ لَاحِقُوْنَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب ان کے پاس رات کی باری ہوتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصہ میں بقیع قبرستان جا کر یہ دعاء کیا کرتے تھے کہ سلام ہو تم پر مومنین کی قوم کے گھر والو!، اور تمہارے پاس کل تمہارے وعدے کی چیزیں آئیں گی، جس کی تمہارے لئے مدت مقرر کی گئی ہے، اور بے شک ہم ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں، اے اللہ! بقیع قبرستان والوں کی مغفرت فرما دیجئے (مسلم)

اس حدیث سے قبرستان جا کر ان کے لئے مغفرت کی دعاء کا کرنا معلوم ہوا، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ سب مومن قبرستان والوں کے لئے اجمالی دعاء بھی ایک ہی جملہ میں کافی ہو جاتی ہے۔ [3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

فَقَالَ: إِنَّ رَبَّكَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَأْتِيَ أَهْلَ الْبَقِيْعِ فَتَسْتَغْفِرَ لَهُمْ، قَالَتْ:

---

[1] نسأل الله (لنا ولكم العافية) وهى الأمن من مكره (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، تحت رقم الحديث ۵۸۳)

[2] رقم الحديث ۹۷۴ "۱۰۲" كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها.

[3] (اللهم اغفر لأهل بقيع الغرقد) أى مقبرة المدينة، وفيه أن الدعوة الإجمالية على وجه العموم كافية (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۲۵۸، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور)

قُلْتُ: كَيْفَ أَقُولُ لَهُمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ قُولِي: اَلسَّلامُ عَلٰى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ (مسلم) [1]

ترجمہ: پس جبریلِ امین نے فرمایا کہ آپ کا رب آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ بقیع قبرستان آ کر ان کے لئے استغفار کریں (اس حکم کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقیع قبرستان تشریف لے گئے، اور مرحومین کے لئے مغفرت کی دعاء کی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اُن (قبرستان والوں کے لئے) کیا کہوں (یعنی کس طرح سے دعاء کروں؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ یہ کہو، سلام ہو مومنین اور مسلمین کے گھر والوں پر، اور اللہ ہم سے پہلے جانے والوں اور بعد میں جانے والوں پر رحم (اور ان کی مغفرت) فرمائے، اور بے شک ہم ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں (مسلم)

اور مسند احمد کی حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ: بُعِثْتُ إِلٰى أَهْلِ الْبَقِيْعِ لِأُصَلِّيَ عَلَيْهِمْ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٤٦١٢) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ مجھے بقیع قبرستان والوں کی طرف (اللہ کی جانب سے حکم دے کر) بھیجا گیا، تاکہ میں ان کے لئے استغفار کروں (مسند احمد)

ان احادیث سے قبرستان جا کر مومنوں کے لئے مغفرت وغیرہ کی دعاء کا کرنا ثابت ہوا۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ٩٧٤ "١٠٣" "كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها.

[2] قال شعيب الارنؤوط:

إسناده محتمل للتحسين (حاشية مسند احمد)

[3] اور ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کا حکم دے کر زیارت کو ان کے لئے دعاء واستغفار بنانے کا حکم فرمایا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس طرح کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں پر جانے کا اصل مقصود عبرت حاصل کرنا اور موت کو یاد کرنا ہے، اور اسی کی ساتھ مومنین کی مغفرت وغیرہ کی دعاء کرنا بھی ہے۔

پھر بعض فقہاء نے ہر ہفتہ اور خصوصیت کے ساتھ جمعہ کے دن قبرستان جانے کو افضل قرار دیا ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ﴾

عن ثوبان، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال :إنی کنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها، واجعلوا زيارتكم لها صلاة، عليهم واستغفارا لهم، ونهيتكم عن أكل لحوم الأضاحی، بعد ثلاث فكلوا، منها وادخروا، ونهيتكم عما ينبذ فی الدباء ، والحنتم، والمقير، فانتبذوا وانتفعوا بها(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ١٤١٩)

مگر تحقیق کرنے پر اس حدیث کی سند غیر معمولی ضعیف معلوم ہوئی، جس کی سند کی پہلے تحقیق نہ ہوسکی تھی۔

قال الهيثمی:

رواه الطبرانی فی الكبير، وفيه يزيد بن ربيعة الرحبی، وهو ضعيف(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٤٣٠٧)

وقال ايضاً فی حديث آخر:

رواه الطبرانی فی الكبير، وفيه يزيد بن ربيعة، ضعيف جدا(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٣٨٧)

وقال ايضاً فی حديث آخر:

رواه الطبرانی فی الكبير، وفيه يزيد بن ربيعة، وهو متروك(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٧٠١)

وقال ايضاً فی حديث آخر:

رواه الطبرانی فی الكبير، وفيه يزيد بن ربيعة، وهو متروك منكر الحديث(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٧٨٦)

وقال ايضاً فی حديث آخر:

رواه الطبرانی، وفيه يزيد بن ربيعة وهو متروك نسب إلى الوضع، وقال ابن عدى :لا بأس به(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٩٢٤٩)

[1] (قوله وبزيارة القبور) أی لا بأس بها، بل تندب كما فی البحر عن المجتبى، فكان ينبغی التصريح به للأمر بها فی الحديث المذكور كما فی الإمداد، وتزار فی كل أسبوع كما فی مختارات النوازل .قال فی شرح لباب المناسك إلا أن الأفضل يوم الجمعة والسبت والاثنين والخميس، فقد قال محمد بن واسع :الموتى يعلمون بزوارهم يوم الجمعة ويوما قبله ويوما بعده، فتحصل أن يوم الجمعة أفضل (رد المحتار، ج٢، ص ٢٤٢، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی زيارة القبور)

لیکن خاص دس محرم کو قبرستان جانے کا شریعت میں حکم نہیں آیا، اور نہ ہی فقہائے کرام نے اس کا ذکر کیا ہے، اس لئے خاص دس محرم کو قبرستان جانے کو ضروری یا زیادہ باعثِ فضیلت سمجھنا درست نہیں ہے۔

اسی طرح قبرستان جانے کا مقصود چونکہ موت کو یاد کرنا اور مرحومین کے لئے دعاء واستغفار کرنا ہے، اس لئے وہاں ان ہی مقاصد کے لئے جانا چاہئے، اور وہاں جا کر غیر شرعی حرکات سے پرہیز کرنا چاہئے۔

آج کل بعض لوگ دس محرم کو خاص طور پر قبرستان جانے کو بہت ضروری سمجھتے ہیں، اور اسی کے ساتھ وہاں جا کر قبروں پر پانی چھڑکنے اور مٹی گارے سے قبر کی لپائی کرنے، اور اس دن قبروں کو پختہ کرانے اور ان پر اگر بتی لگانے اور چادریں ڈالنے اور پھول چڑھانے کو بہت ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ اولاً تو فقہائے کرام نے ان میں سے بیشتر چیزوں سے منع فرمایا ہے، اور دوسرے ان چیزوں کو دس محرم کے ساتھ خاص سمجھنا بھی شریعت میں ثابت نہیں، بلکہ اس کی پابندی کیے بغیر جب بھی موقع ہو، شریعت کے مطابق قبرستان جانا اور ضرورت کے موقعہ پر قبر پر مٹی ڈال دینا یا مٹی کے گارے سے اس کو لیپ دینا، مٹی کو بٹھانے کے لئے ضرورت کے وقت پانی چھڑک دینا جائز ہے۔

احادیث میں قبروں کو پختہ کرنے کی بھی ممانعت آئی ہے۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يَّقْعُدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے اور اس پر عمارت بنانے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے (مسلم)

---

[1] رقم الحدیث ۹۷۰ "۹۴" کتاب الجنائز، باب النهی عن تجصیص القبر والبناء علیه.

اس طرح کا مضمون اور احادیث میں بھی آیا ہے۔ [1]

اگر مردہ اچھی جگہ چلا گیا تو اس کو دنیا کی چیزوں اور عمارت کی ضرورت نہیں، اور اگر بُری جگہ چلا گیا، تو یہ چیزیں اور عمارتیں وہاں کی تکلیفوں اور مصیبتوں کے مقابلہ میں نفع نہیں پہنچا سکتیں۔

اس لئے ان چیزوں کے بجائے شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق عمل کرنا چاہئے، اور اپنے وقت اور اپنے مال کو اچھے مصارف میں خرچ کرنا چاہئے۔

اور خاص دس محرم کو قبر اور قبرستان پر کی جانے والی غیر شرعی حرکتوں سے بچنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

---

[1] عن أبی سعید قال :نهی نبی الله صلی الله علیه وسلم أن یبنی علی القبور، أو یقعد علیها، أو یصلی علیها (مسند ابی یعلیٰ، رقم الحدیث ۱۰۲۰)

قال حسین سلیم أسد الدارانی:

إسناده صحیح(حاشیة ابی یعلیٰ)

(خاتمہ)

چند سوالات اور اُن کے معتدل جوابات

اب چند ایسے سوالوں کے جوابات معتدل انداز میں دیئے جاتے ہیں، جن میں عامۃُ الناس باہم اختلاف کرتے ہیں، اور ان کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑتے ہیں۔

(1)......حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق راہِ اعتدال

سوال: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا اور وہ غلط کردار کے مالک تھے ان کا اسلام میں کوئی مقام نہیں، جبکہ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عظیم صحابی تھے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی اور بڑی عظیم خدمات اسلام کے لئے انجام دیں، اس سلسلہ میں راہِ اعتدال کیا ہے؟

جواب:......حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار اُن جلیلُ القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے، جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلسل حاضری کا شرف حاصل رہا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو وحیِ الٰہی لکھنے کی وجہ سے کاتبِ وحی کہا جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتابتِ وحی کا کام جتنا نازک تھا اور اس کے لئے جس احساسِ ذمہ داری، امانت ودیانت اور علم وفہم کی ضرورت تھی وہ محتاجِ بیان نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلسل حاضری، کتابتِ وحی، امانت ودیانت اور دوسری پاکیزہ صفات کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے عظیم الشان دعاء فرمائی۔

چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهِ(سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے اس طرح دعا فرمائی کہ اے اللہ! معاویہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت پانے والا بنا دیجئے اور اس کے ذریعہ سے (لوگوں کو) ہدایت عطا فرمائیے (ترمذی)

اس حدیث کی سند معتبر ہے، بعض اہلِ علم حضرات نے اس حدیث کی سند کو دلائل کے ساتھ معتبر قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۳۸۴۲، کتاب المناقب، باب مناقب معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، مسند الشامیین للطبرانی رقم الحدیث ۳۳۴، معرفة الصحابة لابی نعیم رقم الحدیث ۴۶۳۴.
قال الترمذی: هذا حدیث حسن غریب.

[2] "اللهم اجعله هاديا مهديا واهده واهد به .يعنى معاوية ."
أخرجه الترقفى فى "حديثه(ق ۱/۴۵) "حدثنا أبو مسهر حدثنا سعيد بن عبد العزيز عن ربيعة بن يزيد عن عبد الرحمن بن أبى عميرة المزنى – قال سعيد: وكان من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال فى معاوية ...فذكره .ومن هذا الوجه أخرجه البخارى فى "التاريخ(۴/۱/۳۲۷) "والترمذى(۲/۳۱۶ــ بولاق)وابن عساكر فى "تاريخ دمشق (۱/۲/۱۳۳ و ۲/۲۴۳/۱۶) " وقال الترمذى: " حديث حسن غريب ."
وأقول: رجاله كلهم ثقات رجال مسلم، فكان حقه أن يصحح، فلعل الترمذى اقتصر على تحسينه لأن سعيد بن عبد العزيز كان قد اختلط قبل موته، كما قال أبو مسهر وابن معين، لكن الظاهر أن هذا الحديث تلقاه عنه أبو مسهر قبل اختلاطه، وإلا لم يروه عنه لو سمعه فى حالة اختلاطه، لاسيما وقد قال أبو حاتم: " كان أبو مسهر يقدم سعيد بن عبد العزيز على الأوزاعى ."
قلت: أفتراه يقدمه على الإمام الأوزاعى وهو يروى عنه فى اختلاطه؟ ! .وقد تابعه جمع:
۱ ـ : رواه ابن محمد الدمشقى أخبرنا سعيد أخبرنا ربيعة بن يزيد سمعت عبد الرحمن بن أبى عميرة المزنى يقول: سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول فى معاوية بن أبى سفيان: فذكره. أخرجه البخارى فى "التاريخ "وابن عساكر.
۲ ـ : الوليد بن مسلم مقرونا بمحمد بن مروان – ولعله مروان بن محمد – قالا: أخبرنا سعيد بن عبد العزيز به مسلسلا بالسماع .أخرجه ابن عساكر، وأخرجه أحمد(۴/۲۱۶)عن الوليد وحده.
۳ ـ :عمر بن عبد الواحد عن سعيد بن عبد العزيز به مسلسلا .أخرجه ابن عساكر.
۴ ـ :محمد بن سليمان الحرانى: أخبرنا سعيد بن عبد العزيز به مصرحا بسماع عبد الرحمن بن أبى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

عميرة إياه من النبى صلى الله عليه وسلم .أخرجه ابن عساكر.

قلت: فهذه خمسة طرق عن سعيد بن عبد العزيز، وكلهم من ثقات الشاميين، ويبعد عادة أن يكونوا جميعا سمعوه منه بعد الاختلاط، وكأنه لذلك لم يعله الحافظ بالاختلاط، فقد قال فى ترجمة ابن أبى عميرة من "الإصابة": "ليس للحديث علة إلا الاضطراب، فإن رواته ثقات، فقد رواه الوليد ابن مسلم وعمر بن عبد الواحد عن سعيد بن عبد العزيز مخالفا أبا مسهر فى شيخه، قالا: عن سعيد عن يونس بن ميسرة عن عبد الرحمن بن أبى عميرة أخرجه ابن شاهين من طريق محمود بن خالد عنهما، وكذا أخرجه ابن قانع من طريق زيد بن أبى الزرقاء عن الوليد بن مسلم."

قلت: رواية الوليد هذه أخرجها ابن عساكر أيضا من طريق أخرى عنه، لكن قد تقدمت الرواية عنه وعن عمر بن عبد الواحد على وفق رواية أبى مسهر، فهى أرجح من روايتهما المخالفة لروايته، لاسيما وقد تابعه عليها مروان بن محمد الدمشقى ومحمد بن سليمان الحرانى كما تقدم، ولذلك قال الحافظ ابن عساكر: " وقول الجماعة هو الصواب ."وإذا كان الأمر كذلك، فالاضطراب الذى ادعاه الحافظ ابن حجر إن سلم به، فليس من النوع الذى يضعف الحديث به، لأن وجوه الاضطراب ليست متساوية القوة، كما يعلم ذلك الخبير بعلم مصطلح الحديث .وبالجملة، فاختلاط سعيد بن عبد العزيز لا يخدج أيضا فى صحة الحديث .وأما قول ابن عبد البر فى الحديث ورواية ابن أبى عميرة: " لا تصح صحبته، ولا يثبت إسناد حديثه ."فهو وإن أقره الحافظ عليه فى " التهذيب "فقد رده فى "الإصابة "أحسن الرد متعجبا منه، فقد ساق له فى ترجمته عدة أحاديث مصرحا فيها بالسماع من النبى صلى الله عليه وسلم، ثم قال: " وهذه الأحاديث، وإن كان لا يخلوا إسناد منها من مقال، فمجموعها يثبت لعبد الرحمن الصحبة، فعجب من قول ابن عبد البر (فذكره)، وتعقبه ابن فتحون وقال: لا أدرى ما هذا؟ فقد رواه مروان بن محمد الطاطرى وأبو مسهر، كلاهما عن ربيعة بن يزيد أنه سمع عبد الرحمن بن أبى عميرة أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:) ." قال الحافظ) : " وفات ابن فتحون أن يقول: هب أن هذا الحديث الذى أشار إليه ابن عبد البر ظهرت له فيه علة الانقطاع، فما يصنع فى بقية الأحاديث المصرحة بسماعه من النبى صلى الله عليه وسلم؟! فما الذى يصحح الصحبة زائدا على هذا، مع أنه ليس للحديث الأول علة إلا الاضطراب " ...إلخ كلامه المتقدم.

قلت: فلا جرم أن جزم بصحبته أبو حاتم وابن السكن، وذكره البخارى وابن سعد وابن البرقى وابن حبان وعبد الصمد بن سعيد فى "الصحابة "وأبو الحسن بن سميع فى الطبقة الأولى من "الصحابة "الذين نزلوا حمص، كما فى "الإصابة" لابن حجر، فالعجب منه كيف لم يذكر هذه الأقوال أو بعضها على الأقل فى "التهذيب "وهو الأرجح، وذكر فيه قول ابن عبد البر المتقدم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

الْكِتَابَ والْحِسَابَ، وَقِهِ الْعَذَابَ (موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے اللہ! معاویہ کو کتاب (یعنی قرآن مجید) اور حساب کا علم دیجئے اور ان کو (جہنم کے) عذاب سے بچا دیجئے (موارد)

یہ حدیث بھی سند کے اعتبار سے معتبر ہے، اور اس کو غیر معتبر کہنا اعتدال پر مبنی نہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

وهو المرجوح! وهذا مما يرشد الباحث إلى أن مجال الاستدراک عليه وعلى غيره من العلماء مفتوح على قاعدة: كم ترک الأول للآخر! . ومما يرجح هذا القول إخراج الإمام أحمد لهذا الحديث في "مسنده "كما تقدم، فإن ذلک يشعر العارف بأن ابن أبي عميرة صحابي عنده، وإلا لما أخرج له، لأنه يكون مرسلا لا مسندا .ثم إن للحديث طريقا أخرى، يرويه عمرو بن واقد عن يونس بن حلبس عن أبي إدريس الخولاني عن عمير بن سعد الأنصاري قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: فذكره.

أخرجه الترمذي وابن عساكر، وقال الترمذي: " حديث غريب، وعمرو بن واقد يضعف ."ثم رواه ابن عساكر عن الوليد بن سليمان عن عمر بن الخطاب مرفوعا به.

وقال: " الوليد بن سليمان لم يدرک عمر ."وبالجملة فالحديث صحيح، وهذه الطرق تزيده قوة على قوة(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ١٩٦٩)

[1] رقم الحديث ٢٢٧٨، كتاب المناقب، باب ما جاء في معاوية.

قال حسين سليم اسد الداراني:

إسناده حسن من أجل الحارث بن زياد، وقد فصلنا القول فيه عند الحديث المتقدم برقم(٨٨٢)وبينا أن يونس بن سيف الكلاعي ثقة عند هذا الحديث أيضاً (حاشية موارد الظمآن)

[2] قال الالباني:

(اللهم! علم معاوية الكتاب والحساب، وقه العذاب) .

روى من حديث العرباض بن سارية، وعبد الله بن عباس، وعبد الرحمن ابن أبي عميرة المزني، ومسلمة بن مخلد، ومرسل شريح بن عبيد، ومرسل حريز بن عثمان .١- أما حديث العرباض؛ فيرويه يونس بن سيف عن الحارث بن زياد عن أبي رهم السمعي عن العرباض بن سارية السلمي قال: سمعت رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يقول: ... فذكره .

أخرجه ابن خزيمة في "صحيحه(١٩٣٨) "وابن حبان(٢٢٧٨)وأحمد(١٢٧/٤)وفي "فضائل الصحابة(١٧٤٨) "والبزار(٢٧٢٣)والفسوي في "التاريخ(٣٤٥/٢)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس طرح کی حدیث حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ ؎1
نیز اور بھی کئی سندوں سے یہ حدیث مروی ہے۔ ؎2

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾ "والحسن بن عرفة فی "جزئه(۱۲۲/۶۱) "والطبرانی فی " المعجم الکبیر(۲۲۸/۲۵۱/۱۸) " وابن عدی فی "الکامل (۲۰۶/۲)"ومن المخطوطات: أبو القاسم الکتانی فی "جزء من حدیثه(ق ۲/۴) "وفی مجلس البطاقة"أیضا (ق ۱۸۸/۱)وا بن بشران فی "الأمالی(ق ۱۴/۱) "وابن حمصة فی "جزء البطاقة (ق ۷۰/۲) "وأبو طاهر الأنباری فی "مشیخته(ق ۱۴۹/۱) " وابن عساکرفی "تاریخ دمشق (۱۶/ ۲۸۲ و۲۸۳) "وأبو موسی المدینی فی "جزء من الأمالی(ق ۲/۱) "کلهم عن یونس به.

قلت: وهذا إسناد حسن فی الشواهد، رجاله ثقات, غیر الحارث بن زیاد؛ فإنه مجهول لم یوثقه غیر ابن حبان، ولم یذکر له راویا غیر یونس هذا، وعلیه؛ فقول الحافظ فیه: "لین الحدیث !" لیس علی الجادة.

ثم إنه لیس یخفی أن إخراج ابن خزیمة لحدیثه فی "الصحیح "یعنی أنه ثقة عنده، إلا أنه قد عرف بالتساهل فی التصحیح والتوثیق– کتلمیذه ابن حبان–، فلا أقل من أن یصلح للاستشهاد به، وهذا هو الذی مال إلیه من قوی هذا الحدیث کما یأتی.

ومع هذا؛ فقد خفی توثیق ابن حبان المذکور علی الهیثمی، فقال فی "مجمع الزوا ئد(۳۵۶/۹) " "رواه البزار وأحمد– فی حدیث طویل– والطبرانی، وفیه الحارث بن زیاد؛ولم أجد من وثقه، ولم یرو عنه غیر یونس بن سیف، وبقیة رجاله ثقات، وفی بعضهم خلاف ."(سلسلة الأحادیث الصحیحة، تحت رقم الحدیث ۳۲۲۷)

؎1 قال الالبانی:

وأما حدیث ابن عباس؛ فیرویه عثمان بن عبد الرحمن الجمحی عن عطاء بن أبی رباح عن ابن عباس مرفوعاً به.

أخرجه أبو جعفر الرزاز فی "حدیثه(۱/۹۹/۴) "وابن عدی(۱۶۲/۵)وا بن عساکر (۱۶/ ۲۸۳ ـ ۲۸۴)وقال: "وهو ضعیف ."

قلت: وعلته الجمحی هذا؛ فإنه مختلف فیه، وهو کما قال الذهبی فی "المیزان :" "صویلح ." وقال الحافظ فی "التقریب :" "لیس بالقوی ."

قلت: فمثله یستشهد به أیضا، فکأنه لذلک سکت عنه الحافظ ابن کثیرفی "البدایة(۱۲۱/۸) " ولم یضعفه(سلسلة الأحادیث الصحیحة، تحت رقم الحدیث ۳۲۲۷)

؎2 قال الالبانی:

وأما حدیث عبد الرحمن بن أبی عمیرة المزنی؛ فیرویه سعید بن عبد العزیز عن ربیعة بن یزید عنه به .أخرجه البخاری فی "التاریخ(۳۲۷/۱/۴) "وابن عساکر(۱۶/۲۸۴ ـ ۲۸۶)والذهبی فی "السیر (۳۸/۸)" ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت مسلمہ بن مخلد سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ، وَمَكِّنْ لَهُ فِي الْبِلادِ(المعجم الكبير للطبرانی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے یہ دعاء فرمائی

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت: وهذا إسناد جيد عندى، وشاهد قوى، رجاله ثقات رجال مسلم؛ غير ابن أبى عميرة؛ وهو صحابى كما جاء مصرحا به فى بعض الطرق، وبلفظ: " اللهم! اجعله هاديا مهديا، واهده، واهد به ."وقد تقدم تخريجه برقم(١٩٦٩)وحسنه الترمذى كما ذكرت ثمة؛ وكذلك حسنه الجوزقانى فى كتابه "الأباطيل(١/١٩٣) "

وقد أعل حديث الترجمة- من رواية ابن أبى عميرة- المعلق على "الإحسان (١٦/١٩٣)"بقوله: "ورجاله ثقات إلا أن سعيد بن عبد العزيز قد اختلط !" وقد غفل- كما هو شأن كل كاتب- أو تغافل عن كون الراوى لهذا الحديث عن سعيد إنما هو أبو مسهر- واسمه عبد الأعلى بن مسهر-، وأنه هو الذى رماه بالاختلاط، وأنه يستبعد منه- لفضله- أن يحدث عنه فيما سمعه منه فى حال اختلاطه، كما كنت ذكرت ذلك فيما تقدم.

وأضيف الآن فأقول:

وإن مما يؤيد ذلك: أن الإمام مسلما قد احتج فى "صحيحه "برواية أبى مسهر عن سعيد بن عبد العزيز عن ربيعة بن يزيد، كما فى "تهذيب المزى "، وما أجد لهذا وجها إلا ما تقدم، أو أن اختلاطه كان ضيقا لا يضر، وهو الذى يكنى عنه بعضهم بأنه:" تغير"؛ وهو ما وصفه به الحافظ حمزة الكنانى، وهذا الوصف هو الذى يلتقى مع إطلاقات أئمة الجرح الثناء عليه، كقول أحمد: "ليس بالشام رجل أصح حديثا منه ."

وقول ابن معين فيه:"حجة ."ونحوه كثير.

ولعل قول الحافظ الذهبى فى "السير(٣/١٢٤)"عقب حديث العرباض: "وللحديث شاهد قوى ."أقول: لعل هذا القول منه هو ما ذكرته .والله أعلم (سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٣٢٢٧)

[1] رقم الحديث ١٠٦٥،ج١٩ص٤٣٩، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، رقم الحديث ١٧٥٠، الشريعة للآجرى، رقم الحديث ١٩١٩.

قال الهيثمى:

رواه الطبرانى من طريق جبلة بن عطية عن مسلمة بن مخلد وجبلة لم يسمع من مسلمة فهو مرسل ورجاله وثقوا وفيهم خلاف(مجمع الزوائد ،ج٩ص٣٥٧، تحت رقم الحديث ١٥٩١٩ ،باب ما جاء فى معاوية بن أبى سفيان رضى الله عنه)

کہ اے اللہ معاویہ کو کتاب (یعنی قرآن مجید) اور حساب کا علم دیجئے اور شہروں میں اس کے لئے قوت عطا فرما دیجئے (طبرانی)

یہ حدیث بھی دوسری کئی روایات کے مطابق ہے، اور معتبر ہے۔ [1]

---

[1] قال الالبانی:

وأما حديث مسلمة بن مخلد؛ فيرويه أبو هلال محمد بن سليم قال: ثنا جبلة بن عطية عن مسلمة بن مخلد أو عن رجل عن مسلمة بن مخلد.

أنه رأى معاوية يأكل، فقال لعمرو بن العاص: إن ابن عمك هذا لمخضد، أما إني أقول هذا، وقد سمعت رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يقول: ... فذكر الحديث؛ لكنه لم يذكر:" الحساب "، وقال مكانه:"ومكن له فى البلاد."

أخرجه أحمد فى "الفضائل(١٧٥٠) " وكذا ابن سعد كما فى "البداية(٨/١٢١)"وليس فى المجلدات المطبوعة، ولا فى المجلد الذى طبع منه– حديثا– كمتمم–، وابن الجوزى فى "العلل (١/٢٧٢) "وابن عساكر(١٦/٦٨٤)

وأعله ابن الجوزى بأبى هلال، وهو صدوق فيه لين كما فى "التقريب ."وأعله الهيثمى بالانقطاع فقال(٨/٣٥٧):"رواه الطبرانى من طريق جبلة بن عطية عن مسلمة بن مخلد، وجبلة لم يسمع من مسلمة؛ فهو مرسل، ورجاله وثقوا، وفيهم خلاف ."

قلت: والصواب إعلاله بالرجل الذى لم يسم، فهو مجهول، ولم يقع له ذكر فى إسناد ابن الجوزى، وكذلک فى طريق الطبرانى فيما يظهر من كلام الهيثمى، والقسم الذى فيه مسلمة بن مخلد.

وجبلة هذا: الظاهر أنه ابن عطية الفلسطينى المترجم فى "التهذيب "برواية جمع عنه، ومنهم الراسبى هذا، وبتوثيق ابن معين وابن حبان، ووثقه الذهبى أيضا فى "الكاشف ." وصنيعه فى "الميزان "يدل على أنه يفرق بين الفلسطينى الموثق، وبين جبلة ابن عطية هذا؛ فإنه ذكره هكذا فى "الميزان "غير منسوب، وقال: "لا يعرف، والخبر منكر بمرة، وهو من طريق ثقتين عن أبى هلال محمد بن سليم: حدثنا جبلة عن رجل "... فذكر الحديث .وتعقبه الحافظ فى "اللسان "، فقال: "ولعل الآفة فى الحديث من الرجل المجهول، وأما جبلة؛ فنقل ابن أبى حاتم توثيقه عن ابن معين ." ...

٥ – :وأما مرسل شريح بن عبيد، فقال أحمد فى "الفضائل (١٧٤٩) "ثنا أبو المغيرة قال: ثنا صفوان قال: حدثنى شريح بن عبيد: أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – دعا لمعاوية بن أبى سفيان:" اللهم " ...الحديث بلفظ الترجمة.

قلت: وهذا إسناد شامى مرسل صحيح، رجاله ثقات، وشريح بن عبيد: هو الحضرمى الحمصى تابعى ثقة، روى عن جمع من الصحابة، وأرسل عن آخرين .

وصفوان: هو ابن عمرو هو السكسكى الحمصى، وهو من رجال مسلم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

وأبو المغيرة: اسمه عبد القدوس بن الحجاج الخولانى الحمصى، من رجال الشيخين.
٦ ــ : وأما مرسل حريز بن عثمان؛ فقال الحسن بن عرفة فى "جزئه (٢٦)"حدثنا شبابة بن سوار عن حريز بن عثمان أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – دعا ...الحديث.
ومن طريق الحسن:
أخرجه ابن عساكر(١٦/ ٦٨٤)وهذا أيضا إسناد شامى مرسل صحيح؛ فإن الحسن بن عرفة ثقة من شيوخ الترمذى وابن ماجه.
وشبابة بن سوار: ثقة حافظ من رجال الشيخين.
وحريز بن عثمان: هو الرحبى الحمصى، وهو ثقة من رجال البخارى؛ ولكنه كان يبغض عليا أبغضه الله! ولذلك أورده ابن حبان فى "الضعفاء(١/ ٢٦٨ ـ ٢٦٩) "وقال فى "صحيحه -"بعد أن ساق حديث عقبة بن عامر فى التشهد بعد الوضوء من طريقين عنه، أحدهما: عن أبى عثمان عن جبير بن نفير عنه(٣/ ٣٢٥ــ ٣٢٨/ ١٥٠ــ المؤسسة):"أبو عثمان هذا يشبه أن يكون حريز بن عثمان الرحبى، وإنما اعتمدنا على هذا الإسناد الأخير؛ لأن حريز بن عثمان ليس بشىء فى الحديث !"
وأرى أن فى موقف ابن حبان هذا من حريز– مع تواتر أقوال الأئمة فى توثيقه تواترا عجيبا، نادرا ما نرى مثله فى كثير من الثقات المعروفين مع وصف بعضهم إياه بالبغض المذكور آنفا– مبالغة ظاهرة، وهو قائم على مذهبه الذى أفصح عنه فى مقدمة"ضعفائه(ص ٨١) ":" أن منهم المبتدع إذا كان داعية إلى بدعته ."
وهى مسألة طالما اختلفت فيها أقوال العلماء، كما هو مبسوط فى "علم المصطلح "، والذى تحرر عندى فيها– ورأيت فحول العلماء عليها–: أن المبتدع إذا ثبتت عدالته وضبطه وثقته؛ فحديثه مقبول ما لم تكن بدعته مكفرة، ولم يكن حديثه مقويا لبدعته، والى هذا مال الحافظ فى "شرح النخبة "تبعا للعلامة المحقق ابن دقيق العيد، وقد حكى كلامه فى "مقدمة الفتح (ص٣٨٥)" وهو جيد ومهم جدا، فراجعه.
واذا عرفت هذا؛ فحديث عقبة ليس فيه ما يؤيد البدعة، وكذلك حديثنا، إنما هو فى دعاء النبى – صلى الله عليه وسلم – لمعاوية– رضى الله عنه–، وهذا يقال فيما لو تفرد به حريز، فكيف وقد توبع من جمع كما تقدم؟!!
فلا غرابة إذن أن ذهب إلى تقويته من سبق ذكرهم من الحفاظ، ويمكن أن نلحق بهم الحافظ ابن عساكر؛ فإنه بعد أن ساق الأحاديث المتقدمة، وغيرها مما لا مجال بوجه لتقويتها، وروى بسنده الصحيح عن إسحاق بن راهويه أنه قال: "لا يصح عن النبى – صلى الله عليه وسلم – فى فضل معاوية بن أبى سفيان شىء"؛ عقب عليه بقوله: "وأصح ما روى فى فضل معاوية حديث أبى حمزة عن ابن عباس أنه كان كاتب النبى –

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

أَرْدَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَاوِيَةَ ، فَقَالَ يَا مُعَاوِيَةُ مَا يَلِينِي مِنْكَ ؟ قَالَ :بَطْنِي ، قَالَ : اَللّٰهُمَّ اِمْلَاهُ عِلْمًا وَّحِلْمًا

(الشريعة للآجری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے معاویہ! تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم کے ساتھ مل رہا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میرا پیٹ (اور سینہ) آپ کے جسمِ مبارک کے ساتھ ملا ہوا ہے، یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء فرمائی کہ اے اللہ! اس کو علم اور حلم سے بھر دیجئے (آجری)

ایک حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امین ہونے کا ذکر ہے۔ [2]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

صلى الله عليه وسلم -، فقد أخرجه مسلم فى "صحيحه "، وبعده حديث العرباض: "اللهم! علمه الكتاب " ...، وبعده حديث ابن أبى عميرة: " اللهم! اجعله هاديا مهديا (سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٣٢٢٧)

[1] رقم الحديث ١٩٢١، باب ذكر دعاء النبى صلى الله عليه وسلم لمعاوية رضى الله عنه، التاريخ الكبير للبخارى، رقم الحديث ٢٦٢٣.

قال الذهبى:

عن جبير بن نفير:أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -كان يسير ومعه جماعة، فذكروا الشام، فقال رجل :كيف نستطيع الشام وفيه الروم؟قال :ومعاوية فى القوم - وبيده عصا -فضرب بها كتف معاوية، وقال :(يكفيكم الله بهذا، هذا مرسل، قوى .فهذه أحاديث مقاربة (سير اعلام النبلاء، ج٣، ص١٢٧، تحت ترجمة معاوية بن أبى سفيان صخر بن حرب الأموى)

[2] عن ابن عباس قال: جاء جبريل إلى النبى صلى الله عليه وسلم، فقال: يا محمد استوص معاوية، فإنه أمين على كتاب الله، ونعم الأمين هو (المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ٣٩٠٢)

قال الهيثمى:

رواه الطبرانى فى الأوسط، وفيه محمد بن فطر ولم أعرفه، وعلى بن سعيد الرازى فيه لين، وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٥٩٢٢)

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْبَهَ صَلَاةً بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَمِيرِكُمْ هَذَا يَعْنِي مُعَاوِيَةَ

(مسند الشاميين للطبرانی، رقم الحديث ۲۸۲) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے زیادہ مشابہ کسی اور کی نماز کو بھی تمہارے اس امیر یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں نہیں دیکھا (طبرانی)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیادت وقیادت کی تعریف منقول ہے۔ [2]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

---

[1] قال الهيثمی: رواه الطبرانی، ورجاله رجال الصحيح غير قيس بن الحارث المذحجی، وهو ثقة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۵۹۲۰)

[2] عن المطلب بن عبد الله بن حنطب، عن ابن عمر، قال: ما رأيت أحدا من الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم أسود من معاوية (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۳۴۳۲)

قال الهيثمی:

رواه الطبرانی فی الكبير والأوسط، وفی رجاله خلاف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۵۹۲۱)

قوله كان عمر يقول أبو بكر سيدنا وأعتق سيدنا يعنی بلالا قال بن التين يعنی أن بلالا من السادة ولم يرد أنه أفضل من عمر وقال غيره السيد الأول حقيقة والثانی قاله تواضعا على سبيل المجاز أو ان السيادة لاتثبت الأفضلية فقد قال بن عمر ما رأيت أسود من معاوية مع أنه رأى أبا بكر وعمر (فتح الباری لابن حجر، ج۷ص ۹۹ ۳،قوله مناقب بلال بن رباح)

(وعن جابر قال: كان عمر يقول: أبو بكر سيدنا) ، أی خيرنا وأفضلنا (وأعتق) ، أی: أبو بكر (سيدنا، يعنی) ، أی: يريد عمر بقوله سيدنا الثانی (بلالا) .وإنما قاله تواضعا، فإن عمر أفضل منه إجماعا .وقال ابن التين: يعنی أن بلالا من السادة، ولم يرو أنه أفضل من عمر، وقال غيره: السيد الأول حقيقة، والثانی قاله عمر تواضعا على سبيل المجاز، إذ السيادة لا تثبت الأفضلية، وقد قال ابن عمر؟ ما رأيت أسود من معاوية على أنه رأى أبا بكر وعمر، كذا ذكره العسقلانی فی فتح الباری، والأظهر أنه قال: ابن عمر بعد الخلفاء الأربعة، فالمراد به أنه أسود فی زمانه(رواه البخاری) (مرقاة المفاتيح، ج ۹ص ۴۰۲۸،كتاب المناقب والفضائل، باب جامع المناقب)

" اذْهَبْ فَادْعُ لِيْ مُعَاوِيَةَ "قَالَ :وَكَانَ كَاتِبَهُ، فَسَعَيْتُ فَأَتَيْتُ مُعَاوِيَةَ، فَقُلْتُ :أَجِبْ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنَّهُ عَلٰى حَاجَةٍ (مسند أحمد، رقم الحديث ۳۱۰۴) [1]

ترجمہ: تم میرے پاس معاویہ کو بلا کر لاؤ، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے، پس میں گیا، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اور میں نے کہا کہ آپ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیے، انہیں آپ کی ضرورت ہے (مسند احمد)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلٰى مُعَاوِيَةَ يَكْتُبُ لَهُ (مسند ابی داؤد الطيالسی، رقم الحديث ۲۸۶۹)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کتابت کریں (ابوداؤد طیالسی)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ مُعَاوِيَةَ كَانَ يَكْتُبُ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۴۴۴۶، ج۱۳ ص۵۵۴) [2]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کتابت کیا کرتے تھے (طبرانی)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده حسن (حاشية مسند احمد)

[2] قال الهيثمی:
رواه الطبرانی، وإسناده حسن (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۵۹۲۴)

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَكْتَبَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَرْقَمَ فَكَانَ يَكْتُبُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَرْقَمَ، وَكَانَ يُجِيبُ عَنْهُ الْمُلُوكَ، فَبَلَغَ مِنْ أَمَانَتِهِ أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُهُ أَنْ يَكْتُبَ إِلٰى بَعْضِ الْمُلُوكِ فَيَكْتُبَ، ثُمَّ يَأْمُرُهُ أَنْ يَكْتُبَ وَيَخْتِمَ وَلَا يَقْرَأَهُ، لِأَمَانَتِهِ عِنْدَهُ، ثُمَّ اسْتَكْتَبَ أَيْضًا زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَكَانَ يَكْتُبُ الْوَحْيَ، وَيَكْتُبُ إِلَى الْمُلُوكِ أَيْضًا، وَكَانَ إِذَا غَابَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَرْقَمَ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَاحْتَاجَ أَنْ يَكْتُبَ إِلٰى بَعْضِ أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ وَالْمُلُوكِ، أَوْ يَكْتُبَ لِإِنْسَانٍ كِتَابًا يُقْطِعُهُ، أَمَرَ جَعْفَرًا أَنْ يَكْتُبَ، وَقَدْ كَتَبَ لَهُ عُمَرُ وَعُثْمَانُ وَكَانَ زَيْدٌ وَالْمُغِيرَةُ وَمُعَاوِيَةُ وَخَالِدُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ وَغَيْرُهُمْ مِمَّنْ قَدْ سُمِّيَ مِنَ الْعَرَبِ

(السنن الکبری، للبیہقی)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ارقم سے کتابت کرائی ہے، پس حضرت عبداللہ بن ارقم کتابت کیا کرتے تھے، اور وہ حکمرانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب تحریر کیا کرتے تھے، تو ان کی امانت اس حد تک پہنچ گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بعض حکمرانوں کے لئے مکتوب لکھنے کا حکم فرماتے تھے، جس کو وہ لکھ لیتے تھے، پھر ان کو لکھنے اور مہر لگانے کا حکم فرماتے تھے، اور اس مکتوب کو پڑھتے نہیں تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی امانت پر بھروسہ تھا، پھر

---

[1] رقم الحدیث ۲۰۴۰۵، کتاب آداب القاضی، باب اتخاذ الکتاب.

قال العسقلانی:

وعند البیہقی بسند حسن عن عبد اللہ بن الزبیر أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم استکتب عبد اللہ بن الأرقم فکان یکتب لہ إلی الملوک فبلغ من أمانتہ عندہ أنہ کان یأمرہ أن یکتب ویختم ولا یقرؤہ ثم استکتب زید بن ثابت فکان یکتب الوحی ویکتب إلی الملوک وکان إذا غابا کتب جعفر بن أبی طالب وکتب لہ أیضا أحیانا جماعۃ من الصحابۃ(فتح الباری شرح صحیح البخاری،للعسقلانی ، ج۱۳ ص ۱۸۴،قولہ باب یستحب للکاتب أن یکون أمینا عاقلا)

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے) حضرت زید بن ثابت سے بھی کتابت کرائی، وہ بھی وحی لکھتے تھے، اور حکمرانوں کو مکتوبات بھی لکھتے تھے، اور جب حضرت عبداللہ بن ارقم اور زید بن ثابت موجود نہیں ہوتے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض لشکروں کے امیروں اور حکمرانوں کو مکتوب لکھنے کی ضرورت ہوتی، یا کسی انسان کو کچھ دینے کے لئے کوئی مکتوب لکھنا چاہتے، تو حضرت جعفر کو لکھنے کا حکم فرماتے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت عمر اور حضرت عثمان نے بھی کتابت کی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت زید، حضرت مغیرہ، حضرت معاویہ اور حضرت خالد بن سعید بن عاص وغیرہ بھی عرب کے کاتبوں میں معروف ہیں (بیہقی)

اس طرح کی حدیث کو امام طبرانی نے بھی ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ [1]

مذکورہ احادیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتبِ وحی ہونا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مجاہد اور حضرت عطاء رحمہما اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ مُعَاوِيَةَ، أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ رَأٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَصَّرَ مِنْ شَعَرِهِ بِمِشْقَصٍ، فَقُلْنَا لِابْنِ عَبَّاسٍ: مَا بَلَغَنَا هٰذَا

---

[1] عن محمد بن جعفر بن عبد الله بن الزبير، أن النبی صلی الله علیه وسلم استکتب عبد الله بن الأرقم، فکان یکتب إلى الملوک فبلغ من أمانته عنده أنه کان یکتب إلى بعض الملوک، فیکتب ثم یأمره أن یطبقه ثم یختم لا یقرأه لأمانته عنده، واستکتب أیضا زید بن ثابت، فکان یکتب الوحی، ویکتب إلى الملوک أیضا، وکان إذا غاب عبد الله بن الأرقم وزید بن ثابت، فاحتاج أن یکتب إلى بعض أمراء الأجناد والملوک، ویکتب لإنسان کتابا یقطعه أمر من حضر أن یکتب، وقد کتب له عمر بن الخطاب، وعثمان بن عفان، وعلی بن أبی طالب، وزید بن ثابت، والمغیرة بن شعبة، ومعاویة بن أبی سفیان، وخالد بن سعید بن العاص رضی الله عنهم وغیرهم ممن قد سمی من العرب(المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۴۷۴۸، ج۵ص۱۰۸)

قال الهیثمی:

رواه الطبرانی فی الکبیر، وفیه سلمة بن الفضل الأبرش، ضعفه البخاری وابن المدینی وأبو زرعة، ووثقه ابن معین وأبو حاتم(مجمع الزوائد ،رقم الحدیث ۶۸۲،باب فی کتاب الوحی)

إِلَّا عَنْ مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ: مَا كَانَ مُعَاوِيَةُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّهَمًا (مسند أحمد، رقم الحديث ١٦٨٦٣)[1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کو حضرت معاویہ نے خبر دی، کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قینچی سے اپنے بال کاٹتے ہوئے دیکھا، ہم نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ہمیں یہ بات حضرت معاویہ کے علاوہ کسی اور سے نہیں پہنچی، تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت معاویہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جھوٹی بات کہنے والے نہیں ہیں (مسند احمد)

معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جلیلُ القدر صحابۂ کرام میں داخل ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور متعدد صحابۂ کرام کے علاوہ کئی تابعینِ عظام سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت وفضیلت ثابت ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود بعض لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بڑی سخت باتیں کرتے ہیں، جس سے بہت سے مسلمانوں اور صحابۂ کرام سے محبت رکھنے والوں کی دل آزاری ہوتی ہے، اور پھر کئی قسم کے فتنے وفسادات رونما ہوتے ہیں۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرام کے بارے میں بدزبانی سے منع فرمایا ہے، اور صحابۂ کرام کے زمانہ کو بہترین زمانہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ أَصْحَابِيْ، لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضاً، مَنْ أَحَبَّهُمْ، فَبِحُبِّيْ أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ، فَبِبُغْضِيْ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
حديث صحيح، وهذا إسناد حسن من أجل خُصَيف -وهو ابن عبد الرحمن الجزري (حاشية مسند احمد)

أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ، فَقَدْ آذَانِيْ، وَمَنْ آذَانِيْ، فَقَدْ آذَى اللّٰه، وَمَنْ آذَى اللّٰهَ، يُوشِكُ أَنْ يَّأْخُذَهُ(موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان) [1]

---

[1] رقم الحديث ٢٢٨٤، كتاب المناقب، باب فضل أصحاب رسول الله –صلى الله عليه وسلم– من بعدهم.

قال حسين سليم أسد الدّاراني :

إسناده حسن، عبد الله بن عبد الرحمن ترجمه البخاری فی الكبير٥/ ١٣١ولم يورد فيه جرحا ولا تعديلا، وتبعه على ذلك ابن أبی حاتم فی "الجرح والتعديل ٥/ ٩٤"وقد روى عنه أكثر من واحد، وذكره ابن حبان فی الثقات 17 /5، وحسن الترمذی حديثه.

والحديث فی الإحسان(٩/ ١٨٩ برقم ٧٢١٢)وعنده أكثر من تحريف.

وأخرجه أحمد٤/ ٨٧، وأبو نعيم فی "حلية الأولياء ٨/ ٢٨٧ "من طريق إبراهيم ابن سعد، بهذا الإسناد.

وأخرجه ابن عدى فی كامله ٤/ ١٤٨٥من طريق أحمد بن إبراهيم الموصلی، وأخرجه العقيلی فی الضعفاء ٢/ ٢٧٢من طريق محرز بن عون، وأخرجه البخاری فی التاريخ ٥/ ١٣١ من طريق يحيى بن قزعة، إبراهيم بن مهدى، وأخرجه أحمد ٥/ ٥٥من طريق عبد الله بن عون الخراز، جميعهم حدثنا إبراهيم بن سعد، به.

وأخرجه أحمد ٥/ ٥٤ ـ ٥٥، ٥٧،من طريق سعد بن إبراهيم (بن سعد بن إبراهيم ابن عبد الرحمن بن عوف)، حدثنا عبيدة بن أبی رائطة الحذاء التميمی، حدثنی عبد الرحمن بن زياد -أو عبد الرحمن بن عبد الله، عن عبد الله بن مغفل ...

ومن طريق أحمد السابقة أخرجه الخطيب فی "تاريخ بغداد٩/ ١٢٣"

وأخرجه الترمذی فی المناقب(٣٨٦١)باب :فيمن سب أصحاب النبی-صلى الله عليه وسلم-، من طريق محمد بن يحيى، أخبرنا يعقوب بن إبراهيم بن سعد، أخبرنا عبيدة بن أبی رائطة، به .ولكن قال" :عبد الرحمن بن زياد."

وقال الترمذی" :هذا حديث حسن، غريب لا نعرفه إلا من هذا الوجه."

وانظر "تحفة الأشراف(٧/ ١٧٧ ـ ١٧٨ برقم ٩٦٦٢) "وجامع الأصول ٨/ ٥٥٣وابن كثير ٥/ ٥١٤.

وقال المناوی فی "فيض القدير ٢/ ٩٨ "ووجه الوصية نحو البعدية، وخص الوعيد بها لما اطلع عليه مما سيكون بعده من ظهور البدع، وإيذاء بعضهم زعما منهم الحب لبعض آخر، وهذا من باهر معجزاته.

وقد كان فی حياته حريصا على حفظهم والشفقة عليهم .أخرج البيهقی، عن ابن مسعود :خرج علينا رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فقال :(لا يبلغنی أحد منكم عن أحد من أصحابی شيئا، فإنی أحب أن أخرج إليكم وأنا سليم الصدر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تم انہیں (اعتراضات کا) نشانہ مت بناؤ، جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی، اس نے مجھے ایذاء پہنچائی اور جس نے مجھے ایذاء پہنچائی، اس نے (گویا کہ) اللہ کو ایذاء پہنچائی اور جو اللہ کو ایذاء پہنچانا چاہتا ہے، تو قریب ہے کہ اللہ اس کو پکڑے گا (موارد)

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

وإن تعرض إليهم ملحد، وكفر نعمة قد أنعم الله بها عليهم، فجهل منه وحرمان، وسوء فهم، وقلة إيمان، إذ لو لحقهم نقص، لم يبق في الدين ساق قائمة، لأنهم النقلة إلينا، فإذا جرح النقلة، دخل في الآيات والأحاديث التي بها ذهاب الأيام، وخراب الإسلام، إذ لا وحي بعد المصطفى -صلى الله عليه وسلم -وعدالة المبلغ شرط لصحة التبليغ."

عند أحمد ۴/۴۲۷، ومسلم(۲۵۳۵)، والنسائي۷/۱۷ ـ ۱۸، والبيهقي۱۰/۱۲۳ زيادة :("ثم الذين يلونهم -"قال عمران :فلا أدري أقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-بعد قرنه مرتين أو ثلاثة -ثم يكون بعدهم قوم يشهدون ولا يستشهدون ويخونون ولا يتمنون (يؤتمنون)، وينذرون ولا يوفون، ويظهر فيهم السمن") .وهذا لفظ مسلم.

وقال الحافظ ابن حجر في فتح الباري۷/۷" وقع مثل هذا الشك في حديث ابن مسعود، وأبي هريرة عند مسلم .وفي حديث بريدة عند أحمد، وجاء في أكثر الطرق بغير شك، منها حديث النعمان بن بشير عند أحمد.

وعن مالك عند مسلم عن عائشة (قال رجل، يا رسول الله أي الناس خير؟ .قال :القرن الذي أنا فيه، ثم الثاني، ثم الثالث)

ووقع في رواية الطبراني، وسموية ما يفسر هذا السؤال، وهو ما أخرجاه من طريق بلال بن سعد بن تميم، عن أبيه قال :قلت :يا رسول الله، أي الناس خير، فقال :أنا وقرني، فذكر مثله.

وللطيالسي من حديث عمر رفعه :(خير أمتي القرن الذين أنا منهم، ثم الثاني، ثم الثالث) ووقع في حديث جعدة بن هبيرة عند ابن أبي شيبة، والطبراني إثبات القرن الرابع، ولفظه (خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم الآخرون أردأ)ورجاله ثقات إلا أن جعدة مختلف في صحبته والله أعلم" (حاشية موارد الظمآن)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ، ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيْفَهُ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے صحابہ کو سب وشتم نہ کرو، پس اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے، تو وہ اُن (یعنی صحابہ) کے ایک مُد بلکہ اس کے آدھے حصہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا (بخاری)

اس طرح کی ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

ایک مُد تقریباً چوتھائی صاع کے برابر ہوتا ہے، جس کا وزن ایک سیر سے بھی کم بنتا ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اتنی کم چیز کے صدقہ خیرات کرنے کا ثواب دوسروں کے احد پہاڑ کے برابر صدقہ خیرات سے بھی زیادہ ہونے کی وجہ صحابۂ کرام کا بلند مقام اور مرتبہ اور صحابۂ کرام کی نیتوں میں اخلاص کا زیادہ ہونا ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمُقَامُ أَحَدِهِمْ سَاعَةً، خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ عُمُرَهُ (سنن ابن ماجه) [3]

ترجمہ: تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو سب وشتم مت کرو، پس اُن میں سے کسی

---

[1] رقم الحديث ٣٦٧٣، كتاب اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم :لو كنت متخذا خليلا.

[2] عن أبى هريرة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لا تسبوا أصحابى، لا تسبوا أصحابى، فوالذى نفسى بيده لو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهبا، ما أدرك مد أحدهم، ولا نصيفه(مسلم، رقم الحديث ٢٥٤٠ "٢٢١")

[3] رقم الحديث ١٦٢ ،ابواب السنة ، باب فى فضائل اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم.

قال شعيب الارنؤوط

:اسناده قوى(حاشية سنن ابنِ ماجه)

کا ایک ساعت (اور ایک لمحہ عبادت کے لئے) کھڑا ہونا، تم میں سے کسی کے عمر بھر کے عمل سے بہتر ہے (ابنِ ماجہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِیْ، لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ سَبَّ أَصْحَابِیْ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۴۷۷۱) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کو سبّ وشتم مت کرو، اللہ کی لعنت ہو، اس پر جو میرے صحابہ کو سب وشتم کرے (طبرانی)

اس طرح کی احادیث اور سندوں سے بھی مروی ہیں۔ [2]

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ بِالْجَابِیَۃِ، فَقَالَ: قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ

---

[1] قال الهيثمی:
رواه الطبرانی فی الأوسط، ورجاله رجال الصحيح غير علی بن سهل، وهو ثقة(مجمع الزوائد،رقم الحديث ۱۶۴۲۹، باب ما جاء فی حق الصحابة رضی الله عنهم والزجر عن سبهم)

[2] عن ابن عباس قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من سب أصحابی فعليه لعنة الله والملائكة، والناس أجمعين(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۲۷۰۹)
عن عطاء ، عن عبد الله بن عمر، عن النبی صلى الله عليه وسلم قال :لعن الله من سب أصحابی(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۳۵۸۸)
عن نافع، عن ابن عمر؛ أن النبی صلى الله عليه وسلم قال :من سب أصحابی فعليه لعنة الله(مسند البزار، رقم الحديث ۵۷۵۳)
عن أنس بن مالك، رضی الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :من سب أصحابی فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل الله منه صرفا ولا عدلا(الدعاء للطبرانی،رقم الحديث ۲۱۰۸)
عن عطاء ، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من سب أصحابی فعليه لعنة الله(مُصنف ابن أبی شيبة، رقم الحديث ۳۳۰۸۶)
قال الالبانی:
و بالجملة ، فالحديث بمجموع طرقه حسن عندی على أقل الدرجات .و الله أعلم .
(سلسلة الاحادث الصحيحة ،تحت رقم الحديث ۲۳۴۰)

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامِيْ فِيْكُمْ، فَقَالَ: اِسْتَوْصُوْا بِأَصْحَابِيْ خَيْرًا، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ يَفْشُوْ الْكَذِبُ حَتّٰى إِنَّ الرَّجُلَ لَيَبْتَدِءُ بِالشَّهَادَةِ قَبْلَ أَنْ يُّسْأَلَهَا (مسند احمد، رقم الحديث ۱۱۴، سنن الترمذى، رقم الحديث ۲۱۶۵، باب ما جاء فى لزوم الجماعة)[1]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان اسی مقام پر کھڑے ہوئے تھے، جس مقام پر میں ہوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم میرے صحابۂ کرام کے متعلق خیر کی وصیت حاصل کرلو، پھر ان سے متصل آنے والوں (یعنی تابعین) کے متعلق اور پھر ان سے متصل آنے والوں (یعنی تبع تابعین) کے متعلق، پھر جھوٹ پھیل جائے گا، یہاں تک کہ ایک آدمی گواہی طلب کئے بغیر گواہی دے گا (مسند احمد، ترمذی)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَطَبَ عُمَرُ النَّاسَ بِالْجَابِيَةِ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِيْ مِثْلِ مَقَامِيْ هٰذَا، فَقَالَ: أَحْسِنُوْا إِلٰى أَصْحَابِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ يَجِيْءُ قَوْمٌ يَحْلِفُ أَحَدُهُمْ عَلَى الْيَمِيْنِ قَبْلَ أَنْ يُّسْتَحْلَفَ عَلَيْهَا، وَيَشْهَدُ عَلَى الشَّهَادَةِ قَبْلَ أَنْ يُّسْتَشْهَدَ (مسند احمد)[2]

---

[1] قال الترمذى:

هذا حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه وقد رواه ابن المبارك، عن محمد بن سوقة، وقد روى هذا الحديث من غير وجه عن عمر عن النبى صلى الله عليه وسلم.

وقال شعيب الارنؤوط:

إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ۱۷۷، المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۲۹۲۹.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، رجاله ثقات (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر ہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اس جگہ کھڑے ہوکر یہ بات فرمائی تھی کہ تم میرے صحابہ کے ساتھ نیک سلوک کرنا، پھر ان سے متصل آنے والوں (یعنی تابعین) کے ساتھ، اور پھر ان سے متصل آنے والوں (یعنی تبع تابعین) کے ساتھ اس کے بعد جھوٹ رواج پکڑ جائے گا، یہاں تک کہ آدمی قسم لئے بغیر قسم کھائے گا اور گواہی دینے والا گواہی طلب کئے بغیر گواہی دے گا (مسند احمد، طبرانی)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَامَ بِالْجَابِيَةِ خَطِيبًا، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِينَا مَقَامِي فِيكُمْ فَقَالَ: أَكْرِمُوا أَصْحَابِي؛ فَإِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَظْهَرُ الْكَذِبُ حَتّٰى يَحْلِفَ الْإِنْسَانُ عَلَى الْيَمِينِ لَا يُسْأَلُهَا، وَيَشْهَدَ عَلَى الشَّهَادَةِ لَا يُسْأَلُهَا (مصنف عبدالرزاق، جامع معمر بن راشد، رقم الحديث ۲۰۷۱۰، باب لزوم الجماعة)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر ہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اس جگہ کھڑے ہوکر یہ بات فرمائی تھی کہ تم میرے صحابہ کا اکرام کرنا، کیونکہ بے شک وہ تم میں بہترین حضرات ہیں، پھر ان سے متصل آنے والے (یعنی تابعین) بہتر ہیں، اور پھر ان سے متصل آنے والے (یعنی تبع تابعین) بہتر ہیں، پھر اس کے بعد جھوٹ رواج پکڑ جائے گا، یہاں تک کہ انسان قسم لئے بغیر حلف اٹھائے گا اور گواہی دینے والا گواہی طلب کئے بغیر گواہی دے گا (عبدالرزاق)

اس طرح کا مضمون اور سندوں سے بھی مروی ہے، جن سے صحابہ کا مقام واضح ہوتا ہے۔ [1]

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

(2)...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کے متعلق راہِ اعتدال

سوال: کہا جاتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے ملوکیت کی بنیاد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رکھی اور انہوں نے خلفائے راشدین کے طرزِ عمل کو چھوڑ دیا اور عیش وعشرت اور ٹھاٹھ باٹھ کو شروع کر دیا، اس سلسلہ میں راہِ اعتدال کیا ہے؟

جواب:...... خلافتِ راشدہ وہ ہے، جس کا تمام ملکی اور ملی نظام منہاجِ نبوت پر ہو اور خلیفۂ راشد وہ ہے جو علم اور عملِ صالح اور پرہیز گاری وتقویٰ میں نبی کا نمونہ ہو، ظاہر میں حکمران اور باطن میں اعلیٰ درجہ کا ولی ہو اور اس کی ولایت نبی کی نبوت کا عکس ہو۔

اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اصطلاحی معنٰی میں خلفائے راشدین چار ہیں (یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم) اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس معنٰی کے اعتبار سے اصطلاحی معنٰی میں خلفائے راشدین میں شامل نہیں ہیں۔

خلافتِ راشدہ سے ہٹ کر جو حکومت ہو اس کو خلافت بھی کہہ سکتے ہیں اور امامت بھی کہہ سکتے ہیں اور ملوکیت بھی کہہ سکتے ہیں۔ پھر اگر اس حکومت میں عدل وانصاف اور امانت ودیانت غالب ہو تو یہ حکومتِ عادلہ کہلائے گی اور اس کو خلافتِ عادلہ بھی کہہ سکتے ہیں اور امامتِ عادلہ

[1] عن ابن سليمان بن يسار،عن أبيه ، عن عمر بن الخطاب أنه خطب للناس بالجابية فقال: قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم كقيامي فيكم فقال: أكرموا أصحابى، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يظهر الكذب حتى يشهد الرجل ولم يستشهد، ويحلف ولم يستحلف، ألا لا يخلون رجل بامرأة فإن ثالثهما الشيطان، ألا ومن سرته بحبحة الجنة فليلزم الجماعة فإن الشيطان مع الفذ وهو من الاثنين أبعد، ألا ومن سرته حسنته وسائته سيئته فهو مؤمن(مسندالحميدى، رقم الحديث ٣٢،أحاديث عمر بن الخطاب رضى الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم)

بھی کہہ سکتے ہیں اور ملوکیتِ عادلہ بھی کہہ سکتے ہیں اور اگر اس حکومت میں ظلم وجور غالب ہوتو اس کو حکومتِ جائرہ اور خلافتِ جائرہ کہہ سکتے ہیں، اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت خلافتِ راشدہ تو نہیں تھی، البتہ حکومتِ عادلہ تھی، اس کو بعض حضرات نے خلافتِ عادلہ کا نام دیا، اور بعض حضرات نے امامتِ عادلہ کا نام دیا اور بعض نے ملوکیتِ عادلہ کا نام دیا (عقائدِ اسلام ادریسی حصہ اول ص ۱۳۱ واسلامی عقائد ص ۲۰۸ از مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب بتغیر)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت اور خلفائے راشدین کی حکومتوں میں تقویٰ اور فسق کا فرق نہ تھا، یہ فرق فسق ومعصیت اور ظلم وجور کی حد تک نہیں پہنچا تھا، یعنی یہ فرق ایسا نہیں تھا کہ ایک طرف تقویٰ ہو اور دوسری طرف فسق وفجور ہو یا ایک طرف عدل ہو اور دوسری طرف ظلم وجور، بلکہ یہ فرق عزیمت ورخصت کا، تقویٰ اور مباحات کا، احتیاط اور توسع کا اور اصابت رائے اور قصورِ اجتہاد کا فرق تھا۔

بعض لوگوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو خلفائے راشدین کی خلافت کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے ''ملوکیت'' کا نام دے دیا اور بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ یہ فرق فسق وفجور کی حد تک نہیں پہنچا تھا، تو انہوں نے اسے ''خلافت'' ہی قرار دیا۔ مگر اصطلاحی معنٰی میں خلافتِ راشدہ کو مراد نہیں لیا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: حضرت امیر معاویہ اور تاریخی حقائق ص ۱۴۲ تا ۱۵۴، مؤلفہ: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو ظالمانہ وجابرانہ قرار دینا اعتدال پر مبنی نہیں۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

(3)...... یزید کی ولی عہدی کے متعلق راہِ اعتدال

سوال: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں اپنا ولی عہد (جانشین) اپنے بیٹے یزید کو مقرر کر دیا اور یزید کے مقابلہ میں اچھے لوگوں کو نظر انداز کر دیا اور غلط جانشینی کا آغاز

کردیا جبکہ دوسرے صحابہ نے یزید کی مخالفت کی اور پھر یزید کی حکومت میں کربلاء کا واقعہ پیش آیا جس کی ذمہ داری حضرت معاویہ پر عائد ہوتی ہے، اس سلسلہ میں راہِ اعتدال کیا ہے؟

جواب:...... یزید کی ولی عہدی اور خلافت کا مسئلہ ہمارے زمانے میں بڑی نازک صورت اختیار کرگیا ہے، اوراس مسئلے پر بحث ومباحثہ کی گرم بازاری نے مسلمانوں میں دوایسے گروہ پیدا کردیئے ہیں جو افراط وتفریط (یعنی کمی اور زیادتی) کا شکار ہوکر راہِ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں۔

ایک گروہ وہ ہے جو یزید کے فسق وفجور کو بنیاد بنا کر جلیل القدر صحابہ کرام حضرت معاویہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما وغیرہ پر طرح طرح کے الزامات عائد کررہا ہے۔

دوسری طرف ایک گروہ وہ ہے جو یزید کو فرشتہ قرار دے کر حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر جیسے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اقتدار کی ہوس، جاہ طلبی اور انتشار پسندی کا مجرم بنارہا ہے اور جمہورِ امت نے اعتدال ومیانہ روی کا جوراستہ اختیار کیا تھا وہ بحث ومباحثہ کے جوش وخروش اور مناظرے کے جذبہ میں دونوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوچکا ہے۔

اس افراط وتفریط کی وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام کے نیک نیتی والے باہمی اختلافات کو موجودہ زمانے کی سیاسی پارٹیوں کے اختلافات پر قیاس کرلیا گیا ہے، جس کے نتیجہ میں کسی ایک فریق یا جماعت کے برحق اور نیک نیت ہونے کا فیصلہ کرتے ہوئے اوراس کے حق میں دلائل قائم کرتے وقت دوسرے فریق اور دوسری جماعت کے صحیح موقف کو نظر انداز کردیا جاتا ہے۔

یزید کے متعلق عام لوگوں کے ذہنوں میں جو ناپسندیدہ تصویر بسی ہوئی ہے وہ کربلا کے المناک واقعہ کی وجہ سے ہے، اور ایک مسلمان کے لئے واقعتاً یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ جس شخص پر کسی نہ کسی درجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسے کے المناک قتل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اُسے صالح اور خلافت کا اہل قرار دیا جائے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ جس وقت یزید کو ولی عہد بنایا جا رہا تھا اس وقت کربلا کا حادثہ واقع نہیں ہوا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت کوئی شخص یہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ یزید کی حکومت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اوران کے رفقاء کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کیا جائے گا۔ [1]

واقعۂ کربلا سے پہلے ولی عہد بنائے جانے کے وقت تو یزید کی حیثیت ایک اعلیٰ صحابی کا صاحبزادہ ہونے کی تھی، یزید کے ظاہری حالات، نماز روزے کی پابندی، اس کی دنیوی نجابت اوراس کی انتظامی صلاحیت کی بناء پر یہ رائے قائم کرنے کی گنجائش تھی کہ وہ خلافت کا اہل ہے اور یہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہی رائے نہیں تھی، بلکہ بہت سے دوسرے جلیل القدر صحابہ جن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اور بہت سے تابعین بھی یہ رائے رکھتے تھے (البلاذری، انساب الاشراف)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہی کو اپنا ولی عہد بنایا تھا، لیکن جب ان کی وفات ہوگئی تو یزید کی طرف حضرت معایہ رضی اللہ عنہ کا رجحان قوی ہوگیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید میں دنیوی نجابت، شاہزادوں کی سی خصوصیت، فنونِ جنگ سے واقفیت، انتظامِ سلطنت اوراس کی ذمہ داری پورا کرنے کی صلاحیت دیکھتے تھے۔

اسی لئے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ مجھے خوف ہے کہ میں عوام کو بکریوں کے منتشر ریوڑ کی طرح چھوڑ کر نہ چلا جاؤں، جس کا کوئی چرواہا (یعنی نگران وحکمران) نہ ہو (البدایہ والنہایۃ)

---

[1] معتبر روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس (یزید) نے خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا یا انہیں شہید کرنے کا حکم دیا، بلکہ بعض روایات سے یہ ثابت ہے کہ اس نے آپ کی شہادت پر افسوس کا اظہار کیا اور عبیداللہ بن زیاد کو اپنی مجلس میں برا بھلا کہا، لیکن اس کی یہ غلطی ناقابلِ انکار ہے کہ اس نے عبیداللہ بن زیاد کو اس سنگین جرم پر کوئی سزا نہیں دی (البدایہ والنہایہ ص۲۰۲ و۲۰۳ ج۸) (ماخوذ از حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق، بلفظہٖ، ص ۱۲۸، مصنفہ: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

علاوہ ازیں دوسروں کو چھوڑ کر اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانے کی ایک وجہ امت کے اتحاد واتفاق کی مصلحت تھی ، بنوامیہ کے اہلِ حل وعقد اس پر متفق ہو گئے تھے، کیونکہ وہ اس وقت اپنے علاوہ کسی اور پر راضی نہ ہوتے اوراس وقت قریش کی سر برآوردہ جماعت وہی تھی اوراہلِ ملت کی اکثریت انہی میں سے تھی (مقدمہ ابن خلدون، الفصل الثلاثون فی ولایۃ العہد)

پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پوری دیانت داری اور نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھتے تھے کہ ان کا بیٹا یزید خلافت کا اہل ہے اوراس وقت یزید کو ولی عہد بنادینے میں ہی مصلحت ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نیک نیتی کے ساتھ خلافت کا اہل سمجھ کر اپنے بیٹے کو ولی عہد بنایا تھا، نہ کہ صرف اپنا بیٹا ہونے کی وجہ سے اور علماء کے راجح قول کے مطابق ولی عہد بنانے کی حیثیت شرعاً ایک تجویز کی سی ہوتی ہے، خلیفہ کی وفات کے بعد امت کے اربابِ حل وعقد کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ چاہیں تو ولی عہد ہی کو خلیفہ بنائیں اور چاہیں تو باہمی مشورے سے کسی اور کو خلیفہ مقرر کر دیں۔

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید کی خلافت اس وقت تک منعقد نہیں ہوسکتی تھی، جب تک کہ امت کے اربابِ حل وعقد اسے منظور نہ کر لیں۔

دوسری طرف اگر اس ماحول کو پیشِ نظر رکھا جائے جس میں یزید کی خلافت منعقد ہو رہی تھی، تو بلاشبہ یہ رائے قائم کرنے کی بھی گنجائش تھی کہ وہ موجودہ حالات میں دوسرے صلحائے امت کے مقابلہ میں خلافت کا اہل نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ جس ماحول میں حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم وغیرہ جیسے جلیل القدر، صلحائے امت اور اکابر موجود ہوں، اس ماحول میں یزید کو خلافت کے لئے نااہل یا غیر موزوں سمجھنا کچھ بعید نہیں ہے، یہ زمانہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور بڑے بڑے تابعین کا تھا، امت میں خیر وصلاح کا دور دورہ تھا، ایسے حالات میں خلافت کے لئے عدالت وتقویٰ کے

جس بلند معیار کی ضرورت تھی، ظاہر ہے کہ یزید اس پر پورا نہیں اترتا تھا، اسی لئے بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس نامزدگی کی مخالفت کی۔

تیسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ وہ تھا، جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے صحابہ کے مقابلے میں یزید کو خلافت کے لئے بہتر تو نہیں سمجھتا تھا، لیکن اس خیال سے اس کی خلافت کو گوارا کرنے کا تصور رکھتا تھا کہ امت میں افتراق وانتشار برپا نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ یزید کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ اختلاف بھی درحقیقت رائے اور اجتہاد کا اختلاف تھا، اور اس معاملے میں کسی کو بھی مطعون نہیں کیا جا سکتا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو محض اپنا بیٹا ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ اسے خلافت کا اہل سمجھنے کی وجہ سے ولی عہد بنانا چاہتے تھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت دیانتداری کے ساتھ ان کی ہمنوا تھی اور وہ چند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے اس کی مخالفت کی تھی، وہ کسی ذاتی عناد یا حرصِ اقتدار کی وجہ سے مخالفت نہیں کر رہے تھے، بلکہ وہ دیانت داری سے یہ سمجھتے تھے کہ یزید دوسرے حضرات کے مقابلہ میں خلافت کا اہل نہیں ہے۔

اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی رائے واقعہ کے لحاظ سے سو فیصد درست تھی اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ اپنی ذات میں بھی ٹھیک تھا، بلکہ یہ اجتہادی خطاء تھی اور مذکورہ بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کی رائے کسی ذاتی مفاد پر نہیں، بلکہ دیانت داری پر مبنی تھی، اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ امانت کے ساتھ اور شرعی جواز کی حدود میں رہ کر کیا۔

ورنہ جہاں تک اجتہادی اعتبار سے صوابِ رائے کا تعلق ہے، جمہور امت کا کہنا یہ ہے کہ اس معاملے میں رائے انہی حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی صحیح تھی جو یزید کو ولی عہد بنانے کے مخالف تھے (ماخوذ از ''حضرت امیر معاویہ اور تاریخی حقائق'' بتغیر)

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(4)......حضرت حسین اور واقعۂ کربلا کے متعلق راہِ اعتدال

سوال: اگر یزید کا جانشین مقرر کرنا صحیح تھا تو پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ یزید کی حکومت کے خلاف کیوں نکلے اور وہ کس لئے کربلا کے میدان میں گئے کیا یہ خودکشی میں داخل نہیں، ہمارے لئے اس سلسلہ میں راہِ اعتدال کیا ہے؟

جواب: ...... پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ علماء کا راجح قول یہ ہے کہ ولی عہد بنانے کی حیثیت ایک تجویز کی سی ہوتی ہے اور خلیفہ کی وفات کے بعد امت کے اربابِ حل وعقد کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ چاہیں تو ولی عہد ہی کو خلیفہ بنائیں اور چاہیں تو باہمی مشورے سے کسی دوسرے کو خلیفہ مقرر کر دیں۔

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید کی خلافت اس وقت تک منعقد نہیں ہوسکتی تھی جب تک کہ امت کے اربابِ حل وعقد اسے منظور نہ کرلیں۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بذاتِ خود شروع ہی سے یزید کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تھے اور جیسا کہ پیچھے عرض کیا جاچکا ہے، یہ ان کی دیانتدارانہ رائے تھی۔

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حجاز کے اکابر اور اہلِ حل وعقد حضرات نے ابھی تک یزید کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا، اور ان کا اس پر اتفاق نہیں ہوا، اِدھر عراق سے ان کے پاس کثرت سے خطوط آنے لگے، جن سے واضح ہوتا تھا کہ اہلِ عراق بھی یزید کی خلافت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، وہاں کے لوگ مسلسل حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یہ لکھ رہے تھے کہ ہمارا کوئی امام وحکمران نہیں ہے اور ہم نے ابھی تک کسی کے ہاتھ پر حکمرانی کے لئے بیعت نہیں کی، آپ تشریف لائیں، شاید آپ کی بدولت اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت پر جمع فرمادیں۔

ان حالات میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ صرف شام کے رہنے والوں کی بیعت پوری امت پر لازم نہیں ہوسکتی۔

لہٰذا یزید کی خلافت ابھی منعقد و تام ہی نہیں ہوئی، اس کے باوجود وہ پورے عالمِ اسلام پر زبردستی غالب ہونا چاہ رہا ہے، جس سے امت میں قتل وغارت گری اور فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے، اور موجودہ حالات میں یزید کی حیثیت ایک ایسے غلبہ حاصل کرنے والے حکمران کی ہے جو زبردستی حکومت پر غلبہ پانا چاہتا ہے، مگر ابھی تک غلبہ پا نہیں سکا۔

ایسی حالت میں اس فتنہ وفساد اور امت کا شیرازہ بکھرنے کو روکنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے اور اسی لئے انہوں نے پہلے حالات کی تحقیق کے لئے کوفہ کی طرف اپنے چچازاد بھائی ''حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ'' کو روانہ کیا تاکہ صحیح صورتِ حال معلوم ہو سکے، اور بلا تحقیق کوئی نامناسب اقدام نہ کیا جائے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی، حضرت مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر کوفہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے ہزاروں لوگوں نے بیعت کر لی تھی، اور یزید کی طرف سے کوفہ کا امیر اس وقت نعمان بن بشیر تھا، اس کا موقف بھی ان حالات میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ نرم ہو گیا، اس کی اطلاع جب یزید کو ہوئی تو اس کی جگہ یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا امیر بنا کر بھیجا۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے حضرت مسلم بن عقیل نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ کوفہ تشریف لے آئیں، جس پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا ارادہ کیا۔

لہٰذا کوفہ کی طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کوچ کرنا فقہی نقطۂ نظر سے بغاوت نہیں تھا، بلکہ آپ کا مقصد ایک نااہل شخص کے زبردستی حکمران بننے کی کوشش اور اس کے نتیجہ میں لازم آنے والے فتنہ وفساد اور خون ریزی اور امت کے شیرازہ کو بکھرنے سے روکنا تھا، اسی وجہ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ سفر میں مسلح ساتھیوں کے بجائے اپنے اہلِ خانہ، خواتین اور بچوں کو رکھا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے پیشِ نظر قتل وقتال اور خون ریزی نہیں تھی، بلکہ خود اس خون ریزی اور فتنہ وانتشار کا سدِ باب تھا۔

لیکن بعد میں کوفہ کے لوگوں نے دنیاوی اغراض کی بنیاد پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حکمرانی

کے لئے کی ہوئی اپنی بیعت سے انحراف کرلیا اور حضرت مسلم بن عقیل کا ساتھ چھوڑ دیا، ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یزید کی طرف سے کوفہ کے لئے مقرر کردہ امیر ''عبیداللہ ابنِ زیاد'' نے حضرت مسلم بن عقیل کو بے دردی کے ساتھ شہید کردیا۔

خلاصہ یہ کہ کوفہ کی طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جانا شرعی حکم کی مخالفت میں نہیں تھا، جسے بغاوت کہا جاسکے، بلکہ آپ کے علم وفضل اور دینی مرتبہ کی وجہ سے آپ پر یہ ذمہ داری عائد ہورہی تھی کہ آپ کی نظر میں جولوگ نااہل ہیں، اور وہ زبردستی لوگوں پر مسلط ہونا چاہتے اور خون ریزی اور فتنہ وانتشار کی فضاء قائم کرنا چاہتے ہیں، اس کا سدِّ باب کریں۔

مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی حالات تیزی سے بدل گئے۔

جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے قریب پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ کوفہ کے لوگوں نے حضرت مسلم بن عقیل کے ساتھ غداری کی ہے، اور اب ان کا آگے جانا مناسب نہیں، تو انہوں نے اس سلسلہ میں پیش قدمی کا ارادہ ترک فرمادیا تھا۔

ان حالات میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عمر بن سعد (جو عبیداللہ بن زیاد کی طرف سے فوجی افسر مقرر تھا) کے سامنے مندرجہ ذیل تین تجویزیں پیش فرمائیں:

(1)...... میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔

(2)...... یا میں یزید کے پاس پہنچ جاؤں، اور خود اس سے اپنا معاملہ طے کروں۔

(3)...... یا مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر پہنچادو، جو حال وہاں کے عام لوگوں کا ہوگا، میں اسی میں بسر کروں گا۔ [1]

---

[1] علامہ ابن تیمیہ نے اپنی تحریرات میں ان صورتوں کی تفصیل ذکر کی ہے، ان کے علاوہ بعض دیگر حضرات نے بھی ان صورتوں کا ذکر کیا ہے۔

فاعتدی علیه عبید الله بن زیاد فطلب منهم الحسین رضی الله عنه أن یجیء إلی یزید؛ أو یذهب إلی الثغر مرابطا؛ أو یعود إلی مکة .فمنعوه رضی الله عنه إلا أن یستأسر لهم وأمر عمر بن سعد بقتاله -فقتلوه مظلوما -له ولطائفة من أهل بیته .رضی الله عنهم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عمر بن سعد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یہ تجاویز سن کر ابنِ زیاد کو خط لکھا کہ:

اللہ تعالیٰ نے جنگ کی آگ بجھادی، اور مسلمانوں کا کلمہ متفق کردیا، مجھے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تین صورتوں کا اختیار دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ ان میں آپ

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

وكان قتله -رضى الله عنه -من المصائب العظيمة (مجموع الفتاوى لابن تيمية، ج٣، ص ٤١١، فصل في وجوب الاقتصاد والاعتدال فى أمر الصحابة والقرابة، اعدل الاقوال فى يزيد بن معاوية)

وكان الذى حض على قتله الشمر بن ذى الجوشن صار يكتب فى ذلك إلى نائب السلطان على العراق عبيد الله بن زياد؛ وعبيد الله هذا أمر -بمقاتلة الحسين -نائبه عمر بن سعد بن أبى وقاص بعد أن طلب الحسين منهم ما طلبه آحاد المسلمين لم يجء معه مقاتلة؛ فطلب منهم أن يدعوه إلى أن يرجع إلى المدينة أو يرسلوه إلى يزيد بن عمه أو يذهب إلى الثغر يقاتل الكفار فامتنعوا إلا أن يستأسر لهم أو يقاتلوه فقاتلوه حتى قتلوه وطائفة من أهل بيته وغيرهم (مجموع الفتاوى لابن تيمية، ج٤، ص٥٠٥،فصل : افترق الناس فى "يزيد "بن معاوية بن أبى سفيان ثلاث فرق)

وكان أهل الرأى والمحبة للحسين كابن عباس وابن عمر وغيرهما أشاروا عليه بأن لا يذهب إليهم ولا يقبل منهم ورأوا أن خروجه إليهم ليس بمصلحة ولا يترتب عليه ما يسر وكان الأمر كما قالوا وكان أمر الله قدرا مقدورا .فلما خرج الحسين -رضى الله عنه -ورأى أن الأمور قد تغيرت طلب منهم أن يدعوه يرجع أو يلحق ببعض الثغور أو يلحق بابن عمه يزيد فمنعوه هذا وهذا .حتى يستأسر وقاتلوه فقاتلهم فقتلوه .وطائفة ممن معه مظلوما شهيدا شهادة أكرمه الله بها وألحقه بأهل بيته الطيبين الطاهرين (مجموع الفتاوى لابن تيمية، ج٢٥، ص٣٠٧، بيعة الحسن وتنازله عن الولاية)

فلما ذهب الحسين رضى الله عنه وأرسل ابن عمه مسلم بن عقيل إليهم واتبعه طائفة . ثم لما قدم عبيد الله بن زياد الكوفة قاموا مع ابن زياد وقتل مسلم بن عقيل وهانء بن عروة وغيرهما فبلغ الحسين ذلك فأراد الرجوع فوافته سرية عمر بن سعد وطلبوا منه أن يستأسر لهم فأبى وطلب أن يردوه إلى يزيد ابن عمه حتى يضع يده فى يده أو يرجع من حيث جاء أو يلحق ببعض الثغور فامتنعوا من إجابته إلى ذلك بغيا وظلما وعدوانا . وكان من أشدهم تحريضا عليه شمر بن ذى الجوشن .ولحق بالحسين طائفة منهم. ووقع القتل حتى أكرم الله الحسين ومن أكرمه من أهل بيته بالشهادة رضى الله عنهم وأرضاهم (مجموع الفتاوى لابن تيمية، ج٢٧، ص ٤٧١، فصل فى التدليل على ان مشهد الحسين ليس فيه راسه)

وتحدث الناس بذلك ولم يسمعوه، وقيل :بل قاله له :اختاروا منى واحدة من ثلاث : إما أن أرجع إلى المكان الذى أقبلت منه، وإما أن أضع يدى فى يد يزيد بن معاوية فيرى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کا مقصد پورا ہو جاتا ہے اور امت کی اس میں صلاح وفلاح ہے۔

ابنِ زیاد بھی عمر بن سعد کے اس خط سے متأثر ہوا، اور اس کو قبول کرنا چاہا، مگر شمر ذی الجوشن نامی شخص نے کہا کہ آپ حسین کو مہلت دینا چاہتے ہیں کہ قوت حاصل کر کے پھر مقابلہ پر آئیں، وہ اگر آج تمہارے ہاتھ سے نکل گئے، تو پھر کبھی تم ان پر قابو نہ پاسکو گے، مجھے اس خط میں عمر بن سعد کی سازش معلوم ہوتی ہے، کیونکہ میں نے سنا ہے کہ وہ حضرت حسین کے ساتھ راتوں کو باتیں کرتے ہیں، لہٰذا آپ حسین کو غیر مشروط طریقہ پر اپنے پاس آنے پر مجبور کریں، ابنِ زیاد نے شمر ذی الجوشن کے مشورہ واصرار پر عمل کرتے ہوئے اسی مضمون کا خط خود شمر ذی الجوشن ہی کے ہاتھ عمر بن سعد کے پاس بھیجا، اور یہ ہدایت کر دی کہ اگر عمر بن سعد اس حکم کی فوراً تعمیل نہ کریں، تو ان کو قتل کر دیا جائے، اور ان کی جگہ تم خود لشکر کے امیر ہو۔

ظاہر ہے کہ اس نامعقول بات کو ماننا حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر لازم نہیں تھا، اس لئے بالآخر انہیں مقابلہ کرنا پڑا، جس کو اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی ذمہ داری سمجھی تھی اور کربلا کا المیہ پیش آ کر رہا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شہیدِ کربلا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فیما بینی وبینه رأيه، وإما أن تسيروا بى إلى أى ثغر من ثغور المسلمين شئتم فأكون رجلاً من أهله لى ما لهم وعلى ما عليهم (الكامل فى التاريخ لابنِ اثير، ج۳ص ۱۶۴، ثم دخلت سنة إحدى وستين،ذكر مقتل الحسين رضى الله عنه)

وكان عمر بن سعد بن أبى وقاص قد ولاه ابن زياد الرى وعهد إليه عهده، فقال :اكفنى هذا الرجل واذهب إلى عملك، فقال :اعفنى.فأبى أن يعفيه، فقال :أنظرنى الليلة، فأخره فنظر فى أمره، فلما أصبح غدا عليه راضيا بما أمره به، فتوجه إليه عمر بن سعد فلما أتاه قال له الحسين :اختر واحدة من ثلاث، إما أن تدعونى فانصرف من حيث جئت، وإما أن تدعونى فأذهب إلى يزيد، وإما أن تدعونى فألحق بالثغور .فقبل ذلك عمر، فكتب إليه عبيد الله بن زياد لا ولا كرامة حتى يضع يده فى يدى، فقال الحسين : لا والله لا يكون ذلك أبدا. فقاتله فقتل أصحاب الحسين كلهم (البداية والنهاية ج۸ص ۲۱۴،ثم دخلت سنة إحدى وستين،صفة مقتله، كذافى تاريخ الطبرى، ج۵ص ۳۸۹،ثم دخلت سنة ستين ،ذكر مسير الحسين الى الكوفه)

ص۵۳،۵۴، المفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق ص۱۲۷، المفتی محمد تقی عثمانی صاحب، ''المرتضیٰ'' صفحہ ۳۷۰، لمولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ) ؎۱

؎۱ قال أبو مخنف وأما ما حدثنا به المجالد بن سعيد والصقعب بن زهير الأزدى وغيرهما من المحدثين فهو ما عليه جماعة المحدثين قالوا إنه قال اختاروا منى خصالا ثلاثا إما أن أرجع إلى المكان الذى أقبلت منه وإما أن أضع يدى فى يد يزيد بن معاوية فيرى فيما بينى وبينه رأيه وإما أن تسيرونى إلى أى ثغر من ثغور المسلمين شئتم فأكون رجلا من أهله لى ما لهم وعلى ما عليهم .
قال أبو مخنف فأما عبدالرحمن بن جندب فحدثنى عن عقبة بن سمعان قال صحبت حسينا فخرجت معه من المدينة إلى مكة ومن مكة إلى العراق ولم أفارقه حتى قتل وليس من مخاطبته الناس كلمة بالمدينة ولا بمكة ولا فى الطريق ولا بالعراق ولا فى عسكر إلى يوم مقتله إلا وقد سمعتها ألا والله ما أعطاهم ما يتذاكر الناس وما يزعمون من أن يضع يده فى يد يزيد بن معاوية ولا أن يسيروه إلى ثغر من ثغور المسلمين ولكنه قال دعونى فلأذهب فى هذه الارض العريضة حتى ننظر ما يصير امر الناس .
قال أبو مخنف حدثنى المجالد بن سعيد الهمدانى والصقعب بن زهير أنهما كانا التقيا مرارا ثلاثاأو أربعا حسين وعمر بن سعد قال فكتب عمر بن سعد إلى عبيدالله بن زياد أما بعد فإن الله قد أطفأ النائرة وجمع الكلمة وأصلح أمر الأمة هذا حسين قد أعطانى أن يرجع إلى المكان الذى منه أتى أو أن نسيره إلى أى ثغر من ثغور المسلمين شئنا فيكون رجلا من المسلمين له ما لهم وعليه ما عليهم أو أن يأتى يزيد أمير المؤمنين فيضع يده فى يده فيرى فيما بينه وبينه رأيه وفى هذا لكم رضا وللأمة صلاح قال فلما قرأ عبيدالله الكتاب قال هذا كتاب رجل ناصح لأميره مشفق على قومه نعم قد قبلت قال فقام إليه شمر بن ذى الجوشن فقال أتقبل هذا منه وقد نزل بأرضک إلى جنبک والله لئن رحل من بلدک ولم يضع يده فى يدک ليكونن أولى بالقوة والعزة ولتكونن أولى بالضعف والعجز فلا تعطه هذه المنزلة فإنها من الوهن ولكن لينزل على حكمک هو وأصحابه فإن عاقبت فأنت ولى العقوبة وإن غفرت كان ذلک لک والله لقد بلغنى أن حسينا وعمر بن سعد يجلسان بين العسكرين فيتحدثان عامة الليل فقال له ابن زياد نعم ما رأيت الرأى رأيک .
قال أبو مخنف فحدثنى سليمان بن أبى راشد عن حميد بن مسلم قال ثم إن عبيدالله بن زياد دعا شمر بن ذى الجوشن فقال له اخرج بهذا الكتاب إلى عمر بن سعد فليعرض على الحسين وأصحابه النزول على حكمى فإن فعلوا فليبعث بهم إلى سلما وإن هم أبوا فليقاتلهم فإن فعل فاسمع له وأطع وإن هوأبى فقاتلهم فأنت أمير الناس وثب عليه فاضرب عنقه وابعث إلى برأسه (تاريخ الطبرى، ج۵ ص ۴۱۳، ۴۱۴، ثم دخلت سنة إحدى وستين ،مقتل الحسين رضوان الله عليه)

بہت سے اہلِ علم حضرات نے مندرجہ بالا دوسری تجویز کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوگیا کہ یزید کا تسلط ہو چکا ہے، یا موجودہ حالات میں اس پر تعارض سے خون ریزی اور شدید فتنہ لازم آئے گا، تو اس کے ہاتھ پر بیعت کے لئے رضا مند ہو گئے تھے، مگر آپ کو مہلت نہ دی گئی، اور اس کی ایک دلیل یہ بیان کی ہے کہ یزید کی حکومت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا یہ سمجھنا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خروج امت پر منعقد شدہ حکومت کے خلاف مسلح قتال کرنے اور یزید سے بیعت کر کے اس کو توڑنے کے لئے تھا، یہ درست نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کے تحت سرحد پر جہاد کے لئے جانے کی درخواست پیش کرنے کی روایت حکومتِ یزید کو تسلیم کر لینے کی دلیل ہے۔

البتہ بعض حضرات نے بیعتِ یزید والی روایت کا انکار فرمایا ہے (ملاحظہ ہو: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق ص ۱۲۷، مؤلفہ: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، واحسن الفتاویٰ ج۶ ص ۱۴، خارجی فتنہ حصہ دوم، ص ۳۶۸)

[1] یہی وجہ ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد اس کو توڑنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔

چنانچہ حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

لما خلع أهل المدينة يزيد بن معاوية، جمع ابن عمر، حشمه وولده، فقال: إني سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: ينصب لكل غادر لواء يوم القيامة وإنا قد بايعنا هذا الرجل على بيع الله ورسوله، وإني لا أعلم غدرا أعظم من أن يبايع رجل على بيع الله ورسوله ثم ينصب له القتال، وإني لا أعلم أحدا منكم خلعه، ولا بايع في هذا الأمر، إلا كانت الفيصل بيني وبينه (بخاري، رقم الحديث ۷۱۱۱، كتاب الفتن، باب إذا قال عند قوم شيئا، ثم خرج فقال بخلافه)

ترجمہ: جب مدینہ کے لوگوں نے یزید بن معاویہ کو حکومت سے الگ کرنے کا ارادہ کیا، تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد اور گھر والوں کو جمع کیا، پھر فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ دغا باز اور عہد شکن کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، اور بے شک ہم نے اس آدمی سے اللہ اور اس کے رسول کے نام پر بیعت کر لی ہے، اور میں نہیں جانتا کہ کوئی زیادہ بڑا دھوکہ ہو، اس بات سے کہ کسی آدمی سے اللہ اور اس کے رسول کے نام پر بیعت کی جائے، پھر (بیعت توڑ کر) اس کے لئے قتال قائم کیا جائے، اور تم میں سے مجھے جس کا بھی یہ معلوم ہوا کہ اس نے اس معاملہ میں بیعت کر کے اس کو توڑ دیا ہے، تو میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق نہیں رہے گا (بخاری)

اس طرح کی حدیث کو شیخین کی شرط کی سند پر امام احمد نے بھی روایت کیا ہے، جس سے یزید کا مسلمان ہونا اور گناہ گار حکمران کی حکومت کے باقاعدہ منعقد ہونے کے بعد اس کے خلاف خروج کے عدمِ جواز کا حکم معلوم ہوتا ہے (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہماری کتاب ''سیاست وحکومت'' مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی)

عن نافع قال: لما خلع الناس يزيد بن معاوية جمع ابن عمر بنيه وأهله، ثم تشهد، ثم قال: أما بعد، فإنا قد بايعنا هذا الرجل على بيع الله ورسوله، وإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: " إن الغادر ينصب له لواء يوم القيامة يقال: هذه غدرة فلان "، وإن من أعظم الغدر أن لا يكون الإشراك بالله تعالى، أن يبايع رجل رجلا على بيع الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ احادیث کا مخالف اور باغی یا خودکشی کا مرتکب قرار دینا یا ان کی شہادت میں شبہ کرنا قطعی طور پر غلط ہے۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

(5)...... یزید کی شخصیت کے متعلق راہِ اعتدال

سوال: یزید کے بارے میں کیا عقیدہ رکھا جائے بعض لوگ یزید کو متقی اور نیک صالح بلکہ صحابی تک قرار دیتے ہیں اور یزید کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ یا رضی اللہ عنہ بھی لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یزید کے بارے میں کئی احادیث میں پیشینگوئیاں ہیں جبکہ بعض لوگ یزید کو کافر کہتے ہیں اور اس پر لعنت بھی کرتے ہیں۔

اس بارے میں صحیح نکتۂ نظر اور راہِ اعتدال کیا ہے؟

جواب:...... یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ یزید کے ولی عہد بنائے جانے کے وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یزید کی ظاہری حالت ایسی تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ورسوله، ثم ينكث بيعته، فلا يخلعن أحد منكم يزيد، ولا يشرفن أحد منكم فى هذا الأمر، فيكون صيلم بينى وبينه (مسند احمد، رقم الحديث ٥٠٨٨)

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده صحيح على شرط الشيخين(حاشية مسند احمد)

وفى هذا الحديث وجوب طاعة الإمام الذى انعقدت له البيعة والمنع من الخروج عليه ولو جار فى حكمه وأنه لا ينخلع بالفسق وقد وقع فى نسخة شعيب بن أبى حمزة عن الزهرى عن حمزة بن عبد الله بن عمر عن أبيه فى قصة الرجل الذى سأله عن قول الله تعالى وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا الآية ان بن عمر قال ماوجدت فى نفسى فى شىء من أمر هذه الأمة ما وجدت فى نفسى أنى لم أقاتل هذه الفئة الباغية كما أمر الله زاد يعقوب بن سفيان فى تاريخه من وجه آخر عن الزهرى قال حمزة فقلنا له ومن ترى الفئة الباغية قال بن الزبير بغى على هؤلاء القوم يعنى بنى أمية فأخرجهم من ديارهم ونكث عهدهم(فتح البارى لابنِ حجر، ج١٣ ص ٧١، ٧٢، قوله باب إذا قال عند قوم شيئا ثم خرج فقال بخلافه)

[1] ما تفوه بعض الجهلة من ان الحسين كان باغيا، فباطل عند اهل السنة والجماعة(شرح فقه اكبر ص٨٧)

نے یزید کو خلافت کا اہل سمجھا تھا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید کے متعلق تاریخ میں جو باتیں ملتی ہیں۔

ان کی وجہ سے بعض حضرات نے اگرچہ یزید کو کافر تک قرار دے دیا ہے اور اس پر لعنت کو بھی جائز رکھا ہے، لیکن جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ نے اس موقف کو پسند نہیں کیا اور فرمایا کہ یزید کو نہ تو کافر قرار دیا جائے اور نہ ہی اس پر لعنت کی جائے۔ [1]

کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے کا حکم اور اسی طرح لعنت جس قدر بری چیز ہے اسی قدر اس کے کرنے پر پابندی بھی عائد کی گئی ہے، کسی مسلمان کو کافر قرار دینا، اور اس پر لعنت کرنا شرعاً حرام ہے۔

اور کسی متعین شخص کے بارے میں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی موت یقینی کفر پر ہوئی ہے اس پر متعین طور سے لعنت کرنا بھی منع ہے، اگرچہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ [2]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ

---

[1] قال محمود مهدى الإستانبولى فى حاشية العواصم من القاصم :
وخلاصة القول فى يزيد بن معاوية اختلف الناس فيه - كما قال الإمام ابن تيمية رحمه الله تعالى : ثلاث فرق: طرفان ووسط. فأحد الطرفين قالوا : أنه كان كافرا منافقا. وهذا القول سهل على الرافضة الذين يكفرون أبا بكر، وعمر، وعثمان . فتكفير يزيد أسهل!! والطرف الثانى يظنون أنه كان رجلا صالحا وإمام عدل . وأنه كان من الصحابة الذين ولدوا على عهد الرسول صلى الله عليه وآله وسلم، وحمله على يديه وبرك عليه. وهذا قول بعض الضلال . والقول الثالث أنه كان ملكاً من ملوك المسلمين، له حسنات وسيئات، ولم يولد إلا فى خلافة عثمان، ولم يكن كافرا، ولكن جرى بسببه ما جرى . وهذا قول أهل العقل والعلم والسنة والجماعة. ثم افترقوا ثلاث فرق، فرق لعنته، وفرق أحبته، وفرقة لا تسبه ولا تحبه ! وهذا المنصوص عن الإمام أحمد، وعليه المقتصدون من أصحابه وغيرهم (حاشية: العواصم من القواصم للقاضى محمد بن عبد الله أبو بكر بن العربى المعافرى الإشبيلى المالكى، ج ١ ص ٢٤٦، الباب السابع، هل يزيد مسؤول عن مقتل الحسين؟)

[2] اللعن على يزيد بن معاوية لا ينبغى أن يفعل (لسان الحكام ، صفحة ٤١٦، الفصل السابع والعشرون، فصل فيما يكون كفرا من المسلم ومالا يكون)

قِبۡلَتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيۡحَتَنَا فَذٰلِكَ الۡمُسۡلِمُ الَّذِیۡ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوۡلِهٖ، فَلَا تُخۡفِرُوا اللّٰهَ فِیۡ ذِمَّتِهٖ (بخاری)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ہماری (یعنی مسلمانوں جیسی) نماز پڑھے اور ہمارے (یعنی مسلمانوں کے) قبلہ کی طرف (عبادت کے لئے) رُخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، تو وہ مسلمان ہے، جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے، تو تم اللہ کی ذمہ داری میں خیانت نہ کرو (بخاری)

اس طرح کی حدیث حضرت جندب اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما کی سندوں سے بھی مروی ہے۔[2]

مطلب یہ ہے کہ جب کوئی ظاہر میں ان چیزوں کو اختیار کرلے، جو اسلام کی بڑی نشانیاں اور امتیازی اہم شعائر ہیں کہ وہ یہود وعیسائیوں وغیرہ دیگر مذاہب کے مقابلہ میں رکوع، سجود، قیام، قعدہ وغیرہ کے ساتھ مسلمانوں کی طرح نماز پڑھے، اور بیت المقدس یا کسی اور چیز کو قبلہ ماننے کے بجائے بیتُ اللہ کو اپنا قبلہ تسلیم واختیار کرے اور ہمارے ذبح کئے ہوئے جانور کو کھالے، تو وہ اللہ اوراس کے رسول کی ذمہ داری میں آجاتا ہے، اس لئے اس کو مسلمان سمجھنا چاہیے، اوراس کے ساتھ مسلمانوں والا برتاؤ کرنا چاہیے، اوراس کو نہ تو کافر قرار دینا چاہیے، اور نہ ہی قتل کرنا چاہیے، جس کی تفصیل دوسری احادیث میں آئی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے معاملات کا دارومدار ظاہر پر ہوتا ہے، اور انسان عالمُ الغیب، علیمٌ بذاتِ الصدور نہیں، اس لئے وہ دوسرے کے دل اور باطن کا مکلّف نہیں کہ کسی کے دل

---

[1] رقم الحديث ٣٩١، كتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة.

[2] عن جندب، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :من صلى صلاتنا، واستقبل قبلتنا، وأكل ذبيحتنا، فذاك المسلم له ذمة الله وذمة رسوله(المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ١٦٦٩، ج٢ص ١٦٢)

عن عبد الله قال : كتب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى المنذر بن ساوى :من صلى صلاتنا، واستقبل قبلتنا، وأكل ذبيحتنا، فذاكم المسلم، له ذمة الله وذمة الرسول صلى الله عليه وسلم "(المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ١٠٢٩١، ج١٠ص ١٥٢)

میں کیا ہے؟ اس کو تو ظاہری چیزوں کو دیکھ کر ہی فیصلہ کرنا چاہئے، اور اس کے باوجود بھی کسی کے دل میں اور کچھ ہو، تو یہ اس کی ذمہ داری نہیں، بلکہ اس کا معاملہ اور حساب اللہ کے ساتھ ہے، جیسا کہ دوسری احادیث میں ذکر آیا ہے۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَإِذَا قَالُوْهَا، وَصَلَّوْا صَلاَ تَنَا، وَاسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا، وَذَبَحُوْا ذَبِيْحَتَنَا، فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ، إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ (بخاری)[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک قتال (یعنی شرعی جہاد) کروں، جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہیں، پس جب وہ لا الٰہ الا اللہ کہہ لیں، اور ہماری (یعنی مسلمانوں کی) طرح نماز پڑھنے لگیں، اور ہمارے قبلہ (یعنی بیتُ اللہ) کی طرف رخ کرنے لگیں، اور ہماری طرح (اللہ کا نام لے کر) ذبح کرنے لگیں، تو ہمارے اوپر ان کا خون اور ان کا مال حرام ہوجاتا ہے، سوائے کلمۂ اسلام کے حق کے (یعنی اس پر اسلام کے قانون لاگو ہوں گے، مثلاً قتل کے بدلہ میں قصاص وغیرہ) اور ان (کے باطن اور نیک وبُرے اعمال کی جزاوثواب) کا حساب اللہ کے ذمہ ہے (بخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى

---

[1] قوله :(فلا تخفروا الله فى ذمته) أى لا تعاملوا معاملة الغادر فى نقض عهده واغتيال مؤمنه، والذمة الأمان، وأذمه أجاره، أى له أمان الله نكال الكفار، وما شرع لهم من القتل والقتال(شرح المشكاة للطيبى، ج٢ص ٤٥٥، كتاب الايمان)

[2] رقم الحديث ٣٩٢، كتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة.

يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَإِذَا قَالُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ، وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ، ثُمَّ قَرَأَ (إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُسَيْطِرٍ) (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے لوگوں سے اس وقت تک قتال (یعنی شرعی جہاد) کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک کہ وہ ''لاالٰہ الا اللہ'' نہ کہہ لیں، پس جب وہ ''لاالٰہ الا اللہ'' کہہ لیں گے، تو مجھ سے اپنے خونوں کو اور اپنے مالوں کو محفوظ کرلیں گے، مگر مالوں اور خونوں کا حق ان پر باقی رہے گا (یعنی جو وہ دوسروں کا جانی و مالی نقصان کریں گے، اس کی مقررہ سزا ہوگی) اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہوگا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سورہ غاشیہ کی) یہ آیت پڑھی کہ آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ان پر مسلط نہیں ہیں (مسلم)

مطلب یہ ہے کہ جب کوئی ظاہر میں ان چیزوں کو اختیار کرلے، تو اس سے قتال کرنا جائز نہیں، اور اگر اس کے دل میں کفر وشرک وغیرہ ہو، تو اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے، ہمارے ذمہ نہیں، لہٰذا ہمیں ظاہر کو نظر انداز کر کے اپنی طرف سے اس کے باطن کی کھود کرید کرنے اور اس کے دل کے احتساب کے درپے ہونے اور ان کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٢١"٣٥"كتاب الايمان،باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا :لا إله إلا الله محمد رسول الله.

[2] (وحسابهم) أى فيما يسترون من الكفر والمعاصى بعد ذلك (على الله) ، والجملة مستأنفة، أو معطوفة على جزاء الشرط، والمعنى أنا نحكم بظاهر الحال والإيمان القولى، ونرفع عنهم ما على الكفار، ونؤاخذهم بحقوق الإسلام بحسب ما يقتضيه ظاهر حالهم، لا أنهم مخلصون، والله يتولى حسابهم، فيثيب المخلص، ويعاقب المنافق، ويجازى المصر بفسقه، أو يعفو عنه، وفيه دليل على أن من أظهر الإسلام وأبطن الكفر يقبل إسلامه فى الظاهر (مرقاة المفاتيح، ج ا ص ٨١، كتاب الايمان)

(أمرت أن أقاتل الناس) إلى قوله " :وحسابهم على الله ."ولو شاء الله تعالى لأطلع -صلى الله عليه وسلم -على باطن أمر الخصمين، فحكم بيقين نفسه من غير حاجة إلى شهادة، أو يمين، ولكن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک واقعہ میں روایت ہے کہ:

قَالَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَلَا أَضْرِبُ عُنُقَهُ؟ قَالَ : لَا، لَعَلَّهُ أَنْ يَّكُوْنَ يُصَلِّيَ فَقَالَ خَالِدٌ : وَكَمْ مِّنْ مُصَلٍّ يَقُوْلُ بِلِسَانِهِ مَا لَيْسَ فِيْ قَلْبِهِ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنِّيْ لَمْ أُوْمَرْ أَنْ أَنْقُبَ عَنْ قُلُوْبِ النَّاسِ وَلَا أَشُقَّ بُطُوْنَهُمْ (بخاری) [1]

ترجمہ: حضرت خالد بن ولید نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میں اس آدمی کی گردن نہ اُڑا دوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، شاید کہ یہ نماز پڑھتا ہو، تو حضرت خالد نے عرض کیا کہ کتنے نماز پڑھنے والے ایسے ہیں، جو اپنی زبان سے وہ بات کرتے ہیں، جو ان کے دل میں نہیں ہوتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دلوں کو پھاڑ کر دیکھوں، اور نہ یہ کہ میں ان کے پیٹوں کو چاک کروں (لہٰذا ہم تو ظاہر کے مکلّف ہیں) (بخاری، مسلم)

معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کو کافر یا مشرک قرار دینا سنگین گناہ ہے۔

اور جب تک کسی مسلمان سے کوئی بات واضح طور پر ایمان واسلام کے خلاف ظاہر نہ ہو، جس میں کوئی تاویل بھی ممکن نہ ہو، اس وقت تک کافر قرار دینا جائز نہیں ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لما أمر الله تعالى أمته باتباعه والاقتداء بأقواله وأفعاله وأحكامه، أجرى عليه حكمهم من عدم الإطلاع على باطن الأمور، ليكون للأمة أسوة به فى ذلك وتطييبا لنفوسهم من الانقياد للأحكام الظاهرة من غير نظر إلى الباطن(مرقاة المفاتيح، ج٦ص ٢٤٤١، كتاب الامارة والقضاء، باب الأقضية والشهادات)

[1] رقم الحديث ٤٣٥١، كتاب المغازى، باب بعث على بن أبى طالب عليه السلام، وخالد بن الوليد رضى الله عنه، إلى اليمن قبل حجة الوداع،مسلم، رقم الحديث ١٠٦٤ "١٤٤"

[2] قوله صلى الله عليه وسلم (إنى لم أومر أن أنقب عن قلوب الناس ولا أشق بطونهم) معناه إنى أمرت بالحكم بالظاهر والله يتولى السرائر كما قال صلى الله عليه وسلم فإذا قالوا ذلك فقد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر کوئی شخص دل میں کفر یا اس کی کوئی بات چھپائے ہوئے ہو، تو جب تک اس کا اظہار نہ ہو جائے، اس وقت تک اس پر ظاہر میں مرتد یا کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَيُّمَا امْرِءٍ قَالَ لِأَخِيْهِ: يَا كَافِرُ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا، إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ، وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ

(مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی نے بھی اپنے مسلمان بھائی کو یہ کہا کہ اے کافر! تو اس کا ان دونوں میں سے کوئی ایک مستحق ہو جاتا ہے، اگر وہ ایسا ہی ہو، جیسا اس نے کہا تو ٹھیک، ورنہ وہ اس کہنے والے پر لوٹ جاتا ہے (مسلم، مسند احمد)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عصموا منی دماء هم وأموالهم إلا بحقها وحسابهم على الله وفی الحديث هلا شققت عن قلبه(شرح النووی علیٰ مسلم، ج۷، ص۱۶۳، كتاب الزكاة، باب اعطاء المؤلفة ومن يخاف على ايمانه ان لم يعط)

التحرز من التكفير: لا ينبغي أن يكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن، أو كان فی كفره خلاف ولو كان رواية ضعيفة . ما يشك فی أنه كفر لا يحكم به، فإن المسلم لا يخرجه من الإيمان إلا جحود ما أدخله فيه، إذ الإسلام الثابت لا يزول بالشك مع أن الإسلام يعلو، فإن كان فی المسألة وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنعه فعلى المفتی أن يميل إلى الوجه الذی يمنع التكفير؛ لعظم خطره وتحسينا للظن بالمسلم، ولأن الكفر نهاية فی العقوبة فيستدعی نهاية فی الجناية، ومع الشك والاحتمال لا نهاية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۳، ص۲۲۸، ۲۲۹، مادة "تكفير")

[1] التكفير بالاعتقاد: اتفق الفقهاء على تكفير من اعتقد الكفر باطنا، إلا أنه لا تجری عليه أحكام المرتد إلا إذا صرح به.

ومن عزم على الكفر فی المستقبل، أو تردد فيه، فإنه يكفر حالا لانتفاء التصديق بعزمه على الكفر فی المستقبل، وتطرق الشك إليه بالتردد فی الكفر . ولا تجری عليه أحكام المرتد إلا إذا صرح بالكفر أيضا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۳، ص۲۳۰، مادة "تكفير")

[2] رقم الحديث ۶۰، كتاب الايمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم :يا كافر، مسند احمد، رقم الحديث ۵۸۲۴.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين(حاشية مسند احمد)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا لَعَنَ شَیْئًا صَعِدَتِ اللَّعْنَۃُ إِلَی السَّمَاءِ فَتُغْلَقُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ دُوْنَہَا، ثُمَّ تَہْبِطُ إِلَی الْأَرْضِ فَتُغْلَقُ أَبْوَابُہَا دُوْنَہَا، ثُمَّ تَأْخُذُ یَمِیْنًا وَشِمَالًا، فَإِذَا لَمْ تَجِدْ مَسَاغًا رَجَعَتْ إِلَی الَّذِیْ لُعِنَ، فَإِنْ کَانَ لِذٰلِکَ أَھْلًا وَإِلَّا رَجَعَتْ إِلٰی قَائِلِھَا (سنن ابی داوٗد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب کسی چیز پر لعنت کرتا ہے، تو لعنت آسمان کی طرف چڑھتی ہے، پھر اس کے سامنے آسمان کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، پھر وہ زمین کی طرف اترتی ہے، تو اس کے سامنے زمین کے دروازے بھی بند کردیئے جاتے ہیں، پھر وہ لعنت دائیں اور بائیں چلتی ہے، پھر جب اس کو کوئی جگہ نہیں ملتی، تو وہ اس کی طرف جاتی ہے، جس پر لعنت کی گئی ہے، اگر وہ اس کا اہل ہے، تو ٹھیک، ورنہ وہ لعنت کرنے والے کی طرف واپس لوٹ کر آجاتی ہے (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، یَقُوْلُ إِنَّ اللَّعْنَۃَ إِذَا وُجِّھَتْ إِلٰی مَنْ وُجِّھَتْ إِلَیْہِ، فَإِنْ أَصَابَتْ عَلَیْہِ سَبِیْلًا، أَوْ وَجَدَتْ فِیْہِ مَسْلَکًا، وَإِلَّا قَالَتْ: یَا رَبِّ، وُجِّھْتُ إِلٰی فُلَانٍ، فَلَمْ أَجِدْ عَلَیْہِ سَبِیْلًا، وَلَمْ أَجِدْ فِیْہِ مَسْلَکًا، فَیُقَالُ لَھَا: ارْجِعِیْ مِنْ حَیْثُ جِئْتِ (مسند احمد، رقم الحدیث ۳۸۷۶) [2]

---

[1] رقم الحدیث ۴۹۰۵، کتاب الادب، باب فی اللعن.
قال شعیب الارنؤوط: إسنادہ محتمل للتحسین (حاشیۃ سنن ابی داوٗد)

[2] قال شعیب الارنؤوط: إسنادہ محتمل للتحسین (حاشیۃ مسند احمد)
وقال المنذری: وإسنادہ جید إن شاء اللہ تعالٰی (الترغیب والترھیب، ج۳ص ۳۱۴، تحت رقم الحدیث ۴۲۲۰، کتاب الأدب وغیرہ، الترغیب فی الحیاء وما جاء فی فضلہ والترھیب من الفحش والبذاء)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ ارشاد سنا کہ لعنت جب بھیجی جاتی ہے، جس کی طرف بھی بھیجی جاتی ہے، تو اگر اس کا راستہ درست ہوتا ہے، یا وہ راستہ پاتی ہے، تو فبہا، ورنہ وہ لعنت یہ کہتی ہے کہ اے میرے رب! مجھے فلاں کی طرف بھیجا گیا ہے، اور میں اس کی طرف راستہ اور چلنے کی جگہ نہیں پاتی (یعنی وہ اس لعنت کا مستحق نہیں ہے) تو اس لعنت کو کہا جاتا ہے کہ تو اسی کی طرف لوٹ جا، جہاں سے آئی ہے (یعنی جس نے لعنت کی ہے) (مسند احمد)

معلوم ہوا کہ لعنت انتہائی خطرناک عمل ہے، اور جب تک اس کا کوئی صحیح مستحق نہیں ہوتا، وہ اس کو جا کر نہیں لگتی، بلکہ کہنے والے پر لوٹ کر آ جاتی ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا إِذَا رَأَيْنَا الرَّجُلَ يَلْعَنُ أَخَاهُ، رَأَيْنَا أَنَّهُ قَدْ أَتٰى بَابًا مِّنَ الْكَبَائِرِ

(المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ٦٦٧٤) [1]

ترجمہ: ہم جب کسی آدمی کو دیکھتے تھے کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی پر لعنت کر رہا ہے، تو ہم یہ سمجھتے تھے کہ وہ کبیرہ گناہوں کے دروازہ پر پہنچ گیا ہے (طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی متعین مسلمان پر لعنت کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَّكُوْنَ لَعَّانًا

(مستدرک حاکم) [2]

---

[1] قال المنذری: رواه الطبرانی بإسناد جيد (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ٤٢١٨، الترهيب من السباب واللعن لا سيما لمعين آدميا)

وقال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط والكبير بنحوه، وإسناد الأوسط جيد، وفی إسناد الكبير ابن لهيعة، وهو لين (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٣٠٠٩، باب فيمن لعن مسلما أو رماه بكفر)

[2] رقم الحديث ١٤٥، ورقم الحديث ١٤٦، كتاب الايمان، مسند البزار، رقم الحديث ٦٠٩٢، الادب المفرد للبخاری، رقم الحديث ٣٠٩. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ لعنت کرنے والا ہو (حاکم، مسند احمد، الادب المفرد)

مطلب یہ ہے کہ مومن کی شان نہیں کہ وہ لعنت کرنے والا ہو، اس خصلتِ بد سے ہر مؤمن کو بچنا اور باز رہنا چاہئے۔

اس کے بعد عرض ہے کہ جمہور اہلِ سنت حضرات کے نزدیک یزید فاسق تھا اور یزید کی شخصیت کو مجموعی طور پر امت نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور اپنی تحریر وتقریر میں جابجا یزید کے غلط کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ **قال الحاكم: هذا حديث أسنده جماعة من الأئمة، عن كثير بن زيد، ثم أوقفه عنه حماد بن زيد وحده، فأما الشيخان فإنهما لم يخرجا عن كثير بن زيد وهو شيخ من أهل المدينة من أسلم كنيته أبو محمد لا أعرفه يجرح في الرواية، وإنما تركاه لقلة حديثه والله أعلم. ولهذا الحديث شواهد بألفاظ مختلفة، عن أبي هريرة وأبي الدرداء وسمرة بن جندب يصح بمثلها الحديث على شرط الشيخين.**

[1] مثلاً یزید کا زبردستی امت پر حکومت کرنا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے قاتلین اور حرمین شریفین پر چڑھائی کرنے والوں کا یزید کے نزدیک معزز ومحترم ہونا اور ان کو اعلیٰ عہدوں پر قائم رکھنا وغیرہ وغیرہ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: علی وحسین، مؤلفہ: قاضی اطہر مبارک پوری رحمہ اللہ)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر یزید فاسق تھا تو اس کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو کیوں ولی عہد مقرر کیا، تو اس سلسلہ میں کئی احتمالات بیان کئے گئے ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱)......یزید کے فسق وفجور کے یہ واقعات زیادہ تر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کے ہیں اور یہ بات ہی زیادہ راجح ہے۔

(۲)......ممکن ہے بعض باتیں یزید میں پہلے سے بھی موجود ہوں، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کا علم نہ ہو اور یزید اپنے والد سے اپنے اس حال کو چھپاتا ہو، جیسا کہ عام طور پر اولاد اس قسم کی حرکات کو والد سے پردہ میں رکھتی ہے، جبکہ خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر جاہ وجلال والے صحابی کے سامنے کرنے کی جرأت کیونکر ہوسکتی تھی؟

(۳)......حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے معتبر ذریعے سے وہ امور نہ پہنچے ہوں اور ظاہری حالت سامنے ہو۔ کیونکہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یزید کا فسق وفجور بھی اس وقت تک کھلا نہیں تھا (شہید کربلا از مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ص ۹، علی وحسین ص ۱۶۶، از قاضی اطہر حسین مبارکپوری)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یزید کے بارے میں آج کل بہت افراط وتفریط پائی جارہی ہے، ایک فریق یزید کی محبت میں اس حد تک آگے نکل گیا ہے کہ یزید کی تعریف کو اہلِ سنت کی علامت ونشانی سمجھنے لگا ہے، اس فریق کی خواہش ہے کہ یزید کا شُمار اگر ''خلفائے راشدین'' میں نہیں تو کم از کم ''خلفائے عادلین'' میں تو ضرور کیا جانا چاہئے، اور یزید کے تین سالہ دور میں جو ظلم وستم کے سنگین واقعات رونما ہوئے ہیں، مثلاً حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے اہلِ بیت کا المناک قتل وشہادت، واقعہ حرّہ میں مدینہ والوں کا قتلِ عام اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حرمِ کعبہ پر یلغار اور چڑھائی، ان واقعات میں یزید کو برحق اور اس کے مقابلہ میں صحابۂ کرام اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ باغی قرار دیا جائے، جبکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کو باغی قرار دینا درست نہیں ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ (سنن الترمذی) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(۴) ولی عہدی کے وقت اپنی بہت سی حرکات یزید نے چھوڑ دی تھیں، جس کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک درجہ میں اطمینان ہو گیا تھا (تاریخِ ملت حصہ اول ص ۴۸۴)

(۵)......حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کچھ باتیں یزید میں محسوس کر لی تھیں، لیکن امیر کے لئے اس وقت کی مصلحت کے پیشِ نظر جن چیزوں کو وہ مفید اور ضروری سمجھ رہے تھے (مثلاً مادی قوت، حسن تدبیر اور معارکِ جہاد کا تجربہ) وہ یزید میں موجود تھیں اس لئے یزید کو دوسروں پر ترجیح دی (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۳۴)

[1] رقم الحديث ۳۷۶۸، كتاب المناقب، باب مناقب أبی محمد الحسن بن علی بن أبی طالب والحسين بن علی بن أبی طالب رضی الله عنهما ،مسند احمد رقم الحديث ۱۰۹۹۹، سنن ابنِ ماجه رقم الحديث ۱۱۵ عن ابن عمر.

قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح .وابن أبی نعم هو: عبد الرحمن بن أبی نعم البجلی الكوفی.

وقال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير يزيد بن مردانبة، فقد أخرج له النسائی، وهو ثقة(حاشية مسند احمد)

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنت کے جوانوں کے سردار ہیں (ترمذی)

جو لوگ نعوذ باللہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ''باغی'' قرار دیتے ہیں، وہ کس منہ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قیادت وسیادت میں جنت میں جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ أَحَبَّنِيْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَد أَبْغَضَنِيْ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٤٣ ،ابواب السنة، باب فی فضائل أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ،فضائل الحسن والحسين ابنی علی بن أبی طالب رضی الله عنهم) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے حضرت حسن اور حضرت حسین سے محبت کی، تو اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا، تو اس نے مجھ سے بغض رکھا (ابن ماجہ)

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی، اس سے اللہ محبت رکھتا ہے۔ [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية ابن ماجه)

[2] عن سعيد بن أبی راشد،أن يعلی بن مرة حدثهم: أنهم خرجوا مع النبی – صلى الله عليه وسلم – إلى طعام دعوا له، فإذا حسين يلعب فی السكة .قال: فتقدم النبی – صلى الله عليه وسلم – أمام القوم، وبسط يديه، فجعل الغلام يفر هاهنا وهاهنا، ويضاحكه النبی – صلى الله عليه وسلم – حتى أخذه، فجعل إحدى يديه تحت ذقنه، والأخرى فی فأس رأسه، فقبله، وقال:" حسين منی، وأنا من حسين، أحب الله من أحب حسينا، حسين سبط من الأسباط "(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٤٤)

قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن إن شاء الله(حاشية ابن ماجه)

(حسين منی وأنا منه) قال القاضی :كأنه بنور الوحی علم ما سيحدث بين الحسين وبين القوم فخصه بالذكر وبين أنهما كشیء واحد فی وجوه المحبة وحرمة التعرض والمحاربة وأكد ذلك

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ:

اے اللہ! میں اس سے محبت رکھتا ہوں، آپ بھی اس سے محبت رکھیے۔ [1]

اور اس کے برعکس دوسرا فریق یزید کو دین وایمان سے خارج اور کافر وملعون قرار دینے کو ضروری سمجھتا ہے۔

لیکن اعتدال کا راستہ ان دونوں حدوں کے درمیان ہے، اور وہ یہ کہ یزید کی تعریف اور مدح سرائی سے بچا جائے، اور یزید کو یقینی کافر نہ قرار دیا جائے، اور یزید کا نام لے کر لعنت سے پرہیز کیا جائے۔

یزید کے متعلق متعین طور پر احادیث میں بشارت نہیں آئی، بلکہ بشارت کے کلیہ اور قاعدہ میں داخل ہونے میں بھی اختلاف ہوا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یزید کے دفاع اور اس کی حمایت میں جو لوگ اس دور میں حد سے آگے بڑھ رہے ہیں اور یزید کو صحابی تک کہہ کر اس کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی لکھ اور کہہ دیتے ہیں وہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔

اسی طرح یزید کے فسق اور اس کو برا بھلا کہنے کی بحث میں لگے رہنا اور اس میں اپنا وقت ضائع کرنا بھی اچھی بات نہیں۔

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

بقوله (أحب الله من أحب حسينا) فإن محبته محبة الرسول ومحبة الرسول محبة الله (الحسن والحسين سبطان من الأسباط) جمع سبط وهو ولد الولد أكد به البعضية وقدرها ويقال القبلية قال تعالى :(وقطعناهم اثنتى عشرة أسباطا أمما) أى قبائل ويحتمل إرادته هنا على معنى أنه يتشعب منهما قبيلة ويكون من نسلهما خلق كثير وقد كان(فيض القدير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ٣٧٢٧)

[1] عن عدى بن ثابت، قال:سمعت البراء يقول: " رأيت النبى صلى الله عليه وسلم حاملا الحسن بن على على عاتقه وهو يقول: " اللهم إنى أحبه فأحبه "(صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٦٩٦٢)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية ابن حبان)

یزید کی شخصیت کا مسئلہ اس درجہ کے ایمانیات میں سے نہیں کہ اگر کسی کو اس کی شخصیت اور کارناموں کا علم ہی نہ ہو اور اس وجہ سے اس کا یزید کے بارے میں متعین طریقہ پر فاسق وگناہ گار ہونے کا عقیدہ بھی نہ ہو، تو آخرت میں اس کی پکڑ ہو۔ [1]

---

[1] یزید کے بارے میں تین فریق ہیں، ایک فریق اس کو ولی سمجھتا ہے، اور اس سے محبت کرتا ہے، اور ایک فریق اس کو برا بھلا کہتا ہے اور اس پر لعنت کرتا ہے، اور ایک فریق دونوں کے مابین ہے، جو نہ تو یزید کو ولی سمجھتا ہے، اور نہ اس پر لعنت کرتا ہے، بلکہ وہ یزید کو ایک حکمران تصور کرتا ہے، اور اس کے معاملہ کو اللہ پر چھوڑتا ہے، اور بعض اہلِ علم نے اسی تیسرے فریق کو مصیب اور اس کے مذہب کو قواعدِ شرع کے مطابق قرار دیا ہے۔

امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

> یزید کے بارے میں علماء قدیماً وحدیثاً مختلف رہے ہیں، بعض نے تو اس کو مغفور کہا ہے، بدلیل حدیث صحیح بخاری ''ثم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من امتی الخ'' ......اور بعضوں نے اس کو ملعون کہا ہے ....توسط اس میں یہ ہے کہ اس کے حال کو مفوض بعلمِ الٰہی کرے، اور خود اپنی زبان سے کچھ نہ کہے ''لان فیہ خطرا'' اور اگر کوئی اس کی نسبت کچھ کہے، تو اس سے کچھ تعرّض نہ کرے ''لان فیہ نصرا'' (امداد الفتاویٰ، ج۵ص ۴۲۵، ۴۲۶، ملخصاً، کتاب العقائد والکلام)

والناس فى يزيد ثلاث فرق فرقة تتولاه وتحبه وفرقة تسبه وتلعنه وفرقة متوسطة فى ذلك لا تتولاه ولا تلعنه وتسلك به مسلك سائر ملوك الإسلام وخلفائهم غير الراشدين فى ذلك وهذه الفرقة هى المصيبة ومذهبها هو اللائق بمن يعرف سير الماضين ويعلم قواعد الشريعة المطهرة جعلنا الله من أخيار أهلها آمين(الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة، لشهاب الدين احمد بن حجر الهيتمى، ج۲،ص ۶۳۹، الخاتمة فى بيان اعتقاد أهل السنة والجماعة فى الصحابة رضوان الله عليهم، الخ)

ولهذا كان الذى عليه معتقد أهل السنة وأئمة الأمة أنه لا يسب ولا يحب قال صالح بن أحمد بن حنبل "قلت لأبى :إن قوما يقولون :إنهم يحبون يزيد .قال :يا بنى وهل يحب يزيد أحد يؤمن بالله واليوم الآخر؟ فقلت :يا أبت فلماذا لا تلعنه؟ قال :يا بنى ومتى رأيت أباك يلعن أحدا؟ .وروى عنه قيل له :أتكتب الحديث عن يزيد بن معاوية؟ فقال :لا، ولا كرامة أوليس هو الذى فعل بأهل المدينة ما فعل؟ .فيزيد عند علماء أئمة المسلمين ملك من الملوك .لا يحبونه محبة الصالحين وأولياء الله؛ ولا يسبونه، فإنهم لا يحبون لعنة المسلم المعين؛ لما روى البخارى فى صحيحه عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه (أن رجلا كان يدعى حمارا وكان يكثر شرب الخمر وكان كلما أتى به إلى النبى صلى الله عليه وسلم ضربه .فقال رجل :لعنه الله ما أكثر ما يؤتى به إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقال النبى صلى الله عليه وسلم لا تلعنه فإنه يحب الله ورسوله) . ومع هذا فطائفة من أهل السنة يجيزون لعنه لإنهم يعتقدون أنه فعل من الظلم ما يجوز لعن فاعله .وطائفة أخرى ترى محبته لأنه مسلم تولى على عهد الصحابة؛ وبايعه الصحابة .ويقولون :لم يصح عنه ما نقل عنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

تِلْکَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سورة البقرة، رقم الآية ۱۴۱)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكانت له محاسن أو كان مجتهدا فيما فعله .والصواب هو ما عليه الأئمة :من أنه لا يخص بمحبة ولا يلعن .ومع هذا فإن كان فاسقا أو ظالما فالله يغفر للفاسق والظالم لا سيما إذا أتى بحسنات عظيمة .وقد روى البخارى فى صحيحه عن ابن عمر رضى الله عنهما أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :(أول جيش يغزو القسطنطينية مغفور له) وأول جيش غزاها كان أميرهم يزيد بن معاوية وكان معه أبو أيوب الأنصارى رضى الله عنه .وقد يشتبه يزيد بن معاوية بعمه يزيد بن أبى سفيان فإن يزيد بن أبى سفيان كان من الصحابة، وكان من خيار الصحابة وهو خير آل حرب، وكان أحد أمراء الشام الذين بعثهم أبو بكر رضى الله عنه فى فتوح الشام ومشى أبو بكر فى ركابه يوصيه مشيعا له فقال له :يا خليفة رسول الله :إما أن تركب وإما أن أنزل .فقال :لست براكب ولست بنازل إنى أحتسب خطاى هذه فى سبيل الله .فلما توفى بعد فتوح الشام فى خلافة عمر ولى عمر رضى الله عنه مكانه أخاه معاوية وولد له يزيد فى خلافة عثمان بن عفان وأقام معاوية بالشام إلى أن وقع ما وقع، فالواجب الاقتصار فى ذلك، والإعراض عن ذكر يزيد بن معاوية وامتحان المسلمين به فإن هذا من البدع المخالفة لأهل السنة والجماعة فإنه بسبب ذلك اعتقد قوم من الجهال أن يزيد بن معاوية من الصحابة وأنه من أكابر الصالحين وأئمة العدل وهو خطأ بين(مجموع الفتاوى،لا بن تيمية، ج۳ص ۴۱۲ الیٰ ۴۱۴، فصل فى وجوب الاقتصاد والاعتدال فى امر الصحابة والقرابة، اعدل الاقوال فى يزيد بن معاوية)

فصل :افترق الناس فى "يزيد "بن معاوية بن أبى سفيان ثلاث فرق :طرفان ووسط.

فأحد الطرفين قالوا :إنه كان كافرا منافقا............والطرف الثانى يظنون أنه كان رجلا صالحا وإمام عدل وأنه كان من "الصحابة "الذين ولدوا على عهد النبى صلى الله عليه وسلم وحمله على يديه وبرك عليه وربما فضله بعضهم على أبى بكر وعمر .وربما جعله بعضهم نبيا......وكلا القولين ظاهر البطلان عند من له أدنى عقل وعلم بالأمور وسير المتقدمين؛ ولهذا لا ينسب إلى أحد من أهل العلم المعروفين بالسنة ولا إلى ذى عقل من العقلاء الذين لهم رأى وخبرة.

والقول الثالث :أنه كان ملكا من ملوك المسلمين له حسنات وسيئات ولم يولد إلا فى خلافة عثمان ولم يكن كافرا؛ ولكن جرى بسببه ما جرى من مصرع "الحسين "وفعل ما فعل بأهل الحرة ولم يكن صاحبا ولا من أولياء الله الصالحين وهذا قول عامة أهل العقل والعلم والسنة والجماعة .ثم افترقوا (ثلاث فرق :فرقة لعنته وفرقة أحبته وفرقة لا تسبه ولا تحبه وهذا هو المنصوص عن الإمام أحمد وعليه المقتصدون من أصحابه وغيرهم من جميع المسلمين......وقال أبو محمد المقدسى لما سئل عن يزيد :فيما بلغنى لا يسب ولا يحب .وبلغنى أيضا أن جدنا أبا عبد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی اس کے لئے وہ ہے، جو اس نے عمل کیا، اور تمہارے لئے وہ ہے، جو تم نے عمل کیا، اور تم سے ان کے کاموں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا (سورہ بقرہ)

نیز قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (سورة البقرة، رقم الآية ٢٨٦)

ترجمہ: اس کے لئے ہے، اس کے عمل کا ثواب، اور اسی پر ہے اس کے برے عمل کا وبال (سورہ بقرہ)

عام مسلمانوں کو اس طرح کی باتوں میں زیادہ بحث مباحثہ کرنا اور اس طرح کی چیزوں میں الجھ کر آپس میں لڑنا جھگڑنا اور دین کی ضروری باتوں سے غفلت اختیار کرنا زیب نہیں دیتا۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

(6)......دس محرم کی چھٹی کے متعلق راہِ اعتدال

سوال: دس محرم کے دن عام چھٹی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جیسا کہ بعض ملکوں میں دس محرم کو عام تعطیل ہوتی ہے؟ اور اس دن لوگ کاروبار نہیں کرتے۔ کیا اس دن کام کاج کرنا منع ہے، اور کیا اس دن کاروبار کرنا رزق میں بے برکتی وغیرہ کا باعث ہے؟

جواب:......دس محرم کی چھٹی کا شریعت کی طرف سے حکم نہیں، شریعتِ مطہرہ میں دس محرم کے دن کاروبار، تجارت وملازمت وغیرہ سے منع نہیں کیا گیا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الله ابن تيمية سئل عن يزيد .فقال :لا تنقص ولا تزد .وهـذا أعدل الأقوال فيه وفى أمثاله وأحسنها أمـا تـرك سبه ولعنته فبناء على أنه لم يثبت فسقه الذى يقتضى لعنه أو بناء على أن الفاسق المعين لا يـلعن بخصوصه إما تحريما وإما تنزيها......وأما ترك محبته فلأن المحبة الخاصة إنما تكون للنبيين والـصـديقين والشهداء والصالحين؛ وليس واحدا منهم(مجموع الفتاوىٰ لابنِ تيمية، ج۴ص ۴۸۱ الیٰ ۴۸۴، ملخصاً، فصل فى افترق الناس فى يزيد بن معاوية ثلاث فرق)

اور بعض لوگ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر دس محرم کے دن کاروبار کیا جائے تو اس پر سارے سال رزق کی تنگی رہتی ہے۔

ایسا عقیدہ رکھنا غلط ہے، کیونکہ شریعت کی طرف سے دس محرم کو کاروبار کرنے کی وجہ سے رزق میں تنگی ہونا ثابت نہیں۔

اوراس کے برخلاف اگراس دن کاروبار سے چھٹی کر کے گناہ میں شرکت کی جائے، تو یہ گناہ بھی ہے اوراس گناہ میں شرکت کرنے سے خطرہ یہ بھی ہے کہ سال بھر انسان کورزق کی تنگی میں مبتلا رہنا پڑے۔

ہاں کسی ضرورت کے تحت کوئی شخص اس دن اتفاقاً اپنی ضرورت کو مقصود سمجھ کر چھٹی کر لے، جیسا کہ عام دنوں میں بھی کسی غرض سے چھٹی کر لی جاتی ہے یا حکومت کی طرف سے امنِ عامہ قائم رکھنے کے لئے عام تعطیل دی جائے یا کوئی اس دن روزہ وعبادت میں مصروف ہونے کی وجہ سے چھٹی کرے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن دس محرم کو کاروبار وغیرہ کو ناجائز یا گناہ سمجھنا یااس دن کاروبار کرنے سے دوسروں کو زور زبردستی منع کرنا درست نہیں، کیونکہ قرآن و سنت میں اس دن چھٹی کرنے یا کاروبار کی ممانعت کا حکم نہیں آیا۔

معاشرہ میں بہت سے غریب ایسے ہیں کہ جن کا روزمرہ کام کاج کئے بغیر گزر بسر نہیں ہوتا، اوراس دن بھی لوگوں کو اپنے روزمرہ کی چیزوں کی خرید وفروخت کی ضرورت وحاجت ہوتی ہے، کاروبار ممنوع وناجائز قرار دینے سے لوگوں کی ضروریات اور حقوقِ انسانی متاثر ہوتے ہیں، اس کے علاوہ بعض لوگ اس دن چھٹی منا کر غیر شرعی کام بھی کرتے ہیں، اس لئے اگر کوئی روزمرہ کی طرح اس دن بھی اپنے معمولات اور ضروریات میں مشغول رہے، تو اس میں گناہ نہیں، اوراس کی آمدنی حلال ہی کہلائے گی۔

اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اگر ہنگامی حالات کے پیشِ نظر حکومتِ وقت امنِ عامہ قائم کرنے کے لئے عام چھٹی کو نیک نیتی کے ساتھ ضروری سمجھے اوراسی طرح کوئی ادارہ فتنہ وفساد کے

خطرے کے پیشِ نظر چھٹی کی ضرورت محسوس کرے تو اس اعتبار سے چھٹی ایک انتظامی چیز ہے اور اس کو شرعی چیز یا شرعی حکم سمجھنے کے بجائے انتظامی چیز سمجھتے ہوئے عمل کرنے میں حرج نہیں۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

(7،8)......امام حسین اور علیہ السلام کے متعلق راہِ اعتدال

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام کے شروع میں امام نہیں لگانا چاہئے کیونکہ اس سے بعض لوگ یہ معنیٰ مراد لیتے ہیں کہ امام گناہوں سے معصوم ہوتا ہے اور وہ نبی کے برابر مقام رکھتا ہے، بلکہ نبی سے بھی اونچا مقام اس کو حاصل ہوتا ہے کہ وہ عالم الغیب ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ، اس سلسلہ میں راہِ اعتدال کیا ہے؟ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کی جگہ علیہ السلام کہنے سے بھی غلط عقیدے کی تائید ہوتی ہے کیونکہ یہ جملہ تو نبیوں کے نام کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں راہِ اعتدال کیا ہے؟

جواب:......حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ امام لگانا اگر پیشوا، دین کے مقتداء، اور رہبر ہونے کے اعتبار سے ہو تو جائز ہے، اور اہلُ السنۃ والجماعۃ اسی معنٰی کے اعتبار سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ امام لگاتے ہیں، لہٰذا فی نفسہٖ اس معنٰی کے اعتبار سے امام کہنا جائز ہے۔

اور اگر کوئی غلط عقیدہ کے ساتھ کہے تو گناہ ہوگا، اسی وجہ سے کسی جگہ امام کہنے سے کسی غلط عقیدہ کی تائید ہوتی ہو، تو پھر اس لفظ سے پرہیز کرنا مناسب ہے اور اس کی جگہ ادب واحترام کا دوسرا لفظ کہنا مناسب ہے، مثلاً حضرت حسین رضی اللہ عنہ یا سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ، جیسا کہ دوسرے جلیلُ القدر صحابہ کرام کے نام کے ساتھ بھی اس طرح کے الفاظ

استعمال کئے جاتے ہیں (ملاحظہ ہو: خیر الفتاویٰ ج اص ۱۴۰، وفتاویٰ محمودیہ مبوب، ج ۱۹ص ۱۴۶، بتغیر)

اور علیہ السلام ایک دعائیہ کلمہ ہے جس کے معنیٰ ہیں ان پر سلامتی ہو۔

لغت کے اعتبار سے اس کا استعمال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی فی نفسہٖ درست ہے، لیکن آج کل عام بول چال میں اس لفظ کا استعمال زیادہ تر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوتا ہے اور صحابہ کے نام کے ساتھ عام طور پر ''رضی اللہ عنہ'' کا دعائیہ کلمہ لگایا جاتا ہے اور اس سے سننے والے کا ذہن صحابہ کی طرف منتقل ہوتا ہے اور دوسرے صحابہ کے نام کے ساتھ علیہ السلام نہیں لگایا جاتا، اس لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ بھی علیہ السلام کے بجائے رضی اللہ عنہ کا استعمال مناسب ہے، تاکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا تصور عام لوگوں کے ذہنوں میں قائم رہے اور عقیدہ میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو۔

تفسیر معارف القرآن میں ہے:

''امام جوینی نے فرمایا کہ جو حکم لفظ صلوٰۃ کا ہے وہی لفظ سلام کا بھی ہے کہ غیر نبی کے لئے اس کا استعمال درست نہیں، بجز اس کے کہ کسی کو خطاب کرنے کے وقت بطور تحیہ کے السلام علیکم کہے، یہ جائز و مسنون ہے، مگر کسی غائب کے نام کے ساتھ ''علیہ السلام'' کہنا اور لکھنا غیر نبی کے لئے درست نہیں (خصائص کبریٰ سیوطی ج ۲ص ۲۶۲)

علامہ لقانی نے فرمایا کہ قاضی عیاض نے فرمایا ہے کہ محققین علمائے امت اس طرف گئے ہیں اور میرے نزدیک بھی یہی صحیح ہے، اور اسی کو امام مالک، سفیان اور بہت سے فقہاء و متکلمین نے اختیار کیا ہے کہ صلوٰۃ و تسلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کے لئے مخصوص ہے غیر نبی کے لئے جائز نہیں۔ [1]

---

[1] وأما السلام فنقل اللقانی فی شرح جوهرة التوحيد عن الإمام الجوينی أنه فی معنى الصلاة، فلا يستعمل فی الغائب ولا يفرد به غير الأنبياء فلا يقال علی – عليه السلام – وسواء فی هذا الأحياء والأموات إلا فی الحاضر فيقال السلام أو سلام عليك أو عليكم وهذا مجمع عليه اهـ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جیسے لفظ سبحانہٗ اور تعالٰی، اللہ جل شانہٗ کے لئے مخصوص ہے، انبیاء کے سوا عام مسلمانوں کے لئے مغفرت اور رضا کی دعاء ہونا چاہئے جیسے قرآن میں حضراتِ صحابہ کے متعلق آیا رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ (روح المعانی)

صلوٰۃ وسلام کے احکام کی مفصل بحث احقر کے رسالہ تنقیح الکلام فی احکام الصلوٰۃ والسلام میں ہے جو بزبانِ عربی ''احکام القرآن'' سورۂ احزاب کا جزء ہو کر شائع ہو چکا ہے (معارف القرآن ج ۷ ص ۲۲۶)

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

(9)......عبدُ العلی، علی بخش، حسین بخش، وغیرہ نام رکھنے میں راہِ اعتدال

سوال: بعض لوگ اپنے بچوں کے نام علی بخش، حسین بخش، امام بخش، عبد العلی، یا اس طرح کے دوسرے نام رکھتے ہیں، ایسے نام رکھنا شرعاً کیسا ہے؟

نیز عام طور پر علی، حسن، حسین، جعفر وغیرہ نام تو رکھ لئے جاتے ہیں، لیکن ان کے مقابلہ میں دوسرے صحابہ کے نام نہیں رکھے جاتے۔ اس بارے میں بھی راہِ اعتدال کی وضاحت مطلوب ہے؟

جواب:......نام رکھنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ ایسا نام منتخب کریں، جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات وارشادات کے زیادہ سے زیادہ مطابق ہو۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

أقول: ومن الحاضر السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، والظاهر أن العلة فى منع السلام ما قاله النووى فى علة منع الصلاة أن ذلك شعار أهل البدع، ولأن ذلك مخصوص فى لسان السلف بالأنبياء – عليهم الصلاة والسلام – (......وبعداسطر......) وأيضا فهو أمر لم يكن معروفا فى الصدر الأول، وإنما أحدثه الرافضة فى بعض الأئمة والتشبه بأهل البدع منهى عنه فتجب مخالفتهم اهـ.

أقول: وكراهة التشبه بأهل البدع مقررة عندنا أيضا لكن لا مطلقا بل فى المذموم وفيما قصد به التشبه بهم (ردالمحتار، ج٦ ص٧٥٣، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتى)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ -صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ - إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَائِکُمْ إِلَی اللّٰہِ عَبْدُ اللّٰہِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ(مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک تمہارے ناموں میں زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُغَیِّرُ الِاسْمَ الْقَبِیْحَ(ترمذی) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم برے ناموں کو تبدیل کردیا کرتے تھے (ترمذی)

حضرت محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَانَ اسْمُہُ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ : عَبْدَ الْکَعْبَۃِ ، فَسَمَّاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :عَبْدَ الرَّحْمٰنِ (المعجم الکبیر للطبرانی) [3]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نام زمانۂ جاہلیت میں عبدالکعبہ (کعبہ کا بندہ) تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا (طبرانی)

انسان چونکہ صرف اللہ تعالیٰ کا عبد اور بندہ ہے، اس لئے عبد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کئے گئے ناموں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرمادیا۔

---

[1] رقم الحدیث ۲۱۳۲ ”۲“، کتاب الآداب، باب النھی عن التکنی بأبی القاسم وبیان ما یستحب من الأسماء.

[2] رقم الحدیث ۲۸۳۹، ابواب الادب، باب ما جاء فی تغییر الأسماء.

[3] رقم الحدیث ۲۵۳، ج ۱ ص ۱۲۶، مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۵۳۳۵، معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم، رقم الحدیث ۴۵۵.

قال الذھبی فی التلخیص :علی شرط البخاری ومسلم.

وقال الھیثمی:رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۱۴۸۸۳، ج۹ ص ۱۵۵)

اور حضرت ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ سے روایت ہے کہ:

كَانَ اسْمُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِىْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ فِى الْجَاهِلِيَّةِ عَبْدَ الْعُزَّى، فَسَمَّاهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق کا نام جاہلیت کے زمانہ میں عبدُ العزیٰ تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدُ الرحمٰن رکھا (حاکم)

زمانۂ جاہلیت میں عزیٰ بت کا نام تھا، اور عبدالعزیٰ نام میں شرک کے معنیٰ پائے جاتے تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تبدیل فرما کر توحید اور وحدانیت کے معنیٰ والا نام تجویز فرمایا۔

حضرت ہانی بن شریح فرماتے ہیں کہ:

وَفَدَ النَّبِىُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ قَوْمِهٖ فَسَمِعَهُمْ يُسَمُّوْنَ رَجُلًا عَبْدَ الْحَجَرِ ، فَقَالَ لَهٗ :مَا اسْمُکَ ؟ قَالَ :عَبْدُ الْحَجَرِ ، فَقَالَ لَهٗ :رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّمَا أَنْتَ عَبْدُ اللّٰهِ (مُصنف ابن أبی شيبة) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وفد حضرت ہانی کی قوم میں تشریف لایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ ان لوگوں نے ایک آدمی کا نام عبدالحجر (یعنی پتھر کا بندہ) رکھا ہوا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے معلوم کیا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ تو اس نے کہا کہ عبدالحجر، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ تم عبداللہ ہو (ابن ابی شیبہ)

---

[1] رقم الحديث ۵۹۹۹، كتاب معرفة الصحابة رضى الله عنهم ،ذكر مناقب عبد الرحمن بن أبى بكر الصديق رضى الله عنهما.

[2] رقم الحديث ۲۶۴۲۱، كتاب الادب، باب فِى تغيِيرِ الأسماء، الادب المفرد للبخارى، رقم الحديث ۸۳۹.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ -صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ - لَا یَقُوْلَنَّ أَحَدُکُمْ عَبْدِیْ. فَکُلُّکُمْ عَبِیْدُ اللّٰہِ وَلٰکِنْ لِیَقُلْ فَتَایَ .وَلَا یَقُلِ الْعَبْدُ رَبِّیْ .وَلٰکِنْ لِیَقُلْ سَیِّدِیْ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہرگز بھی کوئی دوسرے کو یہ نہ کہے کہ اے میرے بندے، کیونکہ تم سب اللہ کے بندے ہو، لیکن یہ کہے کہ اے میرے نوجوان (یا ایسا ہی کوئی اور لفظ کہے) اور نہ ہی غلام اپنے آقا کو اپنا رب کہے، بلکہ یہ کہے کہ اے میرے سردار (مسلم)

اور ایک روایت کے آخر میں یہ ہے کہ:

وَالرَّبُّ اَللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ (مسند احمد، رقم الحدیث ۹۴۵۱) [2]

ترجمہ: اور رب تو اللہ عزوجل ہے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ تمام انسان اللہ تعالیٰ کے عبد اور بندے ہیں، اس لئے عبد کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف زیبا ہے، کسی اور کی طرف یہ نسبت درست نہیں۔

اسی طرح حقیقی رب بھی اللہ ہی ہے، اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف رب کی نسبت زیبا نہیں۔ [3]

---

[1] رقم الحدیث ۲۲۴۹ ''۱۴'' کتاب الالفاظ من الادب، باب حکم إطلاق لفظة العبد والأمة والمولى والسيد.

[2] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

[3] (وعن أبي هريرة – رضي الله عنه – قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لا يقولن أحدكم عبدي ") أي: يا عبدي أو عبدي فلان؛ دفعا لتوهم الشركة في العبودية أو في حقيقة العبدية ....(ولا يقل العبد: ربي) أي: بالنداء أو الإخبار؛ لأن الإنسان مربوب متعبد بإخلاص التوحيد، فكره المضاهاة بالاسم لئلا يدخل في معنى الشرك إذ العبد والحر فيه بمنزلة واحدة.(ولكن ليقل: سيدي) ؛ لأن مرجع السيادة إلى معنى الرياسة وحسن التدبير في المعيشة، ولذلك يسمى الزوج سيدا (مرقاة المفاتيح، ج۷ص ۳۰۰۰، ۳۰۰۱، ملخصاً، کتاب الآداب، باب الآسامي)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بچوں کے نام ایسے رکھنا چاہئیں جو معنٰی کے اعتبار سے اچھے ہوں، ان میں شرک اور تکبر وغیرہ کا شبہ نہ ہو اور کوئی غلط معنٰی یا نسبت نہ پائی جاتی ہو۔

رسول بخش، علی بخش، حسین بخش، امام بخش، پیر بخش اور قلندر بخش وغیرہ نام رکھنے سے پرہیز کرنا مناسب ہے، کیونکہ کسی کو بخشنا اور مغفرت کرنا، اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

البتہ اللہ بخش وغیرہ نام رکھنے میں حرج نہیں، کیونکہ جس طرح عبادت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اسی طرح کسی کو بخشنا اور معاف کرنا، پیدا کرنا زندہ کرنا، مارنا، مشکلات پریشانیوں اور مصائب کا کھولنا اور حل کرنا، یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص اور اس کی صفات ہیں ان صفات کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا مناسب نہیں۔

عبدُ العلی کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ لفظِ علی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے (جیسا کہ قرآن مجید میں اَلْعَلِیُّ الْعَظِیْم وغیرہ آیا ہے) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام بھی ہے اگر کسی کی مراد عبد العلی میں اللہ کا بندہ ہو تو جائز ہے اور اگر حضرت علی کا بندہ مراد ہو تو منع ہے۔ اور آج کل کم

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

قال العلماء مقصود الأحاديث شيئان أحدهما نهى المملوک أن يقول لسيده ربى لأن الربوبية إنما حقيقتها لله تعالى لأن الرب هو المالک أو القائم بالشء ولا يوجد حقيقة هذا إلا فى الله تعالى فإن قيل فقد قال النبى صلى الله عليه وسلم فى أشراط الساعة أن تلد الأمة ربتها أو ربها فالجواب من وجهين أحدهما أن الحديث الثانى لبيان الجواز وأن النهى فى الأول للأدب وكراهة التنزيه لا للتحريم والثانى أن المراد النهى عن الإكثار من استعمال هذه اللفظة واتخاذها عادة شائعة ولم ينه عن إطلاقها فى نادر من الأحوال واختار القاضى هذا الجواب ....الثانى يكره للسيد أن يقول لمملوكه عبدى وأمتى بل يقول غلامى وجاريتى وفتاى وفتاتى لأن حقيقة العبودية إنما يستحقها الله تعالى ولأن فيها تعظيما بما لا يليق بالمخلوق استعماله لنفسه وقد بين النبى صلى الله عليه وسلم العلة فى ذلک فقال كلكم عبيد الله فنهى عن التطاول فى اللفظ كما نهى عن التطاول فى الأفعال وفى إسبال الإزار وغيره وأما غلامى وجاريتى وفتاى وفتاتى فليست دالة على الملک كدلالة عبدى مع أنها تطلق على الحر والمملوک وإنما هى للاختصاص قال الله تعالى وإذ قال موسى لفتاه وقال لفتيانه وقال لفتيته قالوا سمعنا فتى يذكرهم وأما استعمال الجارية فى الحرة الصغيرة فمشهور معروف فى الجاهلية والإسلام والظاهر أن المراد بالنهى من استعمله على جهة التعاظم والارتفاع لا للوصف والتعريف والله أعلم(شرح النووى علىٰ مسلم، ج۵ ا ص ۶،۷، ملخصاً، كتاب الالفاظ من الادب وغيرها، باب حكم اطلاق لفظة العبدوالامة والمولىٰ والسيد)

علمی کے دور میں ظاہر ہے کہ ایسے مشتبہ ناموں کے رکھنے سے پرہیز ہی بہتر ہے۔ [1]

اورمحمد علی، محمد حسین، محمد حسن، محمد جعفر وغیرہ نام رکھنا بلاشبہ جائز ہے، لیکن ساتھ ہی اس کا خیال رکھا جائے کہ دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموں کو بھی رواج دیا جائے اور ان کے نام بھی رکھے جائیں۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

---

[1] عبد کا لفظ مشترک ہے اس کے معنٰی عابد (عبادت کرنے والا) کے بھی آتے ہیں اور خادم وغلام کے بھی، جب اس کی نسبت غیر اللہ کی طرف ہوتی ہے تو غلام اور خادم کے معنٰی ہوتے ہیں، لیکن نام اور تسمیہ کے موقعہ اور محل پر عموماً یہ لفظ عبادت کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے اس لئے اشتباہ کی وجہ سے ایسا نام رکھنا مناسب نہیں۔

ولا يجوز نحو عبد الحارث ولا عبد النبی، ولا عبرة بما شاع فيما بين الناس (مرقاة المفاتيح، ج۷ص۲۹۹۷، کتاب الآداب، باب الآسامی)

فقال أبو محمد بن حزم اتفقوا على تحريم كل اسم معبد لغير الله كعبد العزى وعبد هبل وعبد عمرو وعبد الكعبة وما أشبه ذلك حاشا عبد المطلب انتهى فلا تحل التسمية ب عبد على ولا عبد الحسين ولا عبد الكعبة وقد روى ابن أبی شيبة حديث يزيد بن المقدام بن شريح عن المقدام بن شريح عن أبيه عن جده هانیء بن يزيد قال وفد على النبی صلى الله عليه وسلم قوم فسمعهم يسمون عبد الحجر فقال له ما اسمک فقال عبد الحجر فقال له رسول صلى الله عليه وسلم إنما أنت عبد الله فإن قيل كيف يتفقون على تحريم الاسم المعبد لغير الله وقد صح عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال تعس عبد الدينار تعس عبد الدرهم تعس عبد الخميصة تعس عبد القطيفة وصح أنه قال(أنا النبی لا كذب ...أنا ابن عبد المطلب)ودخل عليه رجل وهو جالس بين أصحابه فقال أيكم ابن عبد المطلب فقالوا هذا وأشاروا إليه فالجواب أما قوله تعس عبد النار فلم يرد به الاسم وإنما أراد به الوصف والدعاء على من يعبد قلبه الدينار والدرهم فرضی بعبوديتها عن عبودية ربه تعالى وذكر الأثمان والملابس وهما جمال الباطن والظاهر.

أما قوله أنا ابن عبد المطلب فهذا ليس من باب إنشاء التسمية بذلک وإنما هو باب الإخبار بالاسم الذی عرف به المسمی دون غيره والأخبار بمثل ذلک على وجه تعريف المسمی لا يحرم ولا وجه لتخصيص أبی محمد بن حزم ذلک بعبد المطلب خاصة فقد كان الصحابة يسمون بنی عبد شمس وبنی عبد الدار بأسمائهم ولا ينكر عليهم النبی صلى الله عليه وسلم فباب الإخبار أوسع من باب الإنشاء فيجوز ما لا يجوز فی الإنشاء (تحفة المودود باحكام المولود لابن القيم الجوزية، ص۱۱۳، ۱۱۴،الباب الثامن فی ذكر تسميته وأحكامها ووقتها ،الفصل الثانی فيما يستحب من الأسماء وما يكره منها)

(10)......حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق راہِ اعتدال

سوال: بعض لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جس کا مولا ہوں، حضرت علی اس کے مولا ہیں۔

اور مولا ہونے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسا عقیدہ رکھتے اور برتاؤ کرتے ہیں کہ جو برتاؤ کسی مخلوق کے ساتھ مناسب نہیں، مثلاً یا علی، یا حسن، یا حسین، کہنا اور پریشانی، مصیبت اور بیماری وغیرہ کے موقع پر ان کو پکارنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ دور قریب سے یہ ہماری آوازوں کو سنتے ہیں اور ہمارے حالات کی خبر رکھتے ہیں اور ہماری مُرادوں کو پورا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کُشا بھی کہتے ہیں، جبکہ دیگر صحابۂ کرام کے ساتھ اس طرح کے الفاظ استعمال نہیں کیے جاتے۔

اس سلسلہ میں راہِ اعتدال کیا ہے؟

جواب:......حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ:مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ وَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ:أَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوسَی، إِلَّا أَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ، وَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ: لَأُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ الْیَوْمَ رَجُلًا یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ(سنن ابن ماجہ) [1]

ترجمہ: میں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس کا میں مولا (یعنی مدد ونصرت کرنے والا) ہوں، تو علی اس کے مولا ہیں، اور میں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق) یہ بھی سنا کہ

---

[1] رقم الحدیث ۱۲۱، ابواب السنۃ، باب فی فضائل أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،فضل علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ.

قال شعیب الارنؤوط:

حدیث صحیح (حاشیۃ ابن ماجہ)

تمہارا مرتبہ میرے ساتھ ایسا ہے، جیسے حضرت ہارون کا موسیٰ کے ساتھ، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور میں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق) یہ فرماتے ہوئے بھی سنا کہ میں آج جھنڈا ایسے آدمی کو دوں گا، کہ جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے (ابن ماجہ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ:

أَنَا مَوْلَاهُ، اللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ، اللّٰهُمَّ عَادِ مَنْ عَادَاهُ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: میں علی کا مولا (محبت ونصرت کرنے والا) ہوں، اے اللہ! جو اس سے محبت رکھے، آپ اس سے محبت رکھیے، اور جو اس سے عداوت رکھے، آپ اس سے عداوت رکھیے (ابن ماجہ)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث ثابت ہے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مولا ہونے کا مطلب دوست اور محبت کرنے والا اور مدد کرنے والا اور تابعداری اختیار کرنے والا ہے۔ [2]

تو جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کا مولا کہنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا، اللہ کے برابر

---

[1] رقم الحديث ١١٦، ابواب السنة، باب في فضائل أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ،فضل على بن أبى طالب رضى الله عنه.
قال شعيب الارنؤوط:
صحيح لغيره (حاشية ابن ماجه)

[2] (وعن زيد بن أرقم) ذكره تقدم (أن النبى صلى الله عليه وسلم -قال " :من كنت مولاه فعلي مولاه ") . قيل، معناه :من كنت أتولاه فعلي يتولاه من الولى ضد العدو أى :من كنت أحبه فعلي يحبه، وقيل معناه :من يتولاني فعلي يتولاه، كذا ذكره شارح من علمائنا .وفي النهاية :المولى يقع على جماعة كثيرة فهو الرب والمالك والسيد والمنعم والمعتق والناصر والمحب والتابع والخال وابن العم والحليف والعقيد والصهر والعبد والمعتق والمنعم عليه، وأكثرها قد جاء ت في الحديث فيضاف كل واحد إلى ما يقتضيه.
الحديث الوارد فيه، وقوله " :من كنت مولاه ."يحمل على أكثر هذه الأسماء المذكورة (مرقاة، ج٩، ص٣٩٣٧، كتاب المناقب والفضائل،باب مناقب على بن أبى طالب رضى الله عنه)

ہونا لازم نہیں آتا، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہ لازم نہیں آتا۔

لہٰذا اس حدیث سے غلط معنیٰ اخذ کرنا درست نہیں۔

پھر اسی کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل کے بارے میں بھی کئی احادیث مروی ہیں، لہٰذا اِن حضرات کے متعلق بھی غلط عقیدہ رکھنا منع ہے، اوران کا ادب واحترام بھی ضروری ہے۔ [1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِقْتَدُوْا بِاللَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ أَبِیْ بَکْرٍ، وَعُمَرَ (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد تم ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء وپیروی کرنا (ترمذی)

اس طرح کی حدیث تھوڑے بہت اضافہ کے ساتھ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [3]

---

[1] عن جابر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " يطلع عليكم من تحت هذا الصور رجل من أهل الجنة "، قال: فطلع عليهم أبو بكر، فهنأناه بما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم لبث هنيهة، ثم قال: " يطلع عليكم من تحت هذا الصور رجل من أهل الجنة "، قال: فطلع عمر، قال: فهنأناه بما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: ثم قال: " يطلع عليكم من تحت هذا الصور رجل من أهل الجنة، اللهم إن شئت جعلته عليا "ثلاث مرات، فطلع على(مسند أحمد، رقم الحديث ۱۴۸۳۸)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده محتمل للتحسين (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ۳۶۶۲، باب بعد باب مناقب أبى بكر الصديق رضى الله عنه من ابواب المناقب، مسنداحمد، رقم الحديث ۲۳۳۸۶.

قال الترمذى: هذا حديث حسن.

وقال شعيب الارنؤوط: حديث حسن بطرقه وشواهده (حاشية مسند احمد)

[3] عن ابن مسعود، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقتدوا باللذين من بعدى من أصحابى أبى بكر وعمر، واهتدوا بهدى عمار، وتمسكوا بعهد ابن مسعود (سنن الترمذى، رقم الحديث ۳۸۰۵)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَعَثَهُ عَلٰى جَيْشِ ذَاتِ السُّلَاسِلِ، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: عَائِشَةُ، فَقُلْتُ: مِنَ الرِّجَالِ؟ فَقَالَ: أَبُوهَا، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَعَدَّ رِجَالًا (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذاتِ سلاسل لشکر میں عمرو بن عاص کو بھیجا، عمرو کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس میں نے عرض کیا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ، میں نے عرض کیا کہ مرد حضرات میں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ کے والد (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) میں نے عرض کیا کہ پھر کون؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر بن خطاب، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اور آدمیوں کے نام لیے (بخاری)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ حَائِطًا وَأَمَرَنِي بِحِفْظِ الْبَابِ، فَجَاءَ رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ، فَقَالَ: ائْذَنْ لَهُ، وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ، فَإِذَا أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ، فَقَالَ: ائْذَنْ لَهُ، وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ، ثُمَّ جَاءَ عُثْمَانُ، فَقَالَ:

﴿ گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال الترمذی: هذا حديث غريب من هذا الوجه من حديث ابن مسعود لا نعرفه إلا من حديث يحيى بن سلمة بن كهيل "ويحيى بن سلمة يضعف فى الحديث وأبو الزعراء اسمه: عبد الله بن هانء وأبو الزعراء الذى روى عنه شعبة والثورى وابن عيينة اسمه: عمرو بن عمرو وهو ابن أخى أبى الأحوص صاحب عبد الله بن مسعود "

[1] رقم الحديث ٣٦٦٢، كتاب اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم: لو كنت متخذا خليلا.

اِئْذَنْ لَهُ، وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں داخل ہوئے اور مجھے دروازہ کی نگرانی کا حکم دیا، تو ایک آدمی آیا اور اس نے داخل ہونے کی اجازت چاہی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو اندر آنے دو اور ان کو جنت کی خوشخبری سنادو، وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو اندر آنے دو اور ان کو جنت کی خوشخبری سنادو، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو اندر آنے دو اور ان کو جنت کی خوشخبری سنادو (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَعِدَ أُحُدًا، وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ فَرَجَفَ بِهِمْ، فَقَالَ :اثْبُتْ أُحُدُ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ، وَصِدِّيقٌ، وَشَهِيدَانِ (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم احد پہاڑ پر چڑھے، پس احد پہاڑ حرکت کرنے لگا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُحد پہاڑ! تم ٹھہر جاؤ، پس آپ کے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں (بخاری)

اس طرح کی حدیث حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ٧٢٦٢، كتاب اخبار الآحاد، باب قول الله تعالى: لا تدخلوا بيوت النبى إلا أن يؤذن لكم.

[2] رقم الحديث ٣٦٧٥، كتاب اصحاب النبى ﷺ، باب قول النبى ﷺ لو كنت متخذا خليلا.

[3] عن سهل بن سعد: ارتج أحد وعليه النبى صلى الله عليه وسلم وأبو بكر وعمر وعثمان، فقال النبى صلى الله عليه وسلم: " اثبت أحد ما عليك إلا نبى وصديق وشهيدان "(مسند احمد، رقم الحديث ٢٢٨١١)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی سند سے اس طرح کا واقعہ حراء پہاڑ کے بارے میں بھی مروی ہے۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ عَلٰى حِرَاءٍ هُوَ وَأَبُوْ بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وَعَلِيٌّ، وَطَلْحَةُ، وَالزُّبَيْرُ، فَتَحَرَّكَتِ الصَّخْرَةُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِهْدَأْ فَمَا عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ، أَوْ صِدِّيْقٌ، أَوْ شَهِيْدٌ (مسلم) [2]

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی، اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم حراء پہاڑ پر تھے، کہ چٹان حرکت کرنے لگی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھہر جا، تیرے اوپر سوائے نبی یا صدیق یا شہید کے اور کوئی نہیں ہے (مسلم)

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِرَاءَ، فَقَالَ: اُثْبُتْ حِرَاءَ فَإِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ أَوْ صِدِّيْقٌ أَوْ شَهِيْدٌ. قِيْلَ: وَمَنْ هُمْ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبُوْ بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وَعَلِيٌّ، وَطَلْحَةُ، وَالزُّبَيْرُ، وَسَعْدٌ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ. قِيْلَ فَمَنِ

---

[1] حدثنا عبد الله بن بريدة، عن أبيه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان جالسا على حراء ومعه أبو بكر، وعمر، وعثمان فتحرك الجبل، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " اثبت حراء؛ فإنه ليس عليك إلا نبي أو صديق أو شهيد "(مسند احمد، رقم الحديث ٢٢٩٣٦)

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده قوی(حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ٢٤١٧ "٥٠"، كتاب فضائل الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم، باب من فضائل طلحة، والزبير رضى الله عنهما.

الْعَاشِرُ؟ قَالَ: أَنَا (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حراء پہاڑ پر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حراء رک جا، تجھ پر نبی، صدیق، شہید کے علاوہ کوئی نہیں، عرض کیا گیا کہ وہ کون حضرات ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر، اور عمر، اور عثمان، اور علی، اور طلحہ، اور زبیر، اور سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف، (حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے) عرض کیا گیا کہ دسواں کون تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں (ترمذی)

اس طرح کی مختلف روایات ہیں، جن کے پیشِ نظر محدثین نے فرمایا کہ یہ واقعات مختلف اوقات میں پیش آئے، اس لئے ہر واقعہ کے وقت کی مناسبت سے اس کا ذکر آ گیا ہے۔ [2]

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا نُخَيِّرُ بَيْنَ النَّاسِ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنُخَيِّرُ أَبَا بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، ثُمَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ (بخاری) [3]

---

[1] رقم الحديث ٣٧٥٧، ابواب المناقب، باب مناقب أبي الأعور، واسمه سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل رضى الله عنه.

قال الترمذى:

هذا حديث حسن صحيح وقد روى من غير وجه عن سعيد بن زيد عن النبى صلى الله عليه وسلم :حدثنا أحمد بن منيع قال: حدثنا الحجاج بن محمد قال: حدثنى شعبة، عن الحر بن الصياح، عن عبد الرحمن بن الأخنس، عن سعيد بن زيد، عن النبى صلى الله عليه وسلم نحوه بمعناه .هذا حديث حسن.

[2] وفى رواية سعد بن أبى وقاص، ولم يذكر عليا .خرجهما مسلم وخرجه الترمذى ولم يذكر سعدا وقال :اهدأ مكان اسكن، وقال :حديث صحيح .وخرجه الترمذى أيضا عن سعيد بن زيد، وذكر أنه كان عليه العشرة إلا أبا عبيدة، وقال " :اثبت حراء "الحديث .فاختلاف الروايات محمول على تعدد القضية فى الأوقات، وإثبات الشهادة لبعضهم حقيقة، وللباقين حكما والله أعلم (مرقاة المفاتيح، ج٩ص٣٩٢٨، باب مناقب هؤلاء الثلاثة رضى الله عنهم، الفصل الاول)

[3] رقم الحديث ٣٦٥٥، كتاب اصحاب النبى ﷺ، باب فضل أبى بكر بعد النبى ﷺ.

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کے درمیان ترجیح دیا کرتے تھے، تو ہم سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو (دوسروں پر) ترجیح دیتے، پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو (دوسروں پر) ترجیح دیتے، پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو (دوسروں پر) ترجیح دیتے تھے (بخاری)

حضرت ابوجحیفہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ عَلِيًّا، يَقُوْلُ:أَلا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا؟ أَبُوْ بَكْرٍ ثُمَّ قَالَ:أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ أَبِيْ بَكْرٍ، عُمَرُ (مسند احمد، رقم الحديث ۸۳۳) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کیا میں تمہیں اس امت کے نبی کے بعد بہترین شخص کی خبر نہ دے دوں، جو کہ حضرت ابوبکر ہیں، پھر فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس امت کے ابوبکر کے بعد بہترین شخص کی خبر نہ دے دوں، جو کہ عمر ہیں (مسند احمد)

امام ابوبکر آجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

يُقَالُ:مَنْ أَحَبَّ أَبَا بَكْرٍ فَقَدْ أَقَامَ الدِّيْنَ،وَمَنْ أَحَبَّ عُمَرَ،فَقَدْ أَوْضَحَ السَّبِيْلَ،وَمَنْ أَحَبَّ عُثْمَانَ فَقَدِ اسْتَنَارَ بِنُوْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ،وَمَنْ أَحَبَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ،فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ،وَمَنْ قَالَ الْحُسْنٰى فِيْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ بَرِءَ مِنَ النِّفَاقِ (الشريعة للآجری) [2]

ترجمہ: یہ کہا جاتا ہے کہ جس نے حضرت ابوبکر سے محبت کی، تو اس نے دین کو قائم کیا، اور جس نے حضرت عمر سے محبت کی، تو اس نے راستے کی وضاحت کی، اور

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:إسناده حسن(حاشية مسند احمد)

[2] ج۴، ص۱۶۳۸ ، باب ذكر ما مدح الله عز وجل به المهاجرين والأنصار فی كتابه الخ.

جس نے حضرت عثمان سے محبت کی، تو وہ اللہ عزوجل کے نور سے منور ہوگیا، اور جس نے حضرت علی بن ابی طالب سے محبت کی، تو اس نے مضبوط حلقہ کو پکڑ لیا، اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کے بارے میں اچھی بات کہی، تو وہ نفاق سے بریٔ ہوگیا (الشریعہ)

اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تحقیر کی اجازت نہیں۔

سوال میں جس عقیدے اور نظریے کے ساتھ یا علی یا حسین وغیرہ کہنے کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس عقیدے اور نظریے کے ساتھ کہنا تو منع ہے، جس طرح دوسرے صحابۂ کرام کے ساتھ بھی منع ہے، کسی کو ''یا'' کے ساتھ اس عقیدے کے ساتھ پکارنا کہ وہ ہر جگہ سے ہماری پکار اور آواز کو سنتا ہے اور ہماری حاجات اور ضروریات پوری کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور ہمارے حالات کی اس کو خبر رہتی ہے، یہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے لئے جائز نہیں۔

اسی طرح اللہ کے علاوہ کسی اور کو بطور دعا اور بطورِ تسبیح اور ذکر کے پکارنا بھی درست نہیں، کیونکہ یہ عبادت کے زمرے میں آتا ہے اور عبادت صرف اللہ جلَّ شانہٗ کا حق ہے۔

چنانچہ سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ (سورۃ آلِ عمران، رقم الآیۃ ۲۶)

ترجمہ: کہہ دیجیے، اے اللہ! سارے ملک اور ساری کائنات کے مالک! تُو جس کو چاہے حکومت وبادشاہت دے اور جس سے چاہے چھین لے (سورہ آلِ عمران)

سورہ فاطر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فَلَا مُمْسِکَ لَھَا وَمَا یُمْسِکْ فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ (سورۃ فاطر، رقم الآیۃ ۲)

ترجمہ: اللہ آدمیوں کے لئے جس رحمت کا دروازہ کھولے (اور جو نعمت کسی کو دینا چاہے) کوئی نہیں ہے، اسے روک سکنے والا، اور جو وہ روکے (اور نہ دینا چاہے) تو کوئی نہیں ہے، اس کے بعد اس کو (دے سکنے اور) جاری کرنے والا (سورہ فاطر)

سورہ جن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا (سورة الجن، رقم الآية ١٨)

ترجمہ: پس تم اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو (سورہ جن)

اور اس کے ایک آیت بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوْ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهٖ أَحَدًا. قُلْ إِنِّيْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا. قُلْ إِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا (سورة الجن، رقم الآيات ٢٠ الىٰ ٢٢)

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ بس میں اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا، کہہ دیجئے کہ مجھے تمہارے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں، کہہ دیجئے کہ مجھے ہرگز کوئی اللہ سے بچا نہیں سکتا اور میں ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ بھی نہیں پا سکتا (سورہ جن)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سوال میں ذکر شدہ طریقے اور عقیدے کے ساتھ غیر اللہ کو اس طرح پکارنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

اور مشکل کشا فارسی کا لفظ ہے، جس کے معنیٰ اگرچہ عام ہیں، لیکن یہ عربی کے ''حلالُ المعاقد'' یا ''حلال المعضلات'' کے ترجمہ کے طور پر بولا جاتا ہے، جس کے معنیٰ ہیں ''علمی مشکل امور کھولنے والا اور مشکل مقدمات اور معاملات حل کرنے والا''

چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے بڑے مشکل مسائل بتلانے اور مشکل مقدمات اور معاملات آسانی سے حل کرنے میں مہارت رکھتے تھے، اس لئے بعض حضرات کی تحریرات

میں اس معنٰی کے اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے مشکل کشا کا لفظ ملتا ہے۔
اس سے مراد خدائی صفت یعنی تکوینی (انسانی اختیار سے باہر) مصیبتوں اور تکلیفوں کو دور کرنا نہیں۔
اور آج کل ان کی محبت وعقیدت میں غلو کرنے والے بعض لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ ہر مشکل کو خواہ کسی زمانے میں اور کسی جگہ پیش آئے، تو اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ حل کرتے ہیں۔
اس طرح کا عقیدہ کسی غیر اللہ کے ساتھ رکھنے سے ہر مسلمان کو پرہیز کرنا چاہیئے (فتاویٰ محمودیہ، مبوب، ج ۱ ص ۳۶۴، بتغیر)

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

(11)......اہلِ بیت کے متعلق راہِ اعتدال

سوال: اہلِ بیتِ رسول میں کون کون لوگ داخل ہیں؟
بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں صرف پانچ افراد داخل ہیں، دوسرا کوئی بھی داخل نہیں، اور ان پانچ افراد کو وہ ''پنج تن پاک'' کا نام دیتے ہیں، اور ان سے بہت زیادہ عقیدت ومحبت رکھتے ہیں، اس بارے میں راہِ اعتدال کیا ہے؟
آج کل ان مسائل کے بارے میں لوگوں میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے اور اس بارے میں مختلف آراء سامنے آتی رہتی ہیں اور جھگڑے ہوتے رہتے ہیں، اس لئے اس سلسلہ میں راہِ اعتدال کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔
جواب:......اہلِ اسلام کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ ہر مسلمان کو اہلِ بیت سے محبت رکھنی چاہیئے، اور ان سے محبت رکھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی علامت ہے۔[1]

---

[1] هـ -محبة أهل البيت: ذهب العلماء إلى أن محبة أهل بيت النبي صلى الله عليه وسلم والولاء لهم مطلوبة من المسلمين، وأن محبتهم من محبة النبي صلى الله عليه وسلم، وأن معرفة مقدارهم وتوقيرهم وحرمتهم ورعاية ما يجب من حقوقهم والبر لهم والنصرة لهم كذلك من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اسی کے ساتھ مہاجرین اور انصار صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین سے بھی محبت رکھنے کا حکم ہے، اور ان سے محبت رکھنا بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے میں داخل ہے۔

جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان کے بعد دیگر صحابۂ کرام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فوقیت حاصل ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا درجہ تین خلفائے راشدین کے بعد ہے۔

البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابۂ کرام کے احترام کا حکم ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

موجبات الجنة. كما أن بغضهم أو كرههم معصية تؤدى بأصحابها إلى النار، والأدلة على ذلك كثيرة منها: قول الله تبارك وتعالى: (قل لا أسألكم عليه أجرا إلا المودة فى القربى) ، أى: لا أسألكم أجرا إلا أن تودوا قرابتى وأهل بيتى.

وروى سعيد بن جبير عن ابن عباس رضى الله عنهم قال: لما نزلت: (قل لا أسألكم عليه أجرا إلا المودة فى القربى) قالوا: يا رسول الله: من قرابتك هؤلاء الذين وجبت علينا مودتهم؟ قال: على وفاطمة وأبناؤهما.

وقول النبى صلى الله عليه وسلم: أما بعد ألا أيها الناس فإنما أنا بشر يوشك أن يأتى، رسول ربى فأجيب وأنا تارك فيكم ثقلين، أولهما كتاب الله فيه الهدى والنور فخذوا بكتاب الله واستمسكوا به -قال الراوى- فحث على كتاب الله ورغب فيه، ثم قال: وأهل بيتى أذكركم الله فى أهل بيتى، أذكركم الله فى أهل بيتى، أذكركم الله فى أهل بيتى.

وكان الصحابة رضى الله عنهم ومن تبعهم بإحسان يحبون أهل البيت ويظهرون ولاء هم واحترامهم لهم تقربا إلى الله سبحانه وتعالى ووفاء للنبى صلى الله عليه وسلم، عن أبى بكر رضى الله عنه قال: ارقبوا محمدا صلى الله عليه وسلم فى أهل بيته: قال النووى: أى راعوه واحترموه وأكرموه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٦،ص ١٩٠، مادة "محبة")

۱؎ و محبة المهاجرين والأنصار والخلفاء الراشدينذهب العلماء إلى أن محبة المهاجرين وتوقيرهم وبرهم والولاء لهم ومعرفة حقهم مطلوبة من المسلمين؛ لما لهم من الفضل السابق إلى الإيمان والهجرة. وقال تعالى: (والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه وأعد لهم جنات تجرى تحتها الأنهار خالدين فيها أبدا ذلك الفوز العظيم)

محبة الخلفاء الراشدين رضى الله عنهم، مطلوبة كذلك؛ لأنهم خير الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأحقهم بالمحبة والموالاة، عن ابن عمر رضى الله عنهما قال: كنا نخير بين الناس فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم، فنخير أبا بكر ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان رضى الله عنهم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اب رہا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات بھی اہلِ بیت کے مفہوم میں داخل ہیں یا نہیں؟

تو بہت سے اہلِ علم حضرات، اہلِ بیت کے مفہوم میں ازواجِ مطہرات کو بھی داخل مانتے ہیں، اور اسی قول کو راجح قرار دیتے ہیں، کیونکہ قرآن کے ظاہر سے اہلِ بیت میں ازواج کا داخل ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اور لغت اور عرف کے اعتبار سے بھی اہل کا لفظ گھر والوں کے لئے بولا جاتا ہے، اور اس میں انسان کی بیوی بدرجہ اولیٰ داخل ہوا کرتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

قال ابن عبد البر :واتفق أهل السنة على أن عليا رضى الله عنه أفضل الناس بعد الثلاثة .

قال القاضى عياض :ومن انتقص أحدا منهم فهو مبتدع مخالف للسنة والسلف الصالح، وأخاف أن لا يصعد له عمل إلى السماء حتى يحبهم جميعا ويكون قلبه سليما

أما محبة الأنصار رضى الله عنهم فقد ورد فى الحث عليها نصوص كثيرة لما لهم فى الإسلام من الأيادى الجميلة فى نصرة دين الله والسعى فى إظهاره وإيواء المسلمين وقيامهم فى مهمات دين الإسلام حق القيام حبهم للنبى صلى الله عليه وسلم وحبه صلى الله عليه وسلم إياهم .

ومن هذه النصوص الواردة فى حق الأنصار قوله تعالى :(والذين تبوء وا الدار والإيمان من قبلهم يحبون من هاجر إليهم ولا يجدون فى صدورهم حاجة مما أوتوا ويؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شح نفسه فأولئك هم المفلحون)

وحديث البراء بن عازب رضى الله عنهما عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :الأنصار لا يحبهم إلا مؤمن ولا يبغضهم إلا منافق، فمن أحبهم أحبه الله ومن أبغضهم أبغضه الله .

ولقوله صلى الله عليه وسلم :آية الإيمان حب الأنصار وآية النفاق بغض الأنصار (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٦،ص ١٩١،مادة "محبة")

[1] دخولهن فى آل بيت الرسول صلى الله عليه وسلم:

اختلف العلماء فى دخول أمهات المؤمنين فى أهل بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم .فمنهم من قال :يدخل نساء النبى صلى الله عليه وسلم فى أهل البيت، وبه قالت عائشة وابن عباس وعكرمة وعروة وابن عطية، وابن تيمية وغيرهم، ويستدل هؤلاء بما رواه الخلال بإسناده عن ابن أبى مليكة أن خالد بن سعيد بن العاص بعث إلى عائشة سفرة من الصدقة فردتها وقالت :إنا آل محمد لا تحل لنا الصدقة، وكان عكرمة ينادى فى السوق (إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا) نزلت فى نساء النبى صلى الله عليه وسلم خاصة).

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ قرآن مجید میں ازواجِ مطہرات کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

یٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا. وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِيْنَ الزَّكَاةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا(سورۃ الاحزاب، رقم الآیات ۳۲ و ۳۳)

ترجمہ: اے نبی کی عورتو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم اللہ سے ڈرتی رہو، اور (غیر محارم سے) نرم (لہجہ میں) بات نہ کرو، کیونکہ جس کے دل میں مرض ہے وہ طمع کرے گا اور بات قاعدہ کے مطابق کرو۔

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور تم زیب وزینت کا اظہار نہ کرو، پہلے جاہلیت میں زیب وزینت کے اظہار کی طرح، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، بس اللہ یہ چاہتا ہے کہ تم سے اے اہلِ بیت ناپاکی (کا میل کچیل) دور کردے، اور تمہیں بالکل پاک صاف کردے (سورہ احزاب)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو خطاب کرکے، آگے

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

وهـذا الـقـول هـو الذى يدل عليه سياق الآية؛ لأن ما قبلها وما بعدها خطاب لأمهات المؤمنين .قال الله تعالى :(وقـرن فى بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى وأقمن الصلاة وآتين الزكاة وأطعن الـلـه ورسـولـه إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا واذكرن ما يتلى فى بيـوتـكـن مـن آيـات الـلـه والـحـكـمة إن الـلـه كـان لـطيـفـا خبيـرا) (الـمـوسـوعة الـفـقـهية الكويتية، ج٦، ص ٢٦٨ ،مادة"امهات المومنين")

وقد تنازع العلماء :هل أزواجه من آله؟ على قولين، هما روايتان عن أحمد، أصحهما أنهن من آله وأهل بيته ، كما دل على ذلك ما فى الصحيحين (من) قوله " :(اللهم) صل على محمد وعلى أزواجه وذريته " وهـذا مبسوط فى موضع آخر(منهاج السنة النبوية فى نقض كلام الشيعة القدرية لابنِ تيمية، ج٤ص ٢٤، كلام الرافضى على خصائص الأئمة الاثنى عشر)

انہیں اہلِ بیت قرار دیا ہے، جس سے ازواجِ مطہرات کا اہلِ بیت میں داخل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ [1]

اور بعض احادیث میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو اپنے اہلِ بیت قرار دینے کا ذکر آیا ہے، تو وہ مذکورہ آیت کے خلاف نہیں، کیونکہ مذکورہ آیت سے ازواجِ مطہرات کا اہلِ بیت میں داخل ہونا معلوم ہوتا ہے، اور اس طرح کی احادیث سے مذکورہ شخصیات کا اہلِ بیت میں داخل ہونا معلوم ہوتا ہے، مگر کسی اور کے اہلِ بیت میں داخل ہونے کی نفی نہیں ہوتی، اور ازواجِ مطہرات اور مذکورہ تمام شخصیات ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت میں داخل ہیں، لہٰذا جس طرح مذکورہ آیت کا مفہوم صحیح ہے، اسی طرح وہ احادیث بھی صحیح ہیں۔ [2]

---

[1] وهذه الأحاديث ونحوها لا تدل على تخصيص الحكم بهؤلاء الاربعة رضى الله عنهم ويأباه ما قبل الاية وما بعدها ويأباه العرف واللغة لان الأصل فى استعمال اهل البيت لغة النساء واما الأولاد وغيرهم فانها يطلق عليهم تبعا لان لهم بيوتا متغائرة غالبا وقد قال الله تعالى حكاية عن قول الملائكة لسارة امرأة ابراهيم عليه السلام أتعجبين من أمر الله رحمت الله وبركاته عليكم أهل البيت والحق ما ذكرنا ان الاية يعم جميع اهل البيت وان كان سوق الكلام للنساء(تفسير المظهرى، ج۷ص ۳۴۰، سورة الاحزاب، تحت رقم الآية ۳۳)

والذى يظهر من الآية أنها عامة فى جميع أهل البيت من الأزواج وغيرهم .وإنما قال ":ويطهركم" لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليا وحسنا وحسينا كان فيهم، وإذا اجتمع المذكر والمؤنث غلب المذكر، فاقتضت الآية أن الزوجات من أهل البيت، لأن الآية فيهن، والمخاطبة لهن يدل عليه سياق الكلام .والله أعلم (تفسير القرطبى ،ج۱۴ ص۱۸۳ ،سورة الاحزاب، تحت رقم الآية ۳۳)

[2] هذه الآية تدل على دخولهن حتما؛ لأن سياق الآيات قبلها وبعدها خطاب لهن، ولا ينافى ذلك ما جاء فى صحيح مسلم(۲۴۲۴)عن عائشة رضى الله عنها أنها قالت " :خرج النبى صلى الله عليه وسلم غداة وعليه مرط مرحل من شعر أسود، فجاء الحسن بن على فأدخله، ثم جاء الحسين فدخل معه، ثم جاء ت فاطمة فأدخلها، ثم جاء على فأدخله، ثم قال :(إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا)" ؛ لأن الآية دالة على دخولهن؛ لكون الخطاب فى الآيات لهن، ودخول على وفاطمة والحسن والحسين رضى الله عنهم فى الآية دلت عليه السنة فى هذا الحديث، وتخصيص النبى صلى الله عليه وسلم لهؤلاء الأربعة رضى الله عنهم فى هذا الحديث لا يدل على قصر أهل بيته عليهم دون القرابات الأخرى، وإنما يدل على أنهم من أخص

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہم کے ساتھ ازواجِ مطہرات کے بھی اہلِ بیت میں سے ہونے کا ذکر آیا ہے۔ [1]

سورہ ہود میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ. قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَيْخًا .اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِيْبٌ . قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُه عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ.اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (سورہ ھود، رقم الآیات ۷۱ الی ۷۳)

ترجمہ: اور اس (ابراہیم) کی بیوی کھڑی ہوئی تھی، تو وہ ہنسی، پھر ہم نے اس (ابراہیم کی بیوی) کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔

اس نے کہا او ہو! کیا میرے بچہ ہوگا؟ میں تو بوڑھی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں، یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔فرشتوں نے کہا کہ کیا تم تعجب کرتی ہو، اللہ کے حکم سے؟ حالانکہ اللہ کی رحمت اور اس کی (طرح طرح کی) برکتیں ہیں تم

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

أقارب ونظير دلالة هذه الآية على دخول أزواج النبى صلى الله عليه وسلم فى آله ودلالة حديث عائشة رضى الله عنها المتقدم على دخول علي وفاطمة والحسن والحسين رضى الله عنهم فى آله (فضل أهل البيت وعلو مكانتهم عند أهل السنة والجماعة،لعبدالمحسن العباد البدر، ص۸، ۹،الفصل الأول :من هم أهل البيت؟)

[1] أم سلمة رضى الله عنها، أنها قالت :فى بيتى نزلت هذه الآية (إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت)قالت :فأرسل رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى علي وفاطمة والحسن والحسين رضى الله عنهم، أجمعين فقال :اللهم هؤلاء أهل بيتى قالت أم سلمة :يا رسول الله، ما أنا من أهل البيت؟ قال :إنک أهلى خير وهؤلاء أهل بيتى اللهم أهلى أحق (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۳۵۵۸)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط البخارى ولم يخرجاه .

و قال الذهبى فى التلخيص: على شرط مسلم.

مذکورہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی زوجۂ مطہرہ کو اپنا اہل قرار دینے کی دلالت اہلِ بیت سے بھی زیادہ ہے، کیونکہ اہل سے مراد گھر والی اور اہلِ بیت سے مراد گھر والے ہیں۔

پر، اے اہلِ بیت، بلاشبہ وہ تعریف کے لائق اور اونچی شان والا ہے (سورہ ہود)

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ کو اللہ تعالیٰ نے ان کی اہلِ بیت قرار دیا ہے، جس سے زوجہ کا اہلِ بیت میں داخل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ [1]

سورہ قصص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖ (سورۃ القصص، رقم الآیۃ ۲۹)

ترجمہ: پھر جب پورا کرلیا موسیٰ نے مدت کو، اور اپنے گھر والوں کے ساتھ چلے (سورہ قصص)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی زوجہ کو ان کی اہل یعنی گھر والی قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ بیوی انسان کے اہلِ بیت یعنی گھر والوں میں شامل ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعۂ افک کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ يَّعْذِرُنَا فِيْ رَجُلٍ بَلَغَنِيْ أَذَاهُ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ، فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ مِنْ أَهْلِيْ إِلَّا خَيْرًا (بخاری) [2]

ترجمہ: کون شخص اس کی جانب سے عذر خواہی کرسکتا ہے جس نے مجھے میرے اہلِ بیت کے متعلق اذیت پہنچائی، اللہ کی قسم! میں تو اپنی گھر والی میں بھلائی ہی دیکھتا ہوں (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنا اہلِ بیت قرار دیا، اور حضرت عائشہ

---

[1] وفی الایة رد علی الروافض حیث لا یزعمون ازواج النبی صلی الله علیه وسلم من اهل البیت مع ان اهل البیت من حیث اللغة هی الأزواج وغیرهن اتباع لهن (التفسیر المظهری، ج۵ص ۱۰۱، سورة هود، تحت رقم الآیات ۷۲، و۷۳)

[2] رقم الحدیث ۲۶۳۷، کتاب الشهادات، باب إذا عدل رجل أحدا فقال: لا نعلم إلا خیرا، أو قال: ما علمت إلا خیرا.

رضی اللہ عنہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ تھیں، جس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات آپ کے اہلِ بیت میں داخل ہیں۔

البتہ زکاۃ وغیرہ حرام ہونے کے اعتبار سے بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک بنوہاشم کے ساتھ ازواجِ مطہرات، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت میں داخل نہیں۔

چنانچہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَأَهْلُ بَيْتِيْ أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ فَقَالَ لَهُ حُصَيْنٌ: وَمَنْ أَهْلُ بَيْتِهٖ؟ يَا زَيْدُ أَلَيْسَ نِسَاؤُهٗ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ؟ قَالَ: نِسَاؤُهٗ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ، وَلٰكِنْ أَهْلُ بَيْتِهٖ مَنْ حُرِمَ الصَّدَقَةَ بَعْدَهٗ، قَالَ: وَمَنْ هُمْ؟ قَالَ: هُمْ آلُ عَلِيٍّ وَآلُ عَقِيْلٍ، وَآلُ جَعْفَرٍ، وَآلُ عَبَّاسٍ قَالَ: كُلُّ هٰؤُلَاءِ حُرِمَ الصَّدَقَةَ؟ قَالَ: نَعَمْ (مسلم) [1]

ترجمہ: میں تم لوگوں کو اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ (کا خوف) یاد دلاتا ہوں، میں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں تم لوگوں کو اللہ (کا خوف) یاد دلاتا ہوں، میں تم لوگوں کو اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ (کا خوف) یاد دلاتا ہوں، حضرت حصین نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے زید! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواجِ مطہرات اہلِ بیت میں سے نہیں ہیں؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کی ازواجِ مطہرات

---

[1] رقم الحديث ٢٤٠٨ "٣٦" كتاب فضائل الصحابة رضى الله عنهم، باب من فضائل على بن أبى طالب رضى الله عنه، مسند احمد، رقم الحديث ١٩٢٦٥ .
قال شعيب الارنؤوط:
إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

آپ کے اہلِ بیت میں سے ہیں، لیکن یہاں مراد وہ اہلِ بیت ہیں کہ جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے، حضرت حصین نے عرض کیا کہ وہ کون ہیں؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آلِ علی اور آلِ عقیل اور آلِ جعفر اور آلِ عباس، حضرت حصین نے عرض کیا کہ ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں! ان سب پر صدقہ حرام ہے (مسلم، مسند احمد)

معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اس حیثیت سے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت میں داخل ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سکونت اختیار کرتی تھیں، اور آپ کے نکاح میں داخل تھیں، جن کے ادب واحترام کا حکم ہے، اور اہلِ بیت میں داخل ہونے کی وجہ سے ان کے حقوق بہت زیادہ ہیں، لیکن وہ زکاۃ حرام ہونے کے اعتبار سے اہلِ بیت کے مفہوم میں داخل نہیں۔ [1]

اور بعض حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو مخصوص اہلِ بیت کے مفہوم میں داخل نہیں مانتے، لیکن ان کی مراد بھی غالباً یہی ہے کہ ازواجِ مطہرات، اہلِ بیت کے اس مفہوم میں داخل نہیں، جن پر زکاۃ حرام ہے، جس کی تائید حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی گزشتہ روایت سے ہوتی ہے۔ [2]

تاہم اس بات پر سب اہلُ السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات جو کہ امہاتُ المؤمنین کہلاتی ہیں، ان کا احترام اور تعظیم بھی امت پر واجب ہے، اور

---

[1] المراد انهن من اهل بيته الذين يساكنونه ويعولهم وأمر باحترامهم وإكرامهم وسماهم ثقلا ووعظ فى حقوقهم وذكر فنساؤه داخلات فى هذا كله ولا يدخلن فيمن حرم الصدقة وقد أشار إلى هذا فى الرواية الأولى بقوله نساؤه من أهل بيته ولكن أهل بيته من حرم الصدقة(شرح النووى على مسلم، ج۱۵ ص ۱۸۰، كتاب فضائل الصحابة رضى الله عنهم،باب من فضائل على بن أبى طالب رضى الله عنه)

[2] ومنهم من قال :لا يدخل نساء النبى فى آل بيت رسول الله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۶، ص ۲۶۹ ،مادة"امهات المومنين")

ان کی شان میں کوئی نازیبا لفظ کہنا درست نہیں۔ [1]

اور اگر اہلِ بیت کے مفہوم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو شامل نہ کیا جائے، تب بھی صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسنین رضی اللہ عنہم تک اہلِ بیت کے دائرہ کو محدود رکھنا، درست نہیں، کیونکہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اہلِ بیت میں شامل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے چچا زاد بھائی (مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس اور جعفر طیار اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہم) اہل بیت میں کیوں داخل نہیں اور خود آپ کے چچا (حضرت حمزہ و عباس رضی اللہ عنہما) اہلِ بیت میں کیوں شامل نہیں؟

اگر کہا جائے کہ حضرت علی اس لئے اہلِ بیت میں شامل ہیں کہ دامادِ نبی ہیں تو پھر سوال پیدا

---

[1] حقوق أمهات المؤمنين :من حق أمهات المؤمنين أن يحترمن ويعظمن، ويصن عن الأعين والألسن، وذلک واجب على المسلمين نحوهن .فإن تطاول من لا خلاق له على تناولهن بالقذف أو السب، ففي القذف يفرق جمهور الفقهاء بين قذف عائشة رضى الله عنها، وقذف غيرها من أمهات المؤمنين .فمن قذف عائشة رضى الله عنها بما برأها الله تعالى منه -من الزنا -فقد كفر، وجزاؤه القتل وقد حكى القاضى أبو يعلى وغيره الإجماع على ذلک ؛ لأن من أتى شيئا من ذلک فقد كذب القرآن، ومن كذب القرآن قتل، لقوله تعالى :(يعظكم الله أن تعودوا لمثله أبدا إن كنتم مؤمنين) أما من قذف واحدة من أمهات المؤمنين غير عائشة فقد اختلف العلماء فى عقوبته، فقال بعضهم ومنهم ابن تيمية :إن حكم قذف واحدة منهن كحكم قذف عائشة رضى الله عنها -أى يقتل -لأن فيه عارا وغضاضة وأذى لرسول الله صلى الله عليه وسلم بل فى ذلک قدح بدين رسول الله صلوات الله وسلامه عليه.وقال بعضهم :إن قذف واحدة من أمهات المؤمنين غير عائشة كقذف واحد من الصحابة رضى الله عنه، أو واحد من المسلمين، أى يحد القاذف حدا واحدا لعموم قوله تعالى :(والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة أبدا) لأنه لا يقتضى شرفهن زيادة فى حد من قذفهن؛ لأن شرف المنزلة لا يؤثر فى الحدود.
وقال بعضهم ومنهم مسروق بن الأجدع وسعيد بن جبير :من قذف أمهات المؤمنين غير عائشة يحد حدين للقذف -أى يجلد مائة وستين جلدة أما سب واحدة من أمهات المؤمنين -بغير الزنا -من غير استحلال لهذا السب، فهو فسق، وحكمه حكم سب واحد من الصحابة رضوان الله عليهم، يعزر فاعله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦، ص ٢٦٩ و ٢٧٠، مادة"امهات المومنين")

ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو دوہرے دامادِ نبی ہیں وہ اہلِ بیت میں شامل کیوں نہیں؟

اور اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس لئے اہل بیت میں شامل ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں تو پھر آپ کی دوسری بیٹیاں مثلاً حضرت زینب، حضرت اُمِ کلثوم، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہن اہل بیت میں شامل کیوں نہیں؟ وہ بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں ہیں۔

اور اگر حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما اس لئے اہلِ بیت میں شامل ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں تو پھر آپ کے دوسرے نواسے اور نواسیاں مثلاً ''علی'' اور ''امامہ'' (حضرت زینب زوجہ حضرت ابوالعاص کے بیٹے اور بیٹی) اور ''عبداللہ'' (حضرت رقیہ زوجہ حضرت عثمان کے بیٹے) اس شرف سے محروم کیوں ہیں؟ [1]

معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت میں آپ کی ازواجِ مطہرات تو داخل ہیں ہی، اور ساتھ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور آپ کے بعض قریبی اقرباء بھی داخل ہیں۔ [2]

---

[1] الأهل للرجل: زوجته ويدخل فيه الأولاد، وبه فسر قوله تعالى: وسار (بأهله أى زوجته وأولاده) كأهلته بالتاء(و) الأهل للنبى صلى الله عليه وسلم: أزواجه وبناته وصهره على رضى الله عنه، أو نساؤه .وقيل:(أهله: الرجال الذين هم آله ويدخل فيه الأحفاد والذريات، ومنه قوله تعالى: وأمر)أهلك بالصلاة واصطبر عليها وقوله تعالى: إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت وقوله تعالى: رحمة الله وبركاته عليكم أهل البيت إنه حميد مجيد(تاج العروس، ج۲۸ ص ۴۱، مادة اهل)

[2] فالحاصل أن المراد من أهل بيت النبى أصلاً وحقيقة أزواجه عليه الصلاة والسلام، ويدخل فى الأهل أولاده وأعمامه وأبناء هم أيضاً تجاوزاً، كما ورد أن الرسول -صلى الله عليه وسلم -أدخل فى كسائه فاطمة والحسنين وعلياً وقال :اللهم هؤلاء أهل بيتى :ليجعلهم شاملاً فى قوله عز وجل :إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت :كما أدخل عمه العباس وأولاده فى عبائه لتشملهم أيضاً هذه الآية .ولقد وردت بعض الروايات التى تنص أن بنى هاشم كلهم داخلون فى أهل بيت النبى -صلى الله عليه وسلم .وأما الشيعة فأرادوا عكس ذلك، فحصروا أهل بيت النبوة فى هؤلاء الأربعة، على، وفاطمة، ثم الحسن، والحسين، وأخرجوا منهم كل من سواهم، ثم اخترعوا طريقة أخرى، فأخرجوا أولاد على غير الحسنين رضى الله عنهم من أهل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس جو لوگ اہلِ بیت میں صرف پانچ افراد کو شامل مانتے ہیں، اور وہ ان کو ''پنج تن پاک'' قرار دیتے ہیں، اور ان ہی پانچ ہستیوں کے پاک ہونے کا اظہار پنجہ کے نشان سے کرتے ہیں، یہ انصاف اور اعتدال پر مبنی نہیں ہے۔

پنج تن پاک دراصل فارسی زبان کا لفظ ہے، پنج کے معنٰی ہیں ''پانچ'' اور تن کے معنٰی بدن اور جسم کے آتے ہیں اور پاک کے معنٰی سب کو معلوم ہی ہیں یعنی پاکیزہ جو عام طور پر ناپاک کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، تو پنج تن پاک کے معنٰی ہوئے پانچ پاکیزہ بدن۔

جس سے بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

البيت ولا يعدون بقية أولاده من أهل البيت من محمد بن الحنفية، وأبى بكر، وعمر، وعثمان، والعباس، وجعفر، وعبد الله، وعبيد الله، ويحيى، ولا أولادهم من الذكور الاثنى عشر، ولا من البنات ثمانى عشر ابنة، أو تسع عشرة ابنة على اختلاف الروايات، كما أخرجوا فاطمة رضى الله عنها ابنة رسول الله -صلى الله عليه وسلم- حيث لا يعدون بناتها زينب وأم كلثوم ولا أولادهما من أهل البيت، وهذه نكتة وطريفة، ومثل هذا الحسن بن على، حيث لا يجعلون أولاده داخلاً فى أهل البيت وكذلك أخرجوا من أهل البيت كلاً من أولاد الحسين من لا يهوى هواهم، ولا يسلك مسلكهم، ولا ينهج منهجهم، وهذا أطرف من الأول .ولذلك أفتوا على كثيرين من أولاد الحسين، الأولين منهم بالكذب والفجور والفسوق، وحتى الكفر والارتداد، كما شتموا وكفروا أبناء أعمام الرسول وعماته وأولادهم، وحتى أولاد أبى طالب غير على رضى الله عنه .والجدير بالذكر أنهم أخرجوا بنات النبى -صلى الله عليه وسلم- الثلاثة غير فاطمة، وأزواجهن، وأولادهن من أهل البيت بدائياً، ولا ندرى أى تقسيم هذا، وأية قسمة هذه، وعلى أى أساس ابتنوها واختاروها؟.

ثم وفى التعبير الصحيح والصريح أن الشيعة لا يرون أهل البيت إلا نصف شخصية فاطمة، ونصف شخصية على، ونصف شخصية الحسن وبقية الأئمة التسعة عندهم من الحسين إلى الحسن العسكرى، والعاشر المولود الموهوم، المزعوم، الذى لم يولد قطعاً ولن يولد أبداً .فهذه هى حقيقة مفهوم أهل البيت عند القوم، ولو أردنا التوسع فيه لأطلنا الكلام ولكننا نقتصر على هذا بما فيه كفاية لفهم البحث والمسألة (الشيعة و اهل البيت، ج ١، ص ١٩ الى ٢٠، تابيد الشيعة، المؤلف:إحسان إلهى ظهير الباكستانى)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مراد لیتے ہیں، اور ان پانچ اشخاص وافراد کو پاکیزہ ومعصوم قرار دیتے ہیں، اور ان کے بارے میں بہت زیادہ غلو کرتے ہیں، جو کہ قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں درست نہیں ہے۔ [1]

بلکہ بعض حضرات نے ان پانچ ہستیوں کے بارے میں غلط عقیدہ کی بنیاد پر یہ شعر بھی بنا رکھا ہے کہ:

لِیْ خَمْسَۃٌ اُطْفِیْ بِھَا حَرَّ الْوَبَاءِ الْحَاطِمَۃُ

اَلْمُصْطَفٰی، وَالْمُرْتَضٰی وَابْنَاھُمَا وَالْفَاطِمَۃُ

ترجمہ: میرے لیے پانچ ہیں، میں ان کی مدد سے توڑ دینے والی وباء کی گرمی بجھاتا ہوں، حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی المرتضٰی، ان کے دو بیٹے حضرت حسن اور حسین اور حضرت فاطمہ۔

اس طرح کے الفاظ وکلمات کا لکھنا، پڑھنا منع ہے۔

اہلُ السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ اگر پاک سے معصوم ہونا مراد لیا جائے، تو اس معنیٰ میں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی پاک اور معصوم ہیں کیونکہ معصوم صرف انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات ہی ہوتے ہیں۔

اور اگر پاک سے مراد متقی پرہیزگار اور خدا رسیدہ مراد لیا جائے، تو اس معنیٰ میں سبھی صحابۂ کرام

---

[1] اور بعض ان ہستیوں کے بارے میں بہت زیادہ غلط عقیدہ رکھتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ:

ومنهم صنف يزعمون أن الله تعالى فى خمسة أشخاص: فى النبى، وعلى، والحسن، والحسين، وفاطمة (منهاج السنة النبوية لابنِ تيمية، ج ٢ ص ٥١٠، فصل كلام ابن المطهر على مذهب أهل السنة فى الصفات والرد عليه، عرض ابن المطهر لمقالة الحشوية والمشبهة ورد ابن تيمية من وجوه)

ترجمہ: بعض اشخاص وہ ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ پانچ اشخاص میں حلول کئے ہوئے ہے اور وہ پانچ اشخاص یہ ہیں:

(۱)...... نبى صلى الله عليه وسلم (۲)...... على رضى الله عنه (۳)...... حسن رضى الله عنه (۴)...... حسين رضى الله عنه (۵)...... فاطمه رضى الله عنها (منهاج السنة)

پاک ہیں جن کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کا پروانہ قرآن مجید میں منجانب اللہ مرحمت ہو چکا ہے۔

بلکہ اہلُ السنۃ والجماعۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ عدول اور نیک صالح ہیں۔ [1]

---

[1] عدالة من ثبتت صحبته:اتفق أهل السنة :على أن جميع الصحابة عدول، ولم يخالف في ذلك إلا شذوذ من المبتدعة.وهذه الخصيصة للصحابة بأسرهم، ولا يسأل عن عدالة أحد منهم، بل ذلك أمر مفروغ منه، لكونهم على الإطلاق معدلين بتعديل الله لهم وإخباره عن طهارتهم، واختياره لهم بنصوص القرآن، قال تعالى :(كنتم خير أمة أخرجت للناس) الآية.

قيل :اتفق المفسرون على أن الآية واردة في أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم. وقال عز من قائل :(وكذلك جعلناكم أمة وسطا لتكونوا شهداء على الناس)وقال تعالى :(محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار)الآية وفي نصوص السنة الشاهدة بذلك كثرة، منها حديث :أبي سعيد المتفق على صحته :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :لا تسبوا أصحابي فوالذي نفسي بيده لو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهبا ما أدرك مد أحدهم، ولا نصيفه.

وقال صلى الله عليه وسلم :الله، الله في أصحابي لا تتخذوهم غرضا بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى الله، ومن آذى الله فيوشك أن يأخذه .قال ابن الصلاح :ثم إن الأمة مجمعة على تعديل جميع الصحابة، ومن لابس الفتن منهم فكذلك، بإجماع العلماء الذين يعتد بهم في الإجماع، إحسانا للظن بهم، ونظرا إلى ما تمهد لهم من المآثر، وكأن الله سبحانه وتعالى أتاح الإجماع على ذلك لكونهم نقلة الشريعة .وجميع ما ذكرنا يقتضي القطع بتعديلهم، ولا يحتاجون مع تعديل الله ورسوله لهم إلى تعديل أحد من الناس، ونقل ابن حجر عن الخطيب في "الكفاية "أنه لو لم يرد من الله ورسوله فيهم شيء مما ذكرناه لأوجبت الحال التي كانوا عليها من الهجرة، والجهاد، ونصرة الإسلام، وبذل المهج والأموال، وقتل الآباء ، والأبناء ، والمناصحة في الدين، وقوة الإيمان واليقين :القطع بتعديلهم، والاعتقاد بنزاهتهم، وأنهم كافة أفضل من جميع الخالفين بعدهم والمعدلين الذين يجيئون من بعدهم، ثم قال :هذا مذهب كافة العلماء ، ومن يعتمد قوله، وروى بسنده إلى أبي زرعة الرازي قال " :إذا رأيت الرجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم أنه زنديق "، ذلك أن الرسول صلى الله عليه وسلم حق، والقرآن حق، وما جاء به حق، وإنما أدى إلينا ذلك كله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے اہلِ بیت، ازواجِ مطہرات اور تمام صحابۂ کرام کا ادب واحترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ماہِ محرم کے فضائل واحکام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، اور منکرات وبے اعتدالیوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

فَقَط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ

محمد رضوان

۲۱/ ذیقعدہ/۱۴۳۲ھ 20/ اکتوبر/ 2011ء بروز جمعرات

اضافہ واصلاح: 29/ ذیقعدہ/ 1438ھ 22/ اگست/ 2017ء بروز منگل

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

الصحابة، وهؤلاء يريدون أن يجرحوا شهودنا، ليبطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم أولى، وهم زنادقة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۶، ص۳۱۴، وص۳۱۵، مادة "صحبة")

ماہِ محرم کے چند اہم تاریخی واقعات

(مرتب: مولانا طارق محمود: ادارہ غفران، راولپنڈی)

پہلی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□......ماہِ محرم ۷ھ: میں غزوہ خیبر ہوا (تقویم تاریخی ص۱، قاموسِ تاریخی مرتبہ، عبدالقدوس ہاشمی صاحب، مطبوعہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، پاکستان)

غزوۂ حدیبیہ سے واپسی کے بعد مدینہ منورہ میں چند دن قیام فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف روانہ ہوئے، منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی نے چلتے وقت خیبر والوں کو اطلاع کردی تھی، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر پہنچے تو خیبر کے یہودی خوف زدہ اور بدحواس ہوگئے، چند دن مقابلہ کے بعد خیبر فتح ہوگیا۔

(البداية والنهاية ج۴ غزوة خيبر فی اولها، تاريخ ملت ج ۱ ص ۸۳، غزوات النبی ص ۴۷۵، سیرتِ ابنِ هشام ج۴ ذكر المسير الى خيبر فی المحرم سنة سبع، الخروج الی الخيبر)

□......ماہِ محرم ۱۴ھ: میں جنگ قادسیہ ہوئی، پے در پے ہزیمتوں سے پریشان ہوکر کفار نئے بادشاہ یزدگرد کی قیادت میں دوبارہ منظّم ہوکر مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے جمع ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کفار کے مقابلے کے لئے عظیم الشان لشکر روانہ کیا، مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے اور کفار کا سپہ سالار مشہورِ زمانہ رستم تھا، تین دن کی سخت لڑائی کے بعد چوتھے دن مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

(البداية والنهاية ج۷ فصل وقعة القادسية سنة اربع عشرة من الهجرة، تاريخ ملت ج ۱ ص ۲۲۰)

□......ماہِ محرم ۱۸ھ: میں امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص۵)

۱۸ ہجری میں شام اور عراق میں طاعون عمواس کی سخت جان لیوا وباء پھیلی تھی اس وقت

مسلمانوں کا ایک لشکر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی امارت میں اس طرف کے علاقوں میں جہاد میں مصروف تھا کہ ہزاروں مسلمان اس وباء سے فوت ہو گئے، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا انتقال بھی اسی بیماری سے ہوا اور اپنی وصیت کے مطابق ''کہ مجھے وہاں دفن کیا جائے جہاں میری موت ہو'' نحل جو کہ اُردن کا ایک شہر ہے میں دفن ہوئے (صحابہ انسائیکلو پیڈیا ص ۲۴۶، الاصابہ ج ۳ حرف العین المہملہ ، العین بعدہا الالف)

□...... ماہِ محرم ۱۸ھ: میں کاتبِ وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے دمشق کے گورنر مقرر ہوئے (تقویم تاریخی ص ۵)

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی امانت اور قابلیت کو دیکھتے ہوئے فلسطین، اردن اور لبنان کی گورنری بھی ان کو دے دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بہنوئی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مہدی اور امین کے لقب سے بھی نوزا تھا۔

(البداية والنهاية ج۷يزيد بن ابی سفيان ،صحابه انسائيكلو پيڈيا ص ۱۵۲ ،حضرت امير معاويه رضی الله عنه اور تاريخی حقائق،الاصابة ج۲ حرف الياء آخر الحروف، الياء بعدهاالزاء)

□...... ماہِ محرم ۲۱ھ: میں خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مشہور صحابیٔ رسول حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے (تقویم تاریخی ص ۶)

آپ کی کامیاب فتوحات اور شاندار کارکردگی کی بدولت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مصر کا گورنر مقرر فرما دیا تھا ''البدایہ والنہایہ ج ۷ باب صفۃ فتح مصر میں سن ۲۰ھ لکھا ہے اور مہینے کی تعیین نہیں ہے'' (سیر الصحابہ ج ۲ ص ۱۳۰)

□...... ماہِ محرم ۲۴ھ: میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفۂ ثالث کی حیثیت سے مقرر ہوئے (تقویم تاریخی ص ۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق چھ افراد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد باہمی اتفاق رائے سے آپ کو خلیفہ نامزد کیا، وہ چھ افراد یہ تھے ''حضرت عبدالرحمٰن بن عوف،

حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن عوام، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم۔

(البداية والنهاية ج۷ خلافة امير المومنين عثمان بن عفان، صحابه انسائیکلو پیڈیا ص ۱۷۳، عقائد اسلام ص ۱۸۵)

☐......ماہِ محرم ۳۷ھ: میں جنگ صفین کی عارضی صلح ہوئی (تقویم تاریخی ص ۱۰)

کیونکہ ذی الحجہ کے مہینے کے بعد محرم کا مہینہ شروع ہو گیا تھا، اس لئے محرم کے احترام میں دونوں فریقین میں عارضی جنگ بندی ہوئی (تاریخ ملت ج۱ ص ۳۷۱)

☐......ماہِ محرم ۶۱ھ: میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی (تقویم تاریخی ص ۱۶)

اہلِ عراق نے یزید کے فسق و فجور، شراب نوشی اور ظلم سے تنگ آ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی حمایت کے خطوط لکھے اور ان کی طرف وفود بھیجے کہ ہم آپ کی بیعت کر کے یزید سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں، لیکن جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو انہوں نے سب چیزوں سے انکار کر کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مخالفت شروع کر دی اور یزید کے امراء کے ساتھ کوفہ سے باہر نکل کر کربلا کے مقام پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو بے رحمی اور بے دردی سے شہید کر دیا اور سب کے سر کاٹ کر یزید کی طرف سے کوفہ کے گورنر ابن زیاد کے سامنے پیش کئے۔

(حادثہ کربلا کا پس منظر، البداية والنهاية ج۸ قصة الحسين بن علی وسبب خروجه من مكة، الاصابة ج۲ ذكر بقية حرف الحاء بعدها السين)

☐......ماہِ محرم ۶۷ھ: میں کربلا کے واقعے کے مرکزی کردار اور کوفہ کے گورنر عبیداللہ بن زیاد کو قتل کیا گیا۔

یزید کی موت کے بعد مختار ثقفی نے مقتولینِ کربلا کا انتقام لینے کے بہانہ کوفہ پر قبضہ کر کے قاتلینِ اہلِ بیت کو چن چن کر قتل کیا، بعض کی لاشوں کو جلا دیا، اور سرکردہ قاتل شمر بن ذی الجوش کی لاش کو کتوں سے پھڑوا دیا، اور ابن زیاد سے مقابلہ کے لئے لشکر بھیجا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل حصین بن نمیر اور ابن زیاد کے سر کاٹ کر اسی محل میں لائے گئے

، جہاں ابن زیاد کے پاس حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے سر لائے گئے تھے۔
(تاریخ ملت ج ۱ ص ۵۳۶، البدایة و النهایة ج۸ ترجمة ابن زیادلکن لم یتعین فی البدایة الشهر)

□......ماہِ محرم ۷۴ھ: میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص ۱۹)

آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور تفسیر، حدیث اور فقہ کے امام تھے، حج کے زمانے میں طواف کے دوران ایک شخص کے نیزے کی زہر آلود نوک ان کے پاؤں میں چبھ گئی اور اس کا زہر سارے جسم میں سرایت کر گیا اور اگلے مہینے محرم میں ان کی وفات ہوئی۔
(البدایة و النهایة ج۹ عبد الله بن عمر، سیر الصحابة ج۲ ص ۱۶)

□......ماہِ محرم ۸۸ھ: میں فرغانہ فتح ہوا (تقویم تاریخی ص ۲۲)

حجاج بن یوسف کے حکم پر خراسان کے مسلمانوں کا ایک لشکر بغاوتوں کو کچلنے اور غیر مفتوحہ علاقوں کی فتح میں مشغول تھا، ترک، صغد اور اہلِ فرغانہ نے شاہِ چین کے بھانجے کی قیادت میں دو لاکھ کی فوج کے ساتھ مسلمانوں کے لشکر پر پیچھے سے حملہ کر دیا، مگر مسلمان بڑی بہادری کے ساتھ لڑے اور اللہ تعالیٰ نے کفار پر فتح عطا فرمائی (تاریخ ملت ج۱ ص ۶۰۷)

دوسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□......ماہِ محرم ۱۲۲ھ: میں اہلِ بیت کے بزرگ زید بن علی حصولِ خلافت کے لئے ہشام بن عبدالملک (موجودہ حاکم) کے مقابلہ کے لئے نکلے (تقویمِ تاریخی ص ۳۱)

خلافتِ راشدہ کے بعد امت میں فتنوں کا دروازہ کھل گیا اور امت میں انتشار وافتراق کے نت نئے نقشے سامنے آنے لگے، مختلف طبقات اپنے اپنے طور پر حکومت پر تسلط قائم کرنے اور اپنے نظریات کو امت پر لاگو کرنے کے لئے چاروں طرف سے اُمڈ پڑے، اس طرح یہ مختلف قسم کے لوگ مختلف اغراض سے کسی نامور شخصیت کا سہارا لیتے ہوئے حکومتِ وقت کے زوال کے لئے کوشاں رہتے تھے، مگر حکومت وقت سخت ہوتی اور حالات سازگار نہ ہوتے تو عین وقت میں اکثر لوگ جو پہلے حمایت وجانثاری کے وعدے کئے ہوتے تھے مختلف حیلوں

بہانوں سے کنی کترانے لگتے، چنانچہ زید بن علی نے اپنے وقت کی موجودہ حکومت کے ظلم وستم کے مقابلہ میں انصاف اور رحم دلی کو اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہوئے خلافت کے حصول کا منصوبہ بنایا، تو جلد ہی ایک کثیر مجمع ان کے ساتھ جمع ہوگیا، مقابلہ اور حکومت حاصل کرنے کا وقت طے ہوگیا، مگر عین وقت پر بہت سے حمایتیوں نے حالات سازگار نہ دیکھتے ہوئے بھاگنے میں عافیت سمجھی، نتیجتاً زید بن علی اپنے رہے سہے ساتھیوں سمیت شہید ہوگئے (تاریخِ ملت ج۱ص۲۹۱)

□......ماہِ محرم ۱۲۹ھ: میں خوارج نے اموی حاکم مروان بن محمد بن مروان کے دورِ سلطنت میں شورشوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ضحاک بن قیس نامی ایک خارجی کی قیادت میں (اپنی سابقہ عادات پر چلتے ہوئے) بغاوت کردی، کوفہ کا گورنر وسابق حاکم ہشام بن عبدالملک کا بیٹا سلیمان بھی ضحاک کے ساتھ مل گیا، بہت سے علاقوں میں کامیابی کے بعد کفرتوثاء کے مقام پر ضحاک بن قیس مارا گیا، لیکن خوارج نے دوسرا شخص قائد منتخب کرکے سلسلہ بغاوت وجنگ جدل جاری رکھا (تاریخِ ملت ج۱ص۷۱۱)

□......ماہِ محرم ۱۳۱ھ: میں ابو مسلم خراسانی نے سابقہ مہمات کے ساتھ خراسان میں اموی حکومت کے خلاف عباسی تحریک کا آغاز کیا (تقویمِ تاریخی ص۳۳)

ابو مسلم خراسانی ایک عجمی النسل پارسی تھا اور عباسی تحریک کے بانی ابراہیم بن محمد کی طرف سے خراسان میں عباسی تحریک کے داعی ونقیب بکیر بن ماہان نامی ایک شخص کا غلام تھا، بکیر نے اس میں جوہر قابلیت دیکھتے ہوئے مذکورہ مہم کے لئے موزوں گردانتے ہوئے ابراہیم بن محمد کی طرف بھیجا، خلافت اموی کی بساط خراسان میں لپیٹنے میں ابو مسلم کے کارنامے نمایاں ہیں، اس طرح عباسیوں کو ایک مضبوط مرکز اور گڑھ میسر آ گیا اور امویوں کے پاؤں اکھڑتے چلے گئے تا آنکہ عباسیہ کا پوری طرح تسلط ہوگیا (تاریخِ ملت ج۱ص۷۱۸)

□......ماہِ محرم ۱۴۱ھ: میں فرقہ راوندیہ کا خروج ہوا (تقویمِ تاریخی ص۳۶)

یہ فرقہ شیعی فرقوں کی طرح تھا اور ان افراد کا مجمع تھا جو عباسی تحریک کے محرک ابو مسلم نے اپنی

مہمات کے دوران مجمع زیادہ کرنے کے لئے مختلف حیلے بہانوں اور محض سیاست کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہر قسم کی باتوں اور کوششوں سے تیار کیا تھا، اسی دوران کچھ لوگ تناسخ اور حلول کے قائل ہوگئے، ان کا عقیدہ تھا کہ خدائے تعالیٰ موجودہ حاکم منصور میں حلول کر گیا ہے اور اسے خدا سمجھ کر اس کی عبادت اور زیارت کیا کرتے تھے اور عجب یہ کہ منصور کی طرف سے ان کی مذکورہ جہالت پر سرزنش سے برہم بھی ہوتے، ایک مرتبہ انہوں نے دارالخلافہ کا محاصرہ کیا تو منصور کو ان کی جمعیت کا صحیح طور پر اندازہ ہوا، قریب تھا کہ منصور کی حکومت اور جان چلی جاتی مگر جانبازوں نے پامردی و بہادری سے مقابلہ کرتے ہوئے سب کو تہ تیغ کیا۔

(تاریخ ملت ج ۱، البدایة والنهایة ج ۱۰ ثم دخلت سنة احدیٰ واربعون ومائة، لیکن البدایۃ میں مہینے کی تعیین نہیں ملی)

□......ماہِ محرم ۱۵۰ھ: میں استاد سیس نامی جھوٹے اور کذاب نے خراسان میں نبوت کا دعویٰ کیا (تقویمِ تاریخی ص ۳۸)

آن کی آن میں ہزارہا اشخاص اس کی جھوٹی نبوت کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے اور ابوجعفر منصور کی طرف سے مقرر کردہ مَرو کے حاکم کو شکست فاش بھی دی اور خراسان کے اکثر حصوں پر قبضہ کرلیا، مگر جلد ہی منصور ہی کی طرف سے بھیجے گئے دوسرے سپہ سالار حازم بن خزیمہ نے بہت چالاکی اور جنگی اصولوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے استاد سیس کے ستر ہزار کے قریب افراد کو میدانِ جنگ میں قتل کردیا اور باقی افراد کو مع جھوٹے نبی کے گرفتار کرلیا (تاریخ اسلام اکبری ج ۲ ص ۳۱۸)

□......ماہِ محرم ۱۶۱ھ: میں مسجدِ نبوی کی توسیع ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۴۱)

عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کو مسجدِ نبوی میں توسیع کی تجویز دی گئی لیکن اس نے فی الحال توقف کیا اور اسی دوران اس کا انتقال ہوگیا، ۱۵۸ھ میں جب ابوجعفر منصور کے بعد ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المہدی کو ان کا جانشین مقرر کیا گیا تو اس نے جعفر بن سلیمان کو مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کیا اور اسے مسجدِ نبوی میں توسیع کا حکم دیا، چنانچہ اس کی نگرانی میں مسجدِ نبوی کی

توسیع کا عظیم الشان کام شروع ہوا (تاریخ مدینہ منورہ ص ۳۲۹)

□...... ماہِ محرم ۱۶۳ھ: میں جنگِ روم ہوئی۔

۱۶۲ھ میں رومیوں نے مسلمانوں کے شہروں پر حملہ کر کے ان کو ویران کر دیا تھا، اس لئے عباسی خلیفہ مہدی خود لشکر لے کر ان کی طرف بڑھا، مہدی خود حلب پہنچ کر رک گئے اور اپنے بیٹے ھارون کو فوج اور سرداروں کے ساتھ آگے روانہ کیا، ھارون نے آگے بڑھ کر رومیوں کے قلعوں کا محاصرہ کیا اور یکے بعد دیگرے کئی قلعے فتح کئے (تاریخِ اسلام ج ۲ ص ۳۱۸ از اکبر شاہ خان صاحب، البدایۃ والنھایۃ ج ۱۰ ثم دخلت سنۃ ثلاث وستین ومائۃ، لیکن البدایۃ میں مہینے کی تعیین نہیں اور تقویمِ تاریخی ص ۴۱ پر اس کا وقوع ۱۶۲ھ میں ہونا مذکور ہے)

□...... ماہِ محرم ۱۶۹ھ: میں عباسی خلیفہ مہدی کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۴۳)

خلیفہ مہدی، عباسی خلفاء میں نہایت نیک، متقی، سخی، خوش مزاج، بہادر اور نیک دل خلیفہ تھا، رفاہِ عامہ کے کاموں میں بہت زیادہ دلچسپی لیتا تھا، اس کے دربار میں ہر خاص وعام داخل ہو سکتا تھا، عبادت گذار بھی تھا، بعض اوقات لوگوں نے اس پر قاضی کی عدالت میں دعوے بھی دائر کئے اور مہدی قاضی کی عدالت میں فریق کی حیثیت سے حاضر ہوا (تاریخِ اسلام ج ۲ ص ۳۲۱، از اکبر شان خان صاحب، البدایۃ والنھایۃ ج ۱۰ خلافۃ موسی الھادی بن المھدی سنۃ تسع وستین ومائۃ)

□...... ماہِ محرم ۱۸۶ھ: میں حضرت عمار بن محمد ابوالیقظان رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بغداد میں رہتے تھے اور حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بھانجے تھے، امام اعمش رحمہ اللہ سے حدیث بیان کرتے ہیں، آپ کے شاگردوں میں امام احمد بن حنبل اور حضرت حسن بن وقد رحمہ اللہ شامل ہیں (المنتظم ج ۹ ص ۶۸)

□...... ماہِ محرم ۱۸۷ھ: میں عباسی خلیفہ ھارون الرشید کے وزیر جعفر برمکی قتل ہوئے۔

جعفر برمکی نہایت مدبر وزیر تھے، اور انہوں نے ھارون الرشید کے دربار میں بڑا مقام حاصل کیا یہاں تک کہ ترقی کرتے کرتے امورِ سلطنت میں اتنے دخیل ہو گئے کہ ھارون الرشید

صرف نام کے خلیفہ رہ گئے، لیکن ھارون الرشید کو جعفر برمکی کے مخالفین نے جعفر برمکی سے اتنا بدظن کیا کہ ھارون الرشید نے ان کو قتل کرادیا (تاریخِ اسلام ج۲ص۱۲۸، از شاہ معین الدین صاحب، البدایۃ والنھایۃ ج۱۰ ثم دخلت سنۃ سبع وثمانین ومائۃ)

□...... ماہِ محرم ۱۹۶ھ: میں حضرت حاتم بن ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔
آپ کی کنیت ابوبکر تھی، کوفہ میں رہائش تھی، اورامین کے دور سے پہلے آپ کو مصر کا قاضی بنایا گیا (المنتظم ج۱۰ ص۳۵)

تیسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... ماہِ محرم ۲۰۸ھ: میں حضرت ابووھب عبداللہ بن بکر بن حبیب الباہلی البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔
آپ بغداد میں رہتے تھے، اور حمید الطّویل، حاتم بن ابی صغیرہ اور سعید بن ابی عروبہ رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام احمد بن حنبل، ابوخیثمہ اور حسن بن عرفہ رحمہم اللہ آپ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں (المنتظم ج۱۰ ص۱۸۳)

□...... ماہِ محرم ۲۱۲ھ: میں حضرت اسد بن موسیٰ بن ابراہیم بن ولید بن عبدالملک بن مروان بن الحکم القرشی الاموی البصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔
ابراہیم بن سعد، اسرائیل بن یونس، شعبہ، شیبان النحوی، روح بن عبادۃ اور حماد بن زید رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، احمد بن صالح المصری، ربیع الجیزی اور ہشام بن عمار رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے آپ کو ''مشہور الحدیث'' قرار دیا ہے، ۱۳۲ھ میں مصر میں ولادت ہوئی (طبقات الحفاظ ج۱ص۱۷۱)

□...... ماہِ محرم ۲۲۱ھ: میں حضرت عیسیٰ بن ابان بن صدقہ بن موسیٰ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔
حضرت ابراہیم رحمہ اللہ آپ کے استاد ہیں، آپ نے امام محمد رحمہ اللہ کی صحبت اختیار کی اوران

سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، یحییٰ بن اکثم نے مہدی کے لشکر میں آپ کو قضا کا عہدہ سپرد کیا، آپ بہت سخی تھے، اور بصرہ میں وفات ہوئی (المنتظم ج ۱۱ ص ۶۸)

□......ماہِ محرم ۲۲۸ھ: میں حضرت ابونصر عبدالملک بن عبدالعزیز التمار رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

امام مالک بن انس اور ''حمادین'' رحمہما اللہ سے آپ روایت کرتے ہیں، امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ نے اپنی صحیح مسلم میں آپ سے روایت کی، آپ بہت بڑے عالم اور زاہد تھے اور ابدال (اللہ کے ولیوں کے ایک مخصوص طبقے کا اصطلاحی لقب) میں آپ کا شمار ہوتا تھا، ۹۰ سال سے زیادہ کی عمر پائی (المنتظم ج ۱۱ ص ۱۳۹)

□......ماہِ محرم ۲۳۵ھ: میں حضرت ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم العبسی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابنِ ابی شیبہ کے نام سے مشہور تھے، ۱۵۹ھ میں ولادت ہوئی، شریک بن عبداللہ ، سفیان، ہشیم اور عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، امام احمد بن حنبل اور ان کے بیٹے عبداللہ، عباس الدوری اور بغوی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، مصنف ابنِ ابی شیبہ کے نام سے حدیث کا ایک ضخیم مجموعہ آپ کا تصنیف کردہ ہے (المنتظم ج ۱۱ ص ۲۳۱)

□......ماہِ محرم ۲۳۶ھ: میں حضرت ابوابراہیم اسماعیل بن ابراہیم بن بسام الترجمانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

اسماعیل بن عیاش، بقیۃ اور ہشیم بن بشیر رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں (المنتظم ج ۱۱ ص ۲۳۸)

□......ماہِ محرم ۲۳۶ھ: میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن منذر بن عبداللہ الحزامی الاسدی المدنی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابنِ عیینہ، ابنِ وہب اور ولید بن مسلم رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام بخاری، ابنِ

ماجہ، ثعلب، دارمی اور ابنِ ابی الدنیا رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی "قال ابو حاتم هو اعرف بالحديث من ابراهيم بن حمزة الا انه خلط فی القرآن فهجره احمد " (طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۸)

□......ماہِ محرم ۲۳۹ ھ: میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن حبان بن ابراہیم المرادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

عمرو بن حکام رحمہ اللہ آپ کے استاد ہیں، حافظ الحدیث اور ثقہ تھے (المنتظم ج ۱۱ ص ۲۶۷)

□......ماہِ محرم ۲۳۹ ھ: میں حضرت ابوالحسن عثمان بن محمد بن ابراہیم بن عثمان العبسی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بھی ابنِ ابی شیبہ کے نام سے مشہور تھے، طلبِ حدیث میں مختلف ممالک کا سفر کیا اور بہت سی کتب لکھیں، شریک بن عبداللہ، ابن عیینہ اور ہشیم رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، امام باغندی اور بغوی رحمہما اللہ آپ کے شاگرد ہیں (المنتظم ج ۱۱ ص ۲۶۸)

□......ماہِ محرم ۲۴۰ ھ: میں حضرت ابوعبداللہ قاضی احمد بن ابی داؤد بن جریز رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ عباسی خلیفہ المعتصم با للہ اور الواثق باللہ کے دورِ خلافت میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے (المنتظم ج ۱۱ ص ۲۷۵)

□......ماہِ محرم ۲۴۴ ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن ابان بن وزیر البلخی مستملی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بغداد تشریف لائے اور ابوبکر بن عیاش، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن ادریس اور وکیع رحمہم اللہ سے حدیث کا علم حاصل کیا، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری میں آپ سے روایت کی ہے (المنتظم ج ۱۱ ص ۳۲۷)

□......ماہِ محرم ۲۵۲ ھ: میں عباسی خلیفہ المعتز باللہ کی خلافت کے لئے بیعت ہوئی۔

معتز باللہ ہر وقت عیش ونشاط میں ڈوبا رہتا تھا، اس کی خوبیاں کم اور برائیاں زیادہ تھیں، اس کی ماں اس کی طرف سے سلطنت کے معاملات سرانجام دیا کرتی تھی، جس کی وجہ سے ہر شخص کو امورِ مملکت میں تصرف کا موقع ہاتھ آجاتا تھا، اور معتز دیکھا کرتا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سلطنت میں لوگوں کی نظروں سے بالکل گر گیا، یہ عباسی خلفاء میں ناکام حکمران تھا، اس کا زمانہ شورشوں اور انقلابات میں گزرا، اس کو انتظامِ سلطنت کا موقعہ نہیں ملا، بلکہ عباسی حکومت کا ایک حصہ دولتِ صفاریہ کی شکل میں رونما ہوا، اس کے علاوہ طبرستان پر زیدیوں کا قبضہ وتصرف ہوا، معتز باللہ ترکوں کے مقابلہ میں بہت ضعیف تھا، اور اس کا آخری زمانہ ترکوں کی وجہ سے بہت تکلیف میں گزرا، اس کی مملکت میں اس کے کئی علاقے اس سے کٹ گئے اور وہاں نئی حکومتیں بن گئیں، ۲۵۴ھ میں دولتِ طولونیہ کی بنیاد اسی کے دورِ حکومت میں پڑی، ترکوں نے اس سے زبردستی خلافت لے کر محمد بن واثق کے سپرد کی اور معتز نے بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کی، بیعت کے واقعہ کے پانچ روز بعد ترک معتز کو پکڑ کر حمام میں لے گئے، یہاں اس کو غسل کرایا، اس کو پیاس لگی تو پانی نہ دیا اور وہاں سے نکال کر اس کو برف کا پانی پلادیا، جس کے پیتے ہی معتز کا دم نکل گیا، یہ واقعہ شعبان ۲۵۵ھ کا ہے، اس کی نمازِ جنازہ مہتدی نے پڑھائی۔

(بغية الطلب فی تاریخ حلب لابن العدیم ج۴ص ۴۶، تاریخ الیعقوبی للیعقوبی ج ۱ ص ۳۱۵، تاریخِ بغداد ج ۱ ص ۲۴۸، تاریخِ ملت ج ۲ ص ۳۷۸ تا ۳۸۲)

□......ماہِ محرم ۲۵۳ھ: میں حضرت ابوالاشعث احمد بن مقدام بن سلیمان بن اشعث بن اسلم بن سوید عجلی بصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

امیہ بن خالد، بشر بن المفضل، حزم بن ابو القطعی، حماد بن زید، خالد بن الحارث، زہیر بن علاء القیسی اور عبداللہ بن جعفر بن نجیح رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، بخاری، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، ابوعبداللہ احمد بن علی بن العلاء الجوزجانی، حسین بن اسماعیل المحاملی اور ابوعروبۃ حسین بن محمد الحرانی اور حسین بن یحییٰ بن عیاش القطان رحمہم

اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں’’سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ص ۲۲۰، العبر فی خبر من غبر ج ۱ص ۸۷، تہذیب التہذیب ج ۱ص ۱۷ میں آپ کی سنِ وفات کا مہینہ صفر لکھا ہوا ہے‘‘

(تهذيب الكمال ج ۱ ص ۴۹۰، ثقات ابنِ حبان ج۸ ص ۳۲)

□......ماہِ محرم ۲۵۴ھ: میں ابوالعباس احمد بن مزاحم بن خاقان بن عرطوج مصر کے حکمران بنے۔

ان سے پہلے ان کے والد حکمران تھے، حکمران بننے کے دو مہینے اور ایک دن بعد ہی ان کی ربیع الآخر کے مہینے میں وفات ہوگئی، ان کے بعد مصر کی حکومت ارخوز بن اولوغ طرخان ترکی کے حوالے کی گئی (النجوم الزاهرة فی ملوک مصر وقاهرة ج ۱ ص ۲۶۵)

□......ماہِ محرم ۲۵۴ھ: میں حضرت ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن سوید البلوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابو یعقوب الرملی کے نام سے مشہور تھے، آدم بن ابی ایاس العسقلانی، اسماعیل بن ابی اویس، ایوب بن سلیمان بن بلال اور جعفر بن صبیح الحمصی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابوداؤد، ابوزرعہ عبدالرحمٰن بن عمرو الدمشقی، عبداللہ بن محمد بن الصنام الرملی، عمر بن محمد بن بجیر البجیری اور ابوالعباس محمد بن احمد بن سلیمان الحصروی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، رملہ کے مقام پر وفات ہوئی۔

(ثقات لابنِ حبان ج ۱ ص ۲۶، بحواله حاشية تهذيب الكمال ج۲ ص ۳۶۶، تهذيب التهذيب ج ۱ ص ۱۸۸)

□......ماہِ محرم ۲۵۴ھ: میں حضرت ابو صالح جعفر بن مسافر بن ابراہیم بن راشد التنیسی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابو صالح الہذلی کے نام سے مشہور تھے، اسماعیل بن ابی اویس، اسماعیل بن مسلمة بن قعنب القعنبی، ایوب بن سوید الرملی، بشر بن بکر التنیسی، حسن بن بلال البصری اور خلاد بن

یحییٰ الجعفی رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں، ابوداوٗد، ابنِ ماجہ، نسائی، ابوبکر احمد بن عیسیٰ الخشاب التنیسی، احمد بن محمد بن حسن البغدادی، حسین بن احمد المالکی اور عبداللہ بن ابوداوٗد رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

(الجرح والتعدیل ج۲ باب ۲۰۱۰، ثقات لابنِ حبان ص ۷۰، شیوخ ابوداوٗد للجیانی ص ۷۹، المعجم المشتمل لابنِ عساکر باب ۲۱۷، معجم البلدان ج۳ ص ۸۸۸، تذھیب للذھبی ج ۱ ص ۱۱۰، الکاشف ج ۱ ص ۱۸۶ بحوالہ حاشیۃ تھذیب الکمال ج۵ ص ۱۱۰، تھذیب التھذیب ج۲ ص ۹۱)

□......ماہِ محرم ۲۵۶ھ: میں حضرت ابوعمیر عیسیٰ بن محمد بن اسحاق بن النحاس الرملی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابوعمیر بن النحاس کے نام سے مشہور تھے، ولید بن مسلم، ضمرۃ بن ربیعہ، ایوب بن سوید اور زید بن ابوالزرقاء رحمہم اللہ سے آپ روایت کرتے ہیں، ابوداوٗد، نسائی، یحییٰ بن معین (یہ آپ سے علم، عمر اور مقام ومرتبہ میں بڑے ہیں) ابوزرعہ الرازی، ابوحاتم، جعفر الفریابی، عمر بن محمد بن بجیر، ابوبکر بن ابی داؤد اور ابنِ جوصا رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث روایت کی، امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”آپ کثرت سے عبادت کرتے تھے، اور ایسی حالت میں علم حاصل کیا کہ آپ کے پاس تن ڈھانپنے کے لئے گز بھر بوسیدہ کپڑا تھا“

(تاریخ ابوزرعۃ الدمشقی ص۵۸، الجرح التعدیل ج٦ باب ۱۵۹۱، اکمال لابن ماکولا ج ۷ص ۳۷۳، المعجم المشتمل باب ۷۱۳، الکاشف ج۲ باب ۴۴۶۱، تذھیب التھذیب ج۳ ص ۱۳۱، بحوالہ حاشیۃ تھذیب الکمال ج۲۳ ص ۲۷، سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۵۳)

□......ماہِ محرم ۲۵۷ھ: میں حضرت ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالحکم بن اعین بن لیث المصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ادریس بن یحییٰ الخولانی، اسحاق بن بکر بن مصر، اسد بن موسیٰ، اسود بن بلال الصدفی، اشہب بن عبدالعزیز اور حجاج بن الخیار المدنی رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، نسائی، ابراہیم بن یوسف الھسنجانی، سعید بن عبداللہ بن ابورجاء الانباری، ابوبکر عبداللہ بن ابوداوٗد، اور عبداللہ بن محمد بن یسار رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ ایک بڑے فقیہ بھی تھے لیکن آپ پر علمِ حدیث

وروایت کا غلبہ تھا۔

(الجرح والتعدیل ج۵ باب ۱۲۱۳ ، المعجم المشتمل باب ۵۳۳، معجم البلدان ج۳ ص ۸۸۸، ۸۹۶، ۹۳۴، الکاشف ج۲ باب ۳۲۷۵، تذھیب التھذیب ج۲ ص ۲۱۵، نھایۃ السلول ص ۲۰۴، تھذیب التھذیب ج۶ ص ۱۸۹ ، خلاصۃ للخزرجی ج۲ باب ۴۱۵۱ بحوالہ حاشیۃ تھذیب الکمال ج۱۲ ص ۲۱۵)

□...... ماہِ محرم ۲۵۸ھ: میں حضرت ابوعلی احمد بن حفص بن عبداللہ بن راشد رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابوعلی نیشاپوری کے نام سے مشہور تھے، اور نیشاپور کے قاضی تھے، حفص بن عبداللہ (یہ آپ کے والد ہیں) جارود بن یزید، حسین بن ولید اور عبدان رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، بخاری، ابوداؤد، نسائی، ابنِ خزیمہ، ابن ابی داؤد، ابن الشرقی، ابوبکر بن زیاد، ابوحامد بن بلال اور ابوعوانہ رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۲ ص ۳۸۴، تھذیب الکمال ج۱ ص ۲۹۶، تھذیب التھذیب ج۱ ص ۲۲)

□...... ماہِ محرم ۲۶۰ھ: میں حضرت علی بن عمرو بن حارث بن سہل بن ابوہبیرۃ یحییٰ بن عباد الانصاری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابوہبیرۃ البغدادی کے نام سے مشہور تھے، معاویہ، یحییٰ بن سعید الاموی، ابنِ عیینۃ، ابنِ علیہ، ابنِ ابی عدی اور ہیثم بن عدی رحمہم اللہ اور بہت بڑی جماعت آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابنِ ماجہ، محمد بن خلف القاضی، وکیع، احمد بن یحییٰ بن زہیر، محمد بن احمد بن ابو الثلج، ابنِ ابی حاتم اور یعقوب الجصاص رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔

(تھذیب التھذیب ج۷ ص ۳۲۱)

□...... ماہِ محرم ۲۶۰ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن علی بن ہیثم البزار رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

آپ ابنِ علون کے نام سے مشہور تھے، آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: حارث بن ابی امامہ، محمد بن احمد بن البراء، محمد بن غالب التمتام، احمد بن علی الحراز اور احمد بن ابراہیم بن ملحان رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درج ذیل ہیں: ابوالحسن بن زرقویہ، ابراہیم بن مخلد اور ابوعلی بن شاذان رحمہم اللہ، اتوار کے دن جمادی الاولیٰ ۳۵۰ھ کو آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد

ج ۲ ص ۱۸)

□......ماہِ محرم ۲۶۱ھ: میں حضرت ابوعبداللہ احمد بن عثمان بن حکیم بن ذیبان الاودی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابوعبداللہ الکوفی کے نام سے مشہور تھے، علی بن حکیم الاودی رحمہ اللہ آپ کے بھائی تھے، احمد بن مفضل القرشی الحضر ی، اسحاق بن منصور السلولی، بکر بن عبدالرحمٰن الکوفی القاضی، بکر بن یونس بن بکیر الشیبانی، جعفر بن عون اور حسن بن بشر البجلی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِ فہرست ہیں، بخاری، مسلم، نسائی، ابنِ ماجہ، احمد بن محمد بن یزید الزعفرانی، احمد بن محمد بن یعقوب الخزاز الاصبہانی، ابو القاسم بدر بن ہیثم القاضی اور حسن بن علی بن نصر الطّوسی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، عاشوراء یعنی ۱۰ محرم کے دن آپ کی وفات ہوئی۔

(تهذيب التهذيب ج ۱ ص ۵۳، تهذيب الكمال ج ۲ ص ۴۰۶)

□......ماہِ محرم ۲۶۱ھ: میں حضرت ابوشعیب صالح بن زیاد بن عبداللہ بن جارود السوسی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابوشعیب المقرئ کے نام سے مشہور تھے، رقّہ میں رہائش پذیر تھے، ۹۰ سال کی عمر پائی، اسباط بن محمد القرشی، ابو اسامہ حماد بن اسامہ، خطاب بن یسار الحرانی، داؤد بن المحبر اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، نسائی، ابراہیم بن محمد بن حسن بن متویہ الاصبہانی، ابوبکر احمد بن ابو عاصم النبیل اور زکریا بن حسین النسفی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

(الكنى للدولابى ج ۲ ص ۹۸، الجرح والتعديل ج ۴ باب ۱۸۲۶، ثقات ابنِ حبان ج ۱ ص ۱۹۳، كتاب الانساب للسمعانى ج ۷ ص ۱۹۰، المعجم المشتمل لابن عساكر باب ۴۲۷، سير اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۳۸۰، الكاشف ج ۲ باب ۲۳۵۹، المغنى باب ۲۸۲۹ جلد ۱، تذكرة الحفاظ ج ۲ ص ۵۵۹، العبر فى خبر من غبر ج ۲ ص ۲۵، تذهيب التهذيب ج ۲ ص ۸۷، غاية النهاية ج ۱ ص ۲۳۲، نهاية السول ص ۱۴۴، تهذيب التهذيب ج ۴ ص ۳۴۳، تقريب التهذيب ج ۱ ص ۳۶۰، خلاصة للخزرجى ج ۱ باب ۳۰۲۹، شذرات الذهب ج ۲ ص ۱۴۳ بحواله حاشية تهذيب

الکمال ج۱۳ ص ۵۲)

□......ماہِ محرم ۲۶۱ھ: میں حضرت ابو جعفر محمد بن حسین بن ابراہیم بن الحر بن زعلان العامری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابنِ اشکاب کے نام سے مشہور تھے کیونکہ آپ کے والد کا لقب اشکاب تھا، آپ اصلاً خراسان کے شہر ''نسا'' کے رہنے والے تھے، ابوالمنذ راسماعیل بن عمر، ابوالنضر ہاشم بن قاسم، مصعب بن مقدام، محمد بن ابوعبیدہ المسعودی اور معاویہ بن ہاشم رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، امام بخاری، عبداللہ بن احمد بن حنبل، حر بن محمد بن اشکاب (یہ آپ کے بیٹے ہیں) یحییٰ بن صاعد اور محمد بن مخلد الدوری رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی ولادت ۱۸۱ھ میں ہوئی، ۸۰ سال کی عمر میں وفات ہوئی ''آپ کی تاریخِ وفات میں اختلاف ملتا ہے'' (تاریخِ بغداد ج۱ ص ۲۹۱)

□......ماہِ محرم ۲۶۴ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن یزید بن حیان الاعشم رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ النتوف کے نام سے مشہور تھے، شبابہ بن سوار، علی بن عاصم، روح بن عبادہ اور عبدالعزیز بن ابان رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی احمد بن ہارون البردیجی، قاضی محاملی اور محمد بن مخلد رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (تاریخِ بغداد ج۱ ص ۴۱۲)

□......ماہِ محرم ۲۶۵ھ: میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن حارث بن اسماعیل البغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ماوراء النہر (وسطی ایشیا) کے علاقے نیشاپور میں رہتے تھے، حجاج بن محمد المصیصی، عبدالعزیز بن ابان القرشی، علی بن المدینی، یزید بن ھارون اور ابوالنضر ھاشم بن القاسم رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، بخاری، ابوداؤد، ابراہیم بن ابوطالب، ابوعمرو احمد بن مبارک المستملی اور جعفر بن احمد بن نصر الحصیری رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ۷/محرم کے دن وفات ہوئی، اور ظہر کے بعد دفن ہوئے، نمازِ جنازہ یحییٰ بن محمد بن یحییٰ

رحمہ اللہ نے پڑھائی۔

(تاریخ الخطیب ج٦ ص ٥٤، تھذیب التھذیب ج ا ص ٩٧، الکاشف ج ا ص ٧٨، اکمال للمغلطائی ج ا ص ٥٠، الوفی للصفدی ج٥ ص ٣٤٦ بحواله حاشیة تھذیب الکمال ج٢ ص ٦٦)

□......ماہِ محرم ٢٦٥ھ: میں حضرت ابوجعفر محمد بن ہارون الفلاس رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ابونعیم فضل بن دکین، سعد بن حفص، عمرو بن حماد بن طلحہ، حسن بن بشر اور سلیمان بن حرب رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، قاضی محاملی اور محمد بن مخلد رحمہما اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تاریخِ بغداد ج٢ ص ١٣٦)

□......ماہِ محرم ٢٦٨ھ: میں حضرت ابومحمد عباس بن عبداللہ بن ابوعیسیٰ الواسطی الباکسائی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بغداد میں رہائش پذیر تھے، حفص بن عمر العدنی، رواد بن جراح العسقلانی، زید بن یحییٰ بن عبید الدمشقی اور سعید بن عبداللہ بن دینار رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، ابنِ ماجہ، ابوعیسیٰ احمد بن اسحاق الانماطی، قاضی ابوالعباس احمد بن عمر بن سریج الشافعی اور اسماعیل بن عباس الوارق رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں ''آپ کی وفات میں کئی اقوال ملتے ہیں مثلاً ٢٥٧ھ، ٢٦٧ھ''۔

(تاریخ واسط ص ٤٦، ثقات لابنِ حبان ج٨ ص ٥١٣، تاریخ بغداد ج١٢ ص ١٤٣، المعجم المشتمل باب ٤٥٢، معجم البلدان ج ا ص ٤٧٧، ٧٠٩، ٨٣٨، سیراعلام النبلاء ج١٣ ص ١٢، تذکرة الحفاظ ص ٥٦٦، الکاشف ج٢ باب ٢٦٣٠، تذھیب التھذیب ج٢ ص ١٢٥، رجال ابن ماجة ص ١٨، اکمال للمغلطائی ج٢ ص ٢٣٦، نھایة السلول ص ١٦٠، تھذیب التھذیب ص ٥ ص ١١٩، تقریب التھذیب ج ا ص ٣٩٧، خلاصه للخزرجی ج٢ باب ٣٣٥٠، شذرات الذھب ج٢ ص ١٥٣ بحواله حاشیة تھذیب الکمال ج١٤ ص ٢١٩)

□......ماہِ محرم ٢٦٩ھ: میں حضرت ابوبکر تمام بن محمد بن سلیمان بن محمد بن عبداللہ بن عباس رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل اور محمد بن عثمان بن ابی شیبہ رحمہما اللہ آپ کے استاد ہیں، ابوالحسن بن زرقویہ رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں، ذیقعدہ ٣٥٠ھ میں وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج٢ ص ٢٢٧)

□......ماہِ محرم ٢٧٢ھ: میں حضرت ابوجعفر محمد بن الورد بن زنجویہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ مصر میں رہتے تھے، عفان بن مسلم رحمہ اللہ آپ کے استاد اور ابو جعفر الطحاوی رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں (تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۱۲۸)

□......ماہِ محرم ۲۷۳ھ: میں حضرت ابو ابراہیم احمد بن سعد بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابو ابراہیم الزہری کے نام سے مشہور تھے، آپ کی ولادت ۱۹۸ھ میں ہوئی، عفان، علی بن الجعد، یحیٰی بن بکیر، یحیٰی بن سلیمان الجعفی اور محمد بن سلام الجمعی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابنِ صاعد، ابو عبداللہ المحاملی، ابو عوانہ اور اسماعیل الصفار رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام ابو عوانہ رحمہ اللہ نے آپ کو ابدال میں شمار کیا ہے، خطیبؒ فرماتے ہیں کہ "آپ کا علم وفضل لوگوں میں مشہور تھا، اور آپ کے زہد اور نیک صالح ہونے کی مثال دی جاتی تھی، آپ کے گھرانے کے تمام افراد علماء ومحدثین گزرے ہیں" (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۱۱۸، طبقات الحنابلہ ج ۱ ص ۱۷)

□......ماہِ محرم ۲۷۶ھ: میں اموی حکمران منذر بن محمد بن عبدالرحمٰن بن الحکم الاموی کی وفات ہوئی۔

ان کی مدتِ حکومت ایک سال گیارہ مہینے اور گیارہ دن تھی، ۴۶ سال عمر پائی، جس دن ان کی وفات ہوئی اسی دن ان کے بھائی عبداللہ بن محمد کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کی "سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۶۲۳ میں صفر ۲۷۵ھ میں آپ کی وفات لکھی ہے" (الکامل فی التاریخ ج ۳ ص ۳۳۸)

□......ماہِ محرم ۲۸۰ھ: میں شیخ الحنفیہ حضرت ابو جعفر احمد بن ابی عمران موسیٰ بن عیسیٰ البغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابنِ ابی عمران کے نام سے مشہور تھے، مصر میں رہتے تھے، عاصم بن علی، محمد بن عبداللہ بن سماعہ، سعدویہ الواسطی اور بشر بن ولید الکندی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ

امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ کی خدمت میں رہے اور علمِ فقہ کی تعلیم ان سے حاصل کی، قاضی بکار بن قتیبہ رحمہ اللہ کے بعد ایک مدت تک آپ مصر کے قاضی رہے، آپ علم کے گہرے سمندر تھے اور آپ کا حافظہ اور ذہانت لوگوں میں مشہور ومعروف تھا (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۳۳۵)

□......ماہِ محرم ۲۸۱ھ: میں حضرت ابوبکر احمد بن اسحاق بن عطاء الوزان رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ مسلم بن ابراہیم الفراہیدی، ربیع بن یحییٰ الاشنانی، قرۃ بن حبیب القنوی اور ہریم بن عثمان رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، محمد بن مخلد العطار، محمد بن عمرو الرزاز اور عبداللہ بن اسحاق البغوی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، یکم محرم ہفتہ کے دن وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۱۹۰)

□......ماہِ محرم ۲۸۲ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن عبید بن ابی الاسد مروزی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ اسحاق بن ابراہیم الجندی، شریح بن نعمان، عمرو بن مرزوق، سعید بن منصور اور ابوبکر الحمیدی رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، محمد بن عمرو البزار اور ابوبکر الشافعی رحمہما اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، حدیث کے معاملہ میں ثقہ شمار ہوتے ہیں، آخری عمر میں آپ کی نظر بہت کمزور ہوگئی تھی (تاریخِ بغداد ج ا ص ۴۶۷)

□......ماہِ محرم ۲۸۲ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن الفرج الازرق رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ حجاج بن محمد الاعور، محمد بن عمر الواقدی، محمد بن عبداللہ بن کنانہ اور ابوالنضر ہاشم بن القاسم رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، محمد بن عباس بن نجیح، عبدالصمد بن علی الطستی، ابوسہل بن زیاد رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں (تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۵۲)

□......ماہِ محرم ۲۸۳ھ: میں شیخ العارفین حضرت ابومحمد سہل بن عبداللہ بن یونس التستری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابومحمد التستری کے نام سے مشہور تھے، اپنے ماموں محمد بن سوار کی صحبت میں رہے، اور حج کے دوران حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ سے بھی ملاقات فرمائی اور ان کی صحبت

اختیار کی، عمر بن واصل، ابو محمد الجریری، عباس بن عصام اور محمد بن المنذر الھجیمی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ کے تصوف میں مواعظ وملفوظات بہت نصیحت آموز شمار ہوتے تھے اس کے ساتھ ساتھ آپ کو تصوف میں رسوخ اور کمال حاصل تھا، آپ نے ایک مرتبہ فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی ھادی اور راستہ دکھانے والا نہیں، اور تقویٰ کے بغیر زادِ نہیں اور استقامت کے بغیر کوئی عمل عمل نہیں۔

آپ کی احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وتعلق کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کی کہ جس زبان سے آپ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت کرتے ہیں وہ نکالئے تاکہ میں اس کا بوسہ لوں، تو انہوں نے ان کے لئے اپنی زبان نکال لی۔

آپ فرماتے ہیں:

ہمارے اصول چھ ہیں، قرآن مجید کو مضبوطی سے پکڑنا، سنتِ رسول کی اقتداء واتباع کرنا، اکلِ حلال کا اہتمام کرنا، ہر قسم کی ایذاء رسانی سے بچنا، توبہ پر مداومت رکھنا، اور اہلِ حقوق کے حقوق ادا کرنا۔

ایک موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا:

جو لایعنی اور فضول گفتگو کا عادی ہو وہ صدق وسچائی سے محروم ہے، جو بے ہودہ وفضول کام میں مشغول ہوجائے وہ پرہیز گاری سے محروم ہے، اور جو بدگمانی کیا کرتا ہو وہ یقین سے محروم ہے اور جو ان تینوں چیزوں سے محروم رہا وہ ہلاک ہوگیا برباد ہوگیا۔

۸۰ سال سے زائد عمر میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۳۳۳)

□......ماہِ محرم ۲۸۳ھ: میں حضرت ابوعبداللہ حسن بن علی بن بشر رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔
آپ ابوعبداللہ الصوفی کے نام سے مشہور تھے، ہاشم بن عبدالواحد الجشاش، حسن بن عمر بن شقیق، قطن بن نسیر اور جعفر بن مہران السباک رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوعلی بن خزیمہ رحمہ اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (تاریخِ بغداد ج۳ص۷ ۳۹)

□......ماہِ محرم ۲۸۶ھ: میں حضرت ابوجعفر محمد بن علی البغدادی الخزاز رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔
ھوزہ بن خلیفہ، سریح بن نعمان، عاصم بن علی، سعدویہ، احمد بن یونس اور اسید بن زید الجمال رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، ابنِ صاعد، جعفر الخلدی، ابوعمرو بن السماک، ابوبکر الشافعی اور ابوبکر بن خلاد رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (سیراعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۴۸۹)

□......ماہِ محرم ۲۸۷ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن وضاح بن بزیع المروانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔
آپ ابنِ وضاح کے نام سے مشہور تھے، ۱۹۹، یا ۲۰۰ میں ولادت ہوئی، یحییٰ بن معین، اسماعیل بن ابی اویس، اصبغ بن الفرج، زہیر بن عباد، حرملہ، یعقوب بن کاسب، اسحاق بن اسرائیل اور محمد بن رمح رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِ فہرست ہیں، آپ نے طلبِ علم ابنِ ابی ایاس رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں شروع کردیا تھا لیکن ان سے علمِ حدیث حاصل نہیں کیا، اس کے علاوہ آپ نے عراق، شام اور مصر کا سفر کیا اور خوب علم حاصل کیا، احمد بن خالد الجباب، قاسم بن اصبغ، محمد بن ایمن، احمد بن عبادۃ اور محمد بن المسور رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں ”تذکرۃ الحفاظ ج۲ص۶۷۷ میں آپ کی سنِ وفات ۲۸۹ھ لکھی ہوئی ہے“ (سیراعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۴۴۶)

□......ماہِ محرم ۲۹۲ھ: میں حضرت ابوالعباس محمد بن حسن بن حیدرۃ البزاز رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔
منجاب بن حارث، قاسم بن ابی شیبہ اور جعفر بن حمید رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، عبدالباقی بن قانع رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں (تاریخِ بغداد ج ۱ ص ۲۷۴)

□......ماہِ محرم ۲۸۹ھ: میں حضرت ابوزکریا یحییٰ بن ایوب بن بادی المصری العلاف رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

سعید بن ابی مریم، عبدالغفار بن داؤد الحرانی، یوسف بن عدی اور یحییٰ بن بکیر رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، نسائی، محمد بن جعفر الحضرمی اورابوالقاسم الطبرانی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ مصر کے فقیہ شمار ہوتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۴۵۳،تهذيب التهذيب ج ۱۱ ص ۱۶۳)

□......ماہِ محرم ۲۹۰ھ: میں حضرت ابوبکر عمر ابراہیم بن سلیمان البغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابوالآذان کے نام سے مشہور تھے، سامرآء میں رہائش پذیر تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: احمد بن ابراہیم القطیعی، احمد بن محمد بن یحییٰ بن سعید القطان اور اسماعیل بن مسعود الجحدری رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: نسائی، احمد بن عبیداللہ بن الاصبغ الحرانی، ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید بن عقدہ، حاجب بن ارکین الفرغانی اور ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی رحمہم اللہ، ایک مرتبہ آپ کا کسی معاملہ میں ایک یہودی یا کسی اور سے تنازعہ پیدا ہوگیا، تو آپ نے اس سے فرمایا کہ آؤ ہم دونوں اپنا اپنا ہاتھ آگ میں ڈالتے ہیں، جو باطل پر ہوگا اس کا ہاتھ جل جائے گا اور جو حق پر ہوگا اس کا ہاتھ نہیں جلے گا، جب آگ میں دونوں نے ہاتھ ڈالا تو یہودی کا ہاتھ جل گیا اور آپ کا ہاتھ نہیں جلا۔

(تاريخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۱۵، ۲۱۶، المعجم المشتمل باب ۶۶۵، المنتظم ج۶ ص ۴۱، سير اعلام النبلاء ج۱۴ ص ۸۰، الكاشف باب ۴۰۸۰، تذكرة الحفاظ ص ۶۴۴، تذهيب التهذيب ج۳ ص ۸۰، نهاية السلول ص ۲۶۰، تهذيب التهذيب ج۷ ص ۴۲۴، ۴۲۵، تقريب التهذيب ج۲ ص ۵۱، خلاصة للخزرجی ج۲ باب ۵۱۲۱ بحواله حاشية تهذيب الكمال ج ۲۱ ص ۲۶۹)

□......ماہِ محرم ۲۹۱ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن سعید بن عبدالرحمٰن بن موسیٰ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابوعبداللہ البوشبخی کے نام سے مشہور تھے، اپنے زمانے میں آپ علمِ حدیث کے شیخ

شمار ہوتے تھے، نیشا پور میں رہائش پذیر تھے، اور یہیں آپ کی وفات ہوئی، ابراہیم بن حمزہ الزبیری، ابراہیم بن منذر الحزرمی، احمد بن حنبل، احمد بن عبداللہ بن یونس اور اسماعیل بن ابو اویس رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوبکر احمد بن اسحاق بن ایوب الصبعی، ابوالعباس احمد بن محمد بن جمعہ، ابوعمرو احمد بن موسیٰ الحرشی، اسد بن حمدویہ النسفی اور ابوعمرو اسماعیل بن نجید السلمی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں "بعض حضرات نے آپ کا سنِ وفات ۲۹۰ھ لکھا ہے"۔

(الجرح والتعدیل ج۷ باب ۱۰۶۵، ثقات لابنِ حبان ج۹ ص ۱۵۲، تاریخ اصبهان ج۲ ص ۲۳۴، طبقات الحنابلہ ج۱ ص ۲۶۴، اکمال لابن ماکولا ج۱ ص ۴۲۴، المنتظم ج۶ ص ۴۸، سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۵۸۱، تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص ۶۵۷، الکاشف ج۳ باب ۵۳۲۵، تذھیب التھذیب ج۹ ص ۸ تا ۱۰، تقریب التھذیب ج۲ ص ۱۴۰، شذرات الذھب ج۲ ص ۲۰۵ بحواله حاشية تهذيب الكمال ج۲۴ ص ۳۱۳)

□......ماہِ محرم ۲۹۱ھ: میں صالح بن مدرک طائی نے اجفر مقام پر حجاج کے ایک قافلے پر ڈاکا ڈالا۔

امیرِ قافلہ اور دوسرے لوگوں نے مقابلہ کیا، لیکن فتح صالح بن مدرک کو ہوئی، اور انہوں نے سارے قافلے والوں کو لوٹ لیا، اور جو کچھ قافلے والوں کے پاس مال، لونڈیاں اور غلام وغیرہ تھے سب لے لیا، جو کچھ انہوں نے لوٹا اس کی مالیت ۲۰ لاکھ دینار بنتی تھی (الکامل فی التاریخ ج۲ ص ۳۵۳)

□......ماہِ محرم ۲۹۲ھ: میں حضرت ابوالحسن احمد بن نصر بن شاکر بن عمار الدمشقی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابوالحسن بن ابی رجاء کے نام سے مشہور تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابراہیم بن سعید الجوہری، ابراہیم بن ہشام، احمد بن محمد بن عمر الیمامی، اسحاق بن سعید الارکون، ایوب بن محمد الوزان اور حسین بن علی بن الاسود عجلی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: امام نسائی، ابواسحاق، ابراہیم بن محمد بن صالح بن سنان القرشی، ابوالحسن احمد بن عمیر بن یوسف

بن جوصی اور ابوبکر احمد بن محمد بن سعید بن فطیس الوراق رحمہم اللہ۔

(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۷۵، تہذیب الکمال ج ۱ ص ۵۰۵)

□......ماہِ محرم ۲۹۲ھ: میں حضرت شیخ العصر ابو مسلم ابراہیم بن عبداللہ بن مسلم بن ماعز بن مہاجر البصری اللجی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ابو عاصم النبیل، محمد بن عبداللہ الانصاری، معاذ بن عوذ اللہ، عبدالرحمٰن بن حماد الشعیثی اور عبدالملک بن قریب الاصمعی رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، آپ سے مروی چند احادیث ''ثلاثیات'' بھی ہیں (ثلاثیات وہ احادیث کہلاتی ہیں جس میں راوی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہوں) ابوبکر النجاد، ابوبکر الشافعی، فاروق الخطابی، حبیب القزار اور ابوالقاسم الطبرانی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ۷/محرم الحرام کو بغداد میں وفات ہوئی، بصرہ میں منتقل کیا گیا اور بصرہ ہی میں مدفون ہوئے، ۱۰۰ سال کے قریب عمر پائی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۴۲۶، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۲۱، المنتظم لابنِ جوزی ج ۴ ص ۴۷)

□......ماہِ محرم ۲۹۲ھ: میں حضرت ابوالفتح محمد بن اسحاق المؤدب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، عبدالصمد بن علی الطستی رحمہ اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں (تاریخِ بغداد ج ۱ ص ۱۱۱)

□......ماہِ محرم ۲۹۳ھ: میں حضرت ابوجعفر احمد بن قاسم بن مساور البغدادی الجوہری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابنِ مساور کے نام سے مشہور تھے، عفان بن مسلم، خالد بن خداش اور علی بن الجعد رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، عبدالباقی بن قانع، احمد بن کامل، محمد بن علی بن حبیش اور سلیمان الطبرانی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۵۵۳)

□......ماہِ محرم ۲۹۴ھ: میں حضرت ابوالغصن صباح بن عبدالرحمٰن بن فضل الاندلسی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک فقیہ بھی تھے، یحییٰ بن یحییٰ، یحییٰ بن بکیر، اصبغ بن الفرج اور ابو مصعب الزہری رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، حفص بن محمد بن حفص رحمہ اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کی مصر میں اصبغ بن الفرج رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی اور ان سے طلبِ علم کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ ایک مدت تک رہے پھر اپنے علاقے واپس لوٹ آئے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۱۲)

□......ماہِ محرم ۲۹۵ھ: میں حضرت ابو علی حسن بن علی بن شبیب البغدادی المعمری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ عراق کے محدث شمار ہوتے تھے، شیبان بن فروخ، علی بن المدینی، خلف بن ہشام، ھدبۃ بن خالد، سعید بن عبدالجبار، سوید بن سعید، جبارۃ بن المغلس اور عیسیٰ بن زغبہ رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابو بکر النجاد، ابو سہل بن زیاد، احمد بن کامل القاضی، ابنِ قانع اور احمد بن عیسیٰ التمار رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، ۸۲ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۵۱۳، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۶۸، المنتظم لابنِ جوزی ج ۴ ص ۶۰)

□......ماہِ محرم ۲۹۵ھ: میں حضرت ابو جعفر محمد بن احمد بن نصر الترمذی الشافعی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ اپنے زمانے میں عراق میں شافعی مسلک کے شیخ شمار ہوتے تھے، ۲۰۱ھ میں ولادت ہوئی، یحییٰ بن بکیر، یوسف بن عدی، اسحاق بن ابراہیم الضبی، ابراہیم بن منذر الحزامی، اور عبیداللہ القواریری رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، احمد بن کامل، ابنِ قانع، ابو بکر بن خلاد اور ابو القاسم الطبرانی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۵۴۷)

□......ماہِ محرم ۲۹۶ھ: میں حضرت ابو عبداللہ محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابو عبداللہ المروزی کے نام سے مشہور تھے، یحییٰ بن یحییٰ، اسحاق بن راہویہ، صدقہ بن فضل، شیبان بن فروخ اور سعید بن عمر الاشعثی رحمہم اللہ سمیت بہت سے اکابرین آپ کے

اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں، ابوالعباس السراج، ابوحامد بن الشرقی، ابوعبداللہ بن الاخرم، ابوالنضر محمد بن محمد اور محمد بن اسحاق السمر قندی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ خراسان کے امام شمار ہوتے تھے، حضرت ابوبکر الصبغی فرماتے ہیں کہ: ''محمد بن نصر امام ہیں، میں نے ان سے اچھی نماز پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا، مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک مرتبہ نماز کے دوران ایک بچھو نے ان کے ماتھے پر ڈنگ مارا اور خون ان کے چہرے پر گر رہا تھا لیکن انہوں نے کوئی حرکت نہیں کی'' سمر قند میں وفات ہوئی (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۵۳)

□......ماہِ محرم ۲۹۷ھ: میں حضرت ابوعبدالرحمٰن احمد بن حماد بن سفیان القرشی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی آپ ''مصیصہ'' مقام کے قاضی تھے، خراش بن محمد بن خراش، ہارون بن سعید الایلی، عقبہ بن مکرم، اسحاق بن موسیٰ اور ابوکریب الہمدانی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوبکر محمد بن حسن بن زیاد النقاش، ابوعمر بن السماک، عبدالباقی بن قانع اور ابوعبداللہ محمد بن نصر المصیصی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

(بغية الطلب فی تاریخ حلب لابن العديم ج ا ص ۲۱۶، تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۲۳۱)

چوتھی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□......ماہِ محرم ۳۰۰ھ: میں حضرت ابوعمران موسیٰ بن فضل بن الفرخان رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ آپ بغداد سے مصر تشریف لائے، بڑے فاضل، ادیب اور صاحبِ فہم وفراست تھے، اہلِ مصر کے اونچے طبقہ کے لوگوں کے ہم نوالہ وہم پیالہ تھے، حدیث کی روایت سے رک گئے تھے، تاریخِ بغداد میں ابوسعید بن یونس کے متعلق منقول ہے کہ وہ عفان بن مسلم کی سند سے اور بعض دیگر اسناد سے ان کا صاحبِ روایت ہونا نقل کرتے ہیں، اور خود بھی بعض حکایات کی ان سے سماعت کرنے کی انہوں نے خبر دی ہے، مصر میں آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۳ ص ۵۵)

□......ماہِ محرم ۳۰۱ھ: میں شیخ الوقت حضرت قاضی ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [1]

آپ کی ولادت ۲۰۷ھ میں ہوئی، شیبان بن فروخ، محمد بن ابوبکر المقدمی، ہدبۃ بن خالد، قتیبۃ بن سعید، ابومصعب الزہری، اسحاق بن راہویہ، ابوجعفر نفیلی، سلیمان بن بنت شرحبیل، محمد بن عائذ، ہشام بن عمار، صفوان بن صالح، ابوبکر بن ابی شیبۃ، ابراہیم بن الحجاج السامی، علی بن المدینی، عبدالاعلی بن حماد، عثمان بن ابی شیبۃ، ابوقدامۃ السرخسی، یزید بن موہب الرملی، ہدیۃ بن عبدالوہاب المروزی، اسحاق بن موسیٰ الخطمی، محمد بن عثمان بن خالد العثمانی، عمرو بن علی الفلاس، عبداللہ بن جعفر البرمکی، ہیثم بن ایوب الطالقانی، ابوکامل الجحدری، احمد بن عیسی التستری، محمد بن عبید بن حساب، عبیداللہ بن معاذ، ابوکریب محمد بن العلاء، تمیم بن المنتصر، ابو الاصبغ عبدالعزیز بن یحییٰ، منجاب بن الحارث اور محمد بن مصفی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، اخذِ حدیث کے لئے مشرق ومغرب میں گھومے پھرے، صاحبِ فہم ومعرفت تھے، بڑے بڑے ائمہ، مشاہیر سے ملاقات وروایت کی ہے، ابوبکر النجاد، ابو بکر الشافعی، ابوعلی بن الصواف، ابو القاسم الطبرانی، ابو الطاہر الذہلی، ابو بکر القطیعی، ابواحمد بن عدی، ابو بکر الاسماعیلی، ابو بکر الجعابی، ابو القاسم علی بن ابو العقب، ابوعلی بن ہارون، ابوحفص عمر بن الزیات، ابوبکر الآجری، عبدالباقی بن قانع، ابوالحسین محمد بن عبداللہ اور حسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، فریابی نے آپ کو ثقہ اور معتمد قرار دیا ہے، ابوولید باجی نے آپ کو ثقہ، متقن قرار دیا ہے، آپ کئی مفید کتابوں کے مصنف ہیں، ۹۴ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۱۰۰، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۵۹)

---

[1] قال الخطیب : جعفر الفریابی قاضی الدینور کان ثقة حجة، من أوعیة العلم، ومن أهل المعرفة والفهم، طوف شرقا وغربا، ولقی الاعلام .قال أحمد بن کامل : کان الفریابی مأمونا موثوقا به .وقال القاضی أبو الولید الباجی : جعفر الفریابی ثقة متقن.

□......ماہِ محرم ۳۱۶ھ: میں حضرت ابوعوانۃ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن یزید نیشاپوری اسفرائینی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

حدیث میں آپ کی کتاب ''مسند ابوعوانہ'' کے نام سے موجود ہے، آپ نے طلبِ علم کے لئے حرمین، شام، مصر، یمن، ثغور، عراق، جزیرۃ، خراسان، فارس اور اصبہان سمیت کئی علاقوں کے اسفار کئے، یونس بن عبدالاعلی، علی بن حرب الطائی، محمد بن یحییٰ الذہلی، احمد بن عبدالرحمٰن بن وہب، شعیب بن حرب الضبعی، زکریا بن یحییٰ بن اسد المروزی، سعد بن مسعود المروزی، سعدان بن نصر، عمر بن شبۃ، عیسی بن احمد البلخی، علی بن اشکاب، عبدالسلام بن ابوفروۃ النصیبی، عطیۃ بن بقیۃ بن الولید، ابوثور عمرو بن سعد بن عمرو الشعبانی، محمد بن سلیمان بن بنت مطر، ابوزرعۃ الرازی، ابوجعفر بن المنادی، محمد بن عقیل نیشاپوری اور محمد بن اسماعیل الاحمسی رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، احمد بن علی الرازی الحافظ، ابوعلی النیسابوری الحافظ، یحییٰ بن منصور، سلیمان بن احمد الطبرانی، ابواحمد بن عدی، ابوبکر الاسماعیلی، ابومصعب محمد بن ابوعوانۃ اور ابواحمد محمد بن احمد الغطریفی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (سیر اعلام النبلاء ج۱۴ ص ۴۱۹)

□......ماہِ محرم ۳۱۸ھ: میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن احمد بن عتاب العبدی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

احمد بن منصور الرمادی رحمہ اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابنِ حیویہ، اور ابنِ شاہین رحمہما اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابنِ جوزی نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے (المنتظم لابن الجوزی ج۶ ص ۱۲۶)

□......ماہِ محرم ۳۲۳ھ: میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن حماد بن اسحاق رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [1]

حماد، محمد بن یحییٰ الخیشی، عباس بن مزید، زید بن اخرم، رمادی، جعفر الفریابی، ابوالطاہر، ابو

---

[1] وکان ثقۃ صدوقاً فاضلاً۔

قلابۃ، ابوابراہیم الزہری، ابنِ منیع آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابو بکر الابہری، ابن الجہم، ابوالحسن الدارقطنی، ابوحفص بن شاہین آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، فاضل، ثقہ اور صدوق تھے، ۸۲ سال سے زیادہ عمر پائی، اور اپنے چچا اسماعیل کی قبر کے قریب دفن ہوئے۔
(الدیباج المذہب فی معرفۃ أعیان علماء المذہب لابن فرحون ج ۱ ص ۴۳)

□......ماہِ محرم ۳۰۹ھ: میں حضرت حافظ ابو محمد عبد الرحمٰن بن عبد المؤمن بن خالد الازدی مہلبی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [1]

آپ نے طلبِ علم جرجان کے علاقے سے کیا، ابنِ عدی، اسماعیلی رحمہما اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ جرجان کے بڑے اور نیک علماء میں شمار ہوتے تھے، ابنِ ماکولا نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے (طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۶۳)

□......ماہِ محرم ۳۲۷ھ: میں حضرت شیخ الاسلام ابو محمد عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس بن المنذر التمیمی الحنظلی الرازی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابنِ ابی حاتم کے نام سے مشہور تھے، اور اسماء الرجال کے بہت بڑے عالم اور حدیث پر بڑی گہری نظر رکھنے والی شخصیت تھے، آپ نے والد کے ساتھ کئی علاقوں کے سفر کر کے بڑے بڑے حضرات سے استفادہ کیا۔ خلیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنے والد اور ابوزرعہ سے علم حاصل کیا، آپ علم کا سمندر تھے، اور آپ کا شمار ابدال میں ہوتا تھا، جرح وتعدیل، تفسیر اور جہمیہ کی تردید میں بھی آپ کی خدمات ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی رونق، شادابی اور نورانیت عطا فرمائی تھی کہ دیکھنے والا متأثر و مسرور ہوتا (طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۶۸)

□......ماہِ محرم ۳۳۶ھ: میں حضرت ابوالحسین احمد بن جعفر بن محمد بن عبید اللہ بن المنادی البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [2]

---

[1] قال ابن ماکولا: ثقة یعرف الحدیث .

[2] وکان صلب الدین شرس الأخلاق ثقة من کبار القراء صنف شیئاً.
قال الخطیب: کان صلب الدین شرس الاخلاق روی الیسیر، قال :وصنف وجمع.
قال الذهبی :کان ثقة من کبار القراء .

آپ کئی مفید کتابوں کے مصنف تھے، محمد بن عبیداللہ، محمد بن عبدالملک الدقیقی، ابو بکر محمد بن اسحاق الصغانی اور ابو داؤد السجستانی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابو عمر بن حیویہ، احمد بن نصر الشذائی، احمد بن عبدالرحمٰن اور محمد بن فارس الغوری رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، ۹۷سال کی عمر میں انتقال ہوا، دینداری میں خوب مضبوط و متصلب تھے، اور کھرے اخلاق کے مالک تھے، کچھ تصنیفی کام بھی کیا، ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کی توثیق کی ہے، اور آپ کو کبار قراء میں سے قرار دیا ہے (تذکرۃ الحفاظ ج۳ص ۸۵۰، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۶۹)

□...... ماہِ محرم ۳۵۱ھ: میں حضرت ابو بکر احمد بن محمد السری بن یحییٰ بن السری بن ابن ابی دارم کوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [1]

آپ کوفہ کے محدث کے لقب سے مشہور تھے، ابراہیم بن عبداللہ العبسی القصار، احمد بن موسی الحمار، موسیٰ بن ہارون، محمد بن عبداللہ مطینا اور محمد بن عثمان بن ابی شیبہ رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، امام حاکم، ابو بکر بن مردویہ، یحییٰ بن ابراہیم المزکی، ابوالحسن بن الحمامی اور قاضی ابو بکر الحیری رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۵۷۸، تذکرۃ الحفاظ ج۳ص ۸۸۴)

□...... ماہِ محرم ۳۵۳ھ: میں حضرت ابو علی سعید بن عثمان بن سعید بن سکن مصری بزاز رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابن السکن کے نام سے مشہور تھے، آپ اصلاً بغداد کے باشندے تھے، لیکن مصر میں رہتے تھے، آپ کی ولادت ۲۹۴ھ میں ہوئی، بغداد میں ابوالقاسم بغوی، ابنِ ابی داؤد، اور ان کے طبقے سے، بحران میں حافظ ابو عروبہ اور ان کے طبقے سے، اور دمشق میں عمیر بن جوصا، اور

---

[1] قال الذھبی: کان موصوفا بالحفظ والمعرفة إلا أنه یترفض، قد ألف فی الحط علی بعض الصحابة، وھو مع ذلک لیس بثقة فی النقل. وقال ایضاً: شیخ ضال معثر. قال الحاکم: ھو رافضی، غیر ثقة. قال الذھبی فی تذکرة الحفاظ: جمع فی الحط علی الصحابة، وکان یترفض، وقد اتھم فی الحدیث...... کان موصوفا بالحفظ، له ترجمة سیئة فی المیزان ذکرنا فیھا ما حدث به من الافک المبین لا رعاه الله.

سعید بن عبدالعزیز حلبی اوران کے ہم عصروں سے حدیث کی سماعت کی، آپ نے خراسان میں صحیح بخاری کی سماعت محمد بن یوسف فربری سے کی، اور مصر میں صحیح بخاری سب سے پہلے آپ ہی لے کر آئے، ابوسلیمان بن ابوعبداللہ بن مندۃ، عبدالغنی الازدی، علی بن محمد الدقاق، عبدالرحمٰن بن عمر بن النحاس، عبداللہ بن محمد بن اسد القرطبی، ابوجعفر بن عون اللہ اور قاضی ابو عبداللہ محمد بن احمد بن مفرج رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص۱۱۸، طبقات الحفاظ ج۱ ص۷۵، تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص۹۳۸)

□...... ماہِ محرم ۳۵۳ھ: میں حضرت ابوالفتح محمد بن ابی الطیب احمد بن ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز بغوی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ اپنے دادا عبداللہ بن محمد بغوی سے حدیث کی مشہور کتاب المعجم الکبیر للطبرانی روایت کرتے ہیں، ابوالحسن بن رزقویہ رحمہ اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تاریخ بغداد ج۱ ص۳۱۲)

□...... ماہِ محرم ۳۵۷ھ: میں حضرت ابواسحٰق محمد بن احمد بن عبدالمومن اسکافی قراریطی کی وفات ہوئی۔

آپ قراریطی کے لقب سے مشہور تھے، اور محمد بن رائق کے کاتب تھے، چھیتر سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص۱۱۲)

□...... ماہِ محرم ۳۵۸ھ: میں حضرت حسن احمد بن محمد بن احمد مؤدب رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی آپ زعفرانی کی نسبت سے مشہور تھے، کہا جاتا ہے کہ احمد بن احمد بن محمد بن عبدوس بن کامل سراج آپ کے دادا ہیں، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابوبکر بن مالک قطیعی، ابومحمد بن ماسی، ابواحمد حسین بن علی نیشاپوری، محمد بن زرعان انماطی، محمد بن اسماعیل وراق، حسین بن عمر ضراب، ابوحفص بن زیات، قاضی جراحی، ابوبکرابہری، ابوالقاسم دارکی اور ابوحفص بن شاہین رحمہ اللہ، آپ کی وفات صفر ۴۴۷ھ میں ہوئی اور شونیزی مقبرہ میں دفن ہوئے (تاریخ بغداد ج۴ ص۳۸۰)

□......ماہِ محرم ۳۵۸ھ: میں حضرت ابوالحسن ثوابۃ بن احمد بن عیسیٰ بن ثوابۃ بن مہران بن عبداللہ موصلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [1]

آپ بغداد میں رہتے تھے، ابویعلیٰ احمد بن علی بن المثنی، احمد بن حسین جرادی، عبداللہ بن ابی سفیان مواصلۃ، محمد بن اسماعیل بن نباتۃ فارقی، احمد بن محمد بن بکر بالسی اور ابوعبیدۃ احمد بن عبداللہ بن احمد بن ذکوان دمشقی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوالحسن دار قطنی، ابوالحسن بن رزقویہ اور طلحہ بن علی بن صقر الکتانی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (تاریخِ بغداد ج ۷ص ۱۴۹)

□......ماہِ محرم ۳۵۹ھ: میں حضرت ابوبشر محمد بن ابی السکری عمر بن محمد بن ابراہیم بن غیاث رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

ابوالحسن بن لؤلؤ، محمد بن مظفر ابوعبید اللہ المرزبانی اور ابنِ شاہین رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، آپ کی وفات ۲۸ جمادی الاولیٰ ۴۳۸ھ بروز پیر کو ہوئی، آپ نہر بزازین کے پاس رہتے تھے، اور باب الشام کے مقبرہ میں مدفون ہوئے (تاریخِ بغداد ج ۳ص ۴۰)

□......ماہِ محرم ۳۶۰ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن حسین بن عبداللہ بغدادی آجری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [2]

آپ کئی کتب کے مصنف ہیں، جن میں سے چند ایک کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

"الشریعۃ فی السنۃ""الرؤیۃ""الغرباء""الاربعین""الثمانین""آداب العلماء""مسألۃ الطائفین""التھجد"

ابومسلم الکجی (یہ آپ سے عمر میں بڑے ہیں) محمد بن یحییٰ مروزی، ابوشعیب الحرانی، احمد بن یحییٰ حلوانی، حسن بن علی بن علویہ قطان، جعفر بن محمد فریابی، موسیٰ بن ہارون، خلف بن عمرو عکبری، عبداللہ بن ناجیہ، محمد بن صالح عکبری، جعفر بن احمد بن عاصم دمشقی، عبداللہ بن

---

[1] قال الخطیب: وکان صدوقا.

[2] قال الذھبی: وکان صدوقا، خیرا، عابدا، صاحب سنۃ واتباع.
وقال الخطیب: کان دینا ثقۃ، لہ تصانیف.

عباس طیالسی، حامد بن شعیب بلخی، احمد بن سہل بن اشنانی مقری اور احمد بن موسیٰ بن زنجویہ قطان رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، عبدالرحمٰن بن عمر بن نحاس، ابوالحسن بن بشران، ابوالقاسم بن بشران، ابوالحسن حمامی اور ابو نعیم رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، ۸۰ سال کی عمر میں مکہ مکرمہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(سیراعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۱۳۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۳۶، تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۲۴۳)

□ ...... ماہِ محرم ۳۶۰ھ: میں حضرت ابوعلی عیسیٰ بن محمد بن احمد بن عمر بن عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج طوماری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ طوماری کی نسبت سے مشہور تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابوالحارث بن اسامہ، حسین بن فہم، بشر بن موسیٰ، محمد بن احمد بن البراء، جعفر بن ابی عثمان طیالسی، ابراہیم حربی، محمد بن یونس کدیمی، مطین کوفی اور عبداللہ بن محمد بن ناجیہ رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابوالحسن بن رزقویہ، علی بن عبداللہ ہاشمی، علی بن احمد رزاز، ابوعلی بن شاذان، ابوعبداللہ خالع، محمد بن جعفر بن علان، احمد بن محمد بن ابی جعفر اخرم اور ابونعیم اصبہانی رحمہم اللہ، ۱۰ محرم ۳۶۲ھ کو آپ کی وفات ہوئی "عند البعض مات فی صفر" (تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۱۷۶)

□ ...... ماہِ محرم ۳۶۰ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن عمر بن حسن حربی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

آپ ابن القزوینی کے لقب سے مشہور تھے، ابوحفص بن زیات، ابوالعباس بن مکرم، قاضی جراحی، ابوعمر بن حیویہ، محمد بن زید بن مروان اور ابوبکر بن شاذان رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سمعت کی، خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

وَكَانَ أَحَدُ الزُّهَّادِ الْمَذْكُوْرِيْنَ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ يَقْرَأُ وَيَرْوِي الْحَدِيْثَ وَلَا يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ اِلَّا لِلصَّلَاةِ وَكَانَ وَافِرَ الْعَقْلِ صَحِيْحُ الرَّأْيِ .

آپ عابد وزاہد تھے، آپ احادیث کا درس دیتے اور روایت کرتے تھے، اور گھر سے نماز کے علاوہ کسی مقصد کے لئے نہیں نکلتے تھے، کامل العقل اور صائب الرائے تھے۔

آپ کی ولادت ہفتہ کے دن ہوئی، اور وفات اتوار کے دن ۴۴۲ھ میں ہوئی، آپ کے جنازہ میں لوگوں کی بہت بڑی تعداد شریک ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۲ ص ۴۳)

☐...... ماہِ محرم ۳۶۳ھ: میں حضرت ابوبکر عمر بن عبداللہ بن محمد بن ہارون بزاز رحمہ اللہ کا انتقال ہوا

آپ بغداد میں رہتے تھے، محمد بن منیر بن صغیر اور محمد بن محمد الباغندی رحمہما اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۲۵۲)

☐...... ماہِ محرم ۳۶۴ھ: میں حضرت ابوالحسین احمد بن علی بن حسین بن محمد بن موسیٰ رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [1]

آپ ابن التوزی کے لقب سے مشہور تھے، ابوالحسن بن لؤلؤ وراق، محمد بن مظفر، ابوبکر بن شاذان، ابوالفضل زہری، وموسیٰ بن جعفر بن عرفہ وابوحفص بن شاہین، یوسف بن عمر قواس اور معافی بن زکریا رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، آپ کی وفات بدھ کی رات ۱۶ ربیع الاول ۴۴۲ھ میں ہوئی، اور بدھ کی صبح خیزران کے مقبرہ میں دفن ہوئے (تاریخِ بغداد ج ۴ ص ۳۲۴)

☐...... ماہِ محرم ۳۶۴ھ: میں حضرت ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن ابراہیم بن عبدۃ بن قطن بن ابراہیم تمیمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کا تعلق نیشاپور سے تھا، اور سلیطی کی نسبت سے مشہور تھے، بعد میں آپ بغداد منتقل ہوگئے تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: محمد بن ابراہیم بوسنجی، جعفر بن محمد ترک،

---

[1] قال الخطيب: كان صدوقا كثير الكتاب مديما لحضور المجالس والسماع معنا ومسكنه فی درب سليم بالجانب الشرقی.

ابراہیم بن علی ذہلی ورموسیٰ بن عباس جوینی رحمہم اللہ، منگل کے دن ۲۳ محرم الحرام کو آپ کی وفات ہوئی، اوراسی دن آپ کی تدفین ہوئی، وفات کے وقت آپ کی عمر ۹۲ سال تھی (تاریخِ بغداد ج۵ ص ۴۵۹)

□...... ماہِ محرم ۳۶۶ ھ: میں حضرت ابوحفص محمد بن علی بن فتح بن محمد بن علی ابوطالب حربی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ ۱؎

آپ ابن العشاری کے لقب سے معروف تھے، علی بن عمر سکری، ابوحفص بن شاہین، ابوالحسن دارقطنی، یوسف بن عمر القواس اور ابوالہیثم بن حبابہ رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں، منگل کے دن ۲۳ جمادی الاولیٰ ۴۵۱ ھ میں آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۳ ص ۱۰۷)

□...... ماہِ محرم ۳۶۶ ھ: میں حضرت ابوعلی حسن بن بویہ دیلمی کی وفات ہوئی۔

آپ اصبہان کے امیر تھے، اور آپ کا لقب رکن الدولہ تھا، قولنج کے مقام پر ۸۰ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۲۰۳)

□...... ماہِ محرم ۳۶۷ ھ: میں حضرت ابوالحسن احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن منصور عتیقی رویانی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ ۲؎

آپ کی ولادت بغداد میں ہوئی، علی بن محمد بن احمد بن کیسان نحوی، اسحاق بن سعد نسوی، علی بن محمد بن سعید رزاز، حسین بن محمد بن عبید دقاق، ابراہیم بن احمد بن جعفر خرقی، عبدالعزیز بن جعفر خرقی، ابوحفص الزیات، ابوالعباس عبداللہ بن موسیٰ ہاشمی، ابوالقاسم دارکی، ابوبکر ابہری، محمد بن مظفر، ابوحفص بن شاہین، اورابوعمر بن حیویہ رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، آپ کی وفات ۲۱ صفر منگل کے دن ۴۴۱ ھ میں ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۴ ص ۳۷۹)

□...... ماہِ محرم ۳۶۷ ھ: میں حضرت ابوعمر عثمان بن احمد بن سمعان رزاز رحمہ اللہ کا

۱؎ قال الخطيب: و كان ثقة دينا صالحا .

۲؎ قال الخطيب: كتبت عنه و كان صدوقا ......سمعت أبا القاسم الأزهرى ذكر أبا الحسن العتيقى فأثنى عليه خيرا ووثقه.

انتقال ہوا۔ [1]

حسن بن علویہ قطان، احمد بن فرح مقرئ، حسن بن طیب شجاعی، ہیثم بن خلف دوری، علی بن اسحاق بن زاطیا، محمد بن ابراہیم بن ابوالرجال صلحی اور یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن بہلول رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ۱۲ محرم جمعرات کے دن آپ کی وفات ہوئی۔

(تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۳۰۶)

□......ماہِ محرم ۳۶۷ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن علی بن جعفر بن محمد بن جابر عطار رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [2]

محمد بن ابراہیم دیبلی، احمد بن محمد بن حسن بن سفیان، محمد بن نوح جندیسابوری اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ہارون انباری رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام دارقطنی رحمہ اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ہفتہ کی رات آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۳ ص ۸۷)

□......ماہِ محرم ۳۶۹ھ: میں حضرت ابوبکر احمد بن حسین بن احمد بن مؤمل بن ابان بن تمام بن خرزاد صیرفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [3]

آپ ابوعبید محمد بن احمد بن مؤمل رحمہ اللہ کے بھتیجے ہیں، محمد بن یحییٰ مروزی، یوسف بن یعقوب قاضی، عبداللہ بن محمد بن ناجیہ اور جعفر الفریابی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابوسعد مالینی رحمہ اللہ اور بہت سے حضرات آپ کے شاگرد ہیں (تاریخِ بغداد ج ۴ ص ۱۰۶)

□......ماہِ محرم ۳۶۹ھ: میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [4]

---

[1] قال الخطيب: وكان ثقة ستيرا كثير الكتب جميل المذهب والأثر .

[2] قال الخطيب: كان صالح الأمر ان شاء الله.

[3] قال الخطيب عن أبى الحسن بن الفرات انه ذكره فقال كان مذموما فى الرواية على ما بلغنى ولم اكتب عنه شيئا .وقال ايضاً: كان فيه نظر .

[4] قال الذهبى:الامام الحافظ الصادق.قال ابن مردويه :ثقة مأمون، صنف التفسير والكتب الكثيرة فى الاحكام وغير ذلك.وقال أبو بكر الخطيب :كان أبو الشيخ حافظا، ثبتا، متقنا.وقال أبو القاسم السوذرجانى :هو أحد عباد الله الصالحين، ثقة مأمون .وقال أبو نعيم: وكان ثقة(سيراعلام النبلاء، حواله بالا)وقال السيوطى:أحد الأعلام صالحاً خيراً قانتاً صدوقاً مأموناً ثقة متقناً صنف التفسير(طبقات الحفاظ، حواله بالا)

آپ ابوالشیخ کے نام سے مشہور تھے، آپ اصبہان کے محدث کے لقب سے مشہور تھے، آپ کی ولادت ۲۷۴ھ میں ہوئی، بچپن ہی سے آپ طلبِ حدیث کے لئے نکل پڑے تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: محمود بن فرج زاہد (یہ آپ کے دادا ہیں) ابراہیم بن سعدان، محمد بن عبداللہ بن حسن بن حفص ہمدانی، محمد بن اسد مدنی، عبداللہ بن محمد بن زکریا، ابوبکر بن ابی عاصم، احمد بن محمد بن علی خزاعی، ابراہیم بن رستہ، ابوبکر احمد بن عمرو بزار، اسحاق بن اسماعیل الرملی اور محمد بن یحیٰی مروزی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابنِ مندۃ، ابنِ مردویہ، ابوسعد مالینی، ابوسعید نقاش، ابوبکر احمد بن عبدالرحمٰن شیرازی، سفیان بن حسنکویہ، حافظ ابونعیم ،محمد بن علی بن سمویہ، فضل بن محمد قاشانی، ابوبکر محمد بن عبداللہ بن حسین صالحانی، ابوبکر محمد بن احمد بن عبدالرحمٰن صفار، ابوالحسین محمد بن احمد کسائی اور محمد بن علی بن محمد بن سیبویہ مؤدب رحمہم اللہ۔

آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سے چند کے نام یہ ہیں:

"السنۃ"،"العظمۃ"،"السنن (کئی جلدوں میں)"،"الاذان"،"الفرائض"
"ثواب الاعمال"

حضرت حافظ یوسف بن خلیل فرماتے ہیں کہ:

میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ میں گویا کہ کوفہ کی مسجد میں داخل ہوا، وہاں میں نے ایک لمبے قد کے خوبصورت شخص کو دیکھا، ایسا خوبصورت شخص میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا، مجھے کہا گیا کہ یہ ابومحمد بن حیان ہیں، میں ان کے قریب گیا، اوران سے عرض کیا کہ کیا آپ کی وفات نہیں ہوگئی تھی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں! میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو انہوں نے جواب میں سورۃ زمر کی آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے) اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے وعدہ کو ہم سے سچا کردیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنادیا۔ میں

نے عرض کیا کہ میں یوسف ہوں، اور میں آپ کے پاس آپ کی احادیث کی سماعت اور آپ کی کتب کے حصول کے لئے آیا ہوں، انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے سلامت رکھے، اور تمہاری موافقت کرے (وفقک اللہ) پھر میں نے ان سے مصافحہ کیا، تو میں نے ان کی ہتھیلی سے زیادہ نرم کسی چیز کو نہیں پایا، میں نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا، اور اپنی آنکھوں پر رکھا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱٦ ص ۲۷۹، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۷٦، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۴۷)

□......ماہِ محرم ۳٦۹ھ: میں حضرت ابوطالب محمد بن عبیداللہ بن احمد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن بیان رزاز رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

حسین بن احمد بن فہد موصلی، علی بن عمر سکری اور احمد بن عبداللہ بن جلس دوری رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، آپ کی وفات ذی الحجہ ۴۴۸ھ میں ہوئی، آپ کرخ کے مقام میں رہتے تھے (تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۳۳۹)

□......ماہِ محرم ۳۷۰ھ: میں حضرت ابوالحسین احمد بن سعید بن سعد رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ مکہ کے راستے میں مدینہ منورہ کے قریب فوت ہوئے، اور یہیں مدفون ہیں (تاریخِ بغداد ج ۴ ص ۱۷۲)

□......ماہِ محرم ۳۷۵ھ: میں حضرت ابوبکر احمد بن محمد بن فارس بن سہل بزاز رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔[1]

عبداللہ بن اسحاق مدائنی، محمد بن محمد باغندی، عبداللہ بن محمد بغوی، احمد بن محمد بن ہیثم دوری، یحییٰ بن محمد بن صاعد اور ابوبکر بن ابوداؤد رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، اور ابوالفتح محمد بن احمد بن ابی الفوارس اور حسن بن علی الجوہری رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، بدھ کے دن آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۵ ص ۸۲)

□......ماہِ محرم ۳۷٦ھ: میں حضرت ابونصر احمد بن محمد بن ابراہیم بن حازم مؤذن رحمہ اللہ کا

[1] قال الخطیب: وکان صدوقا.

انتقال ہوا۔

آپ حازمی کے لقب سے مشہور تھے، اسحاق بن احمد بن خلف ازدی، عبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی، عبدالرحمٰن بن محمد بن حریث البخاریین اور ہیثم بن کلیب الشاشی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کی ولادت ماوراء النہر کے مشہور علاقہ بخاریٰ میں ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۴ ص ۳۸۷)

□...... ماہِ محرم ۳۷۷ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن محمد بن احمد بن نصیر بن عرفہ بن لؤلؤ بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [1]

آپ کی ولادت ۲۸۱ھ میں ہوئی، حمزہ بن محمد کاتب، ابراہیم بن شریک، فریابی، عبداللہ بن ناجیہ، ابراہیم بن ہاشم بغوی، زکریا بن یحیٰ ساجی اور محمد بن مجدر رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، برقانی، ابومحمد بن خلال، احمد بن محمد عتیقی، ابوالقاسم تنوخی اور ابومحمد جوہری رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۳۲۷)

□...... ماہِ محرم ۳۷۷ھ: میں حضرت ابوالقاسم عبدالواحد بن علی بن محمد بن احمد بن خشیش وراق رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۲۸۱ھ میں ہوئی، امام بغوی اور ابن صاعد رحمہما اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں (تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۹)

□...... ماہِ محرم ۳۷۷ھ: میں حضرت ابوالفرج عبداللہ بن عمر بن احمد بن محمد بن حفص بن موسیٰ مقری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

علی بن فضل بن طاہر بلخی، قاضی محاملی اور محمد بن جعفر مطیری رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں۔

---

[1] قال الذهبی: ابن لؤلؤ الامام المحدث المسند. قال البرقانی: كان ابن لؤلؤ يأخذ على التحديث دانقين. قال: وكانت حاله حسنة من الدنيا، وهو صدوق غير أنه ردء الكتاب - أی: سیء النقل -، وقد صحف غير مرة: عن عتى، عن أبى، فقال: عن عن عن (أبى). قال عبيد الله الازهری: ابن لؤلؤ ثقة. وقال العتيقی: كان أكثر كتبه بخطه، وكان لا يفهم الحديث، وإنما يحمل أمره على الصدق.

آپ سے مروی احادیث میں یہ مشہور حدیث بھی ہے:

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اوراس نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! کون سا اسلام افضل ہے؟ (یعنی دینداری میں کون بڑھا ہوا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے ہاتھ پاؤں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں (تاریخِ بغداد ج ۱۰ ص ۲۳)

□......ماہِ محرم ۳۷۸ھ: میں حضرت ابوالحسن احمد بن یوسف ازرق بن یعقوب بن اسحاق بن بہلول بن حسان تنوخی انباری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: عمر بن اسماعیل بن ابی غیلان ثقفی، محمد بن جریر طبری، عبد اللہ بن اسحاق مدائنی، اسحاق بن بنان بن معن انماطی، محمد بن محمد باغندی، احمد بن عبداللہ بن سابور دقاق، احمد بن محمد بن ابی العجوز، ابوصخرۃ کاتب، احمد بن عیسیٰ بن سکین بلدی اور ابولیث فرائضی رحمہم اللہ، آپ کی ولادت ۲۹۷ھ میں ہوئی، جمعہ کے دن ۲۰ محرم کو آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۵ ص ۲۲۱)

□......ماہِ محرم ۳۷۹ھ: میں حضرت ابوجعفر محمد بن احمد بن عباس سلمی بغدادی جوہری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [1]

آپ حضرت ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، حدیث کی سماعت محمد بن محمد باغندی، ابوالقاسم بغوی اور حسن بن محمی رحمہم اللہ سے کی، ابوعلی بن شاذان، عبیداللہ ازہری اور علی بن محسن تنوخی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص ۴۱۶)

□......ماہِ محرم ۳۷۹ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن جعفر بن عباس نجار رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [2]

---

[1] قال الذهبی: وثقه الازهری، وقال: كان أحد المتكلمين على مذهب أبی الحسن، ومنه تعلم ابن شاذان علم الكلام. وقال ايضاً: حدث من حفظه بحديث باطل كأنه أخطأ فيه، سقته فی "التاريخ الكبير"

[2] قال الحسن بن محمد الخلال: كان ثقة فهما يحفظ القران حفظا حسنا.

آپ کا لقب غندر تھا، محمد بن ہارون المجد، ابوحامد حضرمی، یحییٰ بن محمد بن صاعد، ابوبکر نیشاپوری اور یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن بہلول رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، حسن بن محمد خلال رحمہ اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تاریخِ بغداد ج۲ ص۱۵۷)

□......ماہِ محرم ۳۷۹ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن محمد بن سری ہمدانی وراق رحمہ اللہ کا انتقال ہوا

محمد بن نصر صائغ، محمد بن محمد باغندی رحمہا اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں (تاریخِ بغداد ج۱۲ ص۹۰)

□......ماہِ محرم ۳۸۰ھ: میں حضرت ابویعلیٰ محمد بن حسین بن محمد بن خلف بن احمد رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

آپ ابن الفراء کے نام سے معروف تھے، آپ حضرت ابوخازم رحمہ اللہ کے بھائی تھے، آپ فقہ حنبلی کے مشہور فقیہ ہیں، اور فقہ حنبلی میں آپ کی کئی کتب ہیں، اور کئی سال تک آپ فقہ حنبلی کے مفتی رہے، ابوالقاسم بن حبابہ، عبداللہ بن احمد بن مالک بیع، علی بن معروف بزاز، علی بن عمر حربی، عیسیٰ بن علی بن عیسیٰ وزیر اور اسماعیل بن سعید بن سوید رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، اتوار کی رات ۴۵۸ھ کو آپ کی وفات ہوئی، اور باب حرب کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔
(تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۲۵۶)

□......ماہِ محرم ۳۸۲ھ: میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن عثمان بن محمد بن علی بن بیان صفار رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [1]

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابراہیم بن عبدالصمد ہاشمی، محمد بن نوح، احمد بن محمد بن اسماعیل ادمی مقری، اسماعیل بن عباس وراق، حسین بن اسماعیل محاملی، محمد بن مخلد عطار اور عبداللہ بن ہیثم بن خالد عسکری رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ازہری، خلال، احمد

---

[1] قال الخطیب: کان ثقة.

بن محمد عتیقی، علی بن محمد بن حسن مالکی اور ابوالقاسم تنوخی رحمہم اللہ (تاریخِ بغداد ج ۱۰ ص ۴۰)

□......ماہِ محرم ۳۸۳ھ: میں حضرت ابوالفضل نصر بن ابی نصر محمد بن احمد بن یعقوب طوسی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [1]

آپ کی ولادت ۳۱۰ھ میں ہوئی، ابومحمد بن شرقی، ابوحامد بن بلال، ابوعبداللہ محاملی، ابنِ مخلد عطار، ابنِ عقدۃ، محمد بن حسین قطان اور ابن الاعرابی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، حاکم، سلمی، ابونعیم اور ابوسعد کنجروذی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ نے بغداد میں حضرت ابوبکر شبلی رحمہ اللہ کی بھی صحبت اٹھائی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۷، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۸۱، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۱۷)

□......ماہِ محرم ۳۸۳ھ: میں حضرت ابوالحسن جابر بن یاسین بن حسن بن محمد بن احمد بن محمویہ عطار رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ابوطاہر محمد بن عبدالرحمٰن مخلص اور عمر بن ابراہیم کتانی رحمہما اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تاریخِ بغداد ج ۷ ص ۲۳۹)

□......ماہِ محرم ۳۸۴ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن حسان بن قاسم بن فضل بن حسان بن سلیمان بن حسن رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ نے بغداد میں محمد بن عبداللہ کوفی مطین رحمہ اللہ سے حدیث کی سماعت کی، تمام بن محمد بن خطیب، ابوخازم محمد بن حسین بن فراء اور تنوخی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی

(تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۴۲۲)

□......ماہِ محرم ۳۸۴ھ: میں حضرت قاضی ابوعلی محسن بن علی بن محمد بن ابی الفہم تنوخی بصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

---

[1] قال الذهبي: الطوسي الامام الحافظ. قال الحاكم: هو أحد أركان الحديث بخراسان مع ما يرجع إليه من الدين والزهد والسخاء والتعصب لاهل السنة، أول رحلته كانت إلى مرو، إلى الليث بن محمد المروزي (سير اعلام النبلاء)

آپ کی ولادت بصرہ میں ۲۲۷ھ میں ہوئی، ابوالعباس اثرم، ابوبکر صولی، ابنِ داسہ، واھب بن محمد رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، آپ کی کئی تصانیف ہیں، جن میں سے دو زیادہ مشہور ہیں ''الفرج بعد الشدۃ'' اور ''النشوار'' ۵۷ سال کی عمر پائی، بغداد میں اتوار کی رات آپ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص۵۲۵، تاریخِ بغداد ج۱۳ ص۱۵۵)

□......ماہِ محرم ۳۸۵ھ: میں حضرت ابوالحسن داؤد بن سلیمان بن داؤد بن محمد بن رباح بزاز رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

محمد بن عبداللہ بن علاء کاتب، حسین بن اسماعیل محاملی، ابوعیسیٰ انماطی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابوطالب عمر بن ابراہیم فقیہ، احمد بن محمد عتیقی، علی بن محسن تنوخی، محمد بن علی بن فتح حربی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، اتوار کی رات ۱۳ محرم الحرام کو آپ کی وفات ہوئی۔

(تاریخِ بغداد ج۸ ص۳۸۱)

□......ماہِ محرم ۳۸۶ھ: میں حضرت ابواحمد عبداللہ بن حسین بن حسنون سامری بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص۵۱۶)

□......ماہِ محرم ۳۸۷ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن محمد بن حمدان عکبری حنبلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [1]

آپ ابنِ بطہ کے نام سے مشہور تھے، اور ''الابانۃ الکبریٰ'' آپ کی مشہور کتاب ہے، آپ کی ولادت ۳۰۴ھ میں ہوئی، ابوالقاسم بغوی، ابنِ صاعد، ابوذر باغندی، ابوبکر بن زیاد نیشاپوری، اسماعیل وراق، قاضی محاملی، محمد بن مخلد، ابوطالب احمد بن نصر، محمد بن احمد بن ثابت عکبری اور احمد بن عبید صفار رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کرتے ہیں، ابوالفتح بن ابی الفوارس، ابونعیم اصبہانی، عبیداللہ الازہری، عبدالعزیز ازجی، احمد بن محمد عتیقی، ابواسحاق برمکی، ابومحمد جوہری، ابوالفضل محمد بن احمد بن عیسیٰ سعدی اور علی بن احمد بن سبری رحمہم اللہ نے آپ

---

[1] قال الذہبی: ابن بطۃ الامام القدوۃ، العابد الفقیہ المحدث، شیخ العراق. وقال ایضا: لابن بطۃ مع فضلہ أوھام وغلط (سیر اعلام النبلاء)

سے حدیث کی سماعت کی، حضرت ابوحامد دلوی فرماتے ہیں کہ جب ابنِ بطہ سفر سے واپس ہوئے، تو چالیس سال تک اپنے گھر کو لازم پکڑا، اور کبھی بازار میں نظر نہیں آئے، اور عید کے دن کے علاوہ کبھی آپ کو کھاتے پیتے نہیں دیکھا گیا، امر بالمعروف کرنے میں سبقت کرتے تھے، اور جس منکَر کے بارے میں علم ہوتا، اس کے روکنے کی بھرپور کوشش کرتے۔ حضرت ابومحمد جوہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی حُسین سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، تو میں نے عرض کیا کہ امت میں اختلاف بہت ہو گیا ہے (تو میں کیا کروں؟) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ابنِ بطہ کی صحبت اختیار کرو، جب صبح ہوئی تو میں نے صاف کپڑے پہنے اور عکبرا مقام کی طرف گیا، تو میں نے ابنِ بطہ کو مسجد میں پایا، تو انہوں نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۵۳۰، تاریخِ بغداد ج ۱۰ ص ۳۷۳)

□......ماہِ محرم ۳۸۷ھ: میں حضرت ابوالقاسم موسیٰ بن عیسیٰ بن عبداللہ بن طانجور رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ محمد بن محمد باغندی، ابوبکر بن ابی داؤد اور محمد بن احمد بن موسیٰ سوانیطی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ازہری، عتیقی، تنوخی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کی ولادت ۲۹۵ھ میں ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۳ ص ۶۴)

□......ماہِ محرم ۳۸۷ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن عبدالعزیز بن مردک بن احمد بن سندویہ بن مہران برذعی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [1]

آپ بغداد میں رہتے تھے، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی، نصر بن منصور اردبیلی، محمد بن احمد بن یعقوب بن شیبہ، عبداللہ بن محمد بن ابوسعید بزاز رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، عتیقی، حسین بن جعفر سلماسی، عبدالعزیز بن علی ازجی، حسن بن علی جوہری اور تنوخی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، قاضی ابوعبداللہ صیمری فرماتے ہیں کہ علی بن عبدالعزیز نیک

[1] قال الخطیب: کان ثقۃ.

لوگوں میں سے تھے، اور دنیا صرف بقدرِ ضرورت استعمال کرتے تھے، اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، بغداد کے بڑے لوگوں میں شمار ہوتے تھے، اور لوگوں سے الگ تھلگ رہتے تھے، اور مسجد کو لازم پکڑا ہوا تھا، ۱۶ محرم جمعہ کے دن آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۲ ص ۳۰)

□......ماہِ محرم ۳۸۷ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن محمد بن شوکر معدل رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [۱]

ابوالقاسم بغوی، یحیٰ بن صاعد، احمد بن عیسیٰ بن سکین بلدی رحمہ اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، خلال، حسین بن جعفر سلماسی اور تنوخی رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں، منگل کے دن آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۲ ص ۹۳)

□......ماہِ محرم ۳۸۸ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن حسن بن احمد بن قشیش سمسار رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [۲]

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں:

اسماعیل بن محمد صفار، ابوعمرو بن سماک، احمد بن سلمان نجاد اور جعفر خلدی رحمہم اللہ، یکم محرم الحرام کو آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۲۱۳)

□......ماہِ محرم ۳۸۸ھ: میں حضرت ابوالفتح احمد بن عثمان بن فرج بن ازہر بن ابراہیم بن قیم رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابن السوادی کے نام سے معروف تھے، آپ کی ولادت ۳۲۴ھ میں ہوئی۔

(تاریخِ بغداد ج ۴ ص ۳۰۰)

□......ماہِ محرم ۳۸۸ھ: میں حضرت ابوبکر احمد بن منصور بن محمد بن حاتم وراق رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [۳]

---

[۱] قال الخطیب: کان ثقة کتب الناس عنه بانتخاب الدارقطنی ،وقال ایضاً: أخبرنا العتیقی قال أبو الحسن علی بن محمد بن شکور المعدل ثقة مأمون

[۲] قال الخطیب: کان صدوقا من أهل القرآن وینتحل فی الفقة مذهب احمد بن حنبل .

[۳] قال الخطیب: کان ثقة .

آپ نوشری کی نسبت سے مشہور تھے۔

یحییٰ بن محمد بن صاعد، احمد بن سلیمان طوسی، ابراہیم بن عبدالصمد ہاشمی، احمد بن علی بن علاء جوزجانی، حسین بن اسماعیل محاملی اور محمد بن مخلد دوری رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ازہری، عبدالعزیز بن علی ازجی، احمد بن محمد عتیقی، محمد بن ابی نصر نرسی اور ابوالقاسم تنوخی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

آپ کی ولادت ۳۰۸ھ میں ہوئی، اور سب سے پہلے ۳۱۸ھ میں ابنِ صاعد رحمہ اللہ سے سماعت کی، جمعہ کے دن ۱۲محرم کو آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۵ ص ۱۵۵)

□......ماہِ محرم ۳۹۰ھ: میں حضرت ابوالحسن ناجیہ بن محمد بن سلمان کاتب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [1]

احمد بن محمد بن ابی الرجال صلحی، ابوبکر محمد بن قاسم بن بشار انباری، قاضی ابوعبداللہ محاملی، محمد بن مخلد دوری اور عمر بن حسن اشنانی رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، محمد بن اسماعیل بن عمر بن سبنک، عبدالعزیز بن علی ازجی، احمد بن محمد عتیقی اور قاضی ابوالقاسم تنوخی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

۳/محرم جمعہ کے دن آپ کی وفات ہوئی۔

(تاریخِ بغداد ج۱۳ ص ۴۵۶)

□......ماہِ محرم ۳۹۰ھ: میں حضرت ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن علی بن ابی طالب بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [2]

آپ مصر میں رہتے تھے، آپ کی ولادت ۳۰۷ھ میں ہوئی، اور مصر میں آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۹ ص ۳۹۵)

□......ماہِ محرم ۳۹۱ھ: میں حضرت ابوالقاسم عیسیٰ بن علی بن عیسیٰ بن داؤد بن جراح

---

[1] قال الخطيب: كان ثقة.

[2] قال الخطيب: كان ثقة.

بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [1]

آپ کی ولادت ۳۰۲ھ میں ہوئی، بغوی، ابنِ ابی داؤد، ابنِ صاعد، ابوحامد حضرمی، بدر بن ہیثم، ابوبکر بن درید، محمد بن نوح، ابوبکر بن زیاد، ابوجعفر بن بہلول، ابوعمر محمد بن یوسف قاضی اور ابوبکر بن مجاہد رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابوالقاسم ازہری، ابومحمد خلال، علی بن محسن تنوخی، عبدالواحد بن شیطا، ابوجعفر بن مسلمہ اور ابوالحسین احمد بن محمد بن نقور رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔

جمعہ کے دن آپ کی وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۵۵۰، تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۱۷۹)

□......ماہِ محرم ۳۹۱ھ: میں حضرت ابوالقاسم مؤمل بن احمد بن محمد شیبانی بزاز رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [2]

آپ مصر میں رہتے تھے، ابوالقاسم بغوی، ابوبکر بن ابی داؤد، یحییٰ بن صاعد، محمد بن ہارون حضرمی، ابوعمر محرر بن یوسف القاضی، اور یعقوب بن ابراہیم جراب رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، یوسف بن رباح مصری اور محمد بن مکی ازدی مصری رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔

آپ کی ولادت ۲۹۷ھ میں ہوئی، اور مصر میں ہفتہ کے دن آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۳ ص ۱۸۳)

□......ماہِ محرم ۳۹۲ھ: میں حضرت ابوالقاسم اسماعیل بن سعید بن اسماعیل بن محمد بن سوید معدل رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [3]

---

[1] "عند البعض مات فی ربیع الاول، وعند البعض فی ربیع الآخر.

قال الذهبی: ابن الجراح الشیخ الجلیل العالم المسند. وقال ایضا: لقد شانته هذه العلوم وما زانته، ولعله رحم بالحدیث إن شاء الله. وقال الخطیب: کان ثبت السماع، صحیح الکتاب (سیر اعلام النبلاء) قال الخطیب: کان ثبت السماع صحیح الکتاب (تاریخِ بغداد)

[2] قال الخطیب: کان ثقة.

[3] قال الخطیب: وحدثنی من سمع محمد بن أبی الفوارس ذکره فقال کان فیه تساهل فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ابوبکر عبداللہ بن محمد بن زیاد نیشا پوری، محمد بن حسن بن درید، ابوبکر بن انباری، حسین بن قاسم کوبی اور محمد بن مخلد دوری رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ازہری، تنوخی، احمد بن علی بن توزی، حمزہ بن محمد بن طاہر دقاق، احمد بن عبدالواحد بن محمد بن جعفر، یحییٰ بن حسن بن منذر اور ابویعلیٰ بن فراء رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (تاریخِ بغداد ج ۶ ص ۳۰۸)

□...... ماہِ محرم ۳۹۳ھ: میں حضرت ابوالحسن محمد بن ابی اسماعیل علی بن حسین بن حسن بن قاسم علوی حسنی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [1]

آپ کی ولادت ۳۱۰ھ میں ہوئی، اسماعیل صفار، خیثمہ طرابلسی، اصم، ابن الاعرابی، ابو المیمون بن راشد، عبدان بن یزید دقاق، عبدالرحمٰن جلاب، احمد بن عبید، جعفر خلدی اور ابوالقاسم طبرانی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، محمد بن عیسیٰ، عبدالرحمٰن بن ابی اللیث صفار، محمد بن عمر بن عزیز، جعفر بن محمد ابہری اور ابوسعد کنجروذی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

ماوراء النہر کے مشہور شہر بخاریٰ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۷ا ص۷۸)

□...... ماہِ محرم ۳۹۴ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن حسان بن محمد نیشا پوری شافعی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [2]

حضرت ابوعوانہ سے ان کی مسند ابوعوانہ کو مکمل روایت کیا، اور ابونعیم اسفرائینی سے بھی روایت

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الحديث والدين سألت حمزة بن محمد بن طاهر عن بن سويد فقال ثقة غير انه كان فيه حمق ، حدثني احمد بن محمد العتيقي قال سنة اثنتين وتسعين وثلاثمائة فيها توفي أبو القاسم بن سويد الشاهد في المحرم و كان شيخا عسرا في الحديث .

[1] قال شيرويه :ثقة صدوق، صوفي واعظ، تفقه ببغداد على أبي على ابن أبي هريرة، وتزهد وجاور، ثم رجع، فأقام ببخارى مدة، وبها مات في المحرم سنة ثلاث وتسعين وثلاث مئة.

[2] قال الذهبي:الملقاباذي الشيخ الامام، الفقيه، المسند.وقال السمعاني :هو أبو بكر محمد بن أبي الوليد حسان بن محمد بن القاسم، فقيه، ثقة، عدل، مشتغل بنفسه، غير دخال في الامور، أدرك الاسانيد العالية.

کرتے ہیں، بڑے فقہاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے، وجیہ بن طاہر، عبید اللہ بن جامع فارسی، احمد بن سہل مطرزی اور ابوطالب محمد بن عبدالرحمٰن حنز بارانی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

نیشا پور میں ذیقعدہ ۴۷۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۸ ص ۳۹۱)

□......ماہِ محرم ۳۹۵ھ: میں حضرت ابوالحسن محمد بن ابواسماعیل علی بن حسین بن حسن بن قاسم رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [1]

آپ کی ولادت ہمذان میں ہوئی، اور بغداد میں آپ کی پرورش ہوئی۔

بغداد میں احمد بن سلیمان عبادانی، جعفر خلدی اور بغداد کے علاوہ احمد بن محمد بن اوس، قاسم بن ابی صالح، عبدالرحمٰن بن حمدان اور علی بن محمد بن عامر نہاوندی اور سلیمان بن یحییٰ ملطی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرے ہیں۔

۸۳ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۳ ص ۹۱)

□......ماہِ محرم ۳۹۵ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن محمد بن حسن بن عبداللہ جوہری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [2]

آپ بغداد میں رہتے تھے، ابراہیم بن علی ھجیمی آپ کے استاد ہیں، اور آپ کے بیٹے حسن آپ سے روایت کرتے ہیں۔

کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے، ابوطاہر بن ابوہاشم فرماتے ہیں کہ میں ان سے زیادہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

آپ کے بیٹے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے میرے والد نے بتایا کہ میری زندگی میں کوئی فجر

---

[1] "وعند البعض مات فی سنة أربع وتسعین وثلاثمائة".

[2] قال الذهبی: ابن الباجی الامام الحافظ المحقق .قال الخولانی :کان أبو عمر عارفا بالحدیث ووجوهه، إماما مشهورا، لم تر عینی مثله فی المحدثین وقارا وسمتا(سیر اعلام النبلاء)

ایسی نہیں آئی کہ میں اس دن قرآن مجید نہ پڑھ رہا ہوں، ۱۳محرم پیر کے دن آپ کی وفات ہوئی(تاریخِ بغداد ج ۱۲ ص ۹۵)

□......ماہِ محرم ۳۹۶ھ: میں حضرت ابوعمر احمد بن عبداللہ بن محمد بن علی بن شریعۃ لخمی اشبیلی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

۶۴ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی، امام خولانی فرماتے ہیں کہ ''ابوعمر حدیث کو بہت زیادہ سمجھنے والے مشہور امام تھے، میں نے محدثین میں ان جیسا نہیں دیکھا، اپنے بیٹے محمد کے ساتھ سفر پر نکلے، اور بہت سے شیوخ سے ملاقات کی، کچھ عرصہ اشبیلیہ کے قاضی مقرر رہے، میں نے ان کے جنازے میں شرکت کی، جس میں بہت بڑا مجمع تھا'' آپ کی ولادت ۳۳۲ھ میں ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۷۵، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۸۳، تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص ۱۰۵۸)

□......ماہِ محرم ۳۹۸ھ: میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن محمد بخاری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بغداد میں رہتے تھے، اور اپنے زمانہ میں فقہ شافعی کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے، اس کے علاوہ آپ کو نحو، ادب میں بھی مہارت حاصل تھی، اور بلاتکلف اشعار کہتے تھے، ۱۴ محرم الحرام بدھ کے دن آپ کی وفات ہوئی(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۶۹، تاریخِ بغداد ج ۱۰ ص ۱۳۹)

فَــقَــطُ

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
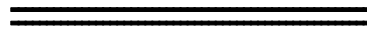
حُسنِ معاشرت

اور

آدابِ زندگی

(Beauty of Civilization and Manners of Life)

اچھی معاشرت اور طرزِ زندگی گزارنے، رہنے سہنے، ایک دوسرے سے ملنے جلنے
لین و دین کرنے، تہذیب و شرافت والی زندگی بسر کرنے کے مختصر، جامع اور سہل
آداب واحکام اور زندگی میں کام آنے والی مفید باتوں اور آدابِ زندگی کا مجموعہ

مصنّف

مفتی محمد رضوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ: اصلاحِ معاشرہ

رِشتہ داروں

سے متعلق

فضائل واحکام

نسب، خاندان، برادری اور قبیلہ وغیرہ کی حقیقت اور اس کا درجہ ومرتبہ
رشتہ داروں سے صلہ رحمی کے فضائل وفوائد اور قطع رحمی کے قبائح ونقصانات
صلہ رحمی کی تاکید اور قطع رحمی کی وعید، صلہ رحمی اور قطع رحمی کی حقیقت اور صورتیں،
والدین سے صلہ رحمی، بہن بھائیوں، اولاد، زوجین اور دیگر اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی
صلہ رحمی کے طریقے اور صلہ رحمی وحسنِ سلوک سے متعلق احکام وآداب
اور مختلف قسم کے رشتہ داروں کے بارے میں احکام

مصنّف

مفتی محمد رضوان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اضافہ واصلاح شدہ
جدید ایڈیشن

ماہِ صفر اور توہم پرستی

مصنف
مفتی محمد رضوان

ادارۂ غفران
راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(بسلسلہ اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام) (اضافہ واصلاح شدہ جدید ایڈیشن)

ماہِ صفر اور توہم پرستی

قمری واسلامی سال کے دوسرے مہینے ''صفر'' سے متعلق شرعی احکامات، جاہلانہ خیالات، زمانۂ جاہلیت کے توہمات اورنظریات اوران کارَدّ ،موجودہ دور کی سینکڑوں توہّم پرستیاں،اورزمانۂ جاہلیت سے ان کاتعلق ۔اوراس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات وہدایات ۔

مؤلف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی پاکستان

نام کتاب: ماہِ صفر اور توہُّم پرستی

مصنف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اوّل: صفرالمظفر ۱۴۲۳ھ۔اپریل 2002ء ۔طباعتِ چہارم: دسمبر 2015ء صفرالمظفر ۱۴۳۷ھ

صفحات: 380

ملنے کے پتے

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

ماہِ صفر سے متعلق بندہ کا یہ رسالہ اس سے قبل ''ماہِ صفراور جاہلانہ خیالات'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس مرتبہ تفصیل اور بعض دوسری وجوہات کی بناء پر ''ماہِ صفراور توہم پرستی'' کے عنوان سے شائع ہو رہا ہے۔

اس سے قبل کی اشاعت کے وقت بعض عربی اور اصل مآخذ کی کتب میسر نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے مقامات پر اردو یا ناقلین کی کتب سے استفادہ پر اکتفاء کیا گیا تھا، اس مرتبہ کی اشاعت سے قبل اپنے پاس موجود عربی کتب اور اصل مآخذ اور حتی الامکان احادیث وروایات کی اسنادی حیثیت کی طرف مراجعت کی گئی، اور اصل عربی عبارات اور ان کے ضمن میں مفید اضافات شامل کئے گئے اور غیر مستند باتوں کو حذف کر دیا گیا۔

جس کے نتیجہ میں بحمد اللہ تعالیٰ اب یہ رسالہ پہلے کے مقابلہ میں زیادہ مفید ومستند اور ضخیم ہو گیا۔

اب اگر کسی جگہ پہلی اشاعت اور موجودہ اشاعت کے نسخوں میں فرق نظر آئے، تو موجودہ اشاعت والے نسخے کی تحقیق راجح سمجھی جائے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بندہ اور بندہ کے احباب سمیت، جملہ مومنین ومومنات کے لئے دنیا وآخرت کے اعتبار سے نافع ومفید بنائیں۔ آمین۔

محمد رضوان

۲۵/ ذوالحجہ/۱۴۳۱ھ 02 / دسمبر/ 2010ء بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی

ماہِ صفراور توہُّم پرستی

ماہِ صفر اسلام کا دوسرا مہینہ

ماہِ ''صَـفَرُ الْمُظَفَّرُ '' اسلامی اعتبار سے سال کا دوسرا مہینہ ہے۔کیونکہ محرمُ الحرام کے مہینہ سے اسلامی سال شروع ہوتا ہے اور اُس کے ختم ہونے پر صفر کا مہینہ شروع ہوجاتا ہے۔

''صفر'' کے معنٰی

''صفر'' تین حرفوں کا مجموعہ ہے یعنی صؔ، فؔ اور رؔ ۔اس کے لغت (Dictionary) میں کئی معنٰی آتے ہیں، جن میں سے ایک معنٰی خالی ہونے کے ہیں۔ [۱]

ماہِ صفر کا ''صفر'' نام رکھنے کی وجہ

ماہِ صفر کو ''صفر'' کہنے کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ صفر کے معنٰی لغت میں خالی ہونے کے آتے ہیں اور اس مہینہ میں عرب کے لوگوں کے گھر عموماً خالی رہتے تھے، کیونکہ چار مہینوں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرّم اور رجب) میں مذہبی طور پر ان کو جنگ اور لڑائی نہ کرنے اور مذہبی عبادت انجام دینے کا بطورِ خاص پابند کیا گیا تھا۔ [۲]

اور محرم کا مہینہ گزرتے ہی اس جنگجو قوم کے لئے مسلسل تین مہینوں کی یہ پابندی ختم ہوجاتی تھی، لہٰذا

---

[۱] والصِّفُر والصَّفُر والصُّفُر الشیء الخالی (لسان العرب لابنِ منظور، مادة صفر)
(صفر) صـفـرا و صـفـورا خلا يقال صفر البيت من المتاع و صفر الإناء من الشراب و صفرت يده من المال فهو صفر (المعجم الوسيط،باب الصاد)
قال :والصِّفرُ :الشـیء الـخالی، يقال :صَـفِـرَ يَصـفُـر صُفُورا فهو صِفُر، والجميع والذكر والأنثى والواحد فيه سواء (:تهذيب اللغة،للأزهری،مادة صفر)

[۲] حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی شریعتوں میں ان چار مہینوں کے اندر جہاد وقتال منع تھا ان چار مہینوں کو عربی زبان میں ''اَشْھُرِ حُرُم''یعنی عظمت واحترام والے مہینے کہا جاتا ہے۔
(تفصیل کے لئے ہماری دوسری تالیف ''ماہِ محرم کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

وہ لوگ جنگ، لڑائی اور سفر میں چل دیتے تھے، اور اس کی وجہ سے ان کے گھر خالی ہو جاتے تھے۔

اس کے علاوہ صفر کے معنیٰ اور اس مہینے کا نام صفر رکھنے کی اور وجوہات بھی بیان کی گئی ہیں۔ [1]

ماہِ صفر کے ساتھ ''مظفّر'' لگانے کی وجہ

عام طور پر صفر کے ساتھ مظفر یا خیر کا لفظ لگایا جاتا ہے، یعنی کہا جاتا ہے ''صفر المظفر'' یا ''صفر الخیر'' اس کی وجہ یہ ہے کہ مظفر کے معنیٰ کامیابی و کامرانی والی چیز کے ہیں اور خیر کے معنیٰ نیکی اور بھلائی کے ہیں۔

اور زمانۂ جاہلیت میں کیونکہ صفر کے مہینے کو منحوس مہینہ سمجھا جاتا تھا، اور آج بھی اس مہینہ کو بہت سے لوگ منحوس بلکہ آسمان سے بلائیں اور آفتیں نازل ہونے والا مہینہ سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے اس مہینے میں خوشی کی بہت سی چیزوں (مثلاً شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبات) کو منحوس یا معیوب سمجھتے ہیں۔

جبکہ اسلامی اعتبار سے اس مہینہ سے کوئی نحوست وابستہ نہیں اور اسی وجہ سے احادیثِ مبارکہ میں اس مہینہ کے ساتھ نحوست وابستہ ہونے کی سختی کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔

اس لئے صفر کے ساتھ ''مظفر'' یا ''خیر'' کا لفظ لگا کر ''صفر المظفر'' یا ''صفر الخیر'' کہا جاتا ہے تاکہ اس کو منحوس اور شر و آفت والا مہینہ نہ سمجھا جائے بلکہ کامیابی والا اور بامراد نیز خیر کا مہینہ سمجھا جائے۔ اور اس مہینے میں انجام دیئے جانے والے کاموں کو نامراد اور منحوس سمجھنے کا تصور اور نظریہ ذہنوں سے نکل جائے۔

---

[1] صفر :سمی بذلک لخلو بیوتهم منه، حین یخرجون للقتال والأسفار، یقال" :صَفِرَ المکان : " إذا خلا ویجمع علی أصفار کجمل وأجمال(تفسیر ابنِ کثیر تحت آیت ٣٦ من سورۃ التوبۃ)

وفی (المحکم) قال بعضهم سمی صفرا لأنهم کانوا یمتارون الطعام فیه من المواضع وقال بعضهم سمی بذلک لإصفار مکة من أهلها إذا سافروا وروی عن رؤبة أنه قال سموا الشهر صفرا لأنهم کانوا یغزون فیه القبائل فیترکون من لقوا صفرا من المتاع وذلک إذا کان صفر بعدالمحرم فقالوا صفر الناس منا صفرا فإذا جمعوه مع المحرم قالوا صفران والجمع أصفار وقال القزاز قالوا إنما سموا الشهر صفرا لأنهم کانوا یخلون البیوت فیه لخروجهم إلی البلاد یقال لها الصفریة یمتارون منها وقیل لأنهم کانوا یخرجون إلی الغارة فتبقی بیوتهم صفرا(عمدة القاری، کتاب الحج،باب التمتع والإقران والإفراد بالحج وفسخ الحج لمن لم یکن معه هدی)

صفر کے متعلق جاہلیت کے عجیب وغریب توہُّمات اور خیالات

اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں ''صفر'' کے متعلق اہلِ عرب کے مختلف اور عجیب وغریب خیالات اور توہمات تھے اور آج بھی زمانۂ جاہلیت سے کچھ مِلتے جُلتے خیالات اور توہمات پائے جاتے ہیں۔

قرآن وسنت میں ان کو جو تفصیل بیان کی گئی اور محدثینِ کرام نے قرآن وسنت کی روشنی میں ان توہمات وخیالات کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے، اُس کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے۔

ماہِ صفر اور ''نسیٔ'' کی رسم

(۱)......عرب میں پہلے سے یہ معمول چلا آرہا تھا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے یعنی ''ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب'' خاص ادب واحترام کے مہینے شمار ہوتے تھے۔

ان چار مہینوں کو ''اشہرِ حرم'' کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسے مہینے جوکہ حرام ہیں۔

اور حرام سے مراد احترام اور عظمت والے ہیں۔

ان مہینوں میں خون ریزی اور جدال وقتال قطعاً بند کر دیا جاتا تھا۔ اسی لئے لوگ اس زمانہ میں حج وعمرہ اور تجارتی کاروبار وغیرہ کے لئے امن وامان کے ساتھ آزادی سے سفر کر سکتے تھے۔ اس زمانہ میں کوئی شخص اپنے باپ کے قاتل سے بھی چھیڑ چھاڑ نہ کرتا تھا۔ اسلام کے آنے سے ایک مدت پہلے جب عرب کی وحشت وجہالت حد سے بڑھ گئی اور باہمی جدال وقتال میں بعض بعض قبیلوں کی درِندگی اور انتقام کا جذبہ کسی آسمانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا تو ''نَسِیْء'' کی رسم نکالی گئی۔ یعنی جب کسی زور آور قبیلہ کا ارادہ، محرم کے مہینے میں جنگ کرنے کا ہوا تو ایک سردار نے اعلان کر دیا کہ اس سال ہم نے محرم کو ''اشھرِ حرم'' سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا۔ پھر اگلے سال کہہ دیا کہ اس مرتبہ پُرانے دستور کے مطابق محرم کا مہینہ حرام اور صفر کا مہینہ حلال رہے گا۔ اس

طرح سال میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے لیکن ان کی تعیین میں اپنی خواہش کے مطابق ردّ و بدل کرتے رہتے تھے۔

گویا جاہلیت کے زمانہ میں کافروں کے کفر اور گمراہی کو بڑھانے والی ایک چیز یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے حلال یا حرام کیے ہوئے مہینہ کو بدل ڈالنے کا حق ایک سردار کو سونپ دیا گیا تھا (تفسیر عثمانی بتغیر)

اس نسیٔ کی رسم پر قرآن مجید نے اس طرح سخت گرفت فرمائی:

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِئُوْا عِدَّۃَ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَاحَرَّمَ اللّٰهُ ط زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ط وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ (سورہ توبہ آیت ۳۷)

یعنی: یہ (مہینوں یا اُن کے احترام کا اپنی جگہ سے) ہٹا دینا کفر میں اور ترقی ہے، جس سے (عام) کفار (مزید) گمراہ کئے جاتے ہیں (اس طور پر) کہ وہ اس حرام (احترام والے) مہینہ کو کسی سال (نفسانی غرض سے) حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال (جب کوئی غرض نہ ہو) حرام قرار دے دیتے ہیں تاکہ ان مہینوں کی (صرف) گنتی پوری کر لیں جنہیں اللہ نے حرام قرار دے دیا ہے، پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں۔ ان کے بُرے اعمال ان کے لئے مزین کر دیئے گئے اور اللہ ایسے کافروں کو ہدایت نہیں دیتا (کیونکہ یہ خود ہدایت کے راستہ پر آنا نہیں چاہتے) (بیان القرآن بتغیر)

فائدہ: عرب کے مشرکین نے ان مہینوں کے آگے پیچھے کرنے کو یہ سمجھا تھا کہ اس طرح ہماری نفسانی اغراض فوت نہ ہونگی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل بھی ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہارا مہینوں کو مؤخر کرنا اور اپنی جگہ سے ہٹا دینا کفر میں اور زیادتی ہے، جس سے ان کفار کی گمراہی اور بڑھتی ہے کہ وہ احترام والے مہینہ کو کسی سال تو احترام والا قرار دے دیں اور کسی سال اس کی خلاف ورزی کو حلال کر لیں۔

اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ صرف گنتی پوری کر لینے سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل نہیں ہوتی بلکہ جو

حکم جس مہینے کے لئے دیا گیا ہے اسی مہینے میں اس کو پورا کرنا ضروری ہے (معارف القرآن بتغیر)

’’صفر‘‘ اور بدفالی

(۲)...... زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا صَفر کے متعلق یہ گمان تھا کہ اس ماہ میں بکثرت مصیبتیں، آفتیں، نازل ہوتی ہیں۔

اور یہ مہینہ نحوست، پریشانیوں اور مصائب والا ہے، نیز اہلِ عرب صَفر کا مہینہ آنے سے بدفالی بھی لیا کرتے تھے۔

’’صفر‘‘ اور پیٹ کا کیڑا

(۳)......بعض اہلِ عرب کا یہ گمان تھا کہ صَـفَـرُ سے مراد وہ سانپ ہے جو انسان کے پیٹ میں ہوتا ہے اور بھوک کی حالت میں انسان کے ڈستا اور کاٹتا ہے، اور بھوک کی حالت میں جو تکلیف ہوتی ہے وہ اسی کے ڈسنے سے ہوتی ہے۔

’’صفر‘‘ اور پیٹ کی بیماری

(۴)......بعض اہلِ عرب کا یہ نظریہ تھا کہ صَفر سے مراد پیٹ کا وہ مرض یا درد ہے جو بھوک کی حالت میں اُٹھتا اور بھڑکتا یا جوش مارتا ہے اور جس کے پیٹ میں ہوتا ہے بسا اوقات اس کو جان سے بھی مار دیتا ہے اور نیز اہلِ عرب اس کو خارش کے مرض والے سے بھی زیادہ متعدی مرض سمجھتے تھے۔

’’صفر‘‘ اور یرقان

(۵)......بعض اہلِ عرب صَفر اُن کیڑوں کو کہتے تھے جو جگر اور پسلیوں کے سرے میں پیدا ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے انسان کا رنگ بالکل پیلا ہو جاتا ہے (جس کو طب کی زبان میں ’’یرقان‘‘ کہا جاتا ہے) اور یہ خیال کرتے تھے کہ بسا اوقات یہ مرض انسانی موت کا سبب بن جاتا ہے۔

مگر اسلام نے صفر سے متعلق ان تمام مذکورہ خیالات ونظریات کو باطل اور غلط قرار دیا اور حضور ﷺ نے ان کی تردید فرمادی اور فرمایا کہ ماہِ صفر سے متعلق اس قسم کی بدفالی وبدشگونی کا تصور درست نہیں۔ [1]

---

[1] قوله صلى الله عليه وسلم :(ولا صفر)فيه تأويلان :أحدهما المراد تأخيرهم تحريم المحرم إلى صفر ، وهو النسيء الذى كانوا يفعلونه ، وبهذا قال مالك وأبو عبيدة .والثانى أن الصفر دواب فى البطن ، وهى دود ، وكانوا يعتقدون أن فى البطن دابة تهيج عند الجوع ، وربما قتلت صاحبها ، وكانت العرب تراها أعدى من الجرب ، وهذا التفسير هو الصحيح ، وبه قال مطرف وابن وهب وابن حبيب وأبو عبيد وخلائق من العلماء ، وقد ذكره مسلم عن جابر بن عبد الله راوى الحديث ، فيتعين اعتماده ، ويجوز أن يكون المراد هذا والأول جميعا ، وأن الصفرين جميعا باطلان ، لا أصل لهما ، ولا تصريح على واحد منهما (شرح النووى ،كتاب السلام ،باب لاعدوى ولا طيرة ولا هامة ولاصفر ولا نوء ولا غول)

قوله ”ولاصفر“اختلف العلماء فى تفسيره،فقال بعضهم: ان المراد تأخيرهم تحريم المحرم الى شهر صفر، وهو النسيئ الذى كانوا يفعلونه ،حكاه النووى عن مالك وأبى عبيدة.وفسره البخارى فى الطب بقوله: ” هو دآء يأخذ البطن“وشرحه رؤبة بن العجاج بقوله:”هو حية تكون فى البطن تصيب الماشية والناس، وهى أعدى من الجرب عندالعرب“فعلى هذا فالمراد بنفى الصفر ماكانو يعتقدون ان من اصابه قتله فرد ذلك الشارع بان الموت لايكون الا اذا فرغ الاجل(تكمله فتح الملهم ج ۴ ص ۳۷۲)

كانت العرب يزعمون انه حية فى البطن واللدغ الذى يجده الانسان عند جوعة من عضه قال ابوداوٗد فى سننه قال بقية سالت محمدبن راشد عنه قال كانوا ايتشاء مون بدخول صفر فقال النبى ﷺ لاصفر قال وسمعت من يقول هووجع يأخذ فى البطن يزعمون انه يعدى قال ابوداوٗد وقال مالك كان اهل الجاهلية يحلون صفرا عاما ويحرمونه عاما فقال ﷺ لاصفر(الىٰ قولہٖ) قلت الاظهر الجمع بين المعانى فانها كلها باطلة كماسبق نظيره قال القاضى ويحتمل ان يكون نفيا لما يتوهم ان شهر صفر تكثر فيه الدواهى والفتن (مرقاة ج ۹ ص ۴)

والصفر ايضا دوديقع فى الكبد وشرا سيف الاضلاع فيصفر عنه الانسان جدا وربما قتلت(ماثبت بالسنة ص ٢٦٦)

ماہِ صفر سے متعلق موجودہ دور کی توہم پرستیاں

آج پھر مسلمانوں میں اسلامی تعلیم کی کمی اور مشرکوں وغیرہ کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے بعض ایسے خیالات پیدا ہوگئے ہیں جن کا دین وشریعت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

اسی جہالت کے نتیجہ میں آج بھی زمانۂ جاہلیت کے ساتھ ملتی جلتی مختلف توہم پرستیاں ماہِ صفر کے بارے میں پائی جاتی ہیں۔ جو مختصراً ذیل میں درج ہیں:

ماہِ صفر اور تیرہ تیزی

(۱)......بعض لوگ اور خاص کر خواتین نے تو اس مہینے کا نام ہی ''تیرہ تیزی'' رکھ دیا ہے اور اس مہینے کو اپنے گمان میں تیزی کا مہینہ سمجھ لیا ہے۔

اس کی حتمی اور قطعی وجہ تو معلوم نہیں ہوسکی کہ اس مہینے کو تیرہ تیزی کا مہینہ کیوں کہا جاتا ہے، ممکن ہے کہ اس مہینہ کو تیرہ تیزی کا نام اس لئے دیا گیا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرضِ وفات جو اس مہینے میں شروع ہوا تھا وہ مشہور روایات کے مطابق تیرہ دن مسلسل جاری رہا تھا، جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصالِ مبارک ہوگیا تھا (تفصیل آگے آرہی ہے) اس سے جہلاء نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تیرہ دنوں میں مرض کی شدت اور تیزی کی وجہ سے یہ مہینہ سب کے حق میں شدید، بھاری یا تیز ہوگیا ہو۔

اگر یہی بات ہے تو یہ سراسر جہالت اور توہم پرستی کا شاخسانہ ہے۔ جس کی کوئی حقیقت نہیں، اور ایسا عقیدہ رکھنا سخت گناہ ہے۔

ماہِ صفر اور ابتدائی تیرہ دن

(۲)......بعض جاہل لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس مہینے کے ابتدائی تیرہ روز خاص طور پر بہت زیادہ سخت اور تیز یا بھاری ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ لوگ صفر کے مہینہ کی پہلی تاریخ سے لے کر تیرہ

تاریخ تک کے دنوں کو خاص طور پر منحوس سمجھتے ہیں اور بعض جگہ اس مہینے کی تیرہ تاریخ کو چنے اُبال کر یا چُوری بنا کر تقسیم کرتے ہیں۔ تاکہ بلائیں ٹل جائیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ان لوگوں کے ابتدائی تیرہ دنوں سے متعلق اس غلط خیال کی وجہ سے ہی اس مہینہ کو تیرہ تیزی کا مہینہ کہا جاتا ہو۔

یہ بھی شریعت پر زیادتی ہے، حضور ﷺ نے ایسی تمام چیزوں کی نفی فرمادی (جیسا کہ آگے آرہا ہے)

ماہِ صفر اور جنّات کا آسمانوں سے نزول

(۳)......بعض علاقوں میں مشہور ہے کہ اس مہینہ میں لنگڑے لولے اور اندھے جنات آسمان سے اترتے ہیں اور چلنے والوں کو کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھ کر قدم رکھو، کہیں جنات کو تکلیف نہ ہو۔

بعض لوگ اس مہینہ اور خاص کر آخری تاریخوں میں صندوقوں، پیٹیوں، ستونوں اور در و دیوار کو ڈنڈے مارتے ہیں تاکہ جنات بھاگ جائیں۔

یہ بے بنیا اور خلافِ شریعت حرکات ہیں۔

ماہِ صفر اور قرآن خوانی

(۴)...... ماہِ صفر کو منحوس سمجھنے کی وجہ سے بعض گھرانوں میں اجتماعی قرآن خوانی کا اس لئے اہتمام کرایا جاتا ہے تاکہ اس مہینہ کی بلاؤں اور آفتوں سے حفاظت رہے۔

اوّل تو مروَّجہ طریقہ پر اجتماعی قرآن خوانی ہی ایک رسمِ محض بن کر رہ گئی ہے اور اس میں کئی خرابیاں جمع ہوگئی ہیں، دوسرے مذکورہ بالا نظریہ کی بنیاد پر قرآن خوانی کرنا اپنی ذات میں بھی جائز نہیں کیونکہ مذکورہ نظریہ ہی شرعاً باطل ہے، اور شریعت نے واضح کردیا ہے کہ اس مہینہ میں نہ کوئی نحوست ہے، نہ کوئی بلا ہے اور نہ کوئی جنات کا آسمانوں سے نزول ہوتا ہے۔

ماہِ صفر اور شادی بیاہ کی تقریبات

(۵)......بعض لوگ صفر کے مہینہ میں شادی بیاہ اور دوسری خوشی کی تقریبات منعقد کرنے اور اہم

کاموں کا افتتاح اورابتداء کرنے سے پرہیز کرتے ہیں، اورکہا کرتے ہیں کہ صفر میں کی ہوئی شادی صِفر (یعنی ناکام ونامراد) ہوگی، چنانچہ صفر کا مہینہ گزرنے کا انتظار کیا جاتا ہے اور پھر ربیع الاول کے مہینہ سے اپنی تقریبات شروع کردیتے ہیں۔

اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ صفر کے مہینہ کو نامبارک اور منحوس سمجھا گیا (اوراس مہینہ کو منحوس یا نامبارک سمجھنا باطل اور توہم پرستی میں داخل ہے)

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ صفر کے مہینہ میں خوشی کی تقریب انجام دینے سے وہ کام بابرکت نہیں ہوگا یا اچھے نتائج برآمد نہیں ہوں گے اوراس میں بہت سے دین داراور مذہبی لوگ بھی مبتلا ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی اس مہینہ میں شادی کرے تو اسے بہت معیوب سمجھا جاتا ہے اور طرح طرح کی باتیں بنائی جاتی ہیں۔

حالانکہ یہ سوچ غلط ہے، لہٰذا اس خیال کو دل ودماغ سے نکالنا چاہئے۔

شریعت میں کہیں صفر کے مہینہ میں نکاح سے منع نہیں کیا گیا، کیونکہ نکاح تو ایک اہم عبادت ہے اورعبادت سے کیونکر منع کیا جاسکتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ:

"مَنْ رَّزَقَهُ اللّٰهُ اِمْرَأَةً صَالِحَةً، فَقَدْ أَعَانَهُ عَلٰى شَطْرِ دِيْنِهٖ، فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِي الشَّطْرِ الثَّانِي " (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: جس کو اللہ تعالیٰ نے نیک صالح بیوی عطا فرمادی، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے آدھے دین کی مدد فرمادی، اب اسے چاہئے کہ باقی آدھے دین میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے (ترجمہ ختم)

ایک اورحدیث میں ہے کہ:

---

[1] حدیث نمبر ۲۶۳۲، المعجم الاوسط للطبرانی حدیث نمبر ۹۷۲.

قال الحاکم: "هَـذَا حَـدِيـثٌ صَـحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ هَذَا هُوَ ابْنُ زَيْدِ بْنِ عُقْبَةَ الْأَزْرَقُ مَدَنِيٌّ ثِقَةٌ مَأْمُونٌ "

وقال الذهبی فی التلخیص: صحیح.

مَنُ اِسۡتَطَاعَ الۡبَاءَ ةَ فَلۡيَتَزَوَّجۡ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلۡبَصَرِ وَأَحۡصَنُ لِلۡفَرۡجِ (بخاری) [۱]

ترجمہ: تم میں جو بھی حقوق زوجیت ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو وہ نکاح ضرور کرے کیونکہ اس سے نگاہ میں احتیاط آتی ہے اور شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے (ترجمہ ختم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

اَلنِّكَاحُ مِنۡ سُنَّتِيۡ فَمَنۡ لَّمۡ يَعۡمَلۡ بِسُنَّتِيۡ فَلَيۡسَ مِنِّيۡ (سنن ابنِ ماجة) [۲]

ترجمہ: نکاح میری سنت ہے، اور جو میری سنت پر عمل نہیں کرے گا، تو وہ مجھ (یعنی میری امت میں) سے نہیں (ترجمہ ختم)

لہٰذا ماہِ صفر کے مہینہ میں بھی نکاح کی عبادت کو انجام دینا چاہیئے تاکہ ایک غلط عقیدہ کی تردید ہو جس میں اچھے کام کی عملی تبلیغ بھی ہے اور عملی تبلیغ کا ثواب بہت زیادہ ہے، پھر جو لوگ ایسے وقت میں کہ جبکہ معاشرہ میں صفر کے مہینہ میں نکاح کے رواج کو تقریباً چھوڑا جا چکا ہے، اس کارِ خیر کی بنیاد ڈالیں گے اور ایسے وقت جو لوگ صفر میں نکاح کر کے صفر میں نکاح کے جائز اور عبادت ہونے کے مُردہ طریقہ کو زندہ کریں گے وہ بہت بڑا اجر پانے کے مستحق ہوں گے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ:

مَنۡ سَنَّ فِي الۡإِسۡلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعۡدَهُ كُتِبَ لَهُ مِثۡلُ أَجۡرِ مَنۡ عَمِلَ بِهَا وَلَا يَنۡقُصُ مِنۡ أُجُوۡرِهِمۡ شَيۡءٌ وَمَنۡ سَنَّ فِي الۡإِسۡلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعۡدَهُ كُتِبَ عَلَيۡهِ مِثۡلُ وِزۡرِ مَنۡ عَمِلَ بِهَا وَلَا يُنۡقَصُ مِنۡ أَوۡزَارِهِمۡ شَيۡءٌ (مسلم) [۳]

ترجمہ: جس نے اسلام میں اچھے طریقہ کی بنیاد ڈالی (اور اچھا طریقہ جاری کیا، نہ کہ بدعت والا طریقہ) جس پر بعد میں عمل کیا گیا، تو اس شخص کو ان سب عمل کرنے

---

[۱] حدیث نمبر ۴۶۷۸، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم، واللفظ لہٗ، مسلم حدیث نمبر ۳۴۶۶، ترمذی حدیث نمبر ۱۰۰۱، نسائی حدیث نمبر ۲۲۴۱، ابنِ ماجۃ حدیث نمبر ۱۸۳۵.

[۲] حدیث نمبر ۱۸۳۶، کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح.

[۳] حدیث نمبر ۶۹۷۵، کتاب العلم، باب من سن سنۃ حسنۃ أو سیئۃ ومن دعا إلی ھدی أو ضلالۃ، نسائی حدیث نمبر ۲۵۵۳، مسند احمد حدیث نمبر ۱۹۱۵۶.

والوں کے برابر ثواب حاصل ہوگا، لیکن ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جس شخص نے کسی برے طریقے کی بنیاد ڈالی (برا طریقہ جاری کیا) جس پر اس کے بعد عمل کیا گیا، تو اس کو ان سب عمل کرنے والوں کے برابر وبال ہوگا، لیکن ان دوسروں کے وبال میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی (ترجمہ ختم)

ماہِ صفر کے متعلق نحوست کا عقیدہ اور اس کی تردید

(۶)......جیسا کہ پہلے گزر چکا کہ زمانۂ جاہلیت میں ماہِ صفر کے متعلق بکثرت مصیبتیں اور بلائیں نازل ہونے کا اعتقاد رکھا جاتا تھا۔

اور آج بھی کئی مذہبی لوگوں نے اس مہینہ کو مصیبتوں اور آفتوں سے بھرپور قرار دیا ہے حتیٰ کہ لاکھوں کے حساب سے آفات اور بلیات کے نازل ہونے کی تعداد بھی نقل کردی ہے اور اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ (نعوذ باللہ تعالیٰ) جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کو بھی اس مہینہ میں مُبتلاءِ مصیبت ہونا قرار دیا ہے اور پھر خود ہی انہوں نے ان مصیبتوں سے بچنے کے طریقے بھی ذکر کردیئے ہیں۔

یہ سب منگھڑت اور اپنی طرف سے بنائی ہوئی باتیں ہیں جن کی قرآن وحدیث، صحابہ وتابعین، ائمہ مجتہدین اور سلفِ صالحین میں سے کسی سے بھی کوئی صحیح سند نہیں کیونکہ قرآن وسنت کی رُو سے بنیادی طور پر خود نحوست اور اس مہینہ میں مصیبتوں اور آفتوں کا نازل ہونا ہی باطل ہے بلکہ یہ جاہلیت کا ایجاد کردہ نظریہ ہے تو اس پر جو بنیاد بھی رکھی جائے گی وہ یقیناً باطل اور غلط ہی ہوگی۔

رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے صاف اور واضح ارشادات کے ذریعے زمانۂ جاہلیت کے توہمات اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام باطل خیالات اور صفر کے متعلق وجود میں آنے والے تمام نظریات کی تردید اور نفی فرمادی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ زمانۂ جاہلیت میں جن جن طریقوں سے نحوست، بدفالی اور بدشگونی لی جاتی تھی ان سب کی بھی مکمل طور پر نفی اور تمام مسلمانوں کو اس قسم کے توہمات سے بچنے کی تاکید فرمادی ہے، بلکہ وہ تمام اوہام وخرافات جن سے عرب کے مشرکین لرزہ براندام رہتے تھے اور جن کو وہ بذاتِ خود دنیا کے نظام پر اثر ڈالنے والے اور دنیا کے حالات کو

بدلنے والے سمجھتے تھے آنحضرت ﷺ نے ان کا طلسم توڑ دیا اور اعلان فرما دیا کہ ان کی کوئی اصل نہیں۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا عَدْوٰی وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ (بخاری) [1]

ترجمہ: ایک کی بیماری کا (اللہ کے حکم کے بغیر خود بخود) دوسرے کو لگ جانا، بدشگونی اور مخصوص پرندے کی بدشگونی، اور صفر (کی نحوست وغیرہ) یہ سب باتیں بے حقیقت ہیں (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

لَاعَدْوٰی وَلَاهَامَةَ وَلَا نَوْءَ وَلَا صَفَرَ (مسلم) [2]

ترجمہ: مرض کا (خود بخود بغیر حکمِ الٰہی کے) دوسرے کو لگ جانا، مخصوص پرندے کی بدشگونی، ستارہ اور صفر (کی نحوست وغیرہ) کی کوئی حقیقت نہیں (وہم پرستی کی باتیں ہیں) (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَاعَدْوٰی وَلَاغُوْلَ وَلَاصَفَرَ (مسلم) [3]

ترجمہ: مرض کا (خود بخود) لگ جانا اور غولِ بیابانی اور صفر (کی نحوست) کی کوئی حقیقت نہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ، أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ أَوْ تَكَهَّنَ، أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ أَوْ سَحَرَ، أَوْ سُحِرَ لَهُ وَمَنْ عَقَدَ عُقْدَةً أَوْ قَالَ: مَنْ عَقَدَ عُقْدَةً

---

[1] حدیث نمبر ۵۳۱۶، کتاب الطب، باب لاهامة، واللفظ لهٗ، مسلم حدیث نمبر ۵۹۲۰.

[2] حدیث نمبر ۵۹۲۶، کتاب السلام، باب لاعدوی ولا طیرة ولا هامة ولاصفر ولا نوء ولا غول، واللفظ لهٗ، ابوداؤد، حدیث نمبر ۳۹۱۴.

[3] حدیث نمبر ۵۹۲۹، واللفظ لهٗ، مسند احمد حدیث نمبر ۱۵۱۰۳.

وَمَنْ أَتٰی کَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ (مسند البزار، حديث نمبر ۳۵۷۸) [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو خود بُری فال (بدشگونی) لے یا جس کے لئے بُری فال لی جائے، یا جو خود کہانت کرائے یا جس کے لئے کہانت کرائی جائے، یا جو خود جادو کرے یا جس کے لئے جادو کیا جائے، اور جو گرہ باندھے، یا فرمایا جو گرہ باندھے (یعنی کفریہ وفسقیہ کلمات پڑھ کر تعویز گنڈہ کرے) اور جو شخص کاہن کے پاس آئے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے، تو اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ چیز (قرآن وشریعت) کا (ایک طرح سے) انکار کیا (ترجمہ ختم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں بدشگونی وبدفالی کا کوئی وجود نہیں، اور ماہِ صفر کے متعلق بدفالی وبدشگونی کا عقیدہ رکھنا زمانۂ جاہلیت سے تعلق رکھتا ہے، جس کی اسلام نے نفی فرما دی ہے۔ [2]

مذکورہ احادیث میں بیان کی ہوئی دوسری چیزوں کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آگے ذکر کی جائے گی۔

---

[1] قال الهيثمي:
رواه البزار ورجاله رجال الصحيح خلا إسحق بن الربيع وهو ثقة(مجمع الزوائد ج۵ص۱۱۷)

[2] فی النهاية الطيرة بكسر الطاء وفتح الياء وقد تسكن هی التشاؤم بالشیء وهی مصدر تطير طيرة كما تقول تخير خيرة ولم يجیء من المصادر غيرهما هكذا قيل وأصل التطير التفاؤل بالطير واستعمل لكل ما يتفاءل به ويتشاءم وقد كانوا فی الجاهلية يتطيرون بالصيد كالطير والظبی فيتيمنون بالسوانح ويتشاءمون بالبوارح والبوارح على ما فی القاموس من الصيد ما مر من ميامنک إلى مياسرک والسوانح ضدها وكان ذلک يصدهم عن مقاصدهم ويمنعهم عن السير إلى مطالبهم فنفاه الشرع وأبطله ونهاهم عنه وأخبر أنه لا تأثير له(مرقاة المفاتيح ،كتاب الصلاة، باب ما لا يجوز من العمل فی الصلاة)

قوله ولاطيرة بكسر الطاء وفتح الياء وقد تسكن وهی التشاؤم (تكمله فتح الملهم ج ۴ ص ۳۷۳) واصل التطير انهم كانوا فی الجاهلية يعتمدون على الطير فاذا خرج احدهم لامرفان رأی الطير طار يمنة تيمن به استمر فی عمله وان راه طار يسرة تشاءم به ورجع وربماكان احدهم يهيج الطير ليطير فيعتمدها وكانوا يسمون الطائر الذی يطير الی اليمين "سانحا" والذی يطير الی اليسار يسمونه "بارحا" فكانوا يتيمنون بالسانح ويتشاءمون بالبارح ثم استعيرت كلمة التطير لكل تشاءم سواء كان بسبب الطير او بغيره ومنه ما جاء فی القرآن الكريم "اطَّيَّرْنَا بِمُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗ" و " قَالُوْا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ " فجاء الشرع فاراح المسلمين من جميع هذه التوهمات (تكملة فتح الملهم ج ۴ ص ۳۷۴)

صفر کو منحوس یا بُرا کہنے کی نسبت اللہ کی طرف لوٹتی ہے

ماہِ صفر کو منحوس اور بُرا سمجھنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ زمانہ بذاتِ خود بُرا یا منحوس ہے، یعنی ماہِ صفر کی طرف برائی اور نحوست کو منسوب کرنا دراصل زمانہ کی طرف برائی کو منسوب کرنا ہے۔

حالانکہ جس وقت بندہ عبادت میں مشغول ہوتا ہے وہ زمانہ اس کے حق میں مبارک ہوتا ہے اور جس وقت بندہ گناہوں میں مصروف ہوتا ہے وہ زمانہ اس کے حق میں گناہ کی نحوست کی وجہ سے منحوس ہوتا ہے۔

اسلام کے اصولوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ثابت ہے کہ کوئی زمانہ یا دن و تاریخ اپنی ذات میں منحوس نہیں ہے، اور زمانہ تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اس کی طرف نحوست یا برائی کو منسوب کرنا گناہ ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَقَالُوْا مَاهِيَ اِلَّاحَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَاوَمَايُهْلِكُنَااِلَّاالدَّهْرُ (سورہ جاثیہ آیت ۲۴)

ترجمہ: اور (یہ کفار) کہتے ہیں اور کچھ نہیں بس یہی ہے ہمارا جینا دنیا کا، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں، اور ہم جو مرتے ہیں تو زمانہ (کی وجہ) سے مرتے ہیں (ترجمہ ختم)

کفار نے یہ بات کہی تھی کہ ہماری موت و حیات کا اللہ کے حکم اور مشیت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ طبعی اسباب کے تابع ہے۔

کفار و مشرکین زمانہ کی گردش ہی کو ساری کائنات اور ان کے سارے حالات کی علت قرار دیتے تھے اور اسی کی طرف منسوب کرتے تھے، حالانکہ درحقیقت یہ سب کام اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کی قدرت و ارادہ سے ہوتے ہیں، اسی لئے صحیح احادیث میں زمانہ کو بُرا کہنے کی ممانعت آئی ہے کیونکہ زمانہ درحقیقت اللہ ہی کی ایک قدرت کا مظہر ہے۔ اس لئے زمانہ کو بُرا کہنے کا نتیجہ درحقیقت اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے (معارف القرآن ج ۷ بتغیر)

ایک حدیثِ قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ یُؤْذِیْنِیْ اِبْنُ آدَمَ یَسُبُّ الدَّھْرَ وَأَنَا الدَّھْرُ بِیَدِیْ الْأَمْرُ أُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ (بخاری عن ابی ھریرۃ) [1]

ترجمہ: اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ بنی آدم مجھے ایذاء دیتا ہے (یعنی میری شان کے خلاف بات کہتا ہے اور وہ اس طرح) کہ وہ زمانہ کو برا بھلا کہتا ہے حالانکہ زمانہ میں ہوں (یعنی زمانہ میرے تابع اور ماتحت ہے) میرے قبضۂ قدرت میں تمام حالات اور زمانے ہیں میں ہی رات ودن کو پلٹتا (اور کم زیادہ کرتا) ہوں (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ یُؤْذِیْنِیْ اِبْنُ آدَمَ یَقُوْلُ یَا خَیْبَةَ الدَّھْرِ . فَلَا یَقُوْلَنَّ أَحَدُکُمْ یَا خَیْبَةَ الدَّھْرِ . فَإِنِّیْ أَنَا الدَّھْرُ أُقَلِّبُ لَیْلَهٗ وَنَھَارَهٗ فَإِذَا شِئْتُ قَبَضْتُھُمَا (مسلم عن ابی ھریرۃ) [2]

ترجمہ: اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ ابنِ آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ ہائے زمانے کی ہلاکت، تو تم میں سے کوئی ہرگز یہ نہ کہے، ہائے زمانے کی ہلاکت، کیونکہ زمانہ میں ہوں، میں ہی زمانے کے دن رات کو بدلتا ہوں، پس جب میں چاہوں گا، دن رات کو قبض کرلوں گا (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں دن رات کو پلٹنے کے بجائے دن رات کو بھیجنے کے الفاظ ہیں۔

دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ [3]

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا الدَّھْرَ، فَإِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ

---

[1] حدیث نمبر ۴۴۵۲، کتاب تفسیر القرآن، باب وما یھلکنا إلا الدھر الایة، واللفظ لهٗ، مسلم حدیث نمبر ۵۹۹۹، ابوداؤد حدیث نمبر ۵۲۷۶، مسند احمد حدیث نمبر ۷۲۴۵.

[2] حدیث نمبر ۶۰۰۱، کتاب الالفاظ من الادب، باب النھی عن سب الدھر.

[3] قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :لَا يَقُلِ ابْنُ آدَمَ :وَاخَيْبَةَ الدَّهْرِ، إِنِّي أَنَا الدَّهْرُ، أُرْسِلُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ، فَإِذَا شِئْتُ قَبَضْتُهُمَا (مسند احمد ،حدیث نمبر ۸۲۳۲) إسناده صحيح على شرط الشيخين(حاشية مسند احمد)

قَالَ :أَنَـا الـدَّهْـرُ، اَلْأَيَّـامُ وَاللَّيَالِيُ لِيُ، أُجَدِّدُهَا وَأُبْلِيُهَا، وَآتِي بِمُلُوكٍ بَعْدَ مُلُوكٍ(مسند احمد، حدیث نمبر ۱۰۴۳۸) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم زمانہ کو برا مت کہو، کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ میں زمانہ ہوں، دن اور رات میرے لئے ہیں (یعنی میری مخلوق اور میری مرضی کے تابع ہیں) میں ان کو نیا اور پُرانا کرتا ہوں، اور میں ہی بادشاہوں کے بعد دوسرے بادشاہ لاتا ہوں (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ خواہ زمانہ پُرانا ہو، یا نیا؛ وہ بہرحال کوئی خودمختار چیز نہیں وہ تو اللہ کے حکم سے وجود میں آتا ہے اور اسی کے حکم سے چلتا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے، اور اگر نحوست ہے تو انسان کی بداعمالیوں یا اپنے خیالات کی بنیاد پر ہے۔

لہٰذا صفر یا کسی زمانہ کی طرف بُرائی یا نحوست کی نسبت کرنا درست نہیں۔ [۲]

---

[۱] حديث صحيح، وهذا إسناد حسن من أجل هشام بن سعد(حاشية مسند احمد)

[۲] (قال الله تعالى يؤذيني ابن آدم) بأن بنسب إلى ما لا يليق بجلالي (يقول يا خيبة الدهر) بفتح الخاء المعجمة أي يقول ذلك إذا أصابه مكروه (فلا يقولن أحدكم يا خيبة الدهر فإني أنا الدهر أقلب ليله ونهاره فإذا شئت قبضتهما) فإذا سب ابن آدم الدهر من أجل أنه فاعل هذه الأمور عاد سبه إلى لأني فاعلها وإنما الدهر زمان جعلته ظرفا لمواقع الأمور(فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ۶۰۲۵)

قوله سبحانه وتعالى :(يسب ابن آدم الدهر ، وأنا الدهر بيدى الليل والنهار) وفي رواية قال الله تعالى عز وجل :(يؤذيني ابن آدم ، يسب الدهر ، وأنا الدهر ، أقلب الليل والنهار) وفي رواية (يؤذيني ابن آدم يقول :يا خيبة الدهر ، فلا يقولن أحدكم :يا خيبة الدهر ، فإني أنا الدهر ، أقلب ليله ونهاره ، فإذا شئت قبضتهما) وفي رواية :(لا تسبوا الدهر ، فإن الله هو الدهر)

وأما قوله عز وجل :(وأنا الدهر)فإنه برفع الراء ، هذا هو الصواب المعروف الذى قاله الشافعي وأبو عبيد وجماهير المتقدمين والمتأخرين ، وقال أبو بكر ومحمد بن داود الأصبهاني الظاهرى : إنما هو الدهر بالنصب على الظرف ، أى أنا مدة الدهر أقلب ليله ونهاره .وحكى ابن عبد البر هذه الرواية عن بعض أهل العلم .وقال النحاس :يجوز النصب أى فإن الله باق مقيم أبدا لا يزول .قال القاضي :قال بعضهم :هو منصوب على التخصيص .قال :والظرف أصح وأصوب .أما رواية الرفع ، وهي الصواب ، فموافقة لقوله "فإن الله هو الدهر ، قال العلماء :وهو مجاز ، وسببه أن العرب كان شأنها أن تسب الدهر عند النوازل والحوادث والمصائب النازلة بها من موت أو هرم أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نحوست کا اصل سبب ''بداعمالیاں'' ہیں

زمانۂ جاہلیت میں لوگ بعض دنوں بعض تاریخوں اور بعض جانوروں یا انسانوں اور جگہوں میں نحوست سمجھتے تھے خاص کر عورت، گھوڑے اور مکان میں نحوست کا زیادہ اعتقاد رکھتے تھے شریعت نے ان تمام چیزوں کی تردید فرمادی۔ [1]

نحوست کا غلط تصور پہلی امتوں میں بھی پایا جاتا رہا ہے، بلکہ (نعوذ باللہ تعالیٰ) انبیاء علیہم السلام کی طرف ان کے مخالفین ومعاندین نے نحوست کا الزام عائد کیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی صاف نفی فرمادی اور واضح فرمادیا کہ سب سے بڑی نحوست انسان کی اپنی بداعمالیوں اور فسق وفجور میں ہے (جو آج مختلف طریقوں سے گھر گھر میں ہورہے ہیں) اپنے گناہوں کی نحوست کو دوسری چیزوں کی طرف ڈالنا ایسا ہی ہے جیسا کہ:

ایک کالے حبشی شخص کو راستے میں ایک شیشہ پڑا ہوا ملا، اس حبشی نے اس سے پہلے کبھی اپنا چہرہ شیشہ میں نہیں دیکھا تھا، اس حبشی نے پڑا ہوا شیشہ اٹھا کر جب اس میں اپنا منہ دیکھا تو بہت بدنما اور بھدا محسوس ہوا، ناک بڑی، رنگ کالا وغیرہ، تو اس حبشی کو اپنا چہرہ بُرا معلوم ہوا اور فوراً غصہ میں آکر اُس شیشہ کو زمین پر پھینک مارا، اور کہا کہ تو اتنا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

تلف مال أو غير ذلک ، فيقولون :يا خيبة الدهر ، ونحو هذا من ألفاظ سب الدهر ، فقال النبی صلی الله عليه وسلم " :لا تسبوا الدهر فإن الله هو الدهر "أی لا تسبوا فاعل النوازل ، فإنكم إذا سببتم فاعلها وقع السب على الله تعالى ؛ لأنه هو فاعلها ومنزلها .وأما الدهر الذی هو الزمان فلا فعل له ، بل هو مخلوق من جملة خلق الله تعالى .ومعنى "فإن الله هو الدهر "أی فاعل النوازل والحوادث ، وخالق الكائنات .والله أعلم (شرح النووی علىٰ مسلم ، كتاب الالفاظ من الادب وغيره، باب النهی عن سب الدهر)

[1] اعلم انه ان كان المراد بالسعادة والنحوسة مايزعمه الجهلاء من خاصية طبعية فی شئی باسباب غير مشاهدة فهی شعبة من النجوم التی نفاها الشرع (وبعداسطر) وان كان المراد بالسعادة بركة و فضيلة ثبت بالنقل الصحيح وبالنحوسة مضرة ومعرة ثبتت كذلک فالسعادة واقعة بما ورد من النصوص فی ايام مباركة كالجمعة ورمضان وغيرهما والنحوسة منفية بالنصوص كذالک (بوادرالنوادر ص ٤٥٦ ،اکھتروان‌نادرہ تحقيق السعد والنحس)

بدصورت اور بدنما ہے اسی لئے تو تجھے کسی نے یہاں پھینک رکھا ہے۔

تو جس طرح اُس حبشی نے اپنی بدصورتی کو شیشہ کی طرف منسوب کیا، اسی طرح دنیا میں لوگ اپنی بدعملی کی نحوست کو دوسری چیزوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

حقیقت میں عبادت مبارک چیز ہے اور گناہ منحوس چیز ہے۔ [1]

منکرین ومخالفین حضرت صالح علیہ السلام کو کہتے تھے کہ جب سے تیرا منحوس قدم آیا ہے اور یہ باتیں شروع کی ہیں، ہم پر قحط وغیرہ کی سختیاں پڑتی جاتی ہیں اور گھر گھر میں لڑائی جھگڑے شروع ہوگئے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ سختیاں یا برائیاں میری وجہ سے نہیں تمہاری بدقسمتی سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری شرارتوں اور بداعمالیوں کے سبب سے مقدر کی ہیں۔

چنانچہ ارشاد ہے:

قَالُوْا اطَّیَّرْنَا بِکَ وَبِمَنْ مَّعَکَ ط قَالَ طٰٓئِرُکُمْ عِنْدَاللّٰہِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ (سورہ نمل آیت ۴۷پ ۱۹)

ترجمہ: وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں (حضرت صالح علیہ السلام نے جواب میں) فرمایا کہ تمہاری (اس) نحوست کا (سبب) اللہ کے علم میں ہے، بلکہ تم وہ لوگ ہو کہ (اس کفر کی بدولت) عذاب میں مبتلا ہوگے (ترجمہ ختم)

اور موسیٰ علیہ السلام کی طرف مخالفین نے نحوست کو منسوب کیا تھا، جس کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی، جیسا کہ ارشاد ہے:

وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَیِّئَۃٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی وَمَنْ مَّعَہٗ ط اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُھُمْ عِنْدَاللّٰہِ

---

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
نصوص میں جابجا اس کی تصریح ہے کہ نحوست وسعد کا سبب زمانہ وغیرہ نہیں، نہ کوئی دن منحوس ہے نہ کوئی مہینہ، نہ کسی مکان میں نحوست ہے نہ کسی انسان میں، بلکہ اصل نحوست اعمالِ معصیت (گناہوں کے اعمال) میں ہے، مگر افسوس! اس نحوست سے اجتناب (بچنے) کا کسی کو اہتمام نہیں، بلکہ اسے خود بخود اپنے ساتھ لپیٹتے ہیں (خطباتِ حکیم الامت ج۹ص ۷۷و۷۸، وعظ حقیقت الصبر)

وَلٰـكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَايَعْلَمُوْنَ(سورہ اعراف آیت ۱۳۱ پ ۹)

ترجمہ: اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے ہیں یاد رکھو کہ ان کی نحوست (کا سبب) اللہ کے علم میں ہے (ترجمہ ختم)

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فرعونیوں کو ابتدائی تنبیہ کے طور پر قحط، خشک سالی وغیرہ معمولی تکالیف اور سختیوں میں مبتلا کیا تا کہ وہ خوابِ غفلت سے چونکیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ نصیحتوں کو قبول کریں۔

مگر وہ ایسے کب تھے؟ انہوں نے ان تنبیہات کی کچھ پرواہ نہ کی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ ڈھیٹ، ہٹ دھرم اور گستاخ ہو گئے چنانچہ:

''ثُمَّ بَدَّلْنَامَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ''

کے قاعدہ سے جب قحط وغیرہ دور ہو کر ارزانی اور خوشحالی حاصل ہوتی تو کہنے لگتے کہ دیکھو ہماری خوش قسمتی اور عقل مندی کے لائق تو یہ حالات ہیں۔

پھر اگر درمیان میں کبھی کسی ناخوشگوار اور بُری حالت سے دوچار ہونا پڑ جاتا تو کہتے کہ ''یہ سب (معاذ اللہ) موسیٰ اور اس کے رفقاء کی شومِ تقدیر اور نحوست ہے''

حق تعالیٰ نے اسی کا جواب دیا:

''اَلَآ اِنَّمَا طٰٓـئِرُهُمْ عِنْدَاللّٰهِ وَلٰـكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَايَعْلَمُوْنَ''

یعنی یہ اپنی بدبختی اور نحوست کو مقبول بندوں کی طرف کیوں منسوب کرتے ہیں۔ جبکہ اُن کی اس نحوست کا واقعی سبب تو اللہ کے علم میں ہے۔ اور وہ اُن کا ظلم وستم اور بغاوت وشرارت ہے۔

اسی سبب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں سے کچھ حصہ نحوست کا وقتی سزا اور تنبیہ کے طور پر اُن کو پہنچ رہا ہے، باقی اُن کے ظلم وکفر کی اصلی شومی ونحوست یعنی پوری پوری سزا تو وہ ابھی اللہ کے پاس محفوظ ہے جو دنیا میں یا آخرت میں اپنے وقت پر اُن کو پہنچ کر رہے گی۔ جس کی ابھی اکثر لوگوں کو خبر نہیں۔

لفظ طائر کے لغوی معنی پرندے جانور کے ہیں، عرب، پرندہ جانوروں کے داہنی، بائیں جانب اترنے سے اچھی، بُری فالیں لیا کرتے تھے، اس لئے مطلق فال کو بھی ''طائر'' کہنے لگے۔

اس آیت میں طائر کے یہی معنیٰ ہیں۔

اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ ان کی فال اچھی یا بری جو کچھ بھی ہو وہ سب اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے جو کچھ اس عالم میں ظاہر ہوتا ہے سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت سے عمل میں آتا ہے، نہ اس میں کسی کی نحوست کا دخل ہے نہ برکت کا، یہ سب ان کی خام خیالی اور جہالت ہے جو پرندوں کے داہنے یا بائیں اُڑ جانے سے اچھی بری فالیں لے کر اپنے مقاصد اور عمل کی بنیاد اس پر رکھتے ہیں (معارف القرآن ج۴ ص۴۳،۴۴ بتغیر) [1]

سورہ یٰسٓ میں جو وعظ و نصیحت کرنے والوں کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے اس کے ضمن میں ارشاد ہے:

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ط اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ط بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ (سورہ یٰسٓ آیت ۱۸،۱۹ پ ۲۳)

ترجمہ: وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم پتھروں سے تمہارا کام تمام کر دینگے اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی۔ ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے کیا اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی جاوے بلکہ تم (خود) حدِّ (عقل و شرع) سے نکل جانے والے لوگ ہو (پس شریعت کی مخالفت سے تم پر یہ نحوست آئی اور عقل کی مخالفت سے تم نے اس کا سبب غلط سمجھا) (ترجمہ ختم)

تشریح: شاید رسولوں کو جھٹلانے اور کفر و عناد کی شامت سے قحط وغیرہ پڑا ہوگا۔ یا رسولوں کے سمجھانے پر آپس میں اختلاف ہوا، کسی نے مانا، کسی نے نہ مانا، اس کو نا مبارک کہا، یعنی تمہارے

---

[1] (ألا إنما طائرهم عند الله) يعنى أن طائر البركة وطائر الشؤم من الخير والشر والنفع والضر من الله تعالى لا صنع فيه لمخلوق(تفسير القرطبى،تحت آیت ۱۳۱ من سورة اعراف)

والخير والشر كله من الله .وقال ابن عباس :طائرهم ما قضى الله عليهم وقدّر لهم .وفى رواية عنه: شؤمهم عند الله ومن قِبَل الله .أى :إنما جاء هم الشؤم بكفرهم بالله .وقيل :معناه الشؤم العظيم الذى لهم عند الله من عذاب النار، (وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لا يَعْلَمُونَ) أن الذى أصابهم من الله(معالم التنزيل،تحت آیت ۱۳۱ من سورة اعراف)

قدم کیا آئے، قحط اور نا اتفاقی کی بَلا ہم پر ٹوٹ پڑی۔ یہ سب تمہاری نحوست ہے (العیاذ باللہ) ورنہ پہلے ہم اچھے خاصے آرام، چین کی زندگی بسر کر رہے تھے؛ پس تم اپنے وعظ و نصیحت سے ہم کو معاف رکھو، اگر یہ روِش نہ چھوڑو گے اور وعظ و نصیحت سے باز نہ آؤ گے تو ہم سخت تکلیف وعذاب پہنچا کر تم کو سنگسار کر ڈالیں گے۔

ان رسولوں نے جواب میں کہا کہ تمہارے کفر و تکذیب کی شامت سے عذاب آیا، اگر حق وصداقت کو سب مل کر قبول کر لیتے نہ یہ بُرا اِختلاف ہوتا، نہ اس طرح آفتوں میں مبتلا ہوتے، پس نا مبارکی اور نحوست کے اسباب خود تمہارے اندر موجود ہیں، پھر کیا اتنی بات پر کہ تمہیں اچھی نصیحت وفہمائش کی اور بُرا بھلا سمجھایا، اپنی نحوست ہمارے سر ڈالنے لگے اور قتل کی دھمکیاں دینے لگے۔

حقیقت یہ ہے کہ تم عقل وآدمیت کی حدود سے خارج ہو جاتے ہو، نہ عقل سے سمجھتے ہو، نہ آدمیت کی بات کرتے ہو (تفسیر عثمانی بتغیر)

قومِ عاد پر اللہ تعالیٰ نے جو عذاب بھیجا تھا، اس کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّآ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا فِىۡ يَوۡمِ نَحۡسٍ مُّسۡتَمِرٍّ (سورہ قمر آیت ۱۹ پ ۲۷)

ترجمہ: ہم نے ان پر (یعنی قوم عاد کے لوگوں پر) ایک تیز وتند ہوا بھیجی ایک دوامی (مستقل) نحوست کے دن میں (ترجمہ ختم)

تشریح: یہ نحوست کا دن ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے انہی کے حق میں تھا، یہ نہیں کہ ہمیشہ کے لئے وہ دن منحوس سمجھ لئے جائیں، جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہے، اور اگر وہ دن عذاب آنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے منحوس بن گئے ہوں، تو مبارک دن کونسا رہے گا؟

قرآنِ کریم میں صاف طور پر مذکور ہے کہ وہ عذاب سات رات اور آٹھ دن برابر رہا، اگر یہی بات ہے تو بتلایئے اب ہفتہ کے دنوں میں کونسا دن نحوست سے خالی رہے گا؟ [۱]

---

[۱] وتفسیر نحسات بمشائیم مروی عن مجاهدوقتادة والسدی (روح) وفیه قبل ذلک المراد بهاالمشائیم علیهم لماانهم عذبوا فیها فالیوم الواحد یوصف بالنحس والسعد بالنسبة الی شخصین فیقال له سعد بالنسبة الی من ینعم فیه ویقال له نحس بالنسبة الی من یعذب ولیس هذا کما یزعمه الناس من خصوصیات الاوقات (روح) (احکام القرآن للتهانوی الحزب الرابع ص ۱۲۴ ملخصاً)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ ارشاد ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِى اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَايُنْصَرُوْنَ (سورہ حٰمٓ السجدة آیت ۱۶ پ ۲۴)

ترجمہ: تو ہم نے ان پر ایک ہوائے تند ایسے دنوں میں بھیجی جو منحوس تھے تا کہ ہم ان کو اس دنیوی حیات میں رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور آخرت کا عذاب اور زیادہ رسوائی کا سبب ہے اور ان کو مدد نہ پہنچے گی (ترجمہ ختم)

اصولِ اسلام اور احادیثِ رسول ﷺ سے ثابت ہے کہ کوئی دن یا رات اپنی ذات میں منحوس نہیں ہے، قومِ عاد پر ہوا کے طوفان کو نحوست کے دنوں میں فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دن اس قوم کے حق میں ان کی بداعمالیوں کے سبب منحوس ہو گئے تھے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ دن سب کے لئے منحوس ہوں (کذا فی معارف القرآن ج ۷ ص ۶۴۴ بتغیر)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ لا حُسُوْمًا لا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى لا كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (سورہ الحآقة آیت ۷ پ ۲۹)

ترجمہ: اس تیز، تُند ہوا کو اللہ تعالیٰ نے ان پر سات رات اور آٹھ دن متواتر مسلط کر دیا تھا سو (اے مخاطب اگر) تو (اس وقت موجود ہوتا تو) اس قوم کو اس طرح سے گرا (پڑا) ہوا دیکھتا کہ گویا وہ گری ہوئی کھجوروں کے تنے (پڑے) ہیں (ترجمہ ختم)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واما قول الله تعالٰى فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِى اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ الاية فليس المراد النحوسة المتعارفة بدليل تفسير هذه الايام بايام الاسبوع فى قوله تعالٰى وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا الاية فلو كان المراد النحوسة المتعارفة لكانت الايام كلها نحسة وهو خلاف ماادعوه فعلم ان المراد بالنحسات نحسات عليهم لنزول العذاب على معاصيهم فاتضح سبيل الرشاد وانمحق قول اهل الفساد. كتبهٗ اشرف على تاسع رمضان (بوادر النوادر ص ۴۵۶، اکھتر واں نادرہ، تحقیق السعد والنحس)

اس آیت میں صراحت ہے کہ قومِ عاد پر یہ عذاب سات رات اور آٹھ دن لگاتار رہا، لہٰذا جو لوگ ان دنوں کو منحوس قرار دیتے ہیں اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ کوئی دن بھی مبارک نہ ہو بلکہ تمام دن منحوس ہوں، کیونکہ ہفتہ کے ہر دن میں ان پر عذاب پایا جاتا ہے۔ [1]

پس آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جن دنوں میں ان پر عذاب نازل ہوا تھا وہ دن عذاب نازل ہونے کی وجہ سے خاص ان کے لئے منحوس تھے، نہ کہ سب کے لئے، اور یہ عذاب گناہوں کی وجہ سے تھا۔ اس لئے نحوست کا سبب گناہ ہی ہوئے۔ [2]

---

[1] وقال شيخنا فی مسائل السلوک وکانت هذه الايام يعنی النحسات کمافی الحاقة سبع ليال وثمانية ايام حسوما فانعدم مايزعمه بعض الناس من کون بعض الايام نحسا وبعضها سعدالخصوصيات فيها والا فيلزم کون ايام الاسبوع کلها نحسة وانما المراد بها کمافی الروح مشائم عليهم الی آخر مامر آنفاً(احکام القرآن للتهانوی الحزب الرابع ص ۱۲۴ ملخصاً)

[2] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اور یہ جو مشہور ہے کہ بعض لوگ قُمری (فاختہ کی قسم کے ایک طوق دار پرندہ) کو یا اُلو کو یا کیلے کے درخت کو منحوس سمجھتے ہیں یا بعض ایام کو منحوس سمجھتے ہیں، یہ کوئی چیز نہیں، میرٹھ میں ایک بنیا منحوس گھوڑوں کو خریدتا تھا اور بہت نفع کماتا تھا، اس کے حق میں وہی بابرکت تھے، بعض لوگوں کو قرآن کی اسی آیت فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِي اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ سے شبہ ہوگیا ہے کہ بعض ایام بھی منحوس ہوتے ہیں مگر انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ایام نحسات کی تفسیر دوسری آیت میں سبع ليال وثمانية ايام وارد ہوئی ہے تو اس کو ملا کر یہ لازم آئے گا کہ کوئی دن بھی مسعود نہیں بلکہ سب ایام منحوس ہی ہیں اور اس کا کوئی قائل نہیں لہٰذا اس سے استدلال صحیح نہیں ہوسکتا، دراصل ایام میں سعد و نحس کا مسئلہ اہلِ نجوم کا اختراع ہے اور شیعہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھی اس کو منسوب کیا ہے مگر وہ روایت موضوع (گھڑی ہوئی) ہے، شریعت میں بعض ایام متبرک تو ہیں مگر منحوس کوئی دن نہیں، رہا یہ سوال کہ پھر ایام نحسات کے کیا معنیٰ ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے معنیٰ "نحسات عليهم" ہیں یعنی قومِ عاد کے حق میں وہ ایام منحوس تھے کیونکہ ان پر ان ایام میں عذاب آیا تھا اور وہ عذاب مسبب تھا کفر و معصیت سے، بس معلوم ہوا کہ اصل نحوست کی چیز معصیت (گناہ) ہے، بہر حال خود اس آیت سے معلوم ہوا کہ سعادت نام ہے طاعت کا اور نحوست نام ہے معصیت کا۔ اب بتلاؤ کہ منحوس ہم ہیں یا اُلو اور قمری اور کیلا۔ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں معصیت سے مبرا (گناہ سے پاک) ہیں، تو یہ کیسی غلطی ہے کہ ہم اپنی نحوست کو دوسری چیزوں پر ڈال دیتے ہیں (وعظ دارالمسعود ص ۲۱، مطبوعہ تھانہ بھون)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

بعض پڑھے لوگوں نے دنوں کے منحوس ہونے پر قرآن پاک کی اس آیت سے استدلال کیا ہے، فَاَرْسَلْنَا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیا گھر، سواری اور عورت میں نحوست ہے؟

بعض احادیث سے کچھ لوگوں کو بظاہر یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے بعض چیزوں (مثلاً گھر، سواری اور عورت) میں نحوست قرار دی ہے۔

مثلاً حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے:

اَلشُّؤْمُ فِي الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ (مسلم) [۱]

ترجمہ: نحوست گھر اور عورت اور گھوڑے میں ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

لَاعَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَاِنَّمَا الشُّؤْمُ فِيْ ثَلَاثَةٍ اَلْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ وَالدَّارِ (مسلم) [۲]

ترجمہ: نہ بیماری کا متعدی ہونا (یعنی خود بخود ایک دوسرے کو لگنا) ہے اور نہ کوئی بدفالی اور نحوست ہے اور نحوست تو تین چیزوں میں ہے عورت، گھوڑے اور گھر میں (ترجمہ ختم)

اس کے محقق اہلِ علم حضرات نے کئی جوابات دیئے ہیں، جن میں سے دو جواب زیادہ راجح ہیں، اُن کو ذیل میں ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ اَيَّامٍ نَحِسَاتٍ (اور ہم نے ان پر ایک تند و تیز ہوا ایسے دنوں میں بھیجی جو ان کے حق میں منحوس تھے)............اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن دنوں میں عاد پر عذاب نازل ہوا ہے، وہ منحوس ہیں، مگر میں کہتا ہوں کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ دِن کون کون سے ہیں، اس کا پتہ دوسری آیت کے ملانے سے چلے گا۔ فرماتے ہیں وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا کہ آٹھ دن تک ان پر عذاب رہا تو اس اعتبار سے تو چاہئے کہ کوئی دن مبارک نہ ہو۔ بلکہ ہر دن منحوس ہو۔ کیوں کہ ہفتہ کے ہر دن میں ان کا عذاب پایا جاتا ہے، جن کو ایام نحسات کہا گیا ہے۔ تو کیا اس کا کوئی قائل ہوسکتا ہے؟ اب آیت کے صحیح معنیٰ سنیئے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن دنوں میں ان پر عذاب ہوا۔ وہ دن عذاب نازل ہونے کی وجہ سے خاص ان کے لئے منحوس تھے نہ کہ سب کے لیے۔ اور وہ عذاب تھا معصیت کی وجہ سے، پس نحوست کا مدار معصیت ہی ٹھہرا۔ اب الحمد للہ کوئی شبہ نہیں رہا (تفصیل التوبہ، دعواتِ عبدیت ج۸ ص۴۱، ماخوذ از اسلامی شادی ص ۱۵۹)

[۱] حديث نمبر ۵۹۳۷، كتاب السلام، باب الطيرة والفأل وما يكون فيه الشؤم.

[۲] حديث نمبر ۵۹۳۸، كتاب السلام، باب الطيرة والفأل وما يكون فيه الشؤم.

(۱)...... جن حدیثوں میں عورت، گھوڑے اور گھر میں نحوست ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، اُن کا صحیح مطلب یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ان تین چیزوں کے اندر نحوست کا عقیدہ پایا جاتا تھا، تو حضور ﷺ نے واضح فرمادیا کہ اگر نحوست کا کسی چیز میں کوئی وجود ہوتا تو ان تین چیزوں میں نحوست ہوتی، لیکن نحوست کا کسی چیز میں کوئی وجود نہیں، لہٰذا ان چیزوں میں بھی نحوست نہیں۔

اس جواب کی تائید مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ذَكَرُوْا الشُّؤْمَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنْ كَانَ الشُّؤْمُ فِيْ شَيْءٍ فَفِي الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ (بخاری) [۱]

ترجمہ: لوگوں نے نبی ﷺ کے سامنے نحوست کا ذکر کیا، تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی، تو وہ گھر میں اور عورت میں اور گھوڑے میں ہوتی (ترجمہ ختم)

اور صحیح مسلم میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنْ كَانَ الشُّؤْمُ فِيْ شَيْءٍ فَفِي الْفَرَسِ وَالْمَسْكَنِ وَالْمَرْأَةِ (مسلم) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی، تو وہ گھوڑے میں، اور گھر میں اور عورت میں ہوتی (ترجمہ ختم)

اور مسند احمد میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِنْ يَكُ مِنَ الشُّؤْمِ شَيْءٌ حَقٌّ فَفِي الْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ وَالدَّارِ (مسندأحمد، حديث نمبر ۵۵۷۵) [۳]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر نحوست حق ہوتی، تو عورت اور گھوڑے اور گھر میں ہوتی (ترجمہ ختم)

---

[۱] حديث نمبر ۴۷۰۴، كتاب النكاح، باب ما يتقى من شؤم المرأة.

[۲] حديث نمبر ۵۹۴۵، كتاب السلام، باب الطيرة والفأل وما يكون فيه الشؤم.

[۳] إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشيه مسندأحمد، حديث نمبر ۵۵۷۵)

اور جب حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ ہی کی حدیث سے عورت، گھر اور گھوڑے میں نحوست ہونے کی نفی ثابت ہوگئی، تو اس سے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث کا مطلب واضح ہوگیا کہ اگر نحوست کا کسی چیز میں کوئی وجود ہوتا تو ان تین چیزوں میں نحوست ہوتی، لیکن نحوست کا کسی چیز میں جود نہیں، لہٰذا ان چیزوں میں بھی نحوست نہیں۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کئی دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی احادیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ [1]

چنانچہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ كَانَ الشُّؤْمُ فَفِي الْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ وَالْمَسْكَنِ (مسند أحمد، حديث نمبر ٢٢٨٦٦) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نحوست کا وجود ہوتا، تو عورت اور گھوڑے اور گھر میں ہوتا (ترجمہ ختم)

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَ ، إِنْ تَكُنِ الطِّيَرَةُ فِيْ شَيْءٍ فَفِي الْفَرَسِ، وَالْمَرْأَةِ، وَالدَّارِ، وَإِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُوْنِ بِأَرْضٍ فَلَا تَهْبِطُوْا وَإِذَا كَانَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَفِرُّوْا مِنْهُ (مسند أحمد، حديث نمبر ١٥٥٤، واللفظ لهٗ؛ صحيح ابن حبان، حديث نمبر ٦١٢٧) [3]

---

[1] و هى زيادة من ثقة فيجب قبولها ، لاسيما و قد جاء ت من طريق أخرى عن ابن عمر عند البخارى و لها شواهد كثيرة منها عن سهل بن سعد و جابر (السلسلة الصحيحة للالبانى تحت حديث رقم، ٩٩٣)

[2] إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير أبى المنذر -وهو إسماعيل بن عمر الواسطى -فمن رجال مسلم (حاشيه مسندأحمد، حديث نمبر ٢٢٨٦٦)

[3] إسناده جيد، رجاله ثقات رجال الشيخين غير الحضرمى بن لاحق، فمن رجال أبى داود والنسائى، وهو صدوق (حاشيه مسند أحمد، حديث نمبر ١٥٥٤)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہ بیماری کا متعدی ہونا (یعنی ایک دوسرے کو خود بخود لگنا) ہے اور نہ کوئی بدشگونی ہے، اور نہ مخصوص پرندے کی بدشگونی ہے، اگر بدشگونی کا کسی چیز میں وجود ہوتا تو گھوڑے اور عورت اور گھر میں ہوتا، اور جب تم کسی جگہ طاعون کے بارے میں سنو تو اُس جگہ نہ جاؤ، اور جب تم کسی جگہ ہو، اور وہاں طاعون ہو جائے تو تم وہاں سے نہ بھاگو (کیونکہ موت وزندگی اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے) (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اِنْ كَانَ فِيْ شَيْءٍ فَفِي الرَّبْعِ وَالْخَادِمِ وَالْفَرَسِ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر نحوست ہوتی، تو گھر میں اور خادم میں اور گھوڑے میں ہوتی (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں خادم کے بجائے عورت کا لفظ ہے۔ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ يَقُوْلُ كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ :إِنَّمَا الطِّيَرَةُ فِي الْمَرْأَةِ وَالدَّابَّةِ وَالدَّارِ (مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۳۷۴۷) [3]

---

[1] حديث نمبر ۵۹۴۸، كتاب السلام، باب الطيرة والفأل وما يكون فيه الشؤم.

[2] حَدَّثَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ " :إِنْ كَانَ شَيْءٌ فَفِي الرَّبْعِ ، وَالْفَرَسِ، وَالْمَرْأَةِ (مسند أحمد، حديث نمبر ۱۴۵۷۴)

إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير عبد الله بن الحارث -وهو ابن عبد الملك المخزومي -، وغير أبي الزبير، فهما من رجال مسلم (حاشيه مسند أحمد، حديث نمبر ۱۴۵۷۴)

ابن جريج عن أبي الزبير عن جابر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان يك الشؤم في شيء ففي الربعة والمرأة والفرس (السنن الكبرى للنسائي، حديث نمبر ۱۲۴۴۱)

[3] قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ .
وقال الذهبي في التلخيص :صحيح.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ نحوست تو گھر، اور عورت اور گھوڑے میں ہوتی ہے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ ان تین چیزوں میں نحوست کا عقیدہ زمانۂ جاہلیت میں پایا جاتا تھا۔

اور حضرت ابوحسان فرماتے ہیں:

دَخَلَ رَجُلَانِ مِنْ بَنِیْ عَامِرٍ عَلٰی عَائِشَةَ فَأَخْبَرَاهَا أَنَّ أَبَا هُرَیْرَةَ یُحَدِّثُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ اَلطِّیَرَةُ فِی الدَّارِ، وَالْمَرْأَةِ، وَالْفَرَسِ فَغَضِبَتْ فَطَارَتْ شِقَّةٌ مِّنْهَا فِی السَّمَاءِ، وَشِقَّةٌ فِی الْأَرْضِ، وَقَالَتْ :وَالَّذِیْ أَنْزَلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی مُحَمَّدٍ مَا قَالَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ ، إِنَّمَا قَالَ کَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِیَّةِ یَتَطَیَّرُوْنَ مِنْ ذٰلِکَ (مسند أحمد، حدیث نمبر ۲۶۰۳۴، واللفظ لهٗ؛ شرح معانی الآثار، بَابُ الرَّجُلِ یَکُونُ بِهِ الدَّاءُ هَلْ یُجْتَنَبُ أَمْ لَا ؟) [۱]

ترجمہ: بنو عامر کے دو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے عرض کیا کہ حضرت ابوہریرہ نبی ﷺ کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ نحوست گھر میں اور عورت میں اور گھوڑے میں ہوتی ہے، تو یہ سُن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غصہ ہوگئیں، اور آپ کا ایک پہلو آسمان کی طرف اور ایک زمین کی طرف ہوگیا، اور فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے فرقان (یعنی قرآن مجید) محمد (ﷺ) پر نازل کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے یہ بات کبھی ارشاد نہیں فرمائی، آپ نے تو یہ فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ ان چیزوں میں بدشگونی سمجھا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث دوسری سند کے ساتھ بھی مروی ہے۔ [۲]

---

[۱] إسناده صحيح على شرط مسلم .أبو حسان -وهو الأعرج -من رجاله وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين (حاشيه مسند أحمد، حديث نمبر ۲۶۰۳۴)

[۲] عن مكحول ، قيل لعائشة إن أبا هريرة ، يقول :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : الشؤم فى ثلاثة :فى الدار والمرأة والفرس فقالت عائشة :لم يحفظ أبو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنْ کَانَ الشُّؤْمُ فِیْ شَیْءٍ فَفِی الدَّارِ، وَالْمَرْأَۃِ، وَالْفَرَسِ (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر ۹۴۳)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر نحوست کا کسی چیز میں وجود ہوتا، تو گھر، اور عورت اور گھوڑے میں ہوتا (ترجمہ ختم)

یہ حدیث سند کے لحاظ سے اگرچہ کمزور ہے، مگر دوسری احادیث کے مطابق ہونے کی وجہ سے قابلِ تحمل ہے۔ [۲]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گھر اور گھوڑے اور عورت میں نحوست نہیں ہے، البتہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ ان چیزوں میں نحوست کا عقیدہ رکھتے تھے، جس کی حضور ﷺ نے تردید فرمادی۔ [۳]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

هريرة لأنه دخل ورسول الله صلى الله عليه وسلم ، يقول : قاتل الله اليهود ، يقولون إن الشؤم في ثلاثة :في الدار والمرأة والفرس فسمع آخر الحديث ولم يسمع أوله(مسند الطيالسي، حديث نمبر ۱۶۳۰)

قلنا: مكحول وإن لم يسمع من عائشة، لكنه يتقوى برواية أحمد (حاشيه مسند أحمد، حديث نمبر ۲۶۰۳۴)

[۲] قال الهيثمي:

وفيه داود بن بلال الاودى وهو ضعيف(مجمع الزوائد، ج۵ص ۱۰۴)

[۳] فَلَمْ يُخْبِرْ أَنَّهَا فِيهِنَّ ,وَإِنَّمَا قَالَ إِنْ تَكُنْ فِي شَيْءٍ فَفِيهِنَّ أَيْ :لَوْ كَانَتْ تَكُونُ فِي شَيْءٍ , لَكَانَتْ فِي هَؤُلَاءِ ,فَإِذَا لَمْ تَكُنْ فِي هَؤُلَاءِ الثَّلَاثَةِ ,فَلَيْسَتْ فِي شَيْءٍ .وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا مَا تَكَلَّمَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ ,كَانَ عَلَى غَيْرِ هَذَا اللَّفْظِ (شرح معاني الآثار، بَابُ الرَّجُلِ يَكُونُ بِهِ الدَّاءُ هَلْ يُجْتَنَبُ أَمْ لَا ؟)

وماورد من قوله عليه السلام الشوم فى المرأة والدار والفرس متفق عليه (مشكوة كتاب النكاح)يفسره الحديث الاخر الذى رواه ابوداوٗد من قوله عليه السلام ان تكن الطيرة فى شىء ففى الدار والفرس والمرأة (مشكوة باب الفال)وفى المرقاة المعنى ان فرض وجودها يكون فى هذه الثلثة والمقصود منه نفى صحة الطيرة على وجه المبالغة اه قلت فكلمة ان هذه كهى فى قوله تعالٰى قل ان كان للرحمن ولد فانا اول العابدين يعنى انها بمعنى لوتكون للنفى كما قال النبى ﷺ العين حق فلو كان شىء سابق بالقدر سبقته العين (رواه المسلم ،مشكوة كتاب الطب)

(بوادر النوادر ص ۴۵۶،اکھتروان نادرہ،تحقیق السعد والنحس)

(۲)...... دوسرا جواب یہ ہے کہ جن حدیثوں میں گھر، گھوڑے اور عورت میں نحوست ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، اُن میں حقیقی نحوست مراد نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ عورت، گھر اور گھوڑا (جس سے مراد سواری ہے خواہ گھوڑے کی شکل میں ہو یا دوسری شکل میں ہو، جیسا کہ آج کل کی مروجہ سواریاں) یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان چیزوں سے انسان کو ہمہ وقت یا اکثر و بیشتر اور ایک لمبی مدت تک واسطہ پڑتا رہتا ہے۔

اور اگر یہ چیزیں عیب دار ہوں، مثلاً بداخلاق اور بدصورت بیوی، تنگ و تاریک اور بُرے پڑوسیوں والا مکان، اور تکلیف دہ سواری، تو یہ چیزیں انسان کی تکلیف کا ذریعہ بن جاتی ہیں، اور پھر مختلف فتنے اور مسائل پیدا ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے بظاہر نحوست والی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے، اگرچہ حقیقت میں نحوست نہیں ہوتی۔

اسی حقیقت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حدیث میں ان چیزوں کا بطورِ خاص ذکر کیا گیا۔

اور اس کے برعکس اگر یہ چیزیں اچھی ہوں مثلاً نیک سیرت وصورت بیوی، وسیع اور ہوا، وروشنی دار اور اچھے پڑوسیوں والا مکان، اور آرام دہ سواری؛ تو یہ چیزیں انسان کی راحت کا ذریعہ اور خوش قسمتی کی نشانی ہوتی ہیں۔ [1]

---

[1] قال رسول الله الشؤم بإبدال الهمزة واوا وهو ضد اليمن بمعنى البركة فى النهاية يقال تشاء مت وتيمنت والواو فى الشؤم همزة لكنها خففت فصارت واوا وغلب عليها التخفيف حتى لم ينطق بها همزة فى المرأة بأن لا تلد وقيل غلاء مهرها وسوء خلقها والدار بضيقها وسوء جيرانها والفرس بأن لا يغزى عليها وقيل صعوبتها وسوء خلقها وقيل هذا إرشاد منه لأمته فمن كان له دار يكره سكناها أو امرأة يكره صحبتها أو فرس لا تعجبه بأن يفارق بالانتقال عن الدار وتطليق المرأة وبيع الفرس فلا يكون هذا من باب الطيرة المنهى عنها وهذا كما روى أنه قال ذروها ذميمة قال الطيبى رحمه الله ومن ثمة جعلها من باب الطيرة على سبيل الفرض فى قوله إن تكن الطيرة فى شىء ففى المرأة والفرس والدار قال الخطابى هذه الأشياء الثلاثة ليس لها بأنفسها وطباعها فعل وتأثير وإنما ذلک كله بمشيئة الله وقضائه وخصت بالذكر لأنها أعم الأشياء التى يعتنيها الناس ولما كان الإنسان لا يخلو عن العارض فيها أضيف إليها اليمن والشؤم إضافة مكان ومحل ا ه ويمكن أن يقال إن هذه الأشياء غالبا تكون أسبابا لسوء الخلق وهو شؤم فلذا نسب إليها وقد روى أحمد وغيره عن عائشة رضى الله عنهما بلفظ الشؤم وسوء الخلق(مرقاة، كتاب النكاح)

اس جواب کی تائید مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ مِّنَ السَّعَادَةِ :اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ ، وَالْمَسْكَنُ الْوَاسِعُ ، وَالْجَارُ الصَّالِحُ ، وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيْءُ ، وَأَرْبَعٌ مِنَ الشَّقَاوَةِ :اَلْجَارُ السُّوْءُ ، وَالْمَرْأَةُ السُّوْءُ ، وَالْمَسْكَنُ الضِّيْقُ، وَالْمَرْكَبُ السُّوْءُ (صحيح ابن حبان، حديث نمبر ۴۰۳۲، ذكر الإخبار عن الأشياء التى هى من سعادة المرء فى الدنيا) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں نیک بختی (وخوش قسمتی) سے تعلق رکھتی ہیں، نیک (اچھی سیرت وصورت والی) عورت، اور وسیع (کشادہ وہوادار) گھر، اور نیک پڑوسی اور آرام دہ سواری۔

اور چار چیزیں بدبختی سے تعلق رکھتی ہیں؛ بُرا (یعنی بداخلاق وبدکردار) پڑوسی، بُری (بداخلاق) عورت، تنگ مکان اور بُری (تکلیف دہ) سواری (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ ثَلَاثَةٌ، وَمِنْ شِقْوَةِ ابْنِ آدَمَ ثَلَاثَةٌ، مِنْ سَعَادَةِ اِبْنِ آدَمَ :اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، وَالْمَسْكَنُ الصَّالِحُ، وَالْمَرْكَبُ الصَّالِحُ، وَمِنْ شِقْوَةِ اِبْنِ آدَمَ :اَلْمَرْأَةُ السُّوْءُ، وَالْمَسْكَنُ السُّوْءُ، وَالْمَرْكَبُ السُّوْءُ (مسند أحمد، حديث نمبر ۱۴۴۵، واللفظ لهٗ؛ مستدرك حاكم، حديث نمبر ۲۵۹۲) [۲]

---

[۱] قال شعيب الأرنؤوط :إسناده صحيح على شرط البخارى (حاشيه صحيح ابن حبان)

[۲] قال الحاكم: هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الْإِسْنَادِ "وَلَمْ يُخَرِّجَاه

وقال الذهبى فى التلخيص :صحيح.

وقال الهيثمى:

رواه أحمد والبزار والطبرانى فى الكبير والاوسط ورجال أحمد رجال الصحيح(مجمع الزوائد، ج۴ص ۲۷۲، باب فى المرأة الصالحة وغيرها)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں بنی آدم کی نیک بختی (وخوش قسمتی) سے تعلق رکھتی ہیں، اور تین چیزیں بنی آدم کی بدبختی سے تعلق رکھتی ہیں، بنی آدم کی نیک بختی میں سے نیک (اچھی سیرت وصورت والی) عورت، اور اچھا (وسیع، ہوا دار اور اچھے پڑوسیوں پر مشتمل) گھر، اور نیک (شریف وآرام دہ) سواری کا ہونا ہے۔

اور بنی آدم کی بدبختی میں سے بُری عورت، بُرے گھر اور بُری سواری کا ہونا ہے (ترجمہ ختم)

پہلی اور دوسری روایت میں کوئی ٹکراؤ نہیں، پہلی روایت میں بُرے پڑوسی کو، مکان سے الگ کر کے بیان کیا گیا، اور دوسری روایت میں بُرے مکان میں بُرے پڑوسی ہونے کو بھی داخل رکھا گیا ہے۔ کیونکہ پڑوسیوں کے بُرا ہونے سے بھی مکان عیب دار وبُرا شمار ہوتا ہے۔

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں گھر، عورت اور سواری میں حقیقی نحوست مراد نہیں ہے، بلکہ ان چیزوں کے عیب دار ہونے کی وجہ سے غیر معمولی تکلیف کا ہونا اور راحت وآرام کا نہ ملنا مراد ہے۔

پس شرعی اعتبار سے حقیقی نحوست کا کسی چیز میں وجود نہیں ہے، خواہ وہ عورت ہو، یا مکان ہو، یا سواری ہو۔

زمانۂ جاہلیت میں ان چیزوں کے اندر حقیقی نحوست کا عقیدہ پایا جاتا تھا، حضور ﷺ نے واضح فرما دیا کہ اگر نحوست کا کسی چیز میں کوئی وجود ہوتا تو ان چیزوں میں نحوست ہوتی، لیکن نحوست کا کسی چیز میں وجود نہیں، لہٰذا ان چیزوں میں بھی نحوست نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال المنذری:

رواه أحمد بإسناد صحيح والطبرانی والبزار والحاكم وصححه إلا أنه قال والمسكن الضيق وابن حبان فی صحيحه إلا أنه قال أربع من السعادة المرأة الصالحة والمسكن الواسع والجار الصالح والمركب الهنیء وأربع من الشقاء الجار السوء والمرأة السوء والمركب السوء والمسكن الضيق (الترغيب والترهيب،للمنذری، كتاب النكاح وما يتعلق به)

[1] عن أبی حنيفة ، عن علقمة بن مرثد ، عن ابن بريدة ، عن أبيه ، قال :تذاكروا الشؤم عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم فقال : الشؤم فی ثلاث :فی الدار ، والفرس ، والمرأة ، شؤم الدار ، لها جيران سوء ، وشؤم الفرس أن يكون جموحا يمنع ظهره ، وشؤم المرأة أن تكون سيئة الخلق عاقرا (مسند أبی حنيفة تحت رقم حديث ۲۰۱)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نحوست سے متعلق ایک لطیفہ

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ آج کل جو بعض لوگ کسی خاص انسان یا کسی چیز کو منحوس سمجھتے ہیں، یہ درست نہیں؛ ایسا سمجھنے والوں کو مندرجہ ذیل واقعے سے عبرت پکڑنی اور سبق حاصل کرنا چاہیے۔

ایک بادشاہ نے اپنے ایک غلام سے کہہ رکھا تھا کہ تو صبح سویرے مجھے اپنی صورت نہ دکھایا کر، اس لئے کہ تو منحوس ہے۔ ورنہ تیری نحوست کا میرے اوپر شام تک اثر رہے گا۔ ایک دن اتفاق سے وہ غلام صبح سویرے کسی کام سے بادشاہ کے پاس چلا گیا تو بادشاہ نے اس کو تنبیہ کی اور حکم دیا کہ اس کو شام تک کوڑے لگائے جائیں، شام ہونے پر بادشاہ نے کہا کہ منحوس آئندہ صبح سویرے مجھے اپنا منہ مت دکھانا۔ اس لئے کہ تو منحوس ہے، غلام نے کہا کہ بادشاہ سلامت! منحوس میں نہیں ہوں بلکہ آپ ہیں۔ اس لئے کہ آج صبح میں نے آپ کا اور آپ نے میرا چہرہ دیکھا تھا آپ کا چہرہ دیکھنے سے مجھے یہ انعام ملا کہ شام تک کوڑے لگتے رہے اور میرا بابرکت چہرہ دیکھنے کے بعد آپ صبح سے شام تک صحیح سلامت رہے۔ بادشاہ یہ سن کر متاثر ہوا اور اس کو آزاد کر دیا، اور کہا کہ کسی انسان میں نحوست نہیں ہوتی، یہ لوگوں کی اپنی بناوٹی بات ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(ثلاثة من السعادة وثلاثة من الشقاوة فمن السعادة المرأة الصالحة) الدينة العفيفة الجميلة (التی تراها فتعجبک وتغيب عنها فتأمنها على نفسها) فلا تخونک بزنا ولا بسحاق ولا بتبرج ونحو ذلک (ومالک) فلا تخون فيه بسرقة ولا تبذير (والدابة تكون وطيئة) أی هنية سريعة المشی سهلة الانقياد (فتلحقک بأصحابک) بلا تعب ولا مشقة فی الإحثاث (والدار تكون واسعة كثيرة المرافق) بالنسبة لحال ساكنها ويختلف ذلک ک باختلاف الأشخاص والأحوال (وثلاثة من الشقاء المرأة) السوء وهی التی (تراها فتسوؤک) لقبح ذاتها أو أفعالها (وتحمل لسانها عليک بالبذاءة (وإن غبت عنها لم تأمنها على نفسها ومالک والدابة تكون قطوفا) بفتح القاف أی بطيئة السير والقطوف من الدواب البطء (فإن ضربتها) لتسرع بک (اتبعتک وإن تركتها) تمشی بغير ضرب (لم تلحقک بأصحابک) أی رفقتک بل تقطعک عنهم (والداتكون ضيقة قليلة المرافق) بالنسبة لحال الساكن وعياله فرب دار ضيقة بالنسبة لإنسان واسعة بالنسبة لآخر (فيض القدير شرح الجامع الصغير من أحاديث البشير النذير للمناوی، تحت حديث رقم ۳۵۰۸)

ماہِ صفر سے متعلق بعض من گھڑت روایات کا تحقیقی جائزہ

من گھڑت اور ایجاد کردہ باتوں کی کوئی بنیاد تو ہوتی نہیں ،لیکن جب جاہلوں یا ان کے گمراہ کن رہنماؤں سے اُن باتوں کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے جو عوام میں مشہور ہوگئی ہیں تو وہ من گھڑت روایتیں اور غلط سلط دلیلیں پیش کرنا شروع کردیتے ہیں۔

چنانچہ صفر کے مہینے کے منحوس ہونے کے متعلق بھی اسی قسم کی روایت پیش کی جاتی ہے۔جس کے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ بَشَّرَنِیْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ بَشَّرْتُہٗ بِالْجَنَّۃِ

ترجمہ: جوشخص مجھے (یعنی بقول ان لوگوں کے حضور ﷺ کو) صفر کے مہینے کے ختم ہونے کی خوشخبری دے گا میں اس کو جنت کی بشارت دونگا (موضوعات ملاعلی قاری رحمہ اللہ ص ۶۹)

اس روایت سے یہ لوگ صفر کے مہینہ کے منحوس اور نامراد ہونے کی دلیل پکڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صفر میں نحوست تھی اسی لئے تو نبی ﷺ نے صفر، صحیح سلامت گزرنے پر جنت کی بشارت دی ہے؟

اس سلسلے میں یاد رکھنا چاہئے کہ:

اولؔ تو یہ حدیث ہی صحیح نہیں بلکہ من گھڑت اور موضوع ہے،یعنی حضور ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ اس کا ثبوت نہیں بلکہ بعد کے لوگوں نے خود گھڑ کر اس کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کردی ہے، چنانچہ خود ملا علی قاری رحمہ اللہ جو بہت بڑے جلیل القدر محدث ہیں وہ اسے اپنی کتاب ''الموضوعات الکبیر'' میں اور امام عجلونی ''کشف الخفاء'' میں اور علامہ طاہر پٹنی ''تذکرۃ الموضوعات'' میں درج فرما کر اس کو بے بنیاد اور بے اصل قرار دے رہے ہیں۔

اس کے علاوہ بعض فقہ کی کتابوں میں بھی اس حدیث کو گھڑی ہوئی قرار دیا گیا ہے۔ [۱]

---

[۱] من بشرنی بخروج صفر بشرته بالجنة،قال القاری فی الموضوعات تبعاللصنعانی لااصل لهٗ(کشف الخفا،حرف المیم)

یوم الاربعاء یوم نحس مستمر،موضوع،وکذا من بشرنی بخروج صفر بشرته بالجنة،قزوینی وکذا قال احمد بن حنبل (تذکرة الموضوعات للامام الفتنی، کتاب العلم)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے اس من گھڑت روایت کے مقابلے میں بے شمار صحیح احادیث صفر کے منحوس اور نامراد ہونے کی نفی کر رہی ہیں۔

لہٰذا صحیح احادیث کے مقابلہ میں موضوع (من گھڑت) روایت پیش کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

تیسرے بذاتِ خود اس روایت میں صفر کے مہینہ کے منحوس ہونے کی کوئی دلیل بلکہ اشارہ تک بھی نہیں، لہٰذا اس روایت کے الفاظ سے صفر کے مہینے کو منحوس سمجھنا صرف اپنا اختراع اور خیال ہے، چنانچہ اس روایت کے الفاظ پر غور کرنے سے ہر صاحبِ عقل اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

چوتھے تھوڑی دیر کے لئے اس روایت کے موضوع اور من گھڑت ہونے سے نظر ہٹا کر دوسرے قواعد کو سامنے رکھتے ہوئے اگر غور کیا جائے تو اس کا صحیح مطلب ان لوگوں کے مقصد کے بالکل خلاف ہے۔

چنانچہ اس کا صحیح مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا وصال ربیع الاول کے مہینے میں ہونے والا تھا اور آپ ﷺ وصال کے بعد اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے مشتاق تھے جس کی وجہ سے آپ کو ماہِ صفر کے گزرنے اور ربیع الاول کے شروع ہونے کی خبر کا انتظار تھا اور ایسی خبر لانے پر آپ ﷺ نے اس بشارت کو مرتب فرمایا۔

بعض کتابوں میں اسی مضمون کی وضاحت کے لئے اس روایت کو ذکر کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس روایت کا صفر کی نحوست سے دور کا بھی تعلق نہیں بلکہ یہ مضمون اور مفہوم

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

حديث من بشرني بخروج صفر بشرته بالجنة قال الصغاني موضوع وكذا قال العراقي(الفوائد المجموعةللشوكاني، ج ا ص ۴۳۸)

سألته فى جماعة لا يسافرون فى صفر ولا يبدؤن بالأعمال فيه من النكاح والدخول ويتمسكون بما روى عن النبى صلى الله عليه وآله وسلم من بشرنى بخروج صفر بشرته بالجنة هل يصح هذا الخبر وهل فيه نحوسة ونهى عن العمل وكذا لا يسافرون إذا كان القمر فى برج العقرب وكذا لا يخيطون الثياب ولا يقطعونهم إذا كان القمر فى برج الأسد هل الأمر كما زعموا قال أما ما يقولون فى حق صفر فذلك شىء كانت العرب يقولونه وأما ما يقولون فى القمر فى العقرب أو فى الأسد فإنه شىء يذكره أهل النجوم لتنفيذ مقالتهم ينسبون إلى النبى صلى الله عليه وآله وسلم وهو كذب محض كذا فى جواهر الفتاوى(الفتاوى الهندية ، كتاب الكراهية ،الباب الثلاثون فى المتفرقات)

خودساختہ اور من گھڑت ہے، جو مسلمانوں میں غلط نظریات پیدا کرنے کے لئے فرصت میں گھڑا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک صورت میں خود یہ روایت خودساختہ ہے اور دوسری صورت میں اس کا مضمون خودساختہ ہے، کسی پہلو سے بھی اس روایت سے صفر کے مہینہ کا منحوس ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

بعض لوگ اس مہینے کے حوالے سے ایک اور روایت پیش کیا کرتے ہیں کہ اس مہینے میں نو لاکھ بیس ہزار بلائیں اترتی ہیں۔

اور اس قسم کی دوسری بعض خودساختہ روایات بھی پیش کی جایا کرتی ہیں، ان کے بے بنیاد اور بے اصل ہونے کی حقیقت بھی مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں معلوم کی جاسکتی ہے۔ [1]

---

[1] اس قسم کی خودساختہ روایتوں کا خلاصہ کچھ اس طرح سے ہے کہ: صفر کا مہینہ بلاؤں کے نازل ہونے کا مہینہ ہے۔ تمام سال میں دس لاکھ اسی ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں ان میں سے نو لاکھ بیس ہزار بلائیں خاص صفر کے مہینے میں نازل ہوتی ہیں، حضرت آدم صفی اللہ سے لغزش ہوئی تو اسی مہینہ میں ہوئی، حضرت خلیل علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو اول تاریخ صفر کی تھی، حضرت ایوب علیہ السلام جو مبتلائے بلا ہوئے تو اسی مہینے میں ہوئے، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحیٰی علیہ السلام، حضرت جرجیس علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت محمد سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سب مبتلائے بلا اسی مہینے میں ہوئے۔ حضرت ہابیل بھی اسی مہینہ میں شہید ہوئے اسی لئے شبِ اول روزِ اول ماہِ صفر میں ہر مسلمان کو چاہئے کہ چار رکعت اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں بعد الحمد پندرہ بار سورۃ الکفرون، دوسری میں اسی قدر قل ھو اللہ، تیسری میں اسی قدر سورۃ الفلق اور چوتھی میں اسی قدر سورۃ الناس پڑھے، بعد سلام کے ستر مرتبہ کہے ''سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر'' تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر بلا اور ہر آفت سے محفوظ رکھے گا اور ثوابِ عظیم عطا فرمائے گا۔ وغیرہ وغیرہ (راحت القلوب، جواہر غیبی) اس قسم کی تمام منگھڑت روایات سے اپنے عقیدے کو محفوظ رکھنا ضروری ہے۔

ومنها صلاة الأربعاء الآخر من شهر صفر وهي ركعتان تصليان وقت الضحى في أولاهما يقرأ بعد الفاتحة (قل اللهم مالك الملك) الآيتين مرة وفي الثانية (قل ادعوا الله أو ادعوا الرحمن) الآيتين ويصلي على النبي بعدما يسلم ثم يقول اللهم اصرف عني شر هذا اليوم واعصمني شؤمه واجعله على رحمة وبركة وجنبني عما أخاف فيه من نجوساته وكرباته بفضلك يا دافع الشرور ويا مالك النشور يا أرحم الراحمين(الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة ، لعبد الحي اللكنوي ،الإيقاظ الأول في ذكر أحاديث صلوات أيام الأسبوع ولياليها)

ماہِ صفر کے آخری بدھ کی شرعی حیثیت اور اس سے متعلق بدعات

آج کل بہت سے لوگ ماہِ صفر کے آخری بدھ کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اس دن کے متعلق مختلف نظریات وخیالات اور تصورات رکھتے ہیں۔

☜ ......بعض لوگوں کی طرف سے اس دن کو ’’سیر بدھ‘‘ کے نام سے مشہور کیا گیا ہے۔

☜ ......بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صفر کے آخری بدھ کو آنحضرت ﷺ نے غسلِ صحت فرمایا تھا اور سیر وتفریح فرمائی تھی اور چوری تناول فرمائی تھی۔

اسی لئے بعض ناواقف اور سادہ لوح مسلمان مرد اور عورتیں اس دن باغات اور سیر گاہوں میں سیر و تفریح کے لئے جاتے ہیں۔ اور اس دن شیرینی اور چُوری وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔

☜ ...... بعض لوگ اس دن خاص ثواب سمجھ کر نفلی روزہ رکھتے ہیں اور شام کو چوری، یا حلوہ پکا کر کھلاتے ہیں اور اس کو چوری روزہ یا پیر کا روزہ کہتے ہیں۔

☜ ...... بعض لوگ صفر کے آخری بدھ کو سمندر کے کِناروں اور دُور دراز کی تفریح گاہوں کی جانب اس غرض سے چلے جاتے ہیں تاکہ وہ اس دن کے موہوم شر سے بچ جائیں۔

☜ ......بعض علاقوں میں اس دن گھونگنیاں (چھولے اُبال کر) تقسیم کیے جاتے ہیں۔

☜ ......بعض علاقوں میں اس دن عمدہ قسم کے کھانے پکانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

☜ ......بعض لوگ اس دن بہت زیادہ خوشی مناتے ہیں اور اس دن کو تہوار کی سی حیثیت دیتے ہیں۔

☜ ......بعض علاقوں میں اس دن کاریگر اور مزدور کام نہیں کرتے۔ اور اپنے مالک سے مٹھائی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

☜ ......بعض لوگ اس دن گھروں میں اگر مٹی کے برتن ہوں تو ان کو توڑ دیتے ہیں۔

☜ ...... اسی دن بعض لوگ چاندی کے چھلے اور تعویذات بنا کر مختلف مصیبتوں خاص کر صفر کی نحوست سے بچنے کی غرض سے پہنا کرتے ہیں۔

☜ ......بعض مکتبوں میں بھی اس دن چھٹی کی جاتی ہے۔

☜ ......بعض لوگ آفات وبلیات سے حفاظت کے خیال سے پانی پینے کے برتنوں میں تعویذ لکھ کر ڈالتے ہیں بلکہ بعض اوقات تعویذ لکھنے کے لئے دور دراز علاقوں سے پلیٹیں لائی جاتی ہیں جن کو دھوکر پیا جاتا ہے، یا اس پر لکھے ہوئے تعویذ کو دھوکر اس کا پانی تالابوں اور حوضوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔

بعض لوگوں نے صفر کے آخری بدھ کے متعلق ایک شعر بھی گھڑ لیا ہے، جس کا مضمون یہ ہے: ؎

آخری چہار شنبہ آیا ہے   غسلِ صحت نبی نے پایا ہے

یہ تمام باتیں من گھڑت اور بے بنیاد ہیں، اسلامی اعتبار سے ماہِ صفر کے آخری بدھ کی کوئی خاص اہمیت اور اس دن شریعت کی طرف سے کوئی خاص عمل مقرر نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ایک لطیفہ بھی منقول ہے کہ ایک نواب زادے نے اپنے استاد سے اس تاریخ میں عیدی مانگی۔ انہوں نے شعر کے انداز میں اس عیدی کو بہت اچھے طریقے پر رد کر دیا۔ ؎

آخری چہار شنبہ ماہِ صفر	ہست چوں چہار شنبہ ہائے دگر
نہ حدیثی شد در آں وارد	نہ درو عید کرد پیغمبر

ترجمہ: صفر کے مہینے کا آخری بدھ دوسرے مہینوں کے آخری بدھ کی طرح ہے اس بارے میں کوئی خاص حدیث یا واقعہ ثابت نہیں اور نہ ہی اس میں نبی ﷺ نے کوئی عید منائی ہے (زوال السنۃ عن اعمال السنۃ ص ۸)

یہ سب چیزیں توہم پرستی میں داخل ہیں جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

لہٰذا اس دن کاریگر اور مزدوروں کا خاص اہتمام سے چھٹی کرنا بے اصل ہے اور مزدوروں کا مالک سے مٹھائی وغیرہ کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں اور اس دن کو دوسرے دنوں کی بنسبت زیادہ فضیلت اور ثواب والا سمجھنا بدعت ہے۔

اور اس دن برتن وغیرہ توڑنا اور مصیبتوں اور نحوست سے بچنے کے لئے چھلے اور تعویذ بنانا بھی شرعاً منع ہے۔

کیونکہ یہ سب چیزیں قرآن وسنت، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، ائمۂ مجتہدین اور سلفِ صالحین کسی سے ثابت نہیں، یہ سب بعد کے لوگوں کی ایجاد ہے اور اپنی طرف سے دین میں ایک نیا اضافہ ہے جو خالص بدعت اور واجبُ الترک ہے۔

اس دن آنحضرت ﷺ کا غسلِ صحت فرمانا کہیں ثابت نہیں بلکہ بہت سے مؤرخین اور اہلِ علم حضرات کی تصریح کے مطابق اس دن تو رحمتِ عالم ﷺ کی اُس بیماری کو شدت ہوئی تھی جس میں آپ ﷺ کا وصالِ مبارک ہوا، اور اسی کی خوشی میں دشمنانِ اسلام نے یہ رسم ایجاد کی، جو مسلمانوں میں درِ پردہ داخل ہوگئی۔

اس سلسلے میں چند حوالے جات ملاحظہ ہوں:

(۱)......مشہور مؤرخ محمد بن عمر بن واقد واقدی (المتوفی ۲۰۷ ہجری) فرماتے ہیں:

فَلَمّا کَانَ یَوْمُ الْأَرْبَعَاءِ لِلَیْلَتَیْنِ بَقِیَتَا مِنْ صَفَرٍ بُدِیَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلّمَ فَصُدّ عَ وَحُمَّ (مغازی الواقدی ،غَزْوَۃُ أُسَامَۃَ بْنِ زَیْدٍ مُؤْتَۃُ)

ترجمہ: پس جب صفر کے مہینے کی دو راتیں باقی رہ گئیں، بدھ کے دن رسول اللہ ﷺ کے دردِ سَر اور بخار کے مرض کا آغاز ہوا (ترجمہ ختم)

(۲)......اور مشہور مؤرخ ابنِ سعد رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کرتے ہیں:

اِشْتَکٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ لِلَیْلَةٍ بَقِیَتْ مِنْ صَفَرٍ سَنَةَ إِحْدٰی عَشَرَةَ (الطبقات الکبری،ذکر کم مرض رسول الله، صلی الله علیه وسلم)

ترجمہ: پس جب صفر کے مہینے کی ایک رات باقی رہ گئی، بدھ کے دن سن گیارہ ہجری میں رسول اللہ ﷺ کو مرض کی شکایت ہوئی (ترجمہ ختم)

(۳)......اور ابوالقاسم علی بن الحسن (المتوفی ۵۷۱ ہجری) فرماتے ہیں:

فَلَمّا کَانَ یَوْمُ الْأَرْبَعَاءِ لِلَیْلَتَیْنِ بَقِیَتَا مِنْ صَفَرٍ بُدِئَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلّمَ فَصُدّ عَ وَحُمَّ (تاریخ مدینة دمشق،باب ذکر بعث النبی ﷺ أسامة قبل الموت وأمره إياه أن يشن الغارة على مؤتة ويبنى وآبل الزيت)

ترجمہ: پس جب صفر کے مہینے کی دو راتیں باقی رہ گئیں، بدھ کے دن رسول اللہ ﷺ کے درد سر اور بخار کے مرض کا آغاز ہوا (ترجمہ ختم)

(۴)......اور مشہور محدث امام بیہقی رحمہ اللہ، محمد بن قیس کی سند سے روایت کرتے ہیں:

اِشْتَکٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ لِإِحْدٰی عَشَرَةَ بَقِیَتْ مِنْ صَفَرٍ سَنَةَ إِحْدٰی عَشَرَةَ (دلائل النبوة للبیهقی، جماع أبواب مرض رسول الله صلى الله عليه وسلم ووفاته، حدیث نمبر ۳۱۸۰)

ترجمہ: پس جب صفر کے مہینے کی گیارہ راتیں باقی رہ گئیں، بدھ کے دن سن گیارہ ہجری میں رسول اللہ ﷺ کو مرض کی شکایت ہوئی (ترجمہ ختم)

ممکن ہے کہ ایک بدھ کو بیماری کا آغاز ہوا ہو، اور اگلے بدھ کو اس بیماری میں شدت پیدا ہوئی ہو، اس لئے دونوں قسم کی روایات میں ٹکراؤ نہیں۔ [1]

(۵)......اور علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

اس لئے ایامِ علالت کی مدت آٹھ روز تو یقینی ہے، عام روایات کی رُو سے پانچ دن اور چاہئیں اور یہ قرائن سے بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے تیرہ دن مدتِ علالت صحیح ہے۔ علالت کے پانچ دن آپ نے دوسری ازواج کے حجروں میں بسر فرمائے۔ اس حساب سے علالت کا آغاز چہار شنبہ (بدھ) سے ہوتا ہے (حاشیہ سیرۃ النبی ج۲ ص۱۰۴)

(۶)......اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ماہِ صفر کے اخیر عشرہ میں ایک بار شب کو اُٹھے اور اپنے غلام ابو مویہبہ کو جگایا اور فرمایا کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ اہلِ بقیع کے لئے استغفار کروں، وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعتاً مزاج ناساز ہو گیا، سر میں درد اور بخار کی شکایت پیدا ہوگئی، یہ اُمُّ المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا اور بدھ کا روز تھا (سیرت المصطفیٰ ﷺ ج سوم ص۱۵۷، مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور)

---

[1] فهـذا يـدلُّ عـلـى نقصانِ الشهورِ أيضاً ؛ إلَّا أنَّهُ جعلَ مدةَ مرضِهِ أكثرَ ممَّا فى حديثِ التيـمـيِّ، ويُـجْـمَـعُ بيـنـهـمـا بـأنَّ المرادَ بهذا ابتداؤهُ، وبالأولِ اشتدادهُ (شرح التبصرة والتذكرة، للحافظ العراقى، تَوَارِيْخُ الرُّوَاةِ وَالوَفَيَاتِ)

(۷)......اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

۲۸ صفر ۱۱ھ چہار شنبہ (بدھ) کی رات میں آپ نے قبرستان بقیع غرقد میں تشریف لے جا کر اہلِ قبور کے لئے دعاءِ مغفرت کی۔ وہاں سے تشریف لائے تو سر میں درد تھا اور پھر بخار ہو گیا اور یہ بخار صحیح روایات کے مطابق تیرہ روز تک متواتر رہا اور اسی حالت میں وفات ہوگئی (سیرتِ خاتم الانبیاء ص ۱۴۱)

(۸)......اور علامہ شبلی نعمانی صاحب مرحوم فرماتے ہیں:

صفر ۱۱ھ میں آدھی رات کو آپ ﷺ جنت البقیع میں جو عام مسلمانوں کا قبرستان تھا تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو مزاج ناساز ہوا۔ یہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا اور روز چہار شنبہ (بدھ کا دن) تھا (سیرۃ النبی ج ۲ ص ۱۰۵)

(۹)......اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں بلکہ اس دن میں جناب رسول اللہ ﷺ کو شدتِ مرض واقع ہوئی تھی تو یہودیوں نے خوشی کی تھی۔ وہ اب جاہل ہندیوں میں رائج ہوگئی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۵)

(۱۰)......اور بریلوی مکتبۂ فکر کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کا فتویٰ اس سلسلے میں یہ ہے:

آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں نہ اس دن صحت یابی حضور سید عالم ﷺ کا کوئی ثبوت ہے۔ بلکہ مرضِ اقدس جس میں وفات ہوئی اس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے (احکام شریعت ج ۳ ص ۱۸۳)

(۱۱)......اور بریلوی مکتبۂ فکر کے ایک دوسرے عالم مولانا امجد علی صاحب تحریر کرتے ہیں:

ماہِ صفر کا آخری چہار شنبہ ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے۔ لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں۔ سیر و تفریح اور شکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں اور نہاتے دھوتے ہیں، خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس روز غسلِ صحت فرمایا تھا

اور بیرونِ مدینہ سیر کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب باتیں بے اصل ہیں۔ بلکہ ان دنوں میں حضور اکرم ﷺ کا مرض شدت کے ساتھ تھا، لوگوں کو جو باتیں بتائی ہوئی ہیں۔ سب خلافِ واقع ہیں (بہار شریعت ح ۶ ص ۲۴۲)

اور اگرچہ مرض کی ابتداء کے کسی اور دن ہونے کی روایات بھی ہیں، مگر اس رسم کی بنیاد بدھ کے دن پر ہی معلوم ہوتی ہے۔

(۱۲)......اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ میں ہے:

آخری چہار شنبہ: ماہِ صفر کا آخری بدھ جسے پاکستان اور ہندوستان کے مسلمان تہوار کی طرح مناتے ہیں......آخری چہار شنبہ اس لئے مناتے ہیں کہ مشہور ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس دن بیماری میں تخفیف محسوس کی، اور غسل فرمایا، اور اس دن کے بعد پھر غسل نہ فرمایا......حضور کی علالت کا آغاز صفر کے چہار شنبے سے ہوا، مگر مدتِ علالت اور تاریخِ وفات کی تعیین میں روایات مختلف ہیں......آخر چہار شنبے کے دن بڑی خوشی منائی جاتی ہے، لوگ اس دن غسل کرتے، نئے کپڑے پہنتے، اور خوشبو لگاتے ہیں، باغوں میں پھرنے اور سبزے کے روندنے کو مبارک سمجھتے ہیں......لکھنؤ میں بھی اس دن کوری ٹھلیاں توڑی جاتی تھیں، گھڑے یا بدھنے توڑے جاتے تھے، چنانچہ کسی کے ہاں برتن زیادہ ٹوٹتے ہیں، تو کہتے ہیں ''آج تم نے آخری چہار شنبہ کر دیا''...... زعفران، سیاہی یا گلاب سے آم کے چھلکے یا کیلے کے پتوں پر لکھتے ہیں، اور انہیں پانی سے دھو کر پیتے ہیں، تاکہ مصائب سے محفوظ اور خوش و خرم رہیں......مزدوری پیشہ لوگ کام سے تعطیل مناتے، اور استاد شاگردوں کو منقش یا رنگین کاغذ پر عیدیاں لکھ کر دیتے ہیں، وہ انہیں ماں باپ اور رشتہ داروں کو سناتے ہیں، اور ماں باپ سے استاد کے لئے انعام لاتے ہیں (ملاحظہ ہو ''اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' پنجاب یونیورسٹی ج ۱ ص ۱۸، ۱۹، زیرِ اہتمام: دانش گاہِ پنجاب، لاہور، بعنوان: آخری چہار شنبہ، ملخصاً)

(۱۳)......اور فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

یہود کو آنحضرت ﷺ کے شدت مرض سے خوشی ہونا بالکل ظاہر اور ان کی عداوت اور شقاوت کا تقاضہ ہے (فتاویٰ محمودیہ ج ۳ ص ۷۹)

مذکورہ حوالے جات سے معلوم ہوا کہ صفر کے مہینے کا آخری بدھ رسول اللہ ﷺ کے مرضِ وفات کی شدت کا دن تھا نہ کہ صحت یابی کا۔ اور آپ کے مرضِ وفات پر خوشی کیسی؟

بعض لوگ صفر کے آخری بدھ میں خاص ثواب سمجھ کر روزہ رکھتے ہیں، اور اس دن کے روزہ کو چوری روزہ کا نام دیتے ہیں۔

اس دن میں نفلی روزہ ثواب سمجھ کر رکھنے کے بارے میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سے اس طرح سوال کیا گیا:

ماہِ صفر کا آخری چہار شنبہ بلادِ ہند میں مشہور بایں طور ہے کہ اس دن خصوصیت سے نفلی روزہ رکھا جاتا ہے اور شام کو چوری یا حلوا پکا کر کھایا جاتا ہے عوام اس کو چوری روزہ یا پیر کا روزہ کہتے ہیں شرعاً اُس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟

آپ نے اس سوال کے جواب میں یہ تحریر فرمایا:

بالکل غلط اور بے اصل ہے، اِس (روزہ) کو خاص طور سے رکھنا اور ثوابِ خاص کا عقیدہ رکھنا بدعت اور نا جائز ہے، نبی کریم ﷺ اور تمام صحابۂ کرام سے کسی ایک ضعیف حدیث میں اس کا ثبوت بالالتزام مروی نہیں اور یہی دلیل ہے اس کے بطلان وفساد اور بدعت ہونے کی، کیونکہ کوئی عبادت ایسی نہیں جو نبی کریم ﷺ نے اُمت کو تعلیم کرنے سے بخل کیا ہو (امداد المفتین ص ۴۹۶، فصل فی صوم النذر وصوم النفل)

لہٰذا ماہِ صفر کا آخری بدھ کو مسلمانوں کا بطورِ خوشی منانا، اور مذکورہ رسوم انجام دینا کسی طرح زیب نہیں دیتا۔

اگر چہ حضور ﷺ کے شدت مرض کی خوشی میں یا یہود کی موافقت کرنے کی نیت سے نہ ہو لیکن بہرحال اس سے بچنا چاہئے کہ کہیں حضور ﷺ کے مرضِ وفات کا جشن منانے میں دشمنانِ اسلام کی صورتاً موافقت نہ ہو جائے۔

توہُّم پرستی اور اسلام

اسلام کے مضبوط عقائد اور پاکیزہ تعلیمات میں عقل اور محبت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ان میں سے اگر ایک چیز کو بھی نکال دیا جائے تو ساری خوبی اور حسن ختم ہو جاتا ہے۔

عقائد وعبادات کا نظام اگر عقل سے آزاد ہو جائے تو ''توہم پرستی'' والا مذہب وجود میں آجاتا ہے۔

اور عقل کو اگر آسمانی وحی پر مبنی عقائد وعبادات سے خالی کر دیا جائے تو ایسی مادیت پرستی پیدا ہو جاتی ہے جو روحانیت کے لطف سے بالکل نابلد ہوتی ہے۔

اور نتیجہ دونوں صورتوں میں گمراہی اور محرومی کا نکلتا ہے، کہیں جسم کے جائز تقاضوں سے محرومی رہتی ہے اور کہیں روح کے حقیقی مطالبات سے محرومی اختیار کرنی پڑتی ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب کے اکثر لوگ علم وفضل سے ناواقف، دُور بینی اور شائستگی سے دُور اور تمدُّن سے محروم تھے، جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے نے ان میں بُت پرستی رائج کر دی تھی اور بت پرستی نے ان کو توہم پرست بنا دیا تھا۔اور اللہ تعالیٰ کی صحیح ہستی کا اقرار، جزاء وسزا کا تصور اور نیک وبد اعمال پر اچھا برا نتیجہ مرتب ہونا ان کے نزدیک تمسخر کی باتیں تھیں۔توہم پرستی نے ان کے عقائد اور اعمال کو ایسا بگاڑ دیا تھا کہ عقل بھی اس پر ہنستی تھی۔

جہالت کے ان اندھیروں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے اور آخری نبی کو مبعوث فرما کر آپ کے ذریعہ سے جہالت کے اندھیروں کو ختم فرما دیا، توہم پرستی کے بجائے حقیقت شناسی کی تعلیم دی، شرک کی جگہ توحید اور بت پرستی کی جگہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی تعلیم عنایت کی ،اور عقائد واعمال میں ایسا واضح اور صاف راستہ متعین کر دیا جو ان کو جہنم کے اندھیرے اور تاریکی سے نکال کر جنت کی روشنی کی طرف لے جائے۔

اہلِ عرب کی مختلف توہُّم پرستیاں

زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب مختلف قسم کی توہم پرستیوں اورخرافات کا شکار تھے، جن میں سے کچھ چیزوں کا ذکر گذشتہ احادیث میں آچکا ہے۔ یہاں گذشتہ احادیث میں بیان کی ہوئی بعض چیزوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

بدشگونی اور بدفالی

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے اندر شگون اور فال لینے کا بھی بہت رواج تھا۔ مشرکینِ مکہ میں جاہلیت کے زمانہ میں ایک رسم ''اِسۡتِقۡسَامُ بِالۡاَزۡلَامِ'' کے نام سے رائج تھی۔

جس میں تیروں کے ذریعے سے بھی فال اور شگون لیا کرتے تھے، اس کو عربی میں ''اِسۡتِقۡسَامُ بِالۡاَزۡلَامِ'' کہا جاتا ہے۔

جس کو قرآن مجید میں صاف طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔

وَاَنۡ تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ ؕ ذٰلِکُمۡ فِسۡقٌ (سورہ مائدہ آیت ۳)

ترجمہ: اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تقسیم کرو (یا فیصلے کرو) بذریعہ قرعہ کے تیروں کے یہ سب گناہ (اور حرام) ہیں (ترجمہ ختم)

فائدہ: اَزۡلَامُ ''زَلَمٌ'' کی جمع ہے، زلم اس تیر کو کہتے ہیں جو عرب کی جاہلیت میں اس کام کے لئے مقرر تھا کہ جس کے ذریعہ قسمت آزمائی کی جاتی تھی اور یہ سات تیر تھے جن میں سے ایک پر ''نَعَمۡ'' یعنی ''ہاں'' اور دوسرے پر ''لَا'' یعنی ''نہیں'' اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ لکھے ہوتے تھے، اور یہ تیر بیت اللہ کے خادم کے پاس رہتے تھے۔ جب کسی شخص کو اپنی قسمت یا آئندہ کسی کام کا مفید ہونا یا مضر ہونا معلوم کرنا ہوتا تو خادمِ کعبہ کے پاس جاتے اور اس کو نذرانہ دیتے وہ ان تیروں کو ترکش سے ایک ایک کر کے نکالتا۔ اگر اس پر لفظ ''نَعَمۡ'' نکل آیا تو سمجھتے تھے کہ یہ کام مفید ہے اور اگر ''لَا'' نکل آیا تو سمجھتے تھے کہ یہ کام نہ کرنا چاہئے۔ ''اِسۡتِقۡسَامُ بِالۡاَزۡلَامِ'' کی

حرمت کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ ''ذٰلِکُمْ فِسْقٌ ''یعنی یہ قسمت معلوم کرنے یا حصہ مقرر کرنے کا طریقہ فسق اور گمراہی ہے۔

آئندہ کے حالات اور غیب کی چیزیں معلوم کرنے کے جتنے طریقے رائج ہیں، خواہ اہل جفر کے ذریعہ یا ہاتھ کے نقوش دیکھ کر یا فال وغیرہ نکال کر یہ سب طریقے ''اِسْتِقْسَامُ بِالْاَزْلَامِ ''کے حکم میں شامل ہیں اور گناہ اور فسق ہیں (معارف القرآن ج۳بتغیر) [1]

زمانۂ جاہلیت میں بدشگونی اور بدفالی کی مختلف صورتیں

زمانۂ جاہلیت میں مشرکین کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتے تو مختلف چرندوں

---

[1] الأزلام جمع زلم بفتح الزاى واللام وجاء فيه ضم الزاى قوله القداح جمع قدح بكسر القاف وسكون الدال وهو السهم الذى كانوا يستقسمون به أو الذى يرمى به عن القوس يقال للسهم أول ما يقطع قطع ثم ينحت ويبرى فيسمى بريا ثم يقوم فيسمى قدحا ثم يراش ويركب نصله فيسمى سهما قوله يستقسمون بها من الاستسقام وهو طلب القسم الذى قسم له وقدر مما لم يقدر وهو استفعال منه وكانوا إذا أراد أحدهم سفرا أو تزويجا أو نحو ذلك من المهمات ضرب بالأزلام وهى القداح وكان على بعضها مكتوب أمرنى ربى وعلى الآخر نهانى ربى وعلى الآخر غفل فإن خرج أمرنى ربى مضى لشأنه وإن خرج نهانى أمسك وإن خرج الغفل عادا أحالها وضرب بها أخرى إلى أن يخرج الأمر أو النهى قلت الغفل بضم الغين المعجمة وسكون الفاء وقال ابن الأثير هو الذى لا يرجى خيره ولا شره والمراد هنا الخالى عن شىء وذكر ابن إسحاق أن أعظم أصنام قريش كان هبل وكان فى جوف الكعبة وكانت الأزلام عنده يتحاكمون فيما أشكل عليهم فيما خرج منها رجعوا إليه(عمدة القارى ،كتاب تفسير القرآن،باب قوله إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان)

قوله تعالى :(وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ) قيل فى الاستقسام وجهان :أحدهما :طلب علم ما قسم له بالأزلام ,والثانى :إلزام أنفسهم بما تأمرهم به القداح كقسم اليمين .والاستقسام بالأزلام أن أهل الجاهلية كانوا إذا أراد أحدهم سفرا أو غزوا أو تجارة أو غير ذلك من الحاجات أجال القداح وهى الأزلام ,وهى على ثلاثة أضرب :منها ما كتب عليه :أمرنى ربى "ومنها ما كتب عليه" :نهانى ربى "ومنها غفل لا كتابة عليه يسمى" :المنيح ."فإذا خرج "أمرنى ربى "مضى فى الحاجة ,وإذا خرج" :نهانى ربى "قعد عنها ,وإذا خرج الغفل أجالها ثانية .قال الحسن :كانوا يعمدون إلى ثلاثة قداح ;نحو ما وصفنا .وكذلك قال سائر أهل العلم بالتأويل .وواحد الأزلام "زلم "وهى القداح فحظر الله تعالى ذلك ,وكان من فعل أهل الجاهلية ,وجعله فسقا بقوله :(ذَلِكُمْ فِسْقٌ) (أحكام القرآن للجصاص،سورة المائدة،مطلب :فى الفرق بين الصنم والنصب)

پرندوں اور تیروں سے مختلف انداز کے فال لیا کرتے تھے، اپنے فاسد عقیدے اور توہم پرستی کی بناء پر سفر یا کسی اور اہم کام سے پہلے اپنے اطمینان کے لئے وہ اس قسم کی لایعنی چیزوں کا سہارا لیا کرتے تھے۔

(۱)......کبھی کوئی پرندہ (الو، کوا، باز وغیرہ) یا وحشی جانور (ہرن وغیرہ) سامنے سے گزر گیا تو اس سے شگون اور فال لیتے تھے، جانور اگر دائیں طرف سے بائیں طرف کو گزر جاتا تو اسے نامبارک اور منحوس سمجھتے تھے اور اپنے کام یا سفر سے رک جاتے تھے، اور اگر بائیں طرف سے دائیں طرف کو گزر جاتا تو اسے مبارک اور سعادتمندی کی علامت سمجھتے تھے اور اپنے کام یا سفر کو جاری رکھتے تھے۔

(۲)......کبھی کسی درخت وغیرہ پر بیٹھے ہوئے پرندے کو یا ہرن وغیرہ کو اس کی جگہ سے آواز لگا کر اور ہشکا کر یا پتھر وغیرہ مار کر اس جانور کو دوڑاتے، بھڑکاتے یا اُڑاتے تھے، پھر اگر وہ جانور بائیں طرف کو چلا جاتا تو اس کو منحوس اور نامبارک جانتے اور اپنے گھر لوٹ آتے، اور اگر دائیں طرف چلا جاتا تو پھر کامیابی کا یقین کر لیتے، خوش ہو جاتے اور اپنے کام یا سفر کو جاری کر لیتے تھے، یہ لوگ دائیں طرف سے بائیں طرف جانے والے جانور کو ربِاح اور بائیں سے دائیں طرف جانے والے کو سانح کہتے تھے، سانح ان کے خیال میں مبارک اور سعادت مند ہوتا تھا اور رباح منحوس اور نامبارک ہوتا تھا۔

(۳)......کبھی یہ لوگ باہر نکل کر جانوروں کے ناموں، ان کے رنگوں اور ان کی آوازوں سے بھی شگون اور فال لیا کرتے تھے، مثلاً عقاب (یعنی باز) سے عقوبت (یعنی سزا اور عذاب کی نحوست) اور غراب (یعنی کوے) سے غربت (یعنی مسافری کی تائید) اور ہُدہُد سے ہدایت مراد لیتے تھے۔

(۴)......کبھی الو یا کوے سے بدفالی لیتے تھے اور ان جانوروں کو منحوس جانتے تھے۔

(۵)......کبھی کسی نام سے بدشگونی لیتے تھے مثلاً اسود، ظالم وغیرہ۔

(۶)......کبھی بعض آوازوں سے بھی شگون لیتے تھے جیسے کتے کی آواز خصوصاً جبکہ وہ منہ اوپر اٹھا کر بھونکتا تو سمجھتے کہ بہت شر پیش آنے والا ہے۔

یہ تمام جاہلانہ اور مشرکانہ طور طریقے تھے، اسلام نے ان سب کی بیخ کنی کر دی اور سختی کے ساتھ ان سے روک دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے بار بار ’’ لَاطِیَـرَۃَ ‘‘ فرما کر ان کے بے اصل و بے حقیقت ہونے کو ظاہر فرما دیا، اور واضح فرما دیا کہ بدفالی اور بدشگونی محض بے حقیقت اور غلط بات ہے، ان چیزوں کا کسی کام کے برے ہونے یا کسی نقصان کے دور کرنے یا کسی قسم کا فائدہ حاصل ہونے میں بالکل دخل نہیں ہے بلکہ اس قسم کا اعتقاد رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

کامیابی اور ناکامی، نفع ونقصان سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں، پرندے یا چرندے کے دائیں طرف جانے میں کوئی خیر اور بائیں طرف جانے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ [1]

---

[1] حدثنا الشافعی فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم : أقروا الطیر علی مکناتھا ، أن علم العرب کان فی زجر الطیر والبوارح والخط والاعتیاف ، وکان أحدھم إذا غدا من منزلہ یرید أمرا نظر أول طائر یراہ ، فإن سبح عن یسارہ ، فاختال عن یمینہ قال :ھذا طیر الأیامن فمضی فی حاجتہ ، وإن سبح عن یمینہ ، فمر عن یسارہ قال :ھذا طیر الأشائم فرجع ، وقال :ھذہ حاجۃ مشئومۃ ، وقال الحطیئۃ یمدح أبا موسی الأشعری :لم یزجر الطیر إن مرت بہ سنحا ولا یفیض علی قسم بأزلام یعنی أنہ سلک طریق الإسلام فی التوکل علی اللہ تعالی ، وترک زجر الطیر ، وقال بعض شعراء العرب یمدح نفسہ :ولا أنا ممن یزجر الطیر عن وکرہ أصاح غراب أم عرض أم تعرض ثعلب کان العرب فی الجاھلیۃ إذا لم یر طیرا سابحا فرأی طائرا فی وکرہ حرکہ من وکرہ لیطیر ، فینظر : أسلک لہ طریق الأشائم ، أو طریق الأیامن ، فیشبہ أن یکون قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم : أقروا الطیر علی مکناتھا ، أن لا تحرکوھا ، فإن ما یعتقدون وما یعملون بہ من الطیرۃ لا تصنع شیئا ، وإنما یصنع فیما یوجھون لہ قضاء اللہ عز وجل وقد سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الطیرۃ ، فقال : إنما ذلک شیء یجدہ أحدکم فی نفسہ فلا یصدنکم(معرفۃ السنن والآثار للبیھقی،باب العقیقۃ)

فی النھایۃ الطیرۃ بکسر الطاء وفتح الیاء وقد تسکن ھی التشاؤم بالشیء وھی مصدر تطیر طیرۃ کما تقول تخیر خیرۃ ولم یجیء من المصادر غیرھما ھکذا قیل وأصل التطیر التفاؤل بالطیر واستعمل لکل ما یتفاءل بہ ویتشاءم وقد کانوا فی الجاھلیۃ یتطیرون بالصید کالطیر والظبی فیتیمنون بالسوانح ویتشاءمون بالبوارح والبوارح علی ما فی القاموس من الصید ما مر من میامنک إلی میاسرک والسوانح ضدھا وکان ذلک یصدھم عن مقاصدھم ویمنعھم عن السیر إلی مطالبھم فنفاہ الشرع وأبطلہ ونھاھم عنہ(مرقاۃ، کتاب الصلاۃ،باب ما لا یجوز من العمل فی الصلاۃ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أُمُوْرًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ كُنَّا نَأْتِي الْكُهَّانَ .قَالَ فَــلَا تَــأْتُوْا الْكُهَّانَ .قَــالَ قُلْــتُ كُــنَّا نَتَطَيَّرُ .قَــالَ ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُهُ أَحَدُكُمْ فِيْ نَفْسِهِ فَــلَا يَصُدَّنَّكُمْ (مسلم) [۱]

ترجمہ: میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم جاہلیت کے زمانے میں چند کام کیا کرتے تھے، ایک تو ہم کاہنوں (یعنی غیب کی چیزیں بتلانے والوں) کے پاس آتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم کاہنوں کے پاس نہ آؤ۔

میں نے کہا کہ ہم بدشگونی بھی لیا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک مہمل چیز ہے، جو تم میں سے کسی کے نفس میں پیدا ہوتی ہے، اور یہ ہرگز بھی تمہیں کسی کام سے نہ روکے (ترجمہ ختم)

یعنی جب دل میں کوئی بدشگونی اور بدفالی پیدا ہو، تو اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے، اور اس کی بنیاد پر اپنے کسی کام اور حاجت سے نہیں رُکنا چاہیے۔ [۲]

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ ، وَمَا مِنَّا إِلَّا،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

العيافة بكسر العين وهى زجر الطير والتفاؤل والاعتبار فى ذلک بأسمائها كما يتفاء ل بالعقاب على العقاب وبالغراب على الغربة وبالهدهد على الهدى والفرق بينهما وبين الطيرة إن الطيرة هى التشاؤم بها وقد تستعمل فى التشاؤم بغير الطير من حيوان وغيره وفى النهاية العيافة زجرا لطير والتفاؤل بأسمائها وأصواتها وممرها وهو من عادة العرب وهو كثير فى أشعارهم وبنو أسد يذكرون بالعيافة ويوصفون بها والطرق بفتح فسكون وهو الضرب بالحصى الذى يفعله النساء وقيل هو الخط فى الرمل كذا فى النهاية واقتصر الفائق على الأول وأنشد قول لبيد لعمرک ما تدرى الطوارق بالحصى ولا زاجرات الطير ما الله صانع (مرقاة، كتاب الطب والرقى، باب الفأل والطيرة ج ۹ ص ٦)

[۱] حديث نمبر ۵۹۴۹، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان.

[۲] معناه أن كراهة ذلک تقع فى نفوسكم فى العادة ، ولكن لا تلتفتوا إليه ، ولا ترجعوا عما كنتم عزمتم عليه قبل هذا (شرح النووى على مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان)

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یُذْہِبُہٗ بِالتَّوَکُّلِ (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بدشگونی شرک ہے، اور ہم میں کوئی ایسا شخص نہیں جسے (بشریت کے تقاضہ کی وجہ سے) اس کی کھٹک نہ گزرتی ہو مگر اللہ تعالیٰ توکل کی وجہ سے اس کو دور فرما دیتا ہے (ترجمہ ختم)

فائدہ: آپ ﷺ نے بدشگونی کے برا ہونے کو ظاہر فرمانے کے لئے اس کو شرک فرمایا، شرک کا مطلب یہ ہے کہ یہ مشرکوں کی رسموں میں سے ہے اور اگر کوئی یہ اعتقاد کرے کہ بدشگونی لینے کے بعد یقیناً ایسا ہی ہوگا تو پھر یہ واقعی حقیقی شرک اور کفر ہے۔

اس قسم کی بدفالی لینا انسان کے عقیدہ سے متعلق ہے حالانکہ فی نفسہٖ کسی پرندہ وغیرہ کے اڑنے یا اڑانے اور دائیں بائیں جانب جانے میں کوئی بدفالی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی کوئی علامت بیان نہیں فرمائی اور نہ اس قسم کے خوف ہراس کی کوئی معقول وجہ ہے۔

اور ہر انسان کو کسی نہ کسی وقت بدفالی کی کھٹک پیدا ہو جاتی ہے، لیکن مسلمان کا ایمان کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے، جب اس کو ایسی کھٹک پیدا ہوتی ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ پر توکل اور کامل یقین ''کہ نفع دینے والا اور مصیبتوں کو دور کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے'' اس بدفالی سے محفوظ رکھتا ہے اور اس سے دلوں میں اطمینان ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت دل میں راسخ ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] حدیث نمبر ۳۶۸۷، واللفظ لہٗ؛ ترمذی، حدیث نمبر ۱۶۱۴؛ ابوداؤد، حدیث نمبر ۳۹۱۲؛ ابنِ ماجہ، حدیث نمبر ۳۵۲۸.

فی حاشیۃ مسند احمد:

إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير عيسى بن عاصم، وهو الأسدى، فقد روى له أصحاب السنن عدا النسائى، وهو ثقة .وكيع :هو ابن الجراح.

[2] (الطيرة) بكسر ففتح قال الحكيم :هى سوء الظن بالله وهرب من قضائه (شرك) أى من الشرك لأن العرب كانوا يعتقدون أن ما يتشاء مون به سبب يؤثر فى حصول المكروه وملاحظة الأسباب فى الجملة شرك خفى فكيف إذا انضم إليها جهالة فاحشة وسوء اعتقاد ومن اعتقد أن غير الله ينفع أو يضر استقلالا فقد أشرك (فيض القدير، درذيل رقم حديث ۵۳۵۲)

والحاصل أنه نوع من التكهن والطيرة أى ثلاثتها من الجبت وهو السحر والكهانة على ما فى الفائق وقيل هو كل ما عبد من دون الله فالمعنى أنها ناشئة من الشرك وقيل هو الساحر والأظهر أنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بدفالی یا بدشگونی کی کھٹک سے بچنے کی دعاء

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ مِنْ حَاجَةٍ، فَقَدْ أَشْرَكَ " قَالُوْا :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا كَفَّارَةُ ذٰلِكَ ؟ قَالَ أَنْ يَّقُوْلَ أَحَدُهُمْ :اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ، وَلَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ (مسند أحمد، حديث نمبر ٧٠٤٥) [1]

ترجمہ: جس کو بدفالی اپنی ضرورت سے روک دے، تو اُس نے شرک کیا، لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس بدفالی کی تلافی کیا ہے؟ تو فرمایا کہ یوں کہے:

اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ، وَلَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ

''یعنی اے اللہ! ہر قسم کی خیر آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے، اور ہر قسم کے پرندے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الشيطان والمعنى أنها من عمل الجبت رواه أبو داود وعن عبد الله بن مسعود رضى الله عنه عن رسول الله قال الطيرة شرك أى لاعتقادهم أن الطيرة تجلب لهم نفعا أو تدفع عنهم ضرا فإذا عملوا بموجبها فكأنهم أشركوا بالله فى ذلك ويسمى شركا خفيا وقال شارح يعنى من اعتقد أن شيئا سوى الله ينفع أو يضر بالاستقلال فقد أشرك أى شركا جليا وقال القاضى إنما سماها شركا لأنهم كانوا يرون ما يتشاء مون به سببا مؤثرا فى حصول المكروه وملاحظة الأسباب فى الجملة شرك خفى فكيف إذا انضم إليها جهالة وسوء اعتقاد قاله ثلاثا مبالغة فى الزجر عنها وما منا أى أحد إلا أى إلا من يخطر له من جهة الطيرة شيء ما لتعود النفوس بها فحذف المستثنى كراهة أن يتفوه به (مرقاة، كتاب الطب والرقى، باب الفأل والطيرة ج ٩ ص ٦)

[1] قال الهيثمى:

رواه أحمد والطبرانى وفيه ابن لهيعة وحديثه حسن وفيه ضعف ، وبقية رجاله ثقات(مجمع الزوائد ج٥ ص ١٠٥ ،باب ما يقول إذا تطير)

و فى حاشية مسند احمد:

حديث حسن، ابن لهيعة -وهو عبد الله-، وإن كان ضعيفا قد رواه عنه عبد الله بن وهب، وهو صحيح السماع منه.

وقال الالبانى:

قلت :الضعف الذى فى حديث ابن لهيعة إنما هو فى غير رواية العبادلة عنه و إلافحديثهم عنه صحيح كما حققه أهل العلم فى ترجمته(السلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ١٠٦٥)

(اور جانور اور دوسری چیز جس سے بدفالی لی جاتی ہے) آپ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اور آپ کے سوا کوئی معبود نہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ بدفالی پیش آنے کے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے:

اَللّٰھُمَّ لَا طَیْرَ اِلَّا طَیْرُکَ ، وَلَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُکَ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (الدعاء للطبرانی،باب القول عند الطیرۃ، حدیث نمبر ۱۱۷۲)

ترجمہ: اے اللہ! ہر قسم کے پرندے (اور جانور اور دوسری چیز جس سے بدفالی لی جاتی ہے) آپ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اور ہر قسم کی خیر آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے، اور آپ کی مدد کے بغیر ہمیں نہ بھلائی کی طاقت ہے اور نہ برائی سے بچنے کی ہمت ہے (ترجمہ ختم)

حضرت عروہ ابنِ عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کے سامنے بدفالی کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ نیک فال اچھا ہے اور مسلمان کی شان یہ نہیں کہ اس کو بدفالی کسی کام سے روک دے، اور جب تم میں سے کسی کو کوئی ناپسندیدہ بات پیش آئے تو یہ کہے:

اَللّٰھُمَّ لَایَأْتِیْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا یَدْفَعُ السَّیِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: اے اللہ! آپ کے علاوہ کوئی اچھائی بھیجنے پر قادر نہیں اور آپ کے علاوہ کوئی برائی کو دور کرنے پر قادر نہیں اور اے اللہ! تیری مدد کے بغیر ہمیں نہ بھلائی کی طاقت ہے اور نہ برائی سے بچنے کی ہمت ہے (ترجمہ ختم)

فائدہ: بدفالی اور بدشگونی کی بنیاد پر انسان اپنے آپ کو پریشانیوں اور اُلجھنوں میں مبتلا کر لیتا ہے، شریعت نے بدفالی اور بدشگونی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اُلجھنوں سے نجات کے لیے یہ نسخہ تجویز فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل اور یقین رکھتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ سے استعانت

---

[1] حدیث نمبر ۳۹۲۱. کتاب الطب، باب فی الطیرۃ.

اور مدد چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد فرمائیں گے۔ اور یہی دراصل توحید کا مغز ہے۔

حقیقی توکل ہی وہ سب سے بڑا عظیم سبب ہے جس سے تمام بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں اور مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونے کو ''حول'' کہتے ہیں اور اس پر قوت صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی توفیق سے حاصل ہوسکتی ہے۔

تو اس جملہ میں کسی حالت کو از خود تبدیل کرنے کی سکت، اپنی ذاتی قوت اور اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے سے بیزاری کا اظہار ہے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی امداد، قوت اور اس کی مشیت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتیں۔

بدشگونی کی کھٹک کے وقت پڑھی جانے والی دعاؤں میں یہ واضح کردیا گیا کہ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے دل کو تمام دنیا کی چیزوں کے یقین سے الگ کر کے صرف اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرلے، کیونکہ نفع وضرر دینا یا کسی نعمت سے مالا مال کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ [1]

---

[1] اللهم لا طير إلا طيرک ولا خير إلا خيرک ولا إله غيرک اللهم لا يأتى بالحسنات إلا أنت ولا يذهب بالسيئات إلا أنت قال ذاک أى التطير شىء يجدونه فى صدورهم يعنى هذا وهم ينشأ من نفوسهم ليس له تأثير فى اجتلاب نفع أو ضر وإنما هو شىء يسوله الشيطان ويزينه حتى يعملوا بقضيته ليجرهم بذلک إلى اعتقاد مؤثر غير الله تعالى وهو كفر صراح بإجماع العلماء فلا يصدنهم أى لا يمنعهم التطير من مقاصدهم لأنه لا يضرهم ولا ينفعهم ما يتوهمونه وقال الطيبى أى لا يمنعهم عما يتوجهون من المقاصد أو من سواء السبيل ما يجدون فى صدورهم من الوهم فالنهى وارد على ما يتوهمونه ظاهرا وهم منهيون فى الحقيقة عن مزاولة ما يوقعهم من الوهم فى الصد (مرقاة، كتاب الصلاة، باب مالايجوز من العمل فى الصلاة)

والمعنى إن أحسن الطيرة ما يشابه الفأل المندوب إليه ومع ذلک لا تمنع الطيرة مسلما عن المضى فى حاجته فإن ذلک ليس من شأن المسلم الكامل بل شأنه أن يتوكل على الله فى جميع أموره ويمضى فى سبيله بنوره على غاية حضوره ونهاية سروره فإذا رأى أحدكم ما يكره أى إذا رأى من الطيرة شيئا يكرهه على ما ذكره الجزرى فى الحصن فليقل اللهم لا يأتى بالحسنات أى بالأمور الحسنة الشاملة للنعمة والطاعة إلا أنت ولا يدفع السيئات أى الأمور المكروهة الكافلة للنقمة والمعصية إلا أنت ولا حول أى على دفع السيئة ولا قوة أى على تحصيل الحسنة إلا بالله هو فى أصل الحصن إلا بک وهو مقتضى الكلام (مرقاة، كتاب الطب والرقى، باب الفال والطيرة، الفصل الثالث)

جس شخص کے دل میں بدفالی کا احساس اور خیال پیدا ہو تو مذکورہ دعائیں پڑھنا بہت ہی مناسب ہے، جن سے دل کو سکون اور اطمینان حاصل ہوگا اور شیطانی وساوس دور ہو جائیں گے۔

ان دعاؤں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان سے یقین ہوتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز میں بھلائی یا تکلیف پہنچانے کی طاقت نہیں ہے۔

اگر مندرجہ بالا احادیث میں ذکر کردہ الفاظ ہی ادا کر لئے جائیں تو بہت اچھا ہے ورنہ اپنی زبان میں بھی ان کے معنٰی ادا کر لینا کافی ہے اور اگر کوئی الفاظ ادا نہ کرے بلکہ ان الفاظ کا مفہوم ہی اپنے عقیدہ اور دل و دماغ میں حاضر کر لے تب بھی فائدہ سے خالی نہیں۔ [1]

نیک فال کا شرعی حکم

شریعت نے بدفالی اور بدشگونی سے منع فرمایا ہے، لیکن نیک اور اچھا فال لینے سے منع نہیں کیا، بلکہ اس کی احادیث سے اجازت ملتی ہے۔

---

[1] وقوله : اللهم لا خير إلا خيرك، ولا طير إلا طيرك . يعني :فأنت الذى بيدك الخير المباشر، كالمطر والنبات، وغير المباشر، كالذى يكون سببه من عند الله على يد مخلوق، مثل :أن يعطيك إنسان دراهم صدقة أو هداية، وما أشبه ذلك، فهذا الخير من الله، لكن بواسطة جعلها الله سببا، وإلا فكل الخير من الله عز وجل .

وقوله : فلا خير إلا خيرك . هذا الحصر حقيقي، فالخير كله من الله، سواء كان بسبب معلوم أو بغيره.

وقوله : لا طير إلا طيرك .أى :الطيور كلها ملكك، فهي لا تفعل شيئا، وإنما هي مسخرة، قال تعالى :(أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَنُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ) (الملك ١٩)، وقال تعالى :(أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ) (النحل ٧٩)، فالمهم أن الطير مسخرة بإذن الله، فالله تعالى هو الذى يدبرها ويصرفها ويسخرها تذهب يمينا وشمالا، ولا علاقة لها بالحوادث.

ويحتمل أن المراد بالطير هنا ما يتشاء م به الإنسان، فكل ما يحدث للإنسان من التشاؤم والحوادث المكروهة، فإنه من الله كما أن الخير من الله، كما قال تعالى :(أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ) (الأعراف ١٣١)لكن سبق لنا أن الشر فى فعل الله ليس بواقع، بل الشر فى المفعول لا فى الفعل، بل فعله تعالى كله خير، إما خير لذاته، وإما لما يترتب عليه من المصالح العظيمة التى تجعله خيرا .فيكون قوله : لا طير إلا طيرك مقابلا لقوله : ولا خير إلا خيرك (مجموع فتاوى ورسائل فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين، ج ٩ ص ٥٧٨، كتاب التوحيد، باب ماجاء فى النشرة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

لَا طِيَرَةَ وَخَيْرُهَا الْفَأْلُ قَالُوْا وَمَا الْفَأْلُ قَالَ اَلْكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسْمَعُهَا أَحَدُكُمْ (بخاری) [1]

ترجمہ: (اسلام میں) بدشگونی اور بدفالی نہیں ہے، اور نیک فال اچھی چیز ہے۔ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ نیک فال کیا چیز ہے؟ تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اچھا (اور پاکیزہ) کلام جو کوئی کسی سے سنے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ الْفَأْلُ الْحَسَنُ وَيَكْرَهُ الطِّيَرَةَ (ابن ماجة) [2]

ترجمہ: نبی ﷺ اچھے فال کو پسند فرمایا کرتے تھے، اور بدشگونی و بدفالی کو ناپسند فرمایا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اچھے فال سے مراد اچھا اور نیک کلام ہے، جیسا کہ پچھلی حدیث میں گزرا، مثلاً یہ کہ اچھا جملہ اور اچھی بات سن کر اللہ تعالیٰ سے خیر اور اچھائی و بہترائی کی توقع و امید رکھنا! جس کی وضاحت آگے حدیث میں آتی ہے۔ [3]

---

[1] حدیث نمبر ۵۳۱۳، کتاب الطب، باب الطیرة، واللفظ لهٗ، مسلم حدیث نمبر ۵۹۳۱، مسند احمد حدیث نمبر ۷۶۱۸.

[2] حدیث نمبر ۳۵۲۶. کتاب الطب، باب من کان یعجبه الفأل ویکره الطیرة.

هذا إسناد صحيح رجاله ثقات رواه الشيخان من حديث أبى هريرة أيضا من هذا الوجه إلا قوله ويكره الطيرة ورواه ابن حبان فى صحيحه عن أحمد بن على بن المثنى عن محمد بن عبد الله بن نمير بتمامه(مصباح الزجاجة، كتاب الطب، باب من كان يعجبه الفأل ويكره الطيرة)

[3] لا طيرة أى لا عبرة بالتطير تشاؤما وتفاؤلا وخيرها أى خير أنواع الطيرة بالمعنى اللغوى الأعم من المأخذ الأصلى الفأل أى الفأل الحسن بالكلمة الطيبة لا المأخوذ من الطير ولعل شارحا أراد دفع هذا الإشكال فقال أى الفأل خير من الطيرة اه ومعناه أن الفأل محض خير كما أن الطيرة محض شر فالتركيب من قبيل العسل أحلى من الخل والشتاء أبرد من الصيف قال الطيبى الضمير المؤنث راجع إلى الطيرة وقد علم أنه لا خير فيها فهو كقوله تعالى أصحاب الجنة يومئذ خير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْجِبُهُ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَةٍ أَنْ يَسْمَعَ يَا رَاشِدُ يَا نَجِيحُ (ترمذی) [۱]

ترجمہ: نبی ﷺ جب کسی ضرورت کے لئے باہر نکلتے اور کسی کو یہ الفاظ کہتا ہوا سنتے ’’اے کامیاب! اے صحیح راہ پانے والے!‘‘ تو خوشی کا اظہار فرماتے (ترجمہ ختم)

کامیابی وکامرانی، تندرستی اور سرخروئی اور مبارک بادی وغیرہ الفاظ سنتے ہی انسان کی طبیعت کِھل کِھلا اٹھتی ہے، دل مضبوط ہوجاتا اور سینہ کھل جاتا ہے اور انسان کا جسم ایک تازگی محسوس کرنے لگ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

مستقرا الفرقان أو هذا مبنى على زعمهم أو هو من باب قولهم الصيف أحر من الشتاء أى الفأل فى بابه أبلغ من الطيرة فى بابها قالوا وما الفأل وإنما نشأ هذا السؤال لما فى نفوسهم من عموم الطيرة الشامل للتشاؤم والتفاؤل المتعارف فيما بينهم قال إشارة إلى أنه فرد خاص خارج عن العرف العام معتبر عند خواص الأنام وهو قوله الكلمة الصالحة أى الطيبة الصالحة لأن يؤخذ منها الفأل الحسن يسمعها أى تلك الكلمة أحدكم أى على قصد التفاؤل كطالب ضالة يا واجد وكتاجر يا رزاق وكمسافر يا سالم وكخارج الحاجة يا نجيح وكغاز يا منصور وكحاج يا مبرور وكزائر يا مقبول وأمثال ذلك والجملة استئناف بيان أو حال قال الطيبى ومعنى الترخص فى الفأل والمنع من الطيرة هو أن الشخص لو رأى شيئا وظنه حسنا وحرضه على طلب حاجته فليفعل ذلك وإذا رأى ما بعده مشؤوما ويمنعه من المضى إلى حاجته فلا يجوز قبوله بل يمضى لسبيله (مرقاة، كتاب الطب والرقى، باب الفال والطيرة)

(كان يعجبه الفأل الحسن) الكلمة الصالحة يسمعها (ويكره الطيرة) بكسر أو فتح فسكون لأن مصدر الفأل عن نطق وبيان فكأنه خبر جاء عن غيب بخلاف الطيرة لاستنادها إلى حركة الطائر أو نطقه ولا بيان فيه بل هو تكلف من متعاطيه فقد أخرج الطبرانى عن عكرمة كنت عند ابن عباس فمر طائر فصاح فقال رجل :خير فقال ابن عباس :لا شر ولا خير وقال النووى :الفأل يستعمل فيما يسر وفيما يسوء وأكثره فى السرور والطيرة لا تكون إلا فى الشؤم وقد تستعمل مجازا فى السرور وشرط الفأل أن لا يقصد إليه وإلا صار طيرة كما مر .قال الحليمى :الفرق بينهما أن الطيرة هى سوء ظن بالله من غير سبب ظاهر يرجع إليه الظن والتيمن بالفأل حسن ظن بالله وتعليق تجديد الأمل به وذلك بالإطلاق محمود .وقال القاضى :أصل التطير التفاؤل بالطير وكانت العرب فى الجاهلية يتفاءلون بالطيور والظباء ونحو ذلك فإذا عن له أمر كسفر وتجارة ترصدوا لها فإن بدت لهم سوانح تيمنوا بها وشرعوا (فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ۷۱۰۱)

[۱] حديث نمبر ۱۵۴۱، كتاب السير، باب ما جاء فى الطيرة.
قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ

جاتا ہے۔

مثلاً کسی بیمار کو کوئی شخص صحت مند کہہ کر پکارے یا کسی ضرورت مند کو کوئی یہ کہے کہ اے ضرورت کو پانے والے! اور یہ سن کر کوئی اس طرح سے دل میں امید رکھے کہ مریض ان شاء اللہ تعالیٰ صحت یاب ہو جائے گا اور ضرورت مند کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔

یا مثلاً کوئی مجاہد شخص منصور کا لفظ سن کر یا منصور نامی شخص کو دیکھ کر اپنی فتح ونصرت کی اللہ سے امید رکھے۔ یا کوئی مسافر سالم کا لفظ سن کر اپنی سلامتی وحفاظت کی امید رکھے، یا کوئی تاجر رباح یا رازق کا لفظ سن کر اپنی تجارت میں نفع کی امید پیدا کرے، یا کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے وہ واجد (یعنی پانے والے) کا لفظ سن کر اپنی گمشدہ چیز کے واپس مل جانے کی اللہ سے امید رکھے۔

اس قسم کے الفاظ سے اچھی فال لینا حضور ﷺ کو پسند تھا، اور یہی نیک فال ہے۔ [1]

جس فال میں خیر اور شر دونوں کے پہلو ہوں وہ نیک فال میں شامل نہیں، اسی طرح آج کل عوام نے جو فال لینے کے مختلف طریقے گھڑ رکھے ہیں وہ نیک فال میں داخل نہیں۔ [2]

---

[1] وعن أنس رضي الله عنه أن النبي كان يعجبه أي يستحسنه ويتفاء ل به إذا خرج لحاجة أن يسمع يا راشد أي واجد الطريق المستقيم يا نجيح أي من قضيت حاجته والمراد هذا وأمثاله لما ورد من أنه كان يعجبه الفأل الحسن ويكره الطيرة على ما في الجامع من رواية ابن ماجه عن أبي هريرة والحاكم عن عائشة رواه الترمذي وعن بريدة رضي الله تعالى عنه أن النبي كان لا يتطير من شيء أي من جهة شيء من الأشياء إذا أراد فعله ويمكن أن تكون من مرادفة للباء فالمعنى ما كان يتطير بشيء مما يتطير به الناس(مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى،باب الفأل والطيرة)

[2] واضح ہو کہ فالِ شرعی اور چیز ہے اور شگون جو عوام میں اختلاطِ ہنود (ہندو لوگوں کے ساتھ رہنے سہنے اور میل جول) وغیرہ کے سبب مروّج ہے وہ اور ہے، چنانچہ فال شرعی یہ ہے کہ (مثلاً) کوئی شخص اتفاقاً کسی کے منہ سے کوئی اچھا لفظ سنے اور اس کو سُن کر حق سبحانہٗ کی جانب سے وصولِ خیر کا امیدوار ہو۔ اور شگون مروّج یہ ہے کہ (مثلاً) ہتھیلی میں کھجلی ہوئی، سمجھا کہ روپیہ ہاتھ آئے گا، کسی نے چھینک دیا، سمجھا کہ کام نہ ہوگا، داہنی آنکھ پھڑکی، سمجھا کہ خوشی ہوگی، بائیں آنکھ پھڑکی، سمجھا کہ رنج ہوگا، اس قسم کے شگون از قسمِ عرّافہ ہیں اور فالِ شرعی میں داخل نہیں بلکہ وہ طیرہ میں داخل ہیں، اور بحدیث الطیرۃ شرک اُمورِ شرکیہ میں داخل ہیں، پس بعض حُمقاء کا یہ سمجھنا کہ شگون نیک مطلقاً جائز ہے............ جہلِ صریح اور واضح گمراہی ہے (ضمیمۂ ثانیہ اصلی بہشتی زیور، حصہ اول ص ۹۶)

الفأل بالهمز وأكثر استعماله بالإبدال وفي النهاية الفأل مهموز فيما يسر ويسوء والطيرة بكسر الطاء وفتح الياء وقد تسكن لا تكون إلا فيما يسوء وربما استعملت فيما يسر وفي القاموس الفأل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیک فال کی مثالیں اوپر گزر چکیں ہیں، انہیں پر دوسرے حالات کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

کہانت

آپ ﷺ نے ایک اور چیز کی بُرائی اور خرابی کا بھی ذکر فرمادیا، اور وہ کہانت ہے۔ کہانت کے معنٰی ہیں غیب کی باتیں بتانا۔

زمانہ جاہلیت میں عرب میں کہانت کا بڑا چرچا تھا، جہالت اور توہم پرستی کی وجہ سے کاہنوں کی طرف لوگوں کا بڑا رجوع تھا۔ اور اسی وجہ سے اُس زمانہ میں کئی قسم کے کاہن ہوا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سب کا بھی رد فرمادیا، علاوہ ازیں اس قسم کی پوشیدہ باتیں معلوم کرنا ''استقسام بالازلام'' میں بھی شامل ہے اور حرام ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ضد الطيرة كان يسمع مريض يا سالم أو طالب يا واجد ويستعمل فى الخير والشر والطيرة ما يتشائم به من الفأل الردىء قلت المستفاد من القاموس أن الفأل مختص بالخير وقد يستعمل فى الشر والطيرة لا تستعمل إلا فى الشر فهما ضدان فى أصل الوضع والمفهوم من النهاية أن الفأل أعم من الطيرة فى أصل الوضع ومترادفان فى بعض الاستعمال والمفهوم من الأحاديث أن الطيرة أعم من الفأل منها ظاهر قوله كما سيأتى(مرقاة المفاتيح ،كتاب الطب والرقى، باب الفأل والطيرة)

[1] (قوله والكهانة)وهى تعاطى الخبرعن الكائنات فى المستقبل وادعاء معرفة الاسرار قال فى نهاية الحديث وقد كان فى العرب كهنة كشق وسطيح،فمنهم من كان يزعم انه له تابعا يلقى اليه الاخبار عن الكائنات ومنهم انه يعرف الامور بمقدمات يستدل بها علىٰ موافقهامن كلام من يساله،اوحاله وفعله وهذا يخصونه باسم العراف كالمدعى معرفة المسروق ونحوه وحديث "من اتى كاهنا"يشمل العراف والمنجم والعرب تسمى كل من يتعاطى علما دقيقا كاهنا ومنهم من يسمى المنجم والطبيب كاهنااه،ابن عبدالرزاق(ردالمحتار ج ا مقدمه،مطلب فى الكهانة)

والكاهن كما فى مختصر النهاية للسيوطى من يتعاطى الخبرعن الكائنات فى المستقبل ويدعى معرفة الاسرار والعراف المنجم وقال الخطابى هوالذى يتعاطى معرفة مكان المسروق والضالةونحوهااه،الحاصل ان الكاهن من يدعى معرفة الغيب باسباب وهى مختلفة فلذا انقسم الى انواع متعددة كالعراف والرمال والمنجم وهوالذى يخبرعن المستقبل بطلوع النجم وغروبه والذى يضرب بالحصاء والذى يدعى ان له صاحبا من الجن يخبره عماسيكون والكل مذموم شرعا،محكوم عليهم وعلىٰ مصدقهم بالكفر .... قلت فعلىٰ هذا ارباب التقاويم من انواع الكاهن لادعائهم العلم بالحوادث الكائنة ، واماماوقع لبعض الخواص كالانبياء والاولياء بالوحى اوللالهام فهوباعلام من الله تعالىٰ فليس ممانحن فيه،وقيل العراف يخبرعن الماضى والكاهن يخبر عن الماضى والمستقبل(الموسوعة الفقهية ج ۳۰،ماده عرافة)

احادیث میں اس قسم کی حرکتوں پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

مَنْ أَتٰى كَاهِنًا، أَوْ عَرَّافًا، فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: جو شخص کسی کاہن یا عرّاف کے پاس آیا اور اس کی بتلائی ہوئی بات کی تصدیق کی (یعنی اس کو سچ سمجھا) تو اس نے محمد ﷺ پر جو کچھ نازل ہوا ہے، اس کا انکار کر دیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ أَتٰى عَرَّافًا أَوْ كَاهِنًا يُؤْمِنُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (المعجم الكبير للطبرانی حديث نمبر ٩٨٦٢) [2]

ترجمہ: جو شخص کسی کاہن یا عرّاف کے پاس آیا اور اس کی بتلائی ہوئی بات پر ایمان لایا (یعنی اس کو سچ سمجھا) تو اس نے محمد ﷺ پر جو کچھ نازل ہوا ہے، اس کا انکار کر دیا (ترجمہ ختم)

---

[1] حديث نمبر ٩٥٣٦، واللفظ لهٗ، سنن البيهقی حديث نمبر ١٦٩٣٨، مستدرک حاكم حديث نمبر ١٥.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرطهما جميعا من حديث ابن سيرين و لم يخرجاه و حدث البخاری عن إسحاق عن روح عن عوف عن خلاس و محمد عن أبی هريرة قصة موسى أنه آدر.

وقال الذهبی فی التلخيص :على شرطهما (حوالہ بالا)

[2] عن عبد الله بن مسعود قال :من أتى عرافا أو كاهنا فصدقه بما يقول فقد كفر بما أنزل على محمد (المجعم الاوسط للطبرانی حديث نمبر ١٤٥٣)

قال الهيثمی:

رواه الطبرانی فی الكبير والاوسط إلا أنه قال فصدقه .وكذلک رواية البزار ورجال الكبير والبزار ثقات (مجمع الزوائد ج٥ص١١٨ ،باب فيمن أتى كاهنا أو عرافا)

وقال المنذری:

رواه الطبرانی فی الكبير ورواته ثقات (الترغيب والترهيب، كتاب الادب ،باب الترهيب من السحر وإتيان الكهان والعرافين والمنجمين بالرمل والحصى أو نحو ذلک وتصديقهم)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں:

مَنْ أَتٰی سَاحِرًا أَوْ كَاهِنًا أَوْ عَرَّافًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم (سنن البيهقى) [1]

ترجمہ: جو شخص کسی جادوگر یا کاہن یا عرّاف کے پاس آیا اور اس کی بتلائی ہوئی بات کی تصدیق کی، تو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا ہے، اس کا انکار کر دیا (ترجمہ ختم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد حکماً مرفوع حدیث کا درجہ رکھتا ہے۔ [2]

عرب میں غیب کی خبریں بتلانے والے مختلف قسم کے تھے، بعض گزشتہ زمانے سے متعلق غیب کی خبریں بتلاتے تھے (مثلاً چور اور گم شدہ چیز کا پتہ) ایسے لوگوں کو عرّاف کہا جاتا تھا، اور بعض آئندہ زمانے سے متعلق غیب کی خبریں بتلاتے تھے (مثلاً آئندہ زمانے میں کسی کا فوت ہونا، حادثہ پیش آنا وغیرہ) ایسے لوگوں کو کاہن کہا جاتا تھا۔

اور بعض نے فرمایا کہ اس قسم کی خبریں بتانے والے سب کاہن کی مختلف قسموں میں داخل ہیں۔ شریعت نے ان سب کی تردید فرمادی۔ [3]

---

[1] حديث نمبر ۱۶۹۳۹، كتاب القسامة، باب تكفير الساحر وقتله إن كان ما يسحر به كلام كفر صريح، مسند ابى يعلىٰ الموصلى حديث نمبر ۵۴۸۰، مسند البزار حديث نمبر ۱۸۷۳.

قال الهيثمى:

> رواه البزار ورجاله رجال الصحيح خلا هبيرة بن مريم وهو ثقة (مجمع الزوائد ج۵ ص۱۱۸، باب فيمن أتى كاهنا أو عرافا)

وقال المنذرى:

> رواه البزار وأبو يعلى بإسناد جيد موقوفا (الترغيب والترهيب، كتاب الادب، باب الترهيب من السحر وإتيان الكهان والعرافين والمنجمين بالرمل والحصى أو نحو ذلک وتصديقهم)

[2] أخرجه أبو يعلى من حديث بن مسعود بسند جيد لكن لم يصرح برفعه ومثله لا يقال بالرأى (فتح البارى، لابنِ حجر، كتاب الطب، باب الكهانة)

[3] الكهانة كانت فى العرب على أربعة ضروب: أحدها: (أن يكون له إنسان أى من الخير) فيخبره بما يسترق من السمع من السماء، وهذا القسم قد بطل منذ بعث اللّٰه محمدًا (صلى الله عليه وسلم)، كما نص اللّٰه -تعالى- فى الكتاب. الثانى: أن يخبره بما يطرأ فى أقطار الأرض

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور عرّاف یا کاہن کی بتلائی ہوئی غیب کی خبروں کو اگر اپنے عقیدے میں سچا سمجھا، تو یہ حقیقی کفر ہے، اور اگر عقیدے میں سچا نہیں سمجھا، تو پھر غیب کی خبریں معلوم کرنا کفر کا طریقہ اور گناہ ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وما خفى عنه بما قرب أو بعد ، وهذا لايبعد وجوده ونفت هذا كله المعتزلةوبعض المتكلمين وأحالوه ، ولا إحالة ولا بعد فى وجود مثله ، لكنهم يصدقون ويكذبون ، والنهى عام فى تصديقهم والسماع منهم .الثالث :التخمين والحزر ، وهذا يخلق اللّٰه منه لبعض الناس قوة ما لكن الكذب فى هذا الباب أغلب ومن هذا الفن العرافة ، وصاحبها عراف ، وهو الذى يستدل على الاَمور بأسباب ومقدمات يدعى معرفتها بها، وقد يعتضد بعضر أهل هذا الفن فى ذلك بالزجر والطرق والنجوم وأسباب معتادة وهذا الفن هى العيافة بالياء ، وكلها ينطلق عليها اسم الكهانة عندهم ، ويعلمها فى أكثر كتبهم(اكمال المعلم شرح صحيح مسلم للقاضى عياض، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان)

وقد أكذبهم كلهم الشرع ، ونهى عن تصديقهم وإتيانهم .والله أعلم (شرح النووى علىٰ مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان)

الفرق بين الكاهن والعراف ان الكاهن انما يتعاطى الخبرعن المغيب فى مستقبل الزمان ويدعى معرفة الاسرار والعراف هوالذى يتعاطى معرفة الشئ المسروق ومكان الضالة ونحوهما من الامور(مرقاة شرح مشكوٰة ج ٩ ص ١٧، كتاب الطب والرقى،باب الكهانة،الفصل الثانى)

قال البغوى العراف الذى يدعى معرفة الامور بمقدمات يستدل بها على المسروق ومكان الضالة ونحو ذلك وقيل هوالكاهن والكاهن هوالذى يخبر عن المغيبات فى المستقبل وقيل الذى يخبر عما فى الضمير وقال ابوالعباس ابن تيمية العراف اسم للكاهن والمنجم والرمال ونحوهم ممن يتكلم فى معرفة الامور بهذه الطرق (كتاب التوحيدلامام محمدبن عبدالوهاب، باب ما جاء فى الكهان ونحوهم)

[1] اسی طرح اگر کسی ماضی کے واقعہ پر جنات وغیرہ کے ذریعے سے کوئی خبر معلوم کی، تو یہ بھی گناہ ہے۔

أو كاهنا بالتصديق فقد كفر بما أنزل على محمد أى إن اعتقد حله وإنما لم يفصله ليكون أبلغ فى الوعيد وأدعى إلى الزجر والتهديد قال ابن الملك يؤول هذا الحديث بالمستحل والمصدق وإلا فيكون فاسقا فمعنى الكفر حينئذ كفران نعمة الله أو إطلاق اسم الكفر عليه لكونه من أفعال الكفرة الذين عادتهم عصيان الله تعالى والمراد بالكاهن من يخبر عما يكون فى المستقبل أو بأشياء مكتوبة فى الكتب من أكاذيب الجن المسترقة من الملائكة من أحوال أهل الأرض من الأعمار والأرزاق والحوادث فيأتون الكهنة فيخلطون فى كل حديث مائة كذبة فيخبرون الناس بها وفى معناه من يتعاطى الرمل والضرب بنحو الحصى أو النظر فى النجوم قال الطيبى وفى الحديث وعيد هائل حيث لم يكتف بكفر بل ضم إليه بما أنزل على محمد وصرح بالعلم تجريدا والمراد بالمنزل الكتاب والسنة أى من ارتكب هذه الهيئات فقد برىء من دين محمد عليه الصلاة والسلام (مرقاة، كتاب الطهارة، باب الحيض)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بعض ازواجِ مطہرات سے نقل فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ أَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَـهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَـهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (مسلم) [1]

ترجمہ: جو شخص عرّاف کے پاس آیا اور اس سے کوئی بات پوچھی، تو اس کی چالیس راتوں کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَتٰى عَرَّافًا لَمْ تُقْبَلْ لَـهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (المعجم الكبير) [2]

ترجمہ: جو شخص عرّاف کے پاس آیا تو اس کی چالیس راتوں کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں (ترجمہ ختم)

اسی قسم کا مضمون حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(من أتى عرافا أو كاهنا) وهو من يخبر عما يحدث أو عن شىء غائب أو عن طالع أحد بسعد أو نحس أو دولة أو محنة أو منحة (فصدقه بما يقول فقد كفر بما أنزل الله على محمد) من الكتاب والسنة وصرح بالعلم تجريدا وأفاد بقوله فصدقه أن الغرض إن سأله معتقدا صدقه فلو فعله استهزاء معتقدا كذبه فلا يلحقه الوعيد ، ثم إنه لا تعارض بين ذا الخبر وما قبله لأن المراد إن مصدق الكاهن إن اعتقد أنه يعلم الغيب كفر وإن اعتقد أن الجن تلقى إليه ما سمعته من الملائكة وأنه بإلهام فصدقه من هذه الجهة لا يكفر قال الراغب :العرافة مختصة بالأمور الماضية والكهانة بالحادثة وكان ذلك فى العرب كثيرا وآخر من روى عنه الأخبار العجيبة سطيح وسواد بن قارب (فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ۸۲۸۵)

[1] حديث نمبر ۵۹۵۷، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان.

[2] حديث نمبر ۲۸۷،المعجم الاوسط للطبرانى حديث نمبر ۱۴۰۲.

قال الهيثمى:

رواه الطبرانى فى الاوسط ورجاله ثقات (مجمع الزوائد ج۵ص۱۱۸ ،باب فيمن أتى كاهنا أو عرافا)

[3] عن صفية بنت أبى عبيد قالت سمعت عمر بن الخطاب يقول سمعت رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقول: مَنْ أَتَى عَرَّافًا لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً (المعجم الاوسط للطبرانى حديث نمبر ۲۷۱۹)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض حضرات نے فرمایا کہ چالیس راتوں تک نمازیں قبول نہ ہونے کی وعیداس صورت میں ہے جبکہ غیب کی خبرتو معلوم کی،لیکن اس کی تصدیق نہیں کی۔

ایک حدیث میں بھی اس قسم کا مضمون مروی ہے۔ [۱]

اوربعض نے فرمایا کہ نماز قبول نہ ہونے کی یہ وعیداس صورت میں ہے جبکہ جنات وغیرہ کے واسطے سے گزشتہ زمانے کی (نہ کہ آئندہ زمانے کی) کوئی خبرمعلوم کی جائے۔ [۲]

اس صورت میں اگرچہ نماز کا فریضہ ادا ہوجاتا ہے،لیکن چالیس راتوں تک کی نمازوں کا ثواب اورقبولیت ضائع ہوجاتی ہے،جوکہ بہت بڑا نقصان ہے۔ [۳]

ملحوظ رہے کہ بعض اسباب وآلات اورحسابات وتجربات کے ذریعہ سے جن چیزوں کی معلومات

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الهيثمی:

روواه الطبرانی فی الاوسط عن شيخه مصعب بن ابراهيم بن حمزة الدهری ولم أعرفه ، وبقية رجاله رجال الصحيح .(مجمع الزوائد ج۵ص۱۱۷،۱۱۸ ،باب فيمن أتى كاهنا أو عرافا)

[۱] قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من أتى كاهنا فصدقه بما يقول فقد برء مما أنزل على محمد صلى الله عليه و سلم ومن أتاه غير مصدق له لم يقبل له صلاة أربعين يوما (المعجم الاوسط للطبرانی حديث نمبر ۶۶۷۰عن انس)

قال الهيثمی:

رواه الطبرانی فی الاوسط وفيه رشدين بن سعد وهو ضعيف وفيه توثيق فی أحاديث الرقاق ، وبقية رجاله ثقات.(مجمع الزوائد ج۵ص۱۱۸ ،باب فيمن أتى كاهنا أو عرافا)

[۲] ثم إنه لا تعارض بين ذا الخبر وما قبله لأن المراد إن مصدق الكاهن إن اعتقد أنه يعلم الغيب كفر وإن اعتقد أن الجن تلقى إليه ما سمعته من الملائكة وأنه بإلهام فصدقه من هذه الجهة لا يكفر قال الراغب :العرافة مختصة بالأمور الماضية والكهانة بالحادثة وكان ذلك فی العرب كثيرا وآخر من روى عنه الأخبار العجيبة سطيح وسواد بن قارب (فيض القدير للمناوی، تحت حديث رقم ۸۲۸۵)

والوعيد جاء تارة بعدم قبول الصلاة وتارة بالتكفير فيحمل على حالين من الآتی أشار إلى ذلك القرطبی(فتح الباری،لابنِ حجر، كتاب الطب، باب الكهانة)

[۳] لم تقبل له صلاة اربعين ليلة ای لم يترتب عليها ثواب والافان الفرض يسقط عن الذمة فالقبول هنا بمعنى قبول الاجابة والاثابة لا بمعنى قبول الاصابة (تكمله فتح الملهم ج ۴ ص ۳۸۹)

حاصل کی جاتی ہیں، یا مستقبل کے متعلق پیشین گوئیاں کی جاتی ہیں، مثلاً مشینوں کے ذریعہ سے رحم کے اندر موجود بچے کی کیفیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے، یا آلات کے ذریعہ سے اور ہوا کے رخ وسمت کو دیکھ کر موسم وبارش کا اندازہ لگایا جاتا ہے، یا چاند اور سورج وغیرہ کی رفتار کا حساب لگا کر سورج وچاند گرہن وغیرہ کا اندازہ لگایا جاتا ہے،تو یہ علمِ غیب کے جاننے وماننے میں داخل نہیں۔

کیونکہ اولاً تو ان میں سے بہت سی چیزوں میں غلطی وخطا کا احتمال وامکان ہوتا ہے، دوسرے ان اسباب وآلات اور حسابات وتجربات کے ذریعہ سے معلومات کا درجہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ طبیب ومعالج مختلف علامات وآثار سے امراض اور بیماریوں کا اندازہ کیا کرتا ہے، اور ایک شخص خوردبین کے ذریعہ سے ان چیزوں کو دیکھ لیتا ہے، جن کو خوردبین کے بغیر نہیں دیکھا جاسکتا، ظاہر ہے کہ یہ چیزیں علمِ غیب میں داخل نہیں۔ [1]

---

[1] وأما علم النجومى بالحوادث الكونية حسبما يزعمه فليس من هذا القبيل لأن تلك الحوادث التى يخبر بها ليست من الغيب بالمعنى الذى ذكرناه إذ هى وإن كانت غائبة إلا أنها على زعمه مما نصب لها قرينة من الاوضاع الفلكية والنسب النجومية من الاقتران والتثليث والتسديس والمقابلة ونحو ذلك وعلمه بدلالة القرائن التى يزعمها ناشىء من التجربة وما تقتضيه طبائع النجوم والبروج التى دل عليها بزعمه اختلاف الآثار فى عالم الكون والفساد فلا أرى العلم بها إلا كعلم الطبيب الحاذق إذا رأى صفراويا مثلا علم رتبة مزاجه وحققها يأكل مقدارا معينا من العسل أن يعتريه بعد ساعة أو ساعتين كذا وكذأ من الألم وإطلاق علم الغيب على ذلك فيه ما فيه وإن أبيت إلا تسمية ذلك غيبا فالعلم به لكونه بواسطة الاسباب كعلمنا بالله تعالى وصفاته العلية وعلمنا بالجنة والنار ونحو ذلك على أنك إذا انصفت تعلم أن ما عند النجومى ونحوه ليس علما حقيقيا وإنما هو ظن وتخمين مبنى على ما هو أوهن من بيت العنكبوت كما سنحقق ذلك بما لامزيد عليه فى محله اللائق به إنشاء الله تعالى ، وأقوى ما عنده معرفة زمنى الكسوف والخسوف وأزمنة تحقق النسب المخصوصة بين الكواكب وهى ناشئة من معرفة مقادير الحركات للكواكب والافلاك الكلية والجزئية وهى أمور محسوسة تدرك بالارضاد والآلات المعمولة لذلك وبالجملة علم الغيب بلا واسطة لا أو بعضا مخصوص بالله جل وعلا لايعلمه أحد من الخلق أصلا ومتى اعتبر فيه نفى الواسطة بالكلية تعين أن يكون من مقتضيات الذات فلا يتحقق فيه تفاوت بين غيب وغيب فلا بأس بحمل أل فى الغيب على الجنس ومتى حملت على الاستغراق فاللائق أن لايعتبر فى الآية سلب العموم بل يعتبر عموم السلب ويلتزم أن القاعدة أغلبية وكذا يقال فى السلب والعموم فى جانب الفاعل فتأمل فهذأ ما عندى ولعل ما عندك خير منه والله تعالى أعلم (روح المعانى للألوسى،سورة الحج)

ستاروں کے اثرات اور علمِ نجوم کی حیثیت

رحمتِ کائنات ﷺ نے صفر کے ساتھ ساتھ جاہلیت کی چیزوں میں سے ایک اور چیز کی بھی نفی فرمائی ہے جس کو ''النوء'' (نکھتر) کہتے ہیں۔

یہ چاند کی ۲۸ منزلوں کا نام ہے جن میں سے ہر منزل کے مکمل ہونے پر صبح صادق کے وقت ایک ستارہ گرتا ہے اور دوسرا ستارہ اس کے مقابلہ میں اسی وقت مشرق میں طلوع ہو جاتا ہے۔ جاہلیت میں عربوں نے دنیا کے تمام طبعی کاروبار کو انہی ستاروں کے طلوع وغروب کی طرف منسوب کر رکھا تھا

(تاریخ ارض القرآن، ص ۴۰۲، للعلامۃ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ)

بعض اہلِ عرب بارش کو منزل کی جانب منسوب کرتے اور کہتے تھے کہ فلاں منزل کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی اور ستاروں ہی کو بارش کے سلسلہ میں مؤثرِ حقیقی مانتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ''لَا نَـوْءَ'' فرما کر اس کی بھی مکمل نفی فرما دی اور اہلِ عرب کے اس گمان کو باطل اور بے بنیاد قرار دیا، کیونکہ ایسا خیال اور ایسا نظریہ انسان کو شرک میں مبتلا کر دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَـا أَنْـزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ بَرَكَةٍ إِلَّا أَصْبَحَ فَرِيْقٌ مِّنَ النَّاسِ بِهَا كَافِرِيْنَ يُـنْـزِلُ الـلّٰـهُ الْغَيْثَ فَيَقُوْلُوْنَ الْكَوْكَبُ كَذَا وَكَذَا. وَفِي حَدِيْثِ الْمُرَادِيِّ بِكَوْكَبِ كَذَا وَكَذَا (مسلم) [1]

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ آسمان سے برکت والی بارش نازل فرماتے ہیں تو لوگوں میں ایک جماعت کفر میں مبتلا ہو جاتی ہے یعنی وہ یہ کہتی ہے کہ فلاں اور فلاں ستارے نے بارش کی، یا فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی (ترجمہ ختم)

اور حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى

---

[1] حديث نمبر ۲۴۲، كتاب الايمان، باب بيان كفر من قال مطرنا بالنوء .

إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلَةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَأَمَّا مَنْ قَالَ بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِي وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور آسمان پر رات کی بارش کے اثرات تھے، پس جب نبی ﷺ نماز پڑھ کر لوٹے، تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ آپ کے رب نے کیا فرمایا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ کے رب نے یہ فرمایا کہ میرے بندوں میں سے بعضوں نے ایمان کی حالت میں اور بعضوں نے کفر کی حالت میں صبح کی ہے۔ پس جس نے یہ کہا اور یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہم پر بارش نازل ہوئی ہے یہ تو میرے (یعنی اللہ کے) اوپر ایمان لانے والا اور ستاروں (کے مؤثر ہونے) کا انکار کرنے والا ہے اور جس نے یہ کہا یا یہ عقیدہ رکھا کہ ہمارے اوپر فلاں اور فلاں ستارے کی وجہ سے بارش نازل ہوئی تو وہ میرے (یعنی اللہ کے) ساتھ کفر کرنے والا اور ستاروں پر ایمان لانے والا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِّنَ النُّجُوْمِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ (ابوداؤد) [2]

---

[1] حديث نمبر ۸۰۱، كتاب الاذان، باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم، واللفظ لهٗ، مسلم حديث نمبر ۲۴۰.

[2] حديث نمبر ۳۹۰۷، كتاب الطب، باب في النجوم، واللفظ لهٗ، ابن ماجة، حديث نمبر ۳۷۱۶، مسند أحمد حديث نمبر ۲۸۴۰)

إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير الوليد بن عبد الله بن أبي مغيث، فقد روى له أبو داود وابن ماجه، وهو ثقة (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے علمِ نجوم سے کچھ حاصل کیا تو اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کیا اور جتنا زیادہ حاصل کیا اتنا ہی جادو میں ترقی کی (ترجمہ ختم)

اس قسم کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے کاروبار اور نظام میں ستاروں کو مؤثرِ حقیقی سمجھنا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور کفر ہے۔ [1]

لیکن اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ مؤثرِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہی ستاروں میں کچھ ایسی خاصیتیں رکھ دی ہیں جو دنیا میں دوسرے اسباب کی طرح ایک سبب کے درجہ میں انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں، جس طرح بارش برسانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اس کا ظاہری سبب بادل ہیں۔

اسی طرح تمام کامیابیوں اور ناکامیوں کا اصل سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی ہے لیکن یہ ستارے ان کامیابیوں اور ناکامیوں کا سبب بن جاتے ہیں تو یہ خیال اگرچہ خود شرک تو نہیں ہے۔

لیکن اوّل تو ان اثرات کی جستجو کرنے کے لئے علم نجوم کا حاصل کرنا، اس علم پر اعتماد کرنا اور اس کی

---

[1] وکافر أی بی کما فی نسخة یعنی وبعضهم کافر بی أو التقدیر بعضهم مؤمن بی وکافر بغیری وبعضهم کافر بی ومؤمن بغیری وترک اکتفاء بتفصیل المجمل وهو قوله فأما من قال مطرنا بفضل الله ورحمته فذلک مؤمن بی کافر بالکوکب وأما من قال مطرنا بنوء کذا وکذا أی بسقوط نجم وطلوع نظیره علی ما سبق فذلک کافر بی مؤمن بالکوکب قال الطیبی هذا تفصیل للمجمل وهو قوله مؤمن بی وکافر ولا بد من تقدیر فیه لیطابقه المفصل فالتقدیر مؤمن بی وکافر بالکوکب وکافر بی ومؤمن بالکوکب فهو من باب الجمع مع التقسیم وفی الکشاف قیل نزل قوله تعالی وتجعلون رزقکم أنکم تکذبون الواقعة أی وتجعلون شکر ما رزقکم الله من الغیث أنکم تکذبون کونه من الله حیث تنسبونه إلی النجوم قال النووی واختلفوا فی کفر من قال مطرنا بنوء کذا علی قولین أحدهما هو کفر بالله سبحانه سالب لأصل الإیمان وفیه وجهان أحدهما أنه من قاله معتقدا بأن الکوکب فاعل مدبر منشیء للمطر کزعم أهل الجاهلیة فلا شک فی کفره وهو قول الشافعی والجماهیر وثانیهما أنه من قال معتقدا بأنه من الله تعالی بفضله وأن النوء علامة له ومظنة بنزول الغیث فهذا لا یکفر لأنه بقوله هذا کأنه قال مطرنا وقت کذا والأظهر أنه مکروه کراهة تنزیه لأنه کلمة موهمة مترددة بین الکفر والإیمان فیساء الظن بصاحبها ولأنها شعار أهل الجاهلیة والقول الثانی کفران لنعمة الله تعالی لاقتصاره علی إضافة الغیث إلی الکوکب ویؤید هذا التأویل الروایة الأخری أصبح من الناس کاشرا أو کافرا وفی أخری ما أنعمت علی عبادی من نعمة إلا أصبح فریق بها کافرین (مرقاة المفاتیح، کتاب الطب والرقی، باب الکهانة)

بناء پر مستقبل کے بارے میں فیصلے کرنا بہرحال ممنوع اور ناجائز ہے اور احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

کیونکہ یہ چیز انسان کو آہستہ آہستہ ستاروں کے مؤثرِ حقیقی ہونے کے مشرکانہ عقیدے کی طرف لے جاتی ہے۔

دوسرے اگر اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں کچھ خواص واثرات رکھے بھی ہوں تو ان کے یقینی علم کا ہمارے پاس سوائے وحی کے کوئی راستہ نہیں اور ہم تک وحی کے ذریعہ سے اس علم کی تفصیلات نہیں پہنچیں۔ اور علمِ نجوم کے ماہرین کے پاس جو کچھ ہے وہ محض قیاسات، اندازے اور تخمینے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ نجومیوں کی بے شمار پیشینگوئیاں آئے دن غلط ثابت ہوتی رہتی ہیں۔

اور اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، اسی لئے کسی نے خوب کہا ہے:

''مُفِیْدُہٗ غَیْرُ مَعْلُوْمٍ وَمَعْلُوْمُہٗ غَیْرُ مُفِیْدٍ''

یعنی اس علم کا جتنا حصہ فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے وہ کسی کو معلوم نہیں اور جتنا معلوم ہے وہ فائدہ مند نہیں۔

چنانچہ جن بڑے بڑے لوگوں نے اس علم کے حاصل کرنے میں اپنی عمریں کھپائی ہیں وہ آخر میں یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ اس علم کا انجام قیاس وتخمین اور اندازے واٹکل سے آگے کچھ نہیں۔

بہرحال یہ بات طے شدہ ہے کہ علم نجوم کوئی یقینی علم نہیں ہے اور اس میں غلطیوں کے بے حساب احتمالات ہوتے ہیں۔

لیکن ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ اس علم کی تحصیل میں لگتے ہیں وہ اسے بالکل قطعی اور یقینی علم کا درجہ دے بیٹھتے ہیں، اسی کی بنیاد پر مستقبل کے فیصلے کرتے ہیں، اسی کی وجہ سے دوسروں کے بارے میں اچھی بری رائے قائم کر لیتے ہیں اور سب سے بڑھ کر اس علم کا جھوٹا غرور بعض اوقات انسان کو علم غیب کے دعووں تک پہنچا دیتا ہے، اور اس قسم کی پیشینگوئیوں سے لوگ خواہ مخواہ مختلف پریشانیوں اور وسوسوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔

تیسرے بات یہ ہے کہ ایک بے فائدہ چیز کے پیچھے پڑنا اسلامی شریعت کی روح اور مزاج کے بالکل

خلاف ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر چیز بے شمار خرابیوں کا باعث ہے، اسی وجہ سے علمِ نجوم کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

بارش کا برسانا یا نہ برسانا، غمی، خوشی کے حالات بھیجنا محض حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت میں ہے، لہٰذا ایسی فضول چیزوں میں پڑنے اور اپنے ایمان کو خراب کرنے کے بجائے اللہ رب العزت سے اپنا تعلق قائم اور مضبوط کرنا چاہئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ستاروں کو مؤثر حقیقی سمجھنا تو شرک ہے اور مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کو سمجھتے ہوئے نجومیوں کی باتوں پر یقین کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے بلکہ بعض اوقات شرک تک پہنچانے کا ذریعہ ہے (معارف القرآن ج ۷ بتغیر) [۱]

ملحوظ رہے کہ سورج، چاند اور دوسرے ستاروں کے متعلق اتنا علم حاصل کرنا کہ جس سے نماز روزے

---

[۱] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ مسلمان کو علمِ نجوم پڑھنا کیسا ہے؟ اور اس کی کمائی کیسی ہے، اور بعض لوگوں کا مقولہ ہے کہ یہ علم حق تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو تعلیم کیا تھا، اس کی حقیقت کیا ہے؟

حضرت رحمہ اللہ نے اس کا جواب تحریر فرمایا:

چونکہ اس پر مفاسدِ اعتقادیہ وعملیہ مرتب ہوتے ہیں (یعنی علمِ نجوم سے اعتقادی اور عملی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں) لہٰذا حرام ہے اور بعض اوقات مفضی بکفر (یعنی کفر تک پہنچانے والا) ہے اور ایسی کمائی بھی حرام ہے،

اس مقولہ کا جواب یہ ہے کہ:

اولاً یہ روایت ثابت نہیں۔

دوسرے وہ خاص قواعد سندِ صحیح سے منقول نہیں جس سے یہ کہا جاوے کہ یہ وہی علم ہے۔

تیسرے عام طور پر خود اہلِ فن اور دوسرے رجوع کرنے والے بھی کواکب (ستاروں) کو متصرف وفاعلِ مستقل سمجھتے ہیں جو مثل عقیدۂ علمِ غیب کے خود یہ عقیدہ استقلالِ فعل وتصرف کا شرکِ جلی اور منافیٔ توحید ہے۔

چوتھے جو علم بلا اسبابِ علم ہو وہ علمِ غیب ہے اور جو چیز اسبابِ علم سے نہ ہو اس کا سبب سمجھنا باطل ہے اور کواکب کا اسبابِ علم سے ہونا ثابت نہیں پس یہ اسبابِ علم نہ ہوئے تو ان کو اسباب سمجھنا باطل ہوا۔

پس ان کے ذریعہ سے جس علم کے حاصل ہونے کا دعویٰ کیا جاوے گا وہ علم بلا اسباب ہوگا اور یہی علمِ غیب ہے، پس اہلِ نجوم اس اعتبار سے مدعیِ علمِ غیب ہوئے اور ان کا مصدِّق معتقدِ علمِ غیب کا ہوا۔

پانچویں جس طرح عقیدۂ باطلہ معصیت ہے، اسی طرح عملِ غیر مشروع بھی معصیت ہے اور نجومی اس سے خالی ہے نہیں (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۹۸)

کے اوقات اور سمتِ قبلہ اور سفر وغیرہ میں سمت متعین کرنے میں مدد حاصل ہو، یہ گناہ نہیں، بلکہ احادیث وروایات سے اس کی اجازت ملتی ہے۔ [1]

اور قرآن مجید کی بعض آیات سے بھی اتنا علم حاصل کرنے کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] عن عبد الله بن أبی سلمة ، عن أبيه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : تعلموا من النجوم ما تهتدون به فی البر والبحر (مساو ئ الأخلاق للخرائطی حديث نمبر ۷۵۰)

عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ :قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ " :تَعَلَّمُوا مِنْ أنسابكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ ثُمَّ انْتَهُوا -وَتَعَلَّمُوا مِنَ الْعَرَبِيَّةِ مَا تُعْرِبُونَ بِهِ كِتَابَ اللهِ ثُمَّ انْتَهُوا -وَتَعَلَّمُوا مِنَ النُّجُومِ مَا تَهْتَدُونَ بِهِ فِي ظُلُمَاتِ الْبِرِّ وَالْبَحْرِ ثُمَّ انْتَهُوا(شعب الإيمان،حديث نمبر ۱۵۹۴ ،فَصْلٌ فِي فَضْلِ الْعِلْمِ وَشَرَفِ مِقْدَارِهِ)

عَنْ أَبِي نَضْرَةَ ، قَالَ :قَالَ عُمَرُ :تَعَلَّمُوا مِنْ هَذِهِ النُّجُومِ مَا تَهْتَدُونَ بِهِ فِي ظُلْمَةِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ، ثُمَّ أَمْسِكُوا(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۲۶۱۶۲)

حدثنا أبو عون ، أن عمر ، قال : تعلموا من الأنساب ما تعلمون به ما أحل الله لكم مما حرم عليكم ، وتعلموا من النجوم ما تعرفون به القبلة والطريق ، ثم أمسكوا (الزهد للمعافی بن عمران الموصلی،حديث نمبر ۱۴۴)

عن عمارة بن القعقاع قال :قال عمر : تعلموا من النجوم ما تهتدون بها ، وتعلموا من الأنساب ما تواصلون بها (الزهد لهناد بن السری،حديث نمبر ۹۹۱)

عن ابن عمر ، أن عمر قال : تعلموا من النجوم ما تهتدوا به فی ظلمات البر والبحر ، ثم انتهوا ، وتعلموا من الأنساب قدر ما تصلوا به أرحامكم ، ثم انتهوا ، وتعلموا الذی يحل من النساء وما يحرم عليكم ثم انتهوا (مسند عمر بن الخطاب لابن النجاد،حديث نمبر ۳۲)

[2] قال الإمام :والمنهی من علم النجوم ما يدعيه أهلها من معرفةالحوادث التی لم تقع فی مستقبل الزمان ، مثل إخبارهم بوقت هبوب الرياح ، ومجیء المطر ، ووقوع الثلج ، وظهور الحر والبرد ، وتغير الأسعار ونحوها ، يزعمون أنهم يستدركون معرفتها بسير الكواكب ، واجتماعها وافتراقها ، وهذا علم استأثر الله عز وجل به لا يعلمه أحد غيره ، كما قال الله سبحانه وتعالى :(إن الله عنده علم الساعة (لقمان ۳۴)فأما ما يدرک من طريق المشاهدة من علم النجوم الذی يعرف به الزوال ،وجهة القبلة ، فإنه غير داخل فيما نهی عنه .قال الله سبحانه وتعالى :) وهو الذی جعل لكم النجوم لتهتدوا بها فی ظلمات البر والبحر)(الأنعام ۹۷) وقال جل ذكره :) وعلامات وبالنجم هم يهتدون)(النحل ۱۶) فأخبر الله سبحانه وتعالى أن النجوم طرق لمعرفة الأوقات والمسالک ، ولولاها لم يهتد النائی عن الكعبة إلی استقبالها ،روی عن عمر رضی الله عنه أنه قال : "تعلموا من النجوم ما تعرفونبه القبلة والطريق ، ثم أمسكوا(شرح السنة ۔ للإمام البغوی،باب الكهانة)

اور متعدد فقہائے کرام نے بھی اس کے جائز ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔ [1]

ھامّہ کی حقیقت

احادیث میں صفر کے ساتھ ساتھ ھامّہ کی بھی آنحضرت ﷺ نے نفی فرمائی ہے، اس کی حقیقت سے بھی باخبر ہونا چاہئے۔

ھامّہ کے لفظی معنیٰ ''سر'' اور ''پرندہ'' کے آتے ہیں۔ احادیث میں پرندہ والے معنیٰ مراد ہیں، کیونکہ جاہلیت کے زمانہ میں عرب کے لوگ ھامہ یعنی پرندے سے بدشگونی اور نحوست مراد لیتے تھے اور اس کے متعلق ان میں طرح طرح کی باتیں پھیلی ہوئی تھیں مثلاً:

(۱)......ان کا خیال تھا کہ مقتول کے سر سے ایک پرندہ نکلتا ہے جس کا نام ھامہ ہے وہ ہمیشہ فریاد کرتا رہتا ہے کہ مجھے پانی پلاؤ، مجھے پانی پلاؤ اور جب مقتول کا بدلہ قاتل سے لے لیا جاتا ہے تو پھر یہ پرندہ بہت دور اُڑ جاتا ہے۔

(۲)......بعض کا خیال تھا کہ مردہ کی ہڈیاں جب بوسیدہ اور ختم ہوجاتی ہیں تو وہ ھامہ

---

[1] وتعلم علم النجوم لمعرفة القبلة وأوقات الصلاة لا بأس به......وعلم يجب الاجتناب عنه وهو السحر وعلم الحكمة والطلسمات وعلم النجوم إلا على قدر ما يحتاج إليه فى معرفة الأوقات وطلوع الفجر والتوجه إلى القبلة والهداية فى الطريق(الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثلاثون فى المتفرقات،ملخصاً)

قوله (وجهتها الخ) قالوا جهتها تعرف بالدليل فالدليل فى الأمصار والقرى المحاريب التى نصبها الصحابة والتابعون فعلينا إتباعهم فى إستقبال المحاريب المنوصبة وإن لم تكن فالسؤال من الأهل أى أهل ذلك الموضع ولو واحدا فاسقا إن صدقه كما فى القهستانى وأما فى البحار والمفاوز فدليل القبلة النجوم وقد روى عن عمر رضى الله عنه أنه قال تعلموا من النجوم ما تهتدوا به إلى القبلة اه وذلك كالقطب وهو نجم صغير فى بنات نعش الصغرى بين الفرقدين والجدى إذا جعله الواقف خلف أذنه اليمنى كان مستقبل القبلة إذا كان بناحية الكوفة وبغداد وهمذان وقزوين وطبرستان وجرجان وما والاها إلى نهر الشام ويجعله من بمصر على عاتقه الأيسر ومن بالعراق على عاتقه الأيمن فيكون مستقبلا باب الكعبة ومن باليمن قبالة المستقبل مما يلى جانبه الأيسر ومن بالشام وراءه (حاشية الطحطاوى على المراقى، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة)

وكذا لو كان فى المفازة والسماء مصحية وله علم بالاستدلال بالنجوم على القبلة لا يجوز له التحرى لأن ذلك فوق التحرى (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل واما شرائط الاركان)

(خاص پرندہ) بن کر قبر سے نکل جاتی ہیں اور اِدھر اُدھر گھومتی رہتی ہیں اور اپنے گھر والوں کے پاس آ کر چیختی چِلّاتی ہیں۔

آج کل عوام اسے مردے کی روح یا اس کا ہمزاد کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ مرنے والے کے اہل وعیال سے صدقہ خیرات مانگتی ہے یا اپنے گھر والوں کو اپنے بارے میں بتلاتی ہے۔ حالانکہ اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ اس طرح مردوں کی روحیں دنیا میں لوٹ کر نہیں آتیں۔

(۳)......بعض کا یہ اعتقاد تھا کہ ھامہ وہ اُلّو یا رات میں نکلنے والا پرندہ ہے جو کسی کے گھر پر بیٹھ کر آوازیں لگاتا ہے اور انہیں ہلاکت وبربادی اور موت کی خبریں دیتا ہے۔ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ جب یہ لوگ اس پرندے کی آواز سنتے تھے تو اس سے بدشگونی لیا کرتے تھے، اگر وہ پرندہ کسی کے گھر پر بیٹھ جائے تو اس مکان کے رہنے والے خوف زدہ ہوجاتے اور یہ سمجھنے لگتے تھے کہ ان میں سے کوئی آدمی مرجائے گا یا گھر تباہ وبرباد ہوجائے گا، اسی طرح وہ کوّے کو جُدائی یا بربادی کا پیغام رساں سمجھتے تھے۔

حالانکہ بعض پرندے غیر آباد مکانوں میں انڈے بچّے دینے کے لئے رہتے ہیں تا کہ لوگوں سے دُور ہونے کی وجہ سے ان کے انڈے بچّے انسانوں کی دسترس سے محفوظ رہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے عقائد ونظریات کو باطل قرار دیا اور ایسا اعتقاد رکھنے سے منع فرمایا اور واضح فرمایا کہ ھامہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ [۱]

---

[۱] قولہ ولا هامة الهامة الرأس واسم طائر وهو المراد فى الحديث وذلک أنهم كانوا يتشاء مون بها وهى من طير الليل وقيل هى البومة وقيل كانت العرب تزعم أن روح القتيل الذى لا يدرک بثأره يصير هامة فيقول اسقونى اسقونى فإذا أدرک بثأره طارت وقيل كانوا يزعمون أن عظام الميت وقيل روحه تصير هامة فتطير ويسمونه الصدى فنفاه الإسلام ونهاهم عنه وذكره الهروى فى الهاء والواو وذكره الجوهرى فى الهاء والياء (عمدة القارى، كتاب الطب ،باب الجذام)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

غُولِ بیابانی

حضور ﷺ نے صفر کی تردید کرتے ہوئے غُولِ بیابانی کی تردید بھی فرمائی ہے۔

غُولِ بیابانی کیا چیز ہے؟

غول کے معنیٰ ہلاکت وچالاک وعیار کے آتے ہیں، عوام میں اس سے مراد ایسا حیوان ہے جس کا سِرے سے وجود ہی نہیں ہے۔

اور بیابان سے مراد جنگل اور غیر آباد جگہ ہے۔

اس کے متعلق زمانۂ جاہلیت کے عربوں نے مختلف خیالات قائم کر رکھے تھے۔

(۱)......جاہلیت کے عربوں کا خیال تھا کہ وہ جنات اور شیاطین کی ایک خاص قسم ہے۔

(۲)......بعض کا خیال یہ تھا کہ غولِ بیابانی وہ جادوگر جنات ہیں جو لوگوں کو فتنہ وفساد میں مبتلا کرتے ہیں اور ان کو راستے سے بھٹکا دیتے ہیں۔

(۳)......بعض کا یہ خیال تھا کہ غولِ بیابانی ایک جانور ہے جو جنگل میں لوگوں کے سامنے مختلف شکلوں میں آتا ہے اور راستے سے بھٹکا دیتا ہے اور انہیں ہلاک کر دیتا ہے۔

حضور ﷺ نے ’’لَا غُوْلَ‘‘ فرما کر عربوں کے ان تمام باطل خیالات اور تصورات کی نفی فرما دی،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولا هامة بتخفيف الميم فى الأصول المعتمدة والنسخ المصححة وهى اسم طير يتشاء م به الناس وهى الصدى وهو طير كبير يضعف بصره بالنهار ويطير بالليل ويصوت ويسكن الخراب ويقال له يوم وقيل كوف وكانت العرب تزعم أن عظام الميت إذا بليت وعدمت تصير هامة وتخرج من القبر وتتردد وتأتى بأخبار أهله وقيل كانت تزعم أن روح القتيل الذى لا يدرك بثأره تصير هامة فتقول اسقونى اسقونى فإذا أدرك بثأره وطارت فأبطل هذا الاعتقاد قال أبو داود فى سننه قال بقية سألت محمد بن راشد عن قوله لا هامة فقال كان أهل الجاهلية يقولون ليس أحد يموت فيدفن إلا خرج من قبره هامة وقال النووى هى بتخفيف الميم على المشهور وقيل بتشديدها وفيها تأويلان أحدهما أن العرب كانت تتشاء م بها وهى من طير الليل وقيل هى البومة قالوا كانت إذا سقطت على دار أحدهم يراها ناعية له نفسه أو بعض أهله وهو تفسير مالك بن أنس وثانيهما كانت العرب تزعم أن عظام الميت وقيل روحه تنقلب هامة تطير وهذا تفسير أكثر العلماء وهو المشهور ويجوز أن يكون المراد النوعين معا فإنهما باطلان(مرقاة، كتاب الطب والرقى، باب الفال والطيرة)

اورانہیں بے حقیقت قرار دیا اور انہیں توہم پرستی سے تعبیر کیا اور واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہ یہ کسی کو گمراہ کر سکتے ہیں نہ تکلیف پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہلاک کر سکتے ہیں، ہاں جب باری تعالیٰ کا حکم ہو تو ان سے تکلیف پہنچ سکتی ہے۔

حضور ﷺ نے غولِ بیابانی (یعنی جنگل میں جنات وشیاطین) کے وجود کی نفی نہیں فرمائی ہے بلکہ دوسری احادیث میں ان کے شر سے بچنے کے لئے حق تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی ترغیب دی ہے اوران کے شر سے بچنے کی یہ تدبیر بھی منقول ہے کہ جب جنات وشیاطین پریشان کریں تو فوراً اذان دینا شروع کردو تاکہ وہ بھاگ جائیں اوراس طرح ان کے شر کو اپنے آپ سے دور کرو۔

البتہ ان کے متعلق مختلف منگھڑت خیالات قائم کرنے اوران کے بغیر حکمِ الٰہی کے نقصان پہنچانے کی نفی فرمادی گئی ہے۔ [۱]

---

[۱] ولا غول بالضم قال شارح الغول بالفتح المصدر ومعناه البعد والإهلاك وبضم الغين الاسم منه وهو من السعالى وفى النهاية إن الغول أحد الغيلان وهى جنس من الجن والشياطين كانت العرب تزعم أن الغول فى الفلاة تتراء ى للناس أى فتتغول تغولا أى تتلون فى صور شتى وتغولهم أى تضلهم عن الطريق وتهلكهم فنفاه النبى وقيل قوله لا غول ليس نفيا لعين الغول ووجوده وإنما فيه إبطال زعم العرب فى تلونه بالصور المختلفة واغتياله فيكون المعنى بقوله لا غول إنها لا تستطيع أن تضل أحدا ويشهد له الحديث الآخر لا غول ولكن السعالى والسعالى سحرة الجن أى ولكن فى الجنة سحرة لهم تلبيس وتخييل ومنه الحديث إذا تغولت الغيلان فبادروا بالأذان أى ادفعوا شرها بذكر الله تعالى وهذا يدل على ثبوتها لا عدمها ومنه حديث أبى أيوب كان لى ثمرة فى سهوة فكانت الغول تجىء فتأخذه وفى شرح التوربشتى قال الطحاوى يحتمل أن الغول قد كان ثم رفعه الله تعالى عن عباده وعن بعضهم هذا ليس ببعيد لأنه يحتمل أنه من خصائص بعثة نبينا ونظيره منع الشياطين من استراق السمع بالشهاب الثاقب قلت ثبت العرش ثم انقش فإن الأمر لا يثبت بالقياس ولا بالاحتمال والله أعلم بالحال قال الطيبى إن لا التى لنفى الجنس دخلت على المذكورات ونفث ذواتها وهى غيره منفية فتوجه النفى إلى أوصافها وأحوالها التى هى مخالفة للشرع فإن العدوى وصفر والهامة والنوء موجودة والمنفى هو ما زعمت الجاهلية إثباتها فإن نفى الذات لإرادة نفى الصفات أبلغ لأنه من باب الكناية وقريب منه قوله تعالى فلا تموتن إلا وأنتم مسلمون البقرة فنهاهم عن الموت وهو ليس بمقدورهم فالمنهى هو حالة إذا أدركهم الموت لم يجدهم عليه وهى أن يكونوا على غير ملة الإسلام فالوجه ما ذهب إليه صاحب النهاية من الوجه الثانى واختاره الشيخ التوربشتى (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى،باب الفأل والطيرة)

ایک کی بیماری دوسرے کو لگنا

جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ بیمار کے پاس بیٹھنے اُٹھنے یا اس کے ساتھ کھانے پینے اور تعلق رکھنے سے اس کی بیماری دوسرے صحت منداور تندرست آدمی کو لگ جاتی ہے۔ یہ لوگ ایسی بیماری کو''عدویٰ'' (یعنی چھوت کی بیماری اور متعدی مرض) کہتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ یہ بیماری ہرحال میں دوسرے کو لگتی ہے اور بذاتِ خود متعدی ہونے اور دوسرے کو لگنے کی تاثیر رکھتی ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے اس عقیدے اور نظریے کو باطل قرار دیا اور فرمایا''لا عدویٰ'' کہ بذاتِ خود ایک شخص کی بیماری بڑھ کر کسی دوسرے کو نہیں لگتی بلکہ بیمار کرنا، نہ کرنا قادرِ مطلق کے اختیار میں ہے وہ جس کو چاہے بیمار کرے اور جس کو چاہے بیماری سے محفوظ رکھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں اس کی مزید وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا عَدْوٰى وَلَا صَفَرَ وَلَا هَامَةَ فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا بَالُ إِبِلِيْ تَكُوْنُ فِي الرَّمْلِ كَأَنَّهَا الظِّبَاءُ فَيَأْتِي الْبَعِيْرُ الْأَجْرَبُ فَيَدْخُلُ بَيْنَهَا فَيُجْرِبُهَا فَقَالَ فَمَنْ أَعْدَى الْأَوَّلَ

(بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (اسلام میں نہ امراض کا) تعدیہ ہے، نہ ھامہ اور نہ صفر (کے مہینے کی نحوست) ہے (اس پر) ایک دیہاتی نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اونٹوں کی ایک جماعت کا کیا معاملہ ہے کہ جو ریت میں اس حال میں ہوتے ہیں کہ گویا کہ وہ ہرن ہیں (یعنی ہرن کی طرح بیماری سے صاف ستھرے ہیں) پھر ان کے ساتھ کوئی خارش زدہ اونٹ آملتا ہے جو اِن سب کو خارش زدہ کردیتا ہے۔تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (اچھا یہ بتاؤ) پہلے اونٹ کو کس کے ذریعے سے خارش لگی؟ (یہ سن کروہ دیہاتی لاجواب ہوگیا) (ترجمہ ختم)

---

[1] حدیث نمبر ۵۲۷۸، کتاب الطب، باب لا صفر وهو داء يأخذ البطن؛ مسلم، حدیث نمبر ۵۹۱۹.

تشریح: دراصل جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کا اعتقاد یہ تھا کہ متعدی مرض اور چھوت کی بیماری ہر حال میں دوسرے کو لگتی ہے اور اس میں اللہ کی قدرت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یعنی وہ بذاتِ خود بیماری کے دوسرے کی طرف متعدی ہونے کو مؤثر بالذات سمجھتے تھے۔ اور بعض بیماریوں میں طبعی طور پر لازمی خاصیت کے قائل تھے۔ آپ ﷺ نے اس باطل عقیدے کی اصلاح فرمائی۔ [1]

---

[1] (فمن أعدى الأول) قاله لمن استشهد على العدوى بإعداء البعير الأجرب للإبل وهو من الأجوبة المسكتة البرهانية التي لا يمكن دفعها إذ لو جلبت الأدواء بعضها لزم فقد الداء الأول لفقد الجالب فقطع التسلسل وأحال على حقيقة التوحيد الكامل الذى لا معدل له فهو جواب فى غاية الرشاقة والبلاغة قال ابن العربى :وهذا أصل عظيم فى تكذيب القدرية وأصل حدث العالم ووجوب دخول الأولية له ودليل على صحة القياس فى الأصول وأما خبر لا يورد ممرض على المصح فهو نهى عن إدخال التوهم المحظور على العامة باعتقاد وقوع العدوى عليهم بدخول البعير الأجرب فيهم قال القرطبى :هذه الشبهة وقعت للطبائعيين ثم للمعتزلة فقال الطبائعيون بتأثير الأشياء بعضها فى بعض وإيجادها إياها ويسمون المؤثر طبيعة وقال المعتزلة به فى أفعال العباد وقالوا قدرتهم مؤثرة فيها الإيجاد مستقلون بها واستدل كل بالمشاهدة الحسية وهو غلط سببه التباس إدراك العقد وفيه جواز مشافهة من وقعت له شبهة فى اعتقاده بذكر البرهان العقلى إن كان السائل أهلا لفهمه وإلا خوطب بما يحتمله عقله (فيض القدير، حديث نمبر ۵۹۰۰)

قوله صلى الله عليه وسلم من رواية أبى هريرة :(لا عدوى ، ولا صفر ولا هامة فقال أعرابى :يا رسول الله فما بال الإبل تكون فى الرمل كأنها الظباء ، فيجىء البعير الأجرب ، فيدخل فيها ، فيجربها كلها ؟ قال :(فمن أعدى الأول) وفى رواية :(لا عدوى ، ولا طيرة ، ولا صفر ، ولا هامة) وفى رواية (أن أبا هريرة كان يحدث بحديث (لا عدوى) ويحدث عن النبى صلى الله عليه وسلم أيضا أنه قال :(لا يورد ممرض على مصح) ثم إن أبا هريرة اقتصر على رواية حديث (لا يورد ممرض على مصح) وأمسك عن حديث (لا عدوى) فراجعوه فيه ، وقالوا له :إنا سمعناک تحدثه ، فأبى أن يعترف به .قال أبو سلمة الراوى عن أبى هريرة :فلا أدرى أنسى أبو هريرة أو نسخ أحد القولين الآخر ؟) قال جمهور العلماء :يجب الجمع بين هذين الحديثين ، وهما صحيحان .قالوا :وطريق الجمع أن حديث (لا عدوى) المراد به نفى ما كانت الجاهلية تزعمه وتعتقده أن المرض والعاهة تعدى بطبعها لا بفعل الله تعالى .وأما حديث (لا يورد ممرض على مصح) فأرشد فيه إلى مجانبة ما يحصل الضرر عنده فى العادة بفعل الله تعالى وقدره .فنفى فى الحديث الأول العدوى بطبعها ، ولم ينف حصول الضرر عند ذلک بقدر الله تعالى وفعله ، وأرشد فى الثانى إلى الاحتراز مما يحصل عنده الضرر بفعل الله وإرادته وقدره .فهذا الذى ذكرناه من تصحيح الحديثين والجمع بينهما هو الصواب الذى عليه جمهور العلماء ، ويتعين المصير إليه(شرح النووى علىٰ مسلم ،كتاب السلام ،باب لاعدوى ولا طيرة ولا هامة ولاصفرالخ)

(لا عدوى) أى لا سراية لعلة من صاحبها لغيره يعنى أن ما يعتقده الطبائعيون من أن العلل المعدية

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آج بھی بعض لوگ مختلف بیماریوں مثلاً کوڑھ، خارش، چیچک، خسرہ، گندہ ذہنی (پائیوریا) آشوبِ چشم وغیرہ کو اسی طرح (خود بخود بغیر حکمِ الٰہی کے لازمی طور پر) متعدی سمجھتے ہیں، جو کہ غلط اور باطل عقیدہ ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ موت وزندگی، بیماری اور صحت مندی، مصیبت وراحت سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اگر ایک بیماری دس آدمیوں کو ہوتی ہے تو وہ اللہ کے حکم سے ہوتی ہے، بیماری میں ہرگز یہ طاقت نہیں کہ وہ بغیر حکمِ الٰہی کے کسی دوسرے کے لگ جائے اور تجربہ ومشاہدہ بتلاتا ہے کہ وبائی امراض میں سب ہی مبتلا نہیں ہوتے بہت سے لوگ وبائی بیماروں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی ان بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بیماری خود سے کسی کو نہیں لگتی بلکہ جس وقت اور جب جس کو حق تعالیٰ شانہٗ چاہتے ہیں بیمار کرتے ہیں اور جس کو نہیں چاہتے اس کو بیمار نہیں کرتے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مؤثرة لا محالة باطل بل هو متعلق بالمشيئة الربانية والنهى عن مداناة المجذوم من قبيل اتقاء الجدار المائل والسفينة المعيبة (فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ۹۹۰۷)

قوله لا عدوى هو اسم من الإعداء كالرعوى والبقوى من الإرعاء والإبقاء يقال أعداه الداء يعديه إعداء وهو أن يصيبه مثل ما يصاحب الداء وكانوا يظنون أن المرض بنفسه يعدى فأعلمهم النبى أن الأمر ليس كذلک وإنما الله عز وجل هو الذى يمرض وينزل الداء ولهذا قال فمن أعدى الأول أى من أين صار فيه الجرب (عمدة القارى، كتاب الطب ،باب الجذام)

[1] فاعلم أنهم اختلفوا فى شرح الحديث، فقيل :إن نفى العدوى محمول على الطبع، أى لا عدوى بالطبع، أما بجعل الله تعالى فهو ثابت .وذكروا له شروحا أخر أيضا، والأصوب ما ذكره ابن القيم فى زاد المعاد :أن العدوى المنفى، هو اتباع الأوهام فقط، بدون تسبيب فى البين، كما يزعمه هنود أهل الهند .وترجمته على حسب مراده، اركر بيمارى لک جانا فلا عدوى عند الشرع (فيض البارى، كتاب الطب ،باب اللدود)

هذادليل قاطع لعقيدة العدوى وذلک ان اهل الجاهلية كانوا يعتقدون العدوى علة تامة المجرب وان العلة التامة لاتتخلف عن المعلول ولاالمعلول من العلة وظاهر ان البعير الاول لم يجرب بالعدوى فتبين انه لاملازمة بين العدوى والجرب فانتقى كون احدهما علة للاخر ولاسبيل فى البعير الاول الا القول بان الذى اجربه هوالله سبحانه وتعالىٰ فكذالک الابل الباقية لايجربها الاباللہ وان هذاالدليل الذى نطق به رسول الله من اقوى مايؤيد ما ذكرنا فى تحقيق العدوى ان المقصود من نفيه نفى كونه علة تامة ومؤثرا بذاته لانفى كونه سببامن الاسباب لان السبب ربما يتخلف عنه المسبب وكذالک المسبب ربما يتخلف عن احدالاسباب ويقع باسباب اخرى فلاينطبق هذا الدليل على المدعى الا اذا كان المقصود نفى كونه علة تامة والله اعلم (تكمله فتح الملهم ج ۴ ص ۳۷۳)

البتہ اللہ تعالیٰ نے بعض بیماریوں کے ایسے جراثیم پیدا فرمائے ہیں کہ وہ جس کو پہنچتے ہیں، تو اس میں وہ بیماری پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ متعدی امراض کہلاتے ہیں۔

ان سے احتیاط کرنے اور بچنے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ یہ عقیدہ ہو کہ یہ جراثیم خود سے دوسرے کی طرف متعدی و منتقل نہیں ہوتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے متعدی و منتقل ہوتے ہیں، اور وہ جراثیم خود بیماری پیدا کرنے والے نہیں ہیں (یعنی بیماری کے مسبِّب نہیں ہیں) البتہ بحکمِ الٰہی بیماری کا سبب ہیں۔

اور بعض احادیث میں اسی نقطۂ نظر سے بعض بیماروں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیماری کا تعدیہ، اور ھامّہ اور صفر کوئی چیز نہیں ہیں، اور آپ مجذوم (یعنی کوڑھ کے مریض Leprous) سے اس طرح بھاگو، جس طرح شیر سے بھاگتے ہو (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اِتَّقُوْا الْمَجْذُوْمَ كَمَا يُتَّقَى الْأَسَدَ (الكامل لابنِ عدى، عن أبى هريرة، ج٦ ص ٣٥٦، واللفظ لهٗ، تاريخِ بغداد عن ابى هريرة ج ٢ ص ٣٠٧، تحت ترجمة محمد بن عبد الرحمن بن أبى الزناد) [2]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا کہ آپ مجذوم (یعنی کوڑھ کے مریض Leprous) سے اس طرح بچو، جس طرح شیر سے بچا جاتا ہے (ترجمہ ختم)

---

[1] كتاب الطب، بَاب الْجُذَامِ.

[2] قال الالبانى:

أخرجه ابن عدى فى "الكامل" (٢ / ٣٢٦) عن يحيى بن عبد الله بن بكير حدثنا المغيرة بن عبد الرحمن عن أبى الزناد عن الأعرج عن أبى هريرة مرفوعا به .

قلت: و هذا إسناد جيد ، رجاله ثقات رجال الشيخين ، و فى المغيرة هذا و هوالحزامى المدنى كلام لا يضر (السلسلة الصحيحة للالبانى ،تحت حديث رقم ٧٨٠)

اس طرح کا مضمون بعض دوسری سندوں سے بھی مروی ہے۔ [۱]

حضرت عمرو بن شرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

كَانَ فِي وَفْدِ ثَقِيفٍ رَجُلٌ مَجْذُومٌ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّا قَدْ بَايَعْنَاكَ فَارْجِعْ (مسلم) [۲]

ترجمہ: ثقیف (قبیلہ) کے وفد میں ایک مجذوم (کوڑھی) شخص بھی تھا، نبی ﷺ نے اس کو پیغام بھیجا کہ ہم نے تمہیں بیعت کرلیا ہے لہٰذا تم واپس لوٹ جاؤ (ترجمہ ختم)

اور حضرت شرید کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

أَنَّ مَجْذُومًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ لِيُبَايِعَهُ، فَأَتَيْتُهُ، فَذَكَرْتُ لَهُ، فَقَالَ ائْتِهِ فَأَعْلِمْهُ أَنِّي قَدْ بَايَعْتُهُ، فَلْيَرْجِعْ (المعجم الكبير حديث نمبر ۷۰۹۶)

ترجمہ: ایک مجذوم (کوڑھی) شخص نبی ﷺ کے پاس بیعت کرنے کے لئے آیا، تو میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا ذکر کیا، تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ آپ ان کو جا کر کہہ دیجئے کہ میں نے ان کو بیعت کرلیا ہے، لہٰذا واپس لوٹ جایئے (ترجمہ ختم)

نبی ﷺ نے اس کوڑھی شخص کو ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیعت نہیں فرمایا، بلکہ دور سے ہی (غائبانہ) بیعت کرلیا۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُوْرَدَنَّ مُمْرِضٌ عَلٰى مُصِحٍّ (بخاری) [۳]

---

[۱] حدثني عبد الرحمن بن أبي الزناد ، عن أبيه ، قال :حدثني رجال أهل رضى وقناعة من أبناء الصحابة ، وأولية الناس ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال : لا عدوى، ولا هامة ، وصفر ، واتقوا المجذوم كما يتقى الأسد (الجامع لابنِ وهب ، حديث نمبر ۶۲۱ ، باب فى الطيرة والعدوى والهام والصفر والغول)

قال الالبانی:

و هذا سند حسن ، و لكنه مرسل و قد صح موصولا (السلسلة الصحيحة للالبانى ،تحت حديث رقم ۷۸۰)

[۲] حديث نمبر ۵۹۵۸ ، كتاب السلام، باب اجتناب المجذوم ونحوه.

[۳] حديث نمبر ۵۳۲۸، كتاب الطب،باب لا هامة،واللفظ لهٗ،مسلم حديث نمبر ۵۹۲۲،ابوداؤد حديث نمبر ۳۹۱۳.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا کہ بیمار اونٹ والا اپنے بیمار اونٹوں کو تندرست اور صحت مند اونٹوں میں نہ ملائے (ترجمہ ختم)

اس قسم کی احادیث کی روشنی میں محدثین نے فرمایا کہ اگر مؤثر بالذات اللہ تعالیٰ کو ہی سمجھا جائے اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی بیماری کسی کو نہیں لگتی، ہاں اللہ تعالیٰ نے ہی بعض بیماریوں میں ایسی خاصیت رکھی ہے کہ جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تو وہ سبب کے درجہ میں دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتی ہے تو یہ بات شریعت کے خلاف نہیں اور اطباء کی جدید وقدیم تحقیق کے اصولوں کے بھی مطابق ہے۔

لہٰذا اگر احتیاطی تدابیر واسباب کے درجے میں مؤثر بالذات اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھتے ہوئے وبائی امراض سے حفاظت اختیار کی جائے تو اس میں حرج نہیں۔ [1]

---

[1] وقال التوربشتي العدوى هنا مجاوزة العلة من صاحبها إلى غيره يقال أعدى فلان فلانا من خلقه أو من غرته وذلك على ما يذهب إليه المتطببة في علل سبع الجذام والجرب والجدري والحصبة والبخور والرمد والأمراض الوبائية وقد اختلف العلماء في التأويل فمنهم من يقول المراد منه نفي ذلك وإبطاله على ما يدل عليه ظاهر الحديث والقرائن المنسوقة على العدوى وهم الأكثرون ومنهم من يرى أنه لم يرد إبطالها فقد قال فر من المجذوم فرارك من الأسد وقال لا يوردن ذو عاهة على مصح وإنما أراد بذلك نفي ما كان يعتقده أصحاب الطبيعة فإنهم كانوا يرون العلل المعدية مؤثرة لا محالة فاعلمهم بقوله هذا إن ليس الأمر على ما يتوهمون بل هو متعلق بالمشيئة إن شاء كان وإن لم يشأ لم يكن ويشير إلى هذا المعنى قوله فمن أعدى الأول أي إن كنتم ترون أن السبب في ذلك العدوى لا غير فمن أعدى الأول وبين بقوله فر من المجذوم وبقوله لا يوردن ذو عاهة على مصح إن مداناة ذلك من أسباب العلة فليتقه اتقاء ه من الجدار المائل والسفينة المعيوبة وقد رد الفرقة الأولى على الثانية على استدلالهم بالحديثين أن النهي فيهما إنما جاء مشفقا على مباشرة أحد الأمرين فتصيبه علة في نفسه أو عاهة في إبله فيعتقد أن العدوى حق قلت وقد اختاره العسقلاني في شرح النخبة وبسطنا الكلام معه في شرح الشرح ومجمله أنه يرد عليه اجتنابه عليه السلام عن المجذوم عند إرادة المبايعة مع أن منصب النبوة بعيد من أن يورد لحسم مادة ظن العدوى كلاما يكون مادة لظنها أيضا فإن الأمر بالتجنب أظهر من فتح مادة ظن أن العدوى لها تأثير بالطبع وعلى كل تقدير فلا دلالة أصلا على نفي العدوى مبينا والله أعلم قال الشيخ التوربشتي وأرى القول الثاني أولى التأويلين لما فيه من التوفيق بين الأحاديث الواردة فيه ثم لأن القول الأول يفضي إلى تعطيل الأصول الطبية ولم يرد الشرع بتعطيلها بل ورد بإثباتها والعبرة بها على الوجه الذي ذكرناه وأما استدلالهم بالقرائن المنسوقة عليها فأنا قد وجدنا الشارع يجمع في النهي بين ما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کا شرعی حکم

گزشتہ تفصیل سے آج کل کے وبائی امراض وغیرہ سے بچاؤ اور حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ اگر یہ تدابیر اس حیثیت سے اختیار کی جائیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بعض جراثیم اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هو حرام وبين ما هو مكروه وبين ما ينهى عنه لمعنى وبين ما ينهى عنه لمعان كثيرة ويدل على صحة ما ذكرنا قوله للمجذوم المبايع قد بايعناك فارجع فى حديث الشريد بن سويد الثقفى وهو مذكور بعد وقوله للمجذوم الذى أخذ بيده فوضعها معه فى القصعة كل ثقة بالله وتوكلا عليه ولا سبيل إلى التوفيق بين هذين الحديثين إلا من هذا الوجه بين بالأول التوقى من أسباب التلف وبالثانى التوكل على الله جل جلاله ولا إله غيره فى متاركة الأسباب ليثبت بالأول العرض الأسباب وهو سنة وبالثانى ترك الأسباب وهو حاله اه وهو جمع حسن فى غاية التحقيق والله ولى التوفيق(مرقاة، كتاب الطب والرقى، باب الفال والطيرة)

وهذا تدبير وقائى ارشداليه النبى ﷺ على سبيل الحذر والاحتياط (تكمله فتح الملهم ج ۴ ص ۳۷۴)

والذى ينبغى ان يعقد عليه القلب انه تعالىٰ هو المؤثر الحقيقى يفعل ما شاء حيث شاء وانما امثال هذه امارات جرت عادته سبحانه وتعالىٰ انه يفعل بعد اظهارهاولو شاء لم يفعل مع ظهور الامارات ايضا كماانه وضع فى الادوية افعالا وخواصاً وقدتتخلف عن موجبها كذلک نعتقد فى العدوى وتأثيرات النجوم وامطار الانواء انه تعالىٰ وضع فيها اثرا من غير ان يكون لها تاثير فى ابدائه فامرها ليس الا كامر الامطار اذا تنشأت سحابة فالظاهر منها انها تمطر ومع ذلک فلسنا بالامطار مستيقنين الا ان يشاء الله رب العالمين .فالحاصل انه لوثبت طبيا ان جراثيم بعض الامراض تنتقل من جسم الى جسم آخر فان ذلک لاينافى ماورد فى حديث الباب من نفى العدوى فان المنفى هو كون هذا الشيئ مؤثرا بذاته دون ان يخلقه الله تعالىٰ ولاشک فى ان هذا الاعتقاد شرک وكفر اما الاعتقاد بان انتقال الجراثيم ربما يسبب المرض كماتسببه الاشياء الضاره الاخرى وان كل ذلک موقوف على مشية الله تعالىٰ وتقديره بحيث انه ان لم يشأ الله تعالىٰ ذلک لم تنتقل الجراثيم او انتقلت فلم تسبب المرض فهذا اعتقاد صحيح لامانع منه شرعا وليس ذلک بمخالف لحديث الباب وبما ان العادة جرت بانتقال بعض الامراض من جسدالى جسد آخر كالجذام والطاعون فان النبى ﷺ امر بالحذر منه فى درجة اختيار الاسباب والتدابيرالوقائية فان اختيارها لاينافى التوكل وعقيدة التقدير مادام الانسان معتقدا بان تأثيرالاسباب ليس ذاتياوانما هو موقوف على مشية الله تعالىٰ قائلا (ثقة بالله وتوكلاعليه) وذلک للتنبيه على ان هذا المرض وان كان يعدى فى العادة ولكن تعديته موقوفة على تقدير الله تعالىٰ وليس ذلک بتاثيره الذاتى (تكمله فتح الملهم ج ۴ ص ۳۷۲،۳۷۱)

وائرس بیماری پھیلنے کا سبب بنتے ہیں، خود سے بیماری کا مسبِّب اور بیماری پیدا کرنے میں مؤثر بالذات نہیں ہوتے، تو کوئی گناہ نہیں۔

اور موجودہ دور کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنے امراض بھی متعدی اور وبائی شمار کئے جاتے ہیں ان سب میں تعدیہ (یعنی ایک دوسرے کی طرف پھیلنا اور منتقل ہونا) جراثیم اور وائرس کے ذریعے سمجھا گیا ہے جو کہ اس بیماری کا سبب بنتے ہیں۔ جبکہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کا اعتقاد یہ تھا کہ وہ بیماری خود متعدی ہوتی ہے یعنی جو بیماری مریض کو لاحق ہے بعینہٖ وہی دوسرے کو لگ جاتی ہے۔ اور موجودہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ بیماری خود منتقل نہیں ہوتی بلکہ بیماری کا سبب منتقل ہوتا ہے مثلاً سانس وغیرہ کے ذریعے سے بیماری کا سبب یعنی جراثیم اور وائرس دوسروں تک منتقل ہونے کے بعد اس کے سبب سے دوسرے میں بھی بیماری پیدا ہو جائے اس کی بنیاد دوسری شرائط اور موانع پر ہے۔ مثلاً دوسرے کسی شخص میں اس بیماری کے خلاف قوتِ مدافعت (Immunity) پیدا ہو چکی تھی تو یہ قوتِ مدافعت جراثیم اور وائرس کے اثر ڈالنے میں رکاوٹ ہوگئی۔ اور اسلامی اصولوں کے مطابق مسلمانوں کا ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی ہوتا ہے کہ اس میں بھی اصل علت اور بنیاد اللہ کا حکم ہی ہوتا ہے (ماخوذ از ''مریض ومعالج کے اسلامی احکام'' بتغیر، مؤلفہ: ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب)[1]

---

[1] وهـذه العـلة عـند الأطباء من العلل المعدية المتوارثة ومقارب المجذوم وصاحب السل يسقم بـرائـحتـه فالنبى صلى الله عليه وسلم لكمال شفقته على الأمة ونصحه لهم نهاهم عن الأسباب التى تـعـرضهـم لـوصـول الـعيـب والـفسـاد إلى أجسامهم وقلوبهم ولا ريب أنه قد يكون فى البدن تهيؤ واستـعـداد كـامـن لقبول هذا الداء وقد تكون الطبيعة سريعة الانفعال قابلة للاكتساب من أبدان من تـجاوره وتخالطه فإنها نقالة وقد يكون خوفها من ذلك ووهمها من أكبر أسباب إصابة تلك العلة لهـا فإن الوهم فعال مستول على القوى والطبائع وقد تصل رائحة العليل إلى الصحيح فتسقمه وهذا مـعـايـن فـى بـعـض الأمـراض والرائحة أحد أسباب العدوى ومع هذا كله فلا بد من وجود استعداد البـدن وقبـوله لذلك الداء وقد (ص ۱۳۷) تـزوج الـنبـى صـلـى الـلـه عـليه وسلم امرأة فلما أراد الـدخـول بهـا وجـد بـكشحها بياضا فقال الحقى بأهلك (زاد المعاد، فصل فى هديه صلى الله عليه وسـلـم فـى التـحرز من الأدواء المعدية بطبعها وإرشاده الأصحاء إلى مجانبة أهلها، علة الابتعاد عن المجذوم والمسلول)

اس تفصیل کی روشنی میں آج کل کے حفاظتی ٹیکوں اور قطروں وغیرہ کے استعمال کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین رکھتے ہوئے حفاظتی تدابیر کے طور پر اس قسم کے ٹیکے اور قطرے وغیرہ استعمال کرائے جائیں یا دوسری کوئی جائز تدبیر بیماری وغیرہ سے حفاظت کے لئے اختیار کی جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں (بشرطیکہ کوئی دوسری شرعی خرابی شامل نہ ہو)

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے تدابیر اور اسباب کے اختیار کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

لیکن آج کل بعض لوگ اس قسم کی حفاظتی تدابیر کو اتنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور مشیت سے بھی ان کی نظر ہٹ جاتی ہے۔ اوران تدابیر پر انہیں ایسا یقین ہوتا ہے کہ ان تدابیر کے اختیار کر لینے کے بعد ہرگز ان کو وہ بیماری نہیں لگ سکے گی۔

اور اس قسم کی تدابیر اختیار نہ کرنے کی صورت میں اگر اس سے متعلقہ کوئی بیماری پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی ساری ذمہ داری مروجہ حفاظتی تدابیر اختیار نہ کرنے پر ڈال دی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور بھروسہ نہیں ہوتا۔

یہ طرزِ عمل غلو اور حد سے تجاوز ہے، مسلمان کا اعتقاد اور بھروسہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہئے خواہ کتنی تدابیر اختیار کر لی جائیں، کیونکہ تمام تدبیریں اللہ تعالیٰ کے حکم اور مشیت کے تابع ہیں۔

لہٰذا حفاظتی تدابیر اختیار کرتے وقت اس قسم کے عقیدہ کی خرابی اور غلو سے بچنا ان تدابیر کے اختیار کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔

زمانۂ جاہلیت کی چند مزید مختلف توہُّم پرستیاں

اور بھی بے شمار توہُّم پرستیاں اہلِ عرب میں جہالت کی وجہ سے رائج تھیں، اسلام نے ان کی نفی فرمادی۔ مثلاً:

(۱)...... زمانۂ جاہلیت میں بہت سے لوگ سانپ کو قتل کرنے سے اس لئے ڈرتے تھے، کہ اس کو قتل کرنے سے اس کا جوڑا وغیرہ آ کر بدلہ لیتا ہے۔

حضور علیہ السلام ﷺ نے اس نظریہ کی تردید فرمائی۔ [۱]

(۲)......زمانۂ جاہلیت میں یہ خیال تھا کہ جو شخص لات وعزیٰ (بتوں) کو گالی دیتا ہے اس کو برص یا جذام کا مرض ہوجاتا ہے۔

اسلام نے اس نظریہ کی بھی تردید فرمائی۔ [۲]

(۳)......زمانۂ جاہلیت میں لوگ ہاتھوں میں پیتل کی انگوٹھی پہنتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے ضعف جاتا رہتا ہے۔ [۳]

(۴)...... زمانۂ جاہلیت میں خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا ہے تو چاند اور سورج میں گرہن لگتا ہے، آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

---

[۱] قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ -صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - اُقْتُلُوْا الْحَيَّاتِ كُلَّهُنَّ فَمَنْ خَافَ ثَأْرَهُنَّ فَلَيْسَ مِنِّیْ (ابوداؤد، حدیث نمبر ۵۲۵۱، کتاب الادب، باب فی قتل الحیات، واللفظ لہٗ، سنن نسائی، حدیث نمبر ۳۱۹۳، المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر ۱۰۲۰۱)

[۲] فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ وَلَّى " :إِنْ يَصْدُقْ ذُو الْعَقِيصَتَيْنِ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ "وَكَانَ ضِمَامٌ رَجُلًا جَلْدًا أَشْعَرَ ذَا غَدِيرَتَيْنِ، ثُمَّ أَتَى بَعِيرَهُ، فَأَطْلَقَ عِقَالَهُ حَتَّى قَدِمَ عَلَى قَوْمِهِ، فَاجْتَمَعُوا إِلَيْهِ فَكَانَ أَوَّلُ مَا تَكَلَّمَ بِهِ وَهُوَ يَسُبُّ اللَّاتَ وَالْعُزَّى، فَقَالُوا :مَهْ يَا ضِمَامُ، اتَّقِ الْبَرَصَ، وَالْجُذَامَ، وَالْجُنُونَ، فَقَالَ :وَيْلَكُمْ إِنَّهُمَا وَاللَّهِ لَا يَضُرَّانِ(مستدرک حاکم،حدیث نمبر ۴۳۵۴، مسند أحمد حدیث نمبر ۲۳۸۰،سنن دارمی ،حدیث نمبر ۶۷۷)

قال الحاکم :و قد اتفق الشیخان علی إخراج و ورد ضمام المدینة و لم یسق واحد منهما الحدیث بطوله و هذا صحیح(حوالہ بالا)

وقال الذهبی فی التلخیص :صحیح.

[۳] عَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَيْنِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا فِي يَدِهِ حَلْقَةٌ مِنْ صُفْرٍ فَقَالَ مَا هَذِهِ الْحَلْقَةُ قَالَ هَذِهِ مِنْ الْوَاهِنَةِ قَالَ انْزِعْهَا فَإِنَّهَا لَا تَزِيدُكَ إِلَّا وَهْنًا (ابن ماجه ، حدیث نمبر ۳۵۲۲ ، ابواب الطب،بَاب تَعْلِيقِ التَّمَائِمِ)

-قلت رواه ابن ماجه باختصار -رواه أحمد والطبرانی وقال إن مت وهی علیک وكلت إلیها ، قال وفی روایة موقوفة أنبذها عنک فانک لو مت وأنت ترى أنها تنفعک لمت علی غیر الفطرة .وفیه مبارک بن فضالة وهو ثقة وفیه ضعف ، وبقیة رجاله ثقات.

وعن عمران بن حصین أنه رأى رجلا فی عضده حلقة من صفر فقال ما هذه قال نعتت لی من أسحق بن الربیع العطار وثقه أبو حاتم وضعفه عمرو بن علی ، وبقیة رجاله ثقات(مجمع الزوائد،باب فیمن یعلق تمیمة أو نحوها)

نے جب انتقال کیا تو سورج گرہن لگا ہوا تھا، لوگوں نے خیال کیا کہ ان ہی کے مرنے کا اثر ہے، آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ چاند اور سورج اللہ کی قدرت کے مظاہر ہیں، کسی کے مرنے سے ان میں گرہن نہیں لگتا۔ [۱]

(۵)...... زمانۂ جاہلیت میں شہابِ ثاقب (شیطانی گولے) کے بارے میں یہ اعتقاد تھا کہ جب کوئی بڑا مر جاتا ہے یا کوئی بڑا شخص پیدا ہوتا ہے تو ایسا ہوتا ہے، آپ نے فرمایا کہ کسی کے مرنے یا پیدا ہونے سے ایسا نہیں ہوتا۔ [۲]

(۶)...... زمانۂ جاہلیت میں شیرخوار بچوں کے سرہانے استرا رکھ دیا کرتے تھے کہ ان کو جنات نہ ستانے پائیں، ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو اٹھا کر پھینک دیا اور کہا کہ آنحضرت ﷺ ان باتوں کو ناپسند کرتے تھے۔ [۳]

---

[۱] كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ فَقَالَ النَّاسُ كَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ فَصَلُّوا وَادْعُوا اللَّهَ(بخاری،عن مغیرة بن شعبة،حدیث نمبر ۹۸۵،ابواب الکسوف ، بَاب الصَّلَاةِ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ)

[۲] عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ :مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ :فَرُمِيَ بِنَجْمٍ عَظِيمٍ، فَاسْتَنَارَ قَالَ " :مَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ إِذَا كَانَ مِثْلُ هَذَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ "قَالَ :كُنَّا نَقُولُ يُولَدُ عَظِيمٌ، أَوْ يَمُوتُ عَظِيمٌ -قُلْتُ لِلزُّهْرِيِّ :أَكَانَ يُرْمَى بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ ؟ قَالَ :نَعَمْ، وَلَكِنْ غُلِّظَتْ حِينَ بُعِثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :فَإِنَّهُ لَا يُرْمَى بِهَا لِمَوْتِ أَحَدٍ، وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلَكِنَّ رَبَّنَا تَبَارَكَ اسْمُهُ إِذَا قَضَى أَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ، ثُمَّ سَبَّحَ أَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ، حَتَّى يَبْلُغَ التَّسْبِيحُ هَذِهِ السَّمَاءَ الدُّنْيَا، ثُمَّ يَسْتَخْبِرُ أَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِينَ يَلُونَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ، فَيَقُولُ الَّذِينَ يَلُونَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ لِحَمَلَةِ الْعَرْشِ :مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ؟ فَيُخْبِرُونَهُمْ وَيُخْبِرُ أَهْلُ كُلِّ سَمَاءٍ سَمَاءً ، حَتَّى يَنْتَهِيَ الْخَبَرُ إِلَى هَذِهِ السَّمَاءِ ، وَيَخْطِفُ الْجِنُّ السَّمْعَ، فَيُرْمَوْنَ فَمَا جَاءُوا بِهِ عَلَى وَجْهِهِ فَهُوَ حَقٌّ، وَلَكِنَّهُمْ يَقْرِفُونَ فِيهِ، وَيَزِيدُونَ " قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ " :وَيَخْطِفُ الْجِنُّ وَيُرْمَوْنَ(مسند احمد حدیث نمبر ۱۸۸۲)

[۳] عن عائشة ، أنها كانت تؤتى بالصبيان إذا ولدوا ، فتدعو لهم بالبركة ، فأتيت بصبى ، فذهبت تضع وسادته ، فإذا تحت رأسه موسى ، فسألتهم عن الموسى ، فقالوا :نجعلها من الجن ، فأخذت الموسى فرمت بها ، ونهتهم عنها وقالت :إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يكره الطيرة ويبغضها ، وكانت عائشة تنهى عنها(ادب المفرد للبخاری، حدیث نمبر ۹۴۴،باب الطيرة من الجن)

(۷)......بکری کے جب بچہ پیدا ہوتا تو اگر نَر ہوتا تو بت پر چڑھا دیتے (سیرۃ النبی للعلامۃ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ ج۴ص۱۴۶، بحوالہ بلوغ العرب واطوار العرب)

(۸)......اونٹنی جب دس بچے جن لیتی، تو اس کو کھُلا چھوڑ دیتے وہ سانڈ کی طرح چھُٹی پھرتی (ایضاً)

(۹)......کسی شخص کے پاس جب اونٹوں کی تعداد ہزار تک پہنچ جاتی تو ایک اونٹ کی ایک آنکھ پھوڑ دیتے کہ نظر نہ لگ جائے (ایضاً ص۱۴۷)

(۱۰)...... جب کبھی قحط پڑتا تو بھیڑ یا دنبہ کی دم میں گھاس پھونس باندھ کر آگ لگا دیتے اور سمجھتے کہ اس سے پانی برسے گا (ایضاً)

(۱۱)......سفر میں جاتے تو کسی درخت میں ڈورا وغیرہ باندھ کر گرہ لگا دیتے، واپس آکر دیکھتے اگر گرہ کھل گئی ہے تو سمجھتے کہ ان کی بیوی نے بدکاری کی ہے (ایضاً)

(۱۲)......سفر میں راستہ بھول جاتے تو کپڑے الٹ کر پہن لیتے اور سمجھتے کہ اس سے راستہ مل جائے گا (ایضاً)

(۱۳)...... یہ اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد روح ایک پرندہ بن کر اڑتی رہتی ہے، نیز پیٹ میں ایک کیڑا رہتا ہے، جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے۔

اس کے علاوہ کام کرنے سے پہلے پرندے وغیرہ سے شگون لیتے تھے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اس قسم کے سینکڑوں توہُّم پرستیاں اور اوھام زمانۂ جاہلیت میں پھیلے ہوئے تھے جن کا شمار نہیں ہوسکتا۔

ان حالات میں سرورِ دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس دنیا میں رشد وہدایت کا سورج بن کر مبعوث ہوئے اور دنیا کو جاہلانہ فاسد خیالات اور مشرکانہ باطل نظریات سے نجات دلائی۔

الغرض جاہلیت کے اندھیروں سے نکال کر توحیدِ کامل کی تعلیم دے کر عربوں کے تمام مشرکانہ اوہام وخرافات کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیا۔ **فللّٰہ الحمد والشکر**

موجودہ زمانہ کے توہُّمات وخرافات

آج بھی بہت سے لوگ جہالت کی وجہ سے مختلف قسم کی توہم پرستیوں، بدفالیوں، بدشگونیوں اور جاہلانہ توہمات وخرافات میں مبتلاء ہیں، جو مختلف علاقوں میں اپنے اپنے اعتبار سے رائج ہیں، جن کی یہاں پر بقدرِ ضرورت تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

نجومی وغیرہ سے غیب کی خبریں معلوم کرنا اور مختلف فال نکلوانا

کہانت اور غیب کی خبریں معلوم کرنے کا ایک طریقہ ہمارے یہاں نجومیوں سے فال نکلوانے کا ہے اور یہ ہمارے شہروں میں کثرت سے رائج ہے، خصوصاً بڑے شہروں میں اس کی بڑی شہرت ہے۔ جگہ جگہ نجومیوں، دست شناسوں اور عاملوں کے بڑے بڑے بورڈ آویزاں ہیں جن پر بڑی بڑی باتیں اور بلند بانگ دعوے درج ہوتے ہیں، ہر ناممکن کو ممکن بنانے کے دعوے ہوتے ہیں اور ہر شخص کو اپنی قسمت معلوم کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔

اس طرح یہ ایک مستقل کاروبار بنا ہوا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جب ان پر کوئی پریشانی یا مصیبت آجاتی ہے یا کاروبار اور اولاد وغیرہ کے متعلق مسائل پیدا ہوجاتے ہیں تو نجومیوں، بناوٹی پیروں کے یہاں حساب کراتے ہیں۔ علمِ رمل وجفر کے ذریعہ مستقبل کا پتہ لگایا جاتا ہے، ستاروں کی چال اور علمِ نجوم کے ذریعہ یا ہاتھ کی لکیروں کے ذریعہ یا نام کے پہلے حرف اور ابجد کے حساب کے ذریعہ زندگی کے حالات اور آئندہ کی خبریں دریافت کی جاتی ہیں، زائچہ بنا کر پیش آنے والے حادثات اور واقعات کا سراغ لگایا جاتا ہے۔ سڑکوں اور مختلف جگہوں میں بیٹھے ہوئے خودساختہ نجومیوں، جوتشیوں، پامسٹوں اور پروفیسروں کے واسطے سے یا مختلف جانوروں مثلاً طوطوں، میناؤں کے ذریعہ سے شادی بیاہ، روزگار، اولاد، صحت اور مقدمہ کی ہار جیت جیسے مستقبل کے پوشیدہ حالات ومعاملات دریافت کیے جاتے ہیں۔

شہر کی بڑی بڑی شاہراہوں پر دست شناس اور نجومی دیوار سے ایک پردہ لٹکائے بیٹھے ہوتے ہیں

اوران کے پاس پرندے خصوصاً تربیت یافتہ طوطے پنجروں پر بیٹھے ہوتے ہیں اور فرش پر بچھے ہوئے کپڑے پر درجنوں لفافے رکھے ہوتے ہیں، جن میں اچھے، بُرے، مختلف مضامین پر مشتمل خطوط ہوتے ہیں جو محض خود ساختہ ہوتے ہیں اور بالآخر وہی لوگوں کی قسمت قرار پاتے ہیں ۔

اور قریب ہی چاک، سلیٹ ہوتی ہے جس سے علمِ جفر کی روشنی میں حساب وکتاب کر کے غیب کی باتیں مثلاً مقدمہ کی کامیابی یا ناکامی، امتحان میں پاس یا فیل، کاروبار کی ترقی یا ناکامی وغیرہ واضح کی جاتی ہے، یا علم نجوم کی روشنی میں قسمت کے ستارے کا روشن یا گردش میں ہونا بتلا کر اچھی بری قسمت بتلائی جاتی ہے، یا علم قیافہ کے ذریعے ہاتھ کی لکیریں اوراس کے خدوخال دیکھ کر مقدر کا اچھا یا برا ہونا اور اپنے مقاصد میں کامیاب یا ناکام ہونا واضح کیا جاتا ہے۔

بعض لوگ علم رمل وجفر اور علم الاعداد اور ابجد کے علم کے ذریعے سے اپنے ناموں وغیرہ کے متعلق مختلف فال نکلواتے ہیں۔

بعض لوگ رمل اور کنکریاں اور جو کا دانہ پھینک کر شر کے اسباب کی تفتیش کرتے ہیں یہ تمام چیزیں بدشگونی اور استقسام بالازلام میں شامل ہیں اور حرام ہیں۔

سب سے سستی فال وہ ہوتی ہے جو طوطے یا کسی پرندہ کے ذریعہ لفافہ اٹھا کر نکلوائی جاتی ہے۔ اکثر مصیبت زدہ، پریشان حال، بے روزگار، مقروض، بیمار اور دوسرے شہروں سے کمانے کے لئے آنے والے سادہ لوگ ان کے پاس پہنچتے ہیں اور اپنی فال نکلوا کر دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں، اچھی فال اور اچھی قسمت کھلے تو کامیابی پر یقین کرتے ہیں اور بری فال نکلے، یا ستارہ گردش میں معلوم ہو، یا دست شناس سے حالات اچھے نہ معلوم ہوں تو اپنی بدحالی کا یقین ہو جاتا ہے۔

آج کل بعض اخبارات میں بھی اس قسم کے معاملات پر باقاعدہ تبصرے اور مضامین شائع ہوتے ہیں، مثلاً ''آپ کا ہفتہ کیسے گزرے گا؟'' اس قسم کے مضامین کو بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

کیونکہ یہ سب کہانت کی مختلف قسمیں ہیں جو کہ حرام ہیں اور بعض صورتوں میں ایمان لیوا ہیں۔ اس طرح غیب کی خبریں بتانا اور معلوم کرنا شرعاً جائز نہیں، بلکہ حرام ہے، خواہ بتانے والا نجومی ہو یا

کاہن ہو یا عراف اور قافیہ شناس یا نام نہاد عامل ہو یا پیر وغیرہ۔

یادرکھئے: ان لوگوں کے پاس مذکورہ طریقہ پر فال کھلوانے کے لئے جانا، فال کھلوانا اور مندرجہ بالا جتنے بھی طریقے اور صورتیں ہیں ان پر یقین کرنا یہ سب کچھ حرام اور سخت گناہ ہے اس سے سچے دل کے ساتھ توبہ کرکے ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو بچا کر رکھنا ضروری ہے۔

حاضرات کا عمل کرانا

بعض جگہ جب کسی کے یہاں چوری ہوجاتی ہے یا کچھ اور نقصان ہوجاتا ہے تو وہ حاضرات کراتے ہیں۔ جس کی صورت کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ کسی نابالغ بچہ کے ناخن یا ہاتھوں پر سیاہی یا تیل وغیرہ لگا کر بچہ کو اس پر نظر جمانے کو کہا جاتا ہے اور عامل اس پر اپنی توجہ ڈالتا ہے جس سے اس بچہ کو ناخن یا ہاتھ میں اس کے خیالات متشکل ہوکر نظر آنے لگتے ہیں۔ پھر عامل جو کچھ اس سے دریافت کرتا ہے وہ بچہ اسی طرح کہتا جاتا ہے۔ اس طرح چوری شدہ یا لاپتہ چیز کو دریافت کیا جاتا ہے اور اس دریافت پر پورا یقین ہوتا ہے۔

بعض لوگ انڈے وغیرہ کو تیل لگا کر اور نابالغ بچے کو قریب بٹھا کر ایک عمل پڑھتے ہیں وہ بچہ اس کو دیکھتا ہے اور بڑے کے کہنے کے مطابق بتلاتا چلا جاتا ہے کہ اب میز، کرسی یا تخت بچھایا جارہا ہے، اب بادشاہ آرہا ہے، اب چور کو پکڑ کر لایا جارہا ہے اور فلاں شخص چور یا مجرم ہے۔

شرعاً اس عمل کا اعتبار نہیں اور اس کی بنیاد پر کسی کو چور یا مجرم ثابت کرنا درست نہیں۔

خلاصہ یہ کہ شرعاً ان چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے، ان سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ غیر یقینی ہوتی ہیں، بعض اکابر کا خیال ہے کہ حاضرات میں نظر آنے والی چیز صرف دکھانے والے عامل کے تخیل کا اثر ہوتا ہے، دلیل شرعی کے بغیر ان پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ اگر ان کے ذریعے کسی شخص کے بارے میں یہ پتہ چل جائے کہ وہ چور یا ملزم ہے تو اس کے متعلق چوری کا یقین کرلینا اور کسی پر کوئی الزام عائد کرنا جائز نہیں بلکہ شرعی اصول کے مطابق تحقیق کرنا ضروری ہے۔

جب تک شرعی ثبوت نہ ہو اس کے چور ہونے کا یقین کرنا اور اس کو تکلیف دینا جائز نہیں (فتاویٰ محمودیہ ج۲۰ص۸۰بتغیر) ۱؎

قرآنِ مجید سے فال نکلوانا

جب کسی شخص کی چوری ہو جاتی ہے تو بعض عاملوں اور بعض مسجد کے اماموں کے ذریعے ایک خاص انداز اور خاص طریقہ سے قرآن کریم یا کسی اور کتاب مثلاً دیوانِ حافظ یا گلستان وغیرہ سے فال کھلوائی جاتی ہے اور اس کے سچ ہونے پر پورا عقیدہ ہوتا ہے اور فال میں جس شخص کا تعین ہوتا ہے آنکھیں بند کر کے اسی کو مجرم قرار دے کر مالِ مسروقہ (چوری کیا ہوا مال) اسی سے طلب کیا جاتا ہے

۱؎ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مختلف قسم کے فال اور آئندہ کی چیزیں وخبریں معلوم کرنے کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا:

یہ عمل عرافت ہے جو ایک قسم ہے کہانت کی اور حرام محض ہے، نیز حرمت فی نفسہا کے ساتھ موجبِ افتنانِ عوام وجہلاء بھی ہے اور دل میں آ جانا القاءِ شیطانی ہے اور اس کا مطابق نکلنا ایسا ہی ہے جیسا کہنہ اور منجمین کے اخبار کی مطابقت ہے، اول تو مطابقت کا کلیۃً دعویٰ اور اثبات مشکل، دوسرے کسی طریق کا موجبِ علم ہو جانا مستلزم نہیں اس کے جواز کو، چنانچہ تجسسِ ممنوع یقیناً مفیدِ خبرِ صحیح ہوسکتا ہے، پھر بھی حرام ہے، جواز و ناجواز احکامِ شرعیہ سے ہے، اس کے لئے مستقل دلیل کی حاجت ہے اور مانحن فیہ میں حرمت کے دلائل صریح وصحیح موجود ہیں، پس حرمت کا حکم کیا جاوے گا، اور اسبابِ عادیہ پر مثل سحاب وغیرہ کے اس کا قیاس مع الفارق ہے، اولاً اس کی صحت مشاہد، ثانیاً سبب مسبب میں وجہ ارتباط ظاہر، ثالثاً شرع میں بھی معتبر، رابعاً اس میں کوئی فتنہ اعتقادی یا عملی نہیں اور مقیس میں سب امور مفقود، پس قیاس محض باطل ہے، فال متعارف بھی اسی قبیل سے ہے، دونوں کا ایک حکم ہے، خواہ تسمیہ متحد ہو یا متغائر اور تطیر بھی اس کی ایک نوع ہے جس کو حدیث لاطیرۃ میں صاف منفی و باطل فرمایا ہے۔ اس سے کوئی شبہ نہ کرے کہ جائز ہوگا۔ لیکن خلافِ اولیٰ ہوگا، اصل یہ ہے کہ توکل کے بعض مراتب یعنی اعتقادی توکل فرض اور شرائط ایمان سے ہے، تطیر اس توکل کے خلاف ہے، اس لئے حرام اور شعبہ شرک کا ہے، جیسا کہ اوراحادیث سے مفہوم ہوتا ہے اور جس فال کا جواز ثابت ہے اس میں اعتقاد یا اخبار نہیں ہے بلکہ کلماتِ خیر سے رجاءِ رحمت ہے، جو ویسے بھی مطلوب ہے، وانی ھٰذا من ذاک اور یہاں مانحن فیہ میں اول اعتقاد ہے پھر اخبار پھر بدگمانی اور یاس بھی اس لئے اس کے ممنوع ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اسی طرح شاید کسی کو استخارہ سے شبہ پڑے تو وہ واقعہ پر استدلال کرنے کے لئے موضوع و مشروع نہیں صرف مشورہ کے درجہ میں ہے، بخلاف اس کے واقعات پر استدلال کے ہے، غرض یہ بالکل حرام ہے اور توبہ کرنا اس سے فرض ہے (امداد الفتاویٰ ج۵ص۳۷۷و۳۷۸)

جس میں بسا اوقات وہ شخص جس پر چوری کا الزام لگایا جاتا ہے قرآنِ کریم کی توہین کر کے کافر ہوجاتا ہے، اوراس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔

یہ سب شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے، ایک طرف مجرم اپنا ایمان گنوا بیٹھا، دوسری طرف بدظنی اور بدگمانی یقینی ہوگئی جس نے آگے بڑھ کر الزام تک نوبت پہنچادی اور باہم لڑائی جھگڑا علیحدہ رہا، جسمانی، ذہنی اور مالی پریشانی جدا رہی۔

اس طرح قرآن کریم یا کسی اور کتاب سے فال نکالنا یا نکلوانا اور اس پر یقین کرنا بالکل ناجائز ہے بلکہ قرآن کریم سے فال نکلوانا اور بھی سخت گناہ ہے، کیونکہ اس سے بسا اوقات قرآن مجید کی توہین ہوتی ہے یا اس کی طرف سے بدعقیدگی پیدا ہوجاتی ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ بھی بعض فال نامے چھاپے جاتے ہیں، جو کہ دراصل تاجروں کی کارروائی ہوتی ہے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ خریدیں۔ [1]

مختلف قسم کے استخاروں سے غیب کے حالات معلوم کرنا

بعض لوگوں نے غیب کی خبریں معلوم کرنے کے لئے مختلف قسم کے استخارے مشہور کر رکھے ہیں، جن میں نظریاتی وعملی کئی خرابیاں ہیں، شرعی اعتبار سے استخارہ غیب کی باتیں معلوم کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنے کی دعا کرنے کا نام ہے۔

مسنون استخارے کی دعا حدیث شریف میں آئی ہے، اصل سنت استخارہ یہی ہے اور اس کے علاوہ جتنے استخارے لوگوں میں مشہور ہیں اول تو وہ سنت نہیں اور دوسرے ان میں بہت سے خلافِ شریعت بھی ہیں، اس لئے استخارہ وہی کرنا چاہئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور اس کی مشہور دعا ہے، مگر سنت استخارہ میں بھی خواب وغیرہ میں کچھ نظر آنا یا کسی طرح کا اشارہ ملنا ضروری نہیں،

---

[1] لایاخذالفال من المصحف (شرح فقه اکبر ص ۱۸۳)

تنبيه قال الطرطوشی إن أخذ الفال بالمصحف وضرب الرمل والشعر ونحوه حرام وهو من باب الاستقسام بالأزلام مع أن الفال حسن بالسنة | وتحريره أن الفال الحسن هو ما يعرض من غير كسب مثل قائل يقول يا مفلح ونحوه والتفاؤل المكتسب حرام كما قاله الطرطوشی فی تعليقه(الذخيرة،لشهاب الدين أحمد بن إدريس القرافی،النوع الثانی الطعام والشراب)

جب استخارہ کا مطلب اللہ تعالیٰ سے خیر مانگنا اور خیر کی دعا کرنا ہے تو استخارہ کی مسنون دعا پڑھ لینے کے بعد مطمئن ہو جانا چاہئے اور خواب وغیرہ نظر نہ آنے کی صورت میں اپنے استخارہ کو بے کار اور فضول نہیں سمجھنا چاہئے۔

استخارہ کے بعد سونا بھی ضروری نہیں، جاگتے ہوئے بھی بلاشبہ استخارہ کیا جا سکتا ہے، جن احادیث سے استخارہ ثابت ہے ان میں بھی استخارہ کے بعد سونے کا ذکر نہیں، اور جب استخارہ کے بعد سونا ضروری نہیں تو خواب نظر آنا کیسے ضروری ہو سکتا ہے، کیونکہ خواب تو سونے کی حالت میں ہی نظر آیا کرتا ہے۔ البتہ بعض اوقات استخارہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواب وغیرہ میں بھی کسی کام کے خیر یا شر ہونے کی نشاندہی کر دی جاتی ہے۔

مگر اولاً تو ایسا ہونا ضروری نہیں اور اس کے بغیر بھی استخارہ کارآمد اور مفید عمل ہے، دوسرے استخارہ کے بعد جو خواب نظر آئے ضروری نہیں کہ وہ استخارہ سے ہی متعلق ہو بلکہ عین ممکن ہے کہ روزمرہ اور عام اوقات کی طرح کا ایک خیالی یا نفسیاتی خواب ہو۔ اس قسم کے خواب تو استخارہ کے بغیر بھی نظر آتے رہتے ہیں اور جب کسی چیز سے متعلق استخارہ کیا جاتا ہے تو اس کی طرف ذہن اور خیال متوجہ ہوتا ہے ایسے وقت نفسیاتی اور خیالی خواب نظر آنے کے امکانات زیادہ بڑھ جاتے ہیں اور استخارہ کر کے سو کر اٹھنے کے بعد کیونکہ خواب کو اہتمام اور توجہ کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے اور دوسرے اوقات میں سو کر اٹھنے کے بعد اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا اس لئے عموماً استخارہ کے بعد خواب کی طرف توجہ زیادہ کی جاتی ہے۔

یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ استخارہ خود کرنا سنت ہے کسی دوسرے سے کرانا سنت نہیں، عام طور پر خود استخارہ کرنے کے بجائے دوسرے سے استخارہ کرانے پر اس لئے زور دیا جاتا ہے کہ خود کو خواب وغیرہ میں کوئی واضح چیز نظر نہیں آتی اور جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ خواب میں کچھ نظر آنا ضروری نہیں تو اس غرض کی خاطر خود استخارہ چھوڑ کر دوسرے سے استخارہ کرانے کی بھی ضرورت نہیں (تفصیل کے لئے ہمارا رسالہ: ''مشورہ و استخارہ کے فضائل و احکام'' ملاحظہ ہو)

جنّات کی باتوں پر یقین کرنا

بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ اگر کسی مرد یا عورت پر جن سوار ہو اور وہ بولتا ہو تو اس سے غیب کی باتیں دریافت کرتے ہیں، مثلاً اگر چوری ہوگئی تو پوچھتے ہیں کہ یہ چوری کس شخص نے کی ہے، وہ کہاں ہے؟ اس کا نام کیا ہے اور چوری کا زیور، روپیہ کس کے پاس ہے؟ پھر جو کچھ وہ بتلا دے شرعی ثبوت کے بغیر اس پر مکمل یقین کیا جاتا ہے۔ یا اس سے دریافت کرتے ہیں کہ ہم پر کس نے جادو کیا ہے، وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ یا ہماری فلاں گمشدہ چیز کس کے پاس ہے؟ یا کل یا آئندہ کیا کچھ ہونے والا ہے؟ اور پھر جو کچھ وہ بتلائے اس پر یقین کرلیا جاتا ہے۔

یہ سب حرام اور ناجائز ہے، کیونکہ شرعی اصولوں کے مطابق تحقیق کے بغیر محض جن کی باتوں پر یقین کر کے کسی کو چور سمجھنا اور اس پر چوری کا الزام لگانا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

مخصوص اوقات میں مُردوں کی روحیں آنے کا عقیدہ

بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ تمام ارواح جمعہ یا جمعرات کی رات کو اپنے گھروں میں آتی ہیں اور گھر کے ایک کونے میں کھڑی ہوکر دیکھتی رہتی ہیں کہ ہم کو کون ثواب بخشتا ہے اور خیرات کرنے کی درخواست کرتی ہیں اور خیرات نہ کرنے والوں پر بددعا کرتی ہیں۔ اگر کچھ ثواب مل جائے تو خیر ورنہ مایوس ہوکر لوٹ جاتی ہیں اور مرنے کے بعد روزانہ ایک ماہ تک اپنے گھر کا گشت کرتی رہتی ہیں۔ اسی طرح لوگوں کا خصوصاً عورتوں کا خیال ہے کہ شبِ برأت، شبِ قدر اور عید وغیرہ میں بھی روحیں اپنے گھروں پر آتی ہیں اس لئے وہ ایصالِ ثواب کا اہتمام کرتے ہیں۔

یہ اعتقاد غلط ہے کسی حدیثِ صحیح سے اس کا ثبوت نہیں ہے (یہ زمانۂ جاہلیت میں ''ھامہ'' کی توہم پرستی سے ملتی جلتی چیز ہے اور ھامہ کی طرح بے حقیقت ہے) اور جن بعض روایات میں ارواح کا آنا منقول ہے، اول تو وہ روایات ضعیف ہیں اور عقائد کے سلسلے میں معتبر نہیں۔ دوسرے وہ اپنے آنے میں بالکل آزاد اور خود مختار نہیں کہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں چلی جائیں بلکہ وہ حکمِ الٰہی کی محتاج ہیں۔

حکمِ الٰہی کے بغیر کہیں آنے جانے کا انہیں کوئی اختیار نہیں ۔اور فوت ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے برزخ میں ہر ایک کی روح کا ٹھکانہ متعین کر رکھا ہے، اس لئے ہر حال میں ان کے آنے جانے کا اعتقاد رکھنا بالکل غلط اور بے اصل ہے (امداد الفتاوی، ج ۵ ص ۳۸۷)

پیر و بزرگ کی سواری یا روح وسایہ آنے کا عقیدہ

بعض لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں کہ فلاں شخص پر فلانے بڑے پیر یا بابا صاحب (جو کہ فوت ہو چکے ہوتے ہیں) کی سواری آ گئی ہے یا آتی ہے۔

اس کی بھی شرعاً کوئی اصل نہیں ہے۔ بزرگ حضرات انتقال کے بعد کسی پر سوار ہو کر نہیں آتے اور نہ ہی کسی کو ستاتے ہیں ۔سواری آنے کے متعلق لوگوں میں جو خیالات پھیلے ہوئے ہیں وہ شرعاً بے اصل ہیں۔ البتہ جنات اور شیاطین آسکتے ہیں اور وہ آ کر غلط بیانی کر کے کسی بزرگ وغیرہ کا بھی نام بتا سکتے ہیں، کہ میں فلاں بزرگ ہوں اور فلاں جگہ سے آیا ہوں وغیرہ (فتاویٰ محمودیہ ج ۲۰ ص ۲۹ مجادلاتِ معدلت ملحقہ دعوات عبدیت ج ۱۹ ص ۱۵۷، بتغیر)

ہمزاد کیا ہے؟

’’ہمزاد‘‘ فارسی زبان کا لفظ ہے، جو دراصل دولفظوں کا مجموعہ ہے، ایک لفظِ ’’ہم‘‘ دوسرے ’’زاد‘‘ اور ’’ہم‘‘ کے معنیٰ ’’ساتھ‘‘ کے اور ’’زاد‘‘ کے معنیٰ ’’پیدا ہونے‘‘ کے آتے ہیں، تو ’’ہمزاد‘‘ کے لفظی معنیٰ ہوئے ’’وہ جو کہ ساتھ پیدا ہوا ہو‘‘ اور عام بول چال میں ہمزاد اس روایتی شیطان کو کہا جاتا ہے، جو انسان کے ساتھ پیدا ہوتا ہے، اور ہمیشہ ساتھ رہتا ہے (ملاحظہ ہو: فیروز اللغات ص ۱۴۴۷، مادہ ’’ہم‘‘)

لوگوں میں بالخصوص عاملوں کی دنیا میں ہمزاد کے متعلق طرح طرح کی باتیں مشہور ہیں، مثلاً ایک یہ بات مشہور ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے اور دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کا ہمزاد قبر سے نکل آتا ہے وہ مرتا نہیں ہے اور وہ دوسروں کو ستاتا ہے۔

مگر اولاً تو ہمزاد کا لفظ گھڑا ہوا ہے، دوسرے اس کے مذکورہ مفہوم کے گھڑا ہوا ہونے میں تو کوئی شبہ

ہی نہیں (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۵۵۹)

البتہ احادیث سے اتنا ثابت ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان بھی ہوتا ہے اور وہ انسان کے ساتھ رہتا ہے، لیکن اس کا انسان کے ساتھ دفن ہونا یا بعض اوقات انسان کے مرنے کے بعد اس کی قبر سے نکل کر دوسروں کو ستانا کہیں ثابت نہیں، لہٰذا ہمزاد اور اس کے بارے میں مذکورہ اور اس جیسے تصورات رکھنا درست نہیں (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۵۰۱، ۵۰۲ بتصرف) [1]

غیب کی خبریں بتانے والے نجومی اور کاہن وغیرہ کی کمائی حرام ہے

ملحوظ رہے کہ نجومی، دشت شناس، قافیہ شناس اور کہانت کے جتنے طریقے رائج ہیں اور جن کا ذکر کیا گیا، ان سب میں غیب کی خبریں بتانے پر اُجرت لینا، دینا دونوں حرام ہیں۔

حدیث شریف میں اس کی صاف ممانعت آئی ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت اور رنڈی (یعنی طوائف) کی کمائی اور کاہن (غیب کی خبریں بتلانے والے) کی اجرت سے منع فرمایا (ترجمہ ختم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ لِأَبِيْ بَكْرٍ غُلَامٌ يُخْرِجُ لَهُ الْخَرَاجَ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَأْكُلُ مِنْ خَرَاجِهِ

---

[1] عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم - مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِينُهُ مِنَ الْجِنِّ .قَالُوا وَإِيَّاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَإِيَّاىَ إِلَّا أَنَّ اللَّهَ أَعَانَنِى عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ فَلاَ يَأْمُرُنِى إِلَّا بِخَيْرٍ (مسلم، حديث نمبر ۷۲۸۶)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :لَيْسَ مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلا وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِينُهُ مِنَ الشَّيَاطِينِ "قَالُوا :وَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ ؟ قَالَ " :نَعَمْ، وَلَكِنَّ اللهَ أَعَانَنِى عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ (مسند احمد، حديث نمبر ۲۳۲۳)

[2] حديث نمبر ۲۰۸۳، كتاب البيوع، باب ثمن الكلب ، مسلم حديث نمبر ۴۰۹۲، ابوداؤد حديث نمبر ۳۴۳۰، ترمذی حديث نمبر ۱۹۹۷ .

فَجاءَ يَوْمًا بِشَيْءٍ فَأَكَلَ مِنهُ أَبُو بَكْرٍ فَقالَ لَهُ الْغُلامُ أَتَدْرِيْ مَا هَذا؟ فَقالَ أَبُو بَكْرٍ وَمَا هُوَ؟ قَالَ كُنتُ تَكَهَّنتُ لِإِنسَانٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَمَا أُحسِنُ الْكِهَانَةَ إِلَّا أَنِّيْ خَدَعْتُهُ فَلَقِيَنِيْ فَأَعْطَانِيْ بِذٰلِكَ فَهٰذَا الَّذِيْ أَكَلْتَ مِنهُ فَأَدْخَلَ أَبُو بَكْرٍ يَدَهُ فَقَاءَ كُلَّ شَيْءٍ فِيْ بَطْنِهٖ(بخاری) [1]

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کما کر دیتا تھا، جس کو حضرت ابوبکر استعمال کیا کرتے تھے، پس ایک دن وہ کوئی چیز لے کر آیا جس میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھالیا پھر اس غلام نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ چیز کونسی کمائی کی ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ بتاؤ یہ کس کمائی سے ہے؟ غلام نے کہا کہ میں جاہلیت (یعنی کفر) کی حالت میں کہانت کہا کرتا (یعنی غیب کی خبریں بتاتا) تھا، اگرچہ میں کہانت کے فن کو بھی صحیح طرح سے نہیں جانتا تھا بلکہ اُوٹ پٹانگ ماردیا کرتا تھا، تو مجھے یہ چیز کہانت کے معاوضہ میں ملی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ اپنے حلق میں ڈال کر قے کردی اور پیٹ میں سے ساری چیز کو اُگل دیا (ترجمہ ختم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے الٹی کرنے کی وجہ اس حرام چیز کو اپنے پیٹ سے جدا کرنا تھی، اور اگرچہ کھا لینے کے بعد پتہ چلنے پر الٹی کرنا ضروری نہیں تھا، لیکن آپ نے تقویٰ کی وجہ سے ایسا کیا۔ [2]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غیب کی خبریں بتانے والے نجومی اور کاہن کی کمائی حرام ہے۔ [3]

---

[1] حديث نمبر ٣٥٥٤، كِتَاب الْمَنَاقِبِ، بَاب أَيَّامُ الْجَاهِلِيَّةِ.

[2] فأعطانى بذلك أى بمقابلة كهانتى هذا الشىء وقيل الباء زائدة فهذا الذى أكلت منه فأدخل أبو بكر يده فقاء أى للورع كل شىء فى بطنه لغلظ حرمته حيث اجتمعت الكهانة والخديعة وقال الطيبى رحمه الله لكونه حلوانا للكاهن لا للخداع (مرقاة، كتاب البيوع، باب الكسب)

[3] أجمع المسلمون على تحريم حلوان الكاهن ؛ لأنه عوض عن محرم ، ولأنه أكل المال بالباطل(شرح النووى،باب تحريم ثمن الكلب وحلوان الكاهن ومهر البغى والنهى عن بيع السنور) قوله :(وحلوان الكاهن إلخ) ويندرج فى الكاهن الرمال والجفار و عالم النجوم وغيرهم (العرف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شیخ احمد کا وصیت نامہ

چونکہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو دین سے دور کرلیا ہے اور اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ اور توکل نہیں ہے۔

بلکہ مزید اپنی جہالت اور نادانی سے بدفالی، بدشگونی، نحوست، چھوت چھات اور طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلاء ہیں۔

جس کی بناء پر دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کی اس دینی کمزوری سے پورا فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

چنانچہ دشمنانِ اسلام نے ایک فرضی وصیت نامہ تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے شیخ احمد نامی کسی شخص کے نام سے شائع کیا جواب تک مسلمانوں میں تھوڑے بہت مضمون کے اختلاف کے ساتھ چل رہا ہے اس میں جو کچھ لکھا ہوا ہوتا ہے، کم علم مسلمان اس سے ڈر کر یا نفع کی امید پر اب تک اس کو چلا رہے ہیں۔

حالانکہ یہ وصیت نامہ فرضی ہے، شیخ احمد نامی کوئی صاحب روضۂ اقدس کا خادم نہیں۔

اور اس وصیت نامہ میں جو عبادت کی طرف متوجہ ہونے اور آخرت کی فکر میں لگنے کو لکھا ہے یہ اچھی باتیں ہیں اور ضروری کام ہیں، مگر ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے قرآن وسنت کے ارشادات وخطابات اور تعلیمات کافی ہیں۔

فرضی افسانہ شائع کرنا اور آنحضرت ﷺ کی طرف کسی تراشیدہ بات کو منسوب کرنا سخت گناہ ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الشذی، كتاب النكاح ،باب ما جاء فی كراهية مهر البغی)

وحلوان الكاهن ما يأخذه الكاهن على كهانته فإن الكهانة باطلة لا يجوز أخذ الأجر عليها وقيل هی الرشوة وقيل هو مشتق من الحلاوة يقال منه حلوت الرجل أحلوه إذا أطعمته الحلو كما يقال عسلته إذا أطعمته العسل والفرق بين الكاهن والعراف أن الكاهن يتعاطى الخبر عن الكوائن فی مستقبل الزمان ومعرفة الأسرار والعراف يتعاطى معرفة الشیء المسروق ومكان الضالة ونحوه والله أعلم(اللباب فی الجمع بين السنة والكتاب،للإمام أبو محمد علی بن زكريا المَنبَجی، كتاب البيوع،باب يجوز بيع الكلب ويكره)

نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

مَنْ كَذِبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (مسلم، عن ابی هريرة) [۱]

ترجمہ: جو شخص میرے اوپر عمداً جھوٹ باندھے، تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا آگ (یعنی جہنم) میں بنالے (ترجمہ ختم)

اور ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلٰى أَحَدٍ مَنْ كَذِبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (بخاری عن المغيرة) [۲]

ترجمہ: میرے اوپر جھوٹ باندھنا کسی اور پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے، جو شخص میرے اوپر عمداً جھوٹ باندھے، تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا آگ (یعنی جہنم) میں بنالے (ترجمہ ختم)

بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ یہ وصیت نامہ عیسائیوں کا جاری کردہ ہے۔

شروع میں جب انگریزوں کا ہندوستان پر غلبہ ہوا تھا تو انہیں مسلمانوں کی جانب سے جہاد کرنے اور اپنے مقابلہ کا خوف دامن گیر ہوا تو انہوں نے مسلمانوں کو صرف نماز روزے پر لگے رہنے اور اپنے سے غافل کرنے کے لئے یہ سازش بنائی کہ ایک فرضی وصیت نامہ بنا کر شائع کر دیا۔

اور چونکہ اس وصیت نامہ میں یہ بھی ہے کہ جو اس کو پڑھے گا اور چھپوا کر تقسیم نہیں کرے گا وہ غم دیکھے گا اور اس کو نقصان ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ، اور ساتھ ہی اس قسم کے کچھ واقعات اور مثالیں بھی جھوٹے سچے درج ہوتے ہیں کہ فلاں نے چھپوایا اس کو اتنا فائدہ ہوا اور فلاں نے یقین نہیں کیا تو اتنا نقصان اٹھایا وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے مسلمان اس کو آگے خود ہی شائع کرتے رہتے ہیں۔ جب اس کا ذکر و فکر ختم ہو جاتا ہے تو کوئی دوسرا شائع کر دیتا ہے۔

اس طرح یہ سلسلہ اب تک چلتا آ رہا ہے۔ بلکہ بعض جگہ خود فوٹو اسٹیٹ کے کاروبار کرنے والے اس

---

[۱] حديث نمبر ۴، مقدمة، باب فی التحذير من الكذب على رسول الله ﷺ.

[۲] حديث نمبر ۱۲۰۹، كتاب الجنائز، باب ما يكره من النياحة على الميت.

کی نقلیں کر کے قریب میں تقسیم کرا دیتے ہیں، جس کے نتیجہ میں پھر بے شمار لوگ اس قریبی دکان سے فوٹو کاپیاں کرا کر تقسیم کرتے ہیں، اور اس طرح ان دکانداروں کا بھی کاروبار چلتا رہتا ہے اور دوسرے لوگ بھی خوش رہتے ہیں۔

یہ سراسر جہالت ہے اس طرح اپنے پیسوں کو ضائع کرنا ایک مستقل گناہ ہے۔ [1]

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ وصیت نامہ اور اسی قسم کے وصیت نامے جو مدت سے شائع کیے جا رہے ہیں ہرگز

---

[1] حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

ایسا وصیت نامہ بہت دفع شائع ہو چکا ہے، ہمیشہ اسی نام اور لقب سے شائع ہوتا ہے۔

اول تو یہ تعجب ہے کہ ایک شخص اتنی بڑی عمر پاوے، دوسرے یہ تعجب ہے کہ ایک شخص کے سوا اور کسی خادم کو یا اور ملکوں کے بزرگوں اور ولیوں کو یہ دولتِ زیارت اور ہمکلامی کی نصیب نہ ہو۔ تیسرے اگر ایسا ہی قصہ ہوتا تو خود مدینہ میں اس کی زیادہ شہرت ہونا چاہئے تھی، حالانکہ وہاں کے آنے جانے والوں یا خطوط سے ان امور کا نام ونشان بھی نہیں معلوم ہوتا۔

پھر محض اس طرح بلاسند کوئی مضمون قابلِ اعتبار نہیں ہوسکتا، ورنہ جو جس کے جی میں آوے مشہور کر دیا کرے، شرع میں حکم ہے کہ جو بات ہو خوب تحقیق کے بعد اس کو معتبر سمجھو، علاوہ اس کے اس میں بعض مضامین ایسے ہیں جو شرع اور عقل کے خلاف ہیں، مثلاً سترہ لاکھ مسلمان کلمہ گو مریں، اور ان میں سترہ آدمی صرف مسلمان ہوں اول تو خدا تعالیٰ کی رحمت غالب ہے ان کے غضب پر، دوسرے ہم خود دیکھتے ہیں کہ زیادہ مسلمان توبہ کر کے اور کلمہ پڑھتے ہوئے مرتے ہیں، جو علامت خاتمہ بالخیر کی ہے۔ پھر اس مضمون کی گنجائش کہاں ہے؟

اسی طرح اس میں لکھا ہے کہ تارک الصلوٰۃ کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں، یہ حکم صاف حدیث کے خلاف ہے۔ صلوا علیٰ کل بر و فاجر یہ بھی قرینہ ہے اس وصیت نامہ کے غلط ہونے کا، اسی طرح جن چیزوں کا بدعت ہونا دلیلِ شرعی سے ثابت ہو چکا ہے، جیسے تخصیص شربت کی شہداءِ کربلا کے واسطے، اور کھیر حضرت خاتون رضی اللہ عنہا کے واسطے اور پلاؤ حضرت غوثِ اعظم کے واسطے، اسی طرح آج کل سا مولود شریف ان سب چیزوں کی اس میں ترغیب ہے۔ یہ سب باتیں اس میں عقل اور شرع کے خلاف ہیں۔

اس لئے یہ وصیت نامہ محض کسی کا تراشیدہ ہے، محدثین نے اس سے ہلکے قرینوں پر حدیث کو موضوع کہہ دیا ہے اور موضوع کی اشاعت وروایت نصاً اور اجماعاً حرام ہے بلکہ بعض محدثین کے نزدیک کفر ہے، ہرگز اس کے تمام مضمون کو صحیح نہ سمجھیں، البتہ جو باتیں قرآن وحدیث اور دین کی کتابوں میں لکھی ہیں، اس کے موافق نیک راہ پر چلیں اور بری راہ سے بچیں، اور جھوٹی بات کا نسبت کرنا حضرت پیغمبر ﷺ کی طرف بڑا بھاری گناہ ہے، اس لئے ایسے مضمون کے رواج دینے والا گناہ گار ہوگا (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۵۵۶)

اعتبار کے قابل نہیں ہیں، شیخ احمد ایک فرضی نام ہے۔ اور تمام واقعہ محض بناوٹی اور گھڑا ہوا ہے۔

یا تو یہ کارروائی دشمنانِ اسلام کی ہے کہ وہ مسلمانوں کے عقیدے بگاڑنے کے لئے اس قسم کی بے سروپا باتیں شائع کرتے ہیں۔ یا ان نادان اور جاہل مسلمانوں کا کام ہے جو اصولِ اسلام سے ناواقف اور بے خبر ہیں۔

بہرحال یہ اشتہار اور اسی قسم کے دوسرے اشتہار بالکل نا قابلِ اعتماد ہیں۔ کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ وہ انہیں چھپوائے یا شائع کرے۔ یا اسے پڑھ کر دوسروں کو سنائے۔ بلکہ لازم ہے کہ جسے ملے وہ فوراً ضائع کردے (کفایت المفتی ج ۱ص ۳۶۴)

اپنے ایک دوسرے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ اشتہار جس کا عنوان ''فرمانِ مصطفوی'' ہے عرصۂ دراز سے ہندوستان میں چھپتا اور شائع ہوتا ہے۔ تقریباً پینتالیس برس سے تو میں دیکھ رہا ہوں۔ ابتداء میں اس کی اشاعت غالباً کسی دشمنِ اسلام نے کی ہو۔ پھر بھولے بھالے مسلمان اپنی ناواقفیت کے باعث پھنس گئے۔ اور کوئی نہ کوئی مسلمان اس کو چھپوا کر شائع کردیتا ہے۔ اس کا مضمون شریعت کے اصول کے خلاف ہے۔ اور اس پر یقین کرنا جہالت اور گناہ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ 24/جون 1934ء) (کفایت المفتی ج ۱ص ۳۶۵)

غور فرمائیں! کہ یہ سن 1934ء کا فتویٰ ہے اور تقریباً پینتالیس سال سے حضرت مفتی صاحب موصوف نے اس قسم کے اشتہار کے بارے میں اپنا مشاہدہ بیان فرمایا ہے۔

اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس قسم کی سازشیں اور جہالتیں کتنے عرصے سے مسلمانوں میں جڑیں پکڑے ہوئے ہیں۔ کیا اب بھی مسلمانوں کے غفلت سے بیدار ہونے کا وقت نہیں آیا؟

اس کے علاوہ سعودی عرب کے مفتیِ اعظم عبدالعزیز بن باز مرحوم نے بھی شیخ احمد کے وصیت نامہ کے متعلق ایک مستقل مضمون تحریر فرمایا ہے جو ان کے مجموعۂ فتاویٰ میں بزبانِ عربی شائع ہو چکا ہے۔

جس میں انہوں نے مدلل ومفصل انداز میں اس وصیت نامے کا جھوٹ اور کذب پر مشتمل ہونا بیان فرمایا ہے۔ [1]

[1] أما بعد :فقد اطلعت على كلمة منسوبة إلى الشيخ أحمد خادم الحرم النبوى الشريف بعنوان : (هذه وصية من المدينة المنورة عن الشيخ أحمد خادم الحرم النبوى الشريف) قال فيها :(كنت ساهرا ليلة الجمعة أتلو القرآن الكريم، وبعد تلاوة قراء ة أسماء الله الحسنى، فلما فرغت من ذلك تهيأت للنوم، فرأيت صاحب الطلعة البهية رسول الله صلى الله عليه وسلم الذى أتى بالآيات القرآنية، والأحكام الشريفة .رحمة بالعالمين سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم فقال :يا شيخ أحمد، قلت لبيك يا رسول الله، يا أكرم خلق الله، فقال لى :أنا خجلان من أفعال الناس القبيحة، ولم أقدر أن أقابل ربى، ولا الملائكة .لأن من الجمعة إلى الجمعة مات مائة وستون ألفا على غير دين الإسلام، ثم ذكر بعض ما وقع فيه الناس من المعاصى، ثم قال :فهذه الوصية رحمة بهم من العزيز الجبار .ثم ذكر بعض أشراط الساعة، إلى أن قال :فأخبرهم يا شيخ أحمد بهذه الوصية . لأنها منقولة بقلم القدر من اللوح المحفوظ، ومن يكتبها ويرسلها من بلد، إلى بلد، ومن محل إلى محل، بنى له قصر فى الجنة، ومن لم يكتبها ويرسلها حرمت عليه شفاعتى يوم القيامة، ومن كتبها وكان فقيرا أغناه الله، أو كان مديونا قضى الله دينه، أو عليه ذنب غفر الله له ولوالديه ببركة هذه الوصية، ومن لم يكتبها من عباد الله اسود وجهه فى الدنيا والآخرة، وقال :والله العظيم ثلاثا هذه حقيقة، وإن كنت كاذبا أخرج من الدنيا على غير الإسلام، ومن يصدق بها ينجو من عذاب النار، ومن يكذب بها كفر)

هذه خلاصة ما فى الوصية المكذوبة على رسول الله صلى الله عليه وسلم ، ولقد سمعنا هذه الوصية المكذوبة مرات كثيرة منذ سنوات متعددة، تنشر بين الناس فيما بين وقت وآخر، وتروج بين الكثير من العامة، وفى ألفاظها اختلاف، وكاذبها يقول :إنه رأى النبى صلى الله عليه وسلم فى النوم فحمله هذه الوصية، وفى هذه النشرة الأخيرة التى ذكرنا لك أيها القارء زعم المفترى فيها أنه رأى النبى صلى الله عليه وسلم عندما تهيأ للنوم، فالمعنى :أنه رآه يقظة!

زعم هذا المفترى فى هذه الوصية أشياء كثيرة، هى من أوضح الكذب، وأبين الباطل، سأنبهك عليها قريبا فى هذه الكلمة إن شاء الله ولقد نبهت عليها فى السنوات الماضية، وبينت للناس أنها من أوضح الكذب، وأبين الباطل، فلما اطلعت على هذه النشرة الأخيرة ترددت فى الكتابة عنها، لظهور بطلانها، وعظم جراء ة مفتريها على الكذب، وما كنت أظن أن بطلانها يروج على من له أدنى بصيرة، أو فطرة سليمة، ولكن أخبرنى كثير من الإخوان أنها قد راجت على كثير من الناس، وتداولها بينهم وصدقها بعضهم، فمن أجل ذلك رأيت أنه يتعين على أمثالى الكتابة عنها، لبيان بطلانها، وأنها مفتراة على رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى لا يغتر بها أحد، ومن تأملها من ذوى العلم والإيمان، أو ذوى الفطرة السليمة والعقل الصحيح، عرف أنها كذب وافتراء من وجوه كثيرة .

نشرت هذه الوصية فى كراسة برقم ۱۷ عن الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية والإفتاء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ یہ ہے کہ یہ وصیت نامہ اوراس قسم کے دوسرے وصیت نامے اوراعلان (مثلاً ''ایک حاجن کا اعلان'') جعلی، فرضی اورخود ساختہ ہیں۔شرعاً ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ان میں اپنا مال اور وقت ضائع کرنا گناہ ہےاوراس قسم کے مضامین کو پڑھنا، دوسروں کو پڑھانااور شائع کرنااوران پر یقین کرنا آخرت میں خسارے کا ذریعہ ہے۔

بیماری یا مصیبت کے موقع پر جانور کا مخصوص صدقہ

ہمارے معاشرے میں ایک رسم یہ رائج ہے کہ جب کوئی شخص سخت بیمار ہوجاتا ہے یا کوئی مصیبت آپڑتی ہےتو اس کی طرف سے بکرا ذبح کر کے اس کا گوشت غریبوں کو دے دیا جاتا ہےاور یہ سمجھا جاتا ہے کہ جان کا بدلہ جان دینے سے مریض کی جان بچ جائے گی اور صحت ہوجائے گی یا مصیبت ٹل جائے گی۔اور جانور کے بجائے اس موقع پر دوسری چیز کے صدقہ کو کافی نہیں سمجھا جاتا حالانکہ اس موقع پر جانور ذبح کرنے کو خاص کرنا بدعت ہےاس سے بچنا ضروری ہے۔

کسی پریشانی ،مصیبت، یا بیماری وغیرہ سے حفاظت کے لئے احادیث میں صدقہ کی ترغیب آئی ہے،اورصدقہ اس چیز کا کرنا چاہئے جس سے غریبوں اورمحتاجوں وضرورتمندوں کی زیادہ بہتر طریقہ پراعانت (مدد) ہو،اورشریعت نے صدقہ میں بکرے یا کسی دوسری چیز کو مخصوص نہیں کیا۔

اس کے برعکس بکرے کے صدقہ کی جو رسم عوام میں چل نکلی ہے اس میں مندرجہ ذیل خرابیاں پائی جاتی ہیں:

(۱)......صدقہ کے وسیع مفہوم کو نظر انداز کر کے بکرے ہی کو لازم وضروری سمجھا جانے لگا ہےاور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والدعوة والإرشاد عام ۱۴۰۲ھـ.

ولقد سألت بعض أقارب الشيخ أحمد المنسوبة إليه هذه الفرية، عن هذه الوصية، فأجابنى :بأنها مكذوبة على الشيخ أحمد، وأنه لم يقلها أصلا، والشيخ أحمد المذكور قد مات من مدة، ولو فرضنا أن الشيخ أحمد المذكور، أو من هو أكبر منه، زعم أنه رأى النبى صلى الله عليه وسلم على فى النوم أو اليقظة، وأوصاه بهذه الوصية، لعلمنا يقينا أنه كاذب، أو أن الذى قال له ذلك شيطان، ليس هو الرسول صلى الله عليه وسلم لوجوه كثيرة منها(مجموع فتاویٰ ومقالات ابن باز، رسالة التحذير من البدع)

بکرے کو دوسری چیزوں پر ترجیح دی جانے لگی ہے خواہ غریبوں اور دینی اداروں کی دوسری ضروریات ہی کیوں نہ ہوں اور بکرے یا گوشت کی غریبوں اور دینی اداروں کو ضرورت نہ بھی ہو، جبکہ شریعت نے صدقہ کو کہیں بھی بکرے کے ساتھ خاص نہیں کیا اور نہ ہی بکرے کو ہمیشہ اور ہر حال میں دوسری چیزوں پر فضیلت دی ہے۔

بکرے کو مخصوص کر لینے کی وجہ سے غریبوں کی ضروریات کا لحاظ نہیں ہوتا کیونکہ غریبوں کی مختلف ضروریات ہوتی ہیں مثلاً لباس، کپڑے کی ضرورت، مسافر کو کرایہ کی ضرورت، بیمار کو علاج اور دوا کی ضرورت اور غریب کو آج کے بجائے کل پیش آنے والی ضروریات وغیرہ وغیرہ، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ بکرے سے اور وہ بھی ذبح ہونے کے بعد غریب لوگ اور دینی ادارے اپنی ہر قسم کی موجودہ یا آئندہ کی ضروریات پوری نہیں کر سکتے اور بالفرض غریبوں کو کھانے کی ہی ضرورت ہو تب بھی صرف بکرے یا گوشت سے اپنے پیٹ کو نہیں بھر سکتے بلکہ روٹی وغیرہ کی پھر بھی ضرورت رہتی ہے، پھر بہت سے غریب لوگ گوشت کے بجائے کھانے کی دوسری چیزوں کو پسند کرتے ہیں یا غریب بیمار کا بسا اوقات گوشت سے پرہیز ہوتا ہے، نیز بکرے کو کھانے کے لائق بنانے کے لئے کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے (کھال اتارنا، بوٹیاں بنانا، صاف کرنا، پھر اس کو پکا کر تیار کرنا وغیرہ وغیرہ) اس کے برعکس اگر اتنی ہی رقم دے دی جائے تو اس سے آج کے دور میں اپنی موجودہ یا آئندہ مختلف قسم کی ضروریات پوری کی جا سکتی ہیں اور ایک سے زیادہ ضروریات ہوں تو وہ بھی پوری ہو سکتی ہیں۔

(۲)...... اس میں عام طور پر دکھلاوا پیدا ہو جاتا ہے اس کے برعکس نقد رقم ایسی چیز ہے کہ اس سے غریب اپنی ہر قسم کی ضرورت پوری کر سکتا ہے اور چپ چاپ اخلاص کے ساتھ اس کا صدقہ ہو سکتا ہے اور غریب آئندہ کی ضرورت کے لئے بھی رکھ سکتا ہے، اور آسانی سے دوسری جگہ بھی ساتھ میں لے کر جا سکتا ہے جبکہ بکرے میں یہ باتیں بآسانی پائی جانا مشکل ہیں۔

(۳)...... دنیا میں پریشانی، مصیبت یا بیماری وحادثات کا سامنا تو ایسے غریبوں کو بھی ہوتا ہے جو بکرے کی استطاعت نہیں رکھتے، ایسی صورت میں یا تو وہ صدقہ کرنے سے محروم رہتے ہیں یا پھر

قرض وغیرہ لے کر بکرے کے صدقہ پر مجبور ہوتے ہیں حالانکہ صدقہ اپنی استطاعت وقدرت کے مطابق ہر ایک کر سکتا ہے اور یہ مستحب عمل ہے جس کی خاطر قرض لینے کی اجازت نہیں اور یہ خرابی بکرے کی تخصیص سے پیدا ہوئی۔

(۴)...... نقدی کے بجائے بکرے کے صدقہ میں غریبوں کے علاوہ خود صدقہ کرنے والے کی محنت اور وقت کا بھی بے جا ضیاع ہے، کیونکہ نقدی وغیرہ تو اپنے پاس موجود ہوتی ہے جس سے بکرا خرید کیا جاتا ہے، اگر وہی رقم دے دی جائے تو بکرے کی خریداری اور اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی پریشانیوں اور بکھیڑوں سے بھی نجات مل جاتی ہے۔

(۵)...... اس صدقہ میں خاص بکرے کے ذبح کرنے کو آفتوں ، بلاؤں اور بیماریوں کے دور کرنے میں مؤثر سمجھا جاتا ہے، حالانکہ صدقہ میں بکرے یا کسی جانور کا ذبح کرنا یا خون بہانا ذرہ برابر بھی بلاؤں کے دور کرنے میں مؤثر نہیں، اور یہ لوگوں کا خود ساختہ عقیدہ ہے، صدقہ میں اصل چیز ضرورت مندوں کی اعانت اور تعاون ہے۔

(۶)...... بعض لوگ جانور کے ذبح کرنے کو خون بہایا جان کا بدلہ جان سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ الا بلا بکرے کی جان پر ٹل جاتی ہے ''الا بلا بر سرِ بکرا'' یہ بھی غیر شرعی حرکت ہے، اور صدقہ کی روح سے ناواقفیت پر مبنی ہے، کیونکہ یہ جانور یا اس کا ذبح کرنا اور خون بہانا ہرگز بھی جان کا بدلہ نہیں بنتا۔

(۷)...... بعض لوگ بذاتِ خود بکرے کے ذبح کرنے کو ہی اصل صدقہ سمجھنے لگے ہیں اسی وجہ سے غریبوں کو زندہ دینا گوارا نہیں اور اگر معلوم ہو جائے کہ غریب اس کو زندہ رکھ کر کسی دوسری طرح اس سے فائدہ اٹھائے گا، یا کسی کو فروخت کر دے گا یا صدقہ وھبہ وغیرہ کر دے گا اور ذبح نہیں کرے گا تو اس کو صدقہ دینا ہرگز گوارا نہیں کرتے، یہ تنگ نظری بھی صدقہ کی روح کے خلاف ہے۔

(۸)...... صدقہ کے لئے بکرے کے ذبح کو ضروری سمجھنے میں علاوہ ایک جانور کی جان کے بے جا ضیاع کے مال کا اتلاف اور ضیاع بھی پایا جاتا ہے، اور وہ اس طرح کہ زندہ بکرے کی خرید میں جتنی رقم خرچ ہوتی ہے، غریبوں تک اس پوری رقم کا فائدہ نہیں پہنچتا، چنانچہ ذبح ہونے کے بعد اس

کی قیمت گھٹ جاتی ہے یعنی اگر اتنی مقدار میں بازار سے گوشت خریدا جائے تو زندہ جانور سے غیر معمولی کم قیمت میں حاصل ہو جائے۔

لہٰذا جتنی مالیت جانور ذبح ہونے میں تلف ہوگئی اس کا فائدہ غریبوں تک بھی نہیں پہنچا اور اتنی مقدار صدقہ کا ثواب نہ ملا، اور اگر کھال وغیرہ گوشت بنانے کی اجرت میں چلی گئی اسی طرح سری، پائے، کلیجی وغیرہ بھی استعمال میں نہ آئی (جیسا کہ عام طور پر اُن اداروں میں یہ چیزیں ضائع چلی جاتی ہیں جہاں کثرت سے صدقہ کے بکرے آتے ہیں) تو اتنی مقدار بھی صدقہ کے مفہوم سے خارج ہوگئی، اور رہی سہی مقدار جو غریبوں کے ہاتھ لگی وہ ہی اصل صدقہ ہے، مگر غلط عقیدہ کی وجہ سے اتنی مقدار کے صدقہ سے بھی محرومی کا قوی اندیشہ ہے۔

(۹)......بعض اداروں میں جہاں بکروں کی آمد بکثرت ہوتی ہے، گوشت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اسی گوشت کو اور اگر زندہ بکرے ہوں تو انہیں بہت سستے داموں فروخت کر دیا جاتا ہے، اور اصل گوشت کی بازاری قیمت بھی مستحقین کے ہاتھ نہیں لگتی، اور گوشت کی فراوانی اور شکم سیری کے باعث ایسے اداروں میں دوسرے طریقوں سے بھی گوشت کی ناقدری ہوتی ہے۔

(۱۰)......بکرے کا گوشت بڑے گوشت اور عام سبزی و دال کے مقابلہ بہت گراں قیمت میں حاصل ہوتا ہے، اور زندہ جانور کی مالیت عموماً ذبح شدہ بازاری گوشت سے بھی زیادہ ہوتی ہے، اور غریبوں کی ضرورت بڑے گوشت، یا دال اور سبزی سے بھی پوری ہوسکتی ہے، اگر اتنی مالیت کی نقدی غریبوں کو صدقہ دی جائے تو وہ اس کے ذریعہ سے اپنے صرف کھانے کی ضرورت کئی کئی وقتوں بلکہ کئی کئی دنوں تک پوری کر سکتے ہیں، جبکہ بکرے کی مروجہ رسم میں خرچ کردہ مالیت ایک وقت میں ہی ہضم ہو جاتی ہے، اس لئے بھی مروجہ بکرے کے صدقہ کی رسم کے بجائے نقدی یا دوسرے ضرورت کے مال سے صدقہ کرنا زیادہ فائدے اور فضیلت کا باعث ہے۔

(۱۱)......بعض لوگ بکرے میں کالے رنگ کو ضروری یا افضل سمجھتے ہیں، اور اس میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ اگر ذرا سا رنگ بھی غیر سیاہ ہو تو اس کو صدقہ میں کم فضیلت یا افادیت کا باعث سمجھتے ہیں، اسی وجہ سے صدقہ کے لئے کالے رنگ والے بکروں کی قیمت دوسرے رنگ کے بکروں سے زیادہ ہوتی

ہے، عوام کا عقیدہ اس سلسلہ میں یہ ہو گیا ہے کہ بلا اور مصیبت اُن کے تصور میں سیاہ اور کالے رنگ کی ہوتی ہے اور سیاہ رنگ کا بکرا اس بلاء کو دور کرنے اور اپنے ساتھ لے جانے میں زیادہ تاثیر رکھتا ہے کیونکہ دونوں طرف سے رنگ کی مناسبت وموافقت ہو جاتی ہے اور یہ تصور بدعت ہے اور اس خرابی کی بنیاد جانور کا بیماری اپنی جان کے ساتھ لے جانے کا فاسد عقیدہ ہے۔

(۱۲)......بعض لوگ مریض یا مصیبت زدہ شخص کا بکرے یا ذبح کرنے والی چھری پر ہاتھ پھیرنے کا اہتمام کرتے ہیں یہ بھی دین پر زیادتی اور بدعت ہے۔

(۱۳)......بعض لوگ اس بکرے کو مریض کے قریب ذبح کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں یہ بھی غلط ہے۔

(۱۴)......بعض لوگ مریض کے سر کے اوپر سے بکرے کی سری گُھماتے ہیں اور پھر اس کو غریبوں کو دیتے ہیں، اس کی بھی کوئی اصل نہیں۔

(۱۵)......بعض جگہ بارات کی روانگی کے وقت بکرا ذبح کر کے اس کے خون کے اوپر سے دولہا کو گزارا جاتا ہے، اسی طرح بارات کی واپسی پر بکرا ذبح کر کے اس کے اوپر سے دولہن کو گزارا جاتا ہے، تاکہ آفات وبلیات اس بکرے کی جان کے ساتھ چلی جائیں، یہ عقیدہ من گھڑت اور شریعت کے بالکل خلاف ہے۔

(۱۶)......بعض لوگ بکرا ذبح کرنے کے بعد اس کے یا اس کے خون کے اوپر سے مریض یا مصیبت زدہ کو گزارتے ہیں یہ بھی جہالت کی رسم ہے۔

(۱۷)......اسی طرح بعض جگہ مکان وغیرہ کی بنیاد یا درو دیوار کے ساتھ بکرے کو ذبح کر کے اس کا خون ڈالتے ہیں یہ بھی جہالت کی بات ہے، اور ان سب خرابیوں کی بنیاد وہی جانور کی جان اور خون کے ساتھ آفات وبلیات کے رخصت ہو جانے کا فاسد عقیدہ ہے۔

(۱۸)...... بہت سے لوگ سستے داموں کی خاطر بکری کے چھوٹے چھوٹے دودھ پیتے بچوں کو اس رسم کی خاطر ذبح کر دیتے ہیں جن کا گوشت طبی طور پر نقصان دہ ہونے کے علاوہ ان بچوں پر ایک طرح کا ظلم بھی ہے، جس کا وبال سخت ہے۔

شریعتِ مطہرہ نے بکرے کے لئے قربانی میں جو ایک سال کی قید لگائی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلاضرورت اس سے کم عمر کے بکروں کو ذبح کرنا پسندیدہ عمل نہیں، اور یہ پہلے ہی معلوم ہو چکا کہ صدقہ میں جانور کا ذبح کرنا ضرورت نہیں اور جہاں ذبح ضروری ہے (مثلاً قربانی، عقیقہ وغیرہ) وہاں بکرے کی ایک سال عمر ہونا ضروری ہے، اور جب عمر مکمل ہونے سے پہلے پورے سال ملک بھر میں لاکھوں کی تعداد میں صدقہ کے طور پر بکرے ذبح کیے جائیں گے تو اس کا اثر قربانی کے موقع پر قیمت کی گرانی اور کم یابی کی صورت میں ظاہر ہونا اور متوسط طبقہ کو اپنا واجب قربانی کا فریضہ ادا کرنے میں مشکل پیش آنا بھی ظاہر اور واضح ہے۔

اور یہ سب خرابیاں بکرے کے ذبح کو مقصود، ضروری یا آفات و بلیات سے حفاظت کا ذریعہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہیں۔

(۱۹)...... عام صدقہ وخیرات مستحب اور زیادہ سے زیادہ سنت عمل ہے، اور شریعت کا اصول ہے کہ اگر کسی سنت و مستحب عمل میں مفاسد پیدا ہو جائیں تو اس کا ترک کرنا ضروری ہو جاتا ہے، کیونکہ مفاسد کے ساتھ اس عمل کو انجام دینا ثواب کا باعث نہیں رہتا بلکہ الٹا گناہ کا باعث ہو جاتا ہے، اور جانور کے صدقہ کی مروجہ رسم میں ایک کے بجائے کئی مفاسد شامل ہو گئے ہیں، جن کی وجہ سے اب یہ ثواب کے بجائے گناہ کا باعث ہو گیا ہے، اس سے بہتر تھا کہ صدقہ کیا ہی نہ جاتا، کیونکہ اس صورت میں کوئی گناہ نہیں تھا، اور اگر کرنا ہی تھا تو ایسے طریقہ پر کیا جاتا جس سے صدقہ کا مقصد اور ثواب تو حاصل ہوتا، اور اس کا بہتر طریقہ نقدی وغیرہ کی شکل میں تھا۔

غرضیکہ بکرے کے صدقہ کی اس مروجہ رسم میں اس قسم کی تمام رسمیں غلط ہیں جن میں بجائے ثواب کے گناہ ہے۔ ان میں بعض چیزیں حرام اور بدعت ہیں اور بعض شرک کے قریب پہنچا دینے والی ہیں۔ جب بکرے کی رسم میں اتنی خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں تو بکرے کے بجائے نقدی کی صورت میں صدقہ کرنا چاہئے یا کسی اور ضرورت کی چیز سے صدقہ کرنا چاہئے، اگر کوئی شخص خرابیوں سے بچ کر بھی بکرا صدقہ کرے تب بھی قولی یا عملی طور پر اس رسم کی تائید ہوتی ہے اور مروجہ رسم کو تقویت پہنچتی ہے، لہٰذا ان تمام پابندیوں کو چھوڑ کر صدقہ میں شریعت کی دی ہوئی آسانی سے فائدہ اٹھانا چاہئے (تفصیل اور دلائل کے لئے ہمارا رسالہ ''صدقہ کا صحیح طریقہ اور بکرے کا صدقہ'' ملاحظہ فرمائیں)

دولھے شاہ کی چوہی کی رسم اور تعاون

ہمارے یہاں رائج شدہ ''دولھے شاہ کی چوہی'' کی رسم جہالت کی ایک بدترین مثال ہے، یہ رسم غیر شرعی اور غیر اخلاقی بنیادوں پر انتہائی ظالمانہ ہے جو جاہلانہ روایت کی بناء پر معصوم بچوں کو تختۂ مشق بنا کر سرانجام دی جاتی ہے۔

معصوم بچوں کے سروں پر خاص وضع کی لوہے کی ٹوپیاں چڑھا دی جاتی ہیں ان ٹوپیوں کی وجہ سے بچوں کا سر چھوٹا رہ جاتا ہے۔ نرم و نازک سر کے ساتھ کیا جانے والا یہ سلوک انتہائی ظالمانہ اور جاہلانہ ہے۔ یہ بچے عموماً وہ ہوتے ہیں جن کے والدین کسی مزار پر جا کر اس طرح کی منت مانتے ہیں کہ مثلاً ''اگر ہمارے اولاد ہوگئی تو ہم پہلا بچہ یہاں نذرانے کے طور پر پیش کریں گے'' پھر اگر اللہ کے حکم سے اولاد ہو جاتی ہے تو یہ لوگ اپنی مانی ہوئی منت کے مطابق اسے یہاں بے یار و مددگار چھوڑ دیتے ہیں یا اغواء کاری کے ذریعہ سے بچوں کو یہاں لایا جاتا ہے، اور پھر وہاں کے گدی نشین اور مجاور وغیرہ اپنی من مانی اور مرضی کے مطابق ان معصوم بچوں کے ساتھ ہر قسم کا غیر انسانی سلوک کر کے ان کے حواس تک معطل یا ناقص کر دیتے ہیں اور غلاموں سے بھی زیادہ بدتر سلوک ان کے ساتھ برتا جاتا ہے، ان معصوم بچوں کے سروں پر لوہے کی ٹوپیاں وغیرہ چڑھا کر ان کے سروں کو بڑھنے نہیں دیا جاتا، تاکہ اپنی خاص علامت کی وجہ سے لوگوں میں شناخت ہو سکے اور پھر ان کے ذریعہ سے مانگنے کے پیشہ کا کام لیا جا سکے اور ان کو مانگنے کے سوا دنیا کی کسی بھی چیز کی تعلیم اور تربیت نہیں دی جاتی اور اس طرح ان کو دنیا کی تمام نعمتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے جس سے ان کی پیدائش کا اصل مقصد ہی یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے پھر کچھ سمجھدار ہونے پر ان مظلوم بچوں کو یا تو فروخت کر دیا جاتا ہے یا پھر ایک مدت کے لئے مخصوص لوگوں کو مانگنے کے لئے ٹھیکے پر دے دیا جاتا ہے، جس میں بعض اوقات نیلامی اور بولی لگا کر بھاری بھر کم رقم وصول کی جاتی ہے۔

معلوم نہیں کہ ان بچوں کے والدین کی غیرت انسانی و ایمانی کہاں چلی جاتی ہے کہ وہ لوگ اس قسم کی منت چڑھا کر ایمان کی دولت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں اور اولاد کی نعمت سے بھی۔ اور اس طرح

اپنی دنیا وآخرت تباہ وبرباد کر کے ''خَسِرَ الدُّنیَا وَ الاٰخِرَۃ '' کا مصداق ہوتے ہیں۔

نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

خوب سمجھ لیجئے! کہ اس قسم کی رسمیں غیر اسلامی اور غیر انسانی ہیں، جن سے ہر مسلمان کو بچنا فرض ہے۔ان کے بارے میں ایک بات یہ مشہور ہے کہ دولھے شاہ کی چوہی کو دینا اور ان کا تعاون کرنا ضروری ہے ورنہ بددعا لگ جاتی ہے اور جب سے ان لوگوں کو دینے کا رواج زیادہ ہوا ہے اس وقت سے اس ظالمانہ رسم میں زیادہ ہی ترقی ہوگئی ہے، بلکہ اس رسم کی وجہ سے بچوں کے اغواء ہونے کے واقعات میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔

لہٰذا ان کا تعاون کرنا ایک طرح سے اس رسم کو فروغ دینا اور عام کرنا ہے جو گناہ کا باعث ہے نہ کہ ثواب کا، پھر یہ بھی سوچنا چاہئے کہ ہزاروں کی مقدار میں روزمرہ کی جمع شدہ رقم ان مظلوموں پر خرچ نہیں کی جاتی بلکہ ظالم جابر لوگوں کے ہاتھ چڑھتی ہے اور انہی کی عیاشیوں میں خرچ ہوتی ہے، لہٰذا یہ تعاون درحقیقت ان ظالم وجابر لوگوں کا تعاون ہے جوکہ جائز نہیں کیونکہ گناہ کا تعاون کرنا بھی گناہ ہے، اس کے بجائے کسی دوسرے کارِ خیر میں خرچ کرنا چاہئے۔

بھنگ، چرس وغیرہ کو ''فقیری بوٹی'' قرار دینا

بہت سے لوگ بھنگ، چرس وغیرہ جیسی نشہ آور چیزوں کو (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ سے تعلق کا ذریعہ قرار دیتے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ اس کو استعمال کر کے اللہ تعالیٰ سے وصال یا عرش کی سیر ہوجاتی ہے اس میں جاہل عوام کے علاوہ ان نام نہاد اور جعلی پیروں، فقیروں کا زیادہ ہاتھ ہے جنہوں نے اپنی دکان چمکانے اور اپنی نفسانی خواہشات پوری کرنے کے لئے اس قسم کی ڈھکوسلے بازیاں عوام میں پھیلا رکھی ہیں، اسی قسم کے جعلی اور دکاندار پیروں، فقیروں نے جاہل عوام کے ذہنوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اس کو ''فقیری بوٹی'' کا نام دے دیا ہے، اسی وجہ سے اس قسم کے جعلی پیروں اور نام نہاد گدی نشین فقیروں کے درباروں پر ان نشہ آور چیزوں کی گرم بازاری نظر آتی ہے اور پیر اور مریدین مل جُل کر اس شیطانی کھیل کو کھیلتے ہیں اور اس میں زیادہ افسوسناک بلکہ ایمان شکن معاملہ یہ ہے کہ

اس عمل کو گناہ بھی نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کو کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اس طرح کی نشہ آور چیزیں شرعاً حرام اور کبیرہ گناہ ہیں، جن کو اختیار کرنے سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کوئی قُرب حاصل نہیں ہوتا بلکہ دوری ہوتی ہے۔ بھلا کبیرہ گناہ بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا سبب بن سکتے ہیں؟

غیر شرعی چلّہ کشی وغیرہ کو بزرگی کا ذریعہ سمجھنا

بہت سے لوگ ایسی حرکات وسکنات کو بزرگی کا ذریعہ سمجھتے ہیں جن میں کسی قسم کا کوئی ثواب نہیں بلکہ وہ چیزیں رہبانیت کے زمرے میں آتی ہیں اور اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں، چنانچہ جو شخص شادی بیاہ نہ کرے (خواہ غیر شرعی طریقے پر اپنی نفسانی خواہشات پوری کرتا رہے) اسی طرح جو شخص ایک خاص مدت تک لوگوں سے الگ تھلگ ہوکر ایک مدت گزار لے (خواہ کتنے ہی اپنے ذمہ میں واجب شدہ حقوق تلف کردے) یا کسی سے خاص مدت تک بات چیت کرنا اور زبان کا استعمال چھوڑ دے (یہاں تک کہ خیر کی باتیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی نہ کرے) یا ایک مدت تک ننگا دھڑنگا رہے اور اپنے ستر کو نہ چھپائے (اور ہمہ وقت اس کبیرہ گناہ میں مبتلاء رہے) یا ایک مدت تک غسل وغیرہ نہ کرے (اور جنابت کی حالت میں ناپاک رہے اور نماز جیسے اہم فریضوں کو بھی غارت کرتا رہے) یا ایک مدت تک کھانا پینا چھوڑ دے، یا کوئی خاص علامت اپنی متعین کرلے مثلاً خاص تعداد میں کسی کو ڈنڈے مارنا وغیرہ، اس قسم کے لوگوں کے بارے میں مشہور کردیا جاتا ہے کہ یہ بہت اونچے درجے کے بزرگ ہیں اور بڑے بڑے مجاہدات وریاضات کرچکے ہیں یا کررہے ہیں حالانکہ اس طرح کے مجاہدے اور حرکات نہ تو قرآن وحدیث کی روشنی میں کوئی ثواب کا باعث ہیں اور نہ ہی حضور ﷺ کی اتباع کی نشانی ہیں اور نہ ہی ایمان کے ساتھ ان کا کوئی خاص تعلق ہے، کیونکہ اس طرح کے مجاہدے اور حرکات اور چلہ کشیاں تو کفار اور ہندو مشرک بھی کرلیتے ہیں تو کیا ان کو بھی بزرگ قرار دیا جائے گا؟

یاد رکھئے! پیغمبر ﷺ کے خلاف چل کر ہرگز منزل تک نہیں پہنچا جاسکتا۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید　　　　که ہرگز بمنزل نخواہد رسید

یعنی: پیغمبر ﷺ کے خلاف راستے پر چلنے سے ہرگز منزل تک رسائی نہیں ہوسکتی۔

ولایت کے کسی مقام پر پہنچ کر شرعی احکام معاف سمجھنا

بعض جاہلوں کا اعتقاد ہے کہ فقیری میں کوئی ایسا درجہ آتا ہے کہ وہاں پہنچ کر شرعی احکام ساقط اور معاف ہوجاتے ہیں۔

یہ اعتقاد صریح کفر ہے (جب تک ہوش وحواس قائم رہیں ہرگز شرعی احکام معاف نہیں ہوسکتے، البتہ بے ہوشی میں معذوری ہے) افسوس کی بات ہے کہ ان لوگوں کو اس طرح کے کفریہ دعوے کرنے سے شرم نہیں آتی اور نہ ہی ایمان میں کوئی خلل معلوم ہوتا ہے، ان لوگوں کو نہ عورتوں سے پردہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ نماز، روزوں وغیرہ جیسے احکام بجالانے کی۔ اور کہا جاتا ہے کہ پیر سے پردہ نہیں ہوتا اور فقیروں کی نماز ظاہر کی نہیں ہوتی بلکہ دل والی ہوتی ہے جس میں ظاہری جسم کے استعمال کرنے کی ضرورت نہیں، اس قسم کے لوگوں کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ہمارا تعلق تصوف والی لائن سے ہے اور تصوف شریعت سے جدا چیز ہے۔

یہ سراسر جہالت ہے کیا نعوذ باللہ یہ لوگ حضور ﷺ سے بھی بڑھ گئے؟ کہ آپ ﷺ نے آخر وقت تک اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔ [1]

مخصوص اوقات یا جگہوں میں چراغ جلانا

بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ جہاں مردہ کو غسل دیا جائے وہاں تین دن چراغ جلایا جائے ورنہ مردہ کی نخوست باقی رہ جاتی ہے۔

---

[1] ومن جنس ذالک مایدعیه بعض من یدعی التصوف انه بلغ حالة بینه وبین اللّٰہ تعالیٰ اسقطت عنه الصلاة وحل له شرب الخمر والمعاصی واکل مال السلطان فهذامما لاشک وجوب قتله اذ ضرره فی الدین اعظم وینفتح به باب من الاباحة لاینسد وضررهذافوق ضرر من یقول بالاباحة مطلقا فانه یمتنع عن الاصغاء الیه لظهور کفره اماهذد فیزعم انه لم یرتکب الاتخصیص عموم التکلیف بمن لیس له مثل درجته فی الدین وتتداعی هذا الی ان یدعی کل فاسق مثل حاله (ردالمحتار ج۴، کتاب الجهاد، باب المرتد)

اسی طرح بعض لوگ اپنے گھروں وغیرہ میں چراغ جلانے کے لئے کمرے مخصوص کردیتے ہیں اور وہاں ہر روز یا آٹھویں دن چراغ جلانے کو ضروری خیال کرتے ہیں اور اس قسم کی باتیں کرتے ہیں کہ یہاں ہوائی یا روحانی مخلوق یا کسی بزرگ کی روح آتی ہے اور بعض جاہل لوگ تو بعض کمروں کو اس غرض کے لئے مخصوص کردیتے ہیں اور اپنے استعمال میں نہیں لاتے۔ اس طرح کی باتیں اور خیالات شرعاً بالکل بے بنیاد ہیں اور یہ بھی زمانہ جاہلیت کی ھامہ سے مشابہ چیز ہے۔ البتہ کسی جگہ جنات وشیاطین کے اثرات کا ہونا ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ جھوٹ بول کر جاہل لوگوں کے ذہنوں میں اس طرح کی باتیں ڈال دیں۔ اسی طرح بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر نئی دلہن کنویں پر پانی لینے جائے تو پہلے کنویں پر چراغ جلائے پھر پانی لائے، یہ سب واہیات باتیں ہیں۔

بہشتی دروازے کی شرعی حیثیت

بعض لوگوں نے کسی مزار وغیرہ پر مخصوص دروازہ بنا کر یہ مشہور کیا ہوا ہے کہ یہ بہشتی دروازہ ہے اور جو شخص اس میں سے گزر جاتا ہے اس کا جنت میں پہنچنا یقینی ہوجاتا ہے، ناواقف مسلمان آسان جنت حاصل کرنے کے لئے دور دراز سے سفر کر کے وہاں پہنچتے ہیں اور اس دروازے سے گزرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس قسم کی چیزوں کی طرف لوگوں کا اتنا رجوع ہوتا ہے کہ بسا اوقات اس موقع کو حاصل کرنے کے لئے رات بھر جاگنے کی مشقت بھی برداشت کرنی پڑتی ہے کیونکہ پہلے سے دور دراز سے آنے والوں کی لمبی لمبی قطاریں لگی ہوئی ہوتی ہیں جس کی وجہ سے اس کا موقع نہیں مل پاتا۔

یاد رکھئے! کہ کسی دروازے وغیرہ کو اس طرح کی حیثیت دینا بالکل غلط اور باطل ہے بلکہ شریعت کا مقابلہ ہے، جب حرمین شریفین کو یہ مقام حاصل نہیں کہ ’’صرف وہاں چلے جانا بخشش کے لئے کافی نہیں بلکہ بخشش ومغفرت اور جنت کا مستحق بننے کے لئے ایمان کے ساتھ ساتھ عمل کی ضرورت ہے ‘‘، تو پھر کونسا مقام ایسا ہوسکتا ہے جس کو یہ حیثیت دی جائے۔ قرآن، حدیث اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات وفرمودات سے اس قسم کے سستے نسخوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

سورج گرہن کے متعلق چند غلط خیالات

بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ سورج گرہن کے وقت حاملہ عورت یا اس کے شوہر کو اس دن کوئی بھی کام نہیں کرنا چاہئے ورنہ کام کرنے سے بچہ پر اس کا اثر آجاتا ہے مثلاً اس دن اگر کوئی چیز کاٹے گی تو بچہ کا کوئی حصہ کٹا ہوگا۔ شریعت میں ایسی کوئی بات ثابت نہیں، اس دن سورج گرہن کے وقت صدقہ وخیرات اور توبہ واستغفار اور نماز ودعاء میں مشغول ہونے کا تو ذکر ہے ان باتوں کا نہیں۔

اسی طرح بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ سورج گرہن کے وقت گائے، بھینس، بکری اور دیگر جانوروں کے گلے سے زنجیر، رسی وغیرہ کھول دینی چاہئے یہ بھی توہمات میں سے ہے جو غالباً ہندو معاشرے سے منتقل ہوئی ہے۔

بعض لوگ سورج گرہن اور چاند گرہن کے وقت شادی بیاہ کی تقریبات کو منحوس سمجھتے ہیں۔

یہ بھی شریعت سے ثابت نہیں اور جہالت والی سوچ ہے۔

پتھروں کی غلط تاثیرات کا عقیدہ

بعض لوگ مختلف قسم کے پتھروں (مثلاً فیروزہ، عقیق، زمرّد، یاقوت، لعل وغیرہ) کو انسانی زندگی پر اثر انداز سمجھتے ہیں (یہ بھی ''نوء'' یعنی ستاروں کے اثرات کے عقیدہ سے ملتی جلتی چیز ہے، جس کی تفصیل اپنے مقام پر گزر چکی ہے)

شرعی اعتبار سے پتھر انسانی زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتے، کسی خاص قسم کے پتھر سے انسان مبارک، اور کسی سے نامبارک نہیں ہوتا۔

پتھروں کو مبارک یا نامبارک سمجھنا اور انسانی زندگی پر اثر انداز ہونے کا عقیدہ رکھنا مشرک قوموں کا عقیدہ ہے۔ مبارک یا نامبارک انسان کے اپنے اعمال ہیں۔

فیروزہ نامی پتھر کی حیثیت

بعض لوگ فیروزہ نامی پتھر کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور انسانی زندگی کی بہترائی کے لئے مہنگے ترین

داموں میں خرید وفروخت کرتے ہیں، یہ بھی غلط ہے۔

بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل کا نام فیروز تھا۔اس کے نام کو عام اور مقبول کرنے کے لئے سبائیوں نے فیروزہ کو متبرک پتھر کی حیثیت سے پیش کیا اور پتھر کے بارے میں نحوست یا برکت کا تصور سبائی افکار کا شاخسانہ ہے (ملاحظہ ہو'' آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ا ص ۳۷۷)

مُردہ کی بعض چیزوں کو منحوس سمجھنا

بعض لوگ کیلے کے درخت کو منحوس سمجھتے ہیں، کہتے ہیں یہ درخت مردے کے کام آتا ہے، اس لیے اس کو گھر میں نہ ہونا چاہیے، کیونکہ بدشگونی ہے۔

بعض لوگ مردے کی چارپائی کو اور اس کے کپڑوں کو منحوس سمجھتے ہیں مگر تعجب ہے کہ اس کے معمولی کپڑوں کو تو منحوس سمجھا جاتا ہے لیکن اگر اس کا کوئی قیمتی اور عالی شان کپڑا، چادر وغیرہ ہو یا اس کی جائیداد اور رقم ہو تو اس کو منحوس نہیں سمجھتے۔

حالانکہ اگر مُردے کے پہنے ہوئے کپڑے ہونے کی وجہ سے نحوست آئی ہے تو قیمتی کپڑوں میں بھی نحوست آنا چاہیے، اور اگر نحوست کی وجہ یہ ہے کہ یہ مُردہ کا مال ہے تو اس کی جائیداد میں بھی نحوست آنی چاہیے، وہ بھی تو مُردہ ہی کا مال ہے۔

پس مردہ کی چیزوں کو منحوس سمجھنے کا یہ عقیدہ بالکل بے ہودہ ہے، مسلمانوں میں اس کا رِواج ہندوؤں سے آیا (تسہیل المواعظ ج ا ص ۴۵۰ بتغیر)

اس دور کی چند رائج متفرق توہُّم پرستیاں اور جاہلانہ خیالات وافکار

مندرجہ بالا توہم پرستیوں کے علاوہ اور بھی بے شمار بے ہودہ خیالات ا،فکار اور توہمات ہمارے یہاں پھیلے ہوئے ہیں، جن میں سے چند ایک یہاں مختصراً ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱)......بعض لوگ بچہ کا نام قرآن سے فال نکال کر رکھتے ہیں جس کا طریقہ یہ گھڑا ہوا ہے کہ باوضو قرآن مجید کھول کر انگلی رکھتے ہیں، جس لفظ پر انگلی پڑ جائے وہی نام منتخب کر لیتے ہیں۔

حالانکہ یہ غلط طریقہ ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں کہ ان کا بطور نام رکھنا جائز نہیں مثلاً خنزیر اور کتے وغیرہ کے الفاظ بھی قرآن مجید میں موجود ہیں اور اس قسم کے فال لیتے وقت ان الفاظ پر انگلی کا رکھا جانا ممکن ہے (نام رکھنے کا اسلامی طریقہ یہ نہیں ہے، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ از خود اچھے اور شریعت کی نظر میں پسندیدہ نام رکھے جائیں)

(۲)......بعض لوگ کبوتروں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر وہ گھر میں ہوں تو ان کو آنے والی مصیبت کا پہلے سے پتہ چل جاتا ہے اور وہ اس مصیبت کو اپنے سر لے لیتے ہیں اور اہلِ خانہ بچ جاتے ہیں، اور بعض لوگ اس کے برعکس یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر گھر میں کبوتر موجود ہو تو اس گھر میں نحوست آجاتی ہے اور بعض اوقات اس کی وجہ سے موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔

حالانکہ یہ دونوں باتیں مہمل ہیں، اللہ کے حکم سے جو مصیبت گناہوں کی شامت سے آنے والی ہو وہ کسی جانور کی وجہ سے ہرگز نہیں رک سکتی، بلکہ اس کے لئے توبہ کرنا اور گناہ چھوڑ کر اللہ سے اپنا تعلق جوڑنا ضروری ہے، اسی طرح کسی جانور کی وجہ سے اس طرح ہرگز نحوست نہیں آتی اور نہ ہی کسی کی موت واقع ہوتی ہے بلکہ موت وزندگی کا تعلق تو حکمِ الٰہی سے ہے۔

(۳)......بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جس گھر میں کوئی بھی جانور ہو، اُس گھر میں اگر کوئی مصیبت آئے تو وہ جانور اُس مصیبت کو اپنے سَر لے لیتے ہیں اور انسان مصیبت سے محفوظ رہتے ہیں۔

جبکہ شرعاً یہ بات ثابت نہیں۔

(۴)...... اسی طرح بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جس گھر میں تیتر ہو اُس میں شیطان اور جادو کا

اثر نہیں ہوتا۔

اس بات کا بھی کوئی ثبوت شریعت سے نہیں ہے۔

(۵)...... اسی طرح بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مکان وغیرہ کی دیوار پر کوّا بولے یا منہ سے لقمہ گر جائے یا آٹا گوندھتے ہوئے پانی زیادہ ڈل جائے یا روٹی پکاتے ہوئے ٹوٹ جائے یا توا جھلملانے لگے تو مہمان آتا ہے، اور یہ چیزیں مہمان کی آمد کی طرف اشارہ ہیں۔

مگر اس کی بھی شرعاً کوئی حقیقت نہیں، منگھڑت باتیں ہیں۔

(۶)......بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر کسی گھر میں لڑائی کرانا منظور ہو تو اس گھر میں ''سہ'' یعنی خار پشت (وہ جانور جس کی کمر پر کانٹے ہوتے ہیں) کا کانٹا رکھ دیا جائے جب تک وہ کانٹا اس گھر میں رہے گا وہ گھر والے لڑتے رہیں گے۔

شرعاً اس کی بھی کوئی اصل نہیں، اور اس پر یقین کرنا بھی جائز نہیں، نیز آپس میں لڑائی کرانے کی غرض ویسے بھی گناہ ہے۔

(۷)......بعض لوگ عصر اور مغرب کے درمیان کھانے پینے سے منع کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عصر و مغرب کے درمیان کھانا پینا نہیں چاہئے کیونکہ یہ وقت مُردوں کے کھانے کا ہے، کہ نزع کے وقت انسان کو ایسا محسوس ہوگا کہ عصر و مغرب کا درمیانی وقت ہے اور ایسے وقت شیطان شراب کا پیالہ پینے کو دیتا ہے تو جن لوگوں کو عصر و مغرب کے درمیان کھانے کی عادت ہوگی وہ شراب کا پیالہ پی لیں گے اور جن کو عادت نہ ہوگی وہ اس سے بچے رہیں گے۔

یہ جہالت کی بات ہے کسی صحیح سند سے یہ بات ثابت نہیں۔

(۸)......بعض لوگ کہتے ہیں کہ عصر اور مغرب کے درمیان کھانے پینے سے پرہیز کیا جائے تو روزہ کا ثواب ملتا ہے۔

حالانکہ یہ بھی جاہلانہ سوچ ہے، کیونکہ نہ تو عصر سے مغرب تک روزہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں روزہ کا ثواب ہوتا ہے۔

(۹)......بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہاتھ کی ہتھیلی پر خارش ہو تو پیسہ ملتا ہے اور پاؤں کے تلوے پر

خارش ہوتو سفر پیش آتا ہے۔

یہ بھی بے بنیاد سوچ ہے، اور ایسی کوئی بات شرعاً ثابت نہیں۔

(۱۰)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بائیں یا دائیں آنکھ پھڑ کے تو اچھا یا بُرا معاملہ پیش آتا ہے۔

شرعاً ایسا عقیدہ رکھنا بھی گناہ ہے۔

(۱۱)......اگر کوئی کسی کام سے جارہا ہو اور پیچھے سے کوئی بلالے تو کہتے ہیں کہ وہ کام نہ ہوگا، لہٰذا اس وجہ سے کسی کام سے جانے والے شخص کو پیچھے سے آواز نہیں دینی چاہئے۔

یہ بھی توہُّم پرستی میں داخل ہے۔

(۱۲)......اسی طرح بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر بلی خاص طور پر کالے رنگ کی بلی راستہ کاٹ دے تو سفر یا کام میں برکت اور خیر نہیں ہوتی۔

یہ بھی توہُّم پرستی ہے۔

(۱۳)......بعض لوگ کسی جگہ بلی کے رونے کو کسی کی موت آنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

جبکہ یہ عقیدہ بھی اسلام کے مطابق نہیں۔

(۱۴)......بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں جانور مثلاً بلّی کے بولنے سے موت پھیلتی ہے۔

یہ سوچ بھی زمانۂ جاہلیت کی سوچ پر مبنی ہے اور اسلام نے اس قسم کی بدشگونی سے منع فرمایا ہے۔

(۱۵)......اسی طرح بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ کتے کے رونے سے وباء آتی ہے۔

مگر اس طرح کی کوئی بات شریعت سے ثابت نہیں۔

(۱۶)...... اسی طرح بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی کہیں جارہا ہو اور دوسرے شخص کو چھینک آجائے تو جانے والے کا کام بگڑ جاتا ہے لہٰذا اسے واپس آجانا چاہئے۔

حالانکہ یہ بھی توہُّم پرستی میں داخل ہے۔

(۱۷)......بعض لوگ رات کو جھاڑو دینے یا منہ سے چراغ بجھانے یا رات کو آئینہ میں چہرہ دیکھنے یا عصر کے بعد جھاڑو دینے کو معیوب یا برا اور منحوس سمجھتے ہیں۔

حالانکہ اس میں شرعاً کوئی عیب اور نحوست نہیں ہے۔

(۱۸)......اسی طرح بعض لوگ رات کو ناخن کاٹنے کو برا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے نیستی اور نحوست آتی ہے۔

جبکہ اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔

(۱۹)......بعض لوگ خصوصاً عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ ہر آدمی پر اس کی عمر کا مثلاً تیسرا اور آٹھواں، تیرہواں اور اٹھارواں، اکیسواں اور اڑتیسواں، تینتالیسواں اور اڑتالیسواں سال یا اور کوئی دوسرا مخصوص سال بھاری ہوتا ہے۔

یہ بھی منگھڑت نظریہ ہے۔

(۲۰)......بعض عورتیں ایسی عورت کے پاس جانے اور بیٹھنے سے منع کرتی ہیں جس کے بچے اکثر مرجاتے ہوں۔ اور یہ کہتی ہیں کہ ''مرت بیائی'' لگ جائے گی۔

جبکہ اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔

(۲۱)......بعض لوگ خیال رکھتے ہیں کہ اگر کسی کو ہچکی بندھ جائے یا چھینک آئے تو کسی کے یاد کرنے کی علامت ہے۔

یہ سوچ بھی خود ساختہ اور منگھڑت ہے۔

(۲۲)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر اپنی زبان دانتوں کے نیچے دب جائے تو یہ کسی کے گالی دینے کی علامت ہے۔

جبکہ یہ سوچ بھی غلط ہے، اور اس کی بنیاد پر کسی کو گالی دینے کا حکم لگانا درست نہیں۔

(۲۳)......بعض لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صبح سویرے جو کام کیا جاتا ہے شام تک انسان کو اسی حالت کا سامنا رہتا ہے۔

اس عقیدہ کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں۔

(۲۴)......بعض لوگ صبح کے وقت بعض چیزوں کا ضرورت میں بھی نام لینے کو منحوس اور برا سمجھتے ہیں۔

جبکہ شریعت کی طرف اس طرح کی کوئی پابندی نہیں ہے۔

(۲۵)......بعض لوگ کسی کا کوئی کام نہ ہونے کی صورت میں کہتے ہیں کہ:

''آج صبح کسی منحوس کا منہ دیکھا ہے کہ کام نہیں ہوا''

حالانکہ یہ بھی گناہ والی سوچ اور دوسرے پر بے جا الزام ہے۔

(۲۶)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی کو دوسرے کے ہاتھ سے جھاڑو لگ جائے تو یہ منحوس ہوتا ہے اور اس کے جواب میں اگر یہ کہہ دیا جائے کہ ''میں کنویں میں نمک ڈال دونگا جس سے تیرے منہ پر چھائیاں پڑ جائیں گی'' تو پھر نحوست سے نجات ہو جاتی ہے۔

حالانکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں، سب واہیات ہے۔

(۲۷)......بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ جس کے جھاڑو ماری جاتی ہے اس کا بدن سوکھ جاتا ہے اور اگر جھاڑو پر تھتکار دیا جائے تو سوکھیا کے مرض سے بچ جاتا ہے۔

اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔

(۲۸)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی کو ڈوئی (سالن بنانے والا لکڑی کا بڑا چمچہ) مارا جائے تو اس کو ''ہوکا'' ہو جاتا ہے یعنی وہ زیادہ کھانا کھانے لگتا ہے۔

حالانکہ یہ خیال بھی جہالت پر مبنی ہے۔ نیز کسی کو بلا وجہ مارنا یا تکلیف پہنچانا اور ایسی بے جا چیزوں سے مارنا بھی اچھی بات نہیں۔

(۲۹)......بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر مرغی اذان دے تو اسے فوراً ذبح کر دینا چاہئے کیونکہ اس سے وباء پھیلتی ہے۔

حالانکہ یہ تصور غلط ہے، نیز شریعت ایسے وقت مرغی کے ذبح کو ضروری قرار نہیں دیتی۔

(۳۰)......بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر شام کے وقت (یا کسی دوسرے بے وقت) مرغا اذان دے تو اسے فوراً ذبح کر دینا چاہئے کیونکہ یہ اچھا نہیں، بدشگونی کی علامت ہے۔

جبکہ یہ خیال توہم پرستی میں داخل ہے۔

(۳۱)......بعض لوگ جمعہ یا کسی اور خاص دن میں کپڑے دھونے کو معیوب اور منحوس سمجھتے ہیں۔

یہ بھی جاہلیت کی سوچ ہے، شرعاً کسی بھی دن کپڑے دھونا معیوب و منحوس نہیں۔

(۳۲)......بعض لوگ چھوٹے بچے کے سرہانے چھری، استرا یا اور کوئی لوہے کی چیز رکھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس سے بچہ بدنظری اور جنات وشیاطین سے محفوظ رہتا ہے۔

حالانکہ یہ سوچ زمانۂ جاہلیت والی ہے، جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔

(۳۳)......بعض لوگ فوت شدہ شخص کی استعمالی چیزیں اور خاص کر وہ کپڑے جن میں کوئی شخص فوت ہوا ہو، ان کو منحوس سمجھتے ہیں اور ان چیزوں کو اپنے گھروں میں یا اپنے پاس رکھنا گوارا نہیں کرتے۔

حالانکہ شرعاً یہ سوچ غلط ہے، مردہ کا مال شرعی حقوق میں استعمال ہوتا ہے اگر شرعی حقوق کے مطابق وہ ملکیت میں پہنچے تو حلال ہے، مرنے کی وجہ سے اس کے ساتھ کوئی نحوست وابستہ نہیں ہوتی۔

(۳۴)......بعض لوگ دریا کے پلوں وغیرہ سے گزرتے ہوئے اس میں روپئے، پیسے ڈالدیتے ہے اور اس کو صدقہ یا بلا کے دور ہونے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

حالانکہ شرعاً یہ صدقہ نہیں بلکہ مال کو ضائع کرنا ہے اور کوئی کارِ ثواب نہیں بلکہ موجبِ وبال اور توہم پرستی کا شاخسانہ ہے۔

(۳۵)......بعض لوگ شادی کے موقع پر دولہا، دلہن کے گھر میں آنے سے پہلے گھر کے دروازہ میں دونوں طرف تیل ڈالتے ہیں اور اس کو آپس میں محبت کا ذریعہ اور آفتوں کو دور کرنے کا سبب سمجھتے ہیں۔

حالانکہ یہ بھی بڑی سخت توہم پرستی وجہالت اور گناہ کی بات ہے۔

(۳۶)......بعض علاقوں میں دلہن کے شوہر کے گھر میں پہلی مرتبہ داخل ہونے پر اس کے سامنے قرآن مجید یا سپارہ کھول کر رکھا جاتا ہے پھر وہ اس میں کچھ رقم رکھتی ہے، اور اس کے بعد اس رقم کو اٹھا کر صدقہ وغیرہ کر دیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس عمل کی وجہ سے دلہن کو اس گھر میں کسی چیز کی تنگی نہ ہوگی۔

یہ بھی واہیات بات ہے اور اس قسم کا عقیدہ اور عمل جائز نہیں بلکہ اس میں اللہ کے کلام کی ایک طرح سے بے حرمتی ہے۔

(۳۷)......اسی طرح بعض علاقوں میں دلہن کو رخصت کرتے وقت قرآن مجید کے نیچے سے گزارا جاتا ہے، اور اس سے خیال کیا جاتا ہے کہ وہ دلہن ہر قسم کی بلاؤں سے محفوظ ہو جاتی ہے اور قرآن مجید کے سایہ میں آجاتی ہے۔

حالانکہ یہ بھی جاہلوں کی من گھڑت سوچ ہے، اس طرح قرآن مجید کے سایہ سے کچھ نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ بات قرآن مجید کے نازل ہونے کے مقاصد میں سے ہے، قرآن مجید کا سایہ تو اس کو پڑھنے اور اسی پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

(۳۸)......بعض لوگوں میں رسم ہے کہ جب گھر میں نئی دلہن آتی ہے تو اس کے اوپر سے چاول یا گندم پھینکے جاتے ہیں اور اس سے یہ تصور قائم کیا جاتا ہے کہ رزق میں تنگی سے حفاظت رہے گی۔

یہ بھی جاہلانہ بلکہ ہندوانہ رسم اور رزق کا ضیاع ہے۔

(۳۹)......جن گھرانوں میں لڑکوں کے بجائے لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں، بعض لوگ ان لڑکیوں یا ان کی ماؤں کو منحوس سمجھتے ہیں۔

حالانکہ یہ ہندوانہ سوچ ہے، جس کا شرعاً کوئی وجود نہیں۔

(۴۰)......بعض لوگ کیلے اور بیری کے درخت کو منحوس سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مردہ کے کام میں آتے ہیں۔

یہ تصور اور نظریہ بھی غیر اسلامی ہے، ورنہ تو کیلا کھانے اور بیر کھانے میں بھی نحوست ہوتی۔

(۴۱)......بعض لوگ بارش نہ ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کے اوپر پانی پھینکتے اور ڈالتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس عمل سے بارش ہو جائے گی۔ اسی طرح بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بارش نہ ہونے کی صورت میں اگر کسی خاص بزرگ کی قبر پر پانی ڈال دیا جائے تو اس عمل سے بارش کا نزول ہو جاتا ہے یا اگر مور بولے یا چڑیاں ریت میں نہائیں تو یہ بارش ہونے کی نشانی ہوتی ہے۔

حالانکہ یہ جاہلوں کی بناوٹی سوچ ہے، بارانِ رحمت کے لئے توبہ واستغفار اور گناہوں کا چھوڑنا ضروری ہے، اسی سے اللہ کی رحمت کا مستحق ہوا جاتا ہے، کسی پر پانی ڈالنے یا نہ ڈالنے سے بارش ہونے یا نہ ہونے کا کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ تو حکمِ الٰہی کے تابع ہے۔

(۴۲)......بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر کسی کی شادی کے وقت بارش ہو جائے تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اس نے شادی سے پہلے ضرور ہانڈی یا ڈوئی یا چمچہ چاٹا ہوگا۔

یہ سب واہیات باتیں ہیں، کسی کے بارے میں ایسا گمان کر لینا گناہ ہے۔

(۴۳)......بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ جب اولے پڑیں تو موسل کو سیاہ کر کے باہر پھینک دیا جائے تو اولے بند ہو جاتے ہیں۔

یہ نظریہ بھی لوگوں کا خودساختہ اور من گھڑت ہے۔

(۴۴)......بعض علاقوں میں مشہور ہے کہ جب بارش زیادہ ہونے لگے تو جھاڑو کو چارپائی کے پائے کے نیچے دبا دیا جائے یا جلتی ہوئی لکڑی کو برستی ہوئی بارش میں پھینک دیا جائے تو اس سے بارش بند ہو جاتی ہے اور بعض لوگ زیادہ بارش ہونے کے وقت مٹی کا ایک چھوٹا سا پتلا بنا کر چھت کے پرنالے کے نیچے رکھ دیتے ہیں اور اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ بارش رک جائے گی۔

حالانکہ ان حرکتوں سے بارش کے ہونے یا رکنے کا کوئی بھی تعلق نہیں، بارش کا برسانا اور نہ برسانا خالص اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی نسبت ایسی بے بنیاد چیزوں کی طرف کرنا ایمان کو کمزور کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے انسان کے توکل کو ہٹا دیتا ہے۔

(۴۵)......بعض لوگ چوری چکاری ہو جانے پر لوٹے یا گھڑے وغیرہ سے فال نکالتے ہیں جس کے نام کی پرچی پر لوٹا وغیرہ گھوم جاتا ہے اسے چور قرار دے دیتے ہیں۔

حالانکہ اس قسم کے فال سے کسی پر کوئی الزام و بہتان باندھنا اور یقین کر لینا کہ یہی مجرم ہے حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔

(۴۶)......بعض لوگ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے درمیان یا شعبان کے مہینے میں یا کسی اور مخصوص مہینے، دن اور تاریخ میں شادی کو معیوب سمجھتے ہیں۔

حالانکہ اسلام نے کوئی مہینہ اور دن یا وقت ایسا نہیں بتایا جس میں نکاح منحوس یا منع ہو۔

(۴۷)......بعض لوگ غیر شرعی منتیں ماننے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، خاص طور پر مختلف مزاروں پر جا کر اس طرح کی منتیں مانی جاتی ہیں مثلاً مزار پر چادر چڑھانے کی منت، دیگ چڑھانے یا بکرا،

مرغا وغیرہ نذر کرنے کی منت، قبروں کا طواف کرنے کی منت اور وہاں جا کر خصوصی سلام یا مالی نذرانہ پیش کرنے کی منت، یا وہاں سال میں عرس وغیرہ کے موقع پر یا ہر جمعرات یا کسی اور دن میں حاضری دینے کی منت اور پھر ان کے پورا کرنے کو بہت زیادہ ضروری سمجھتے ہیں۔ اور یہ گمان بھی رکھتے ہیں کہ ان چیزوں کی وجہ سے ہمارے مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔

حالانکہ شرعاً اس طرح کی منتیں ماننا حرام اور ان منتوں کو پورا کرنا سخت گناہ ہے، بلکہ بعض حالات میں شرک ہے، اس لئے اس قسم کی منتیں ماننے سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

(۴۸)......بعض لوگ اپنے بچوں کے سروں پر ایک طرف کو کسی بزرگ کے نام کی بالوں کی لٹ چھوڑ دیتے ہیں جس کی پہلے سے منت مانی ہوئی ہوتی ہے، اسی طرح بعض لوگ اپنے بچوں کے کسی بزرگ یا دربار کے لئے منت مان کر ناک اور کان وغیرہ میں سوراخ کرا لیتے ہیں، اور اسی طرح کی بعض دوسری حرکتیں بھی بزرگوں، درباروں اور مزاروں کے حوالے سے انجام دی جاتی ہیں۔

حالانکہ اس قسم کی تمام حرکتیں کبیرہ گناہ اور بعض شرک کے قریب ہیں، اس طرح کی منت ماننا بھی گناہ ہے اور منت ماننے کے بعد اس کا پورا کرنا بھی گناہ ہے۔

(۴۹)......مشہور ہے کہ اگر کوئی مانگنے والا اللہ کے نام پر مانگے تو اس کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرنا چاہئے ورنہ اللہ کی پکڑ آ جاتی ہے۔

حالانکہ شرعاً ایسی کوئی بات نہیں، کیونکہ بہت سے مانگنے والے پیشہ ور فقیر ہوتے ہیں (جن کا پیشہ اور دھندا ہی مانگنا اور کھانا ہوتا ہے) یا صحیح مستحق نہیں ہوتے یا غیر شرعی کاموں کے لئے مانگتے ہیں اور ایسے لوگوں کا تو خود سوال کرنا اور مانگنا ہی حرام ہے اور سوال کرنے پر ایسے لوگوں کو دینا بھی باعثِ وبال ہے خواہ وہ اللہ ہی کے نام پر کیوں نہ مانگیں، اور جو صحیح مستحق ہو اس کی مدد کرنا کارِ ثواب ہے خواہ وہ اللہ کے نام پر بھی نہ مانگے بلکہ بالکل بھی نہ مانگے۔ اس سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہو گئی جو ہر قسم کے مانگنے والے کو دینا ثواب سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کسی سائل کو خالی نہیں بھیجنا چاہئے۔

(۵۰)......بعض لوگ درباروں اور مزاروں کے نام پر (عرس وغیرہ کے لئے) چندہ کرنے والوں

کا تعاون کرنا بہت بڑا ثواب خیال کرتے ہیں، جبکہ مانگنے والے اکثر اور بیشتر نشہ کے عادی یا پیشہ ور لوگ ہوتے ہیں، اسی طرح دوسری رسوم مثلاً میلاد النبی کے جلوس، گیارہویں وغیرہ کے لئے تعاون کرنے کو بھی بہت باعثِ برکت اور ضروری خیال کرتے ہیں۔

حالانکہ اس قسم کے مانگنے والوں کو چندہ دینا گناہ ہے اور ان اغراض کے لئے تعاون بھی جائز نہیں۔

(۵۱)......بعض لوگ اور خاص کر عورتیں رات کو درخت ہلانے اور کاٹنے سے اس لیے منع کرتی ہیں کہ اس سے وہ بے چین یا بے آرام ہو جاتا ہے۔

مگر اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں، البتہ رات کو بلا ضرورت درخت کی چھیڑ چھاڑ کرنا اس لیے مناسب نہیں کہ درخت پر مختلف قسم کے جانور یا پرندے موجود ہوتے ہیں اور رات کے وقت وہ آرام میں مشغول ہوتے ہیں، یہ اُن کی تکلیف کا باعث ہے اور بعض اوقات کوئی موذی جانور کاٹ بھی لیتا ہے۔

(۵۲)......بعض لوگ جنازہ دیکھ کر ہر حال میں کھڑا ہونا اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کیا تو اس کا ہمزاد یا فوتگی کا اثر ہمارے اوپر پڑ جائے گا۔

حالانکہ شرعاً یہ بات بھی ثابت نہیں، البتہ جنازے کے ساتھ جانا مقصد ہو یا اور کوئی ضرورت ہو تو الگ بات ہے، ورنہ بلا ضرورت جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کو ضروری سمجھنے کی رسم فضول ہے۔

(۵۳)......بعض لوگوں اور خاص کر عورتوں میں مشہور ہے کہ نماز پڑھ کر فوراً ہی جائے نماز کا کونا الٹ دینا چاہیئے ورنہ شیطان اس پر نماز پڑھنے اور عبادت کرنے لگتا ہے۔

حالانکہ یہ تصور غلط ہے، یہ عجیب فلسفہ ہے کہ شیطان دوسروں کو تو عبادت سے روکتا ہے مگر خود عبادت کرتا ہے؟ شیطان کے بارے میں عبادت کا عقیدہ ہی غلط ہے، عبادت تو حکمِ الٰہی بجالانے کا نام ہے، جبکہ شیطان حکمِ الٰہی کا سب سے بڑا نافرمان اور منکر ہے۔ لہٰذا جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر جائے نماز الٹی نہ جائے تو شیطان نماز پڑھتا ہے بالکل مہمل اور لایعنی بات ہے۔ البتہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد جائے نماز کو اس لئے تہ کرنا یا اٹھا کر رکھنا تاکہ خراب نہ ہو یہ معقول بات ہے اور اپنی جگہ صحیح ہے، مگر اس میں شیطان کے نماز پڑھنے کا عمل دخل نہیں۔

(۵۴)......بعض عورتیں کہتی ہیں کہ جو عورت روٹی پکاتے ہوئے درمیان میں خود کھالے وہ جنت میں داخل نہ ہوگی۔

مگر اس کی کوئی حقیقت نہیں، البتہ اگر روٹی کسی دوسرے کی ملکیت ہو، تو اس کی اجازت کے بغیر کھانا گناہ ہے۔

(۵۵)......بعض لوگ کہتے ہیں کہ مخصوص رنگ کے (مثلاً پیلے یا سرخ) کپڑے پہننے سے مصیبت آتی ہے۔

یہ بھی توہم پرستی ہے، کیونکہ رنگوں کے بجائے انسان اعمال سے اللہ کی نظر میں مقبول یا مردود ہوتا ہے، البتہ مَردوں کو عورتوں والے مخصوص رنگوں کا لباس پہننا شرعاً منع ہے۔

(۵۶)......بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ الٹی چپل پڑی ہو تو اسے سیدھی کردینی چاہئے ورنہ لعنت اوپر کو جاتی ہے۔

حالانکہ اس طرح لعنت اوپر جانے کا تصور غلط ہے، البتہ الٹی چپل کو سیدھی کردینا ادب کی بات ہے۔

(۵۷)......بعض لوگ شادی بیاہ وغیرہ کے موقع پر نجومیوں وغیرہ سے معلوم کرتے ہیں کہ دونوں کے ستارے آپس میں ملتے ہیں یا نہیں؟

جبکہ یہ ستارہ پرستی میں داخل اور جاہلیت کی رسم ہے۔

(۵۸)......بعض لوگ علم الاعداد میں نام وغیرہ کے اعداد کی تاثیرات کے نظریہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی ستاروں کے اثرات سے ملتا جلتا طریقہ ہے، جو کہ جائز نہیں۔

(۵۹)......بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ رات کو انگلیاں چٹخانے سے نحوست آتی ہے۔

مگر شرعاً اس کی بھی کوئی اصل نہیں، البتہ بلا وجہ انگلیاں چٹخانا ناپسندیدہ نہیں۔

(۶۰)...... یہ مشہور ہے کہ گائے کے سینگ بدلنے سے زلزلہ ہوتا ہے۔ اور اس بات کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کی جاتی ہے کہ یہ بات آپ کے ارشاد سے واضح ہے۔

مگر اس بارے میں عرض ہے کہ کسی معتبر و مستند حدیث سے ایسا ثابت نہیں ،اس لئے یہ عقیدہ نہیں رکھنا چاہئے۔

(٦١)......بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ بینگن کو جس نفع کے لئے کھایا جائے اس سے وہی نفع اور فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

شریعت میں اس کی بھی کوئی صحیح سند نہیں۔

(٦٢)......بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ جو شخص غیر شادی شدہ فوت ہوجائے اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا صحیح نہیں ہوتا۔

حالانکہ شرعاً یہ بھی مہمل بات ہے، البتہ بلا عذر نکاح نہ کرنا شریعت میں پسندیدہ عمل نہیں۔

(٦٣)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہیجڑے (خسرے، زنخے) معصوم اور گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اور ان سے شرعی احکام (یہاں تک کہ ان کی نمازِ جنازہ بھی) معاف ہوتے ہیں۔

جبکہ یہ سوچ بھی غلط ہے، کیونکہ انسانوں میں معصوم تو صرف انبیاءِ کرام علیہم السلام کی ذات ہوتی ہے۔اور شرعی احکام تو ان سے بھی معاف نہیں ہوتے۔

(٦٤)......مشہور ہے کہ مردہ کو دفن کرنے کے بعد چالیس قدم چل کر اس کے لئے دعاء کرنی چاہئے ورنہ اس کا ہمزاد قبر سے واپس آجاتا ہے۔

مگر یہ بھی لغوبات ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا گناہ ہے (ہمزاد کے بارے میں وضاحت پہلے کی جاچکی ہے)

(٦٥)......بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ بارات کے آگے بہت بلائیں ہوتی ہیں اور وہ بارات سے آگے چلنے والے کو چمٹ جاتی ہیں، لہٰذا بارات کے آگے نہیں چلنا چاہئے بلکہ اس کے پیچھے یا ساتھ چلنا چاہئے۔

حالانکہ اس کی بھی کوئی اصل نہیں۔

(٦٦)......بعض لوگوں خاص کر عورتوں کا خیال ہے کہ چھوٹے بچے کے شروع کے دانت نکلنے کے بعد اگر دانت بجنے کی آواز آتی ہو تو یہ بچہ اپنی ننھیال پر بھاری ہوتا ہے اور اس بھاری پن کے دور کرنے کا یہ طریقہ نکالا ہے کہ ننھیال والے اس بچے کو کپڑوں کا ایک جوڑا تیار کر کے دیں۔

جبکہ یہ بدفالی میں داخل ہے اور اس قسم کی سوچ بے بنیاد اور گناہ ہے۔

(٦٧)......اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر کسی بچہ کے دانت الٹے نکل آئیں تو وہ بچہ ننھیال یا

ماں پر بھاری ہوتا ہے۔

مگر شریعت سے ایسی کوئی بات بھی ثابت نہیں۔

(۶۸)......بعض لوگ خاص کر عورتیں قرآن مجید کی ہر سطر پر انگلی رکھ کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کو قرآن مجید کا ختم سمجھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ جس کو قرآن مجید پڑھنا نہ آتا ہو وہ پورے قرآن مجید کی سطروں پر انگلی پھیرتی جائے اور بسم اللہ پڑھتی جائے، اخیر میں اس کو پورا قرآن مجید پڑھ کر ختم کرنے کا ثواب مل جاتا ہے۔

حالانکہ یہ خیال مہمل ہے، اس سے قرآن مجید کے ختم کا ثواب نہیں ملتا بلکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔

(۶۹)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر بیمار شخص کے لئے دو آدمی ڈاکٹر یا حکیم کو بلانے کے لئے جائیں تو اس سے بیمار صحت یاب نہیں ہوتا۔

جبکہ یہ بھی بے بنیاد اور مہمل سوچ ہے۔

(۷۰)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ زمین پر نمک گرا دینے سے قیامت کے دن پلکوں سے اٹھانا پڑے گا۔

حالانکہ ایسی کوئی بات شریعت سے ثابت نہیں البتہ بلا ضرورت اللہ کی نعمت کو ضائع کرنا اور اس کی بے قدری کرنا گناہ ہے۔

(۷۱)......بعض لوگ کنواں یا بورنگ کرنے پر جب پانی نکل آئے تو اس میں کوئی میٹھی چیز ڈالتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس میں حضرت خضر ہوتے ہیں اور اس عمل کی وجہ سے پانی میٹھا برآمد ہوتا ہے اور ہمیشہ میٹھا رہتا ہے۔

جبکہ یہ عقیدہ بھی شریعت سے ثابت نہیں، بلکہ خود ساختہ ہے۔

(۷۲)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب سانپ کی عمر سو سال سے زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ انسانی روپ اختیار کر لیتا ہے۔

جبکہ یہ ہندوانہ سوچ ہے جو اسلامی عقیدہ کے خلاف ہے۔

(۷۳)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص سانپ کو ماردے تو اس مرے ہوئے سانپ کا جوڑا (نر یا مادہ) اس مارنے والے شخص سے ضرور بدلہ لیتا ہے، خواہ کہیں بھی ہو۔

جبکہ شریعت سے اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا ایسا عقیدہ بنالینا غلط ہے۔

(۷۴)......بعض لوگ خاص سانپ کے کاٹے ہوئے لوگوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر سال اسی تاریخ میں انہیں سانپ کاٹا کرتا ہے۔

مگر ایسا ہونے کا کوئی ثبوت نہیں، اس لیے یہ عقیدہ بنالینا بھی غلط ہے۔

(۷۵)......بعض لوگ کافر کی استعمال شدہ کسی چیز کا خود استعمال کرنا ہر حال میں ناجائز اور نحوست کا باعث سمجھتے ہیں، خواہ وہ چیز جائز طریقہ پر حاصل ہوئی ہو اور اس میں کوئی ناپاکی بھی شامل نہ ہو اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کافر کی استعمال شدہ چیز کسی طرح پاک نہیں ہوسکتی۔

حالانکہ یہ خیال غلط ہے، ناپاک چیز کو شرعی طریقہ پر پاک کر لینے کے بعد استعمال کرنا جائز ہوجاتا ہے، اور کافر کی استعمالی چیز کے بارے میں پاک نہ ہونے کا عقیدہ بنالینا بھی درست نہیں۔

(۷۶)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر گھر کے دروازے پر گھوڑے کے تلوے میں استعمال شدہ لوہا لٹکا دیا جائے تو جنات وغیرہ گھر میں داخل نہیں ہوتے۔

حالانکہ ایسی کوئی بات شریعت سے ثابت نہیں۔

(۷۷)......بعض گھرانوں میں نئی دلہن کو خاص قسم کا کھانا پکا لینے سے پہلے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دیا جاتا، اور اس کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔

مگر اسلامی شریعت سے یہ پابندی ثابت نہیں۔

(۷۸)......بعض لوگ کہتے ہیں کہ زمین پر گرم پانی ڈالنے سے زمین کو تکلیف ہوتی ہے۔

جبکہ زمین پر گرم پانی ڈالنے سے زمین کو تکلیف ہونے کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں۔

(۷۹)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر کاٹا ہوا ناخن کسی کے پاؤں کے نیچے آجائے تو وہ شخص اس شخص کا (جس نے ناخن کاٹا ہے) دشمن بن جاتا ہے۔

مگر یہ بھی خود ساختہ عقیدہ اور توہم پرستی میں داخل ہے۔

(۸۰)......بعض لوگ منگل یا بدھ کے دن سرمہ لگانے یا بال کٹانے کو برا خیال کرتے ہیں۔

حالانکہ ان دنوں میں، بلکہ کسی بھی دن میں سرمہ لگانے یا بال کاٹنے میں کوئی حرج نہیں۔

(۸۱)......بعض عورتوں میں مشہور ہے کہ پہلے بچہ کی پیدائش سے پہلے کوئی کپڑا نہیں سینا چاہئے۔

جبکہ یہ پابندی بھی خودساختہ ہے۔

(۸۲)......بعض عورتیں سمجھتی ہیں کہ بچہ کو زوال کے وقت پالنے یا جھولے میں نہ لٹایا جائے اور نہ ہی دودھ پلایا جائے ورنہ بھوت پریت کا سایہ ہوجاتا ہے۔

مگر اس عقیدہ ونظریہ کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں۔

(۸۳)......بعض لوگ خصوصاً عورتیں چیچک اور کنٹھی کے مرض میں علاج کرنے کو بُرا خیال کرتے ہیں اور بعض اس مرض کو بھوت پریت کا اثر سمجھتے ہیں۔

جبکہ یہ بھی اور بیماریوں کی طرح ہیں اور اللہ کے حکم سے آتی ہیں، اور ان کا علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(۸۴)......بعض لوگ ایسے وقت جھاڑو دینے کو منع کرتے اور منحوس سمجھتے ہیں جب کوئی سفر کو جارہا ہو یا ابھی سفر پر گیا ہو۔

حالانکہ ایسے وقت جھاڑو دینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

(۸۵)......اسی طرح بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ جو عورت حیض یا حمل کی حالت میں فوت ہوجائے تو اس کو سَنگل (زنجیر) ڈال کر دفن کیا جائے کیونکہ وہ ڈائن ہوجاتی ہے اور جو اسے ملے اس کو کھا جاتی ہے۔

جبکہ یہ خودساختہ نظریہ ہے اور کسی کے متعلق ایسا عقیدہ گھڑ لینا سخت گناہ کی بات ہے۔

(۸۶)......بعض لوگ (نعوذ باللہ تعالیٰ) سمجھتے ہیں کہ سورۃ ''ناس'' کا وظیفہ پڑھنے سے ناس ہوجاتا ہے۔

حالانکہ سورۃ ناس تو انسان کی خیر اور بھلائی کے لئے نازل ہوئی ہے، ناس ہونے کے کیا معنیٰ؟ اور پھر ''ناس'' عربی کا لفظ ہے، جس کے معنیٰ انسانوں اور لوگوں کے آتے ہیں، خراب

اور ناس کرنے کے نہیں آتے، اس لئے سورۃ ناس کے ورد سے ناس ہونے کا عقیدہ بنالینا قرآن مجید اور سورۃ ناس کے مضمون کے خلاف ہے، البتہ کسی بھی چیز کا اتنا زیادہ ورد کرنا جس سے دماغ میں خشکی آجائے، یہ غلط ہے، خواہ سورۃ ناس ہو یا اور کوئی سورۃ ہو یا پھر کوئی دوسرا ذکر ہو۔

(۸۷)......بعض لوگ ٹانگ پر ٹانگ رکھنے کو منحوس سمجھتے ہیں۔

حالانکہ شریعت کی رُو سے یہ منحوس عمل نہیں ہے۔

(۸۸)......بعض علاقوں میں مشہور ہے کہ جب کسی عورت کے یہاں بچہ پیدا ہو تو وہ عورت ضرور چشمے یا کنویں وغیرہ پر جا کر کپڑے کا ٹکڑا باندھے۔

جبکہ شرعاً یہ بلاوجہ کی پابندی اور توہم پرستی میں داخل ہے۔

(۸۹)......بعض عورتیں سمجھتی ہیں کہ اگر دروازہ کی چوکھٹ پر بیٹھ کر کھانا کھایا جائے، یا چولہے میں ہاتھ دھولے تو مقروض ہو جاتا ہے۔

حالانکہ یہ جاہلانہ سوچ ہے۔

(۹۰)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ دوپہر کو ٹھیک زوال کے وقت مُردہ کو دفن کرنے سے اس کا ہمزاد باہر رہ جاتا ہے اور پھر دوسروں کو تکلیف پہنچاتا ہے۔

جبکہ یہ بھی توہم پرستی میں داخل ہے۔

(۹۱)......بعض لوگ سوتے وقت قطب شمالی کی طرف پاؤں کرنے سے منع کرتے ہیں۔

جبکہ شریعت کے نزدیک یہ گناہ نہیں۔

(۹۲)......بعض عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ اگر نئی دلہن اپنے گھر یا الماری یا صندوق کو تالا لگادے تو اس کے گھر کا تالا لگ جاتا ہے یعنی اس کا گھر ویران ہو جاتا ہے۔

مگر یہ سوچ بھی جہالت پر مبنی ہے۔

(۹۳)......بعض لوگ عورت کے پہلے بچے کی ولادت کو عورت کے والدین کے گھر ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔

مگر شرعاً یہ پابندی بھی ثابت نہیں، لہٰذا اس طرح کی پابندی گناہ ہے۔

(۹۴)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ میاں بیوی کو ایک بزرگ سے مرید و بیعت نہیں ہونا چاہئے، اسی طرح ایک بکری کا دودھ بھی نہیں پینا چاہئے، ورنہ دونوں بہن بھائی ہوجاتے ہیں۔

حالانکہ یہ سب منگھڑت خیالات ہیں۔

(۹۵)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر خالی قینچی چلائی جائے تو اس سے لڑائی، جھگڑا پیدا ہوجاتا ہے۔

جبکہ یہ بھی توہم پرستی کا شاخسانہ ہے۔

(۹۶)......بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ سورج غروب ہونے کے وقت پانی وغیرہ نہیں پینا چاہئے، ورنہ مرتے وقت شیطان شراب پلاتا ہے۔

اس کی بھی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

(۹۷)......بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ دو بہن بھائیوں کی شادی ایک وقت میں نہیں کرنی چاہئے ورنہ یہ شادی میاں بیوی اور گھر والوں پر منحوس اور بھاری ہوتی ہے۔

جبکہ اس کی بھی کوئی اصل نہیں۔ [۱]

(۹۸)......بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ بچہ کی پیدائش کے وقت اس کا والد جو کام کر رہا ہوتا ہے، وہ بچہ کے جسم پر داغ کی شکل میں ظاہر ہوجاتا ہے۔

حالانکہ یہ بھی بے بنیاد سوچ ہے۔

(۹۹)......بعض لوگ خاص طور پر عورتیں خالی پڑی ہوئی چار پائی کے سامنے نماز پڑھنے کو معیوب سمجھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اس کے سامنے نماز نہیں ہوتی کیونکہ یہ "مرت سیج" ہے۔

---

[۱] البتہ بعض اہلِ علم حضرات نے کچھ دنیوی مصلحتوں کی وجہ سے (نہ کہ نحوست یا گناہ وغیرہ ہونے کی وجہ سے) دو بہنوں یا دو بھائیوں کی ایک وقت میں شادی کرنے سے منع کیا ہے، چنانچہ بہشتی زیور میں ہے کہ:

اپنے دو لڑکوں یا دو لڑکیوں کی شادی جہاں تک ہوسکے ایک دم مت کرو، کیونکہ بہوؤں میں ضرور فرق ہوگا، دامادوں میں ضرور فرق ہوگا۔خود لڑکوں اور لڑکیوں کی صورت شکل میں، کپڑے کی سجاوٹ میں، نور صبور میں، حیا شرم میں ضرور فرق ہوگا، اور بھی بہت باتوں میں فرق ہوجاتا ہے اور لوگوں کی عادت ہے ذکر مذکور کرنے کی اور ایک کو گھٹانے اور دوسرے کو بڑھانے کی اس سے ناحق دوسرے کا جی بُرا ہوتا ہے (بہشتی زیور، حصہ دہم ص ۹)

حالانکہ خالی چارپائی کے سامنے نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی عیب نہیں۔

(۱۰۰)......بعض لوگ ایسے شخص کو (خواہ مرد ہو یا عورت) جس کے پاؤں چلتے ہوئے زمین پر کچھ ٹیڑھے رکھے جاتے ہوں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ منحوس ہوتا ہے۔

مگر یہ عقیدہ توہم پرستی میں داخل اور زمانۂ جاہلیت سے ملتا جلتا ہے۔

(۱۰۱)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہیجڑوں کی نمازِ جنازہ پڑھنا صحیح نہیں، اوراسی طرح ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا بھی ٹھیک نہیں، اس سے دوسرے مُردوں پرنحوست پڑتی ہے۔

جبکہ شرعاً یہ بھی بے بنیاد بات ہے۔

(۱۰۲)......اگر کوئی بات کررہا ہواور اس درمیان میں چراغ بجھ جائے یا بجلی (لائٹ) چلی جائے تو بعض لوگ ایسے شخص کی بات کو غلط بیانی یا جھوٹ پر محمول کرتے ہیں۔

حالانکہ یہ بھی غلط سوچ ہے، کسی کے بارے میں ایسا نظریہ قائم کرلینا بدگمانی اور بدفالی میں شامل اور گناہ ہے۔

(۱۰۳)......بعض علاقوں میں دولہا دلہن کی رخصتی کے بعد کسی بزرگ وغیرہ کی قبر پر جاکر سلام کرایا جاتا ہے، اور سمجھا جاتا ہے کہ اس عمل کی وجہ سے میاں بیوی کے تعلقات اچھے رہتے ہیں، ورنہ اختلافات کا شکار ہوجاتے ہیں۔

مگر یہ عقیدہ اور طرزِ عمل منگھڑت ہے۔

(۱۰۴)......بعض لوگ کسی کو ہدیہ میں قینچی یا چھری دینے سے گھر میں نحوست ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

مگر یہ نظریہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

(۱۰۵)......بعض لوگ میت کو غسل دینے سے بدفالی لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ میت کی نحوست غسل دینے والے کے اوپر منتقل ہوجاتی ہے۔

حالانکہ یہ نظریہ جاہلوں کا گھڑا ہوا ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، شریعت نے تو میت کو غسل دینے کی فضیلت بیان کی ہے، نہ کہ نحوست۔

(۱۰۶)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب کسی کا تذکرہ کیا جائے اور تذکرہ کرتے ہی کوئی خلافِ طبیعت بات پیش آ جائے یا نقصان ہو جائے، مثلاً بجلی چلی جائے، کسی کو چوٹ لگ جائے وغیرہ، تو یہ تذکرہ کئے جانے والے شخص کے بُرا یا منحوس ہونے کی نشانی ہوتی ہے۔

حالانکہ یہ بھی بے اصل اور بے بنیاد سوچ ہے۔

(۱۰۷)......بعض لوگ یہ سوچ رکھتے ہیں کہ اگر شیطان کا ذکر کیا جائے اور اس وقت کوئی شخص آ جائے تو اُس شخص کے شیطان ہونے کی نشانی ہوتی ہے۔

جبکہ اس نسبت سے کسی کی طرف شیطان کی نسبت کرنا غلط اور گناہ ہے۔

(۱۰۸)......بعض لوگ جمعہ کے دن عید واقع ہو جانے کو عوام یا حکومت پر بھاری یا منحوس سمجھتے ہیں۔

حالانکہ شرعاً اس کی بھی کوئی اصل نہیں، حضور ﷺ کے زمانہ میں عید اور جمعہ ایک دن میں اکھٹے ہو جاتے تھے اور آپ ﷺ نے کبھی اس طرح ہونے کو بھاری یا منحوس قرار نہیں دیا۔

(۱۰۹)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ خنزیر یا سور کا نام لینے سے چالیس دن تک زبان ناپاک رہتی ہے۔

مگر شریعت میں اس کی بھی کوئی اصل نہیں، البتہ بلاضرورت خنزیر کا نام لینا اور خاص طور پر کسی انسان وغیرہ کو گالی کے طور پر خنزیر یا سور کہنا درست نہیں، بلکہ گناہ ہے۔

(۱۱۰)......بعض لوگ دکان وغیرہ میں ناخن کاٹنے سے منع کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس طرح دکان وغیرہ میں نحوست پیدا ہو جاتی ہے۔

حالانکہ یہ خیال بھی باطل ہے۔

(۱۱۱)......بعض لوگ مردہ کے داہنے کان میں کہا سنا معاف کراتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح کہا سُنا معاف ہو جاتا ہے۔

جبکہ شرعی اعتبار سے اس طرح کسی مردہ کے کان میں کہا سُنا معاف کرانے سے مُردہ کی طرف سے معافی نہیں ہوتی۔

(۱۱۲)......بعض لوگ اپنی دکانوں وغیرہ میں کسی بزرگ کی تصویر لٹکاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے اُس جگہ اور کاروبار میں برکت ہوتی ہے۔

جبکہ یہ جاہلانہ وہندوانہ سوچ ہے، اسلامی اعتبار سے یہ عمل خیر و برکت کا باعث نہیں بلکہ گناہ اور بے برکتی کا باعث ہے، ایک تو خود یہ عمل گناہ ہے اور گناہ سے بے برکتی آتی ہے، دوسرے جاندار کی تصویر والے مقام پر رحمت کے فرشتے نہیں آتے اور جو جگہ رحمت کے فرشتوں سے خالی ہو، وہاں برکت کے کیا معنیٰ؟

(۱۱۳)......بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو کوئی موت واقع نہیں ہوتی کیونکہ اس دن نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تھی۔

مگر یہ عقیدہ بھی سراسر باطل ہے۔ ایک تو حضور ﷺ کی وفات کی تاریخوں میں ہی اختلاف ہے، ۱۲/ ربیع الاول کو یقینی آپ ﷺ کے وصال کی تاریخ قرار دینا درست نہیں، دوسرے اگر مان بھی لیا جائے کہ آپ ﷺ کا وصال ۱۲/ ربیع الاول کو ہوا تھا، تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی اور شخص کا اس تاریخ میں وفات پانا ممکن نہ ہو، تاریخ کے مطالعہ اور مشاہدہ سے اس تاریخ میں دوسرے لوگوں کا وفات پانا ثابت ہے۔

(۱۱۴)......بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ گلاب کا پھول آپ ﷺ کے پسینے مبارک یا معراج کی رات والے براق کے پسینے سے پیدا کیا گیا ہے۔

مگر یہ بات بھی شریعت میں صحیح سند سے ثابت نہیں۔

(۱۱۵)......بعض لوگ قبروں پر رکھے ہوئے پتھروں اور چراغوں کے تیل کو جسم پر ملتے ہیں، اور اس کو خیر و برکت اور بیماری سے شفاء کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

حالانکہ اس قسم کی حرکات زمانۂ جاہلیت سے ملتی جلتی ہیں۔

(۱۱۶)......بعض لوگ میت کو دو مرتبہ غسل دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

جبکہ شرعاً دو مرتبہ غسل دینے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، اس لیے دو مرتبہ غسل کو ضروری سمجھنے کی رسم گناہ ہے، میت کو صرف ایک مرتبہ سنت کے مطابق غسل دینے پر اکتفاء کرنا چاہیے۔

(۱۱۷)......بعض لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اگر بیوی اپنے شوہر کوقرآن مجید وغیرہ کی تعلیم دے دے، تو یہ شوہر کی استاذ بن جاتی ہے، اور نکاح ختم ہوجاتا ہے۔

مگراس کی بھی شرعاً کوئی سند نہیں، بے بنیاد اور بے ہودہ خیال ہے۔

ہر مسلمان کو اس قسم کی بدفالیوں، بدشگونیوں اور جاہلانہ سوچوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہیے۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ مختلف قسم کی بدفالیوں پر اس لئے یقین رکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی میں اس قسم کی چیزوں کا بعض اوقات مشاہدہ کیا ہوا ہوتا ہے، اور اس مشاہدہ کی وجہ سے ان کے یقین میں پختگی پیدا ہوجاتی ہے، پھر دوسرے کے نفی کرنے سے بھی وہ بات دل ودماغ سے نہیں نکلتی۔

اس سلسلہ میں دو اصول ذہن میں رکھنے چاہئیں، جن کی وجہ سے انشاء اللہ تعالیٰ بدفالی اور بدشگونی وغیرہ سے حفاظت رہے گی۔

(۱)......ممکن ہے کہ کسی کے عقیدہ خراب ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حق میں ڈھیل اور استدراج کا معاملہ ہو، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھا جاتا ہے تو عموماً خیر کا معاملہ ہی ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ سے بدظنی اور بدگمانی رکھی جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حق میں اسی طرح کا فیصلہ مقدر کردیا جاتا ہے۔

(۲)......ممکن ہے کہ اس قسم کے واقعات کا وجود ایک اتفاقی چیز ہو لیکن اس نے اپنے عقیدے کی خرابی کی وجہ سے اس واقعہ کو اپنے گمان کے مطابق منطبق اور فِٹ کرلیا ہو اور یہ ایک نفسیاتی چیز ہے جس کا سمجھنا کسی عقل مند انسان کے لئے مشکل نہیں۔

اس کے علاوہ بدفالی وغیرہ کی کھٹک سے بچنے کی دعاؤں کا اہتمام کرنے سے بھی اس قسم کی بدفالیوں سے حفاظت رہتی ہے (یہ دعائیں پہلے ذکر کی جاچکی ہیں)

یہ چیزیں توہُّم پرستی نہیں

ممکن ہے کہ گذشتہ تفصیلات سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہو جائے کہ نظرِ بد، جنات، جادو، کشف وکرامات، تعویذات وعملیات اور تصوف وطریقت جیسی چیزیں بھی توہم پرستی اور جاہلانہ خیالات پر مبنی ہیں، کیونکہ توحید کے نام پر غلو کرنے والوں کی طرف سے اس قسم کے دعوے سامنے آتے رہتے ہیں، اس لئے ان چیزوں کے بارے میں بھی بقدرِ ضرورت تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

نظر لگنے کا واقعی وجود ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْعَیْنُ حَقٌّ وَلَوْ کَانَ شَیْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَیْنُ (مسلم) [1]

ترجمہ: نظر کا لگ جانا برحق ہے اور اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جاسکتی تو نظرِ بد اس پر سبقت لے جاتی (ترجمہ ختم)

حضرت عبید بن رفاعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَیْسٍ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ وَلَدَ جَعْفَرَ تُسْرِعُ إِلَیْهِمُ الْعَیْنُ أَفَأَسْتَرْقِی لَهُمْ فَقَالَ نَعَمْ فَإِنَّهُ لَوْ کَانَ شَیْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ لَسَبَقَتْهُ الْعَیْنُ(ترمذی) [2]

---

[1] حدیث نمبر ۵۸۳۱، کتاب السلام،باب الطب والمرض والرقی.

[2] حدیث نمبر ۱۹۸۵، کتاب الطب،باب ما جاء فی الرقیة من العین، واللفظ لهٗ، ابنِ ماجة حدیث نمبر ۳۵۰۱،مسند احمد حدیث نمبر ۲۷۴۷۰.

قَالَ الترمذی:

وَفِی الْبَاب عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ وَبُرَیْدَةَ وَهَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ

وفی حاشیة مسند احمد:

حدیث حسن، عروة بن عامر -وهو المکّی -روی عنه جمعٌ، وذکره ابنُ حبان فی "الثقات"، وقیل :له صحبة، والصحیح أنه تابعی، وعُبید -ویقال :عُبید الله -بن رِفاعة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: حضرت اسماء بنتِ عُمیس رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! جعفر کے بچوں کو بہت جلد نظر لگ جاتی ہے، کیا میں ان کے لئے جھاڑ پھونک کرلیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، اور اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جاسکتی تو نظر اس پر سبقت لے جاتی (ترجمہ ختم)

فائدہ: نظرِ بد تو برحق ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو چیز طے شدہ ہے، اس پر کوئی چیز غالب نہیں آتی، یہاں تک کہ نظرِ بد جیسی تیز ترین چیز بھی۔

اور نظرِ بد جس چیز پر اثر انداز ہوتی ہے، خواہ وہ اس چیز کی تباہی و ہلاکت کی شکل میں ہو، یا کسی اور شکل میں، تو وہ باذنِ الٰہی ہوتی ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الزُّرَقی مختلف فی صحبته كذلك، وقد روى عنه جمع، وذكره ابنُ حِبَّان فی "ثقاته"، وقال العجلی :تابعی ثقة .وبقية رجال الإسناد ثقات رجال الصحيح.

وقال الالبانی:

قلت :و رجاله ثقات مشهورون من رجال الشيخين غير عبيد بن رفاعة و هو ثقة و غير عروة بن عامر ، قال فی التقريب " :مختلف فی صحبته ، له حديث فی الطيرة و ذكره ابن حبان فی ثقات التابعين . "ثم أخرج الترمذی الحديث من طريق أيوب عن عمرو بن دينار عن عروة بن عامر عن عبيد بن رفاعة عن أسماء بنت عميس عن النبی صلی الله عليه وسلم .قلت :فصرح أيوب أنه من مسند أسماء خلاف المتبادر من رواية سفيان الأولی .و للحديث شاهد صحيح من رواية ابن عباس تقدم قبله .و قد رواه الترمذی بلفظ ":لو كان شیء سابق القدر لسبقته العين و إذا استغسلتم فاغسلوا . "و قال ": حديث حسن صحيح (السلسلة الصحيحة ،تحت حديث رقم ۱۲۵۲)

[1] وعن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی قال العين أی أثرها حق وتحقيقه أن الشیء لا يعان إلا بعد كماله وكل كامل يعقبه النقص ولما كان ظهور القضاء بعد العين أضيف ذلك إليها فلو كان شیء سابق القدر أی غالبه فی السبق سبقته العين أی لغلبته العين والمعنی لو أمكن أن يسبق القدر شیء فيؤثر فی إفناء شیء وزواله قبل أوانه المقدر له سبقت العين القدر وحاصله إن لإهلاك ولا ضرر بغير القضاء والقدر ففيه مبالغة لكونها سببا فی شدة ضررها ومذهب أهل السنة إن العين يفسد ويهلك عند نظر العائن بفعل الله تعالی أجری العادة أن يخلق الضرر عند مقابلة هذا الشخص لشخص آخر قال النووی فيه إثبات القدر وإن الأشياء كلها بقدر الله تعالی قال الطيبی المعنی أن فرض شیء له قوة وتأثير عظيم سبق المقدر لكان عينا والعين لا يسبق فكيف بغيرها وقال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْعَيْنُ تَدْخُلُ الرَّجُلَ الْقَبْرَ وَالْجَمَلَ الْقَدْرَ (حلية الأولياء ، لابى نُعيم الأصبهانى) [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نظرِ بد (باذنِ الٰہی) آدمی کو قبر میں اور اونٹ کو دیگ میں داخل کر دیتی ہے (ترجمہ ختم)

دیگ میں داخل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اونٹ نظرِ بد کی وجہ سے موت کے قریب پہنچ جاتا ہے، جس کی وجہ سے اسے ذبح کرنا پڑتا ہے، اور اس کا گوشت دیگ میں پکنے کے لئے پہنچ جاتا ہے۔ [2]

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

التوربشتى قوله العين حق أى الإصابة بالعين من جملة ما تحقق كونه وقوله ولو كان شىء سابق القدر كالمؤكد للقول الأول وفيه تنبيه على سرعة نفوذها وتأثيرها فى الذوات وإذا استغسلتم بصيغة المجهول فاغسلوا كانوا يرون أن يؤمر العائن فيغسل أطرافه وما تحت الإزار فتصب غسالته على المعيون يستشفون بذلك فأمرهم النبى أن لا يمتنعوا عن الاغتسال إذا أريد منهم ذلك وأدى ما فى ذلك دفع الوهم من ذلك وليس لأحد أن ينكر الخواص المودعة فى أمثال ذلك ويستبعدها من قدرة الله وحكمته لا سيما وقد شهد بها الرسول وأمر بها (مرقاة، كتاب الطب والرقى)

[1] ج۳ص ۱۹۱ ،واللفظ لهٗ،مسند الشهاب القضاعى،حديث نمبر ۹۸۵ ،إن العين لتدخل الرجل القبر،تاريخ بغداد ج۹ص ۲۴۴ .

قال الالبانى:

و إسناده حسن عندى(السلسلة الصحيحة ، تحت حديث رقم ۱۲۴۹)

[2] (العين تدخل الرجل القبر) أى تقتله فيدفن فى القبر (وتدخل الجمل القدر) أى إذا أصابته مات أو أشرف على الموت فذبحه مالكه وطبخه فى القدر يعنى أن العين داء والداء يقتل فينبغى للعائن أن يبادر إلى ما يعجبه بالبركة ويكون ذلك رقية منه (فائدة) أخرج ابن عساكر أن سعيدا الساجى من كراماته أنه قيل له :احفظ ناقتك من فلان العائن فقال :لا سبيل له عليها فعانها فسقطت تضطرب فأخبر الساجى فوقف عليه فقال :بسم الله حبس حابس وشهاب قابس رددت عين العائن عليه وعلى أحب الناس إليه وعلى كبده وكلوتيه وشيق وفى ماله يليق فأرجع البصر هل ترى من فطور الآية فخرجت حدقتا العائن وسلمت الناقة .(فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوى، تحت حديث رقم ۵۷۴۸)

اَلْعَيْنُ حَقٌّ، تَسْتَنْزِلُ الْحَالِقَ(مسند احمد) [۱]

ترجمہ: نظرِ بد برحق ہے، جو بلند ترین پہاڑ سے بھی نیچے گرا سکتی ہے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ نظرِ بد میں اتنی تاثیر ہے کہ اس کے اثر سے انسان بلند ترین جگہ سے گرا کر اپنے آپ کو ہلاکت میں مبتلا کر لیتا ہے۔ [۲]

اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَيْنَ لَتُوْلَعُ الرَّجُلَ بِإِذْنِ اللّٰهِ، حَتّٰى يَصْعَدَ حَالِقًا ثُمَّ يَتَرَدّٰى مِنْهُ(مسند احمد) [۳]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نظرِ بد باذنِ الٰہی آدمی پر تیزی سے اثر انداز ہوتی

---

[۱] حدیث نمبر ۲۴۷۷، وحدیث نمبر ۲۶۸۱،واللفظ لهٗ، المعجم الكبير للطبرانی حديث نمبر ۱۲۶۶۲، مستدرک حاکم حديث نمبر ۷۴۰۶.

قال الحاكم: "هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ بِهَذِهِ الزِّيَادَةِ "

وقال الذهبی فی التلخيص: صحيح.

وفی حاشية مسنداحمد:

حسن لغيره(حاشية مسند احمد)

قال الالبانی:

الحديث له شاهد بلفظ :(إن العين لتوقع الرجل) و قد مضى برقم (۸۸۹) فهو به حسن إن شاء الله تعالى (السلسلة الصحيحة للالبانی تحت حديث رقم ۱۲۵۰)

[۲] (العين حق) أی الإصابة بالعين من جملة ما تحقق كونه (تستنزل الحالق) أی الجبل العالی قال الحكماء :والعائن يبعث من عينه قوة سمية تتصل بالمعان فيهلک أو يهلک نفسه قال :ولا يبعد أن تنبعث جواهر لطيفة غير مرئية من العين فتتصل بالمعين وتتخلل مسام بدنه فيخلق الله الهلاک عندها كما يخلقه عند شرب السم وهو بالحقيقة فعل الله قال المازری :وهذا ليس على القطع بل جائز أن يكون ، وأمر العين مجرب محسوس لا ينكره إلا معاند(فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوی، تحت حديث رقم ۵۷۴۵)

[۳] حديث نمبر ۲۱۳۰۲، واللفظ لهٗ، مسند البزار حديث نمبر ۳۹۷۲.

قال الهيثمی:

رواه أحمد والبزار ورجال أحمد ثقات (مجمع الزوائد ج۵ص۱۰۶ ،باب ما جاء فی العين)

قال الالبانی:

قلت :و للحديث شاهد بلفظ " :العين حق تستنزل الحالق "فهو به قوی(السلسلة الصحيحة للالبانی تحت حديث رقم ۸۸۹)

ہے، یہاں تک کہ اس کو بلند پہاڑ پر چڑھا دیتی ہے، پھر اس کو وہاں سے گرا دیتی ہے (ترجمہ ختم)

معلوم ہوا کہ نظرِ بد کا حقیقت میں وجود ہے۔اور نظرِ بد چونکہ حسد اور رشک کی طرح ایک نفسیاتی کیفیت ہوتی ہے جو دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہے۔

لہٰذا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص نابینا ہو اور اس کے سامنے دوسرے کے اوصاف وحالات بیان کئے جائیں جن کو سن کر اس کے اندر یہ نفسیاتی کیفیت پیدا ہو اور اس کے ذریعہ سے اس کی نظر دوسرے کو لگ جائے ،اور کبھی بغیر ارادے کے بھی یہ نفسیاتی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی بناء پر اس کے ارادہ کے بغیر بھی دوسروں کو نظر لگ جاتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

أَمَرَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ أَمَرَ أَنْ يُّسْتَرْقٰى مِنَ الْعَيْنِ (بخاری) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے نظرِ بد کے دَم کا حکم فرمایا (ترجمہ ختم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِى الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ وَالْحُمَةِ وَالنَّمْلَةِ (مسلم) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے نظرِ بد اور بخار اور پھوڑے پھنسی میں دَم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے (ترجمہ ختم)

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

أَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأٰى فِىْ بَيْتِهَا جَارِيَةً فِىْ وَجْهِهَا سَفْعَةٌ فَقَالَ اِسْتَرْقُوْا لَهَا فَإِنَّ بِهَا النَّظْرَةَ (بخاری) [۳]

---

[۱] حديث نمبر ۵۲۹۷، كتاب الطب، باب رقية العين، واللفظ لهٗ، مسند احمد حديث نمبر ۲۴۳۴۵.

[۲] حديث نمبر ۵۸۵۳، كتاب السلام، باب استحباب الرقية من العين والنملة والحمة والنظرة، واللفظ لهٗ، مسند احمد حديث نمبر ۱۲۱۷۳.

[۳] حديث نمبر ۵۲۹۸، كتاب الطب، باب رقية العين، واللفظ لهٗ، مسلم حديث نمبر ۵۸۵۴.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں ایک بچی کے چہرے پر شیطانی اثرات دیکھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے لئے جھاڑ پھونک کرو کیونکہ اس کو نظر ہے (ترجمہ ختم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَانِّ وَعَيْنِ الْإِنْسَانِ حَتّٰى نَزَلَتْ الْمُعَوِّذَتَانِ فَلَمَّا نَزَلَتَا أَخَذَ بِهِمَا وَتَرَكَ مَا سِوَاهُمَا (ترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنات اور انسانوں کی نظرِ بد سے پناہ مانگتے تھے، یہاں تک کہ معوذتین (یعنی سورہ فلق وسورہ ناس) نازل ہوگئیں، ان دوسورتوں کے نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نظرِ بد سے حفاظت کے لئے) ان دونوں سورتوں کو اختیار کرلیا، اور ان کے علاوہ اور چیزوں کو چھوڑ دیا (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ سورہ فلق اور سورہ ناس کے نازل ہونے کے بعد آپ نظرِ بد سے حفاظت کے لئے عام طور ان دونوں سورتوں کو پڑھا کرتے تھے، کیونکہ ان دونوں سورتوں میں نظرِ بد سے حفاظت کی بہت زیادہ تاثیر ہے، اور اسی وجہ سے ان دونوں سورتوں کا بطورِ خاص حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔

اور دوسری احادیث میں سورہ فاتحہ کے ذریعہ سے بھی دَم کرنے کا ذکر ہے۔

لہٰذا سورہ فاتحہ کے ذریعہ سے دَم کرنا بھی درست ہے۔

اس کے علاوہ اور دعاؤں کے ذریعہ سے دَم کرنا احادیث سے ثابت ہے، جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ [2]

---

[1] حدیث نمبر ۱۹۸۴، کتاب الطب، باب ما جاء فی الرقیة بالمعوذتین، واللفظ لهٗ، ابنِ ماجة حدیث نمبر ۳۵۰۲.

قَالَ أَبُو عِيسَى وَفِي الْبَاب عَنْ أَنَسٍ وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

[2] (كان يتعوذ من الجان) أى يقول أعوذ بالله من الجان (وعين الإنسان) من ناس ينوس إذا تحرك وذلك يشترك فيه الجن والإنس وعين كل ناظر (حتى نزلت المعوذتان فلما نزلتا (أخذ بهما وترك ما سواهما) أى مما كان يتعوذ به من الكلام غير القرآن لما ثبت أنه كان يرقى بالفاتحة وفيهما الاستعاذة بالله فكان يرقى بها تارة ويرقى بالمعوذتين أخرى لما تضمنتاه من الاستعاذة من كل مكروه إذ الاستعاذة من شر ما خلق تعم كل شر يستعاذ منه فى الأشباح والأرواح والاستعاذة من شر الغاسق وهو الليل وآيته أو القمر إذا غاب يتضمن الاستعاذة من شر ما ينتشر فيه من الأرواح الخبيثة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :اِشْتَكَيْتَ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والاستعاذة من شر النفاثات تتضمن الاستعاذة من شر السواحر وسحرهن والاستعاذة من شر الحاسد تتضمن الاستعاذة من شر النفوس الخبيثة المؤذية والسورة الثانية تتضمن الاستعاذة من شر الإنس والجن فجمعت السورتان الاستعاذة من كل شر فكانا جديرين بالأخذ بهما وترك ما عداهما.

قال ابن حجر :هذا لا يدل على المنع من التعوذ بغير هاتين السورتين بل يدل على الأولوية سيما مع ثبوت التعوذ بغيرهما وإنما اكتفى بهما لما اشتملتا عليه من جوامع الكلم والاستعاذة من كل مكروه جملة وتفصيلا(فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ۲۹۷۳)

(وعن أبى سعيد الخدرى رضى اللّه عنه قال :كان رسول اللّه يتعوذ من الجان وعين الإنسان) لعظم ضررهما :أى كان يقول اللهم إنى أعوذ بك من الجان وعين الإنسان (حتى نزلت المعوذتان، فلما نزلتا) أى المعوذتان (أخذ بهما) فى التعوذ لعمومهما لذلك وغيره (وترك ما سواهما) من التعاويذ (رواه الترمذى وقال :حديث حسن) وإنما اختصا بذلك لاشتمالهما على الجوامع فى المستعاذ به والمستعاذ منه، أما الأول فلأن الافتتاح برب الفلق مؤذن بطلب فيض ربانى يزيل كل ظلمة فى الاعتقاد أو العمل أو الحال، لأن الفلق الصبح وهو وقت فيضان الأنوار ونزول البركات وقسم الأرزاق وذلك مناسب للمستعاذ منه .وأما الثانى لأنه فى الأولى ابتدأ فى ذكر المستعاذ منه باعلام وهو شرّ كل مخلوق حىّ أو جماد فيه شر فى البدن أو المال أو الدنيا أو الدين كإحراق النار وقتل السمّ، ثم بالخاص اعتناء به لخلفاء أمره، إذ يلحق الإنسان من حيث لا يعلم كأنه يغتال به، وهو القمر إذا غاب لأن الظلمة التى تعقب ذلك تكون سبباً لصعوبة التحرز من الشرّ المسبب عنها، ثم نفث الساحرات فى عقدهن الموجب لسريان شرهن فى الروح على أبلغ وجه وأخفاه فهو أدق من الأول، ثم بشرّ الحاسد فى وقت التهاب نار حسده فيه لأنه حينئذ يسعى فى إيصال أدق المكائد المذهبة للنفس والدين فهو أدق وأعظم من الثانى، وفى الثانية خص شرّ الموسوس فى الصدور من الجنة والناس لأن شرّه حينئذ يعادل تلك الشرور بأسرها، لأنها إذا كانت فى صدر المستعيذ ينشأ عنهما كل كفر وبدعة، وضلالة، ومن ثم زاد التأكيد والمبالغة فى جانب المستعاذ به إيذاناً بعظمة المستعاذ منه، وكأنه قيل أعوذ من شرّ الموسوس إلى الناس بمن رباهم بنعمه وملكهم بقهره وقوته، وهو إلههم ومعبودهم الذى يستعيذون به ممن سواه ويعتقدون أن لا ملجأ لهم إلا إياه، وختم به لأنه مختص به تعالى، بخلاف الأولين فإنهما قد يطلقان على غيره .(دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين،باب فى الحث على سور)

يَـا مُـحَمَّدُ ؟ قَـالَ "نَـعَمْ "قَـالَ " بِسْـمِ الـلّٰـهِ أَرْقِيْكَ مِـنْ كُلِّ شَيْءٍ يُـؤْذِيْكَ، مِـنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ، وَعَيْنٍ يَشْفِيْكَ، بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ (مسند أحمد ،حديث نمبر ۱۱۲۲۵) ؎١

ترجمہ: جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ کے پاس آ کر عرض کیا کہ اے محمد! آپ کو بیماری کی شکایت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ بے شک، جبریل علیہ السلام نے یہ دعا پڑھی:

بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ، وَعَيْنٍ يَشْفِيْكَ، بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ.

یعنی اللہ کے نام سے میں آپ پر دَم کرتا ہوں، ہر اس چیز سے جو آپ کو تکلیف پہنچائے، اور ہر جاندار کے شر سے اور نظرِ بد سے اللہ تعالیٰ آپ کو شفاء عطا فرمائیں، اللہ کے نام سے میں آپ پر دَم کرتا ہوں (ترجمہ ختم)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كَـانَ الـنَّبِـيُّ صَـلَّـى الـلّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَيَقُوْلُ إِنَّ أَبَـاكُـمَـا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا إِسْمَاعِيْلَ وَإِسْحَاقَ أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ (بخاری) ؎٢

ترجمہ: نبی ﷺ حضرت حسن اور حسین کو جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے، اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے باپ (حضرت ابراہیم) حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کو ان کلمات کے ساتھ جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے:

أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ

یعنی میں اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کے ذریعہ سے ہر شیطان اور موذی چیز اور ہر نظرِ بد

؎١ إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير أبي نضرة -وهو المنذر بن مالك العبدي العوقي -فمن رجال مسلم، وهو ثقة(حاشية مسند احمد)

؎٢ حديث نمبر ۳۱۲۰، كتاب احاديث الانبياء، باب قول الله تعالى واتخذ الله إبراهيم خليلا.

سے پناہ طلب کرتا ہوں (ترجمہ ختم)

بعض جاہل لوگوں خاص کر عورتوں نے نظرِ بد سے حفاظت کے لئے مختلف غیر شرعی ٹونے ٹوٹکے گھڑ رکھے ہیں، شرعاً ان کی کوئی حیثیت نہیں، لہٰذا ان پر اعتماد کرنے کے بجائے شرعی طریقوں سے علاج معالجہ کرنا چاہیے۔

یاد رہے کہ! مذکورہ تفصیل نظرِ بد کے اپنی ذات میں موجود ہونے سے متعلق تھی، لیکن بعض لوگ جو بلا وجہ ہر وقت بات بات پر نظرِ بد، نظرِ بد کی رٹ لگائے رکھتے ہیں اور ذرا ذرا سی بات پر کہتے ہیں کہ نظر لگ گئی ہے، یہ صحیح نہیں، ہر وقت خواہ مخواہ کا وہم اچھا نہیں۔

جنات وشیاطین کا وجود برحق ہے

جتنے بھی آسمانی مذاہب کی طرف نسبت رکھنے والے لوگ ہیں، وہ بلکہ ہندو، سکھ وغیرہ کی اکثریت بھی جنات اور شیاطین کے وجود کی قائل ہے اور اکثر فلاسفہ بھی اس کے قائل چلے آئے ہیں۔

البتہ کچھ لوگ صرف عقل کے بل بوتے پر جنات کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر جنات کا کوئی وجود ہوتا تو وہ ہمیں ضرور نظر آیا کرتے۔ حالانکہ ان لوگوں کی یہ بات قرآن وسنت کے مفصل دلائل، بلکہ خود صحیح عقل کے بھی خلاف ہے۔

قرآن مجید میں جنات اور شیاطین کا ذکر سینکڑوں مرتبہ آیا ہے، جو جنات اور شیاطین کے وجود کی قطعی اور پختہ دلیل ہے۔

اہلِ اسلام کے لئے تو قرآن مجید کے بعد انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

رہا احادیث کا معاملہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات اور شیاطین کا سینکڑوں اور ہزاروں مرتبہ تذکرہ فرمایا ہے جو اہلِ علم حضرات احادیث میں خوب ملاحظہ فرما سکتے ہیں اور یہ کہنا کہ چونکہ جنات اور شیاطین ہمیں نظر نہیں آتے اس لئے ہم ان کا وجود نہیں مانتے، یہ بات خود عقل کے خلاف ہے کیونکہ دنیا میں بے شمار چیزیں ایسی ہیں کہ جو ہمیں اپنی آنکھوں سے نظر نہیں آتیں مگر ان کو عوام وخواص سب تسلیم کرتے ہیں۔

اس لئے جولوگ قرآن مجید اور حضور ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں ان کوتو جنات کا وجود تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ،اور جولوگ اس کے منکر ہیں ان کے پاس نفی کی کوئی دلیل اس کے سوانہیں کہ یہ مخلوق ان کی نظر سے اوجھل ہے (ملاحظہ ہو''تاریخ جنات وشیاطین''ازمولانا امداداللہ انور صاحب:اردوترجمہ''لقطۃ المرجان فی احکام الجان''للعلامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ)

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

لَمْ يُخَالِفْ أَحَدٌ مِّنْ طَوَائِفِ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ وُجُوْدِ الجِنّ وَجَمْهُوْرُ طَوَائِفِ الْكُفَّارِ عَلٰى إِثْبَاتِ الْجِنّ أَمَّا اَهْلُ الْكِتَابِ مِنَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى فَهُمْ مُقِرُّوْنَ بِهِمْ كَإِقْرَارِ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِنْ وُجِدَ فِيْهِمْ مَنْ يُّنْكِرُ ذٰلِكَ ...... وَهٰذَا لِأَنَّ وُجُوْدَ الْجِنّ تَوَاتَرَتْ بِهٖ اَخْبَارُ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ تَوَاتُرًا مَعْلُوْمًا بِالْاِضْطِرَارِ (آكام المرجان فی احكام الجان،الباب الاول فی بيان اثبات الجن و الخلاف فيه)

ترجمہ: مسلمانوں کی تمام جماعتیں جنات کے وجود کو تسلیم کرتی ہیں اوراکثر کافروں کی کی جماعتیں جنات کے ثبوت پر متفق ہیں،اور یہود ونصاریٰ،اہلِ کتاب بھی جنات کو مسلمانوں کی طرح تسلیم کرتے ہیں،اگر چہ ان میں سے بعض لوگ اس کا انکار بھی کرتے ہیں......کیونکہ جن کے وجود کی احادیث انبیاء علیہم السلام سے متواتر اور واضح طریقہ پر منقول ہیں (ترجمہ ختم)

یہاں بھی یادر ہے! کہ یہ تفصیل جنات کے اپنی ذات میں وجود سے متعلق تھی،لیکن آج کل بعض لوگ ہر ہر بات پر اور ذراسی بیماری، پریشانی آنے پر یہ وہم کیا کرتے ہیں کہ جنات وآسیب کا اثر ہوگیا ہے، یہ غلط سوچ ہے بلا دلیل ایسی سوچ قائم کرلینا صحیح نہیں۔

اسی طرح دکان دار اور جھوٹے عاملوں کی باتوں میں آکر جنات کے اثر کا یقین کرلینا بھی صحیح نہیں، ہاں جب کسی معتبر ذریعہ سے معلوم ہوجائے تو پھر الگ بات ہے۔

جادو کا وجود برحق ہے

آج کل بعض لوگ جادو کے وجود کا بھی انکار کرتے ہیں اور اسے بھی توہم پرستی میں شمار کرتے ہیں جبکہ قرآن وسنت اور مشاہدات کی روشنی میں یہ واضح ہے کہ جادو کا وجود برحق ہے اور جادو کے ذریعہ سے دوسرے کو نقصان پہنچنا ممکن ہے۔

بلکہ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پر بھی جادو کرایا گیا تھا اور آپ ﷺ پر اس کا کچھ اثر بھی ہو گیا تھا لیکن یہ اثر اس درجہ کا نہیں تھا کہ اس کی وجہ سے نبوت کے منصب کے کسی عمل میں خلل واقع ہوا ہو، کیونکہ جادو درحقیقت طبعی اسباب ہی کا اثر ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام طبعی اسباب کے اثرات سے متاثر ہو سکتے ہیں جیسے بھوک، پیاس کا اثر، بیماری میں مبتلا ہونا وغیرہ وغیرہ۔[1]

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں جادو ایسے عمل کو کہا گیا ہے جس میں کفر وشرک اور فسق وفجور اختیار کر کے جنات وشیاطین کو راضی کیا گیا ہو اور ان سے مدد لی گئی ہو جس کے نتیجہ میں کچھ عجیب واقعات ظاہر ہو گئے ہوں اور جادو کی مختلف قسمیں ہیں، جس جادو میں کوئی عمل کفر کا اختیار کیا گیا ہو جیسے شیاطین سے استغاثہ واستمداد (یعنی اُن سے حاجت برآری اور مدد طلب کرنا) یا ستاروں کی تاثیر کو مستقل ماننا یا جادو کو معجزہ قرار دے کر اپنی نبوت وغیرہ کا دعویٰ کرنا تو یہ جادو بالاجماع کفر ہے اور جس میں یہ اور اس جیسے دوسرے کفریہ افعال نہ ہوں، مگر گناہوں کا ارتکاب کیا گیا ہو وہ گناہ کبیرہ ہے (معارف القرآن ج ۱، ۲۷۴)

---

[1] مذهب أهل الحق أن السحر حق ومعناه أنه موجود ، وأنكرت المعتزلة ذلک قالوا لا أصل له ، والدليل عليه قصة هاروت وماروت وهو ظاهر فى نص القرآن والدليل عليه اتفاق أهل التفسير على أن نزول المعوذتين فى سحر لبيد بن أعصم لرسول الله ، والدليل عليه أن عبد الله بن عمر رضى الله عنه سحرته اليهود فتكوعت يده فأجلاهم عمر عن ديارهم وروى أن جارية لعائشة سحرتها فباعتها عائشة والدليل عليه إجماع الفقهاء على السحر واختلافهم فى أحكامه حتى تكلموا فى وجوب القصاص على من قتل بالسحر فدل ذلک على أنه موجود فإذا ثبت كون السحر موجودا فالسحر موافق للكرامة إلا أن السحر لا يظهر إلا على يد فاسق والكرامة لا تظهر على يد فاسق بل تظهر على يد من يكون حاله موافقا للشرع والدين (الغنية فى أصول الدين، فصل فى حد العلم)

یہاں بھی یہ بات دھرانا ضروری ہے کہ! بعض وہمی قسم کے لوگ ہر ہر بات میں اپنے یا کسی اور کے اوپر جادو اور سحر کا شک کر لیتے ہیں، بلکہ جادو کرنے والے کی بھی بلا دلیل تعیین کر لیتے ہیں یا جھوٹے عاملوں کے کہنے پر اس قسم کا یقین کر لیتے ہیں۔حالانکہ بلا کسی معتبر دلیل کے کسی پر بدگمانی کرنا بڑا گناہ ہے۔

کشف وکرامات کی حیثیت

بعض لوگ اولیائے کرام کے کشف وکرامات کا انکار کرتے ہیں،اوراس کو بھی توہم پرستی میں شمار کرتے ہیں اور بعض لوگ کشف وکرامات سرزد ہونے پر اولیاء کرام کی طرف خدائی صفات منسوب کرتے ہیں۔

یہ دونوں باتیں غلط ہیں اور حق بات ان دونوں کے درمیان ہے کہ کشف وکرامات کا صدور اولیائے کرام سے ممکن ہے(اوراس کے بے شمار دلائل قرآن وحدیث اور واقعات ومشاہدات سے ثابت ہیں) لیکن کشف وکرامات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کارفرما ہوتی ہے،یعنی کرامت ولی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو ولی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے،جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات حق ہیں،مگر وہ اللہ کی قدرت پر مبنی ہیں،اسی طرح اولیائے کرام کی کرامات بھی حق ہیں لیکن ان کے صادر کرنے میں اولیائے عظام کا کوئی کسب واختیار نہیں ہوتا، جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ان کے ہاتھ پر کوئی کرامت ظاہر کر دیتا ہے، بسا اوقات ان کو علم اور شعور تک بھی نہیں ہوتا کہ یہ چیز بھی ہمارے ہاتھ پر ظاہر ہو گی یا ہو سکتی ہے۔

لہٰذا کشف وکرامات میں بندوں کی طرف خدائی صفات منسوب کرنا کرامت کی حقیقت سے بے خبری کی نشانی ہے۔

کرامت اس چیز کو کہتے ہیں جو نبی کی اتباعِ کامل کرنے والے پر ظاہر ہو اور قانونِ عادت سے خارج ہو (یعنی خلافِ عادت ہو) اور اگر وہ چیز خلافِ عادت نہ ہو تو کرامت نہیں ہے اسی طرح اگر وہ شخص نبی کی اتباع کرنے والا نہ ہو اگرچہ اتباع کا دعویٰ کرتا ہو اس کا فعل بھی کرامت نہیں۔

پس جولوگ ہر قسم کے شخص کے ہاتھ پر خلافِ عادت چیزیں دیکھ کراس کو کرامت سمجھ لیتے ہیں یا ایسے شخص کے معتقد ہوجاتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، جیسے مسمریزم، حاضرات ہمزاد کا عمل، جادو، ٹونا ٹوٹکا، مختلف شعبدہ بازیاں اورنظر بندی وغیرہ۔ [1]

پھر کرامت کی دو قسمیں ہیں ایک حسّی (یعنی ظاہر میں محسوس ہونے اورنظر آنے والی) جیسے ہوا میں اڑنا، پانی پر چلنا وغیرہ، اوردوسری قسم معنوی ہے یعنی شریعت پر استقامت اختیار کرنا، نیک کاموں کی پابندی کرنا، اچھے اخلاق کا خوگر ہوجانا اوربُرے اخلاق سے دل کا پاک ہوجانا وغیرہ۔

محققین کے نزدیک معنوی کرامت کا درجہ زیادہ ہے کیونکہ اس میں کسی خرابی یا غلط چیز کے ساتھ مشابہت نہیں اورحسّی کرامت میں ظاہری طور پر کئی دوسرے احتمالات ہیں، اسی لئے عربی کا مشہورمقولہ ہے "اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ" یعنی دین پرثابت قدم رہنا (حسی) کرامت سے بڑی چیز ہے۔ [1]

---

[1] فقوله :(إلا ربا من أسفلها أكثر) ضبطوه بالباء الموحدة وبالثاء المثلثة .هذا الحديث فيه كرامة ظاهرة لأبي بكر الصديق رضى الله عنه ، وفيه إثبات كرامات الأولياء ، وهو مذهب أهل السنة خلافا للمعتزلة (شرح النووى، كتاب الاشربة،باب اكرام الضيف وفضل ايثاره)

الكرامات جمع كرامة وهى اسم من الإكرام والتكريم وهى فعل خارق للعادة غير مقرون بالتحدى وقد اعترف بها أهل السنة وأنكرها المعتزلة واحتج أهل السنة بحدوث الحبل لمريم من غير فحل وحصول الرزق عندها من غير سبب ظاهر وأيضا ففى قصة أصحاب الكهف فى الغار ثلثمائة سنة وأزيد فى النوم أحياء من غير آفة دليل ظاهر وكذا فى إحضار آصف بن برخيا عرش بلقيس قبل ارتداد الطرف حجة واضحة وأما المعتزلة فتعلقوا بأنه لو جاز ظهور الخارق فى حق الولى لخرج الخارق عن كونه دليلا على النبوة وأجيب بأنه تمتاز المعجزة عن الكرامة باشتراط الدعوى فى المعجزة وعدم اشتراطها فى الكرامة بل فى الحقيقة كرامة كل ولى معجزة لنبيه لدلالتها على حقية متبوعة(مرقاة المفاتيح، كتاب الفضائل والشمائل،باب الكرامات)

وَعِبَارَةُ النَّسَفِيِّ فِي عَقَائِدِهِ :وَكَرَامَاتُ الْأَوْلِيَاءِ حَقٌّ ، فَتَظْهَرُ الْكَرَامَةُ عَلَى طَرِيقِ نَقْضِ الْعَادَةِ لِلْوَلِيِّ ، مِنْ قَطْعِ الْمَسَافَةِ الْبَعِيدَةِ فِي الْمُدَّةِ الْقَلِيلَةِ ، وَظُهُورِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَاللِّبَاسِ عِنْدَ الْحَاجَةِ ، وَالْمَشْيِ عَلَى الْمَاءِ وَالْهَوَاءِ ،وَكَلَامِ الْجَمَادِ وَالْعَجْمَاءِ ، وَانْدِفَاعِ الْمُتَوَجِّهِ مِنْ الْبَلَاءِ ، وَكِفَايَةِ الْمُهِمِّ مِنْ الْأَعْدَاءِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِنْ الْأَشْيَاءِ .ا هـ (رد المحتار، كتاب الطلاق،بَابُ الْعِدَّةِ ،فَصْلٌ فِي ثُبُوتِ النَّسَبِ)

مسألة ، مذهب أهل الحق جواز ظهور ما يخرق العادة على أيدى الأولياء على سبيل الكرامة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تعویذات اور عملیات کی حیثیت

آج کل بعض لوگ ہر قسم کے تعویذات وعملیات کا سرے سے انکار کرتے ہیں اور ان کو جاہلیت سے جوڑتے ہیں اور اس کے برعکس بعض لوگ تعویذات وعملیات کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اس میں جائز وناجائز کی پرواہ کئے بغیر ہر قسم کے تعویذات کو جائز قرار دیتے ہیں۔

حالانکہ تعویذات اور عملیات کا ایک درجہ میں شرعاً وجود ہے، لیکن ان کے جائز ہونے کے لئے کچھ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأنكرت المعتزلة كرامات الأولياء بالكلية والدليل على ثبوتها قصة أصحاب الكهف وما كانوا أنبياء والدليل عليه قصة مريم عليها السلام فإنها خصت بكرامات فمن ذلك أن زكريا كان يجد عندها فى الشتاء فاكهة الصيف وفى الصيف فاكهة الشتاء حتى قال لها أنى لك هذا قالت هو من عند الله،ومن ذلك حديث جذع النخلة وصوت الحناء من الجذع بعدما جفت ويبست النخلة ، ومن ذلك حديث أم موسى وما ألهمت والقصة ظاهرة فى القرآن ، ومن ذلك ما ظهر من الآيات لمولد رسول الله وذلك ظاهر سائغ فلم يكن معجزة لأنها سبقت دعوة النبوة والمعجزة لا تسبق النبوة ووقعت من غير دعوى وشرط المعجزة الدعوى فعلم ذلك جواز الكرامة للأولياء بخرق العادة ، والدليل عليه أن الأصول الخارقة للعادة مقدورة من الله تعالى وليست تستقبح عقلا وليس فيها قدح فى المعجزات على ما تذكره فالقول بامتناعها لا وجه له ، فإن قالوا لو جاز ظهور ما يخرق العادة على يد ولى من وجه لجاز من كل وجه وتجويز ذلك مضى إلى ظهور معجزة الأنبياء على يد الأولياء وفيه تكذيب النبى الذى تحدى به وقال آية صدقى أنى آتى بكذا ولا يأتى أحد بمثل ما أتيت به وإذا كان يؤدى إلى إبطال النبوات لم يجز القول به ، قلنا هذا فاسد فإن الشيء الواحد من خوارق العادة يجوز أن يكون معجزة لنبى بعد نبى وظهوره على يد نبى آخر لا يقدح فى نبوة الأول فكذا بظهوره على يد ولى ، فإن قيل الذى أظهر تلك المعجزة يفيد دعواه ويقول لا يأت بمثل ذلك إلا من يدعى النبوة وكان صادقا فلا يقدح ذلك فى نبوته ، قلنا إذا جاز أن تفيد الدعوى بما ذكرتم جاز أن تفيده بما نخرج منه ،الكرامة فيقول لا يأت بها مسيء ولا من يقصد تكذيبى فلا تكون الكرامة قادحا فيها لأنه لا يقصد تكذيبه ، إذا ثبت ما ذكرنا من الدلائل على جواز ظهورها بخرق العادة على يد الأولياء على سبيل الكرامة فماذا تتميز الكرامة عن المعجزة ، اختلفوا فيه فذهب قوم إلى أن شرط الكرامة أن تكون من غير إيثار واختيار من الولى والمعجزة يكون بالإيثار والاختيار فيفترقان ، وقوم قالوا يجوز ظهور الكرامة على يد الولى مع الاختيار ولكن لا يجوز ظهورها مع دعوى الولاية حتى لو ادعى الولاية وأراد إثباتها بالكرامة لم يخرق المعجزة فظهر مع دعوى النبوة ، والفرق الصحيح أن الكرامة لا تقع موافقا لدعوى الولى والمعجزة شرطها أن تكون موافقة لدعوى مدع النبوة فيظهر به الفرق(الغنية فى أصول الدين،فصل فى حد العلم)

شرائط ہیں مثلاً یہ کہ وہ تعویذات اور عملیات صحیح اور جائز مضامین پر مشتمل ہوں، کسی قسم کی کوئی ناجائز اور شرکیہ بات شامل نہ ہو بلکہ قرآنی آیات یا اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات اور اللہ سے حاجت برآری کی دعا وغیرہ کے مضامین پر مشتمل ہوں، اور جائز مقصد کے لئے ہوں نیز ان میں مؤثر بالذات اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھا جائے اور کسی قسم کا کوئی غلط عقیدہ شامل نہ ہو، اور اگر ان شرائط کی خلاف ورزی ہو تو پھر جائز نہیں، پھر جائز ہونے کی صورت میں بھی زیادہ سے زیادہ مستحب کہا جاسکتا ہے، فرض یا واجب کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔

اور آج کل بعض لوگ جو تعویذات کی تاثیر کو قطعی سمجھتے ہیں یہاں تک کہ دعاء اور دوسری تدابیر پر اتنا یقین نہیں رکھتے جتنا کہ تعویذات پر، یہ صحیح نہیں اور اصل بات یہ ہے کہ تعویذ بھی دوسری تدبیروں کی طرح ایک تدبیر اور علاج ہے، جس کا مفید ہونا نہ ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکم پر موقوف ہے۔

اور بعض احادیث میں جن تعویذوں کو ناجائز اور شرک کہا گیا ہے ان سے مُراد زمانۂ جاہلیت کے رائج شدہ ٹونے ٹوٹکے ہیں، جن میں شرکیہ الفاظ پائے جاتے تھے اور شیاطین، جنات وغیرہ سے مدد حاصل کی جاتی تھی۔ [1]

---

[1] ومعنى الرقية التعويذ بالذال المعجمة وقال ابن الأثير الرقية والرقى والاسترقاء العوذة التى يرقى بها صاحب الآفة كالحمى والصرع وغير ذلك من الآفات(عمدة القارى ،كتاب الطب،باب الرقى بالقرآن والمعوذات)

وقد أجمع العلماء على جواز الرقى عند اجتماع ثلاثة شروط أن يكون بكلام الله تعالى أو بأسمائه وصفاته وباللسان العربى أو بما يعرف معناه من غيره وأن يعتقد أن الرقية لا تؤثر بذاتها بل بذات الله تعالى واختلفوا فى كونها شرطا والراجح أنه لا بد من اعتبار الشروط المذكورة(فتح البارى - لابن حجر ،كتاب الطب،باب الرقى)

وقال ابن الأثير وقد جاء فى بعض الأحاديث جواز الرقية وفى بعضها النهى والأحاديث فى القسمين كثيرة ووجه الجمع بينهما أن الرقى يكره منها ما كان بغير اللسان العربى وبغير أسماء الله تعالى وصفاته وكلامه فى كتبه المنزلة وأن يعتقد أن الرقيا نافعة لا محالة فيتكل عليها وإياها أراد بقوله ما توكل من استرقى ولا يكره منها ما كان بخلاف ذلك كالتعوذ بالقرآن وأسماء الله والرقى المروية وقال أيضا معنى قوله لا رقية إلا من عين أو حمة لا رقية أولى وأنفع وهذا كما قيل لا فتى إلا على وقد أمر غير واحد من الصحابة بالرقية وسمع بجماعة يرقون فلم ينكر عليهم وقال الخطابى لم يرد به حصر الرقية الجائزة فيهما وإنما المراد لا رقية أحق وأولى من رقية العين والحمة لشدة الضرر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تصوف وطریقت کی شرعی حیثیت

آج کی دنیا میں دین سے دوری کے باعث بہت سے لوگ تصوف اور طریقت کو بھی توہماتی چیزوں میں شامل کرتے ہیں۔اس لئے اخیر میں اس موضوع پر بھی کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

حقیقی تصوف بھی دین کا اہم شعبہ ہے، تصوف کو کئی ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، مثلاً:

(۱)......سلوک (۲)......طریقت

(۳)......احسان (۴)......علمُ الاخلاق

(۵)......علمُ القلب (۶)......اصلاحِ باطن

(۷)......تزکیۂ نفس۔

یہ سب درحقیقت ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں، البتہ تصوف یا طریقت کا لفظ زیادہ مشہور ہوگیا ہے لیکن تصوف کا اصل مقصود نہ تو صرف ذکر ہے (جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب ہم کسی شیخ سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فیھما (عمدۃ القاری ،کتاب الطب،باب من اکتوی أو کوی غیرہ وفضل من لم یکتو)

ووجہ الجمع أن ما کان من الرقیۃ بغیر أسماء اللہ تعالی وصفاتہ وکلامہ فی کتبہ المنزلۃ أو بغیر اللسان العربی وما یعتقد منھا أنھا نافعۃ لا محالۃ فیتکل علیھا فإنھا منھیۃ وإیاھا أراد علیہ الصلاۃ والسلام بقولہ ما توکل من استرقی وما کان علی خلاف ذلک کالتعوذ بالقرآن وأسماء اللہ تعالی والرقی المرویۃ فلیست بمنھیۃ(مرقاۃ المفاتیح،کتاب الایمان ،باب الإیمان بالقدر)

ثم ان الاصل فی باب الرقیۃ ان یکون بقراء ۃ القرآن الکریم او بعض اسماء اللہ تعالیٰ اوصفاتہ ، وینفث بھا المریض،وقد ثبت ذلک من النبی ﷺ فی عدۃ احادیث .اما کتابۃ المعوذات وتعلیقھا فی عنق الصبیان والمرضی او کتابتھا وسقی مدادھا للمریض، فقد ثبت عن عدۃ من الصحابۃ والتابعین رضی اللہ عنھم..... وفی ھذہ الاثار حجۃ علی من زعم فی عصرنا ان کتابۃ التعاویذ وسقیھا او تعلیقھا ممنوع شرعا وقد توغل بعضھم حتی زعم انہ شرک واستدل بما اخرجہ ابو داؤد (رقم ۳۸۸۳) عن زینب امرأۃ عبداللہ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ یقول ان الرقی والتمائم والتولۃ شرک ولکن فی تمام ھذا الحدیث مایرد علی ھذا الاستدلال......فتبین بھذا ان التمائم المحرمۃ لا علاقۃ لھا بالتعاویذ المکتوبۃ المشتملۃ علی آیات من القرآن اوشیئ من الذکر فانھا مباحۃ عند جماھیر فقھاء الامۃ بل استحبھا بعض العلماء اذا کانت باذکار مأثورۃ کما نقل عنھم الشوکانی فی النیل واللہ اعلم(تکملہ فتح الملھم ج ۴ ص ۳۱۷،۳۱۸ملخصاً)

بیعت ہو جائیں گے تو وہ ہمیں وظائف بتا دے گا) اور نہ ہی تصوف کا مقصد عملیات وتعویذات ہیں (جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ شیخ ہمیں کچھ عملیات اور تعویذ، گنڈے وغیرہ دے گا یا یہ فن ہمیں سکھلا دے گا) اسی طرح تصوف کا مقصد صرف مراقبے کرنا اور چلے کاٹنا یا صرف بیعت ہونا بھی نہیں ہے۔ البتہ ذکر اور مجاہدے اور بیعت وغیرہ اصل مقصود کو حاصل کرنے کے لئے ذریعہ اور معاون ضرور ہیں، اور نہ ہی تصوف کا مقصد کشف وکرامات ہیں۔

بلکہ تصوف کا اصل مقصود اپنے نفس کو پاکیزہ بنانا اور کامل شریعت پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رضا کا حاصل کرنا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

''قَدْاَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى''

یعنی بے شک وہ کامیاب ہو گیا جو پاک ہوا (یعنی تزکیہ اختیار کیا)

اور نفس کو پاکیزہ بنانا اور اس کی صفائی کرنا اتنا اہم اور ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تزکیۂ نفس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے بیان فرمایا ہے۔

هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ (سورہ جمعہ آیت نمبر ۲)

ترجمہ: وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں انہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائدِ باطلہ اور اخلاقِ ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں (ترجمہ ختم)

معلوم ہوا کہ تصوف دین سے کوئی جدا نہیں ہے بلکہ دین ہی کا ایک حصہ اور بہت اہم حصہ ہے، شریعت جسم ہے اور طریقت اس کی روح، تصوف بغیر فقہ کے ناکارہ ہے اور فقہ بغیر تصوف کے بے جان ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

''شریعت بغیر طریقت کے نرا فلسفہ ہے، اور طریقت بغیر شریعت کے زندقہ والحاد''

(تسہیل قصد السبیل)

جس طرح ہمارے بہت سے افعال واعمال ظاہری اعضاء سے انجام پاتے ہیں اسی طرح بہت سے اعمال دل اور قلب سے بھی تعلق رکھتے ہیں جن کو اعمالِ باطنہ کہا جاتا ہے۔

اور جس طرح ہمارے ظاہری افعال واعمال شریعت کی نظر میں کچھ اچھے اور پسندیدہ (فرض، واجب ،مسنون یا مستحب) ہیں اور کچھ ناپسندیدہ (حرام یا مکروہ) ہیں۔

اسی طرح باطنی اعمال بھی قرآن وسنت کی نظر میں کچھ اچھے اور پسندیدہ (فرض ،واجب وغیرہ) ہیں مثلاً تقویٰ ، اللہ کی محبت، اخلاص ،توکل ،صبر وشکر ،تواضع ،خشوع ،قناعت، بردباری وحلم ،سخاوت ، حیاء، رحم دلی وغیرہ۔

ان باطنی پسندیدہ اعمال کو ''اخلاقِ حمیدہ'' کہا جاتا ہے۔

اور کچھ باطنی اعمال قرآن وسنت کی نظر میں ناپسندیدہ اور برے (حرام وغیرہ) ہیں مثلاً تکبر، عجب، غرور، ریا، حبِ مال، حبِ جاہ، بخل، بزدلی، لالچ، دشمنی، حسد، کینہ، سنگدلی، بے جا غصہ، بے صبری و ناشکری وغیرہ۔

ان باطنی ناپسندیدہ اور بُرے اعمال کو ''اخلاقِ رزیلہ'' کہا جاتا ہے۔ [1]

ان تمام ظاہری وباطنی اعمال کے بارے میں قرآن وسنت میں واضح ارشادات موجود ہیں ،جس طرح شریعت کے ظاہری احکام حکمِ الٰہی ہیں اسی طرح باطنی اعمال بھی حکمِ الٰہی ہیں۔

چنانچہ جہاں

''اَقِیۡمُو الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ''

(نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو) اللہ کا واضح حکم ہے۔

---

[1] الترک والفعل أمران معتبران فی ظاهر الأفعال فالذی یجب ترکه هو المحرمات والذی یجب فعله هو الواجبات ومعتبران أیضاً فی الأخلاق فالذی یجب حصوله هو الأخلاق الفاضلة والذی یجب ترکه هو الأخلاق الذمیمة(مفاتیح الغیب للعلامة فخرالدین محمد بن عمر التمیمی الرازی، ج ۱۱ ص ۱۷۴ ،تحت سورة المائدة)

فمعرفة ما لها وما علیها من الاعتقادیات علم الکلام ومعرفة ما لها وما علیها من الوجدانیات هی علم الأخلاق والتصوف کالزهد والصبر والرضا وحضور القلب فی الصلاة ونحو ذلک ، ومعرفة ما لها وما علیها من العملیات هی الفقه المصطلح(البحر الرائق شرح کنز الدقائق،مقدمة الکتاب، ج ۱ ص ۱۰)

اسی طرح ''اِصْبِرُوْا'' (صبر کرو) ''وَاشْکُرُوْا'' (اور شکر کرو) اللہ کے واضح حکم ہیں۔
بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ظاہری اعمال بھی باطن کی اصلاح کے لئے ہیں، اور باطن کی صفائی مقصود اور موجبِ نجات ہے اور اس کی کدورت موجبِ ہلاکت ہے۔ [1]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا (سورہ شمس آیت نمبر ۹، ۱۰)

ترجمہ: کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ بنالیا اور نامراد و محروم ہوا وہ جس نے اپنے نفس کو (گناہوں میں) دبادیا (ترجمہ ختم)

ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَذَرُوْا ظَاھِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ (سورہ انعام آیت نمبر ۱۲۰)

ترجمہ: اور تم ظاہری گناہ کو چھوڑ و اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو (ترجمہ ختم)

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام ظاہری اعمال کا اچھا، بُرا ہونا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا مقبول اور مردود ہونا بھی باطنی اخلاق پر موقوف ہے مثلاً اخلاص اور دکھلاوا، یہ دل ہی کے دو متضاد اعمال ہیں، مگر ہمارے تمام ظاہری اعمال کا اچھا برا ہونا ان سے وابستہ ہے، کوئی بھی عبادت نماز، روزہ، حج وغیرہ جو صرف دکھلاوے کے طور پر دنیا کی شہرت حاصل کرنے کے لئے کی جائے وہ صحیح عبادت نہیں رہتی، اور تجارت ومزدوری جو اپنی اصل کے اعتبار سے دنیاداری کا کام ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے کی جائے تو یہی تجارت ومزدوری عبادت اور ثواب کا کام بن جاتی ہے۔

---

[1] قوله :(وعلم القلب) أى علم الاخلاق، وهو علم يعرف به أنواع الفضائل وكيفية اكتسابها وأنواع الرذائل وكيفية اجتنابها اه.ح.
وهو معطوف على الفقه لا على التبحر لما علمت من أن علم الاخلاص والعجب والحسد والرياء فرض عين، ومثلها غيرها من آفات النفوس :كالكبر والشح والحقد والغش والغضب والعداوة والبغضاء والطمع والبخل والبطر والخيلاء والخيانة والمداهنة والاستكبار عن الحق والمكر والمخادعة والقسوة وطول الامل ونحوها مما هو مبين فى ربع المهلكات من الاحياء .
قال فيه :ولا ينفك عنها بشر، فيلزمه أن يتعلم منها ما يرى نفسه محتاجا إليه، وإزالتها فرض عين، ولا يمكن إلا بمعرفة حدودها وأسبابها وعلاماتها وعلاجها فإن من لا يعرف الشر يقع فيه .(رد المحتار على الدر المختار،مقدمة،ج ا ص ۱۱۰)

ایمان اور عقائد جن پر سارے اعمال کی قبولت کا دارومدار ہے دل ہی کا فعل ہے اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب ایمان ہی کو مکمل کرنے کے لئے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود دل کی اصلاح ہے، دل کو بادشاہ ہونے کا مقام حاصل ہے اور جسم کے دوسرے اعضاء اس کے لشکر یا غلام ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (بخاری) [1]

ترجمہ: غور سے سن لو! کہ بے شک آدمی کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ صحیح ہو جاتا ہے تو تمام بدن صحیح ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن تباہ ہو جاتا ہے، سن لو! وہ دل ہے (ترجمہ ختم)

یہی وہ فریضہ ہے جس کو اصلاحِ نفس یا تزکیۂ نفس اور تزکیۂ اخلاق یا تہذیبِ اخلاق کہا جاتا ہے۔

دل کی پاکی، روح کی صفائی اور نفس کی طہارت ہر مذہب کی جان اور نبوّتوں کا مقصود رہا ہے۔

پس شریعت کے احکام خواہ ظاہر سے متعلق ہوں یا باطن سے متعلق ہوں، دونوں قسم کے احکامات پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر کامل نجات اور اللہ تعالیٰ کا قرب ممکن نہیں۔

پھر تصوف کے سلسلے میں آج کل دو گروہ پائے جاتے ہیں ایک وہ جو تصوف کے تمام اجزاء کو علیٰحدہ علیٰحدہ تسلیم کرتا ہے مثلاً اخلاص، حسد، تکبر، بغض وغیرہ، لیکن جب اس کے مجموعہ کو کوئی نام (مثلاً تصوف وطریقت) دے دیا جاتا ہے تو وہ اس کا انکار کر دیتا ہے، اور اگر کوئی اسی حقیقت کا نام بدل کر پیش کرے تو اس کو قبول کر لیتا ہے مثلاً کہا جائے کہ قرآن مجید کی اصطلاح میں اس کا نام تزکیہ اور حدیث کی اصطلاح میں اس کا نام احسان ہے تو پھر وہ اس کو تسلیم کر لیتا ہے، دوسرا گروہ خاص اصطلاحی چیزوں پر ہی سارا زور رکھتا ہے۔ [2]

---

[1] حدیث نمبر ۵۰، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینه، واللفظ لهٗ، مسلم حدیث نمبر ۴۱۷۸.

[2] وسميت أخلاقا لأنها تصير كالخلقة لكنها مع ذلک تقبل التغيير فالفاضل من غلبت فضائله ثم لا تزال غالبة حتى تستقيم جميع أخلاقه لتصير حميدة بعضها خلق مطبوع وبعضها تخلق مصنوع، وقال الغزالی فی ميزان العمل :الفضيلة تارة تحصل بالطبع إذرب صبی يخلق صادق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تصوف کے اصولِ صحیحہ قرآن اور حدیث میں سب موجود ہیں، اور جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن اور حدیث میں نہیں ہے بالکل غلط ہے یعنی غالی صوفیوں کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی، مگر دونوں غلط سمجھے۔ خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں یہ سب واہیات ہے بس نماز، روزہ حدیث سے ثابت ہے اسی کو کرنا چاہئے۔ اور غالی صوفی یہ کہتے ہیں کہ قرآن، حدیث میں تو ظاہری احکام ہیں تصوف علم باطن ہے ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن، حدیث ہی کی ضرورت نہیں غرض دونوں فرقے قرآن و حدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں (وعظ ''طریق القلندر'' بتغیر از حکم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

لہٰذا تصوف اور طریقت کا انکار کرنا یا اس کو ایک توہمی چیز قرار دینا صحیح نہیں۔ اصلاحِ نفس کے بارے میں ایک بات یہ معلوم ہونی چاہئے کہ عادتاً یہ بغیر کسی رہبر اور شیخ کامل کے انتخاب کے مشکل ہے، اور اس سلسلہ میں شیخ کامل سے رسمی تعلق کافی نہیں بلکہ اس پر اعتقاد، اعتماد اور اپنے حالات کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اللهجة سخيا وتارة بالانقياد ومرة بالتعلم فمن صار ذا فضيلة طبعا واعتيادا وتعلمها فهو في غاية النفاسة هذا ويحسن تشبيه النفس التى تعتريها الأخلاق الذميمة والحميدة ببدن تعتريه الأمراض البدنية والصحة التى بها انتظام المعائش والأمور الأخروية فكما لكل مرض بدنى من علاج فلا بد لكل مرض قلبى يعبر عنه بالخلق الدنء ويعبر عن علاجه بتبديله بخلق سنى فالجهل مرض وعلاجه بالعلم والبخل مرض وعلاجه بالسخاء والكبر مرض وعلاجه بالتواضع والشهوة مرض وعلاجه بالكف عن المشتهى ، وهكذا كل علاج لا بد فيه من مرارة فمن أراد شفاء القلب فعليه باحتمال مرارة المجاهدة التى هى معراج المشاهدة ، ومن ثم قالوا :المشاهدات مواريث المجاهدات التى هى معراج ، فجاهد تشاهد ، وزوال مرض القلوب أهم مطلوب إذ به ينال المحبوب ، والقلوب هى الجواهر وبصونها عن أمراضها يحصل جميع أغراضها ومعرفة جواهر الأشياء من أعراضها وصون حقوق الآدميين كدمائها وأموالها وأعراضها ، وبمعرفة ذلك تتميز قيم أفراد الإنسان وإن اختلفت نفسه بحسب إقبالها وإعراضها(فيض القدير للمناوى،تحت حديث رقم ٣٧٢٢)

قال أبو بكر الكتانى :التصوف خلق فمن زاد عليك فى الخلق زاد عليك فى التصوف .فإن حسن الخلق وتزكية النفس بمكارم الأخلاق :يدل على سعة قلب صاحبه وكرم نفسه وسجيته وفى هذا الوصف :يكف الأذى ويحمل الأذى ويوجد الراحة ويدير خده الأيسر لمن لطم الأيمن ويعطى رداء ه لمن سلبه قميصه ويمشى ميلين مع من سخره ميلا وهذا علامة انقطاعه عن حظوظ نفسه وأغراضها .وأما رفض العلائق عزما :فهو العزم التام على رفض العلائق وتركها فى ظاهره وباطنه(مدارج السالكين لابن قيم الجوزى،فصل منزل الاعتصام)

اطلاع، پھر دی ہوئی تعلیمات کی اتباع کے ساتھ ساتھ مناسبت ضروری ہے، پھر ہر کسی کو شیخِ کامل سمجھنا صحیح نہیں بلکہ اس میں کئی چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے، جن میں سب سے اہم چیز اتباعِ سنت اور اس فن سے واقفیت ہے (تفصیل کا موقع نہیں)

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ: جو لوگ تصوف اور طریقت کے نام پر آج کل مختلف طریقوں سے اپنی دکانیں چمکا رہے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے واضح ارشادات کی مخالفت کر رہے ہیں یا انہوں نے چند رسمی چیزوں اور مخصوص محفلوں کا نام تصوف اور طریقت رکھ لیا ہے یا اسی قسم کی دوسری خرابیوں میں مبتلا ہیں اور انہوں نے اس راستہ میں مختلف بدعات شامل کر لی ہیں یا ذریعہ کو مقصود اور مقصود کو ذریعہ بنالیا ہے یا انہوں نے طریقت کو شریعت سے جدا کر کے شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کر رکھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی خرابیوں کے مجموعہ کو ضرور غلط قرار دیا جائے گا۔ لیکن اس کی وجہ سے صحیح تصوف اور صحیح طریقت کا انکار کرنا درست نہیں ہوگا اور جن محققین اہلِ علم نے تصوف کے بعض امور کا انکار کیا ہے اس سے اسی قسم کی خرابیوں کا انکار مراد ہے۔

ورنہ اچھے اور برے اخلاق قرآن وحدیث میں مذکور ہیں (تفصیل کے لئے ہمارا رسالہ ''حسنِ اخلاق'' ملاحظہ فرمائیں) [1]

فقط۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم محمد رضوان

مورخہ: ۲/ صفر المظفر /۱۴۲۳ھ بمطابق 16 / اپریل/ 2002ء۔ بروز سہ شنبہ (منگل)

نظرِ ثانی، اضافہ واصلاح: ۲/ شعبان/ ۱۴۲۷ھ۔ بمطابق 28 / اگست/ 2006ء، بروز اتوار

نظرِ ثالث: ۲۵/ ذوالحجہ/ ۱۴۳۱ھ 02 / دسمبر/ 2010ء بروز جمعرات

ادارہ غفران، چاہ سلطان، گلی نمبر ۱۷، راولپنڈی، پاکستان۔

---

[1] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''شریعت وطریقت'' از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ۔ ''شریعت وتصوف'' از مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمہ اللہ۔ ''تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک'' از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمہ اللہ۔ ''شریعت وطریقت کا تلازم'' از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ۔ ''مدارج السالکین'' از علامہ ابن قیم جوزی رحمہ اللہ شاگردِ رشید شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ، فقہ اور تصوف ایک تعارف از مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب۔

ماہِ صفر کے چند اہم تاریخی واقعات

(مرتب: مولانا طارق محمود: ادارہ غفران، راولپنڈی)

پہلی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

☐......**ماہِ صفر ۲ ھ**: میں قرآن مجید کی یہ آیت ''اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا'' (الحج آیت ۳۹) نازل ہوئی۔

جس میں کفار کے ساتھ قتال کی اجازت دی گئی، اوراس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کفار کے ساتھ قتال کی اجازت نہیں تھی، پھر جب یہ آیت ''فَاقْتُلُوْا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ'' (توبہ آیت ۵) نازل ہوئی تو نہ صرف جہاد کی اجازت دی گئی بلکہ اقدامی جہاد بھی اجازت دے دی گئی (عہد نبوت کے ماہ وسال ص۱۴۶، احکام القرآن قرطبی)

☐......**ماہِ صفر ۲ ھ**: میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور جگر گوشۂ رسول، جنت کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا، رخصتی ذی الحجہ میں ہوئی (عہد نبوت کے ماہ وسال ص۱۶۵، البدایہ والنھایہ ج۵ فی ذکر اولاد محمد ﷺ)

☐......**ماہِ صفر ۳ ھ**: میں آپ ﷺ نے حضرت عاصم بن ثابت بن افلح رضی اللہ عنہ کو دس صحابہ رضی اللہ عنھم کے ساتھ قریش کی جاسوسی کے لئے بھیجا۔

یہ حضرات جب مقام ''رجیع'' پر پہنچے تو ۲۰۰ کے قریب کفار نے نرغے میں لے کر آٹھ صحابہ کو وہیں شہید کیا اور تین کو قید کر کے لے گئے اور ایک صحابی کو راستہ میں شہید کر کے باقی دو کو مکہ لے جا کر فروخت کر دیا اور آئندہ سال ماہِ صفر میں ان دونوں صحابہ کو ایک ہی دن میں شہید کر دیا گیا (عہد نبوت کے ماہ وسال ص۹۰، غزوات النبی ص۵۵۷، البدایہ والنھایہ ج۳، اسماء اہل البدر)

☐......**ماہِ صفر ۴ ھ**: میں بئرِ معونہ کا واقعہ پیش آیا۔

بنو رعل، بنو ذکوان، بنو عصیہ، بنولحیان کے قبائل اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے منافقانہ روپ میں

آپ ﷺ کے پاس آئے، اور اپنی قوم کو اسلامی احکام سکھانے کے لئے چند صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کو اپنے ساتھ لے جانے کا مطالبہ کیا، چنانچہ اصحابِ صفہ کی بہترین جماعت میں سے علماء وقُرّاء کو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ روانہ فرمادیا تو ان منافقین نے راستے میں ایک کنویں کے قریب سب کو شہید کردیا، صرف ایک صحابی حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے (صحیح بخاری ج ۲ کتاب الجھاد والسیر، الاصابہ ج ۲ حرف المیم، عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۹۱)

□...... **ماہِ صفر ۶ھ:** میں حضرت ثمامہ بن اثال حنفی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔

یہ قبیلہ یمامہ کے سردار تھے، ایک سریہ (قرطا) میں مسلمانوں نے ان کو قید کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، یہ آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق سے بخوشی اسلام لے آئے، چند دن حضور ﷺ کی خدمت میں رہ کر یمامہ واپس پہنچے، اور اپنے طور پر مکہ والوں کا غلہ روک دیا، جس سے مکہ میں قحط ہوگیا یہاں تک کہ لوگ مُردار کھانے لگے، کفارِ مکہ حضور ﷺ کی خدمت میں رحم کی درخواست لے کر حاضر ہوئے، تو رحمۃ للعالمین ﷺ نے حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ مکہ میں غلہ بھیجا جائے، چنانچہ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مکہ مکرمہ میں غلہ بھیجنا شروع کردیا (عہد نبوت ص ۲۲۳، البدایہ والنھایۃ ج ۵ قصۃ ثمامہ)

□...... **ماہِ صفر ۷ھ:** میں غزوہ خیبر کے زمانے میں قبیلہ دوس نے یمن سے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا۔

اس وفد میں حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سمیت، ۷۰/۸۰ گھرانوں کے افراد شامل تھے (عہد نبوت ص ۲۳۰، البدایہ والنہایہ جلد ۵ قصۃ دوس)

□...... **ماہِ صفر ۸ھ:** میں آپ ﷺ نے حضرت غالب بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ عنہ کو چند صحابہ کے ہمراہ دومہموں پر روانہ فرمایا۔

بنوملوح (جو کرید میں رہائش پذیر تھے) اور بنو مصاب (جو فدک میں رہائش پذیر تھے) اس جماعت نے بڑی جوانمردی اور صبر کے ساتھ دونوں قبیلوں سے مقابلہ کیا کفار کے لڑاکا افراد کو قتل کر کے باقی افراد کو قید کرلیا اور مالِ غنیمت اور قیدی حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کئے (عہد نبوت ص ۱۰۲، غزوات النبی ص ۸۰۸)

□...... **ماہِ صفر ۱۱ھ:** میں آپ ﷺ نے حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ کو یمن کے شہر صنعاء میں نبوت کے جھوٹے دعویدار اسود عنسی کذاب کو قتل کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔

حضرت فیروز صنعاء میں جا کر چھپ گئے اور کذاب کو اس وقت قتل کیا جبکہ اس کے دروازے پر ایک ہزار آدمی پہرہ دے رہے تھے، حضرت فیروز نے ایک قاصد حضور ﷺ کو اطلاع دینے کے لئے مدینہ روانہ کیا، مگر قاصد کے پہنچنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کا وصال ہو گیا، تاہم وفات سے ایک دو روز پہلے ہی وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو اسود عنسی کذاب کے قتل کی خوشخبری دیدی گئی تھی (عہد نبوت ص ۳۴۰، البدایہ والنہایہ ج ۲ خروج الاسود العنسی)

□...... **ماہِ صفر ۱۱ھ:** میں آپ ﷺ نے ملکِ شام پر قابض رومیوں کے مقابلے کے لئے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی امارت میں ایک لشکر تشکیل دیا۔

اس لشکر میں حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما جیسے بڑے صحابۂ کرام بھی شامل تھے، یہ حضرات مدینے سے باہر ''غابہ'' میں جمع ہو کر کوچ کی تیاریوں میں تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی اطلاع پہنچی، تو تمام رفقاء مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے، تجہیز وتکفین سے فراغت پر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو سب سے پہلے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانگی کا حکم فرمایا، کیونکہ آپ ﷺ نے زندگی میں اس لشکر کی تاکید فرمائی تھی (عہد نبوت ص ۱۲۰، البدایہ والنہایہ ج ۵، فصل وفاۃ رسول ﷺ قال فی اول ربیع الاول اوفی اواخر صفر)

□...... **ماہِ صفر ۱۲ھ:** میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایران کی مہمات پر مامور تھے، پہلی مہم میں شاہ ایران کسریٰ ھرمز انفرادی مقابلے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔ نائب کسریٰ اردشیر نے تخت پر بیٹھتے ہی قارن نامی جنگجو کے ہمراہ ایک فوج مقابلہ کے لئے روانہ کی، قارن بھی ایک مسلمان جوان کے ہاتھوں قتل ہوا۔ جس سے ایرانی فوج بھاگ کھڑی ہوئی بہت سے لوگ بھاگتے ہوئے قتل ہوئے اور بہت سے ایک نہر میں غرق ہوئے اور چند ایک بھاگ نکلنے میں کامیاب، اور بہت سے قید ہوئے (تاریخ ملت ج ۱ ص ۱۹۱، البدایہ والنہایہ ج ۶ ثنتی عشرۃ من الھجرۃ)

□...... **ماہِ صفر ۱۶ھ:** میں کسریٰ کا قصرِ ابیض فتح ہوا۔

اس کے فتح ہونے کی پیشین گوئی آپ ﷺ نے کافی عرصہ پہلے فرما دی تھی، قصرِ ابیض دریائے دجلہ کے پار مدائن میں واقع تھا، دجلہ کے پُل ایرانیوں نے توڑ دیئے تھے، اسلامی لشکر نے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے حکم سے دریائے دجلہ میں گھوڑے ڈال دیے اور دریا پار کرلیا۔ اسی کو علامہ اقبال نے کیا خوب کہا۔ ؎

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

(تاریخ ملت ج۱ ص۲۳۲، البدایہ والنہایہ ج۷ قصرِ ابیض)

□......**ماہِ صفر ۲۲ھ:** میں سابقہ مفتوحہ علاقے آذر بائیجان کی بغاوت کو دبایا گیا۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جزیہ دینے کی شرط پر فتح ہوا تھا، اور اس کے فوجی معاملات کوفہ کے تحت تھے، کسی مصلحت کی بناء پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا والی تبدیل کیا، آذر بائیجان کا نگران بھی اس کی وجہ سے تبدیل ہوگیا، جس سے علاقے والوں نے بغاوت کردی، لیکن جلد ہی نئے گورنر نے بغاوت کو دبا دیا (تاریخِ ملت ج۱ ص۳۰۳، البدایہ والنہایہ ج۷)

□......**ماہِ صفر ۳۷ھ:** میں جنگِ صفین جو پچھلے مہینے محرم کے احترام کی وجہ سے فریقین کے اتفاق رائے سے روک دی گئی تھی، صفر کا مہینہ شروع ہوتے ہی دوبارہ شروع ہوگئی (تاریخ ملت ج۱ ص۳۷۱)

□......**ماہِ صفر ۳۸ھ:** میں محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے، عبداللہ بن سباء یہودی کی تیار کی ہوئی ایک سازش کے نتیجہ میں شام کی فوج سے مقابلہ ہوا اور شہید ہوئے (البدایہ والنہایہ سنۃ ثمان وثلاثین، ج۷)

□......**ماہِ صفر ۵۲ھ:** میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

یہ بہت عابد زاہد اور فقہ وحدیث میں بلند مرتبہ کے حامل تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ میں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دینے کے لئے مقرر رہے (الاصابہ ج۴ ص۳)

□......**ماہِ صفر ۷۶ھ:** میں فرقہ خوارج کے رؤسا صالح اور شبیب نے بنو امیہ کے خلاف مختلف صوبوں میں علَمِ بغاوت بلند کیا۔

مختلف مقامات پر اِن کا سرکاری افواج سے مقابلہ ہوا اور سخت کشت وخون کی نوبت آئی، کوفہ میں

ایک معرکہ میں حجاج خود فوج لے کر مقابلے میں آیا، سخت معرکے کے بعد خوارج پسپا ہوئے (البدایہ والنھایہ ج ۹ سنۃ ۷۶، تاریخ ملت ج ا ص ۵۸۱)

□...... **ماہِ صفر ۹۹ھ:** میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک بن مروان کا انتقال ہوا۔

اس نے قسطنطنیہ (استنبول) کی فتح کے لئے دو لاکھ چالیس ہزار کی فوج روانہ کی تھی اور خود ایک فوج کے ساتھ ان کی مدد کے لئے ''مرج وابق'' میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، اسی دوران اس کی وفات ہوئی، اس خلیفہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے اپنے وزیر حضرت رجاء بن حیوہ رحمہ اللہ کے مشورے سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد کیا (تاریخ ملت ج ا ص ۶۴۴، البدایہ والنھایہ ج ۹ سنۃ ۹۹)

□...... **ماہِ صفر ۹۹ھ:** میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نور اللہ مرقدہٗ کی خلافت قائم ہوئی۔

ان کے دورِ حکومت میں امن وامان اور عدل وانصاف کا یہ عالم تھا کہ ان کی خلافت خلافتِ راشدہ کی نہج پر شمار ہونے لگی (البدایہ والنھایہ ج ۹ سنۃ ۹۹، سیر الصحابہ ج ۷ ص ۳۴)

دوسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... **ماہِ صفر ۱۰۲ھ:** میں یزید بن مہلب قتل ہوا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے دورِ خلافتِ راشدہ میں فتوحات اور بلادِ اسلامیہ کا دائرہ وسیع کرنے کے بجائے داخلی کمزوریوں کی اصلاحات کی طرف زیادہ تر توجہ مبذول رکھی، جس بناء پر سابقہ وموجودہ حکومتی عہدیداروں سے باز پرس واحتساب بھی سختی سے لیا، چنانچہ یزید بن مہلب جو سابق حاکم سلیمان بن عبدالملک کی طرف سے بصرہ کا گورنر تھا، جس کے بے شمار جنگی کارنامے اور فتوحات بنوامیہ کی تاریخ کو چار چاند لگانے میں قابلِ ذکر ہیں، اس کے ذمے بھی بیت المال کی وسیع رقم ناجائز ذرائع سے عائد ہوتی تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اسے دیگر لوگوں کے ساتھ قید کر دیا، چونکہ خلیفہ راشد موصوف تقویٰ کی مثال آپ تھے، اور ظلم کی آلودگی سے کوسوں دور تھے، قیدیوں کو ہر طرح کی قید میں بلا ضرورت اور بلا وجہ مصیبت وپریشانی میں مبتلا نہیں کیا جاتا تھا،

جس کی واضح مثال یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی زندگی کا آخری وقت تھا کہ یزید بن مہلب قید سے فرار ہوکر اپنے بااثر خاندان کی جمعیت میں بصرہ کی طرف چلا گیا، فرار ہونے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو خط لکھا کہ اگر مجھے آپ کی زندگی کا یقین ہوتا تو ہرگز نہ فرار ہوتا آپ کے بعد زمامِ حکومت یزید بن عبدالملک کے ہاتھ آنے والی ہے (جو سابق حاکم سلیمان بن عبدالملک کا بھائی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بعد حکومت کے لئے ولی عہد نامزد تھا) اس سے سابقہ عداوت کی بناء پر یقین ہے کہ میرے ساتھ اچھا سلوک نہ ہوگا، چنانچہ حضرت کی وفات ہوئی یزید بن عبدالملک نے آتے ہی ابنِ مہلب کی گرفتاری کے لئے پے درپے فوج بھیجی، مگر ابنِ مہلب کی جمعیت مضبوط اور زیادہ ہوچکی تھی، دونوں فریقوں کے درمیان ایک بڑا فیصلہ کن مقابلہ شہر واسط کے قریب ہوا، جس میں ابنِ مہلب کو اپنی فوج زیادہ ہونے کے باوجود شکست کا یقین تھا، کہ اکثر عراقی تھے، لڑائی شروع ہوتے ہی کسی وجہ سے ابنِ مہلب کے لشکر میں بھگڈر مچ گئی اور تمام عراقی بھاگ کھڑے ہوئے، بالآخر ابنِ مہلب اپنے چند خاندان والوں اور جانثار ساتھیوں سمیت صفر ۱۰۲ھ میں ابنِ عبدالملک کے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا (تاریخ ملت ج اص ۶۷۱، شذرات الذھب ج اص ۱۲۴، العبر فی خبر من غبر ج اص ۱۲۴)

□......**ماہِ صفر ۱۰۳ھ**: میں عنبسہ بن سحیم افریقہ کے عامل یزید بن ابومسلم کی طرف سے اندلس کا حاکم نامزد ہوکر اندلس پہنچا۔

چار سال چار مہینے اندلس پر اس کی حکومت رہی، اندلس چونکہ بنوامیہ کی خلافت میں ہی فتح ہوا تھا اور وسیع اسلامی خلافت کا ایک صوبہ تھا اور انتظامی لحاظ سے افریقہ کے گورنر کے زیرِ اختیار ہوتا تھا، افریقی گورنر کی طرف سے ہی یہاں عامل اور حکام نامزد ہوکر آتے، اسی طرح عزل ونصب کا سارا اختیار افریقی عامل کو خلافت کی طرف سے تفویض تھا، صفر ۱۰۳ھ میں یہاں عنبسہ آیا تو دمشق کے تختِ خلافت پر یزید بن عبدالملک متمکن تھا جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بعد خلیفہ ہوا تھا (نفح الطیب ج اص ۲۳۵)

□......**ماہِ صفر ۱۴۶ھ**: میں بنوعباس کے دوسرے حاکم ابوجعفر منصور نے دجلہ کے مغربی جانب

شہر بغداد کا سنگِ بنیاد رکھا۔
یہ جگہ اس وقت تمام بلادِ اسلامیہ میں داخلی وخارجی سہولتوں سے لیس تھی، نہریں قریب تھیں، بصرہ، واسط، شام، مصر، آذربائیجان، ہندوستان کے علاقوں میں تجارت بآسانی ہوسکتی تھی، اور دیگر بلاد میں ہرطرح کی رسد ونصرت پہنچائی جاسکتی تھی، تعمیر سے قبل مطلوبہ علاقے کی زمین مہنگے داموں خریدی گئی، مختلف بلاد سے ایک لاکھ مزدور اور کاریگر (ترکھان، راج، لوہار غیرہ) اس کی تعمیر میں شریک تھے، بغداد کی تعمیر پر کل لاگت جو خرچ ہوئی اس وقت کے حساب سے چار کروڑ آٹھ لاکھ درہم سے زائد تھی، اس شہر میں متعدد محلے اور ہر محلے میں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی گئی تھی، جس کی ذمہ داری شریعتِ مطہرہ میں حکومتِ وقت پر ہی عائد ہوتی ہے، اس کے علاوہ سرکاری دفاتر وایوانِ بالا (پارلیمنٹ ہاؤس) وغیرہ تعمیر کرائے گئے (تاریخِ طبری ج۴ ص۴۷۸، العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۲۰۵، تاریخِ ملت ج۲ ص۱۱۸، کتاب البلدان)

□......**ماہِ صفر ۱۵۱ھ:** میں رصافہ چھاؤنی تعمیر ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۳۸)
عباسی خلیفہ منصور کی فوج میں عرب قبائل کی تعداد زیادہ تھی اور ہر لڑائی کی فتح میں عربوں کا کردار سرِ فہرست ہوتا، اسی طرح عرب عجمیوں کی طرح ضرورت سے زیادہ اپنے خلیفہ یا بادشاہ کی تعظیم بھی نہیں کیا کرتے تھے، اس لئے منصور کو ہر وقت عربوں کی طرف سے بغاوت کا خطرہ رہتا تھا، اس لئے یہ حالات دیکھ کر قثم بن عبیداللہ بن عباس نے عربوں کے قبائل ربیعہ اور مضر کے درمیان ایک مناسب طریقے سے رقابت پیدا کر کے خلیفہ منصور کو مشورہ دیا کہ مضر اور ربیعہ کے درمیان چونکہ رقابت پیدا ہوگئی ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ فوج کے دو حصے کر کے قبائلِ مضر کو خراسان کے امیر مہدی کے ماتحت رکھو، کیونکہ اہلِ خراسان قبائلِ مضر کے ہمدرد ہیں اور قبائلِ ربیعہ اپنے ماتحت رکھو کیونکہ تمام یمنی ان کے خیرخواہ ہیں، اس طرح دونوں جانب فوجی مرکز قائم ہوجائیں گے، تو ایک دوسرے کا خوف رہے گا اور کوئی بغاوت میں کامیاب نہ ہوگا، خلیفہ منصور نے اس رائے کو پسند کیا اور اپنے بیٹے مہدی کے قیام کے لئے بغداد کی مشرقی جانب رصافہ چھاؤنی کی تعمیر کا حکم دیا (تاریخِ اسلام ج۲ ص۳۰۸، از اکبر شاہ خان صاحب)

□......**ماہِ صفر ۱۵۷ھ:** میں شام کے فقیہہ اور امام حضرت ابوعمرو عبدالرحمٰن الاوزاعی رحمہ اللہ کی

وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۴۰)

آپ بہت بڑے فقیہہ تھے اور علم وعمل کے پہاڑ سمجھے جاتے تھے، حضرت اسماعیل بن عیاش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے لوگوں سے سنا کہ اوزاعی امت کے عالم ہیں، حضرت ولید بن مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اوزاعی سے زیادہ کسی کو عبادت کرتے ہوئے نہیں دیکھا (العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۲۲۷)

□......**ماہِ صفر ۱۵۹ھ:** میں حکیم مقنع نے خدائی کا دعویٰ کیا (تقویمِ تاریخی ص ۴۰)

مہدی کی خلافت کے پہلے سال مَرو کے اس باشندے حکیم مقنع نے سونے کا ایک چہرہ بنا کر اپنے چہرے پر لگایا، اور خدائی کا دعویٰ کیا، اس کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے ان کے جسم میں خود حلول کیا اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام میں اور پھر ابو مسلم اور ہاشم میں، اس طرح یہ تناسخ کے عقیدے کا قائل تھا، اور کہتا تھا کہ میرے اندر خدا کی روح ہے، مسلمانوں کی فوج نے بڑے سخت مقابلے کے بعد اس فتنے پر قابو پایا، مقنع بتیس ہزار ساتھیوں کے ساتھ قلعہ بسام میں محصور ہو گیا، لیکن بعد میں اس کے تیس ہزار ساتھی قلعہ سے نکل آئے اور مسلمانوں سے امان طلب کر لی، مقنع کو جب اپنی ناکامی کا یقین ہو گیا تو اس نے آگ جلا کر اپنے تمام اہل وعیال کو دھکا دے کر آگ میں جلا دیا، پھر خود بھی آگ میں کود کر جل مرا، مسلمانوں نے قلعہ میں داخل ہو کر مقنع کی لاش آگ سے نکالی اور اس کا سر کاٹ کر خلیفہ مہدی کے پاس روانہ کیا

(تاریخِ اسلام ج۲ص ۳۱۴، از اکبر شاہ خان صاحب)

□......**ماہِ صفر ۱۶۰ھ:** میں خلیفہ ھارون الرشید کی والدہ ''خیزران'' کا نکاح ہوا (تقویمِ تاریخی ص ۴۰)

خیزران بربریہ خاتون تھی، بچپن میں بُردہ فروشوں کے ہاتھ لگ گئی جب خلیفہ مہدی کے پاس خیزران لائی گئی تو اس نے اسے ایک لاکھ درہم میں خرید لیا، حسن وجمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی، بہت عقل منداور ذی علم خاتون تھی، مہدی نے اس کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا، امام اوزاعی رحمہ اللہ سے اس نے علم حاصل کیا، شعروادب اور دینی علوم میں بھی اس کو دسترس تھی، مہدی کو ملکی امور میں بھی مشورے دیتی تھی، ھادی اور ھارون الرشید کے ابتدائی عہدِ خلافت میں ساری سلطنت پر حکمرانی کرتی تھی، فیاضی میں ضرب المثل تھی، دروازے پر ہروقت سائلوں کا ہجوم رہتا تھا (تاریخِ ملت

ج۲ص۱۶۵)

□...... **ماہِ صفر ۱۶۹ھ:** میں عباسی خلیفہ ھادی کو خلیفہ بنایا گیا (تقویمِ تاریخی ص۴۳)

ھادی اور ہارون الرشید بھائی تھے اور خلیفہ مہدی کے بیٹے تھے، مہدی کے تیسرے بیٹے موسیٰ تھے، خلیفہ مہدی نے یکے بعد دیگرے تینوں کو ولی عہد نامزد کیا تھا جن میں ہادی کا پہلا نمبر تھا، بعد میں ھارون الرشید کی خداداد صلاحیتوں کے جوہر جب کھلنے لگے تو مہدی کا شاید ارادہ ہوگیا تھا کہ خلافت کے لئے ولی عہدی میں ھارون کو ھادی پر مقدم کرے، کیونکہ ھادی نہ علم وفضل میں ھارون سے کوئی جوڑ رکھتا تھا نہ حکومتی صلاحیتوں میں ھارون پر اسے ترجیح حاصل تھی، لیکن مہدی کا یہ منصوبہ پورا ہونے سے پہلے اس کی وفات کا وقت آ پہنچا، تو ھارون نے نہایت سعادتمندی کا ثبوت دیتے ہوئے خود ہی ھادی کے لئے بیعت خلافت لی، جو کہ دار الخلافہ سے باہر تھا اور خلافت کی مہر، عصاء اور پوشاک مع باپ کی وفات کے تعزیت نامہ اور خلافت کی مبارک بادی کے ھادی کے پاس بھیجا، اس طرح ھادی بغیر کسی بدامنی اور انتشار کے آ کر تخت پر متمکن ہوا (تاریخ ملت ج۲ص۱۶۴تا۱۶۷)

□...... **ماہِ صفر ۱۸۰ھ:** میں اندلس کے امیر ہشام بن عبدالرحمٰن بن معاویہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی امارت سات سال، سات مہینے اور آٹھ دن تھی، بعض حضرات نے نو مہینے اور بعض نے دس مہینے بتلائی ہے، آپ کی عمر انتالیس سال اور چار ماہ تھی، آپ کے کارناموں میں ایک کارنامہ جامع قرطبہ کی تکمیل ہے جسے آپ کے والد اپنی زندگی میں ادھورا چھوڑ گئے تھے، اس کے علاوہ بھی آپ نے کئی مساجد تعمیر کیں، آپ کے عدل وانصاف کے کارنامے اتنے زیادہ تھے کہ لوگ سیرت میں آپ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے تشبیہ دیا کرتے تھے (الکامل ج۱۰ص۳۰۸)

□...... **ماہِ صفر ۱۸۹ھ:** میں حضرت ابوسعید یحییٰ بن سعید القطان بصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۵۰)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی مثل کسی کو نہیں دیکھا، امام ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کی یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ ۲۰ سال تک ہر رات میں ایک قرآن ختم کرتے تھے (العبر فی خبر من غبر ج۱ص۲۲۷، الکامل ج۵ص۴۱۵، المنتظم ج۱۰ص۷۲)

□...... **ماہِ صفر ۱۹۹ ھ:** میں سلیمان بن ابو جعفر منصور کا انتقال ہوا۔

ان کی کنیت ابو ایوب تھی، ۵۰ سال کی عمر میں فوت ہوئے (المنتظم ج۱۰ ص ۷۸)

□...... **ماہِ صفر ۲۰۰ ھ:** میں حضرت محمد بن حمیر السلیحی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ محمد بن زیاد الہانی رحمہ اللہ اور ان کے طبقہ سے روایت کرتے ہیں، جرح و تعدیل کے امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے آپ کو روایتِ حدیث میں ثقہ و معتبر قرار دیا ہے (العبر فی خبر من غبر ج۱ ص ۳۳۴)

□...... **ماہِ صفر ۲۰۰ ھ:** میں فنِ قرأت کے امام حضرت ابو زکریا یحییٰ بن سلام بن ابو ثعلبہ البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

فنِ قرأت حضرت حسن بصری اور حسن بن دینار رحمہما اللہ کے ساتھیوں سے حاصل کیا، حدیث میں بھی آپ کو ایک بڑا مقام حاصل تھا، حماد بن سلمہ، ہمام بن یحییٰ اور سعید بن ابی عروبہ رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں، تقریباً ۲۰ تابعین کی زیارت کی، ایک زمانہ تک افریقہ میں قیام رہا، مصر میں عبداللہ بن وہب رحمہ اللہ جیسے حضرات کے شاگرد رہے۔

(غایۃ النہایہ فی طبقات القراء لابنِ الجزری ج ا ص ۴۴۱،باب الیاء، لسان المیزان للعسقلانی ج۳ص ۱۱۳،من اسمہ یحییٰ ،سیر اعلام النبلاء ج۹ ص ۳۹۶،مغانی الاخیار ج۵ ص ۲۴۳)

□...... **ماہِ صفر ۲۰۰ ھ:** میں حضرت ابو عبدالحمید محمد بن حمیر السلیحی القضاعی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ حمص شہر کے محدث شمار ہوتے تھے، محمد بن زیاد الہانی اور ابراہیم بن علیۃ رحمہما اللہ سمیت بہت سے اکابر آپ کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں، ابنِ معین اور دحیم وغیرہ نے آپ کو حدیث کے معاملے میں ثقہ قرار دیا ہے، عمرو بن عثمان رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔

(العبر فی خبر من غبر للذہبی ج ا ص ۶۲،ثقات ابنِ حبان ج۷ ص ۴۴۱، تہذیب التہذیب ج۹ ص ۱۱۸ ،تاریخ الصغیر ج۲ ص ۲۶۲ ،تاریخ الکبیر ج ا ص ۶۸ ،سیر اعلام النبلاء ج۹ ص ۲۳۵،تہذیب الکمال ج۲۵ ص ۱۸)

تیسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... **ماہِ صفر ۲۰۳ ھ:** میں حضرت ابو الحسن علی بن موسیٰ الرضا رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کے بیٹے ہیں، ۵۰ سال کی عمر میں طوس شہر میں وفات ہوئی (العبر فی

خبر من غبر ج ا ص ۲۶۳)

□...... **ماہِ صفر ۲۰۳ ھ:** میں حضرت ابوحیوۃ شریح الحمصی الحضرمی الشامی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ عمران بن بشیر رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، آپ سے آپ کے بیٹے اور حکم بن المبارک رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں (تاریخ الکبیر ج۴ ص ۲۳۰)

□...... **ماہِ صفر ۲۰۵ ھ:** میں حضرت ابوالمنذر یوسف بن عطیہ الباہلی القسملی الکوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: خالد بن ایاس، عمرو بن شمر، محمد بن عبدالعزیز العزرمی، مسلم بن مالک الازدی اور میمون بن ابی حمزہ الاعور رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: اسماعیل بن عمرو البجلی، سہل بن صقر الخلاطی، سہل بن عثمان العسکری، عبداللہ بن عمر بن ابان اور عمرو بن علی الصیرفی رحمہم اللہ، حدیث کے معاملہ میں کچھ ضعیف شمار ہوتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۹)

□...... **ماہِ صفر ۲۰۵ ھ:** میں حضرت ابویزید یوسف بن عمرو بن یزید بن یوسف جرجس المصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

عبداللہ بن لہیعہ، عبداللہ بن وھب، عبدالرحمٰن بن ابوالزناد، لیث بن سعد اور امام مالک بن انس رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، ابوجعفر احمد بن نباتہ بن نافع الیحصبی، حارث بن مسکین اور یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تہذیب الکمال ج۳۲ ص ۴۴۹)

□...... **ماہِ صفر ۲۰۸ ھ:** میں حضرت ابومحمد یونس بن محمد البغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

شیبان، افلح بن سلیمان، داؤد بن فرات، سفیان بن عبدالرحمٰن اور فلیح بن سلیمان رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابراہیم، احمد، علی بن المدینی، عبداللہ المسندی رحمہم اللہ آپ کے مایۂ ناز شاگرد ہیں ''فی تہذیب التہذیب مات فی سنۃ ۲۰۷ھ'' ج ۱۱ ص ۳۹۴''

(العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۲۶، التاریخ الکبیر ج۸ ص ۴۱۰، الطبقات الکبریٰ ج۷ ص ۳۳۷، تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۳۶۱، مغانی الاخیار ج۵ ص ۳۱)

□...... **ماہِ صفر ۲۱۱ ھ:** میں حضرت ابوزرارہ لیث بن عاصم القتبانی المصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

محمد بن عجلان اور ابنِ جریج رحمہما اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، حفیدہ یاسین بن عبدالاحد القتبانی، یونس

بن عبدالاعلیٰ اور ابوالطاہر بن سرح رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔
(سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۱۸۸ ،تھذیب الکمال ج ۲۴ ص ۲۸۹)

□...... **ماہِ صفر ۲۱۵ھ**: میں حضرت محمد بن عاصم بن جعفر بن تذواق بن ذکوان بن یناق المعافری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ضمام بن اسماعیل، مفضل بن فضالہ، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم، مالک اور عبداللہ بن نافع رحمہ اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالحکم، محمد بن مخلد المالکی اور محمد بن یحییٰ الذھلی رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں (تھذیب التھذیب ج ۹ ص ۲۱۳ ،تھذیب الکمال ج ۲۵ ص ۴۲۴)

□...... **ماہِ صفر ۲۱۵ھ**: میں حضرت ابوعامر قبیصہ بن عامر رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے کثرت کے ساتھ احادیث روایت کرتے ہیں، حدیث کے معاملے میں ثقہ شمار ہوتے ہیں، کوفہ میں وفات ہوئی۔
(الطبقات الکبریٰ لابنِ سعد ج ۶ ص ۴۰۳، تھذیب الکمال ج ۲۳ ص ۴۸۹، مغانی الاخیار ج ۲ ص ۴۱)

□...... **ماہِ صفر ۲۱۹ھ**: میں حضرت ابوعاصم احمد بن اسد بن عاصم بن مغول البجلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

خلیفہ ھارون الواثق باللہ کے دورِ خلافت میں کوفہ میں وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ لابنِ سعد ج ۶ ص ۴۱۳)

□...... **ماہِ صفر ۲۲۲ھ**: میں حضرت ابومحمد عمرو بن حماد بن طلحہ القناد الکوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کے اساتذہ میں اسباط بن نصر الھمدانی ،مسہر بن عبدالملک بن سلع ،مندل بن علی اور علی بن ہاشم رحمہم اللہ سرِ فہرست ہیں، امام مسلم، بخاری، ابوداؤد، نسائی اور ابنِ ماجہ رحمہم اللہ آپ کے مایۂ ناز شاگرد ہیں (تھذیب التھذیب ج ۸ ص ۲۱)

□...... **ماہِ صفر ۲۲۲ھ**: میں حضرت ابوعمرو مسلم بن ابراہیم الفراھیدی البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بصرہ کے محدث تھے، ابنِ عون رحمہ اللہ سے ایک حدیث روایت کی ہے، اور قرۃ بن خالد رحمہ اللہ بھی آپ کے استاد ہیں، آپ نے طلبِ علم کے لئے سفر نہیں کیا لیکن اس کے باوجود صرف بصرہ

میں ۱۸۰۰ اساتذہ سے علم حاصل کیا۔

(العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۷، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۳۱۴، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۹۴)

□......**ماہِ صفر ۲۲۴ھ**: میں حضرت ابو عثمان عمرو بن مرزوق الباہلی البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

امام شعبہ، مالک، عمران القطان، المسعودی، حمادین، زہیر بن معاویہ اور عبد الرحمٰن بن عبد اللہ رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، بخاری، ابوداؤد، بندار، ابوقلابہ الرقاشی، اسماعیل بن اسحاق، عثمان بن خرزاد اور یعقوب بن سفیان رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

(تہذیب التہذیب ج۸ ص ۸۹، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۴۲۰، الطبقات الکبریٰ لابنِ سعد ج۷ ص ۳۰۵، تہذیب الکمال ج ۲۲ ص ۲۲۹)

□......**ماہِ صفر ۲۲۴ھ**: میں حضرت ابو النعمان محمد بن الفضل السدوسی البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ''عارم'' کے نام سے مشہور تھے، جریر بن حازم، مہدی بن میمون، وہیب بن خالد، حماد بن ابی ہلال الراسبی، عبد الوارث بن سعید اور ابو زید الاحول رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، بخاری اور عبد اللہ بن محمد المسندی رحمہما اللہ آپ کے شاگرد ہیں، ''قال ابو حاتم سمعت من ابی اختلط عارم فی آخر عمر وزال عقله فمن سمع منه قبل الاختلاط فسماعه صحیح'' ''عند البعض مات سنة ۲۲۳ھ''

(تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵۸، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۶۷، تہذیب الکمال ج ۲۶ ص ۲۹۱، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۱۰)

□......**ماہِ صفر ۲۲۵ھ**: میں حضرت ابو عبد اللہ محمد بن سلام بن الفرج البیکندی البخاری السلمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابنِ عیینہ، ابن المبارک، ابنِ نمیر اور معتمر رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، آپ کے بیٹے ابراہیم اور بخاری رحمہما اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، حضرت عبید اللہ بن شریح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کا شمار بڑے محدثین میں ہوتا تھا اور بہت سے حدیثیں آپ روایت کرتے ہیں اور احادیث حاصل کرنے کے لئے کثرت سے سفر کئے اور تقریباً ہر موضوع پر آپ کی تصنیفات موجود ہیں۔

(طبقات الحفاظ للسیوطی ج ۱ ص ۳۴، الطبقۃ الثامنہ، ثقات ابنِ حبان ج ۱ ص ۷۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۴۲۲، تہذیب الکمال ج ۲۵ ص ۳۴۴، تاریخ الکبیر ج ۱ ص ۱۱۰، ''قال فی التہذیب توفی فی سبع وعشرۃ ومائتین'' ج ۹ ص ۱۸۹ ''سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۶۳)

□......**ماہِ صفر ۲۲۶ھ**: میں حضرت یحییٰ بن یحییٰ بن بکر التمیمی نیشاپوری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ خراسان کے شیخ کے لقب سے مشہور تھے، سلیمان بن بلال، حمادین، حمید بن عبدالرحمٰن الرواسی، مالک اورلیث رحمہم اللہ اوران کے طبقے سے روایت کرتے ہیں، آپ کو اپنے زمانہ میں عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کے ساتھ تشبیہ دی جاتی تھی، ابنِ راھویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن یحییٰ جیسا کوئی نہیں دیکھا، نیشاپور میں وفات ہوئی۔

(العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۳۷۴، الدیباج المذھب فی معرفۃ اعیان علماء المذھب لابن فرحون ج ا ص ۳۷۴، تھذیب التھذیب ج ۱۱ ص ۲۹۰، التاریخ الکبیر ج۸ص ۳۱۰، تھذیب الکمال ج۳۲ ص ۳۶، تذکرۃ الحفاظ ج۲ص ۴۱۶، مغانی الاخیار ج۵ص ۲۶۰)

☐...... **ماہِ صفر ۲۲۷ھ**: میں حضرت ابوالولید ہشام بن عبدالملک الباہلی الطیالسی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

عاصم بن محمد العمری، اورہشام الدستوائی رحمہما اللہ سے حدیث کی سماعت کی، احمد بن سنان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ''امیرالمحدثین'' تھے، ۹۴ سال کی عمر میں وفات ہوئی ''وقیل مات فی ربیع الآخر'' (العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۷۵، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۳۳۵)

☐...... **ماہِ صفر ۲۲۸ھ**: میں حضرت ابوالحسن یوسف بن مروان النسائی الرقی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بغداد میں رہتے تھے، فضیل بن عیاض، عیسیٰ بن یونس، عبیداللہ بن عمر، ابن المبارک، ابنِ عیینہ، ابواسحاق الفزاری اورمخلد بن الحسین رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، عباس الدوری، عبداللہ بن احمد الدورقی رحمہما اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، بغداد میں وفات ہوئی ''عندالبعض توفی فی المحرم'' (تھذیب التھذیب ج ۱۱ ص ۳۷۲)

☐...... **ماہِ صفر ۲۲۸ھ**: میں حضرت ابوسلیمان داؤد بن عمرو بن زہیر الضبی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

عبداللہ بن عمرالعمری، نافع بن عمر الجمحی، داؤد بن عبدالرحمٰن، حماد بن زیداوراحسان بن ابراہیم رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، یحییٰ بن معین، حجاج بن یوسف الشاعر، ابویحییٰ محمد بن عبدالرحیم اوراحمد بن ابی خیثمہ رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، بغداد میں وفات ہوئی۔

(طبقات الحنابلہ ج ا ص ۵۹، باب الزای، طبقات الحفاظ للسیوطی ج ا ص ۳۸، الطبقۃ الثامنہ، تھذیب التھذیب ج۳ص ۱۶۹، تھذیب الکمال ج۸ص ۴۳۰)

☐...... **ماہِ صفر ۲۲۸ھ**: میں حضرت ابویعقوب یوسف بن محمد العصفری الخراسانی رحمہ اللہ کی

وفات ہوئی۔

آپ بصرہ میں رہتے تھے، سفیان ثوری، مروان بن معاویہ الفزاری اور یحییٰ بن سلیم الطائفی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، بخاری، حرب بن اسماعیل الکرمانی اور سعید بن عبداللہ رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (تهذيب الكمال ج ۳۲ ص ۴۵۹)

□...... **ماہِ صفر ۲۳۰ھ:** میں حضرت ابوعثمان سعید بن عمرو بن سہل بن اسحاق بن محمد بن الاشعث بن قیس الکندی الاشعثی الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابوزید عبثر بن القاسم، عبداللہ بن مبارک، حفص بن غیاث اور ابنِ عیینہ رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام مسلم، ابوشیبہ ابراہیم بن ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابوزرعہ رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تهذيب التهذيب ج ۴ ص ۶۱، تهذيب الكمال ج ۱۱ ص ۲۲)

□...... **ماہِ صفر ۲۳۱ھ:** میں حضرت عبداللہ بن محمد بن اسحاق بن عبید بن سوید الفهمی المصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ''بیطاری'' کے نام سے مشہور تھے، سلیمان بن بلال، عبداللہ بن لہیعہ اور مالک بن انس رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، روح بن الفرج القطان المصری، ابوزرعہ الرازی، یعقوب بن سفیان القسری اور موسیٰ بن سہل الرملی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (مغاني الاخيار ج ۳ ص ۱۵۲)

□...... **ماہِ صفر ۲۳۱ھ:** میں حضرت ابوزکریا یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر المخزومی المصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ نے امام مالک اور لیث رحمہما اللہ جیسے بڑے بڑے حضرات سے طلبِ علم کیا، امام مالک رحمہ اللہ سے ان کی شہرہ آفاق کتاب ''المؤطا'' ۱۷ بار سنی، آپ کی ولادت ۱۵۵ھ میں ہوئی۔
(العبر في خبر من غبر ج ۱ ص ۷۷، سير اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۶۱۴، تذكرة الحفاظ ج ۲ ص ۴۲۰)

□...... **ماہِ صفر ۲۳۳ھ:** میں حضرت ابوایوب سلیمان بن عبدالرحمٰن بن بنتِ شرحبیل التمیمی الدمشقی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کو دمشق کا محدث کہا جاتا تھا، اسماعیل بن عیاش رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔
(العبر في خبر من غبر ج ۱ ص ۷۸، سير اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۱۳۹، تذكرة الحفاظ ج ۲ ص ۴۳۸)

□...... **ماہِ صفر ۲۳۳ھ:** میں حضرت ابوعثمان سعید بن عمرو رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ اشعث بن قیس الکندی رحمہ اللہ کی اولاد میں سے ہیں، ابوعوانہ اور عبثر رحمہما اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ھارون بن ابی اسحاق کے دورِ حکومت میں کوفہ میں وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ لابنِ سعد ج ۶ ص ۴۱۵)

□...... **ماہِ صفر ۲۳۵ھ:** میں حضرت ابوالفضل شجاع بن مخلد البغوی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بغداد میں رہتے تھے، آپ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی، ھشیم، وکیع، اسماعیل بن علیۃ، سفیان بن عیینہ اور ابو عاصم النبیل رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، محمد بن عبید اللہ بن المنادی اور ابراہیم الحربی رحمہما اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، بغداد میں وفات ہوئی، اور ''باب التبن'' کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

(طبقات الحنابلہ لابن ابی یعلیٰ ج ۱ ص ۶۶ باب الشین، تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۷۴، الطبقات الکبریٰ لابنِ سعد ج ۷ ص ۳۵۲، تہذیب الکمال ج ۱۲ ص ۳۸۱، مغانی الاخیار ج ۲ ص ۷)

□...... **ماہِ صفر ۲۳۵ھ:** میں حضرت ابو یعقوب یوسف بن موسیٰ بن راشد بن بلال الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ''رَےّ'' شہر کے رہنے والے تھے، اسی لئے آپ کو رازی بھی کہا جاتا ہے، اس کے بعد آپ بغداد منتقل ہوگئے اور یہی آپ کی وفات ہوئی، اپنے والد، جریر بن عبد الحمید، سلمۃ بن الفضل، ابنِ نمیر، ابو خالد الاحمر اور ابو احمد الزبیری رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، ابوعوانہ، موسیٰ بن یوسف بن موسیٰ، ابراہیم الحربی، ابوحاتم، ابنِ ابی الدنیا اور محمد بن ھارون المجدر آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۷۴)

□...... **ماہِ صفر ۲۳۵ھ:** میں حضرت ابوجعفر احمد بن عمر بن حفص بن جہم بن واقد الکندی الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ وکیعی کے نام سے مشہور تھے، بغداد میں رہتے تھے، آپ مشہور محدث ابراہیم بن احمد رحمہ اللہ کے والد تھے، حفص بن غیاث، ابومعاویہ، ابوبکر بن عیاش اور حسین الجعفی رحمہ اللہ سے استفادہ کیا، امام مسلم، ابراہیم الحربی، ابوداؤد، قاضی احمد بن علی المروزی، احمد بن علی الابار اور ابو یعلیٰ

الموصلی رحمہم اللہ نے آپ سے استفادہ کیا (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۳۷)

□...... **ماہِ صفر ۲۳۵ھ:** میں فنِ قرأت کے امام حضرت ابوابراہیم احمد بن عمر بن حفص الوکیعی بغدادی ضریر رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

قرأت میں آپ یحییٰ بن آدم رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، اورابراہیم اورعلی بن احمد رحمہما اللہ آپ کے شاگرد ہیں (غایۃ النھایہ فی طبقات القراء لابنِ الجزری ج ۱ ص ۴۰، باب الالف)

□...... **ماہِ صفر ۲۳۹ھ:** میں حضرت صلت بن مسعود الجحدری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ عراق کے شہر ''سامراء'' کے قاضی تھے، حماد بن زید رحمہ اللہ اوران کے طبقے سے روایت کرتے ہیں (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۸۱)

□...... **ماہِ صفر ۲۴۰ھ:** میں حضرت ابوثور ابراہیم بن خالد بن ابی الیمان البغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

فقہ میں آپ امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، ابن علیۃ، ابنِ عیینہ، ابنِ مہدی اوروکیع رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، ابوداؤد، مسلم، ابنِ ماجہ، ابوالقاسم البغوی اورابوحاتم رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی کتب کا یہ امتیاز ہے کہ آپ نے ان میں احادیث اورفقہ کو بہت اچھے انداز میں جمع کیا ہے۔

(طبقات الشافعیہ لابن قاضی شھبہ ج ۱ ص ۱، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۴۳، الطبقۃ الثامنہ، ثقات ابنِ حبان ج ۸ ص ۷۴، تھذیب التھذیب ج ۱ ص ۱۰۳، سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۷۳، وفیات الاعیان لابنِ خلکان ج ۱ ص ۲۶، تھذیب الکمال ج ۲ ص ۸۳، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۱۲)

□...... **ماہِ صفر ۲۴۰ھ:** میں حضرت ابومسہر عبدالاعلیٰ بن مسہر بن عبدالاعلیٰ بن مسہر الغسانی الدمشقی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

آپ کے شاگرد یہ حضرات ہیں: مروان بن محمد الطاطری، یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، محمد بن عائذ اوردحیم رحمہم اللہ، قرآن مجید آپ نے ان حضرات سے پڑھا: ایوب بن تمیم، صدقہ بن خالد اورسوید بن عبدالعزیز رحمہم اللہ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۲۹)

□...... **ماہِ صفر ۲۴۲ھ:** میں حضرت ابوعمرو خلیل بن عمرو الثقفی البغوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ابنِ عیینہ، عیسیٰ بن یونس، محمد بن سلمہ الحرانی، شریک اورنخعی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابنِ

ماجہ، موسیٰ بن ھارون الحافظ، عثمان بن خرزاد، ابنِ ابی الدنیا، حسن بن سفیان اورابوالقاسم البغوی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (تہذیب التہذیب ج۳ص ۱۴۶، تہذیب الکمال ج۸ص ۳۴۲)

□...... **ماہِ صفر ۲۴۲ھ**: میں حضرت ابوجعفر محمد بن طریف بن خلیفہ البجلی الکوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

اپنے والد، عبداللہ بن ادریس، محمد بن فضیل، اسباط بن محمد، ابوخلاد الاحمر اور عائذ بن حبیب رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابنِ ماجہ رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۹ص ۲۰۹، تہذیب الکمال ج۲۵ص ۴۱۱)

□...... **ماہِ صفر ۲۴۳ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ احمد بن عیسیٰ بن حسان المصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ''ابن التستری'' کے نام سے مشہور تھے، ضمام بن اسماعیل، مفضل بن فضالہ، عبداللہ بن وھب، بشر بن بکر اور ازہر بن سعد السمان رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابنِ ماجہ، نسائی، ابوزرعہ، ابوحاتم، ابراہیم الحربی، یوسف القاضی اور ابویعلیٰ الموصلی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، عراق کے شہر ''سامرآء'' میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۲ص ۷۱)

□...... **ماہِ صفر ۲۴۴ھ**: میں حضرت ابوعبدالرحمٰن احمد بن بکار بن ابومیمونہ الحرانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، عتاب بن بشیر رحمہ اللہ آپ کے استاد اور ابوعروبہ رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔

(ثقات ابنِ حبان ج۸ص ۲۳، سیر اعلام النبلاء ج۱۱ص ۵۵۳، تہذیب الکمال ج۱ص ۲۷۸)

□...... **ماہِ صفر ۲۴۵ھ**: میں حضرت مطرف بن عبدالرحمٰن بن ہاشم بن علقمہ بن جابر بن بدر الازد المشاط رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

آپ کا تعلق قرطبہ سے تھا، محمد بن یوسف بن مطرح، محمد بن وضاح، محمد بن قیس اور وھب بن نافع رحمہم اللہ سے آپ روایت کرتے ہیں، وفات ۳۲۴ھ میں ہوئی۔

(تاریخ علماء الاندلس لابن الفرضی ج۱ص ۱۹۰، باب معاویة)

□...... **ماہِ صفر ۲۴۵ھ**: میں حضرت ابوالولید ہشام بن عمار بن نصیر بن میسرۃ بن ابان السلمی الظفر الدمشقی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابراہیم بن اعین، اسماعیل بن عیاش، ایوب بن تمیم القاری اور ایوب بن سوید الرملی رحمہم اللہ سے

حدیث کی سماعت کی، امام بخاری، ابوداؤد، نسائی، ابنِ ماجہ، ابوبکر احمد بن عمرو بن ابو عاصم رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (تہذیب الکمال ج۳۰ ص۲۵۴)

☐......**ماہِ صفر ۲۴۸ھ:** میں حضرت ابوالفضل عباس بن الولید بن صبح الدمشقی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

زید بن یحییٰ بن عبید الدمشقی، ابومسہر، عبدالسلام بن عبدالقدوس، علی بن عباس الحمصی اور عمرو بن ہاشم البیروتی رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، ابنِ ماجہ، ابوحاتم، ابوزرعہ، عثمان بن خرزاد، حرب الکرمانی اور عبدان الاہوزی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج۵ ص۱۱۵، تہذیب الکمال ج۱۱ ص۲۵۴)

☐......**ماہِ صفر ۲۵۱ھ:** میں حضرت ابوجعفر محمد بن علی بن عفان العامری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

حسن بن عطیہ رحمہ اللہ آپ کے استاد اور علی بن کاس القاضی اور ابن الزبیر القرشی رحمہما اللہ آپ کے شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص۲۷)

☐......**ماہِ صفر ۲۵۳ھ:** میں حضرت ابویعقوب یوسف بن موسیٰ بن راشد الکوفی البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ اصلاً ''رے'' کے باشندے تھے، بعد میں آپ بغداد منتقل ہوگئے، اور انتقال تک بغداد میں ہی قیام فرمایا، جریر بن عبدالحمید، ابوخالد الاحمر، سفیان بن عیینۃ، عبداللہ بن ادریس اور ابوبکر بن عیاش رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابنِ ماجہ، ابراہیم الحربی اور ابوالقاسم البغوی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۲ ص۲۲۲، تہذیب الکمال ج۳۲ ص۴۶۷، تہذیب التہذیب ج۱۱ ص۳۸۴)

☐......**ماہِ صفر ۲۵۵ھ:** میں حضرت ابوالعباس فضل بن سہل بن ابراہیم الاعرج رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن مہدی، احمد بن حنبل، ابوالجواب احوص بن جواب، اسود بن عامر شاذان، حسن بن موسیٰ الاشیب، یزید بن ہارون، حسین الجعفی، ابواحمد الزبیری، زید بن الحباب، محمد بن بشیر العبدی رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، ابوبکر احمد بن عمرو بن ابوعاصم، ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزاز، احمد بن محمد بن الجراح الضراب، امام بخاری، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، مسلم، احمد بن عمرو البزار، ابنِ ابی عاصم، بغوی، عبدان الجوالیقی اور حسن بن سفیان

النسائی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔
(الجرح والتعدیل ج۷ ص ۶۳، تاریخ بغداد ج۱۲ ص ۳۶۴، ۳۶۵، طبقات الحنابلة ج ۱ ص ۵۳، تذھیب التھذیب ج۳ ص ۱۳۹، میزان الاعتدال ج۳ ص ۳۵۲، تھذیب التھذیب ج۸ ص ۲۷۷، طبقات الحفاظ ص ۲۴۷ بحواله سیر اعلام النبلاء ج۱۲ ص ۲۱۰، تھذیب الکمال ج۲۳ ص ۲۲۶، تذکرة الحفاظ ج۲ ص ۵۵۳)

□......**ماہِ صفر ۲۵۷ھ**: میں حضرت ابوعلی حسین بن بیان الشلاثائی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔
بعض حضرات کے نزدیک آپ ابوجعفر البصری کے نام سے مشہور تھے، سیف بن محمد الثوری رحمہ اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الکندی، ابواسحاق ابراہیم بن محمد عبید الشہر زوری اور ابویحییٰ محمد بن ابراہیم بن فہد بن حکیم الساجی البصری رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تھذیب الکمال ج۶ ص ۳۵۵، تھذیب التھذیب ج۱۲ ص ۲۸۷)

□......**ماہِ صفر ۲۶۱ھ**: میں حضرت ابوموسیٰ عیسیٰ بن ابراہیم بن مثرود الغافقی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔
آپ ابنِ مثرود کے نام سے مشہور تھے، سفیان بن عیینة، عبدالرحمٰن بن قاسم اور عبداللہ بن وہب رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں، ابوداؤد، نسائی، ابنِ خزیمہ، ابوجعفر الطحاوی، ابنِ صاعد اور ابوالحسن بن جوصا رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔
(الجرح والتعدیل ج۶ ص ۲۷۲، تھذیب الکمال ج۲۲ ص ۵۸۴، میزان الاعتدال ج۳ ص ۳۱۰، تھذیب التھذیب ج۸ ص ۱۸۴)

□......**ماہِ صفر ۲۶۱ھ**: میں حضرت سلیمان بن توبۃ النہروانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔
احمد بن ابراہیم الدورقی، احمد بن حنبل، اسحاق بن عیسیٰ بن الطباع، حکم بن موسیٰ، روح بن عبادہ اور سریج بن نعمان الجوہری رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابنِ ماجہ، ابوالحسن احمد بن محمد بن یزید الزعفرانی، عبدالرحمان بن ابی حاتم الرازی، علی بن اسماعیل الصفار اور قاسم بن زکریا المطرز رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (تھذیب الکمال ج۱۱ ص ۳۷۸، تھذیب التھذیب ج۴ ص ۱۵۵)

□......**ماہِ صفر ۲۶۷ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن محمد بن کثیر الکلبی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔
احمد بن شعیب الحرانی، احمد بن عبداللہ بن یونس، آدم بن ابی ایاس، اسماعیل بن خلیل الکوفی اور ایوب بن خالد الحرانی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، نسائی، احمد بن علی بن الحسین المقری،

ابوعروبہ حسین بن محمد الحرانی، ابواللیث سلم بن معاذ الیربوعی اور عبداللہ بن بشر الطالقانی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، بحرانؔ کے مقام پر آپ کی وفات ہوئی۔

(تهذيب الكمال ج٢٧ ص ٩ ،تهذيب التهذيب ج٩ ص ٤٦٠)

□......**ماہِ صفر ۲۶۸ھ:** میں حضرت ابوعبدالمؤمن احمد بن شیبان بن ولید بن حیان رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

سفیان بن عیینۃ، عبدالمجید بن رواد، عبدالملک الجدی اور مؤمل بن اسماعیل رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، یوسف بن موسیٰ المروزی، ابوالعباس الاصم، یحییٰ بن صاعد، ابنِ خزیمہ اور عثمان بن محمد بن احمد السمرقندی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

(الجرح والتعديل ج٢ ص ٥٥، ميزان الاعتدال ج١ ص ١٠٣، العبر في خبر من غبر ج٢ ص ٣٨، تهذيب التهذيب ج١ ص ٣٩، تاريخ ابنِ كثير ج١١ ص ٤٢، لسان الميزان ج١ ص ١٨٥ بحواله حاشية سير اعلام النبلاء ج١٢ ص ٣٤٦)

□......**ماہِ صفر ۲۷۰ھ:** میں حضرت ابوبکر محمد بن اسحاق بن جعفر الصاغانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ اصلاً خراسان کے باشندے تھے، لیکن بعد میں بغداد میں ہی مستقل رہائش اختیار کر لی تھی، یزید بن ہارون، عبدالوھاب بن عطاء، ابوبدر شجاع بن الولید، محاضر بن المورع، یعلی بن عبید اور روح بن عبادرحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابوعمر الدوری، ابنِ ماجہ اور عبدان الاھوازی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، امام ابومزاحم الخاقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام صاغانی کو اپنے وقت میں عظیم محدث یحییٰ بن معین کے ساتھ تشبیہ دی جاتی تھی۔

(الجرح والتعديل ج٧ ص ١٩٠، تاريخِ بغداد ج١ ص ٢٤٠، الانساب ج٨ ص ٦٨، تذهيب التهذيب ج٣ ص ١٨٣، العبر في خبر من غبر ج٢ ص ٤٢١، الوافي بالوفيات ج٢ ص ١٩٥، تهذيب التهذيب ج٩ ص ٣٢، طبقات الحفاظ ص ٢٥٦، شذرات الذهب ج٢ ص ١٦٠، المنتظم ج٥ ص ٧٨ بحواله حاشية سير اعلام النبلاء ج١٢ ص ٥٩٤)

□......**ماہِ صفر ۲۷۰ھ:** میں حضرت ابوبکر فضل بن عباس الرازی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، عبدالعزیز الاویسی، قتیبۃ بن سعید اور ہدبہ بن خالد رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، ابوعوانہ الاسفرائینی، ابوبکر الخرائطی، محمد بن مخلد العطار اور محمد بن جعفر المطیری رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ۷۰ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

(الجرح والتعديل ج٧ ص ٦٦، تاريخ بغداد ج١٢ ص ٣٦٧، تذكرة الحفاظ ج٢ ص ٦٠٠، طبقات الحفاظ ص ٢٦٨، شذرات الذهب ج٢ ص ١٦٠، المنتظم ج٥ ص ٧٧بحواله حاشية

سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۱۳۱)

□......**ماہِ صفر ۲۷۰ھ:** میں حضرت ابو محمد حسن بن علی بن عفان العامری الکوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابنِ عفان کے نام سے مشہور تھے، عبداللہ بن نمیر، ابو یحییٰ عبدالحمید الحمانی، اسباط بن محمد، ابو اسامہ اور جعفر بن عون رحمہم اللہ اور دوسرے بڑے بڑے اہلِ علم آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابنِ ماجہ، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم، علی بن محمد بن کاس اور اسماعیل بن محمد الصفار رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔

(الجرح والتعدیل ج۳ ص ۲۲، تذھیب التھذیب ج ۱ ص ۱۴۲، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۹۰، تھذیب التھذیب ج۲ ص ۳۰۱، شذرات الذھب ج۲ ص ۱۵۸ بحوالہ حاشیۃ سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۲۴، تھذیب الکمال ج۶ ص ۲۵۸)

□......**ماہِ صفر ۲۷۱ھ:** میں حضرت ابو الفضل عباس بن محمد بن حاتم بن واقد الدوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۱۸۵ھ میں ہوئی، حسین بن علی الجعفی، محمد بن بشر، جعفر بن عون، ابو داؤد الطیالسی، عبدالوھاب بن عطا اور یحییٰ بن ابو بکیر رحمہم اللہ سے آپ روایت کرتے ہیں، ابنِ صاعد، ابو عوانۃ، ابو بکر بن زیاد، ابو جعفر بن البختری اور اسماعیل الصفار رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث روایت کی۔

(الجرح والتعدیل ج۶ ص ۲۱۶، تاریخِ بغداد ج ۱ ص ۱۴۴، طبقات الحنابلۃ ج ۱ ص ۲۳۶، الانساب ج۵ ص ۴۰۰، تذھیب التھذیب ج۲ ص ۱۲۷، تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص ۵۷۹، تھذیب التھذیب ج۵ ص ۱۱۴، طبقات الحفاظ ج۷ ص ۵۰، شذرات الذھب ج۲ ص ۱۶۱ بحوالہ حاشیۃ سیر اعلام النبلاء ج۱۲ ص ۵۲۴، تھذیب الکمال ج۱۴ ص ۲۴۸، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۹۶)

□......**ماہِ صفر ۲۷۱ھ:** میں حضرت ابو الحسن علی بن سہل بن المغیرۃ النسائی البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ابو بدر السکونی، عبدالوھاب بن عطا، محمد بن عبید، یحییٰ بن ابو بکیر اور عبیداللہ بن موسیٰ رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِ فہرست ہیں، ابنِ صاعد، علی بن عبید، محمد بن احمد الحکیمی اور اسماعیل الصفار رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں "بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کا سنِ وفات ۲۷۰ھ قرار دیا ہے۔تھذیب الکمال ج۲۰ ص ۴۵۷"

(الجرح والتعديل ج٦ ص ١٨٩، تاريخِ بغداد ج ١١ ص ٤٢٩، طبقات الحنابلة ج ١ ص ٢٢٥، المنتظم ج٥ ص ٨٣، تذهيب التهذيب ج٣ ص ٦٣، ميزان الاعتدال ج٣ ص ١٣١، تهذيب التهذيب ج٧ ص ٣٢٩ بحواله حاشية سير اعلام النبلاء ج١٣ ص ١٦٠)

□......**ماہِ صفر ۲۷۲ھ**: میں عظیم محدث حضرت ابو علی حسن بن اسحاق بن یزید العطار رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: عمر بن مشبیب المسلی ، زید بن الحباب، حسن بن موسیٰ الاشیب محمد بن بکیر الحضر می اور ابو نعیم رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درج ذیل ہیں: محمد بن مخلد، ابو العباس الاصم اور اسماعیل الصفار رحمہم اللہ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۱۴۴)

□......**ماہِ صفر ۲۷۳ھ**: اندلس کے اموی امیر ابو عبد اللہ عبد الرحمٰن بن الحکم بن ہشام بن الداخل عبد الرحمٰن بن معاویہ کی وفات ہوئی۔

۲۳۸ھ میں اپنے والد کی وفات کے بعد امارت کے لئے آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تھی، ان کے بعد ان کے بیٹے منذر بن عبد الرحمٰن امیر بنے۔

(الكامل لابنِ اثير ج٧ ص ٤٢٤، الوافى بالوفيات ج٣ ص ٢٢٤، البداية والنهاية ج ١١ ص ٥١، شذرات الذهب ج٢ ص ١٦٤ بحواله حاشية سير اعلام النبلاء ج١٣ ص ١٧٣)

□......**ماہِ صفر ۲۷۷ھ**: میں حضرت ابو علی حسن بن سلام البغدادی السواق رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

عبید اللہ بن موسیٰ، ابو عبد الرحمٰن المقری، عمرو بن حکام، ابو نعیم اور عفان بن مسلم رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، ابنِ صاعد، اسماعیل الصفار، عثمان بن السماک، ابو بکر النجاد اور ابو بکر الشافعی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

(تاريخِ بغداد ج٧ ص ٣٢٦، المنتظم ج٥ ص ١٠٧، بحواله حاشية سير اعلام النبلاء ج١٤ ص ١٩٢)

□......**ماہِ صفر ۲۷۸ھ**: میں عباسی شہزادے موفق کی وفات ہوئی۔

آپ کا پورا نام ابو حمد طلحہ تھا، آپ کی ولادت ۲۲۹ھ میں ہوئی، آپ خلیفہ معتمد باللہ کے ولی عہد تھا، جو کہ آپ کا بھائی تھے، موفق باوجودیکہ ولی عہد تھے لیکن خلافت حقیقی معنیٰ میں انھی کے پاس تھی، اور انہوں نے عباسی حکومت کو بہت فائدہ پہنچایا، ۲۷۸ھ میں اچانک آپ کا انتقال ہوا۔

(تاريخ الخلفاء ص ٤٥، تاريخ الطبرى ج٩ ص ٢٩٠، تاريخِ بغداد ج٢ ص ١٢٧، تاريخ ابنِ عساكر ج١٠ ص ١٩١، المنتظم ج٥ ص ١٢١، الكامل لابن اثير ج٧ ص ٤٤١، الوافى بالوفيات

ج۲ ص ۲۹۴، شذرات الذهب ج۲ ص ۱۷۲ بحواله حاشية سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۱۶۹، العبر فی خبر من غبر ج۱ ص ۹۸، تاریخِ ملت ج۲ ص۷۰۴تا۴۰۹)

□......**ماہِ صفر ۲۹۱ھ:** میں حضرت ابوالعباس احمد بن محمد بن علی بن اسید الخزاعی الاصبہانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

قعنبی، مسلم بن ابراہیم، قرۃ بن حبیب، ابوالولید الطیالسی اور ابوعمر والحوضی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، احمد العسال، عبدالرحمٰن بن سیاہ، ابوالقاسم طبرانی، ابوالشیخ بن حیان رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۵۰۶)

□......**ماہِ صفر ۲۹۲ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ ہارون بن موسیٰ بن شریک التغلبی الدمشقی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

سلام المدائنی اور ابومسہر الغسانی رحمہما اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابواحمد بن الناصح، طبرانی، ابوطاہر بن ذکوان رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ کی ولادت ۲۰۰ھ میں ہوئی، مختلف فنون کے امام تھے، آپ کی تصانیف علمِ قراءت میں مشہور ہیں، ہبۃ اللہ بن جعفر، ابوبکر النقاش، ابراہیم بن عبدالرزاق اور محمد بن احمد الداجونی رحمہم اللہ جیسے مشہور قراء آپ کے شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۵۶۶)

□......**ماہِ صفر ۲۹۳ھ:** میں حضرت ابوالعباس عیسیٰ بن محمد الطہمانی المروزی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

اسحاق بن راہویہ اور علی بن حجر رحمہما اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، احمد بن حضر اور یحییٰ بن محمد العنبری اور عمر بن علک رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ ''المراوزۃ'' مقام کے رئیس لوگوں میں شمار ہوتے تھے (سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۵۷۳)

□......**ماہِ صفر ۲۹۵ھ:** میں حضرت ابوابراہیم اسماعیل بن الملک احمد بن اسد بن سامان بن نوح رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ملک احمد بن اسد (یہ آپ کے والد ہیں) محمد بن نصر المروزی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ اور آپ کے آباء واجداد مدت سے بخارا و سمرقند کے امیر رہے، مدتِ ولایت ۷ سال تھی، آپ نہایت بہادر اور علوم وفنون میں یگانہ

تھے، رزم وبزم دونوں کے شہسوار تھے، آپ کے بعد آپ کے بیٹے ابونصر احمد امیرِ سلطنت ہوئے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۱۵۵)

□......**ماہِ صفر ۲۹۶ھ**: میں حضرت ابوعلی حسین بن محمد بن حاتم البغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ آپ مشہور محدث یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، داوٗد بن رشید، یعقوب بن حمید بن کاسب، یحییٰ بن معین، محمد بن عبداللہ بن عمار اور ابوہمام ولید بن شجاع رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، عبدالصمد الطستی، ابوبکر الشافعی اور طبرانی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے آپ کو ''عبید العجل'' کا لقب دیا تھا ''تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۷۱ میں آپ کا سنِ وفات ۲۹۴ھ لکھا ہوا ہے'' (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۹۱)

□......**ماہِ صفر ۲۹۸ھ**: میں شیخ الصوفیہ حضرت ابوالعباس احمد بن محمد بن مسروق البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ ابنِ مسروق کے نام سے مشہور تھے، علی بن الجعد، خلف بن ہشام، احمد بن حنبل اور علی بن مدینی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابوبکر الشافعی، جعفر الخلدی، حبیب القزاز، مخلد الباقرحی، ابنِ عبید العسکری اور ابوبکر الاسماعیلی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، ۸۴ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

(طبقات الصوفية ص ۲۳۷، حلية الاولياء ج ۱ ص ۲۱۳، تاريخِ بغداد ج۵ ص ۱۰۰، المنتظم ج۶ ص ۹۸، ميزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۵۰، طبقات الاولياء ص ۸۹، لسان الميزان ج ۱ ص ۲۹۲، النجوم الزاهرة ج۳ ص ۱۷۷، شذرات الذهب ج ۲ ص ۲۲۷ بحواله حاشية سير اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۴۹۴)

چوتھی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□......**ماہِ صفر ۳۰۲ھ**: میں حضرت ابوالحسن، علی بن احمد بن منصور بن نصر بن بسام البسامی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [۱]

آپ کا شمار مشہور اور بڑے شعراء میں ہوتا تھا، شعر میں تعریف وتنقید کرنے میں آپ کو خصوصی ملکہ حاصل

---

[۱] قال الخطيب: حدثنی علی بن محمد بن نصر الدينوری قال سمعت حمزة بن يوسف السهمی يقول سألت الدارقطنی عن محمد بن أحمد بن خالد البورانی فقال لا بأس به ولكنه يحدث عن شيوخ ضعفاء.

تھا، آپ کی کئی ادبی کتابوں کے مصنف ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۱۳۹، تاریخِ بغداد ج ۱۲ ص ۶۳)

□...... **ماہِ صفر ۳۰۴ھ**: میں حضرت ابوبکر محمد بن احمد بن خالد بن شیرزاذ بورانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ آپ عراق کے مشہور شہر تکریت کے قاضی تھے، قاسم بن یزید، احمد بن منیع، محمد بن سلیمان لوین، ابوعمار حسین بن حریث رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، محمد بن مظفر حافظ، محمد بن زید بن مروان انصاری رحمہما اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں (تاریخِ بغداد ج ۱ ص ۲۹۵)

□...... **ماہِ صفر ۳۰۴ھ**: میں حضرت ابوالحسین محمد بن عبداللہ بن حسین بن عبداللہ بن ہارون الدقاق رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [1]

آپ ابنِ اخی میمی کے نام سے مشہور تھے، عبداللہ بن محمد بغوی رحمہ اللہ اور ان کے طبقے سے روایت کرتے ہیں، محمد بن علی بن مخلد، ابوخازم بن فراء، ابوالقاسم ازہری، محمد بن علی بن فتح اور قاضی تنوخی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کی وفات جمعرات یکم رجب ۳۹۰ھ میں ہوئی۔
(تاریخِ بغداد ج ۵ ص ۴۶۹)

□...... **ماہِ صفر ۳۰۴ھ**: میں حضرت ابوالحسن محمد بن حسین بن خالد قنبیطی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ ابراہیم بن سعید جوہری، عمر بن اسماعیل بن مجالد، اسحاق بن ابراہیم بغوی، حسین بن علی صدائی، یعقوب بن ابراہیم دورقی، محمد بن حسان ازرق رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، عیسیٰ بن حامد رخجی (یہ آپ کے بھانجے ہیں) ابوعلی بن صواف، محمد بن احمد بن یحییٰ عطشی، علی بن محمد بن لؤلؤ وراق رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، بدھ کے دن دو صفر کو آپ کی وفات ہوئی۔
(تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۲۳۲)

□...... **ماہِ صفر ۳۰۵ھ**: میں حضرت ابومحمد قاسم بن محمد بن بشار بن حسن بن بیان بن سماعہ بن فروۃ بن قطن بن دعامۃ انباری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [2]

آپ بغداد میں رہتے تھے، عمرو بن علی، حسن بن عرفہ، احمد بن حارث خراز، عمر بن شبہ، احمد بن عبید بن ناصح، نصر بن داؤد بن طوق، محمد بن جہم سمری اور عبداللہ بن ابی سعد وراق رحمہم اللہ سے حدیث کی

---

[1] قال الخطيب: كان ثقة مأمونا كتب الحديث إلى أن توفي.
وقال بن أبي الفوارس: كان ثقة مأمونا دينا فاضلا.

[2] قال الخطيب: كان صدوقا أمينا عالما بالأدب موثقا في الرواية.

سماعت کی، محمد (یہ آپ کے بیٹے ہیں) علی بن موسیٰ رزاز، احمد بن عبدالرحمٰن رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (تاریخِ بغداد ج ۱۲ ص ۴۴۰)

□......**ماہِ صفر ۳۰۵ھ:** میں حضرت ابوبکر قاسم بن زکریا بن یحییٰ بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [۱]
آپ ''المطرز'' کے نام سے مشہور تھے، ۲۲۰ھ کے لگ بھگ آپ کی ولادت ہوئی، ابوحمدون الطیب، علی ابوعمر الدوری، سوید بن سعید، محمد بن الصباح الجرجرائی، اسحاق بن موسیٰ الانصاری، ابوہمام الولید بن شجاع، ابوکریب اور عباد بن یعقوب الرواجنی رحمہم اللہ اور ان کے طبقہ سے روایت کرتے ہیں، ابوبکر الجعابی، عبدالعزیز بن جعفر الخرقی، محمد ابن المظفر اور ابوحفص الزیات رحمہم اللہ اور بہت سے مشائخ آپ سے روایت کرتے ہیں، ہفتہ کے دن آپ کی وفات ہوئی، اور کوفہ میں دفن ہوئے۔

(تاریخِ بغداد ج ۱۲ ص ۴۴۱، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۷۱، سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۱۵۰، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۶۰)

□......**ماہِ صفر ۳۰۷ھ:** میں حضرت ابومحمد ہیثم بن خلف دوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [۲]
عبدالاعلیٰ بن حماد، عبیداللہ بن عمر قواریری، اسحاق بن موسیٰ، ابنِ حمید اور عثمان بن ابی شیبہ رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوبکر شافعی، عبدالعزیز بن جعفر خرقی، علی بن لؤلؤ اور ابوعمرو بن حمدان رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۶۷)

□......**ماہِ صفر ۳۰۸ھ:** میں حضرت ابوالحسن حکیم بن ابراہیم بن حکم قرشی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔
حسن بن محمد بن صباح زعفرانی اور احمد بن منصور رمادی رحمہم اللہ کے طبقے سے حدیث کی سماعت کی، یکم صفر کو آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۸ ص ۲۲۹)

□......**ماہِ صفر ۳۰۸ھ:** میں حضرت ابومطیع مکحول بن فضل نسفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

---

[۱] قال الخطیب :کان ثقة ثبتا .وقال الدار قطنی :قاسم المطرز مصنف مقرء نبیل(تذکرة الحفاظ)
قال الذهبی: کان ثقة مأمونا، ثنی علیه الدارقطنی وغیره
قال الخطیب: وکان من أهل الحدیث والصدق والمکثرین فی تصنیف المسند والأبواب والرجال

[۲] قال الاسماعیلی :کان احد الاثبات وقال احمد بن کامل :لم یغیر شیبه وکان کثیر الحدیث جدا ضابطا لکتابه.

آپ ''اللؤلئيات فی الزهد والآداب'' کتاب کے مصنف تھے، ابوعیسیٰ ترمذی، عبداللہ بن احمد بن حنبل، محمد بن ایوب بن ضریس، مطین رحمہم اللہ سمیت بہت سے حضرات آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابوبکر احمد بن محمد بن اسماعیل اور شیخ جعفر مستغفری رحمہا اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔
(سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۳۳)

□......ماہِ صفر ۳۱۲ھ: میں حضرت ابومحمد عبدالرحمٰن ثقفی الھمذانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [۱]
آپ حدیث میں بڑا مقام حاصل ہونے کی وجہ سے ''ہمذان'' کے محدث کہلاتے تھے، محمد بن عبید الاسدی، یعقوب بن ابراہیم الدورقی، ابوسعید الاشج، زیاد بن ایوب، حمید بن ربیع، عبدالرحمٰن بن عمر رستہ، محمود بن خداش اور عباس بن یزید البحرانی رحمہم اللہ اور ان کے طبقہ سے روایت کرتے ہیں، احمد بن عبید الاسدی، احمد بن محمد بن صالح، محمد بن حیویہ کرجی، قاسم بن حسن فلکی، علی بن حسن بن ربیع، جبریل العدل، ابواحمد بن غطریف اور ابواحمد حاکم رحمہم اللہ سمیت بہت سے حضرات آپ سے روایت کریت ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۴۳۹)

□......ماہِ صفر ۳۱۲ھ: میں حضرت ابومحمد عبدوس بن احمد بن عباد ثقفی ہمذانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [۲]
یعقوب دورقی، محمد بن عبید اسدی، زیاد بن ایوب، ابوسعید الاشج، حمید بن ربیع، عبدالرحمٰن بن عمر رستہ، محمود بن خداش اور عباس بن یزید حرانی رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، احمد بن عبید اسدی، احمد بن صالح، علی بن حسن بن ربیع، جبریل عدل، قاسم بن حسن فلکی، محمد بن حیویہ بن مؤمل، ابواحمد غطریفی اور ابواحمد حاکم رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔
(طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۶۴، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۷۳)

□......ماہِ صفر ۳۱۳ھ: میں حضرت ابوالعباس، احمد بن محمد بن الحسین بن عیسیٰ الماسرجسی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

---

[۱] قال شيرويه الديلمى فى "تاريخه" :"روى عنه عامة أهل الحديث ببلدنا، وكان ثقة، متقنا، يحسن هذا الشأن .وقال صالح بن أحمد الحافظ :سمعت أبى يقول :كان عبدوس ميزان بلدنا فى الحديث، ثقة، يحسن هذا الشأن.

[۲] قال شيرويه :روى عنه عامة أهل الحديث ببلدنا وكان يحسن هذا الشأن ثقة متقناً(طبقات الحفاظ)

حسن بن عیسی بن ماسر جس نیسابوری رحمہ اللہ کے پوتے تھے، اپنے دادا حسن بن عیسیٰ، اور اسحاق بن راہویہ، شیبان بن فروخ، ربیع بن ثعلب، وہب بن بقیۃ، عمرو بن زرارۃ رحمہم اللہ اوران کے طبقہ سے روایت کرتے ہیں۔

حافظ ابوعلی النیسابوری، ابواسحاق المزکی، ابوسہل الصعلوکی، ابواحمد الحاکم رحمہم اللہ سمیت بہت سے حضرات آپ کے شاگرد ہیں(سیر اعلام النبلاء ج۱۴ ص ۴۰۵)

□......**ماہِ صفر ۳۱۵ھ**: میں حضرت ابوالحسن محمد بن جعفر بن احمد بن عمر بن شبیب صیرفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابن الکوفی کے نام سے مشہور تھے، اسحاق بن ابی اسرائیل، محمد بن سلیمان لوین، محمد بن صالح رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابوالحسین بن بواب محمد بن مظفر اور ابنِ شاہین رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں(تاریخِ بغداد ج۲ ص ۱۳۵)

□......**ماہِ صفر ۳۱۷ھ**: میں حضرت ابوبکر احمد بن حسن بن عباس بن فرج بن شقیر نحوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

احمد بن عبید بن ناصح رحمہ اللہ سے امام واقدی رحمہ اللہ کی تصانیف روایت کرتے ہیں، ابراہیم بن احمد حرقی، ابوبکر بن شاذان رحمہما اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں(تاریخِ بغداد ج۴ ص ۸۹)

□......**ماہِ صفر ۳۱۹ھ**: میں حضرت قاضی القضاۃ ابوعبید، علی بن حسین بن حرب بن عیسیٰ بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [1]

آپ ''ابن حربویہ'' کے نام سے مشہور تھے، احمد بن مقدام، حسن بن عرفۃ، زید بن اخزم، یوسف بن موسیٰ القطان اور حسن بن محمد الزعفرانی رحمہم اللہ اوران کے طبقہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوعمر بن حیویہ، ابوبکر بن المقریٔ اور ابوحفص بن شاہین رحمہم اللہ سمیت بہت سے حضرات نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ علم الجدل والخلاف، بلاغت اور استدلال ودرایت کے ماہر عالم، قرآن

---

[1] قال الذهبي: كان ثقة ثبتا. قال أبو بكر البرقاني :ذكرت ابن حربويه للدارقطني، فذكر من جلالته وفضله، وقال :حدث عنه النسائي في الصحيح (ثم قال) لم يحصل لي عنه حرف (واحد)وقد مات بعد أن كتبت الحديث بخمس سنين .

وحدیث کے علوم کے حامل، ادیب، سمجھدار، پاکباز، حق گو، لائق فائق اور مذہب میں ٹھیٹھ ومضبوط انسان تھے، مصر کے حاکمِ وقت تکینؔ آپ کی مجلس میں آتے تھے، بغیر اس کے کہ اپنے استقبال واعزاز میں آپ کو اٹھ کھڑا ہونے کے خواہش مند ہو، لیکن جب آپ تکین کی مجلس میں جاتے، تو وہ چل کر آپ کے استقبال کے لئے آگے بڑھتا اور آپ سے ملاقات کرتا، آپ شکل وشباہت میں کوئی زیادہ رعب داب کے حامل نہ تھے، لیکن یگانہ روزگار عالم تھے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۵۳۸)

□......**ماہِ صفر ۳۲۰ھ**: میں حضرت ابوالیسیر علوان بن حسین بن سلمان بن علی بن القاسم مالکی رحمہ اللہ کا انتقال ہو۔

آپ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے داماد تھے، علی بن محمد بن مبارک صنعانی، اسحاق بن ابراہیم دبری، عبید بن محمد کشوری اور جنبل بن محمد سلیحی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی ابوحفص بن شاہین، یوسف بن عمر قواس رحمہما اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (تاریخِ بغداد ج ۱۲ ص ۳۱۸)

□......**ماہِ صفر ۳۲۰ھ**: میں حضرت شیخ الشافعیۃ ابوعبداللہ زبیر بن احمد بن سلیمان بن عبداللہ بن عاصم بن منذر بن زبیر بن عوام رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [۱]

محمد بن سنان قزاز، ابوداؤد رحمہما اللہ سمیت بہت سے حضرات سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، ابوبکر نقاش، عمر بن بشران، علی بن لؤلؤ وراق اور ابنِ بخیت دقاق رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

ابواسحاق فرماتے ہیں کہ آپ نابینا تھے، لیکن آپ کی کتابیں علم سے بھرپور تھیں، آپ کی مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں:

الکافی، النیّۃ، ستر العورۃ، الھدیّۃ، الاستشارۃ والاستخارۃ، ریاضیّۃ المتعلم، الامارۃ۔

آپ کے بیٹے ابوعاصم نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۵۸)

□......**ماہِ صفر ۳۲۳ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ ابراہیم بن محمد بن عرفۃ بن سلیمان عتکی ازدی واسطی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

---

[۱] قال الذهبی: کان من الثقات الاعلام.

آپ نفطویہ کے لقب سے مشہور تھے، اور کئی مفید کتابوں کے مصنف تھے، بغداد میں رہتے تھے، اسحاق بن وہب علاف، شعیب بن ایوب صریفینی، محمد بن عبدالملک دقیقی، احمد بن عبد الجبار عطاردی اور داؤد بن علی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، معافی بن زکریا، ابو بکر بن شاذان، ابو عمر بن حیویہ اور ابو بکر بن مقریٔ رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، آپ کی ولادت ۲۴۴ھ میں ہوئی، اہلِ ظاہر کی نظر میں آپ سربرآوردہ ہستی تھے، دین اور سنت میں بڑا حصہ رکھتے تھے، حسنِ خلق کے حامل اور ذکی تھے، نظم ونثر دونوں میں حصہ رکھتے تھے۔

آپ کی مشہور کتب کے نام یہ ہیں:

غریب القرآن ،المقنع فی النحو، کتاب البارع، تاریخ الخلفاء

(سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص۷۶)

□......**ماہِ صفر ۳۲۳ھ:** میں حضرت امام ابو اسحاق ابراہیم بن حماد بن اسحاق بن اسماعیل ازدی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [۱]

حسن بن عرفۃ، علی بن مسلم طوسی، وعلی بن حرب اور زعفرانی رحمہم اللہ سمیت بہت سے حضرات سے حدیث کی سماعت کی، دارقطنی، ابن شاہین اور ابو طاہر المخلص رحمہم اللہ سمیت بہت سے حضرات نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ بہت زیادہ عبادت کرتے تھے۔

ابوالحسن جراحی فرماتے ہیں کہ: میں جب بھی ان کے پاس گیا یا تو قرآن کی تلاوت کر رہے ہوتے تھے، یا نماز میں مشغول ہوتے تھے، ابو بکر بن زیاد فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ کسی کو عبادت گزار نہیں دیکھا، مصر کے قاضی ابو عبید بن حربویہ کے بعد آپ کے بیٹے ہارون آپ کی زندگی ہی میں قاضی بنا دیئے گئے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص۳۶)

□......**ماہِ صفر ۳۲۳ھ:** میں حضرت ابوالقاسم مطرف بن فرج بن علی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابوسہولہ کے نام سے مشہور تھے، اور اندلس کے مقام ''بطلیوس'' کے باشندے تھے، یوسف بن سفیان، منذر بن حزم رحمہما اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، جمعہ کی رات ۲۸ صفر کو آپ کی وفات ہوئی (تاریخ علماء الاندلس ج۱ ص۱۸۹)

---

[۱] قال الدارقطنی :ثقة جبل .

□......**ماہِ صفر ۳۲۳ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ احمد بن محمد بن یوسف بن محمد بن دوست بزاز رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [۱]

رمضان ۴۰۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی، محمد بن جعفر مطیری، ابوعبداللہ بن عیاس قطان، احمد بن محمد بن ابی سعید دوری، ابوعبداللہ حکیمی، عمر بن حسن بن اشنانی، ابوالحسن مصری، اسماعیل بن محمد صفار اور ابوعلی برذعی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، حسن بن محمد خلال حمزہ بن محمد بن طاہر دقاق، ابوالقاسم ازہری، ہبۃ اللہ بن حسین طبری رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔

(تاریخِ بغداد ج۵ ص ۱۲۴)

□......**ماہِ صفر ۳۲۵ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن سہل بن فضیل الکاتب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [۲]

۱۳صفر بدھ کے دن آپ کی وفات ہوئی، اوراسی دن تدفین ہوئی، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: زبیر بن بکار، عمر بن شبہ، عیسیٰ بن ابی حرب صفار اور علی بن داؤ دقنطری رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: عبیداللہ حوشبی، ابوالحسن دارقطنی اور یوسف بن عمر قواس رحمہم اللہ۔

بدھ کے دن ۱۳صفر کو آپ کی وفات ہوئی، اوراسی دن تدفین ہوئی (تاریخِ بغداد ج۵ ص ۳۱۶)

□......**ماہِ صفر ۳۲۵ھ:** میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن عبدالرحیم بن منصور القواس رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ عبدالرحمٰن بن خراش رحمہ اللہ کے قریبی ساتھی شمار ہوتے تھے، احمد بن ابی یحییٰ، محمد بن سلیمان باغندی، مخول بن محمد مستملی، ایوب بن سلیمان ملطی اور ابوفروہ رہاوی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، قاضی ابوالحسن جراحی، ابوالحسن دارقطنی، ابوالقاسم ثلاج رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (تاریخِ بغداد ج۶ ص ۱۶۲)

□......**ماہِ صفر ۳۲۶ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن قاسم بن زکریا محاربی کوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابوکریب محمد بن علاء، سفیان بن وکیع، ہشام بن یونس

---

[۱] قال الخطیب: وکان مکثرا من الحدیث عارفا به حافظا له مکث مدة یملی فی جامع المنصور بعد وفاة أبی طاهر المخلص ثم انقطع عن الخروج ولزم بیته.

[۲] قال الخطیب: کان ثقة

اور حسین بن نصر بن مزاحم رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: دار قطنی، محمد بن عبد اللہ جعفی رحمہما اللہ (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص۷۳)

□......**ماہِ صفر ۳۲۷ھ:** میں حضرت ابوذر احمد بن محمد بن محمد بن سلیمان بن حارث بن عبد الرحمٰن ازدی رحمہ اللہ انتقال ہوا۔ [۱]

آپ ابن الباغندی کے نام سے مشہور تھے، عبید اللہ بن سعد زہری، محمد بن علی بن خلف عطار، علی بن حسین بن اشکاب، عمر بن شبہ نمیری، علی بن حرب طائی، سعدان بن نصر مخرمی اور اسحاق بن یسار نصیبی رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، محمد بن عبید اللہ بن شخیر، قاضی ابو الحسن جراحی، ابو الحسن دار قطنی، ابو حفص بن شاہین، یوسف قواس اور معافی بن زکریا رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تاریخِ بغداد ج۵ ص۸۶)

□......**ماہِ صفر ۳۲۸ھ:** میں حضرت ابو الحسن محمد بن احمد بن ایوب بن صلت بن شنبوذ المقرئ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [۲]

آپ ابنِ شنبوذ کے نام سے مشہور تھے، اور طلبِ علم کے لئے اکثر سفر کرتے رہتے تھے، ابو مسلم کجی، ہارون بن موسیٰ اخفش، قنبل مکی، اسحاق خزاعی، ادریس حداد، حسن بن عباس رازی، اسماعیل نحاس اور محمد بن شاذان جوہری رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابو طاہر بن ابو ہاشم، ابو بکر بن شاذان رحمہما اللہ آپ کے شاگرد ہیں (تاریخِ بغداد ج۱ ص۲۸۱، سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص۲۶۶)

---

[۱] قال الخطيب: حدثني على بن محمد بن نصر قال سمعت حمزة بن يوسف يقول سمعت أبا مسعود الدمشقي يقول سمعت الزينبي ببغداد يقول دخلت على محمد بن محمد الباغندى فسمعته يقول لا تكتبوا عن ابنى فإنه يكذب فدخلت على ابنه أبى ذر فسمعته يقول لا تكتبوا عن أبى فإنه كذاب .

قال حمزة وسألت أبا الحسن الدارقطني عن أبى ذر أحمد بن محمد الباغندى فقال ما علمت إلا خيرا وكان أصحابنا يؤثرونه على أبيه سمعت أبا الفتح محمد بن أبى الفوارس الحافظ وذكر محمد بن سليمان الباغندى وابنه أبو بكر وابنه أبو ذر فقال أوثقهم أبو ذر .

[۲] قال الخطيب: وكان قد تخير لنفسه حروفا من شواذ القراء ات تخالف الإجماع فقرأ بها فصنف أبو بكر بن الأنبارى وغيره كتبا فى الرد عليه الخ .

□......**ماہِ صفر ۳۲۸ھ**: میں حضرت ابومحمد حسن بن ابراہیم بن عبداللہ بن عبدالمجید المقرئ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [1]

آپ ابوالاذان رحمہ اللہ کے بھانجے تھے، محمد بن ہارون ختلی، ابراہیم بن جبلہ باہلی، عبدالرحمٰن بن ازہر بلخی، ابوالبختری عنبری اور محمد بن احمد بن ابی المثنیٰ رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوحفص بن زیات اور ابوالحسن دارقطنی رحمہما اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔
(تاریخِ بغداد ج۷ص ۲۸۲)

□......**ماہِ صفر ۳۲۹ھ**: میں حضرت ابوالفضل محمد بن عبیداللہ بن محمد بن رجاء تمیمی بلعمی بخاری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ابوالموجہ محمد بن عمرو، اور محمد بن نصر رحمہما اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، آپ ایک طویل مدت تک محمد بن نصر رحمہ اللہ کی صحبت میں رہے، اور ان سے بہت علم حاصل کیا، آپ کی دو کتب زیادہ مشہور ہوئی:
''كتاب تلقيح البلاغة'' ''كتاب المقالات''
(سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۲۹۲)

□......**ماہِ صفر ۳۳۲ھ**: میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن علی بن بطحا بن علی بن مسقلۃ تمیمی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [2]

محمد بن علی (یہ آپ کے والد ہیں) حماد بن حسن بن عنبسہ، علی بن حرب طائی، احمد بن سعد زہری، عباس بن عبداللہ ترقفی، عباس بن محمد دوری، احمد بن عبدالجبار عطارد، محمد بن جہم سمری، احمد بن ملاعب مخرمی، حسن بن مکرم بزاز اور محمد بن ابی الحنین کوفی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوالحسن دارقطنی، یوسف بن عمر قواس، ابوبکر بن ابی موسیٰ ہاشمی اور ابوحفص بن آجری مقری رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ کی ولادت ۲۵۰ھ میں ہوئی، اور جمعہ کے دن دس صفر کو آپ

---

[1] قال الخطيب: أخبرني عبيد الله بن أبي الفتح قال سمعت أبا الحسن الدارقطني ذكر الحسن بن إبراهيم بن عبد المجيد المقرء فقال هو من الثقات قرأت في كتاب أبي القاسم بن الثلاج بخطه

[2] قال الخطيب: حدثني الحسن بن محمد الخلال ان يوسف بن عمر القواس ذكر بن بطحا في جملة شيوخه الثقات.

وقال ايضاً: أخبرنا أبو بكر البرقاني حدثنا علي بن عمر الحافظ قال إبراهيم بن محمد بن علي بن بطحا ثقة فاضل قال لي عبد العزيز بن علي الوراق

کی وفات ہوئی (تاریخ بغداد ج ٦ ص ١٦٤)

□......**ماہِ صفر ۳۳۳ھ:** میں حضرت ابوبکر محمد بن محمد بن وشاح لخمی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابن اللباد کے نام سے مشہور تھے، آپ یحییٰ بن عمر رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، اور علم کا سمندر شمار ہوتے تھے، آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے، جس میں سے چند کے نام یہ ہیں:

عصمة الانبياء، كتاب الطهارة، مناقب مالک

(سیر اعلام النبلاء ج ١٥ ص ٣٦٠)

□......**ماہِ صفر ۳۳۳ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن فرج بن ابو طاہر دقاق رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [1]

آپ ابن البیاض کے نام سے مشہور تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں، احمد بن سلمان النجاد، علی بن محمد بن زبیر کوفی، عبداللہ بن اسحاق بغوی، احمد بن عثمان بن آدمی، جعفر خلدی اور ابوبکر شافعی رحمہم اللہ، آپ کی وفات جمعرات کے دن ۲۹ شعبان ۴۱۵ھ میں ہوئی (تاریخ بغداد ج ١ ص ٣٥٣)

□......**ماہِ صفر ۳۳۴ھ:** میں حضرت عباسی خلیفہ ابوالقاسم عبداللہ بن علی مکتفی کی خلافت کے لئے بیعت ہوئی۔

اس دن صفر کی تین تاریخ اور ہفتہ کا دن تھا، یہ ایک سال چار مہینے اور چند دن خلیفہ رہے۔

(مروج الذهب ج ٢ ص ١٩٠)

□......**ماہِ صفر ۳۳۵ھ:** میں حضرت ابوبکر محمد بن جعفر بن احمد بن یزید صیرفی مطیری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [2]

آپ بغداد میں رہتے تھے، حسن بن عرفہ، علی بن حرب، یحییٰ بن عیاش قطان، عباس بن عبداللہ ترقفی، عباس بن محمد دوری، حسن بن علی بن عفان کوفی، ابوالبختری عبداللہ بن محمد بن شاکر عنبری رحمہم

---

[1] قال الخطيب: كان شيخا فاضلا دينا صالحا ثقة من أهل القرآن.

[2] قال الدارقطني هو ثقة مأمون.

قال الخطيب: أخبرنا الحسين بن على الطناجيرى قال أنبأنا على بن عمر بن احمد الحافظ قال كان المطيرى صدوقا ثقة.

وقال ايضاً: أخبرنا أحمد بن أبى جعفر القطيعى قال قال لنا أبو محمد جعفر محمد بن على الطاهرى وكان أبو بكر المطيرى ينزل فى درب خزاعة وكان حافظا للحديث وكان لا بأس به فى دينه والثقة.

اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوالحسین بن بواب، ابوالحسن دار قطنی، ابوحفص بن شاہین رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۱۴۶)

□......**ماہِ صفر ۳۳۶ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن قاسم بن محمد الاموی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

آپ کا تعلق قرطبہ سے تھا، اور ''جالطی'' کے نام سے مشہور تھے، ابوعبید الجبیری، ابوعبداللہ الرباحی، ابوبکر الزبیدی، ابوبکر بن الاحمر القرشی رحمہم اللہ اور بہت سے حضرات سے حدیث کی سماعت کی، آپ نے ۱۳۷ھ میں حج کیا، اور حج کے دوران بڑے بڑے حضرات سے مستفید ہوئے، آپ علم وادب، درایت وروایت، حافظہ، دین اور اصلاح، اچھے اخلاق کے مالک تھے، فقہ کے ماہر تھے، اس کے علاوہ معاملات کی تحریرات وغیرہ لکھنے میں خصوصی مہارت کے حامل تھے، ابنِ بشکوال فرماتے ہیں کہ آپ حلیم وبردبار، ادیب وظریف تھے۔ جامع مسجد زہراء (اندلس کی شہرہ آفاق مسجد) میں آپ پیش امام مقرر کئے گئے، آپ آخری خطیب تھے، جو اس کے منبر پر کھڑے ہوئے، اسی طرح خلیفہ ہشام بن حکم کی پولیس کے امور کے انتظام کے عہدہ پر بھی رہے، لیکن آپ کا خاتمہ اور دنیا سے کوچ دنیا سے بڑی سعادت اور نیک بختی کے ساتھ ہوا، جب قرطبہ پر بربریوں نے یورش کر کے غلبہ پایا، تو آپ اپنے اہل وعیال کی مدافعت کرتے ہوئے، بربریوں کے ہاتھوں مقتول وشہید ہوئے (الصلة لابن بشکوال ج ۱ ص ۱۵۷)

□......**ماہِ صفر ۳۳۸ھ**: میں حضرت ابوعقیل احمد بن عیسیٰ بن زید بن حسن بن عیسیٰ بن موسی بن ہادی بن مہدی سلمی قزاز رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

احمد بن سلمان نجاد، ابوبکر شافعی اور احمد بن نصر بن اشکاب بخاری رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، آپ کی وفات ۳ شوال اتوار کے دن ۴۲۱ھ میں ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۴ ص ۲۸۴)

□......**ماہِ صفر ۳۳۸ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن دینار نیساپوری حنفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [1]

آپ ابنِ دینار کے نام سے مشہور تھے، محمد بن اشرس، سری بن خزیمہ، حسین بن فضل مفسر، احمد بن

---

[1] قال الذهبی: ابن دینار الامام الفقیه المأمون الزاهد العابد.
قال الخطیب: کان ثقة.

سلمہ رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، عمر بن شاہین اور ابوعبداللہ حاکم رحمہما اللہ اور بہت سے حضرات نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، عمر بن شاہین اور ابوعبداللہ حاکم رحمہما اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، امام حاکم رحمہ اللہ آپ کی تعظیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ دن کو روزہ رکھتے تھے، اور رات کو قیام کرتے تھے، اور فقر وفاقہ پر صبر کرتے تھے، میں نے اصحاب الرائے میں ان سے زیادہ عبادت کرنے والا نہیں دیکھا، آپ کثرتِ عبادت اور فقر وفاقہ پر صبر کی وجہ سے فتویٰ دینے سے رک گئے تھے، اور اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے، اور صدقہ کرتے تھے، اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے، اور ہر دس سال بعد حج کرتے، اور ہر تین سال بعد جہاد کے سفر کے لئے نکلتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا کہ میرا بیٹا دنیا سے محبت رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ دنیا کو ناپسند فرماتے ہیں، اس لئے میں اس شخص (یعنی بیٹے) سے محبت نہیں رکھتا، جو اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیز سے محبت رکھتا ہے (تاریخِ بغداد ج۵ ص ۱۴۵، سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۳۸۳)

□......**ماہِ صفر ۳۳۹ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن یحییٰ بن یحییٰ بن یحییٰ اللیثی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [1]

آپ قرطبہ کے رہنے والے تھے، آپ کی ولادت ۱۳ ذی الحجہ ۲۸۴ھ میں ہوئی، عبیداللہ بن یحییٰ، محمد بن عمر بن لبابہ احمد بن خالد، ابن المنذر، ابوجعفر عقیلی، ابن الاعرابی، محمد بن مؤمل عدوی، ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی، ابنِ زبان، محمد بن محمد بن نفاخ باہلی، محمد بن محمد بن لباد اور احمد بن احمد بن زیاد رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں (تاریخ علماء الاندلس ج ۱ ص ۱۶۰)

□......**ماہِ صفر ۳۴۰ھ:** میں حضرت ابوالحسن علی بن احمد بن اسحاق بن ابراہیم بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [2]

عبداللہ بن محمد بن ابی مریم، یوسف بن یزید قراطیسی، محمد بن عمرو بن خالد، ابوحارثہ احمد بن ابراہیم غسانی اور مقدام بن داؤد رعینی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، قاضی علی بن محمد بن اسحاق

---

[1] قال ابن الفرضی: وکان :حافظا للرأی، معتنیا بالآثار، جامعا للسنن، متصرفا فی علم الإعراب، ومعانی الشعر. وکان شاعرا مطبوعا.

[2] قال الذهبی: البغدادی الشیخ المحدث الثقة.

حلبی، ابوعبداللہ بن مندہ، منیر بن احمد، ابومحمد بن نحاس، احمد بن محمد بن عبدالوہاب دمیاطی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص۴۷۵)

□......**ماہِ صفر ۳۴۱ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن عیشونہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ اندلس کے مشہور مقام ''طیطلہ'' کے رہنے والے تھے، آپ ایک بڑے فقیہ انسان تھے، اور فقہ کے مسائل پر آپ کو بڑی دسترس حاصل تھی، آپ کی فقہ پر ایک کتاب بھی ہے، اس کے علاوہ ''توجیہ حدیث المؤطا'' کے نام سے بھی ایک کتاب ہے، طیطلہ میں وسیم بن سعدون، وہب بن عیسیٰ، قرطبہ میں احمد بن خالد، محمد بن عبدالملک بن ایمن اور قاسم بن اصبغ رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، طیطلہ میں پیر کے دن ۹ صفر کو آپ کی وفات ہوئی (تاریخ علماء الاندلس ج۱ ص۱۶۱)

□......**ماہِ صفر ۳۴۳ھ:** میں حضرت ابوہارون موسیٰ بن محمد بن ہارون بن موسیٰ بن یعقوب بن ابراہیم بن مسعود بن حکم انصاری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [1]

محمد بن عبیداللہ بن منادی، عیسیٰ بن جعفر وراق، احمد بن ملاعب، ابوقلابہ رقاشی، محمد بن حسین حنینی، عبداللہ بن روح مدائنی، محمد بن سلیمان باغندی، احمد بن علی خراز، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، اسماعیل بن اسحاق قاضی، حارث بن ابی اسامہ، علی بن محمد بن ابی الشوارب، ابوالعباس کدیمی، احمد بن عبیداللہ نرسی، یزید بن ہیثم بادا اور حسن بن علی معمری رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، احمد بن محمد بن صلتب مجبر، عبدالقاہر بن محمد بن عتر موصلی رحمہما اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔
(تاریخِ بغداد ج۱۳ ص۶۱)

□......**ماہِ صفر ۳۴۴ھ:** میں حضرت ابوالحسن احمد بن سعد بغدادی رحمہ اللہ انتقال ہوا۔ [2]

آپ مصر میں رہتے تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابومسلم کجی، محمد بن نصر صائغ، محمد بن عبدوس بن کامل اور ابراہیم بن ہاشم بغوی رحمہم اللہ، ابومحمد عبدالرحمٰن بن عمر نحاس آپ کے شاگرد ہیں، منگل کے دن ۴ صفر کو آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۴ ص۱۸۳)

□......**ماہِ صفر ۳۴۴ھ:** میں حضرت ابوالقاسم یحییٰ بن محمد بن یحییٰ قصبانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [3]

---

[1] قال الخطیب: کان ثقة

[2] قال الخطیب: کان حافظا صادقا.

[3] قال الخطیب: کان ثقة.

آپ کی ولادت ۲۶۰ھ میں ہوئی، احمد بن اسماعیل بن ابی محمد یزیدی، محمد بن عبدالرحیم اصبہانی مقری، ابواحمد اور محمد بن موسیٰ بن حماد بربری رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوحفص بن شاہین، ابوالقاسم بن ثلاج اور ابواسحاق ابراہیم بن احمد طبری رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (تاریخ بغداد ج۱۴ ص۲۳۵)

□......**ماہِ صفر ۳۴۷ھ:** میں شیخ النحو حضرت ابومحمد، عبداللہ بن جعفر بن درستویہ بن مرزبان فارسی نحوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [1]

آپ ابنِ درستویہ کے نام سے مشہور تھے، اور مشہور نحوی عالم مبرد کے شاگرد تھے، آپ کی چند مشہور کتب کے نام یہ ہیں:

الارشاد فی النحو، شرح کتاب الجرمی، الهجاء، شرح الفصیح، غریب الحدیث، أدب الکاتب، المذکر والمؤنث، المقصور والممدود المعانی فی القراء ات.

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: یعقوب الفسوی، عباس بن محمد دوری، یحییٰ بن ابی طالب، ابومحمد بن قتیبہ، عبدالرحمٰن بن محمد کربزان اور محمد بن حسن حنینی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: دارقطنی، ابنِ شاہین، ابنِ مندہ، ابنِ زرقویہ، ابنِ فضل القطان، اور ابوعلی بن شاذان رحمہم اللہ، آپ کی ولادت ۲۵۸ھ میں ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص۵۳۲)

□......**ماہِ صفر ۳۴۷ھ:** میں حضرت ابوعلی احمد بن فضل بن عباس بن خزیمہ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ کی ولادت ۲۶۳ھ میں ہوئی۔ [2]

آپ ابنِ خزیمہ کے نام سے مشہور تھے، عبداللہ بن روح مدائنی، احمد بن سعید جمال، احمد بن عبیداللہ نرسی، ابوقلابہ رقاشی، محمد بن ابوالعوام ریاحی، جعفر صائغ، ابوالاحوص محمد بن ہیثم، محمد بن مسلمہ واسطی، ابواسماعیل ترمذی اور حارث بن ابی اسامہ رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام دارقطنی، ابوالحسن

---

[1] قال الذهبی: کان ثقة.

وقال ایضاً: وثقه ابن مندة وغیره. وضعفه اللالکائی هبة الله، وقال: بلغنی عنه أنه قیل له: حدث عن عباس الدوری حدیثا، ونعطیک درهما ففعل، ولم یکن سمع منه.

[2] قال الخطیب: کان ثقة.

قال الذهبی: ابن خزیمة الشیخ المحدث الثقة.

بن رزقویہ، ابوالحسن بن فضل، علی بن بشران اور عبدالملک بن بشران رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، اتوار کے دن ۱۴ صفر کو آپ کی وفات ہوئی، اور اتوار ہی کے دن آپ کی تدفین ہوئی۔
(تاریخِ بغداد ج۴ ص۳۴۷، سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص۵۱۶)

□......**ماہِ صفر ۳۴۹ھ:** میں حضرت ابومحمد عباس بن محمد بن عباس جوہری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابن الجوہری کے نام سے مشہور تھے، ابوالقاسم بغوی، ابوعروبہ حرانی، ابوبکر بن ابی داؤد، یحییٰ بن صاعد اور محمد بن ہارون حضرمی رحمہم اللہ اور ان کے طبقے سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوعبداللہ حاکم بن بیع رحمہ اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تاریخِ بغداد ج۱۲ ص۱۶۰)

□......**ماہِ صفر ۳۴۹ھ:** میں حضرت ابوالقاسم عبداللہ بن عمرو بن محمد بن حسین بن یزید بن غزوان کرابیسی بخاری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

حج کے سفر سے واپسی پر بغداد میں آپ کا انتقال ہوا، ابوعبدالرحمٰن بن ابی اللیث، عمر بن محمد بن بجیر اور احمد بن عبدالواحد بن رفید رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں (تاریخِ بغداد ج۱۰ ص۲۷)

□......**ماہِ صفر ۳۵۰ھ:** میں حضرت ابوجعفر عبداللہ بن اسماعیل بن ابراہیم بن عیسیٰ بن امیر المؤمنین منصور ابی جعفر عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ہاشمی بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [1]

آپ ابن بریہ کے نام سے مشہور تھے، اور جامع بغداد کے خطیب تھے، ۸۷ سال کی عمر میں انتقال ہوا، احمد بن عبدالجبار عطاردی اور ابوبکر بن ابی الدنیا رحمہما اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابوالحسن بن رزقویہ، ابوالقاسم بن منذر، احمد بن عبداللہ بادی اور ابوعلی بن شاذان رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔
(سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص۵۵۲)

□......**ماہِ صفر ۳۵۱ھ:** میں حضرت ابوبکر احمد بن محمد بن جعفر بن احمد بن خلیع بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [2]

آپ مصر میں رہتے تھے، اور بشر بن موسیٰ رحمہ اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوالفتح بن مسرور بلخی رحمہ اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، مصر میں ہی آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۴ ص۴۰۸)

---

[1] قال الذهبی: وثقه الخطیب.

[2] قال الخطیب: کان من الثقات الموجودین

□......**ماہِ صفر ۳۵۱ھ:** میں حضرت ابوالحسن علی بن طلحہ بن محمد بن عمر مقری رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [1]
آپ ابن بصری کے نام سے مشہور تھے، مالک قطیعی، ابنِ ماسی، حسین بن علی نیشاپوری، ابراہیم بن احمد بن جعفر، عبدالعزیز بن جعفر خرقیین، ابوحفص بن زیات، محمد بن مظفر، ابوبکر ابہری، ابوعمر بن حیویہ اور ابوالحسین بن سمعون رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کی وفات اتوار کے دن ۲۵ ربیع الآخر ۴۳۴ھ میں ہوئی، اوراسی دن تدفین ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۴۴۲)

□......**ماہِ صفر ۳۵۴ھ:** میں حضرت ابوالحسن شاکر بن عبداللہ مصیصی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [2]
محمد بن موسیٰ نہر تیری، عمر بن سعید منبجی، حسن بن احمد بن ابراہیم بن فیل انطاکی، ابوسعید حسن بن علی فقیہ، محمد بن عبدالصمد بن ابی الجراح، ایوب بن سلیمان عطار اور محمد بن ابراہیم بن بطال یمامی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابوالحسن بن رزقویہ، عبداللہ بن یحییٰ سکری، محمد بن طلحہ نعالی، علی بن احمد رزاز رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں (تاریخِ بغداد ج ۹ ص ۳۰۰)

□......**ماہِ صفر ۳۵۵ھ:** میں حضرت ابوالقاسم عبیداللہ بن ابوالفتح احمد بن عثمان بن فرج بن ازہر بن ابراہیم بن قیم صیرفی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی، آپ ابن السوادی کے لقب سے مشہور تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابنِ مالک قطیعی، ابومحمد بن ماسی، حسین بن محمد بن عبید عسکری، ابوسعید حرقی، ابوحفص بن زیات، علی بن محمد بن لؤلؤ، محمد بن مظفر اور علی بن عبدالرحمٰن بکائی کوفی رحمہم اللہ، آپ کی وفات منگل کے دن ۹ صفر ۴۳۵ھ میں ہوئی، اوراگلے دن تدفین ہوئی، آپ حدیث کی کتابت وسماعت میں بہت بڑا حصہ رکھتے تھے، حدیث کی جمع وتالیف اور تفہیم وتشریح کرنے والوں میں سے تھے، صداقت ودیانت، صحت وثابت قدمی، سلامتیٔ مذہب اور حسنِ اعتقاد کے ساتھ، درسِ قرآن کی مداومت کرتے تھے، آپ کی بڑی بڑی عظیم وضخیم کتب کا تذکرہ ملتا ہے۔
(تاریخِ بغداد ج ۱۰ ص ۳۸۵)

□......**ماہِ صفر ۳۵۵ھ:** میں حضرت ابوبکر احمد بن عباس بن عبیداللہ مقری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔
آپ ابن امام کے نام سے مشہور تھے، ابوالقاسم بغوی رحمہ اللہ آپ کے استاد ہیں، امام ابوعبداللہ حاکم

---

[1] قال الخطيب: كتبنا عنه ولم يكن به بأس .
[2] قال الخطيب: وما علمت من حاله الا خيرا.

رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں، رےّ کے مقام پر آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۴ ص ۳۳۰)

□...... **ماہِ صفر ۳۵۶ھ:** میں حضرت ابوالحسن علی بن عبداللہ بن حمدان کی وفات ہوئی۔

آپ کا لقب سیف الدولہ تھا، آپ کی ولادت ۳۰۱ھ میں ہوئی، جمعہ کے دن نماز جمعہ سے قبل وفات ہوئی، قاضی علوی نے آپ کی جنازہ پڑھائی، ۲۰ سال تک حکومت کی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۱۸۸)

□...... **ماہِ صفر ۳۵۶ھ:** میں حضرت ابوعباس محمد بن احمد بن حمدان بن علی بن عبداللہ بن سنان رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [1]

آپ مشہور زاہد ابوعمر رحمہ اللہ کے بھائی تھے، آپ کی ولادت ۲۷۳ھ میں ہوئی، محمد بن ایوب رازی، محمد بن ابراہیم بوشنجی، محمد بن عمرو قشمرد، محمد بن نعیم، حسن بن علی بن زیاد سری، موسیٰ بن اسحاق انصاری، قاضی عبداللہ بن ابی الخوارزمی، ابراہیم بن علی ذہلی، تمیم بن محمد طوسی، حسین محمد قبانی، محمد بن نضر بن سلمہ جارودی، ابوعمرو احمد بن نصر خفاف، عمران بن موسیٰ بن مجاشع، ابوالفضل احمد بن سلمہ نیشاپوری، علی بن حسین بن جنید، ابراہیم بن ابی طالب، ابنِ خزیمہ اور سراج رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوبکر برقانی، احمد بن محمد بن عیسیٰ، احمد بن محمد بن ابراہیم بن قطن، ابوسعید احمد بن محمد بن یوسف کرابیسی اور احمد بن ابی اسحاق رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

ابنِ ارسلان اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ میں نے حافظ ابوسعید کی ایک تحریر میں یہ لکھا ہوا دیکھا کہ جس وقت ابوالعباس کو مرضِ وفات شروع ہوا، تو مسلمانوں میں بہت غم تھا، تو ابوالعباس ازہری نے خواب میں دیکھا کہ ابوالعباس ہمارے پاس آ گئے ہیں، پس جو بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرے گا، اس کی مغفرت ہو جائے گی، شہر میں یہ خبر پھیل گئی، اور اہلِ شہر فوج درفوج آنے لگے، اور ان کے لئے مغفرت طلب کرنے لگے، ۱۵ دن آپ کا مرضِ وفات رہا، جمعہ کی رات آپ کی زبان بھی بند ہو گئی، صرف لا الٰہ الا اللہ کی آواز سنائی دیتی تھی۔

ہفتہ کے دن ۱۱ صفر کو آپ کو وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۱۹۶)

□...... **ماہِ صفر ۳۵۶ھ:** میں حضرت ابویعلیٰ حسن بن محمد بن حسن بن فاقہ رزاز رحمہ اللہ کی ولادت

---

[1] قال الذهبي: وكان حافظا للقرآن، عارفا بالحديث، والتاريخ، والرجال، والفقه، كافا عن الفتوى.

ہوئی۔ [1]

ابوبکر بن مالک قطیعی، ابومحمد بن ماسی اور قاضی ابوالحسن جراحی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ربیع الآخر ۴۴۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۷ ص ۴۲۶)

□...... **ماہِ صفر ۳۵۷ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ حسین بن علی بن احمد بن عبداللہ حریری رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

آپ ابنِ جمعہ کے نام سے مشہور تھے، ابوبکر بن مالک قطیعی، عبداللہ بن ابراہیم بن ماسی، ابوسعید حرقی، سہل بن احمد دیباجی، محمد بن مظفر، ابوالحسن دارقطنی اور علی بن عمر حربی رحمہ اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، جمعرات کے دن ۱۳ رمضان ۴۳۳ھ کو آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۸ ص۷۸)

□...... **ماہِ صفر ۳۵۷ھ:** میں حضرت ابوالحسن علی بن عیسیٰ بن سلیمان بن محمد بن سلیمان بن ابان بن اصفروخ نفری رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

آپ کی ولادت بغداد میں ہوئی، آپ نے قاضی ابوبکر محمد اشعری کی مصاحبت پائی، اور ان سے علمِ کلام کا درس لیا، قرآن اور قراأت حفظ کرتے تھے، علمِ ادب کی مختلف شاخوں میں صاحبِ فن تھے، آپ کے کلام کا بڑا ضخیم دیوان بھی تھا، جس کا کچھ حصہ مدحِ صحابہ، روافض اور ان کے شعائر کی تردید پر مشتمل تھا، منگل کے دن یکم شعبان ۴۱۳ھ میں آپ کو وفات ہوئی، اور اگلے دن باب الدیر کے مقبرہ میں آپ کو دفن کیا گیا، اسی قبرستان میں مشہور بزرگ حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ بھی مدفون ہیں (تاریخِ بغداد ج ۱۲ ص۱۷)

□...... **ماہِ صفر ۳۵۷ھ:** میں حضرت ابوسعید احمد بن محمد بن رمیح بن عصمہ بن وکیع بن رجاء نخعی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [2]

---

[1] قال الخطيب: كتبت عنه وكان يتشيع وسماعه صحيح .

[2] قال الخطيب: حدثني علي بن محمد بن نصر قال سمعت حمزة بن يوسف يقول سألت أبا زرعة محمد بن يوسف عن احمد بن محمد بن رميح النسوي فأومأ إلى أنه ضعيف أو كذاب قال حمزة الشك مني .قال لي أبو نعيم الحافظ كان أبو سعيد أحمد بن محمد بن رميح النسوي ضعيفا والأمر عندنا بخلاف قول أبي زرعة وأبي نعيم فإن ابن رميح كان ثقة ثبتا لم يختلف شيوخنا الذين لقوه في ذلك .أخبرنا أبو بكر البرقاني قال قال لي أبو الفتح محمد بن أبي الفوارس كان أحمد بن محمد بن رميح النسوي ثقة في الحديث .أخبرنا الحسين بن محمد أخو الخلال عن أبي سعيد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: محمد بن اسحاق بن خزیمہ، محمد بن اسحاق سراج، عبداللہ بن محمد شیرویہ، عبداللہ بن محمود مروزی، محمد بن فضل سمرقندی، عمر بن محمد بن بجیر ہمدانی، محمد بن عقیل بلخی، ابراہیم بن یوسف ہسنجانی، عمرو بن اسماعیل بن ابی غیلان بغدادی، عبداللہ بن اسحاق مدائنی، محمد بن محمد باغندی، ابوخلیفہ فضل بن حباب جمحی، زکریا بن یحییٰ ساجی، عبدان اہوازی، محمد بن حسین اشنانی، عبداللہ بن زیدان، فضل بن محمد جندی، محمد بن زبان مصری، محمد بن حسن بن قتیبہ عسقلانی، عبداللہ بن محمد بن سلم مقدسی اور حسین بن عبداللہ بن یزید رقی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابوالحسن دارقطنی، ابوحفص بن شاہین، ابوالحسن بن رزقویہ، ابوعلی بن دوما، عبدالرحمٰن بن محمد سراج نیشاپوری رحمہم اللہ، آپ ایک طویل مدت تک یمن میں مقیم رہے، اس کے بعد ۳۵۰ھ میں بغداد تشریف لے گئے، بغداد کے بعد تین سال تک نیشاپور میں رہے، اس کے بعد دوبارہ بغداد آ گئے، پھر آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، حج کے بعد آپ کی جحفہ کے مقام پر وفات ہوئی، اور یہیں پر دفن ہوئے۔
(تاریخِ بغداد ج ۵ ص ۷)

□ ...... **ماہِ صفر ۳۵۸ھ:** میں حضرت ابوالحسین ثوابہ بن احمد بن عیسیٰ بن ثوابہ بن مہران بن عبداللہ موصلی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [۱]

ابویعلیٰ احمد بن علی بن مثنیٰ، احمد بن حسین جرادی، عبداللہ بن ابی سفیان مواصلہ، محمد بن اسماعیل بن نباتہ فارقی، احمد بن محمد بن بکر بالسی اور ابوعبیدہ احمد بن عبداللہ بن احمد بن ذکوان دمشقی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابوالحسن دارقطنی، ابوالحسین بن رزقویہ، بلجہ بن علی بن صقر کتانی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، مصر میں آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۷ ص ۱۴۹)

□ ...... **ماہِ صفر ۳۵۸ھ:** میں حضرت ابوعامر علی بن محمد بن احمد بن سلیمان قرشی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [۲]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الإدريسى قال أحمد بن محمد بن رميح النسوى لم أرزق السماع منه ذكر لى أصحابنا حفظه وتيقظه ومعرفته فى الحديث أخبرنا محمد بن على المقرء عن محمد بن عبد الله الحافظ النيسابورى قال أحمد بن محمد بن رميح النخعى أبو سعيد الحافظ ثقة مأمون .

[۱] قال الخطيب: كان صدوقا .

[۲] قال الخطيب: كان صدوقا

جمعرات کے دن ۱۵ ر جب ۴۴۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۲ ص ۱۰۲)

□...... **ماہِ صفر ۳۵۹ھ:** میں حضرت ابوبکر احمد بن یوسف بن خلاد بن منصور نصیبی بغدادی عطار رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [1]

محمد بن فرج ازرق، حارث بن ابی اسامہ، محمد بن یوسف کدیمی، محمد بن غالب تمتام اور ابراہیم حلبی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، دارقطنی، ابنِ زرقیہ، ہلال حفار، ابوعلی بن شاذان، محمد بن عبدالواحد بن رزمہ اور ابونعیم رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۷۰)

□...... **ماہِ صفر ۳۵۹ھ:** میں حضرت ابوبکر احمد بن یوسف بن احمد بن خلاد بن منصور بن احمد بن خلاد عطار رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [2]

محمد بن فرج ازرق، حارث بن ابی اسامہ، اسماعیل بن اسحاق قاضی، محمد بن غالب تمتام، عبید بن شریک بزاز، احمد بن ابراہیم بن ملحان، محمد بن یونس کدیمی، احمد بن محمد بن صاعد، ابراہیم بن اسحاق حربی، اسحاق بن حسن حربی اور محمد بن عثمان بن ابی شیبہ رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، ابوالحسن دارقطنی، ابوالحسن بن رزقویہ، محمد بن ابی الفوارس، قاضی ابوالفرج بن سمیکہ، ہلال بن محمد حفار، حسین بن شجاع صوفی، علی بن محمد ایادی، ابوعلی بن شاذان اور ابونعیم اصبہانی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تاریخِ بغداد ج ۵ ص ۲۲۰)

□...... **ماہِ صفر ۳۵۹ھ:** میں حضرت ابوبکر احمد بن عبداللہ بن محمد بن حمزہ عطشی بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، حسین بن محمد مطبقی، ابوسعید احمد بن محمد بن زیاد اعرابی رحمہما اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابوالحسن محمد بن احمد بن عبداللہ بن جوالیقی کوفی رحمہ اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔
(تاریخِ بغداد ج ۳ ص ۳۵۹)

□...... **ماہِ صفر ۳۶۰ھ:** میں حضرت ابوعلی عیسیٰ بن محمد بن احمد جریجی طوماری بغدادی رحمہ اللہ کا

---

[1] قال الخطيب :كان لا يعرف شيئا من العلم، غير أن سماعة صحيح، وقد سأل أبا الحسن الدارقطني فقال :أيما أكبر الصاع أو المد ؟، فقال للطلبة :انظروا إلى شيخكم .وقال أبو نعيم :كان ثقة .وكذا وثقة أبو الفتح بن أبي الفوارس، وقال :لم يكن يعرف من الحديث شيئا.
قال الذهبي: ابن خلاد ،الشيخ الصدوق المحدث، مسند العراق،

[2] قال الخطيب: كان ثقة مضى أمره على جميل ولم يكن يعرف الحديث .

انتقال ہوا۔ [1]

آپ طوماری کے لقب سے مشہور تھے، آپ ابنِ جریج رحمہ اللہ کی اولاد میں ہیں، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: حارث بن ابی اسامہ، ابوبکر بن ابی الدنیا، ابراہیم حربی، بشر بن موسیٰ، محمد بن یونس کدیمی، جعفر بن ابی عثمان طیالسی، محمد بن احمد بن براء، حسین بن فہم، ابراہیم الحربی، مطین کوفی اور عبداللہ بن محمد بن ناجیہ رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابنِ رزقویہ، علی بن عبداللہ عیسوی، ابنِ داؤد رزاز، ابوعلی بن شاذان، ابونعیم حافظ، علی بن احمد رزاز، ابوعبداللہ خالع، محمد بن جعفر بن علان، احمد بن محمد بن ابوجعفر اخرم، رحمہم اللہ، عاشوراء (یعنی دس محرم) کے دن ۲۶۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۶۵، تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۱۷۶)

□...... **ماہِ صفر ۳۶۱ھ:** میں حضرت ابوالازہر عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن بن محمد بن یزداد رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ آپ کی ولادت ۲۷۸ھ میں ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۳۰)

□...... **ماہِ صفر ۳۶۲ھ:** میں حضرت ابوالعباس اسماعیل بن عبداللہ بن محمد بن میکال رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [2]

عبدان اھوازی، ابوالعباس السراج، ابنِ خزیمہ اور علی بن سعید عسکری رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوعلی حافظ، ابوالحسین حجاجی، ابوعبداللہ حاکم اور عبدالغافر فارسی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ۹۲ سال کی عمر میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۱۵۷)

□...... **ماہِ صفر ۳۶۴ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن طلحہ بن علی بن صقر بن عبدالمجیب کتانی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [3]

ابوعمر بن حیویہ، محمد بن زید بن علی بن مروان انصار، ابوالقاسم بن حبابہ، ابوطاہر مخلص اور قاضی ابوبکر بن ابی موسیٰ ہاشمی رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کی وفات ہفتہ کی رات ۱۸ ربیع الاول ۴۴۲ھ میں ہوئی، اور ہفتہ کے دن شونیزی کے مقبرہ میں دفن ہوئے (تاریخِ بغداد ج ۵ ص ۳۸۴)

---

[1] قال الذھبی: الطوماری الشیخ المحدث المعمر، مسند العراق.

[2] قال الذھبی: ابن میکال الشیخ الامام الادیب، رئیس خراسان.

[3] قال الخطیب: کتبت عنه وکان صدوقا دینا من أھل القرآن

□......**ماہِ صفر ۳۶۴ھ:** میں حضرت ابوالفرج احمد بن قاسم بن عبیداللہ بن مہدی بغدادی بن خشاب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [1]

محمد بن محمد باغندی، محمد بن جریر، عبداللہ بن اسحاق مدائنی، ابوالقاسم بغوی، ابوجعفر طحاوی اور محمد بن ربیع جیزی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، تمام رازی، بقاء خولانی، عبدالوہاب میدانی، مکی بن مغمر اور محمد بن عوف مزنی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۱۵۲)

□......**ماہِ صفر ۳۶۴ھ:** میں حضرت ابوہاشم عبدالجبار بن عبدالصمد بن اسماعیل مقری سلمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابوعبیدہ احمد بن عبداللہ بن ذکوان، محمد بن خریم، ابوشیبۃ داؤد بن ابراہیم، علی بن احمد علان، جعفر بن احمد بن عاصم، قاسم بن عیسیٰ عصار، محمد بن معافا صیداوی اور سعید بن عبدالعزیز رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: تمام رازی، ابوالحسن بن جہضم، علی بن بشری عطار، مکی بن غمر، محمد بن عوف اور عبدالوہاب میدانی رحمہم اللہ، آپ کی ولادت ۲۸۶ھ میں ہوئی۔
(سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۱۵۳)

□......**ماہِ صفر ۳۶۵ھ:** میں حضرت ابوالحسن علی بن عبداللہ بن وصیف حلاء کی وفات ہوئی۔

آپ مشہور شاعر تھے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۲۲۲)

□......**ماہِ صفر ۳۶۶ھ:** میں اندلس کے امیر امیر المومنین ابوالعاص حکم بن عبدالرحمٰن بن محمد کی وفات ہوئی۔

آپ کا لقب المستنصر باللہ اموی مروانی تھا، آپ کی ولادت ۳۰۲ھ میں ہوئی، اپنے والد کی وفات کے بعد رمضان ۳۵۰ھ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی، آپ مثالی سیرت، مختلف علوم کے جامع، اخلاقِ فاضلہ سے آراستہ، صاحبِ قدر و منزلت، علمی شئون و مراتب میں بہت اونچے درجے پر فائز، مطالعۂ کتب میں غرق رہنے والے تھے، کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ آپ نے جمع کیا کہ بادشاہوں میں سے بھی کوئی نہ جمع کر پایا ہو، کتابوں کی تلاش و جستجو میں رہتے، اور ان کے حصول میں بڑا مال خرچ کرتے، دور دراز کے ممالک و شہروں سے مہنگی مہنگی کتب آپ کے لئے فراہم کی جاتیں

[1] قال الذھبی: ابن الخشاب الحافظ الاوحد.

(سیر اعلام النبلاء ج۸ ص ۱۷۲)

□...... **ماہِ صفر ۳۶۹ھ**: میں ابوحفص عمر بن احمد بن یوسف رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [1]

آپ ابونعیم یا ابنِ نعیم کے لقب سے مشہور تھے، علی بن حسین بن حبان، ہارون بن یوسف بن زیاد، احمد بن حسن بن عبدالجبار صوفی، احمد بن محمد بن نصر ضبعی، محمد بن قاسم بن ہاشم سمسار، عباس بن علی نسائی، اسماعیل بن اسحاق بن حصین معمری، سلیمان بن عیسیٰ جوہری اور مفضل بن محمد جندی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، محمد بن ابی الفوارس، محمد بن جعفر بن علان وراق، محمد بن عمر بن بکیر نجار، بشری بن عبداللہ رومی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۲۵۷)

□...... **ماہِ صفر ۳۷۰ھ**: میں معروف حکیم ابوعلی حسین بن عبداللہ بن حسن بن علی بن سینا بلخی بخاری کی ولادت ہوئی، آپ ابنِ سینا کے نام سے مشہور تھے، اور علمِ طب میں ''القانون'' آپ کی مشہور کتاب ہے، آپ علمِ طب، علمِ فلسفہ، اور علمِ منطق میں کئی کتابوں کے مصنف ہیں، آپ کی چند مشہور کتب کے نام یہ ہیں:

الانصاف (۲۰ جلدوں میں) البر والاثم (۲ جلدوں میں) الشفاء (۱۸ جلدوں میں) القانون (۲ جلدوں میں) الارصاد، النجاۃ (۳ جلدوں میں) الاشارات، القولنج، اللغۃ (۱۰ جلدوں میں) ادویۃ القلب، الموجز، المعاد، وغیرہ۔

۵۳ سال کی عمر میں رمضان ۴۲۸ھ میں ہمذان کے مقام پر وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۵۳۴)

□...... **ماہِ صفر ۳۷۱ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن حارث بن اسد خشنی قیروانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

قاسم بن اصبغ رحمہ اللہ وغیرہ آپ کے اساتذہ ہیں، آپ نے فقہ، تاریخ میں کئی کتب تصانیف فرمائی، اس کے ساتھ ساتھ آپ شاعر بھی تھے (طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۸۰، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۰۰۲)

□...... **ماہِ صفر ۳۷۱ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ عبدالکریم بن علی بن احمد بن علی بن حسن بن عبداللہ تمیمی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [2]

آپ ابن السنی قصری کے لقب سے مشہور تھے، اور بغداد میں رہتے تھے، محمد بن عمران بن زنبور

---

[1] قال الخطیب: قال لنا بشری کان من معادن الصدق

[2] قال الخطیب: کان صدوقا دینا کثیر الدرس للقرآن.

وراق، قاضی ابومحمد بن اکفانی رحمہا اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کی وفات جمعرات کے دن ۸ محرم الحرام ۴۵۹ھ میں ہوئی، اور جمعہ کے دن باب حرب کے مقبرہ میں تدفین ہوئی۔
(تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۸۲)

□...... **ماہِ صفر ۳۷۲ھ**: میں حضرت ابوبکر محمد بن جعفر بن احمد بن حسین بن وہب حریری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

محمد بن جریر طبری، عبداللہ بن محمد بغوی، حسن بن محمی مخرمی، ابوبکر بن ابی داؤ داور عباس بن یوسف شکلی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوالحسن بن رزقویہ، ابوبکر برقانی، حسن بن عبداللہ رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، جمعہ کی رات آپ کی وفات ہوئی، اور جمعہ کے دن مشہور بزرگ حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کی قبر کے قریب تدفین ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۱۵۴)

□...... **ماہِ صفر ۳۷۴ھ**: میں حضرت ابوالحسین محمد بن محمد بن مظفر بن عبداللہ دقاق رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [1]

موسیٰ بن جعفر بن عرفہ سمسار، ابوالفضل زہری، علی بن عمر حربی، ابوالقاسم بن حبابہ اور ابوعبداللہ بن مرزبانی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کی ولادت جمعہ کی رات ۱۵ صفر کو ہوئی، اور وفات بھی جمعہ کے دن ۱۳ ربیع الاول ۴۴۸ھ میں ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۳ ص ۲۳۶)

□...... **ماہِ صفر ۳۷۴ھ**: میں حضرت قاضی ابورفاعہ عبدالغنی بن احمد بن کامل بن خلف بن شجرہ بن منصور بن کعب بن یزید رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

محمد بن اسماعیل بن علی بندار اور صالح بن ابی مقاتل رحمہما اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، حسین بن احمد بن عبداللہ بن بکیر اور ابوالقاسم بن ثلاج رحمہما اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، منگل کے دن آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۱۳۹)

□...... **ماہِ صفر ۳۷۵ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن احمد بن علی بن نصیر بن عبداللہ نصیری نیشاپوری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: محمد بن اسحاق سراج، محمد بن عمر بن حفص مقابری، احمد بن محمد بن

---

[1] قال الخطیب: کان صدوقا.

حسین ماسرجسی رحمہم اللہ، قاضی ابوالعلاء واسطی رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔
(تاریخِ بغداد ج ۱ ص ۳۲۲)

□...... **ماہِ صفر ۳۷۵ھ:** میں حضرت ابوسہل محمد بن احمد بن محمد بن حسنویہ نیشاپوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ حسنوی کے لقب سے مشہور تھے، ابوحامد احمد بن محمد بن یحییٰ بزار، ابوبکر محمد بن بن حسین قطان اور ابوطاہر محمد بن حسن رحمہم اللہ، آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا، جو لایعنی چیزوں سے ہمیشہ بچتے رہتے ہیں، آپ رمضان ۳۷۴ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے، اور بغداد، مکہ اور کئی شہروں میں حدیث کا درس دیتے ہوئے، اور حج کر کے واپس بغداد تشریف لائے، اور پیر کی رات ۱۲ صفر کو آپ کی ۵۹ سال کی عمر میں وفات ہوئی، اور بغداد میں خیزران کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔
(تاریخِ بغداد ج ۱ ص ۳۴۵)

□...... **ماہِ صفر ۳۷۵ھ:** میں حضرت ابوعلی حسن بن علی بن داؤد بن سلیمان بن خلف مطرز مصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [1]

محمد بن محمد بن بدر باہلی، ابوغسان قلزمی، عبدالکریم بن ابراہیم بن حبان مرادی، ابوشیبہ داؤد بن ابراہیم بن روزبہ بغدادی، کہمس بن معمر، علان صیقل اور ابوبشر دولابی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، علی بن عبدالعزیز طاہری، ابوبکر برقانی، احمد بن عبداللہ محاملی، محمد بن عمر بن بکیر مقری، قاضی ابوالعلاء واسطی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (تاریخِ بغداد ج ۷ ص ۳۸۸)

□...... **ماہِ صفر ۳۷۶ھ:** میں حضرت ابوالحسین علی بن حسن بن جعفر بزاز رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [2]

آپ ابن کرنیب کے نام سے مشہور تھے، اس کے لئے علاوہ آپ کو ابن العطار مخرمی بھی کہا جاتا ہے، حامد بن شعیب بلخی، حسن بن محمی مخرمی، محمد بن حسن اشنانی کوفی، محمد بن محمد بن باغندی، احمد بن ولید بن حوالی، قاسم بن نصر مخرمی اور ابوالقاسم بغوی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، برقانی،

---

[1] قال الخطيب: كان ثقة كتب الناس عنه بانتخاب الدارقطني

[2] قال الخطيب: كان يتعاطى الحفظ والمعرفة وكان ضعيفا ...... كان مخلطا فى الحديث.

عبدالعزیز ازجی، قاضی ابوالعلاء واسطی، ابوالقاسم تنوخی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کی ولادت ۲۹۸ھ میں ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۳۸۵)

□...... **ماہِ صفر ۳۷۷ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن زید بن علی بن جعفر بن محمد بن مروان بن راشد ابزاری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [۱]

عبداللہ بن محمد بن ناجیہ، عبداللہ بن صقر سکری، احمد بن ممتنع قرشی، ابوحازم ابراہیم بن محمد حضرمی، احمد بن عمر بن زنجویہ قطان، حامد بن محمد بن شعیب بلخی، محمد بن محمد عقبہ شیبانی کوفی اور محمد بن حسن اشنانی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، محمد بن فرج بن علی بزاز، ابوالفرج طناجیری، ابوالقاسم ازہری، علی بن محسن تنوخی اور حسن بن علی جوہری رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں (تاریخِ بغداد ج ۵ ص ۲۸۹)

□...... **ماہِ صفر ۳۷۷ھ:** میں حضرت ابوحامد احمد بن حسین بن علی مروزی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابن الطبری کے نام سے مشہور تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: احمد بن خضر مروزی، احمد بن محمد بن عمر منکدری، محمد بن عبدالرحمٰن دغولی، احمد بن محمد بن حارث بن عبدالکریم اور محمد بن رزام مروزی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابوبکر برقانی، قاضی ابوالعلاء واسطی، محمد بن حسین بن احمد بن بکیر، محمد بن مؤمل انباری اور احمد بن محمد عتیقی رحمہم اللہ، علی بن جعد اور علی بن خشرم کے اصحاب (تلمیذ) میں سے تھے، صاحبِ اجتہاد، راسخ ومتقن عالم تھے، حدیث کے حافظ، آثار میں بصیرت رکھنے والے تھے، نوجوانی کے وقت بغداد آئے، اور علم میں مشغول ہوکر تفقہ کے حامل ہونے کا مرتبہ حاصل کیا، امام کرخی سے فقہ حنفی کا علم حاصل کیا، پھر خراسان لوٹے، تو قاضی القضاء مقرر ہوئے، تصنیفی کام بھی کیا (تاریخِ بغداد ج ۴ ص ۱۰۷)

□...... **ماہِ صفر ۳۷۸ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن عباس بن احمد بن عصم بن ابی ذہل ضبی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [۲]

---

[۱] قال الخطيب: سألت أبا بكر البرقانى عن محمد بن زيد بن مروان فقال ثقة نبيل وسألته عنه مرة أخرى فقال ثقة أمين ،قال لى أبو القاسم الأزهرى قدم علينا أبو عبد الله بن مروان بغداد وحدث بها وكان ثقة جميل الظاهر

[۲] قال الخطيب: كان العصمى ثبتا ثقة نبيلا رئيسا جليلا من ذوى الاقدار العالية وله افضال بين على الصالحين والفقهاء والمستورين .

آپ عصمی کی نسبت سے مشہور تھے، اور ہرات سے آپ کا تعلق تھا، محمد بن عبداللہ مخلدی ہروی، محمد بن معاذ مالینی، حاتم بن محبوب شامی، مکی بن عبدان، ابوعمرو حیری، احمد بن خالد حزوری، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی، یحییٰ بن صاعد، ابوعمر محمد بن یوسف یعقوب القاضی اور ابوحامد محمد بن ہارون حضرمی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، محمد بن اسماعیل وراق، ابوالحسن دارقطنی، ابوالحسن بن فرات، محمد بن ابی الفوار، ابن رقویہ اور ابوبکر برقانی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، خطیب فرماتے ہیں کہ مجھے آپ کے بارے میں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ کے لئے دینار ڈھالے جاتے (ٹکسال خانوں میں پہلے زمانے میں پرائیویٹ طور پر بھی دراہم ودنانیز ڈھالنے کی سہولت ہوتی تھی) جن میں سے ہر دینار ڈیڑھ مثقال کا ہوتا، یا اس سے بھی زیادہ (حالانکہ عام مروج دینار ایک مثقال وزن کے ہوتے تھے) پھر آپ یہ دینار مستحقین پر صدقہ کرتے، پھر فرماتے کہ غریب فقیر کی خوشی اس وقت دیدنی ہوتی ہے، جب میں اسے کاغذ حوالے کرتا ہوں (جس میں دینار لپٹا ہوتا تھا) کاغذ لے کر وہ سمجھ رہا ہوتا کہ اس میں درہم (چاندی کے سکے) ہونگے، لیکن کھولنے پر دینار پر نظر پڑتی ہے، پھر وزن کرتا، تو بھی خلافِ توقع مثقال کے بجائے ڈیڑھ مثقال کا نکلتا ہے، یا زیادہ کا، آپ کی ولادت ۲۹۴ھ میں ہوئی، امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ سفر وحضر میں رہا میں ان سے اچھا وضو کرنے والا اور اچھی نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۳۸۲، تاریخِ بغداد ج ۳ ص ۱۲۱، طبقات الحفاظ ج ۳ ص ۱۰۰۶)

□ ...... **ماہِ صفر ۳۷۸ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ ضیاء بن احمد بن محمد بن یعقوب خیاط ہروی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

آپ مشرقی بغداد میں رصافہ کے مضافات میں رہتے تھے، عمر بن احمد بن شادران قرمیسینی، عیسیٰ بن احمد بن علی بن زید دینوری، محمد بن حسن بن شیبان ابلی اور علی بن احمد بن محمد بن غسان بصری رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ۴۵۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۹ ص ۳۴۶)

□ ...... **ماہِ صفر ۳۸۰ھ**: میں حضرت ابونصر محمد بن علی بن احمد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن حبان رزاز رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [1]

---

[1] قال الخطیب: کان صدوقا.

ابوالقاسم بن حبابہ، ابوطاہر مخلص، محمد بن عمر بن زنبور اور ابوالحسن جندی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، آپ کی وفات ذوالقعدہ ۴۴۴ھ میں ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۳ ص ۱۰۴)

□ ...... **ماہِ صفر ۳۸۰ھ**: میں حضرت ابوالحسن علی بن عمر بن سہل حریری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابوعروبہ حرانی، احمد بن عمیر جوصا دمشقی، محمد بن عبداللہ بن عبدالسلام اور احمد بن اسحاق بن بہلول تنوخی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: خلال، برقانی، احمد بن عمر بن روح نہروانی اور تنوخی رحمہم اللہ (تاریخِ بغداد ج ۱۲ ص ۲۱)

□ ...... **ماہِ صفر ۳۸۱ھ**: میں حضرت ابوالطیب عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بزاز رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [۱] اسحاق بن سنین ختلی، ابوقلابہ رقاشی، محمد بن غالب تمتام اور احمد بن بشر مرثدی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، محمد بن حسن یقطینی، دارقطنی، ابن الثلاج، عبداللہ بن عثمان صفار اور احمد بن فرج بن حجاج رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، عراق کے شہر موصل میں آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۰ ص ۱۲۵)

□ ...... **ماہِ صفر ۳۸۱ھ**: میں ابومحمد عبیداللہ بن احمد بن معروف بغدادی کی وفات ہوئی۔ [۲] آپ ابنِ معروف کے نام سے مشہور تھے، ابنِ صاعد، ابنِ حامد حضرمی، محمد بن نوح اور ابنِ نیروز انماطی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابومحمد خلال، عتیقی، عبدالواحد بن شیطا اور ابوجعفر بن مسلمہ رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۴۲۷)

□ ...... **ماہِ صفر ۳۸۱ھ**: میں حضرت ابوبکر احمد بن محمد بن احمد رزاز مقری رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [۳] آپ ابنِ حمدوہ کے نام سے مشہور تھے، ابوالحسین بن سمعون واعظ رحمہ اللہ اور ان کے طبقے سے حدیث کی سماعت کی (تاریخِ بغداد ج ۴ ص ۳۸۱)

□ ...... **ماہِ صفر ۳۸۴ھ**: میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن احمد بن مجمع بن مجیب بن معبد رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [۴]

---

[۱] قال الخطيب: أخبرنا البرقاني أخبرنا أبو الحسن الدارقطني قال أبو الطيب عبد الله بن محمد بن يحيى البزاز بن أخت العباسي حافظ ثقة

[۲] قال الذهبي: ابن معروف قاضي القضاة، شيخ المعتزلة.

[۳] قال الخطيب: كان صدوقا يسكن ناحية النصرية

[۴] قال الخطيب: كان صدوقا .

ابوالقاسم بن حبابہ، ابوحفص کتانی، ابوطاہر مخلص، محمد بن عبداللہ بن اخی میمی، محمد بن عمر بن زنبور وراق، ابوالقاسم بن صیدلانی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تاریخِ بغداد ج ۱۰ ص ۱۴۶)

☐...... **ماہِ صفر ۳۸۴ھ:** میں حضرت ابوالقاسم اسماعیل بن اسحاق بن ابراہیم قیسی قرطبی مالکی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [۱]

قاسم بن اصبغ، احمد بن عبادہ رعینی، محمد بن حافظ محمد بن عبدالسلام خشنی، احمد بن دحیم اور محمد بن معاویہ رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۵۰۳)

☐...... **ماہِ صفر ۳۸۵ھ:** میں حضرت ابوطاہر محمد بن علی بن محمد عبداللہ رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [۲]

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابوالفضل محمد بن حسن بن مامون ہاشمی، ابوالقاسم صیدلانی، حسن بن حسن نوبختی، محمد بن بکران رازی، اور ابنِ صلت مجبر رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، جمعرات کے دن یکم ربیع الآخر ۴۵۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی، اور شونیزی مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ (تاریخِ بغداد ج ۳ ص ۱۰۶)

☐...... **ماہِ صفر ۳۸۵ھ:** میں حضرت ابوالقاسم اسماعیل بن عباد بن عباس طالقانی کاتب کی وفات ہوئی۔ [۳]

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابومحمد بن فارس، احمد بن کامل قاضی رحمہما اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابوالعلاء محمد بن حسول، عبدالملک بن علی رازی، ابوبکر بن ابی علی ذکوانی، ابوالطیب طبری، ابوبکر مقری رحمہم اللہ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۵۱۴)

☐...... **ماہِ صفر ۳۸۶ھ:** میں حضرت ابومنصور محمد بن محمد بن علی بن ابی تمام ہشامی زینبی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [۴]

عیسیٰ بن علی بن عیسیٰ وزیر رحمہ اللہ آپ کے استاد ہیں، عراق کے شہر واسط میں ذی الحجہ ۴۵۱ھ میں

---

[۱] قال الذهبی: ابن الطحان الامام الحافظ الفقیه المحدث المجود.

[۲] قال الخطیب: کان صدوقا .

[۳] قـال الذهبی: وکان شیعیا معتزلیا مبتدعا، تیاها صلفا جبارا، وقیل: إنه ذکر له البخاری، فقال: ومن البخاری ؟ ! !حشوی لا یعول علیه.

[۴] قال الخطیب: کتبت عنه وکان سماعه صحیحا

آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۳ص ۲۳۸)

□......ماہِ صفر ۳۸۶ھ: میں حضرت ابوعلی احمد بن علی بن احمد رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابن المدائنی کے نام سے معروف تھے (تاریخِ بغداد ج ۴ص ۳۱۷)

□......ماہِ صفر ۳۸۶ھ: میں حضرت ابوالقاسم علی بن احمد بن محمد بن علی بندار رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [۱]

آپ ابن البسری کے نام سے معروف تھے، ابوطاہر مخلص، محمد بن عبدالرحمٰن بن خشنام رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، خطیب بغدادی، حمید، ابوعلی بردانی، ابوالفضل بن مہتدی باللہ، علی بن طراد وزیر، اسماعیل بن سمرقندی، یوسف بن ایوب ہمذانی، ابونصر احمد بن عمر غازی، محمد بن طاہر مقدسی، عبدالوہاب انماطی، موہوب بن جوالیقی، ابوالحسن بن زغوانی، ابوبکر مجلد، سعید بن احمد بناء، نصر بن نصر عکبری واعظ اور محمد بن ناصر حافظ رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی وفات ۶ رمضان ۴۷۴ھ میں ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۳۳۵، سیر اعلام النبلاء ج ۱۸ ص ۴۰۳)

□......ماہِ صفر ۳۸۷ھ: میں حضرت ابونصر محمد بن محمد بن علی بن حسن بن محمد بن عبدالوہاب ہاشمی عباسی بغدادی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [۲]

ابوطاہر مخلص، ابوبکر محمد بن عمر بن زنبور اور ابوالحسن بن حمامی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، حمیدی، ابن الخاضبہ، بردانی، ابنِ طاہر، مؤتمن ساجی، ابونصر غازی، اسماعیل بن محمد تیمی، اسماعیل بن سمرقندی، علی بن طراد، وجیہ شحامی، محمد بن قاسم شہرزوری موصلی، مظفر بن ابی احمد، احمد بن محمد بن مؤید باللہ، ابوالفضل محمد بن عمر ارموی، ابوبکر بن زغوانی اور ابومحمد مادح رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ۱۱ جمادی الآخرۃ ۴۷۹ھ میں آپ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۸ ص ۴۴۳)

□......ماہِ صفر ۳۸۷ھ: میں حضرت ابوذر عمار بن محمد بن مخلد بن جبیر بن عبداللہ تمیمی رحمہ اللہ کی

---

[۱] قال الخطيب: كان صدوقا يسكن بدرب الزعفرانی ثم انتقل إلى حريم دار الخلافة (تاریخِ بغداد)

قال الذهبی: ابن البسری الشيخ الجليل، العالم الصدوق، مسند العراق. قال أبو سعد السمعانی: كان شيخا صالحا، عالما ثقة، عمر وحدث بالكثير، وانتشرت عنه الرواية، وكان متواضعا، حسن الاخلاق، ذا هيئة ورواء. وقال إسماعيل الحافظ: شيخ ثقة. وأثنى عليه (سیراعلام النبلاء)

[۲] قال الذهبی: الزينبی الشيخ الصالح، الزاهد، الشريف، مسند الوقت.

وفات ہوئی۔

یحییٰ بن محمد بن صاعد، ابوحامد محمد بن ہارون حضرمی، احمد بن اسحاق بن بہلول، ابراہیم بن حماد بن اسحاق، ابراہیم بن عبدالصمد ہاشمی، حسین بن سماعیل محاملی، قاسم بن اسماعیل محاملی، یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن بہلول، محمد بن مخلد عطار، محمد بن یسوف بن بشر ہروی اور عبدالغافر بن سلامہ حمصی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوعبداللہ محمد بن احمد غنجار بخاری، ابوعبداللہ حاکم رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تاریخِ بغداد ج ۱۲ ص ۲۵۶)

□...... **ماہِ صفر ۳۸۸ھ**: میں حضرت ابوالفرج محمد بن احمد بن ابراہیم مقری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱ ص ۲۷۲)

□...... **ماہِ صفر ۳۸۸ھ**: میں حضرت ابوبکر حمد بن عبدان بن محمد بن فرج شیرازی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [۱]

آپ کی ولادت ۲۹۳ھ میں ہوئی، محمد بن محمد باغندی، ابوالقاسم بغوی، احمد بن محمد بن سکن بغدادی اور بکر بن احمد زہری رحمہ اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، حمزہ بن یوسف سہمی، ابوالحسن بن صغر ازدی اور قاضی علی بن عبیداللہ کسائی ہمذانی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، ۹۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا (طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۷۹، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۹۰)

□...... **ماہِ صفر ۳۸۸ھ**: میں حضرت ابوالفضل محمد بن حسین بن محمد بن مہران مروزی حدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [۲]

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: عبداللہ بن محمود مروزی سعدی، ابویزید اور حماد بن احمد قاضی رحمہم اللہ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۴۷۰)

□...... **ماہِ صفر ۳۸۹ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن قاضی ابوحنیفہ نعمان بن محمد مغربی کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۵۴۸)

---

[۱] قال السیوطی: الحافظ الثقة المعمر ......محدث الأهواز...... كان من الأئمة يقال له الباز الأبيض.

[۲] قال الذهبی: الحدادی شيخ مرو، القاضی الكبير.

قال الحاكم: كان شيخ أهل مرو فی الحديث والفقه والتصوف والفتيا.

□......**ماہِ صفر ۳۹۱ھ:** میں حسام الدولہ مقلد بن مسیّب بن رافع بن مقلد عقیلی کی وفات ہوئی۔
(سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۶)

□......**ماہِ صفر ۳۹۲ھ:** میں حضرت ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن محمد بن یحییٰ بن شعیب شیبانی انباری رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [۱]

ابواحمد بن ابی مسلم فرضی، ابوعمر بن مہدی، ابوالحسن بن رزقویہ، ابوالحسین بن بشران، حسن بن عمر غزال، احمد بن محمد بن دوست اور حسن بن حسین بن رامین استرابادی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، اسماعیل بن محمد حافظ، ابونصر غازی، ابوسعد بن بغدادی، نصر اللہ بن محمد، ہبۃ اللہ بن طاؤس، ابنِ ناصر اور ابن البطی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی وفات شوال ۴۸۶ھ میں ہوئی۔
(سیر اعلام النبلاء ج ۱۸ ص ۲۰۵)

□......**ماہِ صفر ۳۹۲ھ:** میں حضرت ابوالفتح عثمان بن جنی موصلی نحوی لغوی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ آپ کی علمِ نحو میں کتب نہایت جامع اور مشہور و معروف ہیں، اور علمِ نحو میں آپ کو بڑی مہارت حاصل تھی، جمعہ کے دن ۲ صفر کو آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۳۱۱، سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۱۹)

□......**ماہِ صفر ۳۹۲ھ:** میں حضرت ابومحمد عبدالرحمٰن بن احمد بن محمد بن احمد بن یحییٰ بن مخلد بن عبدالرحمٰن بن مغیرہ بن ثابت انصاری ہروی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [۲]

ابوالقاسم بغوی، یحییٰ بن محمد بن صاعد، محمد بن عقیل بلخی، محمد بن ابراہیم بن نیروز انماطی، اسماعیل بن عباس وراق، احمد بن سعید طبری، ابوبکر احمد بن محمد بن اسماعیل ہیتی، ابوعثمان سعید بن محمد، عبداللہ بن جعفر بن احمد بن خشیش، جعفر بن عیسیٰ حلوانی، ابوعبداللہ محمد بن محمود بلخی، عبدالرحمٰن بن حسن اسدی ہمذانی اور عبدالواحد بن مہتدی باللہ رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، ناصر عمری، سفیان بن محمد شریحی، ابوعمر عبدالواحد بن احمد ملیحی، ابوبکر محمد بن عبداللہ غمیری، ابوصاعد یعلیٰ بن ہبۃ اللہ فضیلی،

---

[۱] قال الذهبی: ابن الاخضر، الشیخ، العالم، الخطیب، المسند.
قال السمعانی: كان ثقة، نبيلا، صدوقا، معمرا، مسندا، انتشرت رواياته فی الآفاق، وكان أقطع اليد، قطعت فی كائنة البساسيری، وكان يقدم بغداد أحيانا، ويحدث.
سألت إسماعيل الحافظ عنه، فقال: ثقة.

[۲] قال الذهبی: ابن أبی شريح الامام القدوة، المحدث المتبع، مسند هراة، وعالمها.

ابو عاصم فضیل بن یحییٰ فضیلی، محمد بن مسعود عبد العزیز فارسی اور عبد الرحمٰن بن محمد کلاری رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ۸۵سال کی عمر میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۵۲۸)

□......**ماہِ صفر ۳۹۲ھ:** میں حضرت ابو الحسن علی بن محمد بن قاسم وراق رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابنِ تنج کے نام سے معروف تھے، ابو العباس بن عقدہ رحمہ اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، احمد بن علی توزی رحمہ اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، منگل کے دن ۱۱صفر کو آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۲ ص ۹۴)

□......**ماہِ صفر ۳۹۵ھ:** میں حضرت ابو الحسین احمد بن فارس بن زکریا بن محمد بن حبیب قزوینی رازی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [۱]

ابو الحسن علی بن ابراہیم بن سلمہ قطان، سلیمان بن یزید فامی، علی بن محمد بن مہرویہ، سعید بن محمد قطان، محمد بن ہارون ثقفی، عبد الرحمٰن بن حمدان جلاب، احمد بن عبید ہمذانی، ابوبکر بن السنی دینوری اور ابو القاسم طبرانی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابو سہل بن زیرک، ابو منصور محمد بن عیسیٰ، علی بن قاسم خیاط مقری اور ابو منصور بن محتسب رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، آپ کی ولادت قزوین کے مقام پر ہوئی، اور پرورش ہمذان میں ہوئی، اور اکثر مدت تک آپ ''رَے'' مقام میں قیام پذیر رہے۔ آپ علومِ ادبیہ میں سرخیل تھے، فقہ مالکی کے صاحبِ نظر عالم تھے، اہلِ سنت کے مذہب کے متکلم ومناظر تھے، صاحبِ تصنیف تھے، آپ کے کتب ورسائل کی بڑے بڑے ائمہ نے تخریج کی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۱۰۵)

□......**ماہِ صفر ۳۹۶ھ:** میں حضرت ابوبکر محمد بن عمر بن علی بن خلف بن محمد بن زنبور بن عمرو بن تمیم وراق رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [۲]

---

[۱] قال الذهبی: ابن فارس الامام العلامة، اللغوی المحدث.

[۲] قال الخطیب: کان ضعیفا جدا ......سألت الأزهری عن بن زنبور فقال ضعیف فی روایته عن بن منیع وذکر ان سماعه من الدوری صحیح.

قال الذهبی: ابن زنبور الشیخ المسند.

قال الازهری: هو ضعیف فی روایته عن البغوی، وسماعه من الدربی صحیح.

وقال العتیقی: فیه تساهل.

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: عبداللہ بن محمد بغوی، ابوبکر بن ابی داؤد اور عمر بن محمد دوری رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابوالقاسم ازہری، ابومحمد خلال اور ابونصر زینبی رحمہم اللہ۔

(تاریخِ بغداد ج۳ ص ۳٦، سیر اعلام النبلاء ج۱٦ ص ۵۵۵)

□......ماہِ صفر ۳۹٦ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن علی بن نصر دیباجی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔[1] علی بن عبداللہ بن مبشر، احمد بن محمد بن سعدان، احمد بن عمر بن عثمان اور محمد بن خمرویہ مروزی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابوبکر برقانی، ہبۃ اللہ بن حسن طبری اور ابوالقاسم طبری رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، جمعہ کے دن دس صفر کو آپ کی وفات ہوئی۔

(تاریخِ بغداد ج۳ص ۹۲)

□......ماہِ صفر ۳۹۹ھ: میں اندلس کے امیر ہشام مؤید باللہ بن المستنصر باللہ کی وفات ہوئی۔ آپ عقل ورائے میں نابغۂ عصر تھے، دلیری اور شجاعت وبہادری میں یگانۂ دہر تھے، اپنی پہلی فتح اور غلبے میں حکم کے علمی ذخائر کتب کی طرف متوجہ ہوئے، تو علمائے وقت کی موجودگی میں ان کو کھنگالا، اور نکالا، اور فلاسفہ ومتقدمین حکماء وغیرہ کی کتب کو جمع ومحفوظ کرنے کا حکم دیا، سوائے طب وحساب کی کتب کے کہ ان کو جلانے کا حکم دیا، یہ سب کچھ آپ نے عوام کی خواہش وپسند کی رعایت رکھ کر ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور حکم کے مذہب ومشرب سے اپنی ناپسندیدگی کے اظہار کے لئے کیا، اور یہ ہشام مؤید باللہ ہمیشہ لوگوں سے غائب رہا، نہ ظاہر ہوا، اور نہ کوئی حکم نافذ کیا۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۱۲۴)

---

[1] قال الخطیب: ثقة مأمون

باسمہٖ تعالیٰ

پیارے بچّو

چھوٹے بچوں اور بچیوں کے لئے اسلامی باتیں، دلچسپ کہانیاں، مفید قصّے، سچّے واقعات
بچپن کی زندگی گزارنے کے آداب اور کھیلنے کودنے کے اچھے طریقوں پر مشتمل مختلف ومتفرق دلچسپ مضامین کا مجموعہ

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسلسلہ: اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

باسمہٖ تعالیٰ

اضافہ واصلاح شدہ جدید ایڈیشن

ماہِ ربیعُ الاوّل

کے فضائل واحکام

(مع حقوقُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

مؤلف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

باسمہٖ تعالیٰ

(بسلسلہ اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام) (اضافہ واصلاح شدہ جدید ایڈیشن)

ماہِ ربیعُ الاوّل

کے

فضائل واحکام

(مع حقوقُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

قرآن وحدیث، فقہ اور اہلِ سنت والجماعت کی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی سال کے تیسرے مہینے ربیع الاول سے متعلق فضائل ومسائل، احکامات وہدایات، بدعات ومنکرات، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی تفصیل وتشریح۔

مؤلف

مفتی محمد رضوان

مدیر

ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی پاکستان

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

نام کتاب: ماہِ ربیع الاوّل کے فضائل واحکام (مع حقوقُ النبی)
مؤلف: مفتی محمد رضوان
طباعتِ اوّل: ربیع الاول ۱۴۲۳ھ، مئی 2002ء
طباعتِ چہارم: صفر/۱۴۳۲ھ جنوری/2011ء
صفحات: ۲۸۴
طابع وناشر: ادارہ غفران راولپنڈی

ملنے کے پتے

کتب خانہ ادارہ غفران چاہ سلطان گلی نمبر 17 راولپنڈی پاکستان۔فون 051-5507270
کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی۔ فون 051-5771798
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰انارکلی لاہور۔ فون 042-7353255
مکتبہ قاسمیہ الفضل مارکیٹ ۱۷، اردو بازار لاہور۔ فون 042-7232536
ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی۔ فون 021-2722401
دارالکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی۔ فون 021-4975025
دارالاشاعت اردو بازار کراچی۔ فون 021-2631861

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

فہرست

شمار نمبر	مضامین	صفحہ نمبر
۱	تمہید (از مؤلف)	۷
۲	ماہِ ربیعُ الاوّل کے فضائل واحکام	۸
۳	ماہِ ربیعُ الاوّل اسلامی سال کا تیسرا مہینہ	//
۴	ربیعُ الاوّل کے معنیٰ	//
۵	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وصال ربیعُ الاوّل کے مہینہ میں	۹
۶	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت باسعادت	۱۳
۷	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ وفات	۲۰
۸	تاریخِ ولادت اور تاریخِ وفات میں اختلاف کی وجہ	۳۴
۹	ولادت اور وصال کے ایک ہی مہینہ میں جمع ہونے کی حکمت	۳۵
۱۰	ماہِ ربیعُ الاوّل کی فضیلت	۳۶
۱۱	اس مہینہ کی فضیلت کس طرح حاصل کی جائے؟	۴۱
۱۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ماہِ ربیعُ الاوّل اور پیر کے دن ہونے میں حکمت	۴۳
۱۳	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب مبارک	۴۸
۱۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وصورت	۵۰
۱۵	آپ کی سیرتِ طیّبہ واخلاقِ حسنہ کی ایک جھلک	//
۱۶	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مبارکہ وحسن وجمال کی ایک جھلک	۵۹

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

سُنّتِ خیرُالوریٰ

مطلعِ نورِ ہدیٰ ہے سنتِ خیر الوریٰ
مشعلِ راہِ خدا ہے سنتِ خیر الوریٰ

شرحِ دینِ کبریا ہے سنتِ خیر الوریٰ
اصلِ حبِ مصطفیٰ ہے سنتِ خیر الوریٰ

کیوں نہ ہو نامِ محمد کلمہ طیّب کے ساتھ
شرحِ توحیدِ خدا ہے سنتِ خیر الوریٰ

بوستانِ دینِ حق میں گلشنِ اسلام میں
غنچۂ راحت فزا ہے سنتِ خیر الوریٰ

اہل سنت کو میسر کیوں نہ ہو حق کی رضا
کاشفِ رمزِ خدا ہے سنتِ خیر الوریٰ

ہے وہی قائد امام وپیرومرشد معتبر
جو سدا کرتا ادا ہے سنتِ خیر الوریٰ

ہم کو بس کافی ہیں دو ہادی ہدایت کے لئے
ایک قرآں دوسرا ہے سنتِ خیر الوریٰ

(نغماتِ صداقت)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام کے سلسلے میں بندہ کا رسالہ بنام ''ماہِ ربیع الاول کے فضائل واحکام'' اس سے پہلے بھی شائع ہوا۔

لیکن جس زمانے میں اس کو ترتیب دیا گیا تھا، اس وقت عربی مطوّل کتابوں کا ذخیرہ نایاب یا کم یاب تھا، جس کی وجہ سے بہت سے مقامات پر اردو کتابوں سے استفادہ کرنے پر اکتفاء کیا گیا تھا۔

بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے عربی مطوّلات کا ذخیرہ عطا فرمایا، تو ان کی طرف مراجعت کرنے سے متعدد حوالہ جات میں اصلاحات واضافات کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اس لئے اس رسالہ کی موجودہ اشاعت سے پہلے بندہ نے رسالہ میں موجود قرآنی آیات، احادیث اور ان کی تفسیر وتشریح اور راجح ومرجوح ہونے کے اعتبار سے اصل مآخذ اور بعض عربی کتب کی اصل عبارات کی طرف مراجعت کی، اور حتی الامکان عربی عبارات کو بھی متن یا حواشی میں شامل کیا، اور بعض مفید عبارات کا بھی اضافہ کیا، اور بعض غیر معتبر وغیر مستند حوالہ جات وعبارات کو حذف کر دیا۔

اس طرح سے اب وہ رسالہ ایک کتاب کی شکل اختیار کر گیا، اور بحمداللہ تعالیٰ پہلے کے مقابلہ میں زیادہ معتبر ومستند ہو گیا۔

لہٰذا اب اس سے قبل کی اشاعت اور موجودہ اشاعت میں سے موجودہ اشاعت کے حوالہ جات وتحقیقات کو راجح سمجھا جائے۔

اللہ تعالیٰ اس عمل کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائیں اور بندہ اور بندہ کے معاونین سمیت جملہ مؤمنین ومؤمنات کے لئے دنیا وآخرت کے اعتبار سے مفید بنائیں۔ آمین

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم

محمد رضوان مورخہ: ۲۶/محرم الحرام/۱۴۳۲ھ 2/جنوری/2011ء بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہِ ربیعُ الاوّل کے فضائل واحکام

ماہِ ربیعُ الاوّل اسلامی سال کا تیسرا مہینہ

کیونکہ اسلامی سال کا آغاز محرم کے مہینے سے ہوتا ہے اور اس کے بعد صفر کا مہینہ آتا ہے، پھر صفر کا مہینہ ختم ہونے پر ربیع الاول کا مہینہ شروع ہوجاتا ہے، اس لئے اسلامی سال میں ترتیب کے اعتبار سے ربیع الاول کا مہینہ سال کا تیسرا مہینہ ہے۔

ربیعُ الاوّل کے معنیٰ

ربیع الاول دو لفظوں کا مجموعہ ہے، ایک ربیع، دوسرے الاوّل۔

عربی لغت میں ''رَبِیْع'' موسم بہار کو کہا جاتا ہے (ملاحظہ ہو: المنجد ومصباح اللغات)

اور ''اوّل'' پہلے کو کہا جاتا ہے، تو ربیع الاول کے معنیٰ ہوئے ''پہلا موسمِ بہار''

پھر ایک تو موسمِ بہار کا ابتدائی زمانہ ہوتا ہے جس میں کلیاں اور پھول کھلتے ہیں، اس کو ''ربیع الاوّل'' کہا جاتا ہے اور دوسرا موسمِ بہار کا وہ زمانہ ہوتا ہے جس میں پھل پک جاتے ہیں، اس کو ''ربیع الثانی'' کہا جاتا ہے۔

اور ربیع کا لفظ اسلامی وقمری دو مہینوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، ایک مہینے کا نام ربیع الاول ہے اور دوسرے مہینے کا نام ربیع الآخر یا ربیع الثانی ہے، یہ دونوں مہینے بالترتیب ماہِ صفر کے بعد آتے ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ ان دونوں مہینوں کے نام جس وقت تجویز کیے گئے اس وقت بہار کا موسم تھا، اس لیے موسم اور زمانے کی مناسبت سے ان دونوں مہینوں کے نام تجویز کیے گئے اور اس کے بعد سے یہ دونوں مہینے اسی نام کے ساتھ موسوم ہوگئے۔

پس یہ دونوں مہینے خواہ موسمِ بہار میں آئیں یا موسمِ بہار کے علاوہ کسی دوسرے موسم اور دوسرے

زمانے میں، بہرحال دونوں مہینوں کو اسی نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ [1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وصال ربیعُ الاوّل کے مہینہ میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور آپ کا وصال مبارک پیر کے دن ہوا۔

چنانچہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْإِثْنَيْنِ ؟ فَقَالَ فِيْهِ وُلِدْتُ وَفِيْهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن کے روزے کے بارے میں سوال کیا گیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی دن میری ولادت ہوئی، اور اسی دن مجھ پر وحی نازل کی گئی (ترجمہ ختم)

اور مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

وَسُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الاِثْنَيْنِ قَالَ ذَاكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيْهِ وَيَوْمٌ بُعِثْتُ أَوْ

---

[1] والربيع ربيعان،ربيع الشهور،وربيع الازمنة،فربيع الشهورشهران بعدصفر ولايقال الاشهرربيع الاول ،وشهرربيع الآخر، واماربيع الازمنة فربيعان ،الربيع الاول الذى يأتى فيه النوروالكمأة والربيع الثانى الذى تدرك فيه الثمار،اوهوالربيع الاول (القاموس المحيط،للامام الفيروزآبادى ، باب العين،فصل الراء)

وشهراربيع سميابذالك لانهماحدافى هٰذاالزمن فلزمهمافى غيرهٖ وهماشهران بعدصفر،ولايقال فيهما:الاشهرربيع الاول وشهرربيع الآخر،والربيع عندالعرب ربيعان،ربيع الشهور،وربيع الازمنة،فربيع الشهورشهران بعدصفر وأماربيع الازمنة فربيعان ،الربيع الاول وهوالفصل الذى تأتى فيه الكمأة والنور.وهوربيع الكلاء.والثانى وهوالفصل الذى تدرك فيه الثمار،ومنهم من يسميه الربيع الاول ....وفى حديث الدعاء : ”اللهم اجعل القرآن ربيع قلبى“جعلهٗ ربيعالّهٗ لان الانسان يرتاح قلبه فى الربيع من الازمان ويميل اليه وجمع الربيع اربعاء واربعة(لسان العرب،لابن المنظور،جلد۸،كتاب العين ،فصل الراء)(كذافى مختار الصحاح لابى بكرالرازى ،باب الراء)

ولكن قال ابن كثير”وشهرربيع الاول يسمى بذالك لارتباعهم فيه والارتباع الاقامةفى عمارة الربع ويجمع على اربعاء كنصيب وانصباء وعلىٰ اربعة كرغيف وارغفة وربيع الآخركالاول(تفسيرابن كثير جلد ۲،الجزء العاشرصفحه۲۶۶تحت آيت نمبر۳۶،سورة التوبة)

[2] حديث نمبر ۲۲۵۵۰ ،مؤسسة الرسالة ، بيروت، واللفظ لهٗ، ابوداوٗدحديث نمبر ۲۴۲۸.
إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

أُنْزِلَ عَلَيَّ فِيهِ (مسلم) [1]

ترجمہ: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن کے روزے کے بارے میں سوال کیا گیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی دن میری ولادت ہوئی، اور اسی دن مجھ کو نبوت عطا کی گئی، یا مجھ پر وحی نازل کی گئی (ترجمہ ختم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پیر کے دن ہوئی (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الاثْنَيْنِ، وَأُنْزِلَ عَلَيْهِ يَوْمَ الاثْنَيْنِ، وَمَاتَ يَوْمَ الاثْنَيْنِ (المعجم الكبير للطبرانی) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پیر کے دن ہوئی، اور آپ پر وحی کا نزول بھی اسی دن شروع ہوا، اور آپ کی وفات بھی پیر کے دن ہوئی (ترجمہ ختم)

اور جمہور اہلِ علم حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ربیع الاول کے مہینہ میں اُس سال واقع ہوئی، جس سال ابرہہ بادشاہ نے بیتُ اللہ پر چڑھائی کی کوشش کی تھی، اور اس کو عربی میں ''عام الفیل'' کہا جاتا ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مبارک بھی ربیع الاول کے مہینہ میں واقع ہوئی۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

[1] حديث نمبر ۱۹۷، كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر، دار إحياء التراث العربي -بيروت.

[2] حديث نمبر ۲۴۷۹۰، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، حديث نمبر ۲۴۸۶۹، بخاری، حديث نمبر ۱۲۹۸، كتاب الجنائز، باب موت يوم الاثنين.
إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

[3] حديث نمبر ۱۱۱۲۴، مكتبة ابن تيمية -القاهرة، واللفظ لهٗ، مسند احمد حديث نمبر ۲۵۰۶.

وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِيْلِ (المعجم الكبير للطبرانى) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عامُ الفیل میں ہوئی (ترجمہ ختم)

اورحضرت قیس بن مخرمہ فرماتے ہیں:

وُلِدْتُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ، عَامَ الْفِيْلِ، فَنَحْنُ لِدَّانِ (المعجم الكبير للطبرانى) ۲

ترجمہ: میری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عامُ الفیل میں ہوئی، تو ہم (عمر کے لحاظ سے) جڑواں ہیں (ترجمہ ختم)

اورحضرت محمد بن جبیر بن مطعم رحمہ اللہ سے ایک لمبی حدیث میں مروی ہے کہ:

وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِيْلِ (دلائل النبوة للبيهقى) ۳

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عامُ الفیل میں ہوئی (ترجمہ ختم)

اورامام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَاتَّـفَقُوْا أَنَّـهٗ وُلِدَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ فِىْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ وَتُوُفِّىَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ مِنْ شَهْرِ رَبِيعِ الْأَوَّلِ (شرح النووى علىٰ مسلم) ۴

---

۱ حديث نمبر ۱۲۴۳۲، مكتبة ابن تيمية -القاهرة، واللفظ لهٗ، مستدرك حاكم حديث نمبر ۴۱۴۵، شرح مشكل الآثار للطحاوى حديث نمبر ۵۹۶۷، دلائل النبوة حديث نمبر ۵، مسند البزار حديث نمبر ۴۷۶۲.

قال الحاكم: "هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "(حواله بالا)

وقال الذهبى فى التلخيص :على شرط مسلم.

وقال الهيثمى:

رواه البزار والطبرانى فى الكبير ورجاله موثقون(مجمع الزوائد ج ۱ ص۱۹۶، مكتبة القدسى، قاهرة)

۲ حديث نمبر ۸۷۳، مكتبة ابن تيمية -القاهرة، واللفظ لهٗ، مستدرك حاكم حديث نمبر ۴۱۴۸.

قال الحاكم: "هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "

۳ ج ۱ ص ۷۸، باب العام الذى ولد فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم، دار الكتب العلمية، بيروت.

۴ كتاب الفضائل، باب قدر عمره صلى الله عليه وسلم وإقامته بمكة والمدينة، دار إحياء التراث العربى -بيروت.

ترجمہ: اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں پیر کے دن ہوئی، اور آپ کی وفات بھی ربیع الاول کے مہینے میں پیر کے دن ہوئی (ترجمہ ختم)

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وفات پیر کے دن اور ربیع الاول کے مہینے اور (ولادت) عامُ الفیل میں ہونے پر جمہور کے اتفاق کے باوجود اس میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ ربیع الاول کی کون سی تاریخ تھی؟

ان دونوں باتوں میں محدثین ومؤرخین کا اختلاف ہے۔ [۱]

---

[۱] ولد عام الفيل والذى لا يشک فيه أحد من علمائنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ولد عام الفيل ، وبعث على رأس أربعين سنة من الفيل (دلائل النبوة تحت حديث رقم ۱۰)

قال أبو عمر: لا خلاف أنه ولد صلى الله عليه وسلم بمكة عام الفيل إذ ساقه الحبشة إلى مكة يغزون البيت(التمهيد لما فى المؤطا، باب الراء)

ولا خلاف أنه ولد يوم الاثنين بمكة فى ربيع الأول عام الفيل (التمهيد لما فى المؤطا، باب الراء)

وذلک أن رسول الله ﷺ ولد عام الفيل لا يختلفون فى ذلک(التمهيد لما فى المؤطا، باب الميم)

ولا خلاف أنه ولد -عليه السلام- عام الفيل (اكمال المعلم شرح صحيح مسلم للقاضى عياض، كتاب الفضائل،باب فى صفة النبى صلى الله عليه وسلم ومبعثه ، وسنه)

ولا خلاف أنه ـ صلى الله عليه وسلم ـ ولد عام الفيل (المفهم لما اشكل فيه من كتاب مسلم، كتاب النبوات،باب فى حسن أوصاف النبى صلى الله عليه وسلم)

قال ابن الجوزى فى التلقيح :اتفقوا على أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ولد يوم الاثنين فى شهر ربيع الأول عام الفيل (تحفة الاحوذى، كتاب المناقب،باب ما جاء فى ميلاد النبى ﷺ)

ولنرجع إلى المقصود من سيرته صلى الله عليه وسلم وهديه وأخلاقه لا خلاف أنه ولد صلى الله عليه وسلم بجوف مكّة، وأن مولده كان عامَ الفيل، وكان أمرُ الفيل تقدِمة قدَّمها اللّه لنبيه وبيته، وإلا فأصحاب الفيل كانوا نصارى أهل كِتاب، وكان دينهم خيراً مِن دين أهل مكّة إذ ذاک، لأنهم كانوا عُبَّاد أوثان، فنصرهم اللّه على أهل الكِتاب نصراً لا صنُع للبشر فيه، إرهاصاً وتقدِمة للنبى صلى الله عليه وسلم الذى خرج من مكَّة، وتعظيماً للبيت الحرام(زاد المعاد فى هدى خير العباد لابن قيم الجوزية،فصل :فى نسبه صلى الله عليه وسلم)

وولد عام الفيل على الصحيح المشهور وادعى القاضى عياض الإجماع عليه واتفقوا على أنه ولد يوم الاثنين فى شهر ربيع الأول(مرقاة، كتاب الفضائل والشمائل،باب المبعث وبدء الوحى)

وولد عام الفيل على الصحيح المشهور ، وقيل :بعد الفيل بثلاث سنين ، وقيل :بأربع سنين . وادعى القاضى عياض الإجماع على عام الفيل ، وليس كما ادعى .واتفقوا أنه ولد يوم الاثنين فى شهر ربيع الأول ، وتوفى الاثنين من شهر ربيع الأول(شرح النووى علىٰ مسلم،كتاب الفضائل، باب فى صفة النبى صلى الله عليه وسلم ومبعثه وسنه)

ولم يختلف أهل السير أنه ولد عام الفيل (المنتقىٰ شرح المؤطا،كتاب الجامع، باب ماجاء فى صفة النبى صلى الله عليه وسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت باسعادت

جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا تعلق ہے، کہ وہ ربیع الاول کی کون سی تاریخ میں ہوئی؟ تو اس میں مختلف اقوال ہیں۔

چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَاتَّفَقُوْا أَنَّهُ وُلِدَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ فِيْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ، وَاخْتَلَفُوْا هَلْ هُوَ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي أَمِ الثَّامِنِ أَمِ الْعَاشِرِ أَمِ الثَّانِي عَشَرَ، فَهٰذِهٖ أَرْبَعَةُ أَقْوَالٍ مَشْهُوْرَةٍ(تهذيب الأسماء واللغات)[1]

ترجمہ: اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ربیع الاول کے مہینہ میں پیر کے دن ہوئی، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کیا وہ ربیع الاول کی دوسری تاریخ تھی، یا آٹھویں تاریخ تھی، یا دسویں تاریخ تھی، یا بارہویں تاریخ تھی؟ یہ چار اقوال مشہور ہیں (ترجمہ ختم)

اور ابو محمد عبدالقادر بن ابی الوفاء قرشی رحمہ اللہ (المتوفیٰ ۷۷۵ھ) فرماتے ہیں:

ثُمَّ اخْتَلَفُوْا فِي الْقَدْرِ الَّذِيْ مَضٰى مِنْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ بِوِلَادَتِهٖ عَلٰى أَرْبَعَةِ أَقْوَالٍ فَقِيْلَ لَيْلَتَانِ وَقِيْلَ ثَمَانٌ وَّقِيْلَ عَشْرٌ وَقِيْلَ اِثْنَتَا عَشَرَ لَيْلَةً وَهُوَ الْأَشْهَرُ(الجواهر المضية فى طبقات الحنفية)[2]

ترجمہ: پھر اس مقدار میں اختلاف ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت ربیع الاول کے مہینے کی گزر چکی تھی، جس میں چار اقوال ہیں، ایک قول دو راتیں گزرنے (یعنی دوسری تاریخ) کا، اور ایک قول آٹھ راتیں گزرنے (یعنی آٹھویں تاریخ) کا، اور ایک قول دس راتیں گزرنے (یعنی دسویں تاریخ) کا، اور ایک قول بارہ راتیں گزرنے (یعنی بارہویں تاریخ) کا ہے، اور یہی قول زیادہ مشہور ہے (ترجمہ ختم)

---

[1] باب من اسمهٗ محمد، الترجمة النبوية الشريفة محمد بن عبد الله بن عبد المطلب.

[2] الباب الثانى فى نسب سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وإسمائه وغير ذلك.

اور علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثُمَّ الْجُمْهُوْرُ عَلٰى أَنَّ ذٰلِكَ كَانَ فِيْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ فَقِيْلَ :لِلَيْلَتَيْنِ خَلَتَا مِنْهُ قَالَهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِي الْإِسْتِيْعَابِ، وَرَوَاهُ الْوَاقِدِيُّ عَنْ أَبِيْ مَعْشَرٍ نَجِيْحِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَدَنِيِّ، وَقِيْلَ :لِثَمَانٍ خَلَوْنَ مِنْهُ .حَكَاهُ الْحُمَيْدِيُّ عَنِ ابْنِ حَزْمٍ، وَرَوَاهُ مَالِكٌ وَعُقَيْلٌ وَيُوْنُسُ بْنُ يَزِيْدَ وَغَيْرُهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ .وَنَقَلَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ عَنْ أَصْحَابِ التَّارِيْخِ أَنَّهُمْ صَحَّحُوْهُ، وَقَطَعَ بِهِ الْحَافِظُ الْكَبِيْرُ مُحَمَّدُ بْنُ مُوْسٰى الْخُوَارَزْمِيُّ، وَرَجَّحَهُ الْحَافِظُ أَبُو الْخَطَّابِ ابْنُ دِحْيَةَ فِيْ كِتَابِهٖ التَّنْوِيْرِ فِيْ مَوْلِدِ الْبَشِيْرِ النَّذِيْرِ .وَقِيْلَ :لِعَشْرٍ خَلَوْنَ مِنْهُ نَقَلَهُ ابْنُ دِحْيَةَ فِيْ كِتَابِهٖ، وَرَوَاهُ ابْنُ عَسَاكِرَ عَنْ أَبِيْ جَعْفَرَ الْبَاقِرِ، وَرَوَاهُ مُجَالِدٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ كَمَا مَرَّ، وَقِيْلَ :لِثِنْتَيْ عَشَرَةَ خَلَتْ مِنْهُ نَصَّ عَلَيْهِ ابْنُ إِسْحَاقَ، وَرَوَاهُ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ مُصَنَّفِهٖ عَنْ عَفَّانَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ مِيْنَا عَنْ جَابِرٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُمَا قَالَا :وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِيْلِ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ الثَّانِيَ عَشَرَ مِنْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ، وَفِيْهِ بُعِثَ، وَفِيْهِ عُرِجَ بِهٖ إِلَى السَّمَاءِ، وَفِيْهِ هَاجَرَ، وَفِيْهِ مَاتَ .وَهٰذَا هُوَ الْمَشْهُوْرُ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

وَقِيْلَ :لِسَبْعَ عَشْرَةَ خَلَتْ مِنْهُ كَمَا نَقَلَهُ ابْنُ دِحْيَةَ عَنْ بَعْضِ الشِّيْعَةِ، وَقِيْلَ :لِثَمَانٍ بَقِيْنَ مِنْهُ .نَقَلَهُ ابْنُ دِحْيَةَ مِنْ خَطِّ الْوَزِيْرِ أَبِيْ رَافِعٍ ابْنِ الْحَافِظِ أَبِيْ مُحَمَّدٍ ابْنِ حَزْمٍ عَنْ أَبِيْهِ وَالصَّحِيْحُ عَنِ ابْنِ حَزْمٍ الْأَوَّلُ ; أَنَّهُ لِثَمَانٍ مَضَيْنَ مِنْهُ .كَمَا نَقَلَهُ عَنْهُ الْحُمَيْدِيُّ وَهُوَ أَثْبَتُ (البداية والنهاية)[1]

---

[1] ج۳ص۳۷۴تا۳۷۶،کتاب سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،باب مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،تاریخ ومکان ولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم ،دار ھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع والإعلان، قاھرۃ،کذافی السیرۃ النبویۃ،لابن کثیر،باب مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

ترجمہ: پھر جمہور کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی، جس میں ایک قول ۲ ربیع الاول کا ہے، ابنِ عبدالبر نے استیعاب میں اس کو ذکر فرمایا ہے، اور امام واقدی نے ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن مدنی سے بھی اس کو نقل کیا ہے۔

اور ایک قول آٹھ ربیع الاول کا ہے، جس کو حمیدی نے ابنِ حزم سے نقل کیا ہے، اور مالک اور عقیل اور یونس بن یزید وغیرہم نے امام زہری کی سند سے محمد بن جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے، اور ابنِ عبدالبر نے مؤرخین سے اس قول کا صحیح ہونا نقل کیا ہے، اور حافظِ کبیر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے اسی پر یقین ظاہر کیا ہے، اور حافظ ابوالخطاب بن دحیہ نے اپنی کتاب ''التنویر فی مولد البشیر النذیر'' میں اس کو راجح قرار دیا ہے۔

اور ایک قول ۱۰ ربیع الاول کا ہے، جس کو ابنِ دحیہ نے اپنی مذکورہ کتاب میں نقل کیا ہے، اور ابنِ عساکر نے ابوجعفر باقر سے اس کو روایت کیا ہے، اور مجالد نے شعبی سے بھی اس کو روایت کیا ہے، جیسا کہ گزرا۔

اور ایک قول ۱۲ ربیع الاول کا ہے، جس کی ابنِ اسحاق نے وضاحت (تصریح) کی ہے، اور اس کو ابنِ ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں عفان سے، اور انہوں نے سعید بن مینا سے حضرت جابر وابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں پیر کے دن ربیع الاول کے مہینے کی بارہویں تاریخ میں ہوئی، اور اسی دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا کی گئی، اور اسی دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان کی طرف معراج کرائی گئی، اور اسی دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی، اور اسی دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اور جمہور کے نزدیک یہی مشہور بھی ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتے ہیں۔

اور ایک قول ۱۷ ربیع الاول کا ہے، جس کو ابنِ دحیہ نے بعض شیعہ سے نقل کیا ہے۔

اور ایک قول ۲۲ ربیع الاول کا ہے، جس کو ابنِ دحیہ نے وزیر ابورافع بن حافظ ابومحمد بن حزم کے اپنے والد کے خط سے نقل کیا ہے، اور ابنِ حزم کا صحیح قول پہلا ہے (جو کہ

گزرا یعنی آٹھ ربیع الاول) جیسا کہ حمیدی نے ان سے نقل کیا ہے، اور یہی (یعنی ۸ ربیع الاول) زیادہ مضبوط قول بھی ہے (ترجمہ ختم)

ملحوظ رہے کہ حضرت جابر اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت جس میں ۱۲/ ربیع الاول میں وفاتِ نبوی کا ذکر ہے، ہمیں مصنف ابی شیبہ سمیت کسی دوسری کتاب میں سند کے ساتھ دستیاب نہیں ہوسکی۔

البتہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے جو روایت مروی ہے، وہ ربیع الاول کے شروع میں ولادت کی ہے۔

مگر اس روایت میں ایک راوی معلیٰ بن عبدالرحمٰن ہیں، جو متّہم بالکذب ہیں۔

نیز اس روایت میں بعض اور چیزیں بھی ایسی مذکور ہیں، جو دیگر احادیث کے خلاف ہیں۔ [1]

---

[1] معلى بن عبد الرحمن قال :ثنا عبد الحميد بن جعفر ، عن عبد الله بن أبي جعفر ، عن ابن عباس ، رضي الله عنهما قال : ولد رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الاثنين في أول شهر ربيع الأول ، وأنزلت عليه السورة يوم الاثنين في أول شهر ربيع الأول ، ودخل المدينة يوم الاثنين في أول شهر ربيع الأول ، وقبض صلى الله عليه وسلم يوم الاثنين في أول شهر ربيع الأول(أخبار مكة للفاكهي،حديث نمبر ۲۲۳۲)

عن المعلى بن عبد الرحمن قال :ثنا عبد الحميد بن جعفر ، عن الزهري ، عن عبيد الله بن عبد الله ، عن ابن عباس ، رضي الله عنهما قال : ولد النبي صلى الله عليه وسلم يوم الاثنين في أول شهر ربيع الأول ، وقبض صلى الله عليه وسلم يوم الاثنين في أول شهر ربيع الأول(أخبار مكة للفاكهي،حديث نمبر ۲۲۳۳)

حدثني معلى بن عبد الرحمن ، قال :ثنا عبد الحميد بن جعفر ، عن الزهري ، عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة ، عن ابن عباس ، رضي الله عنهما قال : ولد رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الاثنين في أول شهر ربيع الأول ، وأنزلت عليه النبوة في يوم الاثنين في أول شهر ربيع الأول .ودخل المدينة في يوم الاثنين في أول شهر ربيع الأول ، وتوفي الاثنين في أول شهر ربيع الأول (دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني،حديث نمبر ۹۱)

معلى بن عبد الرحمن الواسطي متهم بالوضع وقد رمي بالرفض من التاسعة(تقريب التهذيب،ج۲ ص۲۰۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

قدومِ مدینہ کے بارے میں صحیح احادیث ۱۲/ ربیع الاول کی ہیں۔

عَنْ أَبِي الْبَدَّاحِ بن عَاصِمِ بن عَدِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ ":قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی وجہ سے علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کر کے انتہائی غریب (کمزور) قرار دیا ہے۔ [1]
البتہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے معتبر سند کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وفات کا پیر کے دن ہونا منقول ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور امام محمد بن یوسف صالحی شامی (المتوفی ۹۴۲ھ) فرماتے ہیں:

وَقِيُلَ لِثَمَانٍ .وَنَقَلَ أَبُوُ عَمرٍ عَنُ أَصُحَابِ الزِّيجِ أَنَّهُمُ صَحَّحُوُهُ وَرَجَّحَهُ اِبُنُ دَحُيَةَ .وَقَالَ الُحَافِظُ :إِنَّهُ مُقُتَضٰى أَكُثَرِ الْأَخُبَارِ .وَقِيُلَ :لِعَشُرٍ .حَكَاهُ الدِّمُيَاطِيُّ عَنُ جَعُفَرَ الُبَاقِرِ وَصَحَّحَهُ .وَقِيُلَ :لِسَبُعِ عَشَرَةَ .وَقِيُلَ لِثَمَانِيُ عَشَرَةَ، وَقِيُلَ :فِيُ أَوَّلِهٖ حِيُنَ طَلَعَ الُفَجُرُ (سبل الهدى والرشاد) [2]

ترجمہ: اور ایک قول ۸/ ربیع الاول کا ہے، جس کو ابو عمر نے حساب اور تاریخ دانوں سے نقل کیا ہے، کہ انہوں نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور ابنِ دحیہ نے بھی اس کو راجح قرار

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الُمَدِينَةَ يَوُمَ الإِثُنَيُنِ لاثُنَتَيُ عَشُرَةَ لَيُلَةٍ خَلَتُ مِنُ رَبِيعٍ الأَوَّلِ، فَأَقَامَ بِالُمَدِينَةِ عَشُرَ سِنِينَ "(المعجم الكبير للطبراني حديث نمبر ۱۳۸۹۴)

قال الهيثمي:

رواه الطبراني ورجاله ثقات(مجمع الزوائد ۲ ص ۶۳، مكتبة القدسي، قاهرة)
عن محمد بن إسحاق قال :قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة يوم الإثنين، فمنهم من يقول لليلتين مضتا من شهر ربيع الأول، والحديث المعروف أنه قدم لاثنتى عشرة ليلة خلت من شهر ربيع الأول، يوم الاثنين(دلائل النبوة حديث نمبر ۷۴۹)
قالوا :قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة يوم الاثنين لاثنتى عشرة مضت من شهر ربيع الأول ويقال لليلتين خلتا من شهر ربيع الأول والثابت لاثنتى عشرة(المغازى للواقدى، ج ۱ ص ۲)

[1] عن المعلى بن عبد الرحمن عن عبد الحميد بن جعفر عن الزهرى عن عبيد الله بن عبد الله عن ابن عباس قال ولد رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الاثنين فى ربيع الاول وانزلت عليه النبوة يوم الاثنين فى أول شهر ربيع الاول وأنزلت عليه البقرة يوم الاثنين فى ربيع الاول .وهذا غريب جدا رواه ابن عساكر(البداية والنهاية، ج۳ص ۳۲۰،باب مولد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولد صلوات الله عليه وسلامه يوم الاثنين)

[2] الباب الرابع فى تاريخ مولده صلى الله عليه وسلم ومكانه.

دیا ہے، اور حافظ نے فرمایا کہ اکثر روایات کا تقاضا بھی یہی ہے، اور ایک قول ۱۰/ ربیع الاول کا ہے، جس کو دمیاطی نے جعفر باقر سے نقل کیا ہے، اور اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور ایک قول ۱۷/ ربیع الاول کا ہے، اور ایک قول ۱۸/ ربیع الاول کا ہے، اور ایک قول پہلی / ربیع الاول کا ہے، طلوعِ فجر کے وقت (ترجمہ ختم)

اور مؤرخ عبدالملک بن حسین بن عبدالملک مکی عصامی (المتوفیٰ ۱۱۱۱ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْعَلَّامَةُ اِبْنُ الْجُوْزِيّ فِي التَّلْقِيْحِ :اِتَّفَقُوْا عَلٰى أَنَّهٗ صلى الله عليه وسلم وُلِدَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ فِيْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ عَامَ الْفِيْلِ، وَاخْتَلَفُوْا فِيْمَا مَضٰى مِنْ ذٰلِكَ الشَّهْرِ عَلٰى أَرْبَعَةِ أَقْوَالٍ :أَحَدُهَا :وُلِدَ لِاِثْنَىْ عَشَرَ لَيْلَةً خَلَتْ مِنْهُ .وَالثَّانِيْ :لِلَيْلَتَيْنِ.وَالثَّالِثُ :لِثَمَانٍ، وَهُوَ قَوْلُ الْمُحَدِّثِيْنَ كُلِّهِمْ أَوْ اَجَلِّهِمْ.اَلرَّابِعُ :لِعَشْرٍ خَلَوْنَ مِنْهُ(سمط النجوم العوالى فى أنباء الأوائل والتوالى) [1]

ترجمہ: علامہ ابنِ جوزی نے تلقیح میں فرمایا کہ جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ربیع الاول کے مہینے اور عام الفیل میں پیر کے دن ہوئی۔

لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اس مہینے کی کون سی تاریخ تھی؟ جس میں چار قول ہیں، ایک قول ۱۲/ ربیع الاول کا، دوسرا قول ۲/ ربیع الاول کا، اور تیسرا قول ۸/ ربیع الاول کا ہے، جو کہ تمام یا بڑے بڑے محدثین کا قول ہے، اور چوتھا قول ۱۰/ ربیع الاول کا ہے (ترجمہ ختم)

اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولادت باسعادت کی تاریخ میں مشہور قول تو یہ ہے کہ حضور پرنور ۱۲/ ربیع الاول کو پیدا ہوئے، لیکن جمہور محدثین اور مورخین کے نزدیک راجح اور مختار قول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۸/ ربیع الاول کو پیدا ہوئے (سیرتُ المصطفیٰ، ج۱ ص۵۱)

---

[1] الباب الأول من المقصد الثانى، فى الحمل به، وولادته، ورضاعه.

اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بہر حال ولادت کی صحیح تاریخ حساب کی رو سے اگر بنتی ہے تو وہ ۲۔۸۔۹ میں سے کوئی ایک ہے، ۱۲/ کہنا کسی صورت صحیح نہیں (وعظ ''جشنِ ربیع الاول محبت کے آئینہ میں'' ص ۶، ۷)

ملحوظ رہے کہ محمد بن اسحاق کے (۱۲/ ربیع الاول کے) قول کو امام بیہقی اور امام حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ [۱]

مگر ظاہر ہے کہ یہ محمد بن اسحاق کا قول ہے، نہ کہ کسی صحابی کا۔

اور مصر کے مشہور ھیئت دان محمود پاشا فلکی نے ۹/ ربیع الاول کی تاریخ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت قرار دیا ہے۔ [۲]

مگر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

محمود پاشا کی مصری نے جونویں تاریخ کو بذریعہ حسابات اختیار کیا ہے یہ جمہور کے خلاف بے سند قول ہے اور حسابات پر بوجہ اختلافِ مطالع ایسا اعتماد نہیں ہوسکتا کہ جمہور کی مخالفت اس کی بناء پر کی جائے (حاشیہ سیرتِ خاتم الانبیاء ص ۲۰) [۳]

---

[۱] قال محمد بن إسحاق : ولد رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الإثنين عام الفيل لاثنتي عشرة ليلة مضت من شهر ربيع الأول (دلائل النبوة للبيهقي، حديث نمبر ۴، واللفظ لهٗ، شعب الايمان حديث نمبر ۱۳۲۴، مستدرک حاکم حديث نمبر ۴۱۴۷)

[۲] چنانچہ سیرتُ النبی میں ہے:

تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں انھوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۹ / ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ / اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی (سیرت النبی ج ۱ ص ۱۱۴، ۱۱۵)

[۳] محمود پاشا فلکی نے جن امور سے ۹ تاریخ پر استدلال کیا ہے، ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابراہیم (ابنِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کی تاریخ کا تعین ہے، مگر بعض اصحاب فلکیین نے محمود پاشا فلکی کے اس استدلال سے اتفاق نہیں فرمایا۔

چنانچہ حضرت مولانا محمد موسیٰ خان صاحب روحانی بازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فلکی محمود پاشا مصری کی تحقیق کے پیشِ نظر اس کامل کسوف کی تاریخ سوموار ۲۷ جنوری ۶۳۲ء مطابق ۲۹ شوال ۱۰ھ ساڑھے آٹھ بجے بوقتِ صبح ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی تاریخ میں مختلف اقوال ہیں، جن میں سے اگرچہ مشہور قول تو ۱۲/ ربیع الاول کا ہے، لیکن بہت سے حضرات کے نزدیک روایت ودرایت کے اعتبار سے راجح قول ۸/ ربیع الاول کا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ وفات

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ربیع الاول کی کون سی تاریخ میں ہوئی؟ اس میں بھی مختلف اقوال ہیں۔

چنانچہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد سہیلی رحمہ اللہ (المتوفیٰ ۵۸۱ھ) فرماتے ہیں:

وَاتَّفَقُوْا أَنَّهُ تُوُفِّيَ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ إِلَّا شَيْئًا ذَكَرَهُ اِبْنُ قُتَيْبَةَ فِي الْمَعَارِفِ الْأَرْبَعَاءَ قَالُوْا كُلُّهُمْ وَفِيْ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ غَيْرَ أَنَّهُمْ قَالُوْا ، أَوْ قَالَ أَكْثَرُهُمْ فِي الثَّانِي عَشَرَ مِنْ رَبِيْعٍ وَلَا يَصِحُّ أَنْ يَّكُوْنَ تُوُفِّيَ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

احمد آباد شہر کے ایک ہندو پروفیسر کے حساب کی رُو سے اس کی تاریخ منگل ۲۹ شوال ۱۰ھ مطابق ۲۸ جنوری ۶۳۲ء ہے۔

ہمارے خیال میں مذکورہ بالا بیان میں یہ اشکال ہے کہ ۲۷ جنوری ۶۳۲ء کو اتوار کا دن تھا سوموار کا نہیں، اسی طرح ۲۸ جنوری ۶۳۲ء کو سوموار کا دن ہونا چاہئے منگل نہیں، نیز جنوری میں سخت سردی پڑتی ہے اور صحیح روایاتِ ابی داؤد ومسلم میں ہے کہ یہ آفتاب گہن سخت گرمی کے موسم میں واقع ہوا تھا، صلاۃِ کسوف پڑھتے ہوئے بعض لوگ شدتِ گرمی کے باعث بے ہوش ہوکر گر پڑے، ہوش میں لانے اور گرمی دفع کرنے کی خاطر ان پر پانی ڈالا گیا (**کسفت الشمس علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فی یوم شدید الحر . رواه مسلم عن جابر. فتح الملهم ج۲ ص ۴۵۹**)

ہمارے خیال میں اس کسوف کی تاریخِ وقوع سوموار ۳۰ محرم ۱۱ھ مطابق ۲۸/ اپریل ۶۳۲ء ہے، مدینہ منورہ میں عرضِ بلد کی کمی کی وجہ سے اپریل ہمارے (اہلِ ملتان وپنجاب) جون یا مئی سے کم گرم نہیں ہوتا، یا اس کی تاریخ وقوع اس سے قبل جمعرات (خمیس) ۲۹ ربیع الاول ۱۰ھ مطابق ۶ جون ۶۳۱ء ہے، اس بیان کی تائید میں بعض وہ روایات پیش کی جاسکتی ہیں جن میں حضرت ابراہیم کی وفات ربیع الاول میں بتائی گئی ہے (فتح الباری میں ابنِ حجر لکھتے ہیں: **ذکر جمهور اهل السیر : انه مات فی السنة العاشرة من الهجرة، فقیل :فی ربیع الاول ،وبه جزم الواقدی.وقیل فی رمضان،وقیل فی ذی الحجة، انتهی باختصار، کتاب الرد علی المنطقیین ،مؤلفه ابنِ تیمیة ص ۲۷۳، طبع حیدر آباد**)

(فلکیات جدیدۃ، صفحہ ۲۴۳، ۲۴۴، حصہ اول، باب کسوفِ شمس، مع حاشیہ)

صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِلَّا فِی الثَّانِي مِنَ الشَّھْرِ أَوِ الثَّالِثِ عَشَرَ أَوِ الرَّابِعِ عَشَرَ أَوِ الْخَامِسِ عَشَرَ لِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِیْنَ عَلٰی أَنَّ وَقْفَةَ عَرَفَةَ فِیْ حَجَّةِ الْوِدَاعِ کَانَتْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَھُوَ التَّاسِعُ مِنْ ذِی الْحَجَّةِ فَدَخَلَ ذُو الْحَجَّةِ یَوْمَ الْخَمِیْسِ فَکَانَ الْمُحَرَّمُ إِمَّا الْجُمُعَةَ وَإِمَّا السَّبْتَ فَإِنْ کَانَ الْجُمُعَةَ فَقَدْ کَانَ صَفَرٌ إِمَّا السَّبْتَ وَإِمَّا الْأَحَدَ فَإِنْ کَانَ السَّبْتَ فَقَدْ کَانَ رَبِیْعُ الْأَحَدَ أَوْ الْاِثْنَیْنِ وَکَیْفَا دَارَتِ الْحَالُ عَلٰی ھٰذَا الْحِسَابِ فَلَمْ یَکُنِ الثَّانِیْ عَشَرُ مِنْ رَبِیْعٍ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ بِوَجْهٍ وَلَا الْأَرْبِعَاءَ أَیْضًا کَمَا قَالَ الْقُتَبِیُّ وَذَکَرَ الطِّبْرِیُّ عَنْ ابْنِ الْکَلْبِیِّ وَأَبِیْ مِخْنَفٍ أَنَّهٗ تُوُفِّیَ فِی الثَّانِي مِنْ رَبِیْعِ الْأَوَّلِ وَھٰذَا الْقَوْلُ وَإِنْ کَانَ خِلَافَ أَھْلِ الْجَمْهُوْرِ فَإِنَّهٗ لَا یُبْعَدُ اِنْ کَانَتِ الثَّلَاثَةُ الْأَشْھُرُ الَّتِیْ قَبْلَهٗ کُلُّھَا مِنْ تِسْعَةٍ وَّعِشْرِیْنَ فَتَدَبَّرْهُ فَإِنَّهٗ صَحِیْحٌ وَلَمْ أَرَ أَحَدًا تَفَطَّنَ لَهٗ وَقَدْ رَأَیْتُ لِلْخَوَارِزْمِیِّ أَنَّهٗ تُوُفِّیَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ أَوَّلِ یَوْمٍ مِنْ رَبِیْعِ الْأَوَّلِ وَھٰذَا أَقْرَبُ فِی الْقِیَاسِ بِمَا ذَکَرَ الطِّبْرِیُّ عَنِ ابْنِ الْکَلْبِیِّ وَأَبِیْ مِخْنَفٍ (الروض الانف للسهیلی) [1]

ترجمہ: اوراس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پیر کے دن ہوئی، مگر کچھ (ضعیف قول) بدھ کے روز کا بھی ہے، جس کو ابنِ قتیبہ نے معارف میں ذکر کیا ہے، تمام حضرات نے ربیع الاول میں وفات پر اتفاق کیا ہے، مگر ان سب یا اکثر نے ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کو وفات قرار دیا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارے میں صحیح تاریخ یا تو ۲ ربیع الاول ہے، یا ۱۳/ ربیع الاول ہے، یا ۱۴/ ربیع الاول ہے، یا ۱۵/ ربیع الاول، کیونکہ اس بات میں مسلمانوں کا اجماع ہے کہ حجۃ الوداع میں وقوفِ عرفہ جمعہ کے دن واقع ہوا تھا، اور وہ ذی الحجہ کی نو تاریخ تھی، تو ذی الحجہ کا مہینہ جمعرات کے دن شروع ہوا تھا، اس حساب

---

[1] ج۷ص۵۷۷، باب وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مَتَی تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ؟

سے یکم/محرم کو یا تو جمعہ کا دن تھا، یا ہفتہ کا دن تھا، اگر یکم/محرم کو جمعہ کا دن تھا، تو یکم/صفر کو یا ہفتہ کا دن تھا، یا اتوار کا دن تھا، اگر یکم/صفر کو ہفتہ کا دن تھا، تو یکم/ ربیع الاول کو یا ہفتہ کا دن تھا یا اتوار کا، اور اس حساب پر جونسی بھی حالت تصور کی جائے، تو ۱۲/ ربیع الاول کو پیر کا دن اور بدھ کا دن کسی بھی طرح نہیں بنتا، جیسا کہ قتبی نے کہا ہے، اور طبری نے ابنِ کلبی اور ابومخنف سے ۲/ ربیع الاول کو وفات کا ہونا ذکر کیا ہے، اور یہ قول اگرچہ جمہور کے خلاف ہے، لیکن مشکل نہیں ہے اگر اس سے پہلے کے تینوں مہینے ۲۹ کے تصور کئے جائیں، پس آپ کو اس پرغور کرنا چاہئے، کیونکہ یہ بات صحیح ہے، اور میں نے کسی کو اس نکتہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا، اور میں نے خوارزمی کا یہ قول دیکھا ہے کہ نبی علیہ السلام کی وفات ربیع الاول کی یکم تاریخ میں ہوئی، اور یہ قول قیاس کے اعتبار سے طبری کے ذکر کردہ ابنِ کلبی اور ابومخنف کے قول سے زیادہ قریب ہے (کیونکہ اس صورت میں ایک مہینہ انتیس کا اور دو مہینے تیس کے ہونگے، جو کہ کثیر الوقوع صورت ہے)(ترجمہ ختم)

اور علامہ ابنِ ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ سَيِّدَنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -تُوُفِّيَ فِيْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ، وَكَانَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ، وَاخْتَلَفُوْا فِيْ أَيِّ يَوْم كَانَ مِنَ الشَّهْرِ، فَقِيْلَ :فِيْ أَوَّلِهٖ، وَقِيْلَ :فِيْ ثَانِيْهِ، وَقِيْلَ :فِيْ ثَانِيْ عَشْرَهٗ، وَقِيْلَ : فِيْ عَاشِرِهٖ، قَالَ ابْنُ دَحْيَة فِيْ كِتَابِهٖ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ وَسَبَقَهٗ إِلَيْهِ السُّهَيْلِيُّ : وَلَا يَصِحُّ كُلُّ ذٰلِكَ؛ لِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى أَنَّ وَقْفَةَ عَرَفَةَ فِيْ حَجَّةِ الْوِدَاعِ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، فَدَخَلَ ذُو الْحِجَّةِ يَوْمَ الْخَمِيْسِ، فَكَانَ (أَوَّلُ)الْمُحَرَّمِ إِمَّا الْجُمُعَةَ وَإِمَّا السَّبْتَ، فَإِنْ كَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَدْ دَخَلَ صَفَرُ إِمَّا السَّبْتَ وَإِمَّا الْأَحَدَ، وَإِنْ كَانَ السَّبْتَ فَقَدْ كَانَ (أَوَّلُ) رَبِيْعٍ الْأَحَدَ أَوِ الِاثْنَيْنِ، وَكَيْفَمَا (كَانَ) الْحِسَابُ فَلَمْ يَكُنِ الثَّانِيُ (عَشَرَ) مِنْ

رَبِيعِ الْأَوَّلِ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ بِوَجْهٍ (البدر المنير فى تخريج الأحاديث والأثار الواقعة فى الشرح الكبير) [1]

ترجمہ: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ربیع الاول کے مہینے میں اور پیر کے دن ہوئی، لیکن مہینے کا کون سا دن تھا؟ اس میں اختلاف ہے، ایک قول یکم/ ربیع الاول کا ہے، اور ایک قول ۲/ ربیع الاول کا ہے، اور ایک قول ۱۲/ ربیع الاول کا ہے، اور ایک قول ۱۰/ ربیع الاول کا ہے۔

اور ابنِ دحیہ نے اپنی کتاب ''مرج البحرین'' میں فرمایا، اور ان سے پہلے امام سہیلی نے فرمایا کہ یہ سب صحیح نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ حجۃ الوداع کا وقوفِ عرفہ جمعہ کے دن واقع ہوا تھا، تو یکم/ ذی الحجہ جمعرات کے دن تھا، اس حساب سے یکم/محرم یا تو جمعہ کے دن تھا، یا ہفتہ کے دن، اگر یکم/محرم جمعہ کے دن تھا، تو یکم/صفر یا ہفتہ کے دن تھا، یا اتوار کے دن تھا، اگر یکم/صفر، ہفتہ کے دن تھا، تو یکم/ ربیع الاول یا ہفتہ کے دن تھا یا اتوار کے، اور اس حساب پر جونسی بھی حالت تصور کی جائے، تو ۱۲/ ربیع الاول پیر کے دن کسی بھی طرح نہیں بنتی (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَدِ اسْتَشْكَلَ ذٰلِكَ السُّهَيْلِيُّ وَمَنْ تَبِعَهٗ أَعْنِيْ كَوْنَهٗ مَاتَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ ثَانِيَ عَشَرَ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ وَذٰلِكَ أَنَّهُمُ اتَّفَقُوْا عَلٰى أَنَّ ذَا الْحَجَّةِ كَانَ أَوَّلُهٗ يَوْمَ الْخَمِيْسِ فَمَهْمَا فُرِضَتِ الشُّهُوْرُ الثَّلَاثَةُ تَوَامٌّ أَوْ نَوَاقِصُ أَوْ بَعْضُهَا لَمْ يَصِحَّ وَهُوَ ظَاهِرٌ لِمَنْ تَأَمَّلَهٗ وَأَجَابَ الْبَارِزِيُّ ثُمَّ ابْنُ كَثِيْرٍ بِاحْتِمَالِ وُقُوْعِ الْأَشْهُرِ الثَّلَاثَةِ كَوَامِلَ وَكَانَ أَهْلُ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ اِخْتَلَفُوْا فِيْ رُؤْيَةِ هِلَالِ ذِي الْحَجَّةِ فَرَآهُ أَهْلُ مَكَّةَ لَيْلَةَ الْخَمِيْسِ وَلَمْ يَرَهٗ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ إِلَّا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ فَحَصَلَتِ الْوَقْفَةُ بِرُؤْيَةِ أَهْلِ مَكَّةَ ثُمَّ

[1] ج۵ص ۱۹۹، ۲۰۰، كتاب الجنائز، الحديث الثامن، دار الهجرة للنشر والتوزيع - الرياض- السعودية.

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

رَجَعُوْا إِلَى الْمَدِيْنَةِ فَأَرَّخُوْا بِرُؤْيَةِ أَهْلِهَا فَكَانَ أَوَّلُ ذِى الْحَجَّةِ الْجُمُعَةَ وَآخِرُهُ السَّبْتَ وَأَوَّلُ الْمُحَرَّمِ الْأَحَدَ وَآخِرُهُ الِاثْنَيْنِ وَأَوَّلُ صَفَرٍ الثُّلَاثَاءَ وَآخِرُهُ الْأَرْبَعَاءَ وَأَوَّلُ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ الْخَمِيْسَ فَيَكُوْنُ ثَانِىْ عَشَرَهُ الْاِثْنَيْنِ وَهٰذَا الْجَوَابُ بَعِيْدٌ مِنْ حَيْثُ اَنَّهُ يَلْزَمُ تَوَالِىْ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ كَوَامِلَ وَقَدْ جَزَمَ سُلَيْمَانُ التَّيْمِىُّ أَحَدُ الثِّقَاةِ بِأَنَّ اِبْتِدَاءَ مَرَضِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَوْمَ السَّبْتِ الثَّانِىْ وَالْعِشْرِيْنَ مِنْ صَفَرٍ وَمَاتَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ لِلَيْلَتَيْنِ خَلَتَا مِنْ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ فَعَلٰى هٰذَا كَانَ صَفَرٌ نَاقِصًا وَلَا يُمْكِنُ أَنْ يَّكُوْنَ أَوَّلُ صَفَرٍ السَّبْتَ إِلَّا إِنْ كَانَ ذُو الْحَجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ نَاقِصَيْنِ فَيَلْزَمُ مِنْهُ نَقْصُ ثَلَاثَةِ أَشْهُرٍ مُتَوَالِيَةٍ وَأَمَّا عَلٰى قَوْلِ مَنْ قَالَ مَاتَ أَوَّلَ يَوْمٍ مِنْ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ فَيَكُوْنُ اِثْنَانِ نَاقِصَيْنِ وَوَاحِدٌ كَامِلًا وَلِهٰذَا رَجَّحَهُ السُّهَيْلِىُّ وَفِى الْمَغَازِىْ لِأَبِىْ مَعْشَرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ اِشْتَكٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ لِإِحْدٰى عَشَرَةَ مَضَتْ مِنْ صَفَرٍ وَهٰذَا مُوَافِقٌ لِقَوْلِ سُلَيْمَانَ التَّيْمِىِّ الْمُقْتَضِى لِأَنَّ أَوَّلَ صَفَرٍ كَانَ السَّبْتَ وَأَمَّا مَا رَوَاهُ بْنُ سَعْدٍ مِنْ طَرِيْقِ عُمَرَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِىْ طَالِبٍ قَالَ اِشْتَكٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ لِلَيْلَةٍ بَقِيَتْ مِنْ صَفَرٍ فَاشْتَكٰى ثَلَاثَ عَشَرَةَ لَيْلَةً وَمَاتَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ لِاِثْنَتَىْ عَشْرَةَ مَضَتْ مِنْ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ فَيَرِدُ عَلٰى هٰذَا الْإِشْكَالُ الْمُتَقَدِّمُ وَكَيْفَ يَصِحُّ أَنْ يَّكُوْنَ أَوَّلُ صَفَرٍ الْأَحَدَ فَيَكُوْنُ تَاسِعُ عِشْرِيْنِهِ الْأَرْبَعَاءَ وَالْغَرَضُ أَنَّ ذَا الْحَجَّةِ أَوَّلَهُ الْخَمِيْسُ فَلَوْ فُرِضَ هُوَ وَالْمُحَرَّمُ كَامِلَيْنِ لَكَانَ أَوَّلُ صَفَرٍ الْاِثْنَيْنِ فَكَيْفَ يَتَأَخَّرُ إِلٰى يَوْمِ الْأَرْبَعَاءِ فَالْمُعْتَمَدُ مَا قَالَ أَبُوْ مِخْنَفٍ وَكَأَنَّ سَبَبَ غَلَطِ غَيْرِهِ أَنَّهُمْ قَالُوْا مَاتَ فِىْ ثَانِىْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ فَتَغَيَّرَتْ فَصَارَتْ ثَانِىْ عَشَرَ وَاسْتَمَرَّ الْوَهْمُ بِذٰلِكَ يَتْبَعُ بَعْضُهُمْ

بَعۡضًا مِنۡ غَيۡرِ تَأَمُّلٍ وَاللّٰهُ أَعۡلَمُ (فتح البارى لابن حجر) [۱]

ترجمہ: اوراس پر سہیلی اوران کے متبعین نے اشکال ظاہر کیا ہے، یعنی ربیع الاول کی ۱۲تاریخ کو پیر کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہونے پر، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یکم/ ذی الحجہ جمعرات کے دن تھی، پس تینوں مہینے جس طرح کے بھی تصور کرلئے جائیں، پورے تیس دن کے یا انتیس دن کے یا بعض انتیس اور بعض تیس کے، تو ۱۲/ ربیع الاول کو پیر کا دن صحیح نہیں بنتا، اور یہ بات غور کرنے والے کے لئے واضح ہے، اور بارزی، اور پھر ابنِ کثیر نے یہ جواب دیا ہے کہ تینوں مہینوں کے تیس کے ہونے اور اہلِ مکہ اور اہلِ مدینہ کے ذی الحجہ کے چاند کو دیکھنے میں اختلاف ہونے کا احتمال ہے، پس ممکن ہے کہ مکہ والوں نے جمعرات کی رات میں چاند دیکھا ہو، اور مدینہ والوں نے جمعہ کی رات میں چاند دیکھا ہو، اس طرح سے مکہ والوں کے چاند دیکھنے میں ایک دن کا وقفہ ہوگیا، پھر صحابۂ کرام حجۃ الوداع سے فارغ ہوکر مدینہ کی طرف لوٹے، توانہوں نے مدینہ والوں کے چاند دیکھنے کی تاریخ کا اعتبار کیا، اس طرح سے یکم ذی الحجہ جمعہ کے دن واقع ہوئی، اور ذی الحجہ کا اختتام ہفتہ کے دن ہوا، اور یکم محرم اتوار کے دن، اوراس کا اختتام پیر کے دن ہوا، اور صفر کی ابتداء منگل کے دن ہوئی، اوراس کا اختتام بدھ کے دن ہوا، اور ربیع الاول کا آغاز جمعرات کے دن ہوا ہو، اوراس تفصیل کے مطابق ۱۲/ ربیع الاول پیر کے دن واقع ہوئی ہو۔

مگر یہ جواب بعید اور مشکل ہے، کیونکہ اس میں چار مہینوں کا لگا تار تیس کا ہونا لازم آتا ہے۔ [۲]

---

[۱] ج۸ص۱۲۸، ۱۲۹، قوله باب مرض النبى صلى الله عليه وسلم ووفاته وقول الله تعالى إنک ميت وإنهم ميتون ، دار المعرفة، بيروت.

[۲] مگر بعض ماہرین کی تصریح کے مطابق چار ماہ متواتر کامل جمع ہوسکتے ہیں (ملاحظہ ہو: الھیئۃ الکبریٰ ج۱ص۷۷، لمولانا محمد موسیٰ خان روحانی بازی رحمہ اللہ)
یہ بات اگر صحیح ہو تو بھی اس موقع پر اختلافِ مطالع کا احتمال بعید ہے، اس کا کسی روایت میں ذکر بھی نہیں۔

اور سلیمان تیمی نے جو کہ ثقہ راویوں میں سے ہیں، اس پر اطمینان اور وثوق ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی ابتداء ہفتہ کے دن ۲۲/ صفر کو ہوئی تھی، اور آپ کی وفات پیر کے دن ۲/ ربیع الاول کو ہوئی، تو اس صورت میں صفر کا مہینہ ۲۹ کا بنا، اور یہ بات ممکن نہیں کہ یکم/ صفر ہفتہ کے دن ہو، مگر اسی صورت میں جبکہ ذی الحجہ اور محرم دونوں انتیس کے ہوں، تو اس سے تینوں مہینوں کا لگا تار انتیس کا ہونا لازم آتا ہے، اور جس نے یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات یکم/ ربیع الاول کو ہوئی، تو اس کے نزدیک دو مہینے انتیس کے، اور ایک مہینہ تیس کا بنتا ہے، اور اسی وجہ سے امام سہیلی نے اس کو ترجیح دی ہے، اور مغازی میں ابو معشر کی محمد بن قیس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدھ کے روز صفر کی گیارہ تاریخ کو بیمار ہوئے، اور یہ بات سلیمان تیمی کے قول کے موافق ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ یکم/ صفر ہفتہ کے دن ہوئی، اور وہ روایت جس کو ابنِ سعد نے عمر بن علی بن ابی طالب کی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدھ کے روز صفر کا مہینہ ختم ہونے سے ایک رات پہلے بیمار ہوئے، اور تیرہ رات آپ بیمار رہے، اور ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو پیر کے دن وفات ہوئی، تو اس پر وہ اشکال لازم آتا ہے، جو پہلے گزر چکا، اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ صفر کی پہلی (یعنی یکم صفر) اتوار کے دن ہو، اور انتیسویں اسی صفر کی بدھ کے دن ہو (حالانکہ اس صورت میں انتیسویں کو بھی اتوار کا دن ہونا چاہئے)

خلاصہ یہ ہے کہ ذی الحجہ کی پہلی جمعرات کے دن تھی، پس اگر اس ذوالحجہ اور محرم کو تیس دن کا فرض (وشمار) کیا جائے، تو صفر کی پہلی پیر کو بنتی ہے، پھر وہ بدھ تک کیسے مؤخر ہو سکتی ہے (اور اگر ذوالحجہ ومحرم میں سے ایک کو انتیس کا شمار کیا جائے تو صفر کی پہلی اتوار کو بنتی ہے، جیسا کہ ابھی گزرا)

پس زیادہ قابلِ اعتماد ابو مخنف کا قول ہے (یعنی وفات کا ۲/ ربیع الاول ہونا) اور ان کے علاوہ دوسروں کی غلطی کا سبب یہ ہے کہ اوپر والوں (راوی، ناقلین وغیرہ اہل سیر) نے

یہ فرمایا تھا کہ ''ثانی شہر ربیع الاول'' (یعنی ۲/ربیع الاول) میں وفات فرمائی تھی، مگر یہ (کتابت وغیرہ کی غلطی کی وجہ سے) ''ثانی عشر ربیع الاول'' (یعنی ۱۲/ربیع الاول) ہوگیا (شہر کا عشر بن گیا) اور یہ غلط فہمی آگے تک چلتی رہی، اور بغیر تأمل کے بعض بعض کی اتباع کرتے رہے، واللہ اعلم (ترجمہ ختم)

اور حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِیْ یَظْهَرُ مِنْ كَلَامِ أَهْلِ السِّیَرِ نُقْصَانُ الثَّلَاثَةِ، أَوِ اثْنَیْنِ مِنْهَا، بِدَلِیْلِ مَا رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ "دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ" بِإِسْنَادٍ صَحِیْحٍ إِلٰى سُلَیْمَانَ التَّیْمِیِّ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرِضَ لِاثْنَتَیْنِ وَّعِشْرِیْنَ لَیْلَةً مِّنْ صَفَرٍ، وَكَانَ أَوَّلُ یَوْمٍ مَرِضَ فِیْهِ یَوْمَ السَّبْتِ، وَكَانَتْ وَفَاتُهُ الْیَوْمَ الْعَاشِرَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ لِلَیْلَتَیْنِ خَلَتَا مِنْ شَهْرِ رَبِیْعِ الْأَوَّلِ، فَهٰذَا یَدُلُّ عَلٰى أَنَّ أَوَّلَ صَفَرٍ یَوْمُ السَّبْتِ، فَلَزِمَ نُقْصَانُ ذِی الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمِ، وَقَوْلُهٗ: فَكَانَتْ وَفَاتُهُ الْیَوْمَ الْعَاشِرَ، أَیْ: مِنْ مَرَضِهٖ، یَدُلُّ عَلٰى نَقْصِ صَفَرٍ أَیْضًا، وَیَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ أَیْضًا مَا رَوَاهُ الْوَاقِدِیُّ عَنْ أَبِیْ مَعْشَرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَیْسٍ، قَالَ: اِشْتَكٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ لِإِحْدٰى عَشَرَةَ بَقِیَتْ مِنْ صَفَرٍ إِلٰى أَنْ قَالَ: اِشْتَكٰى ثَلَاثَةَ عَشَرَ یَوْمًا، وَتُوُفِّیَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ لِلَیْلَتَیْنِ خَلَتَا مِنْ رَبِیْعِ الْأَوَّلِ. فَهٰذَا یَدُلُّ عَلٰى نُقْصَانِ الشُّهُوْرِ أَیْضًا؛ إِلَّا أَنَّهٗ جَعَلَ مُدَّةَ مَرَضِهٖ أَكْثَرَ مِمَّا فِیْ حَدِیْثِ التَّیْمِیِّ، وَیُجْمَعُ بَیْنَهُمَا بِأَنَّ الْمُرَادَ بِهٰذَا ابْتِدَاؤُهٗ، وَبِالْأَوَّلِ اشْتِدَادُهٗ، وَالْوَاقِدِیُّ وَإِنْ ضُعِّفَ فِی الْحَدِیْثِ، فَهُوَ مِنْ أَئِمَّةِ أَهْلِ السِّیَرِ، وَأَبُوْ مَعْشَرٍ نَجِیْحٌ مُخْتَلَفٌ فِیْهِ، وَیُرَجِّحُ ذٰلِكَ وُرُوْدُهٗ عَنْ بَعْضِ الصَّحَابَةِ؛ وَذٰلِكَ فِیْمَا رَوَاهُ الْخَطِیْبُ فِی الرُّوَاةِ عَنْ مَالِكٍ مِنْ رِوَایَةِ سَعِیْدِ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ قُتَیْبَةَ الْبَاهِلِیِّ، حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ

عُمَرَ ، قَالَ :لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرِضَ ثَمَانِیَۃً ، فَتُوُفِّیَ لِلَیْلَتَیْنِ خَلَتَا مِنْ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ الْحَدِیْثُ ، فَاتَّضَحَ أَنَّ قَوْلَ سُلَیْمَانَ التَّیْمِیّ وَمَنْ وَافَقَہٗ رَاجِحٌ ، مِنْ حَیْثُ التَّارِیْخِ ، وَکَذٰلِکَ قَوْلُ اِبْنِ شِہَابٍ :مُسْتَہِلَّ شَہْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ ، فَیَکُوْنُ أَحَدُ الشُّھُوْرِ الثَّلَاثَۃِ نَاقِصًا، وَاللّٰہُ أَعْلَمُ (شرح التبصرۃ والتذکرۃ،للحافظ العراقی،تَوَارِیْخُ الرُّوَاۃِ وَالوَفَیَاتِ)

ترجمہ: اہلِ سِیَر کے کلام سے جو بات ظاہر ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ تینوں (یعنی محرم،صفر اور ربیع الاول کے) مہینے ،انتیس کے تھے، یا ان میں سے دو انتیس کے تھے، جس کی دلیل وہ ہے، جس کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں صحیح سند کے ساتھ سلیمان تیمی سے روایت کیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۲/صفر کو بیمار ہوئے ،اور جس دن بیماری کا آغاز ہوا، وہ ہفتے کا دن تھا، اور آپ کی وفات دسویں روز پیر کے دن ربیع الاول کی ۲ تاریخ کو ہوئی۔

جس سے معلوم ہوا کہ یکم/صفر ہفتے کے دن تھی، تو اس سے ذی الحجہ اور محرم دونوں مہینوں کا انتیس کا ہونا لازم آیا، اور سلیمان تیمی کا یہ کہنا کہ آپ کی وفات دسویں دن ہوئی، اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کا دسواں دن ہے، جس سے صفر کے مہینے کا بھی انتیس کا ہونا معلوم ہوا۔ [1]

اور یہی بات اس روایت سے بھی معلوم ہوتی ہے، جو واقدی نے ابو معشر کی سند سے محمد بن قیس سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدھ کے دن صفر کا مہینہ ختم ہونے سے گیارہ دن پہلے بیمار ہوئے ، یہاں تک کہ فرمایا کہ تیرہ دن بیمار رہے، اور پیر کے دن ربیع الاول کی دوسری تاریخ میں وفات ہوئی، اس سے بھی تینوں مہینوں کا انتیس کا ہونا معلوم ہوتا ہے، مگر محمد بن قیس نے مرض کی مدت تیمی کی حدیث میں بیان کردہ

[1] اور بعض ماہرینِ فلکیات کی تصریح کے مطابق ناقص مہینے متواتر دو بھی ہو سکتے ہیں، اور ۳ بھی، اور اس سے زیادہ کا جمع وتواتر مشکل ہے (ملاحظہ ہو: الھیئۃ الکبریٰ، ج۱ص ۷۷ ۴، للشیخ محمد موسیٰ خان)

مدت سے زیادہ بیان کی ہے، اور دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ اِس (محمد بن قیس کی) روایت سے مرادمرض کی ابتدا ہونا، اور پہلی (یعنی سلیمان تیمی کی) روایت سے مرادمرض کی شدت کا ہونا ہے، اور امام واقدی اگر چہ حدیث کے فن میں ضعیف شمار کئے گئے ہیں، لیکن وہ اہل السیَر کے اماموں میں سے ہیں، اور ابومعشر نجیح کے بارے میں اختلاف ہے، اور اس روایت کا راجح ہونا اس وجہ سے بھی ہے کہ بعض صحابہ سے بھی یہی منقول ہے، جیسا کہ خطیب نے رواۃ میں مالک سے سعید بن مسلم بن قتیبہ باہلی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ہم سے مالک بن انس نے بیان کیا ہے، انہوں نے نافع سے، اور انہوں نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ آٹھ دن (شدید) بیمار رہے، اور ربیع الاول کی ۲/ تاریخ کو وفات پائی، الحدیث۔ [۱]

پس اس تفصیل سے واضح ہوا کہ سلیمان تیمی اور ان سے موافقت کرنے والوں کا قول تاریخ کے لحاظ سے راجح ہے، اور اسی طریقہ سے ابنِ شہاب کا قول بھی (راجح ہے) کہ ربیع الاول کا چاند نظر آنے کے وقت (یعنی یکم ربیع الاول کو) وفات ہوئی، اس صورت میں تین مہینوں میں سے ایک مہینہ انتیس کا ہوگا، واللہ اعلم (ترجمہ ختم)

ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ کی ۲/ ربیع الاول کی روایت امام حاکم نے نقل فرمائی ہے۔ [۲]

---

[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدتِ مرضِ وفات میں اختلاف ہے، اکثر حضرات تیرہ دن کے قائل ہیں۔
وَاخْتُلِفَ فِی مُدَّةِ مَرَضِهِ فَالْأَكْثَرُ عَلَى أَنَّهَا ثَلَاثَةَ عَشَرَ يَوْمًا وَقِيلَ بِزِيَادَةِ يَوْمٍ وَقِيلَ بِنَقْصِهِ وَالْقَوْلَانِ فِی الرَّوْضَةِ وَصَدَرَ بِالثَّانِی وَقِيلَ عَشَرَةُ أَيَّامٍ وَبِهِ جَزَمَ سُلَيْمَانُ التَّيْمِیُّ فِی مَغَازِيهِ (فتح الباری لابنِ حجر، ج۸ص ۱۲۹، قوله باب مرض النبی صلی الله علیه وسلم ووفاته وقول الله تعالی إنک میت وإنهم میتون، دارالمعرفة ،بیروت)

[۲] ثُمَّ اشْتَكَى فِی النِّصْفِ مِنْ صَفَرٍ، ثُمَّ قُبِضَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ لِيَوْمَيْنِ مَضَيَا مِنْ شَهْرِ رَبِيعٍ الْأَوَّلِ (مستدرک حاکم حدیث نمبر ۶۹۱۸)
ترجمہ: پھر صفر کے مہینے کے درمیان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری کی شکایت ہوئی، پھر پیر کے دن ربیع الاول کے مہینے کی دو تاریخ میں آپ کا وصال ہوا (ترجمہ ختم)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور۲/ ربیع الاول سے متعلق محمد بن قیس کی روایت امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں نقل فرمائی ہے۔ ۱

اور معتمر بن سلیمان کی اپنے والد سلیمان بن طرخان تیمی سے۲/ ربیع الاول کی روایت بھی صحیح سند کے ساتھ امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں نقل فرمائی ہے۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ابوعبید معمر بن مثنیٰ کی وفات کی تاریخ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، جو سن ۲۰۸ھ سے لے کر ۲۱۱ھ کے درمیان دائر ہیں۔

أبو عبيدة *الامام العلامة البحر، أبو عبيدة، معمر بن المثنى التيمي، مولاهم البصري، النحوي، صاحب التصانيف. ولد في سنة عشر ومئة، في الليلة التي توفي فيها الحسن البصري......قال يعقوب بن شيبة :سمعت علي بن المديني ذكر أبا عبيدة، فأحسن ذكره، وصحح روايته، وقال: كان لا يحكي عن العرب إلا الشيء الصحيح .وقال يحيى بن معين :ليس به بأس .قال المبرد :كان هو والاصمعي متقاربين في النحو، وكان أبو عبيدة أكمل القوم .قلت :قارب مئة عام، أو كملها، فقيل :مات سنة تسع ومئتين،وقيل :مات سنة عشر .(سير اعلام النبلاء ج۹ ص ۴۴۵،۴۴۷)

قال الخطيب :يقال إنه ولد في الليلة التي مات فيها الحسن البَصْرِيّ .وَقَال أبو موسى محمد بن المثنى : مات سنة ثمان ومئتين .وَقَال المظفر بن يحيى : مات سنة تسع ومئتين وهو ابن ثلاث وتسعين سنة .وَقَال ابن عفير :مات سنة إحدى عشرة ومئتين .وَقَال الصولي : مات سنة تسع وقيل :سنة عشر وقيل :سنة إحدى عشرة ومئتين . ذكره أبو داود في أول كتاب الزكاة عقيب حديث أبي بكر :لو منعوني عقالا "قال أبو عُبَيدة :العقال :صدقة سنة والعقالان :صدقة سنتين (تهذيب الكمال ج۲۸ ص ۳۲۰، ۳۲۱)

۱ جس کے الفاظ یہ ہیں:

اشتكى ثلاثة عشر يوما وتوفي يوم الإثنين لليلتين خلتا من ربيع الأول سنة إحدى عشرة(دلائل النبوة للبيهقي حديث نمبر ۳۱۸۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ دن بیمار رہے، اور پیر کے دن ربیع الاول کی دو تاریخ میں سن ۱۱ھ میں آپ نے وفات پائی (ترجمہ ختم)

۲ جس کے الفاظ یہ ہیں:

وكانت وفاته اليوم العاشر ، يوم الإثنين لليلتين خلتا من شهر ربيع الأول ، لتمام عشر سنين من مقدمه المدينة(دلائل النبوة للبيهقي حديث نمبر ۳۱۷۹)

رواهُ البيهقيُّ في "دلائلِ النبوةِ "بإسنادٍ صحيحٍ إلى سليمانَ التيميِّ(شرح التبصرة والتذكرة،للحافظ العراقي،تَوَارِيْخُ الرُّوَاةِ وَالوَفَيَاتِ)

ترجمہ: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دسویں روز، پیر کے دن ربیع الاول کے مہینے کی دوسری تاریخ میں ہوئی، اس وقت آپ کو مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کئے ہوئے دس سال پورے ہو چکے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت عکرمہ سے بھی ۲/ ربیع الاول کی روایت منقول ہے۔

جس کو امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ [1]

اور صقعب بن زہیر نے فقہائے اہلِ حجاز سے بھی دو ربیع الاول کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نقل کی ہے۔

جس کو ابنِ جریر طبری نے تاریخ الامم میں روایت کیا ہے۔ [2]

علاوہ ازیں حضرت ابو معشر اور یحیٰ بن بکیر کی روایت اور اکثر حضرات کی تصریح کے مطابق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ۲۲/ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ ہے۔

اور صحیح روایت کے مطابق آپ کی خلافت کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے شروع ہو کر

---

[1] جس کے الفاظ یہ ہیں:

ثم حج رسول الله صلى الله عليه وسلم العام المقبل ثم ودع الناس ثم رجع فتوفى فى ليلتين خلتا من شهر ربيع (مصنف عبد الرزاق، حديث نمبر ۹۷۳۴)

ترجمہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے سال حج کیا، پھر لوگوں کو الوداع فرما کر مدینہ منورہ واپس لوٹے، پھر ربیع الاول کے مہینے کی ۲ تاریخ میں آپ کی وفات ہوئی (ترجمہ ختم)

[2] جس کے الفاظ یہ ہیں:

عن هشام بن محمد بن السائب عن أبى مخنف قال حدثنا الصقعب بن زهير عن فقهاء أهل الحجاز قالوا قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم نصف النهار يوم الاثنين لليلتين مضتا من شهر ربيع الاول (تاريخ الامم والملوك، لابن جرير الطبرى، ج ۲ ص ۲۳۲، ذكر الأخبار الواردة باليوم الذى توفى فيه رسول الله ومبلغ سنه يوم وفاته)

اور حضرت موسیٰ بن عقبہ کی ایک لمبی روایت میں ہے:

حتى كانت ليلة الإثنين من شهر ربيع الأول فأقلع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم الوعك فأصبح مفيقا ......حتى توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم على صدر عائشة فى يومها يوم الاثنين حين زاغت الشمس لهلال شهر ربيع الأول صلى الله عليه وسلم (دلائل النبوة ،تحت حديث رقم ۳۱۲۸)

اس روایت میں کیونکہ پہلے دو ربیع الاول اور پیر کے دن کا ذکر ہے، جس کے بعد یوم الاثنین لہلال شہر ربیع الاول سے یکم کے بجائے دو ربیع الاول کی تاریخ کا مراد ہونا راجح معلوم ہوتا ہے۔

اور جن دیگر روایات میں اس طرح (یعنی ھلال شہر ربیع الاول ومثلہٗ) کا مضمون مذکور ہے، ان سے بھی ۲ ربیع الاول مراد لینا "قریب الشیئ فی حکم الشیئ" کے اصول سے بعید نہیں۔ واللہ اعلم۔ محمد رضوان۔

۲ سال تین مہینے اور بیس دن بنتا ہے۔ [1]

[1] حَدَّثَنَا يَحْيَى بن بُكَيْرٍ ، قَالَ :اسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، فِي الْيَوْمِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَتُوُفِّيَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، فِي جُمَادَى الآخِرَةِ سَنَةَ ثَلاثَ عَشْرَةَ ، وَسِنُّهُ يَوْمَ تُوُفِّيَ كَمَا ذَكَرَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا سِنَّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ ثَلاثٍ وَسِتِّينَ (المعجم الكبير للطبرانی حديث نمبر ۴۰)

قال الهيثمی:

رواه الطبرانی ورجاله ثقات(مجمع الزوائد ج۹ص۶۰،باب وفاة أبی بكر رضی الله عنه)

عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ، قَالَ " :اسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ فِي شَهْرِ رَبِيعِ الْأَوَّلِ حِينَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَاتَ لِثَمَانٍ بَقِينَ مِنْ جُمَادَى الْآخِرَةِ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ مِنْ سَنَةِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ، فَكَانَتْ خِلَافَتُهُ سَنَتَيْنِ وَأَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ إِلَّا عَشْرَ لَيَالٍ (معرفة الصحابة لابی نعيم حديث نمبر ۹۴، واللفظ لهٗ، الاعتقاد للبيهقی حديث نمبر ۳۱۰، تاريخ مدينة دمشق لابن عساكر، ج۴۴ص۳۹۲)

وأخبرنا محمد بن عبد الله عن الزهری عن عروة عن عائشة قالوا :كان أول بدء مرض أبی بكر أنه اغتسل يوم الإثنين لسبع خلون من جمادى الآخرة، وكان يوما باردا، فحم خمسة عشر يوما لا يخرج إلی صلاة، وكان يأمر عمر بن الخطاب يصلی بالناس، ويدخل الناس عليه يعودونه وهو يثقل كل يوم وهو نازل يومئذ فی داره التی قطع له النبی، صلى الله عليه وسلم، وجاه دار عثمان بن عفان اليوم، وكان عثمان ألزمهم له فی مرضه، وتوفی أبو بكر، رحمه الله، مساء ليلة الثلاثاء لثمانی ليال بقين من جمادى الآخرة سنة ثلاث عشرة من مهاجر النبی، صلى الله عليه وسلم(الطبقات الكبرىٰ لابنِ سعد ، ج۳ص۲۰۲)

وذلک علی الصحيح لثمان بقين من جمادى الآخرة سنة ثلاث عشرة من الهجرة فكانت مدة خلافته سنتين وثلاثة اشهر واياما وقيل غير ذلک ولم يختلفوا انه استكمل سن النبی صلى الله عليه و سلم فمات وهو بن ثلاث وستين والله اعلم(فتح الباری لابنِ حجر ،قوله باب قول النبی صلى الله عليه و سلم لو كنت متخذا خليلا)

ومن الأوهام ما أخرجه البغوی عن علی بن مسلم عن زياد البكائی عن محمد بن إسحاق قال كانت خلافة أبی بكر سنتين وثلاثة أشهر واثنين وعشرين يوما توفی فی جمادى الأولى وهذا غلط إما فی المدة وإما فی الشهر فمن ذلک ما أخرجه من طريق الليث قال مات أبو بكر لليلة خلت من ربيع الأول وقال البغوی حدثنا محمد بن بكار حدثنا أبو معشر عن زيد بن أسلم عن أبيه وعن عمر مولى عفرة وعن محمد بن بزيغ توفی أبو بكر لثمان بقين من جمادى الآخرة قلت وهذا يطابق المدة التی فی رواية بن إسحاق ويخلص الوهم إلی الشهر(الاصابة لابنِ حجر، حرف العين المهملة)

وتوفی أبو بكر مساء يوم الاثنين لثمان بقين من جمادى الأخرى سنة ثلاث عشرة وكانت خلافته سنتين وأربعة أشهر إلا عشر ليال وقيل سنتين وثلاثة أشهر وتسع ليال (تلقيح فهوم الاثر لابن الجوزی، ذكر سنه يوم موته صلى الله عليه وسلم)

اس کے حساب سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۲ ربیع الاول کو صحیح قرار پاتی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ۱۲/ ربیع الاول کو ہونا تو حساب سے درست نہیں بنتا، اور مختلف اقوال میں سے ۲/ ربیع الاول کے قول کو اکثر حضرات نے راجح قرار دیا ہے، جس کی بیشتر روایات سے بھی تائید ہوتی ہے، جبکہ بعض نے یکم/ ربیع الاول کو راجح قرار دیا ہے۔[1]

---

[1] حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے ۲/ ربیع الاول کو ترجیح دی ہے، اور ۱۲/ ربیع الاول کو غلط قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

> تاریخِ وفات میں مشہور ہے کہ ۱۲/ ربیع الاول کو واقع ہوئی اور یہی جمہور مؤرخین لکھتے چلے آئے ہیں لیکن حساب سے کسی طرح یہ تاریخِ وفات نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ بھی متفق علیہ اور یقینی امر ہے کہ وفات دوشنبہ کو ہوئی اور یہ بھی یقینی ہے کہ آپ کا حج ۹/ ذی الحجہ بروز جمعہ کو ہوا، ان دونوں باتوں کے ملانے سے ۱۲/ ربیع الاول بروز دوشنبہ نہیں پڑتی۔ اس لئے حافظ ابن حجر نے شرح صحیح بخاری میں طویل بحث کے بعد اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ تاریخ وفات دوسری ربیع الاول ہے۔ کتابت کی غلطی سے ۲۔ کا ۱۲۔ اور عربی عبارت میں ''ثانی شھر ربیع الاول'' کا ''ثانی عشر ربیع الاول'' بن گیا حافظ مغلطائی نے بھی دوسری تاریخ کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم
> (حاشیہ سیرت خاتم الانبیاء ص ۱۴۴)

اور علامہ سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ نے بھی ۱۲/ ربیع الاول کو غلط قرار دیا ہے، البتہ انہوں نے یکم ربیع الاول کو کثیر الوقوع صورت کی بناء پر ترجیح دی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

> سب سے پہلے امام مذکور (سہیلی) ہی نے درایۃً اس نکتہ کو دریافت کیا کہ ۱۲/ ربیع الاول کی روایت قطعاً نا قابل تسلیم ہے کیونکہ دو باتیں یقینی طور پر ثابت ہیں، روزِ وفات دوشنبہ کا دن تھا (صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ) اس سے تقریباً تین مہینے پہلے ذی الحجہ ۱۰ھ کی نویں تاریخ کو جمعہ کا دن تھا (صحاح قصہ حجۃ الوداع، صحیح بخاری تفسیر الیوم اکملت لکم دینکم) ذی الحجہ ۱۰ھ روز جمعہ سے ۱۲/ ربیع الاول ۱۱ھ تک حساب لگاؤ، ذی الحجہ، محرم، صفران تینوں مہینوں کو خواہ ۲۹، ۲۹ خواہ ۳۰، ۳۰ خواہ بعض ۳۰ کسی حالت اور کسی شکل سے ۱۲/ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن نہیں پڑسکتا، اس لئے درایۃً بھی یہ تاریخ قطعاً غلط ہے۔ دوم ربیع الاول کو حساب سے اس وقت دوشنبہ پڑسکتا ہے جب تینوں مہینے ۲۹ کے ہوں۔ جب دو پہلی صورتیں نہیں ہیں تو اب صرف تیسری صورت رہ گئی ہے جو کثیر الوقوع ہے یعنی یہ کہ دو مہینے ۲۹ کے اور ایک مہینہ تیس کا لیا جائے اس حالت میں ۲۹ ربیع الاول کو دوشنبہ کا روز واقع ہوگا اور یہی ثقہ اشخاص کی روایت ہے (تفصیلی نقشہ تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں) وفاتِ نبوی کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاول سن ۱۱ھ ہے (حاشیہ سیرت النبی ج ۲ ص ۱۰۵ تا ۱۰۶)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تاریخِ ولادت اور تاریخِ وفات میں اختلاف کی وجہ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور وصال مبارک کی تاریخوں میں یہ اختلاف کیوں پیدا ہوا، جبکہ صحابۂ کرام، محدثینِ عظام اور فقہائے کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا اور طرزِ عمل کو محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو حافظے بھی عجیب وغریب طرح کے عطا فرمائے تھے۔

لہٰذا یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ ان حضرات کے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے یہ اختلاف پیدا ہوا۔

بات دراصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ وفات سے متعین طور پر امت کے لئے کوئی خاص (غمی یا خوشی کا) حکم وابستہ نہیں تھا، اس لئے اس کی حفاظت کا منجانب اللہ کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں کرایا گیا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکوینی طور پر اختلاف منظور ہوا، جس میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں وابستہ تھیں۔

مثلاً اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین وتبعِ تابعین رحمہم اللہ کے دور میں تاریخِ ولادت اور تاریخِ وفات کے حوالہ سے کوئی اجتماعی یا انفرادی حکم یا عمل وابستہ ہوتا (جیسا کہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے بھی بارہ ربیع الاول کو وفات ہونے کی تغلیط کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

> اب لیجئے! وفات کا حساب یہ تو اس سے بھی زیادہ آسان ہے ولادت میں تو ۶۳ سال پیچھے جانا پڑتا ہے اس میں تو صرف ۳ مہینے کا حساب ہے اور بالکل بدیہی ہے جسے عامی سا آدمی بھی آسانی سے نکال لے ذوالحجہ کی نویں تاریخ جمعہ کے دن تھی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک صرف ۳ ماہ بنتے ہیں۔ محرم، صفر، ربیع الاول تو یہ ۳ چاند ہوئے ان کا حساب بالکل اَن پڑھ سے اَن پڑھ آدمی بھی نکال لے تینوں چاند آپ ۲۹ کے لگالیں تو پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول نہیں بنتی۔ تینوں چاند ۳۰ کے لگالیں تو نہیں بنتی دو ۳۰ لگائیں ایک ۲۹ لگائیں تو نہیں بنتی دو ۲۹ کے لگائیں ایک ۳۰ لگائیں تو پیر کو ۱۲ ربیع الاول نہیں بنتی اگر پیر کو ۱۲ بنتی ہے تو کس طرح بنتی ہے کہ دو چاند لگالیں ۳۰ کے اور ایک لگائیں ۳۱ کا، بھائی آپ ہی بتائیں بھلا ۳۱ کا کبھی چاند ہوا ہے۔ اولاً تو ۳ چاند مسلسل ۳۰ کے ہوں یہ بھی ذرا مشکل ہے مگر پھر بھی ممکن ہے کبھی ایسا ہو جاتا ہے مگر ۳۱ کا چاند کیسے مانیں؟ اس سے ثابت ہوا کہ وفات کی تاریخ جو ۱۲ ربیع الاول مانی جاتی ہے یہ بھی بالکل غلط ہے اس کا بھی کوئی امکان نہیں (وعظ ''جشنِ ربیع الاول محبت کے آئینہ میں'' ص ۸، ۹)

آج کل عید میلا دالنبی کے نام سے جشن کا اہتمام ہوتا ہے) تو یہ اختلاف موجود نہ ہوتا، جیسا کہ آج دنیا کے ہر کونے میں ادنیٰ درجہ کے مسلمان کو بھی یہ بات معلوم ہے کہ عید الفطر شوال کی پہلی تاریخ میں اور عید الاضحیٰ ذی الحجہ کی دس تاریخ میں ہوتی ہے، اوراس میں امتِ مسلمہ کے درمیان دورائے نہیں پائی جاتیں۔ کیونکہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا متعینہ تاریخوں میں انجام دیا جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے متواتر طریقہ پر چلا آرہا ہے، اگر ۱۲/ربیع الاول کو ایک اجتماعی تیسری عید یا کسی اجتماعی عمل کا بھی وجود ہوتا تو یقیناً اس کا ثبوت بھی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی طرح ہوتا۔

پس اس سے واضح ہوا کہ شریعتِ مطہرہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت اور یومِ وفات کے ساتھ کوئی اجتماعی یا انفرادی شرعی عمل وابستہ نہیں۔

ولادت اور وصال کے ایک ہی مہینہ میں جمع ہونے کی حکمت

یہی وجہ ہے کہ ولادت اور وصال کے ایک مہینہ کے اندر جمع ہونے میں بزرگانِ دین نے ایک حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ کوئی شخص اس مہینے میں آپ کی ولادت کی وجہ سے نہ تو ''یومُ العید'' (یعنی خوشی کا دن) منائے اور نہ ''یومُ الحزن'' (یعنی غم کا دن) کیونکہ اگر کوئی اس کو یومُ العید (یعنی خوشی کا دن) بنانا چاہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا خیال اس خوشی میں رکاوٹ ہوگا۔ اور اگر کوئی یومُ الحزن (یعنی غم کا دن) منانا چاہے تو ولادتِ شریفہ کا خیال اس رنج وغم میں رکاوٹ ہوگا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وفات سے زیادہ کوئی واقعہ سرور (خوشی) اور حزن (رنج وغم) کا نہیں

(ماخوذ از ''خطباتِ حکیم الامت'' مواعظِ میلا دالنبی وعظ ''النور'')

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَاللّٰہِ مَا رَأَیْتُ یَوْمًا أَضْوَأَ وَلَا أَنْوَرَ وَلَا أَحْسَنَ مِنْ یَوْمٍ دَخَلَ عَلَیْنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ,وَلَا رَأَیْتُ یَوْمًا أَظْلَمَ وَلَا أَقْبَحَ مِنْ یَوْمٍ مَاتَ فِیہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الشريعة للآجری) [1]

---

[1] جزء ۴ص ۱۶۲۳، حديث نمبر ۱۱۱۱، كتاب الايمان ،باب ذكر وفاة النبى ﷺ، دارالوطن، رياض ، السعودية، واللفظ لهٗ، اخبارِ اصبهان لابى نعيم الاصبهانى حديث نمبر ۱۰۱۷ .

ترجمہ: اللہ کی قسم میں نے کوئی دن سب سے زیادہ روشن اور منور اور حسین تر اس دن سے زیادہ نہیں دیکھا، جس دن ہم پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے، اور میں نے کوئی دن زیادہ (غم کے) اندھیرے میں ڈوبے ہوئے اور قبیح تر (غمگین) اس دن سے زیادہ نہیں دیکھا، جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی (ترجمہ ختم)

ماہِ ربیعُ الاوّل کی فضیلت

ربیع الاول کے مہینہ کی فضیلت صاف طور پر تو قرآن وحدیث میں مذکور نہیں۔لیکن اُصولی طور پر یہ بات مسلّم ہے کہ اس مہینے میں تاجدارِ مصطفیٰ، احمدِ مجتبیٰ، خاتمُ النبیین، افضلُ النبیین ورحمۃٌ للعالمین نبیِ کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، اس لیے ربیع الاول کا مہینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہونے کی وجہ سے برکت اور فضیلت والا مہینہ ہے، ماہِ ربیع الاول شریف کو شریف اس لئے کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ماہ میں ولادت باسعادت ہونے کی وجہ سے یہ مہینہ شرافت وفضیلت والا مہینہ ہے۔اور جس زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی ہو وہ مہینہ ایسا نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے اس میں فضیلت اور شرف نہ آئے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ کا مکان اسی وجہ سے معظم ومحترم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کی جگہ ہے، چنانچہ آج تک وہ مبارک جگہ معلوم ومحفوظ ہے، اسی طرح وہ زمانہ بھی شریف وعظیم ہوگا جس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی ہے۔اور یہ اس مہینے کے لئے ایک ایسی فضیلت ہے جو بعض حیثیتوں سے دوسرے مہینوں سے بڑھی ہوئی ہے (اگرچہ دوسری حیثیتوں سے رمضان المبارک ولیلۃ القدر وغیرہ کی فضیلت زیادہ ہے) [1]

اسی وجہ سے اس مہینے کی شرافت کو بیان کرتے ہوئے ایک شاعر کہتا ہے۔

---

[1] لکن اشار علیه الصلاة والسلام الی فضیلة هذاالشهر العظیم بقوله علیه الصلاة والسلام للسائل الذی سأله عن صوم یوم الاثنین فقال له علیه الصلاة والسلام ذلک یوم ولدت فیه فتشریف هذاالیوم متضمن لتشریف هذاالشهر الذی ولدفیه(المدخل لابن الحاج ،فصل فی مولدالنبیصلی الله علیه وسلم ، الجزء الثانی صفحه ۲ و ۳)

لِهٰذَا الشَّهْرِ فِی الْاِسْلَامِ فَضْلٌ وَمَنْقَبَةٌ يَفُوقُ عَلَى الشُّهُورِ

فَمَوْلُوْدٌ بِهٖ وَاِسْمٌ وَمَعْنٰى وَآيَاتٌ بَهَرْنَ لَدَى الظُّهُوْرِ

رَبِيْعٌ فِیْ رَبِيْعٍ فِیْ رَبِيْعٍ وَنُوْرٌ فَوْقَ نُوْرٍ فَوْقَ نُوْرٍ

(المقتفى من سيرة المصطفى صلى الله عليه وسلم ، لحسن بن عمر بن حبيب،الآيات التي ظهرت بمولده صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: اس مہینہ کی اسلام میں ایک خاص قسم کی فضیلت اور منقبت ہے جو دوسرے مہینوں پر فوقیت لئے ہوئے ہے۔

پس اس مہینے کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور معنیٰ (یعنی محمد اور بہت زیادہ تعریف کیا ہوا) کے اعتبار سے ولادت ہوئی، اور آپ کے ظہور کے وقت مختلف علامات ظاہر ہوئیں۔

ایک بہار میں دوسری بہار اور دوسری میں تیسری بہار جمع ہے اور نور کے اوپر نور اور پھر نور ہے۔ [1]

---

[1] نور کے معنیٰ ''روشنی'' کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں چاند کو نور فرمایا ہے ''والقمر نورا''، روشنی کیونکہ خود بھی روشن وظاہر ہوتی ہے اور دوسری چیزوں کو بھی روشن وظاہر کر دیتی ہے۔
اسی مناسبت سے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو بھی نور کہا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ خود بھی ہدایت پر ہیں اور دوسروں کے لے بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستوں کو ظاہر کرنے والے اور صراطِ مستقیم کی ہدایت کرنے والے ہیں، بلکہ اس معنیٰ کے اعتبار سے ہر دینی مقتدا نور ہے۔
حدیث میں ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ نُوْرًا'' الفاظ کے ساتھ دعا آئی ہے جس کے معنیٰ ہیں کہ اے اللہ مجھے نور بنا دیجئے اور یہ دعا ہر مسلمان کے لئے جائز ہے، نور الدین، نور الاسلام، نور اللہ وغیرہ نام رکھنے کا عام دستور ہے اس سے بھی یہی معنیٰ مراد ہوتے ہیں یعنی دین اور اسلام اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی ہدایت کرنے اور راستہ دکھانے والا، قرآن مجید میں دینی ہدایت کو نور اور گمراہی کو ظلمت واندھیرا فرمایا گیا ہے ''وَجَعَلْنَا لَهُ نُوْرًا يَمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ '' اور اسی ہدایت کے نور کو قیامت کے دن روشنی بن کر چمکنے کا فرمایا گیا ہے ''يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ''
گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی نبی کو نور کہنے سے اس کے بشر ہونے کی نفی نہیں ہوتی، ایک انسان بشر ہو کر نور بمعنیٰ ہدایت ہوسکتا ہے اور یہی افضلیت کی دلیل ہے کیونکہ خود بشر وانسان اشرف المخلوقات ہے اور اوپر سے جب نورِ ہدایت کی صفت بھی اس میں جمع ہو جائے تو اس کی فضیلت دوسری مخلوقات مثلاً فرشتوں بلکہ خود اس نورِ ہدایت سے محروم اشرف المخلوقات کے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس شعر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے مہینے کی تعریف کی گئی ہے۔ [1]

اس شعر میں اوّل ربیع سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے ربیع سے مراد موسمِ بہار ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت بہار کا موسم تھا۔ ربیع کے معنیٰ بہار کے ہیں یا یہ کہنا چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہونے سے بہار آ گئی تھی اور تیسری ربیع سے مراد ربیع الاول کا مہینہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت بھی موسمِ بہار کی طرح ہے اور زمانہ بھی حقیقت میں بہار کا تھا اور ربیع الاول کا مہینہ تھا، اس طرح سے تین ربیعیں یعنی تین بہاریں بیک وقت جمع ہو گئی تھیں۔

اسی طرح ایک نور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی بہار کا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت عجیب وغریب قسم کا سماں تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کیونکہ علم وہدایت کا ذریعہ تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم روحانی اعتبار سے نور ہیں (اگر چہ جسمانی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

افراد سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ ہدایت سب سے اعلیٰ وافضل ہے اس لیے جو حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نور کی نسبت کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرتے ہیں، وہ غلط فہمی کا شکار ہیں، ورنہ اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے نور بننے کی دعا کا مطلب یہ ہوگا کہ یا اللہ مجھے بشریت اور انسانیت سے نکال دیجئے، پیچھے جو تفصیل نور کی ذکر کی گئی ہے یہی صحیح ہے اور اس کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت نور اور بشر ہیں (کذا فی احسن الفتاویٰ جلد اصفحہ ۵۶، کتاب الایمان والعقائد)

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یومِ ولادت کی کوئی فضیلت صراحتاً وارد نہیں گو قواعد سے فی نفسہٖ یومِ ولادت میں برکت اور فضیلت کے سب ہی مسلمان قائل ہیں ایسا کون ہوگا جو اس دن بلکہ اس ماہ کی برکت کا قائل نہ ہو؟ چنانچہ سیوطی یا علی قاری اس ماہ کی فضیلت میں فرماتے ہیں

لھٰذا الشھر فی الاسلام فضل ومنقبة تفوق علی الشھور

ربیع فی ربیع فی ربیع ونور فوق نور فوق نور

اور میں اس پر اضافہ کر کے کہتا ہوں

ظھور فی ظھور فی ظھور سرور فی سرور فی سرور

(خطباتِ حکیم الامت جلد ۵، صفحہ ۱۰۹ وعظ ''السرور'')

اعتبار سے بشر ہیں) اور ایک نور بہار کا زمانہ اور موسم ہونے کا تھا، کیونکہ موسمِ بہار میں ایک خاص قسم کا نور اور رونق ہوتی ہے، اس لیے ان وجوہات کی بناء پر کئی انوار جمع تھے۔

بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت کئی بہاریں اور کئی نور جمع تھے۔ [1]

---

[1] عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت عبداللہ فرماتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت آمنہ کے پاس موجود تھی تو اس وقت یہ دیکھا کہ تمام گھر نور سے بھر گیا اور دیکھا کہ آسمان کے ستارے جھکے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ مجھ کو یہ گمان ہوا کہ یہ ستارے مجھ پر آ گریں گے۔ عرباض بن ساریہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ کی والدہ ماجدہ نے ولادت باسعادت کے وقت ایک روشنی دیکھی جس سے شام کے محل روشن ہو گئے یہ روایت مسند احمد اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے اور اسی کے ہم معنی مسند احمد میں حضرت ابوامامہ سے بھی مروی ہے...... اور ایک روایت میں ہے کہ بُصریٰ کے محل روشن ہو گئے۔

فائدہ: ستاروں کے زمین کی طرف جھک آنے میں اس طرف اشارہ تھا کہ اب عنقریب زمین سے کفر اور شرک کی ظلمت اور تاریکی دور ہو گی اور انوار وہدایت سے تمام زمین روشن اور منور ہو گی (''سیرۃ المصطفیٰ'' ج ۱ ص ۵۲ تا ۵۳ بتغیر)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ماہِ ربیع الاول کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ماہِ ربیع الاول شریف کو شریف اس لیے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ماہ میں ولادت ہوئی ہے اور جس زمانہ میں آپ کی ولادت ہوئی ہو وہ ماہ ایسا نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے اس میں شرف نہ آئے، جیسے کہ ولادت شریف کا مکان اسی وجہ سے معظّم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت ہے چنانچہ وہ موضع شریف محفوظ ہے اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں اسی طرح وہ زمان بھی شریف ہوگا جس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی............ جس کی نسبت کوئی قائل کہتا ہے ؎

لھٰذا الشھر فی الاسلام فضل ومنقبة تفوق علی الشھور

(یعنی اس ماہ کے لئے اسلام میں ایک فضیلت ہے اور ایسی منقبت وافضلیت ہے جو بعض حیثیتوں سے تمام مہینوں کی منقبت پر بڑھی ہوئی ہے) اور بعض حیثیتوں سے میں نے اس لیے کہا کہ رمضان المبارک کی فضیلت تو حق تعالیٰ نے بیان بھی فرمائی ہے اور ماہِ ربیع الاول کی فضیلت صرف بنائی ہے، پس رمضان المبارک کی فضیلت تو بنائی بھی اور بتلائی بھی اور ربیع الاول کی صرف بنائی ہے، بتلائی نہیں۔ تو جس کی فضیلت بتائی بھی اور بنائی بھی وہ افضل ہے اس ماہ سے جس کی فضیلت صرف بنائی ہو اور بتائی نہ ہو اس لیے میں نے مِن وجہٍ کہا اور وہ وجہ وحیثیت یہی ہے کہ اس ماہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی پس اس حیثیتِ خاص سے اس کو رمضان پر بھی فضیلت ہے اور اگر نظر کو زیادہ وسیع کیا جاوے تو رمضان المبارک کو اس حیثیت سے بھی ربیع الاول پر معناً فضیلت ہوسکتی ہے اس لیے کہ ربیع الاول میں یہ شرف کہاں سے آیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ کا ظرف ہونے سے اور رمضان المبارک میں شرف کیوں ہے؟ آپ کی عبادتِ شریفہ کا ظرف ہونے سے۔ پس ربیع الاول شریف تو ولادتِ شریفہ کا ظرف ہے اور رمضان المبارک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت والے سال اور سَن کو بعض تاریخ دانوں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عبادتِ مبارک کا ظرف ہوا اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت آپ کی ولادت سے افضل ہے۔ اس لیے کہ مقصود اور غایت ولادت سے عبادت ہی ہے، پس عبادتِ شریفہ کا ظرف ولادتِ شریفہ کے ظرف سے افضل ہے لیکن تاہم ربیع الاول کو اس خاص حیثیت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں ولادت باسعادت ہوئی ہے صورتاً رمضان المبارک پر فضیلت ہے، آگے شاعر کہتا ہے ۔

ربیع فی ربیع فی ربیع   ونور فوق نور فوق نور

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود خود بہار، پھر ولادت شریف کا ماہ بھی ربیع کا جس کے معنیٰ بہار کے ہیں اور وہ موسم بھی بہار کا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود (علم وہدایت کے اعتبار سے) نور جو سب انوار سے فائق ہے (خطباتِ حکیم الامت جلد ۵، صفحہ ۲۱ و ۲۲ ملخصاً وعظ ''الظہور'')

اول ربیع سے مراد ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرا ربیع ہے موسمِ بہار کہ اس وقت یہ موسم تھا یا یہ کہا جاوے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے سے بہار ہوگئی تھی چنانچہ اسی سن کو لوگوں نے سن الفتح والابتہاج کہا ہے اور تیسرے ربیع سے مراد ہے مہینہ اور دوسرے مصرعہ میں نور فوق نور الخ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں انوار مجتمعہ متزائیدہ تھے تو یہ فضیلت اس ماہ کو حاصل ہے خواہ تو وہ فضیلت اس طرح ہو کہ اس ماہ کو پہلے سے فضیلت عطا کی گئی تھی اور اس ماہ کے ذی فضیلت ہونے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ کے لئے اس کو خاص فرمایا، رہی یہ بات کہ اس کو کیوں فضیلت عطا ہوئی تھی سو اس کی علت ہم کو معلوم نہیں، خدا تعالیٰ کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں فضیلت عطا فرمادیں اور اسی طرح دوشنبہ کے دن میں فضیلت پہلے سے ہو اور بوجہ ان دونوں کے ذی فضیلت ہونے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں پیدا کیا گیا ہو جیسے جمعہ میں فضیلت پیدا کر کے حضرت آدم علیہ السلام کو اس میں پیدا کیا گیا اور خواہ وہ فضیلت اس طرح ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ اس میں ہوئی ہے۔ اس تلبس سے اس کو فضیلت حاصل ہوگئی ہے اور ایسا ہی احتمال جمعہ میں بھی ہے کہ خود ولادتِ آدم علیہ السلام اور دیگر واقعات سے اس میں فضیلت آگئی ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے سے فضیلت ثابت ہو اور ان واقعات کو علامت کے طور پر ذکر فرمایا ہو۔ تو ایک احتمال پر یہ واقعات دلیل لمی ہوں گے فضائل کے۔ اور دوسرے احتمال پر دلیلِ انّی، علیٰ ہٰذا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن روزہ رکھتے تھے اور اس کی وجہ یہ فرماتے تھے کہ فیہ ولدت و فیہ انزل علی اس میں بھی دونوں احتمال ہیں کہ چونکہ میری ولادت اور بعثت سے اس میں فضیلت آگئی ہے اس لیے روزہ رکھتا ہوں یا یہ کہ یہ دن پہلے سے فضیلت کا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ فیہ ولدت و فیہ انزل علی اس فضیلتِ سابقہ کی وجہ سے روزہ رکھتا ہوں تو دونوں احتمال دونوں جگہ ہیں اور اصل مقصود ثبوتِ فضیلت میں ہر دو مفید ہیں خواہ وہ فضیلت سبب ہو یا مسبب ہو (خطباتِ حکیم الامت جلد ۵، صفحہ ۱۶۷ و ۱۶۸ وعظ ''النور'')

نے ''سَنُّ الْفَتحِ وَالِابْتِھَاجِ'' (یعنی کامیابی والا اور خوبصورت وتر وتازہ سال) کہا ہے۔

بہرحال اس مہینے کی فضیلت کے ثابت ہونے کے باوجود شریعت نے اس مہینہ کے لئے کوئی مخصوص عمل متعین نہیں کیا، بلکہ آپ کی تاریخِ ولادت کی حفاظت کا کوئی خاطر خواہ انتظام بھی نہیں کیا، اسی وجہ سے آپ کی تاریخِ ولادت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اس مہینہ کی فضیلت کس طرح حاصل کی جائے؟

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ ربیع الاوّل کا مہینہ فضیلت وشرافت والا مہینہ ہے، تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مہینے میں کون کون سے مخصوص اعمال کر کے اس مہینے کی فضیلت کو حاصل کیا جائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس مہینہ کی تعظیم وتکریم اور احترام کیا جائے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر عمل میں اتباع کا اہتمام کیا جائے، عقائد میں بھی، عبادات میں بھی، اخلاق میں بھی، معاشرت میں بھی اور معاملات میں بھی، یعنی اپنے عقائد کی اصلاح کی جائے، شرک وبدعات سے بچا جائے، ہر قسم کے صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے پرہیز کیا جائے، نماز وغیرہ کی پابندی کی جائے اور اپنی معاشرت کو اسلامی تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے، ہر قسم کے رسم ورواج، نمود ونمائش، اور فضول خرچی سے بچا جائے، اور اپنے معاملات وکاروبار میں حلال اور جائز چیزوں کا لحاظ کیا جائے، ناجائز طریقوں اور حرام آمدنی کے ذرائع کو چھوڑ دیا جائے، اور اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کئے جائیں، مثلاً حلم، صبر، شکر، تواضع وغیرہ جیسے اچھے اخلاق اختیار کیے جائیں اور برے اخلاق سے بچا جائے مثلاً تکبر، غرور، ریاء، دکھلاوا، بے جا غصہ اور حسد وبغض اور کینہ کپٹ وغیرہ سے پرہیز کیا جائے۔

غرضیکہ اپنے ظاہر اور باطن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطابق ڈھالا جائے، اپنی طرف سے اس مہینے یا اس مہینے کی کسی تاریخ کے لئے کوئی مخصوص عمل ایجاد نہ کیا جائے، اور آئندہ کے لئے نیک اعمال کو بجالانے کا پختہ عزم اور عہد کیا جائے اور گناہوں سے سچی اور پکی توبہ کی جائے اور

خاص طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حقوق بجالائے جائیں (جن کا ذکر آگے آتا ہے) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق صرف اس مہینے یا اس کی کسی تاریخ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ زندگی بھر یہ حقوق جاری رہتے ہیں۔

یہی اس مہینے کی عظمت وفضیلت کو حاصل کرنے کا واحد طریقہ ہے، اسی لئے شریعت کی طرف سے اس مہینے یا اس کی کسی مخصوص تاریخ کے لئے کوئی خاص عمل مقرر نہیں کیا گیا، کیونکہ کسی ایک آدھ عمل کے کر لینے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے مقصود کو حاصل کرنا ممکن نہیں۔

اور اگر ان مذکورہ اعمال کی پابندی کرنے کی توفیق نہ ہو سکے تو کم از کم درجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں خصوصیت کے ساتھ گناہوں سے بچا جائے نہ یہ کہ گناہوں میں مبتلا ہوا جائے کیونکہ یہ تو بہت ہی بدبختی کی بات ہے کہ اس مہینے کی عظمت واحترام کے بجائے گناہوں میں مبتلا ہو کر اس مہینے کی بے احترامی اور بے تعظیمی کی جائے جیسا کہ آج کل اس مہینے اور خاص کر اس مہینے کی ۱۲/ تاریخ کو بے شمار گناہوں میں مبتلا ہوا جاتا ہے (جن کا ذکر آگے آتا ہے) [1]

---

[1] فعلیٰ ھٰذافینبغی اذادخل ھٰذاالشھرالکریم ان یکرم ویعظم ویحترم الاحترام اللائق بہٖ وذالک بالاتباع لہٗ صلی اللہ علیہ وسلم فی کونہٖ علیہ الصلاۃ والسلام کان یخص الأوقات الفاضلۃ بزیادۃ فعل البرفیھاوکثرۃ الخیرات .ألاتری الی قول البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کان النبیصلی اللہ علیہ وسلم أجودالناس بالخیر وکان أجودمایکون فی رمضان فنمتثل تعظیم الاوقات الفاضلۃ بماامتثلہ علیہ الصلاۃ والسلام علی قدر استطاعتنا.

(فصل)فان قال قائل قدالتزم علیہ الصلاۃ والسلام ماالتزمہ فی الاوقات الفاضلۃ مماقدعلم ولم یلتزم فی ھٰذاالشھرماالتزمہٗ فی غیرہٖ فالجواب ان المعنی الذی لاجلہ لم یلتزم علیہ الصلاۃ والسلام فی ھذاالشھر الشریف انماھوماقدعلم من عادتہ الکریمۃ فی کونہ علیہ الصلاۃ والسلام یرید التخفیف عن امتہ والرحمۃ لھم (المدخل لابن الحاج ،الجزء الثانی صفحہ۲ ،فصل فی مولدالنبی صلی اللہ علیہ وسلم)

فکان یجب ان یزاد فیہ من العبادات والخیرشکراللمولیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ علیٰ ماالولانامن ھذہ النعم العظیمۃ وان کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یزدفیہ علی غیرہٖ من الشھورشیئامن العبادات وماذالک الالرحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم بامتہٖ ورفقہٖ بھم (المدخل لابن الحاج ،الجزء الثانی صفحہ۲ ،فصل فی مولدالنبی صلی اللہ علیہ وسلم)

فعلیٰ ھٰذافتعظیم ھٰذاالشھر الشریف انمایکون بزیادۃالاعمال الزاکیات فیہ والصدقات

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ماہِ ربیع الاوّل اور پیر کے دن ہونے میں حکمت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ماہِ ربیع الاول اور پیر کے دن ہونے میں کیا حکمت ہوگی؟ جبکہ ربیع الاول کے مہینے اور پیر کے دن کے مقابلہ میں کئی دوسرے مہینے اور دن فضیلت والے موجود تھے، چنانچہ رمضان المبارک کے مہینے کی فضیلت تو سب ہی جانتے ہیں اور اشہرِ حرم (ذی الحجہ، محرم، صفر اور رجب) کے مہینے بھی بڑی فضیلت کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الیٰ غیر ذالک من القربات فمن عجزعن ذلک فأقل أحواله ان یجتنب مایحرم علیه ویکره له تعظیمالهذا الشهر الشریف وان کان ذلک مطلوبافی غیره الأانه فی هذاالشهر أکثر احتراماکمایتأکدفی شهر رمضان وفی الاشهر الحرم فیترک الحدیث فی الدین ویجتنب مواضع البدع ومالاینبغی. وقد ارتکب بعضهم فی هذاالزمان ضدهذاالمعنی وهوأنه اذادخل هذاالشهر الشریف تسارعوافیه الی اللهو واللعب بالدف والشبابةوغیرهماکماتقدم. فمن کان باکیافلیبک علی نفسه وعلی الاسلام وغربته وغربة أهله والعاملین بالسنة(المدخل لابن الحاج، الجزء الثانی صفحه۴، فصل فی مولدالنبی صلی الله علیه وسلم)

فان قال قائل فهذاالشهرلم نجدفیه زیادة فی الاعمال کمانجدفی غیره من الشهوروالليالی والایام الفاضلة .فالجواب انّ تلک الازمنة حصلت لهاالفضیلة بزیادة الاعمال الفاضلة فیهاوهذاالشهرحصل له التشریف بظهور من جاء ت الاعمال والخیرات التی حصلت بهاالفضیلة لتلک الاوقات علی یدیه وبسببه صلی الله علیه وسلم هذاوجه ظاهربین لایرتاب فیه .ووجّه ثان وهوانه علیه الصلاة والسلام کماوصفه اللهعزوجل فی کتابه العزیزحیث یقول فی صفته (بالمؤمنین رؤف رحیم)فکان دأبه صلی الله علیه وسلم طلب التخفیف عن امته مهماقدر علی ذلک ووجدالسبیل الیه فعله فلماان کان هذاالشهراختص بظهوره علیه الصلاة والسلام فیه لم یکلف أمته زیادة عمل فیه بل أشارالی ذلک بالتنبیه علیه .ووجّهثالث وهوان اهل الآفاق قدحرم علیهم الصوم فی ایام التشریق وماذلک الاان الحاج ضیف اللهتعالیٰ فوقعت الضیافة لأهل الاقالیم کلهاکرامة لهم فکیف بالزمن الذی ظهرفیه من شرع ذلک علی یدیه صلوات اللهعلیه وسلامه...... ولماان کان شهرربیع الاول الذی ظهرفیه علیه الصلاة والسلام للوجود. کانت الضیافة الشهرکله لکن ترک علیه الصلاة والسلام أمته رحمة بهم فی عدم التکلیف لهم بتحریم الصوم علیهم والفطرلانه رحمة للعالمین خصوصاللمؤمنین کماسبق وشأن الرحمة التوسعة(المدخل لابن الحاج ، الجزء الثانی صفحه۴۵و۴۶ملخصاً، فضل المدینة علی ساکنهاالصلاة والسلام)

حامل ہیں، اسی طرح راتوں میں شبِ قدر اور نصف شعبان اور شبِ جمعہ کی راتیں (جن کا ذکر ہم نے الگ الگ رسائل میں کردیا ہے) اور دِنوں میں جمعہ جیسے بابرکت دن بھی موجود ہیں، تو ان مذکورہ مبارک مہینوں اور دِنوں اور راتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت نہ ہونے اور خاص ربیع الاول اور پیر کے دن ہونے میں کیا حکمت ہوسکتی ہے؟

اس کے جواب میں سمجھ لینا چاہیے کہ اصل حکمت تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں اور یہ خالص اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس میں کسی دوسرے کو کیا دخل ہوسکتا ہے؟ تاہم بعض اہلِ علم حضرات نے ثانوی درجہ میں اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل چار حکمتیں بیان فرمائی ہیں: [1]

(۱)...... حدیث شریف میں یہ مضمون وارِد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شجر (یعنی درختوں) کو پیر کے دن پیدا فرمایا۔ [2]

---

[1] فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ مَا الْحِكْمَةُ فِي كَوْنِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ خُصَّ مَوْلِدُهُ الْكَرِيمُ بِشَهْرِ رَبِيعِ الْأَوَّلِ وَبِيَوْمِ الِاثْنَيْنِ مِنْهُ عَلَى الصَّحِيحِ وَالْمَشْهُورِ عِنْدَ أَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ ,وَلَمْ يَكُنْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ وَفِيهِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ وَاخْتُصَّ بِفَضَائِلَ عَدِيدَةٍ وَلَا فِي الْأَشْهُرِ الْحُرُمِ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَهَا الْحُرْمَةَ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَلَا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَلَا فِي لَيْلَتِهَا .فَالْجَوَابُ مِنْ أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ(المدخل لابن الحاج ،فصل فی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الجزء الثانی صفحه۲۶)

[2] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِي فَقَالَ خَلَقَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ التُّرْبَةَ يَوْمَ السَّبْتِ وَخَلَقَ فِيهَا الْجِبَالَ يَوْمَ الْأَحَدِ وَخَلَقَ الشَّجَرَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَخَلَقَ الْمَكْرُوهَ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ ,وَخَلَقَ النُّورَ يَوْمَ الْأَرْبِعَاءِ ,وَبَثَّ فِيهَا الدَّوَابَّ يَوْمَ الْخَمِيسِ وَخَلَقَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَام بَعْدَ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فِي آخِرِ الْخَلْقِ فِي آخِرِ سَاعَةٍ مِنْ سَاعَاتِ الْجُمُعَةِ فِيمَا بَيْنَ الْعَصْرِ إِلَى اللَّيْلِ(مسلم ، باب ابتداء الخلق وخلق آدم علیه السلام،حدیث نمبر ۴۹۹۷،واللفظ لهٗ،السنن الکبریٰ للنسائی حدیث نمبر ۱۱۰۱۰، مسند احمد حدیث نمبر ۸۳۴۱،صحیح ابنِ حبان حدیث نمبر ۶۱۶۱،صحیح ابنِ خزیمة،حدیث نمبر ۱۶۳۶،مسند أبی یعلی الموصلی حدیث نمبر ۵۹۹۸،المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۶۲۲،المعجم الاوسط للطبرانی حدیث نمبر ۳۲۳۲،معرفة علوم الحدیث للحاکم حدیث نمبر ۵۰)

قال شعیب الأرنؤوط :إسناده صحیح علی شرط مسلم(حاشیة ابنِ حبان)

مذکورہ حدیث میں شجر اسمِ جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے، اور بعض روایات میں اشجار جمع کے صیغے کے ساتھ بھی وارد ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اشجار، نباتات کی انواع میں سے ایک اہم الانواع اور عظیم الانواع ہے، اس لئے ممکن ہے کہ اس یا اس جیسی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور درخت اور ان سے پیدا ہونے والے پھل اور میوے انسان کی جسمانی قوت وراحت اور حیات کا ذریعہ ہیں، یعنی جسمانی غذا اور دوا ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسان کی روحانی قوت وراحت اور روحانی حیات اور غذا ودوا کا ذریعہ ہیں، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جو ہدایت انسانیت کو دی گئی، اسی ہدایت کے ذریعہ سے ان کی روح کو قوت وراحت اور حیاتِ ابدی واُخروی حاصل ہوتی ہے گویا کہ یہ ہدایت انسانی روح کی غذا ودوا ہے لہٰذا پیر کے دن کے ساتھ جسمانی وروحانی غذاؤں ودواؤں کا تعلق قائم کر دیا گیا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور خصوصیت کی وجہ سے اہم نوع کے بیان پر اکتفاء اور اس کی تخصیص کی گئی ہو، اور مراد جملہ انواع ہوں، اور اس کے دیگر نظائر موجود اور بعض عبارات میں مبحوث فیہ مسئلہ سے ہٹ کر اس کا اطلاق بھی مذکور ہے۔

چنانچہ سورۂ نحل کی آیت نمبر ۱۰ میں اس کا اطلاق کیا گیا ہے:

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> مِنۡهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ :لفظِ شجر اکثر درخت کے لئے بولا جاتا ہے، جو ساق یعنی تنے پر کھڑا ہوتا ہے، اور کبھی مطلق زمین سے اُگنے والے ہر چیز کو بھی شجر کہتے ہیں، گھاس اور بیل وغیرہ بھی اس میں داخل ہوتی ہیں، اس آیت میں یہی معنٰی مراد ہیں، کیونکہ آگے جانوروں کے چرانے کا ذکر ہے، اس کا تعلق زیادہ تر گھاس ہی سے ہے (معارف القرآن ج۵ص۳۲۴)

(شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ) (۱۰/۱۶)، أی :ترعون مواشيكم السائمة فی ذلک الشجر الذی هو المرعی، والعرب تطلق اسم الشجر علی كل ما تنبته الأرض من المرعی(تفسير اضواء البيان للشنقيقطی ، تحت آيت ۱۰ من سورة النحل)

والتَّنْبِيتُ أَوَّل خروج النبات والتنبيت أَيضاً ما نَبَتَ علی الأَرض من النَّبات من دِقِّ الشجر وكِباره(لسان العرب ج۲ص ۹۵، ماده نبت)

الشجر من النبات ماله ساق صلب يقوم به كالنخل وغيره (التعاريف للمناوی، ج۱ص ۴۲۴، فصل الجيم)

اور اگر کسی کو اس سے اتفاق نہ ہو، تو پیر کے دن نباتات کے بجائے شجر یا اشجار مراد لینے سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی مذکورہ حکمت ثابت ہوسکتی ہے، خصوصاً جبکہ وہ مذکورہ حکمت بھی حکمتِ اصطلاحیہ کے درجہ میں ہو، نہ کہ علت کے درجہ میں۔

[1] الْوَجۡهُ الْأَوَّلُ :مَا وَرَدَ فِي الْحَدِيثِ مِنۡ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَي خَلَقَ الشَّجَرَ يَوۡمَ الِاثۡنَيۡنِ انۡتَهَی .وَفِي ذَلِكَ تَنۡبِيهٌ عَظِيمٌ ، وَهُوَ أَنَّ خَلۡقَ الۡأَقۡوَاتِ وَالۡأَرۡزَاقِ وَالۡفَوَاكِهِ وَالۡخَيۡرَاتِ الَّتِي يَتَغَذَّى بِهَا بَنُو آدَمَ وَيَحۡيَوۡنَ وَيَتَدَاوَوۡنَ وَتَنۡشَرِحُ صُدُورُهُمۡ لِرُؤۡيَتِهَا وَتَطِيبُ بِهَا نُفُوسُهُمۡ وَتَسۡكُنُ بِهَا خَوَاطِرُهُمۡ عِنۡدَ رُؤۡيَتِهَا لِاطۡمِئۡنَانِ نُفُوسِهِمۡ بِتَحۡصِيلِ مَا يُبۡقِي حَيَاتَهُمۡ عَلَى مَا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)...... ربیع الاول کے مہینے میں ربیع کا لفظ آتا ہے جس کے معنیٰ موسمِ بہار کے ہیں، اس مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کو اس مہینے کے نام کے معنیٰ کے ساتھ خاص مناسبت ہے، اور وہ یہ ہے کہ موسمِ بہار میں زمین سے اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں پیدا ہوتی ہیں جو بندوں کی حیات اور معاش کا ذریعہ بنتی ہیں، اور اس موسم میں ہری بھری نباتات کو دیکھ کر اور موسم کی تازگی سے انسانوں کو فرحت وتازگی محسوس ہوتی ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وتعلیمات بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لئے بہت بڑی نعمت ورحمت ہے اور انسانی روح کے لئے فرحت وتازگی کا باعث ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جَـرَتْ بِهِ الْعَادَةُ مِنْ حِكْمَةِ الْحَكِيمِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى فَوُجُودُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الشَّهْرِ فِي هٰذَا الْيَوْمِ قُرَّةُ عَيْنٍ بِسَبَبِ مَا وُجِدَ مِنَ الْخَيْرِ الْعَظِيمِ وَالْبَرَكَةِ الشَّامِلَةِ لِأُمَّتِهِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَامُهُ (المدخل لابن الحاج ،فصل فی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الجزء الثانی صفحه۲۶و۲۷)

[1] الْوَجْهُ الثَّانِي أَنَّ ظُهُورَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي شَهْرِ رَبِيعٍ فِيهِ إشَارَةٌ ظَاهِرَةٌ لِمَنْ تَفَطَّنَ إلَيْهَا بِالنِّسْبَةِ إلٰى اشْتِقَاقِ لَفْظَةِ رَبِيعٍ إذْ أَنَّ فِيهِ تَفَاؤُلًا حَسَنًا بِبِشَارَتِهِ لِأُمَّتِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّفَاؤُلُ لَهُ أَصْلٌ أَشَارَ إلَيْهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ .وَقَدْ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ الصَّقَلِّيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِكُلِّ إنْسَانٍ مِنْ اسْمِهِ نَصِيبٌ هَذَا فِي الْأَشْخَاصِ وَكَذَلِكَ فِي غَيْرِهَا وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ فَفَصْلُ الرَّبِيعِ فِيهِ تَنْشَقُّ الْأَرْضُ عَمَّا فِي بَاطِنِهَا مِنْ نِعَمِ الْمَوْلَى سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى وَأَرْزَاقِهِ الَّتِي بِهَا قِوَامُ الْعِبَادِ وَحَيَاتُهُمْ وَمَعَايِشُهُمْ وَصَلَاحُ أَحْوَالِهِمْ فَيَنْفَلِقُ الْحَبُّ وَالنَّوَى وَأَنْوَاعُ النَّبَاتِ وَالْأَقْوَاتِ الْمُقَدَّرَةِ فِيهَا فَيَبْتَهِجُ النَّاظِرُ عِنْدَ رُؤْيَتِهَا وَتُبَشِّرُهُ بِلِسَانِ حَالِهَا بِقُدُومِ رَبِيعِهَا وَفِي ذَلِكَ إشَارَةٌ عَظِيمَةٌ إلَى الِاسْتِبْشَارِ بِابْتِدَاءِ نِعَمِ الْمَوْلَى سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى .أَلَا تَرَى أَنَّكَ إذَا دَخَلْت بُسْتَانًا فِي مِثْلِ هَذِهِ الْأَيَّامِ تَنْظُرُ إلَيْهِ كَأَنَّهُ يَضْحَكُ لَكَ وَتَجِدُ زَهْرَهُ كَأَنَّ لِسَانَ حَالِهِ يُخْبِرُكَ بِمَا لَكَ مِنْ الْأَرْزَاقِ الْمُدَّخَرَةِ وَالْفَوَاكِهِ .وَكَذَلِكَ الْأَرْضُ إذَا ابْتَهَجَ نَوَارُهَا كَأَنَّهُ يُحَدِّثُكَ بِلِسَانِ حَالِهِ كَذَلِكَ أَيْضًا .فَمَوْلِدُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي شَهْرِ رَبِيعٍ فِيهِ مِنْ الْإِشَارَاتِ مَا تَقَدَّمَ ذِكْرُ بَعْضِهِ وَذَلِكَ إشَارَةٌ ظَاهِرَةٌ مِنْ الْمَوْلَى سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى إلَى التَّنْوِيهِ بِعَظِيمِ قَدْرِ هَذَا النَّبِيِّ الْكَرِيمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ رَحْمَةٌ لِلْعَالَمِينَ وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ وَحِمَايَةٌ لَهُمْ مِنْ الْمَهَالِكِ وَالْمَخَاوِفِ فِي الدِّينِ وَحِمَايَةٌ لِلْكَافِرِينَ بِتَأْخِيرِ الْعَذَابِ عَنْهُمْ فِي الدُّنْيَا لِأَجْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ) وَكَيْفَ لَا يَكُونُ ذَلِكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي الِاتِّبَاعِ ، وَإِدْرَارُ نِعَمِ الْمَوْلَى سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى إنَّمَا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

(۳)......موسمِ بہار کی فصل دوسری تمام فصلوں سے زیادہ معتدل اور حسین ہوتی ہے اور اس زمانے کی رات اور دن میں اعتدال ہوتا ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات بھی ہر طرح سے معتدل اور حسین وجمیل ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دین عطا فرمایا گیا اس کے احکام بھی دوسرے مذہبوں کے مقابلے میں نہایت معتدل اور حسین ہیں۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يَكْثُرُ عِنْدَ الِامْتِثَالِ لِأَمْرِهِ وَاتِّبَاعِ سُنَنِ أَنْبِيَائِهِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ وَسَلَامُهُ وَمُخَالَفَةِ الْعَدُوِّ اللَّعِينِ وَجُنُودِهِ .أَلَا تَرَى أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حِينَ خُرُوجِهِ إلَى هَذَا الْوُجُودِ لَمْ يَقْدِرْ اللَّعِينُ إبْلِيسُ وَجُنُودُهُ عَلَى الْقَرَارِ فِي هَذِهِ الْأَرْضِ وَلَا فِي الثَّانِيَةِ وَلَا فِي الثَّالِثَةِ إلَى أَنْ نَزَلُوا إلَى الْأَرْضِ السَّابِعَةِ فَخَلَتْ الْأَرْضُ مِنْهُمْ بِبَرَكَةِ وُجُودِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا .فَانْظُرْ رَحِمَنَا اللَّهُ تَعَالَى وَإِيَّاكَ إلَى خُلُوِّ الْأَرْضِ مِنْ هَذَا اللَّعِينِ وَجُنُودِهِ .وَقَدْ وَرَدَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ أَنَّهُمْ يُقَيَّدُونَ فَأَيْنَ التَّقْيِيدُ مِنْ نَفْيِهِمْ بِالْكُلِّيَّةِ إلَى تُخُومِ الْأَرْضِ السَّابِعَةِ .وَفِي هَذَا إشَارَةٌ عَظِيمَةٌ دَالَّةٌ عَلَى كَرَامَتِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عِنْدَ رَبِّهِ وَالِاعْتِنَاءِ بِهِ وَبِمَنْ تَبِعَهُ .فَإِنْ قِيلَ إنَّ شَهْرَ رَمَضَانَ تُقَيَّدُ الشَّيَاطِينُ فِي جَمِيعِهِ .فَلَا شَكَّ أَنَّ نَفْيَهُمْ إلَى الْأَرْضِ السَّابِعَةِ السُّفْلَى فِي يَوْمِ مَوْلِدِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَعْظَمُ مِنْ تَقْيِيدِهِمْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ كُلِّهِ إذْ فِيهِ ظُهُورُ مَزِيَّةِ الْوَقْتِ الَّذِي خَلَتْ الْأَرْضُ مِنْ الْعَدُوِّ وَجُنُودِهِ فِيهِ فَلْيَفْهَمْ مَنْ يَفْهَمُ وَاَللَّهُ الْمُوَفِّقُ .فَوَقَعَتْ الْبَرَكَاتُ وَإِدْرَارُ الْأَرْزَاقِ وَمِنْ أَعْظَمِهَا مِنَّةُ اللَّهِ عَلَى عِبَادِهِ بِهِدَايَتِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَهُمْ إلَى صِرَاطِهِ الْمُسْتَقِيمِ .أَسْأَلُ اللَّهَ تَعَالَى أَنْ يُعَرِّفَنَا بَرَكَةَ ذَلِكَ بِمَنِّهِ وَيَرْزُقَنَا اتِّبَاعَهُ دِينًا وَدُنْيَا وَآخِرَةً بِفَضْلِهِ لَا رَبَّ سِوَاهُ آمِينَ (المدخل لابن الحاج ،فصل فی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الجزء الثانی صفحه۲۶و۲۷)

[۱] الْوَجْهُ الثَّالِثُ :مَا فِي شَرِيعَتِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مِنْ شَبَهِ الْحَالِ .

أَلَا تَرَى أَنَّ فَصْلَ الرَّبِيعِ أَعْدَلُ الْفُصُولِ وَأَحْسَنُهَا إذْ لَيْسَ فِيهِ بَرْدٌ مُزْعِجٌ وَلَا حَرٌّ مُقْلِقٌ وَلَيْسَ فِي لَيْلِهِ وَنَهَارِهِ طُولٌ خَارِقٌ بَلْ كُلُّهُ مُعْتَدِلٌ وَفَصْلُهُ سَالِمٌ مِنْ الْعِلَلِ وَالْأَمْرَاضِ وَالْعَوَارِضِ الَّتِي يَتَوَقَّعُهَا النَّاسُ فِي أَبْدَانِهِمْ فِي زَمَانِ الْخَرِيفِ بَلْ النَّاسُ تَنْتَعِشُ فِيهِ قُوَاهُمْ وَتَصْلُحُ أَمْزِجَتُهُمْ وَتَنْشَرِحُ صُدُورُهُمْ ؛ لِأَنَّ الْأَبْدَانَ يُدْرِكُهَا فِيهِ مِنْ إمْدَادِ الْقُوَّةِ مَا يُدْرِكُ النَّبَاتَ حِينَ خُرُوجِهِ إذْ مِنْهَا خُلِقُوا فَيَطِيبُ لَيْلُهُمْ لِلْقِيَامِ وَنَهَارُهُمْ لِلصِّيَامِ لِمَا تَقَدَّمَ مِنْ اعْتِدَالِهِ فِي الطُّولِ وَالْقِصَرِ وَالْحَرِّ وَالْبَرْدِ فَكَانَ فِي ذَلِكَ شَبَهُ الْحَالِ بِالشَّرِيعَةِ السَّمْحَةِ الَّتِي جَاءَ بِهَا صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَامُهُ مِنْ رَفْعِ الْإِصْرِ وَالْأَغْلَالِ الَّتِي كَانَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَنَا وَقَدْ نَطَقَ الْقُرْآنُ بِذَلِكَ حَيْثُ يَقُولُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى (الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنْ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمْ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمْ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ) (المدخل لابن الحاج ،فصل فی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الجزء الثانی صفحه۲۸)

(۴)......رمضان المبارک اور دوسرے کسی متبرَّک و معظَّم مہینہ یا دن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوتی تو اس سے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ اس مبارک مہینہ یا دن کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک بنی ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ذریعہ سے زمانہ کو عظمت وفضیلت حاصل ہوتی ہے، اور ربیع الاول کے مہینے کی فضیلت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے علاوہ کسی اور طریقے سے ثابت نہیں، نیز اس مہینے کے نام کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے خاص مناسبت اور تعلق ہے، اس لئے یہ مہینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے لئے گونا گوں مصلحتوں اور حکمتوں کا حامل ہے۔ [1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب مبارک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبِ مطہر تمام نسبوں سے زیادہ شریف اور عظیم ہے اور یہ وہ بات ہے کہ تمام کفارِ مکہ اور آپ کے دشمن بھی اس سے انکار نہ کر سکے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب شریف والد ماجد کی طرف سے یہ ہے:

محمدؐ۔ بن عبداللہؒ۔ بن عبدالمطلبؒ۔ بن ہاشمؒ۔ بن عبد منافؒ۔ بن قصیؒ۔ بن کلابؒ۔
بن مرہؒ۔ بن کعبؒ۔ بن لویؒ۔ بن غالبؒ۔ بن فہرؒ۔ بن مالکؒ۔ بن نضرؒ۔ بن کنانہؒ۔

---

[1] الْوَجْهُ الرَّابِعُ :أَنَّهُ قَدْ شَاءَ الْحَكِيمُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ تَتَشَرَّفُ بِهِ الْأَزْمِنَةُ وَالْأَمَاكِنُ لَا هُوَ يَتَشَرَّفُ بِهَا بَلْ يَحْصُلُ لِلزَّمَانِ وَالْمَكَانِ الَّذِي يُبَاشِرُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الْفَضِيلَةُ الْعُظْمَى وَالْمَزِيَّةُ عَلَى مَا سِوَاهُ مِنْ جِنْسِهِ إلَّا مَا اُسْتُثْنِيَ مِنْ ذَلِكَ لِأَجْلِ زِيَادَةِ الْأَعْمَالِ فِيهَا وَغَيْرِ ذَلِكَ .
فَلَوْ وُلِدَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَوْقَاتِ الْمُتَقَدِّمِ ذِكْرُهَا لَكَانَ ظَاهِرُهُ يُوهِمُ أَنَّهُ يَتَشَرَّفُ بِهَا فَجَعَلَ الْحَكِيمُ جَلَّ جَلَالُهُ مَوْلِدَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَيْرِهَا لِيَظْهَرَ عَظِيمُ عِنَايَتِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى بِهِ وَكَرَامَتُهُ عَلَيْهِ .
وَقَدْ تَقَدَّمَ مَا فِي (قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِلسَّائِلِ الَّذِي سَأَلَهُ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الِاثْنَيْنِ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ يَوْمٌ وُلِدْت فِيهِ وَلَمَّا أَنْ صَرَّحَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِهِ فِي يَوْمِ الِاثْنَيْنِ ذَلِكَ يَوْمٌ وُلِدْت فِيهِ) عُلِمَ بِذَلِكَ مَا اخْتَصَّ بِهِ يَوْمُ الِاثْنَيْنِ مِنْ الْفَضَائِلِ وَكَذَلِكَ الشَّهْرُ الَّذِي ظَهَرَ فِيهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (المدخل لابن الحاج ،فصل فی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الجزء الثانی صفحہ ۲۹)

بن خزیمہ۔ بن مدرکہ۔ بن الیاس۔ بن مضر۔ بن نزار۔ بن معد۔ بن عدنان۔ [1]

یہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ نسب اجماعِ امت سے ثابت ہے اور یہاں سے حضرت آدم علیہ السلام تک اختلاف ہے اس لئے اس کو ترک کیا جاتا ہے۔

اور والدہ ماجدہ کی طرف سے آپ کا نسب یہ ہے:

محمد۔ بن آمنہ۔ بنتِ وہب۔ بن عبدمناف۔ بن زہرۃ۔ بن کلاب۔ [2]

اس سے معلوم ہوا کہ کلاب بن مرہ میں آپ کے والدین کا دودھیال ونھیال دونوں طرف سے نسب جمع ہوجاتا ہے (سیرتِ خاتم الانبیاء صفحہ ۱۶ تا ۱۷، وسیرتُ المصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جلد ۱ صفحہ ۱۷)

---

[1] بَاب مَبْعَثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمِ بْنِ عَبْدِ مَنَافِ بْنِ قُصَيِّ بْنِ كِلَابِ بْنِ مُرَّةَ بْنِ كَعبِ بْنِ لؤَيِّ بْنِ غالِبِ بْنِ فِهْرِ بْنِ مَالِكِ بْنِ النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ مُدْرِكَةَ بْنِ إِلْيَاسَ بْنِ مُضَرَ بْنِ نِزَارِ بْنِ مَعَدِّ بْنِ عَدْنَانَ(بخاری جلد ۲، کتاب فضائل الصحابة)

[2] قَالَ ابْنُ هِشَامٍ :فَوَلَدَ عَبْدُ اللّهِ بْنُ عَبْدِ الْمُطّلِبِ رَسُولَ اللّهِ صَلّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ سَيّدَ وَلَدِ آدَمَ مُحَمّدَ بْنَ عَبْدِ اللّهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطّلِبِ ، صَلَوَاتُ اللّهِ وَسَلَامُهُ وَرَحْمَتُهُ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ .وَأُمّهِ آمِنَةُ بِنْتُ وَهْبِ بْنِ عَبْدِ مَنَافِ بْنِ زُهْرَةَ بْنِ كِلَابِ بْنِ مُرّةَ بْنِ كَعْبِ بْنِ لُؤَيّ بْنِ غَالِبِ بْنِ فِهْرِ بْنِ مَالِكِ بْنِ النّضْرِ(سيرت ابنِ هشام، ص ۱۱۰ ،رَسُولُ اللّهِ صَلّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ وَأُمّهَاتُهُ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وصورت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سیرت وصورت دونوں میں کمال عطا فرمایا تھا، اس لئے آپ کی سیرتِ طیبہ، اخلاقِ حسنہ، اور آپ کی صورتِ مبارکہ وحسن وجمال دونوں کے بارے میں کچھ تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

تا کہ آپ کے اسوۂ حسنہ اور کمالات کو سامنے رکھ کر آپ کے حقوق کی ادائیگی ہو سکے۔

آپ کی سیرتِ طیّبہ واخلاقِ حسنہ کی ایک جھلک

حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک لمبی حدیث میں فرماتے ہیں:

وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا (ترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش خلقی میں سب لوگوں سے بڑھے ہوئے تھے (ترجمہ ختم)

کسی نے امّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے معلوم کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب فرمایا کہ:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ، أَمَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ، قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ "وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ" (مسند احمد) [2]

ترجمہ: آپ کے اخلاق قرآن مجید کا عملی نمونہ تھے، کیا تم نے قرآن مجید میں اللہ عزو

---

[1] حديث نمبر ۲۰۱۵، ابواب البر والصلة، بَابُ مَا جَاءَ فِي خُلُقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

قال الترمذی:

وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَالْبَرَاءِ وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ (حواله بالا)

[2] حديث نمبر ۲۴۶۰۱، مؤسسة الرسالة، بيروت.

حديث صحيح ، المبارک بن فضالة -يدلس ويسوى إلا أنَّ ما رواه عن الحسن يحتج به فيما قال أحمد ، وقد توبع ، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين (حاشية مسند احمد)

جل کا یہ ارشاد نہیں پڑھا؟

’’اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ‘‘(سورۃ القلم آیت ۴)

بیشک (اے محمد!) آپ حسن اخلاق کے بڑے رتبہ پر ہیں (ترجمہ ختم)

غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی پورے قرآن مجید کی عملی تفسیر تھی۔ [1]

خود قرآن مجید نے اس کی گواہی دی اور فرمایا۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ(سورۃ الأحزاب آیت ۲۱)

’’یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ ہے‘‘

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پورے عالَم کے لئے رحمت تھے، نہایت خاکسار، مہربان اوررحم دل تھے، چھوٹے بڑے سب سے ان کے درجوں کے مطابق پیش آتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہ رکھتے، اور کسی سے بغض اور حسد نہ فرماتے، اپنے آپ کو دوسروں سے کم تر سمجھتے تھے، گناہ گاروں کی تحقیر نہیں فرماتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھریلو کام کاج میں عار محسوس نہ فرماتے، بلکہ اپنے ہاتھوں سے کرلیا کرتے تھے، چنانچہ اپنے پھٹے کپڑے آپ سی لیتے، اپنے پھٹے جوتے کو خود گانٹھ لیتے، بکریوں کا دودھ اپنے ہاتھوں سے دوہتے، اگرچہ آپ کے بے شمار جاں نثار خادم موجود تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہتے، اور کوئی امتیازی شان اختیار نہ فرماتے تھے، چنانچہ مسجد نبوی کے بنانے اور خندق کھودنے کے کام میں دوسروں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی۔

---

[1] قالت فإن خلق رسول الله كان القرآن أى كان خلقه جميع ما فصل فى القرآن من مكارم الأخلاق فإن النبى كان متحليا به وقيل تعنى كان خلقه مذكورا فى القرآن فى قوله تعالى وإنك لعلى خلق عظيم القلم تعنى أن العظيم إذا عظم أمرا لم يقدر أحد قدره ولم يعرف أحد طوره وقال صاحب الإحياء أرادت بقولها كان خلقه القرآن مثل قوله تعالى خذ العفو الأعراف الآية وقوله إن الله يأمر بالعدل والإحسان النحل الآية وقوله فاصبر على ما أصابك لقمان وقوله تعالى فاعف عنهم واصفح المائدة وقوله تعالى والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس آل عمران وقوله تعالى يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيرا من الظن الحجرات من الآيات الدالة على تهذيب الأخلاق الذميمة وتحصيل الأخلاق الحميدة (مرقاة، كتاب الصلاة، باب الوتر وبيان وقته وعدد ركعاته وكونه واجبا أو سنة)

مزاجِ مبارک میں سادگی بہت تھی، کھانے پینے پہننے اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے کسی چیز میں تکلف پسند نہ تھا، جو سامنے آجاتا وہ کھالیتے، پہننے کے لئے موٹا جھوٹا جومل جاتا اس کو پہن لیتے۔ زمین پر، چٹائی پر، فرش پر جہاں جگہ ملتی بیٹھ اور لیٹ جاتے۔

اللہ کی نعمتوں سے جائز طور پر فائدہ اٹھانے کی اجازت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور دی لیکن تن پروری اور عیش کو نہ اپنے لئے پسند فرمایا نہ عام مسلمانوں کے لئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکینوں، کمزوروں، بے کسوں، ضرورت مندوں، یتیموں، بیماروں اور ہمسایوں سے محبت رکھتے، ان کی مدد اور دل جوئی فرماتے، اور دوسروں کو بھی ان کے ساتھ بھلائی کی تاکید کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسکینوں سے محبت کا یہ عالَم تھا کہ آپ ان کے ساتھ زندہ رہنے اور ان کے ساتھ وفات پانے اور ان کے ہی ساتھ محشور ہونے کی دعا فرماتے۔

اسلام سے پہلے عورتیں ذلیل سمجھی جاتی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بہت احسان فرمایا، ان کے حقوق مقرر فرمائے اور اپنے قول وفعل سے ظاہر فرمادیا کہ یہ طبقہ حقیر نہیں ہے بلکہ عزت اور ہمدردی کے لائق ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے لئے رحمت بن کر آئے تھے، اس لئے کسی کے ساتھ بھی زیادتی اور ناانصافی کو پسند نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ جانوروں کے ساتھ جو لوگ بے پروائی برتتے تھے وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گوارا نہ تھی اور ان بے زبانوں پر جو ظلم ہوتا آیا تھا اس کو روک دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا یہ عالَم تھا کہ شرعی جہاد کے موقع پر دشمنوں کے مقابلہ میں پیش پیش ہوتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسنِ معاشرت میں بھی بہت مہذب تھے، کسی کو اپنی ذات سے تکلیف پہنچانا گوارا نہیں تھا، اور اس سے دوسروں کو بھی سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم لین دین کے معاملات میں بہت صاف تھے، کسی کا اپنے ذمہ حق نہ رکھتے تھے، جو وعدہ فرماتے اس کو پورا کرتے، کبھی بدعہدی نہیں فرمائی۔

سچائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی صفت تھی کہ دشمن بھی اس کو مانتے تھے، ابو جہل کہا کرتا تھا

کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی حیاء دار تھے، کسی کے ساتھ بدزبانی نہیں فرماتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں بہت استقلال اور استقامت تھی۔

دنیا سے بے رغبتی کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خشک مزاجی اور روکھا پن پسند نہ تھا، کبھی کبھی دلچسپی کی باتیں فرماتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سادگی کے باوجود صفائی ستھرائی کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو ٹھہر ٹھہر کر فرماتے تھے، ایک ایک فقرہ الگ ہوتا، بلاضرورت اور فضول گفتگو سے پرہیز فرماتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلکھلا کر ہنسنے کی عادت نہ تھی، جب کبھی ہنسی کی ضرورت محسوس فرماتے، تو عام طور پر تبسم پر اکتفاء فرماتے تھے۔

ہر وقت اللہ کی خوشی کی تلاش رہتی اور ہر حالت میں دل اور زبان سے اللہ کی یاد جاری رہتی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی محفلوں میں یا بیویوں کے حجروں میں ہوتے اور یکا یک اذان کی آواز آتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوتے۔ رات کا بڑا حصہ عبادت میں بسر ہوتا کبھی پوری پوری رات نماز میں کھڑے رہتے اور بڑی بڑی سورتیں پڑھتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سخی، فیاض اور داد و دہش والے تھے، فیاضی اور دنیا کے مال سے بے تعلقی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں مال جمع کر کے رکھنا گوارا نہ تھا، اگر کبھی مال آتا تو اس سے دوسرے ضرورت مند کی مدد فرما دیتے تھے، خود بھوکے رہتے اور دوسرے کو کھلاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے مہمان نواز تھے، کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ موجود رہتا وہ ان کو کھلا پلا دیا جاتا اور خود فاقہ کو اختیار فرماتے، بعض اوقات دو دو مہینوں تک لگاتار گھروں میں چولہا جلنے کی نوبت نہیں آتی تھی، چند کھجوروں پر گذارا ہوتا تھا۔ [۱]

---

[۱] عَنْ أَنَس قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ وَلَقَدْ أُوذِيتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُؤْذَى أَحَدٌ وَلَقَدْ أَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُونَ مِنْ بَيْنِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَمَا لِي وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلَّا شَيْءٌ يُوَارِيهِ إِبْطُ بِلَالٍ (ترمذی، حدیث نمبر ۲۳۹۶)

حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دعائے ابراہیمی کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، نسب میں سب سے عالی، حسب میں سب سے برتر، اپنے عہدِ طفولیت ہی سے ہمیشہ ممتاز سیرت، ممتاز صورت، عادات وشمائل میں قوم سے علیحدہ، عبادات ورسوم میں ان سے الگ، لہو ولعب سے مجتنب، شرک وکفر سے متنفر، صدق وصفاء، احسان وسلوک سے مزین، ظلم وعدوان اور جملہ فواحش سے کوسوں دور، جنگ وجدال سے نفور، مال وجان کی محبت سے بالاتر، عدل وانصاف کے شہزادے، غرض جملہ اخلاقِ فاضلہ سے محلّٰی اور جملہ اخلاقِ رذیلہ سے معریٰ، جوانی میں عصمت وعفت کے فرشتے، پیری میں وقار ورعب کا پیکر، بال بال سے حسن ٹپکتا، کلمہ کلمہ سے پھول جھڑتے، روئیں روئیں سے فہم وفراست چمکتی، غصہ ومحبت اور جدل وہزل سے یکساں حق گو، عفو ودرگزر کرنے والے، مخلوق خدا کے سب سے بڑے ہمدرد، عہد وپیمان کے سب سے پکے، سب سے زیادہ راست گو، سب سے بڑھ کر امانت دار، لطف یہ کہ خود امی اور قوم بھی سب امی، تورات وانجیل کو آپ جانتے نہ آپ کی قوم جانتی، نہ کسی سے کوئی حرف پڑھا، نہ اہلِ علم کے پاس نشست وبرخاست رکھی، قیاس ورہبان آپ کے موعود نبی ہونے پر سب متفق اور مشرکینِ عرب سب ہی آپ کی ان صفات کے معترف۔ اسی حالت میں چالیس سال گزرے، کبھی نبوت کا ایک حرف زبان سے نہ نکلا، جب عمر چالیس سال کو پہنچی تو ایک عجیب وغریب دعویٰ کیا جس سے نہ ملک آشنا، نہ باپ دادا آشنا، اور ایک ایسا کام لوگوں کے سامنے پیش کیا جو آج تک نہ کسی نے سنا اور نہ آئندہ اس کی نظیر ممکن، صُحفِ سماویہ سب اس کے سامنے سرنگوں، نہ الٰہیات وعملیات میں کوئی اس کے ہم پلہ، نہ سیاسیات ومعاشیات میں کوئی اس کا ہم عصر، اسرار کا مخزن، علوم کا سمندر، قصص وامثال ونصائح وعبر کا دریا، طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرنے والے، بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے، کوئی بھلی چیز ایسی نہ تھی جس کو عقولِ سلیمہ برا جانیں مگر اس سے روک نہ دیا

ہو، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ جس کا آپ حکم دیں اس کے لئے طبائعِ سلیمہ کی خواہش یہ ہو کہ آپ اس کا حکم نہ دیتے اور نہ کبھی اس بات سے روکا جس کے متعلق طبائعِ سلیمہ کی تمنا یہ ہو کہ آپ نہ روکتے۔ اس پر ریاست وسرداری سے بیزار، دشمنوں اور مخالفوں سے لا پرواہ، احباب وانصار سے بے نیاز، نہ ہاتھ میں کوئی دولت نہ پشت پر کوئی (مادی) طاقت، نہ قبضہ میں کوئی ملک۔

زن وزر کی کوئی دولت نہیں جو قدموں پر نہ ڈال دی گئی ہو اور آپ نے اس کو ٹھکرا نہ دیا ہو، حبس وقید، جلاوطنی حتیٰ کہ قتل کی کوئی تدبیر اٹھا کر نہیں رکھی گئی جس کو پورا نہ کیا گیا ہو مگر آپ دشمنوں کے جھرمٹ میں اسی طرح خدا کے دین کے بے خوف وہراس منادی، کوچوں میں، بازاروں میں، ایامِ حج میں کوئی جگہ نہ چھوڑی جہاں پہنچ کر اعلان نہ کر دیا، تنہائی میں بھی اور محفلوں میں بھی، عوام میں بھی اور خواص میں بھی، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے اپنے دین کو قبول کرنے کے لئے کسی کو قتل کی دھمکی دی ہو یا کسی قسم کا طمع لالچ دیا ہو۔ تیرہ سال اسی طرح گزار دیئے، نہ ساز وسامان اور نہ کوئی یار ومددگار، مگر دل میں کسی کا خوف نہ چہرہ پر کچھ ہراس، جب اقتدار ملا تو دشمنوں سے درگزر اور ایذا رسانوں کے لئے عفو کا اعلان، کسی پر ذرا ظلم وتعدی ہو کیا مجال، تمام عمر کانٹے پر تلی ہوئی۔ امن ہو یا خوف، فراغت ہو یا تنگی، شکست ہو یا فتح اپنے متبعین کی قلت ہو یا کثرت، ہر حال میں وہ استقامت کہ قدم ایک انچ بھی ادھر سے اُدھر نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ جب دنیا میں تشریف لائے تو فضائے عالم تاریک، نہ دنیا سے باخبر نہ ہدایت سے آشنا، بت پرستی سے خدا کی زمین ناپاک، خونریزی اور قتل وغارت سے نالاں، نہ مبداء کی خبر نہ معاد کا علم، اور جب آپ تشریف لے گئے تو وہی سب سے بڑھ کر عالم، سب سے زیادہ مہذب، سب میں ممتاز دیندار، انصاف وامن کے قائم کرنے والے اور دنیا کی نظروں میں ایسے سربلند کہ اگر ان پر بادشاہوں کی نظر پڑتی تو وہ مرعوب ہو جاتے اور اگر اہلِ کتاب ان کو دیکھتے تو بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے

حواری بھی بھلا ان سے کیا افضل ہوں گے؟ اس اقتدار وقبول کے ساتھ جب آپ نے دنیا کو چھوڑا تو ترکہ میں نہ درہم نہ دینار نہ کوئی ملک وخزانہ صرف خچر اور زرہ مبارک کہ وہ بھی ایک یہودی کے ہاتھ صاع جو کے عوض میں مرہون (خطباتِ اکابر ج اص ۳۹ تا ۴۱)

اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی صاحب رحمہ اللہ نے آپ کی سیرت پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

یوں تو اس دنیا کی عمر بہت بتائی جاتی ہے مگر یہ دنیا کئی بار سو سو کر جاگی ہے اور مر مر کر زندہ ہوئی ہے، آخری بار جب یہ موت کی نیند سے بیدار ہوئی اور اس نے عقل وہوش کی آنکھیں کھولیں، وہ، وہ دن تھا جب مکہ کے سردار عبدالمطلب کے گھر پوتا پیدا ہوا، وہ پیدا ہوا تو یتیم تھا، مگر اس نے پوری انسانیت کی سرپرستی کی اور دنیا کو نئی زندگی بخشی، سوتے میں جو عمر کٹی وہ کیا عمر ہے؟ خودکشی میں جو وقت گزرا وہ کیا زندگی ہے؟ اس لئے سچ پوچھئے تو موجودہ دنیا کی کام کی عمر چودہ سو برس سے زائد نہیں۔

چھٹی صدی مسیحی میں انسانیت کی گاڑی ایک ڈھلوان راستے پر پڑ گئی تھی، اندھیرا پھیلتا جارہا تھا، راستے کا نشیب بڑھتا جارہا تھا اور رفتار تیز ہوتی جارہی تھی۔ اس گاڑی پر انسانیت کا پورا قافلہ اور آدم کا سارا کنبہ سوار تھا۔ ہزاروں برس کی تہذیبیں اور لاکھوں انسانوں کی محنتیں تھیں، گاڑی کے سوار میٹھی نیند سو رہے تھے یا زیادہ اور اچھی جگہ حاصل کرنے کے لئے آپس میں دست وگریبان تھے۔ کچھ تنک مزاج تھے، جب ساتھیوں سے روٹھتے تو ایک طرف سے دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ جاتے کچھ ایسے جو اپنے جیسے لوگوں پر حکم چلاتے، کچھ کھانے پکانے میں مشغول تھے، کچھ گانے بجانے میں مصروف، مگر کوئی یہ نہ دیکھتا کہ گاڑی کس غار کی طرف جارہی ہے اور اب وہ کتنا قریب رہ گیا ہے۔

انسانیت کا جسم تر وتازہ تھا، مگر دل نڈھال، دماغ تھکا ہوا، ضمیر بے حس ومردہ، نبضیں ڈوب رہی تھیں اور آنکھیں پتھرانے والی تھیں، ایمان ویقین کی دولت سے عرصہ ہوا یہ

انسانیت محروم ہوچکی تھی، پورے پورے ملک میں ڈھونڈے سے ایک صاحبِ یقین نہ ملتا۔ توہّمات کا ساری دنیا پر قبضہ تھا۔ انسانیت نے اپنے کو خود ذلیل کیا تھا، انسان نے اپنے غلاموں اور چاکروں کے سامنے سر جھکایا تھا، ایک خدا کے سوا سب کے سامنے اس کو جھکنا منظور تھا۔ حرام اس کے منہ کو لگ گیا تھا۔ ؎

شراب اس کی گھٹی میں گویا پڑی تھی ‌ ‌ ‌ جُوا اس کی دن رات کی دل لگی تھی

بادشاہ دوسروں کے خون پر پلتے تھے، اور بستیاں اجاڑ کر بستے تھے، ان کے کتے موج کرتے اور انسان دانے دانے کو ترستے، زندگی کا معیار اتنا بلند ہوگیا تھا کہ جینا دوبھر تھا، جو اس معیار پر پورا نہ اترے وہ جانور سمجھا جاتا تھا، نئے نئے ٹیکسوں سے کسانوں اور دستکاروں کی کمر جھکی اور ٹوٹی جاتی تھی، لڑائی اور بات کی بات میں ملکوں کی صفائی اور قوموں کی تباہی ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، سب زندگی کی فکروں میں گرفتار اور ظلم وزیادتی سے زار و نزار تھے پورے پورے ملک میں ایک اللہ کا بندہ ایسا نہ تھا جس کو اپنے پیدا کرنے والے کی رضامندی کی فکر ہو، یا راستے کی سچی تلاش ہو؛ غرض یہ نام کی زندگی تھی مگر حقیقت میں ایک وسیع اور طویل خودکشی۔ دنیا کی اصلاح انسانوں کے بس سے باہر تھی، پانی سر سے اونچا ہوگیا تھا، معاملہ ایک ملک کی آزادی اور ایک قوم کی ترقی کا نہ تھا انسانیت کا بدن داغ داغ تھا، دامن تار تار، اصلاح کے لئے جو لوگ آگے بڑھے وہ یہ کہہ کر پیچھے ہٹ گئے۔ ع

''تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا''

فلسفی اور حکیم، شاعر اور ادیب، کوئی اس میدان کا مرد نہ نکلا، سب اس وبا کے شکار تھے، مریض مریض کا علاج کس طرح کرے؟ جو خود یقین سے خالی ہو، وہ دوسروں کو کس طرح یقین سے بھر دے؟ جو خود پیاسا ہو، دوسروں کی پیاس کس طرح بجھائے؟ انسانیت کی قسمت پر بھاری قفل پڑا تھا اور کنجی گم تھی، زندگی کی ڈور الجھ گئی تھی اور سرا نہ ملتا تھا۔

اس دنیا کے مالک کو اپنے گھر کا یہ نقشہ پسند نہ تھا، آخر کار اس نے عرب کی آزاد اور سادہ قوم میں جو فطرت سے قریب تھی، ایک پیغمبر بھیجا، کہ پیغمبر کے سوا اب اس بگڑی دنیا کو کوئی بنا نہیں سکتا تھا۔ اس پیغمبر کا نام نامی محمد بن عبداللہ ہے۔ اللہ کے لاکھوں سلام و درود ہوں ان پر۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

اس زندگی کی ہر چیز سلامت مگر بے جگہ و بے قرینہ، زندگی کا پہیہ گھوم رہا تھا، مگر غلط رخ پر، اصل خرابی یہ تھی کہ زندگی کی چول کھسک گئی تھی اور ساری خرابی اسی کی تھی۔ یہ چول کیا تھی؟ اپنے اور اس دنیا کے بنانے والے کا صحیح علم، اسی کی بندگی اور تابعداری کا فیصلہ، اس کے پیغمبروں کو ماننا اور ان کی ہدایت وتعلیم کے مطابق زندگی بسر کرنا اور دوسری زندگی کا یقین۔

انہوں نے زندگی کی چول بٹھادی، مگر اپنی زندگی اور اپنے خاندان کی زندگی کو خطرے میں ڈال کر، اور اپنا سب کچھ قربان کر کے، انہوں نے اس مقصد کی خاطر بادشاہی کا تاج ٹھکرادیا، دولت اور عیش کی بڑی سے بڑی پیش کش کو نامنظور کیا، محبوب وطن کو چھوڑا، ساری عمر بے آرام رہے، پیٹ پر پتھر باندھے، کبھی پیٹ بھر کر نہ کھایا، گھر والوں کو فقر وفاقہ میں شریک رکھا، دنیا کی ہر قربانی میں ہر خطرے میں پیش پیش، اور ہر فائدہ اور ہر لذت سے دور دور، لیکن دنیا سے اس وقت تک تشریف نہ لے گئے جب تک کہ دنیا کو صحیح رخ پر نہ ڈال دیا اور تاریخ کا دھارا نہ بدل دیا۔

تیئیس برس میں دنیا کا رخ پلٹ گیا، دنیا کا ضمیر جاگ گیا، نیکی کا رجحان پیدا ہو گیا، اچھے برے کی تمیز ہونے لگی، خدا کی بندگی کا راستہ کھل گیا، انسان کو انسان کے سامنے اور اپنے خادموں کے سامنے جھکنے میں شرم محسوس ہونے لگی، اونچ نیچ دور ہوئی، قومی ونسلی غرور ٹوٹا، عورتوں کو حقوق ملے، کمزوروں و بے بسوں کی ڈھارس بندھی، غرض دیکھتے دیکھتے دنیا بدل گئی، جہاں پورے پورے ملک میں ایک خدا سے ڈرنے والا نظر نہ آتا،

وہاں لاکھوں کی تعداد میں ایسے انسان پیدا ہوگئے، جو اندھیرے اجالے میں خدا سے ڈرنے والے تھے، جو یقین کی دولت سے مالا مال تھے جو دشمن کے ساتھ انصاف کرتے تھے، جو حق کے معاملے میں اپنی اولاد کی پرواہ نہ کرتے، جو اپنے خلاف گواہی دینے کو تیار رہتے، جو دوسروں کے آرام کی خاطر مصیبت برداشت کرتے، جو کمزوروں کو طاقتور پر ترجیح دیتے، رات کے عبادت گزار، دن کے شہسوار، دولت، حکومت، طاقت، خواہشات سب پر حاکم، سب پر غالب، صرف ایک اللہ کے محکوم، صرف ایک اللہ کے غلام، انہوں نے اس دنیا کو علم، یقین، امن، تہذیب، روحانیت اور خدا کے ذکر سے بھر دیا۔ زمانے کی رت بدل گئی، انسان کیا بدلا، جہان بدل گیا، زمین وآسمان بدل گئے، یہ سارا انقلاب اسی پیغمبر کی کوشش اور تعلیم کا نتیجہ ہے، آدم علیہ السلام کی اولاد پر آدم کے کسی فرزند کا احسان نہیں، جیسا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا کے انسانوں پر ہے۔ اگر اس دنیا سے وہ سب لے لیا جائے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عطا کیا ہے تو انسانی تہذیب ہزاروں برس پیچھے چلی جائے گی اور اس کو اپنی زندگی کی عزیز ترین چیزوں سے محروم ہونا پڑے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن مبارک کیوں نہ ہو کہ اس دنیا کا سب سے مبارک انسان پیدا ہو جس نے اس دنیا کو نیا ایمان اور نئی زندگی عطا کی ؎

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے وہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

(''کاروانِ مدینہ'' ص ۲۱ تا ۲۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مبارکہ وحسن وجمال کی ایک جھلک

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ مبارک کو کما حقہٗ تعبیر کر دینا یہ ناممکن ہے۔
لیکن اپنی ہمت ووسعت کے مطابق حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کو بیان فرمایا۔

سِیَر، احادیث وتواریخ کی کتابیں اس سے لبریز ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسم بامسمّٰی بنایا تھا اور کمالاتِ باطنی کے ساتھ جمالِ ظاہری بھی اکمل واتم طریقہ پر عطا فرمایا تھا، جس کا مختصر حال ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَأَحْسَنَهُ خُلُقًا لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ (بخاری)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں چہرے کے اعتبار سے زیادہ خوبصورت اور اخلاق کے اعتبار سے سب سے بہتر تھے، آپ کا قد مبارک نہ تو غیر معمولی لمبا تھا، اور نہ چھوٹا (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری حسن وجمال اور باطنی حسن وجمال (یعنی حسنِ اخلاق) دونوں اعتبار سے سب انسانوں سے زیادہ اعلیٰ واحسن اور عظیم تھے۔[2]

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے:

---

[1] حدیث نمبر ۳۵۴۹، کتاب المناقب، باب صفة النبی صلی اللہ علیه وسلم، دارطوق النجاة، بیروت، واللفظ لهٗ، مسلم حدیث نمبر ۶۲۱۲.

[2] (كان أحسن الناس وجها) حتى من يوسف قال المؤلف: من خصائصه أنه أوتى كل الحسن ولم يؤت يوسف إلا شطره (وأحسنهم خلقا) بضم المعجمة على الأرجح فالأول إشارة إلى الحسن الحسى والثانى إشارة إلى الحسن المعنوى ذكره ابن حجر وما رجحه ممنوع فقد جزم القرطبى بخلافه فقال: الرواية بفتح الخاء وسكون اللام قال: أراد حسن الجسم بدليل قوله بعده ليس بالطويل إلخ قال: وأما ما فى حديث أنس الآتى فروايته بضم الخاء واللام فإنه عنى به حسن المعاشرة بدليل بقية الخبر وفى رواية وأحسنه بالإفراد والقياس الأول قال أبو حاتم: لا يكادون يتكلمون به إلا مفردا وقال غيره: جرى على لسانهم بالإفراد ومنه حديث ابن عباس فى قول أبى سفيان عندى أحسن العرب وأجمله أم حبيبة بالإفراد فى الثانى (ليس بالطويل البائن) بالهمز وجعله بالياء وهم أى الظاهر قوله من باب ظهر أو المفرط طولا الذى بعد عن حد الاعتدال وفاق سواه من الرجال (ولا بالقصير) بل كان إلى الطول أقرب كما أفاده وصف الطويل بالبائن دون القصير بمقابله وجاء مصرحا به فى رواية البيهقى وزعم أن تقييد القصير بالمتردد فى رواية لوجوب جمل المطلق على المقيد يدفعه أن حمله عليه فى النفى لا يجب وفى الإثبات تفصيل (فيض القدير للمناوى، تحت حدیث رقم ۶۴۷۴)

رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ مُتَرَجِّلًا لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحَدًا هُوَ أَجْمَلُ مِنْهُ (نسائی) ؎۱

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سرخ جبے میں بالوں میں کنگھی کیے ہوئے دیکھا، میں نے کسی کو آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ سے زیادہ حسین وجمیل نہیں دیکھا (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَخْمَ الْيَدَيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ حَسَنَ الْوَجْهِ لَمْ أَرَ بَعْدَهُ وَلَا قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَكَانَ بَسِطَ الْكَفَّيْنِ (بخاری) ؎۲

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور پیر مبارک بھرے ہوئے تھے، چہرہ حسین تھا، میں نے آپ کے بعد اور آپ سے پہلے آپ جیسا نہیں دیکھا، اور آپ کی ہتھیلیاں معتدل تھیں (ترجمہ ختم) ؎۳

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبْعَةً لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ حَسَنَ الْجِسْمِ أَسْمَرَ اللَّوْنِ وَكَانَ شَعْرُهُ لَيْسَ بِجَعْدٍ وَلَا سَبْطٍ إِذَا مَشٰى يَتَوَكَّأُ (ترمذی) ؎۴

؎۱ حديث نمبر ۵۳۱۴، كتاب الزينة، باب لُبْسُ الْحُلَلِ، مكتب المطبوعات الإسلامية -حلب.

؎۲ حديث نمبر ۵۹۰۷، كتاب اللباس، باب الجعد، دارطوق النجاة، بيروت.

؎۳ قوله ضخم اليدين أى غليظ اليدين قوله لا جعد ولا سبط مبنيان على الفتح وروى لا جعدا ولا سبطا بالتنوين...... قوله بسط الكفين أى مبسوطهما خلقة وصورة وقيل أى باسطهما بالعطاء والأول أنسب بالمقام ويروى بسيط اليدين على وزن فعيل ويروى بسط بكسر الباء فقيل هو بمعنى المبسوط كالطحن بمعنى المطحون وقال الجوهرى يد بسط أى مطلقة وفى قراء ة عبد الله بل يداه بسطان (عمدة القارى، كتاب اللباس، باب الجعد)

؎۴ ج۴ص۲۳۳، حديث نمبر ۱۷۵۴، ابواب اللباس، باب ما جاء فى الجمة واتخاذ الشعر، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

قال الترمذى: وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَالْبَرَاءِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَجَابِرٍ وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَأُمِّ هَانِئٍ حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ حُمَيْدٍ.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد تھے نہ بہت چھوٹے اور نہ بہت لمبے، آپ کا جسم حسین تھا، آپ کے گورے رنگ میں کالے پن کی آمیزش تھی (جس کی وجہ سے رنگ میں کشش تھی) اور آپ کے بال مبارک نہ تو بالکل گھنگھریالے تھے، اور نہ بالکل سیدھے، جب آپ چلتے تھے تو نیچے کی طرف مائل ہوتے تھے (ترجمہ ختم)

مختلف روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ مبارک کا ذکر مختلف آیا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان سب میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید اور صاف بھی تھا، اور اس میں سرخی کی آمیزش بھی تھی، اور قدرے سیاہی کی آمیزش بھی، جس کے مجموعہ سے آپ کا رنگ انتہائی پرکشش تھا۔ [1]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْيَضَ كَأَنَّمَا صِيْغَ مِنْ فِضَّةٍ (شمائلِ ترمذی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر گورے تھے گویا کہ چاندی سے آپ کا بدن مبارک ڈھالا گیا ہے (ترجمہ ختم)

---

[1] وقال ابن حجر :قوله أزهر اللون أى أبيض مشرب بحمرة وقد ورد ذلك صريحا فى روايات أخر صريحة عند الترمذى والحاكم وغيرهما كان أبيض مشربا بياضه بحمرة (ليس بالأبيض الأمهق) كذا فى الأصول ورواية أمهق ليس بأبيض قال القاضى :وهم (ولا بالآدم) بالمد أى ولا شديد السمرة وإنما يخالط بياضه الحمرة لكنها حمرة بصفاء فيصدق عليه أنه أزهر كما ذكره القرطبى والعرب تطلق على من هو كذلك أسمر والمراد بالسمرة التى تخالط البياض ولهذا جاء فى حديث أنس عند أحمد والبزار قال ابن حجر بإسناد صحيح صححه ابن حبان أنه كان أسمر وفى الدلائل للبيهقى عن أنس كان أبيض بياضه إلى السمرة وفى لفظ لأحمد بسند حسن أسمر إلى البياض قال ابن حجر :يمكن توجيه رواية أمهق بالأمهق الأخضر اللون الذى ليس بياضه فى الغاية ولا سمرته ولا حمرته فقد نقل عن رؤية أن المهق خضرة الماء فهذا التوجيه على تقدير ثبوت الرواية (وليس) شعره (بالجعد) بفتح الجيم وسكون العين (القطط) بفتحتين أى الشديد الجعودة الشبيه شعر السودان (ولا بالسبط) بفتح فكسر أو سكون المنبسط المسترسل الذى لا تكسر فيه فهو متوسط بين الجعودة والسبوطة(فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ٦٤٨٦، حرف الكاف، ج۵ ص ۷۳، المكتبة التجارية الكبرى، مصر)

[2] حديث نمبر ۱۱ ،باب ما جاء فى خلق رسول الله صلى الله عليه وسلم .

اور حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَا عَلَی وَجْهِ الْأَرْضِ رَجُلٌ رَآهُ غَیْرِیْ قَالَ فَقُلْتُ لَهٗ فَکَیْفَ رَأَیْتَهٗ قَالَ کَانَ أَبْیَضَ مَلِیْحًا مُقَصَّدًا (مسلم) [1]

ترجمہ: میرے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والا اب کوئی روئے زمین پر موجود نہیں، راوی حضرت جریری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالطفیل سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسا دیکھا؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ آپ انتہائی پرکشش، سفید رنگ کے تھے، اور بالکل معتدل تھے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ آپ گورے اور چاندی کی طرح صاف اور چمکدار ہونے کے ساتھ پرکشش بھی تھے، جس میں سرخی کی آمیزش تھی، جیسا کہ دوسری روایات میں آتا ہے، اور افراط تفریط سے پاک ہوکر ہر طرح سے معتدل تھے۔ [2]

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا قَصِیْرٌ وَلَا طَوِیْلٌ، عَظِیْمَ الرَّأْسِ رَجِلَهٗ، عَظِیْمَ اللِّحْیَةِ، مُشْرَبًا حُمْرَةً، طَوِیْلَ الْمَسْرُبَةِ، عَظِیْمَ الْکَرَادِیْسِ

---

[1] حدیث نمبر ۲۳۴۰، کتاب الفضائل، باب کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم أبیض ملیح الوجہ، دار إحیاء التراث العربی -بیروت، واللفظ لہ، مسند احمد حدیث نمبر ۲۳۷۹۷، دلائل النبوۃ للبیہقی حدیث نمبر ۱۲۱.

[2] کان أبیض ملیحا احترازا من کونه أمهق مقصدا بفتح الصاد المشددة أی متوسطا معتدلا وفی النهایة هو الذی لیس بطویل ولا قصیر ولا جسیم کأن خلقه یجیء به القصد من الأمور والمعتدل الذی لا یمیل إلی أحد طرفی الإفراط والتفریط (مرقاة، کتاب الفضائل والشمائل، باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصفاته)

(کان أبیض کأنما صیغ) أی خلق من الصوغ بمعنی الإیجاد أی الخلق (من فضة) باعتبار ما کان یعلو بیاضه من الإضاءة ولمعان الأنوار والبریق الساطع فلا تدافع بینه وبین ما بعده من أنه کان مشرباً بحمرة (رجل) بفتح فکسر أی مسرح (الشعر) وفسر بما فیه تثن قلیلاً (ت فیها عن أبی هریرة) وإسناده صحیح.

(کان أبیض مشرباً) بالتخفیف (بیاضه بحمرة) من إلا شراب وهو مداخلة نافذة کالشراب (وکان أسود الحدقة) بالتحریک أی شدید سواد العین (أهدب الأشفار) جمع شفر بالضم ویفتح حروف الأجفان التی ینبت علیها الشعر (التیسیر بشرح الجامع الصغیر للمناوی، حرف الکاف)

شَثْنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، إِذَا مَشٰى تَكَفَّأَ كَأَنَّمَا يَهْبِطُ فِيْ صَبَبٍ ، لَمْ أَرَ قَبْلَهٗ وَلا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ پستہ قد تھے، اور نہ زیادہ لمبے، سر مبارک بڑا اور گھنگریالے بالوں والا تھا، ڈاڑھی مبارک بڑی تھی، رنگ مبارک سرخی کی آمیزش کو لئے ہوئے تھا، سینے سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی، اعضاء کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں، آپ کی ہتھیلیاں اور پاؤں گوشت سے پُر تھے، جب چلتے تھے، گویا کہ کسی اونچی جگہ سے نیچےکو اتر رہے ہیں، میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہیں دیکھا (ترجمہ ختم)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ان الفاظ میں بھی ہے:

لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ شَثْنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ ضَخْمَ الرَّأْسِ ضَخْمَ الْكَرَادِيْسِ طَوِيْلَ الْمَسْرُبَةِ إِذَا مَشٰى تَكَفَّأَ تَكَفُّؤًا كَأَنَّمَا انْحَطَّ مِنْ صَبَبٍ لَمْ أَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ (ترمذی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ لمبے تھے، اور نہ پستہ قد، آپ کی ہتھیلیاں اور پاؤں گوشت سے پُر تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بڑا تھا، اعضاء کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں، سینے سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی، جب چلتے تھے، گویا کہ کسی اونچی جگہ سے نیچےکو اتر رہے ہیں، میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ جیسا نہیں دیکھا (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

[1] حدیث نمبر ۹۴۶ ،مؤسسة الرسالة، بیروت.

[2] حدیث نمبر ۳۶۳۷، کتاب المناقب، باب ماجاء فی صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ،شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی -مصر.

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ الْمَسْعُودِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَزْهَرَ اللَّوْنِ كَأَنَّ عَرَقَهُ اللُّؤْلُؤُ إِذَا مَشَى تَكَفَّأَ وَلاَ مَسِسْتُ دِيبَاجَةً وَلاَ حَرِيْرَةً أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلاَ شَمَمْتُ مِسْكَةً وَلاَ عَنْبَرَةً أَطْيَبَ مِنْ رَائِحَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم (مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید روشن تھا، پسینہ کی بوند آپ کے چہرۂ انور پر ایسی نظر آتی تھی، جیسے موتی، جب آپ چلتے تو (عاجزی کی وجہ سے) نیچے کی طرف مائل ہوتے، اور میں نے ریشم کا مخصوص کپڑا یا ریشم کا کوئی بھی کپڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی مبارک سے زیادہ نرم نہیں چھوا، اور میں نے مشک اور عنبر کی (عالیشان خوشبو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے زیادہ عالیشان نہیں سونگھی (ترجمہ ختم)

اور امام ترمذی رحمہ اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان اس طرح روایت کرتے ہیں:

خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا قَالَ لِي أُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَ صَنَعْتَهُ وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ لِمَ تَرَكْتَهُ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا وَلَا مَسِسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلَا حَرِيْرًا وَلَا شَيْئًا كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا شَمَمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ترمذی) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی، مجھے آپ نے

---

[1] حدیث نمبر ۲۳۳۰، کتاب الفضائل، باب طیب رائحة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولین مسه والتبرک بمسحه، دار إحیاء التراث العربی - بیروت، واللفظ لہٗ، مسند احمد حدیث نمبر ۱۳۳۸۱.

[2] حدیث نمبر ۲۰۱۵، ابواب البر والصلة، بَاب مَا جَاءَ فِي خُلُقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی - مصر.

قال الترمذی:

وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَالْبَرَاءِ وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ (حواله بالا)

کبھی اُف تک نہیں کہا، اور میرے کسی کام کے کرنے کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ آپ نے اس کو کیوں کیا، اور نہ کسی چھوڑی ہوئی چیز کے بارے میں فرمایا کہ آپ نے اس کو کیوں چھوڑا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش خلقی میں سب لوگوں سے بڑھے ہوئے تھے، میں نے ریشم کا موٹا یا باریک کپڑا یا کوئی اور چیز ایسی نہیں چھوئی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔ میں نے کبھی کوئی مشک یا کوئی عطر ایسا نہیں سونگھا، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک سے زیادہ خوشبو والا ہو (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ مبارکہ اور حسنِ مبارک، رنگ مبارک، پسینہ مبارک، چلنے کا انداز، بدن کی نزاکت ونرمی اور آپ کے جسمِ مبارک سے نکلنے والی خوشبو تمام چیزیں ہی بے مثال تھیں۔

اور ویسے تو حضراتِ صحابۂ کرام کی طرف سے خدمت کرنے میں کوئی کمی نہیں تھی، کہ جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روک ٹوک کرنے کی ضرورت پیش آتی ہو، اور اگر کبھی کوئی بشری تقاضے کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی موٹی کوتاہی ہو جاتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے درگزر فرمایا کرتے تھے۔ [1]

---

[1] كان رسول الله أزهر اللون أى أبيض نيرا كان بتشديد النون عرقه اللؤلؤ أى فى الهيئة والصفاء والضياء إذا مشى تكفأ بتشديد الفاء فهمز وفى نسخة صحيحة بألف قال النووى هو بالهمز وقد يترك همزة وزعم كثيرون أنه بلا همزة وليس كما قالوا ونقل شارح عن التوربشتى إن الرواية المعتد بها فى تكفا بغيرهمز وذكر الهروى أن الأصل فيه الهمز ثم تركت قال التوربشتى قيل أى تمايل إلى قدام كما تتكفأ السفينة فى جريها من قولهم أكفأته وكفأته إذا أملته ويقال كفأت الإناء فانكفأ وتكفأ أو أراد به الترفع عن الأرض مرة واحدة كما يكون مشى الأقوياء وذوى الجلاد بخلاف المتماوت الذى يجر رجله فى الأرض ويدل عليه قول الواصف إذا مشى تقدم وفى شرح مسلم قال شمر معناه مال يمينا وشمالا كما تكفأ السفينة قال الأزهرى هذا خطأ لأن هذه صفة المختال قال القاضى عياض لا بعد فيما قاله شمر إذا كان خلقة وجبلة والمذموم منه ما كان مستعملا مقصودا ما مسست بكسر السين الأولى ويفتح ديباجة بكسر الدال ويفتح وهو نوع من الحرير ولا حريرا أى مطلقا ألين من كف رسول الله ولا شممت بكسر الميم ويفتح مسكا ولا عنبرا أطيب من رائحة النبى (مرقاة، كتاب الفضائل والشمائل ، باب اسماء النبى صلى الله عليه وسلم وصفاته)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں:

دَخَلَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ عِنْدَنَا فَعَرِقَ وَجَاءَتْ أُمِّيْ بِقَارُوْرَةٍ فَجَعَلَتْ تَسْلُتُ الْعَرَقَ فِيْهَا فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا هٰذَا الَّذِيْ تَصْنَعِيْنَ .قَالَتْ هٰذَا عَرَقُكَ نَجْعَلُهُ فِيْ طِيْبِنَا وَهُوَ مِنْ أَطْيَبِ الطِّيْبِ (مسلم) [1]

ترجمہ: ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور دوپہر کو آرام فرمایا، تو میری والدہ نے ایک شیشی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک جمع کرنا شروع کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیدار ہوکر فرمایا کہ اے اِم سلیم یہ آپ کیا کرتی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کا پسینہ مبارک ہم اپنی خوشبو میں ملا لیتے ہیں، جو کہ تمام خوشبوؤں میں سب سے زیادہ عمدہ خوشبو ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی ایک روایت اس طرح مروی ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيه وَسَلَّم إِذَا مَرَّ فِيْ طَرِيْقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ وَجَدُوْا مِنْهُ رَائِحَةَ الطِّيْبِ وَقَالُوْا :مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيه وَسَلَّم فِيْ هٰذَا الطَّرِيْقِ (مسند البزار) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے کے کسی راستے میں گزرتے تھے، تو لوگ آپ کی خوشبو محسوس کرلیا کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ اس راستے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

كَانَ يُعْرَفُ بِرِيْحِ الطِّيْبِ إِذَا أَقْبَلَ (الكامل لابن عدى) [3]

---

[1] حديث نمبر ٢٣٣١، كتاب الفضائل ،باب طيب رائحة النبى صلى الله عليه وسلم ولين مسه والتبرك بمسحه،دار إحياء التراث العربى -بيروت.

[2] حديث نمبر ٧١١٨،مكتبة العلوم والحكم -المدينة المنورة.

[3] ج٨ص ١٨٤،الكتب العلمية -بيروت-لبنان،مسند البزار ،تحت حديث رقم ٧١١٨.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف آوری سے پہلے (اپنی مخصوص) خوشبو (مبارک) سے پہچان لئے جاتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَسْلُكْ طَرِيْقاً أَوْ لَا يَسْلُكُ طَرِيْقاً فَيَتْبَعُهُ أَحَدٌ إِلَّا عَرَفَ أَنَّهُ قَدْ سَلَكَهُ مِنْ طِيْبِ عَرْفِهِ أَوْ قَالَ: مِنْ رِيْحِ عَرَقِهِ (سنن دارمی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی راستے پر بھی نہیں چلے، یا کسی راستے پر بھی نہیں چلتے تھے، اور آپ کے بعد (اس راستے سے) کوئی جاتا تھا، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے (مبارک) کی خوشبو سے پہچان لیتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس راستے سے تشریف لے گئے ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعْرَفُ بِاللَّيْلِ بِرِيْحِ الطِّيْبِ (سنن دارمی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت میں (بغیر دیکھے ہی) خوشبو سے پہچان لئے جاتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُعْرَفُ بِرِيْحِ الطِّيْبِ إِذَا أَقْبَلَ (مصنف ابنِ ابی شيبة) [3]

---

[1] حديث نمبر ٦٧، كتاب دلائل النبوة، باب في حسن النبي صلى الله عليه وسلم، دار المغني للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية، واللفظ لهٗ، دلائل النبوة حديث نمبر ٢٣١٩.

[2] حديث نمبر ٦٦، كتاب دلائل النبوة، باب في حسن النبي صلى الله عليه وسلم، دار المغني للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية.

[3] حديث نمبر ٢٦٨٥٨، كتاب الادب، باب ما يستحب للرجل أن يوجد ريحه منه.

قال الالباني:

و بالجملة، فالحديث حسن على أقل الأحوال بمجموع طرقه. و الله تعالى أعلم (السلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ٢١٣٧)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف آوری سے پہلے خوشبو سے پہچان لئے جاتے تھے (ترجمہ ختم)

غرضیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ مبارک اور پسینہ مبارک سے نکلنے اور مہکنے والی خوشبو اتنی عالیشان اور قوی تھی کہ آپ جس راستہ پر چلتے تھے وہ راستہ بھی آپ کی خوشبو مبارک سے مہک اٹھتا تھا۔

حضرت ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ربیع بنتِ معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ:

صِفِي لَنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ :يَا بُنَيَّ لَوْ رَأَيْتَهٗ رَأَيْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً (سنن دارمی) [1]

ترجمہ: ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ حلیہ بیان فرمایئے؟ انھوں نے فرمایا: اے میرے بیٹے! اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتے تو سمجھتے کہ سورج نکل آیا (ترجمہ ختم)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے پوچھا کہ:

أَكَانَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْدًا هٰكَذَا مِثْلَ السَّيْفِ ؟ قَالَ لَا ، بَلْ كَانَ مِثْلَ الْقَمَرِ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک تلوار جیسا (چمکیلا) تھا؟ تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا نہیں بلکہ چاند جیسا تھا (ترجمہ ختم)

---

[1] حدیث نمبر ۶۱، کتاب دلائل النبوة، باب فی حسن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، دار المغنی للنشر والتوزیع، المملکة العربیة السعودیة، واللفظ لهٗ، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۶۹۶، المعجم الاوسط للطبرانی حدیث نمبر ۴۴۵۸.

قال الهیثمی:

رواه الطبرانی فی الکبیر والاوسط ورجاله وثقوا (مجمع الزوائد ج۸ص ۲۸۰)

[2] حدیث نمبر ۱۸۴۷۸، مؤسسة الرسالة، بیروت.

إسناده صحیح علی شرط البخاری .رجاله ثقات رجال الشیخین، غیر أحمد بن عبد الملک، فمن رجال البخاری (حاشیة مسند احمد)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے بھی کسی نے یہی سوال کیا تھا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تلوار کی طرح چمکدار تھا؟ آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

لَا بَلْ كَانَ مِثْلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَكَانَ مُسْتَدِيْرًا (مسلم) [1]

ترجمہ: نہیں بلکہ سورج اور چاند کی طرح تھا، اور گول تھا (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَلِيْعَ الْفَمِ أَشْكَلَ الْعَيْنَيْنِ مَنْهُوْشَ الْعَقِبِ (ترمذی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ مبارک کشادہ تھا، آنکھیں بڑی اور ایڑیوں میں گوشت کم تھا (ترجمہ ختم)

اور بعض روایات کے مطابق آپ کی آنکھوں میں کچھ سرخی تھی۔ [3]

اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

كَانَ فِيْ سَاقَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمُوْشَةٌ وَكَانَ لَا يَضْحَكُ إِلَّا تَبَسُّمًا وَكُنْتُ إِذَا نَظَرْتُ إِلَيْهِ قُلْتُ أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ وَلَيْسَ

---

[1] حدیث نمبر ۲۳۴۴، کتاب الفضائل باب شيبه صلى الله عليه وسلم، دار إحياء التراث العربى - بيروت، واللفظ لهٗ، مسند احمد حديث نمبر ۲۰۹۹۸.

[2] حـديث نمبر ۳۶۴۶، ج۵ ص۶۰۳، ابواب المناقب، باب فى صفة النبى صلى الله عليه وسلم، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

قال الترمذى:، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[3] عَنْ سِمَاكٍ، قَالَ :سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ، قَالَ " :كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَلِيعَ الْفَمِ، أَشْكَلَ الْعَيْنِ، مَنْهُوسَ الْعَقِبَيْنِ "قُلْتُ لِسِمَاكٍ :مَا ضَلِيعُ الْفَمِ ؟ قَالَ : "عَظِيمُ الْفَمِ . "قُلْتُ :مَا أَشْكَلُ الْعَيْنِ ؟ قَالَ " :طَوِيلُ شُفُرِ الْعَيْنِ قُلْتُ :مَا مَنْهُوسُ الْعَقِبِ ؟ قَالَ " :قَلِيلُ لَحْمِ الْعَقِبِ (مسند احمد، حديث نمبر ۲۰۹۸۶)

إسناده حسن من أجل سماك (حاشية مسند احمد)

حـدثنا شعبة ، قال :أخبـرنـى سماك ، قال :سـمـعـت جابر بن سمرة ، يقول : كان رسـول الـلـه صـلى الله عليه وسلم أشهل العينين ، منهوس العقب، ضليع الفم قال أبو عبيد :الشـكـلة كهيـئة الـحـمـرة تكون فى بياض العين ، والشهلة غير الشكلة ، وهى حمرة فى سواد العين (دلائل النبوة للبيهقى، حديث نمبر ۱۳۳)

بِأَكْحَلَ (ترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں باریک (خوبصورت) تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم (عام لوگوں کی طرح) ہنستے نہیں تھے بلکہ مسکراتے تھے۔ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں میں سرمہ لگایا ہوا ہے حالانکہ سرمہ لگایا ہوا نہیں ہوتا تھا (بلکہ آپ کی آنکھوں میں قدرتی طور پر سرمہ والی خوبصورتی تھی) (ترجمہ ختم)

حضرت یزید فارسی جو کہ تابعی ہیں، انہوں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، اور انہوں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ:

إِنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّوْمِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَسْتَطِيْعُ أَنْ يَّتَشَبَّهَ بِيْ، فَمَنْ رَآنِيْ فِي النَّوْمِ، فَقَدْ رَآنِيْ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ أَنْ تَنْعَتَ لَنَا هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِيْ رَأَيْتَ؟ قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ، رَأَيْتُ رَجُلًا بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، جِسْمُهُ وَلَحْمُهُ، أَسْمَرُ إِلَى الْبَيَاضِ، حَسَنُ الْمَضْحَكِ، أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ، جَمِيْلُ دَوَائِرِ الْوَجْهِ، قَدْ مَلَأَتْ لِحْيَتُهُ، مِنْ هٰذِهِ إِلٰى هٰذِهِ، حَتّٰى كَادَتْ تَمْلَأُ نَحْرَهُ......فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَوْ رَأَيْتَهُ فِي الْيَقْظَةِ مَا اسْتَطَعْتَ أَنْ تَنْعَتَهُ فَوْقَ هٰذَا (مسند احمد) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خواب میں دیکھا، تو میں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا، تو

---

[1] حديث نمبر ٣٦٤٥، ج٥ص٦٠٣، ابواب المناقب، باب في صفة النبي صلى الله عليه وسلم، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر)

قال الترمذي: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ

[2] حديث نمبر ٣٤١٠، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، الشمائل المحمدية للترمذي، حديث نمبر ٤٠٣.

قال الالباني: وإسناده جيد في المتابعات (السلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ٢٧٢٩)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے کہ شیطان کو میری صورت میں آنے کی قدرت نہیں، اس لیے جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اُس نے مجھے ہی دیکھا۔

اور پھر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ اُس شخصیت کا حلیہ بیان کرسکتے ہو، جنہیں تم نے خواب میں دیکھا؟

حضرت یزید فارسی نے عرض کیا کہ جی ہاں! میں نے ایک شخصیت کو دو آدمیوں کے درمیان دیکھا، جس کا جسم اور گوشت گندمی سفیدی کی طرف مائل ہے، ہنس مکھ مکھڑے والا ہے، آنکھیں سرمگیں ہیں، چہرہ گول اور حسین ہے، ایک رخسار سے دوسرے رخسار (یا ایک گال سے دوسرے گال) تک بھرپور گھنی ڈاڑھی والے تھے، جس نے سینے کو قریب قریب بھر رکھا تھا، تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے (ان صاحب سے) فرمایا: اگر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی میں دیکھتے تو اس سے زیادہ حلیہ مبارک کا نقشہ نہیں بیان کرسکتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا:

كَانَ أَحْسَنَ النَّاسِ صِفَةً وَأَجْمَلَهَا، كَانَ رَبْعَةً إِلَى الطُّوْلِ مَا هُوَ، بَعِيْدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، أَسِيْلَ الْجَبِيْنِ، شَدِيْدَ سَوَادِ الشَّعْرِ، أَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ أَهْدَبَ، إِذَا وَطِءَ بِقَدَمِهِ وَطِءَ بِكُلِّهَا .لَيْسَ أَخْمَصَ .إِذَا وَضَعَ رِدَاءَهُ عَنْ مَنْكِبَيْهِ فَكَأَنَّهُ سَبِيْكَةُ فِضَّةٍ .وَإِذَا ضَحِكَ يَتَلَأْلَأُ .لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (دلائل النبوة للبيهقي) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ حسین اور جمیل صفت (سراپا) رکھتے تھے، آپ کا قد مبارک لمبائی کی طرف مائل ہونے کے باوجود

---

[1] ج ۱ ص ۲۷۵، باب جامع صفة رسول الله صلى الله عليه وسلم، دارالكتب العلمية، بيروت.

درمیانہ تھا، دونوں مونڈھوں کے درمیان فاصلہ تھا، پیشانی وسیع تھی، بال شدید سیاہ تھے، سرمگیں آنکھیں تھیں، لمبی پلکیں تھیں، جب اپنے قدم مبارک رکھتے تھے، تو پوری طرح (زمین پر) جما کر رکھتے تھے، سوائے تلوے کے، جب اپنی چادر اپنے کندھے سے ہٹاتے تھے، تو (محسوس ہوتا تھا کہ) گویا کہ آپ چاندی سے ڈھلے ہوئے ہیں، اور جب ہنستے تھے، تو (دانت مبارک) موتی کی طرح نظر آتے تھے، میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ جیسا نہیں دیکھا، صلی اللہ علیہ وسلم (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ لَيْلَةٍ إِضْحِيَانٍ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِلَى الْقَمَرِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ فَإِذَا هُوَ عِنْدِيْ أَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ (ترمذی) [1]

ترجمہ: میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سرخ جبہ پہنے ہوئے تھے، میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا کبھی حضور پر نگاہ ڈالتا تھا۔ بالآخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاند سے کہیں زیادہ حسین وجمیل ہیں (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

---

[1] حدیث نمبر ۲۸۱۱، ابواب الادب، باب ما جاء في الرخصة في لبس الحمرة للرجال، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي -مصر، واللفظ لهٗ، شمائلِ ترمذی حدیث نمبر ۹، دلائل النبوة للبيهقي حديث نمبر ۱۱۱، سنن دارمی حديث نمبر ۵۸، المعجم الكبير للطبرانی حديث نمبر ۱۸۱۲، مستدرک حاکم حديث نمبر ۷۴۸۹.

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْأَشْعَثِ (ترمذی، حواله بالا)

وقال الترمذی فی العلل:

سألت محمدا فقلت له :ترى هذا الحديث هو حديث أبي إسحاق عن البراء ؟ قال :لا ، هذا غير ذاك الحديث كأنه رأى الحديثين جميعا محفوظين (علل الترمذي الكبير، تحت حديث رقم ۴۱۴)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه.

وقال الذهبی فی التلخیص: صحيح.

فَلَهُوَ أَزْيَنُ فِيْ عَيْنِيْ مِنَ الْقَمَرِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (معرفة الصحابة) [1]

ترجمہ: بالآخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاند سے کہیں زیادہ زینت والے ہیں (ترجمہ ختم)

اور تاریخِ بغداد کی روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

فَكَانَ فِيْ عَيْنِيْ أَزْيَنُ مِنَ الْقَمَرِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (تاریخ بغداد) [2]

ترجمہ: تو میری نظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاند سے زیادہ زینت والے ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے مروی ہے کہ:

كَانَ عَرَقُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَجْهِهٖ مِثْلَ اللُّؤْلُؤِ أَطْيَبَ مِنَ الْمِسْكِ الْأَذْفَرِ وَكَانَ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا ,وَأَنْوَرَهُمْ لَوْنًا ,لَمْ يَصِفْهُ وَاصِفٌ قَالَ :بِمَعْنَى صِفَتِهٖ إِلَّا شَبَّهَ وَجْهَهٗ بِالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ يَقُوْلُ هِنْدٌ :فِيْ أَعْيُنِنَا أَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ (دلائل النبوة لابی نعیم اصبهانی) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک آپ کے چہرے میں موتی کے مثل (خوبصورت) اور انتہائی عالیشان مشک سے زیادہ خوشبودار تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سب لوگوں سے زیادہ حسین تھا، اور آپ کا رنگ سب سے زیادہ نورانی تھا، آپ کی کوئی تعریف کرنے والا جب تعریف کرتا تھا تو وہ آپ کے چہرے کو چودھویں رات کے چاند کے مشابہ قرار دیتا تھا، ھند بن ابی ھالہ فرماتے ہیں کہ ہماری نظر میں آپ چاند سے زیادہ حسین تھے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن وجمال کو بیان کرنے کے لئے چاند یا چودھویں رات کے چاند سے زیادہ اور کوئی چیز مخلوق میں نظر نہیں آتی تھی۔

---

[1] لأبی نعیم، حدیث نمبر ۱۵۳۰،دار الوطن للنشر -الریاض.

[2] ج۳ص۱۵۷، دارالکتب العلمیة، بیروت.

[3] حدیث نمبر ۵۵۴، ج۱ص۶۰۷، الفصل الثلاثون فی ذکر موازاة الأنبیاء فی فضائلهم بفضائل نبینا ومقابلة ما أوتوا من الآیات بما أوتی علیه السلام،دارالنفائس ،بیروت.

اس لئے عموماً اسی کے ساتھ آپ کے حسن وجمال کو بیان کیا جاتا تھا، ورنہ آپ اس سے بھی زیادہ حسین وجمیل تھے، اوراسی وجہ سے بعض اوقات آپ کو چاند سے زیادہ حسین قرار دیا جاتا تھا۔

اسی لئے کسی شاعر نے کہا ہے:

چاند سے تشبیہ دینا یہ بھی کوئی انصاف ہے ۔۔۔ اس کے منہ پہ چھائیاں احمؐد کا چہرہ صاف ہے

اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف یہ اشعار منسوب ہیں:

فَاَجْمَلُ مِنْهُ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِيْ ۔۔۔ وَاَكْمَلُ مِنْهُ لَمْ تَلِدِالنِّسَآءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ ۔۔۔ كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَاتَشَآءُ

(ديوان الصبابة،لابن أبي حجلة،الباب الأول ،ذكر الحسن والجمال) [۱]

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین وجمیل کبھی میری آنکھ نے نہیں دیکھا، اور آپ سے زیادہ کامل مکمل کبھی کسی عورت کے یہاں پیدا نہیں ہوا، آپ ہر عیب سے مبراء وپاکیزہ ہوکر پیدا ہوئے ہیں، گویا کہ آپ اپنی پسند کے مطابق پیدا کئے گئے ہیں (ترجمہ ختم)

خلاصہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن وجمال میں سب انسانوں میں زیادہ کامل اور مکمل تھے۔ [۲]

---

[۱] یہ اشعار مذکورہ کتاب کے علاوہ کسی اور مستند کتاب سے سند کے ساتھ دستیاب نہیں ہوسکے، اور مذکورہ کتاب میں بھی سند مذکور نہیں۔ محمد رضوان۔

[۲] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حسن کی انواع ہیں۔ حسن کی ایک نوع یہ ہے کہ دیکھنے والے کو دفعۃً متحیر کردے۔ اور پھر رفتہ رفتہ اس کی سہار ہوتی جائے۔ یوسف علیہ السلام کا حسن ایسا ہی تھا چنانچہ زلیخا کو آپ کے حسن کی سہار ہوگئی تھی۔ انہوں نے ایک دن بھی ہاتھ نہیں کاٹے تھے اور ایک نوع حسن کی یہ ہے کہ دفعۃً تو متحیر نہ کرے مگر جوں جوں اس کو دیکھا جائے تحمل سے باہر ہوجائے۔ جس قدر غور کیا جائے اسی قدر دل میں گھستا جائے۔ اسی کو ایک شاعر بیان کرتے ہیں: يَزِيْدُكَ وَجْهُهٗ حُسْنًا ۔۔۔ اِذَا مَازِدْتَهٗ نَظْرًا

(ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا حسن بڑھتا ہی جاتا ہے جوں جوں میں اس کی طرف دیکھتا ہوں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن ایسا ہی تھا کہ اس میں دفعۃً متحیر کردینے کی شان ظاہر نہ تھی (وعظ الرفع والوضع، مشمولہ خطباتِ حکیم الامت ج ۵ ص ۴۸۷، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

بعضوں نے حسنِ یوسفی اور جمالِ مصطفیٰ میں فرق کو یوں تعبیر کیا ہے:

''حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن ''حسنِ صبیح'' تھا، اور آپ کا حسن ''حسنِ ملیح'' تھا''

حقوقُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امت پر بنیادی حقوق

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور مرضیات ونامرضیات کی پہچان ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہوئی ہے۔

اس لئے مخلوقات میں سب سے بڑا حق ہم پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان امت ہونے کا شرف بھی ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے ذریعہ سے حاصل ہوا۔

اور کیونکہ امت کو اپنے رسول سے مختلف قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔

ایک یہ کہ وہ امیر وحاکم ہیں اور امت محکوم ورعیت۔

دوسرے یہ کہ رسول محبوب ہیں اور پوری امت ان کی محبّ۔

تیسرے یہ کہ رسول اپنے علمی وعملی اور اخلاقی کمالات کی بناء پر صاحبِ عظمت ہیں اور ساری امت ان کے مقابلہ میں (اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بعد) پست اور عاجز۔

ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ سب شانیں کامل درجہ میں پائی جاتی ہیں، اس لئے امت پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر شان کا حق ادا کریں۔

پس بحیثیتِ رسول کے ان پر ایمان لائیں۔

بحیثیت رسول امیر وحاکم کے ان کے احکام کی پیروی کریں۔

بحیثیت محبوب ہونے کے ان کے ساتھ گہری محبت رکھیں۔

اور بحیثیت کمالاتِ نبوت کے ان کی تعظیم وتکریم بجالائیں۔

(تفسیر معارف القرآن ج۴ ص ۸۷ بتغیر)

پس حاصل اور خلاصہ آپ کے حقوق کا چند اقسام ہوئے۔

اور وہ یہ ہیں: [1]

(۱)......آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعتقاد رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ کی اطاعت واتباع کرنا۔

(۲)......آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دل میں ہونا۔

(۳)......آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، ادب واحترام کا بجالانا۔

(۴)......آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنا۔

(۱)......اطاعتِ رسول واتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امت پر سب سے پہلا حق اطاعت واتباع ہے۔

اتباع کے معنٰی ہیں پیروی کرنا، اور اطاعت کے معنٰی ہیں بات ماننا۔

اتباع کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واعمال سے ہے اور اطاعت کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور ارشادات سے ہے۔

---

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان سب سے زائد ہم پر ہے، اس لئے آپ کا حق بھی سب سے زائد ہے وہ چند حقوق یہ ہیں (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعتقاد رکھے (۲) تمام احکام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور محبت کو دل میں جگہ دے (۴) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھا کرے (''حقوق الاسلام'' صفحہ ۴)

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین حق ہیں: ایک حق ہے محبت، دوسرا حق ہے عظمت، تیسرا حق ہے متابعت۔ اب لوگوں نے کیا کیا ہے کہ تجزیہ کیا ہے ان حقوق میں۔ بعضوں نے تو محض محبت لے لی، عظمت اور متابعت کو نظر انداز کر دیا۔ بعضوں نے ظاہری عظمت کو کافی سمجھا، محبت اور متابعت سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ بعضوں نے محض متابعت پر قناعت کر لی محبت اور عظمت کی تحصیل کے درپے نہ ہوئے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تینوں حقوق کا ادا کرنا یکساں طور پر ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حق کا ادا کرنا واجب ہے محبت کا بھی عظمت کا بھی اور متابعت یعنی اتباع کا بھی (مواعظ میلاد النبی ص ۱۰۶، وعظ ''نقد اللبیب فی عقد الحبیب'')

اطاعت واتباعِ رسول کے عام مفہوم میں درود شریف پڑھنا بھی شامل ہے، نماز میں بھی پڑھا جاتا ہے اس لیے بعض اوقات درود شریف کے حق کو الگ سے ذکر نہیں کیا جاتا اور بعض اوقات اہمیت بتلانے کے لئے الگ سے ذکر کر دیا جاتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واطاعت کا حکم دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال دونوں کو حتمی حجت اور واجبُ العمل قرار دیا ہے۔

چنانچہ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (سورہ انفال آیت ۱)

ترجمہ: اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو (ترجمہ ختم) [1]

اور قرآن مجید میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ ''رسول کی اطاعت'' یا ''فرمانبرداری'' نہ تو اللہ کا کوئی نیا قانون ہے اور نہ اس کا حکم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک محدود ہے بلکہ آپ سے پہلے بھیجے جانے والے تمام انبیاء کے لئے بھی یہی اصول رہا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (سورہ نسآء آیت ۶۴)

---

[1] اور قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (سورہ نسآء آیت ۶۵)

ترجمہ: آپ کے رب کی قسم ہے کہ یہ لوگ (جو صرف زبانی ایمان ظاہر کرتے پھرتے ہیں، وہ اللہ کے نزدیک) ایمان والے نہ ہونگے جب تک کہ آپس کے اختلافات میں آپ ہی کو حاکم نہ ٹھہرائیں۔ پھر اس کے بعد آپ کے فیصلے سے اپنے دل میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور (اس فیصلہ کو) پوری طرح (ظاہر وباطن سے) تسلیم کرلیں (ترجمہ ختم)

اس سے یہ خوب واضح ہوگیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اس کی اطاعت کے بغیر قرآن کے نزدیک ایمان ہی نہیں (ماخذہٗ ''ترجمان السنۃ'' ج۱ص۱۵۰ مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ وتفسیر عثمانی بتغیر)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (سورہ نور آیت ۶۲)

ترجمہ: جو لوگ آپ سے (ایسے مواقع پر) اجازت لے کر جاتے ہیں یہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں (ترجمہ ختم)

معلوم ہوا کہ ایمان کی حدود میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لینے جیسی معمولی اطاعتیں بھی درج ہیں بلکہ تمام رسولوں کی اطاعت کرنا قرآن کے نزدیک حق رسالت ہے اور ایک ایسا عام قانون ہے جس سے کبھی کوئی رسول مستثنیٰ نہیں رہا، جیسا کہ سورہ نساء کی آیت نمبر ۶۴ سے معلوم ہوتا ہے (''ترجمان السنۃ'' ایضاً بتغیر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تمام باتوں پر ایمان لائے اور یہ اطاعتِ رسول کا بنیادی اور ابتدائی درجہ ہے۔

ترجمہ: اور ہم نے تمام رسولوں کو خاص اسی واسطے بھیجا ہے کہ بحکمِ الٰہی ان کی اطاعت کی جائے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس رسول اور جس نبی کو اپنے بندوں کی طرف بھیجتے ہیں تو اسی غرض کے لئے بھیجتے ہیں کہ اللہ کے حکم کے موافق بندے ان کا کہا مانیں اور عمل کریں (تفسیر عثمانی بتغیر)

اور ایک موقعہ پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ (سورہ یٰسٓ آیت ۲۰)

ترجمہ: ان رسولوں کی اتباع کرو (ترجمہ ختم)

حضرت ھارون علیہ السلام کے اپنی قوم سے خطاب میں بھی اتباع اور اطاعت دونوں کا ذکر موجود ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے:

" فَاتَّبِعُوْنِیْ وَ اَطِيْعُوْٓا اَمْرِیْ (سورہ طٰهٰ آیت ۹۰)

ترجمہ: تم میری اتباع کرو اور میرا کہا مانو (یعنی میرے قول وفعل کی اقتداء کرو) (ترجمہ ختم)

اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جا بجا انبیاء علیہم السلام کا اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے اپنی اطاعت کرنے کا حکم مذکور ہے۔

چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

''اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ○ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ (سورہ نوح آیت ۳ ۴)

ترجمہ: تم اللہ کی عبادت (یعنی توحید اختیار) کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو تو وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا (ترجمہ ختم)

اور فرمایا:

" فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ'' (سورہ شعرآء آیت ۱۰۸)

ترجمہ: تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (ترجمہ ختم)

حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے فرمایا: '' فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ'' (سورہ شعراء آیت ۱۲۶ و ۱۳۱)

حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے فرمایا: ’’ فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْنِ‘‘ (ایضاً آیت ۱۴۴و۱۵۰)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے فرمایا: ’’ فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْنِ‘‘ (سورہ زخرف آیت ۶۳)

حضرت لوط علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے فرمایا: ’’ فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْنِ‘‘ (ایضاً آیت ۱۶۳)

حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے فرمایا: ’’ فَاتَّقُوا اللهَ وَ اَطِيْعُوْنِ‘‘ (ایضاً آیت ۱۷۹)

ان تمام آیات میں نبی کی اطاعت اور اللہ سے ڈرنے کا حکم ایک ساتھ ذکر کر کے اس طرف اشارہ کردیا گیا ہے کہ نبی کی اطاعت اللہ کے خوف اور ڈر کے بغیر حاصل ہونا مشکل ہے اور یہ دولت اُسی کو حاصل ہوسکتی ہے جس کے دل میں اللہ کا ڈر اور خوف ہو۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے جس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اللہ کی اطاعت دراصل رسول کی اطاعت اور اتباع کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے۔

چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ (سورہ نسآء آیت ۸۰)

ترجمہ: جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی (ترجمہ ختم)

نیز ارشاد ہے:

قُلْ اَطِيْعُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ (سورہ آل عمران آیت ۳۲)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی (ترجمہ ختم)

اس کے علاوہ بے شمار آیات میں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم ایک ساتھ مذکور ہے، مثلاً:

وَاَطِيْعُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ (سورہ آل عمران آیت ۱۳۲)

اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (سورہ نسآء آیت ۵۹)

اَطِيْعُوا اللهَ وَرَسُوْلَهٗ (سورہ الانفال آیت ۲۰)

اَطِيْعُوا اللهَ وَرَسُوْلَهٗ (سورہ الانفال آیت ۴۶)

قُلْ اَطِيْعُوا اللهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (سورہ نور آیت ۵۴)

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (سورہ محمد آیت ۳۳)

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (سورہ مجادلۃ آیت ۱۳)

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (سورہ تغابن آیت ۱۲)

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ جب کبھی قرآن مجید میں ''اللہ کی اطاعت'' کا ذکر آیا ہے تو اسی کے فوراً بعد ''رسول کی اطاعت'' کا حکم بھی آیا ہے جس کا پورے قرآن میں التزام پایا جاتا ہے، پورے قرآن مجید میں کوئی ایک بھی آیت ایسی نہیں ہے جس میں ''اللہ کی اطاعت'' کا بیان ہو اور اس کے ساتھ فوراً ہی ''رسول کی اطاعت'' کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔

اس قسم کی بے شمار آیات سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم اور اس کی اہمیت بالکل واضح ہے، اور اس سلسلہ میں احادیثِ مبارکہ تو اتنی زیادہ ہیں کہ جن کو شمار کرنا مشکل ہے۔

اور ایک مقام پر تو اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ فیصلہ فرما دیا کہ:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ (سورہ احزاب آیت ۶)

ترجمہ: نبی مؤمنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حقِ اطاعت تمام انسانوں میں سب سے زیادہ ہے۔ [1]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اِقْرَءُوْا إِنْ شِئْتُمْ: اَلنَّبِیُّ أَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (بخاری) [2]

---

[1] قوله عز وجل: (النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ) يعنى من بعضهم ببعض فى نفوذ حكمه عليهم ووجوب طاعته عليهم. وقال ابن عباس وعطاء: يعنى إذا دعاهم النبى صلى الله عليه وسلم ودعتهم أنفسهم إلى شىء كانت طاعة النبى صلى الله عليه وسلم أولى بهم من طاعتهم أنفسهم. وقال ابن زيد: النبى أولى بالمؤمنين من أنفسهم فيما قضى فيهم، كما أنت أولى بعبدك فيما قضيت عليه. وقيل: هو أولى بهم فى الحمل على الجهاد وبذل النفس دونه (تفسير البغوى، تحت آيت ۶ من سورة الاحزاب)

[2] حديث نمبر ۴۷۸۱، ج۶ ص۱۱۶، كتاب تفسير القرآن، باب النبى أولى بالمؤمنين من أنفسهم، دارطوق النجاة.

ترجمہ: کوئی مومن ایسا نہیں ہے کہ میں سب لوگوں میں دنیا وآخرت کے اعتبار سے اس سے زیادہ تعلق نہ رکھتا ہوں، تم اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو:

اَلنَّبِیُّ أَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ أَنْفُسِھِمْ.

(ترجمہ ختم)

رسول کی اطاعت کے فوائد ومنافع اور مخالفت کے نتائج وعواقب

بہت سی آیات اور احادیث ایسی بھی ہیں جن میں ''رسول کی اطاعت واتباع'' کے فوائد ومنافع اور اس کے مقابلہ میں مخالفت کے نتائج وعواقب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے:

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا (سورہ نسآء آیت ۶۹)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے لوگ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی اچھی ہے (ترجمہ ختم)

فائدہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت کرنے والے ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز اور مقبول ہیں، جن کے چار درجے بتلائے گئے ہیں انبیاء، صدیقین، شہداء، اور صالحین (معارف القرآن ج۲ص۴۶۷)

اور ان ہی معزز ہستیوں کا دوسروں کو پیروی کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (سورہ فاتحہ)

ترجمہ: بتلا دیجئے ہم کو رستہ سیدھا ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے (ترجمہ ختم)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر لازم کیا ہے کہ وہ ہر نماز میں ان لوگوں کے راستے پر چلنے کی دعا کیا کریں، جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اور وہ لوگ جن پر اللہ نے انعام فرمایا گذشتہ آیت میں مذکور ہیں۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ نعمت بھی اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت کرنے سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایسی ہے کہ جس کی اتباع کر کے کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوااللہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ (سورہ احزاب آیت ۲۱)

ترجمہ: تمہارے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین عملی نمونہ ہے اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو (ترجمہ ختم)

اور ایک مقام پر ارشاد ہے:

وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ (سورۃ توبۃ آیت ۶۲)

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا بہت ضروری ہے اگر وہ ایمان رکھتے ہیں (ترجمہ ختم)

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (سورۃ الانفال آیت ۶۴)

ترجمہ: اے نبی آپ کو اللہ کافی ہے اور ان مومنوں کو جو تیری پیروی کر رہے ہیں (ترجمہ ختم) [1]

[1] قرآن مجید میں اور مواقع پر بھی اللہ اور رسول کی اطاعت واتباع کے درج ذیل فوائد ونتائج بیان کئے گئے ہیں مثلاً:
اللہ کی طرف سے جنت میں داخل فرمانے کا وعدہ (سورہ نسآء آیت ۱۳، سورہ فتح آیت ۱۷)
اطاعت کرنے سے ہدایت کا حاصل ہونا اور ان کا کامیاب اور بامراد ہونا (سورہ نور آیت ۵۲، ۵۴، سورہ احزاب آیت ۷۱)
اطاعت کرنے والوں سے اللہ کی طرف سے رحمت کا وعدہ (توبہ آیت ۷۱)
اطاعت کرنے والوں سے اعمال کا بدلہ ملنے میں کمی نہ کرنے کا وعدہ (حجرات آیت ۱۴) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری عظیم الشان عمل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر اپنی اطاعت کے ساتھ فرمایا ہے، اسی طرح اس کے مقابلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی بھی انتہائی سخت گناہ اور نقصان کی چیز ہے، اور اس کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی نافرمانی کے ساتھ فرمایا ہے۔

چنانچہ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (سورة النساء آیت ۱۴)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا ایسوں کے لئے رسوا کن عذاب ہے (ترجمہ ختم)

اور نافرمانی کرنے والے قیامت کے روز حسرت سے یہ کہیں گے:

يَالَيْتَنَا اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا (احزاب آیت ۶۶)

ترجمہ: کاش کہ ہم لوگ اللہ کی اطاعت کرتے اور اس کے رسول کی اتباع کرتے (تو آج یہ بُرا انجام دیکھنا نہ پڑتا) (ترجمہ ختم)

اور ایک مقام پر ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (سورہ انفال آیت ۱۳)

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہو تو بیشک اللہ سخت عذب دینے والا ہے (ترجمہ ختم)

اور ایک مقام پر ارشاد ہے:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

رسول کی اتباع سے اللہ کی محبت حاصل ہونا (سورہ آل عمران آیت ۳۱، ۳۲ پ ۳)
رسول کی اتباع سے ہدایت حاصل ہونا (سورہ اعراف آیت ۱۵۸)
نیز رسول کی اتباع کا سورہ ال عمران آیت ۵۳ و آیت ۶۸ میں بھی ذکر ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (سورة الاحزاب آيت ۳۶)

ترجمہ: اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہ ہوا (ترجمہ ختم)

نیز ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (سورة الجن آيت ۲۳)

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا (ترجمہ ختم)

قرآن مجید کے علاوہ احادیث میں بھی تفصیل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اتباع اور سنت کی اہمیت وفضیلت اور اس کے برخلاف چلنے والوں کے لئے سخت تنبیہات آئی ہیں۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ فرشتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں آ کر ذکر کیا:

فَالدَّارُ اَلْجَنَّةُ وَالدَّاعِي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ (بخاری) [1]

ترجمہ: اصل گھر جنت ہے، اور اس کی دعوت دینے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پس جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

---

[1] حديث نمبر ۷۲۸۱، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم، دارطوق النجاة، بيروت.

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبٰى قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّأْبٰى قَالَ مَنْ أَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ أَبٰى (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری تمام امت جنت میں جائے گی مگر جو انکار کرے، صحابہ نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! وہ کون ہے جو آپ کا انکار کرتا ہے آپ نے جواب دیا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے میرا انکار کیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَطَاعَنِيْ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيْرِيْ فَقَدْ أَطَاعَنِيْ وَمَنْ عَصٰى أَمِيْرِيْ فَقَدْ عَصَانِيْ (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبِعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ (شرح السنة للبغوی) [3]

---

[1] حدیث نمبر ۷۲۸۰، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دارطوق النجاة، بیروت، واللفظ لهٗ، مسند احمد حدیث نمبر ۸۷۲۸.

[2] حدیث نمبر۷۱۳۷، کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالی وأطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم، دارطوق النجاة، بیروت.

[3] ج ۱ ص ۲۱۳، کتاب الایمان، باب رد البدع والأهواء، المکتب الإسلامی -دمشق، بیروت، واللفظ لهٗ، الابانة الکبریٰ لابنِ بطة، حدیث نمبر ۲۹۱، السنة لابنِ ابی عاصم حدیث نمبر ۱۴.
ویجمع ذلک کله حدیث أبی هریرة لا یؤمن أحدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به أخرجه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی خواہشات میرے لائے ہوئے احکام کے تابع نہ ہوجائیں (ترجمہ ختم)

اورحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دَعُوْنِیْ مَا تَرَكْتُكُمْ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ (بخاری) [1]

ترجمہ: میں جب تک تمہیں کسی چیز سے چھوڑے رکھوں (یعنی کسی چیز کا حکم نہ دوں) تو تم بھی مجھے چھوڑے رکھو، بس تمہارے سے پہلے لوگ ان کے بلاوجہ کے سوال اور اپنے نبی پر اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوچکے ہیں، اور جب میں تمہیں خود سے کسی چیز سے منع کروں، تو تم اس سے رک جاؤ، اور جب میں تمہیں کسی کام کا حکم کروں، تو اپنی حسبِ قدرت اس پر عمل کرو (ترجمہ ختم)

اورحضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ:

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ (بخاری) [2]

ترجمہ: پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا، تو وہ مجھ میں سے نہیں (ترجمہ ختم)

اورحضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ عَمَلٍ شِرَّةٌ، وَلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةٌ،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحسن بن سفيان وغيره ورجاله ثقات وقد صححه النووى فى آخر الأربعين(فتح البارى لابنِ حجر، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة،قوله باب ما يذكر من ذم الرأى)

حديث حسن صحيح، رويناه فى كتاب الحجة بإسناد صحيح(شرح الاربعين النووية، باب علامة الايمان)

[1] حديث نمبر ۷۲۸۸، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة،باب الاقتداء بسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم، دارطوق النجاة، بيروت.

[2] حديث نمبر ۵۰۶۳،كتاب النكاح، باب الترغيب فى النكاح، دارطوق النجاة، بيروت، مسلم حديث نمبر ۳۴۶۹.

فَـمَنْ كَانَتْ فَتْرَتُهُ إِلٰى سُنَّتِىْ، فَقَدْ أَفْلَحَ، وَمَنْ كَانَتْ إِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ فَقَدْ هَلَكَ (مسند احمد)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر عمل کے اندر (شروع میں) رغبت (حرص وتازگی) ہوتی ہے، اور ہر رغبت میں (بالآخر) سکون ہوتا ہے، پس جس کا سکون میری سنت کی طرف ہوا، تو وہ کامیاب ہوگیا، اور جس کا سکون میری سنت کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف ہوا، تو وہ ہلاک ہوگیا (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ جب بھی کوئی عمل شروع کیا جاتا ہے، تو اس میں انتہائی رغبت اور جوش وخروش ہوتا ہے، لیکن بعد میں وہ جوش وخروش ٹھنڈا ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے عمل کرنے والا کبھی افراط اور کبھی تفریط کا شکار ہوجاتا ہے۔

اس سے بچنے کا راستہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع ہے۔

پس جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اختیار کیا، تو وہ کامیاب ہوگیا، خواہ اس میں جوش وخروش بھی نہ ہو۔

اور جس نے اس کے خلاف اور کوئی طریقہ (بدعت وغیرہ کو) اختیار کیا، تو وہ ہلاک ہوگیا، خواہ اس میں جوش وخروش ہی کیوں نہ ہو۔[2]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] حديث نمبر ٦٩٥٨، مؤسسة الرسالة، بيروت.
إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

[2] (إن لكل شئ) كذا هو فى خط المصنف وفى رواية عمل وفى أخرى عابد (شرة) بكسر الشين والتشديد بضبط المصنف حدة وحرصا ونشاطا ورغبة قال القاضى الشرة الحرص على الشء والنشاط فيه وصاحبها فاعل فعل دل عليه ما بعده وقوله تعالى * (وإن أحد من المشركين استجارک) * (ولكل شرة فترة) أى وهنا وضعفا وسكونا يعنى أن العابد يبالغ فى العبادة أو لا وكل مبالغ تسكن حدته وتفتر مبالغته بعد حين وقال القاضى المعنى أن من اقتصد فى الأمور سلک الطريق المستقيم واجتنب جانبى الإفراط الشرة والتفريط الفترة فارجوه ولا تلتفتوا إلى شهرته فيما بين الناس واعتقادهم فيه (فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ۲۴۲۲)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلُّوا أَبَدًا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ نَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِنَّ كُلَّ مُسْلِمٍ أَخُ مُسْلِمٍ، الْمُسْلِمُونَ إِخْوَةٌ، وَلَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ مِنْ مَالِ أَخِيهِ إِلَّا مَا أَعْطَاهُ عَنْ طِيبِ نَفْسٍ، وَلَا تَظْلِمُوا، وَلَا تَرْجِعُوا مِنْ بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: اے لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑ کر رکھو گے تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہونگے، ایک کتاب اللہ اور دوسرے سنتِ نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بلا شبہ ہر مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں، اور کسی آدمی کے لئے اس کے بھائی کا مال حلال نہیں، جب تک کہ وہ اپنی خوشدلی سے نہ دے، اور تم میرے بعد کافروں کے طریقے پر نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردنوں کو مارو (یعنی ایک دوسرے کو قتل کرو) (ترجمہ ختم)

---

[1] حدیث نمبر ۳۱۸، ج ۱ ص ۱۷۱، کتاب العلم، دارالکتب العلمیة، بیروت، واللفظ لہٗ، دلائل النبوة للبیهقی حدیث نمبر ۲۱۸۴، سنن البیهقی حدیث نمبر ۲۰۸۳۳.

قال الحاکم: وَقَدِ احْتَجَّ الْبُخَارِيُّ بِأَحَادِيثِ عِكْرِمَةَ وَاحْتَجَّ مُسْلِمٌ بِأَبِي أُوَيْسٍ، وَسَائِرُ رُوَاتِهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِمْ، وَهَذَا الْحَدِيثُ لِخُطْبَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّفَقٌ عَلَى إِخْرَاجِهِ فِي الصَّحِيحِ ": يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابَ اللَّهِ، وَأَنْتُمْ مَسْئُولُونَ عَنِّي فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ ؟ "وَذِكْرُ الِاعْتِصَامِ بِالسُّنَّةِ فِي هَذِهِ الْخُطْبَةِ غَرِيبٌ وَيَحْتَاجُ إِلَيْهَا . "وَقَدْ وَجَدْتُ لَهُ شَاهِدًا مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ (حوالہ بالا)

قلت: ذکر الاعتصام بالسنة فی هذه الخطبة لهٗ شاهد من حدیث عروة. رواه البیهقی.

عن عروة بن الزبیر ، فذکر قصة حجة الوداع ، قال :ثم رکب رسول الله صلی الله علیه وسلم علی الراحلة ، وجمع الناس وقد أراهم مناسکهم ، فقال : یا أیها الناس اسمعوا ما أقول لکم ، فإنی لا أدری لعلی لا ألقاکم بعد عامی هذا فی هذا الموقف ، ثم ذکر خطبته ، وقال فی آخرها : اسمعوا أیها الناس قولی ؛ فإنی قد ترکت فیکم ما إن اعتصمتم به لن تضلوا أبدا أمرین بینین :کتاب الله وسنة نبیکم وکذلک ذکره أیضا موسی بن عقبة بمعناه أخبرنا أبو الحسین بن الفضل ، أنبأنا أبو بکر بن عتاب ، حدثنا القاسم الجوهری ، حدثنا ابن أبی أویس ، حدثنا إسماعیل بن إبراهیم بن عقبة ، عن عمه موسی بن عقبة ، فذکره إلا أنه قال : لن تضلوا بعده أبدا أمرا بینا :کتاب الله ، وسنة نبیه (دلائل النبوة للبیهقی، حدیث نمبر ۲۱۸۲)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ شَیْئَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَھُمَا :کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّتِیْ، وَلَنْ یَّتَفَرَّقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ

(مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، جن (پر عمل کرنے) کے بعد تم ہرگز گمراہ نہیں ہوگے، ایک اللہ کی کتاب، اور دوسرے میری سنت، اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے ہرگز بھی جدا نہیں ہونگیں، یہاں تک کہ قیامت کے دن میرے او پر حوضِ کوثر پر آئیں گی (ترجمہ ختم)

اس سے واضح ہوا کہ قرآن مجید کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے طریقہ کی اتباع بھی گمراہی سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

لہٰذا سنت کو چھوڑ کر صرف قرآن مجید پر اکتفاء کا دعویٰ کرنا ہدایت کے لئے کافی نہیں ہے۔ [2]

پھر صحابۂ کرام اور بالخصوص خلفائے راشدین کا طریقہ بھی سنت میں داخل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ساتھ ساتھ درجہ بدرجہ اپنے صحابۂ کرام کی پیروی کا بھی حکم فرمایا ہے، بالخصوص خلفائے راشدین کے عمل کو سنت سے تعبیر فرمایا ہے۔

چنانچہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

صَلّٰی لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْفَجْرَ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَیْنَا، فَوَعَظَنَا

---

[1] حدیث نمبر ۳۱۹، ج ۱ ص ۱۷۲، کتاب العلم، دارالکتب العلمیة، بیروت ،واللفظ لهٗ،دارقطنی حدیث نمبر ۴۶۶۵، سنن البیهقی حدیث نمبر ۲۰۸۳۴، مؤطا امام مالک،حدیث نمبر ۶۷۸.

[2] (ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدهما کتاب الله) القرآن (وسنتی) أی طریقتی و کتاب بدل مما قبله أو خبر لمحذوف أی وهما إلخ (ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض) قد مر بیانه موضحا بما منه أنهما الأصلان اللذان لا عدول عنهما ولا هدی إلا منهما والعصمة والنجاة لمن تمسک بهما واعتصم بحبلهما وهما الفرقان الواضح والبرهان اللائح بین المحق إذا اقتفاهما والمبطل إذا خلاهما فوجوب الرجوع إلی الکتاب والسنة متعین معلوم من الدین بالضرورة لکن القرآن یحصل به العلم القطعی یقینا وفی السنة تفصیل معروف والمحصول مبسوط فی الأصول(فیض القدیر للمناوی، تحت حدیث رقم ۳۲۸۲)

مَـوْعِـظَةً بَلِيْغَةً، ذَرَفَتْ لَهَا الْأَعْيُنُ، وَوَجِلَتْ مِنهَا الْقُلُوْبُ، قُلْنَا أَوْ قَالُوْا : يَـا رَسُـوْلَ الـلّٰهِ، كَأَنَّ هٰذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَأَوْصِنَا .قَـالَ أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى الـلّٰـهِ وَالسَّـمْـعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا،فَإِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ يَرٰى بَـعْـدِىْ اخْتِلَافًـا كَثِيْـرًا، فَـعَـلَيْـكُـمْ بِسُـنَّتِـىْ وَسُـنَّةِ الْخُلَفَـاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوکر انتہائی مؤثر وعظ فرمایا، جس سے آنکھیں نمدار ہوگئیں، اور دل ڈر گئے، ہم نے یا صحابۂ کرام نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! گویا کہ یہ تو رخصت ہونے والے کا وعظ ہے، لہٰذا آپ ہمیں وصیت فرمائیے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور (امیر کی بات) سننے اور فرمانبرداری کرنے کی نصیحت کرتا ہوں، اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، پس بلاشبہ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلافات دیکھے گا، پس تم پر (ایسے وقت) میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔ جو ہدایت یافتہ ہیں، اس سنت کو تم مضبوطی سے پکڑے رکھنا اور اس کو اپنی ڈاڑھوں کے نیچے خوب دبالینا، اور تم (دین میں) نئی نئی باتوں کے (پیدا کرنے) سے بچنا کیونکہ (دین میں) جو بھی نئی چیز نکالی جائے، وہ بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وطریقہ کے ساتھ صحابۂ کرام اور بالخصوص خلفائے راشدین کا عمل بھی گمراہی سے بچنے اور ہدایت کو پانے کا ذریعہ ہے۔ [2]

---

[1] حديث نمبر ۱۷۱۴۴، مؤسسة الرسالة، بيروت.
حديث صحيح، سلف الكلام عليه برقم (۱۷۱۴۲)ورجاله ثقات(حاشية مسند احمد)

[2] وقوله " :فعليكم بسنتى "السنة :الطريقة القويمة التى تجرى على السنن وهو السبيل الواضح، "وسنة الخلفاء الراشدين المهديين "يعنى الذين شملهم الهدى وهم الأربعة بالإجماع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَإِنَّ بَنِیْ إِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّةً کُلُّهُمْ فِی النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً قَالُوْا وَمَنْ هِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَیْهِ وَأَصْحَابِیْ (ترمذی) [1]

ترجمہ: اور بنی اسرائیل کے ۷۲ فرقے ہوگئے، اور میری امت کے ۷۳ فرقے ہوجائیں گے، جو تمام جہنم میں جائیں گے، سوائے ایک فرقے کے، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ ایک فرقہ کون سا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں (ترجمہ ختم)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أبو بكر وعمر وعثمان وعلى رضى الله عنهم أجمعين .وأمر صلى الله عليه وسلم بالثبات على سنة الخلفاء الراشدين لأمرين :أحدهما التقليد لمن عجز عن النظر .والثانى :الترجيح لما ذهبوا إليه عند اختلاف الصحابة.(شرح الاربعين النووية، باب وجوب لزوم السنة)

الأصل أن المسلمين يكونون جماعة واحدة على منهج الكتاب والسنة، وعلى ما كان عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه، فهذا هو الأصل، لكن وجد التفرق كما أخبر به النبى صلى الله عليه وسلم :(وأنه من يعش فسيرى اختلافاً كثيراً)، وقال :(ستفترق هذه الأمة على ثلاث وسبعين فرقة كلها فى النار إلا واحدة، قالوا :من هى؟ قال :الجماعة)، وفى لفظ :(من كان على ما أنا عليه وأصحابى)، فالذين هم على هذا المنهج لا يقال :إنهم على حلف، وإنما هم ملتزمون بما جاء فى الكتاب والسنة عملاً ودعوة، وإذا وجدت جماعات خرجت عن هذا المسلك وعن هذا المنهج الذى كان عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه، فتلك جماعات مختلفة، وهى ممن يتحالف ويتآزر ويتعاون على الشىء الذى التزموه، وذلك الذى التزموه ليس على منهج صحيح، وإذا كانوا على منهج صحيح فليكونوا على ما كان عليه سلف هذه الأمة من الصحابة، وهو الالتزام بالكتاب والسنة(شرح سنن ابى داوٗد لعبدالمحسن العباد، ج۱٦ ص۲۲)

[1] حديث نمبر ۲٦۴۱، كتاب الايمان، باب ما جاء فى افتراق هذه الأمة،شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر،واللفظ لهٗ، مستدرک حاکم حديث نمبر ۴۰۸،الابانة الكبرىٰ لابنِ بطة حديث نمبر ۲۷۴.

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مُفَسَّرٌ لَا نَعْرِفُهُ مِثْلَ هَذَا إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

قلت:ولهٗ شاهد كما سيأتى.

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :تَفْتَرِقُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ ثَلَاثَةً وَّسَبْعِيْنَ فِرْقَةً كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً .قَالُوْا :وَمَا تِلْكَ الْفِرْقَةُ؟ قَالَ :مَنْ كَانَ عَلٰى مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَأَصْحَابِيْ(المعجم الاوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس امت کے ۷۳ فرقے ہوجائیں گے، جو تمام جہنم میں جائیں گے، سوائے ایک فرقے کے، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ وہ ایک فرقہ کون سا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ ہے، جو اس طریقہ پر ہو، جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں (ترجمہ ختم)

اور بعض احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

أَلَا إِنَّ مَنْ قَبْلَكُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ افْتَرَقُوْا عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَإِنَّ هٰذِهِ الْمِلَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ (ابوداؤد) [2]

ترجمہ: تم سے پہلے اہلِ کتاب کے ۷۲ فرقے ہوگئے تھے اور اس امت کے ۷۳ فرقے ہوجائیں گے، جن میں سے ۷۲ جہنم میں اور ایک جنت میں جانے والا ہوگا، اور جنت میں جانے والا فرقہ جماعت ہے (ترجمہ ختم)

جماعت سے مراد اہلِ سنت ہیں، جس کی سب سے پہلی مصداق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت

---

[1] حدیث نمبر ۷۸۴۰، ج۸ص ۲۲، دار الحرمین -القاهرة، المعجم الصغیر للطبرانی حدیث نمبر ۷۲۴.

قال الهیثمی:

رواه الطبرانی فی الصغیر وفیه عبدالله بن سفیان قال العقیلی لا یتابع علی حدیثه هذا وقد ذکره ابن حبان فی الثقات(مجمع الزوائد ج ا ص ۱۸۹)

قلت: وله شاهد من حدیث عبدالله بن عمرو کما مر.

[2] حدیث نمبر ۴۵۹۷، کتاب السنة، باب شرح السنة، عن معاویة بن ابی سفیان، المکتبة العصریة، صیدا -بیروت، واللفظ لهٗ، ابنِ ماجة حدیث نمبر ۳۹۸۲، کتاب الفتن، باب افتراق الامم، عن عوف بن مالک).

ہے۔ [1]

گزشتہ تفصیل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کے فوائد اور آپ کی مخالفت کے نقصانات، اور صحابۂ کرام کی اتباع کی اہمیت معلوم ہوئی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ اتباع واطاعت کرنے والے ہیں، اور یہی دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کا سب سے اولین مصداق اور نمونہ ہیں۔

اس سلسلہ میں چند واقعات وآثار ملاحظہ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

هَبَطْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -مِنْ ثَنِيَّةٍ فَالْتَفَتَ إِلَيَّ وَعَلَيَّ رَيْطَةٌ مُضَرَّجَةٌ بِالْعُصْفُرِ فَقَالَ مَا هٰذِهِ الرَّيْطَةُ عَلَيْكَ .فَعَرَفْتُ مَا كَرِهَ فَأَتَيْتُ أَهْلِيْ وَهُمْ يَسْجُرُوْنَ تَنُّورًا لَهُمْ فَقَذَفْتُهَا فِيْهِ ثُمَّ أَتَيْتُهُ مِنَ الْغَدِ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ مَا فُعِلَتِ الرَّيْطَةُ .فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَلَا كَسَوْتَهَا بَعْضَ أَهْلِكَ فَإِنَّهُ لَا بَأْسَ بِهٖ لِلنِّسَاءِ (ابوداؤد) [2]

---

[1] (ستفترق هذه الأمة على ثلاث وسبعين فرقة كلها فى النار إلا واحدة قيل :من يا رسول الله؟ قال :الجماعة) وفى لفظ :(من كان على ما أنا عليه وأصحابى .(فقوله :(من كان على ما أنا عليه وأصحابى) يدل على اتباع السنة، واتباع ما كان عليه الرسول صلى الله عليه وسلم، ووصفهم بأنهم جماعة ثم كونه يقول :إنهم أهل سنة وإنهم ليسوا جماعة هذا كلام غير صحيح؛ لأن أهل السنة هم الجماعة، والجماعة وأهل السنة والطائفة المنصورة والفرقة الناجية؛ كل هذه الصفات لفرقة واحدة، وهم من هم على ما كان عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه، وكونه يصير هناک شیء من الاختلاف والتنافر لأمور دنيوية أو لأمور أخرى هذا لا يؤثر على الاتفاق فى العقيدة وعلى ما كان عليه سلف الأمة، فإذا وجد شيء من ذلک لا يقال :إن هذا يقتضى أن يفرق بين السنة والجماعة، وأن السنة شيء والجماعة شيء ، بل أهلِ السنة هم الجماعة، والجماعة هم أهل السنة، وعقائد أهل السنة فيها ذكر السنة والجماعة معاً فلا يقال :إن هذا شيء وهذا شيء آخر .معنى المنهج وضابطه الصحيح(شرح سنن ابى داوٗد لعبدالمحسن العباد، ج۱۳ ص ۲۸۲)

[2] حديث نمبر ۴۰۶۶، كتاب اللباس، باب فى الحمرة، المكتبة العصرية، صيدا - بيروت، واللفظ لهٗ، سنن ابنِ ماجة حديث نمبر ۳۵۹۳، مسند احمد حديث نمبر ۵۲۶۸. اسنادهٗ حسن(حاشية مسند احمد)

ترجمہ: ایک مرتبہ سفر میں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے اوپر ایک چادر تھی جو کسم کے رنگ (ایک خاص قسم کا رنگ ہے) میں ہلکی سی رنگی ہوئی تھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا''یہ کیا اوڑھ رکھا ہے''؟ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال سے محسوس ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ناگواری کے آثار ہیں۔میں گھر والوں کے پاس واپس ہوا تو گھر میں چولہا جلا ہوا تھا، میں نے وہ چادر اس چولہے میں ڈال دی، دوسرے روز جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''وہ چادر کیا ہوئی''؟ میں نے قصہ سنا دیا۔آپ نے ارشاد فرمایا''عورتوں میں سے کسی کو کیوں نہ پہنا دی، عورتوں کو پہننے میں تو حرج نہ تھا(ترجمہ ختم)

اگرچہ چادر کے جلا دینے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی، مگر جس کے دل میں کسی کی ناگواری اور ناراضگی کی چوٹ لگ گئی ہو، وہ دوسری سوچ کا متحمل ہی نہیں ہوتا۔اور یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہی شان تھی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -خَرَجَ فَرَأَى قُبَّةً مُشْرِفَةً فَقَالَ مَا هٰذِهِ . قَالَ لَهُ أَصْحَابُهُ هٰذِهِ لِفُلَانٍ رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ قَالَ فَسَكَتَ وَحَمَلَهَا فِيْ نَفْسِهِ حَتّٰى إِذَا جَاءَ صَاحِبُهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-يُسَلِّمُ عَلَيْهِ فِي النَّاسِ أَعْرَضَ عَنْهُ صَنَعَ ذٰلِكَ مِرَارًا حَتّٰى عَرَفَ الرَّجُلُ الْغَضَبَ فِيْهِ وَالْإِعْرَاضَ عَنْهُ فَشَكَا ذٰلِكَ إِلٰى أَصْحَابِهِ فَقَالَ وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأُنْكِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .-قَالُوْا خَرَجَ فَرَأَى قُبَّتَكَ .قَالَ فَرَجَعَ الرَّجُلُ إِلٰى قُبَّتِهِ فَهَدَمَهَا حَتّٰى سَوَّاهَا بِالْأَرْضِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمْ يَرَهَا قَالَ مَا فَعَلَتِ

الْقُبَّةُ .قَالُوا شَكَا إِلَيْنَا صَاحِبُهَا إِعْرَاضَكَ عَنْهُ فَأَخْبَرْنَاهُ فَهَدَمَهَا فَقَالَ أَمَا إِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلٰى صَاحِبِهِ إِلَّا مَا لَا إِلَّا مَا لَا .يَعْنِيْ مَا لَا بُدَّ مِنْهُ(ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ گھر سے باہر تشریف لے جارہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستے میں ایک قُبَّہ (گنبد والا حجرہ) دیکھا جو اونچا بنا ہوا تھا، آپ نے ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ فلاں انصاری نے قبہ بنایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خاموش ہوگئے، کسی دوسرے وقت وہ انصاری صحابی، خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور سلام کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض فرمایا اور سلام کا جواب مرحمت نہیں فرمایا۔ ان انصاری صحابی نے اس خیال سے کہ شاید آپ کی توجہ نہ ہوئی ہو دوبارہ سلام کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی اعراض فرمایا اور جواب نہیں دیا (وہ صحابی پریشان ہوگئے اور وہ اس بات کا کیسے تحمل کرسکتے تھے) مجلس میں موجود صحابہ سے دریافت کیا کہ آج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کو پھرا

---

[1] حدیث نمبر ۵۲۳۷، کتاب الادب، باب ماجاء فی البناء، المکتبة العصریة، صیدا - بیروت، واللفظ لہٗ، مسند ابی یعلیٰ الموصلی حدیث نمبر ۴۳۴۷، سنن ابنِ ماجة حدیث نمبر ۴۱۵۱، شرح مشکل الآثار للطحاوی، حدیث نمبر ۹۵۲، شعب الایمان حدیث نمبر ۱۰۲۲۱.

قال حکم حسین سلیم أسد فی حاشیة مسند ابی یعلیٰ :إسناده حسن.

وقال الالبانی:

أخرجه أبو داود (۲/۳۴۸،۳۴۷ تازیة) و الطحاوی فی "مشکل الآثار "(۱/۴۱۶)و أبو یعلی فی "مسنده "(۷/۳۰۸/۱۵۹۲) و البیهقی فی "شعب الإیمان " (۷/۳۹۰/۱۰۷۰۴) من طریق إبراهیم بن محمد بن حاطب القرشی عن أبی طلحة .. قلت :و هذا إسناد جید کما قال الحافظ العراقی فی "تخریج الإحیاء "(۴/۲۳۶ المعرفة -لبنان) و کنت خالفته فی ذلک فی "الضعیفة "(رقم ۱۷۶) اعتمادا منی علی أن الحافظ قال فی ترجمة أبی طلحة الأسدی من "التقریب " : "مقبول ." یعنی عند المتابعة ، و إلا فلین الحدیث ، یضاف إلی ذلک أنه لم یحک فی "التهذیب " توثیقه عن أحد .ثم إن أحد إخواننا المشتغلین بهذا العلم جزاه الله خیرا لفت نظری (السلسلة الصحیحة ، تحت حدیث رقم ۲۸۳۰)

ھوا پاتا ہوں، خیر تو ہے؟ انھوں نے کہا کہ حضور باہر تشریف لے گئے تھے، راستہ میں تمہارا قبہ دیکھا تھا اور دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا ہے؟ (اور بس) یہ سن کر وہ انصاری فوراً واپس گئے اور اس قبہ کو توڑ کر ایسا زمین کے برابر کر دیا کہ نام ونشان بھی نہ رہا (اور پھر آ کر آپ سے اس واقعہ کا ذکر بھی نہیں کیا، اتفاقاً) پھر حضور ہی کا اس جگہ ایک دن گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ قبہ وہاں نہیں ہے، دریافت فرمایا کہ قبہ کہاں گیا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ انصاری نے آپ کے اعراض کے بارے میں معلوم کیا تھا، ہم نے ان کو بتلا دیا تھا کہ تمہارا قبہ دیکھا ہے، انھوں نے آ کر اس کو توڑ دیا، حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہر تعمیر آدمی پر وبال ہے، مگر وہ تعمیر جو ضرورت اور مجبوری کی ہو (ترجمہ ختم)

صحابۂ کرام کو اس کا تحمل ہی نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو رنجیدہ دیکھیں یا کوئی شخص اپنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گرانی کو محسوس کرے۔ ان صحابی نے قبہ کو گرایا اور پھر یہ بھی نہیں کہ گرانے کے بعد جتانے کے طور پر آ کر کہتے کہ آپ کی خوشی کے واسطے گرا دیا بلکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ہی اتفاق سے اُدھر کو تشریف لے جانا ہوا تو ملاحظہ فرمایا۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

أَتَيۡتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَلِيَ شَعۡرٌ طَوِيۡلٌ فَلَمَّا رَآنِيۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ- قَالَ ذُبَابٌ ذُبَابٌ. قَالَ فَرَجَعۡتُ فَجَزَزۡتُهُ ثُمَّ أَتَيۡتُهُ مِنَ الۡغَدِ فَقَالَ إِنِّيۡ لَمۡ أَعۡنِكَ وَهٰذَا أَحۡسَنُ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے سر کے بال لمبے تھے، جب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ ''ذُبَابٌ ذُبَابٌ'' (میں یہ سمجھا کہ میرے بالوں کے متعلق ارشاد فرمایا) میں واپس گیا اور ان کو کٹوا دیا، پھر جب

---

[1] حدیث نمبر ۴۱۹۰، کتاب الترجل، باب فی تطویل الجمة، المکتبة العصریة، صیدا -بیروت، واللفظ لهٗ، سنن ابنِ ماجة حدیث نمبر ۳۶۳۶، شرح مشکل الآثار للطحاوی حدیث نمبر ۳۳۶۷، مسند البزار حدیث نمبر ۴۴۸۲.

والحدیث لیس فی إسناده إلا عمرو بن شعیب وقد حسن حدیثه جماعة من الأئمة (فتح الغفار الجامع لأحکام سنة نبینا المختار للصنعانی، تحت حدیث رقم ۶۰ ۷، ج ۱ ص ۲۴۶، کتاب اللباس)

میں اگلے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا، لیکن یہ اچھا کیا (ترجمہ ختم)

ذباب کے معنیٰ منحوس کے بھی ہیں اور بُری چیز کے بھی۔ یہ اشاروں پر مر مٹنے کی بات ہے کہ منشا سمجھنے کے بعد خواہ وہ غلط ہی سمجھا ہو اس کی تعمیل میں دیر نہ ہوتی تھی۔

یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد بھی فرما دیا کہ تم (یا تمہارے بال) مراد نہ تھے۔ مگر یہ کیونکہ اپنے متعلق سمجھے اس لئے کیا مجال تھی کہ دیر ہوتی۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ایک لمبی روایت میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نِعْمَ الرَّجُلُ خُرَيْمٌ الْأَسَدِيُّ لَوْلَا طُولُ جُمَّتِهِ وَإِسْبَالُ إِزَارِهِ .فَبَلَغَ ذٰلِکَ خُرَيْمًا فَعَجَّلَ فَأَخَذَ شَفْرَةً فَقَطَعَ بِهَا جُمَّتَهُ إِلٰى أُذُنَيْهِ وَرَفَعَ إِزَارَهُ إِلٰى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ(ابوداؤد) [1]

ترجمہ: خریم اسدی کیا ہی اچھے آدمی تھے، اگر ان کے بال لمبے نہ ہوتے، اور لنگی کو نیچے نہ لٹکاتے، یہ بات جب حضرت خریم اسدی نے سنی تو فوراً قینچی لے کر بال کانوں تک کاٹ دیئے اور لنگی آدھی پنڈلیوں تک اوپر اٹھالی (ترجمہ ختم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک سننے کے بعد فوراً لمبے بال بھی کٹوا دیئے، اور لنگی بھی اوپر کر لی، یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان تھی۔

مَردوں کو لنگی، پائجامہ، شلوار وغیرہ کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا گناہ ہے، مگر آج عام طور پر اس کی خلاف ورزی پائی جاتی ہے۔

اسی طرح غیر قوموں اور فاسقوں وفاجروں کے طریقوں پر بالوں کی سجاوٹ اور بناوٹ کی جاتی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

[1] حدیث نمبر ۴۰۸۹، کتاب اللباس، باب ماجاء فی اسبال الازار، المکتبة العصرية، صيدا - بيروت، واللفظ لهٗ، مسند احمد حديث نمبر ۱۷۶۲۲۔
إسناده محتمل للتحسين (حاشية مسند احمد)

لَمَّا اِسْتَوٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ -صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ -یَوْمَ الْجُمُعَۃِ قَالَ اِجْلِسُوْا .فَسَمِعَ ذٰلِکَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَجَلَسَ عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ فَرَآہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ -صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ -فَقَالَ تَعَالَ یَا عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ مَسْعُوْدٍ(سنن أبی داؤد) [1]

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف لے گئے، تو فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، اس ارشاد کو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے مسجد کے دروازے پر سنا، اور وہ وہیں بیٹھ گئے، جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا، تو فرمایا کہ اے عبداللہ بن مسعود! اندر تشریف لے آیئے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا واقعہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے۔ [2]

نیز یہی واقعہ حضرت عطاء سے بھی مرسلاً مروی ہے۔ [3]

اور اسی قسم کا واقعہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی مروی ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَلَسَ عَلَی الْمِنْبَرِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَقَالَ :اِجْلِسُوْا فَسَمِعَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ رَوَاحَۃَ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ

---

[1] حدیث نمبر ۱۰۹۱، کتاب الصلاۃ، باب الإِمَامِ یُکَلِّمُ الرَّجُلَ فِی خُطْبَتِہِ، المکتبۃ العصریۃ، صیدا -بیروت، واللفظ لہٗ، مستدرک حاکم حدیث نمبر ۱۰۰۷۔

قال الحاکم: "ھَذَا حَدِیثٌ صَحِیحٌ عَلَی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ، وَلَمْ یُخَرِّجَاہُ (مستدرک حاکم)

وقال الذھبی فی التلخیص :علی شرطھما.

[2] عن ابن عباس قال :لما استوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر قال للناس : اجلسوا ، فسمعہ ابن مسعود وھو علی باب المسجد فجلس ، فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم : تعال یا ابن مسعود(صحیح ابن خزیمۃ، حدیث نمبر ۱۷۸۳)

[3] عَنْ عَطَاءٍ ، قَالَ :کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَخْطُبُ ، فَقَالَ لِلنَّاسِ :اجْلِسُوا ، فَسَمِعَہُ عَبْدُ اللہِ بْنُ مَسْعُودٍ وَھُوَ عَلَی الْبَابِ فَجَلَسَ ، فَقَالَ لَہُ :یَا عَبْدَ اللہِ ، اُدْخُلْ(مُصنف ابن أبی شیبۃ،حدیث نمبر ۵۲۵۶)

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْلِسُوْا فَجَلَسَ فِيْ بَنِيْ غُنْمٍ (دلائل النبوة للبيهقي) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت عبداللہ بن رواحہ نے سنا کہ آپ بیٹھنے کا حکم فرما رہے ہیں، تو آپ بنی غنم میں (جہاں یہ ارشاد سنا، وہیں فوراً) بیٹھ گئے (ترجمہ ختم)

اور بعض روایات میں یہ قصہ اس طرح آیا ہے کہ:

أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ رَوَاحَةَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ يَخْطُبُ فَسَمِعَهُ وَهُوَ يَقُوْلُ :اِجْلِسُوْا فَجَلَسَ مَكَانَهُ خَارِجًا مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى فَرَغَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُطْبَتِهٖ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا عَلٰى طَوَاعِيَةِ اللّٰهِ -تَعَالٰى- وَطَوَاعِيَةِ رَسُوْلِهٖ(دلائل النبوة للبيهقي) [2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن رواحہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ رہے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خطبہ دے رہے تھے، حضرت عبداللہ بن رواحہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اشاد سنا کہ آپ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، تو عبداللہ بن رواحہ مسجد سے باہر اسی جگہ بیٹھ گئے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہوئے، اور آپ کو عبداللہ بن رواحہ کے اس قصہ کا پتہ چلا، تو فرمایا کہ اللہ آپ کی، اللہ تعالیٰ اور اس کے

---

[1] ج۶ص۲۵۶، ۲۵۷، باب ما جاء في إسماعه صلى الله عليه وسلم خطبته العوائق في خدورهن وهو في موضعه من المسجد، دارالكتب العلمية، بيروت، واللفظ لهٗ، المعجم الاوسط للطبراني حديث نمبر ۹۱۲۸.

قال الهيثمي:

رواه الطبراني في الاوسط وفيه ابراهيم بن اسماعيل ابن مجمع وهو ضعيف (مجمع الزوائد، ج۹ص۳۱۶، باب في عبدالله بن رواحة رضي الله عنه)

قلت: قال البيهقي: .وروى مرسلا من وجه آخر كما سيأتي.

[2] ج۶ص۲۵۷، باب ما جاء في إسماعه صلى الله عليه وسلم خطبته العوائق في خدورهن وهو في موضعه من المسجد، دارالكتب العلمية، بيروت.

رسول کی اطاعت پر حرص ورغبت کو اور زیادہ کریں (ترجمہ ختم)

یہ واقعہ اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ ۱؎

یہ بات نہیں تھی کہ یہ حضرات اس بات کو جانتے نہیں تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاص مجھے اسی جگہ بیٹھنے کا حکم نہیں دے رہے تھے، بلکہ اصل بات یہ تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کان میں پڑ گیا کہ ''بیٹھ جاؤ'' تو اب صرف احتمال ہونے پر قدم نہیں اٹھ سکتا، صحابۂ کرام کی اتباع کا یہ حال تھا، آج محبت کے دعوے دار تو بہت ہیں، لیکن صحیح معنوں میں محبت واطاعت سے کوسوں دور ہیں۔ ۲؎

حضرت اُمِّ حُمید رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنِّيْ أُحِبُّ الصَّلَاةَ مَعَكَ، قَالَ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكِ تُحِبِّيْنَ

۱؎ عن بن جريج قال أخبرني ربيعة بن أبي عبد الرحمن أن النبي صلى الله عليه و سلم لما علا المنبر يوم الجمعة قال اجلسوا فسمع رجل من الانصار قول النبي صلى الله عليه و سلم ذلك وهو بالطريق لم يدخل المسجد فجلس في بني غنم قال فلما أقيمت الصلاة دخل الرجل فقال له النبي صلى الله عليه و سلم الا رحت فأخبره الخبر فقال له النبي صلى الله عليه و سلم خيرا زعموا أن ذلك الرجل عبد الله بن رواحة (مصنف عبد الرزاق، حديث نمبر ۵۳۶۶)

عن أيوب قال بلغني أن بن رواحة سمع النبي صلى الله عليه و سلم وهو بالطريق يقول اجلسوا فجلس في الطريق فمر به النبي صلى الله عليه و سلم فقال له ما شأنك قال سمعتك تقول اجلسوا فجلست فقال له النبي صلى الله عليه و سلم زادك الله طاعة (مصنف عبد الرزاق، حديث نمبر ۵۳۶۷)

۲؎ فلما سمع ذلك جلس في مكانه، أي :مبادرةً إلى امتثال أمر الرسول صلى الله عليه وسلم، فرآه رسول الله فقال :(تعال يا ابن مسعود وهذا مخاطبة منه لعبد الله بن مسعود حيث طلب منه أن يأتي .وهذا الصنيع من عبد الله بن مسعود يدل على فضله ونبله، وعلى مبادرته لامتثال أمر الرسول صلى الله عليه وسلم، ويدلنا على ما كان عليه أصحاب الرسول عليه الصلاة والسلام ورضي الله تعالى عنهم وأرضاهم من المبادرة إلى الاستسلام والانقياد لما جاء عن الرسول الكريم صلوات الله وسلامه وبركاته عليه(شرح سنن أبي داود ـ لعبد المحسن العباد، ج٦ ص ٣٣٦)

والحديث يدل على أنه -عليه السلام -تكلم لابن مسعود قبل شروعه في الخطبة، فلم يطابق التبويب عليه(شرح سنن أبي داود،لبدر الدين العيني،كتاب الصلاة،باب الإمام يكلم الرجل في خطبته)

الصَّلَاةَ مَعِيَ، وَصَلَاتُکِ فِيْ بَيْتِکِ خَيْرٌ لَّکِ مِنْ صَلَاتِکِ فِيْ حُجْرَتِکِ، وَصَلَاتُکِ فِيْ حُجْرَتِکِ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِکِ فِيْ دَارِکِ، وَصَلَاتُکِ فِيْ دَارِکِ خَيْرٌ لَّکِ مِنْ صَلَاتِکِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِکِ، وَصَلَاتُکِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِکِ خَيْرٌ لَّکِ مِنْ صَلَاتِکِ فِيْ مَسْجِدِيْ، قَالَ: فَأَمَرَتْ فَبُنِيَ لَهَا مَسْجِدٌ فِيْ أَقْصٰى شَيْءٍ مِنْ بَيْتِهَا وَأَظْلَمِهٖ، فَكَانَتْ تُصَلِّيْ فِيْهِ حَتّٰى لَقِيَتِ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ (مسند احمد)[1]

ترجمہ: اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق رکھتی ہو، مگر تمہاری وہ نماز جو اندرونی کوٹھری میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو کمرہ میں ہو اور تمہاری وہ نماز جو کمرہ میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو گھر کے احاطہ میں ہو اور تمہاری وہ نماز جو گھر کے احاطہ میں ہو، اُس نماز سے بہتر ہے جو محلّہ کی مسجد میں ہو، اور تمہاری وہ نماز جو محلّہ کی مسجد میں ہو اُس نماز سے بہتر ہے جو میری مسجد (یعنی میری اقتداء میں مسجد نبوی) میں ہو، چنانچہ (حضرت اُمِّ حمید رضی اللہ عنہا نے) گھر والوں کو کہہ کر اپنے کمرے کے کونے میں جہاں سب سے زیادہ اندھیرا رہتا تھا، نماز پڑھنے کی جگہ بنوائی، وہیں نماز پڑھا کرتی تھیں، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا (ترجمہ ختم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت جثّامہ بن مساحق رضی اللہ عنہ کو ہرقل بادشاہ روم کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا، وہ ہرقل کے دربار میں پہنچے تو ان کے اکرام کے لئے ہرقل نے انہیں سونے کی ایک کرسی پر بٹھایا۔

حضرت جثّامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

[1] حديث نمبر ۲۷۰۹۰، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، صحيح ابنِ حبان حديث نمبر ۲۲۱۷.

حديث حسن (حاشية مسند احمد)

قال شعيب الأرنؤوط: حديث قوى (حاشية صحيح ابنِ حبان)

جَلَسْتُ فَلَمْ أَدْرِ مَا تَحْتِيْ، فَإِذَا تَحْتِيْ كُرْسِيٌّ مِنْ ذَهَبٍ، فَلَمَّا رَأَيْتُهُ نَزَلْتُ عَنْهُ فَضَحِكَ، فَقَالَ لِيْ :لِمَ نَزَلْتَ عَنْ هٰذَا الَّذِيْ أَكْرَمْنَاكَ بِهِ ؟ فَقُلْتُ :إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْ مِثْلِ هٰذَا

(معرفة الصحابة لابی نعیم الأصبهانی) [1]

ترجمہ: میں شروع میں بے خیالی کے عالم میں اس کرسی پر بیٹھ گیا۔ لیکن جب احساس ہوا کہ یہ سونے کی کرسی ہے تو اس سے فوراً اتر کر کھڑا ہوگیا۔ ہرقل نے میرے اس عمل پر ہنس کر پوچھا کہ ہم نے تو اس کرسی کے ذریعہ تمہارا اکرام کیا تھا، تم اتر کیوں گئے؟ میں نے جواب میں کہا کہ:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ آپ نے اس جیسی (یعنی سونے کی چیز) پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے'' (ترجمہ ختم)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اس طرح کے واقعات اتنے زیادہ ہیں کہ ان سے ایک مستقل کتاب تیار ہوسکتی ہے۔

اس قسم کے واقعات سے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کس قدر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

(۲)......محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

امت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا حق یہ ہے کہ آپ سے محبت رکھی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا ایسا اتباع مقصود نہیں جیسے عام دنیا کے حُکّام کا اتباع جبراً قہراً کرنا پڑتا ہے بلکہ وہ اتباع مقصود ہے جو عظمت ومحبت کا نتیجہ ہو، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت دل میں اتنی ہو کہ اس کی وجہ سے آپ کے احکام کی اتباع پر مجبور ہو (معارف القرآن ج ۴ ص ۸۷ بتغیر)

---

[1] حدیث نمبر ۱۷۲۹، تحت ترجمة جَثَّامَةُ بْنُ مُسَاحِقِ بْنِ الرَّبِيعِ بْنِ قَيْسٍ الْكِنَانِيُّ، دار الوطن للنشر -الرياض.

اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی آپ کے حقوق میں داخل ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ

(سورہ توبہ آیت ۲۴)

ترجمہ: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے (کساد بازاری) کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن میں (رہنے) کو تم پسند کرتے ہو (اگر یہ چیزیں) تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (یعنی سزا) بھیج دیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی شخص (پورا) ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ میرے ساتھ اپنے والد سے اور اپنی اولاد سے اور سب آدمیوں سے زیادہ محبت نہ رکھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ أَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ إِلَّا لِلّٰهِ وَأَنْ يَّكْرَهَ أَنْ يَّعُوْدَ فِي

---

[1] حدیث نمبر ۱۵، کتاب الایمان، باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الإیمان، دار طوق النجاۃ، بیروت، واللفظ لہ، مسلم حدیث نمبر ۱۷۸۔

الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ (بخاری) [1]

ترجمہ: تین چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں ہوں گی اس کو (ان کی وجہ سے) ایمان کی حلاوت ومٹھاس نصیب ہوگی۔ایک وہ شخص جس کے نزدیک اللہ اوراس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں (یعنی جتنی محبت اس کو اللہ اور رسول سے ہو اتنی کسی اور سے نہ ہو) اورایک وہ شخص جس کو کسی بندہ سے محبت ہواورصرف اللہ ہی کے لئے محبت ہو (یعنی کسی دنیوی غرض سے نہ ہو، صرف اس وجہ سے محبت ہو کہ وہ شخص اللہ والا ہے) اورایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے کفر سے بچالیا ہو (خواہ پہلے ہی سے بچائے رکھا ہو خواہ کفر سے توبہ کرلی اور بچ گیا ہو) اوراس (بچالینے) کے بعد وہ کفر کی طرف آنے کو اس قدر ناپسند کرتا ہے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ وَمَا أَعْدَدْتَ لِلسَّاعَةِ. قَالَ حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قَالَ فَإِنَّكَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ. قَالَ أَنَسٌ فَمَا فَرِحْنَا بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَرَحًا أَشَدَّ مِنْ قَوْلِ النَّبِيِّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَإِنَّكَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ. قَالَ أَنَسٌ فَأَنَا أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ فَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ مَعَهُمْ وَإِنْ لَّمْ أَعْمَلْ بِأَعْمَالِهِمْ (صحيح مسلم) [2]

ترجمہ: ایک دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اوراس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول قیامت کب واقع ہوگی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا کہ اللہ اوراس کے

---

[1] حديث نمبر ١٦، كتاب الايمان، باب حب الرسول صلى الله عليه وسلم من الإيمان، دار طوق النجاة، بيروت.

[2] حديث نمبر ٢٦٣٩، كتاب البر والصلة والآداب، باب المرء مع من احب، دار إحياء التراث العربى -بيروت.

رسول کی محبت، اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اسی کے ساتھ ہونگے، جس سے آپ محبت رکھتے ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام کے بعد ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے زیادہ خوشی اور کسی چیز سے نہیں ہوئی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ آپ اس کے ساتھ ہونگے، جس سے محبت رکھیں گے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے اور ابوبکر اور عمر سے محبت رکھتا ہوں، اور مجھے امید ہے کہ میں انہی کے ساتھ (محشور) ہوں گا، اگر چہ میرا عمل ان کے اعمال جیسا نہیں ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- قَالَ مِنْ أَشَدِّ أُمَّتِي لِيْ حُبًّا نَاسٌ يَكُوْنُوْنَ بَعْدِيْ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ رَآنِيْ بِأَهْلِهِ وَمَالِهِ (صحیح مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے مضبوط ترین لوگ وہ ہیں، جو میرے بعد مجھ سے محبت رکھتے ہونگے، جو کہ یہ چاہیں گے کہ کاش کہ وہ مجھے اپنے گھر اور مال کے بدلے (اور ان کے عوض میں) دیکھ لیتے (ترجمہ ختم)

مذکورہ آیات اور احادیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی اہمیت اور اس کی فضیلت واضح ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حقوق کو سب سے پہلے ادا کرنے والی جماعت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہے، انہی کے قول وعمل کو دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت کو پہچانا جا سکتا ہے، اس لئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کا کچھ حال ذکر کیا جاتا ہے۔

ورنہ محبت کی پوری حقیقت کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں، بلکہ وہ ایک کیفیت ہے جو الفاظ

---

[1] حديث نمبر ۲۸۳۲، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب فيمن يود رؤية النبى صلى الله عليه وسلم بأهله وماله، دار إحياء التراث العربى -بيروت.

وعبارات سے بالاتر ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کا یہ عالم تھا کہ آپ کی وجہ سے صحابہ کو نہ جان کی پرواہ تھی، نہ زندگی کی تمنا، نہ مال کا خیال تھا، نہ تکلیف کا خوف، نہ موت سے ڈر۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں ہے:

وَمَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -وَلا أَجَلَّ فِيْ عَيْنِيْ مِنْهُ وَمَا كُنْتُ أُطِيْقُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنَيَّ مِنْهُ إِجْلَالًا لَهُ وَلَوْ سُئِلْتُ أَنْ أَصِفَهُ مَا أَطَقْتُ لِأَنِّيْ لَمْ أَكُنْ أَمْلَأُ عَيْنَيَّ مِنْهُ وَلَوْ مُتُّ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ لَرَجَوْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ (مسلم) [1]

ترجمہ: اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا، اور نہ کوئی میری نظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قابلِ عظمت تھا، اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی وجہ سے آپ کو آنکھ بھر کر دیکھنے کی طاقت نہیں تھی، اور اگر مجھ سے سوال کیا جائے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (سراپا) صفت بیان کروں تو مجھے اس کی طاقت نہیں ہے، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھا، اور اگر میں اسی حال (جبکہ میرا دل آپ کی عظمت ومحبت سے لبریز ہے) میں فوت ہو جاؤں، تو مجھے امید ہے کہ میں جنتیوں میں سے ہونگا (ترجمہ ختم)

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام سے بھیجا تھا، جن کو قریشِ مکہ نے قید کرلیا، اور ان کو حرم کی حدود سے باہر لے جا کر قتل کرنا چاہا، اس موقع پر ابوسفیان بن حرب بھی موجود تھے (جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے) ابوسفیان نے ان کو قتل سے پہلے کہا:

نَشَدْتُكَ بِاللّٰهِ يَا زَيْدُ، أَتُحِبُّ أَنَّ مُحَمَّدًا عِنْدَنَا الْآنَ بِمَكَانِكَ يُضْرَبُ عُنُقُهُ، وَأَنَّكَ فِيْ أَهْلِكَ ؟ قَالَ :وَاللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَنْ مُحَمَّدًا الْآنَ فِيْ مَكَانِهِ الَّذِيْ هُوَ فِيْهِ تُصِيْبُهُ شَوْكَةٌ تُؤْذِيْهِ وَإِنِّيْ جَالِسٌ فِيْ أَهْلِيْ، فَقَالَ أَبُوْ

[1] حدیث نمبر ۱۲۱، كتاب الايمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله وكذا الهجرة والحج، دار إحياء التراث العربی -بيروت.

سُفْيَانَ :مَا رَأَيْتُ مِنَ النَّاسِ أَحَدًا يُحِبُّ أَحَدًا كَحُبِّ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَمَّدًا، ثُمَّ قَتَلَهُ نِسْطَاسٌ (معرفة الصحابة للأصبهانی)[1]

ترجمہ: اے زید! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ ہمارے پاس اس وقت آپ کی جگہ محمد ہوتے، جن کو قتل کیا جاتا، اور آپ اپنے گھر میں ہوتے؟ حضرت زید بن دثنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں تو اس بات کو بھی پسند نہیں کرتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت جس جگہ ہیں، وہاں ان کو کسی کانٹے کی بھی تکلیف پہنچے، اور میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا ہوں، جس پر ابوسفیان نے کہا کہ میں نے لوگوں میں سے کسی کو، کسی سے ایسی محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جیسی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ محمد سے محبت کرتے ہیں، اس کے بعد حضرت زید بن دثنہ (رضی اللہ عنہ) کو نسطاس (نامی شخص) نے قتل کر دیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت شعبی سے مرسلاً روایت ہے:

جَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَوَلَدِيْ وَأَهْلِيْ وَمَالِيْ، وَلَوْلَا أَنِّيْ آتِيْكَ فَأَرَاكَ لَظَنَنْتُ أَنِّيْ سَأَمُوْتُ، وَبَكَى الْأَنْصَارِيُّ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَبْكَاكَ ؟قَالَ :ذَكَرْتُ أَنَّكَ سَتَمُوْتُ وَنَمُوْتُ فَتُرْفَعُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ، وَنَحْنُ إِنْ دَخَلْنَا الْجَنَّةَ كُنَّا دُوْنَكَ، فَلَمْ يُخْبِرْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ "إِلٰى قَوْلِهٖ "عَلِيْمًا (النساء ۶۹،۷۰) " فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْشِرْ (شعب الإيمان للبيهقی)[2]

---

[1] حدیث نمبر ۲۹۹۹، تحت ترجمة زَيْدُ بْنُ الدَّثِنَةِ الْأَنْصَارِيُّ مِنْ بَنِي بَيَاضَةَ بْنِ عَامِرٍ، دار الوطن للنشر -الرياض.

[2] حدیث نمبر ۱۳۱۷، باب حب النبی ﷺ، مکتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض.

ترجمہ: انصار میں کے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ آپ مجھے میری جان اور میری اولاد اور میرے گھر اور میرے مال سب سے زیادہ محبوب ہیں، اور اگر میں آپ کے پاس نہ آتا، اور آپ کو نہ دیکھتا، تو شاید میری موت واقع ہو جاتی، اور یہ کہہ کر وہ انصاری رونے لگے، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ ان انصاری صحابی نے عرض کیا کہ آپ کے اور ہمارے فوت ہونے کے بعد آپ تو نبیوں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے، اور ہم اگر جنت میں داخل بھی ہو گئے، تو آپ سے نیچے (درجہ میں) ہونگے، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرمائیں:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ سے **عَلِيْمًا** تک (سورہ نساء) جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں۔ یہ مہربانی (اور عنایت) ہے، اللہ کی طرف سے، اور کافی ہے اللہ جاننے والا''

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے خوشخبری ہو (ترجمہ ختم)

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَّفْسِكَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللّٰهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْآنَ يَا عُمَرُ (بخاری) [1]

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ میں ہاتھ لئے ہوئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے اللہ

---

[1] حدیث نمبر ۶۶۳۲، کتاب الایمان والنذور، باب :کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم، دارطوق النجاۃ، بیروت.

کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک مجھ کو آپ کے ساتھ سب چیزوں سے زیادہ محبت ہے سوائے اپنی جان کے (یعنی اپنی جان کے برابر آپ کی محبت معلوم نہیں ہوتی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اس وقت تک مومن نہ ہوگے جب تک میرے ساتھ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت نہ رکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اب تو (آپ کا ارشاد سننے کے بعد) آپ کے ساتھ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا اب پورے ایماندار ہوا اے عمر (ترجمہ ختم)

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت ہوگئی، یا اس کا استحضار ہوگیا۔

حضرت کبشہ انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا قِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَشَرِبَ مِنْهَا وَهُوَ قَائِمٌ فَقَطَعَتْ فَمَ الْقِرْبَةِ تَبْتَغِي بَرَكَةَ مَوْضِعِ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ (ابن ماجة) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے، ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ لگا کر کھڑے کھڑے پانی پیا، تو حضرت کبشہ انصاریہ رضی اللہ عنہا نے اس مشکیزے کا منہ کاٹ لیا (اور یہ حصہ تبرک کے طور پر محفوظ رکھ لیا) تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ مبارک لگی ہوئی جگہ سے برکت حاصل کریں (ترجمہ ختم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی اسی طرح کا قصہ منقول ہے۔ [2]

---

[1] حدیث نمبر ۳۴۱۴، کتاب الاشربة، باب الشرب قائمام، دار إحياء الكتب العربية، واللفظ لهٗ، المعجم الكبير للطبرانى حديث نمبر ۲۰۵۳۱.

[2] عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، دَخَلَ عَلَى أُمِّ سُلَيْمٍ وَفِي الْبَيْتِ قِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ، فَشَرِبَ مِنْ فِيهَا وَهُوَ قَائِمٌ "قَالَ: فَقَطَعَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ فَمَ الْقِرْبَةِ فَهُوَ عِنْدَنَا (مسند أحمد، حديث نمبر ۱۲۱۸۸) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی نوجوانی کی عمر میں حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنی زندگی کو قربانی کے لئے ایسے وقت میں پیش کر دیا تھا جب مشرکینِ مکہ نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا اور قتل کرنے کی سازش بنا رکھی تھی۔

ایسی حالت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے لئے روانہ ہوگئے اور آپ کے بستر پر اس خطرے کی حالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نہایت سکون واطمینان کے ساتھ رات بھر لیٹے رہے، صبح ہوتے ہی جب مشرکینِ قریش اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لئے اندر آئے تو یہاں یہ دیکھ کر متحیر رہ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے آپ کا ایک جانثار اپنے آقا پر قربان ہونے کے لئے سر بکف سو رہا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إسناده ضعيف لجهالة ابن بنت أنس -واسمه البراء بن زيد -فإنه لم يرو عنه غير عبد الكريم الجزري، والصحيح أن هذه القصة وقعت لكبشة بنت ثابت الأنصارية كما سيأتي في مسندها ٦/٤٣٤ بإسناد صحيح(حاشية مسند احمد)

وقال الهيثمي:

رواه أحمد والطبراني وفيه البراء بن زيد ولم يضعفه أحد ، وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد ج٥ ص ٧٩،باب الشرب قائما، مكتبة القدسي، قاهرة)

[1] عن ابن إسحاق قال :وأقام رسول الله صلى الله عليه وسلم ينتظر أمر الله حتى إذا اجتمعت قريش فمكرت به وأرادوا به ما أرادوا أتاه جبريل عليه السلام ، فأمره أن لا يبيت في مكانه الذي كان يبيت فيه ، دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم علي بن أبي طالب ، فأمره أن يبيت على فراشه ، ويتسجى ببرد له أخضر ، ففعل ، ثم خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم على القوم وهم على بابه وخرج معه بحفنة من تراب فجعل يذرها على رء وسهم ، وأخذ الله عز وجل بأبصارهم عن نبيه وهو يقرأ :يس والقرآن الحكيم إلى قوله :فأغشيناهم فهم لا يبصرون وروى عن عكرمة ما يؤكد هذا(دلائل النبوة للبيهقي،حديث نمبر ٧٢٨)

عُثْمَانُ الْجَزَرِيُّ، أَنَّ مِقْسَمًا، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ :فِي قَوْلِهِ (وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ) (الأنفال ٣٠) قَالَ " :تَشَاوَرَتْ قُرَيْشٌ لَيْلَةً بِمَكَّةَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ :إِذَا أَصْبَحَ، فَأَثْبِتُوهُ بِالْوَثَاقِ، يُرِيدُونَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلِ اقْتُلُوهُ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ :بَلْ أَخْرِجُوهُ، فَأَطْلَعَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ نَبِيَّهُ عَلَى ذَلِكَ، فَبَاتَ عَلِيٌّ عَلَى فِرَاشِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ، وَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

احادیث میں یہ قصہ آتا ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر جبکہ دشمنوں کی طرف سے تیروں کی بوچھار ہورہی تھی، اس وقت حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ڈھال بنے ہوئے تھے، اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کررہے تھے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حَتَّى لَحِقَ بِالْغَارِ، وَبَاتَ الْمُشْرِكُونَ يَحْرُسُونَ عَلِيًّا، يَحْسَبُونَهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا أَصْبَحُوا ثَارُوا إِلَيْهِ، فَلَمَّا رَأَوْا عَلِيًّا، رَدَّ اللهُ مَكْرَهُمْ، فَقَالُوا :أَيْنَ صَاحِبُكَ هَذَا ؟ قَالَ :لَا أَدْرِي، فَاقْتَصُّوا أَثَرَهُ ، فَلَمَّا بَلَغُوا الْجَبَلَ خُلِّطَ عَلَيْهِمْ، فَصَعِدُوا فِي الْجَبَلِ، فَمَرُّوا بِالْغَارِ، فَرَأَوْا عَلَى بَابِهِ نَسْجَ الْعَنْكَبُوتِ، فَقَالُوا :لَوْ دَخَلَ هَاهُنَا، لَمْ يَكُنْ نَسْجُ الْعَنْكَبُوتِ عَلَى بَابِهِ، فَمَكَثَ فِيهِ ثَلَاثَ لَيَالٍ (مسند احمد، حديث نمبر ۳۲۵۱، واللفظ لهٔ، المعجم الكبير للطبرانى حديث نمبر ۱۱۹۸۷، شرح مشكل الآثار للطحاوى، حديث نمبر ۵۸۰۶)

إسناده ضعيف(حاشية مسند احمد)

عن عمه موسى بن عقبة ح) وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ قال :أخبرنى إسماعيل بن محمد بن الفضل الشعرانى قال :حدثنا جدى قال :حدثنا إبراهيم بن المنذر قال : حدثنا محمد بن فليح ، عن موسى بن عقبة ، عن ابن شهاب الزهرى وهذا لفظ حديث إسماعيل قال :ومكث رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد الحج بقية ذى الحجة ، والمحرم ، وصفر ، ثم إن مشركى قريش اجتمعوا أن يقتلوه أو يخرجوه حين ظنوا أنه خارج ، وعلموا أن الله عز وجل قد جعل له مأوى ومنعة ولأصحابه ، وبلغهم إسلام من أسلم ، ورأوا من يخرج إليهم من المهاجرين ، فأجمعوا أن يقتلوا رسول الله صلى الله عليه وسلم أو يثبتوه ، فقال الله عز وجل : وإذ يمكر بك الذين كفروا ليثبتوك أو يقتلوك أو يخرجوك ويمكرون ويمكر الله والله خير الماكرين ،وبلغه صلى الله عليه وسلم فى ذلك اليوم الذى أتى فيه أبا بكر أنهم مبيتوه إذا أمسى على فراشه ، فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبو بكر فى جوف الليل قبل الغار غار ثور ، وهو الغار الذى ذكر الله عز وجل فى الكتاب ، وعمد على بن أبى طالب فرقد على فراش رسول الله صلى الله عليه وسلم يوارى عنه ، وباتت قريش يختلفون ويأتمرون أيهم يجثم على صاحب الفراش فيوثقه ، فكان ذلك أمرهم حتى أصبحوا ، فإذا هم بعلى بن أبى طالب رضى الله عنه ، فسألوه عن النبى صلى الله عليه وسلم فأخبرهم أنه لا علم له به ، فعلموا عند ذلك أنه قد خرج فارا منهم ، فركبوا فى كل وجه يطلبونه (دلائل النبوة للبيهقى،حديث نمبر ۷۲۵)

[1] عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمَ أُحُدٍ انْهَزَمَ النَّاسُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو طَلْحَةَ بَيْنَ يَدَيْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُجَوِّبٌ عَلَيْهِ بِحَجَفَةٍ لَهُ وَكَانَ أَبُو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو جب شکست ہورہی تھی تو کسی نے یہ خبر اڑا دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے اس وحشت ناک خبر سے جو اثر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر ہونا چاہئے تھا وہ ظاہر ہے۔

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو جب غزوۂ احد کے موقع پر یہ خبر پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے، تو حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

مَا تَصْنَعُوْنَ بِالْحَيَاةِ بَعْدَهُ فَقُومُوْا فَمُوْتُوْا عَلٰى مَا مَاتَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْقَوْمَ فَقَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ(دلائل النبوة للبيهقى) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کرو گے، تم بھی کھڑے ہو، اور اس امر (اعلاء کلمۃ الحق) پر لڑ کر شہید ہوجاؤ جس پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے، چنانچہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کفار کے مقابلہ میں پہنچ گئے، اور قتال کرتے کرتے شہید ہوگئے (ترجمہ ختم)

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ انہوں نے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

طَلْحَةَ رَجُلًا رَامِيًا شَدِيدَ النَّزْعِ كَسَرَ يَوْمَئِذٍ قَوْسَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا وَكَانَ الرَّجُلُ يَمُرُّ مَعَهُ بِجَعْبَةٍ مِنْ النَّبْلِ فَيَقُولُ انْثُرْهَا لِأَبِي طَلْحَةَ قَالَ وَيُشْرِفُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ إِلَى الْقَوْمِ فَيَقُولُ أَبُو طَلْحَةَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي لَا تُشْرِفْ يُصِيبُكَ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ الْقَوْمِ نَحْرِي دُونَ نَحْرِكَ وَلَقَدْ رَأَيْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ وَأُمَّ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُمَا لَمُشَمِّرَتَانِ أَرَى خَدَمَ سُوقِهِمَا تُنْقِزَانِ الْقِرَبَ عَلَى مُتُونِهِمَا تُفْرِغَانِهِ فِي أَفْوَاهِ الْقَوْمِ ثُمَّ تَرْجِعَانِ فَتَمْلَآنِهَا ثُمَّ تَجِيئَانِ فَتُفْرِغَانِهِ فِي أَفْوَاهِ الْقَوْمِ وَلَقَدْ وَقَعَ السَّيْفُ مِنْ يَدَيْ أَبِي طَلْحَةَ إِمَّا مَرَّتَيْنِ وَإِمَّا ثَلَاثًا(بخارى، حديث نمبر ۳۷۵۷)

عَنْ أَنَسٍ، "أَنَّ أَبَا طَلْحَةَ كَانَ يَرْمِي بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ، وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَهُ يَتَتَرَّسُ بِهِ، وَكَانَ رَامِيًا، وَكَانَ إِذَا رَمَى رَفَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَخْصَهُ يَنْظُرُ أَيْنَ يَقَعُ سَهْمُهُ، وَيَرْفَعُ أَبُو طَلْحَةَ صَدْرَهُ، وَيَقُولُ: هٰكَذَا بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ، لَا يُصِيبُكَ سَهْمٌ، نَحْرِي دُونَ نَحْرِكَ، وَكَانَ أَبُو طَلْحَةَ يَشُورُ نَفْسَهُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيَقُولُ: إِنِّي جَلْدٌ يَا رَسُولَ اللهِ، فَوَجِّهْنِي فِي حَوَائِجِكَ، وَمُرْنِي بِمَا شِئْتَ (مسند أحمد، حديث نمبر ۱۴۰۵۸)

إسناده صحيح على شرط مسلم(حاشية مسند احمد)

[1] ج۳ص۲۴۵، باب تحريض النبى صلى الله عليه وسلم أصحابه على القتال يوم أحد وثبوت من عصمه الله -عز وجل-، دارالكتب العلمية، بيروت.

اپنے شہید ہونے سے پہلے جنت کی خوشبو محسوس کر لی تھی۔ [1]

اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو تکلیف بھی بہت پہنچی تھی اور شہید بھی بہت ہو گئے تھے، مدینہ طیبہ میں یہ وحشت ناک خبر پہنچی، ایک انصاری عورت کے شوہر اور بھائی بھی اس میں شہید ہو گئے تھے، جب ان خاتون کو اپنے گھر والوں کی خبر پہنچی، تو انہوں نے گھبرا کر کہا:

مَا فُعِلَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالُوا :خَيْـرًا يَا أُمَّ فُـلَانٍ، فَقَالَتْ :أَرُوْنِيْهِ حَتّٰى أَنْظُرَ إِلَيْهِ، فَأَشَارُوْا لَهَا إِلَيْهِ حَتّٰى إِذَا رَأَتْهُ قَالَتْ :كُلُّ مُصِيْبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ (دلائل النبوة للبيهقي) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ خیریت سے ہیں، پھر ان خاتون نے کہا کہ مجھے دکھلاؤ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا چاہتی ہوں، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا کہ وہ ہیں، جب ان خاتون نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا (اور آپ کی خیریت کا یقین ہو گیا، تو) انہوں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے (سلامت رہنے کے) بعد ہر مصیبت ہلکی ہے (ترجمہ ختم)

غزوۂ احد کے موقع پر اس طرح کے اور بھی واقعات پیش آئے کہ بہت سی صحابیات اپنے بیٹوں، والدوں اور شوہر اور بھائیوں کے شہید ہونے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زیادہ فکر مند تھیں۔ [3]

---

[1] وَمَرّ أَنَسُ بْنُ النّضْرِ بِقَوْمٍ مِنْ الْمُسْلِمِينَ قَدْ أَلْقَوْا بِأَيْدِيهِمْ فَقَالَ مَا تَنْتَظِرُونَ ؟ فَقَالُوا :قُتِلَ رَسُولُ اللّهِ صَلّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ فَقَالَ مَا تَصْنَعُونَ فِي الْحَيَاةِ بَعْدَهُ ؟ قُومُوا فَمُوتُوا عَلَى مَا مَاتَ عَلَيْهِ ثُمّ اسْتَقْبَلَ النّاسَ وَلَقِيَ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ فَقَالَ يَا سَعْدُ إنّي لَأَجِدُ رِيحَ الْجَنّةِ مِنْ دُونِ أُحُدٍ فَقَاتَلَ حَتّى قُتِلَ وَوُجِدَ بِهِ سَبْعُونَ ضَرْبَةً وَجُرِحَ يَوْمَئِذٍ عَبْدُ الرّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ نَحْوًا مِنْ عِشْرِينَ جِرَاحَةً(زاد المعاد، قَتْل أَنَسِ بْنِ النّضْرِ وَجَرْحُ عَبْدُ الرّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ)

[2] ج۳ص ۳۰۲، باب ما جرى بعد انقضاء الحرب وذهاب المشركين في أمر القتلى والجرحى الخ ، دارالكتب العلمية، بيروت.

[3] عن أنس بن مالك قال لما كان يوم أحد حاص أهل المدينة حيصة قالوا قتل محمد حتى كثرت الصوارخ في ناحية المدينة فخرجت امرأة من الأنصار متحزمة فاستقبلت بابنها وأبيها وزوجها وأخيها لا أدرى أيهم استقبلت به أول فلما مرت على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَقَدْ سُئِلَ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : كَيْفَ كَانَ حُبُّكُمْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟قَالَ كَانَ وَاللّٰهِ أَحَبَّ إِلَيْنَا مِنْ أَمْوَالِنَا وَأَوْلَادِنَا وَآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ عَلَى الظَّمَأِ(الشفا ج۲ص۵۶۸) [1]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معلوم کیا گیا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت تھی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے نزدیک اپنے مالوں سے اور اپنی اولادوں سے اور اپنی ماؤں سے اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے (ترجمہ ختم)

اس قسم کے واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس درجہ کی محبت تھی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا معیار اور پہچان

اہلِ علم حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی علامات بیان کی ہیں۔

مثلاً یہ کہ جو شخص کسی چیز کو محبوب رکھتا ہے اس کو ماسویٰ پر ترجیح دیتا ہے۔ یہی معنیٰ محبت کے ہیں ورنہ محبت نہیں صرف محبت کا دعویٰ ہے، پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی علامات میں سب سے مہتم بالشان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

آخرهم قالت من هذا قالوا أبوك أخوك زوجك ابنك تقول ما فعل رسول الله صلى الله عليه و سلم يقولون أمامك حتى دفعت إلى رسول الله صلى الله عليه و سلم فأخذت بناحية ثوبه ثم قالت بأبي أنت وأمي يا رسول الله لا أبالي إذ سلمت من عطب (المعجم الأوسط للطبراني ،حديث نمبر ۷۴۹۹)

قال الهيثمي:

رواه الطبراني في الاوسط عن شيخه محمد بن شعيب ولم أعرفه ، وبقية رجاله ثقات(مجمع الزوائد،ج۶ص۱۱۵)

[1] قلت : ولم اجد سندهٗ.محمد رضوان .

طریقہ کو اختیار کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی پیروی کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی بجا آوری کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں سے روک دیا ہے ان سے پرہیز کرے خوشی میں رنج میں تنگی میں وسعت میں ہر حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلے۔ [1]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ○ (سورہ آلِ عمران آیت ۳۱، ۳۲)

ترجمہ: آپ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے) فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو، تو تم لوگ میرا اتباع کرو (اس کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ اور تمہارے گناہوں کو معاف کردیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے

---

[1] ثم قال لی (یا بنی وذلک من سنتی، ومن أحیا سنتی فقد أحبنی ومن أحبی کان معی فی الجنة) فمن اتصف بهذه الصفة فهو كامل المحبة لله ورسوله ومن خالفها فی بعض هذه الأمور فهو ناقص المحبة ولا يخرج عن اسمها (الشفا بتعریف حقوق المصطفی، لقاضی عیاض، جزء۲، صفحه ۲۵)
والصحيحة لرسوله التصديق بنبوته وبذل الطاعة له فيما أمر به ونهی عنه قاله أبو سليمان، وقال أبو بكر :وموازرته ونصرته وحمايته حيا وميتا، وإحياء سنته بالطلب والذب عنها ونشرها، والتخلق بأخلاقه الكريمة وآدابه الجملية، وقال أبو إبراهيم إسحاق التجيبی :نصيحة رسول الله صلى الله عليه وسلم التصديق بما جاء به والاعتصام بسنته ونشرها والحض عليها والدعوة إلى الله وإلى كتابه وإلى رسوله وإليها إلى العمل بها، وقال أحمد بن محمد من مفروضات القلوب اعتقاد النصيحة لرسول الله صلى الله عليه وسلم، وقال أبو بكر الآجری وغيره النصح له يقتضی نصحين نصحا فی حياته ونصحا بعد مماته ففی حياته نصح أصحابه له بالنصر والمحاماة عنه ومعاداة من عاداه والسمع والطاعة له وبذل النفوس وأموال دونه كما قال الله تعالى (رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه) الآية، وقال (وينصرون الله ورسوله) الآية، وأما نصيحة المسلمين له بعد وفاته فالتزام التوقير والإجلال وشدة المحبة له والمثابرة على تعلم سنته والنفقة فی شريعته ومحبة آل بيته وأصحابه ومجانبة من رغب عن سنته وانحرف عنها وبغضه والتحذير منه والشفقة على أمته والبحث عن تعرف أخلاقه وسيره وآدابه والصبر على ذلك :فعلی ما ذكره تكون النصيحة إحدى ثمرات المحبة وعلامة من علاماتها كما قدمناه (الشفا بتعریف حقوق المصطفی، لقاضی عیاض، جزء۲، صفحه ۳۳)

عنایت (مہربانی) فرمانے والے ہیں (اور) آپ (یہ بھی) فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو، اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ پھر (اس پر بھی) اگر وہ لوگ اعراض کریں تو (سن رکھیں کہ) اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے (ترجمہ ختم)

فائدہ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا معیار بتلا دیا گیا کہ اگر دنیا میں آج کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ یا خیال ہو تو لازم ہے کہ اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھ لے، سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا جو شخص جس قدر حبیبُ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ پر چلتا ہے اور آپ کی لائی ہوئی روشنی کو مشعلِ راہ بناتا ہے اسی قدر سمجھنا چاہئے کہ اللہ کی محبت کے دعوے میں سچا اور کھرا ہے اور جتنا اس دعوے میں سچا ہوگا اتنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں مضبوط اور مستعد پایا جائے گا، جس کا پھل یہ ملے گا کہ حق تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگیں گے۔ اور اللہ کی محبت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور آئندہ طرح طرح کی ظاہری و باطنی مہربانیاں مبذول ومتوجہ ہوں گی۔

یہود و نصاریٰ کہتے تھے ''نَحْنُ اَبْنٰٓؤُ اللّٰهِ وَاَحِبَّآءُهٗ'' (ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں) یہاں بتلا دیا گیا کہ کافر کبھی اللہ کا محبوب نہیں ہو سکتا، اگر واقعی محبوب بننا چاہتے ہو تو اس کے احکام کی تعمیل کرو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کہا مانو اور اللہ کے سب سے بڑے محبوب کے نقشِ قدم پر چلے آؤ۔

وفدِ نجران نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم مسیح کی تعظیم وعبادت، اللہ کی محبت و تعظیم کے لئے کرتے ہیں، اس کا بھی جواب ہو گیا (تفسیر عثمانی بتغیر)

ان دو آیات میں سے پہلی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا گیا اور دوسری آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔

معلوم ہوا کہ اصل محبت کی علامت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آپ کی سنت کی اتباع ہے، جو حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے افعال واعمال سنتوں کے خلاف ہوں ان کی محبت کا دعویٰ سچا نہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات خوب اچھی طرح واضح ہو گئی کہ محبت کا بڑا معیار محبوب کی اطاعت ہے، اسی

کو عربی شاعر نے بہت اچھے انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ: ؎

تَعْصِی الرَّسُوْلَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ هٰذَا لَعُمْرِیْ فِی الْفِعَالِ بَدِیْعٌ

لَوْکَانَ حُبُّکَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهٗ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِیْعٌ

ترجمہ: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے اور ان کی محبت کو ظاہر کرتا ہے۔
اپنی جان کی قسم! یہ بات عجیب چیزوں میں سے ہے، اگر تیری محبت سچی ہوتی تو ضرور تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا۔ اس لئے کہ محبّ (محبت کرنے والا) محبوب کا مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے (ترجمہ ختم)

ایک فارسی زبان کے شاعر کا واقعہ ہے کہ وہ آزاد منش تھا (جیسا کہ آج کل عموماً شاعر آزاد منش ہوتے ہیں) لیکن اس شاعر کا دل نرم تھا اور اس کے کلام میں سوز وگداز تھا۔ ایک شخص اس شاعر کا فارسی کلام اور اشعار دیکھ کر بہت متاثر ہوا، اور ان کو اللہ والا اور صوفی سمجھ کر ایران سے ملاقات کے لئے روانہ ہوا، شاعر کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ ایک نائی (ہیئر ڈریسر) اس شاعر کی اُسترے سے ڈاڑھی صاف کر رہا ہے۔ اس آنے والے شخص نے جھلّا کر تعجب سے کہا:

''آغا ریش می تراشی'' کہ جناب عالی! آپ ڈاڑھی ترشوا رہے ہیں؟

اس شاعر نے جواب میں کہا

''بلے ریش می تراشم مگر دلِ کسے نمی تراشم'' یعنی میں ڈاڑھی ہی تو ترشوا رہا ہوں کسی کا دل تو نہیں تراش رہا۔

مطلب یہ تھا کہ میں کسی کا دل نہیں دکھا رہا کیونکہ بڑا گناہ تو دل دکھانا ہے۔ اس آنے والے مسافر نے بے ساختہ جواب دیا کہ:

''ارے دلِ رسول اللہ می خراشی'' یعنی تُو تَو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تراش رہا ہے۔

مطلب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اپنے امتی کے بارے میں اس حکم کی خلاف ورزی کا علم ہوگا تو آپ کو اس سے سخت تکلیف اور ایذا پہنچے گی۔ یہ سن کر شاعر کی آنکھیں کھل گئیں کیونکہ وہ پہلے سے نرم دل تھا اور یہ بات اس کے دل کو لگ گئی۔

اوراس نے زبانِ حال سے یہ شعر پڑھا: ؎

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی   مُرا با جانِ جاں ہمراز کردی

یعنی: تم کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، میں تو اندھا تھا آپ نے میرے دل اور آنکھوں سے پردہ اُٹھا دیا۔

جناب فاضل احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

دعویٰ محبت تو بہت آسان ہے مگر اس کو ثابت کرنا بڑا مشکل کام ہے، اس کا سب سے بڑا ثبوت اطاعتِ محبوب ہے۔ ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

مَنْ اَحْیَاسُنَّتِیْ فَقَدْاَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیْ فِی الْجَنَّۃِ (ترمذی)

جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا (مجموعہ رسائل ص۱۶و۱۷، حصہ اول، مرتب: مفتی سید شجاعت علی قادری)

(۳)......عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع تو امت پر فرض ہونا ہی چاہیئے تھا کیونکہ انبیاء کے بھیجنے کا مقصد ہی اس کے بغیر پورا نہیں ہوتا، لیکن حق تعالیٰ نے ہمارے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صرف اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ امت پر آپ کی تعظیم وتوقیر اور احترام وادب کو بھی لازم قرار دیا ہے اور قرآنِ کریم میں جابجا اس کے آداب سکھائے گئے ہیں (معارف القرآن ج۴ص ۸۷)

چنانچہ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْ الَاتُقَدِّمُوْ ابَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوااللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (سورہ حجرات آیت ۱)

ترجمہ: اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول سے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے (ترجمہ ختم)

یعنی جس مجلس میں حضور تشریف فرما ہوں اور کوئی معاملہ پیش آئے تو آپ سے پہلے کوئی نہ بولے،

اور جب آپ کلام کریں تو سب خاموش ہو کر سنیں، ہاں آپ ہی کسی کو جواب کے لئے حکم فرما دیں تو وہ جواب دے سکتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ چل رہے ہیں تو کوئی آپ سے آگے نہ بڑھے، کھانے کی مجلس ہے تو آپ سے پہلے کھانا شروع نہ کرے، ہاں اگر آپ کی تصریح یا اشارے سے ثابت ہو جائے کہ آپ خود ہی کسی کو آگے بھیجنا چاہتے ہیں جیسے سفر اور جنگ کے موقع پر ایسا ہوتا تھا تو علیحدہ بات ہے (معارف القرآن ج۸ص۸۷،۸۸ وج۸ص۱۰۰ ملخصاً)

اس کے بعد آگے ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (سورہ حجرات آیت ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہو، کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جاویں اور تم کو خبر بھی نہ ہو (ترجمہ ختم)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم باوجودیکہ ہر وقت ہر حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریکِ کار رہتے تھے اور ایسی حالت میں احترام وتعظیم کے آداب ملحوظ رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن اس آیت کے نازل ہونے سے صحابۂ کرام کا یہ حال ہو گیا کہ:

قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا أُكَلِّمُكَ إِلَّا كَأَخِي السِّرَارِ حَتّٰى أَلْقَى اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ (شعب الایمان للبیهقی)[1]

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ عرض کیا کہ اب مرتے دم تک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو (ترجمہ ختم)

---

[1] حدیث نمبر ۱۴۳۱، باب فی تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وإجلاله وتوقیره صلی اللہ علیه وسلم، مکتبة الرشد للنشر والتوزیع بالریاض، واللفظ لهٗ، مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۳۶۷۹، مصنف ابن ابی شیبة، حدیث نمبر ۳۵۵۷۲، بخاری، تحت حدیث رقم ۶۷۵۸.
قال الحاکم: "حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ"
وقال الذهبی فی التلخیص: علیٰ شرط مسلم.

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے:

فَمَا كَانَ عُمَرُ يُسْمِعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ هٰذِهِ الْآيَةِ حَتّٰى يَسْتَفْهِمَهُ (بخاری) [۱]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ طبعی طور پر بہت بلند آواز تھے، یہ آیت سن کر وہ بہت ڈرے اور اپنے گھر میں سر جھکا کر بیٹھ گئے کہ کہیں ان کے اعمال ضائع نہ ہوجائیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تسلی اور جنت کی بشارت دینے پر آپ کو سکون ملا، اور باہر تشریف لائے، جس کے بعد انہوں نے اپنی آواز کو پست کرلیا۔ [۲]

---

[۱] حدیث نمبر ۴۸۴۵، کتاب تفسیر القرآن، باب لا ترفعوا أصواتكم فوق صوت النبی الآية، دارطوق النجاة، بیروت.

[۲] عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ افْتَقَدَ ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا أَعْلَمُ لَكَ عِلْمَهُ فَأَتَاهُ فَوَجَدَهُ جَالِسًا فِي بَيْتِهِ مُنَكِّسًا رَأْسَهُ فَقَالَ مَا شَأْنُكَ فَقَالَ شَرٌّ كَانَ يَرْفَعُ صَوْتَهُ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَأَتَى الرَّجُلُ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ مُوسَى بْنُ أَنَسٍ فَرَجَعَ الْمَرَّةَ الْآخِرَةَ بِبِشَارَةٍ عَظِيمَةٍ فَقَالَ اذْهَبْ إِلَيْهِ فَقُلْ لَهُ إِنَّكَ لَسْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَلَكِنْ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ (بخاری، حدیث نمبر ۳۳۴۴، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام)

وَقَوْلُهُ :(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ) (الحجرات ۲) نَزَلَتْ فِي ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ الْأَنْصَارِيِّ كَانَ إِذَا جَالَسَ النَّبِيَّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وسلم يَرْفَعُ صَوْتَهُ إِذَا تَكَلَّمَ، فَلَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ انْطَلَقَ مَهْمُومًا حَزِينًا، فَمَكَثَ فِي بَيْتِهِ أَيَّامًا مَخَافَةَ أَنْ يَكُونَ قَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ، وَكَانَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ جَارَهُ، فَانْطَلَقَ حَتَّى أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْبَرَهُ بِذَلِكَ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :اذْهَبْ فَأَخْبِرْ ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ أَنَّكَ لَمْ تُعْنَ بِهَذِهِ الْآيَةِ، وَلَسْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ بَلْ أَنْتَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ "فَاخْرُجْ إِلَيْنَا فَتَعَاهَدْنَا، فَفَرِحَ ثَابِتٌ بِذَلِكَ، ثُمَّ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا أَبْصَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :مَرْحَبًا بِرَجُلٍ يَزْعُمُ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، بَلْ غَيْرُكَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَأَنْتَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ "فَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ إِذَا جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْفِضُ صَوْتَهُ حَتَّى مَا يَكَادُ أَن يُسْمِعُ الَّذِي يَلِيهِ، فَنَزَلَتْ فِيهِ :(إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت سائب بن یزید کہتے ہیں کہ دو آدمی مسجدِ نبوی میں اونچی آواز سے بات کر رہے تھے، جن کو بلا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا کہ طائف کے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لَأَوْجَعْتُكُمَا، تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری) [1]

ترجمہ: اگر تم شہر (مدینہ) والوں میں سے ہوتے، تو میں تمہیں سزا دیتا، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہو (ترجمہ ختم)

یہ لوگ طائف کے علاقے کے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لئے درگزر فرما دیا کہ وہاں کے لوگوں کو شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ و مسجد کی حرمت و عظمت کا پوری طرح علم نہ ہو۔ [2]

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام وکلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔ اسی طرح جس مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھی یا بیان کی جارہی ہوں اس میں بھی شور وشغب کرنا بے ادبی ہے کیونکہ آپ کا کلام جس وقت آپ کی زبان مبارک سے ادا ہو رہا ہو اس وقت سب کے لئے خاموش ہو کر اس کا سننا واجب و ضروری تھا اسی طرح بعد وفات جس مجلس میں آپ کا کلام سنایا جاتا ہو وہاں شور وشغب کرنا بے ادبی ہے (معارف القرآن ج۴ص۸۸ وج۸ص۱۰۰ تا ۱۰۱ ملخصاً)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى، لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ (الحجرات۳) فَقُتِلَ يَوْمَ الْيَمَامَةِ (شعب الايمان للبيهقى، تحت حديث رقم ۱۴۳۰، باب فى تعظيم النبى صلى الله عليه وسلم وإجلاله وتوقيره صلى الله عليه وسلم)

[1] ج ا ص ۱۰۱، حديث نمبر ۴۷۰، كتاب الصلاة، باب رفع الصوت فى المساجد، دارطوق النجاة، بيروت)

[2] إنما فرق عمر بين أهل المدينة وغيرها فى هذا؛ لأن أهل المدينة لا يخفى عليهم حرمة مسجد رسول الله -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وتعظيمه، بخلاف من لم يكن من أهلها؛ فإنه قد يخفى عليه مثل هذا القدر من احترام المسجد، فعفى عنه بجهله (فتح البارى لابن رجب، ج۳ص۳۹۵، كتاب الصلاة، باب رفع الصوت فى المساجد، مكتب تحقيق دار الحرمين -القاهرة)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا (سورۃ النور، آیت ۶۳)

ترجمہ: مومنو! رسول کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نرمی، عاجزی وتواضع سے مخاطب کریں، اور آپ کی تعظیم وتوقیر ملحوظِ خاطر رکھیں۔

اور ایک مقام پر قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورہ اعراف آیت ۱۵۷)

ترجمہ: سو جو لوگ نبی پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم کے ساتھ حمایت کی اور ان کی مدد کی، اور جو نور، ان کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی وہی فلاح پانے والے ہیں (ترجمہ ختم)

اور ایک مقام پر ارشاد ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ○ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ (سورہ فتح آیت ۸ تا ۹)

ترجمہ: یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، تا کہ (اے مسلمانو) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو (ترجمہ ختم)

ان آیات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم، عظمت، ادب واحترام ظاہر ہوتا ہے۔

اور قرآن مجید میں ہی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ

عَذَابًا مُّهِينًا (سورة الاحزاب آيت ۵۷)

ترجمہ: بیشک جو لوگ ایذاء پہنچاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت (اور پھٹکار) ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت (کے اس ابدی جہاں) میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے ایک بڑا ہی رسوا کن عذاب (ترجمہ ختم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت واحترام سے متعلق احادیث بہت کثرت سے آئی ہیں۔

اور اسی وجہ سے اگر نعوذ باللہ تعالیٰ کوئی مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی وتوہین کردے، تو وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہو جاتا ہے، اور اسلامی حکومت میں شرعی اصولوں کے مطابق گستاخی ثابت ہونے پر اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں اس کی قانوناً سزا قتل ہے۔ [1]

---

[1] من سب رسول الله الله صلى الله عليه وسلم فانه مرتد وحكمه حكم المرتد ويفعل به ما يفعل بالمرتد (النتف فى الفتاوىٰ، ج۲ص ۶۹۴، كتاب المرتد واهل البغى)

(قوله وقد صرح فى النتف إلخ) أقول :ورأيت فى كتاب الخراج لأبى يوسف ما نصه :وأيما رجل مسلم سب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أو كذبه أو عابه أو تنقصه فقد كفر بالله تعالى وبانت منه امرأته، فإن تاب وإلا قتل، وكذلك المرأة إلا أن أبا حنيفة قال لا تقتل المرأة وتجبر على الإسلام اهـ وهكذا نقل الخير الرملى فى حاشية البحر أن المسطور فى كتب المذهب أنها ردة، وحكمها حكمها، ثم نقل عبارة النتف ومعين الحكام :والعجب منه أنه أفتى بخلافه فى الفتاوى الخيرية .رأيت بخط شيخ مشايخنا السائحانى فى هذا المحل والعجب كل العجب حيث سمع المصنف كلام شيخ الإسلام يعنى ابن عبد العال، ورأى هذه النقول كيف لا يشطب متنه عن ذلك. وقد أسمعنى بعض مشايخى رسالة حاصلها أنه لا يقتل بعد الإسلام وأن هذا هو المذهب اهـ وكذلك كتب شيخ مشايخنا الرحمتى هنا على نسخته أن مقتضى كلام الشفاء وابن أبى جمرة فى شرح مختصر البخارى فى حديث إن فريضة الحج أدركت أبى إلخ "أن مذهب أبى حنيفة والشافعى حكمه حكم المرتد، وقد علم أن المرتد تقبل توبته كما نقله هنا عن النتف وغيره، فإذا كان هذا فى ساب الرسول -صلى الله عليه وسلم -ففى ساب الشيخين أو أحدهما بالأولى، فقد تحرر أن المذهب كمذهب الشافعى قبول توبته كما هو رواية ضعيفة عن مالك وأن تحتم قتله مذهب مالك (ردالمحتار، ج۴ص ۲۳۴، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب توبة اليأس مقبولة دون إيمان اليأس، دارالفكر، بيروت)

(قوله وهو الذى ينبغى التعويل عليه) قلت :الذى ينبغى التعويل عليه ما نص عليه أهل المذهب فإن اتباعنا له واجب ط (قوله رعاية لجانب حضرة المصطفى -صلى الله عليه وسلم -) أقول :رعاية جانبه فى اتباع ما ثبت عنه عند المجتهد(ردالمحتار، ج۴ص ۲۳۶، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب توبة اليأس مقبولة دون إيمان اليأس، دارالفكر، بيروت)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

صحابۂ کرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام کرتے تھے اس کا اظہار سینکڑوں طرح سے ہوتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -وَالْحَلَّاقُ يَحْلِقُهُ وَأَطَافَ بِهِ أَصْحَابُهُ فَمَا يُرِيْدُوْنَ أَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ إِلَّا فِيْ يَدِ رَجُلٍ (مسلم) [۱]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نائی آپ کے بال مونڈتا تھا، اور آپ کے صحابہ اردگرد جمع رہتے تھے، ان میں سے ہر آدمی بال (زمین پر گرنے سے پہلے) اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا تھا (ترجمہ ختم)

حضرت ابوجری جابر بن سلیم نے جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا، وہ اس وقت کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ رَجُلًا يَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَّأْيِهِ لَا يَقُوْلُ شَيْئًا إِلَّا صَدَرُوْا عَنْهُ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (سنن أبي داوٗد) [۲]

ترجمہ: میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اس کی رائے سے ذرہ برابر انحراف نہیں کرتے، کہ وہ کچھ کہتے ہیں، فوراً اس کی تعمیل کرتے ہیں، میں نے کہا کہ یہ کون شخص ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (ترجمہ ختم)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

نعم نفس المؤمن تميل إلى قول المخالف في مسألة السب لكن اتباعنا للمذهب واجب وفي الحاوي القدسي ويؤدب الذمي ويعاقب على سبه دين الإسلام أو النبي أو القرآن اهـ (البحر الرائق ج۵ص ۱۲۵، كتاب السير، فصل في الجزية، دار الكتاب الاسلامي، بيروت)

[۱] حديث نمبر ۲۳۲۵، كتاب الفضائل، باب قرب النبي عليه السلام من الناس وتبركهم به، دار إحياء التراث العربي -بيروت.

[۲] حديث نمبر ۴۰۸۴، كتاب اللباس، باب ما جاء في إسبال الإزار، المكتبة العصرية، صيدا - بيروت.

اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد پہلے گزر چکا ہے کہ:

وَمَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -وَلاَ أَجَلَّ فِيْ عَيْنِيْ مِنْهُ وَمَا كُنْتُ أُطِيْقُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنَيَّ مِنْهُ إِجْلَالاً لَّهُ (مسلم) [1]

ترجمہ: اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا، اور نہ کوئی میری نظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قابلِ عظمت تھا، اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی وجہ سے آپ کو آنکھ بھر کر دیکھنے کی طاقت نہیں تھی (ترجمہ ختم)

اور امام ترمذی نے بسندِ ضعیف حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ عَلٰى أَصْحَابِهِ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ وَهُمْ جُلُوْسٌ فِيْهِمْ أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ فَلَا يَرْفَعُ إِلَيْهِ أَحَدٌ مِنْهُمْ بَصَرَهُ إِلَّا أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ فَإِنَّهُمَا كَانَا يَنْظُرَانِ إِلَيْهِ وَيَنْظُرُ إِلَيْهِمَا وَيَتَبَسَّمَانِ إِلَيْهِ وَيَتَبَسَّمُ إِلَيْهِمَا (ترمذی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابۂ کرام کے پاس تشریف لاتے تھے تو سب مہاجرین وانصار صحابہ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے، جن میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی ہوتے تھے، کوئی بھی ان میں سے اپنی نظر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں اٹھاتا تھا، سوائے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے، کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے تھے (ترجمہ ختم)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

[1] حدیث نمبر ۱۲۱، کتاب الایمان، باب کون الإسلام یهدم ما قبله وکذا الهجرة والحج، دار إحیاء التراث العربی -بیروت.

[2] حدیث نمبر ۳۶۶۸، کتاب المناقب، باب فی مناقب أبی بکر وعمر رضی الله عنهما کلیهما، شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی -مصر.

قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْحَكَمِ بْنِ عَطِيَّةَ وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُهُمْ فِي الْحَكَمِ بْنِ عَطِيَّةَ.

كُنَّا إِذَا قَعَدْنَا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ نَرْفَعْ رُءُ وْسَنَا إِلَيْهِ إِعْظَامًا لَّـهُ (مستدرک حاکم) [۱]

ترجمہ: جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنے سر نہیں اٹھاتے تھے، آپ کی تعظیم کی وجہ سے (ترجمہ ختم)

حضرت اسامہ بن شریک کہتے ہیں:

أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهٗ عِنْدَهٗ كَأَنَّمَا عَلٰى رُءُ وْسِهِمُ الطَّيْرُ (مستدرک حاکم) [۲]

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کے صحابہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ حالت تھی کہ گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ ایک لمبی حدیث میں فرماتے ہیں:

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ مَغَازِيْهِ فَانْتَهَيْتُ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَلَمْ أَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَكَانِهٖ وَإِذَا أَصْحَابُهٗ كَأَنَّ عَلٰى رُؤُوْسِهِمُ الطَّيْرَ (صحيح ابن حبان) [۳]

ترجمہ: ہم بعض غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، میں ایک رات آیا، اور

---

[۱] حديث نمبر ۴۱۵، كتاب العلم، فصل في توقير العالم، دار الكتب العلمية -بيروت، واللفظ لهٗ، المدخل الى السنن الكبرىٰ للبيهقي، حديث نمبر ۵۴۱.
قال الحاكم: " هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَا أَحْفَظُ لَهُ عِلَّةً وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "
وقال الذهبي في التلخيص :على شرطهما ولا أحفظ له علة.

[۲] حديث نمبر ۴۱۶، كتاب العلم، فصل في توقير العالم، دار الكتب العلمية -بيروت.
قال الحاكم: هذا حديث صحيح.
وقال الذهبي في التلخيص :صحيح.

[۳] ج۱۶ ص ۱۸۵، حديث نمبر ۷۲۰۷، ذكر عوف بن مالك الأشجعي رضي الله عنه، مؤسسة الرسالة، بيروت .
قال شعيب الأرنؤوط :إسناده صحيح على شرط مسلم(حاشية ابنِ حبان)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی جگہ نہیں دیکھا، مگر آپ کے صحابہ (اس وقت بھی) اس حال میں تھے کہ گویا کہ ان کے سروں پر پرندے ہیں (ترجمہ ختم)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِيْ جِنَازَةِ رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ، فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَبْرِ، وَلَمَّا يُلْحَدْ ، فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ، كَأَنَّ عَلٰى رُءُ وْسِنَا الطَّيْرَ (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری شخص کے جنازے میں گئے، اور ہم قبر کی جگہ پہنچے، اور ابھی تک میت کو قبر میں نہیں اتارا گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے، اور ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے، گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں (ترجمہ ختم)

خلاصہ یہ کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اتنے مؤدب ہوکر بیٹھتے تھے کہ اپنے سروں کو بھی حرکت نہیں دیتے تھے۔

حضرت عروہ بن مسعود صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کی طرف سے قاصد کی حیثیت سے آئے تھے، صحابہ کی حالت کا بڑے غور سے مطالعہ کیا اور کہا:

فَوَاللّٰهِ مَا تَنَخَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِيْ كَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ وَإِذَا أَمَرَهُمْ ابْتَدَرُوْا أَمْرَهُ وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوْئِهِ وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحِدُّوْنَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَهُ فَرَجَعَ عُرْوَةُ إِلٰى أَصْحَابِهِ فَقَالَ أَيْ قَوْمِ وَاللّٰهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوْكِ وَوَفَدْتُ عَلٰى قَيْصَرَ وَكِسْرٰى وَالنَّجَاشِيِّ وَاللّٰهِ إِنْ رَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَمَّدًا وَاللّٰهِ إِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِيْ

---

[1] حديث نمبر ۱۸۵۳۴، مؤسسة الرسالة، بيروت.
إسناده صحيح، رجاله رجال الصحيح (حاشية مسند احمد)

كَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوا أَمْرَهُ وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحِدُّونَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيمًا لَّهُ (بخاری) [1]

ترجمہ: اللہ کی قسم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوکتے ہیں، تو تھوک صحابہ میں سے کسی کے ہاتھ میں گرتا ہے، اور وہ اس کو اپنے چہرے اور جسم پر مَل لیتا ہے، اور جب وہ ان کو کسی چیز کا حکم فرماتے ہیں، تو آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے سب آگے بڑھ جاتے ہیں، اور جب وہ وضو کرتے ہیں، تو وضو کے استعمال شدہ پانی کو لینے کے لئے لڑنے کے قریب ہوجاتے ہیں، اور جب وہ کلام کرتے ہیں، تو سب کی آوازیں ان کی آواز کے سامنے خاموش ہوجاتی ہیں، اور وہ ان کی طرف تعظیم کی وجہ سے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے، پھر جب حضرت عروہ اپنے قریشی ساتھیوں کی طرف لوٹے، تو انہوں نے کہا کہ اے قریش میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں وفد میں گیا ہوں، قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے یہاں بھی گیا ہوں، اور اللہ کی قسم میں نے کسی بادشاہ کے یہاں یہ بات نہیں دیکھی کہ اس کے دربار میں اس قدر (غیر رسمی) تعظیم ہوتی ہو جتنی تعظیم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت ان کی کرتی ہے۔ کبھی ان کا تھوک زمین پر نہیں گرنے دیتی، وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر پڑتا ہے اور وہ اس کو منہ اور بدن پر مَل لیتا ہے، جب وہ کوئی حکم کرتے ہیں تو ہر شخص دوڑتا ہے کہ تعمیل کرے، جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کے پانی پر (زمین پر گرنے سے پہلے خود لینے کے لئے) لڑنے کے قریب ہوجاتے ہیں، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کلام کرتے ہیں، تو ان کے سامنے ان کی آوازیں خاموش ہوجاتی ہیں، اور ان کی طرف تعظیم کی وجہ سے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے (ترجمہ ختم)

ایک مرتبہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سامنے نماز پڑھنے کے لئے کھڑا کیا، لیکن پھر حضرت ابنِ

[1] حدیث نمبر ۲۷۳۱، ج۳ص ۱۹۳، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط، دارطوق النجاة، بيروت.

عباس رضی اللہ عنہ نے پیچھے کھڑے ہوکر نماز پڑھی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد ان سے اس کی وجہ دریافت کی، تو انہوں نے عرض کیا:

لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يُصَلِّيَ حِذَاكَ، وَأَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، قَالَ :فَدَعَا اللّٰهَ أَنْ يَّزِيْدَنِيْ فَهْمًا وَعِلْمًا (شعب الإيمان للبيهقي) [1]

ترجمہ: کسی کے لئے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ آپ کے برابر میں (کھڑے ہوکر) نماز پڑھے، جبکہ آپ اللہ کے رسول ہیں، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرے حق میں) یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ میرے فہم اور علم کو زیادہ کرے (ترجمہ ختم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أَنَّ أَبْوَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ تُقْرَعُ بِالْأَظَافِيْرِ (شعب الإيمان للبيهقي) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازوں پر ناخنوں سے دستک دی جایا کرتی تھی (ترجمہ ختم)

ملاحظہ فرمائیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب، احترام اور تعظیم اس درجے کیا کرتے تھے کہ اگر کسی صحابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ دولت پر آپ کو بلانے کی ضرورت پڑتی تو باہر سے آواز دے کر آپ کو بلانا بے ادبی سمجھا جاتا تھا اور دستک کی بھی ضرورت پڑا کرتی تو وہ اپنے ناخنوں کے ساتھ دروازہ کو کھٹکھٹایا کرتا تھا تاکہ زیادہ شور نہ ہو (اور آپ کا حجرہ مبارک چھوٹا ہونے کی وجہ سے ناخنوں کی آواز سے ضرورت پوری ہوجاتی تھی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی صحابہ وتابعین کا معمول یہ تھا کہ مسجدِ نبوی میں کبھی بلند آواز سے بات کرنا تو درکنار کوئی وعظ تقریر بھی زیادہ بلند آواز سے پسند نہ کرتے تھے، اکثر

---

[1] حديث نمبر ۱۴۳۲، اَلْخَامِسَ عَشَرَ مِنْ شُعَبِ الْإِيمَانِ وَهُوَ بَابٌ فِي تَعْظِيمِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَإِجْلَالِهِ وَتَوْقِيرِهِ صلى الله عليه وسلم، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض.

[2] حديث نمبر ۱۴۳۷، اَلْخَامِسَ عَشَرَ مِنْ شُعَبِ الْإِيمَانِ وَهُوَ بَابٌ فِي تَعْظِيمِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَإِجْلَالِهِ وَتَوْقِيرِهِ صلى الله عليه وسلم، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض، واللفظ لهٗ، اخبارِ اصبهان، حديث نمبر ۴۰۴۶، الادب المفرد للبخاري، حديث نمبر ۱۱۲۰.

حضرات کا عالم یہ تھا کہ جب کسی نے آنحضرت کا نامِ مبارک لیا تو رونے لگے اور ہیبت زدہ ہو گئے، اسی تعظیم وتوقیر کی برکت تھی کہ ان حضرات کو کمالاتِ نبوت سے خاص حصہ ملا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو انبیائے سابقین کا مقام عطا فرمایا (معارف القرآن ج۴ص۸۸،۸۹بتغیر)

(۴)......صلاۃ وسلام صلی اللہ علیہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا حق آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (سورہ احزاب، آیت ۵۶)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر اے ایمان والو تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو (ترجمہ ختم)

اس آیتِ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجا کریں مگر اس کی تعبیر اس طرح فرمائی کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے خود اپنا اور اپنے فرشتوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا ذکر فرمایا، اس کے بعد عام مؤمنین کو اس کا حکم دیا، جس میں آپ کے شرف اور عظمت کو اتنا بلند فرمادیا کہ جس کام کا حکم مسلمانوں کو دیا جاتا ہے وہ کام ایسا ہے کہ خود حق تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی وہ کام کرتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ بھیجنے سے مراد رحمت بھیجنا ہے اور فرشتوں اور مومنوں کی صلوٰۃ بھیجنے سے مراد اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کرنا ہے۔ [۱]

لہٰذا عام مؤمنین جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات بے شمار ہیں ان کو تو اس عمل کا بڑا اہتمام کرنا چاہئے، اور ایک فائدہ اس تعبیر میں یہ بھی ہے کہ اس سے درود وسلام بھیجنے والے

---

[۱] واولی الأقوال ما تقدم عن أبی العالیة ان معنی صلاة الله علی نبیه ثناؤه علیه وتعظیمه وصلاة الملائکة وغیرهم علیه طلب ذلک له من الله تعالی (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الصلاة علی النبی صلی الله علیه و سلم)

مسلمانوں کی ایک بہت بڑی فضیلت یہ ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کام میں شریک فرمالیا جو کام اللہ تعالیٰ خود بھی کرتے ہیں اور اس کے فرشتے بھی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو حکم دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا کریں۔

سورہ احزاب کی مذکورہ آیت کی روشنی میں مسلمان پر زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض ہے، خواہ نماز میں پڑھ لیا جائے، یا غیر نماز میں، اُس سے اس آیت کا فریضہ ادا ہوجاتا ہے، وہ الگ بات ہے کہ دوسرے مواقع پر درود شریف پڑھنا سنت ومستحب اور انتہائی فضیلت کا باعث ہے اور احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک آئے، تو کلام کرنے اور سننے والے پر اس وقت درود واجب ہوجاتا ہے۔ [1]

البتہ اگر ایک مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ایک سے زیادہ مرتبہ آئے، تو صرف ایک مرتبہ درود پڑھنے سے واجب ادا ہوجاتا ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ جتنی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کرے، یا سنے، ہر مرتبہ درود (یعنی صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھے۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا بہت بڑی فضیلت والا عمل ہے۔

---

[1] قلت وظني ان الاصح في الاستدلال بالآية ما ذهب اليه الكرخي حيث لاتوقيت في الآية ولا اشارة فيها الى الذكر والسماع بل الامر مطلق ، وهو لايقتضي التكرار، وهو الذي رجحه ابوبكر الجصاص في الاحكام حيث قال:قوله :(يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه) قد تضمن الأمر بالصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم وظاهره يقتضي الوجوب ، وهو فرض عندنا فمتى فعلها الإنسان مرة واحدة في صلاة أو غير صلاة فقد أدى فرضه ، وهو مثل كلمة التوحيد والتصديق بالنبي صلى الله عليه وسلم متى فعله الإنسان مرة واحدة في عمره فقد أدى فرضه، انتهىٰ.

نعم صح ماذهب اليه الطحاوي ايضابالسنة والحديث الصحيح ، والذي رواه الترمذي، فالواجب بالكتاب هو الصلاة مرة في العمر، وبالسنة في مواضع آخر ايضا (احكام القرآن للفقيه المفسر العلامة محمد شفيع رحمه الله تعالىٰ ج۳ ص۴۸۸، سورة الاحزاب)

[2] ومن الواجب عند الاكثرين عنده ذكره او سماع اسمه عليه الصلاة والسلام ، كما ذهب اليه الطحاوي، واختاره في التحفة، للاحاديث المذكورة آنفا، ولو تكرره ذكره الشريف في المجلس ففي شرح المنية عن الكافي:لم يلزمه الا مرة واحده في الصحيح ، لان تكراراسمه واجب لحفظ سنته التي بها قوام الشريعة، فلو وجبت الصلاة في كل مرة لافضى الى الحرج ، غير انه ندب تكرارها، انتهىٰ(احكام القرآن للفقيه المفسر العلامة محمد شفيع رحمه الله تعالىٰ ۳ ج ص ۴۸۹، سورة الاحزاب)

اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ -صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ -قَالَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمت بھیجتے ہیں (ترجمہ ختم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاۃً وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ ، وَحَطَّ عَنْہُ عَشْرَ سَیِّئَاتٍ (مصنف ابنِ ابی شیبۃ) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمت بھیجتے ہیں اور اس کی دس خطاؤں کو معاف فرمادیتے ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ :سَجَدْتُ شُکْرًا فِیْمَا أَبْلَانِیْ مِنْ أُمَّتِیْ :مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاۃً کُتِبَتْ لَہٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ ، وَحُطَّ عَنْہُ عَشْرُ سَیِّئَاتٍ۔(مصنف ابنِ ابی شیبۃ) [3]

---

[1] حدیث نمبر ۴۰۸، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی -صلی اللہ علیہ وسلم -بعد التشھد، دار إحیاء التراث العربی -بیروت، ابوداوٗد، باب فی الاستغفار، نسائی، مسند احمد۔

[2] حدیث نمبر ۸۷۹۵، کتاب الصلاۃ ،باب فی ثواب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، الخراج لابی یوسف حدیث نمبر ۴۔

واسنادہ حسن، لکن شواھدہ کثیرۃ، تجعلھا صحیحا (تحقیق محمد عوامۃفی حاشیۃ مصنف ابنِ ابی شیبۃ، ج۶ ص ۴۵)

[3] حدیث نمبر ۸۵۱۱، کتاب الصلاۃ ،باب فی ثواب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ وعلیٰ کل حال فالحدیث بطرقہ المختلفۃ ثابت(تحقیق محمد عوامۃفی حاشیۃ مصنف ابنِ ابی شیبۃ، ج۵ ص ۴۶۵)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس نعمت پر سجدۂ شکر کیا جو (اللہ تعالیٰ) نے میری امت کی طرف سے مجھ کو عطا فرمائی ہے کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے گا تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی دس خطائیں معاف کی جائیں گی (ترجمہ ختم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ (نسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی دس خطائیں معاف کی جائیں گی، اور اس کے دس درجات بلند کئے جائیں گے (ترجمہ ختم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً (ترمذی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ میرے قریب وہ ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود بھیجتا ہوگا (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

---

[1] حديث نمبر ١٢٩٧، كتاب السهو، باب الفضل فى الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم، مكتب المطبوعات الإسلامية -حلب-، السنن الكبرىٰ للنسائى حديث نمبر ١٢٢٠، واللفظ لهما، شعب الايمان للبيهقى حديث نمبر ١٤٥٥، باب فى تعظيم النبى صلى الله عليه وسلم وإجلاله وتوقيره صلى الله عليه وسلم.

[2] حديث نمبر ٤٨٤، ابواب الوتر، بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر-، مصنف ابنِ ابى شيبة، كتاب الفضائل، باب مَا أَعْطَى اللّٰهُ مُحَمَّدًا صلى الله عليه وسلم، مسند ابى يعلى موصلى حديث نمبر ٤٨٨١، صحيح ابن حبان حديث نمبر ٩١١.

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُوْنِي مِنْ أُمَّتِي اَلسَّلَامَ (نسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو زمین میں گشت کرتے ہیں، وہ میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَخِيْلُ الَّذِي مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ (ترمذی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخیل ہے وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے، پھر وہ مجھ پر درود نہ پڑھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِنَّ أَبْخَلَ النَّاسِ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فضل الصلاة على النبى لاسماعيل بن اسحاق حديث نمبر ۳۵)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں بخیل ترین شخص وہ ہے کہ جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے، پھر وہ مجھ پر درود نہ پڑھے صلی اللہ علیہ وسلم (ترجمہ ختم)

---

[1] حديث نمبر ۱۲۸۲، كتاب السهو، بَاب السَّلَامِ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ،مكتب المطبوعات الإسلامية -حلب،مسند احمد حديث نمبر ۳۶۶۶وحديث نمبر ۳۶۶۶،مستدرك حاكم حديث نمبر ۱۵۷۶.
وقال الحاكم : صحيح الاسناد ولم يخرجاه .
وقال الذهبي في التلخيص:صحيح .
وقال ابن القيم:وهذا إسناد صحيح(جلاء الافهام ، تحت حديث رقم ۳۳)

[2] حديث نمبر ۳۵۴۶،ابواب الدعوات،شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر، واللفظ لهٗ، مستدرك حاكم حديث نمبر ۲۰۱۵،مسنداحمد، السنن الكبرىٰ للنسائى ،فضل الصلاة على النبى لاسماعيل بن اسحاق حديث نمبر ۳۱.
قال الترمذى:هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.
وقال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الإِسْنَادِ ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ ، وَلَهُ شَاهِدٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

اورحضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ يُّغْفَرَلَهٗ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهٗ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ وَاَظُنُّهٗ قَالَ اَوْاَحَدَهُمَا (ترمذی) [1]

ترجمہ: ذلیل وخوار ہووہ شخص جس کے سامنے میرا نام لیا گیا اور پھر اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا اور ذلیل وخوار ہووہ شخص جس کو رمضان کے مہینہ کی نعمت حاصل ہوئی اور رمضان گزر بھی گیا مگر اس نے اپنی مغفرت کا سامان نہیں کیا اور ذلیل وخوار ہووہ شخص جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پایا لیکن وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرائیں، عبدالرحمٰن (اس حدیث کے راوی) فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں (والدین) میں سے ایک (کے بارے میں بھی یہی) کہا ہے (ترجمہ ختم)

بعض روایات میں کچھ تفصیل کے ساتھ یہ مضمون آیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بددعاء دراصل جبریل علیہ السلام نے کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہا تھا۔

یہ چند ایک فضائل ہیں جو ذکر کیے گئے ہیں، ورنہ درود وسلام کے فضائل اور فوائد اتنے زیادہ ہیں کہ ان کو مختصر مضمون میں جمع نہیں کیا جاسکتا۔

(تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''درود وسلام کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

بعض لوگ درود شریف کے سلسلے میں کچھ غلطیوں میں مبتلا ہیں، انہوں نے اپنی طرف سے درود شریف کے مختلف صیغے اور درود شریف پڑھنے کے طور طریقے اور اوقات متعین کر لئے ہیں، اور جب ان کو اس قسم کی غلطیوں پر متنبہ کیا جاتا ہے تو وہ فوراً جواب میں کہتے ہیں کہ تم درود شریف کے منکر ہو۔

حالانکہ درود شریف اور اس کی فضیلت کا کون مسلمان انکار کرسکتا ہے، اگر انکار کیا جاتا ہے تو غلطیوں اور خرابیوں کا انکار کیا جاتا ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص سورج کے طلوع یا غروب ہوتے

---

[1] حديث نمبر ۳۵۴۵،ابواب الدعوات، باب قول رسول الله ﷺ رغم أنف رجل، وفى الباب عن جابر وانس،شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر؛ ومسند احمد، وابن حبان.

وقت یا زوال کے وقت نماز پڑھے، یا عیدین کے دنوں میں روزہ رکھے اور اس کو اس عمل سے منع کیا جائے تو یہ بذاتِ خود نماز یا روزہ سے منع کرنا نہیں کہلائے گا، بلکہ اس عمل کے اصولوں کی خلاف ورزیوں سے روکنا اور منع کرنا کہلائے گا۔ اور آپ پر درود وسلام سے کون انکار کرسکتا ہے، جبکہ نماز کے اندر ہر قعدہ میں ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ'' موجود ہے۔ اور نماز کے ہر آخری قعدہ میں درود شریف بھی موجود ہے۔ اگر اس کا حساب لگایا جائے تو ہر روز صرف فرضوں کی نماز میں ۹ مرتبہ ہر نماز پڑھنے والا مسلمان آپ پر سلام بھیجتا ہے (فجر میں ا/مرتبہ، ظہر میں ۲/مرتبہ، عصر میں ۲/مرتبہ، مغرب میں ۲/مرتبہ، عشاء میں ۲/مرتبہ۔ ۱ + ۲ + ۲ + ۲ + ۲ =۹) اور وتروں کو بھی ملائیں تو ۲/کا مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔ اور پانچ فرض نمازوں میں کل پانچ قعدۂ اخیرہ ہوتے ہیں، جن میں ۵/مرتبہ ہر نماز پڑھنے والا مسلمان آپ پر درود بھیجتا ہے، اور وتروں کی نماز کو بھی ملائیں تو ایک قعدۂ اخیرہ کا اور اضافہ ہوجاتا ہے۔

اس طرح ہر روز پانچ نمازوں میں بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے کی ہر مسلمان کو سعادت حاصل ہوتی ہے، اور اگر سنتوں اور نفلوں کو بھی شمار کیا جائے تو تعداد بہت زیادہ بن جاتی ہے۔ پھر ہر فرض نماز کے بعد دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے اور دعا کے آداب میں سے ہے کہ اس کی ابتداء اور انتہاء درود شریف سے کی جائے۔ اس طرح دعا کے وقت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور جو احادیث کے پڑھنے والے طالب علم ہیں وہ تو ہر حدیث کے ساتھ ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ'' پڑھتے ہیں اور اپنے دن رات کے بیشتر اوقات کو درود شریف پڑھنے میں صرف کرتے ہیں (ماخذ وعظ ''السرور ملقب بہ ارشاد العباد فی عید المیلاد'' بتغیر حکیم الامت رحمہ اللہ)

صحابۂ کرام اور درود شریف

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَحْسِنُوْا الصَّلَاةَ عَلَيْهِ

(ابن ماجة) [1]

ترجمہ: جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو، تو اچھے طریقہ سے درود بھیجو (ترجمہ ختم)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر انتہائی عمدہ طریقہ پر کثرت سے درود اور سلام پڑھنا احادیث وروایات میں موجود ہے، اور ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول مستند درود وسلام کے مسنون وماثور صیغوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

(تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''درود وسلام کے فضائل واحکام'' کا ''خاتمہ'' ملاحظہ فرمائیں)

''صحابۂ کرام'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی پہچان وادائیگی کا معیار

گزشتہ تفصیل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امت پر حقوق کی وضاحت ہو چکی ہے۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حقوق کی اس طرح ادائیگی کی ہے جو کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے نمونہ ہے۔

اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات کو سامنے رکھ کر ہی صحیح معنٰی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی ادائیگی پر عمل ہو سکتا ہے۔

اور مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو چکا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی ادائیگی کے لئے آج کی طرح شور وشغب اور ہنگامہ آرائی والی محفلیں اور مجلسیں نہیں سجائی جاتی تھیں۔ اور نہ ہی آج کل کی طرح ماہِ ربیع الاول کے حوالے سے مروَّجہ رسوم کا کوئی نام ونشان تھا، بلکہ ان کی پوری زندگی عملی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی ادائیگی سے عبارت تھی۔

لہٰذا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگی اور طرزِ عمل کو سامنے رکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہئے۔

---

[1] حديث نمبر ۹۰٦، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيه، باب الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم، دار إحياء الكتب العربية.

ماہِ ربیعُ الاوّل کی بدعات اور رسوم

افسوس ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی ادائیگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ماہِ ربیعُ الاوّل کی فضیلت وعظمت کو بہت سے لوگوں نے عموماً چند رسموں اور بدعتوں کے بھینٹ چڑھا دیا ہے جو اس مہینے کی ناقدری کی واضح دلیل ہے۔

ذیل میں ہم ماہِ ربیع الاول سے متعلق چند رائج رسموں اور بدعتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۲/ ربیعُ الاوّل اور مروّجہ قرآن خوانی وایصالِ ثواب

بہت سے لوگ آج کل ہر سال ربیع الاول کی ۱۲/تاریخ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو ایصالِ ثواب کرنے کے لئے اجتماعی قرآن خوانی کا اہتمام کرتے ہیں اور قرآن خوانی کے بعد حاضرینِ مجلس اور قرآن پڑھنے والوں کے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرتے ہیں، حالانکہ قرآن کریم کا پڑھنا اگرچہ ایک بہت عمدہ عبادت ہے اور پڑھ کر اس کا ثواب بھی بخشا جا سکتا ہے، لیکن اس مروّجہ قرآن خوانی میں ایصالِ ثواب کے کئی شرعی اصولوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ مثلاً:

(۱)...... ایصالِ ثواب کے لئے قرآن مجید اکٹھے اور جمع ہو کر پڑھنا ضروری نہیں، بلکہ جس وقت اور جس جگہ سے کوئی شخص اخلاص کے ساتھ قرآن مجید یا اس کا کوئی حصہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ لیکن اس قرآن خوانی میں جمع ہو کر پڑھنے کو ضروری خیال کیا جاتا ہے اور لوگوں کو بلا کر جمع کیا جاتا ہے جو کہ تداعی میں داخل ہو کر منع ہے (امداد الفتاویٰ ج۴ صفحہ ۶۰۶) [۱]

---

[۱] چنانچہ امداد الفتاویٰ میں ایک سوال وجواب اس طرح ہے:

سوال: سال کے اکثر حصوں میں بزرگوں کی ارواح کے ایصالِ ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کر کے بلا کسی خاص انتظام واوقاتِ متعینہ کے قرآن شریف پڑھا جاوے تو جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اپنے دوست واحباب کو شمولیت کے لئے کہنا کیسا ہے؟

الجواب: یہ تداعی ہے غیر مقصود کے لئے جو بدعت اور مکروہ ہے (امداد الفتاویٰ ج۴ صفحہ ۶۰۵ و ۶۰۶)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)......قرآن مجید پڑھ کر یا کسی بھی دوسرے نیک عمل کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کے لئے اپنی طرف سے کوئی دن یا تاریخ مخصوص ومتعین کرلینا جائز نہیں، اور شریعت نے ایصالِ ثواب کے لئے ۱۲/ربیع الاول کی تاریخ متعین نہیں کی، لہٰذا بارہ ربیع الاول کی تاریخ کو متعین کرکے ایصالِ ثواب کرنا دین پر زیادتی ہے، جوکہ گناہ ہے۔

اور اگر اس وجہ سے اس تاریخ کو متعین کیا جائے کہ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت یا وفات مبارک ہوئی تھی، تو یہ بھی تاریخی اعتبار سے درست نہیں (اس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے) اور بر سبیلِ ثبوت بھی کسی کی پیدائش یا وفات کی تاریخ کو متعین کرکے اس کو ایصالِ ثواب کرنا بھی شریعت سے ثابت نہیں، اور اپنی طرف سے اختراع اور گناہ ہے۔

(۳)......ایصالِ ثواب کے لئے طریقہ صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ نیت میں بھی اخلاص ضروری ہے اور آج کل کی مروّجہ قرآن خوانی میں یہ چیز عموماً ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی، چنانچہ قرآن خوانی کے بعد حاضرین کو کچھ نہ کچھ کھلانا پلانا ضروری سمجھا جاتا ہے، اور قرآن پڑھنے والوں کی نیت میں بھی یہی ہوتا ہے کہ قرآن پڑھنے کے نتیجہ میں کچھ نہ کچھ کھانے پینے کو ضرور ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر قرآن مجید پڑھ پڑھا کر ایصالِ ثواب کروالیا جائے اور کچھ کھانے پینے کے لئے پیش نہ کیا جائے تو اسے گوارا نہیں کیا جاتا، بلکہ اگر پہلے سے معلوم ہوجائے کہ یہاں قرآن مجید پڑھنے کے بعد کچھ نہیں ملے گا تو ایسی جگہ قرآن خوانی کے لئے آنے والے اور شرکت کرنے والے افراد بھی مشکل سے میسر آئیں گے، اور ایصالِ ثواب کے لئے قرآن مجید پڑھنے پر اُجرت اور معاوضہ کا لین دین ناجائز ہے، اور اگرچہ اس اجرت کو زبانی طور پر باقاعدہ طے نہیں کیا جاتا لیکن اس کا چونکہ رواج ہے اور قاعدہ ہے کہ "اَلْمَعْرُوْفُ كَالْمَشْرُوْطِ" کہ جو بات لوگوں کے درمیان معروف اور مشہور ہو وہ مشروط چیز کا حکم رکھتی ہے خواہ لفظوں میں اس شرط کی وضاحت نہ کی جائے (ہماری روزمرہ کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ اس طریقہ کے صحابۂ کرام سے منقول نہ ہونے کی اس طرح وضاحت فرماتے ہیں:

اما الحفاظ يجتمعون للقراء ۃ يقرء ون معا للثواب فليس من فعلهم ولا يمروی عنهم (المدخل لابن الحاج جلد ۱ فصل فی العالم وكيفية نيته)

زندگی میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں) لہٰذا ایصالِ ثواب کے لئے قرآن مجید پڑھنے کی اجرت خواہ مشروط ہو یا معروف اور مروّج ہو اور خواہ رقم کی شکل میں یہ اجرت دی جائے یا کھانے پینے کی شکل میں جیسا کہ آج کل عام طور پر رواج ہے، بہرحال ناجائز ہے۔

حضرت زاذان (تابعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يَأْكُلُ بِهٖ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ عَظْمٌ لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ (مصنف ابن ابی شیبة) [2]

ترجمہ: جو شخص قرآن پڑھے تاکہ اس کی وجہ سے (مال) کھائے، تو قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ صرف ہڈی والا ہوگا، اس پر گوشت نہ ہوگا (ترجمہ ختم)

ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ مضمون وارد ہے، جو سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔ [3]

جو لوگ قرآن شریف کو دنیا طلب کرنے کی غرض سے پڑھتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں،

---

[1] حديث نمبر ۷۸۲۴، كتاب الصلاة، باب فِي الرَّجُلِ يَقُومُ بِالنَّاسِ فِي رَمَضَانَ فَيُعْطَى.

[2] اور قاسم بن سلام کی فضائلِ قرآن میں یہ روایت مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

حدثنا عبد الرحمن ، عن سفيان ، عن واقد مولى يزيد بن خليدة ، عن زاذان ، قال : من قرأ القرآن ليستأكل الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم (فضائل القرآن للقاسم بن سلام حديث نمبر ۲۹۳)

[3] أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، وَأَبُو الْقَاسِمِ بْنُ حَبِيبٍ الْمُفَسِّرُ مِنْ أَصْلِ كِتَابِهِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى بْنِ الْفَضْلِ، قَالُوا :حدثنا أَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الصَّفَّارُ الْأَصْبَهَانِيُّ، حدثنا أَحْمَدُ بْنُ مَيْثَمِ بْنِ أَبِي نُعَيْمٍ الْفَضْلِ بْنِ دُكَيْنٍ، حدثنا عَلِيُّ بْنُ قَادِمٍ الْخُزَاعِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يَتَأَكَّلُ بِهِ النَّاسَ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ عَظْمٌ لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ "(شعب الايمان للبيهقى حديث نمبر ۲۳۸۴)

قال المناوى:

قال ابن أبى حاتم :لا أصل لهذا من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ابن الجوزى :وفيه على بن قادم ضعفه يحيى وأحمد بن ضبير ضعفه الدارقطنى اه .وأورده الذهبى فى المتروكين وقال :ضعفه ابن معين وكان شيعيا غاليا .(فيض القدير للمناوى تحت حديث رقم ۲۲۸۹)

چہرے پر گوشت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے اشرفُ الاشیاء (سب چیزوں میں اشرف اور عظیم چیز یعنی قرآن مجید) کو ذلیل چیز کمانے کا ذریعہ بنایا تو ایسا شخص اس کے نتیجہ میں اپنے اشرفُ الاعضاء یعنی چہرہ کی رونق سے محروم کردیا جائے گا۔ [1]

اور جب قرآن پڑھنے والوں کی نیت میں اخلاص نہ ہوگا بلکہ دنیا طلبی ہوگی تو اس کا ثواب خود ان کو بھی حاصل نہ ہوگا پھر وہ کسی دوسرے کو اس کا ایصالِ ثواب کیسے کرسکیں گے؟

اس سے بہتر یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مقام پر رہتے ہوئے بغیر دن وتاریخ اور کسی دوسری چیز کی پابندی کے حسبِ حیثیت قرآن مجید یا اس کا کچھ حصہ اخلاص کے ساتھ پڑھ کر ایصالِ ثواب کردے، یا مالی عبادت، صدقہ، خیرات وغیرہ سے ایصالِ ثواب کردے۔

(تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''صدقۂ جاریہ وایصالِ ثواب کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

۱۲/ ربیعُ الاوّل کا کھانا اور سبیلیں

آج کل بہت سے لوگ ربیع الاول کے مہینہ میں اور خاص کر ۱۲ تاریخ کو کھانے پکانے کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں، بعض لوگ بڑی بڑی دیگیں کھانے کی تیار کرا کر لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں اور اس کا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو پہنچاتے ہیں اور بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں بطور شکرانے کے یہ عمل انجام دیتے ہیں۔

جبکہ بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی نذر و نیاز کے طور پر یہ عمل کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس عمل کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوکر ہمارے مسائل حل اور مصائب دور فرمادیں گے۔

بعض لوگ مذکورہ اغراض کی خاطر انفرادی یا اجتماعی سطح پر آپس میں شریک ہوکر شربت اور پانی کی

---

[1] (من قرأ القرآن يتأكل به) أى يستأكل به على حد *(فمن تعجل فى يومين) أى استعجل والباء للآلة ككتبت بالقلم (الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم) أى من جعل القرآن ذريعة ووسيلة إلى حطام الدنيا جاء يوم القيامة فى أسوأ حال وأقبح صورة حيث عكس وجعل أشرف الأشياء وأعزها وصلت إلى أذل الأشياء وأحقرها وذا أبلغ من خبر لا يزال الرجل يسأل الناس حتى يأتى يوم القيامة وليس فى وجهه مزعة لحم لأنه أخبر عن وجهه أنه عظم صرف ثم أكده بقوله وليس عليه لحم قال الأفضلى :من استجر الجيفة ببعض الملاهى والمعازف أهون ممن استجرها بالمصحف.(فيض القدير للمناوى تحت حديث رقم ۲۲۸۹)

سبیلیں لگاتے ہیں۔ اور اس عمل کے لئے بہت محنت اور پیسہ خرچ کیا جاتا ہے، ۱۲/ ربیع الاول کا دن شروع ہونے سے پہلے ہی اس کے لئے بھرپور انداز میں تیاریاں شروع ہوجاتی ہیں، کھانا تیار کرنے والوں اور اس سے متعلقہ دوسری چیزوں کا پہلے سے بندوبست کرلیا جاتا ہے اور اس غرض کے لئے پہلے سے ایک رقم مختص کردی جاتی ہے، دوسرے لوگوں کو ترغیب دے کر یا کسی طرح سے شرمندہ کر کے اس کے لئے تعاون حاصل کیا جاتا ہے، جبکہ شرعاً اس مروّجہ عمل میں چند خرابیاں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے یہ عمل جائز نہیں۔ مثلاً:

(۱)...... دوسرے دنوں کے مقابلہ میں ربیع الاول کے دنوں اور خاص کر ۱۲ تاریخ میں سبیلیں لگانے اور کھانے پکانے اور کھلانے پلانے کی اتنی پابندی کرنا کہ خواہ گرمی ہو یا سردی اور ضرورت ہو یا نہ ہو بہرصورت اس کا اہتمام کرنا اور دوسرے دنوں میں خواہ کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو اس کا اہتمام نہ کرنا دین میں زیادتی و اضافہ اور غیر لازم کو لازم کرنا اور بلاوجہ ترجیح دینا ہے، جو بدعت کے زمرہ میں داخل ہے۔

(۲)...... پانی، شربت، وغیرہ کو مخصوص کرنا اور ان چیزوں کو دوسری چیزوں پر ترجیح دینا اور اس میں خاص ثواب خیال کرنا، یہ بھی دین پر زیادتی ہے۔

(۳)...... اس کھانے اور خاص کر ربیع الاول کی سبیل سے پینے کو عام طور پر لوگ دوسرے کھانوں اور مشروبات سے افضل بلکہ ثواب اور تبرک سمجھ کر کھاتے پیتے ہیں اسی وجہ سے ضرورت ہو یا نہ ہو بہرصورت اس کا انتخاب کیا جاتا ہے کہ کہیں اس فضیلت اور تبرک سے محرومی نہ ہوجائے۔ یہ بھی دین پر زیادتی ہے۔

(۴)...... اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نفع نقصان کا مالک سمجھا گیا اور ان کا تقرّب حاصل کرنے کے لئے یہ عمل کیا گیا (جیسا کہ بعض لوگ اس عقیدہ کے ساتھ بھی کرتے ہیں اور منّتیں مانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اولاد، رزق، وغیرہ کا سوال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ کو ان چیزوں کے اختیارات حاصل ہیں اور ہمارے حالات کی ان کو خبر رہتی ہے) اس قسم کا عقیدہ شرک یا کم از کم گناہِ عظیم ہے اور بعض اہلِ علم کے نزدیک اس قسم کا کھانا پینا "مَـا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ" میں

داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

(۵)...... اگر مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو ثواب پہنچانا ہو تب بھی ایصالِ ثواب کے لئے کسی خاص دن یا تاریخ کو اپنی طرف سے متعین کرنا درست نہیں اور شریعت نے ایصالِ ثواب کے لئے جب ۱۲/ربیع الاول کی قید نہیں لگائی تو اپنی طرف سے اس دن کو متعین کرنا شریعت پر زیادتی ہے جو کہ بدعت ہے (کذافی فتاویٰ عزیزی، ص۱۹۹)

(۶)...... بہت سے لوگ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ جس دن کسی کی وفات ہو ہر سال اسی تاریخ کو اس کے لئے صدقہ یا ایصالِ ثواب کرنا ضروری یا کم از کم زیادہ فضیلت کا باعث ہے اور اس وجہ سے سمجھتے ہیں کہ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ۱۲/ربیع الاول کو وصال ہوا تھا، اس لئے ہر سال ۱۲/ربیع الاول کو یہ عمل کیا جاتا ہے۔

یہ بھی دین پر زیادتی ہے، اور خود ۱۲/ربیع الاول کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حتمی یوم وصال قرار دینا بھی تاریخی اعتبار سے صحیح نہیں (جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے)

(۷)...... اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں شکرانہ کے طور پر یہ عمل کرنا مقصود ہو تو شکر کے لئے یہ خاص طریقہ اور تاریخ مخصوص کرنا بھی غیر شرعی طرزِ عمل ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جتنا تعلق اور محبت اور اس نعمت کی قدر کا احساس اور جذبہ آپ کے جانثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں تھا اتنا قیامت تک کسی اور گروہ میں نہیں ہوسکتا، بلکہ اگر کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح محبت اور تعلق قائم کرنا ہو تو اس کا طریقہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت سے ہی سیکھا جاسکتا ہے۔ مگر اس کے باوجود کسی ایک صحابی سے یہ عمل ثابت نہیں، جس کی وجہ سے یہ طریقہ غیر شرعی ہے۔

(۸)...... اگر اس عمل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو ایصالِ ثواب کرنا مقصود ہو تو ایصالِ ثواب کے لئے عمل میں اخلاص ضروری ہے اور اخلاص کے لئے چھپ کر عمل کرنا زیادہ مناسب اور افضل ہے، لیکن ان لوگوں کو اگر چھپ کر صدقہ کرنے کی ترغیب دی جائے تو ہرگز قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے، مگر علی الاعلان بڑی بڑی دیگیں اتارنے اور سبیلیں لگانے سے باز نہیں آتے، جو

اخلاص نہ ہونے کی علامت ہے۔

(۹)......صدقہ کے اصل مستحق غریب لوگ ہیں مگر ربیع الاول کے اس کھانے اور مشروب کو صرف غریبوں میں تقسیم کرنے کا عام طور پر خیال نہیں کیا جاتا اور بلا امتیاز ہر ایک کو شریک کرلیا جاتا ہے بلکہ امیروں اور بڑے لوگوں یا اپنے جاننے والوں کو خاص طور پر اس کھانے میں شریک کیا جاتا ہے۔ اور ایک دعوت کا سماں بنالیا جاتا ہے غریب صرف برائے نام ہوتے ہیں بلکہ بہت سی دفعہ تو برائے نام بھی نہیں ہوتے۔ ان حالات میں اس دعوت اور کھانے کو کون یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ یہ ایصالِ ثواب کے لئے ہے؟ [۱]

(۱۰)......صدقہ نقدی کی صورت میں دینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں اخلاص بھی زیادہ ہے کہ چھپا کر دینا آسان ہے اور غریبوں کے لئے زیادہ مفید بھی ہے۔ کیونکہ غریبوں کی مختلف موقعوں پر مختلف ضرورتیں ہوتی ہیں۔ نقدی سے غریب اپنی ہر قسم کی ضرورت پوری کرسکتا ہے (مثلاً لباس کی ضرورت ہوتو پیسوں سے اس کو خرید سکتا ہے، دوا کی ضرورت ہوتو وہ لے سکتا ہے وغیرہ وغیرہ) اور اگر فی الحال اس کو ضرورت نہ ہوتو اپنی آئندہ کی ضروریات کے لئے رکھ سکتا ہے اور اپنے بال بچوں کی بھی ہر قسم کی ضرورت پوری کرسکتا ہے اور بال بچے اس کے پاس موجود نہ ہوں تو دوسری جگہ ان کی ضرورت کے لئے یہ رقم بھیج سکتا ہے اور کھانے کو خاص کرنے کی صورت میں غریبوں کی ان تمام ضروریات کا لحاظ نہیں ہوتا اور نہ ہی ممکن ہے، اس لئے یہ طرزِ عمل ایصالِ ثواب کے فلسفہ کے بھی موافق نہیں۔

(۱۱)......صدقہ کا ایک صحیح طریقہ یہ ہے کہ غریبوں کی ضرورت کے مطابق ان کا تعاون کیا جائے مثلاً مریض کو دوا، مسافر کو کرایہ ٹکٹ وغیرہ کا خرچ، بھوکے کو کھانا اور برہنہ کو لباس، جوتا، سردی میں بے سروسامان کو کمبل، رضائی اور گرم لباس وغیرہ، غرض یہ کہ غریب کی ضرورت پوری کرنے کا خیال رکھا جائے، مگر یہاں تو ہر حال میں کھانا ہی کھلانا یا شربت ہی پلانا ہے۔ خواہ غریب کو اس وقت

---

[۱] وَيُكْرَهُ اِتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ مِنَ الطَّعَامِ مِنْ اَهْلِ الْمَيِّتِ لِاَنَّهُ شُرِعَ فِي السُّرُوْرِ لَا فِي الشُّرُوْرِ، وَهِيَ بِدْعَةٌ مُّسْتَقْبَحَةٌ، رَوَى الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَهُ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ: كُنَّا نَعُدُّ الْاِجْتِمَاعَ اِلٰى اَهْلِ الْمَيِّتِ وَصُنْعَهُمُ الطَّعَامَ مِنَ النِّيَاحَةِ (فتح القدير، فصل فى الدفن)

کھانے پینے کی ضرورت بھی نہ ہو یا اس خاص کھانے اور مشروب سے اس کا پرہیز ہو اور خواہ مریض دوا کے بغیر کراہ رہا ہو، برہنہ جسم سردی سے ٹھٹھر رہا ہو، یا لباس کے لئے ترس رہا ہو، مسافر اپنی منزل تک پہنچنے سے لاچار اور مجبور ہو اور خواہ کتنا ہی پریشان ہو؟ لہٰذا اس طرزِ عمل میں غریبوں اور ضرورت مندوں کی ضروریات کا لحاظ نہیں پایا جاتا۔

(۱۲)......اس عمل میں یہود و ہنود اور عیسائیوں کے ساتھ تشبہ ہے کیونکہ وہ لوگ اپنی بڑی شخصیات کے دن منانے کے موقعوں پر اس قسم کی حرکات کرتے ہیں اور ان کے ساتھ تشبہ گناہ ہے۔ [1]

(۱۳)......ایک غلط عقیدہ بھی اس میں شامل ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ۱۲/ربیع الاول کو جس چیز سے ایصالِ ثواب کیا جائے بعینہٖ وہی چیز وہاں پہنچتی ہے جبکہ یہ عقیدہ سراسر اسلام کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور خاص کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں ان کو ہر طرح کے اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کے رزق ملتے ہیں وغیرہ وغیرہ، جن کے مقابلہ میں یہاں کا شربت اور کھانا کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اور اللہ کے حضور جو چیز پیش کی جاتی ہے بعینہٖ وہی نہیں پہنچتی بلکہ اس کا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآئُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (سورہ حج آیت ۳۷)

ترجمہ: اللہ کو نہیں پہنچتا اُن کا گوشت اور نہ اُن کا خون لیکن اس کو پہنچتا ہے تمہارے دل کا تقویٰ اور اخلاص (ترجمہ ختم)

(۱۴)......اس عمل کو انجام دینے کے لئے جو مال استعمال کیا جاتا ہے، عموماً اس میں حلال وحرام کا خیال نہیں رکھا جاتا، اور نہ ہی تمام لوگ خوش دلی کے ساتھ اس میں تعاون اور شرکت کرتے ہیں اور کسی کی خوشدلی کے بغیر اس کا مال استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں (جیسا کہ آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا)

ان باتوں اور خرابیوں کی وجہ سے اس رسم سے پرہیز ضروری ہوا۔

اس کے بجائے دن و تاریخ اور کسی خاص چیز کی پابندی کے بغیر اخلاص کے ساتھ صدقہ وخیرات

---

[1] أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا لَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ وَلَا بِالنَّصَارَى (ترمذی حدیث نمبر ۲۶۱۹، عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده، ابواب الاستئذان والآداب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء فى كراهية اشارة اليد بالسلام)

کر کے ایصالِ ثواب کرنا چاہئے۔

ربیعُ الاوّل میں قبروں پر کی جانے والی بدعتیں

بہت سے لوگ اور خواتین ربیع الاول کو خاص طور پر قبرستان جانے کا اہتمام کرتے ہیں، قبروں پر پانی اور عرقِ گلاب وغیرہ چھڑکتے ہیں، ان پر اگربتی لگاتے ہیں، پھول اور چادریں چڑھاتے ہیں جبکہ قبرستان جانا اور ضرورت کے موقعہ پر قبر پر مٹی ڈال دینا یا مٹی کے گارے سے اس کو لیپ دینا، مٹی کو بٹھانے کے لئے ضرورت کے وقت پانی چھڑک دینا جائز ہے، لیکن ان کاموں کے لئے ربیع الاول ہی کو خاص کرنا اور خواہ ضرورت بھی نہ ہو مگر لوگوں کی دیکھا دیکھی ربیع الاول کو یہ کام کرنا اور بذاتِ خود ان کاموں کے کرنے ہی کو مقصود سمجھنا بدعت اور گناہ ہے، ان کاموں کے لئے شریعت نے ربیع الاول یا اس کی ۱۲/ تاریخ مقرر نہیں کی اور نہ ہی اس تاریخ میں ان کاموں کے کرنے کی کوئی خاص فضیلت بیان کی ہے، اور قبروں پر عرقِ گلاب چھڑکنا یا پھول اور چادریں چڑھانا تو ویسے ہی غیر شرعی کام ہیں۔

لہٰذا ان کاموں سے بچنا ضروری ہوا۔ اور خواتین کا قبرستان میں جانا تو آج کے پُرفتن دور میں ویسے بھی جائز نہیں پھر ربیع الاول کی تخصیص کر کے جانا دو گناہوں کا مجموعہ ہوا۔

اسی طرح قبروں کو پختہ کرنا بھی گناہ ہے، اور اس کو ثواب سمجھنا دوسرا گناہ ہے پھر ربیع الاول کی تخصیص تیسرا گناہ ہوا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ (ترمذی) [۱]

---

[۱] حدیث نمبر ۳۲۰، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی کراهية أن يتخذ على القبر مسجدا، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر، واللفظ لهٗ، ابوداؤد حدیث نمبر ۳۲۳۸، نسائی حدیث نمبر ۲۰۴۲، مسند احمد حدیث نمبر ۲۰۳۰.

قال الترمذی: وَفِی الْبَاب عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَأَبُو صَالِحٍ هَذَا هُوَ مَوْلَى أُمِّ هَانِءٍ بِنْتِ أَبِی طَالِبٍ وَاسْمُهُ بَاذَانُ وَيُقَالُ بَاذَامُ أَيْضًا (حوالہ بالا)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں پر اور قبروں کے اوپر چراغ لگانے والوں پر لعنت کی ہے (ترجمہ ختم)

فائدہ: اللہ کی پناہ! جس چیز پر اللہ کے رسول کی لعنت ہو اس کو کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔ اگر بتی جلانا بھی اس میں داخل ہے اگر مردہ اچھی جگہ چلا گیا تو اس کو یہاں کی خوشبو کی ضرورت نہیں بلکہ وہاں کی خوشبو کے مقابلہ میں یہاں کی خوشبو کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اور اگر بُری جگہ چلا گیا تو وہاں کی تکلیفوں اور مصیبتوں کے مقابلہ میں اگر بتی کی خوشبو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی۔ اور قبروں پر چادریں ڈالنا، پھول چڑھانا، عرقِ گلاب اور خوشبو وغیرہ چھڑکنا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ، حضرات صحابۂ کرام، اور تابعین کے خیر القرون والے دور سے ثابت نہیں جبکہ اس وقت بھی انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کی قبریں تھیں، پھول، خوشبو اور چادریں بھی ہوتی تھیں، لہٰذا یہ چیزیں بھی بدعت ہوئیں، جن سے بچنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہماری کتاب ''ماہِ محرم کے فضائل واحکام'')

بارہ ربیعُ الاوّل کا روزہ

بعض لوگ خصوصیت کے ساتھ بارہ ربیع الاول کو روزہ رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں اور اس دن روزہ کو زیادہ باعثِ فضیلت سمجھتے ہیں، حالانکہ قرآن وحدیث، صحابہ وفقہائے کرام سے خاص ۱۲/ ربیع الاول کی تاریخ کو روزہ کا مستحب وثواب ہونا ثابت نہیں، لہٰذا اس دن روزہ رکھنے کو خاص ثواب سمجھنا اور اس دن روزہ کا اہتمام کرنا منع ہے (کذا فی فتاویٰ محمودیہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۲، مبوب)

البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن اپنی ولادت کی نسبت سے روزہ رکھنا ثابت ہے، اور پیر کا دن ہر ہفتہ میں ایک مرتبہ آتا ہے اس کا بارہ ربیع الاول سے کوئی تعلق نہیں خصوصاً جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یوم ولادت کی تاریخوں میں بھی اختلاف ہے۔

بارہ ربیعُ الاوّل میں کاروبار کو ناجائز اور چھٹی کو ضروری سمجھنا

بعض لوگ آج کل ۱۲/ربیع الاول کے دن کاروبار کرنے کو گناہ سمجھتے ہیں اور اس دن چھٹی

کرنا ضروری سمجھتے ہیں، بلکہ بعض لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اگر بارہ ربیع الاول کو کاروبار کیا جائے اور چھٹی نہ کی جائے تو اس سے رزق میں تنگی ہوتی ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن کاروبار میں مشغول ہونا ناگوار گزرتا ہے۔

جبکہ شرعاً یہ سوچ غلط ہے۔

۱۲/ربیع الاول کے دن کاروبار وغیرہ کرنا جائز ہے اور چھٹی ضروری نہیں، اور کسی جگہ قرآن وحدیث میں اس دن کاروبار کرنے اور جائز کام میں مشغول رہنے کی ممانعت نہیں اور نہ ہی اس دن چھٹی کرنے کا شریعت میں کوئی ثبوت ہے۔

ایک اہم وضاحت

ربیع الاول کے مہینے میں پائی جانے والی یہ ان چند بدعات اور رسوم کا ذکر تھا جو اِس دور میں ہماری معلومات کی حد تک پائی جاتی ہیں، ممکن ہے دوسرے علاقوں میں کچھ اور بدعات ورسوم بھی ہوں، یا آئندہ چل کر کسی زمانے میں مزید بدعات ورسوم ایجاد ہو جائیں، کیونکہ بدعت علاقوں اور زمانوں کے لحاظ سے مختلف ہوتی رہتی ہیں اور ان میں استحکام نہیں ہوتا، اور یہ نو ایجاد چیزیں ہوتی ہیں جب جس کے دل میں آیا ایجاد کر لیا، اس قسم کی موجودہ یا آئندہ بدعات کا حکم بھی گزشتہ تفصیل سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

بارہ ربیع الاول کو آج کل عمومی سطح پر جو رسم انجام دی جانے لگی ہے، وہ عید میلاد النبی کہلاتی ہے، یہ بھی غیر شرعی رسم ہے، اور اس میں بے شمار خرابیاں پائی جاتی ہیں، جس کی تفصیل آگے ذکر کی جاتی ہے۔

میلادُالنَّبِی ُ کی شرعی حیثیت

حقیقی ورسمی میلاد

محبت کی خاصیت یہ ہے کہ جس کوکسی سے محبت ہوتی ہے، وہ اس کا کثرت سے ذکرِ خیر کیا کرتا ہے، اور مومنوں کو اللہ اوراس کے رسول سے محبت کا حکم ہے، لہٰذا اللہ اوراس کے رسول کا ذکرِ خیر کرنا بھی محبت کی دلیل ہوا، بشرطیکہ وہ ذکر شریعت کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ [1]

اوراسی وجہ سے عربی میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ:

مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ

کہ جوکسی چیز سے محبت کرتا ہے، اس کا اکثر ذکرِ خیر بھی کیا کرتا ہے۔ [2]

---

[1] إكثار الذكر دلالة على محبته لله لأن من أحب شيئا أكثر من ذكره ومن أحبه فهو مؤمن حقا(فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ۸۵۰۹)

قَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَقَالَ مَالِكُ بْنُ دِينَارٍ " :عَلَامَةُ حُبِّ اللهِ دَوَامُ ذِكْرِهِ لِأَنَّ مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ ذِكْرَهُ "قَالَ الْحَلِيمِيُّ رَحِمَهُ اللهُ " :وَقَالَ بَعْضُهُمْ :الْحُبُّ اللُّزُومُ لِأَنَّ مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَلْزَمَ ذِكْرَهُ قَلْبَهُ، فَمَحَبَّةُ اللهِ تَعَالَى لُزُومٌ لِذِكْرِهِ "قَالَ الْحَلِيمِيُّ رَحِمَهُ اللهُ " :وَهَذَا الَّذِى فَسَّرَهُ هَذَا الْقَائِلُ بِهِ الْمَحَبَّةَ مِنْ أَنَّهُ اللُّزُومُ مُوَافِقٌ لِقَوْلِ أَهْلِ اللِّسَانِ لِأَنَّهُمْ يَقُولُونَ :أَحَبَّ الْجَمَلُ إِذَا بَرَكَ فَلَزِمَ مَكَانَهُ (شعب الإيمان،للبيهقى،باب فى محبة الله عزوجل ، معانى المحبة)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ :سَمِعْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ " :عَلَامَةُ حُبِّ اللهِ حُبُّ ذِكْرِ اللهِ، وَعَلَامَةُ بُغْضِ اللهِ بُغْضُ ذِكْرِ اللهِ "قَالَ الْبَيْهَقِىُّ رَحِمَهُ اللهُ :وَرُوِىَ عَنْ وَجْهٍ آخَرَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ مَيْمُونٍ "وَزِيَادٌ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، وَرُوِىَ عنْ وَجْهٍ آخَرَ ضَعِيفٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَاللهُ أَعْلَمُ، وَرُوِّينَا بِمِثْلِهَا عَنِ السَّلَفِ الصَّالِحِينَ "(شعب الايمان للبيهقى حديث نمبر ۴۰۶)

حدثنا أبو هشام الرفاعى محمد بن يزيد ، ثنا إسحاق يعنى ابن سليمان الرازى ، ثنا أبو جعفر الرازى ، عن الربيع بن أنس ، عن بعض ، أصحابه قال : علامة حب الله كثرة ذكره ، وعلامة الدين الإخلاص لله ، وعلامة العلم الخشية لله ، وعلامة الشكر الرضا بقضاء الله والتسليم لقدره (تعظيم قدر الصلاة لمحمد بن نصر المروزى، حديث نمبر ۶۵۰)

[2] من القواعد المقررة أن من أحب شيئا أكثر ذكره والإناء يترشح بما فيه(مرقاة، كتاب الآداب، باب الحب فى الله ومن الله)

ومن أحب شيئا أكثر من ذكره (فتح البارى لابنِ حجر، قوله باب ما جاء فى صفة الجنة وأنها مخلوقة)

اورایک ضعیف حدیث میں بھی یہ مضمون واردِ ہوا ہے۔ [1]

پس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوگی تو آپ کا ذکرِ خیر بھی ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت جزوِ ایمان ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر ایک اعلیٰ ترین عبادت بلکہ روحِ ایمان ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک واقعہ سرمۂ چشمِ بصیرت ہے۔آپ کی ولادت، آپ کی صغرسنی، آپ کا شباب، آپ کی بعثت، آپ کی دعوت، آپ کا جہاد، آپ کی قربانی، آپ کا ذکر وفکر، آپ کی عبادت ونماز، آپ کے اخلاق وشمائل، آپ کی صورت وسیرت، آپ کا زہد وتقویٰ، آپ کا علم وخشیت، آپ کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، آپ کی صلح وجنگ، خفگی وغصہ، رحمت وشفقت، تبسم ومسکراہٹ، الغرض آپ کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت وسکون امت کے لئے اسوۂ حسنہ اور اکسیرِ ہدایت ہے اور اس کا سیکھنا سکھانا، اس کا مذاکرہ کرنا، دعوت دینا سب عبادت ہے۔

اسی طرح آپ سے نسبت رکھنے والی شخصیات اور چیزوں کا تذکرہ بھی عبادت ہے۔آپ کے احباب واصحاب، ازواج واولاد، خدام وعمال، آپ کا لباس وپوشاک، آپ کے ہتھیاروں، آپ

---

[1] من احب شيئا اكثر ذكره(كنز العمال بحواله مسند الفردوس عن عائشة، حديث نمبر ١٨٢٩)

حديث :من أحب شيئاً أكثر ذكره، أبو نعيم ثم الديلمى من حديث مقاتل بن حيان عن داود بن أبى هند عن الشعبى عن عائشة به مرفوعاً(المقاصد الحسنة، للسخاوى، حرف الميم)

من أحب شيئا أكثر من ذكره .تخريج السيوطى(فر) عن عائشة .تحقيق الألبانى (ضعيف) انظر حديث رقم 5341 :فى ضعيف الجامع (صحيح وضعيف الجامع الصغير، تحت حديث رقم ١٢١٢٠)

(من أحب شيئا أكثر من ذكره) أى علامة صدق المحبة إكثار ذكر المحبوب ، ولهذا قال أبو نواس :وبح باسم ما تأتي وذرني من الكنى *فلا خير فى اللذات من دونها ستر قال فى الرعاية :علامة المحبين كثرة ذكر المحبوب على الدوام لا يتقطعون ولا يملون ولا يفترون فذكر المحبوب هو الغالب على قلوب المحبين لا يريدون به بدلا ولا يبغون عنه حولا ولو قطعوا عن ذكر محبوبهم فسد عيشهم ، وقال بعضهم :علامة المحبة ذكر المحبوب على عدد الأنفاس.

(فائدة) اجتمع عند رابعة علماء وزهاد وتفاوضوا فى ذم الدنيا وهى ساكتة فلاموها فقالت :من أحب شيئا أكثر من ذكره إما بحمد أو ذم فإن كانت الدنيا فى قلوبكم لا شىء فلم تذكرون لا شىء ؟

-(فر عن عائشة) ورواه عنها أيضا أبو نعيم ومن طريقه وعنه أورده الديلمى فلو عزاه المصنف إليه أو جمعهما لكان أولى(فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ٨٣١٢)

کے گھوڑوں، خچروں اور ناقہ کا تذکرہ بھی عین عبادت ہے کیونکہ یہ دراصل ان چیزوں کا تذکرہ نہیں بلکہ آپ کی نسبت کا تذکرہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم (اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۸۰ بتغیر)

بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ ربیع الاول کی مخصوص تاریخ میں میلا دالنبی سے منع کرنے والے ذکرِرسول سے منع کرتے ہیں، حالانکہ یہ بات حقیقت کے بالکل خلاف ہے، بھلا ذکرِرسول سے کیسے منع کیا جا سکتا ہے، ذکرِرسول تو ایسی عبادت ہے کہ نماز جیسے اہم فریضہ میں بھی درودوسلام کو مستقل حیثیت دے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو شامل کر دیا گیا ہے، پھر پانچوں وقت اذان اور تکبیر ہوتی ہے، جس میں ''اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدَا الرَّسُوْلُ اللّٰہِ'' موجود ہے جس کو مؤذن، مکبر اور سننے والے سب پڑھتے ہیں، اور یہ تو وہ موقعہ ہے جس میں ہر خاص وعام سب شامل ہیں اور جو طالبِ علم حدیث شریف پڑھتے ہیں وہ تو ہر وقت ذکرِرسول میں رہتے ہیں کہ ''قال اللہ وقال الرسول'' اور درود شریف پڑھنے اور سننے میں اکثر وبیشتر وقت گزرتا ہے۔

اسی لئے ایک بزرگ سے جن کا نام مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمہ اللہ تھا کسی نے پوچھا تھا کہ آپ کے نزدیک میلا دالنبی جائز ہے یا ناجائز؟ انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ ہم تو ہر وقت میلا دُالنبی میں مشغول ہوتے ہیں، اس لئے کہ ہر وقت کلمہ لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں، اگر آپ پیدا نہ ہوتے تو ہم یہ کلمہ کہاں پڑھتے (ماخوذ از وعظ ''السرور'' ملقب بہ ارشاد العباد فی عید المیلاد، حکیم الامت رحمہ اللہ بتغیر کثیر) [1]

---

[1] لم يثبت أن النبي صلى الله عليه وسلم ، احتفل بليلة مولده ولا مولد غيره ، وخير الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم ، وهذا يدل على أن هذه الليلة لا مزية لها على غيرها ، ولو كان لها مزية لاختصت بتلك الليلة التى ولد فيها دون أن يتجاوز الفضل إلى غيرها من السنوات التى بعدها ، ولو أنه ولد فى مثلها ، ولقد أكمل الله الدين بإبلاغ النبى صلى الله عليه وسلم ، ولو كان هذا الاحتفال مشروعًا وسُنة ولم يبينه النبى صلى الله عليه وسلم ، ولا فَعله ولا حث عليه لكان الدين فى زمنه ناقصًا ، ولكان قد أخفى عن أمته وما يجب عليه إبلاغه وبيانه ، وقد ثبت عنه صلى الله عليه ، أنه قال "مَن أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد . "ولا شك أن إقامة هذا الاحتفال فى ليلة المولد حدث بعده صلى الله عليه وسلم ، وأضيف إلى شرعه وليس من الدين فى شىء ، فهو بدعة وكل بدعة ضلالة ، ولم يفعله النبى صلى الله عليه وسلم ، ولا خلفاؤه الراشدون ولا أئمة الدين بعدهم ، وإنما فعله بعض الرافضة فى القرن الرابع الهجرى وقصدُهم بذلك إحياء العادات

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن ذکر کی کئی صورتیں اور قسمیں ہیں ایک ذکر تو زبانی ہے کہ زبان سے ذکرِ خیر کیا جائے اور ایک ذکرِ عملی و فعلی ہے یعنی اپنے افعال واعمال کو محبوب و مذکور (جس کا ذکرِ خیر کیا جارہا ہے) کے مطابق بنایا جائے، تاکہ اپنے ہر ہر عمل اور ادا سے محبوب کی یاد تازہ بلکہ زندہ اور شائع ہو۔ [1]

اور اگر غور کیا جائے تو اس دوسری قسم کا درجہ پہلی قسم سے اعلیٰ و افضل ہے، اس لئے کہ خالی زبانی جمع خرچ تو ہر ایک کرسکتا ہے، لیکن جب عمل کا نمبر آتا ہے تو اس میں پورے اترنے والے خال خال ہی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الجاهلية ، وتضليل المسلمين ، فتتابع عليها الكثير من أهل تلك القرون ، والجمهور على إنكارها ومعلوم أن محبة النبى صلى الله عليه وسلم ، واجبة على كل مسلم ويجب استحضارها طوال العام ، ولا تكون فى ليلة واحدة كل عام ، وأن محبته تقتضى طاعته والسير على نهجه ، فمن فعل ذلك فهو من أمته وأتباعه ، ومن تعبّد بما لم يشرعه فقد خالف سنته وطريقته وأضاف إلى دينه ما ليس منه ، وليس ليلة الميلاد أفضل من ليلة نزول الوحى وليلة الإسراء والمعراج وليلة الهجرة وليلة غزوة بدر وغيرها من الليالى ، فكلهن حصل فيها نفع وخير للمسلمين ، ولم يُنقل أن أحدًا احتفل بها ولا خصّصها بإحياء أو عبادة ، وهم سلف الأمة وأهل القدوة الحسنة لا مَن خالف طريقهم.الشيخ ابن جبرين (فتاوى إسلامية،لأصحاب الفضيلة العلماء، ج ا ص ١٦٨ ،محبة النبى صلى الله عليه وسلم لا تكون فى ليلة واحدة)

[1] ذكر فيه حديثى أبى موسى وأبى هريرة وهما ظاهران فيما ترجم له والمراد بالذكر هنا الإتيان بالألفاظ التى ورد الترغيب فى قولها والاكثار منها مثل الباقيات الصالحات وهى سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله أكبر وما يلتحق بها من الحوقلة والبسملة والحسبلة والاستغفار ونحو ذلك والدعاء بخيرى الدنيا والآخرة .ويطلق ذكر الله أيضا ويراد به المواظبة على العمل بما اوجبه أو ندب إليه كتلاوة القرآن وقراءة الحديث ومدارسة العلم والتنفل بالصلاة .ثم الذكر يقع تارة باللسان ويؤجر عليه الناطق ولا يشترط استحضاره لمعناه ولكن يشترط ان لا يقصد به غير معناه وان انضاف إلى النطق الذكر بالقلب فهو أكمل فان انضاف إلى ذلك استحضار معنى الذكر وما اشتمل عليه من تعظيم الله تعالى ونفى النقائص عنه ازداد كمالا فان وقع ذلك فى عمل صالح مهما فرض من صلاة أو جهاد أو غيرهما ازداد كمالا فإن صحيح التوجه وأخلص لله تعالى فى ذلك فهو ابلغ الكمال وقال الفخر الرازى المراد بذكر اللسان الألفاظ الدالة على التسبيح والتحميد والتمجيد والذكر بالقلب التفكر فى أدلة الذات والصفات وفى أدلة التكاليف من الأمر والنهى حتى يطلع على احكامها وفى أسرار مخلوقات الله والذكر بالجوارح هو ان تصير مستغرقة فى الطاعات ومن ثم سمى الله الصلاة ذكرا فقال فاسعوا إلى ذكر الله ونقل عن بعض العارفين قال الذكر على سبعة انحاء فذكر العينين بالبكاء وذكر الأذنين بالاصغاء وذكر اللسان بالثناء وذكر اليدين بالعطاء وذكر البدن بالوفاء وذكر القلب بالخوف والرجاء وذكر الروح بالتسليم والرضاء (فتح البارى -لابن حجر،كتاب الدعوات،باب فضل ذكر الله عز و جل)

نظر آتے ہیں۔

زبانی ذکر اگر دعویٰ ہے تو عملی وفعلی ذکر اس دعوے کی دلیل ہے، اگر کسی کے پاس اپنے دعوے پر دلیل نہ ہو تو اس کا دعویٰ معتبر نہیں سمجھا جاتا۔

پھر جو لوگ صرف جسمانی ولادت کے تذکرہ کو میلادالنبی کا نام دیتے ہیں اور باقی چیزوں کو نظر انداز کردیتے ہیں انہیں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ولادت باسعادت تو ربیع الاول کے مہینہ میں ہوئی، اور ایک ولادت باسعادت اس کے چالیس سال بعد ہوئی۔

پہلی ولادت جسمانی تھی اور دوسری ولادت روحانی تھی، یہ دوسری ولادت وہ تھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باضابطہ نبی اور پیغمبر قرار دیا گیا۔

چالیس سال پہلے ربیع الاول کے مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال دنیا میں ظاہر ہوا اور چالیس سال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ظاہر ہوا۔

تو ایک جمال کی حیثیت سے ولادت ہے اور ایک کمال کی حیثیت سے ولادت ہے۔

چالیس سال پہلے ربیع الاول کے مہینے میں آپ ''محمد بن عبداللہ'' کی حیثیت سے ظاہر ہوئے اور چالیس سال بعد ''محمد رسول اللہ'' کی حیثیت سے۔

تو پہلی مرتبہ ''ابن عبداللہ'' اور دوسری مرتبہ ''رسول اللہ'' کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔

پہلی ولادت میں صورتِ مبارکہ کا ظہور ہوا، اور دوسری ولادت میں سیرتِ طیبہ کا۔

دونوں ولادتیں پورے عالم کے لئے بہت بڑی نعمت ہیں۔

آپ جیسے حسین وجمیل کی نظیر بھی نہیں پائی جاتی اور آپ جیسے صاحبِ کمال کی نظیر بھی نہیں پائی جاتی۔

لیکن عام طور سے لوگ جسمانی ولادت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اسی ولادت کے ذکر کو ''ذکرِ میلاد وغیرہ'' کہتے ہیں۔

حالانکہ یہ تو میلاد کا ابتدائی درجہ ہے، حقیقی درجہ تو چالیس سال بعد کی روحانی ولادت کا ہے۔

اس لئے کہ پہلی ولادت میں ہمارے لئے عمل کا کوئی نمونہ نہیں یعنی آپ کی پہلی ولادت میں آپ

کے حسن و جمال وغیرہ کا بیان آتا ہے کہ مثلاً آپ کا چہرۂ انور ایسا تھا اور قد و قامت، انگلیاں، بال مبارک وغیرہ ایسے تھے وغیرہ وغیرہ۔

اس میں ہمارے لئے خوشی، شکر اور فخر کا تو موقع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کو وہ حسن و جمال اور موزونیت عطاء فرمائی کہ کسی دوسرے کا اس سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، لیکن اگر ہم یہ چاہیں کہ اپنے چہرے، قد و قامت وغیرہ کو اُس طرح کی خلقت والا بنالیں تو یہ چیز ہمارے اختیار میں نہیں۔

اور دوسری ولادت میں ہمارے لئے عملی نمونے موجود ہیں جن کی اتباع کا ہم کو حکم دیا گیا ہے اور ان کی پیروی کر کے ہم دنیا و آخرت کی کامیابی اور سرخروئی حاصل کر سکتے ہیں مثلاً ایمان اور عقائد میں آپ کی تعلیمات کی اتباع کریں اور اعمال، نماز روزہ وغیرہ میں آپ کی سنت کو اپنائیں، آپ جیسے اخلاق اختیار کریں، لیکن کیونکہ پہلی ولادت کے ذکر میں عمل کی پابندی سامنے نہیں ہوتی اور کچھ کرنا کرانا نہیں پڑتا بلکہ اس میں زیادہ سے زیادہ خوش ہو کر مٹھائی وغیرہ بانٹ اور کھالی جاتی ہے اور دوسری ولادت میں ذمہ داریاں بڑھتی ہیں اور عملی چیزیں سامنے آتی ہیں اس لئے اس کے ذکر کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی، حالانکہ پہلی ولادت بھی دراصل دوسری ولادت ہی کے لئے ذریعہ تھی اور مقصود دوسری ولادت (یعنی نبوت) تھی (ماخوذ از ''خطباتِ حکیم الاسلام'' ج ا، وعظ مسمّٰی ''محمد ابن عبداللہ سے محمد رسول اللہ تک'' بتغیر وتلخص)

اور بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور آپ کا وجودِ مبارک پورے انسانوں بلکہ تمام عالَم کے لئے اللہ کی طرف سے بہت بڑی نعمت اور رحمت ہے، مگر وہ آپ کی بعثت کے مقاصد کی وجہ سے ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (سورہ انبیاء آیت ۱۰۷)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو کسی اور بات کے واسطے (رسول بنا کر) نہیں بھیجا، مگر دنیا جہان کے لوگوں پر (اپنی) مہربانی کرنے کے لئے (ترجمہ ختم)

وہ مہربانی اور اللہ کی رحمت یہ ہے کہ لوگ رسول سے ان مضامین کو قبول کریں اور ہدایت کے ثمرات حاصل کریں (بیان القرآن)

اور ارشاد ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ط هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (سورہ یونس آیت ۵۸)

''کہہ دو کہ (یہ کتاب) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوئی ہے) تو چاہئے کہ لوگ اس سے خوش ہوں۔ یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں''

اس آیت میں دو چیزوں کو فرحت ومسرت کا سامان قرار دیا گیا ہے۔

ایک فضل۔ دوسرے رحمت۔ ان دونوں سے کیا مراد ہے؟

اس بارے میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔

جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے فضل سے کتابُ اللہ اور اسلام، اور رحمت سے مراد اس پر مرتب ہونے والی فضیلتیں ونعمتیں ہیں، جن میں ہدایت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات برکات اور جنت وغیرہ سب داخل ہیں۔ [1]

---

[1] قال الزمخشري عن أبيّ بن كعب :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قرأ :قل بفضل الله وبرحمته فقال :بكتاب الله والإسلام فضله الإسلام ، ورحمته ما وعد عليه انتهى .ولو صح هذا الحديث لم يمكن خلافه .قال ابن عباس ، والحسن ، وقتادة ، وهلال بن يساف :فضل الله الإسلام ، ورحمته القرآن .وقال الضحاك وزيد بن أسلم عكس هذا ، وقال أبو سعيد الخدري : الفضل القرآن ، والرحمة أن جعلهم من أهله .وقال ابن عباس فيما روى الضحاک عنه :الفضل العلم والرحمة محمد صلى الله عليه وسلم .وقال ابن عمر :الفضل الإسلام ، والرحمة تزيينه في القلوب .وقال مجاهد :الفضل والرحمة القرآن ، واختاره الزجاج .وقال خالد بن معدان : الفضل القرآن ، والرحمة السنة .وعنه أيضاً أنّ الفضل الإسلام ، والرحمة الستر .وقال عمرو بن عثمان :فضل الله كشف الغطاء ، ورحمته الرؤية واللقاء .وقال الحسين بن فضل :الفضل الإيمان ، والرحمة الجنة .وقيل :الفضل التوفيق ، والرحمة العصمة .وقيل :الفضل نعمه الظاهرة ، والرحمة نعمه الباطنة .وقال الصادق :الفضل المغفرة ، والرحمة التوفيق .وقال ذون النون :الفضل الجنان ، ورحمته النجاة من النيران .وهذه تخصيصات تحتاج إلى دلائل ، وينبغي أن يعتقد أنها تمثيلات ، لأن الفضل والرحمة أريد بهما تعيين ما ذكر وحصرهما فيه .وقال ابن عطية :وإنما الذي يقتضيه اللفظ ويلزم منه أنّ الفضل هو هداية الله إلى دينه والتوفيق إلى اتباع الشرع ، والرحمة هي عفوه وسكنى جنته التي جعلها جزاء على اتباع الإسلام والإيمان .ومعنى الآية :قل يا محمد لجميع الناس بفضل الله وبرحمته فليقع الفرح منكم ، لا بأمور الدنيا وما يجمع من حطامها (تفسير البحر المحيط ، تحت آیت ۵۸من سورة يونس)

اور قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَاتَفْرَحْ اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ (سورہ قصص آیت ۷۶)

ترجمہ: خوشی میں مست نہ ہو، اللہ ایسے خوش ہونے والوں کو پسند نہیں فرماتے (ترجمہ ختم)

یہاں ایسے خوش ہونے سے منع کیا گیا ہے جس کا تعلق دنیوی ساز وسامان سے ہو، یا اس میں بدمست ہوجائے اور شرعی حدود سے تجاوز کرے (معارف القرآن ج۴ص۵۴۴،۵۴۵بتغیر) [1]

اور آج کل رسمی میلاد کے جلسے اور جلوسوں میں جوجشن کے طور وطریقے اختیار کیے جاتے ہیں اوّل تو وہ خود ہی شرعی حدود سے باہر ہیں، اور اس طرح کی خوشی سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے جس میں شرعی حدود سے تجاوز ہو۔

دوسرے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور آپ کے حسن وجمال اور معجزوں وغیرہ کے ذکر کو کافی سمجھا جاتا ہے، جبکہ صرف یہ چیزیں نبوت کے بعثت کے مقاصد میں سے نہیں۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ مقاصد ہیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وظائف (یعنی فرضِ منصبی) ہیں۔

---

[1] وقوله :(إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ) أى :وعظه فيما هو فيه صالح قومه، فقالوا على سبيل النصح والإرشاد :لا تفرح بما أنت فيه، يعنون :لا تبطر بما أنت فيه من الأموال (إِنَّ اللَّهَ لا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ) قال ابن عباس :يعنى المرحين .وقال مجاهد :يعنى الأشرين البطرين، الذين لا يشكرون الله على ما أعطاهم(تفسير ابنِ كثير، تحت آيت ۷۶ من سورة القصص)

ولا تنافى بين الأمر بالفرح هنا وبين النهى عنه فى قوله :(لا تفرح إن الله لا يحب الفرحين) لاختلاف المتعلق ، فالمأمور به هنا الفرح بفضل الله وبرحمته ، والمنهى هناك الفرح بجمع الأموال لرئاسة الدنيا وإرادة العلو بها والفساد والأشر ، ولذلک جاء بعده :(وابتغ فيما آتاک الله الدار الآخرة ولا تنس نصيبک من الدنيا) وقبله :(إن قارون كان من قوم موسى فبغى عليهم) وقوله :(لفرح فخور) جاء ذلک على سبيل الذم لفرحه بإذاقة النعماء بعد الضراء ، ويأسه وكفرانه للنعماء إذا نزعت منه ، وهذه صفة مذمومة ، وليس ذلک من أفعال الآخرة .وقول من قال :إنه إذا أطلق الفرح كان مذموماً ، وإذا قيد لم يكن مذموماً كما قال :(فرحين بما آتاهم الله من فضله) ليس بمطرد ، إذ جاء مقيداً فى الذم فى قوله تعالى :(حتى إذا فرحوا بما أوتوا أخذناهم بغتة) وإنما يمدح الفرح ويذم بحسب متعلقه ، فإذا كان بنيل ثواب الآخرة وإعمال البر كان محموداً ، وإذا كان بنيل لذات الدنيا وحطامها كان مذموماً (تفسير البحرالمحيط ، تحت آيت ۵۸من سورة يونس)

اور وہ یہ ہیں:

(۱)......قرآن مجید کی تلاوت **(۲)**......قرآن مجید کی تعلیم وتشریح **(۳)**......اپنی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کے لئے لوگوں کی عملی تربیت **(۴)**......دینی رہنمائی پر مبنی حکمت ودانائی کی تعلیم دینا۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِذْبَعَثَ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (سورہ آل عمران آیت ۱۶۴)

ترجمہ: اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجے جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں (ترجمہ ختم)

اور ایک مقام پر ارشاد ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (سورہ بقرہ آیت ۱۵۱)

ترجمہ: جس طرح ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور تمہیں پاک کرتے اور کتاب (یعنی قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے (ترجمہ ختم)

نیز ایک مقام پر ارشاد ہے:

هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (سورہ جمعہ، آیت ۲)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے (محمد کو) رسول بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور انہیں (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں (ترجمہ ختم)

یہی وہ مقاصد ہیں جن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپے جانے کی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح فرمائی تھی کہ:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ (سورہ بقرہ آیت ۱۲۹)

ترجمہ: اے ہمارے رب اور ان میں ایک رسول انہیں میں سے بھیج دیجئے جو ان پر آپ کی آیتیں پڑھیں اور انہیں کتاب اور دانائی سکھائیں اور انہیں پاک کریں بیشک آپ ہی غالب حکمت والے ہیں (ترجمہ ختم)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا مقصود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد ہیں اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت وبعثت پر خوش ہونے کی اصل وجوہات ہیں اور ان کا تعلق عملی زندگی سے ہے۔

پس ان مقاصد کو اپنی عملی زندگی کے ذریعہ سے بروئے کار لانا چاہئے، اور انہی مقاصد کے لئے جد وجہد کرنی چاہئے۔

لیکن آج کل حال یہ ہے کہ میلاد النبی کے نام پر جشن منانے والے لوگوں نے عموماً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اصل مقاصد کو تو نظر انداز کر دیا ہے اور صرف آپ کی ولادت پر رسمی خوشی کے اظہار کو کافی سمجھ لیا، اور اس میں بھی کئی گناہوں کو شامل کر لیا ہے۔

اور اوپر سے یہ ظلم کیا کہ ان کو اگر اس رسمی وغیر شرعی میلاد سے منع کیا جاتا ہے، تو اس کو ذکرِ رسول کا منکر قرار دیتے ہیں۔

اہلِ سنت والجماعت دیو بند کے علمائے کرام (جن کو آج بعض لوگوں کی طرف سے میلاد النبی کا منکر قرار دیا جاتا ہے) اپنے متفقہ فیصلہ میں حقیقی ورسمی میلاد میں فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حاشا! کہ ہم تو کیا کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں کہ آنحضرت کی ولادتِ شریفہ کا ذکر بلکہ آپ کی جوتوں کے غبار اور آپ کی سواری کے گدھے کے پیشاب کا تذکرہ بھی قبیح وبدعتِ سیئہ یا حرام کہے، وہ جملہ حالات جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا

سا بھی علاقہ (تعلق) ہے ان کا ذکر ہمارے نزدیک نہایت پسندیدہ اور اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے خواہ ذکرِ ولادتِ شریفہ ہو یا آپ کے بول براز، نشست وبرخاست اور بیداری وخواب کا تذکرہ ہو، جیسا کہ ہمارے رسالہ براہینِ قاطعہ میں متعدد جگہ بصراحت مذکور اور ہمارے مشائخ کے فتوے میں مسطور ہے، چنانچہ شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمہ اللہ دہلوی مہاجر مکی کے شاگرد مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ اللہ (کی تحریر) کا عربی میں ترجمہ کرکے ہم نقل کرتے ہیں تاکہ سب کی تحریرات کا نمونہ بن جائے۔ مولانا سے کسی نے سوال کیا تھا کہ مجلسِ میلاد شریف کس طریقہ سے جائز ہے اور کس طریقے سے ناجائز؟ تو مولانا نے اس کا یہ جواب لکھا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریف کا ذکر صحیح روایات سے ان اوقات میں جو عباداتِ واجبہ سے خالی ہوں۔ ان کیفیات سے جو صحابۂ کرام اور ان اہلِ قرونِ ثلاثہ کے طریقے کے خلاف نہ ہوں جن کے خیر ہونے کی شہادت حضرت نے دی ہے، ان عقیدوں سے جو شرک وبدعت کے موہم (شبہ پیدا کرنے والے) نہ ہوں، ان آداب کے ساتھ جو صحابہ کی اس سیرت کے مخالف نہ ہوں، جو حضرت کے ارشاد "مَاانَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ" کی مصداق ہے ان مجالس میں جو منکراتِ شرعیہ سے خالی ہوں سبب خیر وبرکت ہے، بشرطیکہ صدقِ نیت اور اخلاص اور اس عقیدہ سے کیا جاوے کہ یہ بھی منجملہ دیگر اذکارِ حسنہ کے ذکرِ حسن ہے کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں۔

پس جب ایسا ہوگا تو ہمارے علم میں کوئی مسلمان بھی اس کے ناجائز یا بدعت ہونے کا حکم نہ دیگا الخ اس سے معلوم ہوگیا کہ ہم ولادتِ شریفہ کے منکر نہیں بلکہ ان ناجائز امور کے منکر ہیں جو اس کے ساتھ مل گئے ہیں جیسا کہ ہندوستان کے مولود کی مجلسوں میں آپ نے خود دیکھا ہے کہ (۱) واہیات موضوع روایات بیان ہوتی ہیں (۲) مَردوں عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے (۳) چراغوں کے روشن کرنے (۴) اور دوسری آرائشوں میں فضول خرچی ہوتی ہے (۵) اور اس مجلس کو واجب سمجھ کر جو شامل نہ ہو اس پر طعن وتکفیر ہوتی

ہے(۶) اس کے علاوہ اور منکراتِ شرعیہ ہیں جن سے شاید ہی کوئی مجلسِ میلاد خالی ہو، پس اگر مجلسِ مولود منکرات سے خالی ہو تو حاشا کہ ہم یوں کہیں کہ ذکرِ ولادتِ شریفہ ناجائز اور بدعت ہے اور ایسے قولِ شنیع کا کسی مسلمان کی طرف کیوں کر گمان ہوسکتا ہے، پس ہم پر یہ بہتان جھوٹے ملحد دجالوں کا افتراء ہے۔ خدا ان کو رسوا کرے اور ملعون کرے خشکی وتری، نرم وسخت زمین میں (المہند علی المفند یعنی عقائد علماء اہل سنت دیوبند ص ۶۴ تا ۶۷)

اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مثلاً ربیع الاول کہ کوئی حکم اس کے متعلق نہیں، بعض لوگوں نے مولود (میلاد) کو اس میں ضروری کرلیا ہے اور اگر کوئی منع کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ ذکرِ رسول سے منع کرتے ہیں، اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی نماز پڑھے نجس (ناپاک) کپڑوں سے، تو اسے منع کریں گے کہ نماز نہ ہوگی بلکہ گناہ ہوگا، نیکی برباد، گناہ لازم۔

نعوذ باللہ جنابِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے کون منع کرتا ہے، یہ تو تہمت ہے، بلکہ بے طریقہ ہونے کی وجہ سے منع کرتے ہیں، اس کا معیار ہمارے پاس صحابہ کا طریقہ ہے، چنانچہ اُس زمانہ میں ذکرِ شریف ہوتا تھا، نہ مٹھائی کی قید تھی، نہ اس طور پر فرش وفروش وروشنی وغیرہ کا اہتمام تھا، نہ کوئی خاص زمانہ مقرر تھا، نہ کوئی قیام کرتا تھا، بلکہ شوق ومحبت سے ذکر کرتے تھے (خطباتِ حکیم الامت ج۱۴ص۴۱۳، وعظ ''الوقت'')

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر اگر ہر طرح کی بدعات ورسوم اور منکَرات وخرافات سے بچ کر کیا جائے، تو یہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، لیکن اس کا طریقہ خلافِ شریعت اختیار کیا جائے، اور اس میں منکرات شامل کرلئے جائیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد کو یکسر نظر انداز کردیا جائے، تو وہ جائز نہیں، اور اہلِ حق انہی بے اعتدالیوں اور غلط چیزوں سے یا ان کی وجہ سے منع کرتے ہیں۔

رسمی ''میلاد'' کے منکرات

مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں حقیقی اور رسمی میلاد کا فرق اصولی طور پر خوب اچھی طرح واضح ہوگیا اب مروّجہ رسمی میلاد کے متعلق فرداً فرداً خرابیوں کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ آج کل رسمی میلاد النبی منانے والوں نے اس کا نام **''جشنِ عید میلاد النبی''** رکھا ہوا ہے۔

(۱)......عید میلادُ النبی کی مروّجہ رسم ایک نو ایجاد عمل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے بعد آپ کی دنیوی حیاتِ طیبہ میں تقریباً باسٹھ (62) مرتبہ اور نبوت عطا ہونے کے بعد ۲۳ مرتبہ اور مدنی زندگی میں دس مرتبہ ربیع الاول کا مہینہ لوٹ لوٹ کر آیا، لیکن اس پورے عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ خود اپنی اس میلاد کا اہتمام کیا اور نہ دوسروں کو حکم یا ترغیب دی۔

آپ کے بعد آپ کے لاکھوں جانثار صحابہ کا نمبر آتا ہے، ان میں سے بھی کسی ایک صحابی سے یہ عمل بلکہ اس کا نام تک ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ ان کی پوری زندگی سیرتِ طیبہ میں رچی ہوئی ہے، ان کا ہر دن سیرتِ طیبہ کا دن ہے۔ ان کا ہر لمحہ سیرتِ طیبہ کا لمحہ ہے، ان کا ہر کام سیرتِ طیبہ کا کام ہے۔

اور خلفائے راشدین کا دور تو وہ ہے جس میں عوامی اور حکومتی سطح پر بھی کوئی قانون بنانے اور اجتماعی عمل انجام دلوانے کے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

پھر اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور ہے، جس میں بڑے بڑے فقہائے کرام، محدثینِ عظام اور اولیاء اللہ موجود ہیں، ان کو بھی اس رسمی میلاد کے انجام دینے کی ضرورت پیش نہ آئی، اور اسی طرح سلف صالحین نے کبھی یہ میلاد کی محفلیں نہیں سجائیں، اس لئے کہ وہاں پوری عملی زندگی شریعت کے ڈھانچے اور سانچے میں ڈھلے ہونے کی وجہ سے ''ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برأت'' کا مصداق تھا۔

ظاہر ہے کہ جب ان کی پوری زندگی ''سیرتُ النبی'' کے سانچے میں ڈھلی ہوتی تھی، جب ان کی ہر محفل ومجلس کا موضوع ہی سیرتِ طیبہ تھا اور جب ان کا ہر قول وعمل سیرت النبی کا مدرسہ تھا تو ان کو اس طرح کے جلسوں کی نوبت کب آسکتی تھی۔

بہر حال خیر القرون اوراس کے بعد اس رسم کا کہیں مسلمانوں میں رواج نہ تھا، لیکن جوں جوں زمانہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور سے دوری اور بُعد ہوتا گیا، عمل کے بجائے قول کا اور کردار کے بجائے گفتار کا سکہ چلنے لگا۔

تو عملی زندگی کا سلسلہ کمزور ہوگیا، اوراس کے بجائے رسمی چیزوں کو ایجاد کرلیا گیا، انہیں رسمی چیزوں میں سے مروجہ میلاد النبی کی رسم بھی ہے۔

بعض اہلِ علم کی تحقیق کے مطابق میلاد النبی کی رسم کی ایجاد ساتویں صدی ہجری میں ہوئی۔ [1]

---

[1] اور بعض اہلِ علم نے اس کا موجد صاحبِ اربل مظفر الدین کوکبری اور ابنِ دحیہ کو قرار دیا ہے۔ البتہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی تعبیر مختلف بیان کی ہے، علاوہ ازیں ابنِ دحیہ کی محدثین نے توصیف بھی کی ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ ابنِ دحیہ کو اس رسم کا اصل موجِد قرار دینا نا مناسب ہے۔

فيها مات الملك المعظم مظفر الدين كوكبرى بن زين الدين على كوجك، ملك إربل، فى تاسع عشرى شعبان عن أربع وثمانين سنة، وكان يهتم بعمل المولد النبوى فى كل سنة اهتماماً زائداً، فتسلم إربل من بعده نواب الخليفة، وصارت مضافة إلى مملكة بغداد (السلوك لمعرفة دول الملوك، للمقريزى، سنة ثلاثين وستمائة)

صَاحِبُ إِرْبِلَ، كُوكُبُرِى بنُ عَلِيٍّ التُّرْكُمَانِيُّ السُّلْطَانُ الدِّيْنُ، المَلِك المُعَظَّمُ، مُظَفَّر الدِّيْنِ، أَبُو سَعِيْدٍ كُوكُبُرِى بن عَلِيِّ بن بكتكين بن مُحَمَّدٍ التُّرْكُمَانِيّ، صَاحِب إِرْبِل، وَابْن صَاحِبِهَا وَمُمَصِّرِهَا المَلِكِ زَيْنِ الدِّيْنِ عَلِيٍّ كُوجَكَ......وَأَبَان مُظَفَّر الدِّيْنِ عَنْ شجَاعَة يَوْم حِطِّين، وَبَيَّنَ، فَوَفَدَ أَخُوْهُ صَاحِب إِرْبِل عَلَى صَلاَح الدِّيْنِ نَجدَة، فتمرض، وَمَاتَ عَلَى عَكَّا، فَأَعْطَى السُّلْطَان مُظَفَّر الدِّيْنِ إِرْبِل وَشهرزور، وَاسْترد مِنْهُ حَرَّان وَالرُّهَا .وَكَانَ مُحِبّاً لِلصَّدقَة، لَهُ كُلّ يَوْم قناطير خُبْز يُفرِّقهَا، وَيَكسو فِي العَامِ خلقاً وَيُعْطِيهُم دِيْنَاراً وَدِيْنَارَيْنِ، وَبَنَى أَرْبَع خَوَانك لِلزَّمْنَى وَالأَضرَّاء ، وَكَانَ يَأْتِيهِم كُلّ اثْنَيْنِ وَخَمِيْس، وَيَسْأَل كُلّ وَاحِد عَنْ حَالِه، وَيتفقَّده، وَيُبَاسِطه، وَيَمزح مَعَهُ .وَبَنَى دَاراً لِلنِّسَاءِ، وَدَاراً لِلأَيتَامِ، وَدَاراً لِلُّقطَاءِ، وَرتَّبَ بِهَا المَرَاضِعَ .وَكَانَ يَدُور عَلَى مَرْضَى البيمَارستَان .وَلَهُ دَارٌ مضيف يَنْزِلهَا كُلّ وَارد، وَيُعْطَى كُلّ مَا يَنْبَغِي لَهُ .وَبَنَى مَدْرَسَةً لِلشَّافِعِيَّة وَالحَنَفِيَّة، وَكَانَ يَمدّ بِهَا السِّمَاط، وَيَحضر السَّمَاع كَثِيْراً، لَمْ يَكُنْ لَهُ لَذَّة فِي شَيْءٍ غَيْره .وَكَانَ يَمْنَع مِنْ دُخُوْل مُنْكرٍ بَلَدَهُ، وَبَنَى لِلصُّوْفِيَة رِبَاطَين، وَكَانَ يَنْزِل إِلَيْهِم لأَجل السَّمَاعَات .وَكَانَ فِي السَّنَةِ يَفْتَكُّ أَسرَى بِجُمْلَةٍ، وَيُخْرِجُ سَبِيلاً لِلْحَجِّ، وَيَبعثُ لِلمُجَاوِرِيْنَ بِخَمْسَةِ آلاَف دِيْنَارٍ، وَأَجرَى المَاء إِلَى عرفَات .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہرحال خواہ یہ رسم ساتویں صدی میں ایجاد ہوئی ہو، یا اس کے بعد، اور خواہ اس کا موجد کوئی بھی ہو، اس میں شک نہیں کہ خیر القرون کے دور میں اس کا وجود نہیں ملتا، اور اس رسم کے بدعت وناجائز ہونے میں شبہ نہیں۔

چنانچہ علامہ ابنِ حاج رحمہ اللہ اس رسم کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَمِنْ جُمْلَةِ مَا أَحْدَثُوْهُ مِنَ الْبِدَعِ مَعَ اِعْتِقَادِهِمْ أَنَّ ذٰلِکَ مِنْ أَكْبَرِ الْعِبَادَاتِ وَإِظْهَارِ الشَّعَآئِرِ مَا يَفْعَلُوْنَهُ فِيْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ مِنْ مَوْلِدٍ وَقَدْ احْتَوٰى عَلٰى بِدَعٍ وَّمُحَرَّمَاتٍ (المدخل، ج ۱، فصل فی مولد النبی والبدع المحدثة فیه)

ترجمہ: لوگوں کی ان بدعتوں اور نوایجاد باتوں میں سے جن کو وہ بڑی عبادت سمجھتے ہیں اور جن کے کرنے کو شعائرِ اسلامیہ کا اظہار کہتے ہیں، ایک مجلسِ میلاد بھی ہے جس کو وہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَأَمَّا احتفاله بالمَوْلِدِ، فَيَقْصُر التَّعْبِيْر عَنْهُ؛ كَانَ الخلق يَقصدُوْنَهُ مِنَ العِرَاقِ وَالجَزِيْرَة، وَتُنْصَب قِبَاب خَشَب لَهُ وَلأُمَرَائِهِ وَتُزَيَّن، وَفِيْهَا جوق المغَانِي وَاللّعب، وَيَنْزِل كُلّ يَوْمٍ العَصرَ، فَيَقِف عَلَى كُلّ قُبَّة وَيَتفرج، وَيَعْمَل ذَلِکَ أَيَّاماً، وَيُخْرِجُ مِنَ البَقَر وَالإِبل وَالغَنَم شَيْئاً كَثِيْراً، فَتُنحر، وَتُطْبَخ الأَلوَان، وَيَعْمَل عِدَّة خِلَع لِلصُّوْفِيَة، وَيتكلَّم الوُعَّاظ فِي المَيْدَان، فَيُنفق أَمْوَالاً جزِيْلَة .وَقَدْ جمَعَ لَهُ ابْن دِحْيَة (كِتَاب المَوْلِد)، فَأَعْطَاهُ أَلف دِيْنَار . وَكَانَ مُتَوَاضِعاً، خَيِّراً، سُنِّيّاً، يُحبّ الفُقَهَاء وَالمُحَدِّثِيْنَ، وَرُبَّمَا أَعْطَى الشُّعَرَاء ، وَمَا نُقِلَ أَنَّهُ انْهَزَم فِي حرب، وَقَدْ ذَكَرَ هَذَا وَأَمثَاله ابْنُ خلّكَان، وَاعْتَذَرَ مِنَ التَّقْصِير .مَوْلِدُهُ :فِي المُحَرَّم، سَنَةَ تِسْعٍ وَأَرْبَعِيْنَ وَخَمْس مائَةٍ، بِإِرْبِل .قَالَ ابْنُ السَّاعِي :طَالت عَلَيْهِ مُدَارَاة أَوْلاَد العَادل، فَأَخَذَ مَفَاتيح إِرْبِل وَقِلاعهَا، وَسَلَّم ذَلِکَ إِلَى المُسْتَنْصِر، فِي أَوَّلِ سَنَةِ ثَمَان وَعِشْرِيْنَ .قَالَ :فَاحتفلُوا لَهُ، وَاجْتَمَع بِالخَلِيْفَةِ، وَأَكرمَهُ، وَقلَّدهُ سَيْفَيْنِ وَرَايَاتٍ وَخِلَعاً وَسِتِّيْنَ أَلْفَ دِيْنَار .وَقَالَ سِبْطُ الجَوْزِيِّ :كَانَ مُظَفَّر الدِّيْنِ يُنفق فِي السَّنَةِ عَلَى المَوْلِد ثَلاَث مائَة أَلْف دِيْنَار، وَعَلَى الخَانُقَاه مائَتَيْ أَلفِ دِيْنَار، وَعَلَى دَار المضيف مائَة أَلْف .وَعَدَّ مِنْ هَذَا الخسف أَشيَاء (سير أعلام النبلاء للذهبی، ج ۲۲ ص ۳۳۴ تا ۳۳۷)

ابْنُ دِحْيَةَ أَبُو الخَطَّابِ عُمَرُ بنُ حَسَنٍ الكَلْبِيُّ الشَّيْخُ، العَلاَّمَةُ، المُحَدِّثُ، الرَّحَّالُ المُتَفَنِّنُ، مَجْدُ الدِّيْنِ، أَبُو الخَطَّابِ عُمَرُ بنُ حَسَنِ بنِ عَلِيِّ بنِ الجُمَيِّلِ -وَاسْمُ الجُمَيِّلِ مُحَمَّدٌ- بنِ فَرحِ بنِ خَلَفِ بنِ قُوْمِسَ بن مَزْلاَلَ بنِ مَلاَّلِ بنِ أَحْمَدَ بنِ بَدْرِ بنِ دِحْيَةَ بنِ خَلِيْفَةَ الكَلْبِيُّ، الدَّانِيُّ، ثُمَّ السَّبْتِيُّ. هَكَذَا سَاق نَسَبَه، وَمَا أَبعدَه مِنَ الصِّحَّةِ وَالاتِّصَالِ !وَكَانَ يكتب لِنَفْسِهِ :ذُو النِّسْبَتَيْنِ بَيْنَ دِحْيَةَ وَالحُسَيْنِ الخ (سير أعلام النبلاء، للذهبی، جزء ۲۲، صفحه ۳۸۹)

ماہِ ربیع الاول میں کرتے ہیں جبکہ یہ بہت سی بدعات اور محرمات پر مشتمل ہے (ترجمہ ختم)

اس رسم کے تفصیلی مفاسد اور موسیقی وغناوغیرہ منکرات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وَهٰذِهِ الْمَفَاسِدُ مُرَكَّبَةٌ عَلٰى فِعْلِ الْمَوْلِدِ إِذَا عَمِلَ بِالسِّمَاعِ فَإِنْ خَلَا مِنْهُ وَعَمِلَ طَعَامًا فَقَطْ وَنَوَى بِهِ الْمَوْلِدَ وَدَعَا إِلَيْهِ الْإِخْوَانَ وَسَلِمَ مِنْ كُلِّ مَا تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ فَهُوَ بِدْعَةٌ بِنَفْسِ نِيَّتِهٖ فَقَطْ إِذْ أَنَّ ذٰلِكَ زِيَادَةٌ فِي الدِّيْنِ وَلَيْسَ مِنْ عَمَلِ السَّلَفِ الْمَاضِيْنَ وَاتِّبَاعُ السَّلَفِ أَوْلٰى بَلْ أَوْجَبُ مِنْ أَنْ يَّزِيْدَ نِيَّةً مُخَالِفَةً لِمَا كَانُوْا عَلَيْهِ لِأَنَّهُمْ أَشَدُّ النَّاسِ اِتِّبَاعًا لِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَعْظِيْمًا لَهٗ وَلِسُنَّتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَهُمْ قَدَمُ السَّبْقِ فِي الْمُبَادَرَةِ إِلٰى ذٰلِكَ وَلَمْ يُنْقَلْ عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ أَنَّهٗ نَوَى الْمَوْلِدَ وَنَحْنُ لَهُمْ تَبَعٌ فَيَسَعُنَا مَا وَسِعَهُمْ (المدخل ج ۱، فصل فی مولد النبی والبدع المحدثة فیہ)

ترجمہ: اور اس مجلسِ میلاد پر یہ مفاسد اس صورت میں مرتب ہوتے ہیں جبکہ اس میں سماع ہو، سو اگر مجلسِ میلاد سماع سے پاک ہو اور صرف بہ نیتِ مولود کھانا تیار کرلیا ہو اور بھائیوں اور دوستوں کو کھانے کے لئے بلایا جائے اور تمام مذکورہ بالا مفاسد سے محفوظ ہو، تب بھی وہ صرف اس (میلاد) کی نیت کی وجہ سے بدعت ہے اور دین کے اندر ایک جدید چیز کا اضافہ کرنا ہے، جو سلفِ صالحین کے عمل میں نہ تھا حالانکہ اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنا اور ان کی پیروی کرنا ہی زیادہ بہتر بلکہ واجب ہے، بہ نسبت اس کے کہ اس میں کوئی ایسی نیت زیادہ کی جائے، جو اس طریقہ کے مخالف ہو، جس پر سلفِ صالحین تھے، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرنے اور سنت کی تعظیم میں زیادہ مضبوط تھے، جس کی وجہ سے ان کو اس کی طرف سبقت ہونی چاہئے تھی، اور ان میں سے کسی سے یہ مولود ثابت نہیں، اور ہم ان کے بعد آنے والے ہیں، تو ہمارے لئے بھی اسی چیز کی گنجائش ہوگی، جس کو انہوں نے اختیار کیا (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ جب میلاد کی مجلس میں سماع اور موسیقی وغناوغیرہ کے مفاسد ہوں، تب تو اس کے گناہ ہونے میں شک ہی نہیں، لیکن اگر ان گناہوں سے بچ کر صرف بنیتِ میلاد النبی مخصوص دن میں کھانا پکایا جائے، تب بھی یہ عمل بدعت کے زمرہ میں آتا ہے۔

اور شیخ امام ابوحفص تاج الدین فاکہانی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۳۴ھ) نے ''المورد فی حکم المولد'' کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

أَمَّا بَعْدُ :فَقَدْ تَكَرَّرَ سُؤَالُ جَمَاعَةٍ مِّنَ الْمُبَارَكِيْنَ عَنِ الْاِجْتِمَاعِ الَّذِیْ يَعْمَلُهُ بَعْضُ النَّاسِ فِیْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ ، وَيُسَمُّوْنَهُ :اَلْمَوْلِدَ :هَلْ لَّهُ أَصْلٌ فِی الشَّرْعِ ؟ أَوْ هُوَ بِدْعَةٌ وَحَدَثٌ فِی الدِّيْنِ ؟وَقَصَدُوا الْجَوَابَ عَنْ ذٰلِكَ مُبَيَّنًا ، وَالْإِيْضَاحَ عَنْهُ مُعَيَّنًا .

فَقُلْتُ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ :لَا أَعْلَمُ لِهٰذَا الْمَوْلِدِ أَصْلًا فِیْ كِتَابٍ وَّلَا سُنَّةٍ ، وَلَا يُنْقَلُ عَمَلُهُ عَنْ أَحَدٍ مِّنْ عُلَمَاءِ الْأُمَّةِ ، الَّذِيْنَ هُمُ الْقُدْوَةُ فِی الدِّيْنِ ، اَلْمُتَمَسِّكُوْنَ بِآثَارِ الْمُتَقَدِّمِيْنَ ، بَلْ هُوَ بِدْعَةٌ أَحْدَثَهَا الْبَطَّالُوْنَ ، وَشَهْوَةُ نَفْسٍ اِغْتَنٰى بِهَا الْأَكَّالُوْنَ ، بِدَلِيْلِ أَنَّا إِذَا أَدَرْنَا عَلَيْهِ الْأَحْكَامَ الْخَمْسَةَ قُلْنَا :إِمَّا أَنْ يَّكُوْنُ وَاجِبًا ، أَوْ مَنْدُوْبًا ، أَوْ مُبَاحًا ، أَوْ مَكْرُوْهًا ، أَوْ مُحَرَّمًا .وَهُوَ لَيْسَ بِوَاجِبٍ إِجْمَاعًا ، وَلَا مَنْدُوْبًا ؛ لِأَنَّ حَقِيْقَةَ الْمَنْدُوْبِ :مَا طَلَبَهُ الشَّرْعُ مِنْ غَيْرِ ذَمٍّ عَلٰى تَرْكِهِ، وَهٰذَا لَمْ يَأْذَنْ فِيْهِ الشَّرْعُ ، وَلَا فَعَلَهُ الصَّحَابَةُ ، وَلَا التَّابِعُوْنَ وَلَا الْعُلَمَاءُ الْمُتَدَيِّنُوْنَ ۔ فِيْمَا عَلِمْتُ ۔ وَهٰذَا جَوَابِیْ عَنْهُ بَيْنَ يَدَیِ اللّٰهِ إِنْ عَنْهُ سُئِلْتُ .

وَلَا جَائِزَ أَنْ يَّكُوْنَ مُبَاحًا ؛ لِأَنَّ الْاِبْتِدَاعَ فِی الدِّيْنِ لَيْسَ مُبَاحًا بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ .فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ مَكْرُوْهًا ، أَوْ حَرَامًا (المورد فی حکم المولد)

ترجمہ: امابعد: بہت سے مبارک لوگوں کی طرف سے اس محفل کے بارے میں بار بار

سوال کیا گیا ہے، جو بعض لوگ ربیع الاول کے مہینے میں انجام دیتے ہیں، اوراس کا نام میلاد رکھتے ہیں، کہ کیا اس کی شریعت میں کوئی بنیاد موجود ہے، یا یہ بدعت ہے، جو دنیا میں پیدا کی گئی ہے؟ اورلوگ اس کا واضح جواب اور وضاحت چاہتے ہیں۔

پس میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ اس مولود کی کوئی بنیاد، اللہ کی کتاب اور سنت میں مجھے نہیں معلوم ہوئی، اور نہ ہی یہ عمل ان علمائے امت سے منقول ہے، جن کی دین میں پیروی کی جاتی ہے، اور وہ متقدمین کی روایات سے دلیل پکڑتے ہیں، بلکہ یہ بدعت ہے، جس کو باطل لوگوں نے ایجاد کیا ہے، اور نفس کی پیروی ہے، جس کو دنیا پرست لوگوں نے گھڑا ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ جب ہم شریعت کے پانچ احکام کا اس عمل کے تناظر میں جائزہ لیتے ہیں، تو ہم کہتے ہیں کہ یا تو یہ عمل واجب ہوگا، یا مستحب ہوگا، یا جائز ہوگا، یا مکروہ ہوگا، یا حرام ہوگا، اوراس پر تو اجماع ہے کہ یہ واجب نہیں، اور نہ ہی مستحب ہے، کیونکہ مستحب عمل کی حقیقت یہ ہے کہ جس کا شریعت نے مطالبہ کیا ہو، لیکن اس کے ترک کرنے پر کوئی برائی مرتب نہ کی ہو، اور یہ عملِ مولود ایسا عمل ہے کہ جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی، اور نہ ہی صحابہ نے کیا، اور نہ ہی تابعین نے، اور نہ ہی میری معلومات کے مطابق دیندار اہلِ علم نے، اور یہ میرا جواب ہے اللہ کی طرف سے اگر مجھ سے اس کا سوال کیا جائے۔

اور یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ عمل جائز ہو، کیونکہ دین میں بدعت جائز نہیں ہوا کرتی، جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ پس اب یہی صورت باقی رہی کہ یہ عمل مکروہ یا حرام ہو (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ میلاد النبی کی رسم حرام اور کم از کم مکروہ ہے۔

اور علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَأَمَّا اِتِّخَاذُ مَوْسِمٍ غَيْرِ الْمَوَاسِمِ الشَّرْعِيَّةِ كَبَعْضِ لَيَالِي شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ الَّتِيْ يُقَالُ :إِنَّهَا لَيْلَةُ الْمَوْلِدِ أَوْ بَعْضِ لَيَالِي رَجَبٍ أَوْ ثَامِنَ عَشَرَ ذِي

الْحِجَّةِ أَوْ أَوَّلِ جُمُعَةٍ مِنْ رَجَبٍ أَوْ ثَامِنِ شَوَّالٍ الَّذِیْ یُسَمِّیهِ الْجُهَّالُ عِیْدَ الْأَبْرَارِ فَإِنَّهَا مِنَ الْبِدَعِ الَّتِیْ لَمْ یَسْتَحِبَّهَا السَّلَفُ وَلَمْ یَفْعَلُوْهَا (مجموع الفتاوی، لابن تیمیة، کِتَابُ الصِّیَامِ)

ترجمہ: اور شریعت کے مقرر کردہ موسموں (تہواروں) کے علاوہ کوئی اور موسم (تہوار) بنانا، جیسا کہ ربیع الاول کی بعض راتوں میں مولود کا عمل کرنا، یا رجب کی بعض راتوں میں، اور یا ۱۸ ذی الحجہ میں، یا رجب کے پہلے جمعہ میں، یا آٹھویں شوال میں، جس کا نام جاہلوں نے عیدالابرار رکھا ہے، تو یہ سب بدعت ہیں، جن کو سلف نے نہ تو پسند کیا، اور نہ انجام دیا (ترجمہ ختم)

اور ایک مقام پر علامہ ابنِ تیمیہ فرماتے ہیں:

وَکَذٰلِکَ مَا یُحْدِثُهُ بَعْضُ النَّاسِ ، إِمَّا مُضَاهَاةً لِلنَّصَارٰی فِیْ مِیْلَادِ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ ، وَإِمَّا مَحَبَّةً لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ، وَتَعْظِیْمًا . وَاللّٰهُ قَدْ یُثِیْبُهُمْ عَلٰی هٰذِهِ الْمَحَبَّةِ وَالْاِجْتِهَادِ ، لَا عَلَى الْبِدَعِ -مِنْ اِتِّخَاذِ مَوْلِدِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عِیْدًا .مَعَ اِخْتِلَافِ النَّاسِ فِیْ مَوْلِدِهٖ . فَإِنَّ هٰذَا لَمْ یَفْعَلْهُ السَّلَفُ ، مَعَ قِیَامِ الْمُقْتَضٰی لَهٗ وَعَدَمِ الْمَانِعِ مِنْهُ لَوْ کَانَ خَیْرًا .وَلَوْ کَانَ هٰذَا خَیْرًا مَحْضًا ، أَوْ رَاجِحًا لَکَانَ السَّلَفُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَحَقُّ بِهٖ مِنَّا ، فَإِنَّهُمْ کَانُوْا أَشَدَّ مَحَبَّةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَتَعْظِیْمًا لَّهٗ مِنَّا ، وَهُمْ عَلَى الْخَیْرِ أَحْرَصُ .

وَإِنَّمَا کَمَالُ مَحَبَّتِهٖ وَتَعْظِیْمِهٖ فِیْ مُتَابَعَتِهٖ وَطَاعَتِهٖ وَاتِّبَاعِ أَمْرِهٖ ، وَإِحْیَاءِ سُنَّتِهٖ بَاطِنًا وَظَاهِرًا ، وَنَشْرِ مَا بُعِثَ بِهٖ ، وَالْجِهَادِ عَلٰی ذٰلِکَ بِالْقَلْبِ وَالْیَدِ وَاللِّسَانِ .فَإِنَّ هٰذِهٖ طَرِیْقَةُ السَّابِقِیْنَ الْأَوَّلِیْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْأَنْصَارِ ، وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ .وَأَکْثَرُ هٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ تَجِدُهُمْ حَرَّاصًا عَلٰی أَمْثَالِ هٰذِهِ الْبِدَعِ ، مَعَ مَا لَهُمْ مِنْ حُسْنِ الْقَصْدِ ، وَالْاِجْتِهَادِ

الَّذِيْنَ يُرْجٰى لَهُمْ بِهِمَا الْمَثُوبَةُ ، تَجِدُهُمْ فَاتِرِيْنَ فِيْ أَمْرِ الرَّسُوْلِ ، عَمَّا أُمِرُوْا بِالنَّشَاطِ فِيْهِ (اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم، ج۲ ص ۱۲۳، ۱۲۴، دار عالم الكتب، بيروت، لبنان)

ترجمہ: اور اسی طریقہ سے وہ رسم جس کو بعض لوگوں نے ایجاد کیا ہے، یا تو نصاریٰ کے عیسیٰ علیہ السلام کی میلاد کے مقابلہ میں، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور تعظیم کی وجہ سے، اور اللہ تعالیٰ ان کو اس محبت اور کوشش پر ثواب عطا فرماتے، لیکن بدعت پر ثواب عطا نہیں فرمایا کرتے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عید میلاد منانے کی صورت میں ہے، جبکہ لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش (کی تاریخ) میں اختلاف بھی ہے، کیونکہ اس کو سلف نے انجام نہیں دیا، باوجودیکہ اس وقت بھی اس کی ضرورت تھی، اور کوئی رکاوٹ نہیں تھی، اگر اس میں کوئی خیر ہوتی، اور اگر یہ عمل خالص خیر ہوتا، یا اس میں خیر راجح ہوتی، تو سلف ہمارے مقابلہ میں اس کو انجام دینے کے زیادہ حقدار تھے، کیونکہ وہ ہمارے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت زیادہ رکھتے تھے، اور ہمارے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تعظیم کیا کرتے تھے، اور خیر کے کاموں پر زیادہ حریص تھے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور تعظیم تو کامل طریقہ پر آپ کی اتباع اور اطاعت اور آپ کے احکام کی پیروی کرنے اور آپ کی سنتوں کو ظاہری اور باطنی طور پر زندہ کرنے اور آپ کے لائے ہوئے احکام کی تبلیغ کرنے میں، اور ان پر دل اور ہاتھ اور زبان سے کوشش کرنے میں ہے، پس یہی سابقین اولین، مہاجرین اور انصار اور ان کی اچھے طریقے پر اتباع کرنے والوں کا طریقہ ہے، اوپر سے یہ رسم انجام دینے والوں کی نیت بھی درست نہیں ہوتی، اور طریقۂ کار بھی ایسا نہیں ہوتا، جس پر ثواب کی امید کی جائے، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں تو سستی کرتے ہیں، اور اس رسم کو خوب کوشش کے ساتھ انجام دیتے ہیں (ترجمہ ختم)

اورسعودی عرب کے مشہور مفتی ابن باز صاحب اپنے ایک تفصیلی مضمون میں فرماتے ہیں:

لَا رَيْبَ أَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى شَرَعَ لِلْمُسْلِمِيْنَ عِيْدَيْنِ يَجْتَمِعُوْنَ فِيْهِمَا لِلذِّكْرِ وَالصَّلَاةِ ، وَهُمَا :عِيْدُ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى بَدَلًا مِنْ أَعْيَادِ الْجَاهِلِيَّةِ، وَشَرَعَ أَعْيَادًا تَشْتَمِلُ عَلٰى أَنْوَاعٍ مِنَ الذِّكْرِ وَالْعِبَادَةِ كَيَوْمِ الْجُمُعَةِ وَيَوْمِ عَرَفَةَ وَأَيَّامِ التَّشْرِيْقِ ، وَلَمْ يَشْرَعْ لَنَا سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى عِيْدًا لِلْمِيْلَادِ لَا مِيْلَادَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا غَيْرَهُ ، بَلْ قَدْ دَلَّتِ الْأَدِلَّةُ الشَّرْعِيَّةُ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ عَلٰى أَنَّ الْاِحْتِفَالَ بِالْمَوَالِدِ مِنَ الْبِدَعِ الْمُحْدَثَةِ فِي الدِّيْنِ وَمِنَ التَّشَبُّهِ بِأَعْدَاءِ اللّٰهِ مِنَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَغَيْرِهِمْ ، فَالْوَاجِبُ عَلٰى أَهْلِ الْإِسْلَامِ تَرْكُ ذٰلِكَ وَالْحَذْرُ مِنْهُ ، وَإِنْكَارُهُ عَلٰى مَنْ فَعَلَهُ (مجموع فتاوى و مقالات ابن باز، ج۲ ص ۲۸۰، حکم الاحتفال بالموالد)

ترجمہ: یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے جاہلیت کے تہواروں کے بدلے میں دوعیدیں مقرر فرمائی ہیں، جن میں مسلمان ذکر ودعا کے لئے جمع ہوتے ہیں، اور وہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ ہیں، اوراس کے علاوہ چند خوشی کے دن بھی مقرر کئے گئے ہیں، جومختلف قسم کے ذکراورعبادت پر مشتمل ہیں، جیسے کہ جمعہ کا دن اورعرفہ کا دن، اور ایامِ تشریق ،اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہمارے لئے میلاد کی عید کومقرر نہیں کیا، نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ،اورنہ کسی اورکی میلاد کی عید کو، بلکہ کتاب وسنت کے شرعی دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ میلاد کی مجلسیں دین میں پیدا کردہ بدعتوں میں سے ہیں، اور یہود ونصاریٰ وغیرہ جواللہ کے دشمن ہیں، ان کے ساتھ مشابہت میں داخل ہیں، پس مسلمانوں پر اس کا ترک کرنااوراس سے بچنا، اوراس کے کرنے والے پرنکیر کرناواجب ہے(ترجمہ ختم)

سعودی عرب کے مذکورہ مفتی صاحب نے اپنے مضمون میں اس رسم کا مدلّل ومفصّل انداز میں رد

فرمایا ہے۔ ؎

؎ چنانچہ آگے فرماتے ہیں:

وعدم نشر أو بث ما يشجع على ذلك أو يوهم إباحته في الإذاعة أو الصحافة أو التلفاز لقول النبي صلى الله عليه وسلم في الحديث الصحيح :من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد متفق عليه ، وقوله صلى الله عليه وسلم من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد أخرجه مسلم في صحيحه وعلقه البخاري جازما به ، وفي صحيح مسلم عن جابر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يقول في خطبة الجمعة : أما بعد فإن خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة والأحاديث في هذا المعنى كثيرة ، وفي مسند أحمد بإسناد جيد عن ابن عمر رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال :من تشبه بقوم فهو منهم وفي الصحيحين عن أبي سعيد رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال :لتتبعن سنن من كان قبلكم حذو القذة بالقذة وفي لفظ شبرا بشبر وذراعا بذراع حتى لو دخلوا جحر ضب لدخلتموه قالوا يا رسول الله اليهود والنصارى؟ قال فمن وفي هذا المعنى أحاديث أخرى كلها تدل على وجوب الحذر من مشابهة أعداء الله في أعيادهم وغيرها ، وأشرف الخلق وأفضلهم نبينا محمد صلى الله عليه وسلم لم يحتفل بمولده في حياته ، ولم يحتفل به أصحابه بعده رضي الله عنهم ولا التابعون لهم بإحسان في القرون الثلاثة المفضلة ، ولو كان الاحتفال بمولده صلى الله عليه وسلم أو مولد غيره خيرا لسبقنا إليه أولئك الأخيار ، ولعلمه النبي صلى الله عليه وسلم أمته وحثهم عليه أو فعله بنفسه ، فلما لم يقع شيء من ذلك علمنا أن الاحتفال بالموالد من البدع المحدثة في الدين التي يجب تركها والحذر منها امتثالا لأمر الله سبحانه وأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم .وذكر بعض أهل العلم أن أول من أحدث الاحتفال بالموالد هم الشيعة الفاطميون في المائة الرابعة ، ثم تبعهم بعض المنتسبين إلى السنة في هذه البدعة جهلا وتقليدا لهم ولليهود والنصارى ، ثم انتشرت هذه البدعة في الناس ، والواجب على علماء المسلمين بيان حكم الله في هذه البدع وإنكارها والتحذير منها ، لما يترتب على وجودها من الفساد الكبير وانتشار البدع واختفاء السنن ، ولما في ذلك من التشبه بأعداء الله من اليهود والنصارى وغيرهم من أصناف الكفرة الذين يعتادون مثل هذه الاحتفالات ، وقد كتب أهل العلم في ذلك قديما وحديثا ، وبينوا حكم الله في هذه البدع فجزاهم الله خيرا ، وجعلنا من أتباعهم بإحسان .وهذه الكلمة الموجزة أردنا بها التنبيه للقراء على هذه البدعة ليكونوا على بينة ، وقد كتبت في ذلك كتابة مطولة نشرت في الصحف المحلية وغيرها غير مرة ، ولا ريب أن الواجب على المسئولين في حكومتنا وفي وزارة الإعلام بوجه أخص وعلى جميع المسئولين في الدول الإسلامية منع نشر هذه البدع والدعوة إليها أو نشر ما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

یہ محفل چونکہ زمانۂ فخرِ عالم علیہ السلام میں اور زمانۂ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور زمانۂ تابعین اور تبع تابعین اور زمانۂ مجتہدین علیہم الرحمۃ میں نہیں ہوئی، اس کا ایجاد بعد چھ سوسال کے ایک بادشاہ نے کیا اس کو اکثر اہلِ تاریخ فاسق لکھتے ہیں۔ لہٰذا یہ مجلس بدعتِ ضلالہ ہے، اس کے عدمِ جواز میں صاحبِ مدخل وغیرہ علماء پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور اب بھی بہت رسائل، فتاویٰ طبع ہو چکے ہیں زیادہ دلیل کی حاجت نہیں۔ عدمِ جواز (یعنی ناجائز ہونے) کے واسطے یہ دلیل بس ہے کہ کسی نے قرونِ خیر میں اس کو نہیں کیا۔ زیادہ مفاسد اس کے دیکھنے ہوں تو مطوّلات فتاویٰ کو دیکھ لیں (فتاویٰ رشیدیہ مبوب بطرزِ جدید صفحہ ۲۵۴، کتاب البدعات، دارالاشاعت کراچی)

نیز تحریر فرماتے ہیں:

مجلس مولودِ مروّجہ بدعت ہے اور بسبب خلطِ امورِ مکروہہ کے (یعنی مکروہ چیزوں کے اس کے ساتھ پائے جانے کی وجہ سے) مکروہ تحریمہ ہے اور قیام بھی بوجہ خصوصیت کے بدعت ہے اور امرد (بے ریش) لڑکوں کا پڑھنا راگ میں بسبب اندیشۂ ہیجانِ فتنہ کے مکروہ ہے اور فاتحہ مروّجہ بھی بدعت ہے۔ معہٰذا مشابہ بفعلِ ہنود ہے اور تشبہ غیر قوم کے ساتھ منع ہے (فتاویٰ رشیدیہ مبوب بطرزِ جدید صفحہ ۲۵۵، کتاب البدعات، دارالاشاعت کراچی)

اور حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی سید احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يوهم الناس إباحتها أداء لواجب النصح لله ولعباده ، وقياما بما أوجب الله من إنكار المنكر ، ومساهمة فى إصلاح أوضاع المسلمين وتطهيرها مما يخالف الشرع المطهر ، والله المسئول بأسمائه الحسنى وصفاته العلى أن يصلح أحوال المسلمين ، وأن يوفقهم للتمسك بكتابه وسنة نبيه عليه الصلاة والسلام ، والحذر من كل ما يخالفهما ، وأن يصلح قادتهم ويوفقهم لتحكيم شريعة الله فى عباده ومحاربة ما خالفها إنه ولى ذلك والقادر عليه .وصلى الله وسلم على نبينا محمد وآله وصحبه (مجموع فتاوى و مقالات ابن باز، ج۲ ص ۲۸۰ تا ۲۸۲، حكم الاحتفال بالموالد)

''بنظر انصاف دیکھو کہ اگر بالفرض حضور اس زمانہ میں موجود ہوتے اور دنیا میں زندہ ہوتے اور یہ مجالس واجتماع منعقد ہوتے تو کیا اس سے راضی ہوتے اور اس اجتماع کو پسند کرتے یا نہ۔ فقیر کا یقین یہ ہے کہ آپ ہرگز اس بات کو منظور نہ فرماتے بلکہ انکار ہی فرماتے ،فقیر کا مقصد تو صرف اطلاع دہی ہے قبول کریں یا نہ کریں کوئی حرج نہیں اور جنگ کی کوئی ضرورت نہیں اگر وہاں کے مخدوم زادے اور احباب اسی وضع پر ثابت قدم رہنا چاہیں تو ہم فقیروں کو ان کی صحبت سے بجز محرومی کے کوئی چارہ نہیں فقط، زیادہ کیا تکلیف دی جائے'' (بحوالہ فتاویٰ رشیدیہ مبوب بطرزِ جدید صفحہ ۲۶۳، کتاب البدعات، دارالاشاعت کراچی)

(۲)......۱۲/ربیع الاوّل کے دن کو عید قرار دینا

اس میلاد کی رسم میں ایک جونئی بات سامنے آئی ہے وہ ۱۲ ربیع الاول کے دن کو عید بلکہ عیدِ اکبر قرار دینے کی ہے شرعی اور اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے عید کے دنوں کی اسلام نے خود نہ صرف تعیین کردی ہے، بلکہ اس سے متعلق تمام تر تفصیلی احکام بھی بتلا دیئے ہیں، جس کے بعد کسی مسلمان کو نہ تو اس تعیین کے اندر تغیر اور تبدیلی کا حق حاصل ہے اور نہ ہی اس کے احکام میں کمی زیادتی کرنے کی گنجائش باقی ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَدِیْنَۃَ وَلَھُمْ یَوْمَانِ یَلْعَبُوْنَ فِیْھِمَا فَقَالَ مَاھٰذَانِ الْیَوْمَانِ؟ قَالُوْا کُنَّا نَلْعَبُ فِیْھِمَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَبْدَلَکُمْ بِھِمَا خَیْرًا مِّنْھُمَا یَوْمَ الْاَضْحٰی وَیَوْمَ الْفِطْرِ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو

---

[1] حدیث نمبر ۱۱۳۴، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ العیدین، المکتبۃ العصریۃ، صیدا -بیروت، واللفظ لہٗ، نسائی، مسند احمد.

مدینے کے لوگ (جن میں بہت سے لوگ پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکے تھے) دو تہوار منایا کرتے تھے اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ: یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی کیا حقیقت اور حیثیت ہے؟ (یعنی تمہارے ان تہواروں کی کیا اصلیت اور تاریخ ہے؟) انھوں نے عرض کیا کہ: ہم جاہلیت میں (اسلام سے پہلے) یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے (بس وہی رواج اب تک چل رہا ہے) تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں اِن دو تہواروں کے بدلے میں اِن سے بہتر دو دن عطا فرما دیئے ہیں (اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) ایک عید الاضحیٰ کا دن، دوسرا عید الفطر کا دن (ترجمہ ختم)

وہ دو دن جن میں مدینہ کے لوگ کھیل کود کیا کرتے تھے ان کے نام ''نیروز'' اور ''مہرجان'' تھے چنانچہ اسلام نے پورے سال میں اُمَّتِ مسلمہ کے لئے عید کے یہ دو دن مقرر کئے ہیں، ایک عید الاضحیٰ کا دن اور دوسرے عید الفطر کا دن۔

عید کا دن مسلمانوں کے لئے عیسائیوں، یہودیوں یا دوسری قوموں کے تہواروں کی طرح کا صرف ایک تہوار نہیں، بلکہ یہ دن مسلمانوں کی عبادت کا دن بھی ہے اور خوشی کا دن بھی، ان خوشیوں کا افتتاح ایک خاص شان کی عبادت عید کی نماز سے کیا جاتا ہے جسے تمام مسلمان مل کر اپنے رب کے سامنے ایک ساتھ ادا کرتے ہیں۔

اپنے اصطلاحی مفہوم کے لحاظ سے اسلام میں عید کے یہی دو موقع ہیں، اور اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے اس میں کمی زیادتی کی اجازت نہیں۔

جو لوگ ۱۲/ربیع الاول کو بھی عید قرار دیتے اور مناتے ہیں اور انہوں نے اس دن کا نام ہی عید میلاد النبی کے نام سے تجویز کر لیا ہے، بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک غلو سے کام لیا ہے کہ اس دن کو اسلام کی پہلی اور بعض نے بڑی عید قرار دے دیا ہے اور اس میں مختلف رسمیں اور نئے نئے غیر اسلامی طور طریقے اختیار کر لئے ہیں۔

اس کی اسلامی مزاج سے کسی طرح بھی مطابقت نہیں، کیونکہ یہ دو دن (عید الفطر و عید الاضحیٰ) باطل

طریقوں کے بدلے میں دیئے گئے ہیں۔ [1]

یہی وجہ ہے کہ اپنے اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے اصل اسلامی وشرعی عید اور اس ''عید میلاد النبی'' میں کئی اعتبار سے واضح فرق نظر آتا ہے، چنانچہ:

(۱)......عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن اللہ پاک کی مہمانی کے دن ہیں۔ اسی وجہ سے ان دنوں میں روزہ رکھنا حرام اور کھانا پینا عبادت ہے۔ جبکہ ۱۲/ربیع الاول یا ربیع الاول کی کسی تاریخ میں بھی روزہ رکھنا منع نہیں۔

(۲)......عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دنوں میں شریعت نے دو رکعت باجماعت خاص طریقے پر ادا کرنے کو نہ صرف واجب قرار دیا ہے، بلکہ اس کو دوسری عام نمازوں سے کئی چیزوں میں امتیازی حیثیت دی ہے، مثلاً: بغیر اذان واقامت کے باجماعت ادائیگی۔ چھ زائد تکبیرات کا اضافہ۔ آبادی اور مسجد کے بجائے آبادی سے باہر اور کھلی جگہ میں اس نماز کی ادائیگی کا افضل ہونا۔ جبکہ ۱۲/ربیع الاول کے حوالے سے اس طرح کی باجماعت نماز کا واجب بلکہ سنت ومستحب ہونا بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر کوئی ایسا کرے تو اس کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہ ہوگا۔

---

[1] قد أبدلكم الله تعالى بهما خيرا منهما يوم الفطر والأضحى واستنبط منه كراهة الفرح فى أعياد المشركين والتشبه بهم وبالغ الشيخ أبو حفص الكبير النسفى من الحنفية فقال من أهدى فيه بيضة إلى مشرك تعظيما لليوم فقد كفر بالله تعالى(فتح البارى -لابن حجر،،باب الحراب والدرق يوم العيد)

(قدمت المدينة ولأهل المدينة يومان يلعبون فيهما فى الجاهلية) هما يوم النيروزوالمهرجان (وإن الله تعالى قد أبدلكم بهما خيرا منهما يوم الفطر ويوم النحر) قال الطيبى :وهذا نهى عن اللعب والسرور فيهما وفيه نهاية من اللطف وأمر بالعبادة وأن السرور الحقيقى فيهما *(قل بفضل الله وبرحمته فبذلك فليفرحوا) * قال مخرجه البيهقى :زاد الحسن فيه أما يوم الفطر فصلاة وصدقة وأما يوم الأضحى فصلاة ونسك قال المظهر :وفيه دليل على أن تعظيم يوم النيروز والمهرجان ونحوهما منهى عنه وقال أبو حفص الحنفى :من أهدى فيه بيضة لمشرك تعظيما لليوم كفر وكان السلف يكثرون فيه الاعتكاف بالمسجد وكان علقمة يقول اللهم إن هؤلاء اعتكفوا على كفرهم ونحن على إيماننا فاغفر لنا وقال المجد ابن تيمية :الحديث يفيد حرمة التشبه بهم فى أعيادهم لأنه لم يقرهما على العيدين الجاهليين ولا تركهم يلعبون فيهما على العادة وقال أبدلكم والإبدال يقتضى ترك المبدل منه إذ لا يجتمع بين البدل أو المبدل منه ولهذا لا تستعمل هذه العبارة إلا فى ترك اجتماعهما(فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوى، تحت حديث رقم ٦١٠٦)

(۳)......عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے مسنون اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی سیرت سے ثابت ہیں جن کی روشنی میں فقہائے کرام اور محدثینِ عظام نے اپنے اپنے موقعوں پر تفصیل تحریر فرمادی ہے۔ جبکہ ۱۲/ربیع الاول کے حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی سیرت کی روشنی میں مندرجہ بالا تفصیلات ثابت نہیں کی جاسکتیں۔

(۴)......اللہ تعالیٰ کی جانب سے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا حکم آنے کے بعد زندگی میں ایک مرتبہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام بلکہ چودہ سو سال کے اسلافِ امت اور اکابر نے اللہ کے اس حکم کی خلاف ورزی نہیں کی اور اس پر زندگی بھر مسلسل عمل کرتے رہے۔ جبکہ ۱۲/ربیع الاول کو اس تسلسل کے ساتھ عید ہونا ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> بات یہ ہے کہ لوگوں نے مولود شریف (یعنی میلاد) تو اپنی طرف سے مُختـرَع کیا (یعنی گھڑ لیا) اور غضب یہ کیا کہ اس کا نام ''عید اکبر'' رکھا۔
>
> غضب کی بات ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے دو عیدیں دی ہیں اور انہوں نے تیسری اور ایجاد کردی، اچھا خاصا معارضہ (مقابلہ) ہوگیا جنابِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے (خطباتِ حکیم الامت ج۴ص۴۱۶، وعظ ''الوقت'')

(۳)......آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا صدمہ یا جشنِ میلاد

یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ ربیع الاول کا مہینہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہی کا مہینہ نہیں ہے بلکہ آپ کی وفات کا بھی مہینہ ہے اور ایک مسلمان کو آپ کی وفات کے مہینے میں اس طرح کا جشن منانا کسی طرح زیب نہیں دیتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا صحابہ پر کیا اثر ہوا؟ اس کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

شَهِدْتُ الْيَوْمَ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ أَرَ يَوْمًا كَانَ أَقْبَحَ مِنْهُ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: میں نے اس دن کا مشاہدہ کیا ہے، جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، میں نے کوئی دن اس سے زیادہ قبیح تر (غمگین) نہیں دیکھا (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِیْ مَاتَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَظْلَمَ مِنَ الْمَدِينَةِ كُلُّ شَیْءٍ (مستدرک حاکم) [2]

ترجمہ: جب وہ دن تھا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، تو مدینے کی ہر چیز (غم کے) اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں:

لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِیْ دَخَلَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَیْءٍ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِیْ مَاتَ فِيْهِ أَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَیْءٍ وَلَمَّا نَفَضْنَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَيْدِیَ وَإِنَّا لَفِیْ دَفْنِهٖ حَتّٰى أَنْكَرْنَا قُلُوْبَنَا (ترمذی) [3]

---

[1] حدیث نمبر ۴۳۹۰،کتاب المغازی والسرایا،دار الکتب العلمية -بیروت، واللفظ لهٗ، دلائل النبوة للبیهقی حدیث نمبر ۳۲۴۵.
قال الحاکم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "
وقال الذهبی فی التلخيص :علی شرط مسلم.

[2] حدیث نمبر ۴۳۸۹،کتاب المغازی والسرایا،دار الکتب العلمية -بیروت.
قال الحاکم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "
وقال الذهبی فی التلخيص :علی شرط مسلم.

[3] حدیث نمبر ۳۶۱۸،کتاب المناقب، باب فی فضل النبی صلی الله علیه وسلم ،شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی -مصر، واللفظ لهٗ، سنن ابنِ ماجة،حدیث نمبر ۱۶۳۱، مسند احمد حدیث نمبر ۱۳۸۳۰، صحیح ابن حبان حدیث نمبر ۶۶۳۴،دارمی حدیث نمبر ۸۹.
قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ.
إسناده قوی علی شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير جعفر ابن سليمان -وهو الضُّبَعی- فمن رجال مسلم(حاشية مسند احمد)

ترجمہ: جب وہ دن تھا جس دن کہ مدینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے، تو ہر چیز روشن ہوگئی تھی، پھر جب وہ دن آیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ہر چیز (غم کے) اندھیرے میں ڈوب گئی، اور جب ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ہاتھ جھاڑ لئے، جبکہ ہم ابھی دفن کے موقع پر ہی تھے، تو ہم نے اپنے دلوں کی کیفیات بدلی ہوئی پائیں (ترجمہ ختم)

انکار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے دلوں کی حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے بدل گئی، اور غم کے اندھیرے ہم پر طاری ہوگئے۔ [1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے جانگداز حادثہ سے ایک لمبے عرصہ تک متاثر رہے۔

چنانچہ حضرت حسان بن مخارق فرماتے ہیں:

قَامَ اَبُوْ بَكْرٍ عَلَى الْمِنْبَرِ بَعْدَ وَفَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ إِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَبَكٰى حَتّٰى

---

[1] وفى رواية الدارمى أى عن أنس قال ما رأيت يوما قط كان أحسن أى أزهر فى الخاطر ولا أضوأ أى فى نور الظاهر من يوم دخل علينا فيه رسول الله أى فإنه كان يوم الوصال للمشتاقين إلى ذلك الجمال وما رأيت يوما أقبح أى أسوأ أو أحزن فى القلب ولا أظلم أى فى عين القالب من يوم مات فيه رسول الله لأنه كان يوم الفراق على العشاق وفى رواية الترمذى قال أى أنس لما كان اليوم الذى دخل فيه رسول الله المدينة أضاء منها أى أشرق من المدينة كل شىء بالرفع فإن أضاء لازم وقد يتعدى ومن بيان تقدمت قال الطيبى الضمير راجع إلى المدينة وهذا يدل على أن الإضاء ة كانت محسوسة فلما كان اليوم الذى مات فيه أظلم منها كل شىء فإن نوره شمس العالم الصورى والمعنوى وتخصيص المدينة لكونها أقرب ولنسبة رؤية الراوى أنسب وما نفضنا أيدينا عن التراب من النفض وهو تحريك الشىء ليزول ما عليه من التراب والغبار ونحوهما وإنا لفى دفنه أى مشغولون بعد جملة حالية حتى أنكرنا قلوبنا أى تغيرت حالنا بوفاة رسول الله وظهور أنواع الظلمة علينا ولم نجد قلوبنا على ما كانت عليه من أنوار الصفا والرقة والألفة فيما بيننا لانقطاع مادة الوحى وفقدان بركة صحبته وأثر إكسير حضور حضرته قال التوربشتى يريد أنهم لم يجدوا قلوبهم على ما كانت عليه من الصفا والألفة لانقطاع مادة الوحى وفقدان ما كان يمدهم من رسول الله من التأييد والتعليم ولم يرد أنهم لم يجدوها على ما كانت من التصديق (مرقاة، كتاب الفضائل والشمائل، باب فى بيان هجرة أصحابه من مكة وبيان وفاته)

اِبْتَلَّتْ لِحْيَتَهٗ (مسند أبی بكر الصديق لابی بكراحمد بن علی بن سعيد الأموی المروزی ،حديث نمبر ۱۳۴)

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد منبر پر کھڑے ہوئے، اور فرمایا کہ اے لوگوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سنا ہے، اور یہ فرما کر حضرت ابوبکر رونے لگے، یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک (آنسوؤں سے) تَر ہوگئی (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

قَامَ أَبُوْ بَكْرٍ عَلَى الْمِنبَرِ فَقَالَ :قَدْ عَلِمْتُمْ مَا قَامَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْأَوَّلِ، ثُمَّ بَكٰى، ثُمَّ أَعَادَهَا، ثُمَّ بَكٰى، ثُمَّ أَعَادَهَا، ثُمَّ بَكٰى، قَالَ :إِنَّ النَّاسَ لَمْ يُعْطُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا شَيْئًا أَفْضَلَ مِنَ الْعَفْوِ وَالْعَافِيَةِ، فَسَلُوْهُمَا اللّٰهَ (مسند أبی يعلى الموصلی) [1]

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے، پھر فرمایا کہ کیا تمہیں اس جگہ کا علم ہے، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سال کھڑے ہوئے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے، پھر یہی الفاظ دہرائے، پھر رونے لگے، پھر یہی الفاظ دہرائے، پھر رونے لگے، پھر فرمایا کہ بے شک لوگوں کو اس دنیا میں کوئی چیز درگزر اور عافیت سے زیادہ بہتر عطا نہیں کی گئی، تو تم ان دونوں کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرو (ترجمہ ختم)

اور ابنِ سعد نے امام واقدی کے حوالہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جو اشعار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر نقل فرمائے ہیں، ان میں سے ایک شعر یہ ہے:

لَيْتَ الْقِيَامَةُ قَامَتْ بَعْدَ مَهْلَكِهٖ وَلَا نَرٰى بَعْدَهٗ مَالًا وَّلَا وَلَدًا!

(الطبقات الكبرى،لابن سعد،ذكر من رثى النبی صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قیامت قائم ہوگئی ہوتی، ہم

---

[1] ج ۱ ص ۷۵،حديث نمبر ۷۴،دار المأمون للتراث -دمشق.
قال المحشی حسين سليم أسد فی الحاشية :إسناده حسن.

نے آپ کے بعد نہ کسی مال کو خاطر میں لائے، نہ اولاد کو (ترجمہ ختم)

اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ رِجَالًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَزِنُوا عَلَيْهِ ، حَتّٰى كَادَ بَعْضُهُمْ يُوَسْوِسُ ، قَالَ عُثْمَانُ :وَكُنْتُ مِنْهُمْ ، فَبَيْنَا أَنَا جَالِسٌ فِيْ ظِلِّ أُطُمٍ مِنَ الْآطَامِ مَرَّ عَلَيَّ عُمَرُ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، فَسَلَّمَ عَلَيَّ ، فَلَمْ أَشْعُرْ أَنَّهُ مَرَّ وَلَا سَلَّمَ ، فَانْطَلَقَ عُمَرُ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى أَبِيْ بَكْرٍ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، فَقَالَ لَهُ :مَا يُعْجِبُكَ أَنِّيْ مَرَرْتُ عَلٰى عُثْمَانَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ ؟ وَأَقْبَلَ هُوَ وَأَبُوْ بَكْرٍ فِيْ وِلَايَةِ أَبِيْ بَكْرٍ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، حَتّٰى سَلَّمَا عَلَيَّ جَمِيْعًا ، ثُمَّ قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ :جَاءَنِيْ أَخُوْكَ عُمَرُ ، فَذَكَرَ أَنَّهُ مَرَّ عَلَيْكَ ، فَسَلَّمَ فَلَمْ تَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ ، فَمَا الَّذِيْ حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ ؟ قَالَ :قُلْتُ :مَا فَعَلْتُ ، فَقَالَ عُمَرُ :بَلٰى وَاللّٰهِ لَقَدْ فَعَلْتَ ، وَلٰكِنَّهَا عُبِّيَّتُكُمْ يَا بَنِيْ أُمَيَّةَ ، قَالَ :قُلْتُ :وَاللّٰهِ مَا شَعَرْتُ أَنَّكَ مَرَرْتَ بِيْ ، وَلَا سَلَّمْتَ (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بہت سے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر بہت غمگین ہوئے، یہاں تک کہ بعضوں کو مختلف وسوسے آنے لگے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی انہیں لوگوں میں سے تھا، میں ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا، میرے قریب سے عمر رضی اللہ عنہ گزرے، انہوں نے مجھے سلام کیا، تو مجھے ان کے گزرنے اور سلام کرنے کا پتہ نہیں چلا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، اور ان سے جا کر کہا کہ آپ کو یہ بات تعجب خیز

---

[1] حديث نمبر ۲۰، مؤسسة الرسالة، بيروت.

المرفوع منه صحيح بشواهده ، رجاله ثقات رجال الشيخين غير الرجل الذى روى عنه الزهرى ، ووصف الزهرى له بأنه من أهل الفقه (حاشية مسند احمد حديث نمبر ۲۰)

محسوس ہوگی، کہ میں عثمان کے قریب سے گزرا، اور میں نے انہیں سلام کیا، مگر انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور تھا، حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما میرے پاس آئے، اور ان دونوں نے مجھ کو سلام کیا، پھر حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ آپ کے بھائی عمر میرے پاس آئے ہیں، اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ وہ آپ کے پاس سے گزرے، اور سلام کیا، اور آپ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں نے ایسا نہیں کیا، حضرت عمر نے فرمایا کہ اللہ کی قسم آپ نے ایسا کیا ہے، لیکن یہ تمہارا حصہ ہے اے بنوامیہ (یعنی تمہیں میرے آنے اور سلام کرنے کا پتہ نہیں چلا) حضرت عثمان نے فرمایا کہ اللہ کی قسم مجھے آپ کے قریب سے گزرنے اور سلام کرنے کا پتہ نہیں چلا (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ خمیصہ بن ابان حدانی کے بارے میں فرماتے ہیں:

أَنَّـهُ قَـدِمَ مِـنَ الْـمَـدِيْنَةِ إِلٰى عَمَّانَ بِوَفَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنعَاهُ وَقَالَ لَهُمْ تَرَكْتُ النَّاسَ بِالْمَدِيْنَةِ يَغْلُوْنَ غِلْيَانَ الْقِدْرِ (الاصابة) [1]

ترجمہ: وہ مدینہ سے عمان آئے، تو لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دی اور کہا کہ میں مدینہ کے لوگوں کو ایسے حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ ان کے سینے (غم کی وجہ سے) دیگچی کی طرح اُبال کھا رہے ہیں (ترجمہ ختم)

اور ابنِ سعد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے متعلق حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے جو اشعار نقل فرمائے ہیں، ان میں سے چند اشعار یہ ہیں:

مَـا بَـالُ عَيْـنِكَ لَا تَنَـامُ ! كَـأَنَّمَا كُـحِلَـتْ مَـآقِيُهَـا بِكُحْلِ الْأَرْمَدِ؟

جَـزَعًـا عَـلَـى الْـمَهْـدِيِّ أَصْبَحَ ثَاوِيًا يَـا خَيْـرَ مَـنْ وَطِـىءَ الْحِصٰى لَا تَبْعَدِ

يَـا وَيْـحَ أَنْـصَـارِ الـنَّبِـيِّ وَرَهْـطِـهٖ بَـعْـدَ الْـمُـغِـيْـبِ فِـيْ سَوَاءِ الْمَلْحَدِ

---

[1] باب الخاء بعدها الميم،تذكره خميصة بن أبان الحدانى ،رقم الترجمة ۲۲۹۴ .

جَنْبِیْ یُقِیْکَ التُّرْبُ لَهَفِیْ لَیْتَنِیْ كُنْتُ الْمُغِیْبَ فِی الضَّرِیْحِ الْمَلْحَدِ !

یَا بِكْرَ آمِنَةِ الْمُبَارَكِ ذِكْرُهُ وَلَدَتْهُ مُحْصِنَةً بِسَعْدِ الْأَسْعَدِ

نُوْرًا أَضَاءَ عَلَی الْبَرِیَّةِ كُلِّهَا مَنْ یَّهْدِ لِلنُّوْرِ الْمُبَارَكِ یَهْتَدِ !

اَأُقِیْمُ بَعْدَكَ بِالْمَدِیْنَةِ بَیْنَهُمْ یَالَهْفَ نَفْسِیْ لَیْتَنِیْ لَمْ اُوْلَدِ

بِأَبِیْ وَأُمِّیْ مَنْ شَهِدَتْ وَفَاتُهُ فِیْ یَوْمِ الْإِثْنَیْنِ النَّبِیَّ الْمُهْتَدِی !

فَظَلَلْتُ بَعْدَ وَفَاتِهِ مُتَلَدِّدًا یَالَیْتَنِیْ صَبِحْتُ سَمَّ الْاَسْوَدِ

اَوْحَلَّ اَمْرُاللهِ فِیْنَا عَاجِلًا فِیْ رَوْحَةٍ مِنْ یَوْمِنَا اَوْمِنْ غَدِ

فَتَقُوْمُ سَاعَتُنَا فَنَلْقٰی سَیِّدًا مَحْضًا ضَرَائِبُهُ كَرِیْمَ الْمُحْتِدِ

یَا رَبِّ !فَاجْمَعْنَا مَعًا وَنَبِیَّنَا فِیْ جَنَّةٍ تُفْقِیْ عُیُوْنَ الْحُسَّدِ

فِیْ جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ وَاكْتُبْهَا لَنَا یَا ذَا الْجَلَالِ وَذَا الْعُلَا وَالسُّوْدَدِ !

وَاللّٰهُ أَسْمَعُ مَا حَیِیْتُ بِهَالِكٍ إِلَّا بَكَیْتُ عَلَی النَّبِیِّ مُحَمَّدِ

ضَاقَتْ بِالْأَنْصَارِ الْبِلَادُفَأَصْبَحُوْا سُوْدًا وُجُوْهُهُمْ كَلَوْنِ الْإِثْمَدِ

وَلَقَدْ وَلَدْنَاهُ وَفِیْنَا قَبْرُهُ وَفُضُوْلُ نِعْمَتِهِ بِنَا لَا تُجْحَدِ

وَاللّٰهُ أَهْدَاهُ لَنَا وَهَدٰی بِهِ أَنْصَارَهُ فِیْ كُلِّ سَاعَةِ مَشْهَدِ

صَلّٰی الْإِلٰهُ وَمَنْ یَحِفُّ بِعَرْشِهِ وَالطَّیِّبُوْنَ عَلَی الْمُبَارَكِ أَحْمَدِ !

(الطبقات الکبری، لابن سعد ج ۲ ص ۲۴۶، ذکر من رثی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، دارالکتب العلمیۃ، بیروت) [1]

---

[1] اور ''دیوان حسان بن ثابت'' میں یہ اشعار تھوڑے بہت فرق کے ساتھ مندرجہ ذیل الفاظ میں ہیں:

ما بَالُ عَینِکَ لا تَنَامُ کأنّما

ما بَالُ عَینِکَ لا تَنَامُ كأنّمَا کُحِلَتْ مآقِیها بکُحْلِ الأرْمَدِ

جزعاً علی المهدیّ، أصبحَ ثاویاً، یا خیرَ من وطیءَ الحصی لا تبعدِ

جنبی یقیکَ التربَ لهفی لیتنی غُیّبْتُ قَبْلَکَ فی بَقِیعِ الغرْقَدِ

بأبی وأمی منْ شهدتُ وفاتهُ فی یومِ الاثنینِ النبیُّ المهتدی

فَظَلِلْتُ بَعْدَ وَفَاتِهِ مُتَبَلِّداً، یالهْفَ نفسی لَیْتَنی لم أُولَدِ

أأُقِیمُ بَعْدَکَ بالمَدینَةِ بَیْنَهُمْ؟ یا لَیْتَنی صُبّحْتُ سَمَّ الأسْوَدِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: تیری آنکھ کا کیا حال ہوگیا کہ جو سوتی نہیں ہے، گویا کہ آشوبِ چشم کا سرمہ گوشۂ چشم میں لگایا ہے۔

فریاد کناں ہے اس ہادی پر جو کہ مدفون ہوگئے (زیرِ زمین چلے گئے) اے وہ ہستی جو سنگریزوں پر چلنے والوں میں افضل ترین ہے، اللہ کرے کہ آپ دور (وجُدا) نہ ہوں۔

ہائے ہلاکت نبی کے انصار اور جماعت کے لئے، ایک برابر کی قبر میں آپ کے غائب ہونے کے بعد۔

کاش، میں اس سے پہلے ہی قبر کے گڑھے میں غائب ہوجاتا، جبکہ مٹی آپ کو چھپا رہی تھی۔

اے آمنہ کے دلارے! جس کا تذکرہ اور یاد مبارک ہے، پاکباز عورت نے آپ کو جنا پوری سعادت و نیک بختی کے ساتھ۔

ایسی روشنی و نور کے حامل ہوکر جس نے ساری دنیا، سارے زمانے کو روشن و منور کردیا، جو اس بابرکت روشنی کی طرف ہدایت (راستہ) پائے گا، ہدایت یافتہ بنے گا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أوْ حلّ أمرُ اللهِ فينا عاجلاً — في روحةٍ منْ يومنا أوْ في غدِ
فتقومَ ساعتنا، فنلقى طيباً — مَحْضاً ضَرَائِبُهُ كَريمَ المَحْتِدِ
يَا بِكْرَ آمِنَةَ المُبَارَكَ ذِكْرُهُ، — وَلَدَتْكَ مُحْصَنةٌ بسعْدِ الأسعُدِ
نُوراً أضَاءَ على البَرِيّةِ كُلّها، — مَنْ يُهْدَ للنّورِ المُبَارَكِ يَهْتَدِ
يَا رَبّ !فاجْمَعنا فمَاً وَنَبيَّنَا، — في جَنّةٍ تَثْني عُيُونَ الحُسّدِ
في جَنّةِ الفِرْدَوْسِ واكتُبْها لَنَا — يا ذا الجلالِ وذا العلا والسؤددِ
واللَّهِ أسْمَعُ ما بَقِيتُ بهالِكٍ — إلا بكيتُ على النبيِّ محمدِ
يا ويحَ أنصارِ النبيِّ ورهطِهِ، — بَعْدَ المغيَّبِ في سَوَاءِ المَلْحَدِ
ضاقتْ بالأنصارِ البلادُ فأصبحتْ — سوداً وجوههمُ كلونِ الإثمدِ
وَلَقَدْ وَلَدْنَاهُ، وَفِينَا قَبْرُهُ، — وفضولُ نعمتهِ بنا لَمْ يجحدِ
وَاللّهُ أكْرَمَنا بهِ وَهَدَى بِهِ — أنْصَارَهُ في كُلّ سَاعَةِ مَشْهَدِ
صَلّى الإلهُ وَمَنْ يَحُفُّ بعَرْشِهِ — والطيبونَ على المباركِ أحمدِ
فرِحتْ نصارى يَثربٍ ويهودُها — لمّا تَوَارَى في الضَريحِ المُلحَدِ

(ديوان حسان بن ثابت ص ۶۵ تا ۶۶، مطبوعة: دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان)

کیا میں آپ کے بعد (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ میں لوگوں کے درمیان اٹھوں گا بیٹھوں گا (زندہ رہوں گا) ہائے کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔

میرے ماں باپ فدا ہوں اس ہستی پر کہ موت اس کے پاس حاضر ہوئی سوموار کے دن جو کہ پر ہدایت یافتہ نبی ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد میں از ہوش رفتہ ہوگیا ہوں، کاش کوئی کالا سانپ مجھے ڈس جائے۔

اللہ کا فیصلہ موت کا آج کل ہی ہمارے درمیان اتر پڑے (نافذ ہوجائے تاکہ ہم فوت ہوکر اپنے محبوب نبی سے جاملیں)

پس ہماری قیامت (یعنی موت) قائم ہوجائے، تو ہم سید پاک خصلتوں والے کریم النفس سے جاملیں۔

اے میرے رب ہمیں اور ہمارے نبی کو جنت میں ملادے جو حاسد کی آنکھوں کو پھوڑ دے۔

جنت الفردوس میں (ہمیں ملادے) اور جنت الفردوس ہمارے لئے مقدر فرما، اے عظمت وجلال اور برتری والے رب۔

اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں، میں زندگی بھر (اپنے) نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر روتا رہوں گا (غمگین رہوں گا)

انصار پر زمین تنگ ہوگئی (نبی کی جدائی سے نڈھال ہیں) اس حال میں کہ ان کے چہرے اثمد سرمے کی طرح کالے پڑ گئے (صدمے کی شدت سے چہرے پژمردہ ہیں)

ہم میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، ہم میں ہی مدفون ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر بیش از بیش انعام واحسان ناقابلِ انکار ونا قابلِ فراموش ہیں۔

اور اللہ نے آپ کو ہمارے لئے ہادی بنایا اور آپ کے صحابہ نے آپ کے ذریعے ہدایت پائی ہر شہادت گہہ الفت ہر معرکہ جنگ کے موقع پر۔

اللہ تبارک وتعالیٰ، حاملینِ عرش فرشتوں، اور سب پاک نفوس کا احمد مبارک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پہنچے (ترجمہ ختم)

اور حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے حضرت زید بن اسلم کی سند سے نقل کیا ہے کہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانے میں رات کو گشت کے لئے نکلے، آپ نے ایک عورت کی آواز سنی کہ وہ بڑے درد بھرے انداز میں یہ اشعار پڑھ رہی ہے۔

عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلٰوۃُ الْاَبْرَارِ ——— صَلّٰی عَلَیْہِ الطَّیِّبُوْنَ الْاَخْیَارِ

قَدْ کُنْتَ قَوَّامًا بَکٰی بِالْاَسْحَارِ ——— یَالَیْتَ شَعْرِیْ وَالْمَنَایَا اَطْوَارِ

هَلْ تَجْمَعَنِیْ وَ حَبِیْبِیْ الدَّارِ

ترجمہ: محمد پر نیک ہستیوں کے درود، آپ پر پاکیزہ اور چنیدہ ہستیاں درود پڑھ رہی ہیں، آپ راتوں کو جاگنے والے سحر کو رونے والے تھے، موت تو بہتری طرح آتی ہے کاش مجھے یقین ہو جائے کہ مرنے کے بعد بھی مجھے حضور کی زیارت نصیب ہوگی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نصیب ہوگی (ترجمہ ختم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ اشعار سن کر وہیں بیٹھ گئے، اور روتے رہے (الشفا بتعریف حقوق المصطفی، ج۲ ص ۲۲، ۲۳، دار الفکر، بیروت)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ لِعَائِشَةَ رَحِمَهَا اللّٰهُ :اِکْشِفِیْ لِیْ عَنْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَکَشَفَتْ لَهَا عَنْهُ فَبَکَتْ حَتّٰی مَاتَتْ (الزهد لأحمد بن حنبل) [1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئیں اور آکر عرض کیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرادو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حجرہ شریفہ کھولا، انھوں نے زیارت کی اور زیارت کرکے روتی رہیں

---

[1] حديث نمبر ۲۱۵۷، ص ۲۹۹، دار الكتب العلمية، بيروت.

اور روتے روتے انتقال فرما گئیں (ترجمہ ختم)

اس قسم کے کئی واقعات ملتے ہیں۔

ایک طرف تو ربیع الاول کے مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا غم ہے، اور دوسری طرف عیدمیلا دالنبی کے عنوان سے یہ مروّجہ میلے ٹھیلے ہیں۔

کیا ان حالات میں ہر سال ربیع الاول کے مہینے میں جوش وجذبہ کے ساتھ عید میلا دالنبی کے نام سے جشن منانا اوراس مہینے کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کونظر انداز کردینا عقلمندی کی نشانی ہے؟

ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں۔

(۴)......۱۲/ربیع الاول کی تخصیص

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکرِ خیر کرنے کے لئے ۱۲/ربیع الاول کی ایسی تخصیص کہ جوسال کے دوسرے دنوں سے ممتاز حیثیت کی حامل ہے، یہ ایک عام چیز کو خاص کرنا ہے، شریعتِ مطہرہ نے جب اس غرض کے لئے ۱۲/ربیع الاول کی تخصیص نہیں کی، بلکہ اس کو عام چھوڑ دیا ہے کہ منکرات سے بچتے ہوئے جب کوئی چاہے اس پر عمل کرے تو اپنی طرف سے ۱۲/ربیع الاول کو خاص کرلینا شریعت پر زیادتی ہے جو کہ بدعت کے مفہوم میں داخل ہے۔

(۵)......نیتوں کا فاسد ہونا

دیکھنے میں آتا ہے کہ عموماً میلاد منانے والوں کی نیت میں اخلاص نہیں ہوتا بلکہ اپنی شہرت، نام ونمود، مختلف انعامات اور ایوارڈ حاصل کرنا، اور دوسروں کو نیچا دکھلانا، دوسروں پر کیچڑ اچھالنا وغیرہ وغیرہ پیشِ نظر ہوتا ہے (الا ماشاءاللہ)

یہی وجہ ہے کہ ان اجتماعات میں شریک ہوکر اور بار بار یہ عمل کرنے کے باوجود زندگی میں عملی طور پر تبدیلی اور ترقی محسوس نہیں ہوتی اور اپنے لباس، پوشاک، وضع قطع کسی چیز میں بھی سنت کی اتباع کی توفیق نہیں ہوتی۔

اوراسی وجہ سے میراثی، گانے بجانے والے اوراہلِ تشیع تک میلاد کے نام کی پارٹیاں نکالتے ہیں اور رات دن گناہوں میں مصروف رہنے والے مفت میں اپنے آپ کو عاشقانِ رسول، محبانِ رسول، دیوانانِ رسول، غلامانِ رسول وغیرہ جیسے القاب دے بیٹھتے ہیں، یہ بہت سستے نسخے ہیں کہ عمل کچھ نہ کرنا پڑے بلکہ ساری زندگی اللہ اوراس کے رسول کے احکامات کے خلاف گزر جائے اور مفت میں جنتی بن جائیں۔

بہرحال نیتوں کے فاسد ہونے کی خرابی بھی اس رسم کو انجام دینے میں شامل ہے۔

(۶)......غیروں کے ساتھ تشبہ

علماء کی تحقیق یہ ہے کہ یومِ پیدائش منانے کا یہ تصور مسلمانوں میں عیسائیوں سے آیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یومِ پیدائش کرسمس کے نام سے ۲۵/ دسمبر کو منایا جاتا ہے۔

تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تقریباً تین سو سال تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یومِ پیدائش منانے کا کوئی تصور نہیں تھا، آپ کے حواریین اور صحابۂ کرام میں سے کسی نے یہ دن نہیں منایا، تین سو سال کے بعد کچھ لوگوں نے یہ بدعت شروع کردی، اور یہ کہا کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یومِ پیدائش منائیں گے۔

اس وقت بھی جو لوگ دینِ عیسوی پر پوری طرح عمل پیرا تھے انہوں نے ان سے کہا کہ تم نے یہ سلسلہ کیوں شروع کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں تو یومِ پیدائش منانے کا کوئی ذکر نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ یہ کوئی ایسی بری بات تو نہیں ہے، بس ہم اس دن جمع ہو جائیں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کریں گے۔ ان کی تعلیمات کو یاد دلائیں گے، اوراس کے ذریعہ سے لوگوں میں ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہوگا، اس لئے ہم کوئی گناہ کا کام تو نہیں کر رہے ہیں۔ چنانچہ یہ کہہ کر یہ سلسلہ شروع کردیا۔

چنانچہ شروع شروع میں تو یہ ہوا کہ جب ۲۵/ دسمبر کی تاریخ آتی تو چرچ میں ایک اجتماع ہوتا، ایک پادری صاحب کھڑے ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور آپ کی سیرت بیان کردیتے۔

اس کے بعد اجتماع برخواست ہو جاتا۔ گویا کہ بے ضرر اور معصوم طریقے پر یہ سلسلہ شروع ہوا۔
لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انہوں نے سوچا کہ ہم پادری کی تقریر تو کرادیتے ہیں، مگر وہ خشک قسم کی تقریر ہوتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نوجوان اور شوقین مزاج لوگ تو اس میں شریک نہیں ہوتے، اس لئے اس کو ذرا دلچسپ بنانا چاہئے، تاکہ لوگوں کے لئے دل کش ہو۔
اور اس کو دلچسپ بنانے کے لئے اس میں موسیقی ہونی چاہئے، چنانچہ اس کے بعد موسیقی پر نظمیں پڑھی جانے لگیں، پھر انہوں نے دیکھا کہ موسیقی سے بھی کام نہیں چل رہا ہے، اس لئے اس میں ناچ گانا بھی ہونا چاہئے، چنانچہ پھر ناچ گانا بھی اس میں شامل ہو گیا، پھر سوچا کہ اس میں کچھ تماشے بھی ہونے چاہئیں۔ چنانچہ ہنسی مذاق کے کھیل تماشے شامل ہو گئے۔
چنانچہ ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ وہ کرسمس جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات بیان کرنے کے نام پر شروع ہوا تھا، اب وہ عام جشن کی طرح ایک جشن بن گیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناچ گانا اس میں، موسیقی اس میں، شراب نوشی اس میں، قمار بازی اور جوا اس میں، گویا کہ اب دنیا بھر کی ساری خرافات کرسمس میں شامل ہو گئیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پیچھے رہ گئیں۔
اب آپ دیکھ لیجئے کہ مغربی ممالک میں جب کرسمس کا دن آتا ہے۔ تو اس میں کیا طوفان برپا ہوتا ہے (ماخوذ از ''اصلاحی خطبات'' ج ۲ ص ۱۵۳، ۱۵۴، ''عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو؟'' بحوالہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ کرسمس)

اس کے علاوہ اس عمل میں رافضیوں کے ساتھ بھی تشبہ پایا جاتا ہے، کہ وہ یومِ حسین کے نام سے جلسے جلوس نکالتے ہیں، اور غیروں کے ساتھ تشبہ منع ہے۔
حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُم (ابوداؤد) [1]

---

[1] حدیث نمبر ۴۰۳۱، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، المكتبة العصرية، صيدا -بيروت، واللفظ له، مسند احمد حديث نمبر ۵۱۱۵.
قلت أخرجه أبو داؤد بسند حسن (فتح الباری شرح صحيح البخاری، كتاب اللباس، باب لبس جبة الصوف)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی، تو وہ انہی میں سے ہوگا (ترجمہ ختم)

اور حضرت عمرو بن شعیب کی سند سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا (ترمذی) [1]

ترجمہ: جس نے غیروں کے ساتھ مشابہت کی وہ ہم میں سے نہیں (ترجمہ ختم)

(۷)...... میلا دُ النبی کا جلوس اور سڑکوں کا ناجائز استعمال

میلا دُ النبی کے ان جلوسوں کا گزر عام طور پر سڑکوں اور شارعِ عام سے ہوتا ہے جگہ جگہ نعت خوانی اور مقابلہ آرائی کی وجہ سے یہ جلوس وقفہ وقفہ سے روانہ ہو رہا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے آنے جانے والی سواریوں اور مسافروں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور بعض لوگوں کے نظام میں شدید خرابی اور گڑبڑ پیدا ہو جاتی ہے، مسافروں، مریضوں اور مختلف ضرورت مندوں کو اپنی منزل تک پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے۔

سیرت النبی اور میلا د النبی کے نام پر سڑک میں رکاوٹ ڈال کر دور کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کرنا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقد روى عن النبى صلى الله عليه وسلم فى المسند والسنن أنه قال " :من تشبه بقوم فهو منهم (جامع الرسائل لابنِ تيميه، الجزء الثانى، الفرق بين السفر الطويل والقصير،ومجموع الفتاوىٰ ج۲۵ ص ۳۳۱)

وأيضا مما هو صريح في الدلالة ما روى أبو داود فى سننه حدثنا عثمان بن أبى شيبة حدثنا أبو النضر يعنى هاشم بن القاسم حدثنا عبد الرحمن بن ثابت حدثنا حسان بن عطية عن أبى منيب الجرشى عن ابن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من تشبه بقوم فهو منهم وهذا إسناد جيد فإن ابن أبى شيبة وأبا النضر وحسان بن عطية ثقات مشاهير أجلاء من رجال الصحيحين وهم أجل من أن يحتاجوا إلى أن يقال هم من رجال الصحيحين(اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة أصحاب الجحيم لابنِ تيميه، ج ا ص ۲۶۸، ۲۶۹،دار عالم الكتب، بيروت، لبنان)

[1] حديث نمبر ۲۶۹۵، كتاب الاستئذان والآداب،باب ما جاء فى كراهية إشارة اليد بالسلام، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟

خاص طور پر آج کی مصروف زندگی میں اگر کسی شخص کو اپنے مطلوبہ مقصد تک پہنچنے میں چند منٹ کی بھی تاخیر ہوجائے تو بعض اوقات ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ جاتا ہے، کسی مریض کو ہسپتال پہنچانا ہو یا کسی بیمار کے لئے دوالے جانی ہو، یا کوئی مسافر بس اڈے، ریلوے اسٹیشن یا ہوائی اڈے پہنچنا چاہتا ہو اور اس سیرت النبی کے مبارک عنوان والے جلسے جلوس کی وجہ سے اسے پانچ یا دس منٹ کی تاخیر ہوجائے تو کہنے کو یہ دس پانچ منٹ کی تاخیر ہے لیکن اس تھوڑی سی تاخیر کی وجہ سے بیمار دنیا سے رخصت ہوسکتا ہے، مسافر وقت مقررہ پر اپنی منزل تک پہنچنے سے بالکل محروم بھی ہوسکتا ہے، اور اسی طرح سے بہت سے اجتماعی یا انفرادی پروگراموں کا نظام درہم برہم ہوسکتا ہے، دنیوی نقصان کے علاوہ بہت سے دینی نقصان بھی پہنچ سکتے ہیں، ہمیں نہ ان کا نام معلوم ہے اور نہ پتہ معلوم ہے اور نہ ہی نقصان کی تفصیلات کا علم ہے لہٰذا اگر اس گناہ کی تلافی بھی کرنا چاہیں تو بظاہر اس کا راستہ اختیار میں نہیں۔

ایک طرف تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوں کہ:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ (مسلم)[1]

کہ مسلمان تو دراصل وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (پاؤں وغیرہ) سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں۔

اور دوسری طرف ہماری بے حسی کا یہ عالم ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام ہی کے نام پر دوسرے مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کا ایک لامتناہی سلسلہ قائم کیا ہوا ہو، خدارا اپنے اس فیصلہ پر نظر ثانی فرمایئے۔

(۸)......روضہ اور بیت اللہ کی شبیہ اور نازیبا حرکات

کچھ عرصہ سے بعض شہروں میں عید میلاد النبی کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر

---

[1] حدیث نمبر ۱۶۴، کتاب الایمان، باب بیان تفاضل الإسلام وأی أموره أفضل، دار إحیاء التراث العربی -بیروت، واللفظ لهٗ، بخاری حدیث نمبر ۹.

اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے، اور جگہ جگہ بڑے بڑے چوکوں میں سانگ بنا کر رکھے جاتے ہیں۔ لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں اور ''بیت اللہ'' کی خود ساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں اور علماء کی نگرانی میں کرایا جارہا ہے۔ **فیا اسفاہ !**

''جشنِ عید میلاد'' کی باقی ساری چیزوں کو چھوڑ کر اسی ایک منظر کا جائزہ لیجئے کہ اس میں کتنی قباحتوں کو سمیٹ کر جمع کر دیا گیا ہے۔ اس فعل میں شیعوں اور رافضیوں کی تقلید ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ رافضی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سالانہ برسی منایا کرتے اور اس موقع پر تعزیہ، عَلَم، دلدل وغیرہ نکالا کرتے ہیں، انہوں نے جو کچھ حسین رضی اللہ عنہ اور آلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کیا، وہی ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کرنا شروع کر دیا۔

انصاف کیجئے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کا سوانگ بنا کر اسے بازاروں میں پھرانا اور اس کے ساتھ روضۂ اطہر اور بیت اللہ کا معاملہ کرنا صحیح ہے تو روافض کا تعزیہ اور دلدل کا سوانگ رچانا کیوں غلط ہے؟

افسوس ہے کہ جو ملعون بدعت رافضیوں نے ایجاد کی تھی انہوں نے ان کی تقلید کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے کی کوشش کی۔

پھر اس بات پر بھی غور کیجئے کہ روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی جو شبیہ بنائی جاتی ہے وہ شیعوں کے تعزیہ کی طرح محض جعلی اور مصنوعی ہے، جسے آج بنایا جاتا ہے اور کل توڑ دیا جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس مصنوعی سوانگ میں اصل روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی کوئی خیر و برکت منتقل ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی اس چیز میں کسی درجہ میں تقدس پیدا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اگر اس میں کوئی تقدس اور کوئی برکت نہیں تو اس فعل کے محض لغو اور عبث ہونے میں کیا شک ہے؟ اور اگر اس میں تقدس اور برکت کا کچھ اثر آ جاتا ہے تو اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟ اور کسی مصنوعی اور جعلی چیز میں روضۂ مقدس اور بیت اللہ شریف سے تقدس و برکت کا اعتقاد رکھنا اسلام کی علامت ہے یا جاہلیت کی؟ اور پھر روضہ شریف اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر اگلے دن اسے توڑ پھوڑ دینا کیا ان کی توہین نہیں؟

آپ جانتے ہیں کہ بادشاہ کی تصویر بادشاہ نہیں ہوتی، نہ کسی عاقل کے نزدیک اس میں بادشاہ کا کوئی کمال ہوتا ہے۔ اس کے باوجود بادشاہ کی تصویر کی توہین کو قانون کی نظر میں لائقِ تعزیر جرم تصور کیا جاتا ہے۔ اور اسے بادشاہ سے بغاوت پر محمول کیا جاتا ہے۔

لیکن آج روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر کل اسے منہدم کرنے والوں کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ اسلامی شعائر کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ جس طرح شیعہ لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تعزیہ پر چڑھاوے چڑھاتے اور منتیں مانتے ہیں۔

اب رفتہ رفتہ عوام کالانعام اس نو ایجاد ''بدعت'' کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنے لگے ہیں۔ روضۂ اطہر کی شبیہ پر درود و سلام پیش کیا جاتا ہے اور بیت اللہ شریف کی شبیہ کا باقاعدہ طواف ہونے لگا ہے، گویا مسلمانوں کو حج وعمرہ کے لئے مکہ مکرمہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ جانے کی ضرورت نہیں، ان لوگوں نے گلی محلوں میں روضے اور بیت اللہ بنا دیئے ہیں، جہاں سلام بھی پڑھا جاتا ہے اور طواف بھی ہوتا ہے۔ ہمارے ائمہ اہلِ سنت کے نزدیک یہ فعل کس قدر قبیح ہے؟

اس کا اندازہ لگانے کے لئے صرف ایک مثال کافی ہے، وہ یہ کہ ایک زمانے میں ایک بدعت ایجاد ہوئی تھی کہ عرفہ کے دن جب حاجی حضرات عرفات کے میدان میں جمع ہوتے ہیں تو ان کی مشابہت کے لئے لوگ اپنے شہر کے کھلے میدان میں نکل کر جمع ہوتے اور حاجیوں کی طرح سارا دن دعا وتضرع، گریہ وزاری اور توبہ واستغفار میں گزارتے۔

اس رسم کا نام ''تعریف''، یعنی عرفہ منانا رکھا گیا تھا۔ بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں تھی بلکہ یہ ایک اچھی چیز تھی کہ اگر اس کا رواج عام ہو جاتا تو کم از کم سال بعد تو مسلمانوں کو توبہ واستغفار کی توفیق ہو جایا کرتی۔

مگر ہمارے علمائے اہلِ سنت نے (اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) اس بدعت کی سختی سے تردید کی اور فرمایا:

والتَّعْرِیْفُ لَیْسَ بِشَیْئٍ.

یعنی اس طرح عرفہ منانا بالکل لغو اور بیہودہ حرکت ہے۔

البحرالرائق میں ہے:

لِأَنَّ الْوُقُوفَ لَمَّا كَانَ عِبَادَةً مَخْصُوصَةً بِمَكَانٍ لَمْ يَجُزْ فِعْلُهُ إِلَّا فِي ذٰلِكَ الْمَكَانِ كَالطَّوَافِ وَغَيْرِهٖ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَا يَجُوْزُ الطَّوَافُ حَوْلَ سَائِرِ الْبُيُوْتِ تَشَبُّهًا بِالطَّوَافِ حَوْلَ الْكَعْبَةِ اهـ (البحرالرائق) [1]

ترجمہ: چونکہ وقوفِ عرفات ایک ایسی عبادت ہے جو ایک خاص مکان کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے یہ فعل اس مکان کے سوا دوسری جگہ جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ طواف وغیرہ جائز نہیں، آپ دیکھتے ہیں طوافِ کعبہ کی مشابہت کے طور پر کسی اور مکان کا طواف جائز نہیں (ترجمہ ختم)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:

امسال ''عید میلاد النبی'' کے نام سے کراچی میں ظلم وجہالت کے ایسے ایسے شرمناک مظاہرے کئے گئے ہیں کہ ان کے اور ان کے انجام کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے مختلف محلوں کو رنگین روشنیوں سے دلہن بنایا گیا اور وہاں کے تقریباً تمام ہوٹلوں میں عید میلاد النبی اس طرح منائی گئی کہ لاؤڈ اسپیکر لگا کر بلند آواز سے شب وروز ریکارڈنگ کا طوفان برپا رہا۔ بہت سے سنیماؤں نے ''عید میلاد النبی کی خوشی میں'' سینکڑوں بلب لگا کر ان اخلاق سوز اور برہنہ تصویروں کو اور نمایاں کردیا جو اپنی ہر ہر ادا سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی نافرمانی کی برملا دعوت دیتی ہیں اور ان ہی مقامات پر انسانیت کش تصویروں کے سائے میں شاید تبرک کے خیال سے خانہ کعبہ اور روضۂ اقدس کی تصویریں بھی چسپاں کردی گئیں۔ قدم قدم پر روضۂ اطہر اور مسجد نبوی کی شبیہیں بنا کر کھڑی کی گئیں جنہیں کچھ بے فکرے نوجوان ایک تفریح گاہ کے طور پر استعمال کررہے تھے اور کچھ بے پردہ عورتیں انہیں چھو چھو کر ''خیر وبرکت'' حاصل کررہی

---

[1] ج ۲ ص ۱۷۶، کتاب الصلاۃ، باب العیدین، دارالکتاب الاسلامی، بیروت۔

تھیں اور ظاہر ہے کہ جب پورے محلّہ کو روشنیوں میں نہلا کر جگہ جگہ محرابیں کھڑی کر کے قدم قدم پر فلمی ریکارڈ بجا کر ایک میلے کا سماں پیدا کر دیا جائے تو پھر عورتیں اور بچے ایسے میلے کو دیکھنے کے لئے کیوں نہ پہنچیں جس میں میلے کا لطف بھی ہے اور (معاذ اللہ) تعظیمِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ثواب بھی، چنانچہ راتوں کو دیر تک یہاں تفریح باز مردوں، عورتوں، اور بچوں کا ایسا مخلوط اجتماع رہا جس میں بے پردگی، غنڈہ گردی اور بے حیائی کو کھلی چھوٹ ملی ہوئی تھی (عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو؟ ص ۳۶۶، ۳۶۷)

(۹)...... فضول خرچی اور اسراف

میلاد النبی کی اس رسم کو انجام دینے کی خاطر فضول خرچی اور اسراف کا بھی بہت مظاہرہ کیا جاتا ہے، چنانچہ بہت سے لوگ بجلی کا بے دریغ استعمال کر کے اپنے گھروں اور دوسرے مقامات پر ضرورت سے زیادہ روشنی اور لائٹنگ کا انتظام کرتے ہیں، جبکہ بجلی ایک ضرورت کی چیز ہے جس کو بوقتِ ضرورت استعمال کرنا چاہیئے، بلاضرورت یا ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا اسراف اور فضول خرچی میں داخل ہے، اور بے جا سجاوٹ اور نمائش میں بھی رقم کا بے جا استعمال کیا جاتا ہے، راستوں اور گذرگاہوں پر مختلف اشتہار اور بینرز آویزاں کئے جاتے ہیں اور عید میلاد النبی کا جلوس گزرنے کے لئے بڑے بڑے دروازے اور گیٹ بنائے جاتے ہیں اور عید میلاد النبی کے جلوس اور نعت خوانی کی تقریبات انجام دینے کے لئے جگہ جگہ اسٹیج تیار کرائے جاتے ہیں اور ان پر لاؤڈ اسپیکر اور بڑے بڑے ڈیک لگا کر صبح سویرے سے ہی مختلف قسم کی نعتیں، قوالیاں اور موسیقی پر مشتمل مختلف قسم کے نغمے سنائے جاتے ہیں، ملک بھر میں ہر سال ان چیزوں پر لاکھوں، کروڑوں روپیہ خرچ کر دیا جاتا ہے، جبکہ مال کو اس طرح کے بے جا کاموں میں اڑانا اور خرچ کرنا شرعاً جائز نہیں، بلکہ قرآن وسنت کی رُو سے حرام ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (سورہ

بنی اسرائیل آیت ۲۷ پ ۱۵)

ترجمہ: بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے (ترجمہ ختم)

اور ایک مقام پر ارشاد ہے:

وَلَاتُسْرِفُوْا ط اِنَّهٗ لَايُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (سورہ انعام آیت ۱۴۱ پ ۸)

ترجمہ: اور بے جا خرچ نہ کرو، بلاشبہ وہ (اللہ تعالیٰ) پسند نہیں کرتا بے جا خرچ کرنے والوں کو (ترجمہ ختم)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَاتُسْرِفُوْا ج اِنَّهٗ لَايُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (سورہ اعراف آیت ۳۱ پ ۸)

ترجمہ: اور کھاؤ پیو اور بے جا خرچ نہ کرو، بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) پسند نہیں کرتا بے جا خرچ کرنے والوں کو (ترجمہ ختم)

نیز ایک مقام پر ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (سورہ فرقان آیت ٦٧ پ ١٩)

ترجمہ: اور وہ لوگ (رحمٰن کے خاص بندے) جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں، اور ان کا خرچ کرنا اس (کمی زیادتی) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے (موقع دیکھ بھال کر میانہ روی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں) (ترجمہ ختم)

اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ تبذیر اس طرح کے خرچ کو کہتے ہیں کہ جہاں خرچ کرنا بالکل بھی جائز نہیں، اور اسراف اتنی زیادہ مقدار میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں، جو کہ جائز نہیں۔ [1]

---

[1] قوله الإسراف هو صرف الشيء فيما ينبغي زائدا على ما ينبغي بخلاف التبذير فإنه صرف الشيء فيما لا ينبغي (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، كتاب الوضوء ،باب ما جاء فى الوضوء)
والسرف صرف الشء فيما ينبغي زائدا على ما ينبغي. والتبذير صرفه فيما لا ينبغي. ذكره جمع (فيض القدير شرح الجامع الصغير من أحاديث البشير النذير، تحت حديث رقم ١٠ ، حرف الهمزة، المكتبة التجارية الكبرى -مصر)

معلوم ہوا کہ اللہ کی نعمت کو بے جا خرچ کرنا اللہ کی ناشکری ہے جو شیطان کے بہکانے سے واقع ہوتی ہے۔

فضول خرچی کرنے والوں کو جو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے، مفسرینِ کرام نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ فضول خرچی کا گناہ کرنے والے شیاطین کی طرح صفات میں ان کے مشابہ اور ہم مثل ہیں، اور ان کی بُری صفات میں فضول خرچی بھی داخل ہے۔

یا یہ کہ فضول خرچی کا گناہ کرنے والے ان گناہوں میں شیاطین کے دوست اور تابعدار ہیں۔

یا یہ کہ فضول خرچی کرنے والے جہنم میں شیاطین کے ہمراہ اور ان کے ساتھی ہوں گے (العیاذ باللہ) [1]

بہر حال جو مطلب بھی لیں اللہ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا غلط اور بے موقع و بے محل استعمال بلا شبہ گناہ اور شیطانی فعل ہے، جس سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے اور جو گناہ ہو چکا اس سے توبہ کرنی چاہئے۔

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ عِلْمِهٖ فِيْمَ فَعَلَ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيْمَ أَنْفَقَهُ وَعَنْ جِسْمِهٖ فِيْمَ أَبْلَاهُ (ترمذی) [2]

ترجمہ: قیامت کے دن بندہ کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے، جب تک اس سے عمر کے بارے یہ سوال نہ کرلیا جائے کہ اس نے اس کو کہاں خرچ کیا؟ اور

---

[1] إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين تعليل للنهي عن التبذير ببيان أنه يجعل صاحبه ملزوزا في قرن الشياطين والإخوان جمع أخ والمراد به المماثل مجازا أي أنهم مماثلون لهم في صفات السوء التي من جملتها التبذير أو الصديق والتابع مجازا أيضا أي أنهم أصدقاؤهم وأتباعهم فيما ذكر من التبذير والصرف في المعاصي فإنهم كانوا ينحرون الإبل ويتياسرون عليها ويبذرون أموالهم في السمعة وسائر ما لا خير فيه من المناهي والملاهي أو القرين كما سبق أيضا أي أنهم قرناؤهم في النار على سبيل الوعيد (تفسيرروح المعاني،سوره بنی اسرائیل آیت ۲۷)

[2] حديث نمبر ۲۴۱۷، أبواب صفة القيامة والرقائق والورع، باب في القيامة،شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي -مصر.

قال الترمذي:

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جُرَيْجٍ هُوَ بَصْرِيٌّ وَهُوَ مَوْلَى أَبِي بَرْزَةَ وَأَبُو بَرْزَةَ اسْمُهُ نَضْلَةُ بْنُ عُبَيْدٍ.

علم کے بارے میں یہ سوال نہ کرلیا جائے کہ اس نے علم کا کیا کیا؟ اوراس کے مال کے بارے میں یہ سوال نہ کرلیا جائے کہ کہاں سے کمایا اور کس چیز میں خرچ کیا؟ اوراس کے جسم کے بارے میں یہ سوال نہ کرلیا جائے کہ اس نے اس کو کس چیز میں کھپایا (ترجمہ ختم)

فضول مال اڑانے والے سوچ لیں کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دیں گے؟ اگر یہی رقم غریبوں، مسکینوں، ناداروں، دینی مدرسوں اور دوسرے دین کے کاموں پر خرچ کی جائے تو کتنے تنگدست گھرانے خوشحال ہوجائیں، بیمار تندرست ہوجائیں، روزی کے محتاج برسرِ روزگار ہوجائیں، جاہل علم کی دولت سے بہرہ ور ہوجائیں، دین کی خدمت کرنے والوں کے سامان کا انتظام ہوجائے، جس کے نتیجہ میں مظلوم مسلمان ظلم وستم، جہالت و بددینی سے نجات حاصل کرلیں۔

فضول خرچی کے علاوہ اس میں مزید درجِ ذیل خرابیاں بھی ہیں۔ مثلاً:

(۱)......اس رسم میں ہندوؤں اور غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت ہے کہ وہ اپنے مخصوص اوقات میں (مثلاً دیوالی اور اپنے مذہبی پیشواؤں وغیرہ کے دن منانے کے موقعہ پر) ضرورت سے زیادہ روشنیوں اور اس طرح کی چیزوں کا انتظام کرتے ہیں اور غیر مسلموں کی مشابہت ناجائز ہے۔

(۲)......بعض جگہ سرکاری یا غیر سرکاری چوری کی بجلی سے یہ رسم پوری کی جاتی ہے اور یہ مستقل گناہ ہے۔

(۳)...... عام طور پر اس سے مقصد اپنا نام اونچا کرنا اور شہرت ہوتی ہے اور دوسرے لوگوں پر اپنے آپ کو اونچا دکھانا مقصد ہوتا ہے اور اس غرض کے لئے کوئی کام کرنا گناہ ہے۔

(۴)......سب سے بڑھ کر خرابی یہ ہے کہ یہ سب کچھ سیرتُ النبی اور دین کے نام پر ہوتا ہے، رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور دین کی طرف نسبت کرکے گناہ کرنا کتنی بڑی جراءت کی بات ہے۔

(۵)......بعض جگہ اس غرض کے لئے باقاعدہ چندہ کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس غرض کے لئے چندہ کرنا اور لوگوں سے پیسے مانگنا جائز نہیں۔ اور بطورِ خود اس رسم میں تعاون کرنا بھی جائز نہیں پھر

چندہ میں بھی خوشدلی کا لحاظ نہیں ہوتا (تفصیل پیچھے گزر چکی)

(۹)......ایک گناہ یہ ہے کہ اس عمل کو ثواب سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ ثواب کا کام نہیں بلکہ گناہ ہے اس کو ثواب سمجھنا دھرا جرم ہے۔

(۱۰)......میلاد النبی اور نمازوں کا ضیاع

پہلے بات صرف جلسوں کی حد تک محدود تھی کہ سیرتِ طیبہ کا جلسہ ہو رہا ہے، اس میں شریعت کی چاہے جتنی خلاف ورزی ہو رہی ہو، کسی کو پرواہ نہیں۔

لیکن اب تو بات اور آگے بڑھ گئی ہے چنانچہ دیکھنے میں اور سننے میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے جلسے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔اور ان انتظامات میں نمازیں قضا ہو رہی ہیں، کسی شخص کو نماز کا ہوش نہیں، پھر رات گئے تک تقریریں اور نعت خوانیاں ہو رہی ہیں۔اور صبح فجر کی نماز جا رہی ہے۔ بلکہ دن بھر کی نمازوں کا ہوش نہیں۔

جب کہ نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو یہ تھا کہ جس شخص کی ایک عصر کی نماز فوت ہو جائے تو وہ شخص ایسا ہے جیسے اس کے تمام مال اور تمام اہل وعیال کو کوئی شخص لوٹ کر لے گیا۔ اتنا عظیم نقصان ہے، لیکن سیرتِ طیبہ کے جلسے اور اس کے انتظامات میں نمازیں قضا ہو رہی ہیں اور کوئی فکر نہیں، اس لئے کہ ہم تو ایک مقدس کام میں لگے ہوئے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی جو تاکید بیان فرمائی تھی وہ نگاہوں سے اوجھل ہے (اصلاحی خطبات ج ۲ ص ۱۸۴ بتغیر)

(۱۱)......میلادُ النبی اور بے پردگی و بدنظری

آج کل میلاد النبی کے جلسے اور جلوسوں میں مَردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی بہت سی جگہ شریک ہوتی ہیں یا چھتوں وغیرہ سے جلسے جلوسوں کا معائنہ کرتی ہیں اور بعض اوقات مردوں کے ساتھ اختلاط کی نوبت بھی آجاتی ہے۔اور یہ واضح ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں پردہ کی سخت تاکید کی گئی ہے اور اجنبی مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لہٰذا اس رسم میں بے پردگی اور بے حیائی و بدنظری کا گناہ بھی لازم آتا ہے۔

(۱۲)......میلا دُ النبی کے نام کا چندہ

ربیع الاول کا مہینہ شروع ہونے سے پہلے ہی میلا دالنبی کے نام پر مختلف چندے جمع کرنے کا اہتمام شروع ہوجاتا ہے، گلی گلی، گھر گھر اور دوکانوں میں جا کر دستک دی جاتی ہے کہ میلا دالنبی کے نام کا چندہ دیا جائے، راہ گیروں اور چلتی گاڑیوں کو روک کر بادلِ نخواستہ چندہ دینے پر مجبور کیا جاتا ہے، بلکہ علاقہ کے بااثر لوگوں (مثلاً کونسلروں، چوہدریوں وغیرہ) کو ساتھ رکھا جاتا ہے تاکہ ان کی شخصیت سے متأثر ہوکر خواہی نخواہی چندہ کی رقم زیادہ سے زیادہ حاصل کی جاسکے۔

اوراس چندہ کی رقم کا نہ کوئی حساب ہوتا ہے نہ کتاب اور نہ ہی کسی اصول کا کوئی پابند ہوتا ہے کہ یہ چندہ کہاں خرچ کرنا ہے اور کہاں نہیں، یا تو چندہ جمع کرنے والے ہی اپنی جیبوں میں بھر لیتے ہیں۔ یا پھر فضول خرچیوں اور گناہوں میں خرچ کر کے نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق بنتے ہیں۔

غرضیکہ یہ چندہ شرعاً اور عقلاً غلط ہے۔

اولاً تو بلاضرورت کسی سے مانگنا اور سوال کرنا شرعاً جائز نہیں احادیث میں اس سے منع کیا گیا ہے اور بلاضرورتِ شدیدہ سوال کرنے کو سخت ناپسند اور عزت وحرمت کے خلاف قرار دیا گیا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ مروّجہ عید میلا دالنبی کے نام پر ہونے والے جلسے جلوسوں کا منعقد کرنا ضروری تو درکنار الٹا گناہوں کا ذریعہ ہے۔

لہٰذا اس کے لئے چندہ مانگنا بھی گناہ ہے۔

دوسرے مسلمان کی خوشدلی کے بغیر اس کا مال حاصل کرنا حلال نہیں۔

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَّأْخُذَ عَصَا أَخِيْهِ بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسِهٖ وَذٰلِكَ لِشِدَّةِ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ مَالِ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ (مسند أحمد) [1]

---

[1] حديث نمبر ۲۳۶۰۵، مؤسسة الرسالة، بيروت.

قال الهيثمي:

رواه أحمد والبزار ورجال الجميع رجال الصحيح. (مجمع الزوائد، ج۴ص ۱۷۱، باب الغصب وحرمة مال المسلم، مكتبة القدسي، قاهرة)

ترجمہ: کسی مسلمان کے لئے یہ بات حلال نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی لاٹھی بھی بغیر اس کی خوشدلی کے لے، اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے مال کے احترام کوسختی کے ساتھ لازم کردیا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاَ یَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِطِیْبِ نَفْسِهِ (دارقطنی) [1]

ترجمہ: کسی مسلمان کا مال اس کی خوشدلی کے بغیر حلال نہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں جو خطبہ دیا، اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

لاَ یَحِلُّ لِامْرِءٍ مِنْ مَالِ أَخِیْهِ إِلَّا مَا أَعْطَاهُ مِنْ طِیْبِ نَفْسٍ (السنن الکبری للبیهقی) [2]

ترجمہ: کسی شخص کے لئے اس کے مسلمان بھائی کا کوئی بھی مال حلال نہیں، سوائے اس کے کہ اس نے خوشدلی سے دیا ہو (ترجمہ ختم)

(۱۳)......میلادُ النبی اور موسیقی

عیدمیلادُ النبی یا جشن میلادُ النبی کے نام سے منعقد ہونے والے پروگراموں میں لوگ اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے ساز باجے اور موسیقی کے ناپاک اور شیطانی عمل کو بھی اس میں شامل کرلیا ہے، فحش گانوں کے لہجہ اور انداز میں نعت خوانی کے ساتھ قوالی وغیرہ کے عنوان سے موسیقی کے آلات بھی استعمال ہونا شروع ہوگئے ہیں، ان نادانوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ آقائے نامدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو گانے اور موسیقی سے سختی کے ساتھ منع فرمائیں، اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر منعقد ہونے والی مجلسوں میں موسیقی کو جگہ دے کر آپ کے حکم کی کھلی مخالفت کی

---

[1] حدیث نمبر ۲۸۸۵، کتاب البیوع، مؤسسة الرسالة، بیروت -لبنان.

[2] حدیث نمبر ۱۱۵۲۴، کتاب الغصب، باب لا یملک أحد بالجنایة شیئا جنی علیه إلا أن یشاء هو والمالک، دار الکتب العلمیة، بیروت -لبنان.

جائے، بلکہ نعوذ باللہ تعالیٰ موسیقی کو روح کی غذا قرار دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (سورة لقمان آيت ٦)

ترجمہ: اور بعض ایسے آدمی بھی ہیں جو کھیل کی باتوں کے خریدار ہیں تاکہ بغیر سمجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کریں اور اس کا مذاق بنائیں، ایسے لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے (ترجمہ ختم)

اس آیت میں ''لہو الحدیث'' (یعنی کھیل کی باتوں) سے مراد گانے بجانے کے آلات ہیں، کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام اور مفسرینِ کرام سے اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے۔

چنانچہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَبِيْعُوا الْقَيْنَاتِ وَلَا تَشْتَرُوْهُنَّ وَلَا تُعَلِّمُوْهُنَّ وَلَا خَيْرَ فِیْ تِجَارَةٍ فِيْهِنَّ وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ وَفِیْ مِثْلِ هٰذَا أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ هٰذِهِ الْآيَةُ (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِی لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ)إِلَى آخِرِ الْآيَةِ(ترمذی) [1]

---

[1] حديث نمبر ۳۱۹۵، كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة لقمان، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر، واللفظ لهٗ، المعجم الكبير للطبرانى حديث نمبر ۷۶۵۰، وحديث نمبر ۷۷۶۳، مسند احمد حديث نمبر ۲۲۲۸۰.

قَالَ الترمذى:

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ إِنَّمَا يُرْوَى مِنْ حَدِيثِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِى أُمَامَةَ وَالْقَاسِمُ ثِقَةٌ وَعَلِىُّ بْنُ يَزِيدَ يُضَعَّفُ فِى الْحَدِيثِ قَالَهُ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَعِيلَ.

وقال الالبانى بعد البحث الطويل:

و بقى الحديث على ضعفه ، إلا ما يتعلق منه بنزول الآية فى الغناء ، للشواهد الصحيحة المذكورة عن ابن مسعود و غيره ، فإنها فى حكم المرفوع عند الحاكم و غيره ، لاسيما و قد حلف ابن مسعود ثلاث مرات على نزولها فى الغناء ، و قد صححه ابن القيم فى "إغاثة اللهفان(۱/۲۴۰)عن ابن عباس و ابن مسعود ، ثم تتابعت الآثار بذلك عن التابعين وغيرهم ، و منهم الحسن البصرى ، فقد جزم بأنها نزلت فى الغناء و المزامير .كماأخرجه ابن أبى حاتم عنه كما فى "الدر المنثور "(۵/۱۵۹)(السلسلة الصحيحة ، تحت حديث رقم ۲۹۲۲)

ترجمہ: تم گانے والی (عورتوں اور چیزوں) کی خرید وفروخت نہ کرو، اور ان کو گانا بھی نہ سکھاؤ، اور ان کی تجارت میں کوئی خیر نہیں، اور ان کی قیمت حرام ہے، اور اسی جیسی چیزوں کے بارے میں سورہ لقمان کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَشۡتَرِى لَهۡوَ الۡحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيلِ اللَّهِ)إلَى آخِرِ الۡآيَةِ

(ترجمہ ختم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ :إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ الۡقَيۡنَةَ , وَبَيۡعَهَا ,وَثَمَنَهَا وَتَعۡلِيمَهَا ,وَالۡاِسۡتِمَاعَ إِلَيۡهَا ثُمَّ قَرَأَ"وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡتَرِیۡ لَهۡوَ الۡحَدِيثِ" (ذم الملاهی لابن ابی الدنیا) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے گانے والی (عورت اور آلات) کو حرام کیا ہے، اس کے بیچنے کو بھی، اور اس کی قیمت کو بھی، اور اس کو گانا سکھانے کو بھی، اور اس کا گانا سننے کو بھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَشۡتَرِى لَهۡوَ الۡحَدِيثِ (ترجمہ ختم)

پہلے زمانے میں گانا صرف انسان کی زبان سے ہوتا تھا، اور آج گانے کو مختلف چیزوں (مثلاً کیسٹ، سی ڈی وغیرہ تمام الیکٹرونک آلات) میں ریکارڈ کرلیا جاتا ہے، جن چیزوں میں گانا ریکارڈ کرلیا جائے، وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں، اور ان کی خرید وفروخت اور ان سے گانا سننا گناہ ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سورہ لقمان کی مذکورہ آیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

هُوَ وَاللّٰهِ الۡغِنَاءُ (مستدرک حاکم) [2]

---

[1] حديث نمبر ۲۵، ص ۳۹، مكتبة ابن تيمية، القاهرة -مصر.

[2] حديث نمبر ۳۵۴۲، كتاب التفسير، دار الكتب العلمية -بيروت، واللفظ لهٗ، شعب الايمان للبيهقي حديث نمبر ۴۷۴۳، مصنف ابن ابی شيبة حديث نمبر ۲۱۵۳۷.
قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الۡإِسۡنَادِ وَلَمۡ يُخۡرِجَاهُ "
وقال الذهبی فی التلخيص :صحيح

ترجمہ: قسم اللہ کی وہ (یعنی لہوالحدیث) گانا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس، اور حضرت مجاہد، اور حضرت عکرمہ وغیرہ سے بھی مذکورہ آیت کی یہی تفسیر منقول ہے۔ [1]

اور حضرت عبد الرحمٰن بن غنم اشعری سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ابوعامر یا ابومالک اشعری نے بیان کیا ہے اور اللہ کی قسم انہوں نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا؛ کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا:

لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَّ وَالْحَرِيرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ (بخاری) [2]

ترجمہ: یقیناً میری اُمت میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو زنا، ریشم اور شراب اور آلاتِ موسیقی کو (خوشنما تعبیروں سے، جیسے آرٹ، کلچر، ثقافت وغیرہ) حلال کرلیں گے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

---

[1] حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى ، عَنِ الْحَكَمِ ، عَنْ مِقْسَمٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : الْغِنَاءُ وَشِرَاءُ الْمُغَنِّيَةِ.
حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ ، عَنْ لَيْثٍ ، عَنْ مُجَاهِدٍ ، قَالَ :هُوَ الْغِنَاءُ ، وَالْغِنَاءُ مِنْهُ ، وَالإِسْتِمَاعُ إِلَيْهِ.
حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ ، عَنْ شُعَيْبٍ ، عَنْ عِكْرِمَةَ ، قَالَ هُوَ الْغِنَاءُ.
حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ ، قَالَ :سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ يَقُولُ :هُوَ الْغِنَاءُ.
حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنِ الْحَكَمِ ، عَنْ مُجَاهِدٍ ، قَالَ :هُوَ الْغِنَاءُ.
حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ سُفْيَانَ ، عَنْ حَبِيبٍ ، قَالَ :هُوَ الْغِنَاءُ.
حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ ، عَنْ عَطَاءٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ :هُوَ الْغِنَاءُ وَنَحْوُهُ.
حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ ، عَنْ مُجَاهِدٍ وَإِبْرَاهِيمَ ، قَالَ إِبْرَاهِيمُ :الْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ ، قَالَ :وَقَالَ مُجَاهِدٌ :(وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ) هو الْغِنَاءُ(مصنف ابنِ ابی شیبة، کتاب البیوع والاقضیة، باب فِی هذِهِ الآیةِ ومِن النّاسِ من یشترِی لهو الحدِیثِ)

[2] حدیث نمبر ۵۵۹۰، کتاب الأشربة، باب ماجاء فیمن یستحل الخمر ویسمیه بغیر اسمه، دارطوق النجاة، بیروت.

وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَيَبِيْتَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِیْ عَلٰی أَشَرٍ وَبَطَرٍ وَلَعِبٍ وَلَهْوٍ، فَيُصْبِحُوْا قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ بِاسْتِحْلَالِهِمُ الْمَحَارِمَ، وَاتِّخَاذِهِمُ الْقَيْنَاتِ، وَشُرْبِهِمُ الْخَمْرَ، وَأَكْلِهِمُ الرِّبَا، وَلُبْسِهِمُ الْحَرِيْرَ (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، میری امت میں سے کچھ لوگ تکبر اور اتراہٹ اور لہو ولعب کے ساتھ رات گزاریں گے، پس صبح ہونے تک وہ بندر وخنزیر بنادیئے جائیں گے، حرام چیزوں کو حلال سمجھنے کی وجہ سے، اور گانے والی (عورتوں اور چیزوں) کو اختیار کرنے کی وجہ سے، اور شراب کے پینے کی وجہ سے، اور سود کے کھانے کی وجہ سے، اور ریشم کے پہننے کی وجہ سے (ترجمہ ختم)

جو لوگ نعوذ باللہ تعالیٰ موسیقی کو روح کی غذا قرار دے رہے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے نام پر اس کو کارِ خیر سمجھ کر اختیار کر رہے ہیں، وہ بھی اس حدیث کی مذکورہ وعید میں داخل ہیں۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يُمْسَخُ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِیْ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ ، قِيْلَ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَيَشْهَدُوْنَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَيَصُوْمُوْنَ؟ قَالَ : نَعَمْ ، قِيْلَ :فَمَا بَالُهُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ :يَتَّخِذُوْنَ الْمَعَازِفَ وَالْقَيْنَاتِ وَالدُّفُوْفَ، وَيَشْرَبُوْنَ الْأَشْرِبَةَ، فَبَاتُوْا عَلٰی شُرْبِهِمْ وَلَهْوِهِمْ، فَأَصْبَحُوْا قَدْ مُسِخُوْا قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ (حلية الأولياء لأبی نُعيم الأصبهانی) [2]

ترجمہ: آخری زمانے میں میری امت کے کچھ لوگوں کو بندر اور خنزیر کی شکل سے مسخ کر دیا جائے گا، کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ لوگ اللہ کی توحید اور آپ کے رسول ہونے کی گواہی دیں گے، اور روزے رکھیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

[1] حديث نمبر ۲۲۷۹۰، مؤسسة الرسالة، بيروت.

حسن لغيره (صحيح الترغيب والترهيب للالبانی، كتاب الحدود وغيرها، الترغيب فی الأمر بالمعروف والنهی عن المنكر والترهيب من تركهما والمداهنة فيهما)

[2] ج۳ص ۱۱۹، ۱۲۰، دارالكتاب العربی، بيروت، واللفظ لهٗ؛ ذم الملاهی، حديث نمبر ۸.

قال ابونعيم: كذا رواه حسان عن أبی هريرة مرسلاً .ورواه غيره عن الحسن، عن أبی هريرة متصلاً

کہ جی ہاں۔

عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! اُن کے کیا اعمال ہوں گے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ گانے بجانے کے آلات اختیار کریں گے، اور گانے والی (عورتیں اور چیزیں) رکھیں گے، اور ڈھول، اور دَف رکھیں گے، اور شرابیں پییں گے، تو وہ شراب پی کر اور لہو ولعب کی حالت میں رات گزاریں گے، پھر اس حال میں صبح کریں گے کہ ان کو بندر اور خنزیر کی شکلوں میں مسخ کر دیا گیا ہوگا (ترجمہ ختم)

موسیقی کو جائز بلکہ ثواب سمجھنے والے سوچ لیں کہ وہ اللہ کی پکڑ میں نہ آ جائیں، اور بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ نہ کر دیے جائیں۔ [1]

اور حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِيْ الْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا يُضْرَبُ عَلٰى رُءُ وْسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْقَيْنَاتِ يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْأَرْضَ وَيَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ (التاريخ الكبير للبخارى) [2]

---

[1] (ليشرين أناس من أمتى الخمر يسمونها بغير اسمها ويضرب على رؤوسهم بالمعازف) أى الدفوف ونحوها (والقينات) أى الإماء المغنيات (يخسف الله بهم الأرض ويجعل منهم القردة والخنازير) وفيه وعيد شديد على من يتحيل فى تحليل ما يحرم بتغيير اسمه وأن الحكم يدور مع العلة فى تحريم الخمر وهى الإسكار فمهما وجد الإسكار وجد التحريم ولولم يستمر الاسم قال ابن العربى :هو أصل فى أن الأحكام إنما تتعلق بمعانى الأسماء لا بإلقائها ردا على من جمد على اللفظ قال ابن القيم :فيه تحريم آلة اللهو فإنه قد توعد مستحل المعازف بأنه يخسف به الأرض ويمسخهم قردة وخنازير وإن كان الوعيد على جميع الأفعال ولكل واحد قسط من الذم والوعيد -. (ه حب طب هب عنه) أى عن أبى مالک الأشعرى قال ابن القيم :إسناده صحيح(فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ٧٧٠٦)

[2] ج ا ص ٣٠٥،دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد -الدكن،واللفظ لهٗ،ابنِ ماجة حديث نمبر ٤٠١٠، كتاب الفتن، باب العقوبات، شعب الايمان حديث نمبر ٥٢٢٧، مصنف ابنِ ابى شيبة حديث نمبر ٢٤٢٢٧، المعجم الكبير للطبرانى حديث نمبر ٣٣٤٢، صحيح ابنِ حبان حديث نمبر ٦٧٥٨.

قلت :وهذا إسناد رجاله ثقات غير مالک هذا فإنه لا يعرف إلا برواية حاتم عنه فهو مجهول ولذلک قال الحافظ فيه " :مقبول "أى عند المتابعة (تحريم آلات الطرب للألبانى ،ص ٤٥)

ترجمہ: کچھ لوگ میری امت میں سے شراب پئیں گے، جس کا نام شراب کے علاوہ کچھ اور رکھیں گے ان کے سروں پر گانے بجانے کے آلات بجائے جائیں گے، اور گانے والی گانے گائیں گی، اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دیں گے، اور ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ بندر اور خنزیر بنا دیں گے (ترجمہ ختم)

معازف عربی زبان میں گانے بجانے کے تمام آلات کو کہا جاتا ہے، جس میں ڈھول، بانسری وغیرہ سب داخل ہیں۔

اس حدیث سے تمام آلاتِ موسیقی کا حرام ہونا ظاہر ہوا۔ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يُمْسَخُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ قِرَدَةً ,وَطَائِفَةٌ خَنَازِيْرَ ,وَيُخْسَفُ بِطَائِفَةٍ وَيُرْسَلُ عَلٰى طَائِفَةٍ الرِّيْحُ الْعَقِيْمُ بِأَنَّهُمْ شَرِبُوا الْخَمْرَ ,وَلَبِسُوا الْحَرِيْرَ ,وَاتَّخَذُوْا الْقِيَانَ ,وَضَرَبُوْا بِالدُّفُوْفِ (ذم الملاهی لابن ابی الدنیا) [2]

---

[1] والمعازف وقوله يستحلون قال بن العربی يحتمل أن يكون المعنى يعتقدون ذلک حلالا ويحتمل أن يكون ذلک مجازا على الاسترسال أی يسترسلون فی شربها كالاسترسال فی الحلال وقد سمعنا ورأينا من يفعل ذلک قوله والمعازف بالعين المهملة والزای بعدها فاء جمع معزفة بفتح الزای وهی آلات الملاهی ونقل القرطبی عن الجوهری أن المعازف الغناء والذی فی صحاحه أنها آلات اللهو وقيل أصوات الملاهی وفی حواشی الدمياطی المعازف الدفوف وغيرها مما يضرب به ويطلق على الغناء عزف وعلى كل لعب عزف ووقع فی رواية مالک بن أبی مريم تغدو عليهم القيان وتروح عليهم المعازف (فتح الباری -لابن حجر،باب ما جاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه)

المعازف ، هی الدفوف وغيرها مما يضرب (به) كما فی "النهاية "
وفی "القاموس : "هی الملاهی كالعود والطنبور الواحد (عزف) أو (معزف) كمنبر ومكنسة و (العازف) : اللاعب بها والمغنی ولذلک قال ابن القيم فی "الإغاثة : "وهی آلات اللهو كلها لا خلاف بين أهل اللغة فی ذلک وأوضح منه قول الذهبی فی "السير "(۱۵۸/۲۱) (المعازف) : اسم لكل آلات الملاهی التی يعزف بها كالمزمار والطنبور والشبابة والصنوج ونحوه فی كتابه "تكرة الحفاظ "(۱۳۳۷/۲)(تحريم آلات الطرب،للألبانی، صفحة ۷۹)

[2] حديث نمبر ۶،ص۲۸، مكتبة ابن تيمية، القاهرة -مصر.
كنز العمال جلد۱۵، صفحه ۲۲۳، عن ابن ابی الدنيا فی ذم الملاهی وابو الشيخ فی الفتن.

ترجمہ: میری امت کے ایک گروہ کو بندر بنا دیا جائے گا اور ایک گروہ کو خنزیر، اور ایک گروہ کو زمین میں دھنسایا جائے گا اور ایک گروہ پر نامبارک آندھی بھیجی جائے گی، اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوگا کہ وہ لوگ شرابیں پئیں گے، اور ریشم پہنیں گے، اور گانے بجانے والی عورتیں رکھیں گے، اور طبلے ڈھول بجائیں گے (ترجمہ ختم)

اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَكُوْنُ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَسْفٌ وَّمَسْخٌ وَقَذْفٌ، قِيْلَ وَمَتٰى ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ اِذَا ظَهَرَ الْقَيَّانِ وَالْمَعَازِفُ وَاسْتَحَلَّتِ الْخُمُوْرَ (مسند عبد بن حميد) [1]

ترجمہ: اس امت میں دھنسائے جانے اور صورتیں مسخ کیے جانے اور پتھر برسائے جانے کا عذاب ہوگا، سوال کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ کب ہوگا؟ فرمایا: جب گانے بجانے والی عورتوں اور گانے بجانے کے آلات (موسیقی) کی کثرت ہو جائے گی، اور شرابوں کو حلال سمجھا جانے لگے گا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

يَبِيْتُ قَوْمٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى طَعَامٍ وَشَرَابٍ وَلَهْوٍ، فَيُصْبِحُوْنَ قَدْ مُسِخُوْا خَنَازِيْرَ، وَلَيُخْسَفَنَّ بِقَبَائِلَ فِيْهَا وَفِيْ دُوْرٍ فِيْهَا، حَتّٰى يُصْبِحُوْا فَيَقُوْلُوْا خُسِفَ اللَّيْلَةَ بِبَنِيْ فُلَانٍ خُسِفَ اللَّيْلَةَ بِدَارِ بَنِيْ فُلَانٍ، وَأُرْسِلَتْ عَلَيْهِمْ حَصْبَاءُ حِجَارَةٌ كَمَا أُرْسِلَتْ عَلٰى قَوْمِ لُوْطٍ، وَأُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الرِّيْحُ الْعَقِيْمُ فَتَنْسِفُهُمْ كَمَا نَسَفَتْ مَنْ كَانَ قَبْلَهُمْ بِشُرْبِهِمُ الْخَمْرَ، وَأَكْلِهِمُ الرِّبَا، وَلُبْسِهِمُ الْحَرِيْرَ، وَاتِّخَاذِهِمُ الْقَيْنَاتِ، وَقَطِيْعَتِهِمُ الرَّحِمَ قَالَ وَذَكَرَ خَصْلَةً أُخْرٰى فَنَسِيْتُهَا (مستدرك حاكم) [2]

---

[1] جلد ۲ صفحہ ۳۸، حديث نمبر ۴۵۴.

[2] حديث نمبر ۸۵۷۲ كتاب الفتن والملاحم، دار الكتب العلمية -بيروت؛ مسند ابوداؤد الطيالسي، حديث نمبر ۱۲۲۰.

قال الحاكم: "هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ لِجَعْفَرٍ، فَأَمَّا فَرْقَدٌ فَإِنَّهُمَا لَمْ يُخْرِجَاهُ

تعليق الذهبي في التخليص: صحيح.

ترجمہ: میری امت میں سے کچھ لوگ کھانے پینے اور لہو (گانے بجانے کے مشغلہ) پر رات گزاریں گے، پھر صبح ہونے پر مسخ کر کے خنزیر بنا دیے جائیں گے، اور کچھ قبیلوں اور گھرانوں کو ان کے گھروں سمیت زمین میں دھنسا دیا جائے گا، جب لوگ صبح کریں گے، تو کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو فلاں قبیلہ کو، فلاں گھرانے کو، گھروں سمیت دھنسا دیا، اور ان پر تیز آندھی اور پتھر پھینکے جائیں گے، جیسا کہ قومِ لوط پر پھینکے گئے، اور ان پر تیز وتند طوفان بھیجا جائے گا، جو ان کو تہس نہس کر دے گا، جس طرح پہلے لوگوں کو کیا گیا تھا، ان کے شراب پینے کی وجہ سے اور سود کھانے کی وجہ سے اور رشوت لینے کی وجہ سے اور ریشم پہننے کی وجہ سے، اور گانے والی (عورتیں اور چیزیں) اختیار کرنے کی وجہ سے، اور ان کے قطع رحمی کرنے کی وجہ سے، اور اس کے علاوہ بھی بعض خصلتیں ذکر کیں، جو مجھے یاد نہیں رہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: صَوْتَانِ مَلْعُوْنَانِ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ: مِزْمَارٌ عِنْدَ نَعْمَۃٍ وَرَنَّۃٌ عِنْدَ مُصِیْبَۃٍ(مسند البزار) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آوازیں دنیا وآخرت میں ملعون ہیں، ایک خوشی کے وقت بانسری کی آواز، اور دوسرے مصیبت کے وقت نوحے کی آواز (ترجمہ ختم)

ملعون ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ باعثِ لعنت ہیں، جس سے بانسری اور باجے کا حرام وناجائز ہونا معلوم ہوا۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

نَهَیْتُ عَنْ صَوْتَیْنِ أَحْمَقَیْنِ فَاجِرَیْنِ، صَوْتٍ عِنْدَ نَغْمَۃٍ لَهْوٍ وَلَعِبٍ

---

[1] حدیث نمبر ۷۵۱۳، مکتبۃ العلوم والحکم - المدینۃ المنورۃ.

قال الهيثمي:

رواه البزار ورجاله ثقات(مجمع الزوائد، ج۳ص۱۳، باب فی النوح، مکتبۃ القدسی، قاھرۃ)

وَمَزَامِيرِ الشَّيْطَانِ، وَصَوْتٍ عِنْدَ مُصِيبَةٍ لَطْمِ وُجُوهٍ وَشَقِّ جُيُوبٍ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: میں نے دو احمق اور فاجر (گناہ والی) آوازوں سے منع کیا ہے، ایک نغمہ کے وقت لہو ولعب کی اور شیطانی بانسریوں سے، اور مصیبت کے وقت کی آواز سے اپنے چہرے کو پیٹنے سے، اور اپنے کپڑے پھاڑنے سے (ترجمہ ختم)

اور حضرت نافع سے روایت ہے:

كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِيْ سَفَرٍ، فَسَمِعَ صَوْتَ مِزْمَارٍ، فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى أُذُنَيْهِ، وَتَنَحّٰى حَيْثُ لَا يَسْمَعُ، وَقَالَ هٰكَذَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَصْنَعُ إِذَا سَمِعَ مِثْلَ هٰذَا (شعب الإيمان للبيهقي) [2]

ترجمہ: میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سفر میں تھا، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے بانسری کی آواز سنی، تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھ لئے اور اس وقت تک جھکے رہے، جب تک اس کی آواز نہ سنائی دیتی رہی، اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کیا کرتے تھے، جبکہ اس جیسی آواز سنا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

---

[1] حديث نمبر ۶۸۲۵، كتاب معرفة الصحابة، دار الكتب العلمية، بيروت، واللفظ لهٗ، مصنف ابن ابى شيبة حديث نمبر ۱۲۲۵۱، كتاب الجنائز، من رخص فى البكاء على الميت، شرح معانى الآثار حديث نمبر ۶۹۷۵، سنن البيهقى حديث نمبر ۷۴۰۲، مسند عبدبن حميد حديث نمبر ۱۰۰۸، شرح السنة للبغوى، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت وما رخص فيه من إرسال الدمع.

قال الالبانى:

سكت عليه الحاكم و الذهبى ، و رجال إسناده ثقات ، إلا أن ابن أبى ليلى سيىء الحفظ ، فمثله يستشهد به و يعتضد . و فى الحديث تحريم آلات الطرب لأن المزمار هو الآلة التى يزمر بها (السلسلة الصحيحة تحت حديث رقم ۴۲۷)

[2] حديث نمبر ۴۷۶۰، فَصْلٌ وَمَا يَنْبَغِي لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ أَنْ يَحْفَظَ لِسَانَهٗ، عَنِ الْغِنَاءِ ،مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض.

قال البيهقى:

"تَابَعَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ، عَنْ أَبِى الْمَلِيحِ، فَرُوِّينَا مِنْ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى، وَالْمُطْعِمِ بْنِ الْمِقْدَامِ، عَنْ نَافِعٍ (حواله بالا)

اور ایک روایت میں یہ قصہ اس طرح مذکور ہے کہ:

أَنَّ ابُنَ عُمَرَ سَمِعَ صَوُتَ زَمَّارَةِ رَاعٍ فَوَضَعَ أُصُبُعَيُهِ فِيُ أُذُنَيُهِ، وَعَدَلَ رَاحِلَتَهُ عَنِ الطَّرِيُقِ، وَهُوَ يَقُوُلُ :يَا نَافِعُ أَتَسُمَعُ ؟، فَأَقُوُلُ :نَعَمُ، فَيَمُضِيُ حَتّٰى، قُلُتُ :لَا فَوَضَعَ يَدَيُهِ، وَأَعَادَ رَاحِلَتَهُ إِلَى الطَّرِيُقِ، وَقَالَ رَأَيُتُ رَسُوُلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ وَسَمِعَ صَوُتَ زَمَّارَةِ رَاعٍ فَصَنَعَ مِثُلَ هٰذَا (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سنی، تو اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں رکھ لیا، اور اپنی سواری کو راستے سے ہٹا لیا (آواز سے دور ہونے کی غرض سے راستے سے ہٹ کر چلتے رہے) اور یہ کہتے رہے کہ اے نافع کیا آپ کو آواز آرہی ہے، میں نے کہا کہ جی ہاں، آپ نے یہ عمل برابر جاری رکھا، یہاں تک کہ میں نے کہا کہ اب آواز نہیں آرہی، تو آپ نے اپنے ہاتھ ہٹائے، اور اپنی سواری کو راستے پر واپس لے آئے، اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سننے کے وقت اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا (ترجمہ ختم)

ملاحظہ فرمایئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اتباع میں صحابۂ کرام تو ایک بانسری کی آواز آنے پر بھی کان بند فرما لیا کرتے تھے، اور آج آپ کے نام لیوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہی کتنے موسیقی کے آلات استعمال کرتے ہیں۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيُكُمُ الُخَمُرَ، وَالُمَيُسِرَ، وَالُكُوُبَةَ، وَقَالَ كُلُّ مُسُكِرٍ حَرَامٌ (مسند أحمد) [2]

---

[1] حديث نمبر ۴۵۳۵، مؤسسة الرسالة، بيروت .
حديث، حسن (حاشية مسند احمد)

[2] حديث نمبر ۲۶۲۵ ،مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، ابوداوٗد حديث نمبر ۳۶۹۸.
إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر شراب کو، اور جوے کو، اور طبلے کو حرام کیا ہے، اور فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَیْھِمْ ذَاتَ یَوْمٍ وَھُمْ فِی الْمَسْجِدِ فَقَالَ : إِنَّ رَبِّیْ حَرَّمَ عَلَیَّ الْخَمْرَ وَالْمَیْسِرَ وَالْکُوْبَةَ وَالْقِنِّیْنَ . وَالْکُوْبَةُ اَلطَّبْلُ (السنن الکبری للبیھقی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ان کے پاس تشریف لائے، اور وہ لوگ اس وقت مسجد میں تھے، اور فرمایا کہ بے شک میرے رب نے میرے اوپر شراب کو اور جوئے کو اور کوبہ کو حرام کیا ہے، اور کوبہ سے مراد طبلہ ہے (ترجمہ ختم)

طبلہ گانے بجانے کے آلات میں سے ہے، جب یہ بھی حرام ہے تو دوسرے گانے بجانے کے آلات کیونکر جائز ہوں گے؟ [2]

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ سَبْعٍ، وَأَنَا أَنْھَاکُمْ عَنْھُنَّ، أَلَا إِنَّ مِنْھُنَّ :اَلنَّوْحَ، وَالْغِنَاءَ، وَالتَّصَاوِیْرَ، وَالشِّعْرَ، وَالذَّھَبَ، وَجُلُوْدَ السِّبَاعِ، وَالتَّبَرُّجَ ,وَالْحَرِیْرَ (مسند أبی یعلی الموصلی) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں سے منع فرمایا، اور میں بھی تمہیں ان سے منع کرتا ہوں، خبردار ہو جاؤ، ان میں سے ایک چیز نوحہ ہے، اور ایک گانا ہے، اور ایک تصاویر ہیں، اور ایک شعر ہے، اور ایک (مردکو) سونا (پہننا) ہے، اور ایک

---

[1] حدیث نمبر ۲۰۹۹۴، باب :ما جاء فی ذم الملاھی من المعازف والمزامیر ونحوھا، دار الکتب العلمیة، بیروت.

[2] وأما الطنبور فھو بضم الطاء والموحدة بینھما نون ساکنة آلة من آلات الملاھی معروفة وقد تفتح طاؤہ (فتح الباری -لابن حجر، باب ھل تکسر الدنان التی فیھا خمر أو تخرق الزقاق)

[3] حدیث نمبر ۷۳۷۴، ج۱۳ ص۳۶۴، دار المأمون للتراث -دمشق، واللفظ لہ، مسند الشامیین للطبرانی حدیث نمبر ۱۳۹۲.

درندے کی کھال ہے، اور ایک (زمانۂ جاہلیت کی طرح) عورتوں کا بے پردہ پھرنا ہے، اور ایک (مرد کو) ریشم (کا پہننا) ہے (ترجمہ ختم)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [۱]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْجَرَسُ مَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ (صحيح مسلم) [۲]

ترجمہ: گھنٹی شیطان کے گانے بجانے کے آلات میں سے ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ واقعہ مروی ہے:

إِذْ دُخِلَ عَلَيْهَا بِجَارِيَةٍ وَعَلَيْهَا جَلاَجِلُ يُصَوِّتْنَ فَقَالَتْ لاَ تُدْخِلْنَهَا عَلَيَّ إِلَّا أَنْ تَقْطَعُوْا جَلاَجِلَهَا وَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- يَقُوْلُ لاَ تَدْخُلُ الْمَلاَئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ جَرَسٌ (سنن أبي داؤد) [۳]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک بچی لائی گئی، جس نے آواز والے گھنگھرو پہنے ہوئے تھے، تو انہوں نے فرمایا کہ اسے میرے پاس نہ لاؤ، جب تک کہ

---

[۱] عَنْ كَيْسَانَ، مَوْلَى مُعَاوِيَةَ، قَالَ: خَطَبَ مُعَاوِيَةُ النَّاسَ، فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "نَهَى عَنْ تِسْعٍ، وَأَنَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُنَّ: النَّوْحُ، وَالشَّعْرُ، وَالتَّبَرُّجُ، وَالتَّصَاوِيرُ، وَجُلُودُ السِّبَاعِ، وَالْغِنَاءُ، وَالذَّهَبُ، وَالْخَزُّ، وَالْحَرِيرُ." (المعجم الكبير، حديث نمبر ۱۶۲۴۱)

عَنْ كَيْسَانَ، مَوْلَى مُعَاوِيَةَ، قَالَ: خَطَبَنَا مُعَاوِيَةُ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "نَهَى عَنْ تِسْعٍ، وَأَنَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُنَّ، أَلَا إِنَّ مِنْهُنَّ: النَّوْحُ، وَالْغِنَاءُ، وَالتَّصَاوِيرُ، وَالشَّعْرُ، وَالذَّهَبُ، وَالْخَزُّ، وَالسُّرُوجُ، وَالْحَرِيرُ." (المعجم الكبير حديث نمبر ۸۷۸، مكتبة ابن تيمية، القاهرة)

قال الهيثمي:

قلت رواه النسائي باختصار رواه الطبراني باسنادين رجال أحدهما ثقات (مجمع الزوائد، ج۸ ص ۱۲۰، مكتبة القدسي، قاهرة)

[۲] حديث نمبر ۲۱۱۴، كتاب اللباس والزينة، باب كراهة الكلب والجرس في السفر، دار إحياء التراث العربي - بيروت.

[۳] حديث نمبر ۴۲۳۱، كتاب الخاتم، باب ما جاء في الجلاجل، المكتبة العصرية، صيدا - بيروت.

اس کے گھنگھرو نہ کاٹ دو، اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے، جس میں گھنٹی ہو (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً وموقوفاً روایت ہے کہ:

اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ (ابوداؤد مرفوعاً) [1]

ترجمہ: گانا بجانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے (ترجمہ ختم)

اگر اس حدیث کو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد قرار دیا جائے، تب بھی یہ مرفوع حدیث (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد) کا درجہ رکھتا ہے۔ [2]

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی بسندِ ضعیف اسی طرح کی حدیث کچھ اضافے کے ساتھ مروی ہے۔ [3]

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

الدُّفُّ حَرَامٌ وَالْمَعَازِفُ حَرَامٌ وَالْکُوْبَةُ حَرَامٌ وَالْمِزْمَارُ حَرَامٌ (السنن الکبری للبیهقی) [4]

ترجمہ: دَف حرام ہے، اور گانے بجانے کے آلات (موسیقی) حرام ہیں، اور طبلہ حرام

---

[1] حدیث نمبر ۴۹۲۷، کتاب الادب، باب کراهية الغناء والزمر، المكتبة العصرية، صيدا - بيروت، شعب الايمان، حديث نمبر ۴۷۴۴؛ تعظيم قدر الصلاة لمحمد بن نصر المروزی، حديث نمبر ۶۸۷، موقوفاً.

[2] وقال العراقی :رفعه غير صحيح لأن فی إسناده من لم يسم وفيه إشارة إلى أن وقفه على إبن مسعود صحيح وهو فی حكم المرفوع إذ مثله لا يقال من قبل الراى (روح المعانی، سورة الحج، جزء۲، صفحه ۶۸)

[3] عَنْ أَبِی الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " : الْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ، كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ "(شعب الإيمان، حديث نمبر ۴۷۴۶)

[4] حديث نمبر ۲۱۰۰۰، باب :ما جاء فی ذم الملاهی من المعازف والمزامير ونحوها، دار الكتب العلمية، بيروت.

قلت :و هذا إسناد صحيح إن كان (أبو هاشم الكوفی) هو (أبو هاشم السنجاری) المسمى (سعدا) فإنه جزری كعبد الكريم وذكروا أنه روى عنه لكن لم أر من ذكر أنه كوفی وفی "ثقات ابن حبان "(۴/۲۹۶) أنه سكن دمشق والله أعلم(تحريم آلات الطرب، للألبانی، صفحه ۹۲)

ہے، اور بانسری حرام ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک تقریب کے حوالے سے یہ قصہ مذکور ہے:

فَمَرَّتْ عَائِشَةُ فِي الْبَيْتِ فَرَأَتْهُ يَتَغَنّٰى وَيُحَرِّكُ رَأْسَهُ طَرَبًا وَكَانَ ذَا شَعْرٍ كَثِيْرٍ .فَقَالَتْ :أُفٍّ شَيْطَانٌ أَخْرِجُوْهُ أَخْرِجُوْ (الادب المفرد للبخاری) [1]

ترجمہ: پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس گھر میں گزریں، تو اس آدمی کو دیکھا کہ وہ گانا گا رہا ہے، اور اپنے سر کو مستی کے ساتھ حرکت دے رہا ہے، اور اس کے بڑے بڑے بال تھے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اُف، یہ شیطان ہے، اسے باہر نکالو، باہر نکالو (ترجمہ ختم)

آج بھی قوال اور گویئے بڑے بڑے بال رکھتے ہیں، اور اپنے سر کو مستی سے ہلاتے ہیں، جو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کے مطابق شیطان ہیں۔

حضرت شریح فرماتے ہیں:

إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا يَدْخُلُونَ بَيْتًا فِيهِ دُفٌّ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [2]

ترجمہ: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے، جس میں دَف ہو (ترجمہ ختم)

حضرت سوید سے بھی یہی مروی ہے۔ [3]

اور حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں:

كَانَ أَصْحَابُ عَبْدِ اللهِ يَسْتَقْبِلُونَ الْجَوَارِيَ فِي الْأَزِقَّةِ مَعَهُنَّ الدُّفُوفُ

---

[1] حدیث نمبر ۱۲۴۷ ص ۷۰۸، مکتبة المعارف للنشر والتوزیع، الریاض.

قال الالبانی:

قلت :و إسناده محتمل للتحسين ، رجاله ثقات ، غير أم علقمة هذه و اسمها مرجانة وثقها العجلي و ابن حبان ، و روى عنها ثقتان (السلسلة الصحیحة للالبانی، تحت حدیث رقم ۷۲۲)

[2] حدیث نمبر ۲۶۹۹۳، باب من کرہ الدّفّ.

[3] عَنْ سُفْيَانَ ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ :قَالَ لِي خَيْثَمَةُ :أَمَّا سَمِعْتَ سُوَيْدًا يَقُولُ : لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ دُفٌّ (مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۲۶۹۹۴، باب من کرہ الدّفّ)

فَيَشُقُّونَهَا (مُصنف ابن أبي شيبة) [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو (آتے جاتے ہوئے) راستوں میں (چھوٹی) بچیوں کا سامنا ہوتا تھا، جن کے ساتھ دَفیں (طبلے وڈھولکیاں) ہوا کرتی تھیں، تو وہ اُن کو پھاڑ دیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک مکتوب میں یہ تحریر کیا کہ:

فَكَيْفَ يَنْجُو مَنْ كَثُرَتْ خُصَمَاؤُهُ وَإِظْهَارُكَ الْمَعَازِفَ وَالْمِزْمَارَ بِدْعَةٌ فِي الْإِسْلَامِ (سنن النسائی) [2]

ترجمہ: پس اس شخص کی کیسے نجات ہوگی، جس کے ساتھ جھگڑا کرنے والوں کی کثرت ہو، اور تمہارا گانے بجانے اور بانسریوں کا اظہار کرنا بھی اسلام میں بدعت ہے، (ترجمہ ختم)

ملحوظ رہنا چاہیئے کہ مندرجہ بالا احادیث میں واضح طور پر گانے بجانے کے آلات کا ذکر ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر خالی گانے بجانے کے آلات کو بھی استعمال کیا جائے اور اس کے ساتھ گانے والے کسی انسان کی آواز شامل نہ ہو تب بھی یہ ناجائز وحرام ہے۔

نیز گانے بجانے کے ناجائز ہونے پر ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل) رحمہم اللہ کا اجماع ہے۔ [3]

البتہ بعض روایات سے نکاح کے موقع پر دف کے ذریعے سے اعلان کی اجازت ملتی ہے۔ [4]

---

[1] حديث نمبر ٢٦٩٩٥، باب من كرِه الدّفّ، واللفظ لهٗ؛ تهذيب الآثار للطبري، حديث نمبر ١٦٣٧، وحديث نمبر ١٦٣٨.

[2] حديث نمبر ٤١٣٥، كتاب قسم الفيئ، مكتب المطبوعات الإسلامية -حلب.

[3] وفي شرح السنة اتفقوا على تحريم المزامير والملاهي والمعازف وكان الذي سمع ابن عمر صفارة الرعاة (مرقاة، كتاب الآداب، باب البيان والشعر)

فذهب أبو حنيفة ومالك وأحمد وعكرمة والشعبي والنخعي وحماد والثوري وجماعة من أهل الكوفة إلى تحريم الغناء وذهب آخرون إلى كراهته نقل ذلك عن ابن عباس ونص عليه الشافعي وجماعة من أصحابه وحكى ذلك عن مالك وأحمد (عمدة القاري، كتاب فضائل المدينة، باب بعد باب كراهية النبي أن تعرى المدينة)

[4] عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ الْجُمَحِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَرَامِ وَالْحَلَالِ الدُّفُّ وَالصَّوْتُ (ترمذي، بَاب مَا جَاءَ فِي إِعْلَانِ النِّكَاحِ، حديث نمبر ١٠٨٨)

لیکن اوّل تو گانے بجانے کے آلات کے ناجائز اور ڈھول اور دَف کے گانے بجانے کے آلات میں داخل ہونے اور خود دَف کے ناجائز ہونے پر احادیث وروایات موجود ہیں، اور جائز وناجائز میں تعارض ہونے کی صورت میں ناجائز کو ترجیح حاصل ہوا کرتی ہے۔ [1]

دوسرے دَف کے جائز ہونے کے سلسلہ میں بعض روایات ضعیف بھی ہیں۔

اور آخری درجے میں اگر دَف کا جائز ہونا بھی تسلیم کرلیا جائے تو وہ بھی کئی شرائط کے ساتھ مقید تھا، مثلاً: ایک شرط یہ تھی کہ دَف سادی ہو، اس کے ساتھ گھنگھر و اور گانے بجانے کا کوئی دوسرا آلہ استعمال نہ ہو (جیسا کہ پہلے زمانے میں سادہ دَفیں ہوا کرتی تھیں، اور آج کل معاملہ اس کے برعکس ہے)

اور دوسری شرط یہ تھی کہ دَف بجانے کا انداز سادہ ہو یعنی اس میں کوئی خاص طرز اور دھن نہ لگائی جائے (جیسا کہ مشّاق لوگ خاص طرز اور دھن کے ساتھ بجاتے ہیں) بلکہ بغیر کسی طرز کے اس کو چند مرتبہ بجالیا جائے، جس کو پیٹنا اور مارنا کہا جاتا ہے۔

اور اس کا نکاح وغیرہ کے موقع پر جائز ہونا بھی خواتین کے ساتھ مخصوص تھا، اور اس سے مقصود بھی (نکاح وغیرہ کا) اعلان تھا، نہ کہ بذاتِ خود اس کی آواز کا سننا سنانا یا لطف اندوز ہونا۔

اور آج کل پہلے زمانے کے مقابلے میں اعلان وشہرت کے دوسرے بے شمار جائز ذرائع موجود ہیں۔

اور جب اس سے مقصود اعلان تھا تو یہ بھی ضروری تھا کہ جتنی مقدار سے اعلان ہوجائے، اُس پر اکتفاء کیا جائے، نہ یہ کہ نکاح وغیرہ کے اعلان وعنوان سے گھنٹوں تک دَف اور ڈھول بجایا جائے۔

اور چوتھی شرط یہ تھی کہ اس کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر (حمد ونعت وغیرہ) شامل نہ ہو۔

اور ایک اہم شرط یہ بھی تھی کہ یہ کسی ناجائز چیز کا ذریعہ نہ بنے۔

اور آج کل چونکہ گانے بجانے کا استعمال اور جہالت عام ہے اور مذکورہ بالا شرائط کی رعایت بھی

---

[1] ملحوظ رہے کہ دَف اُسے کہا جاتا ہے کہ جس کے صرف ایک طرف بجانے کی جگہ ہوتی ہے، اور ڈھول اُسے کہا جاتا ہے جو دونوں طرف سے بجایا جاتا ہے۔

عام طور پر نہیں ہے، اس لئے موجودہ حالات میں محققین نے اس کو مطلقاً ممنوع قرار دیدیا ہے، کیونکہ جب کسی مباح وجائز بلکہ مستحب عمل میں بھی مفاسد پیدا ہوجائیں، تو وہ عمل جائز ومستحب سے نکل کر ناجائز زمرے میں داخل ہوجاتا ہے (ملاحظہ ہو ''امداد الفتاویٰ'' ج ۲ ص ۲۷۹، ''اسلام اور موسیقی'' ص ۲۱۵ مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ) [1]

---

[1] گویا کہ بعض حضرات کے نزدیک مندرجہ بالا شرائط کے پائے جانے کی صورت میں دَف کا بقدرِ ضرورت استعمال آلاتِ موسیقی سے خارج تھا، اور شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں آلاتِ موسیقی میں شامل تھا۔

قال الفقيه أبو الليث رحمه الله :الدف الذى يضرب فى زماننا هذا مع الصنجات والخلاخلات ينبغى أن يكون مكروهاً، وإنما الخلاف فى الذى كان يضرب فى الزمن المتقدم (المحيط البرهانى، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الثانى والثلاثون فى المتفرقات)

فَإِنْ قِيْلَ :الدف فى النكاح جائز بالحديث المعروف .فنقول :ذكر الفقيه أبو الليث السمرقندى فى "بستانه "هى كناية عن إعلان النكاح ولم يرو ضرب الدف نفسها (نصاب الاحتساب، الْبَابُ الستون فى الاحتساب على البدع فى الأنكحة، جزء ۱، ص ۳۸۹)

المراد به الدف الذى كان فى زمن المتقدمين وأما ما عليه الجلاجل فينبغى أن يكون مكروها بالاتفاق(مرقاة المفاتيح،كتاب النكاح،باب إعلان النكاح)

وَعَنْ الْحَسَنِ لَا بَأْسَ بِالدُّفِّ فِي الْعُرْسِ لِيَشْتَهِرَ .وَفِي السِّرَاجِيَّةِ هَذَا إذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ جَلَاجِلُ وَلَمْ يُضْرَبْ عَلَى هَيْئَةِ التَّطَرُّبِ اهـ. (رد المحتار، كتاب الحظر والاباحة)

(قوله ضرب الدف فيه) جواز ضرب الدف فيه خاص بالنساء لما فى البحر عن المعراج بعد ذكره أنه مباح فى النكاح وما فى معناه من حادث سرور .قال :وهو مكروه للرجال على كل حال للتشبه بالنساء (رد المحتار،كتاب الشهادات)

وَلَا بَأْسَ أَنْ يَكُونَ لَيْلَةَ الْعُرُسِ دُفٌّ يُضْرَبُ بِهِ لِيُعْلِنَ بِهِ النِّكَاحَ (رد المحتار، كتاب الاجارة، باب مَطْلَبٌ فِي الِاسْتِئْجَارِ عَلَى الطَّاعَاتِ)

وَيحل ضرب الدُّف فِي الْعرس لإعلان النِّكَاح وَضرب الطبل فِي الْحَج والغزاة للإعلام لَا للهو (تحفة الملوك لزين الدين أبو عبد الله محمد بن أبى بكر بن عبد القادر الحنفى الرازى، جزء ۱، صفحه ۲۳۸)

(قوله وكره كل لهو) أى كل لعب وعبث فالثلاثة بمعنى واحد كما فى شرح التأويلات والإطلاق شامل لنفس الفعل ، واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق ، فإنها كلها مكروهة لأنها زى الكفار ، واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذلك حرام وإن سمع بغتة يكون معذورا ويجب أن يجتهد أن لا يسمع قهستانى (رد المحتار،كتاب الحظر والإباحة،فصل فى البيع)ضرب الدف حال الذكر فمن أقبح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہر حال موسیقی اور گانے بجانے کے آلات کا استعمال ویسے ہی گناہ ہے، اور ذکر ونعت کے وقت اس طرح کے آلات کو استعمال کرنا اور بھی سنگین گناہ ہے۔

(۱۴)......نعتِ رسول اور اس کی شرائط کی خلاف ورزی

میلادُ النبی کے موقع پر نعت شریف کے خوبصورت عنوان سے اس قسم کے اشعار پڑھے جاتے ہیں کہ جو شرعی حدود میں نہیں آتے، اور اسی وجہ سے نعوذ باللہ تعالیٰ ان کو گانوں کے طرز پر پڑھا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

القبيح والله ولى دينه وناصر نبيه(مرقاة، كتاب المناقب، باب مناقب عمر رضى اللهٰعنه)

كَرِهَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ التَّغْبِيرَ وَنَهَى عَنْ اسْتِمَاعِهِ وَقَالَ بِدْعَةٌ وَمُحْدَثٌ .وَنَقَلَ أَبُو دَاوُد لَا يُعْجِبُنِى .وَنَقَلَ يُوسُفُ لَا يَسْتَمِعُهُ ، قِيلَ هُوَ بِدْعَةٌ ؟ قَالَ حَسْبُك .وَفِي الْمُسْتَوْعِبِ مَنَعَ إطْلَاقَ اسْمِ الْبِدْعَةِ عَلَيْهِ وَمِنْ تَحْرِيمِهِ لِأَنَّهُ شِعْرٌ مُلَحَّنٌ كَالْحُدَاءِ وَالْحَدْوِ لِلْإِبِلِ وَنَحْوِهِ . الْحَدْوُ سَوْقُ الْإِبِلِ وَالْغِنَاءُ لَهَا .وَقَدْ حَدَوْت الْإِبِلَ حَدْوًا وَاحِدًا بِمَعْنًى وَاحِدٍ إذَا سَاقَهَا وَزَجَرَهَا كَمَا فِي الْقَامُوسِ وَفِيهِ أَيْضًا الْمُغَبِّرُونَ قَوْمٌ يُغَبِّرُونَ بِذِكْرِ اللَّهِ تَعَالَى أَيْ يُهَلِّلُونَ وَيُرَدِّدُونَ الصَّوْتَ بِالْقِرَاءَةِ وَغَيْرِهَا ، سُمُّوا بِهَا لِأَنَّهُمْ يُرَغِّبُونَ النَّاسَ فِي الْغَابِرَةِ أَيْ الْبَاقِيَةِ .انْتَهَى .وَقَالَ الصَّغَانِيُّ فِي كِتَابِ مَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ :الْمُغَبِّرَةُ قَوْمٌ يُغَبِّرُونَ وَيَذْكُرُونَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ بِدُعَاءٍ وَتَضَرُّعٍ كَمَا قَالَ :عِبَادُك الْمُغَبِّرَةُ رُشَّ عَلَيْنَا الْمَغْفِرَةَ .وَقَدْ سَمَّوْا مَا يُطْرِبُونَ فِيهِ مِنْ الشِّعْرِ تَغْبِيرًا لِأَنَّهُمْ إذَا تَنَاشَدُوهُ بِالْأَلْحَانِ طَرِبُوا فَرَقَصُوا وَأَهْزَجُوا فَسُمُّوا الْمُغَبِّرَةَ لِهَذَا الْمَعْنَى .وَقَالَ ابْنُ دُرَيْدٍ :التَّغْبِيرُ تَهْلِيلٌ أَوْ تَرْدِيدُ صَوْتٍ يُرَدَّدُ بِقِرَاءَةٍ أَوْ غَيْرِهَا .قَالَ الْإِمَامُ الشَّافِعِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :أَرَى الزَّنَادِقَةَ وَضَعُوا هَذَا التَّغْبِيرَ لِيَصُدُّوا النَّاسَ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ تَعَالَى وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ .وَقَالَ الزَّجَّاجُ :مُغَبِّرِينَ لِتَزْهِيدِهِمْ النَّاسَ فِي الْفَانِيَةِ وَهِيَ الدُّنْيَا وَتَرْغِيبِهِمْ إيَّاهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَهِيَ الْغَابِرَةُ الْبَاقِيَةُ .انْتَهَى .(غذاء الألباب فى شرح منظومة الآداب مَطْلَبٌ :فِي حُكْمِ الْمُطْرِبِ كَالطُّنْبُورِ وَالْعُودِ)

قَالَ الْحَسَنُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْحَرَّانِي :سَمِعْت الشَّافِعِيَّ يَقُولُ :خَلَّفْت بِبَغْدَادَ شَيْئًا أَحْدَثَتْهُ الزَّنَادِقَةُ يُسَمُّونَهُ التَّغْبِيرَ يَصُدُّونَ بِهِ النَّاسَ عَنْ الْقُرْآنِ وَهَذَا مِنْ كَمَالِ مَعْرِفَةِ الشَّافِعِيِّ وَعِلْمِهِ بِالدِّينِ فَإِنَّ الْقَلْبَ إذَا تَعَوَّدَ سَمَاعَ الْقَصَائِدِ وَالْأَبْيَاتِ وَالْتَذَّ بِهَا حَصَلَ لَهُ نُفُورٌ عَنْ سَمَاعِ الْقُرْآنِ وَالْآيَاتِ فَيَسْتَغْنِي بِسَمَاعِ الشَّيْطَانِ عَنْ سَمَاعِ الرَّحْمَنِ (مجموع الفتاوى لأ بن تيمية، ج ١١ ص ٥٣٢)

وأما السماع المحدث، سماع الكف والدف والقصب، فلم تكن الصحابة والتابعون لهم بإحسان وسائر الأكابر من أئمة الدين يجعلون هذا طريقًا إلى الله تبارك وتعالى، ولا يعدونه من القرب والطاعات، / بل يعدونه من البدع المذمومة(المفصل فى شرح آية الولاء والبراء لابن نايف الشحود، ج ا ص ١٩٦)

جاتا ہے۔

اولاً تو نعت کی نسبت ایسی ہستی اور شخصیت کی طرف ہے کہ جن کے ساتھ ہمیں صرف محبت ہی کا تعلق نہیں ہے، بلکہ عظمت واحترام کا بھی تعلق ہے، اس لئے نعت میں کوئی ایسا طرز اختیار کرنا کہ جس کی وجہ سے خدانخواستہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کی بے احترامی یا دنیوی عشق ومعاشقے کا عنصر شامل ہو جائے، یہ سخت خطرناک ہے۔

دوسرے شعروشاعری میں اس قسم کے مفاسد اور خرابیوں کی وجہ سے شریعت نے شعروشاعری کو پسند نہیں کیا، اور اس کے لئے حدود قائم کردی ہیں، اور اسی لئے جب اشعار ان شرعی حدود میں ہوں، تو نہ صرف یہ کہ وہ جائز ہیں، بلکہ شریعت کی نظر میں پسندیدہ بھی ہیں۔

جس کی کچھ تفصیل قرآن وسنت کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ . اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ . وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ . اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا (سورۃ الشعراء آیت ۲۲۴ تا ۲۲۷)

ترجمہ: اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اور جو وہ کہتے ہیں کرتے نہیں۔ مگر وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے اور اللہ کو بہت یاد کیا (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ شعروشاعری کے نتیجہ میں انسان کے بھٹکنے کا خدشہ رہتا ہے، مگر ایمان اور اعمالِ صالحہ کی برکت سے اس سے حفاظت رہتی ہے۔ [1]

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

---

[1] (والشعراء يَتَّبِعُهُمُ الغاوون) فى شعرهم فيقولون به ويروونه عنهم فهم مذمومون . (أَلَمْ تَرَ) تعلم (أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ) من أودية الكلام وفنونه (يَهِيمُونَ) يمضون فيجاوزون الحدّ مدحا وهجاءً . (وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ) فعلنا (مَا لاَ يَفْعَلُونَ) أى يكذبون . (إِلَّا الذين ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ الصالحات) من الشعراء (وَذَكَرُواْ الله كَثِيراً) أى لم يشغلهم الشعر عن الذكر (تفسير الجلالين، تحت سورة الشعراء آیت ۲۲۴ تا ۲۲۷)

لَأَنْ يَّمْتَلِئَ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ أَنْ يَّمْتَلِئَ شِعْرًا (بخاری) [1]

ترجمہ: تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ (پَس) سے بھر جائے، یہ بہتر ہے، اس سے کہ شعر سے بھر جائے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَنْ يَّمْتَلِئَ جَوْفُ رَجُلٍ قَيْحًا يَرِيْهِ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ يَّمْتَلِئَ شِعْرًا (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے، جس کو وہ دیکھ رہا ہو، اس سے بہتر ہے کہ شعر سے پیٹ بھرے (ترجمہ ختم)

اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔ [3]

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بَيْنَا نَحْنُ نَسِيْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَرْجِ إِذْ عَرَضَ شَاعِرٌ يُنْشِدُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوا الشَّيْطَانَ أَوْ أَمْسِكُوْا الشَّيْطَانَ لَأَنْ يَّمْتَلِئَ جَوْفُ رَجُلٍ قَيْحًا خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ أَنْ يَّمْتَلِئَ شِعْرًا (مسلم) [4]

ترجمہ: اس درمیان کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرج وادی میں چل رہے تھے، کہ ایک شاعر سامنے آیا، جو شعر پڑھ رہا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان کو پکڑو، یا شیطان کو روکو، آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے، یہ بہتر ہے

---

[1] حديث نمبر ۶۱۵۴، كتاب الادب، باب ما يكره أن يكون الغالب على الإنسان الشعر، دارطوق النجاة، بيروت.

[2] حديث نمبر ۶۱۵۵، كتاب الادب، باب ما يكره أن يكون الغالب على الإنسان الشعر، دارطوق النجاة، بيروت.

[3] عَنْ سَعْدٍ عَنِ النَّبِىِّ -صلى الله عليه وسلم -قَالَ لَأَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا يَرِيهِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا .(مسلم،حديث نمبر ۲۲۵۸)

[4] حديث نمبر ۵۹۲۲، كتاب الشعر، دار إحياء التراث العربى -بيروت.

اس سے کہ شعر سے پیٹ بھرے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابونوفل بن ابی عقرب فرماتے ہیں:

سَأَلْتُ عَائِشَةَ، هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُتَسَامَعُ عِنْدَهُ الشِّعْرُ ؟ قَالَتْ كَانَ أَبْغَضَ الْحَدِيثِ إِلَيْهِ (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر سنے سنائے جاتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو شعر سب باتوں سے زیادہ ناپسند تھے (ترجمہ ختم)

دوسری طرف بعض شعروں کو حکمت پر بھی مبنی اور اچھا قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض شعر حکمت پر مبنی ہوتے ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

ذُكِرَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّعْرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ كَلَامٌ فَحَسَنُهُ حَسَنٌ وَقَبِيحُهُ قَبِيحٌ (دارقطنی) [3]

---

[1] حديث نمبر ٢٥٠٢٠، مؤسسة الرسالة، بيروت.
إسناده صحيح ، رجاله ثقات رجال الصحيح (حاشية مسند احمد)

[2] حديث نمبر ٦١٤٥، كتاب الادب، باب ما يجوز من الشعر والرجز والحداء وما يكره منه، دارطوق النجاة، بيروت.

[3] حديث نمبر ٤٣٠٦، كتاب الوكالة، باب خبر الواحد يوجب العمل، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، مسند ابی یعلیٰ حديث نمبر ٤٦٣٧، سنن البيهقی حديث نمبر ٢١٦٤٣، الكامل لابنِ عدی ج٤ص٢٧٨.

قال البيهقی:

وَصَلَهُ جَمَاعَةٌ وَالصَّحِيحُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- مُرْسَلٌ (حواله بالا)

وقال الهيثمی:

رواه أبو يعلى وفيه عبد الرحمن بن ثابت بن ثوبان وثقه دحيم وجماعة وضعفه ابن معين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر کا تذکرہ کیا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شعر ایک کلام ہے، جو اچھا ہو تو اچھا ہے، اور برا ہو تو برا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّعْرُ بِمَنْزِلَةِ الْكَلَامِ حَسَنُهُ كَحَسَنِ الْكَلَامِ وَقَبِيْحُهُ كَقَبِيْحِ الْكَلَامِ (دارقطنی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شعر کلام کے درجے میں ہے، جو اچھا ہو تو اچھے کلام کی طرح ہے، اور برا ہو تو برے کلام کی طرح ہے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ شعر اچھا بھی ہوسکتا ہے، اور برا بھی۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مضمون اور مفہوم بغیر نظم (نعت) کے نثر کے انداز میں شرعی اصولوں کے خلاف ہو، اس کو نظم کے انداز میں ذکر کرنا بھی جائز نہیں۔

اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وغيره ، وبقية رجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد، ج۸ص ۱۲۲ ،باب الشعر فى الكلام، مكتبة القدسى، قاهرة)

وقال الالبانى:

قلت :إذا لم يكن له علة غير ابن ثوبان هذا فهو حسن الإسناد(السلسلة الصحيحة للالبانى، تحت حديث رقم ۴۴۶)

[1] حديث نمبر ۴۳۰۸،كتاب الوكالة، باب خبر الواحد يوجب العمل، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ،الأدب المفرد للبخارى، حديث نمبر ۸۹۵، المعجم الكبير للطبرانى حديث نمبر ۱۴۸۸ ، المعجم الاوسط للطبرانى حديث نمبر ۷۶۹۶.

قال الهيثمى:

رواه الطبرانى فى الاوسط وقال لا يروى عن النبى صلى الله عليه وسلم الا بهذا الاسناد واسناده حسن .(مجمع الزوائدج۸ص ۱۲۲ ،باب الشعر فى الكلام، مكتبة القدسى، قاهرة)

وقال الالبانى:

له شواهد يصل بها إلى رتبة الحسن منها عن عائشة(السلسلة الصحيحة للالبانى، تحت حديث رقم ۴۴۶)

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی جانب چلے ہم رات میں جا رہے تھے کہ ایک شخص نے عامر سے کہا کہ اے عامر تم ہمیں اپنے اشعار کیوں نہیں سناتے، اور عامر ایک شاعر آدمی تھے، یہ سن کر وہ نیچے اترے اور اس طرح شعر پڑھنے لگے کہ:

اللّٰهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَاغْفِرْ فِدَاءً لَكَ مَا أَبْقَيْنَا وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا

وَأَلْقِيَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا إِنَّا إِذَا صِيحَ بِنَا أَبَيْنَا

وَبِالصِّيَاحِ عَوَّلُوا عَلَيْنَا

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هٰذَا السَّائِقُ قَالُوْا عَامِرُ بْنُ الْأَكْوَعِ قَالَ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ (بخاری)[1]

ترجمہ: اے اللہ! اگر آپ کا فضل نہ ہوتا، تو ہم ہدایت پر نہ ہوتے۔

اور نہ صدقہ دینے کی توفیق ہوتی اور نہ نماز پڑھنے کی۔

ہماری مغفرت فرما، ہم تادمِ حیات آپ پر قربان۔

اور ہمیں دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدم رکھ۔

اور ہمارے اوپر سکینہ نازل فرما۔

جب ہمیں کفر کی طرف بلایا جائے گا تو ہم انکار کر دیں گے۔

اور کافر غل مچا کر ہمارے خلاف اتر آئے ہیں۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شعر خوان کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ عامر بن اکوع۔ آپ نے فرمایا اللہ اس پر رحم کرے (ترجمہ ختم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعا دینا اس وجہ سے تھا کہ یہ اشعار علم وحکمت پر مبنی تھے، اور ان میں جہاد کا شوق دلانا پایا جاتا تھا، جس کے لئے یہ سفر ہو رہا تھا۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] حدیث نمبر ۴۱۹۶، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، دارطوق النجاۃ، بیروت۔

أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيدٍ أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ (بخاری) [1]

ترجمہ: سب سے زیادہ سچا کلمہ جو شاعر نے کہا ہے، لبید کا یہ کلمہ ہے:

خبردار اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے (ترجمہ ختم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید پر مشتمل شعر کو سچا قرار دیا، جس سے معلوم ہوا کہ جس شعر میں سچائی اور صداقت ہو، اور وہ توحید ورسالت اور شریعت کے اصولوں پر ہو، وہ جائز ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عقیدت وعظمت، محبت اور حسن وجمال کی وہ لطیف کیفیات جو انسان کے دل ودماغ کے اندر ہوتی ہیں، اور ان کا اصل تعلق احساس وادراک اور کیفیات سے ہوتا ہے، بعض اوقات ان کی تعبیر صحیح طرح الفاظ میں کرنا مشکل ہوتا ہے۔

شعر اس تعبیر کو مؤثر بنانے اور کیفیات واحساسات کے قریب کرنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔

پھر عقیدت وعظمت، محبت اور حسن وجمال کی ایک قسم تو وہ ہے، جس کا تعلق دنیا سے ہے، اور ایک وہ ہے جس کا تعلق آخرت سے ہے۔

اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ عقیدت وعظمت اور محبت کا تعلق آخرت سے ہے اور عبادت ہے۔

لہٰذا اس کا اظہار بھی اسی شان کے مطابق ہونا چاہئے۔

اور ''حمد ونعت'' چونکہ اسی عقیدت وعظمت اور محبت وجمال کے اظہار واعتراف کا ذریعہ ہے۔

اس لئے ہر دور میں یہ سلسلہ جاری رہا ہے۔

لیکن ''نعت'' جتنی مقدس، جتنی پاکیزہ اور جتنی شیریں چیز ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ اتنی ہی نازک بھی ہے۔ یہ محبوبِ مجازی کی تعریف والی غزل نہیں ہے جس میں رہروِ خیال کو بے لگام چھوڑ کر جو منہ میں آئے کہہ دیا جائے۔ یہ اس ذاتِ گرامی کا تذکرہ ہے جس کی عظمت وتقدس کے آگے فرشتوں کی گردنیں بھی خم ہیں۔

لہٰذا ایک طرف تو ایک بے مایہ انسان اس احساس سے مغلوب ہوتا ہے، دوسری طرف اس ذاتِ

---

[1] حدیث نمبر ۶۱۴۷، کتاب الادب، باب ما يجوز من الشعر والرجز والحداء وما يكره منه، دارطوق النجاة، بيروت.

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات وکمالات کا تصور الفاظ کی تنگ دامنی کا احساس دلاتا ہے اور انسان یہ یقین کئے بغیر نہیں رہتا کہ اظہار وبیان کے جتنے اسلوب انسان کے تصرف میں ہیں، ان میں سے کوئی بھی اس ذات گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی تعریف وتوصیف کے لئے کافی نہیں ہوسکتا، پس اس اعتراف عجز کے بغیر چارہ نہیں۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

اس لئے نعت کے بہت سے مضامین میں افراط وتفریط ہوجاتی ہے، اور حدود وقیود کا لحاظ نہیں رہ پاتا، اور آج کل کے کم علم وکم فہم نعت بنانے والے اپنی کم علمی اور کم فہمی کے باعث ان حدود کا لحاظ نہیں کر پاتے۔

چنانچہ عام طور پر نعتوں میں اس قسم کے مضامین اور انداز اور طور وطریقے اختیار کئے جاتے ہیں جو دنیوی عشق اور معاشقہ میں تو استعمال ہوتے ہیں اور قابل تعریف سمجھے جاتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کے شایانِ شان نہیں ہوتے۔ [1]

بہت سے نعت خوان اپنی نعت کو گانوں کی طرز پر پڑھتے ہیں اور گانوں کے انداز میں اس کی مشق کرتے ہیں۔

کچھ لوگوں نے تو مشق کا طریقہ یہ نکالا ہے کہ اپنے سامنے میوزک یا گانے کی ریکارڈنگ چلالی جاتی ہے اور پھر اس کے ساتھ آواز ملا کر نعت خوانی کی مشق کی جاتی ہے۔

بلکہ نعت خوانی کے ساتھ موسیقی اور میوزک کا استعمال بھی شروع ہوگیا ہے۔ حالانکہ نعت کو گانوں کے ساتھ مشابہ کرنا یا اس کے ساتھ موسیقی کا استعمال سخت بے ہودہ حرکت ہے۔

لہٰذا نعت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کو ملحوظ نہ رکھنا اور دنیوی غزل خوانی کے انداز اور دنیوی عشق ومحبت والے طور وطریقوں کو اختیار کرنا جائز نہیں، کیونکہ نبی کا احترام وعظمت اس

---

[1] عام طور پر دنیا میں عشق کا لفظ نفسانی تعلق میں استعمال ہوتا ہے اس لئے بعض بزرگوں نے اللہ ورسول کے لئے اسی نقطۂ نظر سے اس لفظ کے استعمال کو پسند نہیں کیا۔

وَلَا يُحْفَظُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ لَفْظُ الْعِشْقِ فِي حَدِيثٍ صَحِيحٍ أَلْبَتّةَ
(زادالمعاد ،بُطْلَانُ حَدِيثِ "مَنْ عَشِقَ فَعَفّ ج ۲ ص ۹۶)

کے بنیادی حقوق میں شامل ہے، اور دنیوی عشق ومحبت کا انداز اس کے خلاف ہے۔

احادیث میں قرآن مجید کو بھی گانے کی طرز پر پڑھنے کو سخت ناپسند کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبس غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَادِرُوْا بِالْمَوْتِ سِتًّا :إِمْرَةَ السُّفَهَاءِ، وَكَثْرَةَ الشُّرَطِ ، وَبَيْعَ الْحُكْمِ، وَاسْتِخْفَافًا بِالدَّمِ، وَقَطِيْعَةَ الرَّحِمِ، وَنَشْوًا يَتَّخِذُوْنَ الْقُرْآنَ مَزَامِيْرَ يُقَدِّمُوْنَهُ يُغَنِّيْهِمْ، وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْهُمْ فِقْهًا (مسند احمد) [1]

ترجمہ: چھ کاموں سے پہلے موت کی طرف سبقت کرو، ایک بچوں کی امارت (وحکمرانی) سے، دوسرے پولیس کی کثرت سے، تیسرے فیصلوں میں رشوت سے، چوتھے خون (یعنی قتل) کو ہلکا سمجھنے سے، پانچویں (رشتہ داروں سے) قطع رحمی سے، چھٹے ایسے لوگوں کے پیدا ہوجانے سے، جو قرآن کو موسیقی کا ذریعہ بنالیں گے، اپنے میں سے ایک ایسے شخص کو آگے کریں گے جو ان میں دین کی سمجھ رکھنے والا اور افضل شخص نہیں ہوگا، وہ ان کے سامنے (قرآن مجید کو) گانے کے طور پر گائے گا (یعنی گانوں کی طرز پر قرآن مجید کی تلاوت کرے گا) (ترجمہ ختم)

جب قرآن مجید کو گانے کے طرز پر پڑھنے اور اس کو گانے کی طرح لطف اندوزی کا ذریعہ بنانے کو ناپسند کیا گیا ہے، بلکہ قیامت کی علامات میں سے قرار دیا گیا ہے، اور ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے والوں کو دین کی سمجھ میں کم تر قرار دیا گیا ہے، تو حمد باری تعالیٰ اور نعتِ رسول میں بھی ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا یقیناً ناپسند اور برا ہوگا۔ [2]

---

[1] حدیث نمبر ۱۶۰۴۰ ،مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، المعجم الكبير للطبرانى، حديث نمبر ۱۴۴۹۱ ، مستدرک حاکم حديث نمبر ۵۹۰۵، شرح مشكل الآثار للطحاوى، حديث نمبر ۱۳۸۹ ، معرفة الصحابة لابى نعيم حديث نمبر ۵۵۵۰.

حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

[2] (بادروا بالأعمال ستا) من أشراط الساعة قالوا :ما هى يا رسول الله ؟ قال :(إمارة السفهاء) بكسر الهمزة أى ولايتهم على الرقاب لما يحدث منهم من العنف والطيش والخفة جمع سفيه وهو ناقص العقل والسفه كما فى المصباح وغيره نقص العقل (وكثرة الشرط) بضم فسكون أو فتح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس جس ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک نعت کا اصل موضوع ہے، اسی نے ہمیں ہمارے ہر ہر قول وفعل کے کچھ آداب بتائے ہیں، ان تمام آداب کی کماحقہٗ رعایت کے بغیر کوئی نعت نہ شریعت کے مطابق ہوسکتی ہے اور نہ یہ کوئی حقیقی محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب کے ارشادات کی خلاف ورزی کرکے اس کی تعریف وتوصیف کی جائے۔

(۱۵)......نعت گوئی سے شہرت اور نام آوری کا مقصود ہونا

یہ بھی مدت سے دیکھنے میں آرہا ہے کہ عموماً نعت خوان حضرات کے پیشِ نظر اپنی شہرت، اپنا نام اونچا کرنا اور دوسروں کو نیچا دکھلانا، یا کوئی دنیوی ایوارڈ (شیلڈ، کپ یا ٹرافی وغیرہ) حاصل کرنا ہوتا ہے، اور نعت خوانی میں جس سچے جذبے اور محبت کا ہونا ضروری ہے، اس سے عموماً اس قسم کے نعت خوان خالی اور محروم ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں عموماً ان کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أعوان الولاة والمراد كثرتهم بأبواب الأمراء والولاة وبكثرتهم يكثر الظلم والواحد منهم شرطى كتركى أو شرطى كجهنى سمى به لأنهم أعلموا أنفسهم بعلامات يعرفون بها والشرط العلامة (وبيع الحكم) بأخذ الرشوة عليه فالمراد به هنا معناه اللغوى وهو مقابلة شء بشء (واستخفافا بالدم) أى بحقه بأن لا يقتص من القاتل (وقطيعة الرحم) أى القرابة بإيذائه أو عدم إحسان أو هجر وإبعاد (ونشئا يتخذون القرآن) أى قراء ته (مزامير) جمع مزمار وهو بكسر الميم آلة الزمر يتغنون به ويتمشدقون ويأتون به بنغمات مطربة وقد كثر ذلك فى هذا الزمان وانتهى الأمر إلى التباهى بإخراج ألفاظ القرآن عن وضعها (يقدمون) يعنى الناس الذين هم أهل ذلك الزمان (أحدهم ليغنيهم) بالقرآن بحيث يخرجون الحروف عن أوضاعها ويزيدون وينقصون لأجل موافاة الألحان وتوفر النغمات (وإن كان) أى المقدم (أقلهم فقها) إذ ليس غرضهم إلا الالتذاذ والإسماع بتلك الألحان والأوضاع.(فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوى، تحت حديث رقم ٣١٢٠)

وعن حذيفة قال قال رسول الله اقرؤوا القرآن بلحون العرب وأصواتها عطف تفسيرى أى بلا تكلف النغمات من المدات والسكنات فى الحركات والسكنات بحكم الطبيعة الساذجة عن التكلفات وإياكم ولحون أهل العشق أى أصحاب الفسق ولحون أهل الكتابين أى أرباب الكفر من اليهود والنصارى فإن من تشبه بقوم فهو منهم قال الطيبى اللحون جمع لحن وهو التطريب وترجيع الصوت قال صاحب جامع الأصول ويشبه أن يكون ما يفعله القراء فى زماننا بين يدى الوعاظ من اللحون العجمية فى القرآن ما نهى عنه رسول الله وسيجىء أى سيأتى كما فى نسخة بعدى قوم يرجعون بالتشديد أى يرددون بالقرآن أى يحرفونه ترجيع الغناء بالكسر والمد بمعنى النغمة(مرقاة، كتاب فضائل القرآن، باب فى توابع الفضائل)

طرف سے کوتاہیاں نظر آتی ہیں۔ جبکہ محبت کے سچا ہونے کی نشانی اطاعت اور فرماں برداری ہے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

ربیع الاول کا مہینہ شروع ہونے سے پہلے ہی نعت خوانی کی تیاریاں تو شروع کر دی جاتی ہیں، اور بہت سی جگہ اس غرض کے لئے اپنے اپنے علاقہ کی سطح پر با قاعدہ کئی افراد خاص کر نوعمر و نوجوان مل کر ٹولیاں اور پارٹیاں بنالیتے ہیں اور نعت خوانی کی مشق شروع کر دیتے ہیں، روزمرہ رات گئے تک مشق جاری رہتی ہے اور اس دوران نماز روزہ کی توفیق نہیں ہوتی۔

اور انتہاء یہ ہے کہ عین میلاد النبی کے موقع پر جو لوگ نعت خوانی میں مصروف ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی جذبات کے عالم میں تعریف کر رہے ہوتے ہیں، عین اس وقت بھی ان لوگوں کو فرض نماز تک پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اللہ کی عبادت اور اس کے رسول کی اطاعت کے لئے ان کے پاس زندگی بھر میں ایک رات بھی مشکل سے دستیاب نہیں ہوتی؟ اور میلاد کے نام پر کئی کئی راتیں قربان کر دی جاتی ہیں، کیا کسی ایک صحابی کے بارے میں اس قسم کا طرزِ عمل ثابت کیا جا سکتا ہے؟

حالانکہ وہ عمل جو دنیوی اغراض اور نام و نمود کے لئے کیا جائے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں اور اس بارے میں سینکڑوں قرآن و حدیث کے حوالے موجود ہیں۔

لہٰذا نعت خوانی میں سچے جذبۂ محبت کے بجائے دنیا طلبی و شہرت وغیرہ جیسی فاسد اغراض کا شامل کرنا سخت گناہ ہے۔

(۱۶)......حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اللہ تعالیٰ کی صفات منسوب کرنا

آج کل عموماً میلاد خوان اپنے بیان اور اشعار و نعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے توحید کے اصولوں کی خلاف ورزی کر دیتے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی صفات منسوب کر جاتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں۔

اور یہ سب کو معلوم ہے کہ توحید ایمان کی اصل بنیاد ہے۔

اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیسَی ابْنَ مَرْیَمَ ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ ، فَقُوْلُوْا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: تم میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں کیا، بس میں تو (اللہ کا) بندہ ہوں، تو تم (مجھے) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو (ترجمہ ختم)

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ محبت کا دعویٰ کیا، لیکن چونکہ یہ محبت درحقیقت ''اطاعت'' کے عنصر سے خالی تھی، اس لئے انہوں نے مبالغہ کر کے نعوذ باللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''خدا کا بیٹا'' بنا دیا اور ''حبِ رسول'' جو مدارِ نجات تھی، وہ اس جاہلانہ مبالغے کے نتیجے میں شرک کا ذریعہ بن گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس خطرناک انجام سے پہلے ہی قدم پر آگاہ فرما دیا۔

اسی وجہ سے قرآن مجید میں جا بجا اس طرح کی مبالغہ آمیزی سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔

چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے:

یٰۤاَهْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَکَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَاۤ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّکُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا . لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِکَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ یَّسْتَنْکِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَکْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا (سورہ نساء آیت ۱۷۱،۱۷۲)

---

[1] حدیث نمبر ۱۶۴ ،مؤسسة الرسالة، بیروت، واللفظ لهٗ،وحدیث نمبر ۱۵۴ ، وحدیث نمبر ۳۹۱، بخاری، حدیث نمبر ۶۳۲۸.
إسناده صحیح علی شرط الشیخین(حاشیة مسند احمد)

ترجمہ: اے اہل کتاب ! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی شان میں سچ کے سوا کچھ نہ کہو، حقیقت صرف یہ ہے کہ مسیح عیسٰی ابن مریم (علیہما السلام) اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جسے اس نے مریم کی طرف پہنچا دیا اور اس (کی طرف) سے ایک روح ہے۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو کہ (معبود) تین ہیں (اس عقیدہ سے) باز آ جاؤ (یہ) تمہارے لئے بہتر ہے۔ بیشک اللہ ہی یکتا معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے کوئی اولاد ہو (سب کچھ) اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ کا کارساز ہونا کافی ہے۔ مسیح (علیہ السلام) اس (بات) سے ہرگز عار نہیں رکھتے کہ وہ اللہ کے بندہ ہوں اور نہ ہی مقرّب فرشتوں کو (اس سے کوئی عار ہے) اور جو کوئی اس کی بندگی سے عار محسوس کرے اور تکبر کرے تو وہ ایسے تمام لوگوں کو عنقریب اپنے پاس جمع فرمائے گا (ترجمہ ختم)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ (سورہ مائدہ آیت ۷۷)

ترجمہ: آپ فرمایئے کہ اے اہل کتاب، اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور نہ ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کرو جو (تم سے) پہلے (خود بھی) گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے (ترجمہ ختم)

اور ایک مقام پر ارشاد ہے:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (سورہ مائدہ آیت ۱۱۶)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

ترجمہ: اور جب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، اے عیسٰی ابنِ مریم ! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم مجھ کو اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو، وہ عرض کریں گے : آپ پاک ہیں، میرے لئے یہ (روا) نہیں کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو یقیناً آپ اسے جانتے، آپ ہر اس (بات) کو جانتے ہیں جو میرے دل میں ہے اور میں ان (باتوں) کو نہیں جانتا جو آپ کے علم میں ہیں۔ بیشک آپ ہی غیب کی سب باتوں کو خوب جاننے والے ہیں (ترجمہ ختم)

لہٰذا ایسا جملہ یا شعر جس میں ''شرک'' کی آمیزش ہو، یا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اللہ تعالیٰ کی صفات منسوب کی گئی ہوں، وہ درحقیقت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح احکام کی مخالفت بلکہ (معاذ اللہ) بغاوت ہے۔ [1]

لہٰذا اس قسم کے اشعار (نقل کفر کفر نہ باشد) کہ:

---

[1] لا تطرونی بضم أوله وأصله لا تطريون من الإطراء وهو المبالغة فى المدح والغلو فى الثناء كما أطرت النصارى ابن مريم أى مثل إطرائهم أياه مفهومه إن إطراء ه من غير جنس إطرائهم جائز ولله در صاحب البردة حيث قال دع ما أدعته النصارى فى نبيهم واحكم بما شئت مدحا فيه واحتكم وفى شرح السنة وذلک أن النصارى أفرطوا فى مدح عيسى عليه السلام وإطرائه بالباطل وجعلوه ولد الله تعالى فمنعهم النبى أن يطروه بالباطل قال الطيبى وفى العدول عن عيسى والمسيح إلى ابن مريم تبعيدا له عن الألوهية يعنى بالغوا فى المدح والإطراء والكذب بأن جعلوا من جنس النساء الطوامث إلاها أو ابن إله اه ولكون اليهود بالغوا فى قدح المسيح والنصارى فى مدحه قال تعالى يا أهل الكتاب لا تغلوا فى دينكم غير الحق المائدة فالحق هو الوسط العدل كما بينه سبحانه بقول إنما المسيح عيسى ابن مريم رسول الله النساء والمعنى أنه عبد الله ورسوله لأن كونه ابن مريم يدل على أنه عبده وابن أمته كما أشار إليه بقوله كانا يأكلان الطعام المائدة أى يبولان ويغوطان ويحتاجان إلى الأكل والشرب فلا يصلحان للألوهية ولا مناسبة لهما بالربوبية وإنما شأنهما العبودية فإنما أنا عبده أى الخاص فى مقام الاختصاص وهو فى الحقيقة أفضل مدح عند الفاضل الكامل كما قال القائل لا تدعنى إلا بيا عبدها فإنه أفضل أسمائيا ولذا ذكره الله سبحانه فى مواضع من كتابه بهذا الوصف المنيع والفضل البديع منها فى مقام الإسراء سبحان الذى أسرى بعبده الإسراء ومنها فى مقام إنزال الكتاب تبارک الذى نزل الفرقان على عبده الفرقان و الحمد لله الذى أنزل على عبده الكتاب الكهف وفيه إشارة لطيفة وبشارة شريفة أن العناية الربوبية باعتبار غاية العبودية فقولوا عبد الله ورسوله أى ليتميز به عن بقية عبيده(مرقاة، كتاب الآداب، باب المفاخرة والعصبية)

(۱) اللہ کے قبضے میں وحدت کے سوا کیا ہے؟ جو کچھ ہمیں لینا ہے، لے لیں گے محمد سے

(۲) مختارِ کل ہو، مالک روز جزا ہو تم رحمت کا ہے مقام کہ خاص خدا ہو تم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کا کھلم کھلا انکار ہے، اس قسم کے مشرکانہ خیالات کو محبت اور شاعرانہ خیال آفرینی کے پردے میں گوارا کر لینا درحقیقت ''نعت'' جیسی پاکیزہ ومقدس چیز کی توہین ہے جو کسی بھی صاحبِ ایمان کے لئے قابلِ برداشت نہیں ہونی چاہئے۔

''مالکِ روزِ جزا'' مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا ترجمہ ہے جو سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی خاص صفت بیان کی گئی ہے، اس لفظ کا استعمال غیر اللہ کے لئے خواہ مجازی معنی میں ہو انتہائی خطرناک ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایسی باتوں کو بھی برداشت نہیں فرمایا جن میں شرک کا ادنیٰ شائبہ پیدا ہونے کا ذرا بھی احتمال ہو۔

حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا ایک انصاری صحابیہ ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ جس روز میرا نکاح ہوا اس سے اگلے دن آنحضرت میرے گھر تشریف لائے۔ اس وقت گھر کی کچھ بچیاں ترنم سے کچھ اشعار پڑھ رہی تھیں، ان اشعار میں کچھ شہداءِ بدر کا ذکر تھا، اور کچھ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ومنقبت تھی، اشعار پڑھتے ہوئے ان بچیوں نے ایک مصرعہ یہ پڑھا:

''وَفِيْنَانَبِيٌّ يَعْلَمُ مَافِيْ غَدٍ''

ترجمہ: اور ہمارے درمیان وہ نبی موجود ہیں جو کل کے حالات سے باخبر ہیں۔

یہ مصرعہ اگرچہ اس لحاظ سے درست تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آئندہ پیش آنے والی بہت سی باتوں کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا تھا، لیکن چونکہ الفاظ عام تھے، اور ان سے وہم ہوسکتا تھا کہ آپ کی طرف وہ علمِ غیب منسوب کیا جا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے، اس لئے آپ نے اس مصرعے کو بھی گوارا نہ کیا، اور ان بچیوں کو ٹوکتے ہوئے فرمایا:

لَا تَقُوْلِيْ هٰكَذَا وَقُوْلِيْ مَا كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ (بخاری) [1]

ترجمہ: تم اس طرح نہ پڑھو، اور اس سے پہلے جو پڑھ رہی تھیں وہ پڑھو (ترجمہ ختم)

---

[1] حدیث نمبر ۵۱۴۷، کتاب النکاح، دارطوق النجاة، بیروت.

اس واقعے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر اور نعت میں بھی اس قسم کی چیزیں گوارا نہیں تھیں۔ [1]

[1] یاد رکھنا چاہئے کہ مندرجہ بالا واقعہ میں اوّلاً تو ترنم کے ساتھ اشعار پڑھنے والی یہ نابالغ بچیاں تھیں۔ دوسرے وہ بچیاں گانے بجانے کے فن سے واقف نہ تھیں، اوران کی حالت ایسی تھی جیسے گھروں میں چھوٹی چھوٹی بچیاں آپس میں مل کر کچھ اشعار پڑھ لیتی ہیں۔ تیسرے ان اشعار کا مضمون شہوت ابھارنے والا نہیں تھا بلکہ شجاعت اور بہادری کا جذبہ پیدا کرنے والا تھا، اور جونہی بے موقع مضمون شروع کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روک دیا (ماخوذ از ''السنۃ الجلیۃ فی الچشتیۃ العلیۃ'' ص ۱۰۷، بابِ سوم، تالیف: حکیم الامت رحمہ اللہ، مطبوعہ: کتب خانہ اشرفیہ، دریبہ کلاں دہلی)

لہٰذا اس قسم کے واقعات سے موسیقی اور گانے بجانے کے دلدادہ لوگوں کو بطور دلیل سہارا پکڑ کر اپنے نفسانی تقاضوں کو پورا کرنا سراسر جہالت اور گمراہی ہے۔ محمد رضوان۔

جويريات لنا بالتصغير قيل المراد بهن بنات الأنصار لا المملوكات يضربن بالدف قيل تلك البنات لم يكن بالغات حد الشهوة وكان دفهن غير مصحوب بالجلاجل قال أكمل الدين الدف بضم الدال أشهر وأفصح ويروى بالفتح أيضا وفيه دليل على جواز ضرب الدف عند النكاح والزفاف للإعلان وألحق بعضهم الختان والعيدين والقدوم من السفر ومجتمع الأحباب للسرور وقال المراد به الدف الذى كان فى زمن المتقدمين وأما ما عليه الجلاجل فينبغى أن يكون مكروها بالاتفاق ويندبن بضم الدال من الندب وهو عد خصال الميت ومحاسنه أى يقلن مرثية من قتل من آبائى وشجاعتهم فإن معوذا وأخاه قتلا يوم بدر إذ قالت إحداهن أى إحدى الجويريات وفينا نبى يعلم ما فى غد بالتنوين وقيل بإشباع الدال أى فينا نبى يخبر عن المستقبل ويقع على وفقه فقال دعى هذه أى اتركى هذه الحكاية أو القصة أو المقالة وقولى بالذى كنت تقولين وفى رواية وقولى ما كنت تقولين أى من ذكر المقتولين ونحوه وهذا دليل على جواز إنشاد شعر ليس فيه فحش وكذب وإنما منع القائلة مقولها وفينا نبى الخ لكراهة نسبة علم الغيب إليه لا يعلم الغيب إلا الله وإنما يعلم الرسول من الغيب ما أخبره أو لكراهة أن يذكر فى أثناء ضرب الدف وأثناء مرثية القتلى لعلو منصبه عن ذلك(مرقاة، كتاب النكاح ،باب إعلان النكاح)

فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَبِمِزْمَارِ الشَّيْطَانِ فِي بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعْرِضًا بِوَجْهِهِ عَنْهُمَا مُقْبِلًا بِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ إلَى الْحَائِطِ .فَقَالَ : دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَهَذَا عِيدُنَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ) فَفِي هَذَا الْحَدِيثِ بَيَانُ :أَنَّ هَذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ عَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ الِاجْتِمَاعُ عَلَيْهِ وَلِهَذَا سَمَّاهُ الصِّدِّيقُ مِزْمَارَ الشَّيْطَانِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَرَّ الْجَوَارِيَ عَلَيْهِ مُعَلِّلًا ذَلِكَ بِأَنَّهُ يَوْمُ عِيدٍ وَالصِّغَارُ يُرَخَّصُ لَهُمْ فِي اللَّعِبِ فِي الْأَعْيَادِ كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ (لِيَعْلَمَ الْمُشْرِكُونَ أَنَّ فِي دِينِنَا فُسْحَةً) " وَكَانَ لِعَائِشَةَ لُعَبٌ تَلْعَبُ بِهِنَّ وَيَجِئْنَ صَوَاحِبَاتُهَا مِنْ صِغَارِ النِّسْوَةِ يَلْعَبْنَ مَعَهَا وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ الْجَارِيَتَيْنِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَمَعَ إلَى ذَلِكَ .وَالْأَمْرُ وَالنَّهْيُ إنَّمَا يَتَعَلَّقُ بِالِاسْتِمَاعِ ؛ لَا بِمُجَرَّدِ السَّمَاعِ .كَمَا فِي الرُّؤْيَةِ فَإِنَّهُ إنَّمَا يَتَعَلَّقُ بِقَصْدِ الرُّؤْيَةِ لَا بِمَا يَحْصُلُ مِنْهَا بِغَيْرِ الِاخْتِيَارِ .وَكَذَلِكَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۷)......حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور دوسرے نبی کی تنقیص

میلا دخوان بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور شان بیان کرتے ہوئے اور آپ کا مبارک تذکرہ کرتے ہوئے (دوسرے نبی کے مقابلہ میں) ایسا انداز اختیار کرتے ہیں، جس سے دوسرے کسی نبی کی شان میں بے ادبی، گستاخی یا ان کی شان میں نقص لازم آجاتا ہے، جوکہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بھی خلاف ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فِي اشْتِمَامِ الطِّيبِ إنَّمَا يُنْهَى الْمُحْرِمُ عَنْ قَصْدِ الشَّمِّ فَأَمَّا إذَا شَمَّ مَا لَمْ يَقْصِدْهُ فَإِنَّهُ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ . وَكَذَلِكَ فِي مُبَاشَرَةِ الْمُحَرَّمَاتِ كَالْحَوَاسِّ الْخَمْسِ :مِنْ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَالشَّمِّ وَالذَّوْقِ وَاللَّمْسِ .إنَّمَا يَتَعَلَّقُ الْأَمْرُ وَالنَّهْيُ مِنْ ذَلِكَ بِمَا لِلْعَبْدِ فِيهِ قَصْدٌ وَعَمَلٌ وَأَمَّا مَا يَحْصُلُ بِغَيْرِ اخْتِيَارِهِ فَلَا أَمْرَ فِيهِ وَلَا نَهْيَ(مجموع الفتاوى، لابن تيمية ، ج ۱۱ ص ۵۶۴،۵۶۵)

فلم ينكر رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم على أبى بكر تسميته الغناء مزمار الشيطان، وأقرهما، لأنهما جاريتان غير مكلفتين تغنيان بغناء الأعراب، الذى قيل فى يوم حرب بعاث من الشجاعة، والحرب، وكان اليوم يوم عيد، وكان اليوم يوم عيد، فتوسع حزب الشيطان فى ذلك إلى صوت امرأة جميلة أجنبية، أو صبى أمرد صوته فتنة، وصورته فتنة، يغنى بما يدعو إلى الزنى والفجور، وشرب الخمور، مع آلات اللهو التى حرمها رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فى عدة أحاديث، كما سيأتى .مع التصفيق والرقص وتلك الهيئة المنكرة التى لا يستحلها أحد من أهل الأوثان، فضلاً عن أهل العلم والإيمان، ويحتجون بغناء جويريتين غير مكلفتين بنشيد الأعراب ونحوها فى الشجاعة ونحوها وفى يوم عيد، بغير شبابة ولا دف، ولا رقص ولا تصفيق، ويدعون المحكم الصريح، لهذا المتشابه وهذا شأن كل مبطل .نعم، نحن لا نحرم ولا نكره مثل ما كان فى بيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم على ذلك الوجه، وإنما نحرم وسائر أهل العلم والإيمان السماع المخالف لذلك، وبالله التوفيق .(إغاثة اللهفان من مصايد الشيطان،الباب الثالث عشر :فى مكايد الشيطان التى يكيد بها ابن آدم)

[۱] چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) بعض لوگ اس قسم کا مضمون بیان کرتے ہیں کہ کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر تشریف لے گئے اور بلاحجاب اللہ تعالیٰ کو دیکھا مگر بیہوش نہیں ہوئے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تجلی عالَمِ دنیا میں ہوئی تھی اور عالَمِ دنیا کے قویٰ ضعیف ہیں جو تجلی الٰہی کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو آپ کو وہاں کے حالات دکھانے کے لئے اس عالَم کے مناسب قویٰ عنایت کردیئے گئے تھے۔ لہٰذا ایک عالَم کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل علیہ السلام کو دنیا میں

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

دیکھ کر بیہوش ہوگئے تھے۔ اب غور کیجئے کہ اگر کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس طرح کی ترجیح اور فضیلت کو بیان کررہا ہو اور کوئی یہودی اس کے جواب میں یہ کہے کہ ہمارا نبی تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر بیہوش ہوا اور تمہارا نبی ایک دفعہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر بیہوش ہوگیا تو اس مسلمان کے پاس سوائے ندامت اور شرمندگی کے اس کا کیا جواب ہوگا؟

(۲) بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر جارہے تھے کہ فرعون کے لشکر نے تعاقب کیا، بنی اسرائیل نے جب دیکھا کہ سامنے دریائے نیل ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر ہے تو گھبرائے، اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ''

کہتے ہیں کہ اس کلام میں ایک نقص تو یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو لفظ رب پر مقدم کیا اور دوسرا یہ کہ رب کی معیت صرف اپنے ساتھ بیان کی اور قوم کو چھوڑ دیا۔ اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا ''لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللہَ مَعَنَا'' اس میں اللہ کے لفظ کو مقدم فرمایا اور ''مَعَنَا'' کہہ کر معیتِ الٰہیہ کو عام رکھا صرف اپنے ساتھ مختص نہیں کیا۔ یہ ایسی غلطی ہے کہ اس میں بعض مصنفین بھی مبتلاء ہوگئے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام دونوں کا کلام اپنی اپنی جگہ بلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہے، اور اپنے اپنے موقع اور محل کے عین مناسب ہے۔

(۳) بعض لوگ بیان کیا کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کرکے ساری قوم کو غرق کرادیا، اس کے برعکس طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے کہ اگر حکم ہو تو میں ان لوگوں کو ان دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں، آپ نے فرمایا کہ میں رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

حالانکہ یہ تقابل قرآن مجید سے بے خبری کا نتیجہ ہے، قرآن مجید سے واضح ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم سے بڑی شفقت تھی اور کسی صورت بھی انہیں ان کا ہلاک ہونا پسند نہ تھا، اسی لئے ساڑھے نوسوسال تک قوم کی بدعملی اور ایذارسانی پر صبر کرتے رہے جو کہ ایک معجزہ تھا۔ لیکن جب صبر کی انتہاء ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وقت مقرر تھا وہ آن پہنچا تو پھر اللہ کے حکم سے نوح علیہ السلام نے یہ بددعا کی اور یہ بددعا بھی اللہ کی رضاء کے لئے تھی۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت سے مواقع پر کئی قبیلوں پر بددعا کرنا ثابت ہے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا والا موقع ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بددعاء ہی فرماتے، کیونکہ یہ قوم کی سرکشی کا انتہائی درجہ تھا اور اگر نوح علیہ السلام کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طائف والا موقع ہوتا تو حضرت نوح علیہ السلام بھی بددعا نہ فرماتے، کیونکہ یہ قوم کو تبلیغ کا ابتدائی موقع تھا، انتہاء نہ تھی (ماخذہ ''تنبیہ المغفلین فی بیان التفاضل بین المرسلین'' مشمولہ ''احسن الفتاویٰ ج اص ۴۷۷ تا ۴۸۲)

(۴) بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن بیان کرتے ہوئے یوسف علیہ السلام کے حسن کی تنقیص کرتے ہیں، حالانکہ حسن کی دو قسمیں ہیں، ایک حسنِ صباحت، اور دوسرے حسنِ ملاحت، حضرت یوسف علیہ السلام کو حسنِ صباحت دیا گیا۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لَا تُخَيِّرُوْا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ (بخاری) [1]

ترجمہ: تم مجھے نبیوں کے درمیان (بے جا) فضیلت نہ دو (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک لمبی حدیث میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ أَنْبِيَاءِ اللّٰهِ فَإِنَّهُ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَيَصْعَقُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ أُخْرٰى فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ بُعِثَ فَإِذَا مُوْسٰى آخِذٌ بِالْعَرْشِ فَلَا أَدْرِيْ أَحُوْسِبَ بِصَعْقَتِهٖ يَوْمَ الطُّوْرِ أَمْ بُعِثَ قَبْلِيْ وَلَا أَقُوْلُ إِنَّ أَحَدًا أَفْضَلُ مِنْ يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى (بخاری) [2]

ترجمہ: تم مجھے نبیوں کے درمیان (بے جا) فضیلت نہ دو، کیونکہ صور پھونکے جانے کے وقت، زمین اور آسمان کی ہر مخلوق بے ہوش ہو جائے گی، مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں، پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا، تو میں ہوش میں آنے والوں میں سب سے پہلا شخص ہوں گا، تو میں حضرت موسیٰ کو عرشِ الٰہی کو پکڑے ہوئے پاؤں گا، پس مجھے معلوم نہیں کہ کیا انہیں کوہِ طور پر بے ہوش ہونے کی وجہ سے بدلہ دیا گیا (کہ ان کو بے ہوش ہی نہیں کیا گیا) یا وہ بے ہوش ہو کر مجھ سے پہلے ہوش میں آئے، اور میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی یونس بن متیٰ سے افضل ہے (ترجمہ ختم)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اچھے پیرائے میں دوسرے نبیوں کے ساتھ تقابل کر کے اپنی (بے جا) فضیلت بیان کرنے سے منع فرمادیا۔

لٰہذا فضیلت بیان کرتے ہوئے کسی نبی کا دوسرے نبی سے اس طرح تقابل کرنا کہ کسی نبی کی تنقیص

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسنِ ملاحت۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق تھے، اور یوسف علیہ السلام حسنِ صباحت میں (ماخوذ از مقالاتِ حکمت ومجادلتِ معدلۃ صفحہ ۸، ملفوظ نمبر ۱۱، دعواتِ عبدیت ج ۱۷)

[1] حدیث نمبر ۲۴۱۲، کتاب الخصومات، باب ما یذکر فی الإشخاص والخصومة بین المسلم والیهود، دارطوق النجاة، بیروت.

[2] حدیث نمبر ۳۴۱۴، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول الله تعالی وإن یونس لمن المرسلین، دارطوق النجاة، بیروت.

یا توہین لازم آجائے، یہ جائز نہیں۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَنۡبَغِي لِعَبۡدٍ أَنۡ يَقُوۡلَ أَنَا خَيۡرٌ مِنۡ يُوۡنُسَ بۡنِ مَتَّى (بخاری) [1]

ترجمہ: کسی بندہ بشر کے لئے روا نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں (یعنی محمد) یونس بن متیٰ (یعنی حضرت یونس علیہ السلام) سے بہتر ہوں (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

مَنۡ قَالَ أَنَا خَيۡرٌ مِنۡ يُوۡنُسَ بۡنِ مَتّٰى فَقَدۡ كَذَبَ (بخاری) [2]

ترجمہ: جس نے یہ کہا کہ میں (یعنی محمد) یونس بن متیٰ سے بہتر ہوں، تو اس نے جھوٹ بولا (ترجمہ ختم)

آپ کے اس قسم کے ارشادات کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیاء پر فضیلت کا عقیدہ رکھنے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (کسی واقعہ میں دوسرے نبی کا تقابل کرتے ہوئے) اس طرح دوسرے نبی پر فضیلت دینا جس سے دوسرے نبی کی تنقیص ہوتی ہو، یہ جائز نہیں ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرے نبیوں سے افضل ہونا خود شرعی اصولوں سے ثابت ہے۔ [3]

(۱۸)......من گھڑت اور جھوٹی یا غیر مستند باتوں کا سہارا لینا

میلاد کے عنوان سے منعقد ہونے والے پروگراموں میں بعض اوقات نعت وحکایت میں ایسے

---

[1] حدیث نمبر ۳۴۱۶، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول الله تعالى وإن يونس لمن المرسلين، دارطوق النجاة، بيروت.

[2] حدیث نمبر ۴۶۰۴، کتاب تفسير القرآن، باب قوله إنا أوحينا إليك كما أوحينا إلى نوح، دارطوق النجاة، بيروت.

[3] لا تخيروني بضم التاء وتشديد الياء من التخيير بمعنى الاصطفاء والمعنى لا تجعلوني خيرا بمعنى لا تفضلوني على موسى أى ونحوه من أصحاب النبوة تفضيلا يؤدى إلى إيهام المنقصة أو إلى تسبب الخصومة فإن أمر التفضيل ليس بقطعي على وجه التفصيل فإن الناس أى جميعهم يصعقون بفتح العين يوم القيامة أى عند النفخة الأولى فأصعق معهم من صعق الرجل إذا أصابه فزع فأغمى عليه وربما مات (مرقاة المفاتيح، كتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب بدء الخلق وذكر الأنبياء عليهم الصلاة والسلام)

مضامین کا انتخاب کیا جاتا ہے جو غیر مستند اور غلط روایات اور فرضی افسانوں پر مبنی ہوتی ہیں، آج کل اس سلسلہ میں بھی بہت کوتاہی ہو رہی ہے اور نعت وحکایت میں ایسے مضامین ملتے ہیں کہ جن کو شرعی بنیادوں پر درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی تراشیدہ بات یا تراشیدہ مفہوم کو منسوب کرنا سخت گناہ ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (بخاری) [1]

ترجمہ: جو شخص میرے اوپر عمداً جھوٹی بات کہہ دے اس کو چاہئے کہ آگ میں اپنا ٹھکانہ بنالے (ترجمہ ختم)

پس کوئی منگھڑت اور جھوٹی بات بیان کرنا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصود ومنشا کے خلاف بیان کرنا جائز نہیں۔ [2]

---

[1] حدیث نمبر ۱۱۰، کتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم، دار طوق النجاة، بيروت.

[2] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رسول کی اتنی مدح (تعریف) کرنا کہ جس سے حق تعالیٰ کی شان میں بے ادبی ہو یہ رسول کی تو ظاہراً مدح ہوگی لیکن واقع میں اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہوگی۔ ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص کسی کی اتنی مدح کرے کہ اس کے باپ کی اہانت ہو جاوے پس ایسی مدح کو وہ بیٹا بھی پسند نہ کرے گا بلکہ اس سے ناراض ہوگا.....مدح کے اندر حدِ شرعی سے بڑھنا یہ خدا تعالیٰ کی تنقیص ہے.....مدحِ نبوی کے اندر دو چیزوں کی رعایت رکھو۔ ایک تو یہ کہ حضور کو خدا کے درجہ میں مت پہنچاؤ۔ دوسرے یہ کہ وہ امر ثابت کرو کہ روایاتِ ثابتہ اس کی مساعد (ومعین) ہوں.....مختصر یہ ہے کہ اس باب میں نسبتِ الوہیت اور کذب سے احتراز رکھو لیکن چونکہ ابنائے زماں ان دونوں باتوں سے اجتناب نہیں کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو ایسا بڑھاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور حکایات وواقعات وہ بیان کرتے ہیں کہ روایاتِ صحیحہ میں اُن کا پتہ بھی نہیں (وعظ الظہور ملخصاً، مشمولہ خطباتِ حکیم الامت ج ۵ ص ۱۴، ۱۵، تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

(۱۹)......اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی خلاف ورزی

بہت سے ایسے کام بھی عین میلاد النبی کی تقریب کے موقع پر دیکھنے میں آتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے صریح خلاف ہوتے ہیں۔ مثلاً:

(۱)......بعض لوگ اس موقع پر تصویر کشی کرتے ہیں۔

(۲)......بعض لوگ نعوذ باللہ جعلی داڑھی لگا کر اور لمبے چوغے پہن کر اس کے ساتھ مذاق بناتے ہیں، جس میں ایمان کا بھی خطرہ ہے، اگر حقیقت میں ان چیزوں سے کسی کو محبت ہوتو اسے چاہئے کہ ان چیزوں کو دل سے قبول کرے اور مذاق نہ بنائے۔

(۳)......بعض اوقات بالغ یا قریب البلوغ لڑکیاں بغیر شرعی پردہ کے نامحرم لوگوں کے سامنے آکر نعت خوانی کرتی ہیں اس موقع پر بے پردگی، بدنظری کا بھی مظاہرہ ہوتا ہے۔ [۱]

اور بھی اس قسم کی کئی حرکات عید میلاد النبی کے نام سے جاری ہیں اور اندیشہ ہے کہ اگر سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو خدانخواستہ مزید کئی اور خرابیاں اور مفاسد پیدا نہ ہوجائیں، جو نہ جانے مسلمانوں کی دنیا و آخرت کے لئے کس قدر تباہ کن ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ان سب فتنوں سے امتِ مسلمہ کی حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

---

[۱] وانظر رحمنا اللہ تعالیٰ وایاک الیٰ ھٰذا الفعل القبیح الذی یفعلونہ فی ھٰذا الیوم المذکور من أنھم یأخذون انسانا منھم فیخالفون فیہ السنۃ اعنی فی تغییر ظاھر صورتہ وخلقتہ فیدخلون بذلک فی عموم قولہ علیہ الصلاۃ والسلام (لعن اللہ المغیرات والمغیرین لخلق اللہ) أو کما قال علیہ الصلاۃ والسلام فیغیرون وجھہ یجیر أو دقیق ثم یجعلون لہ لحیۃ من فروۃ أو غیرھا ویلبسونہ ثوبا أحمر أو أصفر لیشھروہ بذلک. وقد ورد فی الحدیث (من لبس ثوب شھرۃ کساہ اللہ یوم القیامۃ ثوب ذل وصغار ثم أشعلہ علیہ نارا) (المدخل لابن الحاج الجزء الثانی صفحہ ۵۲)

چند شبہات کا ازالہ اور مغالطوں کا جواب

بے شمار مفاسد ومنکرات پر مشتمل مروّجہ اور رسمی میلاد النبی کے قائلین سے جب ان کے اس عمل کے جواز پر دلیل طلب کی جاتی ہے تو ان کی طرف سے مختلف تاویلیں اور ایسی باتیں پیش کی جاتی ہیں جن کا حقیقت میں مروّجہ میلاد النبی کی رسم سے کوئی دُور کا بھی تعلق نہیں ہوتا، لیکن کیونکہ عوام الناس کو اس قسم کی باتوں سے غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے، لہٰذا یہاں مختصر انداز میں ان پر بھی تبصرہ کردینا مفید معلوم ہوتا ہے۔

(۱)......ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کے لئے آسمان سے مائدہ نازل ہونے کو عید قرار دیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَآخِرِنَا" (سورہ مائدہ آیت ۱۱۴)

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما کہ ہمارے لئے (وہ دن) عید قرار پائے یعنی ہمارے اگلوں اور پچھلوں (سب) کے لئے (ترجمہ ختم)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے مروّجہ میلاد النبی کا کوئی تعلق نہیں، اسی وجہ سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام، محدثینِ عظام، فقہائے کرام اور بڑے بڑے مفسرین نے جو کہ قرآن وحدیث کو آج کے لوگوں سے زیادہ سمجھنے اور سمجھانے والے تھے، اس آیت کی تفسیر میں مروّجہ میلاد النبی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اور اگر کوئی اس کے باوجود بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرے تو پھر سمجھ لینا چاہئے کہ اول تو اس سے مراد آسمان سے مائدہ کے نازل ہونے کی نعمت ہے، نہ کہ عید میلاد النبی، دوسرے اس واقعہ کا تعلق عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے اور شریعت سے ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی شریعت میں سال میں دو عیدوں کی خود تعیین فرمادی ہے۔

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا کوئی مسئلہ شریعتِ محمدیہ کے مقابلہ میں پیش کرنا ایسا ہی ہے

جیسا کہ کوئی شراب کے حلال ہونے کو عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے شریعتِ محمدیہ کے مقابلہ میں پیش کرے۔ اور یہی آیت اگر کوئی عیسائی ''کرسمس ڈے'' کے متعلق پیش کرنے لگے تو پھر اس کا کیا جواب ہوگا؟ معلوم ہوا کہ اگر اس سے عید میلاد النبی ثابت کرنے کی بے جا کوشش کی جائے تو اس سے پہلے تو عیسائیوں کی ''عید میلادِ عیسیٰ'' ثابت ہوتی ہے جس کو شمار کر کے سال میں چار عیدیں ماننی پڑیں گی۔

اور نعوذ باللہ تعالیٰ قرآن مجید کی اس آیت کا بے جا سہارا پکڑ کر عیسائیوں کے کرسمس ڈے میں بھی شرکت کرنی پڑے گی، چہ جائیکہ اس کا انکار کیا جائے۔

(۲)......ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کی پیدائش کے دن پر سلامتی کا ذکر فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَیَوۡمَ اَمُوۡتُ وَیَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّا(سورہ مریم آیت ۳۳)

ترجمہ: اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا (ترجمہ ختم)

اس کے جواب میں عرض ہے کہ مروّجہ میلاد النبی کا اس آیت سے بھی کوئی تعلق نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال کے عرصہ میں بڑے بڑے مفسرین نے اس آیت کے ضمن میں مروّجہ میلاد النبی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اور اگر کوئی اپنی طرف سے مضمون گھڑ کر اس آیت سے میلاد ثابت کرنے لگے، تب بھی اس سے عیسائیت کو تقویت پہنچے گی، اس لئے کہ عیسائی لوگ ہر سال ''کرسمس ڈے'' کے نام سے عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد مناتے ہیں، اور یہ آیت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے، اس سے تو لازم آتا ہے کہ عیسائیوں کی طرح کرسمس ڈے منانا بھی (نعوذ باللہ) قرآن کے عین مطابق ہے۔

(۳)......ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے رحمت ہونے اور اس پر خوش ہونے کا حکم ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ط هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (سورہ یونس آیت ۵۸)

ترجمہ: کہہ دو کہ (یہ کتاب) اللہ کے فضل اوراس کی رحمت سے (نازل ہوئی ہے) تو چاہئے کہ لوگ اس سے خوش ہوں۔ یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں (ترجمہ ختم)

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس آیت میں رحمت کے لفظ کی تفسیر میں مفسرین کے کئی قول ہیں، اوراگر رحمت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ہی مراد لیا جائے، تو بھی دعویٰ ثابت نہیں ہوتا، اس لئے کہ اصل گفتگو مروّجہ میلاد کے بارے میں ہے، نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر خوش ہونے کے بارے میں۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں چودہ سوسال کے بڑے بڑے مفسرین نے میلاد النبی کا جواز پیش نہیں فرمایا۔ اوراپنی طرف سے قرآن مجید کی کوئی تفسیر کرنا جائز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ دعویٰ تو خاص مروجہ میلاد کا ہے، اور خاص دعوے پر عام دلیل پیش کی گئی ہے، جس کا مروجہ میلاد سے تعلق نہیں، یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی کو بغیر وضو کے نماز پڑھنے سے منع کیا جائے اوروہ اس پر نماز کی فرضیت اور فضیلت کے دلائل قائم کرنے لگے۔

(۴)......ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں خاص دنوں کو یاد کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

”وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ“ (سورہ ابراهیم آیت ۵)

ترجمہ: اورانہیں اللہ کے دن یاد دلا یئے (ترجمہ ختم)

مگر یہاں بھی نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق تو عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے بھی بہت پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے ہے اوراس آیت کا بھی میلاد النبی سے کوئی تعلق نہیں، نہ ہی کسی صحابی، تابعی وغیرہ نے اس کی تفسیر میلاد النبی سے کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کا صحیح مطلب یہ تھا کہ اپنی قوم کو وہ واقعات سنا کر جو نافرمان قوموں کو پیش آئے نافرمانی سے

روکا جائے اور اطاعت پر آمادہ کیا جائے۔ یادگاری دن اور مروجہ میلاد منانے کا کوئی ثبوت اس آیت میں موجود نہیں۔

(۵)......ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ابولہب کو خواب میں عباس ابن عبدالمطلب نے دیکھا تھا کہ اس کو ہر سوموار کے دن عذاب میں کمی کی جاتی ہے کیونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشخبری سنانے پر اپنی باندی کو آزاد کردیا تھا، اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی سے ایک کافر کی بھی عذاب میں کمی ہوسکتی ہے تو اگر مسلمان کو خوشی ہو تو اس کو یقیناً فائدہ ہوگا۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ شریعت کا کوئی مسئلہ صرف خواب کی بنیاد پر ثابت نہیں ہوسکتا جب تک کہ شریعت سے اس کی تائید نہ ہو اور شریعت سے مروّجہ میلاد النبی ثابت بلکہ جائز بھی نہیں، لہٰذا اس کے مقابلہ میں اس خواب کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

دوسرے یہ خواب بھی ایک کافر کے متعلق ہے اور شریعت کا یہ اصول ہے کہ کافر کو کفر کی حالت میں مرنے کے بعد دنیا میں کیے ہوئے اچھے عمل کا آخرت میں کوئی ثواب نہیں دیا جاتا۔ لہٰذا اس پہلو سے یہ خواب شریعت سے ٹکرا رہا ہے۔ اور یہ خواب اس کافر کے بارے میں ہے جس کے نام کے ساتھ قرآن مجید میں پوری سورت موجود ہے جس کی ابتداء ہی اس شخص (ابولہب) کے متعلق بددعاء سے ہوتی ہے۔

"تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ"

ترجمہ: ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہوجائے، نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی (ترجمہ ختم)

پس یہ خواب قرآن کے بھی خلاف ہوا۔

تیسرے ایک مسلمان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر جو خوشی ہوتی ہے وہ آپ کی نبوت اور رسالت کی وجہ سے ہے اور یہی باعثِ خیر و برکت ہے، جبکہ ابولہب کی خوشی بوجہ آپ کے نبی اور رسول ہونے کے متعلق نہیں تھی۔

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

اوراس خواب کوکسی درجہ میں تسلیم کر لینے کے بعد بھی زیادہ سے زیادہ جائز خوشی کا ہونا ثابت ہوتا ہے ،نہ کہ مروّجہ طریقہ پرعیدمیلا دالنبی کا جائز ہونا۔

(۲)......ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیر کے دن روزہ رکھنے کی یہ وجہ بیان فرمائی تھی کہ اس دن میری ولادت ہوئی (مسند احمد حدیث نمبر ۲۲۵۵۰)

پس ہمیں بھی چاہئے کہ بطور شکر ۱۲/ربیع الاول کو نبی علیہ السلام کی ولادت پرخوشی منائیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو اس روایت میں پیر کے دن کا ذکر ہے، نہ کہ ۱۲/ربیع الاول کی تاریخ کا، اور پیر کا دن تو ہر آٹھویں دن آتا ہے نہ کہ ایک سال بعد، اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہر ہفتہ میلا دالنبی کا جشن منایا جائے اوراس بات کے وہ حضرات بھی قائل وعامل نہیں جوسال میں صرف ایک مرتبہ مروّجہ میلا دالنبی مناتے ہیں اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔

دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی ولادت کے شکرانے میں روزہ رکھیں اورنفس سے مشقت ومجاہدہ کرائیں، اوراس بات کو دلیل میں پیش کرنے والے اس دن میں کھائیں پئیں اورموج اڑائیں ، بلکہ روزہ تو دور کی بات نماز تک غائب کردیں۔ پس اگر آپ کی اتباع کرنی ہے تو اسی طرح سے کی جائے جس طرح آپ نے عمل کیا ہے، اورآپ نے تو خاموشی کے ساتھ صرف روزہ رکھ لیا، اس کے علاوہ اورکوئی آج کل کی طرح ہنگامہ آرائی نہیں کی ، پس اگرکوئی آپ کی اتباع میں خاموشی کے ساتھ صرف روزہ رکھنے پر اکتفاء کرلے تو اس کو میلا دالنبی کے مدعی حضرات بھی میلا دالنبی پرعمل کرنے والا شمار نہیں کریں گے۔ پھر میلا دالنبی کے قائلین تو ۱۲/ربیع الاول کوعید قرار دیتے ہیں اورعید کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خودروزہ رکھنے سے منع فرمایا،لیکن یہاں روزہ رکھ کرظاہرفرمادیا کہ یہ دن حقیقت میں شرعی عید کا دن نہیں ورنہ آپ ہرگز روزہ نہ رکھتے۔

تیسرے اس حدیث کے مذکورہ مفہوم پرعلمی کلام بھی ہے، کیونکہ دوسری احادیث میں پیراور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ ان دنوں میں اللہ تعالی کی بارگاہ میں اعمال پیش ہوتے ہیں، اس لئے میرا دل چاہتا ہے کہ میرا نامۂ عمل روزہ کی حالت میں پیش ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ پیر کے دن روزہ رکھنے کی علت اور وجہ تو اعمال نامہ پیش ہونا ہے اور ایک

روایت میں آپ نے جو ولادت کا ذکر فرمایا وہ بطور حکمت کے تھا اور شریعت کا اصول یہ ہے کہ حکم کا دارو مدار علت پر ہوتا ہے نہ کہ حکمت پر (والحکمة لاتتعدی بل العلةتتعدی للحکم) اور اگر اس کو علت بھی تسلیم کرلیا جائے تو بعض علتیں اپنے مورد کے ساتھ خاص ہوتی ہیں ان کو کسی دوسری چیز کے لئے متعدی نہیں کیا جاسکتا۔ پس اس سے خاص ۱۲/ ربیع الاول کو روزہ کا زیادہ ثواب ہونا یا عید میلاد النبی منانا جائز ثابت نہیں ہوتا۔ [۱]

(۷)......ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ نبی علیہ السلام نے عاشورہ (دس محرم) کے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون سے نجات کی خوشی میں روزہ رکھا اور اس کو مبارک دن قرار دیا اور فرمایا کہ تم اس دن روزہ رکھو، اور جب موسیٰ علیہ السلام کی خوشی میں آپ نے شرکت فرمائی تو آپ کی ذات تو سب نبیوں سے اعلیٰ ہے، ہمیں آپ کی ذات کی خوشی میں ضرور میلاد منانا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس سے روزہ کو چھوڑ کر مروّجہ میلاد منانے کا ثبوت ہی نہیں، ورنہ تو دس محرم کے دن کوئی جشن منا کر بھی یہ دلیل پیش کرسکتا ہے۔

دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر خوش ہونے سے کون منع کرتا ہے اور یہ بات بار بار ذکر کی جاچکی ہے کہ اصل کلام مروّجہ میلاد کے بارے میں ہے، نہ کہ آپ کی ولادت پر جائز خوشی کے بارے میں، جو نہ میلاد کے ساتھ خاص ہے اور نہ ربیع الاول کے ساتھ۔

(۸)......ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’**وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ**‘‘ (سورۃ انشراح)

کہ ہم نے آپ کے ذکر کو بلند مقام عطا کیا ہے۔

تو ہمیں بھی چاہئے کہ ۱۲/ربیع الاول کو آپ کا ذکر کریں۔

اس کا اصولی جواب بھی وہی ہے جو بار بار ذکر کیا جاچکا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں کسی مفسر نے مروّجہ میلاد النبی کا ذکر نہیں کیا، دوسرے آپ کے ذکرِ مبارک سے ہرگز منع نہیں کیا جاتا بلکہ اس میں

---

[۱] اور یہ بات بھی ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن روزہ اس لیے رکھا ہو کہ یہ دن پہلے سے فضیلت کا دن تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وِلادت کے لیے بھی یہ دن پہلے سے فضیلت والا ہونے کے لئے تجویز کیا گیا (کذا فی خطباتِ حکیم الامت ج ۴ ص ۱۴۷ بعنوان حقوق وفرائض)

جو منکرات اور خرابیاں شامل ہیں، جن کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے ان سے منع کیا جاتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں آپ کے نام اور ذکر کو اونچا مقام عطا فرمایا، اذان اور اقامت میں اور نماز کے قعدہ میں آپ کا ذکر موجود ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کلمہ میں آپ کا ذکر ہے، اور دنیا کے چپے چپے پر ہر وقت آپ کا ذکرِ خیر انتہائی احترام اور عظمت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

(۹)......ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کے بیان کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

''وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ''(سورہ ضحیٰ)

''اور ہر حال میں اپنے رب کے احسان کا ذکر کیا کرو''

اور میلاد میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ذکر کرنے سے کب انکار کیا جاتا ہے، اصل بحث تو مروّجہ میلاد کے بارے میں ہے، اور مروّجہ میلاد کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں۔

(۱۰)......ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ جب قرآن مجید کی آخری آیت ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' نازل ہوئی تو ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ آیت عید کے ہی دن نازل ہوئی ہے، یعنی جمعہ اور عرفہ کو نازل ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عطاءِ نعمت کی تاریخ کو عید بنانا جائز ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر غور کیا جائے تو حضرت عمر کے جواب سے خود معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بذاتِ خود عید نہیں بنائی تھی بلکہ یہ آیت ہی خود عید کے دن نازل ہوئی تھی، یعنی جمعہ اور عرفہ کو، جو دونوں اللہ کے دین میں پہلے ہی بزرگی اور رحمت والے دن ہیں۔

(۱۱)......ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے موقعہ پر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو وہاں کے لوگوں نے آپ کا پرجوش طریقہ پر استقبال کیا اور آپ کی شان

میں انصار کی چھوٹی بچیوں نے دف بجا کر اشعار پڑھے، اس سے مروّجہ میلاد کے جلوس اوراس موقعہ پر نعت خوانی کا جواز ثابت ہوا۔

حالانکہ اولاً تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ داخل ہونے پر اشعار پڑھنے کی حدیث ہی سند کے لحاظ سے کمزور ہے۔ [1]

چہ جائیکہ اس موقع پر دف بجانا کسی مستند حدیث سے ثابت ہو۔

البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ داخل ہونے پر صحابۂ کرام کو خوشی کا ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ [2]

---

[1] " لما قدم المدينة جعل النساء و الصبيان و الولائد يقلن :طلع البدر علينا من ثنيات الوداع وجب الشكر علينا ما دعا لله داع . "

قال الألباني في "السلسلة الضعيفة و الموضوعة "(٢/٦٣): ضعيف .رواه أبو الحسن الخلعي في "الفوائد "(٢/٥٩) و كذا البيهقي في "دلائل النبوة "(٢/٢٣٣ط) عن الفضل بن الحباب قال :سمعت عبد الله بن محمد بن عائشة يقول فذكره .و هذا إسناد ضعيف رجاله ثقات ، لكنه معضل سقط من إسناده ثلاثة رواة أو أكثر ، فإن ابن عائشة هذا من شيوخ أحمد و قد أرسله .و بذلك أعله الحافظ العراقي في "تخريج الإحياء "(٢/٢٤٤) ثم قال البيهقي كما في تاريخ ابن كثير (٥/٢٣) " : و هذا يذكره علماؤنا عند مقدمه المدينة من مكة لا أنه لما قدم المدينة من ثنيات الوداع عند مقدمه من تبوك . "و هذا الذي حكاه البيهقي عن العلماء جزم به ابن الجوزي في "تلبيس إبليس "(ص ٢٥١ تحقيق صاحبي الأستاذ خير الدين وانلي) ، لكن رده المحقق ابن القيم فقال في " الزاد "(٣/١٣) : و هو وهم ظاهر لأن "ثنيات الوداع "إنما هي ناحية الشام لا يراها القادم من مكة إلى المدينة و لا يمر بها إلا إذا توجه إلى الشام . " و مع هذا فلا يزال الناس يرون خلاف هذا التحقيق ، على أن القصة برمتها غير ثابتة كما رأيت !(تنبيه) : أورد الغزالي هذه القصة بزيادة " :بالدف و الألحان "و لا أصل لها كما أشار لذلك الحافظ العراقي بقوله " : و ليس فيه ذكر للدف و الألحان . "و قد اغتر بهذه الزيادة بعضهم فأورد القصة بها ، مستدلا على جواز الأناشيد النبوية المعروفة اليوم !فيقال له " :أثبت العرش ثم انقش ! " على أنه لو صحت القصة لما كان فيها حجة على ما ذهبوا إليه كما سبقت الإشارة لهذا عند الحديث (579) فأغنى عن الإعادة (السلسلة الضعيفة ، تحت حديث رقم ٥٩٨)

[2] (قدم المدينة، فلما قدم المدينة، جاء ت الأنصار برجالها ونسائها، فقالوا :إلينا يا رسول الله! فقال :دعوا الناقة ؛ فإنها مأمورة ، فبركت على باب أبي أيوب، قال :فخرجت جوار من بني النجار يضربن بالدفوف وهن يقلن : نحن جوار من بني النجار * * *يا حبذا محمد من جار فخرج إليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال : أتحبوني ؟ فقالوا :إي والله يا رسول الله قال : وأنا والله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں داخل ہونے کے وقت خوشی کا ہونا بلکہ آپ کے استقبال کے لئے اجتماع ہوجانا ایک علیحدہ مسئلہ ہے، اس کو عید میلاد کے جلوس سے کیا تعلق ہے؟ اور یہ بھی سوچنا چاہئے کہ کیا صحابۂ کرام ہر سال ہجرت کے دن جلوس نکالا کرتے تھے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو آپ کے مدینہ میں پہلی مرتبہ داخل ہونے کے وقت تھا۔ یومِ ولادت کے موقعہ پر کبھی ایسا نہیں ہوا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أحبكم ، وأنا والله أحبكم ، وأنا والله أحبكم (منكر بهذا التمام .أخرجه البيهقى فى "دلائل النبوة" (۲/۵۰۸) من طريق أبى عبد الله الحاكم بسنده عن محمد بن سليمان بن إسماعيل بن أبى الورد قال :حدثنا إبراهيم بن صِرمة قال :حدثنا يحيى بن سعيد عن إسحاق بن عبد الله بن أبى طلحة عن أنس قال ... :فذكره. قلت :وهذا إسناد واهٍ، آفته إبراهيم بن صِرمة -وهو :الأنصارى -، قال ابن عدى فى "الكامل "(۱/۲۵۲،۲۵۳)حدث عن يحيى بن سعيد الأنصارى بنسخ لا يحدّث بها غيره، ولا يتابعه على حديث منها . "ثم قال":وعامة أحاديثه، إما أن تكون مناكير المتن، أو تنقلب عليه الأسانيد، وبيّن على أحاديثه ضَعفُه ."وفى "اللسان:" "وقال ابن معين :كذاب خبيث " والرواى عنه محمد بن سليمان بن إسماعيل بن أبى الورد، لم أجد له ترجمة .وفى "الجرح والتعديل "(۳/۲۶۹) ما نصه: "محمد بن سليمان الأنصارى، روى عن ...(كذا الأصل، يشير إلى أنه لا يُقرأ) سمعت أبى يقول :وهو مجهول ."فيحتمل أن يكون هو هذا .والله أعلم . ولقصة الجوارى، والضرب بالدف شاهد من حديث أنس، ولكن ليس فيه أن ذلک كان عند قدومه صلى الله عليه وسلم المدينة، بل فى رواية أن ذلک كان فى عرس، وهو الراجح -كما تقدم بيانه فى تخريج حديث أنس برقم (۳۱۵۴)، من المجلد السابع من "الصحيحة . - "والله سبحانه وتعالى أعلم.

وأما ماذكره الغزالى فى "الإحياء "(۲/۲۷۷) من إنشاد النساء على السطوح بالدف والألحان، عند قدوم النبى صلى الله عليه وسلم :طلع البدر علينا من ثنيات الوداع * * *وجب الشكر علينا مادعا لله داع فهو مما لا أصل له، وإنما رواه البيهقى وغيره من طريق إبن عائشة، قال ...فذكره مختصراً، دون ذكر السطوح والدف والألحان، ثم هو تضعيف معضل -كما تقدم بيانه فى المجلد الثانى برقم (۵۹۸) وأزيد هنا فأقولک :قال الحافظ فى "الفتح "(۴/۲۶۲)"وهو سند معضل، ولعل ذلک كان فى قدومه من غزوة تبوک ." وإن مما يؤكد نكارة ذكر الدفوف فى قصة إستقباله صلى الله عليه وسلم قول البراء بن عازب رضى الله عنه : ثم قدم النبى صلى الله عليه وسلم المدينة، فما رأيت أهل المدينة فرحوا بشىء فرحهم برسول الله صلى الله عليه وسلم ، حتى جعل الإماء يقُلن :قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم . رواه البخارى (۳۹۲۵) وغيره، وهو مخرج فى "تخريج فقه السيرة "(ص ۱۶۹ ،دار القلم) ومثله حديث أنس بن مالک رضى الله عنه(السلسلة الضعيفة، تحت حديث رقم ۶۵۰۸)

اور نہ ہی ہر سال ربیع الاول کے موقع پر اس طرح کی خوشی کا اظہار صحابۂ کرام سے ثابت ہے۔

(۱۲)......بعض لوگ مروّجہ میلاد کو بدعتِ حسنہ (اچھی بدعت) قرار دیتے ہیں۔

حالانکہ یہ بدعتِ حسنہ نہیں بلکہ بدعتِ سیئہ ہے، کیونکہ عیدِ میلاد کا سبب خواہ ولادت کو قرار دیا جائے یا اسلام کی شوکت کو بہر حال یہ سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے دور میں بھی تھا، بلکہ اس وقت اس کی زیادہ ضرورت تھی، لیکن جب آپ نے اور آپ کے بعد خیر القرون کے دور میں یہ عمل نہیں ہوا تو اس سے اس رسم کا بدعتِ سیئہ ہونا واضح ہو گیا۔

(۱۳)......بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ میلاد النبی اس لئے منائی جاتی ہے تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہو اور آپ کی محبت و تعظیم دلوں میں پیدا ہو اور آپ کا ذکر کیا جائے تاکہ لوگوں کو اس کی معرفت ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان اغراض کے لئے دوسرے جائز طریقے موجود ہیں، جن پر مروّجہ میلاد النبی کے رائج ہونے سے پہلے عمل ہوتا رہا ہے اور اہلِ حق حضرات اب بھی عمل کرتے ہیں۔

(۱۴)......بعض لوگ مروّجہ میلاد کو ثابت کرنے کے لئے بعض بزرگانِ دین کی عبارات بھی پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہلِ حق بزرگانِ دین نے جس میلاد کو جائز قرار دیا ہے وہ حقیقی میلاد ہے نہ کہ مروّجہ رسمی میلاد (جو کہ بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے) اور منکرات و مفاسد سے خالی حقیقی میلاد کو کوئی بھی ناجائز قرار نہیں دیتا، حقیقی و رسمی میلاد کی تفصیل پہلے ذکر کی جا چکی ہے (ملاحظہ ہو ''اصلاح الرسوم''، صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰۔ تیسرا باب، پہلی فصل)

ان تمام شبہات اور مغالطوں کا ایک اصولی جواب جو سب کے لئے کافی ہے یہ ہے کہ جو آیات و احادیث و روایات وغیرہ اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں اور آپ نے ارشاد فرمائیں اور صحابۂ کرام نے براہِ راست سماعت فرمائیں، اور ساتھ ہی ان کی تفسیر، تشریح اور مطلب و مفہوم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھا، اگر ان کا تعلق میلاد النبی سے ہوتا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ضرور اس پر عمل کرتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کے بعد

فقہائے کرام بھی اس کا ذکر اور اس پر عمل کرتے؟ اور ان دلائل کو امت کے سامنے ضرور رکھتے؟ مگر جب انہوں نے ایسا نہیں کیا، تو بعد میں اپنی طرف سے اس طرح خلطِ مبحث کرنا درست نہیں، بلکہ قرآن میں معنوی تحریف کا مرتکب ہونا ہے، جو سخت جرم اور حرام ہے، اور یہود کا طریقہ ہے، جنہوں نے تورات کو تحریف کے عملِ جراحی سے گزار کر تورات کی سچی آسمانی تعلیمات کو دنیا سے ناپید کر دیا، اور اپنی من مانی تشریحات کو تورات کے نام پر رائج کر کے ایک صحیح آسمانی مذہب کو گمراہی وضلالت کا طومار بنا دیا۔

کیا اہلِ باطل اسلام میں عیسائیت ویہودیت کی تاریخ دہرانا چاہتے ہیں، اور قرآن وحدیث کی اصل تعلیمات کو مٹا کر اپنی من مانی خرافات پر دین ہونے کا لیبل لگانا چاہتے ہیں؟ حاشا وکلا! یہ ہرگز اس میں کامیاب نہ ہونگے۔

امید ہے کہ اہلِ انصاف کو اس مسئلہ میں شبہ نہ رہے گا اور افراط وتفریط سے سب باز آجائیں گے اور علمائے مصلحین امت سے عداوت وبدگمانی اور ان کی شان میں اہانت وبدزبانی گوارا نہ رکھیں گے اور دن رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور حقیقی محبت کو اختیار اور واتباعِ سنت پر عمل کی کوشش کریں گے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّکَ وَحُبَّ نَبِیِّکَ وَاِتِّبَاعَ سُنَّتِہٖ وَتَوَفَّنَا عَلٰی مِلَّتِہٖ وَاحْشُرْنَا فِیْ زُمْرَتِہٖ

ترجمہ: اے اللہ ہمیں اپنی اور اپنے نبی کی محبت عطا فرمادیجئے اور اپنے نبی کی اتباع کی توفیق عطا فرمادیجئے اور ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر وفات دیجئے اور ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں قیامت کے روز اٹھایئے۔

(اصلاح الرسوم، صفحہ ۱۲۰، ۱۲۱۔ تیسرا باب، پہلی فصل بتغیر واضافہ)

آمین فقط: واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان ۳/ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ 16/ مئی 2002ء بروز جمعرات

اضافہ واصلاح ۱۱/ شعبان ۱۴۲۷ھ 5 ستمبر 2006ء۔ ادارہ غفران، راولپنڈی

نظرِ ثانی تخریج واضافہ: مورخہ ۲۱/ محرم الحرام/ ۱۴۳۲ھ 29/ دسمبر/ 2010ء بروز بدھ

ماہِ ربیع الاول کے چند اہم تاریخی واقعات

(مرتب: مولانا طارق محمود: ادارہ غفران، راولپنڈی)

پہلی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□ ...... **ماہِ ربیع الاول ۱ھ:** میں مسجد قباء کی تعمیر ہوئی۔

آپ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے تو شہر سے کچھ پہلے چند روز کیلئے ٹھہر گئے تھے مسجد تو تھی نہیں، دو تین روز گھر میں نماز پڑھتے رہے، پھر ایک جگہ منتخب فرما کر مسجد بنانے کا ارادہ فرمایا۔ تعمیری کام میں بنفسِ نفیس سید الانبیاء سرورِ کائنات ﷺ شریک رہے۔ وزنی وزنی پتھر اٹھانے سے کمر مبارک خم کھانے لگی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے منع کرنے کے باوجود آپ ﷺ برابر محنت فرماتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے گھر کی تعمیر میں ہمہ تن مصروف وشریکِ عمل رہے تعمیر میں پہلا پتھر آپ ﷺ نے دوسرا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تیسرا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رکھا تھا اور اسی مسجد کی شان میں آیت لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى الخ (التوبۃ) نازل ہوئی (البداية والنهاية ج۳ص ۲۵۴، دار إحياء التراث العربي، بيروت، معارف القرآن ج ۴، ص ۴۵۹)

□ ...... **ماہِ ربیع الاول ۳ھ:** میں حضرت اِم کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا۔

اس سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں، جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا تو آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبریل علیہ السلام دوسری بیٹی حضرت اِم کلثوم سے نکاح کرنے کا حکم لے کر نازل ہوئے اور آپ نے نکاح فرما دیا، اس طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ سے دوہری دامادی کے رشتہ کا شرف حاصل ہوا، اور اسی وجہ سے آپ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے (البدایہ والنہایہ ج۴، رحمۃ للعالمین ج۱ص ۱۱۶)

□ ...... **ماہِ ربیع الاول ۵ھ:** میں غزوۂ دومۃ الجندل ہوا۔

آپ ﷺ کو اطلاع ہوئی کہ دومۃ الجندل بستی میں کفار جمع ہیں اور راہ گیروں کو لوٹتے ہیں، اور آہستہ آہستہ مدینہ کی طرف بڑھ رہے ہیں، تو ایک لشکر کے ساتھ آپ ﷺ ان کی طرف روانہ ہوئے، جب انہیں اطلاع ہوئی تو وہ بھاگ نکلے، تعاقب بھی کیا گیا، مگر ایک شخص محمد بن سلمہ کے علاوہ کوئی ہاتھ نہیں آیا، محمد بن سلمہ بعد میں بخوشی اسلام لے آئے (البدایہ والنہایہ ج۴، غزوۂ دومۃ الجندل، غزوات النبی ص۳۱۳ میں ۴ ہجری کے آخر کو ترجیح دی گئی ہے)

□...... **ماہِ ربیع الاول ۹ ھ:** میں آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

آپ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، تقریباً اٹھارہ ماہ عمر تھی، آپ پیدل بھی چلنے لگے تھے، بیمار ہوئے، آپ ﷺ نے انہیں آخری وقت میں گود میں اٹھایا تو سانس اکھڑ رہی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا! اے ابراہیم حکمِ الٰہی کے سامنے ہم تیرے کسی کام نہیں آسکتے، ہمیں تمہارا دکھ ہے، آنکھیں پُرنم ہیں اور دل غمگین، مگر اس موقعہ پر اللہ کی ناراضگی کی کوئی بات نہیں کہیں گے، اتفاقاً اس موقع پر سورج گرہن ہوگیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورج چاند کسی کی موت سے نہیں گہناتے، وہ تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جب گرہن دیکھو تو نماز پڑھو، یہ آپ ﷺ نے زمانۂ جاہلیت کے اس فاسد عقیدہ کی تردید کے لئے فرمائی کہ اہلِ جاہلیت چاند یا سورج گرہن ہونے کا کسی خاص شخصیت کی پیدائش یا وفات سے تعلق جوڑتے تھے، اور اتفاقاً اس وقت آپ ﷺ کے لختِ جگر کا انتقال ہوا، چنانچہ بعض لوگوں کا ذہن سابق عادت کے مطابق اس طرف گیا، آپ کے فرمانے سے اس فاسد عقیدہ کی اصلاح ہوئی (رحمۃ للعالمین ج ۲ ص ۱۰۵، البدایۃ والنہایۃ ج۵، ذکر اولاد رسول اللہ ﷺ)

□...... **ماہِ ربیع الاول ۱۶ ھ:** میں قرقیسیا فتح ہوا۔

قادسیہ، مدائن، جلولاء، میں کفار پے در پے ہزیمت اٹھا کر ہیت نامی جگہ میں جمع ہو رہے تھے، اور ھرقل کے حکم سے مزید افواج بھی مدد کے لئے اکٹھی ہو رہی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے امیرِ لشکر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن مالک کو ہیت کی فتح کے لئے ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا، اہلِ ہیت تو خندقیں کھود کر محصور ہو کر بیٹھ گئے، حضرت عمر بن مالک رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ فتح اتنی جلدی نہیں ہونے کی تو کچھ فوج یہاں چھوڑ کر باقی فوج کے

ساتھ قریبی علاقے قرقیسیا کی فتح کے لئے روانہ ہوئے اور ان پر غلبہ حاصل کیا (البداية والنهاية ج۷ص ۸۴، دار إحياء التراث العربى، بيروت، فتح قرقيسيا)

□......**ماہِ ربیع الاول ۱۸ ھ**: میں صحابیٔ رسول حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ آپ نے غزوۂ بدر میں بھی شرکت فرمائی، اور ان چار صحابۂ کرام میں آپ بھی شامل تھے، جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید جمع کیا، صحابۂ کرام میں حلال اور حرام کو سب سے زیادہ سمجھنے والے آپ تھے، آپ کی وفات شام میں طاعون کے مرض سے ہوئی (البدايه والنهايه ج۷ معاذ بن جبل، الاصابه ج ٦ حرف الميم ذكر من اسمه معاذ)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۰ ھ**: میں ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ ۳ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وحی کے ذریعے حکم ہونے پر نکاح فرمایا، حضرت زینب رضی اللہ عنہ باقی ازواجِ مطہرات پر اس کی وجہ سے فخر بھی کیا کرتی تھیں، ان کی وجہ سے پردے کی آیت نازل ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلے آپ ہی کی وفات ہوئی، ۵۰ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی (الاصابة ج۷، كتاب النساء، حرف الزاى بعدها ياء، البداية والنهاية ج۷، زينب بنت جحش)

□......**ماہِ ربیع الاول ۸۲ ھ**: میں حجاج بن یوسف نے ''واسط'' نامی شہر تعمیر کیا (تقویم تاریخی ص ۲۰) اس شہر کے تعمیر کرنے کا سبب یہ ہوا کہ حجاج نے ایک راھب کو گدھی پر سوار دیکھا، جب وہ واسط مقام کی جگہ پر پہنچا تو اس کی گدھی نے پیشاب کیا، تو اس راھب نے اتر کر اس جگہ کو کھود کر اس ساری مٹی کو دجلہ میں پھینک دیا، حجاج نے جب اس سے وجہ پوچھی، تو اس نے کہا کہ اصل میں ہماری کتابوں میں یہ بات موجود ہے کہ یہاں پر ایک مسجد بنائے جائے گی اور اس میں قیامت تک اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوگی، تو حجاج نے یہاں پر واسط شہر کی بنیادیں رکھیں اور اس جگہ پر اس نے مسجد بنائی (البداية والنهاية ج ۹، بناء واسط میں سن ۸۳ھ لکھا ہے)

دوسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□......**ماہِ ربیع الاول ۱۱۰ ھ**: میں حذیفہ بن احوص قیسی اندلس کا والی مقرر ہوا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی وفات وخلافت کے بعد جو لوگ بھی تخت خلافت پر متمکن ہوئے، ان کے مجموعی طرزِ عمل سے پرانی عصبیتیں (ایک علاقے، قبیلہ خاندان اور نسبت کے لوگوں کا محض ان نسبتوں کی بنیاد پر اپنے حریف دوسرے گروہوں کو ہمہ وقت نیچا کرنے کی تگ ودو میں لگے رہنا) پھر سے برسرِ عام ہوئیں، ان وقتوں میں جماعتی وقومی عصبیتوں سے حکومت کا متاثر ہونا عام تھا، چنانچہ مرکزِ اسلام کے ساتھ ساتھ دیگر ممالکِ مقبوضہ کی طرح اندلس میں بھی ہر گروہ وجماعت اپنے ہمنوا کو برسرِ اقتدار لانے اور حریف کو عزل کا پروانہ تھما دینے کی بے کار کوششوں میں لگا رہتا، حتی کہ اہلِ اندلس مسلمانوں کی توجہ حقیقی دشمنوں یہود ونصاریٰ سے ہٹ کر عصبیت کی کشمکش اور سیاسی ہیجان واضطراب کی طرف مبذول ہو کر رہ گئی، اسی کا نتیجہ تھا کہ حذیفہ بن احوص قیسی جو ربیع الاول ۱۱۰ھ میں اندلس کا والی مقرر ہوا، اور اس نے آتے ہی فوجی نقل وحرکت شروع کی اور ایک نئے شہر مقوقشہ کے فتح کرنے میں کامیاب ہوا، مگر اسی سال شعبان ۱۱۰ھ میں ہی عصبیت کا نشانہ بنتے ہوئے معزول ہوگیا (الکامل ج۴ ص ۳۸۳، تاریخِ اندلس ص ۱۴۹، تاریخِ ملت ج۱ ص ۷۴۳)

□...... **ماہِ ربیع الاول ۱۳۱ھ:** میں نصر بن سیار فوت ہوا۔

نصر بن سیار اموی حکومت کی طرف سے خراسان کا والی مقرر تھا اور عربی قبیلہ بنو مضر کا منتخب سردار بھی تھا، اس طرح دیگر عربی قبائل کے سردار بھی قدیم ترتیب کے مطابق تھے، لیکن آپس کے اتحاد سے محروم تھے، عصبیت ودیگر وجوہات کے مرتکب تھے جس سے افتراق وانتشار جنگ وجدال کی راہ ہموار ہوتی ہے، اسی دوران عباسی تحریک کی داغ بیل ڈالنے کے محرکِ اعظم ابو ابراہیم محمد بن علی سجاد نے اپنی تحریک کی کامیابی کے لئے خراسان میں ایک ذہین سیاست دان، شاطر اور جری شخص ابو مسلم خراسانی کو اپنے زیرِ ہدایت کام کرنے کے لئے مقرر کیا، جس کی روز بروز بڑھتی ہوئی کوششوں سے خفیہ طور پر کثرت سے لوگ عباسی تحریک میں شمولیت کے لئے ابو مسلم کے زیرِ علم آنے لگے، ابو مسلم کے عزائم میں بڑے بڑے قبائل کے سرداروں کا خاتمہ بھی تھا جب یہ خبر قبائل کے سرداروں تک جا پہنچی، سردارانِ قبائل اپنے اپنے طور پر ابو مسلم کی بڑھتی ہوئی کامیابی سے فکر مند تھے ہی، اس راز کے افشا کے بعد چند لوگوں کی کوششوں سے تمام قبائل میں اتحاد ومصالحت ہوگئی جو ابو مسلم کی بڑھتی

ہوئی کامیابیوں پر کاری ضرب تھی، ابومسلم نے اپنی سیاسی شاطرانہ چالوں کے ساتھ قبائل کی سابقہ عداوتوں کو ہوا دے کر اتحادو یک جائی کو پھر سے تلوار کی نوک پر لا کھڑا کیا، اور دیگر قبائل کی حمایت میں نصر بن سیار سے جنگ کی، نصر کو شکست ہوئی، اور نصر خراسان چھوڑ کر بھاگ گیا، مختلف علاقوں کا سفر کرتے ہوئے بیمار ہو کر ربیع الاول ۱۳۱ھ میں فوت ہوگیا (البدایة والنهایة ج۱۰ ص۴۰، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، تاریخِ ملت ج ۱ ص ۵۷، ۱۴/۲/۲ وفیہ ۱۳۰ھ)

☐...... **ماہِ ربیع الاول ۱۳۲ھ:** میں ابوالعباس عبداللہ سفاح نے قوتِ بازو کے زور پر پہلے عباسی حاکم و بادشاہ کی حیثیت سے کھلے عام لوگوں سے بیعت لی۔

تحریکِ عباسیہ پس پردہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جیسے خلیفہ راشد کے دور میں ابوابراہیم محمد بن علی سجاد کی سرکردگی میں خفیہ طور پر شروع ہوئی تھی اور تقریباً ستائیس سال تک یعنی مروان بن محمد بن مروان کے شروع دور تک خفیہ طور پر کام کرتی رہی، حکومتِ وقت کے ہاتھ لگنے پر پھانسی، سرقلم، ناک کٹوانا اور قید و بند کی مختلف صعوبتیں جھیلنے پر تحریک کے افراد میں لازمی طور پر جذبات کا ابھار اور نئے افراد کے لئے نتیجۃً حکومتِ وقت سے پنجہ آزمائی کے عزائم پیدا ہونے لگے، تا آنکہ عظیم جمعیت کے ساتھ براہِ راست حکومت سے ٹکر لینے کا تجربہ ہو جانے پر ابوابراہیم کی وفات کے بعد تحریک عباسیہ کے متفقہ قائد عبداللہ سفاح نے کوفہ کی جامع مسجد میں کھلے عام اس قدر لوگوں سے بیعت لی کہ صبح سے رات تک بیعت کا سلسلہ جاری رہا (الکامل ج۵ ص ۶۵)

☐...... **ماہِ ربیع الاول ۱۳۷ھ:** میں جنگ نصیبین ہوئی (تقویم تاریخی ص ۲۵)

حکومتِ عباسیہ کے پہلے نامزد حاکم السفاح کے انتقال کے بعد جب ابوجعفر منصور ولی عہد ہونے کی وجہ سے خلیفہ مقرر ہوا تو ابوالعباس سفاح کے مقرر کردہ شام کی طرف کے فوجی کمانڈر عبداللہ بن علی العباسی نے اپنی فوج اور علاقے کے امراء وسرداروں کو اکٹھا کر کے السفاح کے مرنے کی خبر بھی سنائی اور بتایا کہ سفاح نے مجھے (اموی حکومت کے آخری) حاکم وصدر مروان بن محمد بن مروان کی کمر توڑنے کے لئے بھیجا تھا اور کہا تھا کہ اگر تم کامیاب ہو جاؤ گے تو میرے بعد حکومت تمہارے سپرد ہوگی، اس بات کی گواہی چند سرداروں نے بھی دے دی، تو حاضرین تمام لوگوں نے عبداللہ

بن علی العباسی کے ہاتھ پر بیعت کرلی اوراس کی حکومت کو تسلیم کرلیا، عبداللہ ان لوگوں کے ساتھ چھوٹے علاقوں کو زیرِ نگیں کرتا ہوا حرآن پہنچا، چالیس یوم کے محاصرے کے بعد حرآن پر اس کا قبضہ ہوا، ابوجعفر منصور نے عبداللہ کی بغاوت وسرزنش کو کچلنے کے لئے ابومسلم خراسانی کو روانہ کیا، دونوں لشکر نصیبین کے مقام پر آمنے سامنے ہوئے، دونوں میں پندرہ ماہ تک موقعہ بموقعہ زبردست معرکے ہوئے بالآخر ابومسلم اپنی سابقہ شاطرانہ ومجرب چالوں اور جنگی تخریب کاریوں کے باعث یہ معرکہ جیت گیا، اور عبداللہ بن علی کو شکست کا سامنا ہوا، میدانِ جنگ ہاتھ آجانے کے بعد ابومسلم نے شامیوں کے حق میں امنِ عام کا اعلان کردیا (البداية والنهاية وفيه ربيع الآخر من السنة)

☐...... **ماہِ ربیع الاول ۱۶۵ھ:** میں ھارون الرشید نے روم پر چڑھائی کی (تقویمِ تاریخی ص ۴۲)

مہدی نے اپنے دورِ خلافت میں اپنے بیٹے کو اپنے امیر اور حاجب ربیع کے ساتھ تقریباً ایک لاکھ فوج دے کر رومیوں پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا، ھارون برابر رومیوں کو شکست دیتا ہوا اور قتل کرتا ہوا اور ان کے شہروں کو غارت کرتا ہوا قسطنطنیہ تک پہنچ گیا، اس وقت قسطنطنیہ کے تخت پر ایک عورت غسطہ حکمران تھی جو قیصر الیوک کی بیگم تھی اور اپنے نابالغ بیٹے کی طرف سے حکومت کررہی تھی، اس نے ستر ہزار دینار سالانہ جزیہ دینا منظور کر کے رومیوں کی طرف سے صلح کرلی، اور یہ شرط بھی قبول کرلی کہ قسطنطنیہ کے بازار میں مسلمانوں کی آمدورفت اور خرید وفروخت کی ممانعت نہیں کی جائے گی (تاریخِ اسلام ج ۲ ص ۳۱۹ از اکبر شاہ خان صاحب)

☐...... **ماہِ ربیع الاول ۱۶۷ھ:** میں عباسی خلیفہ مہدی نے مسجد الحرام مكة المكرّمہ کی توسیع کرائی (تقویمِ تاریخی ص ۴۲)

اس نے ۱۶۰ھ میں بھی تھوڑی توسیع کرائی تھی، ۱۶۷ھ میں اس نے قرب وجوار کے بہت سے مکانات خرید کر منہدم کروادیئے، اسی طرح صفا اور وادی کے درمیان جتنے مکانات تھے سب خرید کر منہدم کروادیئے، باب بنی سہم سے اس نے توسیع کرائی کیونکہ یہ سمت اونچی تھی (تاریخ المكة المكرّمہ ج ۲ ص ۳۰۵)

☐...... **ماہِ ربیع الاول ۱۷۰ھ:** میں عباسی خلیفہ موسیٰ ھادی کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۴۳)

وفات کے وقت آپ کی عمر ۲۶ سال تھی، عالمِ اسلام پر اس وقت عباسیوں کا دورِ حکومت تھا، موسیٰ

ھادی کی مدتِ حکومت ایک سال تین مہینے تھی، عیسیٰ آباد کے ایک باغ میں ان کو دفن کیا گیا، موسیٰ ھادی بیدار مغز، غیور، فیاض، بہادر اور سخت گیر حاکم تھا، اس نے اپنے دورِ حکومت میں دین واسلام کے باغی ملحدوں اور زندیقوں کا بڑی سختی سے مقابلہ کیا، خاص طور پر مانَی مذہب کی تو بہت سرکوبی کی، اگر یہ کچھ دنوں اور زندہ رہ جاتا تو اس مذہب کا نام ونشان ہی باقی نہ رہتا (مانَی ایک ایرانی النسل شخص تھا زمانہ اسلام سے کئی سو سال پہلے فارس کی سلطنت میں ایک نئے نظریے کا علمبردار بن کر یہ اٹھ کھڑا ہوا بہت لوگ اس کے ساتھ ہو گئے، اس کے عجیب وغریب نظریات میں سے سب سے خطرناک اور تباہ کن نظریہ یہ تھا کہ انسانی نسل جب تک باقی رہے گی دنیا میں شر پھیلتا رہے گا، اور ظلمت کا نور سے التباس ہوتا رہے گا اس لئے وہ تجرد کی دعوت دیتا تھا، نکاح اور مرد وعورت کے ملاپ سے منع کرتا تھا تاکہ انسانی نسل کا سلسلہ آگے نہ چلے، یہ بہرام گور کا زمانہ تھا، بہرام گور نے اس کے تباہ کن نظریات اور سرعام اس کا پرچار کرنے پر اسے یہ کہہ کر قتل کر دیا کہ یہ شخص دنیا کی تباہی کی دعوت دیتا ہے، لیکن اس کے نظریات کے اثرات کسی نہ کسی درجہ میں بہت عرصے تک لوگوں میں رہے "ماخوز از انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر از مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ" (البداية والنهاية ج ۱۰، ثم دخلت سنة سبعين ومائةمن الهجرة النبويه، وهذا ذكر شئ من ترجمة الهادى، الكامل ج۵ ص ۲۷۲، العبر فى خبر من غبر ج ۱ ص ۲۵۸، تاریخِ اسلام ج۳ ص۱۱۰، از مولانا شاہ معین الدین ندوی)

□...... **ماہِ ربیع الاول ۱۷۰ھ:** میں عباسی خلیفہ ھارون الرشید خلیفہ بنا (تقویم تاریخی ص۴۳)

ھارون الرشید دراصل خلیفہ موسیٰ ھادی کے بعد حکومت کے تخت پر بیٹھا، خلافت کے وقت اس کی عمر ۲۲ سال تھی، ھارون کا دورِ حکومت خلافتِ عباسیہ کا زرّیں دور تھا، دولتِ عباسیہ علمی، تمدنی، سیاسی، ہر حیثیت سے کمال تک پہنچ گئی تھی، اسی طرح ھارون کی سلطنت کا رقبہ بھی بڑا وسیع تھا، اور دنیا کے بڑے حصے سے شرعی خراج آتا تھا، اپنے دورِ حکومت میں ھارون نے عدل وانصاف کی فراہمی اور رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے بہت سے کارنامے سرانجام دیئے (البداية والنهاية ج ۱۰، ثم دخلت سنة سبعين ومائةمن الهجرة النبويه، خلافة هارون الرشيد من الهادى، الكامل ج۵ ص ۲۷۲، العبر فى خبر من غبر ج ۱ ص ۲۵۸، تاریخِ اسلام ج۳ ص۱۱۲ تا ۱۳۷، از مولانا شاہ معین الدین ندوی)

□......**ماہِ ربیع الاول ۱۷۴ھ:** میں حضرت عبداللہ بن لہیعۃ بن عقبہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔
۹۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، مشرع بن ھاعان سے روایت کرتے ہیں، آپ مصر کے قاضی بھی رہے ہیں، آپ سے حضرت لیث اور حضرت مبارک رحمہما اللہ وغیرہ حضرات روایت کرتے ہیں (المنتظم ج ۹ ص ۴)

□......**ماہِ ربیع الاول ۱۷۶ھ:** میں مشہور محدث حضرت ابوعوانۃ الوضاح رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔
آپ یزید بن عطا الیشکری رحمہ اللہ کے غلام تھے، آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۶۹)

□......**ماہِ ربیع الاول ۱۷۷ھ:** میں حضرت قاضی شریک رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تقویمِ تاریخی ص ۴۵)
آپ ابواسحاق رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، اوراحکام وقوانین کو نافذ کرانے میں بہت مشہور تھے، ہفتہ کے دن وفات ہوئی (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ثم دخلت سنۃ سبع وسبعین ومائۃ میں وفات ماہِ ذیقعدہ میں لکھی ہے)

□......**ماہِ ربیع الاول ۱۷۹ھ:** میں امام دارالہجرۃ امام مالک بن انس رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔
آپ کی ولادت ۹۴ھ میں ہوئی، آپ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ۱۳ برس چھوٹے تھے، طلبِ علم سے پہلے کپڑے کی تجارت کرتے تھے، آپ کے اساتذہ میں امام محمد بن شہاب زہری رحمہ اللہ خاص اہمیت رکھتے ہیں، فقہی مذاہب میں سے ایک مذہبِ مالکی آپ سے جاری ہوا، اور آپ کے مقلدین کی ایک بہت بڑی تعداد اس وقت دنیا میں موجود ہے، آپ کی تصانیف میں کتاب المؤطا بہت مشہور ہوئی، آپ نے تقریباً دس ہزار احادیث سے انتخاب کرکے مؤطا کو مرتب کیا، آپ زندگی کے آخری سالوں میں تقریباً گوشہ نشین ہوگئے تھے، ۲۲ دن بیمار رہے اور ۱۴ ربیع الاول ۱۷۹ھ ہفتہ کے دن انتقال فرمایا اور مدینہ منورہ کے مشہور ومقبول قبرستان جنت البقیع میں دفن ہوئے (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۷۲، المنتظم ج ۹ ص ۴۵، سیرت ائمہ اربعہ ص ۹۸ تا ۱۴۰)

□......**ماہِ ربیع الاول ۱۸۲ھ:** میں حضرت امام قاضی ابویوسف رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔
آپ کا شمار دنیائے علم کے عظیم فقہاء، محدثین، قاضیوں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خصوصی شاگردوں میں ہوتا ہے، کوفہ میں پیدا ہوئے اور وہی تعلیم پائی، آپ کے والد کا سایہ جلد ہی آپ کے سر سے

اٹھ گیا تھا، اسی بناء پر آپ کی والدہ آپ کو دھوبی کے پاس لے گئیں، تاکہ آپ یہ پیشہ سیکھ کر گھر کی تنگدستی کو دور کرنے کا ذریعہ بنیں، راستے میں آپ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے درس میں بھی جانا شروع کر دیا، سبق میں شمولیت کی پابندی کا اتنا اہتمام تھا کہ عام حالات میں غیر حاضری تو درکنار اپنے سگے بیٹے کی وفات پر بھی کفن دفن کی ذمہ داری رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے سپرد کر کے خود سبق میں شریک رہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے قوتِ حافظہ اور حاضر دماغی کی دولت سے خوب نوازا تھا، مشہور مؤرخ ومحدث ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی ابو یوسف بہت بڑے عالم بہت بڑے حافظ الحدیث تھے، آپ ھارون الرشید کے دور میں ساری اسلامی دنیا کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے، ممالکِ اسلامیہ خصوصاً مشرقی ممالک خراسان، ماوراءالنہر وغیرہ میں عہدہ قضا کے لئے آپ ہی قاضی نامزد ومقرر تھے، اس طرح فقہ حنفی کی ان سب ممالک میں ترویج واشاعت ہوئی، عبادت کا یہ عالم تھا کہ قاضی کا عہدہ اور اس کی مصروفیات کے باوجود روزانہ ۲۰۰ رکعت نوافل پڑھتے تھے (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۸۴، المنتظم ج ۹ ص ۸۰)

□...... **ماہِ ربیع الاول ۱۸۷ھ**: میں مختلف اسباب کی وجہ سے خلیفہ ھارون الرشید کو برامکہ خاندان سے بدظن کیا گیا، یہاں تک کہ ھارون الرشید نے جعفر برمکی کو قتل کرا دیا، اور یحیٰ اور فضل کو قید کر دیا، خاندانِ برامکہ میں محمد بن خالد کے سوا کوئی فرد قید کی مصیبت سے نہ بچا، ان کے محلات، باغات، جائیدادیں، نقد وجنس غرض سب کچھ ضبط کر لیا گیا، یحیٰ اور فضل دونوں باپ بیٹوں نے جیل کے مصائب اور سختیاں جھیلتے جھیلتے بالترتیب ۱۹۰ھ اور ۱۹۳ھ میں نہایت بے کسی کے عالم میں انتقال کیا (تقویمِ تاریخی ص ۴۷، تاریخِ اسلام ج ۳ ص ۱۲۸)

□...... **ماہِ ربیع الاول ۱۹۵ھ**: میں حضرت محمد بن خازم ابو معاویہ التمیمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ آپ کی ولادت ۱۱۳ھ میں ہوئی، ولادت کے ۴ سال بعد آپ نابینا ہو گئے تھے، ۲۰ سال تک امام اعمش کی شاگردی اختیار کی، علمی مرتبہ میں آپ امام سفیان ثوری اور امام شعبہ رحمہما اللہ سے بھی اونچے تھے، امام احمد بن حنبل اور امام یحیٰ بن سعید رحمہما اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں، بعض حضرات نے آپ کی وفات ماہِ صفر کے آخر میں بیان کی ہے (المنتظم ج ۱۰ ص ۲۲)

تیسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۰۲ھ**: میں حضرت شیخ القراء ابومحمد یحییٰ بن مبارک بن مغیرہ العدوی البصری النحوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ امیر یزید بن منصور (جو کہ مہدی کا ماموں تھا) کے ساتھ رہتے اوران کے بیٹے کی تربیت کرتے تھے اس لئے آپ کو''یزیدی'' کہا جاتا تھا، علمِ تجوید ابوعمرو المازنی رحمہ اللہ سے حاصل کیا، آپ سے ابوعبید، اسحاق الموصلی اور آپ کے بیٹے محمد رحمہم اللہ روایت کرتے ہیں، آپ کی کئی کتب مشہور ہیں، جن میں سے چند کے نام یہ ہیں: النوادر، المقصود والممدود، الشکل، نوادر اللغۃ، النحو، ۷۴سال کی عمر میں بغداد میں وفات ہوئی''وقیل مات بمرو'' (سیراعلام النبلاء ج۹ص ۵۶۰)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۰۳ھ**: میں حضرت ابوزکریا یحییٰ بن آدم بن سلیمان الاموی الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی تصانیف کثرت سے ہیں، عیسیٰ بن طہمان، مالک بن مغول، فطر بن خلیفہ، یونس بن اسحٰق، مسعر بن کدام اور سفیان ثوری رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، امام احمد، اسحاق، یحییٰ، علی، ابوبکر بن ابی شیبہ، حسن بن علی الخلال، محمد بن رافع اور محمد بن عبداللہ المخرمی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، حضرت ابواسامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

> اپنے زمانہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے مرجع تھے، ان کے بعد ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں، ان کے بعد امام شعبی رحمہ اللہ اپنے زمانہ میں، ان کے بعد امام سفیان ثوری رحمہ اللہ اپنے زمانے میں لوگوں کے مرجع تھے، امام ثوری رحمہ اللہ کے بعد حضرت یحییٰ بن آدم رحمہ اللہ لوگوں کے مرجع تھے۔

حضرت یحییٰ بن آدم رحمہ اللہ کا شمار بڑے ائمہ میں ہوتا تھا، آپ سے جو احادیث مروی ہیں ان میں ایک روایت حضور ﷺ کی ہجرت سے متعلق بھی ہے کہ جب حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ ہجرت فرما رہے تھے تو جب غارِ ثور کے پاس پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

عرض کیا یارسول اللہ آپ ذرا ٹھہریئے میں پہلے جا کر غار کو صاف کردوں، ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے تو آپ کی انگلی کو کوئی چیز لگ گئی، آپ اپنی انگلی سے خون کو صاف کرتے ہوئے یہ شعر فرمارہے تھے: ؎

هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيْتِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ

ترجمہ: تو نہیں ہے مگر ایک خون آلود انگلی ہے، اور یہ تجھے جو کچھ پیش آرہا ہے اللہ کے راستے میں پیش آیا ہے (سیر اعلام النبلاء ج۹ ص۵۲۷، الطبقات الکبریٰ لابنِ سعد ج۶ ص۴۰۳، تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۳۶۰، تہذیب التہذیب ج۱۱ ص۱۵۵)

□ ...... **ماہِ ربیع الاول ۲۰۳ھ:** میں حضرت ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی البصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ اصلاً فارسی النسل تھے، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے خاندان کے آزاد کردہ غلام تھے، آپ کی والدہ کا تعلق فارس سے تھا، ایمن بن نابل، ابان بن یزید العطار، ابراہیم بن سعد اور جریر بن حازم رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن منصور الکوسج، حجاج بن الشاعر، زید بن اخزم اور عبداللہ بن محمد المسندی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، عمر بن شبہ فرماتے ہیں کہ ان کے شاگردوں نے اصبہان میں ابوداؤد سے چالیس ہزار احادیث اس طرح لکھیں کہ ابوداؤد کے ہاتھوں میں کتاب نہیں تھی، ۷۲ سال کی عمر میں بصرہ میں وفات ہوئی "وقیل مات فی سنة ۲۰۴ھ" (تہذیب التہذیب ج۴ ص۱۶۲، سیر اعلام النبلاء ج۹ ص۳۸۴، تہذیب الکمال ج۱۱ ص۴۰۸)

□ ...... **ماہِ ربیع الاول ۲۰۶ھ:** میں حضرت حجاج بن محمد المصیصی الاعور رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کا اصل تعلق خراسان کے مشہور شہر "ترمذ" سے تھا، بعد میں آپ "مصیصہ" منتقل ہوگئے، اسرائیل بن یونس، حریز بن عثمان الرحی اور حمزہ بن حبیب الزیات رحمہ اللہ سے آپ نے حدیث روایت کی، امام احمد بن حنبل، حجاج بن یوسف الشاعر اور حسن بن محمد الصباح رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کو احادیث صحیح اور بہت اچھے طریقے سے یاد

تھیں(طبقات الحفاظ للسیوطی ج ا ص ۲۷، سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۴۴۹، تھذیب الکمال ج ۵ ص ۴۵۶، تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۳۴۵، التعدیل والتجریح ج ا ص ۵۲۱)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۱۲ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن واقد بن عثمان الفریابی الضبی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ قیساریہ کے مقام کے رہنے والے تھے، یونس بن اسحاق، فطر بن خلیفہ، مالک بن مغول اور امام اوزاعی رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، امام بخاری، احمد بن حنبل، محمد بن یحییٰ، اسحاق الکوسج، سلمۃ بن شبیب اور ابوبکر بن زنجویہ رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ خود فرماتے ہیں کہ: میں نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ میں انگوروں کے ایک گنجان باغ میں داخل ہوا تو میں نے ہر قسم کے انگور کھائے سوائے سفید انگور کے، سفید انگور میں سے میں نے بالکل نہیں کھایا، تو میں نے اس کا ذکر سفیان سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کو علم الفرائض (میراث کے علم) کے علاوہ ہر فن میں مہارت حاصل ہوگی، کیونکہ میراث علم کا خلاصہ ہے جس طرح سفید انگور عام انگوروں کا خلاصہ ہے، بعد میں اسی طرح ہوا کہ امام فریابی رحمہ اللہ کو علم الفرائض میں اتنی مہارت حاصل نہیں ہوئی(سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۱۱۸، تھذیب الکمال ج ۳۲ ص ۲۰)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۲۰ھ:** میں حضرت ابوبکر محمد بن رمح المہاجر بن محرز بن سالم مصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

علم میں اونچا مقام حاصل ہونے کی ایک وجہ ماہر اساتذہ کا ہونا ہے، ان کے اساتذہ بھی اپنے وقت کے بہت بڑے اہلِ علم شمار ہوتے تھے، اور ان کا اس زمانے میں بڑا نام تھا، جن حضرات سے آپ نے استفادہ کیا ان میں امام لیث بن سعد، عبداللہ بن لہیعہ اور مفضل بن فضالہ رحمہم اللہ جیسے حضرات سرِ فہرست ہیں، اسی طرح آپ کے شاگردوں کو بھی علمِ حدیث میں بڑا اونچا مقام حاصل ہے، امام مسلم بن حجاج، ابوداؤد السجستانی، حسن بن سفیان اور محمد بن زبان الحضرمی رحمہم اللہ نے آپ سے استفادہ کیا، آپ کے بھائی حکم بن رمح بن المہاجر رحمہ اللہ کو بھی علمِ حدیث میں بڑا مقام حاصل ہے(الاکمال لابنِ مأکولا ج ا ص ۳۱۱)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۲۰ھ:** میں حضرت ابوعثمان عفان بن مسلم بن عبداللہ الصفار رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابان بن یزید، اسماعیل بن علیہ، اسود بن شیبان، حماد بن سلمہ اور حماد بن زید رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام بخاری، ابراہیم بن اسحاق الحربی، ابراہیم بن مرزوق البصری، ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث کے حاملین تو صرف پانچ حضرات ہی ہیں: امام مالک، ابنِ جریج، ثوری، شعبہ اور عفان، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم دس سال تک عفان کی خدمت میں رہے، آپ کی عمر ۸۵ سال تھی، امام ابوداؤد رحمہ اللہ آپ کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے ''وفی قول توفی فی ربیع الآخر'' سیر اعلام النبلاء ج۱۰ ص۲۵۴، التعدیل والتجریح ج۳ ص۱۱۷۲، مغانی الاخیار ج۲ ص۳۷۸'' (تہذیب الکمال ج۲۰ ص۱۷۴)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۲۴ھ:** میں حضرت ابوایوب سلیمان بن حرب الواشحی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

امام شعبہ، محمد بن طلحہ، ابنِ مصرف، وھیب بن خالد اور حوشب بن عقیل رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، امام بخاری، ابوداؤد، احمد بن سعید الدارمی، اسحاق بن راہویہ اور حسن بن علی الخلال رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ احادیث کے معاملہ میں ثقہ شمار ہوتے ہیں، پہلے آپ مکہ کے قاضی تھے اس کے بعد آپ معزول کردیئے گئے، اور آپ بصرہ لوٹ آئے اور یہیں پر ۸۴ سال کی عمر میں وفات ہوئی، آپ خود فرماتے ہیں کہ میں نے ۵۸ سال تک علمِ حدیث کو حاصل کیا اور حماد بن زید رحمہ اللہ کی خدمت میں ۱۳ سال تک رہا، آپ کی ولادت ۱۴۰ھ میں ہوئی'' وفی قول مات فی ربیع الآخر '' تہذیب التہذیب ج۴ ص۱۵۸، سیر اعلام النبلاء ج۱۰ ص۳۳۴، العبر فی خبر من غبر للذہبی ج۱ ص۷۳، وفیات الاعیان لابنِ خلکان ج۲ ص۴۲۰، تہذیب الکمال ج۱۱ ص۳۹۲، مغانی الاخیار ج۱ ص۴۶۲'' (الطبقات الکبریٰ لابنِ سعد ج۷ ص۳۰۰)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۲۶ھ:** میں حضرت ابوزکریا یحییٰ بن یحییٰ بن بکیر بن عبدالرحمٰن التمیمی المنقری النیشاپوری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ خراسان کی مشہور علمی شخصیت تھے، تابعین میں سے بعض حضرات مثلاً کثیر بن سلیم رحمہ اللہ سے آپ کی ملاقات ثابت ہے، عبداللہ بن جعفر المخرمی، یزید بن المقدام، زہیر بن معایہ، مالک اور شریک القاضی رحمہم اللہ سے آپ روایت کرتے ہیں، امام بخاری، امام مسلم، حمید بن زنجویہ، محمد بن نصر المروزی، احمد بن سید اور عثمان بن سعید الدارمی رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ کی ولادت ۱۴۲ھ میں ہوئی، محمد بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں کس سے حدیث روایت کروں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یحییٰ بن یحییٰ سے، یحییٰ الحمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ہم خراسان کے فقہاء میں عبداللہ بن مبارک اور یحییٰ بن یحییٰ رحمہما اللہ کو شمار کرتے ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۵۱۷، تھذیب الکمال ج ۳۲ ص ۳۶)

□...... **ماہِ ربیع الاول ۲۲۷ھ:** میں عباسی خلیفہ المعتصم باللہ فوت ہوا۔

اس کے لئے خلافت کی بیعت مامون کے دورِ خلافت ہی میں رجب ۲۱۸ھ میں ہوئی، مامون کے زمانے میں مملکت کا جو نظام قائم ہوا تھا معتصم نے اس کو قائم رکھا، البتہ اس نے فوج کے نظام کو بڑی ترقی دی جس سے عظیم الشان فتوحات حاصل کرنے کا موقع ملا، معتصم کے دورِ خلافت کا بدترین دور وہ تھا جب اس نے معتزلہ کی سازشوں کی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر ظلم کے پہاڑ توڑے، اس کو ''مثمن'' کہا جاتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ خلفائے بنوعباس میں آٹھواں خلیفہ تھا، اور اس کا دورِ خلافت آٹھ سال اور اٹھارہ مہینے تھے، آٹھ لڑکے اور آٹھ لڑکیاں چھوڑیں، آٹھ بڑے بڑے شہر اس نے فتح کئے، آٹھ دشمنوں (بابک، باعیش، مازیار، افشین، عجیف، قارون، رافضیوں کے قائد، زنادقہ کے قائد) کو اس نے قتل کیا، آٹھ لاکھ دینار سرخ، آٹھ لاکھ دراہم سفید، آٹھ ہزار گھوڑے، آٹھ ہزار غلام، آٹھ ہزار لونڈیاں، آٹھ ہزارے گھوڑے اپنے پیچھے چھوڑے، اور آٹھ محل اس نے بنائے (الوافی بالوفیات لصفدی ج ۲ ص ۱۴۱، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۳۰۶، تاریخِ ملت ج ۲ ص ۲۸۲ تا ۳۱۴ ملخصاً، تاریخِ طبری ج ۷ ص ۳۱۴)

□...... **ماہِ ربیع الاول ۲۲۷ھ:** میں حضرت ابونصر بشر بن الحارث بن عبدالرحمٰن بن عطاء بن ہلال المروزی الزاہد رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ''الحافی'' کے نام سے مشہور تھے، حماد بن زید، ابراہیم بن سعد، فضیل بن عیاض، مالک اورابوبکر بن عیاش رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام احمد بن حنبل، ابراہیم الحربی، ابراہیم بن ھانیٔ اورعباس العنبری رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ابنِ سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''آپ کا تعلق خراسان سے تھا، اور بہت سے حضرات سے علمِ حدیث کو حاصل کیا، پھراس کے بعد عبادت کی طرف متوجہ ہوگئے، اوراحادیث کی تعلیم چھوڑ دی اور بغداد میں وفات ہوئی'' کل عمر ۷۶سال تھی اورولادت ۱۵۲ھ میں ہوئی(تھذیب التھذیب ج ۱ ص ۳۸۹، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۴۷۵، الطبقات الکبریٰ لابنِ سعد ج۷ص ۳۴۲، تاریخِ طبری ج۷ص ۳۱۴، تاریخ دمشق ج ۱۰ ص ۱۸۰)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۲۹ھ**: میں حضرت ابوالحسن احمد بن محمد بن ثابت بن عثمان بن مسعود بن یزیدالخزاعی الماخوانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آدم ابن ابی ایاس، اسماعیل بن ابی اویس، اسماعیل بن علیۃ، ایوب بن سلیمان بن بلال اورحفص بن حمیدالمروزی الاکافی رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں، امام ابوداؤد، احمد بن ابی الحواری (یہ آپ کے ہم عصر ہونے کے باوجود شاگرد ہیں)ابوبکراحمد بن ابی خیثمہ، ابویعقوب اسحاق بن عاصم المصیصی، ایوب بن اسحاق سافری اورابوزرعہ عبدالرحمان بن عمرودمشقی رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں: جو چاہتاہے کہ قبر کا علم حاصل کرے (یعنی قبر میں اس کے کام آئے) تواس کے لئے ضروری ہے کہ بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلے اور جو چاہتاہے کہ روٹیوں کا علم حاصل کرے (یعنی علم کودنیاحاصل کرنے کا ذریعہ بنائے) تواس کو چاہئے کہ اپنی رائے پر عمل کرے(تھذیب الکمال ج ۱ ص ۴۳۵)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۳۳ھ**: میں حضرت ابوزکریا یحییٰ بن ایوب المقابری البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

اسماعیل بن جعفر، شریک، سعید بن عبدالرحمٰن الجحمی اورابواسماعیل المؤدب رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، امام احمداورمسلم بن حجاج رحمہما اللہ آپ کے شاگرد ہیں آپ کی ولادت ۱۵۱ھ میں ہوئی، عبدالرحمٰن الاشہلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میں ایک مرتبہ قبرستان گیا تو میں نے کسی کے گھٹ گھٹ کر رونے کی آواز سنی، تو میں آواز کے پیچھے گیا، تو دیکھا کہ یحییٰ بن ایوب ایک گڑھے کے اندر رو رو کر یہ دعا کر رہے تھے، اور کہہ رہے تھے کہ:

یَاقُرَّۃَ عَیۡنِ الۡمُطِیۡعِیۡنَ وَیَاقُرَّۃَعَیۡنِ الۡعَاصِیۡنَ وَلِمَ لَاتَکُوۡنُ قُرَّۃَ عَیۡنِ الۡمُطِیۡعِیۡنَ وَاَنۡتَ مَنَنۡتَ عَلَیۡھِمۡ بِالطَّاعَۃِ وَلِمَ لَاتَکُوۡنُ قُرَّۃَ عَیۡنِ الۡعَاصِیۡنَ وَاَنۡتَ سَتَرۡتَ عَلَیۡھِمۡ بِالذُّنُوۡبِ.

’’اے اطاعت کرنے والوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک، اے نافرمانوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک، اور تو اطاعت کرنے والوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کیوں نہ ہو حالانکہ تو نے ان پر اطاعت میں لگے رہنے کا احسان فرمایا ہے، اور تو نافرمانوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کیوں نہ ہو حالانکہ تو نے ان کے گناہوں پر پردہ ڈالا ہے‘‘

وہ یہ دعا بار بار پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے، تو مجھ پر بھی رونے کا غلبہ ہو گیا، انہوں نے میرا موجود ہونا محسوس کر لیا تو مجھ سے فرمایا شاید کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے خیر کے ساتھ بھیجا ہو‘‘

”وقیل مات فی سنۃ ۲۳۴ھ(سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۳۸۷،تہذیب الکمال ج ۳۱ ص ۲۴۱)“ (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۷۸، طبقات الحنابلہ لابنِ ابی یعلیٰ ج ۱ ص ۱۶۱ ،تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۶۵)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۴۱ھ:** میں حضرت امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الذھلی الشیبانی المروزی البغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کا اصل تعلق بصرہ سے تھا لیکن جب خراسان فتح ہوا اور وہاں کے شہر ’’مرو‘‘ میں عرب کے قبائل آباد کئے گئے اور ان کو وہاں جاگیر اور زمین دی گئی تو آپ کے خاندان والے بھی ’’مرو‘‘ میں آباد ہو گئے اور وہیں پر مستقل رہنے لگ گئے، بعد میں آپ کے والد کسی وجہ سے ’’مرو‘‘ سے ترکِ وطن کر کے بغداد چلے آئے اور آپ کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے ان کا انتقال ہو گیا، والدہ نے آپ کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے سولہ سال کی عمر میں حدیث کی تعلیم شروع کی اور سب سے پہلے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے حدیث لکھی، زمانۂ

طالب علمی میں حدیث پر عمل کا اتنا اہتمام تھا کہ خود فرماتے ہیں کہ ''میں نے جو حدیث لکھی اس پر عمل کیا'' آپ نے چالیس سال تک تحصیلِ علم کے بعد باقاعدہ مجلسِ درس قائم کی اور فتویٰ نویسی کا کام شروع کردیا، فقہی مذاہب میں سے ایک مذہبِ حنبلی آپ سے جاری ہوا، اور آپ کے مقلدین کی ایک بڑی تعداد اس وقت دنیا میں موجود ہے، جس زمانہ میں امام شافعی رحمہ اللہ بغداد میں حلقہ درس لگاتے تھے، اس زمانہ میں خلیفہ ہارون الرشید کو یمن کے لئے قاضی کی ضرورت تھی اس نے امام شافعی رحمہ اللہ سے عرض کیا امام شافعی رحمہ اللہ نے آپ کا نام پیش کرنا چاہا لیکن آپ نے علم میں مشغولی کی وجہ سے انکار کردیا، عباسی خلفاء مامون، معتصم، واثق کے دورِ خلافت میں معتزلہ کو بڑا زور حاصل ہوا تھا اور خلیفہ کے دربار میں ان کو بڑا اثر ورسوخ حاصل تھا، اپنے دور کے مشہور مسئلہ قرآن مجید کو مخلوق نہ کہنے کے جرم کی پاداش میں معتزلہ کی سازشوں کی وجہ سے مامون نے امام احمد رحمہ اللہ کو قید کرلیا تھا، مامون کے بعد معتصم کے دورِ خلافت میں بھی آپ قید میں رہے، یہاں تک معتصم نے بھرے دربار میں امام صاحب کو اپنے سامنے کوڑے لگوائے اور سخت سے سخت سزادی، محمد بن اسماعیل فرماتے ہیں کہ احمد بن حنبل کو ۸۰ کوڑے ایسے مارے گئے کہ اگر ہاتھی کے مارے جاتے تو وہ چیخ جاتا، بعد میں معتصم نے ایک سیاست کے تحت آپ کو رہا کردیا، امام احمد رحمہ اللہ نے ان سب کو معاف کردیا تھا، خلیفہ واثق باللہ نے جب اپنے دورِ خلافت میں آپ سے معتصم باللہ کی معافی کے بارے میں سفارش کی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے معتصم کے دروازے سے نکلنے سے پہلے ہی اس کو معاف کردیا تھا، نو دن بیمار رہ کر جمعہ کے دن ۱۲/ ربیع الاول کو آپ کا انتقال ہوا، بغداد میں آہ وبکا کا ہنگامہ برپا ہوگیا، جمعہ کی نماز کے بعد جنازہ نکالا گیا، میدان کے علاوہ لوگوں نے دریائے دجلہ میں کشتیوں میں، بازاروں، گلی کوچوں میں نمازِ جنازہ پڑھی، تقریباً چھ لاکھ افراد نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے، آپ کی وفات کا عجیب اثر یہ تھا کہ اسی دن ۲۰ ہزار یہودی، نصرانی اور مجوسی مسلمان ہوئے، امام احمد رحمہ اللہ کی حدیث میں مسندِ احمد کے نام سے مشہور کتاب ہے جو آپ نے دولاکھ احادیث میں سے تیس ہزار احادیث کا انتخاب کرکے لکھی ہے''وفی قول مات فی ربیع الآخر (تہذیب التہذیب ج۱ص۶۵)'' (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۸۲، تھذیب التھذیب

ج ۱ ص ۴۶۵، تھذیب الکمال ج ۲ ص ۴۳۳، تھذیب الاسماء للنووی ج ۱ ص ۱۴۴، سیرتِ ائمہ اربعہ ص ۱۸۶ تا ۲۵۴ ملخصاً، تاریخِ دمشق ج ۵ ص ۲۶۰)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۴۳ھ**: میں حضرت ابوالسری ھناد بن السری بن مصعب التمیمی الدارمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ابوالاحوص، شریک بن عبداللہ، اسماعیل بن عیاش اور عبثر رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، احمد بن سلمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ھناد رحمہ اللہ کثرت سے رویا کرتے تھے، ایک دن قرآن مجید کی قرأت سے فارغ ہوئے اور مسجد تشریف لے گئے اور زوال تک نماز پڑھتے رہے اور میں ان کے ساتھ مسجد میں ہی رہا پھر اپنے گھر لوٹ گئے اور وضو کیا اور واپس مسجد آئے اور ہمارے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی، پھر اسی کیفیت پر کھڑے ہو گئے اور عصر تک نماز پڑھتے رہے جس میں رونے کی وجہ سے آپ آواز بھی بلند ہو جاتی تھی پھر ہمارے ساتھ عصر کی نماز پڑھی اور قرآن مجید اٹھا کر تلاوت شروع کر دی یہاں تک کہ آپ نے مغرب کی نماز پڑھی، میں نے اِن کے بعض پڑوسیوں سے پوچھا کہ یہ کتنی زیادہ عبادت کرتے ہیں، تو ان کے پڑوسیوں نے کہا کہ ان کی دن کی عبادت کا یہ حال ستر سال سے ہے، اگر تم ان کی رات کی عبادت دیکھ لو تو تمہیں تو بہت تعجب ہوگا، آپ کی ولادت ۱۵۲ھ میں ہوئی'' وقیل مات فی ربیع الآخر (تھذیب التھذیب ج ۱۱ ص ۶۳، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۴۶۶، تھذیب الکمال ج ۳۰ ص ۳۱۳، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۰۸، مغانی الاخیار ج ۵ ص ۲۱۴)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۵۰ھ**: میں حضرت ابوعمرو حارث بن مسکین بن محمد بن یوسف الاموی المصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ایک بڑے فقیہہ ہونے کے ساتھ ساتھ مصر کے قاضی بھی تھے، اشہب بن عبدالعزیز، ابنِ وھب، ابنِ عیینہ اور عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہم اللہ سے آپ روایت کرتے ہیں، ابوداؤد، نسائی اور ابویعلیٰ رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں، خطیب فرماتے ہیں: آپ فقیہہ آدمی تھے اور امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک پر تھے اور حدیث میں آپ ثقہ سمجھے جاتے ہیں، عباسی خلیفہ مامون نے آپ کو خلقِ قرآن کے مسئلہ میں کچھ عرصہ تک قید میں رکھا، آپ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی، حسین بن

عبدالعزیز الجروری فرماتے ہیں کہ ''ایک شخص بہت گناہگار تھا، جب وہ فوت ہوا تو اس کو کسی نے خواب میں دیکھا تو اس نے کہا میں میرے رب نے مجھے بخش دیا کیونکہ حارث بن مسکین میرے جنازے میں شریک ہوئے تھے اورانہوں نے میرے لئے شفاعت طلب کی تھی، چنانچہ میری مغفرت کردی گئی (طبقات الحفاظ للسیوطی ج ۱ ص ۴۳، وفیات الاعیان لابنِ خلکان ج ۲ ص ۵۷، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۱۴، سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۸۵)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۵۲ھ**: میں حضرت ابوہاشم زیاد بن ایوب بن زیاد الطّوسی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کا لقب ''دلویہ'' تھا، اصلاً آپ طوس کے باشندے تھے، آپ کی ولادت ۱۶۶ھ میں ہوئی، ۱۸۱ھ میں علمِ حدیث حاصل کرنا شروع کیا، ہشیم بن بشیر، ابوبکر بن عیاش، زیادہ بن عبداللہ البکائی، معتمر بن سلیمان، عباد بن العوام، عبداللہ بن ادریس اوراسماعیل بن علیہ رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، جبکہ بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابوالقاسم البغوی، احمد بن علی الجوزجانی اور ابنِ خزیمہ رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کو علمِ حدیث میں خصوصی مہارت کی وجہ سے امام شعبہ رحمہ اللہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے ''شعبۃ الصغیر'' کہا جاتا تھا، اورامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''علمِ حدیث زیاد بن ایوب سے حاصل کرو کیونکہ یہ شعبۃ الصغیر ہیں''

امام ابواسحاق الاصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''روئے زمین پر احادیث کے معاملے میں زیاد بن ایوب سے زیادہ کوئی ثقہ نہیں''

آپ سے مروی ایک حدیث میں حضور ﷺ نے یہ دعا ارشاد فرمائی:

کہ اے اللہ میری امت کے صبح کے وقت میں برکت ڈال دیجئے (اورراوی فرماتے ہیں کہ) حضور ﷺ جب بھی کوئی جماعت یا کوئی لشکر کسی مہم کی طرف روانہ فرماتے تھے تو ہمیشہ صبح سویرے ہی اُسے روانہ فرمایا کرتے تھے (حدیث کے راوی حضرت صخر رضی اللہ عنہ تجارت پیشہ صاحب تھے جو صبح صبح ہی اپنے غلاموں کو سامانِ تجارت دے کر روانہ

کیا کرتے تھے، جس سے وہ دولتمند ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ان کا مال کافی زیادہ ہو گیا)'' (ترمذی)

(سیر اعلام النبلاء ج۱۲ ص ۱۲۲، طبقات الحفاظ ج۱ ص ۴۲، طبقات الحنابلة ج۱ ص ۶۰، تھذیب الکمال ج۹ ص ۴۳۶)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۵۵ھ:** میں حضرت ابو عمر حارث بن مسکین بن محمد بن یوسف الاموی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ مسلکِ مالکی کے ایک بہت بڑے فقیہ ہونے کے ساتھ مصر کے قاضی بھی تھے، آپ کی ولادت ۱۵۴ھ میں ہوئی، آپ نے حضرت لیث رحمہ اللہ کی بھی زیارت کی، ابن القاسم، ابنِ وہب، ابنِ عیینۃ، اشہب اور یوسف بن عمر رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، ابوداؤد، نسائی، احمد بن الحارث (یہ آپ کے بیٹے ہیں) عبداللہ بن احمد، یعقوب بن شیبہ اور ابو یعلیٰ رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، عباسی خلیفہ مامون نے آپ کو فتنہ خلقِ قرآن کے ابتلاء کے زمانے میں بغداد بلوایا، لیکن آپ نے خلقِ قرآن کے مسئلہ پر مامون کی بات نہیں مانی اور اسی بات پر ڈٹے رہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے، اس کی پاداش میں مامون نے آپ کو قید کر دیا، مامون کے بعد جب جعفر المتوکل خلیفہ بنا تو اس نے آپ کو رہا کیا، آپ نے کچھ عرصہ بغداد میں حدیث کی تعلیم دی، اس کے بعد مصر لوٹ آئے (تھذیب التھذیب ج۲ ص ۱۳۷)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۵۸ھ:** میں حضرت ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن خالد بن فرس بن ذؤیب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابو عبداللہ الذہلی کے نام سے مشہور تھے، آپ کو آپ کے علمی مرتبہ کی وجہ سے عالم اہل المشرق کہا جاتا تھا، اسی طرح خراسان کے محدثین کے امام کے لقب سے بھی آپ مشہور تھے، حفص بن عبداللہ، حفص بن عبدالرحمٰن، حسین بن ولید، علی بن ابراہیم البنانی، مکی بن ابراہیم اور علی بن حسن بن شقیق رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، اس کے علاوہ خراسان، بغداد، کوفہ، واسط، مدینہ، یمن، مصر، جزیرۃ میں آپ کے اساتذہ کی ایک بہت بڑی تعداد تھی، آپ کو نیشاپور میں اسی طرح کا مقام ومرتبہ حاصل تھا جس طرح کا مرتبہ امام احمد رحمہ اللہ کو بغداد میں اور امام مالک رحمہ اللہ کو مدینہ

میں حاصل تھا، سعید بن ابو مریم، ابوجعفر النفیلی، عبداللہ بن صالح، عمرو بن خالد، محمود بن غیلان، محمد بن سہل بن عسکر، محمد بن اسماعیل بخاری اور محمد بن اسحاق الصاغانی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، جب آپ کی وفات ہوئی تو میدانِ حسین نامی جگہ میں آپ کا جنازہ پڑھایا گیا، اور خراسان کے امیر محمد بن طاہر بھی آپ کے جنازے میں شریک ہوئے، ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے علی بن المدینی نے فرمایا کہ ''تم (عظیم محدث) امام زہری کے وارث ہو'' امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''آپ اپنے زمانے کے امام تھے'' امام ابوبکر بن زیاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''آپ امیرالمومنین فی الحدیث ہیں'' حضرت ابوعمرو احمد بن نصر الخفاف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے محمد بن یحییٰ کو (فوت ہونے کے بعد) خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بخش دیا، میں نے پوچھا کہ آپ نے جو احادیث روایت کی ان کا کیا معاملہ ہوا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ان احادیث کو سونے کے پانی کے ساتھ لکھا گیا، اور ان کو علیین مقام پر پہنچایا گیا (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۳۲، سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۲۸۴)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۷۳ھ:** میں حضرت ابونعیم فضل بن عبداللہ بن مخلد بن ربیعۃ الجرجانی المخلدی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: ہارون بن محمد بن بکار بن بلال، عباس بن ولید بن صبح الخلال، ہشام بن خالد، قتیبۃ بن سعید، احمد بن سعید الدارمی اور عیسیٰ بن حماد زغبہ رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درج ذیل ہیں: ابنِ عدی، ابوالحسین الرازی، زبیر بن عبدالواحد الاسد اباذی، ابوبکر احمد بن ابراہیم الاسماعیلی، ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ العقیلی اور ابوبکر محمد بن احمد بن العوام الجرجانی رحمہم اللہ، آپ سے مروی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''جس نے کسی بدعتی آدمی کو عزت دی اس نے اسلام کو گرانے پر اعانت کی'' (المعجم الاوسط للطبرانی)

پیر کے دن آپ کی وفات ہوئی (تاریخ دمشق ج ۴۸ ص ۳۴۸)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۸۲ھ:** میں حضرت ابوقبیصہ محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عمارۃ بن قعقاع

البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: سعدویہ الواسطی، عاصم بن علی اور سعید بن محمد الجرمی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درج ذیل ہیں: ابن السماک، ابوبکر الشافعی اور خطبی رحمہم اللہ، اسماعیل الخطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ابوقبیصہ سے پوچھا کہ سب سے زیادہ آپ نے کس دن تلاوت کی (کیونکہ یہ تیز قرآن پڑھنے میں مشہور تھے) تو ابوقبیصہ نے اس بات کو ٹال دیا اور مجھے جواب نہیں دیا، میں نے جب زیادہ اصرار کیا تو انہوں نے فرمایا ''کہ میں نے گرمیوں کے دنوں میں ایک دن میں چار قرآن مجید ختم کیے، اور پانچویں ختم میں جب میں سورہ التوبۃ میں پہنچا تو عصر کی اذان ہو رہی تھی'' (سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۴۹۲)

□......**ماہِ ربیع الاول ۲۹۱ ھ:** میں حضرت ابوبکر محمد بن نضر بن سلمہ بن جارود العامری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابوبکر الجارودی کے نام سے مشہور تھے، احمد بن ابراہیم الدورقی، احمد بن حفص بن عبداللہ السلمی، اسحاق بن راہویہ، اسماعیل بن بہرام، اسماعیل بن موسیٰ الفزاری اور حمید بن مسعدۃ رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، نسائی، ابوعمرو احمد بن محمد بن احمد بن حفص الخیری، ابوالعباس احمد بن محمد بن عامر بن المعمر الازدی، عبدالرحمان بن ابوحاتم الرازی اور محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، حضرت حکم ابوعبداللہ فرماتے ہیں: ''ابوبکر الجارودی اپنے زمانے کے شیخ اور علماء کی آنکھوں کا تارا تھے'' بدھ کی رات وفات ہوئی، ابوعمرو الخفاف رحمہ اللہ نے میدان الحسین نامی جگہ میں آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی، اورامیرِ شہر احمد بن اسد آپ کے جنازے میں شریک ہوئے اور واپس پیدل تشریف لے گئے۔

(تهذیب الکمال ج۲٦ ص ۵۵۵، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۵۷، تهذیب التهذیب ج۹ ص ۴۳۳)

چوتھی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۰۱ ھ:** میں حضرت ابوبکر محمد بن علی بن العباس بن واضح بن سوار بن عبد الرحمٰن بن عبیداللہ بن احمد بن الولید نسائی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ مشہور شخصیت عباس بن علی رحمہ اللہ کے بھائی تھے، اور بغداد میں رہتے تھے، اور بغداد میں ہی

حدیث کا فیض پھیلایا، ۱۵ ربیع الاول کو آپ کی وفات ہوئی، اور ''مقبرہ خزاعہ'' میں مدفون ہوئے، عبیداللہ بن عمر قواریری، ہناد بن سری، شریح بن یونس، حسن بن حماد سجادہ، محمد بن قدامہ جوہری، ہارون بن عبداللہ بزاز، حسن بن علی بن اسود عجلی اور یوسف بن موسیٰ قطان رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، محمد بن مخلد، اسماعیل بن علی خطمی، ابوبکر بن جعابی، محمد بن احمد بن یحییٰ عطشی، محمد بن حسن یقطینی اور عیسیٰ بن حامد رخجی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، خزاعہ کے مقبرہ میں دفن ہوئے (تاریخ بغداد ج۳ص ۶۹)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۱۱ھ:** میں حضرت ابوالعباس محمد بن شادل بن علی ہاشمی نیشاپوری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابومصعب زہری، اسحاق بن راہویہ، محمد بن سلیمان لوینا، عمرو بن زرارہ، ہناد بن سری، حسین بن ضحاک، احمد بن حرب، ابومروان عثمانی، اور حرملہ بن یحییٰ رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، علی بن عیسیٰ، احمد بن خضر شافعی، عبداللہ بن سعد حافظ، احمد بن سہل انصاری، قاضی یوسف میانجی اور ابواحمد حاکم رحمہم اللہ، حضرت طاہر بن احمد الوارق فرماتے ہیں کہ آج ابوالعباس بن شادل کی وفات ہوگئی، اور آپ روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے، وفات سے بیس سال پہلے آپ کی قوتِ بینائی چلی گئی تھی۔
(سیر اعلام النبلاء ج۱۴ ص۲۶۳)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۱۱ھ:** میں شیخ الحنابلہ حضرت ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ خلال کے لقب سے مشہور تھے، آپ کی ولادت ۲۳۴ھ میں ہوئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے امام احمد رحمہ اللہ کی زیارت کی ہے، لیکن فقہ کی تعلیم آپ نے امام احمد رحمہ اللہ سے حاصل نہیں کی، بلکہ ان کے بہت سے شاگردوں سے فیض حاصل کیا، اور امام ابوبکر مروذی رحمہ اللہ سے خصوصی طور پر علم حاصل کیا، اس کے علاوہ حسن بن عرفہ، سعدان بن نصر، یحییٰ بن ابی طالب، حرب بن اسماعیل کرمانی، یعقوب بن سفیان فسوی، احمد بن ملاعب، عباس محمد دوری، ابوداؤد سجستانی، علی بن سہل بن مغیر بزاز، احمد بن منصور رمادی، ابویحییٰ زکریا بن یحییٰ ناقد، ابوجعفر محمد بن عبیداللہ بن منادی، عبداللہ بن احمد بن حنبل، حسن بن ثواب مخرمی، ابوالحسن میمونی، ابراہیم بن اسحاق حربی، محمد

بن عوف طائی، اسحاق بن سیار نصیبی اور ابوبکر صاغانی رحمہم اللہ بھی آپ کے اساتذہ میں سرِ فہرست ہیں، آپ نے فقہ حنبلی کی تعلیم کے لئے فارس، شام، جزیرہ کے علاقوں کے اسفار کئے، اور امام احمد رحمہ اللہ کے فتاویٰ حاصل کئے، اور اس میں کسی چھوٹے بڑے کی تمیز کے بغیر علم حاصل کیا، اور خوب حاصل کیا، آپ نے امام احمد رحمہ اللہ کے کلام پر ایک کتاب بھی تصنیف دی، جس کا نام ''الجامع فی الفقہ'' ہے، جو کہ بیس جلدوں میں تھی، اور ''العلل'' تین جلدوں میں تصنیف فرمائی، آپ نے فقہ حنبلی کو مدون فرمایا، آپ سے پہلے کسی نے فقہ حنبلی کو اس انداز سے مرتب نہیں کیا، آپ کی تدفین آپ کے محبوب استاذ ابوبکر مروذی رحمہ اللہ کے پہلو میں ہوئی، ابوبکر حمزہ بن قاسم ہاشمی رحمہ اللہ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۲۹۸، تاریخِ بغداد ج ۵ ص ۱۱۲)

□...... **ماہِ ربیع الاول ۳۱۳ھ**: میں حضرت ابوالحسن علی بن محمد بن بشار الزاہد رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ صالح بن احمد بن حنبل، ابوبکر مروذی رحمہما اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، ابوالحسن احمد بن محمد بن مقسم مقری، علی بن محمد بن جعفر بجلی اور علی بن احمد بن مویہ حلوانی مؤدب رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، حضرت ابوالحسن احمد بن محمد بن مقسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالحسن بن بشار سے سنا (اور ان کی یہ عادت تھی کہ جب اپنے بارے میں کوئی بات کرنی ہوتی، تو اپنا نام نہیں لیتے، بلکہ یوں فرماتے) کہ میں ایک شخص کو جانتا ہوں، ان کا حال اس طرح ہے، اس طرح ہے، ایک دن فرمایا کہ میں ایسے شخص کو جانتا ہوں جس نے تیس سال سے کبھی ایسا کلام نہیں فرمایا، جس پر معذرت کی ہو (یعنی سوچ سمجھ کر ضروری کلام فرمایا ہے) ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ اللہ تک پہنچنے کا راستہ کس طرح ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جس طرح تم چھپ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہو، اسی طرح چھپ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی کرو، یہاں تک تمہارے دل میں نیکی کی اہمیت بیٹھ جائے (تاریخِ بغداد ج ۱۲ ص ۶۶)

□...... **ماہِ ربیع الاول ۳۲۷ھ**: میں حضرت ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر سامری خرائطی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [۱]

---

[۱] قال ابن ماکولا: صنف الکثیر، وکان من الاعیان الثقات.
وقال الخطیب: کان حسن الاخبار، ملیح التصانیف

آپ کی مشہور کتابیں درج ذیل ہیں:

مکارم الاخلاق، مساوئ الاخلاق، اعتلال القلوب

حسن بن عرفہ، علی بن حرب، عمر بن شبہ، سعدان بن نصر، سعدان بن یزید، حمید بن ربیع، احمد بن منصور رمادی، احمد بن بدیل اور شعیب بن ایوب رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوسلیمان بن زبر، ابوعلی بن مہنا دارنی، محمد بن موسیٰ سمسار، احمد بن موسیٰ سمسار، قاضی یوسف میانجی، عبدالوہاب کلابی اور محمد بن احمد بن عثمان بن ابی الحدید رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، دمشق اور عسقلان میں آپ نے حدیث کی تعلیم دی (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۲۶۸، تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۱۴۰)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۲۷ھ**: میں حضرت ابوعلی حسین بن قاسم بن جعفر بن محمد بن خالد بن بشر کوکبی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [۱]

احمد بن ابی خیثمہ، محمد بن موسیٰ دولابی، عبداللہ بن ابی سعد وراق، ابوالعیناء ضریر، ابوبکر بن ابی الدنیا، حسین بن فہم، حسن بن علیل عنزی اور اسحاق بن محمد نخعی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابوالحسن دارقطنی، ابوالعباس بن مکرم، معافی بن زکریا اور اسماعیل بن سعید بن سوید رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں (تاریخِ بغداد ج۸ ص ۸۶)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۲۹ھ**: میں حضرت عباسی خلیفہ الراضی باللہ کی وفات ہوئی، ان کا پورا نام اس طرح ہے، محمد بن جعفر بن احمد بن ابواحمد الموفق بن جعفر المتوکل بن محمد المعتصم بن ہارون الرشید بن محمد المہدی بن عبداللہ منصور بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب، ان کی کنیت ابوالعباس تھا، ولادت رجب ۲۹۷ھ میں ہوئی، اور اپنے چچا ابومنصور کی وفات کے بعد جمادی الاولیٰ ۳۲۲ھ میں ان کی خلافت کے لئے بیعت ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۱۴۳)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۲۹ھ**: میں حضرت عباسی خلیفہ المتقی باللہ کی خلافت کے لئے بیعت ہوئی۔ ان کا پورا نام ابراہیم بن جعفر بن احمد بن ابواحمد الموفق بن جعفر المتوکل بن محمد المعتصم بن ہارون الرشید بن محمد المہدی بن عبداللہ منصور بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہے، اور ابواسحاق کنیت ہے، اپنے بھائی راضی باللہ کے بعد ان کی خلافت کے لئے بیعت ہوئی، تین سال

---

[۱] قال الخطیب: وما علمت من حالہ الا خیرا.

گیارہ مہینے ان کی خلافت رہی، اور صفر ۳۳۳ھ میں وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۶ ص ۵۱)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۳۷ھ:** میں شیخ الصوفیہ حضرت ابوبکر محمد بن داؤد بن سلیمان نیشاپوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [1]

محمد بن عمرو قشمرد، ابوعبداللہ بوشنجی رحمہم اللہ سے اپنے شہر میں، ابوخلیفہ جمحی رحمہ اللہ سے بصرہ میں، جعفر فریابی رحمہ اللہ سے بغداد میں، محمد بن ایوب بجلی رحمہ اللہ سے رَے میں، حسین بن ادریس رحمہ اللہ سے ہرات میں، ابنِ مجاشع رحمہ اللہ سے جرجان میں، عبدان رحمہ اللہ سے اھواز میں، حسن بن سفیان سے نیشاپور میں، محمد بن جعفر قتات رحمہ اللہ سے کوفہ میں، ابویعلیٰ رحمہ اللہ سے موصل میں، ابوعبدالرحمٰن نسائی رحمہ اللہ سے مصر میں، فضل انطاکی رحمہ اللہ سے شام میں اور فضل جندی رحمہ اللہ سے مکہ میں حدیث کی سماعت کی، ابوبکر بن ابی داؤد، ابنِ صاعد، ابنِ عقدہ، حاکم، ابنِ مندہ، ابنِ جمیع اور یحییٰ بن ابراہیم مزکی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ فرماتے ہیں کہ قحط کے دنوں میں بصرہ میں تھا، اور میں نے چالیس دن تک روزانہ صرف ایک روٹی کھائی، جب مجھے بھوک لگتی تو میں سَیر ہونے کی نیت سے سورہ یٰسین پڑھتا، اس کی برکت سے میری بھوک ختم ہوجاتی، جمعہ کے دن آپ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۴۲۱)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۴۲ھ:** میں حضرت ابوالقاسم علی بن محمد بن ابوالفہم تنوخی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ فقہ حنفی کے بڑے امام شمار ہوتے ہیں، حسن بن احمد بن حبیب کرمانی، احمد بن خلید حلبی، احمد بن محمد بن ابی موسیٰ انطاکی، انس بن سالم خولانی، حسین بن احمد بن ابراہیم بن فیل، فضل بن محمد عطار، حسین بن عبداللہ قطان رقی، احمد بن عبداللہ بن زیاد جبلی، محمد بن حصن آلوسی، حسن بن طیب شجاعی، عمر بن ابی غیلان ثقفی، محمد بن محمد باغندی، حامد بن شعیب بلخی، ابوالقاسم بغوی اور ابوبکر بن ابی داؤد رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوحفص بن آجری، ابوالقاسم بن ثلاج رحمہما اللہ آپ

---

[1] قال الذهبي: كان صدوقا حسن المعرفة، من أوعية العلم، وكان في التأله صنفا آخر.
قال أبو الفتح القواس :سمعت منه، وكان يقال :إنه من الاولياء
وسئل الدارقطني عنه، فقال :فاضل ثقة

سے روایت کرتے ہیں، بصرہ میں منگل کے دن آپ کی وفات ہوئی، اور بدھ کے دن آپ کی تدفین ہوئی (تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۷۷)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۴۴ھ:** میں حضرت ابوالفضل بکر بن محمد بن علاء قشیری بصری مالکی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ نے امام مالک رحمہ اللہ کی حدیث کی مشہور کتاب ''المؤطا'' احمد بن موسیٰ سامی اور ابومسلم کجی رحمہما اللہ سے سنی، فقہ مالکی پر آپ کی کئی تصانیف ہیں، مصر میں رہتے تھے، حسن بن رشیق، عبداللہ بن محمد بن اسد قرطبی اور عبدالرحمٰن بن عمر نحاس رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۴۹۵)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۴۴ھ:** میں حضرت ابوعثمان احمد بن عبداللہ بن یزید بن السماک بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [1]

آپ ابن السماک کے نام سے مشہور تھے، ابوجعفر محمد بن عبیداللہ بن منادی، احمد بن عبدالجبار عطاردی، حنبل بن اسحاق، حسین بن محمد بن ابی معشر، محمد بن حسین حنینی، عبدالرحمٰن بن محمد بن منصور حارثی، یحییٰ بن ابی طالب اور حسین بن مکرم رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، دارقطنی، ابنِ شاہین، ابنِ مندہ، حاکم، ابوعمر بن مہدی، ابنِ رزقویہ، ابوالحسین بن بشران، ابوالحسین بن فضل اور ابوعلی شاذان رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، جمعہ کے دن آپ کی وفات ہوئی، اور ہفتہ کے دن تدفین ہوئی، پچاس ہزار افراد آپ کے جنازہ میں شریک ہوئے، آپ کے بیٹے محمد نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی، اور ''باب الدیر'' کے مقبرہ میں دفن ہوئے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۴۴۵) (تاریخِ بغداد ج ۱ ص ۳۰۲)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۶۵ھ:** میں حضرت ابوبکر احمد بن جعفر بن محمد بن سلم بن راشد ختلی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [2]

ابومسلم کجی، عبداللہ بن احمد بن حنبل، یعقوب بن یوسف مطوعی، محمد بن یوسف بن ترکی، ادریس بن

---

[1] قال الدارقطنی :شیخنا أبو عمرو، کتب عن العطاردی ومن بعده، وکتب المصنفات الطوال بخطه، وکان من الثقات .

وقال الخطیب :کان ابن السماک ثقة ثبتا.

[2] قال الخطیب: کان صالحا دینا مکثرا ثقة ثبتا .

عبدالکریم مقری، محمد بن فضل وصیفی، محمد بن موسیٰ بربری، احمد بن آبار، ابوخلیفہ جمی اور جعفر فریابی رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، ابوالحسن بن رزقویہ، محمد بن ابی الفوارس، علی بن احمد بن عمر مقری، علی بن عبدالعزیز طاہری، ابوبکر برقانی، ابونعیم اصبہانی، علی بن محمد بن عبداللہ حذاء، محمد بن عمر بن بکیر، محمد بن عبدالواحد بن رزمہ بزار اور احمد بن محمد بن عبداللہ کاتب رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی ولادت یکم/ جمادی الاولیٰ بدھ کے دن ۲۷۸ھ میں ہوئی، ہفتہ کے دن آپ کی وفات ہوئی، اور خیزران کے مقبرہ میں تدفین ہوئی (تاریخِ بغداد ج۴ص ۷۱)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۷۵ھ:** میں حضرت ابوجعفر محمد بن احمد بن محمد بن عمر بن حسن بن عبید بن عمرو بن خالد بن رفیل سلمی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی [۱]

آپ کے اجداد میں رفیل نامی بزرگ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابوالفضل عبیداللہ بن عبدالرحمٰن زہری، قاضی ابومحمد بن معروف، اسماعیل بن سوید، محمد بن اخی میمی، عیسیٰ بن وزیر اور ابوطاہر مخلص رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابوبکر خطیب، ابوعلی بردانی، قاسم بن طاہر معقلی، محمد بن مطر عباسی، ابوسعد مبارک بن علی مخرمی، ابوالحسن زاغونی، ابوعبداللہ حمیدی، ابوالغنائم نرسی، ھبۃ اللہ بن محمد رفیلی، محمد بن محمد سلال، ابومنصور عبدالرحمٰن بن محمد قزاز اور ابومنصور محمد بن عبدالملک بن خیرون رحمہم اللہ، آپ کی وفات ۹/ جمادی الاولیٰ ۴۶۵ھ میں ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۸ ص ۲۱۴)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۷۶ھ:** میں حضرت ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوزان بن عبدالملک بن طلحہ قشیری خراسانی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [۲]

---

[۱] قال الذهبی: ابن المسلمة الشيخ الامام، الثقة، الجليل، الصالح، مسند الوقت............ كان صحيح الاصول، كثير السماع، جميل الطريقة.

قال أبو الفضل بن خيرون :كان ثقة صالحا .وقال أبو سعد السمعانی :سمعت إسماعيل بن الفضل الحافظ يقول :أبو جعفر ثقة محتشم.

[۲] قال الذهبی:القشيری الامام الزاهد، القدوة، الاستاذ .

وقال أبو بكر الخطيب :كتبنا عنه، وكان ثقة، وكان حسن الوعظ، مليح الاشارة، يعرف الاصول على مذهب الاشعری، والفروع على مذهب الشافعی.

ابوالحسین احمد بن محمد خفاف، ابونعیم عبدالملک بن حسن اسفرایینی، ابوالحسن علوی، عبدالرحمٰن بن ابراہیم مزکی، عبداللہ بن یوسف، ابوبکر بن فورک، ابونعیم احمد بن محمد، ابوبکر بن عبدوس سلمی اور ابنِ باکویہ رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، عبداللہ بن عبدالکریم، عبدالواحد بن عبدالکریم، ابونصر عبدالرحیم، عبدالمنعم، زاہر شحامی، وجیہ، محمد بن فضل فراوی، عبدالوھاب بن شاہ، عبدالجبار بن محمد خواری، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بحیری اور ابوالاسعد ھبۃ الرحمٰن رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، جس وقت آپ کے والد کی وفات ہوئی، آپ ابھی بچے تھے، اس وقت آپ کو مشہور ادیب ابوالقاسم یمنی کے حوالے کردیا گیا، جنہوں نے آپ کو آداب سکھائے۔

آپ کی کئی تصانیف میں سے چند کے ایک کے نام یہ ہیں:

نحو القلوب، لطائف الاشارات، الجواهر، احكام السماع، عيون الاجوبة فى فنون الاسولة، المناجاة، المنهى فى نكت اولى النهى.

(سیراعلام النبلاء ج۱۸ ص ۲۳۰)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۷۷ھ:** میں حضرت ابوعلی حسن بن احمد بن عبدالغفار فارسی فسوی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی [1]

۸۹ سال کی عمر پائی، بغداد میں آپ کی وفات ہوئی، آپ کئی نافع کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سے چند کے نام یہ ہیں:

الحجة فى علل القراء ات، الايضاح، التكملة.

(سیراعلام النبلاء ج۱۶ ص ۳۸۰)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۷۸ھ:** میں حضرت خراسان کے محدث ابواحمد محمد بن محمد بن احمد اسحاق نیشاپوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا [2]

آپ مشہور کتاب ''الکنیٰ'' کے مصنف ہیں، جو کئی جلدوں میں ہے، احمد بن محمد ماسرجسی، محمد بن شادل، ابنِ خزیمہ، ابوالعباس سراج، ابوبکر محمد بن محمد باغندی، عبداللہ بن زیدان بجلی، ابوجعفر محمد بن حسین خثعمی، ابوالقاسم بغوی، ابنِ ابی داؤد، محمد بن ابراہیم فیض غسانی، محمد بن خریم، ابوالطیب حسین

---

[1] قال الذهبى: أبو على الفارسى إمام النحو......وكان فيه اعتزال.

[2] قال الذهبى: أبو أحمد الحاكم الامام الحافظ العلامة الثبت، محدث خراسان......وكان من بحور العلم.

بن موسیٰ رقی، ابوعروبہ حرانی، ابوالجہم احمد بن حسین بن طلاب، محمد بن احمد بن سلم رقی اور ابوالحسن حامد بن جوصا رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابوعبداللہ حاکم، ابوعبدالرحمٰن سلمی، محمد بن علی اصبہانی جصاص، محمد بن احمد جارودی، ابوبکر احمد بن علی منجویہ ابوحفص بن سرور، صاعد بن محمد قاضی، ابوسعد محمد بن عبدالرحمٰن کنجروذی اور ابوعثمان سعید بن محمد بن محمد بجیری رحمہم اللہ، ۹۳ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔
(سیراعلام النبلاء ج۱۶ ص۷۶، طبقات الحفاظ ج۱ ص۷۸، تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص۹۷۷)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۸۰ھ:** میں حضرت ابوبکر محمد بن ابراہیم بن حمدان رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [۱]
آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: عمر بن ابی غیلان، عبداللہ بن زیدان بجلی، ابوالقاسم بغوی اور محمد بن حسین اشنانی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابوالقاسم ازہری، ابومحمد خلال، علی بن محسن اور ابومحمد جوہری رحمہم اللہ (سیراعلام النبلاء ج۱۶ ص۳۹۷، تاریخِ بغداد ج۱ ص۴۱۵)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۸۱ھ:** میں حضرت ابوالفضل عبیداللہ بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبیداللہ بن سعد بن ابراہیم بن سعد ازہری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [۲]
جعفر بن محمد فریابی، عبداللہ بن اسحاق مدائنی، احمد بن محمد بن ہیثم دقاق، ابراہیم بن شریک اسدی، ابراہیم بن عبداللہ بن ایوب مخرمی، احمد بن جعفر بلخی وراق، احمد بن عبداللہ بن سابور، ابوالقاسم بغوی، عبیداللہ بن عثمان عثمانی اور محمد بن ہارون بن مجدر رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، برقانی، محمد بن حسین حرانی، ابومحمد خلال، ازہری، عبدالعزیز ازجی، حسین جعفر سلماسی، عتیقی، ابوعبداللہ صیمری، ابوالقاسم تنوخی اور احمد بن عمر بن روح رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، ازہری فرماتے ہیں کہ آپ مجاب الدعوات تھے، جمادی الاخریٰ ۲۰۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی "وذكر محمد بن أبي الفوارس وفاته في ربيع الآخر"
(تاریخِ بغداد ج۱۰ ص۳۶۸، سیراعلام النبلاء ج۱۶ ص۳۹۳)

---

[۱] قال الذهبي: محمد بن إبراهيم ابن حمدان، الامام المسند......وثقه الخلال.

[۲] قال الخطيب: كان ثقة ...... سمعت الأزجي يقول حدثنا أبو الفضل عبيد الله بن عبد الرحمن الزهري الشيخ الثقة الرضى وسمعته ذكره مرة أخرى فقال شيخ ثقة مجاب الدعاء قال لي الأزهري أبو الفضل الزهري ثقة أخبرنا التنوخي قال سأل أبي أبا الحسن الدارقطني وأنا أسمع عن أبي الفضل الزهري فقال هو ثقة صدوق صاحب كتاب وليس بينه وبين عبد الرحمن بن عوف إلا من قد روى عنه الحديث سمعت البرقاني سئل عن أبي الفضل الزهري فقال ثقة.
قال الذهبي: الزهري الشيخ العالم الثقة العابد، مسند العراق (سيراعلام النبلاء)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۸۵ھ:** میں حضرت ابوبشر احمد بن محمد بن جعفر ہروی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بغداد میں رہتے تھے، عبداللہ بن جعفر جابری رحمہ اللہ سے حدیث کی سماعت کی، قاضی ابوعبداللہ حسین بن علی صیمری رحمہ اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ فقہ شافعی کے بڑے فقیہ شمار ہوتے تھے، اور امیر المؤمنین قادر باللہ کو خلافت سے قبل فقہ شافعیہ کا درس دیتے تھے، آپ کی ولادت ھرات میں ۳۲۸ھ میں ہوئی، منگل کے دن ۱۷ ربیع الاول کو آپ کی وفات ہوئی۔

(تاریخِ بغداد ج۵ ص۸۸)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۹۳ھ:** میں حضرت ابوعلی حسن بن محمد بن یحییٰ بن حلبس بن عبداللہ بن یحییٰ بن عبداللہ بن حارث مخزومی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [1]

ابوبکر بن ابی داؤد، ابوبکر نیشاپوری اور ابوبکر بن مجاہد مقری رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابومحمد خلال، ابوالقاسم ازہری رحمہما اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ کی ولادت ۳۰۱ھ میں ہوئی (تاریخِ بغداد ج۷ ص۴۲۳)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۹۵ھ:** میں حضرت ابوالحسین احمد بن محمد بن احمد بن عمر نیشاپوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [2]

حاکم، عبداللہ بن محمد بن حسکویہ، ابوالقاسم قشیری، احمد بن عبدالرحیم اسماعیلی، سید علی بن محمد بن محمد حسینی، ابوالمظفر محمد بن اسماعیل شجاعی، ابونصر حسین بن احمد جریمینی، فضل بن عبداللہ بن محبّ اور سعید بن ابی سعید عیار رحمہما اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ۹۳ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص۴۸۵)

□......**ماہِ ربیع الاول ۳۹۸ھ:** میں حضرت ابوبکر احمد بن علی بن احمد بن لال شافعی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ [3]

---

[1] قال الخطیب: کان ثقة.

[2] قال الذهبی: الخفاف الشیخ الامام الزاهد العابد، مسند خراسان......

قال أبو عبد الله الحاکم: کان مجاب الدعوة، سماعاته صحیحة بخط أبیه من أبی العباس السراج وأقرانه، وبقی واحد عصره فی علو الاسناد.

[3] قال الخطیب: کان ثقة ورد بغداد غیر مرة وحدث بها.

آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: ابوعبداللہ احمد بن محمد بن اوس مقری، حفص بن عمر حافظ، عبدالرحمٰن بن حمدان جلاب، اسماعیل بن محمد صفار، محمد بن عمر رزاز، علی بن محمد مصری احمد بن سلیمان عبادات، علی بن ابراہیم قطان، ابوعمرو بن سماک اور جعفر خالدی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درج ذیل ہیں: دار قطنی، ابوسعد سبط اور ابوبکر برقانی رحمہم اللہ (تاریخِ بغداد ج۴ص۳۱۸)

ختم شد

اصحابِ رسول

دین وملت کے طرفدار تھے اصحابِ رسول
ہستیٔ کفر سے بیزار تھے اصحابِ رسول

رحمتِ حق کے طلبگار تھے اصحابِ رسول
دینِ قیم کے نگہدار تھے اصحابِ رسول

زندگی ان کی بسر خدمتِ ملت میں ہوئی
کفر سے برسرِ پیکار تھے اصحابِ رسول

حبِّ یارانِ نبی پاک کے جذبے کے سبب
سب کے سب پیکرِ ایثار تھے اصحابِ رسول

ان کی سطوت کے گواہ آج بھی ہیں بدر وحنین
بخدا ایسے فدا کار تھے اصحابِ رسول

ان کے ہر عزم وعمل سے تھا ہراساں باطل
بالیقین غالبِ کفار تھے اصحابِ رسول

کرتے تھے جان وزر ومال نچھاور حق پر
عدل وانصاف کی سرکار تھے اصحابِ رسول

ان کی ہیبت سے ہوئی شوکتِ کسریٰ نابود
کیا ہی جاں باز تھے، جرّار تھے اصحابِ رسول

ان پہ راضی ہے خدا اور خدا کا محبوب
اپنے اللہ کے دلدار تھے اصحابِ رسول

دشمنِ دیں پہ جھپٹ پڑتے تھے شیروں کی طرح
رب قہار کی تلوار تھے اصحابِ رسول

کیوں نہ ہو دہر میں نام ان کا فروزاں انورؔ
عاشقِ سیدِ ابرار تھے اصحابِ رسول

(حافظ نور محمد انور)

تو عاشقِ رسول ہے

جو ظاہراً تو پھول ہے
پر باطناً ببول ہے
آنکھوں میں جھونکے دھول ہے
یہ فلسفہ فضول ہے
محیر العقول ہے
تو عاشقِ رسول ہے

سر پر تیرے انگریزی بال ہیں
سنت سے خالی تیرے گال ہیں
سمجھا ہے تو اسے جمال
ہے خام تیرا یہ خیال
یہ صرف تیری بھول ہے
تو عاشقِ رسول ہے

مانا غمِ فراق ہے
یہ دوری تجھ پہ شاق ہے
طیبہ کا اشتیاق ہے
لیکن یہ کیا مذاق ہے
فساق میں شمول ہے
تو عاشقِ رسول ہے

حرص و ہوس کی پیاس ہے
گناہ تجھ کو راس ہے
عیسائیوں سی شکل ہے
انگریز سا لباس ہے
منافقت اصول ہے
تو عاشقِ رسول ہے

ناواقف فنا ہوا
سر کبر سے تنا ہوا
بجاریٔ انا ہوا
فرعون ہے بنا ہوا
نا قابلِ قبول ہے
تو عاشقِ رسول ہے

مانا کہ تو شریف ہے
ہر ظلم کا حریف ہے
پر اس کو کیا کریں بھلا
حد درجہ تو نحیف ہے
اب عشق خود ملول ہے
تو عاشقِ رسول ہے

مدحت سرائی خوب کر
نعتیں بھی خوب لکھ مگر
کرتا ہو قصہ مختصر
گر پاس تیرے اے اثر
حسنِ عمل کا پھول ہے
تو عاشقِ رسول ہے

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

باسمہٖ تعالیٰ

(آفات وبلیّات سے متعلق پانچ وقیع رسائل کا مجموعہ)

زلزلہ، اِستِسقاء
قنوتِ نازلہ اور نمازِ گرہن
کے احکام

دنیا میں آفات وبلیات اور زلزلہ کے اسباب وعوامل اور ان سے حفاظت ونجات کا راستہ

دہشت اور خوف کے موقع پر قنوتِ نازلہ پڑھنے

اور خشک سالی کے موقع پر استسقاء کی دعا کرنے اور نماز پڑھنے

اور سورج وچاند گرہن کے موقع پر گرہن کی نماز پڑھنے کے

مفصّل ومدلّل فضائل وفوائد اور مسائل واحکام

مؤلف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران: چاہ سلطان راولپنڈی پاکستان

باسمہٖ تعالیٰ

بسلسلہ: اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

اصلاح واضافہ شدہ جدید ایڈیشن

ماہِ
ربیعُ الآخِر

مؤلف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ: اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

اضافہ واصلاح شدہ چوتھا ایڈیشن

ماہِ ربیعُ الاٰ خر

اسلامی سال کے چوتھے مہینے ''ربیعُ الاٰ خر'' جس کو ''ربیعُ الثّانی'' بھی کہا جاتا ہے
کے متعلق شرعی احکام
اس مہینہ کے حوالہ سے معاشرے میں رائج منکرات ومفاسد اور غلط فہمیوں پر
مدلَّل ومفصَّل کلام
اور ماہِ ربیعُ الاٰ خر کے تاریخی واقعات وحالات

مصنِّف
مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

نام کتاب: ماہِ ربیعُ الآخر

مصنّف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اوّل: ربیعُ الاخر ۱۴۲۳ھ بمطابق جون 2002ء طباعتِ چہارم:

صفحات: ۱۸۸

ملنے کے پتے

کتب خانہ ادارہ غفران: چاہ سلطان، گلی نمبر 17، راولپنڈی۔ فون: 051-5507270

ادارہ اسلامیات: ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ فون: 042-37353255

کتب خانہ رشیدیہ: مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی۔ فون: 051-5771798

دارالاشاعت: اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32631861

مکتبہ سید احمد شہید: 10-الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37228196

مکتبہ اسلامیہ: گامی اڈہ، ایبٹ آباد۔ فون: 0992-340112

ادارہ اشاعت الخیر: شاہین مارکیٹ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان۔ فون: 061-4514929

ادارۃ المعارف: دارالعلوم کراچی۔ فون: 021-35032020

مکتبہ سراجیہ: چوک سیٹلائیٹ ٹاؤن، سرگودھا۔ فون 048-3226559

مکتبہ سرحد: خیبر بازار، پشاور۔ فون: 091-2212535

ملت پبلیکیشرز بک شاپ: شاہ فیصل مسجد، اسلام آباد۔ فون: 051-2254111

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، چوک فوارہ، ملتان۔ فون: 061-4540513

مکتبہ العارفی: نزد جامعہ امدادیہ، ستیانہ روڈ، فیصل آباد۔ فون: 041-8715856

کتب خانہ شمسیہ، نزد اریگیشن مسجد، سریاب روڈ، کوئٹہ۔ فون: 0333-7827929

مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم کراچی۔ فون: 021-35123130

تاج کمپنی، لیاقت روڈ، گوالمنڈی، راولپنڈی۔ فون: 051-5774634

مکتبۃ القرآن: گورومندر، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ فون: 021-34856701

مکتبہ الفرقان، اردو بازار، گوجرانوالہ۔ فون: 055-4212716

مکتبہ القرآن: رسول پلازہ، امین پورہ بازار، فیصل آباد۔ فون: 041-2601919

اسلامی کتب خانہ، پھولوں والی گلی، بلاک نمبر 1، سرگودھا۔ فون: 048-3712628

اسلامی کتاب گھر: خیابانِ سرسید، سیکٹر 2، عظیم مارکیٹ، راولپنڈی۔ فون: 051-4830451

مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ، 17، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37232536

الخلیل پبلشنگ ہاؤس: اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔ فون: 051-5553248

قرآن محل، اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔ فون: 0321 0312-5123698

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

فہرست

تمہید

(از مؤلف)

بندہ محمد رضوان نے اس سے قبل اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام کے سلسلہ میں ہر مہینہ کے فضائل واحکام پر الگ الگ رسائل تحریر کئے تھے، جن کے متعدد ایڈیشن بحمداللہ تعالیٰ شائع ہو چکے ہیں، ان رسائل کے حالیہ آخری ایڈیشنوں میں بندہ نے اصل مراجع ومآخذ اور مخارج کی طرف مراجعت وتخریج کا کام کیا ہے، اور تخریج ومراجعت کے بعد متعدد رسائل کتب کی شکل میں شائع ہوئے ہیں، جو پہلے ایڈیشنوں کے مقابلہ میں مفصل ومدلل ہیں، اور عوام کے علاوہ اہلِ علم حضرات کے لئے بھی متعلقہ عبارات وحوالہ جات کے شامل ہونے کی وجہ سے زیادہ افادیت کا باعث ہیں۔

''ماہِ ربیعُ الاٰخر'' سے متعلق یہ کتاب اسی سلسلہ کی کڑی ہے، جو اصل کتب سے مراجعت وتخریج کے بعد شائع ہوئی، اور اس مرتبہ ایک دو مقامات پر کچھ مزید اصلاحات کی گئیں۔

اب اس سے قبل کے ایڈیشنوں اور موجودہ ایڈیشن میں کہیں فرق نظر آئے، تو موجودہ ایڈیشن کی عبارات وحوالہ جات کو راجح سمجھنا چاہئے، اور اس کے مقابلہ میں سابقہ کو مرجوح۔

لیکن بعض معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ بندہ کی اجازت کے بغیر بعض کتب ورسائل کے سابقہ اور قدیم ایڈیشنوں کی بعض علاقوں میں اشاعت ہورہی ہے، جو شرعاً واخلاقاً غیر مناسب طریقہ ہے، جس کی پوری ذمہ داری اس قسم کے اشاعت کنندگان پر عائد ہوتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اور بندہ کی اس کاوِش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشیں، اور بندہ کے معاونین کو جزائے خیر سے نوازیں۔ آمین۔ فقط۔ محمد رضوان

مورخہ: ۲۶/ ربیع الاول/ ۱۴۳۵ھ 28/ جنوری/ 2014ء بروز منگل

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہِ ربیعُ الاٰ خر

ماہِ ''ربیعُ الاٰ خر'' اسلامی سال کا چوتھا مہینہ

ماہِ ربیعُ الاٰ خر اسلامی اعتبار سے سال کا چوتھا مہینہ ہے، کیونکہ ماہِ محرم سے اسلامی وقمری سال شروع ہوتا ہے اور بالترتیب صفر اور ربیع الاول کے مہینے ختم ہونے پر ربیعُ الاٰخر کا مہینہ شروع ہوجاتا ہے۔

ربیعُ الاٰخر یا ربیعُ الثَّانی کے معنٰی

''رَبِیْعُ الْاٰ خَرْ'' میں خا کے اوپر زبر ہے، اور بعض لوگ اس مہینے کو ''رَبِیْعُ الثَّانِیْ '' بھی کہتے ہیں۔

''ربیع'' کے معنٰی لغت (Dictionary) میں موسمِ بہار کے ہیں۔

''آ خر'' کے معنٰی بعد کے ہیں، اور ''ثانی'' کے معنٰی ہیں ''دوسرا'' یعنی پہلے کے بعد۔

اور کیونکہ اس سے پہلے مہینے کا نام ''ربیعُ الاول'' ہے، اس لیے اس کے بعد والے مہینے کا نام ''ربیعُ الاٰخر'' یا ''ربیعُ الثانی'' تجویز کیا گیا ہے۔

اس کی مزید تحقیق اور وجہ ہم نے اپنے دوسری کتاب ''ماہِ ربیعُ الاول کے فضائل واحکام'' میں ذکر کردی ہے۔ [1]

---

[1] اور بعض اہلِ لغات کے مطابق اہلِ عرب ''ربیع الاول'' اور ''ربیعُ الآ خر'' اور ''رمضان'' کو شہر کے لفظ کے ساتھ اور باقی مہینوں کو بغیر شہر کے ''مجرد'' استعمال کرتے ہیں۔

چنانچہ ''ربیع الاول'' یا ''ربیع الآ خر'' یا ''رمضان'' کے بجائے ''شہرِ ربیع الاول'' اور ''شہرِ ربیع الآ خر'' اور ''شہرِ رمضان'' اور

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ماہِ ربیعُ الاٰ خر کے فضائل واحکام

اس مہینے کی قرآن وحدیث میں متعین طور پر کوئی فضیلت منقول نہیں، اور نہ ہی کوئی خاص حکم اس مہینے سے متعلق شریعت کی طرف سے وارِد ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

باقی مہینوں کو ''شہر'' کے بغیر صرف اُن کے ناموں کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔

اور عربی میں ثانی کے بعد ثالث اور رابع وغیرہ آتا ہے، اور آخر کے بعد اس طرح کا سلسلہ نہیں ہوتا، اور ربیع ثالث وغیرہ کے نام سے کسی مہینہ کا نام نہیں، نیز بعض اہلِ لغات نے ''ربیع الشہور'' اور ''ربیع الازمنہ'' کی دو دو اقسام بیان فرمائی ہیں، اور ''ربیع الشہور'' کو ''ربیع الاول'' اور ''ربیع الآخر'' اور ''ربیع الازمنہ'' کو ''ربیع الاول'' اور ''ربیع الثانی'' سے موسوم کیا ہے۔

اس لئے ربیع الثانی کے بجائے ربیعُ الاٰخر کا استعمال زیادہ مناسب ہے۔

اور عربی میں ان دونوں مہینوں کو ''ربیع الاول'' اور ''ربیع اول'' اور ''ربیع الآخر'' اور ربیع آخر'' یعنی صفت واضافت دونوں کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔

والـرَّبِيـعُ جزء من أَجزاء السنة فمن العرب من يجعله الفصل الذى يدرک فيه الثمار وهو الخريق ثم فصل الشتاء بعده ثم فصل الصيف وهو الوقت الذى يَدْعُوه العامة الرّبيعَ ثم فصل القَيْظ بعده وهو الذى يدعوه العامةُ الصيف ومنهم من يسمى الفصل الذى تدرک فيه الثمار وهو الخريف الربيعَ الأَول ويسمى الفصل الذى يتلو الشتاء وتأْتى فبه الكَمْأَة والنَّوْرُ الربيعَ الثانى وكلهم مُجْمِعون على أَنّ الخريف هو الربيع قال أَبو حنيفة يسمى قِسما الشتاء ربيعين الأَوَّل منهما ربيع الماء والأَمطار والثانى ربيع النبات لأَن فيه ينتهى النبات مُنْتهاه قال والشتاء كله ربيع عند العرب من أَجل النَّدى قال والمطر عندهم ربيع متى جاء والجمع أَرْبِعةٌ ورِباعٌ وشَهْرا رَبِيعٍ سميا بذلك لأَنهما حُدّا فى هذا الزمن فلَزِمَهما فى غيره وهما شهرانِ بعد صفَر ولا يقال فيهما إِلا شهرُ ربيع الأَوّل وشهرُ ربيع الآخر والربيعُ عند العرب رَبيعانِ رَبيعُ الشهور وربيعِ الأَزمنة فربيعِ الشهور شهران بعد صفر وأَما ربيع الأَزمنة فربيعان الربيعُ الأَولَ وهو الفصل الذى تأْتى فيه الكمأَة والنَّوْر وهو ربيع الكَلإِ والثانى وهو الفصل الذى تدرک فيه الثمار ومنهم من يسميه الرّبيع الأَوّل وكان أَبو الغوث يقول العرب تجعل السنة ستة أَزمنة شهران منها الربيع الأَوّل وشهران صَيْف وشهران قَيظ وشهران الربيع الثانى وشهران خريف وشهران شتاء وأَنشد لسعد بن مالك بن ضُبَيْعةَ إِنَّ بَنِيَّ صِبْيةٌ صَيْفِيُّونْ أَفْلَحَ مَن كانتُ له رِبْعِيُّونْ فجعل الصيف بعد الربيع الأَول وحكى الأَزهرى عن أَبى يحيى بن كناسة فى صفة أَزمنة السنة وفُصولها وكان علَّامة بها أَن السنة أَربعةُ أَزمنة الربيع الأَول وهو عند العامّة الخريف ثم الشتاء ثم الصيف وهو الربيع الآخر ثم القيظ وهذا كله قول العرب فى البادية قال والربيع الأَوّل الذى هو الخريف عند الفُرْس يدخل لثلاثة أَيام من أَيْلُول قال ويدخل الشتاء لثلاثة أَيام من كانُون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

اور شریعت کے دوسرے عام احکام مثلاً نماز کا قیام اور گناہوں سے بچنا وغیرہ اس مہینے کے ساتھ بھی وابستہ ہیں۔

اس لئے اس مہینہ کو عام مہینوں کی طرح سمجھتے ہوئے گزارنا چاہئے، اور اس مہینے کے دنوں میں دوسرے دِنوں کی طرح کے شریعت کے بیان کردہ عام احکام کو اختیار کرنا چاہئے، اور گناہوں سے بچنا چاہئے، اور کسی خاص عمل کو اس مہینے کے ساتھ مخصوص نہیں کرنا چاہئے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأَوّل ويدخل الصيف الذى هو الربيع عند الفرس لخمسة أَيام تخلو من أَذار ويدخل القيظ الذى هو صيف عند الفرس لأَربعة أَيام تخلو من حَزِيران قال أَبو يحيى وربيع أَهل العِراق موافق لربيع الفرس وهو الذى يكون بعد الشتاء وهو زمان الوَرْد وهو أَعدل الأَزمنة وفيه تُقْطع العروق ويُشرب الدّواء قال وأَهل العراق يُمطَرون فى الشتاء كله ويُخصِبون فى الربيع الذى يتلو الشتاء فأَما أَهل اليمن فإِنهم يُمطَرون فى القيظ ويُخصِبون فى الخريف الذى تسميه العرب الربيع الأَول قال الأَزهرى وسمعت العرب يقولون لأَوّل مطر يقع بالأَرض أَيام الخريف ربيع ويقولون إِذا وقع ربيع بالأَرض بَعَثْنا الرُّوّاد وانْتَجَعْنا مساقِط الغَيْثِ وسمعتهم يقولون للنخيل إِذا خُرِفت وصُرِمَت قد تَربَّعَت النَّخِيلُ قال وإِنما سمى فصل الخريف خريفاً لأَن الثمار تُخْتَرَف فيه وسمته العرب ربيعاً لوقوع أَوّل المطر فيه قال الأَزهرى العرب تَذْكُر الشهور كلها مجردة إِلا شَهْرَىْ رَبِيع وشهر رمضان(لسان العرب ،لابن منظور ، ج ۸،ص ۹۹،مادة ربع)

وَالرَّبِيعُ عِنْدَ الْعَرَبِ رَبِيعَانِ رَبِيعُ شُهُورٍ وَرَبِيعُ زَمَانٍ فَرَبِيعُ الشُّهُورِ اثْنَانِ قَالُوا لَا يُقَالُ فِيهِمَا إلَّا شَهْرُ رَبِيعٍ الْأَوَّلِ وَشَهْرُ رَبِيعٍ الْآخَرِ بِزِيَادَةِ شَهْرٍ وَتَنْوِينِ رَبِيعٍ وَجَعْلِ الْأَوَّلِ وَالْآخِرِ وَصَفًا تَابِعًا فِي الْإِعْرَابِ وَيَجُوزُ فِيهِ الْإِضَافَةُ وَهُوَ مِنْ بَابِ إضَافَةِ الشَّيْءِ إلَى نَفْسِهِ عِنْدَ بَعْضِهِمْ لِاخْتِلَافِ اللَّفْظَيْنِ نَحْوُ حَبَّ الْحَصِيدِ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ وَحَقُّ الْيَقِينِ وَمَسْجِدِ الْجَامِعِ قَالَ بَعْضُهُمْ إنَّمَا الْتَزَمَتْ الْعَرَبُ لَفْظَ شَهْرٍ قَبْلَ رَبِيعٍ لِأَنَّ لَفْظَ رَبِيعٍ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الشَّهْرِ وَالْفَصْلِ فَالْتَزَمُوا لَفْظَ شَهْرٍ فِي الشَّهْرِ وَحَذَفُوهُ فِي الْفَصْلِ لِلْفَصْلِ وَقَالَ الْأَزْهَرِيُّ أَيْضًا وَالْعَرَبُ تَذْكُرُ الشُّهُورَ كُلَّهَا مُجَرَّدَةً مِنْ لَفْظِ شَهْرٍ إلَّا شَهْرَيْ رَبِيعٍ وَرَمَضَانَ وَيُثَنَّى الشَّهْرُ وَيَجْمَعُ فَيُقَالُ شَهْرَا رَبِيعٍ وَأَشْهُرُ رَبِيعٍ وَشُهُورُ رَبِيعٍ وَأَمَّا رَبِيعُ الزَّمَانِ فَاثْنَانِ أَيْضًا الْأَوَّلُ الَّذِي تَأْتِي فِيهِ الْكَمْأَةُ وَالنَّوْرُ وَالثَّانِي الَّذِي تُدْرِكُ فِيهِ الثِّمَارُ(المصباح المنير فى غريب الشرح الكبير، باب الراء مع الباء، ماده ربع)

الآخِر: (بكسر الخاء)بعدالاول وهو صفة تقول جاء آخِراً أى اخيرا،الآخَر(بفتح الخاء)احد الشيئين وأُخرىٰ تانيث آخَر(الصحاح تاج العربية جلد ۲ صفحه۲۰۸ ملخصاً)

گیارہویں کی رسم کا شرعی حکم

اس مہینہ کے اندر بہت سے لوگوں میں آج کل بڑی گیارہویں کے نام سے ایک عمل رائج ہے اور اس مہینے میں بڑے اہتمام کے ساتھ اُس کو انجام دیا جاتا ہے اور بعض علاقوں میں اب ہر مہینے ہی گیارہویں کے نام سے رسم کی جاتی ہے، فرق اتنا ہے کہ ربیعُ الآخر کے مہینے میں کی جانے والی اس رسم کو بڑی گیارہویں کا نام دیا جاتا ہے۔

ماہِ ربیعُ الآخر میں بڑی گیارہویں کے نام سے جو رسم جاری ہے، اس کی نسبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف کی جاتی ہے، کیونکہ مشہور ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی ربیعُ الآخر کے مہینے میں وفات ہوئی تھی۔

لیکن کیونکہ اس رسم کا قرآن وحدیث اور شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ملتا اور مروَّجہ گیارہویں کی رسم میں موجودہ دور میں بے شمار مفاسد اور منکرات شامل ہوگئے ہیں، جو نہ صرف نقل کے خلاف ہیں بلکہ عقل کے بھی خلاف ہیں۔

اس لئے گیارہویں کی مروَّجہ رسم میں جو خرابیاں اور مفاسد پائے جاتے ہیں، اُن پر یہاں دلائل وتفصیل کے ساتھ فرداً فرداً روشنی ڈالی جاتی ہے۔

(۱)......گیارہویں کا تاریخی تجزیہ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ، بڑے اولیائے کرام کی فہرست میں داخل ہیں، اور فقہی اعتبار سے حنبلی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان کی ولادت مؤرخین کے مطابق چار سو اکہتر ہجری (۴۷۱ھ) میں ہوئی، اور ان کا وصال پانچ سو اکسٹھ ہجری (۵۶۱ھ) میں ہوا۔

اور آج کل ہمارے معاشرے میں ربیعُ الآخر کے مہینے میں گیارہویں کی یہ رسم انجام دینے کی

وجہ یہ مشہور ہے، کہ اس تاریخ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔

بعض محقق حضرات نے ان کی صحیح تاریخِ وفات دس ربیع الآخر کو قرار دی ہے۔ [1]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے متعلق تفصیلی احوال بیان فرمائے ہیں، جس کی ضروری تلخیص ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

اَلشَّیْخُ، اَلْإِمَامُ، اَلْعَالِمُ، اَلزَّاهِدُ، اَلْعَارِفُ، اَلْقُدْوَةُ، شَیْخُ الْإِسْلَامِ، عَلَمُ الْأَوْلِیَاءِ، مُحْیِیُّ الدِّیْنِ، أَبُوْ مُحَمَّدٍ عَبْدُ الْقَادِرِ ابْنُ أَبِیْ صَالِحٍ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَنْکِیُّ دَوْسَتُ الْجِیْلِیُّ ، الْحَنْبَلِیُّ، شَیْخُ بَغْدَادَ .مَوْلِدُهٗ: بِجَیْلَانَ ، فِیْ سَنَةِ إِحْدٰی وَسَبْعِیْنَ وَأَرْبَعِ مِائَةٍ.وَقَدِمَ بَغْدَادَ شَابّاً، فَتفقَّهَ عَلٰی أَبِیْ سَعْدٍ الْمُخَرِّمِیِّ ......قَالَ السَّمْعَانِیُّ :کَانَ عَبْدُ الْقَادِرِ مِنْ أَهْلِ جَیْلَانَ إِمَامُ الْحَنَابِلَةِ، وَشَیْخُهُمْ فِیْ عَصْرِهٖ، فَقِیْهٌ صَالِحٌ دَیِّنٌ خَیِّرٌ، کَثِیْرُ الذِّکْرِ، دَائِمُ الْفِکْرِ، سَرِیْعُ الدَّمْعَةِ ......قُلْتُ :لَیْسَ فِیْ کِبَارِ الْمَشَایِخِ مَنْ لَهٗ أَحْوَالٌ وَّکَرَامَاتٌ أَکْثَرُ مِنَ الشَّیْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ، لٰکِنَّ کَثِیْراً مِّنْهَا لَا یَصِحُّ، وَفِیْ بَعْضِ ذٰلِکَ أَشْیَاءٌ مُسْتَحِیْلَةٌ .قَالَ الْجُبَّائِیُّ :کَانَ الشَّیْخُ عَبْدُ الْقَادِرِ یَقُوْلُ :اَلْخَلْقُ حِجَابُکَ عَنْ نَفْسِکَ، وَنَفْسُکَ حِجَابُکَ عَنْ رَّبِّکَ .عَاشَ الشَّیْخُ عَبْدُ الْقَادِرِ تِسْعِیْنَ سَنَةً، وَانْتَقَلَ إِلَی اللّٰهِ فِیْ عَاشِرِ رَبِیْعِ الْآخِرِ، سَنَةَ إِحْدٰی وَسِتِّیْنَ وَخَمْسِ مِائَةٍ، وَشَیَّعَهٗ خَلْقٌ لَا یُحْصَوْنَ، وَدُفِنَ بِمَدْرَسَتِهٖ،

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ میں ہے کہ:

’’تفریح الخاطر فی مناقب شیخ عبدالقادر‘‘ میں آٹھ اقوال بیان کئے ہیں۔ نویں، دسویں، سترھویں، آٹھویں، تیرھویں، ساتویں، گیارھویں ربیع الاول! اس کے بعد لکھا ہے کہ صحیح دسویں ربیع الاول ہے (’’فتاویٰ رحیمیہ‘‘ ج۲ص۲۸۷، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، بحوالہ بستان المناظر ص۱۱۳)

رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی ......وَفِي الْجُمْلَةِ: اَلشَّيْخُ عَبْدُ الْقَادِرِ كَبِيْرُ الشَّأْنِ، وَعَلَيْهِ مَآخِذُ فِيْ بَعْضِ أَقْوَالِهٖ وَدَعَاوِيْهِ، وَاللّٰهُ الْمَوْعِدُ، وَبَعْضُ ذٰلِكَ مَكْذُوْبٌ عَلَيْهِ(سیر اعلام النبلاء) [1]

ترجمہ: شیخ، امام، عالم، زاہد، عارف، مقتدا، شیخ الاسلام، اولیاء کی نشانی محیُ الدین ابومحمد عبدالقادر بن ابی صالح عبداللہ بن جنکی دوست جیلی حنبلی، جو کہ بغداد کے شیخ ہیں، ان کی ولادت جیلان مقام پر چار سو اکہتر ہجری میں ہوئی، اور یہ بغداد میں جوانی کی حالت میں تشریف لائے، اور ابوسعد مخرمی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی......

سمعانی نے فرمایا کہ عبدالقادر جیلان کے لوگوں میں سے تھے، اور مسلکِ حنابلہ کے امام اور اپنے زمانے میں ان کے شیخ اور فقیہ اور صالح ، دیندار اور متقی اور کثرت سے ذکر کرنے اور فکر کرنے والے اور جلدی آنسو بہانے والے تھے......

میں کہتا ہوں کہ بڑے مشائخ میں کسی کے بھی احوال اور کرامات شیخ عبدالقادر سے زیادہ نہیں ہیں، لیکن ان میں سے اکثر احوال وکرامات صحیح نہیں ہیں (بلکہ منگھڑت ہیں) اور ان میں سے بعض ناممکن چیزیں بھی ہیں (جن کا کسی مخلوق سے سرزد ہونا ممکن نہیں) جبائی نے فرمایا کہ شیخ عبدالقادر یہ فرمایا کرتے تھے کہ مخلوق آپ کے نفس سے آپ کے لئے حجاب (ورکاوٹ) ہے، اور آپ کا نفس آپ کے رب سے آپ کے لئے حجاب (ورکاوٹ) ہے، شیخ عبدالقادر نوے سال حیات رہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف دس ربیع الآخر سن پانچ سو اکسٹھ ہجری میں انتقال فرمایا، اور آپ کے جنازے میں بے شمار مخلوق نے شرکت کی، اور آپ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مدرسہ (کی حدود) میں دفن کئے گئے......

اور خلاصہ یہ کہ شیخ عبدالقادر بلند مقام رکھنے والے ہیں، اور آپ کے اقوال اور

---

[1] ج۲۰ ص ۴۳۹ تا ۴۵۱ ملخصاً، مؤسسة الرسالة، بيروت.

دعاوی کو مآخذ کی حیثیت حاصل ہے، اور اللہ کی طرف لوٹتا ہے، اور بعض چیزیں آپ کی طرف جھوٹی منسوب ہیں (ترجمہ ختم)

خلاصہ یہ کہ اولاً تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی تاریخِ وفات میں اختلاف ہے، اور دوسرے بعض محققین نے آپ کی صحیح تاریخِ وفات دس ربیع الآخر قرار دی ہے۔

اور تیسرے آپ کی کئی تصنیفات موجود ہونے کے باوجود ان میں گیارہویں کی مروّجہ رسم کا کوئی ذکر نہیں ملتا، بلکہ گیارہویں کے عنوان سے آج کل معاشرہ میں جو عقائد ونظریات اور چیزیں رائج ہیں، ان کی تردید کا ذکر ہے۔ [1]

---

[1] عبد القادر بن موسى بن عبد الله بن جنكى دوست الحسنى، أبو محمد، محيى الدين الجيلاني، أو الكيلانى، أو الجيلى :مؤسس الطريقة القادرية .من كبار الزهاد والمتصوفين .ولد فى جيلان (وراء طبرستان) وانتقل إلى بغداد شابا، سنة ۴۸۸هـ فاتصل بشيوخ العلم والتصوف، وبرع فى أساليب الوعظ، وتفقه، وسمع الحديث، وقرأ الادب، واشتهر .وكان يأكل من عمل يده . وتصدر للتدريس والافتاء فى بغداد سنة ۵۲۸هـ وتوفى بها .له كتب، منها "الغنية لطالب طريق الحق -ط "و "الفتح الربانى -ط "و "فتوح الغيب -ط "و "بالفيوضات الربانية -ط" وللمستشرق مرجليوث الانجليزى رسالة فى ترجمته نشرها ملحقة بالمجلة الاسياوية الانكيزية. ولموسى بن محمد اليونينى كتاب "مناقب الشيخ عبد القادر الجيلانى -خ "ولعلى بن يوسف الشطنوفى "بهجة الاسرار -ط "فى مناقبه، ولمحمد بن يحيى التاذفى "قلائد الجواهر فى مناقب الشيخ عبد القادر -ط "وترجم عبد القادر بن محيى الدين الاربلى عن الفارسية "تفريج الخاطر فى مناقب الشيخ عبد القادر -ط "(الأعلام،للزركلى الدمشقى،ج۴ص۴۷)

عبد القادر بن موسى بن عبد الله ابن يحيى بن محمد الكيلانى الحسنى (محيى الدين) صوفى تنسب إليه الطريقة القادرية .ولد بكيلان فى ربيع الثانى، ودخل بغداد، فسمع الحديث وتفقه، وتوفى بها فى ۸ ربيع الآخر، ودفن بمدرسة بباب الازج.

من مصنفاته :جلاء الخاطرفى الباطن والظاهر، الفتح الربانى والفيض الرحمانى، الغنية الطالبى طريق الحق، سر الأسرار ومظهر الانوار فيما يحتاج إليه الابرار، وآداب السلوك والتوصل إلى منازل الملوك .(خ) فهرس المؤلفين بالظاهرية، مناقب عبد القادر الجيلانى(۵۲/۱. ۵۹/۲ عام ۴۶۵۶) نبذة من مناقب عبد القادر الجيلانى(۱۰۵/۱. ۱۱۰/۲،عام ۱۳۶۷) ظاهرية، مناقب عبد القادر الجيلانى ۴۷تاريخ، ظاهرية،بهجة الاسرار ومعدن الانوار، عام ۳۹۷۲، ظاهرية، ابن رجب: ذيل طبقات الحنابلة۲۱۷،۲۱۹، أبو الليث الزيلى :كنوز الاولياء ۳۴،۳۵، على القارى :مناقب الشيخ عبد القادر الجيلانى (ط) ابن كثير :البداية ۲۵۲/۱۲، اليافعى :مرآة الجنان ۳۴۷/۳،۳۶۶، محمد رشيد الرافعى :الكواكب الدرية فى المناقب القادرية، حسن الكوهن: جامع الكرامات(هامش ص۳۰۷)وفى رواية ۴۷۱هـ(معجم المؤلفين تراجم مصنفى الكتب العربية،تأليف :عمر رضا كحالة، ج۵ص۳۰۷)

اگر گیارہویں کی رسم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی نظر میں کوئی شرعی حکم ہوتا، تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی اپنی تصنیفات میں اس کا ذکر ہوتا، اور اگر تاریخِ وفات کے حوالہ سے اس رسم کی آپ کی وفات کے شروع سے ہی کوئی بنیاد ہوتی، تو آپ کی تاریخِ وفات میں اختلاف نہ ہوتا۔

رہا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی روح کو ایصالِ ثواب کرنے کا معاملہ تو وہ شرعی اصولوں کو ملحوظ رکھ کر کسی بھی وقت میں، مہینہ، تاریخ اور دن کی تعیین کے بغیر جب چاہیں کر سکتے ہیں، جس میں نہ کوئی اختلاف کی گنجائش ہے، اور نہ کسی اشکال کی بات۔

(۲)......گیارہویں اور قرآن وسنت

مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اسلام کی پہلی پانچ صدیوں میں گیارہویں کی مروَّجہ رسم کا وجود نہیں تھا، کیونکہ یہ رسم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی وفات کی نسبت سے انجام دی جاتی ہے، اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا انتقال چھٹی صدی ہجری میں ہوا۔

اور اسی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ قرآن وسنت میں اس رسم کا کوئی ثبوت نہیں، کیونکہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود نہ تھے۔

اور اسی وجہ سے فقہاء واہلِ علم حضرات نے اس رسم کو بدعت قرار دیا ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

يَآ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا أَبَدًا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِنَّ كُلَّ مُسْلِمٍ أَخُ مُسْلِمٍ، اَلْمُسْلِمُوْنَ إِخْوَةٌ، وَلَا يَحِلُّ لِاِمْرِءٍ مِّنْ مَالِ أَخِيْهِ إِلَّا مَا أَعْطَاهُ

عَنُ طِيُبِ نَفُسٍ، وَلَا تَظُلِمُوُا، وَلَا تَرُجِعُوُا مِنُ بَعُدِیُ كُفَّارًا يَضُرِبُ بَعُضُكُمُ رِقَابَ بَعُضٍ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: اے لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑ کر رکھو گے تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے، ایک کتابُ اللہ اور دوسرے سنتِ نبیُ اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشبہ ہر مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں، اور کسی آدمی کے لئے اس کے بھائی کا مال حلال نہیں، جب تک کہ وہ اپنی خوشدلی سے نہ دے، اور تم میرے بعد کافروں کے طریقے پر نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردنوں کو مارو (یعنی ایک دوسرے کو قتل کرو) (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ إِنِّیُ قَدُ تَرَكُتُ فِيُكُمُ شَيُئَيُنِ

---

[1] رقم الحديث ۳۱۸، ج ۱ ص ۱۷۱، كتاب العلم، دارالكتب العلمية، بيروت، واللفظ لهٗ، دلائل النبوة للبيهقى رقم الحديث ۲۱۸۴، سنن البيهقى رقم الحديث ۲۰۸۳۳.

قال الحاكم: وَقَدِ احُتَجَّ الْبُخَارِیُّ بِأَحَادِيثِ عِكُرِمَةَ وَاحُتَجَّ مُسُلِمٌ بِأَبِی أُوَيُسٍ، وَسَائِرُ رُوَاتِهِ مُتَّفَقٌ عَلَيُهِمُ، وَهَذَا الْحَدِيثُ لِخُطُبَةِ النَّبِیِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ مُتَّفَقٌ عَلَى إِخُرَاجِهِ فِی الصَّحِيحِ " :يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّی قَدُ تَرَكُتُ فِيكُمُ مَا لَنُ تَضِلُّوا بَعُدَهُ إِنِ اعُتَصَمُتُمُ بِهِ كِتَابَ اللَّهِ، وَأَنُتُمُ مَسُئُولُونَ عَنِّی فَمَا أَنُتُمُ قَائِلُونَ ؟ "وَذِكُرُ الِاعُتِصَامِ بِالسُّنَّةِ فِی هَذِهِ الْخُطُبَةِ غَرِيبٌ وَيَحُتَاجُ إِلَيُهَا . "وَقَدُ وَجَدُتُ لَهُ شَاهِدًا مِنُ حَدِيثِ أَبِی هُرَيُرَةَ (حواله بالا)

قلت: ذكر الاعتصام بالسنة فی هذه الخطبة لهٗ شاهد من حديث عروة. رواه البيهقی.

عن عروة بن الزبير ، فذكر قصة حجة الوداع ، قال :ثم ركب رسول الله صلى الله عليه وسلم على الراحلة ، وجمع الناس وقد أراهم مناسكهم ، فقال : يا أيها الناس اسمعوا ما أقول لكم ، فإنی لا أدری لعلی لا ألقاكم بعد عامی هذا فی هذا الموقف ، ثم ذكر خطبته ، وقال فی آخرها : اسمعوا أيها الناس قولی ؛ فإنی قد تركت فيكم ما إن اعتصمتم به لن تضلوا أبدا أمرين بينين :كتاب الله وسنة نبيكم وكذلك ذكره أيضا موسى بن عقبة بمعناه أخبرنا أبو الحسين بن الفضل ، أنبأنا أبو بكر بن عتاب ، حدثنا القاسم الجوهری ، حدثنا ابن أبی أويس ، حدثنا إسماعيل بن إبراهيم بن عقبة ، عن عمه موسى بن عقبة ، فذكره إلا أنه قال : لن تضلوا بعده أبدا أمرا بينا :كتاب الله ، وسنة نبيه (دلائل النبوة للبيهقی، رقم الحديث ۲۱۸۲)

لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُمَا : كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّتِىْ ، وَلَنْ يَّتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَىَّ الْحَوْضَ (مستدرک حاکم) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، جن (پرعمل کرنے) کے بعد تم ہرگز گمراہ نہیں ہوگے، ایک اللہ کی کتاب، اور دوسرے میری سنت، اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے ہرگز بھی جدا نہیں ہونگیں، یہاں تک کہ قیامت کے دن میرے اوپر حوضِ کوثر پر دونوں آئیں گی (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن وسنت کو پکڑنا گمراہی سے بچنے کا ذریعہ ہے، اور گمراہی سے بچنے کے لئے سب مسلمانوں کو اسی پر متفق ہونا چاہئے، اور اپنی طرف سے گیارہویں جیسی نئی باتیں پیدا کر کے اختلاف نہیں ڈالنا چاہئے۔

(۳)......گیارہویں اور خلفائے راشدین وصحابۂ کرام

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے صحابۂ کرام بالخصوص خلفائے راشدین سے گیارہویں کی مروّجہ رسم کا ثبوت ہوتا، تب بھی اس کو تسلیم کیا جا سکتا تھا۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ساتھ ساتھ درجہ بدرجہ اپنے صحابۂ کرام کی پیروی کا بھی حکم فرمایا ہے، بالخصوص خلفائے راشدین کے عمل کو سنت سے تعبیر فرمایا ہے، اور اس کے مقابلہ میں دین میں نئی باتیں پیدا کرنے کو بدعت وگمراہی قرار دیا ہے۔

چنانچہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ

---

[۱] رقم الحديث ۳۱۹، ج ۱ ص ۱۷۲، كتاب العلم، دار الكتب العلمية، بيروت، واللفظ لهٗ، دارقطنى رقم الحديث ۴۶۶۵، سنن البيهقى رقم الحديث ۲۰۸۳۴، مؤطا امام مالك، رقم الحديث ۱۶۸.

مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ يَرٰى بَعْدِىْ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِىْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

(مسند احمد) [1]

ترجمہ: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور (امیر کی بات) سننے اور فرمانبرداری کرنے کی نصیحت کرتا ہوں، اگرچہ وہ (تمہارا امیر) حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، پس بلاشبہ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلافات دیکھے گا، پس تم پر (ایسے وقت) میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے، جو ہدایت یافتہ ہیں، تم اس (میرے اور میرے خلفائے راشدین کی) سنت کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا اور اس کو اپنی ڈاڑھوں کے نیچے خوب دبا لینا، اور تم (دین میں) نئی نئی باتوں کے (پیدا کرنے) سے بچنا کیونکہ (دین میں) جو بھی نئی چیز نکالی جائے، وہ بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَإِنَّ بَنِىْ إِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِىْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِى النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً قَالُوْا وَمَنْ هِىَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِىْ (ترمذی) [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۷۱۴۴، مؤسسة الرسالة، بيروت.
فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح، سلف الكلام عليه برقم (۱۷۱۴۲) ورجاله ثقات.

[2] رقم الحديث ۲۶۴۱، كتاب الايمان، باب ما جاء فی افتراق هذه الأمة، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابی الحلبی - مصر، واللفظ لهٗ، مستدرک حاكم رقم الحديث ۴۰۸، الابانة الكبرىٰ لابنِ بطة رقم الحديث ۲۷۴.
قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مُفَسَّرٌ لَا نَعْرِفُهُ مِثْلَ هَذَا إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.
قلت: ولهٗ شاهد كما سيأتی.

ترجمہ: اور بنی اسرائیل کے بہتّر (۷۲) فرقے ہوگئے، اور میری امت کے تہتّر (۷۳) فرقے ہوجائیں گے، جو تمام جہنم میں جائیں گے، سوائے ایک فرقے کے، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ ایک فرقہ کون سا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فرقہ ہے کہ جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :تَفْتَرِقُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃُ ثَلَاثَۃً وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَۃً کُلُّھَا فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدَۃً .قَالُوْا :وَمَا تِلْکَ الْفِرْقَۃُ؟ قَالَ :مَنْ کَانَ عَلٰی مَا اَنَا عَلَیْہِ الْیَوْمَ وَاَصْحَابِیْ(المعجم الاوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس امت کے تہتّر (۷۳) فرقے ہوجائیں گے، جو تمام جہنم میں جائیں گے، سوائے ایک فرقے کے، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ وہ ایک فرقہ کون سا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ ہے کہ جو اس طریقہ پر ہو، جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا چاہئے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت حق طریقہ کی معیار اور پہچان ہے۔

---

[1] رقم الحدیث ۷۸۴۰،ج۸ص ۲۲،دار الحرمین -القاھرۃ،المعجم الصغیر للطبرانی رقم الحدیث ۷۲۴.

قال الھیثمی:

رواہ الطبرانی فی الصغیر وفیہ عبداللہ بن سفیان قال العقیلی لا یتابع علی حدیثہ ھذا وقد ذکرہ ابن حبان فی الثقات(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۹)

قلت:ولہ شاھد من حدیث عبداللہ بن عمرو کما مر.

اور گزشتہ تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہوچکی کہ حضراتِ خلفائے راشدین وصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی اس رسم کا کوئی وجود نہ تھا، کہ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین وصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت اور طریقہ کا درجہ دیا جائے۔

کیونکہ گیارہویں کی رسم اسلام کی ابتدائی پانچ صدیاں گزرنے کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے وصال کی نسبت سے شروع کی گئی ہے۔

(۴)......گیارہویں اور مفسرین ومحدثینِ کرام

اور اگر کوئی قرآن وسنت کی کسی بات کو گھما پھرا کر گیارہویں کی مروَّجہ رسم کی دلیل پکڑے، تو یہ بھی درست نہیں، کیونکہ محقق ومستند مفسرینِ کرام ومحدثینِ عظام نے بھی اپنی تفسیر وحدیث کی کتابوں میں اس رسم کا کوئی ذکر نہیں کیا، اور نہ کسی آیت یا حدیث سے گیارہویں کی مروجہ رسم کے عبادت وثواب ہونے کی کوئی دلیل پکڑی۔

کسی مستند حدیث کی کتاب میں گیارہویں کی رسم سے متعلق کوئی باب قائم نہیں کیا گیا۔ [۱]

---

[۱] مگر افسوس ہے کہ بعض لوگ قرآن وسنت میں دور دراز کی تاویلات کرکے گیارہویں کی مروجہ رسم کو عبادت یا جائز قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک صاحب نے گیارہویں کی مروجہ رسم کو ثابت کرنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کی مندرجہ ذیل آیت سے دلیل پکڑی ہے:

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ (سورة يوسف، آيت ۴)

ترجمہ: جب یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ اے میرے والد میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں کو، اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے کہ وہ مجھے سجدہ کررہے ہیں (ترجمہ ختم)

اس واقعہ میں گیارہ ستاروں کا ذکر ہے، جس سے ان صاحب نے یہ قرار دیا کہ گیارہ کے عدد سے گیارہویں کی رسم ثابت ہوتی ہے۔

حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ یہ واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب سے متعلق ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے احکام حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت سے بہت بعد کے ہیں، اور حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں گیارہویں کی مروجہ رسم کا کوئی نام ونشان نہ تھا، کیونکہ اس کی نسبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۵)......گیارہویں اور فقہائے کرام

پھر فقہائے کرام کی مستند جماعت پر اگر نظر ڈالی جائے، جنہوں نے دین کے احکامات کو تفصیل کے ساتھ مرتب اور منضبط فرمایا ہے، اور دین کے احکامات کو درجہ بدرجہ مدوّن فرمایا ہے، انہوں نے بھی گیارہویں کی اس رسم کو کوئی درجہ نہیں دیا، بلکہ گیارہویں کی مروجہ رسم میں پائے جانے والے نظریات وحرکات کی تردید بیان فرمائی ہے، جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

اس لئے گیارہوں کی مروَّجہ رسم مستند فقہائے کرام سے بھی ثابت نہیں۔

(٦)......گیارہویں اور اہلُ السنۃ والجماعۃ

مگر افسوس ہے کہ ایک ایسا عمل جس کا شرعی دلائل سے کوئی ثبوت نہ ہو، آج اسے بعض لوگوں کی طرف سے اہلُ السنۃ والجماعۃ کی پہچان شمار کیا جانے لگا ہے، اور اگر کوئی گیارہویں کی رسم نہ کرے یا اِس سے منع کرے تو اسے اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خارج شمار کیا جاتا ہے۔

حالانکہ اہلُ السنۃ والجماعۃ ان حضرات کو کہا جاتا ہے، جو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام بالخصوص خلفائے راشدین کے طریقہ کو اختیار فرمائیں۔

چنانچہ حضرت ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اَلْمُرَادُ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ الْمُتَمَسِّكُوْنَ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ، فَلَا شَكَّ وَلَا رَيْبَ أَنَّهُمْ هُمْ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قرآن مجید کی کسی آیت سے اس طرح دلیل پکڑنا سخت خطرناک طرزِ عمل ہے، جو قرآن مجید کی باطل تاویل بلکہ تحریف میں داخل ہے۔

اور اس طرح کی دلیلوں کی حیثیت اس واقعہ سے زیادہ نہیں، جیسا کہ ایک بھوکے سے کسی نے معلوم کیا تھا کہ ”دو اور دو کتنے ہوتے ہیں؟“ اس نے جواب میں کہا تھا کہ ”چار روٹیاں ہوتی ہیں“ پس جس طرح اس بھوکے کو چار کے عدد میں چار روٹیاں معلوم ہوئیں، اسی طرح بعض لوگ گیارہ کا عدد لے کر اس سے گیارہویں کی رسم کو مراد لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس طرزِ عمل سے حفاظت فرمائیں۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح) [۱]

ترجمہ: (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی) مراد یہ ہے کہ ہدایت یافتہ وہ حضرات ہیں، جو میری اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت وطریقہ کو لازم پکڑیں، پس اس بات میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ یہی (نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنے والے) حضرات اہلُ السنۃ والجماعۃ ہیں (ترجمہ ختم)

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، وَهُمُ الَّذِيْنَ طَرِيْقَتُهُمْ كَطَرِيْقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهٖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، دُوْنَ أَهْلِ الْبِدَعِ

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح) [۲]

ترجمہ: اہلُ السنۃ والجماعۃ وہ افراد ہیں کہ جن کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے مطابق ہے، اہلِ بدعت مراد نہیں ہیں (ترجمہ ختم)

اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ گیارھویں کی مروَّجہ رسم کا آغاز خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بہت بعد بلکہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی بھی وفات کے بعد میں ہوا۔

اس لئے اس کو اہلُ السنۃ والجماعۃ کی طرف منسوب کرنا بھی درست نہیں۔

پس گیارھویں کی مروجہ رسم کو اہلُ السنۃ والجماعۃ کی طرف منسوب کرنا بلکہ اس سے بڑھ کر اہلُ السنۃ والجماعۃ کی پہچان قرار دینا سینہ زوری ہے۔

---

[۱] ج ۱ ص ۲۵۹، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالسنة، دار الفکر، بیروت.
[۲] ج ۹ ص ۴۰۴۴، کتاب المناقب والفضائل، باب ثواب هذه الأمة، دار الفکر، بیروت.

(۷)......گیارہویں اور نماز روزہ

گیارہویں کی مروّجہ رسم کے بارے میں اکثر لوگوں کا طرزِ عمل یہ ہے کہ وہ اس رسم کا تو بہت اہتمام کرتے ہیں، مگر اس کے مقابلہ میں دین کے دوسرے ضروری احکام مثلاً نماز، روزہ، زکاۃ، قربانی، حج وغیرہ میں کوتاہی کرتے ہیں، بلکہ خود گیارہویں کی مروّجہ رسم کی خاطر بدعت وشرک جیسے کئی حرام اور گناہوں کے کاموں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

حالانکہ گیارہویں کی مروجہ رسم کو بے جا تاویلات کے ذریعہ سے بھی یہ لوگ زیادہ سے زیادہ جائز یا مستحب قرار دے سکتے ہیں۔

اب آپ ہی بنظرِ انصاف غور فرمایئے کہ ایک ایسی چیز کہ جس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہ ہو، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبعِ تابعین، محدثینِ عظام اور فقہائے کرام سے اس کا ثبوت نہ ہو بلکہ اسلام کی ابتدائی چھ صدیاں اس عمل سے خالی ہوں، جب اس عمل کا التزام، اہتمام، اور اس کا درجہ فرائض سے بھی بڑھا دیا جائے، اور اس کے ساتھ فرائض اور واجبات جیسا برتاؤ وسلوک کیا جائے، اور اس کے مقابلہ میں بڑے بڑے اہم فرائض اور واجبات کی کوئی پرواہ نہ کی جائے، تو اس کے ناجائز اور گناہ ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے؟

کیونکہ کسی سنت ومستحب عمل کو بھی فرض یا واجب کا درجہ دینا جائز نہیں، پھر جس کام کا سنت ومستحب ہونا بھی ثابت نہ ہو، اس کو فرض یا واجب کا درجہ دینا کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔

اس سلسلہ میں خود حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی بیان کردہ تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

يَنۡبَغِيۡ لِلۡمُؤۡمِنِ أَنۡ يَّشۡتَغِلَ أَوَّلًا بِالۡفَرَائِضِ، فَإِذَا فَرَغَ مِنۡهَا اِشۡتَغَلَ بِالسُّنَنِ، ثُمَّ يَشۡتَغِلُ بِالنَّوَافِلِ وَالۡفَضَائِلِ، فَمَا لَمۡ يَفۡرَغۡ مِنَ الۡفَرَائِضِ فَالۡاِشۡتِغَالُ بِالسُّنَنِ حُمُقٌ وَرَعُوۡنَةٌ، فَإِنِ اشۡتَغَلَ بِالسُّنَنِ وَالنَّوَافِلِ قَبۡلَ

الْفَرَائِضِ لَمْ يُقْبَلْ مِنهُ وَأُهِينُ، فَمَثَلُهُ مَثَلُ رَجُلٍ يَدْعُوهُ الْمَلِكُ إِلٰى خِدْمَتِهٖ فَلَا يَأْتِي إِلَيْهِ وَيَقِفُ فِي خِدْمَةِ الْأَمِيرِ الَّذِي هُوَ غُلَامُ الْمَلِكِ وَخَادِمِهٖ وَتَحْتَ يَدِهٖ وَوِلَايَتِهٖ......فَمِنَ الْفَرَائِضِ تَرْكُ الْحَرَامِ وَالشِّرْكِ بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي خَلْقِهٖ، وَالْاِعْتِرَاضِ عَلَيْهِ فِي قَدْرِهٖ وَقَضَائِهٖ وَإِجَابَةِ الْخَلْقِ وَطَاعَتِهِمْ، وَالْإِعْرَاضِ عَنْ أَمْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَطَاعَتِهٖ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ خَالِقٍ(فتوح الغیب) [1]

ترجمہ: مومن کے لئے مناسب طریقہ یہ ہے کہ پہلے فرائض میں مشغول ہو، پھر جب فرائض سے فارغ ہوجائے، تو سنتوں میں مشغول ہو، پھر اس کے بعد نوافل اور فضائل میں مشغول ہو، پس جب تک فرائض سے فارغ نہیں ہوگا، تو سنتوں کے ساتھ مشغول ہونا حماقت اور کم عقلی ہے، اور اگر فرائض سے پہلے سنتوں اور نفلوں میں مشغول ہوگا، تو اس سے یہ قبول نہیں کی جائیں گی، اور اس کو ذلیل کیا جائے گا، اور اس کی مثال اس آدمی کی طرح ہے کہ جس کو بادشاہ اپنی خدمت کی طرف بلائے، اور وہ اس کی خدمت کے لئے نہ آئے، اور اس کے بجائے اس امیر کی خدمت کے لئے ٹھہر جائے، جو بادشاہ کا غلام اور اس کا خادم اور اس کا ماتحت اور زیرِ اثر ہے...... پھر فرائض میں سے حرام کو چھوڑنا بھی ہے (کہ حرام کو چھوڑنا اور اس سے بچنا فرض ہے) اور اللہ عزوجل کے ساتھ اس کی مخلوق میں شرک کو چھوڑنا بھی ہے (کہ شرک کو چھوڑنا اور اس سے بچنا فرض ہے) اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور فیصلہ پر اعتراض کو چھوڑنا بھی ہے، اور مخلوق کی رضامندی اور اس کی اطاعت کو چھوڑنا بھی ہے، اور اللہ عزوجل کے حکم اور اس کی اطاعت سے

---

[1] ص ۷۰، ۷۱، المقالة الثامنة والأربعون في ما ينبغي للمؤمن أن يشتغل به.

اعراض کرنے کو چھوڑنا بھی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخلوق کے لئے اطاعت کرنے میں خالق کی نافرمانی جائز نہیں (ترجمہ ختم)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ فرائض اور واجبات کو نظر انداز کر کے گیارہویں جیسی رسم کو اختیار کرنا درست نہیں۔

پھر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مقلد تھے، اور فقہ حنبلی میں شرک وبدعات کے خلاف بہت زیادہ سختی والا ردِعمل پایا جاتا ہے، جیسا کہ آج بھی سعودی عرب کے حنبلی علماء کے حالات سے واضح ہے (جن کی اقتداء میں آج کے بعض غالی اہلِ بدعت نماز پڑھنے کو بھی جائز نہیں سمجھتے)

اب اگر کوئی شخص گیارہویں چھوڑنے کے بارے میں اتنا سخت فتویٰ حضرت شیخ کے حوالے سے دکھلا دے تو ہم اس کے ممنون ہونگے، بصورتِ دیگر گیارہویں اور اس میں مبتلا ہونے والے گناہ اور شرک والی باتوں کو چھوڑ کر توحید اور سنت اور نماز وغیرہ جیسے احکام کا اہتمام لازم ہوگا، ورنہ قیامت کے دن گیارہویں کا کرنا اور اس کے مقابلہ میں دوسرے فرض احکام کا چھوڑنا فائدہ مند نہیں ہوگا۔

(۸)......گیارہویں اور شیخ عبدالقادر جیلانی کا تعیُّن

بعض لوگوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ گیارہویں دراصل حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی روح کو ثواب پہنچانے کا ایک طریقہ ہے۔

لیکن بات یہ ہے کہ اہلُ السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ تمام مخلوق میں انبیاء علیہم السلام کا رتبہ سب سے بڑا ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام میں سب سے افضل نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے، پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا درجہ بدرجہ رتبہ ہے، اور امت کے اولیائے کرام اور بزرگانِ دین جو شرفِ صحابیت سے سرفراز نہیں ہیں وہ صحابۂ کرام

سے افضل نہیں ہیں، بلکہ کسی صحابی کے برابر درجہ بھی نہیں رکھتے۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهُ(بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے صحابۂ کرام کو برا بھلا مت کہو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی (اللہ کے راستے میں) خرچ کردے، تو (اس کا ثواب) میرے صحابہ میں سے کسی کے ایک مُد (تقریباً چوتھائی صاع) اور نصف مُد کے برابر نہیں پہنچ سکتا (ترجمہ ختم)

ایک مُد تقریباً چوتھائی صاع کے برابر ہوتا ہے، جس کا وزن ایک سیر سے بھی کم بنتا ہے۔
صحابۂ کرام کے اتنی کم چیز کے صدقہ خیرات کرنے کا ثواب دوسروں کے احد پہاڑ کے برابر صدقہ خیرات سے بھی زیادہ ہونے کی وجہ صحابۂ کرام کا بلند مقام اور مرتبہ اور صحابۂ کرام کی نیتوں میں اخلاص کا زیادہ ہونا ہے۔

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمُقَامُ أَحَدِهِمْ سَاعَةً خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ عُمُرَهُ(سنن ابنِ ماجة) [2]

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کو برا بھلا مت کہو، کیونکہ ان میں سے کسی

---

[1] رقم الحديث ٣٦٧٣، كتاب المناقب، باب قول النبى ﷺ لو كنت متخذا خليلا، دارطوق النجاة، بيروت، واللفظ لهٗ، مسلم رقم الحديث، مسند احمد رقم الحديث ١٨٢٥٣.

[2] رقم الحديث ١٦٢، كتاب المقدمة، باب فضل اهل البدر.

قال البوصيرى: رواه مسدد موقوفا بسند صحيح (اتحاف الخيرة المهرة، ج٧ص ٣٣٦، كتاب علامات النبوة، باب ما جاء فيمن صحب النبى ﷺ)

وقال الكنانى: هذا إسناد صحيح رجاله ثقات والطريق الأول رواه مسدد فى مسنده عن يحيى القطان عن سفيان عن نسير فذكره بإسناده ومتنه (مصباح الزجاجة للكنانى، كتاب اتباعِ السنة، باب فضل الانصار)

کا ایک لمحہ کے لئے قیام کرنا تم میں سے کسی کے پوری عمر عمل کرنے سے زیادہ بہتر ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

وَاللّٰهِ لَمَشْهَدُ شَهِدَهُ رَجُلٌ يُغَبِّرُ فِيهِ وَجْهَهُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَفْضَلُ مِنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ.وَلَوْ عُمِّرَ عُمَرُ نُوحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: اللہ کی قسم! کسی آدمی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہونا، جس میں اس کا چہرہ غبار آلود ہوجائے، یہ تم میں سے ہر کسی کے عمل سے افضل ہے، اگرچہ اس کو نوح علیہ السلام جیسی عمر کیوں نہ عطا کردی جائے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابراہیم بن سعید جوہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

سَأَلْتُ أَبَا أُسَامَةَ أَيُّمَا كَانَ أَفْضَلَ مُعَاوِيَةُ أَوْ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ؟ فَقَالَ :لَا نَعْدِلُ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدًا (جامع بیان العلم وفضله لابن عبدالبر) [2]

ترجمہ: میں نے ابواسامہ سے سوال کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (جوکہ صحابی

---

[1] رقم الحديث ۱۶۲۹ ، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ،سنن ابی داوٗد، رقم الحديث ۴۶۵۰.
فی حاشية مسند احمد:إسناده صحيح .يحيى بن سعيد :هو القطان.وأخرجه أبو نعيم فی "الحلية ۱/ ۹۵،۹۶ "من طريق أحمد بن حنبل، بهذا الإسناد .وأخرجه بنحوه ابن أبی عاصم فی "السنة "(۱۴۳۳)والنسائی فی "الكبرى(۸۱۹۳) "من طريق يحيى بن سعيد، به.وأخرجه ابن أبی شيبة ۱۲/ ۱۲،۱۳ و ۴۲،وأبو داود(۴۶۵۰)وابن ماجه(۱۳۳)وابن أبی عاصم (۱۴۳۴)و(۱۴۳۵)وعبدُ الله بن الإمام أحمد فی "زوائد الفضائل(۹۰) "و(۹۱) والنسائی فی "الكبرى(۸۲۱۹)"والشاشی (۲۱۶)من طريق صدقة بن المثنى، به .وبعضهم يزيد فيه على بعض .وأخرجه ابنُ أبی عاصم (۱۴۳۶)عن يعقوب بنِ يحيى، عن صدقة، عن رياح، عن جدَه، عن سعيد بنِ زيد، به.

[2] رقم الرواية ۲۳۱۹،باب الحض على لزوم السنة والاقتصار عليها ،دار ابن الجوزی، المملكة العربية السعودية.

ہیں) یا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (جو کہ تابعی ہیں) میں سے کون افضل ہے؟ تو حضرت ابواسامہ نے فرمایا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کے برابر کسی کو بھی نہیں سمجھتے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُكُمْ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا بہترین زمانہ، میرا زمانہ ہے (جس میں، میں اور میرے صحابۂ کرام ہیں) اور پھر ان لوگوں کا زمانہ ہے، جو اُن سے ملے ہوئے ہیں (یعنی تابعین کا زمانہ) اور پھر ان لوگوں کا زمانہ ہے، جو اُن سے ملے ہوئے ہیں (یعنی تبعِ تابعین کا زمانہ) (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ (بخاری) [2]

ترجمہ: لوگوں کا بہترین زمانہ، میرا زمانہ ہے، اور پھر اُن لوگوں کا زمانہ ہے، جو اُن سے ملے ہوئے ہیں (یعنی تابعین) اور پھر ان لوگوں کا زمانہ ہے، جو اُن سے ملے ہوئے ہیں (یعنی تبع تابعین) (ترجمہ ختم)

ان احادیث سے صحابۂ کرام اور آپ کے بعد تابعین، اور ان کے بعد اتباعِ تابعین کی درجہ بدرجہ فضیلت معلوم ہوئی۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ٢٦٥١، كتاب الشهادات، باب: لا يشهد على شهادة جور إذا أشهد، دارطوق النجاة، بيروت.

[2] رقم الحديث ٢٦٥٢، كتاب الشهادات، باب: لا يشهد على شهادة جور إذا أشهد.

[3] (خير أمتي قرني)، أي الذين أدركوني وآمنوا بي وهم أصحابي، (ثم الذين يلونهم)، أي يقربونهم في الرتبة أو يتبعونهم في الإيمان والإيقان وهم التابعون (ثم الذين يلونهم)، وهم أتباع التابعين، والمعنى أن الصحابة والتابعين وتبعهم هؤلاء القرون الثلاثة المرتبة في الفضيلة (مرقاة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يَأْتِي زَمَانٌ يَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ، فَيُقَالُ: فِيْكُمْ مَنْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيُقَالُ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ عَلَيْهِ، ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ، فَيُقَالُ: فِيْكُمْ مَنْ صَحِبَ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيُقَالُ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ، ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ فَيُقَالُ: فِيْكُمْ مَنْ صَحِبَ صَاحِبَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيُقَالُ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں کی ایک جماعت جہاد وقتال کرے گی، اور کہا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی نبی صلی اللہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المفاتيح، ج۹ص۳۸۷۸، كتاب المناقب والفضائل، باب مناقب الصحابة رضى الله عنهم اجمعين)

قوله ثم الذين يلونهم أى القرن الذى بعدهم وهم التابعون ثم الذين يلونهم وهم أتباع التابعين واقتضى هذا الحديث أن تكون الصحابة أفضل من التابعين والتابعون أفضل من أتباع التابعين لكن هل هذه الأفضلية بالنسبة إلى المجموع أو الأفراد محل بحث وإلى الثانى نحا الجمهور والأول قول بن عبد البر والذى يظهر أن من قاتل مع النبى صلى الله عليه وسلم أو فى زمانه بأمره أو أنفق شيئا من ماله بسببه لا يعدله فى الفضل أحد بعده كائنا من كان وأما من لم يقع له ذلك فهو محل البحث والأصل فى ذلك قوله تعالى لا يستوى منكم من أنفق من قبل الفتح وقاتل أولئك أعظم درجة من الذين أنفقوا من بعد وقاتلوا الآية واحتج بن عبد البر بحديث مثل أمتى مثل المطر لايدرى أوله خير أم آخره وهو حديث حسن له طرق قد يرتقى بها إلى الصحة وأغرب النووى فعزاه فى فتاويه إلى مسند أبى يعلى من حديث أنس بإسناد ضعيف مع أنه عند الترمذى بإسناد أقوى منه من حديث أنس وصححه بن حبان من حديث عمار وأجاب عنه النووى بما حاصله أن المراد من يشتبه عليه الحال فى ذلك من أهل الزمان الذين يدركون عيسى بن مريم عليه السلام ويرون فى زمانه من الخير والبركة وانتظام كلمة الإسلام ودحض كلمة الكفر فيشتبه الحال على من شاهد ذلك أى الزمانين خير وهذا الاشتباه مندفع بصريح قوله صلى الله عليه وسلم خير القرون قرنى والله اعلم(فتح البارى لابن حجر، ج۷ص۶، قوله باب فضائل أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم)

[1] رقم الحديث ۲۸۹۷،كتاب الجهاد والسير،باب من استعان بالضعفاء والصالحين فى الحرب، دارطوق النجاة، بيروت.

علیہ وسلم کا صحابی ہے؟ تو جواب میں کہا جائے گا کہ بے شک ہے، تو (اس کی برکت سے) اُس جماعت کو فتح حاصل ہوگی، پھر اس کے بعد وہ زمانہ آئے گا کہ جس میں کہا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کی صحبت اٹھائی ہو؟ تو جواب میں کہا جائے گا کہ بے شک ہے، تو (اس کی برکت سے) اُس جماعت کو فتح حاصل ہوگی، پھر اس کے بعد ایک زمانہ آئے گا کہ جس میں کہا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کی صحبت اٹھانے والے کی صحبت اٹھائی ہو؟ تو جواب میں کہا جائے گا کہ بے شک ہے، تو (اس کی برکت سے) اُس جماعت کو فتح حاصل ہوگی (ترجمہ ختم)

اب یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ گیارہویں اور اس طرح اہتمام کے ساتھ ایصالِ ثواب کے لئے صحابۂ کرام وتابعین اور تبعِ تابعین کو چھوڑ کر صرف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا انتخاب کیوں کیا گیا ہے؟

کیا اتنے اہتمام کے ساتھ ایصال ثواب کی کسی اور کو ضرورت نہیں؟ جبکہ بہت سے صحابہ وصحابیات اور تابعین وتبع تابعین کا انتقال بھی اسی مہینہ میں واقع ہوا۔ [1]

اور قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی صاحب رحمہ اللہ سے کم یا ان کے برابر ومساوی یا ان سے زیادہ افضل امت میں کوئی اور بزرگ نہیں گزرا؟

آخر ان کے لئے اس طرح اہتمام کے ساتھ ایصالِ ثواب کیوں نہیں کیا جاتا اور یہ بڑی گیارہویں کا ایصالِ ثواب صرف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی صاحب رحمہ اللہ سے ہی کیوں مختص کردیا گیا ہے؟

پھر یہ بات بھی نہایت قابلِ غور ہے کہ عوام الناس اپنے ماں باپ اور دیگر لواحقین کو گیارہویں

[1] چنانچہ ماہِ ربیع الآخر کے مہینہ میں کئی صحابۂ کرام مثلاً حضرت ابنِ عباس، حضرت ابوالدرداء، حضرت کعب بن مالک، حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہم وغیرہ کا وصال ہوا۔

کی شکل میں ایصالِ ثواب کیوں نہیں کرتے ، جن میں سے کسی کی نمازیں، کسی کے روزے اور کسی کی دیگر نیکیاں چھوٹ گئی ہوں گی ،اور غالب گمان یہ ہے کہ بہت سے گناہ بھی کئے ہوں گے ، عجیب بات ہے کہ محتاجوں کو تو اہتمام کے ساتھ ایصال ثواب نہ کیا جائے جو دریا میں ڈوبے ہوئے شخص کی طرح اپنے وارثوں کے صدقات وخیرات اور دعاؤں کے منتظر رہتے ہوں اور اس بزرگ کو ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا جائے جو بفضلہٖ تعالیٰ نیکیوں سے مالا مال ہو؟

اس بات کی گہرائی تک اگر پہنچا جائے تو یہ بات آسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ گیارہویں کو ایصالِ ثواب کی مد میں رکھنا بھی کسی طرح خدشہ سے خالی نہیں ہے۔

(۹)......گیارہویں اور ایصالِ ثواب

اگر کہا جائے کہ گیارہویں کی مروجہ رسم سے اصل مقصود ان بزرگوں کی روح کو ایصالِ ثواب ہے، تو تجربہ گواہ ہے کہ یہ خیال درست نہیں ہے، کیونکہ اگر ایصالِ ثواب ہی مقصود ہے تو ایصالِ ثواب کے لئے شریعت کی طرف سے گیارہویں یا بارہویں یا کسی کے فوت ہونے کی تاریخ کی کوئی تعیین نہیں کی گئی، بلکہ ایصالِ ثواب شرعی اصولوں کے مطابق کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے۔

دوسرے خاص حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ہی کی کیا تخصیص ہے کبھی ایصالِ ثواب اُن کو کیا جاتا اور کبھی دوسرے بزرگوں کو جو اِن کے بھی بڑے ہیں۔

ظاہر ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ جس شان اور جس درجہ کے کامل ولی اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے تھے صحابۂ کرام ان سے بھی زیادہ زیادہ مرتبہ رکھتے ہیں، لیکن یہ لوگ اس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے گیارہویں یا بارہویں نہیں کرتے۔

تیسرے اکثر لوگ صرف رسمارسمی اور دیکھا دیکھی گیارہویں کی مروجہ رسم کو شریعت کا حکم سمجھ کر

کرتے ہیں، اوراس رسم کو کرتے وقت ان کے ذہن میں ایصالِ ثواب کا تصور بھی نہیں ہوتا۔
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صرف ایک رسم پڑ گئی ہے جس کی لوگ ناواقفی کی بنیاد پر اتباع وپیروی کرتے ہیں، اوراس سے درحقیقت ایصالِ ثواب پیشِ نظر نہیں ہوتا، اوراگرکسی کے پیشِ نظر ایصالِ ثواب ہی ہو، تب بھی ایصالِ ثواب شرعی اصول وقواعد کوملحوظ رکھنے سے ہوا کرتا ہے، منکرات ومفاسد کے ہوتے ہوئے ایصالِ ثواب کے بجائے خوداس طرح عمل کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے (کذافی: امداد المفتیین ص ۱۷۱ و۱۷۲، کتاب السنۃ والبدعۃ)

(۱۰)......گیارہویں اور غریبوں کا تعاوُن

یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اگر کھانے کو صدقہ کرنے کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب مقصود ہوتو ثواب صرف اتنے کھانے کا ملے گا جو صحیح غریبوں اور مستحق مسکینوں کوکھلایا جائے۔
مگر دیکھنے میں آتا ہے کہ گیارہویں کا کھانا پکا کر زیادہ تر لوگ دعوت کا سماں بنا کر خود ہی کھا پی لیتے ہیں، اورزیادہ کچھ کیا تو اپنے عزیز واقارب اور دوستوں کو کھلا دیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ کھانے والے صدقہ کے مستحق ہیں یا نہیں؟ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ صحیح غریب اور مسکین محروم رہتے ہیں، مگر اس کے باوجود یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جتنا کھانا پکایا اور کھایا گیا اس پورے کے صدقہ کا ثواب حضرت شیخ رحمہ اللہ کو پہنچ جاتا ہے۔
یہ بات بھی شرعی ایصالِ ثواب کے اصولوں کے خلاف ہے۔
چنانچہ علامہ ابنِ ہُمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَيُكْرَهُ اِتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ مِنَ الطَّعَامِ مِنْ اَهْلِ الْمَيِّتِ لِاَنَّهٗ شُرِعَ فِي السُّرُوْرِ لَا فِي الشُّرُوْرِ ، وَهِيَ بِدْعَةٌ مُّسْتَقْبَحَةٌ،رَوَى الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَهْ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ: كُنَّا نَعُدُّ الْاِجْتِمَاعَ اِلٰى اَهْلِ الْمَيِّتِ وَصُنْعَهُمُ الطَّعَامَ مِنَ النِّيَاحَةِ (فتح

القدیر، ج۲ص ۱۴۲، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز،فصل فی الدفن،دارالفکر،بیروت)

ترجمہ:اور میت کے گھر والوں کی طرف سے کھانے کی ضیافت کا انتظام کرنا مکروہ ہے،اس لئے کہ ضیافت خوشی کے موقع پر ہوا کرتی ہے،نہ کہ غمی کے موقع پر،اور یہ بدترین بدعت ہے،امام احمد اور ابنِ ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

ہم میت کے گھر میں جمع ہونے کو اور ان کے کھانا بنانے کو(جسے آج کل بعض علاقوں میں کڑوی روٹی کہا جاتا ہے)نوحے میں(جو کہ حرام ہے)شمار کیا کرتے تھے(ترجمہ ختم)

اور علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَیُکْرَہُ اِتِّخَاذُ الضِّیَافَةِ مِنَ الطَّعَامِ مِنْ اَھْلِ الْمَیِّتِ لِاَنَّہٗ شُرِعَ فِی السُّرُوْرِ لَا فِی الشُّرُوْرِ ، وَھِیَ بِدْعَةٌ مُّسْتَقْبَحَةٌ،رَوَی الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَہُ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ: کُنَّا نَعُدُّ الْاِجْتِمَاعَ اِلٰی اَھْلِ الْمَیِّتِ وَصُنْعَھُمُ الطَّعَامَ مِنَ النِّیَاحَةِ اھـ.

وَفِی الْبَزَّازِیَّةِ :وَیُکْرَہُ اِتِّخَاذُ الطَّعَامِ فِی الْیَوْمِ الْاَوَّلِ وَالثَّالِثِ، وَبَعْدَالْاُسْبُوْعِ وَنَقْلُ الطَّعَامِ اِلَی الْقَبْرِ فِی الْمَوَاسِمِ، وَاِتِّخَاذُ الدَّعْوَةِ لِقِرَاءَ ةِ الْقُرْآنِ وَجَمْعُ الصُّلَحَآءِ وَالْقُرَّاءِ لِلْخَتْمِ اَوْ لِقِرَاءَ ةِ سُوْرَةِ الْاَنْعَامِ اَوِ الْاِخْلَاصِ، وَالْحَاصِلُ اَنَّ اِتِّخَاذَ الطَّعَامِ عِنْدَ قِرَاءَ ةِ الْقُرْآنِ لِاَجْلِ الْاَکْلِ یُکْرَہُ، وَفِیْھَا مِنْ کِتَابِ الْاِسْتِحْسَانِ :وَاِنْ اتَّخَذَ طَعَامًا لِلْفُقَرَاءِ کَانَ حَسَنًا اھـ .

وَاَطَالَ فِیْ ذٰلِکَ الْمِعْرَاجُ، وَقَالَ:وَھٰذِہِ الْاَفْعَالُ کُلُّھَا لِلسُّمْعَةِ وَالرِّیَآءِ فَیُحْتَرَزُ عَنْھَا لِاَنَّھُمْ لَایُرِیْدُوْنَ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ تَعَالٰی

اھـ (ردالمحتار) [1]

ترجمہ: اور میت کے گھر والوں کی طرف سے کھانے کی ضیافت کا انتظام کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ ضیافت خوشی کے موقع پر ہوا کرتی ہے، نہ کہ غمی کے موقع پر، اور یہ بدترین بدعت ہے، امام احمد اور ابنِ ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

ہم میت کے گھر میں جمع ہونے کو اور ان کے کھانا بنانے کو (جسے آج کل بعض علاقوں میں کڑوی روٹی کہا جاتا ہے) نوحے میں (جو کہ حرام ہے) شمار کیا کرتے تھے، اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ فوتگی کے پہلے دن اور تیسرے دن اور ہفتے کے بعد (یا اسی طرح کسی اور مخصوص دن میں) کھانا بنانا اور کھانے کو مخصوص دنوں میں قبر پر لے جانا، اور قرآن مجید کی تلاوت کے لئے دعوت کرنا اور صلحاء اور قرّاء کا ختم کے لئے قرآن مجید کی تلاوت کرنا، یا سورہ انعام کی یا سورہ اخلاص وغیرہ کی قرائت کے لئے جمع ہونا (بھی مکروہ ہے) اور خلاصہ یہ کہ قرآن مجید کی قرائت (وختم) کے وقت کھانے کے لئے طعام کا انتظام کرنا مکروہ ہے، اور فتاویٰ بزازیہ ہی کی کتابُ الاستحسان میں ہے کہ اگر (بغیر کسی دن کی پابندی کے) غریبوں کے لئے کھانا بنایا جائے، تو اچھا ہے، اور معراج نامی کتاب میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے، اور فرمایا کہ یہ تمام کام نام ونمود اور ریاکاری کے لئے ہوتے ہیں، لہٰذا ان سے بچنا چاہئے، کیونکہ لوگوں کا ان کاموں سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ نہیں ہوتا

(ترجمہ ختم)

اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

ایک قصبہ میں ایک شخص کے یہاں گیارہویں تھی دس آدمیوں کی دعوت کی اور اس

---

[1] ج ۲ ص ۲۴۰، ۲۴۱، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب فی الثواب علی المعصیۃ، دارالفکر، بیروت.

میں بلائے گئے کون؟ ڈپٹی ،تحصیلدار ، نائب تحصیلدار وغیرہ، جب کھانا کھا کر نکلے تو ایک شخص نے کہا کہ جس نے مساکین نہ دیکھے ہوں وہ ان کو دیکھ لے (امثالِ عبرت ص ۳۲۹،مرتبہ:حکیم محمد مصطفی بجنوری رحمہ اللہ،مطبوعہ:ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ،ملتان،مطبوعہ:۱۴۱۴ھ)

اور فاضل احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ:

مُردہ کا کھانا صرف فقراء کے لئے ہے،عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے غنی نہ کھائے،کما فی فتح القدیر ومجمع البرکات (احکامِ شریعت حصہ۲ص۱۷۳،عنوان: مُردہ کی طرف سے کھانا،مطبوعہ:شبیر برادرز،اردو بازار،لاہور،سنِ اشاعت۱۹۸۴ء)

(۱۱)......گیارہویں اور تاریخ کا تعیُّن

اگر گیارہویں دینے سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی روح کو ثواب پہنچانا مقصود ہے تو بلاشبہ یہ مقصد بہت ہی مبارک ہے۔

لیکن شرعی نقطۂ نظر سے ثواب تو جب بھی پہنچایا جائے، پہنچ جاتا ہے،شریعت نے اس کے لئے کوئی دن اور وقت مقرر نہیں فرمایا،مگر یہ حضرات اس عمل کے لئے گیارہویں تاریخ کی پابندی کو کچھ ایسا ضروری سمجھتے ہیں کہ گویا یہ شریعت کا لازمی حکم ہے،یہی وجہ ہے کہ اس تاریخ میں پورے ملک میں اجتماعی سطح پر گیارہویں کا جو اہتمام ہوتا ہے وہ دوسری تاریخوں میں نہیں ہوتا۔

ان کے اس طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایصالِ ثواب مقصود نہیں ، بلکہ ان کے نزدیک یہ ایک ایسی عبادت ہے جو صرف اسی تاریخ کو ادا کی جاسکتی ہے۔

جبکہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ صرف اس تاریخ میں ہی غریبوں کو کھانے کی ضرورت پیش آتی ہو، یا ہمیشہ اس تاریخ میں لوگ ایک دن کے لئے غریب ہوجاتے ہوں۔

پھر یہ سوچنے کی بھی ضرورت ہے کہ کیا گیارہ تاریخ کے علاوہ اور تاریخوں میں حضرت شیخ کو ایصالِ ثواب کرنے میں رکاوٹ ہوتی ہے؟ اور کیا دوسری تاریخوں میں حضرت شیخ کو ثواب

کی ضرورت نہیں ہوتی؟

الغرض ایصالِ ثواب کے لئے گیارہویں تاریخ کا التزام کرنا ایک ایسی حرکت ہے، جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، اوراس کوضروری سمجھ لینا، گناہ کی بات ہے۔

اور عام طور پر گیارہویں تاریخ کو اس لئے متعین کیا جاتا ہے کہ مشہور ہے کہ یہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی وفات کا دن ہے۔

لیکن پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کی تاریخ وفات ہی میں اختلاف پایا جاتا ہے، دوسرے کسی ہستی کا یومِ وفات منانا اسلام میں جائز نہیں رکھا گیا۔

سوچئے کہ انبیاء اور صحابہ جیسی مقدس ہستیوں کے ''ایامِ وفات'' منانے کی شریعت نے کوئی تاکید واہمیت بیان نہیں کی، تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ''یومِ وفات'' منانے کا کیا مطلب؟

پھر دن منانا ہرایک کے لئے ممکن بھی نہیں۔

کیونکہ مراتب و درجات کا لحاظ کر کے سب سے پہلے حضرات انبیاء علیہم السلام پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اوران کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور دوسرے بزرگوں کی باری آتی ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور سال کے کل ایام تین سو چون یا تین سو ساٹھ ہیں تو تمام حضرات کے ایامِ وفات منانے کے لئے اور دن کہاں سے لائیں گے؟

اور انبیاء وصحابہ کو چھوڑ کر اور نظر انداز کر کے ان سے کم اور نیچے کے درجہ والے بزرگوں کے دن منائے جائیں تو یہ انبیاء اور صحابہ کے مراتب میں رخنہ اندازی کے مترادف ہے۔

اس موقع پر گیارہویں کو جائز قرار دینے والے حضرات کی طرف سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ولادت یا وفات میں ایصالِ ثواب کیا جائے تو اس کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔

لیکن یہ دعویٰ اور عقیدہ بے اصل اور بے بنیاد ہے، کسی قرآنی آیت یا مستند حدیث یا معتبر فقہ

کی عبارت سے ثابت نہیں ، اگر یہ بات ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،تمام صحابۂ کرام،اولیائے کرام وغیرہ کے یومِ ولادت اور یومِ وفات اس غرض کے لئے خصوصیت کے ساتھ محفوظ رکھے جاتے اوران میں کوئی اختلاف نہ ہوتا،اوران سب حضرات کے لئے بھی ایصالِ ثواب کے لئے ان دنوں کو متعین کیا جاتا،اورظاہر ہے کہ یہ بات ثابت نہیں۔

بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں جہاں کہیں گیارہ کا لفظ آ جائے ،فوراً اس سے گیارہویں کی رسم ثابت کرنے کی بے جا کوشش کرتے ہیں۔

حالانکہ گیارہویں کی مرَوَّجہ رسم اور گیارہ کا عدد دونوں علیٰحدہ علیٰحدہ چیزیں ہیں، گیارہ کا عدد دنیا کی بے شمار چیزوں پر بولا جاسکتا ہے،لیکن گیارہویں کی رسم ہرایک دنیا کے گیارہ عدد والی چیز کو قرار نہیں دیا جاسکتا۔

پھر یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ اگر گیارہویں کی رسم کو قرآن وحدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کی جائے تو ان تمام حضرات کو جو اس رسم کے ایجاد ہونے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہوگئے،قرآن وحدیث پر عمل پیرا یا قرآن وحدیث کی صحیح فہم والا ہونے سے انکار کرنا پڑے گا،جس میں تمام صحابہ،محدثین اور فقہاء اورامت کے بڑے بڑے اولیاء شامل ہیں ، اور ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمیت مفسرین،محدثین اورفقہائے کرام پر نعوذ باللہ یہ الزام عائد ہوگا کہ وہ قرآن وحدیث کو نہ خود سمجھ سکے اور نہ دوسروں کو سمجھا سکے، کیونکہ انہوں نے ان گیارہ کے اعداد سے گیارہویں کی مروجہ رسم کو ثابت نہیں کیا۔

اسی طرح بعض حضرات گیارہویں کی رسم کو ثابت کرنے کے لئے یہ حیلہ اختیار کرتے ہیں کہ بہت سے مؤرخین نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی تاریخِ وفات گیارہ لکھی ہے۔

حالانکہ گیارہ تاریخ اورگیارہویں کی رسم دونوں جدا جدا چیزیں ہیں ،گیارہ تاریخ سے گیارہویں کی رسم ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔

آج کل بعض لوگ اس رسم کو انجام دینے کے لئے گیارہویں کے بجائے بارہویں تاریخ

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

کا انتخاب کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے گیارہویں نہیں کی۔

حالانکہ صرف تاریخ بدلنے سے حکم نہیں بدل جاتا، بلکہ دوسری خرابیوں کے ہوتے ہوئے تاریخ بدل کر بھی اس رسم کا حکم وہی رہتا ہے، کیونکہ وہاں گیارہ کے بجائے بارہ تاریخ ہوجاتی ہے لیکن باقی تمام چیزیں اپنے حال پر برقرار رہتی ہیں۔

(۱۲)......گیارہویں اور کھانے کا تعیُّن

گیارہویں کی اس رسم میں کھانے پکانے اور بعض جگہ کھیر یا حلیم پکانے کا اتنا اہتمام کیا جاتا ہے کہ اگر اس کے بجائے کسی اور طرح یا کسی اور چیز سے ایصالِ ثواب کرنے کو کہا جائے تو اس کے لئے تیار وآمادہ نہیں ہوتے۔

چنانچہ اگر کسی کو بتلایا جائے کہ آپ اس مرتبہ گیارہویں خاموشی کے ساتھ صرف تلاوت یا ذکر یا نوافل پڑھ کر کردیں (جبکہ اس عمل میں غریبوں کے لئے بھی آسانی ہے کہ وہ مال خرچ کئے بغیر اس طرح ایصالِ ثواب کرسکتے ہیں) تو اول تو کوئی اس کے لئے تیار نہ ہو، اور اگر تیار بھی ہوجائے تو اس کو گیارہویں قرار دینے پر آمادہ نہ ہو۔

اسی طرح اگر کسی کو بتلایا جائے کہ گیارہویں کے کھانے، کھیر، حلیم وغیرہ کے بجائے کسی دوسری طرح خاموشی کے ساتھ مالی عبادت انجام دے کر ایصالِ ثواب کردیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ یا کسی اور دینی یا رفاہی کام میں اتنی ہی رقم لگادیں جو کہ نہ صرف صدقہ ہوگی بلکہ اس سے بڑھ کر صدقۂ جاریہ ہوگی اور اس صدقۂ جاریہ کا ثواب یقیناً اس کھانے پینے سے زیادہ ہوگا جو کھاپی کر کچھ دیر بعد ٹھکانے لگ جاتا ہے۔

یا اس کے بجائے خاموشی کے ساتھ غریبوں کا اس طرح تعاون کیا جائے کہ جس میں ان کی ضروریات کا لحاظ کیا جائے، مثلاً اگر کسی غریب کو لباس کی ضرورت ہے تو اس کو لباس فراہم کیا جائے، اگر کسی ضرورت مند کو دوا کی ضرورت ہے تو دوا فراہم کی جائے، اگر کسی غریب کو علاج

معالجہ کی سہولت درکار ہے تو اس کے لئے اس کا انتظام کیا جائے، اگر کسی مسافر کو کرایہ کی ضرورت ہے تو اس کی یہ ضرورت پوری کی جائے، یا اس کے بجائے غریبوں کو رقم فراہم کر دی جائے، جس سے غریب اور ضرورت مند اپنی ہر قسم کی ضرورت پوری کر سکتا ہے اور ایک کے بجائے کئی ضروریات پوری کر سکتا ہے اور آج کے بجائے کل پیش آنے والی ضروریات کے لئے بھی اس کو محفوظ رکھ سکتا ہے، اور اپنی ضروریات کے علاوہ اپنے بیوی، بچوں کی ضروریات میں بھی اس رقم کو خرچ کر سکتا ہے، اور اس میں اخلاص کی رعایت بھی زیادہ ہے۔

تو اس طرح ایصالِ ثواب یا گیارہویں کرنے کے لئے بھی کوئی آمادہ نہ ہوگا، اور اگر آمادہ ہو بھی جائے گا، تو اس کو ہرگز گیارہویں یا اس کا بہتر متبادل قرار نہ دے گا، جبکہ ان طریقوں کے ذریعہ ثواب رسمی گیارہویں کے طریقہ سے کئی اعتبار سے زیادہ ہے، مثلاً:

(۱)......رسمی گیارہویں میں سب کو کھانے کا پابند کر دیا جاتا ہے۔

اور مندرجہ بالا طریقوں میں اس طرح کی پابندی نہیں ہوتی۔

(۲)......رسمی گیارہویں میں غریب اپنی مختلف ضروریات پوری نہیں کر سکتا۔

اور مندرجہ بالا طریقوں میں یہ تنگی نہیں پائی جاتی۔

(۳)...... رسمی گیارہویں میں غریب اپنی آئندہ کی ضروریات پوری نہیں کر سکتا، کیونکہ غریب کے لئے کھانے کو محفوظ رکھنا مشکل ہے۔

اور مندرجہ بالا طریقوں میں رقم محفوظ رکھ کر بآسانی یہ ضروریات پوری کر سکتا ہے۔

(۴)......رسمی گیارہویں میں غریبوں کو مال کا مالک نہیں بنایا جاتا، بلکہ زیادہ سے زیادہ وہیں رہتے ہوئے اسی وقت کھانے کا پابند کیا جاتا ہے۔

اور مندرجہ بالا طریقوں میں غریبوں کو مالک بنا کر ہر جگہ اور ہر وقت اپنی ضرورت پوری کرنے کا اختیار دے دیا جاتا ہے۔

(۵)......رسمی گیارہویں میں غریب کو خود کھانے کا پابند کیا جاتا ہے۔

اور مندرجہ بالا طریقوں میں غریب اپنے بجائے اپنے بیوی بچوں کی ضروریات بھی پوری کرسکتا ہے۔

(۶)......رسمی گیارہویں میں صدقۂ جاریہ کی صورت نہیں پائی جاتی۔

اور مندرجہ بالا طریقوں میں اس نعمت سے بآسانی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

(۷)......رسمی گیارہویں میں صرف پیسے والے لوگ شریک ہوسکتے ہیں۔

اور مندرجہ بالا طریقوں میں امیر وغریب ہر شخص کسی بھی طرح کا نیک عمل کرکے خود فائدہ اٹھا سکتا ہے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی روح کو ثواب پہنچا سکتا ہے۔

(۸)......رسمی گیارہویں میں عموماً اخلاص کے بجائے ایک طرح سے رسم پوری کرنا اور اپنا نام اونچا کرنا پیش نظر ہوتا ہے۔

اور مندرجہ بالا طریقوں میں رسم کے بجائے حقیقت اور دکھلاوے کے بجائے اخلاص کا لحاظ ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

بہرحال شریعت نے ایصالِ ثواب کے لئے جس طرح کسی تاریخ کو متعین نہیں کیا، اسی طرح کھانے یا اس کی کسی خاص قسم کو بھی متعین یا لازم نہیں کیا، بلکہ شریعت نے ایصالِ ثواب میں بہت سہولت اور آسانی رکھ دی ہے، چنانچہ ایصالِ ثواب کے لئے مالی عبادت (صدقہ، خیرات وغیرہ) کو لازم نہیں کیا، بلکہ مالی عبادت کے علاوہ جانی عبادت (تلاوت، ذکر، تسبیحات، نوافل وغیرہ) کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کی بھی اجازت دی ہے۔

اور جب اس بارے میں اتنی سہولت ہے تو گیارہویں کے عمل کو مالی عبادت کے ساتھ خاص کرنا بذاتِ خود دین پر زیادتی اور دین میں تنگی پیدا کرنا ہے، اور پھر اوپر سے مالی عبادت کو بھی کھانے تک اور اس سے آگے بڑھ کر کھیر یا حلیم تک محدود کردینا یہ دین میں زیادتی در زیادتی اور تنگی در تنگی پیدا کرنا ہے، جو شریعت کے مزاج کے خلاف ہے۔

(۱۳)......گیارہویں اور اہلِ ہنود کے ساتھ تشبُّہ

کئی محققین کے نزدیک گیارہویں کی مروجہ رسم اہلِ ہنود (یعنی ہندوؤں) سے لی گئی ہے، اور اسی وجہ سے گیارہویں کی مروجہ رسم زیادہ تر انہی علاقوں میں رائج ہے، جہاں ہندوؤں کی معاشرت رہی ہے، اور بعض دوسرے علاقوں میں بھی یہیں سے منتقل ہوئی ہے۔

چنانچہ مولانا عبید اللہ نومسلم نے، جو پہلے ہندوؤں کے پنڈت تھے، اور ان کا سابقہ نام ''اننت رام'' تھا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو نورِ ایمان نصیب فرمایا، انہوں نے ''تحفۃ الہند'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اور اس میں ایصال ثواب کے بیان میں ہندوانہ ایصالِ ثواب کے طریقوں کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کی وضاحت کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

> اگر مرنے والا برہمن ہے تو مرنے کے بعد گیارہویں دن، کھتری ہے تو تیرہویں دن ،اگر ویش (بنیہ) ہے تو پندرہویں /سولہویں دن ، اگر شودر (Untoouchable) ہے تو تیسواں یا اکتیسویں دن کریا کرم ہوتا ہے، کریا کرم کے چھ ماہ بعد چھ ماہی ہوتی ہے، اور سال بھر بعد برسی کے دن گائے کو بھی کھانا کھلاتے ہیں، مرنے کے چار سال بعد سدھ کی رسم ہوتی ہے، عام طور پر اسوج کے مہینہ میں جس تاریخ کو کوئی مرا ہو، اس تاریخ پر مردے کے لئے ثواب پہنچانا لازمی سمجھا جاتا ہے، کھانے کے ثواب کا نام سرادھ ہے، سرادھ کا کھانا تیار ہوجاتا ہے تو اس پر پنڈت کو بلا کر کچھ بید پڑھواتے ہیں، جو پنڈت بید پڑھتا ہے، اس کو ابھشتر من کہتے ہیں، اسی طرح اور دن بھی مقرر ہیں۔
>
> لیکن جب اپنے معبودوں کی روح کے واسطے کچھ کرتے ہیں تو وہاں ثواب پہنچانے کی نیت تو ہوتی نہیں بلکہ ان سے ڈر کر یا کچھ نفع کی امید رکھ کر یا بطور نذر منت کے ان کے بھینٹ دیتے ہیں اور اس مقصد کے لئے بھی دن مقرر ہیں،

بعض معبودوں کے واسطے بعض کھانے بھی مخصوص ہیں (تحفۃ الہند ص۱۸۴، بعنوان ''ہندوؤں کے یہاں ایصال ثواب کا طریقہ'')

پھر آگے لکھتے ہیں کہ:

اس موقع پر شاید ہندو یہ اعتراض کریں کہ ثواب سے متعلق تو مسلمانوں میں بھی ہندوؤں جیسی رسومات موجود ہیں، مثلاً مسلمانوں نے بھی دن مقرر کرے، جیسے مردہ کے لئے سوئم کو جسے قل کہا جاتا ہے، اسی طرح چالیسویں کو پلنگ بچھا کر طرح طرح کے کھانے رکھ کر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہاں مردے کی روح آتی ہے، جب کہ بعض کا خیال ہے کہ گھر سے روح نکلتی ہی اسی دن ہے، چھ ماہی اور برسی کی رسومات بھی کرتے ہیں، حضرت پیرانِ پیر کی فاتحہ سوائے گیارہویں اور سترہویں کے اور کسی تاریخ کو نہیں کرتے، امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا ختم شبِ برأت کو ہی کرتے ہیں، اسی طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ختم محرم کے عشرہ میں کرتے ہیں، دیگر بزرگوں کی فاتحہ ان کے مرنے کے ہی دن کرتے ہیں، جبکہ بعض بزرگوں کی روح کے لئے بعض کھانے بھی مقرر کر رکھے ہیں......

بعض مسلمان، بزرگوں کی نیاز اس امید پر دیتے ہیں کہ وہ بزرگ، ان کی اولاد اور ان کے رزق میں ترقی دیں گے، یا ان کی کوئی مراد پوری کریں گے، اور ان کو یہ خوف رہتا ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان کو کچھ نقصان ہو جائے گا، جب کہ بعض کے خیال میں ایسا کرنا یعنی نیاز دلانا فرض ہے، اور اگر کوئی گیارہویں نہیں کرتا، تو اس کو طعنہ دیا جاتا ہے، بعض مسلمان نیاز کے لئے نئے برتن نکالتے ہیں، اور جس طرح ہندو سرادھ کے دن کھانے پر ابھشر من سے منتر پڑھواتے ہیں، اسی طرح مسلمان بھی مُلّا کو بلا کر ختم دلاتے ہیں، اور جب تک مُلّا اس پر کچھ پڑھ نہیں لیتا، اس کھانے میں کسی کو ذرہ برابر ذرا سا بھی کھانے کو نہیں دیتے......

اس قسم کی بہت سی روایات مسلمانوں میں رواج پا رہی ہیں، جن کی تفصیل بہت طویل ہے۔

ہندوؤں کے ان اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ یہ رسومات دینِ اسلام کی کتابوں سے ثابت نہیں، بلکہ کچھ ناسمجھ آدمیوں نے شاید ہندوؤں کی دیکھا دیکھی ایسا کرنا شروع کر دیا ہے، یہی نہیں دینِ اسلام میں تو دوسرے دین والوں کی رِیس (نقل) کرنا سخت منع ہے، حتیٰ کے ہولی، دیوالی اور دسہرہ وغیرہ جو ہندوؤں کے تہوار ہیں، ان میں سیر کی غرض سے شامل ہونا بھی حرام ہے، جیسا کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مَنْ تَشَبَّـهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ'' یعنی جس نے کسی دوسری قوم کی نقل کی، وہ ان ہی میں سے ہے۔

لہٰذا ان رسومِ باطلہ کی دینِ اسلام میں کوئی حیثیت نہیں، ان رسومات کو بدعات اور ہنود کی مشابہت کہا جاتا ہے، ان میں بعض رسومات قطعی حرام ہیں، اور بعض مکروہ اور بعض قطعاً شرک ہیں، لہٰذا جو بات دینِ اسلام کی کتابوں سے ثابت نہ ہو، اس سے متعلق اعتراض قابلِ توجہ نہیں ہوتا، کیونکہ رِیس ان باتوں میں منع ہے، جس کا اصل دینِ اسلام میں کچھ نہ ہو، اور وہ ہندوؤں کی یا اور دین والوں کی خصوصیات میں سے ہو، یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بعض مُلَّا دیوالی وغیرہ کے تہواروں پر عیدی لکھ دیتے ہیں، اس کام کی بھی دینِ اسلام میں کوئی اصل نہیں، لہٰذا جو ایسا کرتے ہیں، وہ گناہ گار ہوتے ہیں (تحفۃ الہند ص ۱۸۶ تا ۱۸۹، ملخصاً، بعنوان ''ہندوؤں کے اعتراضات'')

اور جب گزشتہ تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ گیارہویں کی مروَّجہ رسم میں ہندوؤں کے ساتھ تشبہ و مشابہت پائی جاتی ہے، تو اب اس سلسلہ میں غیروں کے ساتھ تشبہ و مشابہت اختیار کرنے پر شریعت کی بیان کردہ وعید بھی ملاحظہ فرمالیں۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰـهُ عَلَيْـهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّـهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُم (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی، تو وہ انہی میں سے ہوگا (ترجمہ ختم)

اور حضرت عمرو بن شعیب کی سند سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا (ترمذی) [2]

ترجمہ: جس نے غیروں کے ساتھ مشابہت کی وہ ہم میں سے نہیں (ترجمہ ختم)

(۱۴)......گیارہویں کے کھانے پر ختم پڑھوانا

گیارہویں کے کھانے پر دیکھا گیا ہے کہ اس کو کھانے اور کھلانے سے پہلے اس پر کچھ پڑھوایا

---

[1] رقم الحديث ۴۰۳۱، كتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، المكتبة العصرية، بيروت، واللفظ لهٔ، مسند احمد رقم الحديث ۵۱۱۵.

قلت أخرجه أبو داوٗد بسند حسن(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج۱۰ ص ۲۷۱، كتاب اللباس، باب لبس جبة الصوف)

وقد روى عن النبیﷺ فی المسند والسنن أنه قال " :من تشبه بقوم فهو منهم (جامع الرسائل لابنِ تيميه، الجزء الثانى، الفرق بين السفر الطويل والقصير،ومجموع الفتاوىٰ ج۲۵ ص ۳۳۱)

وأيضا مما هو صريح فی الدلالة ما روى أبو داود فی سننه حدثنا عثمان بن أبی شيبة حدثنا أبو النضر يعنى هاشم بن القاسم حدثنا عبد الرحمن بن ثابت حدثنا حسان بن عطية عن أبی منيب الجرشی عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من تشبه بقوم فهو منهم وهذا إسناد جيد فإن ابن أبی شيبة وأبا النضر وحسان بن عطية ثقات مشاهير أجلاء من رجال الصحيحين وهم أجل من أن يحتاجوا إلى أن يقال هم من رجال الصحيحين(اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة أصحاب الجحيم لابنِ تيميه، ج۱ ص ۸۲)

[2] رقم الحديث ۲۶۹۵، كتاب الاستئذان والآداب،باب ما جاء فی كراهية إشارة اليد بالسلام،شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

جاتا ہے، اور اس کو بعض لوگ ''فاتحہ شریف'' اور بعض ''ختم شریف'' کہتے ہیں۔

اگرچہ بظاہر یہ عمل اچھا معلوم ہوتا ہے، لیکن شرعاً اس میں بھی کئی برائیاں موجود ہیں۔ جن کا مختصر حال ملاحظہ فرمائیے۔

(۱)...... ایصالِ ثواب کے لئے کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا ضروری نہیں بلکہ بغیر پڑھے صدقہ کردینے سے ثواب پہنچ جاتا ہے۔ فاتحہ وغیرہ پڑھنے کو ایصالِ ثواب کی شرط سمجھنا ایک ایسی بات ہے کہ جو قرآن وسنت سے کہیں ثابت نہیں۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی چیز شریعت کی نظر میں بدعت کے زمرہ میں آتی ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحْدَثَ فِیْ أَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ فِیْہِ، فَھُوَ رَدٌّ (بخاری) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہمارے دینی کاموں میں کوئی ایسی بات پیدا کرے، جو اس میں نہیں تھی، تو وہ مردود (اور ناقابلِ قبول) ہے (ترجمہ ختم)

پس جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام اور سلفِ صالحین بھی ایصالِ ثواب کیا کرتے تھے، بلکہ ہم سے زیادہ اور اچھے طریقہ پر کیا کرتے تھے، مگر ان سے ایصالِ ثواب کے لئے اس طرح کا رواج ثابت نہیں، تو یہ طریقہ محدث وبدعت ہوگا۔

(۲)...... عام لوگوں کا خیال ہے کہ جب تک اس طرح ختم نہ پڑھا جائے، اس وقت تک اس چیز کا ثواب نہیں پہنچتا، بہت سے لوگوں سے آپ نے یہ فقرہ سنا ہوگا کہ ''مر گیا مردود، نہ فاتحہ نہ درود''

یہ خیال ایک سنگین غلطی ہی نہیں، بلکہ اللہ اور رسول کے مقابلے میں اپنی بات لانا ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایصالِ ثواب کا یہ طریقہ نہیں بتایا، اور نہ سلفِ صالحین

---

[۱] رقم الحدیث ۲۶۹۷، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، دارطوق النجاۃ، بیروت، واللفظ لہ، مسلم، رقم الحدیث ۱۷۱۸)

نے اس پر عمل کیا۔

اب دیکھئے کہ جو حضرات اس رسم کے نہ کرنے پر یہ فقرہ دہراتے ہیں کہ ''مر گیا مردود نہ فاتحہ نہ درود'' اس کا پہلا نشانہ کون بنتا ہے......؟

پس یہ کیسی دینداری ہے کہ ایک نئی بدعت گھڑ کر ایسے فقرے چست کئے جائیں جن کی زد میں صحابۂ کرام اور سلفِ صالحین آجاتے ہوں؟

(۳)......کہا جاتا ہے کہ اگر ایصالِ ثواب کے کھانے پر سورتیں پڑھ لی جائیں تو کیا حرج ہے؟ حالانکہ اس سے بڑھ کر حرج کیا ہوگا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ، آپ کی سنت اور شریعت کے خلاف ہے۔

(۴)...... پڑھنے والوں کو بلا کر جو ختم پڑھایا جاتا ہے اس میں خرابی یہ ہے کہ پڑھنے والا ختم کے بدلے میں کھا پی لیتا ہے اور ختم پڑھوانے والے کھانے کے بدلے میں ختم پڑھوا لیتے ہیں، اور اگر ختم پڑھنے والا ختم نہ پڑھے تو وہ کھانے سے محروم رہتا ہے اور اگر گھر والے ختم پر پڑھنے والوں کو ان کے اس عمل پر کھانا نہ دیں تو کوئی بھی ختم پڑھنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا، گویا کہ ختم پڑھنے والے اور گھر والوں کے کھانے کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کا معاوضہ بن جاتی ہیں۔

اور آپ جانتے ہیں کہ ایصالِ ثواب کی غرض سے قرآن مجید معاوضہ لے کر پڑھا جائے تو ثواب پڑھنے والے کو بھی نہیں ملتا، اسی طرح جو کھانا معاوضے کے طور پر کھلایا جائے وہ بھی ثواب سے محروم رہتا ہے، ختم پڑھایا تو اس لئے گیا تھا کہ دوہرا ثواب ملے گا، مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکہرا ثواب بھی جاتا رہا۔ [1]

---

[1] وَفِی الْبَزَّازِيَّةِ :وَيُكْرَهُ اِتِّخَاذُ الطَّعَامِ فِي الْيَوْمِ الْاَوَّلِ وَالثَّالِثِ، وَبَعْدَالْاُسْبُوْعِ وَنَقْلُ الطَّعَامِ اِلَى الْقَبْرِ فِی الْمَوَاسِمِ، وَاِتِّخَاذُ الدَّعْوَةِ لِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَجَمْعُ الصُّلَحَاءِ وَالْقُرَّاءِ لِلْخَتْمِ اَوْ لِقِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْاَنْعَامِ اَوِ الْاِخْلَاصِ، وَالْحَاصِلُ اَنَّ اِتِّخَاذَ الطَّعَامِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ لِاَجْلِ الْاَكْلِ يُكْرَهُ، وَفِيْهَا مِنْ كِتَابِ الْاِسْتِحْسَانِ :وَاِنْ اتَّخَذَ طَعَامًا لِلْفُقَرَاءِ كَانَ حَسَنًا اهـ .وَاَطَالَ فِيْ ذٰلِکَ الْمِعْرَاجُ، وَقَالَ:وَهٰذِهِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۵)......بعض جگہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جب تک کھانے پر ختم نہ دلایا جائے کسی کو کھانے کی اجازت نہیں ہوتی۔

بعض اوقات اگر ختم پڑھنے میں کسی وجہ سے تاخیر ہوجائے تو بچوں تک کو کھانے سے محروم رکھا جاتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی بلبلاتے رہیں۔

حالانکہ صدقہ کے ذریعہ سے تو ثواب اس کھانے کا ملے گا جو کسی غریب محتاج کو اللہ کے لئے دیا گیا ہو (جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے) پھر آخر اس پابندی کی کیا وجہ ہے کہ جب تک ختم نہ پڑھوالیا جائے کھانا بچوں تک کے لئے ممنوع قرار پائے؟

(۶)......اس طرح کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھنے میں ہندوؤں کے ساتھ مشابہت ہے، کہ ان کے یہاں اس طرح کھانا سامنے رکھ کر پڑھا جاتا ہے، جیسا کہ مولانا عبیداللہ کے حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے۔

اور مشہور بریلوی مولوی محمد صالح صاحب کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اَلْاَفْعَالُ كُلُّهَا لِلسُّمْعَةِ وَالرِّيَاءِ فَيُحْتَرَزُ عَنْهَالِاَنَّهُمْ لَايُرِيْدُوْنَ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ تَعَالٰى اه (ردالمحتار ج۲ص ۲۴۰، ۲۴۱، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فى الثواب على المعصية، دار الفكر، بيروت)

ولا شک أن التلاوة المجردة عن التعليم من أعظم الطاعات التى يطلب بها الثواب فلا يصح الاستئجار عليها؛ لأن الاستئجار بيع المنافع وليس للتالى منفعة سوى الثواب ولا يصح بيع الثواب ولأن الأجرة لا تستحق إلا بعد حصول المنفعة للمستأجر والثواب غير معلوم فمن استأجر رجلا ليختم له ختمة ويهدى ثوابها إلى روحه أو روح أحد من أمواته لم يعلم حصول الثواب له حتى يلزمه دفع الأجرة ولو علم حصوله للتالى لم يصح بيعه بالأجرة فكيف وهو غير معلوم بل الظاهر العلم بعدم حصوله؛ لأن شرط الثواب الإخلاص لله تعالى فى العمل والقارء بالأجرة إنما يقرأ لأجل الدنيا لا لوجه الله تعالى بدليل أنه لو علم أن المستأجر لا يدفع له شيئا لا يقرأ له حرفا واحدا خصوصا من جعل ذلک حرفته ولذا قال تاج الشريعة فى شرح الهداية إن قارء القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارء.

وقال العينى فى شرح الهداية معزيا للواقعات ويمنع القارء للدنيا والآخذ والمعطى آثمان وقال فى الاختيار ومجمع الفتاوى وأخذ شىء للقرآن لا يجوز؛ لأنه كالأجرة (العقود الدرية فى تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، ج۲ص۱۲۷، كتاب الاجارة)

یہ رسم سوائے ہندوستان کے اور کسی اسلامی ملک میں رائج نہیں (تحفۃ الاحباب ص ۱۲۲)

(۷)...... کھانے پر اس طرح کا ختم پڑھنا عقل کے بھی خلاف ہے، کیونکہ یہ ختم پڑھنے، پڑھانے کا سلسلہ عموماً کھانے کے ساتھ مخصوص کیا ہوا ہے، جبکہ اگر یہ ختم ایصالِ ثواب کے لئے ہے تو ایصالِ ثواب تو کھانے کے علاوہ دوسری چیزوں (مثلاً نقدی ،لباس ، وغیرہ) کو صدقہ کر کے بھی کیا جا سکتا ہے، اور کیا جاتا ہے، لیکن ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کھانے کے علاوہ دوسری چیز کے ذریعے سے ایصالِ ثواب کرتے وقت بھی اس طرح کا ختم دیتا ہو۔

پس اگر کھانے کے اوپر ختم کی ضرورت ہے تو دوسری چیزوں مثلاً روپے پیسے اور کپڑے وغیرہ میں بھی اس کی ضرورت ہے، بلکہ جو چیز ایصالِ ثواب کے بجائے ویسے ہی اللہ کے نام پر صدقہ کی جائے، اُس پر بھی اس طرح کی فاتحہ اور ختم پڑھنے کی ضرورت ہے، اسی طرح ختم پڑھوانے کا یہ عمل کھانے کے تھوڑے سے حصہ پر کیا جاتا ہے، یہ بھی عقل کے خلاف ہے

(مستفاد از اشرف الجواب ص ۲۴۵، ۲۴۶)

بعض لوگ اس موقع پر مروَّجہ ختم کو ثابت کرنے کے لئے وہ احادیث پیش کیا کرتے ہیں کہ جن میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پر بسم اللہ پڑھی، اور برکت اور دعا کے طور پر کھانے کی مختلف چیزوں پر قرأت کی، اور چیزوں میں برکت واضافہ کے لئے اشیاء کو سامنے رکھ کر ان پر دعائیں پڑھیں۔

لیکن ان احادیث اور واقعات پر مروَّجہ کھانے پر ختم کو قیاس کرنا کسی طرح صحیح نہیں، اور ان احادیث میں خود اس کا جواب موجود ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایصالِ ثواب کے بجائے کھانے میں برکت کے طور پر ایسا کیا ہے اور یہ بات غیر اختلافی ہے۔

اصل گفتگو اس میں ہے کہ ایصالِ ثواب کے طور پر جو کھانا دیا جاتا ہے اس پر مروَّجہ طریقے پر جو فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور ختم دلایا جاتا ہے یہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایصالِ ثواب کرتے ہوئے ایسا کیا ہے

یا نہیں؟ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ ان حضرات سے ایسا کرنا ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ بدعت ہے (جیسا کہ تفصیل سے ذکر کیا جا چکا)

یہی وجہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام اور سلفِ صالحین کے عمل سے یہ ثابت ہوتا، تو اس کو بدعت نہ کہا جاتا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کی تشریح کرتے ہوئے محدثین بھی ضرور اس کا تذکرہ کرتے، اور فقہائے کرام بھی اس کے سنت یا مستحب ہونے کے درجہ کو ایصالِ ثواب کے باب میں ضرور ذکر کرتے، کیونکہ جو احادیث آج پیش کی جارہی ہیں وہ محدثین کے واسطے سے اور ان کے معانی ومطالب اور مفہوم فقہائے کرام کے واسطے سے ہم تک پہنچے ہیں، کیا ان کے سامنے یہ احادیث اور ان کا مطلب نہیں تھا؟ یا نعوذ باللہ تعالیٰ ان کو تو یہ بات سمجھ نہ آئی، اور آج اس عمل کو جائز بلکہ سنت بلکہ ضروری اور لازم قرار دینے والوں کو یہ بات سمجھ آرہی ہے؟

(۱۵)......گیارہویں کا کھانا اور تبرُّک

بہت سے لوگ گیارہویں کے کھانے کو تبرک سمجھتے ہیں، اور اسی نظریہ سے انتہائی شوق وتعظیم اور رغبت کے ساتھ بلا امتیاز امیر وغریب سب استعمال کرتے ہیں۔

حالانکہ یہ کھانا اگر ایصالِ ثواب کے لئے ہے تو یہ کھانا صدقے کا حکم رکھتا ہے، اس لئے صاحبِ نصاب کے لئے اس کا اپنے استعمال میں لانا اصل مقصد کو باطل کر دیتا ہے (کفایت المفتی ج۱ص۲۱۷)

اور پھر اس پر بھی غور فرمایئے کہ ایصالِ ثواب کے لئے اگر غلہ یا کپڑا دیا جائے کیا اس کو بھی اس طرح کا ''تبرک'' سمجھا جاتا ہے؟ تو آخر گیارہویں تاریخ کو دیا گیا کھانا کس شرعی اصول سے تبرک بن جاتا ہے؟

یہاں اس چیز کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا کہ تبرک اور برکت کے مفہوم کو بگاڑ کر بعض عوام نے اتنا

عام کردیا ہے کہ جس چیز سے چاہیں برکت حاصل کرلیں، اور جس چیز کو چاہیں برکت کی قرار دے دیں، خواہ وہ گناہ ہی کی چیز کیوں نہ ہو، چنانچہ بعض لوگ مختلف بزرگوں کی (خیالی یا واقعی) تصاویر کو برکت حاصل کرنے کے لئے اپنے گھروں اور دوکانوں وغیرہ میں آویزاں کرتے ہیں، بھلا تصویر جیسے گناہ کی چیز سے کیسے برکت حاصل ہوسکتی ہے؟

کیونکہ جاندار کی تصویر تو ایسی گناہ کی چیز ہے کہ جہاں وہ ہوتی ہے وہاں رحمت کے فرشتے بھی داخل نہیں ہوتے۔ [۱]

پھر وہاں برکت داخل ہونے، بلکہ اس کی وجہ سے برکت پیدا ہونے کے کیا معنٰی۔

(۱۶)......گیارہویں اور عقیدہ میں بگاڑ

پھر ایک اہم بات یہ ہے کہ گیارہویں کی مروّجہ رسم کے عمل میں بہت سے لوگوں کا عقیدہ ونظریہ بھی فاسد ہوتا ہے، مثلاً یہ عقیدہ ونظریہ ہوتا ہے کہ ہم ان کی گیارہویں کریں گے تو اس سے ہمارے دنیا کے کام نکلیں گے، اور اگر گیارہویں نہ کریں گے تو بلا نازل ہوگی، بڑے پیر صاحب ناخوش ہوجائیں گے۔

حالانکہ اس طرح کا عقیدہ رکھنے میں کئی خرابیاں ہیں، مثلاً:

(۱)......اوّل: تو مخلوق کے ساتھ ایسا عقیدہ رکھنا ہی فاسد اور غلط ہے، جس کی تفصیل مستقل عنوان ''شرکیہ نظریات وحرکات'' کے ضمن میں آگے آرہی ہے۔

(۲)......دوسرے: دنیا کے کام نکالنے کی نیت کرنے کی مثال تو ایسی ہے کہ آپ کسی شخص کے پاس ہدیہ میں مٹھائی لے جائیں اور پیش کرنے کے بعد اس شخص سے کہیں کہ آپ

---

[۱] عَنْ أَبِي طَلْحَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالَ :قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لاَ تَدْخُلُ الْمَلاَئِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلاَ تَصَاوِيرُ(بخاری، رقم الحديث ۵۹۴۹، كتاب اللباس، باب التصاوير)

إِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا تَصَاوِيرُ(مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۷۷۲، عن اسامة بن زيد)

میرے مقدمہ میں گواہی دے دیں، اندازہ کیجئے یہ شخص کس قدر کبیدہ ورنجیدہ ہوگا اوراس سے اس کو کیسی تکلیف ہوگی۔ پس جب اہلِ دنیا کو تکلیف ہوتی ہے تو اہلُ اللہ کو تو اس سے زیادہ ہوگی۔

غرضیکہ اس میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کے ساتھ دنیا کے لئے تعلق رکھنا ہوا، یہ کیسی بے حیائی ہے کہ جس مُردار دنیا کو وہ چھوڑ کر الگ ہوئے تھے، اسی کے لئے ان سے تعلق کیا جائے۔

صاحبو! ہم کو حضرت شیخ رحمہ اللہ سے جو محبت ہے وہ دنیا کی خاطر نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ ان کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ہم کو ہدایت کا راستہ بتلایا، اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ان کی تعلیمات کو دل سے قبول کیا جائے اور اپنی عملی زندگی میں ان کو راہِ ہدایت بنایا جائے، اور ہم ان کو بغیر کسی رسم ورواج کے اخلاص کے ساتھ کچھ ثواب بخش دیں تو ان کے درجات بلند ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہوں گے۔

یادرکھیں! کہ اگر ان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہماری بداعمالیوں سے پہنچتی ہے، نہ کہ گیارہویں نہ کرنے سے، یہ عجیب فلسفہ ہوگا کہ ان کی تعلیمات کے خلاف چلنے، نماز، روزہ چھوڑنے اور بڑے بڑے گناہوں میں مبتلاء ہونے سے تو حضرت شیخ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اذیت اور تکلیف کا خوف نہ ہو اور دنیا کے تھوڑے سے کھانے کو اس سے بھی آگے بڑھادیا جائے۔

(۳)...... تیسرے: گویا نعوذ باللہ تعالیٰ، ان حضرات کے نظریہ کے مطابق، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ مخلوق کو تکلیف دیتے پھرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عام مسلمان کی یہ خوبی اور صفت بیان فرمائی ہے کہ:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِن لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ (بخاری) [1]

ترجمہ: مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں (ترجمہ ختم)

---

[1] رقم الحديث ١٠، كتاب الايمان، باب :المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، دارطوق النجاة، بيروت.

جب عام مسلمان کے لئے یہ خوبی لازم ہے تو ایک بڑے بزرگ اور ولی کے حق میں یہ کیوں کر باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ مثلاً ایک گیارہویں کے نہ کرنے سے لوگوں کے کام بگاڑیں گے یا نقصان پہنچائیں گے (مستفاد از اشرف الجواب ص ۸۷ و ۸۳ بتغیر واضافہ)

معلوم ہوا کہ گیارہویں کی مروجہ رسم کو انجام دینے میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف غلط عقیدہ ونظریہ کی نسبت لازم آتی ہے۔

(۱۷)......شرکیہ نظریات وحرکات

بعض غالی قسم کے لوگ گیارہویں کی رسم اس عقیدہ کے ساتھ کرتے ہیں کہ اس عمل سے حضرت بڑے پیر صاحب ہم سے راضی اور خوش ہوں گے، اور ہمیں ان کا تقرب حاصل ہوگا، اور پھر وہ ہماری حاجات وضروریات پوری کریں گے، اگر کسی کی اولاد نہیں تو اسے اولاد حاصل ہوگی، اگر بے روزگار ہے تو روزگار ملے گا، اگر بیمار ہے تو تندرست ہو جائے گا، اور اگر گیارہویں نہیں دی تو وہ ہم سے ناراض ہونگے، اور ہمیں نقصان پہنچائیں گے، مثلاً کسی کی اولاد یا بھینس مر جائے گی، وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے بے شمار واقعات موجود ہیں، ایک عورت کا بچہ فوت ہو گیا تو وہ کہنے لگی کہ دو تین دفعہ گیارہویں نہیں دے سکی، اس لئے پیر صاحب نے جھپٹا مارا ہے، اور اس قسم کے کئی جاہلانہ واقعات بارہا سننے میں آتے رہتے ہیں۔

اسی وجہ سے اس کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (بالفاظ دیگر غوثِ پاک، یا غوثِ اعظم) کے نام کی نذر ونیاز کا نام دیتے ہیں، اور اپنے کام ہونے کے لئے غوثِ پاک کے نام کی منت اور نذر مانتے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ سب سے خطرناک بلکہ ایمان شکن عقیدہ ونظریہ ہے۔

گیارہویں کی مروّجہ رسم کو غلط عقائد کے ساتھ انجام دینے کے بارے میں غالی اہلِ بدعت کی

چند عبارات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) دیا کر پیر دی یارھویں پکا کے حل کرے مشکلاں گھڑی وچہ آ کے

(یعنی: دیا کر پیر کی گیارھویں پکا کر مشکل گھڑی میں فوراً آ کر مدد کرے گا)

جدوں وی پکاریں گا توں شہ بغدادنوں آون گے ضرور آقا تیری امدادنوں

(یعنی: جس وقت بھی شاہِ بغداد کو تو پکارے گا وہ آقا ضرور تیری امداد کو آئیں گے)

(گیارھویں شریف ص ۴۵ مرتبہ: ابوالحسن محمد علی رضوی)

(۲) ہماری لاج کس کے ہاتھ ہے بغداد والے کے بلائیں ٹال دینا کام کس کا غوثِ اعظم کا

فَحُكْمِيْ نَافِذٌ فِيْ كُلِّ حَالٍ سے ہوا ظاہر تصرف انس و جن سب پر ہے آقا غوثِ اعظم کا

(ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ مئی ۱۹۷۳ء)

(۳) ان کا حکم جہاں میں نافذ قبضہ کل رکھاتے یہ ہیں

قادرِ کل کے نائب اکبر کُــــــنْ کا رنگ دکھاتے یہ ہیں

(حدائق بخشش حصہ ۳ ص ۵۲)

(۴) ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی ہے کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر

ملاحظہ فرمایئے!

نمبر ۱: میں گیارھویں کے متعلق عقیدہ واضح ہے، کسی شرح کا محتاج نہیں۔

نمبر ۲: میں عربی جملہ کا مطلب یہ ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت شیخ کا حکم ہر حال میں نافذ ہے، کوئی اس میں رکاوٹ ڈالنے والا نہیں۔

نمبر ۳: میں اللہ کی کُنْ کی صفت کو (نعوذ باللہ) حضرت شیخ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

نمبر ۴: میں حضرت شیخ کو متصرف، مختار، عالم کا مدبر سب کچھ کہہ دیا گیا (نعوذ باللہ تعالیٰ)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غالی اہلِ بدعت کا یہ طرزِ عمل گیارھویں کی رسم کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے متعلق ان نظریات کے ساتھ اور بھی کئی

چیزیں جمع ہیں۔

بعض لوگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام کا وظیفہ پڑھتے ہیں اور ان سے مدد طلب کرتے ہیں، اور حضرت کے نام کے مختلف وظیفے گھڑ رکھے ہیں، اور اسی طرح کی دوسری حرکات وخرافات بعض جاہل وغالی لوگوں میں رائج ہیں۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

> ایک بڑھیا ایک شخص کے پاس آئی کہ بڑے پیر صاحب کی نیاز دیدو، انہوں نے کہا بڑی بی! نیاز تو اللہ میاں کی دیئے دیتا ہوں اور ثواب بڑے پیر کو پہنچائے دیتا ہوں، اس نے جواب دیا کہ نہیں اللہ میاں کی نیاز تو میں دلا چکی ہوں، اس پر بڑے پیر ہی کی نیاز دیدو، اس سے صاف ظاہر ہوا کہ (ایسے) عوام بزرگوں کو صاحبِ اختیار بالاستقلال (یعنی بزرگوں کو مستقل اختیار کا مالک) سمجھتے ہیں (اشرف الجواب ص۹۱)

نذر ونیاز وغیرہ کی طرح کی چیزیں عبادت کے زمرے میں آتی ہیں اور عبادت اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے، اس میں کسی دوسرے کو شریک کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔

دین اور شریعت کی خاص زبان (یعنی اصطلاح) میں ایسے تعبدی اور تعظیمی کاموں کو عبادت کہا جاتا ہے کہ جو کسی ہستی کو غیبی طور پر نفع ونقصان کا مختار اور حاجت روا سمجھ کر اسے خوش اور راضی کرنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے انجام دیئے جائیں، جیسے سجدہ کرنا، طواف کرنا، نذر ومنت ماننا، قربانی کرنا، کسی کے نام کی وظیفہ خوانی پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔ [1]

---

[1] واضح رہے کہ اصل عربی زبان میں عبادت کے ایک معنیٰ اطاعت وفرمانبرداری کے بھی ہیں، اور ان دونوں معنوں میں ایک کھلا ہوا اور عام فہم فرق یہ ہے کہ اصطلاحی عبادت اللہ کے سوا کسی کی بھی جائز نہیں بلکہ شرک ہے، لیکن اطاعت مخلوق کی بھی جائز ہے بلکہ بعض اطاعتوں کا خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی حکم ہے مثلاً رسول کی اطاعت کا حکم ہے اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہے، اسی طرح اولاد کو ماں باپ کی اور بیوی کو شوہر کی خدمت واطاعت کا حکم ہے پس جو لوگ اصطلاحی عبادت اور عبادت بمعنی اطاعت کے اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے اور دونوں کو گڈمڈ کر دیتے ہیں۔ وہ دین کی تشریح میں بہت بڑی غلطی کرتے ہیں۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہ بات قرآن وسنت کی رشنی میں واضح ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اس میں کسی دوسرے کوشریک کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔

فقہائے کرام نے اولیائے کرام اور اصحابِ قبور کے لئے اس طرح کے افعال کو ناجائز وحرام قرار دیا ہے۔

چنانچہ فقہ حنفی کی کتاب ''درِمختار'' میں ہے کہ:

وَاعْلَمْ أَنَّ النَّذْرَ الَّذِیْ یَقَعُ لِلْأَمْوَاتِ مِنْ أَکْثَرِ الْعَوَّامِ وَمَا یُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّیْتِ وَنَحْوِهَا إِلٰی ضَرَائِحِ الْأَوْلِیَاءِ الْکِرَامِ تَقَرُّبًا إِلَیْهِمْ فَهُوَ بِالْإِجْمَاعِ بَاطِلٌ وَحَرَامٌ مَا لَمْ یَقْصِدُوْا صَرْفَهَا لِفُقَرَاءِ الْأَنَامِ وَقَدْ ابْتُلِیَ النَّاسُ بِذٰلِکَ، وَلَا سِیَّمَا فِیْ هٰذِهِ الْأَعْصَارِ

(الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار) [۲]

ترجمہ: یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ جو نذر ومنت اکثر عوام کی طرف سے مُردوں کے لئے مانی جایا کرتی ہے، اور جو روپے پیسے، اور چراغ اور تیل وغیرہ اولیائے کرام کی قبروں کے لئے اُن کا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے لیا جاتا ہے، وہ بالاجماع باطل اور حرام ہے، الَّا یہ کہ مقصد غریب عوام پر خرچ کرنا ہو، اور لوگ اس گناہ میں مبتلا ہیں، خاص طور سے اس زمانے میں (ترجمہ ختم)

اور درِمختار کی شرح ردُّ المحتار میں ہے کہ:

(قَوْلُهٗ تَقَرُّبًا إِلَیْهِمْ) کَأَنْ یَّقُوْلَ یَا سَیِّدِیْ فُلَانٌ إِنْ رُدَّ غَائِبِیْ أَوْ عُوْفِیَ مَرِیْضِیْ أَوْ قُضِیَتْ حَاجَتِیْ فَلَکَ مِنَ الذَّهَبِ أَوِ الْفِضَّةِ أَوْ مِنَ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

العبادة هی الطاعة والانقیاد والخضوع (روح المعانی، ج۱۳ ص ۲۱۵، سورة محمد)

وحقیقة العبادة الطاعة بغایة الخضوع ولا یستحقها أحد سوی المالک المعبود (تفسیر القرطبی، ج۱۱ ص ۱۳۰، سورة مریم)

[۲] ج۲ ص ۴۳۹،۴۴۰، کتاب الصوم، دارالفکر، بیروت.

الطَّعَامِ أَوِ الشَّمْعِ أَوِ الزَّيْتِ كَذَا بَحْرٌ (قَوْلُهُ بَاطِلٌ وَحَرَامٌ) لِوُجُوْهٍ: مِنْهَا أَنَّهُ نَذَرَ لِمَخْلُوْقٍ وَالنَّذْرُ لِلْمَخْلُوْقِ لَا يَجُوْزُ لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ وَالْعِبَادَةُ لَا تَكُوْنُ لِمَخْلُوْقٍ. وَمِنْهَا أَنَّ الْمَنْذُوْرَ لَهُ مَيِّتٌ وَالْمَيِّتُ لَا يَمْلِكُ. وَمِنْهُ أَنَّهُ إِنْ ظَنَّ أَنَّ الْمَيِّتَ يَتَصَرَّفُ فِي الْأُمُوْرِ دُوْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاعْتِقَادُهُ ذٰلِكَ كُفْرٌ (رد المحتار علی الدر المختار) [1]

ترجمہ: بزرگوں کا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے، جیسا کہ یہ کہے کہ اے میرے فلاں بزرگ! اگر میرا فلاں بھاگا ہوا شخص واپس آ جائے، یا میرے مریض کو تندرستی حاصل ہو جائے، یا میری حاجت پوری ہو جائے، تو آپ کے لئے اس طرح سونے چاندی (روپیہ پیسہ) یا کھانے یا چراغ یا تیل وغیرہ پیش کروں گا، بحر کتاب میں اسی طرح ہے۔

اور یہ باطل اور حرام ہے، جس کی کئی وجہ ہیں، ایک یہ کہ اس نے مخلوق کے لئے نذر ومنت مانی ہے، اور مخلوق کے لئے نذر ومنت جائز نہیں، کیونکہ یہ عبادت ہے، اور عبادت مخلوق کے لئے نہیں ہوتی، اور ایک وجہ یہ ہے کہ جس کے لئے منت مانی گئی ہے، وہ میت ہے، اور میت مالک نہیں ہوتی، اور ایک وجہ یہ ہے کہ اگر اس کا نظریہ یہ ہے کہ میت اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں معاملات میں تصرف کرتی ہے، تو ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے (ترجمہ ختم)

اور عمدۃُ الرعایہ، حاشیہ شرح وقایہ میں ہے کہ:

وَتَشْتَرِطُ لِصِحَّةِ النُّذُوْرِ وَوُجُوْبِ وَفَائِهٖ شُرُوْطٌ بَسَطَهَا صَاحِبُ الْبَدَائِعِ وَالْبَحْرِ وَالنَّهْرِ وَغَيْرِهَا مِنْهَا أَنْ يَّكُوْنَ النَّذْرُ تَقَرُّبًا إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى فَإِنَّ النَّذْرَ لِغَيْرِ اللّٰهِ حَرَامٌ وَلَا يَجِبُ الْوَفَاءُ بِهٖ بَلْ يَحْرِمُ أَكْلُ

---

[1] ج ۲ ص ۴۳۹، ۴۴۰، کتاب الصوم، مطلب فی النذر الذی یقع للاموات من أکثر العوام من شمع أو زیت أو نحوه، دار الفکر، بیروت.

الْمَنْذُوْرِ لِغَيْرِهٖ (عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، كتاب الأيمان)

ترجمہ: اور منتوں کے صحیح ہونے کے لئے اور ان کو پورا کرنے کے واجب ہونے کے لئے چند شرائط ہیں، جن کی تفصیل صاحبِ بدائع، اور صاحبِ بحر، اور صاحبِ نہر وغیرہ نے بیان کی ہے، ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ نذر و منت اللہ تعالیٰ کی رضا و تقرب حاصل کرنے کے لئے ہو، کیونکہ غیرُ اللہ کے لئے نذر حرام ہے، اور اس کو پورا کرنا واجب نہیں، بلکہ غیرُ اللہ کی نذر مانی ہوئی چیز کو کھانا بھی حرام ہے (ترجمہ ختم)

پس یہ بات خوب سمجھ لینا ضروری ہے کہ نفع ونقصان کا اختیار، حاجتوں کا پورا کرنا، موت وزندگی، تندرستی و بیماری، امیری، غریبی، عزت وذلت وغیرہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

اور اس قسم کے مضامین قرآن مجید میں جابجا مذکور ہیں۔

چنانچہ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ (سورة يٰسين، آیت ۸۳)

ترجمہ: ہر چیز کا اختیار صرف اسی کے ہاتھ میں ہے (ترجمہ ختم)

اور سورہ شوریٰ میں ارشاد ہے کہ:

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورة شوریٰ، آیت ۱۲)

ترجمہ: زمین وآسمان کے سارے خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں (ترجمہ ختم)

اور سورہ فاطر میں ارشاد ہے کہ:

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ (سورة فاطر، آیت ۲)

ترجمہ: اللہ لوگوں کے لئے جس رحمت کا دروازہ کھولے، کوئی نہیں ہے اسے روک

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

سکنے والا اور جو وہ روکے تو کوئی نہیں ہے، اس کے بعد اس کو دے سکنے والا (ترجمہ ختم)

اور سورہ حدید میں ارشاد ہے کہ:

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيْتُ وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ .هُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُوَالظَّاهِرُوَالْبَاطِنُ وَهُوَبِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (سورة حديدآيت ۲،۳)

ترجمہ: اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی، وہی زندگی دیتا ہے اور (وہی) موت دیتا ہے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے (سب مخلوق سے) وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے اور وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی ہے اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے (ترجمہ ختم)

اور سورہ روم میں ارشاد ہے کہ:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّايُشْرِكُوْنَ (سورة روم آيت ۴۰)

ترجمہ: اللہ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو رزق دیا، پھر تم کو موت دیتا ہے، پھر تم کو (قیامت میں) زندہ کرے گا (اب یہ بتلاؤ) کیا تمہارے شریکوں میں سے بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے، وہ (ذات) ان لوگوں کے شرک سے پاک اور برتر ہے (ترجمہ ختم)

اور سورہ ذاریات میں ارشاد ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَالرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (سورة ذاريات آيت ۵۸)

ترجمہ: اللہ ہی سب کو رزق پہنچانے والا، قوت والا، نہایت قوت والا ہے (ترجمہ ختم)

اور سورہ نحل میں ارشاد ہے کہ:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَالَايَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًامِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًاوَّلَايَسْتَطِيْعُوْنَ (سورۃ نحل آیت ۷۳)

ترجمہ: اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں، جو اُن کو نہ آسمان میں سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں سے اور نہ (اختیار حاصل کرنے کی) قدرت رکھتے ہیں (ترجمہ ختم)

اور سورہ عنکبوت میں ارشاد ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَايَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْالَهٗ (سورۃ عنکبوت آیت ۱۷)

ترجمہ: تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کر رہے ہو وہ تم کو کچھ بھی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے سو تم لوگ رزق، اللہ کے پاس سے تلاش کرو، اور اسی کی عبادت کرو، اور اسی کا شکر کرو (ترجمہ ختم)

اور سورہ شعراء میں ارشاد ہے کہ:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَيَشْفِيْنِ (سورۃ شعرآء، آیت ۸۰)

ترجمہ: اور جب میں بیمار ہوجاتا ہوں، تو وہی مجھ کو شفاء دیتا ہے (ترجمہ ختم)

اور سورہ احزاب میں ارشاد ہے کہ:

قُلْ مَنْ ذَاالَّذِىْ يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللهِ اِنْ اَرَادَبِكُمْ سُوْٓءًا اَوْاَرَادَبِكُمْ رَحْمَةً وَلَايَجِدُوْنَ لَهُمْ مِنْ دُوْنِ اللهِ وَلِيًّاوَّلَانَصِيْرًا (سورۃ احزاب، آیت ۱۷)

ترجمہ: اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے! کہ بتاؤ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے اگر وہ کسی بری حالت میں تمہیں مبتلا کرنا چاہے یا تمہارے ساتھ کچھ مہربانی کا ارادہ کرے، اور نہیں پا سکتے وہ اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی اور مددگار (ترجمہ ختم)

اور سورہ انعام میں ارشاد ہے کہ:

قُلْ اَرَءَ يْتُمْ اِنْ اَخَذَاللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَنْ اِلٰـهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ (سورۃ انعام، آیت ۴۶)

ترجمہ: اے نبی! آپ ان سے کہئے بتلاؤ اگر اللہ تمہارے سننے کی طاقت اور تمہاری بینائیاں چھین لے اور تمہیں اندھا بہرا بنادے اور تمہارے دلوں پر مہر کردے (یعنی فکروفہم کی صلاحیت سلب کرلے اور تمہاری عقلیں مسخ کردے) تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں دے سکے (ترجمہ ختم)

اورسورہ مُلک میں ارشاد ہے کہ:

اَمَّنْ هٰذَاالَّذِىْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ (سورۃ ملک ،آیت ۲۱)

ترجمہ: اگراللہ اپنا رزق روک لے اور بند کردے، تو وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے سکے (ترجمہ ختم)

اورسورہ مُلک ہی میں ارشاد ہے کہ:

قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآئُكُمْ غَوْرًافَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ (سورۃ ملک، آیت ۳۰)

ترجمہ: آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی نیچے کو غائب (اورخشک) ہی ہوجاوے، پھرکون ہے جو تمہارے پاس نتھرا (صاف وستھرا) پانی لائے؟ (ترجمہ ختم)

اورسورہ اعراف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌاَمْثَالُكُمْ (سورۃ اعراف، آیت ۱۹۴)

ترجمہ: جن ہستیوں کی تم اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہو وہ تمہاری ہی طرح (اللہ کے مملوک) بندے ہیں (ترجمہ ختم)

اورسورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے کہ:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا . اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا (سورۃ بنی اسرائیل ،آیت ۵۶،۵۷)

ترجمہ: آپ (ان لوگوں سے) فرمادیجئے کہ جن کو تم اللہ کے سوا (معبود) قرار دے رہے ہو، ذرا ان کو (اپنی تکلیف دور کرنے کے لئے) پکارو تو سہی سو وہ نہ تم سے تکلیف کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا (مثلاً تکلیف کو بالکل دور نہ کرسکیں کچھ ہلکا ہی کر دیں) یہ لوگ کہ جن کو مشرکین (اپنی حاجت روائی یا مشکل کشائی کے لئے) پکار رہے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف (پہونچنے کا) ذریعہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے (یعنی وہ خود ہی اطاعت وعبادت میں مشغول ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب میسر ہوجائے اور چاہتے ہیں کہ تقرب کا درجہ اور بڑھ جائے) اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے (نافرمانی کی صورت میں) ڈرتے ہیں (اور) واقعی آپ کے رب کا عذاب ہے بھی ڈرنے کی چیز (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ جب وہ خود عابد ہیں تو معبود کیسے ہوسکتے ہیں اور جب وہ خود ہی اپنی ضروریات میں اور تکلیف کے دور کرنے میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں تو وہ دوسروں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کیا کرسکتے ہیں۔

شرک سے یقیناً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بری تھے، اور قیامت کے روز آپ کے نام پر شرکیہ حرکات انجام دینے والوں سے آپ برائت کا خود ہی اعلان فرمادیں گے۔

جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بارے میں اس قسم کی برائت کا اعلان فرمائیں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاِذْقَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰـھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ .قَالَ سُبْحٰنَکَ .مَایَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَالَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ. اِنْ کُنْتُ قُلْتُہٗ فَقَدْ عَلِمْتَہٗ. تَعْلَمُ مَافِیْ نَفْسِیْ وَلَآاَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ .اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ(سورۃ مائدہ،آیت ۱۱۶)

ترجمہ: اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو (عیسیٰ علیہ السلام) عرض کرینگے کہ (توبہ توبہ) میں تو آپ کو (شرک سے) منزّہ (وپاک) سمجھتا ہوں، مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں، اگر میں نے کہا ہوگا تو آپ کو (یقیناً) اس کا علم ہوگا آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں، اور میں آپ کے علم میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا، تمام غیبوں کے جاننے والے آپ ہی ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (جن کے نام کی گیارہویں کی جاتی ہے) فرماتے ہیں کہ:

لَیْسَ لِأَحَدٍ ضَرٌّ وَّنَفْعٌ وَلَا جَلْبٌ وَّلَا دَفْعٌ وَلَا عِزٌّ وَلَا ذِلٌّ وَلَا رَفْعٌ وَلَا خَفْضٌ وَلَا فَقْرٌ وَلَا غِنًی وَلَا تَحْرِیْکٌ وَلَا تَسْکِیْنٌ اَلْأَشْیَاءُ کُلُّھَا خَلْقُ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَبِیَدِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ(فتوح الغیب) [۱]

ترجمہ: کسی کو نقصان اور نفع اور کوئی فائدہ پہنچانے اور کوئی چیز دور کرنے، اور عزت اور ذلت اور اونچا اور نیچا کرنے، اور فقر اور غنا اور حرکت اور سکون کا اختیار نہیں، تمام اشیاء اللہ عزوجل کی مخلوق اور اللہ عزوجل کے قبضۂ قدرت میں ہیں (ترجمہ ختم)

---

[۱] ص ۲۶، المقالۃ الثامنۃ عشرۃ فی النھی عن الشکوی.

اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

ان امور میں بعضے تو بالکل شرک ہیں، جیسے تعبداً (عبادت کے طور پر غیر اللہ کو) سجدہ کرنا اور منتیں ماننا اور طواف کرنا اور یا شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ یا شیخ سلیمان رحمہ اللہ کا وظیفہ پڑھنا، جیسا عوام کا عقیدہ ہے، ان کے مرتکب ہونے سے بالکل اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اور مشرک بن جاتا ہے، ''اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ'' اور بعضے امور بدعت و حرام ہیں، ان کے کرنے سے بدعتی و فاسق ہوگا۔ ''كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ'' البتہ اگر ان کو مستحسن (یعنی اچھا) و حلال سمجھے گا تو خوف کفر کا ہے، کیونکہ استحلال معصیت کا (یعنی قطعی گناہ کو حلال سمجھنے کا عقیدہ) کفر ہے

(امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۲۵۴، کتاب البدعات)

مگر چونکہ اس قسم کے افعال کرنے والوں کے افعال و اقوال میں تاویلیں ہوسکتی ہیں، اس لئے ان سب کو (علی الاطلاق اور علی العموم) صریح کافر نہ کہا جاوے گا، مگر اس میں شک نہیں کہ خوف اندیشۂ کفر کا ہے (امداد المفتین، ص ۱۷۹، کتاب السنۃ والبدعۃ) [1]

---

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

''حاصل اس اعتقاد تاثیر و عدمِ اعتقاد تاثیر کے معیار فرق کا یہ ہے کہ بعض کا تو یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مخلوق کو جو اُس کا مقرب ہے، کچھ قدرتِ مستقلہ نفع و ضرر کی اس طرح سے عطا فرما دی ہے کہ اُس کا اپنے معتقد و مخالف کو نفع و ضرر پہنچانا مشیتِ جزئیہ پر موقوف نہیں، گو اگر روکنا چاہے پھر قدرت حق ہی غالب ہے جیسے سلاطین اپنے نائبین و حکام کو خاص اختیارات اس طرح دیدیتے ہیں کہ اُن کا اجرا اُس وقت سلطانِ اعظم کی منظوری پر موقوف نہیں ہوتا گو روکنا چاہے تو سلطان ہی کا حکم غالب رہے گا سو یہ عقیدہ تو اعتقادِ تاثیر ہے اور مشرکینِ عرب کا اپنے الٰہۂ باطلہ کے ساتھ یہی اعتقاد تھا اور بعض کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ ایسی قدرتِ مستقلہ تو کسی مخلوق میں نہیں مگر بعض مخلوقات کو قرب و قبول کا ایسا درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ اپنے متوسلین کے لئے سفارش کرتے ہیں پھر اُس سفارش کے بعد قبول میں تخلف کبھی نہیں ہوتا اور اس سفارش کی تحصیل کے لئے اس کے ساتھ بلا واسطہ یا بواسطہ معاملہ مشابہ عبادت کرتے ہیں یہ عقیدہ اعتقادِ تاثیر نہیں ہے لیکن بلا دلیلِ شرعی بلکہ خلافِ دلیل شرعی ایسا عقیدہ رکھنا معصیت اعقادیہ ہے اور مشابہ عبادت معاملہ کرنا معصیت عملیہ ہے، اور اسی مشابہت کے سبب اطلاقاتِ شرعیہ میں اس کو مشرک کہہ دیا جاتا ہے۔ ھٰذا ما سنح لی۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ مشرکین کے پتھر کے بت اصل معبود نہیں تھے بلکہ مشرکین کا یہ مشرکانہ عقیدہ اور مشرکانہ عمل ان بزرگ روحوں اور ان روحانی ہستیوں کے ساتھ تھا، جن سے یہ پتھر کے بت منسوب تھے، قرآن مجید کی سورہ نوح میں قومِ نوح کے کئی بتوں کے نام ذکر کئے گئے ہیں، مثلاً ودّ، سواعؔ، یغوثؔ، یعوقؔ، نسرؔ۔

اور ان بتوں کے متعلق روایات میں ہے کہ دراصل یہ نام چند بزرگوں کے ہیں، جو واقعی بزرگ اور اہلُ اللہ تھے، جب وہ انتقال کر گئے، تو کچھ زمانے کے بعد اُن کے عقیدت مندوں نے ان کی یاد کے لئے نشانی کے طور پر اُن کے مجسمے بنائے اور ان کی تعظیم کرنے لگے، بعد کی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

واللہ اعلم'' (حاشیہ بوادرُ النوادر صفحہ ۷۰۷، درذیل رسالہ ''الادراک والتوسل الیٰ حقیقۃ الاشراک والتوسل'')

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ:

''شرک کی دو قسمیں ہیں ایک شرکِ اصغر، دوسری شرکِ اکبر، ان دونوں میں فرق ہے، بس یہ سمجھ لیجئے کہ شرکِ اصغر مزیلِ ایمان نہیں، البتہ مزیلِ واجباتِ ایمان ہے، ہمارے اور نجدیوں کے درمیان یہی تو فرق ہے وہ یہ دو درجے نہیں نکالتے، ان کے یہاں بس ایک ہی حقیقت ہے یعنی شرکِ اصغر کوئی نہیں............... شرک کے ان دونوں درجوں میں ایک باریک فرق ہے............... (بزرگوں کو معین و مددگار سمجھنے میں) استقلال کے اعتقاد کو جو شرک کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو ایسا متصرف مانا جاوے کہ گو قوت تصرف کی حق تعالیٰ سے ہی عطا ہوئی ہو مگر بعد عطا پھر صرف اس کا ارادہ اس تصرف کے لئے کافی ہو جاوے، حق تعالیٰ کے ارادۂ جزئیہ کی حاجت نہ ہو، گو اس قوت کا سلب کر لینا بھی حق تعالیٰ کے اختیار میں ہو مگر جب تک سلب نہ فرماویں اس وقت تک صرف اس کا ارادہ کافی سمجھا جاوے، حق تعالیٰ کے ارادہ پر موقوف نہ مانا جاوے......

...... اگر بزرگوں کے متعلق بھی کسی کا یہی عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو ایسا اختیار دے دیا ہے کہ جب یہ چاہیں اس اختیار سے تصرف کر سکتے ہیں، حق تعالیٰ کی مشیتِ جزئیہ کی حاجت نہیں رہتی بلکہ بلا مشیتِ جزئیہ کے بھی ان کا چاہنا پورا ہو سکتا ہے تو بلاشک ایسا اعتقاد رکھنے والا کافر ہے اور یہ شرکِ اکبر ہے .... اور شریعت میں کافر و مشرک ایسے ہی مشرک کو کہتے ہیں اور اگر ان بزرگ کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ وہ مشیتِ ایزدی کے محتاج تو ہیں اور اذنِ جزئی کی بھی ان کو ضرورت تو ہوتی ہے مگر ان کے چاہنے کے وقت مشیتِ ایزدی ہو ہی جاتی ہے تو گویہ شرک و کفر نہیں مگر کذب فی الاعتقاد و معصیت و شرکِ اصغر ہے اور پہلا درجہ شرکِ اکبر ہے .... واعظ لوگ سب کو ایک لکڑی ہانکتے ہیں.......... ہمارے اور نجدیوں کے درمیان یہی فرق ہے کہ ہم شرکِ اصغر کے مرتکب کو مشرک اور کافر نہیں سمجھتے بلکہ فاسق و بدعتی سمجھتے ہیں اور نجدی ایسے شخص کو بھی کافر و مشرک سمجھتے ہیں'' (القول الجلیل حصہ اوّل صفحہ ۸ تا ۱۱ ملخصاً)

نسلوں کو شیطان نے ان کی عبادت کے راستہ پر لگا دیا، اسی طرح مشرکینِ عرب جن بتوں کی پرستش کرتے تھے، وہ بت بھی کچھ روحانی ہستیوں کی نشانی یا یادگار سمجھے جاتے تھے اور دراصل عبادت ان روحانی ہستیوں کی کی جاتی تھی اور انہیں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جاتا تھا۔

جس طرح ہندوؤں میں مثلاً کرشن جی یا رام چندر جی کی مورتی (مجسمے) کی پوجا کی جاتی ہے، تو عبادت اور پوجا اس مورتی کی مقصود نہیں ہوتی بلکہ کرشن جی اور رام چندر جی کی شخصیت کی عبادت مقصود ہوتی ہے اور اس مورتی کو ان کے دھیان اور ان کی پوجا کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور اسی نسبت سے اس کا احترام کیا جاتا ہے۔

بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کا صحیح احترام اور اکرام یہ ہے کہ ان کی تعلیمات وہدایات کی اتباع کی جائے، نبی کی پیروی اور اتباع کرنے والا بزرگ ''ولی'' کہلاتا ہے، لہٰذا ولی کوئی بات شریعت کے خلاف نہیں کہتا بلکہ وہ تو شریعت کا راستہ بتاتا ہے۔ [1]

(۱۸)......گیارہویں کا چندہ

آج کل گیارہویں کی رسم انجام دینے کے لئے بہت سی جگہ چندہ جمع کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، اور بعض جگہ مزاروں کے مجاوِر، ملنگ، اور چرسی، مختلف حلیے بنا کر ڈھول، باجوں،

---

[1] جناب پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

ہر طرح کی حمد وثنا کے لائق تو صرف اور صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اس کے برعکس انسانی تعریف وستائش کا دائرہ بہر حال محدود ہے، جو صفات شانِ الوہیت کے ساتھ مختص ہیں، کسی بھی انسان کو ان کا مستقل طور پر مالک اور متصرف سمجھنا یقیناً شرک ہے اعاذنا اللہ منہ (''فیضِ نسبت'' مجموعۂ مناقب، پیش لفظ۔ مطبوعہ مہریہ نصیریہ پبلشرز گولڑہ شریف)

مزید لکھتے ہیں کہ:

ہم اہلِ سنت انبیاء واولیاء کو منزل نہیں، بلکہ نشانِ منزل سمجھتے ہیں، منزلِ مقصود صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور یہی انبیاء واولیاء کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ ہم ان ذواتِ مقدسہ کا احترام ضرور کرتے ہیں، مگر ایک متعین حد تک۔ احترام بھی اس لئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے قرب حاصل ہے، اور ان کی عزت کا واحد سبب اللہ تعالیٰ سے ان کی لازوال نسبتِ عبدیت ہے (ایضاً)

جھنڈوں کے ساتھ چادریں پھیلا پھیلا کر گیارہویں کے نام سے چندہ جمع کرتے ہیں، گلی گلی، اور دوکانوں میں جا کر اس کی ترغیب دی جاتی ہے۔

حالانکہ شرعاً یہ چندے کا لینا دینا جائز نہیں بلکہ گناہ ہے۔

کیونکہ اوّل تو مروّجہ گیارہویں کی رسم ہی گناہ ہے، بلکہ کئی گناہوں کا مجموعہ ہے، اور چندہ دینے والے اس رسم میں تعاون کرنے والے شمار ہوتے ہیں، اور گناہ کا تعاون کرنا بھی گناہ ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَاتَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (سورة المائدة آيت ۲)

ترجمہ: گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو (ترجمہ ختم)

دوسرے بلاضرورت کسی سے مانگنا اور سوال کرنا شرعاً جائز نہیں۔

احادیث میں اس سے منع کیا گیا ہے اور بلاسخت ضرورت کے سوال کرنے کو سخت ناپسند کیا گیا ہے۔

چنانچہ ایک حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتّٰى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ فِيْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ (مسلم) [۱]

ترجمہ: آدمی لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا، کہ اس کے چہرے میں گوشت کا کوئی حصہ نہیں ہوگا (ترجمہ ختم)

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

لَأَنْ يَّغْدُوَ أَحَدُكُمْ فَيَحْطِبَ عَلٰى ظَهْرِهٖ فَيَتَصَدَّقَ بِهٖ وَيَسْتَغْنِيَ بِهٖ مِنَ النَّاسِ خَيْرٌ لَهٗ مِنْ أَنْ يَّسْأَلَ رَجُلًا أَعْطَاهُ أَوْ مَنَعَهٗ ذٰلِكَ فَإِنَّ الْيَدَ

---

[۱] رقم الحديث ۱۰۴۰ "۱۰۴"، كتاب الزكاة، باب كراهة المسألة للناس، دار إحياء التراث العربى -بيروت، واللفظ لهٗ، بخارى رقم الحديث ۱۳۸۱، عن ابنِ عمر.

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

الْعُلْيَا أَفْضَلُ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى (مسلم) [1]

ترجمہ: تم میں سے کوئی صبح کو نکل جائے، پھر اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کی گٹھری لاد کر لائے، پھر اس کو صدقہ کردے، اور اس کی وجہ سے لوگوں سے مستغنی ہوجائے (یعنی اس کو فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کر لے، اور لوگوں سے سوال نہ کرنا پڑے) یہ بہتر ہے، اس سے کہ وہ کسی آدمی سے سوال کرے، جو اس کو دے دے یا اسے منع کردے، پس بے شک اوپر والا (یعنی سوال نہ کرنے بلکہ دینے والا) ہاتھ نیچے والے (یعنی سوال کرنے والے) ہاتھ سے افضل ہے (ترجمہ ختم)

اور یہ بات ظاہر ہے کہ مروّجہ گیارہویں کی رسم شرعاً ضروری نہیں بلکہ کئی گناہوں کا مجموعہ ہے، اس لئے اس کے لئے سوال کرنا جائز نہیں۔

تیسرے اس طرح لوگوں کے دَر پر جا جا کر اور راستوں میں روک روک کر چندہ کرنے میں چندہ دینے والوں کی خوشدلی بھی عموماً ملحوظ نہیں ہوتی، اور مسلمان کی خوشدلی کے بغیر اس کا مال حاصل کرنا حلال نہیں۔

چنانچہ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَّأْخُذَ عَصَا أَخِيْهِ بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسِهٖ وَذٰلِكَ لِشِدَّةِ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَالِ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ (مسند أحمد) [2]

---

[1] رقم الحديث ٢٤٢٠"١٠٦"، كتاب الزكاة، باب كراهة المسألة للناس، دار إحياء التراث العربى -بيروت، واللفظ لهٔ، ترمذى رقم الحديث ٢١٦ عن ابى هريرة.

[2] رقم الحديث ٢٣٦٠٥، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٔ، صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٥٩٧٨.

قال الهيثمى:

رواه أحمد والبزار ورجال الجميع رجال الصحيح. (مجمع الزوائد، ج٤ص١٧١، باب الغصب وحرمة مال المسلم، مكتبة القدسى، قاهرة)

وقال شعيب الأرنؤوط: إسناده صحيح(حاشية صحيح ابنِ حبان)

ترجمہ: کسی مسلمان کے لئے یہ بات حلال نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی لاٹھی بھی بغیر اس کی خوشدلی کے لے، اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے مال کے احترام کو سختی کے ساتھ لازم کردیا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لاَ يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِطِيْبِ نَفْسِهٖ (دارقطنی) [1]

ترجمہ: کسی مسلمان کا مال اس کی خوشدلی کے بغیر حلال نہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں جو خطبہ دیا، اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

لاَ يَحِلُّ لاِمْرِءٍ مِّنْ مَالِ أَخِيْهِ إِلَّا مَا أَعْطَاهُ مِنْ طِيْبِ نَفْسٍ (السنن الکبری للبیهقی) [2]

ترجمہ: کسی شخص کے لئے اس کے مسلمان بھائی کا کوئی بھی مال حلال نہیں، سوائے اس کے کہ اس نے خوشدلی سے دیا ہو (ترجمہ ختم)

اور حضرت عمرو بن یثربی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَ لَا وَلَا يَحِلُّ لِاِمْرِءٍ مِّنْ مَالِ أَخِيْهِ شَيْءٌ، إِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ (مسند احمد) [3]

---

[1] رقم الحديث، ٢٨٨٥، كتاب البيوع، مؤسسة الرسالة، بيروت -لبنان.

[2] رقم الحديث ١١٥٢٤، كتاب الغصب، باب لا يملك أحد بالجناية شيئا جنى عليه إلا أن يشاء هو والمالك، دار الكتب العلمية، بيروت -لبنان.

[3] رقم الحديث ٢١٠٨٢، مؤسسة الرسالة، بيروت، لبنان، واللفظ لهٗ، سنن دارقطنی، رقم الحديث ٢٩٢٢.

فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، اور فرمایا کہ خبردار کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا کوئی مال حلال نہیں ہے سوائے اس مال کے جو اس نے خوشدلی سے دیا ہو (ترجمہ ختم)

پس شرم وحیاء دِلاکر اور کسی طرح کا دوسرے کے دل پر دباؤ ڈال کر چندہ کرنا جائز نہیں۔

پھر اس چندہ کی رقم کا نہ کوئی حساب ہوتا ہے نہ کتاب اور نہ ہی کسی اصول کا کوئی پابند ہوتا ہے کہ یہ چندہ کہاں خرچ کرنا ہے اور کہاں نہیں؟ یا تو چندہ جمع کرنے والے ہی آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، اور برائے نام کچھ رسمی چیزوں میں خرچ کر دیتے ہیں، یا پھر نشے وغیرہ میں اس کو خرچ کر کے نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق بنتے ہیں۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس طرح اس رسم کے لئے چندہ جمع کرنے والے گناہ گار ہوتے ہیں، اس طرح دینے والے بھی اس رسم اور اس کی خاطر انجام دیئے جانے والے گناہوں میں اپنے مال سے تعاون کر کے گناہ گار ہوتے ہیں۔

کیونکہ گناہ کا تعاون کرنا بھی گناہ ہے، لقولہٖ تعالیٰ:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (سورة المائدة، رقم الآية ٢)

ترجمہ: اور بُرائی اور زیادتی پر تعاون نہ کرو (ترجمہ ختم)

وَاللّٰہُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

گیارہویں کی رسم میں شرکت اور کھانے کا شرعی حکم

کیونکہ گیارہویں کی رسم کرنے والوں میں سے بعض کا عقیدہ تو شرک کی حدوں کو چھونے لگتا ہے اور بعض کا عقیدہ اس درجہ کا بگڑا ہوا تو نہیں ہوتا، لیکن بہر حال گیارہویں کی مروّجہ رسم موجودہ وقت میں کئی گناہوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔

پس مروجہ گیارہویں کا کھانا اگر غیرُ اللہ کو نفع نقصان کا مالک سمجھ کر نہ پکایا جائے، تو یہ کھانا یا چیز بذاتِ خود تو حرام نہیں ہے، لیکن اس کے قبول کرنے میں ایک بدعت کے گناہ کی تائید لازم آتی ہے، اس لئے ایسا کھانا کھانے اور ایسی چیز کے استعمال کرنے سے اجتناب و پرہیز کرنا چاہئے۔

اور اگر کوئی غیرُ اللہ کو نفع ونقصان کا مالک سمجھ کر اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اس طرح کا کھانا تیار کرے، یا غیرُ اللہ کے تقرب کے لئے نذر و منت مان کر کسی شخص کو کوئی ایسا کھانا وغیرہ پیش کرے، تو بعض حضرات نے اس طرح کے کھانے کو ''ما اُہِل لغیر اللہ بہٖ'' میں داخل کر کے مُردار کی طرح حرام قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

سوئم، دہم، چہلم وغیرہ (مثلاً گیارہویں) سب بدعت ہیں اور کافر اہلِ ہنود سے لی گئی ہیں، اور کھانا سامنے رکھ کر اس پر کچھ پڑھنا بھی اہلِ ہنود کا طریقہ ہے، ان رسموں کا چھوڑنا واجب ہے، کیونکہ حدیث میں ہے'' مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُم '' (یعنی جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہیں میں سے ہے) (ابوداؤ دفی اللباس، ومسند احمد) اور جو کھانا اس قسم کی بدعات پر مشتمل ہو وہ کھانا نہ کھایا جائے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ ''دَعْ مَایُرِیْبُکَ اِلٰی مَالَایُرِیْبُکَ '' (مشکوٰۃ) (یعنی شک والی چیز کو چھوڑ دو اور جس چیز میں شک نہ ہو اس پہلو کو اختیار کرو) اور وہ کھانا اور شیرینی کہ جس پر بزرگوں کے نام کی نیاز دی جاتی ہے، یہی حکم اس کا بھی ہے بعضے جاہل ان بزرگوں کے تقرب (یعنی ان کا قرب حاصل کرنے) کی نیت سے اور ان سے مرادیں طلب کرنے کے لئے اس قسم کی نیاز کرتے ہیں، یہ شرک ہے اور ایسا کھانا یا شیرینی کا کھانا حرام ہے، بوجہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ہم نے بھی پہلے اس کے مطابق ہی حکم تحریر کیا تھا۔

لیکن تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ بہت سے حضرات کے نزدیک ایسا کھانا فی نفسہ حرام نہیں ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ''وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ '' (الآية) کے۔اور بعض لوگ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے یہ عمل کرتے ہیں اور یہ نیت رکھتے ہیں کہ اس کا ثواب اللہ تعالیٰ فلاں بزرگ کی روح کو پہنچادے، یہ جائز ہے اور ایسا کھانا اور شیرینی حلال ہے (بشرطیکہ دن وغیرہ کی تعیین نہ ہو اور کوئی دوسری بدعت یا غیروں کے ساتھ تشبہ وغیرہ شامل نہ ہو، جیسا کہ پہلے گزرا) (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۲۶۰ و ۲۶۱ ترجمہ، از فارسی)

[1] وَإِذَا نَذَرَ طَعَامًا مِّنَ الْخُبْزِ أَوْ غَيْرِهٖ لِلْحِيْتَانِ الَّتِيْ فِيْ تِلْكَ الْعَيْنِ، أَوِ الْبِئْرِ وَكَذٰلِكَ إِذَا نَذَرَ مَالًا مِّنَ النَّقْدِ أَوْ غَيْرِهٖ لِلسَّدَنَةِ، أَوِ الْمُجَاوِرِيْنَ الْعَاكِفِيْنَ بِتِلْكَ الْبُقْعَةِ، فَإِنَّ هٰؤُلَاءِ السَّدَنَةَ فِيْهِمْ شِبْهٌ مِّنَ السَّدَنَةِ الَّتِيْ كَانَتْ لِلَّاتِ وَالْعُزّٰى وَمَنَاةٍ، يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ، وَالْمُجَاوِرُوْنَ هُنَاكَ فِيْهِمْ شِبْهٌ مِّنَ الْعَاكِفِيْنَ الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمْ إِبْرَاهِيْمُ الْخَلِيْلُ إِمَامُ الْحُنَفَاءِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ) وَقَالَ (أَفَرَأَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ، أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُوْنَ، فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ) وَالَّذِيْنَ أَتَى عَلَيْهِمْ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَوْمُهٗ كَمَا قَالَ تَعَالٰى (وَجَاوَزْنَا بِبَنِيْ إِسْرَائِيْلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰى أَصْنَامٍ لَّهُمْ) فَالنَّذْرُ لِأُولٰئِكَ السَّدَنَةِ وَالْمُجَاوِرِيْنَ فِيْ هٰذِهِ الْبِقَاعِ الَّتِيْ لَا فَضْلَ فِي الشَّرِيْعَةِ لِلْمُجَاوِرِ بِهَا، نَذْرُ مَعْصِيَةٍ، وَفِيْهِ شِبْهٌ مِّنَ النَّذْرِ لِسَدَنَةِ الصُّلْبَانِ وَالْمُجَاوِرِيْنَ عِنْدَهَا، أَوْ لِسَدَنَةِ الْأَنْدَادِ الَّتِيْ بِالْهِنْدِ وَالْمُجَاوِرِيْنَ عِنْدَهَا.

ثُمَّ هٰذَا الْمَالَ الْمَنْذُوْرَ، إِذَا صَرَفَهٗ فِيْ جِنْسِ تِلْكَ الْعِبَادَةِ مِنَ الْمَشْرُوْعِ، مِثْلُ أَنْ يَّصْرِفَهٗ فِيْ عِمَارَةِ الْمَسَاجِدِ، أَوْ لِلصَّالِحِيْنَ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ، الَّذِيْنَ يَسْتَعِيْنُوْنَ بِالْمَالِ عَلٰى عِبَادَةِ اللهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ كَانَ حَسَنًا (اقتضاء الصراط المستقيم -لابن تيمية، ج۲، ص۱۵۸، الیٰ ص ۱۶۰، فصل فی الانواع الاعیاد المکانیة)

قال العلامة ظفر احمد العثمانی تحت هذه العبارة:

فَهٰذَا بِظَاهِرِهٖ يُشْعِرُ بِأَنَّ هٰذَا النَّذْرَ لَا يُحَرِّمُ الْمَالَ الْمَنْذُوْرَ بَلْ هُوَ مَعْصِيَةٌ بِنَفْسِهٖ ("البذر للخیر فی النذر للغیر"، سلسله النور، رمضان صفحه ۲۲، مطبوعه: تهانه بهون)

وَالنَّذْرُ لِلْقُبُوْرِ أَوْ لِأَهْلِ الْقُبُوْرِ كَالنَّذْرِ لِإِبْرَاهِيْمَ الْخَلِيْلِ وَالشَّيْخِ فُلَانٍ نَذْرُ مَعْصِيَةٍ لَا يَجُوْزُ الْوَفَاءُ بِهٖ وَإِنْ تَصَدَّقَ بِمَا نَذَرَهٗ مِنْ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّسْتَحِقُّهٗ مِنَ الْفُقَرَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ كَانَ خَيْرًا لَّهٗ عِنْدَ اللهِ وَأَنْفَعَ (الإقناع فی فقه الإمام أحمد بن حنبل،لموسى بن أحمد، المقدسی، ج۴، ص۳۵۸، کتاب الأيمان و کفاراتها)

(اَلنَّذْرُ لِلْقُبُوْرِ أَوْ لِأَهْلِ الْقُبُوْرِ كَالنَّذْرِ لِإِبْرَاهِيْمَ الْخَلِيْلِ) عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (وَالشَّيْخِ فُلَانٍ نَذْرُ مَعْصِيَةٍ لَا يَجُوْزُ الْوَفَاءُ بِهٖ، وَإِنْ تَصَدَّقَ بِهٖ) أَيْ: بِمَا نَذَرَهٗ مِنْ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّسْتَحِقُّهٗ مِنَ الْفُقَرَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ؛ فَهُوَ (خَيْرٌ لَّهٗ) عِنْدَ اللهِ وَأَنْفَعُ، وَقَالَ: مَنْ نَذَرَ إِسْرَاجَ بِئْرٍ أَوْ جَبَلٍ أَوْ شَجَرَةٍ أَوْ نَذَرَ لَهٗ أَوْ لِسُكَّانِهٖ أَوِ الْمُضَافِيْنَ إِلٰى ذٰلِكَ الْمَكَانِ (وَكَذَا النَّذْرُ لِلْمُقِيْمِ عِنْدَ الْقَبْرِ لِتَنْوِيْرِهٖ وَتَبْخِيْرِهٖ) لَمْ يَجُزْ، وَلَا يَجُوْزُ الْوَفَاءُ بِهٖ إِجْمَاعًا، وَيُصْرَفُ فِي الْمَصَالِحِ مَا لَمْ يُعْرَفْ رَبُّهٗ، وَمِنَ الْحَسَنِ صَرْفُهٗ فِيْ نَظِيْرِهٖ مِنَ الْمَشْرُوْعِ (مطالب أولی النهی فی شرح غاية المنتهی، لمصطفى بن سعد الرحيبانی الحنبلی، ج۶، ص۴۲۴، باب النذر)

جبکہ استعمال کرنے والے کا اپنا عقیدہ درست ہو، مگر اس کے قبول کرنے میں بھی گناہ کا تعاون لازم آتا ہے، اس لئے ایسا کھانا کھانے اور اشیاء کے استعمال کرنے سے اجتناب و پرہیز کرنا چاہئے، تاآنکہ اس طرح کا کھانا تیار کرنے والا اپنے غلط عقیدہ کی اصلاح و توبہ نہ کرلے، اور دلائل میں غور کرنے کے بعد اب ہمارے نزدیک یہی راجح ہے۔ [1]

---

[1] هٰذِهِ الْمَسْئَلَةُ جَعَلَ فِيْهَا شَيْخُ الْإِسْلَامِ الشَّيْخُ مُحَمَّدُ الْغَزِّيُّ رِسَالَةً حَاصِلُهَا......(وَبَعْدَ اَسْطُرٍ)......ثُمَّ قَالَ وَفِيْ شَرْحِ الدُّرَرِ لِلْعَلَّامَةِ قَاسِمٍ وَ اَمَّا النَّذْرُ الَّذِیْ يَنْذُرُوْنَهُ اَكْثَرُ الْعَوَامِ كَاَنْ يَّقُوْلَ يَا سَيِّدِیْ فُلَانٌ يَعْنِیْ بِهٖ وَلِيًّا مِّنَ الْاَوْلِيَاءِ اَوْ نَبِيًّا مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ اِنْ رُدَّ غَائِبِیْ اَوْ عُوْفِیَ مَرِيْضِیْ اَوْ قُضِيَتْ حَاجَتِیْ فَلَکَ مِنَ الذَّهَبِ اَوِ الْفِضَّةِ اَوِ الطَّعَامِ اَوِ الشَّرَابِ اَوِ الزَّيْتِ كَذَا فَهٰذَا بَاطِلٌ بِالْاِجْمَاعِ لِاَنَّهٗ نَذْرٌ لِمَخْلُوْقٍ وَهُوَ لَا يَجُوْزُ لِاَنَّهٗ اَیِ النَّذْرَ عِبَادَةٌ فَلَا تَكُوْنُ لِمَخْلُوْقٍ وَ الْمَنْذُوْرُ لَهٗ مَيِّتٌ وَالْمَيِّتُ لَا يَمْلِکُ وَ اِنَّهٗ اِنْ ظَنَّ اَنَّ الْمَيِّتَ يَتَصَرَّفُ فِی الْاُمُوْرِ كُفْرٌ اِلَّا اَنْ قَالَ يَا اللّٰهُ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ اِنْ فَعَلْتَ مَعِیْ كَذَا اَنْ اُطْعِمَ الْفُقَرَاءَ بِبَابِ السَّيِّدَةِ نَفِيْسَةَ اَوِ الْاِمَامِ الشَّافِعِیِّ وَ نَحْوِهِمَا فَيَجُوْزُ حَيْثُ يَكُوْنُ فِيْهِ نَفْعٌ لِلْفُقَرَاءِ اِذِ النَّذْرُ لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ ذِكْرُ الشَّيْخِ لِمَحَلِّ الصَّرْفِ لِمُسْتَحَقِّيْهِ الْقَاطِنِيْنَ بِرِبَاطِهٖ اَوْ مَسْجِدِهٖ فَيَجُوْزُ بِهٰذَا الْاِعْتِبَارِ اِذْ مَصْرَفُ النَّذْرِ الْفُقَرَاءُ وَ قَدْ وُجِدَ وَ الْغَنِیُّ غَيْرُ مُحْتَاجٍ فَلَا يَجُوْزُ الصَّرْفُ عَلَيْهِ وَلَوْ كَانَ ذَا نَسَبٍ بِذٰلِکَ الْوَلِیِّ مَا لَمْ يَكُنْ فَقِيْرًا وَلَمْ يَثْبُتْ فِی الشَّرْعِ جَوَازُ الصَّرْفِ لِلْاَغْنِيَاءِ لِلْاِجْمَاعِ عَلٰی حُرْمَةِ النَّذْرِ لِلْمَخْلُوْقِ وَلَا لِخَادِمِ الشَّيْخِ اِنْ كَانَ غَنِيًّا فَاِذَا عَلِمْتَ هٰذَا فَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَ الشَّمْعِ وَ الزَّيْتِ وَ غَيْرِهَا فَيُنْقَلُ اِلٰی ضَرَائِحِ الْاَوْلِيَاءِ تَقَرُّبًا اِلَيْهِمْ لَا اِلَی اللّٰهِ فَحَرَامٌ بِاِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ مَا لَمْ يَقْصُدُوْا الْفُقَرَاءَ الْاَحْيَاءَ قَوْلًا وَّاحِدًا وَ قَدْ عُلِمَ مِمَّا نَقَلْنَاهُ اِنَّ مَا يَنْذُرُهُ الْعَوَامُ لِلشَّيْخِ مَرْوَانَ وَ عَلِیِّ بْنِ عَلِيْلٍ وَ رُوْبَيْلَ لَا يَصِحُّ وَلَا يَلْزَمُ وَ لَيْسَ لِلْخَادِمِ اَخْذُهٗ عَلٰی اَنَّهٗ نَذْرٌ صَحِيْحٌ اِلَّا اِذَا اَخَذَهٗ عَلٰی وَجْهِ الصَّدَقَةِ الْمُبْتَدَأَةِ وَكَانَ فَقِيْرًا وَعُلِمَ اَيْضًا اَنَّ غَيْرَ الْخَادِمِ لَوْ اَخَذَهٗ عَلٰی اَنَّهٗ صَدَقَةٌ لَّهٗ ذٰلِکَ وَ لَيْسَ لِلْخَادِمِ نَزْعُهٗ مِنْهُ لِاَنَّهٗ لَمْ يَمْلِكْهُ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاذِرُ عَيَّنَهٗ فِیْ نَذْرِهٖ وَ كَانَ فَقِيْرًا، خُلَاصَةُ كَلَامِ الشَّيْخِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْغُزِّیِّ التَّمَرْتَاشِیِّ الْحَنَفِیِّ بِتَارِيْخِ ذِی الْقَعْدَةِ الْحَرَامِ مِنْ شُهُوْرِ سَنَةَ ثَمَانِيَةٍ وَّسَبْعِيْنَ وَ تِسْعَمِائَةٍ. (اَقُوْلُ) قَدِ اسْتَبَاحَ هٰذَا الْمُحَرَّمَ الْمُجْمَعَ عَلٰی حُرْمَتِهٖ جَمَاعَةٌ يَزْعَمُوْنَ اَنَّهُمْ مُّتَصَوِّفَةٌ يُقَالُ فِیْ حَقِّهِمْ قُدْوَةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَ مُرَبِّی الْمُرِيْدِيْنَ وَيُبَالِغُوْنَ فِیْ اَخْذِهٖ وَيُطَالِبُوْنَ النَّاذِرَ بِهٖ فَاِنِ امْتَنَعَ قَدَّمُوْهُ اِلٰی قُضَاةِ هٰذَا الزَّمَنِ فَيَحْكُمُوْنَ بِهٖ وَرُبَمَا اسْتَعَانُوْا بِالشُّرْطَةِ وَ حُكَّامِ السِّيَاسِيَّةِ بَلْ يَفْعَلُوْنَ اَبْلَغَ مِنْ ذٰلِکَ وَهُمْ اَنَّهُمْ يَسُوْمُ مِنْهُمُ الْمُتَصَدُّوْنَ لِجَمْعِ النَّوَاحِیِ الَّتِیْ تَقَعُ فِيْهَا هٰذِهِ النُّذُوْرُ فَيُقَاطِعُوْنَهُمْ وَ يَضْرِبُوْنَ عَلٰی كُلِّ وَاحِدٍ نَاحِيَةً بِمَبْلَغٍ مِّنَ الْمَالِ فِی الذِّمَّةِ يُؤْخَذُ مِنْهُمْ اِذَا انْتَهَی الْاَجَلُ الْمَضْرُوْبُ فَيُدْفَعُ مَا هُوَ مَضْرُوْبٌ عَلَيْهِ وَ يَاْكُلُ مَا بَقِیَ وَ يَعُدُّ الْفَاضِلَ رِبْحًا حَصَلَ لَهٗ بِبَرَكَةِ الشَّيْخِ وَ يَرٰی اَنَّ مَنْ مَنَعَ ذٰلِکَ هَلَکَ وَاِنَّ سَبَبَ قَضَاءِ حَاجَتِهٖ هٰذَا النَّذْرُ وَ اِنَّ الشَّيْخَ رَدَّ غَائِبَهٗ اَوْ عَافٰی مَرِيْضَهٗ اَوْ قَضٰی حَاجَتَهٗ وَ يَزْعَمُوْنَ اَنَّهٗ لَا يُبَاحُ تَنَاوُلُهٗ لِغَيْرِهِمْ قَائِلِيْنَ هُوَ نَذْرُ جَدِّنَا فُلَانٍ وَهُمْ اَغْنِيَاءٌ مُتَمَوِّلُوْنَ وَ مَنْ تَنَاوَلَ شَيْئًا مِنْهُ عَاقَبُوْهُ وَ اَدَلُّوْا بِهٖ اِلَی الْحُكَّامِ مُعْتَقِدِيْنَ اَنَّهُ ارْتَكَبَ كَبِيْرَةً فِیْ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اگر کوئی اس عقیدہ کے ساتھ جانور ذبح کرے، تو اس کے ''ما اُہِل لغیر اللہ بہٖ'' میں داخل ہوکر حرام ہونے میں شبہ نہیں۔ لے

(تفصیل ودلائل کے لئے ملاحظہ ہو، ہمارا رسالہ ''غیرُ اللہ کی نذر ونیاز وذبح کا حکم'')

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الدِّيْنِ وَ بَاشَرَ شَنِيْعَةً بَيْنَ اَظْهُرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ رُبَمَا حَكَمَ لَهُمْ بِهٖ قُضَاةُ الْعَهْدِ وَ قَدْ صَرَّحَ فِي الْبَحْرِ اَنَّهٗ لَوْ رَفَعَ اِلَى الْقَاضِي لَا يَجْبُرُهُ الْقَاضِيُ عَلٰى وَفَائِهٖ وَلَنَا تَتِمَّةٌ عَلٰى رِسَالَةِ الشَّيْخِ مُحَمَّدٍ فِيْهَا مَا يَشْفِي الْغَلِيْلَ وَالْاَمْرُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى الْجَلِيْلِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ (الفتاوى الخيرية لنفع البرية، ص۱۷، و۱۸، كتاب الصوم، فصل فى النذر، قبيل كتاب الحج، مطبوعة: مير محمد كتب خانه، آرام باغ، كراچى)

لے فَصَرَّحَ صَاحِبُ الْبَحْرِ بِحُرْمَةِ هٰذَا النَّذْرِ لِلْوُجُوْهِ الثَّلٰثَةِ: اَوَّلًا ثُمَّ فَرَّعَ عَلَيْهَا كَرَاهَةَ اَخْذِ الْمَنْذُوْرِ مِثْلَهٗ وَكَرَاهَةَ اَكْلِهٖ وَالتَّصَرُّفَ فِيْهِ اِلَّا لِلْفُقَرَاءِ الْمُضْطَرِّيْنَ، ثَانِيًا وَهَلْ كَرَاهَةُ اَخْذِهٖ لِكَوْنِ هٰذَا الْمَنْذُوْرِ دَاخِلًا فِيْمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اَمْ لِوَجْهٍ آخَرَ، وَعِنْدِيْ اَنَّ عِلَّةَ الْكَرَاهَةِ لَيْسَ كَوْنُهٗ مِمَّا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ لِمَا عَرَفْتَ اَنَّ مَعْنَاهُ مَا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَبِاسْمِ غَيْرِ اللّٰهِ فَغَيْرُ الْمَذْبُوْحِ خَارِجٌ عَنْهُ سَوَاءٌ كَانَ غَيْرَ حَيْوَانٍ اَوْ حَيْوَانًا قُرِبَ بِهٖ اِلٰى قَبْرِ صَالِحٍ لَا يَقْصِدُ الذَّبْحَ، وَاَيْضًا فَلَوْ كَانَتِ الْعِلَّةُ هٰذِهٖ لَمْ يَجُزْ اَخْذُهٗ لِلْفَقِيْرِ الْعَاجِزِ عَنِ الْكَسْبِ الْمُضْطَرِّ اَيْضًا مَالَمْ يُشْرِفْ عَلَى الْهَلَاكِ وَلَمْ يَجُزْ اَخْذُهٗ لِلْمُشْرِفِ عَلَى الْهَلَاكِ اَيْضًا اِلَّا بِقَدْرِ مَا يَسُدُّ رَمْقَهٗ، وَكَلَامُ الْبَحْرِ مُطْلَقٌ عَنْهُ لَا سِيَّمَا وَالْفُقَرَاءُ الْقَاطِنُوْنَ بِاَمْثَالِ هٰذِهِ الضَّرَائِحِ لَا يَكُوْنُوْنَ بِمَثَابَةِ مَنْ تَحِلُّ لَهُ الْمَيْتَةُ كَمَا هُوَ مُشَاهَدٌ وَاَيْضًا لَوْ كَانَتِ الْعِلَّةُ هٰذِهٖ لَصَرَّحَ صَاحِبُ الْبَحْرِ بِحُرْمَةِ الْاَخْذِ وَلَمْ يَقْتَصِرْ عَلَى الْكَرَاهَةِ، بَلِ الْعِلَّةُ فِيْ ذٰلِكَ عِنْدِيْ عَدَمُ خُرُوْجِ هٰذَا الْمَنْذُوْرِ عَنْ مِلْكِ النَّاذِرِ لِاَنَّهٗ لَمْ يَنْذُرْهُ لِلْفُقَرَاءِ بَلْ لِلْمَيِّتِ وَالْمَيِّتُ لَا يَمْلِكُ شَيْئًا فَكَانَ كَالسَّائِبَةِ الَّتِيْ اَطْلَقَهَا مَالِكُهَا لَا يَجُوْزُ لِاَحَدٍ اَخْذُهٗ لِكَوْنِهَا مَمْلُوْكَةً لِلْمُسَيِّبِ فَيَكُوْنُ اٰخِذُهَا غَاصِبًا وَمَعَ ذٰلِكَ لَوْ اَخَذَهَا اَحَدٌ وَاَكَلَهَا اَوْ ذَبَحَهَا اِنْ كَانَتْ دَابَّةً لَا يَكُوْنُ آكِلًا لِلْحَرَامِ بِعَيْنِهٖ وَلَا تَكُوْنُ بَعْدَ الذَّبْحِ بِاسْمِ اللّٰهِ مَيْتَةً بَلْ يَكُوْنُ اٰكِلًا لِلْمَغْصُوْبِ وَذَابِحًا لِمِلْكِ الْغَيْرِ وَاِنَّمَا جَازَ لِلْفَقِيْرِ الْمُضْطَرِّ اَكْلُهٗ وَالتَّصَرُّفُ فِيْهِ لِاَنَّ النَّاذِرَ وَاِنْ لَّمْ يَنْذُرْهُ لِلْفُقَرَاءِ بَلْ لِلْمَيِّتِ وَلٰكِنَّهٗ اَبَاحَهَا لَهُمْ بِحَيْثُ لَوْ عَلِمَ اَنَّ الْفُقَرَاءَ اَكَلُوْهُ لَا يُنْكِرُ عَلَيْهِمْ وَلَا يُؤَاخِذُهُمْ بِشَيْئٍ فَكَانَ النَّذْرُ لِلْمَيِّتِ مُتَضَمِّنًا لِاِبَاحَتِهٖ لِلْفُقَرَاءِ وَلٰكِنْ فَسَادُ الْمُتَضَمِّنِ يَسْتَلْزِمُ فَسَادَ الْمُتَضَمِّنِ فَلَمْ يَجُزْ اَخْذُهٗ لِلْفُقَرَاءِ مَالَمْ يَكُوْنُوْا عَاجِزِيْنَ مُضْطَرِّيْنَ اِلَيْهِ لَا كَاضْطِرَارِ مَنْ تَحِلُّ لَهُ الْمَيْتَةُ بَلْ كَاضْطِرَارِ مَنْ لَيْسَ عِنْدَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ وَهُوَ عَاجِزٌ كَمَا يُفِيْدُهٗ اِطْلَاقُ كَلَامِ الْبَحْرِ. وَاللّٰهُ اَعْلَمُ. وَيُؤَيِّدُ مَا قُلْنَا اِطْلَاقُ الْبَحْرِ عَلَيْهِ لَفْظَ السُّحْتِ وَالْحَرَامِ دُوْنَ الْمَيْتَةِ وَالنَّجِسِ وَالسُّحْتُ يُطْلَقُ عَلَى الرِّشْوَةِ وَالرِّبَا وَكُلُّ مَالَا يَجُوْزُ كَسْبُهٗ وَعَلَى الْمَغْصُوْبِ وَغَيْرِهٖ وَالْكَلَامُ لَيْسَ فِيْ ذٰلِكَ وَاِنَّمَا الْكَلَامُ فِي الْحُرْمَةِ الَّتِيْ تُلْحَقُ الشَّيْئَ بِمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ مَيْتَةً بَعْدَ الذَّبْحِ، فَكَلَامُ الْبَحْرِ لَا يَدُلُّ عَلٰى حُدُوْثِ مِثْلِ تِلْكَ الْحُرْمَةِ فِيْ مِثْلِ هٰذَا الْمَنْذُوْرِ فَلَمْ يَكُنْ مُعَارِضًا لِقَوْلِ اِبْنِ تَيْمِيَّةَ اَنَّ هٰذَا الْمَالَ الْمَنْذُوْرَ، اِذَا صَرَفَهٗ فِيْ جِنْسِ تِلْكَ الْعِبَادَةِ مِنَ الْمَشْرُوْعِ، مِثْلِ اَنْ يَّصْرِفَهٗ فِيْ عِمَارَةِ الْمَسَاجِدِ، اَوِ الصَّالِحِيْنَ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ كَانَ حَسَنًا. اھ. فَاِنَّ الْمَالِكَ اَيِ النَّاذِرَ اِذَا صَرَفَهٗ فِيْ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس تفصیل سے گیارہویں کی رسم میں شرکت کا حکم بھی واضح ہوگیا، کیونکہ شرکت کے ساتھ اس کے کھانے کا استعمال لازمی بات ہے ،اوراگر کوئی کھانے سے پرہیز کرے تب بھی اس تقریب میں شرکت کرنے سے اس رسم کی ایک درجہ میں تائید ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ، وَمَنْ رَضِىَ عَمَلَ قَوْمٍ كَانَ شَرِيْكًا فِىْ عَمَلِهٖ (الفردوس بمأثور الخطاب للديلمی، رقم الحديث ۵۶۲۱) ؎۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

غَيْرِ الْمَنْذُوْرِ كَانَ ذٰلِكَ تَغْيِيْرًا لِنَذْرِهٖ الْاَوَّلِ الَّذِىْ هُوَ مَعْصِيَةٌ فَلَا شَكَّ فِىْ كَوْنِ صَرْفِهٖ اِلَى الْمَشْرُوْعِ حَسَنًا وَاَمَّا اِذَا لَمْ يَصْرِفْهُ الْمَالِكُ بِنَفْسِهٖ وَصَرَفَهٗ غَيْرُهٗ اِلَى الْمَصْرَفِ الْمَشْرُوْعِ فَلَايَجُوْزُ لِبَقَاءِ الْحُرْمَةِ فِيْهِ لِكَوْنِهٖ سَائِبَةً لَايَمْلِكُهَا آخِذُهَا وَمَصْرَفُهَا الْفُقَرَاءُ الْمُضْطَرُّوْنَ الْعَاجِزُوْنَ عَنِ الْكَسْبِ. هٰذَا مَاظَهَرَ لِىْ فِىْ تَحْرِيْرِ الْمَقَامِ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْعَلَّامِ (”البذر للخيرفی النذر للغير“، سلسله النور، رمضان صفحه ۲۲ تاصفحه ۲۴، وذيقعده صفحه ۱۵، مطبوعه: تهانه بهون)

؎۱ رقم الحديث ۲۴۷۳۵ بحواله ديلمی عن ابن مسعود.

قال الحافظ ابن حجر: وَقَالَ أَبُو يَعْلَى حَدَّثَنَا أَبُو هَمَّامٍ نبا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِى بَكْرُ بْنُ مُضَرَ عن عمرو قال أن رجلا دعى عَبْدَ اللّٰهِ بن مسعود رَضِىَ الله عَنْه إِلَى وَلِيمَةٍ فَلَمَّا جَاءَ سَمِعَ لَهْوًا فَلَمْ يَدْخُلْ فَقَالَ مَا لَكَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ وَمَنْ رَضِىَ عَمَلَ قَوْمٍ كَانَ شَرِيكًا لِمَنْ عَمِلَهُ. وحديث عمر رَضِىَ الله عَنْه سيأتى إن شاء فِى كِتَابِ الْأَشْرِبَةِ (المطالب العالية لابنِ حجر، رقم الحديث ۱۶۶۰)

وقد جاء عن بن مسعود مرفوعا هن كثر سواد قوم فهو منهم ومن رضى عمل قوم كان شريك من عمل به أخرجه أبو يعلى وفيه قصة لابن مسعود وله شاهد عن أبى ذر فى الزهد لابن المبارك غير مرفوع (فتح البارى لابنِ حجر، ج۱۳ ص۳۷، ۳۸، قوله باب من كره أن يكثر بالتشديد سواد الفتن والظلم)

وقال السخاوى: حَدِيث: مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ، أبو يعلى وعلى بن معيد فى كتاب الطاعة من طريق أن رجلا دعا ابن مسعود إلى وليمة، فلما جاء ليدخل سمع لهوا، فلم يدخل فقيل له فقال: إنى سمعت رسول اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقول: وذكره، وزاد: ومن رضى عمل قوم كان شريك من عمل به، وهكذا هو عند الديلمى بهذه الزيادة، ولابن المبارك فى الزهد عن أبى ذر نحوه موقوفا، وشاهده حديث: من تشبه بقوم فهو منهم، وقد مضى (المقاصد الحسنة، تحت رقم الحديث ۱۱۷۰)

وقال العجلونى: من كثر سواد قوم فهو منهم. رواه أبو يعلى وعلى بن معبد فى كتاب الطاعة أن رجلا دعا ابن مسعود إلى وليمة فلما جاء ليدخل سمع لهوا فلم يدخل فقيل له فقال: إنى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول وذكره ، وزاد ومن رضى عمل قوم كان شريك من عمل به ، وهكذا عند الديلمى بهذه الزيادة ، ولابن المبارك فى الزهد عن أبى ذر نحوه موقوفا ، وشاهده حديث من تشبه بقوم فهو منهم وتقدم (كشف الخفاء، تحت رقم الحديث ۲۵۸۸)

ترجمہ: جس نے کسی قوم کی تعداد اور مجمع کو بڑھایا، تو وہ انہی میں سے ہوگا، اور جو کسی قوم کے عمل سے راضی ہوا تو وہ اس عمل میں شریک ہوگا (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَوَّدَ مَعَ قَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ (السنة لابن أبی عاصم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی قوم کی تعداد کو بڑھایا تو وہ انہی میں سے ہوگا (ترجمہ ختم)

یہ حدیث بھی پہلی حدیث کے مضمون کے مطابق ہے۔

گیارہویں کی رسم کے ساتھ ’’شریف‘‘ کا استعمال

آج کل گیارہویں کی رسم کے ساتھ ’’شریف‘‘ کا لفظ ملا کر استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ’’گیارہویں شریف‘‘ لیکن جب گیارہویں کی رسم میں شرعاً کئی خرابیاں پائی جاتی ہیں تو اس کے ساتھ شریف کا لفظ ملانے کا کیا مطلب؟ کیونکہ شریف تو اچھی اور نیک چیز کو کہا جاتا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اگر گیارہویں کی رسم کوئی نیک عمل ہوتا تو اس کے ساتھ شریف کا لفظ لگانے کی ضرورت نہیں تھی، جیسا کہ نماز شریف، روزہ شریف اور حج شریف یا زکاۃ شریف نہیں بولا جاتا، کیونکہ یہ اعمال خود ہی نیک اور شریف ہیں، لیکن کیونکہ گیارہویں کی رسم کو یہ مقام حاصل نہیں تھا، اس لئے عام لوگوں کو متأثر کرنے کے لئے اس کے ساتھ شریف کا لفظ لگا دیا گیا، تا کہ عام لوگ نام سن کر ہی اس کو نیک اور اچھا عمل سمجھنے لگیں، اور اس کے خلاف نہ سوچیں، اور اس پر اعتراض کرنے سے ڈریں۔

---

[1] رقم الحدیث ۱۴۶۴، المکتب الاسلامی، بیروت، واللفظ لہٗ، تاریخ بغداد ج۱۰ ص۴۳۔

البتہ جن چیزوں کو شرعی طور پر شرافت والا مقام حاصل ہے اور ان کی شرافت وعظمت کی وجہ سے ان کے ساتھ شریف وغیرہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ ''روضہ شریف'' وغیرہ، تو یہ بالکل علیٰحدہ چیز ہے، کیونکہ ان چیزوں کی عظمت وشرافت شرعی اصولوں سے ثابت ہے، اور اس کے برعکس گیارہویں کی رسم کی عظمت وشرافت شرعی اصولوں سے ثابت نہیں، بلکہ شرعی اصولوں سے اس کے خلاف ثابت ہے۔

لہٰذا مروَّجہ گیارہویں کی رسم کو ''گیارہویں شریف'' کا لقب دینا فی نفسہٖ بھی صحیح نہیں، اور اس لفظ سے عام لوگوں کے غلط فہمی میں مبتلاء ہونے کا اندیشہ ہے، نیز اس سے ایک غلط رسم کی تائید ہوتی ہے، لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس رسم کے ساتھ شریف کا لفظ استعمال کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

یہی حکم اس سے ملتی جلتی دوسری مروّجہ رسموں اور منکرات کا بھی ہے، مثلاً ''عُرس شریف'' یا ''عُرس مبارک'' وغیرہ۔

گیارہویں کا متبادل جائز طریقہ

بعض ناواقفوں کی طرف سے گیارہویں کی مروَّجہ رسم کو منع کرنے والوں پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ گیارہویں کا انکار کرنے والے بزرگوں کو ایصالِ ثواب سے منع کرتے ہیں۔

حالانکہ یہ اعتراض سراسر غلط ہے، ایصالِ ثواب سے ہرگز منع نہیں کیا جاتا، بلکہ شرکیہ حرکات، منکَرات اور بے جا رسومات اور خرافات سے منع کیا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ ان مذکورہ خرابیوں سے بچ کر صحیح شرعی طریقوں کی نشاندہی بھی کی جایا کرتی ہے۔

میت کے لیے دعا اور استغفار کرنا اور صدقہ وخیرات دینا اور بغیر اُجرت اور معاوضہ کے قرآن مجید پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا، اسی طرح نماز وروزہ اور حج وغیرہ سے میت کو ثواب پہنچانا جائز اور صحیح ہے، اہلِ سنت والجماعت کا اس پر اتفاق واجماع ہے کہ ایصالِ ثواب برحق ہے۔

چنانچہ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ، مشکاۃ کی شرح، مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ:

وَقَالَ عُلَمَاؤُنَا اَلْاَصْلُ فِی الْحَجِّ عَنِ الْغَيْرِ اَنَّ الْاِنْسَانَ لَهٗ اَنْ يَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَيْرِهٖ مِنَ الْاَمْوَاتِ وَالْاَحْيَاءِ حَجًّا اَوْ صَلَاةً اَوْ صَوْماً اَوْصَدَقَةً اَوْ غَيْرَهَا كَتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَالْاَذْكَارِ فَاِذَافَعَلَ شَيْئًا مِّنْ هٰذَا وَجَعَلَ ثَوَابَهٗ لِغَيْرِهٖ جَازَ وَيَصِلُ اِلَيْهِ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ(مرقاة شرح المشكاة، ج۸ص ۳۴۲۴، كتاب الفتن،باب الملاحم،دار الفكر،بيروت)

ترجمہ: اور ہمارے علماء نے فرمایا کہ دوسرے کی طرف سے حج کے جائز ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب مُردوں یا زندوں میں سے کسی کو پہنچائے، چاہے وہ عمل حج ہو، یا نماز ہو یا روزہ ہو یا صدقہ ہو، یا اس کے علاوہ کوئی اور عمل ہو جیسے قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر واذکار وغیرہ، جب ان اعمال میں سے کوئی عمل کیا جائے، تو اس کا ثواب مُردوں یا زندوں میں سے کسی کو پہنچائے تو یہ جائز ہے اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک یہ ثواب ان کو پہنچتا ہے (ترجمہ ختم)

ایصالِ ثواب میں کیونکہ دوسرے کو نیک عمل کا ثواب پہنچایا جاتا ہے، اور اس عمل پر عامل کے لئے پہلے ثواب مرتب ہونا ضروری ہے، اسی کے بعد وہ کسی دوسرے کو اس کا ثواب پہنچا سکتا ہے۔

اس لئے ایصالِ ثواب ہونے کے لئے چند بنیادی اور اصولی شرطیں ہیں، جب تک وہ موجود نہ ہوں، اس وقت تک ایصالِ ثواب متحقق نہیں ہوتا۔

اور وہ بنیادی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)......ایصال ثواب کرنے والا مؤمن اور مسلمان ہو۔

کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی عمل عبادت نہیں بنتا، اور کسی عمل پر ثواب مرتب نہیں

ہوتا۔ ۱

(۲)......جس کو ایصالِ ثواب کیا جارہا ہے وہ مسلمان ہو اگرچہ گناہ گار کیوں نہ ہو۔ کیونکہ کافر کو کسی عمل کا ثواب نہیں پہنچتا۔ ۲

(۳)......جو عمل کیا جائے، وہ خالصۃً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو۔

اور اس میں نام ونمود وریا کاری اور دکھلاوا، اور مخلوق کی خوشنودی پیشِ نظر نہ ہو۔

کیونکہ اخلاص کے بغیر کسی بھی عمل وعبادت پر ثواب مرتب نہیں ہوتا، اور جب عمل کرنے والے ہی کو ثواب حاصل نہ ہوگا تو وہ دوسرے کو اس کا ایصالِ ثواب کیسے کرسکے گا۔ ۳

---

۱ اَلْقُرْبَةُ مَتٰى حَصَلَتْ وَقَعَتْ عَنِ الْفَاعِلِ لَالِغَيْرِهٖ وَلِهٰذَا تُعْتَبَرُ اَهْلِيَّةُ الْفَاعِلِ وَنِيَّتُهٗ (رسائل ابنِ عابدين ج ۱ ص ۱۵۷، الرسالة السابعة "شفاء العليل وبل الغليل فى حكم الوصية بالختمات والتهاليل")

وصولِ ثواب کے لئے اس عمل پر اول عامل کو ثواب ملنا شرط ہے، اور ثواب ملنے کے لئے ایمان شرط ہے، پس غیر مومن کے اس عمل یعنی اعطاء وانفاق کا ثواب تو پہنچ نہیں سکتا (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۴۶)

۲ رَجُلٌ تَصَدَّقَ عَلَى الْمَيِّتِ اَوْ دَعَالَهٗ فَاِنَّهٗ يَصِلُ الثَّوَابَ اِلَى الْمَيِّتِ اِذَا جَعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَيْرِهٖ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ جَازَ كذا فِى السَّرَاجِيَّةِ (الفتاوىٰ الهندية ج ۴ ص ۴۰۸، كتاب الهبة، الباب الثانى عشر فى الصدقة)

زندہ مسلمانوں کی دعا اور خیرات سے مسلمان مُردہ کو نفع پہنچتا ہے، مُردہ کافر کے لئے دعا اور صدقہ ہرگز نفع نہیں دیتا، کیونکہ کافروں کے تمام اعمال حبط ہیں، اور نہ کسی کی دعا وغیرہ سے ان کے عذاب میں تخفیف ہوسکتی ہے، "لایخفف عنهم العذاب ولاهم ينصرون" (عقائد الاسلام ادریسی حصہ اول ص ۶۰)

۳ ان القراء ة فى نفسها عبادة، وكل عبادة لابد فيها من الاخلاص لله تعالىٰ بلارياء حتى تكون عبادة يرجى بها الثواب وقد عرفوا الرياء بان يراد بالعبادة غير وجهه تعالىٰ، فالقارئ بالاجرة ثوابه مااراد القراء ة لاجله، وهو المال..........واذا كان لا ثواب له لم تحصل المنفعة المقصودة للمستأجر لانه استأجره لاجل الثواب فلا تصح الاجارة (رسائل ابنِ عابدين ج ۱ ص ۱۶۷، الرسالة السابعة "شفاء العليل وبل الغليل فى حكم الوصية بالختمات والتهاليل")

فالحاصل أن ما شاع فى زماننا من قراء ة الأجزاء بالأجرة لا يجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراء ة وإعطاء الثواب للآمر والقراء ة لأجل المال؛ فإذا لم يكن للقارء ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر ولولا الأجرة ما قرأ أحد لأحد فى هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۴)...... ایصالِ ثواب کے لئے جو عمل کیا جائے وہ عمل شریعت کے مطابق ہو، اور اس میں کسی شریعت کے حکم کی خلاف ورزی نہ کی گئی ہو، اور نہ ہی کوئی بدعت وغیرہ اس میں شامل کی گئی ہو۔

کیونکہ شریعت کا حکم توڑ کر کوئی عمل عبادت نہیں رہتا، اور بدعت کے ارتکاب سے بھی نیک عمل عبادت کے زمرے سے نکل کر گناہ کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ [1]

(تفصیل کی لئے ملاحظہ ہو ہماری کتاب ''صدقۂ جاریہ وایصالِ ثواب کے فضائل واحکام'')

اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

پس ایصالِ ثواب اگر اس طور سے کرے جس میں فسادِ عقیدہ کا احتمال نہ ہو تو مضائقہ نہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ نہ دن اور تاریخ کی تخصیص کرے، نہ کسی خاص چیز کی، اور اغنیاء اور گھر والوں کو نہ دے، اور اعلان کر کے نہ دے، اور کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر کچھ نہ پڑھے، اور یہ عقیدہ نہ کرے کہ حضرت ہماری مدد فرماویں گے، اور یہ نیت نہ رکھے کہ اس عمل کی برکت سے ہمارے مال اور اولاد میں برکت وترقی ہوگی۔ محض یوں سمجھے کہ انہوں نے ہم پر دین کا احسان کیا ہے، کہ سیدھا راستہ کتابوں میں بتلا گئے ہم ان کو نفع پہونچاتے ہیں کہ ثواب سے ان کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ووسیلة إلى جمع الدنیا -إنا للہ وإنا إلیہ راجعون -اھـ.(ردالمحتار، ج٦ ص ٥٦، کتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، مطلب فی الاستئجار علی الطاعات)

وقد قال العلماء ان القارئ اذا قرأ لاجل المال فلا ثواب لہ فای شیئ یھدی الی المیت وانما یصل الی المیت العمل الصالح والاستئجار علی مجرد التلاوة لم یقل بہ احد من الائمة وانما تنازعوا فی الاستئجار وعلی التعلیم ولابأس بجواز اخذ الاجرة علی الرقیة ونص علیہ احمد(الفتاویٰ الکبریٰ لابنِ تیمیہ، ج۵، باب الاجارة)

[1] الأصل فی ھذا الباب أن الإنسان لہ أن یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاة کان أو صوما أو صدقة أو غیرھا کالحج وقراءة القرآن والأذکار وزیارة قبور الأنبیاء -علیھم الصلاة والسلام -والشھداء والأولیاء والصالحین وتکفین الموتی وجمیع أنواع البر، کذا فی غایة السروجی شرح الھدایة (الفتاویٰ الھندیة، ج ۱ ص۲۵۷ ، کتاب المناسک، الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)

درجات بلند ہوں گے، بس اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۰۱، کتاب البدعات)

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ حضرت غوثِ اعظم رحمہ اللہ کو ایصالِ ثواب اس طرح کرے کہ اس میں بدعات شامل نہ ہوں تو بلا شبہ جائز و مستحسن ہے۔ بدعات شامل نہ ہونے کی بہتر صورت تو یہ ہے کہ روپیہ نقد بالکل خفیہ طور پر غرباء و مساکین میں تقسیم کر کے ثواب پہنچادے۔ کیونکہ نقد دینے میں زیادہ ثواب ہے اور خفیہ دینے میں بھی بہ نسبت علانیہ کے زیادہ ثواب ہے اور کھانا بھی کھلانا ہو تو بلا التزام تاریخ معیَّن (یعنی کسی خاص تاریخ کو ضروری قرار دیئے اور سمجھے بغیر) جب وسعت ہو کھلا وے، اس میں مضائقہ (حرج) نہیں (کذا فی العالمگیریہ ص ۲۳۸ ج ۴) (امداد المفتیین ص ۱۷۲، کتاب السنۃ والبدعۃ)

اس لیے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی روح کو اگر شریعت کے تقاضوں کے مطابق اور صحیح عقیدے کے ساتھ ایصالِ ثواب کیا جائے تو اس کا ہرگز بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ غلطی پر ہے اور اس کی بات شرعاً نا قابلِ اعتبار ہے۔

اور اگر ایصالِ ثواب شرعی اصولوں سے ہٹ کر کرنے سے منع کیا جاتا ہے تو یہ حقیقی ایصالِ ثواب اور اس کے اپنی ذات میں وجود کا انکار نہیں کہلاتا، بلکہ خاص اس طریقہ پر ایصالِ ثواب ہونے کا انکار کہلاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے اصولوں سے ہٹ کر کوئی عمل کرنے سے نہ تو ایصالِ ثواب ہوتا اور نہ ہی یہ طریقہ شرعاً جائز ہوتا، جیسا کہ مکروہ وقت میں نماز پڑھنے سے منع کیا جائے، تو یہ نماز پڑھنے سے منع کرنا نہیں کہلاتا۔

مذکورہ حوالہ جات سے ایصالِ ثواب کو شرعی اصولوں کے مطابق کرنے کا طریقہ معلوم ہو چکا ہے، اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے، اور اپنے مال، وقت اور سب سے بڑھ کر ایمان کو خراب و ضائع ہونے سے بچانا چاہئے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے متعلق چند گھڑی ہوئی روایات

بہت سے لوگوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف کچھ جھوٹے قصے وحکایات اور غلط باتیں منسوب کردی ہیں، جو مستند نہیں ہیں، ان سے بھی آگاہ رہنا چاہئے۔

جیسا کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قُلْتُ :لَيْسَ فِيْ كِبَارِ الْمَشَايِخِ مَنْ لَهُ أَحْوَالٌ وَّكَرَامَاتٌ أَكْثَرُ مِنَ الشَّيْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ، لٰكِنَّ كَثِيْراً مِّنْهَا لَا يَصِحُّ، وَفِيْ بَعْضِ ذٰلِكَ أَشْيَاءٌ مُسْتَحِيْلَةٌ......وَفِي الْجُمْلَةِ:اَلشَّيْخُ عَبْدُ الْقَادِرِ كَبِيْرُ الشَّأْنِ، وَعَلَيْهِ مَآخِذُ فِيْ بَعْضِ أَقْوَالِهٖ وَدَعَاوِيْهِ، وَاللّٰهُ الْمَوْعِدُ، وَبَعْضُ ذٰلِكَ مَكْذُوْبٌ عَلَيْهِ(سیر اعلام النبلاء) [1]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ بڑے مشائخ میں کسی کے احوال اور کرامات شیخ عبدالقادر سے زیادہ نہیں ہیں، لیکن ان میں سے اکثر احوال وکرامات صحیح نہیں ہیں، اور ان میں سے بعض ناممکن چیزیں بھی ہیں......اور خلاصہ یہ کہ شیخ عبدالقادر بلند مقام رکھنے والے ہیں، اور آپ کے اقوال اور دعاوی کو مآخذ کی حیثیت حاصل ہے، اور اللہ کی طرف لوٹنا ہے، اور بعض چیزیں آپ کی طرف جھوٹی منسوب ہیں (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ بعض نادان لوگوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے متعلق غلو کرتے ہوئے مختلف حکایات وروایات گھڑ کر لوگوں کے سامنے پیش کردی ہیں۔

جن میں سے چند گھڑی ہوئی باتوں کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)......بعض لوگ ایک روایت نقل کیا کرتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہویں کیا کرتے تھے۔

---

[1] ج۲۰ص ۴۵۰، ۴۵۱ ملخصاً، مؤسسة الرسالة، بيروت.

مگر اولؔ تو یہ روایت ثابت نہیں، اس کا ثبوت دینا چاہئے۔

دوسرےؔ اگر ہو بھی تو کیا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کرتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہویں چھوڑ کر بڑے پیر صاحب کی گیارہویں کرتے ہو یہ تو ان کے خلاف ہے کیونکہ اگر بالفرض وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہویں کیا کرتے تھے تو وہ اس کو ہرگز گوارا نہ کر سکتے تھے کہ میرے بعد بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میری گیارہویں کی جائے۔

تیسرےؔ اس میں عقیدہ بھی فاسد ہے کہ یہ لوگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد کرتے ہیں تو بڑے پیر صاحب کی گیارہویں بلکہ بعض جگہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا میلاد بھی ہونے لگا گویا نعوذ باللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی ہو گئے (اشرف الجواب ص۸۳ و وعظ ''رأس الربیعین'' بتغیر)

(۲)...... ایک روایت یہ مشہور کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے کندھے پر پاؤں رکھ کر اس جگہ سے آگے تشریف لے گئے تھے۔

حالانکہ یہ خودساختہ روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے واقعات تفصیل سے احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں، لیکن اس واقعہ کا کوئی صحیح ثبوت نہیں۔ اس قصہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی غالی عقیدت مند شخص کے ذہن کا اختراع ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ کی کوئی سند بیان نہیں کی جاتی، جو کسی واقعہ کے غلط اور صحیح ہونے کے لئے بنیادی معیار ہے (خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۳۲ بتغیر، طباعتِ دوم: صفر ۱۴۰۸ھ، ستمبر ۱۹۸۷ء)

(۳)...... ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بعد نبوت ہوتی تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نبی ہوتے۔

یہ بھی خودساختہ اور صاف جھوٹ پر مبنی ہے، احادیث کے ذخیرہ میں کہیں اس کا ذکر نہیں، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف غلو کی نسبت کرنے والوں کے وجود سے پہلے اس روایت کا بھی کوئی وجود نہیں تھا۔

اگر یہ پیشینگوئی صحیح ہوتی تو اس سے پہلے کوئی محدث ضرور اس کو ذکر کرتا، کیونکہ احادیث کی کتابیں پہلے سے موجود تھیں (ایضاً)

(۴)......ایک حکایت یہ مشہور کی جاتی ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے پاس ایک بڑھیا آئی جس کا لڑکا مر گیا تھا کہ حضرت اس کو زندہ کردو، آپ نے فرمایا کہ اس کی عمر تو ختم ہو چکی اب زندہ نہیں ہوسکتا، وہ رونے اور اصرار کرنے لگی تو آپ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے، اور عرض کیا کہ اس لڑکے کو زندہ کردیا جائے وہاں سے خطاب ہوا کہ اس کی تقدیر میں اور زندگی نہیں ہے، اس لئے اب زندہ نہیں ہوسکتا، تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ حق تعالیٰ سے کہتے ہیں (ذرا ملاحظہ کیجئے! یہ حق تعالیٰ سے باتیں ہو رہی ہیں) کہ حضرت آپ سے کہنے کی تو اس لئے ضرورت ہوئی کہ اس کی تقدیر میں اور حیات نہیں اور اس کی تقدیر میں کچھ اور زندگی ہوتی تو آپ سے کہنے کی کیا ضرورت تھی، پھر تو آپ مجبور ہو کر خود ہی زندہ کرتے (نعوذ باللہ تعالیٰ) وہاں سے حکم ہوا کہ پھر تقدیر کے خلاف تو نہیں ہوسکتا اس پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو جلال آیا، اور آپ نے قوتِ کشفیہ (یعنی کشف کی قوت) سے ملک الموت کو ٹٹولا کہ وہ کہاں ہیں؟ آخر نظر آئے تو دیکھا کہ ایک تھیلے میں اس دن کے مُردوں کی روحیں بھر کر لے جا رہے ہیں، ابھی تک ہیڈ کوارٹر نہ پہنچے تھے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے ان کو ٹوکا اور کہا کہ بڑھیا کے لڑکے کی روح واپس کردو، تم اس کو نہیں لے جاسکتے، وہ انکار کرنے لگے، آپ نے وہ تھیلا اِن کے ہاتھ سے چھین کر کھول دیا، جتنی

روحیں تھیں سب پھُر پھُر اڑ گئیں، اور اس دن جتنے مُردے مرے تھے سب زندہ ہوگئے، تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے حق تعالیٰ سے کہا کہ کیوں اب راضی ہوگئے، ایک مُردے کے زندہ کرنے پر راضی نہ ہوئے اب بہت جی خوش ہوا ہوگا، جب ہم نے سارے مُردوں کو زندہ کردیا؟

توبہ توبہ، استغفر اللہ! کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح گفتگو کرنے کی کسی کو مجال ہے؟

مگر یہ سب حکایتیں جاہلوں نے گھڑی ہیں اور ان کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ تعالیٰ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ وہ کام کرسکتے ہیں جو اللہ بھی نہیں کرسکتا، بھلا کچھ ٹھکانا ہے اس کفر کا؟ (وعظ ''فناء النفوس فی رضاء القدوس'' ص ۸، ماخوذ از اشرف الجواب ص ۸۳، ۸۴، والربیع فی الربیع لحکیم الامت رحمہ اللہ، بتغیر)

خلاصہ یہ کہ یہ واقعہ بھی سراسر جھوٹ ہے، جس طرح دوسرے مذہب کے لوگ اپنے بزرگوں کی طرف جھوٹے قصے منسوب کرتے ہیں تو مسلمانوں نے بھی ایسی ہی صورت اختیار کرلی۔ **اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ** (فتاویٰ محمودیہ ج ۱ ص ۵۲۵)

(۵)......ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بڑھیا کا خاندان دریا میں غرق ہوگیا تھا، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے دعا کی، وہ سب زندہ ہوگئے اور کشتی صحیح سلامت کنارے آ لگی۔

یہ واقعہ من گھڑت اور جھوٹ وغلط ہے، اور اتنے بڑے بزرگ پر جھوٹ بہتان باندھنا تو بہت بڑی بدبختی کی بات ہے، اللہ پاک ہدایت دے (ایضاً)

(۶)......ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے ایک مرید کی تقدیر اور قسمت میں کوئی اولاد نہیں تھی، جس پر نعوذ باللہ تعالیٰ حضرت شیخ نے اپنی ہٹ دھرمی اور ضد سے ایک تو کیا سات بیٹے دے کر اللہ تعالیٰ کو عاجز کردیا۔

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی توہین ہے، کیا اسلام میں اس قسم کے واقعہ کا کوئی وجود ہوسکتا ہے؟

(۷)......ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ایک مرید اللہ اور اُس کے رسول کو نہیں جانتا تھا، لیکن آپ نے اس کو صرف اپنا مرید ہونے کی وجہ سے قبر کے عذاب سے بچالیا اور منکر نکیر کو نعوذ باللہ تعالیٰ ڈرا کر بھگا دیا، اس قسم کے واقعے بعض کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

یہ بھی مہمل اور بے سند بلکہ خلافِ شریعت بات ہے۔

ایسی خلافِ شرع بے سند روایات اور واقعات کا لکھنا پڑھنا، سننا، سنانا سب ناجائز و حرام ہے (والتفصیل فی امداد الفتاویٰ ج۶ ص ۶۸ تا ۸۴)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ، اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے متبع اور پابند تھے، ان کا سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ انھوں نے نفس کی خواہشوں کو حدودِ شرع میں رکھا اور ساری زندگی اس کی کوشش کی کہ کوئی کام خلافِ سنت نہ ہونے پائے، ان کو بدعات سے سخت نفرت تھی اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دیں اور اس پر رحمت کی بارش کریں اور ان کے درجات کو زیادہ سے زیادہ بلند فرمائیں اور ان کے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یاد رکھئے لغو اور بیہودہ حکایات گھڑ کر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرنے سے ان کے کمال میں ترقی نہیں ہوتی نہ اسلام نے یہ طریقہ سکھایا ہے بلکہ اس کی ممانعت ہے یہ طریقہ تو غیروں کا ہے، کہ وہ اپنے بڑوں کی طرف ایسی باتیں گھڑ گھڑ کر منسوب کیا کرتے ہیں (فتاویٰ محمودیہ ج۱ ص ۵۲۵، باب ما یتعلق بالمعجزۃ والکرامۃ والالہام)

گیارہویں کی رسم شیخ عبدالقادر جیلانی کی ۱۱/ تعلیمات کی روشنی میں

گیارہویں کی مروّجہ رسم کی تفصیلات قرآن وسنت، فقہ اور اکابر فقہاء کے فتاویٰ کی روشنی میں آپ حضرات ملاحظہ فرما چکے، اب مروّجہ گیارہویں کی رسم کو اس شخصیت کی تعلیمات وہدایات کی روشنی میں ملاحظہ کرنا چاہیے، جس کے نام سے گیارہویں کی یہ رسم انجام دی جاتی ہے، اس لئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی گیارہ تعلیمات کو ذکر کیا جارہا ہے، تاکہ گیارہ کے عدد کو ذہن میں رکھ کر آج کل کی گیارہویں کی رسم اور اس میں پائی جانے والی خرابیوں کا خود اس ہستی کی تعلیمات وہدایات کی روشنی میں جائزہ لیا جائے۔

(۱)......حقیقی توحید یا سچے موحد کی شان بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فَیَصِیْرُ مُوْقِنًا مُوَحِّدًا ضَرُوْرَۃً یَقْطَعُ أَنْ لَّا فَاعِلَ فِی الْحَقِیْقَۃِ إِلَّا اللّٰہَ لَا مُحَرِّکَ وَلَا مُسَکِّنَ إِلَّا اللّٰہَ وَلَا خَیْرَ وَلَا شَرَّ وَلَا ضَرَّ وَلَا نَفْعَ وَلَا عَطَاءَ وَلَا مَنْعَ، وَلَا فَتْحَ وَلَا غَلْقَ، وَلَا مَوْتَ وَلَا حَیَاۃَ، وَلَا عِزَّ وَلَا ذِلَّ إِلَّا بِیَدِ اللّٰہِ (فتوح الغیب، ص ۵، المقالۃ الثالثۃ, فی الابتلاء)

ترجمہ: پس یقین کرنے والا ہو جائے کہ (سب کچھ) کرنے والا فی الحقیقت اللہ ہی ہے اور حرکت وسکون دینے والا بس اللہ ہی ہے اور خیر وشر، نفع وضرر اور دینا نہ دینا اور کھولنا بند کرنا اور موت وحیات اور عزت وذلت اور فراخ دستی وتنگدستی صرف اللہ ہی کے دستِ قدرت میں ہے (اور کسی کا اس میں کوئی اختیار نہیں) (ترجمہ ختم)

(۲)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لَیْسَ لِأَحَدٍ ضَرٌّ وَّنَفْعٌ، وَلَا جَلْبٌ وَّلَا دَفْعٌ، وَلَا عِزٌّ وَلَا ذِلٌّ، وَلَا رَفْعٌ وَلَا خَفْضٌ، وَلَا فَقْرٌ وَلَا غِنًی، وَلَا تَحْرِیْکٌ وَلَا تَسْکِیْنٌ، اَلْأَشْیَاءُ

كُلُّهَا خَلْقُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَبِيَدِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، بِأَمْرِهٖ وَإِذْنِهٖ جَرْيَانُهَا، وَكُلٌّ يَّجْرِىْ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى، وَكُلُّ شَىْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ، لَا مُقَدِّمَ لِمَا أَخَّرَ، وَلَا مُؤَخِّرَ لِمَا قَدَّمَ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ "وَإِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (فتوح الغيب) [1]

ترجمہ: اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں ہے ضرر اور نہ نفع اور نہ فائدہ کا حاصل کرنا، اور نہ بلاؤں کا ٹالنا، اور نہ عزت دینا، نہ ذلت دینا، نہ بلند کرنا، نہ پست کرنا، نہ حرکت دینا، نہ سکون دینا، سب چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں۔اسی کے دستِ قدرت میں ہیں، اسی کے حکم اور اِذن سے ان کا چلنا ہے اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازہ کے ساتھ ہے وہ جس کو مؤخر کرے اس کو کوئی مقدم کرنے والا نہیں اور جس کو مقدم کرے اس کو کوئی مؤخر کرنے والا نہیں اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تم کو بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل وکرم کو رد کرنے والا نہیں، اپنا فضل جس کو بندوں میں سے چاہے، پہنچاتا ہے، اور وہی غفورالرحیم ہے (ترجمہ ختم)

(۳)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

دَعْ مَا فِىْ أَيْدِى الْخَلْقِ فَلَا تَطْلُبْهُ وَلَا تَعْلِقْ قَلْبَكَ بِهٖ، وَلَا تَرْجُو الْخَلْقَ وَلَا تَخَافِهِمْ، وَخُذْ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ مَا لَا يُرِيْبُكَ، وَلْيَكُنْ لَكَ مَسْؤُوْلٌ وَّاحِدٌ وَّمُعْطٍ وَّاحِدٌ وَمَرْجُوٌّ وَّاحِدٌ وَمُخَوِّفٌ وَّاحِدٌ وَمَوْجُوْدٌ وَّاحِدٌ وَهَمَّةٌ وَّاحِدَةٌ وَهُوَ رَبُّكَ عَزَّ وَجَلَّ الَّذِىْ نَوَاصِىُ الْمُلُوْكِ بِيَدِهٖ وَقُلُوْبُ الْخَلْقِ بِيَدِهٖ الَّذِىْ هِىَ أُمَرَاءُ

---

[1] ص ۲۶، ۲۷، المقالة الثامنة عشرة، فى النهى عن الشكوى.

الْأَجْسَادِ، وَأَمْوَالُ الْخَلْقِ لَهٗ عَزَّ وَجَلَّ، وَهُمْ وُكَلَاؤُهٗ وَأُمَنَاؤُهٗ، وَحَرَكَةُ أَيْدِيْهِمْ بِالْعَطَاءِ لَكَ بِإِذْنِهٖ عَزَّ وَجَلَّ وَأَمْرُهٗ وَتَحْرِيْكُهٗ، وَكَفُّهَا عَنْ عَطَائِكَ كَذٰلِكَ، قَالَ عَزَّمَنْ قَائِلُ: وَاسْأَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ،وَقَالَ تَعَالٰى، إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقاً فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ وَقَالَ سُبْحَانَهٗ: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ،وَقَالَ تَعَالٰى: اُدْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ،وَقَالَ تَعَالٰى: إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ،وَقَالَ تَعَالٰى: إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَن يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (فتوح الغیب) [1]

ترجمہ: مخلوق کے ہاتھ میں جو کچھ ہے، تُو اس کو چھوڑ دے، اور اس کو طلب نہ کر، اور اپنے دل کو اللہ ہی کے ساتھ وابستہ رکھ، اور تو مخلوق سے امید اور خوف مت رکھ، اور اللہ عزوجل کے فضل کو حاصل کر، جو تجھے شک میں نہیں ڈالے گا، اور ”چاہئے کہ تیرا سوال اور امید اور خوف ایک ہی سے ہو، اور تجھے ایک ہی سے خوف ہو، اور تو ایک ہی کامل وجود کا قائل ہو، اور اسی کی طرف ہمت ہو، اور وہ تیرا رب عزوجل ہے، جس کے قبضۂ قدرت میں بادشاہوں کی پیشانیاں ہیں اور ساری مخلوق کے دل ہیں، اسی کے قبضۂ قدرت میں تمام امیروں کے جسم ہیں، اور مخلوق کا سب مال اللہ عزوجل کی ملکیت ہے، اور مخلوق صرف اس کی وکیل اور امانت دار ہے، اور مخلوق کی تجھے کچھ دینے کی حرکت اللہ عزوجل کے اِذن اور اس کے حکم سے ہے، اور اس کا حرکت کرنا اور دینے سے ہاتھ روک لینا بھی اسی وجہ سے ہے، اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ تم اللہ سے اس کے فضل کو مانگو، اور فرماتے

[1] ص ۳۰، ۳۱، المقالة العشرون، فی قوله صلی الله علیه و سلم، دع ما یُریبک إلی ما لا یریبک.

ہیں کہ بے شک وہ لوگ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ تمہارے رزق کے مالک نہیں، پس تم اللہ ہی کے پاس رزق طلب کرو، اور اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو، اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے، اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں، تو میں ان کے قریب ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی رزاق ہیں، اور زبردست قوت والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں (ترجمہ ختم)

(۴)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

مَا سَأَلَ النَّاسَ مَنْ سَأَلَ إِلَّا لِجَهْلِهٖ بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَضُعْفِ إِيْمَانِهٖ وَمَعْرِفَتِهٖ وَيَقِيْنِهٖ وَقِلَّةِ صَبْرِهٖ، وَمَا تَعَفَّفَ مَنْ تَعَفَّفَ عَنْ ذٰلِكَ إِلَّا لِوُفُوْرِ عِلْمِهٖ بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقُوَّةِ إِيْمَانِهٖ وَيَقِيْنِهٖ وَتَزَايُدِ مَعْرِفَتِهٖ بِرَبِّهٖ عَزَّ وَجَلَّ (فتوح الغیب) [1]

ترجمہ: جس نے کچھ بھی لوگوں سے مانگا اس نے صرف اللہ عزوجل کے متعلق اپنی جہالت اور ایمان کے ضعف اور معرفت ویقین کی کمزوری اور صبر کی کمی کی وجہ سے مانگا، اور جس نے اس سے پرہیز کیا، اس نے اللہ عزَّ وجلَّ کی پوری معرفت اور اپنے رب عزوجل کی ایمان ویقین کی زبردست قوت کی وجہ سے پرہیز کیا (ترجمہ ختم)

(۵)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

---

[1] ص ۳۰، ۳۱، المقالة الثالثة والأربعون فی ذم السؤال من غير الله تعالى.

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ إِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ، وَقَالَ تَعَالٰی: إِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ أَن یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ، اِتَّقِ الشِّرْکَ جِدًّا وَلَا تَقْرِبْہُ، وَاجْتَنِبْہُ فِیْ حَرَکَاتِکَ وَسَکَنَاتِکَ وَلَیْلِکَ وَنَھَارِکَ، فِیْ خَلْوَتِکَ وَجَلْوَتِکَ (فتوح الغیب، ص ۳۳، المقالۃ الثالثۃ والعشرون فی الرضا بما قسم اللہ تعالی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آپ اللہ کے ساتھ شریک نہ کرو بیشک شرک بڑا ظلم ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہیں فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جس کو چاہیں معاف فرمادیں گے۔آپ شرک سے بہت بچو اور اس کے قریب مت جاؤ، اور اپنی حرکات اور سکنات میں اور رات اور دن میں، اور تنہائی میں اور لوگوں کے سامنے شرک سے بچو (ترجمہ ختم)

(۶)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

إِذَا وَجَدْتَّ فِیْ قَلْبِکَ بُغْضَ شَخْصٍ أَوْ حُبَّہٗ فَأَعْرِضْ أَعْمَالَہٗ عَلَی الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ، فَإِنْ کَانَتْ فِیْھِمَا مَبْغُوْضَۃً فَأَبْشِرْ بِمُوَافَقَتِکَ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ وَرَسُوْلَہٗ، وَإِنْ کَانَتْ أَعْمَالُہٗ فِیْھِمَا مَحْبُوْبَۃً وَأَنْتَ تُبْغِضُہٗ فَاعْلَمْ بِأَنَّکَ صَاحِبُ ھَوٰی، تُبْغِضُہٗ بِھَوَاکَ ظَالِمًا لَہٗ بِبُغْضِکَ إِیَّاہُ، وَعَاصٍ لِلّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِرَسُوْلِہٖ مُخَالِفٌ لَھُمَا فَتُبْ إِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ بُغْضِکَ وَاسْأَلْہُ عَزَّ وَجَلَّ مَحَبَّۃَ ذٰلِکَ الشَّخْصِ وَغَیْرِہٖ مِنْ أَحِبَّائِہٖ وَأَوْلِیَائِہٖ وَأَصْفِیَائِہٖ وَالصَّالِحِیْنَ مِنْ عِبَادِہٖ، لِتَکُوْنَ مُوَافِقًا لَہٗ عَزَّ وَجَلَّ، وَکَذٰلِکَ اِفْعَلْ فِیْمَنْ تُحِبُّہٗ یَعْنِیْ أَعْرِضْ أَعْمَالَہٗ عَلَی الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ فَإِنْ کَانَتْ مَحْبُوْبَۃً فِیْھِمَا فَأَحِبَّہٗ، وَإِنْ کَانَتْ

مَبْغُوْضَةً فَاَبْغِضْهُ(فتوح الغیب) [۱]

ترجمہ: جب آپ اپنے دل میں کسی شخص کے بغض یا محبت کو پائیں تو اس شخص کے اعمال کو کتابُ اللہ اور سنتِ رسول پر پیش کریں، پس اگر اس کے اعمال کتابُ اللہ اور سنتِ رسول میں مبغوض اور ناپسندیدہ ہوں اور آپ اس شخص کو مبغوض رکھتے ہوں تو آپ اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی موافقت سے خوش ہو جائیں (کہ آپ نے کسی کو مبغوض و ناپسند درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کی وجہ سے کیا، جو خوشی کی بات ہے) اور اگر اس شخص کے اعمال کتابُ اللہ اور سنتِ رسول میں محبوب اور پسندیدہ ہوں اور آپ اس شخص کو مبغوض رکھتے ہوں تو آپ یہ بات جان لیں کہ آپ خواہش پرست ہیں کہ آپ اس سے اپنی خواہش کی وجہ سے بغض رکھتے ہیں، آپ اس کے لئے اپنے بغض کی وجہ سے ظلم کرنے والے ہیں اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والے ہیں جو اس کی مخالفت کرتے ہیں پس آپ اللہ عزوجل سے اپنے بغض سے توبہ کریں اور میں (آپ کے مذکورہ طرزِ عمل کے برعکس) اللہ عزوجل سے اس شخص کی محبت کی دعا کرتا ہوں، اور ان لوگوں کی محبت کی بھی جو اللہ کو پسند ہیں اور اس کے ولی ہیں اور اس کے منتخب کردہ ہیں اور اس کے نیک بندے ہیں تاکہ اللہ عزوجل کی موافقت ہو جائے اور یہی عمل میں اس شخص کے بارے میں اختیار کرتا ہوں جس سے تو محبت کرتا ہے یعنی میں اس کے اعمال کو کتابُ اللہ اور سنتِ رسول پر پیش کرتا ہوں، پس اگر اس کے اعمال کتابُ اللہ اور سنتِ رسول میں محبوب ہیں تو میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اگر مبغوض ہیں تو میں اس سے بغض رکھتا ہوں (ترجمہ ختم)

(۷)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

---

[۱] ص ۴۶، المقالة الحادية والثلاثون، فی البغض فی الله.

وَأَجْعَلِ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ أَمَامَكَ وَأَنْظُرُ فِيهِمَا وَأَعْمَلُ بِهِمَا، وَلَا تَغْتَرُ بِالْقَالِ وَالْقِيلِ وَالْهَوسِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ، وَلَا تُخَالِفُوهُ فَتَتْرُكُوا الْعَمَلَ بِمَا جَاءَ بِهِ وَتَخْتَرِعُوا لِأَنْفُسِكُمْ عَمَلًا وَعِبَادَةً كَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ فِي حَقِّ قَوْمٍ: ضَلُّوا سَوَاءَ السَّبِيلِ، وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِ الْآيَةِ، ثُمَّ إِنَّهُ قد زَكّٰى هُوَ عَزَّ وَجَلَّ نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَزَّهَهُ عَنِ الْبَاطِلِ وَالزُّوْرِ فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ: وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى، أَيْ مَا آتَاكُمْ بِهِ فَهُوَ مِنْ عِنْدِي لَا مِنْ هَوَاهُ وَنَفْسِهِ فَاتَّبِعُوهُ، ثُمَّ قَالَ تَعَالٰى: قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ، فَبَيَّنَ أَنَّ طَرِيقَ الْمَحَبَّةِ إِتِّبَاعُهُ قَوْلًا وَّفِعْلًا (فتوح الغيب) [1]

ترجمہ: اور کتابُ اللہ اور سنتِ رسول کو اپنے سامنے رکھو، اور ان میں غور وفکر اور ان کے مطابق عمل کرو اور قیل وقال اور ہوس کے چکر میں نہ پڑو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو چیز تمہیں رسول دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو۔

اور تم رسول کی مخالفت نہ کرو کہ تم اس کی لائی ہوئی چیز کو چھوڑ دو اور اپنے لئے کوئی عمل اور عبادت خود سے گھڑ لو (جس کو بدعت کہا جاتا ہے) جیسا کہ اللہ عزوجل نے اس قوم کے بارے میں فرمایا جو سیدھے راستے سے بھٹک گئی تھی کہ ان کے رھبان (اور بزرگوں) نے ایسی چیزیں گھڑ لی تھیں کہ ہم نے ان پر ان چیزوں کو مقرر نہیں کیا تھا۔

پھر اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو باطل اور جھوٹ سے پاک صاف

---

[1] ص۵۷، المقالة السادسة والثلاثون، في بيان الدنيا و الآخرة و ما ينبغي أن يعمل فيهما.

کر دیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ نبی اپنی شہوت سے بات نہیں کرتا جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ وحی کیا ہوا ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ نبی جو چیز تمہیں دیں تو وہ میری طرف سے ہے اپنی شہوت اور اپنی ذات کی طرف سے نہیں ہے، لہٰذا تم اس کی اتباع کرو۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے نبی آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تم میری اتباع کرو، تم سے اللہ محبت فرمائے گا۔

پس اللہ تعالیٰ نے محبت کا طریقہ نبی کے قول اور فعل میں اتباع کرنے کو بیان فرمایا ہے (ترجمہ ختم)

(۸)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فَالسَّلَامَةُ مَعَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَالْهَلَاكِ مَعَ غَيْرِهِمَا، وَبِهِمَا يَتَرَقّٰى الْعَبْدُ إِلٰى حَالَةِ الْوِلَايَةِ وَالْبَدَلِيَّةِ وَالْغَوْثِيَّةِ (فتوح الغيب) [1]

ترجمہ: پس سلامتی کتابُ اللہ اور سنتِ رسول کے ساتھ ہے اور ان دونوں کے علاوہ دوسری چیزوں کے ساتھ ہلاکت ہے اور ان دونوں چیزوں کے ساتھ ہی بندہ، ولایت، بدلیت اور غوثیت کی حالت کی طرف ترقی کرتا ہے (ترجمہ ختم)

(۹)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فَادْخُلْ بِالظُّلْمَةِ فِي الْمِصْبَاحِ وَهُوَ كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا تَخْرُجُ عَنْهُمَا فَإِنْ خَطَرَ خَاطِرٌ أَوْ وَجَدَ إِلْهَامٌ فَاَعْرِضْهُ عَلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، فَإِنْ وَجَدْتَّ فِيْهَا تَحْرِيْمَ ذٰلِكَ مِثْلَ أَنْ تُلْهَمَ بِالزِّنَا وَالرِّيَاءِ وَمُخَالَطَةِ أَهْلِ الْفِسْقِ وَالْفُجُوْرِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ

---

[1] ص۵۷، المقالة السادسة والثلاثون، في بيان الدنيا و الآخرة و ما ينبغي أن يعمل فيهما.

مِنَ الْمَعَاصِي، فَادْفَعْهُ عَنْکَ وَاهْجُرْهُ وَلَا تَقْبَلْهُ وَلَا تَعْمَلْ بِهٖ، وَاقْطَعْ بِأَنَّهُ مِنَ الشَّيْطَانِ اللَّعِيْنِ، وَإِنْ وَجَدْتَّ فِيْهَا إِبَاحَةً كَالشَّهْوَاتِ الْمَبَاحَةِ مِنَ الْأَكْلِ أَوِ الشُّرْبِ أَوِ اللُّبْسِ أَوِ النِّكَاحِ فَاهْجُرْهُ أَيْضًا وَلَا تَقْبَلْهُ، وَاعْلَمْ أَنَّهُ مِنْ إِلْهَامِ النَّفْسِ وَشَهْوَاتِهَا وَقَدْ أُمِرْتَ بِمُخَالَفَتِهَا وَعَدَاوَتِهَا (فتوح الغیب) [1]

ترجمہ: آپ ظلمت کو چراغ میں داخل کریں اور چراغ، کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، آپ ان دونوں سے نہ نکلیں اور اگر کوئی بات کھٹکے یا دل میں کوئی بات پائیں تو آپ اس کو کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کریں، پھر اگر آپ ان میں اس کا حرام وناجائز ہونا پائیں، مثلاً آپ کے دل میں زنا یا دکھلاوے یا فاسق وفاجر لوگوں کے ساتھ میل جول اور اس کے علاوہ دوسرے گناہوں کا تقاضا ہو تو آپ اس کو اپنے سے دور کریں اور اس کو چھوڑ دیں اور اس کو قبول نہ کریں اور اس پر عمل نہ کریں اور اس بات کا یقین کرلیں کہ وہ شیطان لعین کی طرف سے ہے، جس سے ہم اللہ تعالیٰ کے ذریعے سے پناہ مانگتے ہیں (ترجمہ ختم)

(۱۰)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(يَاغُلَامُ) بَيِّنَتُكَ مُلَازَمَةَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْعَمَلَ بِهِمَا وَالْإِخْلَاصَ فِي الْعَمَلِ، اَنَّهٗ أُرٰى عُلَمَاءَ كُمْ جُهَّالًا، زُهَّادَكُمْ طَالِبِي الدُّنْيَا وَرَاغِبِيْنَ فِيْهَا، مُتَوَكِّلِيْنَ عَلَى الْخَلْقِ نَاسِيْنَ لِلْحَقِّ عَزَّوَجَلَّ، اَلثِّقَةُ بِغَيْرِ الْحَقِّ عَزَّوَجَلَّ سَبَبُ اللَّعْنَةِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ: مَلْعُوْنٌ مَلْعُوْنٌ مَنْ كَانَتْ ثِقَتُهٗ بِمَخْلُوْقٍ مِثْلِهٖ. وَقَالَ

[1] ص ۱۵، المقالة العاشرة في النفس و أحوالها.

عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: مَنْ تَعَزَّزَ بِمَخْلُوْقٍ فَقَدْ ذَلَّ.

(وَيْحَكَ) اِذَا خَرَجْتَ مِنَ الْخَلْقِ صِرْتَ مَعَ الْخَالِقِ يَعْرِفُكَ مَالَكَ وَمَا عَلَيْكَ (الفتح الربانی والفیض الرحمانی) [1]

ترجمہ: صاحبزادہ! قرآن وسنت کا پابند رہنا اوران پرعمل کرنا اور عمل میں اخلاص پیدا کرنا (تیرادعویٰ ایمان کا) گواہ ہے، میں تمہارے عالموں کو جاہل اور تمہارے زاہدوں کو دنیا کا طالب، دنیا میں بارغبت، مخلوق پر اعتماد رکھنے والا اور اللہ تعالیٰ کو بھلا دینے والا دیکھ رہا ہوں۔ حق تعالیٰ کے علاوہ دوسرے پر بھروسہ کرنا لعنت کا سبب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ: ملعون ہے وہ شخص جس کا بھروسہ اپنی جیسی مخلوق پر ہو۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مخلوق سے عزت چاہی، وہ بے شک ذلیل ہوا۔

تجھ پر افسوس! جب تو مخلوق سے باہر ہوجائے گا تب خالق کی معیت حاصل ہوگی کہ وہ (خالق) تجھ کو تیرے نفع نقصان سے آگاہ کردے گا (ترجمہ ختم)

(۱۱)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(يَا غُلَامُ) مَتٰى يَصْفُوْ قَلْبُكَ وَيَصْفُوْ سِرُّكَ وَاَنْتَ مُشْرِكٌ بِالْخَلْقِ وَكَيْفَ تُفْلِحُ وَاَنْتَ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ تَعَيَّنَ مَنْ تَمْضِيْ اِلَيْهِ وَتَشْكُوْ اِلَيْهِ وَتَكْدِيْ مِنْهُ ، كَيْفَ يَصْفُوْ قَلْبُكَ وَهُوَ فَارِغٌ مِنَ التَّوْحِيْدِ مَا فِيْهِ ذَرَّةٌ مِنْهُ ،اَلتَّوْحِيْدُ نُوْرٌ وَالشِّرْكُ بِالْحَقِّ ظُلْمَةٌ ، كَيْفَ تُفْلِحُ وَقَلْبُكَ فَارِغٌ مِّنَ التَّقْوٰى مَا فِيْهِ ذَرَّةٌ ،اَنْتَ مَحْجُوْبٌ عَنِ الْخَلْقِ،مَحْجُوْبٌ

[1] ص۱۵۷، المجلس الثامن والثلاثون، دارالریان للتراث، بیروت.

بِالْاَسْبَابِ عَنِ الْمُسَبِّبِ، مَحْجُوْبٌ بِالتَّوَكُّلِ عَلَى الْخَلْقِ وَالثِّقَةِ بِهِمْ، اَنْتَ دَعْوَى مُجَرَّدَةٌ بَاقَةُ بَقْلٍ مَا تُعْطٰى بِالدَّعْوٰى بِلَا بَيِّنَةٍ (الفتح الربانی والفیض الرحمانی) [1]

ترجمہ: صاحب زادہ! تیرا دل کب صاف ہوگا، اور تیرے باطن میں صفائی کس وقت آئے گی، حالانکہ تو اللہ کی مخلوق کو شریک قرار دیے ہوئے ہے، اور تو کامیابی کیونکر پائے گا جبکہ تو ہر وقت مخلوق ہی سے مدد چاہتا ہے، مخلوق ہی کی طرف جاتا ہے، مخلوق ہی سے شکوہ کرتا ہے اور مخلوق ہی سے بھیک مانگتا ہے، جبکہ تیرا دل توحید سے بالکل خالی ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی توحید نہیں، تو وہ صاف کس طرح ہو سکتا ہے؟ توحید نور ہے اور مخلوق کو اللہ کا شریک قرار دینا ظلمت اور اندھیرا ہے، تُو کامیابی کس طرح پا سکتا ہے، حالانکہ تیرا دل تقوے سے ایسا خالی ہے کہ اس میں اس کا ذرہ بھر بھی نہیں، تو مخلوق کی وجہ سے خالق سے رکا ہوا ہے، اسباب کے سبب مسبب سے رکا ہوا ہے، اور مخلوق کا بھروسہ واعتماد رکھنے کی وجہ سے توکل سے رکا ہوا ہے تو صرف دعویٰ ہے اور گواہ کے بغیر دعوے سے ایک مٹھی گھاس بھی تجھ کو نہیں مل سکتی (ترجمہ ختم)

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو بزرگانِ دین کی صحیح تعلیمات کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور بزرگانِ دین کا ایسا احترام جو شریعت کو مطلوب ہے، صحیح طور پر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور ہر قسم کی بدعات اور لغویات سے حفاظت فرمائیں، اور بزرگانِ دین کے نام پر ان کی ہدایات کی خلاف ورزی کرنے کے طرزِ عمل سے بچائیں۔ آمین۔

---

[1] ص ۲۸۳، و ۲۸۴، المجلس الثامن والثلاثون، دار الریان للتراث، بیروت.

عُرس منانے کا شرعی حکم

صوفیائے کرام یا مذہبی پیشواؤں کے مزاروں پر ہر سال یومِ وفات کے موقع پر جو بعض لوگوں کی طرف اجتماع ہوتا ہے، اسے آج کل کے عرف ورواج میں عرس کہا جاتا ہے۔

جس طرح گیارہویں کی رسم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے یومِ وفات کے حوالے سے منائی جاتی ہے، اسی طرح سالانہ عرس بھی بزرگوں کے یومِ وفات کی نسبت سے منائے جاتے ہیں اور بعض لوگ گیارہ تاریخ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا عرس بھی مناتے ہیں، اور عوامُ الناس کے عقائد بھی ان دونوں چیزوں کے متعلق تقریباً ملتے جلتے ہیں، اور قبروں پر کی جانے والی بڑی بدعات میں سے عرس بڑی بدعت ہے، جس کو قبر کی سالانہ عید بھی کہا جاتا ہے، اس لئے گیارہویں کے ساتھ عرس کی رسم پر بھی روشنی ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ [1]

اولیائے کرام اور بزرگانِ دین سے حسنِ عقیدت اور اُن سے اللہ کے لئے محبت کرنا جبکہ شریعت کی حدود میں ہو، یہ مقبول ترین اعمال میں داخل ہے، صحیح اولیائے کرام کے نقشِ قدم

---

[1] عرس کے معنیٰ لغت میں شادی کے ہیں اور اس کا حاصل ہے ایک محبوب کا دوسرے سے وصل ہونا اور کیونکہ نیک لوگوں کی موت ان کے لئے وصلِ محبوب ہوتی ہے، نیز ایک روایت میں بھی آیا ہے کہ جب کسی مقبول بندے کی وفات ہوتی ہے تو فرشتے سوال وجواب کے بعد اس سے کہتے ہیں، ”نَمْ کَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ“ ترجمہ: دلہن کی طرح بے فکر سو جا۔

اس اعتبار سے بزرگانِ دین کے فوت ہونے کا دن ان کے حق میں عرس کا دن ہوا، لیکن اوّل تو یہ دن ان کے حق میں ہے نہ کے کسی اور کے حق میں، دوسرے یہ دن بھی خاص ہے ہر سال آنے والے دن کو یہ مقام حاصل نہیں، تیسرے فوت ہونے کے بعد ان کی قبر پر ان کے نام سے عرس کے طور پر جمع ہونا یہ قبر کی زیارت کے مفہوم کے بالکل خلاف ہے، اب صورتِ حال یہ ہے کہ لوگوں نے اس کے مفہوم ومصداق دونوں کو بالکل خراب کر دیا ہے۔ مصداق کی خرابیاں تو ظاہر ہیں کہ تمام شرک وبدعت اس عرس کا جزو ہو گئی ہیں۔ باقی مفہوم کی خرابی یہ ہے کہ اس لفظ کے لغوی معنیٰ لے کر شادی کے لوازم بھی وہاں جمع کر دیئے ہیں، چنانچہ اکثر جگہ رسم ہے کہ بزرگوں کی قبر پر مہندی چڑھاتے ہیں، نقارہ رکھتے ہیں مزامیر وغیرہ سب لغو حرکتیں جمع کر رکھی ہیں (ماخوذ از ”اشرف الجواب“ بتغیر ص ۴۹)

پر چلنا اوران کی صحیح معنیٰ میں پیروی کرنا باعثِ سعادت ہے، اُن کی وفات کے بعد اُن کے لئے شرعی قواعد کے مطابق ایصالِ ثواب کرنا اوران کے درجات بلند ہونے کے لئے دعا کرنا ایک پسندیدہ عمل ہے، شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے کسی بزرگ کی قبر پر حاضری دینا اور سنت کے مطابق سلام کہنا، مزارات پر عبرت حاصل کرنے ، اور صاحبِ قبر کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی غرض سے جانا ہرگز کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔

لیکن اگراس سلسلہ میں شرعی احکام کی خلاف ورزی کی جائے تو یہ نیک عمل گناہ کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔

احادیث میں ان چیزوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَزُوْرُوْا الْقُبُوْرَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ (مسلم) [1]

ترجمہ: تم قبروں کی زیارت کرو، اس لئے کہ یہ موت کو یاد دلاتی ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا، فَإِنَّ فِيْهَا عِبْرَةً (مستدرک حاکم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا، پس (اب تم) قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ قبروں کی زیارت کرنے میں عبرت حاصل ہوتی ہے (ترجمہ ختم)

---

[1] رقم الحديث ٩٧٦"١٠٨"، كتاب الكسوف،باب استئذان النبى صلى الله عليه وسلم ربه عز وجل فى زيارة قبر أمه، دار إحياء التراث العربى -بيروت.

[2] رقم الحديث ١٣٨٦،كتاب الجنائز، دارالكتب العلمية، بيروت.
قال الحاكم: " هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه "

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أَلَا فَزُوْرُوْا الْقُبُوْرَ فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا، وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۳۸۷، كتاب الجنائز، دار الكتب العلمية، بيروت)

ترجمہ: تم قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ یہ دنیا میں زُہد (یعنی دنیا سے بے رغبتی) پیدا کرتی ہے، اور آخرت کی یاد دلاتی ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوْا إِلَى الْمَقَابِرِ، كَانَ قَائِلُهُمْ يَقُوْلُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ، نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اس چیز کی تعلیم دیا کرتے تھے کہ جب وہ قبروں کی طرف جائیں، تو کہنے والا یہ کہے کہ اے مومنین اور مسلمین کے گھر والوں، تم پر سلام ہو، اور ہم ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں، ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، ثُمَّ قَالَ: زُوْرُوْهَا، وَلَاتَقُوْلُوْا هُجْرًا (مصنف ابنِ ابی شيبة) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا، پھر فرمایا کہ تم قبروں کی زیارت تو کیا کرو، لیکن کوئی بری بات نہ کہا کرو (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ۱۵۴۷، كتاب الجنائز، باب ما جاء فيما يقال إذا دخل المقابر.

[2] رقم الحديث ۱۱۹۲۷، كتاب الجنائز، باب من رخص فى زيارة القبور.

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ(مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے اور اس پر عمارت بنانے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے (ترجمہ ختم)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ(ترمذی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں پر اور قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے (ترجمہ ختم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ: لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى، اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسْجِدًا(بخاری) [3]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرضِ وصال میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود اور نصاریٰ پر لعنت فرمائے، جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ

---

[1] رقم الحديث ۹۷۰ ''۹۴'' كتاب الجنائز، باب النهى عن تجصيص القبر والبناء عليه، دار إحياء التراث العربى -بيروت، واللفظ لهٗ، ابوداؤد رقم الحديث ۳۲۲۵، نسائى رقم الحديث ۲۰۲۷، مسند احمد رقم الحديث ۱۴۱۴۹، مصنف ابنِ ابى شيبة رقم الحديث ۱۱۸۸۶.

[2] رقم الحديث ۳۲۰، كتاب الصلاة، باب ما جاء فى كراهية أن يتخذ على القبر مسجدا، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر، واللفظ لهٗ، ابوداؤد رقم الحديث ۳۲۳۶، نسائى رقم الحديث ۲۰۴۳، مسند احمد رقم الحديث ۲۰۳۰.

قال الترمذى: وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَأَبُو صَالِحٍ هَذَا هُوَ مَوْلَى أُمِّ هَانِءٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ وَاسْمُهُ بَاذَانُ وَيُقَالُ بَاذَامُ أَيْضًا (حواله بالا)

[3] رقم الحديث ۱۳۳۰، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، دار طوق النجاة، بيروت.

(وعبادت گاہ) بنالیا (ترجمہ ختم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں کو قتل فرمائے، جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا (ترجمہ ختم)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ إِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ (مسلم) [2]

ترجمہ: خبردار ہو جاؤ، تم سے پہلے لوگوں نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا تھا، خبردار ہو جاؤ، تم قبروں کو عبادت گاہ مت بنانا، میں نے تم کو اس سے منع کردیا ہے (ترجمہ ختم)

ابتدائے اسلام میں جبکہ بت پرستی اور قبروں کی عبادت کا دور دورہ تھا، اور فسق وفجور اور بدعات کا شیوع تھا، اور یہود ونصاریٰ وغیرہ نے اپنے نبیوں کی قبروں پر اس طرح کی حرکات اختیار کرلی تھیں، اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے اور اس طرح کی حرکات سے منع فرمادیا تھا، تاکہ لوگ کفر وشرک اور گناہوں میں مبتلا نہ ہوں۔

---

[1] رقم الحدیث ۵۳۰ "۲۰" کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب النهی عن بناء المساجد، علی القبور واتخاذ الصور فيها والنهی عن اتخاذ القبور مساجد، داراحياء التراث العربی، بيروت.

[2] رقم الحدیث ۵۳۲ "۲۳" کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب النهی عن بناء المساجد، علی القبور واتخاذ الصور فيها والنهی عن اتخاذ القبور مساجد، داراحياء التراث العربی، بيروت.

پھر جب لوگوں میں توحید اور ایمان کی پختگی پیدا ہوگئی، اور اس قسم کی خرابیوں سے حفاظت پر اطمینان ہوگیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خرابیوں سے بچتے ہوئے قبروں کی زیارت اور قبرستان میں حاضری کی اجازت دے دی، اور ساتھ ہی قبروں کی زیارت کا مقصد بھی بیان فرمادیا کہ یہ موت کو یاد دلانے اور دنیا سے بے رغبتی پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔

لہٰذا اس بنیادی مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر قبروں پر حاضری دینی چاہئے، اور صاحبِ قبر کے لئے دعا کرنی چاہئے، اور وہاں جا کر کوئی خلافِ شریعت حرکت نہیں کرنی چاہئے۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا، لَعَنَ اللّٰهُ قَوْمًا اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ(مسند احمد) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ میری قبر کو بت مت بنانا، اللہ تعالیٰ اس قوم پر لعنت فرمائے، جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد و عبادت گاہ بنالیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا عَقْرَ فِي الْإِسْلَامِ، قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: كَانُوْا يَعْقِرُوْنَ عِنْدَ الْقَبْرِ بَقَرَةً أَوْ شَاةً(سنن أبی داود) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام میں ''عقر'' نہیں ہے، امام عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ لوگ قبر کے قریب گائے یا بکری ذبح کیا کرتے تھے (حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے) (ترجمہ ختم)

---

[1] ومعنى النهي عن زيارة القبور إنما كان في أول الإسلام عند قربهم بعبادة الأوثان واتخاذ القبور مساجد، فلما استحكم الإسلام وقوى في قلوب الناس وأمنت عبادة القبور والصلاة إليها نسخ النهي عن زيارتها لأنها تذكر الآخرة وتزهد في الدنيا(عمدة القارى، ج۸ص ۷۰، باب زيارة القبور)

[2] رقم الحديث ۷۳۵۸، مؤسسة الرسالة، بيروت.

[3] رقم الحديث ۳۲۲۲، كتاب الجنائز، باب كراهية الذبح عند القبر، المكتبة العصرية، بيروت.

اس سے معلوم ہوا کہ کسی نبی یا ولی کی قبر پر ایسی حرکات کرنا، جو بت پرست اپنے بتوں کے لئے کیا کرتے تھے، مثلاً ان کو سجدہ کرنا، اور طواف کرنا، یا ان کا تقرب حاصل کرنے کے لئے کوئی جانور ذبح کرنا یا کوئی دوسری چیز ان کے مزارات پر پیش کرنا اور چڑھانا، یا کسی دوسرے طریقہ سے غیر شرعی تعظیم کرنا حرام اور گناہ ہے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِيْدًا، وَلَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا، وَحَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوْا عَلَيَّ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِیْ (مسند احمد) [2]

---

[1] قال أبو عمر: الوثن الصنم وهو الصورة من ذهب كان أو من فضة أو غير ذلک من التمثال وكل ما يعبد من دون الله فهو وثن صنما كان أو غير صنم وكانت العرب تصلى إلى الأصنام وتعبدها فخشى رسول الله صلى الله عليه وسلم على أمته أن تصنع كما صنع بعض من مضى من الأمم كانوا إذا مات لهم نبى عكفوا حول قبره كما يصنع بالصنم فقال صلى الله عليه وسلم " :اللهم لا تجعل قبرى وثنا يصلى إليه ويسجد نحوه ويعبد فقد اشتد غضب الله على من فعل ذلک "، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحذر أصحابه وسائر أمته من سوء صنيع الأمم قبله الذين صلوا إلى قبور أنبيائهم واتخذوها قبلة ومسجدا كما صنعت الوثنية بالأوثان التى كانوا يسجدون إليها ويعظمونها وذلک الشرک الأكبر فكان النبى صلى الله عليه وسلم يخبرهم بما فى ذلک من سخط الله وغضبه وأنه مما لا يرضاه خشية عليهم امتثال طرقهم(التمهيد لما فى الموطأ من المعانى والأسانيد، ج۵ص۴۵،باب الزاء،الحديث التاسع والعشرون، لزيد بن أسلم)

(لا عقر فى الإسلام) قال ابن الأثير :هذا نفى للعادة الجاهلية وتحذير منها كانوا فى الجاهلية يعقرون الإبل أى ينحرونها على قبور الموتى ويقولون صاحب القبر كان يعقرها للأضياف فى حياته فيكافأ بصنيعه بعد موته .قال المجد ابن تيمية :وكره الإمام أحمد أكل لحمه قال :قال أصحابنا وفى معناه ما يفعله كثير من التصدق عند القبر بنحو خبز اه وأصل العقر ضرب قوائم البعير والشاة بالسيف وهو قائم(د عن أنس) بن مالک سنده رمز المصنف لحسنه(فيض القدير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ۹۹۰۹)

[2] رقم الحديث ۸۸۰۴، مؤسسة الرسالة، بيروت،واللفظ لهٗ،ابوداؤد، رقم الحديث ۲۰۴۴، كتاب المناسک باب زيارة القبور، المعجم الكبير للطبرانى رقم الحديث ۱۱۵۹ ،مصنف عبدالرزاق ، رقم الحديث ۴۸۳۹، كتاب الصلاة، باب التطوع فى البيت،شعب الايمان للبيهقى رقم الحديث ۳۸۶۵، باب فضل الحج والعمرة.

فى حاشية مسند احمد:إسناده حسن لأجل عبد الله بن نافع، وقد سلفت ترجمته فى الحديث السابق، وباقى رجاله ثقات رجال الشيخين غير سريج،وهو ابن النعمان الجوهرى،فمن رجال البخارى.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ، اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ (کہ وہاں نماز پڑھنا چھوڑ دو) اور تم جہاں کہیں بھی ہو، مجھ پر درود پڑھو، کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے (ترجمہ ختم)

قبر کو عید نہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر کوئی خاص دن مقرر کر کے میلہ نہ لگایا جائے، جیسا کہ آج کل بزرگوں کے مزاروں پر عرس کے موقع پر ہوتا ہے۔

کیونکہ شریعت نے سال بھر میں عید کے دو موقعے مقرر فرمائے ہیں۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا، فَقَالَ: مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ؟ قَالُوْا: كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا: يَوْمَ الْأَضْحٰى، وَيَوْمَ الْفِطْرِ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینے کے لوگ (جن میں بہت سے لوگ پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکے تھے) دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ دو دن کیا ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم جاہلیت میں (اسلام سے پہلے) ان دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے (بس وہی رواج اب تک چل رہا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اِن دو دنوں کے بدلے میں اِن سے بہتر دو دن عطا فرما دیئے ہیں (اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) ایک عید الاضحیٰ کا دن، اور دوسرا عید الفطر کا دن (ترجمہ ختم)

---

[1] رقم الحديث ۱۱۳۴، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، المكتبة العصرية، بيروت، واللفظ لهٗ، سنن نسائى، رقم الحديث ۱۵۵۶، مسند احمد، رقم الحديث ۱۲۸۲۷.
فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين من جهة يزيد بن هارون، وأما متابعه سهل بن يوسف، فمن رجال البخارى وأصحاب السنن.

مگر اس کے برعکس بے شمار لوگ بزرگانِ دین کی قبروں پر عرس کے عنوان سے میلے لگاتے ہیں، اور اس دن کو عید قرار دیتے ہیں۔

یہ بات جان لینے کی ہے کہ عید وتہوار میں یہ تین چیزیں خاص کر ہوا کرتی ہیں:

(۱) تاریخ کو متعین کرنا (۲) اجتماع (۳) خوشیاں منانا۔

لہٰذا احادیث کی رو سے مزاروں پر ایک متعین تاریخ کو اجتماع کرنے اور رواجی خوشیاں منانے کی ممانعت ثابت ہوئی۔

چنانچہ امام مناوی رحمہ اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر کو عید بنانے سے ممانعت والی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

يُؤْخَذُ مِنْهُ أَنَّ اِجْتِمَاعَ الْعَامَّةِ فِيْ بَعْضِ أَضْرِحَةِ الْأَوْلِيَاءِ فِيْ يَوْمٍ أَوْ شَهْرٍ مَّخْصُوْصٍ مِّنَ السَّنَةِ وَيَقُوْلُوْنَ هٰذَا يَوْمُ مَوْلِدِ الشَّيْخِ وَيَأْكُلُوْنَ وَيَشْرَبُوْنَ وَرُبَمَا يَرْقُصُوْنَ مَنْهِيٌّ عَنْهُ شَرْعًا وَعَلٰى وَلِيِّ الشَّرْعِ رَدْعُهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ وَإِنْكَارُهٗ عَلَيْهِمْ وَإِبْطَالُهٗ (فيض القدير للمناوی)[1]

ترجمہ: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ لوگوں کا بعض اولیائے کرام کی قبروں پر سال کے کسی مخصوص دن یا مخصوص مہینے میں جمع ہونا، جس کے بارے میں لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ فلاں بزرگ کا میلاد ہے، اور کھاتے اور پیتے ہیں، اور بعض اوقات رقص بھی کرتے ہیں، تو یہ شرعاً ممنوع ہے، شریعت داں کے ذمہ اس عمل پر ان کو تنبیہ کرنا اور نکیر کرنا اور اس عمل کو باطل قرار دینا ضروری ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ مشکاۃ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

قَالَ الطِّيْبِيُّ نَهَاهُمْ عَنِ الْاِجْتِمَاعِ لَهَا اِجْتِمَاعَهُمْ لِلْعِيْدِ نُزْهَةً وَزِيْنَةً وَكَانَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى تَفْعَلُ ذٰلِكَ بِقُبُوْرِ اَنْبِيَآئِهِمْ فَاَوْرَثَهُمْ

---

[1] تحت حديث رقم ۵۰۱۶، حرف الصاد، المكتبة التجارية الكبرى -مصر.

الْغَفْلَةَ وَالْقَسْوَةَ وَمِنْ عَادَةِ عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ اَنَّهُمْ لَايَزَالُوْنَ يُعَظِّمُوْنَ اَمْوَاتَهُمْ حَتّٰى اِتَّخَذُوْهَا اَصْنَامًاوَاِلٰى هٰذَا اَشَارَ بِقَوْلِهٖ " اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِىْ وَثَنًا" يُعْبَدُ فَيَكُوْنُ الْمَقْصُوْدُ مِنَ النَّهْيِ كَرَاهَةَ اَنْ يَّتَجَاوَزُوْا فِىْ قَبْرِهٖ غَايَةَ التَّجَاوُزِ وَلِهٰذَا وَرَدَ" اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ" (مرقاۃ المفاتیح) [1]

ترجمہ: طیبی نے فرمایا کہ قبر پر عید کی طرح اجتماع سے منع کیا گیا ہے، جو فخر اور زینت کے طور پر ہوتا ہے، اور یہود ونصاریٰ اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ ایسا کیا کرتے تھے، جس نے ان کو غفلت اور دل کی سختی میں مبتلا کردیا، اور بت پرستوں کی بھی عادت رہی کہ وہ اپنے مُردوں کی تعظیم کرتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے قبروں کو بت بنالیا، اوراسی کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا کہ اے اللہ میری قبر کو بت مت بنانا، جس کی عبادت کی جائے، تو منع کرنے سے مقصود اس چیز کو ناپسند کرنا ہوا کہ وہ قبر کے معاملہ میں حد سے تجاوز کریں، اوراسی وجہ سے حدیث میں یہ وارِد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا غصہ اس قوم پر سخت ہوگیا، جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فِىْ هٰذَا الْحَدِيْثِ إِبَاحَةُ الدُّعَاءِ عَلٰى أَهْلِ الْكُفْرِ وَتَحْرِيْمُ السُّجُوْدِ عَلٰى قُبُوْرِ الْأَنْبِيَاءِ وَفِىْ مَعْنٰى هٰذَا أَنَّهُ لَا يَحِلُّ السُّجُوْدُ لِغَيْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَيَحْتَمِلُ الْحَدِيْثُ أَنْ لَّا تُجْعَلَ قُبُوْرُ الْأَنْبِيَاءِ قِبْلَةً يُصَلّٰى إِلَيْهَا وَكُلُّ مَا احْتَمَلَهُ الْحَدِيْثُ فِى اللِّسَانِ الْعَرَبِيِّ فَمَمْنُوْعٌ مِنْهُ لِأَنَّهُ إِنَّمَا

---

[1] ج ۲ ص ۳۴۲، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی وفضلها، دار الفکر، بیروت.

دَعَا عَلَى الْيَهُودِ مُحَذِّرًا لِأُمَّتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ أَنْ يَّفْعَلُوْا فِعْلَهُمْ
(التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد) [1]

ترجمہ: اس حدیث میں کافروں پر بددعا کرنے کے جائز ہونے، اور انبیاء کی قبروں پر سجدہ کرنے کے حرام ہونے کا ثبوت ہے، اور اسی معنیٰ میں یہ بھی ہے کہ اللہ عزوجل کے علاوہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں، اور اس حدیث میں یہ احتمال بھی ہے کہ انبیاء کی قبروں کو قبلہ نہ بناؤ، جس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے، اور ہر وہ چیز جس کا حدیث عربی زبان میں احتمال رکھتی ہے، وہ ممنوع ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود پر بددعاء فرمائی ہے، اپنی امت کو اس طرح کے فعل سے ڈرانے کے لئے (ترجمہ ختم)

اور علامہ محمد طاہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لَاتَجْمَعُوْالِزِيَارَتِهِ اِجْتِمَاعَكُمْ لِلْعِيْدِ فَاِنَّهٗ يَوْمُ لَهْوٍوَسُرُوْرٍ وَحَالُ الزِّيَارَةِ بِخِلَافِهٖ وَكَانَ دَأْبَ اَهْلِ الْكِتَابِ فَاَوْرَثَهُمُ الْقَسْوَةَ (مجمع البحار ج ۲ ص ۴۴۵)

ترجمہ: (مذکورہ حدیث کا مطلب یہ ہے) کہ قبر کی زیارت کے لئے مثل عید کے جمع نہ ہونا چاہئے کیونکہ عید تو کھیل اور خوشی کا دن ہے اور زیارتِ قبر کی شان اس سے علیحدہ ہے۔ قبر پر عید منانے کا رواج اہلِ کتاب کا ہے جس کی وجہ سے ان کے قلوب سخت ہوگئے (اور زیارۃِ قبور کا مقصد جو کہ عبرت حاصل کرنا تھا وہ فوت ہوگیا) (ترجمہ ختم)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَجْعَلُوْا زِيَارَةَ قَبْرِىْ عِيْدًا، أَقُوْلُ: هٰذَا

---

[1] ج۶ ص ۳۸۳، حرف الميم، الحديث العشرون، لابن شهاب.

إِشَارَةٌ إِلٰى سَدِّ مَدْخَلِ التَّحْرِيفِ كَمَا فَعَلَ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى بِقُبُوْرِ أَنْبِيَائِهِمْ، وَجَعَلُوْهَا عِيْدًا وَمَوْسَمًا بِمَنْزِلَةِ الْحَجِّ(حجة الله البالغة) [1]

ترجمہ: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ، میں کہتا ہوں کہ تحریف کا دروازہ بند کرنے کی طرف اشارہ فرمادیا، جیسا کہ یہود اور نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ کیا تھا، اور ان کو عید اور موسم بنادیا تھا، حج کی طرح (ترجمہ ختم)

نیز حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

كُلُّ مَنْ ذَهَبَ اِلٰى بَلَدَةِ اَجْمَيْرَ اَوْ اِلٰى قَبْرِ سَالَارْ مَسْعُوْدٍ اَوْ مَاضَاهَاهَا لِاَجْلِ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَاِنَّهُ اِثْمٌ اِثْمًا اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَالزِّنَا (كتاب التفهيمات الالٰهية،ص ۴۵،مدينه برقی پريس، بجنور، يوپی، انڈيا)

ترجمہ: جو شخص بھی اجمیر شہر، یا سالار مسعود کی قبر، یا اسی طرح کی کسی اور بزرگ کی قبر پر کوئی حاجت طلب کرنے کے لئے گیا، تو وہ گناہ گار ہے، اور یہ گناہ قتل اور زنا سے بھی بڑا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لوگ کوئی ایک دن مقرر کر لیتے ہیں اور اس دن لباس ہائے فاخرہ ونفیس پہن کر عید کے مانند بخوشی وخرمی قبروں کے پاس جمع ہوتے ہیں اور رقص ومزامیر ودیگر بدعات کرتے ہیں، مثلاً قبروں کو سجدہ کرتے ہیں، اور قبروں کا طواف کرتے ہیں، تو یہ طریقہ حرام اور ممنوع ہے، بلکہ بعض لوگ کفر تک پہنچ جاتے ہیں اور یہی مراد ہے ان دونوں حدیثوں سے ”وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِىْ عِيْدًا“ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری قبر کو عید نہ بنالینا“ اور ” اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلُ قَبْرِىْ

[1] ج۲ص۱۲۰، دار الجيل، بيروت -لبنان.

وَثَنًا“ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے میرے پروردگار نہ بنا دینا میری قبر کو بت کہ اس کی پرستش کی جائے“ یہ دونوں حدیثیں مشکاۃ شریف میں ہیں (فتاویٰ عزیزی ص۱۷۸، باب التصوف)

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کے نواسے اور شاگردِ خاص حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ جن پر ہندو پاکستان کے بیشتر علماء کی حدیث کی سندوں کا مدار ہے اور جن کے کلام سے بعض اہلِ بدعت مصنف دلیل پکڑتے ہیں اپنی مشہور کتاب ”اربعین“ میں اسی عرس کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

عرس کا دن مقرر کرنا جائز نہیں ہے (مسائل اربعین ص۳۸)

اور مجالس الابرار میں ہے کہ:

اور قبروں کو عید بنانے سے منع فرمایا اور حال یہ ہے کہ وہ مخالفت کرتے اور میلہ مناتے ہیں اور اس پر ایسے جمع ہوتے ہیں جیسے عید کے لئے بلکہ اس سے بھی زیادہ (مجالس الابرار ص۱۱۸، مجلس ۱۷)

اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید اور حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمہ اللہ کے خاص خلیفہ، حضرت قاضی ثناء اللہ، حنفی، نقشبندی پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لَایَجُوْزُ مَا یَفْعَلُهُ الْجُهَّالُ بِقُبُوْرِ الْاَوْلِیَآءِ وَالشُّهَدَآءِ مِنَ السُّجُوْدِ وَالطَّوَافِ حَوْلَهَا وَاتِّخَاذِ السُّرُجِ وَالْمَسَاجِدِ عَلَیْهَا وَمِنَ الْاِجْتِمَاعِ بَعْدَالْحَوْلِ كَالْاَعْیَادِ وَیُسَمُّوْنَهُ عُرْسًا (التفسیر المظهری)[1]

ترجمہ: جاہل لوگ حضراتِ اولیاء وشہداء کے مزارات کے ساتھ جو (خلافِ شرع) معاملات کرتے ہیں وہ سب کے سب ناجائز ہیں یعنی ان کو سجدہ کرنا، ان کا طواف کرنا اور ان پر چراغاں کرنا اور ہر سال عیدوں کی طرح ان پر جمع ہونا،

[1] ج ۲ ص ٦٥، تحت آیت ٦٤ من سورة آلِ عمران، مكتبة الرشدية -الباكستان.

جس کا نام انہوں نے عرس رکھا ہے (ترجمہ ختم)

اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِیْ عِیْدًا ۔وَقَدْ حَرَّفَ مُرَادَہٗ بَعْضُ الْجُھَلَاءِ وَفَھِمُوا أَنَّ مَعْنَاہُ لَا تَجْعَلُوْہُ کَالْعِیْدِ فَتَأْتُوْہُ فِی السَّنَةِ مَرَّةً، وَمَعْنَاہُ لَا تَجْعَلُوْہُ کَالْعِیْدِ حَفْلَةً سَنَوِیَّةً یَعْنِیْ "میلا میری قبر برنہ لکایا کرو" (فیض الباری شرح البخاری، باب کراھیة الصلاة فی المقابر)

ترجمہ: تم میری قبر کو عید نہ بناؤ، بعض جہلاء نے اس حدیث کی مراد میں تحریف کر دی ہے، اور انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ تم قبر کو عید نہ بناؤ، سال میں ایک مرتبہ ہی آؤ، حالانکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ تم سالانہ عید کی طرح اجتماع نہ کرو، یعنی میری قبر میلا نہ لگایا کرو (ترجمہ ختم)

آج کل کے مروَّجہ عرس کے موقع پر بے شمار عورت اور مرد شرکت کرتے ہیں، مزار پر چادریں اور پھول چڑھاتے ہیں، قبروں کو بوسہ دیتے اور چومتے ہیں، معتقد لوگ نذر و نیاز پیش کرتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں، نشہ آور اشیاء استعمال کرتے ہیں، نیز محفلِ سماع منعقد ہوتی ہے، جس میں موسیقار یا قوّال، ڈھول تاشوں کے ساتھ اپنا کلام گا گا کر سناتے ہیں۔

بعض جگہ مزار کو عرقِ گلاب سے غسل بھی دیا جاتا ہے، پھر اس گلاب کے عرق کو بعض لوگ بوتلوں میں بھر بھر کر اپنے یہاں لے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ طرح طرح کی حرکات کرتے ہیں، بعض لوگ عرقِ گلاب کی اس دھوون کو اپنے چہرہ اور ڈاڑھیوں پر مَلتے ہیں، بعض لوگ اس موقع پر قبروں کا طواف کرتے ہیں اور طرح طرح کی خرافات ہوتی ہیں، جبکہ نذر و نیاز اور دعا وغیرہ عبادات میں شامل ہیں اور عبادت صرف اللہ ہی کے لئے ہونی چاہیئے۔

مزاروں اور قبروں پر جانے کی اجازت اس لئے ہے کہ وہاں جا کر موت کو یاد کیا جائے، لیکن عرس کے موقع پر یہ مقصد سرے سے ہوتا ہی نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک دور میں عرس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

اگر عرس اسلامی رواج ہوتا تو سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس منایا جاتا، پھر دیگر انبیاء اور خلفائے راشدین کا منایا جاتا۔

پھر عُرس کے موقع پر عام طور سے آلاتِ موسیقی کے ساتھ سماع اور قوالیاں ہوتی ہیں، جو کہ ناجائز ہیں، اور اوپر سے اس کو نعوذ باللہ تعالیٰ حلال اور اس سے بڑھ کر عبادت سمجھا جانے لگا ہے، جو کہ انتہائی خطرناک طرزِ عمل ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اشعری سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ابوعامر یا ابومالک اشعری نے بیان کیا ہے اور اللہ کی قسم انہوں نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا؛ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ:

لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِيْ أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَّ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ (بخاری) [1]

ترجمہ: یقیناً میری اُمت میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو زنا، ریشم اور شراب اور آلاتِ موسیقی کو (خوشنما تعبیروں سے، جیسے ثقافت، قوالی وغیرہ) حلال کرلیں گے (ترجمہ ختم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

يُمْسَخُ قَوْمٌ مَنْ أُمَّتِيْ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ ، قِيْلَ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَيَشْهَدُوْنَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَيَصُوْمُوْنَ؟ قَالَ :نَعَمْ ، قِيْلَ :فَمَا بَالُهُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ :يَتَّخِذُوْنَ الْمَعَازِفَ وَالْقَيْنَاتِ وَالدُّفُوْفَ، وَيَشْرَبُوْنَ الْأَشْرِبَةَ، فَبَاتُوْا عَلٰى شُرْبِهِمْ

---

[1] رقم الحديث ۵۵۹۰، كتاب الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، دارطوق النجاة، بيروت.

وَلَهْوِهِمْ، فَأَصْبَحُوْا قَدْ مُسِخُوْا قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ (حلية الأولياء لأبی نُعیم الأصبهانی) [1]

ترجمہ: آخری زمانے میں میری امت کے کچھ لوگوں کو بندر اور خنزیر کی شکل سے مسخ کر دیا جائے گا، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا وہ لوگ اللہ کی توحید اور آپ کے رسول ہونے کی گواہی دیں گے، اور روزے رکھیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں۔

عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! اُن کے کیا اعمال ہوں گے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ گانے بجانے کے آلات اختیار کریں گے، اور گانے والی (عورتیں اور چیزیں) رکھیں گے، اور ڈھول، اور دَف رکھیں گے، اور شرابیں پییں گے، تو وہ شراب پی کر اور لہو ولعب کی حالت میں رات گزاریں گے، پھر اس حال میں صبح کریں گے کہ ان کو بندر اور خنزیر کی شکلوں میں مسخ کر دیا گیا ہوگا (ترجمہ ختم)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِّنْ أُمَّتِيْ الْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا يُضْرَبُ عَلٰى رُءُ وْسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْقَيْنَاتِ يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْأَرْضَ وَيَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ (التاريخ الكبير للبخاری) [2]

---

[1] ج۳ص ۱۱۹، ۱۲۰، دار الكتاب العربی، بيروت، واللفظ لہٗ؛ ذم الملاهی، رقم الحديث ۸.
قال ابونعيم: كذا رواه حسان عن أبی هريرة مرسلاً. ورواه غيره عن الحسن، عن أبی هريرة متصلاً

[2] ج ۱ ص ۳۰۵، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد - الدكن، واللفظ لہٗ، ابنِ ماجة رقم الحديث ۴۰۱۰، كتاب الفتن، باب العقوبات، شعب الايمان رقم الحديث ۵۲۲۷، مصنف ابنِ ابی شيبة رقم الحديث ۲۴۲۲۷، المعجم الكبير للطبرانی رقم الحديث ۳۳۴۲، صحيح ابنِ حبان رقم الحديث ۶۷۵۸.

قلت: وهذا إسناد رجاله ثقات غير مالك هذا فإنه لا يعرف إلا برواية حاتم عنه فهو مجهول ولذلك قال الحافظ فيه ": مقبول "أی عند المتابعة (تحريم آلات الطرب للألبانی، ص ۴۵)

ترجمہ: کچھ لوگ میری امت میں سے شراب پئیں گے، جس کا نام شراب کے علاوہ کچھ اور رکھیں گے ان کے سروں پر گانے بجانے کے آلات بجائے جائیں گے، اور گانے والی گانے گائیں گی، اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دیں گے، اور ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ بندر اور خنزیر بنا دیں گے (ترجمہ ختم)

معازف عربی زبان میں گانے بجانے کے آلات کو کہا جاتا ہے، جس میں ڈھول، بانسری وغیرہ سب داخل ہیں۔

اس حدیث سے آلاتِ موسیقی کا ناجائز ہونا معلوم ہوا۔ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

يُمْسَخُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ قِرَدَةً، وَطَائِفَةٌ خَنَازِيْرَ، وَيُخْسَفُ بِطَائِفَةٍ وَيُرْسَلُ عَلٰى طَائِفَةٍ الرِّيْحُ الْعَقِيْمُ بِأَنَّهُمْ شَرِبُوا الْخَمْرَ، وَلَبِسُوا الْحَرِيْرَ، وَاتَّخَذُوا الْقِيَانَ، وَضَرَبُوْا بِالدُّفُوْفِ (ذم الملاهي لابن ابي الدنيا) [2]

---

[1] والمعازف وقوله يستحلون قال بن العربي يحتمل أن يكون المعنى يعتقدون ذلك حلالا ويحتمل أن يكون ذلك مجازا على الاسترسال أي يسترسلون في شربها كالاسترسال في الحلال وقد سمعنا ورأينا من يفعل ذلك قوله والمعازف بالعين المهملة والزاي بعدها فاء جمع معزفة بفتح الزاي وهي آلات الملاهي ونقل القرطبي عن الجوهري أن المعازف الغناء والذي في صحاحه أنها آلات اللهو وقيل أصوات الملاهي وفي حواشي الدمياطي المعازف الدفوف وغيرها مما يضرب به ويطلق على الغناء عزف وعلى كل لعب عزف ووقع في رواية مالك بن أبي مريم تغدو عليهم القيان وتروح عليهم المعازف (فتح الباري -لابن حجر، باب ما جاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه)

المعازف ، هي الدفوف وغيرها مما يضرب (به) كما في "النهاية "

وفي "القاموس : "هي الملاهي كالعود والطنبور الواحد (عزف) أو (معزف) كمنبر ومكنسة و (العازف) : اللاعب بها والمغني ولذلك قال ابن القيم في "الإغاثة : "وهي آلات اللهو كلها لا خلاف بين أهل اللغة في ذلك وأوضح منه قول الذهبي في "السير "(۱۵۸/۲۱) (المعازف) : اسم لكل آلات الملاهي التي يعزف بها كالمزمار والطنبور والشبابة والصنوج ونحوه في كتابه "تكرة الحفاظ "(۱۳۳۷/۲)(تحريم آلات الطرب، للألباني، صفحة ۷۹)

[2] رقم الحديث ۶، ص ۲۸، مكتبة ابن تيمية، القاهرة -مصر.

كنز العمال جلد ۱۵، صفحه ۲۲۳، عن ابن ابي الدنيا في ذم الملاهي وابو الشيخ في الفتن.

ترجمہ: میری امت کے ایک گروہ کو بندر بنادیا جائے گا اور ایک گروہ کو خنزیر، اور ایک گروہ کو زمین میں دھنسایا جائے گا اور ایک گروہ پر نامبارک آندھی بھیجی جائے گی، اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوگا کہ وہ لوگ شرابیں پئیں گے، اور ریشم پہنیں گے، اور گانے بجانے والی عورتیں (اور آلات) رکھیں گے، اور طبلے ڈھول بجائیں گے (ترجمہ ختم)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

يَكُوْنُ فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَّمَسْخٌ وَقَذْفٌ، قِيْلَ وَمَتٰى ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ إِذَا ظَهَرَ الْقَيَّانُ وَالْمَعَازِفُ وَاسْتُحِلَّتِ الْخُمُوْرَ

(مسند عبد بن حمید، جلد ۲ صفحہ ۳۸، رقم الحدیث ۴۵۴)

ترجمہ: اس امت میں دھنسائے جانے اور صورتیں مسخ کیے جانے اور پتھر برسائے جانے کا عذاب ہوگا، سوال کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ کب ہوگا؟ فرمایا: جب گانے بجانے والی عورتوں اور گانے بجانے کے آلات (موسیقی) کی کثرت ہوجائے گی، اور شرابوں کو حلال سمجھا جانے لگے گا (ترجمہ ختم)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْخَمْرَ، وَالْمَيْسِرَ، وَالْكُوْبَةَ، وَقَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر شراب کو، اور جوے کو، اور طبلے کو حرام کیا ہے، اور فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے (ترجمہ ختم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَيْهِمْ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُمْ فِي

---

[1] رقم الحدیث ۲۶۲۵، مؤسسة الرسالة، بیروت، واللفظ لهٗ، ابوداوٗد رقم الحدیث ۳۶۹۸.
فی حاشیة مسند احمد: إسناده صحیح.

الْـمَسْـجِدِ فَقَالَ : إِنَّ رَبِّىْ حَـرَّمَ عَـلَـىَّ الْـخَـمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْكُوْبَةَ وَالْقِنِّيْنَ .وَالْكُوْبَةُ اَلطَّبْلُ(السنن الكبرى للبيهقى) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ان کے پاس تشریف لائے، اور وہ لوگ اس وقت مسجد میں تھے، اور فرمایا کہ بے شک میرے رب نے میرے اوپر شراب کو اور جوئے کو اور کوبہ کو حرام کیا ہے، اور کوبہ سے مراد طبلہ ہے (ترجمہ ختم)

طبلہ گانے بجانے کے آلات میں سے ہے، جب یہ بھی حرام ہے تو دوسرے گانے بجانے کے آلات کیونکر جائز ہوسکتے ہیں؟ [۲]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُـوْلَ الـلّٰـهِ صَـلَّـى الـلّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ سَبْعٍ، وَأَنَا أَنْهَاكُمْ عَـنْـهُـنَّ، أَلَا إِنَّ مِـنْهُـنَّ :اَلـنَّـوْحَ، وَالْـغِـنَـاءَ، وَالتَّـصَـاوِيْـرَ، وَالشِّـعْـرَ، وَالـذَّهَـبَ، وَجُـلُـوْدَ السِّبَاعِ، وَالتَّبَرُّجَ ,وَالْـحَـرِيْرَ(مسند أبى يعلى الموصلى) [۳]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں سے منع فرمایا، اور میں بھی تمہیں ان سے منع کرتا ہوں، خبردار ہوجاؤ، ان میں سے ایک چیز نوحہ ہے، اور ایک گانا ہے، اور ایک تصاویر ہیں، اور ایک (غیر شرعی) شعر ہے، اور ایک (مرد کو) سونا (پہننا) ہے، اور ایک درندے کی کھال ہے، اور ایک (زمانۂ جاہلیت کی طرح) عورتوں کا بے پردہ پھرنا ہے، اور ایک (مرد کو) ریشم (کا پہننا) ہے (ترجمہ ختم)

---

[۱] رقم الحديث ۲۰۹۹۴، باب :ما جاء فى ذم الملاهى من المعازف والمزامير ونحوها، دار الكتب العلمية، بيروت.

[۲] وأما الطنبور فهو بضم الطاء والموحدة بينهما نون ساكنة آلة من آلات الملاهى معروفة وقد تفتح طاؤه(فتح البارى -لابن حجر، باب هل تكسر الدنان التى فيها خمر أو تخرق الزقاق)

[۳] رقم الحديث ۷۳۷۴، ج۱۳ ص۳۶۴، دار المأمون للتراث -دمشق، واللفظ له، مسند الشاميين للطبرانى رقم الحديث ۱۳۹۲.

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

الدُّفُّ حَرَامٌ وَالْمَعَازِفُ حَرَامٌ وَالْكُوبَةُ حَرَامٌ وَالْمِزْمَارُ حَرَامٌ (السنن الکبری للبیہقی) [۱]

ترجمہ: دَف حرام ہے، اور گانے بجانے کے آلاتِ (موسیقی) حرام ہیں، اور طبلہ حرام ہے، اور بانسری حرام ہے (ترجمہ ختم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک تقریب کے حوالے سے یہ قصہ مذکور ہے کہ:

فَمَرَّتْ عَائِشَةُ فِي الْبَيْتِ فَرَأَتْهُ يَتَغَنّٰى وَيُحَرِّكُ رَأْسَهُ طَرَبًا وَكَانَ ذَا شَعْرٍ كَثِيرٍ. فَقَالَتْ: أُفٍّ شَيْطَانٌ أَخْرِجُوهُ أَخْرِجُوهُ (الادب المفرد للبخاری) [۲]

ترجمہ: پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس گھر میں گزریں، تو اس آدمی کو دیکھا کہ وہ گانا گا رہا ہے، اور اپنے سر کو مستی کے ساتھ حرکت دے رہا ہے، اور اس کے بڑے بڑے بال تھے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اُف، یہ شیطان ہے، اسے باہر نکالو، باہر نکالو (ترجمہ ختم)

آج بھی قوال اور گویئے بڑے بڑے بال رکھتے ہیں، اور اپنے سر کو مستی سے ہلاتے ہیں۔ پھر مزید براں آج کل کی عام قوالیوں میں جو اشعار پڑھے جاتے ہیں، ان کے مضامین

---

[۱] رقم الحديث ٢١٠٠٠، باب: ما جاء في ذم الملاهي من المعازف والمزامير ونحوها، دار الكتب العلمية، بيروت.

قلت: و هذا إسناد صحيح إن كان (أبو هاشم الكوفي) هو (أبو هاشم السنجاري) المسمى (سعدا) فإنه جزري كعبد الكريم وذكروا أنه روى عنه لكن لم أر من ذكر أنه كوفي وفي "ثقات ابن حبان" (۴/۲۹۶) أنه سكن دمشق والله أعلم (تحريم آلات الطرب، للألباني، صفحه ۹۲)

[۲] رقم الحديث ١٢٤٧ ص ٤٠٨، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض.

قال الالبانی:

قلت: و إسناده محتمل للتحسين، رجاله ثقات، غير أم علقمة هذه و اسمها مرجانة وثقها العجلي و ابن حبان، و روى عنها ثقتان (السلسلة الصحيحة للالبانی، تحت حديث رقم ٢٢٧)

خلافِ شریعت بلکہ بعض شرکیہ کلمات پر بھی مشتمل ہوتے ہیں، جبکہ شرعاً اشعار کے انداز میں بھی اس قسم کے مضامین کا پڑھنا جائز نہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الشِّعْرُ بِمَنْزِلَۃِ الْکَلَامِ حَسَنُہٗ کَحَسَنِ الْکَلَامِ وَقَبِیْحُہٗ کَقَبِیْحِ الْکَلَامِ (دارقطنی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شعر کلام کے درجے میں ہے، جو اچھا ہو تو اچھے کلام کی طرح ہے، اور برا ہو تو برے کلام کی طرح ہے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ شعر اچھا بھی ہوسکتا ہے، اور برا بھی۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مضمون اور مفہوم نظم (ونعت) کے بغیر، نثر کے انداز میں شرعی اصولوں کے خلاف ہو، اس کو نظم کے انداز میں ذکر کرنا بھی جائز نہیں۔

حضرت ربیع بنتِ معوذ رضی اللہ عنہا ایک انصاری صحابیہ ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ جس دن میرا نکاح ہوا اس سے اگلے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے، اس وقت گھر کی کچھ بچیاں ترنم سے کچھ اشعار پڑھ رہی تھیں، ان اشعار میں کچھ شہدائے بدر کا ذکر تھا، اور کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ومنقبت اور تعریف تھی، اشعار پڑھتے ہوئے ان بچیوں نے ایک مصرعہ یہ پڑھا کہ:

---

[1] رقم الحدیث ۴۳۰۸، کتاب الوکالۃ، باب خبر الواحد یوجب العمل، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، واللفظ لہٗ، الأدب المفرد للبخاری، رقم الحدیث ۸۹۵، المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث ۱۴۸۸، المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحدیث ۷۶۹۶.

قال الھیثمی:

رواہ الطبرانی فی الاوسط وقال لا یروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا بھذا الاسناد واسنادہ حسن (مجمع الزوائدج۸ص۱۲۲، باب الشعر فی الکلام، مکتبۃ القدسی، قاھرۃ)

وقال الالبانی:

لہ شواھد یصل بھا إلی رتبۃ الحسن منھا عن عائشۃ (السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی، تحت حدیث رقم ۴۴۶)

''وَفِیْنَانَبِیٌّ یَعْلَمُ مَافِیْ غَدٍ''

ترجمہ: اور ہمارے درمیان وہ نبی موجود ہیں جو کل کے حالات سے باخبر ہیں۔

یہ مصرعہ اگر چہ اس لحاظ سے درست تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آئندہ پیش آنے والی بہت سی باتوں کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا تھا، لیکن چونکہ الفاظ عام تھے، اوران سے وہم ہوسکتا تھا کہ آپ کی طرف وہ علمِ غیب منسوب کیا جارہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے، اس لئے آپ نے اس مصرعے کو بھی گوارا نہ کیا۔

اوران بچیوں کو ٹوکتے ہوئے فرمایا کہ:

لَا تَقُوْلِیْ ھٰکَذَا وَقُوْلِیْ مَا کُنْتِ تَقُوْلِیْنَ(بخاری) [1]

ترجمہ: تم اس طرح نہ پڑھو، اوراس سے پہلے جو پڑھ رہی تھیں وہ پڑھو (ترجمہ ختم)

اس واقعے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر اور نعت جیسی چیز میں بھی خلافِ شریعت باتیں گوارا نہیں تھیں۔

پھر آج کل کی قوّالیوں میں خلافِ شریعت مضامین اوراشعار کیسے جائز ہوسکتے ہیں۔

ناظرینِ کرام! آج کل بہت سے اہلِ بدعت کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مروَّجہ عرس اور اُس میں پائی جانے والی چیزوں کے ناجائز ہونے کا فتویٰ بعد کے مخصوص علماء کا ہے، جن کو وہابیت کا الزام دیا جاتا ہے۔

حالانکہ گزشتہ حوالوں سے یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ یہ موقف قرآن وسنت کے مطابق ہے، اورقدیم سے اہلُ السنۃ والجماعۃ کا چلا آتا ہے۔

بھلا جس چیز میں کھلم کھلا شریعت کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہو، اس کی اہلِ حق علماء وفقہاء کیسے اجازت دے سکتے ہیں؟

آج کل کے عرس میں جو کچھ ہوتا ہے، مولانا ماہرُ القادری صاحب نے اپنے درجِ ذیل

---

[1] رقم الحدیث ۵۱۴۷، کتاب النکاح، دارطوق النجاۃ، بیروت.

اشعار میں اس کی حقیقت کو اس طرح واضح کیا ہے کہ:

ہرطرف خیمے لگے ہیں ، دُورتک بازار ہے
یہ نمائش ہے ، کوئی میلہ ہے ، یاتہوار ہے

ہے یہ تقریبِ عقیدت ، عُرس ہے اک پیر کا
کام کرتی ہے یہاں کی خاک بھی اکسیر کا

اِک طوائف گارہی ہے سامنے درگاہ کے
کیامزے ہیں حضرتِ قبلہ سُہاگن شاہ کے

رقص فرمانے لگے ، کچھ صاحبانِ وجد وحال
یہ کرامت شیخ کی ہے ،یا ہے نغمہ کا کمال

عورتوں کی بھیڑ میں نظارہ ٹھوکر کھائے ہے
اِس ہجومِ رنگ وبُو میں کب خدایاد آئے ہے

مقبروں کی جالیوں پر عرضیاں لٹکی ہوئیں
یہ وہ منزل ہے جہاں ہیں نیکیاں بھٹکی ہوئیں

اِن میں لکھا ہے ہماری جھولیاں بھردیجئے
دردِ دِل سُن لیجئے ، مشکل کشائی کیجئے

آپ کو اللہ نے سب کچھ دیا ہے اختیار
میرا گلشن بھی بہت دن سے ہے بے فصلِ وبہار

پھول بٹتے ہیں کہیں اوردیگ لُٹتی ہے کہیں
دل مچلتا ہے کہیں اورسانس گھٹتی ہے کہیں

یہ ملیدے ، یہ بتاشے ، یہ مٹھائی کے طباق
یہ عقیدت کا تموُّج، یہ وفورِ اشتیاق

چادریں چڑھتی ہوئیں، ڈھولک بھی بجتی ہوئی
یہ مُوحّد ہیں جو پوجا کررہے ہیں قبر کی

کوئی سجدے میں جھکا ہے،کوئی مصروفِ طواف
تھام رکھا ہے کسی نے دونوں ہاتھوں سے غلاف

رورہا ہے کوئی چوکھٹ ہی پہ سررکھے ہوئے
ہیں کسی کے ہاتھ بہرِ التجا اُٹھے ہوئے

دیکھتا ہی رہ تماشائی ، زباں سے کچھ نہ بول
چادروں کی دھجیاں بکتی ہیں یاں سونے کے مول

ہُن برستا ہے یہاں، چاندی اُگلتی ہے زمیں
آخرت کی یاد اِس جا پاؤں رکھ سکتی نہیں

زائروں کے خود مجاور ہی جھکادیتے ہیں سر
مورکے پنکھوں کے سایہ میں کلاوے باندھ کر

ہے یہ تعلیمِ نبی (ﷺ) فرمانِ قرآنِ کریم
ہے ہر اِک بدعت ضلالت،شرک ہے ظلمِ عظیم

بدعتوں ہی بدعتوں کی ہرطرف شیشہ گری
اس طرح تردید فرمانِ رسولُ اللہ کی

مدعی توحید کے ، اور شرک سے یہ سازباز
اِک طرف قبروں پہ سجدے دوسری جانب نماز

التجا، فریاد ، استمداد غیرُ اللہ سے
یہ نہیں ہے شرک ،تو پھر شرک کس کا نام ہے

کب تلک یہ کھیل دنیا کو دکھایا جائے گا
مضحکہ توحید کا کب تک اُڑایا جائے گا

عرس، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی نظر میں

اب مروّجہ عرس میں ہونے والے مذکورہ منکرات وخرافات کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی پیش کردہ ہدایات کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)......ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

دَعْ عَنْکَ الشِّرْکَ بِالْخَلْقِ وَوَحِّدِ الْحَقَّ عَزَّوَجَلَّ هُوَ خَالِقُ الْاَشْیَاءِ جَمِیْعِهَا وَبِیَدِهٖ الْاَشْیَاءُ جَمِیْعُهَا ، یَاطَالِبَ الْاَشْیَاءِ مِنْ غَیْرِهٖ مَا اَنْتَ عَاقِلٌ ، هَلْ شَیْئٌ لَیْسَ هُوَ فِیْ خَزَائِنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ،قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ:"وَاِنْ مِّنْ شَیْئٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ" (الفتح الربانی والفیض الرحمانی، ص ۱۲، المجلس الاول، دارالریان للتراث، بیروت)

ترجمہ: مخلوق کے ساتھ شرک کرنا چھوڑ دے،اورحق تعالیٰ عزوجل کی توحید اختیار کرلے، وہی تمام اشیاء کو پیدا کرنے والا ہے،اوراسی کے قبضۂ قدرت میں تمام اشیاء ہیں،اے غیرُ اللہ سے چیزوں کو طلب کرنے والے،تو بے وقوف ہے،کیا کوئی چیز ایسی بھی ہے، جواللہ عزوجل کے خزانوں میں نہ ہو،اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ کوئی چیز بھی نہیں مگر ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں (ترجمہ ختم)

(۲)......ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(یَاقَوْمِ) اِتَّبِعُوْا وَلَا تَبْتَدِعُوْا وَافِقُوْا وَلَا تُخَالِفُوْا اَطِیْعُوْا وَلَا تَعْصُوْا اَخْلِصُوْا وَلَا تُشْرِکُوْا، وَحِّدُوْا الْحَقَّ عَزَّوَجَلَّ وَعَنْ بَابِهٖ فَلَا تَبْرَحُوْا، سَلُوْهُ وَلَا تَسْأَلُوْ غَیْرَهٗ، اِسْتَعِیْنُوْا بِهٖ وَلَا تَسْتَعِیْنُوْا بِغَیْرِهٖ، تَوَکَّلُوْا عَلَیْهِ وَلَا تَتَوَکَّلُوْا عَلٰی غَیْرِهٖ (الفتح الربانی والفیض الرحمانی) [1]

ترجمہ:اے میری قوم!اتباع کرو،بدعتی مت بنو،موافقت کرو،مخالفت نہ کرو،

[1] ص ۱۹۱، ۱۹۲، المجلس السابع والاربعون، دارالریان للتراث، بیروت.

تابعدار بنو، نافرمان نہ بنو، اخلاص اختیار کرو، اور شرک نہ کرو، حق تعالیٰ عزوجل کی توحید کو اختیار کرو، اور اس کے دروازے سے مت ہٹو، اسی سے مانگو، اور کسی سے نہ مانگو، اسی سے مدد چاہو، اور کسی غیر سے مدد مت چاہو، اسی پر بھروسہ کرو، اور کسی دوسرے پر بھروسہ مت کرو (ترجمہ ختم)

(۳)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اِلٰی مَتٰی اَنْتَ مُشْرِکٌ بِالْخَلْقِ مُتَّکِلٌ عَلَیْھِمْ ؟ یَجِبُ عَلَیْکَ اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اَحَدًا مِّنْھُمْ لَایَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَقِیْرُھُمْ وَغَنِیُّھُمْ عَزِیْزُھُمْ وَذَلِیْلُھُمْ ، عَلَیْکَ بِاللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ لَا تَتَّکِلْ عَلَی الْخَلْقِ وَلَا عَلٰی کَسْبِکَ وَحَوْلِکَ وَقُوَّتِکَ، اِتَّکِلْ عَلٰی فَضْلِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ

(الفتح الربانی والفیض الرحمانی) [1]

ترجمہ: تو کب تک مخلوق کو اللہ کا شریک سمجھتا اور ان پر بھروسہ کرتا رہے گا؟ تجھ پر یہ جاننا واجب ہے کہ ان میں سے کوئی بھی نہ تجھ کو نفع دے سکتا ہے، نہ نقصان، خواہ وہ فقیر ہو یا مالدار، عزت والا ہو یا ذلت والا، تُو اللہ عزوجل کو لازم پکڑ اور مخلوق پر بھروسہ نہ کر، اور نہ اپنی کوشش اور حرکت اور قوت پر بھروسہ کر، اللہ عزوجل پر ہی بھروسہ کر (ترجمہ ختم)

(۴)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

یُؤْتِیْ فَضْلَہٗ مَنْ یَّشَآءُ "وَیَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ" اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ بِیَدِہٖ وَالْعَطَاءُ وَالْمَنْعُ بِیَدِہٖ، وَالْغِنٰی وَالْفَقْرُ بِیَدِہٖ ، وَالْعِزُّ وَالذِّلُّ بِیَدِہٖ، مَالِأَحَدٍ مَعَہٗ شَیْءٌ ، فَالْعَاقِلُ مَنْ یَّلْزِمُ بَابَہٗ، وَیُعْرِضُ بَابَ غَیْرِہٖ (الفتح الربانی والفیض الرحمانی، ص ۲۶، المجلس الثالث، دارالریان للتراث، بیروت)

ترجمہ: وہ (وحدہٗ لاشریک) جس پر چاہتا ہے، فضل فرماتا ہے، اور جس کو چاہتا

---

[1] ص ۱۹۵، المجلس الثامن والاربعون، دارالریان للتراث، بیروت.

ہے رزق بے شمار دیتا ہے، ساری بھلائیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں، اور دینا نہ دینا بھی اسی کے اختیار میں ہے، مالدار اور فقیر بنانا بھی اسی کے قبضے میں ہے، عزت دینا اور ذلیل کرنا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے، اس کی موجودگی میں کسی کے ہاتھ کچھ بھی نہیں، لہٰذا عقل مند وہی ہے، جو اس کے دروازہ کا ہو رہے، اور دوسروں کے دروازوں سے منہ پھیر لے (ترجمہ ختم)

(۵)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اَنْتَ وَالْخَلْقُ كُلُّهُمْ عِبَادُهٗ وَهُوَ مُدَبِّرُكَ وَمُدَبِّرُهُمْ (الفتح الربانی والفیض الرحمانی، ص۲۸، المجلس الثالث، دارالریان للتراث، بیروت)

ترجمہ: تو اور ساری مخلوق اللہ کے بندے ہیں، اور اللہ تیرا بھی مدبّر ہے، اور دوسری سب مخلوق کا بھی (ترجمہ ختم)

(۶)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فَهَوِّلْ بِقَلْبِكَ اِلَى الْحَقِّ عَزَّوَجَلَّ، وَتَعَلَّقْ بِذَيْلِ رَحْمَتِهٖ حَتّٰى يَخْرُجَ هَمُّ الدُّنْيَا مِنْ قَلْبِكَ، هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ اَلْعَالِمُ بِكُلِّ شَيْءٍ، بِيَدِهٖ كُلُّ شَيْءٍ، اَلْزِمْ بَابَهٗ (الفتح الربانی والفیض الرحمانی)[1]

ترجمہ: پس بھاگ اپنے دل سے حق تعالیٰ کی طرف، اور اس کی رحمت کے دامن سے چپٹ جا، یہاں تک کہ وہ دنیا کے تفکرات کو تیرے دل سے باہر کرے کہ وہ قادر ہے ہر چیز پر، واقف ہے ہر چیز سے، اور اس کے اختیار میں ہے ہر چیز، پس اس کے دروازے کو لازم پکڑ (ترجمہ ختم)

(۷)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اَلْاِقْبَالُ عَلَى الْخَلْقِ هُوَ عَيْنُ الْاِدْبَارِ عَنِ الْحَقِّ عَزَّوَجَلَّ، لَافَلَاحَ لَكَ حَتّٰى تَخْلَعَ الْاَرْبَابَ وَتَقْطَعَ الْاَسْبَابَ وَتَتْرُكَ رُؤْيَةَ الْخَلْقِ فِي

---

[1] ص ۴۱، المجلس السادس، دارالریان للتراث، بیروت.

النَّفْعِ وَالضَّرِّ (الفتح الربانی والفیض الرحمانی) [۱]

ترجمہ: مخلوق کی طرف منہ کرنا بعینہٖ حق تعالیٰ عزوجل کی طرف پُشت کرنا ہے، تجھے کبھی کامیابی نہ ہوگی جب تک کہ جھوٹے معبودوں کو نکالے گا نہیں، اسباب کو قطع نہیں کرے گا، اور نفع ونقصان کے متعلق مخلوق کو دیکھنا نہ چھوڑے گا (ترجمہ ختم)

(۸)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اِلٰی مَتٰی اِقْبَالُکَ عَلَیْھِمْ؟ اَیشْ یَنْفَعُوْنَکَ؟ لَیْسَ بِاَیْدِیْھِمْ ضَرَرٌ، وَلَا نَفْعٌ وَلَا عَطَاءٌ وَلَا مَنْعٌ، لَافَرْقَ بَیْنَھُمْ وَبَیْنَ سَائِرِ الْجَمَادَاتِ فِیْمَا یَرْجِعُ اِلَی الضَّرَرِ وَالنَّفْعِ، اَلْمَلِکُ وَاحِدٌ اَلضَّارُّ وَاحِدٌ، اَلنَّافِعُ وَاحِدٌ، اَلْمُحَرِّکُ وَالْمُسَکِّنُ وَاحِدٌ، اَلْمُسَلِّطُ وَاحِدٌ اَلْمُسَخِّرُ وَاحِدٌ اَلْمُعْطِیُ وَالْمَانِعُ وَاحِدٌ اَلْخَالِقُ وَالرَّازِقُ ھُوَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ، ھُوَ الْقَدِیْمُ الْأَزَلِیُّ الْاَبَدِیُّ، ھُوَ مَوْجُوْدٌ قَبْلَ الْخَلْقِ، قَبْلَ آبَائِکُمْ وَأُمَّھَاتِکُمْ وَاَغْنِیَائِکُمْ، ھُوَ خَالِقُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَافِیْھِنَّ وَمَا بَیْنَھُمَا "لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ" وَ أَسَفَا عَلَیْکُمْ یَاخَلْقَ اللّٰہِ، مَاتَعْرِفُوْنَ خَالِقَکُمْ حَقَّ مَعْرِفَتِہٖ؟ اِنْ کَانَ لِیْ فِی الْقِیَامَةِ شَیْءٌ عِنْدَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ لَاَحْمِلَنَّ اَثْقَالَکُمْ مِنْ اَوَّلِکُمْ آخِرَکُمْ (الفتح الربانی والفیض الرحمانی) [۲]

ترجمہ: مخلوق پر تیری توجہ کب تک رہے گی؟ وہ تجھے کیا نفع دے سکتے ہیں؟ نہ ان کے ہاتھ میں نقصان ہے نہ نفع، نہ دینا ہے نہ روکنا، نفع اور نقصان کے متعلق تو ان میں اور جمادات میں کچھ فرق نہیں ہے، بادشاہ ایک ہی ہے، نقصان پہنچانے والا ایک ہی ہے، نفع پہنچانے والا ایک ہی ہے، حرکت دینے والا وہی ایک ہے، سکون

---

[۱] ص ۴۹، المجلس العاشر، دار الریان للتراث، بیروت.

[۲] ص ۶۳، ۶۴، المجلس الثالث عشر، دار الریان للتراث، بیروت.

دینے والا وہی ایک ہے، مسلط کرنے والا وہی ایک ہے، مسخّر بنانے والا وہی ایک ہے، معطی اور مانع وہی ایک ہے، اور پیدا کرنے والا اور روزی دینے والا وہی ایک ہے، یعنی اللہ عزوجل۔ وہی قدیم ہے، اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، وہی مخلوق سے پہلے، تمہارے ماں باپ سے پہلے اور تمہارے دولت مندوں سے پہلے موجود تھا، وہی پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور اُن چیزوں کا جو چیزیں ان کے اندر ہیں، اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں، اُس کے جیسا کوئی نہیں، اور وہ سمیع اور بصیر (یعنی ہر چیز کو سُننے والا اور دیکھنے والا) ہے۔

افسوس ہے تم پر اے اللہ کی مخلوق! کہ تم اپنے خالق کو نہیں پہچانتے جیسا کہ پہچاننا چاہئے، اگر قیامت کے متعلق حق تعالیٰ کے نزدیک مجھے کچھ بھی اختیار حاصل ہوتو میں اول سے لے کر آخر تک تم سب کے بوجھ ضرور اُٹھالوں (ترجمہ ختم)

(۹)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

رُؤْيَتُكَ لِلضَرِّ وَالنَّفْعِ وَالْعَطَاءِ وَالْمَنْعِ مِنَ الْخَلْقِ آلِهَةٌ، كَثِيْرٌ مِّنَ الْخَلْقِ مُتَّكِلُوْنَ عَلٰى هٰذِهِ الْاَشْيَاءَ بِقُلُوْبِهِمْ وَيَظْهَرُوْنَ اَنَّهُمْ مُتَّكِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ عَزَّوَجَلَّ، قَدْ صَارَ ذِكْرُهُمْ لِلْحَقِّ عَزَّوَجَلَّ عَادَةً بِاَلْسِنَتِهِمْ لَا بِقُلُوْبِهِمْ، فَاِذَا حُوْقِقُوْا فِيْ ذٰلِكَ حَرَّدُوْا، وَقَالُوْا كَيْفَ يُقَالُ لَنَا هٰكَذَا؟ اَلَسْنَا مُسْلِمِيْنَ؟ غَدًا تَبَيَّنَ الْفَضَائِحُ وَتَظْهَرُ الْمُخَبَّاتُ.

(وَيْحَكَ) تُؤَيِّدُ فِيْ قَوْلِكَ اِذَا قُلْتَ لَا اِلٰهَ نَفْيُ كُلِّيٍّ وَاِلَّا اللّٰهُ اِثْبَاتُ كُلِّيٍّ لَهٗ لَا لِغَيْرِهٖ (الفتح الربانی والفیض الرحمانی) [1]

ترجمہ: تیرا نفع اور نقصان اور دینے اور روکنے میں مخلوق پر نظر کرنا تیرے معبود بنے ہوئے ہیں، مخلوق میں بہت سے لوگ ہیں جو اپنے دلوں سے ان چیزوں پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں، اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ان کا بھروسہ حق تعالیٰ عزوجل پر

ہے، ان کا حق تعالیٰ عز وجل کو یاد کرنا صرف عادت ہے اور وہ بھی صرف زبانوں سے، نہ کہ دِلوں سے اور جب اس کی جانچ کی جاتی ہے تو بھڑک اُٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو ایسا کیوں کہا جاتا ہے؟ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کل کو ساری فضیحتیں کھل جائیں گی، اور چھپی ہوئی چیزیں ظاہر ہو جائیں گی۔

تجھ پر افسوس ہے کہ جب تو کچھ کہتا ہے تو اپنی بات کی پچ کرتا ہے، **لا الٰہ** ہر چیز کی نفی ہے، اور **الا اللّٰہ**، اللہ کے لئے ہر چیز کا اثبات ہے کہ معبودیت اللہ ہی کے لئے ہے، کسی غیر کے لئے نہیں (ترجمہ ختم)

(۱۰)......اور ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

كَيْفَ تَقُوْلُ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَفِىْ قَلْبِکَ كَمْ اِلٰهٌ؟ كُلُّ شَىْءٍ تَعْتَمِدُ عَلَيْهِ وَتَثِقُ بِهٖ دُوْنَ اللّٰهِ فَهُوَ صَنَمُکَ، لَايَنْفَعُکَ تَوْحِيْدُ اللِّسَانِ مَعَ شِرْكِ الْقَلْبِ، لَايَنْفَعُکَ طَهَارَةُ الْقَالِبِ مَعَ نَجَاسَةِ الْقَلْبِ، اَلْمُوَحِّدُ يُضْنِىْ شَيْطَانَهٗ، وَالْمُشْرِکُ يُضْنِيْهِ شَيْطَانُهٗ، اَلْاِخْلَاصُ لُبُّ الْاَقْوَالِ وَالْاَفْعَالِ لِاَنَّهَا اِذَا خَلَتْ مِنْهُ كَانَتْ قِشْرًا بِلَا لُبٍّ، اَلْقِشْرُ لَايُصْلَحُ اِلَّا لِلنَّارِ، اِسْمَعْ كَلَامِىْ وَاعْمَلْ بِهٖ فَاِنَّهٗ يَخْمِدُ نَارَ طَمْعِکَ وَيَكْسِرُ شَوْكَةَ نَفْسِکَ، لَاتَحْضُرْ مَوْضِعًا تَثُوْرُ فِيْهِ نَارُ طَبْعِکَ فَيَخْرِبُ بَيْتَ دِيْنِکَ وَاِيْمَانِکَ، يَثُوْرُ الطَّبْعُ وَالْهَوٰى وَالشَّيْطَانُ فَيَذْهَبُ بِدِيْنِکَ وَاِيْمَانِکَ وَاِيْقَانِکَ لَاتَسْمَعْ كَلَامَ هٰؤُلَاءِ الْمُنَافِقِيْنَ الْمُتَصَنِّعِيْنَ الْمُزَخْرِفِيْنَ فَاِنَّ الطَّبْعَ يَسْكُنُ اِلٰى كَلَامٍ مُزَخْرَفٍ مُصَنَّعٍ هَوَّسٍ كَعِجِّيْنَ فَطَيْرٌ بِلَامِلْحٍ يُؤْذِىْ بَطْنَ آكِلِهٖ وَيَهْدِمُ بَيْتَهٗ (الفتح الربانی والفیض الرحمانی) [2]

---

[1] ص ۷۴، المجلس الخامس عشر، دارالریان للتراث، بیروت.

[2] ص ۱۵۵، و ۱۵۶، المجلس الثامن والثلاثون، دارالریان للتراث، بیروت.

ترجمہ: تو لاالٰہ الا اللہ کس طرح کہتا ہے؟ حالانکہ تیرے دل میں کیا کچھ معبود بھرے ہوئے ہیں، اللہ کے سوا ہر چیز جس پر تو اعتماد اور بھروسہ کرے وہ تیرا بُت ہے، دل کے مشرک ہونے پر زبان کی توحید تجھ کو مفید نہ ہوگی، دل کی گندگی کے ساتھ جسم کی پاکی تجھ کو نفع نہ دے گی۔ صاحبِ توحید اپنے شیطانوں کو لاغر بنادیا کرتا ہے، اور مشرک کو اس کا شیطان لاغر بنادیتا ہے، اقوال وافعال کا مغز اخلاص ہے، اس لئے کہ وہ جب اس سے خالی ہوتے ہیں تو بلا مغز کا چھلکا رہ جاتے ہیں اور چھلکا سوائے آگ کے اور کسی مصرف کا نہیں۔

میری گفتگو سن اور اس پر عمل کر کہ وہ تیری طبیعت کے جوش کو بجھادے گی اور تیرے نفس کی شوکت کو توڑ دے گی۔

ایسی جگہ مت جا جہاں تیری طبیعت کا جوش بھڑکے کہ وہ تیرے دین اور ایمان کا گھر ویران کردے گی طبیعت اور خواہشِ نفس اور شیطان بھڑک اُٹھیں گے، پس تیرے دین اور ایمان اور ایقان کو ملیا میٹ کردیں گے، ان منافقوں، تصنع کرنے والوں، طمع بازوں کی گفتگو مت سن، کیونکہ طبیعت ملمع کئے ہوئے بناوٹی سَر تا پا ہوس کلام کی طرف مائل ہوا کرتی ہے۔

(حالانکہ) اس کی مثال بے نمک روٹی کے آٹے کی سی ہے کہ (دیکھنے میں مرغوب ہے مگر) کھانے والے کے پیٹ کو تکلیف پہنچاتی اور اس کے بدن کو گراتی ہے (ترجمہ ختم)

ہم نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے کلام سے صرف دس عبارات ترجمہ سمیت نقل کردی ہیں، جو اہلِ انصاف کے لئے کافی وافی ہیں، اور متعنت ومتعصب کے لئے دفتر بھی ناکافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ

سُنّی اور وہّابی اختلاف کی حقیقت

آج کل صورتِ حال یہ ہے کہ جو شخص شرک و بدعات جیسی گمراہی کی چیزوں سے منع کرے، سنت اور شرعی احکام کی ترغیب دے، گیارہویں اور عرس وغیرہ کی شکل میں بے شمار گناہوں کو شریعت کے خلاف قرار دے یا جو شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ، نبیوں اور بزرگوں کو حاجت روا سمجھنے سے انکار کرے، اللہ ہی کو مشکل میں حاجت روا سمجھے اور ہر حالت اور مصیبت میں صرف اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت و مدد طلب کرنے کا اہتمام کرے، اور نبیوں کو اللہ تعالیٰ کے بعد اور بزرگوں اور پیروں کو نبیوں کے بعد درجہ دے۔

اسی طرح جو شخص شادی بیاہ میں ڈھول، بینڈ باجا بجوانے، ناچ رنگ کروانے، موسیقی، آتش بازی اور پٹاخے چھڑوانے سے منع کرے، اور سنت کے مطابق کام کرنے کی ترغیب دے، یا عرسوں، زیارتوں اور تعزیوں وغیرہ میں خواتین کو جانے کی اجازت نہ دے یا زیارتوں اور بزرگوں کے مزاروں پر تھال طباق، اور ڈھول ڈھماکوں، قوالیوں اور ناچ گانا اور چراغاں وغیرہ کرانے کو برا اور غلط کہے، اور قبروں پر شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ پر ہی جانے کا حکم کرے، یا تعزیوں پر مہندی، علَم اور قبروں اور زیارتوں پر جا کر جھنڈے، چادر رومال وغیرہ چڑھانے کو یا کسی پیر کی فاتحہ میں مروّجہ دال کچوری، پراٹھے، انڈا مرغ، اور برف و شربت وغیرہ کے مخصوص کر دینے کو بدعت بتائے یا محرم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ کے نام کی سبیل اور دوسری قسم کے فاتحہ کے کھانے کو غیر ثابت کہے، اور سنت سے ثابت شدہ احکام کے مطابق ایصالِ ثواب کرنے کی تلقین کرے، یا نامحرم عورتوں سے پیروں کی خدمت کرنے اور پیروں کا عورتوں کے پاس بے پردہ جانے کو اور عورتوں کا بے پردہ پیر صاحب کی خدمت میں آنے کو عیب قرار دے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواتین سے پردہ کرنے کے مطابق برتاؤ کرنے کی تاکید کرے، یا کسی نمائشی پیر جی کی مجلسِ سماع میں ڈھولک کی تال پر وجد کرنے

اور قوال کی تال پر مسرور اور بے خود ہوجانے کی نمائش اور ریاء کاری کرنے سے منع کرے، یا بچوں کے پیدا ہونے یا شادی بیاہ کے موقع پر مختلف قسم کی شریعت کے خلاف رسمیں ادا کرنے سے روکے، اور سنت طریقہ اختیار کرنے کا حکم کرے، یا کسی بزرگ پیر کے نام کا چولہا، چراغ جلانے، شاہ مدار کی بدھی چوٹی کی رسم ادا کرنے اور میاں کی کڑاہی اور شیخ سدو کے نام پر بکرا ذبح کرنے کو شریعت کے خلاف قرار دے، اور اس کے مقابلہ میں شرعی طریقہ پر صدقہ خیرات کرنے کو بتلائے، یا کسی کے مرے پیچھے اس کے لئے تیجا، چالیسواں، سالانہ اور فاتحہ وغیرہ کر کے ذات برادری اور عزیز واقارب کو کھانا کھلانے سے منع کرے، اور رسموں اور دنوں کی پابندی کو چھوڑ کر شرعی طریقہ پر ایصالِ ثواب کرنے کا حکم دے، یا جو محرم میں تاشوں باجوں کے ساتھ بڑے جلوس نکالنے اور ماتم ونوحہ کرنے کو ناجائز قرار دے یا جو شبِ برائت کی آتش بازی کرنے اور اسی قسم کی بہت سی رسموں کو برا بتائے، اور شریعت وسنت کے مطابق کام کرنے کا حکم لگائے۔

اس قسم کا شریعت کے مطابق طرزِ عمل اختیار کرنے والے پر آج کل فوراً ''وہابی'' ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے، اور یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ یہ چیزیں مذہبِ اسلام میں تو جائز ہیں، منع نہیں ہیں، مگر یہ شخص ان چیزوں سے وہابی ہونے کی وجہ سے منع کرتا ہے۔

حالانکہ یہ چیزیں تو مذہبِ اسلام میں جائز نہیں، اور بلکہ خود حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی جائز نہیں، اس طرح تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو بھی وہابی کہنا پڑے گا۔

پھر شروع میں وہابی کا لقب شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ان کے متبعین کے لئے استعمال ہوتا تھا، اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی عرب کے علاقہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کے مزاج میں سختی تھی اور وہ امام احمد بن حنبل کے پیروکاروں میں سے تھے اور کچھ مسائل میں اتنا سخت موقف رکھتے تھے جو اہلِ سنت والجماعت اور خاص طور پر احناف کے مطابق نہ تھا۔

بلکہ بعض مسائل میں انہوں نے اپنے امام احمد بن حنبل اور اہلِ سنت والجماعت سے اختلاف کیا اور ان کے خلاف عمل کیا، اگرچہ ان کا اصل مقصود اپنے زمانے میں رائج شرک وبدعات اور رسوم سے روکنا تھا، لیکن ان کے مزاج میں شدت تھی اس لیے بعض فروعی مسائل میں انہوں نے بہت سختی اور تشدد سے کام لیا جس کے نتیجے میں اعتدال قائم نہ رہ سکا، ان میں یا پھر شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بعد ان کے پیروکاروں اور نام لیواؤں میں بعض لوگ بہت ہی زیادہ متشدد بھی تھے جو شدت میں محمد بن عبدالوہاب کے موقف سے بھی آگے بڑھ گئے تھے، اس لیے علمائے حق نے ان کی تردید ومخالفت کی۔

اور دنیا کے مختلف علاقوں کے مسلمانوں میں نجدیوں کے ان تشددات کی وجہ سے نفرت پھیلی، ہندوستان میں نجدیوں کے بعض عقائد ونظریات غیر مقلدوں سے ملتے تھے، اس لئے ہندوستان میں وہابی کا لقب ابتداءً غیر مقلدین کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

پھر بعد میں یہ لفظ کم علمی یا ضد کی وجہ سے بطور گالی اور نفرت کے استعمال ہونے لگا، جو شخص بدعت سے منع کرتا اور سنت کی دعوت دیتا، اس کو جہالت یا ضد اور عناد کے طور پر وھابی کے لقب سے یاد کیا جانے لگا، جس میں سنت کے مطابق طرزِ عمل اختیار کرنے والے حنفی اور دیوبندی علماء اور عوام کو بطورِ خاص نشانہ بنایا گیا، ہندوپاکستان کے کم علم عوام، ضدی اور بدعات سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں ایک عرصہ سے وھابی کا لقب زیادہ تر اسی حیثیت سے استعمال ہوتا رہا ہے۔

مگر اس بارے میں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اولاً تو جو شخص سنت کی دعوت دے اور بدعت وگناہ سے منع کرے اس سے ضد وعناد رکھنا ہی درست اور جائز نہیں اور گناہ ہے، خواہ اس کو وھابی کہا جائے یا کچھ اور، جیسا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ارشاد بھی گزر چکا ہے۔

دوسرے ہندوپاکستان میں جن حضرات کے لئے وھابی کا لقب استعمال کیا گیا یعنی جماعتِ اہلِ دیوبند، ان کا شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی سے کوئی مسلکی یا نسبی رشتہ وتعلق بھی نہ تھا، بلکہ

ان حضرات کو شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اس کی جماعت سے کئی چیزوں میں اختلاف تھا اور اب بھی ہے۔

البتہ ہندوپاکستان میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی یا ان کے متبعین کا کسی درجہ میں ہم مشرب گروہ مروَّجہ غیر مقلدین یا اہلحدیثوں کا ہے، کیونکہ اس گروہ کے کئی نظریات واعمال شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی یا ان کے متبعین سے میل کھاتے ہیں۔

تیسرے خود محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ان کے متبعین کو جواتنی سخت نفرت کی نظر سے دیکھا گیا اور ان کو دائرۂ اسلام سے خارج تک بھی قرار دے دیا گیا، یہ بھی خلافِ حقیقت اور ضد وعناد پر مبنی تھا، کیونکہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ان کے متبعین کے بعض نظریات واعمال بے شک مختلف تھے، لیکن وہ اس درجہ کے برے نہ تھے کہ ان کی بنیاد پر انہیں علی الاطلاق وعلی العموم دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر تک قرار دے دیا جائے۔

بعض اکابر نے محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ان کے پیروکاروں کو جو صحیح قرار دیا ہے وہ اسی اعتبار سے ہے کہ وہ اس درجہ کے بُرے نہ تھے کہ ان کو کافر تک قرار دیا جائے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں فقہاء وعلمائے احناف کے مستند اور ٹھوس حوالوں سے مذکورہ تفصیل بیان کردی جائے، تاکہ لوگوں کا ذہن صاف ہو، اور روز روز کا یہ جھگڑا اور منافرت وعداوت کا سلسلہ ختم ہو۔

(۱)......علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَقَعَ فِيْ زَمَانِنَا فِيْ أَتْبَاعِ عَبْدِ الْوَهَّابِ الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ نَجْدٍ وَتَغَلَّبُوْا عَلَى الْحَرَمَيْنِ وَكَانُوْا يَنْتَحِلُوْنَ مَذْهَبَ الْحَنَابِلَةِ، لٰكِنَّهُمْ اِعْتَقَدُوْا أَنَّهُمْ هُمُ الْمُسْلِمُوْنَ وَأَنَّ مَنْ خَالَفَ اِعْتِقَادَهُمْ مُشْرِكُوْنَ، وَاسْتَبَاحُوْا بِذٰلِكَ قَتْلَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَقَتْلَ عُلَمَائِهِمْ حَتّٰى كَسَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى شَوْكَتَهُمْ وَخَرَّبَ بِلَادَهُمْ وَظَفِرَ بِهِمْ عَسَاكِرَ الْمُسْلِمِيْنَ عَامَ

ثَلَاثٍ وَّثَلَاثِيْنَ وَمِائَتَيْنِ وَأَلْفٍ (رد المحتار) [1]

ترجمہ: ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کی اتباع میں کچھ لوگ نجد سے نکلے، اور انہوں نے حرمین پر غلبہ حاصل کیا، اور وہ مذہبِ حنابلہ کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے، لیکن ان کا اعتقاد یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں، اور جو ان کے اعتقاد کی مخالفت کریں، وہ مشرک ہیں، اور اسی وجہ سے انہوں نے اہلِ سنت کے قتل کو اور ان کے علماء کے قتل کو مباح سمجھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طاقت کو توڑ دیا، اور ان کے شہروں کو ویران کر دیا، اور ان کے مقابلہ میں دیگر مسلمانوں کے لشکروں کو غلبہ عطا فرمایا بارہ سو تینتیس (۱۲۳۳) ہجری میں (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ عبدالوہاب نجدی کے پیروکاروں میں بعض لوگ بہت متشدد تھے، جو اپنی شدت میں یہاں تک بڑھ گئے تھے کہ اپنے خلاف نظریات اختیار کرنے والوں کو قتل کرنا بھی جائز سمجھتے تھے۔

(۲)......اور المہند علی المفند میں ہے کہ:

ہندوستان میں لفظِ وہابی کا اصل استعمال اس شخص کے لئے تھا جو ائمہ رحمہم اللہ کی تقلید چھوڑ بیٹھے پھر ایسی وسعت ہوئی کہ یہ لفظ ان پر بولا جانے لگا جو سنتِ محمدیہ پر عمل کریں اور بدعاتِ سیئہ و رسومِ قبیحہ کو چھوڑ دیں یہاں تک کہ بمبئی اور اس کے نواح میں یہ مشہور ہے کہ جو مولوی اولیاء کی قبروں کو سجدہ اور طواف کرنے سے منع کرے وہ وہابی ہے بلکہ جو سود کی حرمت ظاہر کرے وہ بھی وہابی ہے گو کتنا ہی بڑا مسلمان کیوں نہ ہو، اس کے بعد لفظِ وہابی ایک گالی کا لفظ بن گیا سو اگر کوئی ہندی شخص کسی کو وہابی کہتا ہے تو یہ مطلب نہیں کہ اس کا عقیدہ فاسد ہے بلکہ یہ مقصود ہوتا ہے کہ وہ سنی حنفی ہے سنت پر عمل کرتا ہے بدعت سے بچتا ہے اور معصیت

---

[1] ج۴ص ۲۶۲، کتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب فی أتباع عبد الوهاب الخوارج فی زماننا، دار الفكر، بيروت.

(گناہ) کے ارتکاب میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور چونکہ ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ احیاءِ سنت میں سعی (یعنی سنت کو زندہ کرنے کی کوشش) کرتے اور بدعت کی آگ بجھانے میں مستعد (وتیار) رہتے تھے اس لئے شیطانی لشکر کو ان پر غصہ آیا اور ان کے کلام میں تحریف کرڈالی اور ان پر بہتان باندھے، طرح طرح کے افتراء کئے اور خطابِ وہابیت کے ساتھ متہم کیا مگر حاشا کہ وہ ایسے ہوں (عقائد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین ص ۲۱۵، ۲۱۶، مطبوعہ: دارالاشاعت کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں وہابی کا لفظ بنیادی طور پر غیر مقلد کے لئے وضع تھا، بعد میں اس میں بگاڑ آ گیا۔

(۳)......فتاویٰ رشیدیہ میں ہے کہ:

''اس وقت اور ان اطراف میں وہابی متبعِ سنت اور دیندار کو کہتے ہیں'' (فتاویٰ رشیدیہ مشمولہ ''تالیفاتِ رشیدیہ'' صفحہ ۱۰۹۔ مطبوعہ: ادارۂ اسلامیات، لاہور)

(۴)......ایک اور موقع پر ہے کہ:

''محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں، وہ اچھا آدمی تھا، سُنا ہے کہ مذہبِ حنبلی رکھتا تھا اور عامل بالحدیث تھا، بدعت وشرک سے روکتا تھا، مگر تشدید اس کے مزاج میں تھی (فتاویٰ رشیدیہ مشمولہ ''تالیفاتِ رشیدیہ'' صفحہ ۲۴۱ و ۲۴۲۔ مطبوعہ: ادارۂ اسلامیات، لاہور)

(۵)......اور ایک اور موقع پر ہے کہ:

''محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا۔ البتہ اُن کے مزاج میں شدت تھی، مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں، مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ہیں اُن میں فساد آ گیا ہے اور عقائد سب کے متحد ہیں، اعمال میں فرق حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کا ہے (فتاویٰ رشیدیہ مشمولہ ''تالیفاتِ رشیدیہ'' صفحہ ۲۴۲۔ مطبوعہ: ادارۂ اسلامیات، لاہور)

مطلب یہ ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی اوران کے متبعین کے مزاج میں شدت تھی مگر مجموعی طور پراُن کے عقائد ایسے غلط نہ تھے کہ ان کو کافر یا علی العموم سب کو گمراہ قرار دیا جائے، مگر بعض ان میں حد سے آگے بڑھ گئے تھے اوران میں فساد آ گیا تھا۔

(۶)......حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اہلِ بدعت کی جماعت ہے جو ہم لوگوں کو وہابی کہتی ہے لیکن ہماری سمجھ میں آج تک یہ بات نہ آئی کہ ہم کو کس مناسبت سے وہابی کہا گیا کیونکہ وہابی وہ لوگ ہیں جو ابنِ عبدالوہاب کی اولاد میں ہیں یا اس کے متبع (یعنی پیروکار) ہیں ۔ابنِ عبدالوہاب کے حالات مدوَّن (مرتب اور تحریر شدہ) ہیں۔ ہر شخص ان کو دیکھ کر معلوم کرسکتا ہے کہ وہ نہ اتباع کی رو سے ہمارے بزرگوں میں ہیں، نہ نسب کی رو سے۔ البتہ آج کل جن لوگوں نے تقلید کو ترک کر دیا ہے ان کو ایک اعتبار سے وہابی کہنا درست ہوسکتا ہے کیونکہ ان کے اکثر خیالات ابنِ عبدالوہاب سے ملتے جلتے ہیں ۔البتہ ہم لوگوں کو حنفی کہنا چاہئے کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اصول چار ہیں (۱) کتابُ اللہ (۲) حدیثِ رسول (۳) اجماعِ اُمت (۴) قیاسِ مجتہد، سِوا اِن چار کے اور کوئی اصل نہیں ۔اور مجتہد اگرچہ متعدد (کئی) ہیں لیکن اجماعِ امت سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ ائمہ اربعہ (یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی امام احمد بن حنبل، امام مالک بن انس) کے مذہب کے باہر ہونا جائز نہیں۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ ان چاروں میں (سے جہاں) جس کا مذہب رائج ہو، اس کا اتباع کرنا چاہئے تو چونکہ ہندوستان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب رائج ہے اس لئے ہم اِن ہی کا اتباع کرتے ہیں، ہم لوگ وہابی کے لقب سے بُرا نہیں مانتے ۔لیکن اتنا ضرور کہہ دیتے ہیں کہ قیامت میں اس بہتان کی باز پُرس ضرور ہوگی (تقویم الزیغ ص ۲۹، اشرف الجواب ص ۸۲)

(۷)......حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فرقۂ وہابیہ کی ابتداء محمد بن عبدالوہاب نجدی سے ہوئی۔ یہ شخص حنبلی مذہب رکھتے تھے، مزاج میں سختی تھی۔ ان کے خیالات اور اعتقادات کے متعلق مختلف روایات سنی جاتی ہیں، حقیقتِ حال خدا تعالیٰ کو معلوم ہے، مگر ہندوستان کے بعض مبتدعین (یعنی اہلِ بدعت) نے تو آج کل متبعِ سنت کا نام وہابی رکھ دیا ہے۔ یہ ان مبتدعین کی اصطلاحِ جدید (نئی اصطلاح) ہے۔

علمائے دیوبند، یا ان کے ہم خیال علما کو جو شخص وہابی یعنی متبعِ نجدی کہے وہ خود وہابی یعنی سخت گیری میں متبعِ نجدی ہے (کہ اصل وہابی ہی کئی چیزوں میں سختی اور تشدد والا طرزِ عمل رکھتے ہیں) علمائے دیوبند نہایت عمدہ اور پاکیزہ عقیدے والے حضرات ہیں، ان کا مذہب اور عقیدہ وہی ہے جو سلفِ صالحین وتابعین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا تھا۔ ان کو وہابی کہنا گویا صحابہ وتابعین کو وہابی کہنا ہے حالانکہ صحابہ کی شان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''اَصۡحَابِیۡ کَالنُّجُوۡمِ بِاَیِّہِمۡ اِقۡتَدَیۡتُمۡ اِھۡتَدَیۡتُمۡ'' یعنی میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم جس کی اقتدا کرو گے راہ پاؤ گے۔ پھر صحابہ کو بُرا کہنا ''نعوذ باللہ من ذلک'' حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنی ہے۔ اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرے، اُس کا خود ایمان سلامت نہیں ہے (کفایت المفتی مدلّل، مکمل مع عنوانات، جلد۱صفحہ۲۰۳،۲۰۴۔ مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، طباعت: جولائی۲۰۰۱)

(۸)...... نیز فرماتے ہیں کہ:

آج کل مبتدعین (اہلِ بدعت) کی اصطلاح (زبان) میں متبعینِ سنت کو (عداوتاً) وہابی کہا جاتا ہے (ایضاً صفحہ۲۰۵)

وہابی اصل میں وہ لوگ تھے جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیرو تھے، مگر ہندوستان میں یہ لفظ غلط معنیٰ میں استعمال کیا جانے لگا۔ جو لوگ محمد بن عبدُالوہاب نجدی کے پیرو (کار) نہیں ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہیں اور بدعتوں

سے منع کرتے ہیں، ان کو وہابی کہہ دیا جاتا ہے۔ اور لوگوں کو ان سے متنفر کرنے کے لئے یہ ایک چلتا ہوا جادو ہے۔ جہاں وہابی کہا بس پھر کیا تھا۔ وہ مردُود و ملعون وہا بڑا، لہا بڑا، سب کچھ ہو گیا" **نعوذ باللہ من ذلک** "(ایضاً ص۲۰۹، ۲۱۰)

(۹)...... حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی آخری تصنیف میں اکابر علماءِ دیوبند اور وہابیوں کے درمیان فرق بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں کہ:

محمد بن عبدالوہاب اور اس کے فرقہ سے ان حضراتِ (علماءِ دیوبند) کا دُور کا بھی تعلق نہ تھا۔ وہ عقائد و اقوال جو طائفۂ وہابیہ کے مشہور اور مابہ الامتیاز (**بین اهل السنة وبینهم**) ہیں، اُن کے خلاف اِن حضرات (علماءِ دیوبند) کی تصانیف بھری ہوئی ہیں۔

(۱) وہابیہ: وفاتِ ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ جسمانی اور بقاءِ علاقہ بین الروح والجسم (یعنی جسم اور روح کے درمیان تعلق باقی رہنے) کے منکر ہیں۔ اور یہ حضرات (علماءِ دیوبند) صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مُثبِت (ثابت کرنے والے) بھی ہیں۔

(۲) وہابیہ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے روضہ) کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو ممنوع قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فقط مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کے لئے سفر کرنا چاہئے، وہاں پہنچنے کے بعد زیارت بھی کر لی جائے۔ ہمارے اکابر زیارتِ مطہرہ کے لئے سفر کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ افضل المستحبات اور قریب واجب قرار دیتے ہیں بلکہ محض زیارت کے لئے سفر کرنا جس میں اور کوئی دوسری قربت منوِی (پیشِ نظر) اور ملحوظ نہ ہو۔ افضل اور اعلیٰ قرار دیتے ہیں۔

(۳) وہابیہ: **توسُّل بالانبیاء والاولیاء** کو بعد الوفاۃ ممنوع اور حرام قرار دیتے ہیں۔ یہ حضرات اس کو نہ صرف جائز بلکہ "**ارجی للاجابت**" (یعنی زیادہ قبولیت کی امید کا باعث) اور مفید قرار دیتے ہیں۔

(۴) وہابیہ: بارگاہِ نبوت میں (بظاہر) گستاخانہ کلمات استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ حضرات بارگاہِ نبوت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں اس قدر اظہارِ عقیدت فرماتے ہیں کہ ظاہر بین (یعنی صرف ظاہری نظر وعلم والے) اس کو غلو اور تجاوز عَنِ الحد (یعنی حد سے آگے بڑھنا) شمار کرنے لگتا ہے۔

(۵) وہابیہ: تصوف اور بیعتِ طریقت اور اس کے اشغال ذکر ومراقبہ وتوجہ، حلقہ ہائے ذکر وغیرہ کے سخت منکر ہیں۔ اور یہ حضرات سب کے سب ان کے پابند ہیں (جبکہ مذکورہ اُمور میں کوئی بدعت شامل نہ ہو)

(۶) وہابیہ: کے اکثر لوگ تقلیدِ شخصی کے مخالف ہیں اور جو لوگ قائل بھی ہیں وہ نہایت ڈھیلے ہیں مگر یہ حضرات سب کے سب تقلیدِ شخصی کو واجب اور اس کے تارک کو گناہ گار فرماتے ہیں، سراج الائمہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تمام جزئیات وکلِّیات میں مقلّد ہیں اور نہایت مضبوطی اور سختی سے ان کا اتباع کرتے ہیں۔

(۷) وہابیہ: ائمہٴ طریقت حضرت جنید بغدادی، سری سقطی، ابراہیم بن ادہم، شبلی، عبدالواحد بن زید، خواجہ بہاءُ الدین نقشبندی، خواجہ معینُ الدین چشتی، غوثُ الثقلین، شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ بہاءُ الدین سہروردی، شیخ اکبر ابنِ عربی، شیخ عبدالوہاب شعرانی وغیرہ قدس اللہ اسرارہم اجمعین کی شان میں سخت گستاخی اور بے ادبی کے کلمات کہتے ہیں اور یہ حضرات اُن کی محبت اور تعظیم اور توسل کو بہت مفید اور ضروری اور باعثِ برکات اور موجبِ رضاءِ خداوندی سمجھتے ہیں۔

الغرض وہابیہ کے عقائد وخیالات اور اُن کے اعمال سے اِن (دیوبند کے) بزرگواروں کا دُور کا بھی تعلق نہیں ہے اور نہ تھا۔ وہابی مسلمانوں کو ذرا ذرا سی بات میں مشرک اور کافر قرار دیتے ہیں (اور اسی وجہ سے ایسے لوگوں کو مرتد قرار دے کر ان کے قتل کے بھی قائل ہیں، جبکہ ہمارے حضرات جب تک یقینی کفر ثابت نہ ہو جائے اور تاویل کا کوئی راستہ نہ

رہے اس وقت تک صریح کافر و مشرک قرار نہیں دیتے) (نقشِ حیات ج ۱ ص ۱۲۲ تا ۱۲۶ ملخصاً) [۱]

---

[۱] مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کا ایک رسالہ بنام ''شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ہندوستان کے علمائے حق'' شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے خلاف نفرت اور پروپیگنڈے کا کافی حد تک دفاع کیا ہے، اور ساتھ ہی انہوں نے شیخ محمد ابنِ عبدالوہاب نجدی کے اہلِ سنت والجماعت سے کئی اختلافات کو بھی ذکر فرمایا ہے (ملاحظہ ہو: رسالہ مذکور صفحہ ۶۸ تا صفحہ ۷۴۔ مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اس میں شک نہیں کہ بطورِ خاص شیخ محمد ابنِ عبدالوہاب نجدی اور علی العموم ان کے متبعین کے متعلق اہلِ بدعت وغیرہ کی طرف سے جتنا پروپیگنڈا کیا گیا اور ان کو دائرۂ اسلام سے خارج تک قرار دے دیا گیا، یہ اُن کے ساتھ ناانصافی ہے۔ تاہم مولانا موصوف نے جس انداز اور طرزِ استدلال سے فرقۂ وھابیہ کے دفاع اور برأت کی کوشش کی ہے، اس سے اتفاق مشکل ہے۔

مولانا موصوف کے بقول علامہ شامی و حضرت مدنی اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہم اللہ وغیرہ نے فرقۂ وھابیہ کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا تھا وہ پروپیگنڈے سے متأثر ہونے کی بنیاد پر تھا اور مولانا موصوف کے بقول حضرت مدنی اور حضرت سہارنپوری رحمہما اللہ وغیرہ نے طائفۂ وھابیہ کے متعلق اپنے سابق موقف سے رجوع بھی کر لیا تھا۔

مگر مولانا موصوف کا یہ موقف درست معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ ان حضرات نے جو کچھ فرمایا وہ صرف پروپیگنڈے سے متأثر ہونے کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ احوال و شخصیات کے اعتبار سے تھا، یہ بات ممکن ہے کہ اس جماعت کے افراد میں مختلف زمانوں اور علاقوں کے اعتبار سے مختلف نظریات اور مختلف طرزِ عمل رہا ہو، جس نے جس زمانے اور جس علاقے کے لوگوں کی حالت کا مشاہدہ کیا یا جیسے حالات اس تک اس کے نزدیک معتبر ذریعے سے پہنچے، اس نے اس کے مطابق حکم لگا دیا ہو۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''علامہ شامی رحمہ اللہ چونکہ اسی طرف کے رہنے والے ہیں اور اسی زمانے کے ہیں، ۱۲۳۳ھ میں جب کہ محمد بن عبدالوہاب کی جماعت نے حجاز پر قبضہ اور تسلط کیا ہے، وہ حج کے لئے مکہ معظمہ گئے ہیں، جیسا کہ انہوں نے (فتاویٰ شامی) جلدِ اول صفحہ ۴۷۶ میں تصریح کی ہے، پس وہ محمد بن عبدالوہاب اور اس کی جماعت سے واقف ہیں، اور دور کے رہنے والے اور زمانۂ مابعد میں ہونے والے اتنے واقف نہیں ہو سکتے'' (مکتوباتِ شیخ الاسلام جلد ۲ صفحہ ۳۴۴)

حضرت مدنی رحمہ اللہ کی ۱۹۲۵ء کی ایک تحریر زمیندار اخبار کے حوالے سے جو رجوع میں پیش کی گئی ہے، اس کا رجوع کے لئے قابلِ اعتبار ہونا مشکل ہے، کیونکہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کی نقشِ حیات اُن کی آخری تصنیف ہے، جس کا حوالہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، نیز حضرت مدنی رحمہ اللہ نے ۱۳۷۰ھ (۱۹۵۰ء) میں اپنے مکتوب میں فرقۂ وھابیہ کے متعلق اپنے مکتوب میں مذکور موقف کی تائید کی ہے، جس کا حوالہ اوپر گزرا۔

اس کے علاوہ المہند علی المفند نامی کتاب میں قدیم و جدید اکابرِ دیوبند کی تصدیقات و تائیدات درج ہیں، اس میں مندرجہ کسی مسئلہ کے متعلق کسی ایک شخصیت کے کہنے سے رجوع قرار دیا جانا اصولی طور پر درست معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے عرب کے ایک عالم شیخ عبداللہ بن بلیہد کی ذات کے بارے میں اپنے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۰)......حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ اپنی اسی تصنیف میں فرماتے ہیں کہ:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

تأثرات کا اظہار کیا ہے، محمد بن عبدالوہاب کے عقائد کے بارے میں نہیں کیا، اور وہ بھی ان مخصوص مسائل کے متعلق نہیں ہے جن میں اکابر کو اختلاف ہے، بلکہ عام مذہبی حالات کے بارے میں ہے، اس کو المہند علی المفند میں درج طائفہ وہابیہ کے موقف سے رجوع قرار دینا صحیح معلوم نہیں ہوتا، پھر محمد بن عبدالوہاب کا حرمین شریفین میں تسلط ۱۲۳۳ھ میں ہوا اس وقت کے عالم محقق علامہ شامی کے قول کو ان کے بارے میں پروپیگنڈے کا نتیجہ قرار دینا اور ایک سو دس سال کے بعد ۱۳۴۴ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب رحمہ اللہ کے عبداللہ بن بلیہد کے بارے میں تأثرات کو محمد بن عبدالوہاب کی برأت کے لئے کافی سمجھنا محلِ نظر ہے، ایک صدی سے زیادہ کے عرصہ میں حالات مختلف ہوسکتے ہیں، پھر المہند علی المفند میں طائفۂ وھابیہ کے ہر ہر فرد پر حکم نہیں لگایا گیا تھا، اگر اس طائفہ کے کسی فرد یا چند افراد کی حالت اچھی ہو تو اس کے بارے میں اچھی رائے کا اظہار کردینا نہایت اعتدال اور انصاف کی بات ہے، وقت اور حالات کے ساتھ مزاج بلکہ نظریات میں تبدیلی کا امکان موجود ہوتا ہے۔ ان تمام امور کی وضاحت حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے مفصل فتوے میں کردی ہے، جو انہوں نے مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ مضمون کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ اپنے مذکورہ فتوے کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مرحوم کو اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں مختلف جماعتوں کے بارہ میں تحسین و تقبیح کے مختلف حالات پیش آتے رہے، مولانا مرحوم کا خلوص اور ان کی للّٰہیت اپنی جگہ مسلم ہے مگر ان کی طبعی نرمی، تلون مزاجی اور زود اثری کا بھی اس میں کافی دخل تھا، یہی حال محمد بن عبدالوہاب کے بارہ میں بھی مولانا مرحوم کو پیش آیا، مولانا مرحوم نے طائفہ وہابیہ کی کتاب وسنت کی خدمت واشاعت اور شرک وبدعت کی تردید کے پیشِ نظر اس کے تفردات فیما بینہم وبین اہل السنۃ والجماعۃ سے صرفِ نظر کرکے اس کی برأت اور صفائی پر ہی سارا زورِ قلم لگادیا اور حرمین کے اس زمانہ کے بعض علماء کے حالات کے شکار ہوگئے، ان کی اس رائے سے عقائد ونظریات کے تناظر میں محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین کے بارہ میں علی الاطلاق اتفاق کرنا مشکل ہے کیونکہ ان کے عقائد ونظریات میں اب بھی ایسے عقائد ونظریات موجود ہیں جن کی طرف حضرت مدنی رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے اور ان کو فیما بینہم وبین اہل السنۃ والجماعۃ امتیاز قرار دیا ہے جب تک ان عقائد ونظریات کے بارہ میں اس طائفہ کا اختلاف رہے گا، ان کے ہزار ہا محاسن اور خدماتِ دین کے اعتراف کے ساتھ اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اگرچہ بلا وجہ ان کو گمراہ یا خارج از اہلِ سنت قرار دینا یا ان کی تکفیر وتفسیق کرنا بھی غلط ہے بطورِ خاص جبکہ ان کی تحریرات یا ان کے اخلاف کے بیانات سے اس کی نفی بھی ہوتی ہو، ھذا ما عندی ولعل عند غیری احسن من ھذا۔ ۱۲/ صفر المظفر ۱۴۱۹ھ۔ عبدالشکور ترمذی۔

جامعہ حقانیہ، ساہیوال، سرگودھا، پاکستان

(مرسلہ: مولانا سید مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب زید مجدہٗ، خلف الرشید: حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ۔ ۱۹/ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ)

(ہمارے)ان(بزرگ اوراکابر)حضرات پر وہابیت کا الزام لگا کر وہابیت کے نام سے عوام میں اس قدر نفرت پھیلائی گئی کہ شرک وکفر،عیسائیت اور یہودیت ہندویت اور بت پرستی سے مسلم عوام کو اتنی نفرت نہیں ہوئی جتنی کہ وہابیت سے ہوئی۔

مجھ کو بخوبی یاد ہے کہ غالباً ۱۹۲۵ء یا اسی کے قریبی زمانہ میں پنجاب کے اخباروں میں ایک واقعہ چھپا تھا کہ کسی گاؤں کا امام وہاں کے ایک ہندو بنئے کا مقروض تھا قرضہ بڑھ گیا تھا بنئے نے تقاضا کیا اور آئندہ قرض دینا بند کر دیا،امام صاحب نے اس کو سمجھایا مگر وہ بنیا نہ مانا اور کہا کہ جب تک پہلا قرضہ ادا نہ کردو میں تم کو کچھ قرض نہ دوں گا۔امام صاحب دھمکی دے کر چلے گئے اور مسجد میں بعد نمازِ جمعہ اعلان کیا کہ فلاں بنیا وہابی ہو گیا ہے اس لئے کسی قسم کا معاملہ خرید وفروخت،آمد ورفت کا جائز نہیں ہے۔تمام باشندگانِ دیہہ نے بنئے کا بائیکاٹ کر دیا۔بنیا بے چارہ دن بھر دوکان پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا تھا کوئی آدمی اس کی دوکان پر نہیں آتا تھا،اس نے بعض لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ تو وہابی ہو گیا ہے اس لئے ہم تجھ سے لین دین نہیں کر سکتے۔بالآخر بنئے نے جا کر امام صاحب سے صلح کی تو امام صاحب نے اگلے جمعہ کو اعلان کر دیا کہ بنئے نے وہابیت سے توبہ کر لی ہے اب لین دین جاری کر دو،چنانچہ بازار کھل گیا۔خیال کیجئے کہ بنئے کا ہندو اور بت پرست مشرک ہونا تو لین دین میں حارج نہ تھا مگر وہابی ہونا حارج(رکاوٹ)ہو گیا(نقشِ حیات ج ا ص ۱۲۶،۱۲۷)

(۱۱)......حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''عرب میں ایک شخص محمد بن عبدالوہاب کی طرف ایک جماعت منسوب تھی اس کے بعض نظریات ائمہ اربعہ سے الگ تھے۔اس جماعت نے اس وقت کی حکومت پر قبضہ کرنا چاہا تھا۔حکومت نے مقابلہ کر کے ۱۲۳۳ھ میں اس کو شکست دے

کر جماعت کو ختم کر دیا تھا۔ وہ جماعت بہت بدنام ہو چکی۔ اس کے قریب ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمہ اللہ کے سلسلے کے حضرات نے جہاد کا نظم قائم کیا اور جگہ جگہ دشمنانِ اسلام سے مقابلہ کیا۔ انگریز نے ان کو بدنام کرنے کے لئے یہ لفظ وہابی ان کے واسطے ایجاد کیا اور کہا کہ ان کا تعلق محمد بن عبدالوہاب نجدی کی جماعت سے ہے (فتاویٰ محمودیہ ج ۱ ص ۲۳۰، بابُ البدعات والرسوم)

''تو اس وقت ہندوستان ہی کے بعض لوگوں سے انگریز نے فتویٰ حاصل کیا کہ یہ (اہلِ حق و متبعِ سنت علماء) وہی لوگ ہیں جو عرب میں پٹ چکے ہیں اور یہ لوگ وہابی ہیں اور ان حضرات کی کتابوں میں چھانٹ چھانٹ کر ایسے غلط عنوان سے مسلمانوں میں باتیں پھیلائیں جس کی وجہ سے ان سے نفرت پیدا ہو جائے۔ اس لئے وہابی کا لقب ابتداءً اس جماعت (اہلِ حق) کے لئے انگریز نے تجویز کیا اور بدعتی علماء نے اس کا پروپیگنڈہ کیا ہے اور آج تک کر رہے ہیں۔ ڈبلیو، ڈبلیو ہنٹر نے اس کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ بدعتی علماء کے فتووں نے جو کام دیا ہے وہ سخت سے سخت سزاؤں نے نہیں دیا اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو گیا ہے، اس کا نام ہے''"ہمارے ہندوستانی مسلمان"'' اب جو شخص بھی پابندِ شریعت اور متبعِ سنت دیندار ہے، بدعت سے پرہیز کرتا ہے اس کو وہابی کہتے ہیں، اس سے مسلمانوں کو نفرت دلاتے ہیں'' (فتاویٰ محمودیہ ج ۱ ص ۱۵۹، بابُ البدعات والرسوم)

''اور بدنام کیا جاتا ہے کہ یہ (وہابی ہے) آقاءِ نامدار سیدُ الانبیاء والمرسلین رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں کرتا بلکہ شانِ اقدس میں گستاخیاں اور بے ادبی کرتا ہے'' (فتاویٰ محمودیہ ج ۱ ص ۲۳۰، باب البدعات والرسوم)

خوف یہ ہے کہ اگر لوگ اِن (اہلِ حق اور متبعِ سنت علماء) کے وعظ کو سنیں گے، ان کی کتابوں کو پڑھیں گے ان کی مجلس میں بیٹھیں گے تو بدعت سے متنفر ہو جائیں گے

اوران بدعتی علماء سے کٹ جائیں گے تاہم اب لوگ اتنے بے خبر نہیں رہے کہ ان کو اندھیرے میں رکھا جائے۔ بلکہ اب ان پر حقیقت روشن ہورہی ہے جس کی وجہ سے بدعتی علماء پریشان ہیں (فتاویٰ محمودیہ ج ا ص ۱۵۹، بابُ البدعات والرسوم)

(۱۲)......خیرُ الفتاویٰ میں ہے کہ:

''یہ درست ہے کہ وہابی کا لقب محمد بن عبدالوہاب کے پیروکاروں کے لئے ہی مشہور ہوا، علماءِ دیوبند کو نہ ان سے تلمذ (شاگردی) کا رشتہ حاصل ہے اور نہ عقیدت کا۔ بلکہ بہت سے مسائل میں ان کے خلاف ہیں۔ لیکن علماءِ دیوبند نے ان کی تکفیر نہیں کی'' (خیرالفتاویٰ جلد اصفحہ ۳۷۵، باب ما یتعلق بالفرقۃ المختلفۃ)

(۱۳)......فتاویٰ حقانیہ اکوڑہ خٹک میں ہے کہ:

''محمد بن عبدالوہاب النجدی ایک متشدد قسم کا مذہبی آدمی تھا اور اس کے پیروکار بھی اس کے نظریات کی روشنی میں لوگوں کی تکفیر میں بہت جلد بازی سے کام لیتے ہیں، حضراتِ علماءِ دیوبند اس کے عقائد اور نظریات سے اتفاق نہیں رکھتے اور نہ اس کی اور اس کے پیروکاروں کی تکفیر کے قائل ہیں، عوامُ الناس کو اس کے عقائد ونظریات سے اجتناب کرنا ضروری ہے'' (فتاویٰ حقانیہ، جلد اصفحہ ۳۸۰، باب الفرق الاسلامیہ وغیرہا، مطبوعہ: ۱۴۲۲ھ 2002ء)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ اہلِ دیوبند حضرات کا فرقۂ وہابیہ سے تعلق نہیں۔

عوامُ الناس میں وہابیت کو جو رنگ اور عنوان دے کر ان کے خلاف پروپیگنڈا کیا گیا، وہ حقیقت کے خلاف اور بہتان تھا، جس کا آج تک معاشرے میں اثر موجود ہے، اس بہتان والزام تراشی میں شریک اور عوام کو حقیقت سے بے خبر رکھنے والے لوگ یقیناً قیامت کے روز بازپُرس کے مستحق ہیں۔

اتحاد کی ضرورت اور اختلاف سے بچنے کا راستہ

اس وقت پوری امتِ مسلمہ جس داخلی اور خارجی انتشار اور خلفشار کا شکار ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں، ان حالات میں ضرورت تھی کہ پوری امتِ مسلمہ اسلام کے اصولوں پر مضبوطی سے قائم رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کرتی۔

لیکن بدقسمتی سے شیطان اور کفار نے مسلمانوں کو آج مختلف فرقوں میں بانٹ کر رکھ دیا ہے۔

قرآن وحدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی اصولوں کے مطابق اتحاد واتفاق دین ودنیا کے لحاظ سے بہت اہم اور ضروری چیز ہے، اور اس کے مقابلہ میں غیر شرعی اختلاف اور تفرقہ بازی دین ودنیا کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس تفرقہ بازی کی بنیادی وجہ قرآن وسنت سے ہٹنا اور دین میں اپنی طرف سے نئی نئی چیزیں داخل وپیدا کرنا ہے، اگر دین میں نئی باتیں اور بدعتیں شامل کرنے سے گریز کیا جائے تو یقیناً یہ اختلاف دور ہو جائے۔

مگر جب تک ہر شخص اور ہر فریق کو اس سلسلہ میں آزاد چھوڑا جائے گا، تو ہر ایک اپنی اپنی مرضی کے مطابق دین میں نئی باتیں شامل کر کے مختلف فرقوں کی شکل اختیار کرتا چلا جائے گا، اور دین میں نئی باتیں پیدا کرنے کی ایک اہم وجہ مال وجاہ کی محبت ہے۔

کیونکہ علماء دو قسم کے ہیں:

(۱)......آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے والے (یعنی علمائے حق)

(۲)......اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والے (یعنی علمائے سوء)

پس جبکہ ان کے مقصد میں اختلاف ہے تو ان میں بھی اختلاف لازم ہے۔

اس کا حل تو یہی ہے کہ علمائے سوء کے کارناموں کی حوصلہ شکنی کی جائے، اور اُن کو بدعت

چھوڑ کر اہلِ حق کے ساتھ اتفاق پر آمادہ کیا جائے۔ ؎۱

اور یہ اتفاق بظاہر تو اہلِ حق کے ساتھ ہوگا لیکن درحقیقت بدعت چھوڑ کر سنت کے ساتھ اتفاق ہوگا، اور یہ بات ظاہر ہے کہ سنت کسی فریق کی خودساختہ اور متنازع چیز نہیں، بلکہ ہر مسلمان کی مشترکہ اور مسلمہ ضرورت ہے۔

دین میں تفریق ڈالنے اور فرقے بن جانے سے مراد یہ ہے کہ دین کے اصول کی اتباع کو چھوڑ کر اپنے خیالات اور خواہشات کے مطابق یا شیطانی چالبازیوں میں مبتلا ہو کر دین میں کچھ نئی چیزیں بڑھا دی یا گھٹا دی جائیں، اور الغرض دین میں بدعات شامل کر لی جائیں۔

؎۱ والناس في زماننا هذا أسراب كالطير ، يتبع بعضهم بعضا لو ظهر لهم من يدعى النبوة مع علمهم بأن رسول الله صلى الله عليه وسلم خاتم الأنبياء ، أو من يدعى الربوبية ، لوجد على ذلک أتباعا وأشياعا ، فقد ذكرت ما حضرنى من الآيات التى عاب الله فيها المختلفين ، وذم بها الباغين ، وأنا الآن أذكر لک الآيات من القرآن التى حذرنا فيها ربنا وتعالى من الفرقة والاختلاف ، وأمرنا بلزوم الجماعة والائتلاف ، نصيحة لإخواننا وشفقة على أهل مذهبنا (الإبانة الكبرى لابن بطة، ج ۱ ص ۲۷۲، ۲۷۳، باب ذكر ما نطق به الكتاب نصا فى محكم التنزيل بلزوم الجماعة والنهى عن الفرقة)

ثم اعلموا رحمنا الله تعالى وإياكم أن الله تعالى قد أعلمنا وإياكم فى كتابه أنه لا بد من أن يكون الاختلاف بين خلقه ليضل من يشاء ، ويهدى من يشاء جعل الله عز وجل ذلک موعظة يتذكر بها المؤمنون ، فيحذرون الفرقة ، ويلزمون الجماعة ويدعون المراء والخصومات فى الدين ، ويتبعون ولا يبتدعون ، فإن قال قائل :أين هذا من كتاب الله تعالى ؟ قيل له :قال الله تعالى فى سورة هود : ولو شاء ربک لجعل الناس أمة واحدة ولا يزالون مختلفين إلا من رحم ربک ولذلک خلقهم وتمت كلمة ربک لأملأن جهنم من الجنة والناس أجمعين وكلا نقص عليک من أنباء الرسل ما نثبت به فؤادک وجاءک فى هذه الحق وموعظة وذكرى للمؤمنين ثم إن الله تعالى أمر نبيه صلى الله عليه وسلم أن يتبع ما أنزله إليه ، ولا يتبع أهواء من تقدم من الأمم فيما اختلفوا فيه ، ففعل صلى الله عليه وسلم ، وحذر أمته الاختلاف والإعجاب واتباع الهوى ، قال الله تعالى فى سورة حم الجاثية :ولقد آتينا بنى إسرائيل الكتاب والحكم والنبوة ورزقناهم من الطيبات وفضلناهم على العالمين وآتيناهم بينات من الأمر فما اختلفوا إلا من بعد ما جاء هم العلم بغيا بينهم إن ربک يقضى بينهم يوم القيامة فيما كانوا فيه يختلفون ثم جعلناک على شريعة من الأمر فاتبعها ولا تتبع أهواء الذين لا يعلمون إنهم لن يغنوا عنک من الله شيئا ، وإن الظالمين بعضهم أولياء بعض ، والله ولى المتقين ، ثم قال الله تعالى :هذا بصائر للناس وهدى ورحمة لقوم يوقنون (الشريعة للآجرى، ج ۱ ص ۲۷۰، باب ذكر الأمر بلزوم الجماعة والنهى عن الفرقة بل الاتباع وترک الابتداع)

قرآن وسنت میں اتحاد واتفاق اور سنت کی اتباع پر انتہائی اہمیت کے ساتھ زور دیا گیا ہے، اور تفرقہ بازی وبدعت سازی سے منع کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (سورہ آل عمران، آیت ۱۰۳)

ترجمہ: سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلو اور تفرقہ میں نہ پڑو (ترجمہ ختم)

اس آیت سے اتفاق واتحاد کا حکم اور تفرقہ بازی کی ممانعت معلوم ہوئی۔

اور کئی احادیث کی رُو سے اللہ تعالیٰ کی رسی سے مراد قرآن مجید ہے۔ [۱]

اور بعض حضرات نے جو اللہ کی رسی سے اللہ ورسول کی اطاعت اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کی موافقت وغیرہ کا مراد ہونا بیان فرمایا ہے، یہ بھی اس کے مخالف نہیں، کیونکہ قرآن مجید میں اصولی انداز میں ان چیزوں کا حکم موجود ہے۔ [۲]

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (سورۃ الانفال، آیت ۴۶)

---

[۱] عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ :دَخَلْنَا عَلَيْهِ فَقُلْنَا لَهُ :لَقَدْ رَأَيْتَ خَيْرًا صَحِبْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَّيْتَ خَلْفَهُ فَقَالَ :نَعَمْ وَإِنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَنَا فَقَالَ: "إِنِّى تَارِكٌ فِيكُمْ كِتَابَ اللَّهِ هُوَ حَبْلُ اللَّهِ مَنِ اتَّبَعَهُ كَانَ عَلَى الْهُدَى وَمَنْ تركه كان على الضلالة "(صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۱۲۳ ،ذِكْرُ إِثْبَاتِ الْهُدَى لِمَنِ اتَّبَعَ الْقُرْآنَ وَالضَّلَالَةِ لِمَنْ تَرَكَهُ)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح على شرط مسلم(حاشية ابنِ حبان)

عَنْ أَبِى وَائِلٍ، قَالَ :قَالَ عَبْدُ اللَّهِ " :إِنَّ هَذَا الصِّرَاطَ مُحْتَضَرٌ، تَحْضُرُهُ الشَّيَاطِينُ يُنَادُونَ :يَا عِبَادَ اللَّهِ، هَذَا الطَّرِيقُ فَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ، فَإِنَّ حَبْلَ اللَّهِ الْقُرْآنُ (سنن دارمى، رقم الحديث ۳۳۶۰)

[۲] عَنْ عَبْدِ اللهِ ، قَالَ :الْزَمُوا هَذِهِ الطَّاعَةَ وَالْجَمَاعَةَ ، فَإِنَّهُ حَبْلُ اللهِ الَّذِى أَمَرَ بِهِ ، وَأَنَّ مَا تَكْرَهُونَ فِى الْجَمَاعَةِ خَيْرٌ مِمَّا تُحِبُّونَ فِى الْفُرْقَةِ (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۳۸۴۹۲)

ترجمہ: اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (ترجمہ ختم)

اس آیت میں پہلے تو اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر اتفاق کرنے کا حکم دیا گیا، اور اس کے بعد اختلاف سے منع کیا گیا، اور پھر اختلاف کا دنیاوی نقصان ذکر کیا گیا۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَأُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ(سورۃ آل عمران، آیت ۱۰۵)

ترجمہ: تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، اور انہی لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے (ترجمہ ختم)

اور ایک مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ(سورۃ الانعام، آیت ۱۵۳)

ترجمہ: اور بیشک یہی میرا سیدھا راستہ ہے تو تم اسی کا اتباع کرو اور دوسرے راستوں پر مت چلو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گے تمہیں اسی کا حکم دیا ہے تا کہ تم متقی ہو جاؤ (ترجمہ ختم)

اور ایک مقام پر اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ. اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ(سورہ انعام آیت ۱۵۹)

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں (مختلف) راستے نکالے، اور (مختلف) گروہ بن گئے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ان سے کوئی تعلق

نہیں، بس ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، پھر (قیامت میں اللہ تعالیٰ) ان کو ان کے کرتوتوں کو جتلا دیں گے (ترجمہ ختم)

اورایک مقام پر قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

مُنِيبِينَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا. كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (سورة الروم، آيت ۳۱، ۳۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر اس سے ڈرتے رہو اور نماز قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔ جنہوں نے کہ پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہو گئے ان میں بہت فرقے، ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے (ترجمہ ختم)

اورایک مقام پر اللہ جل جلالہٗ کا ارشاد ہے کہ:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (سورة الشورىٰ آيت ۱۳)

ترجمہ: اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا وہ یہ کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا (ترجمہ ختم)

اورایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (سورة الحجرات، آيت ۱۰)

ترجمہ: بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس تم اپنے بھائیوں میں صلح

کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے (ترجمہ ختم)

ان سب آیات میں اللہ تعالیٰ نے تفرقہ بازی کی برائی اور اس سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثًا، وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا، فَيَرْضٰى لَكُمْ: أَنْ تَعْبُدُوْهُ، وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا، وَيَكْرَهُ لَكُمْ: قِيْلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین چیزوں کو پسند فرماتے ہیں، اور تین چیزوں کو ناپسند فرماتے ہیں، پس تمہارے لئے اس چیز کو پسند فرماتے ہیں کہ تم اس کی عبادت کرو، اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور اللہ کی رسی کو مل کر مضبوط پکڑ لو، اور تفرقہ بازی نہ کرو، اور تمہارے لئے قیل وقال کو ناپسند فرماتے ہیں، اور کثرت سے سوال کرنے کو، اور مال ضائع کرنے کو ناپسند فرماتے ہیں (ترجمہ ختم)

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

وَلَا تَدَابَرُوْا، وَلَا تَبَاغَضُوْا، وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا (بخاری) [2]

ترجمہ: اور تم ایک دوسرے سے روگردانی نہ کرو، اور آپس میں بغض نہ رکھو، اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ (ترجمہ ختم)

---

[1] رقم الحديث ۱۷۱۵ "۱۰" كتاب الحدود، باب النهى عن كثرة المسائل من غير حاجة، والنهى عن منع وهات، داراحياء التراث العربى، بيروت.

[2] رقم الحديث ۶۰۶۴، كتاب الادب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر، دارطوق النجاة، بيروت، عن ابى هريرة، ورقم الحديث ۶۰۶۵.

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اَلْمُسْلِمُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ، إِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهُ، اِشْتَكٰى كُلُّهُ، وَإِنِ اشْتَكٰى، رَأْسُهُ اِشْتَكٰى كُلُّهُ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام مسلمان شخصِ واحد کی طرح ہیں، اگر اُس کی آنکھ میں تکلیف ہو، تو اس کو پورے کو تکلیف ہوتی ہے، اور اگر اس کے سر میں تکلیف ہو، تو اس کو پورے کو تکلیف ہوتی ہے (ترجمہ ختم)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَإِنَّ بَنِىْ إِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِىْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِى النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً قَالُوْا وَمَنْ هِىَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِىْ (ترمذی) [2]

ترجمہ: اور بنی اسرائیل کے بہتّر (۷۲) فرقے ہوگئے، اور میری امت کے تہتّر (۷۳) فرقے ہوجائیں گے، جو تمام جہنم میں جائیں گے، سوائے ایک فرقے کے، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ ایک فرقہ کون سا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں (ترجمہ ختم)

---

[1] رقم الحدیث ۱۲۵۸۶ "۶۷" کتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنین وتعاطفهم وتعاضدهم، داراحیاء التراث العربی، بیروت.

[2] رقم الحدیث ۲۶۴۱، کتاب الایمان، باب ما جاء فی افتراق هذه الأمة، شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی -مصر، واللفظ لهٗ، مستدرک حاکم رقم الحدیث ۴۰۸، الابانة الکبریٰ لابنِ بطة رقم الحدیث ۲۷۴.

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مُفَسَّرٌ لَا نَعْرِفُهُ مِثْلَ هَذَا إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

قلت: ولهٗ شاهد کما سیأتی.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :تَفْتَرِقُ ھٰذِہِ الْأُمَّۃُ ثَلَاثَۃً وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَۃً کُلُّھَا فِی النَّارِ إِلَّا وَاحِدَۃً .قَالُوْا :وَمَا تِلْکَ الْفِرْقَۃُ؟ قَالَ :مَنْ کَانَ عَلٰی مَا أَنَا عَلَیْہِ الْیَوْمَ وَأَصْحَابِیْ(المعجم الاوسط للطبرانی) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس امت کے تہتّر (۷۳) فرقے ہوجائیں گے، جو تمام جہنم میں جائیں گے، سوائے ایک فرقے کے، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ وہ ایک فرقہ کون سا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ ہے، جو اس طریقہ پر ہو، جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں (ترجمہ ختم)

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

أَلاَ إِنَّ مَنْ قَبْلَکُمْ مِنْ أَھْلِ الْکِتَابِ اِفْتَرَقُوْا عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃً وَإِنَّ ھٰذِہِ الْمِلَّۃَ سَتَفْتَرِقُ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِی النَّارِ وَوَاحِدَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ وَھِیَ الْجَمَاعَۃُ (ابوداوٗد) [۲]

ترجمہ: تم سے پہلے اہلِ کتاب کے بہتّر (۷۲) فرقے ہوگئے تھے اور اس امت کے تہتّر (۷۳) فرقے ہوجائیں گے، جن میں سے بہتّر (۷۲) جہنم میں اور ایک

---

[۱] رقم الحدیث ۷۸۴۰، ج۸ص ۲۲، دار الحرمین -القاھرۃ، المعجم الصغیر للطبرانی رقم الحدیث ۷۲۴.

قال الھیثمی:

رواہ الطبرانی فی الصغیر وفیہ عبداللہ بن سفیان قال العقیلی لا یتابع علی حدیثہ ھذا وقد ذکرہ ابن حبان فی الثقات(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۹)

قلت: ولہ شاھد من حدیث عبداللہ بن عمرو کما مر.

[۲] رقم الحدیث ۴۵۹۷، کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ، عن معاویۃ بن ابی سفیان، المکتبۃ العصریۃ، صیدا -بیروت، واللفظ لہٗ، ابنِ ماجۃ رقم الحدیث ۳۹۸۲، کتاب الفتن، باب افتراق الامم، عن عوف بن مالک .

جنت میں جانے والا ہوگا، اور جنت میں جانے والا فرقہ جماعت ہے (ترجمہ ختم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَطَبَنَا عُمَرُ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ: يَآ أَيُّهَا النَّاسُ، إِنِّي قُمْتُ فِيْكُمْ كَمَقَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْنَا فَقَالَ: أُوصِيكُمْ بِأَصْحَابِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتّٰى يَحْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ، وَيَشْهَدَ الشَّاهِدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ، أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطَانَ، عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الاثْنَيْنِ أَبْعَدُ، مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ مقام پر خطبہ دیا اور فرمایا کہ اے لوگو میں تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے نائب) کی حیثیت سے موجود ہوں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں اپنے صحابہ کے ساتھ رہنے کی وصیت کرتا ہوں پھر جو لوگ ان سے ملے ہوئے ہیں، پھر جو لوگ ان سے ملے ہوئے ہیں، پھر اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا یہاں تک کہ آدمی قسم کھائے گا حالانکہ اس سے قسم طلب نہیں کی جائے گی اور گواہی دینے والا گواہی دے گا حالانکہ اس سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی، خبردار ہو جاؤ جو کوئی آدمی بھی کسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرتا ہے تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے، تم جماعت کے ساتھ چمٹے رہو اور اپنے آپ کو تفرقے بازی سے بچاؤ کیونکہ شیطان تنہاء کے

---

[1] رقم الحديث ٢١٦٥، ابواب الفتن، باب ماجاء فى لزوم الجماعة، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى - مصر.

قال الترمذی:

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الوَجْهِ وَقَدْ رَوَاهُ ابْنُ المُبَارَكِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم.

ساتھ ہوتا ہے اور وہ دولوگوں سے دور ہوتا ہے، جو شخص جنت کے رزق کو چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ جماعت کولازم پکڑ لے (ترجمہ ختم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَدُ اللّٰہِ مَعَ الْجَمَاعَۃِ (سنن الترمذی) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کے ساتھ اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے (ترجمہ ختم)

اللہ کا ہاتھ ہونے سے مراد، اللہ کی مدد ونصرت اور رحمت ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِہِ (سنن ابی داوٗد) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جماعت میں ایک بالشت بھی تفریق پیدا کی، تو اس نے اسلام کے ذمہ کو اپنی گردن سے نکال دیا (ترجمہ ختم)

ان احادیث میں جماعت کو لازم پکڑنے کی تاکید کی گئی ہے، اور جماعت سے الگ ہونے پر وعید سنائی گئی ہے۔

جماعت سے مراد اہلِ سنت ہیں، جس کی سب سے پہلی مصداق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے، اور جماعت سے نکلنے کی وعید میں اجماعِ امت سے نکلنا بھی داخل ہے، اور سنت کو چھوڑنا اور بدعت کو اختیار کرنا بھی داخل ہے۔ [۳]

---

[۱] رقم الحدیث ۲۱۶۶، ابواب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی -مصر.

[۲] رقم الحدیث ۴۷۵۸، کتاب السنۃ، باب فی قتل الخوارج، المکتبۃ العصریۃ، بیروت.

[۳] (وعن أبی ذر قال :قال رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم :(من فارق الجماعۃ شبرا) أی :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ:

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مسلم) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولو ساعة، أو ولو في قليل من الأحكام .قال الأبهري :مفارقة الجماعة ترك السنة واتباع البدعة اهـ .والظاهر أن مفارقة الجماعة متاركة إجماعهم، ويؤيده قوله :(فقد خلع) أي :نزع (ربقة الإسلام) أي :ذمته (من عنقه) : إلا أن يحمل الإسلام على كماله، أو المراد المبالغة في التخويف والتنفير عن هذه المفارقة والمخالفة للإعلام بأن المداومة على ذلك تؤدي إلى الخلع الحقيقي.
قال الطيبي :الربقة :عروة في حبل تجعل في عنق البهيمة أو يدها تمسكها، فاستعيرت لانقياد الرجل واستسلامه لأحكام الشرع وخلعها ارتداده وخروجه عن طاعة الله وطاعة رسوله (مرقاة المفاتيح، ج ا ص ۲۶۹، باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

قال أبو شامة :حيث جاء الأمر بلزوم الجماعة فالمراد به لزوم الحق واتباعه وإن كان المتمسك به قليلا والمخالف كثيرا أي الحق هو ما كان عليه الصحابة الأول من الصحب ولا نظر لكثرة أهل الباطل بعدهم قال البيهقي :إذا فسدت الجماعة فعليك بما كانوا عليه من قبل وإن كنت وحدك فإنك أنت الجماعة حينئذ(فيض القدير شرح الجامع الصغير،حرف السين، تحت رقم الحديث ۴۶۷۲)

(ستفترق هذه الأمة على ثلاث وسبعين فرقة كلها في النار إلا واحدة قيل :من يا رسول الله؟ قال: الجماعة) وفي لفظ :(من كان على ما أنا عليه وأصحابي .(فقوله :(من كان على ما أنا عليه وأصحابي) يدل على اتباع السنة، واتباع ما كان عليه الرسول صلى الله عليه وسلم، ووصفهم بأنهم جماعة ثم كونه يقول :إنهم أهل سنة وإنهم ليسوا جماعة هذا كلام غير صحيح؛ لأن أهل السنة هم الجماعة، والجماعة وأهل السنة والطائفة المنصورة والفرقة الناجية؛ كل هذه الصفات لفرقة واحدة، وهم من هم على ما كان عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه، وكونه يصير هناك شيء من الاختلاف والتنافر لأمور دنيوية أو لأمور أخرى هذا لا يؤثر على الاتفاق في العقيدة وعلى ما كان عليه سلف الأمة، فإذا وجد شيء من ذلك لا يقال :إن هذا يقتضي أن يفرق بين السنة والجماعة، وأن السنة شيء والجماعة شيء ، بل أهل السنة هم الجماعة، والجماعة هم أهل السنة، وعقائد أهل السنة فيها ذكر السنة والجماعة معاً فلا يقال :إن هذا شيء وهذا شيء آخر .معنى المنهج وضابطه الصحيح(شرح سنن ابی داوٗد لعبدالمحسن العباد، ج۱۳ ص ۲۸۲،تحت عنوان الجماعات الاسلامية)

[1] رقم الحديث ۸۶۷ "۴۳"كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب تخفيف الصلاة وقصرها، داراحياء التراث العربي، بيروت.

ترجمہ: اما بعد! پس بے شک سب سے بہترین بات کتابُ اللہ ہے، اور بہترین طریقہ محمد کا طریقہ ہے، اور تمام کاموں میں بدترین کام نئے پیدا کئے ہوئے (یعنی بدعت والے) کام ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے (ترجمہ ختم)

ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَمَنُ اِقْتَدٰى بِيُ فَهُوَ مِنِّيُ، وَمَنُ رَغِبَ عَنُ سُنَّتِيُ فَلَيُسَ مِنِّيُ، إِنَّ لِكُلِّ عَمَلٍ شِرَّةً ثُمَّ فَتُرَةً، فَمَنُ كَانَتُ فَتُرَتُهُ إِلٰى بِدُعَةٍ فَقَدُ ضَلَّ، وَمَنُ كَانَتُ فَتُرَتُهُ إِلٰى سُنَّةٍ فَقَدُ اهُتَدٰى (مسند الإمام أحمد) [۱]

ترجمہ: جس نے میری اقتداء کی، تو وہ مجھ میں سے ہے، اور جس نے میری سنت سے اعراض کیا، تو وہ مجھ میں سے نہیں ہے، بے شک ہر عمل کے لئے ایک جذبہ اور پھر سکون ہوتا ہے، پس جس کا سکون بدعت کی طرف ہو، تو وہ گمراہ ہوگیا، اور جس کا سکون سنت کی طرف ہو، تو اس نے ہدایت حاصل کی (ترجمہ ختم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اِقْتِصَادٌ فِيُ سُنَّةٍ، خَيُرٌ مِّنَ اِجُتِهَادٍ فِيُ بِدُعَةٍ (الإبانة الكبرى لابن بطة) [۲]

ترجمہ: سنت پر اکتفاء کرنا بہتر ہے بدعت میں غور وفکر کرنے سے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

اِقْتِصَادٌ فِيُ سُنَّةٍ، خَيُرٌ مِّنَ اِجُتِهَادٍ فِيُ بِدُعَةٍ، وَكُلُّ بِدُعَةٍ ضَلَالَةٌ (السنة لمحمد بن نصر المروزي) [۳]

---

[۱] رقم الحديث ۲۳۴۷۴، مؤسسة الرسالة، بيروت.
في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

[۲] رقم الحديث ۲۴۷، باب ما أمر به من التمسك بالسنة والجماعة، والأخذ بها، وفضل من لزمها، دار الراية للنشر والتوزيع، الرياض.

[۳] رقم الحديث ۸۹، ج ۱ ص ۳۰، مؤسسة الكتب الثقافية - بيروت.

ترجمہ: سنت پر اکتفاء کرنا بہتر ہے بدعت میں غوروفکر کرنے سے، اور ہر بدعت گمراہی ہے (ترجمہ ختم)

ان احادیث سے سنت پر قائم رہنے کی تاکید اور اس کے مقابلہ میں بدعت میں مبتلا ہونے کی وعید معلوم ہوئی۔

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ مِمَّا أَخْشٰى عَلَيْكُمْ شَهَوَاتِ الْغَيِّ فِيْ بُطُوْنِكُمْ وَفُرُوْجِكُمْ وَمُضِلَّاتِ الْفِتَنِ (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: جن چیزوں کا مجھے تم پر خوف ہے ان میں سے تمہارے پیٹوں اور شرم گاہوں میں گمراہی کی شہوتیں ہیں اور گمراہ کن فتنے ہیں (ترجمہ ختم)

کیونکہ بدعت بھی ایک فتنہ اور عظیم فتنہ ہے، اور وہ عام طور پر پیٹ یا شرمگاہ کی شہوت پرستی سے وجود میں آتا ہے، اس لئے وہ بھی اس میں داخل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

مَا أَتٰى عَلَى النَّاسِ عَامٌ إِلَّا أَحْدَثُوْا فِيْهِ بِدْعَةً، وَأَمَاتُوْا فِيْهِ سُنَّةً، حَتّٰى تَحْيَى الْبِدَعُ، وَتَمُوْتَ السُّنَنُ (المعجم الكبير للطبرانی) [2]

ترجمہ: لوگوں پر جو سال بھی آتا ہے اس میں وہ ایک بدعت کو پیدا کرتے ہیں اور

---

[1] رقم الحديث ۱۹۷۷۲، مؤسسة الرسالة، بيروت.

قال الهيثمي:

رواه أحمد والبزار والطبراني في الثلاثة ورجاله رجال الصحيح لان ابا الحكم البناني الراوي عن أبي برزة بينه الطبراني فقال عن أبي الحكم هو الحرث بن الحكم وقد روى له البخاري وأصحاب السنن (مجمع الزوائد، ج ۱ ص ۱۸۸، باب في البدع والاهواء)

[2] رقم الحديث ۱۰۶۱۰، مكتبة ابنِ تيمية القاهرة.

قال الهيثمي:

رواه الطبراني في الكبير ورجاله موثقون (مجمع الزوائد، ج ۱ ص ۱۸۸، باب في البدع والاهواء)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

ایک سنت کو مار دیتے ہیں، یہاں تک کہ بدعات زندہ ہوجاتی ہیں اور سنتیں مرجاتی ہیں (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ بدعت کے ذریعہ سے سنت سے محرومی ہوجاتی ہے، اور سنت ہی ہدایت واتفاق کا ذریعہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهٗ سَيَلِيْ أَمْرَكُمْ مِنْ بَعْدِيْ رِجَالٌ يُطْفِئُوْنَ السُّنَّةَ، وَيُحْدِثُوْنَ بِدْعَةً، وَيُؤَخِّرُوْنَ الصَّلَاةَ عَنْ مَوَاقِيْتِهَا، قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، كَيْفَ بِيْ إِذَا أَدْرَكْتُهُمْ ؟ قَالَ: لَيْسَ يَا ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ طَاعَةٌ لِمَنْ عَصَى اللّٰهَ. قَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ (مسند أحمد، رقم الحديث ۳۷۹۰، مؤسسة الرسالة، بيروت) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میرے بعد تم سے ایسے لوگ ملیں گے جو سنت کو بجھائیں گے اور بدعت کو پیدا کریں گے اور نماز کو اپنے اوقات سے مؤخر کریں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے

---

[1] فی حاشية مسند احمد:

إسناده حسن عند من يصحح سماع عبد الرحمن من أبيه عبد الله، وهو ضعيف عند من يقول: إنه لم يسمع من أبيه إلا اليسير، فقد توفی أبوه وعمره ست سنوات. وباقی رجال الإسناد ثقات رجال الشيخين غير عبد الله بن عثمان بن خثيم فمن رجال مسلم، وغير القاسم بن عبد الرحمن فمن رجال البخاری. محمد بن الصباح: هو الدولابی، وإسماعيل بن زكريا: هو ابن مرة الخلقانی الأسدی. وأخرجه البيهقی فی "دلائل النبوة ۶/۳۹۶" وفی "السنن ۳/۱۲۷" من طريق محمد بن الصباح، بهذا الإسناد. وأخرجه ابن ماجه (۲۸۶۵) والطبرانی فی "الكبير (۱۰۳۶۱)" والبيهقی فی "السنن ۳/۱۲۴" من طريقين عن عبد الله بن عثمان بن خثيم، به. وأخرجه بنحوه الطبرانی فی "الكبير (۹۴۹۷)" والحاكم ۴/۵۱۹، من طريق الأعمش، عن أبی عمار، عن صِلة بن زفر، عن عبد الله بن مسعود، موقوفاً، قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه، ووافقه الذهبی. وانظر ۴۲۹۸.

اللہ کے رسول جب میں ان لوگوں کو پاؤں (جو بدعت کا ارتکاب اور نمازوں کو اپنے وقت سے مؤخر کریں گے) تو کیا کروں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابنِ امِ عبد (یعنی ابنِ مسعود) جو اللہ کی نافرمانی کرے اس کا کہنا نہیں مانا جائے گا، یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی (ترجمہ ختم)

اس تفصیل سے جنت میں جانے والی جماعت کی یہ پہچان اور معیار معلوم ہوا کہ وہ ایسی جماعت ہے کہ جو سنت اور صحابہ کے طریقہ پر کار بند ہو۔

اس معیار کو سامنے رکھ کر تمام باطل فرقوں کو بآسانی پہچانا جاسکتا ہے، ظاہر ہے کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے قولی وفعلی اصولوں سے ثابت نہیں (جیسا کہ آجکل کی مروَّجہ عام بدعات) ان کو انجام دینے والے فرقے نجات پانے والی جماعت میں شامل نہیں، خواہ وہ تعداد ومقدار میں کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں (معارف القرآن ج۳ص۵۰۳بتغیر)

پس اتفاق واتحاد، جس کی اسلام نے تاکید بیان کی ہے، اور اس کی موجود دور میں بہت اشد ضرورت ہے، اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ سنت اور صحابۂ کرام کی جماعت کو لازم پکڑا جائے، اور بدعات سے بچا جائے، اور اس طریقہ کو اختیار کرنے والے لوگ ہی ''اہلُ السنۃ والجماعۃ'' کہلاتے ہیں۔

مگر افسوس ہے کہ اہلِ بدعت اس اصول سے ہٹنے کے باوجود اپنے آپ کو ''سنی'' یا ''اہلِ سنت'' اور اپنے مقابلہ میں ان حضرات کو جو اس طریقہ پر قائم وکاربند ہیں، دوسرا نام دیتے ہیں، اور ان پر اختلاف وتفریق پیدا کرنے کا الزام عائد کرتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

یہ اہلِ بدعت ہمیشہ اہلِ حق کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور یونہی اڑنگ بڑنگ ہانکتے رہتے ہیں۔ ایک سب انسپکٹر میرے ایک وعظ میں شریک تھے۔ وعظ کے بعد انہوں نے مجھ سے گیارہویں کے متعلق سوال کیا، میں نے کہا کہ بدعت ہے۔

کہنے لگے آپ اس کو بدعت کہتے ہیں اور فلاں مولوی صاحب اس کو اچھا بتلاتے ہیں، تو ہم کیا کریں؟ میں نے کہا کہ جیسے ہم سے سوال کیا جاتا ہے کبھی ان سے بھی تو یہ سوال کیا ہوتا کہ تم اچھا کہتے ہو اور فلاں اس کو بدعت کہتے ہیں، ہم کیا کریں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دل میں (گیارہویں) کرنے کی خواہش ہے (اس لئے گیارہویں کرنے والوں پر اعتراض نہیں کرتے) اور دوسروں کو آڑ بناتے ہو۔ پھر کچھ نہیں بولے (الافاضات الیومیہ ج۴ ص۴۰، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

ایک اور موقع پر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لوگ آج کل اتفاق اتفاق تو پکارتے ہیں مگر اس کی حدود کی رعایت نہیں کرتے، بس اتنا یاد کرلیا ہے کہ قرآن میں حکم ہے "لَاتَفَرَّقُوْا" افتراق نہ کرو۔ مگر اس سے پہلا جملہ نہیں دیکھتے "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا" کہ اس میں اللہ کے راستہ پر قائم رہنے کا پہلے حکم ہے، اس کے بعد ارشاد ہے کہ "حَبْلِ اللّٰهِ" (اللہ کی رسی) پر متفق ہو کر اس سے تفرق (علیٰحدگی) نہ کرو، تو اب مجرم وہ ہے جو حبلُ اللہ سے الگ ہو، اور جو حبلُ اللہ پر قائم ہے۔ وہ ہرگز مجرم نہیں، گو اہلِ باطل سے اس کو ضرور اختلاف ہوگا۔ پس یاد رکھو کہ نہ اختلاف مطلقاً مذموم (یعنی ہر حال میں برا) ہے، جیسا کہ ابھی ثابت کیا گیا، اور نہ اتفاق مطلقاً محمود (ہر حال میں اچھا) ہے، بلکہ اتفاق محمود (اچھا اتفاق) وہ ہے جو حبلُ اللہ کے اعتصام (یعنی اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنے) پر ہو (وعظ "اصلاح ذات البین" خطباتِ حکیم الامت ج۱۹، المسمیٰ "آدابِ انسانیت" ص۳۳۴و۳۳۵)

اور ایک دوسرے مقام پر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ایک بار میرا اتفاق کانپور (شہر) جانے کا ربیع الثانی میں ہوا۔ میں نے وعظ میں گیارہویں کا بدعت ہونا بیان کیا، بعد وعظ ایک سب انسپکٹر صاحب نے مجھ سے کہا کہ ایسے مسائل وعظ میں بیان نہیں کرنے چاہئیں اس سے مسلمانوں میں

تفریق ہوتی ہے، میں نے کہا کہ بانیِ تفریق (یعنی تفریق کی بنیاد ڈالنے والے) تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے یہ بدعت ایجاد کی، کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ اس (گیارہویں کی رسم) کی اصل کتاب وسنت سے ثابت نہیں، یہ فعل بعد ہی کو ایجاد ہوا ہے، تو جنھوں نے اس کو شروع کیا، انہوں نے دراصل تفریق ڈالی، وہی لوگ ذمہ دار اس تفریق کے ہیں، نہ کہ منع کرنے والے، نہ آپ اس رسم کو نکالتے نہ ہم منع کرتے، اب آپ لوگ اس کو کرنا چھوڑ دیجئے، ہم لوگ منع کرنا چھوڑ دیں گے، یہ سن کر وہ چپ رہ گئے، کچھ جواب نہ بن پڑا، بہت پوچھنے کے بعد انہوں نے یہ کہا کہ آپ ہی جیسے مولوی یہ بھی کہتے ہیں کہ گیارہویں سے یوں برکت ہوتی ہے، یوں ثواب ہوتا ہے۔ اس کا اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایک نہایت لطیف جواب ڈالا۔ میں نے کہا کہ میں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کبھی یہ سوال آپ نے ان مولویوں سے بھی کیا (جو گیارہویں کو جائز، ثواب اور برکت کا باعث کہتے ہیں) کہ آپ ہی جیسے مولوی وہ لوگ بھی تو ہیں جو اس فعل سے منع کرتے ہیں پھر تم (کیسے) جائز کہتے ہو؟ کیا سارے جواب ہمارے ہی ذمہ ہیں، ان کے ذمہ کوئی بھی جواب نہیں (حالانکہ گیارہویں کے مدعی تو اس رسم کو کرنے والے ہیں نہ کہ منع کرنے والے ہیں اور دلیل مدعی کے ذمہ لازم ہوا کرتی ہے) بس اس سے ثابت ہو گیا ہے کہ آپ نے خود ہی پیشتر (پہلے) سے اس (گیارہویں) کا کرنا تجویز کر لیا ہے، ورنہ اگر تردُّد (شک) ہوتا تو جس طرح ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ مولوی ہی لوگ اس کو برکت اور ثواب کا فعل کہتے ہیں۔ اسی طرح ان سے بھی تو کبھی یہ سوال کیا جاتا کہ صاحب وہ بھی تو آخر مولوی ہی ہیں جو اس کو بدعت کہتے ہیں اور منع کرتے ہیں؟ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہمیں سے سب پوچھا جاتا ہے (اور ہم سے ہی ان کے عمل کے غلط ہونے کی دلیل مانگی جاتی ہے حالانکہ بدعت کے ناجائز ہونے کی دلیل صرف یہی کافی ہوا کرتی ہے کہ وہ عمل شریعت سے ثابت نہیں اور جو عمل

کررہاہےاس کے ذمہ اس عمل کے ثبوت کی دلیل لازم ہوتی ہے) پھر میں نے ان سے کہا کہ آپ اپنے اس اصول پر کہ ’’تفریق نہ ڈالنی چاہئے‘‘ خود بہت آسانی کے ساتھ عمل کر سکتے ہیں، کیونکہ اس (گیارہویں کے) فعل کو آپ فرض اور واجب تو سمجھتے ہی نہیں، محض برکت اور ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور منع کرنے والے اس کو بدعت سمجھ کر روکتے ہیں، اس صورت میں آپ تو مستحب کو چھوڑ سکتے ہیں (کیونکہ مستحب کو چھوڑنا گناہ نہیں) اور (ہم) واجب یعنی منع کرنے کو نہیں چھوڑ سکتے (کیونکہ بدعت سے رکنا اور بدعت سے منع کرنا واجب ہے) ہاں جب آپ (اس بدعت کو) ترک کر دیں گے پھر (ہمیں) منع (کرنے) کی بھی ضرورت نہ رہے گی (حسن العزیز ملفوظ نمبر ۵۸، مشمولہ: ملفوظاتِ حکیم الامت، ج۱۶ص ۵۸، ۵۹، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، لاہور)

نیز ایک مقام پر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

بعض لوگ اس اختلاف کو دیکھ کر علماء کو رائے دیتے ہیں کہ سب مولویوں کو متفق ہوجانا چاہئے، نااتفاقی بری چیز ہے، تو میں پوچھتا ہو کہ کیا نااتفاقی علی الاطلاق (یعنی ہر قسم کی نااتفاقی) جرم ہے؟ یا اس کے لئے کوئی قید بھی ہے؟ اگر نااتفاقی علی الاطلاق (بغیر کسی قید اور شرط کے) جرم ہے اور اس کی وجہ سے ہر فریق مجرم ہوجاتا ہے تو عدالت کو چاہئے کہ جب اس کے پاس کوئی مدعی، دعویٰ پیش کرے تو قبل تحقیق مقدمہ (یعنی مقدمہ کی تحقیق سے پہلے) ہی مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو سزا کر دیا کرے، کیونکہ دعوے اور انکار سے دونوں میں نااتفاقی کا ہونا ثابت ہوگیا (کہ ایک فریق ایک چیز کا دعویٰ کررہا ہے اور دوسرا فریق اس کا انکار کررہا ہے اور دونوں کے بیان ایک دوسرے سے مختلف ہیں) اور (آپ کے نزدیک) نااتفاقی علی الاطلاق (بغیر کسی قید اور شرط کے) جرم ہے، تو مدعی اور مدعا علیہ (یعنی دعویٰ کرنے والا اور جس کے خلاف دعویٰ کیا جائے) دونوں مجرم ہوئے، اگر عدالت ایسا کرے تو سب سے پہلے آپ ہی (اس فیصلہ

کے) مخالف ہونگے، اور دنیا بھر میں شور وغل مچادیں گے کہ یہ کون سا انصاف ہے؟ کہ تحقیقِ مقدمہ سے پہلے ہی دونوں کو مجرم بنادیا گیا۔ اب اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ پھر کیا کرنا چاہئے تھا؟ تو آپ عاقل (یعنی عقل مند) بن کر یہ رائے دیں گے کہ عدالت کو تحقیق کرنا چاہئے تھا، کہ مدعی اور مدعا علیہ میں جو باہم مخالفت وناا تفاقی ہے، تو ان میں سے حق پر کون ہے اور ناحق پر کون ہے؟ جو حق پر ہوتا اس کی حمایت کی جاتی اور جو ناحق پر ہوتا اس کو سزا دی جاتی، لیجئے آپ ہی کے فیصلے سے ثابت ہو گیا کہ نااتفاقی علی الاطلاق (یعنی ہر حال میں) جرم نہیں بلکہ نااتفاقی وہ جرم ہے جو ناحق ہو، اور جو نااتفاقی بحق (حق کی وجہ سے) ہو وہ جرم نہیں، اور اگر کسی معاملہ میں دو فریق ہو جائیں تو ہر فریق کو مجرم نہیں کہا جاسکتا، بلکہ جس کی مخالفت ناحق ہو وہ مجرم ہے، اور جو بحق (حق کی وجہ سے) ہو وہ مجرم نہیں، پس علماء کی باہم نااتفاقی اور اختلاف سے آپ کا سب (علماء) کو مجرم بنانا اور ہر فریق سے یہ کہنا کہ دوسرے سے اتفاق کرلو، غلط رائے ہے، بلکہ اول آپ کو تحقیق کرنا چاہئے کہ حق پر کون ہے، ناحق پر کون ہے؟ پھر جو ناحق پر ہو، اُسے مجرم بنایئے اور اس کو اہلِ حق کے ساتھ اتفاق کرنے پر مجبور کیجئے، ورنہ اہلِ حق کو دوسروں کے ساتھ اتفاق پر مجبور کرنے کے تو یہ معنٰی ہوں گے کہ وہ حق کو چھوڑ کر، ناحق طریق (غلط راستہ) اختیار کرلیں اور اس کو کوئی عاقل (یعنی عقل مند) تسلیم نہیں کرسکتا، تو اتنی شکایت آپ کی رہ گئی کہ آپ قبل از تحقیق (یعنی تحقیق کرنے سے پہلے) ہی سب کو متفق ہوجانے کی رائے دیتے ہیں اور مولویوں کی شکایت ہم کو بھی ہے مگر صرف ان کی جو ناحق پر ہیں، اور اگر یہ کہا جائے کہ صاحب دوسرا فریق (یعنی جو غلطی پر ہے) بھی اتفاق سے مجبور ہے کیوں کہ ان کی سمجھ میں یوں ہی آیا وہ اسی کو حق سمجھتے ہیں جو اُن کی سمجھ میں آیا ہے، تو جناب ائمہ اربعہ (چاروں فقہ کے اماموں) میں سمجھ ہی کا تو اختلاف ہے، مگر

اس کے ساتھ پھر سب متفق ہیں۔کوئی ایک دوسرے پر ملامت وطعن نہیں کرتا، بلکہ ہر ایک کو حق پر سمجھتا ہے (لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سنت وبدعت کا اختلاف) اگر ایسا اختلاف ہوتا (جیسا کہ چاروں فقہاء کے درمیان ہے اور وہ حق ہے) تو مسلمانوں کو آج یہ پریشانی نہ ہوتی جو آنکھوں سے نظر آ رہی ہے، بلکہ یہ (سنت وبدعت کا) اختلاف تو روٹیوں کا ہے (یہی وجہ ہے کہ دونوں فریق ایک فقہ کے مدعی ہیں، لیکن یہ بدعات اس فقہ سے ثابت نہیں بلکہ ان کا بدعت ہونا ثابت ہے) میں کہا کرتا ہوں کہ اگر اہلِ حق کے پاس کافی روپیہ ہو، اور وہ ان سب فرقوں کی تنخواہیں مقرر کر دیں تو سارا اختلاف ایک دن میں مٹ جائے، یہ سارا اختلاف پیٹ کی وجہ سے ہے، کہ کوئی مولود (میلادُ النبی) پر زور دیتا ہے، کوئی (مروَّجہ) فاتحہ (ودرود اور گیارہویں) پر، کوئی (مرنے کے بعد) تیجے، دسویں پر، ایک عالم صاحب سے جو بدعات کے بڑے حامی ہیں کسی نے سوال کیا کہ تم مولود (میلادُ النبی) و(مروَّجہ) فاتحہ کو سنت کہتے ہو اور ان پر بہت زور دیتے ہو اور جو اِن سے منع کرے اس کو بُرا بھلا کہتے ہو، پھر یہ کیا وجہ کہ تمہاری مستورات (وخواتین) بہشتی زیور پڑھتی ہیں؟ (جو کہ ہماری کتاب ہے، اور اس میں اس قسم کی بدعات پر رد بھی ہے) تو انہوں نے اپنے پیٹ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ ''یہ سارا اختلاف تو اس کی خرابی ہے ورنہ حق وہی ہے جو بہشتی زیور میں لکھا ہے''

میں نے ایک دفعہ لکھنؤ (شہر) میں دیکھا کہ ہر کھانے پر الگ الگ فاتحہ دی جارہی ہے پھر وہاں بیان کی فرمائش ہوئی تو میں نے اس بیان میں کہا کہ فاتحہ ومولود (مروّجہ فاتحہ وختم اور میلاد) کے سنت اور بدعت ہونے کا امتحان بہت آسانی سے اس طرح ہوسکتا ہے کہ جو مولوی صاحب مولود پڑھیں یا فاتحہ دیں ان کو (اس پر) کچھ نہ دیا جائے، ان سے خوب مولود پڑھواؤ اور الگ الگ ہر رکابی (وبرتن) پر فاتحہ دلواؤ، مگر (اس کا) نذرانہ کچھ نہ دو، نہ مٹھائی کا دوہرا حصہ دو۔ پھر دیکھنا وہ خود ہی اس کو

فضول اور بدعت کہنے لگیں گے، چنانچہ بعض لوگوں نے اس پر عمل کیا تو اسی روز شام کو آ کر ایک فاتحہ خواں صاحب کہنے لگے کہ ''واقعی یہ تو ایک فضول سا قصہ معلوم ہوتا ہے کہ الگ الگ فاتحہ ہو، ایک ہی کافی ہے'' میں نے جی میں کہا کہ اب تو معلوم ہو ہی جائے گا۔ صاحبو! میں سچ کہتا ہوں کہ ان کی (ان رسموں اور بدعتوں کی) آمدنی بند کردو، تو وہ خود ہی کہنے لگیں گے کہ یہ سب فضول قصہ ہے ۔ یہ ساری باتیں روٹیاں کھانے کی ہیں (اشرف الجواب ص ۲۴۲ تا ۲۴۴، واسباب الفتنہ)

خلاصہ یہ کہ اختلاف سے بچنا اور اتحاد کا پیدا کرنا بہت ضروری ہے، اور اختلاف سے بچنے کا راستہ سنت اور صحابہ کے طریقہ پر عمل کرنا اور بدعت سے بچنا ہے۔

لٰہذا جو لوگ مختلف بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں، ان کو بدعات چھوڑ کر سنت پر عمل کرنا چاہئے، جو اتحاد و اتفاق کا صحیح طریقہ ومعیار ہے۔

اللہ تعالیٰ سنت پر عمل پیرا ہونے اور بدعات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

فقط: محمد رضوان

۸/ ربیع الاٰخر/ ۱۴۲۳ھ 20 / جون/ 2002ء بروز جمعرات، بعد ظہر

اضافہ واصلاح بارِ دوم: ۲۶/ شعبان/ ۱۴۲۷ھ۔ 20 / ستمبر/ 2006ء

اضافہ واصلاح بارِ سوم: ۲۶/شوال/ ۱۴۳۲ھ 25 / ستمبر/ 2011ھ بروز اتوار

ماہِ ربیعُ الاٰخر کے چند اہم تاریخی واقعات

(مرتب: مولانا طارق محمود، ادارہ غفران، راولپنڈی)

پہلی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۲۱ھ: میں نہاوند کا معرکہ پیش آیا (تقویم تاریخی ص ۷)

ایرانی کفار ہر سابقہ شکست پر نئے عزم وشدت پسندی کے ساتھ مذہبِ حق اور اہلِ اسلام کو صفحۂ ہستی سے کچل دینے کی غرض سے آئندہ کیلئے بھرپور طریقہ پر جنگ کی تیاری کرتے، چنانچہ اس مرتبہ دو لاکھ کے قریب فوج ''نہاوند'' میں جمع ہوئی، جس کے مقابلہ کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے تیس، چالیس ہزار کے لگ بھگ مسلمانوں کی تشکیل ہوئی، تین دن کی ہولناک لڑائی کے بعد مسلمانوں کو فتح ہوئی، ایک لاکھ سے زائد ایرانی شکست کھا کر بھاگتے ہوئے دھکم پیل کے نتیجہ میں، گھوڑوں تلے آکر اور اپنی ہی خندقوں میں گر گر کر ہلاک ہوئے، میدانِ جنگ میں قتل ہونے والے مذکورہ تعداد کے علاوہ تھے، مسلمان تقریباً تین ہزار شہید ہوئے، اس لڑائی کے بعد ایرانیوں کی کمر ٹوٹ گئی تھی اس لئے اسے فتح الفتوح کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

(البداية والنهاية، ج۷ص ۱۲۰ ،وقعة نهاوند،المنتظم لابن الجوزی، ج۴ص۲۶۷)

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۳۲ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۸)

آپ کا اصل نام عویمر یا عامر تھا، ابتداء میں آپ کا شغل معاش تجارت تھا، مگر جب عبادت، تفسیر، حدیث اور فقہ کی اشاعت میں محو ہوئے اور خشیتِ الٰہی کا غلبہ ہوا، تو فرماتے اب تو موجودہ حالات کے مقابلہ میں ایسی تجارت بھی پسند نہیں جس میں روزانہ نفع ہو اور وہ سارے

کا سارا صدقہ کر دیا کروں اور نماز بھی قضاء نہ ہو کہ حساب کا خوف دامن گیر ہے، ان کا شمار فقہاء صحابہ میں تھا وہ زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقعہ پر پوچھا کہ اس قدر عسرت سے زندگی گزارنے کا سبب کیا ہے؟ تو کہنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا میں مسافر کی طرح سامان رکھنا چاہیے، اور ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیا سے کیا ہو گئے، اس پُر اثر فقرے پر دونوں بزرگوں نے روتے روتے صبح کر دی، بوقتِ موت گریہ وزاری کی حالت طاری تھی اور کہتے تھے نہ معلوم گناہوں سے چھٹکارہ ہو سکے گا یا نہیں (الاصابة فی تمییز الصحابة، ج۴ص۷۴۷، باب العین بعدها الواو)

❐...... ماہِ ربیع الاٰخر ۵۰ھ: میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا

(تقویم تاریخی ص۱۴)

حضرت کعب غزوہ تبوک میں جانے والے ان تین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے تھے، جن کی شان میں سورہ توبہ کی یہ آیتیں ''وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا '' نازل ہوئی تھی، ان حضرات نے اپنی غلطی سچ سچ بیان کر دی تھی، اور منافقین کی طرح تاویلات اور بہانے نہیں کئے تھے، اسی سچ کو پرکھنے کیلئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایسے امتحان میں مبتلا ہوئے، جس کی نظیر تاریخِ اسلام میں بہت کم ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۵۰ یوم تک خود بھی ان سے ناراض رہے اور صحابہ کو بھی ان سے بائیکاٹ کا حکم فرمایا، حتیٰ کہ مذکورہ آیت نازل ہوئی اور جب آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو معافی کی وجہ سے چہرۂ انور خوش وخرم تھا، عرض کیا یارسول اللہ آپ نے معاف کر دیا، فرمایا اللہ نے بھی معاف فرمایا۔

(العبر فی خبر من غبر، ج ۱ ص ۳۹، المنتظم لابن الجوزی، ج۵ ص۲۳۷، الاصابة فی تمییز الصحابة، ج۵ص ۶۱۱، باب الکاف بعدها العین، سیر الصحابہ ج۳ص۱۳۶، انصار دوم)

❐...... ماہِ ربیع الاٰخر ۶۸ھ: میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا۔ آپ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھانجے ہونے کی وجہ سے اکثر ان کے

ہاں رہ لیا کرتے تھے، جس کی وجہ سے بارہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور تہجد میں اقتداء کا شرف حاصل ہوا، ایک مرتبہ اقتداء میں بالکل پیچھے کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا اپنے برابر کرنا چاہا تو بوجہ تواضع کے تذبذب میں مبتلا ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا ہوا؟ تو عرض کیا، آپ تو اللہ کے رسول ہیں بھلا آپ کے برابر کھڑا ہونا کس کے لائق ہوسکتا ہے، چونکہ عمر اس وقت ۱۲، ۱۳ برس ہی تھی، اس کفایت شعاری، خدمت اور غایتِ ادب کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں موقع بموقع بہت دعائیں دیں، انہی دعاؤں کا نتیجہ اور ثمرہ تھا کہ آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ ان سب علوم میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا، جس سے پوری امت نے استفادہ کیا، آپ کی وفات پر حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آج ایسی شخصیت کا انتقال ہوا، کہ مشرق ومغرب والے علم میں اس کے محتاج ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج۳ص ۳۵۹، ۳۶۰، البدایۃ والنہایۃ، ج۸ ص ۳۲۵، ۳۳۷، العبر فی خبر من غبر، ج ۱ ص ۷۴، سیر الصحابۃ ج۲ص ۲۳۵)

❑ ...... ماہِ ربیع الاٰخر ۷۰ھ: میں حضرت عاصم بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص ۸)

آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پیدا ہو گئے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی عمر دو سال تھی، آپ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے نانا تھے، آپ بہت خوش اخلاق تھے، مدینہ سے باہر ''ربذہ'' کے مقام پر آپ کی وفات ہوئی۔

(العبر فی خبر من غبر، ج ۱ ص ۵۷، البدایۃ والنہایۃ ج۸ص ۳۱۳، الاصابہ، حرف العین، العین بعدھا الالف)

❑ ...... ماہِ ربیع الاٰخر ۷۴ھ: میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تقویم تاریخی ص ۱۹)

کم سنی ہی سے پیدل دوڑنے میں ممتاز تھے، گھوڑے سے مقابلہ کرتے تو آگے نکل جاتے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر تین مرتبہ موت پر بیعتِ رضوان کی تھی، غزوات میں شریک

رہے، فتح خیبر سے اس شان سے واپس ہوئے کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں ہاتھ دیئے ہوئے تھے، آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ اللہ کا واسطہ دے کر جو بھی سوال کرتا تو اسے خالی ہاتھ نہ بھیجتے تھے، ۸۰ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی۔

(العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۶۲، البدایة والنهایة ج ۹ ص ۶، المنتظم لابن الجوزی ج ۶ ص ۱۴۶، سیر الصحابة ج ۲ ص ۱۹۸، مهاجرین حصه ۲)

☐...... ماہِ ربیع الآخر ۸۰ھ: میں حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کا وصال ہوا (تقویم تاریخی ص ۲۰)

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے، والد کی شہادت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر دعا فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ عبداللہ صورتاً اور سیرتاً میرے مشابہ ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی زندگی اس ارشاد کی عملی تصدیق تھی، جب یہ فوت ہوئے تو اس زمانے کے گورنر ابان بن عثمان رحمہ اللہ نے خود غسل دے کر کفن پہنایا اور نمازِ جنازہ پڑھائی، پھر قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے کہہ رہے تھے، اللہ کی قسم! آپ بہترین آدمی تھے، آپ میں کوئی شر نہ تھا، آپ صلۂ رحمی کرتے تھے، آپ نیک تھے، ۹۰ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی، آپ کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ مسلمانوں میں ان کی طرح کا کوئی سخی نہیں تھا۔

(المنتظم لابن الجوزی، ج ۶ ص ۲۲۰، البدایة والنهایة ج ۹ ص ۳۴، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۶۷، سیر الصحابة ج ۴ ص ۱۲۴، حصه ۷)

دوسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

☐...... ماہِ ربیع الآخر ۱۰۴ھ: میں عباسی تحریک کے بانی ابو ابراہیم محمد کے ہاں عبداللہ سفاح ابو العباس پیدا ہوا۔

ابو ابراہیم محمد نے بنو امیہ سے حکومت، بنو عباس میں منتقل کرنے کے لئے مستقل طور پر بہت مضبوط اور دوررس نتائج کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خفیہ طور پر ایک تحریک شروع کی تھی، ابھی چند

سال ہی اس تحریک کو ہوئے تھے کہ ابوابراہیم کے ہاں عبداللہ سفاح پیدا ہوا، تو ابوابراہیم محمد اس نومولود کو اپنے ارکانِ تحریک کے مجمع میں لایا اور کہا کہ یہ وہ شخص ہے جس پر تمہاری تحریک کی آزادی مکمل ہوگی، اور حکومت، بنوامیہ کے بجائے ہمارے خاندان بنوعباس میں منتقل ہوجائے گی، اور یہ نومولود پہلا شخص ہوگا جو بنوعباس کی طرف سے تم پر حکومت کرے گا، چنانچہ ہوا تو اسی طرح کہ ابوالعباس سفاح اپنے والد کی وفات کے بعد قائد مقرر ہوا اور کارکنانِ تحریک کی مدد سے ۲۶ سال کی عمر میں حکومتِ بنوامیہ کا مکمل طور پر خاتمہ کرکے بادشاہ کی حیثیت سے برسرِ اقتدار ہوا (تاریخِ ملت ج ۱، تاریخِ اسلام اکبری ج ۲، الکامل ج ۴ ص ۳۶۳)

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۱۲۵ھ: میں اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی وفات ہوئی

(تقویمِ تاریخی ص ۳۲)

ہشام بن عبدالملک بنوامیہ کے ان تین ممتاز ترین حکماء و باشاہوں میں سے تھا جنہوں نے اپنے تدبر اور سیاست کا نقش تاریخ کے صفحات پر ثبت کردیا (۱) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، جنہوں نے حکومتِ بنوامیہ کی داغ بیل ڈالی (۲) عبدالملک بن مروان (۳) ہشام بن عبدالملک، علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ہشام باتدبیر، کفایت شعار، تیز فہم بادشاہ تھا، سلطنت کے چھوٹ چھوٹے معاملات بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھے، بردباری وتحمل مزاجی امتیازی خصوصیات تھیں، اخلاق وعادات کے لحاظ سے بھی بہت عمدہ مزاج تھا، شاہانہ غرور اور تمکنت اس کے پاس بھی نہ پھٹکتی تھی، ایک مرتبہ کسی شخص کو نازیبا الفاظ کہہ بیٹھا، اس شخص نے بگڑ کر کہا کہ خلیفۂ وقت ہوکر ایسے الفاظ کہتے ہوئے شرم نہیں آئی، ہشام سخت شرمندہ ہوا، اور کہا تم مجھ سے بدلہ لے لو، اس نے کہا یعنی میں بھی تمہاری طرح کمینہ ہوجاؤں؟ تو ہشام نے کچھ مال دینا چاہا تو اس نے قبول نہ کیا، اس پر ہشام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے مجھے معاف کردے، تو اس شخص نے کہا ہاں! اللہ تعالیٰ کے واسطے تمہیں معاف کرتا ہوں، اس کے بعد ہشام نے شرم کے مارے گردن جھکالی اور ندامت سے کہا واللہ! آئندہ ایسی حرکت نہ ہوگی۔

(العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۲۲، تاریخِ ملت ج ۵ ص ۷۹ و ج ۱ ص ۲۹۷)

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۱۲۵ھ: میں اموی خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان تختِ حکومت پر متمکن ہوا (تقویمِ تاریخی ص ۳۲)

جس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے پہلے سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بعد ترتیب وار حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو پھر اپنے بھائی یزید بن عبدالملک کو ولی عہد منتخب کیا تھا، اسی طرح یزید نے ترتیب وار اپنے بھائی ہشام بن عبدالملک پھر اپنے کمسن بیٹے ولید بن یزید کو ولی عہد منتخب کیا تھا، ولید اپنے باپ سے زیادہ عیش پسند آوارہ مزاج اور نغمہ شیریں و بادِ رنگین میں مست نوجوان تھا، ہشام بن عبدالملک نے اسے پہلے تو درست کرنے کی کوشش کی تھی مگر کوشش کامیاب نہ ہوئی تو اسے ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے مسلمہ کو ولی عہد بنانا چاہا، مگر چند ناعاقبت اندیش اور اہلِ اسلام کی جمعیت کے شیرازے سے کھیلنے والے وزراء جو یزید کی حکومت میں اپنی ناجائز خواہشات اور شیطانی ارادوں کی تکمیل دیکھ رہے تھے، انہوں نے مسلمہ کی ولی عہدی پر زبردست مخالفت کی، اسی دوران اچانک ہشام بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا، ولید کو جب ہشام کی موت یعنی اپنی بادشاہت کی خبر ملی تو اس نے ہشام یعنی اپنے حقیقی چچا کی تمام ملکیت، جائیداد و مال و متاع کو ضبط کرنے اور تمام گھر والوں کو نظر بند کرنے کا حکم جاری کیا، تمام مخالفین ارکانِ دولت سے سختی کے ساتھ انتقام لیا، خصوصاً ہشام کے بیٹوں یعنی اپنے چچازاد بھائیوں اور ان کے خاندان کے افراد کے ساتھ تو بہت ہی ناروا سلوک کیا، بعضوں کو قید بعض کو سو، سو کوڑے لگوائے، اور بعض کو کوڑے بھی لگوائے اور جلاوطن بھی کیا (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۲، تاریخِ ملت ج ۱ ص ۶۹۹)

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۱۵۰ھ: میں حضرت عبدالملک بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تقویمِ تاریخی ص ۳۸)

آپ ابنِ جریج رومی کے نام سے مشہور تھے، آپ امیہ بن خالد بن اسید کے غلام تھے، آپ کا شمار مشہور علماء میں ہوتا ہے، آپ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی۔

(وفیات الاعیان لابنِ خلکان ج ۲ ص ۷۸، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۶۳)

□......ماہِ ربیع الاٰخر ۱۵۴ھ: میں افریقہ میں اباضیوں کا استیصال ہوا (تقویمِ تاریخی ص ۳۹)

اباضی خارجیوں کا ایک فرقہ ہے، جس کا بانی عبداللہ بن اباض تھا، اس فرقے کا آغاز ۶۵ھ میں ہوا، عبداللہ بن اباض نے خارجیوں کے انتہاء پسند فرقے ازرقیہ سے علیحدہ ہو کر اس فرقے کی بنیاد ڈالی، اباضی اپنے تمام مخالفین کو کافر سمجھتے ہیں، البتہ غیر اباضیوں سے نکاح کی اجازت دیتے ہیں، آج کل اس فرقے کے لوگ مشرقی افریقہ، لیبیا، اور جنوبی الجزائر کے علاوہ عمان میں پائے جاتے ہیں (اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص ۴۶)

□......ماہِ ربیع الاٰخر ۱۷۱ھ: میں اندلس میں اموی حکومت کے بانی عبدالرحمٰن الداخل بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک کی وفات ہوئی۔

عباسیوں نے جب عراق کے علاقوں میں اموی سلطنت کا تختہ الٹ دیا تو انہوں نے آئندہ اموی سلطنت بننے کے خوف سے کسی اموی کو زندہ رہنے کا موقع نہیں دیا، چنانچہ آخری اموی خلیفہ مروان کو تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ بہت سے شہزادوں کو تلاش کر کے قتل کیا، اس قتل وغارت گری میں جس شہزادے کو جہاں سر چھپانے کا موقع ملا تو وہ وہاں روپوش ہو گیا، ان شہزادوں میں اندلس میں اموی حکومت کا بانی عبدالرحمٰن الداخل بھی تھا، عبدالرحمٰن الداخل کی پیدائش دمشق یا تدمیر کے نواح میں علیاء کے مقام پر ۱۱۳ھ میں ہوئی، امویوں کو جس وقت ہلاک کیا جا رہا تھا، اس وقت مغرب میں اندلس اور افریقہ ہی ان کی پناہ کا مرکز تھا، عبدالرحمٰن الداخل بھی عباسیوں کی نظروں سے چھپتا چھپاتا افریقہ پہنچ گیا، لیکن جب افریقہ میں بھی امویوں پر حالات تنگ کر دیئے گئے تو عبدالرحمٰن اندلس پہنچ گیا، اور آہستہ آہستہ ایسے حالات پیدا کئے کہ عبدالرحمٰن الداخل اندلس کا امیر بن گیا، اور یہاں پر امویوں کی حکومت قائم ہو گئی، اور اندلس کی سرزمین امویوں کے لئے مامون ہو گئی، اور اموی جہاں جہاں بے کسی کے عالم میں پناہ لئے ہوئے تھے سب نے اندلس کی راہ لی، عبدالرحمٰن الداخل نے ۵۸ سال کی عمر میں وفات پائی، اور اس کے بیٹے عبداللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قرطبہ کے محل میں

تدفین ہوئی (تاریخِ اندلس ۲۰۹ تا ۳۰۱)

□......ماہِ ربیع الاٰخر ۱۹۰ھ: میں حضرت عبداللہ بن عمر بن غانم الرعینی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۱۲۸ھ میں ہوئی، احادیث امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں اور اپنے زمانہ میں افریقہ کے قاضی بھی رہے ہیں (المنتظم لابن الجوزی ج ۹ ص ۱۸۶)

□......ماہِ ربیع الاٰخر ۱۹۹ھ: میں حضرت ہشام بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن معاویہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ نے امام مالک رحمہ اللہ سے حدیث کی سماعت کی اور عبداللہ بن وھب رحمہ اللہ کی مجلس میں بیٹھے (المنتظم لابن الجوزی ج ۱۰ ص ۸۱)

□......ماہِ ربیع الاٰخر ۱۹۴ھ: میں بصرہ کے قاضی حضرت ابوالمثنیٰ معاذ بن معاذ العنبری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ حضرت حمید الطّویل رحمہ اللہ اور ان کے طبقہ سے روایت کرتے ہیں، امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بصرہ، کوفہ اور حجاز میں آپ سے زیادہ علم وعمل میں کوئی مضبوط نہ تھا (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۴۹، المنتظم لابن الجوزی ج ۱۰ ص ۳۵)

تیسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□......ماہِ ربیع الاٰخر ۲۰۶ھ: میں حضرت ابوخالد یزید بن ہارون بن وادی بن ثابت سلمی واسطی بخاری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: سلیمان تیمی، حمید طویل، عاصم احول، اسماعیل بن ابوخالد اور ابو مالک اشجعی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درج ذیل ہیں: بقیہ بن ولید، آدم بن ابی ایاس، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی رحمہم اللہ، آپ بہت

عبادت گزار تھے اور بڑے خشوع وخضوع سے نماز پڑھتے تھے، صلاۃ الضحیٰ ۱۶ رکعت پڑھتے تھے، آخری عمر میں آپ نابینا ہو گئے تھے، احمد بن سنان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ جیسا عالم کہیں نہیں دیکھا، آپ ایسے نماز پڑھتے تھے جیسے کہ آپ ستون ہوں، دن اور رات کی نمازوں سے آپ تھکتے نہیں تھے، آپ اور ہشیم رحمہما اللہ لمبی نماز پڑھنے میں مشہور تھے، امام یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عراق میں چار حفاظِ حدیث ہیں ان میں یزید بن ہارون بھی ہیں، علی بن شعیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے یزید بن ہارون رحمہ اللہ سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ مجھے چوبیس ہزار احادیث سندوں کے ساتھ یاد ہیں اور اس پر مجھے کوئی فخر نہیں، ان کی مجلس میں ۷۰ ہزار افراد شریک ہوتے تھے، آپ کی ولادت ۱۱۷ھ میں ہوئی، عاصم بن علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اور یزید بن ھارون حضرت قیس بن الربیع رحمہ اللہ کے پاس تھے، یزید بن ہارون رحمہ اللہ نے عشاء کی نماز پڑھی اور رات بھر نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ اشراق کی نماز تک برابر قیام میں رہے اسی وضو کے ساتھ اور یہ معمول آپ کا چالیس سال سے زیادہ عرصے تک رہا، حضرت ابونافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبل کے پاس بیٹھا ہوا تھا امام احمد کے پاس اس وقت دو آدمی موجود تھے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے یزید بن ہارون کو خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میری بخشش فرمائی اور میری قدر افزائی فرمائی، اور مجھ پر اس وجہ سے عتاب فرمایا کہ کیا تم نے حریز بن عثمان سے حدیث کی تعلیم حاصل کی؟ تو میں نے عرض کیا اے میرے رب میں نے اس میں خیر دیکھی اس لیے اس سے حدیث حاصل کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہے، دوسرے شخص نے کہا کہ میں نے یزید بن ہارون کو خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس منکر نکیر آئے تھے یزید بن ھارون نے فرمایا ہاں خدا کی قسم وہ آئے تھے اور انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ تیرا رب کون ہے، تمہارا دین کیا ہے؟ تو

میں نے جواب میں کہا: کہ میں دنیا کی زندگانی میں رب اور دین کی معرفت اور علم میں اور لوگوں سے بہت آگے تھا، تو نکیرین نے کہا ہاں تو سچ کہتا ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۲۲، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۱۸، سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۳۶۹)

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۲۱۹ھ: میں حضرت ابوغسان مالک بن اسماعیل بن درہم نہدی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ مشہور فقیہ حضرت ابوسلیمان رحمہ اللہ کی اولاد میں سے تھے، اسرائیل، ورقاء، عیسیٰ بن عبدالرحمٰن سلمی، عیسیٰ بن عبدالرحمٰن سلمی، فضیل بن مرزوق، حسن بن صالح اور حکم بن عبدالملک رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام بخاری، ابوبکر بن ابی شیبہ، یوسف بن موسیٰ، محمد بن یحییٰ ذہلی، ھارون حمال اور ابواسحاق جوزجانی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، حضرت محمد بن عبداللہ بن نمیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوغسان ائمہ محدثین میں ایک بڑے محدث تھے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۴۳۱، الطبقات الکبریٰ لابنِ سعد ج ۶ ص ۴۰۵، مغانی الاخیار ج ۵ ص ۴)

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۲۱۹ھ: میں حضرت قاضی ابوعبداللہ اسد بن الفرات الحرانی المغربی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت حرّان کے مقام پر ۱۴۴ھ میں ہوئی، امام مالک رحمہ اللہ سے آپ نے مؤطا روایت کی ہے، یحییٰ بن ابی زائدہ، جریر بن عبدالحمید، ابویوسف القاضی اور محمد بن حسن رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، آپ ایک بہت بڑی علمی شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شہسوار اور بہادر آدمی بھی تھے، ایک شخص نے کہا کہ میں نے ایک لڑائی میں اسد کو دیکھا ان کے ہاتھ میں ایک جھنڈا تھا اور وہ سورہ یٰسین پڑھ رہے تھے، پھر آپ نے لشکر کے ساتھ شامل ہو کر دشمن کو ہزیمت دکھائی اور میں نے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ خون آپ کے اٹھائے ہوئے جھنڈے اور پہنے ہوئے زرہ پر بہہ رہا تھا (سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۳۷)

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۲۲۷ھ: میں حضرت ابوعبداللہ احمد بن عبداللہ بن یونس بن عبداللہ بن قیس تمیمی یربوعی کوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابراہیم بن سعد، اسرائیل بن یونس اور اسماعیل بن عیاش رحمہ اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابنِ ابی شیبہ، عبد بن حمید اور ابوزرعہ الرازی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ایک شخص نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ کے خیال میں کس سے حدیث روایت کروں؟ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ احمد بن یونس کی طرف جایئے اور ان سے تعلیم حاصل کیجئے کیونکہ وہ شیخ الاسلام ہیں، آپ کی وفات جمعہ کی رات کوفہ میں ہوئی، وفات کے وقت عمر ۹۷ سال تھی، آپ کی ولادت ۱۳۲ھ میں ہوئی۔

(طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۳۳، العبر فی خبر من غبر للذھبی ج ۱ ص ۷۵، تھذیب التھذیب ج ۱ ص ۴۴، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۴۵۸، تھذیب الکمال ج ۱ ص ۳۷۸، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۰۱، التعدیل والتجریح ج ۱ ص ۳۰۷، مغانی الاخیار ج ۱ ص ۲۲) "وفی قول مات سنۃ تسع وعشرین ومائتین (التاریخ الصغیر ج ۲ ص ۵)"

☐...... ماہِ ربیع الاٰخر ۲۳۲ھ: میں حضرت ابویعقوب یوسف بن عدی بن زریق بن اسماعیل بن بسطام تیمی کوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

عبیداللہ بن عمرو رقی، مالک بن انس، عبدالرحمٰن بن ابی الزناد اور عثام بن علی عامری رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، آپ کے بیٹے محمد اور امام بخاری، ابوحاتم، ابوزرعہ رازیان اور ابوامیہ طرسوسی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ مصر میں تشریف لائے اور آخری عمر تک یہی سکونت پذیر رہے، آپ کی وفات منگل کے دن ہوئی، آخری عمر میں آپ نابینا ہو گئے تھے، آپ مشہور محدث زکریا رحمہ اللہ کے بھائی تھے، اور وہ آپ سے ۲ سال پہلے فوت ہوئے۔

(تھذیب التھذیب ج ۱۱ ص ۳۶۷، تھذیب الکمال ج ۳۲ ص ۴۴۱، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۴۸۶، مغانی الاخیار ج ۵ ص ۳۰۵)

☐...... ماہِ ربیع الاٰخر ۲۳۵ھ: میں حضرت ابوالحارث سریج بن یونس بن ابراہیم بغدادی مروزی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ھشیم، ولید بن مسلم بن ادریس، مروان بن معاویہ، وکیع اور ابنِ عیینہ رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، امام مسلم، ابوبکر مروزی، ابوزرعہ، ابوحاتم اور عبداللہ بن احمد رحمہم اللہ

نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، حدیث کے معاملے میں امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ آپ کی تعریف کرتے ہیں، ایک مرتبہ حضرت ابوالحارث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے اللہ رب العزۃ کوخواب میں دیکھا (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی حاجت کا سوال کرو، تو میں نے عرض کیا کہ مجھ پر پورا پورا رحم کیجئے۔

(تهذيب التهذيب ج۳ص ۳۹۸،تهذيب الكمال ج۱۰ ص ۲۳۵)

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۲۴۲ھ: میں حضرت ابواسحاق احمد بن اسحاق بن حصین بن جابر سلمی سرماری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

یعلیٰ بن عبید، عثمان بن عمر بن فارس اور عبداللہ بن موسیٰ رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، آپ کے بیٹے ابوصفوان اسحاق بن احمد اور امام بخاری، بکر بن منیر اور عبیداللہ بن واصل رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کے بیٹے ابوصفوان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ (عباسی خلیفہ) مامون نے میرے والد صاحب کے لئے تیس ہزار درہم، دس گھوڑے اور ایک لونڈی ہدیہ میں بھیجی لیکن میرے والد صاحب نے اس کو قبول نہیں کیا، آپ بہت سے معرکوں میں کافروں کے خلاف دادِ شجاعت دیتے رہے، اسی وجہ سے آپ بہادری میں ضرب المثل تھے، عبیداللہ بن واصل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابواسحاق سے سنا کہ وہ فرمارہے تھے کہ میں نے اپنی اس تلوار سے ہزار کافروں کو قتل کیا ہے، اگر یہ بات بدعت نہ ہوتی تو میں وصیت کرتا کہ میرے ساتھ میری تلوار کو بھی دفن کیا جائے، آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ:

"لشکر کے امیر کے اندر چند عادتوں اور خصلتوں کا پایا جانا ضروری ہے: (۱) اس کا دل شیر کی طرح ہو کہ اس میں بزدلی نہ ہو (۲) اور بڑائی کے اظہار میں چیتے کی طرح ہو کہ تواضع وخاکساری نہ دکھائے (۳) بہادری میں بھیڑیے کی طرح ہو کہ اپنے جوارح سے سب کو ہلاک کرڈالے (۴) حملہ کرنے میں خنزیر کی طرح ہو جو آگے بڑھتے ہوئے پیٹھ دکھانا جانتا ہی نہ ہو (۵) لباس میں چٹان کی طرح ہو (یعنی سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہو خود، زرہ، وغیرہ پہنی ہو) (۶) اور صبر

میں گدھے کی طرح ہو(۷)اور تعاقب وپیچھا کرنے میں کتے کی طرح ہوا گر اس کا شکار آگ میں داخل ہوتا ہے تو وہ کتا بھی اس کے پیچھے آگ میں داخل ہو جاتا ہے(۸)موقع کی تلاش میں مرغ کی طرح ہو۔

(تھذیب التھذیب ج ۱ ص ۱۱، سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۴۰،تھذیب الکمال ج ۱ ص ۲۶۳،التعدیل والتجریح ج ۱ ص ۲۹۲)

☐...... ماہِ ربیع الاٰخر ۲۴۸ھ: میں عباسی خلیفہ المنتصر باللہ کی وفات ہوئی۔

اس نے ترکوں کے ساتھ مل کر اپنے والد متوکل علی اللہ کو قتل کرادیا تھا اور خود تخت پر قابض ہو گیا تھا،لیکن بعد میں اپنے والد کی موت کے غم میں بہت پریشان رہنے لگا تھا،اور چند ماہ بعد اس کو بھی ترکوں نے طبیب سے ساز باز کر کے زہر میں بجھے ہوئے آلہ سے فصد لگوایا،جس کی وجہ سے یہ فوت ہو گیا،وفات کے وقت عمر ۲۵ سال ۶ ماہ تھی، مدتِ خلافت ۶ ماہ ۲ دن تھی۔

(ولاۃِ مصر لکندی ج ۱ ص ۶۲، سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۴۵،تاریخِ ملت ج ۲ ص ۳۶۸ تا ص ۳۷۱)

☐...... ماہِ ربیع الاٰخر ۲۴۸ھ: میں عباسی خلیفہ المستعین باللہ کی خلافت کے لئے بیعت ہوئی۔

لیکن کچھ ہی عرصہ بعد ترکوں سے اختلافات کی وجہ سے اس کو بھی خلافت سے معزول ہو کر جان سے ہاتھ دھونے پڑے،عمر ۳۵ سال تھی، مدتِ خلافت ۳ سال ۸ مہینے اور ۲۸ دن تھی(ولاۃِ مصر لکندی ج ۱ ص ۶۲،سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۴۶)

☐...... ماہِ ربیع الاٰخر ۲۵۰ھ: میں حضرت ابوعمرو نصر بن علی بن نصر بن علی بن صہبان جہضمی بصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

قراءۃ کی روایت عرض کے طریق پر (کہ شاگرد پڑھے استاد سنے) اپنے والد رحمہ اللہ سے ،اور عرض کے بغیر سماع کے طریقے پر (کہ استاد پڑھے اور شاگرد سنے) شبل بن عباد اور اسماعیل بن خالد رحمہما اللہ سے کرتے ہیں،ابوموسیٰ محمد بن عیسیٰ الہاشمی،محمد بن فرج التکری اور حسین بن علی بن حماد ازرق رحمہم اللہ آپ سے فنِ قراءت روایت کرتے ہیں،عباسی خلیفہ

مستعین باللہ نے ایک مرتبہ آپ کو قاضی کے عہدے کی پیشکش کی تو آپ نے فرمایا کہ میں استخارہ کرکے جواب دوں گا، آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اوراس کے بعد کھڑے ہوئے اور آپ کی وفات ہوگئی۔

(غایۃ النھایہ فی طبقات القراء لابن الجزری ج ۱ ص ۲۲۵، حرف النون، سیراعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۱۳۶، تھذیب الکمال ج ۲۹ ص ۳۶۱، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۱۹، التعدیل والتجریح ج ۲ ص ۸۵۴) "وقیل مات فی سنۃ احدی وخمسین (تھذیب التھذیب ج ۱۰ ص ۲۸۵)"

□...... ماہِ ربیع الآخر ۲۶۰ھ: میں حضرت ابوسلیمان ایوب بن اسحاق بن ابراہیم بن سافری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ یحیٰی بن اسحٰق رحمہ اللہ کے بھائی تھے، رملہ منتقل ہونے کے بعد یہی آپ کا مسکن رہا، اور علمِ حدیث بھی اسی مقام پر پھیلایا و نشر کیا، محمد بن عبداللہ انصاری، خالد بن محمد قطوانی، موسیٰ بن داؤد ضبی، معاویہ بن عمر، ابوحذیفہ موسیٰ بن مسعود، عبداللہ بن یفاء اور زکریا بن عدی آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، اتوار کے دن دمشق میں آپ کی وفات ہوئی (طبقات الحنابلۃ ج ۱ ص ۴۵)

□...... ماہِ ربیع الآخر ۲۶۰ھ: میں حضرت ابومحمد عبدالرحمٰن بن بشر بن حکم بن حبیب بن مہران نیشاپوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

۱۸۰ھ کے بعد آپ کی ولادت ہوئی، علمِ حدیث حاصل کرنے کے لئے کئی سفر کئے، اور بڑے بڑے علماء سے طلبِ علم کیا، جن میں سے چند بڑے حضرات کے نام یہ ہیں: سفیان بن عیینہ، یحیٰی بن سعید، وکیع بن جراح، بہز بن اسد، عبدالرزاق بن ہمام، معن بن عیسیٰ، عبداللہ بن ولید العدنی اور حسین بن ولید نیشاپوری رحمہم اللہ، اور جن بڑے بڑے حضرات نے آپ سے طلبِ حدیث کیا ان حضرات کے نام یہ ہیں: بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابنِ ماجہ، ابوبکر بن ابوداؤد، ابنِ خزیمہ، ابنِ صاعد، ابوعوانہ الاسفرائینی، مکی بن عبدان، ابوحامد بن بلال اور ابومحمد جارود رحمہم اللہ، گورنر عبداللہ بن طاہر رات کو خاموشی سے آپ کی مسجد میں تشریف لاتے تھے تاکہ آپ کی تلاوت سن سکیں کیونکہ آپ کی تلاوت میں آواز بڑی اچھی

تھی۔فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے اپنی مجلس میں کھڑا کیا اور فرمایا یہ بچہ جو بھی حدیث میری طرف سے بیان کرے اس کی تصدیق کرو کیونکہ یہ بچہ عقلمند ہے۔ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے سفیان بن عیینہ سے سنا کہ آپ فرمارہے تھے''اللہ تعالیٰ کا غصہ ایسی بیماری ہے جس کے لئے کوئی دوا نہیں'' تو میں نے عرض کیا:

> اللہ تعالیٰ کے غضب کی دوا سحری کے وقت استغفار کی کثرت کرنا ہے اور سچی توبہ کرنا ہے''

بدھ کی رات آپ کی وفات ہوئی، اور بدھ کے دن بعد نمازِ ظہر نمازِ جنازہ ہوئی،محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۳۴۴، تهذیب الکمال ج ۱۶ ص ۵۴۸)

□......ماہِ ربیع الآخر ۲۶۵ ھ: میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن ھانی نیشاپوری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بغداد میں رہتے تھے،امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ عباسی خلیفہ واثق باللہ کے دورِ حکومت میں تین دن آپ کے گھر میں روپوش رہے،حضرت فتح بن شخرف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے ابراہیم بن ہانی نے بتایا کہ:

> حضرت احمد بن حنبل میرے گھر میں تین راتوں تک روپوش رہے،اس کے بعد فرمایا کہ میرے لئے کوئی اور جگہ تلاش کرو تا کہ میں وہاں منتقل ہوجاؤں، میں نے عرض کیا کہ اے احمد بن حنبل میں آپ کو پناہ دوں گا،تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ حضور ﷺ نے ہجرت کے وقت غارِ ثور میں تین دن تک روپوشی اختیار کی تھی، پھر وہاں سے منتقل ہوگئے تھے،تو ہمارے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ ہم راحت کی حالت میں تو حضور ﷺ کی اتباع کریں اور مصیبت کے وقت میں نہ کریں۔

محمد بن عبید، یعلیٰ بن عبید، عبیداللہ بن موسیٰ، عبداللہ بن داؤ د الخریبی، ابوالمغیرہ عبدالقدوس ،علی بن عیاش، عفان، محمد بن بکار بن بلال اور خلاد بن یحییٰ رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر

اساتذہ ہیں، ابوالقاسم البغوی، ابنِ صاعد، ابونعیم بن عدی، ابنِ مخلد، محاملی، اسماعیل الصفار، ابوسعید بن الاعرابی، محمد بن سفیان اورابنِ ابی حاتم رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، خطیب بغدادی نے آپ کو ابدال میں شمار کیا ہے، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر بغداد میں کوئی ابدال ہو تو وہ ابواسحاق نیشاپوری ہونگے۔ جب آپ کی وفات کا وقت ہوا تو آپ نے اپنے بیٹے سے دومرتبہ فرمایا کہ پردہ اٹھاؤ، بیٹے نے عرض کیا کہ پردہ تو اٹھا ہوا ہے، آپ نے فرمایا کہ مجھے پیاس لگی ہوئی ہے، تو آپ کا بیٹا پانی لے کر آ گیا، آپ نے پوچھا کہ کیا سورج غروب ہوگیا، بیٹے نے عرض کیا کہ نہیں، آپ نے پانی واپس لوٹا دیا اور یہ آیت پڑھی:

"لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ" (الصافات ۶۱)

ترجمہ: "ایسی ہی کامیابی کے لئے چاہئے کہ عمل کرنے والے عمل کریں"

اوراسی کے ساتھ آپ کی روح پرواز کر گئی، بدھ کے دن آپ کی وفات ہوئی۔

(سیراعلام النبلاء ج۱۳ ص۱۸، طبقات الحنابلة ج ۱ ص ۳۷)

❑...... ماہِ ربیع الآخر ۲۶۵ھ: میں حضرت ابوبکر احمد بن منصور بن سیار بن معارک الرمادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۱۸۲ھ میں ہوئی، آپ کو علمِ حدیث میں علم کا سمندر کہا جاتا تھا، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: عبدالرزاق، ابوداؤد الطیالسی، ہاشم بن القاسم، عبید اللہ بن موسیٰ، اسود بن عامر، عفان، یحییٰ بن ابوبکیر اور ابوعاصم النبیل رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابنِ ماجہ، اسماعیل القاضی، ابنِ ابی الدنیا، ابوالعباس بن سریج، ابونعیم بن عدی، ابنِ ابی حاتم، محاملی، ابنِ مخلد، محمد بن عقیل البلخی، ابوبکر بن زیاد اور اسماعیل الصفار رحمہم اللہ، اسی طرح آپ کو علمِ حدیث میں بڑا مقام حاصل ہونے کی وجہ سے امام ابوبکر بن ابوشیبہ رحمہ اللہ کے ساتھ برابری کا درجہ دیا جاتا تھا، ابنِ مخلد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جب حضرت رمادی رحمہ اللہ بیمار ہوتے تو آپ کی شفا اس بات سے ہوتی تھی کہ کوئی آپ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی احادیث سن لے، ۸۳سال کی عمر میں انتقال ہوا، ابراہیم بن ارمہ رحمہ اللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۱۳۹۱، تہذیب الکمال ج ۱ ص ۴۹۵)

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۲۸۵ھ: میں حضرت ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ بن عبدالملک بن مروان بن عبداللہ الناقد البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

خالد بن خلاشی، فضیل بن عبدالوہاب، احمد بن حنبل رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، محمد بن جعفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (آپ کے اللہ تعالیٰ پر یقین کا یہ عالم تھا) اگر کوئی آپ سے کہتا کہ اے ابو یحییٰ تمہاری کل وفات ہوگی تو ان کے اعمال میں کوئی زیادتی نہ ہوتی، آپ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں نے اللہ تعالیٰ سے چار ہزار قرآن مجید ختم کرنے کے بدلے میں ایک حورِعین کو خرید لیا، جب میں نے آخری ختم کیا تو میں نے ہاتفِ غیبی سے آواز سنی کہ تم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا میں وہ حورِعین ہوں جس کو آپ نے خریدا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کے کچھ عرصہ کے بعد ان کی وفات ہوگئی، ۲۲/ ربیع الآخر جمعہ کی رات آپ کی وفات ہوئی اور جمعہ کی نماز کے بعد دفن ہوئے (طبقات الحنابلة ج ۱ ص ۱۶)

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۲۸۷ھ: میں حضرت ابوبکر بن ابی عاصم رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بہت بڑے امام تھے، اور کثرت سے تصانیف کیں، آپ کی ولادت شوال ۱۰۶ھ میں ہوئی، آپ اصبہان کے قاضی تھے، جو کچھ ملتا تھا آپ اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے، فرماتے تھے کہ: میں جب سے اصبہان کا قاضی بنا ہوں تو میری آمدن چار لاکھ درہم ہوئی، لیکن میں نے ان سے ایک گھونٹ پانی یا ایک لقمے کے برابر کچھ خرچ نہیں کیا اسی طرح میں نے اس میں سے کبھی پہننے کے لباس بھی نہیں خریدا، ۱۳سال تک آپ قاضی کے عہدے پر فائز رہے، منگل کی رات آپ کی وفات ہوئی، آپ کی مشہور کتابیں درج ذیل ہیں: ''المسند الکبیر، الآحاد والمثانی، المختصر من المسند'' ابوالولید الطیالسی، عمرو بن مرزوق، ابوعمر الحوضی، محمد بن کثیر، محمد بن ابوبکر المقدمی، شیبان بن فروخ، ہدبہ بن خالد، محمد

بن عبداللہ بن نمیر، ابراہیم بن محمد الشافعی اور یعقوب بن حمید بن کاسب رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ام الضحاک عاتکہ (یہ آپ کی بیٹی ہیں) احمد بن جعفر بن معبد، قاضی ابواحمد العسال، محمد بن اسحاق بن ایوب، عبدالرحمٰن بن محمد بن سیاہ، احمد بن محمد بن عاصم، احمد بن بندار الشعار اور محمد بن معمر بن ناصح رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ کے بیٹے حکم نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۴۳۵، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۰۱، تاریخِ بغداد ج ۵ ص ۱۰۷)

□...... ماہِ ربیع الآخر ۲۸۸ھ: میں ابوالقاسم عبیداللہ بن سلیمان بن وہب کی وفات ہوئی، آپ عباسی خلیفہ المعتضد باللہ کے وزیر تھے، ولادت ۲۲۶ھ میں ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۴۹۷)

□...... ماہِ ربیع الآخر ۲۹۸ھ: میں حضرت شیخ الاسلام ابوعثمان سعید بن اسماعیل بن سعید بن منصور نیشاپوری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابوعثمان الحیر ی کے نام سے مشہور تھے، آپ کی ولادت ۲۳۰ھ میں ہوئی، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: محمد بن مقاتل، موسیٰ بن نصیر، حمید بن الربیع اور محمد بن اسماعیل الاحمسی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابوعمرو احمد بن نصر، ابوبکر، ابوالحسن (یہ دونوں آپ کے بیٹے ہیں) ابوعمرو بن مطر اور اسماعیل بن نجید رحمہم اللہ، آپ کی دعا کا قبول ہوجانا لوگوں میں مشہور تھا، گورنر ابوصالح نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۶۲)

چوتھی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... ماہِ ربیع الآخر ۳۰۵ھ: میں حضرت ابوخلیفہ فضل بن حباب عمرو بن محمد بن شعیب، جمحی بصری اعمٰی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۲۰۶ھ میں ہوئی، آپ نے کم عمری ہی میں تحصیلِ علم شروع کردیا تھا، اور بڑے بڑے مشاہیر سے اکتسابِ فیض کیا، امام قعنبی، مسلم بن ابراہیم، سلمان بن حرب،

محمد بن کثیر، عمرو بن مرزوق، ابوالولید طیالسی اور حفص بن عمر حوضی رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، محدث ابوعوانہ، ابوبکر صولی، ابوحاتم ابنِ حبان، ابوعلی نیشاپوری، ابوالقاسم طبرانی، ابومحمد بن عدی اور ابوبکر اسماعیلی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ مکہ مکرمہ میں رہتے تھے، اور بصرہ میں آپ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۱۰)

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۳۱۳ھ: میں حضرت ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران سراج ثقفی نیشاپوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۲۱۶ھ میں ہوئی، آپ مشہور محدثین ابراہیم و اسماعیل رحمہما اللہ کے بھائی تھے، اسحاق، قتیبہ بن سعید، محمد بن بکار بن ریان، بشر بن ولید کندی، ابومعمر قطیعی، داؤد بن رشید، محمد بن حمید رازی، محمد بن صباح جرجرائی، عمرو بن زرارہ اور ہناد بن سری رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام بخاری، امام مسلم، ابوحاتم رازی، ابوبکر بن ابی الدنیا، عثمان بن سماک، حافظ ابوعلی نیشاپوری، ابوحاتم بستی، ابواسحاق مزکی اور ابراہیم بن عبداللہ اصبہانی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، بقول خطیب بغدادی آپ حدیث کے معاملہ میں ثقات میں شمار ہوتے ہیں، اور کئی مشہور کتب کے مصنف ہیں، آپ بغداد میں ایک طویل عرصہ تک رہے، اور حدیث کا علم پھیلایا، ماوراء النہر (وسطی ایشیاء) کے شہر نیشاپور میں آپ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۳۹۷، وکذافی تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۳۴)

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۳۱۸ھ: میں حضرت ابوجعفر احمد بن اسحاق بن بہلول بن حسان بن سنان تنوخی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ اصلاً انبار کے رہنے والے تھے، ۳۲۰ھ میں آپ کو بغداد کا قاضی بنایا گیا، اسحاق بن بہلول، ابراہیم بن سعید جوہری، ابوسعید اشج، مؤمل بن اہاب، ابوہشام رفاعی، محمد بن مثنیٰ یعفری، یعقوب دورقی، سفیان بن محمد مصیصی، سعید بن یحییٰ اموی، عبدالرحمٰن بن یونس رقی، محمد بن زنبور مکی اور ابوعبیدہ بن ابی السفر رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابوالحسن

جراحی، محمد بن اسماعیل وراق، ابوالحسن دارقطنی، ابوحفص بن شاہین اور محمد بن عبدالرحمٰن مخلص رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں(تاریخِ بغداد ج۴ص ۳۳)

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۳۲۴ھ: میں حضرت ابوبکر عبداللہ بن محمد بن زیاد بن واصل بن میمون نیساپوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں، امام مزنی، ربیع، ابن عبدالحکم، محمد بن یحییٰ ذہلی، احمد بن یوسف سلمی، یونس بن عبدالاعلی، احمد بن عبدالرحمٰن بن وہب، ابوزرعہ رازی، عباس بن ولید عذری اور محمد بن عزیزایلی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں، موسیٰ بن ہارون حافظ، ابنِ عقدہ، ابواسحاق بن حمزہ، حمزہ بن محمد الکنانی، ابن المظفر، دارقطنی، ابنِ شاہین، ابوحفص کتانی، عبیداللہ بن احمد صیدلانی اور ابراہیم بن عبداللہ بن خرشیذ رحمہم اللہ، آپ نے دین کے دو بنیادی علوم حدیث اور فقہ میں خوب مہارت حاصل کی، اور اپنے ہمعصر علماء سے سبقت لے گئے، امام حاکم فرماتے ہیں کہ آپ عراق میں فقہ شافعی کے امام تھے، اور فقہ میں سب سے بڑھے ہوئے تھے، نیشاپور، عراق، مصر، شام اور حجاز میں آپ نے طلبِ علم کیا، ابوالفتح یوسف القواس فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ابوبکر نیشاپوری رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم اس شخص کو جانتے ہو جو چالیس سال تک رات کو نہ سویا ہو، اور اس کی خوراک روزانہ پانچ (گندم) کے دانے ہوں، اور وہ فجر کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھتا ہے؟ پھر فرمایا کہ میں ہوں وہ شخص(سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۶۶، تذکرۃ الحفاظ ج۳ص ۸۲۰)

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۳۲۹ھ: میں عباسی خلیفہ ابواسحاق احمد بن مقتدر باللہ جعفر بن المعتضد باللہ احمد بن الموفق بن المتوکل ہاشمی عباسی کا انتقال ہوا۔

اس کا لقب الراضی باللہ تھا، ۲۹۷ھ میں ولادت ہوئی، اس کی والدہ روم کی رہنے والی تھیں، مقتدر باللہ نے علمائے عصر سے تعلیم دلوائی، علامہ بغوی رحمہ اللہ سے راضی باللہ نے سماعت کی، ادب اور شاعری سے دلی لگاؤ تھا، بقول علامہ سیوطی "راضی عقیل، سخی، ادیب، شاعر، فصیح

آدمی تھا، علماء کی خدمت کرتا، اور اچھے شعر کہتا'' راضی باللہ علمی اعتبار سے نہایت لائق وفائق تھا، تاریخ، ادب اور شاعری میں صاحبِ کمال تھا، اس کا دیوان بھی ہے، اس کے علاوہ تاریخ میں اس کی معلومات بڑی وسیع تھیں، علماء اور اہلِ کمال کا بہت قدردان تھا، اس کے دربار میں بڑے بڑے اربابِ کمال جمع تھے (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۱۰۴، تاریخِ ملت ج۲ص۴۸۱تا۴۹۳)

□......ماہِ ربیع الآخر ۳۳۰ھ: میں حضرت ابوعبداللہ حسین بن اسماعیل بن محمد بن اسماعیل بن سعید بن ابان ضبی بغدادی محاملی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ایک کتاب ''السنن فی الفقہ'' کے نام سے ہے، ۲۳۵ھ کے اوائل میں آپ کی ولادت ہوئی، ابوحذافہ احمد بن اسماعیل سہمی، ابوالاشعث احمد بن مقدام عجلی، عمرو بن علی فلاس، زیاد بن ایوب، ابوہشام رفاعی، یعقوب بن عورقی، محمد بن مثنیٰ عنزی اور عبدالاعلیٰ بن واصل رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، دعلج بن احمد، طبرانی، دارقطنی، ابوعبداللہ بن جمیع، ابنِ شاہین، ابراہیم بن عبداللہ بن خرشیذ، ابومحمد بن بیع اور ابوعمر بن مہدی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، ابوبکر الداودی فرماتے ہیں کہ محاملی کی مجلس میں دس ہزار آدمی شریک ہوتے تھے، آپ کچھ عرصہ قاضی بھی رہے، لیکن ۳۲۰ھ میں عہدہ قضاء سے استعفیٰ دے دیا، محمد بن حسین فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ بغداد سے بلاؤں اور مصیبتوں کو محاملی کی وجہ سے دور فرماتے ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۲۶۱، تذکرۃ الحفاظ ج۳ص۸۲۵)

□......ماہِ ربیع الآخر ۳۳۲ھ: میں حضرت ابوالفضل عباس بن محمد بن معاذ نیشاپوری رحمہ اللہ کا انتقال ہو۔

آپ ابنِ قوہیار نیشاپوری کے نام سے مشہور تھے، اسحاق بن عبداللہ بن رزین، محمد بن عبدالوہاب فراء اور علی بن حسن ہلالی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، حافظ محمد بن مظفر، ابوالحسن علوی اور ابوطاہر بن محمش رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات کا یہ واقعہ ہوا تھا کہ ایک مرتبہ آپ حمام تشریف لے گئے،

لیکن نائی نے نشہ کی حالت میں استرے سے آپ کے سر میں گہرا زخم کردیا، جس کی وجہ سے آپ کی وفات ہوگئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۳۳۱)

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۳۳۸ھ: میں عباسی خلیفہ ابوالقاسم عبداللہ المستکفی باللہ بن علی المکتفی باللہ بن احمد المعتضد باللہ بن ابی احمد الموفق کی وفات ہوئی۔

یہ المتقی باللہ کے بعد ۴۱ سال کی عمر میں خلیفہ بنے تھے، مستکفی باللہ نے ایک عورت قہرمانہ کو اپنے خزانے کا سیکرٹری بنالیا، اور اس کا نام علم رکھا، لیکن بعد میں معز الدولہ نے اس کی ساری حکومت پر قبضہ کر کے اس کے گزارے کے لئے پانچ ہزار ماہانہ اور تھوڑی سی جاگیر مقرر کردی، صرف خطبہ میں خلیفہ کا نام لیا جاتا، یا بعض احکام وفرامین رسماً اس کے نام سے جاری ہوتے تھے، اور تختِ خلافت پر خلیفہ کے پہلو میں معز الدولہ بیٹھا کرتا تھا، ۳۳۴ھ میں معز الدولہ نے مستکفی کو تخت سے اتار کر قید کردیا، اور اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دیں، قید کی حالت میں مستکفی کی وفات ہوئی، کل مدتِ خلافت ایک سال چار ماہ ہے۔

(تاریخِ بغداد ج ۱۰ ص ۱۰)

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۳۵۴ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن حسن بن یعقوب بن حسن بن مقسم بغدادی عطار رحمہ اللہ کا انتقال ہوا

آپ کی ولادت ۲۶۵ھ میں ہوئی، ابومسلم کجی، محمد بن سلیمان باغندی، جعفر فریابی، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، موسیٰ بن اسحاق اور محمد بن یحییٰ مروزی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابنِ رزقیہ اور ابوعلی بن شاذان رحمہما اللہ سمیت بہت سے حضرات نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، علمِ معانی اور علمِ تفسیر میں آپ کی کئی تصانیف ہیں، آپ کی چند مشہور کتب کے نام یہ ہیں:

الانوار فی علم القرآن، المدخل الی علم الشعراء، کتاب فی النحو، المصاحف، الوقف والابتداء، اختیارہ فی القراء ات۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۱۰۷)

□...... ماہِ ربیع الاٰخر ۳۶۸ھ: میں حضرت شیخ الاسلام ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم نمری اندلسی قرطبی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

آپ ابنِ عبدالبر کے نام سے مشہور تھے، اور کئی مفید کتابوں کے مصنف ہیں، ۳۹۰ھ میں آپ طلبِ علم کے لئے نکلے، اور بڑے بڑے اکابر سے کسبِ فیض کیا، آپ بڑے فقیہ، عابد اور تہجد کی پابندی کرنے والی شخصیت تھے، ابومحمد عبداللہ بن محمد بن عبدالمؤمن سے سنن ابی داؤد، اسماعیل بن محمد صفار سے امام ابوداؤد کی ''ناسخ منسوخ'' ابوبکر نجاد سے ''مسند احمد'' ابنِ سفیان سے ''مؤطا'' ابوعمر احمد بن محمد بن احمد بن جسور سے ''المدونۃ'' روایت کرتے ہیں، اس کے علاوہ ابوالمطرف عبدالرحمٰن بن مروان قنازعی، احمد بن فتح بن رسان، ابوعمر احمد بن عبداللہ بن محمد بن باجی، ابوعمر احمد بن عبدالملک بن مکوی، احمد بن قاسم تاہرتی، عبداللہ بن محمد بن اسد جہنی، ابوحفص عمر بن حسین بن نابل اور محمد بن خلیفہ رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابومحمد بن حزم، ابوالعباس بن دلہاث دلائی، ابومحمد بن ابی قحافہ، ابوالحسن بن مفوز، حافظ ابوعلی غسانی، حافظ ابوعبداللہ حمیدی، ابوبحر سفیان بن العاص، محمد بن فتوح انصاری، ابوداؤد سلیمان بن ابی القاسم نجاح اور ابوعمران موسیٰ بن ابی تلید رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوعلی غسانی فرماتے ہیں کہ ہمارے علاقے میں قاسم بن محمد اور احمد بن خالد جباب جیسی مہارت حدیث میں کسی کو حاصل نہ تھی، اور ابن عبدالبر برابر ان کے ساتھ رہتے، اور ان سے علوم حاصل کرتے

(سیر اعلام النبلاء ج۱۸ ص۱۵۴، تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص۱۱۲۸)

□...... ماہِ ربیع الآخر ۳۷۴ھ: میں حضرت ابوالحسن عبدالرحمٰن بن محمد بن مظفر بن محمد بن داؤد بن احمد بن معاذ داوودی بوشنجی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

آپ نے مسند عبد بن حمید اور مسند دارمی کی سماعت ابومحمد بن حمویہ سرخسی سے بوشنج مقام میں کی، ہرات میں عبدالرحمٰن بن ابی شریح، نیشاپور میں ابوعبداللہ حاکم، ابنِ یوسف، ابنِ محمش، بغداد میں ابن الصلت، ابنِ مہدی فارسی اور علی بن عمر تمار رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، آپ ۳۹۳ھ میں بغداد تشریف لائے، اور طویل مدت تک بغداد میں قیام کیا۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۸ ص۲۲۳)

□...... ماہِ ربیع الآخر ۳۸۲ھ: میں حضرت ابوعمر محمد بن عباس بن محمد بن زکریا بن یحییٰ

بغدادی خزاز بن حیویہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۲۹۵ھ میں ہوئی، ابوبکر محمد بن محمد باغندی، محمد بن خلف بن مرزبان، عبداللہ بن اسحاق مدائنی، ابوالقاسم بغوی، ابنِ ابی داؤد، عبید بن مؤمل، عبیداللہ بن عثمان عثمانی، بدر بن ہیثم، ابوحامد حضرمی اور محمد بن ہارون بن مجدر رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابوبکر برقانی، ابوالفتح بن ابی الفوارس، احمد بن محمد عتیقی، ابومحمد خلال، علی بن محسن تنوخی اور ابومحمد جوہری رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص ۴۱۰)

□......ماہِ ربیع الاٰخر ۳۹۸ھ: میں حضرت ابوبکر احمد بن علی بن احمد بن محمد بن فرج بن لال ہمذانی شافعی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۳۰۸ھ میں ہوئی، آپ ابنِ لال کے نام سے مشہور تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں، قاسم بن ابی صالح، عبدالرحمٰن جلاب، عبداللہ بن احمد زعفرانی، اسماعیل صفار، علی بن فضل ستوری، ابوسعید بن اعرابی، ابونصر محمد بن حمدویہ مروزی، حفص بن عمر اردبیلی اور عبداللہ بن عمر بن شوذب رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: جعفر بن محمد ابہری، محمد بن عیسیٰ صوفی، حمید بن مامون، ابومسعود احمد بن محمد بجلی، احمد بن عیسیٰ بن عباد اور ابوالفرج عبدالحمید بن حسن رحمہم اللہ (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۷۶)

پانچویں صدی ہجری کے واقعات

□......ماہِ ربیع الآخر ۴۰۳ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن محمد بن خلف معافری قروی مالکی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

حافظ حمزہ بن محمد کنانی، ابوزید مروزی، ابنِ مسرور دباغ اور دراس بن اسماعیل رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، آپ علمِ اسماءِ الرجال، علمِ فقہ، علمِ اصول اور علمِ کلام میں بہت ماہر شمار کئے جاتے تھے، اوران علوم میں آپ کی کئی تصانیف ہیں، ان میں سے چند مشہور کتب یہ ہیں:
الممہد، احکام الدیانات، المنقذ من شبه التاویل، المنبه للفطن، ملخص المؤطا،

المناسک، الاعتقادات.

آپ کی ولادت ۳۲۴ھ میں ہوئی، اور قیروان شہر میں آپ کی وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۱۶۰، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۸۴)

□......ماہِ ربیع الآخر ۴۱۴ھ: میں حضرت ابوعبداللہ حسین بن محمد بن حسین بن عبداللہ بن صالح بن شعیب بن فنجویہ ثقفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ہارون عطار، ابوعلی بن حبش، ابوبکر بن سنی، ابوبکر قطیعی، عیسیٰ بن خامد رخجی، ابوالحسین احمد بن جعفر بن حمدان دینوری اور اسحاق بن محمد نعالی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، جعفر ابہری، عبدالرحمٰن بن مندہ، سعد بن حمد، ابوالفضل قومسانی، ابوالفتح عبدوس بن عبداللہ، احمد بن محمد بن صاعد، علی بن احمد بن اخرم مؤذن، ابوصالح احمد بن عبدالملک مؤذن اور محمد بن یحییٰ کرمانی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ماوراء النہر (وسطی ایشیا) کے شہر نیشاپور میں آپ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۳۸۴)

□......ماہِ ربیع الآخر ۴۲۴ھ: میں حضرت ابوطاہر حمزہ بن محمد بن طاہر بن یونس بن جعفر بن محمد بن صباح دقاق رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ عباسی خلیفہ مہدی کے آزاد کردہ غلام تھے، آپ کی ولادت ۳۶۶ھ میں ہوئی، محمد بن مظفر، ابوبکر بن شاذان، علی بن عمر سکری، ابوالحسن دار قطنی، ابوحفص بن شاہین اور حسن بن احمد بن سعید مالکی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، علی بن حسن بن جدا عکبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوطاہر کو فوت ہونے کے بعد خواب میں دیکھا، اور ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا، میں نے پوچھا کسی چیز کی وجہ سے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے فضل وکرم سے۔

(تاریخِ بغداد ج۸ ص ۱۸۱)

□......ماہِ ربیع الآخر ۴۳۱ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن فضل بن نظیف مصری فراء رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت صفر ۳۴۱ھ میں ہوئی، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابوالفوارس احمد بن محمد بن سندی صابونی، عباس بن نصر رافقی، احمد بن حسن بن اسحاق بن عتبہ رازی، احمد بن محمد بن ابی الموت مکی، ابوبکر احمد بن ابراہیم بن عطیہ حداد، احمد بن محمود شمعی، عبداللہ بن جعفر بن ورداور محمد بن عمر بن مسرور حطاب رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابوجعفر احمد بن محمد کاکو، شیخ لوجیہ شحامی، ابوالقاسم سعد بن علی زنجانی، ابوبکر بیہقی، ابوالقاسم قشیری، ابوالقاسم بن ابی العلاء مصیصی، اور قاضی ابوالحسن خلعی رحمہم اللہ، ۹۰ سال کے قریب عمر پائی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۴۷۷)

□......ماہِ ربیع الآ خر ۴۴۴ھ: میں حضرت ابوعلی حسن بن علی بن محمد بن علی بن احمد بن وھب تمیمی بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۳۵۵ھ میں ہوئی، امام ابوبکر قطیعی رحمہ اللہ سے ان کی مسند، اوران کی کتاب الزہد اور فضائل الصحابہ کی سماعت کی، ابومحمد بن ماسی، ابوسعید حرفی، ابوالحسن بن لؤلؤ وراق اور ابوبکر بن شاذان رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، خطیب بغدادی، ابن خیرون، ابنِ ماکولا، حسین بن طیوری، علی بن بکر بن حید، علی بن عبدالوہاب ہاشمی، محمد بن مکی بن دوست، ابوطالب عبدالقادر بن محمد، ابوطاہر عبدالرحمٰن بن احمد یوسفی، ابوغالب عبیداللہ بن عبدالملک شہرزون، ابوالمعالی احمد بن محمد بن بخاری اور ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن محمد بن حصین رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۶۴۳)

□......ماہِ ربیع الآ خر ۴۵۰ھ: میں حضرت ابوعبداللہ حسین بن محمد بن طاہر بن یونس بن جعفر بن محمد بن صباح رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۳۷۱ھ میں ہوئی، آپ مشہور شخصیت حمزہ بن محمد بن طاہر رحمہ اللہ کے بھائی تھے، عثمان بن محمد ادمی، ابوحفص بن شاہین، علی بن عمر سکری، ابوالحسن دارقطنی، محمد بن عبداللہ بن اخی میمی، ابوحفص کتانی اور ابوطاہر مخلص رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ہفتہ کے دن آپ کی وفات ہوئی، اور بابِ حرب کے مقبرہ میں دفن ہوئے (تاریخِ بغداد ج۸ ص۱۱۰)

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

حمدِ باری تعالٰی جَلَّ جَلَالَہٗ

(پیر سید نصیر الدین نصیؔر صاحب گولڑہ شریف)

کس سے مانگیں، کہاں جائیں، کس سے کہیں۔ اور دنیا میں حاجت روا کون ہے
سب کا داتا ہے تُو، سب کو دیتا ہے تُو۔ تیرے بندوں کا تیرے سِوا کون ہے

کون مقبول ہے، کون مَردُود ہے، بے خبر! کیا خبر تجھ کو، کیا کون ہے
جب تُلیں گے عمل، سب کے میزان پر، تب کُھلے گا کہ کھوٹا کھرا کون ہے

کون سنتا ہے فریادِ مظلُوم کی، کس کے ہاتھوں میں کُنجی ہے مَقسُوم کی
رزق پر کس کے پلتے ہیں شاہ و گدا، مسند آرائے بزمِ عطا کون ہے

اولیا تیرے محتاج اے ربِّ کُل! تیرے بندے ہیں سب انبیاء و رُسُل
اِن کی عزّت کا باعث ہے نسبت تری، اِن کی پہچان تیرے سِوا کون ہے

میرا مالک مِری سُن رہا ہے فُغاں، جانتا ہے وہ خاموشیوں کی زُباں
اب مِری راہ میں کوئی حائل نہ ہو، نامہ بر کیا بَلا ہے، صبا کون ہے

ابتدا بھی وہی، انتہا بھی وہی، ناخدا بھی وہی ہے، خدا بھی وہی
جو ہے سارے جہانوں میں جلوہ نُما، اُس اَحَد کے سِوا دُوسرا کون ہے

وہ حقائق ہوں اَشیا کے یا خشک وتَر، فہم و ادراک کی زد میں ہیں سب، مگر
ماسِوا، ایک اُس ذاتِ بے رنگ کے، فہم و ادراک سے ماورٰی کون ہے

انبیا، اولیا، اہلِ بیتِ نبی، تابعین و صحابہ پہ جب آ بنی
گِر کے سجدے میں سب نے یہی عرض کی، تو نہیں ہے تو مشکل کشا کون ہے

اہلِ فکر و نظر جانتے ہیں تجھے، کچھ نہ ہونے پہ بھی مانتے ہیں تجھے
اے نصیؔر! اِس کو تُو فضلِ باری سمجھ، ورنہ تیری طرف دیکھتا کون ہے

(ماخوذ از ''فیضِ نسبت''، مجموعہ مناقب پیر سید نصیر الدین نصیؔر صاحب گولڑہ شریف)

باسمہٖ تعالیٰ

بسلسلہ: اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

ماہِ جمادی الاولیٰ و جمادی الاخریٰ

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی

باسمہٖ تعالیٰ

بسلسلہ اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

ماہِ جمادی الاولیٰ

و

جمادی الاخریٰ

ماہِ جمادی الاولیٰ وجمادی الاخریٰ سے متعلق احکام، اور تاریخی واقعات
اور چند سالانہ غیر شرعی وغیر اسلامی رسمیں

مصنّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی، پاکستان

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

نام کتاب: ماہِ جمادی الاولیٰ و جمادی الاخریٰ

مُصنِّف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اوّل: صفر ۱۴۳۰ھ فروری/ 2009ء۔ طباعتِ دوم: رجب ۱۴۳۴ھ مئی 2013ء

صفحات: ۱۶۴

ملنے کے پتے

کتب خانہ ادارہ غفران: چاہ سلطان، گلی نمبر 17، راولپنڈی۔ فون: 051-5507270
ادارہ اسلامیات: ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ فون: 042-37353255
کتب خانہ رشیدیہ: مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی۔ فون: 051-5771798
دارالاشاعت: اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32631861
مکتبہ سید احمد شہید: 10۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37228196
مکتبہ اسلامیہ: گامی اڈہ، ایبٹ آباد۔ فون: 0992-340112
ادارہ اشاعت الخیر: شاہین مارکیٹ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان۔ فون: 061-4514929
ادارۃ المعارف: دارالعلوم کراچی۔ فون: 021-35032020
مکتبہ سراجیہ: چوک سیٹلائیٹ ٹاؤن، سرگودھا۔ فون 048-3226559
مکتبہ شہید اسلام، متصل مرکزی جامع مسجد (لال مسجد) اسلام آباد۔ فون: 0321-5180613
ملت پبلیکیشرز بک شاپ: شاہ فیصل مسجد، اسلام آباد۔ فون: 051-2254111
ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، چوک فوارہ، ملتان۔ فون: 061-4540513
مکتبہ العارفی: نزد جامعہ امدادیہ، ستیانہ روڈ، فیصل آباد۔ فون: 041-8715856
کتب خانہ شمسیہ، نزد اریگیشن مسجد، سریاب روڈ، کوئٹہ۔ فون: 0333-7827929
مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم کراچی۔ فون: 021-35123130
تاج کمپنی، لیاقت روڈ، گوالمنڈی، راولپنڈی۔ فون: 051-5774634
مکتبۃ القرآن: گورومندر، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ فون: 021-34856701
مکتبہ الفرقان، اردو بازار، گوجرانوالہ۔ فون: 055-4212716
مکتبہ القرآن: رسول پلازہ، امین پورہ بازار، فیصل آباد۔ فون: 041-2601919
اسلامی کتب خانہ، پھولوں والی گلی، بلاک نمبر 1، سرگودھا۔ فون: 048-3712628
اسلامی کتاب گھر: خیابانِ سرسید، سیکٹر 2، عظیم مارکیٹ، راولپنڈی۔ فون: 051-4830451
مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ، 17، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37232536
الخلیل پبلشنگ ہاؤس: اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔ فون: 051-5553248

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

فہرست

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

اسلامی مہینوں پر فرداً فرداً تالیف کرتے وقت خیال یہی تھا کہ دوسرے مہینوں کی طرح ''جمادی الاولیٰ'' اور''جمادی الاخریٰ'' پر بھی الگ الگ رسائل ترتیب دیے جائیں گے۔

لیکن ان دو مہینوں کے متعلق شریعت کی طرف سے مخصوص احکام کے نہ پائے جانے کی وجہ سے معاملہ مؤخر ہوگیا، اور دیگر تمام دس اسلامی مہینوں سے متعلق الگ الگ تالیفات تیار ومطبوع ہوگئیں، اور بحمداللہ تعالیٰ ''تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ '' کا مصداق بن گئیں، تو متعدد طالبین کی طرف سے ان دونوں مہینوں سے متعلق تالیفات کا مطالبہ ہوتا رہا، جس کے بعد خیال پیدا ہوا کہ اگرچہ ان دونوں مہینوں سے متعلق تو اسلام کے مخصوص احکام نہیں، لیکن ہم نے دیگر مہینوں سے متعلق اسلامی احکامات وہدایات ومنکرات تحریر کردیے ہیں، اور آج کل بعض رسوم ایسی بھی سال کے مختلف حصوں میں رائج ہیں کہ جن کا اگرچہ کسی مخصوص اسلامی مہینے سے تعلق نہیں ہے، بلکہ غیر اسلامی اور بالخصوص مروجہ عیسوی مہینوں سے تعلق ہے، لیکن کیونکہ یہ رسوم بھی ہر سال گھوم پھر کر آتی ہیں، تو کیوں نہ جمادی الاولیٰ وجمادی الاخریٰ کے مہینوں سے متعلق تالیف میں ان پر کچھ روشنی ڈال دی جائے، تاکہ ایک طرف تو ہر مہینہ کے متعلق شریعت کے مخصوص احکام کا علم ہو، اور دوسری طرف اس کے مقابلہ میں غیر شرعی رسوم ورواج کا بھی پتہ چلے، اور اس طرح مسلمان اپنے بارہ مہینے اسلامی احکام کو پیشِ نظر رکھ کر اور غیر اسلامی رسوم ورواج سے بچ کر گزاریں۔

اس غرض سے ماہِ جمادی الاولیٰ وجمادی الاخریٰ کے عنوان سے یہ تالیف آپ کے ہاتھوں میں ہے، جس میں چند غیر اسلامی رسوم پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو دنیوی واخروی صلاح وفلاح عطا فرمائیں۔ آمین۔ فقط

محمد رضوان، ۲/صفر المظفر/۱۴۳۰ھ، 29/جنوری/2009ء، بروز جمعرات

ادارہ غفران راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہِ جمادی الاولیٰ

جمادی الاولیٰ پانچواں مہینہ

ماہِ ''جمادی الاولیٰ'' اسلامی سال کا پانچواں قمری (چاند والا) مہینہ ہے۔

کیونکہ محرم کے مہینے سے اسلامی سال شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد ''صفر'' پھر ''ربیع الاول'' اور ''ربیع الآخر'' کا مہینہ آتا ہے۔

اور اس کے بعد پانچویں نمبر پر ''جمادی الاولیٰ'' کی باری آتی ہے۔

جمادی الاولیٰ کی لفظی و معنوی تحقیق

''جمادی الاولیٰ'' بھی دوسرے اسلامی مہینوں کے ناموں کی طرح عربی زبان کا نام ہے۔

اور یہ دو لفظوں کا مجموعہ ہے:

(۱)...... جمادی **(۲)**...... الاولیٰ۔

جمادی کے معنٰی جمی ہوئی چیز کے آتے ہیں اور اولیٰ پہلی کو کہتے ہیں، تو جمادی الاولیٰ کے معنٰی ہوئے پہلی جمی ہوئی چیز۔

جمادی الاولیٰ نام رکھنے کی یہ وجہ ممکن ہے کہ جس سال اس مہینہ کا نام رکھا گیا، اس سال یہ مہینہ کڑکڑاتی ہوئی سردی کے موسم میں آیا ہو، اور پانی میں جمود پیدا ہوگیا ہو، اور یہ پانی جمنے کا پہلا مہینہ ہو (کذا فی تفسیر ابن کثیر) [۱]

اور عربی قواعد کے اعتبار سے اس کا صحیح تلفظ ''جمادی الاولیٰ'' لام کے بعد یا کے ساتھ ہے۔

---

[۱] جمادی سمی بذلک لجمود الماء فیه ،قال و کانت الشهور فی حسابهم لاتدور وفی هذا نظر اذکانت شهورهم منوطة بالاهلة فلا بدمن دورانها فلعلهم سموه بذالک اول ماسمی عندجمود الماء فی البرد (ابنِ کثیر ج ۲ ص ۴۶۶، سورہ توبہ تفسیر آیت ۳۶)

اور بعض لوگ جو ''یا'' کے بغیر ''جمادی الاول'' استعمال کرتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ [۱]

ماہِ جمادی الاولیٰ کی فضیلت اور اس مہینے کے شرعی احکام

اس مہینے کی فضیلت کے متعلق مستقل اور متعین طور پر کوئی قرآنی آیت یا حدیث نظر سے نہیں گزری البتہ بعض واقعات اس مہینہ میں وقتاً فوقتاً رونما ہوتے رہے ہیں، جن میں سے کچھ کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آگے کیا جائے گا۔

اسی طرح اس مہینہ سے متعلق متعین طور پر شریعت کی جانب سے کوئی خاص حکم وابستہ نہیں۔ البتہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق سے انسانوں کی کوئی نہ کوئی حکمت اور فائدہ وابستہ ہے، لہٰذا یہ مہینہ بھی اپنی ذات میں ایک اچھا مہینہ ہے۔

جس میں مسلمانوں کو دوسرے عام مہینوں کی طرح عبادت واطاعت کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے، اور اسے فضول اور خالی مہینہ سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، اسی طرح خاص قسم کے رسم ورواج اور گناہوں سے بھی بچنا چاہیے۔ اسلامی مہینوں کے تمام نام سِوائے ان دو مہینوں کے ناموں کے مذکر ہیں، اور صرف یہ دو نام مؤنث ہیں۔ [۲]

---

[۱] جمادی الاولیٰ: بضم اول وفتح دال، بحذفِ الف مقصورہ، درتلفظ کہ بصورتِ یاست چرا کہ چون الف از الف ولام تعریف بدرج کلام ساقط شد اجتماع ساکنین لازم آمد میان الف مقصورہ ولام پس الف مقصورہ را درتلفظ حذف کردند۔
وجمادیٰ: صیغۂ مفرد صفتِ مشبہ است بروزن حباریٰ بمعنیٰ افسردہ ویخ بستہ، چون در آخر این لفظ الف مقصورہ کہ علامت تانیث ست واقع گشت صورت مؤنث پیدا شد۔
لہٰذا وصف آن بلفظ اولیٰ کہ مؤنث اول ست آوردند نہ بلفظ اول تا تطابق صفت وموصوف در تذکیر وتانیث از دست نرود، وجمادی الاول چنانکہ مشہور ست خطاست، از صراح ومزیل ومناظرۃ الانشا ومنتخب وقاموس وصحاح وبحرالجواہر وغیرہ۔
ودر کتابی معتبر نوشتہ است کہ چون در وقت تسمیۂ شہور این مادہ در ابتدای موسمیکہ دران انجماد آبہا میشد واقع گشت، لہٰذا باین اسم مسمیٰ گشت (غیاث اللغات فارسی ڈکشنری ص ۱۴۸، ایچ، ایم، سعید، کراچی)

[۲] قال الفراء :الشهور كلها مذكرة إلاّ جماديين؛ فإنهما مؤنثان لأن جمادى جاء ت بالياء على بنية فُعالى :وهى لا تكون إلاّ للمؤنث؛ ولهذا قيل :جمادى الأولى وجمادى الآخرة، فإن سمعت تذكير جمادى فى شعر فإنما يذهب به إلى الشهر .وقال :الأيام كلها تثنى وتجمع إلاّ الاثنين فإنه تثنية؛ لا يُثَنَّى .(المزهر لعبدالرحمن بن ابى بكر جلال الدين ،النوع الاربعون معرفة الاشباه والنظائر، ذكر ضوابط واستثناء ات فى الابنية وغيرها ج ۲ ص ۷۷، مطبوعة: دارالفكر ،بيروت، لبنان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہِ جمادی الاخریٰ

ماہِ ’’جمادی الاخریٰ‘‘ چھٹا مہینہ

ماہِ ’’جمادی الاخریٰ‘‘ اسلامی اعتبار سے سال کا چھٹا قمری مہینہ ہے۔
اور یہ ’’جمادی الاولیٰ‘‘ کا مہینہ ختم ہونے پر شروع ہوتا ہے۔

جمادی الاخریٰ کی لفظی ومعنوی تحقیق

لغت میں جمادیٰ کے معنٰی پہلے گزر چکے ہیں کہ جم جانے کے آتے ہیں اور اخریٰ پہلے کے بعد والے کو کہتے ہیں۔

جمادی الاخریٰ نام رکھنے کی وجہ بھی بظاہر وہی معلوم ہوتی ہے جو پیچھے جمادی الاولیٰ کے بارے میں بیان کی گئی ہے۔

گویا کہ یہ مہینہ پانی جم جانے کا دوسرا مہینہ تھا، یعنی یہ مہینہ اس پہلے مہینہ کے بعد کا مہینہ تھا (کذا فی تفسیر ابن کثیر سورہ توبہ در تفسیر آیت ۳۶)

’’جمادی الاخریٰ‘‘ کو ’’جمادی الآخرۃ‘‘ بھی کہہ سکتے ہیں۔
لیکن بعض لوگ جو ’’جمادی الثانیۃ‘‘ کہتے ہیں۔
اس کو عربی کے ماہرین نے بہتر قرار نہیں دیا، کیونکہ ’’ثانیۃ‘‘ کے معنٰی ایسی دوسری چیز کے ہیں کہ جس کے بعد تیسری چیز ہو، اور یہاں اس نام سے کوئی تیسرا مہینہ یعنی جمادی الثالثۃ نہیں ہے۔ [1]

---

[1] جمادی الاخریٰ: بضم اول وفتح دال بحذف الف مقصورہ کہ بشکل یای تحتانی است وموصوف کردن بلفظ اخریٰ یا بلفظ آخرہ اولیٰ چرا کہ بیشتر باستعمال عرب ہمین است، وجمادی الثانی چنانکہ مشہور شدہ بہتر نیست گویند کہ اطلاق لفظ ثانے آنجا باشد کہ برای او بعد ازان ثالث نیز بود، ازصراح ومناظرۃ الانشا ومزیل وصحاح ومنتخب وقاموس وبحر الجواہر۔ چون بوقت تسمیۂ شہور این ماہ در آخر موسمیکہ دران انجماد آبہا میشد واقع گردید لہٰذا باین اسم مسمیٰ شد (غیاث اللغات فارسی ص ۱۴۸)

ماہِ جمادی الاخریٰ کی فضیلت اوراس مہینے کے شرعی احکام

اس مہینے کی بھی جمادی الاولیٰ کے مہینے کی طرح قرآن وحدیث میں متعین طور پر کوئی فضیلت منقول نہیں، اورنہ کوئی خاص حکم اس مہینے سے متعلق شریعت کی طرف سے وارد ہے۔

لہٰذااس مہینے میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کا سلسلہ جاری رکھنااور گناہوں سے بچنا چاہیے، اورکوئی خاص رسم ورواج اس مہینے میں انجام نہیں دینا چاہیے۔

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

چند سالانہ غیر اسلامی رسمیں

جب ہم اکثر اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام سے فارغ ہو گئے تو ہم نے دیکھا کہ جمادی الاولیٰ اور جمادی الاخریٰ کے مہینوں سے متعلق کوئی مخصوص اسلامی حکم وابستہ نہیں۔

اور کیونکہ ہمارا موضوع بارہ مہینوں یعنی پورے سال سے متعلق اسلامی حکم سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا تھا۔

اس لیے مناسب خیال کیا کہ جو بعض سالانہ غیر شرعی و غیر اسلامی رسمیں ہمارے معاشرے میں رائج ہو گئی ہیں، اور وہ اسلامی مہینوں میں سے کسی خاص مہینے میں تو انجام نہیں دی جاتیں لیکن سال میں ایک مرتبہ اُن سے لوگوں کو سابقہ پڑتا ہے۔

اور دیکھا دیکھی بہت سے مسلمان اپنی نادانی یا نفس وشیطان کی چالبازی سے ان میں مبتلا یا کسی نہ کسی حیثیت سے شریک ہو جاتے ہیں۔

اس لئے جمادی الاولیٰ و جمادی الاخریٰ کے مہینوں سے متعلقہ رسالہ میں اُن غیر اسلامی و غیر شرعی رسموں پر کچھ روشنی ڈال دی جائے تا کہ ایک طرف تو مسلمان پورے سال اسلامی احکام سے وابستہ رہیں، اور دوسری طرف اس قسم کے غیر اسلامی رسوم ورواج سے اپنے آپ کو بچا کر رکھیں۔

اور قبل اس کے کہ ہم چند غیر اسلامی رسوم ورواج پر فرداً فرداً روشنی ڈالیں، پہلے مناسب ہے کہ غیر مسلموں کے طور وطریق بالخصوص ان کے مذہبی تہواروں میں شرکت کرنے پر شریعت نے کیا حکم لگایا ہے، اس کا جائزہ لے لیں۔

تا کہ جتنی بھی غیر اسلامی رسوم ورواج ہیں، ان کو اختیار کرنے یا ان میں شرکت کے بارے میں اسلام کی اصولی تعلیمات سے آگاہی حاصل ہو جائے۔

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

کافروں کی رسوم اور تہوار اختیار کرنے کا شرعی حکم

اسلام نے اس چیز کا بڑا اہتمام کیا ہے کہ اس کا ہر کام دوسرے مذہب وقوم سے ممتاز اور جدا ہونا چاہیے، اور کسی کام میں بھی کسی دوسرے مذہب وقوم کے ساتھ کلی یا جزئی کسی بھی قسم کی مشابہت ومماثلت اور متابعت پیدا نہیں ہونی چاہیے۔

اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے یہود ونصاریٰ اور دوسرے تمام کافروں کی مشابہت و متابعت سے بچنے اور ان کے خلاف کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

اور صحابۂ کرام وتابعینِ عظام اور سلفِ صالحین نے بھی اپنے قول وفعل سے اس ہدایت پر عمل کرنے کا بہت اہتمام فرمایا ہے۔

کافروں کے ساتھ تشبّہ ومشابہت کا حکم

شریعت نے بلاضرورت کافروں کی مخصوص وضع اختیار کرنے کو منع کیا ہے، اور اسے تشبہ بالکفار کا نام دیا ہے۔

چنانچہ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا لَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ وَلَا بِالنَّصَارَى فَإِنَّ تَسْلِيمَ الْيَهُودِ الْإِشَارَةُ بِالْأَصَابِعِ وَتَسْلِيمَ النَّصَارَى الْإِشَارَةُ بِالْأَكُفِّ (ترمذی حدیث نمبر ۲۶۱۹، ابواب الاستئذان والآداب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء فی کراھیۃ اشارۃ الید بالسلام)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے، جو ہمارے غیروں (یعنی کافروں) کے ساتھ مشابہت اختیار کرے۔

تم یہود (یعنی اسرائیلیوں) اور نصاریٰ (یعنی عیسائیوں) کے ساتھ ہرگز مشابہت اختیار نہ کرو۔

پس یہودیوں کا سلام انگلیوں سے اشارہ کرنا اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلی سے اشارہ کرنا ہے

(ترجمہ ختم)

فائدہ: یہ حدیث سند کے لحاظ سے قابلِ اعتبار اور درست ہے، اور اس کی دوسری احادیث سے بھی تقویت ہوتی ہے۔ [1]

اس حدیث میں حضور ﷺ نے غیر مسلموں کے طور طریق کو اختیار کرنے والوں کے لیے سخت وعید اور تنبیہ سنائی ہے کہ یہ لوگ ہم میں سے نہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ غیر مسلموں کے مذہبی شعاروں کو اختیار کریں تو وہ حقیقت میں اسلام سے خارج ہیں۔

اور دوسری چیزوں میں ان کے طور وطریق کو اختیار کرنے والے کم از کم ہماری ہدایت پر عمل پیرا اور ہمارے طریقہ پر چلنے والے نہیں ہیں۔

اور اس حدیث میں خاص طور پر یہودی جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔

اور نصاریٰ (یعنی عیسائی) جو گمراہ ہوئے۔

ان کے ساتھ تشبہ اختیار کرنے سے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا۔

---

[1] "وفی لفظ "لیس منا من تشبہ بغیرنا "وھو حدیث جید(جامع الرسائل لابنِ تیمیہ، الجزء الثانی، الفرق بین السفر الطویل والقصیر،ومجموع الفتاویٰ ج۲۵ ص ۳۳۱)

وقال الترمذی حدثنا قتیبة حدثنا ابن لهيعة عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال ليس منا من تشبه بغيرنا لا تشبهوا باليهود ولا بالنصارى فإن تسليم اليهود الإشارة بالأصابع وتسليم النصارى الإشارة بالأكف قال وروى ابن المبارك هذا الحديث عن ابن لهيعة ولم يرفعه . وهذا وإن كان فيه ضعف فقد تقدم الحديث المرفوع من تشبه بقوم فهو منهم وهو محفوظ عن حذيفة بن اليمان أيضا من قوله وحديث ابن لهيعة يصلح للاعتضاد كذا كان يقول أحمد وغيره (اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة أصحاب الجحيم لابنِ تیمیہ، ج ۱ ص ۸۴)

وروى ابن المبارك هذا الحديث عن ابن لهيعة فلم يرفعه . "قلت :والموقوف أصح إسنادا .لأن حديث ابن المبارك عن ابن لهيعة صحيح لأنه قديم السماع منه وكذلك عبد الله بن وهب وعبد الله بن يزيد المقرى .وفي معناه حديث ابن عمر الذى سبق تخريجه قبله(إرواء الغليل فی تخريج أحاديث منار السبيل للالبانی، كتاب الجهاد، ج۵ص ۱۱۱)

یہاں تک کہ ان کے طریقہ پر اشارہ سے سلام کرنے کو بھی ناپسند فرمایا۔ [۱]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا فَلَيْسَ مِنَّا، وَلاَ تُسَلِّمُوا بِتَسْلِيمِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارىٰ ، فَإِنَّ تَسْلِيمَ الْيَهُودِ بِالْأَكُفِّ ، وَتَسْلِيمَ النَّصَارَى بِالْإِشَارَةِ (مسند الشامیین للطبرانی حدیث نمبر ۴۸۹)

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ہمارے غیروں (یعنی کافروں) کے ساتھ تشبہ اختیار کی، وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے۔

اور تم یہود و نصاریٰ کے سلام کی طرح سلام نہ کرو۔ اور یہود کا سلام ہتھیلی کے اشارے سے اور نصاریٰ (عیسائیوں) کا سلام انگلیوں کے اشارہ سے ہوتا ہے (ترجمہ ختم) [۲]

فائدہ: اس حدیث میں حضور ﷺ نے پہلے تو اصولی طور پر ایک قاعدہ بیان فرمادیا کہ جو مسلمان بھی

---

[۱] (ليس منا) أى من العاملين بهدينا والجارين على منهاج سنتنا (من تشبه بغيرنا) من أهل الكتاب فى نحو ملبس وهيئة ومأكل ومشرب وكلام وسلام أو ترهب وتبتل ونحو ذلك فلا منافاة بينه وبين خبر لتتبعن سنن من كان قبلكم وخبر ستفترق أمتى على ثلاث وسبعين فرقة إذ المراد هنا أن جنس مخالفتهم وتجنب مشابهتهم أمر مشروع وأن الإنسان كلما بعد عن مشابهتهم فيما لم يشرع لنا كان أبعد عن الوقوع فى نفس المشابهة المنهى عنها (لا تشبهوا) بحذف إحدى التاء ين للتخفيف (باليهود) الذين هم المغضوب عليهم (ولا بالنصارى) الذين هم الضالون (فإن تسليم اليهود الإشارة بالأصابع وتسليم النصارى الإشارة بالأكف) أى بالإشارة بها فيكره تنزيها الإشارة بالسلام كما صرح به النووى لهذا الخبر وبوب عليه باب ما جاء فى كراهة الإشارة بالسلام باليد ونحوها بلا لفظ (فيض القدير للمناوى تحت حديث رقم ۹۶۷۷)

[۲] اس روایت میں ہتھیلی کے اشارہ سے سلام کو یہودیوں کا اور انگلیوں کے اشارہ سے سلام کو نصاریٰ (عیسائیوں) کا سلام بتلایا گیا، اور اس سے پہلی روایت میں اس کے برعکس بتلایا گیا، دونوں میں فی الواقع کوئی تعارض نہیں، کیونکہ اصل مقصود یہ بتلانا ہے کہ یہود و نصاریٰ سلام کے اشارہ پر اکتفاء کرتے ہیں، خواہ ہتھیلی کے اشارہ پر اکتفاء کریں یا انگلی کے اشارہ پر اور ہمیں اس طرح سلام کرنے سے بچنا چاہیے، اور ہمیں زبان سے سلام کرنا چاہیے، پھر اگر زبان سے سلام کرنے کے ساتھ ساتھ کسی کے دُور ہونے کی وجہ سے اسے مطلع کرنے کے لیے ہاتھ سے اشارہ بھی کرنا پڑ جائے، تو اس کی ضرورت میں گنجائش ہے، اور اس میں ان کے ساتھ تشبہ نہیں، کیونکہ اصل سلام تو زبان سے کیا گیا، جس میں ان کی مخالفت ہوگئی، اور اشارہ بھی ضرورت کی وجہ سے کیا گیا، بلاضرورت نہیں۔ واللہ اعلم۔ محمد رضوان

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

غیر مسلموں اور کافروں کے ساتھ تشبہ اختیار کرے گا، وہ ہم میں سے نہیں۔

ہم میں سے نہ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اگر وہ غیر مسلموں کے کسی مذہبی شعار اور وضع کو اختیار کرتا ہے، تو وہ مسلمانوں سے خارج ہے، ورنہ کم از کم وہ ہمارے اسلامی تقاضوں پر چلنے والا نہیں۔

اور غیروں کا تشبہ اختیار کرنے کی وجہ سے خطرہ ہے کہ وہ قیامت کے دن مسلمانوں کے بجائے ان ہی کافروں کے ساتھ اٹھایا جائے، جن کا اس نے تشبہ اختیار کیا ہے۔

پھر حضور ﷺ نے یہود ونصاریٰ کے طریقہ پر سلام کرنے سے بھی منع فرمادیا۔

اور فرمایا کہ یہود ونصاریٰ زبان سے سلام کرنے کے بجائے صرف ہاتھ یا انگلیوں کے اشارہ سے سلام کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو اس طریقہ سے بچنا چاہیے، اور انہیں زبان سے سلام کرنا چاہیے۔ [۱]

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكَ وَسَكَنَ مَعَهُ فَإِنَّهُ مِثْلُهُ (ابوداؤد، حديث نمبر ۵۰۲۴، كتاب الجهاد، باب فى الاقامة بارض

---

[۱] أى لا تتشبهوا باليهود ولا بالنصارى زيد لا لزيادة التأكيد فإن تسليم اليهود الإشارة بالأصابع وتسليم النصارى الإشارة بالأكف بفتح فضم جمع كف والمعنى لا تشبهوا بهم جميعا فى جميع أفعالهم خصوصا فى هاتين الخصلتين ولعلهم كانوا يكتفون فى السلام أورده أو فيهما بالإشارتين من غير نطق بلفظ السلام الذى هو سنة آدم وذريته من الأنبياء والأولياء وكأنه كوشف له أن بعض أمته يفعلون ذلک أو مثل ذلک من الانحناء أو مطأطأة الرأس أو الاكتفاء بلفظ السلام فقط ولقد رأيت فى المسجد الحرام واحدا من المتصوفة الداخلة فى سلک السالكين المرتاضين المتوكلين الزاهدين فى الدنيا المكتفى بإزار ورداء صائم الدهر لازم الاعتكاف ليس شىء عنده من أسباب الدنيا وهو على ذلک أكثر من أربعين سنة ثم اختار السكوت المطلق فى آخر العمر بحيث يكتفى فى رد السلام بإشارة الرأس مع أنه ما كان خاليا عن نوع معرفة ودوام تلاوة وحسن خلق وسخاوة نفس إلا أنه كان ما يرى أنه يطوف.

والله أعلم بالحال ويرحمنا وإياه فى المآل .

رواه الترمذى وقال إسناده ضعيف ولعل وجهه أنه من عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده وقد تقدم الخلاف فيه وأن المعتمد أن سنده حسن لا سيما وقد أسنده السيوطى فى الجامع الصغير إلى ابن عمرو فارتفع النزاع وزال الإشكال (مرقاة المفاتيح، باب السلام)

الشرک، واللفظ لهٗ،المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۶۸۷۸) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مشرک کے ساتھ (ان کی مذہبی یا قومی رسم ورواج وعادت میں) موافقت کی، اوراس کے ساتھ رہائش اختیار کی، تو وہ اسی کے مثل ہے (ترجمہ ختم)

فائدہ: اصل ممانعت تو کافروں کی مشابہت وموافقت اختیار کرنے کی تھی، لیکن کیونکہ ان کے ساتھ رہنا سہنا اور اٹھنا بیٹھنا، مختلف کاموں میں ان کی موافقت ومشابہت کا ذریعہ بن جاتا ہے، اوران کے اعمال اللہ تعالیٰ کے غیض وغضب کا بھی باعث ہوتے ہیں، اس لئے ان کے ساتھ بلاضرورت رہائش اختیار کرنے سے بھی منع کردیا گیا۔ [2]

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ مختلف طریقوں سے مروی ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح نقل کی ہے کہ:

قَالَ لَا تُسَاكِنُوا الْمُشْرِكِينَ وَلَا تُجَامِعُوهُمْ فَمَنْ سَاكَنَهُمْ أَوْ جَامَعَهُمْ فَهُوَ مِثْلُهُمْ(ترمذی، ابواب السیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمُقَامِ

---

[1] قال الالبانی:
و بالجملة، فالحديث عندى حسن بمجموع الطريقين، و لاسيما و قد مضى له شاهد بنحوه (السلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ٢٣٣٠)

[2] من جامع المشرك اى اجتمع معه فى دار او بلد ،والاحسن ان يقال معناه اجتمع معه اى اشترك فى الرسوم والعادة والهيئة والزى، واما قوله وسكن معه علة، اى سكناه معه ،صار علة لتوافقه فى الهيئة والزى والخصال، فانه مثله نقل فى الحاشية عن فتح الودود فانه مثله، اى يقارب ان يصير مثلاً له لتأثير الجوار والصحبة ،ويحتمل انه تغليظ (بذل المجهود جلد ۵ صفحه ٦٧ كتاب الجهاد، باب فى الاقامة بارض الشرك)

غیرمسلموں کے ملکوں وعلاقوں میں بلاضرورت رہائش اختیار کرنا منع ہے، لیکن اگر کسی ضرورت ومجبوری سے رہائش اختیار کرنی پڑے، تو ان کے طور وطریق سے بچنے کا اہتمام کرتے ہوئے، ضرورۃً رہائش اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔
(غیرمسلم ملک میں رہائش اختیار کرنے کے بارے میں مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فقہی مقالات جلد ا، صفحہ ۲۳۱ تا ۲۳۵)

بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِينَ)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مشرکوں کے ساتھ رہائش اختیار نہ کرو، اور ان کی (کسی رسم ورواج میں) موافقت نہ کرو، پس جو شخص ان کے ساتھ رہا یا ان کی موافقت (ومشابہت) کی، تو وہ انہی کے مثل ہے (ترجمہ ختم)

فائدہ: اس روایت میں اور اس سے پہلی روایت میں مشرکوں کے ساتھ رہنے سہنے اور ان کی موافقت اختیار کرنے والے کو ان کے مثل قرار دیا گیا ہے۔

اور امام طبرانی نے اس روایت کو اس طرح روایت کیا ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ":لا تُسَاكِنُوا الْمُشْرِكِينَ، وَلا تُجَامِعُوهُمْ، فَمَنْ سَاكَنَهُمْ أَوْ جَامَعَهُمْ ,فَهُوَ مِنْهُمْ "(المعجم الكبير للطبرانی حديث نمبر ۶۷۶۲،مسند البزار حديث نمبر ۴۵۶۹)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مشرکوں کے ساتھ رہائش اختیار نہ کرو، اور ان کی (کسی مذہبی یا قومی رسم ورواج وعادت میں) موافقت نہ کرو، پس جو شخص ان کے ساتھ رہا یا ان کی موافقت (ومشابہت) اختیار کی، تو وہ انہی میں سے ہوگا (ترجمہ ختم)

فائدہ: اس روایت میں مشرکوں کے ساتھ رہنے سہنے اور ان کی موافقت اختیار کرنے والے کو مشرکوں میں سے قرار دیا گیا ہے۔

اور مستدرک حاکم وغیرہ میں اس طرح روایت ہے کہ:

لاَ تُسَاكِنُوا الْمُشْرِكِينَ ، وَلا تُجَامِعُوهُمْ ، فَمَنْ سَاكَنَهُمْ أَوْ جَامَعَهُمْ فَلَيْسَ مِنَّا (مستدرك حاكم حديث نمبر ۲۶۲۷، السنن الكبرىٰ للبيهقي حديث نمبر ۱۸۸۸۶، باب الاسير يؤخذ عليه العهد) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مشرکوں کے ساتھ رہائش اختیار نہ کرو، اور ان

---

[۱] وقال الحاكم:
هَـذَا حَـدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ و تـعليق الذهبي قى التلخيص : على شرط البخارى ومسلم(حواله بالا)

کی (کسی رسم ورواج میں) موافقت نہ کرو، پس جوشخص ان کے ساتھ رہایاان کی موافقت (ومشابہت) اختیار کی، تو وہ ہم میں سے نہیں ہے (ترجمہ ختم)

فائدہ: اس روایت میں مشرکوں کے ساتھ رہنےسہنے اوران کی موافقت کرنے والے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بعض روایات میں مشرکوں کے ساتھ رہنےسہنے اوران کی موافقت اختیار کرنے والے کوان کے مثل اور بعض روایات میں مشرکوں میں سے ہونے جبکہ بعض روایات میں ہم (یعنی مسلمانوں) میں سے نہ ہونے کا حکم لگایا گیا، مطلب سب کا ایک ہی ہے، کیونکہ ان میں سے ہونا ان کے جیسا ہونا بھی ہے، اور ایسا شخص ہم (یعنی مسلمانوں) میں سے بھی نہیں ہے، یعنی اس کا طریقہ مسلمانوں والا نہیں بلکہ مشرکوں والا ہے، اوراگر وہ مشرکوں کی کسی مذہبی وضع وشعار کواختیار کرتا ہے، تو پھر وہ حقیقت میں ہی اسلام سے خارج اوران ہی میں سے اور ان ہی جیسا ہے۔

مشرکوں کے طور وطریق کی مشابہت وموافقت اختیار کرنے سے ان کے ساتھ محبت اور دوستی پیدا ہوتی ہے، اور کافر کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دشمن اور شیطان کے ولی ہیں، اور مسلمانوں کے ولی اللہ تعالیٰ ہیں، اور شیطان ان کا دشمن ہے، اس لیے مسلمانوں کو کافروں سے دوستی رکھنا ہرگز بھی درست نہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو مشرکوں و کافروں کی معاشرت ومخالطت اور ان کی مجالست سے دُور رہنا ضروری ہے، کیونکہ ان چیزوں کی وجہ سے مسلمانوں کے ایمان میں فتور وبگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] (من جامع المشرک) باللہ والمراد الکافر ونص علی الشرک لأنه الأغلب حینئذ (وسکن معه) أی فی دیار الکفر (فإنه مثله) أی من بعض الوجوه لأن الإقبال علی عدو اللہ وموالاته توجب إعراضه عن اللہ ومن أعرض عنه تولاه الشیطان ونقله إلی الکفران قال الزمخشری :وهذا أمر معقول فإن موالاة الولی وموالاة عدوه متنافیان قال :تود عدوی ثم تزعم أننی صدیقک لیس النول عنک بعازب وفیه إبرام وإلزام بالتصلب فی مجانبة أعداء اللہ ومباعدتهم والتحرز عن مخالطتهم ومعاشرتهم (لا یتخذ المؤمنون الکافرین أولیاء من دون المؤمنین) (آل عمران) والمؤمن أولی بموالاة المؤمن وإذا والی الکافر جره ذلک إلی تداعی ضعف إیمانه فزجر الشارع عن مخالطته بهذا التغلیظ العظیم حسما لمادة الفساد (یا أیها الذین آمنوا إن تطیعوا الذین کفروا یردوکم علی أعقابکم فتنقلبوا خاسرین) (آل عمران) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پرملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت جعفر فرماتے ہیں کہ ہم سے مالک بن دینار نے بیان کیا کہ:

أَوْحَى اللّٰهُ إِلٰى نَبِيٍّ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ أَنْ قُلْ لِقَوْمِكَ لَا تَدْخُلُوْا مَدَاخِلَ أَعْدَائِيْ وَلَا تُطْعِمُوْا مَطَاعِمَ أَعْدَائِيْ وَلَا تَلْبِسُوْا مَلَابِسَ أَعْدَائِيْ وَلَا تَرْكَبُوْا مَرَاكِبَ أَعْدَائِيْ فَتَكُوْنُوْا أَعْدَائِيْ كَمَا هُمْ أَعْدَائِيْ (حلية الاولياء، الجزء الثاني، صفحه ۳۸۰، باب مالک بن دينار، الجواب الكافى لابن جوزى، فصل فلنرجع الى ما كنا فيه مما ذكرنا من ذكر دواء الداء الذى إن استمر أفسد دنيا العبد وآخرته الخ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں میں سے کسی نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم سے کہہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولم يمنع من صلة أرحام من لهم من الكافرين ولا من مخالطتهم فى أمر الدنيا بغير سكنى فيما يجرى مجرى المعاملة من نحو بيع وشراء وأخذ وعطاء ليوالوا فى الدين أهل الدين ولا يضرهم أن يبارزوا من لا يجاريهم من الكافرين ذكره الحرالى ، وفي الزهد لأحمد عن ابن دينار أوحى الله إلى نبى من الأنبياء قل لقومك لا تدخلوا مداخل أعدائى ولا تلبسوا ملابس أعدائى ولا تركبوا مراكب أعدائى فتكونوا أعدائى كما هم أعدائى وقوله من جاء مع المشرك ظن بعضهم أن معناه أتى معه مناصرا وظهيرا فجاء فعل ماض ومع المشرك جار ومجرور وقال بعضهم :معناه نكح الشخص المشرك يعنى إذا أسلم فتأخرت عنه زوجته المشركة حتى بانت منه فحذر من وطئه إياها ويؤيده ما روى عن سمرة بن جندب مرفوعا لا تساكنوا المشركين ولا تجامعوهم فمن ساكنهم أو جامعهم فهو منهم وأفاد الخبر وجوب الهجرة أى على من عجز عن إظهار دينه وأمكنته بغير ضرر.

(تنبيه) قال ابن تيمية :المشابهة والمشاكلة فى الأمور الظاهرة توجب مشابهة ومشاكلة فى الأمور الباطنة والمشاركة فى الهدى الظاهر توجب مناسبة وائتلافا وإن بعد المكان والزمان وهذا أمر محسوس فمرافقتهم ومساكنتهم ولو قليلا سبب لوقوع ما مر واكتساب أخلاقهم التى هى ملعونة ولما كان مظنة الفساد خفى غير منضبط علق الحكم به وأدير التحريم عليه فمساكنتهم فى الظاهر سبب ومظنة لمشابهتهم فى الأخلاق والأفعال المذمومة بل فى نفس الاعتقادات فيصير مساكن الكفار مثله وأيضا المشاركة فى الظاهر تورث نوع مودة ومحبة وموالاة فى الباطن كما أن المحبة فى الباطن تورث المشابهة وهذا مما يشهد به الحس فإن الرجلين إذا كانا من بلد واجتمعا فى دار غربة كان بينهما من المودة والائتلاف أمر عظيم بموجب الطبع وإذا كانت المشابهة فى أمور دنيوية تورث المحبة والموالاة فكيف المشابهة فى الأمور الدينية ؟ فالموالاة للمشركين تنافى الإيمان(ومن يتولهم منكم فانه منهم)(فيض القدير للمناوى تحت حديث رقم ۸۶۱۳)

دیجیے، کہ میرے دشمنوں (یعنی کافروں) کے داخل ہونے کی جگہ (مثلاً ان کے عبادت خانوں، ان کے میلوں، تہواروں، اوران کے مخصوص رہائشی علاقوں میں) داخل مت ہو، اور میرے دشمنوں کے (مخصوص) کھانے مت کھاؤ، اور میرے دشمنوں کا (مخصوص) لباس مت پہنو، اور میرے دشمنوں کی (مخصوص) سواریوں پر سوار مت ہو، کیونکہ ایسا کرنے سے تم بھی میرے دشمن بن جاؤ گے، جس طرح کہ وہ میرے دشمن ہیں (ترجمہ ختم)

فائدہ: قطع نظر اس بحث سے کہ یہ کون سے نبی کو حکم دیا گیا تھا، اوران کی شریعت کا حکم شریعتِ محمدی سے مختلف تھا وغیرہ وغیرہ، اس روایت میں کتنی وضاحت وصراحت کے ساتھ سب سے پہلے تو کافروں کو اللہ تعالیٰ کا دشمن بتلایا گیا، اور پھر ان کے مخصوص علاقوں وتہواروں، ان کے عبادت خانوں اور تقریبوں وغیرہ میں داخل ہونے سے منع فرمایا گیا، کیونکہ ان علاقوں میں کفر وشرک وغیرہ کے اثرات کے باعث اللہ تعالیٰ کا غضب وغصہ نازل ہوتا ہے۔

اوراس کے بعد کافروں کے مخصوص کھانوں (مثلاً ان کے ذبیحوں، ان کے مخصوص متبرک مذہبی قرار دیئے ہوئے کھانوں اوران کے قومی مطعومات وغیرہ) کے کھانے سے منع فرمایا گیا۔

اور پھر کافروں کے مخصوص لباس کے پہننے سے منع فرمایا گیا۔

اوراس کے بعد کافروں کی مخصوص سواریوں پر (جوان کی امتیازی علامت ہوں) سوار ہونے سے منع فرمایا گیا۔

اور رہنے سہنے، کھانے پینے، پہننے اور سواری کرنے میں فرداً فرداً ان کے مخصوص طریقوں کی مخالفت کا حکم فرما کر آخر میں ان کے ساتھ تشبہ کا انجام یہ بتلایا گیا کہ اس کی وجہ سے تم بھی ان کی طرح میرے دشمن سمجھے جاؤ گے۔

اس سے زیادہ سخت وعید اور کیا ہوسکتی ہے۔

خلاصہ اس روایت کا یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں کے ساتھ تشبہ کا اختیار کرنا پسند نہیں، لہٰذا ہر مسلمان کو کافروں کے ساتھ تشبہ اختیار کرنے سے بچنا چاہئے۔

جو چیزیں کافروں کا مذہبی شعار اور خاص مذہبی امتیاز ہوں یا کافروں کا قومی رواج ہوں، جیسے ان کے مذہبی عید وتہوار تو اس معاملہ میں شریعت نے ان کی مشابہت اور کسی بھی جہت سے ان کی مماثلت اختیار کرنے سے بہت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

کیونکہ ایسی چیزوں میں ان کی تشبہ اختیار کرنا کم از کم گناہ اور بعض صورتوں میں کفر ہے (کذا فی امداد الاحکام ج ۱ص ۲۸۶) [۱]

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا فَقَالَ مَا هَذَانِ الْيَوْمَانِ قَالُوا كُنَّا نَلْعَبُ فِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْأَضْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ (ابوداؤد، حدیث نمبر ۹۵۹، کتاب الصلاۃ، صلاۃ العیدین، واللفظ لہٗ، نسائی حدیث نمبر ۱۵۳۸،صلاۃ العیدین، مسند ابویعلیٰ الموصلی حدیث نمبر ۳۷۳۸،مسند عبد بن حمید حدیث نمبر ۱۳۹۵، مشکل الآثار للطحاوی ،باب

---

[۱] فليس للمسلم أن يتشبه بهم لا فى أعيادهم ولا مواسمهم ولا فى عباداتهم . "لان الله تعالى شرف هذه الامة بخاتم الانبياء الذى شرع له الدين العظيم القويم الشامل الكامل الذى لو كان موسى بن عمران الذى أنزلت عليه التوراة وعيسى بن مريم الذى أنزل عليه الانجيل حيين لم يكن لهما شرع متبع بل لو كانا موجودين بل وكل الانبياء لما ساغ لواحد منهم أن يكون على غير هذه الشريعة المطهرة المشرفة المكرمة المعظمة فإذا كان الله تعالى قد من علينا بأن جعلنا من أتباع محمد صلى الله عليه وسلم فكيف يليق بنا أن نتشبه بقوم قد ضلوا من قبل، وأضلوا كثيرا وضلوا عن سواء السبيل قد بدلوا دينهم وحرفوه وأولوه حتى صار كأنه غير ما شرع لهم أولا (البداية والنهاية)

فقد حمل هذا على التشبه المطلق فإنه يوجب الكفر ويقتضى تحريم أبعاض ذلك، وقد يحمل منهم فى القدر المشترك الذى شابههم فيه فإن كان كفرا أو معصية أو شعارا لها كان حكمه كذلك(فيض القدير شرح الجامع الصغير من أحاديث البشير النذير)

من تشبه بقوم فهو منهم يحمل على أنه يكون كافرا مثلهم إن تشبه بهم فيما هو كفر كتعظيم يوم عيدهم تبجيلا لدينهم، أو لبس شعارهم قاصدا الاستخفاف بالدين وإلا فإنه يكون آثما مثلهم فقط(المفصل فى شرح حديث من بدل دينه فاقتلوه لعلى بن نايف الشحود)

ماروی عن رسول اللہ ﷺ فی التقلیس فی الاعیاد، مستدرک حاکم حدیث نمبر (۱۰۴۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ (مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینے کے لوگ (جن میں بہت سے لوگ پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکے تھے، سال میں) دو تہوار منایا کرتے تھے، اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ:

یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی کیا حقیقت اور حیثیت ہے؟ (یعنی تمہارے ان تہواروں کی کیا اصلیت اور تاریخ ہے؟)

انھوں نے عرض کیا کہ: ہم جاہلیت میں (اسلام سے پہلے) یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے (بس وہی رواج اب تک چل رہا ہے)

تو پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں اِن دو تہواروں کے بدلے میں اِن سے بہتر دو دن عطا فرما دیئے ہیں (اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) ایک عیدالاضحیٰ کا دن، دوسرا عیدالفطر کا دن'' (ترجمہ ختم)

فائدہ: وہ دو دن جن میں مدینہ کے لوگ کھیل کود کیا کرتے تھے ان میں سے ایک کا نام ''نیروز'' (Nairooz) تھا اور دوسرے کا نام ''مہرجان'' (Mahrajan) تھا۔

نیروز دراصل فارسی کے ''نوروز'' سے عربی بنایا گیا ہے۔

وہ یہ تہوار اپنی مروجہ تاریخ والے سال کے شروع دن پر منایا کرتے تھے، اور ''مہرجان'' شمسی سال کے آغاز پر منایا کرتے تھے۔

پس رسول اللہ ﷺ نے ان تہواروں سے منع فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان دو تہواروں کے بدلے میں ان سے بہتر دو تہوار عطا فرما دیے ہیں۔

آپ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ ''ان دو تہواروں کے بدلہ میں'' تو اس سے اس بات کی وضاحت

فرمادی کہ اب ان تہواروں کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں رہی، کیونکہ تبادلہ میں ایک چیز آجاتی ہے، اور دوسری چیز چلی جاتی اور ختم ہوجاتی ہے۔ [1]

---

[1] (عن أنس قال قدم النبی ﷺ المدینة) أی من مکة بعد الهجرة (ولهم)قال الطیبی أی لأهل المدینة ولولا استدعاء الراجع من الحال أعنی ولهم لکانت لنا مندوحة عن التقدیر اه یعنی ولقلنا للأنصار أو للأصحاب (یومان یلعبون فیهما) وهما یوم النیروز ویوم المهرجان کذا قاله الشراح وفی القاموس النیروز أول یوم السنة معرب نوروز قدم إلی علی رضی الله عنه شیء من الحلاوی فسأل عنه فقالوا للنیروز فقال نیروزنا کل یوم وفی المهرجان قال مهرجاننا کل یوم اه والنوروز مشهور وهو أول یوم تتحول الشمس فیه إلی برج الحمل وهو أول السنة الشمسیة کما أن غرة شهر المحرم أول السنة القمریة وأما مهرجان فالظاهر بحکم مقابلته بالنیروز أن یکون أول یوم المیزان وهما یومان معتدلان فی الهواء لا حر ولا برد ویستوی فیهما اللیل والنهار فکان الحکماء المتقدمین المتعلقین بالهیئة اختاروهما للعید فی أیامهم وقلدهم أهل زمانهم لإعتقادهم بکمال عقول حکمائهم فجاء الأنبیاء وأبطلوا ما بنی علیه الحکماء (فقال ما هذان الیومان قالوا کنا نلعب فیهما) أی فی الیومین فی الجاهلیة أی فی زمن الجاهلیة قبل أیام الإسلام (فقال رسول الله ﷺ قد) للتحقیق (أبدلکم الله بهما خیرا) الباء هنا داخلة علی المتروک وهو الأفصح أی جعل لکم بدلا عنهما خیرا (منهما) أی فی الدنیا والأخری وخیرا لیست أفعل تفضیل إذ لا خیریة فی یومیهما(یوم الأضحی ویوم الفطر)وقدم الأضحی فإنه العید الأکبر قال الطیبی نهی عن اللعب والسرور فیهما أی فی النیروز والمهرجان وفیه نهایة من اللطف وأمر بالعبادة لأن السرور الحقیقی فیها قال الله تعالی قل بفضل الله وبرحمته فبذلک فلیفرحوا قال المظهر فیه دلیل علی أن تعظیم النیروز والمهرجان وغیرهما أی من أعیاد الکفار منهی عنه قال أبو حفص الکبیر الحنفی من أهدی فی النیروز بیضة إلی مشرک تعظیما للیوم فقد کفر بالله تعالی وأحبط أعماله وقال القاضی أبو المحاسن الحسن بن منصور الحنفی من اشتری فیه شیئا لم یکن یشتریه فی غیره أو أهدی فیه هدیة إلی غیره فإن أراد بذلک تعظیم الیوم کما یعظمه الکفرة فقد کفر وإن أراد بالشراء التنعم والتنزه وبالاهداء التحاب جریا علی العادة لم یکن کفرا لکنه مکروه کراهة التشبه بالکفرة حینئذ فیحترز عنه اه وأما أهل مکة فیجعلون أیضا أیام دخول الکعبة عیدا ولیس داخلا فی النهی إلا أن یوم عاشوراء فیه تشبه بالخوارج باظهار السرور کما أن إظهار آثار الحزن من شیم الروافض وإن کان الثانی أهون من الأول ولکن الأولی ترکهما فإنهما من البدع الشنیعة ظهرت فی أیام مناصب النواصب وزمان غلبة الشیعة وأهل مکة بحمد الله غافلون عنهما غیر عالمین بأحوالهما وشارکت الرافضة المجوسیة أیضا فی تعظیم النیروز معللین بأن فی مثل هذا الیوم قتل عثمان وتقررت الخلافة لعلی رضی الله عنهما وإنما ذکرت هذا مع ما فیه من الشناعة للإحتراز والاحتراس عن الشباهة قال ابن حجر قد وقع فی هذه الورطة أهل مصر ونحوهم فإن لمن بها من الیهود والنصاری تعظیما خارجا عن الحد فی أعیادهم وکثیر من أهلها ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضور ﷺ کے اس صاف ارشاد کے ہوتے ہوئے بعض مسلمانوں کا عیسائیوں، یہودیوں، یا ہندوؤں کے بعض مذہبی یا قومی تہوار منانا، اوران میں شرکت کرنا کتنا خطرناک کام ہے۔

اس قسم کی احادیث میں نظر کرتے ہوئے فقہاء و محدثین نے تو یہاں تک بھی فرمایا کہ غیر مسلموں کی مذہبی وقومی تقریبات اورمیلوں میں تماشہ بنٖنے اور بلاسخت ضرورت خرید وفروخت کے لئے بھی جانا جائز نہیں۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یوافقونهم على صور تلك التعظيمات كالتوسع فى المأكل والزينة على طبق ما يفعله الكفار ومن ثم أعلن النكير عليهم فى ذلك ابن الحاج المالكى فى مدخله وبين تلك الصور وكيفية موافقة المسلمين لهم فيها بل قال إن بعض علمائها قد تحكم عليه زوجته فى أن يفعل لها نظير ما يفعله الكفارفى أعيادهم فيطيعها ويفعل ذلك (رواه أبو داود) وسكت عليه هو والمنذرى ورواه الترمذى والنسائى أيضا ذكره ميرك(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح)

(قدمت المدينة ولأهل المدينة يومان يلعبون فيهما فى الجاهلية) هما يوم النيروزوالمهرجان (وإن الله تعالى قد أبدلكم بهما خيرا منهما يوم الفطر ويوم النحر) قال الطيبى :وهذا نهى عن اللعب والسرور فيهما وفيه نهاية من اللطف وأمر بالعبادة وأن السرور الحقيقى فيهما (قل بفضل الله وبرحمته فبذلك فليفرحوا) قال مخرجه البيهقى :زاد الحسن فيه أما يوم الفطر فصلاة وصدقة وأما يوم الأضحى فصلاة ونسك قال المظهر :وفيه دليل على أن تعظيم يوم النيروز والمهرجان ونحوهما منهى عنه وقال أبو حفص الحنفى :من أهدى فيه بيضة لمشرك تعظيما لليوم كفر وكان السلف يكثرون فيه الاعتكاف بالمسجد وكان علقمة يقول اللهم إن هؤلاء اعتكفوا على كفرهم ونحن على إيماننا فاغفر لنا وقال المجد ابن تيمية :الحديث يفيد حرمة التشبه بهم فى أعيادهم لأنه لم يقرهما على العيدين الجاهليين ولا تركهم يلعبون فيهما على العادة وقال أبدلكم والإبدال يقتضى ترك المبدل منه إذ لا يجتمع بين البدل أو المبدل منه ولهذا لا تستعمل هذه العبارة إلا فى ترك اجتماعهما(فيض القدير شرح الجامع الصغير من أحاديث البشير النذير)

[۱] قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ (وَالْإِعْطَاءُ بِاسْمِ النَّيْرُوزِ وَالْمِهْرَجَانِ لَا يَجُوزُ) أَيْ الْهَدَايَا بِاسْمِ هَذَيْنِ الْيَوْمَيْنِ حَرَامٌ بَلْ كُفْرٌ وَقَالَ أَبُو حَفْصٍ الْكَبِيرُ رَحِمَهُ اللَّهُ لَوْ أَنَّ رَجُلًا عَبَدَ اللَّهَ تَعَالَى خَمْسِينَ سَنَةً ثُمَّ جَاءَ يَوْمُ النَّيْرُوزِ وَأَهْدَى إلَى بَعْضِ الْمُشْرِكِينَ بَيْضَةً يُرِيدُ تَعْظِيمَ ذَلِكَ الْيَوْمِ فَقَدْ كَفَرَ وَحَبَطَ عَمَلُهُ وَقَالَ صَاحِبُ الْجَامِعِ الْأَصْغَرِ إذَا أَهْدَى يَوْمَ النَّيْرُوزِ إلَى مُسْلِمٍ آخَرَ وَلَمْ يُرِدْ بِهِ تَعْظِيمَ الْيَوْمِ وَلَكِنْ عَلَى مَا اعْتَادَهُ بَعْضُ النَّاسِ لَا يَكْفُرُ وَلَكِنْ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ لَا يَفْعَلَ ذَلِكَ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ خَاصَّةً وَيَفْعَلُهُ قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ لِكَيْ لَا يَكُونَ تَشْبِيهًا بِأُولَئِكَ الْقَوْمِ ، وَقَدْ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت سعید بن ابی سلمۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ :اجْتَنِبُوْا أَعْدَاءَ اللَّهِ فِیْ عِیْدِهِمْ (السنن الکبری للبیهقی حدیث نمبر ۱۹۳۳۴، باب کَرَاهِیَةِ الدُّخُولِ عَلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ فِي كَنَائِسِهِمْ وَالتَّشَبُّهِ بِهِمْ يَوْمَ نَيْرُوزِهِمْ وَمِهْرَجَانِهِمْ)

ترجمہ: حضرت ابوسلمۃ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے دشمنوں (یعنی غیر مسلموں) کی عیدوں سے بچو (ترجمہ ختم)

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد ہیں، جن کی بطورِ خاص اتباع کا حضور ﷺ نے حکم فرمایا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کافر تو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کرتے ہیں، اور اس کے دین کا انکار کرتے ہیں، لہٰذا تم ان کی خوشی و میلوں میں شرکت کرنے سے بچو۔

اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں اس روایت کو مزید تفصیل کے ساتھ اس طرح بھی بیان کیا ہے کہ:

سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ :اجْتَنِبُوا أَعْدَاءَ اللّٰهِ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارَى فِي عِيْدِهِمْ يَوْمَ جَمْعِهِمْ فَإِنَّ السَّخَطَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ فَأَخْشَى أَنْ يُصِيْبَكُمْ وَلَا تَعَلَّمُوْا بِطَانَتَهُمْ فَتَخَلَّقُوْا بِخُلُقِهِمْ "(شعب الإيمان

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَقَالَ فِي الْجَامِعِ الْأَصْغَرِ رَجُلٌ اشْتَرَى يَوْمَ النَّيْرُوزِ شَيْئًا يَشْتَرِيهِ الْكَفَرَةُ مِنْهُ وَهُوَ لَمْ يَكُنْ يَشْتَرِيهِ قَبْلَ ذَلِكَ إنْ أَرَادَ بِهِ تَعْظِيمَ ذَلِكَ الْيَوْمِ كَمَا تُعَظِّمُهُ الْمُشْرِكُونَ كَفَرَ ، وَإِنْ أَرَادَ الْأَكْلَ وَالشُّرْبَ وَالتَّنَعُّمَ لَا يَكْفُرُ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق)

امداد الفتاویٰ میں ہے:

میلۂ پرستش گاہِ ہنود میں عموماً مسلمانوں کا جانا اور خصوصاً علماء کا جانا اور یہ بھی نہیں کہ ضرورتِ شدیدہ دنیاوی ہی ہو، محض سیر و تماشے کے لیے سخت ممنوع و قبیح ہے (امداد الفتاویٰ، جلد ۴ صفحہ ۲۶۹، ۲۷۰)

للبیھقی، حدیث نمبر ۹۳۸۵)

ترجمہ: حضرت ابوسلمۃ نے (خلیفۂ راشد) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یعنی یہود و نصاریٰ کی عیدوں سے بچو، جس دن کہ وہ لوگ جمع ہوتے ہیں، کیونکہ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے، مجھے خوف ہے کہ کہیں (ان کے ساتھ شرکت کرنے سے) تمہیں بھی اللہ تعالیٰ کا غضب نہ پہنچ جائے (ترجمہ ختم)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے اجتماعی، مذہبی یا قومی تہواروں وعیدوں کے موقع پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو ان سے بچنا اور دُور رہنا ضروری ہے؛ ورنہ ان کو بھی دنیا یا آخرت میں اللہ تعالیٰ کا غضب وغصہ پہنچنے کا خطرہ ہے۔

پس آج کل بعض مسلمانوں کا یہودیوں، عیسائیوں یا ہندوؤں کے بعض مذہبی یا قومی تہواروں اور عیدوں کو منانا اور ان میں شرکت کرنا کتنا غضب ناک عمل ہے۔

حضرت عطاء بن دینار ہذلی سے روایت ہے:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ,قَالَ " :إِيَّاكُمْ وَمُواطَنَةَ الْأَعَاجِمِ ,وَأَنْ تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ فِي بِيَعِهِمْ يَوْمَ عِيدِهِمْ فَإِنَّ السَّخَطَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ (شعب الإيمان للبيهقی)

ترجمہ: (حضرت) عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ:

تم عجمی (یعنی کافر) لوگوں کے ساتھ رہنے سہنے سے اور ان کے عید کے دنوں میں ان کے گرجوں میں داخل ہونے سے بچو، اس لیے کہ اُن پر (اللہ تعالیٰ کی) ناراضگی اُترتی ہے (ترجمہ ختم)

فائدہ: اس روایت کی سند صحیح ہے۔ [1]

---

[1] وَقَدْ رَوَى البيهقى بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ فِى بَابِ كَرَاهِيَةِ الدُّخُولِ عَلَى الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ عِيدِهِمْ فِى كَنَائِسِهِمْ ؛ وَالتَّشَبُّهِ بِهِمْ يَوْمَ نيروزهم وَمَهْرَجَانِهِمْ -عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ ثَوْرِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ :قَالَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ -رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ "لَا تَعَلَّمُوا رَطَانَةَ الْأَعَاجِمِ وَلَا تَدْخُلُوا عَلَى الْمُشْرِكِينَ فِى كَنَائِسِهِمْ يَوْمَ عِيدِهِمْ فَإِنَّ السَّخَطَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ "(مجموع الفتاوىٰ لابنِ تيميه، ج ۲۵ ص ۳۲۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ بلاضرورت کافروں کے ساتھ بودو باش اختیار کرنا شریعت کی نظر میں پسندیدہ عمل نہیں۔

کیونکہ اس سے مسلمانوں کے اعمال واخلاق پر بُرا اثر پڑتا ہے، اور پھر ان کے مذہبی تہواروں کے موقع پر ان کی تقریبات میں شرکت کرنا اور بھی خطرناک ہے۔

کیونکہ ان کی مذہبی تقریبات کے مواقع پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے، اور ان میں شریک ہونے والے کے لیے بھی اس غضب میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

مَنْ بَنَى بِبِلَادِ الْأَعَاجِمِ وَصَنَعَ نَيْرُوْزَهُمْ وَمِهْرَجَانَهُمْ وَتَشَبَّهَ بِهِمْ حَتَّى يَمُوْتَ وَهُوَ كَذَلِكَ حُشِرَ مَعَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الجزية، باب كراهية الدخول، حديث نمبر ١٩٣٣٥، واللفظ لهٗ؛ الكنى والأسماء للدولابي)

ترجمہ: جس نے عجمی (یعنی کافر) لوگوں کے شہروں میں گھر بنایا، اور ان کے نیروز اور مہرجان (نامی تہواروں) کو منایا، اور ان کے ساتھ تشبہ اختیار کی، یہاں تک کہ وہ اسی حال میں فوت ہوگیا، تو وہ قیامت کے دن انہی کے ساتھ اُٹھایا جائے گا (ترجمہ ختم)

فائدہ: اس روایت میں عجمیوں سے مراد غیر مسلم ہیں اور یہ پہلے گزر چکا کہ غیر مسلموں کے ملک وعلاقہ میں بلاضرورت رہنا سہنا شرعاً پسندیدہ عمل نہیں، کیونکہ اس سے مسلمانوں کی دینی اور اخلاقی حالت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

اور پھر غیر مسلموں کے عید وتہوار میں شرکت وشمولیت اختیار کرنا اور بھی بُرا ہے، کیونکہ یہ غیر مسلموں کے ساتھ ان کے مذہبی یا قومی عمل میں تشبہ اختیار کرنے میں داخل ہے۔

اور جو شخص غیر مسلموں کے ساتھ تشبہ اختیار کرتا رہا، اور اللہ نہ کرے کہ اس کی سچی توبہ کرنے سے پہلے اسی حال میں موت واقع ہوگئی تو وہ قیامت کے دن غیر مسلموں کے ساتھ ہی اُٹھے گا۔

اندازہ لگایئے کہ غیر مسلموں کے مذہبی وقومی طور وطریقوں اور خاص کر ان کے تہواروں میں شرکت

کرنا ایمان کے لیے کتنا خطرناک عمل ہے۔ [1]

حضور ﷺ کا اگر کبھی عذاب یافتہ بستیوں کے مقام سے بھی گزر ہوا تو آپ وہاں سے تیزی سے گزر گئے، اور دوسروں کو بھی تیزی سے گزرنے کا حکم فرمایا۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

لَمَّا مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحِجْرِ قَالَ لَا تَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ أَنْ يُصِيبَكُمْ مَا أَصَابَهُمْ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ ثُمَّ قَنَّعَ رَأْسَهُ وَأَسْرَعَ السَّيْرَ حَتَّى أَجَازَ الْوَادِيَ (بخاری، حدیث نمبر ۴۰۶۷)

ترجمہ: نبی ﷺ جب حجر (یعنی قومِ ثمود کے عذاب زدہ علاقہ) سے گزرے تو فرمایا کہ تم اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کے رہائشی علاقوں میں داخل نہ ہوؤ، اس سے ڈر ہے کہ کہیں تمہیں بھی وہ عذاب نہ پہنچ جائے جو انہیں پہنچا تھا، مگر یہ کہ تم روتے ہوئے وہاں داخل ہوؤ (یا گزرو) پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر پر چادر ڈال لی، اور سواری کو تیز کر دیا، یہاں تک کہ آپ اس وادی سے آگے نکل گئے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

---

[1] وهذا عمر نهى عن تعلم لسانهم، وعن مجرد دخول الكنيسة عليهم يوم عيدهم، فكيف بفعل بعض أفعالهم أو بفعل ما هو من مقتضيات دينهم أليست موافقتهم فى العمل أعظم من الموافقة فى اللغة ؟ أو ليس عمل بعض أعمال عيدهم أعظم من مجرد الدخول عليهم فى عيدهم ؟

وإذا كان السخط ينزل عليهم يوم عيدهم بسبب عملهم ؛ فمن يشركهم فى العمل أو بعضه :أليس قد يعرض لعقوبة ذلك ؟

ثم قوله " :واجتنبوا أعداء الله فى عيدهم "أليس نهيا عن لقائهم والاجتماع بهم فيه ؟ فكيف بمن عمل عيدهم ؟

وأما عبد الله بن عمرو :)فصرح أنه " :من بنى ببلادهم ، وصنع نيروزهم ومهرجانهم وتشبه بهم حتى يموت ؛ حشر معهم "وهذا يقتضى أنه جعله كافرا بمشاركتهم فى مجموع هذه الأمور، أو جعل ذلك من الكبائر الموجبة للنار، وإن كان الأول ظاهر لفظه، فتكون المشاركة فى بعض ذلك معصية ؛ لأنه لو لم يكن مؤثرا فى استحقاق العقوبة لم يجز جعله جزءا من المقتضى، إذ المباح لا يعاقب عليه، وليس الذم على بعض ذلك مشروطا ببعض؛ لأن أبعاض ما ذكره يقتضى الذم مفردا (اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم)

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَزَلَ الْحِجْرَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ أَمَرَهُمْ أَنْ لَا يَشْرَبُوا مِنْ بِئْرِهَا وَلَا يَسْتَقُوا مِنْهَا فَقَالُوا قَدْ عَجَنَّا مِنْهَا وَاسْتَقَيْنَا فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَطْرَحُوا ذَلِكَ الْعَجِينَ وَيُهَرِيقُوا ذَلِكَ الْمَاءَ

(بخاری، حدیث نمبر ۳۱۲۷)

ترجمہ: بے شک رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حجر (یعنی قومِ صالح) کے علاقہ میں اُترے تو آپ نے صحابہ کو حکم فرمایا کہ ان کے کنوئیں سے نہ تو خود پانی پییں، اور نہ اس سے پانی حاصل کریں، صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے تو اس سے آٹا گوندھ لیا ہے، اور پانی کھینچ لیا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے اس آٹا کو پھینک دینے اور پانی کو انڈیل دینے کا حکم فرمایا (ترجمہ ختم)

فائدہ: کافر ومشرک اللہ تعالیٰ کے دشمن ہوتے ہیں، اوران پر کسی بھی وقت عذابِ الٰہی نازل ہوسکتا ہے، خصوصاً جس مقام پر وہ کفریہ وشرکیہ حرکات کرتے ہوں، اس لیے ان مواقع پر داخل ہونے سے بچنا چاہیے۔

دیکھیے! حضور ﷺ نے عذاب نازل شدہ مقام کے بارے میں کتنی سختی فرمائی، گزرتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھے، اورضرورت میں وہاں پڑاؤ ڈالنا پڑا، تو اس جگہ کے پانی وغیرہ کے استعمال سے بھی بچنے کا حکم فرمایا۔

حضرت سعید سے روایت ہے کہ:

عَنِ الْحَسَنِ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ النَّيْرُوْزِ فَكَرِهَهُ، وَقَالَ يُعَظِّمُونَهُ الْأَعَاجِمُ (الْمُصَنَّفُ لِابْنِ أَبِي شَيْبَةَ)

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے (کافروں کے) نیروز (تہوار) کے دن کا روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کو ناپسند قرار دیا، اور فرمایا کہ اس دن کی عجمی (یعنی کافر) لوگ تعظیم کرتے ہیں (ترجمہ ختم)

فائدہ: غیر مسلموں کے مذہبی تہوار کے دن روزہ رکھنے میں اس دن کی تعظیم وتکریم اوران کے ساتھ

تشبہ لازم آتا تھا، اس لیے اس دن روزہ رکھنا بھی ممنوع قرار دے دیا گیا۔

حضرت ہشام سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

سُئِلَ الْحَسَنُ ، عَنْ صَوْمِ يَوْمِ النَّيْرُوْزِ ، فَقَالَ :مَا لَكُمْ وَالنَّيْرُوزَ ، وَلاَ تَلْتَفِتُوْا إِلَيْهِ فَإِنَّمَا هُوَ لِلْعَجَمِ (الْمُصَنَّفُ لِابْنِ أَبِيْ شَيْبَةَ)

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے نیروز کے دن کے روزہ رکھنے کا سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: تمہارا نیروز سے کیا تعلق؟ تم اس دن کی طرف ہرگز متوجہ نہ ہو، یہ تو عجمی (یعنی کافر) لوگوں کا تہوار ہے (ترجمہ ختم)

فائدہ: حضرت حسن کا مقصد یہ تھا کہ نیروز تو غیر مسلموں کا مذہبی تہوار اور ان کی عبادت و تعظیم کا دن ہے، نہ کہ مسلمانوں کی عبادت و تعظیم کا دن، لہٰذا اس دن مسلمانوں کے روزہ رکھنے کا کیا مقصد ہے؟ مسلمانوں کو تو غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں کی طرف متوجہ ہی نہیں ہونا چاہیے۔

ان تمام احادیث وروایات کے مجموعہ سے غیر مسلموں اور کافروں کے مذہبی اور قومی رسوم ورواج اور ان کے طور وطریقوں کو اختیار کرنے کا ناجائز ہونا ثابت ہو گیا۔

اور خاص طور پر ان کے تہواروں کے موقع پر ان کی مذہبی یا قومی وضع وطریق کو اختیار کرنے کا ایمان کے لیے خطرناک ہونا معلوم ہو گیا۔

اس لیے ہر مسلمان کو کافروں کے طور وطریقوں اور ان کی وضع وتشبہ سے بچنا چاہیے۔

فقہاء ومحدثین نے تشبہ ومشابہت سے متعلق مختلف احادیث وروایات میں غور کرکے فرمایا کہ جو چیزیں کافروں کی مذہبی وضع ورسم اور مذہبی شعار ہوں (یعنی ان کے مذہب کی خاص علامت وپہچان) ہوں (جیسے صلیب لٹکانا) تو ایسے تشبہ کا اختیار کرنا حرام اور عام حالات میں باعثِ کفر ہے۔

اور جو چیزیں کافروں کی مذہبی وضع تو نہ ہوں، لیکن ان کی قومی وضع اور ان کی عادت ورواج ہوں (مثلاً کھانے پینے اور لباس کے طریقے) اور ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی وضع وعادت ان سے الگ ہو۔

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

ان میں اپنے طریقوں کو چھوڑ کر کافروں کے طریقوں کو اختیار کرنا گناہ ہے (کذافی حیاۃ المسلمین، روح بستم وپنجم؛ امدادالاحکام ج۱ص۲۸۶) ۱؎

پھر اگر کسی چیز میں تشبہ کے علاوہ کوئی دوسری خرابی یا گناہ بھی پایا جاتا ہو تو ایسی چیز میں اگر کسی وقت کافروں کے ساتھ تشبہ بھی نہ رہے، تب بھی وہ چیز گناہ رہتی ہے، مثلاً داڑھی منڈانا، مونچھیں بڑھانا وغیرہ۔

اور اگر کسی عادت کی چیز میں تشبہ کے علاوہ کوئی دوسرا گناہ وخرابی شامل نہیں تھی، لیکن وہ چیز کسی زمانے میں کافروں کی خصوصیت نہ رہے کہ ان چیزوں کے دیکھنے سے عام لوگوں کے ذہنوں میں کافروں کا تصور قائم نہ ہوتا ہو، تو پھر یہ چیز تشبہ میں داخل نہیں رہے گی (کذافی حیاۃ المسلمین، روح بستم وپنجم)

۱؎ البتہ عادات کے بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر ان کی مشابہت کا قصد وارادہ ہو تو مکروہِ تحریمی ہے، اور اگر کافروں کی مشابہت کا قصد وارادہ نہیں ہے اور کسی دوسری مصلحت سے اس کو اختیار کیا ہے، تو مکروہِ تحریمی کے بجائے مکروہِ تنزیہی ہے، اور شاید اسی فرق کی وجہ سے بعض اہلِ علم حضرات نے قصد کی صورت کو تشبہ (از بابِ تفعل) اور عدمِ قصد کی صورت کو، اس کے مقابلہ میں مشابہت (از بابِ مفاعلت) کا عنوان دیا ہے، یعنی تشبہ میں تکلف پایا جاتا ہے، جو ارادہ وقصد سے متحقق ہوتا ہے، اور مشابہت میں مسلم وکافر کے عمل میں نفسِ مشارکت پائی جاتی ہے (بلاقصد)

مگر چونکہ عوام الناس جواز کے حیلے بہانے ڈھونڈتے ہیں، اور ان کا عام طور پر قصد وارادہ تشبہ کا ہی ہوتا ہے، علاوہ ازیں قصد وارادہ امرِ مخفی ہے، اس پر مطلع ہونا متعذر رہے، اس لئے احتیاطاً وانتظاماً اس تشبہ بمعنیٰ مشابہت سے بھی منع کیا جاتا ہے، اور عام حالات میں قصد وارادہ کی تفصیل بیان کئے بغیر ممانعت کا ہی حکم بیان کیا جاتا ہے (ملاحظہ ہو، امدادالاحکام ج۱ص۲۸۶)

اور جو چیزیں نہ تو کافروں کی مذہبی وضع ہوں، اور نہ قومی وضع ہوں، اگرچہ ان کی ایجاد ہوں، اور وہ عام ضرورت کی چیزیں ہوں، جیسے گھڑی، حلال دواء، مختلف سواریاں، یا ضرورت کے بعض نئے آلات، جیسے ٹیلی فون وغیرہ، ان کو استعمال کرنا جائز ہے

اور مسلمانوں میں جو فاسق یا بدعتی ہیں، خواہ وہ بدعتی دین کے رنگ میں ہوں، خواہ دنیا کے رنگ میں ہوں، ان کی وضع ومشابہت اختیار کرنا بھی گناہ ہے، اگرچہ اس کا گناہ کافروں کی وضع ومشابہت سے کم ہو، اور اسی طرح مرد کو عورت کی اور عورت کو مرد کی وضع ومشابہت اختیار کرنا گناہ ہے۔

پھر ان سب ناجائز وضعوں ومشابہتوں میں اگر پوری مشابہت اختیار کی جائے، تو زیادہ گناہ ہوگا اور اگر ادھوری اختیار کی جائے تو کم گناہ ہوگا۔

نیز یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی شرعی وضع کو حقیر سمجھے یا اس کی بُرائی کرے تو اس سے کفر لازم آجاتا ہے (ماخوذ از حیاۃ المسلمین، روح بستم وپنجم، ملخصاً)

ہم نے تشبہ ومشابہت کے مسئلہ کو مزید مدلل ومفصل انداز میں ایک الگ رسالہ ''تشبہ اور اسلام'' میں ذکر کیا ہے، مزید تفصیل کے لیے اس کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ محمد رضوان

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پتنگ بازی اور ''بسنت''

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ آج مسلم قوم دین اور اسلام سے دوری کے جس موڑ پر کھڑی ہے اس کی حقیقت کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو شاید آج ہمیں اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کی بھی جرأت نہ ہو ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

آج ہمارے معاشرے میں بہت سے ایسے غیر اسلامی و غیر شرعی رواج اور رسمیں ایجاد ہوگئی ہیں کہ جو نہ صرف آخرت کے اعتبار سے نقصان دہ اور گناہ ہیں بلکہ دنیا کے اعتبار سے بھی تباہ کن اور مہلک ہیں لیکن ہماری قوم ان رسموں میں اس طرح منہمک ہے کہ کسی طرح چھوڑنے کے لئے تیار نہیں خواہ ان کی خاطر کتنا ہی مال و دولت اور قیمتی اوقات ضائع نہ کرنے پڑیں اور کتنی ہی جان کیوں نہ کھپانی پڑے اور دین سے بھی محرومی ہو اور اس شعر کا مصداق ہی کیوں نہ بن جائیں۔ ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔

یوں تو مسلم قوم آج بے شمار معصیتوں اور گناہوں، منکرات و فواحش اور بے ہودہ و غیر اسلامی رسوم و رواج میں مبتلا ہے ان سب کو شمار کرنے کے لئے بڑے دفتر درکار ہیں۔

ہمارے معاشرے کی ان گندی اور گھناؤنی رسموں میں سے ایک رسم بسنت کی رسم یا بسنت کا تہوار ہے، جس میں آج ہماری قوم اپنی جان، مال، وقت اور تن، من دھن کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کر رہی بلکہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ یہ غیروں کا نہیں ہمارا تہوار ہے۔

حالانکہ بسنت کی ابتداء اصلاً ہندوؤں کی طرف سے ایک خاص موقعہ پر ہوئی تھی (جس کی تفصیل آگے آتی ہے) اور قیامِ پاکستان سے پہلے بسنت کو عام سطح پر بھی ہندوؤں کا ہی تہوار سمجھا جاتا تھا،

لیکن بعد میں دیکھا دیکھی سادہ لوح مسلمانوں نے بھی آہستہ آہستہ دیدہ دانستہ یا نادانستہ طور پر اس رسم کو اپنانا شروع کر دیا۔

پہلے تو یہ رسم کسی ایک شہر ہی تک محدود تھی، لیکن بڑھتے بڑھتے اب اس رسم کا دائرہ اتنا وسیع ہو چکا ہے کہ اس رسم کو ہر بڑے شہر میں عمومی اور اجتماعی سطح پر منانا شروع کر دیا گیا ہے (آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟)

اب صورتِ حال یہ ہے کہ بسنت کی تاریخ کا اعلان کرنے اور دیگر انتظامی امور انجام دینے کے لئے ملکی اور شہری سطح پر باقاعدہ اس کے لئے کمیٹیاں قائم ہو چکی ہیں۔

بڑے بڑے نام نہاد دانشور، سیاست دان، کھلاڑی، طلبہ، طالبات، صحافی، فلمی و غیر فلمی اداکار، موسیقی کے فنکار، مرد، عورتیں، امیر و غریب، چھوٹے بڑے بلاتفریق سب ہی بڑھ چڑھ کر کسی نہ کسی حیثیت سے اس میں حصہ لیتے ہیں، اور اپنے آپ کو ماڈرن کہلانے اور جدت پسند ظاہر کرنے کا مؤثر ذریعہ سمجھتے ہیں۔

امیر گھرانوں کی خواتین، سیاست دان اور بیوروکریٹ نعوذ باللہ شراب و کباب کی محفلیں سجا کر اہتمام کے ساتھ اس کا جشن مناتے ہیں۔

اس رسم میں شرکت کے لئے ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر کیا جاتا ہے۔

اور اس رسم کے لیے ایک دوسرے کی دعوتیں کی جاتی ہیں، بلکہ اس کے لئے باقاعدہ دعوت نامے جاری کئے جاتے ہیں۔

بڑے بڑے ہوٹلوں کی چھتیں اس کے لئے بک کرائی جاتی ہیں۔

کئی کئی دن پہلے گڈیوں کی خرید و فروخت کے لئے پتنگ فروشوں کی دوکانوں کے چکر لگانا شروع کر دیئے جاتے ہیں، جہاں ہر قسم کی رنگ برنگی اور نت نئی چھوٹی بڑی پتنگوں اور گڈیوں کا ذخیرہ موجود ہوتا ہے، جن میں اعلیٰ، درمیانی اور ادنیٰ درجہ اور ہر طرح کی پتنگیں اور گڈیاں دستیاب ہوتی ہیں، بعض لوگوں کی طرف سے تو انسانی قد و قامت سے اونچی، مہنگی ترین گڈیوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔

نہ انہیں خریدنے اور بیچنے کو کوئی گناہ سمجھتا ہے اور نہ اڑانے اور لوٹنے کو بلکہ اس کو خوشی منانے اور عید کی طرح کا ایک تہوار اور اپنی شان و شوکت بڑھانے کا ایک مہذب طریقہ سمجھا جاتا ہے۔

بسنت کی رات میں اس قدر روشنی کا انتظام و اہتمام کیا جاتا ہے کہ دن کا سماں محسوس ہوتا ہے۔

بڑے بڑے ڈیکوں کے ذریعہ موسیقی اور گانوں کی آواز سے ساری رات علاقہ کی فضاء کو مسموم رکھا جاتا ہے۔

لاؤڈ اسپیکر، آتش بازی، فائرنگ بگل شنکھ اور بوکاٹا کے نعروں سے کان پڑی سنائی نہیں دیتی۔

اونچی اونچی کئی منزلہ عمارتوں کی چھتوں پر چڑھ کر پتنگ بازی کا مقابلہ ہوتا ہے جس کے لئے بڑے بڑے ہوٹلوں اور دیگر عمارتوں کی چھتوں کو پہلے سے بک کرالیا جاتا ہے۔

پھر اس مقابلہ پر جوا لگایا جاتا ہے اور کھلے آسمان کے نیچے اللہ تعالیٰ کے غیض وغضب کو دعوت دی جاتی ہے۔

عورتوں مردوں کا مخلوط اجتماع اور بے پردگی کا بازار گرم ہوتا ہے۔

مختلف قسم کے رنگوں نقشوں اور گڈی پر بنی ہوئی تصاویر وغیرہ کے ذریعہ ''عشق بازی'' اور شریعت کی نظر میں ''فسق بازی'' کے مراسم اور تعلقات کو ہوا دی جاتی ہے۔

بعض اوقات اشتعال انگیز جملوں سے لڑائی اور قتل وغارت گری تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے، جدید ترین اسلحہ کے استعمال اور اندھا دھند فائرنگ سے مریضوں بوڑھوں اور بچوں کو تکلیف پہنچنا تو درکنار کئی موتیں تک واقع ہوجاتی ہیں یا بہت سے لوگ زخمی ہوجاتے ہیں۔

کٹی ہوئی گڈیاں اور ڈور لوٹنے کے چکر میں کئی انسانوں کی جانیں یا اعضاء ضائع ہوجاتے ہیں۔

اور راستوں، گزرگاہوں پر ٹریفک کا نظام درہم برہم ہوکر رہ جاتا ہے۔

بعض بچے بلند و بالا عمارتوں کی چھتوں سے گر کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں یا سخت زخمی ہوکر ہمیشہ کے لئے معذور ہوجاتے ہیں۔

پتنگ میں استعمال ہونے والی تیز ترین (پلاسٹک، لوہے کی تار یا دھاگے کی) ڈور سے انسانی اعضاء کٹ جاتے ہیں، بجلی کے تاروں سے ٹرانسفارمر جل جاتے ہیں اور پورا علاقہ اندھیرے میں ڈوب

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

جاتا ہے۔

بجلی منقطع ہوجانے سے مسجدوں میں وضو اور گھروں میں پانی کے لئے شدید مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں۔

بار بار بجلی کے جھٹکوں سے لوگوں کے بلب پنکھے، موٹریں، فریج بلب اور دیگر مشینریاں و آلات جل جاتے ہیں۔

بجلی کی فراہمی بند ہونے سے کئی مریض آپریشن تھیٹر میں ادھوری حالت میں دم توڑ جاتے ہیں شوروغل کی وجہ سے مسجدوں اور گھروں میں نماز پڑھنا اور ذکر و تلاوت کرنا محال ہوجاتا ہے، گھروں میں بوڑھوں، بچوں اور بیماروں کو آرام کرنا اور سونا دوبھر ہوجاتا ہے۔

ان تمام خرابیوں کے باوجود ذرائع ابلاغ بڑھ چڑھ کر اس کھیل کی پذیرائی میں حصہ لیتے ہیں، مثلاً یہ کہ ''بسنت روایتی جذبے اور عقیدت واحترام کے ساتھ منایا گیا''

وغیرہ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ مسلمانوں کی عقیدت واحترام کا اس سے کیا تعلق ہے؟

نماز روزے سے زیادہ اہتمام

زیادہ تر بسنت کی رسم میں پیش پیش وہ لوگ نظر آتے ہیں جنہیں نہ تو نماز کی پابندی کی توفیق ہوتی اور نہ ہی دوسرے فرائض ادا کرنے کی، ان کے پاس نہ تو صدقہ خیرات کی گنجائش نظر آتی اور نہ ہی کسی غریب کے نان شبینہ کا انتظام کرنے کی، نہ زکوٰۃ کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کی اور نہ ہی صدقۂ فطر نکالنے کی، ہزاروں بندگانِ خدا نماز، روزہ کی نعمت سے محروم ہیں زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور قربانی ادا نہیں کرتے، غریب نان شبینہ تک کے محتاج ہیں مگر اس کے باوجود بسنت کی وباء سے نہیں بچاتے۔

نماز روزے کے پابند ہوکر بھی اس رسم میں مبتلا ہیں

بعض لوگ ایسے بھی دیکھنے میں آئے ہیں جو نماز روزے کی پابندی بھی کرتے ہیں بلکہ حج بھی کیے ہوئے ہوتے ہیں اور عمر کے اعتبار سے بھی بزرگ معلوم ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود بسنت کی

رسم میں مبتلا ہیں، اور اس رسم کو انجام دینے سے نہ ان کے نماز روزے میں خلل واقع ہوتا اور نہ ہی حج ان کے لئے رکاوٹ بنتا اور نہ ہی ان کا صورت اور شکل اور عمر کے اعتبار سے بزرگ یا صاحبِ اولاد ہونا ان کے لئے شرم کا باعث ہوتا بلکہ کچھ منچلے تو ایسے بھی سننے میں آئے ہیں جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ مل کر اس رسم کو انجام دیتے ہیں۔ گویا کہ وہ اس کا مصداق بن جاتے ہیں ؎

ہم تو ڈوبے تھے صنم تمہیں بھی لے ڈوبے

بسنت کے لیے شب بیداری

جن لوگوں کو عمر بھر بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ایک رات جاگنے کی توفیق نہیں ہوتی یہی لوگ بسنت کے موقع پر پوری پوری رات کھلے آسمان تلے گرمی اور سردی کی پرواہ کئے بغیر جاگ کر اور قیام کر کے گزار دیتے ہیں، ان لوگوں کو اس موقع پر نہ سردی کا خوف ہوتا اور نہ گرمی کا، نہ کمزوری اور بیماری کا اور نہ ہی کسی قسم کی مصروفیت کا، مگر جب اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت کا معاملہ آتا ہے تو یہی لوگ مختلف قسم کے مذکورہ حیلے بہانے پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

بسنت کی مروجہ رسم میں کئی بڑے بڑے گناہ اور حرام چیزیں جمع ہیں، جن میں سے چند ایک ذیل میں پیش ہیں:

کھیل تماشا اور غفلت

بسنت اور پتنگ بازی ایک ایسا کھیل اور تماشا ہے جس میں بہت زیادہ انہماک اور غفلت پائی جاتی ہے اور قرآن وحدیث میں جگہ جگہ ایسی چیزوں کی ممانعت آئی ہے، جو ایسی غفلت کا باعث ہوں اور ان چیزوں کو مشرکوں کا طرزِ عمل بتلایا گیا ہے، اور بہت سی قوموں پر اسی کھیل کود کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے سخت عذاب بھی نازل کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو سورہ اعراف آیت نمبر ۹۸)

کھیل کود کو زندگی کا مقصد بنانا کسی حال میں درست نہیں، ایسا کرنا دراصل انفرادی اور اجتماعی سطح پر دنیا و آخرت کے خسارے کو دعوت دیتا ہے۔

غفلت ہی کو قرآن مجید میں جوئے اور شراب کے حرام ہونے کی وجہ بتلائی گئی ہے۔

بسنت کی رسم ایک نئی ایجاد

بسنت نام کی رسم کا قرآن وحدیث اور خیر القرون کے دور میں کوئی ثبوت نہیں ملتا، کسی صحابی، تابعی، یا تبع تابعی نے اس رسم کو انجام نہیں دیا بلکہ یہ بعد کی پیداوار ہے، اس کو عید کے اسلامی تہواروں کی طرح سمجھنا سراسر دین میں زیادتی اور بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے (کمافی الحدیث)

بسنت غیر اسلامی تہوار

تاریخی حقائق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بسنت بنیادی طور پر ہندوؤں اور غیر مسلموں کا تہوار تھا اور مسلمانوں کا اس سے دور کا بھی کوئی تعلق اور واسطہ نہ تھا، گذشتہ دوسو سالوں میں ہندو اِسے لاہور میں حقیقتِ رائے نامی شخص کے یومِ شہادت کے طور پر مناتے تھے، اس تہوار کا آغاز ہندوؤں کی طرف سے نبی ﷺ اور فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کرنے والے شخص کی یاد میں ہوا۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (۱) پنجاب آخری مغل دورِحکومت (Punjab Under the later last Mughals) مصنف: ہندو مورخ جناب ڈاکٹر ایس۔ بی نجار (Dr.S.B. Nijjar) (۲) تاریخ گوردوارہ شہید گنج، مصنف: گیانی خزان سنگھ سابق لیکچرار اورینٹل کالج لاہور (۳) **ٹرانسفرمیشن آف سکھ ازم**، مصنف: ڈاکٹر سرگوکل چند نارنگ (۴) کتاب الہند، مصنف: علامہ ابوریحان البیرونی (۵) تفصیلی حوالہ جات کے لئے دیکھئے ''بسنت کیا ہے'' مطبوعہ: دارالافتاء والارشاد: ناظم آباد کراچی)

اور اسلامی نقطۂ نظر سے ہرگز گستاخِ رسول ﷺ کو شہید کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔

افسوس کا مقام ہے کہ دشمنانِ اسلام کے تہوار کے لئے نام نہاد مسلمانوں نے بسنت کے نام پر اپنے تن من دھن کی قربانی لگا رکھی ہے۔

غور کرنا چاہئے کہ حشر کے دن بسنت منانے اور اس میں تعاون کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے۔

اسلامی ملک میں تو غیر مسلموں کو بھی اپنے مذہبی تہواروں کو کھلے عام منانے کی شرعاً اجازت نہیں، تو

خود مسلمانوں کا غیر مسلموں کے تہوار میں شریک ہونا اور اس کو خود سے انجام دینا کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔

غیر مسلموں کے تہوار اور عیدوں میں شریک ہونے کے بارے میں کئی احادیث وروایات پہلے گزر چکی ہیں، جن میں کافروں اور مشرکوں کو اللہ کا دشمن فرما کر ان کے تہواروں میں شرکت سے منع فرمایا گیا ہے، اور ان میں شرکت وشمولیت پر سخت وعیدیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

لہٰذا بسنت منانے والوں کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئے۔

بعض لوگ مروجہ بسنت کے بارے میں مختلف تاویلات کرتے ہیں مثلاً یہ کہ اس تہوار کا ہندوؤں کے مذہب سے کوئی تعلق نہیں یا یہ کہ ہندوؤں کے ہاں اس کے ساتھ دوسرے کام بھی کئے جاتے ہیں اور ہم وہ کام نہیں کرتے، یا یہ کہ اب یہ ہندوؤں کا تہوار نہیں رہا بلکہ مسلمانوں کا تہوار بن گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کی تاویلات کا جواب بھی اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوگیا دراصل یہ تاویلات بھی صرف اپنے آپ کو تسلی دینے اور اپنی نفسانی خواہشات پوری کرنے کے لئے ہیں اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان تاویلات کو پیش کر کے نجات ممکن نہیں۔

سیٹی اور تالی بجانا

بسنت کے موقع پر دوسرے ہنگاموں کے ساتھ بار بار سیٹی اور تالیاں بجا کر مزید اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کو دعوت دی جاتی ہے، جبکہ سیٹی اور تالی بجانے کو قرآن مجید میں مشرکوں کی عبادت قرار دیا گیا ہے (ملاحظہ ہو: سورہ انفال آیت ۳۵)

مال ودولت کا ضیاع

بسنت کی رسم میں پیسے کا بے جا اسراف ہے، ہر سال اس بے ہودہ رسم پر لاکھوں، کروڑوں روپیہ برباد کر دیا جاتا ہے، اچھے سے اچھے کاغذ اور زیب وزینت اور بڑے بڑے سائز والی گڈیوں کا انتخاب کیا جاتا ہے، بعض گڈیاں پانچ، پانچ، چھ، چھ سو روپے اور اس سے زیادہ قیمت کی بھی ہوتی

ہیں اسی طرح ڈور بھی مہنگی ہوتی ہے اور اسپیشل طور پر باہر کے ملکوں سے برآمد کی جاتی ہے، بسنت کی ایک رات میں بجلی کی بہت بڑی مقدار خرچ ہو جاتی ہے اور اس سے ملک وملت کی کوئی ترقی ظاہر نہیں ہوتی کئی مقامات پر بجلی کے ٹرانسفارمرز جل جاتے ہیں جو کہ سراسر فضول خرچی ہے اور فضول خرچی حرام ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

بے شک بے موقع (مال ودولت) اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں ،
اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے (بنی اسرائیل آیت ۲۷ پ ۱۵)

معلوم ہوا کہ فضول خرچی کا گناہ کرنے والے ان گناہوں میں شیاطین کے دوست اور تابعدار ہیں اور خطرہ ہے کہ فضول خرچی کرنے والے جہنم میں شیاطین کے ہمراہ اور ان کے ساتھی ہوں (العیاذ باللہ) (کذا فی روح المعانی)

ایک حدیث میں ہے کہ لوگ قیامت کے دن مال کے بارے میں سوال ہونے سے پہلے اپنی جگہ سے قدم نہیں ہٹا سکیں گے (صحیح مسلم)

اس رسم کی وجہ سے لاکھوں روپیہ ضائع ہو کر ردی کی نظر ہو جاتا ہے نہ کوئی دین کا فائدہ ہوتا بلکہ الٹا نقصان ہی ہوتا ہے اور نہ دنیا کا کوئی فائدہ۔ اگر یہی رقم غریبوں، مسکینوں، ناداروں، دینی مدرسوں اور رفاہی کاموں پر خرچ کی جائے تو کتنے تنگدست گھرانے خوشحال ہو جائیں ، بیمار تندرست ہو جائیں ، روزی کے محتاج برسر روزگار ہو جائیں ، جاہل علم کی دولت سے بہرہ ور ہو جائیں ، اور دوسرے اجتماعی ضرورت کے کاموں کا انتظام ہو جائے۔

جان کا ضیاع

پتنگ بازی اور خاص طور پر بسنت کے موقع پر بے شمار قیمتی جانوں کا ضیاع ہوتا ہے، چھت سے نیچے گر کر مرنے یا ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء ناکارہ اور ضائع ہونے کے واقعات کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ، پتنگ میں استعمال ہونے والی ، تانبے ودھات اور دوسری چیزوں سے تیار شدہ تیز ترین ڈور سے ذبح ہو کر یا بجلی کا کرنٹ لگ کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے اور ہمیشہ کے لئے معذور ہو جانے

والے افراد اس کے علاوہ ہیں ، اسی طرح پتنگ اورڈور لوٹنے کے دوران ٹریفک حادثات اورایکسیڈنٹ سے کئی افراداور بچے فوت یا زخمی ہوجاتے ہیں اوراپنے اختیار سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنایاکوئی ایسا کام کرنا جو ہلاکت کا سبب بنے ایک طرح سے خودکشی کے مترادف ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (سورۂ بقرہ آیت ۱۹۵)

ترجمہ: یعنی اپنے آپ کواپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو۔

اس کے برعکس پتنگ بازی کی خاطر فوت ہوجانے والے کے بارے میں منچلوں کا دعویٰ یہ ہے کہ:

''عاشق نے جان کا نذرانہ پیش کردیا''

تف ہے ان لوگوں کی گندی سوچ پر کیونکہ جان کا نذرانہ وقربانی تو اللہ تعالیٰ کے راستہ اور جہاد میں پیش کی جاتی ہے نہ کہ ہندوؤں کے مذہبی تہواروں پر۔

یہ دعویٰ تو دیوی اوردیوتاؤں کے پجاری کافر بھی اپنی دیوی اوردیوتاؤں کے نام پر بھینٹ چڑھانے کے بارے میں کرتے ہیں۔

جان کے نذرانے اورخودکشی کے درمیان اصل فیصلہ قیامت کے دن ہی ہوگا،جبکہ دوسری طرف یہی منچلے لوگ عیدالاضحیٰ پر جانوروں کی قربانی کوفضول خرچی قرار دیتے اوراس سے جان چراتے نظر آتے ہیں۔

وقت کا ضیاع

اللہ تعالیٰ نے انسان کواس دنیا میں بہت تھوڑے وقت کے لئے ایک خاص مقصد کی غرض سے بھیجا ہے انسان کا اصلی سرمایہ اورراُس المال خوداس کا وقت ہے اوردنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

پتنگ اور بسنت بازوں کا وقت جس بے دردی اور بےفکری کے ساتھ ضائع اور برباد ہوتا ہے اس کا اندازہ پوری طرح قیامت کے روز ہی ہوگا، جس دن ایک ایک لمحہ کا حساب ہورہا ہوگا اور فضول وقت ضائع کرنے والوں کوحسرت اورکفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

جمعہ کی بے حرمتی

عموماً چھٹی کا دن سمجھ کر جمعہ کی رات اور جمعہ کا دن پتنگ اڑانے اور خاص کر بسنت منانے کے لئے مخصوص کیا جاتا ہے اور عین جمعہ کی نماز کے وقت بھی بسنت کی ہنگامہ آرائی جاری رہتی ہے، یہ اور بھی غضب ناک بات ہے جمعہ کا دن اور اس کی رات تو اسلام میں عبادت کے لئے مخصوص تھے۔[1] مگر ان لفنگوں اور ملنگوں نے اس کا یہ حق ادا کیا کہ عبادت کی جگہ کافروں اور ہندوؤں کے تہوار کو دے دی، کیا قیامت کے روز اپنے مسلمان ہونے کا یہی ثبوت پیش کیا جائے گا؟

بعض لوگ عید کے دن پتنگ اڑاتے ہیں، یہ بھی گناہ در گناہ والا عمل ہے۔

ایذاءِ مسلم

بسنت منانے والے پڑوسیوں اور اہلِ علاقہ کے لوگوں کو تکلیف اور ایذاء پہنچانے کا بھی باعث ہوتے ہیں، ہوائی فائرنگ، موسیقی، نعرہ بازی، شوروشغب اور غیر ضروری روشنی کی وجہ سے بعض خواتین وحضرات پریشان اور نیند وآرام سے محروم رہتے ہیں، مریضوں کو آرام اور عبادت کرنے والوں کو اپنی عبادت میں خلل آتا ہے اور بے پردگی کی وجہ سے بعض لوگوں کو اپنے گھریلو معاملات میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، مسافروں اور راہگیروں کو اپنی منزل تک پہنچنے میں دشواری پیش آتی ہے اور کسی مسلمان کو بے جا تکلیف پہنچانا اسلام کی رو سے سخت گناہ کی بات ہے۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ (بخاری، مسلم، ترمذی)

صحیح مسلمان وہی ہے جس کی زبان، ہاتھ (اور دوسرے اعضاء) سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے

---

[1] جمعۃ المبارک اور اس کی رات کی اہمیت وفضیلت معلوم کرنے کے لئے ہماری کتاب ''جمعۃ المبارک کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں۔

حق تلفی

عام طور پر پتنگ اور بسنت باز بغیر اجازت کے جہاں چاہیں چھتوں پر چڑھ جاتے ہیں اور کسی دوسرے مسلمان کی اجازت کے بغیر اس کی چھت یا دیوار پر چڑھنا جائز نہیں ،جس سے بعض اوقات دوسروں کے گھروں میں بھی نظر پڑتی ہے یہ مستقل گناہ ہے۔

پھر پتنگ اڑانے والوں میں سے ہر ایک کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کی پتنگ کو کاٹ کر اس کو نقصان پہنچائے۔

اسی طرح دوسروں کی پتنگ کو لوٹنے اور ڈور وغیرہ حاصل کرنے کا بھی معاملہ ہے،اور یہ تمام چیزیں دوسرے کی جانی یا مالی حق تلفی میں داخل اور گناہ ہیں۔

بے پردگی و بدنظری

بہت سے مواقع پر بسنت کے موقع پر عورتوں مردوں کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے اور بے پردگی، بدنظری اور بے حیائی کا گناہ عام ہوتا ہے جس کو حدیث میں آنکھوں کا زنا بتلایا گیا ہے۔ [1]

ہر مسلمان بخوبی واقف ہے کہ نامحرم عورت یا مرد کو بلا کسی شدید شرعی ضرورت کے دیکھنا کسی طرح بھی جائز نہیں بے راہ روی کی پہلی بنیاد نامحرموں کو دیکھنا ہے جس انسان کو نت نئی عورتوں کو مختلف انداز میں دیکھنے کی چاٹ لگ جاتی ہے وہ انسان رفتہ رفتہ تباہی کے راستہ پر نکل جاتا ہے۔

آتش بازی

بعض لوگوں کی طرف سے بسنت کے موقع پر آتش بازی کا بھی خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔

اورآتش بازی کی رسم بھی بنیادی طور پر ہندوؤں کے مذہب سے لی گئی ہے۔

---

[1] عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍعَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَالْيَدَانِ تَزْنِيَانِ وَالرِّجْلَانِ تَزْنِيَانِ وَالْفَرْجُ يَزْنِي(مسند احمد مسند أبى يعلى الموصلى)

اِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنْ الزِّنَا أَدْرَكَهُ لَا مَحَالَةَ وَزِنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ وَزِنَا اللِّسَانِ النُّطْقُ وَالنَّفْسُ تَمَنَّى وَتَشْتَهِي وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذَلِكَ أَوْ يُكَذِّبُهُ(مسند احمد)

پھراس کی زد میں آ کر بے شمار بچے اور بڑے جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں یا ہمیشہ کے لئے معذور ہوجاتے ہیں، اور قوم کا جو پیسہ برباد ہوتا ہے وہ الگ ہے، یہ رسم نہ صرف ایک بے لذت گناہ ہے بلکہ اس کی دنیوی تباہیاں بھی ہمیشہ آنکھوں کے سامنے آتی ہیں آتش بازی میں اپنے مال کا ضائع کرنا ہے اور بے جا اسراف ہے، جو دنیا و آخرت میں خسارے کا ذریعہ ہے۔

موسیقی

بعض جگہ بسنت کے موقعہ پر بے ہودہ اور لچر موسیقی اور گانے بجانے کے مناظر سامنے آتے ہیں، بسنت باز پورے علاقہ اور فضاء کو موسیقی اور گانوں کی ملعون ومبغوض اور شیطانی آواز سے مکدر کردیتے ہیں پتنگ اور بسنت کے موضوع پر مستقل گانے تیار کئے جاچکے ہیں اور اس موقع پر خاص قسم کا باجا ''بگل'' زیادہ استعمال کیا جاتا ہے جو کہ خاص ہندوؤں کی تہذیب اور مذہب کا حصہ ہے کیونکہ ان کے ہاں خاص موقعوں پر عبادت سمجھ کر اس کو بجایا جاتا ہے۔

اور اس کی آواز سراسر شیطانی آواز محسوس ہوتی ہے۔

پھر اس کے ساتھ ساتھ ناچ کر اور بھنگڑے ڈال کر رہی سہی کسر بھی پوری کردی جاتی ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ(ابو داؤد)

ترجمہ: گانا دل میں نفاق اُگاتا ہے (ترجمہ ختم) [1]

تصویر کا گناہ

بہت سی پتنگوں میں مختلف جانوروں یا انسانوں کی تصویریں ہوتی ہیں، جن میں بہت سی تصویریں

---

[1] عن أبي وائل ، أنه دعي إلى وليمة فرأى لعابين فخرج وقال : سمعت ابن مسعود يقول : الغناء ينبت النفاق في القلب ، كما ينبت الماء البقل(الإبانة الكبرى لابن بطة)

عَنِ ابْنِ مسعود رضی الله عنه قال ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله قال هو والله الغناء

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ الإسناد ولم يخرجاه(الْمُسْتَرَكُ عَلَى الصَّحِيحَيْنِ)

عریاں اور نیم عریاں اور فحش انداز کی ہوتی ہیں۔

اللہ کی پناہ! ذرا سوچئے ایک تو خود پتنگ بازی اور بسنت کا گناہ پھر تصویر کا گناہ کس قدر غضبناک بات ہے، ان تصاویر کا کھینچنا، بنانا، چھاپنا، دیکھنا، پسند کرنا یہ سب چیزیں درجہ بدرجہ گناہ میں داخل ہیں۔

مقابلہ بازی

عموماً بسنت منانے والوں میں آپس میں اعلیٰ سے اعلیٰ پتنگیں اڑانے کا مقابلہ ہوتا ہے ہر شخص اس گناہ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ اس کی زیادہ سے زیادہ تعریف ہو، گناہوں میں مقابلہ کرنا اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا اور دوڑ لگانا کیسے جائز ہوسکتا ہے اور پھر اس گناہ پر فخر، دکھلاوا اور بڑائی اس گناہ کی سنگینی کو اور بڑھا دیتا ہے۔

بسنتی اور تحفہ تحائف

بعض لوگوں میں بسنت کے موقع پر ایک دوسرے کو تحفہ تحائف کا بھی نذرانہ پیش کیا جاتا ہے جس کو بسنتی کا نام دیا جاتا ہے اس موقع پر تحفہ تحائف پیش کرنا ایمان شکن معاملہ ہے۔

حکومت، والدین اور سرپرستوں کی مجرمانہ غفلت

شریعت کی طرف سے خصوصاً والدین اور سرپرستوں پر یہ ذمہ داری لگائی گئی ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال اور ماتحت افراد کو گناہوں سے روکنے اور ان کی اصلاح کا اہتمام کریں۔

بطورِ خاص اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بزورِ طاقت گناہوں سے لوگوں کو باز رکھے، کیونکہ قیامت کے روز ان کے بارے میں بھی سوال اور کوتاہی پائے جانے پر مؤاخذہ ہوگا۔

بہت سے لوگ خود تو بڑے دین دار اور صوم وصلوٰۃ کے پابند نظر آتے اور دوسرے گناہوں سے بچنے کے ساتھ ساتھ بسنت اور پتنگ بازی سے بھی پرہیز کرتے اور اس عمل کو گناہ بھی سمجھتے ہیں لیکن ان کی اولاد یا ماتحت افراد پتنگ بازی اور بسنت کی لعنت میں گرفتار ہیں، مگر ان کو اس لعنت سے

بچانے کی فکر نہیں، بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنی اولاد کو اس رسم کے لئے رقم فراہم کرتے ہیں یا ان کے لئے اس رسم کو پورا کرنے کے واسطے راہ ہموار کرتے ہیں۔

اور بہت سے حکومت کے ذمہ داران خود اس رسم میں نہ صرف شریک ہوتے ہیں بلکہ اس کی سرپرستی بھی کرتے ہیں یہ اور بھی خطرناک طرزِ عمل ہے۔

بسنت میلہ دیکھنا

بسنت کے موقع پر بے شمار گناہ اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے کام ہورہے ہوتے ہیں اور گناہ کے مواقع پر جانا یا اس میں کسی قسم کی شرکت کرنا بھی گناہ ہے۔

ایک دفعہ حضور ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا گزر ایسی بستیوں کے کھنڈرات پر ہوا جن پر عذاب آیا تھا، حضور ﷺ نے اپنے سر مبارک پر چادر ڈال لی اور سواری کو بہت تیز چلا کر اس مقام سے جلدی سے گزر گئے۔ [۱]

جب سیدُ الاولین والآخرین، غضب والی جگہ سے بچنے کا اتنا اہتمام فرماتے تھے تو عوام کا کیا حشر ہوگا؟

سوچنا چاہئے کہ گناہوں کی وجہ سے اس وقت کوئی عذاب آگیا تو کیا نظارہ دیکھنے والے اس عذاب

---

[۱] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحِجْرِ قَالَ لَا تَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ أَنْ يُصِيبَكُمْ مَا أَصَابَهُمْ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ ثُمَّ قَنَّعَ رَأْسَهُ وَأَسْرَعَ السَّيْرَ حَتَّى أَجَازَ الْوَادِيَ (بخاری حدیث نمبر ۴۰۶۷)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِسْكِينٍ أَبُو الْحَسَنِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ بْنِ حَيَّانَ أَبُو زَكَرِيَّاءَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَزَلَ الْحِجْرَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ أَمَرَهُمْ أَنْ لَا يَشْرَبُوا مِنْ بِئْرِهَا وَلَا يَسْتَقُوا مِنْهَا فَقَالُوا قَدْ عَجَنَّا مِنْهَا وَاسْتَقَيْنَا فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَطْرَحُوا ذَلِكَ الْعَجِينَ وَيُهَرِيقُوا ذَلِكَ الْمَاءَ وَيُرْوَى عَنْ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ وَأَبِي الشُّمُوسِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِإِلْقَاءِ الطَّعَامِ وَقَالَ أَبُو ذَرٍّ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اعْتَجَنَ بِمَائِهِ (بخاری حدیث نمبر ۳۱۲۷)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

سے بچ جائیں گے؟

اور جس طرح عبادت کو دیکھنا عبادت ہے اسی طرح گناہ کو دیکھنا بھی گناہ ہے اس کے علاوہ گناہ کے مواقع پر شریک ہونے سے گناہ گاروں کی رونق بڑھتی ہے اور ان کی رونق بڑھانا گناہ ہے، احادیث وروایات میں اس کی ممانعت آتی ہے۔

بسنت میلے میں شریک ہونے میں اس رسم منانے والوں کے ساتھ تشبہ ہے، اور تشبہ کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: جس نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ اسی میں شمار ہوگا (ابوداؤد، مسند احمد)

لہٰذا بسنت اور پتنگ بازی کے میلوں میں شریک ہونا جائز نہیں۔

بسنت منانے اور پتنگ بنانے کے لئے جگہ فراہم کرنا

بعض لوگ پتنگ سازوں اور پتنگ فروشوں کو اپنی دوکان ومکان وغیرہ کرایہ پر دیتے ہیں، یہ بھی شریعت کی نظر میں گناہ ہے کیونکہ اس میں گناہ کا تعاون پایا جاتا ہے اور گناہ کا تعاون کرنا بھی گناہ ہے۔

بعض لوگ خاص بسنت منانے کے لئے بڑے بڑے ہوٹلوں اور عمارتوں کی چھتیں یا کھلی جگہیں کرایہ پر فراہم کرتے ہیں اس کا گناہ ہونا بھی واضح ہے۔

پتنگ بنانا اور اس کی خرید وفروخت

کیونکہ پتنگ وبسنت بازی ناجائز ہے اس لئے پتنگ کا بنانا اور بیچنا بھی ناجائز ہے اور اس کو بیچ کر جو پیسہ کمایا ہو وہ بھی ناجائز ہے۔ حلال آمدنی کے حق تعالیٰ نے دوسرے بے شمار ذرائع پیدا فرمائے ہیں ان سب کو چھوڑ کر اس کو اختیار کرنا صحیح نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو ہماری محنت کی کمائی ہے یہ کیسے ناجائز ہوسکتی ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ یہ شبہ تو ہر ناجائز محنت کرنے والا کرسکتا ہے جیسا کہ ایک چور نے کہا تھا کہ صاحب ہم تو زیادہ محنت کرتے ہیں وہ اس طرح کہ لوگ رات کو میٹھی نیند سوتے ہیں مگر ہم راحت اور نیند کو قربان کرکے

روزی کا انتظام کرتے ہیں۔

تو کیا چور کے یہ بات کہنے سے چوری کرنا جائز ہو گیا؟ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں، اس طرح یہاں پر بھی سمجھ لیجئے۔

چند تاویلات اور حیلے

اب تک کی گزشتہ تفصیل سے پتنگ بازی اور خاص کر بسنت کا ناجائز اور گناہ ہونا معلوم ہو گیا، اب اس رسم کے شوقین لوگوں کی طرف سے اپنے جواز کے لئے پیش کردہ چند تاویلات پر مختصر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

(۱)...... بعض حلقوں سے یہ آواز سننے میں آتی رہتی ہے کہ:

موسمِ بہار کی آمد پر اظہارِ مسرت کی آزادی ہونی چاہئے کیونکہ موسمِ بہار قدرت کا نمونہ ہے لہٰذا یہ شکر کا ایک طریقہ ہے۔

مگر یاد رکھئے کہ موسمِ بہار کی آمد کے موقع پر مسلمانوں کا اپنا کوئی انداز اور کھیل نہیں ہے اور اگر ہندوؤں کا ہی کھیل اپنانا ضروری ہے تو ان لوگوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس حیثیت سے اس سے زیادہ بہتر بظاہر ہولی کا تہوار ہے کیونکہ اس میں صرف ایک دوسرے پر ''رنگ افشانی'' ہوتی ہے ایک دوسرے کے لباس اور جسم پر رنگ ڈال کر اظہارِ مسرت کیا جاتا ہے اس میں جانوں کا ضیاع نہیں صرف کپڑوں وغیرہ کا ضیاع ہوتا ہے اور مادی اعتبار سے بھی ہولی کا کھیل پتنگ بازی سے زیادہ سستا اور آسان ہے۔

بسنت اور پتنگ بازی کے حامیوں کو اس سستے اور آسان کھیل کی افادیت اور فلسفہ کی بھی راہ نکالنی چاہئے، کیونکہ بھرم کھلنے اور اسلام اور کفر کا دوقومی نظریہ پروان چڑھانے کی اس سے بہتر صورت شاید کوئی اور میسر نہ آئے، مگر عقل کے ماروں اور خواہشات کے پجاریوں سے یہ بھی بعید نہیں۔

(۲)...... پتنگ بازی کے جواز کے بارے میں کچھ لوگوں کو یہ فرماتے بھی سنا گیا ہے کہ:

صاحب اس کے ساتھ ہزاروں افراد کی روزی وابستہ ہے اگر اس پر پابندی عائد کردی

گئی تو ہزاروں لوگ روزی سے محروم ہو جائیں گے۔

لیکن یہ دلیل بھی بالکل لچر ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ جناب چوری ڈکیتی، جوے اور نشہ آور اشیاء سے لاکھوں افراد کی روزی چل رہی ہے اور لاکھوں لوگ ان کے ذریعہ سے اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پال رہے ہیں۔ لہٰذا اگر اس کو شرعاً ناجائز اور قانوناً ممنوع اور جرم قرار دیا گیا تو بہت سے لوگ روزی سے محروم ہو جائیں گے۔

ظاہر ہے کہ اس دلیل کو کوئی بھی عقلمند، سیاست دان اور قانون دان تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا تو بسنت جیسی رسم کو جو کہ اجتماعی طور پر معاشرے کے لئے مہلک اور ملک وملت کے لئے سخت نقصان دہ ہے کیسے روزی وابستہ ہونے کا ذریعہ خیال کیا جارہا ہے۔

پھر حکومت کی طرف سے ہر جائز کاروبار اور ذریعۂ معاش پر ٹیکس عائد کرنے میں بڑی مستعدی اور بہادری کا مظاہرہ کیا جاتا ہے کہیں جنرل وغیر جنرل ٹیکس، کہیں پراپرٹی ٹیکس کہیں دوسرے قسم کے ٹیکس تو اگر حکومت پتنگ فروشوں اور پتنگ بازوں کے مہنگے کاروبار پر بھی مخصوص ٹیکس عائد کردے تو ملک کے ذخائر میں کافی اضافہ ہو کر ملک وملت کا اجتماعی بھلا ہو سکتا ہے۔

اس کو آزما کر دیکھ لیا جائے جلد ہی بہتر نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔

(۳)......بعض مہربانِ قوم کو یہ کہتے بھی سنا گیا ہے کہ:

''بسنت موسمی تہوار ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں''

تعجب کی بات ہے کہ مسلمانوں کی زندگی میں ایسے لمحات بھی آنے شروع ہو گئے، جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اسلام تو ایک جامع دستور اور پوری زندگی کا جامع لائحہ عمل اور نصبُ العین پیش کرتا ہے۔

اسلام دوسرے مذہبوں کی طرح کوئی جز وقتی اور محدود مذہب نہیں۔

افسوس کہ ہم اپنے آفاقی مذہب کو جامع نظریۂ حیات سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔

کیا انہیں آقائے دوجہاں کا یہ فرمان یاد نہیں کہ ہمارے مذہبی تہوار صرف دو ہیں ایک عید الاضحیٰ دوسرے عید الفطر۔

(۴)......بعض لوگ یہاں تک بھی کہہ دیتے ہیں کہ:

بسنت آج کے دور میں ہماری تہذیب وثقافت اور کلچر کا حصہ بن گیا ہے

حالانکہ غیر قوموں اور مسلمانوں کی تہذیب وثقافت بالکل علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو فہمِ سلیم عطا فرمائیں، اور بسنت و پتنگ بازی سمیت ہر قسم کے گناہوں اور خرافات سے بچ کر آخرت کے کاموں میں مشغول ہونے کی توفیق عطا فرمائیں، اور شیطانی چالبازیوں اور مکاریوں وحیلہ بازیوں سے حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپریل فول یا فرسٹ اپریل

مغرب کی اندھی تقلید نے ہمارے معاشرے میں جن بے شمار غیر اسلامی رسموں کو نہ صرف جنم دیا بلکہ ان کو پروان چڑھانے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی اور پوری قوم کے اجتماعی دیوالیہ پن ہونے میں بھی اہم کردار ادا کیا یہاں تک کہ اپنے دین کے ساتھ بھونڈا انداق بنانے تک پر مجبور کر دیا۔

ان میں سے ایک المناک اور شرمناک رسم ''اپریل فول'' یا ''فرسٹ اپریل'' کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے۔

اس ملعون رسم کے ذریعہ اپریل کی پہلی تاریخ میں جھوٹ کے پلندے باندھ کر دوسرے کو دھوکہ دینا، اسے بے وقوف بنانا اور انتہائی شاطرانہ وعیارانہ انداز میں سچ کا خول چڑھا کر اور خوبصورت لیبل لگا کر دوسرے کو نہ صرف تکلیف پہنچانا بلکہ دوسرے کی جان و مال تک سے کھیل جانا ہنرمندی اور عقلمندی سمجھا جاتا ہے، جو شخص جتنی صفائی، ڈھٹائی، چالاکی اور چابکدستی کے ساتھ دوسرے کو ظلم وستم کا نشانہ بنائے، اسے اتنا ہی بڑا پروٹوکول دیا جاتا اور فرسٹ اپریل سے صحیح اور ٹھیک ٹھیک فائدہ اٹھانے والا خیال کیا جاتا ہے۔

یہ بھونڈا انداق جسے دراصل مذاق کا بگاڑ کہنا چاہئے ایسا ہی ہے جیسا کہ پاخانے اور غلاظت کے اوپر چاندی کے ورق چڑھا کر کسی مٹھائی فروش کے خوبصورت شوکیس میں رکھ دیا جائے، جسے دیکھ کر دوسرے ناواقف لوگ عمدہ اور قیمتی حلوا و مالیدہ سمجھیں۔

ظاہر ہے کہ ایسے دھوکہ باز، عیار و مکار شخص کو جعل ساز اور فراڈیے وغیرہ جیسے بُرے القابات سے ہی نوازا جائے گا۔ یہی حال اپریل فول کا گورکھ دھندا کھیلنے والے گرو گھنٹال افراد کا بھی ہے۔

اپریل فول کی رسم منانے والی مسلم قوم کے لئے اس سے زیادہ المیہ کی بات اور کیا ہوگی کہ وہ قوم جس

کو اپریل فول جیسی عقل وشرع کا منہ چڑانے والی اور سراسر دجل وفریب اور کذب پر مبنی رسموں کو ختم کرنے اور مٹانے کے لئے پیدا کیا گیا تھا وہی قوم آج ان رسموں کی والی، وارث اور داعی بن بیٹھی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

اس منحوس و بے ہودہ رسم کی بدولت اب تک دنیا میں نہ جانے کتنی قیمتی جانوں کا ضیاع ہو چکا ہے، کتنے گھر اُجڑ چکے ہیں، کتنے بچے یتیم ہو چکے ہیں، کتنی عورتیں بیوہ ہو چکی ہیں، کتنے لوگوں کے قیمتی مالوں کا ضیاع ہو چکا ہے اور زندگی کے کتنے قیمتی اوقات اس فضول رسم کی خاطر پریشانی اور دوسروں کی تکلیف کی نذر ہو چکے ہیں۔

ایسے بے شمار واقعات اس مردود رسم کے نتیجہ میں رونما ہوئے ہیں، کسی مظلوم شخص کو ایسے سخت صدمے کی اطلاع دے دی گئی اور وہ اس صدمے کی تاب نہ لاکر ہارٹ فیل یا ہارٹ اٹیک کا شکار ہوا اور دنیا سے چل بسا، فرسٹ اپریل کو واقعی کوئی حادثہ ہوا اور گھر والوں کو اطلاع دی گئی مگر وہ بروقت نہ پہنچ سکے اور اپریل فول سمجھ کر یقین نہیں کیا، جس کے نتیجہ میں مریض اور حادثہ کا شکار دم توڑ گیا۔

کسی کے گھر اطلاع دی گئی کہ آپ کے ہاں فلاں فلاں مہمان کھانے پر پہنچ رہے ہیں گھر والوں نے کھانے کا سارا انتظام کیا اور بعد میں اپریل فول ہونا ظاہر ہوا جس کے نتیجہ میں سارا کھانا ضائع ہوا۔

کسی کو اطلاع دی گئی کہ آپ کے فلاں قریبی عزیز کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور فلاں شہر یا فلاں جگہ ہسپتال میں داخل اور ایڈمٹ ہیں، گھر والے دور دراز کا سفر کر کے روتے پیٹتے وہاں پہنچے، سارا ہسپتال چھان مارا، اور تھک کر چور ہو گئے بعد میں معلوم ہوا کہ اپریل فول منانے والوں نے بھونڈا مذاق کر کے شیطانی رسم کا سہرا اپنے سر سجایا ہے۔

کسی کو دوسرے کے متعلق بھڑکا دیا گیا، جس کے نتیجے میں طلاق واقع ہو کر ہمیشہ کے لئے گھر اُجڑ گیا۔ دو خاندانوں میں بغض وعناد کی آگ بھڑک اٹھی، رشتہ داروں میں قطع رحمی پیدا ہو گئی۔

اپریل فول کی رسم عقل کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ کئی خرابیوں اور کبیرہ گناہوں کا بھی مجموعہ

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

ہے، جن میں سے چند گناہ ذیل میں بتلائے جاتے ہیں۔

(۱)......جھوٹ بولنا

جھوٹ بولنا اپریل فول کی ملعون رسم کا پہلا رکن ہے سب جانتے ہیں کہ اس رسم کی بنیاد جھوٹ پر قائم ہے، جھوٹ کے سہارے پر ہی یہ رسم چلتی ہے اگر جھوٹ نہ بولا جائے تو اس رسم کا وجود ہی ختم ہو جائے۔

ایک حدیث میں جھوٹ بولنے کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے، اور یہ بھی ساتھ بتلایا گیا ہے کہ اگر چہ وہ شخص روزہ رکھے، نماز پڑھے اور اپنے بارے میں یہ سمجھے کہ میں صحیح مسلمان ہوں (مسلم)

اپریل فول منانے والے افراد سوچ لیں کہ وہ اس رسم کی زد میں آ کر کہیں نفاق کے مرض میں تو مبتلا نہیں ہو رہے؟

اور جھوٹ کی برائی کے لئے یہی کافی ہے کہ قرآن مجید میں جھوٹوں پر اللہ کی لعنت فرمائی گئی ہے:

''لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ''

اپریل فول منانے والے اللہ تعالیٰ کی اس قرآنی لعنت کا شکار ہوتے ہیں اور جو جو حضرات بھی قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں وہ بھی ان الفاظ کی تلاوت کر کے ان پر بار بار لعنت بھیجتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے رات میں لمبا خواب دیکھا جس میں یہ بھی دیکھا کہ ایک فرشتہ لوہے کے زنبور سے دوسرے شخص کے گال اور کلّے چیر رہا ہے اور چیرتے چیرتے گدی تک جا پہنچتا ہے پھر دوسری طرف کے گال اور کلے کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتا ہے۔

اتنے میں پہلا حصہ درست ہو جاتا ہے پھر اس کے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہے اور یہ سلسلہ برابر چل رہا ہے۔

فرشتے نے آپ ﷺ کو بتلایا کہ اس کو جھوٹ بولنے کی سزا دی جا رہی ہے (بخاری)

اپریل فول منانے والے یہاں دوسرے کو دھوکہ دے کر خوش ہوتے اور ہنستے ہیں اور کل قیامت کے دن اس کا مزہ چکھ لیں گے۔

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

اپریل فول کے بارے میں عام طور پر یہ تاویل کی جاتی ہے کہ ہم حقیقت میں جھوٹ نہیں بولتے بلکہ دوسرے کے ساتھ مذاق کرتے ہیں اور ایک رسم منانے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔

مگر یاد رکھئے کہ مذاق میں بھی دوسرے کے سامنے جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں۔

یہاں تک کہ حضور ﷺ نے چھوٹے بچوں کو بہکانے پھسلانے کے لئے بھی جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے (ابوداؤد وبیہقی)

گناہ کر کے اس میں تاویل کرنے اور اپنے آپ کو گنہگار نہ سمجھنے کی وجہ سے گناہ کی برائی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ برقرار رہتی ہے، بلکہ بعض اوقات ایمان شکن معاملہ تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

آج کل بعض لوگ اپریل فول میں صریح جھوٹ بولنے اور دوسرے کو دھوکہ دینے کو گناہ نہیں سمجھتے بلکہ الٹا اس پر فخر کرتے اور اس میں اپنا کوئی کمال اور ہنر سمجھتے ہیں، جو کہ بہت سنگین جرم ہے۔

شریعت کے کسی واضح حرام حکم کا انکار کرنے اور کسی شرعی حکم کو حقیر اور بے وقعت سمجھنے سے ایمان سے محروم ہونے کا خدشہ ہے، جس کو شریعت کی زبان میں ''استحلالِ معصیت'' اور ''استخفافِ معاصی'' کہا جاتا ہے۔

(۲)......دھوکہ دہی

اپریل فول میں دوسری بڑی خرابی دوسرے کو دھوکہ دینے کی ہے جب اپریل فول کی رسم پوری کرتے وقت جھوٹ بولا جاتا ہے تو دوسرا شخص دھوکہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اور جیسا کہ پہلے گزرا کہ اپریل فول میں پوری ڈھٹائی اور صفائی کے ساتھ جھوٹ بول کر دوسرے کو دھوکہ دینا بڑا ہنر و کمال سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے دوسرے مسلمان کو دھوکہ دینا اپریل فول کا گویا کہ دوسرا بڑا رکن ہے اور یہ بھی حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

''مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا'' (مسلم)

یعنی جو شخص دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔

(۳)......دوسرے کوتکلیف پہنچانا

اپریل فول میں تیسرا بڑااور کبیرہ گناہ دوسرے کوتکلیف اورایذا پہنچانے کا ہے۔
ظاہر ہے کہ جب جھوٹ بول کر دوسرے مسلمان کودھوکہ میں ڈالا جاتا ہے تواس سے اسے جانی یامالی تکلیف پہنچتی ہے۔
کسی کی جان چلی جاتی ہے یامالی نقصان ہوجاتا ہے۔
یاکم ازکم ذہنی تکلیف توضرور پہنچتی ہے۔
قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (سورہ احزاب آیت نمبر ۵۸)

''بے شک جولوگ ناحق ایذا پہنچاتے ہیں مومن مردوں اورعورتوں کو، انہوں نے بہتان اورکھلا گناہ اٹھایا''

(۴)......دوسرے کے ساتھ خیانت اورحق تلفی

اپریل فول میں چوتھا گناہ دوسرے مسلمان کے ساتھ خیانت اورحق تلفی کرنے کا بھی پایا جاتا ہے ایک حدیث میں ہے

كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيثًا هُوَ لَكَ بِهِ مُصَدِّقٌ وَأَنْتَ لَهُ بِهِ كَاذِبٌ (ابوداؤد، کتاب الادب ،باب فی المعاریض ،واللفظ لہٗ، مسند احمد حدیث نمبر ۱۶۹۷۷ ، المعجم الکبیر للطبرانی ۲۲۸۸) [1]

---

[1] امام طبرانی رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل سند کے ساتھ بھی اسے روایت کیا ہے۔
حدثنا الحسن بن علی المعمری ، قال :حدثنا هشام بن خالد الدمشقی ، قال :حدثنا الوليد بن مسلم ، قال :حدثنا ثور بن يزيد ، عن شريح عن جبير بن نفير ، عن النواس بن سمعان الكلابی ، قال :قال رسول الله ﷺ : كفى خيانة أن تحدث أخاك حديثا هو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پرملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایسی بات کہو جس میں وہ تمہیں سچا سمجھے حالانکہ تم جھوٹ بول رہے ہو (ترجمہ ختم)

خیانت کرنے کو کئی احادیث میں منافق کی نشانیوں میں شمار کیا گیا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لک بہ مصدق وأنت به كاذب (طرق حديث من كذب على متعمدا للطبرانی حديث نمبر ۱۴۷)

وقال الهيثمی:

رواه أحمد عن شيخه عمر بن هارون وقد وثقه قتيبة وغيره وضعفه ابن معين وغيره وبقية رجاله ثقات(مجمع الزوائد، ج ۱ ص ۱۴۲)

وقال العراقی فی تخريج احاديث الاحياء:

أخرجه البخاری فی كتاب الأدب المفرد وأبو داوٗد من حديث سفيان بن أسيد وضعفه ابن عدی ورواه أحمد والطبرانی من حديث النواس بن سمعان بإسناد جيد (تخريج احاديث الاحياء تحت حديث رقم ۲۹۳۱)

قال الإمام النووی :

ما رويناه فی "سنن أبی داود "بإسناد فيه ضعف لكن لم يضعفه أبو داود ، فيقتضی أن يكون حسنا عنده كما سبق بيانه عن سفيان بن أسد -بفتح الهمزة -رضی الله عنه قال : سمعت رسول الله (صلى الله عليه وسلم) يقول " :كبرت خيانة أن تحدث أخاك حديثا هو لک به مصدق وأنت به كاذب (الأذكار ج ۱ ص ۲۶۲ ،باب التعريض والتورية،مطبوعة:دارابنِ حزم، بيروت)

وقال ابن حجر الهيثمی:

فمما جاء فی المنع خبر أبی داود بسند فيه ضعف لكنه لم يضعفه هو فيكون عنده حسناً على القاعدة فيما سكت عنه (الفتاوی الحديثية لابن حجر الهيثمی ج ۱ ص ۱۰۶ ، مطبوعه:دارالفكر،بيروت)

وقال ابن حجر العسقلانی:

قال ابن منده غريب وذكر ابن عدی أن محمد بن ضبارة رواه عن أبيه متابعا لبقية ورواه يزيد بن شريح عن جبير بن نفير فقال عن النواس بن سمعان فالله أعلم (الاصابة فی تمييز الصحابة، باب السين بعدها الالف)

(۵)......غیر قوموں کی مشابہت

سب سے شرمناک اور المناک خرابی اپریل فول میں یہ ہے کہ یہ رسم غیر قوموں کی ایجاد اور اسلامی نظریات سے متصادم ہے، اور کافروں و غیر مسلموں کے قومی طور و طریقوں کا اختیار کرنا ناجائز و گناہ ہے (جس کی تفصیل ہم نے پہلے عرض کر دی ہے)

اس کی تاریخی حیثیت کو حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے بہت اچھے انداز میں واضح کیا اور اس پر روشنی ڈالی ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''یہ رسم جس کی بنیاد جھوٹ، دھوکے اور کسی بے گناہ کو بلاوجہ بیوقوف بنانے پر ہے، اخلاقی اعتبار سے تو جیسی کچھ ہے، ظاہر ہی ہے، لیکن اس کا تاریخی پہلو بھی ان لوگوں کے لئے انتہائی شرمناک ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقدس پر کسی بھی اعتبار سے ایمان رکھتے ہیں۔

اس رسم کی ابتداء کیسے ہوئی؟

اس بارے میں مؤرخین کے بیانات مختلف ہیں۔

بعض مصنفین کا کہنا ہے کہ فرانس میں سترہویں صدی سے پہلے سال کا آغاز جنوری کے بجائے اپریل سے ہوا کرتا تھا، اس مہینے کو رومی لوگ اپنی دیوی وینس (Venus) کی طرف منسوب کر کے مقدس سمجھا کرتے تھے، وینس کا ترجمہ یونانی زبان میں Aphrodite کیا جاتا تھا، اور شاید اسی یونانی نام سے مشتق کر کے مہینے کا نام اپریل رکھ دیا گیا (برٹانیکا پندرھواں ایڈیشن ج۸ ص۲۹۲)

لہٰذا بعض مصنفین کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ یکم اپریل سال کی پہلی تاریخ ہوتی تھی، اور اس کے ساتھ ایک بت پرستانہ تقدس بھی وابستہ تھا، اس لئے اس دن کو لوگ جشنِ مسرت منایا کرتے تھے اور اسی جشنِ مسرت کا ایک حصہ ہنسی مذاق بھی تھا جو رفتہ رفتہ ترقی کر کے

اپریل فول کی شکل اختیار کر گیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس جشنِ مسرت کے دن لوگ ایک دوسرے کو تحفے دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے تحفے کے نام پر کوئی مذاق کیا جو بالآخر دوسرے لوگوں میں بھی رواج پکڑ گیا۔

(انسائیکلوپیڈیا) برٹانیکا میں اس رسم کی ایک اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ۲۱/ مارچ سے موسم میں تبدیلیاں آنی شروع ہوتی ہیں، ان تبدیلیوں کو بعض لوگوں نے اس طرح تعبیر کیا کہ (معاذ اللہ) قدرت ہمارے ساتھ مذاق کر کے ہمیں بے وقوف بنا رہی ہے۔

لہٰذا لوگوں نے بھی اس زمانے میں ایک دوسرے کو بے وقوف بنانا شروع کر دیا (برٹانیکا ج ۱ ص ۴۹۶)

یہ بات اب بھی مبہم ہی ہے کہ قدرت کے اس نام نہاد ''مذاق'' کے نتیجے میں یہ رسم چلانے سے ''قدرت'' کی پیروی مقصود تھی، یا اُس سے انتقام لینا منظور تھا؟

ایک تیسری وجہ انیسویں صدی عیسوی کی معروف انسائیکلوپیڈیا ''لاروس'' نے بیان کی ہے، اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے وہ وجہ یہ ہے کہ دراصل یہودیوں اور عیسائیوں کی بیان کردہ روایات کے مطابق یکم اپریل وہ تاریخ ہے جس میں رومیوں اور یہودیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمسخر اور استہزاء کا نشانہ بنایا گیا، موجودہ نام نہاد انجیلوں میں اس واقعے کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، لوقا کی انجیل کے الفاظ یہ ہیں:

''اور جو آدمی اسے (یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو) گرفتار کئے ہوئے تھے اس کو ٹھٹھے میں اڑاتے اور مارتے تھے اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس کے منہ پر طمانچے مارتے تھے اور اس سے یہ کہہ کر پوچھتے تھے کہ نبوت (یعنی الہام) سے بتا کہ کس نے تجھ کو مارا؟ اور طعنے مار مار کر بہت سی اور باتیں اس کے خلاف کہیں'' (لوقا ۲۲: ۶۳ تا ۶۵)

انجیلوں میں ہی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کو یہودی سرداروں اور فقیہوں کی عدالتِ عالیہ میں پیش کیا گیا، پھر وہ انہیں پیلاطس کی عدالت میں لے

گئے کہ ان کا فیصلہ وہاں ہوگا، پھر پیلاطس نے انہیں ہیروڈیس کی عدالت میں بھیج دیا، اور بالآخر ہیروڈیس نے دوبارہ فیصلے کے لئے ان کو پیلاطس ہی کی عدالت میں بھیجا۔

لاروس کا کہنا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک عدالت سے دوسری عدالت میں بھیجنے کا مقصد بھی ان کے ساتھ مذاق کرنا اور انہیں تکلیف پہنچانا تھا اور چونکہ یہ واقعہ یکم اپریل کو پیش آیا تھا اس لئے اپریل فول کی رسم درحقیقت اسی شرمناک واقعے کی یادگار ہے۔

اپریل فول منانے کے نتیجے میں جس شخص کو بے وقوف بنایا جاتا ہے اسے فرانسیسی زبان میں Poisson d'avril کہا جاتا ہے جس کا انگریزی ترجمہ April Fish ہے ،یعنی اپریل کی مچھلی (برٹانیکا ج ا ص ۴۹۶)

گویا جس شخص کو بے وقوف بنایا گیا ہے وہ پہلی مچھلی ہے جو اپریل کے آغاز میں شکار کی گئی لیکن لاروس نے اپنے مذکورہ بالا موقف کی تائید میں کہا ہے کہ Poission کا لفظ جس کا ترجمہ ''مچھلی'' کیا گیا ہے درحقیقت اسی سے ملتے جلتے ایک اور فرانسیسی لفظ Posion کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کے معنی ''تکلیف پہنچانے'' اور ''عذاب دینے'' کے ہوتے ہیں۔لہٰذا یہ رسم درحقیقت اس عذاب اور اذیت کی یاد دلانے کے لئے مقرر کی گئی ہے جو عیسائی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچائی گئی تھی۔

ایک اور فرانسیسی مصنف کا کہنا ہے کہ دراصل Poisson کا لفظ اپنی اصل شکل ہی پر ہے،لیکن یہ لفظ پانچ الفاظ کے ابتدائی حروف کو ملا کر ترتیب دیا گیا ہے،جن کے معنی فرانسیسی زبان میں بالترتیب عیسیٰ، مسیح ، اللہ، بیٹا اور فدیہ ہوتے ہیں (اس تفصیل کے لئے دیکھئے فرید وجدی کی عربی انسائیکلوپیڈیا، دائرۃ معارف القرآن ج ا ص ۲۱و۲۲)

گویا اس مصنف کے نزدیک بھی اپریل فول کی اصل یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانے اور انہیں تکلیف پہنچانے کی یادگار رہے۔

اگر یہ بات درست ہے (لاروس وغیرہ نے اسے بڑے وثوق (اور اطمینان) کے ساتھ

درست قرار دیا ہے اور اس کے شواہد (دلائل) پیش کئے ہیں) تو غالب گمان یہی ہے کہ یہ رسم یہودیوں نے جاری کی ہوگی، اور اس کا منشا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تضحیک (وتوہین) ہوگی۔

لیکن یہ بات حیرتناک ہے کہ جو رسم یہودیوں نے (معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہنسی اڑانے کے لئے جاری کی اسے عیسائیوں نے کس طرح ٹھنڈے پیٹوں نہ صرف قبول کرلیا، بلکہ خود بھی اسے منانے اور رواج دینے میں شریک ہوگئے۔

اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ عیسائی صاحبان اس رسم کی اصلیت سے واقف ہی نہ ہوں اور انہوں نے بے سوچے سمجھے اس پر عمل شروع کردیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عیسائیوں کا مزاج و مذاق اس معاملے میں عجیب وغریب ہے، جس صلیب پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے خیال میں سولی دی گئی بظاہر قاعدے سے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ ان کی نگاہ میں قابل نفرت ہوتی کہ اس کے ذریعے حضرت مسیح علیہ السلام کو ایسی اذیت دی گئی ،لیکن یہ عجیب بات ہے کہ عیسائی حضرات نے اسے مقدس قرار دینا شروع کردیا، اور آج وہ عیسائی مذہب میں تقدس کی سب سے بڑی علامت سمجھی جاتی ہے۔

لیکن مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات ضرور واضح ہوتی ہے کہ خواہ اپریل فول کی رسم وینس نامی دیوی کی طرف منسوب ہو یا اسے (معاذ اللہ) قدرت کے مذاق کا ردعمل کہا جائے ،یا حضرت مسیح علیہ السلام کے مذاق اڑانے کی یادگار ہر صورت میں اس رسم کا رشتہ کسی نہ کسی توہم پرستی یا کسی گستاخانہ نظریے یا واقعے سے جڑا ہوا ہے‘‘

(ماخوذ از ’’ذکر وفکر‘‘ صفحہ ۶۶ تا ۷۰)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اپریل فول منانا گمراہ اور بے دین بلکہ دشمن اسلام قوموں کی مشابہت ہے، اور ایسے واقعہ کی یاد منانا ہے جس کی اصل یا تو بت پرستی ہے یا توہم پرستی یا پھر ایک پیغمبر کے ساتھ گستاخانہ مذاق۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے شمار ہوگا (ابوداؤد)

پس جو لوگ اپریل فول مناتے ہیں ان کے بارے میں اندیشہ ہے کہ وہ قیامت کے دن یہود ونصاریٰ کی صف میں اٹھائے جائیں۔

غیر مسلموں اور کافروں کے قومی امور کو اختیار کرنے اور ان میں شرکت وتعاون کے سخت وبال کا باعث ہونے پر ہم نے متعدد احادیث وروایات پہلے ذکر کردی ہیں، ان کو ملاحظہ کر لینا چاہئے۔

اس لئے تمام مسلمانوں کو نہ صرف فرسٹ اپریل کی اس رسمِ بد سے توبہ کرنی چاہئے، بلکہ حکمرانوں اور مقتدا لوگوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ طاقت اور قانون کے ذریعہ سے اس رسم کو ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی ہر شر سے حفاظت فرمائیں۔

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہیپی نیوائیر یا نیوائیر نائٹ

اسلامی سال کا آغاز محرم الحرام کے مہینے سے ہوتا ہے، اور اختتام ذوالحجہ کے مہینے پر ہوتا ہے۔

لیکن آج ہمارے مسلمانوں کے عام طبقہ اور خاص کر اکثر نوجوان نسل کو نہ تو یہ معلوم ہوتا کہ کون سا اسلامی سن چل رہا ہے، یا شروع ہو رہا ہے، اور کون سا ختم ہو رہا ہے، اور اسلامی سال کا آغاز کس مہینے پر ہوتا ہے اور اختتام کس مہینے پر ہوتا ہے، اور نہ ہی اسلامی مہینوں کے نام یاد ہوتے، اور اس سے بھی زیادہ قابلِ حیرت بات یہ ہے کہ اسلامی مہینوں کے ناموں کی زبان سے ادائیگی اور تلفظ بھی نہیں ہوتا، یعنی ان ناموں کا زبان سے صحیح تلفظ کرنے پر قادر ہی نہیں ہوتے۔

اور نہ ہی یہ علم ہوتا کہ اس وقت کون سا اسلامی مہینہ چل رہا ہے، اس مہینہ کی تاریخ کا علم ہونا تو دور کی بات۔

اور اس کے برعکس جب عیسوی سال و ماہ اور تاریخوں کا معاملہ اور سوال آتا ہے، تو مرد وعورت، بچے بوڑھے سب ہی اس سے آشنا اور واقف کار نظر آتے ہیں، اور ان کے طرزِ عمل سے لگتا ہے جیسا کہ انہوں نے ان ماہ وسال اور تاریخوں کو اپنے مذہب کی چیز سمجھا ہوا ہے۔

جبکہ یہ بات واضح ہے کہ عید وتہوار سمیت اسلامی احکام کا تعلق اسلامی مہینوں اور تاریخوں کے ساتھ ہی وابستہ ہے، عیسوی ماہ وسال کے ساتھ اسلام کا کوئی حکم وابستہ نہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کی مذکورہ حالت انتہائی افسوسناک طرزِ عمل ہے۔

خیر یہ سب کچھ تو اپنی جگہ ہے، اس سے آگے بڑھ کر حد یہ ہے کہ کافروں کی مذہبی وقومی رسوم ورواج میں بھی مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا ہے، اور نہ صرف ان میں شرکت وحصہ داری شروع کر دی ہے، بلکہ حیاء سوز حرکات وسکنات کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے۔

غیر مسلموں اور کافروں کے جو مذہبی یا قومی تہوار آج کل دنیا میں رائج ہیں، ان میں سے ایک تہوار عیسوی سال کے آغاز پر ''ہیپی نیوائیر'' یا ''نیوائیر نائٹ'' ہے۔

عیسوی سال کا آغاز جنوری کے مہینہ سے ہوتا ہے۔

ہر عیسوی سال کے آغاز پر ہیپی نیوایئر کے عنوان سے جنوری کے مہینہ میں یہ رسم منائی جاتی ہے، جس میں بعض علاقوں میں تعطیلِ عام ہوتی ہے، لوگ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں، اور کارڈ وغیرہ بھیجتے ہیں، اوراس کے علاوہ کئی حیاسوز حرکات ہوتی ہیں۔

ہم تاریخی اعتبار سے غور کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ زمانے میں نئے سال کا استقبال مختلف تاریخوں میں ہوتا رہا ہے، برطانیہ اور امریکا میں سترہویں صدی میں جنوری سے شروع ہونے والے کیلنڈر کو اختیار کیا گیا، چنانچہ جنوری کے پہلے دن کو نئے سال کے طور پر منایا جانے لگا، یہودی لوگ مخصوص کھانے پکانے کے ساتھ مذہبی تقریبات منعقد کرتے، جنوبی ایشیا کے لوگ پرندے آزاد کرتے، لیکن یہ ابتدائی بات تھی، انیسویں صدی کے شروع کی بات ہے کہ برطانیہ کی رائل نیوی کے جوانوں کا زیادہ حصہ تھکا دینے والے بحری سفروں میں گذرتا، تو وہ لوگ اپنی مستی کرنے اور تفریح پیدا کرنے کے لئے جہازوں کے اندر اپنی دلچسپی کا سامان پیدا کرتے رہتے۔

لیکن یہ مختصر تقریبات پورے سال پر تقسیم نہ ہوتیں، اس لئے یہ لوگ تقریبوں کا بہانہ تلاش کرتے رہتے تھے، کبھی ایک دوسرے کی سالگرہ مناتے، کبھی کتوں بلیوں اور گھروں کی سال گرہ کرتے، ویک اینڈ مناتے، ایسٹر اور کرسمس کا اہتمام کرتے۔

انہیں تقریبات کے دوران شیطان نے ایک نیا تصور واختراع ان کے ذہن میں ڈالا کہ نئے سال کی آمد پر بھی خوب تفریح ہونی چاہئے، لہٰذا 31 دسمبر کو جہاز کا سارا عملہ ایک جگہ اکٹھا ہوا، رات کو خوب شراب نوشی کا گھناؤنا کھیل کھیلا، ناچ گانا کیا اور ٹھیک بارہ بج کر ایک منٹ پر ایک دوسرے کو شراب ام الخبائث دی اور نئے سال کی مبارک باد دی۔

یہ نیوائیر نائٹ کا آغاز تھا۔

اگلے سال ستمبر اور اکتوبر میں نیوائیر نائٹ کا انتظار شروع ہوگیا، دسمبر آیا تو جونیئر افسروں نے اپنے

سینئر افسروں سے درخواست کی کہ ہم ایک لمبے زمانے سے اپنے گھروں سے دور ہیں، سمندر کی اکتاہٹ ہمیں خودکشی پر ابھار رہی ہے، اس لئے ہم نیوائیر نائٹ منانا چاہ رہے ہیں، اور ہمیں رقص کرنے کے لئے (فاحشہ) خواتین درکار ہیں، مہربانی فرما کر ہمیں اس نیوائیر نائٹ رات کے لئے ساحل سے انہیں لانے کی اجازت دی جائے۔

افسر اپنے ماتحتوں کی ضرورت سے واقف تھے، اور ان کے ناپاک ذہنوں میں یہ گھناؤنی حیاسوز حرکت کوئی بری چیز نہیں تھی، چنانچہ انہوں نے اس کی اجازت دے دی، اس رات قریب ترین ساحل سے فاحشہ عورتوں کا بندوبست کر دیا گیا۔

پھر رفتہ رفتہ اس میں بتیاں گل کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک سپاہی نے جہاز کے بجلی و روشنی کے نگران کو چند پیسوں کا لالچ دے کر کہا کہ جوں ہی رات کے بارہ بجیں، تو تم چند سیکنڈ کے لئے بتیاں گُل کر دینا، نگران نے اس کی بات پر عمل کیا، جوں ہی رات کے بارے بجے روشنیاں بجھ گئیں، موقع پر موجود تمام لوگوں کی چیخیں نکل گئیں، پھر اچانک روشنیاں جلیں اور روشنیاں گُل کرنے والے آفیسر نے تمام لوگوں کو ''Happy new year'' کہا، تمام افسروں اور ماتحتوں نے تالیاں بجا کر اس کا شکریہ ادا کیا، اگلے سال تمام لوگ روشنیاں گُل ہونے کا انتظار کرتے رہے، جوں ہی روشنیاں گُل ہوئیں، بے حیا اور بے غیرت مَردوں اور عورتوں نے اندھیرے میں حیاسوز حرکات کیں، اور بے حیائی کے اس تہوار کی بے غیرتی پر تکمیل ہوگئی۔

برٹش رائل نیوی (British Royal Navy) کے اس جہاز سے نیو ائیر نائٹ دوسرے جہازوں تک پہنچی، اور پھر وہاں سے ساحل پر ''ایناڈین'' شہر تھا، جس کے ساحل پر 1910ء میں پہلی نیوائیر نائٹ منائی گئی۔

اگلے سال ساحل پر خیمے لگ چکے تھے، عارضی ہوٹل قائم ہو چکے تھے، موسیقی اور شراب جیسے ملعون گناہوں کا وسیع انتظام تھا، اور ان میں سینکڑوں فاحشہ عورتیں موجود تھیں، یہ نیوائیر نائٹ زیادہ کھلی ڈھلی اور بے حجاب تھی، اس کے بعد برٹش نیوی میں یہ رواج ہوگیا، نیوی کے جہاز نیوائیر نائٹ پر کسی قریب ترین ساحل پر رکتے اور یہ رسم مناتے، اور سفر پر روانہ ہو جاتے۔

یہ روایت جنگِ عظیم اول کے دوران بھی جاری رہی، جنگ ختم ہوئی تو نیوی کے یہ افسر اپنے سامان میں ''نیوائیرنائٹ'' بھی باندھ کر لے گئے، ان جوانوں، افسروں اور اہل کاروں کے ساتھ فحاشی اور بے حیائی کا یہ سامان شہروں میں منتقل ہوگیا، اور دنیا ایک نئے بے حیائی وفحاشی کی اس رسم کے دور میں داخل ہوگئی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ نیوائیرنائٹ کی ایجاد شیطان اور اس کے حواری کافروں کی طرف سے انتہائی المناک بے حیائی کے ساتھ ہوا، اور یہ دراصل شیطانی اور کفریہ رسم ہے، جس کے ساتھ اسلام کا دور کا بھی رشتہ وتعلق نہیں۔

1980ء تک نیوائیرنائٹ کی تقریبات یورپ تک محدود تھیں، لیکن 1980ء کی دہائی میں اس مرض نے پھیلنا شروع کردیا، یہ مشرقِ بعید آیا اور پھر یہ برصغیر میں بھی جڑیں پکڑنے لگا۔

اور اس وقت دنیا کے سینکڑوں سے زیادہ ممالک میں نیوائیرنائٹ منائی جاتی ہے، اور ہزاروں شہروں میں اس عنوان سے فحاشی اور عریانی سے بھرپور تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔

پہلے تو نیوائیرنائٹ کا رواج صرف اونچے طبقے کے لوگوں میں تھا، لیکن اب متوسط اور چھوٹے طبقے میں بھی یہ رسم انجام دی جانے لگی ہے۔

نیوائیر کی تقریبات نے پوری دنیا کی ثقافت پر بے حیائی کے گہرے اثرات چھوڑے، اس کی فحاشی اور بے حجابی کے جراثیم آہستہ آہستہ نوجوان نسل کی اخلاقیات کو چاٹ رہے ہیں، جس سے بے حیائی، آوارگی اور جنسی بے راہ روی عام ہورہی ہے۔

اس رسم کی خاطر بے شمار مسلمان نوجوان بے حیائی میں مبتلا ہوکر اپنے ایمان کو برباد کرتے ہیں، یا کم از کم سڑکوں، چوراہوں اور چوکوں پر آتش بازی، فائرنگ اور دیگر ایمان شکن اور حیاسوز افعال کے ساتھ نئے سال عیسوی کا استقبال کرتے ہیں، جس میں درجنوں افراد مرجاتے ہیں اور سینکڑوں زخمی ہوجاتے ہیں۔

اسلام نے تو جو کام فی نفسہٖ جائز اور مباح ہیں ان میں بھی بلاضرورت غیروں کے ساتھ مشابہت کو ناپسند قرار دیا ہے، تو پھر شرعاً عرفاً اور عقلاً جو رسم دیگر گناہوں کے کاموں پر مشتمل ہو، اور وہ کافروں

کی ایجاد اور شیطانی رسم ہو، اس کے ارتکاب کی مسلمان کے لئے کیسے اجازت ہوسکتی ہے؟

احادیث وروایات میں کافروں کے ساتھ تشبہ اختیار کرنے اور ان کے مذہبی وقومی تہواروں وعیدوں میں شرکت کرنے پر کتنی سخت وعیدیں آئی ہیں کہ، کہیں یہ فرمایا گیا کہ کافروں کے ساتھ تشبہ اختیار کرنے والے ہم میں سے نہیں، کہیں یہ فرمایا گیا کہ ان کے مثل ہیں، اور کہیں یہ فرمایا گیا کہ وہ انہیں میں سے ہیں۔

اتنی سخت وعیدوں کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کا نیو ائیر نائٹ کی رسم منانا، یا اس میں کسی طرح شرکت کرنا کیسے روا ہوسکتا ہے۔

اس موقع پر ایک دوسرے کو مبارک باد دینا، اور ایک دوسرے کو کارڈ بھجوانا بھی ناجائز ہے، اگر کوئی دوست کارڈ بھجوا بھی دے اور کوئی فتنہ لازم نہ آئے، تو اسے واپس کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔

مبارک باد دراصل ایک دعا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ خوشی کا جو موقع تمہیں حاصل ہوا ہے، اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا کریں۔

الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:

اَلتَّھْنِئَۃُ مُسْتَحَبَّۃٌ فِی الْجُمْلَۃِ لِاَنَّھَا مُشَارَکَۃٌ بِالتَّبْرِیْکِ وَالدُّعَاءُ مِنَ الْمُسْلِمِ لِاَخِیْہِ الْمُسْلِمِ فِیْمَا یَسُرُّہٗ وَیُرْضِیْہِ وَلِمَا فِیْ ذَالِکَ مِنَ التَّوَادِّ وَالتَّرَاحُمِ وَالتَّعَاطُفِ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَقَدْ جَاءَ فِی الْقُرْآنِ الْکَرِیْمِ ،تَھْنِئَۃُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلیٰ مَایَنَالُوْنَ مِنْ نَعِیْمٍ ،وَذَالِکَ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالیٰ ”کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ھَنِیْئًا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ“

وَالتَّھْنِئَۃُ تَکُوْنُ بِکُلِّ مَایُسِرُّوَیُسْعِدُ مِمَّا یُوَافِقُ شَرْعَ اللّٰہِ تَعَالیٰ (الموسوعۃ الفقھیۃ جلد ۱۴ ،مادہ تھنئۃ)

ترجمہ: ”مبارک بادی (نیک واچھے کاموں میں) فی الجملۃ مستحب ہے، اس لیے کہ یہ برکت میں ایک دوسرے کو شریک کرنا ہے، اور ایک مسلمان کی طرف سے اُس کے مسلمان بھائی کے لیے اُس چیز میں دعا ہے جس چیز سے اُس کو خوشی حاصل ہو اور وہ

جس چیز سے راضی ہو، اور ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کے درمیان محبت ورحمت اور ہمدردی کا پہلو پایا جاتا ہے، اور مؤمنین کا اُن نعمتوں پر مبارک باد دینا جو وہ جنت میں پائیں گے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کے اس قول میں مذکور ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (مرسلات آیت ۴۳)

اور مبارک بادی ہر اُس چیز کے ساتھ ہوتی ہے جو خوشی والی ہو اور نیک بخت ہو، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو (گناہ والا کام نہ ہو) (ترجمہ ختم)

اور ظاہر ہے کہ کسی گناہ کے موقع یا غیر اسلامی تہوار پر مبارک باد دے کر اس کے لئے برکت کی دعا کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کی اس رسمِ بد وملعون سے حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کرسمس ڈے

گزشتہ چند سالوں سے دنیا بھر میں ہر سال 25 دسمبر کو کرسمس ڈے منانے کا رواج روز بروز بڑھ رہا ہے، کرسمس ڈے کے عنوان سے یہ رسم دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یومِ پیدائش کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے (اگرچہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی یقینی تاریخ معلوم نہیں)

کافروں وعیسائیوں کی طرف سے اس تقریب کی مختلف طریقوں سے تبلیغ وتشہیر کی جارہی ہے، جس سے سادہ لوح مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ بھی متأثر ہورہا ہے، اور وہ اپنی حیثیت کے مطابق اس میں شرکت کر کے اپنا حصہ ڈال رہا ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ’’کرسمس ڈے‘‘ کا تصور کافروں کا ایجاد کردہ ہے، اس کی اللہ یا اس کے رسول نے تعلیم نہیں دی۔

پھر تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی تک تو دنیا بھر میں کرسمس کا نام ونشان تک نہ تھا، چوتھی صدی کے شروع میں روم کے ایک پادری نے ایک مشعل فروخت کرنے والے سرمایہ دار کے ساتھ ساز باز کر کے اس کے کاروبار کو وسعت دینے کے لئے 25 دسمبر کو گرجا گھر میں موم بتیاں جلا کر لوگوں سے مخصوص طریقہ پر دعا کرائی، اور پہلا کرسمس ڈے منایا اور پھر اس دن سے موم بتیاں جلانے کا رواج چل پڑا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کرسمس ڈے پر روشنی کرنے کا آغاز ایک دنیوی غرض کی خاطر ہوا تھا، اور اس کا آغاز کرنے والوں کے پیشِ نظر دنیا کے کاروبار کو چمکانا اور مال ودولت کا بٹورنا تھا۔

پھر لوگ اس دن اچھے اچھے کھانے بنانے اور گرجا گھروں میں جا کر مذہبی گیت گانے کا بھی اہتمام

کرنے لگے، پھر رفتہ رفتہ یہ رسم دوسرے علاقوں میں پہنچی، جرمنوں نے اس دن ایک نئی رسم یہ ایجاد کی کہ وہ اس دن حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہا السلام کا پورا واقعہ نعوذ باللہ ڈرامے کی شکل میں پیش کرتے تھے، اسٹیج بنا کر اس پر ایک مصنوعی درخت لگایا جاتا جسے حضرت مریم علیہا السلام کا ساتھی بنا کر پیش کیا جاتا کہ وہ اپنی ساری تنہائی اس کے پاس بیٹھ کر گزار دیتیں، یوں کرسمس ٹری (یعنی کرسمس درخت) کی رسم وجود میں آئی، اور اس طرح اس میں مذہبی عنصر کو شامل کر دیا گیا، اس کے ساتھ ساتھ کرسمس کارڈوں کی بدعت بھی ایجاد ہوئی اور کرسمس ٹری بنا کر اس میں چھوٹے بڑے بلب نصب کئے جانے لگے، اور ایک دوسرے کو کرسمس کی مبارکباد کے کارڈ بھیجے جانے لگے، اور نئے دور کے تقاضوں کے مطابق کرسمس ٹری اور کرسمس کارڈ تجارتی کمپنیوں کے لئے ایک نفع بخش کاروبار کی حیثیت اختیار کر گئے۔

پھر رفتہ رفتہ اس میں موسیقی کی لعنت اور پھر ناچ گانا اور آخر میں برائیوں کی جڑ شراب بھی اس میں شامل کر دی گئی، شراب داخل ہونے کی دیر تھی کہ یہ تہوار عیاشی کی شکل اختیار کر گیا، اسی کا نتیجہ ہے کہ کرسمس کے دن لڑائی جھگڑے، آبروریزی وزیادتی اور قتل وغارت کے بے شمار واقعات وجود میں آتے اور رونما ہوتے ہیں۔

جبکہ 25 دسمبر کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ پیدائش ہونا ہی مشکوک ہے، پھر ساڑھے تین سو عیسوی سالوں تک اس کا نام ونشان نہیں ملتا، نیز اس موقع پر شراب نوشی اور کرسمس ٹری کی رسم کی عیسائی مذہب میں کوئی بنیاد نہیں، اور اسی لئے عیسائیوں کا ایک طبقہ بھی کرسمس ڈے منانے کو پسند نہیں کرتا۔

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے سادہ لوح مسلمان مغرب کی اندھی تقلید کر کے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

مسلمانوں کے لئے کرسمس ڈے منانا اور اس میں دوست واحباب کو کارڈ بھجوانا یا زبانی کلامی مبارکباد پیش کرنا انتہائی قبیح اور ناجائز حرکت ہے

اس موقع پر کافروں کو مبارک باد دینا ایک طرح سے ان کے مذہبی تہوار کو مبارک قرار دینا ہے، جس

کو اسلام کسی طرح پسند نہیں کرتا۔

کرسمس ڈے میں عیسائیوں کا مذہبی عنصر بھی شامل ہے، اور موجودہ حالات میں ان کا قومی تہوار ہونے میں تو شبہ نہیں۔

اور کافروں کے مذہبی یا قومی تہوار میں شرکت کرنا یا اس پر خوشی ومبارک ہونے کا اظہار کرنا اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

اور احادیث وروایات کی رُو سے ایسا کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کا غضب وغصہ نازل ہونے کا خطرہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی سمجھ کو درست فرمائیں۔ آمین۔

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ویلنٹائن ڈے

یورپ کے کفریہ اور فحاشی سے بھرے ہوئے معاشرہ سے ایک رسم نے ’’ویلنٹائن ڈے‘‘ کے نام سے جنم لیا، اور آہستہ آہستہ دنیا بھر کے لوگوں کو اس نے اپنی فحاشی کی آگ کی لپیٹ میں لے لیا۔

یہ رسم ہر سال فروری کے مہینہ میں 14 تاریخ کو منائی جاتی ہیں۔

اس رسم کا پورا پسِ منظر کیا ہے؟ اس سلسلہ میں تاریخ کے مطالعہ سے کئی قسم کی باتیں سامنے آتی ہیں۔

اور اس کی ابتداء سے متعلق بہت سی باتیں مشہور ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق اس دن کا تعلق قدیم بُت پرستوں (رومیوں) کے ایک دیوتا کے مشرکانہ تہوار سے ہے، یہ تہوار ہر سال فروری کے وسط میں منایا جاتا تھا، اس تہوار میں لڑکیاں بے حیائی کے خطوط لکھ کر ایک بہت بڑے گلدان میں ڈال دیتی تھیں، اس کے بعد اس لاٹری میں سے روم کے نوجوان لڑکے ان لڑکیوں کا انتخاب کرتے جن کے نام کا خط لاٹری میں ان کے ہاتھ آیا ہوتا، پھر وہ نوجوان لڑکے لڑکیاں شادی سے پہلے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ملاقاتیں کرتے۔

ویسبٹر ز فیملی انسائیکلو پیڈیا کے مطابق عیسائیت کے مذہبی رہنماؤں نے اس مشہور بت پرستانہ رسم کو ختم کرنے کے بجائے اسے عیسائی لبادہ اوڑھانے کے لئے ایک پادری ’’سینٹ ویلنٹائن‘‘ کے تہوار میں بدل دیا۔

’’سینٹ ویلنٹائن‘‘ وہ پادری ہے جسے ’’شاہ کلاڈیس‘‘ نے اس جرم میں قتل کروا دیا تھا کہ وہ ایسے جوڑوں کی خفیہ طور پر شادیاں کروایا کرتا تھا، جنہیں شادیوں کی اجازت نہ تھی، سزا کے دوران قید کے زمانہ میں ویلنٹائن جیلر کی بیٹی پر عاشق ہو گیا، سزا پر عمل درآمد سے پہلے اس نے جیلر کی بیٹی کو

آخری خط لکھا، جس کے آخر میں دستخط کے طور پر ''فرام یور ویلنٹائن'' تحریر کیا۔
بعض تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ سینٹ (پادری) ویلن ٹائن نامی شخص کو 14 فروری کو عیسائی مذہب نہ چھوڑنے پر قتل کردیا گیا تھا، اس کے اپنے عیسائی مذہب سے اتنا زیادہ تعلق اور لگاؤ ہونے کی وجہ سے کہ اس کی خاطر اپنی جان تک قربان کردی، عیسائی دنیا میں بہت زیادہ مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی اور عیسائی دنیا نے اپنے مذہب کی خاطر قربان ہونے والے شخص کی یادگار میں اس کے نام پر ہر سال اسی تاریخ کو ''ویلن ٹائن ڈے'' کے عنوان سے یادگار کے طور پر رسم منانا شروع کی۔
اور بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اس ویلن ٹائن نامی پادری کو اپنے مذہب کی کسی راہبہ سے ناجائز لگاؤ وتعلق پیدا ہوگیا تھا اور اس لگاؤ وتعلق میں وہ کافی حد تک آگے بڑھ گیا تھا، جس کے نتیجہ میں اسے 14 فروری کو قتل کردیا گیا تھا۔
لہٰذا بے حیائی کی اس داستان کو ہر سال تازہ کرنے کے لئے 14 فروری کو اس کے نام سے ''ویلن ٹائن ڈے'' کی رسم منائی جانے لگی، اور اس پادری کی نقل کرتے ہوئے فحاشی کی دلدادہ دنیا نے ہر سال اس تاریخ کو نامحرموں کے لئے تحفے تحائف بھیجنے اور ان کے لئے طرح طرح کی فحاشی والی حرکتیں کرنا شروع کیں۔
بعض لوگ اس دن کو رومیوں کے محبت کے دیوتا ''کیوپڈ'' سے متعلق سمجھتے ہیں، اس کے بارے میں عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ لوگوں کے دلوں میں تیر مار کر انہیں عشق میں مبتلا کرتا ہے، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اس کی ماں (محبت کی دیوی ''Venus'') کا پسندیدہ پھول گلاب ہے۔
گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس رسم کی بنیاد یا تو غیر مسلموں اور کافروں کے مذہبی خیالات پر قائم ہے، اور یا پھر بے حیائی اور شیطانی عمل کے ساتھ اس کا رشتہ قائم ہے۔
مگر افسوس کہ بہت سے مسلمان نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بھی اس کی لپیٹ میں آگئے ہیں، اور وہ اس رسم میں شوق وذوق سے شرکت کرتے ہیں۔
سرخ کپڑے پہننا، ویلنٹائن کارڈ، سرخ گلاب اور چاکلیٹوں کے تحائف بھیجنا ان نوجوانوں کا معمول بنتا جارہا ہے۔

ذرائع ابلاغ اس کے فروغ میں ملوث ہیں، کالج اور یونیورسٹیاں حتیٰ کہ بعض اسکول بھی اس موقع پر مخلوط پارٹیوں کا انتظام کرواتے ہیں، بے حیائی اور فحاشی کی اس دوڑ میں اپنے مذہب، تہذیب اور اخلاقیات کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے، محبت انسانی فطرت کا تقاضا ہے، اسی لئے اسلام نے محبت کرنے سے روکا نہیں، البتہ اس کی حدود و قیود بتائی ہیں اور اس کے طریقے بتائے ہیں، محبت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو، اور ان کے ارشادات کے تحت والد، والدہ، بھائیوں، بہنوں، بیوی، اولاد اور نیک لوگوں سے ہو۔

اسلامی تعلیمات کے ہوتے ہوئے غیروں کی نقل کرنا اور پھر اس سے آگے بڑھ کر بے حیائی و فحاشی میں حصہ لینا مسلمان کو زیب نہیں دیتا، اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ویلنٹائن ڈے کا تعلق مشرکانہ اور بت پرستانہ عقیدہ کے ساتھ ہونے کے علاوہ فحاشی، عریانی وغیرہ کے ساتھ بھی گہرا تعلق ہے، بلکہ اس دور میں اس کا بنیادی رکن بے حیائی و فحاشی ہے۔

اور اس بات میں شبہ نہیں کہ یا تو اس رسم کا عیسائی مذہب کے ساتھ گہرا رشتہ اور تعلق قائم ہے، اور یا فحاشی اور ناجائز تعلقات سے اس کی نسبت قائم ہے، اور بہرصورت اس رسم کا اسلام سے دور کا بھی رشتہ نہیں، اور اس کے ناجائز ہونے میں کوئی تردد و شبہ نہیں، لہٰذا ویلنٹائن ڈے منانا اور اس پر تحائف وغیرہ بھجوانا، مبارک باد پیش کرنا، مخصوص کپڑے پہننا، بے حیائی کے کاموں میں بلکہ کسی بھی حیثیت سے اس رسم میں شرکت کرنا جائز نہیں۔

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

(٦)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برتھ ڈے یا سالگرہ

سالگرہ جسے عیسوی زبان میں برتھ ڈے منانا کہتے ہیں، اور اس کو بعض مسلمان بھی بڑے جوش وخروش سے مناتے ہیں، یہ رسم بھی عیسائیت ہی کی مرہون منت ہے، عیسائیوں کی قدیم ثقافت میں یہ عقیدہ تھا کہ انسانوں کے پیدائشی دن (Birth Day) میں شیطانی بدروحیں حاضر ہوتی ہیں، اس لئے اس دن خوب ہلا گلا اور شور شرابا ہوتا کہ یہ بدروحیں بھاگ جائیں، لہٰذا اس دن گھر والے جمع ہوتے، کھانوں کا انتظام کرتے اور خوب شور مچاتے، رفتہ رفتہ اس میں ترقی ہوئی اور تحفے تحائف پیش کرنا اور مہمانوں کا بلانا باعثِ عزت وافتخار سمجھا جانے لگا۔ پھول، تحفے، تقریبات یہ سب کچھ زمانہ گزرنے کے ساتھ رواج پانے لگا۔

پھر ایک زمانہ آیا کہ کیک کاٹنے اور اس پر شمع روشن کرنے کی رسم بھی شروع ہوگئی۔

شمع روشن کرنے کے بارے میں بعض کا خیال ہے کہ یہ اس عقیدے کی بنا پر روشن کی جاتی ہے؛ کہ آسمان کا دیوتا اس کی وجہ سے برکت نازل کرتا ہے، اور پھر شمعوں کو پھونک مار کر بجھانے کی بدعت شروع ہوئی، اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جاتا کہ ایک ہی سانس میں ساری شمعوں کو بجھانا اچھی قسمت لاتا ہے۔

اس رسمِ بد کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

کیونکہ اولاً تو یہ کافروں کی ایجاد اور ان کا مذہبی یا قومی رواج ہے، اور اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے، احادیثِ مبارکہ میں غیروں کے ساتھ تشبہ اختیار کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔

دوسرے اس میں اور بھی کئی خرابیاں ہیں، مثلاً اس رسم میں انجام دی جانے والی چیزوں کی ایجاد میں فاسد اور غیر اسلامی عقائد وخیالات اور کافروں کی نقالی وغیرہ۔ اس لئے سالگرہ یا برتھ ڈے منانا،

کیک کاٹنا، شمعیں روشن کرنا، اورانہیں خاص طرح سے بجھانا، اس پر تحفے تحائف دینا اور لینا سب خلافِ شریعت اور ناجائز ہے۔

اسلامی تعلیمات کا تقاضا تو یہ ہے کہ زندگی کے قیمتی لمحات گزرنے اور ایک سال پورا ہونے پر انسان کو اپنا احتساب کرنا چاہئے، نہ یہ کہ اس موقع پر شوروشرابا اور بے سروپا بلکہ کافروں کی ایجاد کردہ حرکات انجام دی جائیں۔

فقط

محمد رضوان

۲/صفرالمظفر /۱۴۳۰ھ،29 /جنوری/2009ء، بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی

ماہِ جمادی الاولیٰ کے چند اہم تاریخی واقعات

(مرتب:مولانا طارق محمود:ادارہ غفران،راولپنڈی)

پہلی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

(۱)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی (''عہدِ نبوت کے ماہ وسال''،ص۱۳۴،تالیف:علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھی رحمہ اللہ،ترجمہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ)

ہجرت کے بعد پیدا ہونے والے پہلے انصاری بچے آپ ہی تھے (مہاجرین میں ہجرت کے بعد پہلے پیدا ہونے والے بچے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے)

آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں مختلف عہدوں پر فائز رہے،پہلے دمشق کے قاضی اور پھر یمن کے امیر اور اس کے بعد کوفہ کے امیر رہے۔

یزید نے انہیں ''حمص'' کا گورنر مقرر کیا تھا،۶۵ھ میں شہید ہوئے''الاصابہ ج۶ حرف النون میں ۲ھ کے شروع میں ان کی ولادت بیان کی گئی ہے''(صحابہ انسائیکلوپیڈیا ص۹۲۶)

(۲)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲ھ: میں غزوۂ عشیرہ ہوا،اس مرتبہ بھی آپ ﷺ کفار کی اقتصادی میدان میں کمر کمزور کرنے کے لئے کفار کے تجارتی قافلے (جو کہ شام سے مکہ جارہا تھا) کے تعاقب میں ۱۵۰ کے قریب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نکلے،اور آپ ﷺ نے ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔

عشیرہ کے مقام تک تعاقب (پیچھا) کیا،مگر قافلہ بہت آگے نکل چکا تھا،چنانچہ بغیر جنگ کے واپسی ہوئی۔

البتہ اس موقع پر بنی مدلج اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کا معاہدہ طے پایا (بخاری،غزوات النبی ص۶۳،عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۶۷)

(۳)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۳ ھ: میں غزوۂ بنی سلیم واقع ہوا(تقویمِ تاریخی ص۱)

آپ ﷺ تقریباً ۲۵۰ صحابۂ کرام کے ساتھ بنوسلیم نامی قبیلہ کے لوگوں کی سرکوبی کے لئے نکلے ،ادھر بنوسلیم کو جب اطلاع ہوئی تو منتشر ہوکر بھاگ گئے ،اس موقعہ پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت بھی نازل فرمائی:

''کَمَثَلِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِیْباً ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ'' (سورۃ الحشر پارہ ۲۸)

یعنی ان لوگوں کی سی مثال ہے جوان سے کچھ ہی پہلے ہوتے ہیں (جو دنیا میں بھی) اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں ،اور (آخرت میں بھی) ان کے لئے دردناک عذاب (ہونے ولا) ہے۔

(بیان القرآن،عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۷۲،غزوات النبی ۱۸۵ ''وفی البدایۃ ۲من الہجرۃ ج۳'')

(۴)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۳ ھ: میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، جو آپ ﷺ کی بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے،ان کی وفات کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں ٹھونگ ماردی تھی ،جس کے زخم کے اثر سے کچھ روز بعد انتقال ہوا، جنازہ آپ ﷺ نے پڑھایا،اور قبر میں مرحوم کے والد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اتارا (عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۱۶۸)

(۵)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۳ ھ: میں غزوۂ بنی قینقاع واقع ہوا،بنوقینقاع یہودیوں کی ایک جماعت کا نام ہے جو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی قوم تھی ،یہودیوں میں سب سے پہلے اسی جماعت نے عہد شکنی کی تھی ،جب انہوں نے عہد شکنی کی تو آپ ﷺ اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کی طرف نکلے تو یہ لوگ قلعہ بند ہو چکے تھے، آپ ﷺ نے چند دن تک قلعہ کا محاصرہ فرمایا پھر چند حضرات کی سفارش پر ان کے جلاوطنی اور ان کے اموال ضبط کرنے کا فیصلہ فرمایا مگر قتل سے ان کو معاف رکھا (عہد نبوت کے ماہ سال میں راجح قول شعبان کے بجائے جمادی الاولیٰ کو قرار دیا گیا ہے،اور البدایہ میں شوال ۲ھ مذکور ہے)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

(۶)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴ھ: میں غزوۂ ذات الرقاع ہوا (تقویم تاریخی ص ۱)

آپ ﷺ کو اطلاع ہوئی کہ بنومحارب اور بنوثعلبہ قبیلہ غطفان سے مل کر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے جنگ کی تیاری کررہے ہیں تو آپ ﷺ ان لوگوں کی گوشمالی کے لئے روانہ ہوئے، سواریاں کم اور سوار زیادہ ہونے کے باعث کثرت سے پیدل چلنے کی وجہ سے ناخن اکھڑنے اور پاؤں پھٹنے لگے تھے، جس کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پاؤں پر کپڑے پھاڑ کر باندھے، اس وجہ سے اس کا نام ذات الرقاع پڑا، راستے میں دشمنوں سے سامنا ہوجانے اور نماز کا وقت بھی ہوجانے پر پہلی مرتبہ نمازِ خوف پڑھی گئی، جس کا تفصیلی حکم اور طریقہ سورۃ النساء کی آیت ۱۰۰ تا ۱۰۳ میں مذکور ہے

(غزوات النبی ص ۳۰۳) ''وفی البدایۃ والنھایۃ ج ۴، قولان علی قول ۵ھ وعلی قول آخر ۴ھ''

(۷)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۵ھ: میں سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پیش آیا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ۱۵ صحابۂ کرام کی امارت میں بنوثعلبہ کی طرف موضع ''طرف'' میں بھیجا گیا، لیکن وہاں مقابلہ نہیں ہوا ۱۰۰ اونٹ مالِ غنیمت میں آئے (عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۹۴)

(۸)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۶ھ: میں سریہ عیص ہوا۔

جہاد میں جہاں اللہ کا دین سب دینوں پر بلند کرنا مقصود ہوتا ہے وہاں التزاماً کفر کو مغلوب کرنا بھی مقصود ہوا کرتا ہے، چنانچہ اسی کے پیشِ نظر کفار کے تجارتی قافلوں کا بھی وقتاً فوقتاً تعاقب ہوتا رہا تاکہ اہلِ کفر کی اقتصادیات ومعیشت کمزور ہوجائے اور وہ اسلام کا مقابلہ نہ کرسکیں، لہٰذا اس مرتبہ حضرت زید بن حارثہ اور ان کے چند رفقاء رضی اللہ عنہم کو شام سے آنے والے کفار کے تجارتی قافلے پر حملہ کے لئے روانہ کیا گیا، مسلمانوں کی جماعت کفار اور ان کے اموال کو حراست میں لے کر حضور ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئی، کفار میں آپ ﷺ کے داماد ابوالعاص بن ربیع بھی تھے (جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے) مدینہ پہنچ کر ابوالعاص نے اپنی اہلیہ زینب بنتِ رسول اللہ ﷺ سے امان طلب کی تو آپ ﷺ نے پناہ دی اور یہ اعلان بھی فرمایا کہ (مؤمنین میں سے ایک ادنیٰ آدمی بھی ذمہ داری اور پناہ دے سکتا ہے، جو شخص کسی مسلمان کی پناہ توڑتا ہے اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام مسلمانوں کی لعنت ہے) اور ابوالعاص کو ان کا ضبط شدہ مال بھی واپس

کر دیا گیا (عہدِ نبوت کے ماہ وسال ۲۱۳، غزوات النبی ص ۷۸۵، ایک قول کے مطابق یہ حملہ ابوجندل اور ابوبصیر رضی اللہ عنہما کی جماعت نے کیا تھا)

(۹)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۷ھ: میں فارس کا بادشاہ پرویز بن ہرمز قتل ہوا۔

اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کی بے حرمتی کی تھی اور اس کو چاک کر دیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں بددعا فرمائی کہ ''اللہ اسے بھی اسی طرح چیر ڈالے'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بیٹے ''شیرویہ'' کو اس پر مسلط کیا اس نے تلوار سے اس کا پیٹ چاک کر دیا، جس رات یہ قتل ہوا، اسی دن صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ معجزہ صحابۂ کرام کو خبر دی کہ آج رات کسریٰ پرویز کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالا (البدایہ والنہایہ ج ۲ ما آل الیہ امر الفرس بالیمن، عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۲۴۷)

(۱۰)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۸ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت سراقۃ بن عمرو بن عطیۃ بن خنساء بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔

انصار صحابہ میں سے تھے، آپ غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق، غزوۂ حدیبیہ، غزوۂ خیبر، عمرۃ القضا اور جنگِ مؤتہ میں شریک ہوئے، اور جنگِ موتہ میں ہی شہید ہوئے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج۳ص ۵۱۹)

(۱۱)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۸ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت عبادۃ بن قیس بن عبسۃ بن امیۃ بن مالک بن عامرۃ بن عدی بن کعب رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔

آپ غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق، غزوۂ حدیبیہ، غزوۂ خیبر اور جنگِ مؤتہ میں شریک ہوئے، اور جنگِ موتہ میں ہی شہید ہوئے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج۳ص ۵۳۳)

(۱۲)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۸ھ: میں غزوہ موتہ ہوا۔

موتہ ملک شام کا ایک مشہور ومعروف شہر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل روم کی طرف ایک صحابی حضرت حرث رضی اللہ عنہ کے ہاتھ تبلیغی خط روانہ فرمایا تھا، اس سفیر صحابی کو ہرقل کے گورنر شرجیل غسانی نے عالمی معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شہید کر دیا تھا، ایلچی کو قتل کرنا اُس دور میں بھی بین الاقوامی رسم ورواج کے مطابق بدترین بدعہدی اور انسانیت سے گری ہوئی حرکت تھی، اور یہ انتہائی

پست قسم کا اعلانِ جنگ بھی سمجھا جاتا تھا، اگر چہ اس وقت مسلمان طرح طرح کے مسائل میں گھرے ہوئے تھے، ابھی مکہ مکرمہ بھی فتح نہیں ہوا تھا، اور ایسے میں شام اور روم کی طاقت سے ٹکر لے کر ایک نیا خطرناک محاذ کھولنا بھی ایسی بات نہ تھی جس پر آنحضرت ﷺ خاموش ہو کر بیٹھ جاتے، آپ ﷺ نے اس موقع پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے انہیں اس حادثے سے باخبر فرمایا، اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں تقریباً تین ہزار مسلمانوں کا لشکر ہرقل کی دولاکھ سے زائد فوج کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا، جب لشکر کوچ کرنے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ زید شہید ہو جائیں تو جعفر طیار کو امیر مقرر کر لینا جب جعفر شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ کو امیر مقرر کر لینا اس کے بعد جب عبداللہ بن رواحہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان باہمی مشورے سے جس کو چاہیں امیر منتخب کر لیں، آنحضرت ﷺ کا اس طرح یکے بعد دیگرے تین امیروں کو نامزد فرمانا ایک غیر معمولی بات تھی، اور اس میں بظاہر یہ اشارہ بھی تھا کہ یہ تینوں بزرگ اس معرکے میں شہادت سے سرفراز ہوں گے، چنانچہ آپ ﷺ کی اس پیشین گوئی کے مطابق یہ تینوں صحابہ اس معرکہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے، پھر ان کی شہادت کی خبر وحیِ الٰہی کے ذریعہ آپ ﷺ کو اسی وقت کر دی گئی تھی، اور پھر حضور ﷺ کی رائے مبارک کے مطابق ان تینوں صحابہ کی شہادت کے بعد اس معرکہ میں مسلمانوں نے اتفاقِ رائے سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کر لیا، اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ بحفاظت واپس تشریف لائے۔

یاد رہے کہ شاہ روم (ہرقل) ڈھائی لاکھ کا لشکر جرار لے کر مقابلہ آور ہوا تھا، اس معرکہ میں مسلمانوں کے صرف بارہ آدمی شہید ہوئے، جبکہ کافروں کے اتنے آدمی ڈھیر ہوئے جن کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے، یہ لڑائی سات دن تک جاری رہی بالآخر مسلمان کامیاب وکامران ہوئے۔

(غزوات النبی ص ۵۲۶، عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۱۰۴، الاستیعاب فی معرفة الاصحاب ج ۱ ص ۷۲، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۲ ص ۱۲۸، سمط النجوم العوالی فی أنباء الأوائل والتوالی للعصامی ج ۱ ص ۳۳۱)

(۱۳)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۴)

آپ کا پورا نام اس طرح ہے، ابومحمد عتاب بن اسید بن ابوالعیص بن امیۃ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی القریشی العبشمی ، فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا، حضور ﷺ نے ان کو مکہ مکرمہ کا عامل بھی مقرر کیا تھا، اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی ، اپنی وفات تک آپ مکہ کے عامل رہے، جس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، اسی دن آپ کی تدفین ہوئی، کہا جاتا ہے، جس مدینہ سے مکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر پہنچی ،اس دن ان کی تدفین ہو رہی تھی

(تهذيب الاسماء واللغات للنووى ج ١ ص ٤٤١ ،صحابه انسائيكلو پيڈياص ٦٤٢)

(۱۴)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ: میں خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا (تقویمِ تاریخی ص ۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بعد مسلمانوں کے پہلے خلیفہ تھے، اس خلافت میں آپ رضی اللہ عنہ نے بعد والوں کے لئے خلافت میں اتباعِ نبوی کی مثال قائم کر دی تھی ،اس مثالی خلافت میں مدعیانِ نبوت، مرتدین ومنکرینِ زکوٰۃ کی سرکوبی اور قرآن مجید کی جمع وترتیب کے بعد ابھی فتوحات کا سلسلہ شروع ہی ہوا تھا کہ پیامِ اجل آپہنچا، اتوار کا دن تھا جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کی ساتویں تاریخ تھی ،اس روز سردی شدید تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غسل کیا اور اس کے بعد ہی بخار ہو گیا جو وفات کے روز تک مسلسل پندرہ دن چڑھا رہا، اسی اثناء میں مسجد میں تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے ،مرض بڑھ گیا، ہر چند معالجہ کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا، لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دریافت کرتے تھے کہ آپ نے طبیب کو بھی دکھایا ؟ فرماتے ’’ہاں اس نے مجھ کو دیکھا ہے‘‘ پھر پوچھتے ’’وہ کیا کہتا ہے‘‘ جواب دیتے ’’وہ کہتا ہے کہ ’’اَفْعَلُ مَااَشَآءُ ‘‘یعنی جو میں چاہتا ہوں کرتا ہوں ،افاقہ کی امید نہ رہی تو صحابہ کرام رضوانُ اللہ علیہم اجمعین کو بلا کر اپنے بعد خلیفہ کا مشورہ کیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب فرما کر طے فرما دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چند ایسی نصیحتیں ارشاد فرمائیں جو ان کی خلافت کے لئے دستورُ العمل ثابت ہوئیں۔

اور اس کے ساتھ ہی اپنے ذاتی معاملات کی طرف بھی دوسروں کو توجہ دلائی ، یہاں تک کہ اپنے کفن دفن کے متعلق بھی وضاحت فرما دی، آپ کی زبانِ مبارک پر جو آخری کلمات جاری ہوئے وہ یہ تھے:

رَبِّ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًاوَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ.

ترجمہ: اے میرے رب تو مجھ کو مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دے اور صالحین کے ساتھ لاحق فرما۔

رات ہی میں آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو غسل دیا گیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، اور پھر حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت طلحہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتر کر اس طرح آنحضرت ﷺ کے مرقدِ انور کے پہلو میں لٹا دیا کہ آپ کا سر حضور ﷺ کے شانۂ مبارک تک آتا تھا۔

اللہ اکبر! آقاوشہنشاہِ کونین کے ادب واحترام کا مرنے کے بعد بھی یہ اہتمام ہے کہ برابر نہ ہوں

(ماخذہ ''صدیق اکبر رضی اللہ عنہ '' ص ۲۹۹ تا ۳۰۶، ملخصاً، مرتبہ: مولانا سعید احمد اکبر آبادی، سیرُ الصحابہ ج ۱ خلفائے راشدین، البدایۃ والنہایۃ ج ۷ خلافتِ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، تہذیب الکمال ج ۱۵ ص ۲۰۰)

فائدہ: تمام اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے بعد امت میں سب سے بڑا مقام رکھتے ہیں، اور آپ حضور ﷺ کے سب سے پہلے خلیفہ اور جانشین ہیں، خلفائے راشدین میں بھی سب سے اول آپ ہی کا مقام ہے، آپ کی صحابیت تواتر اور قطعیت کے ساتھ ثابت ہے، حضرت صدیق اکبر کے بعد حضرت فاروق اعظم، پھر حضرت عثمان غنی اور چوتھے نمبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہم کا درجہ ہے، ان سب سے محبت ضروری ہے۔

(۱۵)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۴ھ: میں ''حمص'' اور ''بعلبک'' شہر فتح ہوئے (تقویمِ تاریخی ص ۴)

ان شہروں پر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا، راستے میں بعلبک شہر کو فتح کرتے ہوئے حمص شہر پہنچے، ہرقل بادشاہ نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اہلِ حمص کو امداد پہنچائی جائے لیکن اس میں کامیاب نہیں ہوسکا، بالآخر اہلِ حمص نے مایوس ہوکر صلح کرلی ''البدایہ والنہایہ ج ۷، وقعۃ حمص الاولیٰ میں ۱۵ھ میں اس واقعہ کا وجود پذیر ہونا بیان کیا گیا ہے، اور واقعہ بعلبک کا ذی قعدہ ۱۱ھ میں ہونا بیان کیا ہے'' (تاریخ اسلام از مولانا معین الدین ندوی ج ۱ ص ۱۷۹، تاریخ اسلام از مولانا اکبر شاہ خان ج ۱ ص ۳۴۵)

(۱۶)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۴ھ: میں انطاکیہ فتح ہوا (تقویمِ تاریخی ص ۴)

حلب شہر کو فتح کرتے ہوئے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ انطاکیہ کی طرف بڑھے، انطاکیہ

ہرقل کا ایشیائی دارالحکومت تھا، یہاں پر ہرقل کے شاہی محلات تھے،اور کافی حفاظتی انتظامات بھی کیئے ہوئے تھے،اس لئے مختلف اطراف سے عیسائی بھاگ بھاگ کرانطا کیہ میں پناہ گزین ہوئے، جب مسلمان انطا کیہ پہنچے تو انطا کیہ کے عیسائیوں نے باہر نکل کر مقابلہ کیا،اور شکست کھا کرشہر میں گھس گئے ،مسلمانوں کے لشکر نے شہر کا محاصرہ کرلیا، بالآ خرشہر والوں نے مجبور ہوکر جزیہ دینے کی شرط پر صلح کر لی (تاریخ اسلام از مولانا اکبرشاہ خان صاحب ج ۱ص ۲۴۶)

(۱۷)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۷ھ: میں ایران کا صوبہ ''اہواز'' فتح ہوا (تقویم تاریخی ص ۵)

ایرانیوں کے نامی گرامی سردار ہرمزان نے جنگ قادسیہ سے فرار ہوکرصوبہ اہواز کے شہرخوزستان میں ڈیرہ ڈال دیا،اور مسلمانوں کے خلاف فوجیں جمع کرنا شروع کیں ،کوفہ وبصرہ کی اسلامی چھاؤنیوں سے اسلامی فوج نے اس پرحملہ کرکے اس کوشکست دی،لیکن اس نے دوبارہ بغاوت کی، کئی مرتبہ بغاوت کے بعد یہ گرفتار ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوکر اس نے اسلام قبول کرلیا (تاریخ اسلام از مولانا اکبرشاہ خان ج ۱ص ۳۵۴)

(۱۸)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۹ھ: میں عراق کا مشہور شہر تکریت فتح ہوا (تقویم تاریخی ص ۵)

تکریت میں ایک ایرانی صوبہ دار نے رومیوں کو ساتھ جمع کیا، تا کہ مسلمانوں سے مقابلہ کیا جائے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہدایت پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے **عبداللہ بن المعتم** کو پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ تکریت بھیجا،انہوں نے تکریت کا محاصرہ کیا،خونریز جنگ کے بعد عیسائیوں کو شکستِ فاش ہوئی ''تاریخ اسلام از مولانا اکبر شاہ خان ج ۱ص ۳۵۱ میں فتح تکریت کا سن ۱۷ھ اور البدایہ والنہایہ ج ۷ فتح تکریت والموصل میں سن ۱۶ھ میں اس کا وقوع بیان کیا ہے''

(۱۹)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۳۵ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص ۵)

آپ اصحابِ صفہ کے معلم تھے، حضور ﷺ کو ان سے خصوصی محبت تھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں شام پر لشکر کشی کرنے والوں میں شامل تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بقول انہیں ایک ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو فلسطین کا قاضی بھی بنایا، شام کے

امیر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے ان کو حمص کا نائب گورنر بنایا، ۴۷سال کی عمر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں انتقال ہوا'' صحابہ انسائیکلو پیڈیا ص۸۱۰ اور الاصابہ ج۳ حرف العین المھملہ میں سنِ وفات ۳۴ھ ذکر کیا گیا ہے''

(۲۰)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۳۶ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

آپ کا پورا نام ابوعبداللہ حذیفۃ بن الیمان بن جابر بن عمرو بن ربیعۃ بن جروۃ **العبسی** ہے، آپ کی قوم اصلاً یمن سے تعلق رکھتی تھی، آپ اور آپ کے والد نے ہجرت سے پہلے اسلام قبول کرلیا تھا، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت فرمائی، اور دونوں حضرات نے جنگِ احد میں شرکت فرمائی، جس میں آپ کے والد شہید ہوگئے تھے، آپ کو رسول اللہ ﷺ کا رازدار کہا جاتا تھا، صرف آپ ہی کو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے منافقین کے نام بتلائے تھے، کہ اس وقت مدینہ میں فلاں فلاں منافق ہے، آپ کو جنگِ خندق میں رسول اللہ ﷺ نے کفار کی جاسوسی کے لئے رات کے وقت اکیلے بھیجا، آپ گئے، اور ان کے بارے میں خبریں رسول اللہ ﷺ کو لا کر دیں، آپ نہاوند کی لڑائی میں شریک ہوئے، جب امیرِ لشکر نعمان بن مقرن شہید ہوئے تو جھنڈا آپ نے اٹھالیا، ہمذان، رے اور دینور کے علاقے آپ کی سرکردگی میں فتح ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدائن کا گورنر مقرر کیا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ سب اپنی اپنی تمنائیں ظاہر کریں، سب نے یہ تمنا ظاہر کی کہ ان کے لئے ایک ایسا گھر ہو جو ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا ہو، اور وہ ان ہیرے جواہرات کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری تمنا یہ ہے کہ ابوعبیدہ، معاذ بن جبل اور حذیفہ جیسے لوگ ہوں اور میں ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال کروں، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے فتنوں اور شر سے متعلق کثرت سے سوال کرتے تھے، تاکہ ان سے بچا جائے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چالیس دنوں بعد مدائن میں آپ کی وفات ہوئی، آپ کے ایک بھائی کا نام صفوان تھا، اور آپ کی دو بہنیں ام سلمہ،

اور فاطمہ کے نام سے تھیں (تهذيب الأسماء واللغات للنووی ج ۱ ص ۲۰۸)

(۲۱)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۳۶ھ: میں حضرت صحابیٔ رسول ابو عائشہ زید بن صوحان بن حجر بن ہجرس رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

آپ کوفہ میں رہتے تھے، اور حضرت عمر فاروق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے استفادہ کیا، آپ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو یہ پسند کرے کہ ایسے شخص کو دیکھے جس کے بعض اعضاء پہلے ہی جنت میں پہنچ گئے ہیں، تو وہ زید بن صوحان کو دیکھ لے (اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کا ہاتھ ایک جہاد میں کٹ گیا تھا، اور اس واقعہ کے بعد آپ ایک طویل زمانہ تک زندہ رہے) جنگِ جمل میں آپ شہید ہوئے (تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۳۹)

(۲۲)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۵ھ: میں ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص ۱۱)

آپ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، سابقہ شوہر حضرت خنیس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی، آپ کے شوہر غزوۂ بدر میں زخمی ہوگئے تھے اور انہی زخموں کی وجہ سے وفات پائی، اس کے بعد حضور ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا، جس زمانے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی، اس زمانے میں آپ کی وفات ہوئی، بعض مؤرخین نے آپ کی وفات شعبان ۴۵ ہجری اور بعض نے جمادی الاولیٰ ۴۱ ہجری بیان کی ہے، اور بعض نے رجب ۴۵ھ بیان کی ہے۔

(الاستيعاب فی معرفة الاصحاب ج ۲ ص ۸۴، اسد الغابة ج۳ص ۳۳۲، البداية والنهاية ج۸، ثم دخلت سنة خمس واربعين، سير الصحابيات ص ۴۹)

(۲۳)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۱ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص ۹)

آپ دشمنِ اسلام امیہ بن خلف کے بیٹے تھے، امیہ بن خلف جب بدر میں مارا گیا تو حضرت صفوان ان کا بدلہ لینے کے لئے بہت بے چین تھے اور اس کی وجہ سے حضور ﷺ اور مسلمانوں سے سخت دشمنی رکھتے تھے، فتح مکہ کے بعد جدہ فرار ہوگئے، حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ کی امان پر واپس

آئے، اور حضور ﷺ سے مہلت لے کر مکہ میں قیام کیا، لیکن اسلام قبول نہیں کیا، غزوۂ طائف کے بعد اسلام قبول کیا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں انتقال ہوا'' الاصابہ ج۳ حرف الصاد المھملہ میں ان کی وفات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں ہونا بیان کی گئی ہے'' (سیر الصحابہ ج۷ ص۱۰۰)

(۲۴)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۴ھ: میں حضور ﷺ کی زوجۂ مطہرہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا (تقویمِ تاریخی ص۱۱)

آپ حضرت ابوسفیان کی بیٹی تھیں، حبشہ کی طرف اپنے سابقہ شوہر عبید اللہ بن جحش کے ساتھ ہجرت کی، لیکن عبید اللہ وہاں جا کر عیسائی بن گئے، عدت کے بعد آپ ﷺ نے نکاح کا پیغام بھیجا، نجاشی (شاہِ حبشہ) نے نکاح پڑھایا، اور آپ ﷺ کی طرف سے مہر ادا کیا، حبشہ سے جب مدینہ منورہ آئیں تو آپ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف فرما تھے، آپ سے تقریباً ۶۵ روایتیں منقول ہیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں انتقال ہوا، اور مدینہ منورہ میں دفن ہوئیں (الاصابہ، کتاب النساء، حرف الراء، سیر الصحابیات ج۶ ص۸۲)

(۲۵)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۵۲ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص۱۳)

ہجرتِ مدینہ کے بعد اسلام قبول کیا، اور اکثر غزوات میں شریک ہوئے، ایک غزوہ میں آپ کا ایک ہاتھ بھی شہید ہوگیا تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب کوفہ آباد ہوا تو کوفہ چلے گئے، ۵۱ھ میں مدینہ واپس آئے اور مدینہ ہی میں انتقال ہوا (الاصابہ ج۵ حرف الکاف، صحابہ انسائیکلو پیڈیا ص۹۱۹)

(۲۶)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۶۷ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا (تقویم تاریخی ص۱۷)

آپ قبیلہ ''بنو طے'' کے رئیس تھے، ۹ھ میں حضور نے ۵۰ مجاہدین کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قبیلہ ''بنی طے'' کی طرف بھیجا، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ڈر سے فرار ہوگئے، باقی لوگوں نے ہتھیار ڈال دیے، جنگی قیدیوں میں آپ کی بہن سفانہ بن حاتم بھی تھیں، ان کی

سفارش پر ان کو اور ان کے قبیلہ کے تمام قیدیوں کو حضور ﷺ نے رہا فرما دیا، سفانہ بن حاتم حضرت عدی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچیں، اور انہیں حضور ﷺ سے ملاقات کی دعوت دی، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے ملاقات کے بعد اسلام قبول کرلیا، عراق اور شام کی جنگوں میں شریک ہوئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں گوشہ نشین رہے، جنگِ جمل اور صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شریک ہوئے، آخری عمر میں کوفہ میں گوشہ نشین ہوگئے، ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات ہوئی "الاصابہ ج۴ حرف العین المہملہ میں سنِ وفات ۶۸ھ بیان کیا گیا ہے" (صحابہ انسائیکلو پیڈیا ص۱۰۱۹)

(۲۷)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۷۳ھ: میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی (تقویم تاریخی ص۱۹)

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے وقت ہی سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دل میں شریروں کے مقابلہ میں خلافتِ حقہ کے نفاذ کی امنگ وآرزو پیدا ہوچکی تھی، جس کی برابر کوششوں میں کبھی یزیدی فوج اور کبھی حجاج اور عبدالملک سے مقابلے رہے، تاہم ایک روایت کے مطابق ۹ سال تک حجاز میں آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم رہی، بالآخر عبدالملک بن مروان کے گورنر حجاج بن یوسف ثقفی کی فوج کے ساتھ مردانہ وار جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے، ظالم حجاج نے آپ کا سر عبدالملک کے پاس شام بھیج دیا اور لاش برسرِ عام لٹکا دی، ان کی والدہ حضرت اسماء بنتِ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کا گزر بیٹے کی لٹکی ہوئی لاش پر سے ہوا تو فرمایا کہ اس شہسوار کا سواری سے اترنے کا وقت ابھی نہیں آیا، اس کے بعد عبدالملک کے کہنے پر حجاج نے لاش حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دی (البدایۃ ۷۳ھ ج۸، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج۲ ص۷۴، الاصابۃ فی تمیز الصحابہ ج۴ ص۹۴، تاریخ الخلفاء ج۱ ص۸۷)

(۲۸)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۸۵ھ: میں عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں بعض مؤرخین کے نزدیک آذربائیجان کے شہر "اردبیل" کی تعمیر ہوئی (تقویم تاریخی ص۲۲)

لیکن اس کا نام اسلام سے بہت پہلے ملتا ہے، غالباً یہ شہر اسلامی دور میں ویران ہوچکا تھا، اور عبدالعزیز بن ابی حاتم باہلی کے اہتمام سے دوبارہ آباد ہوا (تاریخِ اسلام از مولانا معین الدین ندوی ج۱ ص۴۵۲)

دوسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

(۲۹)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۳۰ھ: میں ابومسلم خراسانی نے مَرو پر قبضہ کیا۔

بنوعباس کی حکومت قائم کرنے والے محرک اعظم ابوابرہیم کی طرف سے خراسان کے علاقے میں مقرر کردہ ایک عجمی نسل غلام زادہ جو بہت سے منفی صلاحیتوں سے لبریز ہونے کی وجہ سے دن بدن مذکورہ تحریک کو کامیاب تر بنانے میں مصروف عمل رہا، خراسان میں چند عرب قبائل آباد تھے مگر حکومت میں سربرآوردہ ایک ہی قبیلہ بنومضر تھا، پس پردہ تمام قبائل بنومضر سے خار رکھتے تھے کہ حاکم وبادشاہِ وقت مروان بن محمد بنومضر کی بے جا حمایت کرتا تھا جس سے لازماً اسکے گورنروں کا بھی یہی وطیرہ تھا، اور خراسان کا گورنر تو تھا ہی مضری، اس علاقہ میں ابومسلم کا اصل ہدف بنومضر کی طاقت کو عربوں کی باہمی رنجش وانتزاع میں ہوا دیکر ختم کر کے تمام عرب قبائل کو محرک اعظم کی ہدایات کے مطابق بالکلیہ والجزئیہ ختم کرنا تھا، یہاں کے گورنر کی دیگر عربوں کو عصبیت کی بنا پر اہمیت نہ دینے اور خاطر میں نہ لانے کی وجہ سے آپس کی سیاسی نوک جھونک خانہ جنگی کی صورت اختیار کر گئی۔

ابومسلم عربوں کی اس خانہ جنگی میں پس پردہ مضریوں کی جمعیت توڑنے میں کوشاں رہا، اپنی کوشش کامیاب ہوجانے کے بعد اس نے دیگر قبائل کے ساتھ مل کر بنومضر کے خلاف جنگ کی، جس سے بنومضر کو شکست ہوئی اور گورنر نصر بن سیار بھاگ گیا اور ابومسلم نے ۱۳۰ھ جمادی الاولیٰ میں خراساں کے علاقے مَرو پر قبضہ کر لیا، اور اس کے بعد عربوں کا قتل عام شروع کروادیا (البدایہ والنھایہ ج ۱۰، تاریخ اسلام ج ۲ ص ۶۰۸)

(۳۰)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۴۰ھ: میں حضرت ابوعبیدۃ حمید الطّویل بن ابوحمید الخزاعی البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۶۸ھ میں ہوئی، اور اسی سال حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ثابت البنانی، حسن، عکرمۃ اور نافع رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابنِ علیۃ، زہیر بن معاویۃ اور شعبہ رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ کے نام کے ساتھ

''طویل'' کی نسبت کے بارے میں اصمعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''طویل'' نسبت کی وجہ یہ نہیں تھی کہ آپ لمبے تھے، بلکہ آپ کے پڑوس میں بھی آپ کے ایک ہم نام حمید رہتے تھے، لیکن وہ چھوٹے قد کے تھے، اس لئے ان کا نام ''حمید قصیر'' اور آپ کا نام ''حمید طویل'' مشہور ہوگیا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ لمبے ہونے کی وجہ سے آپ کو ''حمید الطّویل'' کہا جاتا تھا، نماز پڑھتے ہوئے آپ کی وفات ہوئی۔ [۱]

(طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۱۱ ،سیراعلام النبلاء ج ٦ ص ١٦٨)

(۳۱)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۵۰ھ: میں امام التفسیر مقاتل بن سلیمان رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

موصوف تفسیر میں امام ہوتے ہوئے اور مندرجہ ذیل مقام رکھتے ہوئے، بھی فقہیہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مقلد تھے، ظاہر ہے یہ تقلید اندھا دھند نہیں ہوسکتی۔

اثرم کہتے ہیں کہ میں نے احمد سے مقاتل بن سلیمان کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا میں نے تفسیر میں ان سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ جیسے شخص سے جب کوئی انوکھی بات پوچھی جاتی تو وہ مقاتل بن سلیمان رحمہ اللہ کی طرف روانہ کردیتے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ تمام لوگ تفسیر میں مقاتل بن سلیمان رحمہ اللہ کے عیال کی طرح ہیں (طبقات الحنابلہ ج ۱ ص ۶۸، طبقات المحدثین ج ۲ ص ۱۷۹، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۳۷، الارشاد ج ۳ ص ۹۳۷)

(۳۲)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۵۳ھ: میں حضرت ابوزید اسامہ اللیثی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

سعید بن مسیّب، محمد بن کعب القرظی، نافع العمری، عمرو بن شعیب اور سعید المقبری رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، حاتم بن اسماعیل، ابن وہب، ابوضمرۃ انس بن عیاض، عبیداللہ بن موسیٰ اور ابونعیم رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔ [۲]

---

[۱] وروی إسحاق الکوسج عن یحیی بن معین :ثقة.وقال أحمد العجلی :بصری تابعی، ثقة، وهو خال حماد بن سلمة .وقال أبو حاتم الرازی :ثقة، لا بأس به .وقال ابن خراش :ثقة، صدوق، وعامة حدیثه عن أنس إنما سمعه من ثابت.

[۲] قال یحیی بن معین :لیس به بأس.وقال النسائی :لیس بالقوی.

(تقویمِ تاریخی ص ۳۹،البدایہ والنھایہ ج ۱۰ ثم دخلت سنة ثلاث وخمسون ومائة،سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۳۴۲)

(۳۳)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۵۵ھ: میں حماد الراویۃ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۳۹)

آپ کو سابور بن المبارک بھی کہا جاتا ہے، آپ لغتِ عرب اور تاریخ کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، آپ ہی نے ''سبع معلقات'' کو جمع کیا، آپ کو الراویۃ اس لئے کہا جاتا تھا کہ آپ بہت کثرت سے عربی اشعار روایت کرتے تھے، اسی وجہ سے آپ کا نام ''الراویۃ'' پڑ گیا تھا (البدایہ والنہایہ ج ۱۰،ثم دخلت سنۃ خمس وخمسین ومائۃ، حماد الراویۃ)

(۳۴)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۶۷ھ: میں بشار بن برد کو قتل کیا گیا (تقویمِ تاریخی ص ۴۲)

یہ عقیل کا غلام تھا، اور مادر زاد اندھا تھا، یہ اشعار کہا کرتا تھا، لیکن یہ زندیق تھا، عباسی خلیفہ مہدی چونکہ زندیقوں کا بہت سخت دشمن تھا، اس لئے اس نے اس کو قتل کرادیا تھا (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ثم دخلت سنۃ سبع وسبعین ومائۃ)

(۳۵)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۶۷ھ: میں ابو عبداللہ محمد بن عزیز بن عبداللہ بن زیاد بن خالد بن عقیل بن خالد الایلی العقیلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، سلامۃ بن روح، سلیمان بن سلمۃ الخبائری اور یعقوب بن زہدم بن الحارث رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، نسائی، ابن ماجۃ، ابوداؤد، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، یعقوب بن سفیان، محمد بن مسلم بن وارۃ، ابوحاتم، ابن ابی عاصم اور جعفر الفریابی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ [۱]

(تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۰۶)

(۳۶)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۶۸ھ: میں عیسیٰ بن موسیٰ عباسی کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۴۲)

---

[۱] قال النسائی لا بأس به وقال مرة صويلح وقال فی موضع آخر ليس بثقة ضعيف .قال ابن أبی حاتم كان صدوقا .قال الحاكم أبو أحمد رأيت القدماء حدثوا عنه مثل الفضل ابن سخيت وفيه نظر قال ابن حجر: علق البخاری لسلامة بن روح شيئا وهو من رواية محمد هذا عنه وقال مسلمة فی الصلة ثقة وقال ابن شاهين كان أحمد بن صالح المصری سيئ الرأی فيه وقال أحمد بن سعيد بن حزم فی تاريخه سألت أبا جعفر العقيلی عنه فقال ثقة.
قال أحمد وسمعت سعيد بن عثمان يقول لقيته بايلة وكان ثقة نقلت ذلک من فهرست ابن خير الاشبيلی.

عیسیٰ عباسی خلیفہ محمد مہدی کے بعد ولی عہد تھا،کوفہ میں وفات ہوئی(البدایہ والنہایہ ج۱۰ثم دخلت سنۃ سبعوستین ومائۃ میں سنِ وفات ۱۶۷ھ درج ہے)

(۳۷)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۸۶ھ: میں حضرت ابوسہل عباد بن العوام بن عمر بن عبداللہ بن المنذر بن مصعب بن جندل رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ اسلم بن زرعہ الکلابی کے آزاد کردہ غلام تھے، یحییٰ بن ابواسحاق، حصین بن عبدالرحمٰن، ہارون بن عنترۃ ،سعید الجریری،سعید بن ابی عروبۃ، ہلال بن خباب اورعبداللہ بن ابی نجیح رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذ ہیں،ابونعیم فضل بن دکین،سعید بن سلیمان الواسطی،ابوالربیع الزہرانی، ابوبکر بن ابی شیبۃ،عثمان بن ابی شیبۃ،احمد بن حنبل اورزیاد بن أیوب رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں،آپ ایک طویل مدت تک بغداد میں رہے،اورعلمِ حدیث کی تعلیم دی۔

(تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۱۰۴)

(۳۸)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۸۷ھ: میں حضرت ابواسماعیل حاتم بن اسماعیل کوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ مدینہ منورہ میں رہتے تھے، ہشام بن عروۃ، یزید بن ابی عبید،جعفرالصادق،خثیم بن عراک، جعید بن عبدالرحمٰن، معاویۃ بن أبي مزرداورعمران القصیر رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، قعنبی،قتیبۃ،اسحاق،ہناد،ابوبکر بن ابی شیبۃ اورابوکریب رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی،جمعہ کی رات آپ کی وفات ہوئی۔ [۱]

(سیر اعلام النبلاء ج۸ص ۵۱۸،ثقات ابنِ حبان ج۸ص ۲۱۱)

(۳۹)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۸۸ھ: میں حضرت قاضی ابوعبداللہ جریر بن عبدالحمید بن یزید الضبی الکوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہو۔

آپ رےّ میں رہتے تھے،اوریہیں آپ نے علم پھیلایا،آپ کی ولادت ۱۰۷ھ میں ہوئی۔

عبدالملک بن عمیر، بیان بن بشر،عبدالعزیز بن رفیع،مغیرۃ بن مقسم،مطرف بن طریف،علاء بن المسیب،ثعلبۃ بن سہیل،عاصم الاحول،سلیمان التیمی، ہشام بن عروۃ،یحییٰ بن سعید الانصاری

۱؎ قال أحمد بن حنبل :هو أحب إلي من الدراوردي ووثقه جماعة.

اور عطاء بن السائب رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں۔

ابن المبارک، محمد بن عیسیٰ بن الطباع، یحییٰ بن یحییٰ، قتیبۃ، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی اور ابوبکر بن أبي شیبۃ رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔ [1]

(سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۱۸)

(۴۰)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۹۰ھ: میں حضرت ابوحفص عمر بن علی بن عطاء بن مقدم الثقفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ محمد بن ابوبکر المقدمی کے چچا تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ہشام بن عروۃ، ابو حازم الاعرج، خالد الحذاء، اسماعیل بن ابی خالد، ابن اسحاق اور اعمش رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: احمد، عمرو بن علی، ابن المدینی، خلیفۃ بن خیاط، احمد بن المقدام، احمد بن عبدۃ، حفص بن عمرو الربالی اور محمد بن بشار رحمہم اللہ۔ [2]

(سیر اعلام النبلاء ج ۸ ص ۵۱۴)

(۴۱)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۹۳ھ: میں حضرت امام ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

۹۶ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

آپ کے مرضِ وفات میں آپ کی ہمشیرہ رو رہی تھیں، تو آپ نے پوچھا کہ تم کیوں رو رہی ہو، گھر کے اس حصہ کی طرف دیکھو اس میں میں نے اٹھارہ ہزار قرآن مجید مکمل کئے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ خاموشی کا سب سے کم فائدہ سلامتی ہے، اور انسان کے عافیت کے لئے یہ کافی

---

[1] عن سفیان :رأیت جریرا یقود مغیرة، فقلت لعمر بن سعید :من ھذا الشاب ؟ قال لی عمر :ھذا شاب لا بأس به .قال حنبل :سئل أبو عبد اللہ :من أحب إلیک شریک أو جریر ؟ فقال :جریر أقل سقطا، شریک کان یخطیء.وقال أحمد العجلی :جریر کوفی ثقة.وقال ابن أبی حاتم :سألت أبی عن الاحوص وجریر فی حدیث حصین، فقال :کان جریر أکیس الرجلین، جریر أحب إلی .قلت: یحتج بحدیثه ؟ قال :نعم، جریر ثقة، وھو أحب إلی فی ھشام بن عروة من یونس بن بکیر .وقال النسائی :ثقة.وقال ابن خراش :صدوق.وقال أبو القاسم اللالکائی :مجمع علی ثقته.

[2] وثقه ابن سعد وغیره.وقال ابن معین :ما به بأس .وقال أبو حاتم :لا یحتج به .وقال محمد بن سعد :ثقة، وکان یدلس تدلیسا شدیدا، یقول :سمعت، وحدثنا، ثم یسکت ساعة، ثم یقول :ھشام بن عروة، سلیمان الاعمش قلت :قد احتمل أھل الصحاح تدلیسه، ورضوا به .

ہے، اور بولنے کا سب سے کم نقصان شہرت ہے (کہ آدمی اس سے مشہور ہوتا ہے) اور انسان کے لئے یہ کافی ہے۔ آپ ۶۰ سال تک روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے، ۹۶ سال کی عمر میں انتقال ہوا" البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ثم دخلت سنۃ ثلاث وتسعین ومائۃ اور تقویمِ تاریخی میں صفر کے مہینے میں آپ کی وفات کا ہونا درج ہے" [1]

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۶۶، میزان الاعتدال ج ۴ ص ۵۰۳، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۶ ص ۳۸۶، سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۵۰۷)

(۴۲)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۹۹ھ: میں ابو مطیع حکم بن عبداللہ بن مسلمۃ بن عبدالرحمٰن بلخی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ہشام بن حسان، بکر بن خنیس، عباد بن کثیر، عبداللہ بن عون، ابراہیم بن طہمان، اسرائیل بن یونس امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک بن أنس اور سفیان الثوری رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، آپ وہ عظیم الشان فقیہ و محدث ہیں، جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عقائد کے موضوع پر جامع کتاب فقہ اکبر کے راوی ہیں، بلخ کے قاضی بھی رہے ہیں، اور کئی مرتبہ حدیث کے سلسلہ میں بغداد تشریف لائے۔

(تاریخِ بغداد ج ۸ ص ۲۲۳، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۶۱)

تیسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

(۴۳)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۰۱ھ: میں شیخ المحدثین حضرت ابوالحسن علی بن عاصم بن صہیب القرشی التیمی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۱۰۷ھ میں ہوئی، حصین بن عبدالرحمٰن، بیان بن بشر، یحییٰ البکاء، عطاء بن السائب، سلیمان التیمی، یزید بن ابی زیاد اور لیث بن ابی سلیم رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، یزید بن زریع، علی بن المدینی، احمد بن حنبل، علی بن الجعد اور محمد بن حرب رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

---

[1] وکان أبو بکر ثقۃ صدوقا عارفا بالحدیث والعلم إلا أنہ کثیر الغلط. قال احمد بن حنبل: ربماغلط وھو صاحب قرآن وخبر. وقال ابن المبارک: ما رأیت احدا اسرع إلی السنۃ من ابی بکر بن عیاش. قال یعقوب بن شیبۃ: أبو بکر معروف بالصلاح البارع وکان لہ فقہ وعلم بالاخبار فی حدیثہ اضطراب. وقال أبو داود: ثقۃ وقال یزید بن ھارون: کان خیرا فاضلا لم یضع جنبہ إلی الارض اربعین سنۃ.

فرماتے ہیں کہ جب میں طلبِ علم کے لئے جانے لگا تو مجھے میرے والد صاحب نے ایک لاکھ درہم دیئے اور فرمایا کہ تو طلبِ علم کے لئے جا اور میں تیرا چہرہ اس وقت تک نہ دیکھوں جب تک تو ایک لاکھ حدیثیں نہ لے آئے (یاد رہے کہ اس زمانے میں آج کی طرح احادیث کتب کی شکل میں موجود نہیں تھیں بلکہ ایک ایک حدیث کے لئے لمبے لمبے سفر کرنا پڑتے تھے)

(سیر اعلام النبلاء ج۹ ص ۲۶۱، طبقات ابنِ سعد ج۷ص ۳۱۳،تہذیب الکمال ج۲۰ ص ۵۱۹)

(۴۴)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۰۲ھ: میں حضرت ابو یحییٰ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن الحمانی الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ اصلاً "خوارزم" کے رہنے والے تھے،آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں:یزید بن ابی بردہ،اعمش،سفیان ثوری اور سفیان بن عیینۃ رحمہم اللہ،آپ کے شاگرد درج ذیل ہیں:ابوبکر،محمد بن خلف الحدادی،حسن بن علی الخلال،احمد بن عمر الوکیعی اور ابو کریب رحمہم اللہ۔

(تہذیب التہذیب ج۶ ص ۱۰۹)

(۴۵)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۰۳ھ: میں حضرت ابوداؤد عمر بن سعد **الحفری الکوفی** رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

"حفر کوفہ میں ایک مقام کا نام ہے" مالک بن مغول،مسعر بن کدام،صالح بن حسان،بدر بن عثمان اور سفیان ثوری رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں،امام احمد بن حنبل،محمود بن غیلان،اسحاق بن منصور اور علی بن حرب رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔

حکایت کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ آپ جماعت کی نماز میں دیر سے تشریف لائے،تو آپ نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے پاس اس کپڑے کے علاوہ کوئی اور کپڑا نہیں تھا جس میں میں نماز پڑھتا،میں نے یہ کپڑا اپنی بیٹیوں کو دیا پہلے انہوں نے اس میں نماز پڑھی،اس کے بعد میں نے یہ کپڑا ان سے لیا اور تمہارے پاس آیا،علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ میں آپ جیسا عبادت گذار کسی کو نہیں دیکھا۔

ابوحمدون طیب المقری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ابوداؤد الحفری کو دفن کیا اور ان کے دروازے کو کھلا چھوڑ دیا کیونکہ ان کے گھر میں کچھ ساز وسامان تھا ہی نہیں،آپ کی عمر ۷۰ سال کے قریب تھی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۹ ص۴۱۷، تہذیب الکمال ج۲۱ ص۳۶۳، تہذیب التہذیب ج۷ ص۳۹۷)

(۴۶)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۰۳ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن بشر بن الفرافصۃ بن المختار العبدی الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

اسماعیل بن ابی خالد، ہشام بن عروہ، عبیداللہ بن عمر العمری، یزید بن زیاد بن ابی الجعد اور اعمش رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، علی بن المدینی، ابوبکر بن ابی شیبہ، اسحاق بن راہویہ، ابوکریب اور محمد بن عبداللہ بن نمیر رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

(تہذیب التہذیب ج۹ ص۶۴، طبقات ابنِ سعد ج۶ ص۳۹۴)

(۴۷)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۰۵ھ: میں ابومحمد روح بن عبادہ بن العلاء بن حسان بن عمرو القیسی البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ہشام بن حسان، اشعث بن عبدالملک الحمرانی، عوف الاعرابی اور حسین المعلم رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، امام احمد، علی، اسحاق، ابنِ نمیر، بندار، احمد بن سعید الرباطی، زہیر بن محمد المروزی اور ابواسحاق الجوزجانی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کا شمار بڑے محدثین میں ہوتا تھا، اصلاً آپ کا تعلق بصرہ سے تھا، اس کے بعد آپ بغداد تشریف لے آئے، اور ایک مدت تک آپ یہاں حدیث کی تعلیم دیتے رہے، اس کے بعد دوبارہ بصرہ لوٹ گئے۔

علمِ حدیث میں سنن واحکام کی ترتیب پر آپ نے کتب تصنیف کیں (سنن کتبِ حدیث کی وہ قسم ہے جس میں فقہی ترتیب پر احکامِ شرعیہ پر مشتمل احادیث جمع کی جاتی ہیں) اور مفسرین وسلف کے تفسیری اقوال کو جمع ومرتب کیا۔

(سیر اعلام النبلاء ج۹ ص۴۰۲، تہذیب الکمال ج۹ ص۲۴۵، طبقات الحفاظ ج۱ ص۲۷، تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج۱ ص۳۵۰، العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۲۵)

(۴۸)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۰۶ھ: میں حضرت ابوسلیمان داؤد بن المحبر بن قحذم بن سلیمان بن ذکوان الطائی البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بغداد میں رہتے تھے، امام شعبہ اور حماد بن سلمہ رحمہما اللہ آپ کے استاد ہیں، محمد بن اسحاق رحمہ اللہ اور بہت سے مشائخ آپ کے شاگرد ہیں، بغداد میں وفات ہوئی۔

(الطبقات السنیۃ فی تراجم الحنفیہ للتقی الغزی ج۱ ص۲۷۸، تہذیب التہذیب

ج۳ص۱۷۴،تهذيب الكمال ج۸ص۴۴۷، المنتظم ج۳ص۲۵۸)

(۴۹)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۰۷ھ: میں ابوطلحہ طاہر بن حسین بن مصعب بن زریق الخزاعی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

بعض مورخین نے شاندار الفاظ میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:وہ عزم وحوصلہ مندی اورحسن رائے میں یکتائے زمانہ اورعبقری شخصیت تھی، مامون نے اپنے بھائی امین کے مقابلے پر (لشکر دے کر) اسے بھیجا، پس اس نے مامون کو فتح مند کردیا اورامین کو قتل کردیا اورایک سال تک مامون کا ندیمِ خاص رہا اور مامون نے اسے خراسان کا والی بنا کر بھیجا، پس وہ خراسان جانے کے لئے پر تول ہی رہا تھا کہ دفعۃً موت نے آن لیا،اوروہ جوانمردی کے کمالات کے ساتھ ادب وفصاحت اورخطابت میں بھی بلند مقام رکھتا تھا، قائدانہ خصوصیات کا حامل، بارعب شخصیت، سخی دل اور ہردلعزیز انسان تھا(العبر فی خبر من غبر ج۱ص۲۶)

(۵۰)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۱۱ھ: میں حضرت ابویحییٰ زکریا بن عدی بن زریق بن اسماعیل التیمی الکوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بغداد میں رہتے تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں:ابواسحاق الفزاری، ابن المبارک، عبیداللہ بن عمرو الرقی اورحماد بن زید رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: اسحاق بن راہویہ، بخاری، عبداللہ بن ابی شیبہ اورعبداللہ الدارمی رحمہم اللہ، آپ کے والد پہلے یہودی تھے اس کے بعد اسلام قبول کیا۔

ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل اوریحییٰ بن معین رحمہما اللہ آپ کے پاس تشریف لائے اوران سے عرض کیا کہ ہمیں عبیداللہ بن عمران کی احادیث کا مجموعہ دکھایئے تاکہ ہم اس سے حدیثیں حاصل کریں، آپ نے فرمایا کہ تم کتاب کے ساتھ کیا کروگے میں تم کو ساری احادیث زبانی سنادوں گا، عباسی خلیفہ مامون کے دورِ خلافت میں بغداد میں وفات ہوئی۔

(تهذيب التهذيب ج۳ص۲۸۶، سير اعلام النبلاء ج۱۰ص۴۴۴،تهذيب الكمال ج۹ص۳۶۸"وقيل مات في سنة ۲۱۲ھ طبقات ابنِ سعد ج۶ص۴۰۷)("عندالبعض مات فی شهر جمادی الاخریٰ(طبقات الحفاظ ج۱ص۳۲،تذكرة الحفاظ للذهبي ج۱ص۳۹۶)"

(۵۱)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۱۳ھ: میں ابوعثمان عمرو بن عاصم بن عبیداللہ بن الوازع الکلابی القیسی البصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

اپنے دادا عاصم بن عبیداللہ اور شعبہ، حماد بن سلمہ، ہمام بن یحییٰ، جریر بن حازم، حرب بن سریج اور سلیمان بن المغیرہ رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، امام بخاری، احمد بن اسحاق السرماری، ابوبکر الجحابی، حسن بن علی الخلال، ابوخیثمہ اور ابوداؤد السجزی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۸ ص ۵۲)

(۵۲)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۱۴ھ: میں حضرت ابوعمرو معاویہ بن عمرو بن المہلب بن عمرو الازدی البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

اسرائیل، جریر بن حازم، زائدہ بن قدامۃ، عبدالرحمٰن المسعودی اور فضیل بن مرزوق رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، امام بخاری، ابوبکر بن ابی شیبہ، یحییٰ بن معین، ابوخیثمہ، عمرو بن الناقد اور احمد بن منیع رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کی ولادت ۱۲۸ھ میں ہوئی

(سیر اعلام النبلاء، ج۱۰ ص ۲۱۵، تہذیب الکمال ج۲۸ ص ۲۰۹)

(۵۳)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۲۱ھ: میں حضرت ابوحاتم بشر بن حاتم الرقی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بصرہ میں رہتے تھے، عبیداللہ بن عمرو رحمہ اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی۔

(التاریخ الکبیر للبخاری ج۲ ص ۷۲)

(۵۴)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۲۴ھ: میں حضرت ابوعمر شہاب بن عباد العبدی الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

حمادین، ابراہیم بن حمید الرواسی، جعفر بن سلیمان الضبعی، خالد بن عمرو القرشی اور محمد بن حسن بن ابویزید الہمدانی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام بخاری، مسلم، ابوعبیدۃ بن ابی السفر، احمد بن حنبل، علی بن المدینی اور عباس العنبری رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ لوگوں میں سے بہترین شخص تھے۔

(تہذیب التہذیب ج۴ ص ۳۲۳، تہذیب الکمال ج۱۲ ص ۵۷۵، مغانی الاخیار لبدرالدین العینی

ج ۲ ص ۳۵)

(۵۵)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۲۸ھ: میں حضرت ابوعبداللہ نعیم بن حماد المروزی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابوعبداللہ الخزاعی کے نام سے مشہور تھے، اور مصر میں رہتے تھے، ابراہیم بن طہمان، عیسیٰ بن عبید الکندی، خارجہ بن مصعب، ابن المبارک اور ھشیم رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام بخاری، دارمی، ابوحاتم اور بکر بن سہل الدمیاطی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۴۲۰)

(۵۶)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۲۹ھ: میں حضرت ابوزکریا یحییٰ بن بشر بن کثیر الحریری الاسدی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

معاویہ بن سلام (آپ ابوالخطاب کے نام سے مشہور تھے) سعید بن منصور، سعید بن عبدالعزیز اور ولید بن مسلم رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، مسلم، عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، عثمان بن خرزاذ، محمد بن ابی شیبہ اور بقی بن مخلد رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، عباسی خلیفہ مامون کے دورِ خلافت میں وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۰ ص۶۴۷، طبقات ابن سعد ج۶ ص۴۱۲، تھذیب الکمال ج۱۳ ص۲۴۳ "وقیل مات فی سنة ۲۲۷ھ تھذیب التھذیب ج۱۱ ص۱۶۶")

(۵۷)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۳۱ھ: میں ابوتمام حبیب بن اوس بن الحارث بن قیس الطائی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ایک بلند پایہ اور مشہور شاعر تھے، پہلے آپ نصرانی تھے اس کے بعد اسلام قبول کیا، عباسی خلیفہ ھارون الرشید کے دورِ خلافت میں ولادت ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۰ ص۴۷)

(۵۸)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۳۶ھ: میں حضرت ابومعمر اسماعیل بن معمر بن الحسن الھذلی القطیعی الھروی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بغداد میں رہتے تھے، ابراہیم بن سعد، ابنِ علیۃ، ہشیم، ابنِ عیینۃ، ابنِ ادریس اور عبداللہ بن معاذ الصنعانی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، صاعقہ، بقی بن مخلد

الذہلی اور عبداللہ بن احمد رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

(تھذیب التھذیب ج ۱ ص ۲۴۰، التاریخ الصغیر للبخاری ج ۲ ص ۳۳۶، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۱۷، الاکمال لابنِ ماکولا ج ۲ ص ۳۹، طبقات ابنِ سعد ج ۷ ص ۳۵۹، تھذیب الکمال ج ۳ ص ۲۳، تذکرۃ الحفاظ للذھبی ج ۲ ص ۴۷۲، التعدیل و التجریح للباجی ج ۱ ص ۳۴۲، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۳۹)

(۵۹)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۳۹ھ: میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن یوسف الباہلی البلخی الحنفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ مشہور فقیہہ اور ماوراء النہر (وسطی ایشیا کے شہر) بلخ کے مفتی تھے، آپ نے فقہ کی تعلیم امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے حاصل کی، امام مالک، حماد بن زید، شریک ، خالد بن عبداللہ رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام نسائی، محمد بن کرام، حامد بن سہل بخاری، جعفر بن محمد بن محمد بن سوار، محمد بن عبداللہ بن یوسف الدویری اور محمد بن المنذر الہروی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ کی وفات جمعہ کے دن نوے سال کی عمر میں ہوئی۔

(العبر فی خبر من غبر للذھبی ج ۱ ص ۸۱، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۶۳، تھذیب الکمال ج ۲ ص ۲۵۵، تذکرۃ الحفاظ للذھبی ج ۲ ص ۴۵۴، تھذیب التھذیب ج ۱ ص ۱۶۱)

(۶۰)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۴۰ھ: میں حضرت ابوبکر اعین بن محمد بن ابی عتاب البغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

زید بن حباب، احمد بن حنبل، آدم بن ابی ایاس، اسود بن عامر شاذان اور حسن بن بشر رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام مسلم، احمد بن ابی عون البزوری، احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری اور اسماعیل بن عبداللہ اصبہانی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

آپ نے مصر اور شام کے سفر کئے اور یہاں پر بہت سے حضرات سے حدیث کا علم حاصل کیا۔

(العبر فی خبر من غبر للذھبی ج ۱ ص ۸۲، تھذیب الکمال ج ۲۶ ص ۷۹)

(۶۱)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۴۴ھ: میں حضرت ابوالحسن السعدی المروزی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ نیشاپور کے رہنے والے تھے، ۹۰ سال کی عمر پائی، اسماعیل بن جعفر اور شریک رحمہما اللہ اور بہت سے حضرت سے علم حاصل کیا (العبر فی خبر من غبر للذھبی ج ۱ ص ۸۴)

(۶۲)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۴۴ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن حجر بن ایاس بن مقاتل بن مخادش بن مشمرخ بن خالد السعدی المروزی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بغداد میں رہتے تھے، اس کے بعد آپ ماوراء النہر (وسطی ایشیا) کے شہر مرو منتقل ہوگئے، اپنے والد حجر بن ایاس (جو کہ "الخیاط" کے نام سے مشہور تھے) اور خلف بن خلیفہ، عیسیٰ بن یونس اوراسماعیل بن جعفر رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، امام بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، احمد بن ابی الحواری، ابوبکر بن خزیمہ اور ابوعمرو المستملی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔

امام ابوبکر الاعین فرماتے ہیں کہ: خراسان کے مشائخ تین ہیں، قتیبہ، محمد بن مہران، علی بن حجر، ولادت ۱۵۴ھ میں ہوئی، آپ طلبِ علم کے لئے دور دراز علاقوں میں تشریف لے گئے تھے۔

(تهذيب التهذيب ج۷ص ۲۶۰، التاريخ الصغير ج۲ ص ۳۴۸، التاريخ الكبير للبخارى ج۶ ص ۲۷۲، سير اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۵۱۲، تهذيب الكمال ج ۲۰ ص ۳۵۹، تذكرة الحفاظ للذهبى ج۲ ص ۴۵۰، التعديل والتجريح للباجى ج۳ص ۱۸۲، تاريخِ دمشق ج ۴۱ ص ۳۰۸)

(۶۳)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۴۴ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب الاموی البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابنِ ابی الشوارب کے نام سے مشہور تھے، ابوعوانہ، کثیر بن سلیم، عبدالعزیز بن المختار، حماد بن زید اور عبدالواحد بن زیاد رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، امام مسلم، نسائی، القزوینی، ابوبکر بن ابی الدنیا اور ابوحاتم رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کو علمِ حدیث میں بڑا مقام حاصل تھا، آپ کی اولاد کو بعد میں قضا کا عہدہ سپرد کیا گیا۔

(سير اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۱۰۴، تهذيب الكمال ج۲۶ ص ۲۱)

(۶۴)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۴۰ھ: میں حضرت ابوالعباس ولید بن عتبہ بن بنان الاشجعی الدمشقی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ "ضابط" کے نام سے مشہور تھے، آپ کی ولادت ۱۷۶ھ میں ہوئی، فنِ قرأت میں ولید بن مسلم اور بقیہ بن الولید رحمہما اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، آپ سے عرض کے طریق پر (کہ شاگرد پڑھے استاد سنے) احمد بن نصر بن شاکر، نعیم بن کثیر اور عبداللہ بن محمد بن ہاشم الزعفرانی رحمہم اللہ قرأت روایت

کرتے ہیں، امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب ''سننِ ابوداؤد'' میں آپ سے احادیث روایت کی ہے۔

(غایۃ النھایۃ فی طبقات القراء ج ۱ ص ۴۳۵،تھذیب الکمال ج ۱۳ ص ۴۹،تاریخِ دمشق ج ۶۳ ص ۲۱۶)

(۶۵)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۴۸ھ: میں حضرت ابوبکر عبدالجبار بن العلاء بن عبدالجبار العطار البصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ مکہ مکرمہ میں رہتے تھے،اپنے والد علاء بن عبدالجبار اور ابنِ عیینۃ،ابنِ مہدی،مروان بن معاویہ الفزاری اور وکیع رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں،امام مسلم،ترمذی،نسائی،حسن بن محمد الصباح الزعفرانی (یہ آپ کے ہم عصر بھی ہیں) ابوحاتم اور ابنِ خزیمہ رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں،مکہ مکرمہ میں وفات ہوئی۔

(تھذیب التھذیب ۶ ص ۹۵،تھذیب الکمال ج ۱۶ ص ۳۹۳،سیر اعلام النبلاء للذھبی ج ۱۱ ص ۴۰۲)

(۶۶)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۴۸ھ: میں شیخ المحدثین حضرت ابوکریب محمد بن العلاء بن کریب الھمدانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں:ابوبکر بن عیاش، ہشیم، یحییٰ بن ابی زائدہ، ابن المبارک، عبدالرحیم بن سلیمان اور عمر بن عبید رحمہم اللہ،امام بخاری،مسلم،ابوداؤد،نسائی،ابنِ ماجہ،ترمذی،محمد بن یحییٰ الذہلی،ابوزرعہ،ابوحاتم،ابنِ ابی الدنیا اور عثمان بن خرزاذ رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔

حضرت محمد بن عبداللہ بن نمیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:عراق میں آپ سے زیادہ کوئی کثرت سے حدیث روایت کرنے والا نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ہمارے شہروں میں ان سے زیادہ کوئی حدیث جاننے والا تھا''عندالبعض مات فی جمادی الآخرۃ''

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۳۹۶، تھذیب الکمال ج ۲۶ ص ۲۴۸،تاریخِ دمشق ج ۵۵ ص ۵۹)

(۶۷)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۴۹ھ: میں حضرت ابومحمد رجاء بن مرجی بن رافع الغفاری المروزی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بغداد میں رہتے تھے،ابوالیمان حکم بن نافع،ابوصالح،فضل بن دکین اور نضر بن شمیل رحمہم اللہ

آپ کے اساتذہ میں سرِفہرست ہیں، ان کے علاوہ بھی آپ نے حجاز، خراسان، عراق اور شام کے علاقوں میں بہت سے حضرات سے علم حاصل کیا، امام ابوداؤد، ابنِ ماجہ، حسین المحاملی اور ابنِ ابی الدنیا رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، بغداد میں ہی آپ کی وفات ہوئی۔

(طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۴۶، تهذيب التهذيب ج۳ ص ۲۳۳، سير اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۹۹، تهذيب الكمال ج۹ ص ۱۷۰، تذكرة الحفاظ ج۲ ص ۵۴۲)

(۶۸)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۴۹ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن سعید بن مسروق الکندی الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

حفص بن غیاث، ابن المبارک، عبدالرحیم بن سلیمان، یحییٰ بن ابی زائدہ، عیسیٰ بن یونس اور مروان بن معاویہ رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، امام ترمذی، نسائی، ابوحاتم، یعقوب بن سفیان، ابنِ خزیمہ اور حکیم ترمذی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔

(تهذيب التهذيب ج۷ ص ۲۸۷، تهذيب الكمال ج ۲۰ ص ۴۵۱)

(۶۹)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۴۹ھ: میں حضرت ابومروان ہشام بن خالد بن یزید بن مروان الازرق الدمشقی السلامی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ولید بن مسلم، بقیہ، حسن بن یحییٰ الخشنی، مروان بن معاویہ اور خالد بن یزید بن ابی مالک رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوداؤد، ابنِ ماجہ، ابوحاتم اور عثمان بن خرزاذ رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام ابوزرعہ الدمشقی رحمہ اللہ نے آپ کو دمشق کے اہلِ فتویٰ میں ذکر کیا ہے (تهذيب التهذيب ج ۱۱ ص ۳۶)

(۷۰)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۵۰ھ: میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن عبداللہ الخفاف المصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

عمران بن عبداللہ بن بکیر رحمہ اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِفہرست ہیں، یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر رحمہ اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں (اكمال الاكمال لابنِ ماكولا ج۳ ص ۲۹۴)

(۷۱)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۵۱ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن ہشام بن شبیب بن ابی خیرۃ السدوسی البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ مصر میں رہتے تھے، بشر بن مفضل، بکر بن عبداللہ اللیثی، حسن بن حبیب بن ندبہ، حسین بن حسن البصری، خالد بن الحارث، سفیان بن عیینۃ، صغدی بن سنان، ابو عاصم ضحاک بن مخلد، عاصم بن ہلال البارقی اور عبداللہ بن سلمۃ الافطس رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوداؤد، نسائی، ابراہیم بن احمد بن احمد بن محمد بن الحارث الکلابی المصری، احمد بن محمد بن حبان الدمشقی، احمد بن محمد بن حسن الربعی البغدادی، ابوالحسن احمد بن ابی یحییٰ الحضرمی المصری اور حسن بن علی بن شبیب المعمری رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، مصر میں آپ کی وفات ہوئی۔ [۱]

(تهذیب الكمال ج۲٦ ص ٥٢٦، تهذیب التهذیب ج۹ ص ۴۳۸)

(۷۲)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۵۱ھ: میں حضرت ابویعقوب اسحاق بن منصور بن بہرام التمیمی المروزی الکوسج رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت مَرو کے مقام پر ہوئی، آپ نیشاپور میں رہتے تھے۔

سفیان بن عیینہ، وکیع بن الجراح، نضر بن شمیل، یحییٰ بن سعید القطان، معاذ بن ہشام، ابواسامہ، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبداللہ بن نمیر، محمد بن بکر البرسانی، عبدالرزاق، محمد بن یوسف الفریابی اور عفان رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں۔

بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابنِ ماجہ، ابوزرعہ الرازی، ابوبکر بن خزیمہ، ابوالعباس السراج، مؤمل بن حسن الماسرجسی، احمد بن حمدون الاعمشی اور محمد بن احمد بن زہیر رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، آپ کا شمار بڑے محدثین میں ہوتا تھا، اس کے ساتھ آپ زاہد بھی تھے، اور سنت پر بڑی مضبوطی سے عمل کرنے والے تھے، جمعرات کے دن آپ کی نیشاپور میں وفات ہوئی، اور جمعہ کے دن آپ کی تدفین ہوئی، اور مشہور محدث اسحاق بن راہویہ اور محمد بن رافع رحمہم اللہ کے قریب دفن ہوئے، اور محمد بن طاہر نے آپ کے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ [۲]

---

[۱] قال ابوحاتم الرازی: صدوق. وقال النسائی: صالح. وقال فی موضع آخر: لاباس به وقال ابوسعید بن یونس: کانه ثقة ثبتا حسن الحدیث.

[۲] قال مسلم: ثقة مامون، احد الائمة من اصحاب الحدیث، وقال النسائی: ثقةثبت. وقال الحاکم: احدالائمة من الزهاد والمتمسکین بالسنة، وقال الخطیب: کان فقیها عالما، قال ابوحاتم: صدوق، وقال ابوبکر الخطیب: کان فقیها عالما، وهوالذی دون عن احمد بن حنبل واسحاق بن راهویه المسائل.

(سیر اعلام النبلاء ج۱۲ ص۲۶۰، العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۸۷، طبقات الحنابلة ج۱ ص۴۴، طبقات الحفاظ ج۱ ص۴۴، تھذیب التھذیب ج۱ ص۲۱۹، التاریخ الصغیر ج۲ ص۳۶۲، تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۵۲۵، تاریخِ دمشق ج۸ ص۲۸۴، الکامل فی التاریخ ج۳ ص۲۵۸، المنتظم لابنِ جوزی ج۳ ص۴۳۳، تھذیب الکمال ج۲ ص۳۷۷)

(۷۳)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۵۲ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن سلمۃ بن عقبہ القرشی اللبقی نیشاپوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

اسحاق بن یوسف الازرق، اسماعیل بن علیۃ، اصرم بن حوشب، حجاج بن نصر الفساطیطی، حسین بن علوان، حفص بن غیاث، زید بن الحباب، سلم بن سالم البلخی، شبابۃ بن سوار، عبدالرحمٰن بن محمد المحاربی اور عبدالرحمٰن بن ہارون بن عنترہ رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابنِ ماجہ، ابواسحاق ابراہیم بن اسماعیل الطّوسی، ابراہیم بن ابی طالب، ابراہیم بن محمد بن سفیان، احمد بن محمد بن الازہر، حسن بن علی بن مخلد، حسن بن علی بن نصر الطّوسی، داؤد بن حسین البیہقی، ابوسعید عاصم بن سعید اور عبداللہ بن ابی القاضی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

جمعہ کے دن جمعہ کے نماز سے پہلے آپ کی وفات ہوئی، اور جمعہ کی دن ہی آپ کی تدفین ہوئی۔ [۱]

(تھذیب الکمال ج۲۰ ص۴۵۳، تھذیب التھذیب ج۷ ص۲۸۸، المنتظم لابن الجوزی ج۳ ص۴۳۵)

(۷۴)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۵۵ھ: میں حضرت ابوعمر شبابۃ بن سوار الفزاری المدائنی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ اصلاً خراسان کے باشندے تھے، حریز بن عثمان الرجبی، اسرائیل، شعبہ، شیبان، یونس بن ابی اسحاق، ابنِ ابی ذئب، لیث، عبدالعزیز بن ماجشون اور محمد بن طلحہ بن مصرف رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی۔

احمد بن حنبل، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین، اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن محمد المسندی، احمد بن حسن بن خراش، احمد بن ابی سریج الرازی، حجاج بن شاعر، حجاج بن حمزۃ الخشابی اور حسن بن صباح رحمہم اللہ

---

[۱] ذکرہ ابن حبان فی کتاب الثقات، وقال الحاکم ابوعبداللہ الحافظ: سمعت اباالولید الفقیہ یقول: سمعت اباالحسن الزھیری یقول: حضرت محمد بن اسماعیل، وسالہ محمد بن حمزۃ عن علی بن سلمۃ اللبقی، فقال ثقۃ

نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (تهذيب التهذيب ج۴ص ۲۶۵) ۱

(۷۵)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۵۸ھ: میں حضرت ابواسحاق اسماعیل بن اسد بن شاہین رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ اسماعیل بن ابی الحارث البغدادی کے نام سے مشہور تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں:
احمد بن محمد بن حنبل، اسحاق بن عیسیٰ بن الطباع، اسحاق بن منصور السلولی، جعفر بن عون، حجاج بن محمد الاعور، حسن بن موسیٰ الاشیب اور خلف بن تمیم رحمہم اللہ۔

آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابوداؤد، ابنِ ماجہ، ابراہیم بن اسحاق الحربی، ابراہیم بن موسیٰ الجوزی، احمد بن علی الجارود الجارودی الاصبہانی، ابوبکر بن عمرو بن عبدالخالق البزار، احمد بن محمد بن حسن الذہبی، حسن بن عبدالوہاب بن ابوالعنبر، حسن بن محمد بن شعبۃ، حسین بن اسماعیل المحاملی، حسین بن یحییٰ بن عیاش القطان اور ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد رحمہم اللہ۔

جمعہ کے دن آپ کی وفات ہوئی۔ ۲

(تهذيب الكمال ج۳ص ۴۵،تهذيب التهذيب ج ا ص ۲۴۷،المنتظم لابن الجوزی ج۳ص ۴۵۶)

(۷۶)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۵۸ھ: میں حضرت ابوالعباس فضل بن یعقوب بن ابراہیم بن موسیٰ الرخامی البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ادریس بن یحییٰ الخولانی، اسد بن موسیٰ، حبیب بن ابی حبیب، حجاج بن محمد المصیصی، حسن بن بلال البصری، حسن بن محمد الجزری، زید بن یحییٰ بن عبید الدمشقی، وعید بن مسلم الاموی اور ابوعاصم الضحاک بن مخلد رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں۔

بخاری، ابنِ ماجہ، ابوالعباس احمد بن محمد بن مسروق الطّوسی، ابوعلی اسماعیل بن عباس الوارق، جعفر بن احمد بن سنان القطان، جعفر بن محمد بن ابرہیم، حسین بن اسماعیل المحاملی، ابوبکر عبداللہ بن محمد بن

---

۱ ذكره ابن حبان فی الثقات .

۲ قال عبدالرحمن بن ابی حاتم: كتبت عنه مع ابی وهو صدوق، وسئل عنه ابی فقال: صدوق، وقال ابوقريش محمد بن جمعه :حدثنا اسماعيل بن ابی الحارث الشيخ الصالح وكذالک قال الحسن بن محمد بن شعبة، وقال محمد بن مخلد:حدثنا اسماعيل بن ابی الحارث من خيار المسلمين،وقال الدارقطنی :ثقة ، صدوق، ورع، فاضل.

ابی الدنیا اور عبداللہ بن محمد بن ناجیۃ رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔ ؎۱

(تہذیب الکمال ج۲۳ص۲۶۳، تہذیب التہذیب ج۸ص۲۶۰، المنتظم لابن الجوزی ج۳ص۴۵۷)

(۷۷)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۵۹ھ: میں حضرت ابوزید عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن عیسیٰ بن نذیر الاموی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابنِ نذیر کے نام سے مشہور تھے، اور اندلس کے مفتی تھے، عبدالرحمٰن المقرئ، مطرف بن عبداللہ الیساری اور عبدالملک بن الماجشون رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، محمد بن عمر بن لبابہ، سعید بن عثمان الاعناقی اور محمد بن فطیس رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۲ص۳۳۷)

(۷۸)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۵۹ھ: میں حضرت یحییٰ بن زکریا بن ابراہیم بن مزین رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ رملۃ بنت عثمان بن عفان کے آزاد کردہ غلام تھے، اصلاً آپ طیطلۃ کے باشندے تھے، بعد میں آپ اندلس کے مشہور شہر قرطبہ منتقل ہوگئے، عیسیٰ بن دینار، محمد بن عیسیٰ الاعشی، یحییٰ بن یحییٰ اور غازی بن قیس رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ طیطلۃ کے قاضی بھی رہے ہیں، آپ کی چند مشہور کتب یہ ہیں:

تفسیر المؤطا، کتاب تسمیۃ رجال المؤطا، کتاب علل حدیث المؤطا، کتاب فضائل القرآن۔

(الدیباج المذھب فی معرفۃ أعیان علماء المذھب لابن فرحون ج۱ص۱۷۷)

(۷۹)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۶۰ھ: میں حضرت ابوعبداللہ جعفر بن محمد بن الھذیل الکوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابوعبداللہ القناد کے نام سے مشہور تھے، ابراہیم بن اسحاق الصینی، سعید بن عمرو الاشعثی، عاصم

؎۱ قال ابوحاتم: صدوق، وقال ابنه عبدالرحمان بن ابی حاتم: کتبت عنه مع ابی ببغداد وکان صدوقا ثقة، وقال الدارقطنی: ثقة حافظ، وقال ابوبکر الخطیب: کان ثقة، وذکره ابن حبان فی کتاب الثقات.

بن یوسف الیربوعی، عبدالحمید بن بیان السکری، عمرو بن حماد بن طلحہ القناد، ابونعیم فضل بن دین، محمد بن صلت الاسدی اور محمد بن عبداللہ بن المبارک المخرمی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، نسائی، احمد بن سلام، اسحاق بن احمد القطان، ابوعبداللہ جعفر بن حمدان بن سفیان القرشی الکوفی، حسین بن محمد حسین بن مصعب الکوفی، ابوبکر عبداللہ بن ابوداؤ داور علی بن عباس البجلی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔ [1]

(تہذیب الکمال ج۵ ص ۱۰۲)

(۸۰)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۶۰ھ: میں حضرت ابوجعفر محمد بن اسماعیل بن سمرۃ الکوفی السراج رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابراہیم بن عیینۃ، اسباط بن محمد القرشی، اسماعیل بن محمد بن جحادۃ، جعفر بن عون، حسن بن علی الرزاز، حفص بن غیاث، حکم بن جمیع السدوس، ابواسامہ حماد بن اسامہ، زید بن حباب، سفیان بن عیینۃ، عبدالرحمٰن بن محمد المحاربی اور ابوصلت عبدالسلام بن صالح الہروی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: نسائی، ترمذی، ابنِ ماجہ، ابواسید احمد بن محمد بن اسید الاصبہانی، حاجب بن ابی بکر، ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی، ابونعیم عبدالملک بن محمد بن عدی، عمر بن محمد بن بجیر البجیری اور قاسم بن زکریا المطرز رحمہم اللہ۔ [2]

(تہذیب الکمال ج۲۴ ص ۴۷۹)

(۸۱)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۶۱ھ: میں افریقہ کے گورنر محمد بن احمد بن الاغلب کی وفات ہوئی، آپ کی مدتِ ولایت ۲۰ سال ۵ مہینے اور ۱۶ دن تھی (الکامل فی التاریخ ج۳ ص ۲۹۳)

(۸۲)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۶۲ھ: میں حضرت ابوعمران موسیٰ بن سہل بن قادم الرملی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آدم بن ابی ایاس، علی بن عیاش رحمہما اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوداؤد، ابنِ خزیمہ، ابن ابی حاتم اور ارغیانی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

---

[1] قال النسائی: ثقة.

[2] قال عبدالرحمان بن ابی حاتم: سئل ابی عنه، فقال صدوق وسمعت منه مع ابی وهو صدوق ثقة. وقال النسائی: ثقة. وذكره ابن حبان فی كتاب الثقات.

رملہ مقام میں آپ کی وفات ہوئی۔ [1]

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۲۴۲، تہذیب الکمال ج ۲۹ ص ۷۷)

(۸۳)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۶۳ھ: میں حضرت ابوعلی حسن بن یحییٰ بن الجعد بن نشیط العبدی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابوعلی بن ابوالربیع الجرجانی کے نام سے مشہور تھے، آپ بغداد میں رہتے تھے، ابراہیم بن حکم بن ابان العدنی، اصرم بن حوشب (قاضی ہمذان) شبابۃ بن سوار، ابوعاصم ضحاک بن مخلد نبیل، عبدالحمید بن عبدالرحمٰن الحمانی، عبدالرزاق بن ہمام، عبدالصمد بن عبدالوارث اورابوعامر عبدالملک بن عمرو العقدی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابنِ ماجہ، ابویعلیٰ احمد بن علی بن المثنیٰ الموصلی، ابوبکر احمد بن محمد بن ہلال، حسین بن اسماعیل المحاملی، حسین بن یحییٰ بن عیاش القطان، زکریا بن یحییٰ السجزی، عبداللہ بن احمد بن حنبل، عبداللہ بن ابی داؤد، عبداللہ بن محمد بن ابی الدنیا اور ابوبکر عبداللہ بن محمد بن زیاد نیشاپوری رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ۸۵سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ [2]

(تہذیب الکمال ج٦ ص ۳۳۵، تہذیب التہذیب ج۲ ص ۲۸۰، سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۳۵٦)

(۸۴)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۲٦۳ھ: میں حضرت ابوجعفر حمدون بن عمارۃ البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کا لقب حمدون تھا اور اسی نام سے آپ مشہور ہوئے، احمد بن عبدالملک بن واقد الحرانی، اسحاق بن ابراہیم الہروی، اسحاق بن کعب، داؤد بن مہران، سعید بن سلیمان الواسطی، عبداللہ بن عمرو بن ابوامیۃ اورعبداللہ بن محمد المسندی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابنِ ماجہ، ابوذر احمد بن محمد بن محمد سلیمان بن الباغندی، عبداللہ بن محمد بن اسحاق المروزی (الحامض) عبدالرحمٰن بن محمد بن حماد الطہرانی، ابوبکر محمد بن احمد بن راشد بن معدان الاصبہانی، ابوالطیب محمد بن جعفر الدیباجی، محمد بن

---

[1] قال ابن ابی حاتم فی الجرح والتعدیل: کتبت عنه وهو صدوق ثقة، وقال ابنه عبدالرحمان بن ابی حاتم: صدوق ثقة.

[2] قال عبدالرحمن بن ابی حاتم: سمعت منه مع ابی وهو صدوق، ذکره ابن حبان فی کتاب الثقات.

مخلد العطار الدوری اور یحییٰ بن محمد بن صاعد رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، جمادی الاولیٰ کی پہلی تاریخ کو آپ کا انتقال ہوا۔ ل

(تھذیب الکمال ج۷ص ۳۰۰،تھذیب التھذیب ج۳ص ۲۱)

(۸۵)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۶۴ھ: میں حضرت ابومحمد شعیب بن شعیب بن اسحاق بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن راشد القرشی الاموی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابومحمد الدمشقی کے نام سے مشہور تھے، اور رملہ بنت عثمان بن عفان رحمہا اللہ کے آزاد کردہ غلام تھے، آپ کی ولادت ۱۹۰ھ میں ہوئی۔

احمد بن خالد الوہبی، جنادۃ بن محمد المری، ابوالیمان حکم بن نافع، زید بن یحییٰ بن عبید الدمشقی، عبداللہ بن زبیر الحمیدی، ابوالمغیرۃ عبدالقدوس بن حجاج الخولانی، عبدالوہاب بن سعید السلمی اور محمد بن المبارک الصوری رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں۔

نسائی، ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن مروان، ابراہیم بن عبدالواحد العنسی، احمد بن انس بن مالک، احمد بن عامر بن عبدالواحد البرقعیدی، ابوالحسن احمد بن عمیر بن یوسف بن جوصی، ابوالدحداح احمد بن محمد بن اسماعیل التمیمی اور ابوجعفر احمد بن محمد بن موسیٰ بن ابی غسان الدمشقی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔ ۲ (تھذیب الکمال ج ۱۲ ص ۵۲۷)

(۸۶)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۶۴ھ: میں حضرت ابوخالد یزید بن سنان بن یزید بن ذیال رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ مصر میں رہتے تھے، اور مشہور شخصیت محمد بن سنان القزاز رحمہ اللہ کے بھائی تھے، یحییٰ بن سعید القطان، معاذ بن ہشام، عقدی اور عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام نسائی، ابوعوانہ الاسفرائینی، ابوجعفر الطحاوی اور عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

۸۰ سال کی عمر پائی، آپ کی وفات مصر میں ہوئی اور قاضی بکار رحمہ اللہ نے آپ کی نمازِ جنازہ

ل قال ابوبکر الخطیب: کان ثقة.

۲ قال ابوحاتم و ابنه عبدالرحمن بن ابی حاتم :صدوق،وقال النسائی: ثقة.

پڑھائی۔ [۱]

(سیر اعلام النبلاء ج۱۲ ص۵۵۴، تھذیب التھذیب ج۱۱ ص۲۹۳، المنتظم لابن الجوزی ج۳ص۱۷۴)

(۸۷)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۶۷ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن عزیز بن عبداللہ بن زیاد بن خالد بن عقیل بن خالد الایلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

سلیمان بن سلمۃ الخبائری الحمصی، یعقوب بن زہدم بن الحارث اور سلامۃ بن روح بن خالد الایلی (یہ آپ کے چچا کے بیٹے ہیں) رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، نسائی، ابنِ ماجہ، احمد بن حفص السعدی، احمد بن شعیب بن یزید الصیرفی، ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم اور ابوالحریش احمد بن عیسیٰ الکلابی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ایلہ کے مقام پر آپ کی وفات ہوئی۔ [۲] (تھذیب الکمال ج۲۶ص۱۱۶)

(۸۸)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۶۸ھ: میں حضرت ابویحییٰ عیسیٰ بن احمد بن وردان العسقلانی البلخی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ اصلاً بغداد کے رہنے والے تھے لیکن بلخ میں عسقلان محلّہ میں آپ رہتے تھے، اسحاق بن سلیمان الرازی، اسحاق بن الفرات، المصری، اسود بن عامر شاذان، اصرم بن حوشب، بشر بن بکر التنیسی، بقیۃ بن الولید، حسین بن ولید نیشاپوری، ابواسامہ حماد بن اسامہ، خالد بن عبدالرحمٰن الخراسانی اور خالد بن قاسم المدائنی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ترمذی، نسائی، ابواسحاق ابراہیم بن معقل النسفی، احمد بن حامد النسفی، ابوبکر احمد بن عبدالرحمٰن بن جارود العسکری، احمد بن محمد حامد النسفی، ابوبکر احمد بن عبدالرحمٰن بن الجارو العسکری، احمد بن محمد بن العجنس العجنسی، احمد بن منصور بن علی النسفی، ابواحمد حامد بن بلال البخاری، ابویعلیٰ حسن بن حسین الکبندی اور ابومحمد حسن بن

---

[۱] وقال الذھبی: وبلغنا انه كان ثقة امام نبيلا. قال ابن ابی حاتم كتبت عنه وھو صدوق ثقة وقال النسائی ثقة. وذكره ابن حبان فی الثقات.

[۲] قال النسائی: لاباس به. وقال فی موضع آخر: صويلح. وفی موضع آخر: ضعيف ليس بثقة. وقال عبدالرحمن بن ابی حاتم: كان صدوقا. وقال الحاكم ابواحمد: رأيت القدماء حدثوا عنه مثل الفضل بن سخيت الهندی، وبكر بن سهل الدمياطی فيه نظر.

زکریا البز از رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، بلخ کے محلّہ عسقلان میں آپ کی وفات ہوئی۔ [۱]

(تہذیب الکمال ج ۲۲ ص ۵۸۷)

(۸۹)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۶۸ھ: میں حضرت ابوعلی حسن بن ثواب الثعلبی المخرمی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

یزید بن ہارون، عبدالرحمٰن بن عمرو بن جبلۃ البصری، ابراہیم بن حمزۃ المدنی اور عمار بن عثمان الحلبی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، عبداللہ بن محمد بن اسحاق المروزی، جعفر بن عبداللہ بن مجاشع، اسماعیل الصفار، ابوبکر الخلال رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔ [۲]

(طبقات الحنابلۃ ج ۱ ص ۵۰)

(۹۰)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۷۰ھ: میں حضرت ابواسحاق بن اسحاق بن اسماعیل بن سہل القرشی الکوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ مصر میں رہتے تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: جعفر بن عون، محمد بن القاسم الاسدی، ابونعیم، طلق بن غنام، اسحاق السلولی اور سعید بن ابی مریم رحمہم اللہ۔

آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابنِ خزیمہ، طحاوی، ابنِ زیاد نیشاپوری اور عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہم اللہ، آپ کو فالج کا مرض ہوگیا تھا، اور اس کے مرض کے کچھ عرصہ بعد آپ کی وفات ہوئی۔ [۳]

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۱۵۹)

(۹۱)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۷۳ھ: میں حضرت ابوعلی حنبل بن اسحاق بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے چچازاد بھائی تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابونعیم فضل بن دکین، ابوغسان مالک بن اسماعیل، عفان بن مسلم، سعید بن سلیمان، عارم بن فضل بن دکین اور سلیمان بن حرب رحمہم اللہ۔

آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: عبداللہ بن محمد البغوی، یحییٰ بن صاعد اور ابوبکر الخلال رحمہم اللہ، واسط

---

[۱] قال النسائی: ثقۃ، وقال ابوحاتم: صدوق، ذکرہ ابن حبان فی کتاب الثقات.

[۲] وقال البرقانی قال لنا ابوالحسن الدارقطنی الحسن بن ثواب الثعلبی بغدادی ثقۃ.

[۳] وقال ابن ابی حاتم: ھو صدوق.

شہر میں آپ کی وفات ہوئی۔ [۱]

(طبقات الحنابلة ج ۱ ص ۵۵،تذکرة الحفاظ ج ۲ ص ۶۰۱)

(۹۲)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۷۵ھ: میں حضرت ابوالفضل احمد بن ملاعب البغدادی المخرمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

عبداللہ بن بکر السہمی، ابونعیم، عبدالصمد بن نعمان، عفان، مسلم بن ابراہیم رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، یحییٰ بن صاعد، اسماعیل الصفار، ابوبکر النجاد، عثمان بن السماک اور ابوجعفر بن البختری رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، آپ کی ولادت ۱۹۱ھ میں ہوئی۔ [۲]

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۴۳،طبقات الحنابلة ج ۱ ص ۳۰،طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۵۲،تذکرة الحفاظ ج ۲ ص ۵۹۵)

(۹۳)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۷۵ھ: میں حضرت شیخ الاسلام ابوبکر احمد بن محمد بن حجاج المروذی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بغداد میں رہتے تھے اور بغداد کے شیخ شمار ہوتے تھے، آپ کے والد خوارزمی تھے، اور آپ کی والدہ مروذیہ علاقہ سے تعلق رکھتی تھیں، احمد بن حنبل آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں سے ہیں، اوران کی صحبت میں طویل عرصہ تک رہے، اوران کے بڑے شاگردوں میں شمار ہوتے تھے، ہارون بن معروف، محمد بن منہال الضریر، عبیداللہ بن عمر القواریری، محمد بن عبداللہ بن نمیر، عثمان بن ابی شیبۃ، عباس بن عبدالعظیم محمد بن عبدالعزیز بن ابی رزمہ رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوبکر الخلال، محمد بن عیسیٰ بن الولید، محمد بن مخلد العطار، عبداللہ الخرقی اور ابوحامد احمد بن عبداللہ الحذاء رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

آپ کی قبر حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاؤں کی جانب ہے۔

اسحاق بن داؤد فرماتے ہیں کہ: ابوبکر مروذی سے زیادہ دین میں راسخ وراست باز میں نے کوئی

---

[۱] وذکرہ الخطیب احمدبن ثابت فقال: کان ثقة ثبتا. وقال ابن ابی یعلیٰ: واخبرنا الازہری قال: سئل الدارقطنی عن حنبل کان صدوقا.

[۲] قال ابن خراش وغیرہ: ثقة، وقال ابن ابی یعلیٰ: وذکرہ عبدالله بن احمد فقال: ثقة. وکذالک قال: الدارقطنی.

نہیں پایا۔

ابوبکر بن صدقہ فرماتے ہیں کہ: مروذی سے زیادہ اللہ کے دین کا محافظ ورکھوالا میرے علم میں کوئی اور نہیں۔

اسی طرح آپ فرماتے ہیں کہ: ایک دن میں امام احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا آپ نے کس حال میں صبح کی؟

تو آپ نے جواب دیا کہ اس کی صبح کیسی ہوسکتی ہے؟ جس کے رب کا اس سے اپنے فرائض کی بجاآوری کا مطالبہ ہو، اوراس کے نبی کا اپنے سنن وطریقوں کی ادائیگی کا تقاضا ہو، اوردوفرشتے اس سے صحتِ عمل کے متقاضی ہوں، جبکہ (اس کے برخلاف) اس کا نفس اس سے اپنی خواہشات کی اتباع کا مطالبہ کرتا ہو، اورابلیس اس سے منکرات اورفواحش میں ملوث ہونے کا مطالبہ کرتا ہو، اورموت کا فرشتہ اس سے روح کی سپردگی کا تقاضا کرتا ہو، اوراس کے اہل وعیال اپنے نان نفقہ کے پورے کرنے کا مطالبہ کرتے ہوں۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص۱۷۵، العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۹۷، طبقات الحنابلة ج۱ ص۲۳، تذکرة الحفاظ ج۲ ص۶۳۳)

(۹۴)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۷۶ھ: میں حضرت شیخ الحرم امام ابوجعفر محمد بن اسماعیل بن سالم القرشی العباسی الصائغ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ مکہ مکرمہ میں رہتے تھے، اسماعیل بن سالم القرشی (یہ آپ کے والد ہیں) ابواسامۃ، ابوداؤد الحفری، روح بن عبادہ، حجاج بن محمد الاعور رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوداؤد، ابنِ صاعد، ابنِ ابی حاتم، عبداللہ بن حسن بن بندار اور شیخ ابونعیم رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ۹۰ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ [1]

(سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص۱۶۲، تہذیب الکمال ج۲۴ ص۴۷۷، تہذیب التہذیب ج۹ ص۵۰)

(۹۵)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۷۹ھ: میں حضرت ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ زہیر بن حرب بن شداد رحمہ

---

[1] قال عبدالرحمن بن ابی حاتم: سمعت منه بمكة وهو صدوق، وقال بن خراش: هومن اهل الفهم والامانة. وذكره ابن حبان فی كتاب الثقات.

اللہ کی وفات ہوئی۔

ابوخیثمہ زہیر بن حرب (یہ آپ کے والد ہیں) ابونعیم، ہوذہ بن خلیفہ، عفان، محمد بن سابق، ابوسلمہ التبوذکی، ابوغسان النہدی، احمد بن یونس، قطبہ بن العلاء، مسلم بن ابرہیم، احمد بن اسحاق الحضرمی اور موسیٰ بن داؤد الضبی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، محمد بن احمد الحافظ (یہ آپ کے بیٹے ہیں) ابوالقاسم البغوی، یحییٰ بن صاعد، علی بن محمد بن عبید، محمد بن مخلد، محمد بن احمد الحکیمی، اسماعیل بن محمد الصفار، ابوسہل بن زیاد، قاسم بن اصبغ اور احمد بن کامل رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ۹۴ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ [۱]

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۴۹۳، طبقات الحنابلة ج ۱ ص ۱۶، تذکرة الحفاظ ج ۲ ص ۵۹۶)

(۹۶)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۷۹ھ: میں حضرت ابویحییٰ عبداللہ بن احمد بن ابی مسرة المکی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابنِ ابی مسرة کے نام سے مشہور تھے، ابوعبدالرحمٰن المقرئ، عثمان بن یمان، یحییٰ بن قزع اور حمیدی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوالقاسم البغوی، یعقوب بن یوسف العاصمی، خیثمہ بن سلیمان، ابومحمد بن اسحاق الفاکہی المکی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، مکہ میں آپ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۶۳۳، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۹۸)

(۹۷)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۸۱ھ: میں حضرت ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان بن قیس القرشی الاموی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابوبکر بن ابی الدنیا البغدادی کے نام سے مشہور تھے، اور کئی مفید کتابوں کے مصنف تھے، جن میں سے کئی کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے، آپ کی ولادت ۲۰۸ھ میں ہوئی، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابراہیم بن زیاد سبلان، ابراہیم بن المنذر الخزامی، احمد بن ابراہیم الموصلی، احمد بن ابراہیم الدورقی، احمد بن جمیل المروزی، احمد بن عمران الاخنسی، ازہر بن مروان الرقاشی، اسحاق بن ابی اسرائیل، اسحاق بن اسماعیل الطالقانی، اور ابوابراہیم اسماعیل بن ابرہیم

---

[۱] قال الدارقطنی: ثقة مامون. وقال الخطیب ثقة عالم متقن حافظ بصیر بایام الناس روایة للادب.

الترجمانی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابنِ ماجہ، ابراہیم بن عبداللہ بن جنید الختلی (یہ آپ کے ہم عصر بھی تھے) ابراہیم بن عثمان بن سعید بن المثنیٰ المصری الخشاب، ابراہیم بن موسیٰ بن جمیل الاندلسی، ابوبکر بن احمد بن سلمان النجاد، ابوعلی احمد بن فضل بن عباس بن خزیمہ، ابوعلی احمد بن محمد بن ابراہیم الصحاف اور احمد بن محمد بن الجراح رحمہم اللہ۔

آپ کی جائے پیدائش ورہائش بغداد تھی۔

کہا گیا ہے کہ ابن ابی الدنیا کو حق تعالیٰ نے یہ تصرف مرحمت فرمایا تھا کہ اگر چاہتے تھے تو ایک کلمہ میں ہنسا دیتے تھے اور پھر دوبارہ اسے رلا دیتے تھے۔ یہ سب کچھ ان کے علم کے وسیع ہونے اور کلام کی تاثیر وتصرف کا اثر تھا۔

ابن ابی الدنیا کی ایک تصنیف "کتاب الدعاء" کے نام سے نہایت عمدہ اور نفیس کتاب ہے۔ [1]

(تهذيب الكمال ج١٦ ص٧٨،العبر في خبر من غبر ج ا ص ٩٩ ،طبقات الحفاظ ج ا ص٥٨ ،تهذيب التهذيب ج٦ ص ١٢،تذكرة الحفاظ ج٢ ص ٦٧٩، بستان المحدثين ص ١٦٦ تا ١٦٩ ملخصاً،مصنفه : حضرت شاه عبدالعزيز محدث دهلوی رحمه الله)

(۹۸)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۸۲ھ: میں حضرت ابوحنیفہ احمد بن داؤد الدینوری النحوی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابن السکیت رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، آپ کی تالیفات علمِ نحو، علمِ لغت، علمِ ہندسۃ، علمِ ھیئت اور وقت کی قدر وقیمت وغیرہ موضوعات پر ہیں۔

آپ احناف کے بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے۔ [2]

(سیر اعلام النبلاء ج١٣ ص ٤٢٢)

(۹۹)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۸۲ھ: میں حضرت ابوبکر احمد بن ابی بدر المنذر بن بدر بن النضر المغازلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

---

[1] قال عبدالرحمان بن ابی حاتم : كتبت عنه مع ابی وسئل ابی عنه فقال: صدوق.وقال عبدالمؤمن بن خلف النسفي: سالت اباعلي بن محمد عن ابن ابی الدنيا فقال: صدوق وكان يختلف معنا الا انه كان يسمع من انسان يقال له: محمد بن اسحاق بلخي وكان يضع للكلام اسنادا وكان كذابايروى احاديث من ذات نفسه مناكير.

[2] وقال الذهبی:صدوق.

آپ بدر کے لقب سے مشہور تھے۔ ؎۱

(طبقات الحنابلة ج ا ص ۲۹)

(۱۰۰)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۸۲ھ: میں حضرت ابوالحسن احمد بن محمد بن ابراہیم البغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ محمد بن حاتم بن میمون السمین رحمہ اللہ کے نواسے تھے، ابوالجہم ارزق بن علی الحنفی، سعید بن سلیمان الواسطی سعدویہ، علی بن حکیم الاودی، محمد بن یحییٰ بن ابوعمر العدنی، منجاب بن حارث التمیمی، ہدبۃ بن خالد، یعقوب بن حمید بن کاسب رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، حسین بن اسماعیل المحاملی، محمد بن جعفر المطیری، ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ العقیلی اور محمد بن مخلد بن حفص بن العطار رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، بغداد میں آپ کی وفات ہوئی۔ ؎۲

(تہذیب الکمال ج ا ص ۴۲۹، تہذیب التہذیب ج ا ص ۶۰)

(۱۰۱)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۸۳ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن العباس بن جریج رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ مشہور شاعر تھے، اور ابن الرومی کے نام سے مشہور تھے (سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۴۹۶)

(۱۰۲)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۸۵ھ: میں حضرت احمد بن اصرم بن خزیمۃ بن عباد بن عبداللہ بن حسان بن الصحابی عبداللہ بن مغفل المزنی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

احمد بن حنبل، ابنِ معین، عبدالاعلیٰ بن حماد، قواریری، سریج اور ابوابراہیم الترجمانی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں۔

ابوعوانہ، ابنِ ابی حاتم، قاسم بن ابی صالح، ابوجعفر العقیلی، ابوعبداللہ بن مروان الدمشقی اور ابوبکر

؎۱ وقال ابومحمد الجریری کنت یوم عند بدر المغازلی وقد باعت زوجت دارا لها بثلاثین دینارا فقال: لها بدر نفرق هذه الدنانیر فی اخواننا وناکل رزق یوم بیوم فاجابته الی ذالک وقالت تزهد انت ونرغب نحن هذا مالایکون وقال ابن ابی یعلیٰ: الشیخ الصالح البغدادی وکان ثقةویعد من الاولیاء العازفین عند الدینا لقبه بدر وهو الغالب علیه.

؎۲ ذکره الدارقطنی فقال :ثقة نبیل ،وقال ابوالعباس بن عقدة عن ابراهیم بن اسحاق الصواف :ثقة مامون، قال وسمعت عبدالرحمن بن یوسف بن خراش وسألته عنه فقال: ثقة عدل.

النجاد رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔ [۱]

(سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۳۸۵، طبقات الحنابلة ج ۱ ص ۸)

(۱۰۳)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۸۹ھ: میں عباسی خلیفہ المکتفی باللہ کی خلافت کے لئے بیعت ہوئی، آپ کا پورا نام ابومحمد علی بن المعتضد باللہ ابوالعباس احمد بن الموفق طلحہ بن المتوکل العباسی تھا، آپ کی ولادت ۲۶۴ھ میں ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۴۷۹)

(۱۰۴)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۹۱ھ: میں حضرت ابوالعباس احمد بن یحییٰ بن یزید الشیبانی البغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۲۰۰ھ میں ہوئی، ابراہیم بن المنذر، محمد بن سلام الجمحی، ابن الاعرابی، علی بن المغیرۃ، سلمہ بن عاصم اور زبیر بن بکار رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، نفطویہ، محمد بن عباس الیزیدی، اخفش الصغیر، ابن الانباری، ابوعمر الزاہد، احمد بن الکامل اور ابن المقسم رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث سماعت کی، آپ کی مشہور کتب مندرجہ ذیل ہیں:

اختلاف النحویین، القراءات، معانی القرآن وغیرہ۔ [۲]

(سیر اعلام النبلاء ج۱۴ ص۷، طبقات الحفاظ ج ۱ ص۵۷)

(۱۰۵)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۹۲ھ: میں حضرت قاضی القضاۃ ابوخازم عبدالحمید بن عبدالعزیز السکونی البصری الحنفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: محمد بن بشار، محمد بن المثنیٰ اور شعیب بن ایوب رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: مکرم بن احمد اور ابومحمد بن زبر رحمہم اللہ۔

آپ شام، کوفہ، کرخ اور بغداد کے قاضی رہے، ۲۶۴ھ میں آپ دمشق کے قاضی تھے، لیکن بعد میں معتضد باللہ کے دور میں بغداد کے قاضی بنا دیئے گئے، وفات تک بغداد میں ہی رہے۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۵۴۱)

(۱۰۶)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۹۳ھ: میں حضرت ابوبکر اسماعیل بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران

---

[۱] وثقه ابوبكر الخلال، وقال : حدثنا ابوبكر المروذى عنه ،وقال صالح بن احمد الحافظ: كان ثبتا ،شديدا علىٰ اصحاب البدع.

[۲] وقال الخطيب: ثقة حجة ،دين صالح ،مشهور بالحفظ .

السراج نیشاپوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

یحییٰ بن یحییٰ التمیمی، عبداللہ بن الجراح القہستانی، عمرو بن زرارۃ، اسحاق بن راھویہ، محمد بن موسیٰ الجرشی، جبارۃ بن المغلس اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، محمد بن اسحاق بن ابراہیم (یہ آپ کے بھائی ہیں) محمد بن مخلد، ابوسہل بن زیاد القطان، اسماعیل بن علی الخطبی اور ابنِ قانع رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔

آپ کی ولادت بغداد میں ہوئی، اور بغداد ہی میں دین کا علم پھیلایا اور بغداد میں ہی آپ کی وفات ہوئی۔ [۱]

"عندالبعض مات فی سنة ست وثمانین ومائتین" (طبقات الحنابلة ج ا ص ۳۹)

(۱۰۷)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۹۶ھ: میں حضرت ابوجعفر احمد بن حماد بن مسلم التجیبی البصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ زغبہ کے نام سے مشہور تھے، اور مشہور شخصیت عیسیٰ بن حماد زغبہ کے بھائی تھے، سعید بن ابی مریم، ابوصالح، یحییٰ بن بکیر، سعید بن ابی عفیر اور عیسیٰ آپ کے اساتذہ ہیں، نسائی، عبدالمؤمن بن خلف النسفی، علی بن محمد الواعظ، ابوسعید بن یونس، سلیمان بن احمد الطبرانی اور حسن بن رشیق رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، ۹۴ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ [۲]

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۵۳۳، تهذیب الکمال ج ا ص ۲۹۷، العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۱۰۶، تهذیب التهذیب ج ا ص ۲۲)

(۱۰۸)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۹۷ھ: میں حضرت ابوجعفر محمد بن عثمان بن ابی شیبۃ العبسی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

عثمان بن ابی شیبۃ (یہ آپ کے والد ہیں) ابوبکر، قاسم، احمد بن یونس الیربوعی، علی بن المدینی، یحییٰ الحمانی، سعید بن عمرو الاشعثی، منجاب بن الحارث، علاء بن عمرو الحنفی اور ابوکریب رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابنِ صاعد، ابن السماک، النجاد، جعفر الخلدی، ابن ابی دارم، اسماعیل

---

[۱] وقال الدارقطنی: اسماعیل بن اسحاق بن ابراهیم بن مهران النیسابوری السراج ثقة.
[۲] ارخه ابن یونس وقال: کان ثقة ماموناً، وقال المزی کان ثقة ماموناً، قال النسائی صالح.

الخطمی، ابوبکر الشافعی، سعد بن محمد الناقد، ابوعلی بن الصواف، ابوالقاسم الطبرانی، حسین بن عبید الدقاق اور اسماعیلی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ [۱]

(سیر اعلام النبلاء ج۱۴ ص ۲۲،العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۰۷،طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۵۶،تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۶۱)

(۱۰۹)...... ماہِ جمادی الاولیٰ ۲۹۹ھ: میں حضرت ابوالاحوص امام محمد بن ابن الہیثم بن حماد بن واقد الثقفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابوالاحوص کے نام سے مشہور تھے، اور عکبراء مقام کے قاضی تھے، ابونعیم، مسلم بن ابرہیم، عبداللہ بن رجاء، سعید بن ابی مریم، عبدالعزیز الاویسی، موسیٰ بن داؤد الضبی، محمد بن کثیر الصنعانی، عارم، قعنبی، ابوالولید اور سعید بن عفیر رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِفہرست ہیں۔

ابنِ ماجہ، موسیٰ بن ہارون، ابنِ صاعد، ابوعوانہ، عثمان بن السماک، ابوبکر النجاد، ابوبکر الشافعی، ابوبکر بن مالک الاسکافی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، عکبراء کے مقام پر آپ کی وفات ہوئی۔ [۲]

---

[۱] قال صالح جزرة: ثقة، قال ابن عدی: لم ارله حدیثا منکرا فاذکره، واما عبدالله بن احمد حنبل فقال: کذاب، وقال عبدالرحمن بن خراش: کان یضع الحدیث، وقال مطین: هو عصا، یلقف مایأفکون، وقال ابوالحسن الدارقطنی: انه اخذ کتاب غیرمحدث، وقال ابوبکر البرقانی: لم ازل اسمع الشیوخ یذکرون انه مقدوح، وعن عبدان قال: لابأس به، قال ابوالحسین بن المنادی: کنا نسمع الشیوخ یقولون: مات حدیث الکوفة لموت محمد بن ابی شیبة ومطین وموسیٰ بن اسحاق وعبید بن غنام.

[۲] قال ابوالحسن الدارقطنی: کان من الحفاظ الثقات. قال ابوالعباس بن عقدة عن عبدالرحمان بن یوسف بن خراش: محمد بن الهیثم من الاثبات المتقنین. وقال الدارقطنی: کان من الثقات الحفاظ. وقال فی موضع آخر: ثقة مامون، حافظ. وقال ابوبکر الخطیب: کان من اهل الفضل. وذکره ابن حبان فی کتاب الثقات وقال مستقیم الحدیث.

(سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص۱۵۷،تهذیب الکما ج۲۶ ص ۲۸۵،تهذیب التهذیب ج۹ ص ۴۴۱،تذکرة الحفاظ ج۲ ص۶۰۲)

تیسری صدی ہجری کے بعد کے چند اجمالی واقعات

(۱۱۰)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۳۹ھ: میں عظیم محدث حضرت ابومحمد حسن بن محمد بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ان کی کتاب ''کرامات الاولیاء'' مشہور تصنیف ہے، آپ خلاّل کے لقب سے مشہور ہیں، آپ نے ابوبکر وراق، ابوبکر بن شاذان اور اسی طبقہ کے دوسرے لوگوں سے علمِ حدیث حاصل کیا، خطیب بغدادی، ابوالحسین ابن الطیوری، جعفر بن احمد سراج، علی بن عبدالواحد دینوری رحمہم اللہ اور دوسرے کامل ترین محدثین خود ان سے روایت کرتے ہیں، آپ تمام محدثین کے نزدیک ثقہ، معتبر اور حفظِ حدیث میں اپنے زمانہ کے سردار ہیں (بستان المحدثین ص ۲۵۰)

(۱۱۱)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ: میں عظیم محدث حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کا میلان کبھی کبھی دینی ذوق کی شعروشاعری کا بھی تھا، چنانچہ آپ کا ایک یہ شعر بہت عظیم ہے۔

مَنِ اعْتَزَّ بِالْمَوْلٰی فَذَاکَ جَلِیْلٌ وَمَنْ رَامَ عِزًّا عَنْ سِوَاہُ ذَلِیْلٌ

یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عزت دی تو وہ بزرگ ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اگر کسی دوسرے سے عزت کا طالب ہوا تو وہ ذلیل ہے۔ سننِ کبریٰ بیہقی اور معرفۃ السنن والآثار ان کی اہم کتابیں ہیں

(بستان المحدثین ص ۱۳۵، آثار الحدیث ج ۲ ص ۳۴۶)

(۱۱۲)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۵۸۱ھ: میں عظیم محدث حضرت امام ابوموسیٰ مدینی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ اپنے زمانہ کے اہلِ علم میں علمِ حدیث کے عظیم ماہر تھے، اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے بڑا قوی حافظہ عطا فرمایا تھا، آپ کے انتقال کے دن یہ اتفاق پیش آیا کہ ابھی ان کے دفن سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ کثرت سے بارش شروع ہوگئی، گرمیوں کا موسم تھا اور ان دنوں پانی کی بہت کمی تھی (بستان المحدثین ص ۲۰۴)

(۱۱۳)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۵۹۰ھ: میں ''علامہ شاطبی رحمہ اللہ'' کا انتقال ہوا۔

آپ کا نام محمد قاسم، کنیت ابوالقاسم اور ابومحمد ہے، آپ شاطبہ مقام کے باشندے ہیں جو مشرقی اندلس کا بڑا مردم خیز شہر تھا، آپ آنکھوں سے معذور اور نابینا تھے، لیکن کمال درجہ کے ذہین وفہیم ہونے کی وجہ سے نابیناؤں جیسی حرکات آپ سے ظاہر نہیں ہوتی تھیں۔ آپ قرأت کے فن کے مشہور امام، تفسیر وحدیث کے زبردست عالم، لغت ونحو میں بے نظیر اور علمِ تعبیر میں ماہر تھے۔ آپ کی بہت سی کرامات مشہور ہیں۔

آپ کی تصانیف میں سے ''شاطبیہ'' اور ''رائیہ'' مدارس کے نصاب میں داخل ہیں۔ شاطبیہ میں ایک ہزار ایک سو تہتر اشعار ہیں، جن میں آپ نے نرالے طرز کے ساتھ منظوم انداز میں قرأت کے فن کو جمع کیا ہے۔

علامہ قرطبی سے منقول ہے کہ جب آپ شاطبیہ کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو اس کو ساتھ لے کر بیت اللہ کے بارہ ہزار طواف کئے اور ہر مرتبہ اس کتاب کے پڑھنے والے کو نفع پہنچنے کی دعا کی، آپ نے باون یا ترپین سال کی عمر پائی اور مصر کے شہر قاہرہ میں آپ کا انتقال ہوا (ظفر المحصلین ص ۶۹ و ۷۰ ملخصاً، مصنفہ: مولانا محمد حنیف گنگوہی صاحب)

(۱۱۴)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۹۰۱ھ: میں حضرت مولانا سماء الدین رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ شیخ کبیر سید جلال الدین بخاری رحمہ اللہ کے مرید تھے، کہتے ہیں کہ میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ کے شاگرد مولانا سناء الدین سے آپ نے علم حاصل کیا تھا۔

آپ کی قبر دہلی میں حوضِ شمسی پر ہے، جہاں آپ کی اولاد کی قبریں ایک ساتھ صفوں میں موجود ہیں۔

آپ علومِ ظاہری وحقیقی کے جامع تھے، متقی وپرہیزگار تھے، دنیا کی زیادتی کی خواہش نہ تھی صرف ضروریاتِ زندگی کی حد تک دنیا کی چیزیں استعمال کرتے تھے، آپ ملتان کی خانہ جنگی وخلفشار کی وجہ سے وہاں سے روانہ ہوکر تھوڑا عرصہ رنتھور، بیانہ وغیرہ میں رہے اور پھر دہلی آکر سکونت پذیر ہوگئے چونکہ بڑی عمر ہوچکی تھی اس لئے درازی عمر کے باعث آخری زمانہ میں بینائی بھی جاتی رہی

تھی۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بغیر کسی علاج کے پھر دوبارہ بینائی عنایت کی (''اخبارالاخیار'' اردو ص۲۹۲،مصنفہ: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ)

(۱۱۵)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ ھ: میں ''صاحبِ جلالین'' (نصفِ اول) کا انتقال ہوا۔

آپ کا نام عبدالرحمٰن، لقب جلال الدین اور کنیت ابوالفضل ہے، مقامِ سیوط کی طرف آپ کی نسبت کرکے آپ کے نام کے ساتھ ''سیوطی'' لگایا جاتا ہے، یعنی کہا جاتا ہے ''علامہ جلال الدین سیوطی'' سیوط مصر کے نواح میں دریائے نیل کے مغربی جانب ایک شہر ہے۔

آپ اپنے زمانے میں علمِ حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے، بے شمار فنون میں آپ کی تصنیفات بلکہ بعض علوم میں کئی کئی تصنیفات موجود ہیں، علومِ قرآن پر آپ کی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' نہایت اہم اور مشہور کتاب ہے جو آپ نے سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد کم وبیش چار سال کی طویل مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچائی ہے جس میں سینکڑوں منتشر، اہم، مفید اور نایاب معلومات جمع کی ہیں۔

آپ کی تفسیری تصنیف جلالین (کا نصفِ اول) درسِ نظامی میں داخل ہے جو فنِ تفسیر کی ایک مختصر سی کتاب ہے جس کے الفاظ قریب قریب قرآنی الفاظ کے ہم عدد ہیں بلکہ یہ دراصل قرآن کے عربی ترجمہ کی ایک شکل ہے کہ مشکل الفاظ اور مشکل ترکیبوں کا حل اور آیات کے ساتھ مختصر جملے مطلب واضح کرنے کے لئے زیادہ کردئے جاتے ہیں، کہیں کہیں کوئی قصہ طلب بات ہوتی ہے تو اس کا بھی اجمالی طور پر ذکر کردیا جاتا ہے۔

اس تفسیر کا واقعہ یہ ہے کہ یہ دو بزرگوں کی تصنیف ہے ایک یہی علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، اور دوسرے علامہ جلال الدین محلی رحمہ اللہ۔اس تفسیر کا آخری آدھا حصہ ''علامہ جلال الدین محلی رحمہ اللہ'' کا ہے، اور پہلا آدھا حصہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا ہے، جو آپ نے علامہ جلال الدین محلی رحمہ اللہ کی وفات کے چھ سال بعد صرف ایک چلہ کے اندر بیس بائیس سال کی عمر میں تصنیف کی ہے، اور بڑا کمال یہ ہے کہ یہ تفسیر کا آدھا حصہ از اول تا آخر بالکل علامہ جلال الدین محلی کے طرز اور انداز پر ہے (ماخذہ ''ظفر المحصلین'' ص۴۴ تا ۴۸ ملخصاً)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

(۱۱۶)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ: میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

حضرت نانوتوی اپنے دور کے عظیم محدث اور محقق تھے، اور سچے عاشق رسول تھے، تواضع، انکساری اور فنائیت میں اپنی نظیر آپ تھے۔

آپ کو سرزمینِ عرب سے ایسا تعلق تھا کہ جس کی مثال اس دور میں مشکل سے ملتی ہے، جب آپ حج کے لئے تشریف لے جاتے تو اپنا جوتا اتار لیتے تھے اور عرب کی حدود میں ننگے پاؤں پھرتے رہتے تھے، اور فرماتے تھے کہ: ''جس زمین اور گلی کوچوں میں پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے قدم مبارک لگے ہوں وہاں میں جوتے پہن کر چلوں؟''

آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالغنی دہلوی سے علومِ حدیث کی تکمیل کی، آپ نے شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی رحمہ اللہ کے دست پر بیعت کی اور سلوک وتصوف کے منازل طے کرنے کے بعد خلافت سے نوازے گئے، آپ ایک عظیم مناظر، مجاہد اور جفاکش انسان تھے، باطل فرقوں کے پادریوں سے بہت سے مناظرے کئے اور ہمیشہ کامیاب رہے۔

جب سے انگریز نے ہندوستان میں قدم جمائے اور مختلف ہتھکنڈوں سے دوسرے مذاہب کو پامال کرنے اور عیسائیت کو پھیلانے کے لئے کوششیں کیں تو اس کی مدافعت ومزاحمت کے لئے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کی رفاقت میں مل کر ایک جماعت قائم کی گئی اور اسی غرض کے لئے دارالعلوم دیوبند کا آپ نے سنگ بنیاد رکھا، جو اسلام کا محفوظ قلعہ اور مسلمانوں کا ناقابلِ شکست حصار ثابت ہوا، یہ آپ کا زندہ جاوید کارنامہ ہے اسی وجہ سے آپ کو بانئ دارالعلوم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے (بیس بڑے مسلمان ص۱۱۴، اکابرِ علماءِ دیوبند ص۱۳ تا ۱۸ ملخصاً)

(۱۱۷)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ: میں شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

مولانا حسین احمد مدنی اپنے علم اور عمل کے اعتبار سے اس صدی کے نابغہ وروزگار انسانوں سے تھے

اورانہوں نے بچپن سے لے کر وفات تک جہد وعمل سے بھر پور زندگی گذاری، ان کی ہمت مردانہ اوراستقلال واستقامت کا ہر شخص معترف ہے۔

دشمن ودوست سبھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ مولانا غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے، حضرت مدنی سرتا پا خلیق مہمان نواز باحیاء اور بعض ان صفات حمیدہ سے متصف تھے جن پر دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی، حضرت مدنی رحمہ اللہ کے کمالات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کو مختصر تحریر میں لانا مشکل ہے (ملاحظہ ہو: بیس بڑے مسلمان ص ۴۶۱)

(۱۱۸)......ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ: میں دارالعلوم دیوبند کا عظیم الشان پہلا صد سالہ جلسہ منعقد ہوا۔

اس اجلاس کا مقصد فضلاءِ دارالعلوم کی دستار بندی تھا، جلسے دنیا میں بہت ہوتے رہتے ہیں لیکن جس ذوق وشوق، وللّٰہیت اور لگن کے ساتھ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد نے اس اجلاس میں شرکت کی وہ یقیناً برصغیر کی تاریخ کا ایک منفرد واقعہ ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے اکابر میلوں، ٹھیلوں اور جشنوں کے کبھی قائل نہیں رہے، انہوں نے ہمیشہ للّٰہیت کے ساتھ دین کی خدمت انجام دی ہے اور نام ونمود سے ہمیشہ پرہیز کیا ہے، یہ اجلاس صد سالہ بھی کوئی جشن یا میلہ نہیں تھا۔ اس کو ''جشن صد سالہ'' سمجھنا غلط ہے، کیونکہ دارالعلوم کی طرف سے اس کا نام ''جشن صد سالہ'' نہیں بلکہ ''اجلاسِ صد سالہ'' مقرر کیا گیا تھا، تا کہ اسے عام جشنوں کی طرح کوئی جشن نہ سمجھا جائے۔

دارالعلوم دیوبند کسی متعصب فرقے کا نام نہیں ہے، نہ یہ کوئی سیاسی جماعت ہے، نہ کوئی ایسا گروہ یا جتھہ ہے جو ہر حق وناحق میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے لئے قائم کیا گیا ہو، اور نہ یہ کوئی بحث ومناظرہ کی کوئی ٹیم ہے جو صرف کسی خاص فرقے کی تردید کے لئے معرضِ وجود میں آئی ہو، بلکہ درحقیقت دارالعلوم دیوبند قرآن وسنت کی اُس تعبیر کا نام ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور اسلافِ امت کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے یہ اس صحیح علم کا نام ہے جو بزرگانِ دین نے پیٹ پر پتھر باندھ کر ہم تک پہنچایا ہے، یہ سیرت وکردار کی اس خوشبو کا نام ہے جو صحابہ وتابعین کی سیرتوں

سے پھوٹی ہے، یہ اس عہد وعمل کا نام ہے جس کا سہرا بدر و اُحد کے میدانوں تک پہنچتا ہے۔

یہ اس اخلاص وللّٰہیت، تواضع وسادگی، تقویٰ وطہارت اور حق گوئی و بے باکی کا نام ہے جو تاریخ اسلام کے ہر دور میں علمائے حق کا طرّہ امتیاز رہی ہے۔

پچھلی صدی میں دارالعلوم دیوبند کا تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے دورِ انحطاط میں اُن علمی وعملی اوصاف کو زندہ کیا، اور ایسے انسان پیدا کئے جو اِن اوصاف کے جیتے جاگتے پیکر تھے، لہٰذا جو شخص ان اوصاف سے متصف ہے جسے ان خطوط پر پہلے اپنی اور پھر ساری امت کی اصلاح کی فکر ہے، وہ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہے، خواہ ظاہری طور پر اس نے دارالعلوم دیوبند کو دیکھا بھی نہ ہو۔

اور جو شخص ان اوصاف سے بے فکر اور اس مشن سے بے پرواہ ہے اس کا دارالعلوم دیوبند سے کوئی تعلق نہیں خواہ ظاہری طور سے اس کے پاس دارالعلوم کی سند اور دستار کیوں نہ موجود ہو (جہاں دیدہ ص ۴۹۸ تا ۵۱۱ ملخصاً، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

اور اس کے علاوہ بھی بے شمار واقعات وحادثات اس مہینہ میں رونما ہوئے ہیں، جن کا احاطہ مشکل ہے۔

البتہ روایات کے اختلاف کی وجہ سے بعض واقعات کی تاریخوں میں اختلاف ممکن ہے۔

تاہم یہ واقعات صرف تاریخی معلومات کے لئے درج کئے گئے ہیں، مگر ان سے کوئی شرعی حکم وابستہ نہیں۔

ماہِ جمادی الاخریٰ کے چند اہم تاریخی واقعات

(مرتب: مولانا طارق محمود: ادارہ غفران، راولپنڈی)

پہلی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

(۱)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲ھ: میں سریہ نخلہ پیش آیا (عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۸۸)

حضور ﷺ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی قیادت میں آٹھ یا بارہ مہاجرین صحابہ کا لشکر ''**بَطْنِ نَخْلَۃ**'' مقام کی طرف روانہ فرمایا۔

''**بَطْنِ نَخْلَۃ**'' مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

یہ دراصل ''نخلہ'' سے گزرنے والے قریشی کفار کے تجارتی قافلہ کے تعاقب میں روانہ کیا گیا تھا۔

روانگی سے قبل آپ ﷺ نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو منزلِ مقصود نہیں بتلائی تھی بلکہ ایک گرامی نامہ سپرد کیا تھا اور فرمایا تھا کہ یہ تحریر دو دن کا سفر کر لینے کے بعد پڑھنا۔

چنانچہ حسبِ ارشاد دو دن کے سفر کے بعد گرامی نامہ پڑھا تو اس میں مذکورہ قافلہ کی گھات لگانے کا حکم تھا۔

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سمیت اس قافلہ پر حملہ کیا اور چند قیدی اور مالِ غنیمت لے کر بعافیت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (غزواتُ النبی ص ۲۹۷)

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی پھوپھی امیمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے اور آپ ﷺ ان کے بہنوئی تھے (عہدِ نبوت ص ۸۸، البدایہ والنہایہ ج ۳ باب سریۃ عبداللہ بن جحش)

(۲)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲ھ: میں حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا قافلہ ''قردہ'' مقام کی طرف روانہ فرمایا۔

قَرْدَۃ : نجد کے علاقہ میں ایک کنویں کا نام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک سو، سواروں کے ہمراہ قریش کے ایک

قافلہ کے پیچھے بھیجا، چنانچہ اس قافلہ پر اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرمایا۔
اور اس موقع پر بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا، آپ نے اس کو تقسیم فرمادیا۔
حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یہ دس لشکروں میں سے پہلا لشکر تھا (بعض کے نزدیک یہ ۳ھ میں پیش آیا تھا) (عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۸۷، ۸۸)

(۳)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۴ھ: میں حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔
ان کا اصل نام عبداللہ بن عبدالاسد قرشی تھا، ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہلے انہی کے نکاح میں تھیں، اسلام قبول کرنے والے والوں میں دسویں نمبر پر تھے، اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں میں گیارہوں نمبر پر اپنی بیوی سمیت ہجرت فرمائی، آپ جنگِ بدر میں بھی شریک ہوئے، آپ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔
جس وقت رسول اللہ ﷺ غزوۃ العشیرۃ کے لئے نکلے تو اس وقت مدینہ میں آپ کو اپنا نائب مقرر فرمایا، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو جنگ احد میں کچھ ایسا زخم آیا تھا کہ ٹھیک نہ ہوسکا، اسی کی وجہ سے وفات ہوئی، جس وقت حضرت ابوسلمہ مرضِ وفات میں تھے، تو آپ نے اس وقت دعا کی کہ یا اللہ میرے گھر والوں کو بہترین نعم البدل عطا فرما، حضرت ابوسلمہ کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آپ سے نکاح فرمالیا۔
(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۱۹۴، سیر الصحابہ حصہ اول، ص ۴۲۶، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۱ ص ۲۸۶، الاصابۃ ج۸ص ۲۲۲، اسدالغابۃ ج۲ص ۱۳۲)

(۴)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۴ھ: میں منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشا (تقویمِ تاریخی ص۱)
غزوہ مریسیع سے واپسی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک پڑاؤ کے دوران قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئیں، تو اپنی بہن اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریۃً لیا ہوا ہار گم ہوگیا، تو تلاش میں دیر لگ گئی ادھر قافلہ روانہ ہوگیا، جو حضرات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ اور ھودج کو اُٹھانے پر مقرر تھے، انہیں معلوم نہیں تھا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس ھودج میں موجود نہیں اور

وہ پیچھے رہ گئیں ہیں۔ پیچھے سے آنے والے ایک صحابی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قافلہ سے رہ جانے کا علم ہوا تو وہ آپ رضی اللہ عنہا کو بحفاظت ساتھ لے آئے۔

اس غزوہ میں منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی سلول بھی مالِ غنیمت کے چکر میں شریک تھا، اسے بہانہ ہاتھ آ گیا اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت وعصمت کی شان میں چہ مگوئیاں شروع کردیں، حتیٰ کہ منافقین نے اس جھوٹی بات کو اتنی ہوا دی کہ عام لوگوں تک بھی یہ بات پھیل گئی۔

بالآخر چند روز بہت ہی پریشانی میں گزرے اور پھر اللہ جل شانہٗ نے براہِ راست قرآن مجید کی آیات اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡکِ تا وَاَرۡجُلُھُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ (سورۃ نور پارہ ۱۸) نازل فرمائیں، جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت اور پاکدامنی کا اعلان کیا تو دودھ کا دودھ پانی کا پانی واضح ہوگیا (سیرتِ عائشہؓ ص ۱۹۰ از سید سلیمان ندوی، البدایۃ والنھایۃ ج ۴ قصۃ الافک میں ۶ھ میں اس کا وقوع پذیر ہونا بیان کیا گیا ہے)

(۵)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۴ھ: میں تیمّم کا حکم نازل ہوا (تقویم تاریخی ص ۱)

ایک اور سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ہمرکاب تھیں، حضرت اسماء سے عاریۃً مانگا ہوا ہار اس سفر میں بھی ساتھ تھا کہ اچانک ہار کا کنڈا ٹوٹا اور وہ گر کر گُم ہوگیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً حضور ﷺ کو اطلاع دی تو اس کی تلاش شروع ہوگی، اس تلاش کے دوران نمازِ فجر کا وقت قریب ہوگیا اور یہاں پانی بھی نہیں تھا، سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بُرا بھلا کہنے لگے، سب پریشان تھے، آپ ﷺ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں سرِ مبارک رکھے آرام فرمارہے تھے، صبح کے قریب آنکھ کھلنے پر لوگوں کی پریشانی کا حال معلوم ہوا، اسی دوران آیت وَاِنۡ کُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی تا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا غَفُوۡرًا نازل ہوئی، جس میں پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کر لینے کا حکم ہے (سورۃ النساء آیۃ ۷ سیرت عائشہ)

(۶)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۵ھ: میں سریہ زید بن حارثہ پیش آیا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا سریہ ایک سو بیس سواروں پر مشتمل تھا اور اس کو نجد کی طرف بھیجا گیا (عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۹۲)

(۷)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۵ ھ: میں چاند گرہن ہوا، حضور ﷺ نے صحابۂ کرام کے ساتھ چاند گرہن کی نماز (صلوٰۃِ خسوف) پڑھی، یہاں تک کہ چاند روشن ہوگیا، اور یہود نقارے بجانے لگے، وہ کہتے تھے کہ چاند پر کسی کا جادو چل گیا ہے (جبکہ یہ عقیدہ اسلام کے خلاف ہے) (عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۲۰۸)

(۸)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۶ ھ: میں سریہ ابوبکر صدیق پیش آیا (عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۹۵)

یہ سریہ بنوفزارہ کی طرف وادی القریٰ بھیجا گیا، اس میں سو حضرات شامل تھے، بہت سے کافر قتل ہوئے اور کچھ گرفتار ہوئے (البدایہ والنہایہ ج ۴، سریہ ابی بکر الصدیق الی بنی فزارہ میں سن ۷ ھ درج ہے، اور مہینے کی صراحت نہیں)

(۹)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۶ ھ: میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حضور ﷺ نے پانچ سو سواروں کے ہمراہ ایک لشکر ''حسمیٰ'' مقام کی طرف روانہ فرمایا۔

حسمیٰ جنگل کی ایسی سرزمین تھی جہاں اونچے اونچے پہاڑ تھے اور چاروں طرف خشک علاقہ تھا، حسمیٰ مدینہ کے قریب شام کی طرف ایک جگہ ہے، اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا اور مالِ غنیمت میں ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں حاصل ہوئیں اور کفار کی سو عورتیں اور بچے قید ہوئے۔

اس قبیلہ کے رئیس رفاعہ بن زید جذامی اپنی قوم کے دس افراد کا وفد لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، حضور ﷺ نے ان کے قیدی اور تمام مویشی واپس کردیئے (عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۹۵)

فائدہ: غور فرمائیں! کہ ایمان کی طاقت اور اللہ کی نصرت سے اس وقت کافروں کے بڑے بڑے سردار مسلمانوں کے ماتحت ہوکر حاضر ہوتے تھے اور اسلام قبول کرتے تھے۔ اور آج مسلمانوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے یہ حالت ہے کہ یہ خود کافروں سے اپنی عزت کا سوال کرتے پھرتے ہیں۔

(۱۰)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۸ ھ: میں سریہ عمرو بن العاص پیش آیا۔

۳۰۰ مہاجرین وانصار کے ساتھ ایک لشکر'' ذَاتُ السَّلَاسِلُ '' مقام کی طرف مشرکین کے قضاعہ،

عاملہ، لخم اور جذامہ نامی قبیلوں کے مقابلے کے لئے بھیجا گیا، اس جنگ میں مسلمانوں کے پاس صرف تین گھوڑے تھے، یہ لشکر بھی الحمدللہ تعالیٰ قتل وقتال کے بعد سالم اور غانم (صحیح سلامت اور مالِ غنیمت حاصل کرکے) مدینہ واپس آیا ''اَلسَّلَاسِلُ'' وادی القریٰ سے اِدھر قبیلہ جذام کے علاقہ میں ایک کنویں کا نام ہے، جو مدینہ سے دس میل کی دوری پر واقع ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ان کے اسلام لانے کے صرف چار ماہ بعد کا ہے، جمہور کے قول کے مطابق وہ ماہ صفر ۸ھ میں اسلام لائے تھے (عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۱۰۵)

(۱۱)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد کی لڑائی میں شرکت فرمائی، جس دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، اس دن آپ کی وفات ہوئی۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج۳ص ۴۹، الاصابۃ ج۷ص ۳۴۲)

(۱۲)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۱۷ھ: میں مسجدِ نبوی کی توسیع ہوئی (تقویم تاریخی ص ۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ تقاضا کیا جانے لگا کہ مسجد تنگ اور چھوٹی ہے، اسے کشادہ اور وسیع کرنا چاہئے، چنانچہ آپ نے مسجد کے مغرب، شمال اور جنوب کی جانب توسیع کا پروگرام بنایا، لیکن مشرقی جانب امہاتُ المؤمنین کے حجروں کی وجہ سے اضافہ نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجدِ نبوی کو انہی بنیادوں پر استوار کیا جو حضور رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارک میں تھیں، انہوں نے حسبِ سابق دیواریں کچی اینٹ اور چھت کھجور کی ٹہنیوں کی بنوائی لیکن ستون کھجور کے تنوں کے بجائے لکڑی کے بنوائے (تاریخِ مدینہ منورہ ص ۲۹۹)

(۱۳)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۱۹ھ: میں شام کا شہر قیساریہ فتح ہوا (تقویم تاریخی ص ۵)

طاعونِ عمواس سے پہلے ہی تقریباً سارا شام تسخیر ہو چکا تھا، صرف قیساریہ جو گنجان آباد اور پُر رونق شہر تھا، باقی رہ گیا تھا، اس پر کئی مرتبہ فوج کشی ہوئی لیکن فتح نہیں ہو سکا، بالآخر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو فتح کیا، اس کے فتح کے بعد شام کے سارے علاقے مفتوح ہو گئے تھے (تاریخِ اسلام از معین الدین ندوی ج ا ص ۱۸۷)

(۱۴)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۱ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وفات

ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۶)

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے لئے حضور ﷺ نے اسلام کی دعا فرمائی تھی، صلح حدیبیہ کے بعد اسلام قبول کیا، جنگِ موتہ میں مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی اور رومی ڈیڑھ لاکھ تھے، اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اس دن نو تلواریں ٹوٹیں، اس بہادری کی وجہ سے حضور ﷺ نے انہیں ''سیف اللہ'' کا خطاب دیا تھا۔

تبوک، مرتدّین کے خلاف، ذات السلاسل، ملک فارس کی جنگوں اور جنگِ یرموک سمیت کئی معرکوں میں بہادری کے جوہر دکھائے، ساٹھ سال کی عمر میں مدینہ یا حمص میں وفات پائی۔

انہوں نے عقیدت وبرکت کی خاطر حضور ﷺ کے بال مبارک اپنی ٹوپی میں سلوا لئے تھے، اور اسی ٹوپی کو پہن کر لڑائی میں حصہ لیتے تھے (صحابہ انسائیکلو پیڈیا ص۵۳۷، البدایہ والنہایہ ج۷ ذکر من توفی احد وعشرین خالد بن ولید، الاصابہ ج۲، حرف الخاء المعجمۃ، الخاء بعدہا الالف)

(۱۵)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۴۷ھ: میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے ڈاک کا محکمہ قائم کیا (تقویمِ تاریخی ص۱۲)

ان سے پہلے سرکاری ڈاک اور خبر رسانی کا کوئی محکمہ نہیں تھا، انہوں نے ''برید'' کے نام سے اس کا مستقل نام رکھا، اس کا نظام یہ تھا کہ ملک بھر میں تھوڑی تھوڑی مسافت پر تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے، سرکاری ملازم انہیں بدلتے ہوئے ایک مقام کی خبریں دوسرے مقام پر لاتے اور لے جاتے تھے (تاریخِ اسلام ج۱ ص۳۷۹ از مولانا شاہ معین الدین ندوی)

(۱۶)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۵۰ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۱۳)

آپ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے، غزوۂ تبوک میں شرکت فرمائی اور کابل کی فتوحات میں بھی شریک رہے، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں سجستان کے والی بنا دیئے گئے تھے، لیکن تین سال کے بعد ۴۶ھ میں ابنِ زیاد نے انہیں معزول کر دیا تھا، معزولی کے بعد سجستان ہی میں رہائش اختیار کی اور یہیں وفات ہوئی (سیر الصحابہ ج۷ ص۱۴۵، الاصابہ ج۴ حرف العین المہملہ، العین بعدہا الباء)

(۱۷)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۵۵ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۱۴)

نبوت کے ابتدائی تین سالوں میں اسلام قبول کیا، اُن کے مکان کو یہ شرف حاصل تھا جب مشرکین نے مسلمانوں پر ظلم وستم شروع کیا تو انہوں نے حضور ﷺ کو پناہ کے لئے اپنے گھر کی پیشکش کی اس طرح اُن کا گھر اسلام کا پہلا گھر اور مسلمانوں کی پہلی پناہ گاہ بنا، آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا شرف بھی حاصل ہے، بدر، احد، احزاب، خیبر اور حنین کے علاوہ کئی دوسرے غزوات اور سرایا میں شرکت فرمائی، ۸۳ یا ۸۵ سال کی عمر میں وفات ہوئی (صحابہ انسائیکلو پیڈیا ص۶۸۸، البدایہ والنہایہ ج۸، ذکر من توفی من الاعیان فی ہذہ السنۃ ارقم بن ابی الارقم، الاصابہ ج احرف الالف، الالف بعد ہا راء)

(۱۸)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۵۸ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۵۸)

آپ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور مفسرِ قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے، ۳۵ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں یمن کا والی مقرر کیا، ۳۶، ۳۷ھ میں امیرِ حج بنائے گئے، نہایت سخی اور رحم دل تھے (صحابہ انسائیکلو پیڈیا ص۳۰۲، الاصابہ ج۴، حرف العین المہملہ، العین بعد ہا الباء)

(۱۹)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۷۳ھ: میں حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا (تقویمِ تاریخی ص۱۹)

اس وقت آپ کی عمر سو سال تھی، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں، آپ کا لقب ذات النطاقین ہے، جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رفیقِ صحبت تھے، آپ ﷺ دوپہر کو ان کے گھر تشریف لائے اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے سفر کا سامان تیار کیا، دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا، نطاق جس کو عورتیں کمر میں لپیٹتی ہیں پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا، یہ وہ شرف تھا، جس کی بنا پر آج تک ان کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، سو سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

(صحیح بخاری ج۱ ص۵۵۳و۵۵۵، سیر الصحابیات ص۱۵۱، البدایہ ج۸، ثم دخلت سنۃ

ثلاث سبعین،اسماء بنت ابی بکر)

(۲۰)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۸۱ھ: میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۲۰)

اہلِ سنت کے چار فقہی مسلکوں میں پہلا فقہی مسلک آپ کی طرف منسوب ہے، ابتداء میں آپ کا مسلک عراق کے مختلف شہروں میں پھیلا، پھر دنیا کے دور دراز ملکوں میں اس کی اشاعت ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں بغداد، شام، مصر، روم، بلخ، بخارا، فرغانہ، فارس، ہندوستان، سندھ اور یمن وغیرہ کی حدود واطراف میں پھیل گیا۔

آج بھی دنیا کے اکثر حصہ میں حنفی مسلک ہی رائج ہے، آپ نے صحابہ کرام کا زمانہ بھی پایا، اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت بھی کی ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ نے سات صحابہ کرام کی زیارت کی ہے، امام صاحب کو اپنے زمانے کے حکمرانوں سے بڑی تکالیف اٹھانا پڑی تھیں، عراق کے اموی امیر ابن ھبیرہ نے آپ کو قاضی کا عہدہ پیش کیا، آپ کے انکار پر آپ کو روزانہ دس کوڑے لگائے جاتے تھے، یہاں تک کہ کل ۱۱۰ کوڑے مارے گئے۔

اس کے بعد عباسی دور میں بھی آپ کو قاضی کا عہدہ پیش کیا گیا، انکار پر آپ کو قید کر کے زہر دے دیا گیا، اسی زہر کی وجہ سے جیل میں وفات ہوئی، پچاس ہزار سے زائد افراد نے آپ کا جنازہ پڑھا اور مشرقی بغداد میں دفن ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ ج۱۰،ذکر ترجمۃ ای ابوحنیفہ،سیرت ائمہ اربعہ)

(۲۱)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۱۰۵ھ: میں حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباس رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۲۱)

حضرت عکرمہ نسلاً بربری تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی توجہ اور تعلیم سے ان کی زندگی ہی میں بڑے مفسر بن گئے تھے، حدیث وفقہ کے ساتھ ساتھ ان کو تاریخ میں بھی بڑا مقام حاصل تھا، اور مغازی کے ممتاز عالم تھے (سیر الصحابہ ج۷ص۳۱۴، میں سنِ وفات ۱۰۶، یا ۱۰۷ لکھا ہے)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

(۲۲)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۸۳ھ: میں ''دیر جماجم'' کا واقعہ پیش آیا (تقویمِ تاریخی ص۲۱)

یہ حجاج کے تسلط اور امارت کے زمانے میں عراق کے مسلمانوں کی خانہ جنگی اور حجاج سے بغاوت اور اس کے خلاف خروج کا نہایت افسوس ناک واقعہ ہے، عبدالرحمٰن بن اشعث نے کوفہ پر غلبہ حاصل کر کے اپنی امارت قائم کرلی، اس کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ لشکر فراہم ہوگیا تھا، حجاج فوج لے کر مقابلہ پر آیا، مقامِ دیر جماجم میں ایک عرصہ تک ان میں گھمسان کے معرکے ہوتے رہے، جن میں بکثرت مسلمان دونوں جانب سے کام آئے، بڑے بڑے علماء، فضلاء اور قیمتی جانیں اس خانہ جنگی میں ضائع ہوئیں، اس واقعہ نے مرکزِ خلافت کو ہلا کر رکھ دیا تھا، خلیفۂ وقت ولید بن عبدالملک نے گھٹنے ٹیک کر حجاج کو معزول کرنے کی پیشکش بھی صلح کے لئے کردی تھی، جو ابنِ اشعث کے لوگوں نے قبول نہ کی، اس طرح خون ریزی جاری رہی، تاآنکہ ایک فریق دوسرے پر غالب آ گیا۔

(البدیہ والنھایہ ج ۹ ثم دخلت سنة ثنتین وثمانین ،وقعة دیر الجماجم)

(۲۳)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۹۲ھ: میں محمد بن قاسم رحمہ اللہ سندھ میں آئے (تقویمِ تاریخی ص۲۳)

مسلمانوں کے تجارتی قافلے اسلامی ممالک میں بلکہ دور دراز ملکوں میں بھی تجارت کے لئے جاتے تھے، لنکا کے علاقے میں بھی ان کی تجارت ہوتی تھی، اتفاق سے ایک تاجر کا وہاں انتقال ہوا، تو لنکا کے راجہ نے اس کے بیوی بچوں کو بحری جہاز میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس روانہ کیا، اس میں کچھ حاجی بھی تھے، یہ جہاز جب سندھ کی مشہور بندرگاہ ''دیبل'' کے قریب پہنچا، تو بحری قزاقوں نے جو کہ سندھی تھے اس کو لوٹ لیا، ان قیدیوں میں قبیلہ ''یربوع'' کی ایک عورت نے بے اختیار صدا لگائی ''فریاد اے حجاج'' جب اس کی خبر عراق کے والی حجاج بن یوسف کو ہوئی تو وہ غصہ کے مارے بے تاب ہوگیا اور انتہائی جوش میں کہہ اٹھا ''ہاں میں آیا'' اس واقعہ اور کچھ مزید واقعات کی وجہ سے اس نے سندھ پر فوج کشی کا اردہ کرلیا، اور اپنے چچا کے بیٹے محمد بن قاسم کو ایک لشکر دے کر سندھ کی طرف روانہ کیا (تاریخِ سندھ ص۴۲)

(۲۴)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۹۴ھ: میں حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۲۴)

آپ بڑے جلیل القدر تابعی تھے، اوران حضرات میں آپ کا شمار ہوتا تھا جو اپنے علم وعمل کے اعتبار سے ساری دنیائے اسلام کے امام اور مقتدیٰ مانے جاتے تھے، اموی خلفاء کے ہاتھوں آپ نے بہت زیادہ تکالیف اٹھائیں، جیلوں میں گئے، کوڑے کھائے۔

تفسیر وحدیث میں ان کو بڑا مقام حاصل تھا، نماز باجماعت کا اتنا اہتمام تھا کہ چالیس سال اور ایک روایت کے مطابق پچاس سال تک ایک وقت بھی نماز باجماعت ناغہ نہ ہوئی، ۷۵ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی (سیر الصحابہ ج۷ص۱۷۵، البدایہ والنہایہ ج۹، ثم دخلت سنۃ اربع وتسعین، سعید بن المسیب)

(۲۵)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۹۶ھ: میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۲۴)

ان کا تعلق بنوامیہ سے تھا، مدتِ خلافت نو سال اور چند مہینے رہی، ولید کا دور فتوحات کی کثرت، دولت کی فراوانی، امن وامان اور دوسرے ملکی وتمدنی ترقیوں کے لحاظ سے بنوامیہ کا زریں دور شمار ہوتا ہے، باختلافِ روایات ۴۲ یا ۴۶ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی (تاریخِ اسلام ج۱ص۴۸۷ از مولانا معین الدین ندوی، البدایہ والنہایہ ج۹ ثم دخلت سنۃ ست وتسعین، ترجمۃ الولید بن عبدالملک)

(۲۶)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۹۶ھ: میں سلیمان بن عبدالملک کو خلیفہ بنایا گیا (تقویمِ تاریخی ص۲۴)

سلیمان ولید کا حقیقی بھائی تھا، خود اِن کے باپ عبدالملک نے اسے ولید کے بعد ولی عہد بنادیا تھا، سلیمان فطرتاً نیک آدمی تھا، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اس کے مشیر تھے، اس لئے ان کی صحبت نے اسے اور سنوار دیا۔

اس لئے بعض حیثیتوں سے اپنے پیشروؤں سے زیادہ بہتر حکمران ثابت ہوا، اوراس کی تخت نشینی کے ساتھ ہی اموی حکومت کی سیاست بدل گئی (تاریخِ اسلام ج۱ص۴۹۹ از مولانا معین الدین، البدایہ والنہایہ ج۹ ثم دخلت سنۃ ست وتسعین، خلافۃ سلیمان بن عبدالملک)

دوسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

(۲۷)......ماہِ جمادی الثانیہ ۱۰۳ھ: میں شیخ القراء والمفسرین ابوالحجاج مجاہد بن جبیر المکی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۲۶)

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے خصوصی شاگرد تھے، اوران سے تفسیر، قرآن مجید، اورعلمِ فقہ حاصل کیا، اس کے علاوہ حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا، عکرمہ، طاؤس، عطاء، عمرو بن دینار، ابوالزبیر، حکم بن عتیبہ، ابن ابی نیجح، منصور بن معتمر اور ایوب السختیانی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علمِ تفسیر چار اشخاص سے حاصل کرو، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ اور ضحاک، ۸۴ سال کی عمر پائی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۴۵۴)

(۲۸)......ماہِ جمادی الثانیہ ۱۰۴ھ: میں ابوعمرو عامر شعبی کوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۲۶)

آپ کی ولادت مشہور قول کے مطابق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔

اسامہ بن زید بن حارثہ، اشعث بن قیس الکندی، انس بن مالک، براء بن عازب، بریدہ بن حصیب اسلمی، جابر بن سمرہ، جابر بن عبداللہ اور جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم جیسے بڑے بڑے صحابۂ کرام آپ کے اساتذہ ہیں، ابراہیم بن مہاجر، اجلح بن عبداللہ الکندی، اسماعیل بن ابی خالد، اسماعیل بن سالم، اشعث بن سوار، بدر بن عثمان، ابوبشر بن بیان بن بشر اور ابوحمزہ ثابت بن ابی صفیہ الثمالی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابنِ عباس اپنے زمانے میں، شعبہ اپنے زمانے، اور ثوری اپنے زمانے میں لوگوں کے امام تھے، ایک مرتبہ ایک شخص حضرت شعبی رحمہ اللہ کے پاس آیا، اوران کو لوگوں کے سامنے برا بھلا کہا، آپ نے (اس کی بات کا برا منائے بغیر) جواب میں فرمایا، اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے معاف کرے (یعنی تیرے جھوٹ سے درگزر کرے) اور اگر تو سچا ہے تو اللہ

تعالیٰ مجھے معاف کرے (یعنی میرے اندر جو تیرے بیان کردہ عیب ہیں، اس سے درگزر فرمائیں) ۸۲سال کی عمر میں وفات پائی۔

(تہذیب الکمال ج۱۴ ص۲۸تا۴۰)

(۲۹)......ماہِ جمادی الثانیہ ۱۱۳ھ: میں حضرت ابو عبد اللہ مکحول شامی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۲۹)

حضرت انس بن مالک، جبیر بن نفیر، الحضرمی، جنادہ بن ابوامیۃ، حارث بن حارث الاشعری، خالد بن اللجلاج، زیاد بن جاریۃ التمیمی، سعید بن المسیب اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابراہیم بن ابوحنیفہ الیمامی، ابراہیم بن سلیمان الافطس، اسامہ بن زید اللیثی، اسماعیل بن امیہ القرشی، امیہ بن یزید بن ابی عثمان القرشی اور ایوب بن مدرک الحنفی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: (صحیح) علماء چار ہیں، مدینہ میں سعید بن مسیّب، کوفہ میں عامر شعبی، بصرہ میں حسن بن ابوالحسن اور شام میں مکحول، سلیمان بن موسیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اگر حجاز کے علاقے سے زہری کے واسطے سے علم آئے تو ہم اس کو قبول کریں گے، اور عراق سے حسن کے واسطے سے آئے تو ہم قبول کریں گے، اور جزیرۃ سے میمون بن مہران کے واسطے سے آئے تو ہم قبول کریں گے، اور شام سے مکحول کے واسطے سے علم آئے تو ہم قبول کریں گے (یعنی ان چار علاقوں سے ان چار بزرگوں کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے کوئی علم آئے گا تو ہم اس کو قبول نہیں کریں گے)

(تہذیب الکمال ج۲۸ ص۴۶۴تا۴۷۳)

(۳۰)......ماہِ جمادی الثانیہ ۱۱۵ھ: میں کوفہ کے قاضی ابو محمد الحکم بن عتیبۃ الکندی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۲۹)

ابراہیم التیمی، ابراہیم النخعی، حسن العرنی، حنش الکنانی، خیثمہ بن عبدالرحمٰن، ذر بن عبداللہ الہمدانی، ذکوان بن ابوصالح السمان اور رجاء بن حیوۃ رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابان بن تغلب، ابان بن صالح، ابوشیبۃ ابراہیم بن عثمان العبسی، اشعث بن سوار، حجاج بن ارطاۃ، حجاج بن دینار، اور

خالد الحذاء رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ابراہیم نخعی اور عامر شعبی کے بعد حکم اور حماد جیسا کوئی نہیں۔

(تھذیب الکمال ج۷ص ۱۱۴ تا ۱۲۰)

(۳۱)......ماہِ جمادی الثانیہ ۱۲۶ھ: میں خلیفہ ولید ثانی کا قتل ہوا (تقویم تاریخی ص۳۲)

ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان اپنے باپ یزید بن عبدالملک کی وصیت کے مطابق ہشام کی وفات کے بعد ربیع الثانی ۱۲۵ھ میں تخت نشین ہوا، ولید ایک عیش پسند اور آوارہ مزاج نوجوان تھا، اس لئے ہشام نے اپنی زندگی ہی میں اسے درست کرنے کی کوشش کی، مگر جب یہ کوشش ناکام ہوئی تو ولی عہدی سے محروم کر کے اپنے بیٹے مسلمہ کو ولی عہد بنانا چاہا، لیکن اس سے پہلے ہی اس کی وفات ہوگئی۔

ولید نے اپنی خلافت کے دوران ہشام کے اہل وعیال کو نظر بند کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے مال وغیرہ پر بھی قبضہ کر دیا، اسی طرح ولید نے ارکان دولت میں ان لوگوں سے بھی سخت انتقام لیا جو ولید کی برطرفی میں سابقہ خلیفہ ہشام کے مددگار تھے، اسی طرح کے کئی واقعات سے عوام وخواص سب ولید سے بیزار ہوگئے، اور شاہی خاندان کے ارکان نے اس کے خلاف سازش شروع کی۔

یزید بن ولید جو اپنے اخلاق واعمال کی وجہ سے نیک نام تھا، اسے خلافت کے لئے منتخب کیا گیا، جب یزید کے پاؤں مضبوط ہوگئے تو اس نے دارالخلافہ دمشق پر قبضہ کرلیا، ولید اس وقت عمان میں مقیم تھا، یزید نے عبدالعزیز بن حجاج بن عبدالملک کو ایک بڑی فوج کے ساتھ ولید کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، ولید کے پاس کوئی بڑی طاقت نہ تھی، مقابلہ سے جب مایوس ہوگیا، تو میدان چھوڑ کر اپنے محل آ گیا، اور قتل ہوگیا، ولید کا سر کاٹ کر یزید کے پاس دمشق بھیج دیا گیا، ولید کی خلافت کی مدت چند مہینے تھی (تاریخِ ملت ج۱ص۶۹۹ تا ۷۰۲)

(۳۲)......ماہِ جمادی الثانیہ ۱۳۲ھ: میں عبداللہ سفاح نے کوفہ میں لوگوں سے حکومت کی بیعت لی اور اپنے چچا عبداللہ بن علی کو مروان بن مروان کے مقابلے میں بھیجا، اس لڑائی میں مروان کو ایک لاکھ لشکر کے ہوتے ہوئے بھی شکست ہوئی، شکست زاب کے مقام پر ہوئی، پھر مروان بھاگ گیا اور سفاح کے چچا نے اس جزیرہ کا کنٹرول سنبھالا (العبر فی خبر من غبر ج۱ص۱۷۴)

(۳۳)......ماہِ جمادی الثانیہ ۱۵۸ھ: میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد امام زفر رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تقویمِ تاریخی ص۴۰)

آپ کا پورا نام زفر بن ھذیل بن قیس العنبری تھا، ۱۱۰ھ میں ولادت ہوئی، آپ بہت بڑے فقیہہ اور محدث تھے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے آپ کے متعلق فرمایا ''ھذا زفر امام من ائمۃ المسلمین'' یہ امام زفر ہیں مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام، بصرہ میں انتقال ہوا (تاریخِ ملت ج۲ص۱۵۱)

(۳۴)......ماہِ جمادی الثانیہ ۱۶۰ھ: میں امام شعبہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۴۰)

آپ کا پورا نام شعبہ بن الحجاج الورد العتکی الازدی تھا، ابوبسطام کینت تھی، بعد میں آپ بصرہ منتقل ہوگئے، آپ نے حضرت حسن بصری اور ابنِ سیرین رحمہما اللہ کی زیارت کی ہے، اور بڑے بڑے تابعین حضرات سے آپ روایت کرتے ہیں، اسی طرح بہت سے مشائخ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے مشہور تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر شعبہ نہ ہوتے تو اہلِ عراق حدیث نہ سمجھتے (البدایہ والنہایہ ج۱۰،ثم دخلت سنۃ ستین ومائۃ)

(۳۵)......ماہِ جمادی الثانیہ ۱۷۰ھ: میں امام خلیل النحوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تقویمِ تاریخی ص۴۳)

آپ کا پورا نام خلیل بن احمد بن عمرو بن تمیم ابوعبدالرحمٰن الفراہیدی تھا، آپ علمِ نحو کے امام سمجھے جاتے ہیں، آپ سے امام سیبویہ، نضر بن شمیل وغیرہ اکابرین نے علم حاصل کیا، آپ کو علمِ لغت میں بھی بڑا مقام حاصل تھا (البدایہ والنہایہ ج۱۰،ثم دخلت سنۃ سبعین ومائۃ)

(۳۶)......ماہِ جمادی الثانیہ ۱۸۸ھ: میں ابراہیم بن اسرائیل نے روم کے شہروں پر چڑھائی کی (تقویمِ تاریخی ص۴۷)

رومیوں کی طرف سے النقفوؔران کے مقابلے کے لئے نکلا، لیکن اس جنگ میں نقفوؔر سخت زخمی ہوا اور میدان چھوڑ کر بھاگ گیا اور چالیس ہزار کے قریب اس کے فوجی قتل ہوئے اور مسلمانوں کو بہت زیادہ مالِ غنیمت ہاتھ آیا (البدایہ والنہایہ ج۱۰،ثم دخلت سنۃ ثمان وثمانین ومائۃ)

(۳۷)......ماہِ جمادی الثانیہ ۱۹۲ھ: میں عرعرہ بن البرند بن النعمان بن علجۃ کی وفات ہوئی۔

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

آپ کی کنیت ابومحمد تھی ،اورعباسی خلیفہ ھارون الرشید کے عہدِ خلافت میں وفات ہوئی ،بعض نے آپ کی وفات رجب کے مہینے میں لکھی ہے (الطبقات الکبریٰ ج ۷ص ۲۹۲)

(۳۸)......ماہِ جمادی الثانیہ ۱۹۳ھ: میں عباسی خلیفہ ھارون الرشید کی وفات خراسان کے علاقے طوس کے مقام پر ہوئی۔

اس وقت ان کی عمر ۴۷ سال تھی ،بعض کے نزدیک اس کی ولادت ۱۵۰ھ اوربعض کے نزدیک اس کی ولادت ۱۴۶ھ میں ہوئی ، مدتِ خلافت ۲۳ سال تھی (تاریخِ خلیفہ بن خیاط ج ۱ص ۴۶۰)

(۳۹)......ماہِ جمادی الثانیہ ۱۹۸ھ: میں شیخ الاسلام ابومحمد سفیان بن عیینۃ بن میمون الہلالی الکوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ حرم کے محدث کہلاتے تھے ،اورمحمد بن مزاحم جوضحاک بن مزاحم کے بھائی تھے کے آزادکردہ غلام تھے، ۱۰۷ھ میں ولادت ہوئی اور چھوٹی عمر میں ہی علم حاصل کرنا شروع کردیا ،عمرو بن دینار، زہری ،زیاد بن علاقۃ ،ابواسحاق ،اسود بن قیس ،زید بن اسلم ،عبد اللہ بن دینار ،منصور بن المعتمر اورعبدالرحمٰن بن القاسم رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں ،اعمش ،ابن جریج ،شعبۃ ، ابن المبارک ،ابن مہدی ،امام شافعی ،امام احمد بن حنبل ،یحییٰ بن معین ،اسحاق بن راہو یہ اوراحمد بن صالح رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مالک اورسفیان حجاز میں نہ ہوتے تو حجاز سے علم ختم ہوجاتا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے تین احادیث کے علاوہ احکام کی ساری احادیث امام مالک کے پاس پائیں ،اور چھ احادیث کے علاوہ احکام کی ساری احادیث سفیان بن عیینہ کے پاس پائیں (طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۲۶۴)

(۴۰)......ماہِ جمادی الثانیہ ۱۹۸ھ: میں ابوسعید عبدالرحمٰن بن مہدی البصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا آپ کی ولادت ۱۰۵ھ میں ہوئی ،ایمن بن نابل ، ہشام دستوائی ،معاویۃ بن صالح ،ابوخلدۃ ،شعبۃ اورسفیان رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں ،ابن المبارک ،امام احمد ،اسحاق ،ابن المدینی ، بندار ،عبد الرحمٰن ،محمد بن یحییٰ اورعبدالرحمٰن بن محمد بن منصورالحارثی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔

(طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۳۳۱)

(۴۱)......ماہِ جمادی الثانیہ ۱۹۹ھ: میں ابنِ طباطبا کا کوفہ میں خروج ہوا۔

اس کا پورانام محمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب تھا، اوراس نے کوفہ پر بغیر قتال کے قبضہ کرلیا، پھراسی سال شعبان میں اس کی وفات ہوئی (تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ا ص ۴۶۸)

تیسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

(۴۲)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۰۲ھ: میں حضرت ابومغیث ولید بن عبداللہ بن حجازی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: محمد بن علی بن ابی طالب (المعروف بابن الحنفیہ) اوریوسف بن ماہک حنفی رحمہما اللہ، ابراہیم بن یزید، عبیداللہ بن الاقنس ،محمد بن عبداللہ بن عبید بن عمیر اللیثی اورمعقل بن عبیداللہ الجزری رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔
(تهذيب الكمال ج ۳۱ص ۴۰)

(۴۳)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۰۲ھ: میں حضرت عمر بن شبۃ بن عبیدہ بن زید بن رائطہ النمیری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بغداد میں رہتے تھے، اپنے والد شبۃ بن عبیدہ اورعمر بن علی المقدمی ،مسعود بن واصل ،عبید بن الطفیل ،عبدالوھاب الثقفی، حسین الجعفی اورابوداؤد الطیالسی رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، ابنِ ماجہ، ابوشعیب عبداللہ بن الحسن الحرانی، احمد بن یحییٰ ثعلب النحوی، احمد بن یحییٰ البلاذری، ابنِ ابی الدنیا اورابونعیم بن عدی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔
(تهذيب التهذيب ج۷ ص ۴۰۴)

(۴۴)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۰۲ھ: میں حضرت ابوسعید حماد بن مسعدۃ التمیمی البصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

حمید الطّویل، سلیمان التیمی ، یزید بن ابی عبید، ہشام بن عروۃ ،عبیداللہ بن عمر اورابنِ ابی ذئب رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں ،امام احمد، اسحاق ،علی، معلیٰ بن اسد، ابوبکر بن ابی

شیبہ، بندار، ابوموسیٰ اور ہارون بن الحمال رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، بصرہ میں وفات ہوئی (تہذیب التہذیب ج۳ ص۷۱)

(۴۵)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۰۳ ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن بکر بن عثمان البرسانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کو ابوعثمان البصری کہا جاتا تھا، ایمن بن نابل، بسطام بن مسلم، حماد بن سلمہ، حمید بن مہران الکندی اور سعید بن ابی عروبہ رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، امام احمد بن حنبل، ابوالاشعث احمد بن المقدام العجلی، احمد بن منصور الرمادی اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، عبداللہ بن ہارون کے دورِ خلافت میں بصرہ میں وفات ہوئی۔

(تہذیب الکمال ج۲۴ ص۵۳۳)

(۴۶)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۲۰ ھ: میں حضرت ابوالحسن آدم بن ابی ایاس عبدالرحمٰن بن محمد الخراسانی المروزی العسقلانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ اصلاً خراسان کے رہنے والے تھے، اور اس کے بعد بغداد منتقل ہو گئے تھے، اور بغداد میں ہی علمِ حدیث حاصل کیا، بغداد کے علاوہ آپ نے کوفہ، بصرہ، حجاز، مصر اور شام کے بڑے بڑے اور سرکردہ علماء سے بھی علم حاصل کیا، آخر میں آپ نے عسقلان کے مقام پر رہائش اختیار کر لی، اور یہیں پر آپ کی وفات ہوئی، اسرائیل بن یونس، اسماعیل بن عیاش، حماد بن سلمہ اور شعبہ رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، امام بخاری، احمد بن الازہر، احمد بن عبداللہ العکاری، اسماعیل سمویہ اور ہاشم بن مرثد الطبرانی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

(تہذیب الکمال ج۲ ص۳۰۹، طبقات ابنِ سعد ج۷ ص۴۹۰، طبقات الحفاظ للسیوطی ج۱ ص۱۳، سیراعلام النبلاء ج۱۰ ص۳۳۷، تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۴۰۹)

(۴۷)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۲۰ ھ: میں حضرت ابوحذیفہ موسیٰ بن مسعود البصری النہدی المؤدب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ایمن بن نابل (جوکہ تابعی ہیں) عکرمۃ بن عمار التابعی، سفیان الثوری اور ابراہیم بن طہمان رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، امام ابوداؤد، ترمذی، ابنِ ماجہ، الذہلی اور عبد بن حمید رحمہم اللہ

آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کی عمر۹۲ سال تھی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۱۳۹، طبقات ابنِ سعد ج۷ ص ۳۰۴، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۷)

(۴۸)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۲۲ھ: میں صاحب الطبقات حضرت ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بغداد میں رہتے تھے، آپ کی الطبقات الکبریٰ جو ''طبقات ابنِ سعد'' کے نام سے مشہور ہے، فنِ تاریخ وسوانح کا ایک اہم حصہ سمجھی جاتی ہے، بغداد میں ۶۲ سال کی عمر میں وفات ہوئی، اور ''باب الشام'' کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

سفیان بن عیینۃ، اسماعیل بن علیۃ، ابوضمرۃ انس بن عیاض، محمد بن اسماعیل بن ابی فدیک، محمد بن عمر الواقدی اور معن بن عیسیٰ القزاز رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، ابوبکر بن ابی الدنیا، حارث بن محمد بن ابی اسامہ، احمد بن عبید، احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری اور حسین بن محمد بن عبدالرحمٰن بن الفہم رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔

(تہذیب الکمال ج۲۵ ص ۲۵۸، تہذیب التہذیب ج۹ ص ۱۶۱، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۴۲۵، الوافی بالوفیات للصفدی ج ۱ ص ۳۳۵ ''سیر اعلام النبلاء میں سنِ وفات ۲۳۰ھ لکھی ہے'')

(۴۹)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۲۴ھ: میں حضرت ابوعمر موسیٰ بن ہارون بن بشیر القیسی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: ولید بن مسلم، ہشام بن یوسف، محمد بن حرب، بشر بن اسماعیل اور ابنِ وھب رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درج ذیل ہیں: محمد بن عبداللہ بن البرقی، محمد بن یحییٰ الذہلی، عبداللہ بن حماد الآملی اور یحییٰ بن عثمان بن صالح رحمہم اللہ۔

آپ مصر میں رہتے تھے اور مصر ہی میں علمِ حدیث کو پھیلایا، اس کے بعد آپ ''فیوم'' (مصر کے ایک میدانی علاقے) تشریف لے گئے اور وہیں آپ کی وفات ہوئی۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۳۵، تہذیب الکمال ج ۲۹ ص ۱۶۳)

(۵۰)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۲۴ھ: میں حضرت ابوبکر عبداللہ بن محمد بن حمید رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابن ابی الاسود کے نام سے مشہور تھے، ہمدان کے مشہور قاضی عبدالرحمٰن بن مہدی کے بھانجے تھے، امام مالک، ابوعوانہ، جعفر بن سلیمان اور یزید بن زریع رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، امام بخاری، ابوداؤد، ابنِ ابی الدنیا اور یعقوب الفسوی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، ۶۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۴۹۳)

(۵۱)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۲۵ھ: میں حضرت ابوبکر الاعین محمد بن ابی عتاب حسن بن طریف البغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

روح بن عبادۃ، یزید بن ہارون اور الفریابی رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، امام مسلم، ابنِ ابی الدنیا، بغوی اور سراج رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۵۳)

(۵۲)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۲۵ھ: میں حضرت ابوالعتاہیہ اسماعیل بن قاسم بن سوید بن کیسان العنزی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بغداد میں رہتے تھے، بلند پایہ ادیب اور بڑے اونچے درجے کے شاعر تھے، ابوعمر بن عبدالبر نے آپ کے حالات اور اشعار کو جمع کیا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۱۹۷)

(۵۳)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۲۵ھ: میں حضرت ابوعمر حفص بن عمر بن الحارث الازدی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ہشام دستوائی، ابوحرۃ الرقاشی، واصل بن عبدالرحمٰن، شعبہ، ہمام اور یزید بن ابراہیم التستری رحمہم اللہ سے آپ روایت کرتے ہیں، امام بخاری، ابوداؤد، محمد بن عبدالرحیم صاعقہ، احمد بن الفرات، احمد بن داؤد المکی اور اسماعیل القاضی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث روایت کی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۳۵۵، تہذیب الکمال ج ۷ ص ۳۰۶، طبقات ابنِ سعد ج ۷ ص ۲۹)

(۵۴)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۲۹ھ: میں حضرت خلف بن ہشام بن ثعلب البغدادی المقری البزار رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

امام مالک، حماد بن زید، ہشیم، ابوشہاب، ابوعوانہ اور الدراوردی رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، امام

مسلم، ابوداؤد، ابن ابی خیثمہ، ابراہیم الحربی، عباس الدوری، عبداللہ بن احمد بن حنبل اور احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی۔

حضرت یحییٰ بن الفحام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے خلف بن ہشام کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔

(تھذیب التھذیب ج۳ص ۱۳۵ ،سیر اعلام النبلاء ج۱۰ ص ۵۸۰، طبقات الحفاظ ج۷ص ۳۴۸،تھذیب الکمال ج۸ص ۳۰۳)

(۵۵)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۳۲ھ: میں حضرت احمد بن عبداللہ بن ایوب الحنفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

اسحاق بن سلیمان الرازی، ابواسامہ حماد بن اسامہ، سفیان بن عیینہ، سلمہ بن سلیمان المروزی اور عبدالعزیز بن ابی رزمہ المروزی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِ فہرست ہیں، امام بخاری، احمد بن حفص بن عبداللہ السلمی نیشاپوری، اسحاق بن منصور الکوسج اور حسن بن ایوب نیشاپوری رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں (تھذیب الکمال ج ۱ ص ۳۲۵)

(۵۶)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۳۲ھ: میں حضرت ابوبکر جمعہ بن عبداللہ بن زیاد بن شداد السلمی البلخی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: مروان بن معاویہ، اسد بن عمرو البجلی، عمر بن ہارون البلخی اور ہشیم رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: حسین بن سفیان، محمد بن اسحاق بن عثمان السمسار اور حسن بن الطیب رحمہم اللہ (تھذیب التھذیب ج ۲ ص ۹۴)

(۵۷)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۳۴ھ: میں حضرت ابو عامر عبداللہ بن براد بن یوسف بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابواسامہ، عبداللہ بن ادریس، محمد بن فضیل، فضیل بن موفق اور محمد بن القاسم الاسدی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام بخاری، مسلم، ابوزرعہ، موسیٰ بن ہارون، عبدان الاہوزی، محمد بن عبداللہ الحضرمی اور محمد بن عبید بن عتبہ رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام مسلم رحمہ اللہ

آپ سے ۲۷/احادیث روایت کرتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج۵ص۱۳۷، تہذیب الکمال ج۴ ص۳۲۸)

(۵۸)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۳۶ھ: میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن محمد الیمامی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابن الرومی کے نام سے مشہور تھے، اور بغداد میں رہتے تھے، عبدالعزیز بن محمد الدراوردی، نضر بن محمد الجرشی، عمر بن یونس الیمامی اورعبدالرزاق رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوحاتم رازی، امام مسلم، ابراہیم بن اسحاق الحربی، احمد بن الحسن، عبدالجبار الصوفی اوراحمد بن ابی خیثمہ رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

(تہذیب الکمال ج۱۶ ص۱۰۲، طبقات الحنابلۃلابنِ ابی یعلیٰ ج ا ص۷۷)

(۵۹)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۳۶ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن جعفر بن ابی مواثۃ الکلبی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ''الفیدی'' کے لقب سے مشہور تھے، وکیع، ابومعاویہ، محمد بن فضیل، عبدالرحمٰن بن محمد المحاربی، یزید بن ہارون اوریحییٰ بن یمان رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابواحمد البزار بن حمویہ، یعقوب بن شیبہ اورمحمد بن عبداللہ الحضرمی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری، کتاب الھبہ میں آپ سے ایک حدیث روایت کی ہے۔

(تہذیب التہذیب ج۹ ص۸۴، تہذیب الکمال ج۲۴ ص۵۸۷)

(۶۰)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۳۷ھ: میں حضرت ابویحییٰ عبدالاعلیٰ بن حماد بن نصر الباہلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ النرسی کے نام سے مشہور تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: امام مالک، وہیب بن خالد، حمادین، یزید بن زریع، داؤد بن عبدالرحمٰن العطار اورابنِ ابی الزناد رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: امام مسلم، ابوداؤد، ابوزرعہ، ابوحاتم اورابوحبیب الیزنی رحمہم اللہ۔

آپ سے مروی احادیث میں شعب الایمان کے متعلق یہ مشہور حدیث بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''ایمان کے کچھ اوپر ساٹھ (یا ستر) شعبے ہیں، سب سے افضل کلمہ طیبہ لَاۤاِلٰــهَ اِلَّا اللہ پڑھنا ہے، اور سب سے ادنیٰ راستے سے تکلیف پہنچانے والی چیز کا ہٹانا ہے، اور حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے''

(تهذيب التهذيب ج٦ ص ٨٦، العبر فی خبر من غبر ج ١ ص ٨٠، سير اعلام النبلاء ج ١١ ص ٢٩، تهذيب الكمال ج ١٦ ص ٣٥٢، تذكرة الحفاظ ج ٢ ص ٤٦٧)

(۶۱)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۳۸ھ: میں حضرت ابوعلی حسین بن منصور بن جعفر بن عبداللہ بن رزین السلمی نیشاپوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

سفیان بن عیینہ، وکیع، ابومعاویہ الضریر، اسباط بن احمد اور ابواسامہ رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِ فہرست ہیں، امام بخاری، مسلم، احمد بن سلمہ، احمد بن ابی بکر، جعفر بن احمد بن نصر، حسن بن سفیان، ابوالعباس السراج اور محمد بن شاذان رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔

آپ فرماتے ہیں:

''بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بظاہر دنیا سے الگ تھلگ نظر آتے ہیں لیکن دل سے دنیا کی محبت میں مبتلا ہوتے ہیں، اور بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو بظاہر دنیا میں مشغول نظر آتے ہیں لیکن دل سے الگ تھلگ رہتے ہیں''

(سير اعلام النبلاء ج ١١ ص ٣٨٤)

(۶۲)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۴۰ھ: میں حضرت ابومحمد جعفر بن حمید القرشی العبسی الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

عبیداللہ بن ایاد بن لقیط، ولید بن ابی ثور، یونس بن ابی یعفور، خدیج بن معاویہ اور حفص بن سلیمان رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، بقی بن مخلد، ابویعلیٰ، حسن، ابوزرعہ رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، امام مسلم رحمہ اللہ نے آپ سے ایک حدیث روایت کی ہے۔

(تهذيب التهذيب ج ٢ ص ٧٥، تهذيب الكمال ج٥ ص ٢١)

(۶۳)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۴۲ھ: میں حضرت ابومحمد مخلد بن مالک بن شیبان القرشی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

اسماعیل بن عیاش، حفص بن میسرۃ الصنعانی اور عطاف بن خالد المخزومی رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں، ابراہیم بن یوسف الھسنجانی، احمد بن علی الآبار، احمد بن النضر العسکری اور اسحاق بن سیار رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

(تہذیب الکمال ج۲۷ ص ۳۴۳)

(۶۴)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۴۳ھ: میں حضرت ابواحمد مغیرۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف بن حبیب بن الریان الاسدی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کے والد عبدالرحمٰن بن عوف اور زید بن علی الرقی، محمد بن ربیعہ الکلابی، مسکین بن بکیر، عیسیٰ بن یونس اور اسحاق بن عیسیٰ بن الطباع رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، امام نسائی، ہلال بن العلاء، یعقوب بن سفیان، احمد بن علی الآبار، عیسیٰ بن خشنام المؤذن، ابوعقیل انس بن سلیم اور بقی بن مخلد رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، جمعہ کی رات وفات ہوئی۔

(تہذیب التہذیب ج۱۰ ص ۲۳۹)

(۶۵)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۴۶ھ: میں حضرت احمد بن عبداللہ بن میمون بن عباس بن الحارث الغطفانی الدمشقی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ اصلاً کوفہ کے رہنے والے تھے، ابراہیم بن ایوب الحورانی، احمد بن ثعلبہ العاملی، احمد بن حجر الجزری، احمد بن صاعد اور احمد بن محمد بن حنبل رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، امام ابوداؤد، ابنِ ماجہ، ابوعبدالملک احمد بن ابراہیم بن محمد البسری، ابوالجہم احمد بن حسین بن طلاب المشغرانی اور احمد بن سلیمان الکندی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی ولادت ۱۳۴ھ میں ہوئی۔

آپ نے ایک مرتبہ اپنے شیخ ابوسلیمان رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے، تو انہوں نے اس طرح سے ان کو وصیت کی:

> ''ہر کام میں نفس کی مخالفت کرو کیونکہ نفس تو ہمیشہ برے کام ہی کا حکم دیتا ہے، اور اپنے آپ کو کسی مسلمان کی تحقیر سے بچاؤ، اور اللہ کی اطاعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناؤ، اور اخلاص کو اپنا زادِ راہ بناؤ، اور سچ کو اپنی ڈھال بناؤ، اور میری طرف سے اس بات کو قبول کرلو اور اس پر عمل کبھی چھوڑو نہ اور نہ ہی اس سے غافل ہو، جو شخص اپنے اقوال اور افعال میں

ہر وقت اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے بندوں میں سے اولیاء کے مقام پر پہنچا دیتے ہیں‘‘

آپ فرماتے ہیں کہ میں اپنے شیخ کے یہ الفاظ ہر وقت اپنے سامنے رکھتا ہوں اور اس کو یاد رکھتا ہوں اور اپنے نفس سے ان کاموں پر عمل کرنے کا مطالبہ کرتا رہتا ہوں (تھذیب الکمال ج ۱ ص ۳۷۴)

(۶۶)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۴۸ھ: میں حضرت ابوالہیثم خالد بن خداش بن عجلان المھلبی البصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بغداد میں رہتے تھے، امام مالک بن انس، مہدی بن میمون، ابوعوانہ، حماد بن زید اور بکار بن عبدالعزیز بن ابی بکرہ رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں، امام مسلم، احمد بن ابی خیثمہ، ابوزرعہ، ابوبکر بن ابی الدنیا اور عثمان بن خرزاذ رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تھذیب الکمال ج۸ص ۴۹، سیر اعلام النبلاء للذھبی ج۱۰ ص ۳۸۹)

(۶۷)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۴۹ھ: میں حضرت ابوشریح خویلد بن عمرو الخزاعی المروزی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

عبدالعزیز الدراوردی، محمد بن مصعب القرقسائی، ابنِ عیینۃ، نضر بن شمیل اور عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابی رواد رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، امام ترمذی، نسائی، موسیٰ بن ہارون اور عبداللہ بن احمد رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کی وفات عراق کے مشہور شہر سامرّاء میں ہوئی (تھذیب التھذیب ج۳ص ۱۴۸)

(۶۸)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۴۹ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم بن سعیہ بن ابوزرعۃ المصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ابوالاسود نضر بن عبدالجبار، اسد بن موسیٰ، عمرو بن ابی سلمہ، موسیٰ بن ہارون البردی، یحییٰ بن حسان اور عبداللہ بن عبدالحکم رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، آپ کے بیٹے عبیداللہ بن محمد اور امام ابوداؤد، ابوحاتم، معمر اور ابراہیم بن یوسف الھسنجانی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

(تھذیب الکمال ج۲۵ ص ۵۰۴، تھذیب التھذیب ج۹ ص ۲۳۵)

(۶۹)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۴۹ھ: میں حضرت ابراہیم بن یوسف الحضرمی الکندی الصیرفی

رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابو یحییٰ اسماعیل بن ابراہیم التیمی ، حارث بن عمران الجعفری اور حفص بن غیاث رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام نسائی، ابوجعفر احمد بن حمدان التستری، ابوبکر بن عمرو بن عبدالخالق البزار، حسن بن سلامۃ الدھان الکوفی اور عباس بن حمدان الحنفی الاصبہانی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تہذیب الکمال ج ۲ ص ۲۵۶)

(۷۰)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۴۹ھ: میں حضرت ابوبکر خلاد بن اسلم البغدادی الصفار المروزی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

حنیفہ بن مرزوق، سعید بن خثیم الھلالی، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن ادریس اور عبدالعزیز بن محمد الدراوردی رحمہ اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِ فہرست ہیں، امام ترمذی، نسائی، ابراہیم بن اسحاق الحربی اور احمد بن محمد بن ابی شیبہ البزاز رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، عراق کے شہر ''سامراء'' میں آپ کی وفات ہوئی (تہذیب الکمال ج ا ص ۳۷۴)

(۷۱)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۵۰ھ: میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن الوضاح بن سعید الکوفی اللؤلؤی الوضاحی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابن سعد الاودی کے نام سے مشہور تھے، حسین بن علی الجعفی ، حفص بن غیاث، زیاد بن عبداللہ البکائی، زید بن الحباب اور سلیمان بن عمرو رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، امام ترمذی، احمد بن الحسن بن عبدالجبار اور ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی الدنیا رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔
(تہذیب الکمال ج۱٦ ص ۲٦۷)

(۷۲)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۵۳ھ: میں حضرت علی بن حسین بن مطر الدرہمی البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: امیہ بن خالد، حسن بن حبیب بن ندبہ، خالد بن حارث، زکریا بن یحییٰ بن عمارہ، ابوقتیبہ سلم بن قتیبہ، ابوبدر شجاع بن ولید، ابوعاصم ضحاک بن مخلد اور عبداللہ بن داؤد الخریبی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابوداؤد، ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الکندی الصیرفی، ابوبکر احمد بن محمد بن ابراہیم الکندی الصیرفی، احمد بن محمد بن عبدالکریم الجرجانی، احمد بن یحییٰ بن

حبیب التمار، احمد بن یحییٰ بن زہیر التستری اور حسن بن علی بن نصر طوسی رحمہم اللہ۔ [۱]
(تہذیب الکمال ج۲۰ ص۴۰۶، تہذیب التہذیب ج۷ص۲۷۰)

(۷۳)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۵۳ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن مسلم بن سعید الطّوسی بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

جریر بن عبدالحمید، یوسف بن یعقوب الماجشون، ہشیم بن بشیر، عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن ابی زائدہ، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور ابو یوسف القاضی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، بخاری، ابوداؤد، نسائی، یحییٰ بن معین، ابوبکر الاثرم، ابنِ ابی الدنیا، عبداللہ بن احمد، ابومحمد بن صاعد، قاضی محاملی اور حسین بن عیاش رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ۹۳ سال کی عمر میں اتوار کے دن بغداد میں انتقال ہوا۔ [۲]
(سیر اعلام النبلاء ج۱۱ص۵۲۵،تہذیب الکمال ج۲۱ص۱۳۴، تہذیب التہذیب ج۷ص۳۳۴)

(۷۴)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۵۴ھ: میں حضرت ابوالسائب سلم بن جنادۃ بن سلم بن خالد بن جابر بن سمرۃ السوائی العامری الکوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ابراہیم بن یوسف الکندی الصیر فی، احمد بن بشیر الکوفی، جنادۃ بن سلم السوائی (یہ آپ کے والد ہیں) حسین بن علی الجعفی، حفص بن غیاث، ابواسامہ حماد بن اسامہ، زید بن حباب اور عبداللہ بن ادریس رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ترمذی، ابنِ ماجہ، ابوحامد احمد بن حمدون بن رستم الاعمش نیشاپوری، ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البز ار، ابوبکر احمد بن محمد بن ابراہیم السعد ی الزہری، محمد بن ابوحمزہ الذہبی اور احمد بن محمد العجنس رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، کوفہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ [۳]
(تہذیب الکمال ج۱۱ص۲۲۰، تہذیب التہذیب ج۴ص۱۱۴)

(۷۵)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۵۷ھ: میں حضرت ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن حبیب

---

[۱] قال ابوحاتم:صدوق.وقال النسائی:صدوق.وقال فی موضع آخر:لاباس به.وذکره ابن حبان فی کتاب الثقات وقال مستقیم الحدیث

[۲] روی النسائی ایضاعن رجل عنه وقال لابأس به ،وذکره ابن حبان فی کتاب الثقات

[۳] قال ابوحاتم: شیخ صدوق وقال النسائی :کوفی صالح.وقال ابوبکر البرقانی:ثقة حجة لایشک فیه ، یصلح للصحیح.وذکره ابنِ حبان فی کتاب الثقات

بن الشہید الشہیدی رحمہم اللہ کی وفات ہوئی۔

ابراہیم بن حبیب بن الشہید (یہ آپ کے والد ہیں) بزیع بن عبداللہ اللحام ،بشر بن مفضل، حارث بن نعمان بن سالم بن ابوالنضر الاکفانی، حفص بن غیاث، حماد بن یحییٰ بن حماد اور حمید بن عبدالرحمٰن الروٴاسی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم الشہیدی (یہ آپ کے بیٹے ہیں) ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الکندی الصیر فی ،احمد بن بطۃ بن اسحاق الاصبہانی، احمد بن حمدون بن رستم الاعمشی ،احمد بن بحر العطار البصری اور احمد بن محمد بن عبداللہ الجوار بی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں [۱]

(تہذیب الکمال ج ۲ ص ۳۶۳، تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۸۷)

(۷۶)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۵۸ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن عبدالملک بن زنجویہ بغدادی الغزال رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بڑے فقیہ تھے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے قریبی ساتھیوں میں شمار ہوتے ہیں، یزید بن ہارون، زید بن حباب، عبدالرزاق، جعفر بن عون اور محمد بن یوسف الفریابی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابنِ ماجہ، ابویعلیٰ ، بغوی، ابنِ صاعد، محاملی اور عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔ [۲]

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۳۴۷،تہذیب الکمال ج ۲۶ ص ۱۸ ،العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۹۰، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۸۰، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۵۴)

(۷۷)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۵۸ھ: میں حضرت ابومحمد عباس بن جعفر بن عبداللہ بن الزبرقان البغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابراہیم بن صرمہ الانصاری، احمد بن اسحاق الحضرمی، احمد بن حارث بن واقد الغسانی، احمد بن عبداللہ بن یونس اور احمد بن یعقوب المسعودی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابنِ ماجہ، ابراہیم بن حماد بن اسحاق بن اسماعیل بن حماد بن زید القاضی، ابوبکر احمد بن محمد بن ابی شیبۃ البغدادی

---

[۱] قال عبداللّٰہ بن احمد بن حنبل عن ابیہ:صدوق.وقال النسائی :ثقة.وقال الدارقطنی:ثقة مامون

[۲] وثقہ النسائی ،وقال عبدالرحمان بن ابی حاتم :سمع منہ ابی وسمعت منہ، وھو صدوق.وذکرہ ابن حبان فی کتاب الثقات

البزاز، ابوعلی احمد بن محمد بن مصقلۃ الاصبہانی، عبداللہ بن اسحاق المدائنی، ابوبکر عبداللہ بن ابوداؤد اور ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی الدنیا رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، بدھ کے دن آپ کی وفات ہوئی۔ [1]

(تہذیب الکمال ج۱۴ ص۲۰۴، تہذیب التہذیب ج۵ ص۱۰۱)

(۷۸)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۵۹ھ: میں حضرت ابوزید عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن عیسیٰ بن نذیر الاموی القرطبی المالکی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابنِ نذیر کے نام سے مشہور تھے، اور اندلس کے مفتی شمار ہوتے تھے، آپ کو فقہ میں بڑا مقام حاصل تھا اور فقہ کے گہرے اور دقیق مسائل حل کرنے کے ماہر تھے، ابوعبدالرحمٰن المقرئ، مطرف بن عبداللہ الیساری اور عبدالملک بن الماجشون رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، محمد بن عمر بن لبابۃ، سعید بن عثمان الاعناقی اور محمد بن فطیس رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، اندلس کے مشہور مقام قرطبہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۲ ص۳۳۷)

(۷۹)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۵۹ھ: میں حضرت ابوالقاسم محمود بن ابراہیم بن محمد بن عیسیٰ بن سمیع الدمشقی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابنِ سمیع کے نام سے مشہور تھے، اور "الطبقات" کتاب کے مؤلف تھے، اسماعیل بن ابی اویس، یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر، ابوجعفر النفیلی اور صفوان بن صالح رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابوحاتم، ابوزرعہ الدمشقی اور ابنِ جوصا رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔ [2]

(سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص۵۵، تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۵۳، تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۶۱۴)

(۸۰)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۶۰ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن عبدالرحمٰن بن حسن بن علی بن ولید الجعفی الکوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

---

[1] قال عبدالرحمان بن ابی حاتم: سمعت منه مع ابی ببغداد وهو ثقة سئل عنه ابی فقال: بغدادی صدوق. وقال عبدالله بن اسحاق المدائنی: حدثنا عباس بن ابی طالب وكان ثقة. وذكره ابن حبان فی كتاب الثقات.

[2] قال ابوحاتم: صدوق مارأيت بدمشق اكيس منه.

آپ دمشق میں رہتے تھے، اور مشہور محدث حسین بن علی الجعفی رحمہ اللہ کے بھتیجے تھے، ابراہیم بن عیینہ، اسباط بن محمد القرشی، اسحاق بن منصور بن حیان الاسدی، جعفر بن عون، ابواسامہ حماد بن اسامہ، داؤد بن معاذ المصیصی، زید بن حباب، سعید بن کثیر بن عفیر، سعید بن مسلمہ الاموی اور ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید المقری رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوداؤد، ابنِ ماجہ، ابواسحاق ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالملک بن مروان، ابوالجہم احمد بن حسین بن طلاب المشغرائی، ابوالفضل احمد بن عبداللہ بن نصر بن ہلال السلمی، ابوالحسن احمد بن عمیر بن جوصا رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔ [1]

(تهذيب الكمال ج۲۵ ص۲۰۶، تهذيب التهذيب ج۹ ص۲۶۳)

(۸۱)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۶۰ھ: میں حضرت ابومحمد ہاشم بن قاسم بن شیبۃ بن اسماعیل بن شیبۃ القرشی الحرانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

بشر بن بکر التنیسی، عبداللہ بن وہب، عتاب بن بشیر، عثمان بن عبدالرحمٰن الطرائفی، عیسیٰ بن یونس، مبشر بن اسماعیل الحلبی، محمد بن سلمہ الحرانی، محمد بن عجلان الملطی اور مسکین بن بکیر رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، ابنِ ماجہ، ابراہیم بن محمد بن حسن متویہ الاصبہانی، احمد بن حسن بن الجعد، احمد بن حسن بن عبدالجبار الصوفی، ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم، احمد بن عمرو القطرانی اور احمد بن ابوعوف البزوری رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ [2]

(تهذيب الكمال ج۳۰ ص۱۳۰، تهذيب التهذيب ج۱۱ ص۱۸)

(۸۲)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۶۲ھ: میں حضرت ابوزید عمر بن شبۃ بن عبدۃ بن زید بن رائطہ الاخباری النمیری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بغداد میں رہتے تھے، آپ کی ولادت ۱۷۳ھ میں ہوئی، یحییٰ بن سعید القطان، یوسف بن

---

[1] قال ابوحاتم: سألت ابابكر عنه فقال: كان يحفظ الحديث، وكان جيد الحفظ للمسند والمنقطع. وقال ابوزرعة: التقيت معه وحفظت منه اشياء. وذكره ابن حبان فى كتاب الثقات وقال مستقيم الحديث، حدثهم بالشام بالغرائب.

[2] قال عبدالرحمان بن ابى حاتم: كتب الى والى ابى ببعض حديثه محله الصدق. وذكره ابن حبان فى كتاب الثقات

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

عطیہ، عمر بن علی المقدمی، عبدالوہاب الثقفی، عبدالاعلیٰ السامی، معاذ بن معاذ، علی بن عاصم، یزید بن ہارون، ابوزکیر یحییٰ بن محمد بن قیس اور ابواحمد الزبیری رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابنِ ماجہ، ابنِ ابی الدنیا، ابنِ صاعد، ابوالعباس السراج، ابونعیم بن عدی، محمد بن احمد الاثرم، ابوبکر بن ابی داؤد، محمد بن جعفر الخرائطی اور محمد بن مخلد رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔

۹۰ سال سے زائد کی عمر میں وفات ہوئی، آپ نے بصرہ کی تاریخ پر بڑی جامع کتاب لکھی۔

اس کے علاوہ اخبارالمدینہ، اخبارالکوفۃ، اخبارِ مکۃ، الامراء، الشعر والشعراء، اخبارالمنصور، النسب، التاریخ، آپ کی مشہور کتب ہیں۔ [۱]

(سیراعلام النبلاء ج۱۲ ص۳۷۱، تہذیب الکمال ج۲۱ ص۳۹۰)

(۸۳)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۶۶ھ: میں حضرت ابوعبیداللہ حماد بن حسن بن عنبسۃ الوراق نہشلی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ سامراء میں رہتے تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ازہر بن سعدالسمان، حجاج بن نصیر، حسن بن عنبسۃ (یہ آپ کے والد ہیں) روح بن عبادۃ، سیار بن حاتم، ضحاک بن مخلد، عبدالعزیز بن خطاب، محمد بن بکر البرسانی اور ابوحذیفہ موسیٰ بن مسعود رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: امام مسلم، ابوذر احمد بن ابوبکر محمد بن محمد بن سلیمان الباغندی، عبداللہ بن ابوداؤد، ابوبکر عبداللہ بن محمد بن زیاد نیشاپوری، عبدالرحمٰن بن سانجورالرملی اور عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہم اللہ۔ [۲]

(تہذیب الکمال ج۷ ص۲۳۳، تہذیب التہذیب ج۳ ص۶)

(۸۴)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۶۶ھ: میں حضرت ابوعمر عبدالحمید بن محمد بن مستام بن حکیم بن عمرو الحرانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

---

[۱] وثقہ الدارقطنی وغیر واحد. وقال عبدالرحمن بن ابی حاتم: کتبت عنہ مع ابی، وھو صدوق، صاحب عربیۃ وادب . وقال ابوحاتم البستی: مستقیم الحدیث، وکان صاحب ادب وشعر، واخبار ومعرفۃ بایام الناس .قال ابوبکر الخطیب: کان ثقۃ عالما بالسیر وایام الناس ولہ تصانیف کثیرۃ .وذکرہ ابن حبان فی کتاب الثقات وقال مستقیم الحدیث ،وکان صاحب ادب وشعر واخبار ومعرفۃ بایام الناس.

[۲] قال ابوحاتم: صدوق. قال ابنہ عبدالرحمان بن ابی حاتم: ثقۃ صدوق. وقال ابوبکر بن زیاد نیشاپوری والدارقطنی: ثقۃ. وذکرہ ابن حبان فی کتاب الثقات

آپ حرّان مقام میں جامع مسجدِ حران کے امام تھے، حسین بن عیاش الباجدائی، ابوجعفر عبداللہ بن محمد نفیلی، ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن محمد، عبدالجبار بن محمد الخطابی، عثمان بن عبدالرحمٰن الطرائفی اور عصام بن سیف الحرانی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، نسائی، ابراہیم بن محمد بن حسن بن متویہ الاصبہانی، ابوسعید احمد بن طاہر الحرانی، ابوعروبۃ حسین بن محمد الحرانی، ابوالفضل عباس بن یوسف اسماعیل الشکلی، ابوالسائب عبدالرحمٰن بن احمد بن محمد بن اسحاق المسیبی اور یحییٰ بن محمد بن صاعد رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں [۱]

(تہذیب الکمال ج۱۶ ص۴۵۸، تہذیب التہذیب ج۶ ص۱۱۰)

(۸۵)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۶۷ھ: میں حضرت ابوزکریا یحییٰ بن محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن خالد بن فارس الذہلی نیشاپوری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ حیکان کے لقب سے مشہور تھے، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، اسماعیل بن ابی اویس، سلیمان بن حرب، علی بن عثمان اللاحقی، محمد بن کثیر العبدی، مسدد بن مسرہد، ابوعمر الحوضی اور ابوالولید الطیالسی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابنِ ماجہ، ابراہیم بن ابی طالب، ابوعمرو احمد بن نصر، ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ اور محمد بن اسحاق الثقفی السراج رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، آپ نے احمد بن عبداللہ الخجستانی خارجی کے ظلم کے خلاف خروج کیا تھا، جس کی پاداش میں اس نے آپ کو شہید کرادیا تھا۔ [۲]

(تہذیب الکمال ج۳۱ ص۵۳۰)

(۸۶)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۶۷ھ: میں حضرت ابوبکر اسحاق بن ابراہیم بن عبداللہ بن بکیر بن زید النہشلی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کا لقب شاذان تھا، ابوداؤد الطیالسی، وہب بن جریر اور اسود بن عامر شاذان رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوبکر بن ابی داؤد، احمد بن علی الجارودی، عبدالرحمٰن بن خراش، محمد بن عمر الجورجیری،

---

[۱] قال النسائی: ثقة. وقال عبدالرحمن بن ابی حاتم کتب عنه بعض اصحابنا، ولم یقض لی السماع منه. وذکره ابن حبان فی کتاب الثقات

[۲] قال عبدالرحمان بن ابی حاتم: سمعت منه وهو صدوق

محمد بن حمزہ بن عمارہ اور نصر بن ابونصر الشیر ازی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔ [۱]

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۳۸۳)

(۸۷)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۷۰ھ: میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن مرزوق بن دینار البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ مصر میں رہتے تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابوداؤد الطیالسی، عثمان بن عمر، مکی بن ابرہیم، عبدالصمد بن عبدالوارث اور ابوعامر العقدی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: نسائی، ابوجعفر الطحاوی، ابنِ صاعد، ابوعوانہ، عمر بن بجیر، ابوالعباس الاصم اور ابوالفوارس السندی رحمہم اللہ۔ [۲]

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۳۵۵، تہذیب الکمال ج ۲ ص ۱۹۸)

(۸۸)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۷۱ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن سنان بن یزید بن الذیال بن خالد بن عبداللہ بن یزید بن سعید القزاز البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بغداد میں رہتے تھے، آپ مصر کے مشہور محدث یزید بن سنان رحمہ اللہ کے بھائی تھے، روح بن عبادہ، ابوعاصم ضحاک بن مخلد، عمر بن یونس الیمامی، عمرو بن محمد بن ابی رزین، قریش بن انس، محمد بن بکر البرسانی اور وہب بن جریر بن حازم رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابراہیم بن اسحاق الحربی، ابوذر احمد بن محمد بن محمد بن سلیمان الباغندی، اسماعیل بن محمد الصفار، حسین بن اسماعیل المحاملی، محمد بن جعفر المطیری، محمد بن عبدالملک التاریخی اور محمد بن مخلد رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔ [۳]

(تہذیب الکمال ج ۲۵ ص ۳۲۵)

---

[۱] قال عبدالرحمان بن ابی حاتم: کتب الی والی ابی وھو صدوق. وذکرہ ابوحاتم البستی فی الثقات .

[۲] قال النسائی: صالح. وقال فی موضع آخر: لابأس بہ. وقال فی موضع آخر: لیس لی بہ علم. وقال الدارقطنی: ثقۃ الا انہ کان یخطیٔ فیقال لہ فلایرجع. وقال سعید ابن یونس: کان ثقۃ ثبتا.

[۳] قال ابوعبید الآجری: وسمعتہ یعنی اباداؤد یتکلم فی محمد بن سنان یطلق فیہ الکذب. وقال عبدالرحمان بن ابی حاتم: کتب عنہ ابی بالبصرۃ، وکان مستورا فی ذالک الوقت، فاتیتہ انا ببغداد سألت عنہ عبدالرحمان بن خراش فقال: ھو کذاب، روی حدیث والان عن روح بن عبادہ فذھب حدیثہ. وقال ابوالعباس بن عقدہ: فی امرہ نظر، سمعت عبدالرحمان بن یوسف یذکرہ، فقال لیس عندی بثقۃ. وقال الحاکم ابوعبداللہ عن ابی الحسن الدارقطنی: محمد بن سنان القزاز اصلہ بصری، سکن بغداد لابأس بہ.

(۸۹)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۷۱ھ: میں حضرت ابویعقوب یوسف بن سعید بن مسلم المصیصی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ انطاکیہ میں رہتے تھے، حجاج بن محمد الاعور، محمد بن مصعب القرقسانی، عبیداللہ بن موسیٰ، خالد بن یزید القسری، ہوذہ بن خلیفہ، ابومسہر الغسانی اور محمد بن مبارک الصوری رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، نسائی، ابوعوانہ، یحییٰ بن صاعد، ابوبکر بن زیاد، محمد بن احمد بن صفوۃ اور محمد بن ربیع الجیزی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ۹۰ سال کے قریب عمر پائی۔ [۱]

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۶۳۳، تہذیب الکمال ج ۳۲ ص ۴۳۲، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۸۴)

(۹۰)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۷۳ھ: میں حضرت ابوامیہ محمد بن ابراہیم بن مسلم بغدادی الطرسوسی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ طرسوس میں رہتے تھے، اور یہاں کے بڑے محدثین میں آپ کا شمار ہوتا تھا، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: عبدالوہاب بن عطاء، عمر بن یونس الیمامی، روح بن عبادہ، جعفر بن عون، عبداللہ بن بکر السہمی، عثمان بن عمر بن فارس، عبیداللہ بن موسیٰ، حسن بن موسیٰ الاشیب اور شبابۃ بن سوار رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابوحاتم، ابنِ صاعد، ابوعوانہ، ابنِ جوصا، ابوالدحداح، ابوبکر بن زیاد، ابوالطیب بن عبادل، عثمان بن محمد السمرقندی اور ابوعلی الحصائری رحمہم اللہ۔ [۲]

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۹۲، تہذیب الکمال ج ۲۴ ص ۳۳۱، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۴، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۸۱)

(۹۱)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۷۴ھ: میں حضرت ابوعلی احمد بن محمد بن یزید بن مسلم بن ابی

---

[۱] قال النسائی: ثقۃ حافظ. وقال ابن ابی حاتم: کتب الی ببعض حدیثہ وھو ثقۃ صدوقا، وذکرہ ابن حبان فی کتاب الثقات

[۲] قال النسائی: ھو بغدادی، سکن طرسوس. وقال ابن یونس: کان فھما حسن الحدیث. وقال ابوداؤد: ثقۃ. وقال ابوعبداللہ الحاکم: ابوامیۃ صدوق کثیر الوھم. وقال ابوبکر الخلال الفقیہ: ابوامیۃ رفیع القدر جدا، کان امام فی الحدیث. قال ابوعبید الآجری: سئل ابوداؤد عن ابی امیۃ الثغری، فقال ثقۃ. وقال ابن حبان فی کتاب الثقات: محمد بن ابراھیم بن مسلم ابوامیۃ السجستانی سکن طرسوس، حدثنا عنہ ابراھیم بطرسوس، وکان من الثقات، دخل مصر، فحدثھم من حفظہ من غیر کتاب باشیاء اخطأ فیھا، فلایعجبنی الاحتجاج بخبرہ الا بما حدثت من کتابہ

الخنا جرالانصاری شامی الاطرابلسی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

یزید بن ہارون، یحییٰ بن ابی بکیر، مؤمل بن اسماعیل، محمد بن مصعب القرقسانی اور معاویہ بن عمرو رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابونعیم بن عدی، ابنِ جوصا، ابنِ صاعد، ابن ابی حاتم اور خیثمہ بن سلیمان رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔ [1]

(سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۲۴۰)

(۹۲)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۷۶ھ: میں حضرت شیخ الاسلام ابوعبدالرحمٰن بقی بن مخلد بن یزید رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

یحییٰ بن یحییٰ اللیثی، یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر، محمد بن عیسیٰ الأعشی، ابومصعب الزہری، صفوان بن صالح، ابراہیم بن منذر الحزامی، ہشام بن عمار، یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی اور محمد بن عبداللہ بن نمیر رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، احمد بن بقی بن مخلد (یہ آپ کے بیٹے ہیں) ایوب بن سلیمان المری، احمد بن عبداللہ الاموی، اسلم بن عبدالعزیز، محمد بن وزیر، محمد بن عمر بن لبابۃ، حسن بن سعد الکنانی اور عبداللہ بن یونس المرادی القبری رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

آپ کی ولادت رمضان ۲۰۱ھ میں ہوئی، ابوعبیدہ فرماتے ہیں:

> بقی ہر رات میں تیرہ رکعتوں میں ایک قرآن ختم کرتے تھے، اور دن کو سو رکعت نوافل پڑھتے تھے، اور ہمیشہ روزے سے رہتے تھے۔

آپ اتنے بڑے محدث تھے اور صبح وشام دین کی تعلیم میں مصروف رہتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ جہاد فی سبیل اللہ سے بھی کبھی پیچھے نہ رہے، کہا جاتا ہے کہ آپ نے کفار کے خلاف تقریباً ۷۰ جنگوں میں حصہ لیا۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۲۹۶، تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص ۶۳۱)

(۹۳)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۷۷ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن جہم السمری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ مشہور شخصیت یحییٰ الفراء رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، یزید بن ہارون، عبدالوہاب بن عطاء، جعفر بن

---

[1] قال ابن ابی حاتم: صدوق

عون اور یعلیٰ بن عبید رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، موسیٰ بن ہارون، ابوبکر بن مجاہد، اسماعیل الصفار، ابوالعباس الاصم، ابوسہل بن زیاد اور ابوبکر الشافعی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔ ۱؎
(سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۱۶۴)

(۹۴)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۷۸ھ: میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن الہیثم البلدی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بغداد میں رہتے تھے، ابوالیمان، آدم بن ابی ایاس، علی بن عیاش اور ابوصالح الکاتب رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، اسماعیل الصفار، النجار، ابوبکر الشافعی اور ابوعبداللہ بن مخرم رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔ ۲؎ (سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۴۱۲)

(۹۵)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۸۱ھ: میں حضرت ابوزرعہ عبدالرحمٰن بن عمرو بن عبداللہ بن صفوان بن عمرو النصری الدمشقی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کو اپنے زمانے میں شام کا شیخ کہا جاتا تھا، ابراہیم بن عبداللہ بن علاء بن زبر، احمد بن خالد الوہبی، احمد بن عبداللہ بن یونس، احمد بن محمد بن حنبل، آدم بن ابی ایاس، ابوالنضر اسحاق بن ابراہیم بن یزید الفردیسی اور اسحاق بن موسیٰ الانصاری رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابوداؤد، ابواسحاق ابراہیم بن اسحاق بن ابوالدرداء الصرفندی، ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن صالح بن سنان القرشی، ابوالحسن احمد بن سلیمان بن ایوب بن حذلم اور ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔ ۳؎
(تہذیب الکمال ج۱۷ ص ۳۰۴، تہذیب التہذیب ج۶ ص ۲۱۵، تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص ۶۲۴)

(۹۶)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۸۳ھ: میں حضرت ابوالعیناء محمد بن قاسم بن خلاد البصری الضریر رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

۱؎ قال الدارقطنی: ثقة. وقال الذهبی: یقع حدیثه عالیا فی الغیلانیات.
۲؎ قال ابن عدی: احادیثه مستقیمة، سوی حدیث الغار، فنالوا منه. قال الخطیب: هو ثقة ثبت عندنا
۳؎ قال عبدالرحمان بن ابی حاتم عن ابیه: ذکر احمد بن ابی الحواری ابازرعة الدمشقی، فقال هو شیخ الشباب. وقال ایضا: کان رفیق ابی وکتب عنه وکتبنا عنه، وکان صدوقا ثقة، سئل ابی عنه فقال صدوق.

آپ کی ولادت اہواز مقام پر ہوئی اور پرورش بصرہ میں ہوئی، ابوعبیدۃ، ابوزید، ابوعاصم النبیل اوراصمعی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، حکیمی، ابوبکر الصولی، ابوبکر الادمی، احمد بن کامل اور ابنِ نجیح رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، ۹۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ [۱]

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۳۰۹)

(۹۷)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۸۴ھ: میں حضرت ابوعمرو احمد بن مبارک المستملی نیشاپوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ مستملی کے نام سے مشہور تھے، یزید بن صالح الفراء، احمد بن حنبل، قتیبۃ بن سعید، سہل بن عثمان العسکری، عبیداللہ القواریری، اسحاق بن راہویہ، ابومصعب اور سریج بن یونس رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابوعمرو احمد بن نصر الخفاف، جعفر بن محمد بن سوار، ابوعثمان سعید بن اسماعیل الحیری، ابوحامد بن الشرقی، زنجویہ بن محمد، محمد بن صالح بن ھانیء اور محمد بن یعقوب بن الاخرم رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔

آپ بہت زیادہ عبادت کیا کرتے تھے مستجاب الدعوات بھی تھے، آپ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو عبادت کیا کرتے، آپ کی وفات نیشاپور میں ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۳۷۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۵۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۴۴)

(۹۸)...... ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۸۶ھ: میں حضرت ابوالعباس محمد بن یونس بن موسیٰ بن سلیمان بن عبید بن ربیعہ بن کدیم القرشی الکدیمی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۱۸۳ھ میں ہوئی، اور جس رات آپ کی ولادت ہوئی اسی رات حضرت ہشیم بن بشیر رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، روح بن عبادہ رحمہ اللہ آپ کے سوتیلے والد تھے، ابوداؤد الطیالسی، عبداللہ الخریبی، ازہر السمان، ابوزید الانصاری، روح بن عبادہ، ابوعاصم، اصمعی، عبدالرحمٰن بن حماد الشعیثی، حمیدی اور ابونعیم رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوبکر بن الانباری، اسماعیل الصفار، ابوبکر الشافعی، احمد بن یوسف بن خلاد، احمد بن الریان المالکی، خیثمہ بن سلیمان، عثمان بن سنقۃ، ابوعبداللہ بن محرم، عمر بن سلم الختلی اور ابوبکر القطیعی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت

---

[۱] قال الدارقطنی: لیس بالقوی

کرتے ہیں۔ [1]

(سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص۳۰۵،تھذیب الکمال ج۲۷ ص۷۸،العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۱۰۱، تھذیب التھذیب ج۹ ص۴۸۵،عن البعض مات فی جمادی الاولیٰ "تذکرة الحفاظ ج۲ ص۶۱۹")

(۹۹)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۸۶ھ: میں حضرت ابوالفضل احمد بن سلمہ بن عبداللہ نیشاپوری البزار رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ نے امام مسلم رحمہ اللہ کی معیت میں طلبِ علم کے لئے کئی سفر کئے، آپ کے استاد درجِ ذیل ہیں: قتیبۃ، اسحاق بن راہویہ، محمد بن مہران الجمال، عبداللہ بن معاویہ، عثمان بن ابی شیبۃ، ابوکریب، ابنِ حمید اور احمد بن منیع رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابنِ وارہ، ابوزرعہ، ابوحاتم، ابوحامد بن الشرقی، یحییٰ بن منصور القاضی، سلیمان بن محمد بن ناجیۃ، علی بن عیسیٰ اور ابوالفضل محمد بن ابراہیم رحمہم اللہ (سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص۳۷۳، تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۶۳۷)

(۱۰۰)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۲۹۰ھ: میں حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال الشیبانی بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ فقہ حنبلی کے بانی اور مشہور امام حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بیٹے تھے، آپ کی ولادت ۲۱۳ھ میں ہوئی، آپ اصبہان کے قاضی صالح بن احمد رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی تھے، احمد بن حنبل (یہ آپ کے والد ہیں) یحییٰ بن عبدویہ، شبان بن فروخ، سوید بن سعید، یحییٰ بن معین، محمد بن صباح دولابی، ہیثم بن خارجہ، عبدالاعلیٰ بن حماد، ابوالربیع الزہرانی، ابوبکر بن ابی شیبۃ اور ابراہیم بن حجاج

---

[1] قال ابن عدی: اتھم الکدیمی بوضع الحدیث. وقال ابن حبان: لعلہ قد وضع اکثر من الف حدیث. قال ابن عدی: وادعی رؤیة قوم لم یرھم، ترک عامة مشائخنا الروایة عنہ. وقال ابوالحسین بن المنادی: کتبنا عن الکدیمی، ثم بلغنا کلام ابوداؤد فیہ، فرمینا بما سمعنا منہ. قال ابوعبید الآجری: رأیت اباداؤد یطلق فی محمد بن یونس الکذب، وکان موسیٰ بن ھارون ینھی الناس عن السماع من الکدیمی. وقال موسیٰ وھو متعلق باستار الکعبة: اللھم انی اشھدک ان الکدیمی کذاب، یضع الحدیث. قال القاسم بن زکریا المطرز: انا اجاثی الکدیمی بین یدی اللہ واقول: کان یکذبک علی رسولک وعلی العلماء. واما اسماعیل الخطبی فتبارد وقال: کان ثقة. مارأیت ناسا اکثر من مجلسہ. وقال عبداللہ بن احمد بن حنبل: سمعت ابی یقول: کان محمد بن یونس الکدیمی حسن الحدیث، حسن المعرفة. وقال الحافظ ابوبکر الخطیب: کان حافظا کثیر الحدیث.

السامی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، نسائی، ابنِ صاعد، ابوعوانہ الاسفرائینی، خضر بن المثنیٰ الکندی، ابوبکر بن زیاد، محمد بن مخلد، محاملی، اسحاق بن احمد الکاذی اور ابوبکر النجاد رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

آپ اپنے والد کی زندگی میں طویل عرصہ تک زندہ رہے، اور اپنے والد سے خوب فیض حاصل کرکے اس کو آگے پھیلایا، اتوار کے دن آپ کی وفات ہوئی، اور دن کے آخری حصہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔

آپ کے بھتیجے زہیر بن صالح رحمہ اللہ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی، اور باب التبن کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص۵۲۳، تہذیب الکمال ج۱۴ ص۲۹۱، العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۱۰۳، تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۲۶۶)

تیسری صدی ہجری کے بعد کے چند اجمالی واقعات

(۱۰۱)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۲ھ: میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی دہلوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ افغانستان کے ایک نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ ۹۷۱ھ میں کابل میں پیدا ہوئے آپ کی پیدائش اپنے ساتھ ہزاروں سعادتیں اور برکتیں لئے ہوئے تھی، تاریخ میں آپ کے بڑے کارنامے موجود ہیں، آپ علم ظاہر اور علم باطن میں اونچے مقام پر فائز تھے۔

آپ کے انتقال کے بعد ایک صاف ستھرے مقام پر آپ کے لئے قبر تیار کی گئی، لیکن جب آپ کی نعش مبارک کو لے کر چلے تو لوگوں پر ایسی بدحواسی طاری ہوئی کہ جنازہ لے جانے والوں نے کسی اور مقام پر لے جاکر جنازہ رکھ دیا۔ جب اس مقام پر جنازہ رکھا گیا تو مریدین میں سے کسی کو یاد آیا کہ یہ وہی مقام ہے جہاں ایک روز حضرت نے وضو فرمایا تھا اور اٹھتے وقت جب آپ نے دیکھا کہ آپ کے دامن مبارک پر وہاں کی خاک لگ گئی ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ جگہ ہماری

دامن گیر ہوئی ہے یہاں ہی ہمارا دفن ہوگا۔

چنانچہ اس واقعہ کے یاد آنے کے بعد اسی جگہ قبر کھودی گئی اور حضرت کے جسم اقدس کو سپردِ خاک کیا گیا، یہ مقام دہلی میں صدر بازار کے قریب قطب روڈ پر واقع ہے (تذکرہ اولیائے پاک وہندص ۱۲۶،مصنفہ:مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ)

(۱۰۲)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۱۰۶۰ھ: میں حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

آپ نے مسلمانوں کی مختلف حیثیتوں سے خدمت انجام دی، حضرت شیخ شاہ کلیم اللہ رحمہ اللہ ولیِ کامل اور عالمِ باعمل ہونے کے علاوہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے صاحبِ علم تھے، چنانچہ آپ نے بے شمار کتابیں تصنیف فرمائیں۔

حضرت شاہ صاحب نے رشدوہدایت کی شمع ایسے زمانہ میں روشن کی تھی جب ہندوستان کے مسلمان ایک نہایت ہی نازک دور سے گزر رہے تھے، سلطنتِ مغلیہ کا آفتاب غروب ہورہا تھا، معاشرہ پر تباہی کے آثار بُری طرح نمودار ہو چکے تھے، مذہب کی روح ختم ہو چکی تھی صرف اوہام اور رسوم باقی تھیں، اس تاریک دور میں آپ نے ملت میں زندگی دوڑانے کی کوشش کی۔

جب آپ کی عمر مبارک ۸۱ برس کی ہوئی تو تھوڑے دن علیل رہنے کے بعد آپ دہلی میں ۲۴ربیع الاول ۱۱۴۲ھ کو رحلت فرما گئے (تذکرہ اولیائے پاک وہند ص۱۴۹تا۱۵۳ملخصاً)

(۱۰۳)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۷ھ: میں حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

انیسویں صدی میں ملک وملت جن ممتاز ترین اور عظیم المرتبت شخصیتوں پر فخر کرسکتی ہے ان ہی میں سے ایک مایۂ ناز اور عہد آفریں شخصیت شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی نوراللہ مرقدہٗ کی ہے۔

حاجی صاحب نے باقاعدہ تعلیم وتدریس کم حاصل کی تھی، لیکن عشق ومحبتِ الٰہی اور سوزوگداز نے آپ کا سینہ کھول دیا تھا جس طرح انبیاء علیہم السلام کا سارا علم وہبی ہوتا ہے کسبی نہیں، اسی طرح امتوں

میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو بظاہر تو کم پڑھے لکھے ہوتے ہیں لیکن اتباع سنت اور اپنی عملی زندگی کی وجہ سے ایسا روحانی مقام حاصل کر لیتے ہیں کہ بڑے بڑے علماء ان سے تربیتِ روحانی حاصل کرتے ہیں۔

امت محمدیہ ﷺ میں ایسے سینکڑوں افراد گزرے ہیں، اسی وہبی اور للّٰہی دولت کی وجہ سے اپنے زمانہ کے بہترین علماء آپ کے گرد جمع ہو گئے اور ان سب نے آپ سے صفائی باطن اور تزکیۂ قلب حاصل کیا، اور آپ کو انگریز کے خلاف جہاد کے لئے امیر مقرر کیا گیا، اور آپ کو شیخ المشائخ وسید الطائفہ کا لقب دیا (بیس بڑے مسلمان ص ۸۴ تا ۱۰۰ ملخصاً)

(۱۰۴)......ماہِ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ: میں فقیہہ الامت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے عظیم خلیفہ تھے، آپ اپنے وقت کے فقہ وحدیث کے امام تھے اور تمام علوم کے بحرِ ذخار تھے لیکن حدیث وفقہ سے آپ کو بہت زیادہ شغف تھا۔

آپ نے تقریباً صحاحِ ستہ کی تمام کتابیں پڑھائی ہیں، آپ نے گنگوہ میں حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کی خانقاہ کو جو تین سو سال سے ویران اور خراب وخستہ پڑی تھی مرمت کر کے آباد کیا اور رات دن ذکر وفکر الٰہی میں مشغول رہتے، راتوں کو رویا کرتے تھے اور جو لحاف آپ اوڑھا کرتے تھے آنسوؤں کی بارش سے داغدار ہو گیا تھا۔

آپ کے علمی اور روحانی کمالات کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے، آپ تمام عمر دین کی خدمت میں مصروف رہے۔

فتاویٰ رشیدیہ آپ کا علمی شاہکار ہے اس کے علاوہ کئی تصانیف لکھی ہیں اور ہزاروں علماء ومشائخ آپ کے فیضِ علمی وروحانی سے مستفید ہوئے ہیں (اکابر علماء دیوبند ص ۱۹ تا ۲۴ ملخصاً)

باسمہٖ تعالیٰ

بسلسلہ: اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

اصلاح واضافہ شدہ جدید ایڈیشن

ماہِ رَجَب

کے فضائل واحکام

مؤلف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

اضافہ واصلاح شدہ جدید ایڈیشن

ماہِ رجب

کے

فضائل واحکام

قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ اور تعلیماتِ اکابر کی روشنی میں ماہِ رجب کے
فضائل ومسائل، احکامات وہدایات، بدعات ومنکرات
ماہِ رجب سے متعلق تاریخی حالات ودلچسپ واقعات

مؤلف

مفتی محمد رضوان

مدیر

ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی پاکستان

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph:0092515507530

نام کتاب: ماہِ رجب کے فضائل واحکام
مؤلف: مفتی محمد رضوان
طباعتِ اوّل: رجب ۱۴۲۳ھ ستمبر 2002ء
طباعتِ دوم: رمضان ۱۴۲۷ھ ستمبر 2006ء
طباعتِ سوم: ربیع الآخر ۱۴۳۲ھ مارچ 2011ء
صفحات: ۲۴۴

ملنے کے پتے

کتب خانہ ادارہ غفران چاہ سلطان گلی نمبر 17 راولپنڈی پاکستان۔ فون 051-5507270
کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی۔ فون 051-5771798
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور۔ فون 042-7353255
مکتبہ قاسمیہ الفضل مارکیٹ ۱۷، اردو بازار لاہور۔ فون 042-7232536
ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی۔ فون 021-2722401
دارالکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی۔ فون 021-4975025
دارالاشاعت اردو بازار کراچی۔ فون 021-2631861

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام کے سلسلہ میں بندہ نے ''ماہِ رجب کے فضائل واحکام'' کے عنوان سے یہ کتابچہ کئی سال پہلے مرتب کیا تھا، جو اس سے قبل دو مرتبہ شائع ہو چکا ہے، اس مرتبہ جب اس کی اشاعت کی نوبت آئی، تو بندہ نے اس پر نظرِ ثانی کی۔

اور اصل مراجع ومآخذ کو ملاحظہ کیا، جس کے نتیجہ میں کئی جگہ حذف واضافہ کرنا پڑا۔

مگر بحمداللہ تعالیٰ اصل مآخذ ومراجع کی وجہ سے اس کی افادیت میں اضافہ ہوگیا، اور اسی کے ساتھ متن اور حواشی میں اصل عبارات کو شامل وداخل کرنے کی وجہ سے بندہ کی دیگر کتب کی طرح اس کا حجم بھی بڑھ گیا۔

اب بندہ کے نزدیک موجودہ ایڈیشن پہلے کے مقابلہ میں زیادہ مستند ومعتبر ہے۔

اور موجودہ اور سابقہ ایڈیشنوں میں کسی جگہ حذف واضافہ وغیرہ کا فرق ہونے کی صورت میں موجودہ ایڈیشن کو راجح سمجھا جائے، اور سابقہ کو مرجوح۔

امید ہے کہ موجودہ ایڈیشن ان شاءاللہ تعالیٰ عام لوگوں کے علاوہ اہلِ علم کے لئے بھی مفید ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو نافع ومفید بنائیں، اور دنیا وآخرت کے اعتبار سے خیر کا باعث بنائیں۔آمین۔

فقط

محمد رضوان

۲/ربیع الآخر/۱۴۳۲ھ بمطابق 8/مارچ/2011ء بروز منگل

ادارہ غفران، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہِ رجب کے فضائل واحکام

ماہِ ''رجب'' اسلامی سال کا ساتواں مہینہ

ماہِ ''رجب'' اسلامی سال کا ساتواں قمری مہینہ ہے، رجب کے تلفظ میں '' ر'' اور ''ج'' دونوں پر زبر ہے، اور یہ ہمیشہ مذکر استعمال ہوتا ہے۔

رجب کی لفظی ومعنوی تحقیق

رجَب دوسرے مہینوں کی طرح عربی کا لفظ ہے، جو عربی کے لفظِ ''ترجیب'' سے بنا ہے، اور ترجیب کے معنیٰ تعظیم وتکریم کے آتے ہیں، اور رجب کے ساتھ مرجَّب کا لفظ لگا کر بھی اسی معنیٰ کی نسبت کا لحاظ کیا جاتا ہے، کیونکہ مرجَّب کے معنیٰ تعظیم کیے ہوئے کے آتے ہیں۔

یہ مہینہ سال کے ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جن مہینوں کی اسلام میں ابتدا سے ہی تعظیم وتکریم کی گئی ہے۔ [۱]

---

[۱] اور عربی میں رجب منصرف اور غیر منصرف دونوں طریقے سے استعمال ہوتا ہے۔

ومن الْمُرَغَّبِ فی صَوْمِهِ شَهْرُ رَجَبَ بِالصَّرْفِ وَعَدَمِهِ وهو مُشْتَقٌّ من التَّرْجِيبِ وهو التَّعْظِيمُ وَيُسَمَّى بِالْأَصَمِّ بِالْمِيمِ لِأَنَّ الْعَرَبَ كانت لَا تَسْمَعُ فيه صَوْتَ السِّلَاحِ وهو فَرْدٌ من الْأَشْهُرِ الْحُرُمِ وَبَقِيَّتُهَا الثَّلَاثَةُ مُتَوَالِيَةٌ الْقِعْدَةُ والحجه وَالْمُحَرَّمُ(الفواكه الدوانی علی رسالة ابن أبی زید القيروانی، ج۲ص ۲۷۳،باب جمل من الفرائض والسنن الواجبة والرغائب)

رجب من الترجيب وهوالتعظيم ويجمع على ارجاب ورجاب ورجبات(تفسير ابن كثير ج ۲ ص ۴۶۶،الجزء العاشر،سورہ توبه تحت آيت ۳۶)

قوله ورجب مضر إنما أضيف رجب إلى مضر التى هى القبيلة لأنهم كانوا يعظمونه ولم يغيروه عن مكانه ورجب من الترجيب وهو التعظيم ويجمع على أرجاب ورجاب ورجبات(عمدة القارى ،شرح البخارى لبدرالدين عينى جلد۱۸ ص ۲۶۶، كتاب تفسيرالقرآن،سورة التوبة)

رجب بفتحتین ماخوذ از ترجیب کہ بمعنیٰ تعظیم ست چون این ماہ را عرب شہر اللہ گفتندے وتعظیم کردندے لہٰذا باین اسم مسمے شدہ (غیاث اللغات ص۲۳۰)

اور عربی میں رجب کے ساتھ ''مُضَر'' کی نسبت بھی لگائی جاتی ہے، اور کہا جاتا ہے ''رجبُ مُضَر'' اور ''مُضَر'' دراصل عرب میں ایک قبیلے کا نام تھا، جو کہ رجب کے مہینے کی بہت زیادہ تعظیم کرتا تھا، بلکہ اس مہینے کی تعظیم میں غلو سے کام لیتا تھا، اس لئے یہ مہینہ اس قبیلے کے نام کے ساتھ مشہور ہو گیا تھا۔ [1]

عرب کے لوگ اسلام کی آمد سے پہلے بھی اس مہینہ کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

بعض حضرات نے رجب کے معنیٰ ڈرنے کے ذکر کئے ہیں، اس معنیٰ کے اعتبار سے اس مہینہ کے نام رکھنے کی وجہ یہ ہے تاکہ اس مہینہ میں لوگ اللہ سے ڈریں اور خوف کریں، اور اس مہینہ میں لڑائی جھگڑے، اور گناہوں سے بچیں۔ [2]

بعض حضرات نے رجب کے مہینہ کو ''اَصَم'' بھی کہا ہے، جس کے عربی میں معنیٰ بہرے کے

---

[1] (رجب) رجب الرجل رجبا فزع ورجب رجبا ورجب يرجب استحيا قال فغيرك يستحيي وغيرك يرجب ورجب الرجل رجبا ورجبه يرجبه رجبا ورجوبا ورجبه وترجبه وأرجبه كله هابه وعظمه فهو مرجوب وأنشد شمر أحمد ربى فرقا وأرجبه أى أعظمه ومنه سمى رجب ورجب بالكسر أكثر قال : إذا العجوز استنخبت فانخبها ...ولا تهيبها ولا ترجبها

وهكذا أنشده ثعلب ورواية يعقوب فى الألفاظ ولا ترجبها ولا تهبها شمر رجبت الشيء هبته ورجبته عظمته ورجب شهر سموه بذلك لتعظيمهم إياه فى الجاهلية عن القتال فيه ولا يستحلون القتال فيه وفى الحديث رجب مضر الذى بين جمادى وشعبان قوله بين جمادى وشعبان تأكيد للبيان وإيضاح له لأنهم كانوا يؤخرونه من شهر إلى شهر فيتحول عن موضعه الذى يختص به فبين لهم أنه الشهر الذى بين جمادى وشعبان لا ما كانوا يسمونه على حساب النسيء وإنما قيل رجب مضر إضافة إليهم لأنهم كانوا أشد تعظيما له من غيرهم فكأنهم اختصوا به والجمع أرجاب تقول هذا رجب فإذا ضموا له شعبان قالوا رجبان والترجيب التعظيم وإن فلانا لمرجب ومنه ترجيب العتيرة وهو ذبحها فى رجب وفى الحديث هل تدرون ما العتيرة ؟ هى التى يسمونها الرجبية كانوا يذبحون فى شهر رجب ذبيحة وينسبونها إليه والترجيب ذبح النسائك فى رجب يقال هذه أيام ترجيب وتعتار وكانت العرب ترجب وكان ذلك لهم نسكا أو ذبائح فى رجب أبو عمرو الراجب المعظم لسيده ومنه رجبه يرجبه رجبا ورجبه يرجبه رجبا ورجوبا ورجبه ترجيبا وأرجبه ومنه قول الحباب عذيقها المرجب قال الأزهرى أما أبو عبيدة والأصمعى فإنهما جعلاه من الرجبة لا من الترجيب الذى هو بمعنى التعظيم (لسان العرب -لابن منظور، مادة رجب)

[2] يقال رجبته اذارهبته وعظمته ومنه رجب مضر،لان الكفار كانوا يهابونهٗ ويعظمونهٗ ولايقاتلون فيه ، ومعنى المثل اذاخوفتك العجوزنفسهافخفهالاتذكرمنك ماتكره (مجمع الامثال ج ا ص ۲۸ للميدانى)

آتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینہ میں قتل وغارت گری بند ہوجاتی تھی اور راستے پُر امن ہوجاتے تھے، اور پورے مہینہ میں امن وامان رہتا تھا، اور کسی اسلحہ کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، اس لئے لوگوں کی حالت کے مطابق اس مہینہ کا نام ''اَصَم'' بمعنیٰ بہرا بھی رکھا گیا، کیونکہ اس مہینہ میں اسلحوں اور لڑائی جھگڑوں کی آوازیں خاموش ہوجانے کی وجہ سے لوگوں کی حالت بہروں کی طرح ہوجاتی تھی۔ [1]

لیکن بعض لوگوں میں جو رجب کے مہینہ کے بارے میں بہرا ہونے کے معنیٰ کی وجہ سے یہ مشہور ہوگیا ہے کہ قیامت کے دن یہ مہینہ بہرا ہوجائے گا، اور لوگوں کے عیبوں اور جرائم کے متعلق گواہی نہیں دے گا، اور کہے گا کہ میں تو بہرا ہوں، مجھے کسی کے قول وفعل کا علم نہیں۔

اس کی کوئی اصلیت نہیں، بلکہ یہ لوگوں کی خود ساختہ اور من گھڑت باتیں ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ''ماثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ'' ص۱۶۹ تا ۱۷۰، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، بتغیر) [2]

---

[1] عن بيان ، قال سمعت قيس بن أبى حازم وذكرنا رجبا فقال كنا نسميه الأصم فى الجاهلية ، من حرمته أو شدة حرمته فى أنفسنا قال الشيخ رضى الله عنه إنما كانوا يسمون رجبا الأصم ؛ لأنه كان لا يسمع فيه قعقعة السلاح (فضائل الاوقات للبيهقى، باب فى فضل شهر رجب، حديث نمبر ۴)

[2] ابوالخطاب ابنِ دحیہ کلبی نے اس مہینہ کے اٹھارہ نام ذکر کئے ہیں، جن میں زمانۂ جاہلیت کے نام بھی شامل ہیں۔

وله ثمانية عشر اسماً :**أحدها** :رجب لأنه كان يُرجَّبُ فى الجاهلية أى يُعظم،، يقال :رجّبت الرجل إذا عظمتَه ورجل رجيب أى عظيم، فكانوا يعظمونه لتعظيم آلهتهم فيه بذبحهم لها، وَقيل :إنه مأخوذ منُ رجَبَ العود للنبات إذا خرج واحداً يقولون :قد رجب، فإذا انفتح قيل :انُشعب.

الثانى :الأصم لأنه ما كان يُسمع فيه قعقَعة سلاح لتعطيلهم الحَرب فيه ولا قولهم :يا صَباحاه.

الثالث :الأصب لأن كفارَ مُضَر كانت تقُول :إن الرحُمة تنصَبُّ فيه صباً، وَقد نُهينا عن موافقتهم فيما يعتقدون......**الرابع** :رَجَمٌ بالميم لأنه تُرجم فيه الشياطين أى تُطرد فى قول مُضر أيضاً.

الخامس :الشهر الحرام لأن مضر كانت تقُول :عِظَم الذنب فيه كما فى البلد الحرام، وموافقتهم مكروهة بل منُهىّ عنها وإن كانَ الذنب حيث كانَ وفى أىّ وقت كان فى رجَب وغيره عَظيماَ، لأن مُضَر كانتُ تخُصّ رَجباً بهذا الاسم، فجَاء َالنص على أن الأشهر أرُبعة حُرُم مخالفاً لهم، لأن رَجباً يكون واحداً منها فلا معنى لتخصيصه بهذا .**السادس** :الهَرِم لأن حرُمتَه قديمة من زمن مُضَر بن نزار بن معد بن عدنان وهو ثامِن عشر أباً للنبى صلى الله عليه وسلم .**السابع** :المقيم لأن حرمتَهُ ثابتة لم تنسخ، لأنه أحدُ الأشهر الأربعة الحرم كما ذكرناه .**الثامن** :المعلى لأنه رفيع عندهم فيما بين الشهور.**التاسع** :الفرُد وهذا اسم شرعى، لأن الأشهر الحرم الأُخرَ وهى :ذو القعدة وذو الحجة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ماہِ رجب عظمت وفضیلت والا مہینہ

رجب کا مہینہ ان چار مہینوں میں سے ہے جو کہ حُرمت، عظمت وفضیلت والے ہیں۔

اور وہ چار مہینے یہ ہیں:

(۱) ذیقعدہ **(۲)** ذی الحجہ **(۳)** محرم **(۴)** رجب

ان میں سے پہلے تین تو لگاتار ہیں، اور ایک رجب کا مہینہ الگ ہے۔

ان چار مہینوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں عظمت واحترام والے مہینے قرار دیا ہے۔ [۱]

چنانچہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَالـمحرّم سُردٌ، أی متتابعة وَرجب فرد. **العاشر** :مُنْصِل الأسِنّة بكسر الصاد، قال أبو عُبيد الهروى وغيره :أنصلت الرمح نزعْت نصله، ونَصّلته جَعلت له نَصْلاً...... **الحادی عشر** :منْ أسمائه مُنْصِل الأَلِّ، وَالأَل هـا هنا جَمْع ألةٍ وهی الحرْبة، قال الأعشى :تَـدارَكَهُ فی مُنصِلِ الأَلِّ بَعْدَما مَضَى غَيْرَ دَأْدَاءٍ وقد كادَ يَعْطَبُ ......

الثانی عشر :مُنَزِّع الأسنة لأنهم كانوا ينْزِعون الأسنّةَ من الرماح فيه ولا يقاتلون، وهذا كالذى قبلَه.

الثالث عشر :سُـمّـى رَجَباً لترک القتال فيه من قول العرب :رجـل أرْجـب إذا كان أقطَع لا يمكنه العملُ، ذكره الإمام الزاهد أبو بكر محمد بن الوليد الفهرى فی كتاب ”ذكر الحوادث والبدع“اهـ

الرابع عشر :كان يُسمى فی الجاهلية شهر العتيرة، وذلک من فساد السريرة...........

الخامس عشر :المُبْرى لأنه كان عندهم فی الجاهلية مَنْ لا يستحل القتالَ فيه برء مِنَ الظلم والنفاق

السادس عشر :الـمـقشْـقـش لأنّ به كان يتميز فی الجاهلية أيضاً المتمسک بدينه من المقاتل فيه الـمستـحـل لـه، وقدْ أذهب الله جل وعَلا أمر الجاهلية وغَزا فيه فی الإسلام سيد الأنام محمد عليه أفضل الصلاة وأشرف السلام. **السابع عشر** :شهـرُ الـله وُضع فی الإسلام علی مَا سأذكره بعد هذا بعَون الله ذی الجلال والإكرام. **الثامن عشر** :أنه مشتقٌ من الرَّواجب، والرواجب ظهور السُّلاميَّات واحـدها راجِبَة، والسلامی كل عظم ومَفْصِلٍ، وأصْله عظام الكفّ والأكارع، قال النّحْوی أبو جعفر أحـمدُ بن محمد بن إسماعيلَ :البـراجـم حقيقتها مَا نَتَأ إذا أغلق الإنسانُ يده، وَالرواجبُ ما توسَّط بيـنهـما، وَكذلک ما بيْن الأنامل والبراجم يُقال لها أيضاً :رواجبُ، وحكى عن محمد بن يزيدَ انه قال :منْ هذا اشتق اسمُ رجب لأنه فی وَسَطِ السَّنَةأداء ما وجب من بيان وضع الوضاعين فی رجب، لابن دحية الكلبی، ص ۳۰تا۴۴ ملخصاً،باب فی ذكر رجب)

[۱] اعـلـم أن شهر رجب من الأشهر الحرم التی قال الله عز وجل :(إن عـدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا فی كتاب الله يوم خلق السموات والأرض منها أربعة حرم ذلک الدين القيم فلا تظلموا فيهن أنفسكم الآية(فضائل الاوقات للبيهقی ،باب فی فضل شهر رجب)

” اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ “(سورہ توبہ آیت ۳۶ پ ۱۰)

ترجمہ: یقیناً شمار مہینوں کا (جوکہ) کتابِ الٰہی (یعنی احکامِ شرعیہ) میں اللہ کے نزدیک (معتبر ہیں) بارہ مہینے (قمری) ہیں (اور کچھ آج سے نہیں بلکہ) جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کئے تھے (اسی روز سے، اور) ان میں چار خاص مہینے ادب کے ہیں (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب) یہی (امرِ مذکور) دینِ مستقیم ہے (یعنی ان مہینوں کا بارہ ہونا اور چار کا بالتخصیص اَشْھُرِ حُرُم ہونا) سو تم ان سب مہینوں کے بارے میں (گناہ کرکے) اپنا نقصان مت کرنا (ترجمہ ختم)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَیْئَتِهٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ السَّنَةُ اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِّنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلٰثٌ مُّتَوَالِیَاتٌ ذُوالْقَعْدَةِ وَذُوالْحَجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرُ الَّذِیْ بَیْنَ جُمَادٰی وَشَعْبَانَ (بخاری) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے خطبہ میں) ارشاد فرمایا کہ (اس وقت) زمانہ اسی حالت پر (گھوم پھر کر) آ گیا ہے، جس حالت پر اس وقت تھا، جب اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا تھا (یعنی اب اس کے دنوں اور مہینوں میں کمی زیادتی نہیں ہے جو جاہلیت کے زمانے میں مشرک کیا کرتے تھے۔ اب وہ ٹھیک ہوکر اس طرز پر آ گئی ہے جس پر ابتداء اور اصل میں تھی لہٰذا) ایک سال بارہ مہینہ کا ہوتا ہے، ان میں چار مہینے حرمت وعزت والے ہیں جن میں تین مہینے مسلسل ہیں یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور ایک مضر (قبیلہ کی طرف منسوب) رجب کا مہینہ ہے

[۱] حدیث نمبر ۴۶۶۲، کتاب تفسیر القرآن، باب قوله إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا فی کتاب الله، دارطوق النجاة، بیروت، واللفظ لهٗ، وحدیث نمبر ۳۱۹۷، مسلم حدیث نمبر ۴۴۷۷، ابوداؤد حدیث نمبر ۱۹۴۹، مسند احمد حدیث نمبر ۲۰۳۸۶.

جو کہ جمادی الاخریٰ اور ماہِ شعبان کے درمیان آتا ہے (ترجمہ ختم)

سورہ توبہ کی مذکورہ آیت میں پہلے تو ارشاد ہے کہ:

''اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللّٰهِ اثْنَاعَشَرَ شَهْرًا''

اس میں لفظِ ''عِدَّةَ'' تعداد کے معنٰی میں ہے، اور ''شُهُوْر'' ''شَهْر'' کی جمع ہے، شَهْر کا معنٰی مہینہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ متعین ہے، اس میں کسی کو کمی بیشی کا کوئی اختیار نہیں۔

اس کے بعد ''فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ'' کا لفظ بڑھا کر بتلا دیا کہ یہ بات ازل سے لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی تھی پھر ''یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ'' فرما کر اشارہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اس معاملہ میں اگرچہ ازل میں جاری ہو چکا تھا، لیکن یہ مہینوں کی ترتیب اور تعیین اس وقت عمل میں آئی جب آسمان و زمین پیدا کئے گئے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ: ''مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ط''

یعنی ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت (عظمت) والے ہیں۔

ان کو حرمت والا دو معنٰی کے اعتبار سے کہا گیا، ایک تو اس لئے کہ ان میں قتل وقتال حرام ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ مہینے متبرک اور واجبُ الاحترام ہیں، ان میں عبادات کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔

ان میں سے پہلا حکم تو شریعتِ اسلام میں منسوخ ہو گیا، مگر دوسرا حکم احترام وادب اور ان میں عبادت گذاری کا اہتمام اسلام میں اب بھی باقی ہے۔

حجۃُ الوداع کے خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (چار عظمت والے) مہینوں کی تشریح یہ فرمائی کہ تین مہینے مسلسل ہیں، ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم، اور ایک مہینہ رجب کا ہے۔

''مضر'' عرب میں ایک قبیلہ کا نام تھا، یہ قبیلہ ماہِ رجب کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا، اس لئے یہ مہینہ اس قبیلہ کے نام کے ساتھ مشہور ومعروف ہو گیا تھا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بعض قبائل رجب کسی اور مہینے کو کہتے تھے۔

اورقبیلۂ مضر کے نزدیک رجب وہ مہینہ تھا جو جمادی الاخریٰ اورشعبان کے درمیان ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجبُ مضر فرما کر یہ وضاحت فرمادی کہ جو جمادی الاخریٰ اورشعبان کے درمیان ہے، ماہِ رجب سے وہ مراد ہے۔ [1]

---

[1] وكانت مضر تبالغ في تعظيم شهر رجب فلهذا أضيف إليهم في حديث أبي بكرة حيث قال رجب مضر كما سيأتي والظاهر أنهم كانوا يخصونه بمزيد التعظيم مع تحريمهم القتال في الأشهر الثلاثة الأخرى إلا أنهم ربما أنسأوها بخلافه(فتح الباري لابنِ حجر، ج ۱ ص ۱۳۲، قوله باب أداء الخمس من الإيمان)

قوله ورجب مضر أضافه إليهم لأنهم كانوا متمسكين بتعظيمه بخلاف غيرهم فيقال إن ربيعة كانوا يجعلون بدله رمضان وكان من العرب من يجعل في رجب وشعبان ما ذكر في المحرم وصفر فيحلون رجبا ويحرمون شعبان ووصفه بكونه بين جمادى وشعبان تأكيدا وكان أهل الجاهلية قد نسئوا بعض الأشهر الحرم أي أخروها فيحلون شهرا حراما ويحرمون مكانه آخر بدله حتى رفض تخصيص الأربعة بالتحريم أحيانا (فتح الباري لابنِ حجر ج۸ص ۳۲۵،كتاب تفسير القرآن، قوله باب قوله إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا)

قوله :(رجب مضر) ، إنما أضيف رجب إلى هذه القبيلة لأنهم كانوا يحافظون على تحريمه أشد من سائر العرب، وإنما قال :(بين جمادى وشعبان) تأكيدا وإزاحة للريب الحادث فيه بسبب النسيء ، وكانوا يحلون الشهر الحرام ويحرمون مكانه شهرا آخر لغرض من الأغراض، والنسيء تأخير حرمة شهر إلى شهر آخر، وقد أبطل الشارع هذا وأعاد الأشهر الحرم على ما كانت عليه(عمدة القاري للعيني، ج۸ص ۴۲،كتاب المغازي، باب حجة الوداع)

قوله ورجب مضر إنما أضيف رجب إلى مضر التي هي القبيلة لأنهم كانوا يعظمونه ولم يغيروه عن مكانه ورجب من الترجيب وهو التعظيم ويجمع على أرجاب ورجاب ورجبات وقوله بين جمادى وشعبان تأكيد والمراد بجمادى جمادى الآخرة وقد يذكر ويؤنث فيقال جمادى الأول والأولى وجمادى الآخر والآخرة ويجمع على جمادات كحبارى وحباريات وسمي بذلك لجمود الماء فيه قلت كأنه حين وضع أولا اتفق جمود الماء فيه وإلا فالشهور تدور(عمدة القاري، ج۱۸ ص ۲۶۶،كتاب تفسير القرآن، باب قوله إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا)

ورجب مضر الذي بين جمادى وشعبان وإنما قيده هذا التقييد مبالغة في إيضاحه وإزالة للبس عنه قالوا وقد كان بين بني مضر وبين ربيعة اختلاف في رجب فكانت مضر تجعل رجبا هذا الشهر المعروف الآن وهو الذي بين جمادى وشعبان وكانت ربيعة تجعله رمضان فلهذا أضافه النبي صلى الله عليه وسلم إلى مضر وقيل لأنهم كانوا يعظمونه أكثر من غيرهم وقيل إن العرب كانت تسمى رجبا وشعبان الرجبين وقيل كانت تسمى جمادى ورجبا جمادين وتسمى شعبان رجبا (شرح النووي علىٰ مسلم ج ۱۱ ص ۱۶۸،كتاب القسامة والمحاربين ، باب المجازاة بالدماء في الآخرة)

وإنما قال "رجب مضر بين جمادى وشعبان "دون رمضان الذي يسميه ربيعة رجب(احكام القرآن جصاص، ج۳ص ۱۴۱، سورة برأة)

07530

اس کے بعد ارشاد ہے کہ:

"ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ" "یہ ہے دینِ مستقیم"

یعنی مہینوں کی تعیین اور ترتیب اور ان میں ہر مہینے خصوصاً اشہرِ حرم (چار عظمت والے مہینوں) کے متعلق جو احکام ہیں اِن کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق رکھنا ہی دینِ مستقیم ہے، اس میں اپنی طرف سے کمی، بیشی اور تغیر وتبدل کرنا (جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں کیا جاتا تھا) کج فہمی اور کج طبعی کی علامت ہے۔

پھر آگے ارشاد ہے کہ:

"فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِیۡهِنَّ اَنۡفُسَکُمۡ"

یعنی ان مقدس مہینوں میں تم اپنے آپ پر ظلم نہ کر بیٹھنا۔

کہ ان کے معیّنہ احکام واحترام کی خلاف ورزی کرو، یا ان میں عبادت گذاری میں کوتاہی کرو۔

چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَكَانَ ذٰلِكَ فِيۡ أَوَّلِ الۡإِسۡلَامِ أَنۡ لَّا يُقَاتِلُوۡا ثُمَّ أَذِنَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيۡ قَتۡلِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ فِيۡ جَمِيۡعِ الۡأَوۡقَاتِ وَبَقِيَتۡ حُرۡمَةُ الۡأَشۡهُرِ الۡحُرُمِ فِيۡ تَضۡعِيۡفِ الۡأُجُوۡرِ وَالۡأَوۡزَارِ فِيۡهَا حِيۡنَ خَصَّ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰذِهِ الۡأَشۡهُرَ بِزِيَادَةِ الۡمَنۡعِ فِيۡهِنَّ عَنِ الظُّلۡمِ (شعب الایمان للبیهقی) [1]

ترجمہ: اور ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ (ان چار مہینوں میں) قتال نہ کریں، پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے سب اوقات میں قتال کرنے کی اجازت دے دی، اور حرمت والے (چار مہینوں) کی تعظیم باقی رہی، نیکیوں کا اجر وثواب اور گناہوں کی شدت زیادہ ہونے میں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان چار مہینوں میں ظلم کرنے سے بطورِ خاص منع فرمایا ہے (ترجمہ ختم)

بعض حضرات نے گزشتہ آیت کی تفسیر کے ضمن میں فرمایا کہ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے

---

[1] تحت حديث رقم ٣٥٢٣، كتاب الصيام، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض.

کہ ان (چار) متبرک مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمت ہوتی ہے، اسی طرح جو شخص کوشش کر کے ان مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور بُرے کاموں سے بچالے تو باقی سال کے مہینوں میں اس کو ان برائیوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے، اس لئے ان مہینوں سے فائدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے (معارف القرآن ج۴ ص۳۷۱تا۳۷۳) [۱]

اور حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے کہ:

اِخْتَارَ اللّٰہُ الْبِلَادَ فَأَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَی اللّٰهِ الْبَلَدُ الْحَرَامُ، وَاخْتَارَ الزَّمَانَ فَأَحَبُّ الزَّمَانِ إِلَی اللّٰهِ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ، وَأَحَبُّ الْأَشْهُرِ الْحُرُمِ إِلَی اللّٰهِ ذُو الْحِجَّةِ، وَأَحَبُّ ذِی الْحِجَّةِ إِلَی اللّٰهِ الْعَشْرُ الْأَوَّلُ، وَاخْتَارَ اللّٰهُ الْأَيَّامَ

---

[۱] قوله تعالى :(مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ) وهي التي بينها النبي صلى الله عليه وسلم بأنها ذو القعدة وذو الحجة والمحرم ورجب، ,والعرب تقول :ثلاثة سرد وواحد فرد، وإنما سماها حرما لمعنيين: أحدهما :تحريم القتال فيها، وقد كان أهل الجاهلية أيضا يعتقدون تحريم القتال فيها، وقال الله تعالى :(يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ) . والثاني :تعظيم انتهاك المحارم فيها بأشد من تعظيمه في غيرها، وتعظيم الطاعات فيها أيضا .وإنما فعل الله تعالى ذلك لما فيه من المصلحة في ترك الظلم فيها لعظم منزلتها في حكم الله والمبادرة إلى الطاعات من الاعتماد والصلاة والصوم وغيرها، كما فرض صلاة الجمعة في يوم بعينه، وصوم رمضان في وقت معين، وجعل بعض الأماكن في حكم الطاعات، ومواقعة المحظورات أعظم من حرمة غيره نحو بيت الله الحرام ومسجد المدينة، فيكون ترك الظلم والقبائح في هذه الشهور والمواضع داعيا إلى تركها في غيره، ومصير فعل الطاعات والمواظبة عليها في هذه الشهور وهذه المواضع الشريفة داعيا إلى فعل أمثالها في غيرها للمرور والاعتياد، وما يصحب الله العبد من توفيقه عند إقباله إلى طاعته، وما يلحق العبد من الخذلان عند إكبابه على المعاصي واشتهاره وأنسه بها، فكان في تعظيم بعض الشهور وبعض الأماكن أعظم المصالح في الاستدعاء إلى الطاعات وترك القبائح، ولأن الأشياء تجر إلى أشكالها، وتباعد من أضدادها، فالاستكثار من الطاعة يدعو إلى أمثالها، والاستكثار من المعصية يدعو إلى أمثاله (احكام القرآن للجصاص ج۳ص۱۴۳، سورة التوبة)

اشهرالحرم وهى رجب وذوالقعده وذوالحجة والمحرم وهذه الاشهر كانت محرمة فى دين ابراهيم واسمٰعيل عليهماالسلام وكانت العرب تمسك به وكانوا يعظمون ويحرمون القتال فيها كما فى المدارک ثم ان تعظيمها الاٰن باقية فى شريعتنااولَا ؟ فالجمهورقالواان حرمة القتال منسوخة لقوله تعالىٰ فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم واما تكثيرالثواب فى هذه الاشهر فقد ثبت بالاخبارفالحرمةبهذا المعنیٰ موجودة فى شريعتنا. واللّٰهاعلم ۱۲ انجاح(حاشيه سنن ابن ماجه ص ۱۲۵)

فَأَحَبُّ الْأَيَّامِ إِلَى اللّٰهِ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، وَاخْتَارَ اللَّيَالِيَ مِنْهَا فَأَحَبُّ اللَّيَالِي إِلَى اللّٰهِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ، وَاخْتَارَ اللّٰهُ السَّاعَاتِ فَأَحَبُّ سَاعَاتِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِلَى اللّٰهِ سَاعَاتُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ، وَاخْتَارَ اللّٰهُ الْكَلَامَ فَأَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللّٰهِ :لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

(تعظيم قدر الصلاة لمحمد بن نصر المروزى) [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے شہروں کو چُنا، جن میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب شہر بلدِ حرام (یعنی وہ شہر جو کہ حرم کی حد میں واقع ہے جو کہ مکہ مکرمہ) ہے، اور اللہ تعالیٰ نے زمانوں کو چُنا، جن میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب زمانہ عظمت والے (چار) مہینے (والا زمانہ) ہے، اور ان عظمت والے چار مہینوں میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ذی الحجۃ کا مہینہ ہے، اور ذی الحجۃ کے مہینے میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب پہلا عشرہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے دِنوں کو بھی چُنا، اور دِنوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب جمعہ کا دن ہے، اور اللہ تعالیٰ نے راتوں کو بھی چُنا، جن میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب لیلۃُ القدر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے (دن رات کی) ساعات وگھڑیوں کو بھی چُنا، پس اللہ تعالیٰ کو دن رات کی سب سے زیادہ محبوب ساعتیں فرض نمازوں کی ساعتیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے کلام کو بھی چُنا، پس اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب کلام ''لا الٰہ الا اللہ'' اور ''اللہ اکبر'' اور ''سبحان اللہ'' اور ''الحمدللہ'' ہے (ترجمہ ختم)

اور بعض روایات میں مہینوں میں سے رمضان کے مہینے کو، اور زمین کے خطوں میں سے مساجد کو چُننے کا بھی ذکر ہے۔ [2]

---

[1] ساعات الصلاة أفضل من غيرها، حديث نمبر ۲۲۶؛ واللفظ لهٗ؛ حلية الاولياء، الجزء السادس، صفحة ۱۵.

[2] عَنْ كَعْبٍ، قَالَ " :اخْتَارَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْبِلَادَ، فَأَحَبُّ الْبُلْدَانِ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ الْبَلَدُ الْحَرَامُ، وَاخْتَارَ اللّٰهُ الزَّمَانَ فَأَحَبُّ الزَّمَانِ إِلَى اللهِ الْأَشْهُرُ الْحُرُمِ، وَأَحَبُّ الْأَشْهُرِ إِلَى اللهِ ذُو الْحِجَّةِ، وَأَحَبُّ ذِى الْحِجَّةِ إِلَى اللهِ تَعَالَى الْعَشْرِ الْأُوَلِ مِنْهُ، وَاخْتَارَ اللهُ الْأَيَّامَ فَأَحَبُّ الْأَيَّامِ إِلَى اللهِ يَوْمُ الْجُمُعَةِ،

بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں

مذکورہ تفصیل سے چار مہینوں کی فضیلت معلوم ہوئی، جن میں رجب کا مہینہ بھی داخل ہے۔ [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بسندِ ضعیف روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَجَبٌ قَالَ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبٍ وَّشَعْبَانَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْ رَمَضَانَ (مسند احمد) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَاخْتَارَ اللّٰهُ اللَّيَالِي فَأَحَبُّ اللَّيَالِي إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ لَيْلَةُ الْقَدْرِ، وَاخْتَارَ اللهُ سَاعَاتِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ فَأَحَبُّ السَّاعَاتِ إِلَى اللهِ سَاعَاتُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ، وَاخْتَارَ اللهُ الْكَلَامَ فَأَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللهِ تَعَالَى لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ، وَسُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فَهِيَ كَلِمَةُ الْإِخْلَاصِ كُتِبَ لَهُ بِهَا عِشْرُونَ حَسَنَةً وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا عِشْرُونَ سَيِّئَةً، وَمَنْ قَالَ اللهُ أَكْبَرُ فَذَاكَ جَلَالُ اللهِ كُتِبَ لَهُ بِهَا عِشْرُونَ حَسَنَةً، وَمَحَى عَنْهُ بِهَا عِشْرِينَ سَيِّئَةً، وَمَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ، قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ حِينَ خَلَقَهُ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ سَبَّحَ لَهُ عَرْشُهُ كُتِبَ لَهُ بِهَا عِشْرُونَ حَسَنَةً، وَمَحَى عَنْهُ بِهَا عِشْرِينَ سَيِّئَةً، وَمَنْ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ فَذَاكَ ثَنَاءُ اللهِ، كَتَبَ اللهُ لَهُ بِهَا ثَلَاثِينَ حَسَنَةً، وَمَحَا عَنْهُ بِهَا ثَلَاثِينَ سَيِّئَةً . "وَرُوِّينَا مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ كَعْبٍ أَنَّهُ قَالَ " :وَاخْتَارَ الشُّهُورَ فَجَعَلَ مِنْهُنَّ شَهْرَ رَمَضَانَ، وَاخْتَارَ الْبِقَاعَ فَجَعَلَ مِنْهَا الْمَسَاجِدَ " (شعب الايمان، باب الصَّوْمُ فِي أَشْهُرِ الْحُرُمِ، حديث نمبر ۳۴۶۵،مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض)

عن كعب، قال :ان الله تعالى اختار من ساعات الليل والنهار ساعات فجعل فيهن الصلوات واختار من الزمان أربعة حرما واختار من الشهور شهر رمضان واختار من الأيام يوم الجمعة واختار من الليالى ليلة القدر واختار من الأرض بقاع المساجد (حلية الاولياء، ج۶ص۱۵، تحت ترجمة كعب الاحبار)

[1] أفضل الشهور بعد رمضان شهر الله المحرم، ثم رجب، ثم باقى الاشهر الحرم، ثم شعبان(الاقناع، ج ا ص۲۲۶)

[2] حديث نمبر ۲۲۲۸، مؤسسة الرسالة، بيروت،واللفظ لهٗ؛ شعب الإيمان للبيهقى، حديث نمبر ۳۸۱۵؛ المعجم الاوسط للطبرانى، حديث نمبر ۳۹۳۹؛ مسند بزار، حديث نمبر ۶۴۹۴.

قال البيهقي: تفرد به زياد النميرى و عند زائدة بن أبى الرقاد قال البخارى زائدة بن أبى الرقاد عن زياد النميرى منكر الحديث .

وقال الهيثمي:

رَوَاهُ الْبَزَّارُ ، وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ ، وَفِيهِ زَائِدَةُ بْنُ أَبِي الرُّقَادِ ، وَفِيهِ كَلَامٌ ، وَقَدْ وُثِّقَ (مَجْمَعُ الزَّوَائِدِ ، ج۳ص۱۴۰ ، باب فى شهور البركة وفضل شهر رمضان)

قلت :وقال البزار .لا بأس به، وإنما نكتب من حديثه ما لم نجد عند غيره، كذا فى التهذيب، وفيه أيضاً زيادة النميرى، وهو ضعيف(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح لابى عبيد الله بن محمد عبد السلام المباركفورى، ج۴ص۳۴۳)

اللهم بارك لنا اى فى طاعتنا وعبادتنافى رجب وشعبان وبلغنا رمضان اى ادراكه بتمامه والتوفيق لصيامه وقيامه (مرقاة المفاتيح، لملاعلى قارى ج ۳ ص ۱۰۲۲، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رجب کا مہینہ داخل ہونے کے بعد یہ دعا کرتے تھے کہ:

اے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرمائیے، اور ہمیں رمضان کے مہینے تک (سلامتی کے ساتھ) پہنچا دیجئے (ترجمہ ختم)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ رجب کے بابرکت مہینہ کی ابتدائی رات میں دعا کی قبولیت کی زیادہ ہے۔

اسی وجہ سے بعض فقہاء نے بھی رجب کی پہلی رات میں عبادت ودعا کو مستحب قرار دیا ہے، اور اس کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ رجب کا پورا مہینہ ہی بابرکت ہے، لہٰذا اس میں گناہوں سے بچنے اور نیک اعمال کو انجام دینے کی ضرورت ہے، اور اس کا اہتمام پہلی رات سے ہی ہو جانا چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

وَبَلَغَنَا أَنَّهُ كَانَ يُقَالُ :إِنَّ الدُّعَاءَ يُسْتَجَابُ فِيْ خَمْسِ لَيَالٍ فِيْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ، وَلَيْلَةِ الْأَضْحٰى، وَلَيْلَةِ الْفِطْرِ، وَأَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَجَبٍ، وَلَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ ...... قَالَ الشَّافِعِيُّ :وَأَنَا أَسْتَحِبُّ كُلَّ مَا حَكَيْتُ فِيْ هٰذِهِ اللَّيَالِي مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُوْنَ فَرْضًا (كتاب الام) [1]

ترجمہ: اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ یہ کہا جاتا تھا کہ پانچ راتوں میں دعا (زیادہ) قبول کی جاتی ہے، جمعہ کی رات میں اور عید الاضحیٰ کی رات میں، اور عید الفطر کی رات میں، اور رجب کی پہلی رات میں، اور نصف شعبان کی رات میں (اس روایت کے بعد) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جو کچھ ان راتوں کے بارے میں بیان کیا ان سب کو میں مستحب سمجھتا ہوں، فرض نہیں سمجھتا (ترجمہ ختم)

[1] جزء ١، صفحه ٢٦٤، كتاب صلاة العيدين، بيان العبادة ليلة العيدين. واللفظ لهٗ، سنن البيهقى، تحت حديث رقم ٦٢٩٣ باب عبادة ليلة العيدين من كتاب الصلوٰة ج ٣ ص ٤٤٥، معرفة السنن والأثار تحت حديث رقم ٢٠١٠، فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوى، ج ٦ ص ٣٨، تحت حديث رقم ٨٣٤٢، اتحاف السادة المتقين فى مسائل العيدين للزبيدى ج ٣ ص ٤١.

بعض مرفوع وغیر مرفوع روایات میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے، جس کی سند پر محدثین کو کلام ہے۔ [1]

---

[1] قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ :وَأَخْبَرَنِي مَنْ، سَمِعَ الْبَيْلَمَانِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ:خَمْسُ لَيَالٍ لَاتُرَدُّ فِيهِنَّ الدُّعَاءُ لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ وَأَوَّلُ لَيْلَةٍ مِّنْ رَجَبٍ وَلَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَلَيْلَتَيِ الْعِيدَيْنِ (مصنف عبدالرزاق،حديث نمبر ۷۹۲۷، كتاب الصيام، باب النصف من شعبان،المكتب الإسلامي - بيروت، واللفظ لهٗ؛ شعب الايمان للبيهقي، حديث نمبر ۳۴۴۰، باب الصيام في ليلة العيد ،فضائل الاوقات للبيهقي، حديث نمبر ۱۴۹، باب في فضل العيد.

محمد بن عبد الرحمن بن البيلماني بفتح الموحدة واللام بينهما تحتانية ساكنة ضعيف وقد اتهمه بن عدي وابن حبان من السابعة(تقريب التهذيب ج ا ص ۴۹۲)

عبد الرحمن بن البيلماني مولى عمر مدني نزل حران ضعيف من الثالثة(تقريب التهذيب ج ا ص ۳۶۳ه)

حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ هارون المقرء ثنا أَحْمَد بْن الْحَسَن الفقيه ثنا الْحَسَن بْن عليّ ثنا سويد بْن سَعِيد ثنا سَلَمة بْن مُوسَى الْأَنْصَارِيّ بالشام عن أَبِي مُوسَى الهلالي عن خَالِد بْن معدان قَالَ: خمس ليالٍ فِي السنة من واظب عليهن رجاء ثوابهن وتصديقًا بوعدهن أدخله الله الجنة أول ليلة من رجب يقوم ليلها ويصوم نهارها وليلة النصف من شعبان يقوم ليلها ويصوم نهارها وليلة الفطر يقوم ليلها ويفطر نهارها وليلة الأضحى يقوم ليلها ويفطر نهارها وليلة عاشوراء يقوم ليلها ويصوم نهارها(فضائل شهر رجب،لأبي محمد الحسن بن محمد بن الحسن بن علي البغدادي الخَلَّال "المتوفى :۴۳۹هـ"حديث نمبر ۱۷ ،مخطوطة صفحة ۱۵ ،وكذافي البدر المنير في تخريج الأحاديث والأثار الواقعة في الشرح الكبير،ج۵ص ۴۰،كتاب صلاة العيدين)

وروى الخطيب في غنية الملتمس بإسناد إلى عمر بن عبد العزيز أنه كتب إلى عدي بن أرطاة ": عليك بأربع ليال في السنة ، فإن الله يفرغ فيهن الرحمة :أول ليلة من رجب ، وليلة النصف من شعبان ، وليلة الفطر ، وليلة النحر . " وقال الشافعي :بلغنا أن الدعاء يستجاب في خمس ليال : في ليلة الجمعة ، وليلة الأضحى ، وليلة الفطر ، وأول ليلة من رجب ، وليلة النصف من شعبان . ذكره صاحب الروضة من زياداته ، ووصله ابن ناصر في كتاب فضائل شعبان له ، وفيه حديث ذكره صاحب مسند الفردوس من طريق إبراهيم بن أبي يحيى ، عن أبي معشر ، عن أبي أمامة -هو ابن سهل -مرفوعا نحوه ، وقد روى ابن الأعرابي في معجمه ، وعلي بن سعيد العسكري في الصحابة من حديث كردوس نحو حديث أبي أمامة ، وفي إسناده مروان بن سالم ، وهو تالف (التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير، كتاب صلاة العيدين)

أخبرنا أبو الفتح نصر الله بن محمد حدثنا نصر بن إبراهيم أنبأنا أبو سعيد بندار بن عمر الروياني أنبأنا أبو محمد عبد الله بن جعفر الخبازي أنبأ أبو علي الحسن بن علي بن محمد بن بشار الزاهد بهمذان قراءة عليه من أصل سماعه أنبأنا علي بن محمد القزويني حدثنا إبراهيم بن محمد بن برة الصنعاني حدثنا عبد القدوس حدثنا إبراهيم بن أبي يحيى عن أبي قعنب عن ابي أمامة الباهلي قال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَاسْتَحَبَّ الشَّافِعِيُّ وَالْأَصْحَابُ الْإِحْيَاءَ الْمَذْكُوْرَ، مَعَ أَنَّ الْحَدِيْثَ ضَعِيْفٌ، لِمَا سَبَقَ فِيْ أَوَّلِ الْكِتَابِ أَنَّ أَحَادِيْثَ الْفَضَائِلِ يُتَسَامَحُ فِيْهَا، وَيُعْمَلُ عَلٰى وَفْقِ ضَعِيْفِهَا (المجموع شرح المهذب، ج۵ ص۴۳، باب صلاة العيدين)

ترجمہ: اور امام شافعی، اور اُن کے اصحاب نے مذکورہ راتوں میں عبادت کو مستحب قرار دیا ہے، باوجودیکہ یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ کتاب کے شروع میں یہ بات گزر چکی ہے کہ فضائل کی احادیث میں چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے، اور اُس کے ضعیف ہونے کے موافق اس پر عمل کیا جاتا ہے (ترجمہ ختم)

اور امام زکریا بن محمد بن زکریا انصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَالدُّعَاءُ فِيْهِمَا وَفِيْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَتَيْ أَوَّلِ رَجَبٍ وَنِصْفِ شَعْبَانَ مُسْتَجَابٌ فَيُسْتَحَبُّ (أسنى المطالب ج ۱ ص ۲۸۲، كتاب صلاة العيدين، فصل احياء ليلتى العيد بالعبادة)

ترجمہ: اور عیدین کی راتوں میں اور جمعہ کی رات میں اور رجب کی پہلی رات میں اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال رسول الله (صلى الله عليه وسلم) خمس ليال لا ترد فيهن الدعوة أول ليلة من رجب وليلة النصف من شعبان وليلة الجمعة وليلة الفطر وليلة النحر (تاريخ دمشق لابن عساكر ج۱۰ ص۴۰۸، تحت ترجمة بندار بن عمر بن محمد بن أحمد أبو سعيد التميمى الرويانى)

قلت : وفيه بندار بن عمر الرويانى :شيخ للفقيه نصر المقدسى قال النخشبى : كذاب (لسان الميزان ج ۱ ص ۲۳۲)

(خمس ليال لا ترد فيهن الدعوة) من أحد دعى بدعاء سائغ متوفر الشروط والأركان والآداب (أول ليلة من رجب وليلة النصف من شعبان وليلة الجمعة وليلة الفطر) أى ليلة عيد الفطر (وليلة النحر) أى عيد الأضحى فيسن قيام هؤلاء الليالى والتضرع والابتهال فيها وقد كان السلف يواظبون عليه ، روى الخطيب فى غنية الملتمس أن عمر بن عبد العزيز كتب إلى عدى بن أرطاة عليك بأربع ليال فى السنة فإن الله تعالى يفرغ فيهن الرحمة ثم سردها (ابن عساكر) فى تاريخه (عن أبى أمامة) ورواه عنه أيضا الديلمى فى الفردوس فما أوهمه صنيع المصنف من كونه لم يخرجه أحد ممن وضع لهم الرموز غير سديد ورواه البيهقى من حديث ابن عمر وكذا ابن ناصر والعسكرى قال ابن حجر :وطرقه كلها معلولة (فيض القدير للمناوى ، حديث نمبر ۳۹۵۲)

نصف شعبان کی رات میں دعا مستحب ہے (ترجمہ ختم) [۱]

اور شیخ ابنِ مفلح حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَيُسْتَحَبُّ إِحْيَاءُ مَا بَيْنَ الْعِشَاءَيْنِ لِلْخَبَرِ . قَالَ جَمَاعَةٌ :وَلَيْلَةِ عَاشُوْرَاءَ، وَلَيْلَةِ أَوَّلِ رَجَبٍ، وَلَيْلَةِ نِصْفِ شَعْبَانَ (المبدع) [۲]

ترجمہ: مغرب اور عشاء کے درمیان نفلی عبادتوں میں مشغول رہنا مستحب ہے، حدیث کی وجہ سے، ایک جماعت نے فرمایا، اور عاشوراء کی رات، اور رجب کی پہلی رات اور نصف شعبان کی رات کو بھی نفلی عبادت مستحب ہے (ترجمہ ختم)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ رجب کا مہینہ فضیلت والا مہینہ ہے، اور اس کی فضیلت پہلی رات سے ہی شروع ہو جاتی ہے، اس وجہ سے پہلی رات میں دعا کی قبولیت کا بطورِ خاص بعض فقہاء نے روایات کی روشنی میں ذکر فرمایا ہے۔

مگر یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ بعض روایات میں رجب یا اس کی مخصوص تاریخوں کے بارے میں کچھ ایسے فضائل آئے ہیں، جو کہ بے اصل ہیں، اور محدثین نے ان کی تردید فرمائی ہے۔

اسی طرح رجب یا اس کی کسی رات کی کوئی مخصوص عبادت مقرر نہیں، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ رجب کے مہینے کی فضیلت معراج کی وجہ سے نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے) کیونکہ اوّلاً تو معراج شریف کا اس مہینہ میں ہونا ہی متعین نہیں (جس کی تفصیل آگے آتی ہے)

دوسرے اس مہینے کی عظمت وفضیلت تو معراج کے واقعہ سے بھی بہت پہلے سے ثابت ہے، جیسا کہ گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا۔

---

[۱] ويستحب إحياء ليلتي العيد بالعبادة ولو كانت ليلة جمعة من صلاة وغيرها من العبادات ويحصل الإحياء بمعظم الليل وعن ابن عباس يحصل بصلاة العشاء جماعة والعزم على صلاة الصبح جماعة والدعاء فيهما وفي ليلة الجمعة وليلتي أول رجب ونصف شعبان نهاية ومغني وأسنى (حاشية الشرواني على تحفة المحتاج بشرح المنهاج، ج۳ص ۵۱، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

[۲] لابنِ مفلح الحنبلي ج ۲ ص ۳۳، باب صلاة التطوع.

ماہِ رجب میں روزے رکھنا مستحب ہے

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہو چکا کہ رجب کا مہینہ عظمت وشرافت والے ان مہینوں میں سے ہے، جن کو عربی میں حرمت والے مہینے کہا جاتا ہے، اوران مہینوں میں عبادت وطاعت کی خاص فضیلت اسلام میں اب بھی باقی ہے، اور روزہ بھی عبادت وطاعت میں داخل ہے، اس نقطۂ نظر سے اس مہینہ میں نفلی روزہ رکھنا بھی باعثِ فضیلت ہے۔

اورحرمت والے مہینوں میں روزے رکھنے کا بطورِ خاص بعض احادیث میں ذکر بھی ملتا ہے۔

نیز بعض محدثین وفقہائے کرام کی تصریحات سے بھی حرمت والے مہینوں میں روزے رکھنے کا مستحب ومندوب ہونا ثابت ہے۔

اور بعض روایات سے جو رجب کے مہینے میں روزہ رکھنے کی ممانعت کا شبہ ہوتا ہے، تو اوّلاً تو اس سلسلہ میں بعض روایات ضعیف ہیں۔

دوسرے ان روایات کا مطلب یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت کی طرح رجب کے روزوں کو ضروری نہ سمجھا جائے، اوراس مہینہ کو رمضان وعید کے مشابہ نہ بنایا جائے۔

کیونکہ جاہلیت کے زمانے میں بعض لوگوں کی طرف سے رجب کی تعظیم میں بہت غلو ہوا کرتا تھا، اور اس مہینے کے ساتھ رمضان جیسا برتاؤ ہوتا تھا، اوراسی وجہ سے اس مہینہ میں ایک رسم ''عتیرہ'' کے نام سے انجام دی جاتی تھی (جس کا آگے ذکر آتا ہے) خاص طور پر مضر نامی قبیلہ رجب کی تعظیم میں بہت زیادہ غلو کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ رجب کے مہینہ کی نسبت بھی اس غلو کرنے کی وجہ سے اس قبیلہ کی طرف کی جاتی تھی، اور''رجبُ مضر'' کہا جاتا تھا۔

شریعت نے اس مہینہ کی تعظیم میں غلو کرنے سے اور مذکورہ رسم سے منع کر دیا، لیکن کیونکہ اس کا امکان تھا کہ بعض لوگ جو رجب کی تعظیم میں غلو کیا کرتے تھے، وہ اسلام لانے کے بعد کہیں دیکھا دیکھی اسی طرح کی تعظیم وعقیدت کی بنیاد پراس مہینہ میں روزہ نہ رکھنے لگیں، لہٰذا اس طرح کے عقیدہ کے ساتھ تو رجب کے مہینہ میں روزہ رکھنا منع ہوا، لیکن اگراس طرح کا کوئی عقیدے اور عمل میں بگاڑ نہ

ہوتو اس مہینہ کے حرمت وعظمت والا مہینہ ہونے کی بنیاد پر اس مہینہ میں روزے رکھنا منع نہیں ہے، جائز بلکہ مستحب ہے۔ [1]

آگے احادیث وروایات کی روشنی میں اس مسئلہ کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی عَنْ صِيَامِ رَجَبٍ كُلِّهٖ (المعجم الكبير) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب کے پورے مہینے میں روزے رکھنے سے منع فرمایا (ترجمہ ختم)

اس حدیث سے بظاہر رجب کے مہینے میں روزے رکھنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، لیکن اولاً تو اس حدیث کو سند کے لحاظ سے محدثین نے غیر صحیح قرار دیا ہے۔ [3]

---

[1] چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ جاہلیت رجب کی تعظیم میں غلو کرتے تھے، چنانچہ ''رسمِ عتیرہ'' اس پر شاہد ہے، جس کو حدیث ''لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيْرَةَ'' سے منسوخ کیا گیا۔ بالخصوص قبیلۂ مضر سب سے زائد اس امر میں مبالغہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اُن کی طرف رجب کی اضافت کی جاتی تھی۔ جیسا کہ احادیث میں ترکیب رجب مضر اس پر دال ہے۔ پس اس طور پر تخصیص کے ساتھ رجب کی تعظیم شعارِ جاہلیت کا تھا۔ چونکہ احتمال تھا کہ بعض لوگ جو رجب کی تعظیم کرتے تھے اور اب مشرف باسلام ہوگئے تھے شاید وہ لوگ یا ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ اس طرح کی تعظیم کے قصد سے اس میں روزہ نہ رکھنے لگیں۔ اس لئے شارع علیہ السلام نے اس کی ممانعت فرمادی۔ جس طرح بعض احادیث میں ''صوم یوم السَّبت'' سے نہی آئی ہے، حالانکہ اطلاق سے دلائل سے ونیز اجماع سے اس کا جواز ثابت ہے۔ وہاں بھی یہی وجہ ہے کہ یہود کے دیکھا دیکھی تخصیص صوم کو ذریعۂ تعظیم نہ بنائیں، اسی طرح صیامِ رجب کی نہی کو سمجھنا چاہئے پس اس حیثیت سے تو یہ منہی عنہ ٹھہرا۔ دوسری حیثیت رجب میں صرف شہرِ حرام ہونے کی ہے۔ جو اس میں اور بقیہ اشہر حرم میں مشترک ہے۔ پہلی حیثیت سے قطع نظر کرکے صرف اس دوسری حیثیت سے اس میں روزہ رکھنے کو مندوب فرمایا گیا پس دونوں حدیثوں میں تعارض نہ رہا۔ لِاِخْتِلَافِ الْمَحْمَلَيْنِ كَمَاذَكَرْنَا (امداد الفتاویٰ ج۲ ص۸۵ تا ۸۶)

[2] للطبرانی، حدیث نمبر ۱۰۶۸۱، ج۱۰ ص۲۸۷، مکتبة ابن تیمیة -القاهرة، واللفظ لهٗ، ابنِ ماجه، حدیث نمبر ۱۷۴۳.

[3] وهذا لا يصح قال أحمد بن حنبل لا أحدث عن داود بن عطاء ليس بشيء ، ورواه أبو القاسم الطبراني عن ابن عباس أن رسول الله نهى عن صيام شهر رجب، ورواه ابن ماجة عن داود بن عطاء ، قال البخاری وأبو زرعة داود هذا منكر الحديث، وقال النسائي ضعيف لا يحتج به بحال (تنقيح التحقيق فی احاديث التعليق ، ج۲ ص ۳۶۴، مسألة ۳۷۵، يكره إفراد رجب بالصوم)

دوسرے اس حدیث میں پورے رجب کے مہینے میں روزے رکھنے کا ذکر ہے، اور اس ممانعت کی وجہ یہ ہے تاکہ زمانۂ جاہلیت کے طریقے اور رمضان کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے۔ [۱]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے الفاظ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں حضرت عطاء سے مروی ہے کہ:

كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَنْهٰى عَنْ صِيَامِ رَجَبٍ كُلِّهٖ؛ لَأَنْ لَّا يُتَّخَذَ عِيْدًا (مصنف عبد الرزاق) [۲]

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ رجب کے پورے مہینے کے روزوں سے منع فرماتے تھے، تاکہ اس کو عید نہ بنالیا جائے (ترجمہ ختم)

یعنی جس طرح رمضان کے پورے روزے رکھ کر بعد میں عید منائی جاتی ہے، اسی طرح رجب کے پورے مہینے کے روزے رکھنے سے اس کو رمضان اور عید کے مشابہ نہ کر دیا جائے۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ اگر مذکورہ خرابی سے بچ کر حسبِ قدرت جتنے ہوسکیں نفلی روزے رکھے جائیں، تو کوئی حرج نہیں۔ [۳]

---

[۱] قلت وهو محمول على اعتقاد وجوبه كما كان فى الجاهلية وإلا فلم يقل أحد من العلماء بكراهة صومه(الموضوعات الكبرىٰ لملا على القارى، حرف النون، ص ۴۶۱)

[۲] حديث نمبر ۷۸۵۴، كتاب الصيام، باب صيام اشهر الحرم ،المكتب الإسلامى -بيروت.
وهذا اسناد صحيح(تبيين العجب فيما فى فضل رجب لابن حجر، الحديث الثانى والثلاثون، ص ۴۸)

[۳] وروينا فى "كتاب أخبار مكة "لأبى محمد الفاكهى، بإسناد لا بأس به، عن ابن عباس -رضى الله عنهما -أنه قال :لا تتخذوا رجبا عيدا، ترونه حتما مثل شهر رمضان، إذا أفطرتم منه صمتم وقضيتموه .وقال عبد الرزاق فى "مصنفه "، عن ابن جريج، عن عطاء ، كان ابن عباس، ينهى عن صيام رجب كله :ألا يتخذ عيدا .وهذا إسناد صحيح .ومثل هذا :ما رويناه فى سنن سعيد بن منصور أخبرنا سفيان -يعنى ابن عيينة، عن مسعر، عن وبرة، هو ابن عبد الرحمن عن خرشة بن الحر، أن عمر بن الخطاب -رضى الله عنه -كان يضرب أيدى الرجال فى رجب إذا رفعوها عن الطعام حتى يضعوها فيه، ويقول :إنما هو شهر كان أهل الجاهلية يعظمونه .وروى نحو ذلك، عن أبى بكرة .فهذا النهى منصرف إلى من يصومه معظما لأمر الجاهلية .أما إن صامه لقصد الصوم فى الجملة، من غير أن يجعله حتما، أو يخص منه أياما معينه يواظب على صومها، أو ليال معينة يواظب على قيامها،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت خرشہ بن حر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، يَضْرِبُ أَكُفَّ الرِّجَالِ فِيْ صَوْمِ رَجَبَ، حَتّٰى يَضَعُوْنَهَا فِي الطَّعَامِ، وَيَقُوْلُ رَجَبُ وَمَا رَجَبُ؟إِنَّمَا رَجَبُ شَهْرٌ كَانَ يُعَظِّمُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ تُرِكَ(المعجم الاوسط للطبرانی) [۱]

ترجمہ: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ رجب کے روزہ داروں کو تنبیہ فرماتے تھے، یہاں تک کہ ہاتھ پکڑ کر کھانا کھلاتے تھے، اور فرماتے تھے یہ رجب، یہ رجب کیا چیز ہے؟ سنو! رجب وہ مہینہ ہے جسے جاہلیت کے لوگ معظم مانتے تھے، لیکن اسلام نے آ کر اس (کی مخصوص حیثیت) کو ترک کر دیا (ترجمہ ختم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رجب کے مہینے کے روزہ داروں کو منع کرنا اسی وجہ سے تھا کہ لوگ زمانۂ جاہلیت کے اثر کی وجہ سے اس مہینے کے پورے دنوں میں روزے رکھنے میں بہت غلو سے کام لیتے تھے، اور پورے مہینے روزے رکھنے کو رمضان کی طرح ضروری قرار دیتے تھے۔

پس اگر ضروری نہ سمجھا جائے، اور کچھ دن روزے رکھے جائیں، اور کچھ دن ناغہ بھی کر دی جائے، تو ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بحيث يظن أنها سنة .فهذا من فعله من السلامة مما استثنى، فلا بأس به .فإن خص ذلک، أو جعله حتما فهذا محظور (تبيين العجب فيما فى فضل رجب لابن حجر، الحديث الثانى والثلاثون، ، والثالث والثلاثون ص۴۸، ۴۹)

[۱] حديث نمبر ۷۶۳۶،دار الحرمين -القاهرة،واللفظ لهٗ،مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۹۸۵۱، كتاب الصوم،باب فى صوم رَجَبٍ ، مَا جَاءَ فِيهِ ؟

[۲] وإنما معناه خوف أن يتخذوه سُنة مثل رمضان(البدع لابنِ وضاح، تحت حديث رقم ۱۰۳)
وعزاه ابن عبد الهادى فى (تنقيح التحقيق)(۱/۶۲/۲)لسعيد بن منصور من طريق أخرى عن وبرة مثل رواية ابن أبى شيبة .

(وبإسناده عن ابن عمر انه :(كان إذا رأى الناس وما يعدونه لرجب كرهه وقال :صوموا منه وأفطروا)ص: ۲۳۰ صحيح .أخرجه ابن أبى شيبة (۲/۱۸۲/۲)وكيع عن عاصم بن محمد عن أبيه قال :فذكره دون قوله :(صوموا منه وأفطروا) . قلت :وهذا سند صحيح على شرط الشيخين .ولم أقف الان على سند أحمد لنعرف منه صحة هذه الزيادة (صوموا وأفطروا) وإن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ یہ کہ اگر مذکورہ خرابیوں سے بچ کر رجب کے مہینہ کی فضیلت کی بنیاد پر مستحب سمجھتے ہوئے حسبِ قدرت نفل روزوں کا اہتمام کیا جائے، تو یہ صرف نہ یہ کہ جائز ہے، بلکہ باعثِ اجر وثواب اور مستحب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کئی احادیث وروایات سے رجب کے مہینے کے روزوں کا جواز اور استحباب ثابت ہے۔

کیونکہ رجب کا مہینہ چار عظمت والے مہینوں میں سے ہے، جن میں دوسرے نیک اعمال کی طرح روزہ کا اجروثواب بھی زیادہ ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كان يغلب على الظن صحتها وهى نص على أن نهى عمر رضى الله عنه عن صوم رجب المفهوم . من ضربه للمترجبين كما فى الاثر المتقدم ليس نهيا لذاته بل لكى لا يلتزموا صيامه ويتموه كما يفعلون برمضان وهذا ما صرح به بعض الصحابة فقد أورد ابن قدامة فى (المغنى)(۳/۱٦۷)عقب اثر ابن عمر هذا من رواية أحمد عن أبى بكرة :(أنه دخل على أهله وعندهم سلال جدد وكيزان فقال :ما هذا ؟ فقالوا :رجب نصومه فقال :أجعلتم رجب رمضان ؟ !فأكفا السلال وكسر الكيزان) . ثم قال ابن قدامة عقبه :(قال أحمد :من كان يصوم السنة صامه والا فلا يصومه متواليا يفطر فيه ولا يشبه برمضان) . ويظهر أن رأى ابن عمر فى كراهة صوم رجب كله كان شائعا عنه فى زمانه وأن بعض الناس أساء فهما عنه فنسب إليه أنه يقول بتحريم هذا الصوم فقد قال عبد الله مولى أسماء بنت أبى بكر :(أرسلتنى أسماء إلى عبد الله بن عمر فقالت بلغنى أنك تحرم أشياء ثلاثة :العلم فى الثوب وميثرة الارجوان وصوم رجب كله !فقال لى عبد الله :أما ما ذكرت من رجب فكيف بمن يصوم الابد . . .) . أخرجه مسلم (۱۳۹/٦)وأحمد(۲٦/۱) وعليه يشكل قوله فى هذه الرواية :(فكيف بمن يصوم الابد) فقد فسروه بانه إنكار منه لما بلغ أسماء من تحريمه وإخبار منه أنه يصوم رجبا كله وأنه يصوم الابد .كما فى شرح مسلم للنووى و (السراج الوهاج) لصديق حسن خان(۲۸۵/۲)فلعل التوفيق بين صومه لرجب وكراهته لذلك أن تحمل الكراهة على افراد رجب بالصوم كما يفرد رمضان به فاما صيامه فى جملة ما يصوم فليس مكروها عنده .والله أعلم .لكننا نرى أن صوم الدهر لا يشرع ولو لم يكن فيها أيام العيد المنهى عن صيامها لقوله صلى الله عليه وسلم :(لا صام ولا أفطر) . رواه مسلم وغيره كما تقدم فى الحديث(۹۵۲) وراجع لهذا (السراج الوهاج)(۳۸۸،۳۸۷/۱) .ومن الغريب أن المؤلف رحمه الله لم يتعرض لصوم الدهر بذكر البتة وإن كان صنيعه يشعر بجوازه عنده لانه ذكر ما يكره وما يحرم من الصوم ولم يذكر فيه صوم الدهر .واختار ابن قدامة رحمه الله أنه مكروه فراجع كتابه (المغنى)(۱٦۷/۳)(إرواء الغليل فى تخريج أحاديث منار السبيل، ج۴ص ص ۱۱۴، ۱۱۵ تا ۱۱٦، تحت حديث رقم ۹۵۸)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک صحابی کو خطاب کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ:

صُمْ شَهْرَ الصَّبْرِ وَيَوْمًا مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ قَالَ زِدْنِيْ فَإِنَّ بِيْ قُوَّةً قَالَ صُمْ يَوْمَيْنِ قَالَ زِدْنِيْ قَالَ صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ قَالَ زِدْنِيْ قَالَ صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ وَقَالَ بِأَصَابِعِهِ الثَّلَاثَةِ فَضَمَّهَا ثُمَّ أَرْسَلَهَا (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: صبر یعنی رمضان کے مہینے کے روزے رکھو اور ہر مہینے میں ایک دن کا روزہ رکھ لیا کرو، ان صحابی نے عرض کیا کہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے لہٰذا میرے لئے اور اضافہ کر دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مہینے میں دو دن روزہ رکھ لیا کیجئے پھر ان صحابی نے عرض کیا کہ میرے لئے اور اضافہ فرما دیجئے (کیونکہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھ لیا کیجئے پھر ان صحابی نے عرض کیا کہ میرے لئے اور اضافہ فرما دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اَشْہُرِ حُرُم (ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، اور رجب کے مہینوں) میں روزہ رکھو اور چھوڑو (آپ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی) اور آپ نے اپنی تین انگلیوں سے اشارہ فرمایا ان کو ساتھ ملا دیا پھر چھوڑ دیا (یعنی کہ ان مہینوں میں تین دن روزہ رکھو پھر تین دن ناغہ کرو اور اسی طرح کرتے رہو) (ترجمہ ختم)

اس حدیث سے رجب کے مہینے میں روزوں کا مستحب ہونا ثابت ہوا۔ [2]

حدیث میں ان چار مہینوں کے اندر روزہ رکھنے کا جو طریقہ بتلایا گیا ہے ضروری نہیں کہ ہر شخص اس

---

[1] حديث نمبر ۲۴۲۸، كتاب الصوم، باب في صوم أشهر الحرم، المكتبة العصرية، صيدا -بيروت، واللفظ لهٗ ،ابن ماجة حديث نمبر ۱۷۴۱، مسند احمد حديث نمبر ۲۰۳۲۳ ،سنن كبرىٰ نسائي حديث نمبر ۲۷۴۳، شعب الايمان حديث نمبر ۳۴۶۳، المعجم الكبير للطبراني حديث نمبر ۱۸۳۳۶.

[2] ففي هذا الخبر -وإن كان في إسناده من لا يعرف -ما يدل على استحباب صيام بعض رجب، لأنه أحد الأشهر الحرم(تبيين العجب فيما في فضل رجب لابن حجر، الحديث الثاني، ص ۱۴)

طریقہ پر عمل کرے بلکہ جس طرح اور جتنے روزے کوئی رکھ سکتا ہو اجازت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کے لئے یہی طریقہ مناسب سمجھا تھا اس لئے ان کی شان اور حالت کے مطابق یہ طریقہ تجویز فرمایا۔

اور حضرت عثمان بن حکیم انصاری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

سَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ، عَنْ صَوْمِ رَجَبٍ وَنَحْنُ يَوْمَئِذٍ فِيْ رَجَبٍ فَقَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، يَقُوْلُ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ: لَا يُفْطِرُ، وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ: لَا يَصُوْمُ

(مسلم) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے رجب کے روزوں کے بارے میں سوال کیا، اور ہم اس وقت رجب کے مہینے میں تھے، تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رجب کے مہینے میں) روزے رکھتے تھے، یہاں تک کہ ہم خیال کرتے تھے کہ اب روزہ نہیں چھوڑیں گے اور آپ روزہ چھوڑ بھی دیتے تھے، یہاں تک کہ ہم خیال کرتے تھے کہ اب روزہ نہیں رکھیں گے (ترجمہ ختم)

فائدہ: اس حدیث کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینے میں کثرت سے روزے رکھتے تھے، جس سے اس مہینے میں روزوں کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام ہی مہینوں میں کثرت سے روزے رکھتے تھے، جن میں رجب کا مہینہ بھی شامل تھا۔

بہرحال اس حدیث سے اتنی بات ثابت ہوئی کہ رجب کے مہینے میں روزے رکھنا منع نہیں ہے،

---

[1] ج۲ص ۸۱۱، حدیث نمبر ۱۱۵۶، کتاب الصیام، باب صیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غیر رمضان، واستحباب أن لا یخلی شهرا عن صوم، دار إحیاء التراث العربی -بیروت، واللفظ لہٗ، ابوداؤد، حدیث نمبر ۲۴۳۰، مسند احمد حدیث نمبر ۲۰۴۶.

إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير عثمان بن حكيم- وهو ابن عباد بن حنيف -فمن رجال مسلم (حاشية مسند احمد)

البتہ اگر کسی کے عقیدے میں بگاڑ ہو، تو الگ بات ہے۔ [۱]

اور حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت اسماء نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی طرف کچھ سوالات کے لئے بھیجا، جن میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ آپ رجب کے پورے مہینے کے روزوں کو حرام قرار دیتے ہیں، تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

أَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ صَوْمِ رَجَبٍ ، فَكَيْفَ بِمَنْ يَّصُوْمُ الْأَبَدَ ؟ (مسنداحمد) [۲]

ترجمہ: آپ نے جو رجب کے روزے کے بارے میں ذکر کیا، تو وہ شخص (رجب کے مہینے میں روزہ رکھنے کو) کیونکر حرام قرار دے سکتا ہے، جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو (ترجمہ ختم)

مطلب یہ تھا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو یہ خبر پہنچی تھی کہ وہ رجب کے پورے مہینے کے روزے رکھنے سے منع کرتے ہیں، وہ درست خبر نہیں تھی۔

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ خود کثرت سے روزے رکھتے تھے، جس میں رجب کا مہینہ بھی شامل تھا۔ [۳]

---

[۱] ومطابقةالحديث بالباب بان رجب من اشهرالحرم فمعنى الحديث يمكن ان يقال فيه كان يصوم اى من رجب حتى نقول لايفطر فعلى هذا ثبت فضل الصوم فى رجب فانه صلى الله عليه وسلم كان يصوم فيه كثيراويمكن ان يقال انه صلى الله عليه وسلم كان يصوم من الشهورحتى نقول لايفطر وفى الشهور التى كان يصوم فيها يدخل رجب وقال النووى فى شرح هذا الحديث الظاهران مراد سعيد بن جبير بهذاالاستدلال انه لانهى انه ولاندب فيه لعينه بل له حكم باقى الشهورولم يثبت فى صوم رجب نهى ولا ندب لعينه ولكن اصل الصوم مندوب اليه وفى سنن ابى داؤد ان رسول اللهﷺ صلى الله عليه وسلم ندب الى الصوم من الاشهرالحرم ورجب احدها .والله اعلم (بذل المجهود فى حل ابى داؤد ج ۴ ص ۱۷۴، للشيخ المحدث، مولاناخليل احمدسهارنبورى رحمه الله)

[۲] حديث نمبر ۱۸۱، مؤسسة الرسالة، بيروت.
إسناده صحيح على شرط مسلم ، رجاله ثقات رجال الشيخين غيرَ عبد الملك -وهو ابن أبي سليمان العَرزمي -فمن رجال مسلم(حاشية مسنداحمد)

[۳] أما جواب بن عمر فى صوم رجب فإنكار منه لما بلغها عنه من تحريمه وإخبار بأنه يصوم رجبا كله وأنه يصوم الأبد والمراد بالأبد ما سوى أيام العيدين والتشريق وهذا مذهبه ومذهب أبيه عمر بن الخطاب وعائشة وأبى طلحة وغيرهم من سلف الأمة ومذهب الشافعى وغيره من العلماء أنه لايكره صوم الدهر (شرح النووى علىٰ مسلم ج۱۴ ص۴۳، كتاب اللباس والزينة،باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة على الرجال والنساء وخاتم الذهب والحرير على الرجل وإباحته للنساء)

اورحضرت سالم سے روایت ہے کہ:

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَصُوْمُ أَشْهُرَ الْحُرُمِ(مصنف عبد الرزاق) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ چار عظمت والے مہینوں (ذیقعدہ، ذی الحجہ، محروم اور رجب) میں روزے رکھا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اس سے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مزید وضاحت ہوگئی کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ رجب کے مہینے میں روزہ کو منع تو کیا فرماتے، وہ تو خود عظمت والے مہینوں میں بطورِ خاص روزے رکھتے تھے، جن میں رجب کا مہینہ بھی شامل تھا۔

اورکنز العمال میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضرت عروہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ:

هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ يَصُوْمُ فِيْ رَجَبَ ؟ قَالَ نَعَمْ وَيُشَرِّفُهُ(ابوالحسن علی بن محمد بن شجاع الربعی فی فضل رجب ، ورجالہٗ کلھم ثقات، کنزالعمال ج ۸ ص ۶۵۷ رقم ۲۴۶۰۱)

ترجمہ: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجب کے مہینے میں روزہ رکھتے تھے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بے شک (رکھتے تھے) اور اس مہینے کو عظمت والا شمار کرتے تھے (ترجمہ ختم) [2]

اورحضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قُلْتُ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لَمْ أَرَكَ تَصُومُ شَهْرًا مِنَ الشُّهُوْرِ مَا تَصُوْمُ مِنْ شَعْبَانَ، قَالَ :ذٰلِكَ شَهْرٌ يَغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ بَيْنَ رَجَبٍ وَرَمَضَانَ، وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيْهِ الْأَعْمَالُ إِلٰى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، فَأُحِبُّ أَنْ يُّرْفَعَ عَمَلِيْ وَأَنَا

---

[1] حديث نمبر ۷۸۵۶، كتاب الصيام، باب صيام اشهر الحرم، المكتب الإسلامي -بيروت.

[2] وفي اللطائف لابن رجب الحنبلي روى عن الكتاني الدمشقي الامام المحدث باسناده ان عروة بن الزبير قال لعبدالله بن عمرهل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصوم في رجب قال نعم ويشرفه اى يذكر فيه فضلا قالها ثلاثا اخرجه ابوداؤد وغيره من طريق حجاج بن منهال به(فتح الملهم ج ۳ ص ۱۷۵)

صَائِمٌ (نسائی) [1]

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ (رمضان کے علاوہ) مہینوں میں سے جتنے روزے شعبان کے مہینے میں رکھتے ہیں، میں نے آپ کو کسی اور مہینے میں اتنے روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا (اس کی کیا وجہ ہے؟)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایسا مہینہ ہے کہ جس سے لوگ غافل ہوجاتے ہیں، رجب اور رمضان کے درمیان، اور اس مہینے میں اعمال رب العالمین کی طرف اٹھائے جاتے ہیں، تو میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل روزے کی حالت میں اٹھایا جائے (ترجمہ ختم)

علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ رجب کے مہینے میں صحابہ کرام عبادت اور روزے وغیرہ میں مشغول ہوا کرتے تھے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے مہینے کو رمضان اور رجب کے درمیان ہونے کی وجہ سے لوگوں کے غفلت کے اختیار کرنے کا ذکر فرمایا۔ [2]

اور حضرت ابوقلابہ تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فِي الْجَنَّةِ قَصْرٌ لِصُوَّامِ رَجَبٍ (شعب الایمان للبیہقی) [3]

ترجمہ: جنت میں رجب کے روزے رکھنے والوں کے لئے محل ہے (ترجمہ ختم)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

حضرت ابوقلابہ تابعین میں سے ہیں، اور وہ ایسی بات اپنے سے کسی بڑے سے سن کر

---

[1] حدیث نمبر ۲۳۵۷، کتاب الصیام، باب صوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بأبی ہو وأمی، وذکر اختلاف الناقلین للخبر فی ذلک، مکتب المطبوعات الإسلامیة -حلب.

[2] فهذا فيه إشعار بأن فی رجب مشابهة برمضان، وأن الناس يشتغلون من العبادة بما يشتغلون به فی رمضان، ويغفلون عن نظير ذلك فی شعبان .لذلك كان يصومه.
وفی تخصيصه ذلك بالصوم -إشعار بفضل رجب، وأن ذلك كان من المعلوم المقرر لديهم(تبيين العجب فيما فی فضل رجب لابن حجر، الحديث الاول، ص ۱۲)

[3] تَخْصِيصُ شَهْرِ رَجَبٍ بِالذِّكْرِ، حدیث نمبر ۳۵۲۱، مکتبة الرشد للنشر والتوزیع بالریاض، واللفظ لهٗ، فضائل الاوقات للبیہقی، حدیث نمبر ۱۸.

ہی فرما سکتے ہیں۔ [۱]

اور بہت سے فقہائے کرام نے بھی عظمت والے ان چار مہینوں (ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) میں روزے رکھنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

چنانچہ فتاویٰ ھندیۃ میں ہے کہ:

اَلْمَرْغُوْبَاتُ مِنَ الصِّيَامِ اَنْوَاعٌ اَوَّلُهَا صَوْمُ الْمُحَرَّمِ وَالثَّانِىْ صَوْمُ رَجَبَ وَالثَّالِثُ صُوْمُ شَعْبَانَ وَصُوْمُ عَاشُوْرَآءَ (فتاوٰی هندية) [۲]

ترجمہ: اور مستحب روزے کئی قسم کے ہیں اول محرم کے روزے، دوسرے رجب کے روزے، اور تیسرے شعبان اور عاشوراء کے دن کا روزہ (ترجمہ ختم)

اور کئی کتابوں میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ [۳]

اور امام نووی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ أَصْحَابُنَا وَمِنَ الصَّوْمِ الْمُسْتَحَبِّ صَوْمُ الْاَشْهُرِ الْحُرُمِ وَهِىَ ذُوالْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبٌ (المجموع) [۴]

ترجمہ: ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ مستحب روزوں میں سے عظمت والے مہینوں کے روزے بھی ہیں، اور وہ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کے مہینے ہیں (ترجمہ ختم)

---

[۱] قَالَ أَحْمَدُ: وَإِنْ كَانَ مَوْقُوفًا عَلَى أَبِى قِلَابَةَ وَهُوَ مِنَ التَّابِعِينَ، فَمِثْلُهُ لَا يَقُولُ ذَلِكَ إِلَّا عَنْ بَلَاغٍ عَمَّنْ فَوْقَهُ مِمَّنْ يَأْتِيهِ الْوَحْىُ، وَبِاللهِ التَّوْفِيقُ (شعب الايمان، حواله بالا)

وأبو قلابة من كبار التابعين لا يقول مثل هذا إلا عن بلاغ ممن فوقه (فضائل الاوقات، حواله بالا)

[۲] ج ۱ ص ۲۰۲، كتاب الصوم قبيل الباب الرابع، دار الفكر، بيروت، لبنان.

[۳] وفى الظهيرية: المرغوبات من الصيام انواع اولها صوم المحرم والثانى صوم رجب، والثالث صوم شعبان الخ (فتاوىٰ تاتارخانيه ج ۲ ص ۳۸۸، الفصل الثامن من كتاب الصوم)

صيام الاشهر الحرم وهى اربع ثلاثة متوالية وهى ذوالقعدة وذوالحجة والمحرم وواحد منفرد وهورجب وهى افضل الشهور للصوم بعدرمضان وافضل الاشهرالحرم المحرم ثم رجب ثم باقى الحرم ثم بعد الحرم شعبان واستحباب صوم هذه الاشهرهوعند المالكية والشافعية واكتفى الحنابلة باستحباب صوم المحرم فهو عند هم افضل الصيام بعد صيام شهر رمضان (الفقه الاسلامى وادلتهٗ ج ۳ ص ۱۶۴۳، النوع الرابع)

[۴] ج۶ ص ۳۸۶، كتاب الصيام، دارالفكر، بيروت.

نیز ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وَأَفْضَلُ الْأَشْهُرِ لِلصَّوْمِ بَعْدَ رَمَضَانَ، اَلْأَشْهُرُ الْحُرُمُ، ذُو الْقَعْدَةِ، وَذُو الْحِجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبٌ(روضة الطالبين وعمدة المفتين للنووی) [۱]

ترجمہ: اور مہینوں میں روزوں کے لئے رمضان کے بعد افضل عظمت والے مہینے ہیں، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کے مہینے (ترجمہ ختم)

اور علامہ بکری دمیاطی شافعی فرماتے ہیں کہ:

قِيْلَ :وَمِنَ الْبِدَعِ صَوْمُ رَجَبَ، وَلَيْسَ كَذٰلِكَ بَلْ هُوَ سُنَّةٌ فَاضِلَةٌ، كَمَا بَيَّنْتُهُ فِي الْفَتَاوٰى وَبَسَطْتُ الْكَلَامَ عَلَيْهِ(إعانة الطالبين) [۲]

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ رجب کا روزہ بدعت ہے، حالانکہ یہ بات درست نہیں، بلکہ یہ فضیلت والی سنت ہے، جیسے کہ میں نے فتاویٰ میں بیان کیا ہے، اور اس پر تفصیلی کلام کیا ہے (ترجمہ ختم)

اور احمد بن غنیم بن سالم مالکی فرماتے ہیں کہ:

وَمِنَ الْمُرَغَّبِ فِيْ صَوْمِهٖ شَهْرُ رَجَبَ بِالصَّرْفِ وَعَدَمِهٖ وَهُوَ مُشْتَقٌّ مِّنَ التَّرْجِيْبِ وَهُوَ التَّعْظِيْمُ وَيُسَمَّى بِالْأَصَمِّ بِالْمِيْمِ لِأَنَّ الْعَرَبَ كَانَتْ لَا تَسْمَعُ فِيْهِ صَوْتَ السَّلَاحِ وَهُوَ فَرْدٌ مِّنَ الْأَشْهُرِ الْحُرُمِ وَبَقِيَّتُهَا الثَّلَاثَةُ مُتَوَالِيَةٌ الْقَعْدَةُ وَالْحِجَّةُ وَالْمُحَرَّمُ(الفواکه الدوانی) [۳]

ترجمہ: اور جن روزوں کی ترغیب بیان کی گئی ہے، ان میں سے رجب کا مہینہ بھی ہے، جو کہ منصرف اور غیر منصرف دونوں طریقے سے ہے، اور یہ ترجیب سے نکلا ہے، جس کے معنیٰ تعظیم کے آتے ہیں، اور اس کا نام اصم بھی ''میم کے ساتھ'' رکھا جاتا ہے، جس کے معنیٰ بہرے کے آتے ہیں، کیونکہ عرب اس مہینے میں اسلحوں (اور لڑائی جھگڑوں)

---

[۱] ج۲ص۳۸۸، کتاب الصیام، المکتب الإسلامی، بیروت -دمشق -عمان.

[۲] للبکری الدمیاطی ص۳۱۳، باب الصلاة، دارالفکر، بیروت.

[۳] علی رسالة ابن أبی زید القیروانی، ج۲ص۲۷۳، باب جمل من الفرائض والسنن الواجبة والرغائب، دارالفکر، بیروت.

کی آواز نہیں سنتے تھے، اور یہ تعظیم والے مہینوں میں سے ایک ہے، اور تین باقی پے درپے اور لگاتار ہیں، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم (ترجمہ ختم)

اور ابوالحسن علی مالکی فرماتے ہیں کہ:

(وَ) كَذٰلِكَ صَوْمُ شَهْرِ (رَجَبٍ) مُرَغَّبٌ فِيهِ لِمَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ أَنَّ سَعِيْدَ بْنَ جُبَيْرٍ سُئِلَ عَنْ صِيَامِ رَجَبٍ فَقَالَ :أَخْبَرَنِيْ اِبْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا "أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَصُوْمُ" (كفاية الطالب الربانى) [1]

ترجمہ: اور اسی طریقے سے رجب کے مہینے کے روزے کی ترغیب دی گئی ہے، جیسا کہ مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے رجب کے روزوں کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رجب کے مہینے میں) روزے رکھتے تھے، یہاں تک کہ ہم خیال کرتے تھے کہ اب روزہ نہیں چھوڑیں گے اور آپ روزہ چھوڑ دیتے تھے، یہاں تک کہ ہم خیال کرتے تھے کہ اب روزہ نہیں رکھیں گے (ترجمہ ختم)

گزشتہ تفصیل سے رجب کے مہینے کے عظمت والے مہینوں میں سے ہونے کی وجہ سے حسبِ قدرت نفلی روزہ رکھنے کی فضیلت معلوم ہوئی۔

اس لئے رجب کے مہینے میں بغیر کسی تعداد کی تخصیص کے حسبِ قدرت نفل روزوں کا اہتمام کرنا مستحب اور فضیلت کا باعث ہے۔

البتہ زمانۂ جاہلیت کی طرح رجب کے مہینے میں روزوں کو فرض وواجب سمجھنا، یا فرض وواجب کا درجہ دینا، اور اس مہینے کو رمضان کے مہینے کے مشابہ قرار دینا درست نہیں۔ [2]

---

[1] ج۲ص۴۰۷، باب فى بيان جمل من الفرائض وجمل من السنن الواجبة، دار الفكر بيروت.

[2] اور بعض فقہاء (حنابلہ) نے اسی حیثیت سے پورے رجب کے مہینے میں لگاتار روزے رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور اگر کچھ دن روزہ رکھا جائے، اور کچھ دن روزہ نہ رکھا جائے، تو ان کے نزدیک بھی مکروہ نہیں۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ بعض روایات میں رجب کے مہینے اور اس کے مختلف دنوں میں روزہ رکھنے کے مختلف اور عجیب وغریب فضائل ذکر کئے ہیں۔

جن کو محدثین نے بے اصل وغیر معتبر قرار دیا ہے۔ [1]

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا تو رجب اور اس کے روزوں سے متعلق منقول احادیث وروایات کے بارے میں مستقل رسالہ موجود ہے، جس کا نام ہے ''تبيين العجب بما ورد فی فضل رجب'' جس میں موصوف نے تفصیل کے ساتھ اس بارے میں واردشدہ احادیث وروایات پر جرح اور تنقید کی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويكره إفراد رجب بالصوم وتزول الكراهة بفطره ولو يوما أو بصومه شهرا آخر من السنة(الاقناع ج ا ص ۳۱۹، كتاب الصيام)

فصل :ويكره إفراد رجب بالصوم .قال أحمد :وإن صامه رجل، أفطر فيه يوما أو أياما، بقدر ما لا يصومه كله .ووجه ذلک، ما روى أحمد، بإسناده عن خرشة بن الحر، قال :رأيت عمر يضرب أكف المترجبين، حتى يضعوها في الطعام .ويقول :كلوا، فإنما هو شهر كانت تعظمه الجاهلية . وبإسناده عن ابن عمر، أنه كان إذا رأى الناس، وما يعدون لرجب، كرهه، وقال :صوموا منه، وأفطروا وعن ابن عباس نحوه، وبإسناده عن أبي بكرة، أنه دخل على أهله، وعندهم سلال جدد وكيزان، فقال :ما هذا؟ فقالوا :رجب نصومه .قال :أجعلتم رجبا رمضان، فأكفأ السلال، وكسر الكيزان قال أحمد :من كان يصوم السنة صامه، وإلا فلا يصومه متواليا، يفطر فيه، ولا يشبهه برمضان(المغنى لابن قدامة، ج۳ص ۱۷۱، ۱۷۲، كتاب الصيام،فصل إفراد رجب بالصوم)

[1] جیسا کہ عبدالرحمٰن صفوری نے اپنی کتاب ''نزہۃ المجالس'' میں اس قسم کی احادیث وروایات ذکر کی ہیں، اس قسم کی روایات کو محدثین نے موضوع قرار دیا ہے۔

ابوھاجر محمد السعید بسیونی آل زغلول ''الموضوعات الکبریٰ'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> ومن الكتب المشحونة بالموضوعات والخرافات الاسرائيلية كتاب "نزهة المجالس ومنتخب النفائس" للصفورى فان مؤلفه رحمه الله قدشحنه بالموضوعات ممالا يدخل تحت حصر وفيه حكايات لااصل لها(مقدمة الموضوعات الكبرىٰ، لملاعلى القارى ص ۷)

[2] جس کے چند اقتباسات درجِ ذیل ہیں:

(۱)...... موسى بن عبد الله بن يزيد الأنصارى، سمعت أنس بن مالک، يقول " :إن فى الجنة نهرا يقال له رجب :ماؤه أشد بياضا من اللبن، وأحلى من العسل :من صام يوم من رجب سقاه الله من ذلک النهر......ذكره الذهبى فى الميزان، فقال:منصور بن يزيد حدث عنه محمد بن المغيرة، فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "مَاثَبَتَ بِالسُّنَّةِ فِیْ اَیَّامِ السَّنَةِ" میں بھی اس قسم کی احادیث وروایات پر محدثین کی ردوقدح کا تفصیلی ذکر فرمایا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فضل رجب، لا يعرف والخبر باطل .(ثم ساقه من طريق السلفي بإسناده إلى جعفر بن أحمد بن فارس، بسنده المتقدم........عن أبي سعيد الخدري، مرفوعا ":إن في الجنة نهرا يقال له :رجب، ماؤه الرحيق، من شرب منه شربة لم يظمأ بعدها أبدا، أعده الله لصوام رجب ."قالت :ورجال هذا الإسناد ثقات إلا السقطي، فإنه من وضعه(تبيين العجب فيما في فضل رجب لابن حجر، الحديث الرابع،ص۱۵تا۱۸ ملخصاً)

(۲)...... عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم "لم يصم بعد رمضان إلا رجب وشعبان ."قلت :وهو حديث منكر من أجل يوسف بن عطية؟ فإنه ضعيف جدا(ایضاً، الحديث السادس،ص۲۰)

(۳)...... عن أبي سعيد الخدري (في حديث طويل)من صام من رجب يوما إيمانا واحتسابا استوجب رضوان الله الأكبر، وأسكنه الفردوس الأعلى، ومن صام من رجب يومين فله من الأجر ضعفان، وزن لک ضعف مثل جبال الدنيا .ومن صام من رجب ثلاثة أيام جعل الله بينه وبين النار خندقا، طول مسيرة ذلک اليوم سنة .ومن صام من رجب أربعة أيام عوفي من البلاء ، ومن الجذام، والجنون والبرص، ومن فتنة المسيح الدجال، ومن عذاب القبر .ومن صام من رجب خمسة أيام وقي عذاب القبر، ومن صام من رجب ستة أيام خرج من قبره ووجهه أضوأ من القمر ليلة البدر . ومن صام من رجب سبعة أيام فإن لجهنم سبعة أبواب، يغلق الله -تعالى -عنه بصوم كل يوم بابا من أبوابها .ومن صام من رجب ثمانية أيام فإن للجنة ثمانية أبواب، يفتح الله له بكل صوم يوم بابا من أبوابها .ومن صام من رجب تسعة أيام خرج من قبره وهو ينادي :لا إله إلا الله، فلا يرد وجهه دون الجنة، ومن صام من رجب عشرة أيام جعل الله له على كل ميل على الصراط فراشا يستريح عليه. ومن صام من رجب أحد عشر يوما لم يواف عبد يوم القيامة بأفضل منه إلا من صام مثله، أو زاد عليه .ومن صام من رجب اثني عشر يوما كساه الله يوم القيامة حلتين الحلة الواحدة خير من الدنيا وما فيها.ومن صام من رجب ثلاثة عشر يوما وضع له يوم القيامة مائدة في ظل العرش، فأكل عليها والناس في شدة شديدة .ومن صام من رجب أربعة يوما أعطاه الله من الثواب مالا عين رأت، ولا أذن سمعت، ولا خطر على قلب بشر .ومن صام من رجب خمسة عشر يوما وقفه الله يوم القيامة موقف الآمنين..... النقاش وضاع دجال .نسأل الله العافية(ایضاً، الحديث السابع،ص۲۲،۲۳)

(۴)...... رجب شهر الله الأصم، من صام من رجب يوما إيمانا واحتسابا استوجب رضوان الله الأكبر."وهو متن لا أصل له، اختلقه أبو البركات السقطي، وركب له إسنادا، فزعم أن جابر بن يس أخبره:أخبره المخلص، أنبأنا البغوي، أخبرنا عبد الملک بن عبد العزيز، أنبأنا عبيد الله بن عمرو، عن زيد بن أبي أمية، عن ابن أبي حسين، عن شهر، عن عبد الرحمن غنيم، عن أبي سعيد مرفوعا . وهذا إسناد حسن، إلا أنه من وضع السقطي واختلاقه فسقط(ایضاً، الحديث العاشر،ص۲۶)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اس تمام بحث اور ردوقدح کا تعلق رجب یا اس کی کسی خاص تاریخ کے بارے میں واردشدہ مستقل خاص خاص عجیب وغریب فضائل کے بارے میں ہے کہ یہ عجیب وغریب فضائل مستند ومعتبر احادیث سے ثابت نہیں، لہٰذا رجب یا اس کی کسی خاص تاریخ میں روزہ کے متعلق اس قسم کے عجیب وغریب فضائل کا عقیدہ نہ رکھا جائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(۵)...... حديث " :من صام ثلاثة أيام من رجب كتب الله له صيام شهر، ومن صام سبعة أيام أغلق عنه سبعة أبواب النار، ومن صام ثمانية أيام فتح الله له ثمانية أبواب الجنة، ومن صام نصف رجب كتب الله له رضوانه، ومن كتب الله له رضوانه لم يعذبه، ومن صام رجبا كله حاسبه الله حسابا يسيرا."
رويناه فى فضل رجب لأبى القاسم السمرقندى، وفى الجزء الثالث من حديث أبى روق الهمزانى من طريق عمرو بن الأزهر، عن أبان ابن أبى عياش عن أنس .وعمرو بن الأزهر :كذبه يحى بن معين وغيره، وأبان تقدم ذكره(ايضاً، الحديث الحادى عشر،ص۲۷)

(۶)...... حديث " :رجب من أشهر الحرم، وأيامه مكتوبة على أبواب السماء السادسة، فإذا صام الرجل منه يوما، وجود صومه بتقوى الله، نطق الباب ونطق اليوم، فقالا :يا رب اغفر له، وإذا لم يتم صومه بتقوى الله لم يستغفرا له."
ورواه أبو سعيد محمد بن على الأصبهانى النقاش، وليس هو بالمفسر فى كتاب فضل الصيام، له من حديث أبى سعيد الخدرى، وفى إسناده إسماعيل بن يحى التيمى، وهو مذكور بالكذب(ايضاً، الحديث الثالث عشر،ص۲۸)

(۷)...... عن ابن عباس، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من صام يوما من رجب، وصلى فيه أربع ركعات، يقرأ فى أول ركعة مائة مرة آية الكرسى، وفى الركعة الثانية قل هو الله أحد مائة مرة، لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة، أو يرى له ."قال المصنف :هذا حديث موضوع على رسول الله صلى الله عليه وسلم وأكثر رواته مجاهيل .وعثمان متروك عند المحدثين(ايضاً، الحديث السادس عشر،ص ۳۱،۳۲)

(۸)...... عن على بن أبى طالب -رضى الله عنه -قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن شهر رجب شهر عظيم، من صام منه يوما كتب الله له صوم ألف سنة، ومن صام منه يومين كتب له صوم ألفى سنة، ومن صام منه ثلاثة أيام، كتب الله له صوم ثلاثة آلاف سنة، ومن صام منه سبعة أيام غلقت عنه أبواب جهنم، ومن صام منه ثمانية أيام فتحت له أبواب الجنة الثمانية، فيدخل من أيها شاء ، ومن صام خمسة عشر بدلت سيئاته حسنات ونادى مناد من السماء قد غفر لك، فاستأنف العمل، ومن زاد زاده الله .وهو حديث موضوع، لا شك فيه .والمتهم به الخُتَّلى.(ايضاً، الحديث العشرون،ص۳۸، ۳۹)

(۹)...... عن أبى ذر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من صام يوما من رجب عدل صيام شهر، ومن صام منه سبعة أيام غلقت عنه أبواب الجحيم السبعة، ومن صام منه ثمانية أيام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر جہاں تک رجب کے مہینے کی اپنی ذاتی فضیلت اوراس کے حرمت وعظمت والا مہینہ ہونے کی وجہ سے اصولی درجہ میں اس مہینہ میں روزے کے مستحب وفضیلت والا ہونے کا تعلق ہے، تو وہ ایک مستقل اور جدا مسئلہ ہے، اس حیثیت سے اس مہینہ میں کسی تاریخ کی تخصیص کے بغیر نفل روزوں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فتحت له أبواب الجنة الثمانية، ومن صام عشر أيام بدّل الله سيئاته حسنات، ومن صام ثمانية عشر نادى مناد قد غفر الله ما مضى، -فاستأنف العمل .وروى هذين الحديثين عبد العزيز الكتاني فى " فضل رجب "له عن علي بن أحمد الرزاز، عن عثمان بن أحمد بن السماك به .ورواه الحكم بن مروان، عن فرات بن السائب، عن ميمون بن مهران فقال :عن ابن عباس، بدل أبي ذر .أخرجه الحافظ أبو عبد الله الحسين بن فتحويه، عن ابن شيبة، عن سيف بن المبارك عنه ورشدين والحكم متروكان(ایضاً، الحديث الثانی والعشرون، ص ۴۰)

(۱۰)...... عن مكحول :أن رجلا سأل أبا الدرداء عن صيام رجب، فقال :سألت عن شهر كانت الجاهلية تعظمه فى جاهليتها، وما زاده الإسلام إلا فضلا وتعظيما، ومن صام منه يوما تطوعا، يحتسب به ثواب الله ويبتغى به وجه الله مخلصاً أطفأ صومه ذلك اليوم غضب الله، وغلق عنه بابا من أبواب النار، ولو أعطى ملء الأرض ذهبا ما كان حقاً له، لا يستكمل أجره بشيء من الدنيا دون يوم الحساب، وله عشر دعوات مستجابات، فإن دعا بشيء فى عاجل الدنيا أعطيه، وإلا أدخر له من الخير كأفضل ما دعا داع من أولياء الله، وأحبائه، وأصفيائه، ومن صام يومين كان له مثل ذلك، وله مع ذلك أجر عشرة من الصديقين فى عمرهم بالغة أعمارهم، وشفع فى مثل ما شفعوا فيه، فيكون فى زمرتهم حتى يدخل الجنة معهم، ويكون من رفقائهم، ومن صام ثلاثة أيام كان له مثل ذلك، وقال الله له عند إفطاره .لقد وجب حق عبدى هذا، ووجبت له محبتى، أشهدكم يا ملائكتى أنى قد غفرت ما تقدم من ذنبه، وما تأخر (فذكر الحديث بألفاظ نحو هذا الجنس يقول فيه) :ومن صام تسعة أيام منه رفع كتابه فى عليين، وبعث يوم القيامة من الآمنين، ويخرج من قبره ووجه يتلألأ حتى يقول أهل الجمع هذا نبى مصطفى، وأن أدنى ما يعطى أن يدخل الجنة بغير حساب، ومن صام عشرة فبخ بخ له مثل ذلك وعشرة أضعافه، وهو ممن يبدل الله -عز وجل -سيئاته حسنات ويكون من المقربين لله بالقسط، وكمن عبد الله ألف عام صائما قائما محتسبا، ومن صام عشرين يوما كان له مثل ذلك وعشرون ضعفا، وهوممن يزاحم خليل الله فى قبته، ويشفع فى مثل ربيعة ومضر، كلهم من أهل الخطايا والذنوب، ومن صام ثلاثين يوما كان له من جميع ذلك ثلاثين ضعفا، ونادى مناد من السماء أبشر يا ولى الله بالكرامة العظمى، والكرامة :النظر إلى وجه الله الجليل فى مرافقة النبيين والصديقين، والشهداء والصالحين، وحسن أولئك رفيقا .طوبى لك طوبى لك ثلاث مرات، غدا إذا انكشف الغطاء 'فأفضيت إلى جسيم ثواب ربك الكريم .فإذا نزل به الموت سقاه ربه عند خروج نفسه شربة من حياض القدس، ويهون سكرة الموت، حتى ما يجد للموت ألماً، ويطلع فى قبره رياه، ويظل فى الموقف ريان، حتى يرد حوض النبى صلى الله عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے مستحب ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ [۱]

خلاصہ یہ ہے کہ رجب یا اس کی کسی خاص تاریخ کے روزوں کی جو مختلف اور عجیب وغریب فضائل والی احادیث وارد ہیں وہ ضعیف یا موضوع ومن گھڑت ہیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وسلم وإذا خرج من قبره شيعه سبعون ألفاً من النجائب من الدر والياقوت، ومعهم الطرائف والحلى والحلل، فيقولون :يا ولى الله .التجىء إلى ربك الذى أظميت له نهارك، وانحلت له جسمك، فهو من أول الناس دخول جنات عدن يوم القيامة مع الفائزين الذين رضى الله عنهم ورضوا عنه . ذلك هو الفوز العظيم .فإن كان له في كل يوم يصوم على قدر قوته .فتصدق به فهيهات هيهات - ثلاثا -لو اجتمع الخلائق على أن يقدر وأقدر ما أعطى ذلك العبد من الثواب، ما بلغوا معشار العشر مما أعطى ذلك العبد من الثواب.قلت:وهذا حديث موضوع ظاهر الوضع .قبح الله من وضعه (ايضاً، الحديث التاسع والعشرون،ص ۴۵،۴۶)

[۱] ولم يثبت فى صوم رجب نهى ولاندب لعينه ولكن اصل الصوم مندوب اليه وفى سنن ابى داوٗد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ندب الى الصوم من الاشهر الحرم ورجب احدها والله اعلم (نووى شرح مسلم ج ۸ ص ۳۹،كتاب الصيام،باب صيام النبى صلى الله عليه وسلم فى غير رمضان)

وقال النووى فى زيادات الروضة افضل الاشهر للصوم بعدرمضان الاشهر الحرم ذوالقعده وذوالحجة والمحرم ورجب وافضلها المحرم ويلى المحرم فى الفضيلة شعبان وقال صاحب البحر رجب افضل الحرم وليس كماقال اهـ (فتح الملهم شرح صحيح مسلم ج ۳ ص ۱۸۶، للعلامه شبير احمد عثمانى رحمه الله)

فى المواهب اللدنية وشرحه اماشهر رجب بخصوصه وقد قال بعض الشافعيةانه افضل من سائر الشهور وضعفه النووى وغيره فلم يعلم انه صلى الله عليه وسلم صامه بل روى عنه من حديث ابن عباس مماصحح وقفه على ابن عباس انه نهى عن صيامه رواه ابن ماجه باسناد قال الذهبى لايصح فيه راوضعيف متروك لكن فى سنن ابى داوٗدمن حديث مجيبة الباهلية عن ابيها اوعمها مايدل على ان النبى صلى الله عليه وسلم ندب الى الصوم من الاشهر الحرم ورجب احدها فيندب صومه(فتح الملهم شرح صحيح مسلم ج ۳ ص ۱۷۵، للعلامه شبير احمد عثمانى رحمه الله)

واما قوله : وكل حديث فى ذكرصوم رجب وصلاة بعض الليالى فيه فهوكذب مفترى ففيه بحث اذ قدورد فى صيام رجب احاديث متعددة ولوكانت ضعيفة لكنهايتقوى بعضها ببعض وقد اوردت نبذا منها فى رسالتى "الادب فى رجب" و"القوام للصوام" ايضانعم بعض ماورد فيه موضوع (الموضوعات الكبرىٰ لملا على القارى ص ۳۲۹)

واماحديث صوم رجب فقال بعض الحفاظ انها موضوعة ،قال ابن حجر قال ائمتنا افضل الاشهر لصوم التطوع المحرم ثم بقية الحرم رجب وذى الحجة وذى القعدة (مرقاة شرح مشكوٰة ج ۴ ص ۱۴۱۱،كتاب الصوم،باب صيام التطوع)

لیکن رجب کے مہینے یا اس کے روزوں کی مستحب درجہ میں فضیلت شریعت کے ایک اصول اور کلیہ کے تحت داخل ہے، اور وہ ماہِ رجب کا حرمت وعظمت والے مہینوں میں سے ہونا ہے، اور اسی حیثیت سے اس مہینہ میں نفل روزے رکھنا مستحب ہے، مگر دن یا تعداد کوئی متعین نہیں، جس دن اور جتنے روزے رکھنے کی توفیق ہو جائے، غنیمت وسعادت ہے۔ [1]

---

[1] قال ابن حجر الهيتمى (المتوفى ۹۷۴ هـ) فى فتاواه :

ويوافقه افتاء العز بن عبدالسلام فانه سئل عمانقل عن بعض المحدثين من منع صوم رجب وتعظيم حرمته وهل يصح نذر صوم جميعه فقال فى جوابه نذر صومه صحيح لازم يتقرب الى اللّٰهتعالىٰ بمثله والذى نهى عن صومه جاهل بمأخذ احكام الشرع وكيف يكون منهيا عنه مع ان العلماء الذين دونوا الشريعة لم يذكراحدمنهم اندراجه فيما يكره صومه بل يكون صومه قربة الى الله تعالىٰ (بعد اسطر) وكان داوديصوم من غير تقييد بماعدارجبا من الشهوروم ن عظم رجبا بجهة غير ماكانت الجاهلية يعظمونه به فليس مقتديابهم وليس كل مافعلوه منهيا عن فعله الااذانهت الشريعة عنه اودلت القواعد على تركه ولايترك الحق لكون اهل الباطل فعلوه والذى ينهى عن صومه جاهل معروف بالجهل ولايحل لمسلم ان يقلده فى دينه اذلايجوز التقليد الا لمن اشتهربالمعرفة باحكام اللّٰه تعالىٰ وبمأخذها والذى يضاف اليه ذلک بعيد عن معرفة دين اللّٰهتعالىٰ فلا يقلد فيه ومن قلده غربدينه اه ..(وبعداسطر)..واشارالى انه يكفى فى فضل صوم رجب ماوردمن الاحاديث الدالة على فضل مطلق الصوم وخصوصه فى الاشهر الحرم ..(وبعداسطر)..لانه من الاشهرالحرم بل هومن افضلها فقول هذالجاهل ان احاديث صوم رجب موضوعة ان ارادبه مايشمل الاحاديث الدالة على صومه عموما وخصوصا فكذب منه وبهتان فليتب عن ذلک والاعزرعليه التعزيرالبليغ نعم روى فى فضل صومه احاديث كثيرة موضوعةوائمتناوغيرهم لم يعولوا فى ندب صومه عليها حاشاهم من ذلک وانما عولوا على ماقدمته وغيره ومنه مارواه البيهقى فى الشعب عن انس يرفعه ان فى الجنة نهرا يقال له رجب اشد بياضا من اللبن واحلى من العسل من صام من رجب يوما سقاه اللّٰه من ذلک النهر وروى عن عبداللّٰه بن سعيد عن ابيه يرفعه من صام يوما من رجب كان كصيام سنة ومن صام سبعة ايام غلقت عنه ابواب جهنم ومن صام ثمانية ايام فتحت له ثمانية ابواب الجنةومن صام عشرة ايام لم يسال اللّٰه شيئًا الا اعطاه اياه ومن صام خمسة عشريوما نادى مناد من السماء قد غفرلک ماسلف فاستانف العمل وقد بدلت سياتک حسنات ومن زاد زاده اللّٰه ثم نقل عن شيخه الحاكم ان الحديث الاول موقوف على ابى قلابة وهو من التابعين فمثله لايقوله الاعن بلاغ عمن قوله ممايأتيه الوحى ثم روى عن ابى هريرة ان النبى صلى الله عليه وسلم لم يصم بعد رمضان الارجب وشعبان ثم قال اسناده ضعيف اه قدتقرران الحديث الضعيف والمرسل والمنقطع والمعضل والموقوف يعمل بها فى فضائل الاعمال اجماعا ولاشک ان صوم رجب من فضائل الاعمال فيكتفى فيه بالاحاديث الضعيفةونحوهاولاينكرذلک الاجاهل مغرور وروى الازدى فى الضعفاء من حديث السنن من صام ثلاثة ايام من شهر حرام الخميس والجمعة والسبت كتب اللّٰه له عبادة سبعمائة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی رجب کی کسی مخصوص تاریخ میں ایسی فضیلت کا قائل ہو جو کہ معتبر سند سے ثابت نہیں جیسا کہ ستائیس رجب کے روزے کے بارے میں بہت سے لوگوں کا ہزار روزوں کے برابر کی فضیلت کا عقیدہ ہے، تو وہ درست نہیں، البتہ اس قسم کی فضیلت کا عقیدہ رکھے بغیر کسی تاریخ میں بھی مستحب سمجھتے ہوئے روزہ رکھ لیا جائے تو اس کے جائز بلکہ مستحب ہونے میں کوئی شبہ نہ ہوگا۔

اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ایک تو ماہِ رجب کے عام روزے کی فضیلت اور اس کے ثبوت کا مسئلہ ہے اور دوسرا مسئلہ خاص ستائیس رجب کے روزے کی فضیلت کا ہے، جس کو عوام ہزاروی روزہ کہتے ہیں، اور یہ دونوں مسئلے الگ الگ ہیں، دونوں میں خلط ملط ہو جانے کی وجہ سے بعض اوقات اہلِ علم حضرات بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا دونوں مسئلوں کو الگ الگ رکھنا چاہئے۔

ماہِ رجب کے مطلق اور عام روزوں کے مستحب ہونے کا حکم تفصیل کے ساتھ ہم نے ماقبل میں ذکر کر دیا ہے۔

جہاں تک خاص ستائیس رجب کے روزے اور اس کی فضیلت کا معاملہ ہے تو اس پر کلام ستائیس رجب کے منکرات اور رسموں کے ذیل میں آگے مستقل عنوان ''ہزاری روزہ'' کے تحت آ رہا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عام(الفتاویٰ الکبری الفقهية ج ۲ ص ۵۴تا۵۵ ،ملخصاً،مطبوعه بيروت)

واماشهررجب فقد قال بعض ائمتنا انه افضل من سائر الشهورلكنها مقالة ضعيفة بل لم يصح انه صلى الله عليه وسلم صامه بل روى ابن ماجه عن ابن عباس انه صلى الله عليه وسلم نهى عن صيامه لكن الصحيح وقفه على ابن عباس وحينئذٍفلاشاهد فى ذلك لكراهة صوم رجب خلافالمن وردعليه بل روى ابوداؤد انه صلى الله عليه وسلم ندب الصوم فى الاشهرالحرم ورجب احدها وروى ابوداؤد وغيره عن عروة انه قال لعبدالله بن عمرهل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصوم فى رجب قال نعم ويشرفه قالهاثلاثا وقد قال ابوقلابة ان فى الجنة قصرصوام رجب قال البيهقى ابوقلابة من كبارالتابعين لايقوله الاعن بلاغ فثبت ندب صومه وانه ليس مكروها وان القول بالكراهة فاسدبل غلط بل قدعلمت فضل صوم شعبان ومع ذلك صوم رجب افضل منه اذالمعتمد ان افضل الشهور بعدرمضان المحرم ثم بقية الحرم ثم شعبان (الفتاوىٰ الكبرىٰ الفقهية لابن حجر الهيتمى ج ۲ ص ۶۹ ، مطبوعه بيروت)

ماہِ رجب کی بدعات ومنکرات

اب ماہِ رجب کے حوالے سے بعض بدعات اور منکرات کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے، کیونکہ بدعات ومنکرات کے مل جانے سے ایک مستحب عمل بھی گناہ کے زمرے میں داخل ہوجاتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی اس مہینہ میں بعض رسمیں انجام دی جاتی تھیں، شریعت نے ان کو ختم کردیا اور آج بھی اس مہینہ کی نسبت سے کئی رسمیں لوگوں میں رائج ہیں۔

ذیل میں ان پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

(۱)......رجب یا اس کی مخصوص راتوں کے غیر مستند فضائل

ماہِ رجب کی فضیلت کے بارے میں چند اصولی باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، ورنہ ''نیکی برباد گناہ لازم'' کا مصداق بن جاتا ہے۔

(۱)...... ماہِ رجب سال کے چار عظمت والے مہینوں میں سے ہے، لہٰذا یہ فضیلت والا مہینہ ہے، جس میں دن اور رات کے سب اوقات داخل ہیں، اور اس میں عبادت کی فضیلت ہے، لیکن شریعت کی طرف سے اس کے لئے کوئی مخصوص عبادت مقرر نہیں کی گئی۔

بعض لوگ ماہِ رجب کی فضیلت اور اس مہینہ یا اس کی مخصوص تاریخوں کے بارے میں مختلف مخصوص عبادات سے متعلق موضوع اور منگھڑت روایات کا سہارا لے کر عجیب وغریب فضائل بیان کرتے ہیں، جن کو محدثین نے بے اصل اور منگھڑت قرار دیا ہے۔

لہٰذا اس قسم کی بے سند اور بے اصل باتوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔ [۱]

---

[۱] (۱)...... حدیث :رجب شهر الله، وشعبان شهرى، ورمضان شهر أمتى ."رواه أبو بكر النقاش المفسر، أنبأنا أحمد بن العباس الطبرى، أنبأنا الكسائى، أنبأنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن علقمة، عن أبى سعيد الخدرى.وهو سند مركب، ولا يعرف لعلقمة سماع من أبى سعيد، والكسائى المذكور فى السند لا يدرى من هو، وليس هو على بن حمزة المقدسى؛ فإنه أقدم من هذه الطبقة بكثير .والعهدة فى هذا الإسناد على النقاش(تبيين العجب فيما فى فضل رجب لابن حجر، الحديث السابع،ص ۲۰، ۲۱)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)......رجب کے مہینے کی کوئی خاص عبادت مقرر نہیں، بلکہ نفل نماز، تلاوت، ذکر، استغفار، درود شریف، دعا اور ہر قسم کی نفلی عبادات کرنے کا اختیار ہے، جس میں حسبِ استطاعت نفلی روزے بھی داخل ہیں، اور ہر ایک اپنی حسبِ منشاء جتنی اور جونسی چاہے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هذا حديث موضوع على رسول الله -صلى الله عليه وسلم ، والنقاش هذا هو مؤلف كتاب "شِفاءِ الصدور "وقدُ ملأ أكثره بالكذب وَالزور(أداء ما وجب من بيان وضع الوضاعين فى رجب ،لابى الخطاب عمر بن حسن الأندلسى الشهير بابن دحية الكلبى)

(۲)...... عن أنس، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :خيرة الله من الشهور شهر رجب، وهو شهر الله، من عظم شهر رجب فقد عظم أمر الله أدخله جنات النعيم، وأوجب له رضوانه الأكبر، وشعبان شهرى، فمن عظم شهر شعبان فقد عظم أمرى، ومن عظم أمرى كنت له فرطا وذخرا يوم القيامة، وشهر رمضان شهر أمتى، فمن عظم شهر رمضان، وعظم حرمته، ولم ينتهكه، وصام نهاره، وقام ليله، وحفظ جوارحه، خرج من رمضان وليس عليه ذنب يطالبه الله تعالى به .قال البيهقى :هذا حديث منكر بمرة .قلت:بل هو موضوع ظاهر الوضع، بل هو من وضع نوح الجامع، وهو أبو عصمة الذى قال عنه المبارك، لما ذكره لوكيع عندنا شيخ يقال له :أبو عصمة، كان يضع الحديث، وهو الذى كانوا يقولون فيه :نوح الجامع جمع كل شيء إلا الصدق، وقال الخليلى : أجمعوا على ضعفه(ايضاً، الحديث السابع،ص ۲۴)

(۳)...... عن أنس، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" :فضل شهر رجب على سائر الشهور كفضل القرآن على سائر الأذكار، وفضل شعبان على سائر الشهور، كفضل محمد على سائر الأنبياء ، وفضل رمضان على سائر الشهور، كفضل الله على عباده ."ورجال هذا الإسناد ثقات، إلا السقطى فهو الآفة، وكان مشهورا بوضع الحديث، وتركيب الأسانيد، ولم يحدث واحد من رجال هذا الإسناد بهذا الحديث قط(ايضاً، الحديث الثامن،ص ۲۵)

(۴)...... حديث رجب، شهر الله ويدعى الأصم، وكان أهل الجاهلية إذا دخل رجب يعطلون أسلحتهم ويضعونها، فكان الناس يأمنون وتأمن السبل ولا يخافون بعضهم بعض حتى ينقضى .وهذا وإن كان معناه صحيحا فإنه لا يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم .رواه عيسى غنجار، عن أبان بن سفيان، عن غالب بن عبيد الله، عن عطاء ، عن عائشة، وأبان وغالب معروفان بوضع الحديث(ايضاً، الحديث التاسع،ص ۲۵،۲۶)

(۵)...... حديث" :من فرج عن مؤمن كربة فى رجب أعطاه الله تعالى فى الفردوس قصرا مد بصره، أكرموا رجبا يكرمكم الله بألف كرامة .وهو متن لا أصل له بل اختلقه أبو البركات هبة الله بن المبارك السقطى -لا بارك الله فيه -ووضع إسنادا رجاله ثقات، فقال:أخبرنا أبو غانم :محمد بن الحسن، أخبرنا على بن وصيف، حدثنا البغوى، أنبأنا خلف بن هشام، حدثنا أبو الأحوص، عن أبى إسحاق، عن عطاء ، عن عبد الله بن الزبير مرفوعا(ايضاً، الحديث الثانى عشر،ص ۲۷،۲۸)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عبادت کرنے میں آزاد ہے، نہ تو ایک دوسرے کا پابند ہے اور نہ خاص طریقہ کی کوئی عبادت ماہِ رجب یا اس کی راتوں کے لئے مقرر ہے، اور اس سلسلہ میں جو بعض روایات میں مخصوص طریقہ پر عبادت کرنے کا ذکر آیا ہے، وہ روایات محدثین کے نزدیک بے اصل ہیں۔ [۱]

(۳)......بعض لوگ رجب کی دس تاریخ یا پندرہ تاریخ کو یا رجب کی پہلی شبِ جمعہ کو دوسرے دنوں اور راتوں کی بنسبت زیادہ افضل سمجھتے ہیں، اور ان تاریخوں میں مختلف اعمال انجام دیتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(٦)......عن أنس بن مالک، قال :خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل رجب بجمعة، فقال : أيها الناس، إنه قد أظلكم شهر عظيم، شهر رجب، شهر الله، الأصم، تضاعف فيه الحسنات، وتستجاب فيه الدعوات، ويفرج عن الكربات، لا يرد فيه للمؤمنين دعوة، فمن اكتسب فيه خيراً ضوعف له فيه أضعافاً مضاعفة، والله يضاعف لمن يشاء .فعليكم بقيام ليله، وصيام نهاره، فمن صلى في يوم فيه خمسين صلاة يقرأ في كل ركعة ما تيسر من القرآن، أعطاه الله من الحسنات بعد الشفع والوتر، وبعد الشعر والوبر، ومن صام يوماً منه كتب له به صيام سنة، ومن خزن فيه لسانه لقنه الله حجته عند مساء لة منكر ونكير، ومن تصدق فيه بصدقة كان بها فكاك رقبته من النار، ومن وصل فيه رحمه وصله الله في الدنيا والآخرة، ونصره على أعدائه أيام حيانه، ومن عاد فيه مريضاً أمر الله كرام ملائكته بزيارته والتسليم عليه، ومن صلى فيه على جنازة فكأنما أحيا مؤودة، ومن أطعم مؤمناً فيه طعاما أجلسه الله يوم القيامة على مائدة عليها إبراهيم ومحمد، ومن سقى فيه شربة ماء سقاه الله من الرحيق المختوم، ومن كسا فيه مؤمناً كساه الله ألف حلة من حلل الجنة، ومن أكرم فيه يتيما، ومسح يده على رأسه غفر الله له بعدد كل شعرة مستها يده، ومن استغفر الله فيه مرة واحدة غفر الله له، ومن سبح الله تسبيحة أو هلل تهليلة كتب عند الله من الذاكرين الله كثيراً والذاكرات، ومن ختم فيه القرآن مرة واحدة ألبس هو ووالده يوم القيامة كل واحد منهم تاج مكلل باللؤلؤ والمرجان وأمن فزع يوم القيامة وهذا حديث موضوع وإسناده مجهول(ايضاً، الحديث الثالث والعشرون، ص ۴۱، ۴۲)

[۱] عن أنس بن مالک، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من صلى المغرب من أول ليلة من رجب، ثم صلى بعدها عشرين ركعة، يقرأ في كل ركعة بفاتحة الكتاب، وقل هو الله أحد مرة، ويسلم فيهن عشر تسليمات، أتدرون ما ثوابه؟ فإن الروح الأمين جبريل علمني ذلک، قلنا: الله ورسوله أعلم، قال :حفظه الله في نفسه وأهله وماله وولده، وأجير من عذاب القبر، وجاز على الصراط كالبرق بغير حساب ولا عذاب(تبيين العجب فيما في فضل رجب لابن حجر، الحديث الخامس عشر، ص ۳۰، ۳۱)

جن کی کوئی اصل نہیں، اوراس سلسلہ میں جو بعض روایات پیش کی جاتی ہیں، ان کی کوئی معتبر سند و بنیاد نہیں۔

اسی طرح بہت سے لوگ رجب کے مہینے کی ستائیسویں رات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، اوراس کو معراج کی رات قرار دیتے ہیں۔

حالانکہ ستائیسویں رات کا معراج کی رات ہونا یقینی نہیں، اوراس رات میں کوئی مخصوص عبادت بھی مقرر نہیں، جس کی تفصیل آگے مستقل عنوان کے تحت آتی ہے۔[1]

(۴)...... یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ نفلی عبادت مساجد وغیرہ میں جمع ہو کر کرنے کے بجائے تنہائی میں کرنے کا حکم ہے۔

لہٰذا اس کے لئے مجمع اور محفلیں جمانے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

---

[1] فائدة قد كنت لما سافرت من الوطن مع الوالدين المرحومين إلى حيدر آباد الدكن فى سنة أربع وثمانين بعد الألف والمائتين من الهجرة على صاحبها أفضل الصلوات والتحية دخلت بلدة حيدر آباد فى اليوم الخامس عشر من رجب فلقينى بعض مشايخها وقال مرحبا نعم المجىء جئت ما أحسن وصولک فى اليوم المبارک يوم الاستفتاح فقلت فى نفسى لعل لهذا اليوم فضلا ثابتا بالرويات ثم طلبت ذلک من مظانه فلم أجد لذلک أصلا ثم وقفت على كلام الشيخ الدهلوى فى ما ثبت بالسنة اعلم أنا لم نجد فى كتب الأحاديث لا إثباتا ولا نفيا ما اشتهر بينهم من تخصيص الخامس عشر من رجب بالتعظيم والصوم والصلاة وتسميته بيوم الاستفتاح وتسميته بمريم دوزه انتهى فعلمت أنه ليس إلا من جنس الأمور المشهورة بين الصوفية مما ليس له أصل فى كتب الشريعة(الآثار المرفوعة فى الأخبار الموضوعةللكنوى،ص۷۸،مكتبة الشرق الجديد -بغداد)

عن أنس بن مالک، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من صلى ليلة النصف من رجب، أربع عشرة ركعة، يقرأ فى كل ركعة الحمد مرة، وقل هو الله أحد إحدى عشرة مرة، وقل أعوذ برب الناس ثلاث مرات فإذا فرغ من صلاته صلى عليّ عشر مرات، ثم يسبح الله ويحمده، ويكبره ويهلله ثلاثين مرة، بعث الله إليه ألف ملک، يكتبون له الحسنات، ويغرسون له الأشجار فى الفردوس، ومحى عنه كل ذنب أصابه إلى تلک الليلة ولم يكتب عليه إلا مثلها من القابل، ويكتب له بكل حرف قرأ فى هذه الصلاة سبعمائة حسنة، وبنى له بكل ركوع وسجود عشرة قصور فى الجنة من زبرجد أخضر وأعطى بكل ركعة عشر مدائن فى الجنة ملک فيضع يده بين كتفيه، فيقول له .استأنف العمل .فقد غفر لک ما تقدم من ذنبک.

قال المصنف :وهذا موضوع، ورواته مجهولون .ولا يخفى تركيب إسناده ورجالة .والظاهر أنه من عمل الحسين بن إبراهيم(تبيين العجب فيما فى فضل رجب لابن حجر،الحديث التاسع عاشر ، ص۳۷،۳۸)

(۵)...... پورے مہینے، اور سارے دن اور ساری رات عبادت کرنا ضروری نہیں، بلکہ جس وقت اور جتنی بھی توفیق ہو جائے، غنیمت ہے۔

(۶)...... یہ نفلی عبادت ہے، لہٰذا اس کی خاطر کسی فرض، واجب کو چھوڑنا جائز نہیں، بلکہ ایسا کرنا نفسانی وشیطانی چالبازی ہے، مثلاً رات کو عبادت میں مصروف رہ کر فجر کی نماز کو قضا کر دینا۔

(۷)...... اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر عمل کے قبول ہونے کے لئے اخلاص ضروری ہے، لہٰذا ریاء کاری کے ساتھ عبادت کرنے سے بچنا چاہئے۔

(۸)......بعض لوگ رجب کی مخصوص راتوں میں مخصوص کھانے بناتے ہیں، اور مختلف تکلّفات کرتے ہیں، اور بعض لوگ مخصوص قسم کی نمازیں پڑھتے ہیں، اور ان اغراض کے لئے اجتماع کا اہتمام کرتے ہیں، اور غیر ضروری روشنیاں اور قمقمے لگاتے ہیں، یہ سب چیزیں غیر شرعی ہیں، ان سے بچنا چاہئے۔

اسی طرح اس مہینے کی مخصوص تاریخوں میں کونڈے وغیرہ کی رسم بھی غیر شرعی ہے، اس سے بھی بچنا چاہئے، جس پر تفصیلی کلام آگے آتا ہے۔ [1]

---

[1] الْـمَـرْتَبَةُ الثَّانِيَةُ الْـمَـوَاسِـمُ الَّتِـى نَسَبُوهَا إلَى الشَّرْعِ وَلَيْسَتْ مِنْهُ فَمِنْهَا أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَجَبٍ فَيَتَـكَـلَّـفُـونَ فِيـهِ الـنَّـفَقَاتِ، وَالْحَلَاوَاتِ الْمُحْتَوِيَةِ عَلَى الصُّوَرِ الْمُحَرَّمَةِ شَرْعًا لِقَوْلِهِ -عَـلَيْـهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ :-مَـنْ صَـوَّرَ صُـورَـةً، فَإِنَّ اللَّهَ يُعَذِّبُهُ حَتَّى يَنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيهَا أَبَدًا(المدخل لابن الحاج، ج ا ص ۲۹۱)

ومـن البدع التى أحدثوها فى هذا الشهر الكريم :أن أول ليـلة جمعة منه يصلون فى تلك الليلة فى الـجـوامـع، والـمـسـاجـد صلاة الرغائب، ويجتمعون فى بعض جوامع الأمصار ومساجدها ويفعلون هـذه البدعة ويظهرونها فى مساجد الجماعات بإمام وجماعة كأنها صلاة مشروعة، وانضم إلى هذه البدعة مفاسد محرمة، وهى اجتماع النساء ، والرجال فى الليل على ما علم من اجتماعهم وأنه لا بد أن يـكـون مع ذلك ما لا ينبغى مع زيادة وقود القناديل وغيرها .وفـى زيادة وقودها إضاعة المال لا سيـمـا إذا كـان الـزيـت مـن الـوقف فيـكون ذلك جرحة فى حق الناظر لا سيما إن كان الواقف لم يذكره، وإن ذكره لم يعتبر شرعا.وزيادة الوقود مع ما فيه من إضاعة المال كما تقدم سبب لاجتماع مـن لا خيـر فيـه، ومـن حـضـر مـن أربـاب المناصب الدينية عالما بذلك فهو جرحة فى حقه إلا أن يتوب، وأما إن حضر ليغير وهو قادر بشرطه فيا حبذا، وقد ذكر الإمام أبو بكر الفهرى المعروف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)......زمانۂ جاہلیت اور رجب کی قربانی

زمانۂ جاہلیت میں رجب کے مہینہ میں لوگ اپنے بتوں کے نام پر جانور کی قربانی کیا کرتے تھے، جس کا نام ''عتیرہ'' تھا، اور اسی نسبت سے رجب کے مہینہ کو عتیرہ کا مہینہ بھی کہا جاتا تھا۔ [۱]

مگر اسلام نے اس قربانی کو ختم فرما دیا۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالطرطوشی -رحمه الله تعالى -تقبيح اجتماعهم وفعلهم صلاة الرغائب في جماعة، وأعظم النكير على فاعل ذلك، وقال في كتابه :إنها بدعة قريبة العهد حدثت في زمانه وأول ما حدثت في المسجد الأقصى أحدثها فلان سماه فالتمسه هناك هذا قوله فيها، وهي على دون ما يفعلونه اليوم مما تقدم ذكره، فإن قال قائل قد ورد الحديث عن النبي -صلى الله عليه وسلم -في الندب إلى هذه الصلاة ذكره أبو حامد الغزالي -رحمه الله تعالى -في كتاب الإحياء له فالجواب أن الكلام إنما وقع على فعلها في المساجد وإظهارها في الجماعات، وما اشتملت عليه مما لا ينبغي كما تقدم، وأما الرجل يفعلها في خاصة نفسه فيصليها سرا كسائر النوافل فله ذلك ويكره له أن يتخذها سنة دائمة لا بد من فعلها؛ لأن هذه الأحاديث الواردة في فضائل الأعمال بالسند الضعيف قد قال العلماء فيها :إنه يجوز العمل بها ولكنها لا تفعل على الدوام فإنه إذا عمل بها، ولو مرة واحدة في عمره، فإن يكن الحديث صحيحا، فقد امتثل الأمر به، وإن يكن الحديث في سنده مطعن يقدح فيه فلا يضره ما فعل؛ لأنه إنما فعل خيرا ولم يجعله شعيرة ظاهرة من شعائر الدين كقيام رمضان وغيره هذا الكلام على صفة الجمع في العمل بالحديث الصحيح، والحديث الذي أشكل علينا صحته، وأما مذهب مالك -رحمه الله تعالى :-فإن صلاة الرغائب مكروه فعلها، وذلك جار على قاعدة مذهبه؛ لأن تكرير قراءة السورة الواحدة في ركعة واحدة يمنعها؛ لأنه لم يكن من فعل من مضى، والخير كله في الاتباع لهم -رضي الله عنهم (المدخل لابن الحاج، ج ۱ ص ۲۹۳، ۲۹۴ ،من البدع المحدثة صلاة الرغائب في الجمعة الأولى من رجب)

[۱] كان يُسمى في الجاهلية شهر العتيرة، وذلك من فساد السريرة، ترجم البخاري في "صحيحه "في آخر كتاب العقيقة باب العتيرة :حدثنا علي بن عبد الله قال :حدثنا سفيان قال الزهري، عن سعيد بن المسيب، عنْ أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال "لا فَرَع وَلا عتيرة "قال: وَالفرع أول نِتاج كان ينتجُ لهم كانوا يذبحونه لطواغيتهم، والعتيرة في رجب العِتْرُ بكسر العين العتيرة وهي شاة كانوا يذبحونها في رجب لآلهتهم(أداء ما وجب من بيان وضع الوضاعين في رجب،لأبي الخطاب عمر بن حسن الأندلسي الشهير بابن دحية الكلبي، ص ۳۵،۳۶،المكتب الاسلامي، بيروت)

لَافَرَعَ وَلَاعَتِيرَةَ وَالْفَرَعُ اَوَّلُ النِّتَاجِ كَانُوْا يَذْبَحُوْنَهُ لِطَوَاغِيْتِهِمْ وَالْعَتِيرَةُ فِيْ رَجَبٍ (بخاری) [1]

ترجمہ: نہ تو فرع (کی رسم) کا وجود ہے اور نہ ہی عتیرہ (کی رسم) کا وجود ہے، اور فرع اونٹنی کے سب سے پہلے اس بچے کو کہتے ہیں جو مشرکین اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اور عتیرہ اس قربانی کو کہتے ہیں جو رجب کے مہینے میں کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَتِيرَةَ فِى الْإِسْلَامِ، وَلَا فَرَعَ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام میں نہ تو عتیرہ (کی رسم) کا وجود ہے، اور نہ فرع (کی رسم) کا وجود ہے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْفَرَعِ، وَالْعَتِيرَةِ (نسائی، حدیث نمبر ۴۲۲۳، كتاب الفرع والعتيرة، مكتب المطبوعات الإسلامية -حلب)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرع اور عتیرہ کی رسم سے منع فرمایا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے اِن الفاظ میں روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا فَرَعَةَ، وَلَا عَتِيرَةَ (سنن ابنِ ماجه) [3]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو فرع (کی رسم) کا وجود ہے، اور نہ

---

[1] حديث نمبر ۵۴۷۳، كتاب العقيقة ،باب الفرع، دار طوق النجاة، بيروت.

[2] حديث نمبر ۷۱۳۵، مؤسسة الرسالة،بيروت.
حديث صحيح، وهذا إسناد صحيح على شرط الشيخين إن كان هشيم سمعه من الزهري، وإن كان الواسطة بينهما سفيان بن حسين، فالإسناد ضعيف، لأن سفيان بن حسين ضعيف في الزهري خاصة، ومع ذلك، فهو متابع(حاشية مسند احمد)

[3] حديث نمبر ۳۱۶۹، كتاب الذبائح، باب الفرعة والعتيرة.

عتیرہ (کی رسم) کا وجود ہے (ترجمہ ختم)

امام ترمذی رحمہ اللہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث نقل کرکے فرماتے ہیں کہ:

وَالعَتِيرَةُ :ذَبِيحَةٌ كَانُوا يَذْبَحُونَهَا فِي رَجَبٍ يُعَظِّمُونَ شَهْرَ رَجَبٍ لِأَنَّهُ أَوَّلُ شَهْرٍ مِنْ أَشْهُرِ الْحُرُمِ، وَأَشْهُرِ الْحُرُمِ :رَجَبٌ، وَذُو الْقَعْدَةِ، وَذُو الْحِجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ(ترمذی) [1]

ترجمہ: اور عتیرہ اس قربانی کا نام ہے، جس کو لوگ رجب کے مہینے کی تعظیم کے طور پر ذبح کرتے تھے، کیونکہ وہ عظمت والے مہینوں میں سے پہلا مہینہ ہے، اور عظمت والے مہینے یہ ہیں، رجب، اور ذوالقعدہ اور ذوالحجہ اور محرم (ترجمہ ختم)

جاہلیت کے زمانے میں یہ رواج تھا کہ جب کسی کی اونٹنی کے پہلا بچہ پیدا ہوتا تو وہ لوگ اس پہلے بچے کو اپنے بتوں کے نام پر قربان کیا کرتے تھے۔

جب اسلام آیا تو بتوں کے نام پر قربانی بند ہوگئی، لیکن پھر اس بچے کو اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے، اس کو ''فرع'' کہتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ''لافرع'' فرما کر اس کو ختم فرمادیا کہ اب اس کی مشروعیت باقی نہیں رہی۔

اور ''عتیرہ'' اس قربانی کو کہا جاتا تھا جو جاہلیت کے زمانے میں رجب کے مہینے میں کی جاتی تھی، اور یہ جاہلیت کے زمانے میں بتوں کے نام پر ہوتی تھی اور اسلام کے آنے کے بعد اللہ کے نام پر ہونے لگی، اس کو ''رجبیہ'' بھی کہا جاتا تھا۔ [2]

---

[1] حدیث نمبر ۱۵۱۲، ابواب الاضاحی، باب ما جاء فی الرخصة فی أكلها بعد ثلاث، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

[2] عَنْ مِخْنَفِ بْنِ سُلَيْمٍ، قَالَ :سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَتَيْنَاهُ فِي وَفْدِ غَامِدٍ فَقَالَ " :إِنَّ عَلَى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُضْحَاةً وَعَتِيرَةً "، قَالَ :فَقُلْنَا مَا الْعَتِيرَةُ ؟ قَالَ " :الرَّجَبِيَّةُ "قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ :فَعَقَلْنَا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ الْعَتِيرَةَ هِيَ الرَّجَبِيَّةُ (شرح مشكل الآثار للطحاوى ،حديث نمبر ۱۰۵۹، باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى العتيرة، وهل هى الرجبية أم لا ؟)

ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے جمہور فقہائے کرام نے فرمایا کہ رجب کے مہینے میں عتیرہ نام کی قربانی کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، جس کا اسلام کے ابتدائی دور میں حکم تھا۔ [1]

اور جن احادیث میں اس کا حکم مذکور ہے، وہ منسوخ ہونے سے پہلے کے دور سے متعلق ہیں۔ [2]

---

[1] "لا فَرَعَ وَلا عتيرة "وهذه أسانيدُ صحيحة لا مطعن فيها، وأن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى المؤمنين عَنْ ذلك، وأكثر فُقهاءِ الفتوى يقولون بنسخه والنهى عنه وهو الصواب لقوله - صلى الله عليه وسلم " : -لا فرع وَلا عتيرة "لأنَّ "لا "تأتى نفْياً ونهْياً، وتأتى زائدة، وتأتى بمعنَى ما، فقوله -صلى الله عليه وسلم " : -لا فَرَع ولا عتيرةَ "نفى لحقيقته لان النكرةَ فى سياق النفى تعم، قاله جميع النحويين والأصوليين، فإذا قلت :لا رجل عندى، فهو نفى لكل رجل عموماً، فقوله: "لا فَرَع ولا عتيرةَ "نفى لهما عموماً (أداء ما وجب من بيان وضع الوضاعين فى رجب، ص ۳۸، باب فى ذكر رجب، المكتب الاسلامى، بيروت)

(ولا عتيرة) : وهى شاة تذبح فى رجب، يتقرب بها أهل الجاهلية والمسلمون فى صدر الإسلام. قال الخطابى :وهذا هو الذى يشبه معنى الحديث، ويليق بحكم الدين .وأما العتيرة التى يعترها أهل الجاهلية، فهى الذبيحة التى كانت تذبح للأصنام، ويصب دمها على رأسها .فى النهاية :كانت العتيرة بالمعنى الأول فى صدر الإسلام ثم نسخ .وفى شرح السنة :كان ابن سيرين يذبح العتيرة فى رجب اهـ .ولعله ما بلغه النسخ.

(قال) أى :أبو هريرة .قال فى الأزهار .قيل :هذا التفسير من ابن شهاب، وبه قال الخطابى فى الأعلام، وقيل :من ابن رافع وهو المذكور فى كتاب مسلم، وقيل من أبى هريرة من نفسه، وقيل : من أبى هريرة رواية وهو الأقرب والأرجح، وبه قال البخارى والترمذى، ذكره ميرك(مرقاة المفاتيح، ج۳ص ۱۰۸۹ ،كتاب الصلاة ،باب العتيرة،دار الفكر، بيروت)

[2] اس پر درجِ ذیل حدیث سے اشکال ہوتا ہے:

أَخْبَرَنَا مِخْنَفُ بْنُ سُلَيْمٍ، قَالَ :وَنَحْنُ وُقُوفٌ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بعَرَفَاتٍ قَالَ :يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ عَلَى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُضْحِيَّةً وَعَتِيرَةً، أَتَدْرُونَ مَا الْعَتِيرَةُ هَذِهِ؟ الَّتِي يَقُولُ النَّاسُ الرَّجَبِيَّةُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ :الْعَتِيرَةُ مَنْسُوخَةٌ هَذَا خَبَرٌ مَنْسُوخٌ(ابوداؤد، حديث نمبر ۲۷۸۸، كتاب الضحايا، باب ما جاء فى إيجاب الأضاحى)

اس سے معلوم ہوا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ دیا اس میں آپ نے فرمایا "عَلٰى كُلِّ اَهْلِ بَيْتٍ كُلَّ عَامٍ اُضْحِيَّةٌ وَعَتِيْرَةٌ" یعنی ہر گھر والے پر ہر سال دو قربانیاں واجب ہیں۔ ایک اضحیۃ (عید الاضحیٰ والی قربانی) اور ایک عتیرۃ (رجب والی قربانی)۔ اس موقع پر آپ نے ہر سال عتیرۃ کرنے کی بھی تاکید فرمائی۔

اس اشکال کے جواب میں جمہور فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ "لاعتیرۃ" (یعنی عتیرہ کوئی چیز نہیں) والی حدیث حجۃ الوداع کے (اس) خطبے سے بھی بعد کی ہے، لہٰذا اس حدیث کے ذریعہ اس کا حکم ختم ہو گیا، امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو نقل کر کے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض صحابۂ کرام اور تابعین کے آثار سے بھی عتیرہ (یعنی رجب کی قربانی) کے منسوخ ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

"عتیرہ" کو منسوخ قرار دیا، جیسا کہ اوپر کی عبارت میں مذکور ہے، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام میں سے کسی سے بھی عتیرۃ پر عمل کرنا ثابت نہیں۔ اگر آپ نے اس کے حکم کو برقرار رکھا ہوتا تو صحابۂ کرام ضرور اس پر عمل فرماتے۔ جب صحابۂ کرام سے اس پر عمل کرنا منقول نہیں تو یہی سمجھا جائے گا کہ اس کا حکم ختم ہوگیا، اور "لاعتیرۃ" والی حدیث نے اس کو منسوخ کردیا۔

البتہ تابعین میں سے محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا عتیرۃ کرنا منقول ہے، اور اسی وجہ سے بعض فقہاء نے یہ فرمایا کہ اگرچہ عتیرۃ مسنون تو نہیں ہے لیکن اگر کوئی کرے تو جائز ہے اور "لاعتیرۃ" کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ واجب نہیں، پس اس سے جواز کی نفی کرنا مقصود نہیں۔

لیکن جمہور فقہاء کا یہ کہنا ہے کہ عتیرۃ کا حکم اب کسی حیثیت سے باقی نہیں رہا۔

وقال النووی :الصحیح عند أصحابنا وهو نص الشافعي، استحباب الفرع والعتيرة، وزعم القاضی عياض والحازمی أن حديث النهی ناسخ لأحاديث الإباحة، وعليه جماهير العلماء ، وقال ابن المنذر :ومعلوم أن النهی لا يكون إلا عن شیء قد كان يفعل، ولا نعلم أن أحدا من أهل العلم يقول : إن النبی صلی الله عليه وسلم، كان نهاهم عنهما أی :عن الفرع والعتيرة، ثم أذن فيهما(عمدة القاری شرح صحيح البخاری، ج ۲۱ ص ۸۹،كتاب العقيقة،باب الفرع،دار إحياء التراث العربی - بيروت)

واما الجمهور فقالوا: ان حديث الباب ناسخ لاحاديث الجواز اوالاستحباب ،لان النهی لايكون الا عن شيئی كان يفعل وما قال احد انه نهی عنهما ثم أذن فی فعلهما ثم انه لم ينقل عن احد من الصحابة انه فعلهما بعدالنبی صلی الله عليه وسلم وذلک دليل علی النسخ ، لان الصحابة كانوا اسبق الناس الی الخيرات ، وكذلک لم يفعلهماالتابعون الا ماحكی عن ابن سيرين(تكمله فتح الملهم ج ۳ ص ۵۸۴و ۵۸۵)

قَالَ أَبُو حَاتِمٍ :هَـذِهِ الذَّبَائِحُ الَّتِی أَبَاحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ يَفْعَلُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ إِنَّمَا هِیَ غَيْرُ الْفَرَعِ وَالْعَتِيرَةِ الْمَنْهِيِّ عَنْهُمَا فی الإسلام(صحيح ابنِ حبان، ج۱۳ ص ۲۱۱، كتاب الذبائح)

والعتيرة :فی رجب .وترجم له باب (العتيرة) . قال أبو عمرو :وهی الفرع بنصب الراء أول ولد تلده الناقة ، كانوا يذبحونه فی الجاهلية لآلهتهم فنهوا عنها .قال أبو عبيد :و أما العتيرة فهی الرجبية كان أحدهم إذا طلب أمرا نذر إن ظفر به أن يذبح من غنمه فی رجب كذا وكذا .فنسخ ذلک بعد .وكان ابن سيرين من بين سائر العلماء يذبح العتيرة فی رجب ، وكان يروی فيها شيئا لا يصح ، وأظنه حديث ابن عون ، عن أبی رملة ، عن مخنف بن سليم ، عن النبی (صلی الله عليه وسلم) أنه قال :(علی كل أهل بيت أضحی وعتيرة) ولا حجة فيه ؛ لضعفه ، ولو صح لكان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ حضرت ابواسحاق فرماتے ہیں کہ:

أَنَّ عَلِيًّا ، وَابْنَ مَسْعُوْدٍ كَانَا لَا يَرَيَانِ الْعَتِيْرَةَ(مصنف ابنِ ابی شیبۃ) ۱؎

ترجمہ: حضرت علی اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما عتیرہ کے قائل نہیں تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت قاسم سے عتیرہ کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ:

تِلْكَ الرَّجَبِيَّةُ ذَبَائِحُ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ(مصنف ابنِ ابی شیبۃ) ۲؎

ترجمہ: یہ رجبی ہے، جو کہ جاہلیت کے لوگوں کے ذبیحے ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت حسن سے مروی ہے کہ:

اَلْعَتِيْرَةُ ذَبَائِحُ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ(مصنف ابنِ ابی شیبۃ) ۳؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حديث أبي هريرة ناسخا له .والعلماء مجمعون على القول بحديث أبي هريرة(شرح صحيح البخارى ،لابن بطال، ج۵ ص۳۷۸، كتاب العقيقة ،باب الفرع)

وَأَمَّا الْعَتِيرَةُ فَذَبِيحَةٌ تُذْبَحُ فِي رَجَبٍ يَتَقَرَّبُ بِهَا أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ وَالْإِسْلَامِ فِي الصَّدْرِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ نُسِخَ فِي الْإِسْلَامِ.كَذَا فِي الْأَصْلِ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۸ص۱۹۷، كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ)

ولنا ما روى أبو هريرة، أن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال :لا فرع، ولا عتيرة. متفق عليه .وهذا الحديث متأخر عن الأمر بها، فيكون ناسخا، ودليل تأخره أمران؛ أحدهما، أن راويه أبو هريرة، وهو متأخر الإسلام، فإن إسلامه في سنة فتح خيبر، وهي السنة السابعة من الهجرة .والثاني، أن الفرع والعتيرة كان فعلهما أمرا متقدما على الإسلام، فالظاهر بقاؤهم عليه إلى حين نسخه، واستمرار النسخ من غير رفع له، ولو قدرنا تقدم النهي على الأمر بها، لكانت قد نسخت ثم نسخ ناسخها، وهذا خلاف الظاهر.

إذا ثبت هذا فإن المراد بالخبر نفي كونها سنة، لا تحريم فعلها، ولا كراهته، فلو ذبح إنسان ذبيحة في رجب، أو ذبح ولد الناقة لحاجته إلى ذلك، أو للصدقة به وإطعامه، لم يكن ذلك مكروها، والله -تعالى- أعلم(المغنى لابنِ قدامة، ج۹ ص۴۶۵، كتاب الاضاحى، فصل الفرعة والعتيرة)

وتكره أيضا العتيرة كجبيرة وهي :شاة كانت تذبح في الجاهلية لرجب .وكانت أول الإسلام ثم نسخ ذلك بالضحية(بلغة السالك لأقرب المسالك المعروف بحاشية الصاوى على الشرح الصغير، ج۲ ص۱۴۷، باب في بيان الأضحية وأحكامها)

۱؎ حديث نمبر ۲۴۸۸۲، كتاب الاطعمة، باب فى العتيرة والفرعة.

۲؎ حديث نمبر ۲۴۸۸۳، كتاب الاطعمة، باب فى العتيرة والفرعة.

۳؎ حديث نمبر ۲۴۸۸۵، كتاب الاطعمة، باب فى العتيرة والفرعة.

ترجمہ: عتیرہ جاہلیت والوں کے ذبیحے ہیں (ترجمہ ختم)

بعض جہلاء میں آج کل ایک رسم ہے کہ جانور کے پہلا بچہ پیدا ہوتو اسے شیخ عبدالقادر جیلانی کے نام پر گیارہویں کے لئے مخصوص کردیتے ہیں، یا کسی دوسرے بزرگ کے نام کی نذر کردیتے ہیں اور پھران بزرگ کے عرس وغیرہ کے موقع پراس کو پیش کرتے ہیں، اور بعض لوگ اپنے جانور کے پہلا بچہ پیدا ہونے پراس قسم کی منت بھی مان لیتے ہیں، یہ رسم بھی زمانۂ جاہلیت کی فرع نامی رسم سے ملتی جلتی ہے، اور ایمان کے لئے سخت خطرناک ہے۔

(۳)...... ماہِ رجب اور زکاۃ

بعض لوگ رجب کے مہینے کو زکاۃ کا مہینہ سمجھتے ہیں یعنی یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ زکاۃ رجب کے مہینے میں ادا کرنی چاہئے اور اسی وجہ سے اپنی زکاۃ رجب کے مہینہ میں ادا کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، خواہ زکاۃ دوسرے مہینے میں ہی کیوں نہ واجب ہورہی ہو یعنی کسی دوسرے مہینے میں زکاۃ کا سال پورا کیوں نہ ہورہا ہو اور خواہ غریبوں کو دوسرے مہینوں میں ہی ضرورت کیوں نہ ہو، مگر یہ لوگ ان تمام چیزوں کو نظر انداز کرکے رجب کے مہینے میں ہی زکاۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں۔

جبکہ شرعی اعتبار سے زکاۃ کے واجب ہونے کا تعلق رجب کے مہینہ سے نہیں ہے، بلکہ سال پورا ہونے سے ہے، یعنی جب کسی کے نصابی مال پر سال پورا ہورہا ہو، جس کو ''حولانِ حول'' کہا جاتا ہے، اس وقت زکاۃ کی ادائیگی ذمہ میں واجب ہوتی ہے، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ تمام لوگ بیک وقت صاحبِ نصاب نہیں بنا کرتے، بلکہ اس بارے میں لوگوں کے حالات مختلف ہیں، لہٰذا جس شخص کا سال جس وقت مکمل ہورہا ہو اس کو اسی وقت زکاۃ دینا چاہئے، بلا عذر تاخیر کرنا مناسب نہیں اور ہر حال میں رجب کا مہینہ متعین کرلینے میں کئی خرابیاں ہیں، مثلاً:

(۱)...... اگر کسی کے زکاۃ کا سال رجب کے مہینہ سے پہلے پورا ہورہا ہو اور وہ اس وقت زکاۃ ادا نہیں کرتا اور رجب کے انتظار میں رہتا ہے، اور اللہ نہ کرے کہ رجب کے آنے سے پہلے فوت ہوجاتا ہے تو وہ گناہ گار ہوکر فوت ہوگا اور اس کے ذمہ زکاۃ کا فریضہ باقی رہے گا۔

(۲)......اگر زکاۃ کا سال رجب کے مہینے سے پہلے پورا ہورہا ہے لیکن اس وقت زکاۃ ادا نہیں کی اور رجب کے مہینہ میں اس کا مال کسی طرح کم ہوگیا مثلاً اس نے کچھ خرچ کرلیا، اور جب رجب میں حساب کرکے زکاۃ ادا کی تو کم مال کی زکاۃ ادا کی اور جتنا مال سال پورا ہونے کے بعد خرچ ہوگیا اس کی زکاۃ ذمہ میں باقی رہی، اسی طرح اگر مال میں اضافہ ہوگیا تو بلاوجہ زیادہ مال کی زکاۃ دینی پڑی، جوکہ شرعاً لازم نہیں تھی۔

(۳)......ہر عبادت کو اس کے صحیح وقت پر ادا کرنے کا عظیم ثواب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ، اُولٰئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ"

ترجمہ: اور جو آگے بڑھنے والے ہیں (ان کا کیا کہنا) وہ آگے ہی بڑھنے والے ہیں

(ترجمہ ختم)

نیز ارشاد ہے:

"یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ"

ترجمہ: یہ لوگ نیک کاموں میں دوڑ پڑنے والے ہیں (ترجمہ ختم)

اور جب سال پورا ہونے کے بجائے اس کے بعد رجب کے مہینے میں زکاۃ دی جائے گی تو اس فضیلت سے محرومی ہوگی۔

(۴)......جب بے شمار لوگ رجب میں زکاۃ ادا کریں گے اور دوسرے دنوں میں نہیں کریں گے تو سال کے گیارہ مہینے غریبوں کو اپنی ضروریات پوری کرنے میں مشکلات کا سامنا ہوگا، اور یہ بات شریعت کے مزاج کے خلاف ہے۔

لہٰذا زکاۃ کے لئے رجب کی تخصیص کرنا غلط ہے ہر شخص کو اپنے سال پورا ہونے پر زکاۃ صحیح صحیح مصرف میں اداوخرچ کرنی چاہئے، البتہ اگر کسی کا سال رجب ہی کے مہینہ میں پورا ہورہا ہو تو پھر رجب کے مہینہ ہی میں زکاۃ ادا کرنے کی زیادہ فضیلت ہوگی (مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب "رمضان المبارک کے فضائل واحکام" ملاحظہ فرمائیں)

ایک شبہ کا جواب:......بعض لوگوں کو یہ مغالطہ ہوا ہے کہ زکاۃ معراج کی رات میں فرض کی گئی تھی

اورمعراج کا واقعہ رجب کے مہینہ میں پیش آیا تھا، لہٰذا زکاۃ کا رجب کے مہینے سے ایک خاص تعلق ثابت ہوگیا، اوراس مناسبت کی وجہ سے رجب کے مہینے میں زکاۃ ادا کرنے کی اہمیت یا فضیلت زیادہ ہوگی۔

مگر ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آگے ذکر کریں گے کہ معراج کس مہینے میں واقع ہوئی؟ خود اس بارے میں ہی اختلاف پایا جاتا ہے۔

لہٰذا رجب کے مہینے کے بارے میں قطعی وحتمی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مہینہ واقعی معراج والا مہینہ ہے، دوسرے اگر یہ بات ثابت بھی ہوجائے کہ معراج واقعی رجب کے مہینے میں واقع ہوئی تھی، تب بھی اس مہینے کو زکاۃ کے لئے مخصوص کرنے کی اجازت نہیں ہوسکتی، جیسا کہ نماز کے بارے میں ہر شخص کے لئے حکم اس کی شرائط کے ساتھ علیٰحدہ ہے یعنی مثلاً نماز بالغ ہونے پر فرض ہوتی ہے، اور سب لوگوں کے حق میں نماز فرض ہونے کا کوئی ایک مہینہ مخصوص نہیں، اور مثلاً حج کہ وہ اپنی شرائط کے ساتھ مخصوص زمانے میں فرض ہوتا ہے، اور فرض ہونے کا اس بات سے تعلق نہیں ہوتا کہ اس کی فرضیت کا حکم کون سے مہینے میں آیا تھا وغیرہ، وغیرہ۔

پس اسی طرح زکاۃ کا معاملہ ہے، کیونکہ خود شریعت نے زکاۃ کی ادائیگی کے احکام کو مستقل طور پر علیٰحدہ بیان فرمادیا ہے، جہاں رجب کے مہینے کا کوئی ذکر نہیں، لہٰذا اپنی طرف سے ایک غلط قیاس اور فلسفہ قائم کرکے شرعی احکام کی خلاف ورزی کیسے جائز ہوسکتی ہے؟ اور اگر بالفرض رجب کے مہینے میں زکاۃ کی فرضیت یا حکم نازل ہونا مان لیا جائے تو اس میں زکاۃ کی کیا تخصیص ہے؟ معراج کی رات میں تو اور بھی بہت سے احکامات ملے ہیں مثلاً نماز، تو اس طرح تو نماز بھی صرف رجب کے مہینے میں فرض ہونی چاہیئے، خواہ کسی دوسرے مہینے میں بالغ ہوا ہو۔

(۴)......تبارک کی رسم

بعض جگہ رجب کے مہینے میں جمعہ یا کسی دوسرے دن تبارک کے نام سے ایک رسم انجام دی جاتی ہے، اس رسم میں سورہ ملک مخصوص طریقہ پر پڑھی جاتی ہے اور سورہ ملک کا آغاز ''تبارک'' کے لفظ

سے ہوتا ہے اور بعض لوگ اس سورت کو ''تبارک الذی'' کی سورت بھی کہتے ہیں، اسی نسبت سے اس رسم کا نام ''تبارک کی رسم'' ہو گیا ہے۔

بعض علاقوں میں سورہ ملک مخصوص طریقہ پر مخصوص قسم کی روٹیوں پر ایصالِ ثواب کے طور پر پڑھی جاتی ہے اور پھر ان روٹیوں کو برکت کا ذریعہ اور تبرک سمجھ کر تناول کیا جاتا ہے۔

مگر اس رسم کا قرآن وحدیث، صحابۂ کرام اور فقہائے عظام سے کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ یہ لوگوں کی اپنی خودساختہ رسم اور بدعت ہے، جس کا کرنا ثواب نہیں بلکہ الٹا گناہ کا باعث ہے۔

چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ میں ہے کہ:

> تبارک ورجبی بدعت ہیں، ان کی کوئی اصل شرع میں نہیں (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۴۹، مبوب بطرزِ جدید، دارالاشاعت، کراچی)

اور اس بارے میں فتاویٰ محمودیہ سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

> **سوال:**......رجبُ المرجب کا جب مہینہ آتا ہے تو لوگ جمعہ کے دن کچھ میٹھی روٹی پکواتے ہیں، اور اکتالیس بار سوہ ملک پڑھواتے ہیں اس کو تبارک کہتے ہیں، اور سب لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ روٹی میت کی جانب سے فدیہ یا صدقہ یا خیرات کی جارہی ہے، پھر بھی پڑھنے والے اس روٹی کو حاصل کرنے کے لئے سبقت کرتے ہیں اور جگہ جگہ سے روٹی باندھ کر لے آتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ صاحبِ خانہ مسجد میں بھیج دیتا ہے اور سب پر تقسیم کر دیتا ہے، اس کو بھی تبرک سمجھ کر کھا جاتے ہیں، چاہے وہ صاحبِ نصاب ہو یا کوئی دوسرا، ہر شخص اس کو کھاتا ہے، تو یہ کیسا ہے؟

> **جواب:**......صورتِ مسئولہ میں ایصالِ ثواب کی یہ صورت نہ قرآن سے ثابت ہے، نہ حدیث شریف سے، نہ صحابۂ کرام سے، نہ فقہاء ومجتہدین کی کتب سے، بلکہ منگھڑت ہے۔ ایسی چیز کو شریعت میں بدعت کہتے ہیں، اس کا ترک کرنا واجب ہے۔ قرآن کریم یا اس کی کوئی سورت پڑھ کر اُجرت لینا جائز نہیں۔ پڑھنے والے کے حق میں ممانعت کی یہ مستقل وجہ موجود ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے معتمد (ومعتبر) کتب سے اس

کو نقل کیا ہے، ردُالمحتار میں بھی، شرح عقود رسم المفتی میں بھی، شفاءُ العلیل میں بھی (اور ایصالِ ثواب کے لئے قرآن پڑھ کر اس طرح کھانا اجرت میں داخل ہے)(فتاویٰ محمودیہ ج ۲ ص ۲۸۲،۲۸۳، مبوب، دارالاشاعت، کراچی)

بہر حال رجب کے مہینے میں جمعہ کے دن یا کسی اور دن تبارک کی رسم کرنا اور تبارک الذی کی سورت پڑھنے اور میٹھی روٹی پکانے کو خاص سمجھنا شریعت سے ثابت نہیں، بلکہ لوگوں کی خود ساختہ بدعت ہے، جس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

اوراس کے بجائے کسی رسم اور تاریخ ومہینہ وغیرہ کی پابندی کئے بغیر اخلاص کے ساتھ ذکر وتلاوت، استغفار، صدقہ وغیرات اور نفلی روزوں وغیرہ کی شکل میں ہر شخص کو اپنے طور پر حسبِ سہولت نیک اعمال کو اختیار کرنا چاہئے۔

(۵)...... بی بی فاطمہ کی کہانی اور صحنک

بعض علاقوں میں ۲۲/ رجب کی رات میں بعض عورتیں نہا دھو کر باوضو ہو کر بڑے اہتمام کے ساتھ میدہ، گھی، شکر، دودھ اور میوہ جات وغیرہ کے خاص تناسب سے پوریاں بناتی ہیں، پھر ان کو مٹی کے کورے کونڈوں میں بھر کر کسی چوکی یا صاف چادر وغیرہ پر رکھ کر ایک منظوم کتاب پڑھواتی ہیں، جس کا نام داستانِ عجیب ہے، بعض عورتیں اس کو بی بی فاطمہ کی کہانی اور بی بی فاطمہ کی صحنک کا نام دیتی ہیں، اور بعض لوگ خصوصاً بے علم عورتیں اس کی منت مانتی ہیں، اور کہانی کو پڑھتی اور سنتی ہیں۔

یہ بالکل من گھڑت اور خلافِ شریعت رسم ہے، دراصل یہ مروَّجہ کونڈوں کی ایک خاص شکل ہے جو پہلے دور میں تو کافی عام تھی اور اب بھی بعض علاقوں میں پائی جاتی ہے، مگر اکثر وبیشتر علاقوں میں آج کل اس کی کچھ شکل تبدیل ہوگئی ہے اور اس نے کونڈوں کی شکل اختیار کر لی ہے۔

بی بی فاطمہ کی کہانی اور صحنک کے نام سے یہ رسم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام کی نذر ونیاز اور ان کے نام کی من گھڑت کہانی پڑھ کر ہوتی ہے اور کونڈوں کی مروَّجہ رسم حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے نام کی نذر ونیاز کے ساتھ اور بعض اوقات ان کے نام کی من گھڑت کہانی پڑھ کر ہوتی ہے۔

بہر حال دونوں جگہ عقائد ملتے جلتے ہیں اور ان دونوں رسموں کا آغاز اہلِ روافض سے ہونا معلوم ہوتا ہے۔

پس بی بی فاطمہ کی صحنک کے نام کی یہ رسم شریعت سے ثابت نہیں بلکہ بدعت ہے، اور کئی ایسے غلط عقائد ونظریات اس میں شامل ہیں، جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایسے عمل سے کب راضی اور خوش ہونگی، جس سے ان کے والد ماجد (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) نے منع فرمایا ہو۔

اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے زمانہ میں بادشاہ کی ایک عزیزہ تھی جس کا نام بی چھکّو تھا بڑی تیز مزاج تھی، ان سے کسی نے یہ کہا کہ مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ بی بی (فاطمہ) کی صحنک کو منع کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ بلاؤ مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ کو (چنانچہ ان کو) وعظ کے حیلہ سے بلایا گیا، مولانا کو اس واقعہ کی بالکل خبر نہ تھی اور بالکل خالی الذہن تھے، آنے کے بعد معلوم ہوا کہ بی چھکّو سے کسی نے (میرے بارے میں) اس طرح سے لگایا ہے (اور شکایت کی ہے) مولانا نے بی چھکّو کو اس طرح سے سلام کیا کہ اماں سلام (جس سے بی چھکّو کے غصہ میں کمی آئی) انہوں نے کہا کہ اسماعیل میں نے سنا ہے کہ تم بی بی (فاطمہ) کی صحنک کو منع کرتے ہو (حضرت نے جواب میں) فرمایا اسماعیل کی کیا مجال ہے جو بی بی (فاطمہ) کی صحنک کو منع کرے، بی بی (فاطمہ) کے ابّا جان خود منع کرتے ہیں، کہا یہ کیسے؟ آپ نے ''**كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ**'' (یعنی ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے) حدیث پڑھ کر اس پر ایک مبسوط (مفصّل) بحث (اور گفتگو) کی، جس (کی وجہ سے) سے وہ (خاتون) تائب ہوگئی اور کہا کہ ہمیں کیا معلوم تھا کہ بی بی (فاطمہ) کے ابّا منع کرتے ہیں، ہم تو ان کی رضامندی ہی کے لئے کرتے تھے، جب وہ ناراض ہوتے ہیں تو ہم کیوں کریں؟ (جدید ملفوظات، ملقب بہ اشرف التنبیہ ص۶)

(۶)......بائیس رجب کے کونڈوں کا تفصیلی جائزہ

آج کل رجب کے مہینے میں بائیس تاریخ کو بڑی دھوم دھام کے ساتھ جو رسم انجام دی جاتی ہے وہ کونڈوں کی رسم ہے ،اوراس کی نسبت حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف کی جاتی ہے ،اور کونڈوں کے متعلق مختلف گھڑی ہوئی داستانیں اور واقعات چھاپ کر لوگوں میں عام کئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے کونڈوں کی اس رسم کو انجام دینے کا حکم فرمایا تھا،اوراس رسم کو انجام دینے والے کی منت پوری کرنے کی ذمہ داری قبول کی تھی۔

مشہور ہے کہ ۲۲/رجب حضرت جعفر صادق علیہ الرحمۃ کی ولادت کا دن ہے،اوراس کے لئے بنیاد حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس فرضی داستان کو بنایا جاتا ہے کہ انہوں نے وزیر اعظم کے گھر جھاڑو پوچے کا کام کرنے والی عورت سے جو کسی لکڑہارے کی بیوی تھی، کہا تھا کہ ۲۲/رجب کو پوریاں پکا کر کونڈے بھر کر ہمارے نام سے فاتحہ کرے،ورنہ تو حشر کے روز اس کا ہاتھ ہوگا اور ہمارا دامن (نعوذ باللہ من ذالک) [۱]

---

[۱] کونڈوں کی رسم کو عام کرنے کے لئے بعض لوگوں نے جو داستان گھڑ کر لوگوں میں مشہور کردی ہے اس کی تفصیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ: مدینہ منورہ کا ایک لکڑہارا قسمت کا مارا روزی کمانے کسی دوسرے ملک کو چلا گیا۔اس کی بیوی نے مدینہ کے وزیر اعظم کے یہاں جھاڑو دینے کی نوکری کر لی۔ایک دن جب وہ صحن خانہ میں جھاڑو دے رہی تھی تو امام جعفر صادق اس راہ سے یہ فرماتے ہوئے گذرے کہ: ''کوئی شخص کیسی ہی مشکل اور حاجت رکھتا ہو، آج ۲۲/رجب کو پوریاں پکا کر دو کونڈوں کو بھر کر ہمارے نام سے فاتحہ دلا دے تو مراد اس کی پوری ہو۔اگر نہ ہو تو حشر کے روز اس کا ہاتھ ہوگا اور ہمارا دامن''۔یہ سنتے ہی لکڑہارن نے اپنے دل میں منت مانی کہ میرا شوہر جسے گئے ہوئے ۱۲ سال گذر گئے تھے جیتا جاگتا کچھ کمائی کے ساتھ واپس آجائے تو میں امام کے نام کے کونڈے کروں گی۔جس وقت وہ منت کی نیت کر رہی تھی، عین اسی وقت اس کے خاوند نے دوسرے ملک کے جنگل میں جب سوکھی جھاڑی پر کلہاڑی چلائی تو کسی سخت چیز پر لگ کر گری اس نے وہاں کی زمین کھودی تو اسے ایک دفینہ ملا۔وہ یہ خزانہ لے کر مدینہ آیا۔اس نے ایک عالی شان حویلی بنوائی اور ٹھاٹھ سے رہنے لگا۔ جب لکڑہارن نے اپنی مالکہ، وزیر اعظم کی بیوی سے یہ حال بیان کیا تو اس نے کونڈوں کے اثر سے خزانہ ملنے کو جھوٹ سمجھا، چنانچہ اس بدعقیدگی کی پاداش میں اسی دن وزیر اعظم پر عتابِ شاہی نازل ہوا اور مال و دولت ضبط کر کے شہر بدر کر دیا گیا۔ جنگل کو جاتے ہوئے وزیر نے بیوی سے پیسے لے کر خربوزہ خریدا اور رومال میں باندھ کر ساتھ لے چلے۔راستے میں شاہی پولیس نے انہیں شہزادے کے قتل کے شبہ میں گرفتار کر لیا۔جب بادشاہ کے سامنے رومال کھولا گیا تو خربوزے کی جگہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس رسم کو عوام اس عقیدہ کے ساتھ کرتے ہیں کہ اس رسم کو انجام دینے سے بلائیں اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں، مقاصد، مرادیں حاصل ہوتی ہیں، لہٰذا وہ اس دن کونڈوں میں کھیر پکا کر دودھ ملے میدہ میں تیار شدہ پوریوں کے ساتھ نوش جاں کرتے ہیں اور اسے مخصوص طریقے سے مخصوص شرائط کے ساتھ انجام دیتے ہیں، بعض لوگ تو سال کے دوران منتیں مان کر جمع رکھتے ہیں اور اس دن انہیں اہتمام کے ساتھ پورا کرتے ہیں۔

حالانکہ یہ بے پر کی باتیں سراسر جھوٹ ہیں اور حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ پر سخت تہمت ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنی فاتحہ دلا کر منت پوری کرنے کی ذمہ داری لی ہو۔ آپ کا دامن ایسی لغو اور بے ہودہ باتوں سے پاک ہے۔ اور دینی علوم کی بصیرت میں ان کا بلند مقام ہے، اور یہ اہلُ السنۃ والجماعۃ کے سلسلے کے بہت بڑے بزرگ ہیں، جن کا کچھ ذکر آگے آتا ہے، مگر اہلِ تشیع ان کی طرف غلط اور خلافِ حقیقت باتیں منسوب کر کے ان کو اپنا خاص امام قرار دیتے ہیں۔

اتنی بڑی بزرگ شخصیت پر اتنا بڑا بہتان باندھنا بہت بڑا گناہ ہے، اور اس سے بڑھ کر اتنی بڑی بزرگ شخصیت کی طرف نذر و نیاز جیسی شرکیہ حرکت کی ترغیب دینے کی نسبت کرنے میں تو ایمان ہی چلے جانے کا خطرہ ہے (نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

شہزادے کے خون سے لتھڑا ہوا سر نکلا۔ بادشاہ نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ کل صبح سویرے اس کو پھانسی دی جائے رات کو قید خانہ میں یہ دونوں میاں بیوی دل میں سوچ رہے تھے کہ ہم سے ایسی کیا خطا ہوگئی جس کی وجہ سے اس حال کو پہنچے۔ یکا یک وزیر کی بیوی کو خیال آیا کہ میں امام کے کونڈے کرنے سے انکار کر بیٹھی تھی۔ اس نے اسی وقت توبہ کی اور مصیبت سے نجات ملنے پر کونڈے بھرنے کی منت مانی اس کا منت ماننا تھا کہ حالات کا رنگ پلٹا، گم شدہ شہزادہ صبح کو صحیح سلامت واپس آ گیا۔ ان دونوں کو قید سے رہائی ملی۔ وہ واپس مدینہ آئے۔ بادشاہ نے وزیر کو دوبارہ وزارتِ عظمیٰ پر بحال کیا اور اس کی بیوی نے دھوم دھام سے امام کے کونڈے بھرے (یہ روایت سراسر جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ جس کی کوئی حقیقت نہیں اس کو صحیح سمجھنا اس پر یقین کرنا اور اس کو پڑھنا یا سننا سنانا سب ناجائز اور گناہ ہے)

[1] **ہندوستان میں کونڈوں کے ایجاد کا تاریخی پسِ منظر ملاحظہ ہو:**

ماہِ رجب کے کونڈوں کے بارے میں اہلِ علم حضرات نے جو تفصیل ذکر کی ہے، وہ یہاں نقل کی جاتی ہے۔

حکیم عبدالغفور صاحب آنولوی نے اپنے مضمون (رجب کے کونڈے) مندرجہ رسالہ ''صحیفۂ اہل حدیث'' کراچی، اشاعت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہت سے اہلِ علم حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ بائیس رجب دراصل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات ہے، اور یہ رسم اہلِ تشیع نے (نعوذ باللہ تعالیٰ) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عداوت میں ان کی وفات کی خوشی میں جاری کی ہے۔ واللہ اعلم۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

۱۴/اگست ۱۹۶۴ء میں اس طرح بیان کیا ہے کہ:

کونڈوں کی رسم بالکل جدید ہے، اور اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ "نواب حامد علی خاں والیٔ رامپور اپنی کسی "منظورِ نظر رنڈی" سے ناراض ہوئے اور عتابِ شاہی صدور ہوا، اس چالاک کسبی نے نواب صاحب کے مذہبی عقائد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امام جعفر صادق کے نام سے ایک تراشیدہ افسانہ کے مطابق نواب صاحب کی رضا حاصل کرنے کے لئے ۲۲/رجب کو کونڈے کئے۔

یہ افسانہ اس داشتۂ نواب کا اپنا تراشا ہوا نہیں۔ اس نے تو لکڑ ہارے کی اس داستانِ عجیب کے اتباع میں کونڈے کئے تھے۔ دراصل یہ داستان امیر مینائی مرحوم لکھنوی شاعر کے فرزند خورشید مینائی نے اس زمانے میں طبع کرا کے اہل رامپور میں تقسیم کرادی تھی۔

پیر جماعت علی شاہ محدث رحمہ اللہ کے ایک مرید مصطفیٰ علی خاں نے اپنے کتابچہ "جواہر المناقب" کے حاشیے پر حامد حسن قادری مرحوم کا یہ بیان درج کیا ہے کہ:

"احقر حامد حسن قادری کو اس داستانِ عجیب (یا لکڑ ہارے کی کہانی) کی اشاعت اور ۲۲/رجب والی پوریوں کی نیاز کے متعلق یہ علم ہے کہ یہ کہانی اور نیاز سب سے پہلے ۱۹۰۶ء میں ریاست رامپور (یوپی) میں حضرت امیر مینائی لکھنوی کے خاندان سے نکلی ہے۔ میں اس زمانے میں امیر مینائی صاحب کے مکان کے متصل رہتا تھا اور ان کے خاندان اور ہمارے خاندان میں تعلقات تھے.........الخ گویا رام پور، روہیل کنڈ میں اس رسم کا آغاز لکھنوی خاندان ہی کی بدولت ہوا"

مولوی مظہر علی سندیلوی اپنے روزنامچہ میں جو ۱۹۱۱ء کی ایک نادر یادداشت ہے، لکھتے ہیں کہ:

۱۹۱۱ء آج مجھے ایک نئی رسم دریافت ہوئی جو میرے اور میرے گھر والوں میں رائج ہوئی جو اس سے پہلے میری جماعت میں نہیں آئی تھی، وہ یہ ہے کہ: "۲۱/رجب کو بوقتِ شام میدہ، شکر اور گھی دودھ ملا کر ٹکیاں پکائی جاتی ہیں اور اس پر امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا فاتحہ ہوتا ہے اور ۲۲/رجب کی صبح کو عزیز و اقارب کو بلا کر کھلائی جاتی ہے، یہ ٹکیاں باہر نکلنے نہیں پاتیں۔ جہاں تک مجھے علم ہوا ہے اس کا رواج ہر مقام پر ہوتا ہے میری یاد میں کبھی اس کا تذکرہ بھی سماعت میں نہیں آیا۔ یہ فاتحہ اب ہر ایک گھر میں نہایت عقیدت مندی کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور یہ رسم برابر بڑھتی جا رہی ہے۔

عظیم مناظرِ اسلام مولانا عبدالشکور مرحوم نے اپنے رسالہ "النجم" لکھنؤ کی اشاعت جمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ھ میں لکھا تھا کہ:

"ایک بدعت ابھی تھوڑے دنوں سے ہمارے اطراف میں شروع ہوئی ہے اور تین چار سال سے اس کا رواج

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کونڈوں کی رسم کے ناجائز ہونے پر چند فتاویٰ

اب کونڈوں کی رسم کی شرعی حیثیت پر چند فتاویٰ ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱)......حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

رجب کے کونڈوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔ ان کو ترک کر دینا چاہئے، تبارک پڑھنے اور پڑھوانے کا طریقہ بھی شریعت سے ثابت نہیں۔ یہ بھی لوگوں کا خود گھڑا ہوا طریقہ ہے۔ اسے بھی ترک کر دینا لازم ہے۔ شبِ برأت کا حلوا، محرم کا کھچڑا، کونڈے اور تبارک، یہ کوئی شرعی چیزیں نہیں ہیں۔ ان کو شرعی سمجھ کر پکانا بنانا بدعت ہے (کفایت المفتی ج۱ص۲۵۳، مدلل ومکمل)

(۲)......حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

کونڈوں کی مروّجہ رسم مذہبِ اہل سنت والجماعت میں محض بے اصل، خلافِ شرع اور بدعتِ ممنوعہ ہے، کیونکہ بائیسویں رجب نہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ پیدائش ہے اور نہ تاریخ وفات۔ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۸/رمضان ۸۰ھ یا ۸۳ھ میں ہوئی اور وفات شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی۔ [۱]

پھر بائیسویں رجب کی تخصیص کیا ہے؟ اور اس تاریخ کو حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے کیا خاص مناسبت ہے؟ ہاں بائیسویں رجب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یوماً فیوماً بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ بدعت کونڈوں کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے متعلق ایک فتویٰ بصورتِ اشتہار تین سال سے لکھنؤ میں شائع کیا جا رہا ہے''

اسی دور کے ایک شیعہ عالم محمد باقر شمسی کا قول ہے کہ:

لکھنؤ کے شیعوں میں ۲۲/رجب کے کونڈوں کا رواج بیس پچیس سال پہلے شروع ہوا تھا (رسالہ النجم لکھنؤ)

(یہ تمام تاریخی تفصیل رسالہ ''ماہ رجب کے کونڈے'' مطبوعہ صدیقی ٹرسٹ کراچی سے ماخوذ ہے)

[۱] مگر بندے کو تلاشِ بسیار کے باوجود حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی ولادت کے ۸ رمضان اور وفات کے شوال میں ہونے کی مؤرخین سے تصریح نہیں ملی۔ محمد رضوان

تاریخ وفات ہے (دیکھو تاریخ طبرانی ذکرِ وفاتِ معاویہ)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس رسم کو محض پردہ پوشی کے لئے حضرت امام جعفر صادق کی طرف منسوب کیا گیا۔ ورنہ درحقیقت یہ تقریب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔ جس وقت یہ رسم ایجاد ہوئی۔ اہل سنت والجماعت کا غلبہ تھا، اس لئے یہ اہتمام کیا گیا کہ شیرینی بطورِ حصہ علانیہ نہ تقسیم کی جائے، تا کہ راز فاش نہ ہو، بلکہ دشمنانِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے یہاں جا کر اسی جگہ یہ شیرینی کھالیں جہاں اس کو رکھا گیا ہے اور اس طرح اپنی خوشی ومسرت ایک دوسرے پر ظاہر کریں۔ جب کچھ اس کا چرچا ہوا تو اس کو حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر کے یہ تہمت امام موصوف پر لگائی کہ انہوں نے خود خاص اس تاریخ میں اپنی فاتحہ کا حکم دیا ہے حالانکہ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔ لہٰذا برادرانِ اہل سنت کو اس رسم سے بہت دور رہنا چاہیئے نہ خود اس رسم کو بجالائیں اور نہ اس میں شرکت کریں (فتاویٰ محمودیہ ج ۳ ص ۲۸۱، ۲۸۲، مبوب)

ایصالِ ثواب جس کو چاہے، جب چاہے بلا کسی التزامِ تاریخ ومہینہ وغیرہ کے (یعنی کسی تاریخ، مہینہ، دن وغیرہ کو لازم کیے بغیر) کرنے میں کوئی مضائقہ (حرج) نہیں، بلکہ بہت بہتر ہے، لیکن کونڈہ کرنا جیسا کہ رواج ہے بے اصل اور بدعت ہے (ایضاً ج ۳ ص ۲۸۱)

(۳)...... حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

کونڈوں کی مروّج رسم دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر اظہارِ مسرت کے لئے ایجاد کی ہے۔ ۲۲/ رجب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات ہے (طبری۔ استیعاب)

۲۲/ رجب کو حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے کوئی تعلق نہیں نہ اس میں ان کی ولادت ہوئی نہ وفات۔ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی ولادت ۸/ رمضان ۸۰ھ یا ۸۳ھ کی ہے

اور وفات شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس رسم کو محض پردہ پوشی کے لئے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ورنہ درحقیقت یہ تقریب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔ جس وقت یہ رسم ایجاد ہوئی شیعہ مسلمانوں سے مغلوب وخائف تھے، اس لئے یہ اہتمام کیا گیا کہ شیرینی علانیہ تقسیم نہ کی جائے تاکہ راز فاش نہ ہو بلکہ دشمنانِ حضرت معاویہ خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے ہاں جاکر اسی جگہ یہ شیرینی کھالیں جہاں اس کو رکھا گیا ہے اور اس طرح اپنی خوشی ومسرت ایک دوسرے پر ظاہر کریں۔ جب اس کا چرچا ہوا تو اس کو حضرت جعفر صادق کی طرف منسوب کرکے یہ تہمت ان پر لگائی کہ انہوں نے خود اس تاریخ کو اپنی فاتحہ کا حکم دیا ہے، حالانکہ یہ سب من گھڑت ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہرگز ایسی رسم نہ کریں بلکہ دوسروں کو بھی اس کی حقیقت سے آگاہ کرکے اس سے بچانے کی کوشش کریں (احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۶۸)

(۴)......خیرُ الفتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر ہے کہ:

۲۲ / رجب نہ امامِ جعفر رحمہ اللہ کا یومِ ولادت ہے، نہ یومِ وفات ہے۔ بلکہ یہ دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یومِ وفات ہے (طبری، استیعاب)

اور یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ یہ رسم رافضیوں کی ایجاد کردہ ہے۔ تقیہ اور جھوٹ ان کا شعارِ خاص ہے۔ پہلے اس تاریخ کو علانیہ خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ جب سنیوں کا غلبہ ہوا تو عام تقسیم بند کردی اور گھر میں پکا کر رکھ دیتے ہیں اور ایک دوسرے کو بلا کر کھلاتے ہیں۔ جب یہ متحقق ہوا کہ یہ رسم رافضیوں کی ایجاد ہے تو اس امر کی تحقیق کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ کس سن میں ایجاد ہوئی اور موجِد کون ہے۔ سنیوں کو ہرگز اس رسم میں شرکت نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ حتی الوسع اسے مٹانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس دن خیرات نیک مقصد کے تحت کرنے کی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ اس میں تشبہ

بالروافض (یعنی رافضیوں کے ساتھ تشبہ) ہے۔
نیز ان کے مکروہ ترین عمل کوتقویت دینا ہے۔جس عمل کی بنیادی غرض ہی صحابیٔ رسول کی توہین ہواور مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنا ہو،اسے رسمِ بد کہنے پر سوال کرنا تعجب ہے(خیر الفتاویٰ ج۱ص۵۷۲تا۵۷۳)

(۵)......اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ:
اس سے بھی زیادہ آج کل معاشرے میں فرض وواجب کے درجہ میں جو چیز پھیل گئی ہے وہ کونڈے ہیں، اگر آج کسی نے کونڈے نہیں کیئے تو وہ (گویا کہ) مسلمان ہی نہیں نماز پڑھے یا نہ پڑھے، روزے رکھے یا نہ رکھے، گناہوں سے بچے یا نہ بچے، لیکن کونڈے ضرور کرے۔ اور اگر کوئی شخص نہ کرے یا کرنے والوں کو منع کرے تو اس پر لعنت اور ملامت کی جاتی ہے، خدا جانے یہ کونڈے کہاں سے نکل آئے؟ نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، نہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے، نہ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے، نہ تبعِ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے اور نہ بزرگانِ دین سے، کہیں سے اس کی کوئی اصل ثابت نہیں، اوراس کو اتنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ گھر میں دین کا کوئی دوسرا کام ہو یا نہ ہو لیکن کونڈے ضرور ہوں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ذرا مزہ اور لذت آتی ہے، اور ہماری قوم لذت اور مزہ کی خوگر ہے، کوئی میلہ ٹھیلہ ہونا چاہئے اور کوئی حظِّ نفس (نفس کے مزہ) کا سامان ہونا چاہئے۔اور ہوتا یہ ہے کہ جناب! پوریاں پک رہی ہیں، حلوہ پک رہا ہے، اور اِدھر سے اُدھر جارہی ہیں، اور اُدھر سے اِدھر آرہی ہیں اور ایک میلہ لگا ہوا ہے، تو چونکہ یہ بڑے مزے کا کام ہے، اس واسطے شیطان نے اس میں مشغول کردیا کہ نماز پڑھو یا نہ پڑھو، وہ کوئی ضروری نہیں، مگر یہ کام ضرور ہونا چاہئے، بھائی! ان چیزوں نے ہماری امت کو خرافات میں مبتلا کردیا ہے۔ ؎

حقیقت روایات میں کھوگئی — یہ امت خرافات میں کھوگئی

اس قسم کی چیزوں کو لازمی سمجھ لیا گیا اور حقیقی چیزیں پس پشت ڈال دی گئیں۔اس کے

بارے میں رفتہ رفتہ اپنے بھائیوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ بہت سے لوگ صرف ناواقفیت کی وجہ سے کرتے ہیں، ان کے دلوں میں کوئی عناد نہیں ہوتا، لیکن دین سے واقف نہیں، ان بیچاروں کو اس کے بارے میں پتہ نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح عیدُ الاضحیٰ کے موقع پر قربانی ہوتی ہے، اور گوشت اِدھر سے اُدھر جاتا ہے، یہ بھی قربانی کی طرح کوئی ضروری چیز ہوگی، اور قرآن وحدیث سے اس کا بھی کوئی ثبوت ہوگا، اس لئے ایسے لوگوں کو محبت، پیار اور شفقت سے سمجھایا جائے، اور ایسی تقریبات میں خود شریک ہونے سے پرہیز کیا جائے (اصلاحی خطبات ج۱ص۵۴،۵۵، بعنوان وعظ: ماہِ رجب چند غلط فہمیوں کا ازالہ)

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ اسلام کی عظیم شخصیت ہیں اور کونڈوں جیسی رسم سے بالکل بری ہیں، آپ سنہ ۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔

آپ کا نام ''جعفر'' اور آپ کی کنیت ''ابوعبداللہ'' اور آپ کا لقب ''صادق'' ہے۔

آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے، کئی روایات بھی آپ سے مروی ہیں، فضل وکمال کے لحاظ سے آپ اپنے وقت کے امام ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسے حضرات آپ کے شاگرد ہیں۔

آپ کا نسب نامہ یہ ہے، جعفر ابن محمد باقر بن علی بن ابی طالب، اس طرح آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، آپ کی والدہ ماجدہ اِم فروہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد کی بیٹی تھیں۔

نانہالی شجرہ یہ ہے ام فروہ بنتِ اسماء بنتِ عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اس طرح حضرت جعفر صادق کی رگوں میں دوطرف سے صدیقی خون بھی شامل تھا۔

اور اسی وجہ سے آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے انتہائی محبت رکھتے تھے، اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے والوں پر غیظ وغضب کا اظہار فرماتے تھے۔

چنانچہ علامہ ذھبی رحمہ اللہ آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

وَأُمُّهُ :هِیَ أُمُّ فَرْوَةَ بِنْتُ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِیْ بَکْرٍ التَّیْمِیِّ.وَأُمُّهَا :

هِيَ أَسْمَاءُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ، وَلِهٰذَا كَانَ يَقُوْلُ :وَلَدَنِيْ أَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ مَرَّتَيْنِ .وَكَانَ يَغْضَبُ مِنَ الرَّافِضَةِ، وَيَمقُتُهُمْ إِذَا عَلِمَ أَنَّهُمْ يَتَعَرَّضُوْنَ لِجَدِّهٖ أَبِيْ بَكْرٍ ظَاهِراً وَّبَاطِناً، هٰذَا لَا رَيْبَ فِيْهِ، وَلٰكِنَّ الرَّافِضَةَ قَوْمٌ جَهَلَةٌ، قَدْ هَوٰى بِهِمُ الْهَوٰى فِي الْهَاوِيَةِ، فَبُعداً لَّهُمْ (سير أعلام النبلاء ،للذهبي ج٦ص ٢٥٥، مؤسسة الرسالة،بيروت)

ترجمہ: اور آپ کی والدہ امِ فروہ ہیں، جو کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر تیمی کی بیٹی ہیں، اور آپ کی والدہ کی والدہ اسماء بنتِ عبدالرحمٰن بن ابی بکر ہیں، اور اسی وجہ سے حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ: مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ جنم دیا ہے، اور آپ رافضیوں پر غصہ ہوتے تھے، اور ان سے ناراض ہوتے تھے، جبکہ انہیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ آپ کے دادا حضرت ابوبکر کی ظاہراً اور باطناً تنقیص کرتے ہیں، اس بارے میں کوئی شک نہیں، لیکن رافضی جاہل لوگ ہیں، ان کو خواہشات نے گمراہی میں ڈال دیا ہے، پس ان کا ناس ہو (ترجمہ ختم)

اور حضرت سالم بن ابی حفصہ سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرَ وَّابْنَهٗ جَعْفَراً عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ، فَقَالَ :يَا سَالِمُ! تَوَلَّهُمَا، وَابْرَأْ مِنْ عَدُوِّهِمَا، فَإِنَّهُمَا كَانَا إِمَامَيْ هُدًى .ثُمَّ قَالَ جَعْفَرُ :يَا سَالِمُ !أَيَسُبُّ الرَّجُلُ جَدَّهٗ، أَبُوْ بَكْرٍ جَدِّيْ، لَا نَالَتْنِيْ شَفَاعَةُ مُحَمَّدٍ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنْ لَّمْ أَكُنْ أَتَوَلَّاهُمَا، وَأَبْرَأُ مِنْ عَدُوِّهِمَا (ایضاً ج٦ص ٢٥٨، ٢٥٩)

ترجمہ: میں نے حضرت امام ابوجعفر، اور آپ کے بیٹے حضرت جعفر سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں رائے معلوم کی، تو انہوں نے فرمایا کہ اے سالم! ان سے محبت رکھئے، اور ان کے دشمنوں سے براءت ظاہر کیجئے، کیونکہ یہ دونوں ہدایت یافتہ امام ہیں، پھر حضرت جعفر نے فرمایا کہ اے سالم! کیا آدمی اپنے دادا کو برا

کہہ سکتا ہے، حضرت ابوبکر میرے دادا ہیں، اگر میں ان سے محبت نہیں رکھوں گا، اوران کے دشمنوں سے برأت ظاہر نہیں کروں گا، تو مجھے قیامت کے دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حاصل نہیں ہوگی (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبدالجبار بن عباس ہمدانی سے روایت ہے کہ حضرت جعفر بن محمد رحمہ اللہ نے ان سے فرمایا کہ:

مَنْ زَعَمَ أَنِّیْ إِمَامٌ مَعصُوْمٌ، مُفتَرَضُ الطَّاعَةِ، فَأَنَا مِنْهُ بَرِیْءٌ، وَمَنْ زَعَمَ أَنِّیْ أَبْرَأُ مِنْ أَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ، فَأَنَا مِنْهُ بَرِیْءٌ(ایضاً ج٦ ص ٢٥٩)

ترجمہ: جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ میں امامِ معصوم ہوں، اور میری اطاعت فرض کی گئی ہے، تو میں ایسا گمان کرنے والے سے بری ہوں، اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے بری ہوں، تو میں ایسا گمان کرنے والے سے بری ہوں (ترجمہ ختم)

اور حضرت حنان بن سدیر سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ، وَسُئِلَ عَنْ أَبِی بَکْرٍ وَعُمَرَ، فَقَالَ: إِنَّکَ تَسْأَلُنِیْ عَنْ رَجُلَیْنِ قَدْ أَکَلا مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ(ایضاً، ج٦ ص ٥٩)

ترجمہ: میں نے حضرت جعفر بن محمد سے سنا، جب ان سے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں سوال کیا گیا، انہوں نے جواب میں فرمایا کہ آپ مجھ سے دو ایسی شخصیتوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، جو جنت کے پھل کھا رہے ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عمرو بن قیس ملائی سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ جَعْفَرَ بنَ مُحَمَّدٍ یَقُوْلُ: بَرِءَ اللّٰهُ مِمَّنْ تَبَرَّأَ مِنْ أَبِی بَکْرٍ وَعُمَرَ(ایضاً ج٦ ص ٢٦٠)

ترجمہ: میں نے حضرت جعفر بن محمد سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے بری ہے، جو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر تبری کرتا ہو (ترجمہ ختم)

اس قسم کی روایات نقل کرنے کے بعد علامہ ذھبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قُلْتُ :هٰذَا الْقَوْلُ مُتَوَاتِرٌ عَنْ جَعْفَرَ الصَّادِقِ، وَأَشْهَدُ بِاللّٰهِ إِنَّهٗ لَبَارٌّ فِيْ قَوْلِهٖ، غَيْرُ مُنَافِقٍ لِأَحَدٍ، فَقَبَّحَ اللّٰهُ الرَّافِضَةَ (ایضاً، ج۶ ص ۲۶۰)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ حضرت جعفر صادق سے یہ بات تواتر ویقین کے ساتھ مروی ہے، اور میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ حضرت جعفر صادق کسی کو منافق قرار دینے سے بری ہیں، پس اللہ تعالیٰ رافضیوں کا برا کرے (جو یہ خیال کرتے ہیں) (ترجمہ ختم) [1]

---

[1] جَعْفَرُ بنُ مُحَمَّدِ بنِ عَلِيٍّ القُرَشِيُّ الهَاشِمِيُّ (ع) ابْنِ الشَّهِيْدِ أَبِي عَبْدِ اللهِ رَيْحَانَةِ النَّبِيِّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَسِبْطِهِ وَمَحْبُوبِهِ الحُسَيْنِ بنِ أَمِيْرِ المُؤْمِنِيْنَ أَبِي الحَسَنِ عَلِيِّ بنِ أَبِي طَالِبٍ عَبْدِ مَنَافِ بنِ شَيْبَةَ، وَهُوَ عَبْدُ المُطَّلِبِ بنُ هَاشِمٍ، وَاسْمُهُ :عَمْرُو بنُ عَبْدِ مَنَافِ بنِ قُصَيٍّ .الإِمَامُ، الصَّادِقُ، شَيْخُ بَنِي هَاشِمٍ، أَبُو عَبْدِ اللهِ القُرَشِيُّ، الهَاشِمِيُّ، العَلَوِيُّ، النَّبَوِيُّ، المَدَنِيُّ، أَحَدُ الأَعْلاَمِ.وَأُمُّه :هِيَ أُمُّ فَرْوَةَ بِنْتُ القَاسِمِ بنِ مُحَمَّدِ بنِ أَبِي بَكْرٍ التَّيْمِيِّ.وَأُمُّهَا :هِيَ أَسْمَاءُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بنِ أَبِي بَكْرٍ، وَلِهَذَا كَانَ يَقُوْلُ :وَلَدَنِي أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ مَرَّتَيْنِ.وَكَانَ يَغْضَبُ مِنَ الرَّافِضَةِ، وَيَمقُتُهُم إِذَا عَلِمَ أَنَّهُم يَتَعَرَّضُوْنَ لِجَدِّهِ أَبِي بَكْرٍ ظَاهِراً وَبَاطِناً، هَذَا لاَ رَيْبَ فِيْهِ، وَلَكِنَّ الرَّافِضَةَ قَوْمٌ جَهَلَةٌ، قَدْ هَوَى بِهِمُ الهَوَى فِي الهَاوِيَةِ، فَبُعداً لَهُم.وُلِدَ :سَنَةَ ثَمَانِيْنَ.وَرَأَى بَعْضَ الصَّحَابَةِ، أَحْسِبُهُ رَأَى :أَنَسَ بنَ مَالِكٍ، وَسَهْلَ بنَ سَعْدٍ.........عَلِيُّ بنُ الجَعْدِ :عَنْ زُهَيْرِ بنِ مُعَاوِيَةَ، قَالَ :قَالَ أَبِي لِجَعْفَرِ بنِ مُحَمَّدٍ :إِنَّ لِي جَاراً يَزْعُمُ أَنَّكَ تَبرَأُ مِنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ.فَقَالَ جَعْفَرٌ :بَرِئَ اللهُ مِنْ جَارِكَ، وَاللهِ إِنِّي لأَرْجُو أَنْ يَنْفَعَنِي اللهُ بِقَرَابَتِي مِنْ أَبِي بَكْرٍ، وَلَقَدِ اشْتَكَيْتُ شِكَايَةً، فَأَوْصَيْتُ إِلَى خَالِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ بنِ القَاسِمِ.قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ :حَدَّثُوْنَا عَنْ جَعْفَرِ بنِ مُحَمَّدٍ، وَلَمْ أَسْمَعْهُ مِنْهُ، قَالَ: كَانَ آلُ أَبِي بَكْرٍ يُدْعَوْنَ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- آلَ رَسُوْلِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.-وَرَوَى :ابْنُ أَبِي عُمَرَ العَدَنِيُّ، وَغَيْرُهُ، عَنْ جَعْفَرِ بنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، نَحْوَ ذَلِكَ.مُحَمَّدُ بنُ فُضَيْلٍ :عَنْ سَالِمِ بنِ أَبِي حَفْصَةَ، قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ وَابْنَه جَعْفَراً عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، فَقَالَ :يَا سَالِمُ !تَوَلَّهُمَا، وَابْرَأْ مِنْ عَدُوِّهِمَا، فَإِنَّهُمَا كَانَا إِمَامَيْ هُدَىً .ثُمَّ قَالَ جَعْفَرٌ :يَا سَالِمُ !أَيَسُبُّ الرَّجُلُ جَدَّه، أَبُو بَكْرٍ جَدِّي، لاَ نَالَتْنِي شَفَاعَةُ مُحَمَّدٍ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- يَوْمَ القِيَامَةِ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَتَوَلاَّهُمَا، وَأَبرَأُ مِنْ عَدُوِّهِمَا،وَقَالَ حَفْصُ بنُ غِيَاثٍ :سَمِعْتُ جَعْفَرَ بنَ مُحَمَّدٍ، يَقُوْلُ:مَا أَرْجُو مِنْ شَفَاعَةِ عَلِيٍّ شَيْئاً، إِلاَّ وَأَنَا أَرْجُو مِنْ شَفَاعَةِ أَبِي بَكْرٍ مِثْلَه، لَقَدْ وَلَدَنِي مَرَّتَيْنِ. كَتَبَ إِلَيَّ عَبْدُ المُنْعِمِ بنُ يَحْيَى الزُّهْرِيُّ، وَطَائِفَةٌ، قَالُوا: أَنْبَأَنَا دَاوُدُ بنُ أَحْمَدَ، أَنْبَأَنَا مُحَمَّدُ بنُ عُمَرَ القَاضِي، أَنْبَأَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بنُ عَلِيٍّ، أَنْبَأَنَا أَبُو الحَسَنِ الدَّارَقُطْنِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بنُ مُحَمَّدِ بنِ إِسْمَاعِيْلَ الأَدَمِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بنُ الحُسَيْنِ الحُنَيْنِيُّ، حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بنُ أَبِي قُرَيْشٍ الطَّحَّانُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الجَبَّارِ بنُ العَبَّاسِ الهَمْدَانِيُّ:أَنَّ جَعْفَرَ بنَ مُحَمَّدٍ أَتَاهُم وَهُم يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَرْتَحِلُوا مِنَ المَدِيْنَةِ، فَقَالَ:إِنَّكُم -إِنْ شَاءَ اللهُ- مِنْ صَالِحِي أَهْلِ مِصْرِكُم، فَأَبْلِغُوهُم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ ایک سو اڑتالیس ہجری میں فوت ہوئے، اور اس وقت آپ کی عمر اڑسٹھ سال تھی، اور آپ مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع میں دفن کئے گئے، جہاں آپ کے والد اور دادا علی زین العابدین کی بھی قبر ہے۔ [1]

ملحوظ رہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات میں کئی اقوال ہیں، البتہ برصغیر پاک وہند میں اور بطورِ خاص شیعہ حلقوں میں ۲۲/ رجب ہی زیادہ مشہور ہے، اور کئی مورخین نے آپ کی تاریخِ وفات ۲۲/ رجب ہی ذکر کی ہے۔ [2]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

عَنِّي :مَنْ زَعَمَ أَنِّي إِمَامٌ مَعصُومٌ، مُفتَرَضُ الطَّاعَةِ، فَأَنَا مِنهُ بَرِيءٌ، وَمَنْ زَعَمَ أَنِّي أَبرَأُ مِنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، فَأَنَا مِنهُ بَرِيءٌ.

وَبِهِ :عَنِ الدَّارَقُطْنِيِّ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ الصَّفَّارُ، حَدَّثَنَا أَبُو يَحْيَى جَعْفَرُ بنُ مُحَمَّدٍ الرَّازِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بنُ مُحَمَّدٍ الطَّنَافِسِيُّ، حَدَّثَنَا حَنَانُ بنُ سَدِيْرٍ، سَمِعْتُ جَعْفَرَ بنَ مُحَمَّدٍ، وَسُئِلَ عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، فَقَالَ :إِنَّكَ تَسْأَلُنِي عَنْ رَجُلَيْنِ قَدْ أَكَلاَ مِنْ ثِمَارِ الجَنَّةِ وَبِهِ :حَدَّثَنَا الحُسَيْنُ بنُ إِسْمَاعِيْلَ، حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بنُ خِدَاشٍ، حَدَّثَنَا أَسْبَاطُ بنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بنُ قَيْسٍ المُلاَئِيُّ، سَمِعْتُ جَعْفَرَ بنَ مُحَمَّدٍ يَقُوْلُ:بَرِءَ اللهُ مِمَّنْ تَبَرَّأَ مِنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ. قُلْتُ :هَذَا القَوْلُ مُتَوَاتِرٌ عَنْ جَعْفَرٍ الصَّادِقِ، وَأَشْهَدُ بِاللهِ إِنَّهُ لَبَارٌّ فِي قَوْلِهِ، غَيْرُ مُنَافِقٍ لأَحَدٍ، فَقَبَّحَ اللهُ الرَّافِضَةَ(سير أعلام النبلاء ،للذهبي ج٦ص ٢٥٥ تا٢٦٠، ملخصاً، مؤسسة الرسالة،بيروت)

[1] ومن أهل المدينة الإمام جعفر بن محمد الصادق وكان يسأله ويطارحه وهو تابعي من أكابر أهل البيت روى عن أبيه محمد الباقر وغيره سمع منه الأئمة الأعلام نحو يحيى بن سعيد وابن جريج ومالك بن أنس والثوري وابن عيينة وكذا أبو حنيفة كما ذكره صاحب المشكاة فى أسماء رجاله فيكون من رواية الأقران ولد سنة ثمانين ومات سنة ثمان أربعين ومائة وهو ابن ثمان وستين سنة ودفن بالبقيع بقبر فيه أبوه وجده على زين العابدين رضى الله عنهم (الجواهر المضية فى طبقات الحنفية،لعبد القادر بن أبي الوفاء محمد بن أبي الوفاء القرشي، ج٢ص ٥٤٥، مير محمد كتب خانه -كراتشي،الباكستان)

[2] حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات میں اختلاف ہونے سے کونڈوں کی مروّجہ رسم کی شرعی حیثیت اور اس رسم کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں ایجاد ہونے پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

کیونکہ اوّلاً تو مشہور تاریخِ وفات ۲۲/ رجب ہی ہے، خصوصاً ان لوگوں کے سلسلہ میں جن کی طرف کونڈوں کی رسم ایجاد کرنے کی نسبت ہے یعنی اہلِ روافض۔

دوسرے جب تاریخ سے اس رسم کی نسبت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی طرف ثابت ہو جائے تو تاریخِ وفات کی مختلف ہونے سے اس نسبت میں کوئی خلل نہیں آتا، اس بنیاد پر جس تاریخ میں بھی مذکورہ رسم انجام دی جائے گی اس کے

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، اور کسی صحابی سے بغض رکھنا یا اس کی شان میں گستاخی کرنا سخت گناہ کی بات ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہ ہوگا۔

تیسرے اہلِ بدعت واہلِ باطل اپنی اس قسم کی کسی بھی رسم کے لئے کسی نہ کسی قول کو تو لیتے ہی ہیں، اگر کوئی دوسرا قول لے لیا جاتا تب بھی یہ شبہ ہوسکتا تھا۔

اور اگر اس تمام تفصیل سے قطع نظر کر لی جائے اور کہا جائے کہ کونڈوں کی مروَّجہ رسم کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی سے کوئی تعلق نہیں اور بالفرض اس مہینہ میں حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی ولادت وغیرہ بھی ثابت ہوجائے یا اس رسم کی نسبت کسی طرح سے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف مان لی جائے کہ اس رسم میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت نہیں کی جاتی بلکہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف نسبت کرکے اور ان کے نام سے یہ رسم انجام دی جاتی ہے تب بھی اس رسم کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہ ہوگا، کیونکہ اس رسم کے ناجائز ہونے کی بنیاد صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے تعلق ہونا ہی نہیں ہے بلکہ اس میں اور بھی اعتقادی وعملی خرابیاں ہیں۔

لہٰذا اس کے باوجود بھی یہ رسم ناجائز ٹھہرتی ہے، اور ایمان کے خطرہ کا بھی باعث ہے، کیونکہ اس رسم میں ایک غرض غیرُ اللہ کو نفع نقصان کا مالک ومختار سمجھنے اور اس کھانے سے غیرُ اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہوتی ہے، اور اگر کسی کا یہ فاسد نظریہ وعقیدہ نہ بھی ہو تب بھی اس کا بدعت ہونا برقرار رہتا ہے، جو کہ اس رسم کے ناجائز ہونے کے لئے کافی ہے۔

مات معاوية رضي الله عنه بدمشق يوم الخميس لثمان بقين من رجب (تاريخ خليفه بن خياط ج ا ص ۲۲۶، مؤسسة الرسالة، بيروت)

ومات يوم الخميس لثمان بقين من رجب (تاريخ دمشق لابنِ عساكر ج ۵۹ ص ۲۰)

وفي هذه السنة مات معاوية بن أبي سفيان أبو عبد الرحمن في يوم الخميس بثمان بقين من رجب وهو ابن ثمان وسبعين سنة (تاريخ مولد العلماء ووفياتهم، لمحمد بن عبد الله بن أحمد بن سليمان بن زبر الربعي، ج ا ص ۱۶۷، دار العاصمة، الرياض)

وبقي معاوية في إمارته تلك إلى أن مات يوم الخميس لثمان بقين من رجب سنة ستين وقد قيل إن معاوية مات للنصف من رجب من هذه السنة وكان له يوم توفي ثمان وسبعون سنة (كتاب الثقات، لابن حبان)

معاوية بن أبي سفيان واسم أبي سفيان صخر بن حرب بن أمية بن عبد شمس بن عبد مناف وهو أخو يزيد أبو عبد الرحمن القرشي الاموي نزل الشام وأمه هند بنت عتبة بن ربيعة بن عبد شمس أخرج البخاري في الحج والعلم وغير موضع عن بن عباس وحميد بن عبد الرحمن وعمير بن هانء وحمدان بن أبان عنه عن النبي ﷺ قال عمرو بن علي ولي معاوية يوم الاثنين لخمس بقين من ربيع الاول سنة إحدى وأربعين فملك معاوية سبع عشرة سنة وثلاثة أشهر واثنتين وعشرين ليلة وتوفي يوم الخميس لثمان بقين من رجب سنة ستين وهو بن ثمان وسبعين سنة (التعديل والتجريح لمن

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ أَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِيْ فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِيْ وَمَنْ آذَانِيْ فَقَدْ آذَى اللّٰهَ وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ أَنْ يَّأْخُذَهٗ(ترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے بعد انہیں (اعتراضات کا) نشانہ مت بنانا کیونکہ جس نے ان سے سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

خرج عنه البخاری فی الجامع الصحیحلأبی الولید سلیمان بن خلف بن سعد ابن أیوب الباجی المالکی، ج۲ص ۷۱۴، تحت رقم الترجمة ۲۲۵ ،دار اللواء للنشر والتوزیع -الریاض)

وفی هَذِهِ السنة هلک مُعَاوِيَة بن أَبِی سُفْيَانَ بدمشق، فاختلف فِی وقت وفاته بعد إجماع جمیعهم عَلَى أن هلاکه كَانَ فِی سنة ستین من الهجرة،وفی رجب منها، فَقَالَ هِشَام بن مُحَمَّد :مات مُعَاوِيَة لهلال رجب من سنة ستین.وَقَالَ الْوَاقِدِیّ :مات مُعَاوِيَة للنصف من رجب .وَقَالَ عَلِیّ بن مُحَمَّد : مات مُعَاوِيَة بدمشق سنة ستین یوم الخمیس لثمان بقین من رجب، حَدَّثَنِی بِذَلِکَ الْحَارِث عنه (تاریخ الطبری، ج۵ص ۳۲۳، ۳۲۴،دارالتراث، بیروت)

واتفقوا على أنه توفی بدمشق، ثم المشهور أنه توفی یوم الخمیس لثمان بقین من رجب، وقیل: لنصف رجب سنة ستین من الهجرة، وقیل :سنة تسع وخمسین وهو ابن اثنین وثمانین سنة، وقیل: ثمان وسبعین سنة، وقیل :ست وثمانین(تهذیب الأسماء واللغات للنووی، ج۲ص ۱۰۳، حرف المیم، دارالکتب العلمیة ، بیروت)

[1] حدیث نمبر ۳۸۶۲،کتاب المناقب،باب فیمن سب أصحاب النبی صلى الله علیه وسلم ،شرکة مکتبة ومطبعة مصطفى البابی الحلبی -مصر، واللفظ لهٗ،مسند احمد حدیث نمبر ۱۶۸۰۳ ،شعب الایمان حدیث نمبر ۱۴۲۴، صحیح ابن حبان حدیث نمبر ۷۲۵۶.

قَالَ أَبُو عِيسَى :هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ(حواله بالا)

قال ابوحفص عمر بن ابراهیم انصاری القرطبی:

وهذا الحدیث ، وإن کان غریب السند فهو صحیح المتن ؛ لأنه معضود بما قدمناه من الکتاب وصحیح السنة وبالمعلوم من دین الأمة ؛ إذ لا خلاف فی وجوب احترامهم ، وتحریم سبهم(المفهم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم، کتاب النبوات،باب : وجوب احترام أصحاب رسول الله صلى الله علیه وسلم)

رکھا تو میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھے ایذاء پہنچائی اور جس نے مجھے ایذاء پہنچائی اس نے اللہ کو ایذاء پہنچائی اور جو اللہ کو ایذاء پہنچانا چاہتا ہے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑے گا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهُ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے صحابۂ کرام کو برا بھلا مت کہو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی (اللہ کے راستے میں) خرچ کر دے، تو (اس کا ثواب) میرے صحابہ میں سے کسی کے ایک مُد (تقریباً آدھا کلو) اور نصف مُد (تقریباً ایک پاؤ) کے برابر نہیں پہنچ سکتا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمُقَامُ أَحَدِهِمْ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ عُمُرَهُ (سنن ابن ماجة) [2]

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کو برا بھلا مت کہو، کیونکہ ان میں سے کسی کا ایک لمحہ کے لئے قیام کرنا تم میں سے کسی کے پوری عمر عمل کرنے سے زیادہ بہتر

---

[1] حديث نمبر ۳۶۷۳، كتاب المناقب، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم لو كنت متخذا خليلا، دارطوق النجاة، بيروت، واللفظ لهٗ، مسلم، ج۴ص۱۹۶۷، كتاب فضائل الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم، باب تحريم سب الصحابة رضى الله عنهم.

[2] حديث نمبر ۱۶۲، باب فضل اهل البدر.

قال ابن حجر:

رواه مسدد موقوفا بسند صحيح. (اتحاف المهرة، كتاب علامات النبوة، باب ما جاء فيمن صحب النبى صلى الله عليه وسلم)

وقال الكنانى:

هذا إسناد صحيح رجاله ثقات والطريق الأول رواه مسدد فى مسنده عن يحيى القطان عن سفيان عن نسير فذكره بإسناده ومتنه (مصباح الزجاجة للكنانى، كتاب اتباع السنة، باب فضل الانصار)

ہے(ترجمہ ختم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِیْ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ سَبَّ أَصْحَابِیْ (المعجم الاوسط) [1]

ترجمہ: تم میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو، جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتا ہے، اس پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے(ترجمہ ختم)

کونڈوں کے کھانے میں شرکت کا شرعی حکم

گزشتہ تفصیل سے دلائل کے ساتھ معلوم ہوگیا کہ ۲۲/ رجب کے کونڈے کرنا شرعاً جائز نہیں، اور ان میں شرکت کرنا اور کسی طرح سے لوگوں کو ترغیب دینا بھی گناہ ہے۔

اگر یہی مال جو کونڈوں کی رسم میں خرچ کیا جاتا ہے کسی صحیح دینی مصرف میں لگایا جائے تو دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل ہو۔

اور اس قسم کے کھانے کے جائز و ناجائز ہونے کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اگر غیر اللہ کو نفع ونقصان کا مالک سمجھ کر اس کو راضی کرنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے یہ رسم کی گئی تو اس کا کھانا حرام ہے۔

اور اگر اس عقیدہ کے ساتھ نہ ہو، تو بھی اس کھانے کو لینے سے پرہیز کرنا چاہئے، لیکن اس صورت میں یہ کھانا بذاتِ خود حرام نہیں ہوگا، یعنی اگر یہ کھانا کھالیا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے حرام چیز کھائی البتہ یہ کہا جائے گا کہ اس نے ایک گناہ کے کام کی تائید کی، کیونکہ اگر اس کھانے کو استعمال کرنے اور لینے والے رک جائیں تو پھر اس رسم کو انجام دینے اور اس قسم کا کھانا بنانے والے بھی یقیناً رک جائیں گے۔

اور اگر نیت کا علم نہ ہو تو بھی پرہیز کرنے میں ہی احتیاط ہے۔

---

[1] للطبرانی حدیث نمبر ۴۷۷۱،دارالحرمین ،قاھرة)

قال الھیثمی:

رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح غیر علی بن سھل وھو ثقة(مجمع الزوائد ج۰ ۱ ص ۲۱، مکتبة القدسی، قاھرة)

(ماخوذ از ''ماہِ ربیع الاخر'') [1]

کونڈوں کی مروَّجہ رسم میں پائی جانے والی خرابیاں

عوام میں جو کونڈوں کی رسم رائج ہے اس میں مندرجہ ذیل خرابیاں پائی جاتی ہیں:

(۱)......اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی ہستی اور شخصیت کو نفع نقصان کا مالک ومختار سمجھنا، اور اس سے اپنی مرادیں اور حاجتیں طلب کرنا جو کہ حرام ہے، اور اس میں شرک کا خطرہ ہے۔

(۲)......غیرُ اللہ کو نفع نقصان کا مالک ومختار سمجھ کر اس کے نام کی نذر ونیاز دینا، جو کہ مستقل گناہ ہے، اور اس میں بھی ایمان چلے جانے کا ڈر ہے، نیز اس عقیدہ کے ساتھ جو کھانا وغیرہ تیار کیا جائے وہ بھی حرام ہے۔

(۳)......اس رسم میں حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف بہت بڑا بہتان اور الزام ہے کہ انہوں نے ایک شرک وبدعت کی ترغیب دی، اور ایسے عظیم بزرگوں کی طرف مذکورہ نسبت کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

(۴)...... یہ رسم بہت بعد کی پیداوار ہے، جس کے کم از کم بدعت ہونے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں (جیسا کہ پیچھے تاریخی حوالوں سے معلوم ہوا)

اور بدعت کبیرہ گناہ اور حرام ہے، اور بدعت پر شریعت کی طرف سے سخت عذاب کی وعیدیں آئی ہیں (ان تمام باتوں کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''ماہِ ربیع الاخر'' میں بیان کردی ہے)

(۵)......بعض اہلِ علم حضرات کی تحقیق کے مطابق اس رسم کا آغاز اہلِ روافض کی طرف سے

---

[1] حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اس قسم کے کھانوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

یہ تعینات بدعتِ ضلالہ ہیں اور طعام میں اگر نیت ایصالِ ثواب کی ہے تو طعام مباح اور صدقہ ہے اور جو بنام ان اکابر کے ہے تو داخل ما اہل بہ لغیر اللہ میں ہے اور حرام ہے اور ایسے عقائدِ فاسد موجب کفر کے ہیں، ان افعال کو کفر ہی کہنا چاہئے مگر مسلم کے فعل کی تاویل لازم ہے، جیسا اوپر کے جواب میں لکھا گیا (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۴۸، مبوب بطرزِ جدید)

نیز ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

اگر (دن وتاریخ وغیرہ کی) تخصیص کے ساتھ ایصالِ ثواب ہو تو طعام حرام نہیں ہوتا، گو اس تخصیص کی وجہ سے معصیت ہوتی ہے (ایضاً حوالہ بالا)

ایک عظیم صحابیٔ رسول ''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی وفات کی خوشی میں ہوا تھا، اور یہ رسم مذکورہ صحابی سے بغض کی علامت ہے، کیونکہ مشہور روایت کے مطابق ۲۲/رجب کی تاریخ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات ہے، اور کسی صحابی سے بغض رکھنا سخت گناہ کی بات ہے۔

(۶)......کونڈوں کی رسم میں تیار شدہ کھانے کو بہت متبرّک اور باعثِ برکت سمجھا جاتا ہے، اور اس کھانے کے لئے لوگ دور دراز سے آ کر شریک ہوتے ہیں۔

حالانکہ بدعت اور اس سے بڑھ کر شرکیہ نظریات پر مشتمل ایسے کھانے کو متبرّک اور بابرکت سمجھنا مستقل اور دہرا جرم اور گناہ ہے، اور ''چوری و سینہ زوری'' والا معاملہ ہے۔

(۷)......کونڈوں کی رسم میں مزید کئی قیود اور شرائط بھی اپنی طرف سے گھڑ لی گئی ہیں، جن کا شریعت میں کوئی ثبوت اور وجود نہیں، ان قیود و شرائط کو دین کا حصہ سمجھ کر اختیار کرنا بھی الگ الگ اپنی ذات میں بدعت و گناہ ہے۔

ان سب وجوہات کی بناء پر کونڈوں کی مروّجہ رسم کو انجام دینا، اس رسم میں شرکت کرنا، اور اس میں تعاوُن کرنا، سب گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کی شرک و بدعات سے حفاظت فرمائیں، اور توحید و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

ستّائیس رجب کے منکرات اور رسمیں

آج کل رجب کی ستائیس تاریخ میں بے شمار ایسی چیزیں ہونے لگی ہیں جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، بلکہ بہت سی چیزیں شرعاً گناہ ہیں۔

اکثر علاقوں میں شبِ معراج شریف ستائیسویں رجب کو منائی جاتی ہے اور اس رات کو نعوذ باللہ تعالیٰ شبِ قدر کا درجہ دیا جاتا ہے، دن کو حلوا پوری پکایا جاتا ہے۔

رنگین کاغذوں کی جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں، رات کو آتش بازی چلائی جاتی ہے اور مٹی کی چھوٹی چھوٹی رکابیوں پر رنگین کاغذ منڈھے جاتے ہیں جن میں چراغ رکھ کر رات کو درودیوار پر چراغاں کیا جاتا ہے، اس رات میں گھروں کو صاف ستھرا کیا جاتا ہے۔

پنجابی میں اس رسم کو ''گول جلانا'' کہتے ہیں جو شخص ان رسموں کی مخالفت کرے اسے وہابی کا لقب دیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عموماً ائمۂ مساجد جاہلوں کی اس گالی سے ڈر کر ان کی مخالفت نہیں کرتے، حالانکہ حلوہ پکانے کو عبادت سمجھنا بالکل فضول ہے اور باقی رسموں میں فضول خرچی اور اسراف پایا جاتا ہے، جو شرعاً حرام ہے۔

(۱)......ستائیس رجب کو شبِ معراج قرار دینا اور اس رات کی فضیلت میں غلو

ستائیس رجب کو اس قسم کی چیزیں زیادہ تر اس بنیاد پر انجام دی جارہی ہیں کہ ۲۷/رجب کے بارے میں مشہور ہوگیا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی تاریخ ہے، اور اس رات میں ہی گویا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس اور آسمانوں پر تشریف لے گئے تھے، اور عوام میں رجب کے مہینے کی ستائیسویں رات ہی کو قطعی اور حتمی طور پر شبِ معراج سمجھا جاتا ہے۔

حالانکہ شبِ معراج کی تاریخوں، مہینوں بلکہ سالوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

پس ۲۷/رجب کو حتمی ویقینی طور پر شبِ معراج سمجھنے کے کیا معنیٰ؟

چنانچہ ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی رحمہ اللہ (المتوفیٰ ۱۱۲۲ھ) فرماتے ہیں کہ:

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph:0092515507530

وَلَمَّا كَانَ فِيْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ اَوِ الْاٰخِرِ اَوْ رَجَبٍ اَوْ رَمَضَانَ اَوْشَوَّالٍ اَقْوَالٌ خَمْسَةٌ اُسْرِيَ بِرُوْحِهٖ وَجَسَدِهٖ يَقْظَةً "لَا مَنَامًا مَرَّةً وَّاحِدَةً فِيْ لَيْلَةٍ وَّاحِدَةٍ عِنْدَ جَمْهُوْرِ الْمُحَدِّثِيْنَ وَالْفُقَهَاءِ وَالْمُتَكَلِّمِيْنَ وَتَوَارَدَتْ عَلَيْهِ ظَوَاهِرُ الْأَخْبَارِ الصَّحِيْحَةِ، وَلَا يَنْبَغِيْ الْعُدُوْلُ عَنْهُ (شرح الزرقانی)

ترجمہ: اور جب ربیع الاول کا مہینہ ہوا، یا ربیع الآخر کا، یا رجب کا، یا رمضان کا یا شوال کا مہینہ ہوا، اس سلسلہ میں یہ پانچ اقوال ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روح اور جسم کے ساتھ جاگنے کی حالت میں معراج کرائی گئی، نہ کہ نیند کی حالت میں، ایک مرتبہ ایک ہی رات میں، جمہور محدثین اور فقہاء اور متکلمین کے نزدیک، اور صحیح احادیث صاف طور پر اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، جن سے ہٹنے کی گنجائش نہیں ہے (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فَعَلٰى قَوْلِ السُّدِّيِّ يَكُوْنُ الْإِسْرَاءُ فِيْ شَهْرِ ذِي الْقَعْدَةِ، وَعَلٰى قَوْلِ الزُّهْرِيِّ وَعُرْوَةَ يَكُوْنُ فِيْ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ......وَقَدْ أَوْرَدَ حَدِيْثًا لَا يَصِحُّ سَنَدُهٗ ذَكَرْنَاهُ فِي فَضَائِلِ شَهْرِ رَجَبٍ أَنَّ الْإِسْرَاءَ كَانَ لَيْلَةَ السَّابِعِ وَالْعِشْرِيْنَ مِنْ رَجَبٍ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّزْعَمُ أَنَّ الْإِسْرَاءَ كَانَ أَوَّلَ لَيْلَةِ جُمُعَةٍ مِنْ شَهْرِ رَجَبٍ وَهِيَ لَيْلَةُ الرَّغَائِبِ الَّتِيْ أُحْدِثَتْ فِيْهَا الصَّلَاةُ الْمَشْهُوْرَةُ وَلَا أَصْلَ لِذٰلِكَ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ (البداية والنهاية) [2]

ترجمہ: پس سُدّی کے قول کے مطابق معراج ذوالقعدۃ کے مہینے میں، اور زہری اور عروہ کے قول کے مطابق ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی......اور ایک حدیث جس کی سند صحیح نہیں ہے، اور اس کو ہم نے فضائلِ شہرِ رجب میں ذکر کیا ہے، یہ ہے کہ معراج رجب کی ستائیسویں رات میں ہوئی، واللہ اعلم۔ اور بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ معراج رجب کے مہینے کی پہلی شبِ جمعہ میں ہوئی، اور یہ رات رغائب کہلاتی ہے،

---

[1] علی المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ج ٢ ص ٦٧، وقت الإسراء.

[2] ج٣ص١٣٥، فصل الاسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم من مكة إلى بيت المقدس، دار إحياء التراث العربي، بيروت، السيرة النبوية، لابن كثير.

جس میں ایک مشہور نماز ایجاد کی گئی ہے، اور اس (نماز) کی کوئی اصل نہیں ہے، واللہ اعلم (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابنِ جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ الْوَاقِدِیُّ : کَانَ الْمَسْرٰی فِیْ لَیْلَةَ السَّبْتِ لِسَبْعِ عَشَرَةَ لَیْلَةً خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ فِی السَّنَةِ الثَّانِیَةِ عَشَرَةَ مِنَ النُّبُوَّةِ، قَبْلَ الْهِجْرَةِ بِثَمَانِیَةَ عَشَرَ شَهْراً.وَرُوِیَ عَنْ أَشْیَاخٍ أُخَرَ قَالُوْا : أُسْرِیَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم لَیْلَةَ سَبْعَةَ عَشَرَ مِنْ شَهْرِ رَبِیْعِ الْأَوَّلِ، قَبْلَ الْهِجْرَةِ بِسَنَةٍ.وَقَالَ مُؤَلِّفُ الْکِتَابِ :وَیُقَالُ إِنَّهٗ کَانَ لَیْلَةَ سَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ مِنْ رَجَبٍ(المنتظم) [1]

ترجمہ: امام واقدی نے فرمایا کہ معراج، ہجرت سے اٹھارہ مہینے پہلے اور (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو) نبوت ملنے کے بارہویں سال میں رمضان کی ستائیسویں تاریخ میں ہفتہ کی رات میں ہوئی، اور دوسرے مشائخ سے یہ قول مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ربیع الاول کے مہینے کی ستائیسویں رات میں ہوئی، اور مؤلفِ کتاب (ابنِ جوزی) نے فرمایا کہ ایک قول رجب کے مہینے کی ستائیسویں رات کا ہے (ترجمہ ختم)

اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اُخْتُلِفَ فِیْ شَهْرِهٖ وَلَیْلَتِهٖ فَقَالَ النَّوَوِیُّ فِی الْفَتَاوٰی : کَانَ فِیْ شَهْرِ رَبِیْعِ الْأَوَّلِ وَقَالَ فِیْ شَرْحِ مُسْلِمٍ تَبْعًا لِّلْقَاضِیْ عَیَاضٍ :إِنَّهٗ فِیْ شَهْرِ رَبِیْعِ الْآخِرِ وَجَزَمَ فِی الرَّوْضَةِ بِأَنَّهٗ فِیْ رَجَبٍ وَقِیْلَ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ وَقِیْلَ : فِیْ شَوَّالٍ وَکَانَ عَلٰی مَا قِیْلَ اللَّیْلَةَ السَّابِعَةَ وَالْعِشْرِیْنَ مِنَ الشَّهْرِ(روح المعانی) [2]

ترجمہ: معراج کے مہینے اور رات میں اختلاف ہے، امام نووی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ معراج ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی، اور مسلم کی شرح میں (امام نووی نے)

---

[1] لابن الجوزی، ج۳ص۲۵، ۲۶، ذکر الحوادث فی سنة اثنتی عشرة من النبوة، الإسراء والمعراج، دار الکتب العلمیة، بیروت.

[2] للألوسی، ج۸ص۸، تحت سورة الاسراء، دار الکتب العلمیة -بیروت.

قاضی عیاض کی اتباع کرتے ہوئے فرمایا کہ معراج ربیع الآخر کے مہینے میں ہوئی، اور روضہ میں یقین کے ساتھ یہ فرمایا کہ رجب کے مہینے میں ہوئی، اور ایک قول رمضان کے مہینے کا ہے، اور ایک قول شوال کے مہینے کا ہے، اور کہا گیا ہے کہ معراج مہینے کی ستائیسویں رات میں ہوئی (ترجمہ ختم)

اور علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَهُوَ أَمْرٌ مُخْتَلَفٌ فِيْهِ بَيْنَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَالْمُؤَرِّخِيْنَ فَقِيْلَ كَانَ ذٰلِكَ فِيْ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ، وَقِيْلَ فِيْ رَبِيْعِ الْآخِرَةِ، وَقِيْلَ فِيْ ذِى الْحِجَّةِ وَقِيْلَ فِيْ شَوَّالٍ، وَقِيْلَ فِيْ رَمَضَانَ، وَقِيْلَ فِيْ رَجَبٍ فِيْ لَيْلَةِ السَّابِعِ وَالْعِشْرِيْنَ وَقَوَّاهُ بَعْضُهُمْ (الآثار المرفوعة)[1]

ترجمہ: اور اس (معراج کی تاریخ) کے بارے میں محدثین اور مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ معراج ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی، اور ایک قول ربیع الآخر کے مہینے کا ہے، اور ایک قول ذی الحجہ کے مہینے کا ہے، اور ایک قول شوال کے مہینے کا ہے، اور ایک قول رمضان کے مہینے کا ہے، اور ایک قول رجب کی ستائیسویں تاریخ کا ہے، جس کو بعض نے قوی قرار دیا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تفسیر ''معارف القرآن'' میں تحریر فرماتے ہیں:

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ معراج کی تاریخ میں روایات بہت مختلف ہیں، موسیٰ بن عقبہ کی روایت یہ ہے کہ یہ واقعہ ہجرتِ مدینہ سے چھ ماہ قبل پیش آیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت خدیجہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی وفات نمازوں کی فرضیت نازل ہونے سے پہلے ہو چکی تھی، امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کی وفات کا واقعہ بعثتِ نبوی کے سات سال بعد ہوا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ واقعۂ معراج، بعثتِ نبوی سے پانچ سال بعد میں ہوا ہے، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ واقعۂ معراج اس وقت پیش آیا جبکہ اسلام عام قبائلِ عرب میں پھیل چکا تھا۔

---

[1] فی الأخبار الموضوعة للکنوی، ص۷۷، حدیث صلاة الرغائب، مکتبة الشرق الجدید - بغداد.

ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ واقعۂ معراج، ہجرتِ مدینہ سے کئی سال پہلے کا ہے۔ حربی کہتے ہے کہ واقعۂ اسراء ومعراج ربیع الثانی کی ستائیسویں شب میں ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا ہے اور ابنِ قاسم ذہبی کہتے ہیں کہ بعثت سے اٹھارہ مہینے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ حضراتِ محدثین نے روایاتِ مختلفہ ذکر کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کن چیز نہیں لکھی اور مشہور عام طور پر یہ ہے کہ ماہِ رجب کی ستائیسویں شب، شبِ معراج ہے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم (معارف القرآن ج۵ص۴۴۲و۴۴۳)

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں معلوم ہوا کہ معراج کس مہینے میں ہوئی؟ اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں، جن میں سے ایک قول ربیع الاول کے مہینہ کا، دوسرا قول ربیع الآخر کے مہینے کا، تیسرا قول رجب کے مہینے کا، چوتھا قول رمضان کے مہینے کا، پانچواں قول شوال کے مہینے کا، چھٹا قول ذوالقعدۃ کے مہینے کا، اورساتواں قول ذی الحجہ کے مہینے کا ہے، اور مشہور عام طور پر ستائیسویں رجب ہے۔

اور مہینوں میں اختلاف کے ساتھ ساتھ تاریخوں اور سالوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] وکما اختلف فی مبدأ الاسراء اختلف فی سنته فذکر النووی فی الروضة أنه کان بعد النبوة بعشر سنین وثلاثة أشهر وفی الفتاوی أنه کان سنة خمس أو ست من النبوة ونقل عنه الفاضل الملا أمین العمری فی شرح ذات الشفاء الجزم بأنه کان فی السنة الثانية عشرة من المبعث وعن ابن حزم دعوی الاجماع علی ذلک وضعف ما فی الفتاوی بأن خدیجة رضی الله عنها لم تصل الخمس وقد ماتت قبل الهجرة بثلاث سنین وقیل کان قبل الهجرة بسنة وخمسة أشهر وقیل ثلاثة أشهر ووقع فی حدیث شریک بن أبی نمرة عن أنس أنه کان قبل أن یوحی إلیه وقد خطأه غیر واحد فی ذلک ونقل الحافظ عبد الحق فی کتابه الجمع بین الصحیحین حدیث شریک الواقع فیه ذلک بطوله ثم قال هذا الحدیث بهذا اللفظ من روایة شریک عن أنس قد زاد فیه زیادة مجهولة وأتی بألفاظ غیر معروفة ، وقد روی حدیث الإسراء عن أنس جماعة من الحفاظ المتقنین والأئمة المشهورین کابن شهاب وثابت البنانی وقتادة فلم یأت أحد منهم بما أتی به شریک وشریک لیس بالحافظ عند أهل الحدیث وأجاب عن ذلک محیی السنة وغیره بما ستسمعه إن شاء الله تعالی . وکذا اختلف فی شهره ولیلته فقال النووی فی الفتاوی :کان فی شهر ربیع الأول وقال فی شرح مسلم تبعا للقاضی عیاض :إنه فی شهر ربیع الآخر وجزم فی الروضة بأنه فی رجب وقیل فی شهر رمضان وقیل :فی شوال وکان علی ما قیل اللیلة السابعة والعشرین من الشهر وکانت لیلة السبت کما نقله ابن الملقن عن روایة الواقدی وقیل :کانت لیلة الجمعة لمکان فضلها وفضل الإسراء ورد بأن جبرائیل علیه السلام صلی بالنبی أول یوم بعد الإسراء الظهر ولو کان یوم الجمعة لم یکن فرضها الظهر قاله محمد بن عمر السفیری وفیه أن العمری ذکر فی شرح ذات الشفاء أن الجمعة والجنازة وجبتا بعد الصلوات الخمس وفی شرح المنهاج للعلامة ابن حجر إن صلاة الجمعة ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس ۲۷/ رجب کی رات کو معراج کی یقینی رات سمجھنا درست نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فرضت بمكة ولم تقم بها لفقد العدد أو لأن شعارها الاظهار وكان بها مستخفيا وأول من أقامها بالمدينة قبل الهجرة أسعد بن زرارة بقرية على ميل من المدينة ونقل الدميرى عن ابن الأثير أنه قال :الصحيح عندى أنها كانت ليلة الاثنين واختاره ابن المنير وفى البحر قيل إن الإسراء كان فى سبع عشرة من شهر ربيع الأول والرسول ابن إحدى وخمسين سنة وتسعة أشهر وثمانية وعشرين يوما وحكى أنها ليلة السابع والعشرين من شهر ربيع الآخر عن الجرمى وهى على ما نقل السفيرى عن الجمهور أفضل الليالى حتى ليلة القدر مطلقا وقيل هى أفضل بالنسبة إلى النبى وليلة القدر أفضل بالنسبة إلى أمته عليه الصلاة و السلام ورد بأن ما كان أفضل بالنسبة إليه فهو أفضل بالنسبة إلى أمته عليه الصلاة و السلام فهى أفضل مطلقا نعم لم يشرع التعبد فيها والتعبد فى ليلة القدر مشروع إلى يوم القيامة والله تعالى أعلم (روح المعانى للآلوسى، ج۸ص۸،۹، تحت سورة الاسراء)
واختلفوا فى أى سنة كان، فجزم جمع بأنه كان قبل الهجرة بسنة، وجرى عليه الامام النووى، وبالغ ابن حزم فنقل فيه الاجماع.وقال القاضى :قبل الهجرة بخمس سنين لانه لاخلاف أن خديجة صلت معه بعد فرض الصلاة، ولا خلاف أنها توفيت قبل الهجرة، ولا خلاف أن فرض الصلاة كان ليلة الاسراء ، وتعقبه ابن دحية بأن المراد بالصلاة التى صلتها معه هى التى كانت من أول البعثة، وكانت ركعتين بالغداة وركعتين بالعشى، وإنما الذى فرض ليلة الاسراء الصلوات الخمس .وقد قالت عائشة رضى الله عنها :(إن خديجة رضى الله عنها ماتت قبل أن تفرض الصلاة) رواه ابن سعد، ويعقوب بن سفيان . فالمعتمد أن مراد من قال :بعد أن فرضت ا لصلاة، ما فرض قبل الصلوات الخمس، إن ثبت ذلك .ومراد عائشة بقولها :ماتت قبل أن تفرض الصلاة، أى الخمس، فيجمع بين القولين بذلك .ويلزم منه أنها ماتت قبل الاسراء وقد حكى العسكرى أنها ماتت قبل الهجرة بسبع سنين وسيأتى تحقيق ذلك فى ترجمتها .واختلفوا فى أى الشهور كان (الاسراء) فجزم ابن الاثير وجمع، منهم النووى فى فتاويه كما فى النسخ المعتمدة، بأنه كان فى ربيع ا لاول، قال النووى :(ليلة سبع وعشرين)وجرى عليه جمع، وهكذا عن الفتاوى الاسنوى فى المهمات، والاذرعى -بفتح أوله والراء وسكون الذال المعجمة بينهما -فى التوسط، والزركشى فى الخادم، والدميرى فى حياة الحيوان، وغيرهم. وكذا رأيته فى عدة نسخ من الفتاوى وفى بعض النسخ من شرح مسلم كذلك، وفى أكثرها ربيع الاخر كما فى نسخ الفتاوى.ونقله ابن دحية فى الابتهاج، والحافظ فى الفتح، وجمع عن الحربى .والذى نقله عنه ابن دحية فى كتابيه :التنوير والمعراج الصغير، وأبو شامة فى الباعث، والحافظ فى فضائل رجب، ربيع الاول.وقيل :كان فى رجب، وجزم به النووى فى الروضة تبعا للرافعى، وقيل فى رمضان، وقيل فى شوال.قال ابن عطية بعد أن حكى الخلاف والتحقيق :(إنه كان بعد شق الصحيفة وقبل بيعة العقبة، قال ابن دحية :(ويمكن أن يعين ا ليوم الذى أسفرت عنه تلك الليلة، ويكون يوم الاثنين (سبل الهدى والرشاد،للامام محمد بن يوسف الصالحى ، ج۳ص۶۵ ،الباب الرابع فى أى زمان ومكان وقع الإسراء ،دارالكتب العلمية،بيروت)

[1] حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ اپنے مضمون ''تحقیقِ شبِ معراج'' میں فرماتے ہیں:

۲۷رجب کو یقینی طور پر شبِ معراج قرار دینا سراسر غلط ہے ،اس میں کئی اقسام کے بہت اختلافات ہیں،صرف تاریخ ہی میں نہیں بلکہ مبدأ میں،سال میں، مہینے میں،تاریخ میں،دن میں، ہرایک میں کئی کئی اقوال ہیں۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بالفرض ستائیس رجب کی رات میں معراج کے واقعہ کا ہونا تسلیم کرلیا جائے، تب بھی اس رات کے اپنی ذات میں افضل ہونے کے باوجود، اس کے لئے شریعت کی طرف سے کوئی عبادت مقرر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مبدأ:......اس میں پانچ اقوال ہیں:

(۱) بیتہٗ صلی اللہ علیہ وسلم (۲) بیتِ امِّ ھانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۳) حطیم (۴) قریب حجرِ اسود (۵) بین المقام وزمزم

سال اور اس کے اجزاء:......اس میں تقریباً چھتیس اقوال ہیں:

(۱) قبل البعثۃ (۲) بعد البعثۃ ایک سال چھ ماہ = رمضان (۳) ۵ نبوی (۴) بعد البعثۃ پانچ سال = ربیع الاول (۵) ۶ نبوی (۶) بعد البعثۃ دس سال = ربیع الاول (۷) بعد البعثۃ دس سال تین ماہ = جمادی الآخرۃ (۸) ۱۲ نبوی (۹) قبل الہجرۃ چھ ماہ = رمضان (۱۰) قبل الہجرۃ آٹھ ماہ = رجب (۱۱) قبل الہجرۃ ایک سال = ربیع الاول (۱۲) قبل الہجرۃ ایک سال دوماہ = محرم (۱۳) قبل الہجرۃ ایک سال تین ماہ = ذی الحجہ (۱۴) قبل الہجرۃ ایک سال چار ماہ = ذی قعدہ (۱۵) قبل الہجرۃ ایک پانچ ماہ = شوال (۱۶) قبل الہجرۃ ایک سال چھ ماہ = رمضان (۱۷) قبل الہجرۃ تین سال = ربیع الاول (۱۸) قبل الہجرۃ پانچ سال = ربیع الاول۔

بعثت میں دوقول ہیں:

ربیع الاول اور رمضان، ہجرت میں بھی دوقول ہیں، بعثت سے دس سال بعد اور تیرہ سال بعد۔ اس طرح عددِ مذکور تقریباً دوگنا ہوجائے گا، نمبر۶ میں نمبر۱۷، اور نمبر۸ میں نمبر۱۲ تا نمبر۱۶ داخل ہیں مع ھذا انہیں مستقل اسی بناء پر شمار کیا ہے۔

ماہ:......اس میں آٹھ اقوال ہیں:

(۱) محرم (۲) ربیع الاول (۳) ربیع الآخر (۴) رجب (۵) رمضان (۶) شوال (۷) ذی قعدہ (۸) ذی الحجہ۔ ان میں سے بعض مہینوں کے اقوال کی کتبِ سیرت میں تصریح ہے، اور بعض سال مذکورہ فہرست سے التزاماً ثابت ہوتے ہیں۔

تاریخ:......اس میں نو سے زیادہ اقوال ہیں:

(۱) ۱۲ ربیع الاول (۲) ۱۷ ربیع الاول (۳) ۲۷ ربیع الاول (۴) ۱۷ ربیع الآخر (۵) ۲۷ ربیع الآخر (۶) ۲۷ رجب (۷) ۱۷ رمضان (۸) ۲۷ رمضان (۹) ۲۷ شوال۔ یہ نو اقوال پانچ مہینوں کی تواریخ میں ہیں، بقیہ تین ماہ، محرم، ذی قعدہ، ذی الحجہ کی تواریخ منقول نہیں، اس طرح تواریخ میں مجموعۂ اقوال نو سے زیادہ ہوجاتے ہیں۔

دن:......اس میں تین اقوال ہیں:

(۱) جمعہ (۲) ہفتہ (۳) پیر (سات مسائل صفحہ ۱۱ تا ۱۳، مطبوعہ: دارالافتاء والارشاد، کراچی)

نہیں کی گئی، اور امت کے لئے اس رات کے ساتھ فضیلت کو وابستہ نہیں کیا گیا۔

بلکہ یہ رات دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فضیلت والی تھی۔

چنانچہ ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۲۲ھ) فرماتے ہیں کہ:

"فَإِنْ قُلْتَ :اَيَّمَا أَفْضَلُ لَيْلَةُ الْإِسْرَاءِ أَمْ لَيْلَةُ الْقَدْرِ "الَّتِىْ هِيَ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ؟ "فَالْجَوَابُ كَمَا قَالَهُ الشَّيْخُ أَبُوْ أُمَامَةَ بْنُ النَّقَّاشِ، أَنَّ لَيْلَةَ الْإِسْرَاءِ أَفْضَلُ فِيْ حَقِّ النَّبِيِّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ "لِمَا أُكْرِمَ بِهٖ فِيْهَا مِنْ خَوَارِقِ الْعَادَاتِ الَّتِيْ أَجَلُّهَا رُؤْيَتُهُ لِلّٰهِ تَعَالٰى عَلَى الصَّحِيْحِ "وَلَيْلَةَ الْقَدْرِ أَفْضَلُ فِيْ حَقِّ الْأُمَّةِ؛ لِأَنَّهَا "أَيْ :الْعَمَلَ فِيْهَا " خَيْرٌ لَّهُمْ مِنْ عَمَلٍ فِيْ ثَمَانِيْنَ سَنَةً لِمَنْ قَبْلَهُمْ "بِإِلْغَاءِ الْكَسْرِ، وَهُوَ ثَلَاثُ سِنِيْنَ وَثُلُثُ سَنَةٍ، بِنَاءً عَلٰى أَنَّ الْمُرَادَ حَقِيْقَةُ الْعَدَدِ وَهُوَ أَلْفُ شَهْرٍ، وَصَدَرَ الْبَيْضَاوِيُّ، بِأَنَّ الْمُرَادَ اَلتَّكْثِيْرُ "وَأَمَّا لَيْلَةُ الْإِسْرَاءِ فَلَمْ يَأْتِ فِيْ أَرْجَحِيَّةِ الْعَمَلِ فِيْهَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ "أَرَادَ بِهٖ مَا يَشْمَلُ الْحَسَنَ بِدَلِيْلِ قَوْلِهٖ "وَلَا ضَعِيْفٌ، وَلِذٰلِكَ لَمْ يُعَيِّنْهَا النَّبِيُّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -لِأَصْحَابِهٖ، وَلَا عَيَّنَهَا أَحَدٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ، وَلَا صَحَّ إِلَى الْآنَ، وَلَا "يَصِحُّ "إِلٰى أَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ فِيْهَا شَيْءٌ " لِأَنَّهُ إِذَا لَمْ يَصِحَّ مِنْ أَوَّلِ الزَّمَانِ، لَزِمَ أَنْ لَّا يَصِحَّ فِيْ بَقِيَّتِهٖ، لِعَدَمِ إِمْكَانِ تَجَدُّدِ وَاحِدٍ عَادَةً يَطَّلِعُ عَلٰى ذٰلِكَ بَعْدَ الزَّمَنِ الطَّوِيْلِ، وَهٰذَا لَا يَشْكُلُ عَلَيْهِ مَا قِيْلَ أَنَّهُ كَانَ لَيْلَةَ سَبْعَ عَشَرَةَ، أَوْ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ خَلَتْ مِنْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ، أَوْ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ مِنْ رَمَضَانَ، أَوْ مِنْ رَبِيْعِ الْآخِرِ، أَوْ مِنْ رَجَبٍ، وَاخْتِيْرَ وَعَلَيْهِ الْعَمَلُ؛ لِأَنَّ اِبْنَ النَّقَّاشِ لَمْ يَنْفِ الْخِلَافَ فِيْهَا مِنْ أَصْلِهٖ، وَإِنَّمَا نَفٰى تَعْيِيْنَ لَيْلَةٍ بِخُصُوْصِهَا لِلْإِسْرَاءِ وَأَنَّهَا أَصَحُّ "وَمَنْ قَالَ فِيْهَا شَيْئًا، فَإِنَّمَا قَالَ مِنْ كَيْسِهٖ "أَيْ :مِنْ عِنْدِ نَفْسِهٖ دُوْنَ اِسْتِنَادٍ لِنَصٍّ يُعْتَمَدُ عَلَيْهِ "

لِمَرْجِعٍ ظَهَرَ لَهُ، اِسْتَأْنَسَ بِهِ "لِمَا جَزَمَ بِهِ" وَلِهٰذَا "أَىْ :عَدَمِ إِتْيَانِ شَيْئٍ فِيْهَا "تَصَادَمَتِ الْأَقْوَالُ فِيْهَا وَتَبَايَنَتْ، وَلَمْ يَثْبُتُ الْأَمْرُ فِيْهَا عَلٰى شَيْئٍ وَلَوْ تَعَلَّقَ بِهَا نَفْعٌ لِلْأُمَّةِ وَلَوْ بِذَرَّةٍ " أَىْ :شَيْئًا قَلِيْلًا جِدًّا "لَبَيَّنَهُ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لِأَنَّهُ حَرِيْصٌ عَلٰى نَفْعِهِمْ(شرح الزرقانی) [1]

ترجمہ: اگر آپ یہ کہیں کہ معراج کی رات افضل ہے یا شبِ قدر کی رات جو کہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے، جیسا کہ شیخ ابوامامہ بن نقاش نے فرمایا کہ کہ معراج کی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شبِ قدر سے افضل ہے، کیونکہ اس رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم معجزات کے ذریعے سے اعزاز بخشا گیا، جس میں صحیح قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کی رؤیت بھی داخل ہے۔

اور امت کے حق میں شبِ قدر افضل ہے، کیونکہ شبِ قدر میں امت کے نیک عمل کا ثواب پہلی امتوں کے مقابلے میں ترا سی سال اور تین مہینے کے برابر ہے، جبکہ اس سے ہزار مہینے کی حقیقت مراد لی جائے، اور بیضاوی نے فرمایا کہ اس عدد سے مراد کثرت ہے۔

جہاں تک معراج کی رات کا تعلق ہے، تو اس میں کسی عمل کی فضیلت کے بارے میں کوئی صحیح اور معتبر حدیث نہیں آئی، اور اسی وجہ سے اس رات (اور اس کی کسی عبادت) کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے لئے تعیین نہیں فرمائی، اور نہ ہی صحابہ میں سے کسی نے صحیح سند کے ساتھ اس کی تعیین فرمائی، اور نہ ہی اب تک اس بارے میں کوئی صحیح سند آئی، اور نہ ہی قیامت تک آ سکے گی، کیونکہ جب پہلے زمانے میں کوئی سند نہیں، تو اگلے زمانے میں صحیح سند کیسے آ سکے گی؟

کیونکہ ایک طویل زمانہ گزرنے کے بعد دوبارہ صحیح سند کا آنا ممکن نہیں، اور اس پر ان اقوال سے کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا کہ معراج سترہویں یا ستائیسویں ربیع الاول کی

---

[1] علی المواھب اللدنیة بالمنح المحمدیة،المقصد الخامس :فی تخصیصه علیه الصلاة والسلام بخصائص المعراج والإسراء ،جلد ۸ صحفه ۱۷ ، دارالکتب العلمیة، بیروت.

رات میں ہوئی، یا ستائیسویں رمضان میں ہوئی، یا ربیع الآخر کے مہینے میں، یا رجب کے مہینے میں، اور رجب کے مہینے کو اختیار کیا گیا ہے، اور اسی پر عمل کیا گیا ہے، کیونکہ ابنِ نقاش نے اس میں اصل اختلاف کی نفی نہیں کی، بلکہ انہوں نے معراج کی مخصوص رات کی تعیین کی نفی کی ہے، اور یہی صحیح ہے۔ اور جس نے اس کے بارے میں کچھ کہا ہے (کہ فلاں مہینے اور فلاں تاریخ میں ہوئی) تو اس نے اپنی عقل وسمجھ سے اپنے پاس سے کہا ہے، کسی ایسے نص کی بنیاد پر نہیں کہا، جس پر اعتماد کیا جا سکے، اور اس رات میں کسی مخصوص عمل کے نہ ہونے کی وجہ سے ہی اس رات کے بارے میں اقوال ایک دوسرے سے مختلف اور جدا جدا ہیں، اور کسی قول پر کوئی مضبوط دلیل اور اتفاق نہیں ہے، اور اگر اس رات کے ساتھ امت کا کوئی نفع وابستہ ہوتا، اگرچہ تھوڑی مقدار میں ہی ہو، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو امت کے لئے خود ضرور بیان فرما دیتے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امت کے فائدے کے لئے حریص تھے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ معراج کی رات کے لئے امت کے حق میں کوئی خاص عمل مقرر نہیں ہے، ورنہ اس میں اختلاف نہ پایا جاتا۔ [۱]

---

[۱] چنانچہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ اپنے مضمون ”تحقیق شبِ معراج“ میں فرماتے ہیں:

چونکہ اس رات یا دن سے متعلق کوئی حکمِ شرعی اور کسی قسم کی کوئی عبادت نہیں، اس لئے نہ تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود اس کی طرف کوئی اشارہ فرمایا اور نہ ہی حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی نے دریافت کرنے کی ضرورت سمجھی، اس کی تعیین کو لغو قرار دے کر اس سے مکمل طور پر سکوت اختیار کیا گیا، بلکہ موجبِ فسادِ عقیدہ وبدعات ہونے کی وجہ سے اس کی طرف توجہ اور اس کی تحقیق کو گویا ناجائز قرار دیا گیا۔ اگر حفاظتِ دین کی یہ مصلحت پیشِ نظر نہ ہوتی تو کم از کم تجسسِ حالاتِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حقوق ومقتضیاتِ محبت ہی میں شمار کر کے اس کے بارے میں کسی صحابی نے سوال کر لیا ہوتا (سات مسائل صفحہ ۱۱ تا ۱۳، مطبوعہ: دار الافتاء والارشاد، کراچی)

آگے چل کر حضرت مفتی صاحب موصوف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ایک نہایت اہم سوال، اور بہت زبردست اشکال!

شبِ معراج کی تعیین میں تقریباً چھتیس اقوال ہیں۔ اس قدر اہم اور ایسی مبارک رات کے بارے میں اتنا شدید اختلاف کیوں؟ **﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾**

پس رجب کی ستائیسویں رات کو یقینی طور پر شبِ معراج قرار دینا یا اس کے لئے مخصوص عبادت مقرر کرنا درست نہیں۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مبارک رات کی تفاصیل تو بیان فرمائیں (کہ شبِ معراج میں کیا کیا واقعات ومناظر پیش آئے) مگر اس کی تعیین سے مکمل سکوت کیوں اختیار فرمایا؟ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس شب کو تلاش کرنے کی کوئی کوشش کیوں نہیں فرمائی؟ اس قدر بے اعتنائی (بے توجہی) کہ کسی ایک صحابی نے بھی اس بارے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پوچھا۔ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدتِ محبت کی وجہ سے آپ کے وہ حالات بلکہ خدوخال تک بھی بہت غور سے دیکھتے تھے جن سے کوئی حکمِ شرع متعلق نہیں، غلبۂ شوق سے ایک دوسرے سے پوچھتے، بتاتے اور باہم مذاکرہ کر کے لطف اندوز ہوتے، اس عشق ومحبت کے باوجود انہوں نے شبِ معراج سے اس قدر بے اعتنائی (بے توجہی) کیوں برتی؟

جواب:......اس کا جواب پوری دنیا سوچنے بیٹھے اور قیامت تک سوچتی رہے تو بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات میں نہ تو کسی خاص عبادت کا حکم فرمایا ہے، اور نہ ہی اس میں عام عبادات کی کوئی فضیلت اور دوسری راتوں کی بنسبت اجروثواب میں کوئی زیادتی بیان فرمائی ہے، اس لئے حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کی تعیین کی طرف توجہ کو بے سود اور لغو وعبث (فضول) قرار دیا۔ اس جواب کے بعد بھی یہ اشکال بدستور باقی ہے کہ اگرچہ اس سے کوئی حکمِ شرع وابستہ نہیں تاہم بمقتضائے محبت ہی اس طرف توجہ کی جاتی، جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدوخال اور نقش ونگار کو بھی محض بمقتضائے محبت ضبط (ومحفوظ) کرنے کا اہتمام کیا گیا تو آخر اس شب سے اس قدر بے اعتنائی (و بے توجہی) کی کیا وجہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شب میں خرافات وبدعات کی بھرمار کا شدید خطرہ تھا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سدِّ باب (بدعات وخرافات کا راستہ بند کرنے) کی غرض سے اس کو مبہم رکھنا ہی ضروری سمجھا۔ دینِ اسلام کی اور بالخصوص اس مبارک رات کی خرافات وبدعات سے حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمودہ اور حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قلوب (دلوں) میں القاء کردہ اس تدبیر کو بعد کے ''عاشقانِ رسول'' نے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا، صراطِ مستقیم سے کُھلا انحراف کر کے ۲۷ رجب کی تعیین بھی خود ہی گھر بیٹھے کر لی، پھر اس کو عبادت کی رات قرار دینے اور اس میں طرح طرح کی عبادات خود ایجاد کرنے کی بدعات بھی'' (سات مسائل صفحہ ۱۶ و ۱۷، مطبوعہ: دارالافتاء والارشاد، کراچی)

۱ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:

۲۷ رجب کی شب کے بارے میں یہ مشہور ہوگیا ہے کہ یہ شب معراج ہے، اور اس شب کو بھی اسی طرح گزارنا چاہئے جس طرح شب قدر گزاری جاتی ہے، اور جو فضیلت شب قدر کی ہے، کم وبیش شب معراج کی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)......ستّائیس رجب کا جلسہ

۲۷/رجب کو شبِ معراج سمجھنے کی وجہ سے آج کل بعض مقامات پر اس رات میں جلسے اوراجتماعات منعقد کئے جاتے ہیں، اوران میں کئی منکرات وخرافات جمع ہوچکی ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بھی وہی فضیلت سمجھی جاتی ہے، بلکہ میں نے تو ایک جگہ یہ لکھا ہوا دیکھا کہ ''شبِ معراج کی فضیلت شب قدر سے بھی زیادہ ہے'' اور پھر اس رات میں لوگوں نے نمازوں کے بھی خاص خاص طریقے مشہور کردیئے کہ اس رات میں اتنی رکعات پڑھی جائیں، اور ہر رکعت میں فلاں فلاں خاص سورتیں پڑھی جائیں۔ خدا جانے کیا کیا تفصیلات اس نماز کے بارے میں لوگوں میں مشہور ہوگئیں۔ خوب سمجھ لیجئے: یہ سب بے اصل باتیں ہیں، شریعت میں ان کی کوئی اصل اور کوئی بنیاد نہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ۲۷/رجب کے بارے میں یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی رات ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تھے، کیونکہ اس باب میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول کے مہینے میں تشریف لے گئے تھے، بعض روایتوں میں رجب کا ذکر ہے، اور بعض روایتوں میں کوئی اور مہینہ بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے پورے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ کونسی رات صحیح معنی میں معراج کی رات تھی۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے۔ اس سے آپ خود اندازہ کرلیں کہ اگر شب معراج بھی شب قدر کی طرح کوئی مخصوص رات ہوتی، اوراس کے بارے میں کوئی خاص احکام ہوتے جس طرح شب قدر کے بارے میں ہیں تو اس کی تاریخ اور مہینہ محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا جاتا۔ لیکن چونکہ شب معراج کی تاریخ محفوظ نہیں تو اب یقینی طور سے ۲۷/رجب کو شب معراج قرار دینا درست نہیں۔ اوراگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۷/رجب ہی کو معراج کے لئے تشریف لے گئے تھے، جس میں یہ عظیم الشان واقعہ پیش آیا، اور جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقامِ قرب عطا فرمایا، اوراپنی بارگاہ میں حاضری کا شرف بخشا، اورامت کے لئے نمازوں کا تحفہ بھیجا، تو بے شک وہی ایک رات بڑی فضیلت والی تھی۔ کسی مسلمان کو اس کی فضیلت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟ لیکن یہ فضیلت ہر سال آنے والی ۲۷/رجب کی شب کو حاصل نہیں۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ (بعض روایتوں کے پیش نظر۔ ناقل) یہ واقعۂ معراج سن ۵/نبوی میں پیش آیا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی بننے کے پانچویں سال یہ شب معراج پیش آئی، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد ۱۸/سال تک آپ دنیا میں تشریف فرمارہے، لیکن ان اٹھارہ سال کے دوران یہ کہیں ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے بارے میں کوئی خاص حکم دیا ہو، یا اس کو منانے کا اہتمام فرمایا ہو، یا اس کے بارے میں یہ فرمایا ہو کہ اس رات میں شبِ قدر کی طرح جاگنا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے۔ نہ تو آپ کا ایسا کوئی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوّل تو اس قسم کے جلسے خاص ۲۷؍ تاریخ میں منعقد کرنا ہی شرعی اصولوں کے خلاف ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین اور تبعِ تابعین، فقہائے کرام اور محدثینِ عظام سے ان کا کوئی ثبوت نہیں۔

دوسرے اس قسم کے جلسوں کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یہ معراج کی رات ہے، جب کہ اس رات کا شبِ معراج ہونا معتبر سند سے ثابت نہیں، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

اور اگر ثابت ہو بھی جائے تب بھی اس رات میں مذکورہ اجتماعات کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں، اور جب اس میں مزید خرابیاں جمع ہو جائیں تو اس وقت ان جلسوں اور اجتماعات کے ناجائز ہونے کا حکم اور زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ارشاد ثابت ہے، اور نہ آپ کے زمانے میں اس رات میں جاگنے کا اہتمام ثابت ہے، نہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاگے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس کی تاکید فرمائی اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے طور پر اس کا اہتمام فرمایا۔ پھر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد (تقریباً) سو سال تک صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دنیا میں موجود رہے، اس پوری صدی میں کوئی ایک واقعہ ثابت نہیں ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ۲۷؍ رجب کو خاص اہتمام کر کے منایا ہو۔ لہٰذا جو چیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی اور جو آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نہیں کی، اس کو دین کا حصہ قرار دینا، یا اس کو سنت قرار دینا یا اس کے ساتھ سنت جیسا معاملہ کرنا بدعت ہے، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جانتا ہوں کہ کونسی رات زیادہ فضیلت والی ہے، یا کوئی شخص یہ کہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ مجھے عبادت کا ذوق ہے، اگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ عمل نہیں کیا تو میں اس کو کروں گا تو اس کے برابر کوئی احمق نہیں (اصلاحی خطبات ج۱ ص۴۸ تا ۵۱)

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ دین کو سب سے زیادہ جاننے والے، دین کو خوب سمجھنے والے، اور دین پر مکمل طور پر عمل کرنے والے تھے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ان سے زیادہ دین کو جانتا ہوں، یا ان سے زیادہ دین کا ذوق رکھتا ہوں، یا ان سے زیادہ عبادت گزار ہوں تو حقیقت میں وہ شخص پاگل ہے، وہ دین کی فہم نہیں رکھتا۔ لہٰذا اس رات میں عبادت کے لئے خاص اہتمام کرنا بدعت ہے۔ یوں تو ہر رات میں اللہ تعالیٰ جس عبادت کی توفیق دے دیں وہ بہتر ہی بہتر ہے، لہٰذا آج کی رات بھی جاگ لیں، کل کی رات بھی جاگ لیں، اسی طرح ستائیسویں رات کو بھی جاگ لیں، لیکن اس رات میں اور دوسری راتوں میں کوئی فرق اور کوئی نمایاں امتیاز نہیں ہونا چاہئے (ایضاً ص ۵۱، ۵۲)

چنانچہ علامہ ابنِ حاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

أَنَّهُمْ أَحْدَثُوا فِيهَا مِنَ الْبِدَعِ أَشْيَاءَ، فَمِنْهَا إِتْيَانُهُمُ الْمَسْجِدَ الْأَعْظَمَ وَاجْتِمَاعُهُمْ فِيهِ، وَمِنْهَا زِيَادَةُ وَقُودِ الْقَنَادِيلِ فِيهِ، وَقَدْ تَقَدَّمَ مَا فِي ذٰلِكَ مِنَ الْمَفَاسِدِ لِمَا وَقَعَ الْكَلَامُ عَلٰى أَوَّلِ لَيْلَةِ جُمُعَةٍ مِنْ شَهْرِ رَجَبٍ، وَمِنْهَا مَا يَفْرِشُونَهُ مِنَ الْبُسُطِ، وَالسَّجَّادَاتِ وَغَيْرِهِمَا، وَمِنْهَا أَطْبَاقُ النُّحَاسِ فِيهَا الْكِيزَانُ، وَالْأَبَارِيقُ وَغَيْرُهُمَا كَأَنَّ بَيْتَ اللّٰهِ تَعَالٰى بَيْتُهُمْ، وَالْجَامِعُ إِنَّمَا جُعِلَ لِلْعِبَادَةِ لَا لِلْفِرَاشِ، وَالرُّقَادِ، وَالْأَكْلِ، وَالشُّرْبِ .فَإِنِ احْتَجَّ أَحَدٌ مِّنْهُمْ بِمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيثِ اَلْمَسْجِدُ بَيْتُ كُلِّ تَقِيٍّ وَبِفِعْلِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا -فِي مُلَازَمَتِهِ الْمَسْجِدَ وَمَبِيتِهِ فِيهِ حَتّٰى اَنَّهٗ كَانَ يُسَمّٰى حَمَامَةَ الْمَسْجِدِ فَالْجَوَابُ أَنَّ الْتِزَامَهُمُ الْمَسْجِدَ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ -وَمَبِيتَهُمْ فِيهِ لِمَعْنًى بَيِّنٍ، وَذٰلِكَ؛ لِأَنَّ أَهْلَ الصُّفَّةِ لَيْسَ لَهُمْ بَرَاحٌ مِنْهُ لَا لَيْلًا وَّلَا نَهَارًا فَكَيْفِيَّةُ الْتِزَامِهِمْ مَعْلُومَةٌ مَعْرُوفَةٌ بِمَا نُقِلَ عَنْهُمْ، إِذْ أَنَّهُمْ كَانُوا لَا يَزَالُونَ فِي أَحْوَالٍ سُنِّيَّةٍ إِمَّا صَلَاةٍ، أَوْ ذِكْرٍ، أَوْ تِلَاوَةٍ، أَوْ فِكْرٍ كُلُّ ذٰلِكَ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَبِّهِمْ (المدخل لابن الحاج، ج ا ص ۲۹۴ تا ۲۹۶، من البدع التی أحدثوها فی لیلۃ المعراج)

ترجمہ: لوگوں نے اس رات میں کئی بدعت والی چیزیں جمع کرلی ہیں، جن میں سے ایک خرابی بڑی مسجد میں آنا، اوراس میں جمع ہونا ہے، اورایک خرابی زیادہ روشنیوں کا کرنا ہے، اوراس میں جوخرابیاں ہیں، ان پر کلام رجب کے مہینے کی پہلی جمعہ کی رات کے بیان میں گزر چکا ہے (کہ اس میں مال کوضائع کرنا ہے، اوراگر مسجد کا مال ہو، تواور بڑی خرابی ہے) اورایک خرابی چٹائیوں اور دریوں وغیرہ کا بچھانا ہے، اورایک خرابی مسجد میں پراتوں اور برتنوں وغیرہ کا جمع کرنا ہے، گویا کہ اللہ تعالیٰ کا گھر ان کا اپنا گھر ہے، اورمساجد تو عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں، نہ کہ بچھونے اورسونے اورکھانے پینے

کے لئے، اگر کوئی اس سے دلیل پکڑے کہ حدیث میں یہ آیا ہے کہ مسجد ہر متقی آدمی کا گھر ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مسجد میں چمٹے رہتے تھے، اور اسی میں رات گزارتے تھے، یہاں تک کہ ان کا نام مسجد کا کبوتر پڑ گیا تھا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مسجدوں میں چمٹے رہنا، اور ان میں رات گزارنا، ایک دوسری واضح وجہ سے تھا، اور وہ اس لئے کہ اصحابِ صفہ مسجد میں رات اور دن میں آرام نہیں کیا کرتے تھے، ان کے مسجد میں ٹھہرنے کا طریقہ معلوم اور مشہور ہے، جیسا کہ ان کے بارے میں منقول ہے، کیونکہ وہ سنت طریقہ کے مطابق یا تو نماز میں مشغول ہوتے تھے، یا ذکر میں یا تلاوت میں، یا فکر میں، ہر ایک اپنے اپنے طور پر اپنے رب کے ساتھ عبادت میں مشغول ہوتا تھا (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام مساجد میں ان خرافات کے لئے جمع نہیں ہوتے تھے، بلکہ وہ عبادت کے لئے مساجد میں تشریف لاتے تھے، اور فرض نماز کے علاوہ ہر ایک نفل عبادت اور ذکر وتلاوت اپنے اپنے طور پر کیا کرتا تھا، اور نہ ہی رجب کی ستائیسویں رات میں وہ کسی اجتماعی عبادت کے لئے جمع ہوتے تھے۔

اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے فتاویٰ سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے۔

سوال:...... چند سال سے ہندوستان کے کئی مقامات میں رجبی شروع ہونے لگی ہے، یعنی ۲۷و۲۸ شب کو حضور سرورِ کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا حال پڑھا جاتا ہے، اور بڑا مجمع ہوتا ہے۔ اور کثرت سے روشنی کا سامان فراہم ہوتا ہے اور بعض جگہ اسی مجلس میں بعد بیانِ معراج شریف، قوالی ہوتی ہے اور حال آتا ہے۔ اور یوماً فیوماً اس کی ترقی ہے، تو براہِ مہربانی شریعت کی رو سے اس کے مضار ومنافع (فوائد ونقصانات) سے مطلع فرمایئے کہ اس کا کرنے والا اور شریک ہونے والا اور مدد دینے والا داخلِ حسنات (نیکی میں داخل) ہوگا یا موجبِ سیئات (یعنی گناہ کا ذریعہ)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph:0092515507530

جواب:......جلسۂ رجبی بھیئتِ متعارفہ زمانہ ھذا (یعنی رجب کا جلسہ جس طریقہ پر آج کے دور میں رائج ہے) میں جو منکرات (اور مفاسد وخرابیاں) مجتمع (جمع) ہیں وہ ظاہر ہیں:

(۱) التزام مالا یلزم (یعنی غیر لازم چیز کو لازم کرلینا) جس کی کراہت (یعنی مکروہ ہونا) فقہاء کے کلام میں منصوص (واضح طور پر مذکور) ہے، اور بہت فروعِ فقہیہ (فقہی جزئیات) کو اس پر متفرع کیا ہے، کَمَا لَایَخْفٰی عَلَی الْمَاھِرِ۔

(۲) کثرتِ روشنی میں اسراف (یعنی فضول خرچی) کا ہونا جس کی ممانعت منصوصِ قرآنی (یعنی اس کی ممانعت قرآن مجید میں واضح طور پر مذکور) ہے۔

(۳) اس میں تداعی (ایک دوسرے کو بلانے) کا اہتمام، جو تطوعات (یعنی نفل ومستحب عبادت) کے لئے مکروہ ہے، اسی بناء پر جماعتِ نافلہ (یعنی نفلوں کی جماعت) کو مکروہ کہا ہے۔

(۴) اور بھی جس قدر منکرات کو محققین نے مجالس متعارفہ میلاد میں (یعنی مروّجہ میلاد میں جن خرابیوں کا محققین نے) ذکر کیا ہے، اکثر بلکہ کل مع شیٔ زائد (یعنی اس سے بھی کچھ زیادہ) اس میں مجتمع (جمع) ہیں، بالخصوص اگر اس کے ساتھ قوالی بھی ہو تو منکرات مضاعف (یعنی خرابیاں دوگنا) ہوجاویں گے، کیونکہ مجالسِ متعارفہ سماع میں شرائطِ اباحت محض مفقود ہیں (یعنی سماع کی مروّجہ مجلسوں میں جائز ہونے کی شرائط کا لحاظ نہیں ہے) اور عوارضِ مانعہ بکثرت موجود ہیں (یعنی ممانعت والی چیزیں کثرت سے اس میں شامل ہیں) چنانچہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سماع متعارف پر منطبق کرنے سے اس کی تصدیق ہوسکتی ہے (یعنی امام غزالی رحمہ اللہ نے جو مروّجہ سماع پر تحقیق فرمائی ہے اس کو ان جلسوں پر منطبق کرنے سے ان جلسوں کے ناجائز ہونے کی تصدیق ہوتی ہے) بناء بر وجوہِ مذکورہ (یعنی مذکورہ وجوہات کی بناء پر) جلسۂ مذکورہ کے داعی اور ساعی وبانی ومعین وشریک (یعنی مذکورہ جلسہ کی دعوت دینے والے اور کوشش کرنے والے اور اس کو منعقد کرنے والے اور اس میں تعاون

کرنے والے اوراس میں شرکت کرنے والے) سب کے سب شرعاً قابلِ ملامت وتشنیع (یعنی ملامت اور برائی کے قابل اور مستحق) ہوں گے ۔ طالبِ حق (حق کے متلاشی اورطلب گار) کے لئے یہ مختصر (جواب) کافی ہے، اور مخاصِم (یعنی جھگڑا کرنے والے) کے لئے دفتر کے دفتر غیروافی (وناکافی) ہیں (امدادالفتاویٰ ج۵ص۲۸۶)

اورحضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

(شبِ معراج میں لوگوں کو جمع کرکے وعظ، شیرینی اور نفل نمازوں کا) یہ التزام واہتمام بے دلیل، بدعت، خلافِ شرع ہے، جو اس التزام کو نہ مانے وہ گنہگار نہیں بلکہ اس کو روکنے والا ماجور (ثواب کا مستحق) ہے۔ اس (۲۷/رجب کی) شب میں خصوصیت سے کوئی نماز علاوہ روزانہ کی نماز کے مسنون ومشروع نہیں۔ نفس وعظ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے جمع کرنا شرعاً درست ہے اوراس شب کو اس کے لئے مخصوص کرنا بے دلیل ہے، اسی طرح شیرینی کا اہتمام بے اصل ہے اور التزام مالا یلزم (یعنی ایک غیر لازم چیز کو لازم کرلینا) ہے (فتاویٰ محمودیہ ج۳ص۲۸۴، مبوب)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ستائیس رجب میں جلسہ کی تخصیص شریعت سے ثابت نہیں، لہٰذا اس کے اہتمام والتزام سے بچنا چاہئے۔

(۳)......ستَّائیس رجب کی رات میں خاص طریقے پر نمازیں پڑھنا

رجب کے مہینے کی ستائیسویں رات میں خاص طریقے پر مخصوص تعداد میں نفل نمازیں پڑھی جاتی ہیں، پہلے زمانے میں اس طرح کی نمازیں رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں پڑھی جاتی تھیں، اور ان کو ''صلوٰۃُ الرغائب'' کہا جاتا تھا۔

اوران نمازوں کے متعلق مختلف قسم کے من گھڑت فضائل عوام میں مشہور ہیں، جن کو حاصل کرنے کے لئے ان نمازوں کا اہتمام کیا جاتا ہے، مگر محدثین نے ان کا سختی کے ساتھ انکار کیا ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ حاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَقَالُوْا فِيْ صَلَاةِ الرَّغَائِبِ إِنَّهَا بِدْعَةٌ مَكْرُوْهَةٌ وَأَنْكَرُوْهَا إِنْكَارًا شَدِيْدًا . حَتّٰى أَنَّ مَنْ هُوَ عَلٰى مَذْهَبِ هٰذَا الْقَائِلِ، وَهُوَ الْإِمَامُ أَبُوْ زَكَرِيَّا يَحْيٰى النَّوَوِيُّ -رَحِمَهُ اللّٰهُ- أَنْكَرَهَا إِنْكَارًا شَدِيْدًا فِيْ فَتَاوِيْهِ، وَهٰذَا لَفْظُهَا . قَالَ :مَسْأَلَةٌ :صَلَاةُ الرَّغَائِبِ الْمَعْرُوْفَةِ فِيْ أَوَّلِ جُمُعَةٍ مِنْ رَجَبٍ هَلْ هِيَ سُنَّةٌ أَوْ فَضِيْلَةٌ أَوْ بِدْعَةٌ .اَلْجَوَابُ هِيَ بِدْعَةٌ قَبِيْحَةٌ مُنْكَرَةٌ أَشَدُّ إِنْكَارٍ اِشْتَمَلَتْ عَلٰى مُنْكَرَاتٍ فَعُيِّنَ تَرْكُهَا وَالْإِعْرَاضُ عَنْهَا، وَإِنْكَارُهَا عَلٰى فَاعِلِهَا وَعَلٰى وَلِيِّ الْأَمْرِ وَفَّقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْعُ النَّاسِ مِنْ فِعْلِهَا فَإِنَّهُ رَاعٍ وَكُلُّ رَاعٍ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ وَقَدْ صَنَّفَ الْعُلَمَاءُ كُتُبًا فِيْ إِنْكَارِهَا وَذَمِّهَا وَتَسْفِيْهِ فَاعِلِهَا وَلَا يُغْتَرَّ بِكَثْرَةِ الْفَاعِلِيْنَ لَهَا فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْبُلْدَانِ وَلَا بِكَوْنِهَا مَذْكُوْرَةً فِيْ قُوْتِ الْقُلُوْبِ وَإِحْيَاءِ عُلُوْمِ الدِّيْنِ وَنَحْوِهِمَا فَإِنَّهَا بِدْعَةٌ بَاطِلَةٌ.وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- قَالَ مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ وَفِي الصَّحِيْحَيْنِ أَنَّهُ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- قَالَ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ .وَفِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَغَيْرِهٖ أَنَّهُ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- قَالَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. وَقَدْ أَمَرَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى عِنْدَ التَّنَازُعِ بِالرُّجُوْعِ إِلٰى كِتَابِهٖ فَقَالَ تَعَالٰى (فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ) (النساء:۵۹) وَلَمْ يَأْمُرْنَا بِاتِّبَاعِ الْجَاهِلِيْنَ وَلَا بِالْاِغْتِرَارِ بِغَلَطَاتِ الْمُخْطِئِيْنَ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.وَأَمَّا قَوْلُهُ لِكَوْنِهَا رَاجِعَةً إِلٰى أَصْلٍ مِّنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَلَيْسَ كَمَا قَالَ؛ لِأَنَّ الصَّلَاةَ تَوْقِيْفِيَّةٌ كَمَا تَقَدَّمَ .أَلَا تَرٰى أَنَّهُ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ- بَيَّنَ كَيْفِيَّةَ صَلَاةِ الْعِيْدَيْنِ وَالْخُرُوْجِ إِلَيْهَا وَالتَّكْبِيْرِ فِيْهَا وَكَذٰلِكَ بَيَّنَ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ- صَلَاةَ الْكُسُوْفِ وَصَلَاةَ الْخَوْفِ وَالرَّوَاتِبِ مَعَ الصَّلَوَاتِ وَالْاِسْتِسْقَاءِ وَالْاِسْتِخَارَةِ وَالتَّهَجُّدِ وَصَلَاةِ الْمَرِيْضِ إِلٰى غَيْرِ

ذٰلِکَ فَبَيَّنَ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ -جَمِيْعَ أَنْوَاعِ الصَّلَاةِ وَأَوْضَحَهَا بِالْفِعْلِ وَالْقَوْلِ فَلَمْ يَبْقَ لِأَحَدٍ أَنْ يَّزِيْدَ فِيْهَا وَلَا يُنْقِصَ مِنْهَا كَمَا تَقَدَّمَ، فَإِذَا كَانَتِ الزِّيَادَةُ عَلٰى فِعْلِهٖ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ -بِدْعَةً مَمْنُوْعَةً فَأَوْلٰى بِالْمَنْعِ إِذَا أُحْدِثَتْ لِتِلْكَ الصَّلَاةِ تَسْمِيَةٌ وَوَقْتٌ خَاصٌّ هِيَ بِهَا وَصَارَتْ شِعَارًا ظَاهِرًا شَائِعًا لَمْ يَكُنْ مَعْرُوْفًا إِلَّا فِي الْقَرْنِ الْخَامِسِ

(المدخل، ج۴ص ۲۵۹، ۲۶۰، فَصْلٌ فِي ذِكْرِ صَلَاةِ الرَّغَائِبِ)

ترجمہ: فقہاء ومحدثین نے نمازِ رغائب کے بارے میں فرمایا کہ یہ بدعت اور مکروہ ہے، اوراس کا سختی کے ساتھ انکار فرمایا ہے، یہاں تک کہ اس قول والے (مثلاً صاحبِ احیاء وغیرہ) کے مذہب پر امام ابوزکریا نووی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں اس کا شدید انکار کیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں۔

سوال یہ ہے کہ جو نمازِ رغائب رجب کے پہلے جمعہ میں رائج ہے، کیا وہ سنت ہے یا فضیلت کا باعث ہے، یا بدعت ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہ بدعت ہے، قبیح اور شدید منکر ہے، جو ایسے منکرات پر مشتمل ہے، جس کی وجہ سے اس کا چھوڑنا اور اس سے اعراض کرنا، اوراس کے کرنے والے پر انکار کرنا متعین ہے، اور ذمہ دار (نگران) پر جس کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں اس کے کرنے سے منع کرنا لازم ہے، کیونکہ وہ نگران ہے، اور ہر نگران سے اپنے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اور علماء نے اس نماز کے انکار پر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، اوراس کی برائی بیان کی ہے، اوراس کے کرنے والے کو برا قرار دیا ہے، اور بہت سے لوگ جو اکثر مقامات پر اس نماز کو اختیار کرتے ہیں، ان سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، اور نہ ہی اس نماز کے ''قوتُ القلوب'' اور ''احیاء علوم الدین'' وغیرہ جیسی کتابوں میں ذکر ہونے سے دھوکہ کھانا چاہئے، کیونکہ یہ نماز بدعت اور باطل ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے

کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات پیدا کی، جو اس میں نہیں تھی، تو وہ مردود ہے۔

اور بخاری، مسلم میں ہے کہ جس نے ایسا عمل کیا جو ہمارے دین میں نہیں تھا، تو وہ مردُود ہے، اور صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے اختلاف کے وقت اپنی کتاب کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو، تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو (سورہ نساء آیت ۵۹) اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے جاہلوں کی اتباع کا حکم نہیں فرمایا، اور نہ خطاوار لوگوں کی غلطیوں سے دھوکہ کھانے کا، واللہ اعلم۔

رہا اس نماز کا کتاب اور سنت میں ذکر ہونا، تو اس کا کتاب وسنت میں کوئی ذکر نہیں ہے، کیونکہ نماز (اور اس کا طریقہ) شریعت ہی سے معلوم ہوسکتا ہے (نہ کہ عقل سے) جیسا کہ پہلے گزرا، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے عیدین کی نماز کا طریقہ اور ان کے پڑھنے کے لئے جانے اور ان میں تکبیر کا طریقہ بیان کردیا ہے، اسی طرح نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے نمازِ گرہن اور نمازِ خوف اور فرض نمازوں کے ساتھ سنت نمازوں، اور استسقاء کی نماز اور استخارہ اور تہجد کی نماز اور بیمار کی نماز وغیرہ سب نمازوں کو بیان فرمادیا ہے، اور اپنے عمل سے بھی ان کی وضاحت فرمادی ہے، اور اپنے قول سے بھی۔

پس اب کسی کے لئے یہ گنجائش نہیں ہے کہ ان میں کوئی کمی وزیادتی کرے، جیسا کہ گزرا، پس جب نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے فعل پر زیادتی بدعت اور ممنوع ہے، تو اس نماز سے بدرجۂ اولیٰ منع کیا جائے گا، جس کا وقت بھی خاص مقرر کرلیا گیا ہے، اور نام بھی، اور اس کو واضح شعار بنالیا گیا ہے، جب کہ یہ پانچویں صدی میں وجود میں آئی ہے (ترجمہ ختم)

غرضیکہ ستائیس رجب کی رات میں مخصوص طریقہ پر نمازیں پڑھنے کا کوئی معتبر ثبوت نہیں، اوراس سلسلہ میں جو روایات آئی ہیں، وہ ناقابلِ اعتبار ہیں۔ ؎۱

؎۱ وفی لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف لابن رجب الحنبلی أما الصلاة فلم تصح فی شهر رجب صلاة مخصوصة تختص به والأحادیث المرویة فی فضل صلاة الرغائب فی أول لیلة جمعة من رجب کذب وباطل لا تصح وهذه الصلاة بدعة عن جمهور العلماء وممن ذکر ذلک من أعیان العلماء من المتأخرین من الحفاظ أبو إسماعیل الأنصاری وأبو بکر السمعانی وأبو الفضل ابن ناصر وأبو الفرج بن الجوزی وغیرهم وإنما لم یذکرها المتقدمون لأنها أحدثت بعدهم وإنما أظهرت بعد الأربعمائة فلذلک لم یعرفها المتقدمون ولم یتکلموا فیها انتهی(الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة للکنوی، ص۶۸،الإیقاظ الأول فی ذکر أحادیث صلوات أیام الأسبوع ولیالیها)

حدیث فی رجب لیلة یکتب للعامل فیها حسنات مائة سنة وذلک لثلاث بقین من رجب فمن صلی فیه اثنتی عشرة رکعة یقرأ فی کل رکعة فاتحة الکتاب وسورة ویتشهد فی کل رکعتین ویسلم فی آخرهن ثم یقول سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أکبر مائة مرة ویستغفر مائة مرة ویصلی علی النبی مائة مرة ویدعو لنفسه ما شاء ویصبح صائما فإن الله یستجیب دعاءه کله إلا أن یدعو فی معصیة أخرجه البیهقی من طریق عیسی غنجار عن محمد بن الفضل بن عطیة وهو من المتهمین بالکذب عن أبان وهو أیضا متهم عن أنس مرفوعا وأدخله ابن حجر فی تبین العجب فی الموضوعات(الآثار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة، للکنوی، ص۶۰، ۶۱،الإیقاظ الأول فی ذکر أحادیث صلوات أیام الأسبوع ولیالیها)

حدیث من صلی لیلة سبعة وعشرین من رجب اثنتی عشرة رکعة یقرأ فی کل رکعة منها بفاتحة الکتاب وسورة فإذا فرغ من صلاته قرأ فاتحة الکتاب سبع مرات وهو جالس ثم یقول سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله و الله أکبر ولا حول ولا قوة إلا بالله العلی العظیم أربع مرات ثم أصبح صائما حط الله عنه ذنوبه ستین سنة وهی اللیلة التی بعث فیها محمد (قلت) هذا الحدیث ذکره الحافظ ابن حجر فی کتابه تبیین العجب وعزاه إلی موضوعات ابن الجوزی وأورده بسنده من حدیث ابن عباس ولم یذکره السیوطی ولا الذهبی فی تلخیصه ولا السیوطی فی اللآلیء ولا هو فی النسخة التی عندی من الموضوعات فکأنه فی بعض النسخ دون بعض قال الحافظ ابن حجر وروینا من حدیث أنس مرفوعا فی رجب لیلة یکتب للعامل فیها حسنات مائة سنة وذلک لثلاث بقین من رجب فمن صلی فیها اثنی عشر رکعة یقرأ فی کل رکعة فاتحة الکتاب وسورة من القرآن یتشهد فی کل رکعتین ویسلم فی آخرهن ثم یقول سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أکبر مائة مرة ویستغفر مائة مرة ویصلی علی النبی مائة مرة ویدعو لنفسه بما شاء من أمر دنیاه و آخرته ویصبح صائما فإن الله یستجیب دعاءه کله إلا أن یدعو فی معصیة رواه البیهقی وفیه متهمان محمد بن الفضل بن عطیة وأبان بن أبی عیاش انتهی والله تعالی أعلم(تنزیه الشریعة المرفوعة للعراقی،ج۲ ص۹۰، تحت حدیث رقم ۴۹،دارالکتب العلمیة، بیروت)

اور اسی لئے اہلِ علم حضرات نے اس نماز کا انکار کیا ہے۔ [1]

لہٰذا ۲۷/ رجب یا کسی اور تاریخ میں نفل نمازوں کے مخصوص طریقوں کو ثواب سمجھنا غلط اور گناہ ہے۔ [2]

(۴)...... ہزاری روزہ

آج کل بہت سے لوگ رجب کی ستائیسویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا ثواب ایک ہزار روزوں کے

---

[1] حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ رجب کے مہینے میں خاص طریقہ پر نمازیں پڑھنے کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

یہ نمازیں بایں قیود جو مروج ہیں بدعتِ ضلالہ ہیں جس کا مآل (نتیجہ) گناہِ کبیرہ کا ہے اگرچہ نفسِ صلوٰۃِ نفل مندوب ہے (یعنی اگرچہ بذاتِ خود نفل نماز مستحب ہے لیکن مخصوص تاریخ وغیرہ کی مروّجہ قیود کے ساتھ یہ نمازیں بدعت اور گمراہی اور کبیرہ گناہ ہیں) شرح اس کی براہینِ قاطعہ میں دیکھو (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۱۷۱، مبوب بطرزِ جدید)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

اس شب کے لئے نوافل خصوصی کا اہتمام کہیں ثابت نہیں نہ کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے، نہ تابعینِ عظام رحمہم اللہ نے کیا۔ علامہ حلبی تلمیذِ شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے غنیۃ المستملی ص ۴۱۱ میں، علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۲ ص ۵۶ میں، علامہ طحطاوی نے مراقی الفلاح ص ۲۲ میں، اس رواج پر نکیر فرمائی ہے اور اس کے متعلق جو فضائل نقل کرتے ہیں ان کو رد کیا ہے۔ اس رواج کے روکنے والے کو کافر کہنا تو انتہائی جسارت ہے۔ کسی مسلمان کو بلا دلیل شرعی کافر کہنے سے کہنے والے پر کفر آتا ہے (فتاویٰ محمودیہ ج ۳ ص ۲۸۴، مبوب)

[2] یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ بعض کتابوں میں کچھ بزرگوں سے فضیلت کی راتوں میں جو خاص قسم کے نوافل اور عملیات منقول ہیں ان کی کیا حقیقت ہے؟ کیونکہ بعض لوگ ان پر بڑے بھونڈے انداز میں اعتراض کرتے ہیں اور بعض لوگ ان کے معمولات کو اپنا کر عمل شروع کر دیتے ہیں، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے بزرگوں سے منقول نوافل وغیرہ کی حقیقت ظاہر فرمائی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ارشاد کو پیش کر دیا جائے۔ آپ فرماتے ہیں:

ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ یہ جو بعضی اوراد کی کتابوں میں پندرہویں شب شعبان میں جو خاص نوافل پڑھنے کو لکھ دیا ہے یہ کوئی قید نہیں جو چیز شرعاً بے قید ہے اس کو بے قید ہی رکھو۔ حدیث میں نوافل کی کوئی قید نہیں آئی بلکہ جو عبادت آسان ہو وہ کرلو۔ اس میں نوافل بھی آ گئے اور وہ بھی کسی ہیئت کے ساتھ نہیں۔ باقی بزرگوں کے کلام میں جو خاص ہیئت کے نوافل کا ذکر آیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ کسی بزرگ نے کسی مرید کے لئے اس کی خاص حالت کے اقتضاء سے اس کو تجویز کیا ہوگا اور اس کے حق میں یہی مصلحت ہوگی۔ اب اس کو عام کر لینا یہ بدعت ہے۔ باقی بزرگوں کو برا نہ کہے، غرض حدیث میں کوئی خاص عمل وارد نہیں (خطباتِ حکیم الامت ج ۷ ص ۳۸۵، بعنوان ''حقیقتِ عبادت'' وعظ ''شبِ مبارک'')

برابر سمجھتے ہیں۔ اسی واسطے اس کو ہزاری روزہ کہتے ہیں مگر یہ فضیلت شرعی اعتبار سے معتبر سند سے ثابت نہیں۔

محدثین نے اس سلسلہ میں پیش کی جانے والی روایات کو کمزور اور ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔ [1]

[1] أنبأنا عبد الله بن علي بن محمد بن بشران أنبأنا علي ابن عمر الحافظ حدثنا ضمرة بن ربيعة القرشي عن ابن شوذب عن مطر الوراق عن شهر بن حوشب عن أبي هريرة قال من صام يوم ثمان عشرة من ذي الحجة كتب له صيام ستين شهراً وهو يوم غدير خم لما أخذ النبي صلى الله عليه وسلم بيد علي بن أبي طالب فقال " :ألست ولي المؤمنين؟ "قالوا بلى يا رسول الله قال " :من كنت مولاه فعلي مولاه "فقال عمر بن الخطاب بخ بخ لک يا ابن أبي طالب أصبحت مولاي ومولى كل مسلم فأنزل الله " :اليوم أكملت لكم دينكم "المائدة 3ومن صام يوم سبعة وعشرين من رجب كتب له صيام ستين شهراً وهو أول يوم نزل جبريل عليه السلام على محمد صلى الله عليه وسلم بالرسالة. اشتهر هذا الحديث من رواية حبشون وكان يقال إنه تفرد به وقد تابعه عليه أحمد بن عبد الله بن النيري فرواه عن علي بن سعيد(تاريخ بغداد، ج۸ص ۲۸۴،باب الخاء ، دار الكتب العلمية، بيروت)

وقال المؤلف وهذا حديث لا يجوز الاحتجاج به ومن فوقه الى ابى هريرة ضعفاء ونزول الآية كان يوم عرفة بلا شک وذكر ذلک في الصحيحين(العلل المتناهية،لابن الجوزی، ج ۱ ص ۲۲۳، كتاب الفضائل والمناقب، تحت حديث رقم ۳۵۲، إدارة العلوم الأثرية، فيصل آباد، باكستان)

حديث في رجب يوم وليلة من صام ذلک اليوم وقام تلک الليلة كان له من الأجر كمن صام مائة سنة وقام مائة سنة وهي لثلاث بقين من رجب في ذلک اليوم بعث الله نبيا محمدا (مي) من حديث سلمان وفيه خالد بن هياج عن أبيه وهياج تركوا حديثه (قلت) قال الحافظ ابن حجر في تبيين العجب هياج هو ابن بسطام النميمي الهروي روى عن جماعة من التابعين وضعفه ابن معين وقال أبو داود تركوه وقال صالح بن محمد الحافظ الملقب بجزرة الهياج لا يكتب من حديثه إلا حديثان أو ثلاثة للاعتبار ولم أكن أعلم أنه بكل هذا حتى قدمت هراة فرأيت عندهم أحاديث مناكير كثيرة له قال الحاكم أبو عبد الله وهذه الأحاديث التي رآها صالح من حديث الهياج الذنب فيها لابنه خالد والحمل فيها عليه وقال يحيى بن أحمد بن زياد الهروي كلما أنكر على الهياج فهو من جهة ابنه خالد انتهى وعلى هذا فالآفة في هذا الحديث من خالد قال الحافظ وروينا في جزء من فوائد هناد النسفي بإسناد له منكر إلى الزهري عن أنس قال قال رسول الله بعثت نبيا في السابع والعشرين من رجب فمن صام ذلک اليوم كان له كفارة ستين شهرا وروينا في فوائد أبي الحسن بن صخر بسند باطل إلى علي بن أبي طالب مثل هذا المتن لكن قال فيه فمن صام ذلک اليوم ودعا عند إفطاره كانت كفارة عشر سنين وروينا في جزء أبي معاذ الشاه المروزي وفي فضائل رجب لعبد العزيز الكتاني من طريق ضمرة عن ابن شوذب عن مطر الوراق عن شهر بن حوشب عن أبي هريرة موقوفا من صام يوم سبع وعشرين من رجب كتب الله له صيام ستين شهرا وهو اليوم الذي هبط فيه جبريل على محمد بالرسالة وهذا أمثل ما ورد في هذا المعنى انتهى والله أعلم(تنزيه الشريعة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لئے ستائیس رجب کے دن کے روزہ کو ہزار روزوں کے برابر یا زیادہ ثواب کا باعث یا اس دن کے روزہ کے متعلق سنت ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جائے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المرفوعة للعراقی، ج۲ص ۱۶۱،کتاب الصوم، الفصل الثالث ،دار الکتب العلمیة -بیروت)
وروینا فی جزء من فوائد هناد النسفی بإسناد له منکر، إلی الزهری، عن أنس .قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم " :بعثت نبیا فی السابع والعشرین من رجب فمن صام ذلک الیوم کان کفارة ستین شهرا "وقد تقدم هذا موقوفاً علی ابن عباس فی حدیث طویل .وروینا فی فوائد أبی الحسن بن صخر، بسند باطل إلی علی بن أبی طالب، مثل هذا المتن، لکن قال فیه" .فمن صام ذلک الیوم ودعا عند إفطاره کانت کفارة عشر سنین ."وروینا فی جزء أبی معاذ الشاة المروزی، وفی " فضائل رجب "لعبد العزیز الکتانی من طریق حمزة، عن ابن شوذب، عن مطر الوراق، عن شهر بن حوشب، عن أبی هریرةرضی الله عنه قال من صام یوم سبع وعشرین من رجب کتب له صیام ستین شهرا، وهو الیوم الذی هبط فیه جبریل بالرسالة وهذا موقوف ضعیف الإسناد، وهو أمثل ما ورد فی هذا المعنی(تبیین العجب فیما فی فضل رجب لابن حجر، الحدیث الثامن والعشرون، ص ۴۴،۴۵)
وکذلک حَدیث شهر بن حوشَب، کتب إلینا به الشیخ المسند أبو طاهر السّلَفیُّ غیر مرة ونقلتُه من کتابه :أخبرنا أبو عبد الله الحُسین بن علی الطبری بمکة، حدّثنا أبو الفتح ناصر ابنُ الحسین العُمَرِی إمْلاء ، أنبأنا أبو مُعاذ الشاه بن عبد الرحمن الهَرَوِیُ، أخبرنا أبو نصْر الخلال ببغداد، حدّثنا علی بن سعید الرملی، حدّثنا ضُمرةُ بن ربیعةَ، عن ابن شوذَب، عنْ مَطَر الورّاق، عنْ شهُر بن حوشب، عَنْ أبی هریرةَ قال من صام السابعَ والعشرین منْ رجب کتب الله له صیَامَ ستین شهراً، وهو أوّلُ یومٍ نزل جبْریلُ علی محمدﷺبالرسالة وهذا حَدِیث لا یصح(أداء ما وجب من بیان وضع الوضاعین فی رجب لابی الخطاب عمر بن حسن االشهیر بابن دحیة الکلبی، ص ۴۹،۵۰)
من صام یوم سبعة وعشرین من رجب ؛ کتب له صیام ستین شهراً ، وهو أول یوم نزل جبریل علیه السلام علی محمد -صلی الله علیه وسلم -بالرسالة .أخرجه الخطیب فی التاریخ(۸/۲۹۰)، وابن عساکر(۱۲/۱۱۸/۲،۱)وهذا إسناد ضعیف أیضاً ؛ لضعف شهر ومطر (سلسلة الأحادیث الضعیفة،تحت حدیث رقم ۴۹۲۳)

[۱] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے امداد الفتاویٰ میں ۲۷/رجب کے روزے کی فضیلت کے متعلق وارد ہونے والی روایات پر جرح نقل فرمائی ہے (ملاحظہ ہو: امداد الفتاویٰ ج۲ص۸۶،۸۷، کتاب الصوم والاعتکاف)
البتہ حضرت موصوف رحمہ اللہ نے التشرف میں ۲۷/رجب کے روزے کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ، ابوموسیٰ مدینی کی کتاب ''فضائل اللیالی والایام'' کے حوالے سے ابنِ حوشب کی روایت سے ۲۷/رجب کے ہزاروی روزہ پر استدلال کیا ہے۔لیکن ساتھ ہی آخر میں یہ بھی فرمادیا کہ
''بشرطیکہ یہ اثر سند کی رو سے ثابت ہواور مجھ کو سند کا علم نہیں''(التشرف ص۷۰۔مطبوعہ: کتب خانہ مظہری،کراچی)
حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے امداد الفتاویٰ جلد۲صفحہ۸۷ کے حاشیہ میں اس حدیث کی سند پر کچھ اطمینان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ رجب کے مہینے میں تبارک اور ۲۷ رجب کو روزہ رکھنے کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

ان دونوں امر کا التزام نادرست اور بدعت ہے اور وجوہ ان کے ناجواز کے اصلاحُ الرسوم، براہینِ قاطعہ اور راہِ سنت میں درج ہیں (فتاوٰی رشیدیہ ص۱۶۹، مبوب بطرزِ جدید)

اور بہشتی زیور میں ہے کہ:

اس کو عام لوگ مریم روزہ کا چاند کہتے ہیں اور اس کی ستائیس تاریخ میں روزہ رکھنے کو اچھا سمجھتے ہیں کہ ایک ہزار روزوں کا ثواب ملتا ہے۔ شرع میں اس کی کوئی قوی اصل نہیں۔ اگر نفل روزہ رکھنے کو دل چاہے اختیار ہے، خدا تعالیٰ جتنا چاہیں ثواب دیدیں۔ اپنی طرف سے ہزار یا لاکھ مقرر نہ سمجھے۔ بعضی جگہ اس مہینے میں تبارک کی روٹیاں پکتی ہیں۔ یہ بھی گھڑی ہوئی بات ہے۔ شرع میں اس کا کوئی حکم نہیں۔ نہ اس پر کوئی ثواب کا وعدہ ہے۔ اس واسطے ایسے کام کو دین کی بات سمجھنا گناہ ہے (بہشتی زیور چھٹا حصہ ص۶۰)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کا اظہار کیا ہے لیکن اپنے مستقل مضمون ''رجب کے روزہ کا حکم'' میں کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

بظاہر یہ روایت وہی ہے جس کے بارے میں حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اوپر یوں تحریر کیا جا چکا ہے:

''یہ موقوف ہے، ضعیف ہے، اس سلسلہ میں کسی اور روایت میں اس جتنی صلاحیت بھی نہیں''

اگر کوئی دوسری سند فرض کر لی جائے تو بھی اس میں شہر بن حوشب تو ہے ہی جو ضعیف ہے، اس کے بارے میں ضعیف کے علاوہ، منکر، ساقط، لایحتج بحدیثہ و لایتدین بہ جیسے الفاظ بھی کہے گئے ہیں (تہذیب التہذیب ص۳۷۲ ج۴)

علاوہ ازیں یہ روایت وجوہِ ذیل کی بناء پر بھی قابلِ قبول نہیں:

(۱)......مندرجہ بالا احادیث مرفوعہ وآثارِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف ہے۔

(۲)......معلول ہے، اس لئے کہ اس میں اس دن کو مبدا اُوحی بتایا گیا ہے جو بالاتفاق غلط ہے۔

(۳)......عوام اس روزہ کی فضیلت معراج کی وجہ سے سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کا شبِ معراج ہونا مختلف فیہ ہے، اقوالِ مختلفہ میں سے کسی کے لئے کوئی وجہ ترجیح نہیں۔ اس کی تفاصیل رسالہ ''تحقیق شبِ معراج'' میں ہے۔

(۴)...... مذہبِ شیعہ میں ابتداءِ وحی اور معراج کی تاریخ ۲۷/رجب ہے، جیسا کہ ان کی کتاب ''تحفۃ العوام'' میں تحریر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت کسی شیعہ نے وضع کی ہے۔

حاصل یہ کہ اس دن کا روزہ بدعت اور ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (سات مسائل صفحہ ۷و۸)

اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ستائیسویں رجب کے روزے کو جو عوام ہزارہ روزہ کہتے ہیں اور ہزار روزوں کے برابر اس کا ثواب سمجھتے ہیں، اس کی کچھ اصل نہیں ہے (فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ج۶ ص۴۹۱ تا ۴۹۲)

اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ماہِ رجب میں تواریخِ مذکورہ میں روزہ رکھنے کی فضیلت پر بعض روایات وارد ہوئی ہیں، لیکن وہ روایات محدثین کے نزدیک درجۂ صحت کو نہیں پہنچیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ما ثبت بالسنۃ میں ذکر کیا ہے۔ بعض بہت ضعیف ہیں اور بعض موضوع (من گھڑت) ہیں (فتاویٰ محمودیہ ج۳ ص۲۸۱، مبوب)

اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

۲۷/رجب کے روزہ کا کوئی ثبوت نہیں (سات مسائل صفحہ۵)

کتب ''الموضوعات'' میں اس رات کی عبادت، اس دن کے روزہ اور اس میں بعثت کی سب روایات کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے (ایضاً صفحہ۶)

اور حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ:

بعض لوگ ستائیس رجب کے روزے کو فضیلت والا سمجھتے ہیں، جیسے کہ عاشورہ اور عرفہ کا روزہ فضیلت والا ہے، اسی طرح ستائیس رجب کے روزے کو بھی فضیلت والا روزہ خیال کیا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ایک یا دو ضعیف روایتیں تو اس کے بارے میں ہیں، لیکن صحیح سند سے کوئی روایت ثابت نہیں (اصلاحی خطبات ج۱ ص۵۲)

اب اگر کوئی شخص اس روزے کا زیادہ اہتمام کرے تو وہ شخص دین میں اپنی طرف سے زیادتی کر رہا ہے، اور دین کو اپنی طرف سے گھڑ رہا ہے۔ لہٰذا اس نقطۂ نظر سے روزہ رکھنا جائز نہیں، ہاں البتہ اگر کوئی شخص عام دنوں کی طرح اس میں بھی روزہ رکھنا چاہتا ہے تو رکھ لے، اس کی ممانعت نہیں، لیکن اس کی زیادہ فضیلت سمجھ کر، اس کو سنت سمجھ کر، اس کو زیادہ مستحب اور زیادہ اجر وثواب کا موجب سمجھ کر اس دن روزہ رکھنا، یا اس رات

میں جاگنا درست نہیں، بلکہ بدعت ہے (ایضاً ص ۵۴)

اور مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ستائیسویں رجب کے بارے میں جو روایات آئی ہیں وہ موضوع اور ضعیف ہیں، صحیح اور قابلِ اعتماد نہیں، لہٰذا ستائیسویں رجب کا روزہ عاشوراء کی طرح مسنون سمجھ کر کہ ہزار روزوں کا ثواب ملے گا، اس اعتقاد سے رکھنا ممنوع ہے'' (فتاویٰ رحیمیہ جلد ۷ صفحہ ۲۷۴۔ ترتیبِ جدید)

اور مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ہزاری روزہ یعنی ستائیس رجبُ المرجب کا روزہ، عوام میں اس کا بہت ثواب مشہور ہے، بعض احادیثِ موضوعہ (من گھڑت احادیث) میں اس کی فضیلت آئی ہے لیکن صحیح احادیث اور فقہ کی معتبر کتابوں میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ بعض روایات میں ممانعت آئی ہے، پس اس کو ضروری اور واجب کی مانند سمجھ کر روزہ رکھنا یا ہزار روزہ کے برابر ثواب سمجھ کر رکھنا بدعت و منع ہے (عمدۃ الفقہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۵)

گزشتہ تفصیل سے ۲۷/ ویں رجب کے روزے کی خاص فضیلت کا (جو عوام میں مشہور ہے) غلط ہونا ثابت ہوا۔

لہٰذا ۲۷/ رجب کے روزہ کو خاص فضیلت والا سمجھنا اور خاص عقیدت کے ساتھ اس روزہ کو رکھنا یا اس ایک روزہ کو ہزار روزوں کے ثواب کے برابر درجہ دینا یا معراج کی تاریخ سے اس روزہ کا تعلق جوڑ کر اس تاریخ میں روزہ رکھنا، یہ سب چیزیں گناہ اور منع ہیں۔ [1]

---

[1] بعض حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رجب میں روزہ رکھنے کی ممانعت والی روایت سے خاص ستائیس تاریخ کے روزے کے ممنوع ہونے پر استدلال کیا ہے۔ جبکہ یہ استدلال بظاہر مشکل اور بعید معلوم ہوتا ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ۲۷/ تاریخ کی قید نہیں، اسی وجہ سے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس روایت سے ۲۷/ کے بجائے رجب کے مہینے میں عام روزے کی ممانعت اور اس کی توجیہ بیان فرمائی ہے، جیسا کہ امداد الفتاویٰ کے حوالے سے پیچھے گذر چکا ہے۔

اسراء ومعراج کی حقیقت

رجب کے مہینے کے ساتھ عموماً معراج شریف کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، اگرچہ معراج شریف کا خاص رجب کے مہینے میں واقع ہونا صحیح سند سے ثابت نہیں، اور اس بارے میں اختلاف ہے (جیسا کہ تفصیلاً پہلے گذر چکا ہے)

اور کیونکہ معراج کی رات اور اس کی تاریخ وغیرہ سے کوئی شرعی حکم وابستہ نہیں، باوجودیکہ معراج شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم معجزہ ہے، اور معراج شریف کے واقعات ومناظر احادیث میں تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور امت کے لئے ہدایات دراصل انہیں واقعات ومناظر میں موجود ہیں اور امت کی ضرورت بھی انہیں سے وابستہ ہے۔

اس لیے اس مقام پر معراج کی حقیقت اور اس کے اہم واقعات ومناظر کو ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ بجائے معراج شریف کی تاریخوں کی کھود کرید میں پڑنے اور خرافات میں مبتلا ہونے کے معراج شریف سے امت کے لئے جو ہدایات وتعلیمات وابستہ ہیں اُن کو سمجھا جائے اور ان سے عبرت وبصیرت حاصل کی جائے اور عمل کا اہتمام کیا جائے۔

لہٰذا ماہِ رجب سے متعلق اس رسالہ میں معراج کی بحث کے ذکر سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ معراج شریف کا رجب کے مہینہ سے ہی تعلق ہے، یا معراج شریف کا ذکر رجب کے مہینے کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ یہ ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ معراج شریف واقع ہونے کے سال، مہینہ اور تاریخوں میں غیر معمولی اختلاف پایا جاتا ہے۔

اور اگر معراج شریف کا کسی خاص مہینہ یا تاریخ میں واقع ہونا بالفرض ثابت بھی ہو جائے تب بھی اس مہینہ یا تاریخ کے ساتھ معراج شریف کے ذکر کو خاص کرنا درست نہیں۔

ہمارا مقصود تو یہ ہے کہ جو لوگ اس مہینہ میں معراج شریف کی نسبت سے مختلف قسم کی بدعات ومنکرات میں مبتلا ہوتے ہیں وہ ان کے بجائے معراج شریف اور اس کے واقعات سے کوئی عملی ونظریاتی سبق حاصل کر کے اپنی اصلاح کا سامان کریں۔

پس جاننا چاہئے کہ معراج کے معنی زینہ اور سیڑھی کے آتے ہیں۔

اور یہ لفظ عروج سے نکلا ہے۔ زوال اور عروج کے الفاظ عام طور سے معاشرہ میں بولے جاتے ہیں چونکہ ساتوں آسمان زینوں کی طرح تہ بہ تہ ہیں، جن سے آپ چڑھ کر گئے۔ [1]

اسی نسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمان پر جانے کے معجزہ کو معراج سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور اسراء راتوں رات سیر کرانے کو کہا جاتا ہے، جس سے مراد اللہ تعالیٰ کا حرم سے بیت المقدس تک راتوں رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سیر کرانا ہے۔

اور حرم سے بیتُ المقدس اور وہاں سے ساتوں آسمانوں کی سیر وعروج کے مجموعہ کو آج کل ہماری زبان میں معراج سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جاگتے ہوئے بیداری کی حالت میں ایک ہی رات کے اندر مسجدِ حرام سے بیتُ المقدس تک، پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں اور سدرۃُ المنتہیٰ، جنت وجہنم وغیرہ کی سیر کرائی (جس کی تفصیل آگے آتی ہے)

مسجدِ حرام اس مسجد کا نام ہے جو کعبہ شریف کے چاروں طرف واقع ہے، اور یہ مسجد دنیا کی تمام مساجد سے افضل ہے۔

''مسجدِ اقصیٰ''، مسجدِ بیت المقدس کا نام ہے، جو فلسطین میں واقع ہے۔ [2]

---

[1] (عرج) ... فی أسماء اللّه تعالی (ذُو المَعارج) المعارِج :المَصَاعِد والدَّرَجُ واحِدُها : مَعْرَج يُريد مَعارِج الملائكة إلى السَّماء .وقيل المَعَارِج :الفَواضِل العَاليةُ .والعُرُوج :الصُّعود عَرَج يَعْرُجُ عُرُوجا .وقد تكرر في الحديث ومنه المِعْراجُ .وهو بالكسر شِبْه السُّلَّم مِفْعَال من العُرُوج :الصُّعود كأنه آلَةٌ لَهُ (النهاية في غريب الاثر لابن الاثير، باب العين مع الراء، مادة عرج)

[2] لفظ ''اقصیٰ''، ''ابعد''، یعنی زیادہ دور والی چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے، مسجدِ اقصیٰ کو اقصیٰ کیوں کہا جاتا ہے، اس کے بارے میں کئی قول ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ چونکہ یہ مسجد حجاز میں رہنے والوں سے دور ہے، اس لئے اس کی نسبت سے اقصیٰ کہا گیا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جن مساجد کی زیارت کی جاتی ہے ان میں مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی سے یہ سب سے زیادہ دور ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مسجدِ اقصیٰ چونکہ گندی اور خبیث چیزوں سے دور اور ان سے پاک ہے اس لئے اس کو مسجدِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسجدِ حرام سے بیت المقدس تک سیر کرانے کا ثبوت قرآن مجید کی سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت اوراحادیثِ متواترہ سے ہے۔

اور بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ وغیرہ کی سیر کرانے کا بیان قرآن مجید کی سورہ نجم میں اجمالی طور پر اوراحادیث میں تفصیلی طور پر مذکور ہے۔

چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں کہ:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ (سورة بنی اسرائیل آیت ۱)

ترجمہ: پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندہ کوراتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تا کہ دکھائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے۔ وہی ہے سننے والا دیکھنے والا (ترجمہ ختم)

مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کے سفر کا ذکر اس آیت میں ہے، جس کو اسراء سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسراء اس آیت کی نصِ قطعی سے ثابت ہے، اور ساتوں آسمانوں کی معراج کا ذکر آگے آتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو یہ سیر کرائی گئی وہ جسم اور روح دونوں کے ساتھ تھی، صرف روح کو سیر نہیں کرائی گئی جس طرح خواب میں سیر ہوتی ہے۔

چنانچہ اس آیت کے تین پہلو اس کی دلیل ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اقصیٰ کہا جاتا ہے۔

لكن صحت الأخبار بأنه عليه الصلاة والسلام أسرى به على البراق إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وهو بيت المقدس، ووصفه بالأقصى أى الأبعد بالنسبة إلى من بالحجاز، وقال غير واحد :إنه سمى به لأنه أبعد المساجد التى تزار من المسجد الحرام وبينهما نحو من أربعين ليلة، وقيل :لأنه ليس وراء ه موضع عبادة فهو أبعد مواضعها، وقال ابن عطية :يحتمل أن يراد بالأقصى البعيد دون مفاضلة بينه وبين ما سواه وهو بعيد فى نفسه للزائرين، وقيل المراد بعده عن الأقذار والخبائث(روح المعانى، ج۸ص ۱۱، تحت سورة الاسراء،دارالكتب العلمية،بيروت)

(۱)......**لفظِ سبحان:** یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ عجیب وغریب اور خلافِ عادت نشانیاں دیکھنے میں آتی ہیں۔

یہ لفظ اس کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے جسمِ عنصری وجسدِ ظاہری کے ساتھ بیداری کی حالت میں معراج کرائی گئی، ورنہ خواب کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی، جس کے لئے اللہ تعالیٰ، سبحان کا لفظ لاتے۔ [۱]

(۲)......**لفظِ عبد:** اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظِ عبد بولا گیا ہے، اور زندہ انسان کے لئے عبد کا لفظ جسم اور روح دونوں کے مجموعہ کے لئے آتا ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمِ مبارک کے ساتھ سیر نہ کرائی گئی ہوتی۔ تو ''اسریٰ بعبدہٖ'' یعنی اپنے بندے کو سیر کرائی، نہ بولا جاتا، بلکہ ''اسریٰ بروح عبدہٖ'' یعنی اپنے بندے کی روح کو سیر کرائی، بولا جاتا۔ [۲]

(۳)......**لفظِ اسریٰ:** مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کے سفر کو اللہ تعالیٰ نے لفظِ اسریٰ سے تعبیر فرمایا ہے اور اسریٰ درحقیقت رات کی اس سیر کو کہا جاتا ہے جو جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

---

[۱] قال ابن عباس :هی رؤیا عین أریها رسول الله صلی الله علیه وسلم وهذا مذهب جمهور السلف والخلف من الإسراء کان ببدنه وروحه صلوات الله وسلامه علیه کما دل علی ذلک ظاهر السیاقات من رکوبه وصعوده فی المعراج وغیر ذلک. ولهذا قال فقال :(سبحان الذی أسری بعبده لیلا من المسجد الحرام إلی المسجد الأقصی الذی بارکنا حوله لنریه) (الإسراء: ۱) والتسبیح إنما یکون عند الآیات العظیمة الخارقة فدل علی أنه بالروح والجسد والعبد عبارة عنهما. وأیضا فلو کان مناما لما بادر کفار قریش إلی التکذیب به والاستبعاد له إذ لیس فی ذلک کبیر أمر، فدل علی أنه أخبرهم بأنه أسری به یقظة لا مناما(البدایة والنهایة، ج۳ص۱۴۰، ۱۴۱،دار إحیاء التراث العربی،بیروت)

[۲] (فصل) فی إبطال حجج من قال إنها نوم احتجوا بقوله تعالی (وما جعلنا الرؤیا التی أریناک) فسماها رؤیا قلنا قوله (سبحان الذی أسری بعبده) یرده لأنه لا یقال فی النوم أسری، وقوله فتنة للناس یؤید أنها رؤیا عین وإسراء بشخص إذ لیس فی الحلم فتنة ولا یکذب به أحد لأن کل أحد یری مثل ذلک فی منامه من الکون فی ساعة واحدة فی أقطار متباینة(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ لقاضی عیاض، ص ۱۹۱،فصل فی ابطال حجج الخ ،دارالفکر، بیروت)

''فَاَسۡرِ بِاَهۡلِکَ بِقِطۡعٍ مِّنَ اللَّیۡلِ'' (سورہ ھود، آیت ۸۱)

(اے لوط علیہ السلام) رات کے کسی حصہ میں اپنے لوگوں کو ساتھ لے کر نکل جائیے۔

ظاہر ہے کہ اس جگہ لفظِ ''اَسۡرِ'' سے یہ تو ہرگز مراد نہیں کہ لوگوں کی روحوں کو لے کر چلے جائیے اور جسم یہاں ہی باقی چھوڑ دیجئے، بلکہ جسم اور روح دونوں کے ساتھ لے کر جانا مراد ہے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

''وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِیۡۤ اِنَّکُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ'' (شعراء پ۱۹)

اور ہم نے وحی کی موسیٰ کو کہ رات کو لے کر نکل جائیے میرے بندوں کو، بے شک (فرعونیوں کی طرف سے) تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔

اس آیت میں بھی اَسۡرِ بِعِبَادِیۡ سے زندہ انسانوں کو بیداری کی حالت میں ساتھ لے جانا مراد ہے، نہ کہ روحانی اسراء اور نہ خواب اور کشف (جیسا کہ بعض مادیت پرست لوگوں کا خیال ہے)

اور اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں دکھائے جانے والے عجائب کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰکَ اِلَّا فِتۡنَةً لِّلنَّاسِ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۶۰)

اور نہیں بنایا ہم نے وہ دکھلاوا جو ہم نے آپ کو دکھایا، مگر لوگوں کے (ایمان کے) لئے آزمائش۔

یہ آیت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج سے تعلق رکھتی ہے، اگر آپ کو جسم اور روح دونوں کے ساتھ معراج نہ کرائی گئی ہوتی، تو اس میں لوگوں کے لئے آزمائش کی کونسی بات تھی؟ خواب کا معاملہ آزمائش کا نہیں ہوتا، بلکہ ایک عام فہم چیز ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز لوگوں کے ایمان کے لئے آزمائش تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی معراج ہی تھی۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جن کو قرآن مجید کی بڑی سمجھ اور مہارت حاصل تھی، وہ فرماتے ہیں کہ:

”هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَيْلَةً أُسْرِيَ بِهٖ“ (بخاری)[1]

ترجمہ: وہ آنکھوں سے دیکھنا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (معراج کی) اس رات میں دکھایا گیا تھا (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں اس کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں کہ:

رُؤْيَا عَيْنٍ، لَيْسَ رُؤْيَا مَنَامٍ (مسند أحمد)[2]

ترجمہ: اس دیکھنے سے آنکھوں کا دیکھنا ہے، نہ کہ خواب کا دیکھنا (ترجمہ ختم)

الغرض قرآن مجید کے اس انداز اور اس قسم کی بے شمار احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روح اور جسم دونوں کے ساتھ جاگتے ہوئے ہونے کی حالت میں سیر ومعراج کرائی گئی، یہ کوئی خواب یا صرف روحانی سیر ومعراج نہیں تھی (جیسا کہ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہے)[3]

اور سورہ نجم میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى. عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى. عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى. اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى. مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى. لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى (سورة النجم آيت ۱۳ تا ۱۸)

ترجمہ: اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس (فرشتے) کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے۔ سِدرۃُ المنتہٰی کے قریب۔ اسی کے پاس رہنے کی جنت ہے۔ جبکہ اس بیری پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ اُن کی آنکھ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی (جس کو دیکھنا تھا اسی پر جمی رہی) بے شک آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھی ہیں (ترجمہ ختم)

---

[1] حديث نمبر ۳۸۸۸، كتاب المناقب، باب المعراج، دار طوق النجاة، بيروت، ترمذي، حديث نمبر ۳۱۳۴.

[2] حديث نمبر ۳۵۴۶، مؤسسة الرسالة، بيروت.
اسنادهٔ صحيح (حاشية مسند احمد)

[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”چراغ کی روشنی“ ص ۳۲ تا ۳۵ بتغیر۔ مؤلفہ: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ۔

یہ آیات بھی معراج کے واقعہ سے متعلق ہیں، اور بڑی بڑی نشانیوں کا ذکر آگے آتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک معراج کی رات کی سیر اور حالات و واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری کی حالت سے متعلق اور بطورِ معجزہ ہیں۔ [۱]

---

[۱] وَجُمْلَةُ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ فِي الْإِسْرَاءِ رَآهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجِسْمِهِ عِيَانًا دُونَ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ رُؤْيَا أَوْ تَصْوِيرًا صُوِّرَ لَهُ إِذْ لَوْ كَانَ لَيْلَةَ الْإِسْرَاءِ وَمَا رَأَى فِيهَا نَوْمًا دُونَ الْيَقَظَةِ لَاسْتَحَالَ ذَلِكَ لِأَنَّ الْبَشَرَ قَدْ يَرَوْنَ فِي الْمَنَامِ السَّمَاوَاتِ وَالْمَلَائِكَةَ وَالْأَنْبِيَاءَ وَالْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَمَا أَشْبَهَ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ فَلَوْ كَانَ رُؤْيَةُ الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا وَصَفَ فِي لَيْلَةِ الْإِسْرَاءِ فِي النَّوْمِ دُونَ الْيَقَظَةِ لَكَانَتْ هَذِهِ حَالَةٌ يَسْتَوِي فِيهَا مَعَهُ الْبَشَرُ إِذْ هُمْ يَرَوْنَ فِي مَنَامَاتِهِمْ مِثْلَهَا وَاسْتَحَالَ فَضْلُهُ وَلَمْ تَكُنْ تِلْكَ حَالَةً مُعْجِزَةً يُفَضَّلُ بِهَا عَلَى غَيْرِهِ ضِدَّ قَوْلِ مَنْ أَبْطَلَ هَذِهِ الْأَخْبَارَ وَأَنْكَرَ قُدْرَةَ اللَّهِ جَلَّ وَعَلَا وَإِمْضَاءَ حُكْمِهِ لِمَا يُحِبُّ كَمَا يُحِبُّ جَلَّ رَبُّنَا وَتَعَالَى عَنْ مِثْلِ هَذَا وَأَشْبَاهِهِ(صحيح ابن حبان، ج ۱ ص ۲۴۶، ۲۴۷، ذِكْرُ الْمَوْضِعِ الَّذِي فِيهِ رَأَى الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوسَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ، مؤسسة الرسالة، بيروت)

"قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ رَحِمَهُ اللَّهُ :مَنْ مَيَّزَ جَمِيعَ مَا تَقَدَّمَ ذِكْرِي لَهُ عَلِمَ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَسْرَى بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ,إِلَيْهِ بِجَسَدِهِ وَعَقْلِهِ ,لَا أَنَّ الْإِسْرَاءَ كَانَ مَنَامًا وَذَلِكَ أَنَّ الْإِنْسَانَ لَوْ قَالَ :وَهُوَ بِالْمَشْرِقِ رَأَيْتُ الْبَارِحَةَ فِي النَّوْمِ كَأَنِّي بِالْمَغْرِبِ لَمْ يُرَدَّ عَلَيْهِ قَوْلُهُ وَلَمْ يُعَارَضْ وَإِذَا قَالَ: كُنْتُ لَيْلَتِي بِالْمَغْرِبِ ,لَكَانَ قَوْلُهُ كَذِبًا ,وَكَانَ قَدْ تَقَوَّلَ بِعَظِيمٍ إِذَا كَانَ مِثْلُ ذَلِكَ الْبَلَدِ غَيْرَ وَاصِلٍ إِلَيْهِ فِي لَيْلَتِهِ لَا خِلَافَ فِي هَذَا ,فَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ قَالَ :لِأَبِي جَهْلٍ وَلِسَائِرِ قَوْمِهِ ": رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنِّي بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ عَلَى وَجْهِ الْمَنَامِ لَقَبِلُوا مِنْهُ ذَلِكَ وَلَمْ يَتَعَجَّبُوا مِنْ قَوْلِهِ وَلَقَالُوا لَهُ :صَدَقْتَ وَذَلِكَ أَنَّ الْإِنْسَانَ قَدْ يَرَى فِي النَّوْمِ كَأَنَّهُ فِي أَبْعَدِ مِمَّا أَخْبَرْتَنَا وَلَكِنَّهُ لَمَّا قَالَ لَهُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أُسْرِيَ بِيَ اللَّيْلَةَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ كَانَ خِلَافًا لِلْمَنَامِ عِنْدَ الْقَوْمِ وَكَانَ هَذَا فِي الْيَقَظَةِ بِجَسَدِهِ وَعَقْلِهِ ,فَقَالُوا لَهُ :فِي لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ ذَهَبْتَ إِلَى الشَّامِ وَأَصْبَحْتَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا؟ ثُمَّ قَوْلُهُمْ :لِأَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :هَذَا صَاحِبُكَ يَزْعُمُ أَنَّهُ أُسْرِيَ بِهِ اللَّيْلَةَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ ثُمَّ رَجَعَ مِنْ لَيْلَتِهِ وَقَوْلُ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَهُمْ وَمَا رَدَّ عَلَيْهِمْ ,كُلُّ هَذَا دَلِيلٌ لِمَنْ عَقَلَ وَمَيَّزَ عَلِمَ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ خَصَّ نَبِيَّهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنَّهُ أَسْرَى بِهِ بِجَسَدِهِ وَعَقْلِهِ وَشَاهَدَ جَمِيعَ مَا فِي السَّمَاوَاتِ ,وَدُخُولُهُ الْجَنَّةَ ,وَجَمِيعُ مَا رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ ,وَفَرَضَ عَلَيْهِ الصَّلَاةَ كُلُّ ذَلِكَ لَا يُقَالُ مَنَامٌ بَلْ بِجَسَدِهِ وَعَقْلِهِ ,وَفَضِيلَةٌ خَصَّهُ اللَّهُ الْكَرِيمُ بِهَا ,فَمَنْ زَعَمَ أَنَّهُ مَنَامٌ ,فَقَدْ أَخْطَأَ فِي قَوْلِهِ وَقَصَّرَ فِي حَقِّ نَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ,وَرَدَّ الْقُرْآنَ وَالسُّنَّةَ وَتَعَرَّضَ لِعَظِيمٍ وَبِاللَّهِ التَّوْفِيقُ(الشريعةللآجُرِّيُّ، ج۳ص۱۵۳۸، كتاب الايمان ،تحت حديث رقم ۱۰۳۰ ،بَابُ ذِكْرِ مَا خَصَّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ,أَنَّهُ أُسْرِيَ بِهِ إِلَيْهِ ،دار الوطن -الرياض / السعودية)

معراج کے واقعات ومناظر

بلاشبہ سفرِ معراج حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ ہے، اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مناظرِ قدرت وعجائبِ قدرت کا مشاہدہ فرمایا اور بہت سی امثال آپ کے سامنے پیش کی گئیں، اور کئی احکام آپ کو عطا کئے گئے۔

اس تحریر میں چند مناظر اور واقعات وحالات کا تذکرہ اوران سے حاصل ہونے والے فوائد وعبرکو ذکر کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین۔ [1]

سفرِ معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کے اکثر حصہ میں رفیق ورہبر (گائیڈ) حضرت جبریلِ امین تھے، اس لئے اکثر مناظر اور واقعات میں جبریلِ امین کا تذکرہ ملتا ہے، اور قاعدہ ہے کہ جو رہبر مقرر کیا جاتا ہے اسے پہلے سے راستہ اور سفر کی چیزوں کے بارے میں معلومات کا ہونا ضروری ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلِ امین کو سفرِ معراج میں پیش آنے والے حالات کا علم دے کرانہیں رہبر مقرر کیا۔

معراج سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کیا گیا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَيْتِيْ وَأَنَا بِمَكَّةَ، فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَفَرَجَ صَدْرِيْ، ثُمَّ غَسَلَهُ

---

[1] اس مضمون کی بالکل ابتدائی ترتیب میں کیونکہ مکرّم ومعزیزم مولانا مفتی منظور احمد صاحب زید مجدہٗ کے ایک مختصر مضمون سے استفادہ کیا گیا تھا، اور بعد میں بندہ نے اس مضمون میں کافی تخریج وتحقیق کی، لیکن مولانا موصوف کے نام کی مناسبت سے ''مناظر'' کا عنوان باقی رکھا گیا، تاکہ معراج کے مناظر کے ساتھ ساتھ منظور کے ہم مادہ مناظر کی طرف بھی اشارہ ہوجائے، مگر یہاں یہ بات ذکر کرنا ضروری ہے کہ کئی کتابوں میں بہت سی ایسی چیزیں ذکر کی گئی ہیں، کہ جو معتبر ومستند احادیث وروایات سے ثابت نہیں، اس لئے ان کو اس مضمون میں شامل نہیں کیا گیا، اور بعض غیر معتبر باتوں کو حذف کردیا گیا۔محمد رضوان۔

بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِءٍ حِكْمَةً وَإِيْمَانًا، فَأَفْرَغَهُ فِيْ صَدْرِيْ، ثُمَّ أَطْبَقَهُ (بخاری) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ایک شب میرے گھر کی چھت (جس میں اس وقت میں موجود تھا) پھٹ گئی اور میں مکہ میں تھا، پھر جبریل علیہ السلام اترے اور انہوں نے میرے سینہ کو چاک کیا، پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا، پھر ایک طشت سونے کا حکمت وایمان سے بھرا ہوا لائے اور اسے (یعنی اس میں سے) میرے سینہ میں ڈال دیا، پھر سینہ کو بند کر دیا (ترجمہ ختم)

اس روایت میں مذکورہ واقعہ کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، دوسری روایات میں اس کی تفصیل آئی ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ، أَنَّهُ جَاءَ هُ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ قَبْلَ أَنْ يُوحٰى إِلَيْهِ وَهُوَ نَائِمٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، فَقَالَ أَوَّلُهُمْ: أَيُّهُمْ هُوَ؟ فَقَالَ أَوْسَطُهُمْ: هُوَ خَيْرُهُمْ، فَقَالَ آخِرُهُمْ: خُذُوْا خَيْرَهُمْ، فَكَانَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ، فَلَمْ يَرَهُمْ حَتّٰى أَتَوْهُ لَيْلَةً أُخْرٰى، فِيْمَا يَرٰى قَلْبُهُ، وَتَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ، وَكَذٰلِكَ الْأَنْبِيَاءُ تَنَامُ أَعْيُنُهُمْ وَلَا تَنَامُ قُلُوْبُهُمْ، فَلَمْ يُكَلِّمُوْهُ حَتّٰى احْتَمَلُوْهُ، فَوَضَعُوْهُ عِنْدَ بِئْرِ زَمْزَمَ، فَتَوَلَّاهُ مِنْهُمْ جِبْرِيْلُ، فَشَقَّ جِبْرِيْلُ مَا بَيْنَ نَحْرِهٖ إِلٰى لَبَّتِهٖ حَتّٰى فَرَغَ مِنْ صَدْرِهٖ وَجَوْفِهٖ، فَغَسَلَهُ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ بِيَدِهٖ، حَتّٰى أَنْقٰى جَوْفَهُ، ثُمَّ أُتِيَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ فِيْهِ تَوْرٌ مِّنْ ذَهَبٍ، مَحْشُوًّا إِيْمَانًا وَّحِكْمَةً، فَحَشَا بِهٖ صَدْرَهُ وَلَغَادِيْدَهُ -يَعْنِيْ عُرُوْقَ حَلْقِهٖ- ثُمَّ أَطْبَقَهُ (بخاری) [۲]

---

[۱] حديث نمبر ۳۴۹، كتاب الصلاة، بَابٌ: كَيْفَ فُرِضَتِ الصَّلَاةُ فِي الْإِسْرَاءِ؟ دارطوق النجاة، بيروت.

[۲] كتاب التوحيد، بَابُ قَوْلِهٖ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسَى تَكْلِيمًا، حديث نمبر ۷۵۱۷.

ترجمہ: جس رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد کعبہ (یعنی حرم شریف) سے سیر (ومعراج) ہوئی تو وحی کے پہنچنے سے پہلے آپ کے پاس تین فرشتے آئے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں آرام فرما رہے تھے، ان فرشتوں میں سے پہلے نے کہا کہ ان میں وہ (نبی) کون ہیں؟ بیچ والے نے اشارہ سے بتایا کہ ان میں سب سے اچھے وہ ہیں، تیسرے فرشتے نے کہا کہ ان میں جو بہتر ہیں، ان کو لے لو (اس وقت اور لوگ بھی حرم میں آرام فرما رہے تھے) اس رات کو یہی ہوا، پھر دوسری رات آنے تک ان فرشتوں کو نہیں دیکھا۔

دوسری رات کو وہ فرشتے آئے، آپ کا دل ان کو دیکھ رہا تھا اور آنکھیں سوئی ہوئی تھیں، انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا، ان فرشتوں نے آپ سے کوئی بات نہیں کی اور آپ کو اٹھا کر چاہِ زمزم کے پاس لے گئے، جبریل نے اس کام کو سنبھالا، انہوں نے آپ کے گلے سے لے کر دل کے نیچے تک سینہ کو چاک کیا اور سینہ اور پیٹ کو (خواہشات سے) خالی کیا اپنے ہاتھ سے زمزم کے پانی سے دھویا، آپ کے پیٹ کو خوب صاف کیا پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جس میں سونے کا ایک برتن (طشت) ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا اس سے آپ کے سینہ اور حلق (کی سب رگوں) کو بھرا، پھر اس کو برابر کر دیا (ترجمہ ختم)

ابتداء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تھے، پھر حرم میں آ کر لیٹ گئے تھے، اور شروع میں کچھ نیند و بیداری کی حالت میں تھے، پھر پوری طرح بیدار ہو گئے، اور بیداری کی حالت میں سیر ومعراج کرائی گئی۔

اور حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ:

فَاسْتَخْرَجَ قَلْبِیْ، ثُمَّ أُتِیتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مَمْلُوْءَ ةٍ إِیمَانًا، فَغُسِلَ قَلْبِیْ، ثُمَّ حُشِیَ ثُمَّ أُعِیْدَ، ثُمَّ أُتِیتُ بِدَابَّةٍ (بخاری) [1]

---

[1] حدیث نمبر ۳۸۸۷، کتاب المناقب، باب المعراج، دارطوق النجاة، بیروت۔

ترجمہ: پھر میرا دل نکالا، پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا، جو ایمان سے بھرا ہوا تھا، پھر میرا دل دھویا گیا، پھر اسے ایمان سے بھر دیا گیا، پھر دل کو اپنی جگہ پہنچا دیا گیا، پھر میرے پاس براق لایا گیا (ترجمہ ختم)

فائدہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو چاک کرنا اور اس کو نکال کر دھونا اور دوبارہ لگا دینا، ناممکن بات نہیں، آج کل مختلف آپریشن بھی ایسے ایجاد ہو گئے ہیں، جن میں دل کے مختلف علاج کئے جاتے ہیں، اور سینہ چاک کر کے فضلات کو دور کیا جاتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ عمل قادرِ مطلق کی طرف سے کیا گیا، جس کے حقیقت کے مطابق ہونے میں کوئی شبہ نہیں کرنا چاہئے۔ [1]

حضرت ابوبکر کے اسراء کی تصدیق سے ''صدیق'' کا لقب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

لَمَّا أُسْرِیَ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِلَی الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰی أَصْبَحَ یَتَحَدَّثُ النَّاسُ بِذٰلِکَ، فَارْتَدَّ نَاسٌ مِّمَّنْ کَانَ آمَنُوْا بِهِ وَصَدَّقُوْهُ، وَسَعٰی رِجَالٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ إِلٰی أَبِی بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقَالُوْا :هَلْ لَّکَ إِلٰی صَاحِبِکَ یَزْعُمُ أَنَّهُ أُسْرِیَ بِهِ اللَّیْلَةَ إِلَی بَیْتِ الْمَقْدِسِ؟ قَالَ :أَوَقَالَ ذٰلِکَ؟ قَالُوْا :نَعَمْ، قَالَ :لَئِنْ قَالَ ذٰلِکَ لَقَدْ صَدَقَ، قَالُوْا :أَوَ تُصَدِّقُهُ أَنَّهُ ذَهَبَ اللَّیْلَةَ إِلٰی بَیْتِ الْمَقْدِسِ وَجَاءَ قَبْلَ أَنْ یُّصْبِحَ؟ فَقَالَ :نَعَمْ، إِنِّیْ لَأُصَدِّقُهُ فِیْ مَا هُوَ أَبْعَدُ مِنْ ذٰلِکَ أُصَدِّقُهُ فِیْ خَبَرِ السَّمَاءِ فِیْ غُدْوَةٍ أَوْ

---

[1] قَالَ الْحَاكِمُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ " :قُلْتُ لِشَيْخِنَا أَبِي عَبْدِ اللَّهِ لِمَ لَمْ يُخَرِّجَا هَذَا الْحَدِيثَ؟ قَالَ :لِأَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ لَمْ يَسْمَعْهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا سَمِعَهُ مِنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ "، قَالَ الْحَاكِمُ :ثُمَّ نَظَرْتُ فَإِذَا الْأَحْرُفُ الَّتِي سَمِعَهَا مِنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ غَيْرُ هَذِهِ وَلِيَعْلَمْ طَالِبُ هَذَا الْعِلْمِ أَنَّ حَدِيثَ الْمِعْرَاجِ قَدْ سَمِعَ أَنَسٌ بَعْضَهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَعْضَهُ مِنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ، وَبَعْضَهُ مِنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ غَيْرُ هَذِهِ، وَبَعْضَهُ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (مستدرک حاکم. تحت حدیث رقم ۲۷۲، ج۱ ص ۱۵۴، دار الکتب العلمیة -بیروت)

رَوْحَةٍ، فَلِذٰلِکَ سُمِّیَ أَبَا بَکْرٍ الصِّدِّیْقَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ اقصیٰ کی طرف (معراج کی رات میں) سیرا کرائی گئی، تو صبح کو لوگوں نے اس کے متعلق گفتگو کی، تو کئی ان لوگوں نے اس (واقعہ) کا انکار کیا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے تھے، اور مشرکین میں سے بعض لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، اور انہوں نے کہا کہ کیا آپ اپنے ساتھی (محمد) پر یقین کرتے ہیں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ انہیں رات میں بیتُ المقدس کی طرف لے جایا گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا واقعی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ بات فرمائی ہے؟ مشرکین نے کہا کہ ہاں! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر انہوں نے واقعی یہ بات فرمائی ہے تو درست فرمائی ہے، مشرکین نے کہا کہ کیا آپ ان کی اس بات میں تصدیق کرتے ہیں کہ وہ رات میں بیتُ المقدس کی طرف گئے، اور صبح ہونے سے پہلے واپس آ گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک میں تو ان کی اس سے بھی دور والی باتوں کی تصدیق کرتا ہوں، جو وہ آسمان کی خبریں صبح یا شام (بذریعہ وحی) بتلاتے ہیں۔ پس اس واقعہ کی وجہ سے حضرت ابوبکر کا نام ''صدیق'' رضی اللہ عنہ رکھا گیا (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ کو جلدی سے عقل کا قبول کرنا مشکل تھا، اس لئے اول وہلے میں پوری

---

[1] حدیث نمبر ۴۴۵۸، ج۳ص ۸۱، دار الکتب العلمیة -بیروت، واللفظ لہٗ، و حدیث نمبر ۴۴۰۷، ج۳ص ۶۵، دلائل النبوة للبیہقی ج۲ص ۳۶۰، معرفة الصحابة لابی نعیم حدیث نمبر ۶۹.

قال الحاکم تحت حدیث رقم ۴۴۰۷: هَذَا حَدِیثٌ صَحِیحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ یُخَرِّجَاهُ.

وقال الذهبی فی التلخیص: صحیح.

وقال الحاکم تحت حدیث رقم ۴۴۵۸: هَذَا حَدِیثٌ صَحِیحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ، وَلَمْ یُخَرِّجَاهُ، فَإِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ کَثِیرٍ الصَّنْعَانِیَّ صَدُوقٌ.

وقال الألبانی :الصنعانی فیه ضعف من قبل حفظه ، و لذلک أورده الذهبی فی "الضعفاء "و قال: "ضعفه أحمد . "و قال الحافظ فی "التقریب " : "صدوق کثیر الغلط . "قلت :فمثله لا یحتج به إذا انفرد ، لکنه قد توبع کما یأتی ، فحدیثه لذلک صحیح(السلسلة الصحیحة للالبانی ،تحت حدیث رقم ۳۰۶)

تصدیق نہ ہونے سے پہلے کئی دوسرے لوگوں کو تو تصدیق کرنے میں تأمل ہوا، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے خلافِ عقل ہونے کے باعث اپنے نورِ بصیرت اور قوتِ ایمان کی وجہ سے تصدیق میں تأمل نہیں کیا، اسی وجہ سے ان کا لقب صدیقِ اکبر پڑا۔

اور صدیق کے معنیٰ بہت زیادہ تصدیق کرنے والے کے آتے ہیں۔

اس واقعہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام اور درجہ بھی معلوم ہوا۔ [1]

بیتُ المقدس میں حاضری اور مشرکین کے سامنے اُس کی صفات کا اظہار

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ أُسْرِيَ بِيْ اللَّيْلَةَ، قَالُوْا: إِلٰى أَيْنَ ؟ قَالَ: إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ، قَالُوْا: ثُمَّ أَصْبَحْتَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْنَا ؟ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: فَمِنْ بَيْنِ مُصَفِّقٍ، وَمِنْ بَيْنِ وَاضِعٍ يَدَهُ عَلٰى رَأْسِهٖ، مُتَعَجِّبًا لِلْكَذِبِ زَعَمَ قَالُوا: وَهَلْ تَسْتَطِيْعُ أَنْ تَنْعَتَ لَنَا الْمَسْجِدَ ؟ وَفِي الْقَوْمِ مَنْ قَدْ سَافَرَ إِلٰى ذٰلِكَ الْبَلَدِ، وَرَأَى الْمَسْجِدَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَذَهَبْتُ أَنْعَتُ فَمَا زِلْتُ أَنْعَتُ حَتّٰى الْتَبَسَ عَلَيَّ بَعْضُ النَّعْتِ، قَالَ: فَجِيْءَ بِالْمَسْجِدِ وَأَنَا أَنْظُرُ حَتّٰى وُضِعَ دُوْنَ دَارِ عِقَالٍ أَوْ عُقَيْلٍ فَنَعَتُّهُ، وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ، قَالَ: وَكَانَ مَعَ هٰذَا نَعْتٌ لَمْ أَحْفَظْهُ، قَالَ: فَقَالَ الْقَوْمُ: أَمَّا النَّعْتُ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ أَصَابَ (مسند أحمد) [2]

---

[1] لِأَنَّ السَّبْقَ إِلَى الْمَعْرِفَةِ لِلْأَشْيَاءِ يُوجِبُ الْفَضِيلَةَ لِلسَّابِقِينَ إِلَيْهَا كَمَا وَجَبَ لِأَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِسَبْقِهِ النَّاسَ إِلَى تَصْدِيقِهِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِتْيَانِهِ بَيْتَ الْمَقْدِسِ مِنْ مَكَّةَ وَرُجُوعِهِ مِنْهُ إِلَى مَنْزِلِهِ بِمَكَّةَ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ حَتَّى سُمِّيَ بِذَلِكَ الصِّدِّيقَ، وَإِنْ كَانَ الْمُؤْمِنُونَ جَمِيعًا يَشْهَدُونَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ ذَلِكَ إِذَا وَقَفُوا عَلَيْهِ (شرح مشكل الآثار للطحاوى، تحت حديث رقم ١٣٦٧، باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى استغفاره يوم الحديبية للمحلقين مرتين وللمقصرين مرة)

[2] حديث نمبر ٢٨١٩، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ؛ السنن الكبرى للنسائى، حديث نمبر ١١٢٢١؛ ودلائل النبوة للبيهقى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: پھر (معراج کی رات گزرنے کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے رات میں سیر کرائی گئی ہے، مشرکین نے کہا کہ کہاں کی سیر کرائی گئی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیتُ المقدس کی، لوگوں نے کہا کہ پھر آپ صبح کے وقت ہمارے درمیان موجود ہیں (یہ کیسے ممکن ہے؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک (میرا کہنا درست ہے) جس پر بعض لوگوں نے تالی بجائی، اور بعض نے جھوٹ کا گمان اور تعجب کرنے کی وجہ سے اپنا ہاتھ سَر پر رکھ لیا۔

لوگوں نے کہا کہ کیا آپ ہمارے سامنے مسجدِ اقصیٰ کی کوئی صفت وکیفیت بیان کر سکتے ہیں؟ اور اس وقت ان لوگوں میں ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے مسجدِ اقصیٰ کے شہر میں سفر کیا تھا، اور مسجدِ اقصیٰ کو دیکھا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اُس مسجد کی صفات بیان کرنی شروع کیں، تو مجھے کچھ صفات میں التباس ہوا (کیونکہ اس وقت ان چیزوں کو اتنے غور سے نہ دیکھا تھا، اور یاد رکھنے کی اتنی ضرورت نہ سمجھی تھی) اتنے میں (بحکمِ الٰہی) مسجدِ اقصیٰ کو نظروں کے سامنے اس طرح کر دیا گیا جیسا کہ وہ دارِ عُقیل کے قریب رکھی ہوئی ہے، میں نے اُس کو دیکھ کر اُس کی صفات بیان کرنا شروع کیں، جو ایسی صفات بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إسناده صحيح على شرط الشيخين .روح :هو ابن عُبادة، وعوف :هو ابن أبى جميلة الأعرابى العبدى البصرى .وأخرجه البزار(٥٦ .كشف الأستار) من طريق محمد بن جعفر وحده، بهذا الإسناد .وأخرجه ابن أبى شيبة(١١/٤٦٢، ٤٦١)والنسائى فى الكبرى(١١٢٨٥)، والطبرانى (١٢٧٨٢)والبيهقى فى الدلائل(٢/٣٦٣، ٣٦٤)و٣٦٤من طرق عن عوف ابن أبى جميلة، به .وانظر ما سيأتى برقم(٣٥٤٦)وأورده السيوطى فى الدر المنثور(٥/٢٢٢)وزاد نسبته إلى ابن مردويه وأبى نعيم فى "الدلائل"، والضياء فى " .المختارة"، وابن عساكر، وصحح إسناده.وأخرج أحمد٣/٣٧٧، والبخارى(٣٨٨٦)ومسلم (١٧٠)(٢٧٦) من حديث جابر بن عبد الله أن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال " :لما كذبتنى قريش، قمت فى الحجر، فجلا الله لى بيتَ المقدسِ، فطفقت أخبرهم عن آياته وأنا أنظر إليه ." ونحوه عن أبى هريرة عند مسلم (حاشيه مسند أحمد)

تھیں، جو مجھے پہلے یاد نہیں رہی تھیں۔ لوگوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! صفات تو بالکل درست بیان کیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ:

فَقَالَ الْمُشْرِكُوْنَ :اُنْظُرُوْا إِلٰى أَبِيْ كَبْشَةَ يَزْعَمُ أَنَّهُ أَتَى بَيْتَ الْمَقْدِسِ اللَّيْلَةَ، قَالَ :نَعَمْ وَقَدْ مَرَرْتُ بِعِيْرٍ لَكُمْ بِمَوْضِعِ كَذَا وَكَذَا، قَدْ أَضَلُّوْا بَعِيْرًا لَهُمْ بِمَكَانٍ كَذَا وَكَذَا ، وَأَنَا مُسَيِّرُهُمْ لَكُمْ يَنْزِلُوْنَ بِكَذَا وَكَذَا، ثُمَّ يَأْتُوْنَكُمْ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا يَقْدُمُهُمْ جَمَلٌ أَدَمٌ، عَلَيْهِ مَسْحٌ أَسْوَدُ وَغِرَارَتَانِ سَوْدَاوَانِ، فَلَمَّا كَانَ ذٰلِكَ الْيَوْمَ أَشْرَفَ النَّاسُ يَنْظُرُوْنَ، حَتّٰى كَانَ قَرِيْبًا مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ حَتّٰى أَقْبَلَتِ الْعِيْرُ، يَقْدُمُهُمْ ذٰلِكَ الْجَمَلُ كَالَّذِيْ وَصَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ(مسند البزار) [1]

ترجمہ: تو مشرکین نے کہا کہ دیکھو ابو کبشہ کی طرف، یہ گمان کرتا ہے کہ وہ (رات کے وقت) بیتُ المقدس میں گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک گیا تھا ، اور میں تمہارے فلاں جگہ اس اس طرح کے قافلے کے قریب سے بھی گزرا تھا، جن کا فلاں فلاں جگہ میں اونٹ گم ہو گیا تھا، اور میں اُن کے قریب سے گزرا تھا، اور قافلے کے لوگ فلاں فلاں جگہ ٹھہرے تھے، اور وہ تمہارے پاس فلاں فلاں دن تک پہنچ جائیں گے، جن کے آگے ایک گندمی رنگ کا اونٹ ہوگا، جس کے اوپر ایک سیاہ ٹاٹ (گرم کپڑا) پڑا ہوا ہے، اس پر دو بورے لدے ہیں۔

پھر جب وہ دن آیا (جس دن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی) تو لوگوں نے دیکھنا شروع کیا، یہاں تک کہ ٹھیک دو پہر کے وقت کے قریب ہو گیا تو وہ قافلہ پہنچ

---

[1] حدیث نمبر ۳۴۸۴، مکتبة العلوم والحکم -المدینة المنورة، واللفظ لهٗ؛ المعجم الکبیر، حدیث نمبر ۷۱۴۲؛ دلائل النبوة للبیهقي، ج۲ص۳۵۷.

وقال البیهقي بعد نقل هٰذا الحدیث:

هَذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ وَرُوِیَ ذَلِکَ مُفَرَّقًا فِي أَحَادِيثَ غَيْرِهِ وَنَحْنُ نَذْكُرُ مِنْ ذَلِکَ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى مَا حَضَرَنَا(حواله بالا)

گیا، اُن کے آگے اسی طرح کا اونٹ تھا، جس طرح کا اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا تھا (ترجمہ ختم)

مشرکین نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوکبشہ کہا، تو وہ (نعوذ باللہ تعالیٰ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص اور عیب لگانے کے طور پر کہا، کیونکہ ابوکبشہ جاہلیت کے زمانے میں ایک ایسا شخص تھا، جس نے اپنے آباء واجداد کے مذہب کو چھوڑ دیا تھا۔

مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے گمان میں ایسا سمجھ کر ابوکبشہ کہا۔ [1]

بعض دوسری روایات میں بھی اس واقعے کا مزید تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ [2]

---

[1] (ابن أبی کبشة) تعریض بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فإن أبا کبشة کان رجلا فی الجاهلیة ترک دین آبائه وعبد الشعری، فکذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم. انتقل إلی دین آخر وترک دین آبائه، -والعیاذ باللہ مما أرادوه ، وقیل :إن أبا کبشة أحد أجداده، وعادة العرب إذا انتقصت أحدا نسبت إلی جد غامض (فیض الباری، کتاب بدء الوحی، أسلم تسلم لی فیه شبهة)

[2] عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :لَقَدْ رَأَیْتُنِی فِی الْحِجْرِ وَقُرَیْشٌ تَسْأَلُنِی عَنْ مَسْرَایَ، فَسَأَلَتْنِی عَنْ أَشْیَاءَ مِنْ بَیْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُثْبِتْهَا، فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَا كُرِبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ ، قَالَ " :فَرَفَعَهُ اللهُ لِی أَنْظُرُ إِلَیْهِ، مَا یَسْأَلُونِی عَنْ شَیْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ بِهِ، وَقَدْ رَأَیْتُنِی فِی جَمَاعَةٍ مِنَ الْأَنْبِیَاءِ، فَإِذَا مُوسَی قَائِمٌ یُصَلِّی، فَإِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ، جَعْدٌ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ، وَإِذَا عِیسَی ابْنُ مَرْیَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ یُصَلِّی، أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ الثَّقَفِیُّ، وَإِذَا إِبْرَاهِیمُ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ یُصَلِّی، أَشْبَهُ النَّاسِ بِهِ صَاحِبُكُمْ -یَعْنِی نَفْسَهُ -فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَأَمَمْتُهُمْ، فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنَ الصَّلَاةِ قَالَ قَائِلٌ :یَا مُحَمَّدُ، هَذَا مَالِكٌ صَاحِبُ النَّارِ، فَسَلِّمْ عَلَیْهِ، فَالْتَفَتُّ إِلَیْهِ، فَبَدَأَنِی بِالسَّلَامِ (مسلم، حدیث نمبر ۱۷۲، کتاب الایمان، باب ذکر المسیح ابن مریم، والمسیح الدجال)

عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ أُمِّ هَانِءٍ بِنْتِ أَبِی طَالِبٍ، قَالَتْ....... فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ :یَا مُحَمَّدُ هَلْ مَرَرْتَ بِإِبِلٍ لَنَا فِی مَكَانِ كَذَا وَكَذَا؟ قَالَ :نَعَمْ وَاللهِ، وَجَدْتُهُمْ قَدْ أَضَلُّوا بَعِیرًا لَهُمْ فَهُمْ فِی طَلَبِهِ ، فَقَالَ :هَلْ مَرَرْتَ بِإِبِلٍ لِبَنِی فُلَانٍ، قَالَ :نَعَمْ، فِی مَكَانِ كَذَا وَكَذَا قَدِ انْكَسَرَتْ لَهُمْ نَاقَةٌ حَمْرَاءُ فَوَجَدْتُهُمْ، وَعِنْدَهُمْ قَصْعَةٌ مِنْ مَاءٍ فَشَرِبْتُ مَا فِیهَا ، قَالُوا :فَأَخْبِرْنَا عِدَّتَهَا وَمَا فِیهَا مِنَ الرُّعَاةِ، قَالَ :قَدْ كُنْتُ عَنْ عِدَّتِهَا مَشْغُولًا ، فَقَامَ فَأُتِیَ بِالْإِبِلِ فَعَدَّهَا وَعَلِمَ مَا فِیهَا مِنَ الرُّعَاةِ، ثُمَّ أَتَی قُرَیْشًا فَقَالَ :سَأَلْتُمُونِی عَنْ إِبِلِ بَنِی فُلَانٍ فَهِیَ كَذَا وَكَذَا، وَفِیهَا مِنَ الرُّعَاةِ فُلَانٌ وَفُلَانٌ، وَسَأَلْتُمُونِی عَنْ إِبِلِ بَنِی فُلَانٍ فَهِیَ كَذَا وَكَذَا، وَفِیهَا مِنَ الرُّعَاةِ ابْنُ أَبِی قُحَافَةَ، وَفُلَانٌ وَفُلَانٌ، وَهِیَ مُصَبِّحَتُكُمْ بِالْغَدَاةِ عَلَی الثَّنِیَّةِ ، قَالَ : فَغَدَوْا إِلَی الثَّنِیَّةِ یَنْظُرُونَ أَصَدَقَهُمْ مَا قَالَ، فَاسْتَقْبَلُوا الْإِبِلَ، فَسَأَلُوا هَلْ ضَلَّ لَكُمْ بَعِیرٌ؟ قَالُوا :نَعَمْ، فَسَأَلُوا الْآخَرَ هَلِ انْكَسَرَتْ لَكُمْ نَاقَةٌ حَمْرَاءُ؟ قَالُوا :نَعَمْ، قَالُوا :فَهَلْ كَانَتْ عِنْدَكُمْ قَصْعَةٌ؟ قَالَ أَبُو بَكْرٍ :أَنَا وَاللهِ وَضَعْتُهَا فَمَا شَرِبَهَا أَحَدٌ وَلَا هَرَاقُوهُ فِی الْأَرْضِ، وَصَدَّقَهُ أَبُو بَكْرٍ وَآمَنَ بِهِ فَسُمِّیَ یَوْمَئِذٍ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں بیتُ المقدس میں اور راستے میں جن چیزوں کا مشاہدہ کیا تھا، اُن میں سے بعض چیزوں کا اُس زمانے کے مشرکین بھی انکار نہیں کر سکے۔

براق پر سوار ہونا، اور براق کا شوخی کرنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِالْبُرَاقِ لَيْلَةً أُسْرِيَ بِهٖ مُسَرَّجًا مُلَجَّمًا لِيَرْكَبَهٗ، فَاسْتَصْعَبَ عَلَيْهِ، فَقَالَ لَهٗ جِبْرِيْلُ :مَا يَحْمِلُكَ عَلٰى هٰذَا ؟ فَوَاللّٰهِ مَا رَكِبَكَ أَحَدٌ قَطُّ أَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنْهُ، فَارْفَضَّ عَرَقًا(مسند أحمد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معراج کی رات میں براق کو لایا گیا، جس کو عمدہ لگام ڈالی ہوئی تھی اور اس پر خوبصورت زین بچھی ہوئی تھی، تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوں، تو براق کو یہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اوپر سوار ہونا) دشوار معلوم ہوا، تو براق کو حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ تجھے یہ دشوار کیوں معلوم ہو رہا ہے،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الصِّدِّيقَ(المعجم الكبير للطبراني، حديث نمبر ١٠٥٩)

قالوا :يا مطعم ، دعنا نسأله عما هو أغنى لنا من بيت المقدس ، يا محمد ، أخبرنا عن عيرنا ، فقال : أتيت على عير بني فلان بالروحاء قد أضلوا ناقة لهم ، وانطلقوا في طلبها ، فانتهيت إلى رحالهم ليس بها منهم أحد ، وإذا قدح ماء ، فشربت منه ، فسلوهم عن ذلك .فقالوا :هذا والإله آية . قال : ثم انتهيت إلى عير بني فلان ، فنفرت مني الإبل ، وبرك منها جمل أحمر ، عليه جوالق مخيط ببياض ، لا أدري أكسر البعير أم لا ، فسلوهم عن ذلك .قالوا :هذه والله آية قال : ثم انتهيت إلى عير بني فلان في التنعيم ، يقدمها جمل أورق ، وهاهي ذه تطلع عليكم من الثنية ، فقال الوليد بن المغيرة :ساحر .فانطلقوا ، فنظروا ، فوجدوا الأمر كما قال ، فرموه بالسحر ، وقالوا : صدق الوليد بن المغيرة فيما قال فأنزل الله عز وجل :وما جعلنا الرؤيا التي أريناك إلا فتنة للناس والشجرة الملعونة في القرآن قلت لأم هانىء ما الشجرة الملعونة في القرآن ؟ قالت :الذين خوفوا ، فلم يزدهم التخويف إلا طغيانا كبيرا(معجم أبي يعلى الموصلي، حديث نمبر ١٠،عن أم هانئ)

[1] حديث نمبر ١٢٦٧٢،مؤسسة الرسالة، بيروت.

إسناده صحيح على شرط الشيخين(مسند أحمد)

اللہ کی قسم تیرے اوپر کوئی شخص (آج تک) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر سوار نہیں ہوا، پس (یہ سن کروہ) براق پسینہ پسینہ ہوگیا (ترجمہ ختم)

فائدہ: ''براق'' عربی کا لفظ ہے جس کے ایک معنیٰ ''بجلی'' کے ہیں، اور بجلی کی تیز رفتاری سب کو معلوم ہے، براق کیونکہ تیز ترین سواری تھی، اس لئے اس کا نام بجلی کے نام کے ساتھ رکھا گیا۔

براق دراصل اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ایک تیز ترین سواری ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سواری پر بہت سے نبی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی سوار ہوئے ہیں اور گویا کہ یہ نبیوں کی خاص سواری ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس شان وشوکت کے ساتھ اس کی سواری نصیب ہوئی وہ بالکل امتیازی ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ براق پر ایک لمبی مدت سے کسی نے سواری نہیں کی تھی، اس لئے براق نے نئی چیز سمجھ کر شوخی کی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ براق کی یہ شوخی دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے اوپر سفر کرنے کی خوشی کے غلبہ کی وجہ سے تھی کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے اوپر سوار ہونے سے بہت زیادہ خوشی اور فخر محسوس کر رہا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

مسجدِ اقصیٰ میں حاضری اور براق کو باندھنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] (وعن أنس أن النبی -صلی الله علیه وسلم -أتی) ، أی :جیء (بالبراق لیلة أسری به) : بإضافتها علی البناء وجواز إعرابها منونا، والتقدیر أسری فیها به -صلی الله علیه وسلم -(ملجما مسرجا) ، علی بناء المفعول فیهما أی :موضوعا علیه اللجام والسرج (فاستصعب) ، أی: استعصی البراق (علیه) : ولم یمکنه من الرکوب، ویقال :استصعب علیه الأمر أی صعب، فالمعنی صعب علیه رکوبه باستعصائه (فقال له جبریل :أبمحمد تفعل هذا) ؟ ولم تفعل بغیره أو ولو فعلت بسائر الأنبیاء (فما رکبک أحد أکرم علی الله منه) برفع أکرم وفی نسخة صحیحة، قال التوربشتی :وجدنا الروایة فی أکرم بالنصب، فلعل التقدیر :فما رکبک أحد کان أکرم علی الله منه .(قال) ، أی :النبی -صلی الله علیه وسلم -(فارفض) : بتشدید الضاد المعجمة أی انصب البراق (عرقا) تمییز، والمعنی سال منه العرق حیاء لکون اهتزازه صدر عنه فرحا، وظن أنه وقع استعصاء (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، ج۹ ص ۳۸۱۹، کتاب الفضائل، باب فی المعجزات، دارالفکر، بیروت)

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :أُتِيتُ بِالْبُرَاقِ، وَهُوَ دَابَّةٌ أَبْيَضُ طَوِيلٌ فَوْقَ الْحِمَارِ، وَدُوْنَ الْبَغْلِ، يَضَعُ حَافِرَهُ عِنْدَ مُنْتَهٰى طَرَفِهِ ، قَالَ :فَرَكِبْتُهُ حَتّٰى أَتَيْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ ، قَالَ :فَرَبَطْتُهُ بِالْحَلْقَةِ الَّتِيْ يَرْبِطُ بِهِ الْأَنْبِيَاءُ ، قَالَ "ثُمَّ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ، فَصَلَّيْتُ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجْتُ فَجَاءَنِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِإِنَاءٍ مِنْ خَمْرٍ ، وَإِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ، فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ، فَقَالَ جِبْرِيْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اِخْتَرْتَ الْفِطْرَةَ ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ (مسلم)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے (معراج کی رات میں) براق لایا گیا، جو کہ سفید اور لمبا، گدھے سے اونچا اور خچر سے اونچا جانور تھا، جو اپنے پاؤں حدِ نظر پر رکھتا تھا، میں اس پر سوار ہوا، یہاں تک کہ بیت المقدس آیا، پھر میں نے اس کو اس حلقے کے ساتھ باندھ دیا، جس کے ساتھ انبیاء علیہم السلام باندھا کرتے تھے، پھر میں مسجد میں داخل ہوا، اور اس میں دو رکعتیں پڑھیں، پھر میں نکلا، تو جبریلِ امین میرے پاس شراب کے اور دودھ کے برتن لائے، تو میں نے دودھ کو اختیار کرلیا، جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا، پھر ہمیں آسمان کی طرف چڑھایا گیا (ترجمہ ختم)

فائدہ: براق کے بھاگنے یا گم ہونے کا ڈر بھی نہیں تھا مگر اس کے باوجود براق کو باندھا گیا۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاموں میں احتیاط کرنا اور اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں جبکہ بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی ہو، اور اسباب کو اسباب سمجھ کر ہی اختیار کیا جائے (نشر الطیب صفحہ ۲۷ بتغیر)

اور دودھ وغیرہ پیش کیے جانے کی تفصیل آگے آتی ہے۔

---

[1] حدیث نمبر ۱۶۲، ج ۱ ص ۱۴۵، کتاب الایمان، بَابُ الْإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السَّمَاوَاتِ، وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ، دار إحياء التراث العربي -بيروت.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیتُ المقدس میں انبیائے کرام کی امامت فرمانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

وَقَدُ رَأَيْتُنِيُ فِيُ جَمَاعَةٍ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ، فَإِذَا مُوسٰى قَائِمٌ يُصَلِّيُ، فَإِذَا رَجُلٌ ضَرُبٌ، جَعُدٌ كَأَنَّهُ مِنُ رِجَالِ شَنُوءَ ةَ، وَإِذَا عِيُسَى ابُنُ مَرُيَمَ عَلَيُهِ السَّلَامُ قَائِمٌ يُصَلِّيُ، أَقُرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا عُرُوَةُ بُنُ مَسُعُودٍ الثَّقَفِيّ، وَإِذَا إِبُرَاهِيُمُ عَلَيُهِ السَّلَامُ قَائِمٌ يُصَلِّيُ، أَشُبَهُ النَّاسِ بِهِ صَاحِبُكُمُ -يَعُنِيُ نَفُسَهُ -فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَأَمَمُتُهُمُ، فَلَمَّا فَرَغُتُ مِنَ الصَّلَاةِ قَالَ قَائِلٌ :يَا مُحَمَّدُ، هٰذَا مَالِكٌ صَاحِبُ النَّارِ، فَسَلِّمُ عَلَيُهِ، فَالُتَفَتُّ إِلَيُهِ، فَبَدَأَنِيُ بِالسَّلَامِ (مسلم) [1]

ترجمہ: اور میں نے اپنے آپ کو انبیائے کرام کی جماعت میں دیکھا، اور موسیٰ علیہ السلام کو کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، تو وہ درمیانی قد کے گھنگھریالے بالوں والے آدمی تھے، گویا کہ وہ ''شنوءۃ'' (یمن کے مخصوص) لوگوں میں سے ہیں، اور میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، جو لوگوں میں عروہ بن مسعود ثقفی (صحابی) کے زیادہ مشابہ تھے، اور ابراہیم علیہ السلام کو بھی کھڑے ہوکر نماز پڑھتے دیکھا، جو لوگوں میں تمہارے ساتھی یعنی میرے مشابہ تھے، پھر نماز کا وقت ہوگیا، تو میں نے اُن کی امامت کرائی، پھر جب میں نماز سے فارغ ہوگیا تو ایک کہنے والے نے کہا کہ اے محمد! یہ مالک ہیں، آگ (یعنی جہنّم) کے نگران، تو آپ اُن کو سلام کیجیے، میں ان کی طرف متوجہ ہوا، تو انہوں نے فوراً ہی خود مجھے سلام کیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ:

---

[1] حدیث نمبر ۱۷۲، ج ۱ ص ۱۵۶، کتاب الایمان، باب فِی ذِکُرِ الُمَسِیحِ ابُنِ مَرُیَمَ وَالُمَسِیحِ الدَّجَّالِ، دار إحیاء التراث العربی -بیروت، واللفظ لهٗ؛ شرح مشکل الآثار للطحاوی، ۵۰۱۱.

فَلَمَّا دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ الْأَقْصٰى قَامَ يُصَلِّيْ، ثُمَّ الْتَفَتَ فَإِذَا النَّبِيُّوْنَ أَجْمَعُوْنَ يُصَلُّوْنَ مَعَهٗ (مسنداحمد) [1]

ترجمہ: پھر جب (معراج کی رات) نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ اقصیٰ میں داخل ہوئے، تو آپ نے کھڑے ہوکر نماز پڑھی، پھر مڑکر دیکھا تو سب نبی آپ کے ساتھ (یعنی آپ کی اقتداء میں) نماز پڑھ رہے تھے (ترجمہ ختم)

اورحضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أُتِيْتُ بِدَابَّةٍ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُوْنَ الْبَغْلِ خَطْوُهَا عِنْدَ مُنْتَهٰى طَرْفِهَا، فَرَكِبْتُ وَمَعِيَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسِرْتُ فَقَالَ :انْزِلْ فَصَلِّ فَفَعَلْتُ. فَقَالَ :أَتَدْرِيْ أَيْنَ صَلَّيْتَ؟ صَلَّيْتَ بِطَيْبَةَ وَإِلَيْهَا الْمُهَاجَرُ، ثُمَّ قَالَ :انْزِلْ فَصَلِّ فَصَلَّيْتُ، فَقَالَ :أَتَدْرِيْ أَيْنَ صَلَّيْتَ؟ صَلَّيْتَ بِطُوْرِ سَيْنَاءَ حَيْثُ كَلَّمَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ، ثُمَّ قَالَ :انْزِلْ فَصَلِّ فَنَزَلْتُ فَصَلَّيْتُ .فَقَالَ :أَتَدْرِيْ أَيْنَ صَلَّيْتَ؟ صَلَّيْتَ بِبَيْتِ لَحْمٍ حَيْثُ وُلِدَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ .ثُمَّ دَخَلْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَجُمِعَ لِيَ الْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ,فَقَدَّمَنِيْ جِبْرِيْلُ حَتّٰى أَمَمْتُهُمْ، ثُمَّ صُعِدَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا (سنن نسائی) [2]

ترجمہ: (معراج کی رات میں) میرے پاس ایک جانور (براق) لایا گیا جو کہ گدھے سے اونچا اور خچر سے چھوٹا تھا، اس کے قدم حدِ نظر پر پڑتے تھے، تو میں اس پرسوار ہوگیا،

---

[1] ۲۳۲۴، مؤسسة الرسالة، بيروت.
إسناده ضعيف، قابوس مختلف فيه، وقد تقدمت ترجمته قريباً، وباقي رجاله ثقات رجال الشيخين، وصحح ابن كثير إسناده فى التفسير ۲۶/۵ قلنا :ولجُمله شواهد (حاشيه مسنداحمد)

[2] حديث نمبر ۴۵۰، كتاب الصلاة، باب فرض الصلاة ,وذكر اختلاف الناقلين، مكتب المطبوعات الإسلامية -حلب، تاريخ مدينة دمشق لابن عساكر، تحت ترجمة يزيد بن عبد الرحمن بن أبى مالك هانئ الهمدانى ، ج۶۵ ص ۲۸۱ وص ۲۸۲.

اور میرے ساتھ جبریل علیہ السلام بھی تھے، پھر میں چلا تو حضرت جبریل نے فرمایا کہ یہاں اتر کر (نفل) نماز پڑھ لیجئے، میں نے اتر کر نماز پڑھی، پھر جبریلِ امین نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کس جگہ نماز پڑھی؟ آپ نے طَیبہ (یعنی مدینہ طیبہ) میں نماز پڑھی ہے، جہاں آپ (بعد میں) ہجرت فرمائیں گے، پھر (ایک مقام پر پہنچ کر) جبریلِ امین نے کہا (یہاں بھی) اتر کر نماز پڑھیے، میں نے اتر کر نماز پڑھی، پھر جبریلِ امین نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی؟ آپ نے طورِ سینا میں اس جگہ نماز پڑھی، جہاں اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا، پھر (ایک مقام پر پہنچ کر) جبریلِ امین نے کہا (یہاں بھی) اتر کر نماز پڑھئے، میں نے اتر کر نماز پڑھی، پھر جبریلِ امین نے کہا کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی؟ آپ نے دراصل بیتِ لحم میں نماز پڑھی، جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی، پھر میں بیتُ المقدس میں داخل ہوا، پھر میرے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کو جمع کیا گیا، پھر مجھے جبریل نے آگے کیا، یہاں تک کہ میں نے انبیائے کرام کی امامت کرائی، پھر مجھے آسمانِ دنیا کی طرف لے جایا گیا (ترجمہ ختم)

یہ روایت سند کے لحاظ سے معتبر ہے۔ [1]

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

ثُمَّ دَخَلْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ ,فَجُمِعَ لِي الْأَنْبِيَاءُ فَصَلَّيْتُ بِهِمْ ثُمَّ صُعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا (مسند الشاميين) [2]

ترجمہ: پھر میں بیتُ المقدس میں داخل ہوا، پھر میرے لیے انبیائے کرام کو جمع کیا گیا، تو میں نے ان کو نماز پڑھائی، پھر مجھے آسمانِ دنیا پر لے جایا گیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

---

[1] اس کی سند پر کلام آگے ''طَیبہ، طورِ سینا اور بیتِ لحم میں نماز پڑھنا'' کے ذیل میں آتا ہے۔

[2] حديث نمبر ۳۴۱، مؤسسة الرسالة، بيروت.

فَحُمِلْتُ عَلَيْهِ ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَصَلَّيْتُ فِيْهِ بِالنَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ إِمَامًا، ثُمَّ عُرِجَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا (تفسیر طبری) [۱]

ترجمہ: پھر میں اُس براق پر سوار ہو گیا، یہاں تک کہ ہم بیتُ المقدس تک پہنچ گئے، پھر میں نے بیتُ المقدس میں نبیوں اور رسولوں کو امامت کر کے نماز پڑھائی، پھر مجھے آسمانِ دنیا پر لے جایا گیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا جَاءَ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فِي اللَّيْلَةِ الَّتِيْ أُسْرِيَ بِهٖ إِلَيْهِ فِيْهَا، بُعِثَ لَهٗ آدَمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ دُوْنَهٗ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، وَأَمَّهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (شرح مشكل الآثار للطحاوی) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت المقدس میں تشریف لائے، اس رات جبکہ آپ کو اُس کی طرف سیر کرائی گئی تھی، تو حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام اور اور اُن سے نیچے کے انبیاء علیہم السلام کو آپ کے لیے بھیجا گیا، اور ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت فرمائی (ترجمہ ختم)

اور حضرت اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا کی لمبی حدیث میں ہے کہ:

فَأَتَانِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَذَهَبَ بِيْ إِلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ، فَإِذَا دَابَّةٌ أَبْيَضُ، فَوْقَ الْحِمَارِ، وَدُوْنَ الْبَغْلِ، مُضْطَرِبُ الْأُذُنَيْنِ، فَرَكِبْتُهٗ، فَكَانَ يَضَعُ حَافِرَهٗ مَدَّ بَصَرِهٖ، إِذَا أَخَذَ بِيْ فِيْ هُبُوْطٍ طَالَتْ يَدَاهُ، وَقَصُرَتْ رِجْلَاهُ، وَإِذَا أَخَذَ بِيْ فِيْ صُعُوْدٍ طَالَتْ رِجْلَاهُ، وَقَصُرَتْ يَدَاهُ، وَجِبْرِيْلُ

---

[۱] ج۷ا ص۳۲، تحت آیت ۱ من سورة الاسراء، مؤسسة الرسالة، بيروت.

[۲] حديث نمبر ۵۰۰۹، بَابُ بَيَانِ مُشْكِلِ مَا رُوِيَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِمَامَتِهِ فِي اللَّيْلَةِ الَّتِي أُسْرِيَ بِهِ فِيهَا إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ، هَلْ كَانَتْ لِكُلِّ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ، أَوْ لِبَعْضِهِمْ دُوْنَ بَعْضٍ ؟مؤسسة الرسالة، بيروت، تفسير طبرى، ج۷ا ص۳۳۶، تحت آيت ۱ من سورة الاسراء؛ تهذيب الآثار للطبرى حديث نمبر۷۵۷.

عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَفُوتُنِيْ، حَتّٰى انْتَهَيْتُ إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَأَوْثَقْتُهُ بِالْحَلْقَةِ الَّتِيْ كَانَتِ الْأَنْبِيَاءُ تُوْثِقُ بِهَا، فَنُشِرَ لِيْ رَهْطٌ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ فِيْهِمْ: إِبْرَاهِيْمُ، وَمُوْسٰى، وَعِيْسٰى عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، فَصَلَّيْتُ بِهِمْ، وَكَلَّمْتُهُمْ

(معجم أبي يعلى الموصلي) [۱]

ترجمہ: پس میرے پاس جبریل علیہ السلام تشریف لائے، اور مجھے مسجد کے دروازے کی طرف لے گئے، تو وہاں ایک سفید رنگ کا جانور تھا، جو گدھے سے اونچا اور خچر سے نیچا تھا، جو کانوں کو حرکت دے رہا تھا، پس میں اس پر سوار ہوگیا، اور وہ اپنے پاؤں حدِ نگاہ تک رکھتا تھا، جب مجھے لے کر نیچے اُترتا تھا، تو اس کے اگلے پاؤں لمبے اور پچھلے پاؤں چھوٹے ہوجاتے تھے (جو نیچے کی طرف تیزی سے چلنے میں معین ہوتے تھے) اور جب مجھے اونچائی کی طرف لے کر چڑھتا تھا، تو اس کے پچھلے پاؤں لمبے اور اگلے ہاتھ چھوٹے ہوجاتے تھے (جو اوپر کی طرف تیزی سے چڑھنے میں معین ہوتے تھے) اور جبریل علیہ السلام مجھ سے غائب نہیں ہوتے تھے، یہاں تک کہ میں بیتُ المقدس میں آ گیا، اور میں نے اُس جانور کو اُس حلقے کے ساتھ باندھ دیا، جس کے ساتھ انبیاء علیہم السلام باندھا کرتے تھے، پھر میرے لیے انبیاء علیہم السلام کی جماعت کو بھیجا گیا، جن میں حضرت ابراہیم، اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام بھی تھے، پھر میں نے اُن کو نماز پڑھائی، اور ان کے ساتھ کلام کیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ:

أَنَّ جِبْرِيْلَ، أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبُرَاقِ، فَحَمَلَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَجَعَلَ يَسِيْرُ بِهٖ، فَإِذَا بَلَغَ مَكَانًا مُطَّاطِيًا طَالَتْ يَدَاهَا وَقَصُرَتْ رِجْلَاهَا حَتّٰى تَسْتَوِيَ بِهٖ، وَإِذَا بَلَغَ مَكَانًا مُرْتَفِعًا قَصُرَتْ يَدَاهَا وَطَالَتْ رِجْلَاهَا حَتّٰى تَسْتَوِيَ.......... ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ، فَإِذَا هُوَ بِنَفَرٍ

---

[۱] حديث نمبر ۱۰، باب المحمدين صلى الله على محمد وآله وسلم، إدارة العلوم الأثرية - فيصل آباد، الباكستان.

جُلُوسٍ، فَقَالُوْا حِيْنَ أَبْصَرُوْهُ مَرْحَبًا بِمُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ، وَإِذَا فِي النَّفَرِ الْجُلُوْسِ شَيْخٌ، فَقَالَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا أَبُوْكَ إِبْرَاهِيْمُ، ثُمَّ سَأَلَهُ فَقَالَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: مُوْسٰى، ثُمَّ سَأَلَهُ مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ، ثُمَّ أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ، فَتَدَافَعُوْا حَتّٰى قَدَّمُوْا مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَتَوْا بِأَشْرِبَةٍ فَاخْتَارَ مُحَمَّدٌ اللَّبَنَ، فَقَالَ لَهُ جِبْرِيْلُ: أَصَبْتَ الْفِطْرَةَ ثُمَّ قِيْلَ لَهُ: قُمْ مَعِيَ إِلٰى رَبِّكَ (المعجم الاوسط) [1]

ترجمہ: جبریل علیہ السلام، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس براق لائے، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سامنے سوار کیا، اور وہ براق آپ کو لے کر چلنے لگا، پھر وہ جب کسی نشیبی جگہ میں پہنچتا، تو اس کے اگلے پاؤں لمبے اور پچھلے پاؤں چھوٹے ہو جاتے تھے، اور یہ حالت اس وقت تک رہتی تھی جب تک ہموار جگہ میں نہیں پہنچ جاتا تھا، اور جب وہ کسی اونچی جگہ میں پہنچتا تو اس کے اگلے پاؤں چھوٹے اور پچھلے پاؤں لمبے ہو جاتے تھے، اور یہ حالت اس وقت تک رہتی تھی جب تک ہموار جگہ میں نہیں پہنچ جاتا تھا پھر (حدیث کے آخر میں ہے کہ گزرتے گزرتے) ہم بیتُ المقدس میں پہنچ گئے، تو وہاں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا: مرحبا محمد نبی اُمی، اور اُن لوگوں میں ایک بوڑھے شخص بھی تھے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ یہ کون ہیں؟ جبریل نے کہا کہ یہ آپ کے باپ ابراہیم ہیں، پھر سوال کیا کہ یہ کون ہیں؟ تو جبریل نے کہا کہ موسیٰ، پھر سوال کیا کہ یہ کون ہیں؟ تو جبریل نے کہا کہ عیسیٰ بن مریم، پھر نماز کھڑی کی گئی تو انہوں نے ایک دوسرے کو آگے کرنا چاہا، یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو امامت کے لیے آگے کیا، پھر چند مشروب لائے گئے، جس میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کو اختیار کیا، تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے فطرت کو حاصل کیا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] للطبرانی حدیث نمبر ۳۸۷۹، دارالحرمین، القاهرة.

سے کہا گیا کہ آپ کھڑے ہوجائیں، اور میرے ساتھ (آسمان پر) اپنے رب کی طرف تشریف لے چلیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

ثُمَّ مَضَيْنَا إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَرَبَطْتُ الدَّابَّةَ بِالْحَلْقَةِ الَّتِيْ يَرْبِطُ بِهَا الْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ، وَنُشِرَتْ لِيَ الْأَنْبِيَاءُ مَنْ سَمَّى اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَمَنْ لَّمْ يُسَمِّ، فَصَلَّيْتُ بِهِمْ إِلَّا أُولِي الْبَقَرِ عِيْسٰى وَمُوْسٰى وَإِبْرَاهِيْمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَسَلَّمَ(المعجم الكبير) [1]

ترجمہ: پھر ہم بیت المقدس کی طرف گئے، اور میں نے براق کو اس حلقے کے ساتھ باندھ دیا، جس کے ساتھ انبیائے کرام باندھا کرتے تھے، پھر میں مسجدِ اقصیٰ میں داخل ہوا، اور میرے لیے اُن سب انبیاء کو جمع کیا گیا، جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نام ذکر فرمایا ہے، اور جن کا نام ذکر نہیں فرمایا، پھر میں نے اُن کو نماز پڑھائی، سوائے عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم علیہم الصلاۃ والسلام کے (ترجمہ ختم)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث کیونکہ سند کے لحاظ سے کمزور ہے، اور اس حدیث میں جو ان تین نبیوں کا استثناء مذکور ہے، وہ دوسری صحیح وکثیر احادیث کے خلاف ہے، اکثر احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب نبیوں کی امامت کرنا مذکور ہے، اور بعض احادیث میں حضرت موسیٰ، عیسیٰ وابراہیم علیہم السلام کی امامت کی بھی صراحت ہے۔

اس لئے راجح یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے نبیوں کے ساتھ ساتھ ان تین نبیوں کی

---

[1] للطبراني، حديث نمبر ۹۹۷۶،مكتبة ابنِ تيمية القاهرة،واللفظ لهٗ، مسند ابی یعلیٰ الموصلی، حدیث نمبر ۵۰۳۶، مستدرک حاکم حديث نمبر ۸۷۹۳، مسند البزار، حدیث نمبر ۱۵۶۸، حلية الاولياء ج۴ص ۲۳۴، شرح مشكل الآثار،حديث نمبر ۵۰۰۸.

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ تَفَرَّدَ بِهِ أَبُو حَمْزَةَ مَيْمُونٌ الْأَعْوَرُ، وَقَدِ اخْتَلَفَتْ أَقَاوِيلُ أَئِمَّتِنَا فِيهِ وَقَدْ أَتَى بِزِيَادَاتٍ لَمْ يُخَرِّجْهَا الشَّيْخَانِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي ذِكْرِ الْمِعْرَاجِ.

وقال العقيلي:

وهذا الحديث يروى من غير هذا الوجه بإسناد جيد (الضعفاء الكبير للعقيلي، تحت حديث رقم ۱۹۴۲، تحت ترجمة ميمون ابو حمزة القصاب كوفي)

امامت بھی فرمائی تھی۔ [1]

---

[1] اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس لیے ارشاد فرمائی کہ ان نبیوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیت المقدس کے باہر ملاقات ہوچکی تھی، اور وہ امامت کے وقت بیت المقدس سے باہر تھے۔

اس لئے ممکن ہے کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ احادیث نہ پہنچ سکی ہوں (اگر اُن کو یہ احادیث پہنچ جاتیں، تو یقیناً وہ بھی اس کا ذکر فرماتے) اور اللہ تعالیٰ کے لیے آناً فاناً ایک جگہ سے دوسری جگہ نبیوں کو منتقل کرنا کوئی بعید نہیں، خاص طور پر جبکہ معراج کی رات کے واقعات ہی سب کے سب غیر عادی اور معجزانہ ہیں، ان کے ہوتے ہوئے اس چھوٹی سی بات کو تسلیم کر لینے میں کیا مانع ہیں؟

اور ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ اس حدیث کا یہ استثناء دوسری صحیح وکثیر احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں، اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف اس استثناء کی نسبت محلِ نظر ہے۔

اور اوپر امام حاکم کی یہ رائے گزر چکی ہے کہ:

هَـذَا حَـدِيـثٌ تَـفَـرَّدَ بِهِ أَبُو حَمْزَةَ مَيْمُونٌ الْأَعْوَرُ، وَقَدِ اخْتَلَفَتْ أَقَاوِيلُ أَئِمَّتِنَا فِيهِ وَقَدْ أَتَى بِزِيَادَاتٍ لَمْ يُخَرِّجْهَا الشَّيْخَانِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي ذِكْرِ الْمِعْرَاجِ.

قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ :فَفِي هَـذَا الْـحَـدِيـثِ لِقَاؤُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لِلثَّلَاثَةِ الْمُسْتَثْنَيْنَ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ الَّـذِيـنَ أَمَّهُـمْ فِـي الْـحَـدِيـثِ الْأَوَّلِ، وَهُمْ هَؤُلَاءِ الثَّلَاثَةُ الْمُسَمَّوْنَ فِي حَدِيثِهِ هَذَا، فَاحْتُمِلَ أَنْ يَكُونَ الِاسْتِثْنَاءُ الَّذِي فِي حَدِيثِهِ الْأَوَّلِ كَانَ لِذَلِكَ، وَأَنْ يَكُونَ ذَلِكَ الِاسْتِثْنَاءُ مِنَ ابْنِ مَسْعُودٍ لِمَا وَقَفَ مِنْ لِقَاءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاهُمْ دُونَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَأَخْرَجَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ أَنْ يَكُونُوا صَـلُّـوا مَـعَـهُ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَا أَنَّهُ سَمِعَ ذَلِكَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ مَا رَوَى أَنَسٌ وَأَبُـو هُـرَيْـرَةَ فِيـهِ إِثْبَاتُ إِمَامَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لَيْلَتَئِذٍ هُنَاكَ جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ فِيهِمْ هَـؤُلَاءِ الثَّلَاثَةُ، إِذْ كَـانَ قَدْ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ هَؤُلَاءِ الثَّلَاثَةُ بَعْدَ مُرُورِهِ بِهِمْ فِي طَرِيقِهِ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَحِقُوا بِهِ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَأَمَّهُمْ مَعَ مَنْ أَمَّهُ مِنْ أَنْبِيَاءِ اللهِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ سِوَاهُمْ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَنَسِ بْـنِ مَـالِكٍ أَيْـضًا فِي ذَلِكَ مَا يَدُلُّ عَلَى هَذَا الْمَعْنَى (شرح مشكل الآثار، بَابُ بَيَانِ مُشْكِلِ مَا رُوِيَ عَـنْ رَسُـولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِمَامَتِهِ فِي اللَّيْلَةِ الَّتِي أُسْرِيَ بِهِ فِيهَا إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ، هَلْ كَانَتْ لِكُلِّ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ، أَوْ لِبَعْضِهِمْ دُونَ بَعْضٍ ؟)

(فحانت الصلاة) أى :دخل وقتها، ولعل المراد بها صلاة التحية، أو يراد بها صلاة المعراج على الخصوصية (فأممتهم) ، أى صرت لهم إماما وكنت لهم إماما .في شرح مسلم للنووي :قال القاضي عياض، فإن قيل :كيف رأى موسى عليه السلام يصلي وأم -صلى الله عليه وسلم -الأنبياء في بيت المقدس، ووجدهم على مراتبهم في السماوات؟ فالجواب :يحتمل أنه -صلى الله عليه وسلم -رآهم وصلى بهم في بيت المقدس، ثم صعدوا إلى السماء ، فوجدهم فيها، وأن يكون اجتماعهم وصلاته معهم بعد انصرافه ورجوعه عن سدرة المنتهى اهـ.

والأظهر أنه لا منع من الجمع حيث لا يخالفه العقل والسمع، مع أن الأمور الخارقة للعادة عن الكيفية العقلية خارجة، فقد روى أنه قيل للسيد عبد القادر -رحمه الله :-إن قضيب البان ما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات بیت المقدس میں نماز نہیں پڑھی، یہ دلائل کے لحاظ سے کمزور بات ہے۔ [1]

اور اکثر احادیث سے امامت کا واقعہ آسمان پر تشریف لے جانے سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يصلى، فقال :لا تقولوا فإن رأسه دائما على باب الكعبة ساجد، وتشكله بصوره المتعددة فى الأماكن المختلفة معروف عند طبقة الصوفية، فكأن الأنبياء عليهم السلام كانوا يصلون فى قبورهم، ويستزيدون فى سرورهم بنورهم وظهورهم، فلما تبين لهم إسراء سيد الأنبياء إلى جهة السماء استقبلوه، واجتمعوا معه فى بيت المقدس الذى هو مقر الأصفياء ، واقتدوا بالإمام الحى الذى هو أفضل رجال الطى، ثم تقدموا بطريق المشايعة وآداب المتابعة إلى السماوات، وتوقف كل فيما أعطاه الله تعالى من المقامات، فمر عليهم وخص كلا بالسلام عليه وهم أظهر، والترحيب والتعظيم لديه مع سائر الملائكة المقربين وحملة العرش والكروبيين إلى أن تجاوز عن سدرة المنتهى(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۹ ص ۳۷۷۴،كتاب الفضائل،باب في المعراج)

[1] قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ :وَكَانَ مَا رُوِّينَاهُ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِثْبَاتِ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُنَاكَ أَوْلَى مِنْ نَفْيِ حُذَيْفَةَ أَنْ يَكُونَ صَلَّى هُنَاكَ ؛ لِأَنَّ إِثْبَاتَ الْأَشْيَاءِ أَوْلَى مِنْ نَفْيِهَا ؛ وَلِأَنَّ الَّذِي قَالَهُ حُذَيْفَةُ :إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ صَلَّى هُنَاكَ لَوَجَبَ عَلَى أُمَّتِهِ أَنْ يَأْتُوا ذَلِكَ الْمَكَانَ، وَيُصَلُّوا فِيهِ، كَمَا فَعَلَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنَّ ذَلِكَ مِمَّا لَا حُجَّةَ لِحُذَيْفَةَ فِيهِ، إِذْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَانَ يَأْتِي مَوَاضِعَ وَيُصَلِّي فِيهَا، لَمْ يَكْتُبْ عَلَيْنَا إِتْيَانَهَا، وَلَا الصَّلَوَاتِ فِيهَا، بَلْ قَدْ نَهَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَنْ تَتَبُّعِ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ وَالصَّلَوَاتِ فِيهَا (شرح مشكل الآثار، بَابُ بَيَانِ مُشْكِلِ مَا رُوِيَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِمَامَتِهِ فِي اللَّيْلَةِ الَّتِي أُسْرِيَ بِهِ فِيهَا إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ، هَلْ كَانَتْ لِكُلِّ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ، أَوْ لِبَعْضِهِمْ دُونَ بَعْضٍ ؟ مؤسسة الرسالة ،بيروت)

[2] قال القاضى عياض :يحتمل أن يكون -صلى الله عليه وسلم -صلى بالأنبياء جميعًا فى بيت المقدس، ثم صعد منهم إلى السماء من ذكر أنه عليه السلام رآه فى السماوات ويحتمل أن يكون صلى بهم بعد أن هبط من السماء ، فهبطوا أيضًا، والأظهر أن صلاته بهم فى بيت المقدس كان قبل العروج .انتهى.وقال ابن كثير :صلى بهم ببيت المقدس قبل العرج وبعده، فإن فى الحديث ما يدل على ذلك، ولا مانع منه، انتهى. (المواهب اللدنية، المجلد الثامن، صفحه ۱۱۳، ۱۱۴، المقصد الخامس :فى تخصيصه عليه الصلاة والسلام بخصائص المعراج والإسراء)

"قال القاضى عياض :يحتمل أن يكون -صلى الله عليه وسلم -صلى بالأنبياء جميعًا فى بيت المقدس قبل العروج .قال الشامى :وهو الذى تظافرت به الروايات، واستظهره الحافظ "ثم صعد منهم إلى السماء من ذكر أنه عليه السلام رآه فى السموات "آدم، فيحيى وعيسى، فيوسف، فإدريس، فهارون فموسى فإبراهيم، "ويحتمل أن يكون صلى بهم بعد أن هبط من السماء فهبطوا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ساتوں آسمانوں پر مختلف انبیائے کرام سے سلام وکلام

حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

فَانْطَلَقَ بِیْ جِبْرِیْلُ حَتّٰی أَتَی السَّمَاءَ الدُّنْیَا فَاسْتَفْتَحَ، فَقِیْلَ مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِیْلُ، قِیْلَ :وَمَنْ مَّعَکَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ، قِیْلَ :وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَیْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قِیْلَ :مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِیْءُ جَاءَ فَفَتَحَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا فِیْهَا آدَمُ، فَقَالَ :هٰذَا أَبُوْکَ آدَمُ فَسَلِّمْ عَلَیْهِ، فَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ، فَرَدَّ السَّلَامَ، ثُمَّ قَالَ :مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ، وَالنَّبِیِّ الصَّالِحِ، ثُمَّ صَعِدَ بِیْ حَتّٰی أَتَی السَّمَاءَ الثَّانِیَةَ، فَاسْتَفْتَحَ قِیْلَ :مَنْ هٰذَا؟ قَالَ :جِبْرِیْلُ، قِیْلَ :وَمَنْ مَعَکَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ، قِیْلَ :وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَیْهِ؟ قَالَ :نَعَمْ، قِیْلَ :مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِیْءُ جَاءَ فَفَتَحَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ إِذَا یَحْیٰی وَعِیْسٰی، وَهُمَا ابْنَا الْخَالَةِ، قَالَ :هٰذَا یَحْیٰی وَعِیْسٰی فَسَلِّمْ عَلَیْهِمَا، فَسَلَّمْتُ فَرَدَّا، ثُمَّ قَالَا : مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ، وَالنَّبِیِّ الصَّالِحِ، ثُمَّ صَعِدَ بِیْ إِلَی السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ، فَاسْتَفْتَحَ، قِیْلَ :مَنْ هٰذَا؟ قَالَ :جِبْرِیْلُ، قِیْلَ :وَمَنْ مَّعَکَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، قِیْلَ :وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَیْهِ؟ قَالَ :نَعَمْ، قِیْلَ :مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِیْءُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أیضًا "للصلاة معه .قال الشامی :وصححه ابن کثیر، وقوله :والأظهر أن صلاته بهم ببیت المقدس کان قبل العروج، انتهی "ظاهره أنه من کلام عیاض، ولیس کذلک.إنما هو للحافظ، ذکره فی فتح الباری بعد کلام عیاض، وکذا عزاه له تلمیذه النعمانی، ثم الشامی، ثم الغیطی".وقال ابن کثیر :صلی بهم ببیت المقدس قبل العروج وبعده، فإن فی الحدیث ما یدل علی ذلک، ولا مانع منه، انتهی"، وهذا منابذ لنقله عن ابن کثیر نفسه، ومن قوله :الظاهر أنه بعد رجوعه إلی ما یأتی بعد أسطر، وقد نسب النعمانی ما هنا لنفسه، وتبعه الشامی فعزا له (شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة، المجلد الثامن، صفحه ۱۱۳، ۱۱۴، المقصد الخامس :فی تخصیصه علیه الصلاة والسلام بخصائص المعراج والإسراء)

جَاءَ فَفَتَحَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ إِذَا يُوْسُفُ، قَالَ :هٰذَا يُوْسُفُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ :مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ، ثُمَّ صَعِدَ بِيْ حَتّٰى أَتَى السَّمَاءَ الرَّابِعَةَ فَاسْتَفْتَحَ، قِيْلَ :مَنْ هٰذَا؟ قَالَ : جِبْرِيْلُ، قِيْلَ :وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ، قِيْلَ :أَوَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قِيْلَ :مَرْحَبًا بِهٖ، فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ فَفَتَحَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ إِلٰى إِدْرِيْسَ، قَالَ :هٰذَا إِدْرِيْسُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ : مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ، ثُمَّ صَعِدَ بِيْ، حَتّٰى أَتَى السَّمَاءَ الْخَامِسَةَ فَاسْتَفْتَحَ، قِيْلَ :مَنْ هٰذَا؟ قَالَ :جِبْرِيْلُ، قِيْلَ :وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ، قِيْلَ :وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ :نَعَمْ، قِيْلَ :مَرْحَبًا بِهٖ، فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا هَارُوْنُ، قَالَ :هٰذَا هَارُوْنُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ :مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ، وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ، ثُمَّ صَعِدَ بِيْ حَتّٰى أَتَى السَّمَاءَ السَّادِسَةَ فَاسْتَفْتَحَ، قِيْلَ :مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِيْلُ، قِيْلَ :مَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ، قِيْلَ :وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ : نَعَمْ، قَالَ :مَرْحَبًا بِهٖ، فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا مُوْسٰى، قَالَ: هٰذَا مُوْسٰى فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ :مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ، وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ، فَلَمَّا تَجَاوَزْتُ بَكٰى، قِيْلَ لَهٗ :مَا يُبْكِيْكَ؟ قَالَ :أَبْكِيْ لِأَنَّ غُلَامًا بُعِثَ بَعْدِيْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِهٖ أَكْثَرُ مِمَّنْ يَّدْخُلُهَا مِنْ أُمَّتِيْ، ثُمَّ صَعِدَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيْلُ، قِيْلَ :مَنْ هٰذَا؟ قَالَ :جِبْرِيْلُ، قِيْلَ :وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ، قِيْلَ : وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ :نَعَمْ، قَالَ :مَرْحَبًا بِهٖ، فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا إِبْرَاهِيْمُ قَالَ :هٰذَا أَبُوْكَ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، قَالَ :فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ، قَالَ :مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ (بخاری) [1]

---

[1] كتاب المناقب، بَابُ الْمِعْرَاجِ، حديث نمبر۳۸۸۷،دارطوق النجاة، بيروت.

ترجمہ: پس مجھے جبریل لے کر چلے، یہاں تک کہ آسمانِ دنیا پر پہنچے، اور دروازہ کھلوانے کا کہا، اُن سے کہا گیا کہ یہ کون ہے؟ کہا کہ جبریل، پوچھا گیا، اور آپ کے ساتھ کون ہے، جبریل نے کہا، محمد، پوچھا گیا کہ کیا آپ کو اُن کی طرف (ان کو لانے کے لئے) بھیجا گیا تھا، جبریل نے کہا کہ جی ہاں، کہا گیا کہ اُن کو مرحبا، آنا بہت اچھا ہے، پس دروازہ کھول دیا، تو جب میں داخل ہوا تو حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا، جبریل نے کہا کہ یہ آپ کے باپ ہیں، ان کو سلام کیجیے، میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا، پھر فرمایا کہ مرحبا نیک بیٹے، اور نیک نبی۔

پھر مجھے جبریل اوپر لے کر چڑھے، یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر آئے، پھر دروازہ کھولنے کو کہا، پوچھا گیا کہ یہ کون ہے؟ کہا کہ جبریل، پوچھا گیا اور آپ کے ساتھ کون ہے؟ جبریل نے کہا کہ محمد، پوچھا گیا کہ کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا، جبریل نے کہ کہا کہ جی ہاں، کہا گیا کہ ان کو مرحبا ہو، بہت اچھا آنا ہے، پس دروازہ کھول دیا، پس جب میں داخل ہوا، تو حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو دیکھا، اور وہ دونوں خالہ زاد ہیں (حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ ہیں، تو حضرت عیسیٰ کی خالہ کے نواسے ہیں) جبریل نے کہا کہ یہ یحییٰ اور عیسیٰ ہیں، ان کو سلام کیجیے، میں نے سلام کیا، ان دونوں نے جواب دیا، پھر کہا مرحبا، نیک بھائی، اور نیک نبی۔

پھر مجھے جبریل تیسرے آسمان پر لے کر چڑھے، پھر دروازہ کھولنے کو کہا، پوچھا گیا کہ یہ کون ہے؟ کہا کہ جبریل، کہا گیا اور آپ کے ساتھ کون ہے؟ جبریل نے کہا کہ محمد، کہا گیا کہ کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا، جبریل نے کہ کہا کہ جی ہاں، کہا گیا کہ ان کو مرحبا ہو، بہت اچھا آنا ہے، پس دروازہ کھول دیا، پس جب میں داخل ہوا، تو حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا، جبریل نے کہا کہ یہ یوسف ہیں، ان کو سلام کیجیے، میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا، پھر فرمایا کہ مرحبا، نیک بھائی، اور نیک نبی۔

پھر مجھے جبریل اوپر لے کر چڑھے، یہاں تک کہ چوتھے آسمان پر پہنچے، پھر دروازہ

کھولنے کو کہا، پوچھا گیا کہ یہ کون ہے؟ کہا کہ جبریل، کہا گیا اور آپ کے ساتھ کون ہے؟ جبریل نے کہا کہ محمد، پوچھا گیا کہ کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ جبریل نے کہ کہا کہ جی ہاں، کہا گیا کہ ان کو مرحبا ہو، بہت اچھا آنا ہے، پس دروازہ کھول دیا، پس جب میں داخل ہوا، تو حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا، جبریل نے کہا کہ یہ ادریس ہیں، ان کو سلام کیجیے، میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا، پھر فرمایا، مرحبا، نیک بھائی اور نیک نبی۔

پھر مجھے جبریل اوپر لے کر چڑھے، یہاں تک کہ پانچویں آسمان پر پہنچے، پھر دروازہ کھولنے کو کہا، پوچھا گیا کہ یہ کون ہے؟ کہا کہ جبریل، پوچھا گیا اور آپ کے ساتھ کون ہے؟ جبریل نے کہا کہ محمد، پوچھا گیا کہ کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ جبریل نے کہ کہا کہ جی ہاں، کہا گیا کہ ان کو مرحبا ہو، بہت اچھا آنا ہے، پس دروازہ کھول دیا، پس جب میں داخل ہوا، تو ہارون علیہ السلام کو دیکھا، جبریل نے کہا کہ یہ ہارون ہیں، ان کو سلام کیجیے، میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا، پھر فرمایا کہ مرحبا، نیک بھائی اور نیک نبی۔

پھر مجھے جبریل اوپر لے کر چڑھے، یہاں تک کہ چھٹے آسمان پر پہنچے، پھر دروازہ کھولنے کو کہا، پوچھا گیا کہ یہ کون ہے؟ کہا کہ جبریل، کہا گیا اور آپ کے ساتھ کون ہے؟ جبریل نے کہا کہ محمد، پوچھا گیا کہ کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا، جبریل نے کہ کہا کہ جی ہاں، انہوں نے کہا کہ ان کو مرحبا ہو، بہت اچھا آنا ہے (پس دروازہ کھول دیا) پس جب میں داخل ہوا، تو موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، جبریل نے کہا کہ یہ موسیٰ ہیں، ان کو سلام کیجیے، میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا، پھر فرمایا: مرحبا نیک بھائی اور نیک نبی۔

پھر جب میں آگے بڑھا، تو وہ رونے لگے، ان کو کہا گیا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اس لیے روتا ہوں کہ ایک لڑکا (محمد) میرے بعد بھیجا گیا، اس کی امت کے

لوگوں کی جنت میں داخل ہونے والی تعداد میری امت کے لوگوں سے زیادہ ہوگی۔

پھر مجھے جبریل اوپر لے کر چڑھے، یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر پہنچے، پھر جبریل نے دروازہ کھولنے کو کہا، پوچھا گیا کہ یہ کون ہے؟ کہا کہ جبریل، پوچھا گیا اور آپ کے ساتھ کون ہے؟ جبریل نے کہا کہ محمد، پوچھا گیا کہ کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا، جبریل نے کہا کہ جی ہاں، انہوں نے کہا کہ ان کو مرحبا ہو، بہت اچھا آنا ہے (پس دروازہ کھول دیا) پس جب میں داخل ہوا، تو ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، جبریل نے کہا کہ یہ آپ کے باپ ہیں، ان کو سلام کیجیے، میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا، اور فرمایا کہ مرحبا، نیک بیٹے اور نیک نبی (ترجمہ ختم)

اور صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں نبیوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا دینے کا بھی ذکر ہے، اور یہ اضافہ بھی ہے کہ یوسف علیہ السلام کو حسن کا بہت بڑا حصہ عطا کیا گیا تھا؛ نیز ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام کو بیتُ المعمور سے کمر لگا کر بیٹھے ہوئے ہونے اور بیتُ المعمور میں ہر دن ستر ہزار ایسے فرشتوں کے داخل کا ذکر ہے، جو ایک مرتبہ کے بعد دوبارہ داخل نہیں ہوتے۔ [1]

---

[1] چنانچہ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ:

ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ :مَنَ أَنْتَ؟ قَالَ :جِبْرِيلُ، قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ، قِيلَ :وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ :قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِآدَمَ، فَرَحَّبَ بِى، وَدَعَا لِى بِخَيْرٍ، ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقِيلَ :مَنَ أَنْتَ؟ قَالَ :جِبْرِيلُ، قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ، قِيلَ :وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ :قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِابْنَيِ الْخَالَةِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ، وَيَحْيَى بْنِ زَكَرِيَّاءَ، صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمَا، فَرَحَّبَا وَدَعَوَا لِى بِخَيْرٍ، ثُمَّ عَرَجَ بِى إِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ :مَنَ أَنْتَ؟ قَالَ :جِبْرِيلُ، قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قِيلَ :وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ :قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِيُوسُفَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا هُوَ قَدِ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ، فَرَحَّبَ وَدَعَا لِى بِخَيْرٍ، ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، قِيلَ :مَنْ هَذَا؟ قَالَ :جِبْرِيلُ، قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ، قَالَ :وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ :قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِإِدْرِيسَ، فَرَحَّبَ وَدَعَا لِى بِخَيْرٍ، قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ :(وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا) ، ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بخاری شریف کی ایک روایت میں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ بھی ہے کہ:

لَا يَعْلَمُ أَهْلُ السَّمَاءِ بِمَا يُرِيدُ اللّٰهُ بِهِ فِي الْأَرْضِ حَتّٰى يُعْلِمَهُمْ (بخاری) [1]

ترجمہ: آسمان والے (فرشتوں) کو اس کی خبر نہیں ہوتی کہ اللہ زمین میں کیا کرنا چاہتے ہیں جب تک کہ ان کو اللہ تعالیٰ بتلا نہ دیں (ترجمہ ختم)

اس لیے فرشتوں نے ہر آسمان پر یہ معلوم کیا کہ کون ہے؟ اور ساتھ میں کون ہے؟ اور کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ [2]

اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دروازہ پر دستک دینے والے سے دروازہ کھولنے سے پہلے ان کا نام معلوم کرنا اور یہ معلوم کرنا کہ ساتھ میں کون ہیں، اور کیا کام ہے وغیرہ، اور اطمینان ہونے کے بعد دروازہ کھولنا سنت سے ثابت ہے، اور اس قسم کے سوالات سے آنے والے کو برا نہیں منانا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الْخَامِسَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، قِيلَ :مَنْ هَذَا؟ فَقَالَ :جِبْرِيلُ، قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، قِيلَ :وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ :قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِهَارُونَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَحَّبَ، وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ، ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، قِيلَ :مَنْ هَذَا؟ قَالَ :جِبْرِيلُ، قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ، قِيلَ :وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ :قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ، ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ :مَنْ هَذَا؟ قَالَ :جِبْرِيلُ، قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قِيلَ :وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ :قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِإِبْرَاهِيمَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْنِدًا ظَهْرَهُ إِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ، وَإِذَا هُوَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ لَا يَعُودُونَ إِلَيْهِ (مسلم، كتاب الايمان، بَابُ الْإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السَّمَاوَاتِ، وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ)

[1] كتاب التوحيد، بَابُ قَوْلِهِ :وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا، حديث نمبر ۷۵۱۷، دارطوق النجاة، بيروت.

[2] هذا موافق لرواية شريك في إبراهيم وهما مخالفان لرواية قتادة عن أنس عن مالك بن صعصعة وقد قدمت في شرحه أن الأكثر وافقوا قتادة وسياقه يدل على رجحان روايته فإنه ضبط اسم كل نبي والسماء التي هو فيها ووافقه ثابت عن أنس وجماعة ذكرتهم هناك فهو المعتمد (فتح البارى لابن حجر، ج۱۳ ص ۴۸۲، كتاب التوحيد، قوله باب ما جاء في قوله عز وجل وكلم الله موسى تكليما)

چاہئے۔

اور آج کے پُرفتن دور میں جبکہ مختلف بہانوں سے چور، ڈاکو دروازہ کھلوا کر گھروں میں داخل ہوجاتے ہیں، اس طریقہ کی افادیت واہمیت مزید واضح ہوچکی ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ دروازہ پر دستک دینے والے کو چاہئے کہ سوال کئے جانے پر اپنا اور اپنے ساتھی کا نام بتلا دے، اور صرف اس طرح کے گول مول الفاظ نہ کہے کہ میں ہوں؟ وغیرہ۔

حضرت آدم کا جنّتی روحوں سے خوش اور جہنّمی روحوں سے ناخوش ہونا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَلَمَّا جِئْتُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، قَالَ جِبْرِيْلُ :لِخَازِنِ السَّمَاءِ افْتَحْ، قَالَ : مَنْ هٰذَا؟ قَالَ هٰذَا جِبْرِيْلُ، قَالَ :هَلْ مَعَكَ أَحَدٌ؟ قَالَ :نَعَمْ مَعِيْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ :نَعَمْ، فَلَمَّا فَتَحَ عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا، فَإِذَا رَجُلٌ قَاعِدٌ عَلٰى يَمِيْنِهِ أَسْوِدَةٌ، وَعَلَى يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ، إِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِيْنِهِ ضَحِكَ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَسَارِهِ بَكٰى، فَقَالَ :مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ، قُلْتُ لِجِبْرِيْلَ :مَنْ هٰذَا؟ قَالَ :هٰذَا آدَمُ، وَهٰذِهِ الْأَسْوِدَةُ عَنْ يَّمِيْنِهِ وَشِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيْهِ، فَأَهْلُ الْيَمِيْنِ مِنْهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ، وَالْأَسْوِدَةُ الَّتِيْ عَنْ شِمَالِهِ أَهْلُ النَّارِ، فَإِذَا نَظَرَ عَنْ يَّمِيْنِهِ ضَحِكَ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكٰى (بخاری) [1]

ترجمہ: جب میں (معراج کی رات) دنیا کے آسمان (یعنی پہلے آسمان) پر پہنچا، تو جبریل نے آسمان کے داروغہ سے کہا کہ (دروازہ) کھول دیجئے، انہوں نے کہا کون ہے؟ وہ بولے جبریل ہے، پھر انہوں نے کہا کہ کیا تمہارے ساتھ کوئی (اور بھی) ہے، جبریل نے کہا جی ہاں! میرے ساتھ محمد ہیں، انہوں نے کہا کہ کیا ان کی طرف بھیجا گیا

---

[1] حدیث نمبر ۳۴۹، کتاب الصلاۃ، بَابٌ :كَيْفَ فُرِضَتِ الصَّلاَةُ فِي الإِسْرَاءِ؟ دارطوق النجاۃ، بیروت۔

تھا؟ جبریل نے کہا جی ہاں! جب دروازہ کھول دیا گیا، تو ہم آسمانِ دنیا (پہلے آسمان) کے اوپر چڑھے، یکا یک ایک ایسے شخص پر نظر پڑی، جو بیٹھے ہوئے تھے، ان کی داہنی جانب کچھ لوگ تھے، اور ان کی بائیں جانب (بھی) کچھ لوگ تھے، جب وہ اپنے داہنی جانب دیکھتے تو ہنس دیتے اور جب بائیں جانب دیکھتے تو رو دیتے، انہوں نے (مجھے دیکھ کر) کہا کہ مرحبا اے نیک نبی اور نیک بیٹے، میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آدم ہیں، اور ان کے دائیں اور بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں، دائیں طرف جنت والے ہیں اور بائیں طرف جہنم والے، اسی لئے جب وہ اپنی داہنی طرف دیکھتے ہیں، تو (خوشی کی وجہ سے) ہنستے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں، تو (رنج کی وجہ سے) روتے ہیں (ترجمہ ختم)

قیامت تک آنے والے سارے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی نسل درنسل اولاد ہیں، اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی جنتی اولاد سے خوشی اور جہنمی اولاد سے غمی ہوتی تھی۔

سدرۃُ المنتہیٰ اور اس کی زیارت

حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

ثُمَّ رُفِعَتْ إِلَيَّ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى، فَإِذَا نَبْقُهَا مِثْلُ قِلَالِ هَجَرَ، وَإِذَا وَرَقُهَا مِثْلُ آذَانِ الْفِيَلَةِ، قَالَ :هٰذِهٖ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى، وَإِذَا أَرْبَعَةُ أَنْهَارٍ :نَهْرَانِ بَاطِنَانِ وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ، فَقُلْتُ :مَا هٰذَانِ يَا جِبْرِيْلُ؟ قَالَ :أَمَّا الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ فِي الْجَنَّةِ، وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالنِّيْلُ وَالْفُرَاتُ، ثُمَّ رُفِعَ لِيَ الْبَيْتُ الْمَعْمُوْرُ (بخاری) [1]

ترجمہ: پھر (ساتویں آسمان پر پہنچنے کے بعد) میری طرف سدرۃُ المنتہیٰ کو ظاہر کیا گیا، تو

---

[1] کتاب المناقب، بَابُ الْمِعْرَاجِ، حدیث نمبر ۳۸۸۷، دارطوق النجاۃ، بیروت، واللفظ لہٗ؛ مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۲۷۲.

میں کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے پھل ہجر (عرب کے علاقے) کے (بڑے) برتن (مٹکے) کی طرح کے تھے، اور اس کے پتّے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے (جبریل علیہ السلام) نے کہا کہ یہ سدرۃُ المنتہیٰ ہے، اور (وہاں) چار (قسم کی) نہریں تھیں، دو نہریں باطنی تھیں، اور دو نہریں ظاہری تھیں، میں نے کہا کہ اے جبریل یہ دو (نہریں) کیا ہیں؟ انہوں نے کہا کہ دو اندرونی تو جنت کی نہریں ہیں، اور دو ظاہری نیل اور فرات ہیں، پھر میرے لیے بیتُ المعمور کو ظاہر کر دیا گیا (ترجمہ ختم)

بیتُ المعمور کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اور مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

ثُمَّ ذَهَبَ بِىْ إِلَى السِّدْرَةِ الْمُنْتَهٰى، وَإِذَا وَرَقُهَا كَآذَانِ الْفِيَلَةِ، وَإِذَا ثَمَرُهَا كَالْقِلَالِ قَالَ: فَلَمَّا غَشِيَهَا مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ مَا غَشِيَ تَغَيَّرَتْ، فَمَا أَحَدٌ مِّنْ خَلْقِ اللّٰهِ يَسْتَطِيْعُ أَنْ يَّنْعَتَهَا مِنْ حُسْنِهَا (مسلم) [1]

ترجمہ: پھر (جبریل علیہ السلام) مجھے سدرۃُ المنتہیٰ کی طرف لے گئے، اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے، اور اس کے پھل ہجر (عرب کے علاقے) کے (بڑے) برتن (مٹکے) کی طرح کے تھے، پھر جب اس کو اللہ کے حکم سے اُن چیزوں نے ڈھانپ لیا، جن چیزوں نے ڈھانپ لیا، تو اس کی حالت تبدیل ہوگئی، اللہ کی مخلوق میں سے کوئی اُس کے حُسن کی صفت بیان کرنے پر قادر نہیں (ترجمہ ختم)

اور مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْتَهَيْتُ إِلَى السِّدْرَةِ، فَإِذَا نَبْقُهَا مِثْلُ الْجِرَارِ، وَإِذَا وَرَقُهَا مِثْلُ آذَانِ الْفِيَلَةِ، فَلَمَّا غَشِيَهَا مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ مَا غَشِيَهَا، تَحَوَّلَتْ يَاقُوْتًا، أَوْ زُمُرُّدًا أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ (مسند أحمد) [2]

---

[1] حديث نمبر ۱۶۲، كتاب الايمان، بَابُ الْإِسْرَاءِ بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السَّمَاوَاتِ، وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ، دار إحياء التراث العربى -بيروت.

[2] حديث نمبر ۱۲۳۰۱، مؤسسة الرسالة، بيروت.

إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (معراج کی رات) میں سدرۃُ المنتہٰی تک پہنچا، تو اس کے پھل گھڑے کی طرح تھے، اور اس کے پتّے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے، پس جب اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس چیز نے ڈھانپ لیا، جس نے میں بھی ڈھانپ لیا، تو وہ یاقوت، یا زمرد یا اسی جیسی کسی خوبصورت ترین چیز سے تبدیل ہوگیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لَمَّا أُسْرِیَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، انْتُہِیَ بِہٖ إِلٰی سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی، وَہِیَ فِی السَّمَاءِ السَّادِسَۃِ، إِلَیْہَا یَنْتَہِیَ مَا یُعْرَجُ بِہٖ مِنَ الْأَرْضِ فَیُقْبَضُ مِنْہَا، وَإِلَیْہَا یَنْتَہِیْ مَا یُہْبَطُ بِہٖ مِنْ فَوْقِہَا فَیُقْبَضُ مِنْہَا، قَالَ إِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی (النجم: ۱۶) **قَالَ: فَرَاشٌ مِنْ ذَہَبٍ** (مسلم) [1]

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات میں سیر کرائی گئی، تو آپ کو سدرۃُ المنتہٰی تک لے جایا گیا، جو کہ (یعنی اس کی جڑ) چھٹے آسمان میں ہے، جو چیز بھی زمین سے چڑھتی ہے، وہیں جا کر رُکتی ہے، اور وہیں سے اس کو (بحکمِ الٰہی) لیا جاتا ہے، اور اسی سدرۃ المنتہٰی تک وہ چیز بھی آ کر ٹھہرتی ہے، جو اس سے اوپر سے آتی ہے، اور وہیں سے اس کو (بحکمِ الٰہی) لیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا جبکہ سدرہ کو ڈھانپ لیا اس چیز نے، جس چیز نے کہ ڈھانپ لیا (سورہ نجم) فرمایا کہ سونے کے فرش نے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ:

ثُمَّ انْتَہٰی إِلَی السِّدْرَۃِ، فَقِیْلَ لَہٗ: ہٰذِہِ السِّدْرَۃُ یَنْتَہِیْ إِلَیْہَا کُلُّ أَحَدٍ خَلَا مِنْ أُمَّتِکَ عَلٰی سُنَّتِکَ، فَإِذَا ہِیَ شَجَرَۃٌ یَخْرُجُ مِنْ أَصْلِہَا أَنْہَارٌ مِنْ مَّاءٍ غَیْرِ آسِنٍ وَأَنْہَارٌ مِنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُہٗ وَأَنْہَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَّذَّۃٍ لِّلشَّارِبِیْنَ،

---

[1] حدیث نمبر ۱۷۳، ج ۱ ص ۱۵۷، کتاب الایمان، بَابٌ فِی ذِکْرِ سِدْرَۃِ الْمُنْتَہَی، دار إحیاء التراث العربی - بیروت.

وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُصَفًّى، وَهِيَ شَجَرَةٌ يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا سَبْعِينَ عَامًا لَا يَقْطَعُهَا، وَالْوَرَقَةُ مِنْهَا مُغَطِّيَةٌ الْأُمَّةَ كُلَّهَا، قَالَ :فَغَشِيَهَا نُورُ الْخَلَّاقِ وَغَشِيَتْهَا الْمَلَائِكَةُ أَمْثَالَ الْغِرْبَانِ حِينَ يَقَعْنَ عَلَى الشَّجَرِ

(تهذيب الآثار للطبرى) [1]

ترجمہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہٰی کے پاس پہنچے، اور آپ سے فرمایا گیا کہ یہ سدرۃ وہ مقام ہے، جہاں آپ کی امت میں سے جو آپ کے طریقے پر ہوگا، وہ پہنچے گا، اور وہ ایسا درخت ہے، جس کی جڑ سے نہریں نکلتی ہیں، پانی کی نہریں جو خراب ہونے والی نہیں، اور دودھ کی نہریں، جس کا ذائقہ بدلنے والا نہیں، اور شراب کی نہریں، جو پینے والوں کے لیے لذّت آمیز ہیں، اور صاف شفاف شہد کی نہریں، اور وہ ایسا درخت ہے، کہ اُس کے سائے میں سوار ستّر سال چلنے کے باوجود اُس کے سائے کو طے نہیں کرسکتا، اور اُس درخت کے پتے تمام اُمت کو ڈھانکے ہوئے ہیں، پھر اُس کو اللہ خالق کے نور نے ڈھانپ لیا، نیز اُس کو فرشتوں نے ڈھانپ لیا، اس طرح جیسا کہ کوے، درخت پر آ (کر اسے ڈھانپ لے) تے ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ يَصِفُ سِدْرَةَ الْمُنْتَهٰى

---

[1] حديث نمبر ۲۷۷، ذكر من روى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه رأى أرواح من ذكرت من الأنبياء ببيت المقدس، دون أجسامهم، مطبعة المدنى، القاهرة.

قلت :وفيه"أبو جعفر الرازى عيسى بن ماهان....قال يحيى بن معين :ثقة.وقال أبو حاتم :ثقة صدوق.وقال أحمد بن حنبل والنسائى وغيرهما :ليس بالقوى.وقال أبو زرعة :يهم كثيرا.وقال ابن المدينى :هو عيسى بن أبى عيسى، ثقة، كان يخلط.وقال مرة :يكتب حديثه، إلا أنه يخطىء.وقال حنبل، عن أحمد :صالح الحديث.وروى عبدالله بن على بن المدينى، عن أبيه، قال : هو نحو موسى بن عبيدة.وروى محمد بن عثمان بن أبى شيبة، عن ابن المدينى، قال :كان عندنا ثقة.وقال عمرو بن على :فيه ضعف.وقال الساجى :صدوق، ليس بمتقن(سير اعلام النبلاء، ج۷ص۳۴۷)

قال فيه الحافظ ا بن كثيروالأظهر أنه سيء الحفظ ففيما تفرد به نظر(تفسير ا بن كثير،سورة الإسراء)

اقول: فى هذا لم يتفرد به .محمد رضوان.

قَالَ: يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي الْفَنَنِ مِنْهَا مِائَةَ سَنَةٍ يَسْتَظِلُّ بِالْفَنَنِ مِنْهَا مِائَةُ رَاكِبٍ فِيهَا فَرَاشٌ مِنْ ذَهَبٍ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سوار اس کی سیدھی شاخ کے سائے میں سوسال سفر کرتا ہے، اور اُس کی شاخ کے سائے میں بیک وقت سوسوار چلتے ہیں، اور اُس کا فرش سونے کا ہے (ترجمہ ختم)

فائدہ: ''سدرۃ'' عربی زبان میں ''بیری کے درخت'' کو کہتے ہیں، کیونکہ اس کی شکل بیری کے درخت کی طرح ہے، اس لئے اس کا نام ''سدرۃ'' رکھا گیا، اور ''المنتہیٰ'' کا معنیٰ ہے ''انتہاء ہونے کی جگہ'' اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے آنے والے احکام پہلے اس مقام پر نازل ہوتے ہیں پھر وہاں سے نیچے نازل ہوتے ہیں اور نیچے سے بندوں کے اعمال بھی اسی مقام پر جا کر منتہی ہوتے ہیں، اس لئے اس مقام کا نام ''سدرۃ المنتہیٰ'' رکھا گیا ہے۔ [2]

سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں مختلف احادیث پر نظر کرتے ہوئے اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ اس کی جڑیں چھٹے آسمان پر ہیں، اور اس کا بڑا حصہ ساتویں آسمان پر ہے۔

اسی سے سدرۃ المنتہیٰ کے چھٹے اور ساتویں آسمان میں اور بیتُ المعمور کی زیارت سے پہلے اور بعد میں دیکھنے کی روایات میں تطبیق بھی ہوجاتی ہے۔ [3]

---

[1] حدیث نمبر ۳۷۴۸، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ النجم، دار الکتب العلمیۃ -بیروت.
قال الحاکم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ
وقال الذهبي: علی شرط مسلم.

[2] (سدر) ... فی حدیث الإسراء (ثم رُفِعْت إلی سِدْرة المُنْتهی) السِدْر: شجرُ النبق. وسِدْرَةُ المُنْتهی: شجرة فی أقْصَی الجنة إلیها يَنْتهی عِلْم الأوّلین والآخِرین ولا یتعدّاها (النهایة فی غریب الاثر لابن الاثیر، باب السین مع الدال)

[3] قال: لما أسری برسول الله -صلی الله علیه وسلم- انتهی به إلی سدرة المنتهی، وهی فی السماء السادسة) ، قال شارح: وهم بعض الرواة فی السادسة، والصواب فی السابعة علی ما هو المشهور بین الجمهور من الرواة اهـ. والمعنی أن إضافة السهو إلی واحد منهم أولی، ولأنه ورد أن علم الخلائق ینتهی إلیها، ولیس کذلک فی السادسة علی ما لا یخفی. وقال النووی: هکذا هو فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بیتُ المعمور اور اس کی زیارت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَيْتُ الْمَعْمُوْرُ فِي السَّمَاءِ السَّابِعَةِ، يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ، ثُمَّ لَايَعُوْدُوْنَ إِلَيْهِ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیتُ المعمور ساتویں آسمان میں ہے، جس میں ہر دن ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، پھر وہ دوبارہ لوٹ کر اُس کی طرف نہیں آتے (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ الْبَيْتَ الْمَعْمُوْرَ فِي السَّمَاءِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جميع الأصول .قال القاضي :كونها في السابعة هو الأصح، وقول الأكثرين وهو الذى يقتضيه المعنى وتسميتها بالمنتهى .قال النووى :ويمكن أن يجمع بينهما، أن يكون أصلها في السادسة ومعظمها في السابعة، فقد علم أنها في نهاية من العظم، وقد قال الخليل :السدرة في السماء السابعة قد أظلت السماوات والجنة(مرقاة ، ج۹ ص ۳۷۷۲، كتاب الفضائل ، باب في المعراج)

قلت ولا يعارض قوله انها في السادسة مادلت عليه بقية الأخبار أنه وصل إليها بعد أن دخل السماء السابعة لأنه يحمل على أن أصلها في السماء السادسة وأغصانها وفروعها في السابعة وليس في السادسة منها إلا أصل ساقها (فتح البارى لابن حجر، ج۷ص۲۱۳، كتاب المناقب، باب المعراج)

قوله :(المنتهى) يعنى المنتهى فوق السماء السابعة، وقال الخليل :في السابعة قد أظلت السموات والجنة، وفي رواية :(هو في السماء السادسة) والأول أكثر، ويحمل على تقدير الصحة أن يكون أصلها في السادسة ومعظمها في السابعة، وزعم عياض أن أصلها في الأرض لخروج النيل والفرات من أصلها .انتهى، وليس هذا بلازم، بل معناه :أن الأنهار تخرج من أصلها ثم تسير حيث أراد الله تعالى (عمدة القارى للعينى، ج۴ص۴۵، كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة في الاسراء)

[1] حديث نمبر ۱۲۵۵۸ مؤسسة الرسالة، بيروت.

إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير حماد بن سلمة، فمن رجال مسلم .حسن :هو ابن موسى الأشيب، وثابت :هو ابن أسلم البنانى(حاشية مسند احمد)

السَّابِعَةِ، وَإِذَا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ إِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ، وَإِذَا هُوَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ، إِذَا خَرَجُوا مِنْهُ لَا يَعُودُونَ إِلَيْهِ أَبَدًا (السنن الكبرىٰ للنسائی) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیتُ المعمور کے ساتویں آسمان میں ہونے کا ذکر فرمایا، اور فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام بیتُ المعمور کی طرف اپنی کمر لگائے بیٹھے تھے، اور اس میں ہر دن ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، جب وہ اُس سے نکلتے ہیں، تو اس کے بعد کبھی بھی اُس کی طرف دوبارہ لوٹ کر نہیں آتے (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ:

فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِإِبْرَاهِيمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْنِدًا ظَهْرَهُ إِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ، وَإِذَا هُوَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ لَا يَعُودُونَ إِلَيْهِ، ثُمَّ ذَهَبَ بِيْ إِلَى السِّدْرَةِ الْمُنْتَهٰى (مسلم) [۲]

ترجمہ: پھر ہمارے لیے اُس آسمان کا دروازہ کھول دیا گیا، تو میں نے ابراہیم علیہ السلام کو بیتُ المعمور کی طرف اپنی کمر لگائے بیٹھے ہوئے دیکھا، اور اس میں ہر دن ستّر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، جو لوٹ کر پھر اُس کی طرف نہیں آتے، پھر حضرت جبریل مجھے سدرۃُ المنتہٰی (کے اوپر والے حصے) کی طرف لے گئے (ترجمہ ختم)

اور حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ:

فَرُفِعَ لِيَ الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ، فَسَأَلْتُ جِبْرِيلَ، فَقَالَ: هٰذَا الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ يُصَلِّيْ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ، إِذَا خَرَجُوا لَمْ يَعُودُوا إِلَيْهِ آخِرَ مَا عَلَيْهِمْ (بخاری) [۳]

---

[۱] حديث نمبر ۱۱۴۶۶، كتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ والبيت المعمور، مؤسسة الرسالة، بيروت.

[۲] ج ۱ ص ۱۴۵، كتاب الايمان، باب الإسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم إلى السماوات، وفرض الصلوات، دار إحياء التراث العربى - بيروت.

[۳] حديث نمبر ۳۲۰۷، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة، دارطوق النجاة، بيروت، واللفظ لهٗ؛ مسلم ج ۱ ص ۱۴۹، كتاب الايمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ إلى السماوات.

ترجمہ: پھر میرے سامنے بیتُ المعمور کو ظاہر کیا گیا، میں نے جبریل سے اس کے متعلق معلوم کیا، تو جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بیتُ المعمور ہے، جس میں ہر دن ستر ہزار فرشتے عبادت کرتے ہیں، جب وہ عبادت کر کے نکلتے ہیں، تو دوبارہ نہیں آتے (ترجمہ ختم)

بیتُ المعمور ساتویں آسمان میں بیتُ اللہ کی بالکل سیدھ میں واقع ہے، اور آسمان میں اس کا احترام اسی طرح ہے، جس طرح زمین میں کعبے کا احترام ہے، اور یہ وسعت کے اعتبار سے اتنا بڑا ہے کہ اس میں ہر دن ستر ہزار فرشتے عبادت کرنے کے لئے داخل ہوتے ہیں، اور پھر دوبارہ ان فرشتوں کی باری نہیں آتی۔

ہر دن ستر ہزار فرشتوں کو ہر دن کے ساتھ حساب لگا کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فرشتوں کی تعداد کتنی زیادہ ہے، انسانوں سے بھی کہیں زیادہ۔ [1]

چند چیزوں میں سے دودھ کا انتخاب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

أُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ أُسْرِىَ بِهٖ بِإِيْلِيَاءَ بِقَدَحَيْنِ مِنْ خَمْرٍ وَلَبَنٍ فَنَظَرَ إِلَيْهِمَا فَأَخَذَ اللَّبَنَ قَالَ جِبْرِيْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدَاكَ لِلْفِطْرَةِ لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس رات میں، جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی سیر کرائی گئی، دو برتن لائے گئے، ایک شراب کا اور ایک دودھ کا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا، اور دودھ کو لے لیا، جبریل نے کہا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے آپ کو فطرت کی ہدایت

---

[1] البیت المعمور وهو بيت فى السماء السابعة حيال الكعبة وحرمته فى السماء كحرمة الكعبة فى الأرض (مرقاة، ج ۹ ص ۳۷۶۳، كتاب الفضائل والشمائل، باب فى المعراج)

[2] حديث نمبر ۴۳۴۰، كتاب تفسير القرآن، باب قوله أسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام، دارطوق النجاة، بيروت، واللفظ لهٗ؛ مسلم، حديث نمبر ۱۶۸، باب جواز شرب اللبن.

بخشی، اگر آپ شراب کو لے لیتے، تو آپ کی امت بھٹک جاتی (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

حَتّٰی أَتٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيْلِيَاءَ، فَأُتِيَ بِقَدَحَيْنِ، قَدَحِ لَبَنٍ وَقَدَحِ خَمْرٍ، فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَحَ اللَّبَنِ، فَقَالَ لَهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ :هُدِيْتَ إِلَى الْفِطْرَةِ، لَوْ أَخَذْتَ قَدَحَ الْخَمْرِ غَوَتْ أُمَّتُکَ (تهذيب الآثار للطبرى) [1]

ترجمہ: یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس آئے، پھر دو پیالے پیش کئے گئے، ایک پیالہ دودھ کا، اور ایک پیالہ شراب کا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا پیالہ لے لیا، آپ کو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے فطرت کی طرف ہدایت پائی، اگر آپ شراب کے پیالے کو لے لیتے، تو آپ کی امت بھٹک جاتی (ترجمہ ختم)

اور بعض روایات میں دودھ اور شراب کے ساتھ ایک پانی کے برتن ہونے کا بھی ذکر ہے۔

چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ:

حَتّٰی اِنْتَهٰی إِلٰی بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَعُرِضَ عَلَيْهِ الْمَاءُ وَالْخَمْرُ وَاللَّبَنُ فَتَنَاوَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اللَّبَنَ فَقَالَ لَهُ جِبْرِيْلُ أَصَبْتَ الْفِطْرَةَ وَلَوْ شَرِبْتَ الْمَاءَ لَغَرِقْتَ وَغَرِقَتْ أُمَّتُکَ، وَلَوْ شَرِبْتَ الْخَمْرَ لَغَوَيْتَ وَغَوِيَتْ أُمَّتُکَ، ثُمَّ بُعِثَ لَهُ آدَمُ فَمَنْ دُوْنَهُ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَأَمَّهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ تِلْکَ اللَّيْلَةَ

(دلائل النبوة) [2]

ترجمہ: یہاں تک کہ آپ بیت المقدس تک پہنچ گئے، پھر آپ پر پانی اور شراب اور

---

[1] حديث نمبر ۱۵۷، ذكر من روى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :رأيت الأنبياء ، الذين ذكر عنه أنه رآهم ليلة أسرى به، ببيت المقدس، مطبعة المدنى، القاهرة.

[2] للبيهقى ، ج۲ص ۳۶۱، ۳۶۲، دار الكتب العلمية -بيروت.

دودھ پیش کیا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ لے لیا، آپ کو حضرت جبریل نے کہا کہ آپ نے فطرت کو پایا ہے، اور اگر آپ پانی کو پی لیتے، تو آپ اور آپ کی امت غرق ہوجاتی، اور اگر آپ شراب کو پی لیتے، تو آپ اور آپ کی امت بھٹک جاتی، پھر آپ کے لئے حضرت آدم، اور حضرت آدم سے نیچے کے انبیاء علیہم السلام کو جمع کیا گیا، جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات امامت فرمائی (ترجمہ ختم)

اس قسم کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیت المقدس میں شراب اور دودھ کو اور بعض روایات کے مطابق پانی کو بھی پیش کیا گیا، جن میں سے آپ نے دودھ کو لے لیا۔

اور حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ثُـمَّ رُفِعَ لِیَ الْبَیْتُ الْمَعْمُوْرُ، فَقُلْتُ :یَا جِبْرِیْلُ مَا هٰذَا؟ قَالَ :هٰذَا الْبَیْتُ الْـمَعْمُوْرُ یَدْخُلُهُ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَکٍ، إِذَا خَرَجُوْا مِنْهُ لَمْ یَعُوْدُوْا فِیْهِ آخِرُ مَا عَلَیْهِمْ، ثُمَّ أُتِیْتُ بِإِنَاءَیْنِ أَحَدُهُمَا خَمْرٌ، وَالْآخَرُ لَبَنٌ، فَعُرِضَا عَـلَـیَّ فَـاخْتَـرْتُ اللَّبَنَ، فَقِیْلَ :أَصَبْتَ أَصَابَ اللّٰهُ بِکَ أُمَّتَکَ عَلَی الْفِطْرَةِ (مسلم) [1]

ترجمہ: پھر میرے لئے بیتُ المعمور کو ظاہر کیا گیا، میں نے کہا کہ اے جبریل یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ بیتُ المعمور ہے، جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، جب وہ اس سے نکل جاتے ہیں، تو وہ دوسری مرتبہ اس میں داخل نہیں ہوتے، پھر میرے پاس دو برتن لائے گئے، جن میں سے ایک شراب کا تھا، اور دوسرا دودھ کا تھا، پھر مجھے پیش کیے گئے تو میں نے دودھ کو لے لیا، تو کہا گیا کہ آپ نے درست کام کیا ہے، آپ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو فطرت پر رکھیں گے (ترجمہ ختم)

اور حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

---

[1] حدیث نمبر ۱۶۴، کتاب الایمان، بَابُ الْإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السَّمَاوَاتِ، وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ، دار إحياء التراث العربي -بيروت.

ثُمَّ رُفِعَ لِیَ البَیْتُ المَعْمُوْرُ، ثُمَّ أُتِیتُ بِإِنَاءٍ مِّنْ خَمْرٍ، وَإِنَاءٍ مِّنْ لَّبَنٍ، وَإِنَاءٍ مِّنْ عَسَلٍ، فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ فَقَالَ :هِیَ الفِطْرَةُ الَّتِیْ أَنْتَ عَلَیْهَا وَأُمَّتُکَ،ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَیَّ الصَّلَوَاتُ(بخاری) [1]

ترجمہ: پھر میرے لئے بیتُ المعمور کو ظاہر کیا گیا، پھر میرے پاس چند برتن لائے گئے، ایک شراب کا، ایک دودھ کا، اور ایک شہد کا، تو میں نے دودھ کو لے لیا، تو جبریلِ امین نے فرمایا کہ (الحمدُ للہ) یہی وہ فطرت ہے، جس پر آپ ہیں اور (آپ کے اس عمل کی برکت سے) آپ کے امتی ہیں، پھر مجھ پر نمازیں فرض کی گئیں (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دودھ، شہد اور شراب کو آسمان پر نماز فرض ہونے سے پہلے بھی پیش کیا گیا تھا، جس میں سے آپ نے دودھ کا ہی انتخاب فرمایا تھا۔

جنت کی شراب تو ویسے بھی حرام نہیں، اور بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک دنیا میں بھی شراب کو حرام نہیں کیا گیا تھا، لیکن کیونکہ دنیا کے اعتبار سے شراب اچھی نہیں، اس لئے اس کے اس وقت لینے کو اچھا نہیں سمجھا گیا۔ [2]

---

[1] حدیث نمبر ۳۸۸۷، کتاب المناقب، باب المعراج ،دارطوق النجاة، بیروت، واللفظ لهٗ؛ مسند احمد، حدیث نمبر ۱۷۸۳۵.

[2] ثُمَّ أُتِیَ بِآنِیَةٍ ثَلَاثَةٍ مُغَطَّاةٍ أَفْوَاهُهَا :فَأُتِیَ بِإِنَاءٍ مِنْهَا فِیهِ مَاءٌ، فَقِیلَ لَهُ :اشْرَبْ فَشَرِبَ مِنْهُ یَسِیرًا، ثُمَّ رُفِعَ إِلَیْهِ إِنَاءٌ آخَرُ فِیهِ لَبَنٌ فَشَرِبَ مِنْهُ حَتَّى رَوِیَ، ثُمَّ رُفِعَ إِلَیْهِ إِنَاءٌ آخَرُ فِیهِ خَمْرٌ، فَقَالَ :قَدْ رَوِیتُ لَا أُرِیدُهُ، فَقِیلَ لَهُ:قَدْ أَصَبْتَ، أَمَا إِنَّهَا سَتُحَرَّمُ عَلَى أُمَّتِکَ، وَلَوْ شَرِبْتَ مِنْهَا لَمْ یَتَّبِعْکَ مِنْ أُمَّتِکَ إِلَّا قَلِیلًا، قَالَ :ثُمَّ صُعِدَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ(دلائل النبوة للبیهقی ج۲ص ۴۰۱، بَابُ الدَّلِیلِ عَلَى أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ علیه وآله وَسَلَّمَ عُرِجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ ؛ مسند بزار، حدیث نمبر ۹۵۱۸ عن ابی العالیة عن ابی هریرة او غیره)

وفی سنده ابوجعفر الرازی ،قال ابن کثیربعد نقل هذا الحدیث:

ثم رواه ابن جریر، عن محمد بن عبید الله، عن أبی النضر هاشم بن القاسم، عن أبی جعفر الرازی، عن الربیع بن أنس، عن أبی العالیة أو غیره -شک أبو جعفر-عن أبی هریرة، عن النبی صلی الله علیه وسلم فذکره بمعناه .

وقد رواه الحافظ أبو بکر البیهقی، عن أبی سعید المالینی، عن ابن عدی، عن محمد بن الحسن السَّکُونی البالسی بالرملة، حدثنا علی بن سهل، فذکر مثل ما رواه ابن جریر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دونوں قسم کی احادیث کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے (جن میں سے بعض میں بیت المقدس میں، اور بعض میں آسمان پر دودھ، شراب وغیرہ پیش کئے جانے کا ذکر ہے) بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ چیزیں دو مرتبہ پیش کی گئیں، ایک مرتبہ آسمان پر جانے سے پہلے بیت المقدس میں اور دوسری مرتبہ آسمان پر پہنچنے کے بعد سدرۃُ المنتہیٰ کے قریب نمازیں فرض ہونے سے پہلے۔

اور اہلِ علم حضرات نے دو مرتبہ پیش کرنے میں یہ حکمت بیان فرمائی کہ پہلی مرتبہ بیتُ المقدس میں تو پیاس لگنے کی وجہ سے یہ چیزیں پیش کی گئیں۔

اور دوسری مرتبہ سدرۃُ المنتہیٰ میں جنت کی نہروں کے پاس پہنچنے کی وجہ سے پیش کی گئیں، تاکہ آپ کی ان کے ذریعہ سے ضیافت واکرام کیا جائے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عنه، وذكر البيهقي أن الحاكم أبا عبد الله رواه عن إسماعيل بن محمد بن الفضل بن محمد الشعراني، عن جده، عن إبراهيم بن حمزة الزبيري، عن حاتم بن إسماعيل، حدثني عيسى بن ماهان -يعني أبا جعفر الرازي- عن الربيع بن أنس، عن أبي العالية، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، فذكره.

وقال :ابن أبي حاتم :ذكر أبو زُرْعَة، حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير، حدثنا يونس بن بكير، حدثنا عيسى بن عبد الله التميمي- يعني :أبا جعفر الرازي -عن الربيع بن أنس البكري، عن أبي العالية أو غيره -شك عيسى-، عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :قال الله :(سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (إِلَى الْمَسْجِدِ الأقْصَى) فذكر الحديث بطوله كنحو مما سقناه.

قلت" :أبو جعفر الرازي "قال فيه الحافظ أبو زرعة" :الرازي يهم في الحديث كثيرًا" وقد ضعفه غيره أيضًا، ووثقه بعضهم، والأظهر أنه سيء الحفظ ففيما تفرد به نظر .وهذا الحديث في بعض ألفاظه غرابة ونكارة شديدة، وفيه شيء من حديث المنام من رواية سمرة بن جندب في المنام الطويل عند البخاري، ويشبه أن يكون مجموعًا من أحاديث شتى، أو منام أو قصة أخرى غير الإسراء ، والله أعلم(تفسير ابنِ كثير ج۵ ص۳۵، تحت آيت ۱ من سورة الاسراء)

[1] فَأَتَى قِبْلَةَ الْمَسْجِدِ، فَرَبَطَ دَابَّتَهُ، وَدَخَلْنَا الْمَسْجِدَ مِنْ بَابٍ فِيهِ تَمِيلُ الشَّمْسُ، فَصَلَّيْتُ مِنَ الْمَسْجِدِ حَيْثُ شَاءَ اللهُ، وَأَخَذَنِي مِنَ الْعَطَشِ أَشَدَّ مَا أَخَذَنِي، فَأُتِيتُ بِإِنَاءَيْنِ فِي أَحَدِهِمَا لَبَنٌ، وَفِي الْآخَرِ عَسَلٌ، أُرْسِلَ إِلَيَّ بِهِمَا جَمِيعًا، فَعَدَلْتُ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ هَدَانِيَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شراب کے پیش کرنے میں اور کوئی حکمت بھی ہوسکتی ہے، مثلاً آزمائش وغیرہ مقصود ہو۔
دودھ حلال اور پاکیزہ مشروب ہے اور شراب دنیا میں خبیث، ناپاک اور گندا ترین مشروب ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ اور شراب میں سے دودھ کا انتخاب فرما کر، اپنی امت کو دودھ کی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

اللہُ عَزَّ وَجَلَّ، فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ، فَشَرِبْتُ حَتَّى قَرَعْتُ بِهِ جَبِينِي، وَبَيْنَ يَدَيَّ شَيْخٌ مُتَّكِءٌ عَلَى مَثْرَاةٍ لَهُ، فَقَالَ :أَخَذَ صَاحِبُكَ الْفِطْرَةَ، إِنَّهُ لَيُهْدَى (المعجم الكبير للطبرانی، حديث نمبر ۷۱۴۲، عن شداد بن اوس)

قال الهيثمی:

رواه البزار والطبرانی فی الكبير، إلا أن الطبرانی قال فيه " :قد أخذ صاحبک الفطرة، وإنه لمهدى .وقال فی وصف جهنم كيف وجدتها؟ قال :مثل الحمة السخنة ."وفيه إسحاق بن إبراهيم بن العلاء، وثقه يحيى بن معين، وضعفه النسائی(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۴،باب منه فی الإسراء، مكتبة القدسی، القاهرة)

وذكر إناء ين لا ينفی الثالث مع أننی قدمت فی الكلام علی حديث الإسراء أن عرض الآنية على النبی صلی الله عليه وسلم وقع مرتين قبل المعراج وهو فی بيت المقدس وبعده وهو عند سدرة المنتهی وبهذا يرتفع الإشكال جملة (فتح الباری، ج ۱۰ ص ۷۳، باب شرب اللبن)

وقد وقع فی هذه الرواية أن إتيانه الآنية كان بعد وصوله إلی سدرة المنتهی وسيأتی فی الأشربة من طريق شعبة عن قتادة عن أنس قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم رفعت لی سدرة المنتهی فإذا أربعة أنهار فذكره قال وأتيت بثلاثة أقداح الحديث وهذا موافق لحديث الباب إلا أن شعبة لم يذكر فی الإسناد مالک بن صعصعة وفی حديث أبی هريرة عند بن عائذ فی حديث المعراج بعد ذكر إبراهيم قال ثم انطلقنا فإذا نحن بثلاثة آنية مغطاة فقال جبريل يا محمد ألا تشرب مما سقاک ربک فتناولت إحداها فإذا هو عسل فشربت منه قليلا ثم تناولت الآخر فإذا هو لبن فشربت منه حتی رويت فقال ألا تشرب من الثالث قلت قد رويت قال وفقک الله وفی رواية البزار من هذا الوجه أن الثالث كان خمرا لكن وقع عنده أن ذلک كان ببيت المقدس وأن الأول كان ماء ولم يذكر العسل وفی حديث بن عباس عند أحمد فلما أتی المسجد الأقصی قام يصلی فلما انصرف جیء بقدحين فی أحدهما لبن وفی الآخر عسل فأخذ اللبن الحديث وقد وقع عند مسلم من طريق ثابت عن أنس أيضا أن إتيانه بالآنية كان ببيت المقدس قبل المعراج ولفظه ثم دخلت المسجد فصليت فيه ركعتين ثم خرجت فجاء جبريل بإناء من خمر وإناء من لبن فأخذت اللبن فقال جبريل أخذت الفطرة ثم عرج إلی السماء وفی حديث شداد بن أوس فصليت من المسجد حيث شاء الله وأخذنی من العطش أشد ما أخذنی فأتيت بإناء ين أحدهما لبن والآخر عسل فعدلت بينهما ثم هدانی الله فأخذت اللبن فقال شيخ بين يدی يعنی لجبريل أخذ صاحبک الفطرة وفی حديث أبی سعيد عند بن إسحاق فی قصة الإسراء فصلی بهم يعنی الأنبياء ثم أتی بثلاثة آنية إناء فيه لبن وإناء

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

ترغیب اور شراب سے نفرت کی تعلیم دی۔

اس واقعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قائد اور پیشوا کے اعمال واخلاق کا اس کے ماننے والوں پر بھی اثر پڑتا ہے۔

دودھ کھانے اور پینے دونوں کی ضرورت پوری کرتا ہے اور دودھ میں جسم کے لئے درکار ضروری اجزاء وافر مقدار میں موجود ہوتے ہیں، بچہ کی پیدائش کے بعد اس کی ابتدائی غذا بھی دودھ ہوتی ہے، خواب میں دودھ پینے کی تعبیر دین کا علم حاصل ہونے سے دی گئی ہے، اس غذائیت ونورانیت سے بھرپور غذا اور مشروب کو ان وجوہات کی بناء پر شہد اور پانی پر ترجیح حاصل تھی، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ کو منتخب فرمانا فطرت وحکمت کے مطابق ہوا۔

عالیشان نہرِ کوثر، دودھ، شراب، پانی اور شہد کی نہروں کی زیارت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَنَا أَسِيْرُ فِي الْجَنَّةِ، إِذْ عُرِضَ لِيْ نَهْرٌ حَافَّتَاهُ قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ، قُلْتُ لِلْمَلَكِ :مَا هٰذَا؟ قَالَ :هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِيْ أَعْطَاكَهُ اللّٰهُ، قَالَ :ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدِهٖ إِلٰى طِيْنَةٍ فَاسْتَخْرَجَ مِسْكًا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فيه خمر وإناء فيه ماء فأخذت اللبن الحديث وفي مرسل الحسن عنده نحوه لكن لم يذكر إناء الماء ووقع بيان مكان عرض الآنية في رواية سعيد بن المسيب عن أبي هريرة عند المصنف كما سيأتي في أول الأشربة ولفظه أتي رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة أسرى به بإيلياء بإناء فيه خمر وإناء فيه لبن فنظر إليهما فأخذ اللبن فقال له جبريل الحمد لله الذي هداك للفطرة لو أخذت الخمر غوت أمتك وهو عند مسلم وفي رواية عبد الرحمن بن هاشم بن عتبة عن أنس عند البيهقي فعرض عليه الماء والخمر واللبن فأخذ اللبن فقال له جبريل أصبت الفطرة ولو شربت الماء لغرقت وغرقت أمتك ولو شربت الخمر لغويت وغوت أمتك ويجمع بين هذا الاختلاف إما بحمل ثم على غير بابها من الترتيب وإنما هي بمعنى الواو هنا وإما بوقوع عرض الآنية مرتين مرة عند فراغه من الصلاة ببيت المقدس وسببه ما وقع له من العطش ومرة عند وصوله إلى سدرة المنتهى ورؤية الأنهار الأربعة أما الاختلاف في عدد الآنية وما فيها فيحمل على أن بعض الرواة ذكر ما لم يذكره الآخر ومجموعها أربعة آنية فيها أربعة أشياء من الأنهار الأربعة التي رآها تخرج من أصل سدرة المنتهى(فتح الباري، ج۷ص۲۱۵، ۲۱۶، باب المعراج)

(ترمذی) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس درمیان کہ میں معراج کی رات میں جنت میں چل رہا تھا، اچانک میرے سامنے ایک نہر آئی، جس کے دونوں کناروں پر ایسے موتیوں کے قبے بنے ہوئے تھے، جو درمیان سے خالی تھے، میں نے فرشتے (یعنی جبریل) سے کہا کہ یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ نہرِ کوثر ہے، جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہے، پھر جبریلِ امین نے اس کی زمین پر اپنا ہاتھ مارا تو پانی کی سطح کے نیچے سے خوب تیز خوشبو والا مشک برآمد ہوا (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

ثُمَّ مَضٰی بِهٖ فِي السَّمَاءِ، فَإِذَا هُوَ بِنَهَرٍ آخَرَ عَلَيْهِ قَصْرٌ مِنْ لُؤْلُؤٍ وَزَبَرْجَدٍ، فَضَرَبَ يَدَهُ فَإِذَا هُوَ مِسْكٌ أَذْفَرُ، قَالَ :مَا هٰذَا يَا جِبْرِيلُ؟، قَالَ :هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِيْ خَبَأَ لَكَ رَبُّكَ (بخاری) [۲]

ترجمہ: پھر جبریل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے آسمان پر لے گئے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور نہر کو دیکھا، جس پر قیمتی موتیوں اور عالیشان پتھروں کا قبہ تھا، پھر اس نہر پر جبریل نے ہاتھ مارا تو اُس میں سے قیمتی مشک کی تیز خوشبو پھوٹی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کیا کہ اے جبریل! یہ کیا ہے؟ تو حضرت جبریل نے کہا کہ یہ نہرِ کوثر ہے، جو آپ کے رب نے آپ کے لیے پوشیدہ رکھی ہوئی ہے (ترجمہ ختم)

نہرِ کوثر کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہے، بلکہ قرآن مجید کی ایک سورت کا نام ”کوثر“ ہے، جس میں

---

[۱] حدیث نمبر ۳۳۶۰، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الكوثر، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر، واللفظ لهٗ؛ مسند أحمد، حديث نمبر ۱۲۹۸۹.
قال الترمذى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَنَسٍ .
وفى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

[۲] حديث نمبر ۷۵۱۷، كتاب التوحيد، باب قوله :كلم الله موسى تكليما، دار طوق النجاة، بيروت، واللفظ لهٗ؛ مستخرج ابى عوانة، حديث نمبر ۳۵۷، كتاب الايمان، واللفظ لهٗ، تهذيب الآثار للطبرى، حديث نمبر ۲۷۶۱، الاسماء والصفات للبيهقى، حديث نمبر ۸۸۹، الايمان لابنِ مندة، حديث نمبر ۷۲۲.

ارشاد ہے کہ:

اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ (سورة الكوثر آيت ۱)

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو نہرِ کوثر عطا فرمائی ہے (ترجمہ ختم)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہرِ کوثر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے آسمان میں دیکھا، اور اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں آسمان میں دیکھا۔

اس سلسلے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ نہرِ کوثر کا اصل منبع تو ساتویں آسمان کے اوپر جنت میں ہی ہے، اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے دِکھلانے اور خوش کرنے کے لیے اُس کی ایک شاخ آسمانِ دنیا پر بھی جاری فرمادی ہو۔ [1]

کوثر بہت عمدہ، لذیذ اور عالیشان نہر ہے، اللہ تعالیٰ نصیب فرمائیں۔

کئی احادیث میں نہرِ کوثر کی مزید تفصیلات آئی ہیں، حوضِ کوثر کا ثبوت اس قدر کثرت کے ساتھ احادیث سے ثابت ہے کہ بہت سے محدثین نے ان روایات اور احادیث کو تواتر کے درجہ میں شمار کیا ہے، اور جو چیز متواتر احادیث سے ثابت ہو وہ قطعی اور یقینی ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کا انکار یا ایسی تاویل جو انکار کے درجہ میں آئے شرعی اصول کی رو سے کفر ہے (معارف القرآن ادریسی جلد ۸ صفحہ ۵۵۸)

---

[1] "ووقع فی هذه الرویاة أیضًا :ثم مضى به فى السماء الدنيا، فإذا هو بنهر آخر عليه قصر من لؤلؤ وزبرجد، وأنه "فسره جبريل بقوله :هذا "الكوثر"، ولفظه عقب زبرجد، فضرب يده، فإذا هو مسک، قال" :ما هذا يا جبريل"؟، قال :هـذا الكوثر الذى خبا لک ربک، "وهو مما استشكل من رواية شريک، فإن الكوثر فى الجنة، والجنة فوق السماء السابعة، ويحتمل الجمع برد رواية شريک إلى هذا، وهو "أن يكون "هناک حذف "تقديره :ثم مضى فى سماء الدنيا إلى السابعة، فإذا هو بنهر"، كذا ذكره الحافظ، واستبعده تلميذه القطب الخيضرى فى الخصائص، بأن بين الأولى والسابعة خمس سماوات، كل منها له صفة غير صفة الأخرى، ولها أبواب وخدام غير الأخرى، فإطلاق المسير إليها بعيد، وذكرها بعد السادسة مما يبعده أيضًا لكن قد يقال من غير استبعاد؛ أن أصل الكوثر فى الجنة، وجعل الله تعالى منه فرعًا فى السماء الدنيا، عجل لنبيه رؤيته استبشارًا؛ لأنها أول المراتب العلوية بعد السفلية، ويؤيد هذا قول جبريل :خبا لک ربک انتهى (شرح الزرقانى على المواهب اللدنية، ج۸ص ۱۲۰، المقصد الخامس :فى تخصيصه عليه الصلاة والسلام بخصائص المعراج والإسراء)

کئی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن حوضِ کوثر سے بعض لوگوں کو فرشتے ہٹائیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ یہ تو میری امت کے لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ارشاد ہوگا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئی بدعات پیدا کیں، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو اپنے سے دور ہوجانے کا حکم فرمائیں گے۔ [1]

معلوم ہوا کہ بدعت اتنی بدترین چیز ہے کہ اس کو کرنے والے لوگ قیامت کے دن حوضِ کوثر سے نہ صرف محروم ہوں گے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کے بھی مستحق ہوں گے۔

آج کل بدعات معاشرے میں عام ہیں اور کثرت سے لوگ ان بدعات میں مبتلا ہیں، ان کو مذکورہ احادیث سے عبرت پکڑنی چاہئے اور اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہئے۔

حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

ثُمَّ رُفِعَتْ إِلَيَّ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى، فَإِذَا نَبْقُهَا مِثْلُ قِلَالِ هَجَرَ، وَإِذَا وَرَقُهَا مِثْلُ آذَانِ الْفِيَلَةِ، قَالَ :هٰذِهِ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى، وَإِذَا أَرْبَعَةُ أَنْهَارٍ :نَهْرَانِ

---

[1] أَشْهَدُ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، لَسَمِعْتُهُ وَهُوَ يَزِيدُ فِيهَا " :فَأَقُولُ إِنَّهُمْ مِنِّي، فَيُقَالُ :إِنَّكَ لاَ تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ :سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي "وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ :سُحْقًا :بُعْدًا يُقَالُ :(سَحِيقٌ) : بَعِيدٌ، سَحَقَهُ وَأَسْحَقَهُ أَبْعَدَهُ (بخاری، حدیث نمبر ۶۵۸۴، كِتَابُ الرِّقَاقِ، بَابٌ فِي الحَوْضِ)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَسُرَيْجُ بْنُ يُونُسَ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، جَمِيعًا عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ -قَالَ ابْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ -أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى الْمَقْبُرَةَ، فَقَالَ :السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ، وَدِدْتُ أَنَّا قَدْ رَأَيْنَا إِخْوَانَنَا قَالُوا :أَوَلَسْنَا إِخْوَانَكَ؟ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ :أَنْتُمْ أَصْحَابِي وَإِخْوَانُنَا الَّذِينَ لَمْ يَأْتُوا بَعْدُ فَقَالُوا :كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ يَأْتِ بَعْدُ مِنْ أُمَّتِكَ؟ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ : أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا لَهُ خَيْلٌ غُرٌّ مُحَجَّلَةٌ بَيْنَ ظَهْرَيْ خَيْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ أَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهُ؟ قَالُوا :بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ " :فَإِنَّهُمْ يَأْتُونَ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنَ الْوُضُوءِ، وَأَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ أَلَا لَيُذَادَنَّ رِجَالٌ عَنْ حَوْضِي كَمَا يُذَادُ الْبَعِيرُ الضَّالُّ أُنَادِيهِمْ أَلَا هَلُمَّ فَيُقَالُ :إِنَّهُمْ قَدْ بَدَّلُوا بَعْدَكَ فَأَقُولُ سُحْقًا سُحْقًا (مسلم، كِتَابِ الطَّهَارَةِ، بَابُ اسْتِحْبَابِ إِطَالَةِ الْغُرَّةِ وَالتَّحْجِيلِ فِي الْوُضُوءِ)

حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ الْحَوْضَ رِجَالٌ مِمَّنْ صَاحَبَنِي، حَتَّى إِذَا رَأَيْتُهُمْ وَرُفِعُوا إِلَيَّ اخْتُلِجُوا دُونِي، فَلَأَقُولَنَّ :أَيْ رَبِّ أُصَيْحَابِي، أُصَيْحَابِي، فَلَيُقَالَنَّ لِي :إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ (مسلم، كتاب الْفَضَائِلِ، بَابُ إِثْبَاتِ حَوْضِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِفَاتِهِ)

بَاطِنَانِ وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ، فَقُلْتُ :مَا هٰذَانِ يَا جِبْرِيْلُ؟ قَالَ :أَمَّا الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ فِي الْجَنَّةِ، وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالنِّيْلُ وَالْفُرَاتُ، ثُمَّ رُفِعَ لِيَ الْبَيْتُ الْمَعْمُوْرُ (بخاری) [1]

ترجمہ: پھر (ساتویں آسمان پر پہنچنے کے بعد) میری طرف سدرۃ المنتہیٰ کو ظاہر کیا گیا، تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے پھل ہجر (عرب کے علاقے) کے (بڑے) برتن (مٹکے) کی طرح کے تھے، اور اس کے پتّے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے، (جبریل علیہ السلام) نے کہا کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے، اور (وہاں) چار (قسم کی) نہریں تھیں، دو نہریں باطنی (اندرونی) تھیں، اور دو نہریں ظاہری تھیں، میں نے کہا کہ اے جبریل یہ دو نہریں کیا ہیں؟ انہوں نے کہا کہ دو اندرونی تو جنت کی نہریں ہیں، اور دو ظاہری نیل اور فرات ہیں، پھر میرے لیے بیت المعمور کو بلند کر دیا گیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُفِعَتْ لِيْ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى فِي السَّمَاءِ السَّابِعَةِ، نَبْقُهَا مِثْلُ قِلَالِ هَجَرَ وَوَرَقُهَا، مِثْلُ آذَانِ الْفِيَلَةِ يَخْرُجُ مِنْ سَاقِهَا نَهْرَانِ ظَاهِرَانِ وَنَهْرَانِ بَاطِنَانِ، فَقُلْتُ :يَا جِبْرِيْلُ مَا هٰذَانِ ؟ قَالَ : أَمَّا الْبَاطِنَانِ فَفِي الْجَنَّةِ، وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالنِّيْلُ وَالْفُرَاتُ (مسند احمد) [2]

---

[1] حديث نمبر ۳۸۸۷، كتاب المناقب، باب المعراج، دارطوق النجاة، بيروت، واللفظ لهٗ، مسلم ،حديث نمبر ۱۶۴ .

[2] حديث نمبر ۱۲۶۷۳ ،مؤسسة الرسالة، بيروت.

إسناده صحيح على شرط الشيخين.وأخرجه الحاكم ۱/۸۱من طريق عبد الله بن أحمد، عن أبيه، بهذا الإسناد .وقال :صحيح على شرط الشيخين .ووافقه الذهبى .وهو فى "تفسير عبد الرزاق " ۲/۲۵۱،۲۵۲، ومن طريقه أخرجه أبو يعلى(۳۱۸۵)والدارقطنى ۱/۲۵وأخرجه ابن طهمان فى مشيخته۱۱۹، ومن طريق ابن طهمان أخرجه البخارى تعليقاً۱۰ ۶۵، وأبو عوانة۵/۳۲۳، والطبرانى فى الصغير ۱۱۳۹، والحاكم ۱/۸۱، وابن حجر فى التغليق۵/۲۷،۲۸عن شعبة، عن قتادة، به -دون وصف سدرة المنتهى، وزادوا فيه قصة اللبن عدا ابن طهمان فى "المشيخة" .وسيأتى الحديث ضمن حديث الإسراء الطويل من طريق قتادة، عن أنس، عن مالك بن صعصعة فى مسنده۴/۲۰۷، ۲۰۱وانظر ما سلف برقم(۱۲۳۰۱).وقد سلف الكلام على الأنهار فى مسند أبى هريرة عند الحديث رقم (۷۵۴۴)(حاشية مسند احمد)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے ساتویں آسمان میں سدرۃُ المنتہٰی کو ظاہر کیا گیا، اس کے پھل ہجر (عرب کے علاقے) کے (بڑے) برتن (مٹکے) کی طرح کے تھے، اور اس کے پتّے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے، اس کی شاخ سے دو نہریں ظاہری اور دو نہریں باطنی جاری ہو رہی تھیں، میں نے کہا کہ اے جبریل یہ کیا ہے؟ تو جبریل علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ باطنی نہریں تو جنت میں ہیں، اور ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں (ترجمہ ختم)

دریائے نیل جو کہ مصر میں ہے، اور دریائے فرات جو کہ بغداد میں ہے، ان کو جنت کی نہریں کس لیے کہا گیا، اس میں محدثین نے کافی علمی گفتگو کی ہے۔

اصل حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، ہمیں تو اتنی بات پر یقین کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی طریقے پر ان دریاؤں کے ساتھ جنت کی نہروں کا تعلق قائم فرمایا ہے۔ [۱]

---

[۱] (وأما الظاهران فالنيل والفرات) ، قال القاضي :الحديث يدل على أن أصل سدرة المنتهى في الأرض لخروج النيل والفرات من أصلها .وقال ابن الملك :يحتمل أن يكون المراد منهما ما عرفا بين الناس، ويكون ماؤهما مما يخرج من أصل السدرة، وإن لم يدرك كيفيته وأن يكون من باب الاستعارة في الاسم بأن شبههما بنهري الجنة في الهضم والعذوبة، أو من باب توافق الأسماء بأن يكون نهرى الجنة موافقين لاسمي نهرى الدنيا .وفي شرح مسلم قال مقاتل :الباطنان هو السلسبيل والكوثر، والظاهر أن النيل والفرات يخرجان من أصلها، ثم يسيران حيث أراد الله تعالى، ثم يخرجان من الأرض ويسيران فيها، وهذا لا يمنعه شرع ولا عقل، وهو ظاهر الحديث فوجب المصير إليه(مرقاة، ج۹ص۳۷۶۳، كتاب الفضائل ، باب في المعراج)

وظاهرها يخالف حديث مالك بن صعصعة فإن فيه بعد ذكر سدرة المنتهى :وإذا في أصلها أربعة أنهار.ويجمع بينهما :بأن أصل نبعهما من تحت سدرة المنتهى ومقرهما في السماء الدنيا، ومنها ينزلان إلى الأرض ووقع في هذه الرواية أيضًا :ثم مضى به في السماء الدنيا فإذا هو بنهر آخر، عليه قصر من لؤلؤ وزبرجد، وأنه الكوثر.وهو مما استشكل من رواية شريك، فإن الكوثر من الجنة، والجنة فوق السماء السابعة، ويحتمل أن يكون تقديره :ثم مضى في سماء الدنيا إلى السابعة فإذا هو بنهر(المواهب اللدنية، ج۸ص۱۱۹، ۱۲۰، المقصد الخامس :في تخصيصه عليه الصلاة والسلام بخصائص المعراج والإسراء)

وفي حديث أبي ذر :فلما جئت إلى السماء ، قال جبريل لخازن السماء الدنيا :افتح قال :من هذا؟، "قال :جبريل قالوا :ومن معك؟، قال :محمد، قالوا :وقد بعث إليه؟، قال :نعم، قالوا :مرحبًا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ :أَنَّهُ رَأٰى لَيْلَةَ أُسْرِىَ بِهٖ شَجَرَةً، إِنَّهَا لَتُغَطِّىْ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ، وَبَنِىْ آدَمَ، يَخْرُجُ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأهلًا، فيستبشر به أهل السماء "، سقطت الفاء من رواية الأصيلى، وزاد الدنيا، "لا يعلم أهل السماء بما يريد الله به فى الأرض حتى يعلمهم، أى :على لسان من شاء ، كجبريل "عليه السلام، "ووقع فى هذه الرواية "، أى :رواية شريك عن أنس "أيضًا، أنه رأى فى سماء الدنيا النيل والفرات، عنصرهما "بضم المهملتين، بينهما نون ساكنة أصلهما الذى تميزا به عن نهرى الجنة، فينزلان إلى سمء ا الدنيا، ثم ينزلان إلى الأرض بدل مما قبله.

ولفظ رواية شريك :فإذا هو فى السماء الدنيا بنهرين يطردان :فقال :ما هذان النهران يا جبريل؟، قال :هذا النيل والفرات عنصرهما، "وظاهرها"، أى :هذه الرواية "يخالف حديث مالك بن صعصعة، فإن فيه بعد ذكر سدرة المتنتهى، وإذا فى أصلها أربعة أنهار "، نهران باطنان ونهران ظاهران، فقلت :ما هذان يا جبريل؟، قال :أما الباطنان فنهران فى الجنة، وأما الظاهران فالنيل والفرات، "ويجمع بينهما؛ بأن أصل نبعهما من تحت سدرة المنتهى، ومقرهما فى السماء الدنيا، ومنها ينزلان إلى الأرض "وجمع ابن دحية، بأنه رأى هذين عند سدرة المنتهى مع نهرى الجنة، ورآهما فى السماء الدنيا دون نهرى الجنة، وأراد بالعنصر عنصر انشتارهما السماء الدنيا، وكان الحافظ لم يرتضه لقوله، كذا قال ابن دحية انتهى، وتبعه المصنف فيما يأتى وجمع غيره بأن منبعهما من السدرة، وإذا نزلا إلى الأرض، يسلكان أولًا على الجنة، فيدخلانها، ثم ينزلان إلى الأرض بعد ذلك، ويأتى مزيد لذلك إن شاء الله قريبًا(شرح الزرقانى على المواهب اللدنية، ج٨ص١٢٠، المقصد الخامس :فى تخصيصه عليه الصلاة والسلام بخصائص المعراج والإسراء)

وأما الظاهران فالنيل والفرات وقع فى رواية شريك كما سيأتى فى التوحيد أنه رأى فى السماء الدنيا نهرين يطردان فقال له جبريل هما النيل والفرات عنصرهما والجمع بينهما أنه رأى هذين النهرين عند سدرة المنتهى مع نهرى الجنة ورآهما فى السماء الدنيا دون نهرى الجنة وأراد بالعنصر عنصر امتيازهما بسماء الدنيا كذا قال بن دحية ووقع فى حديث شريك أيضا ومضى به يرقى السماء فإذا هو بنهر آخر عليه قصر من لؤلؤ وزبرجد فضرب بيده فإذا هو مسك أذفر فقال ما هذا يا جبريل قال هذا الكوثر الذى خبأ لک ربک ووقع فى رواية يزيد بن أبى مالک عن أنس عند بن أبى حاتم أنه بعد أن رأى إبراهيم قال ثم انطلق بى على ظهر السماء السابعة حتى انتهى إلى نهر عليه خيام اللؤلؤ والياقوت والزبرجد وعليه طير خضر أنعم طير رأيت قال جبريل هذا الكوثر الذى أعطاک الله فإذا فيه آنية الذهب والفضة يجرى على رضراض من الياقوت والزمرد ماؤه أشد بياضا من اللبن قال فأخذت من آنيته فاغترفت من ذلک الماء فشربت فإذا هو أحلى من العسل وأشد رائحة من المسک وفى حديث أبى سعيد فإذا فيها عين تجرى يقال لها السلسبيل فينشق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

الْأَرْبَعَةُ :نَهَرٌ مِنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ، وَنَهَرٌ مِنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ، وَنَهَرٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ، وَنَهَرٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى(صفة الجنة) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں ایک درخت دیکھا، جس نے سب مخلوق اور بنی آدم کو ڈھانکا ہوا تھا (جو سدرۃ المنتہیٰ ہے) اور اُس کے نیچے سے چار نہریں نکل رہی تھیں، ایک نہر دودھ کی، جس کا ذائقہ بدلنے والا (یعنی خراب ہونے والا) نہیں تھا، دوسری نہر شراب کی، جو پینے والوں کے لیے لذّت والی تھی، اور تیسری نہر پانی کی، جو خراب ہونے والی نہیں تھی، اور چوتھی نہر صاف شفاف شہد کی (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

ثُمَّ انْتَهٰى إِلَى السِّدْرَةِ، فَقِيْلَ لَهُ :هٰذِهِ السِّدْرَةُ يَنْتَهِيْ إِلَيْهَا كُلُّ أَحَدٍ خَلَا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

منها نهران أحدهما الكوثر والآخر يقال له نهر الرحمة قلت فيمكن أن يفسر بهما النهران الباطنان المذكوران في حديث الباب وكذا روى عن مقاتل قال الباطنان السلسبيل والكوثر وأما الحديث الذى أخرجه مسلم بلفظ سيحان وجيحان والنيل والفرات من أنهار الجنة فلا يغاير هذا لأن المراد به أن فى الأرض أربعة أنهار أصلها من الجنة وحينئذ لم يثبت لسيحون وجيحون أنهما ينبعان من أصل سدرة المنتهى فيمتاز النيل والفرات عليهما بذلك وأما الباطنان المذكوران فى حديث الباب فهما غير سيحون وجيحون والله أعلم قال النووى فى هذا الحديث أن أصل النيل والفرات من الجنة وأنهما يخرجان من أصل سدرة المنتهى ثم يسيران حيث شاء الله ثم ينزلان إلى الأرض ثم يسيران فيها ثم يخرجان منها وهذا لا يمنعه العقل وقد شهد به ظاهر الخبر فليعتمد وأما قول عياض إن الحديث يدل على أن أصل سدرة المنتهى فى الأرض لكونه قال إن النيل والفرات يخرجان من أصلها وهما بالمشاهدة يخرجان من الأرض فيلزم منه أن يكون أصل السدرة فى الأرض وهو متعقب فإن المراد بكونهما يخرجان من أصلها غير خروجهما بالنبع من الأرض والحاصل ان أصلها فى الجنة وهما يخرجان أولا من أصلها ثم يسيران إلى أن يستقرا فى الأرض ثم ينبعان واستدل به على فضيلة ماء النيل والفرات لكون منبعهما من الجنة وكذا سيحان وجيحان قال القرطبى لعل ترك ذكرهما فى حديث الإسراء لكونهما ليسا أصلا برأسهما وإنما يحتمل أن يتفرعا عن النيل والفرات قال وقيل انما أطلق على هذه الأنهار أنها من الجنة تشبيها لها بأنهار الجنة لما فيها من شدة العذوبة والحسن والبركة والأول أولى والله أعلم (فتح البارى لابنِ حجر ج۷ص ۲۱۴، كتاب المناقب، باب المعراج)

[۱] لابى نعيم اصبهانى، حديث نمبر ۳۰۸، باب ذكر مافيها من العيون والانهار، دار المأمون للتراث -دمشق / سوريا.

مِنْ أُمَّتِکَ عَلٰى سُنَّتِکَ، فَإِذَا هِيَ شَجَرَةٌ يَخْرُجُ مِنْ أَصْلِهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ، وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى (تفسير الطبرى) [1]

ترجمہ: پھر نبی علیہ السلام سدرۃ المنتہٰی کی طرف تشریف لے گئے، تو نبی علیہ السلام سے کہا گیا کہ یہ سدرہ ہے کہ جہاں تک ہر وہ شخص جو آپ کی امت میں سے آپ کے طریقہ پر ہے، پہنچتا ہے، پس وہ ایک ایسا درخت تھا، جس کی جڑ سے ایک ایسے پانی کی نہریں نکل رہی تھیں، جو خراب ہونے والی نہیں تھیں، اور ایک ایسے دودھ کی نہریں نکل رہی تھیں، جن کا ذائقہ بدلنے والا (یعنی خراب ہونے والا) نہیں تھا، اور ایک ایسی شراب کی نہریں نکل رہی تھیں، جو پینے والوں کے لیے لذّت والی تھیں، اور ایک ایسی شہد کی نہریں نکل رہی تھیں، جو خالص تھا (ترجمہ ختم)

جنت کی ان چار نہروں کا ذکر دوسری احادیث میں بھی ہے۔

چنانچہ حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي الْجَنَّةِ بَحْرُ اللَّبَنِ، وَبَحْرُ الْمَاءِ، وَبَحْرُ الْعَسَلِ، وَبَحْرُ الْخَمْرِ، ثُمَّ تَشَقَّقُ الْأَنْهَارُ مِنْهَا بَعْدُ (مسند احمد) [2]

---

[1] ج۱۷ ص۳۳۷، تحت آیت ۱ من سورة الاسراء، مؤسسة الرسالة، بيروت، سورة السراء، تهذيب الآثار للطبرى، حديث نمبر ۲۷۶۸.

[2] حديث نمبر ۲۰۰۵۲، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٔ، ترمذى، حديث نمبر ۲۵۷۱، صحيح ابن حبان حديث نمبر ۷۴۰۹، ذِكْرُ الْإِخْبَارِ عَنْ وَصْفِ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ الَّتِي أَعَدَّهَا اللّٰهُ جَلَّ وَعَلَا لِلْمُطِيعِينَ مِنْ أَوْلِيَائِهِ.

قال الترمذى:

" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَحَكِيمُ بْنُ مُعَاوِيَةَ هُوَ وَالِدُ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، وَالْجُرَيْرِيُّ يُكْنَى أَبَا مَسْعُودٍ وَاسْمُهُ :سَعِيدُ بْنُ إِيَاسٍ "

وفى حاشية مسند احمد:

إسناده حسن، حكيم بن معاوية صدوق، والجريرى :هو سعيد بن إياس .روى عنه هذا الحديث خالد بن عبد الله الواسطى الذى أخرج له الشيخان عنه، فكأنه سمع منه هذا الحديث قبل اختلاطه.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سنا کہ جنت میں دودھ کا سمندر ہے، اور پانی کا سمندر ہے، اور شہد کا سمندر ہے، اور شراب کا سمندر ہے، پھر ان سے آگے مزید نہریں پھوٹتی ہیں (ترجمہ ختم)

اور قرآن مجید میں بھی ان نہروں کا ذکر ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُه وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ (سورة محمد آيت ۱۵)

ترجمہ: جس جنت کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں (ایسے) پانی کی نہریں ہیں جس میں بو (کا نام) نہیں اور (ایسے) دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ (مطلق) نہیں بدلا اور (ایسی) شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے یکسر لذت ہوگی، اور صاف (وشفاف) شہد کی نہریں (بھی) ہیں، اور ان کے لئے وہاں ہر طرح کے میوے (موجود) ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت بھی (ترجمہ ختم)

فائدہ: یہ جنت کی عالیشان نہریں ہیں، جو جنتیوں کو نصیب ہوں گی۔ [1]

فیصلے لکھنے والے قلموں کی آواز کا سننا

حضرت ابنِ عباس اور ابوحبہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :ثُمَّ عُرِجَ بِیْ حَتّٰی ظَهَرْتُ لِمُسْتَوَی

---

[1] (إن فی الجنة بحر الماء) غیر آسن (وبحر العسل) أی المصفی (وبحر اللبن) أی الذی لم یتغیر طعمه (وبحر الخمر) الذی هو لذة للشاربین (ثم تشقق الأنهار بعد) قال الطيبی رحمه الله تعالی :يريد بالبحر مثل دجلة والفرات ونحوهما وبالنهر مثل نهر معفل حيث تشقق منها جداول وخص هذه الأنهار بالذكر لكونها أفضل أشربة النوع الإنسانی فالماء لريهم وطهورهم والعسل لشفائهم ونفعهم واللبن لقوتهم وغذائهم والخمر للذتهم وسرورهم وقدم الماء لأنه حياة النفوس وثنی بالعسل لأنه شفاء للناس وثلث باللبن لأنه الفطرة وختم بالخمر إشارة إلی أن من حرمه فی الدنيا لا يحرمه فی الآخرة(حم ت عن معاوية بن حيدة) بفتح الحاء المهملة بن معاوية بن كعب القشيری صحابی نزل البصرة(فيض القدير للمناوی، ج۲ ص ۴۶۶،تحت حديث رقم ۲۳۱۶)

أَسۡمَعُ فِيۡهِ صَرِيۡفَ الۡأَقۡلَامِ (بخاری) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر (یعنی ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات وغیرہ کے بعد) مجھے اوپر ہموار مقام پر لے جایا گیا، جہاں میں نے قلموں کی آواز (جو لکھنے کے وقت پیدا ہوتی ہے) سنی (ترجمہ ختم)

اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ یہ ان قلموں کی آواز تھی، جن سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کائنات کے فیصلے تحریر کر کے متعلقہ امور انجام دیئے جاتے ہیں۔ [۲]

پہلے پچاس اور بعد میں پانچ نمازوں کی فرضیت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

فُرِضَتۡ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اَلصَّلَوَاتُ لَيۡلَةَ أُسۡرِيَ بِهٖ

---

[۱] حدیث نمبر ۳۴۹، کتاب الصلاة، باب :كيف فرضت الصلاة فى الإسراء ؟دارطوق النجاة، بيروت،مسلم ، باب الاسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم .

[۲] قال النبى -صلى الله عليه وسلم :-عرج بى حتى ظهرت) أى :علوت (لمستوى) : بفتح الواو منونا وهو المستقر وموضع الاستعلاء ، من استوى الشىء استعلاه، وثبوت الياء بعد الواو يدل على أنه صيغة اسم المفعول، واللام فيه للعلة أى :علوت لاستعلاء مستوى، أو لرؤيته أو لمطالعته، ويحتمل أن يكون متعلقا بالمصدر، أى :ظهرت ظهور المستوى، ويحتمل أن يكون بمعنى إلى . قال تعالى :(أوحى لها) (الزلزلة:۵) أى إليها .وقيل بمعنى (على) (أسمع فيه) أى :فى ذلك المكان أو فى ذلك المقام (صريف الأقلام) . أى صوتها عند الكتابة، قيل :هو هاهنا عبارة عن الاطلاع على جريانها بالمقادير، والأصل فيه البكرة عند الاستعلاء يقال :صرفت البكرة تصرف صريفا، والمعنى أنى أقمت مقاما بلغت فيه من رفعة المحل إلى حيث اطلعت على الكوائن، وظهر لى ما يراد من أمر الله وتدبيره فى خلقه، وهذا والله هو المنتهى الذى لا تقدم فيه لأحد عليه، كذا حققه بعض الشارحين من علمائنا .وقال النووى :المستوى بفتح الواو .قال الخطابى :المراد به المصعد، وقيل المكان المستوى، وصريف الأقلام بالصاد المهملة صوت ما يكتبه الملائكة من أقضية الله تعالى ووحيه، وما ينسخونه من اللوح المحفوظ، أو ما شاء الله تعالى من ذلك أن يكتب ويرفع لما أراد الله من أمره وتدبيره .قال القاضى عياض :هذا حجة لمذهب أهل السنة فى الإيمان بصحة كتابة الوحى، والمقادير فى كتب الله تعالى من اللوح المحفوظ بالأقلام التى هو تعالى يعلم كيفيتها على ما جاء به الآيات، لكن كيفية ذلك، وصورته هنا لا يعلم إلا الله تعالى، وما يتأول هذا ويحيله عن ظاهره إلا ضعيف النظر والإيمان، إذ جاء ت به الشريعة ودلائل العقول لا تحيله(مرقاة ،ج۹ص ۳۷۷۰، كتاب الفضائل ، باب فى المعراج)

خَمْسِيْنَ، ثُمَّ نُقِصَتْ حَتّٰى جُعِلَتْ خَمْسًا، ثُمَّ نُوْدِيَ :يَا مُحَمَّدُ إِنَّهُ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ، وَإِنَّ لَكَ بِهٰذِهِ الْخَمْسِ خَمْسِيْنَ (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر معراج کی رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر ان میں کمی گئی، یہاں تک کہ پانچ نمازیں کردی گئیں، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی کہ اے محمد! میرا فیصلہ تبدیل نہیں کیا جاتا، اور بے شک آپ (اور آپ کی امت) کے لئے ان پانچ نمازوں کے ساتھ پچاس نمازوں کا (ثواب) ہے (ترجمہ ختم)

بعض احادیث میں پچاس نمازوں کی فرضیت اور کمی کرنے کی تفصیل بھی آئی ہے۔

چنانچہ حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَيَّ الصَّلَوَاتُ خَمْسِيْنَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ، فَرَجَعْتُ فَمَرَرْتُ عَلٰى مُوْسٰى، فَقَالَ :بِمَا أُمِرْتَ؟ قَالَ :أُمِرْتُ بِخَمْسِيْنَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ، قَالَ :إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيْعُ خَمْسِيْنَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ، وَإِنِّيْ وَاللّٰهِ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ، وَعَالَجْتُ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ، فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيْفَ لِأُمَّتِكَ، فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهُ، فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهُ، فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهُ، فَرَجَعْتُ فَأُمِرْتُ بِعَشْرِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، فَرَجَعْتُ فَقَالَ مِثْلَهُ، فَرَجَعْتُ فَأُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوْسٰى، فَقَالَ: بِمَ أُمِرْتَ؟ قُلْتُ :أُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، قَالَ :إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيْعُ خَمْسَ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، وَإِنِّيْ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَعَالَجْتُ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ، فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ

---

[1] حديث نمبر ۱۲۶۴۱، مؤسسة الرسالة، بيروت.
إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ، قَالَ :سَأَلْتُ رَبِّي حَتَّى اسْتَحْيَيْتُ، وَلٰكِنِّي أَرْضَى وَأُسَلِّمُ، قَالَ :فَلَمَّا جَاوَزْتُ نَادٰى مُنَادٍ :أَمْضَيْتُ فَرِيضَتِي، وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِي (بخاری)[1]

ترجمہ: پھر میرے اوپر ہر دن میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں، میں لوٹا، تو موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، انہوں نے پوچھا کہ آپ کو کس چیز کا حکم دیا گیا ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے ہر دن میں پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کی امت کو ہر دن میں پچاس نمازوں کی قدرت نہ ہوگی، اور میں نے اللہ کی قسم لوگوں کی حالت کا آپ سے پہلے تجربہ کرلیا ہے، اور بنی اسرائیل کے لیے سخت کوشش کی ہے، تو آپ اپنے رب کی طرف لوٹ جائیے، اور ان سے اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کیجیے؟ تو میں (اپنے رب کی طرف) لوٹ گیا (اور تخفیف کی درخواست کی) اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دس نمازوں کو کم کردیا (اور پچاس کے بجائے چالیس نمازیں رہ گئیں)

پھر میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا، انہوں نے پہلے کی طرح بات کی (اور تخفیف کرانے کا مشورہ دیا) تو میں (دوبارہ) اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا (اور کمی کرنے کی درخواست کی) اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں اور کم کردیں (اور تیس نمازیں رہ گئیں) پھر میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ کر آیا، انہوں نے پھر پہلے کی طرح بات کی (اور تخفیف کرانے کا مشورہ دیا) پھر میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر گیا (اور کمی کی درخواست کی) اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دس مزید کم فرمادیں (اور بیس نمازیں رہ گئیں) پھر میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ کر آیا، تو انہوں نے پھر پہلے کی طرح بات کی (اور تخفیف کرانے کا مشورہ دیا) پھر میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر گیا (اور کمی کی درخواست کی) تو مجھے ہر دن میں دس نمازوں کا حکم دیا گیا (اور دس نمازیں رہ گئیں) پھر

---

[1] كتاب المناقب، بَابُ المِعْرَاجِ، حديث نمبر ٣٨٨٧، دار طوق النجاة، بيروت.

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph:0092515507530

میں لوٹ کر آیا، تو موسیٰ علیہ السلام نے پھر پہلے کی طرح بات کی (اور تخفیف کرانے کا مشورہ دیا) پھر میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر گیا (اور کمی کی درخواست کی) تو مجھے ہر دن پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا، پھر میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ کر آیا، انہوں نے فرمایا کہ آپ کو کیا حکم دیا گیا ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے ہر دن پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کی امت کو ہر دن میں پانچ نمازوں کی استطاعت نہ ہوگی، اور میں آپ سے پہلے لوگوں کی حالت کا تجربہ کر چکا ہوں، اور بنی اسرائیل کے ساتھ سخت جدوجہد کر چکا ہوں، لہٰذا آپ اپنے رب کی طرف لوٹ جایئے، اوران سے اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کیجیے؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے (کئی مرتبہ) درخواست کر لی ہے، یہاں تک کہ اب مجھے حیاء آ گئی ہے، اوراب میں راضی ہوں، اوراس حکم کو (ہر طرح سے) تسلیم کرتا ہوں، پھر جب میں آگے بڑھا تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایک پکارنے والے نے کہا کہ میں نے اپنا فریضہ پورا کر دیا ہے، اوراپنے بندوں پر آسانی کر دی ہے (ترجمہ ختم)

اور بخاری شریف کی ایک روایت میں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ الفاظ ہیں کہ:

ثُمَّ عَلَا بِهِ فَوْقَ ذٰلِکَ بِمَا لاَ یَعْلَمُهٗ إِلَّا اللّٰهُ، حَتّٰى جَاءَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهٰى، وَدَنَا لِلْجَبَّارِ رَبِّ الْعِزَّةِ، فَتَدَلّٰى حَتّٰى کَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَیْنِ أَوْ أَدْنٰى، فَأَوْحَى اللّٰهُ فِیْمَا أَوْحٰى إِلَیْهِ :خَمْسِیْنَ صَلَاةً عَلٰى أُمَّتِکَ کُلَّ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ، ثُمَّ هَبَطَ حَتّٰى بَلَغَ مُوْسٰى، فَاحْتَبَسَهٗ مُوْسٰى، فَقَالَ :یَا مُحَمَّدُ، مَاذَا عَهِدَ إِلَیْکَ رَبُّکَ؟ قَالَ :عَهِدَ إِلَیَّ خَمْسِیْنَ صَلَاةً کُلَّ یَوْمٍ وَّلَیْلَةٍ، قَالَ :إِنَّ أُمَّتَکَ لَا تَسْتَطِیْعُ ذٰلِکَ، فَارْجِعْ فَلْیُخَفِّفْ عَنْکَ رَبُّکَ وَعَنْهُمْ، فَالْتَفَتَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى جِبْرِیْلَ کَأَنَّهٗ یَسْتَشِیْرُهٗ فِیْ ذٰلِکَ، فَأَشَارَ إِلَیْهِ جِبْرِیْلُ :أَنْ نَعَمْ إِنْ شِئْتَ، فَعَلَا بِهٖ إِلَى الْجَبَّارِ، فَقَالَ

وَهُوَ مَكَانَهُ :يَا رَبِّ خَفِّفْ عَنَّا فَإِنَّ أُمَّتِيْ لَا تَسْتَطِيْعُ هٰذَا، فَوَضَعَ عَنْهُ عَشْرَ صَلَوَاتٍ ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى مُوْسٰى، فَاحْتَبَسَهُ فَلَمْ يَزَلْ يُرَدِّدُهُ مُوْسٰى إِلٰى رَبِّهٖ حَتّٰى صَارَتْ إِلٰى خَمْسِ صَلَوَاتٍ، ثُمَّ احْتَبَسَهُ مُوْسٰى عِنْدَ الْخَمْسِ، فَقَالَ :يَا مُحَمَّدُ وَاللّٰهِ لَقَدْ رَاوَدْتُ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ قَوْمِيْ عَلٰى أَدْنٰى مِنْ هٰذَا فَضَعُفُوْا فَتَرَكُوْهُ، فَأُمَّتُكَ أَضْعَفُ أَجْسَادًا وَقُلُوْبًا وَأَبْدَانًا وَأَبْصَارًا وَأَسْمَاعًا فَارْجِعْ فَلْيُخَفِّفْ عَنْكَ رَبُّكَ، كُلَّ ذٰلِكَ يَلْتَفِتُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى جِبْرِيْلَ لِيُشِيْرَ عَلَيْهِ، وَلَا يَكْرَهُ ذٰلِكَ جِبْرِيْلُ، فَرَفَعَهُ عِنْدَ الْخَامِسَةِ، فَقَالَ :يَا رَبِّ إِنَّ أُمَّتِيْ ضُعَفَاءُ أَجْسَادُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ وَأَسْمَاعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَأَبْدَانُهُمْ فَخَفِّفْ عَنَّا، فَقَالَ الْجَبَّارُ :يَا مُحَمَّدُ، قَالَ :لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ :إِنَّهُ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ، كَمَا فَرَضْتُهُ عَلَيْكَ فِيْ أُمِّ الْكِتَابِ، قَالَ :فَكُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، فَهِيَ خَمْسُوْنَ فِيْ أُمِّ الْكِتَابِ، وَهِيَ خَمْسٌ عَلَيْكَ، فَرَجَعَ إِلٰى مُوْسٰى، فَقَالَ :كَيْفَ فَعَلْتَ؟ فَقَالَ :خَفَّفَ عَنَّا، أَعْطَانَا بِكُلِّ حَسَنَةٍ عَشْرَ أَمْثَالِهَا، قَالَ مُوْسٰى: قَدْ وَاللّٰهِ رَاوَدْتُ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ عَلٰى أَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ فَتَرَكُوْهُ، ارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَلْيُخَفِّفْ عَنْكَ أَيْضًا، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا مُوْسٰى، قَدْ وَاللّٰهِ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّيْ مِمَّا اخْتَلَفْتُ إِلَيْهِ، قَالَ :فَاهْبِطْ بِاسْمِ اللّٰهِ (بخاری) [۱]

ترجمہ: پھر آپ کو اس (ساتویں آسمان) سے بھی اوپر لے گئے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ کے (اوپر والے حصہ کے) پاس پہنچے، پھر اللہ رب العزت سے نزدیک ہوئے اور اس قدر نزدیک ہوئے جیسے کمان کے دو کونے، بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک ہوئے (جس کی اصل حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے

[۱] كتاب التوحيد، بَابُ قَوْلِهِ :وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا، حديث نمبر ۷۵۱۷، دارطوق النجاة، بيروت.

ہیں) پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی بھیجی جو بھی وحی بھیجی، اس میں یہ تھا کہ آپ کی امت پر دن رات پچاس نمازیں فرض کی گئیں ہیں، پھر آپ نیچے اترے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے آپ کو روک لیا اور کہا کہ اے محمد! تمہارے رب نے تم سے کیا عہد لیا، آپ نے فرمایا کہ مجھ سے دن رات پچاس نمازیں پڑھنے کا عہد لیا ہے، انہوں نے کہا کہ تمہاری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی اسلئے لوٹ جاؤ اپنے رب سے اپنے لیے اور اپنی امت کے واسطے تخفیف کراؤ، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل کی طرف رخ کیا گویا آپ ان سے مشورہ لینا چاہتے تھے، جبریل نے مشورہ دیا کہ ہاں اگر آپ کی خواہش ہو چنانچہ جبریل آپ کو اللہ تعالی کے پاس لے گئے، آپ نے اپنی پہلی جگہ پر کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اے ہمارے رب! نمازوں میں ہم پر کمی فرما دیجئے، میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، تو اللہ تعالی نے دس نمازیں کم کر دیں (اور چالیس نمازیں رہ گئیں) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے انہوں نے روک لیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ کو اسی طرح اپنے رب کے پاس بھیجتے رہے حتّٰی کہ پانچ نمازیں رہ گئیں، پھر پانچ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روکا اور کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو اس سے بھی کم نمازیں پڑھوانا چاہیں لیکن وہ ضعیف ہو گئے اور اس کو چھوڑ دیا، تمہاری امت تو جسم، بدن، آنکھ اور کان، کے اعتبار سے بہت ضعیف ہے، لہٰذا واپس جاؤ تمہارا رب تمہاری نمازوں میں کمی کر دے گا، ہر بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم جبریل کی طرف دیکھتے تھے تا کہ ان سے مشورہ لیں اور جبریل علیہ السلام اس کو ناپسند نہیں کرتے تھے چنانچہ پانچویں بار بھی آپ کو لے گئے آپ نے عرض کیا اے میرے رب! میری امت کے جسم ناتواں ہیں اور ان کے دل اور کان اور ان کے بدن کمزور ہیں اس لئے ہم پر تخفیف فرما، اللہ جبار نے فرمایا کہ اے محمد، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ لبیک وسعدیک، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے پاس بات بدلی نہیں جاتی جو میں نے تم پر فرض کیا تھا وہ امُّ الکتاب (لوحِ

محفوظ) میں ہے، اللہ نے فرمایا ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے اس لئے پانچ نمازیں جو تم پر فرض ہوئیں لوحِ محفوظ میں پچاس ہی رہیں، آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ نے کیا کیا؟ آپ نے کہا ہمارے رب نے ہماری نماز میں بہت کمی فرمادی ہر نیکی کا دس گنا ثواب عطا کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اللہ کی قسم میں نے بنی اسرائیل سے اس سے بھی کم کا ارادہ کیا تھا لیکن انہوں نے اس کو چھوڑ دیا، لہٰذا لوٹ کر اپنے رب کے پاس جاؤ اور اس میں کمی کراؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے موسیٰ! اللہ کی قسم مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے اس لئے کہ میں بار بار اپنے رب کے پاس جا چکا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا پھر اللہ کا نام لے کر اترو (ترجمہ ختم)

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پچاس نمازوں کو کم کرکے پانچ کردیا، اور ثواب پچاس نمازوں کے برابر ہی رکھا۔

نماز معراج کا خاص تحفہ ہے، اب بھی اگر مومن ہوکر کوئی مرد یا عورت پانچ نمازوں کی پابندی نہ کرے، تو یہ اس کی بہت بڑی بدقسمتی ہے۔

نماز اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے، دوسری عبادات اسی سرزمین پر رہتے ہوئے فرض کی گئیں، لیکن نماز عالمِ بالا میں معراج میں فرض کی گئی، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ بالا کی سیر کرائی اور وہاں پچاس، پھر پانچ نمازیں عطا کی گئیں، اور ثواب پچاس ہی کا رکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ دلانے پر بار بار بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوکر نمازوں کی تخفیف اور کمی کے لئے درخواست کرتے رہے، اور درخواست قبول ہوتی رہی، اس غرض کے لئے عالمِ بالا میں بار بار آپ کی حاضری ہوتی رہی۔

عالمِ بالا میں معراج کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ سے مناجات ہوئی، پھر اس دنیا میں نماز کی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اور اس کے بعد پوری امت کی مناجات ہوتی رہی ہے اور تا قیامت یہ مناجات ہوتی رہے گی۔

چونکہ نماز اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری ہے اس لئے اس کے وہ آداب ہیں جو دوسری عبادات کے لئے لازم نہیں کئے گئے، باوضو ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، نماز کی جگہ کا پاک ہونا، قبلہ رُخ ہونا، ادب کے ساتھ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا، اللہ کے کلام کو پڑھنا، رکوع کرنا، سجدے کرنا، یہ وہ چیزیں ہیں جو مجموعی حیثیت سے کسی دوسری عبادات میں مشروط نہیں ہیں (اگرچہ ان میں سے بعض احکام بعض دیگر عبادات سے بھی متعلق ہیں) پھر نمازی ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھتا ہے جو التحیات للہ سے شروع ہوتا ہے، حدیث کے بعض شارحین نے فرمایا کہ تشہد میں انہی الفاظ کا اعادہ ہے جو شبِ معراج میں ادا کئے گئے تھے۔

ایک نیکی کا ثواب دس کے برابر اور ایک برائی کا گناہ ایک کے برابر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے معراج کی حدیث میں پانچ نمازوں کی فرضیت کے واقعہ کے ذیل میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَلَمْ أَزَلْ أَرْجِعُ بَيْنَ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالٰى، وَبَيْنَ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى قَالَ :يَا مُحَمَّدُ، إِنَّهُنَّ خَمْسُ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ، لِكُلِّ صَلَاةٍ عَشْرٌ، فَذٰلِكَ خَمْسُونَ صَلَاةً، وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ عَشْرًا، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ شَيْئًا، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً (مسلم) [1]

ترجمہ: پھر میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان لوٹ لوٹ کر (نماز کی تخفیف کے لئے) جاتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد یہ ہر دن و رات میں پانچ نمازیں ہیں، ہر نماز کے لئے دس کا ثواب ہے، پس یہ (ثواب کے اعتبار سے) پچاس نمازیں ہی ہیں، اور جو شخص کسی نیک کام کا ارادہ کرے گا، پھر (کسی عذر وغیرہ کی وجہ سے) اس کو نہیں کر سکے گا، تو اس کے لئے (اس ارادہ پر) ایک

---

[1] حدیث نمبر ۱۶۲، کتاب الایمان، بَابُ الْإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السَّمَاوَاتِ، وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ، دار إحياء التراث العربي -بيروت.

نیکی لکھی جائے گی، پھر اگر اس نے وہ نیک کام کرلیا، تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی، اور جس نے برے کام کا ارادہ کیا، پھر اس کام کو نہیں کیا، تو اس کے لئے کچھ نہیں لکھا جائے گا، پھر اگر اس نے وہ برا کام کرلیا، تو اس کے لئے ایک گناہ ہی لکھا جائے گا (ترجمہ ختم)

اس مضمون کا ذکر کچھ اضافی تفصیل کے ساتھ دوسری احادیث میں بھی ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ إِذَا أَرَادَ عَبْدِیُ أَنْ يَّعْمَلَ سَيِّئَةً، فَلَا تَكْتُبُوْهَا عَلَيْهِ حَتّٰى يَعْمَلَهَا، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا بِمِثْلِهَا، وَإِنْ تَرَكَهَا مِنْ أَجْلِیْ فَاكْتُبُوْهَا لَهٗ حَسَنَةً، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّعْمَلَ حَسَنَةً فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهٗ حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهٗ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ (بخاری)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل (فرشتوں سے) فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ کسی گناہ کے کام کو کرنے کا ارادہ کرے، تو تم اس کو اس بندے کے نامۂ اعمال میں اس وقت تک نہ لکھو جب تک وہ اس کام کو نہ کرلے، پھر اگر وہ اس گناہ کے کام کو کرلے، تو تم اس کے مثل ایک گناہ ہی لکھو، اور اگر وہ میری (رضا وخوف کی) وجہ سے اس گناہ کو چھوڑ دے (اور نہ کرے) تو تم اس کے لئے ایک نیکی لکھو (کیونکہ اللہ کی وجہ سے گناہ سے بچ جانا بھی نیکی کے ارادہ کا حکم رکھتا ہے) اور جب وہ کسی نیک عمل کا ارادہ کرے، پھر وہ اس نیک عمل کو (کسی عذر وغیرہ کی وجہ سے) نہ کرسکے، تو تم اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھو، پھر وہ اس نیک عمل کو کرلے، تو تم اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھو سات سو تک (ترجمہ ختم)

اللہ تعالیٰ نے ایک نیک عمل کے کرنے پر دس نیکیوں کے عطا فرمانے، اور ایک برے عمل کے کرنے پر ایک گناہ دیئے جانے کا قرآن مجید میں بھی ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ:

---

[1] حدیث نمبر ۷۵۰۱، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ یریدون أن یبدلوا کلام اللہ.

مَنۡ جَاءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَه عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا وَمَنۡ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزٰٓى اِلَّا مِثۡلَهَا وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ(سورة الانعام ،آيت ١٦٠)

ترجمہ: (یادرکھو) جوکوئی (اللہ کے حضور) نیکی لے کر آئے گا اس کے لئے دس گنا (اجر) ہے، اور جوکوئی بدی لے کر آئے گا اس کو بس اس کے برابر ملے گا اور لوگوں پر (کسی طرح کا) ظلم نہیں کیا جائے گا (ترجمہ ختم)

یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل ہے۔

اور یہ ایک اور دس کا فیصلہ عام حالات کے مطابق ہے، ورنہ مخصوص وبابرکت حالات (مقام یا زمانے) میں جب کسی نیک عمل کو کیا جاتا ہے، تو جس طرح اس کے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے، تو برے عمل کے کرنے کی صورت میں اس کے گناہ میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے، جیسے رمضانُ المبارک اور مسجد وحرمین شریفین میں نیک اور برے عمل کا معاملہ ہے۔ [1]

---

[1] (لكل صلاة) أي :حقيقة واختيارا (عشرا) أي :ثواب صلوات أي :حكما واعتبارا (فذلك) أي فمجموع ما ذكر (خمسون صلاة) ، ثم استأنف ببيان قضية أخرى وعطية أخرى متضمنة لهذه الجزئية المندرجة في القاعدة الكلية حيث قال :(من هم بحسنة) أي :عزم على فعلها (فلم يعملها) :لمانع شرعي أو عذر عرفي (كتبت) : بصيغة المجهول أي :كتب له هم الحسنة والتأنيث من إضافته إلى الحسنة، أو من قبيل حذف المضاف وإقامة المضاف إليه مقامه (له) أي :لعاملها (حسنة) ، النصب أي ثواب حسنة واحدة .قال الطيبي :كتبت مبني على المفعول والضمير فيه راجع إلى قوله :بحسنة .وحسنة :وضعت موضع المصدر أي :كتبت الحسنة كتابة واحدة، وكذا عشرا وكذا شيئا منصوبان على المصدر على ما في جامع الأصول، وشرح السنة، وفي بعض نسخ المصابيح :حسنة وعشر مرفوعان وهو غلط من الناسخ .أقول :لعله من جهة الرواية، وأما من طريق الدراية فله وجه في الجملة، وهو أن يكون قوله :كتبت له جملة مستقلة مجملة، وقوله: حسنة بتقدير هي جملة مبينة مفصلة (فإن عملها) أي :بعدما هم بها واهتم بشأنها (كتبت) أي: تلك الحسنة المهمومة والمعمولة (له عشرا) أي :ثواب عشر حسنات لانضمام قصد القلب إلى مباشرة عمل القالب، كقوله تعالى :(من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها)وهذا أقل التضاعف في غير الحرم المحترم (ومن هم بسيئة) أي :ولم يصمم على فعلها (فلم يعملها) أي :فتركها من غير باعث أو لسبب مباح بخلاف ما إذا تركها لله (لم تكتب) أي :تلك السيئة الموصوفة (له شيئا) . أما لو تركها وقد عزم على عملها، فإن تركها لله فلا شك أنها تكتب له حسنة، وإن تركها لغرض فاسد، فتكتب له سيئة على ما بينه حجة الإسلام في الإحياء ، وصرح به كثير من العلماء ، (فإن عملها كتبت) أي :له كما في نسخة صحيحة (سيئة واحدة) . لأن السيئة لا تتضاعف بحسب الكمية كما قال تعالى :(ومن جاء بالسيئة فلا يجزى إلا مثلها وهم لا يظلمون) إشارة إلى أن هذا عدل كما أن التضاعف فضل(مرقاة ج٩ ص٣٧٦٧، ٣٧٦٨، كتاب الفضائل،باب في المعراج)

مگر اس موقع پر یہ بات ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ گناہ کا ارادہ کرنے پر جو گناہ نہیں لکھا جاتا، وہ ان گناہوں کے بارے میں ہے، جن کے عملی طور پر کرنے کا پختہ ارادہ نہ ہو، اور ان کو بعد میں نہ کیا جائے۔

جہاں تک کسی گناہ کا پختہ ارادہ ونیت کر لینے کا معاملہ ہے یا ان گناہوں کا معاملہ ہے کہ جو دل کے فعل سے بھی وجود میں آ جاتے ہیں، جیسے کوئی براعقیدہ، تکبر، حسد، کینہ، بدگمانی وغیرہ، تو ان پر انہی کے مطابق دل میں پختہ ارادہ ونیت کر لینے یا صرف دل سے کر لینے پر حکم لگایا جاتا ہے۔ [1]

جنت اور جہنّم کی زیارت

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] قيل :لما كان الهم بالحسنة معتبرا باعتبار أنه فعل القلب لزم أن يكون بالسيئة أيضا كذلك. وأجيب :بأن هذا من فضل الله على عباده حيث عفا عنهم، ولولا هذا الفضل العظيم لم يدخل أحد الجنة لأن السيئات من العباد أكثر من الحسنات، فلطف الله عز وجل بعباده بأن ضاعف لهم الحسنات دون السيئات .قيل :إذا هم العبد بالسيئة ولم يعمل بها فغايته أن لا تكتب له سيئة فمن أين أن تكتب له حسنة؟ وأجيب :بأن الكف عن الشر حسنة .قيل :اتفق العلماء على أن الشخص إذا عزم على ترك صلاة بعد عشرين سنة عصى في الحال؟ وأجيب :بأن العزم وهو توطين النفس على فعله غير الهم الذى هو تحديث النفس من غير استقرار، وقال ابن الجوزى :إذا حدث العبد نفسه بالمعصية لم يؤاخذ، فإذا عزم فقد خرج عن تحديث النفس فيصير من أعمال القلب، فإن عقد النية على الفعل فحينئذ يأثم، وبيان الفرق بين الهم والعزم أنه لو حدث نفسه فى الصلاة وهو فيها بقطعها لم تنقطع، فإذا عزم حكمنا بقطعها.ثم إعلم أن حديث ابن عباس هذا معناه الخصوص لمن هم بسيئة فتركها لوجه الله تعالى، وأما من تركها مكرها على تركها بأن يحال بينه وبينها فلا تكتب له حسنة، فلا يدخل فى نص الحديث .وقال الطبرى :وفى هذا الحديث تصحيح مقالة من يقول : إن الحفظة تكتب ما يهم به العبد من حسنة أو سيئة، وتعلم اعتقاده كذلك، ورد مقالة من زعم أن الحفظة لا تكتب إلا ما ظهر من عمل العبد وتسمع(عمدة القارى، ج۲۳ص۸۰، كتاب الرقاق، باب من هم بحسنة أو بسيئة)

وقد تظاهرت نصوص الشرع بالمؤاخذة بعزم القلب المستقر ومن ذلك قوله تعالى إن الذين يحبون أن تشيع الفاحشة فى الذين آمنوا لهم عذاب أليم الآية وقوله تعالى اجتنبوا كثيرا من الظن إن بعض الظن إثم والآيات فى هذا كثيرة وقد تظاهرت نصوص الشرع وإجماع العلماء على تحريم الحسد واحتقار المسلمين وإرادة المكروه بهم وغير ذلك من أعمال القلوب وعزمها والله أعلم(شرح النووى علىٰ مسلم ج۲ص ۱۵۲،كتاب الايمان، باب بيان تجاوز الله تعالى عن حديث النفس والخواطر بالقلب الخ)

ثُمَّ أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ(بخاری) [1]

ترجمہ: پھر میں جنت میں داخل کیا گیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُتِيتُ بِالْبُرَاقِ وَهُوَ دَابَّةٌ أَبْيَضُ طَوِيلٌ يَضَعُ حَافِرَهُ عِنْدَ مُنْتَهٰى طَرَفِهِ، فَلَمْ نُزَايِلْ ظَهْرَهُ أَنَا وَجِبْرِيلُ حَتّٰى أَتَيْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَفُتِحَتْ لَنَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَرَأَيْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ

(مسنداحمد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس براق لایا گیا، جو کہ لمبا اور سفید جانور تھا، جو اپنے پاؤں حدِ نظر تک رکھتا تھا، تو میں اور جبریل اُس کی پشت پر سوار رہے، یہاں تک کہ میں بیت المقدس پہنچ گیا، پھر بعد میں ہمارے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے، اور میں نے جنت اور جہنم کو (اپنی آنکھوں سے) دیکھا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں مروی ہے کہ:

حَتّٰى صَارَ إِلٰى أَرْضٍ غُمَّةٍ مُنْتِنَةٍ، ثُمَّ إِلٰى أَرْضٍ فَيْحَاءَ طَيِّبَةٍ، قُلْتُ :يَا جِبْرِيلُ، كُنَّا نَسِيرُ فِي أَرْضٍ غُمَّةٍ مُنْتِنَةٍ، ثُمَّ إِلٰى أَرْضٍ فَيْحَاءَ طَيِّبَةٍ، فَقَالَ :

---

[1] حديث نمبر ۳۴۹، كتاب الصلاة، بَابٌ :كَيْفَ فُرِضَتِ الصَّلاَةُ فِي الإِسْرَاءِ؟دارطوق النجاة، بيروت.

[2] حديث نمبر ۲۳۳۳۲ ،مؤسسة الرسالة، بيروت.

إسناده حسن من أجل عاصم بن بهدلة، وباقي رجاله ثقات رجال الصحيح .يونس :هو ابن محمد المؤدب .وأخرجه الطيالسي (۴۱۱)ومن طريقه البيهقي في دلائل النبوة۲/۳۶۴، والطحاوي في شرح المشكل(۵۰۱۴)من طريق الحجاج بن منهال، كلاهما (الطيالسي وحجاج) عن حماد بن سلمة، بهذا الإسناد (حاشيه مسند احمد)

عَنْ، حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :أُتِيتُ بِالْبُرَاقِ "، فَذَكَرَ مَعْنَاهُ، قَالَ حَسَنٌ فِي حَدِيثِهِ ـ يَعْنِي هَذَا الْحَدِيثَ ـ وَرَأَيَا الْجَنَّةَ وَالنَّارَ، وَقَالَ عَفَّانُ : وَفُتِحَتْ لَهُمَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَرَأَى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ(مسنداحمد، حديث نمبر ۲۳۳۳۳)

إسناده حسن من أجل عاصم بن بهدلة، وباقي رجاله ثقات رجال الصحيح .ورواية عفان -وهو ابن مسلم (حاشيه مسند احمد)

تِلْکَ أَرْضُ النَّارِ، وَهٰذِهِ أَرْضُ الْجَنَّةِ (المعجم الکبیر) [۱]

ترجمہ: یہاں تک کہ (معراج کی رات میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک تنگ بدبو والی جگہ تک پہنچ گئے، پھر ایک کشادہ اور خوشبودار جگہ پہنچے، نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے کہا اے جبریل ہم ایک تنگ اور بدبودار جگہ میں چل رہے تھے، پھر ہوا اور خوشبودار جگہ میں، تو جبریل نے فرمایا کہ وہ (بدبودار) جہنم کی زمین تھی، اور یہ (خوشبودار) جنت کی زمین تھی (ترجمہ ختم)

معراج کی رات میں جنت اور جہنم میں داخلے اور ان کے بعض حالات کا ذکر دوسری احادیث میں بھی ہے، اس لئے بعض روایات کا ضعف نقصان دہ نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ معراج کی رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جنت اور جہنم کے بعض حالات واوصاف بھی ظاہر کئے تھے، اور جنت عالی شان مقام ہے، اور جہنم برا مقام ہے۔

جنت کی مٹی

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ثُمَّ أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ، فَإِذَا فِيهَا حَبَايِلُ اللُّؤْلُؤِ وَإِذَا تُرَابُهَا الْمِسْکُ (بخاری) [۲]

ترجمہ: پھر میں جنت میں داخل کیا گیا (تو کیا دیکھتا ہوں) کہ اس میں موتی کی لڑیاں ہیں اور اس کی مٹی مشک ہے (ترجمہ ختم)

---

[۱] للطبرانی، حدیث نمبر ۹۹۷۶، مکتبة ابن تیمیة -القاهرة، واللفظ لهٗ، مسند ابی یعلیٰ الموصلی، حدیث نمبر ۵۰۳۶، مستدرک حاکم حدیث نمبر ۸۷۹۳، مسند البزار، حدیث نمبر ۱۵۲۸، حلیة الاولیاء ج۴ص۲۳۴.

قال الحاکم: هَذَا حَدِيثٌ تَفَرَّدَ بِهِ أَبُو حَمْزَةَ مَيْمُونٌ الْأَعْوَرُ، وَقَدِ اخْتَلَفَتْ أَقَاوِيلُ أَئِمَّتِنَا فِيهِ وَقَدْ أَتَى بِزِيَادَاتٍ لَمْ يُخْرِجْهَا الشَّيْخَانِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي ذِكْرِ الْمِعْرَاجِ.

وقال العقیلی:

وهذا الحدیث یروی من غیر هذا الوجه بإسناد جید (الضعفاء الکبیر للعقیلی، تحت حدیث رقم ۱۹۴۲، تحت ترجمة میمون ابوحمزة القصاب کوفی)

[۲] حدیث نمبر ۳۴۹، کتاب الصلاة، بَابٌ :كَيْفَ فُرِضَتِ الصَّلاَةُ فِي الإِسْرَاءِ؟ دارطوق النجاة، بیروت.

اور ایک حدیث حضرت ابی بن کعب سے بھی مروی ہے، جس میں جنت کی زمین کو صاف ستھرے سونے کی قرار دیا گیا ہے، مگر وہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ [1]

فائدہ: یہ جنت کی صفت کا صرف ایک نمونہ بیان کیا گیا ہے، ورنہ جنت میں بے شمار خوبصورت مناظر ہیں، اور اہلِ علم حضرات کے مطابق جنت ساتویں آسمان کے اوپر اور عرشِ رحمٰن کے نیچے ہے، گویا کہ عرشِ رحمٰن، جنت کی چھت ہے (معارف القرآن ج۶ ص۲۰۰)

مشرک کی مغفرت نہ ہونے کا فیصلہ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک لمبی حدیث میں فرماتے ہیں کہ:

فَأُعْطِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا :أُعْطِیَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ، وَأُعْطِیَ خَوَاتِيْمَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ، وَغُفِرَ لِمَنْ لَّمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ مِنْ أُمَّتِهِ شَيْئًا الْمُقْحِمَاتُ (مسلم) [2]

---

[1] حدثنا حبيب، وثنا أبو محمد بن حيان، ثنا عمرو بن الحصين، ثنا ابن علاثة، ثنا ابن جريج، عن عطاء ، عن عبيد بن عمير ، عن أبي بن كعب قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: ، قُلْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي :يَا جِبْرِيلُ، إِنَّهُمْ سَيَسْأَلُونِي عَنِ الْجَنَّةِ، قَالَ :فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهَا مِنْ دُرَّةٍ بَيْضَاءَ، وَأَنَّ أَرْضَهَا عِقْيَانٌ (صفة الجنة لابی نعيم، حديث نمبر ١٥١)

وعبيد بن عمير -هو الليثى -تابعى ثقة وإنما النظر فيمن دونه (الاسراء والمعراج، ص٥٥)

ابن علاثة (د، س، ق) قاضى الخلافة، أبو اليسير محمد بن عبدالله بن علاثة العقيلى الجزرى...... قال ابن سعد :ثقة إن شاء الله، حرانى، ولى معه القضاء عافية .وقال ابن معين :ثقة.وقال أبو حاتم: لا يحتج به .وقال أبو زرعة :صالح الحديث .وقال البخارى :فى حفظه نظر.وقال الازدى :حديثه يدل على كذبه.مات ابن علاثة سنة ثمان وستين ومئة، ويقال له :قاضى الجن.قيل :حكم بينهم وبين الانس فى ماء بئر، فحكم للجن أن يستقوا بالليل، فكان من استقى بعد المغرب جاءه الرجم (سيراعلام النبلاء ج٧ص٣٠٨، ٣٠٩)

عَمْرو بن الحصين العقيلي الكِلابي ، ويُقال :الباهلي ، أبو عثمان ، البَصْرِيّ ثم الجزرى...... قال عبد الرحمن بن أَبي حاتم :سمع منه أبي ، وَقَال :تركت الرواية عنه ، ولم يحَدَّثَنَا بحديثه ، وَقَال :هو ذاهب الحديث ، وليس بشيءٍ ، أخرج أول شيء أحاديث مشبهة حسانا ، ثم أخرج بعد لابن علاثة أحاديث موضوعة ، فأفسد علينا ما كتبنا عنه ، فتركنا حديثه .قال عبد الرحمن وسئل أبو زُرْعَة عنه عندما امتنع من التحديث عنه فقال :ليس هو في موضع يحدث عنه ، وهو واهي الحديث .وَقَال أبو أحمد بن عدى :حدث عن الثقات بغير حديث منكر ، وهو مظلم الحديث.وَقَال أبو الفتح الأزدى :ضعيف جدا يتكلمون فيه.وَقَال الدَّارَقُطْنِيُّ :متروك (تهذيب الكمال ج٢١ص٥٨٧تا ٥٨٩)

[2] حديث نمبر ١٧٣ ، كتاب الايمان،بَابٌ فِي ذِكْرِ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى،دار إحياء التراث ،بيروت.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (معراج کی رات میں) تین چیزیں عطا کی گئیں، پانچ نمازیں عطا کی گئیں، اور سورہ بقرہ کی آخری آیتیں عطا کی گئیں، اور آپ کی امت میں سے جو شرک نہ کرے، اس کے ہلاک کرنے والے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا (ترجمہ ختم)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ کبیرہ گناہ جو کہ آگ میں پہنچانے والے، اور ہلاک کرنے والے ہیں، کسی نہ کسی وقت سزا پا کر ان کو درگزر کر دیا جائے گا، لیکن شرک کو درگزر نہیں کیا جائے گا، اس لئے مشرک ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

اس سے شرک کی برائی معلوم ہوئی، لہٰذا ہر مسلمان کو شرک سے بچنے کا پورا پورا اہتمام کرنا چاہئے۔ [1]

حضرت جبریلِ امین کو اصلی صورت میں دیکھنا

حضرت ابواسحاق شیبانی فرماتے ہیں کہ:

سَأَلْتُ زِرَّ بْنَ حُبَيْشٍ عَنْ هٰذِهِ الْآيَةِ (لَقَدْ رَأٰى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى) (النجم: ۱۸) **قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: رَأٰى جِبْرِيْلَ فِيْ صُوْرَتِهِ لَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ** (صحيح ابنِ حبان) [2]

---

[1] قوله (وغفر لمن لم يشرك بالله من أمته شيئا المقحمات) هو بضم الميم وإسكان القاف وكسر الحاء ومعناه الذنوب العظام الكبائر التى تهلك أصحابها وتوردهم النار وتقحمهم إياها والتقحم الوقوع فى المهالك ومعنى الكلام من مات من هذه الأمة غير مشرك بالله غفر له المقحمات والمراد والله أعلم بغفرانها أنه لا يخلد فى النار بخلاف المشركين وليس المراد أنه لا يعذب أصلا فقد تقررت نصوص الشرع وإجماع أهل السنة على إثبات عذاب بعض العصاة من الموحدين ويحتمل أن يكون المراد بهذا خصوصا من الأمة أى يغفر لبعض الأمة المقحمات وهذا يظهر على مذهب من يقول إن لفظة من لا تقتضى العموم مطلقا وعلى مذهب من يقول لا تقتضيه فى الإخبار وإن اقتضته فى الأمر والنهى ويمكن تصحيحه على المذهب المختار وهو كونها للعموم مطلقا لأنه قد قام دليل على إرادة الخصوص وهو ما ذكرناه من النصوص والاجماع والله أعلم(شرح النووى علىٰ مسلم، ج۳ص۳، كتاب الايمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ)

[2] حديث نمبر ۶۴۲۷، ج۱۴ ص۳۳۶، مؤسسة الرسالة، بيروت.
إسناده صحيح على شرط الشيخين(حاشية ابنِ حبان)

ترجمہ: میں نے حضرت زرّ بن حبیش سے سورہ نجم کی اس آیت کے بارے میں سوال کیا کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (معراج کی رات میں) اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھا''، تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت جبریل کو ان کی (اصل) صورت میں دیکھا، جن کے چھ سو بازو تھے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں حضرت زر بن حبیش سے مروی ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ(مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰى) (النجم) **قَالَ :رَأٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِبْرِيْلَ فِيْ حُلَّةٍ مِنْ رَفْرَفٍ قَدْ مَلَأَ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ** (سنن الترمذی) [۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورہ نجم کی اس آیت کے بارے میں کہ ''نبی کے دل نے جھوٹ نہیں بولا، اس چیز کے بارے میں جو نبی علیہ السلام نے دیکھا''، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کو سبز لباس کے حلّے میں دیکھا، جنہوں نے آسمان وزمین کے درمیان والی جگہ کو پُر کر دیا تھا (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، أَنَّهٗ قَالَ فِيْ هٰذِهِ الْآيَةِ(وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرٰى) (النجم:۱۳) **قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ جِبْرِيْلَ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى، عَلَيْهِ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ، يُنْتَثَرُ مِنْ رِيْشِهِ التَّهَاوِيْلُ :اَلدُّرُّ وَالْيَاقُوْتُ** (مسنداحمد) [۲]

---

[۱] حدیث نمبر ۳۲۸۳،ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة النجم، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي -مصر.

قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۲] حدیث نمبر ۳۹۱۵، مؤسسة الرسالة، بيروت.

إسناده حسن، عاصم بن بهدلة صدوق حسن الحديث، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين غير حماد بن سلمة، فمن رجال مسلم، عفان :هو ابن مسلم الصفار، وزر :هو ابن حبيش الأسدي (حاشيه مسنداحمد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۂ نجم کی اس آیت کے بارے میں کہ ''نبی علیہ السلام نے اُن کو دوسری مرتبہ نازل ہوتے ہوئے دیکھا'' فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جبریل کو سِدرۃُ المنتہٰی کے قریب دیکھا، جن کے چھ سو بازو تھے، اوران کے پَروں سے مختلف رنگوں کے موتی اور یاقوت گر رہے تھے (ترجمہ ختم)

فائدہ: اس سے فرشتوں اور خاص کر حضرت جبریل علیہ السلام کی عظمت ظاہر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنی بڑی قوت وصلاحیت عطا فرمائی ہے۔

حضرت جبریل کا اللہ کے خوف سے کمزور ہونا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ بِالْمَلَإِ الْأَعْلٰى، وَجِبْرِيْلُ كَالْحِلْسِ الْبَالِيْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ(المعجم الاوسط) [1]

ترجمہ: معراج کی رات میں میرا گزر ملاءِ اعلیٰ (اوپر کی ایک جماعت) پر ہوا، اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے گھُل کر پرانے اور باریک کپڑے کی طرح کمزور ہوگئے تھے (ترجمہ ختم)

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلِ امین کو ان کی اصلی حالت میں بھی دیکھا ہے، ممکن ہے کہ اِس وقت کسی خاص حالت اور خوف کے غلبہ کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہوگئی ہو۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ سے سخت خوف رکھتے ہیں، اور اس خوف کی وجہ سے

---

[1] للطبرانی، حدیث نمبر ۴۶۷۹، ج۵ ص۶۴، دارالحرمین، واللفظ لهٗ، السنة لابنِ ابی عاصم، حدیث نمبر ۶۲۱.

قال الهيثمي:

رواه الطبراني في الأوسط، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد ج ۱ ص۷۸)

وقال الالباني:

و بالجملة ، فالحديث بمجموع الطريقين حسن أو صحيح .و الله أعلم(السلسلة الصحيحة ،تحت حديث رقم ۲۲۸۹)

وہ کمزور اور لاغر ہوجاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، دجّال اور داروغۂ جہنم کو دیکھنا

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ مُوْسٰى رَجُلًا آدَمَ طُوَالًا جَعْدًا كَأَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ وَرَأَيْتُ عِيْسٰى رَجُلًا مَرْبُوْعًا مَرْبُوْعَ الْخَلْقِ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ سَبِطَ الرَّأْسِ وَرَأَيْتُ مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ وَالدَّجَّالَ (بخاری) [1]

ترجمہ: میں نے معراج کی رات میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، جو گندمی رنگ کے لمبے اور گھنگھریالے بالوں والے تھے، گویا کہ وہ ''شنوءۃ'' (یمن کے مخصوص) لوگوں میں سے ہیں اور میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، جو درمیانی قد کے تھے، جن کا رنگ سفید اور سرخ تھا، جو سیدھے بالوں والے تھے، اور میں نے مالک یعنی داروغۂ جہنم کو دیکھا، اور میں نے دجال کو دیکھا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

رَأَيْتُ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ، وَمُوْسٰى، وَإِبْرَاهِيْمَ، فَأَمَّا عِيْسٰى، فَأَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيْضُ الصَّدْرِ، وَأَمَّا مُوْسٰى فَآدَمُ جَسِيْمٌ قَالُوْا لَهٗ :فَإِبْرَاهِيْمُ ؟ قَالَ اُنْظُرُوْا إِلٰى صَاحِبِكُمْ يَعْنِيْ نَفْسَهٗ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: میں نے حضرت عیسیٰ بن مریم، حضرت موسیٰ، اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو سرخ رنگت والے، گھنگریالے بالوں اور کشادہ سینے والے تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سانولے، اور خوب جسامت والے تھے، صحابہؓ

---

[1] حدیث نمبر ۳۲۳۹، کتاب بدء الخلق، باب إذا قال أحدكم :آمين والملائكة فى السماء، آمين ، دارطوق النجاة، بيروت.

[2] حديث نمبر ۲۶۹۷ ، مسند عبدالله بن العباس، مؤسسة الرسالة،بيروت.
إسناده صحيح على شرط البخارى، رجاله ثقات رجال الشيخين غيرَ عثمان بن المغيرة، فمن رجال البخارى(حاشية مسند احمد)

کرام نے پوچھا تو حضرت ابراہیم؟ (یعنی وہ کیسے تھے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اس صاحب کو (یعنی مجھے) دیکھ لو(وہ کچھ میرے مشابہ تھے)(ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ:

وَرَأَى الدَّجَّالَ فِيْ صُوْرَتِهٖ رُؤْيَا عَيْنٍ لَيْسَ رُؤْيَا مَنَامٍ وَعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ وَإِبْرَاهِيْمَ، قَالَ فَسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّجَّالِ، فَقَالَ رَأَيْتُهٗ فَيْلَمَانِيًّا أَقْمَرَ هِجَانًا، إِحْدٰى عَيْنَيْهِ قَائِمَةٌ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ، كَأَنَّ شَعْرَهٗ أَغْصَانُ شَجَرَةٍ، وَرَأَيْتُ عِيْسٰى :شَابًّا أَبْيَضَ جَعْدَ الرَّأْسِ حَدِيْدَ الْبَصَرِ مُبَطَّنَ الْخَلْقِ، وَرَأَيْتُ مُوْسٰى :أَسْحَمَ، آدَمَ :كَثِيْرَ الشَّعْرِ، شَدِيْدَ الْخَلْقِ، وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيْمَ (مسند أبی یعلی) [1]

ترجمہ: اور دجال کو اس کی صورت میں دیکھا جاگتی ہوئی آنکھوں سے، نہ کہ سوتی ہوئی آنکھوں سے، اور عیسیٰ بن مریم اور ابراہیم علیہما السلام کو بھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دجال کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اُسے بڑے قدّ وقامت میں سفید رنگ میں دیکھا، اس کی دونوں آنکھوں میں سے ایک آنکھ سپاٹ تھی، گویا کہ وہ سفید موتی ہے، اور گویا کہ اس کے بال درخت کی ٹہنیوں کی طرح ہیں، اور میں نے حضرت عیسیٰ کو جوان اور گورا دیکھا، بال گھنگریالے تھے، آنکھ سُرمگیں تھیں، پتلے تھے، میں نے موسیٰ کو دیکھا گندمی رنگ، اور زیادہ بالوں، اور مضبوط جسم والے، اور میں نے حضرت ابراہیم کو بھی دیکھا (ترجمہ ختم)

فائدہ: معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کو دنیا میں ظاہر ہونے سے پہلے معراج کی رات میں پیشگی دیکھ لیا ہے، اور جہنم کے داروغہ سے بھی ملاقات کی ہے، جس کی تفصیل دوسری

---

[1] حدیث نمبر ۲۷۲۰، ج۵ ص۱۰۸، اول مسند ابن عباس، دار المأمون للتراث -دمشق.
قال حسين سليم أسد: إسناده صحيح (حاشية مسند ابی یعلیٰ)
قلت :فالإسناد حسن (الإسراء والمعراج للالبانی، ص ۷٦)

روایت میں ہے۔ [1]

جنت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے محل کی زیارت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا أَسِيْرُ فِي الْجَنَّةِ، فَإِذَا أَنَا بِقَصْرٍ، فَقُلْتُ :لِمَنْ هٰذَا يَا جِبْرِيْلُ ؟ وَرَجَوْتُ أَنْ يَّكُوْنَ لِيْ، قَالَ ،قَالَ لِعُمَرَ، قَالَ ثُمَّ سِرْتُ سَاعَةً، فَإِذَا أَنَا بِقَصْرٍ خَيْرٍ مِنَ الْقَصْرِ الْأَوَّلِ ، قَالَ : فَقُلْتُ :لِمَنْ هٰذَا يَا جِبْرِيْلُ ؟ وَرَجَوْتُ أَنْ يَّكُوْنَ لِيْ قَالَ،قَالَ :لِعُمَرَ، وَإِنَّ فِيْهِ لَمِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ ، يَا أَبَا حَفْصٍ، وَمَا مَنَعَنِيْ أَنْ أَدْخُلَهُ إِلَّا غَيْرَتُكَ، قَالَ :فَاغْرَوْرَقَتْ عَيْنَا عُمَرَ، ثُمَّ قَالَ :أَمَّا عَلَيْكَ فَلَمْ أَكُنْ لِأَغَارَ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں (معراج کی رات) جنت کے اندر چل رہا تھا کہ میں نے ایک محل دیکھا، میں نے کہا کہ اے جبریل! یہ کس کے لیے ہے؟ میرا خیال تھا کہ یہ میرے لیے ہے، جبریلِ امین نے کہا کہ یہ (حضرت) عمر کے لیے ہے،

---

[1] (رأيت ليلة أسرى بى) أرواح الأنبياء متشكلين بصور كانوا عليها فى الحياة فرأيت (موسى رجلا آدم) أى أسمر (طوالا) بضم الطاء وتخفيف الواو أى طويلا (جعدا) أى جعد الجسم وهو اجتماعه واكتنازه لا الشعر على الأصح (كأنه من رجال شنوء ة أى يشبه واحدا من هذه القبيلة والشنوء ة بفتح الشين التباعد بين الأدناس لقب به حى من اليمن لطهارة نسبهم وحسن سيرتهم (ورأيت عيسى) ابن مريم (رجلا مربوع الخلق) أى بين الطول والقصر قال الطيبى :وقوله (إلى الحمرة) حال أى مائلا لونه إلى الحمرة (والبياض) فلم يكن شديد الحمرة والبياض (بسط الرأس) أى مسترسل شعر الرأس والسبوطة ضد الجعودة (ورأيت مالكا) هذه رواية البخارى فى بعض النسخ .قال النووى :وأكثر الأصول ملك بالرفع وجوابه أنه منصوب لكن سقطت الألف خطأ (خازن النار) نار جهنم (و) رأيت (الدجال) تمامه عند البخارى فى آيات أراهن الله إياه فلا تكن فى مرية من لقائه اه .قيل :وهو من كلام الراوى أدرجه دفعا لاستبعاد السامع بدليل قوله إياه وإلا لقال إياى(فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ۴۳۸۰، حرف الراء)

[2] حديث نمبر ۱۳۸۴۷ ،مؤسسة الرسالة، بيروت.

إسناده صحيح على شرط الشيخين(حاشية مسند احمد)

پھر میں تھوڑا چلا، تو میں نے ایک اور محل پہلے محل سے زیادہ عالیشان دیکھا، میں نے کہا کہ اے جبریل! یہ کس کے لیے ہے؟ اور میرا خیال یہ تھا کہ یہ میرے لیے ہے، جبریلِ امین نے کہا کہ یہ (حضرت) عمر کے لیے ہے، اور اُس میں خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والی حور تھی، اے ابوحفص! (یعنی عمر) مجھے اُس میں داخل ہونے سے آپ کی غیرت مانع آ گئی، یہ سن کر حضرت عمر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اور انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ سے بھی غیرت کروں گا؟ (ترجمہ ختم)

فائدہ: اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کے جنتی ہونے کی وضاحت ہوتی ہے، جو لوگ نعوذ باللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جہنمی اور بدعتی وغیرہ سمجھتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کا خوف کریں اور اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں۔ [1]

حضرت زید بن حارثہ اور اُن کی حور کی زیارت

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

ثُمَّ دَخَلَ بِیَ الْجَنَّةَ، فَرَأَیْتُ فِیْهَا جَارِیَةً لَعْسَاءَ، فَسَأَلْتُهَا :لِمَنْ أَنْتِ؟ وَقَدْ أَعْجَبَتْنِیْ حِیْنَ رَأَیْتُهَا، فَقَالَتْ :لِزَیْدِ بْنِ حَارِثَةَ،فَبَشَّرَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ زَیْدَ بْنَ حَارِثَةَ(تهذیب الآثار للطبری) [2]

---

[1] قَالَ أَبُو حَاتِمٍ :فِي هَذَا الْخَبَرِ " :بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ "وَفِي خَبَرِ جَابِرٍ " :أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ "أُدْخِلَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَنَّةَ لَيْلَةَ أُسْرِیَ بِهِ، فَرَأَى قَصْرَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَسَأَلَ عَنِ الْقَصْرِ، فَأَخْبَرُوهُ أَنَّهُ لِعُمَرَ، وَبَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَائِمٌ مَرَّةً أُخْرَى إِذْ رَأَى كَأَنَّهُ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ، وَإِذَا امْرَأَةٌ إِلَى جَانِبِ قَصْرٍ تَتَوَضَّأُ، فَسَأَلَ عَنِ الْقَصْرِ، فَقَالَتْ :لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، لَفْظُ خَبَرِ أَبِي هُرَيْرَةَ بِخِلَافِ لَفْظِ خَبَرِ جَابِرٍ، فَدَلَّكَ ذَلِكَ عَلَى أَنَّهُمَا خَبَرَانِ فِي وَقْتَيْنِ مُتَبَايِنَيْنِ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُونَ تضاد ولا تهاتر(صحیح ابن حبان ج۱۵ ص۳۱۲،ذِكْرُ خَبَرٍ أَوْهَمَ مَنْ لَمْ يُحْكِمْ صِنَاعَةَ الْحَدِيثِ ""أَنَّهُ مُضَادٌّ لِخَبَرِ جَابِرٍ الَّذِی ذَكَرْنَاهُ، مؤسسة الرسالة، بیروت)

[2] حدیث نمبر ۲۲۶، ذکر من روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه رأی من ذکرت فی السموات،مطبعة المدنی، القاهرة،واللفظ لهٗ؛دلائل النبوة للبیهقی، بَابُ الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ علیه وآله وَسَلَّمَ عُرِجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: پھر میں جنت میں داخل ہوا، تو میں نے ایک سُرخ وسیاہ رنگ کی آمیزش والی (نہایت حسین) لڑکی (حور) کو دیکھا، میں نے اس سے پوچھا کہ اے لڑکی تو کس کے لئے ہے؟ اور میں نے جب اُس کو دیکھا تو وہ بہت خوبصورت تھی، اس نے جواب میں کہا کہ میں زید بن حارثہ (آپ کے آزاد کردہ غلام اور خادم) کے لئے ہوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی زید بن حارثہ کو خوش خبری سنائی (ترجمہ ختم)

اس حدیث کی سند پر محدثین کا کچھ کلام ہے۔ [1]

لیکن حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ واقعہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مذکو ہے، اگر چہ اس میں معراج کی صراحت نہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :دَخَلْتُ الْبَارِحَةَ الْجَنَّةَ فَإِذَا أَنَا بِجَارِيَةٍ ، فَقُلْتُ :لِمَنْ أَنْتِ يَا جَارِيَةُ ؟ قَالَتْ :لِزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، فَبَشَّرَهُ بِهَا حِيْنَ أَصْبَحَ (الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يقال :جـاريةٌ لَعْسَاء إذا كان فى لَوْنِها أدْنَى سَوادٍ وَشُرْبَةٌ من الحُمْرَة .فإذا قيل :لَعْسَاء الشَّفَة فهو عَلَى ما فَسَّره (النهاية فى غريب الاثر، ماده لعس)

[1] چنانچہ اس حدیث کی سند یہ ہے کہ:

حدثنا ابن حميد،قال حدثنا سلمة بن الفضل،عن محمد بن إسحاق،قال حدثنى روح بن القاسم،عن أبى هارون عمارة بن جوين العبدى،عن أبى سعيد الخدرى،وحدثنا ابن حميد،قال حدثنا سلمة،قال وحدثنى أبو جعفر ، عن أبى هارون ، عن أبى سعيد ، قال :

قلت :وفيه"أبو جعفر الرازى عيسى بن ماهان....قال يحيى بن معين :ثقة.وقال أبو حاتم :ثقة صدوق.وقال أحمد بن حنبل والنسائى وغيرهما :ليس بالقوى.وقال أبو زرعة :يهم كثيرا .وقال ابن المدينى :هو عيسى بن أبى عيسى، ثقة، كان يخلط .وقال مرة :يكتب حديثه، إلا أنه يخطىء.وقال حنبل، عن أحمد :صالح الحديث .وروى عبدالله بن على بن المدينى، عن أبيه، قال : هو نحو موسى بن عبيدة.وروى محمد بن عثمان بن أبى شيبة، عن ابن المدينى، قال :كان عندنا ثقة.وقال عمرو بن على :فيه ضعف.وقال الساجى :صدوق، ليس بمتقن(سير اعلام النبلاء ، ج۷ص۳۴۷)

قال فيه الحافظ ا بن كثيروالأظهر أنه سيء الحفظ ففيما تفرد به نظر(تفسير ابنِ كثير ج۵ص۳۵، تحت آيت ۱ من سورة الاسراء)

[2] حديث نمبر ۲۵۶، ج ۱ ص ۱۹۸ ، دار الراية -الرياض.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گزشتہ رات جنت میں داخل ہوا، تو میں نے ایک لڑکی کو دیکھا، تو میں نے کہا کہ اے لڑکی تو کس کے لئے ہے؟ اس نے کہا کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی حضرت زید بن حارثہ کو صبح ہونے پر بشارت سنائی (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

ثُمَّ انْطَلَقَ بِيْ يَعْنِيْ :فِي الْجَنَّةِ حَتّٰى أَشْرَفْتُ عَلٰى ثَلَاثَةٍ يَشْرَبُوْنَ مِنْ خَمْرٍ لَّهُمْ قَالَ :قُلْتُ :مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ؟ قَالَ :هٰؤُلَاءِ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ وَجَعْفَرٌ وَابْنُ رَوَاحَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ (الشريعة) [1]

ترجمہ: پھر میں جنت میں چلا، تو میں نے تین لوگوں کو جنت کی شراب سے سیراب ہوتے ہوئے دیکھا، میں نے کہا کہ اے جبریل! یہ کون ہیں؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ یہ زید بن حارثہ، اور جعفر اور ابنِ رواحہ رضی اللہ عنہم ہیں (ترجمہ ختم)

فائدہ: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کے لئے بڑی قربانیاں دی ہیں، اور حضرت جعفر اور ابنِ رواحہ رضی اللہ عنہما نے بھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہ نعمت عطا فرمائی۔

جنت میں حضرت بلال کے قدموں کی آہٹ کا سُننا

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

لَيْلَةَ أُسْرِیَ بِنَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَسَمِعَ مِنْ جَانِبِهَا وَجْسًا قَالَ يَا جِبْرِيْلُ مَا هٰذَا قَالَ هٰذَا بِلَالٌ الْمُؤَذِّنُ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ جَاءَ إِلَى النَّاسِ قَدْ أَفْلَحَ بِلَالٌ رَأَيْتُ لَهُ كَذَا وَكَذَا (مسند احمد) [2]

---

[1] للآجری، حديث نمبر ۱۴۲۰، كتاب جامع فضائل أهل البيت رضى الله عنهم، باب فضل جعفر بن أبى طالب رضى الله عنه، دار الوطن - الرياض / السعودية.

[2] حديث نمبر ۲۳۲۴، مؤسسة الرسالة، بيروت.

قال الهيثمي: ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: جس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی، تو آپ جنت میں داخل ہوئے، آپ نے اُس کے ایک طرف (چلنے کی) آہٹ محسوس کی تو جبریلِ امین سے پوچھا یہ کیا آواز ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ آپ کے مؤذن بلال کے قدموں کی آواز ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی لوگوں کو خبر دی، اور فرمایا کہ بلال کامیاب ہوگئے، میں نے اُن کے قدموں کی آواز اس طرح سے سُنی ہے (ترجمہ ختم)

فائدہ: اس واقعہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

سبحان اللہ، الحمدُ لِلّٰہ، لا الٰہ الا اللہ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ کی فضیلت

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيْتُ إِبْرَاهِيْمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِقْرَءْ أُمَّتَكَ مِنِّيْ اَلسَّلَامَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ وَأَنَّهَا قِيْعَانٌ وَأَنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ (ترمذی) [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

رواه أحمد، ورجاله رجال الصحيح غير قابوس وقد وثق، وفيه ضعف (مجمع الزوائد، حديث نمبر ۱۵۶۳۷)

إسناده ضعيف، قابوس مختلف فيه، وقد تقدمت ترجمته قريباً، وباقي رجاله ثقات رجال الشيخين، وصحح ابن كثير إسناده في التفسير ۲۶/۵ قلنا: ولجُله شواهد. والحديث أورده السيوطي في الدر المنثور ۲۱۴/۵ وزاد نسبته إلى ابن مردويه وأبي نعيم في "الدلائل" والضياء في "المختارة" وصحح إسناده (حاشيه مسند احمد، تحت حديث نمبر ۲۳۲۴)

[1] حديث نمبر ۳۴۶۲، ابواب الدعوات، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر.

قال الالباني:

أخرجه الترمذي (۲۵۸/۲ بولاق) عن عبد الرحمن بن إسحاق عن القاسم ابن عبد الرحمن عن ابن مسعود مرفوعا، و قال "هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه من حديث ابن مسعود." قلت: و عبد الرحمن بن إسحاق هذا ضعيف اتفاقا، لكن يقويه أن له شاهدين من حديث أبي أيوب الأنصاري، و من حديث عبد الله بن عمر (السلسلة الصحيحة، تحت رقم حديث ۱۰۵)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات میں میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہنا اور ان کو یہ خبر دینا کہ جنت کی مٹی بہت پاکیزہ اور اس کا پانی بڑا میٹھا ہے، لیکن وہ چٹیل میدان (کی طرح) ہے اور اس کی شجر کاری ''سبحان اللہ، اورالحمدللہ، اور لآالٰہ الااللہ اور اللہ اکبر'' ہیں (ترجمہ ختم)

اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ أُسْرِىَ بِهٖ مَرَّ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ، فَقَالَ مَنْ مَّعَكَ يَا جِبْرِيْلُ ؟ قَالَ : هٰذَا مُحَمَّدٌ، فَقَالَ لَهٗ إِبْرَاهِيْمُ : مُرْ أُمَّتَكَ فَلْيُكْثِرُوْا مِنْ غِرَاسِ الْجَنَّةِ، فَإِنَّ تُرْبَتَهَا طَيِّبَةٌ، وَأَرْضَهَا وَاسِعَةٌ قَالَ : وَمَا غِرَاسُ الْجَنَّةِ ؟ قَالَ : لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ (مسند احمد) [1]

---

[1] حديث نمبر ٢٣٥٥٢، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ؛ الترغيب فى فضائل الأعمال وثواب ذلك لابن شاهين، حديث نمبر ١٣٤٦امالى المحاملى، حديث نمبر ٢٥٧.

قال الهيثمى:

رواه أحمد، والطبرانى، إلا أنه قال : سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -يقول: "ليلة أسرى بى مررت بإبراهيم -صلى الله عليه وسلم -فقال : يا جبريل، من هذا معك؟ فقال : محمد فسلم على، ورحب بى وقال : مر أمتك ." والباقى بنحوه. ورجال أحمد رجال الصحيح غير عبد الله بن عبد الرحمن بن عبد الله بن عمر بن الخطاب، وهو ثقة لم يتكلم فيه أحد، ووثقه ابن حبان(مجمع الزوائد،ج١٠ ص٩٧،باب ما جاء فى لا حول ولا قوة إلا بالله، مكتبة القدسى، القاهرة)

رواه أحمد بإسناد حسن وابن أبى الدنيا وابن حبان فى صحيحه(الترغيب والترهيب،الترغيب فى الإكثار من ذكر الله سرا وجهرا والمداومة عليه وما جاء فيمن لم يكثر ذكر الله تعالى)

وقال الالبانى:

أخرجه أحمد(٥/٤١٨)و أبو بكر الشافعى فى "الفوائد "(٦/٦٥/١)و الطبرانى كما فى "المجمع "(١٠/٩٧)و قال " :و رجال أحمد رجال الصحيح غير عبد الله بن عبد الرحمن بن عبد الله بن عمر بن الخطاب و هو ثقة لم يتكلم فيه أحد ، و وثقه ابن حبان . "قلت :و بناء على توثيق ابن حبان إياه أخرج حديثه هذا فى "صحيحه "كما فى "الترغيب "(٢/٢٦٥)و عزاه لابن أبى الدنيا أيضا مع أحمد و قال ":إسناده حسن . "قلت :و فى ذلك نظر عندى لما قررناه مرارا أن توثيق ابن حبان فيه لين ، لكن الحديث لا بأس به بما قبله (السلسلة الصحيحة، تحت رقم حديث ١٠٥)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرے، تو انہوں نے فرمایا کہ اے جبریل! آپ کے ساتھ کون ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، تو حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ اپنی امت کو جنت کی شجرکاری کا حکم فرمایئے، کیونکہ اُس کی مٹی پاکیزہ ہے، اور اس کی زمین وسیع ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کیا کہ جنت کی شجرکاری کیا ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ''**لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ**'' (ترجمہ ختم)

فائدہ: اس واقعہ اور دونوں روایتوں سے مذکورہ کلمات کی فضیلت معلوم ہوئی کہ یہ کلمات جنت کی شجرکاری کا کام دیتے ہیں۔

آسمانوں پر ایک تسبیح کا سُننا

حضرت عبدالرحمٰن بن قرط رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں آسمانوں پر یہ تسبیح سنی کہ:

سُبْحَانَ الْعَلِيِّ الْأَعْلٰى سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو بہت بلند ہے، اور پاکیزہ ہے، اور بلند ہے (المعجم الاوسط) [1]

---

[1] للطبرانی، حدیث نمبر ۳۷۴۲، دارالحرمین، قاهرة؛ حلیة الاولیاء لابی نعیم الاصبهانی تحت ترجمة عبدالرحمن بن قرط؛ الرواة عن سعید بن منصور)

هذا حدیث صحیح غریب لم یروه عن عروة بن رویم غیر مسکین بن میمون فیما قالوا وعبد الرحمن بن قرط یعد فی الصحابة وتفرد بهذا الحدیث عن النبی صلی الله علیه وسلم فی ذکر التسبیح ومسکین بن میمون هو الرملی وروی عنه هشام بن عمار وغیره هذا الحدیث(الرواة عن سعید بن منصور، تحت حدیث رقم ۳، ص ۳۶، تنبیه الهاجد إلی ما وقع من النظر فی کتب الأماجد)

قال الطبرانیُّ : لم یرو هذا الحدیث عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ، إلَّا بهذا الإسناد ، تفرَّد به سعید بن منصور.:

قُلْتُ :رضی الله عنک ! فلم یتفرَّدُ به سعیدٌ . فقال نعیم الأصبهانی فی "عوالی سعید بن منصور" بعد أن روی هذا الحدیث من طریق الطبرانیّ هنا ؛ قال) :(و مسکین بن میمون هو الرملیُّ ، روی عنه هشام بن عمار وغیرُهُ هذا الحدیث اهـ .(کتاب تنبیه الهاجد للحوینی، ج ۱ ص ۱۲۶، ۱۲۷)

فائدہ: اس واقعہ سے مذکورہ تسبیح کی فضیلت واہمیت کا اندازہ ہوتا ہے جو آسمانوں پر سنی گئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ عَلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ يُصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهٖ (نسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبِ معراج میں میرا گزر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ہوا، میں نے دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں (ترجمہ ختم)

فائدہ: حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیائے کرام کے مبارک جسموں کو حرام کر دیا ہے، اس لئے انبیائے کرام کے مبارک جسموں کا اصل ٹھکانہ تو ان کی مبارک قبریں ہیں، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے اصل مستقر وٹھکانہ میں ہی دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کو جو آسمانوں اور بیت المقدس میں دیکھا، تو یہ کوئی بعید نہیں، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز واکرام کے لئے اللہ تعالیٰ نے بطورِ خاص اپنی قدرتِ کاملہ سے اصلی جسموں کے ساتھ مدعو فرمایا ہو، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنا مشکل نہیں

''وماذالک علی اللہ بعزیز''

اور بعض نے فرمایا کہ بعض مقاموں پر جسموں کے بغیر خالی روحوں کو دیکھا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضراتِ انبیائے کرام کی روحوں کو مثالی جسم کے ساتھ متمثل فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات وزیارت کا موقع عطا فرمایا، البتہ حضرت عیسیٰ اور حضرت ادریس علیہما السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان پر اصلی جسموں کے ساتھ

---

[1] حدیث نمبر ۱۶۳۴، کتاب قیام اللیل وتطوع النهار، باب ذکر صلاة نبی الله موسی علیه السلام، مکتب المطبوعات الإسلامیة -حلب، واللفظ لهٗ؛ مسلم، بَابُ مِنْ فَضَائِلِ مُوسَى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

دیکھا، کیونکہ ان دونوں شخصیات کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھالیا تھا، واللہ تعالیٰ اعلم (ماخوذ از سیرت المصطفیٰ، ج۱ص۳۲۰بتغیر)

اور کیونکہ عالمِ بالا کے بعض حالات کو صرف عقل کے بل بوتے پر سمجھنا مشکل ہے، اس لئے اس معاملہ میں زیادہ کھود کرید کے بجائے اصل حقیقت کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانا چاہئے، اور جو کچھ شریعت کی طرف سے بیان کیا گیا، اس پر اسی طرح ایمان لانا چاہئے۔ [۱]

---

[۱] ويشهد له صلاة موسى في قبره، فإن الصلاة تستدعي جسدًا حيًا، وكذلك الصفات المذكورة في الأنبياء ليلة الإسراء، كلها صفات الأجسام، ولا يلزم من كونها حياة حقيقية أن تكون الأبدان معها كما كانت في الدنيا من الاحتياج إلى الطعام والشراب وغير ذلك من صفات الأجسام(المواهب اللدنية بالمنح المحمدية،لشهاب الدين أحمد بن محمد القسطلاني ، المجلد السابع،صفحة ٣٦٨، الفصل الرابع :ما اختص به صلى الله عليه وسلم من الفضائل والكرامات)

ويشهد له صلاة موسى في قبره "كما ثبت في الصحيح .واختلف فيها، فقيل :الصلاة اللغوية، أي: يدعو الله ويذكره ويثني عليه وقيل :الشرعية، ولا مانع من ذلك، لأنه إلى الآن في الدنيا، وهي دار تعبد، وعلى هذا جرى القرطبي، فقال :الحديث يدل بظاهره على أنه رآه رؤية حقيقية في اليقظة، وأنه حي في قبره، يصلي الصلاة التي كان يصليها في الحياة، وذلك ممكن، "فإن الصلاة تستدعي جسدًا حيًا "سواء قلنا أنها الشرعية أو اللغوية، "وكذلك الصفات المذكورة في الأنبياء ليلة الإسراء ، كلها صفات الأجسام، ولا يلزم من كونها حياة حقيقية أن تكون الأبدان معها، كما كانت في الدنيا من الاحتياج إلى الطعام والشراب، وغير ذلك من صفات الأجسام "لأن ذلك عادي لا عقلي(شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، لأبي عبد الله محمد بن عبد الباقي الزرقاني ، المجلد السابع ،صفحة ٣٦٨، الفصل الرابع :ما اختص به صلى الله عليه وسلم من الفضائل والكرامات)

ولا تدافع بين رؤيته موسى يصلي في قبره، وبين رؤيته في السماء لأن للأنبياء مراتع ومسارح يتعرفون فيما شاء وا، ثم يرجعون، أو لأن أرواحهم بعد فراق الأبدان في الرفيق الأعلى، ولها إشراق على البدن وتعلق به، فيتمكنون من التعرف والتقرب، بحيث يرد السلام على المسلم، وبهذا التعلق رآه يصلي في قبره، ورآه في السماء ، ورأى الأنبياء في بيت المقدس وفي السماء كما أن نبينا بالرفيق الأعلى، وبدنه في قبره يرد السلام على من يسلم عليه، ولم يفهم هذا من قال :رؤيته يصلي في قبره منامية، أو تمثيل، أو إخبار عن وحي، لا رؤية عين، فكلها تكلفات بعيدة(ایضاً صفحة ٣٧٠)

قال البيهقي وفي حديث سعيد بن المسيب عن أبي هريرة أنه لقيهم ببيت المقدس فحضرت الصلاة فأمهم نبينا صلى الله عليه وسلم ثم اجتمعوا في بيت المقدس وفي حديث أبي ذر ومالك بن صعصعة في قصة الإسراء أنه لقيهم بالسماوات وطرق ذلك صحيحة فيحمل على أنه رأى موسى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وفات کے بعد نماز اور دیگر اعمال ذمہ میں لازم نہیں رہتے، اور مقدس ہستیاں فوت ہونے کے بعد قبر و عالَمِ برزخ میں بعض نیک اعمال اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ان کے لئے غذائے روحانی اور اکرام وشرافت کا درجہ رکھتے ہیں، جن سے انہیں راحت اور تسکین حاصل ہوتی ہے، اوران کا اکرام واعزاز ہوتا ہے، جیسا کہ فرشتوں کی عبادت کا معاملہ ہے۔ [۱]

طَیبہ، طورِ سینا اور بیتِ لحم میں نماز پڑھنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أُتِيتُ بِدَابَّةٍ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُوْنَ الْبَغْلِ خَطْوُهَا عِنْدَ مُنْتَهٰى طَرَفِهَا فَرَكِبْتُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قائما يصلي في قبره ثم عرج به هو ومن ذكر من الأنبياء إلى السماوات فلقيهم النبي صلى الله عليه وسلم ثم اجتمعوا في بيت المقدس فحضرت الصلاة فأمهم نبينا صلى الله عليه وسلم قال وصلاتهم في أوقات مختلفة(فتح الباري لابنِ حجر، ج٦ ص٤٨٧، قوله باب قول الله تعالى واذكر في الكتاب مريم إذ انتبذت من أهلها)

يجوز أن يكون لروحه اتصال بجسده في الأرض فلذلك يتمكن من الصلاة وروحه مستقرة في السماء (فتح الباري لابنِ حجر، ج٧ص٢١٢، قوله باب المعراج)

قوله :لما أتى السماء السادسة فإذا موسى؟ وقد قال في حديث آخر :رأيت موسى ليلة الإسراء وهو يصلي في قبره؟ قلت :لا إشكال في ذلك على قول من يقول بتعدد الإسراء ، وعلى قول من يقول : بأن الإسراء مرة واحدة، فالجواب :أن موسى، عليه الصلاة والسلام، صعد إلى السماء السادسة بعد أن رآه النبي صلى الله عليه وسلم، في قبره حتى اجتمع به هناك، وما ذلك على الله بعزيز . ولا على موسى بكثير(عمدة القاري للعيني، ج١٧ص٢٧، باب المعراج)

يحتمل أن تكون رؤيته موسى في قبره عند الكثيب الأحمر كانت قبل صعود النبي صلى الله عليه وسلم إلى السماء وفي طريقه إلى بيت المقدس ثم وجد موسى قد سبقه إلى السماء ويحتمل أنه صلى الله عليه وسلم رأى الأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم وصلى بهم على تلك الحال لأول ما رآهم ثم سألوه ورحبوا به أو يكون اجتماعه بهم وصلاته ورؤيته موسى بعد انصرافه ورجوعه عن سدرة المنتهى والله أعلم(شرح النووي علىٰ مسلم ،ج٢ص٢٣٨، باب الإسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم إلى السماوات وفرض الصلوات)

[۱] ذلك ليس بحكم التكليف بل بحكم الإكرام والتشريف لأنهم حبب إليهم في الدنيا الصلاة فلزموها ثم توفوا وهم على ذلك فتشرفوا بإبقاء ما كانوا يحبونه عليه فتكون عبادتهم إلهامية كعبادة الملائكة لا تكليفية(فيض القدير للمناوي،تحت حديث رقم ١٧٨١، ج٥ص٥١٩، حرف الميم)

وَمَعِیْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسِرْتُ فَقَالَ انْزِلْ فَصَلِّ فَفَعَلْتُ فَقَالَ أَتَدْرِیْ أَيْنَ صَلَّيْتَ صَلَّيْتَ بِطَيْبَةَ وَإِلَيْهَا الْمُهَاجَرُ ثُمَّ قَالَ انْزِلْ فَصَلِّ فَصَلَّيْتُ فَقَالَ أَتَدْرِیْ أَيْنَ صَلَّيْتَ صَلَّيْتَ بِطُوْرِ سَيْنَاءَ حَيْثُ كَلَّمَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ قَالَ انْزِلْ فَصَلِّ فَنَزَلْتُ فَصَلَّيْتُ فَقَالَ أَتَدْرِیْ أَيْنَ صَلَّيْتَ صَلَّيْتَ بِبَيْتِ لَحْمٍ حَيْثُ وُلِدَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ (نسائی) [۱]

---

[۱] حدیث نمبر ۴۵۰، کتاب الصلاۃ، باب فرض الصلاۃ، مکتب المطبوعات الإسلامية - حلب، واللفظ لہٗ، تاریخ مدینة دمشق لابن عساکر، تحت ترجمة یزید بن عبد الرحمن بن أبی مالک هانئ الهمدانی، ج۶۵ ص ۲۸۱ و ص ۲۸۲.

نسائی کی حدیث کی سند درج ذیل ہے:

أخبرنا عمرو بن هشام قال حدثنا مخلد عن سعيد بن عبد العزيز قال حدثنا يزيد بن أبی مالک قال حدثنا أنس بن مالک.

اوراس روایت میں مذکور راویوں کے بارے میں محدثین کلام بالترتیب درج ذیل ہے:

(۱)...... **عمرو بن هشام الحرانی** أبو أمية ثقة من العاشرة مات سنة خمس وأربعين س (تقريب التهذيب ج ۱ ص ۷۴۸)

(۲)...... **مخلد بن يزيد القرشی** أبو يحيى، ويُقال :أبو خداش ويُقال :أبو الجيش، ويُقال :أبو الحسن............قال أبو بكر الأثرم عن أحمد بن حنبل :لا بأس به، وكان يهم.وَقَال عثمان بن سَعِيد الدارمی عن يحيى بن مَعِين، وأبو داود، ويعقوب بن سفيان :ثقة . وَقَال أبو حاتم :صدوق.وَقَال أحمد بن علی الابار :سألت علی بن ميمون عنه، فقال :كان قرشيا، نعم الشيخ.وذكره ابنُ حِبَّان فی كتاب "الثقات (تهذيب الكمال ج۲۷ ص ۳۴۳ تا ۳۴۵ ملخصاً)

(۳)...... **سَعِيد بن عبد العزيز** بن أَبی يحيى التنوخی، أبو محمد، ويُقال :أبو عبد العزيز، الدمشقی، فقيه أهل الشام ومفتيهم بدمشق بعد الأَوزاعِيّ...........قال عَبد الله بن أحمد بن حنبل، عَن أبيه :ليس بالشام رجل أصح حديثًا من سَعِيد بن عبد العزيز، هو والأَوزاعِيّ عندی سواء .وَقَال إسحاق بن منصور عن يحيى بن مَعِين، وأبو حاتم، وأحمد بن عَبد الله العجلی : ثقة.وَقَال عَمْرو بن علی :حديث الشاميين كلهم ضعيف إلا نفرا، منهم :الأَوزاعِيّ، وسَعِيد بن عبد العزيز، وعبد الرحمن بن ثابت بن ثوبان، وعبد الله بن العلاء بن زبر......وَقَال الحاكم أبو عبد الله : سَعِيد بن عبد العزيز لاهل الشام كمالک بن أنس لاهل المدينة فی التقدم والفضل والفقه والامانة.وَقَال النَّسَائی :ثقة ثبت.(تهذيب الكمال ج۱۰ ص ۵۳۹ تا ۵۴۴ ملخصاً)

(۴)...... **يزيد بن عبد الرحمن بن أَبی مالک**، واسمه هانئ، الهمدانی الدمشقی الفقيه،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: (معراج کی رات میں) میرے پاس ایک جانور (براق) لایا گیا جو کہ گدھے سے اونچا اور خچر سے چھوٹا تھا، اس کے قدم حدِ نظر پر پڑتے تھے، تو میں اس پر سوار ہو گیا، اور میرے ساتھ جبریل علیہ السلام بھی تھے، پھر میں چلا تو حضرت جبریل نے فرمایا کہ یہاں اتر کر (نفل) نماز پڑھ لیجئے، میں نے اتر کر نماز پڑھی، پھر جبریلِ امین نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کس جگہ نماز پڑھی؟ آپ نے طَیبہ (یعنی مدینہ طیبہ) میں نماز پڑھی ہے، جہاں آپ (بعد میں) ہجرت فرمائیں گے، پھر (ایک مقام پر پہنچ کر) جبریلِ امین نے کہا کہ (یہاں بھی) اتر کر نماز پڑھیے، میں نے اتر کر نماز پڑھی، پھر جبریلِ امین نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی، آپ نے طورِ سینا میں اس جگہ نماز پڑھی، جہاں اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا، پھر (ایک مقام پر پہنچ کر) جبریلِ امین نے کہا (یہاں بھی) اتر کر نماز پڑھئے، میں نے اتر کر نماز پڑھی، پھر جبریلِ امین نے کہا آپ نے کہاں نماز پڑھی؟ آپ نے دراصل بیتِ لحم میں نماز پڑھی، جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی (ترجمہ ختم)

اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ مضمون اس طرح مروی ہے کہ:

حَتّٰی بَلَغْنَا أَرْضًا ذَاتَ نَخْلٍ فَأَنْزَلَنِیْ، فَقَالَ :صَلِّ .فَصَلَّیْتُ، ثُمَّ رَکِبْنَا ,

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قاضی دمشق ......وَقَال عبد الرحمن بن أَبی حاتم :سئل أبی عنه ، فقال :من فقهاء الشام وهو ثقة ، وسئل أبو زُرُعَة عنه فأثنی علیه خیرا .وَقَال المفضل بن غسان الغلابی :الولید ویزید ابنا أبی مالک أخوان لیس بحدیثهما بأس .وَقَال الدَّارَقُطْنِیُّ ، وأبو بکر البرقانی : من الثقات .وذکره ابنُ حِبَّان فی کتاب "الثقات "(تهذیب الکمال ج۳۲ص ۱۸۹ تا ۱۹۱ ملخصاً)

پس اس حدیث کی سند معتبر ہے، البتہ اس حدیث کو علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے منکر قرار دیا ہے۔

راجع :الفصول فی السیرة، لابنِ کثیر، فصل ۔ الأماکن التی حلها ،فی ذکر الأماکن التی حلها صلوات الله و سلامه علیه و هی الرحلات النبویة .

مگر حضرت شداد بن اوس کی حدیث اس کی مؤید ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، اس لئے ہمیں اتنے مضمون کے منکر ہونے سے اتفاق نہیں، جو ہم نے اوپر ذکر کیا۔ محمد رضوان۔

فَقَالَ :أَتَدْرِیْ أَیْنَ صَلَّیْتَ؟قُلْتُ :اَللّٰہُ أَعْلَمُ قَالَ :صَلَّیْتَ بِیَثْرِبَ، صَلَّیْتَ بِطَیْبَةَ، فَانْطَلَقَتْ تَھْوٰی بِنَا یَقَعُ حَافِرُھَا حَیْثُ أَدْرَکَ طَرْفُھَا، ثُمَّ بَلَغْنَا أَرْضًا فَقَالَ :اَنْزِلْ، فَنَزَلْتُ، ثُمَّ قَالَ :صَلِّ، فَصَلَّیْتُ، ثُمَّ رَکِبْنَا، فَقَالَ: أَتَدْرِیْ أَیْنَ صَلَّیْتَ؟ قُلْتُ :اَللّٰہُ أَعْلَمُ قَالَ :صَلَّیْتَ بِمَدْیَنَ، صَلَّیْتَ عِنْدَ شَجَرَةِ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ، ثُمَّ انْطَلَقَتْ تَھْوٰی بِنَا یَقَعُ حَافِرُھَا حَیْثُ أَدْرَکَ طَرْفُھَا، ثُمَّ بَلَغْنَا أَرْضًا بَدَتْ لَنَا قُصُوْرٌ، فَقَالَ :اَنْزِلْ فَنَزَلْتُ فَقَالَ: صَلِّ فَصَلَّیْتُ، ثُمَّ رَکِبْنَا قَالَ :أَتَدْرِیْ أَیْنَ صَلَّیْتَ؟ قُلْتُ اَللّٰہُ أَعْلَمُ .قَالَ: صَلَّیْتَ بِبَیْتِ لَحْمٍ، حَیْثُ وُلِدَ عِیْسٰی -عَلَیْهِ السَّلَامُ- الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ،الحدیث (دلائل النبوۃ) [1]

---

[1] للبیھقی، ج۲ص۳۵۵،دار الکتب العلمیة -بیروت،واللفظ لہٗ، مسند البزار حدیث نمبر ۳۴۸۴،المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۷۱۴۲، مسند الشامیین للطبرانی حدیث نمبر ۱۸۹۴ ،تھذیب الآثار للطبری حدیث نمبر ۲۷۷۵.

قال البیھقی بعد نقل الحدیث الکامل:

هَذَا إِسْنَادٌ صَحِیحٌ وَرُوِی ذَلِکَ مُفَرَّقًا فِی أَحَادِیثَ غَیْرِهِ، وَنَحْنُ نَذْکُرُ مِنْ ذَلِکَ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَی مَا حَضَرَنَا(حوالہ بالا)

وقال الھیثمی:

رواه البزار والطبرانی فی الکبیر، إلا أن الطبرانی قال فیه " :قد أخذ صاحبک الفطرة، وإنه لمهدی .وقال فی وصف جهنم کیف وجدتها؟ قال :مثل الحمة السخنة ."وفیه إسحاق بن إبراهیم بن العلاء ، وثقه یحیی بن معین، وضعفه النسائی(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۴،مکتبة القدسی، القاهرة)

قال ابن کثیر :

هکذا رواه البیهقی من طریقین عن أبی إسماعیل الترمذی، به . ثم قال بعد تمامه: "هذا إسناد صحیح، وروی ذلک مفرقًا فی أحادیث غیره، ونحن نذکر من ذلک إن شاء الله ما حضرنا ."ثم ساق أحادیث کثیرة فی الإسراء کالشاهد لهذا الحدیث .وقد روی هذا الحدیث عن شداد بن أوس بطوله الإمام أبو محمد عبد الرحمن بن أبی حاتم فی تفسیره، عن أبیه، عن إسحاق بن إبراهیم بن العلاء الزبیدی، به .ولا شک أن هذا الحدیث -أعنی الحدیث المروی عن شداد بن أوس -مشتمل علی أشیاء منها ما هو صحیح کما ذکره البیهقی، ومنها ما هو منکر، کالصلاة فی بیت لحم، وسؤال الصدیق عن نعت بیت المقدس، وغیر ذلک .والله أعلم(تفسیر ا بن کثیر، ج۵ص۲۴، تحت آیت ۱ من سورة الاسراء)

ترجمہ: یہاں تک کہ ہم بہت کھجوروں والی زمین میں پہنچے، جبریلِ امین نے مجھے براق سے نیچے اتارا، اور فرمایا کہ نماز پڑھیے، تو میں نے نماز پڑھی، پھر ہم سوار ہوئے، تو جبریلِ امین نے فرمایا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی؟ میں نے کہا کہ اللہ اعلم، جبریلِ امین نے کہا کہ آپ نے یثرب میں نماز پڑھی، آپ نے طیبہ میں نماز پڑھی، پھر وہ براق روانہ ہوا، ہمیں اتنی تیزی سے لے جا رہا تھا کہ اس کی حدِ نظر پر اس کے قدم پڑتے تھے، پھر ہم ایک جگہ پہنچے، تو جبریلِ امین نے کہا کہ اتر جائیے، تو میں اتر گیا، پھر جبریلِ امین نے کہا کہ نماز پڑھیے، تو میں نے اتر کر نماز پڑھی، پھر ہم سوار ہوئے، تو جبریلِ امین نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی، میں نے کہا کہ اللہ اعلم، جبریلِ امین نے کہا کہ آپ نے مدین میں نماز پڑھی، آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے درخت کے قریب نماز پڑھی (جہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کیا تھا) پھر ہم چلے اور براق ہمیں اتنی تیزی سے لے جا رہا تھا کہ اس کی حدِ نظر پر اس کے قدم پڑتے تھے، پھر ہم ایک زمین پر پہنچے، جہاں سے ہمیں بلند عمارات نظر آئیں، تو جبریلِ امین نے کہا کہ اتریئے، تو میں اتر گیا، پھر انہوں نے فرمایا کہ نماز پڑھیے، تو میں نے نماز پڑھی، پھر ہم سوار ہوئے، جبریلِ امین نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ کہاں نماز پڑھی؟ میں نے کہا کہ اللہ اعلم، جبریلِ امین نے کہا کہ آپ نے بیتِ لحم میں نماز پڑھی، جہاں عیسیٰ مسیح ابنِ مریم علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی، آخر حدیث تک (ترجمہ ختم)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ متبرک جگہوں اور شریف مقامات پر نماز پڑھنا برکت کا باعث ہے، بشرطیکہ اس مقام سے مخلوق کی بے جا تعظیم مقصود نہ ہو، خوب سمجھ لیجئے، نازک بات ہے، بعض لوگ اس میں بہت غلو کرنے لگتے ہیں اور بدعت وشرک کی حرکات تک آگے بڑھ جاتے ہیں (نشرالطیب بتغیر)

یہودیت وعیسائیت کے داعی اور دنیا کا آپ کو پکارنا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

فَانْطَلَقَ بِیْ یَضَعُ یَدَهٗ عِنْدَ مُنْتَهٰی بَصَرِهٖ، فَسَمِعْتُ نِدَاءً عَنْ یَّمِیْنِیْ :یَا مُحَمَّدُ عَلٰی رِسْلِکَ أَسْأَلُکَ، فَمَضَیْتُ ولَمْ أُعَرِّجْ عَلَیْهِ؛ ثُمَّ سَمِعْتُ نِدَاءً عَنْ شِمَالِیْ :یَا مُحَمَّدُ عَلٰی رِسْلِکَ أَسْأَلُکَ ، فَمَضَیْتُ ولَمْ أُعَرِّجْ عَلَیْهِ؛ ثُمَّ اسْتَقْبَلَتْ امْرَأَةً فِی الطَّرِیْقِ، فَرأَیْتُ عَلَیْهَا مِنْ کُلِّ زِیْنَةٍ مِنْ زِیْنَةِ الدُّنْیَا رَافِعَةً یَدَهَا، تَقُوْلُ :یَا مُحَمَّدُ عَلٰی رِسْلِکَ أَسْأَلُکَ، فَمَضَیْتُ ولَمْ أُعَرِّجْ عَلَیْهَا، ثُمَّ أَتَیْتُ بَیْتَ الْمَقْدِسِ، أَوْ قَالَ الْمَسْجِدَ الْأَقْصٰی، فَنزلْتُ عَنِ الدَّابَّةِ فَأَوْثَقْتُهَا بِالْحَلْقَةِ الَّتِیْ کَانَتِ الْأَنْبِیَاءُ تُوْثِقُ بِهَا، ثُمَّ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَصَلَّیْتُ فِیْهِ، فَقَالَ لِیْ جِبْرَئِیْلُ :مَاذَا رَأَیْتَ فِیْ وَجْهِکَ، فَقُلْتُ :سَمِعْتُ نِدَاءً عَنْ یَّمِیْنِیْ أَنْ یَّا مُحَمَّدُ عَلٰی رِسْلِکَ أَسْأَلُکَ، فَمَضَیْتُ ولَمْ أُعَرِّجْ عَلَیْهِ، قالَ :ذَاکَ دَاعِیُ الْیَهُوْدِ، أَمَا لَوْ أَنَّکَ وَقَفْتَ عَلَیْهِ لَتَهَوَّدَتْ أُمَّتُکَ، قَالَ :ثُمَّ سَمِعْتُ نِدَاءً عَنْ یَّسَارِیْ أَنْ یَّا مُحَمَّدُ عَلٰی رِسْلِکَ أَسْأَلُکَ، فَمَضَیْتُ وَلَمْ أُعَرِّجْ عَلَیْهِ، قالَ : ذَاکَ دَاعِیُ النَّصَارٰی، اَمَا اَنَّکَ لَوْ وَقَفْتَ عَلَیْهِ لَتَنَصَّرَتْ أُمَّتُکَ، قُلْتُ :ثُمَّ اسْتَقْبَلَتْنِیْ امْرَأَةٌ عَلَیْهَا مِنْ کُلِّ زِیْنَةٍ مِنْ زِیْنَةِ الدُّنْیَا رَافِعَةً یَدَهَا تَقُوْلُ عَلٰی رِسْلِکَ، أَسْأَلُکَ، فَمَضَیْتُ ولَمْ أُعَرِّجْ عَلَیْهَا، قَالَ :تِلْکَ الدُّنْیَا تَزَیَّنَتْ لَکَ، أمَا اَنَّکَ لَوْ وَقَفْتَ عَلَیْهَا لَاخْتَارَتْ أُمَّتُکَ الدُّنْیَا عَلَی الْآخِرَةِ (تفسیر الطبری) [1]

---

[1] ج۷ ا ص ۳۴۴، تحت آیت ۱ من سورة الاسراء، مؤسسة الرسالة، بیروت، واللفظ لهٗ، تهذیب الآثار للطبری، حدیث نمبر ۲۷۲۶، دلائل النبوة، ج۲ص۲۹۰.

قال البیهقی: أَمْثَلُ إِسْنَادًا (حواله بالا)

ترجمہ: پھر وہ براق مجھے لے کر چلا، اپنے پاؤں حدِ نظر پر رکھ رہا تھا، پھر میں نے اپنے دائیں طرف آواز سنی کہ اے محمد! ذرا ٹھہر جایئے، آپ سے کچھ پوچھنا ہے ،تو میں چلتا رہا، اوراس کی طرف توجہ نہیں کی، پھر میں نے اپنی بائیں طرف سے آواز سنی، کہ اے محمد ذرا ٹھہر جایئے، آپ سے کچھ پوچھنا ہے، تو میں چلتا رہا، اوراس کی طرف توجہ نہیں کی، پھر راستے میں میرے سامنے ایک عورت آئی، جس پر دنیا کی ہر طرح کی زیب وزینت کا سامان تھا اوراس نے اپنے ہاتھ اٹھا رکھے تھے، اور یہ کہہ رہی تھی کہ اے محمد ذرا ٹھہر جایئے، آپ سے کچھ پوچھنا ہے، تو میں چلتا رہا، اور میں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی، پھر میں بیت المقدس آیا، یا یہ فرمایا کہ مسجدِ اقصیٰ آیا، پھر میں براق سے نیچے اترا، اوراس کو اس حلقے میں باندھ دیا، جس میں انبیاء باندھا کرتے تھے، پھر میں مسجد میں داخل ہوا، اوراس میں نماز پڑھی، پھر مجھے جبریلِ امین نے کہا کہ آپ نے راستے میں کیا دیکھا تھا؟ میں نے کہا کہ میں نے اپنی دائیں جانب سے یہ آواز سنی تھی کہ اے محمد ذرا ٹھہر جایئے، آپ سے کچھ پوچھنا ہے، تو میں گزر گیا، اور میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، تو جبریلِ امین نے فرمایا کہ وہ یہودیت کا داعی تھا، اگر آپ ٹھہر جاتے تو آپ کی امت یہودی ہوجاتی، میں نے کہا کہ پھر میں نے اپنی بائیں جانب سے یہ آواز سنی تھی کہ اے محمد ذرا ٹھہر جایئے، آپ سے کچھ پوچھنا ہے، تو میں گزر گیا، اور میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، جبریلِ امین نے فرمایا کہ وہ نصرانیت کا داعی تھا، اگر آپ اس کی آواز پر ٹھہر جاتے تو آپ کی امت نصرانی ہوجاتی، میں نے کہا کہ پھر میرے سامنے ایک عورت آئی، جس پر دنیا کی ہر طرح کی زیب وزینت کا سامان تھا اوراس نے اپنے ہاتھ اٹھا رکھے تھے، اور یہ کہہ رہی تھی کہ اے محمد ذرا ٹھہر جایئے، آپ سے کچھ پوچھنا ہے، تو میں چلتا رہا، اور میں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی، جبریلِ امین نے فرمایا کہ وہ دنیا تھی، جو مزین ہوکر آپ کے سامنے آئی تھی، اگر آپ اس کی آواز پر ٹھہر جاتے، تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی (ترجمہ ختم)

اس حدیث کی سند پر اگر چہ کچھ کلام ہے (فی ابی جعفر الرازی، کما مر) مگر اس کی تائید دوسری حدیث سے ہوتی ہے۔ [1]

فائدہ: اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ باطل مذاہب کے داعی اور مبلّغین کی زبانی یا تحریری باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ دنیا عمر کے آخری حصہ سے گزر رہی ہے اور وہ بوڑھی ہو چکی ہے لیکن اوپر سے زیب وزینت اور نمود ونمائش کی وجہ سے ظاہر بین کو دیکھنے میں خوبصورت معلوم ہوتی ہے، لہٰذا دنیا کی ظاہری زیب وزینت اور نمود ونمائش سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے اور اس کی خاطر اپنی آخرت کو برباد نہیں کرنا چاہئے۔

حضرت ابراہیم، موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کا سلام کرنا اور شیطان کا پکارنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

فَسَارَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا ھُوَ بِعَجُوْزٍ عَلٰی جَنْبِ

---

[1] عَنِ ابْنِ أَبِی لَیْلَی، عَنْ أَخِیهِ عِیسَی، عَنْ أَبِیهِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِی لَیْلَی، أَنَّ جِبْرِیلَ، أَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْبُرَاقِ، فَحَمَلَهُ بَیْنَ یَدَیْهِ، وَجَعَلَ یَسِیرُ بِهِ، فَإِذَا بَلَغَ مَكَانًا مَطَاطِیًا طَالَتْ یَدَاهَا وَقَصُرَتْ رِجْلَاهَا حَتَّی تَسْتَوِیَ بِهِ، وَإِذَا بَلَغَ مَكَانًا مُرْتَفِعًا قَصُرَتْ یَدَاهَا وَطَالَتْ رِجْلَاهَا حَتَّی تَسْتَوِیَ، ثُمَّ عَرَضَ لَهُ رَجُلٌ عَنْ یَمِینِ الطَّرِیقِ، فَجَعَلَ یُنَادِیهِ :یَا مُحَمَّدُ إِلَی الطَّرِیقِ مَرَّتَیْنِ، فَقَالَ جِبْرِیلُ :امْضِ وَلَا تُكَلِّمْ أَحَدًا ثُمَّ عَرَضَ لَهُ رَجُلٌ عَنْ یَسَارِ الطَّرِیقِ وَحْدَهُ فَقَالَ لَهُ :إِلَی الطَّرِیقِ یَا مُحَمَّدُ مَرَّتَیْنِ، فَقَالَ لَهُ جِبْرِیلُ :امْضِ وَلَا تُكَلِّمْ أَحَدًا، ثُمَّ عَرَضَتْ لَهُ امْرَأَةٌ حَسْنَاءُ جَمْلَاءُ فَقَالَ لَهُ جِبْرِیلُ :هَلْ تَدْرِی مَنِ الرَّجُلُ الَّذِی عَنْ یَمِینِ الطَّرِیقِ؟، فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :لَا قَالَ :تِلْكَ الْیَهُودُ، دَعَتْكَ إِلَی دِینِهِمْ، ثُمَّ قَالَ :هَلْ تَدْرِی مَنِ الرَّجُلُ الَّذِی دَعَاكَ عَلَی یَسَارِ الطَّرِیقِ؟ قَالَ لَا قَالَ تِلْكَ النَّصَارَی دَعَتْكَ إِلَی دِینِهِمْ، هَلْ تَدْرِی مَنِ الْمَرْأَةُ الْحَسْنَاءُ الْجَمْلَاءُ؟ قَالَ: تِلْكَ الدُّنْیَا، تَدْعُوكَ إِلَی نَفْسِهَا (المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث نمبر ۳۸۷۹)

قال الھیثمی:

رواہ الطبرانی فی الاوسط ھکذا مرسلا وقال لا یروی عن ابن أبی لیلی إلا بھذا الاسناد ومع الارسال فیہ محمد بن عبد الرحمن بن أبی لیلی وھو ضعیف .(مجمع الزوائد، ج ۱ ص ۷۷،۷۸، مکتبۃ القدسی، القاھرۃ)

وقال البوصیری:ھذا حدیث مدارہ علی أبی ھارون العبدی، وھو ضعیف .ولہ شاھد من حدیث أبی ھریرۃ، رواہ البزار فی مسندہ مطولا جدًّا(اتحاف الخیرۃ المھرۃ، ج ۱ ص ۱۵۰ ،کتاب الایمان، باب فی الاسراء،دار الوطن للنشر، الریاض)

الطَّرِيْقِ، فَقَالَ :مَا هٰذِهٖ يَا جِبْرِيْلُ؟ ، قَالَ :سِرْ يَا مُحَمَّدُ فَسَارَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّسِيْرَ ، فَإِذَا شَيْءٌ يَدْعُوْهُ مُتَنَحِّيًا عَنِ الطَّرِيْقِ :هَلُمَّ يَا مُحَمَّدُ قَالَ لَهٗ جِبْرِيْلُ :سِرْ يَا مُحَمَّدُ .فَسَارَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّسِيْرَ ، قَالَ :ثُمَّ لَقِيَهٗ خَلْقٌ مِنَ الْخَلْقِ ، فَقَالَ أَحَدُهُمْ :اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَوَّلُ ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا آخِرُ ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَاشِرُ .فَقَالَ لَهٗ جِبْرِيْلُ :اُرْدُدِ السَّلَامَ يَا مُحَمَّدُ ، قَالَ :فَرَدَّ السَّلَامَ ، ثُمَّ لَقِيَهُ الثَّانِيْ ، فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ مَقَالَةِ الْأَوَّلِ ، ثُمَّ لَقِيَهُ الثَّالِثُ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ مَقَالَةِ الْأَوَّلِيْنَ ، حَتّٰى انْتَهٰى إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ ، فَعَرَضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ وَاللَّبَنَ وَالْخَمْرَ ، فَتَنَاوَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّبَنَ ، فَقَالَ لَهٗ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ :أَصَبْتَ الْفِطْرَةَ ، لَوْ شَرِبْتَ الْمَاءَ لَغَرِقْتَ وَغَرِقَتْ أُمَّتُكَ ، وَلَوْ شَرِبْتَ الْخَمْرَ لَغَوَيْتَ وَغَوِيَتْ أُمَّتُكَ ، ثُمَّ بُعِثَ لَهٗ آدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ ، فَأَمَّهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ ، ثُمَّ قَالَ لَهٗ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ :أَمَّا الْعَجُوْزُ الَّتِيْ رَأَيْتَ مِنْ عَلٰى جَنْبِ الطَّرِيْقِ ، فَلَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا بَقِيَ مِنْ تِلْكِ الْعَجُوْزِ ، وَأَمَّا الَّذِيْ أَرَادَ أَنْ تَمِيْلَ إِلَيْهِ ، فَذَاكَ عَدُوُّ اللّٰهِ إِبْلِيْسُ أَرَادَ أَنْ تَمِيْلَ إِلَيْهِ ، وَأَمَّا الَّذِيْنَ سَلَّمُوْا عَلَيْكَ ، فَذَاكَ إِبْرَاهِيْمُ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ (تهذيب الآثار) [۱]

ترجمہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے، تو آپ نے راستہ کے کنارے پر ایک بوڑھی عورت کو دیکھا تو معلوم کیا کہ اے جبریل یہ کیا ہے؟ تو جبریل نے فرمایا کہ اے محمد چلتے رہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے، جتنا اللہ تعالیٰ نے چلانا چاہا، پھر کوئی راستے سے ایک طرف کو ہٹ کر آواز دے رہا تھا، اور کہہ رہا تھا کہ اے محمد! ادھر آیئے، جبریلِ امین نے کہا کہ اے محمد چلتے رہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے

[۱] للطبری، حدیث نمبر ۱۷۵، ج ۱ ص ۴۱۰، مطبعة المدنی، قاهرة، واللفظ لهٗ، دلائل النبوة للبيهقي ج ۲ ص ۳۶۱، ۳۶۲.

رہے، جتنا اللہ تعالیٰ نے چلانا چاہا، پھر اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق سے ملاقات ہوئی، ان میں سے کسی نے کہا، آپ پر سلام ہوائے اول، آپ پر سلام ہوائے آخر، آپ پر سلام ہوائے حاشر، جبریل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد ان کے سلام کا جواب دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا، پھر دوسری مرتبہ کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی، اور پہلی مرتبہ کی طرح ان سے بھی مکالمہ ہوا، پھر تیسری مرتبہ بھی پہلی دو مرتبہ کی طرح کا مکالمہ ہوا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس تک پہنچ گئے، پھر آپ پر پانی اور دودھ اور شراب پیش کی گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کو لے لیا، آپ کو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے فطرت کو پایا ہے، اگر آپ پانی پی لیتے، تو آپ اور آپ کی امت غرق ہوجاتی، اور اگر آپ شراب کو پی لیتے، تو آپ اور آپ کی امت بھٹک جاتی، پھر آپ کے لئے حضرت آدم اور ان سے نیچے کے نبی جمع کئے گئے، جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات امامت فرمائی، پھر آپ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ وہ بڑھیا جو آپ نے راستے کے کنارے پر دیکھی تھی، وہ دنیا تھی، دنیا کی عمر اتنی ہی قلیل اور تھوڑی باقی رہ گئی ہے جتنی اس بوڑھی عورت کی عمر باقی ہے، اور وہ راستے سے ہٹا ہوا اللہ کا دشمن ابلیس تھا، جو آپ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتا تھا، اور جنہوں نے آپ کو سلام کیا وہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلاۃ السلام تھے (ترجمہ ختم)

علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے اس حدیث کے الفاظ پر نکارت اور غرابت کا حکم لگایا ہے۔ [1]

مگر اس کی سند کے رجال معتبر ہیں، سوائے ایک راوی کے، کہ ان کا حال معلوم نہیں۔ [2]

---

[1] وفی بعض ألفاظه نكارة وغرابة (تفسیر ابنِ كثیر، ج۵ ص ۱۱ تحت آیت ۱ من سورة الاسراء)

[2] چنانچہ تہذیب الآثار کی سند یہ ہے:

حدثنی یونس بن عبد الأعلى الصدفی، قال: أخبرنا ابن وهب، قال: حدثنی یعقوب بن عبد الرحمن الزهری، عن أبیه، عن عبد الرحمن بن هاشم بن عتبة بن أبی وقاص، عن أنس بن مالك.

یونس بن عبد الاعلیٰ صدفی تو مسلم کے رجال میں سے ہیں، ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا کی طرح شیطان بھی بوڑھا ہو چکا ہے۔مگر اس کے باوجود وہ بہکانے اور گمراہ کرنے کی کوشش میں برابر لگا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں۔

حضرت ابراہیم، موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کا قیامت کے متعلق گفتگو کرنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ اور عبداللہ بن وھب اور یعقوب بن عبدالرحمٰن قاری، اور آپ کے والد عبدالرحمٰن بن محمد القاری بھی ثقہ ہیں، اور عبدالرحمٰن بن ہاشم بن عتبہ کے بارے میں محدثین کا کوئی کلام نہیں مل سکا۔

(۱)...... **یونس بن عبد الأعلى** الصدفي المصري. روى عن ابن عيينة والشافعي وابن وهب وخلق. وعنه مسلم والنسائي وابن ماجه وأبو زرعة وأبو حاتم وخلق(طبقات الحفاظ ج ا ص ۴۴)

يونس بن عبد الأعلى بن ميسرة الصدفي أبو موسى المصري ثقة، من صغار العاشرة مات سنة أربع وستين وله ست وتسعون سنة م س ق(تقريب التهذيب ج۲ ص ۳۴۹)

يونس بن عبد الاعلى عالم الديار المصرية الامام أبو موسى الصدفي المصرى الحافظ المقرء الفقيه. مولده في آخر سنة سبعين ومائة قرأ القرآن على ورش وغيره، وسمع من سفيان بن عيينة والوليد بن مسلم وابن وهب ومعن ابن عيسى وابى ضمرة والشافعي وعدة وتفقه بالشافعي.

اخذ عنه القراء ة اسامة التجيبي وابن خزيمة وابن جرير الطبرى. حدث عنه (م س ق) وابو بكر بن زياد وابن ابى حاتم وابو طاهر المديني وخلائق روى عن الشافعي قال: ما رأيت بمصر احدا اعقل من يونس وقال يحيى بن حسان: هو ركن من اركان الاسلام. وقال (س) وغيره: ثقة وقال ابن ابى حاتم: سمعت ابى يوثق يونس ويرفع من شانه(تذكرة الحفاظ ج۲ ص۵۲۷)

(۲)...... **عبد الله بن وهب** بن مسلم القرشي مولاهم أبو محمد المصري الفقيه ثقة حافظ عابد من التاسعة مات سنة سبع وتسعين وله اثنتان وسبعون سنة(تقريب التهذيب ج ا ص ۵۴۵)

(۳)...... **يعقوب بن عبد الرحمن** بن محمد بن عبد الله بن عبد القاري، بتشديد التحتانية المدني نزيل الإسكندرية حليف بني زهرة ثقة من الثامنة، مات سنة إحدى وثمانين(تقريب التهذيب ج۲ ص ۳۳۸)

(۴)...... **عبد الرحمن بن محمد** بن عبد الله بن عبد القاري: يروى عن أبيه. روى عنه ابنه يعقوب بن عبد الرحمن، ويعقوب بن عبد الرحمن الإسكندراني. ذكره ابن حبان في الثقات. روى له أبو جعفر الطحاوي(مغانی الاخيار ج۳ص ۲۴۰، تحت رقم الترجمة ۱۵۴۳)

عبد الرحمن بن محمد بن عبد الله بن عبد القاري وهو والد يعقوب ابن عبد الرحمن الاسكندراني روى عن اخيه ابراهيم بن محمد بن عبد الله ابن عبد القاري وابيه روى عنه ابنه يعقوب بن عبد الرحمن، سمعت ابى يقول ذلك. قال أبو محمد روى عنه مالك بن انس ومحمد بن اسحاق وسفيان بن عيينة. نا عبد الرحمن قال ذكره ابى عن اسحاق بن منصور عن يحيى بن معين قال: عبد الرحمن بن محمد بن عبد القاري ثقة(الجرح والتعديل لابنِ ابى حاتم ج۵ص ۲۸۱، تحت رقم الترجمة ۱۳۳۷)

لَمَّا أُسْرِیَ لَيْلَةَ أُسْرِیَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِیَ إِبْرَاهِيْمَ، وَمُوْسٰی، وَعِيْسٰی فَتَذَاكَرُوا السَّاعَةَ فَبَدَءُ وْا بِإِبْرَاهِيْمَ فَسَأَلُوْهُ عَنْهَا، فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهٗ مِنْهَا عِلْمٌ، ثُمَّ مُوْسٰی، فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهٗ مِنْهَا عِلْمٌ، فَتَرَاجَعُوْا الْحَدِيْثَ إِلٰی عِيْسٰی، فَقَالَ عِيْسٰی: عَهِدَ اللّٰهُ إِلَیَّ فِيْمَا دُوْنَ وَجْبَتِهَا فَلَا نَعْلَمُهَا، قَالَ: فَذَكَرَ مِنْ خُرُوْجِ الدَّجَّالِ، فَأَهْبِطُ فَاقْتُلُهٗ، وَيَرْجِعُ النَّاسُ إِلٰى بِلَادِهِمْ فَيَسْتَقْبِلُهُمْ يَأْجُوْجُ وَمَأْجُوْجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ، فَلَا يَمُرُّوْنَ بِمَاءٍ إِلَّا شَرِبُوْهُ وَلَا يَمُرُّوْنَ بِشَیْءٍ إِلَّا أَفْسَدُوْهُ فَيَجْأَرُوْنَ إِلَی اللّٰهِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ فَيُمِيْتُهُمْ فَتَجْأَرُ الْأَرْضُ إِلَى اللّٰهِ مِنْ رِيْحِهِمْ وَيَجْأَرُوْنَ إِلَیَّ، فَأَدْعُوا اللّٰهَ فَيُرْسِلُ السَّمَاءَ بِالْمَاءِ فَيَحْمِلُ أَجْسَامَهُمْ فَيَقْذِفُهَا فِی الْبَحْرِ، ثُمَّ يَنْسِفُ الْجِبَالَ، وَتُمَدُّ الْأَرْضُ مَدَّ الْأَدِيْمِ فَعَهِدَ اللّٰهُ إِلَیَّ إِذَا كَانَ ذٰلِكَ، فَإِنَّ السَّاعَةَ مِنَ النَّاسِ كَالْحَامِلِ الْمُتِمِّ لَا يَدْرِیْ أَهْلُهَا مَتٰی تَفْجَأُهُمْ بِوِلَادَتِهَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا (مستدرک حاکم) [1]

---

[1] حدیث نمبر ۳۴۴۸، ج۲ص ۴۱۶،دار الکتب العلمیة -بیروت،واللفظ لهٗ، وحدیث نمبر ۸۵۰۲،مسند احمد حدیث نمبر ۳۵۵۶، سنن ابنِ ماجه حدیث نمبر ۴۰۸۱،مسند ابی یعلیٰ الموصلی ، حدیث نمبر ۵۲۹۴،السنن الواردة فی الفتن للدانی، حدیث نمبر ۵۲۹،مسند ابن ابی شیبة، حدیث نمبر ۳۰۳.

قال الحاکم تحت حدیث رقم ۳۴۴۸:هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ فَأَمَّا مُؤْثِرٍ فَلَيْسَ بِمَجْهُولٍ "قَدْ رُوِیَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَالْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ وَرَوَی عَنْهُ جَمَاعَةٌ مِنَ التَّابِعِينَ.

وقال الذهبی فی التلخیص:صحیح.

وقال الحاکم تحت حدیث رقم ۸۵۰۲:هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ

وقال الذهبی فی التلخیص:صحیح.

وقال الکنانی:هذا إسناد صحیح رجاله ثقات مؤثر بن عفازة ذکره ابن حبان فی الثقات وباقی رجال الاسناد ثقات رواه أبو بکر بن أبی شیبة عن یزید بن هارون بإسناده ومتنه ورواه أبو یعلی الموصلی ثنا أبو خیثمة ثنا یزید بن هارون فذکره نحوه ورواه الحاکم فی المستدرک عن أبی العباس أحمد بن محمد المحبوبی عن سعید بن مسعود عن یزید بن هارون به وقال هذا حدیث صحیح الإسناد (مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجه ،ج۲ص ۲۰۲، کتاب الفتن،باب فتنة الدجال وخروج عیسی ابن مریم وخروج یأجوج ومأجوج،دار العربیة -بیروت)

وقال حسین سلیم أسدفی حاشیة مسند ابی یعلیٰ :إسناده حسن

ترجمہ: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سیر کرائی گئی، تو آپ کی حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات ہوئی، جو قیامت (کی آمد) کے متعلق گفتگو فرما رہے تھے، انہوں نے پہلے اس کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس کے بارے میں علم نہیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار فرمایا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ جہاں تک قیامت کے قائم ہونے کا معاملہ ہے، تو اس کا حتمی علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں، البتہ جو عہد میرے اللہ نے مجھ سے کیا ہے ، اس میں یہ ہے کہ دجال نکلے گا، اور میں اتر کر اسے قتل کروں گا، اور لوگ اپنے شہروں کی طرف جائیں گے، تو ان کو یاجوج ماجوج ملیں گے، اور وہ ہر اونچائی سے نیچے اتریں گے، تو وہ جس پانی کے قریب سے بھی گزریں گے، اسے پی لیں گے، اور جس چیز کے پاس سے بھی گزریں گے، اسے خراب کردیں گے، پھر لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونگے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے، تو اللہ تعالیٰ انہیں (یعنی یاجوج ماجوج کو) ہلاک کردیں گے، پھر زمین اللہ سے ان (مرے، سڑے ہوئے یاجوج ماجوج کے جسموں ولاشوں) کی بدبو سے پناہ چاہے گی، اور لوگ میری طرف متوجہ ہونگے، تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا، پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل فرمائیں گے، اور وہ بارش کا پانی ان کے جسموں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گا، پھر اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو اکھاڑیں گے، اور زمین کو چمڑے کی طرح پھیلا دیا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے عہد فرمایا ہے کہ جب یہ واقعات ہونگے، تو قیامت لوگوں کے قریب اس طرح ہوجائے گی، جیسے کہ پورے دنوں کی گابھن (حاملہ) اونٹنی کی حالت ہوتی ہے، کہ اس کے گھر والوں کو معلوم نہیں کہ کس وقت رات یا دن میں اچانک اس کے بچہ پیدا ہوجائے (ترجمہ ختم)

فائدہ: معلوم ہوا کہ قیامت کا قطعی علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے البتہ قُربِ قیامت کی کچھ نشانیاں ہیں جن سے قیامت کی آمد کو پہچانا جاسکتا ہے انہیں میں سے ایک بڑی نشانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا

آسمان سے نازل ہونا اور دجّال کا خروج نیز یاجوج ماجوج کا برآمد ہونا ہے (ان نشانیوں کی تفصیلات مستقل کتابوں میں موجود ہیں، ان کا علم حاصل کرنا چاہئے تاکہ قُربِ قیامت کے فتنوں سے حفاظت رہے)

فرعون کی قتل کی ہوئی ایک مؤمنہ عورت کی قبر سے خوشبو کا آنا

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الَّتِي أُسْرِيَ بِيْ فِيْهَا، أَتَتْ عَلَيَّ رَائِحَةٌ طَيِّبَةٌ، فَقُلْتُ :يَا جِبْرِيلُ، مَا هٰذِهِ الرَّائِحَةُ الطَّيِّبَةُ ؟ فَقَالَ :هٰذِهِ رَائِحَةُ مَاشِطَةِ ابْنَةِ فِرْعَوْنَ وَأَوْلَادِهَا قَالَ،قُلْتُ :وَمَا شَأْنُهَا ؟ قَالَ :بَيْنَا هِيَ تُمَشِّطُ ابْنَةَ فِرْعَوْنَ ذَاتَ يَوْمٍ، إِذْ سَقَطَتِ الْمِدْرَى مِنْ يَدَيْهَا، فَقَالَتْ :بِسْمِ اللّٰهِ .فَقَالَتْ لَهَا ابْنَةُ فِرْعَوْنَ :أَبِيْ ؟ قَالَتْ :لَا، وَلٰكِنْ رَبِّيْ وَرَبُّ أَبِيْكِ اللّٰهُ .قَالَتْ :أُخْبِرُهُ بِذٰلِكَ قَالَتْ :نَعَمْ .فَأَخْبَرَتْهُ فَدَعَاهَا، فَقَالَ :يَا فُلَانَةُ، وَإِنَّ لَكِ رَبًّا غَيْرِيْ ؟ قَالَتْ :نَعَمْ، رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ .فَأَمَرَ بِبَقَرَةٍ مِنْ نُحَاسٍ فَأُحْمِيَتْ، ثُمَّ أَمَرَ بِهَا أَنْ تُلْقٰى هِيَ وَأَوْلَادُهَا فِيْهَا، قَالَتْ لَهُ :إِنَّ لِيْ إِلَيْكَ حَاجَةً .قَالَ :وَمَا حَاجَتُكِ ؟ قَالَتْ :أُحِبُّ أَنْ تَجْمَعَ عِظَامِيْ وَعِظَامَ وَلَدِيْ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ، وَتَدْفِنَنَا .قَالَ :ذٰلِكَ لَكِ عَلَيْنَا مِنَ الْحَقِّ ،قَالَ:فَأَمَرَ بِأَوْلَادِهَا فَأُلْقُوْا بَيْنَ يَدَيْهَا، وَاحِدًا وَاحِدًا، إِلٰى أَنِ انْتَهٰى ذٰلِكَ إِلَى صَبِيٍّ لَهَا مُرْضَعٍ، كَأَنَّهَا تَقَاعَسَتْ مِنْ أَجْلِهٖ، قَالَ :يَا أُمَّهْ، اِقْتَحِمِيْ، فَإِنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ، فَاقْتَحَمَتْ قَالَ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ :تَكَلَّمَ أَرْبَعَةٌ صِغَارٌ :عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَصَاحِبُ جُرَيْجٍ، وَشَاهِدُ يُوْسُفَ، وَابْنُ مَاشِطَةِ ابْنَةِ فِرْعَوْنَ(مسند احمد) [1]

---

[1] حديث نمبر ۲۸۲۱ ،مؤسسة الرسالة، بيروت، مسند عبدالله بن العباس، واللفظ لهٗ، المعجم الكبير للطبراني حديث نمبر ۱۲۲۷۹ ، شعب الايمان للبيهقي حديث نمبر ۱۵۱۹ ، مستدرك حاكم حديث نمبر ۳۸۳۵،مسند البزار، حديث نمبر ۵۰۶۷، ابن ماجه حديث نمبر ۴۰۳۰،مسند الشاميين، حديث نمبر ۲۷۳۳.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: اس رات جس میں مجھے معراج کرائی گئی، مجھے (ایک مقام پر پہنچ کر) بہت خوشگوار خوشبو محسوس ہوئی، میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کیا خوشبو ہے؟ جبریل نے فرمایا: کہ یہ فرعون کی بیٹی کی باندی، اور اس کی اولاد کی خوشبو ہے،فرمایا: میں نے جبریل سے پوچھا کہ اس کا کیا قصہ ہے؟ جبریل نے فرمایا: کہ اس دوران جبکہ وہ ایک دن فرعون کی بیٹی کی کنگھی کررہی تھی،تو کنگھی اس کے ہاتھ سے گر پڑی،تواس نے بسم اللہ کہا،تو فرعون کی بیٹی نے کہا،کیا میرے باپ مراد ہیں؟ (یعنی خدائی کا جھوٹا دعویدار) باندی نے کہا، بلکہ میرا اور تیرے باپ کا رب اللہ ہے، بیٹی نے کہا کہ میں باپ کو بتا دوں؟ اس نے کہا: بتا دے، میرا اور تیرا بھی رب اللہ ہے۔لڑکی نے فرعون کو بتا دیا، فرعون نے اس کو طلب کیا،اور کہا اے فلانی! کیا تیرا میرے علاوہ بھی کوئی رب ہے؟ کہا کہ ہاں میرا اور تیرا رب اللہ ہے،پس فرعون نے حکم دیا،ایک پیتل سے بنے ہوئے گائے (یا بیل) کے مجسمے کو (آگ میں تپانے کا) چنانچہ وہ تپایا گیا، پھر فرعون نے اس باندی اور اس کے بچوں کو اس میں ڈالنے کا حکم دیا،اس باندی نے فرعون سے کہا کہ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے،فرعون بولا، کیا حاجت ہے؟ باندی نے کہا میری خواہش ہے (کہ جل مَرنے کے بعد) میری اور میرے بچوں کی ہڈیاں ایک کپڑے میں جمع کر کے دفنا دی جائیں،فرعون نے کہا ٹھیک ہے، یہ تیرا ہم پر حق ہے،جبریل نے فرمایا کہ پھر فرعون نے حکم دیا کہ اس عورت کے بچوں کو اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ایک کر کے اس بیل نما دھاتی تنور میں ڈالا جائے، یہاں تک کہ آخر میں ایک دودھ پیتا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ

وقال الذهبي في التلخيص: صحيح.

إسناده حسن، فقد سمع حماد بن سلمة من عطاء بن السائب قبل الاختلاط عند جمع من الأئمة، وأبو عمر الضرير :اسمه حفص بن عمر البصري روى له أبو داود، وهو صدوق، وباقي رجاله ثقات رجال الصحيح (حاشية مسند احمد)

إسناده حسن،قال الحافظ الذهبي في"العلو"(۱/۴۶)هذا حديث حسن الإسناد (روضة المحدثين، تحت حديث رقم ۴۴۴۶،ج۱۰ص۲۱)

بچہ رہ گیا، گویا کہ وہ عورت اس معصوم شیر خوار کی وجہ سے تذبذب میں پڑ گئی، تو شیر خوار بول پڑا کہ اے ماں! آ گ میں کود پڑ، بلاشبہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے کہیں ہلکا ہے، تو وہ باندی آ گ میں داخل ہوگئی، راوی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چار بچوں نے بچپن میں کلام کیا ہے، عیسیٰ بن مریم، جریج درویش کی پاکدامنی کی گواہی دینے والا بچہ، یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی دینے والا بچہ، اور چوتھا فرعون کی بیٹی کی کنگھی، پٹی کرنے والی اس خاتون کا بچہ (ترجمہ ختم)

فائدہ: بعض شہیدوں کی قبر سے خوشبو کا آنا کرامت کی قسم ہے۔

دوسروں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور خود عمل نہ کرنے والے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَتَیْتُ عَلٰی سَمَاءِ الدُّنْیَا لَیْلَةَ أُسْرِیَ بِیْ، فَرَأَیْتُ فِیْھَا رِجَالًا تُقْطَعُ أَلْسِنَتُھُمْ وِشِفَاھُھُمْ بِمَقَارِیْضَ مِنْ نَارٍ، فَقُلْتُ: یَا جِبْرِیْلُ، مَا ھٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: ھٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ مِنْ أُمَّتِکَ (مسند أبی یعلی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں معراج کی رات میں آسمانِ دنیا پر آیا، تو میں نے اس میں ایسے لوگوں کو دیکھا جن کی زبانیں اور ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے، میں نے کہا کہ اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ آپ کی امت کے خطیب (جو ''یقولون مالا یفعلون'' کے مصداق ہیں یعنی دوسروں کو ایسی باتوں کی نصیحت کرتے ہیں جن پر عمل نہیں کرتے اور اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے) (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

---

[1] حدیث نمبر ۴۱۶۰، مسند انس بن مالک، دار المأمون للتراث -دمشق.
قال حسین سلیم أسد: حدیث صحیح (حاشیة مسند ابی یعلیٰ)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ عَلٰى قَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَارٍ .قَالَ :قُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ ؟ قَالُوْا :خُطَبَاءُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا مِمَّنْ كَانُوْا يَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ ، وَيَنْسَوْنَ أَنْفُسَهُمْ، وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتَابَ، أَفَلَا يَعْقِلُوْنَ (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات میں میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا کہ جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے، میں نے کہا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ دنیادار خطیب ہیں، جو لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہیں، اور اپنے آپ کو بُھلا دیتے ہیں، اور وہ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں، کیا یہ سمجھتے نہیں (ترجمہ ختم)

---

[1] حديث نمبر ١٢٢١١، مؤسسة الرسالة، بيروت.

حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف لضعف علي بن زيد بن جدعان، لكن قد توبع كما سيأتي، وباقي رجال الإسناد ثقات رجال الصحيح .وسيتكرر من هذا الطريق برقم (١٢٨٥٦).وهو في "الزهد "لوكيع (٢٩٧)ومن طريقه أخرجه أيضاً ابن أبي شيبة ٣٠٨/١۴، وأبو يعلى(٣٩٩٦) وأخرجه ابن المبارك في الزهد(٨١٩)وعبد بن حميد(١٢٢٢) وابن أبي الدنيا في "الصمت "(٥١٣)والخطيب في تاريخ بغداد١٩٩/٦ ،٢٠٠و١٢/۴٧، وفي "موضح أوهام الجمع والتفريق "١٧٠/٢، والبغوي في شرح السنة(۴١٥٩)، وفي تفسيره ٦٨/١٥ من طرق عن حماد بن سلمة، بهذا الإسناد.وأخرجه أبو يعلى(۴٠٦٩)والبيهقي في شعب الإيمان(۴٩٦٥)من طريق معتمر بن سليمان، وأبو نعيم في الحلية١٧٢/٨ من طريق ابن المبارك، كلاهما عن سليمان التيمي، عن أنس .والإسنادان صحيحان .وأخرجه ابن أبي حاتم في تفسير سورة البقرة(۴٧٦)والبيهقي في شعب الإيمان(۴٩٦٦)من طريق هشام الدستوائي، عن المغيرة بن حبيب ختن مالك ابن دينار، عن ثُمامة، عن أنس .وإسناده محتمل للتحسين .وأخرجه البيهقي(۴٩٦٦)من طريق صدقة بن موسى، عن مالك بن دينار، عن ثمامة، عن أنس .وصدقة ضعيف.وأخرجه أبو يعلى(۴١٦٠)وابن حبان (٥٣)وأبو نعيم في الحلية٣٨٦/٢، ٣٨٧من طريق المغيرة بن حبيب، وأبو نعيم ۴٣/٨، ۴۴ من طريق إبراهيم بن أدهم، كلاهما عن مالك بن دينار، عن أنس -بإسقاط ثمامة.وأخرجه البيهقي في الشعب(۴٩٦٧)من طريق سفيان، عن خالد بن سلمة المخزومي، عن أنس . وإسناده منقطع، خالد لم يسمع من أنس.وسيأتي من طريق علي بن زيد برقم(١٣۴٢١)و(١٣٥١٥)وفي الباب عن أسامة بن زيد، سيأتي ٢٠٥/٥ (حاشيه مسند احمد)

فائدہ: اگر وہ مقرر اور خطیب مراد لئے جائیں جو گمراہی میں ڈالنے والے ہیں، تو کوئی شبہ نہیں ہوتا، کیونکہ جو خطیب دین کے رنگ میں گمراہی کی باتیں کریں اور لوگوں کو گمراہ کریں، ان کا عذاب میں مبتلا ہونا ظاہر ہے اور اگر یہ مراد لیا جائے کہ خود عمل نہیں کرتے تھے تب بھی واقعہ یہ ہے کہ دوسروں کو وعظ ونصیحت کرنے پر اکتفاء کرنا انسان کی نجات کے لئے کافی نہیں، بلکہ خود عمل کرنا بھی ضروری ہے، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر خود عمل نہ کرے تو دوسرے کو نصیحت بھی نہ کرے، بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو وعظ ونصیحت بھی کرے اور اسی کے ساتھ خود بھی عمل کرے، اور صرف وعظ ونصیحت کرنے اور خود عمل سے غفلت برتنے کو اپنی نجات کے لئے کافی نہ سمجھے۔

سود خور کو عذاب میں مبتلا دیکھنا

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ رَجُلًا يَسْبَحُ فِيْ نَهَرٍ وَيُلْقَمُ الْحِجَارَةَ، فَسَأَلْتُ مَا هٰذَا، فَقِيْلَ لِيْ: آكِلُ الرِّبَا (مسند احمد) [1]

ترجمہ: اللہ کے نبی نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات میں ایک آدمی کو دیکھا کہ جو نہر میں تیر رہا ہے اور پتھر کو لقمہ بنا بنا کر کھا رہا ہے، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب میں مجھے بتایا گیا کہ یہ سود خور ہے (ترجمہ ختم)

---

[1] حديث نمبر ٢٠١٠١، مؤسسة الرسالة، بيروت.

حديث صحيح، وهذا إسناد قوى، رجاله ثقات رجال الشيخين غير عبد الوهاب -وهو ابن عطاء الخفّاف -فمن رجال مسلم، وهو صدوق لا بأس به .عوف :هو ابن أبى جميلة الأعرابى، وأبو رجاء :هو عمران بن مِلْحان العُطاردى.

وأخرجه البيهقى فى شعب الإيمان(٥٥٠٩)من طريق عبد الوهاب بن عطاء، بهذا الإسناد .قلنا :كذا قال عبد الوهاب بن عطاء عن عوف بن أبى جميلة" :رأيت ليلة أسرى بى"، وهو مما تفرّد به عبد الوهاب، فقد رواه أصحاب عوف عنه، فلم يذكروا أن ذلك كان فى ليلة الإسراء، بل هى رؤيا رآها النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فى منامه(حاشية مسند احمد)

فائدہ: وہ بطورِ عذاب کے پتھر کھانے پر مجبور تھا۔

اس واقعہ سے سود کھانے والوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ:

فَأَتَيْتُ عَلٰى قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ كَالْبُيُوْتِ فِيْهَا الْحَيَّاتُ تُرٰى مِنْ خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ، قُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ ؟قَالَ هٰؤُلَاءِ أَكَلَةُ الرِّبَا (مسند احمد) [1]

ترجمہ: پھر میں ایسی قوم کے پاس آیا جن کے پیٹ کمروں کی طرح تھے ان میں سانپ تھے جو باہر سے نظر آ رہے تھے میں نے کہا کہ اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل نے کہا کہ یہ سود خور ہیں (ترجمہ ختم)

اندازہ لگایئے کہ سود خوروں کے لئے کتنا خطرناک عذاب ہے، آج سود دنیا میں عام ہے، سود خوروں کی بھرمار ہے، سود کی لعنت میں بے شمار لوگ مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں۔

غیبت اور آبرو ریزی کرنے والے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا عَرَجَ بِيْ رَبِّيْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ، يَخْمُشُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ .فَقُلْتُ :مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ ؟ قَالَ :هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ، وَيَقَعُوْنَ فِيْ أَعْرَاضِهِمْ (مسنداحمد) [2]

---

[1] حديث نمبر ۸۶۴۰، مؤسسة الرسالة، بيروت.
إسناده ضعيف لضعف علی بن زيد، وجهالة أبی الصلت (حاشية مسند احمد)

[2] حديث نمبر ۱۳۳۴۰، مؤسسة الرسالة، بيروت.
إسناده صحيح على شرط مسلم من جهة عبد الرحمن بن جبير، وأما متابعه راشد بن سعد، فمن رجال أصحاب السنن، وهو ثقة .أبو المغيرة :هو عبد القدوس بن الحجاج الخولانی، وصفوان :هو ابن عمرو السَّكسكی .وأخرجه الضياء فی المختارة (۲۲۸۵) من طريق عبد الله بن أحمد، عن أبيه، بهذا الإسناد. وأخرجه أبو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے میرے رب نے معراج کرائی، تو میرا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ان ناخنوں سے چھیلتے تھے، میں نے کہا کہ اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آدمیوں کا گوشت کھاتے ہیں (یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں) اور ان کی آبروریزی کرتے ہیں (ترجمہ ختم)

فائدہ: آج غیبت اور دوسرے کی عزت پر کیچڑ اُچھالنے کا مرض عام ہے، ہماری کوئی مجلس ومحفل ہی شاید غیبتوں سے خالی ہوتی ہو، اور بات بات میں دوسرے کی بے عزتی کرنے میں بھی بہت سے لوگ اور خواتین مبتلا ہیں، غیبت، طعنہ زنی اور زبان درازی کرنے والوں کو اس واقعہ سے نصیحت حاصل کرنی چاہئے۔

پچھنے لگوانے کی تاکید

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ مَا مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِىَ بِىْ، بِمَلَإٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، إِلَّا كُلُّهُمْ يَقُوْلُ لِىْ :عَلَيْكَ، يَا مُحَمَّدُ بِالْحِجَامَةِ (ابن ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات فرشتوں کی جس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

داود(۴۸۷۸)و(۴۸۷۹)وابن أبي الدنيا في الصمت(۵۷۷)والطبراني في الأوسط(۸)وفي الشاميين(۹۳۲)والبيهقي في الشعب(۶۷۱۶)وفي الآداب(۱۳۸)والبغوي في "التفسير "۴/۲۱۶، والضياء(۲۲۸۶)من طريق أبي المغيرة عبد القدوس الخولاني، به.وأخرجه أبو داود (۴۸۷۸)والبيهقي في الشعب(۶۷۱۶)وفي الآداب(۱۳۸)من طريق بقية، عن صفوان، بهوأشار أبو داود بإثر الحديث(۴۸۷۸)إلى أن يحيى بن عثمان حدثه بهذا الحديث عن بقية مرسلاً ليس فيه أنس (حاشيه مسنداحمد)

[1] حديث نمبر ۳۴۷۷، كتاب الطب، باب الحجامة.

جماعت کے پاس سے بھی گزرا، تو سب نے مجھے یہ کہا کہ محمد! آپ پچھنے (یعنی فصد) لگوانے کا ضرور اہتمام کیجیے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

حَدَّثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَيْلَةِ أُسْرِىَ بِهٖ أَنَّهٗ لَمْ يَمُرَّ عَلٰى مَلَإٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا أَمَرُوْهُ أَنْ مُرْ أُمَّتَكَ بِالْحِجَامَةِ (ترمذی) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات کے بارے میں یہ بات بیان فرمائی کہ وہ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گزرتے تھے، تو وہ یہ کہتے تھے کہ آپ اپنی امت کو پچھنے لگوانے (یعنی فصد کھلوانے) کا حکم دیجئے (ترجمہ ختم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔ [۲]

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی پچھنے لگوائے ہیں، اس سے جسم کا زائد اور خراب خون نکل جاتا ہے، آج بلڈ پریشر کا جو عام مرض ہو گیا ہے، یہ اس کا بہت عمدہ علاج ہے، مگر آج لوگوں نے اسے بالکل ہی چھوڑ دیا ہے، آج کل سادے طریقے پر پچھنے لگانے والے تو نایاب ہیں البتہ بعض ماہر طبیب جدید طریقوں پر مخصوص انداز میں بدن کا غیر ضروری خون نکال کر اس مقصد کو پورا کر دیتے ہیں، اس طرح بھی پچھنے لگوانے کا مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ [۳]

---

[۱] حدیث نمبر ۲۰۵۲، ابواب الطب، باب ماجاء فی الحجامة، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

قال الترمذی: وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ

[۲] حَدَّثَنَا جُبَارَةُ بْنُ الْمُغَلِّسِ قَالَ: حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ سُلَيْمٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :مَا مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي بِمَلَإٍ، إِلَّا قَالُوا: يَا مُحَمَّدُ، مُرْ أُمَّتَكَ بِالْحِجَامَةِ " (ابن ماجه، حديث نمبر ۳۴۷۹، كتاب الطب، باب الحجامة)

[۳] عرج به أى حين صعد به إلى السماء ليلة المعراج ما مر أى هو على ملأ أى جماعة عظيمة تملأ العيون من كثرتها إلا قالوا عليك بالحجامة أى ألزمها لزوما مؤكدا قال التوربشتى وجه مبالغة الملائمة فى الحجامة سوى ما عرفوا فيها من المنفعة التى تعود إلى الأبدان هو أن الدم ركب من القوى النفسانية الحائلة بين العبد وبين الترقى إلى ملكوت السموات والوصول إلى الكشوف الروحانية وبغلبته يزداد جماح النفس وصلابتها فإذا نزف الدم يورثها ذلك خضوعا وخمودا ولينا ورقة وبذلك تنقطع الأدخنة المنبعثة عن النفس الأمارة وتنحسم مادتها فتزداد البصيرة نورا إلى نورها (مرقاة المفاتيح، ج۷ص ۲۸۴۰، كتاب اللباس، باب الترجل، دار الفكر، بيروت -لبنان)

انتباہ: ملحوظ رہے کہ اسراء ومعراج سے متعلق بعض اور احادیث وروایات بھی آئی ہیں، جو تحقیق کرنے پر سند کے اعتبار سے مستند معلوم نہیں ہوئی، اس لئے ان کو شامل نہیں کیا گیا۔

اہم بات

آخر میں ایک ایسی اہم بات کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ جو معراج کے تقریباً تمام واقعات وحالات سے قدرِ مشترک کے طور پر معلوم ہوتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ آج کل بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عالمُ الغیب ہونے کی نسبت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام غیب کی باتوں کا علم تھا، حالانکہ یہ بات درست نہیں، عالمُ الغیب تو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہی ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم اور مشیّت سے جتنا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمادیا، اتنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم حاصل ہوگیا، اور جتنا علم عطا نہیں فرمایا، اتنا علم حاصل نہیں ہوا۔

جس کی تائید معراج کے واقعات وحالات سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جگہ جگہ جبریل علیہ السلام سے مختلف چیزوں کے بارے میں سوالات کئے، اور معلومات حاصل کیں۔

پس اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام غیب کی باتوں کے عالم ہوتے تو بار باران سوالات ومعلومات کے حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟؟؟

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان

۱۱/ رجب ۱۴۲۳ھ 18/ستمبر 2002ء بروز جمعرات۔

اضافہ واصلاح: ۶/ رمضان ۱۴۲۷ھ بمطابق 30/ستمبر 2006ء بروز جمعرات

اضافہ واصلاح بارِ دوم: ۲۹/ ربیع الاول/۱۴۳۲ھ 05/ مارچ/ 2011ء بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی

ماہِ رجب کے چند اہم تاریخی واقعات

(مرتب: مولانا طارق محمود: ادارہ غفران، راولپنڈی)

پہلی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

۲ ...... ماہِ رجب ۲ھ میں مصر واسکندریہ کے بادشاہ مقوقس قبطی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ بھیجا (تقویم تاریخی از عبدالقدوس ہاشمی صاحب ص۲)

اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت کا خط لکھا، تو اس نے بڑے اچھے طریقے سے خط کا جواب دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درج ذیل تحفے بھیجے (۱) دو عدد باندیاں جن میں ایک حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے (۲) ایک ہزار مثقال سونا (۳) یعفور نامی حمار (۴) دلدل نامی خچر (۵) ۳۰ عدد مصر کے نفیس کپڑے (۶) عمدہ شہد (۷) لکڑی کی شامی سرمہ دانی (۸) کنگھا (۹) آئینہ (عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۲۳۴)

۲ ...... ماہِ رجب ۲ھ میں تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمان چند مہینوں سے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، اس کے بعد پھر دوبارہ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا۔
(فتح الباری ج ۱، کتاب الایمان، باب الصلوٰۃ من الایمان، سیرت ابن ہشام ج ۳)

۲ ...... ماہِ رجب ۲ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا۔

نکاح کی مجلس بالکل سادہ اور تکلفاتِ زمانہ سے بالکل خالی اور مروجہ رسوم سے پاک تھی اس مبارک نکاح کی تقریب میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے، نکاح کا خطبہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھا (سیرت سیدنا علی المرتضیٰ

ص۵۵و۵۶۔مرتبہ مولانا محمد نافع صاحب)

۳ ......**ماہِ رجب ۸ھ** میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو تین سوصحابہ کی رفاقت میں قریش کے قافلہ اور بنوحتینہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔

یہ لشکر ''سریہ سیف البحر'' اور ''سریۃ الخبط'' کہلاتا ہے، سیف البحر تو اس لئے کہ یہ ساحل سمندر کی طرف گیا۔سیف البحر کے معنٰی ساحل سمندر۔اور سریہ الخبط اس لئے کہ خبط درخت کے پتوں کو کہتے ہیں جو لاٹھی وغیرہ سے جھاڑے جائیں،اس سفر میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا زادِ سفر ختم ہو گیا تھا اورانہیں درختوں کے پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانے کی نوبت آ ئی تھی، جس سے ان کے جبڑے زخمی ہو گئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی خوراک کا انتظام فرمایا کہ سمندر نے ایک پہاڑ جیسی عنبر نامی مچھلی کنارے پر پھینک دی، یہ تین سو افراد تھے، ایک مہینے تک خوب سیر ہو کر کھائی اوراس کے روغن کی مالش کی ، یہاں تک ان کے جسم خوب فربہ اور تنومند ہو گئے ، اوراس کے باقی ماندہ ٹکڑے اٹھا کر مدینہ لے گئے ، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے تناول فرمایا،اس سریہ میں جنگ کی نوبت نہیں آئی ،اس موقع پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس عنبر نامی مچھلی کی پسلی کھڑی کرنے کا حکم دیا اور سب سے طویل قامت صحابی حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو سب سے لمبے اونٹ پر سوار کر کے اس کے نیچے سے گزارا گیا ، چنانچہ وہ بے تکلف گزر گئے اور وہ پسلی ان کے سر سے اونچی رہی ، نیز حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی آنکھ کے گڑھے میں بیٹھنے کا حکم فرمایا، چنانچہ تیرہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم آسانی سے اس میں بیٹھ گئے (عہد نبوت کے ماہ وسال ص۱۰۵و۱۰۶ملخصاً)

۴ ......**ماہِ رجب ۹ھ** میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔

تبوک شام کے قریب ایک مشہور جگہ کا نام ہے،اس غزوہ کے انتظام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کوشش فرمائی تھی،موسم کی سختی کے لحاظ سے اور مالی وسائل نہ ہونے کے اعتبار سے نہایت مشکل مرحلہ تھا ،اس وجہ سے ہی اس کو ''جیش العسرۃ'' (تنگی کا لشکر) کہا جاتا ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس موقع پر جانی ومالی قربانی کی بے نظیر مثالیں قائم فرمائی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے لئے جاتے وقت اپنے اہل وعیال وخانگی امور کی نگرانی وانتظام کے

لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا (عہد نبوت کے ماہ وسال ص۸۳، سیرت سیدنا علی المرتضیٰ ص۹۴)

r ...... **ماہِ رجب ۱۴ھ** میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں دمشق فتح ہوا (تاریخ ابن خلدون، حصہ اول ص۲۸۴، الاصابہ ج۲ حرف المیم، البدایہ والنہایہ ج۷)

r ...... **ماہِ رجب ۱۵ھ** میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جنگ یرموک کا واقعہ پیش آیا، جس کا واقعہ طویل ہے، اس میں مسلمانوں کو عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الفاروق ص۱۱۲، مولانا شبلی نعمانی صاحب)

r ...... **ماہِ رجب ۱۵ھ** میں صحابیٔ رسول حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص۴)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیعتِ رضوان اور غزوۂ بدر میں شامل رہنے والے صحابہ میں سے تھے، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ اپنی غیر موجودگی میں مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا (صحابہ انسائیکلوپیڈیا ص۵۵۷)

r ...... **ماہِ رجب ۲۰ھ** میں صحابیٔ رسول حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص۵)

یہ انصار صحابہ میں سے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مہاجرین میں سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا اسلامی بھائی بنایا تھا، فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان تھے، ان کی عمدہ اور نفیس تلاوت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے تمہاری قرأت سننے آتے ہیں، اگر تم صبح تک پڑھتے تو لوگ فرشتوں کو کھلی آنکھوں سے دیکھتے (سیر الصحابہ ج۳ ص۲۰۳)

r ...... **ماہِ رجب ۴۳ھ** میں صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص۱۱)

یہ اپنے زمانے میں تورات کے بڑے علماء میں سے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر انہوں نے چند سوالات کئے، اور ان کا صحیح جواب پا کر اسلام

قبول کیا تھا (صحابہ انسائیکلوپیڈیا ص ۶۱۱)

r ...... ماہِ رجب ۴۵ھ میں صحابیٔ رسول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص ۱۲)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو وحی کے لکھنے کا شرف بھی حاصل ہوا، جب وحی آتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بولتے جاتے اور آپ لکھتے جاتے، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں جمع قرآن کا کارنامہ بھی ان ہی نے سرانجام دیا، وراثت کے علم کے ماہر تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سب سے زیادہ میراث کے مسائل جاننے والے زید بن ثابت ہیں (سیر الصحابہ ج ۳ ص ۳۴۹)

r ...... ماہِ رجب ۴۶ھ میں صحابیٔ رسول حضرت عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص ۱۲)

یہ بہت بہادر اور جنگ کے ماہر صحابی تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئے تھے، ان کی وفات زہر آلود پانی پینے کی وجہ سے ہوئی، جو ان کو حمص کے ایک امیر ابن اثال نے دھوکہ سے پلایا تھا۔

(البداية والنهاية ج۸، سراقه بن كعب شهد بدرا ومابعدها عبدالرحمن بن خالد بن خالد بن الوليد)

r ...... ماہِ رجب ۵۲ھ میں صحابیٔ رسول حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص ۱۳)

آپ مصر کی فتح میں شریک تھے، اور فتح اسکندریہ میں آپ کی ایک آنکھ شہید ہوگئی تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے دورِ حکومت میں مصر کا والی بنایا تھا۔

(البداية والنهاية ج۸، ثم دخلت سنة ثنتين وخمسين، معاويه بن خديج)

r ...... ماہِ رجب ۵۴ھ میں صحابیٔ رسول حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص ۱۴)

آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پرورش پائی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرح محبت فرماتے تھے، بڑے بڑے صحابۂ کرام کو ان کی امارت میں حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے لئے بھیجا، جب کہ ان کی عمر ابھی چھوٹی سی تھی، اور یہ فتح یاب ہوکر لوٹے (سیر الصحابہ ج۲ص۱۰۰)

۲ ...... ماہِ رجب ۶۰ھ میں صحابیٔ رسول، کاتبِ وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہادی، مہدی اور امین جیسے القاب سے نوازا تھا، آپ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہونے کی وجہ سے رشتہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برادرِ نسبتی تھے، مشہور یہی ہے کہ آپ رجب کی ۲۲ ؍تاریخ میں فوت ہوئے، انتقال کے وقت آپ کی عمر تقریباً اسّی سال تھی (سیرت حضرت امیر معاویہ، ص ۶۱۱ تا ۶۱۴، مصنفہ: مولانا محمد نافع صاحب) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عالمِ اسلام کی ان چند گنی چُنی شخصیتوں میں سے ہیں جن کے احسان سے یہ امتِ مسلمہ کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ آپ کا شمار اُن بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے ہوتا ہے جن کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلسل حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو وحیِ خداوندی لکھنے کی وجہ سے کاتبِ وحی کہا جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتابتِ وحی کا کام جتنا نازک تھا اور اس کے لئے جس احساسِ ذمہ داری، امانت ودیانت اور علم وفہم کی ضرورت تھی وہ محتاجِ بیان نہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلسل حاضری، کتابتِ وحی، امانت ودیانت اور دوسری پاکیزہ صفات کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ آپ کے لئے دعا فرمائی (ماخوذ از ''ماہِ محرم الحرام کے فضائل واحکام'') آپ کی شان پر بعض لوگوں نے بہت ظلم کیا ہے اور مختلف اعتراضات کئے ہیں جو کہ غلط ہیں، اور عداوت یا کم علمی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں (تفصیل لئے ملاحظہ ہو: ''حضرت امیر معاویہ اور تاریخی حقائق''، مصنفہ: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب و''سیرت حضرت امیر معاویہ مصنفہ: مولانا محمد نافع صاحب، الاصابہ ج۶ حرف المیم، البدایہ ج۴، سنۃ ستین من الہجرۃ النبویۃ، وھذہ ترجمۃ معاویہ)

۳ ...... ماہِ رجب ۷۲ھ میں حضرت عبیدہ سلمانی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۱۸)

قاضی شریح (اپنے دور کے مشہور قاضی) کو آپ اہم امور میں مشورہ دیا کرتے تھے، اور جب قاضی

شریح کسی مشکل میں الجھتے تو آپ سے اس کا حل معلوم کرتے تھے۔
(البداية والنهاية ج ۸،ثم دخلت سنة ثنتين وسبعين)

r ......**ماہِ رجب ۴۷ھ** میں حضرت رویفع رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۱۹)

آپ غزوہ حنین میں شریک رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مصر میں سکونت اختیار کی، حدیث بیان کرنے میں محتاط تھے، ان کے سلسلہ سے صرف آٹھ روایتیں مروی ہیں (لیکن سیرالصحابہ جلد۳ صفحہ ۲۳۸ پر آپ کا سن وفات ۵۶ھ نقل کیا گیا ہے)

r ......**ماہِ رجب ۸۴ھ** میں مصیصہ شہر کو فتح کیا گیا (تقویمِ تاریخی ص۲۱)

مصیصہ روم کا ایک شہر ہے جسے عبید اللہ بن عبد اللہ نے فتح کیا اور پہلی مرتبہ مسلمانوں کو یہاں آباد کیا اور ایک قلعہ تعمیر کر کے تین سو سپاہیوں کو اس کی حفاظت پر مامور کیا (تاریخ ملت ج۱ص۵۹۰)

r ......**ماہِ رجب ۱۰۱ھ** میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی وفات ہوئی اور یزید ثانی کی خلافت قائم ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۲۶)

خلافتِ راشدہ کے بعد ان کی خلافت وحکومت مثالی تھی، آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی ''ام عاصم'' کے بیٹے تھے، آپ نے اسلامی سلطنت کو (جس پر بنو امیہ نے ملوکیت کی چھاپ لگادی تھی) دوبارہ خلافت سے بدل کر خلافتِ راشدہ کے قدم بقدم کر دیا (البدایہ والنہایہ ج۹ ثم دخلت سنۃ احدی ومائۃ، وہذہ ترجمۃ عمر بن عبدالعزیز)

دوسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

r ......**ماہِ رجب ۱۰۱ھ**: میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی وفات کے بعد یزید بن عبدالملک بن مروان خلیفہ بنا۔

یزید بن عبدالملک خلافت سے پہلے علماء کے ساتھ بہت بیٹھا کرتا تھا، جب اس کو خلیفہ بنایا گیا تو اس نے پختہ ارادہ کیا کہ وہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نقشِ قدم پر چلے گا، لیکن اس کے برے ہم نشینوں نے اس کو برائیوں کی ترغیب دی اور اس کو ظلم کرنے پر اکسایا، یزید بن عبدالملک کی خلافت چار سال اور ایک ماہ رہی، شعبان ۱۰۵ھ میں اس کی وفات ہوئی (البدایہ والنہایہ ج۹ خلافۃ یزید بن عبدالملک)

r ...... ماہِ رجب ۱۱۰ھ: میں حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کا پورا نام حسن بن ابی الحسن تھا، آپ کی والدہ ''خیرہ'' ام المومنین حضرت اِم سلمہ رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں، اوران کی خدمت کیا کرتی تھیں، جب آپ چھوٹے تھے اور ماں کا دودھ پیتے تھے، اس دوران آپ کی والدہ کو حضرت اِم سلمہ رضی اللہ عنہا کسی کام سے بھیجتی تھیں تو آپ کو اپنے سینے سے لگا لیتی تھیں، اور آپ کے منہ میں ان کا دودھ بھی چلا جاتا، کہا جاتا ہے کہ آپ کو جو علم وحکمت عطا ہوا تھا وہ اسی دودھ پینے کی برکت تھی، آپ علم وعمل کے جامع تھے اور بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے ۸۸ سال کی عمر میں وفات ہوئی (البدایہ والنہایہ ج۹، فاما الحسن بن ابی الحسن)

r ...... ماہِ رجب ۱۳۳ھ: میں رومیوں نے ایشیائے کوچک کے شہر ''ملیطہ'' پر قبضہ کرلیا (تقویمِ تاریخی ص۳۲)

عباسی خلافت کی بدنظمی سے فائدہ اٹھا کر قیصرِ روم نے ایشیائے کوچک کے سرحدی شہر ''کمخ'' پر حملہ کردیا یہاں کے باشندوں نے ملیطہ کے مسلمانوں کی مدد سے مقابلہ کیا، لیکن ان کو شکست ہوئی ''کمخ'' کے بعد رومیوں نے ملیطہ کو گھیر لیا، اور مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ وہ شہر ان کے حوالے کر کے ملیطہ سے نکل جائیں ان کو کچھ نہیں کہا جائے گا، مسلمانوں نے اس سے انکار کیا، رومیوں نے ان کا محاصرہ اور سخت کرلیا، مسلمانوں میں ان کے مقابلے کی اتنی تاب نہ تھی، اس لئے انہوں نے مجبور ہوکر ملیطہ چھوڑ دیا اور جزیرہ چلے گئے، شہر خالی ہونے پر رومیوں نے اس کو بالکل ویران کردیا، اور یہاں جتنے مسلمان تھے ان کو قتل اور ان کی عورتوں کو قید کرلیا (ابن اثیر ج۵ ص۱۶۷ بحوالہ تاریخ اسلام ج۳ ص۱۴۱ از مولانا شاہ معین الدین صاحب)

r ...... ماہِ رجب ۱۴۱ھ: میں بغداد شہر کی بنیاد رکھی گئی (تقویمِ تاریخی ص۳۶)

عباسی خلیفہ منصور نے اپنے زمانہ میں حکومت کے استحکام کے علاوہ اور بھی بہت سے کارنامے انجام دیئے، اس کا ایک بڑا کارنامہ بغداد کی تعمیر ہے، منصور نے سلطنت کے نظام میں وسعت اور ترقی کی وجہ سے بغداد کو آباد کر کے اس کو دارالخلافہ بنایا، اس کی تعمیر کے لئے منصور نے بڑا اہتمام کیا، مختلف مقاموں کی آب وہوا اور مٹی کا جائزہ لینے کے بعد بابل ونینوا کے ایک خوشگوار اور سرسبز وشاداب

قطعہ جس کو دریائے دجلہ سیراب کرتا تھا منتخب کیا، اور ماہر ترین انجینئروں نے اس کا نقشہ بنایا اور اس کی تعمیر کے لئے دنیا کے مختلف حصوں سے معمار، سنگتراش، نجار اور نقاش وغیرہ ہر قسم کے کاریگر جمع کئے، اور جن ملکوں میں جو تعمیر کا سامان مل سکتا تھا اس کو فراہم کیا (تاریخ اسلام ج۳ ص۱۸۰ از مولانا شاہ معین الدین ندوی)

۲ ...... **ماہِ رجب ۱۵۰ھ:** میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۳۸)

آپ کا نام نعمان اور کنیت ابوحنیفہ اور لقب امامِ اعظم ہے، آپ کا سنِ پیدائش ۸۰ھ ہے، حنیفہ اسے کہتے ہیں جو سب سے ہٹ کر اللہ کا ہو جائے، حنیفہ نام کی آپ کی کوئی صاحبزادی نہیں (جیسا کہ بعض لوگوں میں مشہور ہے) اہلِ سنت کے چار فقہی مسلکوں میں پہلا فقہی مسلک آپ کی طرف منسوب ہے، ابتداء میں آپ کا مسلک عراق کے مختلف شہروں میں پھیلا، پھر دنیا کے دور دراز ملکوں میں اس کی اشاعت ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں بغداد، شام، مصر، روم، بلخ، بخارا، فرغانہ، فارس، ہندوستان، سندھ اور یمن وغیرہ کی حدود واطراف میں پھیل گیا، آج بھی دنیا کے اکثر حصہ میں حنفی مسلک ہی رائج ہے، کسی امام یا مجتہد کی تقلید کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اسے بذاتِ خود واجب الاطاعت سمجھ کر اتباع کی جارہی ہے، یا اُسے شارع (شریعت بنانے والا، قانون ساز) کا درجہ دے کر اس کی ہر بات کو واجب الاتباع سمجھا جارہا ہے، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ پیروی تو قرآن وسنت کی مقصود ہے، لیکن قرآن وسنت کی مراد کو سمجھنے کے لئے بحیثیت شارحِ قانون اُن کی بیان کی ہوئی تشریح وتعبیر پر اعتماد کیا جارہا ہے (ملاحظہ ہو "تقلید کی شرعی حیثیت") امام صاحب کے حلقۂ درس میں علماء وفضلاء کی بڑی جماعت شریک ہوتی تھی، ان میں ہر علم وفن کے مشاہیر ہوتے تھے، امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کی تعداد کئی ہزار ہے، ان کے معاصرین میں کسی محدث یا فقیہ کے شاگردوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے، کتاب وسنت کی تعلیم، فقہ کی تدوین اور تجارتی مصروفیت کے ساتھ امام صاحب نے زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت میں پوری زندگی بسر کی، امام ابوحنیفہ کی شان میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ "مَنْ اَحَبَّ اَبَا حَنِيْفَةَ فَهُوَ سُنِّيٌّ وَمَنْ اَبْغَضَهُ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ" یعنی جو شخص ابوحنیفہ سے محبت کرتا ہے وہ سنی ہے اور جو آپ سے بغض رکھتا

ہے وہ بدعتی ہے (الجواہر المضیۃ ج ۲ ص ۲۴۴) آپ نے صحابۂ کرام کا زمانہ بھی پایا، اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ نے سات صحابۂ کرام کی زیارت کی ہے اور جیسے صحابی ہونے کے لئے بحالتِ ایمان ذاتِ نبوت کا دیدار کافی ہے ایسا ہی تابعی ہونے کے لئے صرف صحابی کا دیکھ لینا کافی ہے۔ روایت نہ تابعی ہونے کے لئے شرط ہے اور نہ صحابی ہونے کے لئے، اس تفصیل سے امام ابوحنیفہ کا یقینی تابعی ہونا ثابت ہوا۔ امام صاحب کو اپنے زمانے کے حکمرانوں سے بڑی تکالیف اٹھانا پڑی تھیں، عراق کے اموی امیر ابن ھبیرہ نے آپ کو قاضی کا عہدہ پیش کیا، آپ کے انکار پر آپ کو روزانہ دس کوڑے لگائے جاتے تھے، یہاں تک کہ کل ۱۱۰ کوڑے مارے گئے، اس کے بعد عباسی دور میں بھی آپ کو قاضی کا عہدہ پیش کیا گیا، انکار پر آپ کو قید کر کے زہر دے دیا گیا، اسی زہر کی وجہ سے جیل میں وفات ہوئی، پچاس ہزار سے زائد افراد نے آپ کا جنازہ پڑھا اور مشرقی بغداد میں دفن ہوئے۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰، ذکر ترجمۃ ای ابو حنیفۃ، سیرت ائمہ اربعہ ص ۱۳۱ تا ۱۷۹ ملخصاً)

۲ ...... ماہِ رجب ۱۵۱ھ: میں حکیم مقنع نے آگ میں کود کر خودکشی کی (تقویمِ تاریخی ص ۴۰)

یہ اصل میں ماوراء النہر (وسطی ایشیا) کے علاقے "مرو" کا باشندہ تھا، اس نے سونے کا ایک چہرہ بنا کر اپنے چہرہ پر لگا لیا، اور خدائی کا دعویٰ کر دیا، اس کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے خود ان کے جسم میں حلول کیا، اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام اور پھر ابو مسلم اور ابو ھاشم میں، اس کا کہنا تھا کہ میرے اندر خدا کی روح ہے، عباسی خلیفہ مہدی نے اس کی سرکوبی کے لئے لشکر بھیجے، بالآخر مقنع کا قلعہ بسام میں محاصرہ کر لیا گیا، اس کے تیس ہزار متبعین نے مسلمانوں سے امان طلب کی اور قلعہ سے باہر نکل آئے، اس کے ساتھ صرف دو ہزار افراد رہ گئے، آخر کار جب مقنع کو اپنی ناکامی کا یقین ہو گیا تو اس نے آگ جلا کر اپنے تمام اہل وعیال کو اس میں دھکا دے دیا پھر خود بھی آگ میں کود کر جل مرا، مسلمانوں نے قلعہ میں داخل ہو کر مقنع کی لاش آگ سے نکالی اور اس کا سر خلیفہ مہدی کے پاس روانہ کیا (تاریخ اسلام حصہ دوم ص ۱۳۱۴ از مولانا اکبر شاہ خان)

۲ ...... ماہِ رجب ۱۶۲ھ: میں حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۴۱)

آپ ابتداء میں "بلخ" کے حکمران تھے، بعض غیبی واقعات (جس کی تفصیل کا موقع نہیں) کی وجہ

سے آپ نے سلطنت چھوڑ کر فقیری اختیار کی، اور بزرگیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے، اور مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے آخر کار مکہ مکرمہ میں مقیم ہوگئے، آپ کے انتقال کے بعد آپ کے مزار کا پتہ نہیں چل سکا، کہ آپ کا مزار کہاں ہے؟ کیونکہ آپ انتقال سے کچھ عرصہ پہلے لاپتہ ہوگئے تھے، بعض حضرات کے خیال میں آپ کا مزار بغداد میں ہے۔ واللہ اعلم۔

(البداية والنهاية ج ۱۰، ابراهيم بن ادهم، تذكره اولياء ص ۲۰)

r ...... **ماہِ رجب ۱۶۴ھ**: میں مشہور راوی عبدالعزیز بن الماجشون رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص ۴۱)

آپ سے بکثرت روایات مروی ہیں، اور فنِ روایتِ حدیث میں آپ ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں (البداية والنهاية ج ۱۰، ثم دخلت سنة اربع وستين ومائة)

r ...... **ماہِ رجب ۱۸۳ھ**: میں حضرت امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص ۴۹)

آپ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے صاحبزادے تھے، اپنے زمانے میں مسلمانوں کے امام تھے، علمِ حدیث میں بلند مقام رکھتے تھے، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے آپ کی احادیث روایت کی ہیں، آپ مدینہ منورہ میں مقیم تھے، خلیفۂ وقت مہدی نے حکومت کے خلاف بغاوت کی غلط فہمی کی وجہ سے آپ کو گرفتار کرلیا تھا، لیکن خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی: ''فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ'' (سورہ محمد)

یعنی ''تو کیا تم سے یہی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد مچاؤ اور رشتہ داریاں کاٹ ڈالو'' مہدی کی آنکھ کھلی تو ابھی رات باقی تھی اس نے صبح کا انتظار بھی نہیں کیا اور امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کو بلا کر آپ سے حکومت کے خلاف بغاوت نہ کرنے کا وعدہ لے کر رہا کردیا، لیکن بعد میں جب ہارون الرشید خلیفہ بنا تو اس نے بھی شاید اسی قسم کی غلط فہمی کی وجہ سے آپ کو قید کردیا، اور اسی قید کے دوران آپ کی وفات ہوگئی (سیر الصحابہ ج ۹ ص ۳۵۸)

r ...... **ماہِ رجب ۱۹۸ھ**: میں محدث حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۵۰)

آپ کی ولادت ۱۰۷ھ ہوئی، آپ کے خاندان کا تعلق کوفہ سے تھا، آپ سے بکثرت احادیث

مروی ہیں، احادیث میں آپ کو ثقہ کا مقام حاصل تھا، اور آپ کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا تھا، ۹۱ سال کی عمر میں وفات ہوئی اور ''جحون'' کے مقام پر دفن ہوئے (طبقات ابن سعد مترجم ج۳ص۴۰۹)

تیسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

r ...... **ماہِ رجب ۲۰۴ھ:** میں امام شافعی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تقویمِ تاریخی ص۵۱)

آپ کا اصل نام محمد بن ادریس تھا، اہلِ سنت کی فقہ کے چار اماموں میں سے مشہور امام اور صاحبِ مذہب ہیں، امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے تلمیذِ رشید اور عظیم شاگرد امام محمد رحمہ اللہ کے اخص الخاص اور بلند پایہ اخلاق وصفات کے حامل شاگرد تھے، آپ موصوف سات برس کی عمر میں نہ صرف یہ کہ مکمل حفظ کر چکے تھے بلکہ اس کے معانی اور تفسیر پر بھی مکمل عبور حاصل کر چکے تھے، دس برس کی عمر میں حدیث کی صحیح ترین ضخیم کتاب مؤطا امام مالک جو کہ اس وقت کے اعتبار سے حدیث کا ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا تھا حفظ فرما چکے تھے، اور کمال تو یہ کہ محض نو راتوں میں پوری کتاب حفظ یاد کر لی تھی، اور چودہ برس کی عمر میں فقہی اعتبار سے ایک پیچیدہ فتویٰ حل فرما کر اپنے استاد امام مالک رحمہ اللہ سے باقاعدہ فتویٰ دینے کی اجازت حاصل کی، عربی زبان اور اس کی وضاحت وبلاغت میں مہارت کے ساتھ ساتھ آپ اصولِ فقہ یعنی اسلامی قانون کے اصولوں میں لکھی جانے والی کتب کے پہلے مصنف بھی ہیں، بقول ایک مغربی مستشرق کے کہ ''امام شافعی اسلامک لاء کے سب سے پہلے سسٹمائزر (Systemiser) (یعنی نصوص میں پھیلے ہوئے اصولی وفروعی احکام کو دستوری اور قانونی شکل میں مرتب کرنے والے) ہیں'' آپ اپنے وقت کے ایک عظیم قادر الکلام فصیح خطیب اور انتہا درجے کے فیاض اور سخی تھے، آپ کی پیدائش ۱۵۰ھ میں اور وفات رجب کے آخر میں ۲۰۴ھ پنجشنبہ کے دن جمعہ کی رات (چون برس کی عمر میں) مصر میں ہوئی۔

(العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۶۴، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۲۸، تھذیب التھذیب ج ۹ ص ۲۶، سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۵۰۲، تھذیب الکمال ج۳ص ۲۹۸)

r ...... **ماہِ رجب ۲۱۸ھ:** میں عباسی خلیفہ مامون الرشید کا انتقال ہوا (تقویمِ تاریخی ص۵۵)

اس کا اصل نام عبداللہ تھا، اور یہ ہارون الرشید کا بیٹا تھا، مامون الرشید عقل، تدبیر وسیاست میں بے

مثال تھا، ذاتی طور پر اسے علم سے نہایت درجہ کی مناسبت اور والہانہ شغف تھا، اپنے وقت کے چوٹی کے علماء میں اس کا شمار تھا، عقلی علوم سے مناسبت زیادہ تھی، عقائد میں مجموعہ اضداد اور معجونِ مرکب اور مستشرقین کی طرح ایک آزاد مشرب شخص تھا، شیعی عقائد، معتزلی عقائد، فلسفیانہ ذہن وسوچ کا حامل اور اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کا بھی قائل تھا، محض علم میں استحضارِ کامل تھا، ہرفن میں حاضر جواب اور زیرک تھا، تقویٰ اور عقائد میں صحیح نہ ہونے کی وجہ سے یہی علم اس کے لئے دنیا وآخرت میں وبالِ جان اور فتنہ عظیم ہوا، جو حدیث شریف کا صحیح مصداق ٹھہرتا ہے، اس نے دوسرے ملکوں سے وہ تمام کتب جمع کرنا شروع کیں جو عقل وفلسفہ سے متعلق تھیں، جس کا بڑا ذخیرہ ارضِ روم میں تھا، وہاں کے قیصر نے اس لئے تمام یونانی فلسفی اور خالص عقلی اور ہر مذہب ودین سے بیگانہ کتب مامون کی طرف روانہ کردیں کہ یہ چیزیں جس مذہب میں گئی ہیں اس کی بنیادیں اس نے ہلا ڈالی ہیں، مامون نے تمام کتب کا بڑے شوق اور اہتمام وخرچ سے ترجمہ کرواکر رعایا کو پڑھنے کا شوق دلایا، جب یہ سلسلہ چل نکلا تو نئی نسل قرآن وحدیث کو چھوڑ کر فلسفی وعقلی بحث ومباحثہ میں الجھنے لگی، مامون رشید (جو کہ عقائد میں ملغوبہ تھا) قرآن پاک جو کلامِ الٰہی ہے کے مخلوق ہونے کا قائل بھی تھا، اور جبراً ائمہ وقت اور فقہاء ومحدثین کو اس کا قائل ہونے کا حکم دیا تھا جو نہ مانتا اسے سخت سزائیں دی جاتیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ودیگر چند اہلِ عزیمت علمائے ربانیین کو اسی مسئلہ کی وجہ سے بہت سی سختیوں کا سامنا کرنا پڑا، مرتے وقت اپنے سوتیلے بھائی کو ولی عہد نامزد کیا اور دیگر وصیتوں کے ساتھ خاص طور پر مذکورہ عقیدے کے پرچار کی تاکید کی، حقیقت یہ ہے کہ مامون رشید نے فلسفی ویونانی عقلی کتب کو عربی میں ترجمہ کرواکے اور مسلمانوں میں اس کا رواج عام کرکے امتِ مسلمہ کو ایک بڑی آزمائش میں مبتلا کیا۔

(البدیة والنھایة ج ۱۰، الکامل ج ۶ ص ۸، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۷۰، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۸۹)

۲ ...... **ماہِ رجب ۲۱۸ھ:** میں عباسی خلیفہ معتصم باللہ کی خلافت کے لئے بیعت ہوئی اور یہ حاکم وبادشاہ مقرر رہوا۔

یہ ہارون الرشید کی لونڈی ماروہ کے بطن سے تھا اور اس کی ولادت ۱۸۰ھ میں ہوئی، اپنے بھائی

مامون کی وصیت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اندھے جوش کے ساتھ قرآن مجید کے مخلوق ہونے کے عقیدے پر مامون سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ حکم جاری کیا، حتی کہ نئی نسل کے بچوں میں بھی اس کو راسخ کرنے کے لئے تراکیب وترتیب مرتب کی گئی، معتصم باللہ غیر معمولی طاقت وتوانائی کا حامل تھا، طاقت ور سے طاقت ور آدمی کا بازو دباتا تو اس کی ہڈیاں چیخ جاتیں، اسی غیر معمولی طاقت کی وجہ سے اسے مامون کی طرح بزم کے بجائے رزم یعنی میدان کارزار کا جوش تھا، اکثر جنگ میں خود جاتا، اس کے آٹھ سالہ مختصر مدتِ حکومت میں آٹھ بادشاہ قید ہوئے جو ریکارڈ ہے۔

(تاریخِ اسلام معینی ص۲۰۵، البدایة والنھایة ج۱۰، الکامل ج ٦ ص ۲۰، سیر اعلام النبلاء ج۱۰ ص ۲۹۰)

r ......**ماہِ رجب ۲۳۰ھ:** میں حضرت ابوالحسن علی بن جعد ہاشمی بغدادی جوہری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کو بغداد کا محدث کہا جاتا تھا، ۱۳۴ھ میں ولادت ہوئی، امام شعبہ، ابنِ ابی ذئب، حریز بن عثمان، جریر بن حازم، سفیان ثوری، المسعودی، فضیل بن مرزوق اور مبارک بن فضالہ رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، امام بخاری، ابوداؤد، یحییٰ بن معین، خلف بن سالم، احمد بن حنبل اور احمد بن ابراہیم الدورقی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، آپ کا ساٹھ سال تک یہ معمول تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے، ۹٦ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

(العبر فی خبر من غبر ج۱ ص ۷٦، التاریخ الصغیر ج۲ ص ۳۲۹، تذکرة الحفاظ ج۱ ص ۴۰۰، سیر اعلام النبلاء ج۱۰ ص ۴٦۷)

r ......**ماہِ رجب ۲۳۴ھ:** میں حضرت ابومحمد یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۱۵۲ھ میں ہوئی، آپ بہت بڑے عالم اور کامل عقل کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ عبادت کی کثرت میں بھی بہت مشہور تھے، اسی وجہ سے آپ کو اندلس کا شیخ کہا جاتا تھا، حدیث کی سماعت اولاً تو مشہور فقیہہ زیاد بن عبدالرحمٰن شبطون اور یحییٰ بن نصر رحمہما اللہ سے کی، اس کے بعد مشرقی ممالک کے ملکوں کا سفر کیا، آپ نے امام مالک رحمہ اللہ کا آخری دور پایا، اور امام مالک رحمہ اللہ سے ان کی مشہور کتاب ''الموَطا'' سوائے ابواب الاعتکاف کے سماعت کی، اور ابواب الاعتکاف کی سماعت زیاد شبطون سے کی جو امام مالک سے روایت کرتے ہیں، لیث بن سعد، سفیان بن

عیینۃ، عبداللہ بن وہب اورانس بن عیاض اللیثی سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، آپ کے بیٹے ابومروان عبیداللہ اور محمد بن عباس الولید، محمد بن وضاح، بقی بن مخلد اور صباح بن عبدالرحمٰن العتقی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ۸۲سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

(العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۷۹، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۵۲۴)

r ......**ماہِ رجب ۲۴۰ھ**: میں افریقہ کے قاضی حضرت عبدالسلام بن سعید بن حبیب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ''سحنون'' کے لقب سے مشہور تھے، جب ابنِ ابی الجواد قضاء کے عہدے سے معزول ہوئے تو آپ نے دعا فرمائی کہ: ''یااللہ! اس امت پر بہترین اور عادل شخص کو والی بنا'' تو ابنِ ابی الجواد کے بعد ان کو قاضی بنا دیا گیا، آپ جب تک قاضی رہے تو بادشاہ سے کبھی بھی اپنی ذات کے لئے کوئی نفع حاصل نہیں کیا، آپ کی نمازِ جنازہ محمد بن اغلب (جو کہ اس وقت امیر تھے) نے پڑھائی۔

(تاریخ قضاۃ الاندلس ج ۱ ص ۱۷، سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۶۹)

r ......**ماہِ رجب ۲۵۵ھ**: میں عباسی خلیفہ المعتز باللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۶۴)

اس کا پورا نام ابوعبداللہ محمد بن المتوکل علی اللہ جعفر بن المعتصم محمد بن الرشید العباسی تھا، معتز باللہ ہروقت عیش ونشاط میں ڈوبا رہتا تھا، اس کی خوبیاں کم اور برائیاں زیادہ ہیں، اس کی ماں اور دوسرے لوگ اس کی طرف سے سلطنت کے معاملات انجام دیا کرتے تھے، اس کے دورِ حکومت میں ترک بہت طاقتور ہوگئے تھے، یہاں تک کہ اس کو محمد بن واثق کو خلافت دینے اور اس سے بیعت کرنے پر مجبور کر دیا، بیعت کے واقعہ کے پانچ روز بعد ترک معتز کو پکڑ کر حمام لے گئے اور اس کو غسل کرایا، اس کو پیاس لگی تو پانی نہ دیا، اور وہاں سے نکال کر اس کو برف کا پانی پلا دیا، جس کے پیتے ہی اس کی موت واقع ہوگئی، اس کی نمازِ جنازہ مہتدی نے پڑھائی، اس کے بعد المھتدی باللہ خلیفہ بنا اور اس کی خلافت کے لئے بیعت رجب ہی کے مہینے میں ہوئی ''تاریخِ ملت ج ۲ ص ۳۸۲ میں شعبان میں اس کی وفات لکھی ہے''

(العبر فی خبر من غبر ج ۲ ص ۱۵، سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۵۳۵)

r ......**ماہِ رجب ۲۵۶ھ**: میں عباسی خلیفہ المھتدی باللہ کو قتل کیا گیا (تقویمِ تاریخی ص ۶۴)

اس کا پورا نام ابواسحاق محمد بن واثق باللہ بن ھارون بن المعتصم باللہ محمد بن الرشید العباسی تھا، خلیفہ مہتدی نہایت متقی اور پرہیزگار تھا، امانت اور دیانت میں اس کا بڑا مقام تھا، خطیب بغدادی کے بقول خلیفہ ہونے کے وقت سے لے کر قتل ہونے تک المھتدی روزے رکھتا رہا، اور رات کا ایک بڑا حصہ عبادت میں گذارتا تھا، عدل وانصاف کا یہ عالم تھا کہ کہ ایک دفعہ اس کے بیٹے پر کسی نے دعویٰ کر دیا، مہتدی نے شہزادے کو عدالت میں طلب کیا اور شہزادے کو مدعی کے پہلو میں کھڑا کر کے دعوے کو سنا، شہزادے نے مدعی کے حق کا اقرار کیا، مہتدی نے اسی وقت مدعی کا حق دلوا دیا، ایک باغی لیڈر موسیٰ بن بغا نے بڑے لشکر کے ساتھ اس کے محل پر دھاوا بول دیا تھا، مہتدی اور اس کے ساتھی بے جگری کے ساتھ لڑے، یہاں تک کہ کئی روز کی لڑائی کے بعد مہتدی گرفتار ہوگیا، اور دشمنوں نے اس کو قتل کرڈالا، اس کے بعد رجب ہی کے مہینے میں المعتمد باللہ خلیفہ بنا (العبر فی خبر من غبر ج ۲ ص ۱۷، سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۵۴۰، المنتظم ج ۲ ص ۱۲۰، تاریخ ملت ج ۲ ص ۳۹۴ تا ص ۴۹۶)

r ...... **ماہِ رجب ۲۵۷ھ**: میں احمد بن محمد بن غالب بن خالد بن مرداس ابوعبداللہ الباہلی البصری کی وفات ہوئی۔

یہ غلام خلیل کے نام سے مشہور تھا، اور بغداد میں رہتا تھا، مُنکَر حدیثیں مجہول شیوخ سے روایت کرتا تھا، امام ابوداؤ د السجستانی رحمہ اللہ نے اس کی تکذیب کی ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس کو متروک لکھا ہے، بصرہ میں اس کی تدفین ہوئی۔

(المنتظم من ۲۵۷ ج ۵ ص ۹۶، سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۲۸۵)

r ...... **ماہِ رجب ۲۶۱ھ**: میں امام مسلم رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص ۶۶)

آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ''صحیح مسلم'' صحاحِ ستہ میں سے ایک ہے، آپ کا لقب عساکرالدین اور کنیت ابوالحسین ہے، امام مسلم کا سلسلۂ نسب عرب کے مشہور قبیلے ''قُشیر'' سے ملتا ہے، اسی وجہ سے آپ کو قشیری کہا جاتا ہے، امام مسلم خراسان کے مشہور ومعروف شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے، آپ کی ولادت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، آپ نے سماعِ حدیث کا آغاز ۲۱۸ھ میں کیا، آپ کے اساتذہ میں یحییٰ بن یحییٰ، اسحاق بن راھویہ، امام احمد بن حنبل اور عبداللہ بن مسلمہ قعنبی رحمہم اللہ جیسے بڑے بڑے محدثین شامل ہیں، آپ کے شاگردوں میں سرِ فہرست حضرات یہ

ہیں: امام ابوحاتم رازی، احمد بن مسلمہ، ابوبکر بن خزیمہ، ابوعوانہ الاسفرائنی وغیرہ رحمہم اللہ، آپ کی وفات کا واقعہ بھی عجیب ہے، جو کہ آپ کے حدیث میں مشغول ہونے کی عجیب مثال ہے، ایک مجلس میں آپ سے ایک حدیث پوچھی گئی، جو کہ اس وقت آپ کو مستحضر نہ تھی، آپ گھر تشریف لائے، اور اپنی یادداشتوں اور کتابوں میں اس حدیث کو تلاش کرنے لگے، آپ کو بھوک لگی ہوئی تھی، قریب ہی ایک ٹوکری کھجور کی بھری رکھی تھی، آپ ایک ایک کھجور اس میں سے لے کر کھاتے جاتے اور حدیث تلاش کرتے جاتے، پوری رات اسی انہماک میں گذر گئی، صبح ہوئی تو کھجوریں ختم ہوچکی تھیں، وہ حدیث تو مل گئی، لیکن بے خبری میں زیادہ کھجوروں کے کھانے کا کا واقعہ آپ کی وفات کا سبب بنا، آپ کا مزار خراسان میں مرجعِ خلائق ہے۔

(العبر فی خبر من غبر ج۲ ص ۲۹، درسِ مسلم ص ۷۴ تا ص ۷۷، المنتظم من ۲۵۷ ج۵ ص ۲۳ و ص ۳۳، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۲۶۵، طبقات الحنابلہ ج ۱ ص ۳۳۹)

r ...... **ماہِ رجب ۲۷۹ھ:** میں عباسی خلیفہ المعتمد باللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۷۰)

اس کا پورا نام احمد بن جعفر متوکل تھا، اس کی کنیت ابوالعباس تھی، خلیفہ المہتدی باللہ کو جب ترکوں نے معزول کر کے قتل کر ڈالا، تو اس کو تختِ خلافت پر بٹھادیا، اس وقت معتمد کی عمر ۲۵ سال تھی، اس کی زندگی لہو ولعب، رقص وسرور میں گزری تھی، ایک دن محفل ورقص وسرور گرم تھی، اس میں شراب کا دور چل رہا تھا، معتمد نے شراب زیادہ پی لی اور اس پر کھانا زیادہ کھالیا، جس سے یہ بیمار ہوگیا، اور اسی مرض میں اس کی وفات ہوئی، ۲۳ برس اس کی مدتِ خلافت تھی، بعض کے نزدیک اس کو زہر دیا گیا، اور بعض فرماتے ہیں کہ اس کا گلا گھونٹ کر اس کو ہلاک کیا گیا۔

(العبر فی خبر من غبر ج۲ ص ۶۷، تاریخِ ملت ج ۲ ص ۳۹۸ تا ص ۴۰۱، المنتظم من ۲۵۷ ج۵ ص ۱۳۹)

r ...... **ماہِ رجب ۲۷۹ھ:** میں عباسی خلیفہ المعتضد باللہ کو خلافت ملی۔

۱۹/ رجب کو اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی، اس کا پورا نام ابوالعباس احمد بن ابواحمد موفق بن متوکل تھا، معتضد بڑے جاہ وجلال کا بادشاہ تھا، متاخرین خلفائے بنی عباس میں اس کو امتیازی درجہ حاصل تھا، تدبیر وسیاست کے ساتھ اچھے اخلاق کا بھی مالک تھا، اس کا عہدِ حکومت عوام کی فلاح و بہبود، امن وامان، عدل وانصاف میں مشہور تھا، اس نے خلافتِ عباسیہ کے بے روح جسم

میں جان ڈال دی تھی، اس لئے اس کو سفاحِ ثانی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، معتضد کی وفات ۲۱/ ربیعُ الآخر ۲۸۹ھ کو ۴۷ سال کی عمر میں ہوئی، ۹ سال ۹ ماہ ۳ دن خلافت کے فرائض انجام دیئے۔

(المنتظم من ۲۵۷ ج۵ ص ۱۲۳، تاریخِ ملت ج ۲ ص ۱۴ ۴ تا ص ۴۲۴)

r ...... **ماہِ رجب ۲۸۰ھ:** میں امام ترمذی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کا پورا نام محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ تھا، آپ خراسان کے مشہور شہر ''ترمذ'' کے رہنے والے تھے، اس شہر میں بڑے بڑے علماء ومحدثین پیدا ہوئے، اس لئے اس کو مدینۃ الرجال کہا جاتا تھا، آپ کا سنِ پیدائش بعض کے نزدیک ۲۰۴ھ ہے اور بعض کے نزدیک ۲۰۰ھ ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے حجاز، مصر، شام، کوفہ، بصرہ، خراسان، بغداد وغیرہ میں اپنے وقت کے بڑے بڑے شیوخ سے علمِ حدیث حاصل کیا، جن میں امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، احمد بن منیع، محمد بن المثنیٰ، محمد بن بشار رحمہم اللہ جیسے جلیل القدر محدثین شامل ہیں، آپ حیرت انگیز حافظہ کے مالک تھے جس کے واقعات بہت مشہور ہیں، آخری عمر میں اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے بہت زیادہ رونے کی وجہ سے نابینا ہوگئے تھے، آپ کو یہ شرف وفخر بھی حاصل ہے کہ آپ بعض احادیث میں اپنے استاذ امام بخاری رحمہ اللہ کے بھی استاذ ہیں یعنی چند حدیثیں خود امام بخاری رحمہ اللہ نے آپ سے سنی ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ کی تین کتب آج تک یادگار چلی آرہی ہیں (۱) جامع ترمذی جو کہ صحاحِ ستہ میں بھی شامل ہے (۲) العلل (۳) الشمائل، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک، لباس، کھانے پینے کے انداز وغیرہ کا بہت تفصیلی ذکر ہے۔

(طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۲۸۲، سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۲۷۷، درسِ ترمذی ج ۱ ص ۱۳۰ تا ص ۱۳۴)

r ...... **ماہِ رجب ۲۸۶ھ:** میں ابوسعید القرمطی کا ظہور ہوا (تقویمِ تاریخی ص ۷۲)

ابوسعید نے بحرین میں آکر قرامطہ کے مذہب کی علانیہ دعوت دی، اور جو لوگ پہلے خفیہ طور پر قرمطی تھے وہ اب علانیہ آآکر اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے، قرامطہ تحریک فرقہ باطنیہ کی ایک شاخ ہے، اس کے عقائد میں بہت سے فلسفیانہ خیالات کی آمیزش ہے، اس کا بانی حمدان قرمط تھا، جو دن رات میں ۵۰ نمازوں کی دعوت دیتا تھا، اس طرح اس نے اپنے پاس ایک آسمانی کتاب کا بھی دعویٰ کیا، ابوسعید نے پہلے ''قطیف'' کے مقام پر قیام کیا، اور پھر بصرہ کا ارادہ کیا، خلیفہ

المعتضد باللہ نے بصرہ کے عامل کو لکھا کہ بصرہ شہر کے گرد دیوار تعمیر کرائے، ابوسعید نے خلیفہ کے بھیجے ہوئے لشکر کو شکست دے دی، یہ فتنہ بہت پھیلا، آخر کار ۲۹۰ھ میں اس فتنہ کا خاتمہ ہوا۔
(تاریخِ اسلام از اکبر شاہ خان صاحب، ج ۲ ص ۴۸۶ تا ۴۸۸)

r ......**ماہِ رجب ۲۹۲ھ**: میں قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے بیٹے یوسف بن یعقوب بن ابراہیم رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

حدیث اور مسائلِ فقہیہ وقیاس اپنے والد قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں، اپنے والد کی زندگی میں ہی ان کو بغداد کی غربی جانب کا قاضی بنادیا گیا تھا (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۳۳۷)

چوتھی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

r ......**ماہِ رجب ۳۰۱ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن مندۃ الاصبہانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابنِ مندۃ کے نام سے مشہور تھے، اسماعیل بن موسیٰ السدی، عبداللہ بن یحییٰ بن معاویۃ الجمحی، محمد بن سلیمان لوین، ابوکریب محمد بن علاء، ہناد بن السری، محمد بن بشار، ابوسعید الاشج اور احمد بن الفرات رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، قاضی ابواحمد العسال، ابوالقاسم الطبرانی، ابوالشیخ، ابواسحاق بن حمزہ، محمد بن احمد بن عبدالوہاب اور اسحاق بن محمد رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ۱۴ ص ۱۸۹، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۶۲)

r ......**ماہِ رجب ۳۰۵ھ**: میں حضرت ابواسحاق عمران بن موسیٰ بن مجاشع جرجانی سختیانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۲۱۰ھ کے لگ بھگ ہوئی، آپ ابنِ مجاشع کے نام سے مشہور تھے، اور جرجان کے محدث کہلائے جاتے تھے، ہدبۃ بن خالد، شیبان بن فروخ، ابراہیم بن المنذر الحزامی، ابن ابی شیبۃ، سوید بن سعید اور ابوالربیع الزہرانی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابراہیم بن یوسف الھسنجانی، ابوعبداللہ الاخرم، حافظ ابوعلی نیشاپوری، ابوعمرو بن نجید، ابوعمرو بن حمدان، ابوبکر اسماعیلی، اور ابواحمد الغطریفی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ کی وفات جرجان مقام پر ہوئی، اسماعیلی رحمہ اللہ نے آپ کو اپنے زمانے کا محدث قرار دیا ہے۔
(سیر اعلام النبلاء ۱۴ ص ۱۳۷، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۱۱، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۶۳)

r ......**ماہِ رجب ۳۰۶ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ احمد بن یحیٰی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابن الجلاء کے نام سے مشہور تھے، اور صوفیاء کے بڑے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں، پہلے آپ بغداد میں رہتے تھے، پھر شام منتقل ہو گئے، اور حضرت ذوالنون مصری اور ابوتراب رحمہما اللہ کی صحبت اٹھائی، محمد بن داؤد فرماتے ہیں: ''عراق، حجاز، شام، جبل کے علاقوں میں میری آنکھوں نے ان جیسی ہستی کوئی اور نہیں دیکھی'' اسماعیل بن نجید فرماتے ہیں: ''دنیا میں صوفیاء کے امام تین ہیں اور ان کا کوئی چوتھا نہیں، نیشاپور میں ابوعثمان، بغداد میں جنید بغدادی اور شام میں ابوعبداللہ بن الجلاء'' آپ فرماتے ہیں: ''اپنے کسی مسلمان بھائی کے حق کو اس وجہ سے ضائع نہ کرو کہ اس کے اور تمہارے درمیان دوستی اور محبت کا رشتہ ہے (اس وجہ سے وہ محسوس نہیں کرے گا) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کے حقوق ادا کرنا فرض قرار دیئے ہیں، اور مومن کے حقوق وہی ضائع کرے گا جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت نہ کرے'' (تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۴۸۳)

r ......**ماہِ رجب ۳۰۶ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ احمد بن حسن بن عبدالجبار بن راشد بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۲۱۰ھ کے لگ بھگ ہوئی، علی بن الجعد، یحیٰ بن معین، ہیثم بن خارجہ، ابونصر التمار، احمد بن جناب، امام احمد بن حنبل اور سوید بن سعید رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ میں طلبِ علم کے لئے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی مجلس میں ۲۲۷ھ میں حاضر ہوا، اس وقت ان کی مجلس میں ہیثم بن خارجہ بھی موجود تھے، اور انہوں نے حضرت امام سے سر کے مسح کے بارے میں ایک مسئلہ دریافت کیا، ابوالشیخ بن حیان، ابوحاتم بن حبان، ابوبکر الاسماعیلی، ابواحمد بن عدی، عبداللہ بن ابراہیم الزبیبی، ابوحفص بن زیات، محمد بن المظفر اور علی بن عمر الحربی السکری رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، بغداد میں جمعہ کے دن آپ کی وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۴ ص ۱۵۲، طبقات الحنابلة ج ۱ ص ۱۴)

r ......**ماہِ رجب ۳۰۸ھ:** میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان النیسابوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بڑے محدث اور فقہ کے بہت بڑے عالم تھے، مشہور محدث حضرت ایوب بن حسن الزاہد الحنفی

رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، اور ابنِ سفیان کے نام سے مشہور تھے، امام مسلم، سفیان بن وکیع، عمرو بن عبداللہ الاودی، محمد بن مقاتل الرازی، موسیٰ بن بصر بالری، محمد بن ابی عبدالرحمٰن المقرئ، محمد بن رافع اور محمد بن اسلم الطّوسی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، آپ ایک طویل مدت تک امام مسلم رحمہ اللہ کی صحبت میں رہے، احمد بن ہارون الفقیہ، قاضی عبدالحمید بن عبدالرحمٰن، محمد بن احمد بن شعیب، ابوالفضل محمد بن ابراہیم اور محمد بن عیسیٰ بن عمرویہ الجلودی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ابنِ شعیب فرماتے ہیں: ''ہمارے مشائخ میں ابنِ سفیان سے زیادہ عبادت گزار اور عابد کوئی نہ تھا'' محمد بن یزید العدل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ابنِ سفیان مستجاب الدعوات بزرگ تھے'' امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ابنِ سفیان بہت زیادہ عبادت کرنے والے اور امام مسلم رحمہ اللہ کی صحبت میں طویل عرصہ تک رہے'' (سیر اعلام النبلاء ۱۴ ص ۳۱۲)

r ......**ماہِ رجب ۳۱۹ھ**: میں حضرت ابوالجعد اسلم بن عبدالعزیز بن ہاشم بن خالد رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ اندلس کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے، اور فقہ مالکی کے بہت بڑے امام تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزادہ کردہ غلام حضرت ابان رحمہ اللہ کی اولاد میں سے تھے، طلبِ علم کے لئے ۲۶۰ھ میں نکلے، اور یونس بن عبدالاعلیٰ، ابوابراہیم المزنی، ربیع المرادی، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم رحمہم اللہ سے کسبِ فیض کیا، اور علم کا بہت بڑا ذخیرہ لے کر واپس لوٹے، اس کے علاوہ آپ مشہور محدث حضرت بقی بن مخلد رحمہ اللہ کی صحبت میں بھی طویل عرصہ تک رہے، ایک بہت بڑی جماعت آپ کی شاگردوں میں شمار ہوتی ہے (سیر اعلام النبلاء ۱۴ ص ۵۴۹)

r ......**ماہِ رجب ۳۲۸ھ**: میں حضرت ابو محمد حسن بن علی بن خلف البربہاری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ حنبلی مسلک کے شیخ شمار ہوتے تھے، آپ حق بات کہنے میں کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے، اور نہ کسی کی ملامت سے ڈرتے تھے، جو بات کہنی ہوتی صاف کہہ دیتے، آپ فرماتے ہیں: نئی نئی خودساختہ باتوں میں سے جو بظاہر چھوٹی چھوٹی اور معمولی ہیں ان سے بھی بچے، کیونکہ یہی معمولی امور بڑی

بڑی بدعات بن جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کلامی بحثیں کرنا بدعت وگمراہی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں جو کچھ خود فرمایا ہے، اس کے ساتھ ذاتِ باری کو موصوف کیا جائے اوراس کی بھی کنہ وحقیقت جاننے کے پیچھے نہ پڑا جائے، قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اوران کا بھیجا ہوا نور ہے، مخلوق نہیں، اس میں بحث ومباحثہ کرنا کفر ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: نصیحت کے لئے جو مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں اس سے فائدہ کا دروازہ کھلتا ہے، اور مناظرہ کے لئے جو مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں اس سے فائدہ کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔

ابوالحسین بن الفراء فرماتے ہیں کہ: ''بربہاری نے دین کے لئے بہت سے مجاہدات اور مشقتیں برداشت کیں، اور مخالفین بادشاہ کے دل میں ان کے خلاف باتیں ڈالتے رہتے تھے، ۳۲۱ھ میں بادشاہ نے ارادہ کیا کہ ان کو گرفتار کیا جائے، تو آپ روپوش ہوگئے، بادشاہ نے آپ کے بڑے بڑے ساتھیوں کو گرفتار کرلیا، اوران کو بصرہ منتقل کردیا، اوراسی روپوشی کی حالت میں آپ کی وفات ہوگئی، اوراپنی بہن توزون کے گھر میں مدفون ہوئے، کہا جاتا ہے کہ جب آپ کو کفن دیا گیا تو آپ کے پاس صرف ایک خادم تھے، اس نے اکیلے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی، تو آپ کی بہن روشندان سے آپ کے جنازے کا منظر دیکھ رہی تھی، تواس نے دیکھا کہ سفید رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے مَردوں سے بھرا ہوا ہے اور وہ آپ کی جنازہ پڑھ رہے ہیں، تو وہ یہ منظر دیکھ کر ڈر گئیں، اور خادم کو بلایا اوراس سے پوچھا کہ یہ کون لوگ تھے؟ تو خادم نے قسم اٹھا کر کہا کہ گھر کا دروازہ تو بند تھا اس لئے باہر سے کوئی اندر نہیں آیا، ابوبکر محمد بن محمد بن عثمان، ابنِ بطہ، ابوالحسین بن سمعون رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، ۷۷ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۵ ص ۹۳، طبقات الحنابلة ج ۱ ص ۱۹۱)

r ...... **ماہِ رجب ۳۳۰ھ:** میں حضرت ابوبکر الصیر فی الشافعی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

شافعی مذہب کے بہت بڑے امام ہیں، فقہ کی تعلیم حضرت ابوالعباس بن سریج رحمہ اللہ سے حاصل کی، علمِ اصول، قیاس میں مہارت کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے، اصولِ فقہ پر آپ کی کتاب بڑی مشہور ہوئی، حضرت ابوبکر القفال رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ اصولِ فقہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کے بعد سب سے زیادہ ماہر تھے، ہمارے اصحاب میں علم الشروط کو ترویج دینے والے آپ پہلے شخص

تھے، اس فن میں آپ نے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

(مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان فی معرفۃ حوادث الزمان للیافعی ج ۱ ص ۳۳۴)

r ......**ماہِ رجب ۳۳۹ھ:** میں شیخ الفلسفۃ ابونصر محمد بن محمد بن طرخان بن اوزلغ الترکی الفارابی کا انتقال ہوا۔

فاراب یا فاریاب ماوراء النہر ''موجودہ شمالی افغانستان'' کے شہروں میں سے ایک شہر ہے، تحصیل علم کے بعد بغداد سے حلب آ گیا اور امیر سیف الدولہ کے دربار سے وابستہ ہو گیا، اور آخر عمر تک اس دربار سے وابستہ رہا اور یہاں پر بڑے شرف واعتبار والی زندگی بسر کی، فارابی کو علوم ریاضی میں مہارت تامہ، منطق وفلسفہ میں کامل دستگاہ اور طب میں تفوق حاصل تھا، فارابی نے اپنی ساری زندگی سائنس اور فلسفہ کے مطالعہ میں بسر کی، معلم اول ارسطو کی تمام کتب کا ماہر تھا، اور ارسطو کے فلسفہ کا شارح وترجمان تھا اسی وجہ سے ارسطو کو معلم اول اور فارابی کو معلم ثانی کا لقب دیا گیا ہے، اس کی چند مشہور کتب جن میں اس نے اپنے سائنسی نظریات پیش کئے یہ ہیں: الجوہر، الزمان، المکان، الخلاء، العقل والمعقول، احصاء العلوم وغیرہ۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۵ ص ۴۱۸، عیون الانباء فی طبقات الاطباء ج ۱ ص ۳۹۸)

r ......**ماہِ رجب ۳۴۰ھ:** میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن احمد المروزی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابوالعباس بن سریج رحمہ اللہ کے بڑے شاگردوں میں شمار ہوتے ہے، علمِ فقہ میں آپ کو بہت اونچا مقام حاصل ہونے کی وجہ سے بغداد کا فقیہ کہا جاتا تھا، شافعی مسلک کے شیخ شمار ہوتے تھے، طویل زمانے تک بغداد میں قیام کیا، اور کئی کتب تصنیف فرمائیں، آخری عمر میں آپ مصر منتقل ہو گئے تھے، اور مصر ہی میں انتقال فرمایا۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۵ ص ۴۲۹، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۳۷، تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۴۹۴)

r ......**ماہِ رجب ۳۵۰ھ:** میں حضرت ابوبکر محمد بن احمد بن خنب بخاری بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بخارا میں رہتے تھے، اور یہاں کی مستند شخصیت شمار ہوتے تھے، آپ کی ولادت ۲۶۶ھ میں ہوئی، یحییٰ بن ابی طالب، حسن بن مکرم، موسیٰ بن سہل الوشاء، جعفر الصائغ، ابوبکر بن ابی الدنیا اور

ابوقلابہ الرقاشی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابواحمد الحاکم، اسماعیل بن حسین الزاہد، علی بن قاسم الرازی، احمد بن ولید الزوزنی، ابونصر احمد بن محمد بن ابراہیم البخاری اور محمد بن احمد غنجار رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کے والد بخارا کے رہنے والے تھے، اور بغداد میں سکونت پذیر تھے، جب آپ کی عمر ۲۰ سال تھی، تو آپ کے والد دوبارہ بخارا منتقل ہوگئے، آپ شافعی مسلک کے بڑے فقہاء میں شمار ہوتے ہیں (سیر اعلام النبلاء ۱۵ ص ۵۲۴)

r ......**ماہِ رجب ۳۶۱ھ**: میں حضرت ابوعبدالرحمٰن اسماعیل بن احمد بن عبداللہ ضریر حیری رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

آپ اصلاً نیشاپور کے باشندے تھے، بعد میں بغداد میں سکونت اختیار کرلی تھی، ابوطاہر محمد بن فضل بن محمد بن اسحاق بن خزیمہ، احمد بن ابراہیم عبدوی، حسن بن احمد مخلدی، احمد بن محمد بن اسحاق انماطی، احمد بن محمد بن عمر خفاف، ابوالحسن ماسرجسی، محمد بن عبداللہ بن حمدون، ابوبکر جوزقی، محمد بن احمد بن عبدوس مزکی اور زاہر بن احمد سرخسی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۳۱۳)

r ......**ماہِ رجب ۳۶۳ھ**: میں حضرت ابوالحسن محمد بن حسن بن ابراہیم بن عاصم سجستانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ سجستان کے محدث تھے، ''مناقب الامام الشافعی'' آپ کی مشہور کتاب ہے۔

ابنِ خزیمہ، ابوالعباس ثقفی، ابوعروبہ حرانی، مکحول بیروتی، محمد بن یوسف ہروی، ابونعیم بن عدی جرجانی، محمد بن ربیع جیزی اور زکریان احمد بلخی قاضی رحمہ اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، یحییٰ بن عمار واعظ اور علی بن بشری لیثی رحمہما اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۳۰۰، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۵۵)

r ......**ماہِ رجب ۳۶۴ھ**: میں حضرت ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط دینوری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ آپ ابن السنی کے نام سے مشہور تھے، اور آپ کی ''عمل الیوم واللیلۃ'' مشہور کتاب ہے (طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۷۶)

r ......**ماہِ رجب ۳۶۴ھ**: میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن احمد بن محمد بن رجاء نیشاپوری وراق رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابنِ مسدد بن قطن، حسن بن سفیان، جعفر بن احمد بن نصر، محمد بن محمد باغندی، سعید بن عبدالعزیز حلبی اور سعید بن ہاشم طبرانی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابنِ مندہ اور ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہم اللہ، امام حاکم رحمہ اللہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں، کہ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے، جن کے ہاتھ اور پاؤں سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی، اور آپ نے بڑھاپے کی حالت میں طلبِ علم شروع کیا، اور اس کے لئے سفر کئے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۱۵۲)

r ......**ماہِ رجب ۳۶۸ھ**: میں امام النحو حضرت علامہ ابوسعید حسن بن عبداللہ بن مرزبان سیرافی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کئی مفید کتابوں کے مصنف تھے، اور علمِ نحو میں آپ کو بڑا مقام حاصل تھا، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں، ابوبکر بن درید، ابنِ زیاد نیشاپوری اور محمد بن ابی الازہر رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: علی بن ایوب قمی اور محمد بن عبدالواحد بن رزمہ رحمہما اللہ، آپ کے والد پہلے مجوسی تھے، بعد میں اسلام قبول کرلیا تھا، آپ علمِ نحو کے ساتھ ساتھ، علم قرأت، لغت، فقہ، فرائض اور عروض میں بھی بہت ماہر تھے، ۸۴ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۲۴۸، تاریخِ بغداد ج ۷ ص ۳۴۱)

r ......**ماہِ رجب ۳۶۹ھ**: میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن ابراہیم بن ایوب بن ماسی بغدادی بزار رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابنِ ماسی کے لقب سے مشہور تھے، ابومسلم کجی، ابوشعیب حرانی، احمد بن ابی عوف بزور، خلف بن عروم عکبری، موسیٰ بن اسحاق انصاری، ابو برزہ فضل بن محمد حاسب، محمد بن علی بن شعیب سمسار، حسن بن علویہ قطان، یحییٰ بن محمد حنائی، جعفر بن احمد بن عاصم دمشقی اور احمد بن علی خزاز رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، ابنِ رزقویہ، ابوالفتح بن ابی الفوارس، ابوبکر برقانی، ابونعیم اور ابواسحاق برمکی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی ولادت ۲۷۴ھ میں ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۲۵۳، تاریخِ بغداد ج ۹ ص ۴۰۸)

r ......**ماہِ رجب ۳۷۰ھ**: میں حضرت ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن سلیمان بن علی حربی رحمہ

اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ رازی اور دیبلی کے لقب سے مشہور تھے، جعفر بن محمد فریابی، ابراہیم بن شریک کوفی اور حسنون بن ہیثم دوریری رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، احمد بن علی بن بادا، ابولی بن دوما النعال اور قاضی ابوالعلاء رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کی ولادت ۲۷۵ھ میں ہوئی، پیر کے دن ۲۱ رجب کو آپ کی وفات ہوئی (تاریخ بغداد ج۵ ص ۱۱۳)

r ......**ماہِ رجب ۳۷۱ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ حسن بن علی بن حسن بن ہیثم بن طہمان رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابن الباداکے نام سے مشہور تھے، ابوشعیب حرانی، حسن بن علویہ قطان اور شعیب بن محمد ذراع رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، احمد بن علی بن حسن، قاضی ابوالفرج بن سمیکہ اور محمد بن حسین بن حرانی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی ولادت ۲۷۴ھ میں ہوئی، عمر کے آخری ۱۵ سال آپ نے اس حالت میں گزارے کہ آپ کی بینائی ختم ہوچکی تھی (تاریخ بغداد ج۷ ص ۳۸۸)

r ......**ماہِ رجب ۳۷۱ھ:** میں حضرت شیخ الاسلام ابوبکر احمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن عباس جرجانی اسماعیلی شافعی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ شافعی مسلک کے شیخ شمار ہوتے تھے، آپ کی ولادت ۲۷۷ھ میں ہوئی، ابراہیم بن زہیر حلوانی، حمزہ بن محمد کاتب، یوسف بن یعقوب قاضی، احمد بن محمد بن مسروق، محمد بن یحیٰی مروزی، حسن بن علویہ قطان، جعفر بن محمد فریابی، محمد بن عبداللہ مطین، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، ابراہیم بن شریک اور جعفر بن محمد بن لیث بصری رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام حاکم، ابوبکر برقانی، حمزہ سہمی، ابوحازم عبدوی، حسین بن محمد باشانی، ابوسعید نقاش، ابوالحسن محمد بن علی طبری، حافظ ابوبکر محمد بن ادریس جرجرائی، عبدالصمد بن منیر عدل اور عبدالرحمٰن بن محمد فارسی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ۹۴ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص ۲۹۲، تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص ۹۵۰)

r ......**ماہِ رجب ۳۷۴ھ:** میں مصر کے قاضی حضرت ابوالحسن علی بن نعمانی بن محمد مغربی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ باوجود یکہ ایک بڑے قاضی تھے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ آپ علمِ ادب، نحو، شعر، ایام الناس وغیرہ کئی علوم میں ماہر تھے، ۴۵ سال کی عمر میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۳۶۷)

r ......**ماہِ رجب ۳۷۷ھ:** میں حضرت ابو ولید ابان بن عثمان بن سعید المبشر بن غالب بن فیض لخمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

محمد بن عبدالملک بن ایمن، قاسم بن اصبغ اور سعید بن جابر رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، اندلس کے شہر قرطبہ میں منگل کے دن آپ کی وفات ہوئی (تاریخ علماء الاندلس ج ۱ ص ۹)

r ......**ماہِ رجب ۳۸۲ھ:** میں حضرت ابوحفص عمر بن احمد بن ہارون بن فرج بن ربیع مقری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابن الآجری کے نام سے مشہور تھے، ابوعمر محمد بن یوسف قاضی، ابوبکر نیشاپوری، محمد بن ابراہیم بن شاہین، عبیداللہ بن عبدالصمد بن مہتدی باللہ، احمد بن علی جوزجانی، محمد بن حمدویہ مروزی، ابوالقاسم بن بکیر، اسماعیل بن عباس وراق، قاضی محاملی اور محمد بن مخلد رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ازہری، خلال، علی بن محمد بن حسین سمسار، عبدالعزیز بن ابی الحسین بن بشران اور تنوخی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں (تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۲۶۴)

r ......**ماہِ رجب ۳۸۶ھ:** میں حضرت ابوالفرج صالح بن جعفر بن محمد بن جعفر بن زیاد بن میسرہ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ رازی کے نام سے معروف تھے، عبداللہ بن محمد بغوی، ابوبکر نیشاپوری اور احمد بن علی بن علاء جوجانی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ازہری، عتیقی، ابوعبداللہ صیمری اور ابوالقاسم تنوخی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، جمعہ کے دن ۵ رجب کو آپ کی وفات ہوئی۔
(تاریخِ بغداد ج ۹ ص ۳۲۲)

r ......**ماہِ رجب ۳۸۷ھ:** میں بخارىٰ، سمرقند وغیرہ کے امیر ابوالقاسم نوح بن منصور بن نوح بن عبدالملک بن نصر بن احمد کی وفات ہوئی۔

یہ سامانی کے نام سے مشہور تھے، ان کی مدتِ امارت ۲۲ مہینے تھی، ان کے بعد ان کے بیٹے ابوالحارث منصور امیر مقرر ہوئے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۵۱۴)

r ......**ماہِ رجب ۳۹۰ھ**: میں حضرت ابوالحسین محمد بن عبداللہ بن حسین بن عبداللہ بن ہارون دقاق رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

عبداللہ بن محمد بغوی رحمہ اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں سرِ فہرست ہیں، محمد بن علی بن مخلد، ابوخازم بن فراء، ابوالقاسم ازہری، محمد بن علی بن فتح اور قاضی تنوخی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، آپ کی ولادت منگل کے دن ۱۰ صفر ۳۰۴ھ میں ہوئی (تاریخِ بغداد ج۵ ص ۴۶۹)

r ......**ماہِ رجب ۳۹۰ھ**: میں حضرت ابوالقاسم عبیداللہ بن عثمان الدقاق رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۳۱۸ھ میں ہوئی، حسین بن محمد بن سعید مطبقی اور قاضی ابوعبداللہ محاملی رحمہما اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ازہری، عتیقی اور محمد بن علی علاف رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، جمعہ کے دن آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۱۰ ص ۳۷۷)

r ......**ماہِ رجب ۳۹۰ھ**: میں حضرت ابوالحسین محمد بن عبداللہ بن حسین بن عبداللہ بن ہارون بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابنِ اخی میمی کے لقب سے مشہور تھے، ابوالقاسم بغوی، ابوجعفر احمد بن اسحاق بن بہلول، ابوحامد حضرمی، ابنِ صاعد اور اسماعیل وراق رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابوطالب عشاری، ابومحمد بن ہرزارمرد اور ابوالحسین بن نقور رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، ۹۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص ۵۶۵)

چوتھی صدی ہجری کے بعد کے چند اجمالی واقعات

r ......**ماہِ رجب ۴۲۸ھ**: میں امام قدوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کا نام احمد، کنیت ابوالحسین اور والد کا نام محمد ہے اور قدوری آپ کی نسبت ہے، آپ علم حدیث اور علم فقہ میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے، آپ کی سب سے زیادہ معروف اور مشہور کتاب جو کہ درس نظامی میں شامل ہے وہ ''مختصر القدوری'' ہے، یہ تقریباً بارہ ہزار ضروری مسائل کا بیسیوں کتابوں سے انتخاب ہے اور تصنیف کے زمانے سے لے کر آج تک اس کو پڑھایا جا رہا ہے،

قدرت نے اس کتاب کی عظمت کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے، یہاں تک کہ بعض حضرات اس کتاب کے حافظ بھی ہوئے ہیں (ظفر المحصلین ص ۱۸۸ تا ۱۹۰ ملخصاً)

r ...... **ماہِ رجب ۴۶۷ھ:** میں ''صاحبِ مفصل'' زمخشر مقام پر پیدا ہوئے۔

زمخشر خوارزم کا ایک قصبہ ہے، اس لئے آپ زمخشری کہلاتے ہیں، آپ کا نام محمود، اور لقب جار اللہ اور فخر خوارزم ہے، اور آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے، آپ تفسیر وحدیث، کلام ولغت، معانی وبیان اور خاص کر ادب ونحو کے زبردست امام تھے، بڑے بڑے اہل علم حضرات نے آپ کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے (ظفر المحصلین ص ۴۰۴ تا ۴۰۹ ملخصاً)

r ...... **ماہِ رجب ۴۸۲ھ:** میں شیخ فخر الاسلام ابوالحسن بزدوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ علم دین کے بہت بڑے پہاڑ شمار ہوتے تھے، اس کے علاوہ آپ ایک عظیم مناظر بھی تھے، آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں، جن میں سے اصول فقہ میں آپ کی کتاب اصول بزدوی کے نام سے مشہور ہے (ظفر المحصلین ص ۴۸۵ تا ۴۸۷ ملخصاً)

r ...... **ماہِ رجب ۵۱۱ھ:** میں صاحبِ ہدایہ رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

آپ کا نام علی، کنیت ابوالحسن اور لقب برھان الدین ہے، اور آپ کے والد کا نام ابوبکر ہے، آپ نے اپنے دور کے ان اساطینِ امت سے علوم کو حاصل کیا تھا جو ہر فن میں مرجع خلائق تھے جن کے ناموں کی ایک طویل فہرست ہے جس کو ''مشیخہ'' کہتے ہیں، ان محترم ومقدس ہستیوں کے فیضان صحبت نے آپ کو کشور علم وفضل کا تاج دار بنا دیا، بعض حضرات کے بقول صاحبِ ہدایہ امام وقت، فقیہ بے بدل، حافظ دوراں، محدث زماں، مفسر قرآں، جامع علوم، ضابطہ فنون، پختہ علم، محقق، وسیع النظر، باریک بین، عابد وزاہد، پرہیزگار، فائق القران، فاضل الاعیان، ماہر فنون، اصولی، بے مثل ادیب اور بے نظیر شاعر تھے علم وادب میں آپ کا ثانی نہیں دیکھا گیا، آپ کی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور کتاب ''ہدایہ'' ہے جو درسِ نظامی میں داخل ہے، یہ ایسی عجیب وغریب کتاب ہے کہ اس کو صحیح طور پر پڑھنے والا کج راہی اور غلط روی کا شکار نہیں ہوسکتا، خود صحیح سوچنے اور دوسرے کے کلام کے صحیح مطلب کے سمجھنے کا جتنا اچھا سلیقہ یہ کتاب پیدا کرسکتی ہے عام کتابوں میں اس کی نظیر مشکل

ہی ملتی ہے، آپ نے یہ کتاب مسلسل تیرہ سال تک اس طرح مصروف رہ کر لکھی کہ (سوائے ممنوع دنوں کے) ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اوراس کی بھی کوشش کرتے تھے کہ کسی کو روزہ کی اطلاع نہ ہو، چنانچہ خادم کھانا رکھ کر چلا جاتا اور آپ کسی طالبعلم کو بلا کر کھلا دیتے، خادم واپس آتا اور برتن خالی دیکھ کر خیال کرتا کہ کھانے سے فارغ ہو چکے (ظفر المحصلین ص ۱۹۱، ۱۹۶ ملخصاً)

۲ ...... **ماہِ رجب ۵۱۵ھ یا ۵۱۶ھ:** میں صاحبِ مقاماتِ حریری کا انتقال ہوا۔

آپ کا نام قاسم، کنیت ابو محمد ہے، آپ نہایت ذکی، ہوشیار، فصاحت وبلاغت میں یکتا اور ماہرفن، انشاء پرداز اورادیب تھے، آپ کی زیادہ مشہور کتاب ''مقاماتِ حریری'' ہے جو درسِ نظامی میں شامل ہے، اس کتاب میں حکیمانہ واقعات کو عاقلانہ اشعار کے انداز میں جمع کیا گیا ہے، مقاماتِ حریری اپنی ہمہ گیرادبیت اور جامع معنویت کی لاتعداد خوبیوں اور خصوصیتوں پر حاوی ہونے کی وجہ سے فضلاء اور ادیبوں کے لئے ہر زمانہ میں محورِ نظر اور مرجعِ التفات رہی ہے (ظفر المحصلین ص ۲۷۶ تا ۲۸۸ ملخصاً)

۲ ...... **ماہِ رجب ۶۳۲ھ:** میں خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ہندوستان وپاکستان کے مسلمانوں کے محسن اعظم اور مقتدر روحانی پیشوا، اورامام الطریق تھے، آپ ہی سے ہندوستان میں علومِ معرفت کا افتتاح ہوا، اور سلسلۂ چشتیہ ہندوستان میں آپ ہی سے پھیلا اور ہندوستان میں نوے لاکھ آدمی آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے، آپ کے کمالات بحرِ لامتناہی ہیں، آپ نے جس زمانے میں ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حکومت کا آفتابِ اقبال غروب ہو چکا تھا، شاہانِ نوری غزنوی حکومت پر قابض ہو چکے تھے۔ ہندوستان میں گزشتہ اسلامی حکومتوں کے نقوش اس قدر مدہم پڑ چکے تھے کہ یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ اس ملک میں آگے چل کر مسلمان کبھی ابھر سکیں گے، لیکن آپ کی تشریف آوری کے بعد آپ کے فیوض وبرکات سے ہندوستان اسلام کے نور سے منور ہو گیا، خواجہ بختیار کاکی رحمہ اللہ نے آپ کو ملکُ المشائخ، سلطانُ السالکین، قطبُ الاولیاء، شمسُ الفقراء کے لقب سے یاد کیا (تذکرہ اولیاء پاک وہند ص ۹ تا ۲۴ وتاریخ مشائخِ چشت ص ۱۶۵ تا ۱۷۰ ملخصاً)

r ...... **ماہِ رجب ۶۷۷ھ:** میں محی الدین ابوزکریا رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ امام نووی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں، آپ کی مشہور ومعروف کتاب ''ریاض الصالحین'' ہے، اور صحیح مسلم کی مقبول ومعروف ''شرح نووی'' کے نام سے بھی مشہور ہے، بلکہ علمی حلقوں میں آپ شارح مسلم کی حیثیت سے مشہور ہیں (ظفر المحصلین ص ۴۷۵)

r ...... **ماہِ رجب ۹۷۰ھ:** میں علامہ زین العابدین رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابن نجیم کے نام سے زیادہ مشہور ہیں اور فقہ حنفی کے اعتبار سے آپ اہم مقام رکھتے ہیں، آپ کی فقہ میں مشہور کتاب ''البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق'' ہے، نیز فقہ حنفی کے قواعد وضوابط میں ''الاشباہ والنظائر'' کے نام سے آپ کی مشہور ومعروف اور بلند پایہ تصنیف ہے جو آپ نے اخیر عمر میں صرف چھ ماہ کی مدت میں لکھی ہے (ظفر المحصلین ص ۲۲۴)

r ...... **ماہِ رجب ۱۲۲۵ھ:** میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ مشائخ چشت کے مشہور بزرگ حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی قدس سرہ کی اولاد میں سے ہیں، آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ جیسی جلیل القدر شخصیت سے حدیث کا باقاعدہ علم حاصل کیا، اس کے علاوہ اس وقت کے نامور ولی اللہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمہ اللہ (۱۱۹۵ھ) کے اہم خلیفہ ہوئے، آپ نے کئی کتابیں تفسیر، فقہ وغیرہ کے موضوع پر تحریر فرمائی جو تقریباً تیس سے زیادہ ہیں، تفسیر میں آپ کی مشہور تصنیف ''تفسیر مظہری'' ہے (مقدمہ تفسیر مظہری)

r ...... **ماہِ رجب ۱۲۳۰ھ:** میں مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ دراصل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے ہونہار بیٹوں میں سے تھے اور علومِ الٰہیہ کے ممتاز عالم تھے آپ کی ولایت وجلالت پر لوگوں کا عام اتفاق ہے، اپنے علم وعمل، زہد وتواضع، اور حسنِ سلوک میں امتیاز کے مالک ہوئے، ان فضائل کے سبب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا کر دی اور آپ اپنے شہر میں مرجع عام بن گئے اور علمِ روایت ودرایت، اصلاحِ نفس، اور روحانی تربیت میں آپ سے رجوع کیا جانے

لگا۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عنایت یہ تھی کہ آپ کو ہندوستانی زبان میں قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کی توفیق ملی، جو آج بھی ''موضح القرآن'' کے نام سے معروف ومشہور ہے (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۵ ص ۳۸۵ تا ۳۸۷، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ)

۲ ...... **ماہِ رجب ۱۳۳۹ھ**: میں مولانا عبداللہ گنگوہی صاحب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں، مثلاً ''تیسیر المنطق'' جو آپ نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے حکم سے لکھی تھی یہ کتاب اس وقت درسِ نظامی میں شامل ہے، اس کے علاوہ آپ نے ''تیسیر المبتدی'' نامی کتاب بھی تصنیف فرمائی، جو فارسی کی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لئے ابتدائی درجہ کی مفید کتاب ہے، دراصل یہ آپ نے مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تعلیم کے لئے لکھی تھی، علاوہ ازیں ''اکمال الشیم'' شرح ''اتمام النعم'' (ترجمہ تبویب الحکم) آپ کی علمی یادگار ہے، آپ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ سے مجازِ طریقت تھے (ظفر المحصلین ص ۴۵۴ تا ۴۵۵ ملخصاً)

۲ ...... **ماہِ رجب ۱۳۶۲ھ**: میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی پوری زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف دین کے لئے پیدا کیا تھا یوں تو چشمِ فلک نے بڑی بڑی عالم فاضل ہستیاں، بڑے بڑے عابد وزاہد انسان اور بڑے بڑے متقی وتہجد گزار بندے اسی خطۂ ارضی پر دیکھے ہوں گے مگر شریعت وطریقت کا ایک ایسا حسین امتزاج شاید ہی کسی نے دیکھا ہوگا، کوئی صرف عالم ہوتا ہے اور طریقت سے کورا، کوئی محض صوفی ہوتا ہے اور علوم شرعیہ سے نا آشنا مگر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ایک ہی وقت میں صوفی بھی تھے، عالم بے بدل بھی، رومیٔ عصر بھی تھے اور رازیٔ وقت بھی، آپ نے جس طرح شریعتِ ظاہرہ کو جہالت وضلالت کی تاریکیوں سے نکالنے کا کام کیا اسی طرح طریقتِ باطنہ کو بھی افراط تفریط کی بھول بھلیوں سے نجات دلائی۔ آپ نے طریقت کو جو ایک زمانہ میں صرف رسوم کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی، زوائد وحواشی سے پاک وصاف کر کے قدماء سلفِ صالحین کے مسلک پر لا کھڑا کیا، آپ نے پورے شدومد کے ساتھ اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ طریقت میں

شریعت ہے، شریعت سے علیٰحدہ کوئی چیز نہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو اس دورِ حاضر کے مجدد کے منصب پر فائز فرمایا تھا اس لئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مسلمانوں کے ہر شعبۂ زندگی میں بڑھتی ہوئی تباہیوں اور بربادیوں کو محسوس فرما کر جہاں سینکڑوں اور ہزاروں میل کے سفر طے کر کے اپنے مواعظِ حسنہ ملفوظات اور عام مجالس کے ذریعہ لوگوں کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کیا وہاں آپ نے اپنی عظیم تصانیف کے ذریعے عوام وخواص کی رہبری فرمائی اور ان کو صحیح دین سے آشنا کیا، رسوم وبدعات کی تاریکیوں سے نکالا، اللہ تعالیٰ کے راضی کرنے کے لئے عجیب عجیب نسخے تیار کئے۔ نشر واشاعت کے اس دور میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا یہ عظیم اور امتیازی کارنامہ ہے کہ ڈیڑھ ہزار سے زائد تصانیف کو جن کی صرف فہرست ہی سوصفحات سے زائد ہے آپ کے قلم وحقیقت رقم سے نکلی ہیں ہر علم وفن پر تصانیف وتالیفات اس قدر فرمائیں کہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ متقدمین ومتاخرین میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، مسلمانوں کے لئے دین ودنیا کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس پر حضرت حکیم الامت تھانوی کی سیر حاصل مستند ومعتبر تصانیف ومواعظ اور ملفوظات نہ ہوں (اکابرِ علماءِ دیو بند ص ۴۳ تا ۴۵ ملخصاً)

۲ ...... **ماہِ رجب ۱۳۷۴ھ:** میں مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کا نام محمد اعزاز علی اور لقب اعزاز العلماء ہے، آپ دار العلوم دیو بند کے ایک عظیم استاد تھے، آپ دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ علمِ ادب میں بہت اونچے مقام پر فائز تھے، اسی وجہ سے آپ کو شیخ الادب کہا جاتا ہے، آپ کی عربی کی تصنیف ''**نفحة العرب**'' آج بھی درسِ نظامی میں شامل ہے، اور یہ کتاب عربی ادب کے ابتدائی اور متوسط درجہ کے لئے بہترین مجموعہ ہے، جدید تالیفات میں اس کو خاص مقام حاصل ہے (ظفر المحصلین ص ۳۰۱ تا ۳۰۸ ملخصاً)

فقط۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

باسمہٖ تعالیٰ

(آفات وبلیّات سے متعلق چھ وقیع رسائل کا مجموعہ)

زلزلہ، اِستِسقاء

قنوتِ نازلہ اور نمازِ گرہن

کے احکام

دنیا میں آفات وبلیات اور زلزلہ کے اسباب وعوامل اور ان سے حفاظت ونجات کا راستہ

دہشت اور خوف کے موقع پر قنوتِ نازلہ پڑھنے

اور خشک سالی کے موقع پر استسقاء کی دعا کرنے اور نماز پڑھنے

اور سورج وچاند گرہن کے موقع پر گرہن کی نماز پڑھنے کے

مفصّل ومدلّل فضائل وفوائد اور مسائل واحکام

مؤلف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران: چاہ سلطان راولپنڈی پاکستان

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph:0092515507530

باسمہٖ تعالیٰ

بسلسلہ: اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

اصلاح واضافہ شدہ جدید ایڈیشن

شَعبَان

وشبِ براٗت

کے

فضائل واحکام

مؤلف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

اضافہ واصلاح شدہ چوتھا ایڈیشن

شعبان وشبِ برأت

کے

فضائل واحکام

اس کتاب میں اسلامی سال کے آٹھویں مہینے ''شعبانُ المُعَظَّم'' سے متعلق فضائل ومسائل اور منکرات ومفاسد کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور اسی کے ساتھ ''شبِ برأت'' کے بارے میں افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اہلُ السنۃ والجماعۃ کے معتدل نظریہ کو دلائل کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے اور اس بارے میں علمی وعملی، فکری ونظریاتی بے اعتدالیوں کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ آخر میں اس مہینے میں واقع ہونے والے بعض اہم تاریخی واقعات کو بھی درج کر دیا گیا ہے۔

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

نام کتاب: شعبان وشبِ براَت کے فضائل واحکام

مصنّف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اوّل:ربیع الآ خر۱۴۲۳ھ جون2002ء ۔ طباعتِ چہارم:ربیع الآ خر۱۴۳۵ھ فروری2014ء

صفحات: ۲۲۸

ملنے کے پتے

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام کے سلسلہ میں بندہ نے ’’شعبان وشبِ برأت کے فضائل واحکام‘‘ کے عنوان سے کئی سال پہلے ایک مختصر کتاب ترتیب دی تھی، جواس سے قبل دو مرتبہ شائع ہوئی۔

لیکن پہلے ترتیب کے وقت کئی مراجع وماٰ خذ کی اصل کتب مہیا نہ تھیں، جس کی وجہ سے کئی مقامات پر اردو کتابوں سے نقل واخذ سے کام لیا گیا تھا۔

اور تیسری مرتبہ اس کتاب کی اشاعت کے وقت متعدد اہلِ علم کواس کا شائق پایا، تو بندہ نے اپنے پاس موجود متعلّقہ اصل ماٰ خذ ومراجع کی طرف مراجعت کی، جس کے نتیجہ میں کئی جگہ حذف واضافہ کرنا پڑا، اوراسی ضمن میں کئی مسائل کی تحقیق بھی ہوئی، اور بحمداللہ تعالیٰ اصل ماٰ خذ ومراجع اوران کے شامل ہونے کی وجہ سے اس کی افادیت میں اضافہ ہوگیا، اوراسی کے ساتھ متن اورحواشی میں اصل عبارات کوشامل وداخل کرنے کی وجہ سے بندہ کی دیگر اضافہ شدہ کتب کی طرح اس کا بھی حجم بڑھ گیا، اوراب چوتھی مرتبہ کی اشاعت کے وقت ایک آدھ مقام پر کچھ اصلاح کی گئی۔

اب بندہ کے نزدیک موجودہ ایڈیشن پہلے کے مقابلہ میں زیادہ مستند ومعتبر ہے۔

اس لئے موجودہ اور سابقہ ایڈیشنوں میں کسی جگہ حذف واضافہ اور ترمیم وتبدیل وغیرہ کا فرق ہونے کی صورت میں موجودہ ایڈیشن کے مضمون کوراجح اور سابقہ کومرجوح سمجھا جائے۔

امید ہے کہ پہلے کے مقابلہ میں موجودہ ایڈیشن ان شاء اللہ تعالیٰ عام لوگوں کے علاوہ اہلِ علم حضرات کے لئے بھی مفید ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو بندہ اور جملہ مؤمنین ومؤمنات کے لئے نافع ومفید بنائیں، اور دنیاوآخرت کے اعتبار سے خیر ونجات کا باعث بنائیں۔ آمین۔ فقط محمد رضوان

مورخہ: ۲۶/ ربیع الاول/ ۱۴۳۵ھ۔ 28/ جنوری/2014ء، بروز منگل

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شعبان کے فضائل واحکام

’’شعبان‘‘ اسلامی سال کا آٹھواں مہینہ

شعبان کا مہینہ اسلامی سال کا آٹھواں مہینہ ہے۔

کیونکہ اسلامی مہینوں کی ترتیب اس طرح ہے:

(۱)......محرم (۲)......صفر (۳)......ربیعُ الاول (۴)......ربیعُ الآخر یا ربیعُ الثانی

(۵)...... جمادی الاولیٰ (۶)...... جمادی الاخریٰ (۷)...... رجب (۸)......

شعبان (۹)......رمضان (۱۰)......شوّال (۱۱)......ذوالقعدہ (۱۲)......ذوالحجہ۔

اور جیسا کہ سب مسلمانوں کو معلوم ہے کہ ماہانہ وسالانہ اسلامی احکام، قمری (یعنی چاند والے) مہینوں سے وابستہ ہیں، نہ کہ موجودہ عیسوی یا دوسرے مہینوں سے، چنانچہ عید، بقرعید، روزے، قربانی، حج، شبِ قدر اور شبِ برأت وغیرہ ان سب احکامات کا تعلق قمری مہینوں سے ہے۔

اس لئے قمری مہینوں کو یاد رکھنا اور ان کا علم ہونا نہایت ضروری ہے، تاکہ ایک مسلمان اسلامی زندگی شرعی اصولوں کے مطابق آسانی کے ساتھ گزار سکے۔

شعبان کی لفظی ومعنوی تحقیق

شَـعْبَـانُ عربی کا لفظ ہے، اس میں ’’ش‘‘ پر زبر اور ’’ع‘‘ پر جزم ہے، یہ ہمیشہ مذکر (یعنی نر کے طور پر) استعمال ہوتا ہے، اور اس کے ایک معنیٰ ہیں ’’پھیلانا اور شاخ در شاخ ہونا‘‘

اس مہینہ کا نام شعبان کیوں رکھا گیا؟

اس کی اہلِ علم حضرات نے کئی وجوہات بیان کی ہیں، جن میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفلی روزے رکھنے اور نیک عمل کرنے والے کو شاخ در شاخ برابر بڑھتی رہنے

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

والی نیکی اور خیر وخوبی کا موقع میسر ہوتی ہے۔

اور گویا اس مہینہ میں خیر وبرکت کی شاخیں پھوٹتی ہیں۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ رجب کے مہینے میں (اس کے احترام کی وجہ سے) عرب کے لوگ لڑائی جھگڑوں وغیرہ سے بچ کر گھروں میں رہتے تھے، اور شعبان کے مہینے میں منتشر ومتفرق ہوجاتے تھے، جس طرح شاخیں منتشر ومتفرق ہوتی ہیں، اس وجہ سے اس کا نام شعبان رکھا گیا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کے معنیٰ ظاہر ہونے کے ہیں، اور یہ مہینہ یا اس مہینہ کا چاند رمضان کے بابرکت مہینے سے پہلے ظاہر ہوتا ہے، جس کی وجہ سے رمضان کے بابرکت مہینے کی آمد کا احساس پیدا ہوتا ہے، اس لئے اس مہینے کا نام شعبان رکھا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

---

[1] واشتقاق شعبان من الشعب وهو الاجتماع سمی به لانه يتشعب فيه خير كثير كرمضان وقيل لانهم كانوا يتشعبون فيه بعد التفرقة ويجمع على شعابين وشعبانات وقال ابن دريد سمی بذلك لتشعبهم فيه ای لتفرقهم فی طلب المياه وفی (المحكم) سمی بذلك لتشعبهم فی الغارات وقال ثعلب قال بعضهم انماسمی شعباناً لانه شعب ای ظهر بين رمضان ورجب وعن ثعلب كان شعبان شهرا تتشعب فيه القبائل ای تتفرق لقصد الملوك والتماس العطية (عمدة القاری شرح صحيح البخاری للشيخ الامام العلامة بدرالدين ابی محمدمحمود بن احمد العينی ج ۸ ص ۱۸۴، باب صوم شعبان)

الشعب القبيلة المتشعبة من حی واحد و الشعب من الوادی ما اجتمع منه طرف وتفرق منه طرف فإذا نظرت إليه من الجانب الذی يتفرق أخذت فی وهمك واحدا يتفرق وإذا نظرت إليه من جانب الاجتماع أخذت فی وهمك اثنين اجتمعا فلذلك يقال شعبت الشیء جمعته وشعبته فرقته فهو من الأضداد ....شعبان علم للشهر من الشعب وهو التفرق فكان رجب عندهم محرما يقعدون فيه عن الغزو فإذا دخل شعبان تشعبوا أی تفرقوا فی جهات الغارات (التوقيف على مهمات التعاريف للمناوی، فصل العين، ص ۴۳۰)

الشَّعب بوزن الكَعب ما تَشعَّب مِن قَبائِل العَرَب والعَجَم والجمع شُعُوب .وهو أيضاً القَبِيلة العَظِيمة .وقيل أكبَرُها الشَّعب ثم القَبِيلة ثم الفَصِيلة ثم العِمارة بالكسر ثم البَطْن ثم الفَخِذ .وشَعَبَ الشَّیءَ فَرَّقه .وشَعَبَه أيضاً جَمَعه من باب قَطَع وهو من الأَضداد .وفی الحديث (ما هَذِهِ الفُتيَا التی شَعَبَتَ بها النَّاسَ) أی فَرَّقْتَهم .والشُّعبة .واحدةُ الشُّعَب وهی الأَغصَان .وجمع شَعْبان شَعْبانات (مختار الصحاح، مادہ ش ع ب)

وشَعْبانُ اسمٌ للشَّهرِ سُمِّیَ بذلك لتَشَعُّبهم فيه أَی تَفَرُّقِهم فی طَلَبِ المِياهِ وقيل فی الغاراتِ وقال ثعلب قال بعضهم إِنما سُمِّیَ شَعبانَ شَعبانُ لأَنه شَعَبَ أَی ظَهَرَ بين شَهرَیْ رمضانَ ورَجَبٍ والجمع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شعبان کے ساتھ ''معظّم'' لگانے کی وجہ

شعبان کے ساتھ ''معظّم'' کا لفظ لگا کر ''شعبانُ المعظَّم'' بولا جاتا ہے، معظَّم کے معنٰی عظمت والی چیز کے ہیں، اور کیونکہ یہ مہینہ شریعت کی نظر میں عظمت والا مہینہ ہے، اس لئے اس مہینہ کو شعبانُ المعظَّم کہا جاتا ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان میں نفلی روزے کے افضل ہونے کی وجہ رمضان کی تعظیم بتلائی ہے، یعنی رمضان کی تعظیم کی وجہ سے شعبان کے مہینے میں روزے رکھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔[1]

یہ وجہ بھی اس مہینہ کو شعبانُ المعظّم کہنے کی معقول معلوم ہوتی ہے، یعنی رمضان کی تعظیم والا مہینہ۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

شَعُباناتٌ وشَعابِينُ کرمضانَ ورَمَاضِينَ(لسان العرب لابن منظور ،مادہ شعب)

شعبان من تشعب القبائل وتفرقھاللغارۃ ویجمع علی شعابین وشعبانات(تفسیر ابن کثیر عربی الجزء العاشرج ۲ ص ۴۶۶)

غیاثُ اللغات فارسی میں ہے کہ:

شعبان چون درین ماہ خیرِ کثیر منشعب میگردد وارزاقِ عباد منشعب میشوند وتمامی امورات مقدرۂ عالم علٰیحدہ علٰیحدہ میشوند لہٰذا این اسم مسمّٰی گشت، از کتابی معتبر نوشتہ شد(غیاث اللغات فارسی ص ۲۹۳)

[1] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ :حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ :حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ مُوسَى، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ :سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَيُّ الصَّوْمِ أَفْضَلُ بَعْدَ رَمَضَانَ؟ فَقَالَ :شَعْبَانُ لِتَعْظِيمِ رَمَضَانَ ، قِيلَ :فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ :صَدَقَةٌ فِي رَمَضَانَ (ترمذی، حدیث نمبر ۶۶۳، کتاب الزکاۃ، باب ماجاء فی فضل الصدقۃ، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی -مصر)

قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَصَدَقَةُ بْنُ مُوسَى لَيْسَ عِنْدَهُمْ بِذَاكَ القَوِيِّ.

مگر اس حدیث کی سند کو امام ترمذی نے غریب قرار دیا ہے۔

ماہِ شعبان اور اس کے چاند کی فضیلت واہمیت

شعبان کے مہینے کو اللہ تعالیٰ نے بہت فضیلت، اہمیت اور کرامت وشرافت عطا فرمائی ہے۔
کسی بھی مہینے کو فضیلت حاصل ہونے کی اصل وجہ اللہ تعالیٰ کی خاص تجلیات وبرکات کا اُس میں نازل ہونا ہے، لیکن بعض دوسری وجوہات بھی ثانوی درجہ میں فضیلت کا سبب بن جاتی ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اس مہینہ میں برکت فرمانے کی دعاء فرمائی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینہ میں کثرت سے نفلی روزے رکھا کرتے تھے، اور اس مہینہ کے چاند اور تاریخوں کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔
یہ وہ مہینہ ہے جس میں بندوں کے اعمال اللہ ربُّ العالمین کی بارگاہ میں اٹھائے جاتے ہیں، اور یہ مہینہ رمضان سے متصل اور قریب میں واقع ہے، یعنی اس مہینے کے ختم ہونے پر رمضانُ المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہوجاتا ہے گویا کہ شعبان کا مہینہ رمضان کی تمہید اور اس کا مقدمہ ہے۔
اور یہی وہ مہینہ ہے کہ اس میں ایک بابرکت رات آتی ہے، جس کو ''شبِ براَت'' کہا جاتا ہے۔
ان ہی جیسی وجوہات کے پیشِ نظر اس مہینہ کو ''شعبانُ المعظّم'' کہا جاتا ہے۔
بہر حال شعبان کا مہینہ فضیلت وعظمت والا مہینہ ہے، لہٰذا شعبان کے مہینہ کی سب مسلمانوں کو قدر کرنی چاہئے، اور اس سے متعلقہ شرعی احکام کا علم ہونا چاہئے۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بسندِ ضعیف روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَجَبٌ قَالَ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبٍ وَّشَعْبَانَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْ رَمَضَانَ (مسند احمد) [1]

[1] حديث نمبر ۲۲۲۸، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ؛ شعب الإيمان للبيهقي، حديث نمبر ۳۸۱۵؛ المعجم الاوسط للطبراني، حديث نمبر ۳۹۳۹؛ مسند بزار، حديث نمبر ۶۴۹۴.
قال البيهقي:
تفرد به زياد النميري و عند زائدة بن أبي الرقاد قال البخاري زائدة بن أبي الرقاد عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رجب کا مہینہ داخل ہونے پر یہ دعا کرتے تھے کہ:

اے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرمایئے، اور ہمیں رمضان کے مہینے تک (سلامتی کے ساتھ) پہنچا دیجئے (ترجمہ ختم)

یعنی ان مہینوں میں ہماری طاعت وعبادت میں برکت عطا فرمایئے، اور ہماری عمر لمبی کر کے رمضان تک پہنچا دیجئے، تاکہ رمضان کے اعمال، روزہ اور تراویح وغیرہ کی سعادت حاصل کر سکیں۔ جس سے شعبان کے مہینے کا برکت والا ہونا ظاہر ہوا۔ [۱]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :أَحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ

(مستدرک حاکم) [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

زیاد النمیری منکر الحدیث (حوالہ بالا)

وقال الهیثمی:

رَوَاهُ الْبَزَّارُ ، وَالطَّبَرَانِیُّ فِی الْأَوْسَطِ ، وَفِیهِ زَائِدَةُ بْنُ أَبِی الرُّقَادِ ، وَفِیهِ کَلَامٌ ، وَقَدْ وُثِّقَ (مَجْمَعُ الزَّوَائِدِ ، ج۳ص۱۴۰ ، باب فی شهور البرکة وفضل شهر رمضان، مکتبة القدسی، قاهرة)

قلت :وقال البزار .لا بأس به، وإنما نکتب من حدیثه ما لم نجد عند غیره، کذا فی التهذیب، وفیه أیضاً زیادة النمیری، وهو ضعیف(مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح لابی عبید الله بن محمد عبد السلام المبارکفوری، ج۴ص۴۴۳)

روی بإسناد ضعیف "أنه صلی الله علیه وسلم کان إذا دخل رجب قال اللهم بارک لنا فی رجب وشعبان وبلغنا رمضان "ویجوز العمل فی الفضائل بالضعیف (تذکرة الموضوعات للفتنی، کتاب العلم باب الفاضلة من الاوقات الخ)

[۱] اللهم بارک لنا ای فی طاعتنا وعبادتنافی رجب وشعبان وبلغنا رمضان ای ادراکه بتمامه والتوفیق لصیامه وقیامه (مرقاة المفاتیح، لملاعلی قاری ج ۳ ص ۱۰۲۲ ، کتاب الصلاة، باب الجمعة)

[۲] حدیث نمبر ۱۵۴۸ ،کتاب الصوم،دار الکتب العلمیة -بیروت؛ شرح السنة للامام البغوی، کتاب الصیام، باب لا یتقدم شهر رمضان بصوم یوم أو یومین.

قال الحاکم: صَحِیحٌ عَلَی شَرْطِ مُسْلِمٍ، وَلَمْ یُخَرِّجَاهُ .

وقال المناوی: (ت) فی الصوم من طریق مسلم صاحب الصحیح (ک) فی الصوم وصححه (عن أبی هریرة) ورجاله رجال الصحیح إلا محمد بن عمرو فإنه لم یخرجه الشیخان (فیض القدیر للمناوی، تحت حدیث رقم ۲۶۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان (کے صحیح حساب) کی غرض سے شعبان کے چاند (اور اس کی تاریخوں کے حساب کو) خوب اچھی طرح محفوظ رکھو (ترجمہ ختم)

اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

أَحْصُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ وَلَا تُقَدِّمُوْا الشَّهْرَ بِصَوْمٍ،فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَصُوْمُوْا وَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَأَفْطِرُوْا،فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوْا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ أَفْطِرُوْا فَإِنَّ الشَّهْرَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا (سنن الدار قطنی) [1]

ترجمہ: تم رمضان کے لیے شعبان کے دِنوں کو صحیح شمار کر کے رکھو، اور تم رمضان کا مہینہ شروع ہونے سے پہلے روزہ نہ رکھو، پس جب تم چاند دیکھ لو، تو روزہ رکھو، اور جب (اس کے بعد اگلا) چاند دیکھ لو، تو روزے رکھنے چھوڑ و، اور اگر تم پر موسم اَبر آلود ہو جائے (جس کی وجہ سے چاند نہ دیکھا جا سکے) تو تم تیس دن پورے کر لو، پھر اس کے بعد روزے رکھنے چھوڑ دو، کیونکہ مہینہ اس طرح اور اس طرح اور اس طرح ہوتا ہے (ترجمہ ختم)

مہینہ اس طرح اور اس طرح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے، اور کبھی تیس دن کا، اگر شرعی اصولوں کے مطابق انتیس کو چاند کی رؤیت ہو جائے، تو انتیس دن کا، ورنہ تیس دن کا ہوتا ہے، جس کی دیگر احادیث میں تفصیل آئی ہے۔ [2]

---

[1] حديث نمبر ٢١٧٦، كتاب الصيام، مؤسسة الرسالة، بيروت.
وفيه الواقدى. وهو فى الحديث ضعيف ،ولكن له شواهد كثيرة.

[2] عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ رَمَضَانَ، فَضَرَبَ بِيَدَيْهِ فَقَالَ :الشَّهْرُ هَكَذَا، وَهَكَذَا، وَهَكَذَا -ثُمَّ عَقَدَ إِبْهَامَهُ فِي الثَّالِثَةِ -فَصُومُوا لِرُؤْيَتِهِ، وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوا لَهُ ثَلَاثِينَ(مسلم،حديث نمبر ١٠٨٠)
حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، أَنَّهُ قَالَ : إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ، لاَ نَكْتُبُ وَلاَ نَحْسُبُ، الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا يَعْنِي مَرَّةً تِسْعَةً وَعِشْرِينَ، وَمَرَّةً ثَلاَثِينَ(بخارى،حديث نمبر ١٩١٣)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَفَّظُ مِنْ هِلَالِ شَعْبَانَ مَا لَا يَتَحَفَّظُ مِنْ غَيْرِهِ،ثُمَّ يَصُوْمُ رَمَضَانَ لِرُؤْيَتِهٖ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْهِ عَدَّ ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ صَامَ (سنن الدارقطنی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے چاند (اور اس مہینے کی تاریخوں) کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهكذا الاول اشار بها الى نشر الاصابع وهكذا ثانيا وثالثا خبره وعقد احدى الابهامين فى المرة الثالثة فصارت الجملة تسعا وعشرين ثم قال الشهر هكذا وهكذا وهكذا ولم يعقد الابهام فصارت الجملة ثلثين كما فسر به الراوى(القول المنشور فى هلال خير الشهور،ص ۹،للإمام محمد عبد الحي اللكنوى)

(قَوْلُهُ فَإِنْ رَأَوْهُ صَامُوا وَإِنْ غُمَّ عَلَيْهِمْ أَكْمَلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا ثُمَّ صَامُوا) لِأَنَّ الْأَصْلَ بَقَاءُ الشَّهْرِ فَلَا يُنْتَقَلُ عَنْهُ إلَّا بِدَلِيلٍ وَلَمْ يُوجَدْ وَلَا يُصَامُ يَوْمُ الشَّكِّ(الجوهرة النيرة،كتاب الصوم)

قَدْ قَدَّمْنَا عَنْ الْبَدَائِعِ أَنَّ كَوْنَهُ ثَلَاثِينَ هُوَ الْأَصْلُ، وَالنُّقْصَانُ عَارِضٌ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،كِتَابُ الصَّوْمِ،بِمَا يَثْبُتُ شَهْرُ رَمَضَانَ)

[1] حديث نمبر ۲۱۴۹،كتاب الصيام، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ؛ مسنداحمد، حديث نمبر ۲۵۱۶۱.

قال الدارقطنى: .هَذَا إِسْنَادٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وفى حاشية مسند احمد:

إسناده صحيح على شرط مسلم .معاوية -وهو ابن صالح الحضرمي -وعبد اللّٰه بن أبي قيس، من رجاله، وبقية رجال الإسناد ثقات من رجال الشيخين .عبد الرحمن :هو ابنُ مهدى.وأخرجه أبو داود(۲۳۲۵)من طريق الإمام أحمد بهذا الإسناد.وأخرجه ابنُ خُزيمة(۱۹۱۰)وابنُ حبان(۳۴۴۴)والدارقطني(۱۵۶/۲،۱۵۷)من طريق عبد الرحمن، به.قال الدارقطني :هذا إسناد حسن صحيح .وأخرجه ابن الجارود في المنتقى(۳۷۷) من طريق أسد بن موسى مطولاً، والحاكم في المستدرك(۴۲۳/۱)والبيهقى فى السنن(۲۰۶/۲)من طريق عبد الله بن صالح، كلاهما عن معاوية بن صالح الحضرمى، به.قال الحاكم :هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ...ولم يخرجاه.ووافقه الذهبى .قلنا :لم يخرج البخارى فى الصحيح لمعاوية بن صالح الحضرمى، ولا لعبد الله بن أبى قيس، وروى للأول منهما فى جزء القراء ة، وللثانى فى "الأدب المفرد."وفى الباب عن ابن عباس، سلف برقم(۱۹۸۵) وعن أبى هريرة، سلف برقم(۹۵۵۶)

حفاظت کا جتنا اہتمام کرتے تھے، اتنا اہتمام کسی اور مہینے کے چاند کا نہیں کرتے تھے،
پھر رمضان کا چاند دیکھ کر (رمضان کے) روزے رکھتے تھے، اور اگر (۲۹/شعبان کو)
چاند دکھائی نہ دیتا تو تیس (شعبان کے) دن پورے کرتے، پھر (رمضان کے)
روزے رکھتے تھے (ترجمہ ختم)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے اہتمام کی وجہ سے شعبان کا چاند دیکھنے اور اس کی تاریخیں یاد رکھنے کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔

اس قسم کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کی خاطر شعبان کا چاند دیکھنے اور اس کی تاریخیں یاد رکھنے کی بھی خاص فکر اور خاص اہتمام کرنا چاہئے ، اور جب شعبان کے مہینے کے انتیس دن ہو جائیں تو رمضان کا چاند دیکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔

کیونکہ اس کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں رمضان کا حساب کرنے میں غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے، اور بعض اوقات کئی فتنے اور خرابیاں لازم آ جاتی ہیں، جن کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [۱]

ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ شعبان کا مہینہ شروع ہوتے ہی رمضان کی تیاری شروع کر دینی چاہیے،

---

[۱] عن أبی هريرة (قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-أحصوا ") بفتح الهمزة أمر من الإحصاء ، وهو فی الأصل العد بالحصا أی عدوا "هلال شعبان "أی أيامه "لرمضان "أی لأجل رمضان أو للمحافظة على صوم رمضان، وقال ابن الملک :أی لتعلموا دخول رمضان، قال الطيبی: الإحصاء المبالغة فی العد بأنواع الجهد، ولذلک كنى به عن الطاقة فی قوله -صلى الله عليه وسلم " :-استقيموا ولن تحصوا "اهـ، ويمكن أن يقال :معناه ولن تعدوا استقامتكم شيئا معتدا به لأن المدار على فضل الله -تعالى، قال ابن حجر :أی اجتهدوا فی إحصائه وضبطه بأن تتحروا مطالعه وتتراءوا منازله لأجل أن تكونوا على بصيرة فی إدراک هلال رمضان على حقيقته حتى لا يفوتكم منه شیء (مرقاة، ج۴ص۱۳۷۷ ، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال)

(أحصوا) بضم الهمزة (قوله أحصوا بضم الهمزة :هو خطأ والصواب بفتح الهمزة لأنه من الاحصاء .أه) عدوا واضبطوا والاحصاء أبلغ من العد فی الضبط لما فيه من إعمال الجهد فی العد (هلال شعبان لرمضان) أی لأجل صيامه والهلال ما يرفع الصوت عند رؤيته فغلب على الشهر الذی هو الهلال ذكره الحرانی وفی القاموس الهلال غرة القمر أو لليلتين أو لسبع والمراد أحصوا هلاله حتى تكملوا العدة إن غم عليكم أو تراؤوا هلال شعبان وأحصوه ليترتب عليه رمضان بالاستكمال أو الرؤية فإن قيل حديث العدد لا يقع فيه اضطراب فالأخذ به أولى ورد بالمنع وإن سلم فحديث الرؤية مثله بل أولى وقد قال أحصوا إلى آخره لأن فيه إظهار الشعار دونه (ت) فی الصوم من طريق مسلم صاحب الصحيح (ک) فی الصوم وصححه (عن أبی هريرة) ورجاله رجال الصحيح إلا محمد بن عمرو فإنه لم يخرجه الشيخان (فيض القدير للمناوی، تحت رقم روايت ۲۶۰)

شعبان کیونکہ رمضان کے مہینے کا مقدمہ اور تمہید ہے، اس لئے شعبان میں نفل روزہ، تلاوت وغیرہ کا اہتمام کرکے رمضان کی تیاری مستحب ہے (مجالس الابرار ص۲۰۲)

شعبان کا چاند دیکھنے کا اہتمام کرنا واجب ہے، اسی طرح شعبان کی انتیس تاریخ کی شام کو غروب کے وقت رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کرنا ''واجب علی الکفایہ'' ہے۔

اگر کوئی بھی کوشش نہ کرے گا تو سب گناہ گار رہوں گے۔ [۱]

مگر افسوس ہے کہ آج کل بہت سے لوگ شعبان کا چاند دیکھنے کا ذرا اہتمام نہیں کرتے، اور پھر انتیس یا تیس شعبان ہی کو یکم رمضان قرار دے کر رمضان کے روزے شروع کردیتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

شعبان کے آخری دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ دینے کی حدیث کی حیثیت

ملحوظ رہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک لمبی حدیث مروی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شعبان کے آخری دن میں رمضان کی فضیلت واہمیت کے متعلق خطبہ دینے کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں رمضان میں نفل عبادت کی فضیلت فرض کے برابر اور فرض عبادت کی فضیلت ستر فرضوں کے برابر اور رمضان کے ابتدائی حصے کے رحمت، درمیانی حصے کے مغفرت اور آخری حصے کے جہنم سے آزاد ہونے کا ذکر ہے، اور بھی کئی باتیں ایسی مذکور ہیں جو دیگر صحیح احادیث میں مذکور نہیں ہیں، کئی اہلِ علم حضرات نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے، اور عوام الناس میں اس حدیث میں مذکور فضیلتوں اور باتوں کا بہت چرچا ہے، بلکہ بہت سے عوام کا ان چیزوں کے ثبوت پر پختہ یقین قائم ہے، اور ہم نے بھی اپنی ماہِ شعبان سے متعلق اس کتاب کی پہلی طباعتوں میں اس حدیث کو اعتماد کی بنیاد پر نقل کیا تھا، اور اس کی سند پر زیادہ تحقیق کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

---

[۱] (قولـه ويجب التماس الهلال إلخ) هـو واجب على الكفاية .اهـ .فتـح (حاشية الشِّلْبِى على تبيين الحقائق، ج ا ص۳۱۷، كتاب الصوم)

(قَوْلُهُ وَيَنْبَغِي لِلنَّاسِ أَنْ يَلْتَمِسُوا الْهِلَالَ فِي الْيَوْمِ التَّاسِعِ وَالْعِشْرِينَ مِنْ شَعْبَانَ) أَيْ يَجِبُ وَكَذَا يَنْبَغِي أَنْ يَلْتَمِسُوا هِلَالَ شَعْبَانَ أَيْضًا فِي حَقِّ إتْمَامِ الْعِدَّةِ (الجوهرة النيرة، ج ا ص۱۳۷، كِتَابُ الصَّوْمِ)

يـجـب أن يلتمس الناس الهلال فى التاسع والعشرين من شعبان وقت الغروب فإن رأوه صاموه وإن غم أكملوه ثلاثين يوما كذا فى الاختيار شرح المختار وكذا ينبغى أن يلتمسوا هلال شعبان أيضا فى حق إتمام العدد (الفتاوى الهندية، ج ا ص۱۹۷، كتاب الصوم، الباب الثانى فى رؤية الهلال)

بعد میں اس حدیث کی سند کی تحقیق کی گئی، تو اس حدیث کی سند قابلِ اطمینان معلوم نہیں ہوئی۔

اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''شعب الایمان'' ''الدعوات الکبیر'' اور ''فضائل الاوقات'' میں ذکر کیا ہے۔ [1]

مگر اس حدیث کی سند میں اوّلاً تو ایک راوی علی بن زید بن جدعان ہیں، جن کو اکثر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الضَّرِيرُ بِالرَّيِّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَرَجِ الْأَزْرَقُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بَكْرٍ السَّهْمِيُّ، حَدَّثَنَا إِيَاسُ بْنُ عَبْدِ الْغَفَّارِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ .
ح وَأَخْبَرَنَا أَبُو نَصْرِ بْنُ قَتَادَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو إِسْمَاعِيلُ بْنُ نُجَيْدٍ، حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَوَّارٍ، أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ .
ح وحدثنا أَبُو سَعْدٍ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي عُثْمَانَ الزَّاهِدُ، أخبرنا أَبُو عَمْرٍو مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ مَطَرٍ، أخبرنا جَعْفَرُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ نَصْرٍ الْحَافِظُ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ .
ح وَأَخْبَرَنَا أَبُو زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ الْمُزَكِّي، حَدَّثَنَا وَالِدِي، قَالَ :قَرَءَ عَلَى مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ خُزَيْمَةَ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ حُجْرٍ السَّعْدِيَّ حَدَّثَهُمْ، حدثنا يُوسُفُ بْنُ زِيَادٍ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ يَحْيَى، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ، قَالَ :خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي آخِرِ يَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ فَقَالَ " :يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ، شَهْرٌ مُبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ، جَعَلَ اللهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً، وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِيهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ أَدَّى فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ، وَمَنْ أَدَّى فَرِيضَةً فِيهِ كَانَ كَمَنْ أَدَّى سَبْعِينَ فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ، وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ، وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ، وَشَهْرٌ يُزَادُ فِي رِزْقِ الْمُؤْمِنِ، مَنْ فَطَّرَ فِيهِ صَائِمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرَةً لِذُنُوبِهِ، وَعِتْقَ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ، وَكَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ أَجْرِهِ شَيْءٌ " قُلْنَا :يَا رَسُولَ اللهِ، لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يُفَطِّرُ الصَّائِمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ": يُعْطِي اللهُ هَذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلَى مَذْقَةِ لَبَنٍ أَوْ تَمْرَةٍ أَوْ شَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ، وَمَنْ أَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللهُ مِنْ حَوْضِي شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتَّى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ، وَهُوَ شَهْرٌ أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ، وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ، وَآخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوكِهِ فِيهِ غَفَرَ اللهُ لَهُ وَأَعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ "زَادَ هَمَّامٌ فِي رِوَايَتِهِ " :فَاسْتَكْثِرُوا فِيهِ مِنْ أَرْبَعِ خِصَالٍ، خَصْلَتَانِ تُرْضُونَ بِهَا رَبَّكُمْ، وَخَصْلَتَانِ لَا غِنَى لَكُمْ عَنْهُمَا، فَأَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ تُرْضُونَ بِهَا رَبَّكُمْ :فَشَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَتَسْتَغْفِرُونَهُ، وَأَمَّا اللَّتَانِ لَا غِنَى لَكُمْ عَنْهُمَا فَتَسْأَلُونَ اللهَ الْجَنَّةَ، وَتَعُوذُونَ بِهِ مِنَ النَّارِ "لَفْظُ حَدِيثِ هَمَّامٍ وَهُوَ أَتَمُّ(شعب الایمان،رقم الحدیث ۳۳۳۶،کتاب الصیام، باب فضائل شهر رمضان ،واللفظ لهٗ،الدعوات الكبير، رقم الحديث ۵۳۲،فضائل الاوقات، رقم الحديث ۴۰)

[2] قَال صَالِح بْن أَحْمَد بْن حنبل عَن أبيه :ليس بالقوى، وقد روى الناس عنه.وَقَال عَبْد اللَّهِ بْن أَحْمَد بْن حنبل :سئل أبي :سمع الحسن من سراقة؟ قال :لا، هذا على بن زيد، يعني :يرويه كأنه لم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے ان کی حدیث کو دوسرے شواہد وتائیدات کی صورت میں قبول کیا ہے۔ ۱؎

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

يقنع به .وَقَال أيوب بن إسحاق بْن سافرى:سألت أحمد بْن على بْن زيد، فقال :ليس بشىء.وَقَال حنبل بن إسحاق بن حنبل :سمعت أَبَا عَبْد اللَّهِ يَقُول :علي بن زيد ضعيف الحديث وَقَال عثمان بْن سَعِيد الدارمى ، عَنْ يحيى بْن مَعِين :ليس بذاك القوى.وَقَال معاوية بن صَالِح ، عَنْ يحيى بْن مَعِين: ضعيف.وَقَال أبو بكر بْن أَبي خيثمة، عَن يحيى بْن مَعِين :ليس بذاك.وَقَال مرة أخرى :ضعيف في كل شيئ .وَقَال عَباس الدُّورِيُّ ، عَن يحيى بْن مَعِين :ليس بشىء.وَقَال فى موضع آخر :ليس بحجة.وَقَال في موضع آخر:على بن زيد أحب إلى من ابن عقيل، ومن عاصم بن عُبَيد الله .وَقَال أحمد بن عَبْد اللَّهِ العجلى :يكتب حديثه، وليس بالقوى .وَقَال فى موضع آخر:كان يتشيع، لا بأس به.وَقَال يعقوب بْن شَيْبَة :ثقة، صالح الحديث، وإلى اللين ما هو .وَقَال إبراهيم بن يعقوب الجوزجاني :واهي الحديث ،ضعيف، فيه ميل عن القصد، لا يحتج بحديثه . وَقَال أَبُو زُرْعَة :ليس بقوى.وَقَال أَبُو حاتم :ليس بقوى، يكتب حديثه، ولا يحتج بِهِ، وهو أحب إلى من يزيد بن أَبى زياد، وكان ضريرا، وكان يتشيع .وَقَال التِّرْمِذِيّ:صدوق إلا أنه ربما رفع الشئ الذى لايرفعه غيره.وَقَال النَّسَائى :ضعيف.وَقَال أبو بكر بْن خزيمة :لا احتج به لسوء حفظه .وَقَال أبو أحمد بْن عدى :لم أر أحدا من البَصْرِيّين، وغيرهم امتنعوا من الرواية عنه، وكان يغلى فى التشيع فى جملة أهل البصرة، ومع ضعفه يكتب حديثه .وَقَال الحاكم أبو أحمد :ليس بالمتين عندهم.وَقَال الدَّارَقُطْنِيّ:أنا أقف فيه، لا يزال عندى فيه لين.وَقَال معاذ بن معاذ عن شعبة :حَدَّثَنَا على بن زيد قبل أن يختلط .وَقَال أبو الوليد ، وغير واحد عن شعبة :حَدَّثَنا على بن زيد، وكان رفاعا .وَقَال إبراهيم بن عبد الله بن الجنيد: قال رجل ليحيى بن مَعِين :وأنا أسمع على بن زيد اختلط؟ قال :ما اختلط على بن زيد قط، ثم قال يحيى :حماد بن سلمة أروى عن على بن زيد.وَقَال سُلَيْمان بْن حرب ، عَنْ حماد بن زيد : حَدَّثَنَا على بن زيد، وكان يقلب الأحاديث .وفى رواية:كان على بن زيد يحَدِّثَنا اليوم بالحديث ثم يحَدِّثَنَا غدا، فكأنه ليس ذاك .وَقَال عَمْرو بْن على :كان يَحْيَى بن سَعِيد يتقى الحديث عن على بن زيد، فسألته مرة عن حديث حماد بن سلمة عَنْ على بْن زيد عَنْ عقبة بن صهبان عَن أبى بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلم فى قوله عزوجل :(ثلة من الأولين)فقال :حَدَّثَنَا حماد بْن سلمة عن عَلِيِّ بن زيد بن عقبة بن صهبان عَن أبى بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلم، ثم تركه، وَقَال :دعه .وكان عبد الرحمن يحدث عن الثورى، وابن عُيَيْنَة، وحماد بن سلمة، وحماد بن زيد، عنه .وَقَال أبو معمر القَطِيعِيّ :كان ابن عُيَيْنَة يضعف ابن عقيل، وعاصم بن عُبَيد الله، وعلى بن زيد.وَقَال أيضا:قال ابن عُيَيْنَة :كتبت عن على بن زيد كتابا كبيرا، فتركته زهدا فيه .وَقَال على بْن المدينى:عَن سفيان بْن عُيَيْنَة :وهبت كتاب ابن جدعان، فقيل لسفيان :لم وهبته؟ قال :قد كنت حفظته، ولم أرانى أنساه، وكنت أريد أتثبت منه.وَقَال محمد بن المنهال:سمعت يزيد بن زريع يقول :لقد رأيت على بن زيد، ولم أحمل عنه، فإنه كان رافضيا(تهذيب الكمال ج ۲۰ ص۴۳۷ تاص ۴۴۰)

۱؎ وقال ابن حجر:على بن زيد بن جدعان وفيه ضعف ولم يقل أحد إنه كان يتعمد الكذب حتى يحكم على حديثه بالوضع إذا انفرد وكيف وقد توبع من طريق آخر رجاله غير رجال الأول(القول المسدد فى مسند احمد، ج ۱ ص ۴۲)

دوسرے اس حدیث کی سند میں بعض دیگر راوی بھی ایسے ہیں، جو ضعیف یا شدید ضعیف ہیں۔

چنانچہ بیہقی کی بعض سندوں میں اور صحیح ابنِ خزیمہ کی سند میں ایک راوی یوسف بن زیاد ہیں، جو محدثین کے نزدیک شدید ضعیف ہیں۔ [۱]

اور بعض راوی مجہول ہیں۔ [۲]

اور امالی المحاملی میں علی بن زید کے ساتھ ایک اور راوی عبدالعزیز بن عبداللہ جدعانی ہیں، یہ راوی بھی ضعیف ہیں۔ [۳]

---

[۱] اور اسی وجہ سے ابنِ خزیمہ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ:

بَابُ فَضَائِلِ شَهْرِ رَمَضَانَ إِن صَحَّ الْخَبَرُ(ملاحظه هو:صحیح ابنِ خزیمة،رقم الحدیث ۱۸۸۷، کتاب الصیام، جماع أبواب فضائل شهر رمضان وصیامه)

یوسف بن زیاد البصری أبو عبد الله :عن ابن أنعم الإفریقی وابن أبی خالد قال البخاری :منکر الحدیث وقال الدار قطنی :هو مشهور بالأباطیل وکان ببغداد قاله البخاری وقال أبو حاتم :أیضاً منکر الحدیث وبعض الناس فرق بین الراوی عن ابن أبی خالد وبین الراوی عن الإفریقی انتهی. وقال النسائی فی الکنی لیس بثقة وضعفه الساجی وذکره العقیلی فی الضعفاء وقال لا یتابع علی حدیثه(لسان المیزان، ج۳ص۱۳۷)

یوسف بن زیاد:من أهل البصرة، کنیته أبو عبد الله، سکن بغداد، یروی عن إسماعیل بن أبی خالد روی عنه العراقیون، یتفرد عن إسماعیل بالاشیاء المقلوبة کأنه إسماعیل آخر، ومن غلب علی حدیثه قلة متابعة الثقات، والانفراد عن الاثبات بما لا یشبه حدیث الثقات صار ساقط الاحتجاج به(کتاب المجروحین لابنِ حبان، ج۳ص۱۳۳)

[۲] مثلاً بیہقی کی ایک سند میں ابوبکر اسماعیل بن محمد ضریر اور ایاس بن عبدالغفار مجہول ہیں، اور ان کی حدیث کو بعض محدثین نے غیر محفوظ قرار دیا ہے۔

[۳] حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ ثنا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ ثَوَابٍ، ثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْجُدْعَانِيُّ، ثنا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ :خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آخِرَ يَوْمٍ فِي شَعْبَانَ أَوْ أَوَّلَ يَوْمٍ فِي رَمَضَانَ ,فَقَالَ :يَا أَيُّهَا النَّاسُ ,قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ شَهْرٌ مُبَارَکٌ الخ (امالی المحاملی روایة ابن یحییٰ البیع،رقم الحدیث ۲۹۳)

قَالَ الشیخ :وَعَبد العزیز بُن عَبد اللَّهِ هَذَا عامة ما یرویه لا یتابعه علیه الثقات(الکامل لابن عدی، ج۵ص۲۹۳)

حدیث :خطبنا رسول الله (آخر یوم من شعبان ، وأول یوم من رمضان ، فقال :إنه قد أظلکم شهر عظیم ، شهر مبارک ، فیه لیلة خیر من ألف شهر ، افترض الله (، وجعل قیامه تطوعاً .رواه عبدالعزیز بن عبدالله القرشی :عن سعید بن أبی عروبة ، عن علی بن زید ، عن سعید بن المسیب ، عن سلمان الفارسی قال.وعبدالعزیز هذا ، لم یذکره المتقدمون بضعف ، ولم یتابعه أحد علی روایته له عن سعید .والله أعلم(ذخیرة الحفاظ،لمحمد بن طاهر المقدسی،ج۳،ص۱۲۸۹، تحت رقم الحدیث ۲۷۷۴)

بہر حال اس حدیث کی اسنادی حیثیت سے قطع نظر اس میں شک نہیں کہ رمضان کا مہینہ شروع ہونے سے پہلے ہی شعبان کے مہینے میں بلکہ شعبان کا چاند دیکھنے کا اہتمام کرنے کے ساتھ ہی رمضان کی تیاری اور اس کا اہتمام شروع ہو جانا چاہئے۔

اہلِ علم، مقررین، واعظین، علماء وخطباء کو بھی چاہئے کہ جمعہ کے خطبہ اور وعظ اور دوسرے موقعوں پر شعبان ہی میں لوگوں کو رمضان کی اہمیت اور اس کے احکام کی طرف متوجہ کرنا شروع کردیں۔

رمضانُ المبارک کا مہینہ بہت ہی خیر و برکت کا مہینہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو رمضان کے آنے سے پہلے ہی اس کا ذوق وشوق اور انتظار ہو جاتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو شعبان کے مہینہ میں ہی کثرت سے روزے رکھنا شروع فرمادیا کرتے تھے تاکہ رمضان کا استقبال واحترام زیادہ سے زیادہ بہتر طریقہ پر ہو سکے۔

پھر شعبان کے مہینہ میں ایک بابرکت اور فضیلت والی رات آتی ہے جس کو شبِ برأت کہتے ہیں، جو شعبان کی پندرہویں رات ہے، اس میں نفلی عبادت کی فضیلت ہے، اس کی عبادت میں بھی ایک حکمت یہ ہے کہ رمضان کی تیاری ہو سکے۔ [1]

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ زندگی کے قیمتی لمحات کو غنیمت سمجھتے ہوئے رمضانُ المبارک کے لئے شعبان ہی میں پہلے سے تیاریاں شروع کردیں اور رمضانُ المبارک شروع ہونے سے پہلے ہی اس کے استقبال اور طلب کے لئے دل سے آمادہ ہو جائیں اور پورے ذوق وشوق کے ساتھ اس کے انتظار میں لگ جائیں اور رمضانُ المبارک اور اس کے احکام کا علم حاصل کرنے اور پہلے علم میں تازگی پیدا کرنے کے لئے علم حاصل کرنے کا اہتمام کریں۔

---

[1] مجالسُ الابرار میں ہے:

''شعبان چونکہ رمضان کا مقدمہ ہے، اس لیے شعبان میں روزہ اور تلاوتِ قرآن سے رمضان کی تیاری مستحب ہے، تاکہ اس سے نفس کو طاعتِ الٰہی کی عادت رمضان آنے سے پہلے ہی ہوجائے'' (مجالسُ الابرار صفحہ ۲۰۲، مجلس نمبر ۲۲)

''شعبان کے روزے رمضان کے روزوں کی مشّاقی کے لئے ہیں، تاکہ رمضان کے روزوں میں کچھ دِقّت اور تکلیف نہ ہو بلکہ پہلے سے روزے کا خوگر ہو چکا ہو اور شعبان ہی سے روزوں کا مزہ اُٹھا رہا ہو، پھر رمضان کے روزے رغبت اور خوشی سے رکھے'' (مجالس الابرار صفحہ ۲۰۹، مجلس نمبر ۲۳)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

نیز رمضانُ المبارک شروع ہونے سے پہلے ہی اس نعمت کے حاصل ہونے اوراس کی صحیح قدرو قیمت بجالانے کی اللہ تعالیٰ سے حسبِ توفیق دعائیں کرنے اور گناہوں سے توبہ کا اہتمام کریں۔

اس کے ساتھ ساتھ دنیاوی مشاغل اور مصروفیات کو کسی حد تک کم کرنے کی کوشش کریں تا کہ رمضان کے بابرکت اوقات بلکہ نیکیوں کے اعلیٰ ترین سیزن میں زیادہ سے زیادہ وقت لگا کر آخرت کی خوب کمائی کی جاسکے۔

اور شعبان کے مہینہ میں تلاوت ،نوافل اوردوسری عبادات کے ذریعہ سے نفس کوقوی اور مضبوط کر کے ہمت کے ساتھ رمضان کی تیاری کا اہتمام کریں۔

اوررمضانُ المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہونے کے لئے انتیس شعبان ہی کی شام کو رمضان کا چاند دیکھنے کا اہتمام وکوشش کریں۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ رمضانُ المبارک کا چاند نظر بھی آجائے اوراس طرح رمضانُ المبارک کی بابرکت اور قیمتی گھڑیاں اور لمحات شروع بھی ہوجائیں، اور ہمیں خبر ہی نہ ہواوراس طرح غافل لوگوں میں شمار نہ ہوجائیں۔

اللہ تعالیٰ ایسی غفلت سے نجات وحفاظت فرمائیں۔آمین۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

ماہِ شعبان اور اُس میں نفلی روزوں کی فضیلت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

کَانَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ حَتّٰی نَقُوْلَ لَایُفْطِرُ وَیُفْطِرُ حَتّٰی نَقُوْلَ لَایَصُوْمُ فَمَارَاَیْتُ رَسُوْلَ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِسْتَکْمَلَ صِیَامَ شَھْرٍ اِلَّارَمَضَانَ وَمَا رَاَیْتُہٗ اَکْثَرَصِیَامًا مِنْہُ فِیْ شَعْبَانَ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی نفل) روزے اتنی کثرت سے رکھتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ اب آپ روزے رکھنا ختم نہیں کریں گے اور (کبھی نفل) روزے نہ رکھنے پر آتے تو ہم کہتے کہ اب آپ (نفل) روزہ نہ رکھیں گے، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان کے علاوہ کسی اور مہینہ کے مکمل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا ،اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان کے علاوہ اور کسی مہینہ میں کثرت سے (نفلی) روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا (ترجمہ ختم)

اس حدیث شریف کے ابتدائی جملوں کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نفل روزہ نہیں رکھا کرتے تھے، بلکہ اس سلسلہ میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک عمل یہ تھا کہ کبھی تو مسلسل کافی عرصہ تک نفل روزے رکھتے تھے، یہاں تک کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزوں کی اس کثرت اور تسلسل کو دیکھ کر لوگ سمجھنے لگتے تھے کہ اب نفل روزے رکھنے کا یہ سلسلہ شاید آپ کبھی ختم نہ کریں۔

اور کبھی ایسا ہوتا کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل کافی عرصہ تک نفل روزہ رکھتے ہی نہ تھے، یہاں

---

[1] حدیث نمبر ۱۹۶۹، کِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ صَوْمِ شَعْبَانَ، دارطوق النجاۃ، بیروت؛ مسلم، حدیث نمبر ۱۱۵۶؛ ابوداؤد، حدیث نمبر ۲۴۳۴؛ نسائی، حدیث نمبر ۲۳۵۱؛ مسند احمد، حدیث نمبر ۲۴۷۵۷.

تک کہ لوگ سوچتے کہ شاید آپ اب کبھی نفل روزہ رکھیں گے ہی نہیں۔

اور رمضان کے پورے مہینہ کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ:

مَارَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ شَهْرٍ اَکْثَرَ صِیَامًا مِنْهُ فِیْ شَعْبَانَ کَانَ یَصُوْمُهٗ اِلَّاقَلِیْلًا بَلْ کَانَ یَصُوْمُهٗ کُلَّهٗ (ترمذی) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (رمضان کے علاوہ) کسی مہینہ میں شعبان سے زیادہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، آپ کچھ دنوں کے علاوہ پورے ہی (شعبان کے) مہینے کے روزے رکھتے تھے، بلکہ پورے مہینے کے روزے رکھا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

کَانَ أَحَبُّ الشُّهُوْرِ إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنْ یَّصُوْمَهٗ شَعْبَانَ، بَلْ کَانَ یَصِلُهٗ بِرَمَضَانَ (نسائی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نفل) روزے رکھنے کے اعتبار سے شعبان کا مہینہ زیادہ پسند تھا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے روزوں کو رمضان کے مہینے تک رکھتے تھے (ترجمہ ختم)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے اکثر دنوں میں رمضان کا مہینہ شروع ہونے کے قریب تک روزے رکھتے تھے (اکثر پر کل کا حکم لگا دیا گیا)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال تو شعبان

---

[1] حديث نمبر ۷۳۷، أَبْوَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي وِصَالِ شَعْبَانَ بِرَمَضَانَ، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر، واللفظ لهٗ؛ نسائى، حديث نمبر ۲۱۷۸؛ مسلم، حديث نمبر ۱۷۶.

[2] حديث نمبر ۲۳۵۰، كتاب الصيام، صوم النبى صلى الله عليه وسلم بأبى هو وأمى، مكتب المطبوعات الإسلامية -حلب، واللفظ لهٗ؛ سنن أبى داود، حديث نمبر ۲۴۳۱.
حكم الألبانى صحيح (تعليق سنن ابى داوٗد)

کے پورے مہینے اور دوسرے سال شعبان کے اکثر دنوں میں نفل روزے رکھا کرتے تھے۔ [1]

[1] قال الترمذی: وَرُوِیَ عَنْ ابْنِ الْمُبَارَکِ أَنَّهُ قَالَ فِی هَذَا الحَدِیثِ، هُوَ جَائِزٌ فِی کَلَامِ العَرَبِ، إِذَا صَامَ أَکْثَرَ الشَّهْرِ أَنْ یُقَالَ :صَامَ الشَّهْرَ کُلَّهُ، وَیُقَالُ :قَامَ فُلَانٌ لَیْلَهُ أَجْمَعَ، وَلَعَلَّهُ تَعَشَّى وَاشْتَغَلَ بِبَعْضِ أَمْرِهِ، کَأَنَّ ابْنَ الْمُبَارَکِ قَدْ رَأَى کِلَا الحَدِیثَیْنِ مُتَّفِقَیْنِ، یَقُولُ :إِنَّمَا مَعْنَى هَذَا الحَدِیثِ أَنَّهُ کَانَ یَصُومُ أَکْثَرَ الشَّهْرِ(ترمذی، تحت حدیث رقم ۷۳۷، ابواب الصوم، باب ما جاء فی وصال شعبان برمضان)

(عن عائشة -رضی الله عنها -قالت :کان رسول الله -صلى الله علیه وسلم -) أی :أحیانا (یصوم) أی :النفل متتابعا (حتى نقول لا یفطر) أی :أبدا، قال التوربشتی :الروایة فی نقول بالنون وقد وجدت فی بعض النسخ بالتاء على الخطاب أی :معناها تقول أنت أیها السامع لو أبصرته، (والروایة) أیضا بنصب اللام، وهو الأکثر فی کلامهم، ومنهم من رفع المستقبل فی مثل هذا الموضع، وقال ابن الملک :ویجوز بیاء الغائب أیضا أی :یقول القائل اهـ .وفیه تفکیک الضمیر، واختلف فی تجویزه، والأظهر عدم جوازه سیما فی جملة واحدة من الکلام (ویفطر حتى نقول لا یصوم، وما رأیت رسول الله -صلى الله علیه وسلم -استکمل صیام شهر قط) هذا بمنزلة استثناء من الکلام السابق (إلا رمضان، وما رأیته فی شهر أکثر) ثانی مفعول رأیت والضمیر فی (منه) له -صلى الله علیه وسلم -(صیاما) تمییز (فی شعبان) متعلق بصام، والمعنى :کان رسول الله -صلى الله علیه وسلم -یصوم فی شعبان وفی غیره من الشهور سوى رمضان، وکان صیامه فی شعبان أکثر من صیامه فیما سواه کذا ذکره الطیبی، وقال بعض الشراح :قوله فی شهر یعنی به غیر شعبان، وهو حال من المستکن فی أکثر، وفی شعبان حال من المجرور فی منه العائد إلى الرسول -صلى الله علیه وسلم -أی :ما رأیته کائنا فی غیر شعبان أکثر صیاما منه کائنا فی شعبان، مثل زید قائما أحسن منه قاعدا، أو کلاهما ظرف، الأکثر الأول باعتبار الزیادة، والثانی باعتبار أصل المعنى، ولا تعلق له برؤیته، وإلا یلزم تفضیل الشیء على نفسه باعتبار حالة واحدة (وفی روایة قالت :کان یصوم شعبان کله) قیل :أی فی أول الأمر (کان) وفی نسخة وکان (یصوم شعبان إلا قلیلا) قال النووی :الثانی تفسیر للأول، وبیان قولها کله أی غالبه اهـ .وهو تأویل بعید، حمله علیه قولها فی الروایة الأولى " قط إلا رمضان "وقیل :المراد أنه یصومه کله فی سنة وأکثره فی سنة أخرى فالمعنى على العطف اهـ .وهو أقرب لظاهر اللفظ، وقیل :کان یصوم تارة من أوله وتارة من آخره وتارة بینهما، قال الطیبی :ولفظ (کله) تأکید لإفادة الشمول ورفع التجوز من احتمال البعض، فتفسیره بالبعض مناف له، ولو جعل کان الثانی وما یتعلق به استئنافا لیکون بیانا للحالتین حالة الإتمام وحالة غیره، لکان أحسن وأعذب، فلو عکف بالواو لم یحمل هذا التأویل(مرقاة المفاتیح، ج۴ص ۱۴۰۹، کتاب الصوم،باب صیام التطوع)

والمعنى کان یصوم فی شعبان وغیره وکان صیامه فی شعبان تطوعا اکثر من صیامه فیما سواه قوله من شعبان زاد فی حدیث یحیى بن أبی کثیر فإنه کان یصوم شعبان کله زاد بن أبی لبید عن أبی سلمة عن عائشة عند مسلم کان یصوم شعبان إلا قلیلا ورواه الشافعی من هذا الوجه بلفظ بل کان یصوم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لَمْ أَرَکَ تَصُوْمُ شَهْرًا مِّنَ الشُّهُوْرِ مَا تَصُوْمُ مِنْ شَعْبَانَ، قَالَ :ذَالِکَ شَهْرٌ يَغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ بَيْنَ رَجَبٍ وَّرَمَضَانَ، وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيْهِ الْأَعْمَالُ إِلٰى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، فَأُحِبُّ أَنْ يُّرْفَعَ عَمَلِيْ وَأَنَا صَائِمٌ (سنن النسائی) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إلخ وهذا يبين أن المراد بقوله فی حديث أم سلمة عند أبی داود وغيره أنه كان لا يصوم من السنة شهرا تاما إلا شعبان يصله برمضان أی كان يصوم معظمه (فتح الباری لابن حجر، ج۴ص ۲۱۴، كتاب الصوم، قوله باب صوم شعبان)

هو جائز فی كلام العرب اذا صام اكثر الشهر ان يقال صام الشهر كله ويقال قام فلان ليله اجمع ولعله تعشی واشتغل ببعض.....وقيل كان يصومه كله فی سنة وبعضه فی سنة اخری وقيل كان يصوم تارة من اوله وتارة من اخره وتارة منهما لايخلی منه شيئا بلاصيام(عمدة القاری ج ۱۱ ص۸۳، كتاب الصوم، باب صوم شعبان)

[1] حديث نمبر ۲۳۵۷، كتاب الصيام، صوم النبی صلی الله عليه وسلم بأبی هو وأمی، مكتب المطبوعات الإسلامية -حلب، واللفظ لهٗ؛ السنن الكبریٰ للنسائی، حديث نمبر ۲۶۷۸؛ مسنداحمد، حديث نمبر ۲۱۷۵۳.

قال البوصيری:رواه أبوبكر بن أبی شيبة وعنه أبويعلی بإسناد حسن، ورواه النسائی فی الكبری (اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، باب صوم شهر شعبان وإقرانه برمضان وما جاء فی سِرر الشهر وصوم شوال)

وفی حاشية مسند احمد:

إسناده حسن، ثابت بن قيس أبو غصن صدوق حسن الحديث، وباقی رجاله ثقات رجال الشيخين .أبو سعيد المقبری :اسمه كَيْسان .وأخرجه أبو نعيم فی "الحلية" (۹/۱۸)والضياء فی "المختارة(۱۳۵۶)"من طريق عبد الله بن أحمد بن حنبل، عن أبيه، بهذا الإسناد .وأخرجه البزار فی "مسنده(۲۶۱۷) "والنسائی ۲/۲۰۱، وابن عدی فی "الكامل۲/۵۱۵ "من طريق عبد الرحمن بن مهدی، به .واقتصر ابن عدی علی قصة صوم شعبان وفضله .وأخرجه عبد الرزاق(۷۹۱۷)وابن أبی شيبة۳/۱۰۳، وعثمان بن سعيد الدارمی فی "الرد علی الجهمية "ص 29، وأبو القاسم البغوی فی "مسند أسامة(۴۸) "و(۴۹)وأبو نعيم فی "معرفة الصحابة(۷۷۱) "والبيهقی فی "شعب الإيمان(۳۸۲۱)"والضياء فی "المختارة(۱۳۱۹) "و(۱۳۲۰)و(۱۳۵۸)من طرق عن ثابت بن قيس، به .وجاءت رواية الحديث عند البغوی فی الموضع الثانی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! شعبان کے مہینے میں جتنے آپ (نفل) روزے رکھتے ہیں، میں نے آپ کو کسی اور مہینے میں اتنے (نفلی) روزے رکھتے نہیں دیکھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ رجب اور رمضان کے درمیان وہ مہینہ ہے جس سے لوگ غافل ہوجاتے ہیں اور اس مہینہ میں اعمال اللہ ربُّ العالمین کی بارگاہ میں اٹھائے جاتے ہیں۔ تو میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال اُٹھائے جائیں تو میں روزے سے ہوں (ترجمہ ختم)

فائدہ: شعبان کے بعد آنے والا رمضانُ المبارک کا مہینہ تو ہے ہی برکتوں اور رحمتوں کا مہینہ، اورشعبان سے پہلا رجب کا مہینہ ان مہینوں میں سے ہے جن کی تعظیم اسلام سے پہلے بھی کی جاتی تھی، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، اور رجب، اوران دونوں مہینوں (یعنی رجب اور رمضان) کی فضیلت لوگوں کو معلوم تھی، مگر ان کے درمیان والے شعبان کے مہینے کی فضیلت واہمیت سے غفلت اختیار کرتے تھے، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ شعبان کا مہینہ ان دونوں (یعنی رجب اور رمضان کے) بابرکت مہینوں کے درمیان ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علـى الشک، فقال :عـن أسـامة أو عـن أبـى هريرة .وزاد عبـد الـرزاق وابن أبى شيبة والبـغـوى فى الموضع الأول وأبو نعيم والبيهقى والضياء فى الموضع الأول والثانى :أبا هـريـرة بين أبى سعيد وأسامة، ولعل أبا سعيد سمعه منهما جميعاً، فالطريقان محفوظان، والله أعلم .واقتصر ابن أبى شيبة وعثمان الدارمى والبغوى فى الموضع الثانى والضياء فـى الـمـوضـعين الأول والثانى على قصة صيام شعبان وفضله، واقتصر عبد الرزاق وأبو نـعيـم والـضيـاء فى الموضع الثالث على قصة صيام يومى الاثنين والخميس وفضلهما . وسيـأتـى مـختـصـراً عـن زيـد بـن الحباب عن ثابت بن قيس برقم(٢١٧٩١)بلفظ :أن رسـول الله صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان يصوم الاثنين والخميس .وللشطر الأول انظر ما سـلف برقم(٢١٧٤٤)وفى باب صيام النبىِّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لشعبان ويومى الاثنين والـخـمـيـس عـن عـائشة سيـأتى٦/ ٨٠،وإسناده صحيح وفى باب صيام النبىِّ ﷺ فى شعبان أكثر من غيره من الشهور عن أم سلمة، سيأتى ٦/ ٣١١، وإسناده صحيح.

[1] فـأحب أن يرفع عملى وأنا صائم ."فبين -صلى الله عليه وسلم -وجه صيامه لشعبان دون غيره من الشهور بقوله " :إنـه شهر يغفل الناس عنه بين رجب ورمضان "يشيـر إلى أنه لما اكتنفه شهران عظيمان :الشهـر الـحـرام وشهـر الصيام، اشتغل الناس بهما، فصار مغفولا عنه(شرح الزرقانى على المواهب اللدنية، ج ١١ ص ٢٨٦)

نیز اس مہینہ میں لوگوں کے اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے اور اُٹھائے جاتے ہیں۔ [1]

اوراسی لئے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی تعظیم شعبان کے روزوں کے ذریعہ فرماتے تھے، جیسا کہ آگے حدیث میں آتا ہے۔

اس تفصیل سے شعبان کے مہینے اور اس میں نفل روزوں کی فضیلت معلوم ہوئی۔

---

[1] واضح رہے کہ اعمال اٹھائے جانے اور پیش ہونے کے بارے میں مختلف احادیث مروی ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کی پیشی شعبان میں ہوتی ہے، جیسا کہ مندرجہ بالا روایت سے واضح ہے، اور بعض روایات میں شعبان کی پندرہویں رات کا ذکر ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اور بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر رات کے اعمال اس دن سے پہلے اور ہر دن کے اعمال اس رات سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کردیئے جاتے ہیں، جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِی مُوسَی، قَالَ :قَامَ فِینَا رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِأَرْبَعٍ :إِنَّ اللهَ لَا یَنَامُ وَلَا یَنْبَغِی لَهُ أَنْ یَنَامَ، یَرْفَعُ الْقِسْطَ وَیَخْفِضُهُ، وَیُرْفَعُ إِلَیْهِ عَمَلُ النَّهَارِ بِاللَّیْلِ، وَعَمَلُ اللَّیْلِ بِالنَّهَارِ(مسلم،حدیث نمبر ۱۷۹)

اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر پیر اور جمعرات کے دن پیش کئے جاتے ہیں۔

جیسا کہ درج ذیل احادیث میں ہے۔

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ یَوْمَ الِاثْنَیْنِ وَالخَمِیسِ، فَأُحِبُّ أَنْ یُعْرَضَ عَمَلِی وَأَنَا صَائِمٌ :حَدِیثُ أَبِی هُرَیْرَةَ فِی هَذَا البَابِ حَدِیثٌ حَسَنٌ غَرِیبٌ(ترمذی،حدیث نمبر ۷۴۷)

حَدَّثَنِی أَبُو سَعِیدٍ الْمَقْبُرِیُّ، قَالَ :حَدَّثَنِی أُسَامَةُ بْنُ زَیْدٍ، قَالَ :قُلْتُ :یَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّکَ تَصُومُ حَتَّی لَا تَکَادَ تُفْطِرُ، وَتُفْطِرُ حَتَّی لَا تَکَادَ أَنْ تَصُومَ، إِلَّا یَوْمَیْنِ إِنْ دَخَلَا فِی صِیَامِکَ وَإِلَّا صُمْتَهُمَا، قَالَ :أَیُّ یَوْمَیْنِ؟ قُلْتُ :یَوْمَ الِاثْنَیْنِ وَیَوْمَ الْخَمِیسِ، قَالَ :ذَانِکَ یَوْمَانِ تُعْرَضُ فِیهِمَا الْأَعْمَالُ عَلَی رَبِّ الْعَالَمِینَ، فَأُحِبُّ أَنْ یُعْرَضَ عَمَلِی وَأَنَا صَائِمٌ(السنن الصغری للنسائی، حدیث نمبر ۲۳۵۸)

حَدَّثَنِی أَبُو سَعِیدٍ الْمَقْبُرِیُّ، حَدَّثَنِی أُسَامَةُ بْنُ زَیْدٍ، قَالَ :کَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُومُ الْأَیَّامَ یَسْرُدُ حَتَّی یُقَالَ :لَا یُفْطِرُ، وَیُفْطِرُ الْأَیَّامَ حَتَّی لَا یَکَادُ أَنْ یَصُومَ إِلَّا یَوْمَیْنِ مِنَ الْجُمُعَةِ، إِنْ کَانَ فِی صِیَامِهِ، وَإِلَّا صَامَهُمَا، وَلَمْ یَکُنْ یَصُومُ مِنْ شَهْرٍ مِنَ الشُّهُورِ مَا یَصُومُ مِنْ شَعْبَانَ، فَقُلْتُ :یَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّکَ تَصُومُ لَا تَکَادُ أَنْ تُفْطِرَ، وَتُفْطِرَ حَتَّی لَا تَکَادَ أَنْ تَصُومَ إِلَّا یَوْمَیْنِ إِنْ دَخَلَا فِی صِیَامِکَ وَإِلَّا صُمْتَهُمَا قَالَ " :أَیُّ یَوْمَیْنِ ؟ "قَالَ: قُلْتُ :یَوْمُ الِاثْنَیْنِ، وَیَوْمُ الْخَمِیسِ .قَالَ " :ذَانِکَ یَوْمَانِ تُعْرَضُ فِیهِمَا الْأَعْمَالُ عَلَی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :أَیُّ الصَّوْمِ أَفْضَلُ بَعْدَ رَمَضَانَ؟ فَقَالَ :

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رَبِّ الْعَالَمِینَ، وَأُحِبُّ أَنْ یُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ "قَالَ :قُلْتُ :وَلَمْ أَرَکَ تَصُومُ مِنْ شَهْرٍ مِنَ الشُّهُورِ مَا تَصُومُ مِنْ شَعْبَانَ قَالَ " :ذَاکَ شَهْرٌ یَغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ بَیْنَ رَجَبٍ وَرَمَضَانَ، وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِیهِ الْأَعْمَالُ إِلَی رَبِّ الْعَالَمِینَ،فَأُحِبُّ أَنْ یُرْفَعَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ(مسند أحمد،حدیث نمبر ۲۱۷۵۳)

اس سلسلے میں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ انسانوں کے اعمال مختلف قسموں اور نوعیّتوں کے ہوتے ہیں تو یہ بات ممکن ہے کہ کچھ خاص قسم کے اعمال سال میں ایک مرتبہ شعبان کے مہینے یا اس کی پندرہویں رات میں پیش کئے جاتے ہوں، اور کچھ خاص قسم کے اعمال ہر پیر اور جمعرات کو پیش کئے جاتے ہوں اور کچھ خاص قسم کے اعمال ہر روز صبح اور شام پیش کئے جاتے ہوں، خلاصہ یہ کہ روایات میں یہ اختلاف اعمال کی انواع کے اختلاف کی بناء پر ہے، تاکہ نیک عمل کرنے والوں کی شرافت اور گناہ گاروں کی قباحت کی زیادتی معلوم ہو۔

اور بعض نے فرمایا کہ ایک یومیہ اعمال کی پیشی ہے، اور ایک ہفتہ وار، اور ایک سالانہ۔

اور شعبان کے مہینے میں سالانہ اعمال کی پیشی ہوتی ہے۔

اور بعض حضرات نے یہ فرق کیا ہے کہ ممکن ہے ان مذکورہ اوقات میں سے کسی وقت اجمالی طور پر اعمال پیش کئے جاتے ہوں اور کسی وقت تفصیلی طور پر۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم۔ محمد رضوان۔

والمعنیٰ ترفع اعمالهم الی الملأالاعلیٰ ولاینافیه رفعها کل یوم اعمال اللیل بعد صلاة الصبح واعمال النهار بعد صلاة العصر وکل یوم اثنین وخمیس لان الاول رفع عام لجمیع مایقع فی السنة ، والثانی رفع خاص لکل یوم ولیلة،والثالث رفع لجمیع مایقع فی الاسبوع وکان حکمة تقریر هذاالرفع مزید تشریف الطائعین وتقبیح العاصین(مرقاة ج۳ص ۹۷۴، کتاب الصلاة،باب قیام شهر رمضان)

(وعن أبی هریرة قال :قال رسول الله -صلی الله علیه وسلم :-تعرض الأعمال) أی علی الملک المتعال (یوم الاثنین والخمیس) بالجر (فأحب أن یعرض عملی وأنا صائم) أی طلبا لزیادة رفعة الدرجة، قال ابن الملک :وهذا لا ینافی قوله -علیه الصلاة والسلام " :-یرفع عمل اللیل قبل عمل النهار وعمل النهار قبل عمل اللیل "للفرق بین الرفع والعرض لأن الأعمال تجمع فی الأسبوع وتعرض فی هذین الیومین (رواه الترمذی) وقد حسنه، وفی حدیث مسلم " :تعرض أعمال الناس فی کل جمعة مرتین یوم الاثنین ویوم الخمیس فیغفر لکل مؤمن إلا عبدا بینه وبین أخیه شحناء ، فیقال :انظروا هذین حتی یصطلحا "قال ابن حجر :ولا ینافی هذا رفعها فی شعبان، فقال " :إنه شهر ترفع فیه الأعمال وأحب أن یرفع عملی وأنا صائم "لجواز رفع أعمال الأسبوع مفصلة وأعمال العام مجملة، قلت :وفیه إیماء إلی أن شعبان آخر السنة وأن أولها رمضان عند الله باعتبار

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شَعْبَانُ لِتَعْظِيمِ رَمَضَانَ ، قِيلَ :فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ :صَدَقَةٌ فِي رَمَضَانَ (ترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ رمضان کے بعد افضل روزہ کونسا ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شعبان کا روزہ، رمضان کی تعظیم (اور احترام) کی وجہ سے (پھر) معلوم کیا گیا کہ افضل صدقہ کون سا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان میں صدقہ کرنا (ترجمہ ختم)

یہ حدیث سند کے اعتبار سے محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الآخـرة كما قدمناه في حديث تزخرف الجنة لرمضان من أول الحول، والذى يلوح لى الآن أن ليلة الـنـصف هـى التـى تـعـرض فيهـا أعـمـال السـنة الـمـاضية(مـرقاةالمفاتيح، ج۴ص ۱۴۲۲ ،كتاب الصوم،باب صيام التطوع)

إن أعمال العباد تعرض) زاد في رواية على رب العالمين (يوم الاثنين ويوم الخميس) لا يعارضه حديث يرفع عمل الليل قبل النهار وعكسه لأنها تعرض كل يوم ثم تعرض أعمال الجمعة كل اثنين وخـمـيـس ثـم أعمال السنة كلها في شعبان عرضا بعد عرض ولكل حكمة استأثر الله أو أطلع عليها من شاء (حم د عن أسامة بن زيد بإسناد حسن)(التيسير بشرح الجامع الصغير،حرف الهمزة)

عَـمَل الْعَام يُرْفَع فِي شَعْبَان كَمَا أَخْبَرَ بِهِ الصَّادِق الْمَصْدُوق "أَنَّهُ شَهْر تُرْفَع فِيهِ الْأَعْمَال ، فَأُحِبّ أَنْ يُـرْفَـع عَمَلِي وَأَنَا صَائِم "وَيُعْرَض عَمَل الْأُسْبُوع :يَـوْم الِاثْـنَـيْـنِ وَالْخَمِيس ، كَمَا ثَبَتَ ذَلِكَ فِي صَـحِيح مُسْلِم ، وَعَمَل الْيَوْم :يُـرْفَـع فِـي آخِره قَبْل اللَّيْل ، وَعَمَل اللَّيْل فِي آخِره قَبْل النَّهَار .فَهَذَا الرَّفْع فِي الْيَوْم وَاللَّيْلَة أَخَصّ مِنْ الرَّفْع فِي الْعَام(عون المعبود،بَاب فِي الْقَدَرِ)

[1] حـديث نمبر ٦٦٣، كتاب الزكاة، باب ماجاء في فضل الصدقة، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي -مصر.

[2] قال الترمذي:

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَصَدَقَةُ بْنُ مُوسَى لَيْسَ عِنْدَهُمْ بِذَاكَ الْقَوِي.

وقال المزي:

بخ د ت :صـدقة بـن مـوسـى الـدقيـقى ، أبو المغيرة ، ويُقال :أبـو مـحـمـد السلمى ، البَـصْرِيّ......قال مسلم بن إبراهيم :حَـدَّثَنَا صدقة الدقيقي وكان صدوقا .وَقَال أبو بكر بن أَبي خيثمة، عن يحيى بن مَعِين :ليس حديثه بشيئ .وَقَال معاوية بن صالح عن يحيى بن مَعِين ، وأبو داود ، والنَّسَائي ، وأبو بشر الدولابي :ضعيف.وَقَال أبو أحمد بن عدي :ما أقرب صورته وصورة حديثه من حديث صدقة بن عَبد الله الذي أمليته قبله ، وبعض حـديثـه يتـابـع عـلـيه ، وبعضه لا يتابع عليه.روى له البخاري في "الأدب"، وأبو داود ، والتِّرْمِذِيّ(تهذيب الكمال ج۱۳ص ۱۴۹ تا ۱۵۱ ملخصاً)

مگر شعبان کے مہینے کی نفسِ فضیلت کے اعتبار سے اس حدیث کے قبول کر لینے میں حرج نہیں۔ ۱؎

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ كُلَّهُ .قَالَتْ :قُلْتُ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَحَبُّ الشُّهُوْرِ إِلَيْكَ أَنْ تَصُوْمَهُ شَعْبَانُ .قَالَ :إِنَّ اللّٰهَ يَكْتُبُ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ مَيْتَةٍ تِلْكَ السَّنَةَ، فَأُحِبُّ أَنْ يَّأْتِيَنِيْ أَجَلِيْ وَأَنَا صَائِمٌ (مسندابویعلٰی) ۲؎

۱؎ (أفضل الصوم بعد رمضان شعبان) لأن أعمال العباد ترفع فيه في سنتهم (لتعظيم رمضان) أي لأجل تعظيمه لكونه يليه فصومه كالمقدمة لصومه وهذا لعله قاله قبل أن يعلم فضل صوم محرم أو أن ذلك أفضل شهر يصام كاملا وهذا أفضل شهر يصام أكثره كما يشير إليه رواية صوم في شعبان أو أن ذاك أفضل شهر يصام مستقلا وهذا أفضل شهر يصام تبعا (وأفضل الصدقة صدقة رمضان) لأنه موسم الخيرات والعبادات ولهذا كان النبي صلى الله عليه وسلم أجود ما يكون في رمضان حين يأتيه جبرائيل فيعارضه القرآن (فيض القدير للمناوي، تحت حديث رقم ۱۲۷۷)

(وعن أبي هريرة رضياللّه عنه قال :قال رسول اللّه :أفضل الصيام) أي النفل المطلق منه (بعد رمضان شهر اللّه المحرم) أي صومه كما يدل عليه قرينة المقام وإضافته إلى اللّه تعالى للتشريف وتخصيصه بلفظ المحرم، مع أن كلا من الأشهر الحرم يوصف به لما قيل إنه اسم إسلامي وإن تحريمه كذلك فلم تغير حرمته بما كان يفعله أهل النسيء (وأفضل الصلاة) من النفل المطلق (بعد الفريضة صلاة الليل) لأنه وقت السكون والخشوع والخضوع مع ما فيه من البعد عن الرياء (رواه مسلم) ورواه الأربعة والدارمي أيضاً بلفظ أفضل الصلاة بعد المكتوبة الصلاة في جوف الليل، وأفضل الصيام بعد شهر رمضان شهر اللّه المحرم ولا يخالفه حديث الترمذي والبيهقي في الشعب عن أنس مرفوعاً أفضل الصوم بعد رمضان شعبان لتعظيم رمضان لأن سبب الفضل مختلف، فالمحرم لكونه فاضلاً في ذاته، وشعبان لتعظيم غيره واللّه أعلم(دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين،باب فضل قيام الليل أي التهجد فيه)

۲؎ حديث نمبر ۴۹۱۱،مسند عائشة، ج۸ص ۳۱۱،دار المأمون للتراث -دمشق.

قال المنذري:

رَوَاهُ أَبُو يعلى وَهُوَ غَرِيب وَإِسْنَاده حسن (الترغيب والترهيب، ج۲ص ۷۲، تحت حديث نمبر ۱۵۴۰، كتاب الصوم الترغيب في الصوم مطلقا وما جاء في فضله وفضل دعاء الصائم)

وقال الهيثمي:

قلت :في الصحيح طرف منه .رواه أبو يعلى، وفيه مسلم بن خالد الزنجي، وفيه كلام، وقد وثق(مجمع الزوائد، ج۳ص ۱۹۲،باب الصيام في شعبان)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے، میں نے پوچھا کہ اللہ کے رسول! روزے رکھنے کے لئے آپ کو تمام مہینوں سے زیادہ شعبان کا مہینہ پسند ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس مہینے میں اس سال کے تمام وفات پانے والوں کا (فیصلہ) لکھ دیتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ جب میری اجل کا فیصلہ آئے تو میں روزہ سے ہوں (ترجمہ ختم)

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور سند سے ہی مروی ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ كُلَّهُ حَتّٰى يَصِلَهُ بِرَمَضَانَ، وَلَمْ يَكُنْ يَصُوْمُ شَهْرًا تَامًّا إِلَّا شَعْبَانَ، فَإِنَّهُ كَانَ يَصُوْمُهُ كُلَّهُ، فَقُلْتُ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ شَعْبَانَ لَمِنْ أَحَبِّ الشُّهُوْرِ إِلَيْكَ أَنْ تَصُوْمَهُ؟ فَقَالَ :نَعَمْ يَا عَائِشَةُ، إِنَّهُ لَيْسَ نَفْسٌ تَمُوْتُ فِيْ سَنَةٍ إِلَّا كُتِبَ أَجَلُهَا فِيْ شَعْبَانَ، وَأُحِبُّ أَنْ يُكْتَبَ أَجَلِيْ وَأَنَا فِيْ عِبَادَةِ رَبِّيْ وَعَمَلٍ صَالِحٍ (تاريخ بغداد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے، یہاں تک

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقال أحمد بن أبی بكر بن إسماعيل البوصيری:

رواه أبويعلى بإسناد حسن، وهو فی الصحيح وغيره بغير هذا، السياق (اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، كتاب الصوم، باب فی صوم الاثنين والأربعاء والخميس والجمعة والشتاء)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ مضمون اور سندوں سے بھی مروی ہے، جن کا ذکر آگے آتا ہے، اور اس میں مسلم بن خالد زنجی نہیں ہیں، اور نہ ہی سوید بن سعید۔

البتہ ان کی سندوں میں بھی ضعف پایا جاتا ہے، مگر یہ روایتیں آپس میں مل کر حسن درجے میں داخل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

لہٰذا مندرجہ بالا محدثین کے اس حدیث کو حسن قرار دینے کا فیصلہ درست معلوم ہوتا ہے، اور جن حضرات نے اس سے اختلاف کیا ہے، اُن سے ہمیں اتفاق نہیں ہے۔ محمد رضوان۔

[1] ج۵ص۲۰۳، حرف الميم من آباء الأحمدين، تحت ترجمة أحمد بن محمد بن حميد أبو جعفر المقرئ المخضوب، دارالكتب العلمية، بيروت.

کہ اُن کو رمضان کے ساتھ ملا دیتے تھے، اور (رمضان کے علاوہ) کسی اور پورے مہینے کے روزے نہیں رکھتے تھے، سوائے شعبان کے، اس میں پورے مہینے کے روزے رکھتے تھے، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! روزے رکھنے کے لئے آپ کو تمام مہینوں سے زیادہ شعبان کا مہینہ پسند ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اے عائشہ! کوئی جاندار بھی ایسا نہیں جو اس سال فوت ہوتا ہو، مگر اُس کے (فوت ہونے کے) وقت کو شعبان کے مہینے میں لکھ دیا جاتا ہے، اور مجھے یہ بات پسند ہے کہ میرے (فوت ہونے کے) وقت کو اس حال میں لکھا جائے کہ میں اپنے رب کی عبادت اور نیک عمل (روزہ وغیرہ) میں مشغول ہوں (ترجمہ ختم)

اس حدیث کی سند میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے، لیکن دوسری سندوں سے مروی روایات کے ساتھ مل کر یہ حدیث حسن درجے میں داخل ہونے کا تحمّل وصلاحیت رکھتی ہے، واللہ اعلم۔ [1]

---

[1] چنانچہ اس حدیث کی سند یہ ہے:

أخبرنا محمد بن أحمد بن رزق، حدثنا أبو الحسين عبد الصمد بن علی بن محمد، حدثنا أحمد بن محمد بن حميد المقرء، حدثنا أبو بلال الأشعری، حدثنا عامر بن سياف اليمامی، عن يحيى بن أبی كثير، عن أبی سلمة، عن عائشة أم المؤمنين

اور اس سند کے راویوں کا حال درجِ ذیل ہے:

(۱)...... ابن رزقويه محمد بن أحمد بن محمد البغدادی الإمام، المحدث المتقن، المعمر، شيخ بغداد، أبو الحسن محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رزق بن عبد الله بن يزيد البغدادی، البزاز .... قال الخطيب :كان ثقة، صدوقا، كثير السماع والكتابة، حسن الاعتقاد، مديما للتلاوة، بقی يملی فی جامع المدينة من بعد ثمانين وثلاث مائة إلى قرب موته، وهو أول شيخ كتبت عنه، وذلک فی سنة ثلاث وأربع مائة بعد ما كف بصره .قال أبو القاسم الأزهری :أرسل بعض الوزراء إلى أبی الحسن بن رزقويه بمال، فرده تورعا. وكان ابن رزقويه يذكر أنه درس الفقه للشافعی. قال الخطيب :سمعته يقول: والله ما أحب الحياة إلا للذكر وللتحديث، وسمعت البرقانی يوثق ابن رزقويه مات سنة اثنتی عشرة وأربع مائة (سير اعلام النبلاء، جزء۱۷، صفحه ۲۵۸)

(۲)...... الطستی عبد الصمد بن علی بن محمد المحدث، الثقة، المسند، أبو الحسين عبد الصمد بن علی بن محمد بن مكرم البغدادی، الطستی ، الوكيل . سمع:أحمد بن عبيد الله النرسی، وأبا بكر بن أبی الدنيا، ودبيس بن سلام القصبانی ، وحامد بن سهل، وإبراهيم الحربی، وطبقتهم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور سند سے ہی مروی ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ حَتّٰى أَقُوْلَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وله جزء ان مرويان للسلفي، وقع لنا أحدهما بالاتصال. حدث عنه :أبو الحسن بن رزقويه، وأبو الحسين بن بشران، وعلى بن داود الرزاز، وأبو على بن شاذان. وعاش ثمانين سنة. توفي في شعبان سنة ست وأربعين وثلاث مائة (سير اعلام النبلاء، جزء١٥، صفحه ٥٥٦)

(٣)...... أحمد بن محمد بن حميد، أبو جعفر المقرء المخضوب . حدث عن يحيى بن هاشم السمسار، وعاصم بن على، وأبى بلال الأشعرى. روى عنه عبد الصمد بن على الطستي، وعبد الباقي بن قانع، وكان يسكن باب المحول.وذكره أبو الحسن الدارقطني فقال :ليس بالقوى (تاريخ بغداد، ج٥ص٢٠٣، حرف الميم من آباء الأحمدين، تحت ترجمة أحمد بن محمد بن حميد أبو جعفر المقرء المخضوب)

(٤)...... أبو بلال الأشعرى: الإمام، المحدث، أحد علماء الكوفة.حدث عن :مالک بن أنس، وأبى بكر النهشلى، والقاسم بن معن، وعاصم بن محمد العمرى، وقيس بن الربيع، ويحيى بن العلاء، وشريک القاضى، وطبقتهم .حدث عنه :أبو حازم أحمد بن أبى غرزة، وبشر بن موسى، وأحمد بن يوسف التغلبى، ومحمد بن عبدک القزاز، وأبو بكر بن أبى الدنيا، وأحمد بن محمد بن حميد البغدادى، وأبو جعفر مطين، ومحمد بن عثمان بن أبى شيبة، وخلق كثير .لينه :الدارقطنى وقال أبو حاتم :سألته عن اسمه، فقال :هو كنيتى. وقال أبو أحمد الحاكم :أبو بلال اسمه مرداس بن محمد بن الحارث بن عبد الله بن أبى بردة ابن صاحب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أبى موسى الأشعرى .ويقال :اسمه :محمد بن محمد .وقيل :اسمه :عبد الله، وقوله هو أصح. وأظنه مات :قبل الثلاثين ومائتين، وكان من أبناء التسعين (سير اعلام النبلاء، جزء١٠ ص٥٨٢، ٥٨٣)

(٥)...... "ق د -عامر "بن عبد الله روى عن الحسن بن ذكوان وعنه رواد بن الجراح قلت أظنه عامر بن عبد الله بن يساف 1اليمامى وينسب إلى جده وهو بها أشهر روى عن سعيد بن أبى عروبة والحسن بن ذكوان والنضر بن عبيد وغيرهم وعنه سرى بن الوليد ومحمد بن الحسن التل وغيرهما قال أبو داود ليس به بأس رجل صالح وقال العجلى يكتب حديثه وفيه ضعف وقال الدورى عن ابن معين ليس بشىء وقال البرقى عن ابن معين ثقة وقال ابن عدى منكر الحديث عن الثقات ومع ضعفه يكتب حديثه (تهذيب التهذيب، جزء٥، صفحه ٧٦)

(٦)...... يحيى ابن أبى كثير الطائى مولاهم أبو نصر اليمامى ثقة ثبت لكنه يدلس ويرسل من الخامسة مات سنة اثنتين وثلاثين وقيل قبل ذلک (تقريب التهذيب، جزء ١، صفحه ٥٩٦)

(٧)...... أبو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف الزهرى: ابن عبد عوف بن عبد بن الحارث بن زهرة بن كلاب بن مرة بن كعب القرشى، الزهرى، الحافظ، أحد الأعلام بالمدينة .قيل :اسمه عبد الله.وقيل :إسماعيل. (سير اعلام النبلاء، جزء٤ صفحه ٢٨٧)

أَقُوْلَ لَا يَصُوْمُ وَكَانَ أَكْثَرُ صِيَامِهٖ فِيْ شَعْبَانَ قَالَتْ وَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّهٗ يُكْتَبُ فِيْهِ لِمَلَكِ الْمَوْتِ مَنْ يُّقْبِضُ فَأَنَا أُحِبُّ أَلَّا يُنْسَخَ اِسْمِيْ اِلَّا وَاَنَا صَائِمٌ (أمالي المحاملي) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی لگا تار نفلی) روزے رکھتے رہتے تھے، یہاں تک کہ ہم کہتے تھے کہ اب روزہ نہیں چھوڑیں گے، اور کبھی روزے نہیں رکھتے تھے، یہاں تک کہ ہم کہتے تھے کہ اب (نفلی) روزے نہیں رکھیں گے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے (نفلی) روزے اکثر شعبان کے مہینے میں ہوتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! اس مہینے میں ملکُ الموت کو اُن لوگوں کا نام لکھ کر حوالے کر دیا جاتا ہے، جن کی روح قبض کی جائے گی، پس میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرے نام کا فیصلہ نہ کیا جائے، مگر اس حال میں کہ میں روزے سے ہوں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۳ھ) سے مرسلاً مروی ہے کہ:

لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ شَهْرٍ أَكْثَرَ صِيَامًا مِنْهُ فِيْ شَعْبَانَ ، وَذَالِكَ أَنَّهٗ تُنْسَخُ فِيْهِ آجَالُ مَنْ يَّمُوْتُ فِي السَّنَةِ (المصنف لابن ابی شیبة، حدیث نمبر ۹۸۵۷، کتاب الصیام، باب ماقالوا فی صیام شعبان)

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رمضان کے علاوہ) شعبان کے مہینے میں جتنی کثرت سے روزے رکھتے تھے، اتنے کسی اور مہینے میں نہیں رکھتے تھے اور اس کی وجہ یہ

---

[1] روایة: ابن مهدی الفارسی، حدیث نمبر ۱۱۴، دارالنوادر، دمشق، تاریخ بغداد، جزء۵، صفحه ۱۶۴، حرف الألف من آباء العلیین، تحت ترجمة علی بن أحمد بن عبد الله بن عمر، أبو الحسن الجواربی الواسطی.

وفیه إسماعیل بن قیس بن سعد بن زید بن ثابت الأنصاری أبو مصعب عن أبی حازم ویحیی بن سعید الأنصاری قال البخاری والدارقطنی منکر الحدیث وقال النسائی وغیره ضعیف (کذا فی لسان المیزان، جزء ۱، صفحه ۴۲۹)

قلتُ: وهو مؤید بالروایات الاخریٰ، کمامر. فلانکارة فیه.

تھی کہ اس (شعبان کے) مہینے میں سال بھر میں فوت ہونے والے لوگوں کی وفات کا فیصلہ کیا جاتا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عثمان بن محمد بن مغیرہ بن اخنس رحمہ اللہ سے مرسلاً مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم تُقْطَعُ الْآجَالُ مِنْ شَعْبَانَ اِلٰی شَعْبَانَ حَتّٰی اَنَّ الرَّجُلَ لَيَنْكِحُ وَيُوْلَدُ لَهٗ وَقَدْ خَرَجَ اسْمُهٗ فِي الْمَوْتٰی (تفسیر الطبری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (مخلوق کی) عمروں کا ایک شعبان سے دوسرے شعبان (کے مہینے) تک فیصلہ کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک آدمی نکاح کرتا ہے، اور اس کی اولاد پیدا ہوتی ہے، حالانکہ اس کا نام مُردوں کی فہرست میں داخل ہو چکا ہوتا ہے (ترجمہ ختم)

ان احادیث وروایات میں وفات پانے والوں کے فیصلہ کا شعبان کے مہینے میں ہونے کا ذکر ہے۔

البتہ بعض روایات میں نصف شعبان میں وفات پانے والوں کے فیصلے ہونے کا ذکر ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک لمبی روایت میں ہے کہ:

هَلْ تَدْرِيْنَ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ؟ قَالَتْ :مَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ :فِيْهَا أَنْ يُّكْتَبَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ مِنْ مَوْلُوْدِ بَنِيْ آدَمَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ، وَفِيْهَا أَنْ يُّكْتَبَ كُلُّ هَالِكٍ مِنْ بَنِيْ آدَمَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ، وَفِيْهَا تُرْفَعُ أَعْمَالُهُمْ، وَفِيْهَا تَنْزِلُ أَرْزَاقُهُمْ (الدعوات الكبير للبيهقي) [2]

---

[1] تحت سورة الدخان، آیت ۱، واللفظ لهٗ؛ الْمَجَالِسُ الْعَشَرَةُ الْأَمَالِي، لِلْحَافِظِ اَلْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْخَلَّالِ، حديث نمبر ۵، مرفوعاً،مرسلاً،؛ شعب الايمان، حديث نمبر ۳۵۵۸، موقوفاً علیٰ عثمان.

[2] حديث نمبر ۵۳۰،باب القول والدعاء ليلة البراء ة،غراس للنشر والتوزيع -الكويت؛ فضائل الاوقات للبيهقي، حديث نمبر ۲۸.

وفيه النضر بن كثير،قال ابن حجر:

النضر بن كثير السعدى أبو سهل البصرى العابد ضعيف من الثامنة د س (تقريب التهذيب ج ۱ ص ۵۶۲)

قلت: ولهٗ شاهد كما مر وسيأتي.

ترجمہ: (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ!) کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس (شعبان کی پندرہویں) رات میں کیا ہوتا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس رات میں یہ ہوتا ہے کہ اس سال میں جتنے بھی بنی آدم پیدا ہونے والے ہیں، وہ سب لکھ دیئے جاتے ہیں اور جتنے بنی آدم اس سال میں فوت ہونے والے ہیں، وہ بھی لکھ دیئے جاتے ہیں اور اس رات میں بندوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور اس رات میں لوگوں کا مقررہ رزق اُترتا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت راشد بن سعد رحمہ اللہ سے مرسلاً مروی ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَطَّلِعُ إِلٰى عِبَادِهٖ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ ؛ فَيَغْفِرُ لِخَلْقِهٖ كُلِّهِمْ ؛ إِلَّا الْمُشْرِكَ وَالْمُشَاحِنَ ، وَفِيْهَا يُوْحِى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى إِلٰى مَلَكِ الْمَوْتِ لِقَبْضِ كُلِّ نَفْسٍ يُرِيْدُ قَبْضَهَا فِيْ تِلْكَ السَّنَةِ (المجالسة وجواهر العلم) [1]

---

[1] لابى بكر أحمد بن مروان الدينورى المالكى المتوفى :٣٣٣هـ، حديث نمبر ٩٤٤، دار ابن حزم بيروت -لبنان.

و مع ارساله فيه ابوبكر بن ابى مريم ،قال الذهبى:

ابن أبى مريم أبو بكر بن عبد الله الغسانى (د، ت، ق)الإمام، المحدث، القدوة، الربانى، أبو بكر بن عبد الله بن أبى مريم الغسانى، الحمصى، شيخ أهل حمص .ولد: فى دولة عبد الملك، وفى حياة أبى أمامة......قال أبو اليمان :اسمه :بكر، والظاهر أن اسمه كنيته .ضعفه :أحمد بن حنبل، وغيره، من قبل حفظه .وقال أبو إسحاق الجوزجانى :هو متماسك .وقال ابن عدى :أحاديثه صالحة، ولا يحتج به .قال ابن حبان :هو ردىء الحفظ، يحدث بالشىء ، ويهم ويفحش، حتى استحق الترك، ولم أسمع أحدا من أصحابنا يذكر له اسما .قال يزيد بن هارون :كان من العباد المجتهدين.وقال بقية :قال لنا رجل فى قرية أبى بكر بن أبى مريم -وهى كثيرة الزيتون :-ما فى هذه القرية من شجرة إلا وقد قام أبو بكر إليها ليلته جمعاء .وقيل :كان فى خديه أثر من الدموع -رحمة الله عليه .-قال يزيد بن عبد ربه :توفى سنة ست وخمسين ومائة.يقع من عواليه فى (جزء ابن عرفة)، و(معجم الطبرانى)، ولا يبلغ حديثه رتبة الحسن(سير اعلام النبلاء ج٧ص ٦٤، ٦٥ ملخصاً)

و للحديث شاهد، كما مر فإذا ضم إلى الحديث السابق صار الحديث متحملا للتحسين.محمد رضوان.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات میں اپنے بندوں کی طرف (رحمت کے ساتھ) متوجہ ہوتے ہیں، پھر اپنی سب مخلوق کی مغفرت فرمادیتے ہیں، سوائے مشرک اور بُغض رکھنے والے کے، اور اس رات میں اللہ تبارک وتعالیٰ ملکُ الموت کی طرف ہر اُس جاندار کی روح قبض کرنے کی وحی فرماتے ہیں، جن کے فوت ہونے کا اس سال میں اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتے ہیں (ترجمہ ختم)

اور جلیلُ القدر مُحدِّث حضرت قاسم بن سعید سے مرسلاً مروی ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ يَطَّلِعُ عَلٰى عِبَادِهٖ فِيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِخَلْقِهٖ كُلِّهِمْ غَيْرَ الْمُشْرِكِ وَالْمُشَاحِنِ وَفِيْهَا يُوْحِي اللّٰهُ إِلٰى مَلَكِ الْمَوْتِ يَقْبِضُ كُلَّ نَفْسٍ يُرِيْدُ قَبْضَهَا فِيْ تِلْكَ السَّنَةِ(طبقات الشافعية الكبرى)[1]

---

[1] للإمام تاج الدين بن على بن عبد الكافى السبكى، الطبقة السادسة فيمن توفى بين الستمائة والسبعمائة، ج۸ص۶۸.

وفيه ايضاً ابوبكر بن ابى مريم ،وقد مرحالهٔ. والقاسم بن سعيد غالبا والله اعلم، هو القاسم بن سعيد بن شريح ، اخو معاوية بن سعيد بن شريح .

القاسم بن سعيد بن شريح بن عذرة يعرف بالتجوبى التجيبى مولاهم المصرى كان أحد الخطباء البلغاء من أهل مصر وله فيهم ذكر ووفد على مروان بن محمد روى عنه إسحاق بن الفرات كتب إلى أبو محمد حمزة بن العباس بن على وأبو الفضل أحمد بن محمد بن الحسن وحدثنى أبو بكر اللفتوانى عنهما قالا أنبأنا أبو بكر الباطرقانى أنبأنا أبو عبد الله ابن مندة قال قال لنا أبو سعيد بن يونس القاسم بن سعيد بن شريح بن عذرة مولى تجيب هو أخو معاوية بن سعيد روى عنه إسحاق بن الفرات وله وفادة على مروان بن محمد فأعجبه وكان خطيبابليغا فجعله يجيب الخطباء فى الآفاق ولولده بقية بأفواقرية عند الحواب من صعيد مصر قرأت على أبى محمد السلمى عن أبى نصر بن ماكولا قال أما التجوبى أوله تاء معجمة باثنتين من فوقها وبعدها جيم وبعد الواو باء معجمة بواحدة ثم ياء فهو معاوية بن سعيد بن شريح بن عذرة مولى بنى فهم بن تجيب مصرى كان هو وأخوه القاسم يكتبان فى ديوان الجند بمصر وأخوه قاسم بن سعيد روى عنه إسحاق بن الفرات وله وفادة على مروان بن محمد وكان خطيبا بليغا(تاريخ دمشق ، ج۴۹ص۵۷)

أما التجوبى أوله تاء معجمة باثنتين من فوقها وبعدها جيم وبعد الواو باء معجمة بواحدة ثم ياء فهو معاوية بن سعيد بن شريح بن عذرة مولى بنى فهم من تجيب مصرى عزيز الحديث، كان هو وأخوه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات میں اپنے بندوں کی طرف (رحمت کے ساتھ) متوجہ ہوتے ہیں، پھر اپنی سب مخلوق کی مغفرت فرمادیتے ہیں، سوائے مشرک اور بُغض رکھنے والے کے، اور اس رات میں اللہ تبارک وتعالیٰ ملکُ الموت کی طرف ہر اُس جاندار کی روح قبض کرنے کی وحی فرماتے ہیں، جن کے فوت ہونے کا اس سال میں اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتے ہیں (ترجمہ ختم)

اسی قسم کا مضمون حضرت عطاء بن یسار (المتوفیٰ ۱۰۳ھ) رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے۔ [1]

ان روایتوں کی سندوں میں اگر چہ کچھ ضعف پایا جاتا ہے، لیکن چونکہ بعض احادیث وروایات میں اس قسم کے فیصلے شعبان کے مہینے میں ہونے کا ذکر ہے، اور بعض روایات میں شعبان کی پندرہویں رات میں ہونے کا ذکر ہے، اور شعبان کی پندرہویں رات بھی شعبان کے مہینے کا حصہ ہے، اس لیے وہ احادیث جن میں پندرہ شعبان کی تخصیص نہیں، ایک حیثیت سے اُن احادیث کی مؤید ہوسکتی ہیں، جن میں ان فیصلوں کے ہونے کے بارے میں شعبان کی پندرہویں رات کا ذکر کیا گیا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ جن احادیث میں شعبان کے مہینے کا ذکر کیا گیا، وہ عام ہیں، اور جن میں پندرہویں شعبان کا ذکر کیا گیا، وہ خاص ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پس ممکن ہے کہ شعبان کے مہینے والی روایات سے مراد شعبان کی پندرہویں رات ہی ہو، کیونکہ اس رات کے عظیم الشان فضائل احادیث وروایات میں آئے ہیں، جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

القاسم يكتبان في ديوان الجند بمصر، يروى عن أبي قبيل المعافري وعبد الله بن مسلم بن مخراق وغيرهما من التابعين، روى عنه حيوة بن شريح ويحيى بن أيوب ونافع بن يزيد وموسى بن سلمة بن أبي مريم ورشدين بن سعد وبقية بن الوليد وغيرهم وأخوه قاسم بن سعيد روى عنه إسحاق بن الفرات، وله وفادة على مروان بن محمد، وكان خطيباً بليغاً (الاكمال في رفع الارتياب، ج ۱ ص ۱۰۴، باب التجوبي والنحوي والبحري)

[1] عبد الرزاق، عن ابن عيينة، عن مسعر، عن رجل، عن عطاء بن يسار قال: تنسخ في النصف من شعبان الآجال، حتى إن الرجل ليخرج مسافرا، وقد نسخ من الأحياء إلى الأموات، ويتزوج وقد نسخ من الأحياء إلى الأموات (مصنف عبد الرزاق، حديث نمبر ۷۹۲۵)

قلت: وفيه رجل لم يسم كما عرفت.

اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شعبان کے پورے یا اکثر دِنوں کے روزے رکھنے میں یہ مصلحت کارفرما ہوسکتی ہے، کہ اس رات کا شعبان کے مہینے سے تعلق ہے، لہٰذا پورے مہینے میں ہی نیک اعمال کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اور شعبان کے مہینے میں اعمال اُٹھائے جانے کے بارے میں بھی یہ کہنا ممکن ہے کہ اس رات میں ہی اعمال اُٹھائے جاتے ہوں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مگر یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جن چیزوں کے شعبان یا اس کی پندرہویں رات میں لکھے جانے کا گزشتہ بعض روایات میں ذکر کیا گیا ہے، یہ چیزیں تو پہلے سے لوحِ محفوظ میں لکھی جا چکی ہیں، پھر اس مہینے یا اس رات میں ان چیزوں کے لکھے جانے کا کیا مطلب ہے؟

اس کا جواب اہلِ علم نے یہ دیا ہے کہ اس مہینے یا رات میں لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی چیزوں کی فہرست لوحِ محفوظ سے علیٰحدہ کرکے ان فرشتوں کے سپرد کردی جاتی ہے جن کے ذمہ یہ کام ہیں۔

اور ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ شعبان یا اس کی پندرہویں رات میں جن امور کی انجام دہی کا بعض روایات میں ذکر کیا گیا ہے وہ تو شبِ قدر میں انجام دیئے جاتے ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ:

''فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ'' (سورۃ دخان)

''اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے''

جمہور مفسرین کے نزدیک اس رات سے شبِ قدر مراد ہے۔

اور کئی صحیح احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام کام لیلۃُ القدر میں انجام دیئے جاتے ہیں اور لیلۃُ القدر رمضان میں ہوتی ہے۔

لہٰذا شعبان میں ان کاموں کے انجام دیئے جانے کا کیا مطلب؟

تو اہلِ علم حضرات نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں، مثلاً ممکن ہے کہ لیلۃُ القدر میں ان کاموں کو تفصیلی انداز میں انجام دیا جاتا ہو اور شعبان میں اجمالی انداز میں۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ فیصلے تو شعبان میں ہوتے ہوں اور فرشتوں کو شبِ قدر میں سپرد کئے جاتے

ہوں۔

اس کے علاوہ یہ بھی احتمال ہے کہ شعبان میں ان کاموں کی انجام دہی کا باقاعدہ فیصلہ ہوتا ہو جو کام شبِ قدر تک انجام پاتے ہیں۔

یا ایک وقت میں دنیاوی کاموں کے متعلق فیصلے ہوتے ہوں اور دوسرے وقت میں آخرت کے کاموں کے متعلق۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال وعلمہٗ اتم واحکم۔ [1]

---

[1] وإذا ثبت أن هذا النزول ليلة القدر ثبت أن الليلة التى يفرق فيها كل أمر حكيم فى الآية هى ليلة القدر لا ليلة النصف من شعبان، ولا نزاع فى أن ليلة نصف شعبان يقع فيها فرق، كما صرح به الحديث، وإنما النزاع فى أنها المرادة من الآية، والصواب أنها ليست مرادة منها، وحينئذ يستفاد من الحديث والآية وقوع ذلك الفرق فى كل من الليلتين إعلاما بمزيد شرفهما اهـ.

ويحتمل أن يقع الفرق فى ليلة النصف ما يصدر إلى ليلة القدر، ويحتمل أن يكون الفرق فى إحداهما إجمالا، وفى الأخرى تفصيلا، أو تخص إحداهما بالأمور الدنيوية، والأخرى بالأمور الأخروية، وغير ذلك من الاحتمالات العقلية(مرقاة، ج۳ص ۹۷۴، کتاب الصلاة ، باب قيام شهر رمضان)

(وعن أبى هريرة قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-تعرض الأعمال) أى على الملك المتعال (يوم الاثنين والخميس) بالجر (فأحب أن يعرض عملى وأنا صائم) أى طلبا لزيادة رفعة الدرجة، قال ابن الملك :وهذا لا ينافى قوله -عليه الصلاة والسلام " :-يرفع عمل الليل قبل عمل النهار وعمل النهار قبل عمل الليل "للفرق بين الرفع والعرض لأن الأعمال تجمع فى الأسبوع وتعرض فى هذين اليومين (رواه الترمذى) وقد حسنه، وفى حديث مسلم " :تعرض أعمال الناس فى كل جمعة مرتين يوم الاثنين ويوم الخميس فيغفر لكل مؤمن إلا عبدا بينه وبين أخيه شحناء ، فيقال :انظروا هذين حتى يصطلحا "قال ابن حجر :ولا ينافى هذا رفعها فى شعبان، فقال " :إنه شهر ترفع فيه الأعمال وأحب أن يرفع عملى وأنا صائم "لجواز رفع أعمال الأسبوع مفصلة وأعمال العام مجملة، قلت :وفيه إيماء إلى أن شعبان آخر السنة وأن أولها رمضان عند الله باعتبار الآخرة كما قدمناه فى حديث تزخرف الجنة لرمضان من أول الحول، والذى يلوح لى الآن أن ليلة النصف هى التى تعرض فيها أعمال السنة الماضية كما أنها تكتب فيها جميع ما يقع فى السنة الآتية(مرقاة ج۲ص ۱۴۲۲، کتاب الصوم، باب صيام التطوع)

وعن ابن عباس رضى الله عنهما :أن الله تعالى يقضى الأقضية فى ليلة نصف شعبان ، ويسلمها إلى أربابها فى ليلة القدر ، وهذا يصلح أن يكون جمعاً بين القولين فى قوله تعالى :(فيها يفرق كل أمر حكيم) فإنه قيل فيها :إنها ليلة النصف من شعبان وقيل :ليلة القدر وحينئذ لا خلاف(تفسير السراج المنير، للشربينى، تحت آيت ۴ من سور الدخان)

قال ابن عباس :يكتب فى أم الكتاب فى ليلة القدر ما هو كائن فى السنة من الخير ,والشر ,

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماہِ شعبان میں کثرت سے روزے رکھنے کی وجہ

گزشتہ تفصیل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماہِ شعبان میں کثرت سے نفلی روزے رکھنا معلوم ہو چکا۔

اور ماہِ شعبان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ نفلی روزے رکھنے کے کئی سبب اور کئی حکمتیں ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں جن کی طرف بعض حدیثوں میں بھی اشارہ ملتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأرزاق ,والآجال حتى الحُجّاج يقال :يَحُجُّ فلانٌ ويَحُجُّ فلان .وقال الحسن ومجاهد وقتادة : يُبْرَمُ في ليلة القدر في شهر رمضان كل أجل ,وعمل ,وخلق ,ورزق ,وما يكون في تلك السنة. وقال عكرمة :هي ليلة النصف من شعبان يقوم فيها أمر السنة ,وتنسخُ الأحياء من الأموات ,فلا يزاد فيهم ,ولا ينقص منه أحد .قال۔ عليه الصلاة والسلام۔ " :تُقْطَع الآجَالُ مِنْ شَعْبَانَ إلَى شَعْبَانَ حَتّى إنّ الرّجُلَ لَيَنْكِحُ ,ويُولَدُ لَهُ ,وَلَقَدْ أُخْرِجَ اسْمُهُ فِي المَوْتَى "وعن ابن عباس۔(رضي الله عنهما) ۔إن الله يقضي الأقضية في ليلة النصف من شعبان ,ويسلمها إلى أربابها في ليلة القدر وروى أن الله تعالى أنزل كل القرآن من اللوح المحفوظ في ليلة البراءة ,ووقع الفراغ في ليلة القدر ,وتدفع نسخة الأرزاق إلى ميكائيل ,ونسخة الحروف إلى جبريل ,وكذلك الزّلازِل , والصواعق ,الخسف ,ونَسخَة الأعمال إلى إسرافيل صابح سماء الدنيا ,وهو ملك عظيم , ونسخة المصائب إلى ملك الموت(تفسير للباب ، تحت آيت ۴ من سورة الدخان،لأبي حفص عمر بن علي ابن عادل الدمشقي الحنبلي)

وقيل :يبدآن في استنساخ كل أمر حكيم من اللوح المحفوظ في ليلة البراءة ويقع الفراغ في ليلة القدر فتدفع نسخة الأرزاق إلى ميكائيل عليه السلام ونسخة الحروب إلى جبرائيل عليه السلام وكذلك الزلازل والصواعق والخسف ونسخة الأعمال إلى إسماعيل عليه السلام صاحب سماء الدنيا وهو ملك عظيم ونسخة المصائب إلى ملك الموت.

وروى عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما تقضى الأقضية كلها ليلة النصف من شعبان وتسلم إلى أربابها ليلة السابع والعشرين من شهر رمضان .واعترض بما ذكر على الاستدلال بالظواهر على أن الليلة المذكورة هي ليلة القدر لاليلة النصف من شعبان ومن تدبر علم أنه لا يخدش الظواهر، نعم حكى عن عكرمة أن ليلة النصف من شعبان هي ليلة القدر ويلزمه تأويل ما يأبى ظاهره ذلك فتدبر، وسيأتي إن شاء الله عز وجل الكلام في هذا المقام مستوفى على أتم وجه في تفسير سورة القدر وهو سبحانه الموفق(روح المعاني تحت آيت ۴ من سورة الدخان)

هاهنا ثلاثة أشياء الأول نفس تقدير الأمور أي تعيين مقاديرها وأوقاتها، وذلك في الأزل، والثاني إظهار تلك المقادير للملائكة عليهم السلام بأن تكتب في اللوح المحفوظ وذلك في ليلة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مثلاً اس مہینہ میں شعبان کی پندرہویں رات اور اس کے فضائل کا پایا جانا (جیسا کہ آنے والی احادیث سے معلوم ہوگا)

اور اس مہینے میں بارگاہِ الٰہی میں بندوں کے اعمال کی پیشی کا ہونا اور پورے سال میں مرنے والوں کا فیصلہ ہونا۔

اس کے علاوہ رمضان کا احترام اور تعظیم اور اس کی تیاری اور رمضان کا قرب اور اس کے خاص انوار وبرکات سے مزید مناسبت پیدا کرنے کا شوق اور داعیہ اور اس کا استقبال بہتر طریقہ پر ہونا بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

النصف من شعبان، والثالث إثبات تلک المقادیر فی نسخ وتسلیمها إلی أربابها من المدبرات فتدفع نسخة الأرزاق والنباتات والأمطار إلی میکائیل علیه السلام ونسخة الحروب والریاح والجنود والزلازل والصواعق والخسف إلی جبریل علیه السلام، ونسخة الأعمال إلی إسرافیل علیه السلام، ونسخة المصائب إلی ملک الموت وذلک فی لیلة القدر .وقیل یقدر فی لیلة النصف الآجال والأرزاق، وفی لیلة القدر الأمور التی فیها الخیر والبرکة والسلامة .وقیل :یقدر فی هذه ما یتعلق به إعزاز الدین وما فیه النفع العظیم للمسلمین وفی لیلة النصف یکتب أسماء من یموت ویسلم إلی ملک الموت والله تعالی أعلم بحقیقة الحال(روح المعانی تحت سورة القدر)

قیل :ألیس أنه قد روی أنه تقسم الآجال والأرزاق لیلة النصف من شعبان ، والآن تقولون :إن ذلک یکون لیلة القدر؟ قلنا :عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه قال : إن الله یقدر المقادیر فی لیلة البراء ة ، فإذا کان لیلة القدر یسلمها إلی أربابها وقیل :یقدر لیلة البراء ة الآجال والأرزاق ، ولیلة القدر یقدر الأمور التی فیها الخیر والبرکة والسلامة ، وقیل :یقدر فی لیلة القدر ما یتعلق به إعزاز الدین ، وما فیه النفع العظیم للمسلمین ، وأما لیلة البراء ة فیکتب فیها أسماء من یموت ویسلم إلی ملک الموت(تفسیر مفاتیح الغیب،لفخر الدین الرازی،تحت سورة الْقَدْرِ)

وقال عکرمة تقدیر المقادیر وإبرام الأمور فی لیلة النصف من الشعبان فیها ینسخ الاحیاء من الأموات فلا یزداد فیهم ولا ینقص منهم ویؤیده ما رواه البغوی ان رسول الله -صلی الله علیه وسلم -قال یقطع الآجال من شعبان الی شعبان حتی ان الرجل لینکح ویولد له ولقد خرج اسمه فی الموتی قلت لعل تقدیر المقادیر بنحو من الانجاء او بعضها فی لیلة النصف من شعبان وتقدیرها کلها وتسلیمها الی أربابها انما هو فی لیلة القدر قال الله تعالی فِیهَا یُفْرَقُ کُلُّ أَمْرٍ حَکِیمٍ قال ابن عباس یکتب من أم الکتاب فی لیلة القدر ما هو کاین فی السنة من الخیر والشر والأرزاق والآجال حتی الحاج یقال یحج فلان وفلان وروی ابو الضحی عن ابن عباس ان الله یقضی الا قضیة لیلة النصف من شعبان ویسلمها الی أربابها فی لیلة القدر کذا ذکر البغوی (التفسیر المظهری،تحت سورة القدر)

شعبان کے مہینہ میں کثرت سے روزے رکھنے کا قوی سبب ہے۔ [۱]

اوراس صورت میں (یعنی رمضان کی تعظیم اوراس کے تعلق کی وجہ سے شعبان میں نفلی روزوں کی کثرت کرنے میں) شعبان کے ان روزوں کی وہی نسبت اور برکت ہوگی جوفرض نمازوں سے پہلے پڑھے جانے والے نوافل اورسنتوں کوفرضوں سے ہوتی ہے۔ [۲]

مذکورہ احادیث وروایات کے پیشِ نظر کئی فقہائے کرام نے شعبان کے مہینے میں نفل روزوں کوسنت ومستحب قرار دیا ہے۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ:

اَلْمَرْغُوْبَاتُ مِنَ الصِّیَامِ اَنْوَاعٌ اَوَّلُھَاصَوْمُ الْمُحَرَّمِ وَالثَّانِیُ صَوْمُ رَجَبَ

---

[۱] یہاں ایک شبہ ہوتا ہےاوروہ یہ ہے کہ صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کے بعد نفل روزوں میں افضل درجہ محرم کے روزہ کا ہے،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کے بجائے شعبان کے مہینے میں نفل روزوں کی کثرت کا کیوں اہتمام فرمایا؟اس کا جواب محدثین نے یہ دیا ہے کہ شاید آپ کومحرم میں بعض عوارض مثلاً سفر، بیماری وغیرہ کی وجہ سے زیادہ روزے رکھنے کا موقع نہ ملا ہو۔یا آپ کومحرم کے روزوں کی اس درجہ فضیلت کا علم آخری حیات میں دیا گیا ہو(اوراس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ہو)واللہ تعالیٰ اعلم۔

لعله كان يعرض له فيه (اى فى المحرم)اعذار من سفراومرض اوغير ذلك اولعله لم يعلم بفضل المحرم الافى آخر عمره قبل التمكن منه(عمدة القارى ج ١١ ص ٨۴، كتاب الصيام، باب صوم شعبان)

وفى الحديث دليل على فضل الصوم فى شعبان وأجاب النووى عن كونه لم يكثر من الصوم فى المحرم مع قوله إن أفضل الصيام ما يقع فيه بأنه يحتمل أن يكون ما علم ذلك إلا فى آخر عمره فلم يتمكن من كثرة الصوم فى المحرم أو اتفق له فيه من الأعذار بالسفر والمرض مثلا ما منعه من كثرة الصوم فيه(فتح البارى لابن حجر، ج۴ص ٢١۵،كتاب الصوم ،قوله باب صوم شعبان)

[۲] منزلته (اى صوم شعبان)منه (اى من الرمضان)منزلة الرواتب من الفرائض (فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ۵٠٣٧، ج ۴ و ٢٠۵ ،حرف الصاد)

واختلف العلماء ـ رحمهم الله ـ أيهما أفضل صوم شهر المحرم، أم صوم شهر شعبان؟فقال بعض العلماء :شهر شعبان أفضل؛ لأن النبى كان يصومه، إلا قليلاً منه ولم يحفظ عنه أنه كان يصوم شهر المحرم؛ لكنه حث على صيامه بقوله :إنه أفضل الصيام بعد رمضان .قالوا :ولأن صوم شعبان ينزل منزلة الراتبة قبل الفريضة وصوم المحرم ينزل منزلة النفل المطلق، ومنزلة الراتبة أفضل من منزلة النفل المطلق، وعلى كل فهذان الشهران يسن صومهما، إلا أن شعبان لا يكمله(الشرح الممتع على زاد المستقنع، لمحمد بن صالح بن محمد العثيمين،كتاب الصيام، باب صوم التطوع، وشهر المحرم)

وَالثَّالِثُ صَوْمُ شَعْبَانَ وَصَوْمُ عَاشُوْرَآءَ (هنديه ج ۱ ص ۲۰۲ كتاب الصوم، قبيل الباب الرابع) [1]

ترجمہ: اور مستحب روزے کئی قسم کے ہیں اوّل محرم کے روزے، دوسرے رجب کے روزے، اور تیسرے شعبان کا روزہ اور عاشوراء کے دن کا روزہ (ترجمہ ختم)

اور علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

وَمِنَ الْمَسْنُوْنِ صَوْمُ شَعْبَانَ (المجموع شرح المهذب، ج۶ ص۳۸۶، كتاب الصيام، مسائل تتعلق بكتاب الصيام)

ترجمہ: اور شعبان (کے مہینہ) کا روزہ بھی مسنون روزوں میں سے ہے (ترجمہ ختم)

بہر حال گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ شعبان کا مہینہ بابرکت مہینہ ہے، اور اس میں نیک اعمال کی خاص فضیلت ہے، اور اس مہینے میں حسبِ حیثیت کثرت سے نفلی روزے رکھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔

اور جہاں تک شعبان کے مہینے اور اس میں روزوں کی فضیلت سے متعلق بعض احادیث وروایات کی سند میں ضعف ہونے کا تعلق ہے۔

تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اوّلاً تو راجح قول کے مطابق فضائلِ اعمال کے سلسلہ میں ضعیف حدیث بھی بعض شرائط کے ساتھ قابلِ قبول ہوتی ہے۔

دوسرے جب کسی مضمون سے متعلق مختلف سندوں سے روایات مروی ہوں، تو وہ ایک دوسرے سے مل کر قوت حاصل کر لیتی ہیں، اور حسن درجے میں داخل ہوجاتی ہیں، بشرطیکہ وہ شدید ضعیف نہ ہوں (جس کی تفصیل آگے پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت کے ضمن میں آتی ہے)

پس شعبان اور اس میں نیک اعمال اور اس میں نفلی روزوں کی فضیلت کا انکار درست نہیں، بالخصوص جبکہ مختلف سندوں سے مرویات کی وجہ سے ان کے حسن ہونے کا امکان بھی غالب ہے۔

---

[1] وفي الظهيرية: المرغوبات من الصيام انواع اولها صوم المحرم والثاني صوم رجب، والثالث صوم شعبان الخ (فتاویٰ تاتارخانيه ج ۲ ص ۳۸۸، الفصل الثامن من كتاب الصوم)
اقول: فيه ثبوت صوم شعبان لايوم نصف من شعبان، كما فهم بعض الناس، فافهم وتدبر. محمد رضوان.

پندرہ شعبان کے بعد اور شعبان کے آخر میں روزہ رکھنے کا حکم

بعض روایتوں میں ایک تو پندرہ شعبان کے بعد اور دوسرے شعبان کے آخر میں یعنی رمضان شروع ہونے سے ایک یا دو دن پہلے روزے رکھنے کی ممانعت آئی ہے۔

ان دونوں مسئلوں کی بالترتیب کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا بَقِيَ نِصْفٌ مِّنْ شَعْبَانَ فَلَا تَصُوْمُوْا (ترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شعبان کا آدھا مہینہ باقی رہ جائے تو تم روزہ نہ رکھو (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَكُفُّوْا عَنِ الصَّوْمِ (السنن الکبریٰ للنسائی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شعبان کا آدھا مہینہ ہو جائے، تو تم روزہ رکھنے سے رُک جاؤ (ترجمہ ختم)

---

[1] حدیث نمبر ۷۳۸، أَبْوَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّوْمِ فِي النِّصْفِ الْبَاقِي مِنْ شَعْبَانَ لِحَالِ رَمَضَانَ، شرکة مکتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي -مصر.

قال الترمذی:

حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الوَجْهِ عَلَى هَذَا اللَّفْظِ، " وَمَعْنَى هَذَا الحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ :أَنْ يَكُونَ الرَّجُلُ مُفْطِرًا، فَإِذَا بَقِيَ مِنْ شَعْبَانَ شَيْءٌ أَخَذَ فِي الصَّوْمِ لِحَالِ شَهْرِ رَمَضَانَ "وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يُشْبِهُ قَوْلَهُمْ، حَيْثُ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تَقَدَّمُوا شَهْرَ رَمَضَانَ بِصِيَامٍ، إِلَّا أَنْ يُوَافِقَ ذَلِكَ صَوْمًا كَانَ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ وَقَدْ دَلَّ فِي هَذَا الحَدِيثِ أَنَّمَا الكَرَاهِيَةُ عَلَى مَنْ يَتَعَمَّدُ الصِّيَامَ لِحَالِ رَمَضَانَ.

[2] حدیث نمبر ۲۹۲۳، كِتَابُ الصِّيَامِ، باب صِيَام شَعْبَانَ، مؤسسة الرسالة، بيروت.

اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم: إِذَا كَانَ النِّصْفُ مِنْ شَعْبَانَ ، فَأَمْسِكُوْا حَتّٰى يَكُوْنَ رَمَضَانُ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شعبان کا آدھا مہینہ ہو جائے، تو تم روزہ رکھنے سے رُک جاؤ، یہاں تک کہ رمضان (کا مہینہ) شروع ہو جائے (ترجمہ ختم)

اس قسم کی احادیث میں غور وفکر کرتے ہوئے فقہائے احناف نے فرمایا کہ پندرہ شعبان کے بعد روزے رکھنا اس صورت میں ممنوع اور مکروہ ہے، جبکہ یہ عام نفلی روزے ہوں، قضاء یا واجب (مثلاً کفارے، منت وغیرہ کے) روزے نہ ہوں (کیونکہ واجب کی ادائیگی نفل کے مقابلہ میں اہم ہے) اور اس کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے تاکہ شعبان کے آخری دنوں میں روزے رکھنے کی وجہ سے پھر آگے چل کر رمضان کے روزے رکھنے میں ضعف اور کمزوری نہ ہو جائے، اور پھر اس کی وجہ سے رمضان کے فرض روزے نشاط کے ساتھ رکھنا دُشوار نہ ہو جائے۔

پس اگر کسی کو نفلی روزے رکھنے میں اس طرح کی کمزوری واقع نہ ہو، یا وہ اپنے ذمے کے قضاء یا واجب روزے رکھے، تو کوئی حرج نہیں۔ [2]

---

[1] حدیث نمبر ۹۱۱۹، کتاب الصیام، باب من کره أَنْ يَتَقَدَّمَ شَهْرَ رَمَضَانَ بِصَوْمٍ.

[2] ملحوظ رہے کہ بعض حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ نصف شعبان کے بعد عام نفلی روزے رکھنے کی کراہت اُس شخص کے حق میں ہے، جو نصف شعبان سے پہلے سے نفلی روزے رکھتا نہ چلا آ رہا ہو، لیکن کیونکہ اس کراہت کی اصل علت ''ضعف عن حق القیام بصیام رمضان علٰی وجہ النشاط'' ہے۔

اور بعض روایات میں ''بَقِيَ نِصْفٌ مِنْ شَعْبَانَ فَلَا تَصُومُوا'' کے بجائے ''إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَكُفُّوا عَنِ الصَّوْمِ'' یا ''إِذَا كَانَ النِّصْفُ مِنْ شَعْبَانَ ، فَأَمْسِكُوا حَتَّى يَكُونَ رَمَضَانُ'' کے الفاظ آئے ہیں، کما مرّ۔

اس لیے بندہ کو راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ کراہت دونوں صورتوں میں عام ہو کر اپنی علت پر مبنی ودائر ہے۔

(وعن أبي هريرة قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-إذا انتصف شعبان ") أي إذا مضى النصف الأول منه "فلا تصوموا "أي بلا انضمام شيء من النصف الأول بلا سبب من الأحاديث المذكورة، وفي رواية :فلا صيام حتى يكون رمضان. والنهي للتنزيه رحمة على الأمة أن يضعفوا عن حق القيام بصيام رمضان على وجه النشاط.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح شعبان کے آخر میں یعنی رمضان شروع ہونے سے ایک یا دو دن پہلے روزے رکھنے کی بھی احادیث وروایات میں ممانعت آئی ہے۔

چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :لَا تُقَدِّمُوْا الشَّھْرَ حَتّٰی تَرَوُا الْھِلَالَ، أَوْ تُکْمِلُوْا الْعِدَّۃَ، ثُمَّ صُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوُا الْھِلَالَ، أَوْ تُکْمِلُوْا الْعِدَّۃَ (ابوداؤد)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم رمضان کا مہینہ شروع ہونے سے پہلے روزہ نہ رکھو، یہاں تک کہ (رمضان کا) چاند نہ دیکھ لو، یا شعبان کے مہینے کے تیس دن پورے نہ کرلو، پھر تم (رمضان کے) روزے رکھتے رہو، یہاں تک کہ تم (شوال کا) چاند نہ دیکھ لو، یا تیس دن (رمضان کے) پورے نہ کرلو (ترجمہ ختم)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما من صام شعبان كله فيتعود بالصوم ويزول عنه الكلفة، ولذا قيده بالانتصاف أو نهى عنه لأنه نوع من التقدم المقدم، والله أعلم .قال القاضي :المقصود استجمام من لا يقوى على تتابع الصيام فاستحب الإفطار كما استحب إفطاره عرفة ليتقوى على الدعاء ، فأما من قدر فلا نهي له، ولذلک جمع النبي -صلى الله عليه وسلم -بين الشهرين في الصوم اهـ وكلام حسن لكن يخالف مشهور مذهبه أن الصيام بلا سبب بعد نصف شعبان مكروه، وفي شرح ابن حجر :قال بعض أئمتنا :يجوز بلا كراهة الصوم بعد النصف مطلقا تمسكا بأن الحديث غير ثابت أو محمول على من يخاف الضعف بالصوم، ورده المحققون بما تقرر أن الحديث ثابت بل صحيح، وبأنه مظنة للضعف، وما نيط بالمظنة لا يشترط فيه تحققها (رواه أبو داود والترمذي وابن ماجه والدارمي) قال ابن الهمام :أخرج الترمذي عن أبي هريرة قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-إذا بقي النصف من شعبان فلا تصوموا "وقال :حسن صحيح، لا يعرف إلا من هذا الوجه، على هذا اللفظ، وقال ابن حجر :ولا نظر لقول أحمد إنه منكر لأن أبا داود سكت عليه في سننه مع نقله عنه في غيرها الإنكار، فكأنه لم يرتضه، ووجهه أن أحمد قال عن راويه :إنه ثقة لا ينكر من حديثه إلا هذا، ولم يبين سبب إنكاره، فلم يقدح ذلک في رده، قال ابن الهمام :ومعناه عند بعض أهل العلم أن يفطر الرجل حتى إذا انتصف شعبان أخذ في الصوم (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۳۷۶، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال)

[1] حديث نمبر ۲۳۲۶، كتاب الصوم، بَابٌ إِذَا أُغْمِيَ الشَّهْرُ، المكتبة العصرية، صيدا -بيروت.

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَا يَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ، إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ رَجُلٌ كَانَ يَصُوْمُ صَوْمَهُ، فَلْيَصُمْ ذٰلِكَ الْيَوْمَ (بخاری) [1]

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھ کر رمضان کو پہلے ہی شروع نہ کرے، مگر یہ کہ کوئی اس دن (نفلی) روزہ رکھا کرتا ہو (اور یہ دن اس کے معمول کے مطابق واقع ہو رہا ہو) تو وہ اس دن (نفلی) روزہ رکھ لے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تُقَدِّمُوْا الشَّهْرَ بِيَوْمٍ وَلَا بِيَوْمَيْنِ، إِلَّا أَنْ يُّوَافِقَ ذٰلِكَ صَوْمًا كَانَ يَصُوْمُهُ أَحَدُكُمْ، صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهِ، وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَعُدُّوْا ثَلَاثِيْنَ ثُمَّ أَفْطِرُوْا (ترمذی) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم رمضان کے مہینے کو ایک اور دو دن پہلے (روزہ رکھ کر شروع) نہ کرو، مگر یہ کہ یہ دن کسی کے اُس روزے کے موافق ہوجائے کہ تم میں سے کوئی اُس دن کا (نفلی) روزہ رکھتا تھا، تم چاند دیکھ کر روزہ رکھو (یعنی رمضان کو شروع کرو) اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو (یعنی شوال کو شروع کرو) پھر اگر تم پر موسم اَبر آلود ہوجائے، تو تم تیس دن شمار کرو، پھر روزہ افطار کرو (یعنی عید مناؤ) (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ وَلَا تَخْلِطُوْا بِرَمَضَانَ إِلَّا أَنْ يُّوَافِقَ ذٰلِكَ صِيَامًا كَانَ يَصُوْمُهُ أَحَدُكُمْ وَصُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَإِنَّهَا لَيْسَتْ تُغْمَى

---

[1] حديث نمبر ۱۹۱۴، كتاب الصوم، باب :لا يتقدم رمضان بصوم يوم ولا يومين، دارطوق النجاة، بيروت، واللفظ لهٗ؛ مسلم، حديث نمبر ۱۰۸۲، كتاب الصيام، باب لا تقدموا رمضان بصوم يوم ولا يومين.

[2] حديث نمبر ۶۸۴، ابواب الصوم، بَابُ مَا جَاءَ لَا تَقَدَّمُوا الشَّهْرَ بِصَوْمٍ، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

عَلَيْكُمُ الْعِدَّةُ (سنن دارقطنی) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم شعبان کے چاند کو رمضان کے لیے محفوظ کرو (تا کہ رمضان کی ابتداء میں دشواری اور گڑ بڑ نہ ہو) اور تم (شعبان کے آخر میں روزہ رکھ کر) رمضان کے ساتھ خلط ملط نہ کرو، مگر یہ کہ یہ دن کسی کے اُس روزے کے موافق ہوجائے کہ تم میں سے کوئی اُس دن کا (نفلی) روزہ رکھتا تھا، اور تم چاند دیکھ کر روزہ رکھو (یعنی رمضان کو شروع کرو) اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو (یعنی شوال کو شروع کرو) پھر اگر تم پر موسم اَبر آلود ہوجائے (جس کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے) تو تم پر تعداد غائب نہیں ہوئی (یعنی تم کو تیس دن پورے کرنا مشکل نہیں) (ترجمہ ختم)

---

[1] حدیث نمبر ۲۱۷۴، کتاب الصیام، مؤسسة الرسالة، بیروت.

قال الألبانی فی "السلسلة الصحیحة۲/۱۰۳ :أخرجه الدارقطنی(ص ۲۳۰)و الحاکم(۱/۴۲۵)و عنهما البیهقی (۴/۲۰۶)و البغوی فی "شرح السنة "(۲/۱۸۲/۲-۱)من طریق أبی معاویة عن محمد بن عمرو عن أبی سلمة عن أبی هریرة قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فذکره .و قال الحاکم " :صحیح علی شرط مسلم . "و وافقه الذهبی .و أقول :إنما هو حسن فقط للخلاف فی محمد بن عمرو و لأن مسلما لم یحتج به و إنما روی له متابعة .ثم إن الحدیث بهذا التمام للدارقطنی وحده و لیس عند البغوی قوله " :و صوموا لرؤیته " ...الخ .و عند الحاکم الفقرة الأولی منه فقط .و کذلک أخرجه الترمذی(۱/۱۳۳)و أعله بقوله " :لا نعرفه مثل هذا إلا من حدیث أبی معاویة و الصحیح ما روی عن محمد بن عمرو عن أبی سلمة عن أبی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال " :لا تقدموا شهر رمضان بیوم أو یومین . " و هکذا روی عن یحیی بن أبی کثیر عن أبی سلمة عن أبی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم نحو حدیث محمد بن عمرو اللیثی . " قلت :لما لم یقع للترمذی من الحدیث إلا طرفه الأول کما أشرنا قام فی نفسه أن أبا معاویة وهم فیه فقال " :احصوا هلال شعبان لرمضان "مکان قوله " :لا تقدموا " ...الخ .و لذلک حکم علیه بالوهم و لست أری ذلک لأن روایة الدارقطنی قد جمعت بین الفقرتین غایة ما فی الأمر أنه وقع فیها "و لا تخلطوا برمضان "بدل قوله "لا تقدموا شهر رمضان بیوم أو یومین "و لا یخفی أن المعنی واحد ، لاسیما و لفظه عند البغوی " :و لا تصلوا رمضان بشیء إلا أن یوافق ... "الخ . و کأنه لما ذکرنا سکت البیهقی عن الحدیث فلم یعله بشیء .علی أنی قد وجدت لأبی معاویة متابعا أخرجه الضیاء المقدسی فی "المنتقی من مسموعاته بمرو "(ق۹۷/۱)من طریق یحیی بن راشد حدثنا محمد بن عمرو به .و یحیی بن راشد هو المازنی البراء و هو ضعیف یصلح للاعتبار و الاستشهاد ، فثبت أن الحدیث حسن .و الله أعلم(السلسلة الصحیحة الکاملة، تحت حدیث رقم ۵۶۵)

اورحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں رمضان کے ساتھ روزہ ملانے کی ممانعت کے الفاظ ہیں۔ [1]

اورحضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :لَا تُقَدِّمُوْا الشَّھْرَ بِصِیَامِ یَوْمٍ، وَلَا یَوْمَیْنِ إِلَّا أَنْ یَّکُوْنَ شَیْءٌ یَصُوْمُہُ أَحَدُکُمْ، وَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْہُ، ثُمَّ صُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْہُ، فَإِنْ حَالَ دُوْنَہٗ غَمَامَۃٌ، فَأَتِمُّوْا الْعِدَّۃَ ثَلَاثِیْنَ، ثُمَّ أَفْطِرُوْا (ابوداؤد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم رمضان کے مہینے کو ایک اور دو دن پہلے (روزہ رکھ کر شروع) نہ کرو، مگر یہ کہ تم میں سے کسی کا اس دن (نفلی) روزہ رکھنے کا معمول ہو (اور یہ دن اتفاق سے انتیس یا تیس شعبان کو واقع ہو رہا ہو) اور تم اُس وقت تک (رمضان کا) روزہ نہ رکھو، جب تک کہ تم چاند کو نہ دیکھ لو، پھر تم (رمضان کے) روزے رکھتے رہو، یہاں تک کہ تم (شوال کا) چاند نہ دیکھ لو، پھر اگر چاند کے درمیان اَبر حائل ہو جائے، تو تم (مہینے کے) تیس دنوں کی تعداد پوری کرلو، پھر تم افطار کرو (یعنی عید مناؤ) (ترجمہ ختم)

ان سب روایات کا مقصد یہ ہے کہ شعبان کے آخر میں اور رمضان شروع ہونے سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنا منع ہے، تاکہ رمضان کے مہینے پر زیادتی اور اسلامی تقویم میں خرابی اور باطل مذاہب کے ساتھ تشبہ لازم نہ آئے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام کی مقدار یا کیفیت میں زیادتی وغلو سے کام لیا تھا، جس کا نتیجہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے احکام میں تحریف کی شکل میں ظاہر ہوا۔

البتہ اگر کسی کا مخصوص دِنوں (مثلاً پیر، جمعرات وغیرہ) میں نفل روزے رکھنے کا معمول ہو، اور یہ دن

---

[1] عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَحْصُوا هِلالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ ، وَلا تَصِلُوا رَمَضَانَ بِشَیْءٍ إِلا أَنْ يُوَافِقَ ذَلِکَ صَوْمًا كَانَ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ " (شرح السنة للبغوی، جزء ۱، صفحہ ۴۲۷، باب لا يتقدم شهر رمضان بصوم يوم أو يومين)

[2] حدیث نمبر ۲۳۲۷، کتاب الصوم، بَابُ مَنْ قَالَ :فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَصُومُوا ثَلَاثِينَ،المکتبة العصرية، صيدا -بيروت.

(مثلاً پیر، جمعرات وغیرہ) اتفاق سے انتیس یا تیس شعبان کو واقع ہو رہا ہو، تو اُس کو اپنے اس معمول کے مطابق ان دِنوں میں نفلی روزہ رکھنے میں حرج نہیں، بشرطیکہ اس کو رمضان کا روزہ نہ سمجھا جائے، بلکہ نفلی روزہ سمجھا جائے، اور کسی دوسرے کے لئے رمضان کا روزہ ہونے کی غلط فہمی بھی پیدا نہ ہو، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [۱]

اور حضرت صِلہ بن زفر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا عِنْدَ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ فِي الْيَوْمِ الَّذِيْ يُشَكُّ فِيْهِ مِنْ رَمَضَانَ فَأُتِيَ بِشَاةٍ، فَتَنَحَّى بَعْضُ الْقَوْمِ، فَقَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ :مَنْ صَامَ هٰذَا الْيَوْمَ فَقَدْ عَصٰى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ابنِ حبان) [۲]

ترجمہ: ہم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، اُس دن کہ جس میں رمضان کا شک تھا، تو بکری کا گوشت لایا گیا، بعض لوگوں نے اُس کو کھانے سے اعراض کیا (جس سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ یہ روزے سے ہیں) تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے اس شک کے دن میں روزہ رکھا، تو اس نے ابوالقاسم

---

[۱] قال الترمذی:

وَفِي البَابِ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .رَوَاهُ مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِ هَذَا .حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، "وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ :كَرِهُوا أَنْ يَتَعَجَّلَ الرَّجُلُ بِصِيَامٍ قَبْلَ دُخُولِ شَهْرِ رَمَضَانَ لِمَعْنَى رَمَضَانَ، وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يَصُومُ صَوْمًا فَوَافَقَ صِيَامُهُ ذَلِكَ فَلَا بَأْسَ بِهِ عِنْدَهُمْ.

اور جس شخص کی مخصوص دنوں میں نفل روزہ رکھنے کی عادت ہو، چونکہ اس کے روزہ کا اپنے معمول کے مطابق ہونے کی وجہ سے عقیدے کے اعتبار سے نفل ہونا متعین ہے، اور معمول کا عام طور پر دوسروں کو بھی علم ہوتا ہے، اس لئے ایسی صورت میں دوسرے کو بھی غلط فہمی نہیں ہوتی، پس اس صورت میں کیونکہ عموماً نہ تو لازم خرابی پائی جاتی اور نہ متعدی، اس لئے احادیث میں اس صورت کو مستثنیٰ کر کے ذکر کر دیا گیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔

[۲] حدیث نمبر ۳۵۹۶، ذِكْرُ الزَّجْرِ عَنْ صَوْمِ الْيَوْمِ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ أَمِنْ شَعْبَانَ هُوَ أُمْ مِنْ رَمَضَان، مؤسسة الرسالة، بيروت ، واللفظ لهٗ؛ ابوداوٗد، حديث نمبر ۲۳۳۴؛ مستدرک حاکم، حديث نمبر ۱۵۴۲.

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ.

وقال شعيب الارنؤط: رجاله ثقات رجال الصحيح (حاشيه ابنِ حبان)

(محمد) صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فَقَالَ عَمَّارٌ: مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِیْ يَشُکُّ فِيْهِ النَّاسُ فَقَدْ عَصٰی أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ترمذی) [1]

ترجمہ: تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے اُس دن روزہ رکھا، جس دن کے بارے میں لوگ (رمضان ہونے کا) شک کرتے ہیں، تو اس نے ابوالقاسم (محمد) صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی (ترجمہ ختم)

حضرت عکرمہ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی قسم کا مضمون مروی ہے۔ [2]

شک کے دن میں روزہ رکھنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی وجہ یہی ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے روزوں کو شعبان کا مہینہ ختم ہونے کے بعد رمضان کا مہینہ شروع ہونے پر مقرر فرمایا ہے، اور رمضان کے مہینے کے شروع ہونے کی پوری وضاحت بھی اس طرح فرمادی ہے کہ ایک تو یہ قاعدہ مقرر فرمادیا کہ اسلامی مہینہ کبھی انتیس دن کا اور کبھی تیس دن کا ہوتا ہے، نہ تیس سے زیادہ ہوتا، اور نہ انتیس سے کم، اور اسلامی مہینہ کے انتیس دن گزرنے کے بعد غروب ہونے پر (تیسویں رات میں) چاند کی معتبر رؤیت ہونے پر اگلے مہینے کا آغاز ہوتا ہے، ورنہ بصورتِ دیگر تیس دنوں کی تعداد پوری کی جاتی ہے۔

---

[1] حديث نمبر ٦٨٦، ابواب الصوم، بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ الشَّکِّ، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

[2] حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سِمَاکٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ: مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِى يُشَکُّ فِيهِ فَقَدْ عَصَى رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم. (مصنف ابنِ ابى شيبة، حديث نمبر ٩٥٩٦، كتاب الصيام، باب مَا قَالُوا فِي الْيَوْمِ الَّذِى يُشَکّ فِيهِ، يُصَام؟)

أخبرنا أبو بكر البرقانى أخبرنا أحمد بن حسنويه بن على اللباد حدثنا أحمد بن محمد بن سعد حدثنا محمد بن عيسى بن عبد الله الأدمى البغدادى حدثنا أحمد بن عمر الوكيعى حدثنا وكيع عن سفيان عن سماک عن عكرمة عن بن عباس قال: من صام اليوم الذى يشک فيه فقد عصى الله ورسوله. تابعه أحمد بن عاصم الطبرانى عن وكيع ورواه إسحاق بن راهويه عن وكيع فلم يجاوز به عكرمة. وكذلک رواه يحيى القطان عن الثورى لم يذكر فيه بن عباس. (تاريخ بغداد، ج٣ص ٢٠٢، ذكر من اسمه محمد واسم أبيه عيسى)

دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا مہینہ شروع ہونے، بلکہ شعبان کے اختتام سے پہلے ہی رجب کا مہینہ ختم ہونے کے وقت شعبان کے آغاز پر چاند کی حفاظت کے اہتمام کا حکم فرمادیا، تاکہ شعبان کے مہینہ کے دنوں کی تعداد اور رمضان کے مہینے کا چاند دیکھنے کے وقت میں دشواری پیدا نہ ہو۔ [1]

پس جب تک شرعی قواعد کے مطابق (شعبان کے انتیس دن گزرنے پر چاند کی معتبر رویت اور بصورتِ دیگر تیس دنوں کی تعداد پوری ہوکر) رمضان کے مہینے کا آغاز نہ ہو، اور شعبان کی انتیس یا تیس تاریخ ہو، اس وقت میں رمضان کا روزہ سمجھ کر رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے۔ [2]

---

[1] أَحْصُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ وَلَا تَقَدَّمُوا الشَّهْرَ بِصَوْمٍ ,فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَصُومُوا وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطِرُوا ,فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا ثُمَّ أَفْطِرُوا فَإِنَّ الشَّهْرَ هَكَذَا وَهَكَذَا وَهَكَذَا (سنن الدار قطنی، حدیث نمبر ۲۱۷۶عن رافع بن خدیج)

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَفَّظُ مِنْ هَلَالِ شَعْبَانَ مَا لَا يَتَحَفَّظُ مِنْ غَيْرِهِ ,ثُمَّ يَصُومُ رَمَضَانَ لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْهِ عَدَّ ثَلَاثِينَ يَوْمًا ثُمَّ صَامَ (سنن الدارقطنی، حدیث نمبر ۲۱۴۹، واللفظ لہٗ؛ مسنداحمد، حدیث نمبر ۲۵۱۶۱عن عائشة)

(قَوْلُهُ فَإِنْ رَأَوْهُ صَامُوا وَإِنْ غُمَّ عَلَيْهِمْ أَكْمَلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا ثُمَّ صَامُوا) لِأَنَّ الْأَصْلَ بَقَاءُ الشَّهْرِ فَلَا يُنْتَقِلُ عَنْهُ إلَّا بِدَلِيلٍ وَلَمْ يُوجَدْ وَلَا يُصَامُ يَوْمُ الشَّكِّ(الجوهرة النيرة، كتاب الصوم)

قَدْ قَدَّمْنَا عَنْ الْبَدَائِعِ أَنَّ كَوْنَهُ ثَلَاثِينَ هُوَ الْأَصْلُ، وَالنُّقْصَانُ عَارِضٌ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كِتَابُ الصَّوْمِ، بِمَا يَثْبُت شَهْر رَمَضَان)

[2] قال ابن الملك :هو محمول على أنه صام ناويا من رمضان (فقد عصى أبا القاسم) قال ابن الهمام :الشک هو استواء طرفی الإدراک من النفی والإثبات، وموجبه هنا أن يغم الهلال ليلة الثلاثين من شعبان فيشک فی اليوم الثلاثين أمن رمضان هو أو من شعبان؟ أو يغم من رجب هلال شعبان فأكملت عدته ولم يكن رؤی هلال رمضان فيقع الشک فی الثلاثين من شعبان أهو الثلاثون أو الحادی والثلاثون؟(مرقاة المفاتيح، ج۴ص۱۳۷۷، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال)

والصوم قبل رمضان بيوم ويومين مكروه أی صوم كان لقوله عليه السلام لا تتقدموا الشهر بصوم يوم ولا بصوم يومين إلا أن يوافق صوما كان يصومه أحدكم وإنما كره خوفا من أن يظن أنه زيادة على صوم رمضان إذا اعتادوا ذلک ولهذا قال أبو يوسف إنه يكره أن يوصل(تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۳۴۳، كتاب الصوم)

ومنها(ای الصيام المكروهة) أن يستقبل الشهر بيوم، أو يومين بأن تعمد ذلک، فإن وافق ذلک صوما كان يصومه قبل ذلک فلا بأس به لما روی عن النبی -صلى الله عليه وسلم -أنه قال :لا تتقدموا الشهر بيوم ولا بيومين إلا أن يوافق ذلک صوما كان يصومه أحدكم .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت ربعی سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَـمَّـارَ بْـنَ يَـاسِـرٍ وَنَاسًا مَعَهُ أَتَوْهُمْ بِمَسْلُوخَةٍ مَشْوِيَّةٍ فِي الْيَوْمِ الَّذِيْ يُشَكُّ فِيْـهِ أَنَّـهُ مِـنْ رَمَضَانَ ، أَوْ لَيْسَ مِنْ رَمَضَانَ ، فَاجْتَمَعُوْا وَاعْتَزَلَهُمْ رَجُـلٌ ، فَقَالَ لَهُ عَمَّارٌ :تَـعَالَ فَكُلْ ، قَالَ:فَـإِنِّـيْ صَائِمٌ ، فَقَالَ لَهُ عَمَّارٌ :إِنْ كُنْتَ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَتَعَالَ فَكُلْ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسر اور اُن کے ساتھ کچھ لوگوں کے پاس ذبح شدہ (جانور کا) بھونا ہوا گوشت اُس دن میں لایا گیا کہ جس میں یہ شک تھا کہ وہ رمضان کا دن ہے یا رمضان کا دن نہیں ہے، تو وہ لوگ جمع ہوگئے، اور ایک آدمی اُن سے علیٰحدہ ہوگیا، تو حضرت عمار نے اُس آدمی سے کہا کہ آؤ اور کھاؤ، اُس آدمی نے کہا کہ میں روزے سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولأن استقبال الشهر بيوم، أو بيومين يوهم الزيادة على الشهر ولا كذلك إذا وافق صوما كان يصومه قبل ذلك لأنه لم يستقبل الشهر وليس فيه وهم الزيادة.

وقد روى أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -كان يصل شعبان برمضان(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج٢ص ٧٩، كتاب الصوم،فصل شرائط أنواع الصيام)

وفى الشرنبلالية قال فى الفوائد :والمراد بقوله -صلى الله تعالى عليه وسلم -لا تقدموا إلخ التقديم على قصد أن يكون من رمضان؛ لأن التقديم بالشىء على الشىء أن ينوى به قبل حينه وأوانه ووقته وزمانه، وشعبان وقت التطوع فإذا صام عن شعبان لم يأت بصوم رمضان قبل زمانه وأوانه فلا يكون هذا تقدما عليه اهـ .كذا بخط أستاذى -رحمه الله تعالى -وبهذا تنتفى كراهة صوم الشك تطوعا اهـ .كلام الشرنبلالية.وفى المعراج عن الإيضاح :لا بأس بصوم يوم أو يومين أو ثلاثة قبل رمضان لما روى أنه -عليه الصلاة والسلام -كان يصل شعبان برمضان والمراد بقوله لا تقدموا الحديث استقبال الشهر بصوم منه؛ لأنه يصير زيادة على الفرض، وفى العناية وغيرها فإن قيل فما فائدة قوله يوم ويومين وحكم الأكثر من ذلك كذلك أجيب بأن يوما ويومين ما وصل إلى حد الكثرة فيجوز أن يتوهم بأن القليل معفو فيجوز كما فى كثير من الأحكام فنفى ذلك، وفى السعدية يجوز أن يجاب بأن المحتمل هو التقدم بيوم أو يومين كما هو الواقع من الممارسين بعلم حساب النجوم وغيرهم لكن قال فى الفتح :يمكن أن يحمل الحديث على ما قاله فى الهداية ويكره صومها لمعنى ما فى التحفة يعنى قوله :وإنما كره إلى آخر ما مر فتأمل وما فى التحفة أوجه اهـ(منحة الخالق على هامش البحر الرائق ، ج٢ص ٢٨٥، ٢٨٦،كِتَابُ الصَّوْمِ،بِمَا يَثْبُت شَهْر رَمَضَان)

[1] حديث نمبر ٩٥٩٥،كتاب الصوم، باب مَا قَالُوا فِي الْيَوْمِ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ ، يُصَام ؟

ہوں، تو حضرت عمار نے اُس سے کہا کہ اگر آپ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں تو آیئے، اور کھایئے (ترجمہ ختم)

ان احادیث کی روشنی میں جمہور صحابہ وتابعین اور فقہائے کرام نے فرمایا کہ شک کے دن اور انتیس یا تیس شعبان کو روزہ رکھنا مکروہ وممنوع ہے، بلکہ اگر کوئی شک کے دن میں رمضان کا روزہ سمجھ کر رکھے گا، اور بعد میں اسی حساب کو سامنے رکھ کر شرعی اصولوں کے بغیر انتیس یا تیس دن بعد عید منائے گا، تو اس کو بعد میں اس روزے کی قضا کرنی ہوگی۔ [1]

اس کے علاوہ کئی احادیث وروایات اور آثار میں رمضان شروع ہونے سے ایک دو دن پہلے اور شک کے دن میں روزہ رکھنے کی سخت ممانعت آئی ہے۔ [2]

---

[1] قال الترمذی:

وفی الباب عن أبی هریرة، وأنس :.حدیث عمار حدیث حسن صحیح والعمل علی هذا عند أکثر أهل العلم من أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم، ومن بعدهم من التابعین، وبه یقول سفیان الثوری، ومالک بن أنس، وعبد الله بن المبارک، والشافعی، وأحمد، وإسحاق، کرهوا أن یصوم الرجل الیوم الذی یشک فیه، ورأی أکثرهم إن صامه فکان من شهر رمضان أن یقضی یوما مکانه(ترمذی، تحت حدیث رقم ۶۸۶، ابواب الصوم، باب ما جاء فی کراهیة صوم یوم الشک)

[2] حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ، عَنْ حَجَّاجٍ ، عَنْ عَطَاءٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ :لاَ تَصِلُوا رَمَضَانَ بِشَيْءٍ ، وَلاَ تَقَدَّمُوا قَبْلَهُ بِيَوْمٍ ، وَلاَ بِيَوْمَيْنِ (مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۹۱۱۵، باب من کره أَنْ يَتَقَدَّمَ شَهْرَ رَمَضَانَ بِصَوْمٍ)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ :نُهِيَ أَنْ يُتَعَجَّلَ قَبْلَ رَمَضَانَ بِيَوْمٍ ، أَوْ يَوْمَيْنِ (ایضاً، حدیث نمبر ۹۱۱۸)

عَنْ عَلِيٍّ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَخْطُبُ إِذَا حَضَرَ رَمَضَانُ فَيَقُولُ :أَلاَ لاَ تَقَدَّمُوا الشَّهْرَ ، إِذَا رَأَيْتُمَ الْهِلاَلَ فَصُومُوا ، وَإِذَا رَأَيْتُمَ الْهِلاَلَ فَأَفْطِرُوا ، فَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَأَتِمُّوا الْعِدَّةَ ، قَالَ :كَانَ يَقُولُ ذَلِكَ بَعْدَ صَلاَةِ الْعَصْرِ ، وَبَعْدَ صَلاَةِ الْفَجْرِ (ایضاً ، حدیث نمبر ۹۱۲۲)

عَنْ عُمَرَ ، مِثْلَ ذَلِكَ (ایضاً حدیث نمبر ۹۱۲۳)

عَنِ الْحَسَنِ ، وَمُحَمَّدٍ قَالاَ :نُهِيَ أَنْ يُتَقَدَّمَ بَيْنَ يَدَيْ رَمَضَانَ بِصَوْمٍ (ایضاً حدیث نمبر ۹۱۲۴)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؛ فِي الرَّجُلِ يَصُومُ فَيَحْضُرُ رَمَضَانُ ، قَالَ :يَفْصِلُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَمَضَانَ بِأَيَّامٍ (ایضاً حدیث نمبر ۹۱۲۶)

عَنْ عَامِرٍ ، قَالَ :كَانَ عَلِيٌّ ، وَعُمَرُ يَنْهَيَانِ عَنْ صَوْمِ الْيَوْمِ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ مِنْ رَمَضَانَ (مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۹۵۸۲، مَا قَالُوا فِي الْيَوْمِ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ ، يصَام؟)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوالاحوص، حضرت مغیرہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، وَالشَّعْبِيِّ ، أَنَّهُمَا قَالَا : لَا تَصُمْ إِلَّا مَعَ جَمَاعَةِ النَّاسِ (مصنف ابنِ ابی شیبۃ) [1]

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت امام شعبی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کی جماعت کے ساتھ ہی روزہ رکھیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت وکیع، حضرت اسماعیل بن ابی خالد سے روایت کرتے ہیں کہ:

عَنِ الشَّعْبِيِّ ، قَالَ : مَا مِنْ يَوْمٍ أَصُومُهُ أَبْغَضُ إِلَيَّ مِنْ يَوْمٍ يَخْتَلِفُ النَّاسُ فِيهِ (مصنف ابنِ ابی شیبۃ) [2]

ترجمہ: حضرت امام شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کوئی دن میرے نزدیک کہ جس میں، میں روزہ رکھوں، اس سے زیادہ مبغوض نہیں ہے کہ جس میں لوگ اختلاف کریں (ترجمہ ختم)

اور حضرت وکیع، حضرت ابوالعیز ار سے روایت کرتے ہیں کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَابِسٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ : قَالَ عَبْدُ اللهِ : لَأَنْ أُفْطِرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ ، ثُمَّ أَقْضِيَهُ ، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَزِيدَ فِيهِ مَا لَيْسَ مِنه (ایضاً، حدیث نمبر ۹۵۸۳)

عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ حَكِيمٍ ، قَالَ : سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُول : لَوْ صُمْتُ السَّنَةَ كُلَّهَا لَأَفْطَرْتُ الْيَوْمَ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ (ایضاً، حدیث نمبر ۹۵۸۴)

قَالَ الضَّحَّاكُ بْنُ قَيْسٍ : لَوْ صُمْتُ السَّنَةَ كُلَّهَا ، مَا صُمْتُ الْيَوْمَ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ مِنْ رَمَضَانَ . (ایضاً، حدیث نمبر ۹۵۸۵)

عَنْ بِنْتِ حُذَيْفَةَ قَالَتْ : كَانَ حُذَيْفَةُ يَنْهَى عَنْ صَوْمِ الْيَوْمِ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ (ایضاً، حدیث نمبر ۹۵۸۶)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ؛ أَنَّهُ قَالَ : مَا مِنْ يَوْمٍ أَبْغَضُ إِلَيَّ أَنْ أَصُومَهُ ، مِنَ الْيَوْمِ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ مِنْ رَمَضَانَ (ایضاً، حدیث نمبر ۹۵۹۹)

عَنْ عَامِرٍ ، قَالَ : مَا مِنْ يَوْمٍ أَبْغَضُ إِلَيَّ أَنْ أَصُومَهُ مِنَ الْيَوْمِ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ مِنْ رَمَضَانَ (ایضاً حدیث نمبر ۹۵۹۷)

[1] حدیث نمبر ۹۵۸۸، کتاب الصیام، باب مَا قَالُوا فِي الْيَوْمِ الَّذِي يُشَكّ فِيهِ ، يُصَام؟

[2] حدیث نمبر ۹۵۸۹، کتاب الصیام، باب مَا قَالُوا فِي الْيَوْمِ الَّذِي يُشَكّ فِيهِ ، يُصَام ؟

أَتَيْتُ إِبْرَاهِيمَ فِي الْيَوْمِ الَّذِیْ يُشَکُّ فِيهِ ، فَقَالَ :لَعَلَّکَ صَائِمٌ ، لَا تَصُمْ إِلَّا مَعَ الْجَمَاعَةِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: میں حضرت ابراہیم نخعی کے پاس اس دن حاضر ہوا، جس کے بارے میں (رمضان ہونے نہ ہونے کا) شک کیا جارہا تھا، تو انہوں نے فرمایا کہ شاید آپ روزے سے ہیں، آپ جماعت کے ساتھ ہی روزہ رکھیں (ترجمہ ختم)

اور امام ابوداؤد، حضرت شعبہ سے، اور وہ حضرت ابوالمعلیٰ یعنی یحییٰ بن میمون عطار سے روایت کرتے ہیں کہ:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ؛أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَّصُومَ الْيَوْمَ الَّذِیْ يُخْتَلَفُ فِيهِ مِنْ رَمَضَانَ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [2]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ جس دن کے بارے میں رمضان ہونے کا اختلاف کیا جائے، اُس میں روزہ رکھیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ فضیل، حضرت مُطرّف سے روایت کرتے ہیں کہ:

عَنْ عَامِرٍ ؛ فِي الْيَوْمِ الَّذِیْ يَقُوْلُ النَّاسُ إِنَّهُ مِنْ رَمَضَانَ ، قَالَ :فَقَالَ:لَا تَصُوْمَنَّ إِلَّا مَعَ الْإِمَامِ ، فَإِنَّمَا كَانَتْ أَوَّلُ الْفُرْقَةِ فِیْ مِثْلِ هٰذَا (مصنف ابنِ ابی شیبة) [3]

ترجمہ: حضرت عامر (شعبی) نے اس دن کے بارے میں کہ جس کے بارے میں لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ رمضان کا دن ہے، فرمایا کہ آپ ہرگز روزہ نہ رکھیں، مگر امام (یعنی چاند کی گواہی سننے اور فیصلہ کرنے کے مجاز حاکم) کے (فیصلہ کے) ساتھ ہی روزہ رکھیں، پس اختلاف کی ابتداء اسی جیسی چیز میں ہوتی ہے (ترجمہ ختم)

حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ انتہائی جلیل القدر تابعی ہیں، اور آپ متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے

---

[1] حديث نمبر ۹۵۹۱، كتاب الصيام، باب مَا قَالُوا فِي الْيَوْمِ الَّذِی يُشَکّ فِيهِ ، يُصَام ؟

[2] حديث نمبر ۹۵۹۴، كتاب الصيام، باب مَا قَالُوا فِي الْيَوْمِ الَّذِی يُشَکّ فِيهِ ، يُصَام ؟

[3] حديث نمبر ۹۵۹۸، كتاب الصيام، باب مَا قَالُوا فِي الْيَوْمِ الَّذِی يُشَکّ فِيهِ ، يُصَام؟

شاگرد ہیں۔ [1]

اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ عظیم تابعی ہیں، اور آپ نے صحابۂ کرام کی ایک جماعت کو پایا ہے، اور اپنے زمانہ میں کوفہ کے مفتی رہ چکے ہیں، آپ کی وفات ۹۶ھ میں ہوئی۔ [2]

---

[1] الشعبي عامر بن شراحيل بن عبد بن ذى كبار وذو كبار :قيل من أقيال اليمن، الإمام، علامة العصر، أبو عمرو الهمداني، ثم الشعبي .ويقال :هو عامر بن عبد الله، وكانت أمه من سبي جلولاء .مولده :في إمرة عمر بن الخطاب، لست سنين خلت منها، فهذه رواية .وقيل :ولد سنة إحدى وعشرين، قاله شباب .وكانت جلولاء في سنة سبع عشرة .وروى :ابن عيينة، عن السرى بن إسماعيل، عن الشعبي، قال :ولدت عام جلولاء .فهذه رواية منكرة، وليس السرى بمعتمد، قد اتهم .وعن أحمد بن يونس :ولد الشعبي سنة ثمان وعشرين......قلت :رأى عليا -رضي الله عنه -وصلى خلفه .وسمع من :عدة من كبراء الصحابة......قال ابن عيينة :علماء الناس ثلاثة :ابن عباس في زمانه، والشعبي في زمانه، والثوري في زمانه ......قال أحمد بن عبد الله العجلي :سمع الشعبي من ثمانية وأربعين من أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال :ولا يكاد يرسل إلا صحيحا .روى :عقيل بن يحيى، حدثنا أبو داود، عن شعبة، عن منصور الغداني، عن الشعبي، قال:أدركت خمس مائة صحابي، أو أكثر، يقولون :أبو بكر، وعمر، وعثمان، وعلي.......أشعب بن سوار :عن ابن سيرين، قال:قدمت الكوفة، وللشعبي حلقة عظيمة، والصحابة يومئذ كثير.ابن عيينة :عن داود بن أبي هند، قال :ما جالست أحدا أعلم من الشعبي .وقال عاصم بن سليمان :ما رأيت أحدا أعلم بحديث أهل الكوفة والبصرة والحجاز والآفاق من الشعبي(سير اعلام النبلاء ج۴ص ۲۹۴ تا ۳۰۲ ملخصاً)

[2] إبراهيم النخعي *(ع) الامام، الحافظ، فقيه العراق، أبوعمران، إبراهيم بن يزيد بن قيس ابن الاسود بن عمرو بن ربيعة بن ذهل بن سعد بن مالك بن النخع النخعي، اليماني ثم الكوفي، أحد الاعلام، وهو ابن مليكة أخت الاسود بن يزيد(سير اعلام النبلاء ج۴ص ۵۲۰)

قال أحمد بن عبد الله العجلي : لم يحدث عن أحد من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وقد أدرك منهم جماعة ، ورأى عائشة رؤيا ، وكان مفتي أهل الكوفة هو والشعبي في زمانهما ، وكان رجلا صالحا فقيها متوقيا قليل التكلف ، ومات وهو مختفٍ من الحجاج . وقال أبو أسامة عن الأعمش :كان إبراهيم صيرفي الحديث .وقال جرير بن عبدالحميد عن إسماعيل بن أبي خالد :كان الشعبي وإبراهيم وأبو الضحى يجتمعون في المسجد يتذاكرون الحديث ، فإذا جاء هم شيء ليس عندهم فيه رواية رموا إبراهيم بأبصارهم . وقال عباس الدوري عن يحيى بن معين : مراسيل إبراهيم أحب إلي من مراسيل الشعبي ....قال البخاري : وقال أبو نعيم :مات إبراهيم سنة ست وتسعين .وقال غيره :مات وهو ابن تسع وأربعين ، وقيل :ابن ثمان وخمسين .روى له الجماعة.(تهذيب الكمال ج۲ص ۲۳۳)

اور حضرت سعید بن جبیر بھی جلیل القدر تابعی اور کئی صحابۂ کرام کے شاگرد ہیں، ان کو حجاج بن یوسف نے ۹۵ھ میں شہید کیا۔ [۱]

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ جب تک شرعی اصولوں کے مطابق رمضان کا شروع ہونا ثابت نہ ہو، اس وقت تک رمضان کے روزے سمجھ کر رکھنا شریعت کی نظر میں انتہائی خطرناک طرزِ عمل ہے۔ اور شرعی اصولوں کو نظر انداز کر کے کسی کا اختلاف کرنا بھی شریعت کی نظر میں بہت برا عمل ہے، اسی وجہ سے اس کی موافقت کے بجائے مخالفت کا حکم ہے، کیونکہ اس میں کئی خرابیاں اور فتنے لازم آتے ہیں، مثلاً:

(۱)...... مہینے کے شروع اور ختم ہونے میں شرعی اصول وقواعد کی مخالفت (۲)...... شریعت کی طرف سے ایک مہینے کے لئے فرض کردہ روزوں کی مقدار پر زیادتی (۳)...... ایک دو روزے پہلے رکھنے اور رمضان کے آخری دن یا اس سے پہلے عید منا لینے کی صورت میں ایک یا دو فرض روزوں کا ذمہ میں باقی رہ جانا [۲] (۴)...... باطل قوموں کے ساتھ مشابہت، جنہوں نے اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ احکام میں زیادتی واضافہ اور غلو کیا (۵)...... شرعی احکام میں تحریف وخلل کا آنا، کہ یہ طرزِ عمل مہینوں اور ان کے دنوں کو اپنی جگہ سے ہٹانے کا سبب ہے، جو کہ زمانۂ جاہلیت کا طریقہ تھا، اور اسے نسیئ کی رسم کہا جاتا تھا (۶)...... اس طرزِ

---

[۱] سعید بن جبیر بن هشام الأسدی الوالبی ، مولاهم ، أبو محمد ، ویقال :أبو عبد الله الکوفی .ووالبة هو ابن الحارث بن ثعلبة بن دودان بن أسد بن خزیمة ، فیما قاله له محمد بن حبیب .روی عن :أنس بن مالک (د س) ، والضحاک بن قیس الفهری وعبد الله بن الزبیر ، وعبد الله بن عباس (ع) ، وعبد الله بن عمر بن الخطاب (ع) ، وعبد الله بن مغفل (م ق) ، وعدی بن حاتم (ت س) ، وعمرو بن میمون الأودی (خ) ، وأبی سعید الخدری (ت) ، وأبی عبد الرحمن السلمی (خ م س) ، وأبی مسعود الأنصاری ، وأبی موسی الاشعری (س) ، وأبی هریرة ، وعائشة..........وقال أبو القاسم هبة الله بن الحسن الطبری :هو ثقة ، إمام حجة علی المسلمین ، قتل فی شعبان سنة خمس وتسعین ، وهو ابن تسع وأربعین سنة .روی له الجماعة (تهذیب الکمال ج۱۰ ص۳۸۵)

[۲] کیونکہ رمضان شروع ہونے سے پہلے روزہ فرض نہیں، اور اگر رکھا جائے تو اس سے فرض ادا نہیں ہوتا۔

عمل کے نتیجہ میں بعض اوقات شوال کے بجائے رمضان کے مہینے میں ہی کھُلّم کھُلّا عید منانا اور کھانا پینا، کہ جب انتیس یا تیس کی تعداد شوال کا چاند نظر آنے سے پہلے ہی پوری ہوجاتی ہے، تو کچھ لوگ رمضان ہی میں عید منا لیتے ہیں (۷)......اس طرزِ عمل کی وجہ سے امت میں انتشار وافتراق کا ہونا۔

اور ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ مستقل فتنہ ہے، اس لئے شریعتِ مطہرہ نے ان سب فتنوں کا سدِ باب کردیا۔ [1]

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک مجاز حاکم کی طرف سے شرعی اصولوں کے مطابق رؤیتِ ہلال اور رمضان کے مہینے کے آغاز کا فیصلہ نہ ہو، اس وقت تک علی الرغم مخالفت کرتے ہوئے کھلے عام رمضان کا روزہ رکھنا اور اس سے بڑھ کر دوسروں کو بھی اس کی دعوت وترغیب دینا منع اور امت میں تفریق وانتشار کا باعث ہے۔ [2]

---

[1] اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بعض لوگوں نے جو ایک دو دن پہلے روزہ رکھنے کے مکروہ ہونے کی علت رمضان کے روزں میں ضعف کا لازم آنا اور نشاط کا مفقود ہوجانا بیان کی ہے، وہ راجح نہیں ہے، کیونکہ حدیث کے الفاظ:

"لَا تُقَدِّمُوا" "لَا يَتَقَدَّمَنَّ" "لَا تَخْلِطُوا" "لَا تَصِلُوا رَمَضَانَ"

اور پھر اس کے بعد "الا" سے معمول کا استثناء سب اس علت کے خلاف اور جنسِ رمضان بنانے کی علت کے مقتضی ہیں، نیز ضعف کے لازم اور نشاط کے مفقود ہونے کی علت کو نفل وغیر نفل میں فرق کرنے کو بھی دخل نہیں۔

اس لئے کراہت وممانعت کی اصل علت رمضان پر لازم ومتعدی زیادتی کا لازم آنا، اور اس کے نتیجے میں مختلف فتنوں کا رونما ہونا ہی راجح معلوم ہوتی ہے۔ محمد رضوان۔

[2] (قوله :وأفاد أن التفرد بالرؤية إلخ) قال الرملي :ليس المراد بالتفرد الواحد؛ إذ لو كانوا جماعة ورد القاضي شهادتهم لعدم تكامل الجمع العظيم فالحكم فيهم كذلک، ولا شبهة أن عبارة المتن شاملة لذلک؛ لأنه من عامة تأمل (منحة الخالق،على هامش البحر الرائق ، ج۲ ص ۲۸۶، كِتَابُ الصَّوْمِ،بِمَا يَثْبُتُ شَهْرُ رَمَضَانَ)

قال :(ولا يصام يوم الشک إلا تطوعا) لقوله عليه الصلاة والسلام ' :لا يصام اليوم الذي يشک فيه أنه من رمضان إلا تطوعا 'وهو الذي يشک فيه أنه من رمضان أو شعبان ، وذلک بأن يتحدث الناس بالرؤية ولا تثبت(الاختيار لتعليل المختار،كتاب الصوم)

ويوم الشک هو اليوم الذي يتحدث الناس فيه برؤية الهلال ولم تثبت رؤيته، أو شهد واحد فردت شهادته، أو شاهدان فاسقان فردت شهادتهما(عمدة القارى ج۱۰ ص ۲۷۹، كتاب الصوم، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم إذا رأيتم الهلال فصوموا وإذا رأيتموه فأفطروا)

انتیس اور تیس شعبان اور شک واختلاف کے دن رمضان کا روزہ سمجھ کر رکھنے کی ممانعت کا حکم تو اوپر معلوم ہو چکا۔

پھر اگر کسی کا مخصوص دِنوں (مثلاً پیر، جمعرات وغیرہ) میں نفل روزے رکھنے کا معمول ہو، اور یہ دن (مثلاً پیر، جمعرات وغیرہ) اتفاق سے انتیس یا تیس شعبان کو واقع ہو رہا ہو، تو اُس کو اپنے اس معمول کے مطابق ان دِنوں میں نفلی روزہ رکھنے میں حرج نہیں، بشرطیکہ اس کو رمضان کا روزہ نہ سمجھا جائے، بلکہ نفلی روزہ سمجھا جائے، اور کسی دوسرے کے لئے رمضان کا روزہ ہونے کی غلط فہمی بھی پیدا نہ ہو۔ [1]

---

[1] ملحوظ رہے کہ بعض اہلِ علم نے رمضان سے ایک دن پہلے اور یوم الشک میں روزے کی کراہت وممانعت کو تیس شعبان کے ساتھ خاص رکھا ہے، مگر کیونکہ احادیث میں "بیوم" اور "بیومین" کے الفاظ ہیں، اس لئے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ کراہت وممانعت کی علت جس طرح تیس شعبان کو پائی جانا ممکن ہے، اسی طرح انتیس شعبان کو بھی پائی جانا ممکن ہے، یعنی امکان دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے، کیونکہ اسلامی مہینہ کبھی انتیس دن کا اور کبھی تیس دن کا ہوتا ہے، اور ان دونوں شقوں میں سے ہر ایک شق میں علتِ کراہت (اتصال واختلاط وغیرہ) کا پایا جانا ممکن ہے، وہ الگ بات ہے کہ تیس شعبان میں علتِ کراہت قوی ہے بنسبت انتیس شعبان کے، بالخصوص جبکہ آج کے دور میں بہت سے لوگ انتیس شعبان سے ہی رمضان کا روزہ رکھنا شروع کر دیتے ہیں، پھر انتیس شعبان کو خواہ یوم الشک کا نام دیا جائے، یا کچھ اور، بہر حال علتِ کراہت جس صورت میں بھی پائی جائے، اس میں کراہت کا ہی حکم ہونا راجح معلوم ہوتا ہے۔ محمد رضوان۔

وقال العلماء :معنى الحديث :لا تستقبلوا رمضان بصيام على نية الاختلاط لرمضان، تحذيرا مما صنعت النصارى فى الزيادة على ما افترض عليهم برأيهم الفاسد، فكان صلى الله عليه وسلم يأمر بمخالفة أهل الكتاب وكان أولا يحب موافقة أهل الكتاب فيما لم يؤمر فيه بشىء، ثم أمر بعد ذلک بمخالفتهم .فإن قلت :هذا النهى للتحريم أو للتنزيه؟ قلت :حكى الترمذى عن أهل العلم الكراهة، وكثيرا ما يطلق المتقدمون الكراهة على التحريم، ولا شک أن فيه تفصيلا واختلافا للعلماء، فذهب داود إلى أنه لا يصح صومه أصلا، ولو وافق عادة له، وذهبت طائفة إلى أنه لا يجوز أن يصام آخر يوم من شعبان تطوعا إلا أن يوافق صوما كان يصومه، وأخذوا بظاهر هذا الحديث، روى ذلک عن عمر بن الخطاب وعلى وعمار وحذيفة وابن مسعود، ومن التابعين سعيد بن المسيب والشعبى والنخعى والحسن وابن سيرين، وهو قول الشافعى، وكان ابن عباس وأبو هريرة يأمران بفصل يوم أو يومين كما استحبوا أن يفصلوا بين صلاة الفريضة والنافلة بكلام أو قيام أو تقدم أو تأخر، وقال عكرمة :من صام يوم الشک فقد عصى الله ورسوله، وأجازت طائفة صومه تطوعا، روى عن عائشة وأسماء أختها أنهما كانتا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر انتیس، تیس شعبان کو ایسا دن نہ ہو کہ جس دن میں کسی کا نفلی روزہ رکھنے کا معمول ہو، اور پھر بھی کوئی نفل روزہ رکھنا چاہے، تو ایسی صورت میں اس کو نفل روزہ رکھنا فی نفسہٖ منع نہیں، بشرطیکہ نہ تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تصومان يوم الشک، وقالت عائشة :لأن أصوم يوما من شعبان أحب إلى من أن أفطر يوما من رمضان، وهو قول الليث والأوزاعى وأبى حنيفة وأحمد وإسحاق، وذكر ابن المنذر عن عطاء وعمر بن عبد العزيز والحسن أنه :إذا نوى صومه من الليل على أنه من رمضان ثم علم بالهلال أو النهار أو آخره أنه يجزيه، وهو قول الثورى والأوزاعى وأبى حنيفة وأصحابه.

وقيل الحكمة فى هذا النهى التقوى بالفطر لرمضان ليدخل فيه بقوة ونشاط، وقيل :لأن الحكم علق بالرؤية فمن تقدمه بيوم أو بيومين فقد حاول الطعن فى ذلک الحكم، وإنما اقتصر على يوم أو يومين لأنه الغالب ممن يقصد ذلک (عمدة القارى، ج۱۰ ص۲۸۸، كتاب الصوم، باب لا يتقدمن رمضان بصوم يوم ولا يومين)

(وعن أبى هريرة قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-لا يتقدمن أحدكم رمضان ") قال ابن الهمام :نهى تنزيه، ومرجعه إلى خلاف الأولى، ولا يكون كالصلاة فى الأرض المغصوبة بل دون ذلک "بصوم يوم أو يومين "قال ابن الملک :وإنما نهى عنه حذرا من التشبه بأهل الكتاب، وقال ابن حجر :وبه يخص أمره -صلى الله عليه وسلم -بسرر الشهر وهو بفتح المهملة وكسرها :آخره، وهذا وما صح عن عمار بن ياسر أنه قال " :من صام يوم الشک فقد عصى أبا القاسم -صلى الله عليه وسلم - "كان المعتمد من مذهبنا حرمة صوم يوم الشک بل وما قبله كما يأتى اهـ .سيأتى الجواب عنه فى حديث عمار -رضى الله عنه -أو قال المظهر :يكره صوم آخر شعبان يوما أو يومين "إلا أن يكون رجل كان يصوم صوما "أى نذرا معينا أو نفلا معتادا أو صوما مطلقا غير مقيد برمضان "فليصم ذلک اليوم "أى ذلک الوقت فإنه يجوز له ذلک، قال الطيبى :قيل :العلة ترک الاستراحة الموجبة للنشاط فى صوم رمضان، وقيل :اختلاط النفل بالفرض فإنه يورث الشک بين الناس فيتوهمون أنه رأى هلال رمضان، فلذلک يصوم فيوافقه بعض الناس إلى ظن أنه رأى الهلال، ثم هذا النهى فى النفل، وأما القضاء والنذر ففيهما ضرورة لأنهما فرض، وتأخيره غير مرضى، وأما الورد فتركه ليس بسديد لأن أفضل العبادات أدومها، وتركه عند من ألف به شديد، وقيل : العلة لزوم التقدم بين يدى الله ورسوله، فإنه -صلى الله عليه وسلم -قيد الصوم بالرؤية فهو كالعلة للحكم، أقول :وكذا قال -تعالى -(فمن شهد منكم الشهر فليصمه) (البقرة: ۱۸۵) فقال :فمن تقدم صومه فقد طعن فى هذه العلة، أقول :ينبغى أن يقول فكأنه حاول الطعن، قال :وإليه أشار بقوله -صلى الله عليه وسلم " :-من صام يوم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کو رمضان کا روزہ سمجھ کر رکھے، اور نہ ہی اس کے روزہ رکھنے کی وجہ سے دوسروں کو یہ غلط فہمی ہو کہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الشک فقد عصی أبا القاسم "اھ، یعنی إذا صام بنیة رمضان أو بنیة علی طریق الترديد بأن ینوی إن کان غدا من رمضان فأنا صائم عنه، وإلا فعن غیره، فإنه حینئذ یکون متقدما بین یدی اللہ ورسوله، فأما إذا صام نفلا أو نحوه فلا یکون داخلا فی الوعید، ولا فی النهی الأکید، ویومء إلی هذا القول قوله "لا یتقدمن "علی أن حدیث "من صام یوم الشک فقد عصی أبا القاسم -صلی الله علیه وسلم " -إنما هو من قول عمار بن یاسر، والظاهر أنه إذا تقدم بثلاثة أیام فلا یکون داخلا تحت النهی (متفق علیه)(مرقاة المفاتیح، ج۴ص ۱۳۷۵، ۱۵۷۶، کتاب الصوم، باب رؤیة الهلال)

ووجه تخصیصه بیوم أو یومین أن صومه عن رمضان إنما یکون غالبا عند توهم النقصان فی شهر أو شهرین فیصوم یوما أو یومین عن رمضان علی الظن أن ذلک احتیاط کما أفاده فی الإمداد والسعدیة وقال فی الفتح :وعلیه فلا یکره صوم واجب آخر فی یوم الشک قال :وهو ظاهر کلام التحفة حیث قال :وقد قام الدلیل علی أن الصوم فیه عن واجب آخر وعن التطوع مطلقا لا یکره فثبت أن المکروه ما قلنا یعنی صوم رمضان وهو غیر بعید من کلام الشارحین والکافی وغیرهم حیث ذکروا أن المراد من حدیث التقدم هو التقدم بصوم رمضان قالوا ومقتضاه أن لا یکره واجب آخر أصلا وإنما کره لصورة النهی فی حدیث العصیان الآتی وتصحیح هذا الکلام أن یکون معناه یترک صومه عن واجب آخر تورعا وإلا فبعد وجوب کون المراد من النهی عن التقدم صوم رمضان کیف یوجب حدیث العصیان منع غیره مع أنه یجب أن یحمل علی ما حمل علیه حدیث التقدم إذ لا فرق بینهما .اھ۔

ما فی الفتح ملخصا وفی التتارخانیة تصحیح عدم الکراهة أی التحریمیة فلا ینافی أن التورع ترکه تنزیها وفی المحیط کان ینبغی أن لا یکره بنیة واجب آخر إلا أنه وصف بنوع کراهة احتیاطا فلا یؤثر فی نقصان الثواب کالصلاة فی الأرض المغصوبة .اھ۔

(قوله :فلا أصل له) کذا قال الزیلعی ثم قال :ویروی موقوفا علی عمار بن یاسر وهو فی مثله کالمرفوع .اھ .قلت :وینبغی حمل نفی الأصلیة علی الرفع کما حمل بعضهم قول النووی فی حدیث صلاة النهار عجماء أنه لا أصل له علی أن المراد لا أصل لرفعه وإلا فقد ورد موقوفا علی مجاهد وأبی عبیدة وکذا هذا أورده البخاری معلقا بقوله، وقال صلة عن عمار من صام إلخ قال فی الفتح :وأخرجه أصحاب السنن الأربعة وغیرهم، وصححه الترمذی عن صلة بن زفر قال :کنا عند عمار فی الیوم الذی یشک فیه فأتی بشاة مصلیة فتنحی بعض القوم فقال عمار :من صام هذا الیوم فقد عصی أبا القاسم قال فی الفتح وکأنه فهم من الرجل المتنحی أنه قصد صومه عن رمضان فلا یعارض ما مر وهذا بعد حمله علی السماع من النبی ﷺ والله سبحانه أعلم(رد المحتار علی الدر المختار، ج۲ص ۳۸۲، کتاب الصوم، سبب صوم رمضان)

اس نے رمضان کا روزہ رکھا ہے۔ [1]

لیکن کیونکہ آج کل جہالت اور فتنوں کا دور دورہ ہے، اور آج کل بہت سے عوام انتیس وتیس شعبان کو ہی رمضان کا روزہ رکھنا شروع کر دیتے ہیں، اور پھر انتیس یا تیس رمضان کو (العیاذ باللہ تعالیٰ) عید بھی منا لیتے ہیں۔

اس لئے انتیس اور تیس اور بطورِ خاص تیس شعبان کو عام حالات میں عوام وخواص سب کو ہی نفل روزہ رکھنے سے پرہیز کرنا چاہئے، تاکہ اس قسم کے فتنوں کا سدّ باب رہے۔ [2]

---

[1] (قوله :وإلا يصومه الخواص) أي وإن لم يوافق صوما يعتاده ولا صام من آخر شعبان ثلاثة فأكثر استحب صومه للخواص .قال في الفتح :وقيده في التحفة بكونه على وجه لا يعلم العوام ذلك كي لا يعتادوا صومه فيظنه الجهال زيادة على رمضان، ويدل عليه قصة أبي يوسف المذكورة في الإمداد وغيره .حاصلها أن أسد بن عمرو سأله هل أنت مفطر فقال له في أذنه أنا صائم وفي قوله يصومه الخواص إشارة إلى أنهم يصبحون صائمين لا متلومين بخلاف العوام(رد المحتار على الدر المختار، ج۲ ص ۳۸۲،۳۸۳، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان)

وإنما لا يكره عن مطلق التطوع على وجه لا يعلم العوام ذلك كيلا يعتادوا الصوم فيه فيظنه الجهال زيادة على رمضان(تحفة الفقهاء، ج ۱ ص ۳۴۳ ،كتاب الصوم)

وكره فيه "أي يوم الشك "كل صوم "من فرض وواجب وصوم ردد فيه بين نفل وواجب "إلا صوم نفل جزم به بلا ترديد بينه وبين صوم آخر "فإنه لا يكره لحديث السرار إذا كان على وجه لا يعلم العوام ذلك ليعتادوا صومه ظنا منهم زيادته على الفرض وإذا وافق معتاده فصومه أفضل اتفاقا واختلفوا في الأفضل إذا لم يوافق معتاده قيل الأفضل النظر احترازا لظاهر النهي وقيل الصوم اقتداء بعلي وعائشة رضي الله عنهما فإنهما كانا يصومانه (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح،ص ۲۴۰، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال وفي صوم الشك وغيره)

[2] والمنع للعوام لئلا يظن انه من رمضان وهو الوجه في النهي عن التقدم المذكور في حديث الباب وقد شوهد انهم يفهمون كذلك بل يترقى بعضهم عليه فيقول اذا لم ير هلال شوال في التاسع والعشرين الذى هو الثلاثون بحساب ذلك الرجل مابال العلماء يصومون احدا وثلاثين يوما؟ فهذه مفسدة عظيمة، والله تعالىٰ اعلم (اعلاء السنن ج ۹ ص ۱۲۴ ، باب النهي عن صوم يوم الشك)

وايضاً ففي صوم الخواص وافتائهم بالعوام بالفطر فتنة ايضا فان صومهم لايكاد يخفىٰ بل يظهر الناس فيرتابون في فتاوى العلماء ،ويقولون امرونا بالافطار واخذوا لانفسهم بالحوطة ، فهل زمام الشريعة بايديهم حيث حرموا الصوم علينا، واحله لانفسهم؟وفيه من الفساد مالايخفى، والفقيه من وقف على حال اهل زمانه ، والله تعالىٰ اعلم (ايضاًص ۱۲۶)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

افسوس ہے کہ آج کے دور میں بعض لوگ اس سلسلہ میں بہت بے احتیاطی کرتے ہیں، اور باوجودیکہ چاند کی رؤیت کا فیصلہ کرنے کے لئے حکومتِ وقت کی طرف سے حاکم یا باتفاقِ علاقہ ایک جماعت (کمیٹی) مقرر ہوتی ہے، اور وہ شرعی اصولوں کے مطابق چاند کی رؤیت ثابت ہونے پر فیصلہ کرتی ہے، مگر یہ لوگ اس کے فیصلے سے ایک دو دن پہلے ہی کھلے عام روزہ رکھ کر رمضان کا آغاز کردیتے ہیں، اور پھر انتیس یا تیس دن کے بعد عید بھی منا لیتے ہیں۔

اور زیادہ تعجب وحیرت کن بات یہ ہے کہ دوسرے مہینوں کے آغاز واختتام بلکہ اکثر وبیشتر شعبان کے آغاز کا معاملہ تو یہ لوگ حاکم یا مجاز جماعت کے فیصلہ کے مطابق کرتے ہیں، مگر یکا یک رمضان کے چاند میں اختلاف شروع کردیتے ہیں، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے حساب کو درست رکھنے کے لئے شعبان کے چاند کی حفاظت کے اہتمام کا حکم فرمایا ہے۔

پس مذکورہ طرزِ عمل قابلِ اصلاح ہے۔

تفصیلی دلائل کے لئے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ: ''پاکستان کی موجودہ رؤیتِ ہلال کمیٹی کی شرعی حیثیت''

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال العثمانی: وبالجملة فدليل من منع عن صوم يوم الشک الا للمعتاد اقویٰ رواية ودراية وماذكره اصحابنا فی تاويل الحديثين ومن استثناء الخوص عن هذا النهی مجرد تاويل فی معرض النص هذا ولكنی لا افتی علی كراهته للخصاص لكونی مقلد الامام الاعظم ابی حنيفة واصحابه ولكن الاولٰی عندی قول محمد بن سلمه من الحنفية ان افراد يوم الشک بصومه خلاف الاولیٰ والفطر فيه افضل للعوام والخواص جميعا خصوصا وقد قال اصحابنا ان الخروج من خلاف العلماء مستحب وفيه خلاف كما تری واللہ اعلم، ولاسيّما فی هذا الزمان فان صوم المفتی والقاضی قلما يخفی علی العامة كما هو مشاهد والحنفية انما اجازوه للخواص بشرط الاخفاء التام عن العوام كما ذكره فی فتح القدير (ص۲۴۷، ۲۴۸، ج۲) وان كان الصوم بشرط الاخفاء ايضا خلاف الافضل عندی وبه قال محمد بن سلمة من اصحابنا وكفی به لی قدوة وذا تأيد قوله بالحديث وتقوی رواية ودراية هذا واللہ سبحانهٗ اعلم وعلمه اتم واحكم (امدادالاحكام ج۲ ص۱۰۲، ۱۰۳)

شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت

شعبان کا پورا مہینہ بابرکت اور فضیلت والا ہونے کے ساتھ ساتھ شعبان کی پندرہویں رات خصوصیت کے ساتھ بہت فضیلت والی رات ہے۔

عام بول چال میں آج کل شعبان کی پندرہویں رات کو''شبِ برأت'' کہتے ہیں۔

شب کے معنٰی فارسی میں رات کے ہیں اور برأت عربی کا لفظ ہے جس کے معنٰی بری ہونے اور نجات پانے کے ہیں، چونکہ اس رات میں رحمتِ الٰہی کے طفیل لاتعداد انسان جہنم سے نجات پاتے ہیں اس لئے اس رات کو''شبِ برأت'' کہتے ہیں۔

شعبان کی یہ پندرہویں رات چودہ تاریخ کو سورج غروب ہونے کے بعد شروع ہوتی ہے، کیونکہ چاند کی تاریخوں میں عام قاعدہ کے مطابق رات پہلے آتی ہے اور دن بعد میں، یعنی رات کی تاریخ اگلے دن کے اعتبار سے اور اس کے تابع شمار ہوتی ہے۔

آج کل کیونکہ اس رات اور اس سے متعلق احکام کے بارے میں بہت زیادہ افراط وتفریط پائی جارہی ہے۔

ایک گروہ وہ ہے جو کہ سرے سے اس رات کی فضیلت ہی کا قائل نہیں، اور اس کا دعویٰ یہ ہے کہ شبِ برأت کی فضیلت کے بارے میں جو احادیث وروایات آئی ہیں وہ سب کی سب یا تو موضوع ومن گھڑت ہیں یا شدید قسم کی ضعیف ہیں۔ حالانکہ یہ دعویٰ صحیح نہیں۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو شبِ برأت کو ہی سب کچھ سمجھے ہوئے ہے، اس کے نزدیک شعبان کی پندرہویں رات (یعنی شبِ برأت) کی اہمیت شبِ قدر سے بھی زیادہ ہے، اور اس نے صرف شعبان کی پندرہویں رات میں جاگ لینے اور عبادت کرلینے کو ہی دنیا اور آخرت کی کامیابی اور نجات کا ذریعہ خیال کررکھا ہے، اور شریعت کے دوسرے ضروری درجہ کے احکام کو نظرانداز کررکھا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ شریعت کے دوسرے احکام میں نہ حلال وحرام کی فکر ہے اور نہ فرائض اور واجبات کا اہتمام ہے، نہ حقوق اللہ کی فکر ہے اور نہ حقوق العباد کی۔

تیسرا گروہ وہ ہے جس نے اس رات کی فضیلت کے نام پر بے شمار بدعتیں اور رسمیں ایجاد کرلی ہیں اور ان رسموں کو انجام دینے کا نام ہی شبِ برأت رکھ لیا ہے۔

حالانکہ یہ دونوں گروہ بھی سخت غلطی پر ہیں۔

اور اس بارے میں صحیح اور معتدل نقطۂ نظر یہ ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت کی احادیث وروایات کو مجموعی طور پر قبول اور اس میں عبادت کے مستحب ہونے کے وجود کو تسلیم کیا جائے ،لیکن اس رات کی عبادت کو صرف مستحب درجہ کا عمل سمجھا جائے ،اس کو فرائض اور واجبات سے زیادہ اہمیت نہ دی جائے ،اور شعبان کی پندرہویں رات کے بارے میں جو چیزیں شریعت سے ثابت ہیں ان کو اپنے اپنے مقام پر رکھ کر انجام دیا جائے ،اور افراط وتفریط سے بچا جائے۔

آنے والے مضمون میں معاشرے میں پائی جانے والی اس قسم کی افراط وتفریط کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس بارے میں بحمد اللہ تعالیٰ صحیح نقطۂ نظر بھی اعتدال کے ساتھ واضح کردیا گیا ہے۔

احادیث وروایات سے پندرہ شعبان کی فضیلت کا ثبوت

پہلے پندرہ شعبان کے بارے میں وارد ہونے والی چند احادیث وروایات کو ذکر کیا جاتا ہے ،اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ بعض محدثین ،فقہائے کرام اور اکابر کے حوالوں سے اس رات اور اس میں عبادت کی فضیلت واہمیت کو بیان کیا جائے گا ،اور پھر پندرہ شعبان کے احکام اور بدعات ومنکرات کا جائزہ لیا جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ (سنن الترمذی) [1]

---

[1] حدیث نمبر ۷۳۹، بَابُ مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ ،شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر، سنن ابن ماجه، حديث نمبر ۱۳۸۹ ، بَابُ مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ؛ مسند احمد، حديث نمبر ۲۶۰۱۸ ؛،شعب الايمان للبيهقى، حديث نمبر ۳۵۴۵، الابانة الكبرىٰ لابنِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: اللہ عزّ وجل پندرہ شعبان کی رات میں آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بطة، حديث نمبر ٢٥٦٦، مسند عبد بن حميد، حديث نمبر ١٥١٤، مسند اسحاق بن راهويه، حديث نمبر ٨٥٠،شرح السنة للبغوى، حديث نمبر ٩٩٢، أخبار مكةللفاكهى، حديث نمبر ١٨٣٩.

قال الترمذى:

وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ :.حَدِيثُ عَائِشَةَ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ الحَجَّاجِ ، وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يُضَعِّفُ هَذَا الحَدِيثَ، وقَالَ :يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عُرْوَةَ، وَالحَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ.

اخبارِ مکۃ للفاکہی میں حجاج بن ارطاۃ اور کثیر بن مرّہ کے درمیان مکحول کا واسطہ ہے۔

اور حجاج بن ارطاۃ کا ضعف حفظ کی جہت سے ہے، نہ کہ کذب کی جہت سے؛ پس یہ حدیث شدید ضعیف نہیں ہے، اور ہمارے نزدیک دوسری اسناد سے مل کر حسن درجے میں داخل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

حجاج بن أرطاة، م ابن ثور بن هبيرة بن شراحيل بن كعب، الامام العلامة، مفتى الكوفة مع الامام أبى حنيفة، والقاضى ابن أبى ليلى، أبو أرطاة النخعى الكوفى الفقيه، أحد الاعلام . ولد فى حياة أنس بن مالك، وغيره من صغار الصحابة...... وكان من بحور العلم، تكلم فيه لبأوفيه، ولتدليسه، ولنقص قليل فى حفظه، ولم يترك......قال سفيان بن عيينة :سمعت ابن أبى نجيح يقول :ما جاء نا منكم مثله -يعنى حجاج ابن أرطاة -وقال حفص بن غياث :قال لنا سفيان الثورى يوما :ما تأتون ؟ قلنا :الحجاج بن أرطاة .قال :عليكم به، فإنه ما بقى أحد أعرف بما يخرج من رأسه منه .وقال حماد بن زيد :حجاج بن أرطاة أقهر عندنا بحديثه من سفيان......وقال أحمد العجلى :كان فقيها، أحد مفتى الكوفة، وكان فيه تيه، فكان يقول :أهلكنى حب الشرف .ولى قضاء البصرة، وكان جائز الحديث، إلا أنه صاحب إرسال، كان يرسل عن يحيى بن أبى كثير، ولم يسمع منه شيئا، ويرسل عن مكحول، ولم يسمع منه، وإنما يعيبون منه التدليس .روى نحوا من ست مئة حديث ...... وقال ابن أبى خيثمة، عن يحيى بن معين، قال :هو صدوق، ليس بالقوى......وقال أبو زرعة :صدوق مدلس .وقال أبو حاتم :صدوق يدلس عن الضعفاء ، يكتب حديثه، فإذا قال :حدثنا، فهو صالح، لا يرتاب فى صدقه وحفظه، ولا يحتج بحديثه، لم يسمع من الزهرى، ولا من هشام بن عروة ولا من عكرمة......وقال النسائى :ليس بالقوى .وقال عبدالرحمن بن خراش :كان حافظا للحديث، وكان مدلسا .وقال ابن عدى :إنما عاب الناس عليه تدليسه عن الزهرى وغيره، وربما أخطأ فى بعض الروايات، فأما أن يتعمد الكذب، فلا، وهو ممن يكتب حديثه .وقال يعقوب بن شيبة :واهى الحديث، فى حديثه اضطراب كثير، وهو صدوق، وكان أحد الفقهاء .قال أبو بكر الخطيب : الحجاج أحد العلماء بالحديث، والحفاظ له ......قال شعبة :اكتبوا عن حجاج وابن إسحاق، فإنهما حافظان......قال ابن حبان : كان حجاج صلفا، خرج مع المهدى إلى خراسان، فولاه القضاء .قال: ومات منصرفة من الرى سنة خمس وأربعين ومئة .تركه ابن المبارك، ويحيى القطان، وعبد الرحمن، وابن معين، وأحمد كذا قال ابن حبان، وهذا ليس بجيد .وقد قدمنا عبارات هؤلاء فى حجاج، نعوذ به (تعالى) من التهور فى وزن العلماء .(سيراعلام النبلاء ج٧ص ٦٩تا ٧٥ ملخصاً)

پھر بنوکلب (قبیلہ) کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ لوگوں کی بخشش فرماتے ہیں (ترجمہ ختم)

اورحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسری سند سے مروی لمبی روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

هٰذِهٖ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَطَّلِعُ عَلٰى عِبَادِهٖ فِیْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِلْمُسْتَغْفِرِيْنَ، وَيَرْحَمُ الْمُسْتَرْحِمِيْنَ، وَيُؤَخِّرُ أَهْلَ الْحِقْدِ كَمَا هُمْ (شعب الایمان للبیهقی) [1]

ترجمہ: یہ پندرہ شعبان کی رات ہے، اللہ عزّ وجل پندرہ شعبان کی رات میں اپنے بندوں پر توجہ (یعنی خصوصی رحمت کی نظر) فرماتے ہیں، پس بخشش چاہنے والوں کی بخشش فرماتے ہیں، اور رحم چاہنے والوں پر رحم فرماتے ہیں، اور کینہ (وبغض) رکھنے والوں کو اُن کی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں (ترجمہ ختم)

اورحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک لمبی روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

هٰذِهِ اللَّيْلَةُ، لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ يَنْزِلُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِعِبَادِهٖ إِلَّا الْمُشْرِكَ وَالْمُشَاحِنَ (شعب الایمان للبیهقی) [2]

---

[1] حدیث نمبر ۳۵۵۴، کتاب الصیام، باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان، مکتبة الرشد للنشر والتوزیع بالریاض.

قال البیهقی:

قُلْتُ :هَـذَا مُرْسَـلٌ جَيِّـدٌ وَيُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ الْعَلَاءُ بْنُ الْحَارِثِ أَخَذَهُ مِنْ مَكْحُولٍ وَاللهُ أَعْـلَـمُ وَقَـدْ رُوِیَ فِـی هَـذَا الْبَـابِ أَحَادِيثُ مَنَاكِيرُ، رُوَاتُهَا قَوْمٌ مَجْهُولُونَ، قَدْ ذَكَرْنَا فِی كِتَابِ الدَّعَوَاتِ.

[2] حدیث نمبر ۳۵۵۷، کتاب الصیام، باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان، مکتبة الرشد للنشر والتوزیع بالریاض؛ الأمالی المطلقة -لابن حجر ج ۱ ص ۱۲۱.

قال ابن حجر:

هـذا حدیث غریب ورجـالـه مـوثوقون إلا سلیمان بن أبی کریمة ففیه مقال وقد رواه بطوله النضر بن کثیر عن یحیی بن سعید الأنصاری عن عروة أخرجه البیهقی فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: یہ رات، پندرہ شعبان کی رات ہے، جس میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں، پس اپنے بندوں کی بخشش فرماتے ہیں، سوائے مشرک اور بغض (و کینہ) رکھنے والے کے (ترجمہ ختم)

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جسمِ مادّی سے پاک ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کے آسمانِ دنیا پر نزول فرمانے کو مادی چیزوں کے مطابق سمجھنا درست نہیں۔

پس عافیت وسلامتی اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آسمانِ دنیا پر اپنی شان کے مطابق نزول فرمانے پر ایمان رکھا جائے، اور اس کی پوری حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے کہ اس کی پوری حقیقت سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فضائل الأوقات من طريقه والنضر بن كثير أيضا فيه مقال لكنه أصلح حالا من سليمان ....والمتعلق منه بنصف شعبان أخرجه أحمد والترمذى وابن ماجة من طريق يحيى بن أبى كثير عن عروة عن عائشة لكن بلفظ آخر وله شاهد بلفظه من حديث معاذ بن جبل وغيره كما تقدم فى المجلس الثامن والعشرين ،وله شاهد من حديث أبى بكر الصديق (الأمالى المطلقة -لابن حجر ج ا ص ١٢١)

و أما حديث عائشة فيرويه حجاج عن يحيى بن أبى كثير عن عروة عنه مرفوعا بلفظ " :إن الله تعالى ينزل ليلة النصف من شعبان إلى السماء الدنيا ، فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب ." أخرجه الترمذى(١/١٤٣)و ابن ماجه(١٣٨٩)و اللالكائى(١/١٠١/٢)و أحمد(٦/٢٣٨)و عبد بن حميد فى "المنتخب من المسند "(١/١٩٤-١،مصورة المكتب) و فيه قصة عائشة فى فقدها النبى صلى الله عليه وسلم ذات ليلة .و رجاله ثقات لكن حجاج و هو ابن أرطأة مدلس و قد عنعنه ،و قال الترمذى "و سمعت محمد (يعنى البخارى) : يضعف هذا الحديث . "و جملة القول أن الحديث بمجموع هذه الطرق صحيح بلا ريب و الصحة تثبت بأقل منها عددا ما دامت سالمة من الضعف الشديد كما هو الشأن فى هذا الحديث ، فما نقله الشيخ القاسمى رحمه الله تعالى فى " إصلاح المساجد "(١٠٧)عن أهل التعديل و التجريح أنه ليس فى فضل ليلة النصف من شعبان حديث صحيح ، فليس مما ينبغى الاعتماد عليه ، و لئن كان أحد منهم أطلق مثل هذا القول فإنما أوتى من قبل التسرع و عدم وسع الجهد لتتبع الطرق على هذا النحو الذى بين يديك .و الله تعالى هو الموفق (السلسلة الصحيحة الكاملة،تحت حديث رقم ١١٤٤)

[1] (وعن أبى هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :ينزل ربنا ") ، أى :أمره لبعض ملائكته أو ينزل مناديه ("تبارك ") : كثر خيره ورحمته وآثار جماله ("وتعالى ") : عن صفات المخلوقين من الطلوع والنزول، وارتفع عن سمات الحدوث بكبريائه وعظمته وجلاله، قيل :إنهما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن کئی روایات میں شعبان کی پندرہویں رات میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کی طرف نظرِ رحمت فرمانے کا ذکر آیا ہے، اس لیے اہلِ علم حضرات نے شعبان کی پندرہویں رات میں اللہ تعالیٰ کے نزول فرمانے کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت بندوں کی طرف اُترتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور بخشش بندوں پر زیادہ ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں کی دُعا کو منظور اور توبہ کو قبول فرماتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جملتان معترضتان بين الفعل وظرفه للتنبيه على التنزيه، لئلا يتوهم أن المراد بالإسناد ما هو حقيقته، ("كل ليلة إلى السماء الدنيا ") : قال ابن حجر، أى ينزل أمره ورحمته أو ملائكته، وهذا تأويل الإمام مالك وغيره ويدل له الحديث الصحيح "إن الله عز وجل يمهل حتى يمضى شطر الليل، ثم يأمر مناديا ينادى فيقول :هل من داع فيستجاب له ؟ "الحديث، والتأويل الثانى، ونسب إلى مالك أيضا، أنه على سبيل الاستعارة، ومعناه الإقبال على الداعى بالإجابة واللطف والرحمة وقبول المعذرة، كما هو عادة الكرماء ، لا سيما الملوك إذا نزلوا بقرب محتاجين ملهوفين مستضعفين . قال النووى فى شرح مسلم :فى هذا الحديث وشبهه من أحاديث الصفات وآياتها مذهبان مشهوران .فمذهب جمهور السلف وبعض المتكلمين الإيمان بحقيقتها على ما يليق به تعالى، وأن ظاهرها المتعارف فى حقنا غير مراد، ولا نتكلم فى تأويلها مع اعتقادنا تنزيه الله سبحانه عن سائر سمات الحدوث .والثانى :مذهب أكثر المتكلمين وجماعة من السلف، وهو محكى عن مالك والأوزاعى إنما تتأول على ما يليق بها بحسب بواطنها، فعليه :الخبر مئول بتأويلين، أى المذكورين، وبكلامه وبكلام الشيخ الربانى أبى إسحاق الشيرازى، وإمام الحرمين، والغزالى وغيرهم من أئمتنا وغيرهم يعلم أن المذهبين متفقان على صرف تلك الظواهر، كالمجىء ، والصورة، والشخص، والرجل، والقدم، واليد، والوجه، والغضب، والرحمة، والاستواء على العرش، والكون فى السماء ، وغير ذلك مما يفهمه ظاهرها لما يلزم عليه من محالات قطعية البطلان تستلزم أشياء يحكم بكفرها بالإجماع، فاضطر ذلك جميع الخلف والسلف إلى صرف اللفظ عن ظاهره، وإنما اختلفوا هل نصرفه عن ظاهره معتقدين اتصافه سبحانه بما يليق بجلاله وعظمته من غير أن نئوله بشىء آخر، وهو مذهب أكثر أهل السلف، وفيه تأويل إجمالى أو مع تأويله بشىء آخر، وهو مذهب أكثر أهل الخلف وهو تأويل تفصيلى، ولم يريدوا بذلك مخالفة السلف الصالح، معاذ الله أن يظن بهم ذلك، وإنما دعت الضرورة فى أزمنتهم لذلك ;لكثرة المجسمة والجهمية وغيرها من فرق الضلالة، واستيلائهم على عقول العامة، فقصدوا بذلك ردعهم وبطلان قولهم، ومن ثم اعتذر كثير منهم وقالوا :لو كنا على ما كان عليه السلف الصالح من صفاء العقائد وعدم المبطلين فى زمنهم لم نخض فى تأويل شىء من ذلك، وقد علمت أن مالكا والأوزاعى، وهما من كبار السلف أولا الحديث تأويلا تفصيليا، وكذلك سفيان الثورى أول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یوں تو صحیح احادیث کی رو سے دوسری راتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نزول فرماتے ہیں۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الاستواء علی العرش بقصد أمره، ونظيره (ثم استوى إلى السماء) (البقرة:۲۹) أى :قصد إليها، ومنهم الإمام جعفر الصادق، بل قال جمع منهم ومن الخلف :إن معتقد الجهة كافر، كما صرح به العراقي، وقال :إنه قول لأبى حنيفة ومالك والشافعي والأشعرى والباقلانى .وقد اتفق سائر الفرق على تأويل نحو :(وهو معكم أين ما كنتم) (الحديد:۴)(ما يكون من نجوى ثلاثة إلا هو رابعهم) (المجادلة:۷) الآية (فأينما تولوا فثم وجه الله) (البقرة:۱۱۵) و (ونحن أقرب إليه من حبل الوريد) (ق:۱۶)و "قلب المؤمن بين أصبعين من أصابع الرحمن "، "والحجر الأسود يمين الله فى الأرض "وهذا الاتفاق يبين لک صحة ما اختاره المحققون أن الوقف على (الراسخين فى العلم) لا الجلالة .قلت :الجمهور على أن الوقف على (إلا الله) وعد، وأوقفه وقفا لازما، وهو الظاهر ; لأن المراد بالتأويل معناه الذى أراده تعالى وهو فى الحقيقة لا يعلمه إلا الله جل جلاله ولا إله غيره، وكل من تكلم فيه تكلم بحسب ما ظهر له، ولم يقدر أحد أن يقول :إن هذا التأويل هو مراد الله جزما، ففى التحقيق الخلاف لفظى، ولهذا اختار كثيرون من محققى المتأخرين عدم تعيين التأويل فى شىء معين من الأشياء التى تليق باللفظ، ويكلون تعيين المراد بها إلى علمه تعالى، وهذا توسط بين المذهبين وتلذذ بين المشربين، واختار ابن دقيق العيد توسطا آخر، فقال :إن كان التأويل من المجاز البين الشائع، فالحق سلوكه من غير توقف أو من المجاز البعيد الشاذ فالحق تركه، وإن استوى الأمران فالاختلاف فى جوازه وعدمه مسألة فقهية اجتهادية، والأمر فيها ليس بالخطر بالنسبة للفريقين .قلت :التوقف فيها لعدم ترجيح أحد الجانبين، مع أن التوقف مؤيد بقول السلف، ومنهم الإمام الأعظم، والله أعلم .وقال القاضى :المراد بنزوله :دنو رحمته ومزيد لطفه على العباد، وإجابة دعوتهم، وقبول معذرتهم، كما هو ديدن الملوک الكرماء والسادة الرحماء إذا نزلوا بقرب قوم ملهوفين محتاجين مستضعفين، وقد روى :يهبط من السماء العليا إلى السماء الدنيا ، أى: ينتقل من مقتضى صفات الجلال التى تقتضى الأنفة من الأرذال، وعدم المبالاة، وقهر العداة، والانتقام من العصاة إلى مقتضى صفات الجمال المقتضية للرأفة والرحمة وقبول المعذرة والتلطف بالمحتاج، واستقراض الحوائج، والمساهلة، والتخفيف فى الأوامر والنواهى، والإغضاء عما يبدو من المعاصى، ولهذا قيل :هذا تجل صورى لا نزول حقيقى، فارتفع الإشكال، والله أعلم بالحال. ("حين يبقى ثلث الليل ") : بضم لام ثلث وسكونه ("الآخر ") : بالرفع صفة ثلث. قال ابن الملک :قيل هذا الحديث متشابه، وقيل :معناه فينتقل كل ليلة من صفات الجلال إلى صفات الرحمة والجمال، قلت :التعبير بالانتقال لا يرتضيه أهل الكمال لتوهم النقص والزوال، وكأنه أراد به الظهور والتجلى بصفة الجمال (مرقاة المفاتيح، ج۳ص۹۲۴، كتاب الصلاة، باب التحريض على قيام الليل)

لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُوْلُ :مَنْ يَّدْعُوْنِىْ، فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ مَنْ يَّسْأَلُنِىْ فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَّسْتَغْفِرُنِىْ فَأَغْفِرَ لَهُ (بخاری) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے رب تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا پر نزولِ رحمت فرماتے ہیں، جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے، فرماتے ہیں کہ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے، تو میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے، تو میں اس کو عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے، تو میں اس کی مغفرت کروں؟ (ترجمہ ختم) [۲]

لیکن شعبان کی پندرہویں رات کا احادیث وروایات میں خصوصیت کے ساتھ ذکر ہونے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول دوسری عام راتوں کے مقابلہ میں خاص شان اور عمومی انداز کا ہوتا ہے، جس کے مستحق چند مستثنیٰ افراد کے علاوہ دوسرے سب لوگ ہوتے ہیں۔ [۳]

---

[۱] حدیث نمبر ۱۱۴۵، کتاب الجمعة، باب الدعاء فی الصلاة من آخر الليل، ،دارطوق النجاة،واللفظ لهٗ، وحديث نمبر ۶۳۲۱، وحديث نمبر ۷۴۹۴،مسلم حديث نمبر ۷۵۸، ج ۱ ص ۵۲۱، باب الترغيب فی الدعاء والذكر فی آخر الليل.

[۲] بعض روایات میں اللہ تعالیٰ کے ہر رات میں آسمانِ دنیا پر نزول فرمانے کا ذکر رات کا اول تہائی حصہ گزرنے کے بعد آیا ہے۔

اور بعض روایات میں رات کے نصف حصے میں آیا ہے، اور بعض روایات میں بغیر کسی قید کے رات کے وقت میں آیا ہے۔

مگر اس سلسلہ میں بہت سے محدثین نے ترجیح رات کے آخری تہائی حصے والی احادیث کو ہی دی ہے۔

اور فرمایا ہے کہ جن احادیث میں رات کے کسی خاص حصہ کو ذکر نہیں کیا گیا، اس سے مراد بھی رات کا آخری تہائی حصہ ہی ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں جو مختلف احادیث آئی ہیں، وہ سب اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، اور ان سب اوقات میں ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نزولِ رحمت فرماتے ہیں، البتہ رات کے آخری تہائی حصہ میں توجہ ورحمت کا نزول زیادہ ہوتا ہے۔

[۳] اور بعض حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے پیشِ نظر یہ فرمایا کہ پندرہ شعبان کی رات میں ابتدائی رات سے ہی نزول شروع ہو جاتا ہے۔

(إن الله تعالى ينزل) بفتح أوله (ليلة النصف من شعبان) أى ينزل أمره أو رحمته على ما تقرر قال القاضى :لما ثبت بالقواطع العقلية أنه تعالى منزه عن الجسمية والتحيز والحلول امتنع عليه النزول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللّٰہ عنہ کی روایت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْزِلُ إِلَى السَّمَاءِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

على معنى الانتقال من موضع أعلا إلى أخفض منه بل المعنى به على ما ذكره أهل الحق دنو رحمته ومزيد لطفه على العباد وإجابة دعوتهم وقبول معذرتهم كما هو ديدن الملوك والسادة الرحماء إذا نزلوا بقرب محتاجين ملهوفين مستضعفين فقوله (إلى سماء الدنيا) أى ينتقل من مقتضى صفات الجلال المقتضية للأنفة من الأرذال وعدم المبالاة وقهر العداوة والانتقام من العصاة إلى مقتضى صفات الإكرام المقتضية للرحمة والرأفة وقبول المعذرة والتلطف بالمحتاج واستعراض الحوائج والمساهلة والتخفيف فى الأوامر والنواهى والإغضاء عما يبدو من المعاصى والتركيب فى سماء الدنيا من قبيل مسجد الجامع والقياس السماء الدنيا كما فى الحديث المتقدم >تنبيه <قال بعض العارفين رضى الله عنه ما من ليلة إلا وينزل من السماء فى الثلث الأخير فتوح ربانى ومدد فيلتقطه هل التسليم ثم أهل التفويض ثم تقع الإفاضة من هؤلاء على أصحاب الدوائر العلية أقطاب الأفلاك الكلية ثم تقع منهم على الحفظة والنواب وولاة الأمر ثم منهم على الملكين والصالحين والعلماء العاملين ممن حضر فتح الباب وتنزل الأمداد فإن الهدية لمن حضر قال وأما النائمون فى الثلث الآخر فتصيبهم عند أخذ الرجال الخمس المعروفين بين الأولياء فإنه يأخذ لكل من غاب نصيبا عند صلاة الصبح إما قبل فراغه أو معه ومن تخلف عن اليقظة عند صلاة الصبح فإن نصيبه يعطاه فى أسبابه الدنيوية إذا رضى بإقامة الله له فيها وما بقى بعد ذلك فهو حظ الأنعام وأمثالهم من العوام الغافلين عن الأسباب (فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب) قال الزين العراقى مزية ليلة نصف شعبان مع أن الله تعالى ينزل كل ليلة أنه ذكر مع النزول فيها وصف آخر لم يذكر فى نزول كل ليلة وهو قوله فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب وليس ذا فى نزول كل ليلة ولأن النزول فى كل ليلة مؤقت بشرط الليل أو ثلثه وفيها من الغروب (فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ١٩٤٢)

(وعن على رضى الله عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :إذا كانت ليلة النصف من شعبان، فقوموا ليلها) : قال الطيبى :الظاهر أن يقال فقوموا فيها، وإذا ذهب إلى وضع الظاهر موضع المضمر أن يقال ليلة النصف، فأنث الضمير اعتبارا للنصف ;لأنها عين تلك الليلة اهـ .وقد يقال: لعل المراد أن يقع القيام فى جميع ما يطلق عليه اسم الليل من أجزاء تلك الليلة، وهو أبلغ من القيام فيها، وحسنة أيضا مقابلة قوله :(وصوموا يومها) ، أى :فى نهار تلك الليلة بكماله، ويعاضد قوله :(فإن الله تعالى ينزل) ، أى :يتجلى بصفة الرحمة تجليا عاما لا يختص بأرباب الخصوص، ولا بوقت دون وقت (فيه) ، أى :فى تلك الليلة (لغروب الشمس) ، أى :أول وقت غروبها (إلى السماء الدنيا) : متعلق بينزل بتضمين ناظر، انظر العناية إلى جهة السماء الدنيا التى هى مشتملة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

الدُّنْيَا فِيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَيَغْفِرُ فِيْهَا لِكُلِّ بَشَرٍ مَا خَلَا كَافِرًا أَوْ رَجُلًا فِيْ قَلْبِهِ شَحْنَاءُ.فِيْ رِوَايَةٍ أُخْرٰى :إِلَّا رَجُلًا مُشْرِكًا أَوْ فِيْ قَلْبِهِ شَحْنَاءُ(الإبانة الكبرى لابن بطة) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علی أبواب فتوحات أرباب الدنيا، وقبلة دعائهم، ومصعد أعمالهم، ومرتقى أرواحهم (مرقاة، ج۳ص۹۷۲، کتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان)

مگر کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ مستدل روایت کا ضعیف ہونا تو واضح ہے، اور بہت سے حضرات کے نزدیک یہ روایت شدید ضعیف بھی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں ضعیف احادیث سے استدلال بھی محلِ نظر ہے، چہ جائیکہ جو حدیث عند البعض شدید ضعیف بھی ہو۔ اس لئے بندہ کو اس روایت سے نصف شعبان کی رات میں اولِ لیل سے ہی نزولِ الٰہی کے استدلال پر اطمینان نہیں ہے، اور بندہ کو راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ نصف شعبان کی رات کے بارے میں یہ کہا جائے کہ "يتجلى بصفة الرحمة تجليا عاما لا يختص بأرباب الخصوص"

لیکن کیونکہ نصف شعبان سے متعلق نزول کی روایات میں رات کے کسی خاص حصے کی قید نہیں، اور لیل کا اطلاق غروب کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے، اس لئے یہ نزول رات کے سب اجزاء میں عام سمجھا جائے گا۔

[1] ج۷ص۲۲۲، حديث نمبر۱۷۳،دار الراية للنشر والتوزيع، الرياض، واللفظ لهٗ؛ أخبار مكة للفاكهي، حديث نمبر ۱۸۳۸؛ شعب الايمان، حديث نمبر ۳۵۴۶، وحديث نمبر ۳۵۴۷؛ مسند ابي بكر للمروزي، حديث نمبر ۱۰۴؛ شرح السنة، جزء ۱، صفحه ۲۳۸،مسند البزار،حديث نمبر ۸۰.

قال البزار:

> وهذا الحديث لا نعلمه يروى عن أبي بكر إلا من هذا الوجه وقد روى عن غير أبي بكر، وأعلى من رواه عن النبي صلى الله عليه وسلم أبو بكر وإن كان في إسناده شيء فجلالة أبي بكر تحسنه، وعبد الملك بن عبد الملك ليس بمعروف، وقد روى هذا الحديث أهل العلم ونقلوه واحتملوه فذكرناه لذلك.

وقال الهيثمي:

> رواه البزار، وفيه عبد الملك بن عبد الملك، ذكره ابن أبي حاتم في الجرح والتعديل، ولم يضعفه، وبقية رجاله ثقات(مجمع الزوائد ،ج۸ص۶۵،باب ما جاء في الشحناء)

وقال المنذري:

> وعن معاذ بن جبل رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه و سلم قال يطلع الله إلى جميع خلقه ليلة النصف من شعبان فيغفر لجميع خلقه إلا لمشرك أو مشاحن
> رواه الطبراني في الأوسط وابن حبان في صحيحه والبيهقي ورواه ابن ماجه بلفظه من حديث أبي موسى الأشعري والبزار والبيهقي من حديث أبي بكر الصديق رضي الله عنه بنحوه بإسناد لا بأس به(الترغيب والترهيب ،ج۳ص۳۰۷،كتاب الأدب وغيره الترغيب في الحياء وما جاء في فضله والترهيب من الفحش والبذاء)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل شعبان کے مہینے کی نصف رات میں آسمانِ دنیا پر (اپنی شان کے مطابق) نزول فرماتے ہیں، پھر اس رات میں ہر انسان کی مغفرت کا فیصلہ فرماتے ہیں، سوائے کافر، یا اس آدمی کے جس کے دل میں بُغض ہو، اور دوسری روایت میں ہے کہ سوائے مشرک کے یا جس کے دل میں بُغض ہو (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فَيَغْفِرُ لِكُلِّ مُؤْمِنٍ إِلَّا الْعَاقَّ والْمُشَاحِنَ (شعب الایمان للبیھقی) [1]

ترجمہ: پھر ہر مومن کی مغفرت فرمادیتے ہیں، سوائے والدین کے نافرمان کے، اور کینہ وَر کے (ترجمہ ختم)

حضرت عبداللّٰہ بن عمرو بن عاص رضی اللّٰہ عنہ کی روایت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَطَّلِعُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلٰى خَلْقِهٖ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِعِبَادِهٖ إِلَّا لِاثْنَيْنِ :مُشَاحِنٍ ، وَقَاتِلِ نَفْسٍ

(مسنداحمد، حدیث نمبر ۶۶۴۲ ،مؤسسة الرسالة، بیروت) [2]

---

[1] حدیث نمبر ۳۵۴۸، کتاب الصیام، صوم شعبان، مکتبة الرشد للنشر والتوزیع بالریاض.

قال الالبانی:

و أما حديث أبی بكر الصديق فيرويه عبد الملك بن عبد الملك عن مصعب بن أبی ذئب عن القاسم بن محمد عن أبيه أو عمه عنه .أخرجه البزار أيضا و ابن خزيمة فی " التوحيد "(ص ۹۰)و ابن أبی عاصم و اللالكائی فی "السنة "(۱/۹۹/۱) و أبو نعيم فی "أخبار أصبهان "(۲/۲)و البيهقی كما فی "الترغيب "(۳/۲۸۳)و قال " :لا بأس بإسناده ! "و قال الهيثمی " :و عبد الملك بن عبد الملك ذكره ابن أبی حاتم فی "الجرح و التعديل "و لم يضعفه .و بقية رجاله ثقات ! "كذا قالا ، و عبد الملك هذا قال البخاری " :فی حديثه نظر . "يريد هذا الحديث كما فی " الميزان(السلسلة الصحيحة الكاملة،تحت حديث ۱۱۴۴)

[2] فی حاشية مسند احمد:

حديث صحيح بشواهده، وهذا إسناد ضعيف لضعف ابن لهيعة، وحيی بن عبد الله . وذكره الهيثمی فی "مجمع الزوائد۸/۶۵"، وقال :رواه أحمد، وفيه ابنُ لهيعة، وهو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل شعبان کی پندرہویں رات میں اپنی مخلوق کی طرف (خصوصی رحمت کی نظر کے ساتھ) متوجہ ہوتے ہیں، اور اپنے بندوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں، سوائے دوشخصوں کے، ایک تو کینہ ور، اور دوسرے کسی کو (ناحق) قتل کرنے والا (ترجمہ ختم)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح مروی ہے کہ:

يَطَّلِعُ اللّٰهُ إِلٰى خَلْقِهٖ فِىْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خَلْقِهٖ إِلَّا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لين الحديث، وبقية رجاله وثقوا. وله شاهد من حديث عائشة، سيرد ٢٣٨/٦ وآخر من حديث معاذ بن جبل عند ابن حبان برقم (٥٦٦٥) وثالث من حديث أبي موسى الأشعرى عند ابن ماجه (١٣٩٠)، وابن أبي عاصم (٥١٠)، والبيهقي في "شعب الإيمان(٣٨٣٣)" واللالكائي في "شرح أصول الاعتقاد(٧٦٣)" ورابع من حديث أبي بكر عند البزار(٢٠٤٥) وابن خزيمة في "التوحيد" ص١٣٦، والبيهقي في "شعب الإيمان(٣٨٢٨)" و (٣٨٢٩)، وابن أبي عاصم (٥٠٩)، واللالكائي(٧٥٠). وخامس من حديث أبي ثعلبة الخشني عند ابن أبي عاصم في "السنة(٥١١)" اللالكائي(٧٦٠) والبيهقي في "شعب الإيمان(٣٨٣١)" و(٣٨٣٢). وسادس من حديث أبي هريرة عند البزار(٢٠٤٦) وسابع من حديث عوف بن مالك عند البزار(٢٠٤٨) وعندهم جميعاً لفظ ":مشرك "بدل" :قاتل نفس "الذي تفرد به أحمد من حديث عبد الله بن عمرو. وهذه الشواهد وإن كان في إسناد كل منها مقال إلا أنه بمجموعها يصح الحديث ويقوى. وقد نقل القاسمي في كتابه "إصلاح المساجد" ص١٠٠ عن أهل التعديل والتجريح "أنه ليس في فضل ليلة النصف من شعبان حديث يصح"، وهذا يعنى أنه ليس في هذا الباب حديث يصح إسناده، ولكن بمجموع تلك الأسانيد يعتضد الحديث ويتقوى. والمُشاحن :المعادى، والشحناء :العداوة (حاشيه مسنداحمد)

قال الالباني:

و أما حديث عبد الله بن عمرو فيرويه ابن لهيعة حدثنا حيى بن عبد الله عن أبي عبد الرحمن الحبلى عنه. أخرجه أحمد(رقم: ٦٦٤٢) قلت :و هذا إسناد لا بأس به في المتابعات و الشواهد، قال الهيثمي: و ابن لهيعة لين الحديث و بقية رجاله وثقوا. "و قال الحافظ المنذري(٢٨٣/٣)" و إسناده لين "قلت: لكن تابعه رشدين بن سعد بن حيى به. أخرجه ابن حيويه في "حديثه(١/٣/١٠)" فالحديث حسن (السلسلة الصحيحة الكاملة تحت حديث ١١٤٤)

لِمُشْرِکٍ أَوْ مُشَاحِنٍ (صحیح ابن حبان) ؎

؎ حديث نمبر ۵۶۶۵، ذِكْرُ مَغْفِرَةِ اللَّهِ جَلَّ وَعَلَا فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ لِمَنْ شَاءَ مِنْ خَلْقِهِ إِلَّا مَنْ أَشْرَكَ بِهِ أَوْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاء، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ؛ المعجم الكبير للطبراني، حديث نمبر ۲۱۵؛ المعجم الأوسط للطبراني، حديث نمبر ۶۷۷۶؛ شعب الإيمان للبيهقي، حديث نمبر ۳۵۵۲.

قال البيهقي:

وَقَدْ رَوَيْنَا هَذَا مِنْ أَوْجهٍ، وَفِي ذَلِكَ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ لِلْحَدِيثِ أَصْلًا مِنْ حَدِيثِ مَكْحُولٍ ."وقَدْ رَوَاهُ ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :سَمِعْتُ أَبَا مُوسَى الْأَشْعَرِيَّ، يَقُولُ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ بِلَفْظِ النُّزُولِ (شعب الإيمان للبيهقي، حديث نمبر ۳۵۵۲)

وقال المنذری:

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيّ فِي الْأَوْسَط وَابْن حبَان فِي صَحِيحه وَالْبَيْهَقِيّ وَرَوَاهُ ابْن مَاجَه بِلَفْظِهِ من حَدِيث أبي مُوسَى الْأَشْعَرِيّ وَالْبَزَّار وَالْبَيْهَقِيّ من حَدِيث أبي بكر الصّديق رَضِي الله عَنهُ بِنَحْوِهِ بِإِسْنَاد لَا بَأْس بِهِ(الترغيب والترهيب، ج۳ص۳۰۷)

وقال الهيثمی:

رواه الطبراني في الكبير والأوسط ورجالهما ثقات(مجمع الزوائد ،باب ما جاء في الشحناء)

وفي حاشية ابنِ حبان:

حديث صحيح بشواهده، رجاله ثقات إلا أن فيه انقطاعاً، مكحول لم يلقَ مالك بن يخامر .وأخرجه ابن أبي عاصم في "السنة(۵۱۲) "والطبراني في "الكبير (۲۰/۲۱۵) "عن هشام بن خالد، بهذا الإسناد .وذكره الهيثمي في المجمع ۶۵/۸" وقال :رواه الطبراني في "الكبير "و "الأوسط "، ورجالهما ثقات . وأخرجه أبو نعيم في "الحلية ۱۹۱/۵ "من طريق أزهر بن المرزبان، عن عتبة بن حماد، به . وفي الباب عن أبي موسى الأشعري عند ابن ماجة(۱۳۹۰)وابن أبي عاصم(۵۱۰)واللالكائي (۷۶۳)وعن أبي هريرة عند البزار(۲۰۴۶)وعن أبي ثعلبة عند ابن أبي عاصم(۵۱۱) واللالكائي(۷۶۰)وعن أبي بكر عند البزار(۲۰۴۵)وابن خزيمة في "الوحيد "ص ۹۰، وابن أبي عاصم (۵۰۹)واللالكائي في "السنة(۷۵۰) "وعن عوف بن مالك عند البزار(۲۰۴۸)وعن عبد الله بن عمرو عند أحمد۱۷۶/۲ وعن عائشة عند الترمذي(۷۳۹)وأحمد۲۳۸/۶، وابن ماجة(۱۳۸۹)واللالكائي(۷۶۴)وهذه الشواهد وإن كان في كل واحد منهما مقال تقوى حديث الباب.

وقال الالبانی:

أما حديث معاذ فيرويه مكحول عن مالك بن يخامر عنه مرفوعا به .أخرجه ابن أبي

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات میں اپنی مخلوق کی طرف (خصوصی رحمت کی) نظر فرماتے ہیں، اوراپنے سب بندوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں، سوائے مشرک کے، اور بُغض رکھنے والے کے (ترجمہ ختم)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح مروی ہے کہ:

إِنَّ اللّٰہَ لَیَطَّلِعُ فِیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ لِجَمِیْعِ خَلْقِهٖ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ (ابنِ ماجه) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عاصم فی "السنة "رقم (۵۱۲ بتحقیقی) حدثنا هشام بن خالد حدثنا أبو خليد عتبة بن حماد عن الأوزاعي و ابن ثوبان (عن أبيه) عن مكحول به . و من هذا الوجه أخرجه ابن حبان(۱۹۸۰)و أبو الحسن القزويني فی "الأمالي "(۲/۴)و أبو محمد الجوهری فی "المجلس السابع "(۲/۳)و محمد بن سليمان الربعی فی "زء من حديثه "(۱/۲۱۷و۱/۲۱۸)و أبو القاسم الحسيني فی "الأمالي "(ق۱/۲)و البيهقی فی "شعب الإيمان "(۲/۲۸۸/۲)و ابن عساكر فی "التاريخ "(۲/۳۰۲/۱۵)و الحافظ عبد الغنی المقدسی فی "الثالث و التسعين من تخريجه "(ق۲/۴۴)و ابن المحب فی "صفات رب العالمين "(۲/۷و۲/۱۲۹)و قال " :قال الذهبی :مكحول لم يلق مالک بن يخامر . "قلت :و لولا ذلک لكان الإسناد حسنا ، فإن رجاله موثوقون ، و قال الهيثمی فی "مجمع الزوائد "(۸/۶۵)رواه الطبراني فی "الكبير "و "الأوسط "و رجالهما ثقات (السلسلة الصحيحة الكاملة،تحت حديث ۱۱۴۴)

[1] حديث نمبر ۱۳۹۰،كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها،دار إحياء الكتب العربية، القاهرة، واللفظ لهٗ؛ السنة لابن أبی عاصم، حديث نمبر ۵۱۰؛ النزول للدارقطنی، حديث نمبر ۷۶.

تحقيق الألبانی :

حسن (صحيح وضعيف سنن ابنِ ماجه، تحت رقم حديث، ۱۳۹۰)

وقال الألبانی فی "السلسلة الصحيحة ۸۶/۴:أخرجه ابن ماجة(۱/۴۲۲)من طريق ابن لهيعة عن الضحاک بن أيمن عن الضحاک بن عبد الرحمن بن عرزب عن أبی موسی الأشعری عن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال :فذكره .قلت :و هذا إسناد ضعيف ، لضعف ابن لهيعة ، و شيخه الضحاک بن أيمن مجهول ، كما فی "التقريب . "و أعله السندی بأن ابن عرزب لم يلق أبا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات میں (خصوصی رحمت کی) نظر فرماتے ہیں، اور اپنے سب بندوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں، سوائے مشرک کے، اور بُغض رکھنے والے کے (ترجمہ ختم)

حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح مروی ہے کہ:

إِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِطَّلَعَ اللّٰهُ إِلٰى خَلْقِهٖ فَيَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِ، وَيُمْلِي لِلْكَافِرِيْنَ، وَيَدَعُ أَهْلَ الْحِقْدِ بِحِقْدِهِمْ حَتّٰى يَدَعُوْهُ (شعب الایمان)[1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

موسى .قاله المنذرى . قلت :و إعلال السند بما ذكرنا أولى من إعلاله بالانقطاع لأن هذا لم أجد من ادعاه غير المنذرى ، و لم يذكر فى "التهذيب "أن ابن عرزب لم يلق أبا موسى ، بل ذكر أنه روى عنه .و سكت ، ففيه إشارة إلى أن روايته عنه موصولة ، فالعلة ما ذكرنا ، و الله أعلم . ثم استدركت فقلت :لعل عمدة المنذرى فيما ذهب إليه من الانقطاع هو الرواية الأخرى عند ابن ماجة و ابن أبى عاصم فى "السنة "(رقم:۵۱۰تحقيقى) من طريق ابن لهيعة عن الزبير بن سليم عن الضحاك بن عبد الرحمن عن أبيه قال :سمعت أبا موسى عن النبى صلى الله عليه وسلم نحوه .و هذا مما يدل على ضعف ابن لهيعة و عدم ضبطه ، فقد اضطرب فى روايته هذا الحديث على وجوه أربعة ، هذان اثنان منها .و الثالث :قال :حدثنا حيى بن عبد الله عن أبى عبد الرحمن الحبلى عن عبد الله ابن عمرو مرفوعا به إلا أنه قال " :إلا لاثنين :مشاحن و قاتل نفس . "أخرجه أحمد (رقم ۶۶۴۲)و قال المنذرى(۳/۲۸۳):إسناده لين.و نحوه قول الهيثمى فى ابن لهيعة(۸/۶۵)لين الحديث.و الرابع :قال :عن عبد الرحمن بن زياد بن أنعم عن عبادة بن نسى عن كثير بن مرة عن عوف بن مالک قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فذكره باللفظ الأول .أخرجه البزار فى "مسنده "(ص:۲۴۵زوائده)و قال الهيثمى ":إسناد ضعيف . "و مما يشهد للحديث ما أخرجه ابن أبى عاصم فى "السنة "(رقم ۵۱۲بتحقيقى)حدثنا هشام بن خالد حدثنا أبو خليد عتبة بن حماد عن الأوزاعى و ابن ثوبان (عن أبيه) عن مكحول عن مالک بن يخامر عن معاذ بن جبل مرفوعا به . و أخرجه ابن حبان فى "صحيحه "(۱۹۸۰)و محمد بن سليمان الربعى فى "جزء من حديثه "(۲۱۷/۱و۲۱۸)و غيرهم ، و هو خير أسانيده و طرقه ، و قد سبق ذكرها و الكلام عليها مفصلا برقم(۱۱۴۴)و إنما أعدت الكلام على الحديث هنا لزيادة فى التخريج و التحقيق على ما تقدم هناک .و الله ولى التوفيق (السلسلة الصحيحة، تحت رقم روايت ۱۵۶۳)

[1] حديث نمبر ۳۵۵۱،كتاب الصيام، باب ماجاء فى ليلة النصف من شعبان ،مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض، واللفظ لهٗ؛ السنن الصغرىٰ للبيهقى، حديث نمبر ۱۱۳۱؛ فضائل الاوقات للبيهقى، حديث نمبر ۲۵؛ المعجم الكبير للطبرانى، حديث نمبر ۵۹۰ وحديث نمبر ۵۹۳،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: جب شعبان کی پندرہویں رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف نظرِ (رحمت) فرماتے ہیں، پھر مومن کی مغفرت فرمادیتے ہیں اور کافروں کو (کفر سے توبہ کرکے ایمان قبول کرنے تک) مہلت دیتے ہیں اور کینہ وروں کو ان کے کینہ کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں جب تک وہ کینہ نہ چھوڑ دیں (ترجمہ ختم)

حضرت ابوھریرہ رضی اللّٰہ عنہ کی روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لِعِبَادِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ (مسند البزار) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وحديث نمبر ٦٢٨؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائى، حديث نمبر ٥٨٧؛ السنة لابن ابى عاصم، حديث نمبر ٤١١؛ العرش وما روى فيه لابن أبى شيبة، حديث نمبر ٨٦؛ النزول للدارقطنى، حديث نمبر ٦٥؛ معجم الصحابة لابن قانع، حديث نمبر ٢٦٤.

قال الالبانى:

صحيح لغيره (صحيح الترغيب والترهيب، تحت حديث رقم ٢٧٧١، كتاب الأدب وغيره، الترغيب فى الحياء وما جاء فى فضله والترهيب من الفحش والبذاء)

حسن (صحيح وضعيف الجامع الصغير، تحت حديث رقم ٧٧٣)

[1] حديث نمبر ٩٢٦٨، مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، تاريخ بغداد، ذكر من اسمه يعقوب.

قال الهيثمى:

رواه البزار، وفيه هشام بن عبد الرحمن ولم أعرفه، وبقية رجاله ثقات (مجمع الزوائد ج٨ ص٦٥، باب ما جاء فى الشحناء)

قلت: هشام بن عبد الرحمن الكوفى سكت عنه البخارى فقال:

هشام بن عبد الرحمن الكوفى عن الاعمش روى عنه عبد الله بن غالب العبادانى (التاريخ الكبير، جزء٨ صفحه ١٩٩)

وقال الخطيب البغدادى:

أخبرنى عبد العزيز بن على الأزجى حدثنا عبيد الله بن أحمد بن على المقرىء حدثنا محمد بن مخلد حدثنا يعقوب بن إسحاق القلوسى. وأخبرنا القاضى أبو عمر القاسم بن جعفر بن عبد الواحد الهاشمى حدثنا أبو بشر عيسى بن إبراهيم بن عيسى الصيدلانى حدثنا أبو يوسف القلوسى حدثنا عبد الله بن غالب العبدانى حدثنا هشام بن عبد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شعبان کی پندرہویں رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں، سوائے مشرک یا کینہ ور (یعنی دل میں بغض رکھنے والے) کے (ترجمہ ختم)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :یَطَّلِعُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلٰی خَلْقِہٖ لَیْلَۃَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَیَغْفِرُ لَھُمْ کُلِّھِمْ إِلَّا لِمُشْرِکٍ أَوْ مُشَاحِنٍ

(مسندالبزار) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الرحمن الکوفی -وقال الصیدلانی ھشام بن عبد الملک لعلہ بن عبد الرحمن الکوفی وقدم علینا مرابطاً ثم اتفقا -عن الأعمش عن أبی صالح عن أبی ھریرۃ قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " :لیلۃ النصف من شعبان یغفر اللہ لعبادہ إلا لمشرک أو لعبد مشاحن (تاریخ بغداد، ج۱۴ ص۲۸۷،ذکر من اسمہ یعقوب)

[1] حدیث نمبر ۲۷۵۴،مکتبۃ العلوم والحکم -المدینۃ المنورۃ.

قال الھیثمی:

رواہ البزار، وفیہ عبد الرحمن بن زیاد بن أنعم، وثقہ أحمد بن صالح وضعفہ جمھور الأئمۃ، وابن لھیعۃ لین، وبقیۃ رجالہ ثقات(مجمع الزوائد ،ج۸ص۶۵،باب ما جاء فی الشحناء)

وقال الالبانی:

و أما حدیث عوف ابن مالک فیرویہ ابن لھیعۃ عن عبد الرحمن ابن أنعم عن عبادۃ ابن نسی عن کثیر بن مرۃ عنہ،أخرجہ أبو محمد الجوھری فی "المجلس السابع"و البزار فی"مسندہ"(ص۲۴۵)وقال:إسنادہ ضعیف.قلت:و علتہ عبد الرحمن ھذا و بہ أعلہ الھیثمی فقال:و ثقۃ أحمد بن صالح و ضعفہ جمھور الأئمۃ ، و ابن لھیعۃ لین و بقیۃ رجالہ ثقات.قلت:و خالفہ مکحول فرواہ عن کثیر بن مرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسلا .رواہ البیھقی و قال:ھذا مرسل جید.کما قال المنذری.أخرجہ اللالکائی(۱/۱۰۲/۱)عن عطاء بن یسار و مکحول و الفضل بن فضالۃ بأسانید مختلفۃ عنھم موقوفا علیھم و مثل ذلک فی حکم المرفوع لأنہ لا یقال بمجرد الرأی .و قد قال الحافظ ابن رجب فی "لطائف المعارف "(ص۱۴۳)و فی فضل لیلۃ نصف شعبان أحادیث متعددۃ و قد اختلف فیھا ، فضعفھا الأکثرون و صحح ابن حبان بعضھا و خرجہ فی "صحیحہ "و من أمثلھا حدیث عائشۃ قالت :فقدت النبی صلی اللہ علیہ وسلم "...الحدیث . (السلسلۃ الصحیحۃ الکاملۃ،تحت حدیث ۱۱۴۴)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شعبان کی پندرہویں رات میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی مخلوق پر (رحمت کی خصوصی) نظر فرماتے ہیں، پھر سب کی مغفرت فرمادیتے ہیں، سوائے مشرک اور کینہ ور کے (ترجمہ ختم)

حضرت کثیر بن مرہ حضرمی رحمہ اللہ کی روایت

حضرت کثیر بن مرّۃ حضرمی رحمہ اللہ سے مرسلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

فِیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ یَغْفِرُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِأَهْلِ الْأَرْضِ إِلَّا الْمُشْرِكَ وَالْمُشَاحِنَ (شعب الایمان للبیهقی) [1]

ترجمہ: شعبان کی پندرہویں رات میں اللہ عزوجل زمین والوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں، سوائے مشرک اور کینہ ور کے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ رَبَّكُمْ يَطَّلِعُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلٰى خَلْقِهِ فَيَغْفِرُ لَهُمْ كُلِّهِمْ إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ مُشْرِكًا أَوْ مُصَارِمًا (بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث بن أبى أسامة) [2]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک آپ کے رب (اللہ عزوجل) شعبان کی پندرہویں رات میں اپنی مخلوق کی طرف (رحمت کی خصوصی) توجہ فرماتے ہیں، اور سب کی مغفرت فرمادیتے ہیں، مگر جو شخص کہ مشرک ہو، یا قطع تعلق کرنے والا

---

[1] حدیث نمبر ۳۵۵۰، کتاب الصیام، باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان، مکتبة الرشد للنشر والتوزیع بالریاض، واللفظ لهٗ؛ عَبْدُ الرَّزَّاق، حدیث نمبر ۷۹۲۳؛ مصنف ابن ابی شیبة، حدیث نمبر ۳۰۴۷۹؛ النزول للدارقطنی، حدیث نمبر ۶۹.

قال البیهقی:

هٰذَا مُرْسَل "وَرُوِيَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ مَكْحُولٍ، عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ أَيْضًا بَيْنَ مَكْحُولٍ، وَأَبِي ثَعْلَبَةَ مُرْسَلٌ جَيِّدٌ" (شعب الایمان، حدیث نمبر ۳۵۵۰)

[2] حدیث نمبر ۳۳۸، مرکز خدمة السنة والسیرة النبویة - المدینة المنورة.

ہو (ترجمہ ختم)

قطع تعلقی بھی کیونکہ عموماً بغض وکینہ کی وجہ سے ہوتی ہے، اس لیے بُغض اور کینہ والی روایت سے قطع تعلقی کا ٹکراؤ لازم نہیں آتا۔

اور حضرت کثیر بن مرّۃ حضرمی رحمہ اللہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :إِنَّ اللّٰہَ یَنْزِلُ إِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا لَیْلَۃَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَیَغْفِرُ لِمَنِ اسْتَغْفَرَ إِلَّا لِمُشْرِکٍ، أَوْ مُشَاحِنٍ

(النزول للدارقطنی، حدیث نمبر ۸۲،ص۱۶۵)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات میں آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں، پھر مغفرت طلب کرنے والے کی مغفرت فرمادیتے ہیں، سوائے مشرک یا کینہ ور کے (ترجمہ ختم)

اور حضرت کثیر بن مرہ کی ہی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَدْرَکْتُ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحَدِّثُوْنَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَدِیْثًا لَمْ أَنْسَہُ :إِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَغْفِرُ فِیْ لَیْلَۃِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ لِکُلِّ عَبْدٍ، إِلَّا لِمُشْرِکٍ أَوْ مُشَاحِنٍ (فضائل رمضان لابن ابی الدنیا، حدیث نمبر ۳،دار السلف، الریاض -السعودیۃ)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے پایا، جس کو میں بھولا نہیں ہوں، کہ بے شک اللہ عزوجل شعبان کی پندرہویں رات میں ہر بندہ کی مغفرت فرمادیتے ہیں، سوائے مشرک یا کینہ ور کے (ترجمہ ختم)

اور ابنِ قانع نے حضرت کثیر بن مرّۃ حضرمی رحمہ اللہ سے اور انہوں نے حضرت یزید بن جاریہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ:

إِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَنْزِلُ فِی النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ یَعْنِیْ إِلٰی سَمَآءِ الدُّنْیَا إِنْ

شَاءَ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا الْمُشَاحِنَ(معجم الصحابه لابن قانع) ۱

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل، شعبان کی پندرہویں رات میں آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں، ان شاءاللہ۔

پھر زمین والوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں، سوائے کینہ ور کے (ترجمہ ختم)

مشرک کی مغفرت نہ ہونے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی فرمادیا ہے، اس لیے بعض روایات میں اس کا ذکر نہ ہونے سے کوئی حرج لازم نہیں آتا۔

حضرت مکحول رحمہ اللّٰہ کی روایت

حضرت مکحول رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ اللّٰهَ يَطَّلِعُ عَلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ فِي النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ إِلَّا لِرَجُلَيْنِ إِلَّا كَافِرٍ أَوْ مُشَاحِنٍ(شعب الإيمان للبيهقى) ۲

---

۱ ج۳ ص۲۲۷،مكتبة الغرباء الأثرية -المدينة المنورة.

يـزيد بن جارية الأَنْصارِيّ المدني. رَوَى عَن :معاوية بن أبي سفيان (صد س)رَوَى عَنه :الحكم بن ميـناء الأَنْصارِيّ (صد س) فرق أبو حاتم بينه وبين أخي مجمع بن جارية ، والظاهر أنهما واحد وَقَال النَّسَائي :يزيد بن جارية ثقة.روى له أبو داود في "فضائل الانصار "، والنَّسَائي عن معاوية حديث :من أحب الانصار أحبه الله ، ومن أبغض الانصار أبغضه الله (تهذيب الكمال، جزء۳۲، صفحه ۹۹)

مـجـمـع بن جارية بن عامر بن مجمع ويُقال :مـجـمـع بـن يزيد بن جارية بن مجمع بن العطاف بن ضبيعة ابن زيد بن مالك بن عوف بن عَمْرو بن مالك بن الاوس الأَنْصارِيّ الاوسى المدنى ، أخو عبـد الـرحـمـن بـن جارية ويزيد بن جارية ، ووالد يعقوب بن مجمع بن جارية . لـه صحبة ، ويُقال : إنهـمـا اثـنـان ، وهـو أحد من جمع القرآن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا شيئا يسيرا منه . رَوَى عَن :الـنبى صلى الله عليه وسلم (د ت ق .(رَوَى عَنه :أبـو الطفيل عامر بن واثلة (ق) ، وابن أخيه عبد الرحمن بن يزيد بن جارية (د ت) ، وابنه يعقوب بن مجمع ابن جارية . قال زكريا بن أبي زائدة عن الشعبي :جـمـع الـقرآن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ستة من الانصار : معـاذ بـن جبـل ، وأبـي بـن كعب ، وزيد بن ثابت ، وأبو زيد ، وأبو الدرداء ، وسعد بن عُبَيد .قال : وكـان المجمع بن جارية قد بقي عليه سورة أو سورتان حين قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم . روى له أبو داود ، والتِّرْمِذِيّ ، وابن ماجة (تهذيب الكمال، جزء۲۷، صفحه ۲۴۴،۲۴۵)

۲ حـديـث نـمبر ۳۵۵۰،كتاب الصيام، باب ماجاء فى ليلة النصف من شعبان ،مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض،واللفظ لهٗ،شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي، حديث نمبر ۵۹۹ .

قال البيهقي:لَمْ يُجَاوِزْ بِهِ مَكْحُولًا، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ مَكْحُولٍ عَمَّنْ فَوْقَهُ مُرْسَلًا وَمَوْصُولًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ (حواله بالا)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نصف شعبان میں اہلِ زمین پر (رحمت کے ساتھ) متوجہ ہوتے ہیں، پھران کی مغفرت فرمادیتے ہیں، مگر دو آدمیوں کی مغفرت نہیں فرماتے، ایک تو کافر کی، اور ایک بغض رکھنے والے کی (ترجمہ ختم)

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللّٰہ عنہ کی روایت

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ نَادٰى مُنَادٍ :هَلْ مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ، هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِيَهُ فَلَا يَسْأَلُ أَحَدٌ شَيْئًا إِلَّا أُعْطِىَ إِلَّا زَانِيَةٌ بِفَرْجِهَا أَوْ مُشْرِكٌ (شعب الايمان للبيهقى) [1]

---

[1] حديث نمبر ٣٥٥٥، كتاب الصيام، باب ماجاء فى ليلة النصف من شعبان، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض، واللفظ لهٗ؛ فضائل الاوقات للبيهقى، حديث نمبر٢٧؛ الْمَجَالِسُ الْعَشَرَةُ لمُحَمَّدٍ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْخَلَّالِ، حديث نمبر ۴؛ مساوء الأخلاق للخرائطى، حديث نمبر ۴٦٧.

قال الشيخ أسامة عطايا العتيبى:

رواه الخرائطى فى مساوء الأخلاق(ص٢٢٦،رقم ۴٩٦)والخلال فى أماليه (ص١٩،رقم ۴)والبيهقى فى شعب الإيمان(٣/٣٨٣،رقم٣٨٣٦)وفى فضائل الأوقات (ص١٢٦، رقم٢٥)وابن الدبيثى فى جزئه(ص١٢۴،رقم٦)من طريقين عن مرحوم بن عبد العزيز عن داود بن عبد الرحمن عن هشام بن حسان عن الحسن عن عثمان بن أبى العاص -رضى الله عنه -به......الحديث إسناده صحيح ورجاله ثقات.مرحوم بن عبد العزيز :ثقة من رجال الجماعة.

وداود بن عبد الرحمن العطار :ثقة من رجال الجماعة .هشام بن حسان :ثقة إمام من رجال الجماعة، وقد تكلم بعض العلماء فى روايته عن الحسن استصغاراً له أو يرون أنه أخذها من حوشب وهو من ثقات أصحاب الحسن، ولكن الذى استقر عليه عمل الأئمة وأصحاب الصحاح هو تصحيح رواية هشام عن الحسن حتى قال ابن عدى فى الكامل (٧/١١٣)وهشام بن حسان أشهر من ذاك، وأكثر حديثاً فمن احتاج أن أذكر له شيئاً من حديثه فإن حديثه عمن يرويه مستقيم، ولم أرَ فى حديثه منكراً إذا حدث عنه ثقة، وهو صدوق لا بأس به ."الحسن :هو ابن أبى الحسن يسار البصرى الإمام الحافظ الفقيه المعروف، وهو قليل التدليس وكثير الإرسال.قال الحاكم فى المستدرك (١/٢٨٣)الحسن لم يسمع من عثمان بن أبى العاص وقال المزى :يقال :لم يسمع منه .وجزم الحافظ بذلك .وقال ابن معين -رحمَهُ اللهُ - -كما فى سؤالات الدورى (۴/٢٦٠)ويقال إنه رأى عثمان بن أبى العاص.ولكن أشار الإمام أحمد والبخارى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: جب شعبان کی پندرہویں رات ہوتی ہے تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ کیا کوئی مغفرت کا طالب ہے کہ میں اس کی مغفرت کردوں؟ کیا کوئی مانگنے والا ہے کہ میں اس کو عطا کروں؟ اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو (سچے دل کے ساتھ) مانگتا ہے اس کو (اس کی شان کے مطابق) ملتا ہے سوائے بدکار عورت اور مشرک کے (یہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے محروم رہتے ہیں) (ترجمہ ختم)

حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ کی روایت

حضرت عطاء بن یسار (المتوفیٰ ۱۰۳ھ) رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

مَا مِنْ لَيْلَةٍ بَعْدَ لَيْلَةِ الْقَدْرِ أَفْضَلُ مِنْهَا،يَعْنِيْ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ يَنْزِلُ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

-رحمَهُما اللهُ -إلى سماعه منه .فقد روى عبد الله فى العلل(۲/ ۲۱۱)عن أبيه حدثنا أبو داود قَالَ :حدثنا أبو عامر عن الحسن قال :كنا ندخل على عثمان بن أبى العاص وكان له بيت .وكذا أورد هذه الرواية البخارى فى التاريخ الكبير(۶/ ۲۱۲)فى ترجمة عثمان بن أبى العاص حيث روى عن الحسن -رحمَهُ اللهُ -أنه قال :كنا ندخل على عثمان بن أبى العاص وقد أخلى بيتا للحديث .وقد صحح الترمذى وابن خزيمة روايات للحسن عن عثمان بن أبى العاص وهذا يقتضى أنهما يقولان بسماعه منه .وقال ابن أبى شيبة فى المصنف(۲/ ۳۴۲)حدثنا يزيد بن هارون قال حدثنا حميد الطويل قال :ذُكر عند الحسن أن صيام عرفة يعدل صيام سنة فقال الحسن :ما أعلم ليوم فضلاً على يوم، ولا لليلة على ليلة إلا ليلة القدر، فإنها خير من ألف شهر، ولقد رأيت عثمان بن أبى العاص صام يوم عرفة يرش عليه الماء من إداوة معه يتبرد به .فالصحيح أن الحسن البصرى -رحمَهُ اللهُ -سمع من عثمان بن أبى العاص -رضى الله عنه -لاسيما وأنه قد روى تصريحه بالسماع منه بسند ضعيف.وعنعنة الحسن البصرى محمولة على السماع لقلة تدليسه .فالسند صحيح -إنْ شَاءَ اللهُ تَعالَى(إرواء الظمآن بما ورد فى ليلة النصف من شعبان ص ۳۲تا۳۶ ملخصاً)

بیہقی اور خلال کی سند میں جامع بن صبیح ہیں، جو کہ عند البعض ضعیف ہیں، لیکن خرائطی کی سند میں اُن کے بجائے محمد بن بکار متابع ہیں۔

جامع بن صبيح بفتح المهملة :ذكره عبد الغنى بن سعيد فى المشتبه وقال :ضعيف (لسان الميزان، جزء ۱، صفحه ۲۴۳)

البتہ اس روایت میں مشاحن کے بجائے زانیہ کے الفاظ ہیں، تو عین ممکن ہے کہ زانیہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس رات میں محروم رہتی ہو۔

اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی إِلٰی سَمَآءِ الدُّنْیَا فَیَغْفِرُ إِلَّا لِمُشْرِکٍ أَوْ مُشَاحِنٍ أَوْ قَاطِعِ رَحِمٍ (شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائى ، حديث نمبر ۷۶۹،دار طيبة -السعودية)

ترجمہ: لیلۃُ القدر کے بعد کوئی رات شعبان کی پندرہویں رات سے افضل نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ (اس رات میں) آسمانِ دنیا کی طرف (رحمت کا) نزول فرماتے ہیں، پھر مشرک یا بغض رکھنے والے، یا قطع رحمی کرنے والے کے علاوہ (دوسرے لوگوں) کی مغفرت فرمادیتے ہیں (ترجمہ ختم)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شعبان کی پندرہویں رات میں اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی طرف خصوصی توجہ اور رحمت کی نظر ڈالنا اور چند افراد کے علاوہ سب کی مغفرت فرمانا اوران وجوہات کی بناء پر اس رات کی فضیلت واہمیت کا ہونا متعدد احادیث وروایات سے ثابت ہے، جن میں سے بعض روایات اگرچہ انفرادی طور پر ضعیف ہیں، لیکن یہ مجموعی طور پر کم از کم حسن اوراس سے بڑھ کر صحت کے درجہ کو پہنچ جاتی ہیں۔

جبکہ محدثین وفقہاء کے راجح قول کے مطابق فضائلِ اعمال کے سلسلہ میں ضعیف حدیث بھی بعض شرائط کے ساتھ قابلِ عمل ہوجاتی ہے۔ [1]

---

[1] ضعیف حدیث کے بارے میں اس سلسلہ میں تین قسم کے اقوال ہیں، ایک مطلقاً غیر معمول بہ ہونے کا، دوسرا مطلقاً معمول بہ ہونے کا، اور تیسرا بعض شرائط کے ساتھ فضائل میں معمول بہ ہونے کا، اور یہی قول راجح ہے۔

فتحصل ان فى العمل بالحديث الضعيف ثلاثة مذاهب ،لايعمل به مطلقا، يعمل به مطلقا، يعمل به فى الفضائل بشروطه (الاجوبة الفاضلة عن الاسئلة العشره الكاملة،ص ۱۰، مشمولة:مجموعه رسائل اللكنوى ،ج۴)

هذه العبارات ونحوها الواقعة فى كتب الثقات تشهد بتفرقهم فى ذلك ،فمنهم من منع العمل بالضعيف مطلقا،وهو مذهب ضعيف،ومنهم من جوزه مطلقا،وهو توسع سخيف،ومنهم من فصل وقيد وهو المسلك المسدد (ايضاً ص ۱۱)

قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم :يجوزويستحب العمل فى الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف مالم يكن موضوع (كتاب الاذكار للنووى ص ۷)

والاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع(فتح القدير ج ۱ ص ۴۶۷)

جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی ضعیف حدیث سے کسی عمل کی ترغیب وفضیلت ثابت ہو،اوراس کے خلاف اس سے کوئی قوی دلیل موجود نہ ہو،تو اس سے اس عمل کا مستحب ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔

لیکن اِس مستحب کا درجہ اُس مستحب سے کمزور ہوتا ہے، جس کا مستحب ہونا اس سے قوی (صحیح وحسن) حدیث سے ثابت ہو۔

البتہ ضعیف حدیث سے کسی عمل کے مستحب ہونے کے ثبوت کے لئے مجموعی طور پر چار شرائط ہیں۔

(۱)......پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے خلاف اس سے کوئی قوی دلیل موجود نہ ہو(جیسا کہ پہلے گزرا)

(۲)......دوسری شرط یہ ہے کہ یہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو، بایں طور کہ اس میں کوئی کذاب،اورفاحشُ الغلط وفاحشُ المغفل راوی نہ ہو۔

کیونکہ اس صورت میں یہ معدوم (موضوع ومخترع حدیث) کے درجہ میں ہوتی ہے، جس پر کسی حال میں عمل جائز نہیں۔

(۳)......تیسری شرط یہ ہے کہ اس ضعیف حدیث سے ثابت شدہ حکم شریعت کے اصولوں میں سے کسی اصول وقاعدے کے تحت داخل ہو،اور دینی قواعد کے خلاف نہ ہو۔

(۴)......چوتھی شرط یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے والا اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے، بلکہ صرف احتیاط کی وجہ سے اس پر عمل کرے۔ [1]

---

[1] والذی یظهر بعد التامل الصادق، هو قبول الضعیف فی ثبوت الاستحسان وجوازه، فاذا دل حدیث ضعیف علی استحباب شیئ او جوازه، ولم یدل دلیل آخر صحیح علیه، ولیس هناک مایعارضه ورجح علیه، قبل ذلک الحدیث وجاز العمل بما افاده واقول باستحباب مادل علیه او جوازه.

غایة مافی الباب ان یکون مثل هذا الاستحباب والجواز ادون رتبة من الاستحباب والجواز الثابت بالاحادیث الصحیحة والحسنة ویشترط قبوله بشروط:

احدها: ما اشرنا الیه من فقدان دلیل آخر اقوی منه معارضا له، فان دل حدیث صحیح او حسن، علی کراهة عمل او حرمته، والضعیف علی استحبابه وجوازه ، فالعمل یکون بالاقوی ، والقول بمفاده احری.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہ تفصیل اعمال کی فضیلت کے بارے میں ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وثانيها: ان لايكون الحديث شديد الضعف ، بان تفرد بروايته شديد الضعف ، كالكذاب، وفاحش الغلط، والمغفل، وغير ذلک، او كثرت طرقه، لكن لم يخل طريق من طرقه عن شدة الضعف، وذلک لان كون السند شديد الضعف، مع عدم مايجبر به نقصانه ، يجعله فى حكم العدم ، ويقربه الى الموضوع والمخترع، الذى لايجوز العمل به بحال .

وثالثها: ان يكون ماثبت به داخلا تحت اصل كلي من الاصول الشرعية غير مخالف للقواعد الدينية ، لئلا يلزم اثبات مالم يثبت شرعا به، فانه اذا كان مادل عليه داخلا فى الاصول الشرعية، غير مناقض لها، فنفس جوازه ثابت بها.

والحديث الضعيف الدال عليه يكون مؤكدا عله، كذا الاستحباب، فان الجائزات تصير بحسن النية عبادة، فكيف اذا وجدمافيه شبهة ثبوت الاستحباب.

ورابعها: ان لايعتقد العامل به ثبوته بل الخروج عن العهدة بيقين، فانه ان كان صحيحا فى نفس الامر فذاک ، والا لم يترتب على العمل به فساد شرعي.

وقس عليه اذا دليل الحديث الضعيف على كراهة عمل، لم يدل على استحبابه دليل آخر، فيؤخذ به ويعمل بمفاده احتياطا ، فان ترک المكروه مستحب ، وترک المباح لابأس فيه شرعا.

وبهذا كله يظهر لک دفع الاشكال الذى تصدى للجواب عنه الدوانى والخفاجي، وسلک كل منهما مسلكا مغايرا لمسلک الآخر.

وخلاصة الكلام، الرافع للاوهام ، هو ان ثبوت الاستحباب ، او الكرهة التى هى فى قوة الاستحباب ، او الجواز بالحديث الضعيف مع الشروط المتقدمة : لاينافى قولهم: انه لايثبت الاحكام الشرعية، فان الحكم باستحباب شيئ دل عليه الضعيف او كراهته: احتياطى ، والحكم بجواز شيئ دل عليه تاكيد لما ثبت بدلائل اخر، فلا يلزم منه ثبوت شيئ من الاحكام فى نفس الامر، ومن حيث الاعتقاد.

نعم لو لم تلاحظ الشروط المتقدمة ، لزم الاشكال البتة (ظفر الأماني فى مختصر الجرجاني فى مصطلح الحديث، ص۱۹۸ تا ۲۰۰، لمولانا عبدالحيي اللكنوى رحمه الله)

فالحق فى هذا المقام: انه اذا لم يثبت ندب شيئ او جوازه بخصوصه بحديث صحيح، وورد بذلک حديث ضعيف ليس شديد الضعف، يثبت استحبابه وجوازه به ، بشرط ان يكون مندرجا تحت اصل شرعي ، ولا يكون مناقضا للاصول الشرعية والادلة الصحيحة.

وما احسن كلام المحقق جلال الدين الدوانى فى رسالته"انموذج العلوم" التى جمع فيها الفوائد المتفرقة حيث قال فى صدرها: المسألة الاولىٰ فى اصول الحديث: اتفقوا على ان الحديث الضعيف لايثبت به الاحكام الشرعية، ثم ذكروا انه يجوز بل يستحب العمل بالاحاديث الضعيفة فى فضائل الاعمال ، وممن صرح به النووى فى كتبه لاسيما كتاب "الاذكار" وفيه اشكال، لان جواز العمل واستحبابه كلاهما من الاحكام الخمسة الشرعية ، فاذا استحب العمل بمقتضى الحديث الضعيف كان ثبوته بالحديث الضعيف ، وذلک ينافى ما تقرر من عدم ثبوت الاحكام بالاحاديث الضعيفة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جہاں تک حلال وحرام اور عقائد، نیز اللہ تعالیٰ کی صفات کا معاملہ ہے، تو ان میں ضعیف حدیث معتبر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد حاول بعضهم التفصی عن ذلک وقال: ان مراد النووی انه اذا ثبت حدیث صحیح او حسن فی فضیلة عمل من الاعمال تجوز روایة الحدیث الضعیف فی هذا الباب.

ولایخفی ان هذا لایرتبط بکلام النووی فضلا عن ان یکون مراده ذلک، فکم من فرق بین جواز العمل واستحبابه ، وبین مجرد نقل الحدیث، علی انه لولم یثبت الحدیث الصحیح او الحسن فی فضیلة عمل من الاعمال یجوز نقل الحدیث الضعیف فیها، لاسیما مع التنبیه علی ضعفه، ومثل ذلک فی کتب الحدیث وغیره کثیر شائع، یشهد به من تتبع ادنی تتبع.

والذی یصلح للتعویل : انه اذا وجد حدیث ضعیف فی فضیلة عمل من الاعمال ، ولم یکن هذا العمل مما یحتمل الحرمة او الکراهة فانه یجوز العمل به ویستحب، لانه مامون الخطر ومرجو النفع، اذ هو دائر بین الاباحة والاستحباب، فالاحتیاط العمل به رجاء الثواب.

واما اذا دار بین الحرمة والاستحباب فلا وجه لاستحباب العمل به.

واما اذا دار بین الکراهة والاستحباب، فمجال النظر فیه واسع ، اذ فی العمل دغدغة الوقوع فی المکروه، وفی الترک مظنة الترک المستحب. فلینظر.

ان کان خطر الکراهة اشد بان تکون الکراهة المحتملة شدیدة، والاستحباب المحتمل ضعیفا، فحینئذ یرجح الترک علی العمل، فلا یستحب العمل به.

وان کان خطر الکراهة اضعف بان تکون الکراهة علی تقدیر وقوعها کراهة ضعیفة دون مرتبة ترک العمل علی تقریر استحبابه ، فالاحتیاط العمل به.

وفی صورة المساواة یحتاج الی نظر تام، والظن انه یستحب ایضا، لان المباحات تصیر بالنیة عبادة، فکیف مافیه شبهة الاستحباب لاجل الحدیث الضعیف.(......وبعد اسطر......)

وحاصل الجواب، ان الجواز معلوم من خارج والاستحباب ایضا معلوم من القواعد الشرعیة الدالة علی استحباب الاحتیاط فی امر الدین ، فلم یثبت شیئ من الاحکام بالحدیث الضعیف ، بل اوقع الحدیث الضعیف شبهة الاستحباب ، فصار الاحتیاط ان یعمل به، واستحباب الاحتیاط معلوم من قواعد الشرع ، انتهیٰ کلام الدوانی (الاجوبة الفاضلة عن الاسئلة العشرہ الکاملة،ص ۱۳، ۱۴، مشمولة:مجموعہ رسائل اللکنوی ،ج۴)

اقول :قال فی البنایة :

> ثم إن تزیین المسجد لما دار مرة بین الاستحباب وبین الکراهة، قال أصحابنا بالجواز، ولم یقولوا بالاستحباب کما قال به بعضهم(البنایة شرح الهدایة ج۲ ص ۴۷۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ضعیف حدیث سے ثابت شدہ استحباب کا درجہ احتیاطی ہے اور یہ اُس استحباب سے کم ہوتا ہے، جو حسن وصحیح حدیث سے ثابت ہو۔

اور پھر یہ استحباب بھی اُن شرعی قواعد کے ماتحت ہوکر ثابت ہوتا ہے، جو کہ قوی دلائل سے ثابت ہیں۔

لہٰذا ضعیف حدیث سے اس تفصیل کے مطابق استحباب ثابت ہونے پر یہ شبہ نہیں ہوتا کہ ضعیف حدیث سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا، جبکہ کسی چیز کا مستحب ہونا بھی شرعی حکم ہی کی ایک قسم ہے۔

نہیں ہے۔ [۱]

اور شعبان کی پندرہویں رات اور اس میں نیک اعمال کی فضیلت کے سلسلہ میں مندرجہ بالا شرائط بھی پائی جاتی ہیں۔

پس پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت کی احادیث وروایات، جب مجموعی طور پر ضعیف سے بڑھ کر حسن اور صحیح کا درجہ رکھتی ہیں، تو ان کا انکار کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

اِس مُبارک رات کی فضیلت سے محروم رہنے والے

مندرجہ بالا احادیث وروایات اور آثار سے شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت اور اس رات میں عبادت کی اہمیت معلوم ہوگئی، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بعض لوگ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اس رات میں بھی محروم القسمت اور اللہ کی رحمت سے دور رہتے ہیں اور وہ یہ لوگ ہیں:

(۱)......کفر وشرک میں مبتلا شخص۔

(۲)......کینہ اور بغض رکھنے والا۔ [۲]

(۳)......رشتہ داروں سے قطع رحمی کرنے والا۔ [۳]

---

[۱] (لافی صفات اللہ) فان وجد حدیث ضعیف دل علی صفة من صفات اللہ تعالیٰ ولم یثبت ذلک بدلیل معتبر ، لم یعتبر به، فان صفات اللہ واسماء ہ لایجترأ علی القول بها بدون دلالة دلیل معتمد، لانها من باب العقائد لا من باب الاعمال، ویلتحق بها جمیع العقائد الدینیة ، فلا تثبت الا بحدیث صحیح او حسن لذاته او لغیره.

کیف وقد صرحوا بان اخبار الآحاد وان کان صحیحة ، لاتکفی فی باب العقائد، فما بالک بالضعیفة منها؟ والمراد بعدم کفایتها انها لاتفید القطع ، فلایعتبر بها مطلقا فی العقائد التی کلف الناس بالاعتقاد الجازم فیها، لاانها لاتفید الظن ایضا، ولا انها لاعبرة بها رأسا فی العقائد مطلقا، کما توهمه من ابناء عصرنا............(واحکام الحلال والحرام) فلایثبت بالحدیث الضعیف تحریم شیئ ولا تحلیله (ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی فی مصطلح الحدیث،لمولانا عبدالحیئ اللکنوی ، ص ۲۰۰ تا ۲۰۴ ،ملخصاً)

[۲] بعض نے مشاحن کی تفسیر اس بدعتی سے کی ہے، جو بدعت کا ارتکاب کر کے امت میں افتراق ڈالتا ہے، ولکنہٗ غیر المشہور۔
قَالَ إِسْحَاقُ فَسَّرَهُ الْأَوْزَاعِيُّ أَنَّ الْمُشَاحِنَ الْمُبْتَدِعَ الَّذِی يُفَارِقُ أُمَّةً(مسند إسحاق بن راهويه،تحت حدیث رقم ۱۷۰۲)

[۳] قطع تعلقی بھی کیونکہ عموماً بغض وکینہ کی وجہ سے ہوتی ہے، اس لیے بُغض اور کینہ والی روایت میں ایک حیثیت سے قطع تعلقی کرنے والا بھی داخل ہے۔

(۴)......کسی کو ناحق قتل کرنے والا۔

(۵)......والدین کا نافرمان۔

(۶)......زانیہ عورت۔

جس سے مذکورہ اوران جیسے دوسرے گناہوں کی قباحت وشناعت بھی معلوم ہوگئی کہ یہ گناہ اللہ تعالیٰ کوسخت ناپسند ہیں اوران گناہوں میں مبتلا اشخاص عام مغفرت کے اوقات سے بھی محروم رہتے ہیں، آج اگراپنے معاشرے پرنظرڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذکورہ سارے گناہ ہی بہت عام ہیں، جبکہ یہ گناہ انتہائی خطرناک ہیں۔

جن کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۱)......کفروشرک

ایمان کے لئے جن چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے، ان میں سے کسی کا انکار کرنا کفر ہے، اور ایسا شخص کافر ہے۔

اورشرک کے معنیٰ ہیں ''اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی غیرکو شریک ٹھہرانا'' اورشرک دراصل توحید کی ضِد ہے۔

اس اعتبار سے شرک بھی کفر کی ایک قسم ہے، یعنی جن چیزوں سے کفر لازم آتا ہے، ان میں سے ایک چیز اور ایک سبب شرک بھی ہے۔

شرک کرنے والا اگراسی حال میں فوت ہوگیا تو اس کی کسی حال میں مغفرت نہیں ہوگی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

''اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَیَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ. وَمَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیۡدًا'' (سورہ نساء، آیت ۱۱۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس کو تو بے شک نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے لیکن اس کے علاوہ جس کسی کو بھی چاہے بخش دے گا، اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ یقیناً بڑی دور کی گمراہی میں پڑ گیا (ترجمہ ختم)

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی بھی غیراللہ کوشریک کرنا شرک ہے، جوکہ کفر کی ایک قسم ہے۔
اللہ تعالیٰ کی ذات میں شریک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اورخدائی میں کسی غیراللہ کے شریک ہونے کا عقیدہ رکھا جائے،ایسے مشرک تو بہت کم ہیں۔
البتہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک کرنے والے بہت زیادہ ہیں،اورصفات میں شریک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات جواللہ تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہیں،ان میں کسی غیرُ اللہ کو شریک ٹھہرایا جائے۔
شرک کی بڑی بڑی چند صورتیں یہ ہیں:

(الف)......**شِرک فِي العبادت**: یعنی جوکام اللہ تعالیٰ نے اپنی تعظیم اور بڑائی کے لئے مقرر فرمائے ہیں، مثلاً نماز، رکوع،سجدہ،طواف، روزہ،قربانی،نذرومنت، ذکرووظیفہ اوردعاء۔

ان میں سے کوئی عمل غیرُ اللہ کے لئے کرنا،شرک فی العبادت کہلاتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ (سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۳)

ترجمہ: اورآپ کے ربّ نے یہ فیصلہ فرمادیا ہے کہ آپ اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کریں(ترجمہ ختم)

اورایک دوسرے مقام پرارشاد ہے کہ:

قُلْ اِنَّ صَلاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ. وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ(سورہ انعام آیت نمبر ۱۶۲ و ۱۶۳)

ترجمہ:(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرمادیجئے کہ بلاشبہ میری نمازاورمیری قربانی اورمیری زندگی اورمیری موت،اللہ ربُّ العالمین ہی کے لئے ہے،اس کا کوئی شریک نہیں ، اوراسی کا مجھ کوحکم دیا گیاہے، اورمیں پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہوں(ترجمہ ختم)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

(ب)......**شِرک فِی القُدرت و التصرُّف**: یعنی اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہیں، کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہیں۔

لہٰذا غیرُ اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ روزی، اولاد، بارش، زندگی وموت، حاجت روائی، اور مشکل کشائی وغیرہ پر قادر ہے۔

ایسا عقیدہ شرک فی القدرت والتصرُّف کہلاتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ. وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ. وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ. اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (سورہ اعراف آیت نمبر ۱۸۸)

ترجمہ: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ لوگوں کو بتلا دیجئے کہ مجھے اپنے لئے بھی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں، مگر جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو، اگر میں غیب جانتا تو کثرت سے بھلائی جمع کر لیتا، اور مجھ تک کوئی برائی نہ پہنچتی، میں تو صرف ایمان والوں کو ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں (ترجمہ ختم)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِکُ بِهٖٓ اَحَدًا قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا (سورہ جن آیت نمبر ۲۰ تا ۲۲)

ترجمہ: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیجئے کہ میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا، آپ فرما دیجئے کہ میں تمہارے لئے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، آپ فرما دیجئے کہ مجھے کوئی اللہ سے ہرگز نہیں بچا سکتا، اور میں اللہ کے سوا کہیں بچاؤ نہیں پاتا (ترجمہ ختم)

(ج)......**شِرک فِی العِلم**: اللہ تعالیٰ کا علم، علمِ غیب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کو

ہروقت ہر ہر چیز کا علم ہے۔

تو غیرُ اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ ہر ہر چیز اس کے علم میں ہے، اور اس کو ہر ہر چیز کی خبر ہے، یا وہ ہر چیز کو دیکھتا اور ہر بات و پکار کو سنتا ہے۔

یہ شرک فی العلم کہلاتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ. وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ. وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّ لَايَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (سورہ انعام آیت نمبر ۵۹)

ترجمہ: اور اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، جنہیں اس کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا، اور جو کچھ خشکی اور تری میں ہے وہ اس کو جانتا ہے، اور جو پتّہ بھی گرتا ہے اسے بھی جانتا ہے، اور زمین کے نیچے اندھیروں میں کوئی دانہ (ذرہ) ایسا نہیں، اور کوئی تر اور خشک چیز ایسی نہیں جو (اللہ کی) روشن کتاب (لوحِ محفوظ) میں نہ ہو (ترجمہ ختم)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی کسی اور مخصوص صفت میں غیرُ اللہ کو شریک ماننا بھی شرک ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا نَزَلَتْ اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الأنعام۸۲) **شَقَّ ذٰلِكَ عَلٰى أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالُوْا: أَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهٗ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّوْنَ، إِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهٖ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ** (لقمان۱۳) (مسلم) [1]

ترجمہ: جب سورہ انعام کی یہ آیت نازل ہوئی (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ ”جو لوگ ایمان لائے، اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا“

---

[1] حدیث نمبر ۱۲۴، كِتَابُ الْإِيمَانَ، بَابُ صِدْقِ الْإِيمَانِ وَإِخْلَاصِهِ، دار إحياء التراث العربي - بيروت، واللفظ لهٗ؛ بخاری، كِتَابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ، بَابُ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ.

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر یہ بات شاق گزری، اور انہوں نے کہا کہ ہم میں سے کون ایسا ہے، جو اپنے آپ پر ظلم نہیں کرتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا مطلب وہ نہیں ہے جو تم سمجھے ہو، بلکہ اس کا مطلب وہ ہے جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا کہ اے بیٹے! تم اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، کیونکہ شرک ظلمِ عظیم ہے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ شرک کے ملنے سے اس کا حکم شرک کا ہی ہوتا ہے، اور شرک ظلمِ عظیم ہے۔ اسی وجہ سے احادیث میں شرک کو ہلاک کرنے والا قرار دیا گیا ہے۔ [1]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی: أَنَا أَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَکَ فِیْہِ مَعِیَ غَیْرِیْ، تَرَکْتُہٗ وَشِرْکَہٗ (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں شرک کرنے والے لوگوں سے بے نیاز ہوں، جس نے کوئی عمل کیا، اور اس میں میرے علاوہ کسی دوسرے کو شریک کیا، تو میں اس کو اس کے شرک کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہوں (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شرک کے ساتھ کوئی عمل کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس عمل کو قبول نہیں فرماتے، بلکہ اُس کا مؤاخذہ فرماتے ہیں۔ [3]

---

[1] عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ": اجْتَنِبُوا الْمُوبِقَاتِ: الشِّرْکُ بِاللَّهِ، وَالسِّحْرُ (بخاری، حدیث نمبر ۵۷۶۴)

[2] حدیث نمبر ۲۹۸۵، کِتَابُ الزُّهْدِ وَالرَّقَائِقِ، بَابُ مَنْ أَشْرَکَ فِی عَمَلِهِ غَیْرَ اللهِ، دار إحیاء التراث العربی - بیروت.

[3] قوله (تعالى أنا أغنى الشركاء عن الشرك من عمل عملا أشرك فيه غيرى تركته وشركه) هكذا وقع فى بعض الأصول وشركه وفى بعضها وشريكه وفى بعضها وشركته ومعناه أنا غنى) عن المشاركة وغيرها فمن عمل شيئا لى ولغيرى لم أقبله بل أتركه لذلك الغير والمراد أن عمل المرائى باطل لاثواب فيه ويأثم به (شرح النووى على مسلم، ج۱۸ ص۱۱۵، ۱۱۶، كتاب الزهد، باب تحريم الرياء)

آج مسلمانوں کے معاشرے میں شرک کی بے شمار صورتیں اور شکلیں رائج ہیں، توحید اور اسلام کے دعوے دار بھی شرک میں کھلے عام مبتلا ہیں، نعوذ باللہ تعالیٰ، غیر اللہ کو مختارِ کل، نفع ونقصان کا مالک، زندہ اور مردہ کرنے، بیمار کرنے اور شفایابی دینے پر قادر سمجھتے ہیں اور غیر اللہ کو اپنی روزی روٹی کا مالک ومختار سمجھتے ہیں۔

بعض لوگ انبیاء واولیاء وغیرہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ان کے نام کی نذر ونیاز دیتے ہیں، اور ان کے نام کی منتیں مانتے ہیں، ان کی قبروں کو سجدے کرتے ہیں، اور ان کے بارے میں عالم الغیب اور حاضر وناظر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ دور اور قریب سے ہماری آواز اور پکار کو براہِ راست سنتے ہیں اور ہمارے حالات کی خبر رکھتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے عقائد ایمان کے لئے تباہ کن ہیں۔

البتہ وہ الگ بات ہے کہ بعض لوگ کوئی تاویل وغیرہ کر کے شرک کی بعض صورتوں کا ارتکاب کرتے ہیں، تو اگر وہ تاویل شریعت کی نظر میں کفر سے بچانے کا سبب ہو، تو ایسے لوگوں پر بحیثیتِ مجموعی شرک وکفر کا فتویٰ لگانے میں احتیاط اختیار کی جاتی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ گناہ گار بھی نہ ہوں، بلکہ وہ سخت گناہ گار ہوتے ہیں۔

اور ممکن ہے کہ عنداللہ کافر بھی ہوں، مگر تاویل کی وجہ سے ہمارے سامنے ان کا کفر ظاہر نہ ہوا ہو۔

اور یہ حکم ان چیزوں کے بارے میں ہے، جن کے بارے میں تاویل کا احتمال ہوتا ہے، یا وہ تاویل بظاہر کفر وشرک سے بچانے میں معتبر ہوتی ہے۔

اور اگر شریعت کسی چیز میں تاویل کا اعتبار ہی نہ کرتی ہو، یا وہ تاویل معتبر نہ ہو، تو پھر تاویل کرنا نہ کرنا یکساں ہے۔

(۲)......کینہ اور بُغض

بغض وکینہ اسے کہتے ہیں کہ جس پر غصہ وناگواری ہو اور اس سے بدلہ لینے کی قوت نہ ہو، تو اس کے دل میں غصہ روکنے اور ضبط کرنے سے دل پر ایک قسم کی گرانی وناگواری ہوتی ہے۔

اسی گرانی وناگواری کا نام بغض وکینہ ہے، جو کہ عام طور پر غصہ سے پیدا ہوتا ہے۔

کسی مسلمان سے بغض وکینہ صرف ایک عیب وگناہ نہیں بلکہ بہت سے گناہوں کا بیج ہے۔
اس لئے اس سے ہر مسلمان کو بچنے کی کوشش کرنی چاہئے، اورعفوودرگزر سے کام لینا چاہئے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

خُذِالْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ(سورۃ اعراف آیت نمبر ۱۹۹)

ترجمہ: معاف اوردرگزر کرنے کو اختیار کرو ،اچھی بات کا حکم کرو اورجاہلوں سے اعراض کرو(ترجمہ ختم)

بغض وکینہ اتنا خطرناک اورقبیح ترین گناہ ہے کہ ایسے گناہ میں مبتلا شخص نہ صرف شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت سے محروم رہتاہے، بلکہ وہ شبِ قدر کی فضیلت سے بھی محروم رہتاہے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَإِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْقَدْرِ يَأْمُرُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَيَهْبِطُ فِي كَبْكَبَةٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَى الْأَرْضِ وَمَعَهُمْ لِوَاءٌ أَخْضَرُ، فَيُرْكِزُ اللِّوَاءَ عَلٰى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ، وَلَهُ مِائَةُ جَنَاحٍ مِنْهَا جَنَاحَانِ لَا يَنْشُرُهُمَا إِلَّا فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ، فَيَنْشُرُهُما فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ فَيُجَاوِزُ الْمَشْرِقَ إِلَى الْمَغْرِبِ، فَيَبُثُّ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمَلَائِكَةَ فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ فَيُسَلِّمُوْنَ عَلٰى كُلِّ قَائِمٍ، وَقَاعِدٍ، وَمُصَلٍّ وَذَاكِرٍ يُصَافِحُوْنَهُمْ، وَيُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى دُعَآئِهِمْ حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ، فَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ يُنَادِيْ جِبْرِيْلُ مَعَاشِرَ الْمَلَائِكَةِ الرَّحِيْلَ الرَّحِيْلَ، فَيَقُوْلُوْنَ يَا جِبْرِيْلُ، فَمَا صَنَعَ اللّٰهُ فِيْ حَوَائِجِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ فَيَقُوْلُ جِبْرِيْلُ :نَظَرَ اللّٰهُ إِلَيْهِمْ فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ فَعَفَا عَنْهُمْ، وَغَفَرَ لَهُمْ إِلَّا أَرْبَعَةً،فَقُلْنَا :يَا رَسُوْلَ اللهِ مَنْ هُمْ ؟ قَالَ:رَجُلٌ مُدْمِنُ خَمْرٍ، وَعَاقٌّ لِوَالِدَيْهِ، وَقَاطِعُ رَحِمٍ، وَمُشَاحِنٌ ،قُلْنَا:يَا رَسُوْلَ اللهِ، مَا

اَلْمُشَاحِنُ ؟ قَالَ :هُوَ الْمُصَارِمُ(شعب الایمان للبیھقی) [1]

ترجمہ: جب شبِ قدر ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو حکم دیتے ہیں۔

چنانچہ وہ فرشتوں کے جمگھٹے میں زمین کی طرف اترتے ہیں۔

ان فرشتوں کے پاس سبز جھنڈے ہوتے ہیں جو وہ بیت اللہ کی چھت پر گاڑ دیتے ہیں جبریل امین کے سو پر ہیں جن میں سے وہ دو پر صرف اسی رات میں کھولتے ہیں وہ دو پر مشرق و مغرب سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ جبریل امین اس رات فرشتوں کو (پوری زمین پر) پھیلا دیتے اور منتشر کردیتے ہیں چنانچہ وہ فرشتے ہر اُس بندے پر سلام کرتے ہیں جو کھڑا ہو یا بیٹھا ہو اور ذکر (یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد) میں مشغول ہو اور ان لوگوں سے مصافحہ کرتے ہیں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں یہاں تک کہ صبح ہوجاتی ہے پھر جب صبح ہوجاتی ہے تو جبریل امین فرشتوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اے فرشتوں کے گروہ !بس اب چلتے بنو، کوچ کرو۔

فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے جبریل !اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کے مومنوں کی ضروریات کے بارے میں کیا فیصلہ فرمایا ہے؟

جبریل امین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رحمت کی نظر سے دیکھتے ہوئے ان سے درگزر فرما کر انہیں بخش دیا ہے، سوائے چار شخصوں کے۔

(صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں) ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول !وہ چار شخص کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ایک تو وہ جو شراب پینے کا عادی ہو، دوسرے والدین کا نافرمان، تیسرے رشتے ناطے توڑنے والا یعنی قطع رحمی کرنے والا، اور چوتھے ''مُشاحِن'' ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول مشاحن سے کون مراد ہے؟ تو رسول

---

[1] حدیث نمبر ۳۴۲۱، کتاب الصیام، التماس لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الأواخر من شھر رمضان، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع بالریاض، فضائل الاوقات للبیھقی حدیث نمبر ۱۰۷.

قال المنذری :

لیس فی اسنادہ من اجمع علی ضعفہ(الترغیب والترھیب ، ج۲ص ۶۲، کتاب الصوم الترغیب فی الصوم مطلقا وما جاء فی فضلہ وفضل دعاء الصائم)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مصارم یعنی کینہ ور (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا إِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ أَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا أَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا أَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا(مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں، اور ہر ایسے بندے کی بخشش کی جاتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا، مگر اس آدمی کی بخشش نہیں کی جاتی کہ اس کے اور اس کے (مسلمان) بھائی کے درمیان کینہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو رہنے دو یہاں تک کہ یہ کینہ ختم کرلیں، ان دونوں کو رہنے دو یہاں تک کہ یہ کینہ ختم کرلیں، ان دونوں کو رہنے دو یہاں تک کہ یہ کینہ ختم کرلیں (یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرماتے ہیں) (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَكُونُوا إِخْوَانًا(بخاری) [2]

ترجمہ: اپنے آپ کو بدگمانی کرنے سے بچاؤ، کیونکہ بدگمانی جھوٹی ترین بات ہے، اور (کسی کے) عیبوں کی جستجو نہ کرو، اور کسی کے راز کی ٹوہ میں نہ لگو، اور آپس میں بغض نہ رکھو، اور آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہو (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] حدیث نمبر ۲۵۶۵، کتاب البر والآداب والصلة، باب النهی عن الشحناء والتهاجر، دار إحياء التراث العربی -بیروت.

[2] حدیث نمبر ۶۰۶۴، کتاب الادب، باب ما ینهی عن التحاسد والتدابر، دارطوق النجاة، بیروت، مسلم، حدیث نمبر ۲۵۶۳.

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَّهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ(بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپس میں بغض نہ رکھو، اور آپس میں حسد نہ کرو، اور آپس میں قطع تعلق نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ کے بندے اور بھائی بھائی ہوکر رہو، اور کسی مسلمان کے لئے یہ بات حلال نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ سلام وکلام چھوڑ دے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمُ الْبَغْضَاءُ وَالْحَسَدُ ، وَالْبَغْضَاءُ وَهِيَ الْحَالِقَةُ ، لَيْسَ حَالِقَةَ الشَّعْرِ لٰكِنْ حَالِقَةَ الدِّيْنِ ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا ، وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا ، أَفَلَا أُنَبِّئُكُمْ أَظُنُّهٗ بِمَا يُثْبِتُ لَكُمْ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ(مسند البزار) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری طرف تم سے پہلی امتوں کا مرض منتقل ہوگا، جو کہ بغض اور حسد ہے، اور بغض مونڈنے والا ہے، اور یہ بالوں کو مونڈنے

---

[1] حدیث نمبر ۶۰۶۵، کتاب الادب، باب ما ینهی عن التحاسد والتدابر، دارطوق النجاة، بیروت، مسلم، حدیث نمبر ۲۵۵۸.

قوله لا تدابروا أى لا تقاطعوا (فتح البارى لابنِ حجر، ج ۱ ص ۱۱٦)

[2] حدیث نمبر ۲۲۳۲، مکتبة العلوم والحکم -المدینة المنورة، واللفظ لهٗ، ترمذی، حدیث نمبر ۲۵۱۰، مسند احمد، حدیث نمبر ۱۴۱۲.

قال المنذری و الهیثمی:

رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَإِسْنَادُهُ جَيِّدٌ (الترغیب والترهیب ج۳ ص ۲۸۵، مجمع الزوائد ج۸ ص ۳۰)

وقال الالبانی:

وهو حدیث حسن بمجموع طریقیه عن ابن الزبیر وأبی هریرة (السلسلة الضعیفة، ج ۱ ص ۲۹)

والا نہیں، بلکہ دین کو مونڈنے والا ہے، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کہ تم ایمان لائے بغیر جنت میں داخل نہ ہوگے، اور آپس میں محبت کئے بغیر مومن نہیں کہلاؤ گے، کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلادوں، جس کے بارے میں میرا گمان یہ ہے کہ وہ تمہیں ایمان (اور آپس کی محبت) پر قائم رکھے گی؟ (اور وہ چیز یہ ہے کہ) تم آپس میں سلام کو پھیلاؤ (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ حَتّٰی تُسْلِمُوْا، وَلَا تُسْلِمُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا، وأَفْشُوا السَّلَام تَحَابُّوْا، وإِیَّاكُمْ والْبُغْضَةَ، فَإِنَّهَا هِیَ الْحَالِقَةُ لَا أَقُوْلُ لَكُمْ تَحْلِقُ الشَّعْرَ، وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ (الادب المفرد للبخاری) [1]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم جنت میں داخل نہیں ہوگے، یہاں تک کہ تم مسلمان نہ ہو جاؤ، اور تم مسلمان نہیں ہوگے، یہاں تک کہ آپس میں محبت نہ کرو، اور تم سلام کو عام کرو، جس سے تمہارے درمیان محبت ہوگی، اور بغض سے بچو، کیونکہ یہ مونڈنے والی چیز ہے، میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈتی ہے، بلکہ یہ دین کو مونڈتی ہے (ترجمہ ختم)

بعض دوسری روایات میں بھی بغض کو مونڈنے والا قرار دیا گیا ہے۔ [2]

---

[1] حدیث نمبر ۲۶۰، باب الالفة، مکتبة المعارف للنشر والتوزیع، الریاض.

قال الالبانی: حسن لغیرہ (تعلیق الادب المفرد، حوالہ بالا)

[2] مَالِكٌ، عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیدٍ؛ أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ سَعِیدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ یَقُولُ: أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِخَیْرٍ مِنْ كَثِیرٍ مِنَ الصَّلاَةِ وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوا: بَلَی. قَالَ: صُلْحُ ذَاتِ الْبَیْنِ. وَإِیَّاكُمْ وَالْبِغْضَةَ. فَإِنَّهَا هِیَ الْحَالِقَةُ (مؤطا امام مالک، حدیث نمبر ۳۳۵۶)

ثنا محمد بن وضاح قال: نا موسی بن معاویة قال: نا عبد الرحمن بن مهدی، عن حماد بن زید، عن یحیی بن سعید، عن سعید بن المسیب قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ألا أدلكم علی ما هو خیر من كثیر من الصلاة والصدقة؟ إصلاح ذات البین، وإیاكم والبغضة؛ فإنها هی الحالقة (البدع لابن الوضاح، حدیث نمبر ۲۲۲)

أخبركم أبو عمر بن حیویه قال: أخبرنا یحیی قال: حدثنا الحسین قال: أخبرنا عبد الله قال:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

معلوم ہوا کہ بغض دنیا اور آخرت کے اعتبار سے تباہ کُن چیز ہے، اور جس فرد یا قوم میں یہ مرض پیدا ہو جاتا ہے، اس کی دنیا وآخرت کی تباہی وبربادی کا باعث بنتا ہے۔ [1]

بغض وکینہ سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ:

جس مسلمان سے بغض وکینہ ہو اس کا قصور معاف کر دینا اور اس سے میل جول شروع کر دینا، خصوصاً اس کو اہتمام کے ساتھ سلام کرنا، اور ہو سکے تو اخلاص کے ساتھ اس کو ہدیہ وتحفہ پیش کرنا، اگرچہ اس سے طبیعت پر گرانی ہو اور یہ عمل نفس کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

اس طریقہ پر عمل کرتے رہنے سے اِن شاء اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ بغض وکینہ دور ہو جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ کسی مسلمان کی طرف سے دل میں کینہ اور بُغض نہیں رکھنا چاہئے اور اگر کسی سے قصور ہو گیا ہو تو اُس کا قصور معاف کر دینا چاہئے اور اُس سے میل جول اور سلام وکلام شروع کر دینا چاہئے۔

آج کل کینہ اور بُغض وعداوت عام ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں۔

(۳)...... قطع رحمی

قطع رحمی کا مطلب ہے رشتہ داروں کو ایذاء وتکلیف پہنچانا، اور ان سے سلام وکلام چھوڑ دینا، اور ان

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أخبرنا أسامة بن زيد ، عن إسماعيل بن أبي حكيم ، عن سعيد بن المسيب ، قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ألا أخبركم بخير من كثير من صلاة وصدقة ؟ قالوا : بلى يا رسول الله ، قال : صلاح ذات البين ، وإياكم والبغضة ، فإنها هي الحالقة (الزهد والرقائق لابن المبارك، حديث نمبر ۷۲۵)

[1] قال رسول الله دب بفتح الدال المهملة وتشديد الموحدة أي نقل وسرى ومشى بخفية إليكم داء الأمم قبلكم الحسد أي في الباطن والبغضاء أي العداوة في الظاهر ورفعهما على أنهما بيان للداء أو بدل وسميا داء لأنهما داء القلب هي أي البغضاء وهو أقرب مبنى ومعنى أو كل واحدة منهما الحالقة أي القاطعة للمحبة والإلفة والصلة والجمعية والخصلة الأولى هي المؤدية إلى الثانية ولذا قدمت لا أقول تحلق الشعر أي تقطع ظاهر البدن فإنه أمر سهل ولكن تحلق الدين وضرره عظيم في الدنيا والآخرة قال الطيبي أي البغضاء تذهب بالدين كالموسى تذهب بالشعر وضمير المؤنث راجع إلى البغضاء كقوله تعالى والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها "التوبة" (مرقاة، ج۸ ص ۳۱۵۴، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر الخ)

کی خبر گیری نہ کرنا۔

اور یہ قطع رحمی کبیرہ گناہ اور شدید وسخت ترین عذاب اور وبال کا باعث ہے۔

قرآن وسنت میں اس کا جابجا ذکر ہے۔

چنانچہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهٗ فِي الْآخِرَةِ مِثْلُ الْبَغْيِ وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم اور قطع رحمی کے مقابلہ میں کوئی اور گناہ اس بات کا زیادہ حقدار نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے کرنے والے کو دنیا میں ہی جلد سزا عطا فرمائیں، اور آخرت میں اس کے لئے سزا باقی رہے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ جن گناہوں پر دنیا میں ہی بہت جلدی اللہ تعالیٰ کی جانب سے سزا ملتی ہے، اور آخرت کی سزا اپنی جگہ برقرار رہتی ہے، ان میں قطع رحمی اور ظلم جیسا اور کوئی گناہ نہیں۔ [2]

---

[1] حدیث نمبر ۴۹۰۲، کتاب الادب، باب فی النھی عن البغی، المکتبة العصرية، صيدا - بيروت، واللفظ لهٗ، ترمذی حدیث نمبر ۲۵۱۱، مسند احمد حدیث نمبر ۲۰۳۹۸، صحیح ابنِ حبان حدیث نمبر ۴۵۵، مستدرک حاکم حدیث نمبر ۳۳۱۶، الادب المفرد للبخاری، حدیث نمبر ۳۰.

قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وقال الحاكم: "صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ"

وقال الذهبی فی التلخیص: صحیح.

قلت: و هو كما قالا ، فإن رجال إسناده ثقات كلهم (السلسلة الصحيحة للالبانی، تحت حديث رقم ۹۱۸)

وفی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين .أبو عثمان النهدی :هو عبد الرحمن بن ملّ، وهو مكرر الحديث السالف برقم(۱۵۰۴)فی مسند سعد ابن أبی وقاص.

قال شعيب الأرنؤوط :إسناده صحيح(حاشية صحيح ابنِ حبان)

[2] قال رسول الله ما من ذنب ما نافية ومن زائدة للاستغراق أحرى أی أحق وأولى أن يعجل الله صلة أحرى على تقدير الباء أی بتعجيله سبحانه لصاحبه أی لمرتكب الذنب العقوبة مفعول يعجل وظرفه قوله فی الدنيا مع ما يدخر بتشديد الدال المهملة وكسر الخاء المعجمة أی مع ما يؤجل من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

العقوبة له أى لصاحب الذنب فى الآخرة من البغى أى من بغى الباغى وهو الظلم أو الخروج على السلطان أو الكبر ومن تفصيلية وقطيعة الرحم أى ومن قطع صلة ذوى الأرحام رواه الترمذى وأبو داود قال ميرك وقال الترمذى حسن صحيح ورواه الحاكم وقال صحيح الإسناد اه وفى الجامع الصغير رواه أحمد والبخارى فى الأدب المفرد وأبو داود والترمذى وابن ماجه وابن حبان والحاكم عن أبى بكرة ورواه الطبرانى عنه أيضا ولفظه ما من ذنب أجدر أن يعجل الله تعالى لصاحبه العقوبة فى الدنيا مع ما يدخر له فى الآخرة من قطيعة الرحم والخيانة والكذب وأن أعجل الطاعة ثوابا صلة الرحم حتى أن أهل البيت ليكونوا فجرة فتنمو أموالهم ويكثر عددهم إذا تواصلوا (مرقاة المفاتيح، ج۷ص ۳۰۹۱، كتاب الآداب، باب البر والصلة)

(ما من ذنب أجدر) بسكون الجيم أحق والذى رأيته فى أصول صحيحة من الأدب المفرد بدل أجدر أحرى (أن يعجل الله لصاحبه العقوبة فى الدنيا مع ما يدخر له فى الآخرة من البغى وقطيعة الرحم) لأن البغى من الكبر وقطيعة الرحم من الاقتطاع من الرحمة والرحم القرابة ولو غير محرم بنحو إيذاء أو صد أن هجر فإنه كبير كما يفيده هذا الوعيد الشديد أما قطيعتها بترك الإحسان فليس بكبير قال الحليمى :بين بهذا الخبر أن الدعاء بما فيه إثم غير جائز لأنه جرأة على الله ويدخل فيه ما لو دعا بشر على من لا يستحقه أو على نحو بهيمة وقال فى الإتحاف :فيه تنبيه على أن البلاء بسبب القطيعة فى الدنيا لا يدفع بلاء الآخرة ولو لم يكن إلا حرمان مرتبة الواصلين.

-(حم خد د ت ه حب ك) فى التفسير (عن أبى بكرة) قال :صحيح وأقره الذهبى ورواه عنه الطبرانى أيضا وزاد حتى أن أهل البيت ليكونوا فجرة فتنمو أموالهم ويكثر عددهم إذا تواصلوا (فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ۸۰۲۸)

ما من ذنب أجدر أن يعجل الله لصاحبه العقوبة فى الدنيا مع ما يدخر له فى الآخرة من قطيعة الرحم والخيانة) فى كيل أو وزن أو غيرهما (والكذب) الذى لغير مصلحة (وإن أعجل الطاعة ثوابا صلة الرحم) وحقيقة الصلة العطف والرحمة (حتى أن أهل البيت ليكونوا فجرة فتنمو أموالهم ويكثر عددهم إذا تواصلوا) لأن أصل الرحمات شجنة معلقة بالعرش فأنزل الله تعالى منها رحمة واحدة قسمها بين خلقه يترأفون بها ويتعاطفون بها فمن قطعها فقد انقطع من رأفة الله فلذلك تعجلت عقوبته فى الدنيا ومن ثم قيل أعجل البر صلة الرحم وأسرع الشر عقابا الكذب وقطيعة الرحم لأن الأمانة فى الأقوال كالأفعال معلقة بالإيمان وقطيعة الرحم من الانقطاع من الرحمة المعلقة بالعرش.

-(طب عن أبى بكرة) رمزه لحسنه قال الهيثمى :رواه عن شيخه عبد الله بن موسى بن أبى عثمان الأنطاكي ولم أعرفه وبقية رجاله ثقات (فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ۸۰۲۹)

وَلَيْسَ شَيْءٌ أَشَدُّ عِنْدَ اللهِ تَعَالَى مِنَ الْكُفْرِ، وَلَا عُقُوبَةَ أَشَدُّ مِنَ الْعُقُوبَةِ عَلَيْهِ، إِلَّا أَنْ تُدْرِكَ التَّوْبَةُ مَنْ كَانَ مِنْهُ ذَلِكَ، وَإِنَّمَا أُرِيدَ بِمَا فِي الْحَدِيثَيْنِ اللَّذَيْنِ ذَكَرْنَاهُمَا فِي هَذَا الْبَابِ عُقُوبَةُ مَنْ كَانَ مِنْهُ الْبَغْيُ، وَقَطِيعَةُ الرَّحِمِ مِنْ أَهْلِ الشَّرِيعَةِ الَّتِي لَمْ يَخْرُجْ مِنْهَا بِذَلِكَ، وَكَانَ مَا تُوُعِّدَ بِهِ مِنْ ذَلِكَ عُقُوبَةً عَلَى بَغْيِهِ، وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ الَّتِي أَمَرَهُ اللهُ تَعَالَى بِصِلَتِهَا .وَأَمَّا الْعُقُوبَةُ عَلَى الْكُفْرِ، فَأَغْلَظُ مِنْ ذَلِكَ، وَبِاللهِ التَّوْفِيقُ (شرح مشكل الآثار، باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى أسرع الخير ثوابا، وفى أسرع الذنوب عقوبة)

أَسْـرَعُ الْخَيْرِ ثَوَابًا اَلْبِرُّ وَصِلَةُ الرَّحِمِ وَأَسْرَعُ الشَّرِّ عُقُوبَةً الْبَغْيُ وَقَطِيعَةُ الرَّحِمِ (ابن ماجة) [1]

ترجمہ: خیر (وبھلائی) کے کاموں میں زیادہ ثواب کے اعتبار سے تیز ترین عمل (اللہ کی مخلوق کے ساتھ) نیک سلوک اور (رشتہ داروں کے ساتھ) صلہ رحمی ہے، اور شر (وبرائی) کے کاموں میں زیادہ تیز سزا اور وبال کے لحاظ سے ظلم اور قطع رحمی ہے (ترجمہ ختم)

اس سے قطع رحمی کے گناہ کی شدت معلوم ہوئی۔ [2]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ أَعْـمَـالَ بَـنِـي آدَمَ تُـعْرَضُ كُلَّ خَمِيْسٍ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَلا يُقْبَلُ عَمَلُ قَاطِعِ رَحِمٍ (مسند احمد) [3]

---

[1] حديث نمبر ۴۲۰۲، كتاب الزهد، باب الرياء والسمعة، دار إحياء الكتب العربية، القاهرة.
قال أحمد بن أبى بكر بن إسماعيل الكنانى:
هـذا إسـنـاد فـى صـالح بن موسى الصلحى وهو ضعيف وله شاهد من حديث أبى بكرة رواه أبو داود والترمذى (مصباح الزجاجة فى زوائد ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الرياء والسمعة)

[2] (أسرع الخير ثوابا) أى أعـجـل أنواع الطاعة إثابة من الله تعالى (البر) بالكسر :الاتساع فى الإحسـان إلـى خـلق الله تعالى من كل آدمي وحيوان محترم (وصلة الرحم) أى الأقارب وإن بعدوا (وأسرع الشر) أى الفساد والظلم (عقوبة البغي وقطيعة الرحم) لأن فاعل ذلك لما افترى باقتحام مـا تـطابقت على النهى عنه الكتب السماوية والإشارات الحكمية وقطع الوصل التى بها نظام العالم وصـلاحـه أسـرع إليـه الوبال فى الدنيا مع ما ادخر له من العقاب فى العقبى والمراد بالسرعة هنا أنه تـعـالى يعجل ثواب ذلك وعقابه فى الدنيا ولا يؤخره للآخرة بدليل الخبر المار :اثنان يعجل الله عـقـوبتهـما فى الدنيا ، وذكر هنا البغى وقطيعة الرحم ، وفى حديث آخر :البـغى واليمين الفاجرة ، وفى آخر :البـغى وعقوق الوالدين ، فدل على عدم الانحصار فى عدد ، وإنما كان المصطفى صلى الـلـه عـليـه وسـلم يخاطب كل إنسان بما يليق بحاله وبما هو ملتبس به أو يريد العزم عليه فلذلك اختـلفت الأجوبة.(ت ه) وكـذا أبو يعلى (عن عائشة) رمـز الـمـصـنف لحسنه وليس كما قال فقد ضعفه المنذرى وغيره (فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ۱۰۱۷)

[3] حديث نمبر ۱۰۲۷۲، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، شعب الايمان حديث نمبر ۷۵۹۵.
قال الهيثمى: رواه أحمد ورجاله ثقات.(مجمع الزوائد ج۸ص ۱۵۱، باب صلة الرحم وقطعها)
فـى حاشية مسند احمد: اسنادهٗ حسن. وأخرجه المزى فى ترجمة الخزرج من "تهذيبه ۸/۲۴۲" من طريق عبد الله ابن أحمد بن حنبل، عن أبيه، بهذا الإسناد. وأخرجه الخرائطى فى "مساوىء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: بنی آدم کے اعمال ہر جمعہ کی رات میں (اللہ تعالیٰ کے حضور) پیش کئے جاتے ہیں، اور قطع رحمی کرنے والے کا عمل قبول نہیں کیا جاتا (ترجمہ ختم)

اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ

(مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں قطع رحمی کرنے والا داخل نہیں ہوگا (ترجمہ ختم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی ایک لمبی حدیث میں یہی مضمون مروی ہے۔ [2]

یعنی قطع رحمی کرنے والا ضابطہ کی رُو سے اس کا مستحق ہے کہ وہ جنت میں داخل نہ ہو، ہاں! اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ اپنے فضل سے دوسرا معاملہ فرمائیں، تو الگ بات ہے۔

اور قبیلہ خثعم کے ایک صحابی سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

قُلْتُ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ،أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ؟قَالَ:إِيْمَانٌ بِاللّٰهِ،قَالَ : قُلْتُ:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ،ثُمَّ مَهْ؟قَالَ :ثُمَّ صِلَةُ الرَّحِمِ،قَالَ:قُلْتُ:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الأخلاق(۲۷۹)"والبيهقى فى "الشعب(۷۹۶۲)"من طريق يونس بن محمد، به .وأخرجه البخارى فى "الأدب المفرد(۶۱)"والبيهقى(۷۹۶۵)من طريقين عن الخزرج بن عثمان السعدى، به -وجاء فيه عند البخارى والخرائطى والبيهقى(۷۹۶۲)قصة .وقد سلف عن أبى هريرة مرفوعاً من طريق آخر أن الأعمال تعرض كل اثنين وخميس، انظر(۷۶۳۹)وهو صحيح .وفى الحث على صلة الرحم انظر ما سلف برقم(۷۹۹۲)و(۸۸۶۸)

[1] حديث نمبر ۲۵۵۶، كتاب البر والصلة والآداب،باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها،دار إحياء التراث العربى -بيروت، واللفظ لهٔ، بخارى، حديث نمبر ۵۵۲۵، ابو داؤد حديث نمبر ۱۶۹۸ ،ترمذى ،ابواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ،باب ماجاء فى صلة الرحم.

[2] عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ صَاحِبُ خَمْسٍ :مُدْمِنُ خَمْرٍ، وَلَا مُؤْمِنٌ بِسِحْرٍ، وَلَا قَاطِعُ رَحِمٍ، وَلَا كَاهِنٌ، وَلَا مَنَّانٌ (مسنداحمد، حديث نمبر ۱۱۱۰۷)

حديث حسن لغيره(حاشية مسنداحمد)

أَيُّ الْأَعْمَالِ أَبْغَضُ إِلَى اللّٰهِ؟قَالَ: اَلْإِشْرَاکُ بِاللّٰهِ،قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ،ثُمَّ مَهْ؟قَالَ: ثُمَّ قَطِيْعَةُ الرَّحِمِ،قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ،ثُمَّ مَهْ؟قَالَ: ثُمَّ الْأَمْرُ بِالْمُنْكَرِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمَعْرُوْفِ(مسند ابی یعلیٰ) [1]

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کون سا عمل محبوب ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پر ایمان لانا، میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! پھر کون سا عمل محبوب ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر صلہ رحمی، میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! پھر کون سا عمل ناپسند ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر قطع رحمی، میں نے کہا کہ پھر اس کے بعد کون سا عمل سب سے زیادہ ناپسند ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر برائی کا حکم کرنا، اور نیکی سے روکنا (ترجمہ ختم)

اس حدیث سے صلہ رحمی کا اللہ تعالیٰ کو پسند اور قطع رحمی کا ناپسند ومبغوض ہونا معلوم ہوا۔

---

[1] حديث نمبر ٦٨٣٩،ج١٢ ص ٢٢٩،دار المأمون للتراث -دمشق.

قال الهيثمي:

رواه أبو يعلى ورجاله رجال الصحيح غير نافع بن خالد الطاحي وهو ثقة .(مجمع الزوائد ج٨ص ١٥١،باب صلة الرحم وقطعها)

وقال المنذري:

رواه أبو يعلى بإسناد جيد (الترغيب والترهيب، كتاب البر والصلة وغيرها)

وقال الصنعاني:

رواه أبو يعلى بإسناد جيد(فتح الغفار،باب ما جاء في صلة الرحم)

وقال البوصيري:

هذا إسناد فيه مقال، نافع ما علمته، ولم أره في شيء من كتب الجرح .والتعديل ، وباقي رجال الإسناد ثقات على شرط مسلم(اتحاف الخيرة المهرة،كتاب الإيمان،باب أفضل الأعمال وأحبها إلى الله تعالى الإيمان وأنه ينجي العبد من النار)

قلت: نافع بن خالد الطاحي، ذكره ابن حبان في الثقات فقال:

نافع بن خالد الطاحي من أهل البصرة يروي عن أبي عاصم وعبد الاعلى بن عبد الاعلى (كتاب الثقات لابنِ حبان ج٩ص ٢١٠)

قطع رحمی کرنا اتنا سخت گناہ ہے کہ اگر کسی شخص کے عقائد (توحید، رسالت، قیامت وغیرہ) اور اعمال (نماز، روزہ، زکوٰۃ حج وغیرہ) اور اخلاق (اخلاص، صبر شکر وغیرہ) سب درست ہیں اور اس وجہ سے وہ جَـنَّـتُ میں جانے کا مستحق ہے لیکن اس میں یہ خرابی ہے کہ وہ رشتہ داروں کے حقوق ضائع کرتا ہے تو اس بدعملی کی وجہ سے جنت میں جانے سے قانوناً اس وقت تک محروم رہے گا، جب تک کہ اس کی سزا نہ پالے گا، اور ظاہر ہے کہ یہ بڑی حسرت کا مقام ہوگا کہ ایک شخص ہر لحاظ سے جنت میں جانے کا حقدار ہے اور صرف قطع رحمی کی وجہ سے جَنَّتُ میں جانے کی بجائے جہنم میں جارہا ہے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہماری کتاب: ''صلہ رحمی کے فضائل واحکام'')

(۴)......ناحق قتل کرنا

کسی انسان کو یہاں تک کہ کافر کو بھی بلاوجہ قتل کرنا سخت گناہ ہے اور مؤمن کو قتل کرنا تو بدترین جرم ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اتنی سخت وعید سنائی ہے کہ اس کو لمبے عرصہ تک عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا۔

چنانچہ ارشاد ہے کہ:

''وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا'' (سورہ نساء آیت نمبر ۹۳)

ترجمہ: جو شخص کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کردے، تو اس کی (اصل) سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس پر اللہ کا غضب ہے، اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لئے عذابِ عظیم تیار کر رکھا ہے (ترجمہ ختم)

مؤمن کے قتل کی اصل سزا تو یہی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فضل فرمادیں تو علیحدہ بات ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْكَبَائِرِ، قَالَ: اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَقَوْلُ الزُّوْرِ (مسلم) [1]

---

[1] حديث نمبر ۸۸، كتاب الايمان، باب بيان الكبائر وأكبرها، دار إحياء التراث العربي - بيروت، واللفظ لهٗ، بخارى، حديث نمبر ۵۹۷۷.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبائر کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور کسی جاندار کو (ناحق) قتل کرنا، اور جھوٹی بات کہنا (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَوَّلُ مَا یُقْضٰی بَیْنَ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فِی الدِّمَآءِ (مسلم) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خونوں (یعنی قتلوں) کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَنْ یَّزَالَ الْمُؤْمِنُ فِیْ فُسْحَۃٍ مِنْ دِیْنِہٖ مَا لَمْ یُصِبْ دَمًا حَرَامًا (بخاری) [۲]

ترجمہ: ایک مسلمان شخص کو اپنے دین کے معاملے میں اُس وقت تک معافی کی گنجائش رہتی ہے، جب تک وہ حرام طریقے سے کسی کا خون نہ بہائے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

إِنَّ مِنْ وَرَطَاتِ الْأُمُوْرِ الَّتِیْ لَا مَخْرَجَ لِمَنْ أَوْقَعَ نَفْسَہٗ فِیْهَا سَفْکَ الدَّمِ الْحَرَامِ بِغَیْرِ حِلِّہٖ (بخاری) [۳]

ترجمہ: جن مشکل کاموں میں اپنے آپ کو پھنسا کر آدمی کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ حرام طریقے پر کسی کا ناحق خون بہادے، اور یہ خون بہانا اس کے لیے حلال نہ ہو (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

---

[۱] حدیث نمبر ۱۶۷۸، کتاب القسامة والمحاربین والقصاص والدیات، باب المجازاة بالدماء فی الآخرة، وأنها أول ما یقضی فیه بین الناس یوم القیامة، دار إحیاء التراث العربی - بیروت.

[۲] حدیث نمبر ۶۸۶۲، کتاب الدیات، دار طوق النجاة، بیروت؛ مسند احمد.

[۳] حدیث نمبر ۶۸۶۳، کتاب الدیات، دار طوق النجاة، بیروت.

لَا يَزَالُ الرَّجُلُ فِيْ فُسْحَةٍ مِنْ دِيْنِهٖ مَا نَقِيَتْ كَفُّهٗ مِنَ الدَّمِ،فَإِذَا غَمَسَ يَدَهٗ فِيْ دَمٍ حَرَامٍ نُزِعَ حَيَاؤُهٗ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: ایک مسلمان شخص کو اپنے دین کے معاملے میں اُس وقت تک معافی کی گنجائش رہتی ہے، جب تک کہ اس کے ہاتھ کسی کے خون سے صاف رہیں، لیکن اگر اس کے ہاتھ کسی کے ناحق خون سے رنگے گئے تو اس سے اس کی حیاء سلب کرلی جاتی ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ شَرِكَ فِيْ دَمٍ حَرَامٍ بِشَطْرِ كَلِمَةٍ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ آيِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ (المعجم الكبير للطبراني) [2]

ترجمہ: جو شخص کسی کا حرام طریقے سے خون بہانے میں ایک لفظ بول کر بھی شریک ہوگیا، وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اُس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا کہ ''اللہ کی رحمت سے مایوس'' (ترجمہ ختم)

اسی قسم کا مضمون اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [3]

---

[1] حدیث نمبر ۲۸۳۱۳، کتاب الدیات، باب من قال لیس لقاتل المؤمن توبة، واللفظ لهٗ، شعب الایمان للبیهقی، حدیث نمبر ۴۹۴۲.

[2] حدیث نمبر ۱۱۱۰۲، مکتبة ابن تیمیة -القاهرة.

قال الهیثمی:

رواه الطبرانی وفیه عبد الله بن خراش ضعفه البخاری وجماعة ووثقه ابن حبان وقال: ربما أخطأ، وبقیة رجاله ثقات (مجمع الزوائد ج۷ص۲۹۸)

[3] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :مَنْ أَعَانَ عَلَى قَتْلِ مُؤْمِنٍ وَلَوْ بِشَطْرِ كَلِمَةٍ، لَقِيَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ :آيِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ (سنن ابن ماجه، حدیث نمبر ۲۶۲۰، واللفظ لهٗ، سنن البیهقی، حدیث نمبر ۱۵۸۶۵، الدیات لابنِ ابی عاصم، حدیث نمبر ۶، مسند ابی یعلیٰ الموصلی، حدیث نمبر ۵۹۰۰)

قال ابن الملقن:

وَفِي إِسْنَاده يزِيد بن زِيَاد، وَقيل :ابْن أبي زِيَاد، وَقد ضَعَّفُوهُ قَالَ الْبُخَارِيّ وَالْبَيْهَقِيّ: مُنكر الحَدِيث .وَقَالَ ابْن حبَان :كَانَ صَدُوقًا إِلَّا أَنه لما كبر سَاءَ حفظه (البدر المنير، ج۸ص۳۴۹)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ:

لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا فَإِذَا أَصَابَ دَمًا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثنا الْفَرَجُ بْنُ فَضَالَةَ، عَنِ الضَّحَّاكِ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، يَرْفَعُهُ، قَالَ " :مَنْ أَعَانَ عَلَى قَتْلِ مُؤْمِنٍ بِشَطْرِ كَلِمَةٍ لَقِيَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ آيِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ (سنن البيهقی،حديث نمبر ١٥٨٦٨)

وقال ابن الملقن ايضاً:

قلت :والفرج بن فضَالة قوَّاه أَحْمد، وضَعَّفه غيره .قَالَ البُخَارِيّ :مُنكر الحَدِيث (البدرالمنير ج٨ص ٣٥٠)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :مَنْ أَعَانَ عَلَى دَمِ امْرِءٍ مُسْلِمٍ بِشَطْرِ كَلِمَةٍ كُتِبَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ :آيِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ "(شعب الايمان للبيهقی،حديث نمبر ٤٩٦٢)

رواه ابن عساكر(٢/٣٨٢/٢)و كذا البيهقي في "الشعب "كما في " اللآلي "من طريقين عن عبد الله بن حفص (و في اللآلي :عبيد الله بن حفص بن مروان) عن سلمة بن العيار الفزاری عن الأوزاعي عن نافع به .و رجاله ثقات غير ابن حفص هذا فلم أجد له ترجمة (السلسلة الضعيفة للالبانی، تحت حديث رقم ٥٠٣)

أبو الفضل الزهري ، نا حمزة بن القاسم ، نا عبد الله بن أحمد المكي ، في سنة ثلاث وسبعين ومائتين ، نا الحسن بن مرار ، نا عبد العزيز بن أبي رواد ، عن نافع ، عن ابن عمر ، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال : لو أن الثقلين اجتمعوا على قتل مؤمن لأكبهم الله يوم القيامة على وجوههم في النار ، وما من أحد يشترك بشطر كلمة في قتل مؤمن إلا كتب بين عينيه آيس من رحمة الله ، إن الله تعالى حرم الجنة على القاتل والآمر (حديث ابی الفضل الزهری،حديث نمبر ٤٦١)

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ :سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، يَقُولُ :سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ " :مَنْ أَعَانَ عَلَى قَتْلِ مُؤْمِنٍ وَلَوْ بِشَطْرِ كَلِمَةٍ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ :آيِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ "غَرِيبٌ، تَفَرَّدَ بِهِ حَكَمٌ عَنْ خَلَفٍ رَوَاهُ هِلَالُ بْنُ الْعَلَاءِ وَالْمُتَقَدِّمُونَ، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي شُعَيْبٍ(حلية الاولياء ج٥ص ٧٤)

وفيه حكيم بن نافع وهو ضعيف .

وأخبرنا أبو عبد الله ، حدثنا أبو العباس ، أخبرنا الربيع ، أخبرنا الشافعي ، أخبرنا مسلم ، بإسناد لا أحفظه :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : قتل المؤمن يعدل عند الله زوال الدنيا .

وبإسناده :أخبرنا الشافعي ، أخبرنا الثقة :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : من أعان على قتل امرء مسلم بشطر كلمة ، لقي الله مكتوب بين عينيه :آيس من رحمة الله (معرفة السنن والآثار للبيهقی، حديث نمبر ٥٠١٩، وحديث نمبر ٥٠٢٠)

حَرَامًا بَلَّحَ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: ایمان والا بندہ نیک بن کر ہلکا پھلکا (جنت کے راستے پر) اس وقت تک چلتا رہتا ہے، جب تک کہ وہ کسی کے حرام خون میں اپنے آپ کو ملوث نہ کرے، مگر جب حرام خون میں ملوث کرلے، تو اٹک کر رہ جاتا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی روایت میں مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْمَقْتُوْلَ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُتَعَلِّقًا رَأْسَهُ بِيَمِيْنِهِ أَوْ قَالَ: بِشِمَالِهِ آخِذًا صَاحِبَهُ بِيَدِهِ الْأُخْرىٰ، تَشْخَبُ أَوْدَاجُهُ دَمًا، فِيْ قِبَلِ عَرْشِ الرَّحْمٰنِ، فَيَقُوْلُ: رَبِّ، سَلْ هٰذَا فِيْمَ قَتَلَنِيْ؟

(مسند احمد، حديث نمبر ٢٦٨٣، مؤسسة الرسالة، بيروت) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو (دنیا میں) قتل کیا گیا ہو، وہ اپنے سر کو اپنے دائیں یا بائیں ہاتھ میں پکڑ کر لائے گا، اور دوسرے ہاتھ سے اپنے قاتل کو پکڑ کر لائے گا، اس کی رگوں سے خون جاری ہوگا، اور وہ رحمٰن کے عرش کے سامنے حاضر ہوکر کہے گا کہ اے میرے رب! اس سے سوال فرمایئے کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ (ترجمہ ختم)

کسی کا ناحق قتل کرنے کے گناہ کی معافی اس لیے سخت مشکل ہے کہ اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اور بندوں کے حقوق صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے، جب تک کہ وہ شخص معاف نہ کرے، جس کی حق تلفی کی گئی، اور قتل ہوجانے کے بعد مقتول سے معافی مانگنے کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔

---

[1] حديث نمبر ٤٢٧٠، كتاب الفتن والملاحم، باب في تعظيم قتل المؤمن، المكتبة العصرية، صيدا - بيروت، واللفظ لهٗ، المعجم الاوسط للطبراني، حديث نمبر ٩٢٢٩، سنن البيهقي، حديث نمبر ١٥٨٦٢.

[2] في حاشية مسند احمد:

حديث صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير يحيى بن عبد الله - وهو ابن الحارث الجابر ويقال: المجبر التيمي - وقد تقدم الكلام عليه عند الحديث رقم (٢١٤٢) يونس: هو ابن محمد المؤدب، وعبد الواحد: هو ابن زياد العبدى مولاهم البصرى.

آج قتل وغارت گری عام ہے، انسانی جان کا قتل گڑیوں کا کھیل اور تماشہ بن کر رہ گیا ہے، انسانی جان کی قدر و قیمت خود انسان کے نزدیک ایک مولی گاجر سے بھی کم ہو کر رہ گئی ہے، ذرا ذرا سی بات پر اور مال کے لالچ کی خاطر دوسرے کو قتل کر دینا، اس کی جان سے کھیل جانا، دوسرے انسان کے معصوم بچوں کو یتیم کر دینا، اُن کو روتا بلکتا ہوا چھوڑ دینا، کسی کی سہاگن (بیوی) کو بیوہ کر دینا، اُس کے سہاگ کو لُوٹ لینا، عزیزوں اور رشتہ داروں کے دلوں پر رنج وغم کے نشتر چلا دینا، بے سہارا بوڑھے والدین کے سہارے کو چھین لینا، دوسرے کے کاروباری نظام کو یکدم درہم برہم کر دینا اور تمام کاروبارِ زندگی کو مفلوج کر دینا صرف چند ٹکے کی گولیوں کا کام بن کر رہ گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس ظلم سے حفاظت ونجات عطا فرمائیں۔ آمین۔

(۵)......والدین کی نافرمانی

والدین کی نافرمانی بہت سخت گناہ ہے، کئی حدیثوں میں والدین کی نافرمانی پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رِضَاءُ اللّٰہِ فِیْ رِضَاءِ الْوَالِدِ وَسَخَطُ اللّٰہِ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدِ(صحیح ابنِ حبان) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے (ترجمہ ختم)

---

[1] حدیث نمبر ۴۲۹، ج۲ ص ۱۷۲، مؤسسة الرسالة، بیروت.

قال شعیب الارنؤط:

یعلی ابن عطاء هو العامری، ویقال: اللیثی الطائفی، ثقة من رجال مسلم، ووالده عطاء ذکره المصنف فی الثقات، وروی عن أوس بن أبی أوس، وابن عمرو بن العاص، وابن عباس، وغیرهم، قال ابن القطان: مجهول الحال، ما روی عنه غیر أبنه یعلی. وباقی رجاله ثقات(حاشیة صحیح ابنِ حبان)

وقال الالبانی:

حسن(التعلیقات الحسان علی صحیح ابن حبان)

واضح رہے کہ والدین اگر خلافِ شرع کسی کام کا حکم دیں تو اس کام میں ان کی فرمانبرداری جائز نہیں ہے۔

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَلْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذٰلِكَ الْبَابَ أَوْ احْفَظْهُ (ترمذی) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ والد جنت کے دروازوں میں سے بیچ کا دروازہ ہے، پس اگر چاہو تو اس دروازہ کو ضائع کرو، یا اس کی حفاظت کرو (ترجمہ ختم)

جنت کے بیچ کا دروازہ ہونے کا مطلب محدثین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جنت میں داخل ہونے کا بڑا اور اچھا دروازہ ہے، اور والد کی اطاعت جنت میں داخلے کا بہترین ذریعہ ہے، بشرطیکہ وہ اطاعت شرعی حدود میں ہو۔ [2]

---

[1] حدیث نمبر ۱۹۰۰، ابواب البر والصلة، باب ما جاء من الفضل فی رضا الوالدين، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

[2] (الوالد أوسط أبواب الجنة) قال القاضى أى: خير الأبواب وأعلاها، والمعنى: أن أحسن ما يتوسل به إلى دخول الجنة، ويتوصل به إلى وصول درجتها العالية مطاوعة الوالد ومراعاة جانبه. وقال غيره: إن للجنة أبوابا وأحسنها دخولا أوسطها، وإن سبب دخول ذلک الباب الأوسط هو محافظة حقوق الوالد. اهـ. فالمراد بالوالد الجنس، أو إذا كان حكم الوالد هذا فحكم الوالدة أقوى وبالاعتبار أولى. (فإن شئت فحافظ على الباب) أى: داوم على تحصيله (أو ضيع): حصول الباب بترک المحافظة عليه، وهذا كلام أبى الدرداء، والمعنى: فاختر خيرهما (رواه الترمذى، وابن ماجه)، وكذا ابن حبان فى صحيحه، وأبو داود الطيالسى والحاكم فى مستدركه وصححه وأقره الذهبى والبيهقى فى شعبه وصححه الترمذى، نقله ميرک عن التصحيح، وقال المنذرى: رواه الترمذى وغيره واللفظ له وقال: ربما قال سفيان أن أمى، أو ربما قال أبى قال: وهذا حديث صحيح رواه ابن حبان فى صحيحه، ولفظه: أن رجلا أتى أبا الدرداء فقال: إن أبى لم يزل حتى زوجنى وإنه الآن يأمرنى بطلاقها. قال: ما أنا بالذى آمرک أن تعق والدک، ولا بالذى آمرک أن تطلق امرأتک، غير أنک إن شئت حدثتک ما سمعت من رسول الله -صلى الله عليه وسلم- سمعته يقول: "الوالد أوسط أبواب الجنة فحافظ على ذلک إن شئت أو دع. قال. فأحسب عطاء قال فطلقها. قلت: وسيأتى فى الفصل الثالث أنه ﷺ قال لابن عمر: "طلقها"; لأن عمر كان يكرهها. وفى الجامع الصغير: "الوالد أوسط أبواب الجنة" رواه أحمد والترمذى وابن ماجه والحاكم عن أبى الدرداء (مرقاة، ج۷ص ۳۰۸۹، كتاب الآداب، باب البر والصلة)

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا الْكَبَائِرُ؟ قَالَ :اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ قَالَ:ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ :ثُمَّ عُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ (بخاری) [1]

ترجمہ: ایک دیہاتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول کبیرہ گناہ کیا ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اس نے کہا پھر کون سا گناہ کبیرہ ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ والدین کی نافرمانی کرنا (ترجمہ ختم)

اس قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنَّانٌ،وَلَا عَاقٌّ وَالِدَيْهِ، وَلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ (مسند احمد) [3]

ترجمہ: احسان جتلانے والا، والدین کا نافرمان اور شراب خور (بغیر سخت سزا پائے) جنت میں داخل نہ ہوگا (ترجمہ ختم)

اسی قسم کی حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ [4]

---

[1] حدیث نمبر ۶۹۲۰، کتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب إثم من أشرك بالله، وعقوبته في الدنيا والآخرة.

[2] عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِأَكْبَرِ الكَبَائِرِ؟ قَالُوا :بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ :الإِشْرَاكُ بِاللَّهِ، وَعُقُوقُ الوَالِدَيْنِ ، قَالَ :وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا، فَقَالَ :وَشَهَادَةُ الزُّورِ، أَوْ قَوْلُ الزُّورِ ، فَمَا زَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ :هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو بَكْرَةَ اسْمُهُ نُفَيْعُ بْنُ الحَارِثِ(ترمذی، حدیث نمبر ۱۹۰۱)

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ :سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الكَبَائِرِ، قَالَ :الإِشْرَاكُ بِاللَّهِ، وَعُقُوقُ الوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ (بخاری، حدیث نمبر ۲۶۵۳)

[3] حدیث نمبر ۶۸۸۲، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، سنن نسائی، حدیث نمبر ۵۶۷۲. فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره

[4] عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنَّانٌ ، وَلَا عَاقٌّ ، وَلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ (مسند احمد، حدیث نمبر ۱۱۲۲۲)

اور بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ والدین کے نافرمان پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رحمت کی نظر نہیں فرمائیں گے۔ [1]

آج والدین کی نافرمانی عام ہے،لوگ اپنے والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری سے جان چُراتے ہیں اور اُن کی نافرمانی پر کمر بستہ نظر آتے ہیں۔اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں۔آمین۔

(٦)......بدکار عورت

بدکار عورت سے مراد زانیہ عورت ہے،زنا بھی بدترین گناہ ہے جو عورت اس گناہ میں مبتلا ہو،اس کے لئے احادیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں،آج کل بعض عورتیں نعوذ باللہ تعالیٰ پیشے کے طور پر اس گناہ میں مبتلا پائی جاتی ہیں،یہ دوہرا گناہ ہے،اور ایسی کمائی بھی حرام ہے۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

تُفْتَحُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ نِصْفَ اللَّيْلِ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ :هَلْ مِنْ دَاعٍ فَيُسْتَجَابَ لَهُ؟ هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَيُعْطٰى؟ هَلْ مِنْ مَكْرُوْبٍ فَيُفَرَّجَ عَنْهُ؟، فَلَا يَبْقَى مُسْلِمٌ يَدْعُوْ بِدَعْوَةٍ إِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهُ إِلَّا زَانِيَةٌ تَسْعٰى بِفَرْجِهَا أَوْ عَشَّارٌ (المعجم الكبير للطبرانى) [2]

ترجمہ: آدھی رات میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں،پھر ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ کوئی دعا کرنے والا ہے کہ جس کی دعا قبول کی جائے؟ کوئی سوال کرنے

---

[1] عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَسَارٍ، مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ قَالَ :أَشْهَدُ لَقَدْ سَمِعْتُ سَالِمًا يَقُولُ :قَالَ عَبْدُ اللهِ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :ثَلَاثٌ لَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ، وَلَا يَنْظُرُ اللهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ :الْعَاقُّ بِوَالِدَيْهِ، وَالْمَرْأَةُ الْمُتَرَجِّلَةُ -الْمُتَشَبِّهَةُ بِالرِّجَالِ -، وَالدَّيُّوثُ ، وَثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: الْعَاقُّ بِوَالِدَيْهِ ، وَالْمُدْمِنُ الْخَمْرَ، وَالْمَنَّانُ بِمَا أَعْطَى(مسند احمد، حديث نمبر ٦١٨٠)

فى حاشية مسند احمد:

إسناده حسن، رجاله ثقات رجال الشيخين غير عبد الله بن يسار، فقد روى عنه جمع، وذكره ابن حبان فى "الثقات"، وصحح حديثه هذا هو والحاكم والذهبى.يعقوب :هو ابن إبراهيم بن سعد الزهرى المدنى.

[2] حديث نمبر ٨٣٩١،ج٩ص ٥٩،مكتبة ابن تيمية -القاهرة، واللفظ لهٗ، المعجم الاوسط للطبرانى، حديث نمبر ٢٧٦٩.

قال الهيثمى:رواه الطبرانى، ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد ج١٠ ص١٥٣)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

والا ہے کہ جس کو عطا کیا جائے ؟ کوئی بے چین حال ہے جس کی بے چینی کو دور کیا جائے؟ تو کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں ہوتا، جو (اس وقت میں) کوئی دعا کر رہا ہوتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتے ہیں، سوائے زنا کار عورت کے، جو اپنی شرمگاہ کے ذریعہ سے کمائی کرتی ہے، یا ٹیکس لگانے والے کے (ترجمہ ختم)

اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

شَرُّ الْكَسْبِ مَهْرُ الْبَغِيِّ (مسلم) [1]

ترجمہ: شریر ترین کمائی زانیہ عورت کی (زنا کی) اجرت ہے (ترجمہ ختم)

پس مذکورہ گناہوں میں مبتلا لوگوں کو چاہئے کہ اِن سب گناہوں سے جتنی جلدی ہو سکے توبہ کریں، اور اللہ تعالی کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔

بلکہ ہر قسم کے گناہ گاروں کو چاہئے کہ شعبان کی اس مبارک رات سے پہلے پہلے ہی ہر قسم کے گناہوں سے سچے دل کے ساتھ توبہ کرلیں۔

اس رات کی اہمیت، فضیلت وعبادت اسلاف واکابرِ امت کی نظر میں

بعض لوگوں کو اس بات پر اصرار ہے کہ شعبان کی اس پندرہویں رات کی فضیلت اور عبادت اہلُ السنۃ والجماعۃ سے منقول نہیں، اس لئے آگے اس مسئلے کی چند محدثین وفقہاء واکابر کے حوالہ جات کی روشنی میں بھی وضاحت کردی جاتی ہے۔

تا کہ معلوم ہو کہ اس رات کی فضیلت کے بہت سے محدثین وفقہاء اور اسلاف بھی قائل رہے ہیں۔ [2]

---

[1] حديث نمبر ۱۵۶۸، كتاب المساقات، باب تحريم ثمن الكلب، وحلوان الكاهن، ومهر البغي، والنهي عن بيع السنور، دار إحياء التراث العربي - بيروت.

[2] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''شبِ برأت ایک زمانہ ہے اس میں فضیلت رکھی اور محض تکوینی واقعات اس زمانے کے متعلق کر دیئے مثلاً یہ کہ اس میں خداوند جلّ شانہٗ کو بندوں کی طرف خاص توجہ ہوتی ہے مثلاً یہ کہ اس میں فرشتوں کا نزول ہے اور بندوں کی دعا قبول ہوتی ہے، ان واقعات کے تعلق کی وجہ سے اس وقت میں اور فضیلت پیدا ہوگئی، اور ان واقعاتِ تکوینیہ کے ساتھ یہ حکمِ تشریعی متعلق کر دیا کہ تم عبادت کرو'' (وعظ ''شعبان'' خطباتِ حکیم الامت ج ۷ ص ۳۹۶ بتغیر)

(۱)......علامہ ابنُ الحاج مالکی رحمہ اللہ (متوفیٰ ۷۳۷ھ) فرماتے ہیں کہ:

وَلَاشَکَّ اَنَّھَا لَیْلَۃٌ مُّبَارَکَۃٌ عَظِیْمَۃُالْقَدْرِعِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی .....وَبِالْجُمْلَۃِ فَھٰذِہِ اللَّیْلَۃُ وَاِنْ لَّمْ تَکُنْ لَیْلَۃَ الْقَدْرِفَلَھَافَضْلٌ عَظِیْمٌ وَخَیْرٌجَسِیْمٌ وَکَانَ السَّلَفُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ یُعَظِّمُوْنَھَاوَیُشَمِّرُوْنَ لَھَاقَبْلَ اِتْیَانِھَا فَمَا تَأْتِیْھِمُ اِلَّاوَھُمْ مُتَأَھِّبُوْنَ لِلِقَآئِھَاوَالْقِیَامِ بِحُرْمَتِھَا عَلٰی مَاقَدْعُلِمَ مِنْ اِحْتِرَامِھِمْ لِلشَّعَآئِرِعَلٰی مَاتَقَدَّمَ ذِکْرُہٗ ھٰذَا ھُوَالتَّعْظِیْمُ الشَّرْعِیُّ لِھٰذِہِ اللَّیْلَۃِ (المدخل لابن الحاج مالکی ج ۱ ص ۲۹۹، باب لیلۃ النصف من شعبان)

ترجمہ: اور کوئی شک نہیں کہ یہ رات بڑی بابرکت اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قدر والی ہے......اور بہر حال یہ رات اگرچہ شبِ قدر تو نہیں ہے لیکن اس رات کے بڑے فضائل ہیں اور بڑی خیر والی رات ہے، اور (ہمارے) اسلاف رحمہم اللہ اس کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور اس کے آنے سے پہلے ہی اس (کی عبادت) کے لئے تیاری کرتے تھے، جب یہ رات آتی تھی تو وہ اس کی ملاقات اور اس کی حرمت وعظمت بجالانے کے لئے مستعد اور تیار ہوتے تھے، کیونکہ یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ وہ اسلاف، اللہ تعالیٰ کے شعائر کا بہت احترام کرتے تھے جیسا کہ اس کا ذکر گزر چکا، یہ اس رات کی عظمت کی نشانی ہے (ترجمہ ختم)

(۲)......نیز فرماتے ہیں کہ:

لٰکِنَّ ھٰذِہِ اللَّیْلَۃَ زَادَتْ فَضِیْلَتُھَا وَمُقْتَضٰی زِیَادَۃِ الْفَضِیْلَۃِ زِیَادَۃُ الشُّکْرِ اللَّائِقِ بِھَامِنْ فِعْلِ الطَّاعَاتِ وَاَنْوَاعِھَافَبَدَّلَ بَعْضُھُمْ مَکَانَ الشُّکْرِزِیَادَۃَ الْبِدَعِ فِیْھَا (المدخل لابن الحاج، ج ۱ ص ۳۰۸، فصل من البدع المحدثۃ فی لیلۃ النصف شعبان)

ترجمہ: لیکن اس رات کی فضیلت بہت زیادہ ہے، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس رات میں ہر قسم کی طاعت اور عبادت وغیرہ کر کے اس کی شان کے مطابق زیادہ سے زیادہ شکر ادا

کیا جائے، مگر بعض لوگوں نے شکر کے مقام کو کثرت سے بدعت کے ساتھ تبدیل کردیا (اورشکر کے بجائے اس میں بدعات اور خرافات کی زیادتی کردی) (ترجمہ ختم)

(۳)......علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَمِنْ هٰذَا الْبَابِ: لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَقَدْ رُوِىَ فِيْ فَضْلِهَا مِنَ الْأَحَادِيْثِ الْمَرْفُوْعَةِ وَالْآثَارِ مَا يَقْتَضِيْ أَنَّهَا لَيْلَةٌ مُّفْضِلَةٌ وَأَنَّ مِنَ السَّلَفِ مَنْ كَانَ يَخُصُّهَا بِالصَّلَاةِ فِيْهَا، وَصَوْمُ شَهْرِ شَعْبَانَ قَدْ جَاءَ تْ فِيْهِ أَحَادِيْثُ صَحِيْحَةٌ .وَمِنَ الْعُلَمَاءِ :مِنَ السَّلَفِ مِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ، وَغَيْرِهِمْ مِنَ الْخَلَفِ، مَنْ أَنْكَرَ فَضْلَهَا، وَطَعَنَ فِى الْأَحَادِيْثِ الْوَارِدَةِ فِيْهَا، كَحَدِيْثِ:إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ فِيْهَا لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ وَقَالَ:لَا فَرْقَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ غَيْرِهَا .لٰكِنَّ الَّذِىْ عَلَيْهِ كَثِيْرٌ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، أَوْ أَكْثَرُهُمْ، مِنْ أَصْحَابِنَا وَغَيْرِهِمْ -عَلٰى تَفْضِيْلِهَا، وَعَلَيْهِ يَدُلُّ نَصُّ أَحْمَدَ، لِتَعَدُّدِ الْأَحَادِيْثِ الْوَارِدَةِ فِيْهَا، وَمَا يُصَدِّقُ ذٰلِكَ مِنَ الْآثَارِ السَّلْفِيَّةِ، وَقَدْ رُوِىَ بَعْضُ فَضَائِلِهَا فِى الْمَسَانِيْدِ وَالسُّنَنِ .وَإِنْ كَانَ قَدْ وُضِعَ فِيْهَا أَشْيَاءٌ أُخَرَ(اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة أصحاب الجحيم، ج۲ ص ۱۳۶، ۱۳۷ ،دار عالم الكتب، بيروت، لبنان)

ترجمہ: اور اسی سلسلہ کی نصف شعبان کی رات بھی ہے، کیونکہ اس کی فضیلت کے بارے میں مرفوع احادیث اور آثار مروی ہیں، جو اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ یہ فضیلت والی رات ہے، اور سلف میں سے کئی حضرات اس رات میں بطورِ خاص نماز پڑھا کرتے تھے۔اور شعبان کے مہینے کے روزوں کے بارے میں صحیح احادیث آئی ہیں، اور بعض مدینہ کے سلف اور دوسرے خلف علماء نے اس رات کی فضیلت کا انکار کیا ہے، اور اس رات کی فضیلت کے بارے میں وارِد ہونے والی احادیث پر طعن کیا ہے، جیسا کہ یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں بنوکلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد

سے بھی زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں، اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ اس رات میں اور دوسری راتوں میں کوئی فرق نہیں، مگر اکثر اہلِ علم یا ہمارے اصحاب میں سے اکثر اور دیگر اکثر اہلِ علم حضرات اس رات کی فضیلت کے قائل ہیں، اور امام احمد کی تصریح بھی اسی کے مطابق ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں کئی احادیث آئی ہیں، اور اس کی تصدیق سلف کے بعض آثار سے بھی ہوتی ہے، اور اس کی فضیلت کے بارے میں مسانید اور سنن کی کتابوں میں بعض فضائل آئے ہیں، اگرچہ اس رات کے بارے میں بعض دوسری چیزیں گھڑ لی گئی ہیں (ترجمہ ختم)

(۴)......اَلْاِختیاراتُ الفِقْهیة میں ہے کہ:

وَأَمَّا لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَفِيهَا فَضْلٌ وَكَانَ فِي السَّلَفِ مَنْ يُّصَلِّيْ فِيْهَا لٰكِنَّ الْاِجْتِمَاعَ فِيهَا لِإِحْيَائِهَا فِي الْمَسَاجِدِ بِدْعَةٌ (الاختيارات الفقهية،باب صلاة التطوع)

ترجمہ: اور نصف شعبان کی رات کی فضیلت ثابت ہے، اور سلف اس رات میں نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن اس رات میں عبادت و بیداری کے لئے مساجد میں اجتماع کرنا بدعت ہے (ترجمہ ختم)

(۵)......علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد علامہ ابنِ رجب حنبلی رحمہ اللہ (المتوفیٰ ۷۹۵ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:

وَلَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ كَانَ التَّابِعُوْنَ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ كَخَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ وَمَكْحُوْلٍ وَلُقْمَانِ بْنِ عَامِرٍ وَغَيْرِهِمْ يُعَظِّمُوْنَهَا وَيَجْتَهِدُوْنَ فِيْهَا فِي الْعِبَادَةِ وَعَنْهُمُ اَخَذَالنَّاسُ فَضْلَهَا وَتَعْظِيْمَهَا (لطائف المعارف ص۱۳۷، وظائف شهر شعبان،المجلس الثانی فی نصف شعبان،دارابنِ حزم، بيروت)

ترجمہ: اہلِ شام میں سے جلیل القدر تابعین مثلاً حضرت خالد بن معدان، اور مکحول اور لقمان بن عامر رحمہم اللہ وغیرہ شعبان کی پندرہویں رات کی بڑی تعظیم کرتے تھے

اوراس رات میں خوب محنت کے ساتھ عبادت کرتے تھے، انہی حضرات سے (بعد میں شام کے) لوگوں نے شبِ برأت کی فضیلت وبزرگی کو حاصل کیا ہے (ترجمہ ختم)

(۶)......علامہ ابواسحاق بن المُفلح رحمہ اللہ (المتوفیٰ ۸۸۴) تحریر فرماتے ہیں کہ:

وَيَسْتَحِبُّ اِحْيَاءُ مَابَيْنَ الْعِشَائَيْنِ لِلْخَبَرِ قَالَ جَمَاعَةٌ وَلَيْلَةَ عَاشُوْرَاءَ وَلَيْلَةَ اَوَّلِ رَجَبٍ وَلَيْلَةَ نِصْفِ شَعْبَانَ الخ (المبدع لابن مفلح الحنبلي باب صلاة التطوع ج ۲ ص ۳۳، دار الكتب العلمية، بيروت -لبنان)

ترجمہ: مغرب اورعشاء کے درمیان بیدار رہ کرعبادت میں مشغول ہونا مستحب ہے، حدیث کی وجہ سے (یعنی اس کے متعلق حدیث وارد ہوئی ہے) ایک جماعت نے فرمایا اورعاشوراء کی رات، رجب کی پہلی رات اور نصف شعبان کی رات میں بھی عبادت کرنا مستحب ہے (ترجمہ ختم)

(۷)......فقہ حنبلی کے مشہور فقیہ علامہ شیخ منصور بن یونس بہوتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(اَمَّا لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَفِيْهَا فَضْلٌ وَكَانَ) فِي (السَّلَفِ مَنْ يُصَلِّيْ فِيْهَا ، لٰكِنَّ الْاِجْتِمَاعَ فِيْهَا لِاِحْيَائِهَا فِي الْمَسَاجِدِ بِدْعَةٌ وَفِي اِسْتِحْبَابِ قِيَامِهَا) اَيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ (مَافِيْ) اِحْيَاءِ (لَيْلَةِ الْعِيْدِ) (كشاف القناع عن متن الاقناع ، ج ۱ ص ۴۴۴، كتاب الصلاة ، باب صلاة التطوع، فصل صلاة الضحىٰ، دار الكتب العلمية، بيروت)

ترجمہ: بہرحال نصف شعبان (یعنی شبِ برأت) کے بارے میں فضیلت ثابت ہے، سلفِ صالحین اس رات میں نماز پڑھتے (اورعبادت کرتے) تھے، لیکن اس رات کی عبادت کے لئے مسجدوں میں جمع ہونا بدعت ہے، اور نصف شعبان کی رات کی عبادت کا مستحب ہونا عیدین کی رات کی طرح ہے (ترجمہ ختم)

(۸)......امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

وَبَلَغَنَا اَنَّهٗ كَانَ يُقَالُ :اِنَّ الدُّعَاءَ يُسْتَجَابُ فِيْ خَمْسِ لَيَالٍ فِيْ لَيْلَةِ

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

الْـجُـمُـعَةِ، وَلَيْـلَةِ الْأَضْـحٰى، وَلَيْلَةِ الْفِطْرِ، وَأَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَجَبٍ، وَلَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ ...... قَالَ الشَّافِعِيُّ :وَأَنَا أَسْتَحِبُّ كُلَّ مَا حَكَيْتُ فِيْ هٰذِهِ اللَّيَالِي مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّكُوْنَ فَرْضًا (كتاب الام) [1]

ترجمہ: اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ یہ کہا جاتا تھا کہ پانچ راتوں میں دعا (زیادہ) قبول کی جاتی ہے، جمعہ کی رات میں اور عیدُ الاضحیٰ کی رات میں، اور عیدُ الفطر کی رات میں، اور رجب کی پہلی رات میں، اور نصف شعبان کی رات میں (اس روایت کے بعد) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جو کچھ ان راتوں کے بارے میں بیان کیا ان سب کو میں مستحب سمجھتا ہوں، فرض نہیں سمجھتا (ترجمہ ختم)

(۹)......علامہ ابنِ حجر ھیتمی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَالْـحَـاصِـلُ أَنَّ لِهٰـذِهِ الـلَّيْـلَةِ فَـضْلًا وَأَنَّـهٗ يَـقَـعُ فِيْهَا مَغْفِرَةٌ مَخْصُوْصَةٌ وَاسْتِجَابَةٌ مَخْصُوْصَةٌ وَمِنْ ثَمَّ قَالَ الشَّافِعِيُّ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ- إِنَّ الدُّعَاءَ يُسْتَـجَابُ فِيْهَا وَإِنَّمَا النِّزَاعُ فِي الصَّلَاةِ الْمَخْصُوْصَةِ لَيْلَتَهَا وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّهَا بِـدْعَةٌ قَبِيْـحَةٌ مَـذْمُوْمَةٌ يُـمْـنَـعُ مِنْهَا فَاعِلُهَا (فتـاوٰى الـفـقهية الكبرىٰ، ج۲ ص ۸۰، كتاب الصوم)

ترجمہ: اور خلاصہ یہ ہے کہ اس رات کی فضیلت ثابت ہے اور اس رات میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے خاص مغفرت اور دُعا کی مخصوص قبولیت ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس رات میں دعا قبول کی جاتی ہے اور قابلِ اختلاف اس رات کی مخصوص (طریقہ پر ایجاد کی ہوئی) نماز ہے اور یہ بات معلوم ہو چکی کہ یہ سخت بُری بدعت ہے جس کے کرنے والے کو منع کیا جائے گا (ترجمہ ختم)

---

[1] جزء ۱، صفحہ ۲۶۴، كتاب صلاة العيدين، بيان العبادة ليلة العيدين. واللفظ لهٗ، سنن البيهقى، تحت حديث رقم ۶۲۹۳ باب عبادة ليلة العيدين من كتاب الصلوٰة ج ۳ ص ۴۴۵، معرفة السنن والأثار تحت حديث رقم ۲۰۱۰، فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوى، ج ۶ ص ۳۸، تحت حديث رقم ۸۳۴۲، اتحاف السادة المتقين فى مسائل العيدين للزبيدى ج ۳ ص ۴۱.

(۱۰)......علامہ ابن نجیم مصری حنفی رحمہ اللہ (المتوفٰی ۹۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

وَمِنَ الْمَنْدُوْبَاتِ اِحْيَاءُ لَيَالِي الْعَشْرِ مِنْ رَمَضَانَ وَلَيْلَتَي الْعِيْدَيْنِ وَلَيَالِي عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ وَلَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ كَمَا وَرَدَتْ بِهِ الْاَحَادِيْثُ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ٢ ص ٥٦، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

ترجمہ: اور مستحبات میں سے ہے رمضان کی آخری دس راتوں میں، اور عیدین کی راتوں میں اور ذی الحجہ کی پہلی دس راتوں میں اور شعبان کی پندرہویں رات میں شب بیداری (اور بکثرت عبادت) کرنا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے (ترجمہ ختم)

(۱۱)......علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی رحمہ اللہ (المتوفٰی ۱۰۸۸ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:

وَمِنَ الْمَنْدُوْبَاتِ ...... اِحْيَآءُ لَيْلَةِ الْعِيْدَيْنِ وَالنِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَالْعَشْرِ الْاَخِيْرِ مِنْ رَمَضَانَ وَالْاَوَّلِ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ (الدر المختار مع شرح ردالمحتار ج ٢ ص ٢٤،٢٥)

ترجمہ: اور مستحبات میں سے ہے......عیدین کی رات میں اور شعبان کی پندرہویں رات میں اور رمضان کے آخری عشرہ میں اور ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں عبادت کرنا (ترجمہ ختم)

(۱۲)......علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی حنفی رحمہ اللہ (المتوفٰی ۱۰۶۹ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:

(وَ) نُدِبَ اِحْيَآءُ (لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ) الخ (مراقی الفلاح شرح نورالايضاح، كتاب الصلاة، باب فی النوافل)

ترجمہ: اور مستحب ہے شعبان کی پندرہویں رات میں عبادت کرنا (ترجمہ ختم)

(۱۳)......علامہ عبدالحئی لکھنوی صاحب رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:

لَا كَلَامَ فِيْ اِسْتِحْبَابِ اِحْيَآءِ لَيْلَةِ الْبَرَاءَةِ بِمَا شَاءَ مِنَ الْعِبَادَاتِ وَبِاَدَاءِ التَّطَوُّعَاتِ فِيْهَا كَيْفَ شَاءَ (ثُمَّ قَالَ بَعْدَ نَقْلِ الْاَحَادِيْثِ) دَالَّةٌ عَلٰى اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اَكْثَرَ فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ مِنَ الْعِبَادَةِ وَالدُّعَآءِ

وَزَارَالْـقُبُـوْرَ وَدَعَـالِلْاَمْوَاتِ فَيُعْلَمُ بِمَجْمُوْعِ الْاَحَادِيْثِ الْقَوْلِيَّةِ وَالْفِعْلِيَّةِ اِسْتِـحْبَـابُ اِكْثَارِالْعِبَادَةِ فِيْهَا فَالرَّجُلُ مُخَيَّرٌ....بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَبَيْنَ غَيْرِهَا مِـنَ الْعِبَادَاتِ (الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة ص ۸۱، ۸۲،مکتبة الشرق الجدید -بغداد)

ترجمہ: شبِ برأت میں بیدار رہ کر مختلف قسم کی نفلی عبادات کے اندر مشغول رہنے کے مستحب ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے (چند احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ) یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس رات کو زیادہ سے زیادہ عبادات اور دعائیں فرماتے تھے اور آپ نے زیارتِ قبور بھی کی تھی اور مُردوں کے لئے دعا بھی کی تھی، لہٰذا ان تمام قولی وفعلی احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس رات میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنا مستحب ہے، ہر بندے کو اختیار ہے چاہے نماز پڑھے یا کوئی اور عبادت کرے (کوئی اس رات کی مخصوص عبادت نہیں ہے) (ترجمہ ختم)

(۱۴)......علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَذَكَرُوْافِيْ فَضْلِ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ اَخْبَارًاكَثِيْرَةً (روحُ المعانی جلد۱۳ صفحہ ۱۱۰، تحت سورة الدخان،دار الکتب العلمیة -بیروت)

ترجمہ: اور اہلِ علم حضرات نے اس رات کی فضیلت کے بارے میں بہت سی روایات ذکر فرمائی ہیں (ترجمہ ختم)

(۱۵)......علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

هٰـذِهِ الـلَّيْـلَةُ لَيْلَةُ الْبَرَاءَ ةِ وَصَحَّ الرِّوَايَاتُ فِيْ فَضْلِ لَيْلَةِ الْبَرَآءَ ةِ وَأَمَّا مَا ذَكَـرَ أَرْبَـابُ الْـكُتُـبِ مِـنَ الـضِّعَافِ وَالْمُنْكَرَاتِ فَـلَا أَصْلَ لَهَا (العرف الشذی شرح جامع الترمذی، ج۲ ص ۱۷۲، کتاب الصوم ،باب ما جاء فی لیلة النصف من شعبان،دار التراث العربی -بیروت)

ترجمہ: بے شک یہ رات شب برأت ہے اوراس رات کی فضیلت کے سلسلے میں روایات صحیح ہیں، اور بعض کتاب والوں نے ضعیف ترین اور منکرات جو ذکر کئے ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں (ترجمہ ختم)

(۱۶)......محقق ناصرالدین البانی صاحب نے بھی شب برأت سے متعلق روایات کو جمع کر کے ان کی اسنادی حیثیت کو اُجاگر کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

يَطَّلِعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى إِلٰى خَلْقِهٖ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ ، فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خَلْقِهٖ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ .

حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ ، رُوِىَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ مِنْ طُرُقٍ مُّخْتَلِفَةٍ يَشُدُّ بَعْضُهَا بَعْضًا وَ هُمْ مَعَاذُبْنُ جَبَلٍ وَّ أَبُوْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيُّ وَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو وَ أَبِىْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيُّ وَ أَبِىْ هُرَيْرَةَ وَ أَبِىْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ وَ عَوْفُ بْنَ مَالِكٍ وَ عَائِشَةُ ......وَجُمْلَةُ الْقَوْلِ اَنَّ الْحَدِيْثَ بِمَجْمُوْعِ هٰذِهِ الطُّرُقِ صَحِيْحٌ بِلارَيْبٍ وَالصِّحَّةُ تَثْبُتُ بِاَقَلَّ مِنْهَا عَدَدًا مَادَامَتْ سَالِمَةً مِنَ الضُّعْفِ الشَّدِيْدِ كَمَاهُوَالشَّانُ فِىْ هٰذَاالْحَدِيْثِ،فَمَانَقَلَهُ الشَّيْخُ الْقَاسِمِىُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى فِىْ اِصْلَاحِ الْمَسَاجِدِ عَنْ اَهْلِ التَّعْدِيْلِ وَالتَّجْرِيْحِ اَنَّهُ لَيْسَ فِىْ فَضْلِ لَيْلَةِالنِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ فَلَيْسَ مِمَّايَنْبَغِىْ الْإِعْتِمَادُعَلَيْهِ (السلسلة الصحيحة الكاملة،تحت حديث رقم ۱۱۴۴)

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات میں (بندوں کی طرف) متوجہ ہوتے ہیں، پھر اپنی سب مخلوق کی مغفرت فرمادیتے ہیں، سوائے مشرک یا کینہ ور کے۔ یہ حدیث صحیح ہے، جو کہ صحابہ کی ایک جماعت سے مختلف طریقوں سے مروی ہے، جن میں سے بعض بعض کی تائید کرتی ہیں، اور وہ حضرت معاذ بن جبل، اور حضرت ابوثعلبہ خشنی، اور حضرت عبداللہ بن عمرو، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری، اور حضرت ابو ہریرہ، اور

حضرت ابوبکر صدیق، اور حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہم، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں (متعدد سندوں سے احادیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں) ان تمام طرق کی وجہ سے یہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے، اور حدیث کی صحت اس سے کم مقدار میں بھی ثابت ہو جاتی ہے، جبکہ وہ شدید ضعف سے سالم ہو، جیسا کہ اس حدیث کا معاملہ ہے، اور شیخ قاسمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اصلاح المساجد میں جو اہلِ جرح وتعدیل سے یہ بات نقل کی ہے ''کہ شبِ برأت کی فضیلت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں'' تو اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا (ترجمہ ختم)

(۱۷)......شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری صاحب فرماتے ہیں کہ:

اِعْلَمْ اَنَّهُ قَدْ وَرَدَ فِيْ فَضِيْلَةِ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ عِدَّةُ اَحَادِيْثِ مَجْمُوْعُهَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ لَهَا اَصْلًا فَمِنْهَا حَدِيْثُ الْبَابِ ......وَمِنْهَا حَدِيْثُ عَائِشَةَ ......وَمِنْهَا حَدِيْثُ مَعَاذٍ......وَمِنْهَا حَدِيْثُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو...... وَمِنْهَا حَدِيْثُ مَكْحُوْلٍ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ مُرَّةَ...... وَمِنْهَا حَدِيْثُ عَلِيٍّ الخ......فَهٰذِهِ الْاَحَادِيْثُ بِمَجْمُوْعِهَا حُجَّةٌ عَلٰى مَنْ زَعَمَ اَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ فِيْ فَضِيْلَةِ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ شَيْئٌ (تحفة الاحوذی شرح ترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء فی لیلة النصف من شعبان)

ترجمہ: یہ بات جان لینی چاہئے کہ بے شک شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت کے سلسلے میں متعدد احادیث مروی ہیں جو مجموعی حیثیت سے اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ (شریعت میں) اس کی اصل اور بنیاد موجود ہے، ان احادیث میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث، حضرت معاذ بن جبل کی حدیث، اور حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث، مکحول کی کثیر بن مرہ سے حدیث، اور حضرت علی کی حدیث ہے، پس یہ تمام احادیث اس شخص پر حجت ہیں جس کا یہ گمان ہے کہ نصف شعبان کی رات کی فضیلت کا کوئی ثبوت نہیں ہے (ترجمہ ختم)

(۱۸)......شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ چند احادیث اور بعض تابعین کے اقوال واعمال نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:

فَاِذَا اَحْيَائَهُ الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ فَالظَّاهِرُ نُدْبُهُ لِلْاَحَادِيْثِ السَّابِقَةِ وَمِثْلُهَا يُعْمَلُ بِهٖ فِي الْفَضَائِلِ وَقَالَ بِهِ الْاَوْزَاعِيُّ (ماثبت بالسنة ص ٣٦٠)

ترجمہ: پس گزشتہ احادیث کی بنا پر اس رات میں شب بیداری کرنا مستحب ہے اور فضائل میں ان جیسی احادیث پر عمل کیا جاتا ہے، اور یہی امام اوزاعی کا قول ہے (ترجمہ ختم)

اس کے علاوہ اور متعدد حضرات نے بھی شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت کو بیان کیا ہے۔ [1]

---

[1] علامہ نواب محمد قطب الدین خان صاحب دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''شبِ براَت کی عظمتوں اور فضیلتوں کا کیا ٹھکانہ؟ یہی وہ مقدّس شب ہے جب کہ پروردگارِ عالم اپنی رحمتِ کاملہ اور رحمتِ عامہ کے ساتھ اہلِ دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے دنیا والوں کو اپنی رحمت کی طرف بلاتا ہے، ان کے دامن میں رحمت وبخشش اور عطاء کے خزانے بھرتا ہے، بشارت ہو ان نفوسِ قدسیہ کو اور ان خوش بختوں کو جو اس مقدّس شب میں اپنے پروردگار کی رحمت کا سایہ ڈھونڈتے ہیں، عبادت وبندگی کرتے ہیں، اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کی درخواست پیش کرتے ہیں اور مولیٰ ان کی درخواستوں کو اپنی رحمتِ کاملہ کے صدقہ قبول فرماتا ہے'' (مظاہر حق جدید ج ا ص ۸۴۹، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی، تزئین وترتیبِ جدید، مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری صاحب)

اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''شبِ براَت کی اتنی اصل ہے کہ پندرہویں رات اور پندرھواں دن اس مہینے کا بہت بزرگی اور برکت کا ہے'' (بہشتی زیور ص ۶۰ حصہ ششم)

''اس میں شک نہیں کہ شبِ براَت کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ اس رات میں اور راتوں سے زیادہ عبادت کرنا چاہئے'' (وعظ الیسر مع العسر جلد ۶ بعنوان نظامِ شریعت ص ۵۲۳ تا ۵۲۴)

اور حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''شعبان کی پندرہویں شب ایک افضل رات ہے، اس میں آسمانِ دنیا پر رحمتِ خداوندی سے گناہ گاروں کی معافی کا اعلان ہوتا ہے، اور عبادت کرنے والوں کو ثواب زیادہ ملتا ہے، اس کی فضیلت کی روایت قابلِ عمل ہے'' (کفایت المفتی مع عنوانات ج ا ص ۲۲۵، ۲۲۶، فصل نہم، ساتواں باب، کتاب العقائد)

اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مندرجہ بالا حضرات کے علاوہ بے شمار دوسرے محقّق علماء اور بزرگوں سے اس رات کی فضیلت ثابت ہے، لیکن مضمون کے لمبا ہو جانے کے خوف کی وجہ سے ہم ان سب کے حوالے تحریر کرنے سے قاصر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

''جناب باری عزّ اِسمہ' کی توجہ اس عالم اوراس کے رہنے والوں کی طرف (شعبان کی پندرہویں رات میں) بہ نسبت اور راتوں کے زیادہ مبذول ہوتی ہے، اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ بہ نسبت اور راتوں کے انسان بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں زیادہ حصہ لیں اوراس کی رحمت کو جس قدر بھی ممکن ہو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کریں، اس لئے اس شب کو نوافل، قرأتِ قرآن، ذکراور دعاء سے معمور کریں، چاہے تمام رات ہو یا اکثر حصہ یا کچھ حصہ، نہ کوئی خاص عبادت متعیّن ہے اور نہ کوئی وقت معیّن ہے، اس شب میں اپنے لئے، اپنے بڑوں کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرنی چاہئے'' (مکتوباتِ شیخ الاسلام ج۴ص۷۸)

اورحضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''رہا شبِ برأت کی فضیلت کا معاملہ، سو وہ ایک مستقل معاملہ ہے جو بعض روایاتِ حدیث میں منقول ہے مگر وہ اکثر ضعیف ہیں اسی لئے قاضی ابوبکر بن عربی نے اس رات کی فضیلت سے انکار کیا ہے، لیکن شبِ برأت کی فضیلت کی روایات اگرچہ باعتبارِ سند کے ضعف سے کوئی خالی نہیں لیکن تعددِ طُرُق اور تعددِ روایات سے ان کو ایک طرح کی قوت حاصل ہو جاتی ہے اس لئے بہت سے مشائخ نے ان کو قبول کیا ہے کیونکہ فضائلِ اعمال میں ضعیف روایات پر عمل کر لینے کی بھی گنجائش ہے'' (معارف القرآن ج۷ص۷۵۸)

اورحضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''شبِ قدر، شبِ برأت کے لئے شریعت نے عبادت، نوافل، تلاوت، ذکر، تسبیح، دعاء، استغفار کی ترغیب دی ہے'' (فتاویٰ محمودیہ ج۳ص۲۶۳، مبوب، باب البدعات والرسوم)

اورحضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''روایت کے لحاظ سے اس رات کی فضیلت میں جتنی روایتیں آئی ہیں وہ قریباً سب کی سب کمزور ہیں، اس کے علاوہ کچھ لوگوں نے بے اصل روایتیں بھی گھڑ رکھی ہیں...اب علماء دو قسم کے ہیں، بعض متشدد ہیں......وہ کہتے ہیں کہ یہ سب روایتیں من گھڑت ہیں ان کی کوئی قیمت ہی نہیں، یہ حضرات ضعیف روایتوں کو بھی من گھڑت قرار دے رہے ہیں، اوراکثر اکابر اِس کے قائل ہیں کہ چونکہ روایتیں ایک مضمون کی مختلف حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اس لئے ان کی فی الجملہ کچھ نہ کچھ اصل ہونی چاہئے، اور فضائل کی احادیث میں زیادہ تشدد نہیں کیا جاتا، احکام کی احادیث کو لینے میں تو علماء بہت زیادہ سختی کرتے ہیں، سخت معیار پر ان کو جانچتے ہیں، لیکن جو روایتیں فضائلِ اعمال سے متعلق ہوں ان میں زیادہ شدت اختیار نہیں کرتے..........تو چونکہ یہ روایتیں متعدد صحابہ سے مروی ہیں اوران کا تعلق بھی فضائل سے ہے، اس لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان کو فی الجملہ کسی نہ کسی درجہ میں قبول کر لینا چاہئے۔ ہمارے اکثر اکابر کی یہی رائے ہے'' (خطباتِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہیں، طالبِ حق کی تسلی کے لئے مندرجہ بالا مضمون بھی کافی ہے اور ضد وعناد رکھنے والے کے لئے بڑے بڑے دفتر بھی کافی نہیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لدھیانوی ص ۱۸۶ تا ۱۸۷، ناشر مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان۔ ماہنامہ بینات کراچی، شعبان ۱۴۱۹ھ دسمبر ۱۹۹۸ء ص ۶ تا ۷ ملخصاً)

اور حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''شعبان کی پندرہویں رات کو خصوصی طور پر عبادات میں لگنے کے بارے میں جو روایات وارد ہوئی ہیں، محدثین نے ان کی اسانید میں کلام کیا ہے، لیکن چونکہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا درست ہے اور ہر رات کو ذکر وعبادت میں مشغول ہونا متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے، جن کی اسانید صحیح ہیں، اس لئے علمائے کرام اور خواص وعوام کا اس پر عمل رہا ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات کو نماز وذکر وتلاوت میں مشغول رہتے ہیں'' (تبلیغی اور اصلاحی مضامین ج ۶ ص ۱۰۰)

''الحاصل شعبان کی پندرہویں شب، مبارک شب ہے اس میں نمازیں پڑھنا اور ذکر وتلاوت میں لگنا چاہئے'' (تحفۂ خواتین ص ۲۶۸)

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ:

''شبِ برأت کی فضیلت میں بہت سی روایات مروی ہیں جن میں سے بیشتر علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ''الدرالمنثور'' میں جمع کردی ہیں، یہ تمام روایات سنداً ضعیف ہیں، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثِ باب بھی ضعیف ہے، اول تو اس لئے کہ اس میں ایک راوی حجاج بن ارطاۃ رحمہ اللہ ہیں جن کا ضعف مشہور ہے، دوسرے اس لئے کہ اس میں دو انقطاع پائے جاتے ہیں ایک تو یہ کہ حجاج بن ارطاۃ رحمہ اللہ کا سماع یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ سے نہیں ہے اور پھر یحییٰ بن ابی کثیر کا سماع بھی عروہ رحمہ اللہ سے نہیں ہے البتہ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ انہوں نے حضرت عروہ رحمہ اللہ سے یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ کا سماع ثابت قرار دیا ہے اس صورت میں اس میں صرف ایک ہی انقطاع ہوگا، بہرحال دوسری روایات کی طرح یہ روایت بھی ضعیف ہی ہے۔ لیکن ان روایات کے ضعف کے باوجود شبِ برأت میں اہتمامِ عبادت بدعت نہیں، اول تو اس لئے کہ روایات کا تعدد اور ان کا مجموعہ اس پر دال ہے کہ لیلۃ البرأت کی فضیلت بے اصل نہیں دوسرے امت کا تعامل لیلۃ البرأت میں بیداری اور عبادت کا خاص اہتمام کرنے کا رہا ہے اور یہ بات کئی مرتبہ گذر چکی ہے کہ جو بھی ضعیف روایت مؤید بالتعامل ہو وہ مقبول ہوتی ہے، لہٰذا لیلۃ البرأت کی فضیلت ثابت ہے اور ہمارے زمانے کے بعض ظاہر پرست لوگوں نے احادیث کے محض اسنادی ضعف کو دیکھ کر لیلۃ البرأت کی فضیلت کو بے اثر قرار دینے کی جو کوشش کی ہے وہ درست نہیں'' (درس ترمذی ج ۲ ص ۵۷۹)

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

خلاصہ اورلُبِّ لباب یہ ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات (یعنی شبِ برأت)ایک مبارک اورفضیلت والی رات ہے،اس رات کی فضیلت کوتسلیم اورقبول کرنا چاہئے،اوراس رات کی قدرکرنی چاہئے،بدعات ورُسوم سے بچتے ہوئے اس رات میں جتنی ہوسکے اخلاص کے ساتھ عبادت کرنی چاہئے اور ہرقسم کے گناہوں سے بچنااوراستغفارکااہتمام کرنا چاہئے۔

﴿گزشتہ صفحے کابقیہ حاشیہ﴾

اوردوسرے مقام پرفرماتے ہیں کہ:

''شعبان کا مہینہ شروع ہوچکا ہے۔اوراس ماہ میں ایک مبارک رات آنے والی ہے،جس کا نام''شبِ برأت'' ہے۔چونکہ اس رات کے بارے میں بعض حضرات کاخیال یہ ہے کہ اس رات کی کوئی فضیلت قرآن وحدیث سے ثابت نہیں اوراس رات میں جاگنااوراس رات میں عبادت کوخصوصی طورپر باعثِ اجروثواب سمجھنا بے بنیاد ہے، بلکہ بعض حضرات نے اس رات میں عبادت کو بدعت سے بھی تعبیر کیا ہے،اس لئے لوگوں کے ذہنوں میں اس رات کے بارے میں مختلف سوالات پیدا ہورہے ہیں .....لیکن واقعہ یہ ہے کہ شبِ برأت کے بارے میں یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اس کی کوئی فضیلت حدیث سے ثابت نہیں،حقیقت یہ ہے کہ دس صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے احادیث مروی ہیں،جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کی فضیلت بیان فرمائی ان میں سے بعض احادیث سند کے اعتبار سے بے شک کچھ کمزور ہیں، اوران احادیث کے کمزور ہونے کی وجہ سے بعض علماء نے یہ کہہ دیا ہے کہ اس رات کی فضیلت بے اصل ہے، لیکن حضراتِ محدثین اورفقہاء کا یہ فیصلہ ہے کہ اگرایک روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہو،لیکن اس کی تائید بہت سی احادیث سے ہوجائے تو اس کی کمزوری دور ہوجاتی ہے،اورجیسا کہ میں نے عرض کیا کہ دس صحابۂ کرام سے اس کی فضیلت میں روایات موجود ہیں۔لہٰذا جس رات کی فضیلت میں دس صحابۂ کرام سے روایات مروی ہوں۔اس کو بے بنیاداوربے اصل کہنا بالکل غلط ہے۔امتِ مسلمہ کے جوخیرالقرون ہیں،یعنی صحابۂ کرام کا دور،تابعین کا دور،تبعِ تابعین کا دور،اس میں بھی اس رات کی فضیلت سے فائدہ اٹھانے کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔لوگ اس رات کے اندرعبادت کاخصوصی اہتمام کرتے رہے ہیں۔لہٰذااس کوبدعت کہنا،یابے بنیاداوربے اصل کہنا درست نہیں۔صحیح بات یہی ہے کہ یہ فضیلت والی رات ہے،اس رات میں جاگنا،اس میں عبادت کرنا باعثِ اجروثواب ہے،اوراس کی خصوصی اہمیت ہے''(اصلاحی خطبات ج۴ص ۲۶۳تا۲۶۵ملخصاً)

''بہرحال حقیقت یہ ہے کہ اس رات کی فضیلت کوبے اصل کہنا غلط ہے،اورمجھے توایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ شبِ برأت رمضان المبارک سے دوہفتے پہلے رکھی ہے۔یہ درحقیقت رمضان المبارک کا استقبال ہے، رمضان کی ریہرسل ہورہی ہے۔رمضان کی تیاری کرائی جارہی ہے کہ تیارہوجاؤ،اب وہ مقدس مہینہ آنے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پرملاحظہ فرمائیں﴾

اس رات میں کس طرح اور کون سی عبادت کی جائے؟

شعبان کی پندرھویں رات میں شریعت کی جانب سے عبادت کا کوئی خاص طریقہ اور عبادت کی کوئی خاص قسم مقرر نہیں ہے۔

اور شریعت کی طرف سے کوئی خاص عبادت یا نفلوں کی خاص مقدار اور خاص طریقہ اس رات کے لئے مخصوص نہیں کیا گیا بلکہ اس کو ہر شخص کی اپنی سہولت اور طبیعت کے ذوق پر چھوڑ دیا گیا خواہ کوئی نفلیں پڑھے یا تلاوت کرے یا ذکر وتسبیح میں مشغول رہے یا درود شریف اور استغفار پڑھے یا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والا ہے، جس میں ہماری رحمتوں کی بارش برسنے والی ہے، جس میں ہم مغفرت کے دروازے کھولنے والے ہیں، اس کے لئے ذرا تیار ہو جاؤ" (ایضاً ص ۲۷۵)

اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"نصف شعبان کے بارے میں اکثر روایات موضوع ہیں، بعض ضعیفہ ہیں ان کے بارے میں اختلاف ہے، بعض علماء نے ان کو بھی رد کر دیا ہے، جمہور ان روایات کے پیش نظر اس شب کی فضیلت اور اس میں عبادتِ مطلقہ کے استحباب کے قائل ہیں" (سات مسائل ص ۵۰)

"اس میں شبہ نہیں کہ چاروں ائمہ کے جمہور مقلدین نفسِ فضیلت کے قائل ہیں" (ایضاً ص ۳۵)

اور ہفت روزہ ضربِ مومن اور دار الافتاء والارشاد، کراچی کا فتویٰ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ:

"بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ اس رات کی کوئی فضیلت ثابت نہیں مگر جمہور علماء اس کی فضیلت کے قائل ہیں۔ کئی احادیث اس رات کی فضیلت میں مروی ہیں، ان میں سے بعض احادیث اگرچہ سند کے اعتبار سے کمزور ہیں لیکن حضراتِ محدثین اور فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر ایک روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہو لیکن اس کی تائید بہت سی احادیث سے ہو جائے تو اس کی کمزوری دور ہو جاتی ہے، لہٰذا ان روایات کی رو سے اس رات کی فضیلت ثابت ہے، اس رات میں ہر قسم کے گناہوں سے سچے دل سے توبہ واستغفار کیا جائے۔ جس قدر ہو سکے انفرادی طور پر نفل عبادت کا اہتمام کیا جائے ، چاہے نفل نماز پڑھیں، چاہے ذکر واذکار و درود شریف پڑھیں، چاہے دعا مانگیں، البتہ اس کا خیال رہے کہ عبادت کرنے میں ریا کاری نہ ہو اور اس بات کا بھی خیال رہے کہ رات جاگنے کی وجہ سے فجر کی نماز ضائع نہ ہو۔

اس رات میں عبادت کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں جیسے بعض لوگوں نے اپنی طرف سے نماز پڑھنے کا خاص طریقہ گھڑ لیا ہے کہ پہلی رکعت میں فلاں سورت اتنی مرتبہ پڑھی جائے ، دوسری رکعت میں فلاں سورت اتنی مرتبہ پڑھی جائے وغیرہ وغیرہ، اس کا کوئی ثبوت نہیں، یہ بالکل بے بنیاد بات ہے" (آپ کے مسائل کا حل جلد اوّل صفحہ نمبر ۱۲۳، ۱۲۴، باب البدعاتِ والرسوم، مطبوعہ کتاب گھر، کراچی، تاریخِ طبع محرم ۱۴۲۶ھ)

دعا اور توبہ میں مصروف رہے، ہر طرح سے عبادت کی جاسکتی ہے۔

بعض لوگ اس رات میں خاص قسم کی عبادت کو اس رات کے لئے مخصوص سمجھتے ہیں مثلاً بعض لوگوں نے مخصوص تعداد میں، مخصوص طریقہ پر نفلیں پڑھنے کو مقصود یا ضروری سمجھا ہوا ہے اور بعض لوگ اس رات میں باجماعت نفل نمازیں پڑھتے ہیں، یہ سب چیزیں غلط ہیں، اور نفل کی جماعت کرنا تو ویسے بھی منع ہے۔

اسی طرح اس رات کی عبادت کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ تنہائی میں اخلاص کے ساتھ جتنی توفیق ہو عبادت کی جائے، کیونکہ اس رات کی عبادت فرض نمازوں کی طرح اجتماعی انداز کی نہیں ہے بلکہ انفرادی اور خلوت والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک عام دربار ہوتا ہے (جیسے فرض نماز جماعت کے ساتھ) اور دوسرا خاص دربار، جو خلوت اور تنہائی کا ہوتا ہے، اور اس رات میں اللہ تعالیٰ کا خاص دربار لگتا ہے، لہٰذا اس رات میں مسجدوں یا کسی دوسری جگہ میں جمع ہونے کے بجائے اپنے یہاں رہتے ہوئے عبادت کی جائے۔

مزید تفصیل آگے بدعات اور منکرات کے ضمن میں آرہی ہے۔ [1]

اس رات میں کتنا جاگنا چاہیئے؟

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شبِ برأت میں تمام رات جاگنا اور عبادت کرنا ضروری ہے ورنہ اس کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی، یہ بات صحیح نہیں، بلکہ اس رات میں تمام رات جاگنا ضروری نہیں۔

اگر کوئی اس رات میں گناہوں سے بچتے ہوئے دوسرے دنوں کی بہ نسبت تھوڑی سی زیادہ عبادت کرلے اس کو بھی ان شاء اللہ تعالیٰ اس رات کی فضیلت کا حصہ حاصل ہوجائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ

---

[1] والحاصل أن هذا الوقت زمان التجليات الرحمانية، والتنزلات الصمدانية، والتقربات السبحانية الشاملة للعام والخاص، وإن كان الحظ الأوفى لأرباب الاختصاص، فالمناسب الاستيقاظ من نوم الغفلة والتعرض لنفحات الرحمة(مرقاة ، ج۳ص ۹۶۹، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان)

”وَمَعْنَى الْقِيَامِ اَنْ يَّكُوْنَ مُشْتَغِلاً مُعظَّمَ اللَّيْلِ بطاعة وَقِيْلَ بِسَاعَةٍ مِّنْهُ يَقْرَأُ اَوْيَسْمَعُ الْقُرْآنَ اَوِالْحَدِيْثَ اَوْيُسَبِّحُ اَوْيُصَلِّىْ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم“(مراقى الفلاح شرح نورالايضاح،ص ۱۵۱، كتاب الصلاة، باب فى النوافل)

کے یہاں گھنٹے شمار نہیں ہوتے بلکہ اخلاص دیکھا جاتا ہے، اگر اخلاص کے ساتھ چند لمحات بھی اللہ تعالیٰ کے خاص دربار میں میسر آ گئے تو وہ بہت بڑی نعمت اور دولت ہیں۔ [1]

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ صَلَّی الْعِشَاءَ فِیْ جَمَاعَۃٍ فَکَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّیْلِ وَمَنْ صَلَّی الصُّبْحَ فِیْ جَمَاعَۃٍ فَکَأَنَّمَا صَلَّی اللَّیْلَ کُلَّہٗ(مسلم) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا؛ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرلی تو گویا کہ اس نے آدھی رات کے قیام کا ثواب پالیا اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت سے ادا کرلی تو گویا کہ اس نے پوری رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب حاصل کرلیا(ترجمہ ختم)

رات کو گناہ سے بچ کر آرام کرنا اور فجر کی نماز باجماعت پڑھنا حکمی عبادت ہے اور جاگ کر عبادت کرنا حقیقی عبادت ہے۔

---

[1] فی الدرالمختار: ویکون بکل عبادۃ تعم اللیل او اکثرہ.

وفی ردالمحتار: نقل عن بعض المتقدمین، قیل ھو الإمام أبو جعفر محمد بن علی أنہ فسر ذلک بنصف اللیل وقال "من أحیا نصف اللیل فقد أحیا اللیل" وذکر فی الحلیۃ أن الظاھر من إطلاق الأحادیث الاستیعاب، لکن فی صحیح مسلم عن عائشۃ قالت "ما أعلمہ -صلی اللہ علیہ وسلم- قام لیلۃ حتی الصباح" فیترجح إرادۃ الأکثر أو النصف، لکن الأکثر أقرب إلی الحقیقۃ ما لم یثبت ما یقتضی تقدیم النصف .اھ۔

وفی الإمداد :ویحصل القیام بالصلاۃ نفلا فرادی من غیر عدد مخصوص، وبقراء ۃ القرآن، والأحادیث وسماعھا، وبالتسبیح والثناء ، والصلاۃ والسلام علی النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- الحاصل ذلک فی معظم اللیل وقیل بساعۃ منہ .وعن ابن عباس -رضی اللہ عنھما- بصلاۃ العشاء جماعۃ، والعزم علی صلاۃ الصبح جماعۃ، کما قالوہ فی إحیاء لیلتی العیدین .وفی صحیح مسلم قال رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم -من صلی العشاء فی جماعۃ فکأنما قام نصف اللیل، ومن صلی الصبح فی جماعۃ فکأنما قام اللیل کلہ .اھـ(ردالمحتار، ج۲ص۲۵، ۲۶، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل)

[2] حدیث نمبر ۶۵۶، کتاب الصلاۃ، باب فضل صلاۃ العشاء والصبح فی جماعۃ، دار إحیاء التراث العربی -بیروت.

اس لئے اگر کسی کو زیادہ توفیق نہ ہو سکے، تو اسے کم از کم عشاء اور فجر کی نماز باجماعت ادا کرنا چاہئے، اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

مگر اب صورتِ حال یہ ہے کہ عام لوگ فرض نماز تو بروقت پڑھتے نہیں اور اس رات کی عشاء اور فرض باجماعت کا اہتمام تو درکنار وہ سرے سے فرض نماز ہی چھوڑ دیتے ہیں اور رات بھر کسی نہ کسی طرح جاگ کر سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اس رات کی فضیلت کو حاصل کرلیا، جو کہ سراسر جہالت ہے۔

جو لوگ اس رات میں جاگنے کو ہی ضروری سمجھتے ہیں وہ کسی نہ کسی طرح جاگ کر وقت گزارنے کو عبادت اور اس رات کا حق سمجھتے ہیں خواہ جاگنے کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے مثلاً نسوار کھانی پڑے، لونگ یا کالی مرچ چبانی پڑے، قہوہ یا چائے، سگریٹ پینی پڑے یا پھر جو بھی طریقہ جاگنے کا ہو اس کو اختیار کرنا پڑے، اور خواہ جاگ کر فجر کی نماز ہی قضاء ہوجائے اسی وجہ سے اس رات کو جاگنے کی رات سمجھا ہوا ہے۔

حالانکہ صرف جاگ لینا عبادت نہیں، بلکہ بعض اوقات سونا عبادت ہوتا ہے اور بعض اوقات جاگنا عبادت ہوتا ہے، اگر جاگنا اللہ کے حکم کے مطابق ہو تو وہ عبادت ہے اور سونا اللہ کے حکم کے مطابق ہو تو وہ بھی عبادت ہے، اور صحیح حدیث سے یہ بات معلوم ہوچکی کہ جس شخص نے اس رات میں عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی، اس نے بھی رات کو عبادت کا ثواب پالیا۔ [1]

---

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اب بات قابلِ غور یہ ہے کہ کون سے حصۂ شب میں جاگنا زیادہ افضل ہے؟ اس کا فیصلہ قرآن سے بھی ہوتا ہے اور حدیث سے بھی، کیونکہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر شب میں جاگنا اشد (زیادہ سخت اور مجاہدے والا کام) ہے۔ چنانچہ (اللہ تعالیٰ) ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً (سورہ مزمل) اور نَاشِئَةَ اللَّيْل سونے کے بعد متحقق ہوتا ہے (کذا فی الجلالین القیام بعدالنوم) جب وہ اشد ہوا کیونکہ اس کے اختیار کرنے سے نفس پر مشقت کا اثر زیادہ ہوتا ہے تو وہی افضل ہوگا آخر سورت (سورہ مزمل کے حصہ) سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشد ہے، چنانچہ فرماتے ہیں "عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ" (سورہ مزمل) اور عدم احصاء آخر شب میں ہوسکتا ہے۔ یہ تو قرآن سے معلوم ہوا، حدیث سے بھی اس کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ آخر شب کی فضیلت میں بکثرت احادیث وارد ہیں اور قواعد عقلیہ بھی اس پر شاہد ہیں کیونکہ وہ وقت سونے کا ہے اور سونے کا ترک کرنا مشکل ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص رات کو اٹھ کر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خوب سمجھ لیجئے! کہ یہ رات عبادت کی رات ہے صرف جاگنے کی رات نہیں، پس جتنی دیر خوشدلی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

التجا کرتا ہے تو میں اس سے بہت خوش ہوتا ہوں اس لئے کہ میری وجہ سے اپنی بیوی اور گرم بستر کو چھوڑ دیا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اخیر حصہ رات کا افضل ہے۔ لیکن اگر کسی کو اس حصہ میں جاگنا دشوار ہو وہ اول ہی حصہ میں کچھ کرلے کیونکہ اور راتوں میں تو خدا تعالیٰ کا نزول اخیر شب میں ہوتا ہے اور اس رات میں اول ہی شب سے نزول ہو جاتا ہے اس لئے جن لوگوں کو اخیر شب میں عبادت کرنا دشوار ہو وہ اول ہی شب میں عبادت کر کے فضیلت حاصل کرلیں۔

جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ عشاء ہی تک عبادت میں مشغول رہیں اور یہ نفس کا ایک کید ہے کہ جہاں آدمی ثواب کا قصد کرتا ہے تو وہ اس کو حیلہ سے روکنا چاہتا ہے چنانچہ اس موقعہ پر وسوسہ ڈالتا ہے کہ اخیر شب میں زیادہ فضیلت ملے گی اس لئے اخیر ہی میں جاگنا چاہئے، اول میں جاگنے سے کیا فائدہ؟ سو اول شب سے تو یوں محروم رہے (اور) جب اخیر شب ہوئی اٹھا نہ گیا۔ دونوں طرف سے محرومی ہوئی پوری کے پیچھے لگ کر ادھوری بھی گئی (وعظ شبِ مبارک ص ۱۲، مطبوعہ تھانہ بھون)

اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ:

رات بھر جاگنے کی ضرورت نہیں بلکہ اچھا بھی نہیں کیونکہ حدیث میں ہے۔ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ اَدْوَمُھَا بہتر عمل خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے، جس پر دوام کیا جائے (یعنی ہمیشگی رکھی جائے) سو شعبان کی اس شب میں اتنا جاگنا چاہئے جس پر نباہ ہو سکے یہ نہیں کہ ایک مرتبہ تو ساری رات جاگ لئے اور دوسری مرتبہ کچھ بھی نہیں شاید کوئی صاحب اس حدیث کو سن کر یہ کہیں کہ یہ دوام تو بڑا اسر لگا سال میں ایک رات تو کچھ دیر جاگنا آسان تھا سال بھر کون جاگے؟ ارے صاحب! آپ گھبرائیں نہیں میں سال بھر کی راتوں میں آپ کو نہیں جگاتا بلکہ آپ سال میں ایک ہی رات جاگ لیا کیجئے رہا یہ شبہ کہ اس صورت میں دوام کہاں ہوا تو میں کہتا ہوں یہ بھی ایک صورت دوام کی ہے کہ سال میں ایک رات ہمیشہ جاگ لیا کرے جیسے روٹی پر آپ کو دوام ہے مگر اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ ہر وقت کھایا کرے یا کپڑے بدلنے پر دوام ہے کہ ہفتہ میں ایک بار یا دو بار بدلا کرتے ہیں اس دوام کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہر وقت کپڑے بدلے جائیں پس اسی طرح سال بھر میں ایک رات جاگنے کا التزام کر لینا یہ بھی دوام ہے بشرطیکہ یہ ایک رات ناغہ نہ ہو تو اس رات میں اتنی مقدار بیداری کے لئے معین کرنی چاہئے کہ جس پر ہمیشہ کم از کم اس رات میں تو دوام ہو جایا کرے چاہے ایک ہی گھنٹہ ہو۔ بلکہ میں اس سے ترقی کر کے کہتا ہوں کہ چاہے دو ہی رکعت ہوں کچھ تو ہوں پس قلیلِ عمل بھی دوام کے ساتھ عملِ کثیر بغیر دوام سے بہتر ہے اگر دو رکعت بھی کسی سے نہ ہو سکیں تو کم از کم ایک مرتبہ استغفار ہی اس رات میں کر لیا کرے التزام کے ساتھ یہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ہے .... پس تم ہر شعبان میں اس رات کے لئے کچھ کام مقرر کرلو یہ بھی دوام ہے اگر تمام رات بیدار نہ رہ سکو تو جتنا ہو سکے پانچ منٹ ہی سہی (وعظ الاسعاد والابعاد ص ۵۸، مطبوعہ تھانہ بھون)

کے ساتھ جاگ کر عبادت ہوسکتی ہو اتنی عبادت کرلیں اور پھر سو جائیں اور فجر کی نماز باجماعت پڑھ لیں اور اگر صبح صادق سے کچھ پہلے وقت نکال کر تہجد کی نفلیں بھی پڑھ لیں تو بہت اچھا ہے۔

شعبان کی پندرہویں رات میں قبرستان جانا

گزشتہ تفصیل سے شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت معلوم ہوچکی، جس سے معلوم ہوا کہ اس رات میں حسبِ توفیق عبادت کرنی چاہئے، لیکن اس رات کی عبادت کا شریعت کی طرف سے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں ہے، اور نہ ہی اس رات کی فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے قبرستان جانا ضروری ہے۔

اب رہا یہ کہ اس رات میں قبرستان جانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس رات میں قبرستان جانے کا ذکر ہے، اور وہ روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَخَرَجْتُ، فَإِذَا هُوَ بِالْبَقِيْعِ، فَقَالَ :أَكُنْتِ تَخَافِيْنَ أَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهُ ، قُلْتُ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنِّيْ ظَنَنْتُ أَنَّكَ أَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ، فَقَالَ :إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موجود نہ پایا، تو میں (آپ کی جستجو میں) نکلی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع (قبرستان) میں موجود تھے، آپ

[1] حدیث نمبر ۷۳۹، ابواب الصوم، بَابُ مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي -مصر، واللفظ لهٗ؛ سنن ابن ماجه، حديث نمبر ۱۳۸۹، مسند احمد، حديث نمبر ۲۶۰۱۸، شعب الايمان للبيهقي، حديث نمبر ۳۵۴۵، الابانة الكبرىٰ لابنِ بطة، حديث نمبر ۲۵۶۲، مسند عبد بن حميد، حديث نمبر ۱۵۱۴، مسند اسحاق بن راهويه، حديث نمبر ۸۵۰، شرح السنة للبغوى، حديث نمبر ۹۹۲.

نے فرمایا (اے عائشہ) کیا تمہیں یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اوراس کا رسول تم پر (تمہاری باری کی حق تلفی وغیرہ کرکے) زیادتی کر سکتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید آپ اپنی دوسری ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے پاس تشریف لے گئے ہیں ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عز وجل شعبان کی پندرہویں رات میں آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں ، پھر بنوکلب قبیلہ کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ لوگوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں (ترجمہ ختم)

یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔ [1]

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور سند کے ساتھ بھی یہ واقعہ مروی ہے۔ [2]

---

[1] اس حدیث کے ضعیف ہونے کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، کہ اس میں حجاج راوی ضعیف اور انقطاع پایا جاتا ہے۔

[2] أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، وَمُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى، قَالَا :حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى بْنِ حَيَّانَ الْمَدَائِنِيُّ، حَدَّثَنَا سَلَامُ بْنُ سُلَيْمَانَ، أَخْبَرَنَا سَلَّامٌ الطَّوِيلُ، عَنْ وُهَيْبٍ الْمَكِّيِّ، عَنْ أَبِي رُهْمٍ، أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ، فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ:يَا أَبَا سَعِيدٍ حَدِّثْنِي بِشَيْءٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأُحَدِّثُكَ بِمَا رَأَيْتُهُ يَصْنَعُ، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ :كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ إِلَى صَلَاةِ الصُّبْحِ، قَالَ " :اللهُمَّ امْلَأْ سَمْعِي نُورًا، وَبَصَرِي نُورًا، وَمِنْ بَيْنَ يَدَيَّ نُورًا، وَمِنْ خَلْفِي نُورًا، وَعَنْ يَمِينِي نُورًا، وَعَنْ شِمَالِي نُورًا، وَمِنْ فَوْقِي نُورًا، وَمِنْ تَحْتِي نُورًا، وَعَظِّمْ لِيَ النُّورَ بِرَحْمَتِكَ ."وَفِي رِوَايَةِ مُحَمَّدٍ " :وَأَعْظِمْ لِي نُورًا "ثُمَّ اتَّفَقَا.قَالَتْ عَائِشَةُ :دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ عَنْهُ ثَوْبَيْهِ ثُمَّ لَمْ يَسْتَتِمَّ أَنْ قَامَ فَلَبِسَهُمَا فَأَخَذَتْنِي غَيْرَةٌ شَدِيدَةٌ ظَنَنْتُ أَنَّهُ يَأْتِي بَعْضَ صُوَيْحِبَاتِي فَخَرَجْتُ أَتْبَعُهُ فَأَدْرَكْتُهُ بِالْبَقِيعِ بَقِيعِ الْغَرْقَدِ يَسْتَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالشُّهَدَاءِ، فَقُلْتُ :بِأَبِي وَأُمِّي أَنْتَ فِي حَاجَةِ رَبِّكَ، وَأَنَا فِي حَاجَةِ الدُّنْيَا فَانْصَرَفْتُ، فَدَخَلْتُ حُجْرَتِي وَلِي نَفَسٌ عَالٍ، وَلَحِقَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "مَا هَذَا النَّفَسُ يَا عَائِشَةُ؟ "، فَقُلْتُ :بِأَبِي وَأُمِّي أَتَيْتَنِي فَوَضَعْتَ عَنْكَ ثَوْبَيْكَ ثُمَّ لَمْ تَسْتَتِمَّ أَنْ قُمْتَ فَلَبِسْتَهُمَا فَأَخَذَتْنِي غَيْرَةٌ شَدِيدَةٌ، ظَنَنْتُ أَنَّكَ تَأْتِي بَعْضَ صُوَيْحِبَاتِي حَتَّى رَأَيْتُكَ بِالْبَقِيعِ تَصْنَعُ مَا تَصْنَعُ، قَالَ " :يَا عَائِشَةُ أَكُنْتِ تَخَافِينَ أَنْ يَحِيفَ اللهُ عَلَيْكِ وَرَسُولُهُ، بَلْ أَتَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقَالَ :هَذِهِ اللَّيْلَةُ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَلِلَّهِ فِيهَا عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ بِعَدَدِ شُعُورِ غَنَمِ كَلْبٍ، لَا يَنْظُرُ اللهُ فِيهَا إِلَى مُشْرِكٍ، وَلَا إِلَى مُشَاحِنٍ، وَلَا إِلَى قَاطِعِ رَحِمٍ، وَلَا إِلَى مُسْبِلٍ، وَلَا إِلَى عَاقٍّ لِوَالِدَيْهِ، وَلَا إِلَى مُدْمِنِ خَمْرٍ "قَالَ :ثُمَّ وَضَعَ عَنْهُ ثَوْبَيْهِ،فَقَالَ لِي " :يَا عَائِشَةُ تَأْذَنِينَ لِي فِي قِيَامِ هَذِهِ اللَّيْلَةِ؟ "، فَقُلْتُ :نَعَمْ بِأَبِي وَأُمِّي، فَقَامَ فَسَجَدَ لَيْلًا طَوِيلًا حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ قُبِضَ فَقُمْتُ أَلْتَمِسُهُ، وَوَضَعْتُ يَدِي عَلَى بَاطِنِ قَدَمَيْهِ فَتَحَرَّكَ فَفَرِحْتُ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ فِي سُجُودِهِ " :أَعُوذُ بِعَفْوِكَ مِنْ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر اس کی سند مذکورہ روایت سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عِقَابِکَ، وَأَعُوذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ، وَأَعُوذُ بِکَ مِنْکَ، جَلَّ وَجْهُکَ، لَا أُحْصِی ثَنَاءً عَلَیْکَ أَنْتَ کَمَا أَثْنَیْتَ عَلَی نَفْسِکَ "، فَلَمَّا أَصْبَحَ ذَکَرْتُهُنَّ لَهُ فَقَالَ " :یَا عَائِشَةُ تَعَلَّمْتِهِنَّ؟ "، فَقُلْتُ :نَعَمْ، فَقَالَ " :تَعَلَّمِیهِنَّ وَعَلِّمِیهِنَّ، فَإِنَّ جِبْرِیلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَلَّمَنِیهِنَّ وَأَمَرَنِی أَنْ أُرَدِّدَهُنَّ فِی السُّجُودِ "، " هَذَا إِسْنَادٌ ضَعِیفٌ وَرُوِیَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ(شعب الایمان للبیهقی ، حدیث نمبر ۳۵۵۶)

[1] کیونکہ اس روایت کی سند میں ایک راوی سلام طویل ہیں، جن پر محدثین نے شدید جرح فرمائی ہے، اور اس کی سند میں بعض نے اور بھی علتیں ذکر کی ہیں، بلکہ بعض نے اس کو موضوع تک بھی قرار دیا ہے، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت پہلی روایت کے لئے شاہد بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

پس مندرجہ بالا حجاج بن ارطاۃ کی روایت کا ضعف بحالہٖ باقی رہا۔

سلام بن سلم، ویُقال :ابن سلیم ، ویُقال :ابن سُلَیْمان .والصواب ابن سلم ، التمیمی السعدی ، أبو سُلَیْمان ، ویُقال :أبو أیوب ، المدائنی .خراسانی الاصل .وهو سلام الطویل ، وکان الحوضی یکنیه :أبا عَبد الله......قال محمد بن موسی بن مشیش ، عن أحمد بن حنبل :روی أحادیث منکرة. وَقَال عَباس الدُّورِیُّ، وأبو بکر بن أَبی خیثمة عن یحیی بن مَعِین :لیس بشیء.وَقَال أحمد بن سعد بن أَبی مریم، عن یحیی بن مَعِین :ضعیف لا یکتب حدیثه .وَقَال محمد بن عثمان بن أَبی شَیْبَة ، عن یحیی بن مَعِین :له أحادیث منکرة .وَقَال عَبد الله بن علی ابن المدینی :وسألته ، یعنی أباه ، عَن سلام بن سُلَیْمان فضعفه .وَقَال محمد بن عَبد الله بن عمار الموصلی :لیس بحجة .وَقَال إبراهیم بن یعقوب الجوزجانی :غیر ثقة.وَقَال أبو زُرْعَة :ضعیف.وَقَال أبو حاتم :ضعیف الحدیث ترکوه . وقَال البُخارِیُّ :یتکلمون فیه .وَقَال فی موضع آخر :ترکوه.وَقَال النَّسائی :متروک.وَقَال فی موضع آخر :لیس بثقة ولا یکتب حدیثه.وَقَال أبو القاسم البغوی :ضعیف الحدیث جدا.وَقَال عبد الرحمن بن یوسف بن خراش :متروک.وَقَال فی موضع آخر :کذاب.وروی له أبو أحمد بن عدی أحادیث ، منها حدیثه عن حمید الطویل (ق) ، عن أنس"وقت للنفساء أربعین یوما إلا أن تری الطهر قبل ذلک.وَقَال :لا یتابع علی شیء منها (تهذیب الکمال ج۱۲ ص۲۷۷تا۲۸۰، ملخصاً)

قال أحمد روی أحادیث منکرة وقال ابن أبی مریم عن ابن معین له أحادیث منکرة وقال الدوری وغیره عن ابن معین لیس بشیء وقال ابن المدینی ضعیف وقال ابن عمار لیس بحجة وقال الجوزجانی لیس بثقة وقال البخاری ترکوه وقال مرة یتکلمون فیه وقال أبو حاتم ضعیف الحدیث ترکوه وقال أبو زرعة ضعیف وقال النسائی متروک وقال مرة لیس بثقة ولا یکتب حدیثه وقال ابن خراش کذاب وقال مرة متروک وقال أبو القاسم البغوی ضعیف الحدیث جدا وروی له بن عدی أحادیث وقال لا یتابع علی شیء منها وأخرج له الحدیث الذی أخرجه ابن ماجة ولیس عنده غیره وهو حدیث أنس وقت للنفساء قلت ومنها عن زید العمی عن قتادة عن أنس مرفوعا کره للمؤذن أن یکون إماما قال ابن عدی لعل البلاء فیه منه أو من زید وقال ابن حبان روی عن الثقات الموضوعات کأنه کان المعتمد لها وهو الذی روی عن حمید عن أنس أن النبی صلی الله علیه وسلم وقت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبرستان جانے کے بارے میں بعض اہلِ علم حضرات نے یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبرستان جانا اس رات کی خصوصیت کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور راتوں میں بھی عام طور پر اس کا معمول تھا۔

لہٰذا اس رات میں قبرستان جانا مستحب نہیں ہے۔

ان حضرات کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری احادیث ہیں۔

جن میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّمَا كَانَ لَيْلَتُهَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ إِلَى الْبَقِيْعِ، فَيَقُوْلُ :اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ، وَأَتَاكُمْ مَا تُوْعَدُوْنَ غَدًا، مُؤَجَّلُوْنَ، وَإِنَّا، إِنْ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

للنفساء أربعين يوما وقال ابن الجارود حدثنا إسحاق بن إبراهيم ثنا إسحاق بن عيسى ثنا سلام الطويل وكان ثقة وقال العجلى ضعيف وقال الساجى عنده مناكير وقال الحكم روى أحاديث موضوعة وقال أبو نعيم فى الحلية فى ترجمة الشعبى سلام بن سليم الخراسانى متروك بالاتفاق قرأت بخط الذهبى قيل أنه مات فى حدود سنة سبع وسبعين ومائة(تهذيب التهذيب ج۴ص ۲۸۱،۲۸۲)

قال الشيخ أسامة عطايا العتيبى:

حديث موضوع، فيه ثلاث آفات:

الآفة الأولى :سلام الطويل :منكر الحديث، متروك، متهم بالكذب .قال الإمام أحمد: منكر الحديث .قال البخارى :تركوه .وقال الحاكم :روى أحاديث موضوعة .وقال أبو نعيم :متروك بالاتفاق .وقال ابن خراش :كذاب.

الآفة الثانية :سلام بن سليمان المدائنى الضرير :ضعيف.قال العقيلى :لا يتابع على حديثه .وقال -أيضاً :-فى حديثه مناكير، وذكر حديثاً له ثُمَّ قال :وهذا لا أصل له.وقال ابن عدى :هو عندى منكر الحديث.وقال أبو حاتم :ليس بالقوى.

الآفة الثالثة :محمد بن عيسى بن حيان أبو عبد الله المدائنى ذكره ابن حبان فى الثقات .وقال البرقانى :ثقة، وقال -مرة:-لا بأس به .قال الدارقطنى :ضعيف .وقال الحاكم :متروك الحديث .وقال اللالكائى :ضعيف.ومما سبق يتبين تسامح البيهقى حين قال :وهذا إسناد ضعيف(إرواء الظمآن بما ورد فى ليلة النصف من شعبان ص۴۵)

شَاءَ اللّٰهُ، بِكُمْ لَاحِقُوْنَ، اَللّٰهُمَّ، اغْفِرْ لِأَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ (مسلم) [1]

ترجمہ: جب میری باری کی رات ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخیر حصہ میں بقیع قبرستان کی طرف تشریف لے جاتے اور فرماتے السلام علیکم دار قوم مومنین (تمہارے اوپر سلام ہوائے مومنوں کے گھر والو) تمہارے ساتھ کیا گیا وعدہ آ چکا جو کل پاؤ گے یا ایک مدت کے بعد اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو تم سے ملنے والے ہیں، اے اللہ بقیع غرقد والوں کی مغفرت فرما دیجئے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَأَرْسَلْتُ بَرِيْرَةَ فِيْ أَثَرِهٖ، لِتَنْظُرَ أَيْنَ ذَهَبَ، قَالَتْ :فَسَلَكَ نَحْوَ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ، فَوَقَفَ فِيْ أَدْنَى الْبَقِيْعِ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ، ثُمَّ انْصَرَفَ،فَرَجَعَتْ إِلَيَّ بَرِيْرَةُ، فَأَخْبَرَتْنِيْ، فَلَمَّا أَصْبَحْتُ سَأَلْتُهُ، فَقُلْتُ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَيْنَ خَرَجْتَ اللَّيْلَةَ ؟ قَالَ: بُعِثْتُ إِلٰى أَهْلِ الْبَقِيْعِ لِأُصَلِّيَ عَلَيْهِمْ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات گھر سے باہر تشریف لے گئے، میں نے حضرت بریرہ کو آپ کے پیچھے بھیجا، تاکہ وہ دیکھیں کہ آپ کہاں تشریف لے گئے ہیں، حضرت بریرہ نے بتلایا کہ آپ بقیع غرقد (قبرستان) کے پاس تشریف لے گئے، اور

---

[1] حديث نمبر ۹۷۴،كتاب الجنائز،باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، دار إحياء التراث العربي -بيروت.

[2] حديث نمبر ۲۴۶۱۲،مؤسسة الرسالة، بيروت.

في حاشية مسند احمد:

إسناده محتمل للتحسين ، أم علقمة بن أبي علقمة - :وهي مرجانة -روى عنها اثنان ، أحدهما ابنها ، وذكرها ابن حبان في "الثقات "وقال العجلي :مدنية تابعية ثقة .وبقية رجال الإسناد ثقات رجال الشيخين .غير عبد العزيز بن محمد :وهو الدراوردي ، فقد أخرج له البخاري مقروناً أو تعليقاً ، واحتج به الباقون ، وهو حسن الحديث ، وقد توبع .وأخرجه مالك في الموطأ(۱/۲۴۲)ومن طريقه أخرجه ابن سعد ۲/۲۰۳وابن راهويه (۱۰۲۸)والنسائي في "المجتبى۴/۹۳"وفي "الكبرى(۲۱۶۵)"وابن حبان (۳۷۴۸)عن علقمة بن أبي علقمة ، بهذا الإسناد.

بقیع کے قریب کھڑے ہوگئے، پھر اپنے ہاتھ اٹھائے، پھر لوٹ آئے، حضرت بریرہ نے مجھے آ کر اس واقعہ کی خبر دی۔

پس صبح ہونے پر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ رات کہاں تشریف لے گئے تھے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں (بحکمِ الٰہی) بقیع (قبرستان) والوں کی طرف بھیجا گیا تھا، تاکہ میں ان کے لئے دعا کروں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک روایت میں ہے کہ:

فَقَدْتُهُ مِنَ اللَّيْلِ، فَإِذَا هُوَ بِالْبَقِيعِ، فَقَالَ: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ، وَأَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ، وَإِنَّا بِكُمْ لَاحِقُونَ، اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُمْ، وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ، تَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: میں نے ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا، تو کیا دیکھتی ہوں کہ آپ بقیع قبرستان میں ہیں، اور آپ یہ فرمارہے ہیں کہ السلام علیکم دارقوم مومنین (تمہارے اوپر سلام ہو اے مومنوں کے گھر والو) تم ہمارے سے آگے جانے والے ہو، اور ہم تمہارے ساتھ بعد میں آ کر ملنے والے ہیں، اے اللہ! ان کے اجر سے ہم کو محروم نہ فرمایئے، اور ہمیں ان کے بعد کسی فتنہ میں مبتلا نہ فرمایئے (ترجمہ ختم)

اور بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بقیع قبرستان والوں کے لئے دعا واستغفار کا حکم ہوا تھا، اس لئے آپ دوسرے اوقات میں بھی وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ [2]

---

[1] حديث نمبر ۲۴۴۲۵، مؤسسة الرسالة، بيروت.

[2] عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَثِيرِ بْنِ الْمُطَّلِبِ، أَنَّهُ سَمِعَ مُحَمَّدَ بْنَ قَيْسٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ تُحَدِّثُ فَقَالَتْ: أَلَا أُحَدِّثُكُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنِّي، قُلْنَا: بَلَى، ح وحَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ، حَجَّاجًا الْأَعْوَرَ -وَاللَّفْظُ لَهُ- قَالَ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ -رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ- عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ بْنِ الْمُطَّلِبِ، أَنَّهُ قَالَ يَوْمًا: أَلَا أُحَدِّثُكُمْ عَنِّي وَعَنْ أُمِّي قَالَ:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری راتوں میں اور بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے اوقات میں دیگر راتوں میں بقیع قبرستان تشریف لے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فَظَنَنَّا أَنَّهُ يُرِيدُ أُمَّهُ الَّتِي وَلَدَتْهُ، قَالَ :قَالَتْ عَائِشَةُ :أَلَا أُحَدِّثُكُمْ عَنِّي وَعَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا :بَلَى، قَالَ :قَالَتْ :لَمَّا كَانَتْ لَيْلَتِي الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا عِنْدِي، انْقَلَبَ فَوَضَعَ رِدَاءَهُ، وَخَلَعَ نَعْلَيْهِ، فَوَضَعَهُمَا عِنْدَ رِجْلَيْهِ، وَبَسَطَ طَرَفَ إِزَارِهِ عَلَى فِرَاشِهِ، فَاضْطَجَعَ، فَلَمْ يَلْبَثْ إِلَّا رَيْثَمَا ظَنَّ أَنْ قَدْ رَقَدْتُ، فَأَخَذَ رِدَاءَهُ رُوَيْدًا، وَانْتَعَلَ رُوَيْدًا، وَفَتَحَ الْبَابَ فَخَرَجَ، ثُمَّ أَجَافَهُ رُوَيْدًا، فَجَعَلْتُ دِرْعِي فِي رَأْسِي، وَاخْتَمَرْتُ، وَتَقَنَّعْتُ إِزَارِي، ثُمَّ انْطَلَقْتُ عَلَى إِثْرِهِ، حَتَّى جَاءَ الْبَقِيعَ فَقَامَ، فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ انْحَرَفَ فَانْحَرَفْتُ، فَأَسْرَعَ فَأَسْرَعْتُ، فَهَرْوَلَ فَهَرْوَلْتُ، فَأَحْضَرَ فَأَحْضَرْتُ، فَسَبَقْتُهُ فَدَخَلْتُ، فَلَيْسَ إِلَّا أَنِ اضْطَجَعْتُ فَدَخَلَ، فَقَالَ :مَا لَكِ؟ يَا عَائِشُ، حَشْيَا رَابِيَةً قَالَتْ :قُلْتُ :لَا شَيْءَ، قَالَ :لَتُخْبِرِينِي أَوْ لَيُخْبِرَنِّي اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ قَالَتْ :قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، فَأَخْبَرْتُهُ، قَالَ :فَأَنْتِ السَّوَادُ الَّذِي رَأَيْتُ أَمَامِي؟ قُلْتُ :نَعَمْ، فَلَهَدَنِي فِي صَدْرِي لَهْدَةً أَوْجَعَتْنِي، ثُمَّ قَالَ :أَظَنَنْتِ أَنْ يَحِيفَ اللهُ عَلَيْكِ وَرَسُولُهُ؟ قَالَتْ :مَهْمَا يَكْتُمِ النَّاسُ يَعْلَمْهُ اللهُ، نَعَمْ، قَالَ " :فَإِنَّ جِبْرِيلَ أَتَانِي حِينَ رَأَيْتِ، فَنَادَانِي، فَأَخْفَاهُ مِنْكِ، فَأَجَبْتُهُ، فَأَخْفَيْتُهُ مِنْكِ، وَلَمْ يَكُنْ يَدْخُلُ عَلَيْكِ وَقَدْ وَضَعْتِ ثِيَابَكِ، وَظَنَنْتُ أَنْ قَدْ رَقَدْتِ، فَكَرِهْتُ أَنْ أُوقِظَكِ، وَخَشِيتُ أَنْ تَسْتَوْحِشِي، فَقَالَ :إِنَّ رَبَّكَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَأْتِيَ أَهْلَ الْبَقِيعِ فَتَسْتَغْفِرَ لَهُمْ "، قَالَتْ :قُلْتُ: كَيْفَ أَقُولُ لَهُمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ "قُولِي :السَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَيَرْحَمُ اللهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَلَاحِقُونَ (مسلم، حديث نمبر ۹۷۴)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَثِيرٍ، أَنَّهُ سَمِعَ مُحَمَّدَ بْنَ قَيْسٍ يَقُولُ :سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُولُ :أَلَا أُحَدِّثُكُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنِّي؟ قُلْنَا :بَلَى، قَالَتْ :لَمَّا كَانَتْ لَيْلَتِي انْقَلَبَ، فَوَضَعَ نَعْلَيْهِ عِنْدَ رِجْلَيْهِ، وَوَضَعَ رِدَاءَهُ، وَبَسَطَ إِزَارَهُ عَلَى فِرَاشِهِ، وَلَمْ يَلْبَثْ إِلَّا رَيْثَمَا ظَنَّ أَنِّي قَدْ رَقَدْتُ، ثُمَّ انْتَعَلَ رُوَيْدًا، وَأَخَذَ رِدَاءَهُ رُوَيْدًا، ثُمَّ فَتَحَ الْبَابَ رُوَيْدًا وَخَرَجَ وَأَجَافَهُ رُوَيْدًا، وَجَعَلْتُ دِرْعِي فِي رَأْسِي فَاخْتَمَرْتُ، وَتَقَنَّعْتُ إِزَارِي، وَانْطَلَقْتُ فِي إِثْرِهِ حَتَّى جَاءَ الْبَقِيعَ، فَرَفَعَ يَدَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ انْحَرَفَ، وَانْحَرَفْتُ، فَأَسْرَعَ فَأَسْرَعْتُ، فَهَرْوَلَ فَهَرْوَلْتُ، فَأَحْضَرَ فَأَحْضَرْتُ، وَسَبَقْتُهُ فَدَخَلْتُ، وَلَيْسَ إِلَّا أَنِ اضْطَجَعْتُ فَدَخَلَ، فَقَالَ :مَا لَكِ يَا عَائِشُ رَابِيَةً؟ قَالَ :سُلَيْمَانُ حَسِبْتُهُ قَالَ :حَشْيَا قَالَ :لَتُخْبِرِنِّي أَوْ لَيُخْبِرَنِّي اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ؟ قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، فَأَخْبَرْتُهُ الْخَبَرَ، قَالَ :أَنْتِ السَّوَادُ الَّذِي رَأَيْتُ أَمَامِي؟ قُلْتُ :نَعَمْ، قَالَتْ :فَلَهَدَنِي لَهْدَةً فِي صَدْرِي أَوْجَعَتْنِي، قَالَ: أَظَنَنْتِ أَنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْكِ وَرَسُولُهُ، قَالَتْ :مَهْمَا يَكْتُمُ النَّاسُ فَقَدْ عَلِمَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ؟ قَالَ :نَعَمْ، قَالَ :فَإِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَتَانِي حِينَ رَأَيْتِ، وَلَمْ يَكُنْ يَدْخُلُ عَلَيْكِ، وَقَدْ وَضَعْتِ ثِيَابَكِ فَنَادَانِي، فَأَخْفَى مِنْكِ فَأَجَبْتُهُ، وَأَخْفَيْتُهُ مِنْكِ، وَظَنَنْتُ أَنَّكِ قَدْ رَقَدْتِ، فَكَرِهْتُ أَنْ أُوقِظَكِ، وَخَشِيتُ أَنْ تَسْتَوْحِشِي، فَأَمَرَنِي أَنْ آتِيَ أَهْلَ الْبَقِيعِ، فَأَسْتَغْفِرَ لَهُمْ (السنن الصغرى للنسائی، حديث نمبر ۳۹۶۳)

جایا کرتے تھے۔ [۱]

پس بعض اہلِ علم حضرات فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پندرہویں شعبان کی رات میں قبرستان جانا خاص اس رات کی وجہ سے نہیں تھا، اور دوسری راتوں کی طرح معمول کا حصہ تھا۔ [۲]

---

[۱] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری میں جانے کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بقیع قبرستان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے قریب تھا، اور آپ کو رات کے وقت وہاں تشریف لے جانے میں زیادہ تکلّف نہیں اٹھانا پڑتا تھا، اور گھر والوں کو چھوڑ کر زیادہ دور نہیں جانا پڑتا تھا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(عن عائشة -رضى الله عنها -قالت :كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم -كلما كان ليلتها من رسول الله) " من "متعلق بالليلة بمعنى النصيب، أو المحذوف أى التى تخصها منه -صلى الله عليه وسلم -قال الطيبى " :كلما "ظرف فيه معنى الشرط والعموم وجوابه (يخرج) وهو العامل فيه، وهذا حكاية معنى قولها لا لفظها، أى كان من عادته أنه إذا بات عندها أن يخرج (من آخر الليل إلى البقيع) أى بقيع الغرقد، وهو موضع بظاهر المدينة(مرقاة، ج۴ص ۱۲۵۸، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور)

[۲] چنانچہ اس موضوع پر حضرت مولانا صدیق صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کی حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سے جو مکاتبت ہوئی تھی اس میں مولانا صدیق صاحب رحمہ اللہ نے کئی مرتبہ یہ لکھا تھا کہ قبرستان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کی اصل علت پندرہ شعبان کی رات نہیں تھی، ان کی تحریرات کے کچھ اقتباسات درجِ ذیل ہیں:

”خروج الی البقیع سے دعائے اموات بالتخصیص ثابت نہیں ہوسکتی اس لئے کہ خروج الی البقیع آپ کی عادتِ مستمرہ تھی، خاص اسی رات میں واقع نہیں ہوا، صحیح مسلم میں ہے:

”عن عائشة رضى الله عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج من آخر الليل الى البقيع فيقول السلام عليكم دار قوم مومنين “ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں **”اى كان من عادته انه اذا بات عندها ان يخرج“**(امداد الفتاوی ج۴ص۱۹)

”اس روز (یعنی شعبان کی پندرہویں رات) کے (قبرستان میں) خروج کو (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) معلل نہیں فرمایا بلکہ نفسِ خروج کو، اس لئے کہ یہ علت ہر روز موجود تھی، اس لئے ہر روز خروج الی البقیع ہوا کرتا تھا۔

”عن ابى هريرة مرفوعا ينزل ربنا تبارک وتعالى كل ليلة الى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الاخر يقول من يدعونى متفق عليه “

اسی واسطے بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا ثابت ہے:

”كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج من آخر الليل الى البقيع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیز اس کے ساتھ ساتھ بعض حضرات کا فرمانا یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث جس میں کہ پندرہویں شعبان کی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبرستان جانا مذکور ہے، سند

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فیقول السلام علیکم الحدیث وفی آخرہ اللھم اغفر لاھل البقیع الغرقد"

یہاں سے معلوم ہوا کہ زیارتِ قبور خاصہ شبِ برأت کا نہیں، بلکہ ہر رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں تشریف لے جاتے تھے، اور اس رات میں حسبِ عادتِ مستمرہ خروج ہوا تھا، اور حدیثِ ترمذی میں وقوع اس کا حسبِ اتفاق ہوا تھا (امداد الفتاوی ج۴ ص۲۳)

اگر (شعبان کی پندرہویں رات میں اللہ تعالیٰ کا آسمان دنیا پر) نزول مذکور علتِ خروج الی المقبرہ ہے تو ینزل ربنا تبارک وتعالی کل لیلة الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخر، متفق علیہ میں علتِ خروج شب منصوص ہے اور حدیثِ مسلم میں موافقِ علتِ مذکورہ عمل در آمد موجود ہے۔

"عن عائشة کلما کان لیلتھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج من آخر اللیل الی البقیع فیقول السلام علیکم الحدیث وفی آخرہ الھم اغفر لاھل البقیع الغرقد. بلکہ بعض لیالی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مامور بامر اللہ ہوئے، کہ بقیع میں جا کر دعاء فرماویں، کما سیجئی، اس لئے ہر شب کا خروج حسبِ روایتِ صحیح مدلول احادیثِ بخاری ومسلم ہو گیا، تو استحبابِ زیارت ہر شب میں ثابت ہو گیا، اور حدیث ترمذی والی شب از جملہ لیالی عائشہ ہے، تو جیسا دیگر لیالی عائشہ میں خروج الی المقبرہ مدلول ومستحب ہے، ویسا ہی حدیث ترمذی میں مدلول ہے، تو حدیثِ ترمذی نے دربارۂ زیارت قبور کوئی امر جدید ثابت نہیں کیا، تو شبِ برأت کی زیارت علی التعیین والتخصیص ثابت نہ ہو گی، تو خواص شبِ برأت میں زیارت کو شمار کرنا درست نہ ہوگا اور حق یہ ہوگا کہ نزولِ مذکور خروج الی المقبرہ کی علت نہیں، بلکہ اوقاتِ قربِ الٰہی کا اعلام ہے، تا کہ طاعت وعبادت میں مشغول ہوں (ایضاً ص۲۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بقیع میں جانا ہر روز معلوم ومشاہد تھا، لہٰذا اس رات میں اللہ تعالیٰ کے آسمان دنیا پر نزول کو) اس کی وجہ بتلانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی (البتہ) حضرت عائشہ کو قبل از وقت معہود ہو جانے سے شبہ ہوا تھا، اس لئے کہ یخرج من اٰخر اللیل خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں، قبل از وقت معہود ہو جانے کا عذر فرمانا کہ ان اللہ ینزل لیلة النصف شب برأت میں لیلۃ کو ظرفِ نزول بنایا گیا ہے، اور دیگر لیالی میں حین یبقی ثلث اللیل الاخر تا کہ افادۂ استیعابِ نزول سے حدیثِ عائشہ میں پیش از وقت معہود ہو جانے کا جواب ہو جاوے، یعنی اس شب میں تجلیِ خاص اول شب میں ہوتی ہے، اس لئے قبل از وقت معہود طاعت وعبادت میں مشغول ہوا تھا (ایضاً ص۲۹)

لا دلیل فیھما علی تخصیص زیارة القبور بھذہ اللیلة، بل کان ذھابه -صلی اللہ علیه وسلم -إلی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے لحاظ سے ضعیف ہے، جس کی وجہ سے پندرہویں شعبان کی رات میں قبرستان جانے کا مستحب ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ [1]

جبکہ اس کے برعکس بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

البقيع على ما اعتاده فى نوبة عائشة .كما يدل عليه ما روى مسلم عنها قالت :كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم - كلما كان ليلتها من رسول الله -صلى الله عليه وسلم -يخرج من آخر الليل إلى البقيع، فيقول :السلام عليكم دار قوم مؤمنين-الحديث .فهذا ظاهر فى أن ذهابه إلى البقيع فى نوبة عائشة كان عادة له مستمرة، وقد صادف ذلك فى بعض الأعوام ليلة نصف شعبان، فذهب إليه على عادته من غير أن يهتم لذلك .وأما تقسيم أنواع الأطعمة على الفقراء فى هذه الليلة خاصة، فلم يرو فيه حديث مرفوع ولا موقوف لا صحيح ولا ضعيف .وأما اعتقاد حضور أرواح الأموات فى هذه الليلة، وتنظيف البيوت، وتطيين جدرانها لتكريمها، وزيادة السرج والقناديل على الحاجة فيها فهى من البدع والضلالات بلا شك .قال القارى :أول حدوث الوقيد من البرمكة، وكانوا عبدة النار .فلما أسلموا أدخلوا فى الإسلام ما يموهون أنه من سنن الدين، ومقصودهم عبادة النيران حيث ركعوا وسجدوا مع المسلمين إلى تلك النيران، ولم يأت فى الشرع استحباب زيادة الوقيد على الحاجة فى موضع، وقد أنكر الطرطوسى الاجتماع ليلة الختم فى التراويح، ونصب المنابر وبين أنه بدعة منكرة(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح،باب قيام شهر رمضان،الفصل الثالث)

[1] چنانچہ حضرت مولانا محمد صدیق احمد صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سے مکاتبت کے دوران آخر میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ:

"اگر حدیثِ عائشہ کا حسن اگرچہ تعددِ طرق سے ہی ہو، ثابت فرمادیں، تو ہم بلا عذر استحباب قبور کو تخصیصِ شبِ برأت قبول کرنے کو تیار ہیں"۔ والسلام۔ محمد صدیق احمد، از کاندھلہ، ۲۵ شوال ۱۳۳۳ھ (امداد الفتاوی ج۴ ص۳۲)

جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ، واللہ اعلم، حسن لعینہٖ یا لغیرہٖ کے بغیر صرف حدیثِ ضعیف سے استحباب کے ثبوت کے قائل نہیں تھے، جیسا کہ یہ بعض فقہاء وعلماء کا قول ہے۔

فَالْحَاصِلُ :أَنَّ هَذَا الْبَابَ يُرْوَى وَيُعْمَلُ بِهِ فِي التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ لَا فِي الِاسْتِحْبَابِ ثُمَّ اعْتِقَادُ مُوجِبِهِ وَهُوَ مَقَادِيرُ الثَّوَابِ وَالْعِقَابِ يَتَوَقَّفُ عَلَى الدَّلِيلِ الشَّرْعِيِّ (مجموع الفتاویٰ لابن تيمية، ج۱۸ ص۶۵، فصل متى شدد الامام احمد فى الاسانيد ومتى تساهل؟)

مگر ہمارے نزدیک راجح قول اس کے خلاف ہے، اور وہ یہ ہے کہ بعض شرائط کے ساتھ ضعیف حدیث سے استحباب ثابت ہوجاتا ہے، اگرچہ اس استحباب کا درجہ اُس استحباب سے کمزور ہوتا ہے، کہ جو استحباب حسن یا صحیح حدیث سے ثابت ہو، جس کی تفصیل ماقبل میں ذکر کی جاچکی ہے۔ محمد رضوان۔

دوسری راتوں میں بھی قبرستان جانے کا تھا، لیکن اس رات میں جانے کی ایک وجہ اس رات کا بابرکت ہونا بھی تھا، جس کی وجہ سے خاص اس رات میں مَرد حضرات کو قبرستان میں جا کر مُردوں کے لئے دعا کی ایک درجہ میں فضیلت ہے۔ ۱؎

اور جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے ضعیف ہونے کا تعلق ہے، تو اس کے جواب میں یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ضعیف حدیث اگر شدید درجہ کی ضعیف نہ ہو، تو بعض شرائط کے ساتھ اس سے عمل کا مستحب ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔ ۲؎

۱؎ چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی جو مکاتبت مولانا صدیق صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ سے ہوئی تھی اس میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رات میں قبرستان جانے کی علت میں اس رات کا دخیل ہونا بھی ذکر فرمایا تھا۔

جس کے چند اقتباسات یہ ہیں:

اب بھی یہ خیال ہے کہ گو استغفار جمیع مؤمنین کے لئے تھا لیکن بقیع میں جانا ضرور قرینہ اس کا ہے کہ اموات خصوصیت کے ساتھ اس میں مقصود ہیں کیونکہ ظاہراً بقیع جانے میں اور کوئی مصلحت معلوم نہیں ہوتی، اسی طرح گویہ خروج مستمر تھا، لیکن آپ کا اس روز کے خروج کو اس علت سے معلل فرمانا **ان اللہ ینزل لیلۃ النصف من شعبان** ظاہراً اس پر دال ہے کہ اس روز کے خروج میں اس لیلہ کا بھی دخل ہے۔ پس اگر کوئی اتباعاً **لھذا الحدیث** اس روز گورستان میں قصداً جاوے اور جمیع مؤمنین کے ساتھ بالخصوص اموات کے لئے بھی استغفار کرے تو ظاہراً موجبِ اجر ہوگا، اتنا تو حدیث کا مدلول معلوم ہوتا ہے (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۰ تا ۲۱)

۲؎ چنانچہ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب رحمہ اللہ کے جواب میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا تھا کہ:

"من ثبوت ضعفه اولا ثم عدم الاتفاق على الشرط حسن الحديث للاستحباب فان صاحب فتح القدير صرح بان الاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع ج ٢ ص ٩٥، مصريه، والله اعلم،" (پھر عالمگیری کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھا تھا) اس روایت سے استحسان زیارت قبور کا خاص شبِ برأت میں بھی ثابت ہوگیا (امداد الفتاوی ج ۴ ص ۳۴)

وقال محمد طاهر الفتنى الهندى:

قال أحقر عباده حديث عائشة فى ذهابه بالبقيع ونزول الرب ليلة النصف إلى سماء الدنيا فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب أخرجه الترمذى، قال وفى الباب عن أبى بكر الصديق رضى الله عنه وسمعت محمدا يضعف حديث عائشة، قال الترمذى وفيه انقطاع ان قلت يجوز العمل بالحديث الضعيف ولعلهم أنكروه هنا لما يقارنه من المنكرات (تذكرة الموضوعات، ص ٢١)

اور متعدد اہلِ علم حضرات ضعیف حدیث سے بعض شرائط کے ساتھ ثبوتِ استحباب کے قائل ہیں، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

مگران حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شعبان کی پندرہویں رات میں قبرستان جانا ثابت ہے، اگرچہ وہ ضعیف سند سے ہی ثابت ہو، اس لئے فی نفسہٖ اس کے ثبوت کے باوجود اس کا التزام واصرار کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا درست نہیں، اور عوامُ النّاس اس سلسلہ میں جو کئی خرابیوں میں مبتلا ہیں، ان کے ہوتے ہوئے اس رات میں قبرستان نہ جانے میں ہی احتیاط ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ جب حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے یہ تمام تحریرات فیصلہ کے لئے دارالعلوم دیوبند بھیجیں تو اس بارے میں وہاں سے یہ تحریر کیا گیا کہ:

''الفاظِ حدیث اور تحقیقِ شراح سے اس قدر ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس رات میں بقیع کو تشریف لے جانا اور دعا فرمانا بعض خصوصیات کی وجہ سے تھا، جن میں سے اموات مسلمین کو بھی عمومِ رحمت ودعائے مغفرت میں شامل فرمانا تھا اور اگرچہ یہ خروج اور دعا عادتِ مستمرہ ہو تب بھی اس خاص رات کا خروج اور دعا دلیلِ استحباب دعا للاموات فی لیلۃ البراءت ہے، کیونکہ جیسا اس شب میں نزولِ رحمت خصوصیت کے ساتھ ہے جیسا کہ وارد ہوا **ینزل فیھا لغروب الشمس الحدیث** پس اس رات میں **خروج الی المقبرۃ ودعاء للاموات** بھی حدیث کا مدلول ہوا لیکن یہ ضرور ہے کہ اس کا التزام اور اس پر اصرار ٹھیک نہیں، اور جو خرابیاں اس پر متفرع ہیں وہ ظاہر ہیں پس ان عوارض کے سبب سے منع کرنا ہی احوط ہے (امداد الفتاویٰ ج۴ ص۲۶)

جس پر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا کہ:

اس فیصلہ میں جزءِ اول (یعنی **خروج الی المقبرہ**) کو ثابت رکھا ہے۔ مگر عوارض کے سبب خروج الی المقبرہ کے منع کو احوط کہا ہے .... (پس میں) جزوِ اول (یعنی **خروج الی المقبرہ**) کے ثبوت کے بعد بھی خروج الی المقبرہ کے منع کو احوط سمجھتا ہوں (امداد الفتاویٰ ج۴ ص۲۸)

اور ہندیہ میں بھی غرائب سے دوسرے اوقات کے ساتھ ساتھ شعبان کی نصف رات میں زیارتِ قبور کا افضل ہونا نقل کیا گیا ہے، جس کی عبارت یہ ہے:

وأفضل أيام الزيارة أربعة يوم الاثنين والخميس والجمعة والسبت والزيارة يوم الجمعة بعد الصلاة حسن ويوم السبت إلى طلوع الشمس ويوم الخميس فى أول النهار وقيل فى آخر النهار وكذا فى الليالى المتبركة لا سيما ليلة براءة وكذلك فى الأزمنة المتبركة كعشر ذى الحجة والعيدين وعاشوراء وسائر المواسم كذا فى الغرائب(هنديه الباب السادس عشر في زيارة القبورمن كتاب الحظر والاباحة)

اور اسی عبارت کے پیشِ نظر آخر میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے یہ تحریر فرمایا کہ:

اس روایت سے استحسان زیارتِ قبور کا خاص شبِ برأت میں بھی ثابت ہوگیا، اور یہی فرمایا تھا مفتی صاحب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہر حال بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک التزام اور دوسری خرابیوں سے بچ کر کبھی کبھار نصف شعبان کی رات میں قبرستان جانا فی نفسہٖ جائز یا مستحب، اور خرابیوں کی صورت میں نا جائز ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

دیو بندنے ، باقی ان کا یہ فرمانا کہ فقہاء کے کلام میں تصریح نہیں ملی الخ اس کی وجہ خود ساتھ ہی لکھ دی ہے کہ تلاش کرنے کی فرصت نہ ہوئی اھ، پس اس روایت کے بعد اب دلیل میں کلام کی حاجت نہیں رہی ، لان الفقهاء قداغنو ناعنه ، اور گو یہ روایت غرائب ہے جس کو مفتی صاحب نے غیر معروف فرمایا ہے، مگر جب عالمگیریہ میں اس سے نقل کیا گیا جس پر جمِ غفیر علماء کا شریک تھا، اس لئے اس کے معتبر ہونے میں کوئی وسوسہ نہیں ہوسکتا، فقط ترجیح الثالث ص۲۰۲ (امداد الفتاویٰ ج۴ ص۳۴، ۳۵ ملخصاً)

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ اہلِ علم حضرات نصف شعبان کی رات میں قبرستان جانے کے جواز یا استحباب کے درجہ میں ثبوت کے باوجود عوام کی خرابیوں کے پیشِ نظر اس کے منع کو احوط قرار دیتے ہیں۔

؎ چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اس شب میں قبرستان میں جا کر اموات کے لئے دعا کریں اور اُن کو پڑھ کر بخشیں لیکن گروہ بن کر نہ جانا چاہئے بلکہ کَیْفَ مَا اتفق اپنے اپنے طور پر جاوے اور سنت میں اسی قدر منقول ہے (وعظ ذم ہویٰ ص۸ ملخصاً، الابقاء شعبان ۵۶ھ)

اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”اگر ممکن ہو تو بغیر تزک واحتشام اور اجتماع کے قبرستان میں جا کر تمام مُردوں کے لئے دعائے مغفرت کریئے، لوگوں نے جو طریقہ میلہ لگانے کا، قبروں پر چراغاں کرنے کا اور جماعت، جماعت جانے کا جاری کر رکھا ہے، یہ بالکل غلط ہے اور جو لوگ آتش بازی کرتے ہیں وہ سخت گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں، اسی طریقہ سے حلوہ وغیرہ پکانا اور اس کو مذہبی رسم شمار کرنا بھی غلط ہے، مُردوں کو ثواب پہنچانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبرستان میں جا کر صرف دعا منقول ہے، ویسے فقیروں اور حاجتمندوں کو مال دے کر ہر وقت میں ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے (اس کے لئے شعبان کی پندرہویں رات کی تخصیص نہیں) مگر فقیر کو وہ چیز دینی چاہئے جو کہ ان کی حاجت روائی (ضرورت پوری) کرے، حلوے سے نہ پیٹ بھر سکتا ہے اور نہ اس کی بھوک دور ہوسکتی ہے، بیوقوف لوگوں نے یہ طریقہ ہندوؤں کے تہواروں سے دیکھ کر اختیار کیا ہے، اس کی نہ تو کتبِ دینیہ میں کوئی سند ہے اور نہ اسلامی ممالک میں کہیں کوئی رواج ہے“ (مکتوبات شیخ الاسلام ج۴ ص ۷۸)

اور حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(شعبان کی پندرہویں رات کو) کوئی مرد قبرستان میں چلا جائے تو وہ بھی ٹھیک ہے، مگر وہاں اجتماعی طور پر نہ جائیں، میلہ لگانے کا کوئی ثبوت نہیں (تبلیغی اور اصلاحی مضامین ج۶ ص۱۰۰)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ یہ کہ شعبان کی پندرھویں رات کی فضیلت کو حاصل کرنا قبرستان جانے پر موقوف نہیں، بلکہ ہر شخص اپنے مقام پر رہ کر گناہ سے بچتے ہوئے اور حسبِ حیثیت صدق واخلاص کے ساتھ عبادت

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ:

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثِ باب سے لیلۃ البرأت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بقیع جانا معلوم ہوا جو شبِ برأت میں قبرستان جانے کی اصل ہے لیکن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر مداومت ثابت نہیں اس لئے اس کو سنتِ مستمرہ کا درجہ دینا بھی صحیح نہیں، ہاں کبھی کبھی چلا جائے تو مضائقہ نہیں۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم‘‘ (درسِ ترمذی ج۲ص۵۸۱)

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

’’اس رات میں ایک اور عمل ہے، جو ایک روایت سے ثابت ہے، وہ یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنتُ البقیع میں تشریف لے گئے، اب چونکہ حضور اس رات میں جنتُ البقیع میں تشریف لے گئے تھے، اس لئے مسلمان اس بات کا اہتمام کرنے لگے کہ شبِ برأت میں قبرستان جائیں۔ لیکن میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ ایک بڑی کام کی بات بیان فرمایا کرتے تھے۔ ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے، فرماتے تھے کہ جو چیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس درجے میں ثابت ہو، اسی درجہ میں اسے رکھنا چاہئے، اس سے آگے نہیں بڑھانا چاہئے، لہٰذا ساری حیاتِ طیبہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ جنتُ البقیع جانا مروی ہے، کہ آپ شبِ برأت میں جنتُ البقیع تشریف لے گئے۔ چونکہ ایک مرتبہ جانا مروی ہے، اس لئے تم بھی اگر زندگی میں ایک مرتبہ چلے جاؤ تو ٹھیک ہے۔ لیکن ہر شبِ برأت میں جانے کا اہتمام کرنا، التزام کرنا، اور اس کو ضروری سمجھنا، اور اس کو شبِ برأت کے ارکان میں داخل کرنا اور اس کو شبِ برأت کا لازمی حصہ سمجھنا، اور اس کے بغیر یہ سمجھنا کہ شبِ برأت نہیں ہوئی، یہ اس کو اس کے درجے سے آگے بڑھانے والی بات ہے۔ لہٰذا اگر کبھی کوئی شخص اس نقطۂ نظر سے قبرستان چلا گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے، میں بھی آپ کی اتباع میں جا رہا ہوں۔ تو انشاء اللہ اجر وثواب ملے گا، لیکن اس کے ساتھ یہ کرو کہ کبھی نہ بھی جاؤ، لہٰذا اہتمام اور التزام نہ کرو، پابندی نہ کرو۔ یہ درحقیقت دین کی سمجھ کی بات ہے۔ کہ جو چیز جس درجہ میں ثابت ہو، اس کو اسی درجہ میں رکھو۔ اس سے آگے مت بڑھاؤ، اور اس کے علاوہ دوسری نفل عبادات ادا کرلو‘‘ (اصلاحی خطبات ج۴ص۲۶۵ تا ۲۶۶)

اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

موقع مل جائے تو چپکے سے قبرستان جا کر مُردوں کے لئے دعائے خیر کرنا۔

یہ کام تو کرنے کے ہیں، باقی آتش بازی چلانا، نفل کی جماعت کرنا، قبرستان میں جمع ہو کر تقریب کی صورت بنانا، حلوہ کا التزام کرنا وغیرہ، اور جو جو غیر ثابت امور رائج ہوں وہ سب ترک کرنے کے ہیں‘‘ (فتاویٰ محمودیہ، ج۳ص۲۵۳، مبوب، باب البدعات والرسوم)

کر کے اس کی فضیلت کو حاصل کر سکتا ہے۔

اور بعض اہلِ علم حضرات تو شعبان کی پندرہویں رات میں قبرستان جانے کے قائل ہی نہیں، اور بہت سے اہلِ علم حضرات اس کے ثبوت کے قائل ہیں، مگر کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شعبان کی پندرہویں رات میں قبرستان جانے کا ہمیشہ معمول ثابت نہیں اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو اس کی تاکید فرمائی، بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوتے ہوئے بقیع قبرستان کے متصل قریب ہونے کی صورت میں خاموشی کے ساتھ بغیر کسی تکلف واہتمام کے ایک مرتبہ تشریف لے گئے تھے۔

اس لئے اس پر ضرورت سے زیادہ زور دینا اور جماعت در جماعت ہو کر نکلنا، پھر اس سے آگے بڑھ کر قبرستان جا کر قبروں پر مختلف بدعات اور خرافات کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

اور اگر کوئی شخص بغیر کسی بدعت کے ارتکاب کے زندگی میں ایک مرتبہ بھی چلا گیا تب بھی اس حدیث پر عمل ہو جائے گا، رہا مرحومین کے لئے دعا واستغفار کرنا تو وہ اپنے مقام پر رہتے ہوئے بھی ہر وقت اور ہر مرتبہ کرنا ممکن ہے، اس کے لئے قبرستان جانا ضروری نہیں۔

پس بعض لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اس رات کوئی قبرستان نہیں گیا تو وہ اس رات کی فضیلت سے محروم رہے گا، یہ سمجھنا غلط ہے۔

پندرہ شعبان کے دن کا روزہ

پیچھے تفصیل کے ساتھ شعبان کے مہینے میں عبادت کی فضیلت، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزہ رکھنے کا معمول اور پندرہ شعبان کے بعد اور انتیس، تیس شعبان کو روزہ رکھنے اور پندرہویں شعبان کی رات میں نفلی عبادت کی فضیلت کا حکم بیان کیا جا چکا ہے۔

اس لئے ہر شخص کو حسبِ حیثیت شعبان کے پورے مہینے میں اخلاص کے ساتھ نفلی عبادت کا اہتمام کرنا چاہئے، جس میں نفلی روزے بھی داخل ہیں، اور بطورِ خاص شعبان کی پندرہویں رات میں حسبِ توفیق نفلی عبادت کرنی چاہئے۔

جہاں تک پندرہ شعبان کے دن نفلی روزہ رکھنے کا تعلق ہے، تو صحیح احادیث کی رُو سے اس کی دوسرے دنوں کے مقابلہ میں کوئی خاص فضیلت واہمیت ثابت نہیں، اور جن احادیث وروایات میں شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت کا ذکر ہے، ان میں بھی پندرہ شعبان کے روزے کا ذکر نہیں ہے۔

البتہ ایک روایت میں بطورِ خاص پندرہ شعبان کے دن کے روزہ رکھنے کا ذکر ملتا ہے، مگر وہ روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہے۔

اس بارے میں ذیل میں کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِذَا کَانَتْ لَیْلَۃُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَقُوْمُوْا لَیْلَھَا وَصُوْمُوْا نَھَارَھَا، فَإِنَّ اللّٰہَ یَنْزِلُ فِیْھَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ إِلٰی سَمَآءِ الدُّنْیَا، فَیَقُوْلُ: أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ لِیْ فَأَغْفِرَ لَہٗ أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَہٗ أَلَا مُبْتَلًی فَأُعَافِیَہٗ أَلَا کَذَا أَلَا کَذَا، حَتّٰی یَطْلُعَ الْفَجْرُ

(سنن ابن ماجہ)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شعبان کی پندرہویں رات آئے تو رات کو عبادت کرو، اور اگلے دن روزہ رکھو، کیونکہ (شعبان کی چودہ تاریخ کی شام ہونے پر) سورج غروب ہونے سے لے کر صبح صادق (یعنی سحری کا وقت ختم اور فجر کا وقت شروع) ہونے تک اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر (اپنی شان کے مطابق) نزول فرمائے رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

ہے کوئی مجھ سے بخشش مانگنے والا کہ میں اسے بخش دوں؟ ہے کوئی رزق طلب کرنے والا کہ میں اسے رزق دے دوں؟ ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اسے مصیبت سے نجات

---

[1] حدیث نمبر ۱۳۸۸، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا، باب ما جاء فی لیلۃ النصف من شعبان، دار إحیاء الکتب العربیۃ، القاھرۃ، واللفظ لہٗ، شعب الایمان للبیھقی، حدیث نمبر ۳۵۴۲، اخبارِ مکۃ للفاکھی، حدیث نمبر ۱۸۳۷، امالی ابنِ بشران، حدیث نمبر ۷۰۳۔

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

دوں؟ ہے کوئی ایسا، ہے کوئی ویسا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان صبح صادق تک جاری رہتا ہے (ترجمہ ختم)

اس روایت کی سند میں ایک راوی ابنِ ابی سبرہ ہیں، جن کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، بلکہ بعض محدثین نے ان کو متروک اور بعض نے منکر اور بعض نے ان کی طرف واضعُ الحدیث ہونے کی نسبت کی ہے۔ [1]

---

[1] علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ایک مقام پر ان کو حفظ کی جہت سے ضعیف قرار دیا ہے، جبکہ علامہ محمد بن طاہر المقدسی نے ان کے بارے میں بالاجماع متروک الحدیث ہونا بیان فرمایا ہے۔

اور امام احمد بن حنبل نے ان کے بارے میں ''یضع الحدیث ویکذب'' فرمایا ہے، اور ابنِ عدی نے ان کا شمار ''جملۃ من یضع الحدیث'' میں فرمایا ہے، اور ''عامۃ مایرویہ غیر محفوظ'' فرمایا ہے، اور ابنِ حبان نے ''کان ممن یروی الموضوعات عن الثقات'' اور ''لایجوز الاحتجاج بہ'' فرمایا ہے، اور امام حاکم نے ان کے بارے میں ''یروی الموضوعات عن الاثبات'' فرمایا ہے، اور امام بخاری نے ایک مقام پر ضعیف اور ایک مقام پر منکر الحدیث فرمایا ہے، اور امام نسائی نے متروک الحدیث فرمایا ہے، اور ساجی نے ان کو منکر الحدیث فرمایا ہے۔

وأبـو بـكر هذا لا يعرف اسمه ، وهو متروک الحديث بإجماع (ذخيرة الحفاظ، تحت حديث رقم ۵۲۹۸)

هـذا إسـنـاد فيـه ابـن أبـى سبـرة واسمه أبو بكر بن عبد الله بن محمد بن أبى سبرة قال أحـمـد وابـن معين يضع الحديث(مصباح الزجاجةللكنانى، كتاب اقامة الصلاة، باب ما جاء فى ليلة النصف من شعبان)

ابـن أبـى سبرة أبو بكر بن عبد الله العامرى (ق)الفقيه الكبير، قاضى العراق، أبو بكر بن عبد الله بن محمد بن أبى سبرة بن أبى رهم -وكان جد أبيه أبو سبرة بدريا من السابقين الـمهاجرين -ابـن عبـد الـعـزى القرشى، ثم العامرى .توفى :زمـن عثمان -رضـى الله عنهما .-وكـانت أمه برة عمة رسول الله -صـلى الله عليه وسلم -وأخـوه لأمه أبا سلمة الـمخزومى -رضـى الله عنه -ومـا عـلمته روى شيئا .حـدث أبـو بكر بن أبى سبرة عن : عـطـاء بـن أبى رباح، والأعرج، وزيد بن أسلم، وهشام بن عروة، وشريک بن أبى نمر، وطائفة .وهـو ضعيف الحديث من قبل حفظه ،حدث عنه :ابن جريج -مع تقدمه -وأبو عـاصـم الـنبيـل، ومـحـمد بن عمر الواقدى، وعبد الرزاق، وعبد الله بن الوليد العدنى، وآخرون .قال أبو داود :كـان مفتى أهل المدينة .وروى :معن، عن مالک :قال لى أبو جعفر المنصور :يا مالک !مـن بقى بالمدينة من المشيخة؟قلت :ابن أبى ذئب، وابن أبـى سبرة، وابن أبى سلمة الماجشون......قال أحمد بن حنبل :قال لى الحجاج :قال لى ابن أبى سبرة :عندى سبعون ألف حديث فى الحلال والحرام.قال على بن المدينى :هو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس بہت سے اہلِ علم حضرات نے اس حدیث کے شدید ضعیف ہونے کی وجہ سے اس حدیث کی بناء پر پندرہ شعبان کے روزے کو مستحب قرار نہیں دیا۔

اور اکثر فقہائے کرام نے بھی پندرہ شعبان کے روزے کو سنت یا مستحب روزوں میں ذکر نہیں کیا۔ [۱]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

عندی مثل إبراهيم بن أبی يحيی.وروی :عباس، عن ابن معين، قال:ليس حديثه بشیء ، قدم ها هنا، فاجتمع عليه الناس، فقال :عندی سبعون ألف حديث، إن أخذتم عنی كما أخذ عنی ابن جريج، وإلا فلا.وقال البخاری :ضعيف الحديث . وقال النسائی: متروک .وروی :عبد الله وصالح ابنا أحمد، عن أبيهما، قال :كان يضع الحديث . قلت :يقال :اسمه محمد.وقيل :عبد الله......قال ابن عدی :عامة ما يرويه غير محفوظ، وهو فی جملة من يضع الحديث(سير اعلام النبلاء ج۷ ص ۳۳۰ تا ۳۳۲ ملخصاً)

وَقَال صالح بن أحمد بن حنبل، عَن أبيه :أبو بكر محمد ابن عَبد الله بن أَبی سبرة يضع الحديث ، وكان ابن جُرَيْج يروی عنه.وَقَال عَبد الله بن أحمد بن حنبل ، عَن أبيه :ليس بشیء .كان يضع الحديث ويكذب......وَقَال الغلابی ، عن يحيی بن مَعِين :ضعيف الحديث .وَقَال أحمد بن سعد بن أَبی مريم ، عن يحيی بن مَعِين :ليس بشیء .وَقَال علی ابن المدينی :كان ضعيفا فی الحديث ، وكان ابن جُرَيْج أخذ منه مناولة .وَقَال أيضا :كان منكر الحديث ، هو عندی مثل ابن أَبی يحيی . وَقَال إبراهيم بن يعقوب الجوزجانی :يضعف حديثه .وذكره يعقوب بن سفيان فی باب "من يرغب عن الرواية عنهم.وقَال البُخارِیّ :ضعيف.وَقَال فی موضع آخر :منكر الحديث .وَقَال أبو عُبَيد الآجُرِّیّ ، عَن أبی داود :مفتی أهل المدينة.وَقَال النَّسَائی :متروک الحديث.وَقَال أبو أحمد بن عدی :عامة ما يرويه غير محفوظ ، وهو فی جملة من يضع الحديث(تهذيب الكمال ج۳۳ص۱۰۵ تا ۱۰۷ ملخصاً)

وقال ابن حبان كان ممن يروی الموضوعات عن الثقات لا يجوز الاحتجاج به وقال أبو إسحاق الحربی غيره أوثق منه وقال الساجی عنده منا كير وقال أبو أحمد الحاكم فی الكنی أبو بكر محمد بن عبد الله بن أبی سبرة ولی القضاء لزياد الحارثی ثم ولی القضاء لموسی يعنی الهادی وهو ولی عهد وليس بالقوی عندهم وقال الحاكم أبو عبد الله يروی الموضوعات عن الاثبات مثل هشام بن عروة وغيره(تهذيب التهذيب ج۱۲ ص۲۸)

أبو بكر بن عبد الله بن محمد بن أبی سبرة بفتح المهملة وسكون الموحدة بن أبی رهم بن عبد العزی القرشی العامری المدنی قيل اسمه عبد الله وقيل محمد وقد ينسب إلی جده رموه بالوضع وقال مصعب الزبيری كان عالما من السابعة مات سنة اثنتين وستين ق (تقريب التهذيب ج ۱ ص ۶۲۳)

[۱] فقہائے حنفیہ کی عربی کتب میں تلاشِ بسیار کے باوجود نصف شعبان کے روزے کے استحباب کا ذکر نہیں ملا، البتہ بعض دیگر فقہاء اور بعد کے بعض اکابر نے اس کا استحباب ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے۔

البتہ بعض نے اس کو صرف ضعیف نہ کہ شدید ضعیف قرار دیتے ہوئے پندرہ شعبان کے روزے کو مستحب قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ شیخ دردیر مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

وَنُدِبَ صَوْمُ يَوْمِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ (الشرح الصغير للشيخ الدردير لكتابه أقرب المسالك، ج ۱ ص ۶۹۲، باب الصوم)

ترجمہ: شعبان کی پندرہویں تاریخ کا روزہ مستحب ہے (ترجمہ ختم)

اور شیخ مرداوی حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِي كِتَابِ أَسْبَابِ الْهِدَايَةِ :يُسْتَحَبُّ صَوْمُ الْأَشْهُرِ الْحُرُمِ وَشَعْبَانَ كُلِّهِ، وَهُوَ ظَاهِرُ مَا ذَكَرَهُ الْمَجْدُ فِي الْأَشْهُرِ الْحُرُمِ، وَجَزَمَ بِهِ فِي الْمُسْتَوْعِبِ، وَقَالَ :آكَدُ شَعْبَانَ يَوْمُ النِّصْفِ(الانصاف ج ۳ ص ۳۴۷، كتاب الصوم ،باب صوم التطوع)

ترجمہ: ابنِ جوزی نے کتاب اسبابُ الہدایہ میں فرمایا کہ اشہرِ حرم (ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب میں) اور پورے شعبان کے روزے مستحب ہیں، اور یہی اس کا ظاہر ہے، جو کہ مجد نے اشہرِ حرم میں ذکر کیا ہے، اور مستوعب کتاب میں بھی اشہرِ حرم کے بارے میں اسی پر یقین ظاہر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ شعبان کے روزوں میں پندرہویں شعبان کا روزہ زیادہ اہم ہے (ترجمہ ختم)

اور حافظ ابنِ رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وأما صيام يوم النصف منه فغير منهي عنه، فإنه من جملة أيام البيض الغر المندوب إلى صيامها من كل شهر .وقد ورد الأمر بصيامه من شعبان بخصوصه، ففي سنن ابن ماجه بإسناد ضعيف عن علي عن النبي -صلى الله عليه وسلم :-(إذا كان ليلة نصف شعبان، فقوموا ليلها وصوموا نهارها، فإن الله تعالى ينزل فيها لغروب الشمس إلى السماء الدنيا، فيقول :ألا مستغفر فأغفر له، ألا مسترزق فأرزقه ألا مبتلى فأعافيه، ألا كذا ألا كذا حتى يطلع الفجر)(لطائف المعارف فيما لمواسم العام من الوظائف ،ص ۱۳۶، وظائف شهر شعبان، المجلس الثاني في نصف شعبان)

ترجمہ: اور نصف شعبان کا روزہ منع نہیں ہے، کیونکہ یہ ایامِ بیض کے روزوں میں سے ہے، جو ہر مہینے رکھنا مستحب ہے، اور خاص پندرہ شعبان کے روزے کے بارے میں حکم وارد ہوا ہے، پس سنن ابنِ ماجہ میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ جب شعبان کی پندرہویں رات آئے تو رات کو عبادت کرو، اور اگلے دن روزہ رکھو، کیونکہ (شعبان کی چودہ تاریخ کی شام ہونے پر) سورج غروب ہونے سے، اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر (اپنی شان کے مطابق) نزول فرمائے رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں: ہے کوئی مجھ سے بخشش مانگنے والا کہ میں اسے بخش دوں؟ ہے کوئی رزق طلب کرنے والا کہ میں اسے رزق دے دوں؟

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے یہ تفصیل ذکر فرمائی ہے کہ خاص پندرھویں شعبان کے روزے کی مخصوص فضیلت سمجھتے ہوئے تو روزہ نہیں رکھنا چاہئے، البتہ شعبان کے مہینے میں روزے رکھنا مستحب ہے، اور پندرہ شعبان کی تاریخ بھی اس مہینے کا حصہ ہے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ہر مہینے میں (۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں میں) تین روزے رکھنے کا تھا، جن کو ایامِ بیض کہا جاتا ہے، اور یہ پندرہ تاریخ ان دنوں میں سے ہے، اس حیثیت اور اس جہت سے پندرہ شعبان کا روزہ رکھنے میں حرج نہیں۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اسے مصیبت سے نجات دوں؟ ہے کوئی ایسا، ہے کوئی ویسا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان صبح صادق تک جاری رہتا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اور صبح شبِ برأت کے دن کا روزہ اور شش عید کا روزہ بھی مستحب ہے (فتاویٰ عزیزی ص ۵۰۲)

اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

پندرہ تاریخ کو روزہ رکھیں (وعظ ذم ہویٰ ص ۸ ملخصاً، الابقاء شعبان ۵۶ھ)

اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''پندرھویں تاریخ شعبان کا روزہ مستحب ہے۔ اگر کوئی رکھے تو ثواب ہے اور نہ رکھے تو کچھ حرج نہیں ہے'' (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، مدلل ومکمل ج ۶ ص ۵۰۰)

اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''البتہ اگر ممکن ہو تو چودہ، پندرہ شعبان کو نفلی روزے رکھے جائیں'' (مکتوبات ج ۴ ص ۷۸)

اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''شعبان کی پندرھویں کو روزہ رکھنے کا حکم حدیث میں موجود ہے'' (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۳ ص ۴۱۵)

اور حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

مؤمن بندوں کو چاہئے کہ پورے ماہ شعبان میں خوب زیادہ نفلی روزے رکھیں اور پندرھویں رات ذکر، دعا اور نماز میں گزاریں اور پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھیں (تحفہ خواتین ص ۲۶۴)

[۱] چنانچہ علامہ ابنِ حجر ہیتمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَأَمَّا صَوْمُ يَوْمِهَا فَهُوَ سُنَّةٌ مِن حَيْثُ كَوْنُهُ مِن جُمْلَةِ الْأَيَّامِ الْبِيضِ لَا مِن حَيْثُ خُصُوصِهِ (الفتاوى الكبرى الفقهية، لابن حجر الهيتمي، ج ۲ ص ۸۰، كتاب الصوم)

اور حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ یہ کہ پندرہ شعبان کے روزے کا حکم ایک ضعیف روایت سے ثابت ہے، جو بعض محدثین کے نزدیک شدید ضعیف ہے، جس سے پندرہ شعبان کے روزے کا مستحب ہونا ثابت نہیں ہوتا۔
اور جن کے نزدیک شدید ضعیف نہیں، وہ پندرہ شعبان کے روزے کے مستحب ہونے کے قائل ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ شعبان میں روزے رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے اس لئے پندرہویں تاریخ کا روزہ بھی اس کے عموم میں داخل ہے''(تبلیغی اور اصلاحی مضامین ج۶ص۱۰۱)

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ:

''ایک مسئلہ شبِ برأت کے بعد والے دن یعنی پندرہ شعبان کے روزے کا ہے، اس کو بھی سمجھ لینا چاہئے، وہ یہ کہ سارے ذخیرۂ حدیث میں اس روزے کے بارے میں صرف ایک روایت میں ہے کہ شبِ برأت کے بعد والے دن روزہ رکھو۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔

لہٰذا اس روایت کی وجہ سے خاص اس پندرہ شعبان کے روزے کو سنت یا مستحب قرار دینا بعض علماء کے نزدیک درست نہیں۔ البتہ پورے شعبان کے مہینے میں روزہ رکھنے کی فضیلت ثابت ہے یعنی یکم شعبان سے ستائیس شعبان تک روزہ رکھنے کی فضیلت ثابت ہے لیکن ۲۸ اور ۲۹ شعبان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے کہ رمضان سے ایک دو روز پہلے روزہ مت رکھو۔ تاکہ رمضان کے روزوں کے لئے انسان نشاط کے ساتھ تیار رہے، لیکن یکم شعبان سے ۲۷/شعبان تک ہر دن روزہ رکھنے میں فضیلت ہے، دوسرے یہ کہ یہ پندرہ تاریخ ایامِ بیض میں سے بھی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ہر ماہ کے ایام بیض میں تین دن روزہ رکھا کرتے تھے، یعنی ۱۳/۱۴/۱۵ تاریخ کو، لہٰذا اگر کوئی شخص ان دو وجہ سے ۱۵/تاریخ کا روزہ رکھے، ایک اس وجہ سے کہ یہ شعبان کا دن ہے، دوسرے اس وجہ سے کہ یہ ۱۵/تاریخ ایامِ بیض میں داخل ہے اگر اس نیت سے روزہ رکھ لے تو انشاء اللہ موجبِ اجر ہوگا، لیکن خاص پندرہ تاریخ کی خصوصیت کے لحاظ سے اس روزے کو سنت قرار دینا بعض علماء کے نزدیک درست نہیں، اسی وجہ سے اکثر فقہائے کرام نے جہاں مستحب روزوں کا ذکر کیا ہے، وہاں محرم کی دس تاریخ کے روزے کا ذکر کیا ہے، یومِ عرفہ کے روزے کا ذکر کیا ہے، لیکن پندرہ شعبان کے روزے کا علیحدہ سے ذکر نہیں کیا، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ شعبان کے کسی بھی دن بھی روزہ رکھنا افضل ہے، بہرحال اگر اس نقطۂ نظر سے کوئی شخص روزہ رکھ لے تو انشاء اللہ اس پر ثواب ہوگا۔ باقی کسی دن کی کوئی خصوصیت نہیں''(اصلاحی خطبات ج۴ص۲۷۳تا۲۷۴)

[1] اور جب یہ روایت ضعیف اور بعض کے نزدیک شدید ضعیف ہے، تو اس سے نصف شعبان کی رات میں اولِ لیل سے ہی نزولِ الٰہی پر استدلال بھی محلِ نظر ہے، کیونکہ اس کا تعلق صفاتِ باری تعالیٰ سے ہے، جس کا حکم زیادہ نازک ہے، البتہ نصف شعبان کی رات میں نزولِ الٰہی کی احادیث وروایات میں رات کے کسی خاص حصہ میں نزول کی تخصیص نہیں، جس سے رات کے پورے حصہ میں نزول کو مراد لینا درست ہے، یعنی من غروب الشمس الیٰ طلوع الفجر۔

اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ خاص پندرہ شعبان کے روزے کی مخصوص فضیلت سمجھتے ہوئے تو اس دن روزہ نہیں رکھنا چاہئے، البتہ شعبان کے جن دنوں میں بھی نفلی روزہ رکھنے کی توفیق ہوجائے، ان میں نفلی روزہ رکھ لینا چاہئے، خواہ پندرہ شعبان کو ہی ہو، اور اگر پندرہ شعبان کو اس وجہ سے روزہ رکھے، کہ یہ ایامِ بیض میں داخل ہے، اور اس کے ساتھ تیرہ، چودہ تاریخ کا بھی روزہ رکھ لے، تو بہت بہتر ہے۔

شبِ برأت میں کرنے کے کاموں کا خلاصہ

آخر میں عوام کی آسانی کے لئے شب برأت میں کرنے کے کاموں کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے:

(۱)......عشاء اور فجر کی نماز باجماعت اپنے وقت پر ادا کرنی چاہئے۔

(۲)......گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، خصوصاً جن گناہوں کی نحوست اس مبارک رات کی برکات سے محروم کردیتی ہے (جن کا ذکر احادیث وروایات کے ضمن میں پیچھے گذر چکا ہے) ان سے مکمل پرہیز کرنا اور توبہ کرنی چاہئے، خواہ اس رات میں نفلی عبادت وذکر اور جاگنے کی توفیق نہ ہو مگر گناہوں سے بچنا پھر بھی ضروری ہے بلکہ اس رات میں نفلی عبادت سے زیادہ ضروری گناہوں سے بچنا ہے۔

(۳)......اس رات میں توبہ واستغفار کا اہتمام کرنا چاہئے ، اور شبِ برأت کے نام پر ہونے والی بدعات اور منکرات سے سختی کے ساتھ پرہیز کرنا چاہئے۔

(۴)......اپنے لئے اور سب مسلمانوں کے لئے صحت وعافیت، رحمت اور مقاصدِ حسنہ اور اپنے اور اپنے مرحومین کے لئے بخشش ومغفرت کی دعا کرنی چاہئے۔

(۵)...... جتنا سہولت وآسانی سے ممکن ہو خواہ تھوڑی ہی دیر کیوں نہ ہو نوافل، ذکر وتلاوت وغیرہ کرنی چاہئے۔

(۶)......منکرات سے بچتے ہوئے کوئی مَرد اتفاق سے قبرستان جانا چاہے، تو بعض اہلِ علم کے نزدیک اجازت ہے، لیکن اس کو لازم وضروری سمجھنا یا ہمیشہ اس کی فرض وواجب عمل کی طرح

پابندی کرنا، یا اس کو اجتماعی رنگ دینا، یا اور کوئی بدعت وغیرہ کرنا درست نہیں، بلکہ زندگی میں ایک مرتبہ خرابیوں سے بچتے ہوئے قبرستان چلے جانا بھی بعض کے نزدیک کافی ہے۔

(۷)......بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک پندرہ شعبان کا روزہ خصوصی فضیلت یا استحباب کا حامل نہیں، بلکہ شعبان کے مہینے میں جب بھی موقع مل جائے، نفلی روزے رکھنا مستحب ہے، البتہ بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک شعبان کی پندرہ تاریخ کو نفلی روزہ رکھنا مستحب ہے، اور اگر پندرہ تاریخ کے ساتھ تیرہ اور چودہ تاریخ کا بھی روزہ ملالیا جائے، اور ان کو ایامِ بیض (یعنی مہینے کے تین روزے) بنا کر رکھا جائے، تو زیادہ بہتر ہے۔

ملحوظ رہے کہ یہ کام صرف عوام کی آسانی کے لئے لکھے گئے ہیں، بذاتِ خود یہ تمام کام اور ان کی ترتیب شبِ برأت کا کوئی لازمی اور ضروری حصہ نہیں۔

اس کے علاوہ جو لوگوں نے مختلف قسم کی چیزیں ایجاد کر رکھی ہیں اور ان کو شبِ برأت کے ضروری ارکان اور حصہ سمجھا ہوا ہے وہ خود ساختہ اور من گھڑت چیزیں ہیں، جن کا شعبان کی پندرہویں مبارک رات اور پندرہ شعبان کے دن سے کوئی تعلق نہیں۔

اور یہ ایک مسلَّمہ حقیقت ہے کہ جس طرح زمانے اور جگہ کا نیکیوں پر اثر ہوتا ہے اسی طرح گناہ پر بھی اثر ہوتا ہے، مثلاً ایک گناہ بازار میں یا عام دنوں میں کیا جائے، اور یہی گناہ مسجد میں یا رمضان کے مہینے میں کیا جائے تو یقیناً مسجد اور رمضان کی وجہ سے اس گناہ کی قباحت اور بُرائی بھی بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔

یہی معاملہ شبِ برأت کا بھی ہے کہ اس میں جو گناہ کیا جائے وہ عام دنوں کے مقابلہ میں زیادہ نقصان دہ اور بُرا ہے۔ واللہ الموفق۔

n

شبِ برأت سے متعلق چند شبہات کا ازالہ

شبِ برأت کی فضیلت واہمیت اور اس کی حقیقت واضح ہوجانے کے بعد چند ایسے شبہات کا ازالہ کیا جاتا ہے جو شبِ برأت کے حوالے سے معاشرہ میں پائے جاتے ہیں۔

کیا شبِ برأت کی فضیلت قرآن مجید سے ثابت ہے؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (سورہ دخان آیت ۳)

ترجمہ: ہم نے اس قرآن مجید کو مبارک رات میں نازل کیا ہے (ترجمہ ختم)

بعض حضرات کو اس موقع پر دو قسم کی غلط فہمیاں ہوجاتی ہیں، ایک تو یہ کہ وہ سورہ دخان کی مذکورہ آیت سے حتمی طور پر شبِ برأت مراد لیتے ہیں۔

حالانکہ صحیح اور راجح بات یہ ہے کہ اس آیت میں مبارک رات سے شبِ قدر مراد ہے، نہ کہ شبِ برأت۔

البتہ بعض مفسرین کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مبارک رات سے مراد شبِ برأت ہے، لیکن یہ روایت مفسرین کے نزدیک اتنی معتبر نہیں۔ [1]

---

[1] إِنَّـا أَنْـزَلْـنـاهُ يعنى القران فِى لَيْلَةٍ مُبارَكَةٍ لما فيها نزول القرآن السبب للمنافع الدينية والدنيوية وفيهـا نـزول الملائكة والرحمة واجابة الدعاء وهى ليلة القدر كذا قال قتادة وابن زيد قالا انزل الله القران فى ليلة القدر من أم الكتاب الى السماء الدنيا ثم نزل به جبرئيل عليه السلام على النبى صلى الـلـه عليه وسلم نجوما فى عشرين سنة -وما قيل انها ليلة النصف من شعبان فليس بشيئ(التفسير المظهرى، تحت آيت ۳ من سورة الدخان)

إِنَّـا أَنْزَلْناهُ أى الكتاب المبين الذى هو القرآن على القول المعول عليه فِى لَيْلَةٍ مُبارَكَةٍ هى ليلة القدر عـلـى مـا روى عـن ابن عباس وقتادة وابن جبير ومجاهد، وابن زيد والحسن وعليه أكثر المفسرين والظواهر معهم(تفسير روح المعانى، تحت آيت ۳ من سورة الدخان)

يقول تعالى مخبرا عن القرآن العظيم :إنه أنزله فى ليلة مباركة، وهى ليلة القدر، كما قال تعالى :(إِنَّا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسری غلط فہمی یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ جب راجح قول کے مطابق اس آیت کی تفسیر سے شبِ برأت ثابت نہیں ہوتی، تو وہ سرے سے شبِ برأت کی فضیلت ہی کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ) (القدر: ۱)وكان ذلك في شهر رمضان، كما قال :تعالى :(شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ) (البقرة:۱۸۵ وقد ذكرنا الأحاديث الواردة في ذلك في "سورة البقرة" بما أغنى عن إعادته.

ومن قال :إنها ليلة النصف من شعبان - كما روي عن عكرمة -فقد أبعد النُّجعَة فإن نص القرآن أنها في رمضان(تفسير ابن كثير، تحت آيت ۳ من سورة الدخان)

علامہ ابن الحاج مالکی رحمہ اللہ (متوفیٰ ۷۳۷ھ) فرماتے ہیں کہ:

قَالَ اللهُ تَعَالىٰ (فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ)وَقَدْ اِخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ هَلْ هِيَ هٰذِهِ اللَّيْلَةُ اَوْلَيْلَةُ الْقَدْرِ عَلٰى قَوْلَيْنِ الْمَشْهُوْرِ مِنْهُمَا اَنَّهَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ (المدخل لابن الحاج مالكي باب ليلة النصف من شعبان ج ۱ ص ۲۹۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ" اور علماء کے اس آیت کے بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ کیا اس آیت میں یہی شعبان کی پندرہویں رات مراد ہے یا شبِ قدر مراد ہے؟ مشہور ان میں سے یہ ہے کہ اس آیت میں شبِ قدر مراد ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

بعض نے لیلۃ مبارکۃ کی تفسیر لیلۃ البرأت سے کی ہے، اس بناء پر کہ روایات میں اس کی نسبت بھی واقعاتِ سالانہ کا فیصلہ ہونا آیا ہے لیکن چونکہ کسی روایت میں اس میں قرآن کا نزول وارد نہیں اور شبِ قدر میں نزول خود قرآن میں مذکور ہے "اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ" اس لئے یہ تفسیر صحیح نہیں معلوم ہوتی (بیان القرآن ج ۱۰ ص ۹۹)

بہرحال شبِ برأت کی بڑی فضیلت ہے، شبِ قدر کے قریب قریب برابر اس کی فضیلت احادیث میں آئی ہے، یہاں تک کہ بعض نے سورہ دخان میں "لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ" کی تفسیر شبِ برأت سے کر دی ہے اور وجہ اس کی یہ ہوئی کہ لیلۃ القدر اور شبِ برأت کے فضائل احادیث میں ملتے جلتے سے ہیں۔

یہی دیکھ کر انہوں نے قرآن میں بھی لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ سے شبِ برأت ہی سمجھ لی۔ مگر یہ خلافِ ظاہر ہے۔ کیونکہ آیت میں "لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ" کی صفت یہ مذکور ہے کہ اس میں نزولِ قرآن ہوا ہے اور شبِ برأت میں نزولِ قرآن ہونے کا کہیں ثبوت نہیں۔ اس لئے راجح یہ ہے کہ "لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ" سے قرآن میں تو لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ شبِ برأت کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ اس رات میں اور راتوں سے زیادہ عبادت کرنا چاہئے اور صبح کو روزہ رکھا جائے (وعظ الیسر مع العسر جلد بعنوان نظام شریعت ص ۵۲۳ تا ۵۲۴، مکتبہ اشرف المعارف جھلیک ملتان)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حالانکہ شبِ برأت کی فضیلت اس آیت پر موقوف نہیں بلکہ اس کی فضیلت دوسرے دلائل (احادیث وروایات) سے ثابت ہے، جس کی تفصیل پیچھے ذکر کی جاچکی ہے۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل کیا ہے، ایک قول پر اس کی تفسیر شعبان کی پندرہویں شب ہے، لیکن اگر یہ تفسیر ثابت بھی نہ ہو تب بھی اس رات کی فضیلت کچھ اس آیت پر موقوف نہیں، احادیث سے اس کی فضیلت ثابت ہے'' (اشرف التفاسیر ج۴ ص۲۹)

اور مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''بعض مفسرین عکرمہ وغیرہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس آیت میں لیلۂ مبارکہ سے مراد شبِ برأت یعنی نصف شعبان کی رات قرار دی ہے مگر اس رات میں نزولِ قرآن دوسری تمام نصوصِ قرآن اور رواياتِ حدیث کے خلاف ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ جیسی کھلی نصوص کے ہوتے ہوئے بغیر کسی قوی دلیل کے نہیں کہا جاسکتا کہ نزولِ قرآن شبِ برأت میں ہوا،.......

اس لئے بعض حضرات نے (سورہ دخان کی) آیتِ مذکورہ میں لیلۂ مبارکہ (مبارک رات) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم فرماتے ہیں کہ:

بعض حضرات نے آیتِ قرآنی ''اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ'' لیلۃ البرأت کی فضیلت ثابت کی ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ آیت لیلۃ القدر کے بارے میں ہے، چنانچہ جمہورِ مفسرین اسی کے قائل ہیں نیز اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (درس ترمذی ج۲ ص۵۷۹ تا ۵۸۱)

[1] نیز حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

جو رات آنے والی ہے (پندرہویں شب شعبان) اس کے تو خاص فضائل آئے ہیں، اس معنیٰ کر اُس کو مبارک کہنا درست ہے گو احادیث میں مبارک کا لفظ نہیں آیا اور قرآن میں اگر چہ آیا ہے مگر یہ تفسیر خود محتمل ہے مگر یہ احتمال اس لقب میں مضر نہیں کیونکہ برکت کی حقیقت ہے کثرتِ نفع۔ اگر کسی چیز کا کثیر النفع ہونا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کی تفسیر (جو) لیلۃُ البرأت (شبِ برأت) سے کردی ہے (یعنی اس سے شبِ برأت مرُاد لی ہے) مگر یہ صحیح نہیں، کیونکہ یہاں (سورہ دخان میں) اس رات میں نزولِ قرآن کا ذکر سب سے پہلے ہے اور اس کا رمضان میں (نازل) ہونا قرآن کی نصوص سے متعین ہے.....اصل بات جو ظاہرِ قرآن اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے وہ یہی ہے کہ سورہ دخان کی آیت میں لیلۂ مُبارکہ اور فیھا یفرق وغیرہ کے سب الفاظ شبِ قدر ہی کے متعلق ہیں۔ رہا شبِ برأت کی فضیلت کا معاملہ، سو وہ ایک مستقل معاملہ ہے جو بعض روایاتِ حدیث میں منقول ہے، الخ'' (معارف القرآن ج ۷ ص ۷۵۸)

شبِ برأت کی فضیلت کا انکار

بعض لوگ شبِ برأت سے متعلق وارد ہونے والی احادیث وروایات کے بارے میں یہ کہا کرتے ہیں کہ شبِ برأت کی فضیلت سے متعلق تمام احادیث وروایات موضوع یعنی گھڑی ہوئی یا کم از کم سخت ضعیف ہیں اور ان کا کوئی اعتبار نہیں، جب کہ ان لوگوں کی یہ سوچ درست نہیں۔

ہماری گزشتہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ شبِ برأت سے متعلق وارد احادیث وروایات مختلف ہیں کچھ تو حسن ہیں، کچھ مرسل ہیں اور کچھ احادیث وروایات ضعیف بھی ہیں، لیکن یہ تمام احادیث وروایات حضراتِ محدثین کی اصطلاح کے مطابق مجموعی لحاظ سے صحیح یا کم از کم حسن درجہ تک پہنچ جاتی ہیں اور اس رات کے متعلق کئی جلیل القدر صحابۂ کرام کی روایات الگ منقول ہیں۔

اور ان کے علاوہ جلیلُ القدر تابعین یا تبعِ تابعین وغیرہ سے بھی کئی روایات منقول ہیں، محدثینِ کرام نے اگرچہ بعض روایات کی سند پر نقد وجرح کی ہے مگر انہیں بالکل بے بنیاد نہیں فرمایا، جب کہ ان روایات کی تائید میں دوسری روایات بھی موجود ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثابت ہوجائے تو اس کو مبارک کہنا صحیح ہوگا۔ پس احادیث میں جو فضائل اس رات کے مذکور ہوئے ہیں جب ان سے کثیر النفع ہونا معلوم ہوتا ہے تو اس کو مبارک کہنا صحیح ہوگا گو مبارک کا لفظ نہ وارد ہوا ہو (وعظ ''شبِ مبارک''، صفحہ ۸، ۹، خطباتِ حکیم الامت ج ۷ ص ۳۷۳)

اوراس رات کی فضیلت کوامت نے قبول بھی کیا ہے (جسے تلقی بالقبول سے تعبیر کیا جاتا ہے) جس کی تفصیل ہم نے پہلے اپنے مقام پر ذکر کردی ہے۔

اور پھران احادیث سے زیادہ سے زیادہ مستحب درجے کی فضیلت ثابت کی جارہی ہے اور بہت سے محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث سے مستحب درجے کی فضیلت ثابت ہوجاتی ہے۔

اور بہت سے محدثین، فقہائے کرام اوراسلاف واکابر نے شبِ برأت کی فضیلت کی صاف طور پر وضاحت فرمائی ہے، جن کے حوالے ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں۔

لہٰذا اس رات کی فضیلت کا سرے سے انکار کرنا درست نہیں۔

البتہ بعض لوگ جو اس رات کو حد سے زیادہ بڑھادیتے ہیں، یا وہ اس رات کے نام پر مختلف نظری وعملی خرابیوں میں مبتلا ہیں، وہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے، ان سے تو سب حضرات ہی منع کرتے ہیں مگر ان خرابیوں کی وجہ سے اس رات کی فضیلت ہی کا سرے سے انکار کرنا غلط ہے۔ [1]

کیا ''شبِ برأت'' نام حدیث سے ثابت ہے؟

بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ اس رات کا نام ''شبِ برأت'' کسی حدیث میں نہیں آیا، لہٰذا اس کو ''شبِ برأت'' کہنا جائز یا درست نہیں۔

لیکن ان کا یہ کہنا درست نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ حدیث شریف میں اس رات کا کوئی خاص نام نہیں آیا بلکہ عام طور پر ''لَیْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ'' یعنی ''پندرہویں شعبان کی رات'' کہہ کر اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] والبیان دالة علی أن النبی أكثر فی تلك اللیلة من العبادة والدعاء وزار القبور ودعا للأموات فیعلم بمجموع الأحادیث القولیة والفعلیة استحباب إكثار العبادة فیها فالرجل مخیر بین الصلاة وبین غیرها من العبادات فإن اختار الصلاة فكمیة أعداد الركعات وكیفیتها مفوضة إلیه ما لم یأت بما منعه الشارع صراحة أو إشارة إنما الكلام فی استحباب هذه الصلوات المخصوصة بالكیفیات المخصوصة وثبوتها عن رسول الله وكون الروایة موضوعة أو ضعیفة شدید الضعف لا شبهة فی أنه یضره ولا یفیده كون الصلاة خیرا موضوعا واستحباب مطلقها فی هذه اللیلة وغیرها (الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة للكنوی، ص ۸۰، ۸۱)

پھر ''شبِ براُت'' فارسی زبان کا لفظ ہے، جو ''شب'' اور ''براُت'' سے مرکب ہے، ''شب'' کے معنٰی رات اور ''براُت'' کے معنٰی پاکی، نجات، چھٹکارا، رہائی اور بچاؤ کے ہیں۔

اور اس رات میں چونکہ بے شمار گناہگاروں کی مغفرت اور مجرموں کی بخشش، اور جہنم کے عذاب سے چھٹکارا اور نجات پانے کا روایات میں ذکر آیا ہے، اس لئے عام بول، چال میں اس کا نام ''شبِ براُت'' مشہور ہوگیا۔ [۱]

اور یہ تو اس رات کے نام کے بارے میں عوام میں شہرت کا معاملہ ہے، ورنہ علماء نے کتابوں میں اس رات کو کئی ناموں سے ذکر کیا ہے، مثلاً:

(۱)......**لَیْلَةُ الْمُبَارَکَة** (یعنی مبارک اور برکت والی رات) [۲]

(۲)......**لَیْلَةُ الرَّحْمَة** (یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاصہ کے نزول کی رات) [۳]

(۳)......**لَیْلَةُ الصَّکِّ** (یعنی دستاویز والی رات) [۴]

---

[۱] حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لیلة النصف من شعبان وھی لیلة البراء ة (مرقاة شرح مشکوٰة ج ۳ ص ۱۹۰)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

جو رات اب آرہی ہے وہی لیلۃ النصف من شعبان ہے جس کا نام شبِ براُت ہے (وعظ ''الاسعاد والابعاد'' خطباتِ حکیم الامت ج ۲۶ ص ۲۴۶، تالیفاتِ اشرفیہ ملتان)

اس کے علاوہ بہت سے علماء نے ''لیلۃ البراءۃ'' یعنی شبِ براُت یا براُت کی رات، کے نام کے ساتھ اس رات کا تذکرہ فرمایا ہے۔

[۲] لیلة النصف من شعبان ، ولها أربعة أسماء :الليلة المباركة ، وليلة البراء ة ، وليلة الصکّ ، وليلة الرحمة وقيل :بينها وبين ليلة القدر أربعون ليلة .وقيل فى تسميتها :ليلة البراء ة والصکّ :أن البندار إذا استوفى الخراج من أهله كتب لهم البراء ة ، كذلک الله عز وجل يكتب لعباده المؤمنين البراء ة فى هذه الليلة(تفسير الكشاف،سورة الدخان)

[۳] قال فى الكشاف :ولها أربعة أسماء الليلة المباركة وليلة البراء ة وليلة الصک وليلة الرحمة ومن عادة الله فى هذه الليلة أن يزيد فيها ماء زمزم زيادة ظاهرة (فيض القدير للمناوى، تحت روايت ۱۷۹۸)

[۴] أراد بالصک المكتوب الذى يكتب فيه إقرار المقر .قال الجوهرى :الصک :الكتاب، وهو فارسى معرب، والجمع صكاک وصكوک، وفى (العباب) وهو بالفارسية :صک، والجمع : أصک وصكاک وصكوک، وليلة الصک :ليلة البراء ة، وهى ليلة النصف من شعبان، لأنه يكتب فيها من صكاک الأوراق(عمدة القارى ج۲ص۱۷،كتاب العلم،باب القراء ة والعرض على المحدث)

(۴)......لَيْلَةُ الْبَرَاءَ ة(یعنی جہنم سے چھٹکارا ملنے اور بری ہونے کی رات) ۱؎

(۵)......لَيْلَةُ الْمَغْفِرَة (یعنی مغفرت والی رات) ۲؎

(٦)......لَيْلَةُ الْعِتْق (یعنی جہنم سے آزاد کئے جانے والی رات) ۳؎

اور یہ ظاہر ہے کہ براہِ راست اس رات کے یہ سب نام احادیث میں نہیں ملتے، البتہ اس رات میں

۱؎ (ليلة النصف من شعبان) : وهي :ليلة البراءة(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۳ص ۹٦۹، كتاب الصلاة ،باب قيام شهر رمضان)

هذه الليلة ليلة البراء ة وصح الروايات فى فضل ليلة البراء ة(العرف الشذى،باب ما جاء فى ليلة النصف من شعبان)

هٰذِهِ اللَّيْلَة لَيْلَةُ الْبَرَاءَةِ وَصَحَّ الرِّوَايَاتُ فِيْ فَضْلِ لَيْلَةِ الْبَرَآءَ ة(العرف الشذى شرح جامع الترمذى، ج۲ص ۱۷۲ ،كتاب الصوم ،باب ما جاء فى ليلة النصف من شعبان،دار التراث العربى -بيروت)

أى الليلة الخامسة عشر من شعبان وتسمى ليلة البراء ة (تحفة الأحوذى،ابواب الصوم،باب ما جاء فى ليلة النصف من شعبان)

۲؎ لمغفرة الخلق كما فى الاحاديث.

۳؎ وتسمى ليلة الرحمة والليلة المباركة وليلة الصك وليلة البراء ةووجه تسميتهابالاخرين ان البندار اذااستوفى الخراج من اهله كتب لهم البراء ةوالصك كذالك اللّٰهعزوجل يكتب لعباده المؤمنين البراء ة والصك فى هٰذه الليلة وظاهر كلامهم هناان البراء ةوهى مصدربرىء براء ةاذاتخلص تطلق على صك الاعمال والدين وماضاهاهاوانه وردفى الاثارذالك وهومجازمشهوروصار بذالك كالمشترك وفى المغرب برىء من الديون والعيب براء ةومنه البراء ة لخط الابراء والجمع براء ات وبراواة عامية أه.

واكثراهل اللغة على انه يسمع من العرب وانه عامى صرف وان كان من باب المجاز الواسع .قال ابن السيدفى المقتضب البراء ة فى الاصل مصدربرىء براء ةواماالبراء ةالمستعملة فى صناعة الكتاب فتسميتهابذالك اماعلى انهامن برىء من دينه اذااداه وبرئت من الامر اذاتخليت منه فكان المطلوب منه امرتبرأالى الطالب اوتخلى وقيل اصله ان الجانى كان اذا جنى وعفاعنه الملك كتب له كتاب أمان مماخافه فكان يقال كتب السلطان لفلان برائةثم عمم ذالك فيما كتب من اولى الامر وامثالهم اه(تفسيرروح المعانى سورة الدخان الآية ۳)

(إن الله تعالى ليطلع فى ليلة النصف من شعبان فيغفر لجميع خلقه) ذنوبهم واللام إما على بابها بتضمين يطلع معنى ينظر أو بمعنى على وفيه شمول للكبائر وفيه كلام سيجىء (إلا لمشرك) بالله يعنى كافر وخص الشرك لغلبته حينئذ (أو مشاحن) أى معاد والشحناء العداوة قال الطيبى :لعل المراد البغضاء التى بين المؤمنين من قبل نفوسهم الأمارة بالسوء قال فى الكشاف :ولها أربعة أسماء الليلة المباركة وليلة البراء ة وليلة الصك وليلة الرحمة ومن عادة الله فى هذه الليلة أن يزيد فيها ماء زمزم زيادة ظاهرة (فيض القدير للمناوى، تحت روايت ۱۷۹۸)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے کاموں کی مناسبت سے یہ نام علماء نے اپنے اپنے موقع پر ذکر کردیئے ہیں۔

اور جیسا کہ پہلے گزرا کہ ''شبِ برأت'' کا لفظ تو فارسی زبان کا لفظ ہے، نہ کہ عربی کا، اور فارسی کا لفظ عربی میں کہاں سے ملے گا؟ عربی میں تو اس کو ''لَیْلَۃُ الْبَرَاءَۃ'' کہا جائے گا، اور یہ نام علماء نے عربی کتب میں اس کا لکھا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

نیز اگر اس کا ہم معنٰی کوئی عربی لفظ بھی روایت میں نہ ملے تب بھی کچھ حرج نہیں، کیونکہ اس رات کے فضائل کی نوعیت کے پیشِ نظر عرف اور بول وچال میں یہ نام مشہور ہوا، پھر اس رات کا نام ''شبِ برأت'' رکھنا نہ کوئی فرض سمجھتا ہے نہ واجب اور نہ سنت ومستحب اس لئے اس کے لئے دلیل ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔

اگر کوئی شبِ برأت نہ کہے تو اس کو اور کسی نام سے پکار لے، مثلاً شعبان کی پندرہویں رات کہہ لے، تو اس پر نہ کوئی اعتراض ہوگا اور نہ کوئی گناہ۔

اس کی مثال یوں سمجھنا چاہئے کہ ہمارے دینی مدارس میں عام طور پر جو نصاب پڑھایا جاتا ہے اس کو مرتب کرنے والے حضرت ملا نظام الدین سہالوی رحمہ اللہ ہیں، اور ان کی طرف ہی اس نصاب کی نسبت ہونے کی وجہ سے اس کا نام ''درسِ نظامی'' مشہور ہوگیا ہے۔

اب اگر کوئی اس پر یہ اعتراض کرے کہ یہ نام کسی روایت سے ثابت نہیں، لہٰذا اس کو درسِ نظامی کہنا جائز نہیں ہے تو یہ ایک بے معنٰی اور نادرست اعتراض ہوگا۔

کیا ''برأت'' تبرّی اور گالی گلوچ کے معنٰی میں ہے؟

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ ''شبِ برأت'' کا لفظ ''تبرّا'' سے نکلا ہے، اور اس کا معنٰی ہے ''تبرّا کی رات''، یعنی گالی گلوچ کرنے کی رات، اور قرآن وحدیث میں جہاں بھی یہ لفظ یا اس سے ملتے جلتے دوسرے صیغے استعمال کئے گئے ہیں ان میں سب جگہ یہ لفظ بیزاری اور تبری کے معنٰی میں استعمال ہوا ہے۔

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

مگر یہ کہنا بھی غلط ہے، برأت کے معنٰی صرف ''تبرّی کرنے'' کے نہیں بلکہ یہ لفظ بری ہونے اور نجات پانے کے معنٰی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

نیز قرآن وحدیث میں بھی مختلف معنوں میں اس کا استعمال ہوا ہے، لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ یہ لفظ قرآن وحدیث میں ہر جگہ ''تبرّی کرنے'' کے معنٰی میں ہی استعمال ہوا ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ صاحبِ مصباح اللغات لفظِ برء کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''بَرِیءَ (س) بُرُوْءً ا وبَرَاءً ا وبَرَاءَ ةً مِنَ الْعیب والدین: خلاصی پانا، نجات پانا، بَرِیَ (س) وبَرَءَ (ف) و بَرُؤَ (ک) بَرْءً ا و بُرُوْءً ا من المرض شفایاب ہونا، چنگا ہونا، بَرَّأَہٗ تَبْرِئَۃً بری کرنا، پاک کرنا، من التھمۃ دور کرنا .... تَبَرَّءَ من الذنب: گناہ سے بیزار ہونا ...... اَلْبَرَاءَ ۃُ: بَرِیءَ کا مصدر۔فرمان، پروانہ (مصباح اللغات ص ۵۴)

اور قرآن مجید میں ہے کہ:

''اَکُفَّارُکُمْ خَیْرٌ مِّنْ اُولٰئِکُمْ اَمْ لَکُمْ بَرَاءَ ۃٌ فِی الزُّبُرِ''(سورہ قمر آیت ۴۳)

یعنی کیا تم میں جو کافر ہیں انہیں ان لوگوں سے کچھ فضیلت ہے، یا تمہارے لئے کتابوں میں کوئی معافی ہے۔

اور ایک مقام پر ہے کہ:

''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَا لَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا'' (سورہ احزاب آیت ۶۹)

یعنی اے ایمان والو! تم مت ہو ان جیسے جنہوں نے ستایا موسیٰ کو، پھر بے عیب دکھلایا ان کو اللہ نے ان کے کہنے سے۔

اور ایک مقام پر ہے کہ:

''اُولٰئِکَ مُبَرَّءُ وْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ'' (سورہ نور آیت ۲۶)

یعنی: یہ اس بات سے پاک ہیں جو یہ بکتے پھرتے ہیں۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعۂ افک سے متعلق حدیث میں ہے کہ:

''قَالَ لَھَا اَھْلُ الْاِفْکِ مَا قَالُوْا فَبَرَّاَھَا اللّٰہُ مِنْہُ''(بخاری شریف، کتاب الشھادات، باب تعدیل النساء بعضھن بعضا، رقم الحدیث ۲۶۶۱)

یعنی تہمت لگانے والوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو تہمت لگائی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی پاکیزگی ظاہر فرما دی۔

اور بخاری شریف میں اس کے چند سطروں کے بعد ہے کہ:

''فَاِنْ کُنْتِ بَرِیْئَۃً فَسَیُبَرِّئُکِ اللّٰہُ''(حوالہ بالا)

یعنی اگر تم اس سے پاک ہو تو اللہ تمہاری پاکیزگی ظاہر کر دے گا۔

اور آگے ہے کہ:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیا ''شبِ برأت'' نام اہلِ تشیع نے رکھا ہے؟

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اس رات کا یہ ''شبِ برأت'' نام شیعوں نے رکھا ہے، لٰہذا ان کا رکھا ہوا نام رکھنا ناجائز ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں، جب تک دلیل سے یہ بات ثابت نہ ہوجائے کہ یہ نام کب اور کس شیعہ نے رکھا ہے؟ ہرگز قابلِ قبول نہیں۔

نیز اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ یہ نام شیعوں نے رکھا ہے پھر بھی یہ اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔

اور یہ ایسا ہے جیسا کہ احادیث کی تخریج کے سلسلے میں کافروں کی جماعتِ مستشرقین نے ایک کتاب ترتیب دی ہے اور اس کا نام ''المعجم المفهرس لالفاظ الحديث النبوی'' رکھا ہے۔

اب اگر کوئی شخص اس پر یہ اعتراض کرے کہ اگرچہ یہ ایک دینی اور اسلامی کتاب ہے لیکن چونکہ یہ نام کافروں نے رکھا ہے اس لئے اس کتاب کا یہ نام رکھنا ناجائز ہے، تو یہ ایک غلط اعتراض

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فَكَانَ أَوَّلَ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا، أَنْ قَالَ لِي: يَا عَائِشَةُ احْمَدِي اللَّهَ، فَقَدْ بَرَّأَكِ اللَّهُ (حواله بالا)

یعنی پہلی بات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی وہ یہ تھی کہ اے عائشہ اٹھو اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہاری براءت (پاکیزگی) ظاہر فرمادی ہے۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"من صلى لله اربعين يوما فى جماعة يدرك التكبيرة الاولى كتب له براء تان براء ة من النار وبراء ة من النفاق" (ترمذی، حديث نمبر ۲۴۱)

یعنی جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے کہ اس کی تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو تو اس کو دو پروانے ملتے ہیں ایک پروانہ جہنم سے چھٹکارے کا دوسرا نفاق سے بری ہونے کا۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات واحادیث میں یہ لفظ وارد ہوا ہے اور ''تبرا'' کے معنیٰ نہیں دیئے اور نہ وہاں ''تبرا'' کے معنیٰ صحیح منطبق ہوسکتے ہیں، بلکہ کہیں ''معافی''، کہیں ''فارغ خطی''، کہیں ''بے عیب''، کہیں ''پاک''، کہیں ''دست برداری'' کہیں ''پاکیزگی'' اور کہیں، ''پاکدامن'' وغیرہ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے (ماخوذ از: ''شبِ برأت کی فضیلت'' اور ''شبِ برأت کی حقیقت'')

ہوگا (ماخوذ از شب برأت کی حقیقت بتغیر)

البتہ بعض اہلِ تشیع کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شبِ برأت کے بارے میں مختلف قسم کے غلط عقائد ونظریات رکھتے ہیں اور وہ اس رات میں مختلف قسم کی بدعات کے قائل ہیں، مگر یہ ان کا طرزِ عمل ہے، اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک یہ چیزیں درست نہیں (ملاحظہ ہو: آپ کے مسائل کا حل، جلدِ اوّل، صفحہ ۱۲۹، ۱۳۰) [1]

---

[1] حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

شیعہ ولادتِ مہدی کی خوشی میں اس رات حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبرّا کرتے ہیں، چراغاں، آتش بازی اور حلوا خوری کرتے ہیں اور نیٹی جیٹی کے پُل پر جا کر سمندر میں حسین بن رَوح کے نام پر چِٹھیاں ڈالتے ہیں۔

مسلمانوں کو یوں دھوکا دیا:

"اس تاریخ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک شہید ہوا تھا، اس لئے حلوا کھاؤ"

حالانکہ وہ غزوۂ اُحد کا واقعہ ہے، جو شوال میں ہوا ہے، پھر یہ بھی عجیب عشق ہے:

"محبوب کا دانت شہید ہوا، تم حلوا کھاؤ"

ہم فراقِ یار میں گُھل گُھل کے ہاتھی ہوگئے　　اتنے گُھلے اتنے گُھلے رُستم کے ساتھی ہوگئے

واللہ العاصم من جمیع الفتن ۔ ۱۲؍شعبان ۱۴۱۱ ہجری (سات مسائل صفحہ ۴۱، ۴۲)

شبِ برأت کی بدعات، مُنکرات ورسُوم

شعبان کی پندرھویں رات سے متعلق بے شمار نظریاتی وعملی خرابیاں، بدعتیں اور رسمیں ایجاد ہو رہی ہیں اور بہت سی ہو چکی ہیں، آگے اس قسم کی چیزوں پر بھی بقدرِ ضرورت روشنی ڈالی جاتی ہے۔

شبِ برأت کی عبادت کو حد سے زیادہ بڑھانا

□......بعض لوگ شعبان کی پندرھویں رات میں عبادت کرنے کو فرض یا واجب کا درجہ دے دیتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں فرائض اور واجبات کے ادا کرنے اور گناہوں کے چھوڑنے کا اہتمام نہیں کرتے۔

بلکہ بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس رات میں عبادت کر لینے سے ہی سارا کام چل جائے گا، اور پریشانیاں اور مصائب دور ہو جائیں گے، نہ گناہوں کے چھوڑنے کی ضرورت ہے اور نہ فرائض اور واجبات کو بجالانے کی۔

یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ شبِ برأت کی اکثر یا ساری رات تو کسی نہ کسی طرح جاگ کر گزار دیتے ہیں لیکن صبح کی نماز قضاء کر دیتے ہیں یا جماعت چھوڑ دیتے ہیں یا پھر صبح کی نماز میں جھومتے رہتے ہیں اور اس طرح نماز کا خشوع ختم ہو جاتا ہے یا دن بھر کے اپنے فرائضِ منصبی (ملازمت وغیرہ) میں کوتاہی کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

یہ تمام باتیں حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں ہر چیز کو اپنے درجہ پر رکھنا ضروری ہے۔

شبِ برأت میں ساری رات جاگنا ضروری نہیں، وقت پر نماز پڑھنا، مَردوں کو جماعت کا اہتمام کرنا، نماز میں خشوع کا حاصل کرنا اور اپنے فرائضِ منصبی کو پورا کرنا، یہ تمام چیزیں ساری رات جاگنے سے کہیں زیادہ ضروری ہیں۔

پہلے کئی مرتبہ یہ بات گذر چکی ہے کہ شعبان کی پندرھویں رات میں عبادت کا درجہ زیادہ سے زیادہ مستحب ہے، فرض یا واجب نہیں، لہٰذا اس کے ساتھ فرض یا واجب جیسا برتاؤ کرنا اور اس کے مقابلہ

میں فرائض اور واجبات کی ادائیگی اور گناہوں کے چھوڑنے کو اہمیت نہ دینا، بلکہ الٹا یہ سمجھنا کہ صرف شعبان کی پندرہویں رات میں عبادت کر لینے سے کام چل جائے گا اور راحت مل جائے گی یا صرف اس کی وجہ سے بخشش ومغفرت ہو جائے گی یہ سخت گمراہی اور غلطی ہے۔

خوب سمجھ لیجئے! قرآن وحدیث اور عقلِ سلیم کا فیصلہ ہے کہ دنیا وآخرت کی مصیبت و پریشانی سے حفاظت اور راحت وسکون کا اصل ذریعہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر چلنا اور نافرمانیوں سے بچنا اور گناہوں سے توبہ کرنا ہے، پس گناہوں سے بچے اور فرائض وواجبات کی ادائیگی کے بغیر نفلی عبادات وغیرہ سے پوری طرح مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

شبِ برأت اور شبِ قدر میں فرق

□......بعض لوگ شبِ برأت اور شبِ قدر میں فرق نہیں کرتے اور ان دونوں کو ایک ہی چیز خیال کرتے ہیں اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہ شبِ برأت اور شبِ قدر میں فرق تو کرتے ہیں لیکن دونوں کو ایک ہی درجہ اور مقام دیتے ہیں۔

بلکہ بعض لوگ تو شبِ برأت کو شبِ قدر سے بھی زیادہ بڑا رتبہ دیتے ہیں، یہ تمام نظریات، خیالات اور سوچیں غلط ہیں، اور اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ:

(۱)......شبِ قدر کی فضیلت قرآن مجید اور بے شمار صحیح اور قوی احادیث سے ثابت ہے، جبکہ شبِ برأت کو یہ مقام حاصل نہیں۔

(۲)......شبِ قدر میں قرآن مجید نازل ہوا، جبکہ شبِ برأت میں ایسا نہیں ہوا۔

(۳)......شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جبکہ شبِ برأت کے بارے میں یہ بات ثابت نہیں

(۴)......شبِ قدر کے بارے میں راجح بات یہ ہے کہ وہ رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں آتی ہے۔ اور شبِ برأت شعبان کے مہینے میں ہوتی ہے۔

(۵)......شبِ قدر میں حکمت والے معاملات کا فیصلہ ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے (سورہ دخان) اور شبِ برأت کے بارے میں یہ بات قرآن مجید سے ثابت نہیں، البتہ اس رات کے بارے میں

بعض روایات میں بہت سے اہم کاموں کے فیصلہ ہونے کا ذکر ہے۔ جن کا ذکر پہلے اپنے مقام پر گزر چکا ہے ، وغیرہ وغیرہ۔

غرضیکہ شبِ قدر اور شبِ برأت دو علیٰحدہ علیٰحدہ راتیں ہیں اور شبِ قدر کو جو مقام حاصل ہے وہ شبِ برأت کو حاصل نہیں، اگرچہ اپنی جگہ شبِ برأت بھی فضیلت والی رات ہے۔

مسجدوں وغیرہ میں اجتماعی شب گزاری اور اس کے مختلف حیلے

□...... آج کل بہت سے مقامات پر شبِ برأت اور دوسری مبارک راتوں میں مسجدوں یا کسی گھر وغیرہ میں اجتماعی انداز میں شب گذاری اور جاگنے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کے لئے لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے، مختلف طریقوں سے اعلانات کئے جاتے ہیں، اور اس بارے میں اشتہار شائع کئے جاتے ہیں۔

پھر ایک جگہ جمع ہو کر شب باشی کے دوران بعض جگہ وقفہ وقفہ سے چائے اور قہوں کا دور چلتا ہے اور اِدھر اُدھر کی گپ شپ ہوتی ہے جس میں اکثر لطف اندوزی اور مزے اڑانا اور عبادت کا صرف بہانہ کرنا ہی مقصد ہوتا ہے، پھر بعض لوگ باجماعت نوافل ادا کرتے ہیں، یہ بھی دین پر زیادتی ہے۔

اس طرح اجتماعی انداز میں جاگنے اور عبادت کرنے کا اہتمام ثواب کے بجائے گناہ ہے، اس رات میں عبادت نفلی درجہ رکھتی ہے، اور نفل عبادت کے لئے اجتماع اور اس کے لئے مساجد یا دوسری جگہوں کا انتخاب، نیز اس غرض کے لئے لوگوں کو بلانا یہ تمام کام شریعت پر زیادتی ہیں۔

اور فقہائے کرام نے وضاحت کے ساتھ ان کاموں کو بدعت یا مکروہ قرار دیا ہے۔

شریعت کا مزاج یہ ہے کہ اس رات کی عبادت تنہا اپنے اپنے گھروں میں رہتے ہوئے کی جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرائض اور واجبات کے علاوہ نفلی عبادت عموماً گھر میں ادا فرمایا کرتے تھے باوجودیکہ آپ کا حجرہ مبارک بہت چھوٹا تھا، مگر شبِ برأت بلکہ شبِ قدر وغیرہ تک کی راتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفلی عبادت مسجد میں کرنا ثابت نہیں۔

اسی وجہ سے فقہائے کرام نے فضیلت کی راتوں میں مسجدوں میں جمع ہونے کو مکروہ اور بدعت فرمایا ہے۔ [۱]

پس صحیح طریقہ یہی ہے کہ اپنے یہاں رہ کر تنہائی میں جتنی عبادت اخلاص کے ساتھ ہوجائے غنیمت ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں گھنٹے شمار نہیں ہوتے بلکہ اخلاص شمار ہوتا ہے خواہ وہ اخلاص والی عبادت تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔

- ......بعض لوگ اکٹھے ہوکر جاگنے اور عبادت کرنے کے لئے مختلف تاویلیں اور حیلے، بہانے بیان کیا کرتے ہیں، جو کہ شرعی نقطۂ نظر سے بے بنیاد ہیں۔
- ......بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ گھروں میں شور ہوتا ہے، بچے روتے ہیں، جس کی وجہ سے گھر میں عبادت کرنے میں یکسوئی، دلجمعی اور خشوع باقی نہیں رہتا۔

یہ شیطان کا فریب ہے، دراصل خشوع نام ہے سنت کے مطابق عبادت کرنے کا۔

اگر سنت کے مطابق عبادت کرلی تو خشوع وخضوع بھی حاصل ہے اور اس عبادت کا ثواب اور نورانیت وبرکت بھی۔

اور اگر خلافِ سنت طریقہ پر لاکھ آہ وبکا اور خشوع کے طریقے اختیار کریں تو شریعت کی نظر میں یہ عبادت خشوع اور برکت والی شمار نہیں ہوگی۔

---

[۱] ویکرہ الاجتماع علی احیاء لیلۃ من ھذہ اللیالی فی المساجد (البحرالرائق ج ۲ ص ۵۶، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل)

(ویکرہ الاجتماع علی احیاء لیلۃ من ھذہ اللیالی)المتقدم ذکرھا (فی المساجد) وغیرھا لانہ لم یفعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولااصحابہ فانکرہ اکثر العلماء من اھل الحجاز منھم عطاء وابن ابی ملیکۃ وفقھاء اھل المدینۃ واصحاب مالک وغیرھم وقالوا ذالک کلہ بدعۃ (مراقی الفلاح شرح نورالایضاح، ص ۱۵۱، کتاب الصلاۃ، باب فی النوافل)

والثانی انہ یکرہ الاجتماع فیھا فی المساجد للصلٰوۃ والقصص والدعاء ولایکرہ ان یصلی الرجل فیھا لخاصۃ نفسہ وھذا قول الاوزاعی امام اھل الشام وفقیھھم وعالمھم وھذاھو الاقرب ان شاء اللہ تعالٰی (لطائف المعارف ص۱۳۷،وظائف شھر شعبان، المجلس الثانی فی نصف شعبان)

ویحصل القیام بالصلاۃ نفلا فرادی من غیر عدد مخصوص، وبقراءۃ القرآن، والأحادیث وسماعھا، وبالتسبیح والثناء ، والصلاۃ والسلام علی النبی -صلی اللہ علیہ وسلم -الحاصل ذلک فی معظم اللیل وقیل بساعۃ منہ(ردالمحتار، ج۲ص ۲۶، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام نفل نماز کو گھر میں پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے۔ [1]

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما وغیرہ آپ کی کمر مبارک پر بیٹھ جاتے تھے۔ [2]

جہاں تک گھروں میں بچوں کے رونے کا تعلق ہے تو بچوں کے رونے پر تو اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اللہ کی رحمت کو چھوڑ کر بھاگنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ بچوں کا کام رونا اور شور مچانا ہے ان کی اس رات کی عبادت یہی ہے ان کو اپنا کام کرتے رہنے دیجئے اور آپ اپنا کام کیجئے۔

اندریں رہ می خراش وی تراش تادمِ آخر دمے فارغ مباش

ان علائق کے ساتھ رہ کر عبادت میں لگنا ہی اصل کامیابی ہے، اسی وجہ سے اسلام میں رہبانیت (یعنی بیوی بچوں وغیرہ کو چھوڑ کر الگ تھلگ رہ کر عبادت کرنے) کی اجازت نہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تو انتہائی سخت مجبوری کے باوجود اس قسم کی نفلی عبادت اور نوافل وغیرہ خود گھر میں ادا کریں اور پڑھیں اور اسی کو زیادہ ثواب سمجھتے اور قرار دیتے ہوں اور آج ہم یہ کہنے لگیں کہ ہمیں تو گھر میں خشوع حاصل نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ یہ نفس وشیطان کا دھوکہ ہے۔

---

[1] فَعَلَيْكُمْ بِالصَّلَاةِ فِي بُيُوتِكُمْ، فَإِنَّ خَيْرَ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ(بخاری، حدیث نمبر ۷۲۹۰)

[2] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :كُنَّا نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ، فَإِذَا سَجَدَ وَثَبَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلَى ظَهْرِهِ، فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ، أَخَذَهُمَا بِيَدِهِ مِنْ خَلْفِهِ أَخْذًا رَفِيقًا، فَيَضَعُهُمَا عَلَى الْأَرْضِ، فَإِذَا عَادَ عَادَا، حَتَّى قَضَى صَلَاتَهُ، أَقْعَدَهُمَا عَلَى فَخِذَيْهِ، قَالَ :فَقُمْتُ إِلَيْهِ، فَقُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، أَرُدُّهُمَا، فَبَرَقَتْ بَرْقَةٌ، فَقَالَ لَهُمَا " :الْحَقَا بِأُمِّكُمَا . "قَالَ :فَمَكَثَ ضَوْؤُهَا حَتَّى دَخَلَا(مسند احمد، حدیث نمبر ۱۰۶۵۹)

إسناده حسن من أجل كامل -وهو ابن العلاء أبو العلاء التميمي-، وباقي رجاله ثقات رجال الصحيح .أبو المنذر :هو إسماعيل بن عمر الواسطي، وأبو صالح :هو ذكوان السمان(حاشية مسند احمد)

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلِأَبِي العَاصِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا، وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا(بخاری، حدیث نمبر ۵۱۶)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے رہائشی حجرۂ مبارکہ میں نفل پڑھ رہے ہوتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سامنے پاؤں پھیلائے لیٹی ہوئی ہوتیں، جب آپ سجدہ کرنے لگتے تو جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے سجدہ کرنے کے لئے اپنے ہاتھ سے ان کے پاؤں کو چھوتے تب وہ اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پھر اپنے پاؤں پھیلا دیتی تھیں، رات میں اندھیرا ہوتا تھا، اور چراغ جلا ہوا نہیں ہوتا تھا۔ [1]

گھر میں اتنی وسعت تک نہیں کہ ایک آدمی لیٹ جائے تو دوسرا سجدہ کر سکے، جبکہ سوئے ہوئے اور آرام کرنے والے شخص کی بہت زیادہ رعایت کرنے کا حکم ہے، اور مسجدِ نبوی اس قدر قریب کہ حجرہ سے قدم نکالا تو مسجد میں پہنچ گئے۔

پھر مسجد بھی مسجدِ نبوی ہے، جس کی فضیلت ظاہر ہے، اس کے باوجود محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک عمل یہ تھا کہ گھر کے ہی حجرہ میں نوافل پڑھتے اور نفلی عبادت انجام دیتے تھے، مسجد میں تشریف نہ لے جاتے تھے۔

□......بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ گھر میں اکیلے عبادت کرنے اور نفل پڑھنے سے جلدی نیند آجاتی ہے اور اگر مسجد میں اجتماعی طریقہ پر ذکر و نوافل میں لگ جائیں، کچھ تقاریر ہوں اور کچھ نوافل کی جماعت وغیرہ تو نیند ختم ہو جاتی ہے، اور اس طرح سے بہت زیادہ عبادت کی توفیق ہو جاتی ہے اور اس کے برعکس اگر گھر میں اکیلے عبادت، ذکر و نوافل وغیرہ میں لگتے تو اس کا آدھا بھی نہ کر پاتے۔

اس بارے میں خوب سمجھ لیں کہ اول تو عبادت کی کثرت یا اس کی مقدار و تعداد کا زیادہ کرنا اصل میں شریعت کو مقصود ہی نہیں، بلکہ عبادت کی کیفیت اور اس کے اچھے و عمدہ ہونے پر ثواب کا

---

[1] عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَىْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَاىَ، فِى قِبْلَتِهِ فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِى، فَقَبَضْتُ رِجْلَىَّ، فَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا، قَالَتْ: وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ (بخاری، حدیث نمبر ۳۸۲، واللفظ لہٗ، مسلم، حدیث نمبر ۵۱۲)

دارومدار ہے، اگر تھوڑی دیر سنت طریقہ پر اخلاص کے ساتھ عبادت کر لی تو یہ تھوڑی عبادت اس زیادہ دیر کی عبادت سے لاکھوں درجہ اچھی ہے جو سنت کے خلاف ہو۔

دوسرے شریعت نے خود اس کا انتظام کر دیا ہے، اور وہ اس طرح کہ اس رات کے لئے کوئی ایک قسم کی عبادت مقرر اور خاص نہیں فرمائی، بلکہ مختلف قسم کی عبادات کے لئے ہر شخص کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے، کہ خواہ کوئی نفل نماز پڑھے یا ذکر کرے، خواہ تلاوت میں مشغول رہے، درود شریف وتسبیحات وغیرہ میں مصروف رہے یا اپنی حیثیت کے مطابق مختلف عبادات میں لگ جائے، جیسا کہ اس کا بیان علیٰحدہ آ چکا ہے، اور تجربہ ہے کہ جب انسان مختلف قسم کے اعمال انجام دیتا ہے تو نیند جلدی نہیں آتی۔

لہٰذا نیند نہ آنے کی تدبیر یہ ہے کہ متفرق اعمال شروع کر دیئے جائیں تا کہ توجہ مختلف اعمال کی طرف تقسیم رہے، کچھ دیر نوافل پڑھ لئے، تلاوت کر لی، ذکر کرنے لگے اور اگر پھر بھی کسی کو نیند آئے تو اس کو آرام کر لینا چاہئے، کیونکہ اس رات میں پوری رات عبادت ضروری نہیں، بلکہ یہ نفلی درجہ کی عبادت ہے اور بذاتِ خود جاگنا ہی مقصود نہیں، بلکہ ایسے وقت سنت یہ ہے کہ جب تک طبیعت میں تازگی ہو عبادت میں مشغول رہے اور جب تھکان ہو جائے اور نیند کا غلبہ ہو تو آرام کر لے اور سو جائے، کیونکہ ایسی حالت میں سونے ہی میں فضیلت ہے، اور اللہ تعالیٰ کو عبدیت مطلوب ہے، سونے میں ہو یا جاگنے میں، اپنے کو اللہ کے سپرد کر دے، جیسا حکم ہو وہی کرے...... اتباعِ نفس کے لئے کچھ نہ ہو، اللہ کا جو حکم ہو وہ کرے۔ یہ ہے عبدیت اور باقی کوئی چیز اپنی ذات میں مقصود نہیں، بعض اوقات نماز پڑھنا منع ہو جاتا ہے اور سونا ضروری ہو جاتا ہے، تو اس وقت کی عبادت سونا ہی ہوتی ہے (ماخوذ از احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۷۲ تا ۳۷۳ و خطباتِ حکیم الامت ج ۷ ص ۳۸۶ بتغیر)

شبِ برأت میں اسپیکر پر نعت خوانی وغیرہ

□...... بعض لوگ اس رات میں اسپیکر کے ذریعے دور دراز تک آواز پہنچاتے ہیں، نعت خوانی، قرآن مجید کی تلاوت اور تقریروں کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں، جس سے اپنے گھروں میں عبادت

کرنے والے حضرات اور خواتین کو عبادت میں خلل آتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ کسی کی نماز یا دوسری عبادت میں خلل ڈالنا گناہ ہے اور دراصل یہ ایک طرح سے دوسرے کو عبادت سے روکنا ہے، اب غور کرلینا چاہئے کہ ان خلافِ شرع اور سنت کے خلاف عمل کرنے والوں نے ان لوگوں کو بھی عبادت سے روک دیا جو اپنے گھروں میں سنت کے مطابق عبادت کررہے ہیں۔

پھر معاملہ یہاں تک محدود نہیں رہ جاتا بلکہ اس میں ایک خرابی یہ بھی لازم آتی ہے کہ محلّہ اور علاقہ کے مریضوں اور بچوں وغیرہ کو آرام کرنا اور سونا مشکل ہوتا ہے، اور یہ ان کے لئے تکلیف اور ایذاء کا باعث ہوتا ہے، اور کسی مسلمان کو بے جا تکلیف وایذاء پہنچانا ناجائز ہے (ملاحظہ ہو خلاصۃ الفتاویٰ ومعارف القرآن ج۴ص۱۶۳و۱۶۴)

بکثرت ایسے واقعات ہیں کہ بڑے اسپیکر کی آواز سے سوتے ہوئے بچے یا مریض کے دماغ کی رَگ پھٹ گئی اور موت واقع ہوگئی جس میں دوسرے مسلمان کو بے جا تکلیف پہنچانے کا گناہ بھی شامل ہوجاتا ہے۔

لہٰذا یہ عمل گناہ ہے، ایک کام تو پہلے یہ کیا کہ گھر میں عبادت کرنے کے بجائے مسجد کا انتخاب کیا، پھر مزید یہ کہ اپنے عمل سے دوسروں کو تکلیف پہنچائی، اس کو کس طرح عبادت قرار دیا جاسکتا ہے؟

اور اگر شہرت، نام ونمود بھی پیشِ نظر ہو تو اس کے گناہ ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔

اور آج کل بہت سے نعت خوان موسیقی اور گانوں کے انداز اور طرز میں اور موسیقی کی آواز نکلنے والے اسپیکر کے ذریعہ سے نعت خوانی کرتے ہیں، اس کا گناہ ہونا بھی واضح ہے۔

شبِ برأت میں خاص خاص قسم کی نمازیں پڑھنا

□......بعض لوگ شعبان کی پندرہویں رات میں خاص طریقہ پر مخصوص تعداد میں نوافل پڑھتے ہیں پھر بعض جگہ جماعت کے ساتھ نفل نماز پڑھی جاتی ہے اور اس کو بعض لوگ شبینہ کا نام دیتے ہیں۔

یہ طریقہ شریعت سے ثابت نہیں اور اس بارے میں جو بعض احادیث وروایات پیش کی جاتی ہیں، وہ

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

موضوع اور من گھڑت ہیں، محدثین نے ان کا سختی کے ساتھ انکار کیا ہے، چنانچہ اس رات میں ایک روایت سورکعات نماز والی پیش کی جاتی ہے جو کہ موضوع اور گھڑی ہوئی ہے، اسی وجہ سے امت کا اس پر عمل بھی نہیں رہا۔ [1]

---

[1] وفی الإیضاح والبیان لما جاء فی لیلۃ النصف من شعبان لابن حجر المکی الھیثمی عبارۃ نووی إمام أئمتنا المتأخرین فی أجل کتبہ وھو شرح المھذب أما صلاۃ الرغائب وھی اثنتی عشرۃ رکعۃ بین المغرب والعشاء لیلۃ أول جمعۃ من رجب وصلاۃ لیلۃ النصف من شعبان مائۃ رکعۃ فلیستا بسنتین بل ھما بدعتان قبیحتان مذمومتان ولا تغتر بذکر أبی طالب المکی لھما فی قوت القلوب ولا بذکر حجۃ الإسلام الغزالی لھما فی إحیاء علوم الدین ولا بالحدیث المذکور فیھما فإن کل ذلک باطل ولا تغتر أیضا ببعض من اشتبہ علیہ حکمھما من الأئمۃ فصنف ورقات فی استحبابھما فإنہ غالط فی ذلک وقد صنف العز بن عبد السلام کتابا نفسیا فی إبطالھما فأحسن فیہ وأجاد انتھی.

وفی الإیضاح والبیان أیضا أطال النووی فی فتاواہ الکلام فی ذمھما وتقبیحھما وإنکارھما فقال ھی أی صلاۃ الرغائب بدعۃ مذمومۃ قبیحۃ منکرۃ أشد الإنکار مشتملۃ علی منکرات فینبغی ترکھا والإعراض عنھا والإنکار علی فاعلھا وعلی ولی الأمر وفقہ اللہ منع الناس من فعلھا فإنہ راع وکل راع مسؤول عن رعیتہ وقد صنف العلماء کتبا فی إنکارھا وذمھا وتسفیہ فاعلھا ولا تغتر بکون الفاعلین لھا فی کثیر من البلدان ولا بکونھا مذکورۃ فی قوت القلوب وإحیاء علوم الدین فإنھا بدعۃ باطلۃ انتھی.

وفیہ أیضا اختلف فتاوی ابن الصلاح فیھما وقال فی آخر عمرہ ھما وإن کانتا بدعتین لا مانع منھما لدخولھما تحت الأمر الوارد بمطلق الصلاۃ انتھی وردہ علیہ الإمام المجتھد تقی الدین السبکی بأن ما لم یرد فیہ إلا مطلق طلب الصلاۃ وأنھا خیر موضوع فلا یطلب منہ شیء بخصوصہ فمن جعل شیئا مقیدا بزمان أو مکان دخل فی قسم البدعۃ وإنما المطلوب عمومہ فیفعل لما فیہ من العموم لا لکونہ مطلوبا بالخصوص انتھی(الآثار المرفوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ للکنوی، ص ۶۹،۷۰)

حدیث ابن عمر قال قال رسول اللہ من قرأ لیلۃ النصف من شعبان ألف مرۃ قل ھو اللہ أحد فی مائۃ رکعۃ لم یخرج من الدنیا حتی یبعث اللہ إلیہ فی منامہ ملک ثلاثون یبشرونہ بالجنۃ وثلاثون یؤمنونہ من النار وثلاثون یعصمونہ من أن یخطء وعشر یکیدون من عاداہ أخرجہ الجوزقانی وابن الجوزی من طریقہ والدیلمی عن محمد بن مروان الذھلی عن أبیہ یحیی قال حدثنی أربعۃ وثلاثون من أصحاب النبی قالوا قال رسول اللہ فذکر مثلہ وأخرجہ ابن الجوزی من طریق آخر عن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن زید العابدین علی بن الحسین بن علی المرتضی عن أبیہ مرسلا مرفوعا بلفظ من قرا لیلۃ النصف من شعبان قل ھو اللہ أحد ألف مرۃ فی مائۃ رکعۃ لم یمت حتی یبعث اللہ إلیہ مائۃ ملک ثلاثون یبشرونہ بالجنۃ وثلاثون یؤمنونہ من العذاب وثلاثون یقومونہ أن یخطء وعشرۃ أملاک یکتبون أعداء ہ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس رات میں خاص طریقہ پر نمازیں پڑھنا جو عوام میں مشہور ہیں، بدعت ہیں، اور یہ ایک نو ایجاد

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هذا موضوع جمهور رواته فی جمیع طرقه مجاهیل وفیهم ضعفاء وساقطون كذا قال ابن الجوزی والسیوطی وابن عراق وغیرهم وقال ابن حجر المكی فی رسالته الإیضاح والبیان لما جاء فی لیلة النصف من شعبان بعد ذكر هذا الحدیث والأحادیث الثلاثة الآتیة لم یتعقب ابن الجوزی فی هذه الأحادیث الأربعة بشیء بل وافقوه علی أنها واهیة ساقطة موضوعة باطلة لما ذكر أمام الفقهاء والحفاظ من المتأخرین محی السنة والدین أبو زكریا یحیی النووی وتبعه علی ذلک من جاء بعده من الفقهاء والحفاظ انتهی.

وقد ذكر فی غنیة الطالبین هذه الصلاة بقوله فأما الصلاة الواردة فی لیلة النصف من شعبان فهی مائة ركعة بألف مرة قل هو الله أحد فی كل ركعة عشر مرات وتسمی هذه الصلاة صلاة الخیر وتتفرق بركتها وكان السلف الصالح یصلونها جماعة یجتمعون لها وفیها فضل كثیر وثواب جزیل وروی عن الحسن البصری أنه قال حدثنی ثلاثون من أصحاب رسول الله أن من صلی هذه الصلاة فی هذه اللیلة نظر الله إلیه سبعین نظرة وقضی له بكل نظرة سبعین حاجة أدناها المغفرة انتهی.

صلاة لیلة البراء ة: حدیث علی مرفوعا رأیت رسول الله لیلة النصف قام فصلی أربع عشرة ركعة ثم جلس بعد الفراغ فقرأ بأم القرآن أربع عشرة مرة وقل هو الله أحد أربع عشرة مرة وقل أعوذ برب الفلق أربع عشرة مرة وقل أعوذ برب الناس أربع عشرة مرة وآیة الكرسی مرة ولقد جاء كم رسول فلما فرغ من صلاته سألته عما رأیت من صنیعه قال من صنع مثل ذلک كان له عشرون حجة مبرورة وصیام عشرون سنة مقبولة فإن أصبح فی ذلک الیوم صائما كان له صیام سنتین سنة ماضیة وسنة مقبلة أخرجه البیهقی وقال یشبه أن یكون هذا الحدیث موضوعا وهو منكر وفی روایته مجهولون انتهی .

وقال ابن حجر المكی ومن ثم ذكره ابن الجوزی فی الموضوعات وقال غیره إسناده مظلم والحاصل أنه واه ساقطا انتهی وقال علی القاری فی رسالة له ألفها فی لیلة القدر ولیلة البراء ة بعد نقل كلام البیهقی قلت جهالة بعض الرواة لا یقتضی كون الحدیث موضوعا وكذا إنكاره الألفاظ فینبغی أن یحكم علیه بأنه ضعیف ثم یعمل بالضعیف فی فضائل الأعمال اتفاقا مع أن نفس الصلاة النافلة فی تلک اللیلة ثابتة عن رسول الله بطرق صحیحة فلا یضر ضعفه ببیان الكمیة والكیفیة فإن الصلاة خیر موضوع وبهذا تبین جواز ما یفعل الناس فی بلاد ما وراء النهر وخراسان والروم والفرس والهند وغیرها من صلاة مائة ركعة كل ركعة فیها سورة الإخلاص عشر مرات علی ما ذكره صاحب قوت القلوب والإمام الغزالی فی الإحیاء وغیرهما فإنه وإن لم یصح وروده عنه علیه الصلاة والسلام لكن لا مانع من فعله ولو علی الدوام ونعم اعتقاد كونه سنة غیر صحیح وكذا أداؤه جماعة عند بعض الفقهاء انتهی.

قلت فیه أنظار شتی فإن مجرد جهالة بعض الرواة وإن لم یقتض كون الحدیث موضوعا لكن القرائن الحالیة الملحقة بها تقتضی ذلک فإن الحدیث إذا لم یكن له سند جید لم یخل طریق من طرقه من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عمل ہے جو صحابہ وتابعین اور ائمۂ مجتہدین کے زمانہ میں نہیں تھا بلکہ بعد میں ایجاد ہوا۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مجهول وضعيف وساقط ونحو ذلک من المجروحين وكان في نفس المتن مالا يخلو من ركاكة دل ذلک على كونه موضوعا وأما العمل بالضعيف في فضائل الأعمال فدعوى الاتفاق فيه باطلة نعم هو مذهب الجمهور لكنه مشروط بأن لا يكون الحديث ضعيفا شديد الضعف فإذا كان كذلک لم يقبل في الفضائل أيضا وقد بسطت هذه المسألة في رسالتي الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة وفي تعليقات رسالتي تحفة الطلبة في مسح الرقبة المسماة بتحفة الكملة وأما ما ذكره بقوله مع أن نفس الخ فمخدوش بأنه لا كلام في استحباب إحياء ليلة البراء ة بما شاء من العبادات وبأداء التطوعات فيها كيف شاء لحديثالاثار المرفوعة في الاحاديث الموضوعة للكنوى، ۷۸ تا ۸۱)

ولم يصح منها على ما قالوا شيئ و غا يتها الضعيف و جلها موضوع والله تعالى اعلم (ما ثبت بالسنة ص ۳۴۵)

ل في المختصر حديث صلاة نصف شعبان باطل ولابن حبان من حديث على "إذا كان ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها "ضعيف، وفي اللآلء "مائة ركعة في نصفه بالإخلاص عشر مرات مع طول فضله "للديلمي وغيره موضوع وجمهور رواته من الطرق الثلاثة مجاهيل وضعفاء والحديث محال "وثنتا عشر ركعة فيها كل ركعة بالإخلاص ثلاثين مرة" موضوع "وأربع عشرة ركعة فيها "موضوع، وفي الذيل حديث أبى بن كعب "أن جبريل أتاني ليلة النصف من شعبان قال قم فصل إلى أن قال تفتح فيها أبواب السماء وأبواب الرحمة ثلاثمائة باب إلى الصبح فيغفر لجميع من لا يشرک بالله غير مشاحن أو عاشر أو مدمن خمر أو مصر على زنا إلى أن قال فخرج صلى الله عليه وسلم إلى البقيع وسجد وتعوذ "إلخ .بطوله لم يبين حاله وأصل الحديث بلا طول للترمذي، وفي بعض الرسائل قال على بن إبراهيم ومما أحدث في ليلة النصف الصلاة الألفية مائة ركعة بالإخلاص عشرا عشرا بالجماعة واهتموا بها أكثر من الجمع والأعياد ولم يأت بها خبر ولا أثر إلا ضعيف أو موضوع ولا يغتر بذكره لها صاحب القوت والإحياء وغيرهما ولا بذكر تفسير الثعلبي أنها ليلة القدر وكان للعوام بهذه الصلاة افتتان عظيم حتى التزم بسببها كثرة الوقود وترتب عليه من الفسوق وانتهاک المحارم ما يغني عن وصفه حتى خشى الأولياء من الخسف وهربوا فيها إلى البراري، وأول حدوث هذه الصلاة ببيت المقدس سنة ثماني وأربعين وأربعمائة، وقال زيد بن أسلم ما أدركنا أحدا من مشايخنا وفقهائنا يلتفتون إلى ليلة البراء ة وفضلها على غيرها، وقال ابن دحية أحاديث صلاة البراء ة موضوعة وواحد مقطوع ومن عمل بخبر صح أنه كذب فهو من خدم الشيطان قال على بن إبراهيم وقد رأينا كثيرا ممن يصلي في الليلة القصيرة فيفوتهم الفجر ويصبحون كسالى قال وقد جعلها جهلة أئمة المساجد مع صلاة الرغائب ونحوها شبكة لجمع العوام وطلب رياسة التقدم وملأ بذكرها القصاص مجالسهم وكل عن الحق بمعزل ثم أنه تعال أقام أئمة الهدى في سعى إبطال الصلاة فتلاشى أمرها إلى أن صارت تصلى لعبا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض بزرگوں سے جو خاص تعداد وغیرہ میں نوافل منقول ہیں، ان کی حیثیت بھی کوئی شرعی نہیں ہے بلکہ انہوں نے اپنے حسبِ حال (اس طریقہ وتعداد کو شرعی حیثیت دیے بغیر) نفل نمازیں پڑھی ہونگی یا اپنے کسی شاگرد ومرید کو اس کے حسبِ حال بتلا دی ہونگی، جن کو ہر ایک کے لئے عمومی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولهوا وتكامل إبطالها في البلاد المصرية والشامية في أوائل سني المائة الثامنة، وقد ضعف ابن العربي حديث عائشة في صلاة النصف مطلقا وعتقاء النار بعدد شعر غنم كلب، قال أحقر عباده حديث عائشة في ذهابه بالبقيع ونزول الرب ليلة النصف إلى سماء الدنيا فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب أخرجه الترمذي، قال وفي الباب عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه وسمعت محمدا يضعف حديث عائشة، قال الترمذي وفيه انقطاعان قلت يجوز العمل بالحديث الضعيف ولعلهم أنكروه هنا لما يقارنه من المنكرات، قال علي وأول حدوث الوقود من البرامكة وكانوا عبدة النار فلما أسلموا أدخلوا الإسلام ما يموهون أنه من سنن الدين ومقصودهم عبادة النيران ولم يأت في الشرع استحباب زيادة الوقود على الحاجة في موضع وما يفعله عوام الحجاج من الوقود بجبل عرفات وبالمشعر الحرام فهو من هذا القبيل(تذكرة الموضوعات،لمحمدطاهر الفتني ،ص ۴۵، ۴۶،كتاب العلم، باب التطوع، الفصل الخامس في البراءة وصلاتها وكثرة وقودها)

[1] چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ یہ جو بعضی اوراد کی کتابوں میں پندرہویں شب شعبان میں خاص نوافل پڑھنے کو لکھ دیا ہے یہ کوئی قید نہیں جو چیز شرعاً بے قید ہے اس کو بے قید ہی رکھو حدیث میں نوافل کی کوئی قید نہیں آئی بلکہ جو عبادت آسان ہو وہ کرلو۔ اس میں نوافل بھی آ گئے اور وہ بھی کسی ہیئت کے ساتھ نہیں باقی بزرگوں کے کلام میں جو خاص ہیئت کے نوافل کا ذکر آیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ کسی بزرگ نے کسی مرید کے لئے اس کی خاص حالت کے اقتضاء سے اس کو تجویز کیا ہوگا اور اس کے حق میں یہی مصلحت ہوگی اب اس کو عام کرلینا یہ بدعت ہے۔ باقی بزرگوں کو بُرا نہ کہے غرض حدیث میں کوئی خاص عمل وارد نہیں چاہے قرآن شریف پڑھو، یا اللہ اللہ کرو یا نوافل پڑھو'' (خطباتِ حکیم الامت ج ۷، ص ۳۸۵، بعنوان حقیقتِ عبادت، وعظ شب مبارک)

''اب رہی یہ بات کہ اس شب میں کون سی عبادت کرنا چاہیئے، تو اس کی بابت حدیث میں کوئی عبادت خاص منقول نہیں، کہ نوافل ہی پڑھے یا قرآن شریف ہی کی تلاوت کرے وغیرہ وغیرہ، جونسی عبادت میں سہولت معلوم ہو اس کو اختیار کرلے باقی بزرگوں سے (اس رات کے بارے میں) جو کوئی خاص عبادت منقول ہے مثلاً بعض کا اپنے مریدین کو نوافل معیّن کر کے بتلانا تو اس میں انھوں نے بعض کے اعتبار سے سہولت کا لحاظ رکھا ہے، اور ان مریدین کے مناسب وہی عبادت ہوگی، کیونکہ بعض اوقات اگر معیّن کر کے نہ بتلایا جائے تو کام بسہولت نہیں ہوسکتا، اس لئے بزرگوں نے ایک مناسبِ حال طریقہ تجویز کر کے بتلا دیا، تعلیم تو اس بنا پر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورنفل نماز باجماعت پڑھنا ایک دوسری خرابی ہے۔ [1]

شبِ برأت میں ہوٹلوں اور بازاروں میں گھومنا

□......بعض لوگ شبِ برأت میں برائے نام کچھ عبادت کر کے باقی رات بازاروں، تفریح گاہوں اور ہوٹلوں میں جا کر گزارتے ہیں جہاں کھیل کود، لڑائی جھگڑوں، فضول باتوں، فضول خرچیوں، غیبتوں اور طرح طرح کے گناہوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا، اور اب ٹی وی، وی سی آر اور کیبل کا ایسا سیلاب آیا ہے کہ گھر گھر اس میں غرق ہے اور لوگ اس مقدس رات میں بھی اس لعنت میں مشغول رہتے ہیں، یہ لوگ حق تعالیٰ کا کھلی نافرمانیوں، کبائر اور فسق وفجور سے مقابلہ کر کے مستحقِ رحمت ہونے کے بجائے اس کے قہر وغضب کے مورد بن جاتے ہیں۔

اس سے تو لاکھ درجہ بہتر ہے کہ آدمی اپنے گھر آرام سے سو جائے، کیونکہ اگر آدمی ثواب حاصل نہ کرے تو کم از کم گناہ تو نہ کرے، اس رات میں گناہ کے سخت ہونے کا ذکر پہلے کئی مرتبہ کیا جا چکا ہے اور یہ بات بھی پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ یہ رات دراصل عبادت کی رات ہے، نہ کہ صرف جاگ لینے کی، لہٰذا جو لوگ کسی نہ کسی طرح جاگ کر خوش ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ شبِ برأت کا حق ادا ہو گیا یا ہم اللہ تعالیٰ کی بخشش کے مستحق ہو گئے وہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں، اس رات میں اگر بے شمار لوگوں کی مغفرت ہوتی ہے تو کچھ گنہگاروں پر وبال بھی نازل ہوتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ہوئی تھی مگر مریدوں میں جاہل زیادہ ہوتے ہیں............غرض جہلاء نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس رات میں یہی عبادت متعین ہے دوسری نہیں، سو یہ غلط ہے جو بات قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہو وہ بدعت یا زندقہ ہے، باقی بزرگوں کی طرف ہمیں حسنِ ظن ہے کہ انھوں نے قرآن اور حدیث کے خلاف نہیں بتلایا بلکہ انہوں نے کسی شخص کی مناسبت کے لحاظ سے اس کے لئے خاص طور پر اس طریق کو مناسب سمجھ کر بتلا دیا ہوگا، خوب سمجھ لو کہ اس رات میں کوئی عبادت خاص منقول نہیں'' (خطباتِ حکیم الامت ج ۷، ص ۴۹۲، ۴۹۳، بعنوان حقیقتِ عبادت، وعظ شب مبارک)

[1] والنفل بالجماعة غیر مستحب لانه لم تفعله الصحابة (ردالمحتار جلد ۲ صفحه ۴۹، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

ویکره صلاة التطوع جماعة ماخلاقیام رمضان وصلاة الکسوف (فتح القدیر جلد ۲ صفحه ۹۲، کتاب الصلاة، باب الاستسقاء)

شبِ برأت کا حلوہ اور اس کی مختلف دلیلیں اور تاویلیں

□......شبِ برأت میں بہت سے لوگ حلوے کی ایسی پابندی کرتے ہے کہ اس کے بغیر سمجھتے ہیں کہ شبِ برأت ہی نہیں ہوئی۔

شہروں میں ہوٹلوں پر شبِ برأت کا خصوصی حلوہ تیار کیا جاتا ہے، جو لوگ گھر میں تیار نہیں کرتے وہ ہوٹلوں اور دکانوں سے خرید خرید کر لاتے ہیں اور حلوہ کی پابندی میں عام طور پر عقیدہ بھی غلط ہوتا ہے، اور عقیدہ کی خرابی کے ساتھ ساتھ عملی خرابی بھی اس میں شامل ہے۔

چنانچہ فرائض وواجبات سے زیادہ اس کا اہتمام کرتے ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے لئے سودی قرض لینا پڑتا ہے اور یہ سب چیزیں گناہ ہیں۔

ان خرابیوں کے علاوہ ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس میں زیادہ تر لوگوں کو دکھلانا اور اپنی ناک کو اونچی رکھنا مقصد ہوتا ہے۔

□......بعض لوگ کہتے ہیں کہ شبِ برأت کے موقع پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دندانِ مبارک شہید ہوا تھا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلوہ نوش فرمایا تھا۔

حالانکہ یہ بات درست نہیں۔

□......اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ان دنوں میں ہوئی تھی یا ان دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حلوہ پر ان کی فاتحہ دلائی تھی، یہ حلوہ اُن کی فاتحہ ہے۔

اوّل تو ایصالِ ثواب کے لئے شبِ برأت کی تاریخ متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسرے یہ دونوں واقعے تاریخ کے اعتبار سے غلط ہیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ واقعہ شوال کے مہینے میں ہوا تھا ،شعبان میں نہیں۔

کیونکہ یہ دونوں واقعے غزوۂ اُحد کے ہیں اور وہ شوال میں ہوا ہے اور شبِ برأت شعبان میں ہوتی ہے، تو یہ عقل کے بھی خلاف ہوا اور نقلاً بالکل بے اصل ہے (خطباتِ حکیم الامت ج۱۹ص۴۵تا۴۸ ملخصاً، بعنوان

آدابِ انسانیت، وعظ ذمِ ہویٰ) [1]

□......بعض لوگ کہتے ہیں کہ حلوے کے لئے بچے ضد کرتے ہیں، اس بارے میں سمجھ لینا چاہئے کہ یہ خوامخواہ کا حیلہ ہے، بچوں کو کسی اور موقع پر بھی حلوہ وغیرہ کھلایا جاسکتا ہے۔

□......بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو غریبوں کا تعاون کرنے کے لئے اس دن میں حلوہ پکاتے ہیں۔

حالانکہ شریعت نے غریبوں کا تعاون کرنے کے لئے شبِ برأت کو خاص نہیں کیا۔

پھر مشاہدہ یہ ہے کہ جو لوگ اِعانت اور مدد کے مستحق ہیں ان کو نہیں دیا جاتا بلکہ یا تو خود کھالیا جاتا ہے یا پھر ایک دوسرے کے یہاں بھیج دیا جاتا ہے، اس میں غریبوں اور امیروں میں امتیاز نہیں کیا جاتا، بلکہ زیادہ تر جان پہچان والوں کو ہی چُنا جاتا ہے۔

اور بعض اوقات ادلہ بدلہ مقصد ہوتا ہے، اسی وجہ سے جہاں سے اپنے گھر آتا ہے، اس کے یہاں اپنے گھر سے بھی بھیجا جاتا ہے۔

یہ سب جہالت یا پھر پیٹ پرست ملاؤں کی ایجاد ہے، اور شرعاً اس موقع پر حلوہ یا کسی دوسرے خاص کھانے کا کوئی ثبوت نہیں، بہر حال کسی طرح بھی یہ رسم شریعت کے مطابق نہیں اور اس

---

[1] غزوة أحد فی شوال سنة ثلاث ...... وكانت هذه الغزوة فی شوال سنة ثلاث قاله الزهری وقتادة وموسى بن عقبة ومحمد بن إسحاق ومالک.قال ابن إسحاق :للنصف من شوال وقال قتادة يوم السبت الحادی عشر منه، قال مالک :وكانت الوقعة فی أول النهار(البدایۃوالنهایة ج ۴ ص ۱۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

فصل فيما لقى النبی صلى الله عليه وسلم يومئذ من المشركين قبحهم الله قال البخاری : ما أصاب النبی صلى الله عليه وسلم من الجراح يوم أحد *حدثنا إسحاق بن نصر حدثنا عبد الرزاق عن معمر عن همام بن منبه سمع أبا هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "اشتد غضب الله على قوم فعلوا بنبيه -يشير إلى رباعيته -اشتد غضب الله على رجل يقتله رسول الله فی سبيل الله "الخ (ایضاً ص ۳۲)

وفيها فی أحد توفی شهيدا أبو يعلى ويقال أبو عمارة أيضا حمزة بن عبد المطلب عم رسول الله صلى الله عليه وسلم الملقب بأسد الله وأسد رسوله وكان رضيع النبی صلى الله عليه وسلم هو وأبو سلمة بن عبد الأسد أرضعتهم ثويبة مولاة أبی لهب كما ثبت ذلک فی الحديث المتفق عليه، فعلى هذا يكون قد جاوز الخمسين من السنين يوم قتل رضی الله عنهم فإنه كان من الشجعان الأبطال ومن الصديقين الكبار وقتل معه يومئذ تمام السبعين رضی الله عنهم أجمعين(ایضاً ص ۷۰)

میں کئی گناہ ہیں۔ [1]

شبِ برأت اور ایصالِ ثواب

□...... آج کل بہت سے لوگ شبِ برأت میں مختلف طریقوں سے ایصالِ ثواب کا بڑا اہتمام کرتے ہیں اور اس کو انہوں نے ایصالِ ثواب کے اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت دی ہوئی ہے، بلکہ یہ سمجھا ہوا ہے کہ شبِ برأت میں اگر مُردوں کو ایصالِ ثواب کیا جائے تو ان کی یقینی طور پر بخشش ہوجاتی ہے۔

چنانچہ مختلف طرح سے کھانے پکا کر اور بہت سی جگہ دیگیں اتروا کر ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور ایک دعوت کا سماں ہوجاتا ہے جس میں صرف غریبوں کو کھلانے اور دینے کا لحاظ واہتمام نہیں کیا جاتا۔

اور آج کل ایصالِ ثواب کے نام سے جو مختلف بدعات ورسومات معاشرے میں پھیلی ہوئی ہیں، وہ کسی عقل مند سے ڈھکی چھپی نہیں، اور اسی سوچ کا نتیجہ ہے کہ شبِ برأت میں ایصالِ ثواب کا نام دے کر لوگوں نے بے شمار ایسی چیزیں ایجاد کرلی ہیں جن کا شبِ برأت تو کُجا شریعت سے بھی دور کا تعلق نہیں، لہٰذا شبِ برأت کی تخصیص کے ساتھ ایصالِ ثواب یا کوئی اور رسم کرنا صحیح نہیں۔ [2]

---

[1] حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ شبِ برأت کے حلوے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

شبِ برأت میں عید منانے اور حلوہ پکانے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں لہٰذا یہ امور ناجائز اور بدعت ہیں۔ اگر محض رسم کے طور پر حلوہ پکایا جائے ثواب کا عقیدہ نہ ہو تو بھی اس میں بدعت کی تائید وترویج ہوتی ہے لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے۔ اسی بناء پر حلوہ قبول کرنے سے بھی بچنا چاہئے، معہٰذا یہ حرام نہیں (احسن الفتاویٰ ج۱ ص۳۸۵)

اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

یہ حلوہ اور اس پر اصرار والتزام اور مروّجہ فاتحہ اور مخصوص طور پر حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ کے نام کی اس رات میں فاتحہ کا التزام کسی دلیل سے ثابت نہیں، اگر یہ چیزیں ثواب ہوتیں تو ضرور کتاب وسنت، اجماع، قیاسِ مجتہدین سے ثابت ہوتیں، جب ثابت نہیں تو پھر ان کو ثواب اور دین کا کام سمجھنا بدعت وقابلِ رَد ہے (فتاویٰ محمودیہ ج۱۵ ص۴۰۵)

[2] وقد اجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی رحمہ اللہ اولاً ایصالَ الثوابِ للاموات فی لیلة النصف من شعبان "کما حررہ فی اصلاح الرسوم و بھشتی زیور" ثم رجع من ھذا بعد مکاتبة العلماء بمشاھدة المنکرات (وراجع للتفصیل "امدادالفتاویٰ" ج ۴ ص ۱۸ تا ۳۵ وخطباتِ حکیم الامت ج ۱۹ صفحہ ۴۷، ۴۸ وعظ ذمِ ھویٰ صفحہ ۸)

شبِ برأت اور قرآن خوانی

□......بعض لوگ شبِ برأت کے موقع پر ایصالِ ثواب کے لئے اجتماعی قرآن خوانی کا اہتمام کرتے ہیں اور قرآن خوانی کے بعد حاضرینِ مجلس اور قرآن پڑھنے والوں کے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرتے ہیں۔

حالانکہ قرآن مجید کا پڑھنا اگرچہ ایک بہت عمدہ عبادت ہے اور پڑھ کر اس کا ثواب بھی بخشا جا سکتا ہے، لیکن اس مروَّجہ قرآن خوانی میں ایصالِ ثواب کے کئی شرعی اصولوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے مثلاً: ایصالِ ثواب کے لئے قرآن مجید اکٹھے اور جمع ہو کر پڑھنا ضروری نہیں، بلکہ جس وقت اور جس جگہ سے کوئی شخص اخلاص کے ساتھ قرآن مجید یا اس کا کوئی حصہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، لیکن اس قرآن خوانی میں جمع ہو کر پڑھنے کو ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید پڑھ کر یا کسی بھی طریقہ سے ایصالِ ثواب کے لئے اپنی طرف سے کوئی دن یا تاریخ متعین کر لینا جائز نہیں، اور شریعت نے ایصالِ ثواب کے لئے شبِ برأت کو متعین نہیں کیا۔

لہٰذا شبِ برأت کو متعین کر کے ایصالِ ثواب کرنا دین پر زیادتی ہے جو کہ گناہ ہے۔

ایصالِ ثواب کے لئے طریقہ صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ نیت میں بھی اخلاص ضروری ہے اور آج کل کی مروَّجہ قرآن خوانی میں یہ چیز عموماً ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی، چنانچہ قرآن خوانی کے بعد حاضرین کو کچھ نہ کچھ کھلانا پلانا ضروری سمجھا جاتا ہے، اور قرآن پڑھنے والوں کی نیت میں بھی یہی ہوتا ہے کہ قرآن پڑھنے کے نتیجہ میں کچھ نہ کچھ کھانے پینے کو ضرور ملے گا اور ایصالِ ثواب کے لئے قرآن مجید پڑھنے پر اس طرح کھانا پینا منع ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہماری کتاب ''صدقہ جاریہ وایصالِ ثواب کے فضائل واحکام'')

شبِ برأت کی فاتحہ سے پہلے مُردوں میں شامل نہ ہونے کا عقیدہ

□......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب شبِ برأت سے پہلے کوئی مر جائے تو جب تک شبِ برأت کو اس کے لئے فاتحہ نہ دلوائی جائے اس وقت تک وہ مُردوں میں شامل نہیں ہوتا، یہ بھی بالکل لغو

اور غلط عقیدہ ہے۔

احادیث میں صاف موجود ہے کہ جب انسان مرتا ہے، تو وہ مرتے ہی عالمِ برزخ میں اپنے مقام پر جا پہنچتا ہے، یہ نہیں کہ شبِ برأت تک اٹکا رہتا ہے (خطباتِ حکیم الامت ج ۱۹ بتغیر)

شبِ برأت کا عرفہ

□ ......بعض جگہ شبِ برأت سے ایک دن پہلے عرفہ کے نام سے ایک رسم کی جاتی ہے، جس میں سال کے دوران فوت شدہ مُردوں کو ثواب پہنچاتے ہیں، اوراس کے متعلق یہ عقیدہ گھڑا گیا ہے کہ اس کی بدولت نئے اور موجودہ سال کے دوران فوت ہونے والے مُردے پرانے مُردوں میں شامل کئے جاتے ہیں، یہ عرفہ کیا بلکہ ایک طرح کا صرفہ ہو جاتا ہے، یعنی اس میں فضول خرچی ہوتی ہے، دراصل یہ کھانے پینے کا ایک دھندہ ہوتا ہے، یہ سب قصہ بعض جعلی پیروں اور دنیا پرست ملاؤں کا نکالا ہوا ہے، اور من گھڑت چیز ہے، جس سے بچنا چاہئے (وعظ شبِ مبارک ص ۲۶، خطباتِ حکیم الامت ج ۷، وعظ ذمِ ہویٰ بتغیر ص ۹، خطباتِ حکیم الامت ج ۱۹)

شبِ برأت میں ثواب نہ پہنچانے سے روحوں کی بددعاء کا عقیدہ

□ ......بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی اس رات میں اپنے مُردوں کو ایصالِ ثواب نہ کرے تو ان کی روحیں کوستی اور بددعاء دیتی ہوئی جاتی ہیں۔

خوب یاد رکھنا چاہئے کہ مُردہ کو ایصالِ ثواب کرنا نفل عمل ہے اور نفل کے چھوڑنے پر ملامت کرنا یا بددعاء کرنا گناہ ہے، اس عقیدہ سے تو لازم آتا ہے کہ مُردہ بھی گناہ کرتا ہے۔ حالانکہ مرنے کے بعد انسان گناہ نہیں کرسکتا، لہٰذا اس قسم کا خیال بھی گناہ ہے، اور اس رات میں ہرگز مُردوں کو ایصال ثواب کرنا ضروری نہیں (خطباتِ حکیم الامت ج ۱۹ ص ۴۵ تا ۴۸ ملخصاً، وعظ آدابِ انسانیت ذمِ ہویٰ)

شبِ برأت میں روحیں گھروں میں آنے کا عقیدہ

□ ......بعض لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ شبِ برأت وغیرہ میں مُردوں کی روحیں گھروں میں آتی

ہیں اور دیکھتی ہیں کہ ہمارے لئے کچھ پکایا، یا نہیں۔

یہ عقیدہ بھی خودساختہ ہے، شریعت میں کہیں بھی یہ عقیدہ ثابت نہیں، ظاہر ہے کہ روحوں کا آنا یا تو دیکھنے اور مشاہدہ کرنے سے ثابت ہوگا اور یا وحی سے، اور مشاہدہ تو ظاہر ہے کہ نہیں ہے، کیونکہ کسی کو بھی اس رات میں مُردوں کی روحیں گھروں میں آئی ہوئی نظر نہیں آتیں، رہ گیا معاملہ وحی کا تو اُس سے بھی کہیں ثابت نہیں، بلکہ وحی سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ روحیں یہاں نہیں آتیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ.

مطلب یہ ہے کہ روح اور اس عالمِ دنیا کے درمیان قیامت تک کے لئے ایک پردہ ہے جو اُس کو اِس طرف نہیں آنے دیتا۔

اسی طرح بعض لوگ ہر جمعرات کے روز بھی گھروں میں روحیں آنے کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس عقیدہ کا غلط ہونا بھی واضح ہو گیا (خطباتِ حکیم الامت ج ۱۹ بتغیر)[1]

شبِ برأت میں فوت شدہ شخص کے گھر میں دعا کے لئے جانا

□......بعض لوگوں میں یہ رواج ہے کہ جب کسی کے یہاں کوئی فوت ہو جاتا ہے تو فوتگی کے بعد آنے والی شبِ برأت کے موقع پر اس کے گھر جا کر تعزیت، دعا و ایصال ثواب کیا جاتا ہے، اور اس کو بہت اہم سمجھا جاتا ہے اور اگر کوئی اس موقع پر فوت شدہ شخص کے گھر دعا و تعزیت اور ایصالِ ثواب کے لئے نہ جائے تو اس کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ اسے ہمارے سے ہمدردی نہیں۔

حالانکہ شریعت نے اس موقع پر تعزیت کی اور دعا کے لئے کسی کے گھر جانے کی کوئی اہمیت بیان نہیں

---

[1] ہاں اگر خرقِ عادت کے طور پر بعض کو اجازت ہو جاوے تو وہ دوسری بات ہے۔ جیسے شہداء کو تو یہ آنا بطورِ کرامت کے ہوگا لیکن کرامت دائمی اور اختیاری نہیں ہوتی اور وہ جو اختیاری ہوتا ہے اس کا نام تصرف ہے کیونکہ کرامت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی ولی کا کسی طور سے بذریعہ کسی خارق کے اعزاز ظاہر فرما دیں اسی لئے بعض مرتبہ صاحبِ کرامت کو بھی کرامت کی خبر تک نہیں ہوتی ......غرض کہ کرامت اختیاری اور دائمی نہیں ہوا کرتی اور تصرفاتِ اختیاری روح کے لئے کسی دلیل سے ثابت نہیں اور بلا دلیل اعتقاد جائز نہیں (خطباتِ حکیم الامت ج ۱۹ ص ۴۶ تا ۴۷ ملخصاً، بعنوان آدابِ انسانیت، وعظ ذمِ ہویٰ)

کی، بلکہ تعزیت تو فوتگی کے بعد جلد ہی رکھی ہے، اوراس میں تاخیر کو پسند نہیں کیا، اور ایک مرتبہ کے بعد دوبارہ تعزیت کو ناپسند کیا ہے، پس اپنی طرف سے ایک چیز گھڑ کر اسے رواج دے دینا گناہ ہے۔ اگر کسی کے لئے بخشش ومغفرت کی دعا کرنی ہوتو وہ ہر وقت اور ہر جگہ کی جاسکتی ہے، اس کے لئے نہ شبِ براٗت کی ضرورت ہے اور نہ ہی مُردہ کے گھر جانے کی۔

شبِ براٗت میں قبرستان کی بدعات ومنکرات

□......شبِ براٗت کے حوالے سے قبرستان کی بھی بہت سی بدعات اور رسومات ایجاد ہوگئی ہیں اور بہت سے ایسے کام شروع ہوگئے ہیں جو کہ شریعت سے ثابت نہیں بلکہ شریعت نے ان سے منع کیا ہے اور بعض کام وہ ہیں کہ اگرچہ ایک درجہ میں وہ شریعت سے ثابت ہیں مگر ان کو عوام نے حد سے زیادہ بڑھادیا ہے، یہاں اس قسم کی خرابیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱)......بعض لوگ شبِ براٗت میں قبرستان جانا ضروری سمجھتے ہیں اور اگر کوئی نہ جائے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ شبِ براٗت کی فضیلت سے محروم رہا، اس لئے اور کچھ کریں نہ کریں مگر قبرستان جانے کا اہتمام ضرور کرتے ہیں۔

حالانکہ اس رات میں قبرستان جانا ضروری نہیں، زیادہ سے زیادہ بعض حضرات نے جائز یا مستحب قرار دیا ہے، مگر ان حضرات نے بھی اس رات میں قبرستان جانے کو ضروری قرار نہیں دیا، اور یہ نہیں فرمایا کہ قبرستان جائے بغیر اس رات کی فضیلت حاصل نہیں ہوسکتی۔

یہی وجہ ہے کہ جن حضرات نے اس رات کی فضیلت کا تذکرہ فرمایا ہے ان سب نے اس رات میں عبادت کی تو ترغیب دی ہے مگر قبرستان جانے پر ان سب حضرات نے اتفاق نہیں فرمایا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس رات کی فضیلت اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے شرعی طریقہ پر عبادت کرنے سے حاصل ہوجاتی ہے، لہٰذا جو شخص اس رات میں اپنی حیثیت کے مطابق عبادت کرلے وہ اس رات کی فضیلت سے محروم نہ ہوگا، خواہ قبرستان بھی نہ گیا ہو، لیکن جس شخص نے عبادت نہیں کی اور صرف قبرستان چلا گیا تو وہ صرف قبرستان جانے کی بنیاد پر اس رات کے فضائل کا مستحق نہ

کہلائے گا، پھر جو شخص ضروری سمجھ کر جائے گا یا اس میں کسی قسم کی بدعت اور خرابی شامل کرلے گا اس کا اس رات کی فضیلت حاصل کرنا تو درکنار الٹا وہ گناہ کا مستحق ہوگا۔

(۲)......بعض لوگ اس رات میں قبرستان اجتماعی انداز میں جاتے ہیں اور راستے بھر ادھر ادھر کی فضول باتوں میں مبتلا رہتے ہیں، جبکہ شریعت سے یہ بات ثابت نہیں کہ اس رات میں اجتماعی انداز میں قبرستان جایا جائے، لہٰذا اجتماعی انداز میں قبرستان جانا شریعت پر زیادتی ہے جو کہ گناہ ہے۔ اور اس طرح فضول باتوں میں مبتلا ہوکر قبرستان جانے سے کہیں بہتر یہ ہے کہ یہی وقت اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اخلاص کے ساتھ عبادت میں خرچ کیا جائے۔

(۳)......بعض لوگ اس رات میں قبروں پر چراغ وقندیل اور موم بتی وغیرہ جلاتے ہیں، یہ بھی گناہ ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ (ترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں پر اور قبروں کے اوپر چراغ لگانے والوں پر لعنت کی ہے (ترجمہ ختم)

اللہ کی پناہ! جس چیز پر اللہ کے رسول کی لعنت ہو اس کو کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔

(۴)......بعض لوگ قبرستان میں جاکر قبروں پر اگربتیاں لگاتے ہیں اور چادریں وغیرہ ڈالتے اور پھول چڑھاتے ہیں، قبروں پر گلاب کا عرق چھڑکتے ہیں، یہ تمام کام تو اپنی ذات میں بھی گناہ ہیں اور ان چیزوں کو شریعت نے منع کیا ہے، پھر ان گناہوں کو ایک مبارک رات کے ساتھ جوڑنا اور بھی زیادہ سخت گناہ ہے کیونکہ جس طرح اس رات میں عبادت کی فضیلت ہے اسی طرح اس

---

[1] حدیث نمبر ۳۲۰، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی کراهية أن يتخذ علی القبر مسجدا، شركة مكتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی -مصر، واللفظ لهٗ، ابو داوٗد حدیث نمبر ۳۲۳۸، نسائی حدیث نمبر ۲۰۴۲، مسند احمد حدیث نمبر ۲۰۳۰.

قال الترمذی: وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَأَبُو صَالِحٍ هَذَا هُوَ مَوْلَى أُمِّ هَانِءٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ وَاسْمُهُ بَاذَانُ وَيُقَالُ بَاذَامُ أَيْضًا (حوالہ بالا)

رات میں گناہ بھی زیادہ سخت ہے۔

عقل سے بھی سوچنے کی بات ہے کہ اگر مُردہ اچھی جگہ چلا گیا تو اس کو یہاں کی خوشبو کی ضرورت نہیں بلکہ وہاں کی خوشبو کے مقابلہ میں یہاں کی خوشبو کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور اگر بُری جگہ چلا گیا تو وہاں کی تکلیفوں کے مقابلہ میں اگر بتی کی خوشبو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی۔

(۵)......بعض لوگ شبِ برأت کے موقع پر اپنے متعلقین کی قبروں پر مٹی ڈلواتے ہیں یا مٹی کے گارے سے قبر کی لپائی کراتے ہیں، اس کام کی بھی شبِ برأت میں کوئی اصل نہیں۔

ضرورت کے موقع پر قبر پر مٹی ڈال دینا یا مٹی کے گارے سے اس کو لیپ دینا، مٹی کو بٹھانے کے لئے ضرورت کے وقت پانی چھڑک دینا جائز ہے، لیکن ان کاموں کے لئے شبِ برأت کو خاص کرنا خواہ ضرورت بھی نہ ہو اور بذاتِ خود ان کاموں کے کرنے ہی کو مقصود سمجھنا بدعت اور گناہ ہے، ان کاموں کے لئے شریعت نے شبِ برأت کے موقع کو مقرر نہیں کیا اور نہ ہی اس موقعہ پر ان کاموں کے کرنے کی کوئی خاص فضیلت بیان کی ہے۔ لہٰذا ان کاموں سے بچنا ضروری ہوا۔ [۱]

شبِ برأت کے موقع پر کپڑوں وغیرہ کا لین دین

□......بعض علاقوں میں شبِ برأت کے موقع پر اپنے خاص عزیزوں اور رشتہ داروں کے یہاں خصوصاً لڑکی کے گھر اس کے میکے والوں کی طرف سے کپڑوں وغیرہ کا بھیجنا ضروری سمجھا جاتا ہے، اور بعض جگہ دونوں طرف سے مختلف چیزوں کا باہم تبادلہ بھی ہوتا ہے اور اگر کوئی اس موقعہ پر دوسرے کے ہاں کچھ نہ بھیجے تو اس کو بُرا اور معیوب سمجھا جاتا ہے۔

یہ بھی ایک خلافِ شریعت رسم ہے، جس سے بچنا ضروری ہے۔

---

[۱] الثالث انهم اعظموا المعصية بفعلها على القبور لانها موضع الخشية والفزع والاعتبار والحث على العمل الصالح وماا حدثوه من الوعاظ على المنابر والكراسى والمحدثين من القصاص بين المقابر فى الليالى المقمرة وغيرها واجتماع الرجال والنساء جميعا مختلطين......وذلك كله ممنوع سواء كان الزوارات رجالا ، ونساء ، فكل ذلك ممنوع لمافيه من المفاسد المذكورة (المدخل لابن الحاج المالكى ج ۱ ص ۲۶۸)

شبِ برأت میں برتنوں کا بدلنا اور گھروں کو لیپنا

□......بعض لوگ شبِ برأت کے موقع پر اپنے گھروں کے برتنوں اور دوسرے ساز وسامان کو بدلتے ہیں اور گھروں کو دھوتے، لیپتے ہیں، خاص طور پر باورچی خانہ کو دھوتے ہیں اور گھروں کی صفائی کرتے ہیں، نئے کپڑے بنواتے یا پہنتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح کی حرکات سے ان کے گھروں اور در ودیوار سے بلائیں دور ہو جاتی ہیں۔

حالانکہ اس قسم کا عقیدہ رکھنا غلط ہے، اور ان سب چیزوں کا اس رات سے کوئی تعلق نہیں اور یہ تمام چیزیں بے بنیاد اور توہم پرستی میں داخل ہیں، جس کی شریعت کسی بھی طرح حوصلہ افزائی نہیں کرتی۔

شبِ برأت میں بیری کے پتوں سے غسل کرنا

□......بعض لوگ شبِ برأت میں پانی میں بیری کے پتے ملا کر غسل کرتے ہیں اور اس کے متعلق مختلف قسم کے نظریات رکھتے ہیں، مثلاً یہ کہ بیری کے پتے ملے ہوئے پانی سے مُردوں کو غسل کرایا جاتا ہے، اور جو شخص اس رات میں بیری کے پتوں سے غسل کر لیتا ہے، اس کے سر سے مُردوں کی روحوں کا اثر چلا جاتا ہے، یا اس کی وجہ سے مُردے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتے ہیں، یا یہ کہ مُردے گناہوں سے پاک صاف ہو جاتے ہیں، یا اس طرح غسل کرنے والا اس سال فوت نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ۔

یہ رسم اور اس کے متعلق اس قسم کے نظریات اور خیالات سب منگھڑت اور شریعت کے خلاف اور گناہ ہیں۔

شبِ برأت میں مسور کی دال پکانے کی حقیقت

□......بعض لوگ شبِ برأت کے موقع پر حلوہ کے ساتھ مسور کی دال ضرور پکاتے ہیں، یہ بھی ایک نو ایجاد عمل ہے اس ایجاد کی وجہ آج تک معلوم نہیں ہوئی۔

معلوم نہیں حلوے اور مسور کی دال کا کیا جوڑ ہے ایک جوڑ تو دونوں میں معلوم ہوتا ہے کہ حلوے

اورمسور کی دال کے لئے دو کہاوتیں (اور ضربُ المثل) ہم معنٰی بولی جاتی ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ''حلوا خوردن راروئے باید'' (حلوا کھانے کے لئے منہ چاہئے) اور یہ بھی ہماری زبان میں بولتے ہیں کہ ''یہ منہ اور مسور کی دال'' بہرحال اس موقع پر مسور کی دال کی کوئی خصوصیت اور اہمیت نہیں اور اس کو شبِ برأت کے ساتھ جوڑنا گناہ ہے (خطباتِ حکیم الامت ج۱۹ ص۴۸ بتغیر)

شبِ برأت میں گھروں اور مسجدوں کو سجانا

□......بعض لوگ شبِ برأت کے موقع پر گھروں کو اور خصوصاً مسجدوں کو پھول پتیوں وغیرہ سے سجاتے ہیں، اور اس کو ایک تہوار کا نام دیتے ہیں۔

حالانکہ شبِ برأت کے لئے شریعت نے عبادت، نوافل، تلاوت، ذکر، تسبیح، دعا، استغفار کی ترغیب دی ہے، پھول وغیرہ سجانے کی ترغیب نہیں دی، تیوہار ہندوانہ لفظ ہے اور یہ سجانا بھی ان کا ہی طریقہ ہے اس سے بچنا چاہئے (فتاویٰ محمودیہ ج۳ ص۲۶۳، مبوب، باب البدعات والرسوم)

شبِ برأت میں چراغاں کرنا

□......آج کل شبِ برأت کے موقع پر چراغاں (لائٹنگ) کرنے کی وباء بھی بہت زیادہ عام ہوچکی ہے، بہت سی مسجدوں اور گھروں میں ضرورت سے زیادہ چراغ جلائے جاتے ہیں، قمقمے روشن کئے جاتے ہیں، لائٹ اور روشنی کا اضافہ کیا جاتا ہے، اور خوب روشنی کی جاتی ہے، گھروں سے باہر دروازوں پر کئی کئی چراغ رکھے نظر آتے ہیں، اور بعض جگہ مکانوں کی منڈیروں اور دیواروں پر قطار کے ساتھ چراغ جلا کر رکھ دیے جاتے ہیں، اور اس کو عموماً نیک کام شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ کام کئی گناہوں کا مجموعہ ہے، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

(۱)......اس رسم میں اہلِ ہنود (بت پرستوں) کے ساتھ مشابہت ہے، کیونکہ ہندوؤں کے یہاں ان کے تہواروں، دیوالی وغیرہ کے موقع پر اس طرح چراغاں کیا جاتا ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب کی سند سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَیْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَیْرِنَا (ترمذی) [1]

ترجمہ: جس نے غیروں کے ساتھ مشابہت کی وہ ہم میں سے نہیں (ترجمہ ختم)

بہرحال یہ وہ رسم ہے جس کی شبِ برأت کے موقع پر کوئی اصل اور بنیاد نہیں بلکہ غیر معتبر کتابوں میں بھی نہیں، اورکوئی ضعیف روایت تک بھی اس کے بارے میں وارد نہیں ہوئی اور نہ اس کا ہندوپاکستان کے سوا کسی ملک میں رواج ہے، نہ حرمین شریفین میں اور نہ ان کے سوا عرب کے دوسرے مقامات پر، جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی رسم دیوالی سے اس رسم کولیا گیا ہے کیونکہ ہندوستان میں عموماً بدعتی رسمیں کفر کے زمانہ ہی کی باقی ہیں اور مسلمانوں میں (کفار کے ساتھ) میل جول کرنے کے سبب پھیل گئی ہیں، اور جو شخص شرکیہ رسمیں کرے اس کے متعلق سخت اندیشہ ہے کہ خدانخواستہ ان مشرکین کے ساتھ اس کا حشر ہوجنہوں نے یہ شرکیہ رسمیں جاری کی تھیں۔

(۲)...... یہ رسم ہندوؤں کے علاوہ آتش پرستوں (آگ کے پجاریوں) کے ساتھ مشابہت سے خالی نہیں۔ بہت سے علماء نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ مسلمانوں میں یہ رسم آتش پرستوں سے شروع ہوئی۔ [2]

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

---

[1] حدیث نمبر ۲۶۹۵، کتاب الاستئذان والآداب، باب ما جاء فی کراھیة إشارة الید بالسلام، شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی -مصر.

[2] قال علی وأول حدوث الوقود من البرامکة وکانوا عبدة النار فلما أسلموا أدخلوا الإسلام ما یموھون أنه من سنن الدین ومقصودھم عبادة النیران ولم یأت فی الشرع استحباب زیادة الوقود علی الحاجة فی موضع وما یفعله عوام الحجاج من الوقود بجبل عرفات وبالمشعر الحرام فھو من ھذا القبیل، قال وقد أنکر الطرطوشی الاجتماع لیلة الختم فی التراویح ونصب المنابر وبین أنه بدعة منکرة وأعظم منه ما یوجد الیوم فی مجلس القصاص والبداة من اختلاط الرجال والنساء وتلاصق أجسادھم حتی یروی أن رجلا ضم امرأة من خلف وعبث بھا وآخر التزم امرأة وغیر ذلک من الفسوق واللغط والسرقة وتنجیس مواضع العبادة وإھانة بیوت اللہ وکله بدعة وضلالة(تذکرة الموضوعات، لمحمدطاھر الفتنی، ص ۴۶، کتاب العلم، باب التطوع، الفصل الخامس فی البراءة وصلاتھا وکثرة وقودھا))

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (ابوداوٗد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی، تو وہ انہی میں سے ہوگا (ترجمہ ختم)

(۳)......اس رسم میں مال کو بے جا اڑانا اور ضائع کرنا ہے، اس لئے کہ اس رسم میں ایک رات کے اندر قوم کی لاکھوں روپے کی بجلی اور پیسہ ضائع ہوجاتا ہے، جبکہ حاصل حصول کچھ بھی نہیں ہوتا، اور فضول خرچی کرنے اور مال بے جا اڑانے والوں کو اللہ تعالیٰ سخت ناپسند فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْآ اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۷ پ ۱۵)

ترجمہ: بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے (ترجمہ ختم)

اور ایک مقام پر ارشاد ہے کہ:

وَلَاتُسْرِفُوْا ط اِنَّهٗ لَايُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (سورہ انعام آیت ۱۴۱ پ ۸)

ترجمہ: اور بے جا خرچ نہ کرو، بلاشبہ وہ (اللہ تعالیٰ) پسند نہیں کرتا بے جا خرچ کرنے والوں کو (ترجمہ ختم)

---

[1] حدیث نمبر ۴۰۳۱، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، المكتبة العصرية، صيدا -بيروت، واللفظ لهٗ، مسند احمد حديث نمبر ۵۱۱۵.

قلت أخرجه أبو داوٗد بسند حسن(فتح الباری شرح صحيح البخاری، كتاب اللباس، باب لبس جبة الصوف)

وقد روى عن النبى صلى الله عليه وسلم فى المسند والسنن أنه قال " :من تشبه بقوم فهو منهم (جامع الرسائل لابنِ تيميه، الجزء الثانى، الفرق بين السفر الطويل والقصير ،ومجموع الفتاوىٰ ج۲۵ ص ۳۳۱)

وأيضا مما هو صريح فى الدلالة ما روى أبو داود فى سننه حدثنا عثمان بن أبى شيبة حدثنا أبو النضر يعنى هاشم بن القاسم حدثنا عبد الرحمن بن ثابت حدثنا حسان بن عطية عن أبى منيب الجرشى عن ابن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من تشبه بقوم فهو منهم وهذا إسناد جيد فإن ابن أبى شيبة وأبا النضر وحسان بن عطية ثقات مشاهير أجلاء من رجال الصحيحين وهم أجل من أن يحتاجوا إلى أن يقال هم من رجال الصحيحين(اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة أصحاب الجحيم لابنِ تيميه، ج ۱ ص ۸۲)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے کہ:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (سورہ اعراف آیت ۳۱ پ ۸)

ترجمہ: اور کھاؤ پیو اور بے جا خرچ نہ کرو، بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) پسند نہیں کرتا بے جا خرچ کرنے والوں کو (ترجمہ ختم)

نیز ایک مقام پر ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (سورہ فرقان آیت ۶۷ پ ۱۹)

ترجمہ: اور وہ لوگ (رحمٰن کے خاص بندے) جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں، اور ان کا خرچ کرنا اس (کمی زیادتی) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے (موقع دیکھ بھال کر میانہ روی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں) (ترجمہ ختم)

محققین حضرات نے فرمایا کہ تبذیر اس طرح کے خرچ کو کہتے ہیں کہ جہاں خرچ کرنا بالکل بھی جائز نہیں، اور اسراف اتنی زیادہ مقدار میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں، جو کہ جائز نہیں۔ [1]

(۴)......اس رسم میں عموماً اپنی بڑائی جتلانا اور دوسروں پر فخر ظاہر کرنا پیشِ نظر ہوتا ہے، اور اس قسم کی بڑائی اور فخر کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتے ہیں، کیا اب بھی لوگ ان خرافات سے باز نہ آئیں گے؟ (بارہ مہینوں کے فضائل واحکام ص ۳۷ تا ۳۸ بتغیر واضافہ)

(۵)......اس رسم کے لئے مسجد کی بجلی کا استعمال اور زیادہ قبیح ہے۔ [2]

---

[1] قوله الإسراف هو صرف الشيء فيما ينبغي زائدا على ما ينبغي بخلاف التبذير فإنه صرف الشيء فيما لا ينبغي (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، كتاب الوضوء، باب ما جاء في الوضوء) والسرف صرف الشئ فيما ينبغي زائدا على ما ينبغي. والتبذير صرفه فيما لا ينبغي. ذكره جمع (فيض القدير شرح الجامع الصغير من أحاديث البشير النذير، تحت حديث رقم ۱۰، حرف الهمزة، المكتبة التجارية الكبرى -مصر)

[2] وَلِلْمُتَوَلِّي صَرْفُ شَيْءٍ مِنْ مَالِ الْوَقْفِ إلَى كِتَابَةِ الْفَتْوَى وَمَحَاضِرِ الدَّعْوَى لِاسْتِخْلَاصِ الْوَقْفِ، وَإِسْرَاجِ السُّرُجِ الْكَثِيرَةِ فِي السِّكَكِ وَالْأَسْوَاقِ لَيْلَةَ الْبَرَاءَةِ بِدْعَةٌ، وَكَذَا فِي الْمَسَاجِدِ، وَيَضْمَنُ الْقَيِّمُ، وَكَذَا يَضْمَنُ إذَا أَسْرَفَ فِي السُّرُجِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، وَلَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَيَجُوزُ الْإِسْرَاجُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ فِي السِّكَّةِ أَوْ السُّوقِ (مجمع الضمانات، الْبَابُ الْخَامِسُ وَالْعِشْرُونَ فِي الْوَقْفِ)

شبِ برأت اور آتش بازی

□...... آج کل شبِ برأت کے موقع پر سب سے بڑی جو وباء ہے وہ آتش بازی کی ہے، شعبان کا بابرکت مہینہ شروع ہونے کے ساتھ ہی اس آتش بازی کی لعنت اور نحوست کا بھی آغاز ہوجاتا ہے، بلکہ بہت پہلے سے آتش بازی کا سامان بازاروں اور مارکیٹوں میں آنا شروع ہوجاتا ہے، اور یہ بابرکت عبادت کا مہینہ آتش بازی اور پٹاخوں کی مسموم فضا اور ملعون آوازوں کی نظر ہوجاتا ہے، بے شمار بچے اور بڑے اس آتش بازی کی زد میں آ کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں یا ہمیشہ کے لئے معذور ہوجاتے ہیں، اور قوم کا جو پیسہ برباد ہوتا ہے وہ الگ ہے، یہ رسم نہ صرف ایک بے لذت گناہ ہے بلکہ اس کی دنیوی تباہیاں بھی ہمیشہ آنکھوں کے سامنے آتی ہیں اس میں ایک تو اپنے مال کا ضائع کرنا ہے اور بے جا اسراف ہے، جو خود دنیا میں بھی ہر قسم کی بربادی کا ذریعہ ہے۔

فضول خرچی کے بارے میں قرآنی آیات پہلے گزر چکی ہیں۔

اور احادیث میں بھی اس پر وعیدیں آئی ہیں۔

چنانچہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ عِلْمِهٖ فِيْمَ فَعَلَ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ أَيْنَ اِكْتَسَبَهُ وَفِيْمَ أَنْفَقَهُ وَعَنْ جِسْمِهٖ فِيْمَ أَبْلَاهُ (ترمذی) [1]

ترجمہ: قیامت کے دن بندہ کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے، جب تک اس سے عمر کے بارے یہ سوال نہ کرلیا جائے کہ اس نے اس کو کہاں خرچ کیا؟ اور علم کے بارے میں یہ سوال نہ کرلیا جائے کہ اس نے علم کا کیا کیا؟ اور اس کے مال کے

---

[1] حدیث نمبر ۲۴۱۷، أبواب صفة القيامة والرقائق والورع، باب في القيامة، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر.

قال الترمذي:

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جُرَيْجٍ هُوَ بَصْرِيٌّ وَهُوَ مَوْلَى أَبِي بَرْزَةَ وَأَبُو بَرْزَةَ اسْمُهُ نَضْلَةُ بْنُ عُبَيْد.

بارے میں یہ سوال نہ کرلیا جائے کہ کہاں سے کمایا اور کس چیز میں خرچ کیا؟ اور اس کے جسم کے بارے میں یہ سوال نہ کرلیا جائے کہ اس نے اس کو کس چیز میں کھپایا (ترجمہ ختم)

جس قوم کی اقتصادی حالت انتہائی ناگفتہ بہ اور خطرناک ہو اور جس کو افلاس نے دوسری قوموں کا غلام بنا رکھا ہو، اس کا اتنا روپیہ اس طرح فضول اور بیہودہ رسوم میں ضائع ہو تو اس کی قومی وتعمیری ترقی والی زندگی کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟

ہر سال اس رات میں یہ افلاس زدہ قوم لاکھوں روپیہ آتش بازی، انار، اور پٹاخے وغیرہ چھوڑنے پر خرچ کر دیتی ہے، اور گاڑھی کمائی کو نذرِ آتش کر کے مبارک رات کو بھسم کر ڈالتی ہے، اور یہ عمل خلافِ شرع ہونے کے ساتھ ساتھ خلافِ عقل بھی ہے۔

بچوں کو آتش بازی، پھلجھڑی، انار اور پٹاخے چھوڑنے کے لئے پیسے دیے جاتے ہیں اور ان کو بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی مشق کرائی جاتی ہے، بہت سے بچے اور بڑے جل جاتے ہیں، بلکہ بعض مرتبہ دکانوں اور مکانوں تک میں آگ لگ جاتی ہے، مگر پھر بھی لوگ یہ رسمِ بد نہیں چھوڑتے۔ آگ سے کھیلنا اور آگ کا شوق رکھنا آتش پرستوں کے یہاں سے چلا ہے۔

اس بارے میں اختتامی موقع پر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے مواعظ سے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ:

(۱)......''مگر خدا کے لئے اِس (شعبان کی پندرہویں) رات میں قُرب الی اللہ (اللہ کا قُرب حاصل کرنے) کے لئے جاگنا، قُرب الی النار (آگ کا قُرب حاصل کرنے) کے لئے نہ جاگنا، قُرب الی النار (آگ کے قریب ہونے) کے لئے جاگنا یہ ہے کہ آتش بازی کے واسطے جاگا جائے۔ یہ آتش بازی کیا ہے آتش باری (آگ پھینکنا) ہے، رات کو یوں معلوم ہوتا ہے کہ آگ برس رہی ہے یہ بالکل یاجوج وماجوج کا سا فعل ہے، وہ بھی آسمان کی طرف آسمان والوں سے لڑنے کے لئے تیر پھینکیں گے جن کو حق تعالیٰ کے حکم سے خون میں بھر کر واپس کیا جائے گا۔ اسی طرح یہ لوگ آسمان کی طرف آگ بیل (ہوائیاں) وغیرہ پھینکتے ہیں۔ اس سے خود بھی بچو اور اپنے بچوں کو بھی بچاؤ۔ کیونکہ اپنے

اہل وعیال کو گناہوں سے بچانا بھی گھر کے سردار پر واجب ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:
"یَآاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْآ اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا" اے ایمان والو! اپنے کو بھی آگ سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی۔
بعض لوگ کہتے ہیں صاحب کیا کریں بچے آتش بازی کے لئے ضد بہت کرتے ہیں۔ یہ محض لغو (بے کار) عذر ہے، بھلا اگر بچے زہر کھانے پر ضد کریں تو کیا تم کھلا دو گے؟ ہرگز نہیں! پھر دونوں میں فرق کیا ہے، اس کے سوا اور کیا فرق ہے کہ جس چیز کو اطبّاء (ڈاکٹر) جسم کے لئے زہر کہہ دیں اس کو تو تم مضر (نقصان دہ) سمجھتے ہو اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روحِ ایمان کے لئے زہر بتلاویں اس کو تم مضر نہیں سمجھتے۔ ذرا ہوش ٹھکانے کرو اور ایمان کو سنبھالو۔ دوسرے بچوں کو بہلانا ہی کیا مشکل ہے، ذرا سی بات میں بچہ بہل سکتا ہے، جیسے بدوؤں کا بہلانا آسان ہے (کیونکہ) بدو چالاک نہیں ہوتے، اکثر بھولے اور سیدھے ہوتے ہیں......ان کا بہلا لینا کچھ مشکل نہیں، ایسے ہی بچوں کا بہلانا بھی کچھ دشوار نہیں......اپنی اولاد کے جذبات کی اصلاح کیجئے" (وعظ الیسر مع العسر، ملخصاً ص۳۹، ۴۰، خطبات حکیم الامت ج ۶ بعنوان نظامِ شریعت ص ۵۲۱ تا ۵۲۳، مکتبہ اشرف المعارف چہلیک ملتان)

(۲)......"اس آتش بازی کی اصل دیکھی جاوے تو یہ نکلتی ہے کہ برانکہ ایک قوم ہے یہ اصل میں آتش پرست تھے پھر اسلام لے آئے۔ ان میں اچھے لوگ بھی تھے مگر بعض میں آتش پرستی کا مادہ موجود تھا۔ یہ فعل ان کا ایجاد کیا ہوا ہے تا کہ اس بہانے آگ کی طرف توجہ رکھیں پھر دیکھا دیکھی دوسرے مسلمانوں نے بھی اس کو اختیار کر لیا۔ جب ماخذ (مرکز) اس کا مادۂ کفر ہے تو یہ شعبہ کفر کا ہوا، اس کو دوسری معصیتوں (گناہوں) سے زیادہ اہتمام کے ساتھ چھوڑ دینا چاہئے" (وعظ شب مبارک ص ۲۴، ۲۵، خطباتِ حکیم الامت ج ۷ ص ۳۹۰)

(۳)......"مگر لوگوں نے اس شب میں برکات چھوڑ کر بیہودہ حرکات اختیار کر رکھی

ہیں۔ چنانچہ آتش بازی ایسی منکر (اور بری) حرکت ہے کہ نام ہی میں اس کے منکر (اور برا) ہونے کا اقرار ہے نام بھی ایسا الہام (ایجاد) کیا گیا جس میں آتش بھی ہے اور اور بازی بھی ہے نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ خطرہ کی چیز ہے اور لہو ولعب ہے۔ بھلا آتش سے تلبس ہونا (یعنی ایسا کھیل والا تعلق رکھنا) بھی کوئی اچھی بات ہے؟ حدیث شریف میں تو یہاں تک ارشاد ہے کہ سوتے وقت چراغ کو گُل کر دو جو کہ عادۃً دُور ہی رکھا جاتا ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی جلتا ہوا چھوڑنا پسند نہیں کیا کیونکہ خطرہ سے خالی نہیں، اور اس کے متعلق واقعات بھی ہوگئے ہیں۔ پھر تلبسِ قریب (یعنی آگ کے قریب سے کھیلنے) سے تو ممانعت کیوں نہ ہوگی واقعی بڑی خطرہ کی چیز ہے چنانچہ بہت سے واقعات اس کی بدولت ہر سال پیش آتے ہیں کسی کا ہاتھ جل گیا، کسی کی جان جاتی رہی، کسی کا مکان خاک سیاہ ہوگیا۔ اور اگر فرضاً کچھ بھی نہ ہو تو اتلافِ مال (مال ضائع کرنا) تو ضرور ہی ہے، اور زیادہ تر پیرانِ نابالغ (کم فہم بوڑھوں) پر تعجب ہے جن کے دل میں تو یہ ہوتا ہے کہ ہم خود تماشہ دیکھیں، مگر چونکہ وقار (اور ان کی شان) کے خلاف ہے اس لئے بچوں کو آڑ بناتے ہیں اور عذر یہ کرتے ہیں کہ بچے نہیں مانتے، تماشوں میں بچوں کو ساتھ لے جاتے ہیں، صاحبو! ان بچوں کو کیوں بدنام کرتے ہو، بلکہ تمہاری ہی گود میں ایک بچہ ہے جس کو نفس کہتے ہیں وہ تم کو لے جاتا ہے، ظاہر میں بچوں کو پیسے دیتے ہیں اور مقصود خود تماشہ دیکھنا ہوتا ہے اپنی غرض کے لئے اولاد کے اخلاق بگاڑ رہے ہو، اور اگر سچ مچ وہی ضد کرتے ہوں تب بھی یہ عذر قابل قبول نہیں، دیکھو اگر تمہارا بچہ باغیوں میں شامل ہو کر گولہ چھوڑنے لگے تو تم اس کو روکو گے یا نہیں؟ ضرور روکو گے اگر نہ مانے گا جبراً روکو گے اسی طرح یہاں کیوں نہیں روکا جاتا، بس یوں کہوں کہ گناہ کو بُرا ہی نہیں سمجھتے، اگر تم خود معصیت (گناہ) کو بُرا سمجھتے تو بچوں کو اس کی عادت کیوں ڈالتے، بھلا اگر بچے ضد کر کے سانپ مانگنے لگیں تو کیا دے دو گے؟ پھر جس کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مضِر (نقصان دہ) کہا ہے، کیا وجہ ہے کہ اس کی

عادت ڈالی جاتی ہے، معلوم ہوا کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کی وقعت (واہمیت) نہیں، پھر یہ کہ یہ مال (جوآتش بازی کے لئے بچوں کو دیا گیا ہے) تمہارا کہاں ہے؟ سب خدا ہی کی مِلک ہے، تم محض خزانچی ہو تمہارے ہاتھ میں تو تحویل ہے، تم ایسے ہو جیسے غلام ہوتا ہے مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے...... پس جب بچوں کو آتش بازی کے لئے پیسے دینا شرعاً حرام ہے تو تم دینے والے کون ہو، ہر گز مت دو اور ضد کرنے پر مارو، کھیل تماشہ میں بھی ان کو مت کھڑا ہونے دو' (کیونکہ اسی سے دیکھا دیکھی بچوں کو شوق ہوتا اور عادت پڑتی ہے) (وعظ شب مبارک، ملخصاً ص۲۳،۲۴۔ خطباتِ حکیم الامت ج ۷ ص ۳۸۸ تا ۳۸۹، بعنوان حقیقتِ عبادت)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آتش بازی سخت گناہ ہے، خواہ شبِ برأت کے موقع پر ہو یا شادی بیاہ کے موقع پر یا کسی اور وقت اور یہی حکم ایسے مواقع پر اسلحہ سے فائرنگ کرنے کا بھی ہے، ایسی حرکات سے خود بھی بچنا ضروری ہے اور اپنی اولاد اور اہل وعیال کو بھی بچانا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور خاتمہ بالخیر فرمائیں۔ آمین۔

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان

۲۹/ رجب/ ۱۴۲۳ھ، 7/ اکتوبر 2002ء، بروز پیر

اضافہ واصلاح ۲۶/ ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ، 18/ دسمبر 2006ء، بروز پیر

اضافہ واصلاح بارِ دوم: ۲۴/ ربیع الآخر/ ۱۴۳۲ھ 30/ مارچ/ 2011ء بروز بدھ

ادارہ غفران، راولپنڈی

X

ماہِ شعبان کے چند اہم تاریخی واقعات

(مرتب: مولانا طارق محمود: ادارہ غفران، راولپنڈی)

آخر میں شعبان کے مہینے میں واقع ہونے والے چند اہم تاریخی واقعات وحالات کو بھی مختصر انداز میں لکھا جاتا ہے، تا کہ کسی درجہ میں اسلامی تاریخی معلومات بھی مسلمانوں کو حاصل ہوں۔

پہلی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... ماہِ شعبان ۲ھ میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے۔

اس سے پہلے حضور ﷺ عاشوراء یعنی دس محرم اور ہر مہینے میں تین دن روزے رکھا کرتے تھے (عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۱۴۴، از علامہ مخدوم ہاشم سندھی رحمہ اللہ، البدایہ والنہایہ، ج ۴ فی فریضۃ شہر رمضان سنۃ ثنتین قبل وقعۃ بدر)

□...... ماہِ شعبان ۳ھ میں حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا (عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۱۲۷)

آپ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کی بیٹی اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی سگی بہن ہیں، ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کی تعریف میں حضور ﷺ سے عرض کیا ''اِنَّھَا صَوَّامَۃٌ قَوَّامَۃٌ'' یعنی یہ بہت روزے رکھنے والی اور عبادت گذار ہیں'' (الاصابہ لابن حجر ج ۷، کتاب النساء حرف الحاء المہملہ)

□...... ماہِ شعبان ۳ھ میں حضرت سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ ان سے انتہائی محبت فرماتے تھے، جب یہ بچے تھے تو آنحضرت ﷺ کبھی ان کو اپنی گود میں کھلاتے، کبھی سینہ اور پیٹھ پر بٹھاتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ ﷺ سجدہ میں ہوتے اور یہ پشت مبارک پر سوار ہو جاتے اور آپ نہ صرف یہ کہ بیٹھنے دیتے بلکہ ان کی خاطر سجدہ کو اور طول دیتے، کبھی اپنے ساتھ منبر پر چڑھاتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی اپنے صاحبزادہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بڑی عزت تھی، وہ ان سے احترام وتوقیر کا معاملہ فرماتے (المرتضیٰ ص ۳۵۸، تالیف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ)

☐...... ماہِ شعبان ۴ھ میں حضرت سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی۔

پیدائش کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کو شہد چٹایا اور ان کے دہن پاک کو اپنی زبان بابرکت سے تر کیا، ان کو دعائیں دیں اور حسین نام رکھا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا چہرۂ مبارک رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور سے مشابہ تھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جسم رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر کے مشابہ تھا، حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ حسن وحسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں (المرتضٰی ص ۳۵۸)

☐...... ماہِ شعبان ۴ھ میں غزوۂ بدر صغریٰ پیش آیا۔

اسے بدرِ میعاد بھی کہتے ہیں ۳ھ میں غزوۂ احد کے موقع پر کافروں نے زبردست شکست کھائی تھی، اس وقت ابوسفیان نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ سال ''بدر'' کے مقام پر پھر مقابلہ ہوگا، چنانچہ حضور ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ اگلے سال اس سے مقابلہ کے لئے نکلے، ابوسفیان بھی مکہ سے کچھ دور تک مقابلے کے لئے نکلا، مگر میدان میں مقابلہ سے پہلے ہی ڈر کر بھاگ گیا، تو آپ ﷺ بھی واپس تشریف لے آئے (البدایہ والنہایہ ج ۴، غزوہ بدر الآخرۃ، سیرت ابن ہشام غزوہ بدر الآخرۃ فی شعبان سنۃ اربع)

☐...... ماہِ شعبان ۵ھ میں غزوۂ بنی مصطلق پیش آیا (عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۷۵)

جسے ''غزوۂ مریسیع'' بھی کہا جاتا ہے (بعض حضرات نے اس غزوہ کا ۵ھ کے بجائے ۶ھ میں واقع ہونا بیان کیا ہے) حضور ﷺ سات سو صحابہ کرام کے ساتھ کفار سے مقابلہ کے لئے نکلے، ازواجِ مطہرات میں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ساتھ تھیں، اس جنگ میں کفار کو شکست ہوئی ۱۰ کفار قتل اور ۷۰۰ قید ہوئے، اور صحابۂ کرام میں صرف ایک صحابی شہید ہوئے، بنو مصطلق ایک قبیلہ کا نام ہے جو مکہ ومدینہ کے درمیان آباد تھا، مریسیع ان لوگوں کے کنویں کا نام تھا (البدایہ والنہایہ ج ۴، غزوہ بنی مصطلق من خزاعۃ، سیرت ابن ہشام، غزوہ بنی مصطلق فی وقتہا)

☐...... ماہِ شعبان ۶ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی امارت میں سریہ دومۃ الجندل پیش آیا (عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۹۵)

یہ ملکِ شام کے قریب ایک شہر ہے، روانگی سے پہلے حضور ﷺ نے ان کو اپنے سامنے بٹھایا اور اپنے دستِ مبارک سے انکے سر پر عمامہ باندھ کر ان کو ہدایات دیں، انہوں نے قتال سے پہلے کفار

کواسلام کی دعوت دی، تو اکثر کفار نے اسلام قبول کرلیا، اور باقیوں نے جزیہ دینا قبول کرلیا، اس لئے اس موقع پر جنگ کی نوبت نہیں آئی (غزوات النبی ﷺ لبرھان الدین حلبی رحمہ اللہ ص ۷۹۴) (لیکن ''البدایہ والنہایہ'' جلد۴ میں ''غَزَا رَسُوْلُ اللہِ ﷺ'' کے الفاظ کے ساتھ غزوہ دومۃ الجندل کا ربیع الاول کے مہینے میں واقع ہونا مذکور ہے)

□...... ماہِ شعبان ۶ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ۱۰۰ اصحابہ کا لشکر بنوسعد (فدک) کی طرف بھیجا گیا (عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۹۶)

فدک خیبر کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، اس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی، ۵۰۰ اونٹ، ۲۰۰۰ بکریاں مالِ غنیمت میں حاصل ہوئیں (غزوات النبی ﷺ ص ۷۹۶)

□...... ماہِ شعبان ۷ھ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ۳۰ صحابہ کا ایک لشکر ''تربہ'' مقام کی طرف بھیجا گیا، کفار کو اس لشکر کی روانگی کا پہلے ہی علم ہوگیا جس کے نتیجہ میں وہ بھاگ نکلے، اس لئے مقابلہ نہیں ہوا، اور یہ لشکر صحیح وسالم، بخیروعافیت مدینہ واپس آ گیا (عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۱۰۰، البدایہ والنہایہ ج ۴ سریہ عمر بن الخطاب الی تربۃ وراء مکۃ باربعۃ امیال)

□...... ماہِ شعبان ۷ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں سریہ بنوکلاب پیش آیا (عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۱۰۰)

یہ لوگ نجد میں وادیٔ قریٰ کی طرف آباد تھے، اس موقع پر کافروں سے مقابلہ ہوا، جس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور مسلمان محفوظ رہے، کفار کے چند افراد قتل اور چند قید ہوئے (غزوات النبی ﷺ ص ۸۰۵)

□...... ماہِ شعبان ۷ھ میں حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ۳۰ سواروں کا ایک لشکر بنومرہ کی طرف بھیجا گیا (عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۱۰۱، تقویم تاریخی ص ۲۴)

اس موقع پر شدید جنگ ہوئی، اس سریہ میں ان کے علاوہ تمام رفقاء شہید ہوگئے تھے، اور آپ خود زخمی حالت میں حضور ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے، آپ ﷺ نے اگلے سال دوبارہ لشکر بھیجا جس میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور مالِ غنیمت بھی حاصل ہوا (البدایہ والنہایہ ج ۴، سریۃ اخری مع بشیر بن سعد، غزوات النبی ﷺ ص ۸۰۵)

□...... ماہِ شعبان ۸ھ میں حضور ﷺ نے حضرت ابوقتادہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی قیادت

میں سولہ افراد پر مشتمل ایک لشکر ''بنومحارب'' نامی کافروں کے مقابلہ کے لئے ''غطفان'' روانہ فرمایا، یہ کافرلوگ خضرہ نامی جگہ میں آباد تھے، اس موقع پر صحابہ کی جماعت کواللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی اور کافروں کے بہت سے آدمی قید ہوئے، اور تقریباً دوسواونٹ اور لگ بھگ دوہزار بکریاں مالِ غنیمت میں حاصل ہوئیں، اس وقت کا شرعی حصہ ''خمس'' نکالنے کے بعد ہر غازی کے حصہ میں تیرہ اونٹ آئے (عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۱۰۷)

□...... ماہِ شعبان ۹ھ میں حضور ﷺ کی تیسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں، حضور ﷺ کی بعثت سے قبل آپ کی نسبت ابولہب کے بیٹے عتبہ سے طے تھی، لیکن رخصتی سے پہلے ہی اس نے طلاق دے دی تھی، آپ کی بڑی بہن حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے آپ کا نکاح ہوا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں سات سال رہ کرانتقال فرمایا، آپ ﷺ نے خود ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہ تھی، حضرت ابوطلحہ، حضرت علی، فضل بن عباس اوراسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا (الاصابہ، ج۸حرف الکاف، سیر الصحابیات ص۱۰۰، البدایہ والنہایہ ج۵، فصل موت النجاشی سنۃ تسع وموت ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ، عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۲۹۸)

□...... ماہِ شعبان ۱۰ھ میں مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا (عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۳۲۶)

قبل ازیں آپ مسلمانوں سے چھپ کرشام چلے گئے تھے، پھراپنی بہن شفانہ بنت حاتم کی دعوت پر واپس آئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکراسلام قبول کیا (البدایہ والنہایہ ج۵ قصۃ عدی بن حاتم)

□...... ماہِ شعبان ۱۰ھ میں یمن کے قبیلہ خولان کے دس افراد نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکراسلام قبول کیا (عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۳۲۹)

ان کے ہاں عم انس نامی بت تھا، انہوں نے اپنے اموال کا ایک حصہ اپنے لئے اور ایک حصہ اپنے

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

بت کے لئے مقرر کر رکھا تھا، اِن ہی لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا تھا: **وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّاذَرَأَمِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَالِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا** (سورہ انعام)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مواشی پیدا کئے ہیں ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعمِ خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا'' چنانچہ حضور ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ واپس جا کر اس بت کو توڑ دیں، وہ واپس گئے اور اس بت کو توڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل شروع کر دی (البدایہ والنہایہ ج ۵، وفد خولان، ایضاً ص ۳۲۹)

❏...... ماہِ شعبان ۱۱ ھ میں جنت کی عورتوں کی سردار اور حضور ﷺ کی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضور ﷺ کی چوتھی اور آخری بیٹی تھیں، حضور ﷺ کو آپ سے بہت زیادہ محبت تھی، آپ ﷺ کی رحلت کے بعد اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے وفات پانے والیں آپ ہی ہیں، آپ کی پاکیزگی، تقویٰ اور مجاہدہ محتاجِ بیان نہیں بس اتنا ہی کافی ہے ؎

یوں کی ہے بسر اہلِ بیت مطہر نے زندگی یہ ماجرائے دخترِ خیرالانام تھا

(الاصابہ ج ۸، کتاب النساء، الفاء، القسم الاول من ذکر لهاصحبة وبیان ذلک)

❏...... ماہِ شعبان ۱۱ ھ میں مسیلمہ کذاب قتل ہوا (عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۳۴۱)

اس شخص نے حضور ﷺ کی زندگی میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر اس کے مقابلے کے لئے بھیجا، بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی، کفار بیس ہزار قتل ہوئے اور مسلمان چھ سو شہید ہوئے، مسیلمہ کذاب بھی اسی جنگ میں حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کے نیزے سے زخمی ہوا اور حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۵۵، مقتل مسیلمہ الکذاب لعنۃ اللہ)

❏...... ماہِ شعبان ۵۰ ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص ۱۳)

طائف کے مشہور قبیلہ بنو ثقیف سے آپ کا تعلق تھا، آپ کاتبِ وحی بھی تھے اور بیعتِ رضوان، جنگِ یمامہ، جنگِ یرموک اور جنگِ قادسیہ میں شریک رہے (الاصابہ ج ۶ حرف المیم بعد ہا الغین، صحابہ

انسائیکلوپیڈیا ص ۸۵۷)

□...... ماہِ شعبان ۹۳ھ میں خادمِ رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۱۳۸)

آپ کی والدہ کی خواہش تھی کہ حضور ﷺ کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کیا جائے، اس لئے اپنے ۱۰ سالہ بیٹے انس رضی اللہ عنہ کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا "خُوَیْدُمُکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ" "یہ آپ کے لئے ایک چھوٹا سا خادم ہے" آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور والدہ ہی کی فرمائش پر آپ ﷺ نے ان کے لئے مال اور اولاد میں برکت اور جنت میں داخلے کی دعا فرمائی (البدایہ والنہایہ ج ۲ انس بن مالک بن النضر بن ضمضم)

□...... ماہِ شعبان ۹۵ھ میں حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کو حجاج بن یوسف نے شہید کیا، یہ واقعہ بہت تفصیلی اور مشہور ہے، آپ نے اپنی شہادت کے وقت یہ دعا کی تھی "اے اللہ میرے بعد حجاج کو کسی کے قتل پر جرأت نہ دینا" چنانچہ ان کی شہادت کے کچھ عرصہ بعد حجاج سخت ذہنی اور جسمانی تکالیف میں مبتلا ہوا اور اسی میں اس کی موت واقع ہوئی (سیر الصحابہ ج ۷ ص ۱۵۳، البدایہ والنہایہ ج ۹ مقتل سعید بن جبیر)

دوسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... ماہِ شعبان ۱۰۵ھ: میں خلیفہ یزید بن عبدالملک کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص ۲۷)

یزید بن عبدالملک حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بعد خلیفہ بنا تھا، لیکن ان کے طریقے پر قائم نہ رہ سکا، اس کی جہالت نے اس کو آہستہ آہستہ فسق وفجور کی طرف مائل کر دیا، یہاں تک کہ اس نے شراب اور نشہ آور اشیاء کا استعمال بھی شروع کر دیا اور سب سے پہلا خلیفہ یہی تھا، جس نے علانیہ شراب استعمال کی، کہا جاتا ہے کہ اس کی خلافت سے بنو امیہ کا زوال شروع ہوگیا، ۳۸ سال کی عمر میں "بلقاء" مقام پر اس کی وفات ہوئی (البدایۃ ج ۹ ثم دخلت سنۃ خمس مائۃ، تاریخ اسلام از اکبر شاہ خان ج ۲ ص ۲۱۱)

□...... ماہِ شعبان ۱۰۵ھ: میں ہشام بن عبدالملک کی خلافت قائم ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۲۷)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

ہشام ۷۲ھ میں پیدا ہوا، جب یزید بن عبد الملک کا انتقال ہوا تو ہشام اس وقت ''حمص'' (شام کا مشہور شہر) میں مقیم تھا، قاصد یزید کی وفات کی خبر اور اس کا عصا اور انگوٹھی لے کر اس کے پاس آیا، اس کے بعد ہشام دمشق آیا اور لوگوں سے اپنی خلافت پر بیعت لی (البدایۃ والنہایۃ، ج۹، خلافتِ ہشام بن عبد الملک، تاریخِ اسلام از اکبر شاہ خان ج۲ ص ۲۱۱)

☐...... ماہِ شعبان ۱۰۷ھ: میں اندلس کے امیر عنبسہ بن سحیم الکلبی کا انتقال ہوا۔

انہوں نے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ اندلس کے شہر ''قرقسونہ'' پر حملہ کیا اور اس کا محاصرہ کیا، محاصرہ کے دوران اہلِ شہر نے مسلمانوں کی مختلف شرائط مانتے ہوئے صلح کر لی اور مسلمان بالکل صحیح سلامت واپس آئے اس سفر سے واپسی کے بعد عنبسہ کا انتقال ہوا (الکامل لابن عدی ج۴ ص ۳۷۷)

☐...... ماہِ شعبان ۱۳۱ھ: میں بصرہ میں طاعون شدت اختیار کر گیا۔

اس طاعون کی ابتداء جمادی الثانیہ میں ہوئی تھی اور اس میں لوگوں کی بہت بڑی تعداد ہلاک ہوگئی تھی، یہ طاعون شوال کے مہینے تک رہا اور اسی طاعون میں ایوب سختیانی اور علی بن زید رحمہما اللہ کی بھی وفات ہوئی (تاریخِ خلیفہ بن خیاط ج۱ ص ۳۹۸)

☐...... ماہِ شعبان ۱۳۸ھ: میں ابو مسلم خراسانی کا قتل ہوا (تقویم تاریخی ص ۳۵)

بنو امیہ کی خلافت کے خلاف بنو عباس کی بغاوت میں اس نے اہم کردار ادا کیا، بلکہ اس کا شمار بنو عباس کے بانیوں میں ہوتا ہے، لیکن جب بنو امیہ کی خلافت ختم ہوئی اور عباسیوں کی قائم ہوئی تو کچھ عرصہ بعد ابو مسلم اور عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور میں اختلاف پیدا ہو گئے، جس نے بعد میں بہت شدت اختیار کر لی تھی اور ایک دن ابو جعفر منصور نے ابو مسلم کو دھوکے سے اپنے محل میں بلا کر قتل کرا دیا (تاریخِ اسلام از اکبر شاہ خان ج۲ ص ۲۸۰، الکامل لابنِ عدی ج۵ ص ۱۱۰)

☐...... ماہِ شعبان ۱۶۱ھ: میں حضرت امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص ۴۱)

آپ بہت بڑے محدث اور فقہ کے امام شمار کئے جاتے تھے، آپ کی ذات علم وعمل کا مجموعہ تھی، تقویٰ میں آپ کو بہت بڑا مقام حاصل تھا، امام ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دنیا ان کی

طرف بڑھی مگر انہوں نے دنیا سے منہ پھیر لیا، عباسی خلفاء کو شریعت کے خلاف کاموں کی وجہ سے سرِ عام ٹوکتے تھے، اسی وجہ سے عباسی خلیفہ مہدی آپ سے ناراض تھا، مہدی کی ناراضگی کی وجہ سے آپ مصر چلے گئے اور مصر ہی میں آپ کا انتقال ہوا (سیر الصحابہ ج۸ص۴۶۵، العبر فی خبر من غبر ج۱ص۲۳۵)

□...... ماہِ شعبان ۱۷۵ھ: میں لیث بن سعد رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ عربی زبان کے ماہر اور قرآن مجید بہت اچھا پڑتے تھے، احادیث اور اشعار آپ کو بکثرت یاد تھے، ۹۴ھ میں پیدائش ہوئی (طبقات الحافظ ج۱ص۱۰۲)

□...... ماہِ شعبان ۱۸۳ھ: میں ہشیم بن عمرو بن دینار رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ اصل میں بخارا کے رہنے والے تھے ۱۰۴ھ میں ولادت ہوئی، آپ کے والد حجاج بن یوسف کا کھانا پکاتے تھے، آپ سے امام مالک، امام ثوری، امام شعبہ، امام عبداللہ بن المبارک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ جیسے بڑے بڑے ائمہ روایت کرتے ہیں، بغداد میں وفات ہوئی (المنتظم لابنِ جوزی ج۹ص۹۰)

□...... ماہِ شعبان ۱۹۵ھ: میں ابوالخیر مرثد بن عبداللہ المزنی کی وفات ہوئی۔

آپ اسکندریہ کے قاضی تھے، اصلاً آپ کا تعلق اصفہان سے تھا، ۸۴ھ میں ولادت ہوئی، جمعرات کے دن انتقال ہوا اور جمعہ کے دن تدفین ہوئی (طبقات الفقہاء ج۱ص۷۶ للشیرازی)

□...... ماہِ شعبان ۱۹۶ھ: میں عباسی خلیفہ واثق باللہ پیدا ہوا، اس کے والد کے زمانہ ہی میں اس کو ولی عہد بنا دیا گیا تھا اور ربیع الاول ۲۲۵ھ میں وہ خلیفہ بنا (تاریخ الخلفاء ج۱ص۳۴۰)

□...... ماہِ شعبان ۱۹۷ھ: میں ابو محمد عبداللہ بن وہب الفہری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی پیدائش ۱۲۵ھ میں ہوئی، علمِ حدیث میں آپ کو بڑا مقام حاصل تھا، آپ امام مالک، امام سفیان بن عیینہ اور امام سفیان ثوری، ابنِ جریج اور عمرو بن الحارث رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، ابنِ عدی رحمہ اللہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ اور معتبر راوی ہیں (طبقات الحفاظ ج۱ص۱۳۳، العبر فی خبر من غبر ج۱ص۳۲۲)

□...... ماہِ شعبان ۱۹۷ھ: میں عبید بن وہب بن مسلم رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی پیدائش ذی قعدہ ۱۲۵ھ میں ہوئی، سات سال کی عمر میں طلبِ علم کے لئے نکلے، مصر میں آپ کی وفات ہوئی (المنتظم لابن الجوزی ج۱۰ص۴۱)

□...... ماہِ شعبان ۱۹۸ھ: میں عمرو بن الھیثم رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ سے روایت کرنے والوں میں امام احمد اور امام یحییٰ رحمہم اللہ جیسے ائمہ حدیث شامل ہیں، آپ کو روایتِ حدیث میں ثقہ قرار دیا گیا ہے (المنتظم لابن جوزی ج۱۰ص۷۰)

تیسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... ماہِ شعبان ۲۰۴ھ: میں حضرت ابو عمرو اشہب بن عبدالعزیز العامری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۱۴۰ھ میں ہوئی، وفات کے وقت عمر ۶۴ سال تھی، آپ بہت مالدار اور جاہ وجلال کے مالک تھے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مصر میں اشہب بن عبدالعزیز جیسا فقیہہ پیدا نہیں ہوا۔

(العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۴۵، المنتظم ج ۱۰ ص ۱۳۱، شذرات الذهب ج ۱ ص ۱۲)

□...... ماہِ شعبان ۲۰۷ھ: میں حضرت ابو سہل کثیر بن ہشام الکلابی الرقی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بغداد میں رہتے تھے، حدیث کے معاملے میں ثقہ اور صدوق شمار ہوتے ہیں، آپ جعفر بن برقان رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، بغداد میں وفات ہوئی۔

(العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۵۳، شذرات الذهب ج ۱ ص ۱۷، الطبقات الکبریٰ ج۷ ص ۳۳۴)

□...... ماہِ شعبان ۲۱۵ھ: میں حضرت مکی بن ابراھیم بن بشر بن فرقد البرجمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کے اساتذہ میں بہز بن حکیم، ابنِ جریج اور امام مالک بن انس رحمہم اللہ شامل ہیں، آپ کے چند مشہور شاگرد یہ ہیں: امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور حسن بن عرفہ رحمہم اللہ، تقریباً ۱۰۰ سال کی عمر میں وسطی ایشیا کے شہر بلخ میں وفات ہوئی (المنتظم ج۱۰ص۲۷۳)

□...... ماہِ شعبان ۲۱۹ھ: میں حضرت ابو نعیم فضل بن دکین الملائی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ طلحہ بن عبداللہ التـــمیــمی کے غلام تھے، ۱۳۰ھ میں ولادت ہوئی، آپ کے اساتذہ میں اعمش، مسعر، زکریا بن ابی زائدہ، ابنِ ابی لیلیٰ اور شعبہ رحمہم اللہ جیسے اکابر شامل ہیں، عبداللہ بن مبارک، احمد بن حنبل، ابو زرعۃ، امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔

(الکامل ج۶ ص ۱۷، تاریخِ خلیفه بن خیاط ج ۱ ص ۴۷۶، المنتظم ج ۱۱ ص ۴۹، الطبقات الکبریٰ

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

ج۶ ص ۴۰۰)

□......ماہِ شعبان ۲۲۱ھ: میں حضرت ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن عثمان بن حبلۃ بن ابو داؤ د میمون رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

۱۴۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، شعبہ، ابوحمزہ، مالک بن انس، عیسیٰ بن عبید، عبداللہ بن مبارک، حماد بن زید اور یزید بن زریع رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِ فہرست ہیں، البتہ امام شعبہ رحمہ اللہ سے آپ نے صرف ایک روایت کی ہے، آپ سے امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤ د، نسائی، احمد بن شبویہ، احمد بن سیار اور محمد بن علی بن الحسن رحمہم اللہ روایت کرتے ہیں، ۶۷ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔
(سیر اعلام النبلاء ج۱۰ ص ۲۷۲)

□......ماہِ شعبان ۲۲۴ھ: میں حضرت ابو صالح عبدالغفار بن داؤ د بن مہران البکری الحرانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

۱۴۰ھ میں ولادت ہوئی، آپ نے حدیث کی سماعت حماد بن سلمۃ، زہیر بن معاویۃ، عبداللہ بن عیاش القتبانی، لیث بن سعد، عبداللہ بن لہیعۃ، یعقوب بن عبدالرحمٰن، ابو الملیح الرقی اور اسماعیل بن عیاش رحمہم اللہ سے کی، امام بخاری، ابو داؤ د، نسائی، ابنِ ماجہ، محمد بن عون الطائی، ابو بکر الاثرم اور ابو زرعۃ النصری رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں، محدث ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک فقیہ بھی تھے، حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے، مصر میں وفات ہوئی۔
(سیر اعلام النبلاء ج۱۰ ص ۴۳۹)

□......ماہِ شعبان ۲۲۵ھ: میں افشین کو قید میں قتل کر دیا گیا۔

افشین عباسی خلیفہ المعتصم باللہ کا ممتاز امیر تھا، لیکن در پردہ اپنے آبائی مذہب بت پرستی پر قائم تھا، اس کے درمیان اور ایک اور امیر عبداللہ بن طاہر کے درمیان باہم چپقلش رہتی تھی، بابک نامی علاقے کو اس نے فتح کیا، لیکن در پردہ بہت سے اموال اپنے علاقے بھیجتا رہا، جس میں یہ پکڑا بھی گیا، اور طبرستان کے حاکم مازیار کو اس نے بغاوت پر بھی اکسایا، لیکن یہ بغاوت بھی ناکام ہوگئی، خلیفہ المعتصم باللہ کو جب اس کے متعلق علم ہوا تو اس کا رویہ اس سے تبدیل ہوگیا، افشین نے چاہا کہ وہ موقع پا کر آرمینیا بھاگ جائے، لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی، آخر اس نے معتصم اور بڑے

افسروں کو دعوت میں زہر کھلا دینے کا منصوبہ بنایا، لیکن یہ منصوبہ بھی کامیاب نہ ہوا، اور معتصم نے اس کو قید کرا کر قید میں ہی مروا ڈالا (تاریخِ اسلام ندوی ج۳ص ۱۹۵، المنتظم ج۲ ص۱۱۲، الکامل ج۶ص ۶۵)

□ ...... ماہِ شعبان ۲۳۱ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن زیاد رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابنِ الاعرابی کے نام سے مشہور تھے، ۱۵۰ھ میں کوفہ میں ولادت ہوئی، ۸۰ سال کی عمر میں وفات ہوئی، علم اللغۃ میں مہارت حاصل ہونے کی وجہ سے آپ امام اللغۃ شمار ہوتے تھے، آپ ابومعاویۃ الضریر، قاسم بن معن اور ابوالحسن الکسائی رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں، آپ سے ابراہیم الحربی، عثمان الدارمی، ثعلب اور ابوشعیب الحرانی رحمہم اللہ روایت کرتے ہیں۔

(الکامل ج۶ ص ۸۹، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۶۸۸)

□ ...... ماہِ شعبان ۲۳۳ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن سماعۃ بن عبیداللہ بن ھلال بن وکیع بن بشر التمیمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

عباسی خلیفہ منصور نے آپ کو مدینہ کا قاضی بنایا تھا، اور مامون کے دور تک آپ قاضی رہے، لیث بن سعد، قاضی ابو یوسف اور محمد بن الحسن رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، فرماتے ہیں کہ مجھ سے چالیس سال تک ایک دن کے علاوہ کبھی تکبیرِ اولیٰ نہیں چھوٹی، آپ روزانہ ۱۰۰ رکعت نفل پڑھا کرتے تھے، ۱۰۳ سال کی عمر میں وفات ہوئی (المنتظم ج۱۱ص ۱۹۸)

□ ...... ماہِ شعبان ۲۳۴ھ: میں امام ابوخیثمہ زہیر بن حرب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۱۶۰ھ میں ہوئی، ۷۴ سال کی عمر میں بغداد میں وفات ہوئی، آپ نے حدیث کی روایت سفیان بن عیینۃ، ہشیم، ابنِ علیۃ، جریر بن عبدالحمید اور یحییٰ بن سعید رحمہم اللہ سے کی، آپ کے بیٹے احمد بن ابی خیثمہ رحمہ اللہ نے ''التاریخ'' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی، آپ سے امام بخاری، امام مسلم اور ابنِ ابی الدنیا رحمہم اللہ روایت کرتے ہیں۔

(العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۴۱۶، الکامل ج۶ ص ۱۰۲، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۴، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۴۹۱، المنتظم ج ۱۱ ص ۲۱۲، شذرات الذھب ج ۱ ص ۸۰، الطبقات الکبریٰ ج۷ ص ۳۵۴)

□ ...... ماہِ شعبان ۲۳۸ھ: میں مشہور مؤرخ اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کا آبائی تعلق وسطی ایشیا کے شہر نیشاپور سے تھا، آپ کی تصانیف بہت زیادہ ہیں، عبدالعزیز

الدراوردی رحمہ اللہ اور ان کے طبقہ سے حدیث کی سماعت کی، ۷۷ سال کی عمر میں نصف شعبان کی رات نیشاپور میں وفات ہوئی۔

(العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۴۲۶، المنتظم ج ۱۱ ص ۲۶۰، طبقات الحفاظ ج ا ص ۱۹۲، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۳۷۷، شذرات الذهب ج ا ص ۸۹)

❑...... ماہِ شعبان ۲۴۰ھ: میں شیخ الاسلام حضرت قتیبۃ بن سعید بن جمیل بن طریف الثقفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

۱۷۲ھ میں طلبِ علم کے لئے نکلے، امام مالک، لیث، شریک، حماد بن زید، ابوعوانۃ، ابنِ لہیعۃ، بکر بن مضر اور کثیر بن سلیم رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، حمیدی، نعیم بن حماد، یحییٰ بن عبد الحمید الحرانی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، محمد بن عبداللہ بن نمیر، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، ۱۴۸ھ میں ولادت ہوئی، ۹۲ سال کی عمر میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۱۹)

❑...... ماہِ شعبان ۲۴۲ھ: میں شام، فارس اور خراسان کے اکثر شہروں میں شدید زلزلہ آیا، جس میں بہت سے گھر تباہ ہو گئے تھے، تقریباً ۴۵ ہزار افراد ھلاک ہوئے (الکامل ج ۶ ص ۱۲۶)

❑...... ماہِ شعبان ۲۵۵ھ: میں حضرت ابوزھیر محمد بن عبد الرحیم ابو یحییٰ البزار رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ”صاعقۃ“ کے نام سے مشہور تھے کیونکہ آپ کا حافظہ بہت اچھا تھا (صاعقۃ بمعنیٰ بجلی کوندنا، گویا کہ بجلی کوندنے کی سی تیزی سے ذہن میں علم کی روشنی کوند جاتی تھی) ۱۸۵ھ میں ولادت ہوئی، آپ نے حدیث میں عبداللہ بن موسیٰ، عبدالوھاب بن عطا، اسود بن عامر اور قبیصۃ رحمہم اللہ کی شاگردی اختیار کی، امام بخاری رحمہ اللہ نے آپ سے اپنی صحیح البخاری میں بھی روایتیں نقل کی ہیں، ۷۰ سال کی عمر میں وفات ہوئی (المنتظم ج ۳ ص ۴۴۴، سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۲۹۶، طبقات الحفاظ ج ا ص ۲۵۱)

❑...... ماہِ شعبان ۲۶۰ھ: میں شیخ الفقہاء والمحدثین حضرت ابوعلی حسن بن محمد بن الصباح البغدادی الزعفرانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۶۵)

سفیان بن عیینۃ، ابومعاویہ الضریر، اسماعیل بن علیۃ، عبیدۃ بن حمید اور وکیع بن الجراح رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، القزوینی، زکریا الساجی اور ابنِ خزیمہ رحمہم

اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، بغداد میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۲ص۲۶۴)

□......ماہِ شعبان ۲۷۰ھ : میں حضرت ابوالنضر اسماعیل بن عبداللہ بن میمون بن عبدالحمید العجلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کے اساتذہ کی تعداد بے شمار ہے، آپ مشہور شخصیت نوح بن میمون رحمہ اللہ کے چچازاد بھائی تھے، آپ سے محمد بن مخلد الدوری اور ابوحسین بن المنادی رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں، ۸۴ سال کی عمر میں وفات ہوئی (المنتظم من ۲۵۷ھ ج۵ص۷۴)

□......ماہِ شعبان ۲۷۲ھ: میں حضرت احمد بن عبدالجبار العطاردی الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ نے حدیث کی سماعت ابوبکر بن عیاش اور عبداللہ بن ادریس رحمہما اللہ سے کی، ابنِ ابی الدنیا، یحییٰ بن صاعد، اور ابوبکر بن ابی داؤد رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ابنِ حبان رحمہ اللہ نے آپ کو حدیث کے معاملے میں ثقہ قرار دیا ہے، آپ کی ولادت ۱۷۷ھ میں ہوئی، بغداد میں وفات ہوئی (العبر فی خبر من غبر ج۲ص۵۵، سیر اعلام النبلاء ج۱۳ص۵۷، شذرات الذھب ج۱ص۱۶۲)

□......ماہِ شعبان ۲۸۲ھ: میں حضرت ابوعلی الحسین بن الفضل البجلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ لغت اور حدیث کے امام شمار کئے جاتے تھے، یزید بن ھارون، عبداللہ بن بکر السھمی، حسن بن قتیبہ المدائنی، شبابۃ بن سوار اور ابوالنضر ھاشم بن قاسم رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ شمار ہوتے ہیں، ابوالطیب محمد بن عبداللہ بن مبارک، محمد بن صالح بن ھانیؒ اور محمد بن القاسم العتکی رحمہم اللہ آپ کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں، دن اور رات میں آپ چھ سو رکعت نفل پڑھتے تھے، ۱۰۴ سال کی عمر میں وفات ہوئی، محمد بن النضر الجارودی رحمہ اللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی (سیر اعلام النبلاء ج۱۳ص۴۱۶)

□......ماہِ شعبان ۲۸۷ھ: میں حضرت ابوسعد یحییٰ بن منصور الھروی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ افغانستان کے مشہور شہر ''ھرات'' کے شیخ، محدث اور زاھد کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، بعض حضرات کے نزدیک ان کی وفات ۲۹۲ھ میں ہوئی، آپ کے اساتذہ میں ابنِ راھویہ، احمد بن حنبل اور ابن المدینی رحمہم اللہ شامل ہیں، آپ کے شاگردوں میں ابوعمرو السماک رحمہ اللہ سرِ فہرست ہیں (العبر فی خبر من غبر ج۲ص۱۸۶، المنتظم من ۲۵۷ھ ج۶ص۲۶)

□......ماہِ شعبان ۲۹۴ ھ: میں حضرت ابو عمران موسیٰ بن ھارون بن عبداللہ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ ۲۱۴ھ میں ولادت ہوئی، امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین رحمہما اللہ آپ کے استاد ہیں، آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے محدثین شامل ہیں، حفظِ حدیث اور علم اسماء الرجال میں آپ وقت کے علامہ تھے (المنتظم من ۲۵۷ھ ج۶ ص ۶۶، سیر اعلام النبلاء ج۱۲ ص ۱۱۸، طبقات الحفاظ ج ا ص ۲۹۶)

□......ماہِ شعبان ۲۹۹ ھ: میں حضرت ابو عمر احمد بن نصر بن ابراہیم نیشاپوری الخفاف رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کے اساتذہ اسحاق بن ابراہیم الحنظلی، اسحاق بن راھویہ، عمرو بن زرارۃ، ابو عمار حسین بن حریث، محمد بن عبدالعزیز، محمد بن رافع اور ابو کریب رحمہم اللہ ہیں، آپ کے شاگرد ابو حامد بن الشرقی، محمد بن سلیمان بن فارس، ابو عبداللہ بن الاحزم اور ابو بکر الصبغی رحمہم اللہ ہیں، آپ روزے بہت کثرت سے رکھا کرتے تھے (المنتظم من ۲۵۷ھ ج۶ ص ۱۱۰، سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۵۶۲، طبقات الحفاظ ج ا ص ۲۹۰)

چوتھی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□......ماہِ شعبان ۳۰۳ ھ: میں حضرت ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر الخراسانی النسائی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

سنن نسائی آپ کی مشہور کتاب اور صحاحِ ستہ میں شامل ہے، ۲۱۵ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، ۲۳۰ھ میں آپ بغلان تشریف لے گئے اور حضرت قتیبۃ بن سعید سے طلبِ علم کیا، اور ایک سال اور ایک مہینہ ان کی صحبت میں رہے، اسحاق بن راھویہ، ہشام بن عمار، محمد بن نضر بن مساور، سوید بن نصر، عیسیٰ بن حماد زغبۃ، احمد بن عبدۃ الضبی، ابو الطاہر السرح، احمد بن منیع، اسحاق بن شاہین اور بشر بن معاذ العقدی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابو بشر الدولابی، ابو جعفر الطحاوی، ابو علی نیشاپوری، حمزۃ بن محمد الکنانی، ابو جعفر احمد بن محمد بن اسماعیل النحاس النحوی، ابو بکر محمد بن احمد بن الحداد الشافع، عبدالکریم بن ابو عبدالرحمٰن النسائی اور حسن رشیق رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۴ ص ۱۳۳، العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۱۱۰، وفیات الاعیان ج ا ص ۷۷، تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص ۷۰۱)

□......ماہِ شعبان ۳۰۶ھ: میں حضرت ابوالفضل عباس بن محمد القزاری المصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔
محمد بن رمح، زکریا (کاتب العمری) اور احمد بن صالح رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوسعید بن یونس الطبرانی، ابنِ عدی رحمہما اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابن یونس فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے کثرت سے احادیث سنی ہیں، اور آپ بصری کے لقب سے جانے جاتے تھے، میں نے ان سے زیادہ حدیث کے معاملہ میں کسی کو ثبت (یعنی مضبوط) نہیں دیکھا۔
(سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۲۳۰)

□......ماہِ شعبان ۳۰۹ھ: میں شیخ المعتزلۃ ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن محمود البلخی کی وفات ہوئی۔
آپ الکعبی کے نام سے مشہور تھے، آپ کی مشہور تصانیف درجِ ذیل ہیں:

المقالات، الغرر، الاستدلال بالشاهد علی الغائب، الجدل، السنة و الجماعة، التفسير الكبير، الرد علی متنبیٔ بخراسان، النقص علی الرازی فی الفلسفة الالهية

یکم شعبان کو صبح کے وقت وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۳۱۳)

□......ماہِ شعبان ۳۱۵ھ: میں مشہور نحوی عالم حضرت ابوالحسن علی بن سلیمان بن فضل البغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔
آپ کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں اور مزید یہ کہ ان میں بصارت بھی کم تھی، آپ نے حضرت ثعلب اور مبرد رحمہما اللہ سے خوب علم حاصل کر کے عربیت میں کمال حاصل کیا، اچانک آپ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۴۸۱)

□......ماہِ شعبان ۳۲۱ھ: میں شیخ الادب حضرت ابوبکر محمد بن حسن بن درید بن عتاھیۃ الازدی البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔
آپ ابن درید کے نام سے مشہور تھے، اور کئی کتابوں کے مصنف تھے، علم ادب اور عربی زبان میں مہارت کی خاطر فارس، جزائر البحر وغیرہ کے سفر کئے، اور ان علوم میں اتنا کمال حاصل کیا کہ اپنے زمانے کے لوگوں پر فائق ہوگئے، اس کے بعد آپ بغداد میں مقیم ہوگئے، آپ کے والد اپنے شہر کے رئیس اور مالدار آدمی تھے، ابوحاتم السجستانی اور ابوالفضل الریاشی رحمہما اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابوسعید السیرافی، ابوبکر بن شاذان، ابوالفرج الاصبہانی، ابوعبیداللہ المرزبانی، اسماعیل بن میکال

اورعیسیٰ بن الوزیر رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں،حمد بن یوسف الازرق فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ حافظے والاکسی کونہیں دیکھا،۹۸ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص۹۷)

□......ماہِ شعبان ۳۳۴ھ :میں حضرت ابوعلی حسین بن صفوان بن اسحاق بن ابراہیم البرذعی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ حضرت ابنِ ابی الدنیا رحمہ اللہ کے ساتھی اوران کی کتابوں کوروایت کرنے والے ہیں،محمد بن شداد المسمعی ،محمد بن الفرج الازرق اورقاضی احمد بن محمد البرتی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی ،منصور بن عبداللہ الخالدی،محمد بن عبداللہ بن اخی میمی ، ابوعبداللہ بن دوست اور ابوالحسین بن بشران رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص۴۴۲)

□......ماہِ شعبان ۳۴۰ھ میں مشہور فقیہ ابوالحسن کرخی رحمہ اللہ فوت ہوئے۔

آپ کی ولادت ۲۶۰ھ میں ہوئی،فقہ حنفی کے مشہورامام ہیں، بغداد میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے درس سے استفادہ کیا،کثرت سے نمازیں پڑھتے اورروزے رکھتے تھے،حیوۃ اورابنِ شاہین رحمہما اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں،۸۰سال کی عمر میں وفات ہوئی،ابوتمام حسن بن محمد الزینبی رحمہ اللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی (البدایہ والنہایہ،ج ۱۱،ثم دخلت سنۃ اربعین وثالث مائۃ،ابوالحسن الکرخی)

□......ماہِ شعبان ۳۴۲ھ :میں شیخ الاسلام حضرت ابوبکر احمد بن اسحاق بن ایوب بن یزید نیشاپوری الشافعی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ الصبغی کے نام سے مشہور تھے،اور۲۵۸ھ میں آپ کی ولادت ہوئی،حضرت یحییٰ بن محمد الذہلی اورابوحاتم رازی رحمہما اللہ کی زیارت کی ،فضل بن محمد الشعرانی،اسماعیل بن قتیبۃ، یوسف بن یعقوب القزوینی،حارث بن ابی اسامۃ، ہشام بن علی السیرافی،علی بن عبدالعزیز البغوی،اسماعیل القاضی اورمحمد بن ایوب البجلی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدراساتذہ ہیں،حمزۃ بن محمد الزیدی، ابوعلی الحافظ،ابوعلی الحافظ،ابواحمد الحاکم،ابوبکر الاسماعیلی،محمد بن ابراہیم الجرجانی اورابوعبداللہ الحاکم رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں،آپ فرماتے ہیں:

میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں ایک گھر میں ہو جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود ہیں، اور لوگ وہاں پر جمع ہیں اور ان سے مسائل پوچھ رہے ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ نے میری طرف اشارہ فرمایا کہ ان سے سوال کرو، تو میں مسلسل سوال، جواب میں مشغول رہا، پوچھنے والوں کو مسائل بتا تا رہا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے فرماتے رہے کہ درست ہے، جاری رکھو (یعنی میرے بتائے ہوئے مسائل کی تصدیق وتوثیق فرماتے رہے)

میں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین دنیا سے نجات یا دنیا سے کس طرح نکلنا ممکن ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے صبغہ دعا کا التزام رکھو، اللہ سے مدد مانگتے رہو، میں نے سوال پھر دہرایا، تو آپ نے ایک گہرا سانس لے کر پھر وہی جواب دیا کہ ''دعا'' (یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیقِ خاص اور نصرت کے بغیر زندگی کا یہ پل صراط عبور نہیں کیا جاسکتا، دعا کے اہتمام کے ساتھ اللہ کی نصرت کو اپنے شاملِ حال رکھنا ضروری ہے)

آپ کی مشہور تصانیف درجِ ذیل ہیں:

الاسماء والصفات، الایمان، القدر، الخلفاء الاربعة، الرؤية، الاحکام ،الامامة

محمد بن حمدون فرماتے ہیں کہ: میں ابوبکر بن اسحاق کی خدمت میں دوسال تک رہا، اور ان دوسالوں میں سفر وحضر کسی حالت میں بھی میں نے ان کو تہجد کی نماز چھوڑتے ہوئے نہیں دیکھا، اور فرماتے ہیں کہ میں نے کئی مرتبہ ابوبکر کو اذان کے بعد دیکھا کہ وہ دعا مانگ رہے ہیں اور رو رہے ہیں، اور بعض اوقات اپنا سر دیوار کے ساتھ مارتے، جس سے مجھے ڈر پیدا ہوتا کہ شاید ان کے سر سے خون نہ نکل آئے، اور میں نے بزرگوں میں ان سے اچھی نماز پڑھنے والا کسی کو نہیں دیکھا، اور ابوبکر اپنی مجلس میں کسی کو غیبت نہیں کرنے دیتے تھے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۴۸۷)

□......ماہِ شعبان ۳۴۴ھ: میں شیخ الاسلام حضرت امام ابوالنضر محمد بن محمد بن یوسف الطّوسی الشافعی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ خراسان میں شافعی مسلک کے امام تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: عن عثمان بن سعید الدارمی، حارث بن ابی اسامۃ، اسماعیل القاضی، علی بن عبدالعزیز البغوی، فضل بن عبداللہ بن خرم

الیشکری الہروی، احمد بن موسیٰ الکوفی الحمار، محمد بن عمرو الحرشی اور محمد بن ایوب بن الضریس رحمہم اللہ ،امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں طوس دومرتبہ گیا، اور میں نے ابوالنضر سے پوچھا کہ آپ اتنے کثرت سے فتاویٰ جاری کرنے کے باوجود تصنیف کے لئے کب فارغ ہوتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ میں رات کے تین حصے کرتا ہوں، ایک حصہ میں تصنیف کرتا ہوں، ایک حصہ میں سوتا ہوں اور ایک حصہ میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہوں، حافظ احمد بن منصور فرماتے ہیں کہ ابوالنضر ستر سال کے لگ بھگ فتاویٰ جاری کرتے رہے، اور کبھی کسی فتویٰ پر کسی سے معاوضہ نہیں لیا۔
(سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۴۹۱، تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص ۸۹۴)

□......ماہِ شعبان ۳۴۶ھ: میں حضرت ابوالحسن اسحاق بن احمد بن محمد بن ابراہیم الکاذی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ اپنے علاقے ''کاذۃ'' سے بغداد تشریف لائے اور علم حدیث کی تعلیم دی، محمد بن یوسف بن الطباع، ابوالعباس الکدیمی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوالحسن بن رزقویہ اور ابوالحسن بن بشران رحمہما اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (طبقات الحنابلۃ ج۱ ص ۲۱۹)

□......ماہِ شعبان ۳۵۰ھ: میں حضرت ابوسہل احمد بن محمد بن عبداللہ بن زیاد بن عباد القطان البغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

احمد بن عبدالجبار العطاردی، ابوجعفر بن محمد بن عبداللہ بن المنادی، محمد بن عیسیٰ المدائنی، یحییٰ بن ابی طالب، محمد بن الجہم، محمد بن حسین الحنینی اور اسماعیل القاضی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، دارقطنی، ابنِ مندۃ، حاکم، ابنِ زرقویہ، ابوالحسین بن بشران، ابوالحسن الحمامی، ابوعلی بن شاذان اور ابوالقاسم بن بشران آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی ولادت ۲۵۹ھ میں ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۵۲۲)

□......ماہِ شعبان ۳۵۱ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن جعفر بن احمد بن یحییٰ بن موسیٰ بن اسماعیل بن ممک رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابن الفریابی کے نام سے مشہور تھے، ۲۷۵ھ میں بغداد میں ولادت ہوئی، مصر میں ابومسلم کجی، موسیٰ بن اسحاق انصاری، محمد بن سلمہ وصیفی، محمد بن عبدوس بن کامل سراج، محمد بن جعفر قتات، جعفر فریابی، سعید بن عجب انباری اور احمد بن حسین بن عبدالجبار صوفی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی،

مصر میں جمعرات کے دن آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۱۱ص۳۷۰)

□......ماہِ شعبان ۳۵۷ھ: میں عباسی خلیفہ امیر المومنین متقی باللہ بن جعفر مقتدر باللہ بن احمد معتضد باللہ عباسی کی وفات ہوئی۔

خلیفہ راضی باللہ کی وفات کے بعد ان کو خلیفہ بنایا گیا، ان کی تعلیم وتربیت شاہی خاندان میں ہوئی تھی، اورتقویٰ وزہد اسلاف سے ورثہ میں پایا تھا، بقول امام سیوطی ''بہت زیادہ روزے رکھنے والے اور عبادت کرنے والے تھے، لیکن ان سارے اوصاف کے باوجود ان میں جہاں بانی کا کوئی وصف نہ تھا، ان کے دورِ خلافت میں جنگ وجدال اور فتنہ وفساد ہوتے رہے، غرضیکہ نظامِ حکومت درہم برہم ہوکر ہوگیا، البتہ مذہبی واخلاقی حیثیت سے متقی باللہ میں خوبیاں بہت تھیں، خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ وہ اپنے پیشرو خلفاء کے بہت سے افعال واعمال سے بچے رہے، نبیذ کبھی نہیں پی، ہر وقت قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ میرا اس سے بڑھ کر کوئی رفیق ودوست نہیں، اور اپنی کنیزوں کو منہ نہیں لگایا، قید کے دوران ۶۰ سال کی عمر میں وفات ہوئی، مدتِ خلافت ۴ سال ہے

(تاریخِ بغداد ج٦ص ١ ٥،سیر اعلام النبلاء ج١٥ ص ١١١، تاریخِ ملت ج٢ص ٤٩٤تا ٤٩٨)

□......ماہِ شعبان ۳۵۹ھ: میں حضرت ابوعلی محمد بن احمد بن حسن بن اسحاق بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابن الصواف کے نام سے مشہور تھے، آپ کی ولادت ۲۷۰ھ میں ہوئی، محمد بن اسماعیل ترمذی، اسحاق بن حربی، بشر بن موسیٰ، عبداللہ بن احمد بن حنبل، محمد بن احمد بن نضر ازدی، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، حسن بن علی بن ولید فارسی اور ابراہیم بن ہاشم بغوی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوالحسن بن رزقویہ، ابوالفتح بن ابی الفوارس، ابوالحسین بن بشران، ابوبکر برقانی اور ابونعیم اصبہانی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ۸۹سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء ج١٦ ص ١٨٥ ،تاریخِ بغداد ج ١ ص ٢٨٩)

□......ماہِ شعبان ۳۷۵ھ: میں حضرت ابوالعباس محمد بن نصر بن احمد بن محمد بن مکرم معدل رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ قاضی مکرم بن احمد رحمہ اللہ کے بھتیجے تھے،عبداللہ بن محمد بغوی،ابوبکر بن ابی داؤد، یحییٰ بن محمد بن صاعد،ابراہیم بن حماد قاضی،عباس بن یوسف شکلی اور محمد بن نوح جندیسابوی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں،ابوبکر برقانی،حسن بن محمد خلال،ابوالقاسم ازہری،محمد بن احمد بن شعیب رویانی اور حسن بن علی جوہری رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں،خطیب بغدادی کے بقول آپ اہلِ فضل میں شمار ہوتے تھے،کامل العقل اور حدیث کے معاملہ میں صدوق شمار ہوتے ہیں،۱۲ شعبان کو آپ کی وفات ہوئی(تاریخِ بغداد ج۳ص ۳۲۰)

□......ماہِ شعبان ۳۷۶ھ: میں حضرت ابوزکریا یحییٰ بن مالک بن عائذ الاندلسی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ابوعمر بن عبدربہ،عبداللہ بن یونس مقری اور بہت سے حضرات سے حدیث کی سماعت کی،حسن بن رشیق،محمد بن احمد بن قاسم محاملی شافعی،ابوالولید بن فرضی اور یحییٰ بن علی طحان رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث سماعت کی،جامع قرطبہ کے خطیب تھے،اندلس میں آپ کی وفات ہوئی،کہا جاتا ہے کہ آپ جمعہ کے دن منبر پر خطبہ دینے کے لئے چڑھے،لیکن خطبہ کے دوران آپ کا انتقال ہوگیا۔
(سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص ۴۲۲،طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۸۰،تذکرۃ الحفاظ ج۳ص ۱۰۰۴)

□......ماہِ شعبان ۳۸۴ھ: میں حضرت ابوالفضل صالح بن احمد بن محمد بن احمد بن صالح بن عبداللہ بن قیس بن ہذیل بن یزید بن عباس بن احنف بن قیس رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

اپنے والد کے علاوہ،احمد بن محمد بن اوس،محمد بن مرار بن حمویہ،علی بن حسن بن سعد بزاز،احمد بن حسن بن عزون،قاسم بن ابراہیم،حمد بن عبداللہ بن نبیل،قاسم بن ابی صالح،عبدالسلام بن عبدیل، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی اور علی بن مہرویہ قزوینی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی،طاہر بن عبداللہ بن ماہلہ،حمد زجاج،احمد بن زنجویہ عمری،طاہر بن احمد،ابوالفتح بن ابی الفوارس اور احمد بن حسین بن زنبیل نہاوندی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی،آپ کئی مفید کتابوں کے مصنف ہیں،آپ کی ولادت ۳۰۳ھ میں ہوئی،ابوبکر بن لال رحمہ اللہ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی(سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص ۵۱۹،طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۷۸،تذکرۃ الحفاظ ج۳ص ۹۸۶)

□......ماہِ شعبان ۳۸۴ھ: میں مشہور محدث شیخ الاسلام حضرت ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن

موسیٰ الخسر وجری خراسانی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

آپ امام بیہقی کے نام سے مشہور ہیں، اور حدیث کی کئی مشہور کتابوں کے مصنف ہیں مثلاً:

السنن الکبریٰ، السنن الصغریٰ ،معرفة السنن والآثار،الاسماء والصفات، البعث، الدعوات الکبیر، الزھد، شعب الایمان، فضائل الاوقات ،دلائل النبوة، المدخل الی السنن، الرؤیة، حیات الانبیاء. وغیرہ

۱۵سال کی عمر میں حدیث کی سماعت شروع کی، اور بہت سے شیوخ سے علمِ حدیث میں استفادہ کیا، اسی طرح آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی سینکڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔

(سیراعلام النبلاء ج۱۸ ص ۱۶۴ ،تذکرة الحفاظ ج۳ص ۱۱۳۲)

□......ماہِ شعبان ۳۸۷ھ: میں فاتح ہند سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ کے والد اور مسلمانوں کے عظیم بادشاہ سبکتگین رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی مدتِ ولایت بیس سال کے لگ بھگ تھی، آپ بہادر اور شجاع بادشاہوں میں شمار ہوتے تھے(سیراعلام النبلاء ج۱۶ ص ۵۰۰)

□......ماہِ شعبان ۳۹۶ھ: میں حضرت ابوعمرو محمد بن شیخ ابوالحسین احمد بن محمد بن جعفر بن محمد بن بجیر بن نوح بجیری نیشاپوری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

اپنے والد کے علاوہ، یحییٰ بن منصور قاضی، عبداللہ بن محمد کعبی، محمد بن مؤمل بن حسن اور ابوبکر قطیعی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام ابوعبداللہ حاکم، اور آپ کے بیٹے ابوعثمان سعید بن محمد بجیری رحمہما اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ۶۳ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

(سیراعلام النبلاء ج۱۷ ص ۹۰ ،طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۸۵،تذکرة الحفاظ ج۳ص ۱۰۸۳)

چوتھی صدی ہجری کے بعد کے چند اجمالی واقعات

□......ماہِ شعبان ۶۷۲ھ میں مشہور عالم اور بزرگ "جمال الدین دمشقی" رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ نحو، صرف، تجوید وقرأت ،لغت وعربیت اور فنِ حدیث وغیرہ بہت سے علوم میں اپنے وقت کے امام تھے بالخصوص نحو وعربیت میں تو بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔

آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے "الفیہ" نام کی کتاب علمِ نحو میں بہت مشہور ہے اور بعض مدارس میں اب بھی داخل درس ہے (ظفر المحصلین باحوال المصنفین ص ۴۵۰ تا ۴۵۲ ملخصاً، مصنفہ:

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب)

□......ماہِ شعبان ۷۴۰ھ میں مشہور عالمِ دین ''میر سید شریف جُرجانی'' رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

درسِ نظامی میں علمِ نحو (گرائمر) میں آپ کی کتاب ''نحو میر'' آج بھی پڑھائی جاتی ہے۔

آپ علومِ ظاہری کے علاوہ علمِ باطن (طریقت وتصوف) کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔

آپ نے علمِ تصوف حضرت خواجہ علاء الدین محمد بن محمد عطار بخاری رحمہ اللہ (جو حضرت خواجہ خواجگان سید بہاء الدین نقشبندی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے) سے حاصل کیا تھا، میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ باوجود بہت بڑے عالمِ دین ہونے کے فرمایا کرتے تھے کہ:

''ہم نے اللہ تعالیٰ کو کما حقہٗ اس وقت تک نہیں پہچانا جب تک کہ ہم خواجہ عطار کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے''

میر سید شریف جرجانی اور ایک دوسرے مشہور عالم ''علامہ سعد الدین تفتازانی'' ایک ہی دور کے ہم عصر بزرگ ہیں اور دونوں علوم وفنون میں شانہ بشانہ نظر آتے ہیں۔

میر سید شریف جرجانی کا علمی کمال صرف آپ کی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ آپ کی برکات آپ کی نسلوں میں بھی منتقل ہوکر دیر تک قائم رہیں، منقول ہے کہ آپ کے پوتے ''میر مرتضیٰ شریفی'' نے حرم شریف سے علم حاصل کر کے ہندوستان تشریف لا کر دینی وعلمی خدمات سرانجام دیں (ظفر المحصلین ص ۳۲۶ تا ۳۲۹ ملخصاً)

□......ماہِ شعبان ۷۷۳ھ میں ''حافظ ابنِ حجر عسقلانی'' کی ولادت ہوئی۔

آپ کا نام اَحمد ہے اور آپ کی کنیت ابوالفضل ہے اور لقب شہاب الدین ہے، اور عَسقلان مقام کی طرف آپ کی نسبت کر کے عسقلانی کہا جاتا ہے، آپ ابن حجر کے لقب سے مشہور ہیں۔

آپ کی ولادت کا مقام مصر کا ''عتیقہ'' نامی ایک گاؤں بتایا جاتا ہے، آپ نے حدیث کے چشموں سے سیرابی حاصل کرنے کے لئے دور دراز ملکوں کا سفر کیا، اس دور میں موجودہ سفر کی سہولیات نہیں تھیں، اس کے باوجود آپ نے علمِ دین کے لئے مصر سے چل کر حرمین شریفین کے علاوہ اسکندریہ، نابلس، رملہ، غزہ، یمن، قبرص، شام اور حلب وغیرہ کے دور دراز ملکوں اور شہروں کے طویل سفر طے

فرمائے۔
آپ کو اللہ تعالیٰ نے ذہانت وفطانت کی قیمتی دولت سے مالا مال فرمایا تھا، جب آپ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں علم حاصل کرنے کے لئے بٹھائے گئے تو قرآن مجید کی ''سورہ مریم'' صرف ایک دن میں حفظ کر کے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تھی، جو آپ پر اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمائی، آپ کی ذہانت کے پیشِ نظر حافظ کا لقب آپ کے لئے ایک عام خطاب بن گیا تھا۔
روایت ہے کہ حافظ ابنِ حجر نے آبِ زم زم پیتے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ وہ قوت حافظہ میں امام ذہبی کے برابر ہو جائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ مراد اور دعا پوری فرمائی۔
آپ کی زیادہ مشہور کتاب صحیح بخاری کی شرح ''فتح الباری'' ہے، آپ ایک دوسرے مشہور محدث اور فقیہ ''علامہ بدرالدین عینیؒ'' سے تقریباً بارہ سال چھوٹے تھے، علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے بھی صحیح بخاری کی ایک مستند اور طویل شرح تحریر فرمائی ہے، جو ''عمدۃ القاری'' کے نام سے مشہور ہے، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ سے بھی علمی فیض حاصل کیا ہے۔
اس کے علاوہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کی اصولِ حدیث میں مشہور کتاب ''نخبۃ الفکر'' کے نام سے بھی ہے جو آج کل درسِ نظامی میں شامل ہے (ظفر المحصلین ص ۱۷۶ تا ۱۸۰ ملخصاً)

□ ...... ماہِ شعبان ۷۷۴ھ میں مشہور مفسر ''امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ'' کا انتقال ہوا۔
آپ کا نام اسماعیلؒ، اور لقب عماد الدینؒ اور کنیت ابوالفداءؒ ہے۔
امام ابن کثیر اپنے زمانہ کے مشہور ومعروف محدث، مفسر اور مؤرخ تھے، تفسیر وحدیث کے علاوہ فقہ اور علمِ نحو (گرائمر) میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے کمال عطا فرمایا تھا، اس کے ساتھ ساتھ علمِ حدیث کے اسنادی فن ''اسماء الرجال'' اور حدیث میں جرح وتعدیل میں بھی آپ گہری نظر کے مالک تھے، آپ کی زندگی فتاویٰؒ، مناظرہ، تصنیف وتالیفؒ اور درس وتدریس میں گزری۔
آپ کی تصنیف کردہ کتابوں میں سب سے زیادہ شہرت دو کتابوں کو حاصل ہوئی، ایکؒ تفسیر ابنِ کثیر کو جو آپ کی تفسیر کے میدان میں چار ضخیم جلدوں میں مقبول ترین کتاب ہے، آپ کی دوسریؒ اہم کتاب تقریباً چودہ ضخیم جلدوں میں البدایہ والنہایہ ہے، جو علمِ تاریخ میں نمایاں مقام رکھتی ہے، جس

میں ابتدائے تخلیق سے ۷۶۷ھ تک کی تاریخ ہے۔

آپ کی وفات دمشق کے مقام پر ہوئی اور آپ کو دمشق کے مقبرۂ صوفیہ میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے پہلو میں دفن کیا گیا (ظفر المحصلین ص۴۰، ۴۱)

□...... ماہِ شعبان ۸۱۷ھ میں مشہور ومعروف بزرگ اور عالمِ دین ''ملا عبدالرحمٰن جامی'' کی ولادت ہوئی۔

آپ کا نام عبدالرحمٰن، اور لقب عماد الدین اور نورالدین ہے اور آپ کی کنیت ابوالبرکات ہے اور آپ کا تخلص جامی ہے۔

آپ کی علمِ نحو میں مشہور کتاب ''شرح جامی'' درسِ نظامی میں پڑھائی جاتی ہے، آپ نے اس دور کے مشہور بزرگ ''خواجہ عبیداللہ احرار نقشبندی'' سے تصوف وطریقت کی تعلیم پائی، آپ نے عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں، جن کی تعداد تقریباً ۵۴ تک پہنچتی ہے (ظفر المحصلین ص۳۳۰ تا ۳۳۳ ملخصاً)

□...... ماہِ شعبان ۱۳۶۱ھ میں ''ابوعبداللہ محمد بن یوسف'' کا انتقال ہوا۔

آپ علومِ عربیہ ودینیہ خاص طور پر لغت، عربی شاعری، تاریخ، انساب، اسماء الرجال، حدیث اور تفسیر میں اونچے مقام پر فائز تھے۔

آپ کی وفات ہندوستان کے مشہور شہر ''علی گڑھ'' میں ہوئی، آپ کی کئی کتابیں ہیں، ایک کتاب ''ازہار العرب'' عربی قصیدوں کے منتخب اشعار کا مجموعہ ہے، جو متعدد امتحانات میں بطور نصاب مقرر ہے (ظفر المحصلین ص۴۰۰ تا ۴۰۳ ملخصاً)

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

r

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

بسلسلہ
اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اضافہ واصلاح شدہ
جدید ایڈیشن

ماہِ رمضان
کے فضائل واحکام

رمضان کریم

ادارۂ غفران
راولپنڈی پاکستان

مصنف
مُفتی محمد رضوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ: اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

اضافہ واصلاح شدہ ساتواں ایڈیشن

ماہِ رمضان

کے

فضائل واحکام

اس کتاب میں قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں اسلامی سال کے نویں مہینہ ''ماہِ رمضان'' اور اس سے متعلق فضائل واحکام، منکرات وبدعات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ رمضان کے مہینہ کے فضائل واحکام، چاند کے فضائل واحکام، روزہ کے فضائل واحکام، سحری کے فضائل واحکام، افطاری کے فضائل واحکام، لیلۃُ القدر کے فضائل واحکام اور ان سے متعلق رائج منکرات واصلاحات کو مدلل ومفصل انداز میں بیان کیا گیا ہے، ساتھ ہی تراویح اور مسنون اعتکاف کی فضیلت واہمیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

نام کتاب: ماہِ رمضان کے فضائل واحکام

مصنّف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اوّل: رمضان ۱۴۲۲ھ نومبر 2001ء طباعتِ ہشتم: جمادی الاخریٰ 1438ھ مارچ 2017

صفحات: ۶۲۰

ملنے کے پتے

کتب خانہ ادارہ غفران: چاہ سلطان، گلی نمبر 17، راولپنڈی۔ فون: 051-5507270
ادارہ اسلامیات: ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ فون: 042-37353255
کتب خانہ رشیدیہ: مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی۔ فون: 051-5771798
دارالاشاعت: اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32631861
مکتبہ سید احمد شہید: 10-الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37228196
مکتبہ اسلامیہ: گامی اڈہ، ایبٹ آباد۔ فون: 0992-340112
ادارہ اشاعت الخیر: شاہین مارکیٹ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان۔ فون: 061-4514929
ادارۃ المعارف: دار العلوم کراچی۔ فون: 021-35032020
مکتبہ سراجیہ: چوک سیٹلائیٹ ٹاؤن، سرگودھا۔ فون 048-3226559
مکتبہ شہید اسلام، متصل مرکزی جامع مسجد (لال مسجد) اسلام آباد۔ فون: 0321-5180613
ملت پبلیکیشنز بک شاپ: شاہ فیصل مسجد، اسلام آباد۔ فون: 051-2254111
ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، چوک فوارہ، ملتان۔ فون: 061-4540513
مکتبہ العارفی: نزد جامعہ امدادیہ، ستیانہ روڈ، فیصل آباد۔ فون: 041-8715856
کتب خانہ شمسیہ، نزد ایری گیشن مسجد، سریاب روڈ، کوئٹہ۔ فون: 0333-7827929
مکتبہ معارف القرآن، دار العلوم کراچی۔ فون: 021-35123130
تاج کمپنی، لیاقت روڈ، گوالمنڈی، راولپنڈی۔ فون: 051-5774634
مکتبۃ القرآن: گورومندر، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ فون: 021-34856701
مکتبہ الفرقان، اردو بازار، گوجرانوالہ۔ فون: 055-4212716
مکتبہ القرآن: رسول پلازہ، امین پورہ بازار، فیصل آباد۔ فون: 041-2601919
اسلامی کتب خانہ، پھولوں والی گلی، بلاک نمبر 1، سرگودھا۔ فون: 048-3712628
اسلامی کتاب گھر: خیابانِ سرسید، سیکٹر 2، عظیم مارکیٹ، راولپنڈی۔ فون: 051-4830451
مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ، 17، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37232536
الخلیل پبلشنگ ہاؤس: اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔ فون: 051-5553248
قرآن محل، اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔ فون: 0312-5123698　0321

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

بعد حمد وصلوٰۃ کے عرض ہے کہ بندہ نے بعض حضرات کی خواہش پر بفضل اللہ تعالیٰ ماہِ رمضان کے فضائل ومسائل کے موضوع پر ایک رسالہ ’’ ماہِ رمضان المبارک کے فضائل واحکام‘‘ ۱۴۲۲ھ ، نومبر 2001ء میں تالیف کیا تھا، جس کی کئی مرتبہ اضافہ واصلاح کے ساتھ اشاعت ہوچکی ہے۔

اس سے پہلے بندہ بعض عربی اور اُردو فتاویٰ اور کتابوں پر اعتماد کی بنیاد پر کئی مسائل اور حوالہ جات ان سے لے لیا کرتا تھا، لیکن بعد میں امہاتُ الکتب اور قرآن وسنت کے دلائل کی طرف مراجعت کرنے سے سابقہ طرز وطریقہ سے مناسبت نہ رہی، اور اس میں کافی کمزوریاں محسوس ہوئیں۔ اور اندازہ ہوا کہ جب تک اصل دلائل، ماخذ ومراجع تک رسائی نہ ہو، اس وقت تک تحقیق کا کام ایک حد تک مکمل نہیں ہو پاتا۔

اس لئے بندہ نے اپنی دیگر سابقہ کتب کی طرح ماہِ رمضان والی اس کتاب پر بھی تحقیق کا کام کیا، اور متعلقہ اصل عبارات کو متن اور حواشی میں شامل کرنے کا اہتمام کیا، اور ساتھ ہی شریعت کی طرف سے بیان کردہ ایک اہم ہدایت کو بھی پیشِ نظر رکھا، جس میں آسانی پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور تنگی ودشواری پیدا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ (سورة المائدة، آیت ٦)

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (سورة الحج، آیت ٧٨)

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ای ضیق وتكليف يشتد القيام به عليكم......قلت ويمكن ان يقال معنى قوله تعالى ما جَعَلَ الله عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ انه تعالى رفع عنكم كلفة التكاليف الشرعية حتى صارت التكاليف الشرعية ارغب إليكم من المرغوبات الطبعية(التفسير المظهرى، ج٦ ص ٣٥٤، ٣٥٥، ملخصاً، سورة الحج)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لئے جہاں تک شرعی حدود میں رہتے ہوئے ضرورت منداور مجبور لوگوں کے لئے تخفیف وآسانی کا راستہ نکل سکتا تھا، اس کا لحاظ کیا گیا۔

نیز روزہ فاسد ہونے نہ ہونے سے متعلق جدید طبی تحقیقات کو بھی ملحوظ رکھا گیا، اسی کے ساتھ کوشش کی گئی کہ آسان اور عام فہم ہونے کے ساتھ مضامین کو اصولی اور فروعی دونوں طریقوں سے مرتب وذکر کیا جائے۔ اس طرز وتحقیق کے نتیجہ میں کتاب کا حجم غیر معمولی ضخیم ہوگیا، جس کی وجہ سے تراویح اور اعتکاف کے فضائل واحکام کی تفصیلی بحث کو اس کتاب سے الگ الگ کر کے شائع کرنے کی ترتیب بنائی گئی۔ اس طرح اب اس کتاب کا موجودہ ایڈیشن سابقہ ایڈیشنوں کے مقابلہ میں بندہ کے نزدیک راجح اور مستند ہے، اور اس کے مقابلہ میں سابقہ ایڈیشنوں کے ساتھ متضاد حوالہ جات وتحقیقات سے بندہ رجوع کرتا ہے۔

اوراب ساتویں مرتبہ اشاعت سے پہلے مسائل کی تلاش ودستیابی کی سہولت وآسانی کے لئے تفصیلی فہرست بھی تیار کی گئی۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اپنے حضور قبول ومنظور فرمائیں۔ اورسب مومنین ومومنات کی دنیاوی واخروی صلاح وفلاح اور کامیابی وکامرانی کا ذریعہ وسبب بنائیں۔ آمین۔ فقط۔

محمد رضوان

مؤرخہ: ۷/ جمادی الاولیٰ/ ۱۴۳۵ھ۔ 09 / مارچ 2014ء بروز اتوار

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی، پاکستان

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا، وَلاَ تُنَفِّرُوا (بخاری، رقم الحديث ٦٩، عن انس بن مالک)

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِهِ فِي بَعْضِ أَمْرِهِ، قَالَ :بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا، وَيَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا (مسلم، رقم الحديث ١٧٣٢ "٦"، عن ابی موسیٰ)

وَإِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالْغُلُوِّ فِي الدِّينِ (مسند احمد، رقم الحديث ١٨٥١، عن ابن عباس)

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ " :عَلِّمُوا، وَيَسِّرُوا، وَلا تُعَسِّرُوا (مسند احمد، رقم الحديث ٢١٣٦، عن ابن عباس)

فی حاشية مسند احمد: حسن لغيره

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہِ رمضان کے فضائل واحکام

ماہِ رمضان اسلامی سال کا نواں مہینہ

رمضانُ المبارک کا مہینہ اسلامی سال کے لحاظ سے ترتیب میں نواں مہینہ ہے۔

اسلامی سال کے مہینوں کے بالترتیب نام یہ ہیں:

(۱)......مُحرَّم (۲)......صفر (۳)...... ربیعُ الاول (۴)...... ربیعُ الاٰخر (۵)...... جمادی الاُولیٰ (۶)...... جمادی الاُخریٰ (۷)...... رجب (۸)...... شعبان (۹)...... رمضان (۱۰)......شوال (۱۱)......ذوالقعدہ (۱۲)......ذوالحجہ۔

اور جس طرح اسلام کے دوسرے اہم احکام اسلامی مہینوں سے متعلق اور وابستہ ہیں، اسی طرح روزے، لیلۃُ القدر اور اعتکاف وغیرہ کے احکام بھی اسلامی مہینے یعنی ''رمضانُ المبارک'' سے وابستہ ہیں، اور اسلامی مہینوں کا نظام قمر یعنی چاند کے ساتھ وابستہ ہے۔

رمضان کی لفظی ومعنوی تحقیق

''رَمَضَان'' عربی کا لفظ ہے، اس میں رَ ، مَ اور ضَ، تینوں حروف پر زبر ہے۔

یہ لفظ ہمیشہ مذکر استعمال ہوتا ہے، ''رَمَضَان'' عربی کے لفظ ''رمض'' سے بنا ہے، اور رمض کے معنٰی جلنے اور جلانے کے آتے ہیں۔

اس مہینے کا یہ نام اس لئے تجویز کیا گیا ہے کہ اس مہینہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ مہینہ مسلمانوں کے گناہوں کو جلانے اور معاف کرانے کا ذریعہ ہے، کیونکہ اس مہینے میں دلوں میں آخرت کی فکر اور تیاری کی حرارت وگرمی پہنچتی ہے۔

جیسا کہ سورج کی حرارت سے مٹی، ریت اور پتھر کو گرمی پہنچتی ہے۔
بشرطیکہ رمضان کا پورا احترام اور اس کے اعمال کا اہتمام کیا جائے۔ [1]

رمضان کو ''مُبارک ومعظّم'' کہنے کی وجہ

رمضان کے ساتھ ''مبارک ومعظم'' کا لفظ لگا کر ''رمضانُ المبارک ورمضانُ المعظم'' بولا جاتا ہے، مبارک کے معنٰی ہیں، برکت والی چیز، اور کیونکہ یہ مہینہ شریعت کی نظر میں برکت والا مہینہ ہے، اس لئے اس مہینہ کو ''رمضانُ المبارک'' کہا جاتا ہے۔
بعض اوقات مبارک کے بجائے معظم کا لفظ بھی لگایا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے ''رمضانُ المعظم''، معظم ''عظمت والی چیز'' کو کہا جاتا ہے اور کیونکہ یہ مہینہ شریعت کی نظر میں عظمت والا

---

[1] قوله :فی "الرمضاء " "الرمضاء :"الرمُل الحارة ، من الرمض ، وهو شده وقع الشمس على الرمُل وغيره، والأرض رمضاء ، وقد رمض يومُنا -بالكسُر -يرمَض رمضاً :اشتد حرة، ورمضَتُ قدمُه من الرمضَاء أى :احترقت، ومنه اشتقاق الرمضان(شرح سنن أبى داود لبدر الدين العينى، ج۳ص۳۵، كتاب الصلاة، باب فضل المشى إلى الصلاة)
وَاخْتُلِفَ فِی تَسْمِيَةِ هَذَا الشَّهْرِ رَمَضَانَ فَقِيلَ لِأَنَّهُ تُرْمَضُ فِيهِ الذُّنُوبُ أَیْ تُحْرَقُ لِأَنَّ الرَّمْضَاءَ شِدَّةُ الْحَرِّ وَقِيلَ وَافَقَ ابْتِدَاءُ الصَّوْمِ فِيهِ زَمَنًا حَارًّا وَاللَّهُ أَعْلَمُ(فتح البارى لابنِ حجر، ج۴ص۱۱۳، قوله باب هل يقال)
وقيل انما سمى رمضان لانه يرمض الذنوب ای يحرقها بالاعمال الصالحة من الارماض وهو الاحراق.....وقيل لان القلوب تأخذفيه من حرارة الموعظة والفكرة فی امر الاٰخرة كما يأخذ الرمل والحجارة من حرالشمس (تفسير قرطبی ج ۲ ص ۲۹۱ ملخصاً،تحت آيت ۱۸۵ من سورة البقرة)
رمضان: بفتحاتِ ثلاثہ ماخوذ از رمض کہ بمعنی سوختن ست، چون ماہِ صیام گناہان رامیسوزد، لہٰذا بایں اسم مسمےٰ گشت از رسالۂ علم نجوم کہ کمال معتبر بود نوشتہ شد یا آنکہ مشتق از رمض ست ومعنی رمض سوختہ شدن پاے از گرمی زمین چون ماہ صیام موجب سوختگی وتکلیف نفس ست لہٰذا بایں اسم مسمیٰ گشت از شرحی معتبر نوشتہ شد ودر نصاب رمضان بمعنی سنگ گرم ست واز سنگ گرم پائے روندگان میسوزند وشاید کہ بوقت وضع ایں اسم ماہِ صیام در شدت گرما باشد (غیاثُ اللغات ص ۲۳۶)
رمضان ومنع الصرف للتعريف والالف والنون (عمدة القارى، ج ۱۰، ص ۲۸۵، باب شهرا عيد لا ينقصان)

مہینہ ہے، اس لئے اس مہینہ کو رمضانُ المعظم بھی کہا جاتا ہے۔

اور ہماری زبان میں رمضان کے ساتھ شریف کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے ''رمضان شریف''

شریف کے معنٰی ہیں ''شرافت والی چیز''۔

اور یہ مہینہ کیونکہ تمام مہینوں میں سب سے زیادہ شَرَف رکھنے والا ہے، اس لئے اس کو رمضان شریف بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] هذا باب يقال فيه :هل يقال؟ أى :هل يجوز أن يقال :رمضان من غير شهر معه؟ أو يقال :شهر رمضان؟ قوله :(هل يقال) ؟ على صيغة المجهول، رواية الأكثرين، وفى رواية السرخسى والمستملى :باب هل يقول، أى :الإنسان أو القائل .قوله :(ومن رأى كله واسعا) من جملة الترجمة أى :من رأى القول بمجرد رمضان أو بقيده بشهر واسعا أى :جائزا لا حرج على قائله، وفى رواية الكشميهنى :ومن رآه بهاء الضمير، وإنما أطلق الترجمة ولم يفصح بالحكم للاختلاف فيه على عادته فى ذلك، فالذى اختاره المحققون والبخارى منهم لا يكره أن يقال :جاء رمضان، ولا صمنا رمضان، وكان عطاء ومجاهد يكرهان أن يقولا :رمضان، وإنما كانا يقولان كما قال الله تعالى :شهر رمضان، لأنا لا ندرى لعل رمضان إسم من أسماء الله تعالى، وحكاه البيهقى عن الحسن أيضا، قال :والطريق إليه وإلى مجاهد ضعيفة، وهو قول أصحاب مالك .وقال النحاس :وهذا قول ضعيف لأنه صلى الله عليه وسلم نطق به، فذكر ما ذكره البخارى .وفى (التوضيح) : وهناك قول ثالث، وهو قول أكثر أصحابنا إن كان هناك قرينة تصرفه إلى الشهر فلا كراهة وإلا فيكره.

قالوا :ويقال :قمنا رمضان، ورمضان أفضل الأشهر، وإنما يكره أن يقال :قد جاء رمضان، ودخل رمضان، وحضر، ونحو ذلك .فإن قلت :فى (كامل) ابن عدى عن أبى سعيد المقبرى عن أبى هريرة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :(لا تقولوا رمضان، فإن رمضان اسم من أسماء الله تعالى، ولكن قولوا :شهر رمضان؟) قلت :قال أبو حاتم :هذا خطأ، وإنما هو قول أبى هريرة وفيه أبو معشر نجيح المدنى، وضعفه ابن عدى الذى خرجه، وقال بعضهم :أشار البخارى بهذه الترجمة إلى دفع حديث ضعيف، ثم ذكر هذا الذى خرجه ابن عدى .قلت :هذا القائل أخذ هذا الذى قاله من كلام صاحب (التلويح) فإنه قال :وإنما كان البخارى أراد بالتبويب دفع ما رواه أبو معشر نجيح فى (كامل) ابن عدى، وهو الذى ذكرناه، وهل هذا إلا أمر عجيب من هذين المذكورين؟ فإن لفظ الترجمة :هل يقال رمضان أو شهر رمضان؟ من أين يدل على هذا؟ فمن أى قبيل هذه الدلالة؟ وأيضا :من قال :إن البخارى اطلع على هذا الحديث أو وقف عليه حتى يرده بهذه الترجمة؟(عمدة القارى للعينى، ج١٠ ص٢٦٥، باب هل يقال رمضان أو شهر رمضان ومن رأى كله واسعا)

ماہِ رمضان کے فضائل

رمضان کا مہینہ انتہائی عظیمُ الشان اور فضیلت والا مہینہ ہے، اس مہینے میں قرآن مجید نازل کیا گیا، اور اس مہینہ میں روزوں اور دیگر نیک اعمال مثلاً تراویح، اعتکاف وغیرہ کی بہت فضیلت ہے۔

رمضان میں قرآن مجید کا نزول

رمضانُ المبارک کی فضیلت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ قرآن مجید رمضانُ المبارک کے مہینے میں نازل کیا گیا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۵)

ترجمہ: رمضان کا مہینہ وہ ہے، جس میں قرآن کو نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے، اور ہدایت اور (حق وباطل کے درمیان) فرق کرنے والے دلائل ہیں (سورہ بقرہ)

قرآن مجید دراصل رمضان کے مہینے میں لیلۃُ القدر میں نازل کیا گیا، جیسا کہ سورہ قدر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ. وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ. لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ. تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ. سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ (سورۃ القدر، پارہ ۳۰)

ترجمہ: بے شک ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃُ القدر میں نازل کیا ہے اور آپ

کو معلوم ہے کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس رات میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے ہر امر کو لے کر نازل ہوتے (اور اترتے) ہیں، سراپا سلام ہے وہ (لیلۃ القدر اور اس کی برکت) طلوعِ فجر (یعنی صبح صادق) تک رہتی ہے (سورہ قدر)

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أُنْزِلَتْ صُحُفُ إِبْرَاهِيمَ أَوَّلَ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ، وَأُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ لِسِتٍّ مَضَيْنَ مِنْ رَمَضَانَ وَأُنْزِلَ الإِنْجِيلُ لِثَلَاثَ عَشْرَةَ مَضَتْ مِنْ رَمَضَانَ، وَأُنْزِلَ الزَّبُورُ لِثَمَانَ عَشْرَةَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ، وَأُنْزِلَ الْقُرْآنُ لِأَرْبَعَ عَشْرَةَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ (المعجم الكبير للطبرانی) [1]

ترجمہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے (آسمانی کتابچے ورسائل) رمضان کی پہلی تاریخ میں اور تورات رمضان کی چھٹی تاریخ میں، اور انجیل تیرہویں تاریخ میں، اور زبور اٹھارویں تاریخ میں، اور قرآن مجید چوبیس تاریخ گزرنے کے بعد (یعنی اس کے بعد کی کسی رات میں) نازل ہوا (طبرانی، مسند احمد)

اس سلسلہ میں اور روایات بھی ہیں، اور بعض روایات میں دیگر آسمانی کتابیں نازل ہونے کی تاریخوں میں کچھ اختلاف ہے، لیکن ان آسمانی کتابوں کے رمضان کے مہینے میں نازل ہونے کی وہ بھی تائید وتصدیق کرتی ہیں۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۸۵، واللفظ لهٗ، المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحديث ۳۷۴۰، مسند احمد رقم الحديث ۱۶۹۸۴، شعب الايمان للبيهقی رقم الحديث ۲۰۵۳، فضائل القرآن لمحمد بن نصر المروزی رقم الحديث ۳۲، فضائل القرآن لمحمد بن الضريس رقم الحديث ۱۲۵.

[2] عن ابن عباس قال قال رسول الله (صلى الله عليه وسلم) أنزلت الصحف على إبراهيم فی ليلتين من شهر رمضان وأنزل الزبور على داود فی ست من رمضان وأنزلت التوراة على موسى لثمان عشرة من رمضان وأنزل القرآن على محمد (صلى الله عليه وسلم) لأربع وعشرين من رمضان (تاريخ دمشق لابن عساكر، ج٦، ص ٢٠٢، رقم الحديث ۱۴۷۶)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوران روایات کی سند پر بعض محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن رمضان کے مہینے میں آسمانی کتابیں نازل ہونے کے مضمون کے متعلق یہ روایات ایک دوسرے کی تائید وتصدیق کرتی ہیں، اس لئے اس حد تک یہ روایات معتبر ہیں۔ [1]

تمام آسمانی کتابیں، یہاں تک کہ سب سے افضل واعلیٰ آسمانی کتاب ''قرآن مجید'' کے نازل ہونے کے لئے رمضان کے مہینے کا انتخاب فرمانا اس مہینے کی فضیلت واہمیت کی واضح دلیل ہے۔

گویا کہ جو مقام وشرف آسمانی کتابوں کو دوسری کتابوں پر اور قرآن مجید کو دوسری آسمانی کتابوں پر حاصل ہے وہی مقام وشرف رمضانُ المبارک کے مہینے کو دوسرے مہینوں پر حاصل ہے۔

قرآن مجید کے اس مہینے میں نازل ہونے کی اسی نسبت کی وجہ سے رمضان کے مہینے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حدثنا جابر بن عبد الله ، قال : أنزل الله صحف إبراهيم فى أول ليلة من رمضان ، وأنزلت التوراة على موسى لست خلون من رمضان ، وأنزل الزبور على داود فى إحدى عشرة ليلة خلت من رمضان ، وأنزل القرآن على محمد صلى الله عليه وسلم فى أربع وعشرين خلت من رمضان (مسند ابویعلیٰ الموصلی، رقم الحديث ٢١٩٠)

قال البوصيرى:هذا إسناد ضعيف، لضعف سفيان بن وكيع بن الجراح .وله شاهد من حديث واثلة بن الأسقع رواه أحمد بن حنبل فى مسنده .(اتحاف الخيرة المهرة،تحت رقم الحديث ٤١٥، كتاب العلم،باب فى علم النسب ،وكذافى كتاب الصوم،تحت رقم الحديث ٢٢٠١،باب صوم شهر الصبر وثلاثة أيام بعده)

عن أبى مليح ،ثنا جابر بن عبد الله قال : أنزل الله صحف إبراهيم فى أول ليلة من شهر رمضان ، وأنزل التوراة على موسى لست خلون من شهر رمضان ، وأنزل الله الإنجيل على عيسى فى ثمان عشرة ليلة من شهر رمضان ، وأنزل القرآن على محمد صلى الله عليه وسلم لأربع وعشرين خلت من شهر رمضان (حديث هشام بن عمار رقم الحديث ١٣)

[1] قال الهيثمى:رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ وَالْأَوْسَطِ ، وَفِيهِ عِمْرَانُ بْنُ دَاوُدَ الْقَطَّانُ ، ضَعَّفَهُ يَحْيَى، وَوَثَّقَهُ ابْنُ حِبَّانَ ، وَقَالَ أَحْمَدُ :أَرْجُو أَنْ يَكُونَ صَالِحَ الْحَدِيثِ .وَبَقِيَّةُ رِجَالِهِ ثِقَاتٌ (مجمع الزوائد، ج ا ص ۴۶۸)

وقال الالبانى:قلت :و هذا إسناد حسن ، رجاله ثقات ، و فى القطان كلام يسير .و له شاهد من حديث ابن عباس مرفوعا نحوه .أخرجه ابن عساكر(٢/١٦٧/١و٣٥٢/٥/١)(سلسلة الاحاديث الضعيفة تحت رقم الحديث ١٥٧٥)

میں تلاوت کی فضیلت بھی زیادہ ہے۔

قرآن مجید کے نازل ہونے کی تاریخ کا تعین لیلۃ القدر کے متعیّن ہونے پر موقوف ہے، جس کا ذکر آگے لیلۃ القدر کے بیان میں آرہا ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قرآن مجید لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر تو لیلۃ القدر میں نازل ہوا، اوراس کے بعد وہاں سے تھوڑا تھوڑا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا جاتا رہا۔ [۱]

جس میں امت کے لئے کئی حکمتیں اور فائدہ کی باتیں تھیں۔ [۲]

جنت کے دروازوں کا کھُلنا، جہنَّم کے دروازوں کا بند ہونا

رمضانُ المبارک کے بابرکت مہینے میں جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور جہنَّم کے تمام دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔

---

[۱] عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ " :أُنْـزِلَ الْقُرْآنُ جُمْلَةً إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ، ثُمَّ أُنْزِلَ بَعْدَ ذَلِكَ فِي عِشْرِينَ سَنَةً، قَالَ :(وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا)وَقَرَأَ (وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا) (السنن الكبرىٰ للنسائی، رقم الحديث ۱۱۳۰۸، واللفظ لہٗ؛ شعب الايمان للبيهقی رقم الحديث ۲۰۵۴؛ مستدرک حاکم، رقم الحديث ۲۸۷۹)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد، ولم يخرجاه.

وقال الذهبی: صحيح.

[۲] ثم إن ما ذكر من إنزاله فی تلک الليلة أراد به إنزاله إلى اللوح المحفوظ فإنه نزل عليه فيها جملة ثم أنزل منه منجما فی نيف وعشرين سنة وسره كما قال الفخر الرازی أنه لو نزل جملة واحدة لضلت فيه الأفهام وتاهت فيه الأوهام (لو أنزلنا هذا القرآن على جبل لرأيته خاشعا متصدعا من خشية الله) فهو كالمطر لو نزل دفعة لقلع الأشجار وخرب الديار وقال السيد :فی تنزيله منجما تسهيل ضبط الأحكام والوقوف على حقائق نظم الآيات قال ابن حجر :وهذا الحديث مطابق لقوله تعالى (شهر رمضان الذی أنزل فيه القرآن) ولقوله (إنا أنزلناه فی ليلة القدر) فيحتمل أن تكون ليلة القدر فی تلک السنة كانت تلک الليلة فأنزل فيها جملة إلى سماء الدنيا ثم أنزل فی اليوم الرابع والعشرين إلى الأرض أول (اقرأ باسم ربک)(فيض القدير للمناوی تحت رقم حديث ۲۷۳۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے، تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں (بخاری)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فُتِّحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان شروع ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو قید کر دیا جاتا ہے (بخاری)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ (مسلم) [3]

ترجمہ: (رمضان کی آمد پر) رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں (مسلم)

جنت بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، اس لئے جنت ورحمت کے دروازے کھول دیئے جانے والی دونوں قسم کی روایات میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔

اور رحمت کا راستہ آسمان سے گزر کر آتا ہے، اس لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جانے سے مراد بھی رحمت وجنت کے دروازے کھلنا ہی ہے۔

---

[1] رقم الحدیث ۱۸۹۸، کتاب الصوم، باب: هل يقال رمضان أو شهر رمضان، ومن رأى كله واسعا.

[2] رقم الحدیث ۱۸۹۹، کتاب الصوم، باب: هل يقال رمضان أو شهر رمضان، ومن رأى كله واسعا.

[3] رقم الحديث ۱۰۷۹، كتاب الصيام، باب فضل شهر رمضان؛ نسائی، رقم الحديث ۲۱۰۰.

بہرحال ان احادیث سے رمضان کے مہینے کی یہ خصوصیت معلوم ہوئی کہ اس مہینے میں جنت کے تمام دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کی بارش برستی ہے، اور جہنم کے تمام دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔ [1]

لہٰذا اس بابرکت اور بارحمت مہینے اور اس کے ہر لمحہ کی قدر کرنی چاہئے۔ [2]

---

[1] قوله :(فتحت أبواب السماء) ، قد ذكرنا معنى :فتحت، وهنا، قال :(أبواب السماء) ، وفى حديث قتيبة الماضى قال :(أبواب الجنة) ، وقال ابن بطال :المراد من السماء الجنة بقرينة ذكر جهنم فى مقابلة .قلت :جاء فى رواية :(أبواب الرحمة) ، ولا تعارض فى ذلك، فأبواب السماء يصعد منها إلى الجنة لأنها فوق السماء ، وسقفها عرش الرحمن كما ثبت فى (الصحيح) . وأبواب الرحمة تطلق على أبواب الجنة، لقول النبى، صلى الله عليه وسلم، فى الحديث الصحيح(عمدة القارى، ج٠ ١ ص ٢٧٠، كتاب الصوم، باب هل يقال رمضان أو شهر رمضان ومن رأى كله واسعا)

(عن أبى هريرة قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-إذا دخل رمضان ") أى وقت شهره، وهو مأخوذ من الرمضاء ، فى القاموس :رمض يومنا كفرح :اشتد حره، وقدمه احترقت من الرمضاء للأرض الشديدة الحرارة، وسمى شهر رمضان به لأنهم لما نقلوا أسماء الشهور عن اللغة القديمة سموها بالأزمنة التى وقعت فيها، فوافق زمن الحر، أو من رمض الصائم :اشتد حر جوفه، أو لأنه يحرق الذنوب، ورمضان إن صح أنه من أسماء الله -تعالى -فغير مشتق، أو راجع إلى معنى الغافر، أى يمحو الذنوب ويمحقها "فتحت "بالتخفيف، وهو أكثر كما فى التنزيل، وبالتشديد لتكثير المفعول "أبواب السماء "قيل :فتحها كناية عن تواتر نزول الرحمة وتوالى طلوع الطاعة، ويؤيده رواية أبواب الرحمة، قال الزركشى :إلا أن يقال :إن الرحمة من أسماء الجنة، قال : والأظهر أنه على الحقيقة لمن مات فيه أو عمل عملا لا يفسد عليه، (وفى رواية " :فتحت أبواب الجنة ") ، وهو كناية عن فعل ما يؤدى إلى دخولها "وغلقت "بالتشديد أكثر "أبواب جهنم " وهو كناية عن امتناع ما يدخل إليها، لأن الصائم يتنزه عن الكبائر، ويغفر له ببركة الصيام الصغائر، وقد ورد :الصيام جنة ، قال التوربشتى :فتح أبواب السماء كناية عن تنزيل الرحمة، وإزالة الغلق عن مصاعد أعمال العباد تارة ببذل التوفيق، وأخرى بحسن القول، وغلق أبواب جهنم عبارة عن تنزه أنفس الصائم عن رجس الفواحش، والتخلص من البواعث على المعاصى بقمع الشهوات، فإن قيل :ما منعكم أن تحملوا على ظاهر المعنى؟ قلنا :لأنه ذكر على سبيل المن على الصوام وإتمام النعمة عليهم فيما أمروا به وندبوا إليه، حتى صار الجنان فى هذا الشهر كأن أبوابها فتحت، ونعيمها أبيحت، والنيران كأن أبوابها غلقت وأنكالها عطلت، وإذا ذهبنا فيه إلى الظاهر لم يقع المن موقعه، ويخلو عن الفائدة لأن الإنسان ما دام فى هذه الدنيا فإنه غير ميسر لدخول إحدى الدارين(مرقاة المفاتيح ج٤ص ١٣٦٠، ١٣٦١، كتاب الصوم)

[2] وغلقت أبواب النار فلم يفتح منها باب "كالتأكيد لما قبله "وفتحت أبواب الجنة فلم يغلق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شیاطین کا قید ہونا

رمضانُ المبارک میں شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے، جس کا کئی احادیث میں ذکر پایا جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: قَدْ جَاءَ کُمْ رَمَضَانُ، شَھْرٌ مُبَارَکٌ، افْتَرَضَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ صِیَامَہٗ، تُفَتَّحُ فِیْہِ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَتُغَلَّقُ فِیْہِ أَبْوَابُ الْجَحِیْمِ، وَتُغَلُّ فِیْہِ الشَّیَاطِیْنُ، فِیْہِ لَیْلَةٌ خَیْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَھْرٍ، مَنْ حُرِمَ خَیْرَھَا، فَقَدْ حُرِمَ (مسند احمد، رقم الحدیث ۷۱۴۸)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس رمضان کا بابرکت مہینہ آچکا ہے، اللہ تعالیٰ نے تم پر اس کے روزے فرض کئے ہیں، اس مہینہ میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور جہنّم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور اس مہینہ میں شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے، اس مہینہ میں ایک رات (یعنی لیلۃُ القدر) ایسی ہے جو کہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جو اس رات کی خیر (کو حاصل کرنے) سے محروم ہو گیا تو وہ پورا محروم ہے (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجِنَانِ کُلُّھَا فَلَمْ یُغْلَقُ مِنْھَا بَابٌ إِلٰی آخِرِ الشَّھْرِ وَغُلِّقَتْ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

منها باب "ولعلها أبواب مخصوصة منهما، أو أبوابهما فى غير رمضان، قد تفتح وتغلق، بخلافها فى هذا الزمن المبارك، تعظيما لشأنه، وفيه إشارة إلى أن الأزمنة الشريفة والأمكنة اللطيفة لها تأثير فى كثرة الطاعة وقلة المعصية، ويشهد به الحس والمشاهدة، فلتغتنم الفرصة(مرقاة المفاتيح ج۴ص ۱۳۶۴، كتاب الصوم)

[1] فى حاشيةمسند احمد: صحيح، وهذا إسناد رجاله رجال الشيخين.

أَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ إِلٰى آخِرِ الشَّهْرِ وَسُلْسِلَتْ مَرَدَةُ الشَّيَاطِيْنِ وَلِلّٰهِ عُتَقَاءٌ عِنْدَ وَقْتِ كُلِّ فِطْرٍ يَعْتِقُهُمْ مِنَ النَّارِ (المعجم الأوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ داخل ہوتا ہے، تو جنتوں کے سارے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اوراس کا کوئی دروازہ اخیر مہینے تک بند نہیں کیا جاتا، اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، اس کا کوئی دروازہ اخیر مہینے تک کھولا نہیں جاتا، اوراس مہینہ میں سرکش شیاطین کو قید کردیا جاتا ہے، اوراللہ تعالیٰ کے لئے ہر افطار کے وقت ایسے آزاد افراد ہوتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ آگ (یعنی جہنّم) سے آزاد فرماتے ہیں (طبرانی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رمضانُ المبارک کے مہینے میں شیاطین کو قید کردیا جاتا ہے اور جنت کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اور جہنم کے تمام دروازے بند کردیے جاتے ہیں، اور پورے مہینے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش برستی ہے۔

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس مہینے میں شیاطین کو قید اور بند کردیا جاتا ہے، تو پھر اس مہینے میں بہت سے لوگ گناہوں میں کیوں مبتلا رہتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو شیاطین کے قید ہونے کی یہ خصوصیت اس شخص کے حق میں ہے جو رمضان کے روزوں اور دیگر احکام کو شرائط اور آداب کی رعایت رکھ کر پورا کرے۔

اور جو خلاف ورزی کرے وہ اس نعمت اور خصوصیت سے محروم رہتا ہے۔

دوسرے بعض احادیث میں سرکش شیطانوں کو قید کرنے کا ذکر آیا ہے۔

اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو زیادہ سرکش شیاطین ہیں، وہ تو قید کردیئے جاتے ہیں، اور جو

---

[1] رقم الحدیث ۸۱۳۹، باب المیم، من بقیة من أول اسمه میم من اسمه موسی.
قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، وفیه ابن لهیعة، وحدیثه حسن، وفیه کلام، وبقیة رجاله رجال الصحیح (مجمع الزوائد، ج۳ص۱۴۳، باب احترام شهر رمضان ومعرفة حقه)

زیادہ سرکش نہیں ہیں، ان کو قید نہیں کیا جاتا۔

تیسرے اگر ہر قسم کے شیطانوں کا قید ہونا مراد لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ ہر شیطان سرکش ہی ہوتا ہے تو پھر رمضان میں گناہوں کا سبب صرف شیطان اور سرکش جنات ہی نہیں ہوتے بلکہ اور بھی مختلف اسباب ہوتے ہیں، مثلاً:

(۱)...... نفس کا بہکاوا (۲)...... بُرے لوگوں کی صحبت

(۳)...... گندی عادتیں (۴)...... ذاتی خباثت۔

لٰہذا شیاطین کے قید و بند کئے جانے سے گناہ اور ان کے اسباب کم تو ہوجاتے ہیں لیکن ختم نہیں ہوتے۔

چوتھے گیارہ مہینے شیاطین انسانوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کی صحبت رہتی ہے اس لئے اس مبارک مہینہ میں ان کے قید و بند ہونے کے باوجود ان کی صحبت کا اثر باقی رہتا ہے۔ اگر چہ کچھ کم ضرور ہوجاتا ہے، جیسا کہ گرم لوہا آگ سے نکالنے کے بعد بھی کچھ دیر تک گرم رہتا ہے اگر چہ آہستہ آہستہ اس کی گرمی کم ہوجاتی ہے۔

ان وجوہات کی بناء پر بعض بدقسمت لوگ رمضان میں شیطانوں کے قید و بند ہونے کے باوجود گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [۱]

---

[۱] فإن قلت :قد تقع الشرور والمعاصی فی رمضان کثیرا، فلو سلسلت لم یقع شیء من ذلک . قلت :هذا فی حق الصائمین الذین حافظوا علی شروط الصوم وراعوا آدابه، وقیل :المسلسل بعض الشیاطین وهم المردة لا کلهم، کما تقدم فی بعض الروایات، والمقصود تقلیل الشرور فیه، وهذا أمر محسوس، فإن وقوع ذلک فیه أقل من غیره، وقیل :لا یلزم من تسلسلهم وتصفیدهم کلهم أن لا تقع شرور ولا معصیة، لأن لذلک أسبابا غیر الشیاطین، کالنفوس الخبیثة والعادات القبیحة والشیاطین الأنسیة(عمدة القاری شرح بخاری ج ۱۰ ص ۲۷۰، کتاب الصوم، باب: هل یقال رمضان أو شهر رمضان، ومن رأی کله واسعا)

(عن أبی هریرة قال :قال رسول الله -صلی الله علیه وسلم " :-إذا کان أول لیلة من شهر رمضان صفدت ") بالتشدید ویخفف أی قیدت "الشیاطین ومردة الجن "جمع مارد کطلبة وجهلة وهو المتجرد للشر، ومنه الأمرد لتجرده من الشعر، وهو تخصیص بعد تعمیم، أو عطف تفسیر وبیان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیک اور برے کام کے طالب کے لئے اعلان

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں ہر دن خیر کا عمل کرنے والے کو آگے بڑھنے اور بُرا عمل کرنے والے کو باز رہنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے۔

حضرت عرفجہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: فِيْ رَمَضَانَ تُغَلَّقُ فِيْهِ أَبْوَابُ النَّارِ، وَتُفَتَّحُ فِيْهِ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَتُصَفَّدُ فِيْهِ الشَّيَاطِيْنُ. قَالَ: وَيُنَادِيْ فِيْهِ مَلَكٌ. يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَبْشِرْ، يَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كالتتميم، وقال الطيبى :المارد هو العاتى الشديد، وتصفيد الشياطين إما فى أيام رمضان خاصة، وإما فيها وفيما بعدها من الأيام اهـ كلام المختصر، وفيه أنه إن أراد بالأيام ضد الليالى فيرده هذا الحديث بعينه، حيث قال :إذا كان أول ليلة، وإن أراد بها الأوقات فهو صحيح، لكن لا معنى لقوله وإما فيها إلخ هذا، ثم رأيت الطيبى ذكر فى الشرح :روى البيهقى عن الإمام أحمد عن الحليمى أنه قال :يحتمل أن يكون المراد به أيامه خاصة، وأراد الشياطين التى هى مسترقة السمع، ألا تراه قال : مردة الشياطين، لأن شهر رمضان كان وقتا لنزول القرآن إلى سماء الدنيا، وكانت الحراسة قد وقعت بالشهب، كما قال -تعالى -وحفظناها الآية، والتصفيد فى شهر رمضان مبالغة للحفظ، ويحتمل أن يكون المراد به أيامه وبعده، والمعنى أن الشياطين لا يتخلصون فيه من إفساد الناس ما يتخلصون إليه فى غيره لاشتغال أكثر المسلمين بالصيام الذى فيه قمع الشهوات، وبقراء ة القرآن وسائر العبادات اهـ ويرد على الاحتمال الأول ما تقدم، وأيضا يلزم منه اختصاص هذا الوصف بأيام نزول الوحى، وهو زمن حياته -صلى الله عليه وسلم -وهو مع بعده وكونه خلاف ظاهر التصفيد ينافى الإطلاق، ولا يلائمه بقية الأوصاف الآتية على طريق الاستحقاق، وقيل :الحكمة فى تقييد الشياطين وتصفيدهم كيلا يوسوسوا فى الصائمين، وأمارة ذلك تنزه أكثر المنهمكين فى الطغيان عن المعاصى ورجوعهم بالتوبة إلى الله -تعالى، وأما ما يوجد من خلاف ذلك فى بعضهم فإنها تأثيرات من تسويلات الشياطين أغرقت فى عمق تلك النفوس الشريرة، وباضت فى رء وسها، وقيل :قد خص من عموم "صفدت الشياطين "زعيم زمرتهم، وصاحب دعوتهم لمكان الإنظار الذى سأله من الله، فأجيب إليه، فيقع ما يقع من المعاصى بتسويله وإغوائه، ويمكن أن يكون التقييد كناية عن ضعفهم فى الإغواء والإضلال(مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۳۶۴، كتاب الصوم)

حَتّٰی یَنۡقَضِیَ رَمَضَانُ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۸۷۹۵) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ رمضان میں جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، اور رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور رمضان میں شیاطین قید کردیئے جاتے ہیں، اور اس مہینے میں فرشتہ پکار کر یہ کہتا ہے کہ اے خیر کو طلب کرنے (اور نیکی کا ارادہ کرنے) والے! تو خوشخبری حاصل کر (اور آگے بڑھ) اور اے شر کو طلب کرنے (اور گناہ کا ارادہ کرنے) والے! تو رُک جا (یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے) یہاں تک کہ رمضان ختم ہوجائے (مسند احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ:

اِذَاکَانَ اَوَّلُ لَیۡلَةٍ مِّنۡ شَهۡرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیۡنُ وَمَرَدَةُ الۡجِنِّ وَغُلِّقَتۡ اَبۡوَابُ النَّارِ فَلَمۡ یُفۡتَحۡ مِنۡهَا بَابٌ وَفُتِّحَتۡ اَبۡوَابُ الۡجَنَّةِ فَلَمۡ یُغۡلَقۡ مِنۡهَا بَابٌ وَیُنَادِیۡ مُنَادٍ یَا بَاغِیَ الۡخَیۡرِ اَقۡبِلۡ، وَیَابَاغِیَ الشَّرِّ اَقۡصِرۡ وَلِلّٰهِ عُتَقَآءُ مِّنَ النَّارِ وَذٰلِکَ کُلَّ لَیۡلَةٍ (ترمذی) [2]

ترجمہ: رمضان کی پہلی رات ہی سے شیطانوں اور سرکش جنوں کو قید کردیا جاتا ہے اور جہنم کے دروازوں کو بند کردیا جاتا ہے اور ان میں سے کوئی دروازہ بھی کھلا نہیں رکھا جاتا اور جنت کے دروازوں کو کھول دیا جاتا ہے اور ان میں سے کوئی دروازہ

---

[1] فی حاشیة مسند احمد: حدیث صحیح.

[2] رقم الحدیث ۶۸۲، ابواب الصوم، باب ما جاء فی فضل شهر رمضان، واللفظ لهٔ؛ ابنِ ماجه، رقم الحدیث ۱۶۴۲؛ ابن حبان، رقم الحدیث ۳۴۳۵؛ بیهقی شعب الایمان، رقم الحدیث ۳۳۲۷؛ مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۵۳۲، صحیح ابنِ حبان، رقم الحدیث ۳۴۳۵.

قال الترمذی :وَفِی الۡبَاب عَنۡ عَبۡدِ الرَّحۡمَنِ بۡنِ عَوۡفٍ وَابۡنِ مَسۡعُوۡدٍ وَسَلۡمَانَ (حواله بالا)

وقال الحاکم: هَذَا حَدِیۡثٌ صَحِیۡحٌ عَلَی شَرۡطِ الشَّیۡخَیۡنِ، وَلَمۡ یُخَرِّجَاهُ بِهَذِهِ السِّیَاقَةِ.

وقال شعیب الانؤوط: إسناده قوی، رجاله ثقات رحال الشیخین غیر أبی بکر بن عیاش فمن رجال البخاری(حاشیة ابنِ حبان)

بند نہیں کیا جاتا اور اللہ کی طرف سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ ''اے خیر (یعنی نیک کام) کو طلب کرنے والے آگے بڑھ اور اے شَر (یعنی بُرے اور گناہ کے کام) کو طلب کرنے والے رُک جا'' اور اللہ کی طرف سے آگ (یعنی جہنّم) سے بہت سے لوگ آزاد کیے جاتے ہیں اور یہ واقعہ رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے

(ترمذی، ابنِ ماجہ، ابنِ حبان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِذَا دَخَلَتْ أَوَّلُ لَیْلَۃٍ مِنْ شَھْرِ رَمَضَانَ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجِنَانِ، فَلَمْ یُغْلَقْ مِنْھَا بَابٌ الشَّھْرَ کُلَّہٗ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ یُفْتَحْ مِنْھَا بَابٌ الشَّھْرَ کُلَّہٗ، وَغُلَّتْ مَرَدَۃُ الْجِنِّ، ثُمَّ یَکُوْنُ لِلّٰہِ عُتَقَاءُ یَعْتِقُھُمْ مِنَ النَّارِ عِنْدَ وَقْتِ کُلِّ فِطْرٍ عَبِیْدٌ، وَإِمَاءٌ (مصنف عبدالرزاق) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کے مہینے کی پہلی (یعنی چاند) رات ہوتی ہے، تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور جنت کے دروازوں میں سے کوئی دروازہ رمضان کے پورے مہینہ بند نہیں کیا جاتا، اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، اور اس کا کوئی دروازہ پورے رمضان کے مہینے کھولا نہیں جاتا، اور سرکش جنات کو بند کر دیا جاتا ہے، پھر اللہ کے لئے ہر افطار کے وقت بہت سے بندوں اور عورتوں کو (جہنم سے) آزاد کیا جاتا ہے (عبدالرزاق)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رمضان کے مہینے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک کام کے کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کا اور بُرے کام کے کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کا خاص اعلان

[1] رقم الحدیث ۷۳۸۵، کتاب الصیام، باب سلسلۃ الشیاطین وفضل رمضان.

وانتظام کیا جاتا ہے۔

اوراس کا مشاہدہ عام ہے کہ رمضانُ المبارک کے مہینے میں بے شمار لوگ اپنے گناہوں کو چھوڑ دیتے یا کمی وتخفیف کردیتے ہیں، بہت سے لوگ ہمیشہ کے لئے اپنے گناہوں سے تائب ہوجاتے ہیں، اور بہت سے لوگ اس مہینے کی برکت سے نماز اور دوسری عبادات کے پابند ہوجاتے ہیں۔

البتہ کچھ بدقسمت لوگ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے محروم رہتے ہیں۔ [1]

جہنَّم سے آزادی، دعا کی قبولیت، گناہوں کی مغفرت

احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رمضانُ المبارک کے ہر دن بے شمار مسلمانوں کو جہنَّم سے آزادی عطا کی جاتی ہے، گناہوں کی مغفرت کی جاتی ہے، اور دعا بھی قبول کی جاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ یا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِلّٰہِ عُتَقَاءَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ، لِکُلِّ عَبْدٍ مِنْھُمْ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ (مسند احمد) [2]

---

[1] قوله "وينادى مناد "أى بلسان الحال أو ببيان المقال من عند الملك المتعال "يا باغى الخير "أى طالب العمل والثواب "أقبل "أى إلى الله وطاعته، بزيادة الاجتهاد فى عبادته، وهو أمر من الإقبال أى تعال فإن هذا أوانك، فإنك تعطى الثواب الجزيل بالعمل القليل، أو معناه يا طالب الخير المعرض عنا وعن طاعتنا أقبل إلينا وعلى عبادتنا، فإن الخير كله تحت قدرتنا وإرادتنا "ويا باغى الشر "أى يا مريد المعصية "أقصر "بفتح الهمزة وكسر الصاد أى أمسك عن المعاصى وارجع إلى الله -تعالى -فهذا أوان قبول التوبة وزمان الاستعداد للمغفرة، ولعل طاعة المطيعين وتوبة المذنبين ورجوع المقصرين فى رمضان من أثر النداء ين، ونتيجة إقبال الله -تعالى -على الطالبين، ولهذا ترى أكثر المسلمين صائمين حتى الصغار والجوار، بل غالبهم الذين يتركون الصلاة يكونون حينئذ مصلين مع أن الصوم أصعب من الصلاة، وهو يوجب ضعف البدن الذى يقتضى الكسل عن العبادة، وكثرة النوم عادة، ومع ذلك ترى المساجد معمورة، وبإحياء الليالى مغمورة، والحمد لله ولا حول ولا قوة إلا بالله (مرقاة المفاتيح ج۴ص ۱۳۶۴، كتاب الصوم)

[2] رقم الحديث ۷۴۵۰، واللفظ لهٗ، فضائل شهر رمضان لابنِ شاهين، رقم الحديث ۱۰.
فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين، والشك فى صحابى الحديث لا يضر.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے لئے (رمضان کے) ہر دن اور رات میں (بے شمار لوگ جہنّم سے) آزاد کئے جاتے ہیں، اور ہر بندے کی دعا قبول کی جاتی ہے (مسند احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلصَّائِمُ لاَ تُرَدُّ دَعْوَتُہٗ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۰۱۸۳) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزے دار کی دعا رَد نہیں کی جاتی (مسند احمد)

رمضان میں مسلمان روزے سے ہوتا ہے، اور روزے دار کی ویسے ہی دعا قبول کی جاتی ہے، اور رمضان کی برکت کے روزے کے ساتھ شامل ہونے کی وجہ سے دعا کی قبولیت ونورانیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، اور چار چاند لگ جاتے ہیں۔ [2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا کَانَ أَوَّلُ لَیْلَۃٍ مِّنْ شَھْرِ رَمَضَانَ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجِنَانِ فَلَمْ یُغْلَقْ مِنْھَا بَابٌ وَّاحِدٌ الشَّھْرَ کُلَّہٗ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ یُفْتَحْ مِنْھَا بَابٌ وَّاحِدٌ الشَّھْرَ کُلَّہٗ، وَغُلَّتْ عُتَاۃُ الْجِنِّ، وَنَادٰی مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ کُلَّ لَیْلَۃٍ إِلٰی انْفِجارِ الصُّبْحِ، یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ یَمِّمْ وَأَبْشِرْ، وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ أَقْصِرْ،

---

[1] فی حاشیۃ مسند احمد: حدیث صحیح بطرقہ وشواھدہ.

[2] (إن للہ تعالی عتقاء) من النار (فی کل یوم ولیلۃ) یعنی من رمضان کما جاء فی روایۃ أخری (لکل عبد منھم) أی لکل إنسانمن أولئک العتقاء (دعوۃ مستجابۃ) أی عند فطرہ أو عند بروز الأمر بعتقہ وھذہ منقبۃ عظیمۃ لرمضان وصوامہ وللدعاء والداعی >تنبیہ <قال الحکیم: دعاء کل إنسان إنما یخرج علی قدر ما عندہ من قوۃ القلب فربما یخرج شدید النور شمس تطلع وقد یخرج دعاء بمنزلۃ قمر یطلع ودعاء یخرج ببعض تقصیر فنورہ کالکواکب (فیض القدیر للمناوی، تحت رقم الحدیث ۲۳۴۸)

وَأَبْصِرُ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ نَغْفِرُ لَهُ، هَلْ مِنْ تَائِبٍ نَتُوبُ عَلَيْهِ، هَلْ مِنْ دَاعٍ نَسْتَجِيبُ لَهُ، هَلْ مِنْ سَائِلٍ نُعْطِي سُؤْلَهُ، وَلِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عِنْدَ كُلِّ فِطْرٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ كُلَّ لَيْلَةٍ عُتَقَاءُ مِّنَ النَّارِ سِتُّونَ أَلْفًا، فَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْفِطْرِ أَعْتَقَ مِثْلَ مَا أَعْتَقَ فِي جَمِيعِ الشَّهْرِ ثَلَاثِيْنَ مَرَّةً سِتِّيْنَ أَلْفًا سِتِّيْنَ أَلْفًا (شعب الايمان للبيهقى) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے، تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، پس جنت کا کوئی دروازہ بھی پورے مہینے بند نہیں کیا جاتا، اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، پس جہنم کا کوئی دروازہ بھی پورے مہینے کھولا نہیں جاتا، اور سرکش جنات کو قید کردیا جاتا ہے، اور آسمان سے پکارنے والا ہر رات صبح ہونے تک یہ پکارتا ہے کہ اے خیر کو طلب کرنے والے! آگے بڑھ اور خوشخبری حاصل کر، اور اے شر کو طلب کرنے والے! رُک جا اور دیکھ، اور ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا، جس کی ہم مغفرت کریں، ہے کوئی توبہ کرنے والا، جس کی ہم توبہ قبول کریں، ہے کوئی دعا کرنے والا، جس کی ہم دعا قبول کریں، ہے کوئی مانگنے والا، جس کو ہم مانگی ہوئی چیز دیں، اور اللہ عزوجل کے لئے پورے رمضان میں افطار کے وقت ہر رات میں جہنم سے ساٹھ ہزار لوگوں کو آزاد کیا جاتا ہے، پس جب عیدُ الفطر کا دن ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اتنے لوگوں کو آزاد فرماتے ہیں، جتنے لوگوں کو پورے مہینے تیس مرتبہ ساٹھ ساٹھ ہزار کو آزاد فرمایا (شعب الایمان)

مطلب یہ ہے کہ یوں تو نیک اعمال کی برکت سے اللہ تعالیٰ روزانہ ہی بے شمار لوگوں کو جہنم

---

[1] رقم الحديث ۳۳۳۴، كتاب الصيام، باب فضائل شهر رمضان.
قال المنذرى: رواه الْبَيْهَقِيّ وَهُوَ حَدِيث حسن لَا بَأْس بِهِ فِي المتابعات فِي إِسْنَاده ناشب بن عَمْرو الشيبان وثق وَتكلم فِيهِ الدَّارَقُطْنِيّ (الترغيب والترهيب، ج ۲ ص ۶۳، ۶۴)

سے آزاد فرماتے ہیں، لیکن جب بندے پورے رمضان کا نصاب اور کورس پورا کر لیتے ہیں، تو عیدُ الفطر کے دن، جو انعام کا خاص دن ہے، اتنی کثرت سے لوگوں کو جہنَّم سے آزاد فرماتے ہیں کہ جتنے لوگوں کو پورے مہینے ہر روز آزاد فرمایا۔

ممکن ہے کہ ساٹھ ہزار کا عدد کثرت کو بیان کرنے کے لئے ہو کہ اللہ تعالیٰ بہت کثرت سے جہنَّم سے آزاد فرماتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَلصَّلَوٰتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ مَابَيْنَهُنَّ اِذَا اجْتُنِبَ الْكَبَائِرُ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ پانچ نمازوں میں سے ہر نماز دوسری نماز تک اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک درمیانی مدت کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں جب تک کہ وہ کبیرہ گناہ نہ کرے (مسلم، مسند احمد)

اس قسم کی احادیث کے پیشِ نظر اہلِ علم حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ نیک اعمال کی برکت سے صغیرہ گناہ معاف ہوا کرتے ہیں، پس رمضان کے مہینے کے اعمال کی برکت سے پورے سال کے صغیرہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

گویا کہ رمضان کا مہینہ پورے سال کے دوسرے مہینوں کے صغیرہ گُناہوں کی مغفرت کے اعتبار سے مُحسِن ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۲۳۳ ”۱۶“ کتاب الطهارة، باب الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة، ورمضان إلى رمضان مكفرات لما بينهن ما اجتنبت الكبائر، واللفظ لهٗ، مسند احمد، رقم الحديث ۹۱۹۷، مستخرج ابی عوانه، رقم الحديث ۲۶۹۵.

[2] (شهر رمضان يكفر ما بين يديه) من الخطايا (إلى شهر رمضان المقبل) يعنى يكفر ذنوب السنة التى بينهما أى الصغائر كما تقرر (فيض القدير للمناوى تحت رقم الحديث ۴۹۰۴)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: صِیَامُ رَمَضَانَ إِلٰی رَمَضَانَ کَفَّارَۃُ مَا بَیْنَھُمَا (المعجم الکبیر للطبرانی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک رمضان کے روزے دوسرے رمضان کے درمیان والے حصہ کے گناہوں کا کفارہ ہیں (طبرانی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رمضانُ المبارک جہنم سے آزادی، دعا کی قبولیت اور مغفرت حاصل کرنے کا مہینہ ہے۔

لہٰذا اس مہینے میں نیک اعمال کر کے اور گناہوں سے بچ کر اور توبہ واستغفار کا اہتمام کر کے اپنی مغفرت اور جہنَّم سے نجات کا سامان کرنا چاہئے۔ [2]

اب اگر کوئی مسلمان رمضان کا مہینہ پائے اور اپنی مغفرت کا سامان نہ کر سکے، تو وہ بہت محروم اور بدقسمت انسان ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَیْہِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ یُّغْفَرَ لَہٗ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَکَ عِنْدَہٗ اَبَوَاہُ الْکِبَرَ فَلَمْ یُدْخِلَاہُ

---

[1] رقم الحدیث ۵۴۴۵، باب السین، واللفظ لہٗ؛ فضائل شھر رمضان لابن شاھین، رقم الحدیث ۳۰.
قال الھیثمی: رَوَاہُ الطَّبَرَانِیُّ فِی الْکَبِیرِ ، وَفِیہِ عَبْدُ اللَّہِ بْنُ قُرَیْظٍ ، ذَکَرَہُ ابْنُ أَبِی حَاتِمٍ وَقَالَ :یَرْوِی عَنْہُ یَحْیَی بْنُ أَیُّوبَ .وَبَقِیَّۃُ رِجَالِہِ رِجَالُ الصَّحِیحِ (مجمع الزوائد ج۳ص ۱۴۲)

[2] (الصلوات الخمس والجمعۃ إلی الجمعۃ ورمضان إلی رمضان) قال الطیبی :المضاف محذوف أی صلاۃ الجمعۃ منتھیۃ إلی الجمعۃ وصوم رمضان منتھیا إلی صوم رمضان وقولہ (مکفرات) عن الکل و (لما بینھن) معمول لاسم الفاعل ولذا دخلت اللام و (إذا اجتنبت الکبائر) شرط وجزاء دل علیہ ما قبلہ اہ وقال النووی :معناہ أن الذنوب کلھا تغفر إلا الکبائر فلا تغفر لأن الذنوب تغفر ما لم تکن کبیرۃ فإن کانت لا تغفر إلا صغائرہ ثم کل من المذکورات صالح للتکفیر فإن لم یکن لہ صغائر کتب لہ حسنات ورفع لہ درجات(فیض القدیر للمناوی، تحت رقم الحدیث ۵۱۷۰)

اَلْجَنَّةَ قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ وَاَظُنُّهٗ قَالَ اَوْاَحَدَهُمَا (ترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذلیل وخوار ہو وہ شخص جس کے سامنے میرا نام لیا گیا اور پھر اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا اور ذلیل وخوار ہو وہ شخص جس کو رمضان کا مہینہ حاصل ہوا اور رمضان گزر بھی گیا مگر اس نے اپنی مغفرت کا سامان نہیں کیا اور ذلیل وخوار ہو وہ شخص جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا لیکن وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرا سکے (ترمذی، مسند احمد)

بعض روایات میں کچھ تفصیل کے ساتھ یہ مضمون آیا ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بددعاء دراصل جبریل علیہ السلام نے کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہا تھا۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَقِيَ الْمِنبَرَ فَقَالَ: آمِيْنُ، آمِيْنُ، آمِيْنُ ، فَقِيْلَ لَهٗ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا كُنْتَ تَصْنَعُ هٰذَا فَقَالَ: قَالَ لِيْ جِبْرِيْلُ: أَرْغَمَ اللّٰهُ أَنْفَ عَبْدٍ، أَوْ بَعُدَ، دَخَلَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهٗ، فَقُلْتُ: آمِيْنُ، ثُمَّ قَالَ: رَغِمَ أَنْفُ عَبْدٍ، أَوْ بَعُدَ، أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا لَمْ يُدْخِلْهُ الْجَنَّةَ، فَقُلْتُ: آمِيْنُ، ثُمَّ قَالَ: رَغِمَ أَنْفُ عَبْدٍ، أَوْ بَعُدَ، ذُكِرْتَ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ، فَقُلْتُ: آمِيْنُ (صحيح ابنِ خزيمة) [2]

---

[1] رقم الحديث ۳۵۴۵، ابواب الدعوات، واللفظ لهٗ؛ مسند احمد، رقم الحديث ۷۴۵۱؛ ابن حبان، رقم الحديث ۹۰۸.

قال الترمذی: وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ، وَأَنَسٍ :هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَرِبْعِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ هُوَ :أَخُو إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، وَهُوَ ثِقَةٌ، وَهُوَ :ابْنُ عُلَيَّةَ وَيُرْوَى عَنْ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالَ : إِذَا صَلَّى الرَّجُلُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً فِي الْمَجْلِسِ أَجْزَأَ عَنْهُ مَا كَانَ فِي ذَلِكَ الْمَجْلِسِ.

فی حاشية ابنِ حبان: إسناده صحيح، رجاله رجال الصحيح.

[2] رقم الحديث ۱۸۸۸، كتاب الصيام، باب استحباب الاجتهاد فی العبادة فی رمضان، واللفظ لهٗ؛ السنن الكبرىٰ للبيهقی، رقم الحديث ۸۵۰۴؛ مسند البزار، رقم الحديث ۸۱۱۶؛ المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۸۹۹۴.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے، اور فرمایا کہ آمین، آمین، آمین۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ یہ عمل تو نہیں کیا کرتے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریل امین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو ذلیل وخوار کرے، یا رحمت سے دور کرے، جس پر رمضان آ گیا، اور اس نے اپنی مغفرت کا سامان نہیں کیا؛ جس پر میں نے آمین کہا، پھر جبریل امین نے فرمایا کہ ذلیل وخوار یا دور ہو وہ شخص، جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پایا، جو اس کو جنت میں داخل نہ کرا سکے، جس پر میں نے آمین کہا، پھر جبریل امین نے فرمایا کہ ذلیل وخوار یا دور ہو وہ شخص، جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا گیا، پھر اس نے آپ پر درود نہیں پڑھا، تو میں نے کہا کہ آمین (ابنِ خزیمہ، بیہقی، بزار، طبرانی)

اور بعض احادیث میں یہ تفصیل آئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سب کو منبر کے قریب آنے کے لئے فرمایا، اور پھر منبر کی پہلی سیڑھی پر اور دوسری سیڑھی پر اور تیسری سیڑھی چڑھتے ہوئے آمین آمین کہا تھا۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال الأعظمی فی تعلیق ابن خزیمة :إسناده جید.

وقال الهيثمی: رَوَاهُ الْبَزَّارُ، وَفِيهِ كَثِيرُ بْنُ زَيْدٍ الْأَسْلَمِيُّ، وَقَدْ وَثَّقَهُ جَمَاعَةٌ، وَفِيهِ ضَعْفٌ، وَبَقِيَّةُ رِجَالِهِ ثِقَاتٌ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۷۳۱۹)

[1] عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :احْضَرُوا الْمِنْبَرَ فَحَضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقَى دَرَجَةً قَالَ :آمِينَ ، فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ قَالَ :آمِينَ فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ قَالَ :آمِينَ ، فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا :يَا رَسُولَ اللَّهِ لَقَدْ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَا كُنَّا نَسْمَعُهُ قَالَ " :إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَرَضَ لِي فَقَالَ :بُعْدًا لِمَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ قُلْتُ :آمِينَ، فَلَمَّا رَقِيتُ الثَّانِيَةَ قَالَ :بُعْدًا لِمَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ قُلْتُ :آمِينَ، فَلَمَّا رَقِيتُ الثَّالِثَةَ قَالَ :بُعْدًا لِمَنْ أَدْرَكَ أَبَوَاهُ الْكِبَرَ عِنْدَهُ أَوْ أَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ قُلْتُ :آمِينَ (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۷۲۵۶)

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

بعض اور احادیث میں بھی تھوڑے الفاظ کے فرق کے ساتھ یہ مضمون آیا ہے۔ لے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ .
وقال الذهبي: صحيح.

سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ :ارْتَقَى النَّبِيّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيه وَسَلَّم عَلَى دَرَجَةٍ مِنَ الْمِنبَرِ فَقَالَ :آمِينَ، ثُمَّ ارْتَقَى دَرَجَةً أُخْرَى فَقَالَ آمِينَ، ثُمَّ ارْتَقَى الثَّالِثة فَقَالَ :آمِينَ، ثُمَّ جَلَسَ قَالَ :فَسَأَلُوهُ :عَلامَ أَمَّنْتَ يَا رَسولَ اللهِ؟ قَالَ :أَتَانِي جِبْرِيلُ فقال :رغم أنف امرىء ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ قُلْتُ:آمِينَ وَرَغِمَ أَنْفُ امْرِءٍ أَدْرَكَ أَحَدَ أَبَوَيْهِ، أَوْ كِلاهُمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ .قُلْتُ :آمِينَ .وَرَغِمَ أنف امرىء أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ .قُلْتُ: آمِينَ . وَلا نَعْلَمُ رَوَى أَحَادِيثَ سَلَمَةَ بِهَذِهِ الْأَلْفَاظِ غَيْرُهُ، عَنْ أَنَسٍ، ولاَ عَن غَيْرِ أَنَسٍ وَسَلَمَةُ صَالِحٌ وَأَحَادِيثُهُ لَمْ يَرْوِهَا غَيْرُهُ كَأَنَّهَا يستوحش منها (مسند البزار، رقم الحديث ۶۲۵۲)

قال الهيثمي: رواه البزار، وفيه سلمة بن وردان، وهو ضعيف، وقد قال فيه البزار :صالح، وبقية رجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۷۳۱۶)

حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ :صَعِدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ، فَلَمَّا رَقِيَ عَتَبَةً، قَالَ :آمِينَ ثُمَّ رَقِيَ عَتَبَةً أُخْرَى، فَقَالَ : آمِينَ ثُمَّ رَقِيَ عَتَبَةً ثَالِثَةً، فقَالَ :آمِينَ ثُمَّ، قَالَ :أَتَانِي جِبْرِيلُ، فقَالَ :يَا مُحَمَّدُ، مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ، فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ، قُلْتُ :آمِينَ، قَالَ :وَمَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا، فَدَخَلَ النَّارَ، فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ، قُلْتُ :آمِينَ، فقَالَ :وَمَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ، فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ، قُلْ :آمِينَ، فَقُلْتُ :آمِينَ (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۴۰۹)

فى حاشية ابن حبان: حديث صحيح لغيره.

لے عَنْ جَابِرٍ، قَالَ :صَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ، فَقَالَ :آمِينَ آمِينَ آمِينَ قَالَ " :أَتَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقَالَ :يَا مُحَمَّدُ مَنْ أَدْرَكَ أَحَدَ وَالِدَيْهِ فَمَاتَ فَدَخَلَ النَّارَ فَأَبْعَدَهُ اللهُ قُلْ آمِينَ، فَقُلْتُ :آمِينَ، قَالَ :يَا مُحَمَّدُ مَنْ أَدْرَكَ شَهْرَ رَمَضَانَ فَمَاتَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ فَأُدْخِلَ النَّارَ فَأَبْعَدَهُ اللهُ قُلْ آمِينَ، فَقُلْتُ :آمِينَ، قَالَ :وَمَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَمَاتَ فَدَخَلَ النَّارَ فَأَبْعَدَهُ اللهُ، قُلْ آمِينَ، فَقُلْتُ :آمِينَ " (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۲۰۲۲)

قال الهيثمي: هذا أو نحوه رواه البزار عن شيخه :محمد بن حوان ولم أعرفه، وبقية رجاله وثقوا، وفى قيس بن الربيع خلاف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۷۳۱۵)

عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، قَالَ :صَعِدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنبَرَ، فَقَالَ :آمِينَ آمِينَ آمِينَ ، فَلَمَّا نَزَلَ قِيلَ لَهُ، فَقَالَ " :أَتَانِي جِبْرِيلُ، فَقَالَ :رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ رَمَضَانَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اول تو حضرت جبریل علیہ السلام جیسے مقرب فرشتے کی بددعا ہی کیا کم تھی اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین نے تو اس کو جتنی سخت بددعا بنادیا وہ ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے ہم لوگوں کو ان تینوں چیزوں سے بچنے کی توفیق عطا فرما دیں اور ان برائیوں سے محفوظ رکھیں، ورنہ ہلاکت میں کیا شک ہے۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہا ہو تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بددعا تو ثابت ہوگئی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ أَوْ فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ، قُلْ :آمِينَ، فَقُلْتُ :آمِينَ، وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ أَوْ فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ، قُلْ :آمِينَ، قُلْتُ :آمِينَ، وَرَجُلٌ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ، قُلْ :آمِينَ، فَقُلْتُ :آمِينَ "وَهَذَا الْحَدِيثُ لَا نَعْلَمُهُ يُرْوَى عَنْ عَمَّارٍ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ (مسند البزار، رقم الحديث ۱۴۰۵)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ الزُّبَيْدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ :آمِينَ، آمِينَ، آمِينَ فَلَمَّا انْصَرَفَ قِيلَ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَقَدْ رَأَيْنَاكَ صَنَعْتَ شَيْئًا مَا كُنْتَ تَصْنَعُهُ، قَالَ " :إِنَّ جِبْرِيلَ تَبَدَّى لِي فِي أَوَّلِ دَرَجَةٍ، فَقَالَ :يَا مُحَمَّدُ، مَنْ أَدْرَكَ أَحَدَ وَالِدَيْهِ فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ ثُمَّ أَبْعَدَهُ، قَالَ :فَقُلْتُ :آمِينَ ثُمَّ قَالَ لِي فِي الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ :وَمَنْ أَدْرَكَ شَهْرَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ، ثُمَّ أَبْعَدَهُ، فَقُلْتُ :آمِينَ ثُمَّ تَبَدَّى لِي فِي الثَّالِثَةِ، فَقَالَ :إِنَّ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ ثُمَّ أَبْعَدَهُ، فَقُلْتُ :آمِينَ " (مسند البزار، رقم الحديث ۳۷۹۰)

قال الهيثمي: رَوَاهُ الْبَزَّارُ، وَالطَّبَرَانِيُّ بِنَحْوِهِ، وَفِيهِ مَنْ لَمْ أَعْرِفْهُم (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۷۳۱۴)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :ارْتَقَى عَلَى الْمِنْبَرِ فَأَمَّنَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ قَالَ :تَدْرُونَ لِمَ أَمَّنْتُ؟ قَالُوا :اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ .قَالَ " :جَاءَنِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَأَخْبَرَنِي :أَنَّهُ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ دَخَلَ النَّارَ، فَأَبْعَدَهُ اللهُ وَأَسْحَقَهُ، فَقُلْتُ : آمِينَ، وَمَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا، فَلَمْ يَبَرَّهُمَا دَخَلَ النَّارَ فَأَبْعَدَهُ اللهُ وَأَسْحَقَهُ، فَقُلْتُ :آمِينَ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ دَخَلَ النَّارَ، فَأَبْعَدَهُ اللهُ وَأَسْحَقَهُ، فَقُلْتُ : آمِينَ " (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۱۲۵۵۱)

قال الهيثمي: رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ، وَفِيهِ إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَيْسَانَ، وَفِيهِ ضَعْفٌ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۷۳۱۳)

وہ تین شخص جن کو بددعا دی گئی ہے یہ ہیں:

ایک وہ شخص جس کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ پڑھے۔

اس میں شک نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک سن کر درود شریف نہ پڑھنے والے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری ارشادات اس قدر سخت ہیں کہ ان کی برداشت وتحمل مشکل ہے، اور کیوں نہ ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات امت پر اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ ان کو شمار میں لایا جا سکے۔

اس کے علاوہ خود درود شریف کے فضائل اتنے عظیم الشّان ہیں کہ ان سے محرومی ہی مستقل بدنصیبی ہے۔

اس قسم کی احادیث کے پیشِ نظر فقہائے کرام کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا سنے تو اس پر درود شریف واجب ہو جاتا ہے۔

البتہ اگر ایک مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ایک سے زیادہ مرتبہ آئے، تو صرف ایک مرتبہ درود پڑھنے سے واجب ادا ہو جاتا ہے، لیکن مستحب اور افضل یہ ہے کہ جتنی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کرے، یا سنے، ہر مرتبہ درود پڑھے۔ [1]

دوسرا شخص جس پر بددعا فرمائی گئی وہ ہے کہ جس کے بوڑھے والدین میں سے دونوں یا ایک موجود ہوں اور وہ ان کی اس قدر خدمت نہ کرے کہ جس کی وجہ سے جنت کا مستحق ہو جائے۔

---

[1] ومن الواجب عند الاكثرين عنده ذكره او سماع اسمه عليه الصلاة و السلام ، كما ذهب اليه الطحاوى، واختاره فى التحفة، للاحاديث المذكورة آنفا، ولو تكرره ذكره الشريف فى المجلس ففى شرح المنية عن الكافى:لم يلزمه الا مرة واحده فى الصحيح ، لان تكراراسمه واجب لحفظ سنته التى بها قوام الشريعة، فلو وجبت الصلاة فى كل مرة لافضى الى الحرج ، غير انه ندب تكرارها، انتهىٰ.

وسنة اصحاب الحديث الذين هم اكثر الناس تكرارا لذكره الشريف ، هو تكرار الصلاة عند تكرارالذكر قراءة وكتابة، وهو الاولىٰ والاحرىٰ (احكام القرآن للفقيه المفسر العلامة محمد شفيع رحمه الله تعالىٰ ۳ج ص ۴۸۹، سورة الاحزاب)

والحديث يدل على وجوب الصلاة عليه كلما جرى ذكره وإليه صار جمع من المذاهب الأربعة وقيل يجب ذلک فى العمر مرة فقط(فيض القدير شرح الجامع الصغير تحت حديث رقم ۸۶۷۸)

والدین کے حقوق کی بھی بہت سی احادیث میں تاکید آئی ہے۔

تیسرا شخص جس پر بددعا کی گئی، وہ ہے کہ جس پر رمضانُ المبارک کا مہینہ آ کر گزر جائے اوراس کی بخشش نہ ہو یعنی رمضانُ المبارک جیسا خیراور برکت کا زمانہ بھی غفلت، فضولیات اورگناہوں میں گزر جائے، جبکہ رمضانُ المبارک میں مغفرت اوراللہ جل شانہٗ کی رحمت بارش کی طرح برستی ہے۔

پس جو شخص رمضانُ المبارک جیسا خیر وبرکت کا مہینہ بھی غفلت اورگناہوں میں گزاردے اور اپنی بداعمالیوں اورکوتاہیوں کی وجہ سے وہ مغفرت سے محروم رہے تواس کی مغفرت کے لئے اورکون ساوقت ہوگا؟

رمضانُ المبارک کے عظیم فضائل کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس پورے مہینہ کواللہ کی عبادت واطاعت اورگناہوں سے بچنے کے ساتھ گزارا جاتا، لیکن بہت سے لوگوں کی حالت یہ ہے کہ انہیں اس مہینہ کی قدر وقیمت کا پوری طرح احساس نہیں ہوتااوروہ اس مہینہ میں فرض نمازیں تک قضاء کردیتے ہیں، اور بعض لوگ خاص طور پر فجراورمغرب کی نماز یاجماعت چھوڑ دیتے ہیں، اورایسے تو بے شمار لوگ ہیں جو رمضان کی خاص عبادت، روزہ جیسے فریضہ اورتراویح جیسی مؤکدہ سنت کوچھوڑنے میں مبتلا ہوتے ہیں، ان لوگوں کو نہ تو عبادت کی توفیق ہوتی اورنہ ہی گناہوں کوچھوڑنے کی۔

اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اس مبارک مہینے میں روزہ، نماز، صدقہ وخیرات اورذکروتلاوت کا تو اہتمام فرماتے ہیں، مگر گناہوں اورمعصیتوں میں حسبِ سابق منہمک رہتے ہیں۔ تاجر حسبِ معمول جھوٹ، دھوکہ ملاوٹ، کم تولنے کم ناپنے، جھوٹی قسمیں کھانے میں مبتلا رہتے ہیں۔ ملازمین ڈیوٹی کے اوقات پورے نہ دینے، کام پورا نہ کرنے، رشوت لینے اور بلاوجہ مالک کو پریشان کرنے میں لگے رہتے ہیں اور عام لوگ جو دوسری نوعیت کے گناہوں کے عادی ہیں جیسے گانا سُننے میں مبتلا رہتے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ افسانے ناولیں اور ڈائجسٹ پڑھنا بدستور جاری رکھتے ہیں بعض لوگ مختلف فضولیات اور گناہوں میں وقت گزارنے اور روزے کی مشقت اوراحساس کو دور کرنے کے بہانے سے مبتلا رہتے ہیں، چنانچہ بہت سے لوگ کرکٹ اور دوسرے کھیلوں کے کھیلنے یا دیکھنے اور سننے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔

خوب سمجھ لیجئے! رمضان کھیل کود اور وقت گزاری کا زمانہ نہیں اور اس مہینے میں گناہوں میں مبتلا ہونا بہت محرومی اور کوتاہی کی بات ہے، کیونکہ اس مہینہ میں گناہوں پر پکڑ بھی زیادہ ہے۔

بعض لوگ صرف رمضان کے مہینہ کی حد تک کچھ گناہوں سے رک جانے کا ارادہ کرتے ہیں، مثلاً صرف رمضان میں موسیقی و گانا نہیں سُنتے، ڈاڑھی نہیں منڈاتے، یا شراب نہیں پیتے، لیکن رمضان کے بعد پھر ان گناہوں کو کرنے کی نیت ہوتی ہے، یہ بھی رمضان کی صحیح اور پوری قدردانی اور کامل توبہ نہیں (اگرچہ رمضان میں گناہ کرنے سے تو بہتر ہے) کیونکہ گناہ سے توبہ کے لئے ضروری ہے کہ توبہ کرتے وقت آئندہ اس گناہ کو نہ کرنے کی نیت ہو۔

ماہِ رمضان کی دوسرے مہینوں پر فضیلت

رمضانُ المبارک کے مہینے میں قرآن مجید نازل کیا گیا، اور اسی مہینے میں سال کی انتہائی مبارک رات ''لیلۃُ القدر'' ہوتی ہے، اور اسی مہینے کے ساتھ اسلام کے ایک اہم رکن ''روزہ کی فرضیت'' وابستہ ہے، اور اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اور بے شمار لوگوں کی مغفرت کی جاتی ہے، اور پورے مہینے جنت کے دروازے کھلے رہتے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند رہتے ہیں، اور شیاطین کو قید رکھا جاتا ہے۔

ان سب چیزوں سے رمضان کی دوسرے مہینوں پر فضیلت واضح ہے، بعض احادیث میں صراحتاً بھی رمضان کی دوسرے مہینوں پر فضیلت کا ذکر ملتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف یا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ذَكَرَ شَهْرَ رَمَضَانَ فَفَضَّلَهُ عَلَى الشُّهُوْرِ (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے مہینے کا ذکر فرمایا، اور اس مہینے کی دوسرے مہینوں پر فضیلت بیان فرمائی (نسائی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

إِنَّ سَيِّدَ الْأَيَّامِ يَوْمُ الْجُمُعَةِ ، وَسَيِّدَ الشُّهُوْرِ رَمَضَانُ (مصنف ابنِ ابی شیبۃ) [2]

ترجمہ: دِنوں کا سردار جمعہ کا دن ہے، اور مہینوں کا سردار رمضان کا مہینہ ہے (ابنِ ابی شیبہ)

اس روایت کی سند پر اگرچہ بعض محدثین نے کلام کیا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ دوسری روایات سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے، اس لئے معنیٰ کے اعتبار سے یہ روایت درست ہے۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ٢٢٠٨، كتاب الصيام، باب ثَوَابُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ وَصَامَهُ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا.

[2] رقم الحديث ٥٥٥٢، كتاب الصيام، باب فِي فَضْلِ الْجُمُعَةِ وَيَوْمِهَا، واللفظ لهٗ، مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ٧٨٩٤، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ٩٠٠٠، شعب الايمان للبيهقی، كتاب الصيام، باب فضائل شهر رمضان، الفوائد الشهير للغيلانيات لابی بكر الشافعی، رقم الحديث ١٦٣ .

[3] علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ:

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ ، وَأَبُو عُبَيْدَةَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ (مجمع الزوائد ج ٥ ص ٣٤٥)

مگر اولاً تو امام بیہقی اور امام عبدالرزاق وغیرہ نے ابوعبیدۃ کے بجائے ھبیرۃ بن یریم کے واسطہ سے اس کو روایت کیا ہے، اور ان کو اگرچہ بعض نے ضعیف کہا ہے، لیکن امام احمد اور علامہ ابنِ حجر نے ان کے بارے میں لاباُس بحدیثہٖ فرمایا ہے، اور بعض نے ان کی توثیق بھی فرمائی ہے، اور امام ترمذی نے ان کی متعدد احادیث کو معتبر قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ ہیثمی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ خَلَا هُبَيْرَةَ بْنَ يَرِيمَ وَهُوَ ثِقَةٌ (مجمع الزوائد، ج٥ص ١١٨)

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وَعَنْ هُبَيْرَةَ بْنِ يَرِيمَ قَالَ : كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ- يَغْسِلُ رَأْسَهُ ثُمَّ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

سَيِّدُ الشُّهُوْرِ شَهْرُ رَمَضَانَ وَاَعْظَمُهَا حُرْمَةً ذُوالْحِجَّةِ (شعب الایمان للبیهقی) [1]

ترجمہ: تمام مہینوں کا سردار رمضان کا مہینہ ہے اور تمام مہینوں میں زیادہ معظَّم ومحترم ذوالحجہ کا مہینہ ہے (بیہقی)

اس مضمون کی دوسری روایات سے بھی تائید ہوتی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يَتْرُكُ شَعْرَهُ مِنْ وَرَاءِ أُذُنَيْهِ . رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ (مجمع الزوائد، ج۵ص ۱۶۵)

اور علامہ ابنِ حجر فرماتے ہیں کہ:

هبيرة بن يريم بتحتانية أوله وزن عظيم الشبامي بمعجمة ثم موحدة خفيفة ويقال الخارفي بمعجمة وفاء أبو الحارث الكوفي لا بأس به (تقريب التهذيب ج۲ص ۲۶۲)

اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ:

(هبيرة بن بريم أبو الحارث الشبامي) ويقال الخارفي الكوفي . روى عن :علي، وطلحة، وعبد الله بن مسعود . روى عنه :أبو إسحاق السبيعي، وأبو فاختة . وقال الإمام أحمد :لا بأس بحديثه . وقال غيره :توفي سنة ست وستين . وقال ابن خراش :ضعيف (تاريخ الاسلام للذهبي ج۵ص ۲۶۴، حرف الهاء، تحت ترجمة هبيرة بن بريم)

دوسرے علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے ابوعبیدہ کے اپنے والد سے سماعت نہ ہونے کے قول پر کلام کرتے ہوئے حضرت ابوعبیدہ کی اپنے والد سے روایت کو معتبر قرار دیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

ويقال ان اباعبيدة لم يسمع من ابيه، لكن هو عالم بحال ابيه متلق لآثاره من اكابر اصحاب ابيه وهذه حال متكررة من عبدالله، رضي الله عنه، فتكون مشهورة عند اصحابه فيكثر المتحدث بها ولم يكن في اصحاب عبدالله من يتهم عليه ، حتى يخاف ان يكون هو الواسطة، فلهذا صار الناس يحتجون برواية ابنه عنه، وان قيل انه لم يسمع من ابيه (مجموع فتاویٰ ابنِ تيميه جلد۲ص ۵۴، فصل رؤية المؤمن ربهم)

[1] رقم الحديث ۳۴۷۹، كتاب الصيام، باب تخصيص ايام العشر من ذى الحجة بالاجتهاد بالعمل فيهن الخ، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض، فضائل الاوقات رقم الحديث ۱۶۶، كشف الأستار عن زوائد البزار للهيثمي، تحت رقم الحديث ۹۶۰.

[2] علامہ ہیثمی نے بزار کی سند میں یزید بن عبدالملک نوفلی کے ضعیف ہونے کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت کعب احبار رحمہ اللہ سے موقوفاً روایت ہے کہ:

اِخْتَارَ اللّٰهُ الْبِلَادَ فَأَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ الْبَلَدُ الْحَرَامُ، وَاخْتَارَ الزَّمَانَ فَأَحَبُّ الزَّمَانِ إِلَى اللّٰهِ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ، وَأَحَبُّ الْأَشْهُرِ الْحُرُمِ إِلَى اللّٰهِ ذُو الْحِجَّةِ، وَأَحَبُّ ذَوِي الْحِجَّةِ إِلَى اللّٰهِ الْعَشْرُ الْأَوَّلُ، وَاخْتَارَ اللّٰهُ الْأَيَّامَ فَأَحَبُّ الْأَيَّامِ إِلَى اللّٰهِ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، وَاخْتَارَ اللَّيَالِيَ مِنْهَا فَأَحَبُّ اللَّيَالِي إِلَى اللّٰهِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ، وَاخْتَارَ اللّٰهُ السَّاعَاتِ فَأَحَبُّ سَاعَاتِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِلَى اللّٰهِ سَاعَاتُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ، وَاخْتَارَ اللّٰهُ الْكَلَامَ فَأَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللّٰهِ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ (تعظيم قدر الصلاةلمحمد بن نصر المروزى) [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

رَوَاهُ الْبَزَّارُ ، وَفِيهِ يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ النَّوْفَلِيُّ (مجمع الزوائد ج۵ ص ۳۴۵)

مگر علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں اس کی تحسین کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

رمز المصنف لحسنه وليس كما قال فقد قال الهيثمي :فيه يزيد بن عبد الملك النوفلى ضعفوه (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۶۷۴۹)

اس لیے اس روایت کی دوسری روایات سے تائید ہونے کی بناء پر یہ ضعف مضر نہیں، اور علامہ سیوطی کی تحسین درست معلوم ہوتی ہے۔

اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے ابنِ معین کی ایک روایت یزید بن عبدالملک نوفلی کی توثیق کی نقل کی ہے۔

وفيه يزيد بن عبد الملک النوفلى، وقد ضعفوه كلهم :البخارى، ويحيى وفى إحدى الروايتين عنه، والنسائى، ووثقه ابن معين فى رواية (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۴۷۱)

رواه البزار وقال :اختلف فيه على زيد بن أسلم، قلت :وفيه يزيد بن عبد الملک النوفلى ضعفه أحمد والبخارى والنسائى وابن عدى، ووثقه ابن معين فى رواية، وضعفه فى أخرى (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۷۶۸)

[1] ساعات الصلاة أفضل من غيرها، رقم الحديث ۲۲۶،مكتبة الدار -المدينة المنورة؛واللفظ لهٗ؛ حلية الاولياء، الجزء السادس، صفحة ۱۵ .

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے شہروں کو چُنا، جن میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب شہر بلدِ حرام (یعنی وہ شہر جو کہ حرم کی حد میں واقع ہے جو کہ مکہ مکرمہ) ہے، اور اللہ تعالیٰ نے زمانوں کو چُنا، جن میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب زمانہ عظمت والے (چار) مہینے ہیں (یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) اور ان عظمت والے چار مہینوں میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ذی الحجہ کا مہینہ ہے، اور ذی الحجہ کے مہینے میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب پہلا عشرہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے دِنوں کو بھی چُنا، اور دِنوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب جمعہ کا دن ہے، اور اللہ تعالیٰ نے راتوں کو بھی چُنا، جن میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب لیلۃ القدر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے (دن رات کی) ساعتوں اور گھڑیوں کو بھی چُنا، پس اللہ تعالیٰ کو دن رات کی سب سے زیادہ محبوب ساعتیں فرض نمازوں کی ساعتیں (یعنی فرض نمازوں کے اوقات) ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے کلام کو بھی چُنا، پس اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب کلام ''لا الٰہ الا اللہ'' اور ''اللہ اکبر'' اور ''سبحان اللہ'' اور ''الحمد للہ'' ہے (تعظیم قدر الصلاہ)

بعض روایات میں مہینوں میں سے رمضان کے مہینے کو، اور زمین کے خطوں میں سے مساجد کو چُننے کے ذکر کا اضافہ ہے (شعب الایمان، باب الصوم فی أشهر الحرم، رقم الحديث ۳۴۶۵)

اس قسم کی روایات سے رمضان کے مہینے کی فضیلت وعظمت ظاہر ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] رمضان سيد الشهور، فيه بدأ نزول القرآن، وهو شهر الطاعة والقربة والبر والإحسان، وشهر المغفرة والرحمة والرضوان، فيه ليلة القدر التى هى خير من ألف شهر، وبه عون المؤمن على أمر دينه وطلب إصلاح دنياه، وهو موسم تكثر فيه مناسبات إجابة الدعاء (الفقه الاسلامى وادلتهٔ ج ۳ص ۱۶۲۰،لدكتوروهبة الزحيلى)

ولكن الله يعظم من امره ماشاء وقال (قتادة) ان الله اصطفى صفايا من خلقه اصطفى من الملائكة رسلا ومن الناس رسلا واصطفى من الكلام ذكره واصطفى من الارض المساجد واصطفى من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بسندِ ضعیف روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَجَبُ قَالَ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْ رَمَضَانَ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رجب کا مہینہ داخل ہونے پر یہ دعا کرتے تھے کہ:

اے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرمایئے، اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الشهور رمضان والاشهر الحرم واصطفى من الايام يوم الجمعة واصطفى من الليالى ليلة القدر فعظموا ما عظم الله فانما تعظم الامور بما عظمها الله عند اهل الفهم واهل العقل (تفسير طبرى ج ۱۱ ص ۴۴۴، تحت سورة التوبة)

(سيد الشهور شهر رمضان) أى هو أفضلها (وأعظمها حرمة ذو الحجة) لأن فيه يوم الحج الأكبر ويوم عيد الأضحى قال شيخ الطريقين السهروردى: رمضان أفضل من الحجة وإذا قوبلت الجملة بالجملة وفضلت إحدى الجملتين على الأخرى لا يلزم تفضيل كل أفراد الجملة ويؤيده أن جنس الصلاة أفضل من جنس الصوم وصوم يوم أفضل من ركعتين (فيض القدير للمناوى تحت رقم الحديث ۴۷۴۹)

[1] رقم الحديث ۲۲۲۸، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ؛ شعب الإيمان للبيهقى، رقم الحديث ۳۸۱۵؛ المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۳۹۳۹؛ مسند بزار، رقم الحديث ۶۴۹۴.

قال البيهقى: تفرد به زياد النميرى و عند زائدة بن أبى الرقاد قال البخارى زائدة بن أبى الرقاد عن زياد النميرى منكر الحديث.

وقال الهيثمى: رَوَاهُ الْبَزَّارُ ، وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ ، وَفِيهِ زَائِدَةُ بْنُ أَبِي الرُّقَادِ ، وَفِيهِ كَلَامٌ ، وَقَدْ وُثِّقَ (مَجْمَعُ الزَّوَائِدِ ، ج۳ص ۱۴۰، باب فى شهور البركة وفضل شهر رمضان)

قلت: وقال البزار: لا بأس به، وإنما نكتب من حديثه ما لم نجد عند غيره، كذا فى التهذيب، وفيه أيضاً زيادة النميرى، وهو ضعيف (مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح لابى عبيد الله بن محمد عبد السلام المباركفورى، ج۴ص ۴۴۳)

اللهم بارك لنا اى فى طاعتنا وعبادتنا فى رجب وشعبان وبلغنا رمضان اى ادراكه بتمامه والتوفيق لصيامه وقيامه (مرقاة المفاتيح، لملاعلى قارى ج ۳ ص ۱۰۲۲، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

اس حدیث کو علامہ محمد طاہر پٹنی رحمہ اللہ (متوفیٰ ۹۸۶ھ) نے اپنی کتاب ''تذکرۃ الموضوعات'' میں ضعیف قرار دے کر فرمایا کہ:

ويجوز العمل فى الفضائل بالضعيف (تذكرة الموضوعات، كتاب العلم، باب الفاضلة من الاوقات الخ)

ہمیں رمضان کے مہینے تک (سلامتی کے ساتھ) پہنچا دیجئے (مسند احمد)

یعنی ان مہینوں میں ہماری عبادت میں برکت عطا فرمائیے، اور ہماری عمر لمبی کر کے رمضان نصیب فرمائیے، تاکہ رمضان کے اعمال روزہ اور تراویح وغیرہ کی سعادت حاصل کرسکیں۔ [1]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ إِذَا جَاءَ رَمَضَانُ أَنْ يَّقُوْلَ أَحَدُنَا: اَللّٰهُمَّ سَلِّمْنِيْ مِنْ رَمَضَانَ، وَسَلِّمْ رَمَضَانَ لِيْ، وَتَسَلَّمْهُ مِنِّيْ مُتَقَبَّلًا (الدعاء للطبرانی، رقم الحدیث ۹۱۲) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں رمضان کی آمد پر یہ دعائیہ کلمات سکھاتے تھے کہ ہم یہ کہا کریں کہ:

"اَللّٰهُمَّ سَلِّمْنِيْ مِنْ رَمَضَانَ وَسَلِّمْ رَمَضَانَ لِيْ وَتَسَلَّمْهُ مِنِّيْ مُتَقَبَّلًا"

اے اللہ! مجھے رمضان کے لئے اور رمضان کو میرے لئے صحیح سالم رکھیئے اور رمضان کو میرے لئے سلامتی کے ساتھ قبولیت کا ذریعہ بنا دیجئے (طبرانی) [3]

اسی قسم کی دعا بعض محدثین اور سلف سے بھی مروی ہے۔ [4]

---

[1] (وبلغنا رمضان) ای ادراکه بتمامه والتوفيق لصيامه وقيامه (مرقاة المفاتيح ج۳ص ۱۰۲۲، ۱۰۲۳)

[2] قال المتقى الهندى: طب فى الدعاء والديلمى وسنده حسن (كنزالعمال، رقم الحديث ۲۴۲۷۷)

[3] رقم الحديث ۹۱۲، باب القول عند دخول رمضان. دارالكتب العلمية، بيروت.

[4] عَنْ مَكْحُولٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ: اللَّهُمَّ سَلِّمْنِي لِرَمَضَانَ، وَسَلِّمْ رَمَضَانَ لِي، وَتَسَلَّمْهُ مِنِّي مُتَقَبَّلًا (الدعاء للطبرانی، رقم الحديث ۹۱۳)

عَنْ أَبِي عَمْرٍو الْأَوْزَاعِيِّ، قَالَ: كَانَ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ "يَدْعُو حَضْرَةَ شَهْرِ رَمَضَانَ: اللهُمَّ سَلِّمْنِي لِرَمَضَانَ وَسَلِّمْ لِي رَمَضَانَ، وَتَسَلَّمْهُ مِنِّي مُتَقَبَّلًا (حلية الاولياء ج۳ص ۶۹)

عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ، قَالَ " : كَانَ الْمُسْلِمُونَ يَدْعُونَ عِنْدَ حَضْرَةِ شَهْرِ رَمَضَانَ: اللَّهُمَّ أَظَلَّ شَهْرُ رَمَضَانَ وَحَضَرَ، فَسَلِّمْهُ لِي، وَسَلِّمْنِي فِيهِ، وَتَسَلَّمْهُ مِنِّي، اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي صِيَامَهُ وَقِيَامَهُ، صَبْرًا وَاحْتِسَابًا، وَارْزُقْنِي فِيهِ الْجِدَّ وَالِاجْتِهَادَ وَالْقُوَّةَ وَالنَّشَاطَ، وَأَعِذْنِي فِيهِ مِنَ السَّآمَةِ وَالْفَتْرَةِ وَالْكَسَلِ وَالنُّعَاسِ، وَوَفِّقْنِي فِيهِ لِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَاجْعَلْهَا خَيْرًا لِي مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ (الدعاء للطبرانی، رقم الحديث ۹۱۴)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِنَّ الْجَنَّةَ لَتُزَخْرَفُ لِرَمَضَانَ مِنْ رَأْسِ الْحَوْلِ إِلَى الْحَوْلِ الْمُقْبِلِ، فَإِذَا كَانَ أَوَّلَ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ هَبَّتْ رِيحٌ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ، فَنَسَفَتْ وَرَقَ الْجَنَّةِ، وَتَجِيءُ الْحُورُ الْعِينُ يَقُلْنَ: يَا رَبِّ، اِجْعَلْ لَنَا مِنْ عِبَادِكَ أَزْوَاجًا تَقَرُّ بِهِمْ أَعْيُنُنَا وَتَقَرُّ أَعْيُنُهُمْ بِنَا (المعجم الكبير للطبراني) [1]

ترجمہ: بلاشبہ جنت رمضان کے لئے شروع سال سے اخیر سال تک سجائی جاتی ہے، پس جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے، تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا اٹھتی ہے، پھر وہ جنت کے درخت کے پتوں کو اُڑاتی ہے، تو (اس حسین وجمیل منظر کو دیکھ کر) حوریں کہتی ہیں کہ اے ہمارے رب! اپنے بندوں میں سے ہمارے شوہر مقرر کردیجئے، جن کے ذریعہ سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اور ہمارے ذریعے سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں (طبرانی)

اس حدیث کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے، لیکن رمضانُ المبارک کے اعمال اور ان کے اجر وثواب پر اس قسم کے فضائل حاصل ہونا بعید نہیں ہے، جبکہ بعض دیگر روایات میں بھی اس قسم کا مضمون آیا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۳۶۵۵، مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، واللفظ لهٗ؛ المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۶۸۰۰؛ مسند الشاميين للطبرانی، رقم الحديث ۹۱؛ شعب الايمان، رقم الحديث ۳۳۶۰؛ فضائل شهر رمضان لابنِ شاهين، رقم الحديث ۱۳، الفوائد لتمام الرازی، رقم الحديث ۳۲.

[2] اس حدیث کی سند میں ولید بن ولید قلانسی ہیں، جن کو اکثر حضرات نے ضعیف اور بعض نے متروک قرار دیا ہے، لیکن ابوحاتم نے ان کو صدوق قرار دیا ہے۔

قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير والأوسط باختصار، وفيه الوليد بن الوليد القلانسی وثقه أبو حاتم، وضعفه جماعة (مجمع الزوائد، رقم الحديث ۴۷۸۴، ج۳، ص ۱۴۲)

الوليد بن الوليد بن زيد العنسی الدمشقی القلانسی، أبو العباس. عن ابن ثوبان، والاوزاعی. وعنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْجَنَّةَ لَتُزَيَّنُ مِنَ السَّنَةِ إِلَى السَّنَةِ لِشَهْرِ رَمَضَانَ، وَإِنَّ الْحُوْرَ الْعِيْنَ لَتَتَزَيَّنُ مِنَ السَّنَةِ إِلَى السَّنَةِ لِشَهْرِ رَمَضَانَ، فَإِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ، قَالَتِ الْجَنَّةُ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا فِيْ هٰذَا الشَّهْرِ مِنْ عِبَادِكَ سُكَّانًا، وَيَقُلْنَ الْحُوْرُ الْعِيْنُ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا فِيْ هٰذَا الشَّهْرِ مِنْ عِبَادِكَ أَزْوَاجًا (المعجم الاوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت پورے سال رمضان کے مہینے کے لئے سجائی جاتی ہے، اور رمضان کے مہینے کے لئے پورے سال حوروں کو مزین کیا جاتا ہے، پھر جب رمضان کا مہینہ داخل ہوتا ہے تو جنت (اللہ تعالیٰ سے) عرض کرتی ہے کہ اے اللہ! اس مبارک مہینہ میں اپنے بندوں میں سے کچھ بندے میرے اندر قیام کرنے والے مقرر فرمادیجئے! (جو عبادت کرکے میرے اندر داخل ہوسکیں) اور (اسی طرح) حوریں عرض کرتی ہیں کہ اے اللہ! اس مہینے میں اپنے بندوں میں سے ہمارے واسطے شوہر مقرر فرمادیجئے (طبرانی)

اس حدیث کی سند بھی فی نفسہ ضعیف ہے، لیکن مذکورہ مضمون کی گزشتہ حدیث سے تائید ہوتی ہے، اس لئے رمضان اور اس کی فضیلت کی حد تک اس حدیث کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الذهلی، وعباس الترقفی، وجماعة.قال أبو حاتم :صدوق. وقال الدارقطنی وغيره :متروک.وروى له نصر المقد ؟ ؟ فی أربعينه حديثا منكرا، وقال :تركوه.وقال صالح جزرة :قدری.(ميزان الاعتدال لأبی عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان، ج۴،ص ۳۵۰، تحت رقم الترجمة ۹۴۱۷)

[1] رقم الحديث ۳۶۸۸،واللفظ لهٗ،شعب الايمان، كتاب الصيام، باب فضائل شهر رمضان، رقم الحديث ۳۳۵۹، الفوائد لتمام الرازی، رقم الحديث ۱۰۴۴ .

[2] قال الطبرانی:لَمْ يَرْوِ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، إِلَّا أَحْمَدُ بْنُ أَبْيَضَ الْمَدَنِيُّ، تَفَرَّدَ بِهِ :زُهَيْرُ بْنُ عَبَّادٍ (طبرانی، حواله بالا)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے ملتی جلتی ایک حدیث حضرت ابو مسعود غفاری رضی اللہ عنہ سے بھی کچھ الفاظ کے فرق کے ساتھ مروی ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ " :لَمْ نَكْتُبْهُ مِنْ حَدِيثِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ إِلَّا بِهَذَا الْإِسْنَادِ قَالَ :وَرَأَيْتُهُ بِإِسْنَادٍ آخَرَ مِنْ حَدِيثِ الشَّامِيِّينَ مِنْ غَيْرِ حَدِيثِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ عَطَاءٍ "قَالَ أَحْمَدُ ": فِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ، وَكَذَلِكَ فِيمَا بَعْدَهُ (شعب الإيمان،حواله بالا)

قال الهيثمي: رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ وَقَالَ :لَمْ يَرْوِهِ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ إِلَّا أَحْمَدُ بْنُ أَبْيَضَ ، قُلْتُ : وَلَمْ أَجِدْ مَنْ تَرْجَمَهُ ، وَبَقِيَّةُ رِجَالِهِ مُوَثَّقُونَ (مجمع الزوائد ج٣ص١٤٣)

وقال المنذري:

رَوَاهُ الشَّيْخ ابْن حبَان فِي كتاب الثَّوَاب وَالْبَيْهَقِيّ وَاللَّفْظ لَهُ وَلَيْسَ فِي إِسْنَاده من أجمع على ضعفه(الترغيب والترهيب ج٢ص٦٠)

أقول :وللحديث شاهد آخر من حديث ابن عباس أخرجه أبو الشيخ فى كتاب الثواب، والبيهقى أيضا، قال المنذرى :وليس فى إسناده ممن أجمع على ضعفه، فاختلاف طرق الحديث يدل على أن له أصلا (مرقاة، تحت رقم الحديث ١٩٦٧، كتاب الصوم)

[1] چنانچہ امام طبرانی اور ابو نعیم اصبہانی نے اس کو روایت کیا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ سُورَةَ الْبَغْدَادِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارٍ، ثنا الْهَيَّاجُ بْنُ بِسْطَامٍ، ثنا عَبَّادٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْغِفَارِيِّ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ذَاتَ يَوْمٍ وَقَدْ أَهَلَّ شَهْرُ رَمَضَانَ :لَوْ يَعْلَمُ الْعِبَادُ مَا فِي شَهْرِ رَمَضَانَ لَتَمَنَّى الْعِبَادُ أَنْ يَكُونَ شَهْرُ رَمَضَانَ سَنَةً ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ :يَا رَسُولَ اللهِ حَدِّثْنَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :إِنَّ الْجَنَّةَ تُزَيَّنُ لِشَهْرِ رَمَضَانَ مِنْ رَأْسِ الْحَوْلِ إِلَى رَأْسِ الْحَوْلِ حَتَّى إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ هَبَّتْ رِيحٌ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ فَصَفَّقَتْ وَرَقَ شَجَرِ الْجَنَّةِ فَنَظَرَ الْحُورُ الْعِينُ إِلَى ذَلِكَ فَقُلْنَ :يَا رَبِّ، اجْعَلْ لَنَا مِنْ عِبَادِكَ فِي هَذَا الشَّهْرِ أَزْوَاجًا تَقَرُّ أَعْيُنُنَا بِهِمْ وَتَقَرُّ أَعْيُنُهُمْ بِنَا، وَمَا مِنْ عَبْدٍ صَامَ شَهْرَ رَمَضَانَ إِلَّا زَوَّجَهُ اللهُ زَوْجَةً فِي كُلِّ يَوْمٍ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ الْمَقْصُورَاتِ فِي الْخِيَامِ عَلَى كُلِّ امْرَأَةٍ مِنْهُنَّ سَبْعُونَ حُلَّةً لَيْسَ مِنْهَا حُلَّةٌ عَلَى لَوْنِ الْأُخْرَى وَيُعْطَى سَبْعُونَ لَوْنًا مِنَ الطِّيبِ لَيْسَ مِنْهُ لَوْنٌ يُشْبِهُ الْآخَرَ، وَكُلُّ امْرَأَةٍ مِنْهُنَّ عَلَى سَرِيرٍ مِنْ يَاقُوتٍ مُوَشَّحٍ بِالدُّرِّ عَلَى سَبْعِينَ فِرَاشًا بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ وَفَوْقَ السَّبْعِينَ فِرَاشًا سَبْعُونَ أَرِيكَةً، وَلِكُلِّ امْرَأَةٍ مِنْهُنَّ سَبْعُونَ وُصَفَاءَ يَخْدِمُنَهَا وَسَبْعِينَ وُصَفَاءَ لِلُقِيِّهَا وَوُجَهَاءَ مَعَ كُلِّ وَصِيفٍ صَحْفَةٌ مِنْ ذَهَبٍ فِيهَا لَوْنٌ مِنَ الطَّعَامِ يَجِدُ لِآخِرِهِ مِنَ اللَّذَّةِ مِثْلَ الَّذِي يَجِدُ لِأَوَّلِهِ، وَيُعْطَى زَوْجُهَا مِثْلَ ذَلِكَ عَلَى سَرِيرٍ مِنْ يَاقُوتَةٍ حَمْرَاءَ عَلَيْهِ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ مُوَشَّحٌ بِالْيَاقُوتِ الْأَحْمَرِ هَذَا لِكُلِّ يَوْمٍ صَامَهُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ سِوَى مَا عَمِلَ مِنَ الْحَسَنَاتِ "(المعجم الكبير للطبرانى،رقم الحديث ٩٦٧، واللفظ لهٗ، معرفة الصحابة لابى نعيم، رقم الحديث ٧٠٢٣)

مگر وہ سند کے لحاظ سے غیر معمولی ضعیف قرار دی گئی ہے۔ [1]

---

[1] اس روایت میں ہیاج بن بسطام پر محدثین نے جرح فرمائی ہے۔

الهياج بن بسطام التميمي : كنيته أبو خالد، من أهل هراة، وهو والد خالد ابن الهياج، يروى عن إسماعيل بن أبى خالد وسفيان الثورى، روى العراقيون وأهل بلده، كان مرجئا داعية إلى الارجاء وكان ممن يروى عن المعضلات عن الثقات، ويخالف الاثبات فيما يرويه عن الثقات، فهو ساقط الاحتجاج به، وعند الاعتبار فإن اعتبر به معتبر أرجو أن لا يجرح فى ذلك.

سمعت محمد بن محمود يقول :سمعت الدارمي يقول :سألت يحيى بن معين عن هياج بن بسطام.فقال :ليس بشىء(كتاب المجروحين لابنِ حبان ج٣ص ٩٦)

قال أبو داوود :تركوا حديثه .وقال ابن حبان فى الثقات :يروى المعضلات عن الثقات .وقال أحمد بن حنبل .متروك(تاريخ الاسلام للامام الذهبى، ج ١١ ص ٣٩٤)

اور بعض روایات میں جریر بن ایوب بجلی ہیں، ان پر بھی محدثین نے غیر معمولی جرح فرمائی ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى الْحَسَّانِيُّ، ثنا سَهْلُ بْنُ حَمَّادٍ أَبُو عَتَّابٍ، أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي يَزِيدَ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَا :ثنا جَرِيرُ بْنُ أَيُّوبَ الْبَجَلِيُّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ نَافِعِ بْنِ بُرْدَةَ، عن أبى مسعود قال أبو الخطاب الغفارى :قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ، ح وقال سعيد بن أبى يزيد ، عن أبى مسعود ، عن النبى صلى الله عليه وسلم -وهذا حديث أبى الخطاب -قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ذات يوم وقد أهل رمضان ، فقال : لو يعلم العباد ما رمضان لتمنت أمتى أن يكون السنة كلها ، فقال رجل من خزاعة :يا نبى الله ، حدثنا ، فقال : إن الجنة لتزين لرمضان من رأس الحول إلى الحول ، فإذا كان أول يوم من رمضان هبت ريح من تحت العرش ، فصفقت ورق الجنة ، فتنظر الحور العين إلى ذلك ، فيقلن :يا رب اجعل لنا من عبادك فى هذا الشهر أزواجا تقر أعيننا بهم ، وتقر أعينهم بنا قال :فما من عبد يصوم يوما من رمضان إلا زوج زوجة من الحور العين فى خيمة من درة مما نعت الله :(حور مقصورات فى الخيام) على كل امرأة سبعون حلة ، ليس منها حلة على لون الأخرى ، تعطى سبعون لونا من الطيب ، ليس منه لون على ريح الآخر ، لكل امرأة منهن سبعون ألف وصيفة لحاجتها ، وسبعون ألف وصيف ، مع كل وصيف صحفة من ذهب ، فيها لون طعام ، تجد لآخر لقمة منه لذة ، لا تجد لأوله ، لكل امرأة منهن سبعون سريرا من ياقوتة حمراء ، على كل سرير سبعون فراشا ، بطائنها من إستبرق ، فوق كل فراش سبعون أريكة ، ويعطى زوجها مثل ذلك على سرير من ياقوت أحمر ، موشح بالدر ، عليه سواران من ذهب ، هذا بكل يوم صامه من رمضان سوى ما عمل من الحسنات وربما خالف الفريابى سهل بن حماد فى الحرف والشىء فى متن الحديث ، ثنا محمد بن رافع ، ثنا سلم بن جنادة ، عن قتيبة ، نا جرير بن أيوب ، عن عامر الشعبى ، عن نافع بن بردة الهمدانى ، عن رجل من غفار قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم نحوه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیز ایک اور سند سے بھی اسی قسم کی روایت مروی ہے۔ [1]

مگر وہ روایت بھی غیر معمولی ضعیف ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إلى قوله :(حور مقصورات فى الخيام) (صحيح ابنِ خزيمة رقم الحديث ۱۸۸۶، واللفظ لهٗ؛ شعب الايمان، رقم الحديث ۳۳۶۱؛ فضائل الاوقات للبيهقى رقم الحديث ۴۷؛ فضائل شهر رمضان لابنِ شاهين رقم الحديث ۱۸؛ مسند ابى يعلىٰ، رقم الحديث ۵۲۷۳، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ بالفاظ مختلفة)

قلت :تفرد به جرير بن أيوب ، وهو ضعيف جدا ، وقد أخرجه ابن خزيمة فى صحيحه ، وقال :إن صح الخبر ، فإن فى القلب من جرير بن أيوب ، وكأنه تساهل فيه لكونه من الرغائب ، وابن مسعود ليس هو الهذلى المشهور ، وإنما هو آخر غفارى (المطالب العالية للحافظ ابن حجر عسقلانى ،باب فضل شهر رمضان)

وقال البيهقى: قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ " :وَرَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ فِي كِتَابِهِ وَجْهَيْنِ، عَنْ جَرِيرٍ، وَمِنْ حَدِيثِ سَلْمِ عَنْ قُتَيْبَةَ، عَنْ جَرِيرٍ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ :عَنْ نَافِعِ بْنِ بُرْدَةَ الْهَمَدَانِيِّ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ غِفَارٍ ثُمَّ قَالَ :وَفِي الْقَلْبِ مِنْ جَرِيرِ بْنِ أَيُّوبَ :قُلْتُ وَجَرِيرُ بْنُ أَيُّوبَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ النَّقْلِ، وَرَوَاهُ أَيْضًا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ أَيُّوبَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَقُلِ الْغِفَارِيَّ (شعب الايمان، تحت رقم الحديث ۳۳۶۱)

وقال الأعظمى فى تعليق ابنِ خزيمة :إسناده ضعيف بل موضوع جرير بن أيوب البجلى قال عنه البخارى :منكر الحديث (ابنِ خزيمة، حواله بالا)

وقال السيوطى : موضوع. آفته جرير (اللآلى المصنوعة، ج۲، ص۸۵، الناشر :دار الكتب العليمة)

[1] أخبرنا أبو عمرو :عبد الوهاب، أنبأ والدى، أنبأ أبو عمرو :أحمد بن سلمة بن الضحاك بمصر، ثنا محمد بن ميمون بن كامل الزيات، ثنا محمد بن إسحاق الأسدى، ثنا الأوزاعى، عن مكحول والقاسم بن مخيمرة وعبدة بن أبى لبابة قالوا :سمعنا أبا أمامة الباهلى وواثلة بن الأسقع وعبد الله بن بسر -رضى الله عنهم -سمعوا رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول):(إن الجنة تزين من الحول إلى الحول لشهر رمضان، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من صان نفسه ودينه فى شهر رمضان زوجه الله من الحور العين وأعطاه قصراً من قصور الجنة، ومن عمل سيئة أو رمى مؤمناً ببهتان أو شرب مسكراً فى شهر رمضان أحبط الله عمله سنةً .ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :اتقوا شهر رمضان؛ لأنه شهر الله، جعل لكم أحد عشر شهراً تشبعون فيها وتروون، وشهر رمضان شهر الله فاحفظوا فيه أنفسكم(الترغيب والترهيب للاصبهانى، رقم الحديث ۱۸۲۴)

[2] ق محمد بن محصن العكاشى نسب إلى جده الأعلى وهو محمد بن إسحاق بن إبراهيم بن محمد بن عكاشة بن محصن الأسدى روى عن إبراهيم بن أبى عبلة ويحيى بن سعيد الأنصارى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ایک حدیث میں یہ مضمون وارِد ہوا ہے کہ رمضان میں ذکر کرنے والے کی مغفرت کی جاتی ہے، اور اللہ سے سوال کرنے والے کو محروم نہیں کیا جاتا۔ [1]

مگر اس حدیث کی سند پر محدثین کا غیر معمولی کلام ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والأعمش وابن عجلان وجعفر بن برقان والأوزاعي والثورى وعبد الرحمن بن زياد الإفريقى روى عنه أبو هاشم محمد بن خداش الموصلي ومعلل بن نفيل وأبو خيثمة مصعب بن سعيد وسليمان بن سلمة الخبائرى ومحمد بن ميمون الحمراوى وهاشم بن القاسم الحرانى ويحيى بن سعيد العطار الحمصى قال البخارى عن يحيى بن معين كذاب وقال البخارى منكر الحديث وقال أبو حاتم كذاب وقال فى موضع آخر مجهول وقال ابن حبان شيخ يضع الحديث على الثقات لا يحل ذكره إلا على سبيل القدح فيه وقال الدارقطنى متروك يضع وروى له أبو أحمد أحاديث ثم قال وهذه الأحاديث مع غيرها لمحمد بن إسحاق كلها مناكير موضوعة روى له ابن ماجة حديثه عن إبراهيم عن الديلمى عن حذيفة لا يقبل الله تعالى لصاحب بدعة صوما ولا صلاة الحديث قلت وقال ابن حبان أيضا يروى المقلوبات عن الثقات لا يكتب حديثه إلا للاعتبار والأحاديث التى أوردها ابن عدى فى بعضها حدثنا محمد بن إسحاق ونسبه كما هنا وفى بعضها ثنا محمد بن محصن وقال ابن أبى حاتم رأى أبى معى أحاديث من حديثه فقال هذه الأحاديث كذب موضوعة وقال العقيلى الغالب على حديثه الوهم والنكارة،وأورد له بسند صحيح إلى أبى بكر الصديق حديث من أكرم مؤمنا فكأنما أكرم الله تعالى وقال حديث باطل لا أصل له وقال الأزدى منكر الحديث واستدركه النباتى على بن عدى ثنا على أنه آخر وخلطه بعضهم بمحمد بن عكاشة الكرمانى وعندى أنه غيره قد بسطت ترجمة محمد بن عكاشة فى لسان الميزان(تهذيب التهذيب،لابن حجر العسقلانى،ج۹،ص۴۳۰،محمد مع الميم فى الآباء)

[1] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَنِيفَةَ الْوَاسِطِيُّ قَالَ :نا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ الْمَرْوَزِيُّ قَالَ :نا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ قَيْسٍ الضَّبِّيُّ قَالَ :ثنا هِلَالُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :ذَاكِرُ اللَّهِ فِي رَمَضَانَ مَغْفُورٌ لَهُ، وَسَائِلُ اللَّهِ فِيهِ لَا يَخِيبُ.

لَمْ يَرْوِ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ إِلَّا هِلَالُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، تَفَرَّدَ بِهِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ قَيْسٍ، وَلَا يُرْوَى عَنْ عُمَرَ إِلَّا بِهَذَا الْإِسْنَادِ " (المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۶۱۷۰، واللفظ لهٗ؛ الترغيب والترهيب لقوام السنة، رقم الحديث ۱۷۷۸؛ فضائل الاوقات للبيهقى، رقم الحديث ۶۹، ج ۱، ص۷۳)

[2] فى عمدة القارى: وفى إسناده :هلال بن عبد الرحمن، ضعفه العقيلى، بقوله: منكر الحديث (عمدة القارى، ج ۱۰، ص ۲۶۹، و ۲۷۰، كتاب الصوم، باب هل يقال رمضان أو شهر رمضان ومن رأى كله واسعا)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ منافقین پر رمضان سے زیادہ کوئی مہینہ سخت نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ رمضان کا اجراور منافقین کے گناہوں پر اصرار اور بدبختی پہلے سے لکھ دیتے ہیں۔ مگر اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال المناوی: (طس هب عن ابن عمر) بن الخطاب قال الهيثمی :فيه هلال بن عبد الرحمن وهو ضعيف وقال الذهبی فی الضعفاء :منكر الحديث وأقول :فيه أيضا عبد الله بن علی بن جدعان قال الدارقطنی :لا يزال عندی فيه لين وقال الذهبی فی الضعفاء :قال أحمد ويحيى :ليس بشیء وأبو زرعة :غير قوی (فيض القدير، تحت رقم الحديث ۴۳۱۲)

عَبْد الرَّحْمَن بن قيس الضبی..........قال مُحَمَّد بْن يحيى الذهلی :سألت عَبْد الصمد بْن عَبْد الوارث عنه، فقال :كان عَبْد الرحمن بْن مهدی يكذبه .وَقَال عَبد اللَّه بْن أحمد بْن حنبل، عَن أبيه: كان جارا لحماد بْن مسعدة يحدث عَنِ ابن عون، رأيته بالبصرة وقدم علينا إلى بغداد وكان واسطيا ثم خرج إلى نيسابور، وحديثه ضعيف، ولم يكن بشیءٍ، متروك الحديث .وَقَال أَبُو زُرْعَة: كذاب. وقَال البُخارِیُّ :ذهب حديثه .وَقَال مسلم :ذاهب الحديث .وَقَال النَّسَائی :متروك الحديث . وَقَال زكريا بْن يحيى الساجی :ضعيف، كتبت عَنْ حوثرة المنقری عنه، كان قد أكثر عنه .وَقَال صَالِح بْن مُحَمَّد الْبَغْدَادِیّ :كَانَ يضع الحديث .وَقَال أَبُو أحمد بْن عدی :عامة ما يرويه لا يتابعه الثقات عليه. روى لَهُ التِّرْمِذِیّ فِی "الشمائل "حَدِيثًا واحِدًا عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانٍ، عَنْ مُحَمَّد بن سيرين، عَن أَبِی هُرَيْرة كان لنعل رَسُول اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قبالان ...الحديث(تهذيب الكمال ج۱۷ ص ۳۶۶،۳۶۷)

؎ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْحَنَفِیُّ، قَالَ :حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :بِمَحْلُوفِ رَسُولِ اللهِ مَا أَتَى عَلَى الْمُسْلِمِينَ شَهْرٌ خَيْرٌ لَهُمْ مِنْ رَمَضَانَ، وَلَا أَتَى عَلَى الْمُنَافِقِينَ شَهْرٌ شَرٌّ لَهُمْ مِنْ رَمَضَانَ، وَذَلِكَ لِمَا يُعِدُّ الْمُؤْمِنُونَ فِيهِ مِنَ الْقُوَّةِ لِلْعِبَادَةِ، وَمَا يُعِدُّ فِيهِ الْمُنَافِقُونَ مِنْ غَفَلَاتِ النَّاسِ وَعَوْرَاتِهِمْ، هُوَ غُنْمٌ الْمُؤْمِنُ يَغْتَنِمُهُ الْفَاجِرُ "(مسند احمد، رقم الحديث ۸۳۶۸)

فی حاشية مسند احمد:إسناده ضعيف، كثير بن زيد ليس بالقوی، يكتب حديثه للمتابعات، وعمرو بن تميم، قال البخاری عن حديثه هذا :فيه نظر، وقال العقيلی :لا يتابع عليه، وأبوه تميم -وهو ابن يزيد مولى بنی زمعة -مجهول.

اور ایک روایت میں یہ مضمون آیا ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمًا وَحَضَرَ رَمَضَانُ :أَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرُ بَرَكَةٍ، فِيهِ خَيْرٌ يُغَشِّيكُمُ اللَّهُ فِيهِ، فَتَنْزِلُ الرَّحْمَةُ، وَتُحَطُّ الْخَطَايَا، وَيُسْتَجَابُ فِيهِ الدُّعَاءُ، فَيَنْظُرُ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رمضان میں عبادت، سخاوت اور نیک اعمال کی فضیلت

مخلوقات میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ماہِ رمضان کی قدر و قیمت سے کون واقف ہوگا؟

اسی وجہ سے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان میں عبادت، سخاوت اور دوسرے نیک اعمال میں بہت زیادہ اہتمام کیا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَادَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ شَدَّمِئْزَرَهٗ ثُمَّ لَمْ يَأْتِ فِرَاشَهٗ حَتّٰى يَنْسَلِخَ (شعب الایمان للبیہقی) [1]

ترجمہ: جب رمضان کا مہینہ داخل ہوجاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ازار بند کس لیتے، پھر (آخری عشرہ میں) اپنے بستر مبارک پر نہ آتے یہاں تک کہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اللَّهُ إِلَى تَنَافُسِكُمْ، وَيُبَاهِي بِكُمْ مَلَائِكَتَهُ، فَأَرُوا اللَّهَ مِنْ أَنْفُسِكُمْ خَيْرًا، فَإِنَّ الشَّقِيَّ مَنْ حُرِمَ فِيهِ رَحْمَةَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ (مسند الشامين للطبرانی ، رقم الحديث ۲۲۳۸، واللفظ لهٗ؛ المجالس العشرة للحسن الخلال، رقم الحديث ۶۰؛ المسند للشاشی، رقم الحديث ۱۱۶۴)

مگر یہ روایت سند کے لحاظ سے انتہائی کمزور ہے۔

وَفِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي قَيْسٍ ;وَلَمْ أَجِدْ مَنْ تَرْجَمَهُ(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۷۸۳)

مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ وَهُوَ مُحَمَّدُ بْنُ سَعِيدٍ الشَّامِيُّ، وَأُرَاهُ أَبُو عَمْرٍو الْعَبْسِيُّ الْمَعْرُوفُ بِالْمَصْلُوبِ(معرفة الصحابة لابی نعيم تحت ترجمة أَبُو لَيْلَى الْأَشْعَرِيُّ حَدِيثُهُ عِنْدَ :عَامِرِ بْنِ لُدَيْنٍ الْأَشْعَرِي)

محمد بن سعيد بن أبی قيس الشامی المصلوب وهذا الرجل كان كذابا يضع الحديث ويفسد أحاديث الناس صلب على الزندقة(الضعفاء والمتروكين لابن من اسم محمد)

[1] رقم الحديث ۳۳۵۲،كتاب الصيام، باب فضائل شهر رمضان ، واللفظ لهٗ،فضائل الاوقات للبيهقی رقم الحديث ۶۷، صحيح ابنِ خزيمة رقم الحديث ۲۲۱۶،الكامل لابن عدی، ج۶ ص۲۰۷.

رمضان گزر جاتا (بیہقی)

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے مہینوں کے مقابلہ میں رمضان میں انتہائی اہتمام اور کثرت سے عبادت میں مشغول ہوتے تھے۔ [۱]

ملحوظ رہے کہ مذکورہ روایت سند کے لحاظ سے درست ہے۔ [۲]

---

[۱] عبادت کی کثرت تو پورے رمضان ہی کیا کرتے تھے، البتہ بستر پر نہ آنے کا معمول آخری عشرے میں تھا، جس کا ذکر دوسری روایات میں موجود ہے، یا یہ کہا جائے کہ شروع میں جب پورے مہینے کا اعتکاف فرمایا، اس وقت آپ اپنے گھر میں بستر پر تشریف نہ لاتے تھے، اس طرح دونوں قسم کی روایات میں تطبیق ہوجاتی ہے، اور کوئی ظاہری تعارض نہیں رہتا، اور اس روایت کو ضعیف کہہ کر اس کو دوسری احادیث کے مقابلے میں مرجوح قرار دینا درست نہیں، کیونکہ یہ روایت سند کے لحاظ سے درست ہے، اور حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایات بھی اس کی مؤید ہیں۔

[۲] چنانچہ سنن بیہقی کی سند درج ذیل ہے:

أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، وَمُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى، قَالَا :حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ، حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، أخبرنا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَائِشَةَ(بيهقى حواله بالا)

اور ابنِ خزیمہ کی سند درج ذیل ہے:

حدثنا الربيع بن سليمان ، حدثنا ابن وهب ، حدثنى سليمان وهو ابن بلال ، حدثنى عمرو وهو ابن أبى عمرو ، عن المطلب بن عبد الله ، عن عائشة ، زوج النبى صلى الله عليه وسلم ، أنها قالت(ابن خزيمه،حواله بالا)

اور ابنِ عدی کی سند مع متن اور عمرو بن ابی عمرو، راوی کی توثیق کے درج ذیل ہے:

ثنا أبو مصعب عن عبد العزيز بن محمد عن عمرو بن أبى عمرو عن المطلب بن عبد الله عن عائشة زوج النبى صلى الله عليه وسلم وثلاثمائة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دخل رمضان شد مئزره فلم يأو إلى فراشه حتى ينسلخ رمضان وعمرو بن أبى عمرو له أحاديث عن أنس غير ما ذكرت وروى عنه مالك وهو عندى لا بأس به لأن مالكا لا يروى إلا عن ثقة أو صدوق(الكامل حواله بالا)

یہی وجہ ہے کہ علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں اس حدیث کے حسن ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن امام مناوی نے یہ فرمایا کہ اس روایت میں ربیع بن سلیمان ہیں، اگر وہ صاحب امام شافعی ہوں تو ثقہ ہیں، اور اگر بصری ہوں تو وہ ضعیف ہیں۔

-(هب عن عائشة) رمز المصنف لحسنه فيه الربيع بن سليمان فإن كان هو صاحب الإمام الشافعى فثقة أو الربيع بن سليمان البصرى الأزدى فضعيف قال يحيى :ليس بشئى (فيض القدير للمناوى،تحت رقم الحديث ٦٦٨٠)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ایک دوسری سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مگر تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اس روایت میں ربیع بن سلیمان، بن عبد الجبار ہیں، جو کہ صاحبِ امام شافعی اور ثقہ ہیں، کیونکہ یہ ابنِ وہب سے روایت کرتے ہیں، اوران سے محمد بن یعقوب روایت کرتے ہیں، اور مذکور روایت میں یہ دونوں راوی موجود ہیں، جبکہ ابنِ عدی کی روایت میں یہ سرے سے موجود ہی نہیں، کما مر۔

چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

الربيع بن سليمان (د، ق، س، ت) ابن عبد الجبار بن كامل، الامام المحدث الفقيه الكبير، بقية الاعلام، أبو محمد، المرادى، مولاهم المصرى المؤذن، صاحب الامام الشافعى، وناقل علمه، وشيخ المؤذنين بجامع الفسطاط ومستملى مشايخ وقته .مولده فى سنة أربع وسبعين ومئة أو قبلها بعام .سمع عبدالله بن وهب(سير اعلام النبلاء، ج ۱۲ ص ۵۸۷)

اور تہذیب الکمال میں، محمد بن یعقوب کے ان کے شاگرد ہونے کی بھی تصریح ہے۔

وأبو العباس محمد بن يعقوب الاصم النيسابورى (تهذيب الكمال، ج ۹ ص ۸۷)

اور اگر اس روایت میں ربیع بن سلیمان بن داؤد مراد ہوں تو وہ بھی ثقہ ہیں۔

البتہ ربیع بن صبیح کو بعض نے سیئ الحفظ قرار دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ وہ اس روایت میں موجود نہیں۔

چنانچہ علامہ ابن حجر نے ان تینوں حضرات کا آگے پیچھے اس طرح تذکرہ فرمایا ہے۔

الربيع بن سليمان بن داود الجيزى أبو محمد الأزدى المصرى الأعرج ثقة من الحادية عشرة مات سنة ست وخمسين د س.

الربيع بن سليمان بن عبد الجبار تالمرادى أبو محمد المصرى المؤذن صاحب الشافعى ثقة من الحادية عشرة مات سنة سبعين وله ست وتسعون سنة .

الربيع بن صبيح بفتح المهملة السعدى البصرى صدوق سىء الحفظ وكان عابدا مجاهدا قال الرامهرمزى هو أول من صنف الكتب بالبصرة من السابعة مات سنة ستين خت ت ق(تقريب التهذيب لابن حجر، ج ۱ ص ۲۹۴)

اور ناصر الدین البانی صاحب نے بھی اس روایت کے رجال کو ثقات شمار کیا ہے، لیکن ساتھ ہی عبد المطلب بن عبد اللہ کو مدلس قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

قلت :و هذا إسناد ضعيف ، و رجاله ثقات ، غير أن عبد المطلب بن عبد الله ، كان كثير التدليس و الإرسال ، كما فى "التقريب(السلسله الضعيفة تحت حديث رقم ۲۳۴۶)

البانی صاحب نے جب اس کے رجال کا ثقات ہونا تسلیم کرلیا تو یہ روایت سند کے لحاظ سے درست ہوئی اور رہا تدلیس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وَ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ، وَابْتَهَلَ فِي الدُّعَآءِ، وَأَشْفَقَ مِنْهُ (شعب الایمان للبیھقی) ؎۱

ترجمہ: جب رمضان کا مہینہ داخل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ بدل جاتا تھا اور آپ کی نمازوں میں زیادتی ہوجاتی تھی اور دعا میں تضرّع وزاری بڑھ جاتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سرخ ہوجاتا تھا (بیہقی)

اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک دوسری سند کے ساتھ اسی مضمون کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔

اور یہ روایت اس سے پہلے ذکر شدہ روایت کے مضمون کے مطابق ہے، لہٰذا یہ حدیث بھی کم از کم حسن درجے میں داخل ہے۔ ؎۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کا معاملہ تو وہ مذکورہ روایت میں فقہائے کرام کے نزدیک مضر نہیں۔

بلکہ ایک مقام پر خود البانی صاحب نے عمرو بن ابی عمرو کی مطلب بن عبداللہ سے عنعنہ کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہی روایت کو شیخین کی شرط کے مطابق ہونا تسلیم کیا ہے۔

أخرجه أبو داود (۴۷۹۸) و ابن حبان (۱۹۲۷) و الحاكم (۱/۶۰) من طريق عمرو بن أبى عمرو عن المطلب بن عبد الله بن حنطب عن عائشة رضى الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :فذكره .و قال الحاكم " :صحيح على شرط الشيخين . "و وافقه الذهبى .قلت :و هو كما قالا لولا أنه اختلف فى سماع المطلب من عائشة فقال أبو حاتم ":روايته عنها مرسلة و لم يدركها . "و قال أبو زرعة " :نرجو أن يكون سمع منها . "لكن الحديث على كل حال صحيح بما تقدم و قد وجدت له طريقا أخرى عنها موصولة، أخرجه ابن عدى فى "الكامل "(۱/۱۴۹) عن اليمان بن عدى حدثنا زهير بنمحمد عن يحيى بن سعيد عن القاسم عنها به .و قال " :لا أعلم يرويه عن زهير غيريمان . "قلت :و فيهما ضعف غير شديد ، فحديثهما فى الشواهد لا بأس به(السلسلة الصحيحة تحت حديث رقم ۷۹۵)

مگر تعجب ہے کہ البانی صاحب نے مبحوث فیہ حدیث کو شواہد کے ہوتے ہوئے ضعیف کہہ دیا، جس سے ہمیں اتفاق نہیں۔

پس اس روایت کو ضعیف قرار دینا درست نہیں، اور امام سیوطی کے فیصلے کے مطابق یہ روایت کم از کم حسن کے درجے میں داخل ہے، بالخصوص جب کہ اس کے ساتھ آگے آنے والی روایات کو بھی جمع کرلیا جائے۔

؎۱ رقم الحديث ۳۳۵۳، كتاب الصيام، باب فضائل شهر رمضان ،، فضائل الاوقات للبيهقى رقم الحديث ۶۸.

؎۲ چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے متن میں مذکور حدیث کی سند اس طرح بیان فرمائی ہے کہ:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی عبادت اور نماز کی حالت سے زیادہ واقف تھیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت نماز وعبادت گھر پر ادا فرمایا کرتے تھے۔

مذکورہ روایت میں رمضان کی رات کی نماز کے بارے میں کثرت کا لفظ موجود ہے، جس سے معلوم ہوا کہ رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز وعبادت دوسرے دنوں کی رات کی نماز کے مقابلے میں تعداد میں زیادتی ہو جاتی تھی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، وَأَبُو زَكَرِيَّا يَحْيَى بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ يَحْيَى، قَالَا :أخبرنا أَبُو الْحُسَيْنِ عَبْدُ الْبَاقِي بْنُ قَانِعٍ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَرَّازُ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ التَّمِيمِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ عَائِشَةَ الخ

امام مناوی رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارے میں فرمایا کہ:

فيه عبد الباقي ابن قانع قال الذهبي :قال الدارقطني يخطء كثيرا .(فيض القدير،تحت رقم الحديث ٦٦٨١)

مگر اس سے مذکورہ روایت کا ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ امام بیہقی رحمہ اللہ مندرجہ بالا حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَرَوَاهُ خَلَفُ بْنُ أَيُّوبَ، عَنْ عَوْفِ بْنِ أَبِي جَمِيلَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ :كَانَ فَذَكَرَهُ

أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ صَالِحِ بْنِ هَانِءٍ، حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ حَمْزَةَ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ الْحَسَنِ، حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ أَيُّوبَ . . . . .فَذَكَرَهُ(حواله بالا)

اور ظاہر ہے کہ دوسری سند میں ابنِ قانع موجود نہیں۔

اور دوسری سند کے اتصال سے یہ بات واضح ہو چکی کہ ابنِ قانع نے اس روایت کے نقل کرنے میں کوئی خطا نہیں کی۔

اس تقریر کے بعد اگر دوسری سند میں کوئی راوی ضعیف بھی ہو تو وہ مضر نہیں، کما ھو ظاہر باصول الحدیث۔

[1] لہٰذا یہ مطلب مراد لینا کہ تعداد تو اتنی ہی رہتی تھی، جتنی دوسرے مہینوں میں ہوتی تھی، اور صرف قیام اور رکوع وسجود کے طویل ہونے کے باعث لمبی ہو جاتی تھی، یہ اس حدیث کے الفاظ کے خلاف ہے۔

اور ویسے بھی یہ مفہوم مراد لینا اس لئے درست نہیں بنتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اور دنوں میں بھی لمبی لمبی نمازیں پڑھا کرتے تھے کہ لمبے قیام کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک ورم کر جاتے تھے، پھر اس میں رمضان کی کیا خصوصیت ہوگی، اور رمضان کی قیامِ لیل والی خاص نماز کا کیا ذکر رہے گا، جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ترغیب منقول ہے؟

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ، وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ، وَكَانَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ، حَتّٰى يَنْسَلِخَ، يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ، فَإِذَا لَقِيَهٗ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں صدقہ خیرات کے کاموں میں سب سے زیادہ سخی تھے، اورآپ کی زیادہ سخاوت رمضان کے مہینے میں اس وقت ہوتی تھی، جب آپ سے جبریل ملاقات کرتے تھے، اورآپ سے جبریل علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں ملاقات کرتے تھے، یہاں تک کہ رمضان ختم نہ ہوجاتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام کوقرآن سناتے تھے، پس جب آپ سے جبریل علیہ السلام ملاقات کرتے تھے، تو آپ صدقہ وخیرات کے کاموں میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی ہوجایا کرتے تھے (بخاری)

اورحضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ وَكَانَ يَلْقَاهُ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ فَلَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ (بخاری) [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۹۰۲، كتاب الصوم، باب :أجود ما كان النبى صلى الله عليه وسلم يكون فى رمضان، واللفظ لهٗ، مسلم، رقم الحديث ۲۳۰۸"۵۰"، كتاب الفضائل، باب كان النبى صلى الله عليه وسلم أجود الناس بالخير من الريح المرسلة.

[2] رقم الحديث ٦، باب بدء الوحى، واللفظ لهٗ؛ نسائى، رقم الحديث ۲۰۹۵؛ مسند احمد، رقم الحديث ۲٦۱٦.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضانُ المبارک میں جب جبریل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے تھے تو آپ بہت زیادہ سخی اور فیاض ہوجاتے تھے اور جبرئیل آپ سے رمضان کی ہر رات میں ملاقات کرتے تھے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کا دور کرتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھلائی اور خیر کے کاموں میں تیز ہوا سے بھی زیادہ فیاضی وسخاوت فرماتے تھے (بخاری؛ مسند احمد)

حضرت جبریل سے ملاقات کے بعد سخاوت کی تیزی کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ فرشتہ آپ کو بحکمِ الٰہی سخاوت کی ترغیب دیتے ہوں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید کی تلاوت کی بھی خاص فضیلت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو رمضان کے مہینہ سے خصوصی تعلق ہے، کیونکہ یہ اسی مہینے میں نازل کیا گیا ہے۔ [1]

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضانُ المبارک میں بہت سخاوت فرماتے تھے، اور آپ کی اتباع میں رمضانُ المبارک میں کثرت سے صدقہ، خیرات

---

[1] حضرت حکیم الامت صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قرآن کو شروع ہی سے رمضان سے خصوصیت ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ (رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن شریف نازل کیا گیا ہے ۱۲) اس سے خصوصیت باعتبار نزول کے ثابت ہوئی، دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل علیہ السلام سے دَور رمضان ہی میں کرتے ہیں۔ نیز فقہاء نے لکھا ہے کہ رمضان میں ایک قرآن ختم کرنا تراویح میں مسنون ہے، نیز ان تمام نصوص سے معلوم ہوا کہ قرآن کی تلاوت رمضان میں زیادہ مطلوب ہے، یہ خصوصیت تو تشریعی ہے، تکوینی خصوصیت یہ ہے کہ اس ماہ میں ہر شخص خود بخود قرآن کی طرف راغب ہوجاتا ہے اس لئے میں ذاکرین کے واسطے بھی اس ماہ میں اسے ذکر سے افضل سمجھتا ہوں میرا یہ مطلب نہیں کہ ذکر نہ کریں وہ بھی کریں مگر زیادہ قرآن کی تلاوت کریں کیونکہ ذکر تو بارہ مہینے یکساں ہے اور رمضان میں قرآن پڑھنے میں خاص برکات نازل ہوتی ہیں، جس طرح مکہ میں جاکر طواف بکثرت کرنا چاہئے اور عبادات کو بھی کرنا چاہئے، مگر طواف سب سے زیادہ، اسی طرح رمضان میں قرآن (خطبات حکیم الامت ج ۱۶ ص ۱۲۱، وعظ روح القیام)

اور سخاوت کرنا بہت مبارک عمل ہے۔ [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الصَّوْمِ أَفْضَلُ بَعْدَ رَمَضَانَ فَقَالَ شَعْبَانُ لِتَعْظِيمِ رَمَضَانَ قِيلَ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ صَدَقَةٌ فِي رَمَضَانَ (ترمذی) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ رمضان کے بعد کون سا روزہ افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ شعبان کا روزہ؛ رمضان کی تعظیم کی وجہ سے، پھر سوال کیا گیا؛ کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

[1] وَفِي هَذَا الْحَدِيث فَوَائِد مِنْهَا بَيَان عِظَم جُوده صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .وَمِنْهَا اِسْتِحْبَاب إِكْثَار الْجُود فِي رَمَضَان .وَمِنْهَا زِيَادَة الْجُود وَالْخَيْر عِنْد مُلَاقَاة الصَّالِحِينَ وَعَقِبَ فِرَاقهمْ لِلتَّأَثُّرِ بِلِقَائِهِمْ . وَمِنْهَا اِسْتِحْبَاب مُدَارَسَة الْقُرْآن (شرح النووی علیٰ مسلم ،ج۱۵ ص ۶۹،کتاب الفضائل، باب جوده صلی الله علیه وسلم)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ أَطْلَقَ كُلَّ أَسِيرٍ، وَأَعْطىٰ كُلَّ سَائِلٍ (شعب الایمان للبیهقی، رقم الحدیث ۳۳۵۷، کتاب الصیام، باب فضائل شهر رمضان؛ کشف الاستار عن زوائد البزار، رقم الحدیث ۹۶۸،بَابٌ :فِعْلُ الْخَيْرِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، الکامل لابنِ عدی، ج۴ ص ۳۴۳؛ فضائل الاوقات للبیهقی، رقم الحدیث ۷۰، اخبارِ اصبهان عن عائشة وابنِ عباس رقم الحدیث ۴۰۴)

مگراس حدیث کی سند پر محدثین نے غیر معمولی کلام کیا ہے۔

قَالَ الْبَزَّارُ :لا نَعْلَمُ رَوَاهُ هَكَذَا إِلا الْهُذَلِيُّ، وَلَمْ يَكُنْ حَافِظًا، وَقَدْ حَدَّثَ عَنْهُ جَمَاعَةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ.

وقال الهیثمی: رَوَاهُ الْبَزَّارُ ، وَفِيهِ أَبُو بَكْرٍ الْهُذَلِيُّ ، وَهُوَ ضَعِيفٌ .قُلْتُ :وَتَأْتِي أَحَادِيثُ فِيمَنْ يَتَصَدَّقُ وَهُوَ صَائِمٌ ، أَوْ يَعُودُ مَرِيضًا ، أَوْ يَشْهَدُ جِنَازَةً إِنْ شَاءَ اللّٰهُ (مجمع الزوائد ج۳ص ۱۵۰)

قال ابن طاهر المقدسی:رواه أبوبكر الهذلی :عن الزهری ، عن عبيد الله بن عبد الله ، عن ابن عباس .وهذا عن الزهری لايعرف إلا من رواية أبی بكر الهذلی هذا ، وهو متروك الحديث(ذخيرة الحفاظ ، تحت رقم الحديث ۱۵۶۰)

[2] رقم الحدیث ۶۶۳،ابواب الزکاة، باب ماجاء فی فضل الصدقة، واللفظ لهٗ؛ بیهقی فی شعب الایمان، رقم الحدیث ۳۳۵۸، و ۳۵۳۹، کتاب الصیام، باب فضائل شهر رمضان؛ مسند البزار، رقم الحدیث ۶۸۹۰.

قال الترمذی:هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَصَدَقَةُ بْنُ مُوسَى لَيْسَ عِنْدَهُمْ بِذَاكَ الْقَوِيِّ (ترمذی، حواله بالا)

کہ رمضان میں صدقہ کرنا (ترمذی)

حضرت راشد بن سعد رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنْبَسِطُوْا فِي النَّفَقَةِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ، فَإِنَّ النَّفَقَةَ فِيْهِ كَالنَّفَقَةِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (فضائل رمضان لأبن أبی الدنیا) [1]

ترجمہ: رمضان کے مہینے میں (اپنے اور بیوی بچوں وغیرہ کے) نان ونفقہ کے متعلق وسعت سے کام لو، اس لئے کہ اس میں نان ونفقہ ایسا ہے جیسا کہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا (ابنِ ابی الدنیا)

نان ونفقہ میں فراخی اور وسعت بھی رمضان میں سخاوت کا حصہ ہے، اور صدقہ خیرات میں اپنے ضرورت منداہل وعیال مقدم ہیں، اس لئے یہ مضمون بھی اسی سخاوت کے اصول کے تحت داخل ہے۔

پس رزقِ حلال سے اپنے محلے میں غریبوں، دوستوں اور عزیز واقارب میں جو نادار، بیمار اور غریب ہوں، اور اسی طرح اپنے اہل وعیال پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہئے۔

بعض لوگ حرام کما کر اس کو سخاوت کا ذریعہ بناتے ہیں، بلکہ نعوذ باللہ تعالیٰ رمضان کی برکت سمجھتے ہیں، یہ بڑی بھاری غلطی ہے۔

رمضان کے مبارک مہینہ ہونے، اور اس مہینہ میں عبادت کے انتہائی فضیلت کا باعث ہونے کی وجہ سے اس مہینہ میں عمرہ کرنے کی بھی بڑی فضیلت ہے۔

حضرت امِ معقل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحدیث ۲۴، الناشر :دار السلف، الریاض -السعودیة.
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ :سَمِعْتُ مَشْيَخَتَنَا، يَقُولُونَ ": إِذَا حَضَرَ شَهْرُ رَمَضَانَ، قَدْ حَضَرَ مُطَهِّرٌ، وَيَقُولُونَ :انْبَسِطُوا بِالنَّفَقَةِ فِيهِ، فَإِنَّهَا تُضَاعَفُ كَالنَّفَقَةِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَيَقُولُونَ :التَّسْبِيحَةُ فِيهِ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ تَسْبِيحَةٍ فِي غَيْرِهِ (فضائل رمضان، لابن أبی الدنیا،رقم الحدیث ۲۵، الناشر :دار السلف، الریاض - السعودیة)

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: عُمْرَةٌ فِيْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً (ترمذی) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر (فضیلت رکھتا) ہے (ترمذی)

اس قسم کے مضمون کی اور روایات بھی ہیں۔ [۲]

عمرہ کے حج کے برابر ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس عمرہ سے فرض حج ادا ہوجائے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ عمرہ کے ساتھ رمضانُ المبارک کی فضیلت شامل ہوجانے کی وجہ سے حج کے ثواب کے برابر ہوجاتا ہے۔ [۳]

ملحوظ رہے کہ کسی بھی عمل کی جو فضیلت ہوتی ہے، وہ اس کی ذات کے اعتبار سے اور اس عمل کو

---

[۱] رقم الحدیث ۹۳۹، ابواب الحج، باب ماجاء فی عمرة رمضان.

قال الترمذی: وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٍ، وَوَهْبِ بْنِ خَنْبَشٍ " :وَيُقَالُ: هَرِمُ بْنُ خَنْبَشٍ "، قَالَ :بَيَانٌ، وَجَابِرٌ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ وَهْبِ بْنِ خَنْبَشٍ، وقَالَ دَاوُدُ الأَوْدِيُّ :عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ هَرِمِ بْنِ خَنْبَشٍ، وَوَهْبٌ أَصَحُّ، وَحَدِيثُ أُمِّ مَعْقِلٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الوَجْهِ، وقَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ :قَدْ ثَبَتَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ عُمْرَةً فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً ، قَالَ إِسْحَاقُ :مَعْنَى هَذَا الحَدِيثِ مِثْلُ مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ " :مَنْ قَرَأَ :قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ فَقَدْ قَرَأَ ثُلُثَ القُرْآنِ (ترمذی)

[۲] أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، قَالَ :سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يُخْبِرُنَا قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِامْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ :إِذَا كَانَ رَمَضَانُ فَاعْتَمِرِي فِيهِ، فَإِنَّ عُمْرَةً فِيهِ تَعْدِلُ حَجَّةً (نسائی،رقم الحدیث ۲۱۱۰)

عَنْ وَهْبِ بْنِ خَنْبَشٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ، تَعْدِلُ حَجَّةً (ابنِ ماجه،رقم الحدیث ۲۹۹۱، واللفظ لهٗ؛ مسند احمد، رقم الحدیث ۱۷۵۹۹)

عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ، تَعْدِلُ حَجَّةً (ابنِ ماجه،رقم الحدیث ۲۹۹۵)

[۳] فالحاصل أنه أعلمها أن العمرة فی رمضان تعدل الحجة فی الثواب لا أنها تقوم مقامها فی إسقاط الفرض للإجماع علی أن الاعتمار لا یجزء عن حج الفرض (فتح الباری لابن حجر، ج۳، ص۶۰۴، تحت رقم الحدیث ۱۷۸۲، قوله باب عمرة فی رمضان)

اخلاص کے ساتھ اورٹھیک ٹھیک انجام دینے کی صورت میں ہوتی ہے، وہ فضیلت نہ تو دوسرے عمل کے تقابل کے اعتبار سے ہوتی اور نہ ہی اس عمل کو بغیر اخلاص اور غلط طریقہ پر کرنے کی صورت میں ہوتی، یہی معاملہ رمضان میں عمرے کا بھی ہے۔

جب غریب اور مستحق لوگ تعاون کے زیادہ محتاج ہوں (جیسا کہ آجکل اکثر جگہ ایسا ہے) تو اِن غریبوں کا تعاون کرنا اس رقم کو بار بار کے نفلی حج وعمرے میں خرچ کرنے سے افضل ہوتا ہے۔ [1]

ماہِ رمضان اصلاحی کورس اور اس کے معمولات

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ رمضان کا مہینہ انتہائی عظیم مہینہ ہے، تو اس کی قدر کرنی چاہیے، سال کے گیارہ مہینے انسان اپنی مادی مصروفیات میں اتنا منہمک رہتا ہے کہ وہی مصروفیات اس کی توجہ کا مرکز بن کر رہ جاتی ہیں اور اس کے دل پر روحانی اعمال سے غفلت کے پردے پڑنے لگتے ہیں۔

عام دنوں کا حال یہ ہے کہ چوبیس گھنٹے کی مصروفیات میں خالص عبادتوں کا حصہ عموماً بہت کم ہوتا ہے اور اس طرح انسان اپنے روحانی سفر میں جسمانی سفر کی بنسبت پیچھے رہ جاتا ہے۔

رمضان کا مہینہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ ایک مسلمان اس مبارک مہینے میں جسمانی غذا کی مقدار کم کر کے روحانی غذا میں اضافہ کردے اور اپنے جسمانی سفر کی رفتار ذرا دھیمی کر کے روحانی سفر کی رفتار کو بڑھادے، اور تیز کردے۔

رمضان صرف سحری اور افطاری کا نام نہیں بلکہ یہ ایک تربیتی نصاب اور کورس ہے جس سے ہر سال مسلمانوں کو گزارا جاتا ہے۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا تعلق اپنے خالق و مالک کے ساتھ مضبوط ہو، اسے ہر معاملے

---

[1] ہم نے اس مسئلہ کی تفصیل اپنے الگ مضمون میں بیان کردی ہے، جو ماہ ذیقعدہ اور حج کے فضائل میں شاملِ اشاعت ہے۔ محمد رضوان۔

میں اللہ سے رجوع کرنے کی عادت پڑے، اور وہ ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعے اپنے بُرے اخلاق کو کچلے اور اعلیٰ اوصاف واخلاق کو اپنے اندر پیدا کرے، اس کے اندر نیکیوں کا شوق اور گناہوں سے پرہیز کا جذبہ بیدار ہو، اس کے دل میں اللہ کا خوف اور آخرت کی فکر کی شمع روشن ہو، جو اسے رات کی تاریکی اور جنگل کے ویرانے میں بھی غلط کاریوں سے محفوظ رکھے۔

اسی کا نام ''تقویٰ'' ہے اور قرآنِ کریم نے اسی کو روزوں کا اصل مقصد قرار دیا ہے۔

رمضانُ المبارک کا مہینہ نفس کی ریاضت اور باطن کے تزکیہ وصفائی کا مہینہ ہے، یہ طاعت وعبادت کا خوگر بنانے اور دل ونفس کو چمکا دینے کا ''تربیتی نظام'' ہے۔

اس مبارک مہینے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی گھٹائیں برستی ہیں، ہدایت ومغفرت کے فیصلے ہوتے ہیں، اور گناہوں کا میل چُھٹتا ہے۔

اس مبارک مہینے کی خصوصیت یہ ہے کہ عبادت وبندگی کا راستہ آسان ہوجاتا ہے اور گناہوں و نافرمانیوں سے قدم رُکنے لگتے ہیں، اجر وثواب کے خزانے لُٹتے ہیں۔

روزے کے ثواب کو تو ہر طرح کے پیمانے سے بالاتر قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ:

> ابنِ آدم کے ہر نیک عمل کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک کردیا جاتا ہے سوائے روزے کے، اس کے بارے میں اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ یہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا (مسلم) [1]

اور اعتکاف بھی اس مبارک مہینے کا بہت پُرکیف عمل ہے کہ رب کا بندہ مسجد میں ڈیرے ڈال کر اس کی چوکھٹ تھام کر بیٹھ جاتا ہے کہ یہاں سے کچھ لے کر ہی جاؤں گا۔

---

[1] عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ، الْحَسَنَةُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَة ضِعْفٍ، قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ :إِلَّا الصَّوْمَ، فَإِنَّهُ لِی وَأَنَا أَجْزِی بِهِ، يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِی ""لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ :فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ، وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ " (مسلم، رقم الحديث ۱۱۵۱، باب فضل الصيام، واللفظ لهٗ؛ ابنِ ماجه، رقم الحديث ۳۸۲۳؛ مسند احمد، رقم الحديث ۹۷۱۴؛)

اس مہینے میں تراویح کی نماز ایک خاص تحفہ ہے، جس پر بخشش کا وعدہ ہے، اور لیلۃ القدر کی فضیلت کا تو کیا ہی ٹھکانہ۔

یہ وہ مہینہ ہے کہ جس کے شب وروز اور اس کی مقدس گھڑیاں دعا کی قبولیت کے لئے خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

گویا کہ رمضانُ المبارک کا مہینہ "مَجْمَعُ النُّوْر" ہے۔

اسی وجہ سے صوفیائے کرام کے نزدیک یہ مہینہ تزکیۂ نفس اور اصلاح کے لئے بے حد مفید ثابت ہوا ہے۔

کیونکہ اس مہینہ میں جسمانی مجاہدے کے چاروں ارکان یعنی "کم کھانا پینا، کم سونا، کم ملنا جلنا، کم بولنا چالنا" پر بآسانی عمل ہوسکتا ہے۔

رمضانُ المبارک کا مہینہ بہت ہی خیر وبرکت کا مہینہ ہے، اور آخرت کی کمائی کا بہت بڑا موسم اور سیزن ہے، جیسا کہ ہر چیز کا ایک موسم اور سیزن ہوتا ہے، جس میں اس چیز کی خوب کمائی ہوتی ہے۔

مثلاً سردی کے زمانے میں گرم کپڑوں اور رمضان میں پکوڑوں، سموسوں والوں کی خوب آمدنی اور بکری ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت کی کمائی کے لئے مختلف مواقع فراہم ہوتے رہتے ہیں، ان میں سے ایک اہم اور عظیم موقع بلکہ عظیم نعمت رمضانُ المبارک کا مہینہ ہے اور (جیسا کہ پہلے گزرا کہ) دراصل یہ پورے سال کے لئے ایک تربیتی نصاب اور کورس کی سی اہمیت رکھتا ہے، لہٰذا اس مبارک مہینہ کی کوئی ساعت اور کوئی لمحہ ضائع نہیں جانا چاہئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو رمضان کے آنے سے پہلے ہی اس کا شوق وذوق اور انتظار رہتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو شعبان کے مہینہ میں ہی کثرت سے روزے رکھنا شروع فرمادیا کرتے تھے تاکہ رمضان کا استقبال زیادہ سے زیادہ بہتر طریقہ پر ہوسکے۔

لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ زندگی کے قیمتی لمحات کو غنیمت سمجھتے ہوئے رمضانُ المبارک کے لئے پہلے سے تیاریاں شروع کردیں۔

اس سلسلہ میں چند اصولی ہدایات پر اپنے اپنے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے عمل کیجئے:

(۱)...... رمضانُ المبارک شروع ہونے سے پہلے ہی اس کے استقبال اور طلب کے لئے دل سے آمادہ ہوجایئے اور ذوق وشوق کے ساتھ اس کے انتظار میں لگ جایئے، اور رمضانُ المبارک کے احکام کا علم حاصل کرنے اور پہلے سے حاصل شدہ علم میں تازگی پیدا کرنے کے لئے پھر سے مطالعہ اور زبانی معلومات کا اہتمام کیجئے۔

(۲)...... رمضانُ المبارک شروع ہونے سے پہلے ہی اس نعمت کے حاصل ہونے اور اس کی صحیح قدر و قیمت بجالانے کی اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیجئے۔

(۳)...... اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کیجئے۔

(۴)...... دنیاوی مشاغل اور مصروفیات کو کم کرنے کی کوشش کیجئے تاکہ رمضان کے موسم اور سیزن میں زیادہ سے زیادہ وقت نیک اعمال میں لگا کر آخرت کی زیادہ سے زیادہ کمائی کی جاسکے۔

(۵)...... رمضانُ المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہونے کے لئے انتیس شعبان ہی کی شام کو رمضان کا چاند دیکھنے کا اہتمام وکوشش کیجئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ رمضانُ المبارک کا چاند نظر بھی آجائے اور آپ کو خبر ہی نہ ہو اور اس طرح غافل لوگوں میں شمار نہ ہوجائیں۔

(۶)...... جب رمضانُ المبارک کا چاند نظر آجائے یا چاند نظر آنے کا فیصلہ ہوجائے تو سمجھ لیجئے کہ رمضانُ المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہوگیا ہے اور انتظار کی گھڑیاں ختم ہوچکی ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے اور اس مہینہ کی قدر کرنے کی توفیق حاصل ہونے اور اس مہینے کو سلامتی وعافیت کے ساتھ حاصل کرنے کی رب تعالیٰ کے حضور دعا کیجئے۔

(۷)...... رمضان کے آغاز پر دوسرے مسلمانوں کو مبارک باد دینا درست ہے، بشرطیکہ

اسے ضروری نہ سمجھا جائے۔ [۱]

مندرجہ ذیل معمولات کو رمضان المبارک میں ذرا اہتمام سے شروع کر دیجئے۔

(۱)...... سچے دل سے گناہوں سے توبہ واستغفار کرتے رہیے۔

(۲)...... روزہ رکھنے اور تراویح پڑھنے کا اہتمام کیجئے اور بلا عذر ناغہ نہ کیجئے۔

(۳)...... رمضانُ المبارک اور خاص کر روزے میں ہر قسم کے گناہوں سے آنکھ، کان، ناک، دل، دماغ اور دوسرے اعضاء کو بچا کر رکھئے۔

(۴)...... عورتوں کو وقت کی پابندی اور مردوں کو باجماعت نماز کا اہتمام کرتے رہنا چاہیے۔

(۵)...... فرض اور سنت نمازوں کے علاوہ اشراق، چاشت، اوابین، صلوٰۃ التسبیح، تحیۃُ المسجد، تحیۃُ الوضوء اور تہجد کے نوافل کا حسبِ سہولت واستطاعت اہتمام کرنا چاہیے۔

(۶)...... نیک صحبت کا اہتمام، بُری صحبت سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(۷)...... جس قدر ہو سکے قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے۔

(۸)...... اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کی خیر اور بھلائی کی دعائیں مانگتے رہیے، خاص کر جنت کا سوال اور جہنَّم سے پناہ مانگتے رہیے۔ تمام مسلمانوں کی فتح ونصرت اور ظلم وستم سے نجات کی دعاء کیجئے۔

---

[۱] التهنئة بشهررمضان: "اخرج الاصبهانی فی الترغيب عن سلمان الفارسی قال خطب رسول اللهصلی الله عليه وسلم فی آخر يوم من شعبان فقال "ايهاالناس انه قد اظلكم شهرعظيم شهرمبارک فيه ليلة خير من الف شهر" الحديث. هذاالحديث اصل فی التهنئة بشهررمضان (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۹۳، كتاب الصلاة، باب العيد، وصول الامانی باصول التهانی)

(عن أبی هريرة قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " -أتاكم ") أی جاء كم "رمضان " أی زمانه أو أيامه "شهر مبارک "بدل أو بيان، والتقدير هو شهر مبارک، وظاهره الإخبار أی كثر خيره الحسی والمعنوی، كما هو مشاهد فيه، ويحتمل أن يكون دعاء أی جعله الله مباركا علينا وعليكم، وهو أصل فی التهنئة المتعارفة فی أول الشهور بالمباركة، ويؤيد الأول قوله -صلى الله عليه وسلم " :-اللهم بارک لنا فی رجب وشعبان وبلغنا رمضان "، إذ فيه إيماء إلى أن رمضان من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۹)......فوت شدہ حضرات کے لئے سنت کے مطابق ایصالِ ثواب اور مغفرت کی دعاء کیجئے۔

(۱۰)...... چلتے پھرتے مختلف اذکار مثلاً ’’ لَآاِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ‘‘اور’’اَسْتَغْفِرُاللّٰهَ ‘‘ کا ورد کیجیے اور درود شریف بھی پڑھتے رہیے۔

(۱۱)...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور سنت پر عمل کرنے کی کوشش کیجئے۔

(۱۲)......حسبِ قدرت صدقہ وخیرات میں حصہ شامل کیجئے۔

(۱۳)...... رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔

(۱۴)......ممکن ہو اور کوئی عذر نہ ہو تو آخری عشرہ میں اعتکاف کی بھی کوشش کیجئے۔

(۱۵)...... رمضان کے قیمتی لمحات اور اوقات کو فضول کاموں اور فضول باتوں سے محفوظ رکھنے کا بہت اہتمام کرنا چاہئے۔

آج کل بہت سے لوگ رمضان المبارک کے بابرکت مہینہ کی قیمتی گھڑیاں اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے، بے جا خرید وفروخت میں خرچ کر دیتے ہیں، جو کہ بہت نقصان کی بات ہے، اس قسم کی حرکات سے اپنے آپ کو بچا کر رکھئے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أصلـه مبـارک فلا يحتاج إلى الدعاء ، فإنه تحصيل الحاصل، لكن قد يقال :لا مانع من قبول زيادة البركة "فـرض الله عليكم صيامه "أى بالكتاب والسنة وإجماع الأمة " (مرقاة،ج۴ص۱۳۶۵، تحت رقم الحديث ۱۹۶۲، كتاب الصوم، الفصل الثالث)

رمضان کے چاند کے فضائل واحکام

چاند کی تاریخ کو زندہ اور باقی رکھنا سب مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہے، کیونکہ (مہینے اور سال کے سلسلے میں) شرعی احکام کا دارومدار چاند کے حساب پر ہے۔

چنانچہ رمضانُ المبارک کی ابتداء وانتہاء بھی چاند سے ہوتی ہے جس میں روزے کی فرضیت، اعتکاف اور لیلۃُ القدر جیسے احکام کی تفصیل داخل ہے۔

اسی طرح عیدُ الفطر، عیدُ الاضحیٰ اور اس طرح کے دوسرے اسلامی احکام بھی چاند کی تاریخوں سے وابستہ ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (سورہ بقرہ آیت ۱۸۹)

ترجمہ: لوگ آپ سے چاند کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ وہ لوگوں کے لئے اوقات (کے پہچاننے) اور حج (کے وقت کے جاننے) کا ذریعہ ہے (سورہ بقرہ)

یعنی چاند کے ذریعے تاریخوں اور مہینوں کا حساب معلوم ہوتا ہے، جس پر معاملات اور عبادات، بطورِ خاص حج وغیرہ کی بنیاد ہے۔ [1]

اسی مضمون کو سورہ یونس کی آیت میں اس عنوان سے بیان فرمایا گیا ہے کہ:

---

[1] ان كان السؤال عن الحكمة فى اختلاف حال القمر وتبدل امره فقد طابق الجواب السؤال حيث امر الله سبحانه بان يجيب بان الحكمة الظاهرة فى ذلك ان يكون معالم للناس يوقتون بها أمورهم ومعالم للعبادات الموقتة كالحج والصوم وغير ذلك يعرف بها أوقاتها -وان كان السؤال عن علة تبدل احوال القمر وهو الظاهر فهو جواب على اسلوب الحكيم تنبيها بان اللائق بحال السائل ان يسئل بالفائدة دون العلة إذ لا فائدة فى ذلك السؤال إذ حينئذ يلزمه الاشتغال بما لا يعنيه وهذا يدل على ان الاشتغال بالعلوم الغريبة كالهيئة والنجوم وغير ذلك مما ليس فيه فائدة دينية معتدة بها لا يجوز والمواقيت جمع ميقات اسم فمعز الدولة من الوقت والمراد به ما يعرف به اوقات الحج والصوم وآجال الديون وانقضاء العدة وغير ذلك (التفسير المظهرى، ج ا، ص ۲۱۰، سورة البقرة، تحت رقم الآية ۱۸۹؛ الناشر :مكتبة الرشدية -الباكستان)

وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ (سورہ یونس، آیت ۵)

ترجمہ: اور (اللہ تعالیٰ نے) چاند کی منزلوں کو مقرر فرما دیا تاکہ تم سالوں کے عدد اور حساب کو جان سکو (سورہ یونس)

اسی وجہ سے چاند کے دیکھنے کو بھی عبادت قرار دیا گیا ہے کیونکہ چاند کی تاریخوں کی حفاظت چاند دیکھنے سے ہی ہوسکتی ہے۔ [1]

نیا چاند دیکھنے کے وقت کی احادیث میں مستقل دعائیں بھی موجود ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أُحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ (ترمذی) [2]

ترجمہ: تم رمضان (کے حساب) کی وجہ سے شعبان کے چاند (اور اس کی تاریخوں) کے حساب کو خوب اچھی طرح محفوظ رکھو (ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ رمضان کی خاطر شعبان کا چاند دیکھنے اور اس کی تاریخیں یاد رکھنے کی خاص فکر اور خاص اہتمام کیا جائے اور جب شعبان کا چاند دیکھ کر اس مہینے کے انتیس دن ہوجائیں تو رمضان کا چاند دیکھنے کی پوری کوشش کی جائے۔ [3]

---

[1] وقدره منازل والضمير لكل واحد اى قدر مسير كل واحد منهما منازل -او قدر كل واحد منهما ذا منازل -او للقمر وتخصيصه بالذكر لمعائنة منازله واناطة احكام الشرع من الصوم والزكوة والحج به -ولذلك علله بقوله لتعلموا عدد السنين يعد الأشهر المنوطة بسير القمر والحساب اى حساب الأوقات من الأشهر والأيام فى معاملاتكم وتصرفاتكم (التفسير المظهرى، ج ١، ص ٢١٠، سورة يونس، تحت رقم الآية٥؛ الناشر :مكتبة الرشدية -الباكستان)

[2] رقم الحديث ٦٨٧،ابواب الصوم، باب ما جاء فى إحصاء هلال شعبان لرمضان، واللفظ لهٗ؛ سنن دارقطنى، رقم الحديث ٢١٧٤؛ السنن الكبرىٰ للبيهقى، رقم الحديث ٧٩٤٠؛ مستدرك حاكم، رقم الحديث ١٥٤٨.

قال الحاكم: صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "

[3] (وعنه) أى عن أبى هريرة (قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-أحصوا ") بفتح الهمزة أمر من الإحصاء ، وهو فى الأصل العد بالحصا أى عدوا "هلال شعبان "أى أيامه " لرمضان "أى لأجل رمضان أو للمحافظة على صوم رمضان، وقال ابن الملك :أى لتعلموا دخول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر کوئی بھی کوشش نہ کرے گا تو سب گنہگار رہوں گے۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَالَا يَتَحَفَّظُ مِنْ غَيْرِهٖ ثُمَّ يَصُوْمُ لِرُؤْيَةِ رَمَضَانَ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْهِ عَدَّثَلٰثِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ صَامَ (ابوداؤد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان (کے چاند اور اس مہینے کی تاریخوں) کو جتنے اہتمام سے محفوظ رکھتے تھے، اتنے اہتمام سے کسی دوسرے مہینے (کی تاریخوں) کو محفوظ نہیں رکھتے تھے، پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزے رکھتے تھے اور اگر (انتیس شعبان کو) چاند دکھائی نہ دیتا تو (شعبان کے) تیس دن پورے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رمضان، قال الطيبى :الإحصاء المبالغة فى العد بأنواع الجهد، ولذلک كنى به عن الطاقة فى قوله - صلى الله عليه وسلم " :-استقيموا ولن تحصوا "اهـ، ويمكن أن يقال :معناه ولن تعدوا استقامتكم شيئا معتدا به لأن المدار على فضل الله -تعالى، قال ابن حجر :أى اجتهدوا فى إحصائه وضبطه بأن تتحروا مطالعه وتتراء وا منازله لأجل أن تكونوا على بصيرة فى إدراک هلال رمضان على حقيقته حتى لا يفوتكم منه شىء (مرقاة المفاتيح، ج۴ص۱۳۷۷،باب رؤية الهلال)

(أحصوا) بضم الهمزة (قوله أحصوا بضم الهمزة :هو خطأ والصواب بفتح الهمزة لأنه من الاحصاء أه) عدوا واضبطوا والاحصاء أبلغ من العد فى الضبط لما فيه من إعمال الجهد فى العد (هلال شعبان لرمضان) أى لأجل صيامه والهلال ما يرفع الصوت عند رؤيته فغلب على الشهر الذى هو الهلال ذكره الحرانى وفى القاموس الهلال غرة القمر أو لليلتين أو لسبع والمراد أحصوا هلاله حتى تكملوا العدة إن غم عليكم أو تراؤوا هلال شعبان وأحصوه ليترتب عليه رمضان بالاستكمال أو الرؤية فإن قيل حديث العدد لا يقع فيه اضطراب فالأخذ به أولى ورد بالمنع وإن سلم فحديث الرؤية مثله بل أولى وقد قال أحصوا إلى آخره لأن فيه إظهار الشعار دونه(فيض القدير ج۱ص۱۹۳،حرف الهمزة)

[1] (وَيَجِبُ أَنْ يَلْتَمِسَ النَّاسُ الْهِلَالَ فِي التَّاسِعِ وَالْعِشْرِينَ مِنْ شَعْبَانَ وَقْتَ الْغُرُوبِ) وَهُوَ الْمَأْثُورُ عَنْهُ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ -وَعَنِ السَّلَفِ.(الاختيار لتعليل المختار ،ج۱ص۱۲۸، كتاب الصوم)

[2] رقم الحديث ۲۳۲۵، كتاب الصوم، باب اذا اغمى الشهر، واللفظ لهٗ؛ مسند احمد، رقم الحديث ۲۵۱۶۱صحيح ابن حبان رقم الحديث ۳۴۴۴.

فى حاشية مسند احمد:إسناده صحيح على شرط مسلم

کر کے پھر (رمضان کے) روزے رکھتے تھے (ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے اہتمام کی وجہ سے شعبان کا چاند دیکھنے اور اس کی تاریخیں یاد رکھنے کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِذَا رَأَیْتُمُ الْھِلَالَ فَصُوْمُوْا، وَإِذَا رَأَیْتُمُوْہُ فَأَفْطِرُوْا، فَإِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَصُوْمُوْا ثَلَاثِیْنَ یَوْمًا (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو (یعنی عید مناؤ) پھر اگر (انتیس رمضان کو) چاند نظر نہ آئے تو تم تیس دن روزہ رکھو (مسلم)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلشَّھْرُ یَکُوْنُ تِسْعَۃٌ وَّعِشْرِیْنَ وَیَکُوْنُ ثَلَاثِیْنَ فَإِذَا رَأَیْتُمُوْہُ فَصُوْمُوْا وَإِذَا رَأَیْتُمُوْہُ فَأَفْطِرُوْا فَإِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَأَکْمِلُوا الْعِدَّۃَ (سنن نسائی، رقم الحدیث ۲۱۳۸، کتاب الصیام)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے اور تیس دن کا بھی، پس جب تم (رمضان کا) چاند دیکھو تو (رمضان کے) روزے رکھو، اور جب تم (شوال کے مہینے کا) چاند دیکھو تو افطار کرو (یعنی عید الفطر مناؤ اور رمضان کے روزوں کی پابندی کو ختم سمجھو) اور اگر تم کو چاند دکھائی نہ دے،

---

[1] عن عائشة -رضی الله عنها -قالت :كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم -يتحفظ من شعبان) أی يتكلف فی عد أيام شعبان لمحافظة صوم رمضان (ما لا يتحفظ من غيره) لعدم تعلق أمر شرعی بغيره إلا شهر الحج، وهو نادر لا يحتاج إليه كل أحد فی كل سنة، مع أن ضبطه قد يبتنى على ضبطه (ثم يصوم لرؤية رمضان، فإن غم عليه) أی شعبان (عد ثلاثين يوما ثم صام) (مرقاة، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال، الفصل الثالث)

[2] رقم الحديث ١٠٨١ "١٧" كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال.

تو (تیس دنوں کی) تعداد پوری کرو (نسائی)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا تُقَدِّمُوْا الشَّھْرَ حَتّٰی تَرَوُا الْھِلَالَ، أَوْ تُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ، ثُمَّ صُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوُا الْھِلَالَ، أَوْ تُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مہینے کو جلدی شروع نہ کرو (مثلاً رمضان کا روزہ نہ رکھو) جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو، یا (تیس دنوں کی) تعداد پوری نہ کرلو، اس کے بعد (یعنی چاند دیکھ کر یا تیس دن پورے کر کے رمضان کے) روزے رکھو (پھر روزے اس وقت تک رکھتے رہو) جب تک تم (شوال کا) چاند نہ دیکھ لو، یا (تیس دنوں کی) تعداد پوری نہ کرلو (ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَحْصُوْا ھِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ وَلَا تَخْلِطُوْا بِرَمَضَانَ إِلَّا أَنْ یُّوَافِقَ ذٰلِکَ صِیَامًا کَانَ یَصُوْمُہٗ أَحَدُکُمْ وَصُوْمُوْا لِرُؤْیَتِہٖ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْیَتِہٖ فَإِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَإِنَّھَا لَیْسَتْ تُغْمٰی عَلَیْکُمُ الْعِدَّۃُ (سنن دارقطنی) [2]

---

[1] رقم الحدیث ۲۳۲۶، کتاب الصوم، باب اذا اغمی الشھر.

[2] رقم الحدیث ۲۱۷۴، کتاب الصیام، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت.

قال الألبانی فی "السلسلۃ الصحیحۃ ۱۰۳/۲ : أخرجہ الدارقطنی (ص ۲۳۰) و الحاکم (۱/۴۲۵) و عنھما البیھقی (۲۰۶/۴) و البغوی فی "شرح السنۃ" (۲/۱۸۲/۲-۱) من طریق أبی معاویۃ عن محمد بن عمرو عن أبی سلمۃ عن أبی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکرہ. و قال الحاکم ": صحیح علی شرط مسلم. " و وافقہ الذھبی. و أقول: إنما ھو حسن فقط للخلاف فی محمد بن عمرو و لأن مسلما لم یحتج بہ و إنما روی لہ متابعۃ. ثم إن الحدیث بھذا التمام للدارقطنی وحدہ و لیس عند البغوی قولہ ": و صوموا لرؤیتہ " ...الخ. و عند الحاکم الفقرۃ الأولی منہ فقط. و کذلک أخرجہ الترمذی (۱/۱۳۳) و أعلہ بقولہ ": لا نعرفہ مثل ھذا إلا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم شعبان کے چاند کو رمضان کے لیے محفوظ کرو (تا کہ رمضان کی ابتداء میں دشواری اور گڑ بڑ نہ ہو) اور تم (شعبان کے آخر میں روزہ رکھ کر) رمضان کے ساتھ خلط ملط نہ کرو، مگر یہ کہ یہ دن کسی کے اُس روزے کے موافق ہو جائے کہ تم میں سے کوئی اُس دن کا (نفلی) روزہ رکھتا تھا، اور تم چاند دیکھ کر روزہ رکھو (یعنی رمضان کو شروع کرو) اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو (یعنی شوال کو شروع کرو) پھر اگر تم پر موسم اَبر آلود ہو جائے (جس کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے) تو تم پر تعداد غائب نہیں ہوتی (یعنی تم کو تیس دن پورے کرنا مشکل نہیں) (دار قطنی)

شعبان کے آخر میں اور رمضان شروع ہونے سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنا منع ہے، تا کہ رمضان کے مہینے پر زیادتی اور اسلامی تقویم میں خرابی اور باطل مذاہب کے ساتھ تشبہ لازم نہ آئے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام کی مقدار یا کیفیت میں زیادتی وغلو سے کام لیا تھا، جس کا نتیجہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے احکام میں تحریف کی شکل میں ظاہر ہوا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من حديث أبى معاوية و الصحيح ما روى عن محمد بن عمرو عن أبى سلمة عن أبى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال " :لا تقدموا شهر رمضان بيوم أو يومين . " و هكذا روى عن يحيى بن أبى كثير عن أبى سلمة عن أبى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم نحو حديث محمد بن عمرو الليثى . " قلت :لما لم يقع للترمذى من الحديث إلا طرفه الأول كما أشرنا قام فى نفسه أن أبا معاوية وهم فيه فقال " :احصوا هلال شعبان لرمضان "مكان قوله " :لا تقدموا " ...الخ .و لذلك حكم عليه بالوهم و لست أرى ذلك لأن رواية الدارقطنى قد جمعت بين الفقرتين غاية ما فى الأمر أنه وقع فيها "و لا تخلطوا برمضان "بدل قوله "لا تقدموا شهر رمضان بيوم أو يومين "و لا يخفى أن المعنى واحد ، لاسيما و لفظه عند البغوى " :و لا تصلوا رمضان بشىء إلا أن يوافق ... "الخ . و كأنه لما ذكرنا سكت البيهقى عن الحديث فلم يعله بشىء .على أنى قد وجدت لأبى معاوية متابعا أخرجه الضياء المقدسى فى "المنتقى من مسموعاته بمرو "(ق۹۷/۱)من طريق يحيى بن راشد حدثنا محمد بن عمرو به .و يحيى بن راشد هو المازنى البراء و هو ضعيف يصلح للاعتبار و الاستشهاد ، فثبت أن الحديث حسن .و الله أعلم(السلسلة الصحيحة الكاملة، تحت حديث رقم ۵۶۵)

البتہ اگر کسی کا مخصوص دِنوں (مثلاً پیر، جمعرات وغیرہ) میں نفل روزے رکھنے کا معمول ہو، اور یہ دن (مثلاً پیر، جمعرات وغیرہ) اتفاق سے انتیس یا تیس شعبان کو واقع ہو رہا ہو، تو اُس کو اپنے اس معمول کے مطابق ان دِنوں میں نفلی روزہ رکھنے میں حرج نہیں، بشرطیکہ اس کو رمضان کا روزہ نہ سمجھا جائے، بلکہ معمول والا نفلی روزہ سمجھا جائے، اوراس کے روزہ رکھنے سے کسی دوسرے کے لئے رمضان کا روزہ ہونے کی غلط فہمی بھی پیدا نہ ہو۔ [1]

قرآنی آیات اوراحادیث کے بعداب چاند سے متعلق چند ضروری مسائل ملاحظہ فرمائیں:

مسئلہ نمبر۱......احادیث سے معلوم ہوا کہ مہینے کے اگر انتیس دن پورے ہونے کے بعد چاند دکھائی نہ دے تو پھر تیس دن پورے کیے جائیں۔

مسئلہ نمبر۲......قمری یعنی چاندوالے مہینے کے شروع اور ختم ہونے کا معیار فلکیات وغیرہ کے حساب پرنہیں بلکہ رؤیت پر ہے، جبکہ وہ معتبر اور صحیح ہواور رؤیت یا تو انتیس دن کے بعد ہوتی ہے یا پھر تیس دن مکمل ہونے پر شرعاً معتبر سمجھی جاتی ہے،اس لئے شرعاً مہینے کے ثبوت کے لئے اصل اعتماد رؤیتِ ہلال پر ہوگا، البتہ فلکی حسابات اور فلکی رصدگاہوں سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے، تاکہ احادیثِ نبوی پر بھی عمل ہو، اور سائنسی حقائق کی بھی رعایت ہوسکے (جدہ فقہ اکیڈمی کی قراردادیں اور سفارشات، صفحہ ۴۹، اسلامی فقہ اکیڈمی، جدہ، سعودی عرب) [2]

---

[1] قال الترمذی: وَفِی البَابِ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .رَوَاهُ مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ، عَنْ رِبْعِیِّ بْنِ حِرَاشٍ، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِ هَذَا .حَدِيثُ أَبِی هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ ، "وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ : كَرِهُوا أَنْ يَتَعَجَّلَ الرَّجُلُ بِصِيَامٍ قَبْلَ دُخُولِ شَهْرِ رَمَضَانَ لِمَعْنَى رَمَضَانَ، وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يَصُومُ صَوْمًا فَوَافَقَ صِيَامُهُ ذَلِکَ فَلَا بَأْسَ بِهِ عِنْدَهُمْ.

[2] رابطہ عالمِ اسلامی کی المجمع الفقہ الاسلامی نے ۱۹تا۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ، بمطابق 11 تا 13 فروری 2012ء کو مکہ مکرمہ میں منعقد عالمی کانفرنس میں غور وفکر کے بعد اس سلسلہ میں جو قرارداد منظور کی، اس کی شق نمبر۱،۳،۴،۸،۱۰ درجِ ذیل ہے:

(۱)......قمری مہینے کے آغاز اور اختتام کے ثبوت کے لئے اصل (معیار) چاند کو دیکھنا ہے، چاہے وہ نری آنکھ سے ہو، یا رصدگاہوں اور دیگر فلکی آلات کے ذریعہ ہو، اور اگر چاند نظر نہ آئے تو مہینہ کے تیس دن مکمل کیئے جائیں گے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... رمضان کے چاند کی طرح انتیس رمضان کو شوال کا چاند دیکھنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(۳)...... یہ ضروری ہے کہ گواہی دینے والے شخص میں گواہی کو قبول کرنے کی معتبر شرائط پائی جائیں، اور اس کے موانع اس میں نہ ہوں، نیز نگاہ کی تیزی کے بارے میں اطمینان کیا جائے، اور اس بات کا بھی اطمینان کیا جائے کہ چاند دیکھنے کے وقت رؤیت کی کیا کیفیت تھی، اور اس جیسی باتوں کا اطمینان کیا جائے، جس سے اس کی شہادت کے بارے میں شک کی گنجائش نہ رہے۔

(۴)...... فلکی حساب ایک مستقل علم ہے، جس کے اپنے اصول اور قواعد ہیں، جس کے بعض نتائج کی رعایت رکھنا مناسب ہے، جیسا کہ چاند اور سورج کے اقتران کا وقت، چاند کا سورج کی ٹکیہ سے پہلے یا بعد میں غائب ہونا، اور یہ کہ چاند کی اونچائی اس کے سورج کے ساتھ اقتران ہونے کے بعد والی رات میں کتنی ہوگی؟؟

اسی وجہ سے چاند دیکھنے کی گواہی کو قبول کرنے کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ چاند کا نظر آنا علمِ ہیئت کے مسلّم اور قطعی حقائق جو معتبر فلکی اداروں سے صادر ہوتے ہیں، ان کے مطابق ناممکن نہ ہو، مثلاً (چاند اور سورج کے) ٹھیک اقتران کے وقت، یا غروبِ آفتاب سے پہلے چاند غروب ہونے کی صورت میں۔

(۸)...... لوگوں کے مصالح اور معاملات (میں آسانی) کی خاطر شریعت جدید علوم، جیسے ترقی یافتہ فلکی حساب اور فلکی رصد، سے استفادے کو منع نہیں کرتی، کیونکہ اسلام، سائنس اور اس کے حقائق سے معارض نہیں۔

(۱۰)...... مسلمان حکومتوں کو اس بات کی ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ رؤیت کے وسائل اور چاند کی جستجو کے لئے کچھ اداروں کو مختص کرنے کا اہتمام فرمائیں۔

(ماخوذ: ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی، جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ، اپریل 2012ء، بعنوان ''رؤیتِ ہلال پر رابطہ عالمِ اسلامی کی عالمی کانفرنس اور اس کے نتائج''، مضمون: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم)

اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قمری مہینے کا شروع ہونا چاند دیکھنے پر موقوف ہے، فلکیات کے فن سے اتنی مدد تو لی جاسکتی ہے کہ آج چاند ہونے کا امکان ہے یا نہیں، لیکن جب تک (حقیقی یا حکمی) رؤیت کے ذریعے چاند ہونے کا ثبوت نہ ہو جائے، محض فلکیات کے حساب سے چاند ہونے کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، مختصر یہ کہ چاند ہونے میں رؤیت کا اعتبار ہے، فلکیات کے حساب کا اعتبار بغیر رؤیت کے نہیں (آپ کے مسائل اور ان کا حل، جلد سوم، صفحہ ۲۶۱؛ مکتبہ: بینات، کراچی نمبر۵)

[1] قوله" :يجب "الظاهر منه الافتراض لأنه يتوصل به إلى الفرض وكذا يجب التماس هلال شوال في غروب التاسع والعشرين من رمضان قوله" :التماس الهلال "أي طلب رؤيته (حاشية

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴ ...... اگر کسی نے انتیس شعبان کو رمضان کا چاند دیکھ لیا، مگر اس کی گواہی قاضی یا مجوزہ رویتِ ہلال کمیٹی نے قبول نہیں کی تھی، اور اس نے اپنی رؤیت کی بناء پر اگلے دن یعنی تیس شعبان کو رمضان کا روزہ رکھ لیا، اور پھر تیس روزے پورے ہونے پر بھی رؤیت نہ ہوئی، تو یہ شخص اکتیسواں روزہ بھی رکھے گا، اور دوسروں کے ساتھ ہی عید کرے گا (کذا فی احسن الفتاویٰ، جلد۴، صفحہ۴۲۸و۴۲۹) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، صفحه ٦٤٦، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال وفی صوم يوم الشک)

قال فی الهداية :وينبغی للناس أن يلتمسوا الهلال فی اليوم التاسع والعشرين من شعبان أی يجب عليهم، وفيه تساهل، فإن الترائی إنما يجب ليلة الثلاثين لا فی اليوم الذی هو عشيته كذا فی الفتح قال فی الحواشی السعدية :وفيه بحث فإنه يبدأ بالالتماس قبل الغروب اهـ. (منحة الخالق، جلد٢، صفحه ٢٨٤، كتاب الصوم، بما يثبت شهر رمضان)

رابطہ عالمِ اسلامی کی المجمع الفقہ الاسلامی نے ۱۹تا۲۱ربیع الاول ۱۴۳۳ھ، بمطابق 11 تا13 فروری 2012ء کو مکہ مکرمہ میں منعقد عالمی کانفرنس میں غور وفکر کے بعد اس سلسلہ میں جو قرارداد منظور کی، اس کی شق نمبر۲ درج ذیل ہے:

> سال کے ہر مہینہ میں چاند کی جستجو واجب علی الکفایہ ہے، کیونکہ اس عمل پر دیگر واجبات موقوف ہیں، اس بات کی تائید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور تقریر سے ہوتی ہے (ماخوذ: ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی، صفحہ نمبر۳۴، جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ، اپریل 2012ء، بعنوان ''رؤیتِ ہلال پر رابطہ عالمِ اسلامی کی عالمی کانفرنس اور اس کے نتائج''، مضمون: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم)

[1] **(تَنْبِيهٌ) : لَوْ صَامَ رَائِی هِلَالِ رَمَضَانَ وَأَكْمَلَ الْعِدَّةَ لَمْ يُفْطِرْ إلَّا مَعَ الْإِمَامِ لِقَوْلِهِ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ -صَوْمُكُمْ يَوْمَ تَصُومُونَ وَفِطْرُكُمْ يَوْمَ تُفْطِرُونَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَغَيْرُهُ وَالنَّاسُ لَمْ يُفْطِرُوا فِی مِثْلِ هَذَا الْيَوْمِ فَوَجَبَ أَنْ لَا يُفْطِرَ نَهْرٌ (قَوْلُهُ وُجُوبًا وَقِيلَ نَدْبًا) قَالَ فِی الْبَدَائِعِ الْمُحَقِّقُونَ قَالُوا :لَا رِوَايَةَ فِی وُجُوبِ الصَّوْمِ عَلَيْهِ، وَإِنَّمَا الرِّوَايَةُ أَنَّهُ يَصُومُ وَهُوَ مَحْمُولٌ عَلَى النَّدْبِ احْتِيَاطًا .اهـ.**

قَالَ فِی التُّحْفَةِ :يَجِبُ عَلَيْهِ الصَّوْمُ .وَفِی الْمَبْسُوطِ عَلَيْهِ صَوْمُ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَهُوَ ظَاهِرُ اسْتِدْلَالِهِمْ فِی هِلَالِ رَمَضَانَ بِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ)وَفِی الْعِيدِ بِالِاحْتِيَاطِ نَهْرٌ وَمَا فِی الْبَدَائِعِ مُخَالِفٌ لِمَا فِی أَكْثَرِ الْمُعْتَبَرَاتِ مِنْ التَّصْرِيحِ بِالْوُجُوبِ نُوحٌ.

قُلْت :وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْوُجُوبِ الْمُصْطَلَحُ لَا الْفَرْضُ؛ لِأَنَّ كَوْنَهُ مِنْ رَمَضَانَ لَيْسَ قَطْعِيًّا وَلِذَا سَاغَ الْقَوْلُ بِنَدْبِ صَوْمِهِ وَسَقَطَتْ الْكَفَّارَةُ بِفِطْرِهِ وَلَوْ كَانَ قَطْعِيًّا لَلَزِمَ النَّاسَ صَوْمُهُ .عَلَى أَنَّ الْحَسَنَ وَابْنَ سِيرِينَ وَعَطَاءً قَالُوا لَا يَصُومُ إلَّا مَعَ الْإِمَامِ كَمَا نَقَلَهُ فِی الْبَحْرِ فَافْهَمْ (ردالمحتار، ج٢، ص ٣٨٤، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان)

مسئلہ نمبر۵ ...... اگر کسی نے انتیس رمضان کو عید کا چاند دیکھا لیکن اس کی گواہی کسی شرعی وجہ سے قبول نہیں کی گئی تو اس کو اگلے دن تیس رمضان کا روزہ رکھنا ضروری ہے (کذا فی احسن الفتاویٰ، جلد۴، صفحہ ۴۲۸) [1]

مسئلہ نمبر۶ ...... رمضان اور عیدین کا معاملہ چونکہ ایک اجتماعی حیثیت رکھتا ہے جس میں انتظامی مضبوطی اور فیصلے کی بھی ضرورت ہے۔

لہٰذا شریعت نے مسلمان حاکم یا قاضی (یا اس کے مجوزہ فرد یا کمیٹی) کو چاند کی گواہی لینے کے بعد شرعی اصولوں کے مطابق فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے، پس جہاں اس کا انتظام ہو وہاں اس کے فیصلے کو ہی اجتماعی اعتبار سے معیار قرار دیا جائے گا (مگر یہ کہ وہ فیصلہ ہی شرعی اصولوں کے خلاف ہو، جس کی تحقیق اہلِ علم حضرات کا کام ہے)

آج کل پاکستان میں ''مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی'' کو یہ ذمہ داری سپرد کی گئی ہے (اور اہلِ علم حضرات کے فتوے کی رو سے عموماً اس کمیٹی کا فیصلہ شرعی اصولوں کے مطابق ہوتا ہے) پاکستان کی موجودہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی جو رمضان وعیدین اور دیگر قمری مہینوں کے چاند کے نظر آنے کا فیصلہ کرتی ہے، اس کی حیثیت قضاءِ قاضی کی ہے جو ملک کے باشندگان کے لئے حجتِ شرعیہ ہے، اس لئے اس کے برخلاف باشندگانِ ملک کا انفراداً یا کسی متوازی کمیٹی کے فیصلے کی بنیاد پر چاند کی رؤیت کا عمومی فیصلہ صادر کرنا بالخصوص عید کروا کر روزہ چھڑانا درست نہیں ہے۔ [2]

---

[1] (رَأَى) مُكَلَّفٌ (هِلَالَ رَمَضَانَ أَوْ الْفِطْرِ وَرُدَّ قَوْلُهُ) بِدَلِيلٍ شَرْعِيٍّ (صَامَ) مُطْلَقًا وُجُوبًا وَقِيلَ نَدْبًا (فَإِنْ أَفْطَرَ قَضَى فَقَطْ) فِيهِمَا لِشُبْهَةِ الرَّدِّ (الدر المختار مع شرحه ردالمحتار، ج۲، ص ۳۸۴، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان)

[2] رابطہ عالمِ اسلامی کی المجمع الفقہ الاسلامی نے ۱۹ تا ۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ، بمطابق 11 تا 13 فروری 2012ء کو مکہ مکرمہ میں منعقد عالمی کانفرنس میں غور وفکر کے بعد اس سلسلہ میں جو قرارداد منظور کی، اس کی شق نمبر ۷ اور ۹ درجِ ذیل ہے:

(۷)......قمری مہینوں کے آغاز کا فیصلہ کرنا، جبکہ اس کے ساتھ عبادات کا تعلق ہو، ایک شرعی معاملہ ہے، چنانچہ اس کی ذمہ داری علمائے شریعت پر عائد ہوتی ہے، جنہیں بااختیار اداروں نے مقرر کیا ہو، یا ایسے لوگوں نے جو بااختیار اداروں کے حکم میں ہوں، اور ماہرینِ ہیئت اور فلکی اداروں کی ذمہ داری چاند کی ولادت، اس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷ ...... جو ممالک غیر مسلموں کے زیرِ تسلط ہیں، اور وہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، وہاں مسلمانوں کا کوئی معتبر ادارہ یا اہلِ علم حضرات کی مستند ومعتبر جماعت اگر چاند کی رؤیت کا شرعی اصولوں کے مطابق اعلان اور فیصلہ کرے، تو اُس پر عمل کرنا چاہئے، اور اگر اس طرح کا کوئی انتظام نہ ہو، اور چاند کی رؤیت کے بارے میں فیصلہ کرنے میں دشواری کا سامنا ہو، تو وہاں کے مسلمانوں کو قریب ترین مسلمانوں کے ملک کی رؤیت کے مطابق عمل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کے مقام اور کرۂ ارضیہ میں کسی بھی جگہ رؤیت کے حالات کے سلسلہ میں دقیق حساب اور دیگر معلومات فراہم کرنا ہے، جو کہ ان خاص شرعی اداروں کے لئے صحیح اور دقیق فیصلہ صادر کرنے میں معین ثابت ہو۔

(۹)...... جب کسی مہینے کا آغاز کسی شرعی ادارے کے ذریعے ثابت ہو جائے، اور اس پر مسلمان ملک کے سربراہ نے اعتماد کیا ہو، تو اس کے بارے میں بحث ومباحثہ میں پڑنا اور شکوک پیدا کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے، جس میں حاکم کے فیصلے سے اختلاف ختم ہو جاتا ہے (ماخوذ: ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی، صفحہ نمبر ۳۵، جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ، اپریل 2012ء، بعنوان ''رؤیتِ ہلال پر رابطہ عالمِ اسلامی کی عالمی کانفرنس اور اس کے نتائج''، مضمون: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم)

اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(۱)...... رؤیتِ ہلال کمیٹی اہلِ علم پر مشتمل ہے، یہ حضرات ثبوتِ رؤیت کے مسائل ہم سے تو بہر حال زیادہ ہی جانتے ہیں، اس لیے ہمیں ان پر اعتماد کرنا چاہیے (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد سوم، صفحہ ۲۵۶؛ مکتبہ: بینات، کراچی نمبر ۵)

(۲)...... جہاں تک مجھے معلوم ہے رؤیتِ ہلال کا فیصلہ شرعی قواعد کے مطابق ہوتا ہے، اور یہ پورے ملک کے لیے واجبُ العمل ہے، اور جب تک یہ کام لائق اعتماد ہاتھوں میں رہے اور وہ شرعی قواعد کے مطابق فیصلے کریں، ان کے اعلان کے مطابق عمل لازم ہے (ایضاً صفحہ ۲۵۷)

(۳)...... مردان وغیرہ علاقوں میں ایک دو دن پہلے رؤیت کیسے ہو جاتی ہے؟

یہ معمہ ہماری سمجھ میں بھی نہیں آیا؛ بہر حال جب ملک میں رؤیتِ ہلال کمیٹی مقرر ہے اور سرکاری طور پر مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کو چاند ہونے یا نہ ہونے کے فیصلے کا اختیار دیا گیا ہے، تو مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلے کے خلاف کسی عالم کا فیصلہ شرعاً حجتِ ملزمہ نہیں، اس لیے ان علاقوں کے لوگوں کا فرض ہے کہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلے کی پابندی کریں اور ان علاقوں میں چاند نظر آجائے تو باضابطہ شہادت مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی یا اس کے نامزد کردہ نمائندہ کے سامنے پیش کر کے اس کے فیصلے کی پابندی کریں (ایضاً ۲۵۷)

تفصیلی دلائل کے لئے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ: ''پاکستان کی موجودہ رؤیتِ ہلال کمیٹی کی شرعی حیثیت''

کر لینا درست ہے۔[1]

مسئلہ نمبر ۸...... ایک شخص کا رمضان مثلاً سعودی عرب میں موجود ہوتے ہوئے شروع ہوا، اور رمضان کے درمیان وہ شخص مثلاً پاکستان یا ہندوستان میں آ گیا۔

اور سعودی عرب میں رمضان کا آغاز ایک یا دو دن پہلے ہو چکا تھا، تو اب یہاں پر آنے کے بعد وہ شخص یہاں والوں کے ساتھ روزے رکھے گا (خواہ اس کے روزے اکتیس ہو جائیں) اور فاضل روزے نفلی شمار ہوں گے۔

اگر کوئی اس کے برعکس رمضان میں سعودی عرب چلا گیا تو وہ وہاں کے اعتبار سے عید کرے گا اور باقی ماندہ روزہ کی بعد میں قضا بھی کرے گا (احسن الفتاویٰ، ج ۴ ص ۴۳۳؛ فتاویٰ عثمانی، ج ۲ ص ۱۷۶، ۱۷۷، خیر الفتاوی ج ۴ ص ۴۵؛ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۳۲۷)

چاند سے متعلق چند قابلِ اصلاح وقابلِ توجہ پہلو

(۱)...... آج کل بہت سے مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ چاند دیکھنے کا ذرا اہتمام نہیں کرتے بلکہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ چاند کا کونسا مہینہ چل رہا اور کونسا آنے والا ہے، بلکہ عیدین اور رمضان وغیرہ کی تعیین اور پہچان کے لئے بھی انگریزی وعیسوی تاریخوں اور مہینوں کو بنیاد بنایا جاتا ہے کہ رمضان فلاں عیسوی مہینہ کی فلاں تاریخ سے شروع ہو رہا ہے اور عید

---

[1] رابطہ عالمِ اسلامی کی المجمع الفقہ الاسلامی نے ۱۹ تا ۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ، بمطابق 11 تا 13 فروری 2012ء کو مکہ مکرمہ میں منعقد عالمی کانفرنس میں غور وفکر کے بعد اس سلسلہ میں جو قرارداد منظور کی، اس کی شق نمبر ۵، ۶ میں ہے کہ:

(۵)...... ایک ملک کی مسلم اقلیتوں کے لئے اس ملک کے بعض علاقوں میں چاند کو دیکھنا باقی علاقوں کے مسلمانوں کے لئے کافی ہوگا، تاکہ ان کا روزہ اور عید ایک ساتھ ہو۔

(۶)...... جن ممالک میں مسلم اقلیتیں مقیم ہیں، اور انہیں چاند نظر آنا کسی وجہ سے ممکن نہیں، تو وہ قریب ترین مسلمان ملک کی رؤیت پر عمل کریں، یا ایسے قریب ترین ملک کی رؤیت پر جہاں مسلمان آبادی ہو، اور جہاں رؤیت کا ثبوت اس مسلمان آبادی کے کسی نمائندہ ادارے، مثلاً مرکز اسلامی وغیرہ، کی طرف سے صادر ہوا ہو

(ماخوذ: ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی، صفحہ نمبر ۳۵، جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ، اپریل 2012ء، بعنوان ''رؤیتِ ہلال پر رابطہ عالمِ اسلامی کی عالمی کانفرنس اور اس کے نتائج''، مضمون: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم)

عیسوی مہینہ کی فلاں تاریخ میں آرہی ہے وغیرہ وغیرہ۔ چاند کی تاریخوں اور مہینوں سے اتنی غفلت قابلِ افسوس بات ہے، جس کی اصلاح ہونی چاہئے۔

(۲)...... انتیس شعبان گزر کر جب تک چاند کا باضابطہ اعلان نہیں ہوجاتا اس وقت تک بہت سے لوگ غافل اور بے فکر رہتے ہیں بلکہ سمجھتے ہیں کہ روزہ شروع ہونے کے بعد رمضان کا آغاز ہوتا ہے۔

حالانکہ چاند نظر آتے ہی رمضان شروع ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر چاند کا اعلان سورج غروب ہونے کے بعد کسی وجہ سے تاخیر سے ہوا ہو تو سورج غروب ہونے پر رمضان کی بابرکت گھڑیاں شروع ہوجاتی ہیں۔

لہٰذا انتیس شعبان کو غروب ہونے سے پہلے ہی رمضانُ المبارک کی تیاری کر لینی چاہئے۔

(۳)......بعض لوگ چاند نظر آنے (یا چاند کا اعلان ہونے پر) آتش بازی یا اسلحہ سے چاند کا اعلان یا خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ جبکہ یہ طریقہ شرعاً ثابت نہیں بلکہ ناپسندیدہ اور خطرناک گناہ ہے۔

(۴)......بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ جس دن رجب کے مہینے کی چوتھی تاریخ ہو اس دن رمضان کی پہلی تاریخ ہوتی ہے۔

مگر یاد رکھئے کہ شریعت میں اس بات کا کچھ اعتبار نہیں ہے اگر چاند نہ ہو تو روزہ نہ رکھنا چاہئے (بہشتی زیور حصہ سوم) [1]

(۵)......بعض لوگ چاند دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ چاند بہت بڑا ہے کل کا معلوم ہوتا ہے۔

یہ کہنا بُرا ہے؛ حدیث میں ایسا کہنے کو قیامت کی علامات ونشانیوں میں شمار کیا گیا ہے۔

---

[1] (قَوْلُهُ :وَلَا عِبْرَةَ بِقَوْلِ الْمُؤَقِّتِيْنِ) أَیْ فِی وُجُوبِ الصَّوْمِ عَلَى النَّاسِ بَلْ فِی الْمِعْرَاجِ لَا يُعْتَبَرُ قَوْلُهُمْ بِالْإِجْمَاعِ، وَلَا يَجُوزُ لِلْمُنَجِّمِ أَنْ يَعْمَلَ بِحِسَابِ نَفْسِهِ، وَفِی النَّهْرِ فَلَا يَلْزَمُ بِقَوْلِ الْمُؤَقِّتِينَ أَنَّهُ أَیْ الْهِلَالَ يَكُونُ فِی السَّمَاءِ لَيْلَةَ كَذَا وَإِنْ كَانُوا عُدُولًا فِی الصَّحِيحِ كَمَا فِی الْإِيضَاحِ (ردالمحتار، ج ۲، ص ۳۸۷، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ انْتِفَاخُ الْأَهِلَّةِ، حَتّٰى يُرَى الْهِلَالُ لِلَيْلَتِهِ، فَيُقَالُ: هُوَ لِلَيْلَتَيْنِ (المعجم الاوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی چاند کا بڑا دِکھائی دینا ہے، یہاں تک کہ چاند اسی رات کا نظر آئے گا، مگر یہ کہا جائے گا کہ وہ دو راتوں کا ہے (طبرانی)

(۶)...... چاند دیکھتے وقت اس کی طرف اشارہ کرنا مناسب نہیں۔ [2]

(۷)...... بعض لوگ رمضان کے مہینہ کے انتیس یا تیس دن کا ہونے کے بارے میں مختلف نظریات وخیالات رکھتے ہیں، اور اس سلسلے میں مختلف بحثوں اور تبصروں میں مبتلا پائے گئے ہیں۔

چنانچہ بعض لوگ اس بے جا کوشش اور جستجو میں رہتے ہیں کہ کسی طرح رمضان کا مہینہ انتیس دن کا ہوجائے، اور اس کے لئے دعائیں بھی کرتے ہیں، اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ رمضان اور روزہ کی پابندیاں ختم ہوجائیں، حالانکہ رمضان اور روزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

---

[1] رقم الحديث ٦٨٦٤، دارالحرمين، القاهرة، واللفظ لهٗ، المعجم الصغير للطبرانی، رقم الحديث ٨٧٧، مسند الشاميين للطبرانی، رقم الحديث ٣٣٥٦.

قال الالبانی: الحديث صحيح عندی علی كل حال، فإن له شواهد تقويه (السلسلة الصحيحة للالبانی، تحت حديث رقم ٢٢٩٢)

[2] (فَرْعٌ) إذَا رَأَوُا الْهِلَالَ يُكْرَهُ أَنْ يُشِيرُوا إلَيْهِ لِأَنَّهُ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ كَمَا فِی السِّرَاجِيَّةِ وَكَرَاهَةِ الْبَزَّازِيَّةِ (الدرالمختار مع شرحه رد المحتار، ج٢ص ٣٩٤، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان)

(قَوْلُهُ: يُكْرَهُ) ظَاهِرُهُ وَلَوْ بِقَصْدِ دَلَالَةِ مَنْ لَمْ يَرَهُ وَظَاهِرُ الْعِلَّةِ أَنَّ الْكَرَاهَةَ تَنْزِيهِيَّةٌ ط وَاَللّٰهُ أَعْلَمُ (ردالمحتار، ج٢ص ٣٩٤، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان)

وفی الفتاوی الظهيرية وتكره الإشارة عند رؤية الهلال تحرزا عن التشبه بأهل الجاهلية (البحرالرائق، ج٢ص ٢٨٤، كتاب الصوم، بما يثبت شهر رمضان)

وَتُكْرَهُ الْإِشَارَةُ إلَى الْهِلَالِ عِنْدَ رُؤْيَتِهِ، لِأَنَّهُ فِعْلُ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ (فتح القدير للكمال ابن الهمام، ج٢ ص ٣١٣، كتاب الصوم، فصل فی رؤية الهلال)

ایک عظیم نعمت اور دولت ہے اس کے گزر جانے پر خوشی کے بجائے حسرت ہونی چاہیے، نہ یہ کہ اس نعمت کے ہوتے ہوئے بھی اس کی قدر کرنے کے بجائے اس سے جان چرانے کی کوشش ہو۔

بعض لوگ انتیس یا تیس دن کا مہینہ ہونے کو قسمت کے اعتبار سے بھاری یا آسان یعنی اچھا یا بُرا خیال کرتے ہیں، یہ منگھڑت عقیدہ ہے اور اس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

اور بعض لوگ اس کے برعکس ایسے ہیں کہ وہ رمضان کا مہینہ تیس دن کا ہونے کو زیادہ ثواب سمجھتے ہیں، اور اگر رمضان کا مہینہ انتیس دن کا ہو جائے تو پھر خیال کرتے ہیں کہ رمضان کے پورے مہینہ کے ثواب سے محروم رہ گئے، اور اگر تیس دن کا ہوتا تو پورے مہینہ کا ثواب حاصل ہوتا۔

حالانکہ یہ سمجھ غلط ہے۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: شَهُرَانِ لاَ يَنُقُصَانِ، شَهُرَا عِيُدٍ، رَمَضَانُ، وَذُو الُحَجَّةِ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو مہینے عید کے کم نہیں ہوتے، ایک مہینہ رمضان کا، دوسرا ذوالحجہ کا (بخاری)

اس حدیث کی تشریح میں محدثین نے ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ دونوں مہینے اگرچہ تیس دن کے بجائے انتیس دن کے ہو جائیں تب بھی ثواب میں کمی نہیں ہوتی چنانچہ رمضان کے پورے مہینہ کا ثواب ملتا ہے اور ذوالحجہ کے فضائل میں بھی کمی نہیں کی جاتی۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٩١٢، كتاب الصوم، باب شهرا عيد لا ينقصان.

[2] قوله :(شهران) مبتدأ، ولا ينقصان خبره .قوله :(شهرا عيد) ، كلام إضافى خبر مبتدأ محذوف، يعنى :هما شهرا عيد، ويجوز أن يكون ارتفاعه على البدلية .قوله :(رمضان) ، مرفوع لأنه خبر مبتدأ محذوف تقديره :أحدهما رمضان، ومنع الصرف للتعريف والألف والنون، وقد مر الكلام فيه مستوفى .قوله :(وذو الحجة) ، كذلك خبر مبتدأ محذوف أى :والآخر ذو الحجة . وقال ابن الجوزى :فإن قيل :كيف سمى شهر رمضان شهر عيد، وإنما العيد فى شوال؟ فقد أجاب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیا چاند دیکھنے کی دعائیں

مہینہ کا نیا چاند نظر آنے کا وقت دعاء کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند دیکھنے کے وقت کئی دعائیں منقول ہیں۔

ان میں سے کوئی دعا بھی پڑھی جاسکتی ہے، اگر عربی میں نہ ہوسکے تو اردو میں ان کا ترجمہ پڑھ لے، یا کوئی اور اسی قسم کی دعاء کر لے۔

نیا چاند دیکھنے کی چند مسنون و مستحب دعائیں ترجمہ سمیت ملاحظہ فرمائیں:

(۱)......اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالْإِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰهُ.

ترجمہ: یا اللہ! اس چاند کو ہم پر برکت، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ ظاہر

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

عنه الأثرم بجوابين :أحدهما :أنه قد يرى هلال شوال بعد الزوال من آخر يوم رمضان .والثانى :لما قرب العيد من الصوم أضافته العرب إليه بما قرب منه .قلت :فى بعض ألفاظ الحديث التصريح بأن العيد فى رمضان، رواه أحمد فى (مسنده) قال :حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة، قال :سمعت خالدا الحذاء يحدث عن عبد الرحمن بن أبى بكرة عن أبيه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: (شهران لا ينقصان فى كل واحد منهما عيد :رمضان وذو الحجة) ، وهذا إسناده صحيح.

وقد اختلف الناس فى تأويل هذا الحديث على أقوال، فقال بعضهم :معناه :أنهما لا يكونان ناقصين فى الحكم وإن وجدا ناقصين فى عدد الحساب، وقال بعضهم :معناه :أنهما لا يكادان يوجدان فى سنة واحدة مجتمعين فى النقصان، إن كان أحدهما تسعا وعشرين كان الآخر ثلاثين، على الكمال. وقال بعضهم :إنما أراد بهذا تفضيل العمل فى العشر من ذى الحجة، فإنه لا ينقص فى الأجر والثواب عن شهر رمضان، وقال ابن حبان :لهذا الخبر معنيان :أحدهما أن شهرى عيد لا ينقصان فى الحقيقة، وإن نقصا عندنا فى رأى العين عند الحائل بيننا وبين رؤية الهلال بقترة، أو ضباب، والمعنى الثانى :أن شهرى عيد لا ينقصان فى الفضائل، يريد أن عشر ذى الحجة على الفضل كشهر رمضان، وقال الطحاوى :معناه :لا ينقصان، وإن كانا تسعا وعشرين يوما، فهما كاملان، لأن فى أحدهما الصيام، وفى الآخر الحج، وأحكام ذلک كله كاملة غير ناقصة .وعن المازرى :معناه لا ينقصان فى عام واحد بعينه، وعن الخطابى قيل :لا ينقص أجر ذى الحجة عن أجر رمضان لفضل العمل فى العشر (عمدة القارى، ج ۱۰ ص ۲۸۵، كتاب الصوم، باب شهرا عيد لا ينقصان)

فرمائیے، اے چاند میرا اور تیرا رب اللہ ہی ہے (مسند احمد) [1]

(۲)......اَللّٰھُمَّ أَھِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيْمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ، وَالتَّوْفِيْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى، رَبُّنَا وَرَبُّكَ اللّٰهُ.

ترجمہ: یا اللہ! اس چاند کو ہم پر امن اور ایمان، اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ اور اس چیز کی توفیق کے ساتھ جسے آپ پسند کرتے ہیں، اور آپ راضی ہوتے ہیں، ظاہر فرمائیے (اے چاند) ہمارا اور آپ کا رب اللہ ہی ہے (صحیح ابنِ حبان) [2]

(۳)......اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الشَّهْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ الْقَدْرِ وَمِنْ سُوْٓءِ الْحَشْرِ.

ترجمہ: اللہ سب سے بڑا ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اللہ کے علاوہ کوئی طاقت اور قدرت نہیں ہے، اے اللہ میں آپ سے اس مہینہ کی خیر اور بھلائی کو چاہتا ہوں اور تقدیر کے شر سے اور قیامت کے دن کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں (مسند احمد) [3]

---

[1] رقم الحديث ۱۳۹۷، واللفظ لہٗ؛ الدعاء للطبرانی، رقم الحديث ۹۰۳؛ مسند ابی یعلیٰ الموصلی، رقم الحديث ۶۶۱؛ المنتخب من مسند عبد بن حميد، رقم الحديث ۱۰۳.
فی حاشية مسند احمد: حسن لشواهده.

[2] رقم الحديث۸۸۸، ج۳ص ۱۷۱، باب الادعية، عن ابنِ عمر، مؤسسة الرسالة، بيروت.
قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح لغيره (حاشية صحيح ابنِ حبان)

[3] رقم الحديث ۲۲۷۹۱، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لہٗ، مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۹۸۲۰، السنة لابنِ ابی عاصم رقم الحديث ۳۸۷. عن عبادة بن الصامت.
وهذا إسناد رجاله كلهم ثقات رجال الشيخين ؛ غير تابعيه ؛ فإنه لم يسم ، فهو مجهول ، غير أن الراوی عنه ذكر أنه غير متهم عنده ، والله أعلم (سلسلة الاحاديث الضعيفة للالبانی، تحت رقم الحديث ۳۵۰۲)

(۴)...... هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ مِنْ خَيْرِ هٰذَا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ مِنْ خَيْرِ هٰذَا الشَّهْرِ وَخَيْرِ الْقَدْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّهٖ .

ترجمہ: یہ خیر اور ہدایت کا چاند ہے، اے اللہ! بے شک میں تجھ سے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! بے شک میں تجھ سے اس مہینے اور تقدیر کی خیر کا سوال کرتا ہوں، اور تقدیر کے شر سے پناہ چاہتا ہوں (المعجم الکبیر للطبرانی) [1]

یہ آخری دعا تین مرتبہ پڑھ لے تو بہتر ہے۔

[1] عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ :كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَى الْهِلَالَ قَالَ :هَلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ ثُمَّ قَالَ :اللهُمَّ إِنِّى أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هَذَا ثَلَاثًا اللهُمَّ إِنِّى أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هَذَا الشَّهْرِ، وَخَيْرِ الْقَدَرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ ، ثَلَاثَةَ مَرَّاتٍ(المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۴۴۰۹، عن رافع بن خديج .مكتبة ابن تيمية، القاهرة.

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ (مَجْمَعُ الزَّوَائِدِ ج۱۰ ص ۱۳۹ ،باب ما يقول إذا رأى الهلال)

روزہ کے فضائل واحکام

روزے کئی قسم کے ہیں، بعض فرض ہیں جیسے رمضان کا روزہ، بعض واجب ہیں جیسے نذر ومنت کا روزہ، بعض سنت ہیں جیسے عرفہ کا روزہ، اور بعض مستحب ہیں جیسے مہینے کے تین روزے، اور بعض نفل ہیں جیسے عام دِنوں کے روزے، اور بعض مکروہ وممنوع ہیں جیسے ایامِ تشریق اور عیدین کے دِنوں کے روزے۔ [1]

رمضان کے مہینہ کے روزوں کا درجہ دوسرے سب روزوں سے زیادہ ہے، اس مہینے کے روزے فرض ہیں، اور روزہ اس مبارک مہینہ کی اہم عبادت ہے، اس لئے اب روزہ کے فضائل واحکام کو ذکر کیا جاتا ہے۔

روزہ کے لفظی وشرعی معنیٰ

روزہ کو عربی میں ''صوم'' کہتے ہیں اور صوم کے لفظی معنیٰ رُکنے اور بچنے کے ہیں اور شریعت کی زبان میں عبادت کی نیت سے طلوعِ فجر سے لے کر سورج غروب ہونے تک کھانے، پینے اور جنسی شہوت پوری کرنے سے رکنے اور بچے رہنے کا نام صوم (روزہ) ہے۔ [2]

---

[1] وأقسامه :فرض، وواجب، ومسنون، ومندوب، ونفل، ومكروه تنزيها وتحريما .فالأول رمضان، وقضاؤه، والكفارات للظهار والقتل واليمين، وجزاء الصيد، وفدية الأذى فى الإحرام لثبوت هذه بالقاطع سندا ومتنا والإجماع عليها .والواجب :المنذور والمسنون عاشوراء مع التاسع، والمندوب :صوم ثلاثة من كل شهر ويندب فيها كونها الأيام البيض، وكل صوم ثبت بالسنة طلبه والوعد عليه كصوم داود -عليه الصلاة والسلام -ونحوه.والنفل :ما سوى ذلک مما لم تثبت كراهته .والمكروه تنزيها :عاشوراء مفردا عن التاسع ونحو يوم المهرجان .وتحريما :أيام التشريق والعيدين(فتح القدير، ج۲، ص۳۰۳، كتاب الصوم)

[2] الصوم فى اللغة :مطلق الإمساک...... وفى الشرع :عبارة عن إمساک مخصوص، وهو الإمساک عن المفطرات الثلاث بصفة مخصوصة، وهو قصد التقرب من شخص مخصوص وهو المسلم، بصفة مخصوصة وهى الطهارة عن الحيض والنفاس فى زمان مخصوص، وهو بياض النهار من طلوع الفجر الثانى إلى غروب الشمس (الاختيار لتعليل المختار، ج۱، ص۱۲۵، كتاب الصوم)

لہٰذا اگر طلوعِ فجر کے فوراً بعد قصداً وعمداً کچھ کھایا پیا، یا سورج غروب ہونے سے ایک منٹ پہلے بھی قصداً وعمداً کچھ کھا، پی لیا تو روزہ نہیں ہوا۔ [1]

اسی طرح اگر ان تمام چیزوں سے پرہیز تو پورے دن احتیاط سے رکھا مگر نیت دل میں روزہ کی نہیں تھی تو بھی روزہ نہیں ہوا۔ [2]

روزہ کی اہمیت وفضیلت

روزہ ان عبادات میں سے ہے جن کو اسلام کے ستون اور شعائر (نشانیاں) قرار دیا گیا ہے۔

توحید ورسالت کے بعد نماز، زکاۃ، روزہ اور حج اسلام کے ارکان کہلاتے ہیں۔

رمضان کا روزہ بدنی عبادات اور فرضِ عین احکام میں سے ہے اور دین کا ایک بڑا رکن ہے، اور شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کے بڑے مضبوط قوانین میں سے ہے، روزہ کی فرضیت قطعی، پختہ اور یقینی دلیل سے ثابت ہے۔

اور روزہ کے فرض ہونے پر قرآن مجید، سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اجماعِ امت اور کئی دیگر

---

[1] (قوله :وهو اليوم) أى اليوم الشرعى من طلوع الفجر إلى الغروب، وهل المراد أول زمان الطلوع أو انتشار الضوء ؟ فيه خلاف كالخلاف فى الصلاة والأول أحوط والثانى أوسع كما قال الحلوانى كما فى المحيط، والمراد بالغروب زمان غيبوبة جرم الشمس بحيث تظهر الظلمة فى جهة الشرق قال -صلى الله عليه وسلم -إذا أقبل الليل من هنا فقد أفطر الصائم أى إذا وجدت الظلمة حسا فى جهة المشرق فقد ظهر وقت الفطر أو صار مفطرا فى الحكم؛ لأن الليل ظرفا للصوم وإنما أدى بصورة الخبر ترغيبا فى تعجيل الإفطار كما فى فتح البارى قهستانى (ردالمحتار، ج۲، ص ۳۷۱، كتاب الصوم)

[2] الصوم لغة الامساک والكف عن الشیٔ قال صام عن الكلام اى امسک عنه قال تعالى اخبارا عن مريم انى نذرت للرحمن صوما (مريم ۱۹/ ۲۶) اى صمتاوامساكا عن الكلام وقال العرب صام النهار اذا وقف سيرالشمس وسط النهار عندالظهيرة.وشرعا هوالامساک نهاراً عن المفطرات بنية من اهله من طلوع الفجر الى غروب الشمس (الفقه الاسلامى وادلتهٔ ج ۳ ص ۱۶۱۶)

ولا يخفى أن الصوم الذى هو الإمساک عن المفطرات نهارا بنيته (ردالمحتار، ج۲، ص ۳۷۱، كتاب الصوم)

عقلی دلائل موجود ہیں، رمضان کے روزے رکھنا ہر مسلمان مرد وعورت، عاقل، بالغ پر فرض عین ہے، جس کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہے اور بغیر شرعی عذر کے چھوڑنے والا سخت گنہگار اور فاسق ہے۔ [1]

بعض اہلِ علم حضرات کے بقول رمضان کے روزے ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئے۔ [2]

فقہائے احناف کی تحقیق کے مطابق رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے عاشوراء (یعنی دس محرم) کا روزہ فرض تھا، پھر رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم آنے کے بعد عاشوراء کے روزے کی فرضیت کا حکم ختم ہوگیا۔ [3]

---

[1] وهو فريضة محكمة يكفر جاحدها ويفسق تاركها .ثبتت فرضيته بالكتاب وهو قوله تعالى :(فمن شهد منكم الشهر فليصمه)وقوله تعالى :(كتب عليكم الصيام)وبالسنة وهو ما مر من الحديث فى كتاب الصلاة، وقوله -عليه الصلاة والسلام :-صوموا شهركم وعليه إجماع الأمة (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱، ص ۱۲۵، كتاب الصوم)

فَمَذْهَبُ الْحَنَفِيَّةِ أَنَّ تَارِكَ الصَّوْمِ كَتَارِكِ الصَّلَاةِ، إذَا كَانَ عَمْدًا كَسَلاً، فَإِنَّهُ يُحْبَسُ حَتَّى يَصُومَ، وَقِيل :يُضْرَبُ فِي حَبْسِهِ، وَلَا يُقْتَل إلَّا إذَا جَحَدَ الصَّوْمَ أَوِ الصَّلَاةَ، أَوِ اسْتَخَفَّ بِأَحَدِهِمَا (الموسوعة الفقهية الكويتية، الآثار المترتبة على الإفطار، خامسا : العقوبة)

[2] فصل فى فريضة شهر رمضان سنة ثنتين قبل وقعة بدر، قال ابن جرير: وفى هذه السنة فرض صيام شهر رمضان (البداية والنهاية، ج۳، ص ۳۱۱، كتاب المغازى، الناشر :دار إحياء التراث العربى)

وفرض صوم رمضان لعشر شعبان بسنة ونصف بعد الهجرة. كما ذكر ابن جرير فى "تاريخه" وابن كثير فى "البداية والنهاية" (۳. ۲۵۴) و (۳. ۳۴۷). وفى السنة الثانية وقع تحويل القبلة قبل الصيام، وفيها زكاة الفطر ونصب الصدقات، كما يقوله ابن كثير وغيره، وكان قبله صيام البيض وعاشوراء فرضاً فنسخ فرضيتها بصوم رمضان (معارف السنن، ج۵، صفحه ۳۲۳، ابواب الصوم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم)

[3] عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنهَا قَالَتْ :كَانُوْا يَصُوْمُوْنَ عَاشُوْرَاءَ قَبْلَ اَنْ يُفْرَضَ رَمَضَانُ وَكَانَ يَوْمًا تُسْتَرُ فِيْهِ الْكَعْبَةُ فَلَمَّا فَرَضَ اللهُ رَمَضَانَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ شَآءَ اَنْ يَّصُوْمَهُ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ شَآءَ اَنْ يَّتْرُكَهُ فَلْيَتْرُكْهُ (بخارى، رقم الحديث ۱۵۹۲، كتاب الحج،باب قول الله تعالى جعل الله الكعبة البيت الحرام قياما للناس الخ، واللفظ لهٗ، مسلم رقم الحديث ۲۶۹۶، مسند احمد رقم الحديث ۲۶۰۶۸، سنن دارمى رقم الحديث ۱۸۱۷)

جس کی طرف کئی احادیث میں اشارہ پایا جاتا ہے۔ ۱؎

۱؎ الظاهر أن هذا كان لأجل فرضية صوم يوم عاشوراء ، ولهذا جاء فى رواية أبى داود، رضى الله تعالى عنه، والنسائى، رحمه الله تعالى :(فأتموا بقية يومكم واقضوه) . فهذا صريح فى دلالته على الفرضية، لأن القضاء لا يكون إلا فى الواجبات.
ومنها :ما رواه عبد الله بن أحمد فى (زياداته على المسند) من حديث على، رضى الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصوم عاشوراء ويأمر بصيامه، ورواه البزار أيضا .ومنها :ما رواه ابن ماجه من حديث محمد بن صيفى، قال :(قال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عاشوراء :منكم أحد طعم اليوم؟ قلنا :منا من طعم ومنا من لم يطعم .قال :أتموا بقية يومكم، من كان طعم ومن لم يطعم، فأرسلوا إلى أهل العروض فليتموا بقية يومهم) . قال :يعنى بأهل العروض حول المدينة .ومنها :حديث سلمة بن الأكوع، على ما يجىء .ومنها :حديث ابن عباس على ما يجىء .ومنها :حديث الربيع بنت معوذ على ما يجىء .ومنها :ما رواه أحمد والبزار والطبرانى من حديث عبد الله بن الزبير .قال، وهو على المنبر :(هذا يوم عاشوراء فصوموه، فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بصومه) . ومنها :ما رواه البزار من حديث عائشة بلفظ :(أن النبى صلى الله عليه وسلم أمر بصيام عاشوراء يوم العاشر) ، ورجاله رجال الصحيح .ومنها :ما رواه الطبرانى فى الأوسط أن أبا موسى قال يوم عاشوراء :(صوموا هذا اليوم فإن النبى صلى الله عليه وسلم أمرنا بصومه .ومنها :ما رواه الطبرانى أيضا فى (الأوسط) من رواية سعيد بن المسيب أنه سمع معاوية على المنبر يوم عاشوراء يقول :(سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر بصيام هذا اليوم) .
ومنها :ما رواه أحمد من حديث أبى هريرة، قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم صائما يوم عاشوراء ، فقال لأصحابه :(من كان أصبح صائما فليتم صومه، ومن أكل من غداء أهله فليتم بقية يومه) . ومنها :ما رواه أحمد أيضا والطبرانى من حديث جابر، رضى الله تعالى عنه، قال :(أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بيوم عاشوراء أن نصومه) . ومنها :ما رواه الطبرانى أيضا فى (الأوسط) من حديث أبى سعيد :أن النبى صلى الله عليه وسلم ذكر يوم عاشوراء فعظم منه، قم قال لمن حوله :(من كان لم يطعم منكم فليصم يومه هذا، ومن كان قد طعم منكم فليصم بقية يومه) ، ورجاله ثقات .ومنها :ما رواه الطبرانى أيضا من حديث عبادة بن الصامت بلفظ :(بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم أسماء بن عبد الله يوم عاشوراء ، فقال :إئت قومك، فمن أدركت منهم لم يأكل فليصم، ومن طعم فليصم) . ومنها :ما رواه الطبرانى أيضا من حديث خباب بن الأرت :(أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يوم عاشوراء :أيها الناس (من كان منكم أكل فلا يأكل بقية يومه، ومن نوى منكم الصوم فليصمه) . ومنها :ما رواه الطبرانى أيضا من حديث معبد القرشى أنه قال لرجل أتاه بقديد :(أطعمت اليوم شيئا؟ قال :إنى شربت ماء) قال :فلا تطعم شيئا حتى تغرب الشمس، وأمر من وراءك أن يصوموا هذا اليوم) ، ورجاله ثقات .ومنها :ما رواه البزار والطبرانى من حديث مجزأة بن زاهر عن أبيه بلفظ :(سمعت منادى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عاشوراء وهو يقول :من كان صائما اليوم فليتم صومه، ومن لم يكن صائما فليتم ما بقى، وليصم) ورجال البزار ثقات .ومنها :ما رواه أحمد والبزار والطبرانى من حديث عبد الله بن بدر من رواية ابنه بعجة :أن أباه أخبره أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

روزہ کی فرضیت کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (سورہ بقرہ آیت ۱۸۳ پ ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو فرض کیے گئے تم پر روزے جیسے فرض کیے گئے تھے، ان پر جو تم سے پہلے تھے، تا کہ تم متقی ہو جاؤ (سورہ بقرہ)

روزے کی فرضیت کا حکم مسلمانوں کو ایک خاص مثال سے دیا گیا ہے، روزہ کے حکم کے ساتھ یہ بھی ذکر فرمایا کہ یہ روزے کی فرضیت کچھ تمہارے ساتھ خاص نہیں، پچھلی اُمتوں پر بھی روزے فرض کئے گئے تھے، اس سے روزے کی خاص اہمیت بھی معلوم ہوئی، اور مسلمانوں کی دلجوئی کا بھی انتظام کیا گیا کہ روزہ اگر چہ مشقّت کی چیز ہے، مگر یہ مشقّت تم سے پہلے بھی لوگ اٹھاتے آئے ہیں۔

طبعی بات ہے کہ جب مشقّت میں بہت سے لوگ مبتلا ہوں تو وہ ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے۔

قرآنِ کریم کے الفاظ "اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ" یعنی "تم سے پہلے لوگوں پر" عام ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک کی تمام شریعتوں اور امتوں کو شامل ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح نماز کی عبادت سے کوئی شریعت اور کوئی امت خالی نہیں رہی اسی طرح روزہ بھی ہر شریعت میں فرض رہا ہے۔

اور جن حضرات نے یہ فرمایا کہ "مِنْ قَبْلِکُمْ" سے اس جگہ نصاریٰ مراد ہیں وہ بطور ایک مثال کے ہے، اس سے دوسری امتوں کی نفی نہیں ہوتی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قال لهم يوما :(هذا يوم عاشوراء فصوموه) الحديث .ومنها :حديث رزينة، وقد ذكرناه فيما مضى (عمدة القارى، ج ۱۱، ص ۱۱۹، ص ۱۲۰، كتاب الصوم، باب صيام يوم عاشوراء)

[1] كَما كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ أى الأنبياء والأمم من لدن آدم عليه الصلاة والسلام إلى يومنا كما هو ظاهر عموم الموصول، وعن ابن عباس ومجاهد رضى الله تعالى عنهما اتهم أهل الكتاب، وعن الحسن والسدى والشعبى أنهم النصارى، وفيه تأكيد للحكم وترغيب فيه وتطييب لأنفس المخاطبين فيه، فإن الأمور الشاقة إذا عمت طابت (تفسير الآلوسى، تحت سورة البقرة، تحت آيت ۱۸۳ من سورة البقرة)

آیت میں صرف اتنا بتلایا گیا ہے کہ روزے جس طرح مسلمانوں پر فرض کئے گئے پچھلی اُمتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پچھلی اُمتوں کے روزے تمام حالات وصفات میں مسلمانوں ہی کے روزوں کے برابر ہوں، مثلاً روزوں کی تعداد، روزوں کے اوقات کی تعیین، اور یہ کہ کن دنوں میں رکھے جائیں، اور روزے میں کیا کیا پابندیاں ہوں، ان چیزوں میں اختلاف ہوسکتا ہے، چنانچہ واقعہ بھی ایسا ہی ہے، کہ تعداد میں بھی کمی بیشی ہوتی رہی، اور روزے کے دنوں اور اوقات اور بعض پابندیوں میں بھی فرق ہوتا رہا ہے۔ [1]

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: بُنِیَ الْإِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ، شَھَادَۃِ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ، وَإِقَامِ الصَّلَاۃِ، وَإِیْتَاءِ الزَّکَاۃِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم کی گئی ہے، ایک اس حقیقت کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ (یعنی عبادت اور بندگی کے لائق) نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے زکاۃ ادا کرنا، چوتھے حج کرنا، پانچویں

---

[1] یا أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا کُتِبَ ای فرض عَلَیْکُمُ الصِّیامُ والصوم فی اللغة الإمساک یقال صام النھار إذا اعتدل وقام قائم الظھیرة لان الشمس إذا بلغت کبد السماء یری کانھا وقفت ساعة -وفی الشرع عبارة عن الإمساک عن الاکل والشرب والجماع مع النیة فی وقت مخصوص کما سیظھر فیما بعد کَما کُتِبَ عَلَی الَّذِینَ مِنْ قَبْلِکُمْ من الأنبیاء والأمم والظاھر ان التشبیه فی نفس الوجوب وذلک لا یقتضی المشابھة من کل جھة فی الکیفیة والوقت وغیر ذلک (التفسیر المظھری، ج ا ص ۱۸۸، سورة البقرة)

[2] رقم الحدیث ۸، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی الله علیه وسلم :بنی الإسلام علی خمس، مسلم ،رقم الحدیث ۱۶ "۲۰" ترمذی ،رقم الحدیث ۲۶۰۹، نسائی،رقم الحدیث ۵۰۰۱.

رمضان کے روزے رکھنا (بخاری ومسلم)

اس قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [۱]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبریلِ امین نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے جوابات دیے، جن میں ایک سوال اسلام کے بارے میں تھا، جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔

چنانچہ صحیح مسلم کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ:

وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا، قَالَ: صَدَقْتَ (مسلم) [۲]

ترجمہ: اور حضرت جبریلِ امین نے کہا کہ اے محمد مجھے اسلام کے بارے میں خبر دیجئے (کہ اس کی حقیقت کیا ہے) رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ آپ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سِوا کوئی معبود نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں، اور آپ نماز قائم کریں، اور آپ زکاۃ ادا کریں، اور آپ رمضان کے روزے رکھیں، اور آپ بیتُ اللہ کا حج کریں، اگر آپ کو اس کی طرف جانے کی قدرت ہو، جبریلِ امین نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا (صحیح مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نُهِيْنَا أَنْ نَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ، فَكَانَ

---

[۱] عَنْ جَرِيرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ (مسند احمد، رقم الحديث ١٩٢٢٠)

في حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[۲] رقم الحديث ٨ "١"، كِتَابُ الْإِيمَانَ، بَابُ معرفة الْإِيمَانِ، وَالْإِسْلَامِ، والقَدَرِ وَعَلَامَةِ السَّاعَةِ.

يُعْجِبُنَا أَنْ يَّجِيْءَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ، فَيَسْأَلَهُ، وَنَحْنُ نَسْمَعُ، فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، أَتَانَا رَسُوْلُکَ فَزَعَمَ لَنَا أَنَّکَ تَزْعُمُ أَنَّ اللّٰهَ أَرْسَلَکَ، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَمَنْ خَلَقَ السَّمَآءَ؟ قَالَ: اَللّٰهُ، قَالَ: فَمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ؟ قَالَ: اَللّٰهُ، قَالَ: فَمَنْ نَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ، وَجَعَلَ فِيْهَا مَا جَعَلَ؟ قَالَ: اَللّٰهُ، قَالَ: فَبِالَّذِیْ خَلَقَ السَّمَآءَ، وَخَلَقَ الْأَرْضَ، وَنَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ، آللّٰهُ أَرْسَلَکَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُوْلُکَ أَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ يَوْمِنَا، وَلَيْلَتِنَا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَبِالَّذِیْ أَرْسَلَکَ، آللّٰهُ أَمَرَکَ بِهٰذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُوْلُکَ أَنَّ عَلَيْنَا زَکَاةً فِیْ أَمْوَالِنَا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَبِالَّذِیْ أَرْسَلَکَ، آللّٰهُ أَمَرَکَ بِهٰذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُوْلُکَ أَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ فِیْ سَنَتِنَا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَبِالَّذِیْ أَرْسَلَکَ، آللّٰهُ أَمَرَکَ بِهٰذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُوْلُکَ أَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: ثُمَّ وَلّٰى، قَالَ: وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ، لَا أَزِيْدُ عَلَيْهِنَّ، وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُنَّ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَئِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ (مسلم) [1]

ترجمہ: ہمیں اس بات سے روک دیا گیا تھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی (غیر ضروری) چیز کے بارے میں سوال کریں، اس لئے ہمیں یہ بات پسند آتی تھی کہ گاؤں والے لوگوں میں سے کوئی عقل مند شخص (جسے سوال کرنے سے منع نہیں کیا گیا) آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرے، اور ہم (سوال

[1] رقم الحدیث ۱۰ ''۱۲''، کتاب الایمان، بَابٌ فِی بَيَانِ الْإِيمَانِ بِاللهِ وَشَرَائِعِ الدِّينِ.

وجواب) سُنیں، تو (ایک مرتبہ) گاؤں والوں میں سے ایک آدمی آیا، اور اُس نے کہا کہ اے محمد! ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا ہے، اُس نے ہمیں یہ بات بتلائی کہ آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس قاصد نے سچ کہا۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے۔

اُس دیہاتی نے کہا تو زمین کو کس نے پیدا کیا؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ ان پہاڑوں کو کس نے قائم کیا، اور ان میں جو کچھ ہے، وہ کس نے پیدا کیا؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس نے آسمان کو پیدا کیا، اور زمین کو پیدا کیا، اور ان پہاڑوں کو قائم کیا، کیا واقعی اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آپ کا قاصد یہ یقین ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کیا اللہ نے آپ کو اس (پانچ وقت کی نماز) کا حکم فرمایا ہے؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آپ کا قاصد یہ یقین ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے مالوں میں زکاۃ فرض ہے؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کیا اللہ نے آپ کو اس (مال کی زکاۃ) کا حکم فرمایا ہے؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آپ کا قاصد یہ یقین ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے اوپر سال بھر میں رمضان کے مہینے کے روزے فرض ہیں، رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کیا اللہ نے آپ کو اس (رمضان کے روزے) کا حکم فرمایا ہے؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آپ کا قاصد یہ یقین ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے اوپر بیتُ اللہ کا حج کرنا فرض ہے، اُس شخص پر جو اس کی طرف چلنے کی استطاعت رکھتا ہو؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ واپس جانے لگا اور اُس نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں ان اعمال پر نہ تو (اپنی طرف سے کوئی) زیادتی کروں گا، اور نہ ان میں سے (کسی عمل کو) کم کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس نے سچ کہا تو یہ ضرور جنت میں داخل ہو جائے گا (مسلم)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: خَمْسٌ مَنْ جَاءَ بِھِنَّ مَعَ إِیْمَانٍ دَخَلَ الْجَنَّۃَ، مَنْ حَافَظَ عَلَی الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ عَلٰی وُضُوْئِھِنَّ وَرُکُوْعِھِنَّ وَسُجُوْدِھِنَّ وَمَوَاقِیْتِھِنَّ، وَصَامَ رَمَضَانَ، وَحَجَّ الْبَیْتَ إِنِ

اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا، وَأَعْطَى الزَّكَاةَ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ، وَأَدَّى الْأَمَانَةَ. قَالُوْا: يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ، وَمَا أَدَاءُ الْأَمَانَةِ قَالَ: اَلْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ

(ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے پانچ چیزوں کو ایمان کی حالت میں اختیار کیا، وہ جنت میں داخل ہوگا، جس نے پانچ نمازوں کی وضو، رکوع اور سجود اور اوقات کی رعایت کے ساتھ حفاظت کی، اور جس نے رمضان کے روزے رکھے، اور جس نے بیت اللہ کا حج کیا، اگر اس کی طرف جانے کی استطاعت ہے، اور اپنی خوشدلی کے ساتھ زکاۃ ادا کی، اور امانت کو ادا کیا، لوگوں نے کہا کہ اے ابوالدرداء! امانت کا ادا کرنا کیا ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ جنابت کا غسل کرنا (ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ روزوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ جنت کی نعمت عطا فرماتے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ يُقَالُ أَيْنَ الصَّائِمُوْنَ فَيَقُوْمُوْنَ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ فَإِذَا دَخَلُوْا أُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام

---

[1] رقم الحدیث ۴۲۹، کتاب الصلاۃ، باب فی المحافظة علی وقت الصلوات،، واللفظ لہٗ؛ المعجم الصغیر للطبرانی، رقم الحدیث ۷۷۲؛ شعب الایمان، رقم الحدیث ۲۴۹۵.
قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الکبیر وإسناده جید (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۱۳۹، باب فیما بنی علیه الإسلام)

[2] رقم الحدیث ۱۸۹۶، کتاب الصوم، باب الریان للصائمین، واللفظ لہٗ؛ مسلم، رقم الحدیث ۱۱۵۲"۱۶۶"

''ریّان'' ہے، اس دروازہ سے قیامت کے دن صرف روزہ دار داخل ہوں گے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزہ داروں کا نام لے کر بلایا جائے گا، وہ اس دعوت پر کھڑے ہوں گے، اوران کے علاوہ کوئی اوراس دروازے سے داخل نہ ہوگا، پس جب روزہ دار اس دروازہ سے داخل ہوجائیں گے، تو وہ دروازہ بند کردیا جائے گا، پھر اس کے بعد اس دروازہ سے کوئی اور داخل نہیں ہو سکے گا (بخاری، مسلم)

اورایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فِی الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ اَبْوَابٍ فِيْهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانَ لَايَدْخُلُهٗ اِلَّاالصَّائِمُوْنَ (بخاری) [1]

ترجمہ: جنت میں آٹھ دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازے کا نام ریّان ہے اس میں صرف روزہ دار داخل ہوں گے (بخاری)

اورحضرت سہل بن سعدہی کی ایک روایت کے آخر میں ان الفاظ کا بھی اضافہ ہے کہ:

وَمَنْ دَخَلَهٗ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا (ترمذی) [2]

ترجمہ: اور جو (اس دروازے سے) داخل ہوگا، وہ اس کے بعد کبھی بھی پیاسا نہیں ہوگا (ترمذی)

اورایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فَإِذَا دَخَلَ آخِرُهُمْ أُغْلِقَ، مَنْ دَخَلَ فِيْهِ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا (سنن النسائی، رقم الحديث ۲۲۳۶، ج۴ص ۱۶۸)

---

[1] رقم الحديث ۳۲۵۷، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابواب الجنة، واللفظ لهٗ؛ المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۵۷۹۵؛ شعب الایمان، رقم الحديث ۳۳۱۱.

[2] رقم الحديث ۷۶۵، ابواب الصوم، باب ماجاء فی فضل الصوم، واللفظ لهٗ؛ ابنِ ماجة، رقم الحديث ۱۶۴۰، باب ماجاء فی فضل الصيام؛ نسائی، رقم الحديث ۲۲۳۷.
قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

ترجمہ: پس جب ان میں کا آخری شخص (جنت میں) داخل ہوجائے گا، تو وہ دروازہ بند کردیا جائے گا، جو اس میں داخل ہوگا تو وہ سیراب ہوگا، اور جو سیراب ہوگا، تو وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا (نسائی)

''ریّان'' کے معنٰی ہی ''سیرابی کرنے اور پیاس بجھانے والے'' کے ہیں۔ [۱]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ مَنَعَهُ الصِّيَامُ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ يَشْتَهِيْهِ أَطْعَمَهُ اللّٰهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ وَسَقَاهُ مِنْ شَرَابِهَا (شعب الایمان للبیهقی) [۲]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو روزے نے ایسی چیز کے کھانے پینے سے روکے رکھا جس کو اس کا دل چاہتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائیں گے اور جنت کی شراب سے پلائیں گے (شعب الایمان)

اس روایت کی سند پر اگرچہ محدثین نے کچھ کلام کیا ہے، لیکن دیگر حدیثوں سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ [۳]

---

[۱] وقد وقعت المناسبة فيه بين لفظه ومعناه لأنه مشتق من الرى الكثير الذى هو ضد العطش وسمى بذلك لأنه جزاء الصائمين على عطشهم وجوعهم واكتفى بذكر الرى عن الشبع لأنه يدل عليه من حيث أنه يستلزمه وأفرد لهم هذا الباب إكراما لهم واختصاصا وليكون دخولهم الجنة غير متزاحمين فإن الزحام قد يؤدى إلى العطش (عمدة القارى شرح البخارى، تحت رقم الحديث ۱۸۹۵، باب الصوم كفارة، ج۱۰ ص ۲۶۲)

[۲] رقم الحديث ۳۶۳۴، كتاب الصيام، فصل أخبار وحكايات فى الصيام.

[۳] فى حاشية شعب الايمان: اسناده: فيه من لم اعرفه، وبقية رجاله موثقون. ابوعثمان السكرى لم اعرفه. عبدالرحمن بن مغراء (بفتح الميم وسكون المعجمة ثم راء) الدوسى، ابوزهير الكوفى صدوق تكلم فى حديثه عن الاعمش، من كبار التاسعة (بخ ـ ۴) عمران بن مسلم ،الجعفى، الكوفى، الاعمى، ثقة من السادسة (حاشية شعب الايمان ،تحت رقم الحديث ۳۶۳۴، ج۵ ص ۴۱۴)

وقال على بن حسام الدين الشهير المتقى الهندى: هب وسنده ضعيف (كنز العمال، تحت رقم الحديث ۲۴۲۷۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

اَلصَّوْمُ يُذْبِلُ اللَّحْمَ ، وَيُبْعِدُ مِنْ حَرِّ السَّعِيْرِ ، إِنَّ لِلّٰهِ مَائِدَةً عَلَيْهَا مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ ، وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ لَا يَقْعُدُ عَلَيْهَا إِلَّا الصَّائِمُوْنَ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۹۴۴۳)

ترجمہ: روزہ جسم کے گوشت کو (فضلات ختم کرکے) نرم کرتا ہے اور جہنم کی گرمی کو دور کرتا ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے (آخرت میں) ایک دسترخوان تیار کیا ہے، جس پر (کھانے پینے کا) ایسا سامان ہوگا، جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر کھٹکا، اس پر صرف روزے دار تشریف رکھیں گے (طبرانی)

اس روایت کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے۔ [1]

بعض اور روایات بھی اس مضمون کی آئی ہیں۔ [2]

---

[1] قال الهيثمي: رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ ، وَفِيهِ عَبْدُ الْمَجِيدِ بْنُ كَثِيرٍ الْحَرَّانِيُّ ;وَلَمْ أَجِدْ مَنْ تَرْجَمَهُ (مجمع الزوائد ج۳ ص ۱۸۲)

قلت :وهذا إسناد ضعيف؛ أبو بكر العنسى مجهول؛ قاله ابن عدى .قال الحافظ ":وأنا أحسب أنه ابن أبى مريم الذى تقدم."قلت :يعنى أبا بكر بن عبد الله بن أبى مريم الغسانى الشامي؛ وهو ضعيف لاختلاطه.وأما عبد المجيد بن كثير الحرانى؛ فلم أعرفه، وبه أعله الهيثمى، فقال 182 /3)) ":رواه الطبرانى فى "الأوسط"، وفيه عبد المجيد بن كثير الحرانى، ولم أجد له ترجمة ."قلت: وفاته إعلاله بالعنسى أيضاً .والحديث أورده فى "الجامع "من رواية ابن بشران أيضاً فى "أماليه"، وزاد فى أوله " :الصوم يدق المصير و ." ... (سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السىء فى الأمة، تحت رقم الحديث ۳۸۱۰)

[2] ایک روایت میں ہے کہ:

يُوْضَعُ لِلصَّائِمِيْنَ مَائِدَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ ذَهَبٍ يَأْكُلُوْنَ مِنْهَا وَالنَّاسُ يَنْظُرُوْنَ (کنز العمال ج ۸ ص ۴۵۷ رقم ۲۳۶۴۵ بحواله ابو الشيخ وديلمى عن ابنِ عباس)

مگر دیلمی میسر نہ ہونے کی وجہ سے اس روایت کی سند کا حال معلوم نہ ہوسکا۔

وَفِى الذيل يُسَبِّحُ لِلصَّائِمِ كُلُّ شَعْرَةٍ مِنْهُ وَيُوضَعُ لِلصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَ الْعَرْشِ مَائِدَةٌ مِنْ ذَهَبٍ إِلَخ .فِيهِ أَبُو عصمَة وَضاع (تذكرة الموضوعات، ج ۱ ، ص ۷۰،لمحمد طاهر بن على الصديقى الهندى الفَتَّنِى)

حديث يسبح للصائم كل شعرة منه ويوضع للصائمين والصائمات يوم القيامة تحت العرش مائدة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے روزہ داروں کو دنیا میں روزہ کی خاطر بھوک اور پیاس برداشت کرنے کی فضیلت ظاہر ہوئی کہ آخرت میں اس کا اجر انتہائی عظیم ہے، اور وہ آخرت کی بھوک اور پیاس کی تکلیف سے نجات کا حاصل ہونا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلصِّیَامُ جُنَّةٌ وَحِصْنٌ حَصِیْنٌ مِنَ النَّارِ (مسنداحمد، رقم الحدیث ۹۲۲۵) ل

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ ڈھال ہے اور (جہنّم کی) آگ سے بچاؤ کا مضبوط قلعہ ہے (مسند احمد)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

قَالَ رَبُّنَا عَزَّ وَجَلَّ: إِنَّمَا الصِّیَامُ جُنَّةٌ یَسْتَجِنُّ بِهَا الْعَبْدُ مِنَ النَّارِ وَهُوَ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من ذهب مكللة بالدر والجوهر على مقدار دائرة الدنيا عليها من أنواع أطعمة الجنة وأشربتها وثمارها فهم يأكلون ويشربون وينعمون والناس فى شدة الحساب (مى) من حديث أبى الدرداء من طريق أبى عصمة نوح بن أبى مريم (تنزيه الشريعة المرفوعة، لأبى الحسن على بن محمد بن العراق الكنانى، ج۲، ص۱۶۳، و۱۶۴، تحت رقم الرواية ۵۳)

اور ایک اور روایت میں ہے کہ:

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يُخْرَجُ الصَّوَّامُ مِنْ قُبُوْرِهِمْ يُعْرَفُوْنَ بِرِيْحِ صِيَامِهِمْ ، أَفْوَاهُهُمْ أَطْيَبُ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ يَلْقَوْنَ بِالْمَوَائِدِ وَالْاَبَارِيْقِ مُخْتَمَةٌ بِالْمِسْكِ فَيُقَالُ لَهُمْ : كُلُوْا فَقَدْ جُعْتُمْ وَاشْرَبُوْا فَقَدْ عَطِشْتُمْ ، ذَرُوا النَّاسَ يَسْتَرِيْحُوْا فَقَدْ عَيِيْتُمْ إِذَا اسْتَرَاحَ النَّاسُ فَيَأْكُلُوْنَ وَيَشْرَبُوْنَ وَالنَّاسُ مُعَلَّقُوْنَ فِي الْحِسَابِ فِيْ عِنَاءٍ وَظَمَأٍ (كنزالعمال ج ۸ ص ۴۵۷ رقم ۲۳۶۴۴ بحواله ابو الشيخ فى الثواب وديلمى عن انس)

اس روایت کی سند کا حال بھی معلوم نہ ہوسکا۔

ل قال الهيثمى: رَوَاهُ أَحْمَدُ .قُلْتُ :هُوَ فِى الصَّحِيحِ خَلَا قَوْلِهِ :وَحِصْنٌ حَصِينٌ مِنَ النَّارِ " وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۰۷۶)

وقال المنذرى: رَوَاهُ أَحْمد بِإِسْنَاد حسن وَالْبَيْهَقِى (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۴۵۱)

فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن.

لِیْ وَأَنَا أَجْزِیْ بِہٖ(مسند احمد، رقم الحدیث ۱۴۶۶۹) [1]

ترجمہ: ہمارے رب عزوجل نے فرمایا کہ روزہ ایسی ڈھال ہے جس کے ذریعہ سے بندہ جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بچالیتا ہے اور روزہ میرے (یعنی رب عزوجل) لئے ہے، اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا (مسند احمد)

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ مِّنَ النَّارِ کَجُنَّۃِ أَحَدِکُمْ مِنَ الْقِتَالِ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ روزہ جہنم سے ڈھال ہے، جس طریقہ سے تمہاری قتال (اور جہاد) کی ڈھال ہوتی ہے (مسند احمد)

روزہ کے جہنم سے ڈھال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ روزہ جہنم سے یا جہنم والی بداعمالیوں سے بچانے اور حفاظت کا ذریعہ ہے کہ اس کی وجہ سے انسان بے شمار گناہوں اور نفسانی شہوتوں سے پاک ہوجاتا ہے۔ [3]

کئی احادیث میں روزہ کو شہوت توڑنے، آنکھوں کی حفاظت اور شرم گاہ کی پاکی کا ذریعہ اور

---

[1] قال الهيثمي: رَوَاهُ أَحْمَدُ ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۰۷۷)
وقال المنذری: رَوَاهُ أَحْمد بِإِسْنَاد حسن وَالْبَيْهَقِي (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۴۵۲)
فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح بطرقه وشواهده، وهذا إسناد حسن.

[2] رقم الحديث ۱۶۲۷۸، واللفظ لهٗ؛ مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۸۹۸۴، ما ذكر فی فضل الصيام وثوابه؛ ابنِ حبان، رقم الحديث ۳۶۴۹؛ ابنِ خزيمة، رقم الحديث ۱۸۹۱.
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات.
وقال المنذری: رَوَاهُ ابْن خُزَيْمَة فِی صَحِيحه (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۴۵۳)
فی حاشية ابنِ حبان: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات.

[3] (الصيام جنة) أی سترة بين الصائم وبين النار أو حجاب بين الصائم وبين شهوته لأنه يكسر الشهوة ويضعف القوة(فيض القدير للمناوی، تحت رقم الحديث ۵۱۹۲)

نکاح پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں اس کا بدل قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَ ةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ (بخاری) [1]

ترجمہ: جو حقِ زوجیت کی ادئیگی کی طاقت رکھتا ہو، تو اسے چاہئے کہ وہ نکاح کرلے، کیونکہ وہ آنکھوں کی حفاظت اور شرمگاہ کی پاکی کا ذریعہ ہے، اور جو اس کی طاقت نہ رکھے، تو وہ روزے کا اہتمام کرے، کیونکہ روزہ شہوت کو توڑنے کا ذریعہ ہے (بخاری)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ شَابٌّ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَتَأْذَنُ لِيْ فِي الْخِصَاءِ ؟ فَقَالَ: صُمْ، وَسَلِ اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۰۳۶) [2]

ترجمہ: ایک نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور اس نے کہا کہ کیا آپ مجھے خصی ہونے (یعنی نسبندی کرنے) کی اجازت دیں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ روزہ رکھئے، اور اللہ کے فضل کی دعا کیجئے (مسند احمد)

حضرت سعد بن مسعود رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ۱۹۰۵، كتاب الصوم، باب :الصوم لمن خاف على نفسه العزبة.

[2] فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

وقال الهيثمي: رَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ رَجُلٍ عَنْ جَابِرٍ، وَبَقِيَّةُ رِجَالِهٖ ثِقَاتٌ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۷۳۱۹، بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاخْتِصَاءِ)

قَالَ عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، لَوْ أَذِنْتَ لَنَا فِي الْإِخْتِصَاءِ فَاخْتَصَيْنَا، قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خِصَاءُ أُمَّتِيْ اَلصِّيَامُ

(الزهد والرقائق لابن المبارک) [1]

ترجمہ: حضرت عثمان بن مظعون نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر آپ ہمیں خصی ہونے کی اجازت دے دیں، تو ہم خصی ہوجائیں (تاکہ شہوت کے گناہوں سے حفاظت رہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا خصی ہونا روزے رکھنا ہے (الزہد ابنِ مبارک)

اس قسم کی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ [2]

اس سے معلوم ہوا کہ روزے رکھنے سے شہوانی خواہشات ٹوٹتی ہیں، اور نظر وشرمگاہ کے گناہوں سے حفاظت ہوتی ہے، بشرطیکہ روزہ کو صحیح اہتمام کے ساتھ رکھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَلصَّوْمُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهٖ يَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَأَكْلَهٗ وَشُرْبَهٗ مِنْ أَجْلِيْ وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ وَلِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ حِيْنَ يُفْطِرُ وَفَرْحَةٌ حِيْنَ يَلْقٰى رَبَّهٗ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ (بخاری) [3]

---

[1] رقم الحديث ۱۱۰۶، ج۱ ص۳۹۰، واللفظ لهٗ، الذيل على جزء بقى بن مخلد لابن بشكوال رقم الحديث ۷۷.

[2] جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ائْذَنْ لِي أَنْ أَخْتَصِيَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِصَاءُ أُمَّتِي الصِّيَامُ وَالْقِيَامُ (مسند احمد، رقم الحديث ۶۶۱۲، واللفظ لهٗ؛ المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۱۰۸)

قال الهيثمي: رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالطَّبَرَانِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَفِي بَعْضِهِمْ كَلَامٌ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۷۳۲۰، باب ماجاء فى الاختصاء)

وفى حاشية مسند احمد: صحيح لغيره دون ذكر القيام.

[3] رقم الحديث ۷۴۹۲، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى يريدون أن يبدلوا كلام الله، واللفظ لهٗ؛ مسلم، رقم الحديث ۱۱۵۱، باب فضل الصيام.

ترجمہ: اللہ عزّ وجلّ فرماتے ہیں کہ روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، بندہ اپنی شہوت اور کھانے پینے کو صرف میری وجہ سے چھوڑ دیتا ہے، اور روزہ (جہنم سے) ڈھال ہے، اور روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں، ایک خوشی افطار کے وقت اور ایک خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت، اور البتہ روزہ دار کے منہ کی بو (جو معدہ کے خالی ہونے سے پیدا ہوتی ہے) اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ (اور پسندیدہ) ہے (بخاری)

اس قسم کی حدیث حضرت علی، حضرت ابنِ مسعود اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہم کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اِنَّ رَبَّكُمْ يَقُوْلُ كُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَالصَّوْمُ لِىْ وَاَنَا اَجْزِىْ بِهٖ اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ مِّنَ النَّارِ وَلَخَلُوْفُ فَمِ الصَّآئِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ وَاِنْ جَهِلَ عَلٰى اَحَدِكُمْ جَاهِلٌ وَهُوَ صَآئِمٌ فَلْيَقُلْ اِنِّىْ صَآئِمٌ (ترمذی) [2]

---

[1] عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى، يَقُولُ :الصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَلِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ حِينَ يُفْطِرُ، وَحِينَ يَلْقَى رَبَّهُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ " (سنن النسائی،رقم الحديث ٢٢١١)

عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، قَالَ :عَبْدُ اللَّهِ " :قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ :الصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَلِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ حِينَ يَلْقَى رَبَّهُ، وَفَرْحَةٌ عِنْدَ إِفْطَارِهِ، وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ " (سنن النسائی،رقم الحديث ٢٢١٢)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ :قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى، يَقُولُ :الصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ .وَلِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ، وَإِذَا لَقِيَ اللَّهَ فَجَزَاهُ فَرِحَ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ " (سنن النسائی،رقم الحديث ٢٢١٣)

[2] رقم الحديث ٧٦٤، كتاب الصوم، باب ماجاء فی فضل الصوم.

قال الترمذی: وَفِي البَابِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، وَكَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، وَسَلَامَةَ بْنِ قَيْصَرٍ، وَبَشِيرِ ابْنِ الخَصَاصِيَةِ، وَاسْمُ بَشِيرٍ زَحْمُ بْنُ مَعْبَدٍ، وَالخَصَاصِيَةُ هِيَ أُمُّهُ، وَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الوَجْهِ.

ترجمہ: بے شک آپ کے رب کا فرمان ہے کہ ہر نیکی کا بدلہ (کم از کم) دس گنا سے سات سو گنا تک (جتنا اللہ تعالیٰ چاہیں) ہے اور روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا اور روزہ جہنّم سے ڈھال ہے اور البتہ روزہ دار کے منہ کی بو (جو معدہ کے خالی ہونے سے پیدا ہوتی ہے) اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ (اور پسندیدہ) ہے اور اگر تم میں سے کسی روزہ دار کے ساتھ کوئی جاہل الجھ پڑے تو وہ جواب میں کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں، میں روزہ سے ہوں (ترمذی)

ایک اور سند سے بھی یہ مضمون غیر معمولی اضافہ کے ساتھ آیا ہے، جس کی سند کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

اگرچہ تمام عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہوتی ہیں لیکن روزہ کو اللہ تعالیٰ نے خاص اپنے لئے اس وجہ سے فرمایا کہ عام طور پر دوسری عبادتیں ایسی ہیں کہ جن میں دکھلاوے کا احتمال ہوتا ہے مگر روزہ چونکہ بذاتِ خود کوئی فعل نہیں بلکہ کھانے پینے کے فعل کو چھوڑنے کا نام ہے اس میں کوئی وجودی کام نظر کے سامنے نہیں آتا، اس لئے یہ دکھلاوے سے دور ہے۔

روزہ وہی رکھے گا جسے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہوگا اور روزہ رکھ کر اس کو وہی باقی رکھے گا جس کا صرف ثواب لینے کا ارادہ ہوگا۔

کیونکہ اگر کوئی شخص روزہ رکھ کر تنہائی میں کچھ کھا پی لے جس کا دوسرے لوگوں کو پتہ نہ چلے تو

---

[1] عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ " :أُعْطِیَتْ أُمَّتِی خَمْسَ خِصَالٍ فِی رَمَضَانَ، لَمْ تُعْطَهَا أُمَّةٌ قَبْلَهُمْ :خُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْیَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِیحِ الْمِسْکِ، وَتَسْتَغْفِرُ لَهُمُ الْمَلَائِکَةُ حَتَّی یُفْطِرُوا، وَیُزَیِّنُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ کُلَّ یَوْمٍ جَنَّتَهُ، ثُمَّ یَقُولُ :یُوشِکُ عِبَادِی الصَّالِحُونَ أَنْ یُلْقُوا عَنْهُمُ الْمَئُونَةَ وَالْأَذَی وَیَصِیرُوا إِلَیْکِ، وَیُصَفَّدُ فِیهِ مَرَدَةُ الشَّیَاطِینِ، فَلَا یَخْلُصُوا فِیهِ إِلَی مَا کَانُوا یَخْلُصُونَ إِلَیْهِ فِی غَیْرِهِ، وَیُغْفَرُ لَهُمْ فِی آخِرِ لَیْلَةٍ "قِیلَ :یَا رَسُولَ اللهِ، أَهِیَ لَیْلَةُ الْقَدْرِ ؟ قَالَ " :لَا، وَلَکِنَّ الْعَامِلَ إِنَّمَا یُوَفَّی أَجْرَهُ إِذَا قَضَی عَمَلَهُ "(مسند احمد، رقم الحدیث ۷۹۱۷)

فی حاشیة مسنداحمد: إسناده ضعیف جداً.

دوسرے لوگ تو اسے روزہ دار ہی سمجھیں گے۔ [1]

لہٰذا روزہ کو وہی باقی اور پورا کرتا ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو، اور جب یہ عمل اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے تو اس کا ثواب بھی اللہ تعالیٰ خود عطاء فرمائیں گے جو کہ بے انتہا اور دوسرے اعمال کے ثواب سے امتیازی ہوگا۔ [2]

---

[1] قَالَ الطِّيبِيُّ -رَحِمَهُ اللَّهُ :-وَاخْتُصَّ بِهَذِهِ الْفَضِيلَةِ لِوَجْهَيْنِ :الْأَوَّلُ أَنَّهُ سِرٌّ لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ الْعِبَادُ بِخِلَافِ سَائِرِ الْعِبَادَاتِ، فَيَكُونُ خَالِصًا لِوَجْهِ اللَّهِ -تَعَالَى، وَإِلَيْهِ أُشِيرَ بِقَوْلِهِ -تَعَالَى " -فَإِنَّهُ لِي "لِأَنَّ الصَّوْمَ لَا صُورَةَ لَهُ فِي الْوُجُودِ، بِخِلَافِ سَائِرِ الْعِبَادَاتِ، إِذْ كَثِيرًا مَا يُوجَدُ الْإِمْسَاكُ الْمُجَرَّدُ عَنِ الصَّوْمِ، فَلَا مُقَوِّمَ لَهُ إِلَّا النِّيَّةُ الَّتِي لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهَا غَيْرُهُ -تَعَالَى، وَلَوْ أَظْهَرَ بِقَوْلِهِ :أَنَا صَائِمٌ، فَإِنَّهُ لَا يَدُلُّ عَلَى حَقِيقَتِهِ وَتَصْحِيحِ نِيَّتِهِ "وَأَنَا أَجْزِي بِهِ "أَيْ وَأَنَا الْعَالِمُ بِجَزَائِهِ، وَإِلَيَّ أَمْرُهُ، وَلَا أَكِلُهُ إِلَى غَيْرِي، وَالثَّانِي أَنَّهُ يَتَضَمَّنُ كَسْرَ النَّفْسِ وَتَعْرِيضَ الْبَدَنِ لِلنُّقْصَانِ، مَعَ مَا فِيهِ مِنَ الصَّبْرِ عَلَى الْجُوعِ، وَالْعَطَشِ، وَسَائِرُ الْعِبَادَاتِ رَاجِعَةٌ إِلَى صَرْفِ الْمَالِ وَاشْتِغَالِ الْبَدَنِ بِمَا فِيهِ رِضَاهُ، فَبَيْنَهُ وَبَيْنَهَا أَمَدٌ بَعِيدٌ، وَإِلَيْهِ يُشِيرُ بِقَوْلِهِ -تَعَالَى " -يَدَعُ شَهْوَتَهُ "أَيْ يَتْرُكُ مَا اشْتَهَتْهُ نَفْسُهُ مِنْ مَحْظُورَاتِ الصَّوْمِ "وَطَعَامَهُ "تَخْصِيصٌ بَعْدَ تَعْمِيمٍ، أَوِ الشَّهْوَةُ كِنَايَةٌ عَنِ الْجِمَاعِ، وَالطَّعَامُ عِبَارَةٌ عَنْ سَائِرِ الْمُفْطِرَاتِ، وَقَدَّمَ الْجِمَاعَ اهْتِمَامًا بِشَأْنِهِ فَإِنَّهُ أَقْبَحُ مُفْسِدَاتِهِ (مِنْ أَجْلِي) أَيْ مِنْ جِهَةِ أَمْرِي وَقَصْدِ رِضَائِي، وَأَجْرِي، وَفِيهِ إِيمَاءٌ إِلَى اعْتِبَارِ النِّيَّةِ وَالْإِخْلَاصِ فِي الصَّوْمِ، وَإِشْعَارٌ بِأَنَّ الصَّوْمَ لَا رِيَاءَ فِيهِ أَصْلًا ;لِأَنَّ غَايَةَ مَا يَقُولُهُ الْمُرَائِي :أَنَا صَائِمٌ، وَهُوَ لَا يُوجِبُ رِيَاءً فِي أَصْلِ الصَّوْمِ، إِنَّمَا الَّذِي وَقَعَ بِهِ الرِّيَاءُ الْإِخْبَارُ عَنِ الصَّوْمِ لَا غَيْرُ (مرقاة، ج۴ص ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، کتاب الصوم)

[2] وقد اختلف العلماء فی المراد بقوله تعالی الصیام لی وأنا أجزی به مع أن الأعمال کلها له وهو الذی یجزء بها علی أقوال :

أحدها أن الصوم لا یقع فیه الریاء کما یقع فی غیره حکاه المازری ونقله عیاض عن أبی عبید ولفظ أبی عبید فی غریبه قد علمنا أن أعمال البر کلها لله وهو الذی یجزء بها فنری والله أعلم أنه إنما خص الصیام لأنه لیس یظهر من بن آدم بفعله وإنما هو شیء فی القلب ویؤیدها هذا التأویل قوله صلی الله علیه وسلم لیس فی الصیام ریاء حدثنیه شبابة عن عقیل عن الزهری فذکره یعنی مرسلا قال وذلک لأن الأعمال لا تکون إلا بالحرکات إلا الصوم فإنما هو بالنیة التی تخفی عن الناس هذا وجه الحدیث عندی انتهی وقد روی الحدیث المذکور البیهقی فی الشعب من طریق عقیل وأورده من وجه آخر عن الزهری موصولا عن أبی سلمة عن أبی هریرة وإسناده ضعیف ولفظه الصیام لا ریاء فیه قال الله عز وجل هو لی وأنا أجزی به وهذا لو صح لکان قاطعا للنزاع وقال القرطبی لما کانت الأعمال یدخلها الریاء والصوم لا یطلع علیه بمجرد فعله إلا الله فأضافه الله إلی نفسه ولهذا قال فی الحدیث یدع شهوته من أجلی وقال بن الجوزی جمیع العبادات تظهر بفعلها وقل أن یسلم ما یظهر من شوب بخلاف الصوم وارتضی هذا الجواب المازری وقرره القرطبی بأن أعمال بنی آدم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس بارے میں تو اہلِ علم حضرات کا اتفاق ہے کہ مسواک کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، لیکن روزہ دار کے منہ کی بو کے اللہ تعالیٰ کو پسند ہونے کی وجہ سے روزہ کی حالت میں مسواک کے مستحب، جائز یا مکروہ ہونے میں اختلاف ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لما كانت يمكن دخول الرياء فيها أضيفت إليهم بخلاف الصوم فإن حال الممسك شبعا مثل حال الممسك تقربا يعنى فى الصورة الظاهرة قلت معنى النفى فى قوله لا رياء فى الصوم أنه لا يدخله الرياء بفعله وإن كان قد يدخله الرياء بالقول كمن يصوم ثم يخبر بأنه صائم فقد يدخله الرياء من هذه الحيثية فدخول الرياء فى الصوم إنما يقع من جهة الإخبار بخلاف بقية الأعمال فإن الرياء قد يدخلها بمجرد فعلها وقد حاول بعض الأئمة إلحاق شيء من العبادات البدنية بالصوم فقال أن الذكر بلا إله الا الله يمكن أن لا يدخله الرياء لأنه بحركة اللسان خاصة دون غيره من أعضاء الفم فيمكن الذاكر أن يقولها بحضرة الناس ولا يشعرون منه بذلك.

ثانيها أن المراد بقوله وأنا أجزى به أنى أنفرد بعلم مقدار ثوابه وتضعيف حسناته وأما غيره من العبادات فقد اطلع عليها بعض الناس قال القرطبى معناه أن الأعمال قد كشفت مقادير ثوابها للناس وأنها تضاعف من عشرة إلى سبعمائة إلى ما شاء الله إلا الصيام فإن الله يثيب عليه بغير تقدير ويشهد لهذا السياق الرواية الأخرى يعنى رواية الموطأ وكذلك رواية الأعمش عن أبى صالح حيث قال كل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة بعشر أمثالها إلى سبعمائة ضعف إلى ما شاء الله قال الله إلا الصوم فإنه لى وأنا أجزى به أى أجازى عليه جزاء كثيرا من غير تعيين لمقداره وهذا كقوله تعالى إنما يوفى الصابرون أجرهم بغير حساب انتهى والصابرون الصائمون فى أكثر الأقوال قلت وسبق إلى هذا أبو عبيد فى غريبه فقال بلغنى عن ابن عيينة أنه قال ذلك واستدل له بأن الصوم هو الصبر لأن الصائم يصبر نفسه عن الشهوات وقد قال الله تعالى إنما يوفى الصابرون أجرهم بغير حساب انتهى ويشهد رواية المسيب بن رافع عن أبى صالح عند سمويه إلى سبعمائة ضعف إلا الصوم فإنه لا يدرى أحد ما فيه ويشهد له أيضا ما رواه ابن وهب فى جامعه عن عمر بن محمد بن زيد بن عبد الله بن عمر عن جده زيد مرسلا ووصله الطبرانى والبيهقى فى الشعب من طريق أخرى عن عمر بن محمد عن عبد الله بن مينار عن ابن عمر مرفوعا الأعمال عند الله سبع الحديث وفيه وعمل لا يعلم ثواب عامله إلا الله ثم قال وأما العمل الذى لا يعلم ثواب عامله إلا الله فالصيام ثم قال القرطبى هذا القول ظاهر الحسن قال غير أنه تقدم ويأتى فى غير ما حديث أن صوم اليوم بعشرة أيام وهى نص فى إظهار التضعيف فبعد هذا الجواب بل بطل قلت لا يلزم من الذى ذكر بطلانه بل المراد بما أورده أن صيام اليوم الواحد يكتب بعشرة أيام وأما مقدار ثواب ذلك فلا يعلمه إلا الله تعالى ويؤيده أيضا العرف المستفاد من قوله أنا أجزى به لأن الكريم إذا قال أنا أتولى الإعطاء بنفسى كان فى ذلك إشارة إلى تعظيم ذلك العطاء وتفخيمه .

ثالثها معنى قوله الصوم لى أى إنه أحب العبادات إلى والمقدم عندى وقد تقدم قول ابن عبد البر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض حضرات نے زوال سے پہلے تَر اور خشک ہر قسم کی مسواک کو مستحب اور زوال کے بعد ناپسند قرار دیا ہے، اور بعض حضرات نے عصر کے بعد ناپسند قرار دیا ہے، اور بعض حضرات نے صرف تَر مسواک کو ناپسند قرار دیا ہے، اور بعض حضرات نے زوال کے بعد تَر اور خشک ہر قسم کی مسواک کو ناپسند قرار دیا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كفى بقوله الصوم لى فضلا للصيام على سائر العبادات وروى النسائى وغيره من حديث أبى أمامة مرفوعا عليك بالصوم فإنه لا مثل له لكن يعكر على هذا الحديث الصحيح واعلموا أن خير أعمالكم الصلاة.

رابعها الإضافة إضافة تشريف وتعظيم كما يقال بيت الله وإن كانت البيوت كلها لله قال الزين بن المنير التخصيص فى موضع التعميم فى مثل هذا السياق لا يفهم منه إلا التعظيم والتشريف.

خامسها أن الاستغناء عن الطعام وغيره من الشهوات من صفات الرب جل جلاله فلما تقرب الصائم إليه بما يوافق صفاته أضافه إليه وقال القرطبى معناه أن أعمال العباد مناسبة لأحوالهم إلا الصيام فإنه مناسب لصفة من صفات الحق كأنه يقول إن الصائم يتقرب إلى بأمر هو متعلق بصفة من صفاتى.

سادسها أن المعنى كذلك لكن بالنسبة إلى الملائكة لأن ذلك من صفاتهم.

سابعها أنه خالص لله وليس للعبد فيه حظ قاله الخطابى هكذا نقله عياض وغيره فإن أراد بالحظ ما يحصل من الثناء عليه لأجل العبادة رجع إلى المعنى الأول وقد أفصح بذلك ابن الجوزى فقال المعنى ليس لنفس الصائم فيه حظ بخلاف غيره فإن له فيه حظا لثناء الناس عليه لعبادته.

ثامنها سبب الإضافة إلى الله أن الصيام لم يعبد به غير الله بخلاف الصلاة والصدقة والطواف ونحو ذلك واعترض على هذا بما يقع من عباد النجوم وأصحاب الهياكل والاستخدامات فإنهم يتعبدون لها بالصيام وأجيب بأنهم لا يعتقدون إلهية الكواكب وإنما يعتقدون أنها فعالة بأنفسها وهذا الجواب عندى ليس بطائل لأنهم طائفتان إحداهما كانت تعتقد إلهية الكواكب وهم من كان قبل ظهور الإسلام واستمر منهم من استمر على كفره والأخرى من دخل منهم فى الإسلام واستمر على تعظيم الكواكب وهم الذين أشير إليهم.

تاسعها أن جميع العبادات توفى منها مظالم العباد إلا الصيام روى ذلك البيهقى من طريق إسحاق بن أيوب بن حسان الواسطى عن أبيه عن ابن عيينة قال إذا كان يوم القيامة يحاسب الله عبده ويؤدى ما عليه من المظالم من عمله حتى لا يبقى له إلا الصوم فيتحمل الله ما بقى عليه من المظالم ويدخله بالصوم الجنة قال القرطبى قد كنت استحسنت هذا الجواب إلى أن فكرت فى حديث المقاصة فوجدت فيه ذكر الصوم فى جملة الأعمال حيث قال المفلس الذى يأتى يوم القيامة بصلاة وصدقة وصيام ويأتى وقد شتم هذا وضرب هذا وأكل مال هذا الحديث وفيه فيؤخذ لهذا من حسناته ولهذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بہت سے دیگر اہلِ علم حضرات کے نزدیک روزہ دار کو کسی بھی وقت تر اور خشک ہر قسم کی مسواک کرنا جائز ہے، اور دلائل کے لحاظ سے زیادہ راجح اور صحیح بات

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

من حسناته فإذا فنيت حسناته قبل أن يقضى ما عليه أخذ من سيئاتهم فطرحت عليه ثم طرح فى النار فظاهره أن الصيام مشترك مع بقية الأعمال فى ذلك قلت أن ثبت قول ابن عيينة أمكن تخصيص الصيام من ذلك فقد يستدل له بما رواه أحمد من طريق حماد بن سلمة عن محمد بن زياد عن أبى هريرة رفعه كل العمل كفارة إلا الصوم الصوم لى وأنا أجزى به وكذا رواه أبو داود الطيالسى فى مسنده عن شعبة عن محمد بن زياد ولفظه قال ربكم تبارك وتعالى كل العمل كفارة إلا الصوم ورواه قاسم بن أصبغ من طريق أخرى عن شعبة بلفظ كل ما يعمله ابن آدم كفارة له إلا الصوم وقد أخرجه المصنف فى التوحيد عن آدم عن شعبة بلفظ يرويه عن ربكم قال لكل عمل كفارة والصوم لى وأنا أجزى به فحذف الاستثناء وكذا رواه أحمد عن غندر عن شعبة لكن قال كل العمل كفارة وهذا يخالف رواية آدم لأن معناها إن لكل عمل من المعاصى كفارة من الطاعات ومعنى رواية غندر كل عمل من الطاعات كفارة للمعاصى وقد بين الإسماعيلى الاختلاف فيه فى ذلك على شعبة وأخرجه من طريق غندر بذكر الاستثناء فاختلف فيه أيضا على غندر والاستثناء المذكور يشهد لما ذهب إليه ابن عيينة لكنه وإن كان صحيح السند فإنه يعارضه حديث حذيفة فتنة الرجل فى أهله وماله وولده يكفرها الصلاة والصيام والصدقة ولعل هذا هو السر فى تعقيب البخارى لحديث الباب بباب الصوم كفارة وأورد فيه حديث حذيفة وسأذكر وجه الجمع بينهما فى الكلام على الباب الذى يليه إن شاء الله تعالى.

عاشرها أن الصوم لا يظهر فتكتبه الحفظة كما تكتب سائر الأعمال واستند قائله إلى حديث واه جدا أورده ابن العربى فى المسلسلات ولفظه قال الله الإخلاص سر من سرى استودعته قلب من أحب لا يطلع عليه ملك فيكتبه ولا شيطان فيفسده ويكفى فى رد هذا القول الحديث الصحيح فى كتابة الحسنة لمن هم بها وإن لم يعملها فهذا ما وقفت عليه من الأجوبة وقد بلغنى أن بعض العلماء بلغها إلى أكثر من هذا وهو الطالقانى فى حظائر القدس له ولم أقف عليه واتفقوا على أن المراد بالصيام هنا صيام من سلم صيامه من المعاصى قولا وفعلا ونقل ابن العربى عن بعض الزهاد أنه مخصوص بصيام خواص الخواص فقال إن الصوم على أربعة أنواع صيام العوام وهو الصوم عن الأكل والشرب والجماع وصيام خواص العوام وهو هذا مع اجتناب المحرمات من قول أو فعل وصيام الخواص وهو الصوم عن غير ذكر الله وعبادته وصيام خواص الخواص وهو الصوم عن غير الله فلا فطر لهم إلى يوم القيامة وهذا مقام عال لكن فى حصر المراد من الحديث فى هذا النوع نظر لا يخفى .

وأقرب الأجوبة التى ذكرتها إلى الصواب الأول والثانى ويقرب منهما الثامن والتاسع.

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

یہی ہے کہ روزہ کی حالت میں ہر وقت تَر اور خشک کسی بھی طرح کی مسواک کرنا جائز ہے، مکروہ یا ممنوع نہیں ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقال البيضاوى فى الكلام على رواية الأعمش عن أبى صالح التى بينتها قبل لما أراد بالعمل الحسنات وضع الحسنة فى الخبر موضع الضمير الراجع إلى المبتدأ وقوله إلا الصيام مستثنى من كلام غير محكى دل عليه ما قبله والمعنى أن الحسنات يضاعف جزاؤها من عشرة أمثالها إلى سبعمائة ضعف إلا الصوم فلا يضاعف إلى هذا القدر بل ثوابه لا يقدر قدره ولا يحصيه إلا الله تعالى ولذلك يتولى الله جزاء ه بنفسه ولا يكله إلى غيره قال والسبب فى اختصاص الصوم بهذه المزية أمران أحدهما أن سائر العبادات مما يطلع العباد عليه والصوم سر بين العبد وبين الله تعالى يفعله خالصا ويعامله به طالبا لرضاه وإلى ذلك الإشارة بقوله فإنه لى والآخر أن سائر الحسنات راجعة إلى صرف المال أو استعمال للبدن والصوم يتضمن كسر النفس وتعريض البدن للنقصان وفيه الصبر على مضض الجوع والعطش وترك الشهوات وإلى ذلك أشار بقوله يدع شهوته من أجلى قال الطيبى وبيان هذا أن قوله يدع شهوته إلخ جملة مستأنفة وقعت موقع البيان لموجب الحكم المذكور وأما قول البيضاوى إن الاستثناء من كلام غير محكى ففيه نظر فقد يقال هو مستثنى من كل عمل وهو مروى عن الله لقوله فى أثناء الحديث قال الله تعالى ولما لم يذكره فى صدر الكلام أورده فى أثنائه بيانا وفائدته تفخيم شأن الكلام وأنه صلى الله عليه وسلم لا ينطق عن الهوى قوله والحسنة بعشر أمثالها كذا وقع مختصرا عند البخارى وقد قدمت البيان بأنه وقع فى الموطأ تاما وقد رواه أبو نعيم فى المستخرج من طريق القعنبى شيخ البخارى فيه فقال بعد قوله وأنا أجزى به كل حسنة يعملها ابن آدم بعشر أمثالها إلى سبعمائة ضعف إلا الصيام فإنه لى وأنا أجزى به فأعاد قوله وأنا أجزى به فى آخر الكلام تأكيدا وفيه إشارة إلى الوجه الثانى ووقع فى رواية أبى صالح عن أبى هريرة فى آخر هذا الحديث للصائم فرحتان يفرحهما الحديث وسيأتى الكلام عليه بعد ستة أبواب أن شاء الله تعالى (فتح البارى لابن حجر، صفحه ۱۰۷ تا ۱۱۰، قوله باب فضل الصوم)

[1] وأما حكم السواك للصائم فاختلف العلماء فيه على ستة أقوال :

الأول :أنه لا بأس به للصائم مطلقا قبل الزوال وبعده، ويروى عن على وابن عمر أنه :لا بأس بالسواك الرطب للصائم، ورواه ذلك أيضا عن مجاهد وسعيد بن جبير وعطاء وإبراهيم النخعى ومحمد بن سيرين وأبى حنيفة وأصحابه والثورى والأوزاعى وابن علية، ورويت الرخصة فى السواك للصائم عن عمر وابن عباس، وقال ابن علية :السواك سنة للصائم والمفطر والرطب واليابس سواء .

الثانى :كراهيته للصائم بعد الزوال واستحبابه قبله برطب أو يابس، وهو قول الشافعى فى أصح قوليه، وأبى ثور، وقد روى عن على، رضى الله تعالى عنه، كراهة السواك بعد الزوال رواه الطبرانى .

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

جہاں تک روزہ دار کے منہ کی بو کے اللہ تعالیٰ کو پسند ہونے کا تعلق ہے، تو وہ معدہ کے خالی رہنے سے پیدا ہونے والی بو ہے، جو کہ مسواک کرنے سے زائل وختم نہیں ہوتی، بلکہ مسواک سے صرف منہ اور دانتوں کا میل کچیل اور منہ کی بو دور ہوتی ہے، جس کو شریعت پسند کرتی ہے، اس لئے روزہ دار کو مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الثالث :كراهته للصائم بعد العصر فقط، ويروى عن أبي هريرة .

الرابع :التفرقة بين صوم الفرض وصوم النفل، فيكره في الفرض بعد الزوال ولا يكره في النفل، لأنه أبعد عن الرياء ، حكاه المسعودي عن أحمد بن حنبل، وحكاه صاحب المعتمد من الشافعية عن القاضي حسين .

الخامس :أنه يكره السواك للصائم بالسواك الرطب دون غيره، سواء أول النهار وآخره، وهو قول مالك وأصحابه، وممن روى عنه كراهة السواك الرطب للصائم الشعبي وزياد بن حدير وأبو ميسرة والحكم ابن عتيبة وقتادة .

السادس :كراهته للصائم بعد الزوال مطلقا، وكراهة الرطب للصائم مطلقا، وهو قول أحمد وإسحاق بن راهويه .وقال ابن عمر يستاك أول النهار وآخره ولا يبلع ريقه(عمدة القاري للعيني، ج ۱۱ ص ۱۴ ، باب اغتسال الصائم)

[1] اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بلاشبہ روزہ دار کے منہ کی بو اگرچہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ اس بو کو باقی رکھنے اور اس کے تحفظ کی کوشش کی جائے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ روزہ دار سے گفتگو کرنے میں اس کی بو کی وجہ سے نہ کترائیں اور اسے بُرا نہ سمجھیں۔

فإن قلت :في استنان الصائم إزالة الخلوف الذي هو أطيب عند الله من ريح المسك؟ قلت :إنما مدح النبي صلى الله عليه وسلم الخلوف نهيا للناس عن تعزز مكالمة الصائمين بسبب الخلوف، لا نهيا للصوام عن السواك، والله غني عن وصول الرائحة الطيبة إليه، فعلمنا يقينا أنه لم يرد بالنهي استبقاء الرائحة، وإنما أراد نهي الناس عن كراهتها(عمدة القاري للعيني، ج ۱۱ ص ۱۳ ، باب اغتسال الصائم)

یہاں ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے کوہِ طور پر جانے اور وہاں چالیس راتیں گزارنے کے واقعہ میں بعض مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر تیس راتوں کے اعتکاف میں حسبِ قاعدہ تیس روزے مسلسل رکھے، تیسواں روزہ پورا کرنے کے بعد افطار کر کے مقررہ مقام طور پر حاضر ہوئے تو حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ آپ نے افطار کے بعد مسواک کر کے روزہ کی بُو کو ختم کر دیا، اس لئے مزید دس روزے اور رکھیئے تا کہ وہ بُو پھر پیدا ہو جائے، تو بظاہر اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ روزہ دار کے لئے مسواک کرنا مکروہ یا ممنوع ہونا چاہئے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کی کوئی سند معلوم نہیں، تا کہ اس واقعہ کی صداقت کا فیصلہ کیا جائے، اور اگر یہ واقعہ مستند طریقہ پر ثابت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر منہ کی بوزائل کرنا روزہ کے خلاف ہوتا، تو پھر کلی کرنے کی بھی ممانعت ہوتی، کیونکہ اس سے بھی منہ کی صفائی ہوتی اور کچھ نہ کچھ منہ کی بوزائل وختم ہوتی ہے۔ [1]

تابعی حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ: أَتَسَوَّكُ وَأَنْتَ صَائِمٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: أَيَّ النَّهَارِ أَتَسَوَّكُ؟ قَالَ: أَيَّ النَّهَارِ شِئْتُ، إِنْ شِئْتُ غُدْوَةً، وَإِنْ شِئْتُ عَشِيَّةً، قُلْتُ: فَإِنَّ النَّاسَ يَكْرَهُوْنَهُ عَشِيَّةً، قَالَ: وَلِمَ؟ قُلْتُ: يَقُوْلُوْنَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ فَقَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، لَقَدْ أَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالسِّوَاكِ حِيْنَ أَمَرَهُمْ، وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا بُدَّ أَنْ يَّكُوْنَ بِفَمِ الصَّائِمِ خُلُوْفٌ وَإِنِ اسْتَاكَ وَمَا كَانَ بِالَّذِيْ يَأْمُرَهُمْ أَنْ يُنْتِنُوْا أَفْوَاهَهُمْ عَمَدًا، مَا فِيْ ذٰلِكَ مِنَ الْخَيْرِ شَيْءٌ، بَلْ فِيْهِ شَرٌّ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۳۳) [2]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بھی ہو جائے تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات سے متعلق ہو، عام لوگوں کے لئے نہ ہو، یا شریعتِ موسوی میں ایسا ہی حکم سب کے لئے ہو کہ روزہ کی حالت میں مسواک نہ کی جائے، لیکن شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام میں بحالتِ روزہ مسواک کرنے کا معمول صحیح احادیث سے ثابت ہے (معارف القرآن ج ۴ ص ۵۷ بتغیر)

[1] قال الحافظ فی التلخيص (ص ۱۹۳) إسناده جيد وقال الهيثمی (ج۳: ص ۱۶۵) فيه بكر بن خنيس وهو ضعيف، وقد وثقه ابن معين فی رواية. قلت: ووثقه أيضاً العجلی وضعفه غيرهما. وقال فی التقريب: هو كوفی عابد سكن بغداد صدوق، له أغلاط - انتهى. وقد تعقب الحافظ فی التلخيص (ص ۲۲) على هذا الجواب فقال فی قول ابن العربی السواك لا يزيل الخلوف، وإنما يزيل وسخ الأسنان نظر، لأنه يزيل المتصعد إلى الأسنان الناشیء عن خلو المعدة ولا يخفى ما فيه؛ لأن المضمضة أيضاً تزيل هذا وهم لا يكرهونها (مرعاة المفاتيح، باب تنزيه الصوم)

[2] فی تحفة الاحوذی: قُلْتُ إِسْنَادُ هَذَا الْأَثَرِ جَيِّدٌ كَمَا صَرَّحَ بِهِ الْحَافِظُ فِي التَّلْخِيصِ الْحَبِيرِ (تحفة الأحوذی، بَاب مَا جَاءَ فِي السِّوَاكِ لِلصَّائِمِ)

وقال شعيب الانؤوط: وقد جود إسناده الحافظ فی "التلخيص ۲/۲۰۲" وأورده الهيثمی فی "المجمع ۳/۱۶۵" وقال: وفيه بكر بن خنيس، وهو ضعيف، وقد وثقه ابن مَعِين فی رواية. قلنا: ولذا فإسناده محتمل للتحسين (مسند أحمد، تحت رقم الحديث ۱۵۶۷۸)

ترجمہ: میں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا آپ روزے کی حالت میں مسواک کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بے شک! میں نے عرض کیا کہ دن کے کس حصہ میں آپ مسواک کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ دن کے جس حصہ میں میں چاہتا ہوں، اگر چاہتا ہوں تو صبح کو، اور اگر چاہتا ہوں تو شام کو، میں نے کہا کہ لوگ شام کے وقت مسواک کو مکروہ سمجھتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ کیوں؟ میں نے کہا کہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک کی بو سے زیادہ پسند ہے، تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مسواک کرنے کا حکم دیا، اور لوگوں کو مسواک کا حکم فرمانے کے وقت وہ یقینی طور پر روزہ دار کے منہ کی بو کو جانتے تھے، اگرچہ وہ مسواک کرے (مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں مسواک کرنے سے منع نہیں فرمایا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو جان بوجھ کر اپنے منہ میں بدبو پیدا کرنے (اور مسواک کئے بغیر باقی رکھنے) کا حکم نہیں فرماتے تھے، کیونکہ اس میں کوئی خیر نہیں ہے، بلکہ شر ہے (طبرانی)

اس کے علاوہ کئی احادیث وروایات سے بھی روزہ کی حالت میں ہر طرح کی مسواک کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے، جس کی مزید تفصیل آگے روزہ کو فاسد کرنے اور نہ کرنے والی چیزوں کے بیان میں آتی ہے۔

بہر حال مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ روزہ دار کی بھوک اور پیاس کی وجہ سے معدہ سے جو خاص قسم کی بو پیدا ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو مشک کی بو سے بھی زیادہ پسند ہے، جس سے روزہ دار کے بھوکے پیاسے رہنے کی فضیلت معلوم ہوئی۔

حضرت اُمِ عمارہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ الصَّائِمَ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ إِذَا أُكِلَ عِنْدَهٗ حَتّٰى يَفْرُغُوْا ، وَرُبَّمَا قَالَ: حَتّٰى يَشْبَعُوْا (ترمذی) [1]

ترجمہ: روزہ دار کے سامنے جب کھایا پیا جاتا ہے تو فرشتے برابر اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ کھانے والے کھانے پینے سے فارغ نہ ہوجائیں، اور بعض اوقات یہ فرمایا کہ پیٹ نہ بھرلیں (ترمذی)

اسی قسم کا مضمون حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ [2]

اس سے روزہ دار کے دوسروں کو کھاتا پیتا دیکھ کر صبر کرنے کی یہ فضیلت معلوم ہوئی کہ بندہ فرشتوں کی دعا کا مستحق ہوتا ہے۔

بعض احادیث میں روزہ کو آدھا صبر اور جسم کی زکاۃ قرار دیا گیا ہے۔ [3]

جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح زکاۃ میں مال کا میل کچیل نکل جاتا ہے اسی طرح روزہ میں بدن کا میل کچیل یعنی فاسد مادہ جس سے بیماری پیدا ہوتی ہے دور ہوجاتا ہے۔ [4]

---

[1] رقم الحدیث ۷۸۵، کتاب الصوم، باب ماجاء فی فضل الصائم.
قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَهُوَ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ شَرِيكٍ.

[2] عَنْ أَبِي أَيُّوبَ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ :الصَّائِمُ إِذَا أُكِلَ عِنْدَهُ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۹۷۱۰)
وهذا إسناد صحيح على شرط الشيخين، وهو موقوف فی حکم المرفوع (سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السیء فی الأمة، تحت رقم الحديث ۱۳۳۲)

[3] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -فَذَكَرَ الْحَدِيثَ إِلَى أَنْ -قَالَ " :وَالصَّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ، وَإِنَّ لِكُلِّ شَیْءٍ زَكَاةً، وَزَكَاةُ الْجَسَدِ الصِّيَامُ " (شعب الایمان، رقم الحدیث ۳۳۰۰، کتاب الصيام، واللفظ لهٗ، ابنِ ماجة، رقم الحديث ۱۷۴۵؛ مسندالشهاب القضاعی، رقم الحديث ۲۲۰؛ الزهد لوكيع، رقم الحديث ۵۳۷)
هذا إسناد ضعيف من الطريقين معا فيه موسى بن عبيدة الربذی وهو متفق على تضعيفه ومدار الإسنادين عليه (مصباح الزجاجة للكنانی ، باب فی ثواب من فطر صائما)

[4] لصيام نصف الصبر لان الزمان مشتمل على الليل والنهار والصوم يكون فی النهار وكمال الصبر بامساک الفم والفرج لما وردمن ضمن لی مابين لحيتيه ورجليه ضمنت له بالجنة اويحمل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض احادیث میں روزہ کو صحت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الصبر على اتيان الاوامر واجتناب النواهى قاطبة ويجعل المفطرات الثلث نصفه لان معظم هذه الامورتداول بالفرج والفم فلماامسكهما حصل له نصف الصبر واللہ اعلم (انجاح حاشيه ابن ماجه ص ۱۲۵)

(الصيام نصف الصبر) لأن الصبر حبس النفس عن إجابة داعى الشهوة والغضب فالنفس تشتهى الشىء لمحصول اللذة بإدراكه وتغضب لفوته وتنفر لنفرتها من المؤلم والصوم صبر عن مقتضى الشهوة فقط وهى شهوة البطن والفرج دون مقتضى الغضب لكن من كمال الصوم حبس النفس عنهما وبه تمسک من فضل الصبر على الشكر (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۵۲۰۰)

(الصيام نصف الصبر) لأن جماع العبادات فعل وكف والصوم يقمع الشهوة فيسهل الكف وهو شرط الصبر فهما صبران صبر عن أشياء وصبر على أشياء والصوم معين على أحدهما فهو نصف الصبر ذكره الحليمى وقال الغزالى :هذا مع خبر الصبر نصف الإيمان ينتج أن الصوم ربع الإيمان ثم هو متميز بخاصية النسبة إلى الله من بين سائر الأركان وقوله الصيام نصف الصبر مع قوله تعالى (إنما يوفى الصابرين أجرهم) إلخ ينتج أن ثواب الصوام يتجاوز قانون التقدير والحساب ا۵ .وما ذكر هنا من أنه نصف الصبر يعارضه ما صار إليه بعض المفسرين من أن المراد بالصبر فى آية (واستعينوا بالصبر) الصوم بدليل مقابلته بالصلاة أما على ما ذهب إليه الأكثر من تفسير بالعبادة كلها فلا تعارض (وعلى كل شىء زكاة وزكاة الجسد الصيام) لأنه ينقص من قوة البدن وينحل الجسم فيكون الصيام كأنه أخرج شيئا من جسده لوجه الله فكأن زكاته (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۵۲۰۱)

؎ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اغْزُوا تَغْنَمُوا، وَصُومُوا تَصِحُّوا، وَسَافِرُوا تَسْتَغْنُوا .لَمْ يَرْوِ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ سُهَيْلٍ، بِهَذَا اللَّفْظِ، إِلَّا زُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ " (المعجم الاوسط، رقم الحديث ۸۳۱۲، واللفظ لہٗ؛ الضعفاء الكبير للعقيلى، رقم الحديث ۱۶۴۱؛ طبرانى فى الكبير و الاوسط)

قال الهيثمى : رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۰۷۰، بَابٌ فِي فَضْلِ الصَّوْمِ)

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ عَنْ شَيْخِهِ مُوسَى بْنِ زَكَرِيَّا فَإِنْ كَانَ الرَّاوِيَ عَنْ شَبَّابٍ فَقَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ الدَّارَقُطْنِيُّ وَإِنْ كَانَ غَيْرَهُ فَلَمْ أَعْرِفْهُ ، وَبَقِيَّةُ رِجَالِهِ ثِقَاتٌ(مجمع الزوائد،بَابُ اغْزُوا تَغْنَمُوا وَسَافِرُوا تَصِحُّوا ،تحت رقم الحديث ۹۶۵۷)

عن ابْنِ عَبَّاسٍ قَال رَسُول اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسلَّمَ سَافِرُوا تَصِحُّوا وَصُومُوا تَصِحُّوا وَاغْزُوا تغنموا (الكامل فى ضعفاء الرجال، ج۸ص ۳۲۴)

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيِّ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ " :إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ أَوْحَى إِلَى نَبِيٍّ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ أَخْبِرْ قَوْمَكَ أَنْ لَيْسَ عَبْدٌ يَصُومُ يَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْهِي إِلَّا صَحَّحْتُ جِسْمَهُ وَأَعْظَمْتُ أَجْرَهُ " (شعب الايمان، رقم الحديث ۳۶۳۸)

ڈاکٹر اور اطبّاء بھی کہتے ہیں کہ روزہ سے جسم کے فضلات دُور ہوتے ہیں، اور روزہ جسمانی صحت کے لئے مفید ہے۔

ایک حدیث میں روزہ دار کے سونے کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔ [1]

روزہ کے جو فضائل ذکر کئے گئے، ان میں سے اکثر فضائل تو وہ ہیں، جو رمضان کے علاوہ دوسرے روزے رکھنے سے بھی حاصل ہوجاتے ہیں، اور رمضان کے روزوں سے بھی یقیناً حاصل ہوتے ہیں، بلکہ نفلی روزوں سے بڑھ کر فضائل حاصل ہوتے ہیں، کیونکہ رمضان کے روزوں کو تمام دوسرے روزوں پر فضیلت حاصل ہے۔

مزید کئی احادیث سے رمضان کے روزوں کے خصوصی فضائل بھی معلوم ہوتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (بخاری) [2]

ترجمہ: جس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کا یقین رکھتے ہوئے لیلۃ القدر میں عبادت کی، اس کے پچھلے (صغیرہ) گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور جس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کا یقین رکھتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے (صغیرہ) گناہ معاف کردیئے جائیں گے (بخاری)

مگر یہ فضیلت اس وقت ہے جبکہ روزہ کی حدود و قیود کی حفاظت کرے۔

---

[1] عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِى أَوْفَى، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :نَوْمُ الصَّائِمِ عِبَادَةٌ، وَصَمْتُهُ تَسْبِيحٌ، وَعَمَلُهُ مُضَاعَفٌ، وَدُعَاؤُهُ مُسْتَجَابٌ، وَذَنْبُهُ مَغْفُورٌ " (شعب الايمان،رقم الحديث ٣٦٥٢، واللفظ لهٗ؛ الترغيب فى فضائل الأعمال وثواب ذلک، لابن شاهين، رقم الحديث ١۴٢؛ الفردوس بمأثور الخطاب، رقم الحديث ٦٧٣۴)

[2] رقم الحديث ١٩٠١، كتاب الصوم،باب من صام رمضان إيمانا واحتسابا ونية، واللفظ لهٗ؛ مسلم، رقم الحديث ٧٦٠؛ ابوداؤد، رقم الحديث ١٣٧٢؛ نسائى رقم الحديث ٢٢٠٦؛ ، ترمذى، رقم الحديث ٦٨٣؛ مسند احمد، رقم الحديث ٩۴۴٥.

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، وَعَرَفَ حُدُوْدَہٗ ، وَتَحَفَّظَ مِمَّا کَانَ یَنْبَغِیْ لَہٗ أَنْ یَّتَحَفَّظَ فِیْہِ، کَفَّرَ مَا قَبْلَہٗ (مسند احمد) [۱]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور ان کی حدود کو پہچانا اور ان چیزوں کی حفاظت کی جن چیزوں کی حفاظت روزے کے لئے ضروری تھی تو یہ روزے اس کے گزشتہ (صغیرہ) گناہوں کا کفارہ ہوجائیں گے (مسند احمد)

روزہ کی اسی قسم کی ان گنت خصوصیات وفضائل کی وجہ سے بعض احادیث میں کسی عمل کے روزہ کے برابر نہ ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللہِ مُرْنِیْ بِعَمَلٍ قَالَ عَلَیْکَ بِالصَّوْمِ فَاِنَّہٗ لَاعِدْلَ لَہٗ

---

[۱] رقم الحدیث ۱۱۵۲۴ ،واللفظ لہٗ،شعب الایمان للبیھقی، رقم الحدیث ۳۳۵۱؛ مسند ابی یعلیٰ الموصلی، رقم الحدیث ۱۰۵۸ .

فی حاشیة مسند احمد: حدیث حسن.

قال الھیثمی: رواہ أحمد، وأبو یعلی بنحوہ، وفیہ عبد اللہ بن قریظ ذکرہ ابن أبی حاتم، ولم یذکر فیہ جرحا ولا تعدیلا (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۴۷۹۵، باب احترام شھر رمضان ومعرفة حقہ)

فی حاشیة مسند ابی یعلیٰ: عبد اللہ بن قریط وثقہ ابن حبان وباقی رجالہ ثقات.

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابن مبارک کی ایک روایت میں عبداللہ بن قرط ذکر فرمایا ہے،اوراسی طرح ابن حبان نے بھی اسی نام سے حدیث روایت کی ہے،اور بعض نے عبداللہ بن قریط قرار دیا ہے۔

وَرَوَاہُ غَیْرُہٗ، عَنِ ابْنِ الْمُبَارَکِ، فَقَالَ :عَبْدُ اللہِ بْنُ قُرْطٍ(شعب الایمان تحت رقم الحدیث ۳۳۵۱)

عبداللہ بن قرط کوابن حبان نے شامی فرمایا ہے،اوران کوثقات میں شمار کیا ہے۔

عبد اللہ بن قرط شامی یروی عن عطاء بن یسار روی عنہ یحیی بن أیوب التجیبی (ثقات ابن حبان،جز۷،ص ۶)

قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ مُرْنِیْ بِعَمَلٍ قَالَ عَلَیْکَ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَاعِدْلَ لَهٗ

(سنن النسائی) [1]

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھ کوکسی (بڑے) عمل کا حکم دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ کولے لو کیونکہ کوئی عمل اس کے برابر نہیں، میں نے (دوبارہ) عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھ کوکسی (بڑے) عمل کا حکم دیجئے، آپ نے (پھر یہی) فرمایا کہ روزہ کو لے لو کیونکہ کوئی عمل اس کے برابر نہیں (نسائی)

بعض روایات میں یہ تفصیل آئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو سننے کے بعد حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کثرت سے روزے رکھنے لگے تھے۔ [2]

معلوم ہوا کہ بعض حیثیات سے روزہ دوسرے تمام اعمال پر فضیلت اور سبقت رکھتا ہے۔

جب روزہ کی انتہائی عظمت، اہمیت اور فضیلت معلوم ہوگئی تو اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ رمضان کے روزہ کو بغیر شرعی عذر کے چھوڑ دینا، انتہائی نقصان اور خسارہ کی بات ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ

---

[1] رقم الحدیث ۲۲۲۳، ج۴ص۱۶۵، واللفظ لهٗ؛ ومسند احمد، رقم الحدیث ۲۲۱۴۹؛ ابنِ حبان، رقم الحدیث ۳۴۲۶.

فی حاشیة مسند احمد: إسناده صحیح علی شرط مسلم.

[2] فَمُرْنِی يَا رَسُولَ اللّٰهِ بِأَمْرٍ يَنْفَعُنِی اللّٰهُ بِهِ قَالَ عَلَیْکَ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَا مِثْلَ لَهُ قَالَ وَكَانَ أَبُو أُمَامَةَ لَا يَكَادُ يُرَى فِي بَيْتِهِ الدُّخَانُ بِالنَّهَارِ فَإِذَا رُئِيَ الدُّخَانُ بِالنَّهَارِ عَرَفُوا أَنَّ ضَيْفًا اعْتَرَاهُمْ مِمَّا كَانَ يَصُومُ هُوَ وَأَهْلُهُ (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۲۲۲۰، حَدِيثُ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ الصُّدَىِّ، واللفظ لهٗ؛ مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۸۹۸۸؛ ابن حبان، رقم الحدیث ۳۴۲۵؛ المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۷۴۶۴)

قال الهیثمی: رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالطَّبَرَانِیُّ فِی الْكَبِيرِ ، وَرِجَالُ أَحْمَدَ رِجَالُ الصَّحِيحِ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۵۰۸۷)

فی حاشیة مسند احمد: اسناده صحیح علی شرط مسلم.

صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَإِنْ صَامَهُ (ترمذی) [۱]

ترجمہ: جو شخص بغیر عذر اور بغیر بیماری کے ایک دن بھی رمضان کے روزہ کو افطار کردے (یعنی یا تو بالکل نہ رکھے، یا رکھ کر توڑ دے) تو پھر چاہے تمام عمر کے روزے رکھے اس کا بدل نہیں ہوسکتا (ترمذی)

محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ [۲]

لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ [۳]

اور بعض کئی آثار میں بھی یہ مضمون آیا ہے۔ [۴]

---

[۱] رقم الحديث ۷۲۳،ابواب الصوم،، باب ماجاء فى الافطار متعمدا، واللفظ لهٗ؛ مسند احمد رقم الحديث ۹۷۰۶؛ ابوداؤد، رقم الحديث ۲۳۹۶؛ ابنِ ماجه، رقم الحديث ۱۶۷۲؛ سنن كبرىٰ للنسائى، رقم الحديث ۳۲۶۵؛ مصنف عبدالرزاق رقم الحديث ۷۴۷۵؛ صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ۱۹۸۷؛ شرح مشكل الآثار، رقم الحديث ۱۵۲۱.

[۲] قال الترمذى:حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ و سَمِعْت مُحَمَّدًا يَقُولُ أَبُو الْمُطَوِّسِ اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ الْمُطَوِّسِ وَلَا أَعْرِفُ لَهُ غَيْرَ هَذَا الْحَدِيثِ (ترمذى، حواله بالا)

فى حاشية مسند احمد: إسناده ضعيف.

[۳] قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ :مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ لَقِيَ اللهَ بِهِ، وَإِنْ صَامَ الدَّهْرَ كُلَّهُ، إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ، وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۹۵۷۴،مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۷۴۷۶،السنن الكبرىٰ للبيهقى، رقم الحديث ۸۰۶۶)

قال الهيثمى: رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۹۷۹، باب فيمن أفطر فى شهر رمضان متعمدا أو جامع)

وأخرج البيهقى عن ابن مسعود موقوفًا :من أفطر يومًا من رمضان متعمدًا، لم يقضه أبدًا طول الدهر ومثل ذلک لا يقال من قبيل الرأى (فتح الغفار الجامع لأحكام سنة نبينا المختار، للحسن بن أحمد بن يوسف بن محمد بن أحمد الرُّباعى الصنعانى، تحت رقم الحديث ۲۸۰۲)

[۴] وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ :مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ وَلَا مَرَضٍ، لَمْ يَقْضِهِ صِيَامُ الدَّهْرِ وَإِنْ صَامَهُ وَبِهِ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ، وَالشَّعْبِيُّ، وَابْنُ جُبَيْرٍ، وَإِبْرَاهِيمُ، وَقَتَادَةُ، وَحَمَّادٌ :يَقْضِي يَوْمًا مَكَانَهُ (بخارى، ج۳ص ۳۲، باب إذا جامع فى رمضان)

وَأما قَول ابْن مَسْعُود فَأَخْبرنَا أَحْمد بن أبى بكر فِي كِتَابه أَن عِيسَى بن عبد الرَّحْمَن أخبرهُ أَنا مُحَمَّد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی وجہ سے بعض علماء کی تحقیق یہی ہے کہ جس نے رمضانُ المبارک کے روزہ کو بلاوجہ کھودیا تو اس کی قضاء ہو ہی نہیں سکتی چاہے عمر بھر روزے رکھتا رہے۔

مگر جمہور فقہاء وعلماء کے نزدیک اگر رمضان کا روزہ بلا عذر رکھا ہی نہیں تو ایک روزہ کے بدلے ایک روزہ سے قضاء ہو جائے گی اور اگر روزہ رکھ کر بلا شرعی عذر کے توڑ دیا تو قضا کے ایک روزہ کے علاوہ بہت سی صورتوں میں کفارہ ادا کرنے سے فرض ذمہ میں سے ادا ہو جائے گا۔

لیکن یہ حکم فریضہ کے ادا ہونے سے متعلق ہے جہاں تک برکت اور فضیلت کا تعلق ہے تو وہ بلا شبہ کسی طرح ہاتھ نہیں آسکتی، حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کا ایک موسم ہوتا ہے اور موسم کے اعتبار سے چیزوں کی قیمت بڑھتی اور چڑھتی ہے۔

رمضانُ المبارک کا مہینہ فرض روزوں کے لئے خاص کر دیا گیا ہے۔

یہ مہینہ روزوں کا ایک خاص موسم ہے، اس مہینہ میں روزہ رکھنے پر جو کچھ ملتا ہے بعد میں اس کی قضا رکھ لینے پر رمضان والی فضیلت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ روزہ اپنے خاص مقام سے ہٹ گیا، البتہ معذور اور مجبور لوگوں کا معاملہ الگ ہے، ان پر اللہ تعالیٰ اپنا خاص فضل فرماتے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بن إِبْرَاهيم الإربلى عَن شهدة بنت الإبرى سَمَاعا أَن طراد بن مُحَمَّد بن عَلّى الزَّيْنَبِى أخبرهُم أَنا أَبُو الْفَتْح هِلَال بن مُحَمَّد بن جَعْفَر الحفار أَنا الْحُسَيْن بن يَحْيَى بن عَبَّاس ثَنَا إِبْرَاهِيم بن محشر ثَنا عُبَيْدَة بن حميد عَن مَنْصُور عَن وَاصل عَن الْمُغيرَة بن عبد الله الْيَشْكُرِى قَالَ حدثت أَن عبد الله بن مَسْعُود قَالَ من أفطر يَوْمًا من رَمَضَان من غير عِلّة لم يجزه صِيَام الدَّهْر حَتَّى يلقى الله عَزَّ وَجَلَّ فَإِن شَاء َغفر لَهُ وَإِن شَاء َعذبه رَوَاهُ الْبَيْهَقِيّ فِي السّنَن الْكَبِير عَن هِلَال الحفار فوافقناه فِيهِ بعلو دَرَجَة عَلَى طَرِيقه وَهَكَذَا رَوَاهُ عبد الرَّزَّاق عَن الثَّوْرِىّ عَن وَاصل الأحدب وَإِسْنَاده صَحِيح لَو فسر الْمُغيرَة من حَدثه ثمَّ رَأَيْته فِي مُصَنف ابْن أبى شيبَة قَالَ ثَنا وَكِيع عَن سُفْيَان عَن وَاصل عَن مُغيرَة عَن فَلان بن الْحَارِث عَن ابْن مَسْعُود بِهِ وَالرجل مَعَ ذَلِك مُبْهَم لكِن يعتضد بمجيئه من وَجه آخر قَالَ الْبَيْهَقِيّ أخبرنَا أَبُو عبد الله الْحَافِظ ثَنا أَبُو الْعَبَّاس مُحَمَّد بن يَعْقُوب ثَنا الْحسن بن عَلّى بن عَفَّان ثَنَا أَبُو أُسَامَة عَن عبد الْملك ثنا أَبُو الْمُغيرَة الثَّقَفِىّ عَن عرْفجَة قَالَ قَالَ عبد الله بن مَسْعُود من أفطر يَوْمًا من رَمَضَان مُتَعَمدا من غير عِلّة ثمَّ قَضَى طول الدَّهْر لم يقبل مِنْهُ وَأخرجه الطَّبَرَانِىّ فِي الْكَبِير أَيْضا (تغليق التعليق على صحيح البخارى لابنِ حجر، ج۳ص ۱۷۰، ۱۷۱، بَاب إِذا جَامع فِي رَمَضَان)

ہوئے دوسرے دِنوں میں قضا کرنے کی صورت میں بھی وہی برکات عطا فرماتے ہیں۔
بہت سے تندرست اور صحت مند لوگ رمضانُ المبارک کے روزے نہیں رکھتے اور ذرا سی بھوک، پیاس اور معمولی سی بیڑی، سگریٹ، پان، تمباکو، نسوار، چائے، قہوہ وغیرہ یا دنیا کی دوسری مصروفیات کی وجہ سے روزہ چھوڑ دیتے ہیں۔
انہیں دنیا کے ذرا سے مزے اور طلب کی خاطر اپنی قبر اور آخرت کو خراب کرنے اور انتہائی عظیم اجر وثواب کے محروم ہونے سے بچنا چاہئے۔ [۱]

روزہ کی حکمتیں

شریعت کے احکام کی اصل بنیاد تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو پورا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنا ہے۔ اور یہی فلسفہ اور حکمت روزہ میں بھی ہے۔
لیکن یہ بات بھی واضح ہے کہ اللہ کے حکم کو پورا کرنے میں جہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور اس کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے وہاں ساتھ ساتھ بے شمار دوسرے دنیوی اور اخروی فوائد اور حکمتیں بھی حاصل ہوتی ہیں جن کا صحیح طرح سے ہم لوگ احاطہ وشمار نہیں کر سکتے۔
مگر کچھ حکمتیں شریعت کی بے پناہ مہربانیوں کی وجہ سے بندوں کو اعمال کی طرف راغب کرنے کے لئے بتلا دی جاتی ہیں اور کچھ حکمتیں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے دلوں میں بھی ڈال دیتے ہیں۔

---

[۱] (وَعَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :-مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ "كَسَفَرٍ "وَلَا مَرَضٍ ") أَیْ :مُبِيحٌ لِلْإِفْطَارِ مِنْ عَطْفِ الْأَخَصِّ عَلَى الْأَعَمِّ "لَمْ يَقْضِ عَنْهُ "أَیْ :عَنْ ثَوَابِ ذٰلِکَ الْيَوْمِ "صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ "أَیْ :صَوْمُهُ فِيهِ، فَالْإِضَافَةُ بِمَعْنَى فِی، نَحْوُ مَكْرُ اللَّيْلِ (وَكُلِّهُ) لِلتَّأْكِيدِ "وَإِنْ صَامَهُ "أَیْ وَلَوْ صَامَ الدَّهْرَ كُلَّهُ، قَالَ الطِّيبِیُّ :أَیْ لَمْ يَجِدْ فَضِيلَةَ الصَّوْمِ الْمَفْرُوضِ بِصَوْمِ النَّفْلِ، وَإِنْ سَقَطَ قَضَاؤُهُ بِصَوْمِ يَوْمٍ وَاحِدٍ، وَهَذَا عَلَى طَرِيقِ الْمُبَالَغَةِ وَالتَّشْدِيدِ، وَلِذٰلِکَ أَكَّدَهُ بِقَوْلِهِ "وَإِنْ صَامَهُ "، أَیْ :حَقَّ الصِّيَامِ، قَالَ ابْنُ الْمَلَکِ :وَإِلَّا فَالْإِجْمَاعُ عَلَى أَنَّهُ يَقْضِی يَوْمًا مَكَانَهُ (مرقاۃ المفاتیح، ج۴ص۱۳۹۸، کتاب الصوم، باب تنزیه الصوم)

چنانچہ اسی بنیاد پر روزہ کی کچھ حکمتیں یہ بیان کی گئی ہیں:

(۱)...... روزہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی بڑی پہچان اور نشانی ہے۔

جیسے کوئی شخص کسی کی محبت میں مست اور سرشار ہوکر کھانا، پینا اور میاں بیوی والے خصوصی تعلقات چھوڑ دیتا ہے اسی طرح روزہ دار اللہ جلّ شانہٗ کی محبت میں گُم ہوکر اسی حالت کا اظہار اور ترجمانی کرتا ہے، اور اسی وجہ سے غیرُ اللہ کے لئے روزہ رکھنا جائز نہیں۔

(۲)...... روزہ دار کی نفسانی خواہشات کمزور اور سُست ہوجاتی ہیں (جس کے نتیجہ میں گناہوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے)

(۳)...... روزے سے انسان میں اللہ کا خوف وخشیت اور تقویٰ پیدا ہوتا ہے (جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا آسان ہوجاتا ہے)

(۴)...... روزے کی وجہ سے روحانی قوت اور طاقت میں اضافہ ہوتا ہے (جس کے نتیجہ میں مادی تقاضے کمزور اور روحانیت میں ترقی ہوتی ہے)

(۵)...... روزہ رکھ کر اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کا تقاضا پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کی قدر کرنے کا جذبہ اور توفیق حاصل ہوتی ہے۔

(۶)...... روزہ رکھنے سے اپنی عاجزی، مسکنت اور اپنے محتاج ہونے کا خیال ترقی پکڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور قدرت و بے نیازی پر نظر جاتی ہے۔

(۷)...... روزہ رکھنے سے انسانی ہمدردی اور مسکینوں پر رحم اور ان کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے۔

(۸)...... روزہ رکھنے سے جانوروں اور حیوانوں کی خصلتوں سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ اور اشرفُ المخلوقات کی صفات حاصل ہوتی ہیں۔

(۹)...... روزہ رکھ کر فرشتوں کی مشابہت اور ان کے قُرب کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔

(۱۰)...... جسمانی بیماریوں، خاص کر معدے کے امراض اور بلغمی بیماریوں کے لئے روزہ

بے حد مفید ہے۔

(۱۱)...... روزہ رکھنے سے انسان کی بصیرت کھلتی ہے اوردوراندیشی وباریک بینی کا خیال ترقی پکڑتا ہے، جس کے نتیجہ میں بہت سی مخلوق ومصنوعات کے حقائق اوران کے راز بھی کھلنے شروع ہوجاتے ہیں۔

(۱۲)...... روزہ کے ذریعہ سے بُری اورغلط عادات (مثلاً سگریٹ نوشی، منشیات وغیرہ) سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔

(۱۳)...... خاص طور پر رمضان کا روزہ اسلامی برادری میں مساوات کا سبب بنتا ہے۔ کیونکہ امیر اورغریب باوجود ایک دوسرے سے مال ودولت میں کم زیادہ ہونے کے روزہ میں ایک ساتھ مل کر ایک ہی وقت میں کھانے پینے کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مساوی ہوجاتے ہیں اور مال ودولت کا عارضی امتیاز درمیان میں حائل نہیں رہتا۔

(۱۴)...... روزہ دار کو ایک ایسا ایمانی جوہر اورایسی توانائی حاصل ہوتی ہے جو انفرادی اوراجتماعی معاشرے کی اصلاح کا سبب بنتی ہے، کیونکہ روزہ دار کے دل میں کسی کی حق تلفی، عداوت، بغض، دشمنی، بے حیائی، غیبت اور چغل خوری وغیرہ کے خیالات کم پیدا ہوتے ہیں۔

(۱۵)...... روزہ کی وجہ سے بنی نوع انسان میں صبر وتحمل کا مزاج پیدا ہوتا ہے اور بے صبری سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی اور بہت سے روزے کے دنیوی واخروی فائدے ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو''احکامِ اسلام عقل کی نظر میں''ص ۹۹ و ۱۰۰، ازحکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ وعمدۃ الفقہ ج ۳ ص ۱۸۰؛ الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج ۳ ص ۱۶۱۷ تا ص ۱۶۲۰) [۱]

---

[۱] روزہ کی ان ہمہ جہت خوبیوں کی وجہ سے قرآن مجید میں کئی جگہ روزہ کا تذکرہ فرمایا گیا اورکئی دوسری چیزوں کے لئے بھی روزہ کو مقرر کیا گیا ہے۔
تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل آیات کی طرف رجوع فرمائیں۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رمضان کے پورے مہینے مسلسل روزہ رکھنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے روزوں کی فرضیت کے لئے رمضان المبارک کا پورا مہینہ مقرر فرمایا ہے۔

اگر ایک ساتھ پورے ایک مہینہ کے روزے فرض نہ ہوتے بلکہ تھوڑے تھوڑے کر کے رکھوائے جاتے تو اس سے نفس کی شہوانی قوت کے دبانے اور نفس کو پاکیزہ کرنے کا وہ فائدہ حاصل نہ ہوتا جو پورے ایک مہینہ کے روزے رکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (سورہ بقرہ آیت ۱۸۳)
وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ (ایضاً آیت ۱۸۴) فَلْيَصُمْهُ (ایضاً آیت ۱۸۵)
فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ (ایضاً آیت ۱۹۶) فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ (ایضاً آیت ۱۹۶)
فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ (سورہ نساء آیت ۹۲) اَوْعَدْلُ ذَالِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهِ (مائدہ آیت ۵) فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ (ایضاً آیت ۸۹) وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصَّآئِمَاتِ (سورہ احزاب آیت ۳۵) فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ (سورہ مجادلہ آیت ۴)

وفوائد الصيام كثيرة من الناحيتين الروحية والمادية:

فالصوم طاعة لله تعالى، يثاب عليها المؤمن ثواباً مفتوحاً لا حدود له، لأنه لله سبحانه، وكرم الله واسع، وينال بها رضوان الله، واستحقاق دخول الجنان من باب خاص أعد للصائمين يقال له الريان ويبعد نفسه عن عذاب الله تعالى بسبب ما قد يرتكبه من معاص، فهو كفارة للذنوب من عام لآخر، وبالطاعة يستقيم أمر المؤمن على الحق الذى شرعه الله عز وجل، لأن الصوم يحقق التقوى التى هى امتثال للأوامر الإلهية واجتناب النواهى، قال الله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم، لعلكم تتقون)

والصوم مدرسة خلقية كبرى يتدرب فيها المؤمن على خصال كثيرة، فهو جهاد للنفس، ومقاومة للأهواء ونزعات الشيطان التى قد تلوح له، ويتعود به الإنسان خلق الصبر على ما قد يُحرَم منه، وعلى الأهواء والشدائد التى قد يتعرض لها، إذ يجد الطعام الشهى يطبخ أمامه، والروائح تهيج عصارات معدته، والماء العذب البارد يترقرق فى ناظريه، فيمتنع منه، منتظراً وقت الإذن الربانى بتناوله .والصوم يعلّم الأمانة ومراقبة الله تعالى فى السر والعلن؛ إذ لا رقيب على الصائم فى امتناعه عن الطيبات إلا الله وحده .والصوم يقوى الإرادة، ويشحذ العزيمة، ويعلّم الصبر، ويساعد على صفاء الذهن، واتقاد الفكر، وإلهام الآراء الثاقبة إذا تخطى الصائم مرحلة الاسترخاء ، وتناسى ما قد يطرأ له من عوارض الارتخاء والفتور أحياناً، قال لقمان لابنه :يا بنى، إذا امتلأت المعدة نامت الفكرة، وخرست الحكمة، وقعدت الأعضاء عن العبادة.والصوم يعلّم النظام والانضباط؛ لأنه يجبر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس کا آج کل کے ماہرین نے بھی اعتراف کیا ہے کہ مسلسل ایک مہینہ روزہ رکھنا صحت کے لئے بھی مفید ہے (بشرطیکہ سحری وافطار وغیرہ میں احتیاط رکھی جائے)

اوراس کے علاوہ متفرق طور پر روزے رکھنے سے خوشی کا وہ سماں بھی حاصل نہ ہوتا جو ایک مہینہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الصائم على تناول الطعام والشراب فى وقت محدد وموعد معين .والصوم يشعر بوحدة المسلمين الحسية فى المشارق والمغارب، فهم جميعاً يصومون ويفطرون فى وقت واحد؛ لأن ربهم واحد، وعبادتهم موحدة .وينمى الصوم فى الإنسان عاطفة الرحمة والأخوة، والشعور برابطة التضامن والتعاون التى تربط المسلمين فيما بينهم، فيدفعه إحساسه بالجوع والحاجة مثلاً إلى صلة الآخرين، والمساهمة فى القضاء على غائلة الفقر والجوع والمرض، فتتقوى أواصر الروابط الاجتماعية بين الناس، ويتعاون الكل فى معالجة الحالات المرضية فى المجتمع .والصوم فعلاً يجدد حياة الإنسان بتجدد الخلايا وطرح ماشاخ منها، وإراحة المعدة وجهاز الهضم، وحمية الجسد، والتخلص من الفضلات المترسبة والأطعمة غير المهضومة، والعفونات أو الرطوبات التى تتركها الأطعمة والأشربة، قال النبى صلّى الله عليه وسلم :صوموا تصحوا، وقال طبيب العرب : الحارث بن كَلَدة :المعدة بيت الداء، والحِمية رأس كل دواء .والصيام جهاد للنفس، وتخليصها مما علق بها من شوائب الدنيا وآثامها، وكسر حدة الشهوة والأهواء، وتهذيبها وضبطها فى طعامها وشرابها، بدليل قول النبى صلّى الله عليه وسلم :يا معشر الشباب :من استطاع منكم الباءة، فليتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء وقال الكمال بن الهمام :الصوم ثالث أركان الإسلام بعد لا إله إلا الله، محمد رسول الله والصلاة، شرعه سبحانه لفوائد أعظمها كونه موجباً أشياء :

منها :سكون النفس الأمارة، وكسر سورتها فى الفضول المتعلقة بجميع الجوارح من العين واللسان والأذن والفرج، فإن به تضعف حركتها فى محسوساتها، ولذا قيل :إذا جاعت النفس شبعت جميع الأعضاء، وإذا شبعت جاعت كلها.

ومنها :كونه موجباً للرحمة والعطف على المساكين، فإنه لما ذاق ألم الجوع فى بعض الأوقات، ذكر من هذا حاله فى عموم الأوقات، فتسارع إليه الرقة عليه، فينال بذلك ما عند الله تعالى من حسن الجزاء .

ومنها :موافقة الفقراء بتحمل ما يتحملون أحياناً، وفى ذلك رفع حاله عند الله تعالى.

وقال فى الإيضاح :اعلم أن الصوم من أعظم أركان الدين وأوثق قوانين الشرع المتين، به قهر النفس الأمارة بالسوء، وإنه مركب من أعمال القلب، ومن المنع عن المآكل والمشارب والمناكح عامة يومه، وهو أجمل الخصال، غير أنه أشق التكاليف على النفوس، وقد مدحه الله بآية (إن المسلمين والمسلمات) ... (والخاشعين والخاشعات والمتصدقين والمتصدقات والصائمين والصائمات) (الفقه الاسلامى وادلتهٔ، ج۳، ص۱۶۱۷ تاص ۱۶۲۰)

کے مسلسل روزے رکھنے کے بعد عید کے دن حاصل ہوتا ہے۔

پھر اگر بندوں کو اختیار دے دیا جاتا کہ سال بھر میں جس کا جب دل چاہے مقررہ تعداد میں روزے رکھ لے تو اس میں یکجہتی بھی نہ رہتی، کبھی ایک شخص رکھتا، کبھی دوسرا شخص رکھتا اور اسی طرح بہت سے لوگ مقررہ تعداد میں روزے رکھنے سے محروم ہو جاتے کیونکہ اجتماعی صورت میں جو کام آسانی سے ہو جاتا ہے وہ انفرادی طور پر نہیں ہو پاتا، جیسا کہ اس کا عام مشاہدہ ہے کہ رمضانُ المبارک کے علاوہ عام طور پر پورے سال اتنے روزے رکھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اجتماعیت میں بے شمار برکتیں رکھی ہیں۔

اور رمضانُ المبارک میں اجتماعی برکات کا ہر ایک کو مشاہدہ ہوتا ہے کہ جو سرور اور کیفیت ہر طرف رمضان کے مہینہ میں نظر آتی ہے وہ پورے سال میں میسر نہیں آتی۔

اللہ تعالیٰ اس بابرکت مہینے کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

روزہ فرض اور صحیح ہونے کی شرائط اور ان کے احکام

رمضان کا روزہ فرض اور صحیح ہونے کی کچھ شرائط ہیں، جن لوگوں میں یہ شرائط پائی جائیں، ان پر روزہ فرض، اور ان کا روزہ درست وصحیح ہوتا ہے، ورنہ نہیں۔

یہ شرائط کئی طرح کی ہیں، اور ان سے متعلقہ مسائل بھی بہت ہیں، ان کی تفصیل معلوم ہونا ضروری ہے۔

ماہِ رمضان کا روزہ فرض ہونے کا سبب ''رمضان کا مہینہ'' ہے، جس طرح نماز فرض ہونے کا سبب ''وقت'' ہے، لہٰذا رمضان کا روزہ جو فرض ہوتا ہے، وہ رمضان کے مہینہ کو پانے کے سبب سے فرض ہوتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَمَنۡ شَہِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُ (سورة البقرة، آيت ۱۸۵)

ترجمہ: تم میں سے جو شخص رمضان کے مہینے کو پائے، تو اسے چاہئے کہ وہ روزہ رکھے (سورہ بقرہ) [۱]

---

[۱] پھر اس میں اختلاف ہے کہ سببِ وجوبِ صوم ''مطلق شہودِ شہر'' ہے (کہ سبب ہونے میں رمضان کی راتیں اور دن برابر ہیں) یا پھر سببِ وجوبِ صوم خاص ''رمضان کے دن'' ہیں نہ کہ راتیں۔

پہلا قول شمس الائمہ سرخسی کا ہے، اور دوسرا قول قاضی ابوزید، اور صدر الاسلام ابوالیسر کا ہے۔

وَسَبَبُ وُجُوبِهِ الشَّهۡرُ لِإِضَافَتِهِ إِلَيۡهِ يُقَالُ :صَوۡمُ رَمَضَانَ، وَلِتَكَرُّرِهِ بِتَكۡرَارِ الشَّهۡرِ، وَكُلُّ يَوۡمٍ سَبَبُ وُجُوبِ صَوۡمِهِ(الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص ۱۲۵، كتاب الصوم)

وَسَبَبُ رَمَضَانَ شُهُودُ جُزۡءٍ مِنۡ الشَّهۡرِ اتِّفَاقًا لَكِنۡ اخۡتَلَفُوا فَذَهَبَ السَّرَخۡسِيُّ إلَى أَنَّ السَّبَبَ مُطۡلَقُ شُهُودِ الشَّهۡرِ حَتَّى اسۡتَوَى فِي السَّبَبِيَّةِ الۡأَيَّامُ وَاللَّيَالِي، وَذَهَبَ الدَّبُوسِيُّ وَفَخۡرُ الۡإِسۡلَامِ وَأَبُو الۡيُسۡرِ إلَى أَنَّ السَّبَبَ الۡأَيَّامُ دُونَ اللَّيَالِي أَيۡ الۡجُزۡءُ الَّذِي لَا يَتَجَزَّأُ مِنۡ كُلِّ يَوۡمٍ سَبَبٌ لِصَوۡمِ ذَلِكَ الۡيَوۡمِ فَيَجِبُ صَوۡمُ جَمِيعِ الۡأَيَّامِ مُقَارِنًا إيَّاهُ، وَثَمَرَةُ الۡخِلَافِ تَظۡهَرُ فِيمَنۡ أَفَاقَ فِي أَوَّلِ لَيۡلَةٍ مِنۡ الشَّهۡرِ ثُمَّ جُنَّ قَبۡلَ أَنۡ يُصۡبِحَ وَمَضَى الشَّهۡرُ، وَهُوَ مَجۡنُونٌ ثُمَّ أَفَاقَ فَعَلَى قَوۡلِ السَّرَخۡسِيِّ يَلۡزَمُهُ الۡقَضَاءُ، وَلَوۡ لَمۡ يَتَقَرَّرۡ السَّبَبُ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فقہائے احناف نے روزہ فرض اور صحیح ہونے کی جو شرائط بیان فرمائی ہیں، آگے ان کی تفصیل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فِی حَقِّہِ بِمَا شَهِدَ مِنْ الشَّهْرِ حَالَ إفَاقَتِهِ لَمْ يَلْزَمْهُ، وَعَلَى قَوْلِ غَيْرِهِ لَا يَلْزَمُهُ الْقَضَاءُ، وَصَحَّحَهُ السِّرَاجُ الْهِنْدِیُّ فِی شَرْحِ الْمُغْنِی؛ لِأَنَّ اللَّيْلَ لَيْسَ بِمَحَلٍّ لِلصَّوْمِ فَكَانَ الْجُنُونُ وَالْإِفَاقَةُ فِيهِ سَوَاءً، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ لَوْ أَفَاقَ لَيْلَةً فِی وَسَطِ الشَّهْرِ ثُمَّ أَصْبَحَ مَجْنُونًا، وَكَذَا لَوْ أَفَاقَ فِی آخِرِ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ بَعْدَ الزَّوَالِ وَجَمَعَ فِی الْهِدَايَةِ بَيْنَ الْقَوْلَيْنِ بِأَنَّهُ لَا مُنَافَاةَ فَشُهُودُ جُزْءٍ مِنْهُ سَبَبٌ لِكُلِّهِ ثُمَّ كُلُّ يَوْمٍ سَبَبُ وُجُوبِ أَدَائِهِ غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّهُ تَكَرَّرَ سَبَبُ وُجُوبِ صَوْمِ الْيَوْمِ بِاعْتِبَارِ خُصُوصِهِ وَدُخُولِهِ فِی ضِمْنِ غَيْرِهِ كَذَا فِی فَتْحِ الْقَدِيرِ، وَالَّذِی يَظْهَرُ أَنَّ صَاحِبَ الْهِدَايَةِ يَخْتَارُ غَيْرَ قَوْلِ السَّرَخْسِیِّ؛ لِأَنَّ السَّرَخْسِیَّ يَقُولُ: كُلُّ يَوْمٍ مَعَ لَيْلَتِهِ سَبَبٌ لِلْوُجُوبِ لَا الْيَوْمُ وَحْدَهُ، وَتَمَامُ تَقْرِيرِهِ فِی الْأُصُولِ (البحر الرائق، ج۲ص۲۷۶، کتاب الصوم)

(سَبَبُ وُجُوبِ الصَّوْمِ) قَوْلُهُ (وَسَبَبُ وُجُوبِ الصَّوْمِ) يَعْنِی صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ وَاللَّامُ لِلْعَهْدِ أَيَّامَ شَهْرِ رَمَضَانَ. اتَّفَقَ الْمُتَأَخِّرُونَ مِنْ مَشَايِخِنَا مِثْلُ الْقَاضِی الْإِمَامِ أَبِی زَيْدٍ وَشَمْسِ الْأَئِمَّةِ وَالشَّيْخِ الْمُصَنِّفِ وَصَدْرِ الْإِسْلَامِ أَبِی الْيُسْرِ، وَمَنْ تَابَعَهُمْ عَلَى أَنَّ سَبَبَ وُجُوبِ الصَّوْمِ الشَّهْرُ؛ لِأَنَّهُ يُضَافُ إلَيْهِ وَيَتَكَرَّرُ بِتَكَرُّرِهِ وَيَصِحُّ الْأَدَاءُ بَعْدَ دُخُولِ الشَّهْرِ، وَلَا يَصِحُّ قَبْلَهُ لَكِنَّهُمْ اخْتَلَفُوا بَعْدَ ذَلِكَ. فَذَهَبَ الْإِمَامُ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ السَّرَخْسِیُّ -رَحِمَهُ اللَّهُ- إلَى أَنَّ السَّبَبَ مُطْلَقُ شُهُودِ الشَّهْرِ حَتَّى اسْتَوَى فِی السَّبَبِيَّةِ الْأَيَّامُ وَاللَّيَالِی مُتَمَسِّكًا بِأَنَّ الشَّهْرَ اسْمٌ لِجُزْءٍ مِنْ الزَّمَانِ مُشْتَمِلٌ عَلَى الْأَيَّامِ وَاللَّيَالِی، وَإِنَّمَا جَعَلَهُ الشَّرْعُ سَبَبًا لِإِظْهَارِ فَضِيلَةِ هَذَا الْوَقْتِ، وَهِیَ ثَابِتَةٌ لِلْأَيَّامِ وَاللَّيَالِی جَمِيعًا وَالدَّلِيلُ عَلَيْهِ أَنَّ مَنْ كَانَ مُفِيقًا فِی أَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ الشَّهْرِ ثُمَّ جُنَّ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ، وَمَضَى الشَّهْرُ، وَهُوَ مَجْنُونٌ ثُمَّ أَفَاقَ يَلْزَمُهُ الْقَضَاءُ، وَلَوْ لَمْ يَتَقَرَّرْ السَّبَبُ فِی حَقِّهِ بِمَا شَهِدَ مِنْ الشَّهْرِ فِی حَالِ الْإِفَاقَةِ لَمْ يَلْزَمْهُ الْقَضَاءُ، وَكَذَلِكَ الْمَجْنُونُ إذَا أَفَاقَ فِی لَيْلَةٍ ثُمَّ جُنَّ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ ثُمَّ أَفَاقَ بَعْدَ مُضِیِّ الشَّهْرِ يَلْزَمُهُ الْقَضَاءُ.

وَكَذَا نِيَّةُ أَدَاءِ الْفَرْضِ تَصِحُّ بَعْدَ وُجُودِ اللَّيْلَةِ الْأُولَى بِغُرُوبِ الشَّمْسِ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ، وَمَعْلُومٌ أَنَّ نِيَّةَ أَدَاءِ الْفَرْضِ قَبْلَ تَصَوُّرِ سَبَبِ الْوُجُوبِ لَا تَصِحُّ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ نَوَى قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ لَا تَصِحُّ نِيَّتُهُ. وَيُؤَيِّدُهُ قَوْلُهُ -عَلَيْهِ السَّلَامُ-: صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ. فَإِنَّهُ نَظِيرُ قَوْلِهِ تَعَالَى: (أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ) وَلَا مَعْنَى لِقَوْلِ مَنْ قَالَ لَوْ كَانَ سَبَبًا لَجَازَ الْأَدَاءُ فِيهِ؛ لِأَنَّ صِحَّةَ السَّبَبِ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَى تَمَكُّنِ الْأَدَاءِ فِيهِ فَإِنَّ مَنْ أَسْلَمَ فِی آخِرِ الْوَقْتِ يَلْزَمُهُ فَرْضُ الْوَقْتِ، وَإِنْ لَمْ يَثْبُتْ التَّمَكُّنُ مِنْ الْأَدَاءِ فِيهِ بَلْ الشَّرْطُ احْتِمَالُ الْأَدَاءِ فِی الْوَقْتِ، وَهُوَ ثَابِتٌ وَلِهَذَا لَوْ أَسْلَمَ فِی آخِرِ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ بَعْدَ الزَّوَالِ أَوْ قَبْلَهُ لَمْ يَلْزَمْهُ الصَّوْمُ، وَإِنْ أَدْرَكَ جُزْءًا مِنْ الشَّهْرِ لِانْقِطَاعِ احْتِمَالِ الْأَدَاءِ فِی الْوَقْتِ.

وَذَهَبَ الْقَاضِی الْإِمَامُ أَبُو زَيْدٍ وَالشَّيْخُ الْمُصَنِّفُ وَصَدْرُ الْإِسْلَامِ أَبُو الْيُسْرِ إلَى أَنَّ سَبَبَ وُجُوبِ الصَّوْمِ أَيَّامُ شَهْرِ رَمَضَانَ دُونَ اللَّيَالِی أَیْ الْجُزْءُ الْأَوَّلُ الَّذِی لَا يَتَجَزَّأُ مِنْ كُلِّ يَوْمٍ سَبَبٌ لِصَوْمِ ذَلِكَ الْيَوْمِ فَيَجِبُ صَوْمُ جَمِيعِ الْيَوْمِ مُقَارِنًا إيَّاهُ؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِی الشَّهْرِ أَشْيَاءُ مُتَغَايِرَةٌ إذْ صَوْمُ كُلِّ يَوْمٍ عِبَادَةٌ عَلَى حِدَةٍ غَيْرُ مُرْتَبِطٍ بِغَيْرِهِ لِاخْتِصَاصِهِ بِشَرَائِطِ وُجُودِهِ، وَانْفِرَادُهُ بِالِارْتِفَاعِ عِنْدَ طُرُوءِ النَّاقِضِ كَالصَّلَوَاتِ فِی أَوْقَاتِهَا بَلْ التَّفَرُّقُ فِی الصِّيَامِ أَكْثَرُ مِنْهُ فِی الصَّلَوَاتِ فَإِنَّ التَّفَرُّقَ فِی الصَّلَوَاتِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ذکر کی جاتی ہے۔ [1]

(۱)...... مسلمان ہونا (غیر مسلم، نومسلم اور مرتد کے روزہ کے احکام)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

باعْتِبَارِ أَنَّ أَدَاءَ الظُّهْرِ لَا يَجُوزُ فِي وَقْتِ الْفَجْرِ وَيَفُوتُ بِمَجِيءِ وَقْتِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَدَاءِ الظُّهْرِ، وَهَذَا الْمَعْنَى فِيمَا نَحْنُ فِيهِ مَوْجُودٌ وَزِيَادَةٌ، وَهِيَ أَنَّ بَيْنَ كُلِّ يَوْمَيْنِ وَقْتًا لَا يَصْلُحُ لِلصَّوْمِ لَا أَدَاءً، وَلَا قَضَاءً لِمَا مَضَى، وَلَا نَفْلًا، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ كَانَ كُلُّ عِبَادَةٍ مُتَعَلِّقَةً بِسَبَبٍ عَلَى حِدَةٍ وَذَلِكَ بِالطَّرِيقِ الَّذِي قُلْنَا؛ وَلِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى إذَا جَعَلَ وَقْتًا سَبَبًا لِعِبَادَةٍ فَذَلِكَ بَيَانُ شَرَفِ ذَلِكَ الْوَقْتِ لِحَقِّ تِلْكَ الْعِبَادَةِ وَالْعِبَادَةُ فِي الْأَدَاءِ دُونَ الْإِيجَابِ فَإِنَّهُ صُنْعُ اللَّهِ تَعَالَى فَلَمْ يَسْتَقِمْ الْوَقْتُ الْمُنَافِي لِلْأَدَاءِ شَرْعًا سَبَبًا لِوُجُوبِهِ فَعَلِمْنَا أَنَّ الْأَسْبَابَ هِيَ الْأَيَّامُ دُونَ اللَّيَالِي، وَهُوَ مَعْنَى قَوْلِ الشَّيْخِ وَالْوَقْتُ مَتَى جُعِلَ سَبَبًا كَانَ ظَرْفًا لِلْأَدَاءِ أَيْ مَحَلًّا لَهُ كَوَقْتِ الصَّلَاةِ لَمَّا جُعِلَ سَبَبًا لِوُجُوبِهَا كَانَ مَحَلًّا لِأَدَائِهَا .وَالْمُرَادُ مِنْ كَوْنِهِ ظَرْفًا هَاهُنَا أَنَّ الْوَاجِبَ يُؤَدَّى فِيهِ لَا أَنَّ الْوَقْتَ يَفْضُلُ عَنْ الْأَدَاءِ.

وَأَمَّا الْجَوَابُ عَنْ كَلَامِ شَمْسِ الْأَئِمَّةِ فَهُوَ أَنَّ شَرَفَ اللَّيَالِي بِاعْتِبَارِ شَرْعِيَّةِ الصَّوْمِ فِي أَيَّامِهَا فَكَانَ شَرَفُهَا تَابِعًا لِشَرَفِ الْأَيَّامِ أَوْ شَرَفُهَا بِاعْتِبَارِ كَوْنِهَا أَوْقَاتًا لِقِيَامِ رَمَضَانَ، وَكَلَامُنَا فِي شَرَفٍ يَحْصُلُ بِاعْتِبَارِ السَّبَبِيَّةِ، وَذَلِكَ بِأَنْ يَكُونَ مَحَلًّا لِأَدَاءِ مُسَبَّبِهِ .وَأَمَّا عَدَمُ سُقُوطِ الصَّوْمِ عَنْ الْمَجْنُونِ الَّذِي لَمْ يُفِقْ إلَّا فِي جُزْءٍ مِنْ اللَّيْلَةِ فَلِأَنَّهُ أَهْلٌ لِلْوُجُوبِ مَعَ الْجُنُونِ إلَّا أَنَّ الشَّرْعَ أَسْقَطَ عَنْهُ عِنْدَ تَضَاعُفِ الْوَاجِبَاتِ دَفْعًا لِلْحَرَجِ وَاعْتُبِرَ الْحَرَجُ فِي حَقِّ الصَّوْمِ بِاسْتِغْرَاقِ الْجُنُونِ جَمِيعَ الشَّهْرِ، وَلَمْ يُوجَدْ.

وَأَمَّا جَوَازُ النِّيَّةِ فِي اللَّيْلِ فَبِاعْتِبَارِ أَنَّ اللَّيْلَ جُعِلَ تَابِعًا لِلْيَوْمِ فِي حَقِّ هَذَا الْحُكْمِ ضَرُورَةَ تَعَذُّرِ اقْتِرَانِ النِّيَّةِ بِأَوَّلِ أَجْزَاءِ الصَّوْمِ الَّذِي هُوَ شَرْطٌ عَلَى مَا بَيَّنَّا فِي مَسْأَلَةِ التَّبْيِيتِ فَأُقِيمَتْ النِّيَّةُ فِي اللَّيْلِ مَقَامَ النِّيَّةِ الْمُقْتَرِنَةِ بِأَوَّلِ الصَّوْمِ، وَلَا ضَرُورَةَ فِيمَا نَحْنُ فِيهِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .هَذَا هُوَ الْأَصْلُ احْتِرَازٌ عَنْ الشَّرْطِ فَإِنَّ الْحُكْمَ قَدْ يَتَعَلَّقُ بِهِ وُجُودًا وَلِهَذَا أَيْ؛ وَلِأَنَّ كُلَّ يَوْمٍ سَبَبٌ لِوُجُوبِ صَوْمِهِ، وَقَدْ مَرَّتْ أَحْكَامُ هَذَا الْقِسْمِ أَيْضًا كَأَحْكَامِ الصَّلَاةِ فِي بَابِ تَقْسِيمِ الْمَأْمُورِ بِهِ فِي حَقِّ الْوَقْتِ(كشف الأسرار شرح أصول البزدوی،لعلاء الدين البخاری الحنفی ،ج۲،ص ۳۵۰،بَابُ بَيَانِ أَسْبَابِ الشَّرَائِعِ)

[1] فقہائے احناف نے جو روزہ کی شرائط بیان فرمائی ہیں، ان میں سے بعض تو شرائطِ وجوب ہیں، اور بعض شرائطِ صحتِ اداء ہیں، اور بعض میں اختلاف ہے، ہم نے ان کو الگ الگ عنوانات کے تحت بالترتیب ذکر کیا ہے، اور ان کے ذیل میں متعلقہ مسائل کی وضاحت بھی کردی ہے۔

فنبدأ بِالشُّرُوطِ فَنَقُول للصَّوْم شُرُوط بَعْضهَا للْوُجُوب وَبَعضهَا شَروط صِحَة الْأَدَاء ،فَمِنْهَا الْوَقْت وَهُوَ شَرط الْوُجُوب فِي حق الصَّوْم الْوَاجِب وَشرط الْأَدَاء فِي حق الصيامات كلهَا،وَهُوَ الْيَوْم من وَقت طُلُوع الْفجْر إِلَى وَقت غرُوب الشَّمْس قَالَ الله تَعَالَى (ثمَّ أَتموا الصّيام إِلَى اللَّيْل)(تحفة الفقهاء ج ۱ ص ۳۴۲، كتاب الصوم)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ (سورہ بقرہ آیت ۱۸۳ پ ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو فرض کیے گئے تم پر روزے (سورہ بقرہ)

اس آیت میں مؤمنوں کو خطاب فرما کر ان پر روزوں کو فرض قرار دیا گیا ہے۔

روزہ ایک عبادت ہے، اور ہر عبادت کے عملاً فرض اور صحیح ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے۔ [۱]

---

[۱] کافر کے عبادات کا مکلّف ہونے کے سلسلہ میں حنفیہ کے تین موقف ہیں، پہلا یہ کہ کافر عبادت کا ادا اور اعتقاد دونوں کے اعتبار سے مکلّف نہیں (پس کافر کو آخرت میں عبادت کی فرضیت کے اعتقاد اور اس کے عملاً ترک کی وجہ سے عذاب نہ ہوگا) یہ علمائے سمرقند کا موقف ہے؛ دوسرا یہ کہ کافر عبادت کا فقط اعتقاد کے اعتبار سے مکلّف ہے (پس کافر کو آخرت میں عبادت کی فرضیت کے صرف ترکِ اعتقاد کی وجہ سے عذاب ہوگا) یہ علمائے بخاریٰ کا موقف ہے؛ تیسرا یہ کہ کافر عبادت کا اداء اور اعتقاد دونوں کے اعتبار سے مکلّف ہے (پس کافر کو آخرت میں عبادت کی فرضیت کے اعتقاد اور اس کے عملاً ترک دونوں کی وجہ سے عذاب ہوگا) یہ علمائے عراق کا موقف ہے۔

علامہ ابنِ نجیم رحمہ اللہ نے اس تیسرے وآخری موقف کو معتمد قرار دیا ہے؛ لیکن یہ سب بحث آخرت کے عذاب کے اعتبار سے ہے، اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کافر کے اسلام لانے کے بعد جب تک اُس میں دیگر شرائط نہ پائی جائیں، اُس وقت تک اُس پر روزہ رکھنا فرض نہیں ہوتا۔

وَأما الْإِسْلَام فَهُوَ شَرط وجوب الصَّوْم وَسَائِر الْعِبَادَات عندنَا خلافًا للشَّافِعِيّ.وَهُوَ شَرط صِحَة الْأَدَاء بِلَا خلاف ولقب الْمَسْأَلَة أَن الْكفَّار غير مخاطبين بشرائع هِيَ عبادات عندنَا خلافًا لَهُ((تحفة الفقهاء ج ۱ ص ۳۵۰، كتاب الصوم)

(عَلَى مُسْلِمٍ) لِأَنَّ الْكَافِرَ غَيْرُ مُخَاطَبٍ بِفُرُوعِ الْإِيمَانِ فِي حَقِّ الْأَدَاءِ ,وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِيمَا عَلَّقْنَاهُ عَلَى الْمَنَارِ (حُرٌّ مُكَلَّفٍ) عَالِمٍ بِفَرْضِيَّتِهِ (الدرالمختار)

(قَوْلُهُ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ إلَخْ) حَاصِلُ مَا ذَكَرَهُ هُنَاكَ :أَنَّ فِي تَكْلِيفِهِ بِالْعِبَادَاتِ ثَلَاثَةَ مَذَاهِبَ مَذْهَبُ السَّمَرْقَنْدِيِّينَ غَيْرُ مُخَاطَبٍ بِهَا أَدَاءً وَاعْتِقَادًا وَالْبُخَارِيِّينَ مُخَاطَبٌ اعْتِقَادًا فَقَطْ وَالْعِرَاقِيِّينَ مُخَاطَبٌ بِهِمَا فَيُعَاقَبُ عَلَيْهِمَا قَالَ :وَهُوَ الْمُعْتَمَدُ كَمَا حَرَّرَهُ ابْنُ نُجَيْمٍ لِأَنَّ ظَاهِرَ النُّصُوصِ يَشْهَدُ لَهُمْ وَخِلَافُهُ تَأْوِيلٌ وَلَمْ يُنْقَلْ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَصْحَابِهِ شَيْءٌ لِيَرْجِعَ إلَيْهِ اهـ وَلَا يَخْفَى أَنَّ قَوْلَهُ فِي حَقِّ الْأَدَاءِ يُفْهِمُ أَنَّهُ مُخَاطَبٌ بِهَا اعْتِقَادًا فَقَطْ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْبُخَارِيِّينَ وَهُوَ مَا صَحَّحَهُ صَاحِبُ الْمَنَارِ لَكِنْ لَيْسَ فِي كَلَامِ الشَّارِحِ أَنَّ مَا هُنَا هُوَ مَا اعْتَمَدَهُ هُنَاكَ وَمَا قِيلَ إنَّ مَا هُنَا خِلَافُ الْمَذْهَبِ فِيهِ نَظَرٌ لِمَا عَلِمْت مِنْ أَنَّهُ لَا نَصَّ عَنْ أَصْحَابِ الْمَذْهَبِ فَافْهَمْ (ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۵۸، كتاب الحج)

وأما شرائط أركانه فمنها الإسلام فإنه كما هو شرط الوجوب، فهو شرط جواز الأداء ؛ لأن الحج عبادة، والكافر ليس من أهل العبادة(بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۱۶۰ ،فصل شرائط أركان الحج)

فَلَا يَجِبُ الصَّوْمُ عَلَى الْكَافِرِ فِي حَقِّ أَحْكَامِ الدُّنْيَا بِلَا خِلَافٍ (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۸۷، كتاب الصوم، فَصْلٌ شَرَائِطُ أَنْوَاعِ الصِّيَامِ)

مسئلہ نمبر۱...... اگر کوئی کافر روزہ رکھے، تو اس کا روزہ عبادت نہ بننے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوتا، خواہ وہ مشرک ہو یا یہودی ہو یا عیسائی، اور جو حکم کافر کا ہے، وہی حکم مرتد کا بھی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... اگر کوئی عاقل بالغ (غیر مسلم) شخص رمضان میں طلوعِ فجر سے ذرا سی دیر پہلے مسلمان ہو جائے، تو اس پر اس دن کا روزہ فرض ہو جائے گا، کیونکہ اس نے اس دن کے روزہ کی فرضیت کے وقت کو پا لیا ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۳...... اگر کوئی کافر غیر مسلموں کے ایسے ملک میں اسلام لایا، جہاں اسے روزے کی فرضیت کا علم نہ ہوا، تو جب تک اسے علم نہ ہوگا، اس وقت تک اس پر روزے فرض نہ ہوں گے، جس کی تفصیل آگے صفحہ ۱۴۴ پر ''روزہ کا علم ہونے'' کی بحث میں آ رہی ہے۔ [3]

مسئلہ نمبر۴...... جو غیر مسلم رمضان میں طلوعِ فجر کے بعد دن کے کسی حصہ میں مسلمان ہوا،

---

[1] وَأَمَّا الَّذِي يَرْجِعُ إِلَى الصَّائِمِ فَمِنْهَا :الْإِسْلَامُ فَإِنَّهُ شَرْطُ جَوَازِ الْأَدَاءِ بِلَا خِلَافٍ، وَفِي كَوْنِهِ شَرْطَ الْوُجُوبِ خِلَافٌ سَنَذْكُرُهُ فِي مَوْضِعِهِ (بدائع الصنائع، ج۲، ص۸۳، کتاب الصوم، فَصْلٌ شَرَائِطُ أَنْوَاعِ الصِّيَامِ)

قَالَ :(صَوْمُ رَمَضَانَ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ عَاقِلٍ بَالِغٍ أَدَاءً وَقَضَاءً) أَمَّا الْفَرْضِيَّةُ فَلِمَا ذَكَرْنَا .وَأَمَّا الْإِسْلَامُ فَلِأَنَّ الْكَافِرَ لَيْسَ أَهْلًا لِلْعِبَادَةِ(الاختيار لتعليل المختار، ج۱ ص۱۲۶، کتاب الصوم)

(عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ مُكَلَّفٍ) فَلَا يَجِبُ عَلَى الْكَافِرِ وَالصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ الْمُسْتَغْرِقِ جَمِيعَ الشَّهْرِ بِالِاتِّفَاقِ (مجمع الانهر، ج۱ ص۲۳۱، کتاب الصوم)

[2] وَلَوْ أَسْلَمَ الْكَافِرُ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ بِمِقْدَارِ مَا يُمْكِنُهُ النِّيَّةَ فَعَلَيْهِ صَوْمُ الْغَدِ وَإِلَّا فَلَا(بدائع الصنائع، ج۲ ص۸۹، فصل شرائط انواع الصيام)

فَوَجَبَ أَنْ يَكُونَ كُلُّ يَوْمٍ سَبَبًا عَلَى حِدَةٍ وَلِهَذَا لَوْ أَسْلَمَ الْكَافِرُ أَوْ بَلَغَ الصَّبِيُّ عَنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ يَلْزَمُهُ صَوْمُهُ وَإِنْ لَمْ يُدْرِكْ اللَّيْلَ وَهَذَا اخْتِيَارُ عَلِيٍّ الْبَزْدَوِيِّ -رَحِمَهُ اللَّهُ (تبيين الحقائق، ج۱ ص۳۱۳، کتاب الصوم)

[3] وَلَوْ أَسْلَمَ الْكَافِرُ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَعَلِمَ بِوُجُوبِ الصَّوْمِ بَعْدَ رَمَضَانَ لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَلَوْ عَلِمَ فِي خِلَالِهِ فَالظَّاهِرُ أَنَّهُ وَالْمَجْنُونَ سَوَاءٌ .اهـ .دِرَايَةٌ (حاشية الشلبی علی تبيين الحقائق، ج۱ ص۳۴۱، فصل فی العوارض)

ولو أسلم الكافر فی دار الحرب وعلم بوجوب الصوم بعد رمضان لا قضاء عليه، ولو علم فی خلاله فالظاهر أنه والمجنون فيه سواء كذا فی الزاهدی وإن أسلم فی دار الإسلام فعليه قضاء ما مضى علم بذلك أو لم يعلم كذا فی فتاوى قاضی خان فی فصل رؤية الهلال(الفتاویٰ الهندية، ج۱ ص۲۱۴، کتاب الصوم، المتفرقات)

تو اس پر اس دن کا روزہ فرض نہیں، اور نہ ہی بعد میں اس دن کے روزہ کی قضا واجب ہے، اور اگر وہ اس دن کا روزہ رکھے، تو درست نہیں، کیونکہ روزہ شروع ہونے کے وقت اس میں مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے روزہ کے صحیح ہونے کی شرط اور روزہ کی اہلیت نہیں پائی جاتی، البتہ فقہ حنفی کے مطابق اس کو دن کے باقی حصہ میں رمضان کے احترام کی وجہ سے کھانے پینے سے بچنا ضروری ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۵...... اگر کوئی مسلمان نعوذ باللہ تعالیٰ رمضان میں طلوعِ فجر کے بعد دن کے پہلے حصہ میں دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے، اور پھر دوبارہ تائب ہوکر مسلمان ہوجائے، تو اگر ضحوۂ کبریٰ سے پہلے وہ روزہ کی نیت کرلے، اور اس نے طلوعِ فجر سے لے کر اب تک کچھ کھایا پیا نہ ہو، تو اس کا روزہ درست ہوجائے گا، کیونکہ فقہ حنفی کے مطابق ضحوۂ کبریٰ سے پہلے رمضان کے روزہ کی نیت کرنا درست ہوجاتا ہے، اور اس وقت اس میں روزہ کی اہلیت موجود ہے، اور روزہ شروع ہونے کے وقت میں بھی مسلمان ہونے کی وجہ سے روزہ صحیح ہونے کی شرط اور اہلیت موجود تھی۔ [2]

---

[1] قَالَ :(وَإِذَا طَهُرَتِ الْحَائِضُ أَوْ قَدِمَ الْمُسَافِرُ أَوْ بَلَغَ الصَّبِيُّ أَوْ أَسْلَمَ الْكَافِرُ فِي بَعْضِ النَّهَارِ أَمْسَكَ بَقِيَّتَهُ) وَلَا يَجِبُ صَوْمُ ذَلِكَ الْيَوْمِ عَلَى الصَّبِيِّ وَالْكَافِرِ، وَلَوْ صَامُوهُ لَمْ يُجْزِهِمْ لِانْعِدَامِ الْأَهْلِيَّةِ فِي أَوَّلِهِ، وَالْأَدَاءُ لَا يُجْزِي إِلَّا فِي الْمُسَافِرِ إِذَا قَدِمَ قَبْلَ نِصْفِ النَّهَارِ وَنَوَى جَازَ صَوْمُهُ لِأَنَّهُ أَهْلٌ فِي أَوَّلِهِ .وَأَمَّا إِمْسَاكُ بَقِيَّةِ يَوْمِهِ لِئَلَّا يَتَّهِمَهُ النَّاسُ، وَالتَّحَرُّزُ عَنْ مَوَاضِعِ التُّهَمِ وَاجِبٌ .قَالَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ :-مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَقِفَنَّ مَوَاقِفَ التُّهَمِ (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص ۱۳۵، كتاب الصوم، فصل ماياح به الافطار)

وَرُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي الصَّبِيِّ يَبْلُغُ قَبْلَ الزَّوَالِ، أَوْ أَسْلَمَ الْكَافِرُ أَنَّ عَلَيْهِمَا الْقَضَاءُ، وَوَجْهُهُ أَنَّهُمَا أَدْرَكَا وَقْتَ النِّيَّةِ فَصَارَا كَأَنَّهُمَا أَدْرَكَا مِنْ اللَّيْلِ، وَالصَّحِيحُ جَوَابُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الصَّوْمَ لَا يَتَجَزَّأُ وُجُوبًا فَإِذَا لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِمَا الْبَعْضُ لَمْ يَجِبْ الْبَاقِي، أَوْ لِمَا فِي إِيجَابِ الْقَضَاءِ مِنْ الْحَرَجِ(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ۲، ص ۸۸، كِتَابُ الصَّوْمِ)

[2] ضحوۂ کبریٰ کا وقت زوال سے کچھ پہلے ہوتا ہے، جس کی تفصیل آگے نیت کی بحث میں آتی ہے۔

إذا ارتد رجل عن الإسلام والعياذ بالله فى أول اليوم من رمضان ثم رجع إلى الإسلام فنوى الصوم قبل الزوال فهو صائم وإن أفطر فعليه القضاء دون الكفارة(فتاویٰ قاضيخان، ج ۱ ص ۱۵۲، كتاب الصوم)

وَكَذَا إذَا ارْتَدَّ رَجُلٌ عَنْ الْإِسْلَامِ أَوَّلَ الْيَوْمِ مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ رَجَعَ إلَى الْإِسْلَامِ فَنَوَى الصَّوْمَ قَبْلَ الزَّوَالِ فَهُوَ صَائِمٌ كَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ(الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۹۶، كِتَابُ الصَّوْمِ، الْبَابُ الْأَوَّلُ)

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے، جبکہ یہ واقعہ رمضان کے علاوہ کسی اور دن میں پیش آئے، اور وہ شخص نفل روزہ کی نیت کرے۔ [۱]

(۲)...... بالغ ہونا (نابالغ اور قریبُ البلوغ بچے کے روزہ کے احکام)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يُرْفَعُ الْقَلَمُ عَنِ الصَّغِيرِ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ، وَعَنِ النَّائِمِ (ابن ماجه) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (نابالغ) بچے سے اور مجنون سے اور سونے والے سے قلم کو اٹھالیا گیا ہے (ابنِ ماجہ)

حضرت ابنِ عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی سند سے بھی اس قسم کی احادیث مروی ہیں۔ [۳]

---

[۱] الصائم المتطوع اذا ارتد عن الإسلام ثم رجع إلى الإسلام قبل الزوال ونوى الصوم قال زفر رحمه الله تعالى لا يكون صائماً ولا قضاء عليه إن أفطر وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى يكون صائماً وعليه القضاء إذا أفطر (فتاویٰ قاضيخان، ج ا ص ۱۵۲، كتاب الصوم)

[۲] رقم الحديث ۲۰۴۲، كتاب الطلاق، بَابُ طَلَاقِ الْمَعْتُوهِ وَالصَّغِيرِ وَالنَّائِمِ، واللفظ لهٗ؛ ابوداؤد، بَابٌ فِي الْمَجْنُونِ يَسْرِقُ أَوْ يُصِيبُ حَدًّا، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۸۱۷۰ مسند احمد، رقم الحديث ۹۵۶.

فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[۳] عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مُرَّ عَلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِمَعْنَى عُثْمَانَ، قَالَ: أَوَ مَا تَذْكُرُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ، عَنِ الْمَجْنُونِ الْمَغْلُوبِ عَلَى عَقْلِهِ حَتَّى يَفِيقَ، وَعَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ، قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: فَخَلَّى عَنْهَا (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۴۴۰۱، واللفظ لهٗ، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۹۴۹)

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ.

وقال الذهبی فی التلخيص: على شرطهما.

عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ، وَعَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الْمَعْتُوهِ حَتَّى يَعْقِلَ "(مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۷۰۳، واللفظ لهٗ، سنن النسائی، رقم الحديث ۳۴۳۲)

فی حاشية مسند احمد: إسناده جيد.

اس قسم کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ فرض ہونے کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، نابالغ پر روزہ فرض نہیں، خواہ وہ کتنا ہی سمجھدار اور صحت مند و طاقت ور ہو۔ [1]

مسئلہ نمبر۱...... نابالغ بچہ پر جس طرح نابالغی کی حالت میں روزہ فرض نہیں، اسی طرح بالغ ہونے کے بعد نابالغی کے زمانہ کے روزوں کی قضا بھی ضروری نہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر۲...... اگر کوئی نابالغ بچہ روزہ رکھ کر توڑ دے، تو اس پر اس کی قضا ضروری نہیں ہوتی۔ [3]

مسئلہ نمبر۳...... جو نابالغ بچہ یا بچی رمضان کے مہینہ میں طلوعِ فجر سے کچھ دیر پہلے بالغ ہوجائے، تو اس پر اس دن کا روزہ رکھنا فرض ہوجاتا ہے، کیونکہ اس نے اس دن کے روزہ کی فرضیت کے وقت کو پالیا ہے۔ [4]

مسئلہ نمبر۴...... اگر کوئی نابالغ بچہ یا بچی طلوعِ فجر کے بعد بالغ ہو، تو اس پر اس دن کا روزہ رکھنا، یا اس دن کے روزہ کی قضا کرنا ضروری نہیں، کیونکہ اس نے اس دن کے روزہ کی فرضیت کے وقت کو نہیں پایا۔ [5]

---

[1] وَمِنهَا الْبُلُوغُ :فَلا يَـجِـبُ صَـوْمُ رَمَـضَانَ عَلَى الصَّبِيِّ وَإِنْ كَانَ عَاقِلًا حَتَّى لَا يَلْزَمُهُ الْقَضَاء ُبَعْدَ الْبُلُوغِ لِقَوْلِ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ :عَنْ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ، وَعَنْ الْمَجْنُونِ حَتَّى يُفِيقَ، وَعَنْ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ وَلِأَنَّ الصَّبِيَّ لِضَعْفِ بِنْيَتِهِ وَقُصُورِ عَقْلِهِ وَاشْتِغَالِهِ بِاللَّهْوِ، وَاللَّعِبِ يَشُقُّ عَلَيْهِ تَفَهُّمُ الْخِطَابِ وَأَدَاء ُالصَّوْمِ فَأَسْقَطَ الشَّرْعُ عَنْهُ الْعِبَادَاتِ نَظَرًا لَهُ(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۲،ص۸۷، کتاب الصوم، فَصْلٌ شَرَائِطُ أَنْوَاعِ الصِّيَامِ)

[2] فَإِذَا لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ الصَّوْمُ فِي حَالِ الصِّبَا لَا يَلْزَمُهُ الْقَضَاء ُلِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ لَا يَلْزَمُهُ لِمَكَانِ الْحَرَجِ لِأَنَّ مُدَّةَ الصِّبَا مَدِيدَةٌ فَكَانَ فِي إيجَابِ الْقَضَاءِ عَلَيْهِ بَعْدَ الْبُلُوغِ حَرَجٌ(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۲،ص۸۷، کتاب الصوم، فَصْلٌ شَرَائِطُ أَنْوَاعِ الصِّيَامِ)

[3] أَقُولُ :وَقَدْ صَرَّحَ فِي أَحْكَامِ الصِّغَارِ بِأَنَّهُ يُؤْمَرُ بِالْغُسْلِ إذَا جَامَعَ وَبِإِعَادَةِ مَا صَلَّاهُ بِلَا وُضُوءٍ لَا لَوْ أَفْسَدَ الصَّوْمَ لِمَشَقَّتِهِ عَلَيْهِ(رد المحتار علی الدر المختار، ج۱،ص۳۵۲، كِتَابُ الصَّلَاةِ)

[4] وَلَوْ أَسْلَمَ الْكَافِرُ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ بِمِقْدَارِ مَا يُمْكِنُهُ النِّيَّةَ فَعَلَيْهِ صَوْمُ الْغَدِ وَإِلَّا فَلَا وَكَذَلِكَ الصَّبِيُّ إذَا بَلَغَ، وَكَذَلِكَ الْمَجْنُونُ جُنُونًا أَصْلِيًّا عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الصِّبَا عِنْدَهُ(بدائع الصنائع، ج۲ص۸۹، فصل شرائط انواع الصیام)

[5] وَكَذَا إذَا بَلَغَ فِي يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ قَبْلَ الزَّوَالِ لَا يُجْزِئُهُ صَوْمُ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَإِنْ نَوَى وَلَيْسَ عَلَيْهِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵...... اگر کوئی نابالغ مسلمان بچہ روزہ رکھے، تو اس کا روزہ نفل درجہ میں درست ہوجاتا ہے، اور اُسے اس پر اجروثواب بھی حاصل ہوتا ہے، کیونکہ بالغ ہونا روزہ فرض ہونے کی شرط ہے، روزہ صحیح ہونے کی شرط نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۶...... بچے اور بچی کی عمر قمری سالوں یعنی چاند کی تاریخوں کے حساب سے جب پندرہ سال کی ہوجائے تو وہ بہرحال بالغ سمجھے جائیں گے اور اگر پندرہ سال کی عمر سے پہلے احتلام ہونے لگے یا بچی کو ماہواری ہونے لگے تو بھی وہ بالغ شمار کئے جائیں گے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قَضَاؤُهُ إِذْ لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ فِي أَوَّلِ الْيَوْمِ لِعَدَمِ أَهْلِيَّةِ الْوُجُوبِ فِيهِ، وَالصَّوْمُ لَا يَتَجَزَّأُ وُجُوبًا وَجَوَازًا وَلِمَا فِيهِ مِنَ الْحَرَجِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا.

وَرُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي الصَّبِيِّ يَبْلُغُ قَبْلَ الزَّوَالِ، أَوْ أَسْلَمَ الْكَافِرُ أَنَّ عَلَيْهِمَا الْقَضَاءَ، وَوَجْهُهُ أَنَّهُمَا أَدْرَكَا وَقْتَ النِّيَّةِ فَصَارَا كَأَنَّهُمَا أَدْرَكَا مِنَ اللَّيْلِ، وَالصَّحِيحُ جَوَابُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الصَّوْمَ لَا يَتَجَزَّأُ وُجُوبًا فَإِذَا لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِمَا الْبَعْضُ لَمْ يَجِبْ الْبَاقِي، أَوْ لِمَا فِي إِيجَابِ الْقَضَاءِ مِنَ الْحَرَجِ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۲،ص۸۷، کتاب الصوم، فَصْلٌ شَرَائِطُ أَنْوَاعِ الصِّيَامِ)

قال فی الجامع الصغیر :غلام بلغ فی النصف من رمضان فی نصف النهار يأكل بقية يومه، ويصوم بقية الشهر، ولا قضاء عليه فيما مضى، وإن أكل فی اليوم الذی أدرك فيه ليس عليه قضاؤه (المحيط البرهانی، كتاب الصوم، الفصل العاشر فی المجنون والمغمی عليه، والصبی يبلغ، والنصرانی يسلم، والحائض تطهر، ومن بمعناهم)

[1] فَأَمَّا الْبُلُوغُ :فَلَيْسَ مِنْ شَرَائِطِ صِحَّةِ الْأَدَاءِ فَيَصِحُّ أَدَاءُ الصَّوْمِ مِنَ الصَّبِيِّ الْعَاقِلِ وَيُثَابُ عَلَيْهِ لَكِنَّهُ مِنْ شَرَائِطِ الْوُجُوبِ لِمَا نَذْكُرُهُ (بدائع الصنائع، ج۲، ص۸۳، کتاب الصوم، فَصْلٌ شَرَائِطُ أَنْوَاعِ الصِّيَامِ)

[2] عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ :عُرِضْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَيْشٍ وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ فَلَمْ يَقْبَلْنِي، فَعُرِضْتُ عَلَيْهِ مِنْ قَابِلٍ فِي جَيْشٍ وَأَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ فَقَبِلَنِي قَالَ نَافِعٌ : وَحَدَّثْتُ بِهَذَا الحَدِيثِ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ العَزِيزِ، فَقَالَ :هَذَا حَدُّ مَا بَيْنَ الصَّغِيرِ وَالكَبِيرِ، ثُمَّ كَتَبَ أَنْ يُفْرَضَ لِمَنْ يَبْلُغُ الخَمْسَ عَشْرَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هَذَا، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ العَزِيزِ كَتَبَ أَنَّ هَذَا حَدُّ مَا بَيْنَ الصَّغِيرِ وَالكَبِيرِ وَذَكَرَ ابْنُ عُيَيْنَةَ فِي حَدِيثِهِ :حَدَّثْتُ بِهِ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ العَزِيزِ، فَقَالَ :هَذَا حَدُّ مَا بَيْنَ الذُّرِّيَّةِ وَالمُقَاتِلَةِ :هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ المُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ يَرَوْنَ أَنَّ الغُلَامَ إِذَا اسْتَكْمَلَ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً فَحُكْمُهُ حُكْمُ الرِّجَالِ، وَإِنْ احْتَلَمَ قَبْلَ خَمْسَ عَشْرَةَ فَحُكْمُهُ حُكْمُ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۷...... جب بچے میں روزہ رکھنے کی طاقت ہوجائے تو اس سے روزہ رکھوانا چاہئے تاکہ ابھی سے عادت ہوجائے اور روزہ کا معمول بن جائے، البتہ ایسی طاقت ہونے کے لئے کوئی خاص عمر متعین نہیں، کیونکہ صحت، علاقے اور موسم کے لحاظ سے تحمل کی حیثیت کم وبیش عمر میں ہوتی ہے، البتہ دس سال کی عمر ہونے پر بچے، بچی کو نماز کی طرح روزہ رکھوانے کا بھی خاص اہتمام کرانا چاہئے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الرِّجَالِ وقَالَ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ :البُلُوغُ ثَلاثَةُ مَنَازِلَ بُلُوغُ خَمْسَ عَشْرَةَ، أَوِ الاحْتِلَامُ فَإِنْ لَمْ يُعْرَفْ سِنُّهُ وَلَا احْتِلَامُهُ فَالإِنْبَاتُ يَعْنِي العَانَةَ(سنن الترمذی، رقم الحديث ۱۳۶۱)

(بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحبل) ولم يذكر الإنزال صريحا لأنه قلما يعلم منها (فإن لم يوجد فيهما) شيء (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى) (الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار، ج۶، ص۱۵۳، كتاب الحجر)

[1] عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا، وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ (ابوداؤد، رقم الحديث ۴۹۵)

(وإن وجب ضرب ابن عشر عليها بيد لا بخشبة) لحديث مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر قلت والصوم كالصلاة على الصحيح كما فى صوم القهستانى معزيا للزاهدى وفى حظر الاختيار أنه يؤمر بالصوم والصلاة وينهى عن شرب الخمر ليألف الخير ويترك الشر (الدرالمختارمع شرحه ردالمحتار، ج۱، ۳۵۱، و۳۵۲، كتاب الصلاة)

وَيُؤْمَرُ الصَّبِيُّ بِالصَّوْمِ إذَا أَطَاقَهُ وَيُضْرَبُ عَلَيْهِ ابْنُ عَشْرٍ كَالصَّلَاةِ فِي الْأَصَحِّ (الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار، ج۲، ص۴۰۹، كتاب الصوم، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

(قوله :إذا أطاقه) يقال أطاقه وطاقه طوقا إذا قدر عليه والاسم الطاقة كما فى القاموس قال ط :وقدر بسبع والمشاهد فى صبيان زماننا عدم إطاقتهم الصوم فى هذا السن .اهـ .قلت :يختلف ذلك باختلاف الجسم واختلاف الوقت صيفا وشتاء والظاهر أنه يؤمر بقدر الإطاقة إذا لم يطق جميع الشهر (قَوْلُهُ :وَيُضْرَبُ) أَيْ بِيَدٍ لَا بِخَشَبَةٍ وَلَا يُجَاوِزُ الثَّلَاثَ كَمَا قِيلَ بِهِ فِي الصَّلَاةِ وَفِي أَحْكَامِ الْأُسْرُوشَنِيِّ الصَّبِيُّ إذَا أَفْسَدَ صَوْمَهُ لَا يَقْضِي؛ لِأَنَّهُ يَلْحَقُهُ فِي ذَلِكَ مَشَقَّةٌ بِخِلَافِ الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يُؤْمَرُ بِالْإِعَادَةِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَلْحَقُهُ مَشَقَّةٌ (ردالمحتار، ج۲، ص۴۰۹، كتاب الصوم، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

وَيُؤْمَرُ الصَّبِيُّ بِالصَّوْمِ إذَا أَطَاقَهُ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يُؤَدَّبُ حِينَئِذٍ . وَقَالَ أَبُو حَفْصٍ أَنَّهُ يُضْرَبُ ابْنُ عَشْرِ سِنِينَ عَلَى الصَّوْمِ كَمَا عَلَى الصَّلَاةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ فَلَوْ لَمْ يَصُمْ لَيْسَ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ كَمَا فِي الزَّاهِدِيِّ (مجمع الانهر، ج۱، ص۲۵۳، كتاب الصوم، فصلٌ بَيَانِ وُجُوهِ الْأَعْذَارِ الْمُبِيحَةِ لِلْإِفْطَارِ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا)

اور بہت چھوٹے بچوں کو جن میں روزہ کا تحمل نہ ہو، نام ونمود اور رسم کے طور پر روزہ رکھوانا اور ان پر زور زبردستی کر کے بوجھ ڈالنا گناہ ہے (امداد الفتاویٰ ج۲ص۱۲۳)

(۳)...... عاقل ہونا (پاگل، بے ہوش اور سونے والے کے روزہ کے احکام)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ ، وَعَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الْمَعْتُوْهِ حَتّٰى يَعْقِلَ (مسند احمد) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قلم کو تین افراد سے اٹھالیا گیا ہے، ایک بچہ سے جب تک کہ بالغ نہ ہوجائے، دوسرے سونے والے سے جب تک کہ وہ بیدار نہ ہوجائے، تیسرے پاگل سے جب تک کہ وہ صاحبِ عقل نہ ہوجائے (مسند احمد، نسائی)

اس قسم کی احادیث کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے فرمایا کہ روزہ کی ادائیگی کے واجب ہونے کے لئے عاقل وسمجھدار ہونا بھی شرط ہے، مجنون وپاگل پر روزہ رکھنا فرض نہیں۔

مسئلہ نمبر ۱...... اگر کوئی شخص رمضان کے پورے مہینہ مجنون اور پاگل رہے، اور رمضان کے کسی حصہ میں بھی اس کا جنون وپاگل پن ختم نہ ہو، تو اس پر رمضان کے اس مہینہ کے روزے نہ فی الحال فرض ہیں، اور نہ ہی آئندہ ان کی قضا فرض ہے، کیونکہ ایسے شخص میں رمضان کے روزے فرض ہونے کا سبب نہیں پایا جاتا، جو کہ رمضان کے مہینہ کو اہلیت کے ساتھ پالینا ہے۔ [۲]

---

[۱] رقم الحديث ۲۴۷۰۳، واللفظ لهٗ، سنن النسائي، رقم الحديث ۳۴۳۲.
في حاشية مسند احمد: إسناده جيد.

[۲] جو جنون پورے مہینہ طاری رہے، اس کو فقہائے کرام نے ممتد اور مطبق یا مستوعب کا نام دیا ہے، اور جو جنون پورے مہینہ طاری نہ رہے، اس کو غیر مطبق اور غیر ممتد یا غیر مستوعب کا نام دیا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... اگر کسی شخص کو رمضان کے پورے مہینہ میں شروع سے آخر تک جنون طاری نہیں رہا، بلکہ کچھ دن افاقہ بھی رہا، تو اس پر جنون کی حالت میں تو روزے رکھنا فرض نہیں، مگر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَ (رَمَضَانَ شُهُودُ جُزْءٍ مِنْ الشَّهْرِ) (الدر المختار مع شرحه ردالمحتار، ج۲، ص۳۷۲، کتاب الصوم، سبب صوم رمضان)

وَلَو استوعب الشَّهْر ثمَّ أَفَاق لَا يلْزمه الْقَضَاء لِأَن فِي وجوب الْقَضَاء عَلَيْهِ حرجا لِأَن الْجُنُون الطَّوِيل قَلما يزُول فيضاعف عَلَيْهِ الْقَضَاء فيحرج(تحفة الفقهاء ج ۱ ص ۳۵۰،کتاب الصوم)

وَأَمَّا الْعَقْلُ فَهَلْ هُوَ مِنْ شَرَائِطِ الْوُجُوبِ وَكَذَا الْإِفَاقَةُ، وَالْيَقَظَةُ؟ قَالَ عَامَّةُ مَشَايِخِنَا :إنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ شَرَائِطِ الْوُجُوبِ، وَيَجِبُ صَوْمُ رَمَضَانَ عَلَى الْمَجْنُونِ وَالْمُغْمَى عَلَيْهِ وَالنَّائِمِ لَكِنْ أَصْلُ الْوُجُوبِ لَا وُجُوبُ الْأَدَاءِ بِنَاءً عَلَى أَنَّ عِنْدَهُمْ الْوُجُوبُ نَوْعَانِ :أَحَدُهُمَا أَصْلُ الْوُجُوبِ وَهُوَ اشْتِغَالُ الذِّمَّةِ بِالْوَاجِبِ وَأَنَّهُ ثَبَتَ بِالْأَسْبَابِ لَا بِالْخِطَابِ، وَلَا تُشْتَرَطُ الْقُدْرَةُ لِثُبُوتِهِ بَلْ ثَبَتَ جَبْرًا مِنْ اللَّهِ تَعَالَى شَاءَ الْعَبْدُ، أَوْ أَبَى، وَالثَّانِي :وُجُوبُ الْأَدَاءِ وَهُوَ إسْقَاطُ مَا فِي الذِّمَّةِ وَتَفْرِيغُهَا مِنْ الْوَاجِبِ، وَأَنَّهُ ثَبَتَ بِالْخِطَابِ وَتُشْتَرَطُ لَهُ الْقُدْرَةُ عَلَى فَهْمِ الْخِطَابِ وَعَلَى أَدَاءِ مَا تَنَاوَلَهُ الْخِطَابُ، لِأَنَّ الْخِطَابَ لَا يَتَوَجَّهُ إلَى الْعَاجِزِ عَنْ فَهْمِ الْخِطَابِ وَلَا إلَى الْعَاجِزِ عَنْ فِعْلِ مَا تَنَاوَلَهُ الْخِطَابُ، وَالْمَجْنُونُ لِعَدَمِ عَقْلِهِ، أَوْ لِاسْتِتَارِهِ، وَالْمُغْمَى عَلَيْهِ، وَالنَّائِمُ لِعَجْزِهِمَا عَنْ اسْتِعْمَالِ عَقْلِهِمَا عَاجِزُونَ عَنْ فَهْمِ الْخِطَابِ وَعَنْ أَدَاءِ مَا تَنَاوَلَهُ الْخِطَابُ، فَلَا يَثْبُتُ وُجُوبُ الْأَدَاءِ فِي حَقِّهِمْ وَيَثْبُتُ أَصْلُ الْوُجُوبِ فِي حَقِّهِمْ، لِأَنَّهُ لَا يَعْتَمِدُ الْقُدْرَةَ بَلْ يَثْبُتُ جَبْرًا.

وَتَقْرِيرُ هَذَا الْأَصْلِ مَعْرُوفٌ فِي أُصُولِ الْفِقْهِ، وَفِي الْخِلَافِيَّاتِ، وَقَالَ أَهْلُ التَّحْقِيقِ مِنْ مَشَايِخِنَا بِمَا وَرَاءَ النَّهْرِ :إنَّ الْوُجُوبَ فِي الْحَقِيقَةِ نَوْعٌ وَاحِدٌ وَهُوَ وُجُوبُ الْأَدَاءِ فَكُلُّ مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْأَدَاءِ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْوُجُوبِ وَمَنْ لَا فَلَا وَهُوَ اخْتِيَارُ أُسْتَاذِي الشَّيْخِ الْأَجَلِّ الزَّاهِدِ عَلَاءِ الدِّينِ رَئِيسِ أَهْلِ السُّنَّةِ مُحَمَّدِ بْنِ أَحْمَدَ السَّمَرْقَنْدِيِّ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -لِأَنَّ الْوُجُوبَ الْمَعْقُولَ هُوَ وُجُوبُ الْفِعْلِ كَوُجُوبِ الصَّوْمِ، وَالصَّلَاةِ وَسَائِرِ الْعِبَادَاتِ، فَمَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ أَدَاءِ الْفِعْلِ الْوَاجِبِ وَهُوَ الْقَادِرُ عَلَى فَهْمِ الْخِطَابِ، وَالْقَادِرُ عَلَى فِعْلِ مَا يَتَنَاوَلُهُ الْخِطَابُ لَا يَكُونُ مِنْ أَهْلِ الْوُجُوبِ ضَرُورَةً، وَالْمَجْنُونُ، وَالْمُغْمَى عَلَيْهِ، وَالنَّائِمُ عَاجِزُونَ عَنْ فِعْلِ الْخِطَابِ بِالصَّوْمِ وَعَنْ أَدَائِهِ إذْ الصَّوْمُ الشَّرْعِيُّ هُوَ الْإِمْسَاكُ لِلَّهِ تَعَالَى وَلَنْ يَكُونَ ذَلِكَ بِدُونِ النِّيَّةِ، وَهَؤُلَاءِ لَيْسُوا مِنْ أَهْلِ النِّيَّةِ، فَلَمْ يَكُونُوا مِنْ أَهْلِ الْأَدَاءِ فَلَمْ يَكُونُوا مِنْ أَهْلِ الْوُجُوبِ، وَالَّذِي دَعَا الْأَوَّلِينَ إلَى الْقَوْلِ بِالْوُجُوبِ فِي حَقِّ هَؤُلَاءِ مَا انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ عَلَيْهِ مِنْ وُجُوبِ الْقَضَاءِ عَلَى الْمُغْمَى عَلَيْهِ، وَالنَّائِمِ بَعْدَ الْإِفَاقَةِ، وَالِانْتِبَاهِ بَعْدَ مُضِيِّ بَعْضِ الشَّهْرِ، أَوْ كُلِّهِ، وَمَا قَدْ صَحَّ مِنْ مَذْهَبِ أَصْحَابِنَا -رَحِمَهُمُ اللَّهُ -فِي الْمَجْنُونِ إذَا أَفَاقَ فِي بَعْضِ شَهْرِ رَمَضَانَ أَنَّهُ يَجِبُ عَلَيْهِ قَضَاءُ مَا مَضَى مِنْ الشَّهْرِ، فَقَالُوا :إنَّ وُجُوبَ الْقَضَاءِ يَسْتَدْعِي فَوَاتَ الْوَاجِبِ الْمُؤَقَّتِ عَنْ وَقْتِهِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهِ وَانْتِفَاءِ الْحَرَجِ، فَلَا بُدَّ مِنْ الْوُجُوبِ فِي الْوَقْتِ ثُمَّ فَوَاتِهِ حَتَّى يُمْكِنَ إيجَابُ الْقَضَاءِ فَاضْطَرَّهُمْ ذَلِكَ إلَى إثْبَاتِ الْوُجُوبِ فِي حَالِ الْجُنُونِ، وَالْإِغْمَاءِ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

افاقہ اور صحت یاب ہونے کے بعد اس پر ان فوت شدہ روزوں کو قضا کرنا ضروری ہے، کیونکہ اس شخص کے حق میں رمضان کے روزے فرض ہونے کا سبب پایا جاتا ہے، جو کہ فی الجملہ رمضان کے مہینہ کا اہلیت کے ساتھ پالینا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَالنَّوْمِ، وَقَالَ الْآخَرُونَ :إنَّ وُجُوبَ الْقَضَاءِ لَا يَسْتَدْعِي سَابِقِيَّةَ الْوُجُوبِ لَا مَحَالَةَ، وَإِنَّمَا يَسْتَدْعِي فَوْتَ الْعِبَادَةِ عَنْ وَقْتِهَا، وَالْقُدْرَةَ عَلَى الْقَضَاءِ مِنْ غَيْرِ حَرَجٍ، وَلِذَلِكَ اخْتَلَفَتْ طُرُقُهُمْ فِي الْمَسْأَلَةِ، وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَا فِي الْمَجْنُونِ إذَا أَفَاقَ فِي بَعْضِ شَهْرِ رَمَضَانَ أَنَّهُ يَلْزَمُهُ قَضَاءُ مَا مَضَى جَوَابُ الِاسْتِحْسَانِ، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَلْزَمَهُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ، وَالشَّافِعِيِّ.

وَأَمَّا الْمَجْنُونُ جُنُونًا مُسْتَوْعِبًا بِأَنْ جُنَّ قَبْلَ دُخُولِ شَهْرِ رَمَضَانَ وَأَفَاقَ بَعْدَ مُضِيِّهِ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ عِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ، وَعِنْدَ مَالِكٍ يَقْضِي، وَجْهُ الْقِيَاسِ أَنَّ الْقَضَاءَ هُوَ تَسْلِيمُ مِثْلِ الْوَاجِبِ وَلَا وُجُوبَ عَلَى الْمَجْنُونِ لِأَنَّ الْوُجُوبَ بِالْخِطَابِ وَلَا خِطَابَ عَلَيْهِ لِانْعِدَامِ الْقُدْرَتَيْنِ، وَلِهَذَا لَمْ يَجِبْ الْقَضَاءُ فِي الْجُنُونِ الْمُسْتَوْعِبِ شَهْرًا، وَجْهُ قَوْلِ أَصْحَابِنَا.

أَمَّا مَنْ قَالَ بِالْوُجُوبِ فِي حَالِ الْجُنُونِ يَقُولُ :فَاتَهُ الْوَاجِبُ عَنْ وَقْتِهِ وَقَدَرَ عَلَى قَضَائِهِ مِنْ غَيْرِ حَرَجٍ فَيَلْزَمُهُ قَضَاؤُهُ قِيَاسًا عَلَى النَّائِمِ، وَالْمُغْمَى عَلَيْهِ وَدَلِيلُ الْوُجُوبِ لَهُمْ وُجُودُ سَبَبِ الْوُجُوبِ وَهُوَ الشَّهْرُ إذْ الصَّوْمُ يُضَافُ إلَيْهِ مُطْلَقًا، يُقَالُ صَوْمُ الشَّهْرِ، وَالْإِضَافَةُ دَلِيلُ السَّبَبِيَّةِ، وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى الْقَضَاءِ مِنْ غَيْرِ حَرَجٍ .وَفِي إيجَابِ الْقَضَاءِ عِنْدَ الِاسْتِيعَابِ حَرَجٌ .(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج ۲ ،ص ۸۸،فصل شرائط انواع الصیام)

[1] فقہائے کرام نے اُس جنون کو جو بالغ ہوتے وقت موجود ہو، اور اسی جنون کی حالت میں بالغ ہوا ہو، جنونِ اصلی اور اس کے مقابلہ میں اس جنون کو جو بالغ ہونے کے بعد طاری ہوا ہو، اور بالغ ہوتے وقت موجود نہ ہو، جنونِ عارضی کا نام دیا ہے۔

پھر فقہائے احناف کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی بالغ ہوتے وقت مجنون تھا، پھر رمضان کے کسی حصہ میں اس کو افاقہ ہوگیا، تو کیا اس پر بھی جنون کی حالت میں گزرے ہوئے دنوں کی قضا لازم ہے یا نہیں؟

امام محمد رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق یہ شخص نابالغ کے ساتھ ملحق ہے، اور اس پر جنون کی حالت کے دنوں کے روزوں کی قضا واجب نہیں، جبکہ ظاہر الروایۃ کے مطابق جب تک جنون پورے مہینہ تک ممتد نہ ہو، اس وقت تک عارضی اور اصلی جنون کا حکم برابر ہے، یعنی دونوں صورتوں میں گزشتہ دنوں کی قضا واجب ہے۔

وَأما الْعقل فَلَيْسَ بِشَرْط الْوُجُوب وَلَا بِشَرْط الْأَدَاء حَتَّى قُلْنَا إِن صَوْم رَمَضَان يجب على الْمَجْنُون فَإِنَّهُ إِذا جن فِي بعض الشَّهْر ثمَّ أَفَاق يلْزمه الْقَضَاء عندنَا خلافًا للشَّافِعِيّ(تحفة الفقهاء ج ۱ ص ۳۵۰،کتاب الصوم)

قال محمد رحمه الله :إذا جن (فی) رمضان كله، فليس عليه قضاؤه، وإن أفاق شيئاً لزمه قضاء ما مضى، ولم يذكر ما إذا أفاق فی الليلة الأولى، ثم أصبح مجنوناً، واستوعب الشهر كله، وذكر فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳...... اگر کوئی روزہ کی نیت کرتے وقت (مثلاً رات کو یا صبح کے وقت) عاقل تھا، اور اس نے اس وقت روزہ کی نیت کرلی، اور بعد میں اس پر جنون طاری ہوگیا، تو جب تک کوئی روزہ توڑنے والی بات نہ پائی جائے، اس کے اس دن کا روزہ درست ہوجائے گا، کیونکہ اس دن نیت کے وقت عاقل ہونے کی وجہ سے اس کے روزہ کی نیت کرنا درست تھا، لیکن اگر اس کی بے ہوشی اس دن سے زیادہ تجاوز کرگئی، تو اگلے دِنوں کا روزہ درست نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے اگلے دِنوں کے روزوں کی نیت کے وقت اس کی طرف سے نیت کا ہونا ممکن نہ تھا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... جو شخص مجنون وپاگل نہ ہو، بلکہ کسی بیماری یا کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہو، تو بے ہوشی کے زمانہ میں اس پر روزے رکھنا فرض نہیں ہے، لیکن ہوش میں آنے کے بعد اس پر بے ہوشی کے وقت میں فوت شدہ روزوں کی قضا ضروری ہے، خواہ اس کی بے ہوشی پورے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ المجرد عن أبی حنيفة أنه يلزمه القضاء ، وكذا ذكر الفقيه أبو جعفر فی كشف الغوامض ، وذكر شمس الأئمة الحلوانی فی شرح كتاب الصوم أنه لا قضاء عليه، وهو الصحيح؛ لأن الليلة لا يصام فيها، وعلى هذا إذا أفاق فی ليلة فی وسط الشهر، ثم أصبح مجنوناً لا قضاء عليه، وإن أفاق فی آخر يوم من رمضان إن أفاق بعد الزوال، فقد اختلفوا فيه.

والصحيح :أن لا يلزمه؛ لأنه لا يصح الصوم فيه، ثم فی ظاهر رواية أصحابنا رحمهم الله أنه لا فرق بين الجنون الطارىء ، والأصلی إذا أفاق فی شیء من الشهر لزمه قضاء ما مضى.

ومن أصحابنا من فرق بين الجنون الأصلی والطارىء ، فقال :إن المجنون الأصلی إذا أفاق فی بعض الشهر بأن بلغ مجنوناً، ثم أفاق فی بعض الشهر لا يلزمه قضاء ما مضى، وهكذا روى عن ابن سماعة فی نوادره عن محمد ونص فی المنتقى عن أبی يوسف أن الجنون الأصلی إذا لم يكن مستغرقاً، فإنه لا يسقط القضاء (المحيط البرهانی، ج۲ص۳۹۷،۳۹۸،كتاب الصوم،الفصل العاشر فی المجنون والمغمى عليه، والصبی يبلغ، والنصرانی يسلم، والحائض تطهر، ومن بمعناهم)

[1] وَلَو كَانَ مفيقا فَنوى الصَّوْم من اللَّيْل ثمَّ جن فَإِنَّهُ يجوز صَوْمه ذَلِك الْيَوْم لِأَنَّهُ وجد مِنْهُ النِّيَّة من اللَّيْل فَصَارَ كوجودها فِي النَّهَار،وَلَا يجوز صَوْمه الْيَوْم الثَّانِي وَإِن أمسك لِأَنَّهُ لم يُوجد مِنْهُ النِّيَّة لِأَن الْمَجْنُون لَيْسَ من أهل النِّيَّة(تحفة الفقهاء ج ۱ ص ۳۵۰،كتاب الصوم)

وَكَذَا الْعَقْلُ، وَالْإِفَاقَةُ لَيْسَا مِنْ شَرَائِطِ صِحَّةِ الْأَدَاءِ حَتَّى لَوْ نَوَى الصَّوْمَ مِنْ اللَّيْلِ ثُمَّ جُنَّ فِي النَّهَارِ أَوْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ يَصِحُّ صَوْمُهُ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَا يَصِحُّ صَوْمُهُ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي، لَا لِعَدَمِ أَهْلِيَّةِ الْأَدَاءِ بَلْ لِعَدَمِ النِّيَّةِ لِأَنَّ النِّيَّةَ مِنْ الْمَجْنُونِ، وَالْمُغْمَى عَلَيْهِ لَا تُتَصَوَّرُ، وَفِي كَوْنِهِمَا مِنْ شَرَائِطِ الْوُجُوبِ كَلَامٌ نَذْكُرُهُ فِي مَوْضِعِهِ(بدائع الصنائع، ج۲ص۸۳، فصل شرائط انواع الصيام)

رمضان کے مہینے جاری رہی ہو، یا رمضان کے کچھ دِنوں میں رہی ہو، کیونکہ بے ہوشی کی حالت میں انسان کی عقل مجنون وپاگل کی طرح مسلوب نہیں ہوتی، البتہ اس کے اعضاء وقویٰ میں ضعف اور تعطل پیدا ہوجاتا ہے، اس لئے بے ہوش آدمی کا حکم مجنون وپاگل کی طرح نہیں ہے، بلکہ مریض اور بیمار کی طرح ہے، کہ اس کو بعد میں روزے قضا رکھنے کا حکم ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۵...... اگر کسی شخص پر رمضان کی رات میں یا دن میں جنون یا بے ہوشی طاری ہوگئی، پھر اس کا جنون یا بے ہوشی اسی دن ضحوۂ کبریٰ سے پہلے زائل ہوگئی، اور اس نے روزہ کی نیت کرلی، تو فقہ حنفی کے مطابق اس کا روزہ درست ہوجائے گا، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک ضحوۂ کبریٰ سے پہلے پہلے رمضان کے روزہ کی نیت کرنا معتبر ہوجاتا ہے، مگر اس میں یہ شرط ہے کہ طلوعِ فجر سے اب تک روزہ کے خلاف کوئی بات نہ پائی گئی ہو۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۶...... روزہ شروع کرنے کے بعد اگر کوئی بے ہوش ہوگیا، مثلاً دورہ پڑ گیا، یا کسی زہریلی چیز کے ڈسنے سے غنودگی ہوگئی، یا کسی روزہ دار کو روزہ کی حالت میں آپریشن وغیرہ کرنے کے لئے کچھ کھلائے پلائے بغیر (ٹیکہ وغیرہ لگا کر) بے ہوش کیا گیا، یا اس کے کسی

---

[۱] وعَلـى هَذَا قُلْنَا إن الْإِغْمَاء قل أَو كثر لَا يمْنَع وجوب الْقَضَاء وَكَذَا الْمَرَض لِأَن الِاسْتِغْرَاق فِي الْإِغْمَاء نَادِر(تحفة الفقهاء ج ا ص ۳۵۰، كتاب الصوم)

(ومن أغمى عليه فى رمضان كله قضاه) ش :أى قضى كل رمضان هذا بالإجماع، إلا ما روى عن الحسن البصرى وابن شريح من أصحاب الشافعى -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ- فيما إذا استوعب لا قضاء عليه كما فى المجنون؛ لأن سبب وجوب الأداء وهو شهود الشهر لم يتحقق موجباً فى حقه لعدم الفهم، ووجوب القضاء يبنى عليه م :(لأنه نوع مرض) ش :أى لأن الإغماء نوع مرض م :(يضعف القوى ولا يزيل الحجى) ش :بكسر الحاء المهملة وفتح الجيم مقصوراً وهو العقل، ألا ترى أن الأنبياء -صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ- كانوا يثبتون بالإغماء دون الجنون لأنه منفى عنهم، والفرق بينهما أن العقل يكون فى الإغماء مغلوباً وفى الجنون مسلوباً م :(فيصير) ش :أى الإغماء م :(عذرا فى التأخير) ش :أى فى تأخير الصوم إلى وقت زوال الإغماء م :(لا فى الإسقاط) ش :أى لا يكون عذراً فى إسقاط بالكلية(البناية شرح الهداية، ج۴،ص ۹۵، كتاب الصلاة، فصل أحكام المريض والمسافر فى الصيام)

[۲] وَلَوْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فِي لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ أَوْ فِي يَوْمٍ مِنْهُ فَإِنْ أَفَاقَ قَبْلَ الزَّوَالِ وَنَوَى الصَّوْمَ أَجْزَأَهُ، وَكَذَا الْمَجْنُونُ كَذَا فِي مُحِيطِ السَّرَخْسِيِّ(الفتاوى الهندية، ج ا ،ص ۱۹۶، كِتَابُ الصَّوْمِ ،الْبَابُ الْأَوَّلُ)

عضو کو سُن کیا گیا، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۷...... نیند بھی ایک حیثیت سے بے ہوشی کا حکم رکھتی ہے، مگر اتنا فرق ہے کہ نیند اختیاری عمل ہے، اور بے ہوشی غیر اختیاری عمل ہے، اور نیند کا دورانیہ عام طور سے کم ہوتا ہے، جبکہ بے ہوشی کا دورانیہ کم اور زیادہ دونوں طرح کا ہوسکتا ہے۔

اس لئے سوتے رہنے کی حالت میں تو انسان مرفوع القلم ہے، لیکن بیدار ہونے کے بعد وہ احکام کا مکلّف ہے، جیسا کہ نماز کا حکم ہے۔ [۲]

اور نیند روزہ کے خلاف نہیں ہے، اسی وجہ سے اگر کوئی روزہ کی حالت میں سوئے، تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوتا، البتہ نیند میں انسان کو نیت کرنے کا اختیار نہیں ہوتا، اور روزہ صحیح ہونے

---

[۱] وَكَذَا الْعَقْلُ، وَالْإِفَاقَةُ لَيْسَا مِنْ شَرَائِطِ صِحَّةِ الْأَدَاءِ حَتَّى لَوْ نَوَى الصَّوْمَ مِنَ اللَّيْلِ ثُمَّ جُنَّ فِي النَّهَارِ أَوْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ يَصِحُّ صَوْمُهُ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَا يَصِحُّ صَوْمُهُ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي، لَا لِعَدَمِ أَهْلِيَّةِ الْأَدَاءِ بَلْ لِعَدَمِ النِّيَّةِ لِأَنَّ النِّيَّةَ مِنَ الْمَجْنُونِ، وَالْمُغْمَى عَلَيْهِ لَا تُتَصَوَّرُ، وَفِي كَوْنِهِمَا مِنْ شَرَائِطِ الْوُجُوبِ كَلَامٌ نَذْكُرُهُ فِي مَوْضِعِهِ(بدائع الصنائع، ج۲ص ۸۳، فصل شرائط انواع الصيام)

بعد اطلاعه على البحوث المقدمة فى موضوع المفطرات فى مجال التداوى، والدراسات والبحوث والتوصيات الصادرة عن الندوة الفقهية الطبية التاسعة التى عقدتها المنظمة الإسلامية للعلوم الطبية، بالتعاون مع المجمع وجهات أخرى، فى الدار البيضاء بالمملكة المغربية، فى الفترة من ۹إلى ۱۲ صفر۱۴۱۸ھ (الموافق ۱۴ ـ ۱۷ ايونيو۱۹۹۷م) ، واستماعه للمناقشات التى دارت حول الموضوع بمشاركة الفقهاء والأطباء ، والنظر فى الأدلة من الكتاب والسنة، وفى كلام الفقهاء .قرر ما يلى:أولاً :الأمور الآتية لا تعتبر من المفطرات:............

(۱۰)غازات التخدير (البنج) ما لم يعط المريض سوائل (محاليل) مغذية.(مجلة مجمع الفقه الإسلامى، ج۱۰ ص ۶۱۹، مقالة :المفطرات)

[۲] قَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا أَنْ يُصَلِّيَهَا إِذَا ذَكَرَهَا(مسلم،رقم الحديث ۶۸۴"۳۱۵"،باب قَضَاءِ الصَّلَاةِ الْفَائِتَةِ وَاسْتِحْبَابِ تَعْجِيلِ قَضَائِهَا، عن انس)

وَفَرْقٌ بَيْنَ النَّوْمِ وَالْإِغْمَاءِ فَإِنَّ النَّوْمَ عَنْ اخْتِيَارٍ مِنْهُ بِخِلَافِ الْإِغْمَاءِ (كشف الاسرار شرح اصول البزدوى، ج۴ص ۲۸۱،باب الأمور المعترضة على الأهلية)

وَأَمَّا النَّائِمُ فَلِكَوْنِ النَّوْمِ مُوجِبًا لِلْعَجْزِ لَزِمَ تَأْخِيرُ خِطَابِ الْأَدَاءِ لَا أَصْلِ الْوُجُوبِ وَلِذَا وَجَبَ الْقَضَاءُ إذَا زَالَ بَعْدَ الْوَقْتِ وَلَمَّا كَانَ لَا يَمْتَدُّ غَالِبًا لَمْ يَسْقُطْ بِهِ شَيْءٌ مِنْ الْعِبَادَاتِ لِعَدَمِ الْحَرَجِ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ص ۳۱۳، فصل فى عوارض الفطر فى رمضان)

کے لئے نیت کا ہونا ضروری ہے۔

اور رمضان کے روزہ کی نیت کا وقت رات ہونے پر شروع ہوجاتا ہے، اور شرعاً رات کا آغاز سورج غروب ہونے پر ہوتا ہے، اور رمضان کے روزہ کی نیت کرنے کا وقت ضحوۂ کبریٰ (یعنی زوال سے کچھ پہلے) تک جاری رہتا ہے۔ [۱]

اس لئے اگر کوئی شخص رمضان کی رات میں یہ نیت کر کے سوگیا کہ وہ اگلے دن کا روزہ رکھے گا، اور پھر اس کی دن میں کسی بھی وقت آنکھ کھلی، یا اگلے دن سورج غروب ہونے کے بعد آنکھ کھلی، تب بھی اس کا روزہ نیت کے معتبر ہونے کی وجہ سے درست ہوجائے گا۔

اور اگر کسی نے رات کو سونے سے پہلے روزہ کی نیت نہیں کی اور پھر اس کی ضحوۂ کبریٰ سے پہلے آنکھ کھلی، اور اس نے روزہ کی نیت کرلی، اور اس نے صبح صادق سے اب تک روزہ کے خلاف کوئی عمل نہیں کیا، تو اس کا روزہ درست ہوجائے گا، اور اگر ضحوۂ کبریٰ کے بعد آنکھ کھلی یا اس نے ضحوۂ کبریٰ کے بعد نیت کی، یا صبح صادق کے بعد روزے کے خلاف کوئی عمل پایا گیا (مثلاً اس نے جان بوجھ کر کچھ کھا پی لیا) تو اس کا روزہ درست نہیں ہوگا۔ [۲]

---

[۱] (فَیَصِحُّ) أَدَاءُ(صَوْمِ رَمَضَانَ وَالنَّذْرِ الْمُعَیَّنِ وَالنَّفلِ بِنِیَّةٍ مِنَ اللَّیْلِ) فَلَا تَصِحُّ قَبْلَ الْغُرُوبِ وَلَا عِنْدَهُ (إلَی الضَّحْوَةِ الْکُبْرَی لَا) بَعْدَهَا وَلَا (عِنْدَهَا) اعْتِبَارًا لِأَکْثَرِ الْیَوْمِ(الدر المختار مع شرحہ رد المحتار، ج۲ ص۳۷۷، کِتَابُ الصَّوْمِ)

وَأَمَّا الثَّالِثُ وَهُوَ وَقْتُ النِّیَّةِ :فَالْأَفْضَلُ فِی الصِّیَامَاتِ کُلِّهَا أَنْ یَنْوِیَ وَقْتَ طُلُوعِ الْفَجْرِ إنْ أَمْکَنَهُ ذَلِکَ، أَوْ مِنْ اللَّیْلِ، لِأَنَّ النِّیَّةَ عِنْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ تُقَارِنُ أَوَّلَ جُزْءٍ مِنْ الْعِبَادَةِ حَقِیقَةً وَمِنْ اللَّیْلِ تُقَارِنُهُ تَقْدِیرًا، وَإِنْ نَوَی بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ فَإِنْ کَانَ الصَّوْمُ دَیْنًا لَا یَجُوزُ بِالْإِجْمَاعِ، وَإِنْ کَانَ عَیْنًا وَهُوَ صَوْمُ رَمَضَانَ وَصَوْمُ التَّطَوُّعِ خَارِجَ رَمَضَانَ، وَالْمَنْذُورُ الْمُعَیَّنُ یَجُوزُ، وَقَالَ زُفَرُ :إنْ کَانَ مُسَافِرًا لَا یَجُوزُ صَوْمُهُ عَنْ رَمَضَانَ بِنِیَّةٍ مِنْ النَّهَارِ، وَقَالَ الشَّافِعِیُّ :لَا یَجُوزُ بِنِیَّةٍ مِنْ النَّهَارِ إلَّا التَّطَوُّعُ، وَقَالَ مَالِکٌ: لَا یَجُوزُ التَّطَوُّعُ أَیْضًا، وَلَا یَجُوزُ صَوْمُ التَّطَوُّعِ بِنِیَّةٍ مِنْ النَّهَارِ بَعْدَ الزَّوَالِ عِنْدَنَا وَلِلشَّافِعِیِّ فِیهِ قَوْلَانِ (بدائع الصنائع، ج۲ ص۸۵، فصل شرائط انواع الصیام)

[۲] مَنْ نَوَی مِنْ اللَّیْلِ الصَّوْمَ ثُمَّ نَامَ وَلَمْ یَنْتَبِهْ إلَّا بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ أَوْ أُغْمِیَ عَلَیْهِ أَوْ جُنَّ وَلَمْ یُفِقْ إلَی ذَلِکَ الْوَقْتِ حُکِمَ بِجَوَازِ الصَّوْمِ مَعَ أَنَّهُ عِبَادَةٌ خَالِصَةٌ وَالْإِمْسَاکُ رُکْنٌ وَهُوَ فِعْلٌ مَقْصُودٌ وَلَا بُدَّ فِی مِثْلِهِ مِنْ التَّحْصِیلِ بِالِاخْتِیَارِ وَمَا بِهِ مِنْ الْعُذْرِ قَدْ سَلَبَ اخْتِیَارَهُ لَکِنْ عِنْدَ زَوَالِ الْعُذْرِ جُعِلَ هَذَا الْفِعْلُ بِمَنْزِلَةِ الْفِعْلِ الِاخْتِیَارِیِّ بِطَرِیقِ إلْحَاقِ الْعُذْرِ الزَّائِلِ بِالْعَدَمِ وَإِذَا کَانَ فِی حَقِّ الْأَدَاءِ الَّذِی هُوَ الْمَقْصُودُ فَفِی حَقِّ الْوُجُوبِ الَّذِی هُوَ وَسِیلَةٌ أَوْلَی أَنْ یَکُونَ کَذَلِکَ(کشف الاسرار شرح اصول البزدوی، ج۴ ص۲۶۴، ۲۶۵، باب الأمور المعترضة علی الأهلیة)

اور نیت کی مزید تفصیل آگے نیت کی بحث میں، اور نیند کی حالت میں روزہ توڑ دینے والے عمل کے پائے جانے سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کی تفصیل روزہ کے مفسدات کے ذیل میں، بھول کر جبر واکراہ، بے ہوشی یا غلط فہمی میں روزہ ٹوٹنے کے حکم میں آتی ہے۔

(۴)......روزہ کا علم ہونا (روزہ کی فرضیت اور اس کے مسائل کے علم سے متعلق احکام)

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

فَاسْأَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ النحل آیت ۴۳، سورۃ الانبیاء، آیت ۷)

ترجمہ: تم کو اگر علم نہیں، تو اہلِ ذکر (واہلِ علم) سے سوال کرو (سورہ نحل، سورہ انبیاء)

مطلب یہ ہے کہ علم نہ ہو تو اہلِ علم سے سوال کرنا ضروری ہے۔ [۱]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ (سنن ابن ماجه) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے (ابنِ ماجہ)

اس قسم کی آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیزیں انسان پر فرض ہیں، ان کا علم حاصل کرنا بھی انسان پر فرض ہے۔ [۳]

---

[۱] وفی الاية دليل على وجوب المراجعة الى العلماء للجهال فيما لا يعلمون (التفسير المظهرى، سورة النحل، تحت رقم الآية ۴۳، الناشر: مكتبة الرشدية - الباكستان)

[۲] رقم الحديث ۲۲۴، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم.

[۳] وَأَمَّا عِلْمُ الْفُرُوعِ: فَهُوَ عِلْمُ الْفِقْهِ، وَمَعْرِفَةُ أَحْكَامِ الدِّينِ، فَيَنْقَسِمُ إِلَى فَرْضِ عَيْنٍ، وَفَرْضِ كِفَايَةٍ، أَمَّا فَرْضُ الْعَيْنِ، فَمِثْلُ عِلْمِ الطَّهَارَةِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ، فَعَلَى كُلِّ مُكَلَّفٍ مَعْرِفَتُهُ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لئے اگر کسی کو روزہ کی فرضیت کا علم نہ ہو، تو وہ معذور نہیں ہے، بلکہ اسے اس کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

البتہ اگر کوئی ایسی جگہ اسلام لایا، جہاں روزہ کی فرضیت کا حکم پہنچا ہی نہیں، جس کی وجہ سے اسے روزہ کی فرضیت کا علم نہ ہوا، اور نہ ہی کوئی بتانے والا موجود ہے، تو وہاں وہ علم حاصل ہونے تک معذور شمار ہوگا۔

مسئلہ نمبر ا...... جو شخص مسلمانوں کے ملک میں رہتا سہتا ہو، اُس پر روزہ کے فرض ہونے کی دیگر شرائط پائی جانے پر روزہ فرض ہو جاتا ہے، اور اس کا مسلمانوں کے ملک میں ہونا روزہ کے فریضہ کا علم ہونے کے لئے کافی ہے اور اس کے لئے مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہوئے روزہ کی فرضیت سے ناواقف ہونا عذر نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں کے ملک میں روزہ کی فرضیت کا حکم پہنچ چکا ہوتا ہے، اور معلوم کرنے کے ذرائع بھی موجود ہوتے ہیں۔ [1]

البتہ جو شخص دارُ الحرب یا دارُ الکفر میں مسلمان ہوا، اُس پر اُس وقت تک روزہ فرض نہیں ہوتا، جب تک اُسے روزہ کی فرضیت کا علم نہ ہو۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَكَذَلِكَ كُلُّ عِبَادَةٍ أَوْجَبَهَا الشَّرْعُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ، فَعَلَيْهِ مَعْرِفَةُ عِلْمِهَا، مِثْلُ عِلْمِ الزَّكَاةِ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ، وَعِلْمِ الْحَجِّ إِنْ وَجَبَ عَلَيْهِ.

وَأَمَّا فَرْضُ الْكِفَايَةِ، فَهُوَ أَنْ يَتَعَلَّمَ مَا يَبْلُغُ بِهِ رُتْبَةَ الاجْتِهَادِ، وَدَرَجَةَ الْفُتْيَا، فَإِذَا قَعَدَ أَهْلُ بَلَدٍ عَنْ تَعَلُّمِهِ، عَصَوْا جَمِيعًا، وَإِذَا قَامَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ بِتَعَلُّمِهِ، فَتَعَلَّمَهُ، سَقَطَ الْفَرْضُ عَنِ الآخَرِينَ، وَعَلَيْهِمْ تَقْلِيدُهُ فِيمَا يَعِنُّ لَهُمْ مِنَ الْحَوَادِثِ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى :(فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ)

قَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ :أَمَّا الْعِلْمُ عِنْدَنَا الرُّخَصُ عَنِ الثِّقَاتِ، أَمَّا التَّشْدِيدُ، فَكُلُّ إِنْسَانٍ يُحْسِنُهُ(شرح السنة للبغوی، ج ۱ ص ۲۹۰، کتاب العلم،بَابُ التَّفَقُّهِ فِي الدِّينِ)

[1] (قَوْلُهُ :أَوْ عَالِمٍ بِالْوُجُوبِ) أَيْ أَوْ كَائِنٍ فِي غَيْرِ دَارِنَا عَالِمٍ بِالْوُجُوبِ فَالْكَوْنُ بِدَارِ الْإِسْلَامِ مُوجِبٌ لِلصَّوْمِ، وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ بِوُجُوبِهِ إِذْ لَا يُعْذَرُ بِالْجَهْلِ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ(رد المحتار ج۲ص ۳۷۱،کتاب الصوم)

(قَوْلُهُ أَوْ دَلِيلُهُ) أَيْ دَلِيلُ الْعِلْمِ وَهُوَ الْكَوْنُ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ لِاشْتِهَارِ الْفَرَائِضِ فِيهَا، فَمَنْ أَسْلَمَ فِيهَا لَزِمَهُ قَضَاءُ مَا تَرَكَ(رد المحتار علی الدر المختار، ج۲، ص۷۵، كِتَابُ الصَّلَاةِ)

اوردارُالحرب یادارُالکفر وہ ملک کہلاتا ہے، جوکافروں کے زیرِتسلط ہو۔ [۱]

دارُالحرب میں چونکہ اسلامی ماحول نہیں ہوتا، اس لئے اگرکوئی دارُالحرب میں مسلمان ہوا، اس کو جب تک روزہ کے حکم کا علم نہ ہو، اس وقت تک اس پرروزہ فرض نہیں ہوا کرتا۔

اس لئے ایسے شخص کو جب تک کسی ذریعہ سے روزہ کے حکم کا علم نہ ہو، اس وقت تک اس پر روزہ رکھنا فرض نہ ہوگا، اور جو زمانہ اس حالت میں گزرا تو علم حاصل ہونے کے بعد، اس زمانہ کے روزوں کی قضا بھی ضروری نہیں ہوگی۔ [۲]

---

[۱] دار الحرب هی :كل بقعة تكون فيها أحكام الكفر ظاهرة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۰ص ۲۰۱، مادة "دار")

دار الحرب عند الشافعية :بلاد الكفار الذين لا صلح لهم مع المسلمين.الحربی :عند المالكية : من دخل بلادنا محاربا(القاموس الفقهی،مادة الحرب)

[۲] فَالْعِلْمُ بِوُجُوبِهَا حَالَ الْفَوَاتِ شَرْطٌ لِوُجُوبِ قَضَائِهَا، حَتَّى أَنَّ الْحَرْبِيَّ إذَا أَسْلَمَ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَمَكَثَ فِيهَا سَنَةً وَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةَ فَلَمْ يُصَلِّ ثُمَّ عَلِمَ -لَا يَجِبُ عَلَيْهِ قَضَاؤُهَا فِي قَوْلِ أَصْحَابِنَا الثَّلَاثَةِ وَقَالَ زُفَرُ :عَلَيْهِ قَضَاؤُهَا.

وَلَوْ كَانَ هَذَا ذِمِّيًّا أَسْلَمَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ فَعَلَيْهِ قَضَاؤُهَا اسْتِحْسَانًا، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ، وَهُوَ قَوْلُ الْحَسَنِ

(وَجْهُ) قَوْلِ زُفَرَ :أَنَّهُ بِالْإِسْلَامِ الْتَزَمَ أَحْكَامَهُ، وَوُجُوبُ الصَّلَاةِ مِنْ أَحْكَامِ الْإِسْلَامِ فَيَلْزَمُهُ، وَلَا يَسْقُطُ بِالْجَهْلِ، كَمَا لَوْ كَانَ هَذَا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ.

(وَلَنَا) أَنَّ الَّذِي أَسْلَمَ فِي دَارِ الْحَرْبِ مُنِعَ عَنْهُ الْعِلْمُ لِانْعِدَامِ سَبَبِ الْعِلْمِ فِي حَقِّهِ، وَلَا وُجُوبَ عَلَى مَنْ مُنِعَ عَنْهُ الْعِلْمُ كَمَا لَا وُجُوبَ عَلَى مَنْ مُنِعَ عَنْهُ الْقُدْرَةُ بِمَنْعِ سَبَبِهَا، بِخِلَافِ الَّذِي أَسْلَمَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ؛ لِأَنَّهُ ضَيَّعَ الْعِلْمَ حَيْثُ لَمْ يَسْأَلْ الْمُسْلِمِينَ عَنْ شَرَائِعِ الدِّينِ مَعَ تَمَكُّنِهِ مِنْ السُّؤَالِ، وَالْوُجُوبُ مُتَحَقِّقٌ فِي حَقِّ مَنْ ضَيَّعَ الْعِلْمَ كَمَا يَتَحَقَّقُ فِي حَقِّ مَنْ ضَيَّعَ الْقُدْرَةَ، وَلَمْ يُوجَدْ التَّضْيِيعُ هَهُنَا إذْ لَا يُوجَدُ فِي الْحَرْبِ مَنْ يَسْأَلُهُ عَنْ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ، حَتَّى لَوْ وُجِدَ وَلَمْ يَسْأَلْهُ يَجِبُ عَلَيْهِ، وَيُؤَاخَذُ بِالْقَضَاءِ إذَا عَلِمَ بَعْدَ ذَلِكَ؛ لِأَنَّهُ ضَيَّعَ الْعِلْمَ وَمَا مُنِعَ مِنْهُ كَالَّذِي أَسْلَمَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ.

وَقَدْ خَرَجَ الْجَوَابُ عَمَّا قَالَهُ زُفَرُ أَنَّهُ الْتَزَمَ أَحْكَامَ الْإِسْلَامِ؛ لِأَنَّا نَقُولُ :نَعَمْ لَكِنْ حُكْمًا لَهُ سَبِيلُ الْوُصُولِ إلَيْهِ وَلَمْ يُوجَد (بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، ج۱،ص ۱۳۵، كِتَابُ الصَّلَاةِ،فَصْلٌ شَرَائِطُ أَرْكَانِ الصَّلَاةِ)

وَزَادَ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ الْعِلْمَ بِالْوُجُوبِ أَوْ الْكَوْنَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ؛ لِأَنَّ الْحَرْبِيَّ إذَا أَسْلَمَ فِي دَارِ الْحَرْبِ، وَلَمْ يَعْلَمْ بِفَرْضِيَّةِ رَمَضَانَ ثُمَّ عَلِمَ لَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءُ مَا مَضَى (البحر الرائق، ج۲، ص۲۷۷، كتاب الصوم)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... جو شخص دارُ الحرب یا دارُ الکفر میں اسلام لایا، اور اسے روزہ کی فرضیت کا علم نہیں تھا، پھر اس کو دو عام مَردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں نے روزہ کی فرضیت کی خبر دے دی، یا ایک عادل اور ثقہ آدمی نے خبر دے دی، تب بھی وہ روزہ رکھنے کا مکلّف ہوجائے گا۔ جبکہ بعض حضرات کے نزدیک اگر ایک عام فرد بھی خبر دے دے، چاہے اس کا حال معلوم نہ ہو کہ وہ ثقہ اور عادل بھی ہے یا نہیں، اور خواہ وہ بالغ اور آزاد بھی نہ ہو، تب بھی وہ روزہ کا مکلّف ہوجاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(وَيُعْذَرُ بِالْجَهْلِ حَرْبِيٌّ أَسْلَمَ ثَمَّةَ وَمَكَثَ مُدَّةً فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ) لِأَنَّ الْخِطَابَ إنَّمَا يَلْزَمُ بِالْعِلْمِ أَوْ دَلِيلِهِ وَلَمْ يُوجَدَا (كَمَا لَا يَقْضِي مُرْتَدٌّ مَا فَاتَهُ زَمَنَهَا) وَلَا مَا قَبْلَهَا إلَّا الْحَجَّ، لِأَنَّهُ بِالرِّدَّةِ يَصِيرُ كَالْكَافِرِ الْأَصْلِيِّ (الدر المختار)

بِخِلَافِ مَنْ أَسْلَمَ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَلَمْ يَعْلَمْ بِهِ فَإِنَّهُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ مَا لَمْ يَعْلَمْ فَإِذَا عَلِمَ لَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءُ مَا مَضَى إذْ لَا تَكْلِيفَ بِدُونِ الْعِلْمِ ثَمَّةَ لِلْعُذْرِ بِالْجَهْلِ (رد المحتار ج۲ ص ۱۷۱ تا ۳۷۲، کتاب الصوم)

[1] قَالَ الْعَلَامَةُ كَمَالُ الدِّينِ -رَحِمَهُ اللَّهُ- وَيَنْبَغِي أَنْ يُزَادَ فِي الشُّرُوطِ الْعِلْمُ بِالْوُجُوبِ أَوْ الْكَوْنُ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ وَيُرَادُ بِالْعِلْمِ الْإِدْرَاكُ وَهَذَا لِأَنَّ الْحَرْبِيَّ إذَا أَسْلَمَ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ عَلَيْهِ صَوْمَ رَمَضَانَ ثُمَّ عَلِمَ لَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءُ مَا مَضَى وَإِنَّمَا يَحْصُلُ الْعِلْمُ الْمُوجِبُ بِإِخْبَارِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ أَوْ وَاحِدٍ عَدْلٍ وَعِنْدَهُمَا لَا تُشْتَرَطُ الْعَدَالَةُ وَالْبُلُوغُ وَالْحُرِّيَّةُ (تبيين الحقائق، ج ۱ ص ۳۱۳، كتاب الصوم)

فَإِنْ بَلَّغَهُ فِي دَارِ الْحَرْبِ رَجُلٌ وَاحِدٌ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ فِيمَا يَتْرُكُ بَعْدَ ذَلِكَ فِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ، وَهُوَ إحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَفِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْهُ لَا يَلْزَمُهُ مَا لَمْ يُخْبِرْهُ رَجُلَانِ أَوْ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ .(وَجْهُ) هَذِهِ الرِّوَايَةِ أَنَّ هَذَا خَبَرٌ مُلْزِمٌ، وَمِنْ أَصْلِهِ اشْتِرَاطُ الْعَدَدِ فِي الْخَبَرِ الْمُلْزِمِ، كَمَا فِي الْحَجْرِ عَلَى الْمَأْذُونِ، وَعَزْلِ الْوَكِيلِ، وَالْإِخْبَارِ بِجِنَايَةِ الْعَبْدِ.(وَجْهُ) الرِّوَايَةِ الْأُخْرَى وَهِيَ الْأَصَحُّ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مَأْمُورٌ مِنْ صَاحِبِ الشَّرْعِ بِالتَّبْلِيغِ، قَالَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: أَلَا فَلْيُبَلِّغْ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ وَقَالَ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: نَضَّرَ اللَّهُ امْرَءًا سَمِعَ مِنَّا مَقَالَةً فَوَعَاهَا كَمَا سَمِعَهَا ثُمَّ أَدَّاهَا إلَى مَنْ لَمْ يَسْمَعْهَا ، فَهَذَا الْمُبَلِّغُ نَظِيرُ الرَّسُولِ مِنْ الْمُوَلِّي وَالْمُوَكِّلِ، وَخَبَرُ الرَّسُولِ هُنَاكَ مُلْزِمٌ فَهَهُنَا كَذَلِكَ وَاللَّهُ أَعْلَمُ (بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، ج ۱، ص ۱۳۵، كِتَابُ الصَّلَاةِ، فَصْلٌ شَرَائِطُ أَرْكَانِ الصَّلَاةِ)

(قَوْلُهُ بِالْعِلْمِ) فَإِذَا بَلَّغَهُ فِي دَارِ الْحَرْبِ رَجُلٌ وَاحِدٌ فَعَلَيْهِ قَضَاءُ مَا تَرَكَهُ بَعْدَهُ عِنْدَهُمَا، وَهُوَ إحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ الْإِمَامِ وَفِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْهُ لَا يَلْزَمُهُ حَتَّى يُخْبِرَهُ رَجُلَانِ عَدْلَانِ مُسْلِمَانِ أَوْ رَجُلٌ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ آج کل اکثر غیر اسلامی ملکوں میں ذرائع ابلاغ کے واسطے سے روزہ کا حکم پہنچ چکا ہے، بلکہ وہاں مختلف شکلوں میں تبلیغ وتدریس کے سلسلے وحلقے بھی قائم ہیں، جبکہ فقہائے کرام کے نزدیک ایک دو ثقہ وعادل اور بعض کے نزدیک عام افراد کی طرف سے بھی روزہ کی فرضیت کی خبر پہنچنا مکلّف ہونے کے لئے کافی ہے۔

اس لئے اس طرح کے ممالک میں کوئی شخص اسلام لے آئے، تو وہ روزہ کا مکلّف ہوجائے گا۔

مسئلہ نمبر ۳...... جو شخص مسلمانوں کے ملک میں اسلام لایا، تو وہ اسلام لاتے ہی رمضان کے روزوں کا مکلّف ہوجائے گا، اور اس کا روزہ کی فرضیت سے ناواقف ہونا عذر شمار نہیں کیا جائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ان سے ناواقف ہونا فقہائے احناف کے نزدیک عذر نہیں ہے، البتہ بعض صورتوں میں روزہ توڑنے کے کفارہ کا حکم ہلکا ہوکر قضا تک محدود ہوجاتا ہے، چنانچہ اگر کسی روزہ دار کو خود بخود قے ہوجائے، یا سوتے ہوئے احتلام ہوجائے، اور وہ یہ سمجھے کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے، پھر وہ جان بوجھ کر کھا پی لے، تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لیکن کفارہ واجب نہیں ہوتا، جس کی کچھ تفصیل کفارہ کی بحث میں آتی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَامْرَأَتَانِ؛ وَأَمَّا الْعَدَالَةُ فَفِی الْمَبْسُوطِ أَنَّهَا شَرْطٌ عِنْدَهُمَا .وَرَوَى أَبُو جَعْفَرٍ فِی غَرِيبِ الرِّوَايَةِ أَنَّهَا غَيْرُ شَرْطٍ عِنْدَهُمَا، حَتَّى إذَا أَخْبَرَهُ رَجُلٌ فَاسِقٌ أَوْ صَبِیٌّ أَوْ امْرَأَةٌ أَوْ عَبْدٌ فَإِنَّ الصَّلَاةَ تَلْزَمُهُ تَتَارْخَانِيَّةٌ(رد المحتار على الدر المختار، ج ۲، ص ۷۵، كِتَابُ الصَّلَاةِ)

وَإِنَّمَا يَحْصُلُ لَهُ الْعِلْمُ الْمُوجِبُ بِإِخْبَارِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ مَسْتُورَيْنِ أَوْ وَاحِدٍ عَدْلٍ وَعِنْدَهُمَا لَا يُشْتَرَطُ الْعَدَالَةُ وَلَا الْبُلُوغُ وَالْحُرِّيَّةُ كَمَا فِی إمْدَادِ الْفَتَّاحِ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۷۲، كتاب الصوم)

[1] وَلَوْ أَسْلَمَ فِی دَارِ الْإِسْلَامِ وَجَبَ عَلَيْهِ قَضَاءُ مَا مَضَى بَعْدَ الْإِسْلَامِ عَلِمَ بِالْوُجُوبِ أَوْ لَا اهـ(تبيين الحقائق، ج ۱ ص ۳۱۳، كتاب الصوم)

[2] هَذَا الَّذِی ذكرنَا إذَا لم يكن فِی الْإِفْطَارِ شُبْهَة،فَأَما إِذا كَانَ فِيهِ شُبْهَة فَلَا يجب فَإِن الْمُسَافِر إِذا صَامَ فِی رَمَضَان ثمَّ جَامع مُتَعَمدا لَا يلْزمه الْكَفَّارَة لِأَن فِيهِ شُبْهَة الْإِبَاحَة لقِيَام السَّبَب الْمُبِيح صُورَة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۵)...... صحت مند ہونا (مریض، حاملہ اور دودھ پلانے والی کے روزہ کے احکام)

روزہ فرض ہونے کے لئے صحت مند ہونا بھی ضروری ہے، جو شخص مریض ہو، اور اسے روزہ رکھنے کی قدرت نہ ہو، اس پر روزہ رکھنا فرض نہیں ہے، البتہ صحت یاب ہونے کے بعد بیماری میں چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کا حکم ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (سورة البقرة آیت ۱۸۴)

ترجمہ: پس جو تم میں سے مریض ہو، یا سفر میں ہو، تو اسے دوسرے دنوں میں (روزہ) شمار کر لینے کی گنجائش ہے (سورہ بقرہ)

حضرت ابو قلابہ کی سند سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وَهُوَ السّفر،وَكَذٰلِكَ إِذا تسحر على ظن أَن الْفجْر لم يطلع فَإِذا هُوَ طالع أَو أفطر على ظن أَن الشَّمْس قد غربت فَإِذا هِيَ لم تغرب لَا تجب الْكَفَّارَة لِأَنَّهُ خاطىء وَإِلَّا ثمَّ عَنهُ مَرْفُوع بِالنَّصِّ،وكل من أكل أَو شرب أَو جَامع نَاسِيا أَو ذرعه الْقَيْء فَظن أَن ذٰلِك يفطره فَأكل بعد ذٰلِك مُتَعَمدا لَا كَفَّارَة عَلَيْهِ لِأَن هَذَا شُبْهَة فِي مَوضِع الِاشْتِبَاه لوُجُود المضاد للصَّوْم قَالَ مُحَمَّد إِلَّا إِذا بلغ الْخَبَر أَن أكل النَّاس والقيء لَا يفسدان الصَّوْم فَتجب عَلَيْهِ الْكَفَّارَة لِأَن الظَّن فِي غير مَوضِع الشُّبْهَة لَا يعْتَبر،فَأَما إِذا احْتجم فَظن أَن ذٰلِك يفطره ثمَّ أفطر مُتَعَمدا إِن استفتى فَقِيها فَأفْتى بالإفطار ثمَّ أفطر مُتَعَمدا لَا كَفَّارَة عَلَيْهِ لِأَن الْعَاميّ يجب عَلَيْهِ تَقْلِيد الْعَالم فَيصير ذٰلِك شُبْهَة،وَلَو بلغه الحَدِيث أفطر الحاجم والمحجوم روى الْحسن عَن أبي حنيفَة أَنه لَا كَفَّارَة عَلَيْهِ لِأَنَّهُ اعْتمد على الحَدِيث وَهُوَ حجَّة فِي الْأَصْل،وَرُوِيَ عَن أبي يُوسُف أَنه تجب عَلَيْهِ الْكَفَّارَة لِأَن الْعَاميّ يجب عَلَيْهِ الاستفتاء من الْمُفْتِي دون الْعَمَل بِظَاهِر الحَدِيث لِأَنَّهُ قد يكون مَتْرُوك الظَّاهِر وَقد يكون مَنْسُوخا فَلَا يصير شُبْهَة،وَإِن لمس امْرَأَة بِشَهْوَة أَو قبل امْرَأَة بِشَهْوَة وَلم ينزل فَظن أَن ذٰلِك يفطره فَأكل عمدا يلْزمه الْكَفَّارَة لِأَن ذٰلِك لَا يُنَافِي الصَّوْم فَيكون ظنا فِي غير مَوْضِعه إِلَّا إِذا استفتى فَقِيها أَو أول الحَدِيث فَأفْطر على ذٰلِك فَلَا كَفَّارَة عَلَيْهِ وَإِن أَخطَأ وَلم يثبت الحَدِيث لِأَن ظَاهره يعْتَبر شُبْهَة،فَإِن اغتاب فَظن أَن ذٰلِك يفطره فَأكل عمدا يلْزمه الْكَفَّارَة وَإِن بلغه الحَدِيث لِأَنَّهُ تَأْوِيل بعيد لِأَنَّهُ لَا يُرَاد بِهِ إفطار الصَّوْم حَقِيقَة وَالله أعلم(تحفة الفقهاء ،ج ا ،ص ۳۶۴، كتاب الصَّوْم)

فرمایا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ نِصْفَ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمَ، وَرَخَّصَ لِلْحُبْلٰى وَالْمُرْضِعِ (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے مسافر سے آدھی نماز کو اور روزہ کو معاف کردیا ہے، اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو (روزہ نہ رکھنے کی) رخصت دے دی ہے (نسائی)

حضرت انس بن مالک کعبی قشیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ الصَّوْمَ، وَشَطْرَ الصَّلَاةِ، وَعَنِ الْحَامِلِ أَوِ الْمُرْضِعِ الصَّوْمَ أَوِ الصِّيَامَ (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزے کو اور آدھی نماز کو معاف کردیا ہے، اور حاملہ یا (بچہ کو) دودھ پلانے والی عورت سے روزہ یا روزوں (کے رکھنے) کو معاف کردیا ہے (ترمذی)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَضَعَ شَطْرَ الصَّلَاةِ عَنِ الْمُسَافِرِ، وَوَضَعَ الصَّوْمَ أَوِ الصِّيَامَ عَنِ الْمَرِيْضِ وَالْحُبْلٰى وَالْمُرْضِعِ (الآحاد والمثانی لابنِ ابی عاصم) [3]

---

[1] رقم الحديث ۲۲۷۷، كتاب الصيام، ذكر وضع الصيام عن المسافر.

[2] رقم الحديث ۷۱۵، ابواب الصوم، باب ما جاء فى الرخصة فى الإفطار للحبلى والمرضع، واللفظ لهٗ، مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۰۴۷.

قال الترمذی: وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي أُمَيَّةَ :. حَدِيثُ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ الكَعْبِيِّ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَلَا نَعْرِفُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ هَذَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ هَذَا الحَدِيثِ الوَاحِدِ.

وفى حاشية مسند احمد: حديث حسن.

[3] رقم الحديث ۱۴۹۳، ج۳ص ۱۶۲، الناشر، دارالراية، الرياض، واللفظ لهٗ، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۷۶۵.

ترجمہ: بے شک اللہ عزوجل نے مسافر سے آدھی نماز کو معاف کر دیا ہے، اور روزہ کو یا روزوں کو مریض سے اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت سے معاف کر دیا ہے (الآحادوالمثانی، طبرانی)

اس قسم کی احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ جس مریض اور حاملہ اور بچہ کو دودھ پلانے والی عورت کو روزہ سے اپنے آپ کو یا بچے کو غیر معمولی تکلیف ہوتی ہو، اس پر رمضان میں روزہ رکھنا فرض نہیں۔ [1]

حاملہ اور دودھ پلانے والی وہ عورت جس کو روزہ رکھنے سے اپنے آپ کو یا بچے کو ضرر پہنچتا ہو،

---

[1] قال الترمذی:وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ، وقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ :الحَامِلُ، وَالمُرْضِعُ، تُفْطِرَانِ وَتَقْضِيَانِ وَتُطْعِمَانِ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ، وَمَالِكٌ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ ، وقَالَ بَعْضُهُمْ :تُفْطِرَانِ، وَتُطْعِمَانِ، وَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِمَا، وَإِنْ شَاءَتَا قَضَتَا، وَلَا إِطْعَامَ عَلَيْهِمَا، وَبِهِ يَقُولُ إِسْحَاقُ " (تحت رقم الحديث ۷۱۵)

وقال البغوی:واختلفوا فی أنه هل یجب علیهما الإطعام أم لا ؟ فذهب قوم إلى أنهما تطعمان مع القضاء ، یروی ذلک عن ابن عمر وابن عباس ، وهو قول مجاهد ، والشافعی وأحمد ، سئل ابن عمر عن الحامل إذا خافت على ولدها ؟ قال :تفطر وتطعم مكان كل یوم مسكینا مدا من حنطة .

وذهب قوم إلى أنهما تقضیان ، ولا إطعام علیهما كالمریض ، وبه قال الحسن وعطاء ، والنخعی والزهری ، وهو قول الأوزاعی ، والثوری وأصحاب الرأی . وقال مالک :الحامل تقضی ولا تطعم ، لأن ضرر الصوم یعود إلى نفسها كالمریض ، والمرضع تقضی وتطعم .وقال بعضهم :إن شاء تا أطعمتا ، ولا قضاء علیهما ، وإن شاء تا قضتا ولا إطعام علیهما ، وهو قول إسحاق بن راهویة .فأما الشیخ الكبیر الذی لا یطیق الصوم ، یطعم عنه ولا قضاء علیه لعجزه قرأ عبد الله بن عباس) وعلى الذین یطوقونه فدیة طعام مسكین)أی یكلفون الصوم ویشق علیهم ذلک ، فلهم أن یفطروا ، ویطعموا(شرح السنة للبغوی، ج۶ ص ۳۱۶، باب الرخصة فی الإفطار للحامل والمرضع)

الْفُقَهَاءُ مُتَّفِقُونَ عَلَى أَنَّ الْحَامِلَ وَالْمُرْضِعَ لَهُمَا أَنْ تُفْطِرَا فِي رَمَضَانَ، بِشَرْطِ أَنْ تَخَافَا عَلَى أَنْفُسِهِمَا أَوْ عَلَى وَلَدِهِمَا الْمَرَضَ أَوْ زِيَادَتَهُ، أَوِ الضَّرَرَ أَوِ الْهَلاكَ، فَالْوَلَدُ مِنَ الْحَامِلِ بِمَنْزِلَةِ عُضْوٍ مِنْهَا، فَالإِْشْفَاقُ عَلَيْهِ مِنْ ذَلِكَ كَالإِْشْفَاقِ مِنْهُ عَلَى بَعْضِ أَعْضَائِهَا.قَال الدَّرْدِيرُ :وَيَجِبُ (يَعْنِي الْفِطْرَ) إِنْ خَافَتَا هَلاكًا أَوْ شَدِيدَ أَذًى، وَيَجُوزُ إِنْ خَافَتَا عَلَيْهِ الْمَرَضَ أَوْ زِيَادَتَهُ .وَنَصَّ الْحَنَابِلَةُ عَلَى كَرَاهَةِ صَوْمِهِمَا، كَالْمَرِيضِ وَدَلِيل تَرْخِيصِ الْفِطْرِ لَهُمَا :(وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ،وَلَيْسَ الْمُرَادُ مِنَ الْمَرَضِ صُورَتَهُ، أَوْ عَيْنَ الْمَرَضِ، فَإِنَّ الْمَرِيضَ الَّذِي لاَ يَضُرُّهُ الصَّوْمُ لَيْسَ لَهُ أَنْ يُفْطِرَ، فَكَانَ ذِكْرُ الْمَرَضِ كِنَايَةً عَنْ أَمْرٍ يَضُرُّ الصَّوْمُ مَعَهُ، وَهُوَ مَعْنَى الْمَرَضِ، وَقَدْ وُجِدَ هَاهُنَا، فَيَدْخُلاَنِ تَحْتَ رُخْصَةِ الإِْفْطَارِ.وَصَرَّحَ الْمَالِكِيَّةُ بِأَنَّ الْحَمْل مَرَضٌ حَقِيقَةً، وَالرَّضَاعَ فِي حُكْمِ الْمَرَضِ، وَلَيْسَ مَرَضًا حَقِيقَةً (الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج۲۸ ص۵۳، ۵۴،عوارض الافطار)

اس کا حکم مسافر اور مریض کی طرح ہے، کہ ان کو بعد میں روزہ کی قضا کرنی چاہئے۔ ل

ل وضع الصوم الذی جعله من حکم المسافر هو بعینه جعله من حکم المرضع والحامل ;لأنه عطفهما علیه من غیر استئناف ذکر شیء غیره؟ فثبت بذلک أن حکم وضع الصوم عن الحامل والمرضع هو فی حکم وضعه عن المسافر لا فرق بینهما، ومعلوم أن وضع الصوم عن المسافر إنما هو علی جهة إیجاب قضائه بالإفطار من غیر فدیة فوجب أن یکون ذلک حکم الحامل والمرضع . وفیه دلالة علی أنه لا فرق بین الحامل والمرضع إذا خافتا علی أنفسهما أو ولدیهما ;إذ لم یفصل النبی صلی الله علیه وسلم بینهما وأیضا لما کانت الحامل والمرضع یرجی لهما القضاء وإنما أبیح لهما الإفطار للخوف علی النفس أو الولد مع إمکان القضاء ، وجب أن تکونا کالمریض والمسافر(احکام القرآن جصاص، ج ا ص ۲۲۱، باب الحامل والمرضع)

وَأَمَّا حَبَلُ الْمَرْأَةِ وَإِرْضَاعُهَا :إذَا خَافَتَا الضَّرَرَ بِوَلَدِهِمَا فَمُرَخَّصٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَی (فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَرِیضًا أَوْ عَلَی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَیَّامٍ أُخَرَ)وَقَدْ بَیَّنَّا أَنَّهُ لَیْسَ الْمُرَادُ عَیْنَ الْمَرَضِ، فَإِنَّ الْمَرِیضَ الَّذِی لَا یَضُرُّهُ الصَّوْمُ لَیْسَ لَهُ أَنْ یُفْطِرَ فَکَانَ ذِکْرُ الْمَرَضِ کِنَایَةً عَنْ أَمْرٍ یَضُرُّ الصَّوْمُ مَعَهُ .وَقَدْ وُجِدَ هَهُنَا فَیَدْخُلَانِ تَحْتَ رُخْصَةِ الْإِفْطَارِ .وَقَدْ رُوِیَ عَنْ النَّبِیِّ -صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ -أَنَّهُ قَالَ :یُفْطِرُ الْمَرِیضُ، وَالْحُبْلَی إذَا خَافَتْ أَنْ تَضَعَ وَلَدَهَا، وَالْمُرْضِعُ إذَا خَافَتْ الْفَسَادَ عَلَی وَلَدِهَا .وَقَدْ رُوِیَ عَنْ النَّبِیِّ -صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ -أَنَّهُ قَالَ :إنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلَاةِ وَعَنْ الْحُبْلَی، وَالْمُرْضِعِ الصِّیَامَ وَعَلَیْهِمَا الْقَضَاءُ وَلَا فِدْیَةَ عَلَیْهِمَا عِنْدَنَا .وَقَالَ الشَّافِعِیُّ :عَلَیْهِمَا الْقَضَاءُ، وَالْفِدْیَةُ لِکُلِّ یَوْمٍ مُدٌّ مِنْ حِنْطَةٍ، وَالْمَسْأَلَةُ مُخْتَلِفَةٌ بَیْنَ الصَّحَابَةِ، وَالتَّابِعِینَ فَرُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ مِنْ الصَّحَابَةِ، وَالْحَسَنِ مِنْ التَّابِعِینَ أَنَّهُمَا یَقْضِیَانِ وَلَا یَفْدِیَانِ وَبِهِ أَخَذَ أَصْحَابُنَا .وَرُوِیَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ مِنْ الصَّحَابَةِ وَمُجَاهِدٍ مِنْ التَّابِعِینَ إنَّهُمَا یَقْضِیَانِ وَیَفْدِیَانِ وَبِهِ أَخَذَ الشَّافِعِیُّ احْتَجَّ بِقَوْلِهِ تَعَالَی (وَعَلَی الَّذِینَ یُطِیقُونَهُ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْکِینٍ) وَالْحَامِلُ، وَالْمُرْضِعُ یُطِیقَانِ الصَّوْمَ فَدَخَلَتَا تَحْتَ الْآیَةِ فَتَجِبُ عَلَیْهِمَا الْفِدْیَةُ، وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَی (فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَرِیضًا)الْآیَةُ، أَوْجَبَ عَلَی الْمَرِیضِ الْقَضَاءَ فَمَنْ ضَمَّ إلَیْهِ الْفِدْیَةَ فَقَدْ زَادَ عَلَی النَّصِّ فَلَا یَجُوزُ إلَّا بِدَلِیلٍ، وَلِأَنَّهُ لَمَّا لَمْ یُوجِبْ غَیْرَهُ دَلَّ أَنَّهُ کُلُّ حُکْمِ لِحَادِثَةٍ لِأَنَّ تَأْخِیرَ الْبَیَانِ عَنْ وَقْتِ الْحَاجَةِ لَا یَجُوزُ،وَقَدْ ذَکَرْنَا أَنَّ الْمُرَادَ مِنْ الْمَرَضِ الْمَذْکُورِ لَیْسَ صُورَةَ الْمَرَضِ بَلْ مَعْنَاهُ.

وَقَدْ وُجِدَ فِی الْحَامِلِ، وَالْمُرْضِعِ إذَا خَافَتَا عَلَی وَلَدِهِمَا فَیَدْخُلَانِ تَحْتَ الْآیَةِ، فَکَانَ تَقْدِیرُ قَوْلِهِ تَعَالَی (فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَرِیضًا)فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ بِهِ مَعْنًی یَضُرُّهُ الصَّوْمُ أَوْ عَلَی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَیَّامٍ أُخَرَ، وَأَمَّا قَوْلُهُ تَعَالَی (وَعَلَی الَّذِینَ یُطِیقُونَهُ)فَقَدْ قِیلَ فِی بَعْضِ وُجُوهِ التَّأْوِیلِ إنَّ لَا مُضْمَرَةٌ فِی الْآیَةِ مَعْنَاهُ " وَعَلَی الَّذِینَ لَا یُطِیقُونَهُ، وَإِنَّهُ جَائِزٌ فِی اللُّغَةِ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَی :(یُبَیِّنُ اللَّهُ لَکُمْ أَنْ تَضِلُّوا)أَیْ :لَا تَضِلُّوا فِی بَعْضِ الْقِرَاءَاتِ وَعَلَی الَّذِینَ یُطَوَّقُونَهُ وَلَا یُطِیقُونَهُ عَلَی أَنَّهُ لَا حُجَّةَ لَهُ فِی الْآیَةِ لِأَنَّ فِیهَا شَرْعُ الْفِدَاءِ مَعَ الصَّوْمِ عَلَی سَبِیلِ التَّخْیِیرِ دُونَ الْجَمْعِ بِقَوْلِهِ تَعَالَی (وَأَنْ تَصُومُوا خَیْرٌ لَکُمْ)وَقَدْ نُسِخَ ذَلِکَ بِوُجُوبِ صَوْمِ شَهْرِ رَمَضَانَ حَتْمًا بِقَوْلِهِ تَعَالَی (فَمَنْ شَهِدَ مِنْکُمْ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ)وَعِنْدَهُ یَجِبُ الصَّوْمُ، وَالْفِدَاءُ جَمِیعًا دَلَّ أَنَّهُ لَا حُجَّةَ لَهُ فِیهَا وَلِأَنَّ الْفِدْیَةَ لَوْ وَجَبَتْ إنَّمَا تَجِبُ جَبْرًا لِلْفَائِتِ، وَمَعْنَی الْجَبْرِ یَحْصُلُ بِالْقَضَاءِ، وَلِهَذَا لَمْ تَجِبْ عَلَی الْمَرِیضِ، وَالْمُسَافِرِ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ آیت اور احادیث وروایات سے فقہائے احناف نے جو مسائل اخذ کئے ہیں، وہ ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ا...... جس شخص کو روزہ رکھنے سے بیماری پیدا ہونے یا موجودہ بیماری بڑھ جانے یا دیر سے اچھا ہونے یا کسی عضو کے بے کار ہوجانے یا بگڑ جانے یا جان چلی جانے کا یقین یا غالب گمان ہو، وہ روزہ چھوڑ سکتا ہے اور پہلے سے روزہ ہوتو اس حال میں اس کو توڑ بھی سکتا ہے، لیکن صحت یاب ہونے پر قضاء کرنا ضروری ہوگا۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَأَمَّا الْجُوعُ وَالْعَطَشُ الشَّدِيدُ الَّذِى يُخَافُ مِنْهُ الْهَلَاكُ :فَمُبِيحٌ مُطْلَقٌ بِمَنْزِلَةِ الْمَرَضِ الَّذِى يُخَافُ مِنْهُ الْهَلَاكُ بِسَبَبِ الصَّوْمِ، لِمَا ذَكَرْنَا وَكَذَا كِبَرُ السِّنِّ حَتَّى يُبَاحَ لِلشَّيْخِ الْفَانِى أَنْ يُفْطِرَ فِى شَهْرِ رَمَضَانَ لِأَنَّهُ عَاجِزٌ عَنْ الصَّوْمِ وَعَلَيْهِ الْفِدْيَةُ عِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ (بدائع الصنائع، ج۲ص۹۷،فصل حکم فساد الصوم)

[۱] أَمَّا الْمَرَضُ فَالْمُرَخِّصُ مِنْهُ هُوَ الَّذِى يُخَافُ أَنْ يَزْدَادَ بِالصَّوْمِ وَإِلَيْهِ وَقَعَتْ الْإِشَارَةُ فِى الْجَامِعِ الصَّغِيرِ فَإِنَّهُ قَالَ فِى رَجُلٍ خَافَ إِنْ لَمْ يُفْطِرْ أَنْ تَزْدَادَ عَيْنَاهُ وَجَعًا، أَوْ حُمَّاهُ شِدَّةً أَفْطَرَ، وَذَكَرَ الْكَرْخِيُّ فِى مُخْتَصَرِهِ :أَنَّ الْمَرَضَ الَّذِى يُبِيحُ الْإِفْطَارَ هُوَ مَا يُخَافُ مِنْهُ الْمَوْتُ، أَوْ زِيَادَةُ الْعِلَّةِ كَائِنًا مَا كَانَتْ الْعِلَّةُ .وَرُوِىَ عَنْ أَبِى حَنِيفَةَ أَنَّهُ إِنْ كَانَ بِحَالٍ يُبَاحُ لَهُ أَدَاءُ صَلَاةِ الْفَرْضِ قَاعِدًا فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُفْطِرَ، وَالْمُبِيحُ الْمُطْلَقُ بَلْ الْمُوجِبُ هُوَ الَّذِى يُخَافُ مِنْهُ الْهَلَاكُ لِأَنَّ فِيهِ إِلْقَاءَ النَّفْسِ إِلَى التَّهْلُكَةِ لَا لِإِقَامَةِ حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ الْوُجُوبُ، وَالْوُجُوبُ لَا يَبْقَى فِى هَذِهِ الْحَالَةِ، وَإِنَّهُ حَرَامٌ فَكَانَ الْإِفْطَارُ مُبَاحًا بَلْ وَاجِبًا (بدائع الصنائع، ج۲، ص۹۴، کتاب الصوم، فَصْلٌ حُكْمُ فَسَادِ الصَّوْمِ)

وَحَاصِلُهُ :أَنَّ الرُّخْصَةَ لَا تَتَعَلَّقُ بِنَفْسِ الْمَرَضِ لِتَنَوُّعِهِ إِلَى مَا يَزْدَادُ بِالصَّوْمِ إِلَى مَا يَخِفُّ بِهِ، وَمَا يَخِفُّ بِهِ لَا يَكُونُ مُرَخِّصًا لَا مَحَالَةَ، فَجَعَلْنَا مَا يَزْدَادُ بِهِ مُرَخِّصًا كَخَوْفِ الْهَلَاكِ لِوُجُودِ مَا هُوَ الْأَصْلُ فِى الْبَابِ وَهُوَ الْمَشَقَّةُ فِيهِ (العناية شرح الهداية، ج۲، ص۳۵۰، كتاب الصوم، بَابُ مَا يُوجِبُ الْقَضَاءَ وَالْكَفَّارَةَ، فصل فى العوارض)

قلنا الآية محمولة على مرض يوجب المشقة بالصوم، بدليل قَوْله تَعَالَى :(يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ) أما السفر فإنه يوجب الإباحة لأنه لا يخلو عن مشقة بخلاف المرض، فإنه نوعان :ما يوجب المشقة، وما لا يوجبها فوجب الفصل، فقلنا كل مرض يضره الصوم يوجب الإباحة، وما لا فلا، وكان خوف ازدياد المرض مرخصاً للفطر كخوف الهلاک (البناية شرح الهداية، ج۴، ص۷۶، صوم رمضان، فصل أحكام المريض والمسافر فى الصيام، المفاضلة بين صوم المريض والمسافر وفطرهما)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

گزشتہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیماری کے صرف وہم یا روزہ کی معمولی بھوک پیاس کی مشقت کی وجہ سے روزہ چھوڑنا اور توڑنا بلکہ اس سے بڑھ کر فدیہ دینا جائز نہیں، جیسا کہ آج کل بعض کم ہمت لوگ ایسا کرتے ہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... اگر بیماری سے اچھا ہوگیا لیکن ابھی غیر معمولی کمزوری کا سامنا ہے اور یہ ڈر ہے کہ اگر روزہ رکھا تو پھر بیمار ہو جائے گا، تب بھی اس طرح کی کمزوری ختم ہونے تک روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۳...... جو شخص بیماری وغیرہ کی وجہ سے اتنا کمزور ہوگیا ہو یا عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے اتنا بوڑھا ہوگیا ہو کہ اسے روزہ رکھ کر بھوک اور پیاس برداشت نہ ہوتی ہو، تو اسے روزہ چھوڑنا جائز ہے، پھر اگر بعد میں قدرت حاصل ہو، تو روزہ کی قضا کرنی چاہئے، اور اگر آئندہ قدرت حاصل نہ ہو، تو فدیہ دینا چاہئے، اور فدیہ کے احکام آگے مستقل باب کے تحت میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(وَمِنْهَا الْمَرَضُ) الْمَرِيضُ إذَا خَافَ عَلَى نَفْسِهِ التَّلَفَ أَوْ ذَهَابَ عُضْوٍ يُفْطِرُ بِالْإِجْمَاعِ، وَإِنْ خَافَ زِيَادَةَ الْعِلَّةِ وَامْتِدَادَهَا فَكَذَلِكَ عِنْدَنَا، وَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ إذَا أَفْطَرَ كَذَا فِي الْمُحِيطِ .ثُمَّ مَعْرِفَةُ ذَلِكَ بِاجْتِهَادِ الْمَرِيضِ وَالِاجْتِهَادُ غَيْرُ مُجَرَّدِ الْوَهْمِ بَلْ هُوَ غَلَبَةُ الظَّنِّ عَنْ أَمَارَةٍ أَوْ تَجْرِبَةٍ أَوْ بِإِخْبَارِ طَبِيبٍ مُسْلِمٍ غَيْرِ ظَاهِرِ الْفِسْقِ كَذَا فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ (الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص۲۰۷، كتاب الصوم، الْبَابُ الْخَامِسُ فِي الْأَعْذَارِ الَّتِي تُبِيحُ الْإِفْطَارَ)

قَيَّدَ بِالْخَوْفِ بِمَعْنَى غَلَبَةِ الظَّنِّ بِتَجْرِبَةٍ أَوْ إخْبَارِ طَبِيبٍ حَاذِقٍ مُسْلِمٍ كَمَا فِي الْفَتَاوَى الظَّهِيرِيَّةِ عَلَى مَا قَدَّمْنَاهُ (البحر الرائق، ج۲ ص۳۰۷، فصل فی عوارض الفطر فی رمضان)

(الغالب كالواقع) فتحقق الضرورة (البناية شرح الهداية، ج۵ ص ۱۲۲، باب العدة)

[1] وَلَوْ قَدَرَ عَلَى الصِّيَامِ بَعْدَ مَا فَدَى بَطَلَ حُكْمُ الْفِدَاءِ الَّذِي فَدَاهُ حَتَّى يَجِبَ عَلَيْهِ الصَّوْمُ هَكَذَا فِي النِّهَايَةِ (الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص۲۰۷، كتاب الصوم، الْبَابُ الْخَامِسُ)

[2] وَالصَّحِيحُ الَّذِي يَخْشَى أَنْ يَمْرَضَ بِالصَّوْمِ فَهُوَ كَالْمَرِيضِ هَكَذَا فِي التَّبْيِينِ (الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص۲۰۷، كتاب الصوم، الْبَابُ الْخَامِسُ)

وَالصَّحِيحُ الَّذِي يَخْشَى أَنْ يَمْرَضَ بِالصَّوْمِ فَهُوَ كَالْمَرِيضِ وَمُرَادُهُ بِالْخَشْيَةِ غَلَبَةُ الظَّنِّ كَمَا أَرَادَ الْمُصَنِّفُ بِالْخَوْفِ إيَّاهَا وَأَطْلَقَ الْخَوْفَ ابْنُ الْمَلَكِ فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ وَأَرَادَ الْوَهْمَ حَيْثُ قَالَ لَوْ خَافَ مِنْ الْمَرَضِ لَا يُفْطِرُ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۲، ص ۳۰۴، كِتَابُ الصَّوْمِ)

آتے ہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۴...... اگر کوئی مریض یا بوڑھا شخص رمضان میں گرمی کی شدت کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہیں، لیکن رمضان گزرنے کے بعد سردیوں کے موسم میں روزہ رکھنے پر قادر ہے، تو اس کو فی الحال روزہ نہ رکھنا، اور سردیوں کے موسم میں روزہ کی قضا کرنا جائز ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۵...... اگر کسی کو سانپ وغیرہ کاٹ لے، یا اسی طرح کا کوئی حادثہ پیش آجائے، جس کے لئے دوا وغیرہ کھانا پینا ضروری ہو جائے، تو ایسا شخص بھی مریض میں داخل ہے، اور اس کو روزہ نہ رکھنا اور روزہ کی حالت میں ہو تو روزہ توڑ دینا اور پھر بعد میں قضا رکھ لینا جائز ہے۔ [3]

مسئلہ نمبر۶...... حمل والی عورت اور اسی طرح بچہ کو دودھ پلانے والی عورت کو احادیث میں مریض و بیمار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اس لئے جو عورت حمل سے ہو یا بچہ کو دودھ پلا رہی ہو، اور اسے روزہ رکھنے کی وجہ سے اپنی یا بچہ کی ہلاکت یا غیر معمولی کمزوری کا ڈر ہو، یا کمزوری کے باعث بچہ کے لئے دودھ نہ اترتا ہو، تو اس کو بھی روزہ چھوڑ دینا جائز ہے، جس کی بعد میں قضا کرنے کا حکم ہے۔ [4]

---

[1] وَالْجُوعُ وَالْعَطَشُ وَكِبَرُ السِّنِّ كَذَا فِي الْبَدَائِعِ (قَوْلُهُ :لِمَنْ خَافَ زِيَادَةَ الْمَرَضِ الْفِطْرُ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ) فَإِنَّهُ أَبَاحَ الْفِطْرَ لِكُلِّ مَرِيضٍ لَكِنْ الْقَطْعُ بِأَنَّ شَرْعِيَّةَ الْفِطْرِ فِيهِ إنَّمَا هُوَ لِدَفْعِ الْحَرَجِ وَتَحَقُّقُ الْحَرَجِ مَنُوطٌ بِزِيَادَةِ الْمَرَضِ أَوْ إبْطَاءِ الْبُرْءِ أَوْ إفْسَادِ عُضْوٍ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲، ص۳۰۴، كِتَابُ الصَّوْمِ)

[2] أَمَّا لَوْ لَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ لِشِدَّةِ الْحَرِّ كَانَ لَهُ أَنْ يُفْطِرَ وَيَقْضِيَهُ فِي الشِّتَاءِ فَتْحٌ (رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۴۲۷، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

[3] وَكَذَلِكَ الرَّجُلُ إذَا لَدَغَتْهُ حَيَّةٌ فَأَفْطَرَ بِشُرْبِ الدَّوَاءِ قَالُوا إنْ كَانَ ذَلِكَ يَنْفَعُهُ فَلَا بَأْسَ بِهِ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲، ص۳۰۴، كِتَابُ الصَّوْمِ)

[4] إذا ثبت هذا :فنقول المريض إذا خاف على نفسه التلف، أو ذهاب عضو منه يفطر بالإجماع، وإن خاف زيادة العلة وامتداده، فكذلك عندنا، وعليه القضاء إذا أفطر لقوله تعالى: (ومن كان مريضاً أو على سفر، فعدة من أيام أخر) وقال في الأصل : إذا خافت الحامل أو المرضع على أنفسهما، أو ولدهما جاز الفطر، وعليهما القضاء ، وهو بناءً على ما قلنا (المحيط البرهاني، ج۲، ص۳۹۱، كتاب الصوم، الفصل السابع) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبرے...... جس بیماری یا عذر کی وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز ہے، اس کا وہم کے درجہ میں ہونا معتبر نہیں، بلکہ غالب گمان کے درجہ میں ہونا ضروری ہے، جس کی پہچان کا طریقہ فقہائے کرام نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یا تو کسی علامت سے معلوم ہو، یا خود روزہ رکھنے سے بیماری پیدا ہونے کا تجربہ ہو چکا ہو، یا مسلمان ماہر طبیب وڈاکٹر کی رائے سے معلوم ہوا ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قَوْلُهُ :وَلِلْحَامِلِ وَالْمُرْضِعِ إِذَا خَافَتَا عَلَى الْوَلَدِ أَوْ النَّفْسِ) أَيْ لَهُمَا الْفِطْرُ دَفْعًا لِلْحَرَجِ وَلِقَوْلِهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ الْمُسَافِرِ الصَّوْمَ وَشَطْرَ الصَّلَاةِ وَعَنْ الْحَامِلِ وَالْمُرْضِعِ الصَّوْمَ قَيَّدَ بِالْخَوْفِ بِمَعْنَى غَلَبَةِ الظَّنِّ بِتَجْرِبَةٍ أَوْ إِخْبَارِ طَبِيبٍ حَاذِقٍ مُسْلِمٍ كَمَا فِي الْفَتَاوَى الظَّهِيرِيَّةِ عَلَى مَا قَدَّمْنَاهُ؛ لِأَنَّهَا لَوْ لَمْ تَخَفْ لَا يُرَخَّصُ لَهَا الْفِطْرُ(البحر الرائق، ج۲ ص۳۰۷، فصل فی عوارض الفطر فی رمضان)

[1] اور ایک قول کے مطابق طبیب وڈاکٹر کا ماہرِ فن اور مسلمان ہونے کے ساتھ عادل وثقہ ہونا بھی ضروری ہے، جبکہ بعض نے دوسرے ایسے مسلمان شخص کی رائے کو بھی معتبر قرار دیا ہے، جو طبیب تو نہ ہو، لیکن اسی طرح کے مرض میں مبتلیٰ ہو کر تجربہ کر چکا ہو۔

آج کل ثقہ وعادل ڈاکٹروں کا میسر آنا مشکل ہوتا ہے، اس لئے ایسی صورت میں طبیب کا مسلمان ہونا کافی ہے، اور اگر کسی کو مسلمان ماہر طبیب میسر نہ ہو، اور غیر مسلم ماہر طبیب کی رائے روزہ نہ رکھنے کی ہو، تو ایسی صورت میں دوسرے قرائن اور مسلمان تجربہ کاروں کی رائے کو شامل کر کے غلبۂ ظن حاصل کرنا چاہئے، اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے، تو پھر روزہ رکھنا چاہئے، پھر اگر روزہ رکھنے کے بعد غیر معمولی تکلیف ظاہر ہو، تو اسے روزہ توڑ دینا جائز ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔

ثُمَّ مَعْرِفَةُ ذَلِكَ بِاجْتِهَادِ الْمَرِيضِ وَالِاجْتِهَادُ غَيْرُ مُجَرَّدِ الْوَهْمِ بَلْ هُوَ غَلَبَةُ الظَّنِّ عَنْ أَمَارَةٍ أَوْ تَجْرِبَةٍ أَوْ بِإِخْبَارِ طَبِيبٍ مُسْلِمٍ غَيْرِ ظَاهِرِ الْفِسْقِ كَذَا فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ (الفتاویٰ الهندية، ج۱ ص۲۰۷، كتاب الصوم، الْبَابُ الْخَامِسُ)

وَمَعْرِفَةُ ذَلِكَ إِمَّا أَنْ تَكُونَ بِاجْتِهَادِهِ بِأَنْ يَعْلَمَ مِنْ نَفْسِهِ أَنَّ حُمَّاهُ زَادَ شِدَّةً أَوْ عَيْنَهُ وَجَعًا وَإِمَّا بِقَوْلِ طَبِيبٍ حَاذِقٍ مُسْلِمٍ (العناية شرح الهداية، ج۲، ص۳۵۰، كتاب الصوم، بَابُ مَا يُوجِبُ الْقَضَاءَ وَالْكَفَّارَةَ، فصل فی العوارض)

وذكر الإمام المحبوبی طريق معرفة ذلك إما باجتهاده أو بقول طبيب حاذق، وقال القاضی :إسلام الطبيب شرط (البناية شرح الهداية، ج۴، ص۷۶، صوم رمضان، فصل أحكام المريض والمسافر فی الصيام، المفاضلة بين صوم المريض والمسافر وفطرهما)

ثُمَّ مَعْرِفَةُ ذَلِكَ بِاجْتِهَادِ الْمَرِيضِ وَالِاجْتِهَادُ غَيْرُ مُجَرَّدِ الْوَهْمِ بَلْ هُوَ غَلَبَةُ الظَّنِّ عَنْ أَمَارَةٍ أَوْ تَجْرِبَةٍ أَوْ بِإِخْبَارِ طَبِيبٍ مُسْلِمٍ غَيْرِ ظَاهِرِ الْفِسْقِ وَقِيلَ عَدَالَتُهُ شَرْطٌ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲، ص۳۰۴، كِتَابُ الصَّوْمِ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۸...... اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ وہ رمضان میں روزہ رکھتا ہے، تو کمزوری ہوجانے کی وجہ سے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے پر قادر نہیں ہوتا، اور روزہ نہیں رکھتا تو کھڑے ہوکر نماز پڑھنے پر قادر ہوتا ہے، تو اسے روزہ رکھنا چاہئے، اور نماز بیٹھ کر پڑھنی چاہئے، تاکہ دونوں عبادتیں اپنی اپنی جگہ ادا ہوجائیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر۹...... اگر کسی غازی ومجاہد کو یقین یا غالب گمان سے معلوم ہوجائے کہ رمضان میں اس کو کافروں سے لڑنا اور قتال کرنا پڑے گا اور روزہ رکھنے کی صورت میں اس کو کمزوری اور قتال کرنے میں کمی آنے کا خوف ہو، تو اس کو بیمار ومریض کی طرح قتال شروع ہونے سے پہلے روزہ نہ رکھنا یا روزہ رکھنے کے بعد قتال کے لئے توڑ دینا جائز ہے، خواہ وہ مسافر ہو یا مقیم ہو، پھر اگر روزہ توڑ دینے کے بعد اس روز قتال کا اتفاق نہ ہوا، تب بھی اس پر اس روزے کی صرف قضا واجب ہوگی۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ والخوف المعتبر "لإباحة الفطر طريق معرفته أمران أحدهما "ما كان مستندا "فيه "لغلبة الظن "فإنها بمنزلة اليقين "بتجربة "سابقة والثانى قوله "أو إخبار طبيب " مسلم حاذق عدل عالم بداء كذا فى البرهان وقال الكمال مسلم حاذق غير ظاهر الفسق وقيل عدالته شرط(مراقى الفلاح شرح نورالايضاح، ص۲۵۸، فصل فى العوارض)

قوله" :بتجربة "ولو كانت من غير المريض عند اتحاد المرض ذكره السيد فى الحاشية وزاد فى البحر غلبة الظن الصادرة بأمارة ظهرت له باجتهاد والاجتهاد غير مجرد الوهم اهـ قوله " :مسلم" جرى على التقييد بالإسلام فى الظهيرية حيث قال وهو عندى محمول على المسلم دون الكافر كمسلم شرع فى الصلاة بالتيمم فوعده كافر بالماء لا يقطع فلعل غرضه إفساد الصلاة عليه فكذا فى الصوم وفيه إيماء إلى أنه يجوز أن يستطب بالكافر فيما ليس فيه إبطال عبادة بحر ونهر قوله: "حاذق "أى له معرفة تامة فى الطب فلا يجوز تقليد من له أدنى معرفة فيه قوله" :عدل "جزم باشتراط العدالة الزيلعى وظاهر ما فى البحر والنهر كالفتح ضعفه(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح شرح نورالايضاح، ص۶۸۵، فصل فى العوارض)

[۱] وَفِي الظَّهِيرِيَّةِ رَجُلٌ لَوْ صَامَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ لَا يُمْكِنُهُ أَنْ يُصَلِّيَ قَائِمًا وَإِذَا أَفْطَرَ يُمْكِنُهُ أَنْ يُصَلِّيَ قَائِمًا فَإِنَّهُ يَصُومُ وَيُصَلِّي قَاعِدًا جَمْعًا بَيْنَ الْعِبَادَتَيْنِ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲،ص ۳۰۴، كِتَابُ الصَّوْمِ)

[۲] عَنْ رَبِيعَةَ، قَالَ :حَدَّثَنِي قَزَعَةُ، قَالَ :أَتَيْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَهُوَ مَكْثُورٌ عَلَيْهِ، فَلَمَّا تَفَرَّقَ النَّاسُ عَنْهُ، قُلْتُ :إِنِّي لَا أَسْأَلُكَ عَمَّا يَسْأَلُكَ هَؤُلَاءِ عَنْهُ سَأَلْتُهُ :عَنِ الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ؟

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۰...... اگر محنت کش مزدور یا پیشہ ور شخص (مثلاً بھٹی جھوکنے، روٹی پکانے والے) کو روزہ رکھ کر کام کاج کرنے میں غیر معمولی بھوک، پیاس کی تکلیف اور کمزوری ہوتی ہو، جس کی وجہ سے کام کاج نہ ہوتا ہو، تو اگر یہ کام چھوڑ کر یا ہلکا پھلکا کام کر کے یا دوسرے اوقات میں کام کر کے گزارہ ہوسکتا ہو، تو روزہ چھوڑنے کی گنجائش نہیں، اور ایسا ممکن نہ ہو اور یہ غریب آدمی ہے، گزر بسر کا کوئی انتظام نہیں، تو اس کو روزہ چھوڑنا اور بعد میں قدرت ہونے پر روزہ کی قضا کر لینا جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فَقَالَ :سَافَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مَكَّةَ وَنَحْنُ صِيَامٌ، قَالَ :فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّكُمْ قَدْ دَنَوْتُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ، وَالْفِطْرُ أَقْوَى لَكُمْ فَكَانَتْ رُخْصَةً، فَمِنَّا مَنْ صَامَ، وَمِنَّا مَنْ أَفْطَرَ، ثُمَّ نَزَلْنَا مَنْزِلًا آخَرَ، فَقَالَ :إِنَّكُمْ مُصَبِّحُو عَدُوِّكُمْ، وَالْفِطْرُ أَقْوَى لَكُمْ، فَأَفْطِرُوا وَكَانَتْ عَزْمَةً، فَأَفْطَرْنَا، ثُمَّ قَالَ :لَقَدْ رَأَيْتُنَا نَصُومُ، مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ، فِي السَّفَرِ(مسلم،رقم الحديث ۱۱۲۰ ”۱۰۲“)

وَقَالُوا الْغَازِي إِذَا كَانَ يَعْلَمُ يَقِينًا أَنَّهُ يُقَاتِلُ الْعَدُوَّ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ وَيَخَافُ الضَّعْفَ إِنْ لَمْ يُفْطِرْ يُفْطِرُ قَبْلَ الْحَرْبِ مُسَافِرًا كَانَ أَوْ مُقِيمًا(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲، ص۳۰۴، كِتَابُ الصَّوْمِ)

[1] وَقَالَ الرَّمْلِيُّ :وَفِي جَامِعِ الْفَتَاوَى وَلَوْ ضَعُفَ عَنْ الصَّوْمِ لِاشْتِغَالِهِ بِالْمَعِيشَةِ فَلَهُ أَنْ يُفْطِرَ وَيُطْعِمَ لِكُلِّ يَوْمٍ نِصْفَ صَاعٍ اهـ أَيْ إذَا لَمْ يُدْرِكْ عِدَّةً مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُمْكِنُهُ الصَّوْمُ فِيهَا وَإِلَّا وَجَبَ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ ، وَعَلَى هَذَا الْحَصَادِ إذَا لَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ مَعَ الصَّوْمِ وَيَهْلَكُ الزَّرْعُ بِالتَّأْخِيرِ لَا شَكَّ فِي جَوَازِ الْفِطْرِ وَالْقَضَاءِ وَكَذَا الْخَبَّازُ، وَقَوْلُهُ كَذَبَ إلَخْ فِيهِ نَظَرٌ، فَإِنَّ طُولَ النَّهَارِ وَقِصَرَهُ لَا دَخْلَ لَهُ فِي الْكِفَايَةِ، فَقَدْ يَظْهَرُ صِدْقُهُ فِي قَوْلِهِ لَا يَكْفِينِي فَيُفَوَّضُ إلَيْهِ حَمْلًا لِحَالِهِ عَلَى الصَّلَاحِ تَأَمَّلْ اهـ كَلَامُ الرَّمْلِيِّ :أَيْ لِأَنَّ الْحَاجَةَ تَخْتَلِفُ صَيْفًا وَشِتَاءً وَغَلَاءً وَرُخْصًا وَقِلَّةَ عِيَالٍ وَضِدَّهَا، وَلَكِنْ مَا نَقَلَهُ عَنْ جَامِعِ الْفَتَاوَى صَوَّرَهُ فِي نُورِ الْإِيضَاحِ وَغَيْرِهِ بِمَنْ نَذَرَ صَوْمَ الْأَبَدِ، وَيُؤَيِّدُهُ إطْلَاقُ قَوْلِهِ يُفْطِرُ وَيُطْعِمُ وَكَلَامُنَا فِي صَوْمِ رَمَضَانَ .وَالَّذِي يَنْبَغِي فِي مَسْأَلَةِ الْمُحْتَرِفِ حَيْثُ كَانَ الظَّاهِرُ أَنَّ مَا مَرَّ مِنْ تَفَقُّهَاتِ الْمَشَايِخِ لَا مِنْ مَنْقُولِ الْمَذْهَبِ أَنْ يُقَالَ إذَا كَانَ عِنْدَهُ مَا يَكْفِيه وَعِيَالَهُ لَا يَحِلُّ لَهُ الْفِطْرُ؛ لِأَنَّهُ يَحْرُمُ عَلَيْهِ السُّؤَالُ مِنْ النَّاسِ فَالْفِطْرُ أَوْلَى وَإِلَّا فَلَهُ الْعَمَلُ بِقَدْرِ مَا يَكْفِيه، وَلَوْ أَدَّاهُ إلَى الْفِطْرِ يَحِلُّ لَهُ إذَا لَمْ يُمْكِنْهُ الْعَمَلُ فِي غَيْرِ ذَلِكَ مِمَّا لَا يُؤَدِّيه إلَى الْفِطْرِ وَكَذَا لَوْ خَافَ هَلَاكَ زَرْعِهِ أَوْ سَرِقَتِهِ وَلَمْ يَجِدْ مَنْ يَعْمَلُ لَهُ بِأُجْرَةِ الْمِثْلِ، وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهَا؛ لِأَنَّ لَهُ قَطْعَ الصَّلَاةِ لِأَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ لَكِنْ لَوْ كَانَ آجَرَ نَفْسَهُ فِي الْعَمَلِ مُدَّةً مَعْلُومَةً فَجَاءَ رَمَضَانُ فَالظَّاهِرُ أَنَّ لَهُ الْفِطْرَ وَإِنْ كَانَ عِنْدَهُ مَا يَكْفِيه إذَا لَمْ يَرْضَ الْمُسْتَأْجِرُ بِفَسْخِ الْإِجَارَةِ كَمَا فِي الظِّئْرِ، فَإِنَّهُ يَجِبُ عَلَيْهَا الْإِرْضَاعُ بِالْعَقْدِ، وَيَحِلُّ لَهَا الْإِفْطَارُ إذَا خَافَتْ عَلَى الْوَلَدِ فَيَكُونُ خَوْفُهُ عَلَى نَفْسِهِ أَوْلَى تَأَمَّلْ هَذَا مَا ظَهَرَ لِي وَاَللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ (ردالمحتار، ج۲ص۴۲۰، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

مسئلہ نمبر۱۱...... جو مریض ومعذور رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتا، تو اسے عذر زائل ہونے کے بعد روزوں کی قضا کرنی چاہیئے، البتہ اگر عذر زائل ہونے کے بعد کوئی فوت ہوگیا، اور اس کو روزوں کی قضا کا موقع نہیں مل سکا، تو وہ عنداللہ معذور اور نا قابلِ مؤاخذہ ہے۔

اور اگر عذر زائل ہونے کے بعد کچھ روزے رکھنے کا موقع ملا، اور کچھ روزے رکھنے کا موقع نہیں ملا، تو جتنے روزے رکھنے کا موقع ملا، اتنے روزے رکھنا ضروری ہے، ورنہ وہ گناہ گار ہوکر فوت ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۲...... بعض لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں مگر وہ اپنی ذرا سی کم ہمتی کی وجہ سے روزہ چھوڑ دیتے ہیں، اور وہ اس خیال اور وہم میں مبتلا رہتے ہیں کہ اگر ہم نے روزہ رکھ لیا تو برداشت نہیں ہوگا، حالانکہ یہ لوگ صحت مند ہوتے ہیں، اگر تھوڑی سی ہمت کریں تو وہ بآسانی روزہ رکھ سکتے ہیں۔

اس طرزِ عمل کی اصلاح کرنی چاہیئے۔ [2]

مسئلہ نمبر۱۳...... بعض لوگ صرف اس وجہ سے کہ رمضان کا مہینہ گرمی کے موسم میں واقع ہو رہا ہوتا ہے، بلاشرعی عذر کے روزہ چھوڑ دیتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ رمضان کا مہینہ گذرنے کے بعد سردی کے موسم میں ادا کرلیں گے، حالانکہ روزہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے رمضان کا مہینہ مقرر کردیا ہے، خواہ وہ گرمی میں آئے یا سردی میں، اس لئے روزہ وقت پر ہی رکھنا چاہیئے۔

بعض طلباء امتحانات کی تیاری کی وجہ سے روزہ چھوڑ دیتے ہیں یا توڑ دیتے ہیں، حالانکہ وہ

---

[1] وَمن أفطر لشَيْء من الْعذر ثمَّ زَالَ الْعذر فَعَلَيهِ الْقَضَاء بِعَدَد الْأَيَّام الَّتِي يَزُول عَنهُ الْعذر فِيهَا، وَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاء مَا لم يزل الْعذر عَنهُ فِيهَا حَتَّى إِن الْمُسَافِر إِذا مَاتَ فِي السّفر وَالْمَرِيض قبل الْبُرْء لَا يجب عَلَيْهِمَا الْقَضَاء لِأَن الْعَاجِز لَا يُكَلف وَإِن أدْركَا بِعَدَد مَا فاتهما يلْزمهُمَا الْقَضَاء وَإِذا مَاتَا قبل الْقَضَاء يجب عَلَيْهِمَا الْفِدْيَة (تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۳۵۹، کتاب الصوم)

[2] ثُمَّ مَعْرِفَةُ ذَلِكَ بِاجْتِهَادِ الْمَرِيضِ وَالِاجْتِهَادُ غَيْرُ مُجَرَّدِ الْوَهْمِ بَلْ هُوَ غَلَبَةُ الظَّنِّ عَنْ أَمَارَةٍ أَوْ تَجْرِبَةٍ أَوْ بِإِخْبَارِ طَبِيبٍ مُسْلِمٍ غَيْرِ ظَاهِرِ الْفِسْقِ كَذَا فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ (الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص ۲۰۷، کتاب الصوم، الْبَابُ الْخَامِسُ)

معمولی سی مشقت کے ساتھ روزہ رکھنے پر قادر ہوتے ہیں، اسی طرح بعض نوجوان مختلف کھیلوں میں مصروف ہونے کی وجہ سے بھی روزہ نہیں رکھتے، اس قسم کے اعذار وخیالات شریعت کی نظر میں معتبر نہیں ہیں۔ [1]

(۲)...... مقیم ہونا (مقیم اور مسافر کے روزہ کے احکام)

رمضان کا روزہ رکھنے کے فرض ہونے کے لئے مقیم ہونا بھی شرط ہے، اگر کوئی شخص مسافر ہو، تو اس پر روزہ رکھنا فرض نہیں ہے، بلکہ اسے بعد میں روزہ کی قضا کر لینے کی اجازت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (سورة البقرة آيت ۱۸۴)

ترجمہ: پس جو تم میں سے مریض ہو، یا سفر میں ہو، تو اسے دوسرے دنوں میں (روزہ) رکھ لینے کی گنجائش ہے (سورہ بقرہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَأَصُوْمُ فِي السَّفَرِ؟ وَكَانَ كَثِيْرَ الصِّيَامِ، فَقَالَ: إِنْ شِئْتَ فَصُمْ، وَإِنْ

---

[1] وإن أجهد الإنسان بالشغل نفسه ... .فأفطر فی التكفير قولين سطروا.
قال المؤلف فی شرحها صورتها صائم أتعب نفسه فی عمل حتى أجهده العطش فأفطر لزمته الكفارة وقيل لا تلزمه وبه أفتى البقالی وهذا بخلاف الأمة إذا أجهدت نفسها لأنها معذورة تحت قهر المولی ولها أن تمتنع من ذلک وكذا العبد كذا فی تحفة الأخيار (حاشية الطحطاوی على المراقی، ص ۶۶۹، كتاب الصوم، فصل فی الكفارة ومايسقطها من الذمة)
فَإِنْ لَمْ يَكُنْ الْحُرُّ مَرِيضًا لَكِنَّهُ أَجْهَدَ نَفْسَهُ بِالْعَمَلِ حَتَّى مَرِضَ فَأَفْطَرَ قِيلَ: تَلْزَمُهُ الْكَفَّارَةُ وَقِيلَ لَا تَلْزَمُهُ كَمَا فِي شَرْحِ الْمَنْظُومَةِ وَقَالَ فِي الْمُبْتَغَى الْعَطَشُ الشَّدِيدُ وَالْجُوعُ الَّذِي يُخَافُ مِنْهُ الْهَلَاكُ يُبِيحُ الْإِفْطَارَ أَيْ إذَا لَمْ يَكُنْ بِإِتْعَابِ نَفْسِهِ لِقَوْلِهِ بَعْدَهُ وَمَنْ أَتْعَبَ نَفْسَهُ فِي شَيْءٍ أَوْ عَمَلٍ حَتَّى أَجْهَدَهُ الْعَطَشُ فَأَفْطَرَ كَفَّرَ وَقِيلَ لَا اهـ (حاشية الشرنبلالی على درر الحكام شرح غرر الاحكام، ج ۱ ص ۲۰۸، كتاب الصوم)

شِئْتَ فَأَفْطِرْ (بخاری) [۱]

ترجمہ: حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا میں سفر میں روزہ رکھ لوں؟ اور وہ کثرت سے روزہ رکھا کرتے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو روزہ رکھ لیں، اور اگر آپ چاہیں تو روزہ نہ رکھیں (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ، وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ (بخاری) [۲]

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے، تو روزہ رکھنے والا شخص روزہ نہ رکھنے والے شخص پر کوئی عیب نہیں لگاتا تھا، اور نہ ہی روزہ نہ رکھنے والا شخص روزہ رکھنے والے پر کوئی عیب لگایا کرتا تھا (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر سفر میں کوئی روزہ نہ رکھے، تو بھی کوئی عیب کی بات نہیں، اور اگر کوئی روزہ رکھ لے، تو بھی کوئی عیب کی بات نہیں۔

حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَجِدُ بِيْ قُوَّةً عَلَى الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ، فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هِيَ رُخْصَةٌ مِّنَ اللّٰهِ، فَمَنْ أَخَذَ بِهَا، فَحَسَنٌ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّصُوْمَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ (مسلم) [۳]

---

[۱] رقم الحديث ۱۹۴۳، كتاب الصوم، باب الصوم فى السفر والإفطار.

[۲] رقم الحديث ۱۹۴۷، كتاب الصوم، باب: لم يعب أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم بعضهم بعضا فى الصوم والإفطار.

[۳] رقم الحديث ۱۱۲۱ "۱۰۷" كتاب الصيام، باب التخيير فى الصوم والفطر فى السفر.

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں سفر میں روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہوں، تو کیا مجھ پر (سفر میں روزہ رکھنے کی وجہ سے) کوئی گناہ ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ (سفر میں روزہ نہ رکھنا) اللہ کی طرف سے رخصت ہے، جو اس کو اختیار کرے، تو اچھی بات ہے، اور جو روزہ رکھنا چاہے، تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے، جو اس رخصت کو اختیار کرے، تو اس میں نہ یہ کہ کوئی برائی نہیں، بلکہ اچھی بات ہے، اور اگر کوئی روزہ رکھ لے تو بھی کوئی گناہ نہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ، فَرَأٰى زِحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: مَا هٰذَا؟ فَقَالُوْا: صَائِمٌ، فَقَالَ: لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے، تو آپ نے (ایک جگہ لوگوں کا) ہجوم دیکھا، اور ایک آدمی کو دیکھا کہ اس پر سایہ کیا جا رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے کیا ہو گیا؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ یہ روزہ دار ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا کوئی بھلائی کا کام نہیں ہے (بخاری، مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو سفر میں روزہ رکھنے سے مشقت پیش آتی ہو تو روزہ رکھنا کوئی کارِ خیر نہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحدیث ۱۹۴۶، کتاب الصوم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لمن ظلل علیہ واشتد الحر لیس من البر الصوم فی السفر، واللفظ لہٗ، مسلم، رقم الحدیث ۱۱۱۵ "۹۲".

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلٰی مَکَّۃَ عَامَ الْفَتْحِ، فَصَامَ حَتّٰی بَلَغَ کُرَاعَ الْغَمِیْمِ، وَصَامَ النَّاسُ مَعَہٗ، فَقِیْلَ لَہٗ: إِنَّ النَّاسَ قَدْ شَقَّ عَلَیْہِمُ الصِّیَامُ، وَإِنَّ النَّاسَ یَنْظُرُوْنَ فِیْمَا فَعَلْتَ، فَدَعَا بِقَدَحٍ مِّنْ مَّاءٍ بَعْدَ الْعَصْرِ، فَشَرِبَ، وَالنَّاسُ یَنْظُرُوْنَ إِلَیْہِ، فَأَفْطَرَ بَعْضُہُمْ، وَصَامَ بَعْضُہُمْ، فَبَلَغَہٗ أَنَّ نَاسًا صَامُوْا، فَقَالَ: أُولٰئِکَ الْعُصَاۃُ (ترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکہ کے سال (مدینہ سے) مکہ کی طرف نکلے، اور آپ نے روزہ رکھا، یہاں تک کہ آپ "کراعِ غمیم" (مقام) تک پہنچ گئے، اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ روزہ رکھا ہوا تھا، آپ سے عرض کیا گیا کہ لوگوں پر روزہ شاق گزر رہا ہے، اور لوگوں کی آپ کے عمل پر نظر ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد پانی کا ایک پیالہ منگایا، پھر آپ نے پانی پیا، اور لوگ آپ کو دیکھ رہے تھے، بعض لوگوں نے تو روزہ توڑ دیا، اور بعضوں نے روزہ نہیں توڑا، پھر آپ کو معلوم ہوا کہ بعض لوگوں نے (ابھی تک) روزہ رکھا ہوا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ گناہ گار لوگ ہیں (ترمذی)

اسی قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۷۱۰، ابواب الصوم، باب ما جاء فی کراهیة الصوم فی السفر.

[2] عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ " :خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ صَائِمًا فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، فَلَمَّا أَتَى قُدَيْدًا أَفْطَرَ، فَلَمْ يَزَلْ مُفْطِرًا حَتَّى دَخَلَ مَكَّةَ(مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۳۲۰۹، واللفظ لهٗ، سنن النسائی ، رقم الحديث ۲۳۱۳)

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير مقسم، فقد روى له البخاری حديثاً واحداً، وهو ثقة.

قال الترمذی: وَفِي البَابِ عَنْ كَعْبِ بْنِ عَاصِمٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ :.حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ :لَيْسَ مِنَ البِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ، فَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ :أَنَّ الفِطْرَ فِي السَّفَرِ أَفْضَلُ، حَتَّى رَأَى بَعْضُهُمْ عَلَيْهِ الإِعَادَةَ إِذَا صَامَ فِي السَّفَرِ، وَاخْتَارَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ اگر سفر میں کسی کو روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو، اور روزہ کی وجہ سے غیر معمولی مشقت پیش آتی ہو، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی رخصت کو چھوڑ کر روزہ رکھنے کی مشقت میں پڑنا اچھی بات نہیں۔ [1]

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی نے روزہ رکھ لیا، اور پھر سفر شروع کیا، اور سفر میں روزہ کی وجہ سے غیر معمولی مشقت پیش آئی، تو اسے روزہ توڑ دینا جائز ہے، اور اس پر روزہ کی قضا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ الفِطْرَ فِي السَّفَرِ "وقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ :إِنْ وَجَدَ قُوَّةً فَصَامَ فَحَسَنٌ، وَهُوَ أَفْضَلُ، وَإِنْ أَفْطَرَ فَحَسَنٌ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ المُبَارَكِ "، وقَالَ الشَّافِعِيُّ :وَإِنَّمَا مَعْنَى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَ البِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ، وَقَوْلِهِ حِينَ بَلَغَهُ أَنَّ نَاسًا صَامُوا، فَقَالَ :أُولَئِكَ العُصَاةُ، فَوَجْهُ هَذَا إِذَا لَمْ يَحْتَمِلْ قَلْبُهُ قَبُولَ رُخْصَةِ اللَّهِ، فَأَمَّا مَنْ رَأَى الفِطْرَ مُبَاحًا وَصَامَ، وَقَوِيَ عَلَى ذَلِكَ، فَهُوَ أَعْجَبُ إِلَيَّ(تحت رقم الحديث ۷۱۰)

[1] (فبلغه أن ناسا صاموا، فقال أولئك العصاة) . وأخرجه مسلم والنسائی أيضا. وأخرج فی الباب الثانی حديث عائشة عن حمزة بن عمرو الأسلمی، وقد مر فيما مضى عن قريب، وقال فی الباب الأول :وقوله :(حين بلغ، بلغه أن ناسا صاموا :أولئک العصاة) . فوجه هذا إذا لم يحتمل قلبه قبول رخصة الله تعالى، فأما من رأى الفطر مباحا وصام وقوى على ذلک فهو أعجب إلی .وقال النووی :هو محمول على أن من تضرر بالصوم، أو أنهم أمروا بالفطر أمرا جازما لمصلحة بيان جوازه، فخالفوا الواجب .قال: وعلى التقديرين لا يكون الصائم اليوم فی السفر عاصيا إذا لم يتضرر به .فإن قلت : كيف صام بعض الصحابة؟ بل أفضلهم وهو أبو بكر وعمر رضی الله تعالى عنهما، على ما فی حديث أبی هريرة الذی رواه النسائی من رواية الأوزاعی عن يحيى عن أبی سلمة عنه، قال :(أتى النبی، صلى الله عليه وسلم، بطعام بمر الظهران، فقال لأبی بكر وعمر: أدنيا فكلا، فقالا :إنا صائمان .قال :أرحلوا لصاحبيكم، إعملوا لصاحبيكم) . انتهى. بعد أمره صلى الله عليه وسلم لهم بالإفطار .قلت :ليس فی حديث جابر أنه أمرهم بالإفطار، وكذلک هو عند من خرج من الأئمة الستة وأنهم صاموا بعد إفطار النبی صلى الله عليه وسلم وأما صوم أبی بكر وعمر بمر الظهران فهو بعد عسفان وكراع الغميم، فليس فيه أن هذا كان فی غزوة الفتح، هذه، وإن كان الظاهر أنه فيها، فإنهما فهما أن فطره صلى الله عليه وسلم كان ترخصا ورفقا بهم، وظنا أن بهما قوة على الصيام، فأراد النبی صلى الله عليه وسلم، والله أعلم، حسم ذلک لئلا يقتدی بهما أحد، فأمرهما بالإفطار(عمدة القاری للعينی، ج ۱۱ ص۴۷،باب إذا صام أياما من رمضان ثم سافر)

لازم ہے۔ ل

ل قلت أَرَأَيت رجلا مُسَافِرًا أصبح صَائِما فِي شهر رَمَضَان ثمَّ أفطر قَالَ عَلَيْهِ الْقَضَاء وَلَا كَفَّارَة عَلَيْهِ. مُحَمَّد قَالَ أخبرنَا أَبُو حنيفَة عَن مُسلم الْأَعْوَر عَن أنس بن مَالك عَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَنه خرج من الْمَدِينَة إِلَى مَكَّة فِي شهر رَمَضَان فَشَكا إِلَيْهِ النَّاس فِي بعض الطَّرِيق الْجهد فَأفْطر حَتَّى أَتَى مَكَّة. مُحَمَّد عَن أبي حنيفَة عَن الْهَيْثَم عَن أنس بن مَالك أَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم خرج من الْمَدِينَة إِلَى مَكَّة فِي شهر رَمَضَان لليلتين خلتا من شهر رَمَضَان فصَام حَتَّى إِذا أَتَى قديدا شكا إِلَيْهِ النَّاس الْجهد فَأفْطر بقديد ثمَّ لم يزل مُفطرا حَتَّى أَتَى مَكَّة فَأَي ذَلِك فعلت فَحسن إِن صمت فقد صَامَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَإِن أفطرت فقد أفطر النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَإِن سَافَرت فِي شهر رَمَضَان (الأصل المعروف بالمبسوط للشيباني، كتاب الصَّوْم، ج۲، ص۲۰۶ تا ۲۰۸، الناشر: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية -كراتشي)

فَلَمَّا بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيمِ هُوَ بِضَمِّ الْكَافِ وَالْغَمِيمُ بِفَتْحِ الْمُعْجَمَةِ وَهُوَ اسْمُ وَادٍ أَمَامَ عُسْفَانَ قَالَ عِيَاضٌ اخْتَلَفَتِ الرِّوَايَاتُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي أَفْطَرَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ وَالْكُلُّ فِي قِصَّةٍ وَاحِدَةٍ وَكُلُّهَا مُتَقَارِبَةٌ وَالْجَمِيعُ مِنْ عَمَلِ عُسْفَانَ اه وَسَيَأْتِي فِي الْمَغَازِي مِنْ طَرِيقِ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ سِيَاقُ هَذَا الْحَدِيثِ أَوْضَحَ مِنْ رِوَايَةِ مَالِكٍ وَلَفْظُ رِوَايَةِ مَعْمَرٍ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ مِنَ الْمَدِينَةِ وَمَعَهُ عَشَرَةُ آلَافٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَذَلِكَ عَلَى رَأْسِ ثَمَانِ سِنِينَ وَنِصْفٍ مِنْ مُقَدَّمَةِ الْمَدِينَةِ فَسَارَ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَصُومُ وَيَصُومُونَ حَتَّى بَلَغَ الْكَدِيدَ فَأَفْطَرَ وَأَفْطَرُوا قَالَ الزُّهْرِيُّ وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْآخِرَةِ فَالْآخِرَةِ مِنْ أَمْرِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَذِهِ الزِّيَادَةُ الَّتِي فِي آخِرِهِ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ وَقَعَتْ مُدْرَجَةً عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ طَرِيقِ اللَّيْثِ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَلَفْظُهُ حَتَّى بَلَغَ الْكَدِيدَ أَفْطَرَ قَالَ وَكَانَ صَحَابَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّبِعُونَ الْأَحْدَثَ فَالْأَحْدَثَ مِنْ أَمْرِهِ وَأَخْرَجَهُ مِنْ طَرِيقِ سُفْيَانَ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ مِثْلَهُ قَالَ سُفْيَانُ لَا أَدْرِي مِنْ قَوْلِ مَنْ هُوَ ثُمَّ أَخْرَجَهُ مِنْ طَرِيقِ مَعْمَرٍ وَمِنْ طَرِيقِ يُونُسَ كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ وَبَيَّنَا أَنَّهُ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ وَبِذَلِكَ جَزَمَ الْبُخَارِيُّ فِي الْجِهَادِ وَظَاهِرُهُ أَنَّ الزُّهْرِيَّ ذَهَبَ إِلَى أَنَّ الصَّوْمَ فِي السَّفَرِ مَنْسُوخٌ وَلَمْ يُوَافِقْ عَلَى ذَلِكَ كَمَا سَيَأْتِي قَرِيبًا وَأَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ فِي الْمَغَازِي أَيْضًا مِنْ طَرِيقِ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ وَالنَّاسُ صَائِمٌ وَمُفْطِرٌ فَلَمَّا اسْتَوَى عَلَى رَاحِلَتِهِ دَعَا بِإِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ أَوْ مَاءٍ فَوَضَعَهُ عَلَى رَاحِلَتِهِ ثُمَّ نَظَرَ النَّاسُ زَادَ فِي رِوَايَةٍ أُخْرَى مِنْ طَرِيقِ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَشَرِبَ نَهَارًا لِيَرَاهُ النَّاسُ وَأَخْرَجَهُ الطَّحَاوِيُّ مِنْ طَرِيقِ أَبِي الْأَسْوَدِ عَنْ عِكْرِمَةَ أَوْضَحَ مِنْ سِيَاقِ خَالِدٍ وَلَفْظُهُ فَلَمَّا بَلَغَ الْكَدِيدَ بَلَغَهُ أَنَّ النَّاسَ يَشُقُّ عَلَيْهِمُ الصِّيَامُ فَدَعَا بِقَدَحٍ مِنْ لَبَنٍ فَأَمْسَكَهُ بِيَدِهِ حَتَّى رَآهُ النَّاسُ وَهُوَ عَلَى رَاحِلَتِهِ ثُمَّ شَرِبَ فَأَفْطَرَ فَنَاوَلَهُ رَجُلًا إِلَى جَنْبِهِ فَشَرِبَ وَلِمُسْلِمٍ مِنْ طَرِيقِ الدَّرَاوَرْدِيِّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرٍ فِي هَذَا الْحَدِيثِ فَقِيلَ لَهُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ شَقَّ عَلَيْهِمُ الصِّيَامُ وَإِنَّمَا يَنْظُرُونَ فِيمَا فَعَلْتَ فَدَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ بَعْدَ الْعَصْرِ وَلَهُ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ جَعْفَرٍ ثُمَّ شَرِبَ فَقِيلَ لَهُ بَعْدَ ذَلِكَ إِنَّ بَعْضَ النَّاسِ قَدْ صَامَ فَقَالَ أُولَئِكَ الْعُصَاةُ وَاسْتُدِلَّ بِهَذَا الْحَدِيثِ عَلَى تَحَتُّمِ الْفِطْرِ فِي السَّفَرِ وَلَا دَلَالَةَ فِيهِ كَمَا سَيَأْتِي وَاسْتُدِلَّ بِهِ عَلَى أَنَّ لِلْمُسَافِرِ أَنْ يُفْطِرَ فِي أَثْنَاءِ النَّهَارِ وَلَوِ اسْتُهِلَّ رَمَضَانُ فِي الْحَضَرِ وَالْحَدِيثُ نَصٌّ فِي الْجَوَازِ إِذْ لَا خِلَافَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قرآن مجید کی مذکورہ آیت اوراحادیث کی روشنی میں فقہائے احناف نے جو مسائل بیان فرمائے ہیں، اب ان کو ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر۱...... اگر کوئی شرعی اعتبار سے مسافر ہو، یعنی ایسے سفر میں ہو جس میں اس کو نماز میں قصر کا حکم ہوتا ہے، تو اس پر روزہ رکھنا فرض نہیں۔

بالفاظِ دیگر جس مسافر پر نماز میں قصر کرنے کا حکم لاگو ہوتا ہے، اسی کو روزہ چھوڑنا جائز ہوتا ہے، یعنی نماز اور روزہ کے اعتبار سے شرعی سفر میں کوئی فرق نہیں، مگر بعد میں چھوٹے ہوئے روزہ کی قضا رکھنا ضروری ہے، اور حنفیہ کے نزدیک سفر خواہ جائز کام کے لئے ہو یا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أَنَّـهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَهَلَّ رَمَضَانَ فِي عَامِ غَزْوَةِ الْفَتْحِ وَهُوَ بِالْمَدِينَةِ ثُمَّ سَافر فِي اثنائه وَوَقع فِي رِوَايَة ابن إِسْحَاقَ فِي الْمَغَازِي عَنِ الزُّهْرِيِّ فِي حَدِيثِ الْبَابِ أَنَّهُ خَرَجَ لِعَشْرٍ مَضَيْنَ مِنْ رَمَضَانَ وَوَقَعَ فِي مُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ اخْتِلَافٌ مِنَ الرُّوَاةِ فِي ضَبْطِ ذٰلِكَ وَالَّذِي اتَّفَقَ عَلَيْهِ أَهْلُ السِّيَرِ أَنَّهُ خَرَجَ فِي عَاشِرِ رَمَضَانَ وَدَخَلَ مَكَّةَ لِتِسْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً خَلَتْ مِنْهُ وَاسْتُدِلَّ بِهِ عَلَى أَنَّ لِلْمَرْءِ أَنْ يُفْطِرَ وَلَوْ نَوَى الصِّيَامَ مِنَ اللَّيْلِ وَأَصْبَحَ صَائِمًا فَلَهُ أَنْ يُفْطِرَ فِي أَثْنَاءِ النَّهَارِ وَهُوَ قَوْلُ الْجُمْهُورِ وَقَطَعَ بِهِ أَكْثَرُ الشَّافِعِيَّةِ وَفِي وَجْهٍ لَيْسَ لَهُ أَنْ يُفْطِرَ وَكَأَنَّ مُسْتَنَدَ قَائِلِهِ مَا وَقَعَ فِي الْبُوَيْطِيِّ مِنْ تَعْلِيقِ الْقَوْلِ بِهِ عَلَى صِحَّةِ حَدِيثِ ابن عَبَّاسٍ هَذَا وَهَذَا كُلُّهُ فِيمَا لَوْ نَوَى الصَّوْمَ فِي السَّفَرِ فَأَمَّا لَوْ نَوَى الصَّوْمَ وَهُوَ مُقِيمٌ ثُمَّ سَافَرَ فِي أَثْنَاءِ النَّهَارِ فَهَلْ لَهُ أَنْ يُفْطِرَ فِي ذٰلِكَ النَّهَارِ مَنَعَهُ الْجُمْهُورُ وَقَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ بِالْجَوَازِ وَاخْتَارَهُ الْمُزَنِيُّ مُحْتَجًّا بِهَذَا الْحَدِيثِ فَقِيلَ لَهُ قَالَ كَذٰلِكَ ظَنًّا مِنْهُ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْطَرَ فِي الْيَوْمِ الَّذِي خَرَجَ فِيهِ مِنَ الْمَدِينَةِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ فَإِنَّ بَيْنَ الْمَدِينَةِ وَالْكَدِيدِ عِدَّةَ أَيَّامٍ وَقَدْ وَقَعَ فِي الْبُوَيْطِيِّ مِثْلُ مَا وَقَعَ عِنْدَ الْمُزَنِيِّ فَسَلَّمَ الْمُزَنِيُّ وَأَبْلَغُ مِنْ ذٰلِكَ مَا رَوَاهُ ابن أَبِي شَيْبَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَرَادَ السَّفَرَ يُفْطِرُ فِي الْحَضَرِ قَبْلَ أَنْ يَرْكَبَ ثُمَّ لَا فَرْقَ عِنْدَ الْمُجِيزِينَ فِي الْفِطْرِ بِكُلِّ مُفْطِرٍ وَفَرَّقَ أَحْمَدُ فِي الْمَشْهُورِ عَنْهُ بَيْنَ الْفِطْرِ بِالْجِمَاعِ وَغَيْرِهِ فَمَنَعَهُ فِي الْجِمَاعِ قَالَ فَلَوْ جَامَعَ فَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ إِلَّا إِنْ أَفْطَرَ بِغَيْرِ الْجِمَاعِ قَبْلَ الْجِمَاعِ وَاعْتَرَضَ بَعْضُ الْمَانِعِينَ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ فَقَالَ لَيْسَ فِي الْحَدِيثِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَوَى الصِّيَامَ فِي لَيْلِهِ الْيَوْمَ الَّذِي أَفْطَرَ فِيهِ فَيُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ نَوَى أَنْ يُصْبِحَ مُفْطِرًا ثُمَّ أَظْهَرَ الْإِفْطَارَ لِيُفْطِرَ النَّاسُ لَكِنَّ سِيَاقَ الْأَحَادِيثِ ظَاهِرٌ فِي أَنَّهُ كَانَ أَصْبَحَ صَائِمًا ثُمَّ أَفْطَرَ وَقَدْ روى ابن خُزَيْمَةَ وَغَيْرُهُ مِنْ طَرِيقِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَأُتِيَ بِطَعَامٍ فَقَالَ لِأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ ادْنُوَا فَكُلَا فَقَالَا إِنَّا صَائِمَانِ فَقَالَ اعْمَلُوا لِصَاحِبَيْكُمْ ارْحَلُوا لِصَاحِبَيْكُمْ ادْنُوا فكلا قَالَ ابن خُزَيْمَةَ فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ لِلصَّائِمِ فِي السَّفَرِ الْفِطْرَ بَعْدَ مُضِيِّ بَعْضِ النَّهَارِ تَنْبِيهٌ قَالَ الْقَابِسِيُّ هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ مُرْسَلَاتِ الصَّحَابَةِ لِأَنَّ ابن عَبَّاسٍ كَانَ فِي هَذِهِ السَّفْرَةِ مُقِيمًا مَعَ أَبَوَيْهِ بِمَكَّةَ فَلَمْ يُشَاهِدْ هَذِهِ الْقِصَّةَ فَكَأَنَّهُ سَمِعَهَا مِنْ غَيْرِهِ مِنَ الصَّحَابَةِ (فتح الباری لابنِ حجر ، ج۴ص ۱۸۱، ۱۸۲، قَوْلُهُ بَابٌ إِذَا صَامَ أَيَّامًا مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ سَافَرَ)

ناجائز کام کے لئے، حکم برابر ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲...... شرعی اعتبار سے مسافر بننے کے لئے ایک مخصوص مقدار مقرر ہے، جو کہ موجودہ دور کے رائج فاصلوں کے ناپنے کے پیمانوں کے اعتبار سے اڑتالیس میل (یعنی 77.25 کلومیٹر) یا اس سے زیادہ کا سفر ہے، لہٰذا اتنے یا اس سے زیادہ فاصلہ کا سفر کرنے والے کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔

اور جو شخص اس مذکورہ مقدار سے کم کے سفر پر جائے، وہ شریعت کی نظر میں مسافر نہیں، لہٰذا اس کو روزہ چھوڑنا جائز نہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر ۳...... شرعی سفر یا اس کے فاصلہ کا اعتبار اس جگہ کی حدود سے باہر سے شمار کیا جائے گا، جہاں کہ کوئی شخص مقیم ہے، لہٰذا اگر کسی شہر میں مقیم ہے، تو اس شہر کی حدود سے، اور اگر کسی قصبہ میں مقیم ہے، تو اس قصبہ کی حدود سے، اور اگر کسی گاؤں میں مقیم ہے تو اس گاؤں کی حدود

---

[1] جبکہ دیگر فقہائے کرام سفرِ گناہ ومعصیت میں روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتے۔

(فَمن كَانَ مِنكُم مَرِيضا أَو على سفر فَعدَّة من أَيَّام أخر)ثمَّ السّفر الْمُبِيح للفطر هُوَ السّفر الْمُبِيح للقصر وَهُوَ مسيرَة ثَلَاثَة أَيَّام ولياليها سير الْإِبِل ومشي الْأَقْدَام(تحفة الفقهاء، ج ا ص۳۵۸ كتاب الصوم)

واطلاق الاية يدل على ان سفر المعصية ايضا يبيح الفطر وبه قال ابو حنيفة رحمه الله وقال مالك والشافعي واحمد سفر المعصية لا يبيح مستدلا بقوله تعالى فمن اضطر غير باغ ولا عاد والحق ان البغي والعدوان ليس فى نفس السفر بل ملاصق به(التفسير المظهرى، ج ا ص ۱۹۰، سورة البقرة)

[2] عَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ بْنِ مُجَاهِدٍ ,عَنْ أَبِيهِ ,وَعَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ ,عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ,أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :يَا أَهْلَ مَكَّةَ لَا تَقْصُرُوا الصَّلَاةَ فِي أَدْنَى مِنْ أَرْبَعَةِ بُرُدٍ مِنْ مَكَّةَ إِلَى عُسْفَانَ(سنن الدارقطني، رقم الحديث ۱۴۴۷)

أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَكِبَ إِلَى ذَاتِ النُّصُبِ فَقَصَرَ الصَّلَاةَ فِي مَسِيرِهِ ذَلِكَ،قَالَ مَالِك وَبَيْنَ ذَاتِ النُّصُبِ وَالْمَدِينَةِ أَرْبَعَةُ بُرُدٍ(مؤطا امام مالک ،رقم الحديث ۴۹۱،معرفة السنن والآثار للبيهقي رقم الحديث ۶۰۲۲، السنن الكبرىٰ للبيهقي رقم الحديث ۵۳۹۲)

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ يَقْصُرَانِ وَيُفْطِرَانِ فِي أَرْبَعَةِ بُرُدٍ وَهِيَ سِتَّةَ عَشَرَ فَرْسَخًا(بخارى، كتاب الجمعة،بَاب فِي كَمْ يَقْصُرُ الصَّلَاةَ، الاوسط لابن المنذر ، رقم الحديث ۲۲۶۱)

قُلْت لِابْنِ عَبَّاسٍ أَقْصُرُ إِلَى عَرَفَةَ ؟ فَقَالَ :لاَ قُلْت :أَقْصُرُ إِلَى مَرٍّ ؟ قَالَ :لاَ قُلْت أَقْصُرُ إِلَى الطَّائِفِ وَإِلَى عُسْفَانَ ؟ قَالَ نَعَمْ وَذَلِكَ ، ثَمَانِيَةٌ وَأَرْبَعُونَ مِيلاً وَعَقَدَ بِيَدِهِ(مصنف ابنِ ابى شيبة،رقم الحديث ۸۲۲۲،باب فى مسيرة كم يقصر الصلاة ، عن عطا بن ابى رباح)

قَدَّرُوا السَّفَرَ بِالْأَمْيَال، وَاعْتَبَرُوا ذَلِكَ ثَمَانِيَةً وَأَرْبَعِينَ مِيلاً، وَذَلِكَ أَرْبَعَةُ بُرُدٍ(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷ص ۲۷۰،صلاة المسافر)

سے باہر نکل کر سفر کا حکم شروع ہوگا، اور وہیں سے شرعی سفر کے فاصلہ کا اعتبار کیا جائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... جس شخص نے رمضان شروع ہونے سے پہلے سفر شروع کیا، اور رمضان کا آغاز سفر کی حالت میں ہوا، اس کو بھی سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے، اور اسی طرح اگر رمضان میں سفر شروع کیا، تب بھی یہی حکم ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۵...... جس مسافر کو سفر میں روزہ رکھنے سے تکلیف نہ ہوتی ہو، اس کو بھی روزہ چھوڑ دینے کی اجازت ہے۔

لیکن اگر روزے سے کوئی تکلیف نہ ہو تو سفر میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے، اور اگر سفر میں روزہ رکھنے سے تکلیف اور پریشانی ہو تو پھر روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔ [3]

---

[1] عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِى إِسْحَاقَ قَالَ :سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، عَنِ الصَّلَاةِ فِى السَّفَرِ، فَقَالَ :خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ، فَكُنَّا نُصَلِّى رَكْعَتَيْنِ حَتَّى نَرْجِعَ إِلَى الْمَدِينَةِ، فَسَأَلْتُهُ: كَمْ أَقَمْتُمْ بِمَكَّةَ ؟ قَالَ :عَشَرَةَ أَيَّامٍ(مسند احمد، رقم الحديث ۱۴۰۰۱)

فى حاشية مسند احمد:إسناده صحيح على شرط الشيخين.

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنْ هَذِهِ الْمَدِينَةِ لَمْ يَزِدْ عَلَى رَكْعَتَيْنِ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَيْهَا (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۱۰۶۷)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ لَا يَخَافُ إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ يُصَلِّى رَكْعَتَيْنِ(سنن النسائى، رقم الحديث ۱۴۳۵)

لِأَنَّ مُطْلَقَ السَّفَرِ لَيْسَ بِسَبَبِ الرُّخْصَةِ لِأَنَّ حَقِيقَةَ السَّفَرِ هُوَ الْخُرُوجُ عَنْ الْوَطَنِ، أَوْ الظُّهُورِ، وَذَا يَحْصُلُ بِالْخُرُوجِ إِلَى الضَّيْعَةِ وَلَا تَتَعَلَّقُ بِهِ الرُّخْصَةُ فَعُلِمَ أَنَّ الْمُرَخِّصَ سَفَرٌ مُقَدَّرٌ بِتَقْدِيرٍ مَعْلُومٍ وَهُوَ الْخُرُوجُ عَنْ الْوَطَنِ عَلَى قَصْدِ مَسِيرَةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا عِنْدَنَا(بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۹۴، فصل فى حكم فساد الصوم)

يُشْتَرَطُ فِى السَّفَرِ الْمُرَخِّصِ فِى الْفِطْرِ......أَنْ يُجَاوِزَ الْمَدِينَةَ وَمَا يَتَّصِلُ بِهَا، وَالْبِنَاءَاتِ وَالْأَفْنِيَةَ وَالْأَخْبِيَةَ (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۸ ص۴۷ ملخصاً، مادة" السفر")

[2] وَيَسْتَوِى الْجَوَاب بَين أَن يُسَافر قبل رَمَضَان وَبَين أَن يُسَافر بعد دُخُول رَمَضَان سَافر بَعْدَمَا أهل فِى الْحَضَر هِلَال رَمَضَان(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۳۵۸، كتاب الصوم)

[3] "وصومه "أى المسافر "أحب أن لم يضره "لقوله تعالى :وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح، ج ۱، ص ۶۸۶، فصل فى العوارض)

(وَالْمُسَافِرُ صَوْمُهُ أَفْضَلُ) لِأَنَّهُ عَزِيمَةٌ وَالْأَخْذُ بِالْعَزِيمَةِ أَفْضَلُ .وَقَالَ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ -: الْمُسَافِرُ إِذَا أَفْطَرَ رُخْصَةٌ، وَإِنْ صَامَ فَهُوَ أَفْضَلُ . (وَلَوْ أَفْطَرَ جَازَ) لِمَا تَلَوْنَا (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص ۱۳۴، كتاب الصوم، فَصْلٌ مَا يُبَاحُ بِهِ الْإِفْطَارُ) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۶ ...... جو شخص سحری کا وقت ختم ہونے یا دوسرے الفاظ میں طلوعِ فجر ہونے تک مقیم ہو (یعنی اپنی اقامت گاہ کی حدود میں ہو) خواہ گھر سے نکل چکا تھا یا سفر شروع کرنے کا ارادہ تھا، تو اس پر اس دن کا روزہ ضروری ہوجاتا ہے۔

البتہ آئندہ جو روزے سفر میں آئیں گے ان کو چھوڑنے کی اجازت ہوگی اور اِن روزوں کی بعد میں قضا کرے گا۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(إنْ لَمْ يَضُرَّهُ) السَّفَرُ وَفِيهِ إشْعَارٌ بِأَنَّ الصَّوْمَ مَكْرُوهٌ إذَا أَجْهَدَهُ (مجمع الانهر، ج ۱، ص ۲۴۹، كتاب الصوم، فَصْلٌ بَيَانِ وُجُوهِ الْأَعْذَارِ الْمُبِيحَةِ لِلْإِفْطَارِ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا)

وَلَكِن الصَّوْم فِي رَمَضَان جَائِز فِي السّفر عِنْد عَامَّة الْعلمَاء وَهُوَ مُخْتَلف بَين الصَّحَابَة عِنْد بَعضهم يجوز وَعند بَعضهم لَا يجوز وَالْإِجْمَا ع الْمُتَأَخر يرفع الْخلاف الْمُتَقَدّم.

وَاخْتلفُوا فِي أَن الصَّوْم أفضل أم الْإِفْطَار فعندنا الصَّوْم أفضل لِأَنَّهُ عَزِيمَة والإفطار رخصَة إِذا لم يلْحقهُ مشقة،وَعند الشَّافِعِي الْفطر أفضل لِأَنَّهُ عَزِيمَة وَالصَّوْم رخصَة عِنْده،وَرُوِيَ عَن حُذَيْفَة بن الْيَمَان وَعُرْوَة بن الزبير وَعَائِشَة رَضِي الله عَنْهُم مثل مَذْهَبنَا،وَعَن ابْن عَبَّاس مثل مذْهبه(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۳۵۹، كتاب الصوم)

[۱] قَالَ الْمَرْغِينَانِيُّ لَوْ أَنْشَأَ السَّفَرَ بَعْدَ الصُّبْحِ لَمْ يُفْطِرْ بِخِلَافِ لَوْ مَرِضَ بَعْدَهُ صَائِمًا فَإِنَّهُ يُفْطِرُ (لَكِنْ لَوْ أَفْطَرَ) الْمُسَافِرُ الَّذِي أَقَامَ وَالْمُقِيمُ الَّذِي سَافَرَ (فَلَا كَفَّارَةَ) عَلَيْهِمَا (فِيهِمَا) لِقِيَامِ شُبْهَةِ الْمُبِيحِ وَهُوَ السَّفَرُ فِي أَوَّلِهِ أَوْ آخِرِهِ (مجمع الانهر، ج ۱، ص ۲۵۲، كتاب الصوم، قضاء رمضان)

وَفِي وَقْتِ جَوَازِ الْفِطْرِ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثُ أَحْوَالٍ:

الْأُولَى:أَنْ يَبْدَأَ السَّفَرَ قَبْلَ الْفَجْرِ، أَوْ يَطْلُعَ الْفَجْرُ وَهُوَ مُسَافِرٌ، وَيَنْوِيَ الْفِطْرَ، فَيَجُوزُ لَهُ الْفِطْرُ إِجْمَاعًا -كَمَا قَالَ ابْنُ جُزَيٍّ -لِأَنَّهُ مُتَّصِفٌ بِالسَّفَرِ، عِنْدَ وُجُودِ سَبَبِ الْوُجُوبِ.

الثَّانِيَةُ :أَنْ يَبْدَأَ السَّفَرَ بَعْدَ الْفَجْرِ، بِأَنْ يَطْلُعَ الْفَجْرُ وَهُوَ مُقِيمٌ بِبَلَدِهِ، ثُمَّ يُسَافِرَ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ، أَوْ خِلَالَ النَّهَارِ، فَإِنَّهُ لَا يَحِل لَهُ الْفِطْرُ بِإِنْشَاءِ السَّفَرِ بَعْدَمَا أَصْبَحَ صَائِمًا، وَيَجِبُ عَلَيْهِ إِتْمَامُ ذَلِكَ الْيَوْمِ، وَهَذَا مَذْهَبُ الْحَنَفِيَّةِ وَالْمَالِكِيَّةِ، وَهُوَ الصَّحِيحُ مِنْ مَذْهَبِ الشَّافِعِيَّةِ، وَرِوَايَةٌ عَنْ أَحْمَدَ . وَذَلِكَ تَغْلِيبًا لِحُكْمِ الْحَضَرِ .وَمَعَ ذَلِكَ لَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ فِي إِفْطَارِهِ عِنْدَ الْحَنَفِيَّةِ، وَفِي الْمَشْهُورِ مِنْ مَذْهَبِ الْمَالِكِيَّةِ، خِلَافًا لِابْنِ كِنَانَةَ، وَذَلِكَ لِلشُّبْهَةِ فِي آخِرِ الْوَقْتِ .وَلِأَنَّهُ لَمَّا سَافَرَ بَعْدَ الْفَجْرِ صَارَ مِنْ أَهْل الْفِطْرِ، فَسَقَطَتْ عَنْهُ الْكَفَّارَةُ .وَالصَّحِيحُ عِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ أَنَّهُ يَحْرُمُ عَلَيْهِ الْفِطْرُ حَتَّى لَوْ أَفْطَرَ بِالْجِمَاعِ لَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ .وَالْمَذْهَبُ عِنْدَ الْحَنَابِلَةِ وَهُوَ أَصَحُّ الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَحْمَدَ، وَهُوَ مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الْمُزَنِيُّ وَغَيْرُهُ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ :أَنَّ مَنْ نَوَى الصَّوْمَ فِي الْحَضَرِ، ثُمَّ سَافَرَ فِي أَثْنَاءِ الْيَوْمِ، طَوْعًا أَوْ كَرْهًا، فَلَهُ الْفِطْرُ بَعْدَ خُرُوجِهِ وَمُفَارَقَتِهِ بُيُوتَ قَرْيَتِهِ الْعَامِرَةِ، وَخُرُوجِهِ مِنْ بَيْنِ بُنْيَانِهَا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۸ ص۴۸، ۴۹، مادة" السفر")

تاہم اگر کوئی شخص سفر شروع کرنے سے پہلے روزہ رکھ چکا تھا، اور پھر سفر شروع ہونے کے بعد اس کو روزہ کی وجہ سے غیر معمولی مشقت وتکلیف کا سامنا کرنا پڑا، تو اس کو روزہ توڑ دینا جائز ہے، جس کی بعد میں قضا کرنی ہوگی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷...... اگر کوئی شخص سفر میں تھا اس لئے روزہ نہیں رکھا تھا، لیکن سورج غروب ہونے سے پہلے مقیم ہوگیا، تو اس کو حنفیہ کے نزدیک دن کے باقی حصہ میں کھانے پینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۸...... اگر کسی مسافر نے دن کے شروع حصہ میں رمضان کے روزہ کی نیت نہیں کی تھی، لیکن ابھی تک صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں، پھر وہ مقیم ہوگیا، اور اس نے روزہ کی نیت کر لی، تو اگر اس نے ضحوۂ کبریٰ سے (یعنی زوال سے کچھ وقت) پہلے روزہ کی نیت کر لی، تو اس کا روزہ درست ہو جائے گا، اور اس کے بعد نیت کرنے سے روزہ درست نہیں ہوگا۔ [3]

---

[1] قلت أَرَأَيْت رجلا مُسَافِرًا أصبح صَائِما فِي شهر رَمَضَان ثمَّ أفطر قَالَ عَلَيْهِ الْقَضَاء وَلَا كَفَّارَة عَلَيْهِ. مُحَمَّد قَالَ أخبرنَا أَبُو حنيفَة عَن مُسلم الْأَعْوَر عَن أنس بن مَالك عَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَنه خرج من الْمَدِينَة إِلَى مَكَّة فِي شهر رَمَضَان فَشَكا إِلَيْهِ النَّاس فِي بعض الطَّرِيق الْجهد فَأفْطر حَتَّى أَتَى مَكَّة. مُحَمَّد عَن أبي حنيفَة عَن الْهَيْثَم عَن أنس بن مَالك أَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم خرج من الْمَدِينَة إِلَى مَكَّة فِي شهر رَمَضَان لليلتين خلتا من شهر رَمَضَان فصَام حَتَّى إِذا أَتَى قديدا شكا إِلَيْهِ النَّاس الْجهد فَأفْطر بقديد ثمَّ لم يزل مُفطرا حَتَّى أَتَى مَكَّة فَأَى ذَلِك فعلت فَحسن إِن صمت فقد صَامَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَإِن أفطرت فقد أفطر النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَإِن سَافَرت فِي شهر رَمَضَان (الأصل المعروف بالمبسوط للشيباني، ج ۲ ص ۲۰۶، ۲۰۷، كتاب الصَّوْم)

[2] قَالَ - رَحِمَهُ اللَّهُ - (وَلَوْ قَدِمَ مُسَافِرٌ أَوْ طَهُرَتْ حَائِضٌ أَوْ تَسَحَّرَ ظَنَّهُ لَيْلًا وَالْفَجْرُ طَالِعٌ أَوْ أَفْطَرَ كَذَلِكَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ أَمْسَكَ يَوْمَهُ وَقَضَى وَلَمْ يُكَفِّرْ كَأَكْلِهِ عَمْدًا بَعْدَ أَكْلِهِ نَاسِيًا وَنَائِمَةٌ وَمَجْنُونَةٌ وُطِئَتَا) يَعْنِي هَؤُلَاءِ كُلُّهُمْ يَجِبُ عَلَيْهِمْ الْإِمْسَاكُ فِي بَقِيَّةِ النَّهَارِ تَشَبُّهًا وَيَجِبُ عَلَيْهِمْ قَضَاءُ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَا تَجِبُ عَلَيْهِمُ الْكَفَّارَةُ (تبيين الحقائق، ج ۱ ص ۳۴۱، ۳۴۲، كتاب الصوم، فصل فى العوارض)

[3] (قَوْلُهُ: وَلَوْ نَوَى الْمُسَافِرُ الْإِفْطَارَ ثُمَّ قَدِمَ وَنَوَى الصَّوْمَ فِي وَقْتِهِ صَحَّ) إنْ نَوَى قَبْلَ انْتِصَافِ النَّهَارِ؛ لِأَنَّ السَّفَرَ لَا يُنَافِي أَهْلِيَّةَ الْوُجُوبِ وَلَا صِحَّةَ الشُّرُوعِ أَطْلَقَ الصَّوْمَ فَشَمِلَ الْفَرْضَ الَّذِي لَا يُشْتَرَطُ فِيهِ التَّبْيِيتُ وَالنَّفَلَ وَحَيْثُ أَفَادَ صِحَّةَ صَوْمِ الْفَرْضِ لَزِمَ عَلَيْهِ صَوْمُهُ إنْ كَانَ فِي رَمَضَانَ لِزَوَالِ الْمُرَخِّصِ فِي وَقْتِ النِّيَّةِ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ كَانَ مُقِيمًا فِي أَوَّلِ الْيَوْمِ ثُمَّ سَافَرَ لَا يُبَاحُ لَهُ الْفِطْرُ تَرْجِيحًا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹...... اگر کوئی شخص مسافر تھا لیکن کسی جگہ کم از کم پندرہ یا اس سے زیادہ دن رہنے کی نیت سے ٹھہر گیا تو چونکہ اب وہ مسافر نہیں رہا بلکہ مقیم ہوگیا اس لئے اس حالت میں اس کو روزہ چھوڑنا جائز نہیں، البتہ اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہے تو روزہ چھوڑ دینا جائز ہے، کیونکہ وہ شرعاً اب بھی مسافر ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لِجَانِبِ الْإِقَامَةِ فَهَذَا أَوْلَى إِلَّا أَنَّهُ إِذَا أَفْطَرَ فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ لَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ لِقِيَامِ شُبْهَةِ الْمُبِيحِ وَكَذَا لَوْ نَوَى الْمُسَافِرُ الصَّوْمَ لَيْلًا وَأَصْبَحَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُضَ عَزِيمَتَهُ قَبْلَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَصْبَحَ صَائِمًا لَا يَحِلُّ فِطْرُهُ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَوْ أَفْطَرَ لَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ وَأَشَارَ إِلَى أَنَّهُ لَوْ لَمْ يَنْوِ الْإِفْطَارَ وَإِنَّمَا قَدِمَ قَبْلَ الزَّوَالِ وَالْأَكْلِ فَالْحُكْمُ كَذَلِكَ بِالْأَوْلَى؛ لِأَنَّ الْحُكْمَ إِذَا كَانَ الصِّحَّةَ مَعَ نِيَّةِ الْمُنَافِي فَمَعَ عَدَمِهَا أَوْلَى وَلِأَنَّ نِيَّةَ الْإِفْطَارِ لَا عِبْرَةَ بِهَا حَتَّى لَوْ نَوَى الصَّائِمُ الْفِطْرَ وَلَمْ يُفْطِرْ لَا يَكُونُ مُفْطِرًا وَكَذَا لَوْ نَوَى التَّكَلُّمَ فِي الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَكَلَّمْ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ كَمَا فِي الظَّهِيرِيَّةِ(البحر الرائق، ج۲ ص ۳۱۲، فصل فی عوارض الفطر فی رمضان)

(قَوْلُهُ :كَمُسَافِرٍ أَقَامَ) أَيْ بَعْدَ نِصْفِ النَّهَارِ أَوْ قَبْلَهُ بَعْدَ الْأَكْلِ أَمَّا قَبْلَهُمَا فَيَجِبُ عَلَيْهِ الصَّوْمُ وَإِنْ كَانَ نَوَى الْفِطْرَ كَمَا سَيَأْتِي مَتْنًا فِي الْفَصْلِ الْآتِي(ردالمحتار، ج۲ص۴۰۸، باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

[1] عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ :إِذَا كُنْتَ مُسَافِرًا، فَوَطَّنْتَ نَفْسَكَ عَلَى إِقَامَةِ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا، فَأَتِمِ الصَّلَاةَ، وَإِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِي مَتَى تَظْعَنُ فَأَقْصِرْ قَالَ مُحَمَّدٌ :وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ(الآثار لمحمد بن الحسن، رقم الحديث ۱۸۸، باب الصلاة فی السفر)

عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ :كَانَ ابْنُ عُمَرَ "إِذَا أَجْمَعَ عَلَى الْإِقَامَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ لَيْلَةً أَتَمَّ الصَّلَاةَ "(احكام القرآن للطحاوی، رقم الحديث ۳۴۸، ج ۱ ص ۱۹۲)

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، قَالَ " :إِذَا أَقَامَ الْمُسَافِرُ خَمْسَ عَشْرَةَ لَيْلَةً أَتَمَّ الصَّلَاةَ، وَمَا دُونَ ذَلِكَ فَلْيَقْصُرْ(ایضاً رقم الحديث ۳۴۸، ج ۱ ص ۱۹۲)

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، قَالَ :إِذَا أَقَمْتَ أَكْثَرَ مِنْ خَمْسَ عَشْرَةَ فَأَتِمَّ الصَّلَاةَ(مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۸۳۰۲)

وَقَالَ ابو حنيفَة رَحمَه الله فِيمَن دخل مصرا وَهُوَ مُسَافر وَلَيْسَ من اهله قصر الصَّلَاة وان اقام شهرا اَوْ اكثر من ذَلِك مَا لم يجمع على اقامة خَمْسَة عشر يَوْمًا وَذَلِك نصف شهر فان اجْمَعْ على اقامة خَمْسَة عشر يَوْمًا اتم صلَاته وان اجْمَعْ على اقل من ذَلِك لم يتم الصَّلَاة(الحجة على اهل المدينة، ج ۱ ص ۱۶۸، باب صلاة المسافر)

(قَوْلُهُ :وَلَا يَزَالُ عَلَى حُكْمِ السَّفَرِ حَتَّى يَنْوِيَ الْإِقَامَةَ فِي بَلَدٍ يَصْلُحُ لِلْإِقَامَةِ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَصَاعِدًا فَيَلْزَمُهُ الْإِتْمَامُ وَإِنْ نَوَى الْإِقَامَةَ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ لَمْ يُتِمَّ)(الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۸۶، باب صلاة المسافر)

مسئلہ نمبر ۱۰...... اگر کوئی شخص سفر کر کے کسی مقام پر گیا، اور وہاں کم از کم پندرہ دن قیام کا ارادہ نہیں ہے، لیکن قیام اس نوعیت کا ہے کہ اس میں پندرہ دن سے کم بھی خرچ ہو سکتے ہیں، اور پندرہ دن سے زیادہ بھی، تو جب تک پندرہ دن قیام کا پختہ ارادہ نہیں ہوگا، اس وقت تک یہ شخص مسافر سمجھا جائے گا، خواہ ایک ایک دن ہوتے ہوتے پندرہ دن سے زیادہ کا عرصہ کیوں نہ گزر جائے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۱۱...... مسافر کو سفر ختم کرنے کے بعد جلد از جلد چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء کر لینی چاہئے بلا وجہ تاخیر کرنے میں ڈر ہے کہ کہیں موت نہ آجائے اور روزے ذمہ میں باقی رہ جائیں، لیکن اگر تاخیر سے ادا کرے، تب بھی ادا ہو جائیں گے۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۱۲...... مسافر کو سفر ختم کرنے کے بعد چھوٹے ہوئے روزے رکھنے کی مہلت نہیں ملی اور وہ فوت ہو گیا تو جتنے روزے بیماری یا سفر کی وجہ سے چھوٹے ہیں آخرت میں ان کا مواخذہ نہ ہوگا، کیونکہ ان کی قضاء رکھنے کی اس کو مہلت نہیں ملی۔ [۳]

---

[۱] عَنُ يَحُيَى بُنِ أَبِى إِسُحَاقَ قَالَ :سَأَلُتُ أَنَسَ بُنَ مَالِكٍ، عَنِ الصَّلَاةِ فِى السَّفَرِ، فَقَالَ :خَرَجُنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ، فَكُنَّا نُصَلِّى رَكُعَتَيُنِ حَتَّى نَرُجِعَ إِلَى الْمَدِينَةِ، فَسَأَلُتُهُ: كَمُ أَقَمُتُمُ بِمَكَّةَ ؟ قَالَ :عَشَرَةَ أَيَّامٍ(مسند احمد، رقم الحديث ۱۴۰۰۱)

فى حاشية مسند احمد:إسناده صحيح على شرط الشيخين.

عَنُ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابُنِ عَبَّاسٍ، وَابُنِ عُمَرَ قَالَا " :إِذَا قَدِمُتَ بَلُدَةً وَأَنُتَ مُسَافِرٌ وَفِى نَفُسِكَ أَنُ تُقِيمَ بِهَا خَمُسَ عَشُرَةَ لَيُلَةً فَأَكُمِلِ الصَّلَاةَ بِهَا، وَإِنُ كُنُتَ لَا تَدُرِى مَتَى تَظُعَنُ فَاقُصُرُهَا "(احكام القرآن للطحاوى، رقم الحديث ۳۴۶، ج ۱ ص ۱۹۲)

قَالَ وَكِيعٌ :سَمِعُتُ سُفُيَانَ يَقُولُ :إِذَا أَجُمَعَ عَلَى مُقَامٍ خَمُسَ عَشُرَةَ أَتَمَّ الصَّلَاةَ حِينَ يَدُخُلُ ، وَإِذَا لَمُ يَدُرِ مَتَى يَخُرُجُ صَلَّى رَكُعَتَيُنِ وَإِنُ أَقَامَ حَوُلًا وَهُوَ الْقَوُلُ عِنُدَهُ(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۸۳۰۵)

[۲] وَمن أفطر لشَيُء من الْعذر ثمَّ زَالَ الْعذر فَعَلَيهِ الْقَضَاء بِعَدَد الْأَيَّام الَّتِى يَزُول عَنهُ الْعذر فِيهَا وَلَيُسَ عَلَيُهِ قَضَاء مَا لم يزل الْعذر عَنهُ فِيهَا حَتَّى إِن الْمُسَافِر إِذا مَاتَ فِى السّفر وَالْمَرِيض قبل الْبُرُء لَا يجب عَلَيُهِمَا الْقَضَاء لِأَن الْعَاجِز لَا يُكَلف(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۳۵۹، كتاب الصوم)

[۳] وَإِن أدُركَا بِعَدَد مَا فاتهما يلُزمهُمَا الْقَضَاء وَإِذا مَاتَا قبل الْقَضَاء يجب عَلَيُهِمَا الْفِدُيَة(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۳۵۹، كتاب الصوم)

(۷)......حیض ونفاس سے پاک ہونا (حیض، نفاس اور جنابت میں روزہ کے احکام)

عورت پر روزہ فرض اور صحیح ہونے کے لئے حیض ونفاس سے پاک ہونا بھی ضروری ہے، البتہ اگر جنابت کی حالت ہو، تو اس حالت میں روزہ رکھنا درست ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ (بخاری) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عورت کو حیض آتا ہے، تو وہ نہ نماز پڑھتی ہے، اور نہ روزہ رکھتی ہے (بخاری)

حضرت معاذہ عدویہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتْ عَائِشَةَ: أَتَقْضِي الْحَائِضُ الصَّلَاةَ إِذَا طَهُرَتْ؟ قَالَتْ: أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ، كُنَّا نَحِيضُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَطْهُرُ فَيَأْمُرُنَا بِقَضَاءِ الصَّوْمِ، وَلَا يَأْمُرُنَا بِقَضَاءِ الصَّلَاةِ (سنن النسائی) [۲]

ترجمہ: ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ کیا حائضہ عورت پاک ہونے کے بعد نماز کی قضا کرے گی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا آپ حروری قوم سے ہیں؟ (جو حیض والی عورت پر نماز کی قضا کا حکم لگاتے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حیض کے بعد پاک ہونے پر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی قضا کا حکم فرماتے تھے، اور ہمیں نماز کی

---

[۱] رقم الحدیث ۱۹۵۱، کتاب الصوم، باب: الحائض تترک الصوم والصلاۃ.

[۲] رقم الحدیث ۲۳۱۸، کتاب الصیام، باب وضع الصیام عن الحائض، واللفظ لہٗ، مسلم، رقم الحدیث ۳۳۵ "۶۹".

قضا کا حکم نہیں فرماتے تھے (نسائی، مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ حیض کے زمانہ میں عورت روزہ نہیں رکھے گی، بلکہ پاکی حاصل ہونے کے بعد اس کی قضا کرے گی۔

اور جو حکم حیض کا ہے، وہی نفاس (یعنی بچہ کی ولادت کے بعد مخصوص مدت تک آنے والے خون کے زمانہ) کا بھی ہے۔ [1]

البتہ اگر کسی مرد یا عورت کو جنابت لاحق ہو، یعنی غسل واجب ہو، تو اس حالت میں روزہ درست ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اُمُّ المومنین حضرت عائشہ اور حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ أَهْلِهِ، ثُمَّ يَغْتَسِلُ، وَيَصُومُ (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں فجر ہو جاتی تھی کہ آپ اپنی زوجۂ مطہرہ (سے حقِ زوجیت) کی وجہ سے (رات کو) جنبی ہو جاتے تھے، پھر (طلوعِ فجر کے بعد) آپ غسل کرتے تھے، اور آپ روزہ سے ہوتے تھے (بخاری، ترمذی)

اور امُّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

---

[1] وهذا الحديث أصل إجماع المسلمين :أن الحائض لا تقضى الصلاة، ولا خلاف فى ذلك بين الخلف والسلف، إلا طائفة من الخوارج يرون على الحائض قضاء الصلاة لا يشتغل بهم، ولا يُعَدون خلافًا، لشذوذهم عن سلف الأمة، فلذلک قالت عائشة :تمت أحرورية أنت؟ -للمرأة التى سألت عن ذلک منكرة عليها، إذ خشيت أن تعتقد مذهب الحرورية فى ذلک، ونزعت لها بالحجة التى لا يجوز خلافها (شرح صحيح البخارى لابن بطال، ج ۱، ص ۴۴۸، كتاب الحيض، باب لا تَقْضِى الْحَائِضُ الصَّلاةَ، دار النشر :مكتبة الرشد -السعودية، الرياض)

[2] رقم الحديث ۱۹۲۶، كتاب الصوم، باب الصائم يصبح جنبا، واللفظ لهٗ، سنن الترمذى، رقم الحديث ۷۷۹.

قال الترمذى: حَدِيثُ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، "وَقَدْ قَالَ قَوْمٌ مِنَ التَّابِعِينَ :إِذَا أَصْبَحَ جُنُبًا يَقْضِي ذَلِكَ اليَوْمَ، وَالقَوْلُ الأَوَّلُ أَصَحُّ (سنن الترمذى)

قَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ فِيْ رَمَضَانَ وَهُوَ جُنُبٌ، مِنْ غَيْرِ حُلُمٍ، فَيَغْتَسِلُ وَيَصُوْمُ (مسلم) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان میں طلوعِ فجر اس حال میں ہوجاتی تھی کہ آپ جنبی ہوتے تھے، احتلام کے بغیر (یعنی حقِ زوجیت کی وجہ سے) پھر آپ غسل کرتے تھے اور اسی حال میں روزہ رکھتے تھے (مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ لَا يُفْطِرْنَ الصَّائِمَ، اَلْحِجَامَةُ، وَالْقَيْءُ، وَالْاِحْتِلَامُ (سنن الترمذی) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں روزہ کونہیں توڑتیں، ایک تو پچھنے لگوانا (یعنی مخصوص طریقہ پر جسم سے خون نکلوانا) دوسرے قے ہونا، تیسرے احتلام ہونا (ترمذی)

اس طرح کی اور بھی احادیث ہیں، جن کا ذکر روزہ فاسد کرنے نہ کرنے والی چیزوں کی بحث میں آتا ہے۔

مذکورہ احادیث ملاحظہ کرنے کے بعد اب اس سلسلہ میں چند مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱...... اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ حیض ونفاس سے پاک ہونا روزہ کی ادائیگی فرض ہونے کی شرط ہے، یا روزہ صحیح ہونے کی شرط ہے۔ [۳]

---

[۱] رقم الحدیث ۱۱۰۹ "۷۶" کتاب الصیام، باب صحۃ صوم من طلع علیہ الفجر وھو جنب.

[۲] رقم الحدیث ۷۱۹، ابواب الصوم، باب ما جاء فی الصائم یذرعہ القیء، واللفظ لہٗ، سنن دار قطنی، رقم الحدیث ۲۲۶۹، المعجم الاوسط، رقم الحدیث ۲۸۰۶.

[۳] وَهٰكَذَا وَقَعَ الِاخْتِلَافُ فِي الطَّهَارَةِ عَنِ الْحَيْضِ وَالنِّفَاسِ فَذَهَبَ أَهْلُ التَّحْقِيقِ إِلَى أَنَّهَا شَرْطُ الْوُجُوبِ فَلَا وُجُوبَ عَلَى الْحَائِضِ وَالنُّفَسَاءِ، وَقَضَاءُ الصَّوْمِ لَا يَسْتَدْعِي سَابِقَةَ الْوُجُوبِ كَمَا تَقَدَّمَ، وَعِنْدَ الْعَامَّةِ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ، وَإِنَّمَا الطَّهَارَةُ عَنْهُمَا شَرْطُ الْأَدَاءِ، وَتَمَامُهُ فِي الْبَدَائِعِ وَلَعَلَّهُ لَا ثَمَرَةَ لَهُ، وَالنَّوْعُ الثَّانِي مِنَ الشَّرَائِطِ شَرْطُ وُجُوبِ الْأَدَاءِ، وَهُوَ الصِّحَّةُ وَالْإِقَامَةُ وَالثَّالِثُ شَرْطُ صِحَّتِهِ، وَهُوَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض حضرات نے حیض ونفاس سے پاک ہونے کو روزہ کی ادائیگی فرض ہونے کی بھی شرط قرار دیا ہے، اور روزہ کے صحیح ہونے کی بھی شرط قرار دیا ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الْإِسْلَامُ وَالطَّهَارَةُ عَنْ الْحَيْضِ وَالنِّفَاسِ، وَالنِّيَّةُ كَذَا فِي الْبَدَائِعِ وَاقْتَصَرَ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ عَلَى مَا عَدَا الْأَوَّلَ؛ لِأَنَّ الْكَافِرَ لَا نِيَّةَ لَهُ بِاشْتِرَاطِهَا، وَلَمْ يَجْعَلُوا الْعَقْلَ وَالْإِفَاقَةَ شَرْطَيْنِ لِلصِّحَّةِ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲، ص۲۷۷، كِتَابُ الصَّوْمِ)

وَمن الشُّرُوط الطَّهَارَة عَن الْحيض وَالنّفاس وَهُوَ شَرط صِحَة الْأَدَاء لَا شَرط الْوُجُوب فَإِن صَوْم رَمَضَان يجب،على الْحَائِض وَالنُّفَسَاء حَتَّى يجب الْقَضَاء عَلَيْهِمَا خَارج رَمَضَان لَكِن لَا يَصح الْأَدَاء لِأَن الطَّهَارَة عَن الْحيض وَالنّفاس شَرط صِحَة الصَّوْم كَمَا أَن الطَّهَارَة عَن جَمِيع الْأَحْدَاث شَرط صِحَة الصَّلَاة عرفنَا ذَلِك بِإِجْمَاع الصَّحَابَة رَضِي الله عَنْهُم (تحفة الفقهاء ج ۱ ص ۳۴۹، وص ۳۵۰، كتاب الصوم)

وَمِنْهَا الطَّهَارَةُ عَنْ الْحَيْضِ، وَالنِّفَاسِ فَإِنَّهَا شَرْطُ صِحَّةِ الْأَدَاءِ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ - وَفِي كَوْنِهَا شَرْطَ الْوُجُوبِ خِلَافٌ نَذْكُرُهُ فِي مَوْضِعِهِ (بدائع الصنائع، ج۲، ص۸۳، كتاب الصوم، فَصْلٌ شَرَائِطُ أَنْوَاعِ الصِّيَامِ)

وَعَلَى هَذَا الطَّهَارَةِ مِنْ الْحَيْضِ، وَالنِّفَاسِ إنَّهَا شَرْطُ الْوُجُوبِ عِنْدَ أَهْلِ التَّحْقِيقِ مِنْ مَشَايِخِنَا إذْ الصَّوْمُ الشَّرْعِيُّ لَا يَتَحَقَّقُ مِنْ الْحَائِضِ، وَالنُّفَسَاءِ فَتَعَذَّرَ الْقَوْلُ بِوُجُوبِ الصَّوْمِ عَلَيْهِمَا فِي وَقْتِ الْحَيْضِ وَالنِّفَاسِ إلَّا أَنَّهُ يَجِبُ عَلَيْهِمَا قَضَاءُ الصَّوْمِ لِفَوَاتِ صَوْمِ رَمَضَانَ عَلَيْهِمَا وَلِقُدْرَتِهِمَا عَلَى الْقَضَاءِ فِي عِدَّةٍ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ مِنْ غَيْرِ حَرَجٍ، وَلَيْسَ عَلَيْهِمَا قَضَاءُ الصَّلَوَاتِ لِمَا فِيهِ مِنْ الْحَرَجِ لِأَنَّ وُجُوبَهَا يَتَكَرَّرُ فِي كُلِّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، وَلَا يَلْزَمُ الْحَائِضَ فِي السُّنَّةِ إلَّا قَضَاءُ عَشَرَةِ أَيَّامٍ وَلَا حَرَجَ فِي ذَلِكَ، وَعَلَى قَوْلِ عَامَّةِ الْمَشَايِخِ لَيْسَ بِشَرْطٍ، وَأَصْلُ الْوُجُوبِ ثَابِتٌ فِي حَالَةِ الْحَيْضِ، وَالنِّفَاسِ، وَإِنَّمَا تُشْتَرَطُ الطَّهَارَةُ لِأَهْلِيَّةِ الْأَدَاءِ، وَالْأَصْلُ فِيهِ مَا رُوِيَ أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتْ عَائِشَةَ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا -فَقَالَتْ :لِمَ تَقْضِي الْحَائِضُ الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِي الصَّلَاةَ؟ فَقَالَتْ عَائِشَةُ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا - لِلسَّائِلَةِ :أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ؟ هَكَذَا كُنَّ النِّسَاءُ يَفْعَلْنَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ(بدائع الصناء، ج۲ ص ۸۹، فصل شرائط انواع الصيام)

۱؎ اور ہمارے نزدیک یہی موقف راجح ہے، جس میں دونوں قولوں کی رعایت پائی جاتی ہے۔

ويشترط لوجوب أدائه:الصحة :من مرض وحيض ونفاس.والإقامة.

(شروط صحة أدائه)ويشترط لصحة أدائه ثلاثة:النية والخلو عما ينافيه من حيض ونفاس.و (الخلو) عما يفسده.(نورالايضاح،ص ۱۲۵، كتاب الصوم)

"ويشترط لوجوب أدائه "الذى هو عبارة عن تفريغ الذمة فى وقته "الصحة من مرض "لقوله تعالى: (فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضاً) الآية "و "الصحة أى الخلو عن "حيض ونفاس "لما قدمناه "والإقامة" لما تلوناه "ويشترط لصحة أدائه "أى فعله ليكون أعم من الأداء والقضاء "ثلاثة "شرائط "النية "

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہر حال حیض ونفاس کی حالت میں روزہ کا حکم نہیں ہوتا، اور اس کے بعد پاک ہونے پر رمضان کے روزہ کی قضا ضروری ہوتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... جنابت کی حالت میں یعنی جب مرد یا عورت پر غسل واجب ہو چکا ہو، اس حالت میں روزہ رکھنا درست ہے۔

چنانچہ اگر کسی کو رات کے وقت میں غسل کی حاجت ہوئی، تو صبح کو غسل کرنے سے پہلے روزہ شروع کرنا درست ہے، اور اگر کوئی بسہولت پہلے غسل کرلے، تو اچھا ہے، اور اسی طرح اگر کسی مرد یا عورت کو روزہ کی حالت میں سوتے ہوئے احتلام ہوگیا، تو اس سے روزہ پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی وقتها فی کل یوم "والخلو عما ینافیه "أی ینافی صحة فعله "من حیض ونفاس "لما فاتهما "و" الخلو "عما یفسده "بطروئه علیه "ولا یشترط "لصحته "الخلو عن الجنابة "لقدرته علی الإزالة وضرورة حصولها لیلا وطروء النهار (مراقی الفلاح، ص ۲۳۴، کتاب الصوم)

قوله" :أی الخلو "إنما أوله بذلک لأن دم الحیض والنفاس دم صحة لا مرض قوله " :لما قدمناه" أی من أنهما لیسا أهلا للصوم قوله " :لما تلوناه "أی بقوله الآیة وقد ذکرنا تمامها والأولی للشرح ذکرها لیتم له المرام قوله" :فی وقتها "الوقت بالنسبة لأداء رمضان بعد الغروب إلی قبیل الضحوة فسقی أی جزء منه وجدت صح وبالنسبة لقضائه اللیل کله ولا تجزیء النیة بعد طلوع الفجر قوله: "أی ینافی صحة فعله "الأظهر حذف صحة قوله" :من حیض ونفاس "فالخلو عنهما من شروط الوجوب أی وجوب الأداء وشروط الصحة قوله " :لمنافاتهما "الأولی زیادة إیاه قوله " :بطروه علیه "متعلق بیفسده قوله" :لقدرته علی الإزالة "أی بخلاف الحیض والنفاس قوله " :وضرورة حصولها "أی ولضرورة حصولها یعنی أن الإنسان قد یضطر إلیها لیلا ویطرأ علیه النهار أی یطلع علیه الفجر أی من غیر تمکن من الغسل ولیس القصد التقیید بالضرورة أی بل المراد أن ذلک قد یحصل فلم یعتبر الشارع ذلک (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۶۳۵، کتاب الصوم)

[1] وَمن الشُّرُوط الطَّهَارَة عَن الْحيض وَالنّفاس (تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۳۴۹، کتاب الصوم)

النفاس والحیض سواء من حیث المخرج، والمانعیة من الصوم والصلاة والوطء (الاختیار لتعلیل المختار، ج ۱ ص ۳۰، فصل فی احکام النفساء)

[2] وَلَوْ أَصْبَحَ فِی رَمَضَانَ جُنُبًا فَصَوْمُهُ تَامٌّ (الجوهرة النیرة، ج ۱، ص ۱۳۹، کتاب الصوم)

وَلَوْ احْتَلَمَ فِی نَهَارِ رَمَضَانَ فَأَنْزَلَ لَمْ یُفْطِرْهُ، لِقَوْلِ النَّبِیِّ -صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ -ثَلَاثٌ لَا یُفْطِرْنَ الصَّائِمَ :الْقَیْءُ، وَالْحِجَامَةُ، وَالِاحْتِلَامُ وَلِأَنَّهُ لَا صُنْعَ لَهُ فِیهِ فَیَکُونُ کَالنَّاسِی (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۹۱، کتاب الصوم، فَصْلٌ أَرْکَان الصِّیَام)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳...... معتدل مزاج عورت کو عادتاً ہر ماہ رحم سے جاری ہو کر شرم گاہ کے راستے سے جو خون آتا ہے، وہ شرعی زبان میں حیض، طبی زبان میں ''طمث'' اور انگریزی زبان میں Menses یا Menstruation کہلاتا ہے۔

اور حیض کے جاری رہنے کے دورانیہ (''دورِ طمث'' یا ''دورِ شہریہ'' Menstrual cycle) میں خواتین کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں، ہر عورت اپنی عادت کے مطابق حیض آنے والے زمانہ میں حائضہ کہلاتی ہے۔

اس زمانہ کی نماز عورت پر معاف ہوتی ہے، اور روزہ اس حالت میں رکھنے کا حکم نہیں ہوتا، بعد میں قضا کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولو أصبح جنبا فی رمضان فصومه تام عند عامة الصحابة مثل علی وابن مسعود وزید بن ثابت وأبی الدرداء وأبی ذر وابن عباس وابن عمر ومعاذ بن جبل -رضی الله تعالى عنهم -.
وعن أبی هريرة -رضی الله عنه -أنه لا صوم له واحتج بما روى عن النبی -صلى الله عليه وسلم - أنه قال :من أصبح جنبا فلا صوم له قاله محمد ورب الكعبة قاله راوی الحديث وأكده بالقسم، ولعامة الصحابة قوله تعالى (أحل لكم ليلة الصيام الرفث إلى نسائكم) (البقرة: ۱۸۷) إلى قوله (فالآن باشروهن وابتغوا ما كتب الله لكم وكلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الأبيض من الخيط الأسود من الفجر) (البقرة :۱۸۷) أحل الله عز وجل الجماع فی ليالی رمضان إلى طلوع الفجر، وإذا كان الجماع فی آخر الليل يبقى الرجل جنبا بعد طلوع الفجر لا محالة فدل أن الجنابة لا تضر الصوم (بدائع الصنائع، ج۲، ص۹۲، كتاب الصوم، فَصْلٌ أَرْكَان الصِّيَام)

[1] عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ، سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ : إِنِّي أُسْتَحَاضُ فَلاَ أَطْهُرُ، أَفَأَدَعُ الصَّلاَةَ، فَقَالَ :لاَ إِنَّ ذَلِكِ عِرْقٌ، وَلَكِنْ دَعِي الصَّلاَةَ قَدْرَ الأَيَّامِ الَّتِي كُنْتِ تَحِيضِينَ فِيهَا، ثُمَّ اغْتَسِلِي وَصَلِّي(بخاری، رقم الحديث ۳۲۵)
عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ :إِنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ، سَأَلَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّمِ؟ فَقَالَتْ عَائِشَةُ :رَأَيْتُ مِرْكَنَهَا مَلْآنَ دَمًا .فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : امْكُثِي قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحْبِسُكِ حَيْضَتُكِ، ثُمَّ اغْتَسِلِي وَصَلِّي(مسلم،رقم الحديث ۳۳۴"۶۵")
عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ نَذْكُرُ إِلَّا الحَجَّ، فَلَمَّا جِئْنَا سَرِفَ طَمِثْتُ، فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي، فَقَالَ :مَا يُبْكِيكِ؟ قُلْتُ :لَوَدِدْتُ وَاللَّهِ أَنِّي لَمْ أَحُجَّ العَامَ، قَالَ :لَعَلَّكِ نُفِسْتِ؟ قُلْتُ :نَعَمْ، قَالَ :فَإِنَّ ذَلِكِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض خواتین کو تین دن، بعض کو چار دن، بعض کو چھ دن، اور بعض کو سات دن یا اس سے کم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ شَیْءٌ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ، فَافْعَلِي مَا يَفْعَلُ الحَاجُّ، غَيْرَ أَنْ لاَ تَطُوفِي بِالْبَيْتِ حَتَّى تَطْهُرِي (بخاری، رقم الحديث ۳۰۵)

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي لاَ أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلاَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا ذَلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِالحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الحَيْضَةُ فَاتْرُكِي الصَّلاَةَ، فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا، فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي (بخاری، رقم الحديث ۳۰۶)

عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ الَّتِي كَانَتْ تَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَأَنَّهَا اسْتُحِيضَتْ لَا تَطْهُرُ، فَذُكِرَ شَأْنُهَا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ وَلَكِنَّهَا رَكْضَةٌ مِنَ الرَّحِمِ، لِتَنْظُرْ قَدْرَ قُرْئِهَا الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُ لَهَا فَلْتَتْرُكِ الصَّلَاةَ، ثُمَّ تَنْظُرُ مَا بَعْدَ ذَلِكَ فَلْتَغْتَسِلْ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ (نسائی، رقم الحديث ۳۵۶)

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تُهَرَاقُ الدِّمَاءَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاسْتَفْتَتْ لَهَا أُمُّ سَلَمَةَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لِتَنْظُرْ عِدَّةَ اللَّيَالِي وَالْأَيَّامِ الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُهُنَّ مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ أَنْ يُصِيبَهَا الَّذِي أَصَابَهَا، فَلْتَتْرُكِ الصَّلَاةَ قَدْرَ ذَلِكَ مِنَ الشَّهْرِ، فَإِذَا خَلَّفَتْ ذَلِكَ فَلْتَغْتَسِلْ، ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ، ثُمَّ لِتُصَلِّ فِيهِ (سنن أبی داود، رقم الحديث ۲۷۴)

هذا الحديث على شرط الصحيح رواه باللفظ المذكور الأئمة: مالک فی الموطأ والشافعی فی الأم وأحمد والدارمی فی مسنديهما وأبو داود والنسائی وابن ماجه (البدر المنير، ج۳ص ۱۲۱، الحديث العشرون)

عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ: قُلْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ إِنَّهَا مُسْتَحَاضَةٌ فَقَالَ: تَجْلِسُ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا، ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتُؤَخِّرُ الظُّهْرَ وَتُعَجِّلُ الْعَصْرَ وَتَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي، وَتُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلُ الْعِشَاءَ وَتَغْتَسِلُ وَتُصَلِّيهِمَا جَمِيعًا، وَتَغْتَسِلُ لِلْفَجْرِ (سنن نسائی، رقم الحديث ۳۶۱)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي خَالَتِي فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ، قَالَتْ: أَتَيْتُ عَائِشَةَ، فَقُلْتُ لَهَا: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، قَدْ خَشِيتُ أَنْ لَا يَكُونَ لِي حَظٌّ فِي الْإِسْلَامِ، وَأَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، أَمْكُثُ مَا شَاءَ اللهُ مِنْ يَوْمِ أُسْتَحَاضُ، فَلَا أُصَلِّي لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ صَلَاةً، قَالَتْ: اجْلِسِي حَتَّى يَجِيءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَذِهِ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ تَخْشَى أَنْ لَا يَكُونَ لَهَا حَظٌّ فِي الْإِسْلَامِ، وَأَنْ تَكُونَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، تَمْكُثُ مَا شَاءَ اللهُ مِنْ يَوْمِ تُسْتَحَاضُ، فَلَا تُصَلِّي لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِيهِ صَلَاةً، فَقَالَ " : مُرِي فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ، فَلْتُمْسِكْ كُلَّ شَهْرٍ عَدَدَ أَيَّامِ أَقْرَائِهَا، ثُمَّ تَغْتَسِلُ، وَتَحْتَشِي، وَتَسْتَثْفِرُ، وَتَنَظَّفُ، ثُمَّ تَطَهَّرُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ، وَتُصَلِّي، فَإِنَّمَا ذَلِكَ رَكْضَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ، أَوْ عِرْقٌ انْقَطَعَ، أَوْ دَاءٌ عَرَضَ لَهَا (مسند أحمد، رقم الحديث ۲۷۶۳۱)

فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

وبیش تک حیض کا خون جاری رہتا ہے۔ [1]

بعض اوقات عورت کے حیض نہ آنے یا بالفاظِ دیگر پاکی کی حالت کا دورانیہ طویل اور لمبا بھی ہوجاتا ہے، اور بعض عورتوں کو کسی بیماری یا عمر کی زیادتی کی وجہ سے بالکل حیض نہیں آتا۔

اور عورت کو حمل کے زمانہ میں حیض کا خون نہیں آتا، اور اسی طرح طبی اعتبار سے بچہ کو دودھ پلانے کے زمانہ میں عموماً حیض کا خون نہیں آتا، یا بہت کم آتا ہے۔

ایسی حالت میں جب خون نہ آئے، وہ عورت پاک کہلاتی ہے، اور اس زمانہ میں اس کے لئے نماز روزہ سب جائز و درست ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فَوَعَظَهُمْ ثُمَّ قَالَ: يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنَّكُنَّ أَكْثَرُ أَهْلِ النَّارِ فَقَالَتْ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ: وَلِمَ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: لِكَثْرَةِ لَعْنِكُنَّ، يَعْنِي وَكُفْرِكُنَّ الْعَشِيرَ. قَالَ: وَمَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَغْلَبَ لِذَوِي الْأَلْبَابِ، وَذَوِي الرَّأْيِ مِنْكُنَّ، قَالَتْ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ: وَمَا نُقْصَانُ دِينِهَا وَعَقْلِهَا، قَالَ: شَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ مِنْكُنَّ بِشَهَادَةِ رَجُلٍ، وَنُقْصَانُ دِينِكُنَّ، الْحَيْضَةُ، تَمْكُثُ إِحْدَاكُنَّ الثَّلَاثَ وَالْأَرْبَعَ لَا تُصَلِّي وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَابْنِ عُمَرَ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ (ترمذی، رقم الحديث ٢٦١٣، بَابُ مَا جَاءَ فِي اسْتِكْمَالِ الْإِيمَانِ وَزِيَادَتِهِ وَنُقْصَانِهِ)

عَنْ عَمِّهِ عِمْرَانَ بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ أُمِّهِ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ أَنَّهَا اسْتُحِيضَتْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: إِنِّي اسْتُحِضْتُ حَيْضَةً مُنْكَرَةً شَدِيدَةً، قَالَ لَهَا: احْتَشِي كُرْسُفًا قَالَتْ لَهُ: إِنَّهُ أَشَدُّ مِنْ ذَلِكَ، إِنِّي أَثُجُّ ثَجًّا، قَالَ: تَلَجَّمِي، وَتَحَيَّضِي فِي كُلِّ شَهْرٍ فِي عِلْمِ اللَّهِ سِتَّةَ أَيَّامٍ، أَوْ سَبْعَةَ أَيَّامٍ، ثُمَّ اغْتَسِلِي غُسْلًا، فَصَلِّي، وَصُومِي ثَلَاثَةً وَعِشْرِينَ، أَوْ أَرْبَعَةً وَعِشْرِينَ، وَأَخِّرِي الظُّهْرَ، وَقَدِّمِي الْعَصْرَ، وَاغْتَسِلِي لَهُمَا غُسْلًا، وَأَخِّرِي الْمَغْرِبَ، وَعَجِّلِي الْعِشَاءَ، وَاغْتَسِلِي لَهُمَا غُسْلًا، وَهَذَا أَحَبُّ الْأَمْرَيْنِ إِلَيَّ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٦٢٧)

[2] (وَلَا حَدَّ لِأَكْثَرِهِ) و إِنْ اسْتَغْرَقَ الْعُمُرَ (الدر المختار مع ردالمحتار، ج ١، ص ٢٨٥، باب الحيض)

مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خان صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ:

یہ خون صحت کی حالت میں بارہ سے سولہ برس کے درمیان عورتوں کو سنِ بلوغ میں آنا شروع ہوتا ہے، جو ماہ بماہ بعض کو اٹھائیس دن کے وقفہ سے، بعض کو بائیس دن کے وقفہ سے آیا کرتا ہے، اور عموماً تین، چار، پانچ یا سات دن آکر خود بخود بند ہوجاتا ہے، اور پینتالیس سے پچپن سال کی عمر میں قدرتاً بند ہوجایا کرتا ہے۔

حالتِ حمل میں اور ایامِ رضاعت میں بچہ کو دودھ پلانے کا زمانہ یہ خون جنین کی پرورش میں صرف ہوتا ہے،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴...... مرفوع اور مستند احادیث میں واضح طور پر سب عورتوں کے لئے حیض اور پاکی کا کوئی زمانہ مختص نہیں کیا گیا، بلکہ زیادہ تر عورتوں کی عادتوں پر دارومدار رکھا گیا ہے۔

اور آثار اس سلسلہ میں مختلف ہیں، اسی لئے اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ حیض کا کم از کم کتنا اور زیادہ سے زیادہ کتنا زمانہ ہوسکتا ہے؟

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حیض کا کم از کم زمانہ تین دن اور تین راتوں اور زیادہ سے زیاہ دس دن اور دس راتوں پر مشتمل ہوسکتا ہے۔ اور بہت سے دیگر فقہائے کرام کے نزدیک حیض کا زمانہ کم از کم ایک دن اور ایک رات، اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن اور پندرہ راتوں پر مشتمل ہوسکتا ہے، اس زیادہ ہوتو وہ بیماری کا خون (یعنی استحاضہ) ہے، جس میں روزہ رکھنے کا حکم ہوتا ہے۔

اور حیض کے زمانہ کے مقابلہ میں پاکی کا زمانہ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک کم از کم پندرہ دنوں پر مشتمل ہوتا ہے، اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ چنانچہ حمل قرار پانے کے بعد ایامِ ماہواری بند ہوجاتے ہیں، اور اس سے جنین کو غذا پہنچ کر رحم میں نو ماہ تک جنین کی تکمیل ہوتی ہے، جس قدر حصہ جنین کی غذا سے فاضل بچتا ہے، وہ وضع حمل کے وقت بطور نفاس کے خارج ہوتا ہے، دودھ پلانے کے زمانہ میں یہ خون عورت کے پستان میں پہنچ کر دودھ کی صورت اختیار کرتا ہے، جس کے ذریعہ بچہ غذا حاصل کرکے پرورش پاتا ہے۔

ان ایام کے علاوہ خون کا رُک جانا یا بے قاعدگی کے ساتھ آنا مرض میں داخل ہے، جس کا اگر مناسب علاج نہ کیا جائے، تو شدید امراض مثلاً سومہ القینہ، استسقاء، دردِ سر، مالیخولیا، مرگی، سکتہ، فالج، اختناق الرحم، تشنگی مفرِط، ضعفِ ہضم، سقوط اشتہاء وغیرہ شکایات پیدا ہوجاتی ہیں، اس لئے بہت جلد اس کا علاج کرنا چاہئے (حاذق، ص ۴۶۷، ۴۶۸)

اکثر شروع جوانی میں لڑکیوں کو حیض بے قاعدہ آیا کرتا ہے، مثلاً دو دو یا تین تین بلکہ چار چار مہینے بعد حیض آیا کرتا ہے، لیکن جوں جوں عمر بڑھتی جاتی ہے، یہ نقص خود بخود رفع ہوجاتا ہے، اور شادی ہوجانے کے بعد تو یہ بے قاعدگی اکثر رفع بھی ہوجاتی ہے (ایضاً، ص ۴۶۹)

[1] عَنْ عَمِّهِ عِمْرَانَ بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ أُمِّهِ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ: كُنْتُ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً شَدِيدَةً، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْتَفْتِيهِ وَأُخْبِرُهُ، فَوَجَدْتُهُ فِي بَيْتِ أُخْتِي زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً شَدِيدَةً، فَمَا تَأْمُرُنِي فِيهَا، فَقَدْ مَنَعَتْنِي

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مختلف اہلِ علم حضرات کے اس سلسلہ میں اور بھی اقوال پائے جاتے ہیں۔

چنانچہ کچھ حضرات کے نزدیک حیض کی کم ازکم یا زیادہ مدت کی کوئی تحدید نہیں، جب معروف

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الصِّيَامَ وَالصَّلَاةَ؟ قَالَ :أَنْعَتُ لَكِ الكُرْسُفَ، فَإِنَّهُ يُذْهِبُ الدَّمَ قَالَتْ :هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: فَتَلَجَّمِي قَالَتْ :هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ :فَاتَّخِذِي ثَوْبًا قَالَتْ :هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ، إِنَّمَا أَثُجُّ ثَجًّا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :سَآمُرُكِ بِأَمْرَيْنِ :أَيَّهُمَا صَنَعْتِ أَجْزَأَ عَنْكِ، فَإِنْ قَوِيتِ عَلَيْهِمَا فَأَنْتِ أَعْلَمُ "فَقَالَ :إِنَّمَا هِيَ رَكْضَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَتَحَيَّضِي سِتَّةَ أَيَّامٍ أَوْ سَبْعَةَ أَيَّامٍ فِي عِلْمِ اللَّهِ، ثُمَّ اغْتَسِلِي، فَإِذَا رَأَيْتِ أَنَّكِ قَدْ طَهُرْتِ وَاسْتَنْقَأْتِ فَصَلِّي أَرْبَعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً، أَوْ ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً وَأَيَّامَهَا، وَصُومِي وَصَلِّي، فَإِنَّ ذَلِكِ يُجْزِئُكِ، وَكَذَلِكِ فَافْعَلِي، كَمَا تَحِيضُ النِّسَاءُ وَكَمَا يَطْهُرْنَ، لِمِيقَاتِ حَيْضِهِنَّ وَطُهْرِهِنَّ، فَإِنْ قَوِيتِ عَلَى أَنْ تُؤَخِّرِي الظُّهْرَ وَتُعَجِّلِي العَصْرَ، ثُمَّ تَغْتَسِلِينَ حِينَ تَطْهُرِينَ، وَتُصَلِّينَ الظُّهْرَ وَالعَصْرَ جَمِيعًا، ثُمَّ تُؤَخِّرِينَ المَغْرِبَ، وَتُعَجِّلِينَ العِشَاءَ، ثُمَّ تَغْتَسِلِينَ، وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ، فَافْعَلِي، وَتَغْتَسِلِينَ مَعَ الصُّبْحِ وَتُصَلِّينَ، وَكَذَلِكِ فَافْعَلِي، وَصُومِي إِنْ قَوِيتِ عَلَى ذَلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :وَهُوَ أَعْجَبُ الأَمْرَيْنِ إِلَيَّ .هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .وَرَوَاهُ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو الرَّقِّيُّ، وَابْنُ جُرَيْجٍ، وَشَرِيكٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ عَمِّهِ عِمْرَانَ، عَنْ أُمِّهِ حَمْنَةَ، إِلَّا أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ يَقُولُ :عُمَرُ بْنُ طَلْحَةَ، وَالصَّحِيحُ عِمْرَانُ بْنُ طَلْحَةَ .وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هَذَا الحَدِيثِ، فَقَالَ :هُوَ حَدِيثٌ حَسَنٌ. وَهَكَذَا قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ :هُوَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وقَالَ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ فِي المُسْتَحَاضَةِ :إِذَا كَانَتْ تَعْرِفُ حَيْضَهَا بِإِقْبَالِ الدَّمِ وَإِدْبَارِهِ، وَإِقْبَالُهُ أَنْ يَكُونَ أَسْوَدَ، وَإِدْبَارُهُ أَنْ يَتَغَيَّرَ إِلَى الصُّفْرَةِ، فَالحُكْمُ لَهَا عَلَى حَدِيثِ فَاطِمَةَ بِنْتِ أَبِي حُبَيْشٍ، وَإِنْ كَانَتِ المُسْتَحَاضَةُ لَهَا أَيَّامٌ مَعْرُوفَةٌ قَبْلَ أَنْ تُسْتَحَاضَ، فَإِنَّهَا تَدَعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا، ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ وَتُصَلِّي، وَإِذَا اسْتَمَرَّ بِهَا الدَّمُ وَلَمْ يَكُنْ لَهَا أَيَّامٌ مَعْرُوفَةٌ وَلَمْ تَعْرِفِ الحَيْضَ بِإِقْبَالِ الدَّمِ وَإِدْبَارِهِ، فَالحُكْمُ لَهَا عَلَى حَدِيثِ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ .وقَالَ الشَّافِعِيُّ :المُسْتَحَاضَةُ إِذَا اسْتَمَرَّ بِهَا الدَّمُ فِي أَوَّلِ مَا رَأَتْ فَدَامَتْ عَلَى ذَلِكَ، فَإِنَّهَا تَدَعُ الصَّلَاةَ مَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا، فَإِذَا طَهُرَتْ فِي خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا، أَوْ قَبْلَ ذَلِكَ، فَإِنَّهَا أَيَّامُ حَيْضٍ، فَإِذَا رَأَتِ الدَّمَ أَكْثَرَ مِنْ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا، فَإِنَّهَا تَقْضِي صَلَاةَ أَرْبَعَةَ عَشَرَ يَوْمًا، ثُمَّ تَدَعُ الصَّلَاةَ بَعْدَ ذَلِكَ أَقَلَّ مَا تَحِيضُ النِّسَاءُ، وَهُوَ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ .وَاخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي أَقَلِّ الحَيْضِ وَأَكْثَرِهِ، فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ :أَقَلُّ الحَيْضِ ثَلَاثَةٌ، وَأَكْثَرُهُ عَشَرَةٌ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الكُوفَةِ، وَبِهِ يَأْخُذُ ابْنُ المُبَارَكِ، وَرُوِيَ عَنْهُ خِلَافُ هَذَا .وقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْهُمْ عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ :أَقَلُّ الحَيْضِ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ، وَأَكْثَرُهُ خَمْسَةَ عَشَرَ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ، وَالأَوْزَاعِيِّ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَأَبِي عُبَيْدٍ(سنن الترمذی، رقم الحديث ١٢٨،ابواب الطهارة،باب فی المستحاضة أنها تجمع بين الصلاتين بغسل واحد)

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي تَقْدِيرِهَا، فَذَهَبَ جَمَاعَةٌ إِلَى أَنَّ أَقَلَّ الْحَيْضِ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ، وَأَكْثَرَهُ خَمْسَةَ عَشَرَ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خون آئے تو وہ حیض ہے، اور جب نہ آئے تو وہ پاکی کا زمانہ ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يُرْوَى ذَلِكَ عَنْ عَلِيٍّ، وَهُوَ قَوْلُ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، وَبِهِ قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ، وَمَالِكٌ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ .وَذَهَبَ جَمَاعَةٌ إِلَى أَنَّ أَقَلَّهُ ثَلَاثَةٌ، وَأَكْثَرَهُ عَشَرَةُ أَيَّامٍ، يُرْوَى ذَلِكَ عَنْ أَنَسٍ، وَبِهِ قَالَ الْحَسَنُ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ، وَأَصْحَابِ الرَّأْيِ .وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ :أَكْثَرُ الْحَيْضِ ثَلَاثَةَ عَشَرَ .وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ، وَشُرَيْحٍ :إِنْ جَاءَتْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ بِطَانَةِ أَهْلِهَا مِمَّنْ يُرْضَى دِينُهُ أَنَّهَا حَاضَتْ ثَلَاثًا فِي شَهْرٍ صُدِّقَتْ، وَقَضَى بِهِ شُرَيْحٌ فِي انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ، وَرَضِيَهُ عَلِيٌّ.وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ :أَقْرَاؤُهَا مَا كَانَتْ(شرح السنة للبغوی، ج۲ص ۱۳۵، كِتَابُ الْحَيْضِ)

[1] وأما اختلافهم مجملا فی أقل الحيض وأكثره فكان مالك لا يوقت فی قليل الحيض ولا فی كثيره . وقال أقله دفقة من دم غير أنها لا تعتد بها من طلاق ،ثم قال أكثره الحيض خمسة عشر يوما فيما بلغنا ،وقال محمد بن مسلمة أكثره خمسة عشر يوما وأقله ثلاثة أيام ،وقال الشافعی أقله يوم وليلة وأكثره خمسة عشر يوما وقد روى عنه مثل قول مالك أن ذلك مردود إلى عرف النساء ، وقال الطبری أقله يوم وأكثره خمسة عشر يوما فإن تمادى بها الدم خمسة عشر يوما وزادها قضت صلاة أربعة عشر يوما ،وروى عن سعيد بن جبير إذا زاد على ثلاثة عشر يوما فهو استحاضة ،وقال أحمد بن حنبل أقصى ما سمعنا سبعة عشر يوما ،وكان نساء الماجشون يحضن سبعة عشر يوما ،وبه قال ابن نافع صاحب مالك ،وقال أبو ثور مثل قول الشافعی أقله يوم وليلة وأكثره خمسة عشر يوما، وبه قال أحمد بن حنبل وهو قول عطاء بن أبی رباح ،وقال الأوزاعی أقل الحيض يوم ،قال وعندنا امرأة تحيض غدوة وتطهر عشية ،وقال أبو حنيفة وأصحابه أقل الحيض ثلاثة أيام وأكثره عشرة أيام ،قال أبو عمر ما نقص عند هؤلاء عن ثلاثة أيام فهو استحاضة لا يمنع من الصلاة إلا عند ظهوره لأنه لا يعلم مبلغ مدته(الاستذكار لابن عبدالبر، ج ۱ ص ۳۴۹، باب المستحاضة)

وَلَا يُتَقَدَّرُ أَقَلُّ الْحَيْضِ وَلَا أَكْثَرُهُ، بَلْ كُلُّ مَا اسْتَقَرَّ عَادَةً لِلْمَرْأَةِ فَهُوَ حَيْضٌ، وَإِنْ نَقَصَ عَنْ يَوْمٍ أَوْ زَادَ عَلَى الْخَمْسَةِ أَوْ السَّبْعَةَ عَشَرَ (الفتاویٰ الكبرىٰ لابنِ تيمية، ج۵ص ۳۱۴، باب الحيض)

وَالْأَصْلُ فِي كُلِّ مَا يَخْرُجُ مِنْ الرَّحِمِ أَنَّهُ حَيْضٌ حَتَّى يَقُومَ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ اسْتِحَاضَةٌ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ هُوَ الدَّمُ الْأَصْلِيُّ الْجَبَلِيُّ وَهُوَ دَمٌ تُرْخِيه الرَّحِمُ وَدَمُ الْفَسَادِ دَمُ عِرْقٍ يَنْفَجِرُ؛ وَذَلِكَ كَالْمَرَضِ؛ وَالْأَصْلُ الصِّحَّةُ لَا الْمَرَضُ .فَمَتَى رَأَتْ الْمَرْأَةُ الدَّمَ جَارٍ مِنْ رَحِمِهَا فَهُوَ حَيْضٌ تُتْرَكُ لِأَجْلِهِ الصَّلَاةُ .وَمَنْ قَالَ :إنَّهَا تَغْتَسِلُ عَقِيبَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَهُوَ قَوْلٌ مُخَالِفٌ لِلْمَعْلُومِ مِنْ السُّنَّةِ وَإِجْمَاعِ السَّلَفِ؛ فَإِنَّا نَعْلَمُ أَنَّ النِّسَاءَ كُنَّ يَحِضْنَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُلُّ امْرَأَةٍ تَكُونُ فِي أَوَّلِ أَمْرِهَا مُبْتَدَأَةً قَدْ ابْتَدَأَهَا الْحَيْضُ وَمَعَ هَذَا فَلَمْ يَأْمُرْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً مِنْهُنَّ بِالِاغْتِسَالِ عَقِبَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ .وَلَوْ كَانَ ذَلِكَ مَنْقُولًا لَكَانَ ذَلِكَ حَدًّا لِأَقَلِّ الْحَيْضِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَحُدَّ أَقَلَّ الْحَيْضِ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْحَدِيثِ .وَالْمَرْوِيُّ فِي ذَلِكَ ثَلَاثٌ .وَهِيَ أَحَادِيثُ مَكْذُوبَةٌ عَلَيْهِ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِحَدِيثِهِ وَهَذَا قَوْلُ جَمَاهِيرِ الْعُلَمَاءِ .وَهُوَ أَحَدُ الْقَوْلَيْنِ فِي مَذْهَبِ أَحْمَد(مجموع الفتاویٰ لابنِ تيمية، ج ۱۹ ص ۲۳۸، ۲۳۹، فصل فی اسم الحيض)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فقہائے کرام نے اپنے اپنے اجتہادات وتجربات اور آثار کی روشنی میں حکم بیان فرمایا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۵...... عورت کو اپنے حیض کی عادت کے دنوں اور معروف زمانہ میں جو خون آئے، خواہ وہ سیاہی مائل یعنی گاڑھے سرخ رنگ کا ہو، یا کچھ پیلے پن کی طرف مائل ہو، وہ حیض ہی کا خون شمار ہوتا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لم يأت في تقدير أقله وأكثره ما تقوم به الحجة وكذلك الطهر فذات العادة المتقررة تعمل عليها وغيرها ترجع إلى القرائن فدم الحيض يتميز من غيره فتكون حائضا إذا رأت دم الحيض ومستحاضة إذا رأت غيره فهي كالطاهرة وتغسل أثر الدم وتتوضأ لكل صلاة والحائض لا تصلي ولا تصوم ولا توطأ حتى تغتسل بعد الطهر وتقضي الصيام.

أقول :ما ورد في تقدير أقل الحيض والطهر وأكثرهما إما موقوف ولا تقوم به حجة أو مرفوع ولا يصح فلا تعويل على ذلک ولا رجوع إليه بل المعتبر لذات العادة المتقررة هو العادة وغير المعتادة تعمل بالقرائن المستفادة من الدم وقد صح في غير حديث اعتبار الشارع للعادة كحديث "إذا أقبلت الحيضة فاتركي الصلاة فإذا ذهب قدرها فاغسلي عنک الدم وصلي "أخرجه البخاري رحمه الله تعالى وغيره من حديث عائشة رضي الله عنها وأخرج مسلم رحمه الله تعالى وغيره من حديثها نحو ذلک وأخرج أحمد وأبو داود والنسائي وابن ماجه من حديث أم سلمة "أنها استفتت النبي صلى الله عليه وسلم في امرأة تهراق الدم فقال :لتنظر قدر الليالي والأيام التي كانت تحيضهن وقدرهن من الشهر فتدع الصلاة "وهو حديث صالح للاحتجاج به وكذلک حديث زينب بنت جحش "أن النبي صلى الله عليه وسلم قال :في المستحاضة تجلس أيام أقرائها "أخرجه النسائي والأحاديث في هذا المعنى كثيرة(الدراري المضية شرح الدرالبهية، ج ا ص۶۷،۶۸،باب أحكام الحيض)

[1] وهذه الاقاويل كلها المختلف فيها عند الفقهاء في أقل الحيض، وأكثره، وأقل الطهر لا مستند لها إلا التجربة والعادة، وكل إنما قال من ذلک ما ظن أن التجربة أوقفته على ذلک، ولاختلاف ذلک في النساء عسر أن يعرف بالتجربة حدود هذه الاشياء في أكثر النساء ووقع في ذلک هذا الخلاف الذي ذكرنا(بداية المجتهد، ج ا ص ۵۱،كتاب الغسل،الباب الثاني)

[2] عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ أَبِي حُبَيْشٍ أَنَّهَا كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ فَأَمْسِكِي عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِذَا كَانَ الْآخَرُ فَتَوَضَّئِي فَإِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ(سنن نسائي، رقم الحديث ۲۱۵)

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ أَبِي حُبَيْشٍ، أَنَّهَا كَانَتْ تُسْتَحَاضُ، فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضَةِ فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ، فَإِذَا كَانَ ذَلِکَ فَأَمْسِكِي عَنِ الصَّلَاةِ، وَإِذَا كَانَ الْآخَرُ فَتَوَضَّئِي وَصَلِّي، فَإِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ (حاكم، رقم الحديث ۶۱۸،وقال الذهبي: على شرط مسلم)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۶ ...... بچہ کی پیدائش کے بعد عورت کے رحم سے جاری ہوکر آگے کی راہ سے آنے والا خون نفاس کہلاتا ہے؛ نفاس کی کم سے کم مدت شرعاً مقرر نہیں ایک دن، ایک گھنٹہ ایک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَكُنَّ نِسَاءٌ يَبْعَثْنَ إِلَى عَائِشَةَ بِالدُّرَجَةِ فِيهَا الكُرْسُفُ فِيهِ الصُّفْرَةُ، فَتَقُولُ :لاَ تَعْجَلْنَ حَتَّى تَرَيْنَ القَصَّةَ البَيْضَاءَ تُرِيدُ بِذَلِكَ الطُّهْرَ مِنَ الحَيْضَةِ وَبَلَغَ بِنْتَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ :أَنَّ نِسَاءً يَدْعُونَ بِالْمَصَابِيحِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ يَنْظُرْنَ إِلَى الطُّهْرِ، فَقَالَتْ :مَا كَانَ النِّسَاءُ يَصْنَعْنَ هَذَا وَعَابَتْ عَلَيْهِنَّ(بخاری، کتاب الحیض،بَابُ إِقْبَالِ المَحِيضِ وَإِدْبَارِهِ)

عَنْ أُمِّهِ مَوْلَاةِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ " :كَانَ النِّسَاءُ يَبْعَثْنَ إِلَى عَائِشَةَ بِالدُّرْجَةِ فِيهَا الْكُرْسُفُ، فِيهِ الصُّفْرَةُ مِنَ الْحَيْضِ فَتَقُولُ :لا تَعْجَلْنَّ حَتَّى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ ." تُرِيدُ بِذَلِكَ الطُّهْرَ مِنَ الْحَيْضِ، قَالَ مُحَمَّدٌ :وَبِهَذَا نَأْخُذُ، لا تَطْهُرُ الْمَرْأَةُ مَا دَامَتْ تَرَى حُمْرَةً، أَوْ صُفْرَةً، أَوْ كُدْرَةً، حَتَّى تَرَى الْبَيَاضَ خَالِصًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ(المؤطا للامام محمد، رقم الحديث ۸۵)

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ :إِذَا رَأَتِ الدَّمَ، فَلْتُمْسِكْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتَّى تَرَى الطُّهْرَ أَبْيَضَ كَالْقَصَّةِ، ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي (سنن الدارمی،رقم الحديث ۸۹۱)

(تعليق المحقق) إسناده حسن من أجل سليمان بن موسى.

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ، عَنْ أُمِّهِ مَوْلَاةِ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ " :كَانَ النِّسَاءُ يَبْعَثْنَ إِلَى عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالدُّرْجَةِ فِيهَا الْكُرْسُفُ فِيهَا الصُّفْرَةُ، فَتَقُولُ :لَا تَعْجَلْنَ حَتَّى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ، تُرِيدُ بِذَلِكَ الطُّهْرَ مِنَ الْحَيْضَةِ "

قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ :تَقُولُ :حَتَّى تَخْرُجَ الْقُطْنَةُ، أَوِ الْخِرْقَةُ الَّتِي تَحْتَشِي بِهَا الْمَرْأَةُ كَأَنَّهَا قَصَّةٌ لَا يُخَالِطُهَا صُفْرَةٌ .وَقَدْ قِيلَ :إِنَّ الْقَصَّةَ شَيْءٌ كَالْخَيْطِ الْأَبْيَضِ يَخْرُجُ بَعْدَ انْقِطَاعِ الدَّمِ.

وَقَالَ مَالِكٌ :سَأَلْتِ النِّسَاءَ عَنْهَا، فَإِذَا ذَلِكَ أَمْرٌ مَعْرُوفٌ عِنْدَ النِّسَاءِ يَرَيْنَهُ عِنْدَ الطُّهْرِ

وَقَالَ الْحَسَنُ، وَعَطَاءٌ " :لَيْسَ فِي التَّرِيَّةِ شَيْءٌ بَعْدَ الْغُسْلِ إِلا الطُّهُورُ.

يُرِيدُ :إِذَا طَهُرَتِ الْحَائِضُ وَاغْتَسَلَتْ، ثُمَّ رَأَتِ التَّرِيَّةَ لَيْسَ عَلَيْهَا إِلا الْوُضُوءُ "، وَيُرْوَى مِثْلُهُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ .قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ :التَّرِيَّةُ :الشَّيْءُ الْيَسِيرُ الْخَفِيُّ، وَلَوْ أَقَلُّ مِنَ الصُّفْرَةِ، وَلا يَكُونُ إِلا بَعْدَ الاغْتِسَالِ مِنَ الْمَحِيضِ .قَالَ الإِمَامُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ أَنَّهَا قَالَتْ :كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ بَعْدَ الطُّهْرِ شَيْئًا .قَالَ الإِمَامُ :اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْحَائِضِ إِذَا رَأَتِ الصُّفْرَةَ أَوِ الْكُدْرَةَ بَعْدَ انْقِطَاعِ الدَّمِ، وَانْقِضَاءِ الْعَادَةِ، فَرُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّهُ قَالَ :لَيْسَ ذَلِكَ بِحَيْضٍ لَا تَتْرُكُ لَهَا الصَّلاةَ، وَهُوَ قَوْلُ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، وَالْحَسَنِ، وَابْنِ سِيرِينَ، وَعَطَاءٍ، وَبِهِ قَالَ الثَّوْرِيُّ، وَالْأَوْزَاعِيُّ، وَأَحْمَدُ .وَذَهَبَ قَوْمٌ إِلَى أَنَّهُ حَيْضٌ مَا لَمْ يُجَاوِزْ أَكْثَرَ الْحَيْضِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَا لَمْ يُجَاوِزِ الْعَشْرَ، وَالْمَشْهُورُ مِنْ مَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَا لَمْ يُجَاوِزْ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا(شرح السنة للبغوی، ج۲ ص ۱۵۴، ۱۵۵، كِتَابُ الْحَيْضِ،بَابُ الصُّفْرَةِ وَالْكُدْرَةِ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

منٹ بھی ہوسکتی ہے، اور نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن چالیس راتیں ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّ إِقْبَالَ الْمَحِيضِ يُعْرَفُ بِالدُّفْعَةِ مِنَ الدَّمِ فِي وَقْتِ إِمْكَانِ الْحَيْضِ وَاخْتَلَفُوا فِي إِدْبَارِهِ فَقِيلَ يُعْرَفُ بِالْجُفُوفِ وَهُوَ أَنْ يَخْرُجَ مَا يُحْتَشَى بِهِ جَافًّا وَقِيلَ بِالْقَصَّةِ الْبَيْضَاءِ وَإِلَيْهِ مَيْلُ الْمُصَنِّفِ كَمَا سَنُوَضِّحُهُ قَوْلُهُ وَكُنَّ هُوَ بِصِيغَة جمع الْمُؤَنَّث وَنسَاء بِالرَّفْعِ وَهُوَ بَدَلٌ مِنَ الضَّمِيرِ نَحْوَ أَكَلُونِي الْبَرَاغِيثُ وَالتَّنْكِيرُ فِي نِسَاءٍ لِلتَّنْوِيعِ أَيْ كَانَ ذَلِكَ مِنْ نَوْعٍ مِنَ النِّسَاءِ لَا مِنْ كُلِّهِنَّ وَهَذَا الْأَثَرُ قَدْ رَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّأِ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ الْمَدَنِيِّ عَنْ أُمِّهِ وَاسْمُهَا مَرْجَانَةُ مَوْلَاةُ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النِّسَاءُ قَوْلُهُ بِالدِّرَجَةِ بِكَسْرِ أَوَّلِهِ وَفَتْحِ الرَّاءِ وَالْجِيمِ جَمْعُ دُرْجٍ بِالضَّمِّ ثُمَّ السُّكُونِ قَالَ ابن بطال كَذَا يرويهِ أَصْحَاب الحَدِيث وَضَبطه ابن عَبْدِ الْبَرِّ فِي الْمُوَطَّأِ بِالضَّمِّ ثُمَّ السُّكُونِ وَقَالَ إِنَّهُ تَأْنِيثُ دُرْجٍ وَالْمُرَادُ بِهِ مَا تَحْتَشِي بِهِ الْمَرْأَةُ مِنْ قُطْنَةٍ وَغَيْرِهَا لِتَعْرِفَ هَلْ بَقِيَ مِنْ أَثَرِ الْحَيْضِ شَيْءٌ أَمْ لَا قَوْلُهُ الْكُرْسُفُ بِضَمِّ الْكَافِ وَالسِّينِ الْمُهْمَلَةِ بَيْنَهُمَا رَاءٌ سَاكِنَةٌ هُوَ الْقُطْنُ قَوْلُهُ فِيهِ الصُّفْرَةُ زَادَ مَالِكٌ مِنْ دَمِ الْحَيْضَةِ قَوْلُهُ فَتَقُولُ أَيْ عَائِشَةُ وَالْقَصَّةُ بِفَتْحِ الْقَافِ وَتَشْدِيدِ الْمُهْمَلَةِ هِيَ النُّورَةُ أَيْ حَتَّى تَخْرُجَ الْقُطْنَةُ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً لَا يُخَالِطُهَا صُفْرَةٌ وَفِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ الصُّفْرَةَ وَالْكُدْرَةَ فِي أَيَّامِ الْحَيْضِ حَيْضٌ وَأَمَّا فِي غَيْرِهَا فَسَيَأْتِي الْكَلَامُ عَلَى ذَلِكَ فِي بَابٍ مُفْرَدٍ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

وَفِيهِ أَنَّ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ عَلَامَةٌ لِانْتِهَاءِ الْحَيْضِ وَيَتَبَيَّنُ بِهَا ابْتِدَاءُ الطُّهْرِ وَاعْتُرِضَ عَلَى مَنْ ذَهَبَ إِلَى أَنَّهُ يُعْرَفُ بِالْجُفُوفِ بِأَنَّ الْقُطْنَةَ قَدْ تَخْرُجُ جَافَّةً فِي أَثْنَاءِ الْأَمْرِ فَلَا يَدُلُّ ذَلِكَ عَلَى انْقِطَاعِ الْحَيْضِ بِخِلَافِ الْقَصَّةِ وَهِيَ مَاءٌ أَبْيَضُ يَدْفَعُهُ الرَّحِمُ عِنْدَ انْقِطَاعِ الْحَيْضِ قَالَ مَالِكٌ سَأَلْتُ النِّسَاءَ عَنْهُ فَإِذَا هُوَ أَمْرٌ مَعْلُومٌ عِنْدَهُنَّ يَعْرِفْنَهُ عِنْدَ الطُّهْرِ (فتح البارى، ج ا ص ۴۲۰، قَوْلُهُ بَابُ إِقْبَالِ الْمَحِيضِ وَإِدْبَارِهِ)

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ شَيْئًا (بخارى، رقم الحديث ۳۲۶)

يُشِيرُ بِذَلِكَ إِلَى الْجَمْعِ بَيْنَ حَدِيثِ عَائِشَةَ الْمُتَقَدِّمِ فِي قَوْلِهَا حَتَّى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ وَبَيْنَ حَدِيثِ أُمِّ عَطِيَّةَ الْمَذْكُورِ فِي هَذَا الْبَابِ بِأَنَّ ذَلِكَ مَحْمُولٌ عَلَى مَا إِذَا رَأَتِ الصُّفْرَةَ أَوِ الْكُدْرَةَ فِي أَيَّامِ الْحَيْضِ وَأَمَّا فِي غَيْرِهَا فَعَلَى مَا قَالَتْهُ أُمُّ عَطِيَّةَ (فتح البارى لابنِ حجر، ج ۱ ۴۲۶، قَوْلُهُ بَابُ الصُّفْرَةِ وَالْكُدْرَةِ فِي غَيْرِ أَيَّامِ الْحَيْضِ)

ل عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَنْتَظِرُ النُّفَسَاءُ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً، فَمَنْ رَأَتِ الطُّهْرَ قَبْلَ ذَلِكَ فَهِيَ طَاهِرٌ، وَإِنْ جَاوَزَتِ الْأَرْبَعِينَ فَهِيَ بِمَنْزِلَةِ الْمُسْتَحَاضَةِ تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي، فَإِنْ غَلَبَهَا الدَّمُ تَوَضَّأَتْ لِكُلِّ صَلَاةٍ. عَمْرُو بْنُ الْحُصَيْنِ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُلَاثَةَ لَيْسَا مِنْ شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَإِنَّمَا ذَكَرْتُ هَذَا الْحَدِيثَ شَاهِدًا مُتَعَجِّبًا (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۶۲۵)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: تَنْتَظِرُ النُّفَسَاءُ أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ نَحْوَهَا (سنن الدارمى، رقم الحديث ۹۹۴، بَابُ: وَقْتِ النُّفَسَاءِ وَمَا قِيلَ فِيهِ)

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: كَانَتِ النُّفَسَاءُ تَجْلِسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، فَكُنَّا نَطْلِي وُجُوهَنَا بِالْوَرْسِ مِنَ الْكَلَفِ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... اگر کسی عورت نے رمضان کے کسی دن کا روزہ پاکی کی حالت میں شروع کیا، پھر سورج غروب ہونے سے پہلے دن کے کسی وقت میں حیض یا نفاس جاری ہوگیا، تو اس کے اس دن کا روزہ معتبر نہیں ہوگا، اور اس روزہ کی بعد میں قضا کرنا ضروری ہوگا۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۸...... اگر کسی عورت کو طلوعِ فجر کے وقت حیض یا نفاس کا خون جاری تھا، پھر وہ بعد میں دن کے کسی حصہ میں سورج غروب ہونے سے پہلے ختم ہوگیا، تب بھی اس دن کا روزہ معتبر نہیں ہوگا، خواہ وہ دن کے کسی حصہ میں بھی ختم ہوا ہو۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۹...... جس عورت کے حیض یا نفاس کا خون کسی دن طلوعِ فجر سے کچھ وقت پہلے ختم ہوگیا، تو اس کو اس دن کا روزہ رکھنا درست ہے۔ [۳]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ هَذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَهْلٍ، عَنْ مُسَّةَ الْأَزْدِيَّةِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، وَاسْمُ أَبِي سَهْلٍ، كَثِيرُ بْنُ زِيَادٍ "قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ :عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى ثِقَةٌ، وَأَبُو سَهْلٍ ثِقَةٌ وَلَمْ يَعْرِفْ مُحَمَّدٌ هَذَا الحَدِيثَ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَهْلٍ، وَقَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ عَلَى أَنَّ النُّفَسَاءَ تَدَعُ الصَّلَاةَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، إِلَّا أَنْ تَرَى الطُّهْرَ قَبْلَ ذَلِكَ، فَإِنَّهَا تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي، فَإِذَا رَأَتِ الدَّمَ بَعْدَ الأَرْبَعِينَ فَإِنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ العِلْمِ قَالُوا :لَا تَدَعُ الصَّلَاةَ بَعْدَ الأَرْبَعِينَ، وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ الفُقَهَاءِ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ المُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ "وَيُرْوَى عَنِ الحَسَنِ البَصْرِيِّ، أَنَّهُ قَالَ :إِنَّهَا تَدَعُ الصَّلَاةَ خَمْسِينَ يَوْمًا إِذَا لَمْ تَرَ الطُّهْرَ وَيُرْوَى عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، وَالشَّعْبِيِّ سِتِّينَ يَوْمًا (ترمذی، رقم الحديث ۱۳۹، بَابُ مَا جَاءَ فِي كَمْ تَمْكُثُ النُّفَسَاءُ)

[۱] وَلَوْ حَاضَتْ الْمَرْأَةُ وَنَفِسَتْ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ فَسَدَ صَوْمُهَا لِأَنَّ الْحَيْضَ، وَالنِّفَاسَ مُنَافِيَانِ لِلصَّوْمِ لِمُنَافَاتِهِمَا أَهْلِيَّةَ الصَّوْمِ شَرْعًا بِخِلَافِ الْقِيَاسِ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ -عَلَى مَا بَيَّنَّا فِيمَا تَقَدَّمَ بِخِلَافِ مَا إِذَا جُنَّ إِنْسَانٌ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ، أَوْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ(بدائع الصنائع، ج۲ص۹۴، فصل فی حکم فساد الصوم)

[۲] (قَوْلُهُ :وَلَوْ نَوَى الْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ) أَيْ قَبْلَ نِصْفِ النَّهَارِ إِذَا طَهُرَتَا فِيهِ (قَوْلُهُ :لَمْ يَصِحَّ أَصْلًا) أَيْ لَا فَرْضًا وَلَا نَفْلًا شُرُنْبُلَالِيَّةٌ (قَوْلُهُ :لِلْمُنَافِي إلَخْ) أَيْ فَإِنَّ كُلًّا مِنْ الْحَيْضِ وَالنِّفَاسِ مَنَافٍ لِصِحَّةِ الصَّوْمِ مُطْلَقًا؛ لِأَنَّ فَقْدَهُمَا شَرْطٌ لِصِحَّتِهِ وَالصَّوْمُ عِبَادَةٌ وَاحِدَةٌ لَا يَتَجَزَّأُ، فَإِذَا وُجِدَ الْمُنَافِي فِي أَوَّلِهِ تَحَقَّقَ حُكْمُهُ فِي بَاقِيهِ(ردالمحتار، ج۲ص۴۰۹، باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

[۳] پھر جمہور فقہائے کرام (امام مالک، امام شافعی، امام احمد، ثوری، اسحاق اور ابو ثور) کے نزدیک طلوعِ فجر سے ایک لمحہ پہلے بھی پاک ہونے کی صورت میں اس کو روزہ رکھنے کا حکم ہے، خواہ غسل کا وقت بھی نہ ملا ہو، کیونکہ حیض ونفاس کے ختم ہونے کے بعد یہ حالتِ جنابت کے مشابہ ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر حیض دس دن پورے ہونے پر بند ہوا، تو بہر حال روزہ رکھنے کا حکم ہے، ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۰...... اگر کوئی عورت رات کو سورج غروب ہونے کے بعد حیض ونفاس کی حالت میں تھی، اور اسے اندازہ تھا کہ طلوعِ فجر سے پہلے وہ پاک ہوجائے گی، اس لئے وہ رات کو ہی اگلے دن کے روزہ کی نیت کرکے سوگئی، اور پھر طلوعِ فجر سے پہلے پاک ہوگئی، تو اس کا روزہ رات کی نیت سے ہی درست ہوجائے گا؛ اور اس کو دوبارہ نیت کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ [۱]

مسئلہ نمبر۱۱...... رمضان کے جس دن عورت کو حیض یا نفاس آجائے، اس دن کے باقی حصہ میں اس کو کھانا پینا جائز ہوتا ہے، لیکن کھلے عام کھانا پینا مناسب نہیں۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ اور دس دن سے کم پر بند ہوا، تو روزہ درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ طلوعِ فجر سے اتنی دیر پہلے بند ہوا ہو کہ جس میں غسل کیا جاسکے، کیونکہ دس دن سے کم کی صورت میں مدتِ اغتسال حیض میں داخل ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ ، قَالَ :اسْتُحِيضَتِ امْرَأَةٌ مِنْ آلِ أَنَسٍ ، فَأَمَرُونِي فَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ ؟ فَقَالَ :أَمَّا مَا رَأَتِ الدَّمَ الْبَحْرَانِيَّ فَلاَ تُصَلِّي ، وَإِذَا رَأَتِ الطُّهْرَ وَلَوْ سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ فَلْتَغْتَسِلْ وَتُصَلِّي(مُصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ۱۳۷۷)

عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :فِي الْحَائِضِ تَرَى الطُّهْرَ مِنَ اللَّيْلِ فَلَا تَغْتَسِلُ حَتَّى تُصْبِحَ، قَالَ: تَغْتَسِلُ، وَتُتِمُّ صَوْمَهَا وَلَيْسَ عَلَيْهَا قَضَاءٌ(مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۱۲۹۱)

وَأَمَّا اخْتِلَافُ الْفُقَهَاءِ فِي الْحَائِضِ تَطْهُرُ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا تَغْتَسِلُ حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ فَإِنَّ مَالِكًا وَالشَّافِعِيَّ وَالثَّوْرِيَّ وأحمد وإسحاق وأبو ثَوْرٍ يَقُولُونَ هِيَ بِمَنْزِلَةِ الْجُنُبِ وَتَغْتَسِلُ وَتَصُومُ وَيُجْزِيهَا صَوْمُ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَقَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ الْحَسَنِ الْعَنْبَرِيُّ وَالْحَسَنُ بْنُ حَيٍّ وَالْأَوْزَاعِيُّ تَصُومُهُ وَتَقْضِيهِ وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَصْحَابُهُ إِنْ كَانَتْ أَيَّامُهَا أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةٍ صَامَتْهُ وَقَضَتْهُ وإن كانت أيامها عشرا فَإِنَّهَا تَصُومُ وَلَا تَقْضِي...وَالصَّحِيحُ فِي هَذَا الْبَابِ مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَالثَّوْرِيُّ وَمَنْ تَابَعَهُمْ(التمهيد لابن عبدالبر، ج۱۷ ص۴۲۷،تابع لحرف العين، الحديث الاول)

وَلَوْ طَهُرَتْ لَيْلًا صَامَتْ الْغَدَ إنْ كَانَتْ أَيَّامُ حَيْضِهَا عَشَرَةً، وَإِنْ كَانَتْ دُونَهَا فَإِنْ أَدْرَكَتْ مِنْ اللَّيْلِ مِقْدَارَ الْغُسْلِ وَزِيَادَةَ سَاعَةٍ لَطِيفَةٍ تَصُومُ وَإِنْ طَلَعَ الْفَجْرُ مَعَ فَرَاغِهَا مِنْ الْغُسْلِ لَا تَصُومُ؛ لِأَنَّ مُدَّةَ الِاغْتِسَالِ مِنْ جُمْلَةِ الْحَيْضِ فِيمَنْ كَانَتْ أَيَّامُهَا دُونَ الْعَشَرَةِ كَذَا فِي مُحِيطِ السَّرَخْسِيِّ(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص۲۰۷، كتاب الصوم، الباب الخامس)

[۱] وَلَوْ نَوَتْ الْمَرْأَةُ فِي الْحَيْضِ ثُمَّ طَهُرَتْ قَبْلَ الْفَجْرِ صَحَّ صَوْمُهَا كَذَا فِي السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱، ص۱۹۷، كتاب الصوم، الباب الاول)

[۲] (وإذا حاضت المرأة) أو نفست (أفطرت وقضت) وليس عليها أن تتشبه حال العذر؛ لأن صومها حرام، والتشبه بالحرام حرام (اللباب فى شرح الكتاب ، ج ۱ ، ص۸۷، كتاب الصوم)

بِخِلَاف الطاهرة إِذا حَاضَت أَو نفست فِي حَالَة الصَّوْم حَيْثُ لَا تمسك لِأَنَّهَا لَيست بِأَهْل للصَّوْم والتشبه بِأَهْل الْعِبَادَة لَا يَصح من غير الْأَهْل كحقيقة الْعِبَادَة بِخِلَاف هَذَا الْفُصُول وَالله أعلم (تحفة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس کے برعکس اگرعورت دن کے پہلے حصہ میں حیض ونفاس کی حالت میں تھی، اورسورج غروب ہونے سے پہلے وہ پاک ہوگئی، تو پاک ہونے کے بعد سورج غروب ہونے تک کے حصہ میں اُس کو فقہائے احناف کے نزدیک کھانے پینے سے رُکنا واجب ہوتا ہے، لیکن اگر وہ اس واجب پر عمل نہ کرے، تو اُس پر توبہ کے علاوہ کفارہ وغیرہ کچھ واجب نہیں ہوتا۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۲...... اگر کوئی عورت رمضان کا روزہ قضاء ہونے سے بچنے کی یہ تدبیر کرے کہ حیض روکنے والی دوا استعمال کرلے جس کی وجہ سے حیض کا خون نہ آئے تو جب تک حیض نہ آئے روزہ رکھنا صحیح ہے، پھر بعد میں ایسے روزوں کی قضا کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

(۸)......روزہ کی نیت سے جماع، اکل وشرب سے رُکنا

(روزہ کا رُکن، وقت اور نیت وغیرہ سے متعلق احکام)

روزہ درحقیقت طلوعِ فجر یا بالفاظِ دیگر صبح صادق سے لے کر سورج غروب ہونے تک کھانے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الفقهاء للسمرقندی، ج ۱، ص۳۶۵، کتاب الصوم، مسألة النذر)

وأما فی حالة تحقق الحيض والنفاس فيحرم الإمساك لأن الصوم منهما حرام والتشبه بالحرام حرام وكذلك لا يجب الإمساك على المريض والمسافر لأن رخصة الإفطار فی حقهما باعتبار الحرج ولو ألزمناهما لتشبه لعاد الشیء على موضوعه بالنقض ولكن لا يأكلون جهرا بل سرا (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ج ۱، ص۶۷۸، کتاب الصوم، فصل يجب الإمساك)

[1] وإذا حاضت المرأة أو نفست أفطرت وقضت "بخلاف الصلاة لأنها تحرج فی قضائها وقد مر فی الصلاة "وإذا قدم المسافر أو طهرت الحائض فی بعض النهار أمسكا بقية يومهما (الهداية، ج ۱، ص۱۲۶، کتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة)

(وإذا قدم المسافر) أو برء المريض أو أفاق المجنون (أو طهرت الحائض) أو النفساء (فی بعض النهار أمسكا) وجوباً، هو الصحيح (اللباب فی شرح الكتاب لعبد الغنی الغنيمی الدمشقی الميدانی، ج ۱، ص۸۷، کتاب الصوم، الناشر :دار الكتاب العربی)

وإذا طهرت الحائض، أو قدم المسافر، أو بلغ الصبی، أو أسلم الكافر فی بعض النهار أمسك بقيته (المختار متن الاختيار، ج ۱، ص۱۳۵، کتاب الصوم، فصل ما يباح به الإفطار)

پینے اور جماع اور اس کے متعلقات سے عبادت کی نیت سے رُکے رہنے کا نام ہے۔ [۱]

پہلے اس سلسلہ میں چند دلائل ملاحظہ فرمائیں، پھر ان شاء اللہ تعالیٰ متعلقہ مسائل واحکام ذکر کیے جائیں گے۔

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اُحِلَّ لَكُمُ لَيُلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَائِكُمُ (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۷)

ترجمہ: تمہارے لیے روزوں کی رات میں اپنی عورتوں سے جماع کرنا حلال کیا گیا ہے (سورہ بقرہ)

سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت میں ''رفث'' سے مراد جماع ہے۔ [۲]

اور اسی آیت میں آگے ارشاد ہے کہ:

---

[۱] الصوم فی اللغة :مطلق الإمساک، یقال :صامت الشمس :إذا وقفت فی کبد السماء وأمسکت عن السیر ساعة الزوال .وقال النابغة:خیل صیام وخیل غیر صائمة أی ممسکات عن العلف وغیر ممسکات.وفی الشرع :عبارة عن إمساک مخصوص، وهو الإمساک عن المفطرات الثلاث بصفة مخصوصة، وهو قصد التقرب من شخص مخصوص وهو المسلم، بصفة مخصوصة وهی الطهارة عن الحیض والنفاس فی زمان مخصوص، وهو بیاض النهار من طلوع الفجر الثانی إلی غروب الشمس(الاختیار لتعلیل المختار، ج ۱ ص ۱۲۵، کتاب الصوم)

والحد الصحیح إمساک عن المفطرات منوی لله تعالی بإذنه فی وقته(فتح القدیر، ج ۲، ص ۳۲۶، کتاب الصوم)

وفی الشرع عبارة عن إمساک مخصوص وهو الکف عن قضاء الشهوتین شهوة البطن وشهوة الفرج من شخص مخصوص وهو أن یکون طاهرا من الحیض والنفاس فی وقت مخصوص وهو ما بعد طلوع الفجر إلی الغروب بصفة مخصوصة وهی أن تکون علی قصد التقرب(الجوهرة النیرة، ج ۱ ص ۱۳۵، کتاب الصوم)

[۲] عَنِ ابُنِ عُمَرَ، قَالَ " :الرَّفَثُ :الُجِمَاعُ، وَالُفُسُوقُ :مَا أُصِیبَ مِنُ مَعَاصِی اللَّهِ مِنُ صَیُدٍ وَغَیُرِهِ، وَالُجِدَالُ :السِّبَابُ وَالُمُنَازَعَةُ هَذَا حَدِیثٌ صَحِیحٌ عَلَی شَرُطِ مُسُلِمٍ، وَلَمُ یُخُرِجَاهُ (مستدرک حاکم ،رقم الحدیث ۳۰۹۴،وقال الذهبی:علی شرط مسلم)

عَنِ ابُنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :(فَلَا رَفَثَ)قَالَ " :الرَّفَثُ :الُجِمَاعُ " (وَلَا فُسُوقَ)قَالَ " :الُفُسُوقُ :الُمَعَاصِی "(وَلَا جِدَالَ فِی الُحَجِّ) " قَالَ :الُمِرَاءُ (مسند ابی یعلیٰ، رقم الحدیث ۲۷۰۹)

قال الهیثمی:رواه أبو یعلی، وفیه خصیف وثقه العجلی وابن معین، وضعفه جماعة، وبقیة رجاله رجال الصحیح(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد،رقم الحدیث ۱۰۸۵۳)

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ.

ترجمہ: اور کھاؤ پیو اس وقت تک کہ تم کو سفید دھاگہ صبح کا ظاہر ہوجائے سیاہ دھاگہ سے، پھر روزوں کو رات تک پورا کرو (سورہ بقرہ)

سفید دھاگے سے مراد صبح صادق کی روشنی اور سیاہ دھاگے سے مراد رات کا اندھیرا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ روزہ دار کو رات میں تو کھانا پینا جائز ہے، مگر طلوعِ فجر سے لے کر رات کے شروع ہونے یعنی سورج غروب ہونے تک کھانا پینا جائز نہیں۔ [1]

احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں رمضان کی راتوں میں سونے کے بعد کھانے پینے اور بیوی سے جماع کرنے کی اجازت نہیں تھی، خواہ ابھی تک رات ختم نہ ہوئی ہو، یعنی طلوعِ فجر یا صبح صادق نہ ہوئی ہو۔

پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس میں رخصت وسہولت اور اجازت عطا فرمادی۔ [2]

---

[1] ولم يقل حتى يتبين لكم الفجر دلالة على حرمة الاكل عند ظهور خيطه يعنى اول جزء منه (التفسير المظهرى ،الجزء الاول ،ص ۲۰۴ ،سورة البقرة)

ولا شک أن حتى لانتهاء الغاية فدلت الآية على أن حل المباشرة والأكل والشرب ينتهى عند طلوع الصبح (غرائب القرآن ورغائب الفرقان تفسير النيسا بورى، ج ۱ ص ۵۱۵، سورة بقرة)

قول الله -تعالى : -(حتى يتبين لكم الخيط الأبيض من الخيط الأسود من الفجر) وقد ظهر تحريم الأكل بطلوع الفجر عند الخاص والعام وفى كل عصر ومصر (مواهب الجليل فى شرح مختصر الشيخ خليل، ج ۱ ص ۳۹۸، باب مواقيت الصلاة)

[2] عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ " :كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَائِمًا، فَحَضَرَ الإِفْطَارُ، فَنَامَ قَبْلَ أَنْ يُفْطِرَ لَمْ يَأْكُلْ لَيْلَتَهُ وَلاَ يَوْمَهُ حَتَّى يُمْسِيَ، وَإِنَّ قَيْسَ بْنَ صِرْمَةَ الأَنْصَارِيَّ كَانَ صَائِمًا، فَلَمَّا حَضَرَ الإِفْطَارُ أَتَى امْرَأَتَهُ، فَقَالَ لَهَا :أَعِنْدَكِ طَعَامٌ؟ قَالَتْ :لاَ وَلَكِنْ أَنْطَلِقُ فَأَطْلُبُ لَكَ، وَكَانَ يَوْمَهُ يَعْمَلُ، فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ، فَجَاءَتْهُ امْرَأَتُهُ، فَلَمَّا رَأَتْهُ قَالَتْ :خَيْبَةً لَكَ، فَلَمَّا انْتَصَفَ النَّهَارُ غُشِيَ عَلَيْهِ، فَذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ :(أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ)فَفَرِحُوا بِهَا فَرَحًا شَدِيدًا، وَنَزَلَتْ :(وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الخَيْطِ الأَسْوَدِ)(بخارى ، رقم الحديث ۱۹۱۵)

وَأَمَّا أَحْوَالُ الصِّيَامِ :فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَجَعَلَ يَصُومُ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَقَالَ يَزِيدُ :فَصَامَ تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا اب رمضان میں رات کے وقت صبح صادق سے پہلے پہلے بیوی سے جماع کرنا اور کھانا پینا جائز ہے، اور طلوعِ فجر سے لے کر رات شروع ہونے یعنی سورج غروب ہونے تک کھانے پینے اور جماع سے رُکے رہنے کا حکم ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ (بخاری) [1]

ترجمہ: اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو، تو وہ جماع نہ کرے (بخاری)

پھر سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت کے آخر میں ہی جماع اور کھانے پینے سے بچنے کا حکم دے کر آگے ارشاد ہے کہ:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا.

ترجمہ: یہ اللہ کی حدود ہیں پس تم ان کے قریب بھی نہ جاؤ (سورہ بقرہ)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ شَهْرًا مِنْ رَبِيعِ الْأَوَّلِ إِلَى رَمَضَانَ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَصَامَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ ثُمَّ إِنَّ اللَّهَ فَرَضَ عَلَيْهِ الصِّيَامَ، فَأَنْزَلَ اللهُ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ) إِلَى هَذِهِ الْآيَةِ (وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ) قَالَ: فَكَانَ مَنْ شَاءَ صَامَ، وَمَنْ شَاءَ أَطْعَمَ مِسْكِينًا، فَأَجْزَأَ ذَلِكَ عَنْهُ قَالَ: ثُمَّ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ أَنْزَلَ الْآيَةَ الْأُخْرَى (شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ) إِلَى قَوْلِهِ (فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ) قَالَ: فَأَثْبَتَ اللهُ صِيَامَهُ عَلَى الْمُقِيمِ الصَّحِيحِ، وَرَخَّصَ فِيهِ لِلْمَرِيضِ وَالْمُسَافِرِ وَثَبَّتَ الْإِطْعَامَ لِلْكَبِيرِ الَّذِي لَا يَسْتَطِيعُ الصِّيَامَ، فَهَذَانِ حَوْلَانِ قَالَ: وَكَانُوا يَأْكُلُونَ وَيَشْرَبُونَ وَيَأْتُونَ النِّسَاءَ مَا لَمْ يَنَامُوا، فَإِذَا نَامُوا امْتَنَعُوا. قَالَ: ثُمَّ إِنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ صِرْمَةُ ظَلَّ يَعْمَلُ صَائِمًا حَتَّى أَمْسَى فَجَاءَ إِلَى أَهْلِهِ فَصَلَّى الْعِشَاءَ، ثُمَّ نَامَ فَلَمْ يَأْكُلْ وَلَمْ يَشْرَبْ حَتَّى أَصْبَحَ فَأَصْبَحَ صَائِمًا قَالَ: فَرَآهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ جَهَدَ جَهْدًا شَدِيدًا قَالَ: "مَا لِي أَرَاكَ قَدْ جَهَدْتَ جَهْدًا شَدِيدًا ؟" قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي عَمِلْتُ أَمْسِ فَجِئْتُ حِينَ جِئْتُ، فَأَلْقَيْتُ نَفْسِي فَنِمْتُ، وَأَصْبَحْتُ حِينَ أَصْبَحْتُ صَائِمًا. قَالَ: وَكَانَ عُمَرُ قَدْ أَصَابَ مِنَ النِّسَاءِ مِنْ جَارِيَةٍ أَوْ مِنْ حُرَّةٍ بَعْدَ مَا نَامَ، وَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ (أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ) إِلَى قَوْلِهِ (ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ) وَقَالَ يَزِيدُ فَصَامَ تِسْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا مِنْ رَبِيعِ الْأَوَّلِ إِلَى رَمَضَانَ (مسند أحمد، رقم الحديث ۲۲۱۲۴، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ)

فی حاشیة مسند احمد: رجاله ثقات رجال الشيخين غير المسعودی -وهو عبد الرحمن بن عبد الله بن عتبة -فقد روى له البخاری استشهاداً وأصحاب السنن.

[1] رقم الحديث ۱۹۰۴، كتاب الصوم، باب: هل يقول إنی صائم إذا شتم.

مذکورہ آیت میں جو یہ فرمایا گیا کہ یہ اللہ کی حدود ہیں، تم ان کے قریب بھی مت جاؤ، اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں حقیقی جماع یا حقیقی کھانے پینے میں داخل نہیں، لیکن ان کے قریب ہیں، ان سے بھی بچنے کا حکم ہے، جن کی بعض احادیث وروایات میں صراحتاً یا اشارتاً تفصیل آئی ہے۔

ان کا ذکر آگے روزہ کو فاسد کرنے اور نہ کرنے والی چیزوں کے بیان میں آتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَلصَّوْمُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهٖ يَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَأَكْلَهٗ وَشُرْبَهٗ مِنْ أَجْلِي (بخاری) [1]

ترجمہ: اللہ عزّ وجلّ فرماتے ہیں کہ روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، بندہ اپنی شہوت (جماع اور اس کے متعلقات) اور کھانے پینے کو صرف میری وجہ سے چھوڑ دیتا ہے (بخاری)

بعض اور روایات میں بھی یہ مضمون آیا ہے۔ [2]

جس سے معلوم ہوا کہ روزہ کی حالت میں جماع کرنے یا کھانے پینے اور ان کے قریب تر

---

[1] رقم الحديث ۷۴۹۲، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى يريدون أن يبدلوا كلام الله، واللفظ لهٗ؛ مسلم، رقم الحديث ۱۱۵۱ ”۱۶۵“ باب فضل الصيام)

[2] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ، الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللَّهُ :إِلَّا الصِّيَامَ، فَهُوَ لِي، وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، يَدَعُ الطَّعَامَ مِنْ أَجْلِي، وَيَدَعُ الشَّرَابَ مِنْ أَجْلِي، وَيَدَعُ لَذَّتَهُ مِنْ أَجْلِي، وَيَدَعُ زَوْجَتَهُ مِنْ أَجْلِي، وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، وَلِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ :فَرْحَةٌ حِينَ يُفْطِرُ، وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ "(صحيح ابن خزيمة، رقم الحديث ۱۸۹۷)

قال الأعظمی :إسناده صحيح.

فقوله هنا :(يدع شهوته وطعامه من أجلی) الشهوة هی الجماع وما شابهه، والذی يشبه الجماع هو الاستمناء، وهذا بإجماع الأمة، فإذا استمنى الرجل أو استمنت المرأة انطفأت شهوته وانطفأت شهوتها، فالاستمناء شهوة وهو داخل فی هذا الحديث .ومذهب جماهير العلماء سلفاً وخلفاً أن من استمنى فی نهار رمضان وجب عليه القضاء (شرح صحيح مسلم،لأبی الأشبال حسن الزهيری آل مندوه المنصوری المصری، كتاب الصيام،باب فضل الصيام)

چیزوں (مثلاً چھیڑ چھاڑ کر کے منی خارج کرنے) سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ [۱]

پھر روزہ کیونکہ عبادت ہے، نہ کہ صرف فاقہ کشی، اس لئے روزہ کو فاقہ کشی سے ممتاز کرنے کے لئے نیت کا ہونا ضروری ہے۔

چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَإِنَّمَا لِامْرِءٍ مَّا نَوٰى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلٰى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ (بخاری) [۲]

ترجمہ: اعمال (کے عبادت بننے کا اعتبار) نیت کے ساتھ ہے، اور بس آدمی کو وہی حاصل ہوگا، جس کی وہ نیت کرے گا، پس جس کی ہجرت (کی نیت) اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو، تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی

---

[۱] فهـذه أمـور منها متفق عليه فى أن الإمساک عنه صوم، ومنها مختلف فيه على ما بينا .فالمتفق عليـه هـو الإمسـاک عـن الـجـمـا ع والأكل والشرب فى المأكول والمشروب، والأصل فيه قوله تعالى :(أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ)إلى قوله (فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ) فـأبـاح الـجـمـاع والأكل والشرب فى ليالى الصوم من أولها إلى طلوع الفجر، ثم أمر بإتمام الصيام إلى الليل .وفـى فحوى هذا الكلام ومضمونه حظر ما أباحه بالليل مما قدم ذكره من الجماع والأكـل والشـرب، فثبت بحكم الآية أن الإمساک عن هذه الأشياء الثلاثة هو من الصوم الشرعى، ولا دلالة فيـه عـلـى أن الإمسـاک عن غيرها ليس من الصوم، بل هو موقوف على دلالته .وقد ثبت بـالسـنة واتفاق علماء الأمة أن الإمساک عن غير هذه الأشياء من الصوم الشرعى على ما سنبينه إن شـاء الـلـه تـعـالـى ومما هو من شرائط لزوم الصوم الشرعى -وإن لـم يـكـن هو إمساكا ولا صوما - الإسلام والبلوغ ;إذ لا خـلاف أن الـصـغيـر غير مخاطب بالصوم فى أحكام الدنيا، فإن الكافر، وإن كـان مـخـاطبا به معاقبا على تركه فهو فى حكم من لم يخاطب به فى أحكام الدنيا، فإنه لا يجب عليه قـضـاء الـمـتروک منه فى حال الكفر .وطهـر الـمـرأة عن الحيض من شرائط تكليف صوم الشهر، وكذلک العقل والإقامة والصحة، وإن وجب القضاء فى الثانى .والعقل مختلف فيه على ما بينا من أقـاويـل أهـل الـعلم فى المجنون فى رمضان.والـنية مـن شـرائط صحة سائر ضروب الصوم(أحكام القرآن،للجصاص ،تحت آيت ١٨٧ من سورة البقرة)

[۲] رقم الحديث ٦٦٨٩، كتـاب الأيمان والنذور، باب النية فى الأيمان، واللفظ لهٗ، مسلم، رقم الحديث ١٩٠٧"١٥٥"ج٣ص١٥١٥)

کہلائے گی، اور جس کی ہجرت (کی نیت) دنیا کو پانے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی طرف ہو، تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہونا کہلائے گی، جس کی طرف اس نے ہجرت (کی نیت) کی ہو (بخاری)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ، فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو یہ بات بھول جائے کہ وہ روزے سے ہے، پھر وہ کچھ کھا یا پی لے، تو وہ اپنے روزے کو پورا کرلے، پس اس کو اللہ تعالیٰ کھلاتے پلاتے ہیں (اس وجہ سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا) (مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَفْطَرَ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ نَاسِيًا، فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَلَا كَفَّارَةَ (صحيح ابن حبان) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے مہینے میں بھول کر کھا پی لیا، تو اس پر نہ تو قضا ہے، اور نہ کفارہ ہے (ابنِ حبان، حاکم)

بھول کر کھانے پینے میں یعنی جبکہ روزہ یاد نہ ہو، روزہ کی نیت متاثر نہیں ہوتی، اور پہلے سے جو روزے کی نیت جاری ہے، وہ برقرار رہتی ہے، اسی وجہ سے فرمایا گیا کہ اسے اللہ تعالیٰ کھلاتے پلاتے ہیں، یعنی وہ خود روزے کو توڑنے کی نیت سے نہیں کھاتا پیتا۔

یہی وجہ ہے کہ اگر اس کو روزہ یاد ہو، تو وہ ہرگز نہ کھائے پیئے۔

---

[1] رقم الحديث ١١٥٥ "١٧١" كتاب الصيام، باب أكل الناسى وشربه وجماعه لا يفطر.

[2] رقم الحديث ٣٥٢١، كتاب الصوم، باب قضاء الصوم، مستدرک حاکم، رقم الحديث ١٥٦٩.

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ بِهَذِهِ السِّيَاقَةِ.

فی حاشية ابنِ حبان: إسناده حسن.

خلاصہ یہ ہے کہ ویسے ہی بغیر روزہ کی نیت کے کھانے پینے اور جماع وغیرہ سے بچے رہنے سے روزہ درست نہیں ہوتا، جب تک کہ روزہ کی نیت سے یہ عمل نہ کیا جائے، اس وجہ سے روزہ صحیح ہونے کے لئے نیت کا ہونا بھی ضروری ہے، اور بھول کر کھانا پینا روزہ کی نیت کے خلاف نہیں، اس لئے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [1]

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لِرَجُلٍ مِنْ أَسْلَمَ: أَذِّنْ فِيْ قَوْمِكَ، أَوْ فِي النَّاسِ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ أَنَّ مَنْ أَكَلَ فَلْيُتِمَّ بَقِيَّةَ يَوْمِهٖ، وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَكَلَ فَلْيَصُمْ (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اسلم نامی قبیلہ کے ایک شخص سے فرمایا کہ آپ اپنی قوم میں یا لوگوں میں عاشوراء (یعنی دس محرم) کے دن یہ اعلان فرمادیں کہ جس نے (آج کے دن) کھالیا، تو اسے چاہئے کہ دن کے باقی حصہ کو پورا کرے (یعنی کھائے پیئے نہیں) اور جس نے نہیں کھایا تو وہ روزہ رکھے (بخاری)

---

[1] وَأَمَّا رُكْنُهُ: فَالْإِمْسَاكُ عَنْ الْأَكْلِ، وَالشُّرْبِ، وَالْجِمَاعِ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَبَاحَ الْأَكْلَ، وَالشُّرْبَ، وَالْجِمَاعَ فِي لَيَالِي رَمَضَانَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ) إلَى قَوْله (فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ) أَيْ: حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمْ ضَوْءُ النَّهَارِ مِنْ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ مِنْ الْفَجْرِ، ثُمَّ أَمَرَ بِالْإِمْسَاكِ عَنْ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ فِي النَّهَارِ بِقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ (ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إلَى اللَّيْلِ) فَدَلَّ أَنَّ رُكْنَ الصَّوْمِ مَا قُلْنَا فَلَا يُوجَدُ الصَّوْمُ بِدُونِهِ. وَعَلَى هَذَا الْأَصْلِ يَنْبَنِي بَيَانُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَيَنْقُضُهُ لِأَنَّ انْتِقَاضَ الشَّيْءِ عِنْدَ فَوَاتِ رُكْنِهِ أَمْرٌ ضَرُورِيٌّ، وَذَلِكَ بِالْأَكْلِ، وَالشُّرْبِ، وَالْجِمَاعِ سَوَاءٌ كَانَ صُورَةً وَمَعْنًى، أَوْ صُورَةً لَا مَعْنًى، أَوْ مَعْنًى لَا صُورَةً وَسَوَاءٌ كَانَ بِغَيْرِ عُذْرٍ، أَوْ بِعُذْرٍ وَسَوَاءٌ كَانَ عَمْدًا، أَوْ خَطَأً طَوْعًا، أَوْ كَرْهًا بَعْدَ أَنْ كَانَ ذَاكِرًا لِصَوْمِهِ لَا نَاسِيًا وَلَا فِي مَعْنَى النَّاسِي،، وَالْقِيَاسُ أَنْ يَفْسُدَ، وَإِنْ كَانَ نَاسِيًا وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ لِوُجُودِ ضِدِّ الرُّكْنِ حَتَّى قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: لَوْلَا قَوْلُ النَّاسِ لَقُلْتُ يَقْضِي أَيْ: لَوْلَا قَوْلُ النَّاسِ إنَّ أَبَا حَنِيفَةَ خَالَفَ الْأَمْرَ لَقُلْتُ: يَقْضِي لَكِنَّا تَرَكْنَا الْقِيَاسَ بِالنَّصِّ (بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، ج۲، ص۹۰، فَصْلٌ أَرْكَانُ الصِّيَامِ)

[2] رقم الحديث ۷۲۶۵، كتاب اخبار الآحاد، باب ما كان يبعث النبی صلی الله عليه وسلم من الأمراء والرسل واحدا بعد واحد.

اس قسم کی احادیث کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سندوں سے مروی ہیں۔ ۱؎

۱؎ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ، قَالَتْ :أَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةَ عَاشُورَاءَ إِلَى قُرَى الأَنْصَارِ :مَنْ أَصْبَحَ مُفْطِرًا، فَلْيُتِمَّ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ وَمَنْ أَصْبَحَ صَائِمًا، فَلْيَصُمْ، قَالَتْ :فَكُنَّا نَصُومُهُ بَعْدُ، وَنُصَوِّمُ صِبْيَانَنَا، وَنَجْعَلُ لَهُمُ اللُّعْبَةَ مِنَ العِهْنِ، فَإِذَا بَكَى أَحَدُهُمْ عَلَى الطَّعَامِ أَعْطَيْنَاهُ ذَاكَ حَتَّى يَكُونَ عِنْدَ الإِفْطَارِ (بخاری،رقم الحديث ۱۹۶۰)

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ صَيْفِيٍّ، قَالَ :قَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ :مِنْكُمْ أَحَدٌ طَعِمَ الْيَوْمَ؟ قُلْنَا :مِنَّا طَعِمَ، وَمِنَّا مَنْ لَمْ يَطْعَمْ، قَالَ :فَأَتِمُّوا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ، مَنْ كَانَ طَعِمَ، وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْ، فَأَرْسِلُوا إِلَى أَهْلِ الْعَرُوضِ، فَلْيُتِمُّوا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ قَالَ :يَعْنِي أَهْلَ الْعَرُوضِ حَوْلَ الْمَدِينَةِ(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۱۷۳۵)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَلَمَةَ الْخُزَاعِيِّ، عَنْ عَمِّهِ قَالَ :غَدَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَبِيحَةَ عَاشُورَاءَ وَقَدْ تَغَدَّيْنَا فَقَالَ " :أَصُمْتُمْ هَذَا الْيَوْمَ ؟ "، قَالَ :قُلْنَا :قَدْ تَغَدَّيْنَا، قَالَ " فَأَتِمُّوا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ(مسند أحمد، رقم الحديث ۲۳۴۷۵)

فی حاشية مسند احمد:صحيح لغيره.

عَنْ هِنْدِ بْنِ أَسْمَاءَ، قَالَ :بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى قَوْمِي مِنْ أَسْلَمَ فَقَالَ " :مُرْ قَوْمَكَ فَلْيَصُومُوا هَذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ فَمَنْ وَجَدْتَهُ مِنْهُمْ قَدْ أَكَلَ فِي أَوَّلِ يَوْمِهِ فَلْيَصُمْ آخِرَهُ (مسند أحمد،رقم الحديث ۱۵۹۶۲)

فی حاشية مسند احمد:حديث صحيح.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمًا يَوْمَ عَاشُورَاءَ، فَقَالَ لِأَصْحَابِهِ " :مَنْ كَانَ أَصْبَحَ مِنْكُمْ صَائِمًا فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، وَمَنْ كَانَ أَصَابَ مِنْ غَدَاءِ أَهْلِهِ فَلْيُتِمَّ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ (مسند أحمد، رقم الحديث ۸۷۱۶)

فی حاشية مسند احمد:صحيح لغيره.

عَنْ مَعْبَدٍ الْقُرَشِيِّ، قَالَ :كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُدَيْدٍ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَطَعِمْتَ الْيَوْمَ شَيْئًا لِيَوْمِ عَاشُورَاءَ؟ فَقَالَ :لَا، إِلَّا أَنِّي شَرِبْتُ مَاءً، قَالَ :فَلَا تَطْعَمْ شَيْئًا حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَأْمُرَنَّ مَنْ وَرَاءَكَ أَنْ يَصُومُوا هَذَا الْيَوْمَ(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۸۰۳)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ " :أَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَهْلِ قَرْيَةٍ عَلَى رَأْسِ أَرْبَعَةِ فَرَاسِخَ -أَوْ قَالَ :فَرْسَخَيْنِ -يَوْمَ عَاشُورَاءَ، فَأَمَرَ مَنْ أَكَلَ أَنْ لَا يَأْكُلَ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ، وَمَنْ لَمْ يَأْكُلْ أَنْ يُتِمَّ صَوْمَهُ (مسند أحمد،رقم الحديث ۲۰۵۸)

فی حاشية مسند احمد:حسن لغيره.

أَخْبَرَنِي بَعْجَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ أَبَاهُ، أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُمْ يَوْمًا " :هَذَا يَوْمُ عَاشُورَاءَ، فَصُومُوا "فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي تَرَكْتُ قَوْمِي، مِنْهُمْ صَائِمٌ، وَمِنْهُمْ مُفْطِرٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عاشوراء (یعنی دس محرم) کا روزہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم آنے سے پہلے فرض تھا، اوراس زمانہ میں دن کے وقت روزہ کی نیت کرنے کی اجازت دی گئی۔ [1]

جس پر قیاس کرتے ہوئے فقہائے احناف نے فرمایا کہ رمضان کے روزے کی دن میں نیت کرنا بھی درست ہے، بشرطیکہ اس سے پہلے کچھ کھایا پیا نہ ہو، اور روزہ کی نیت دن کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اذْهَبْ إِلَيْهِمْ، فَمَنْ كَانَ مِنْهُمْ مُفْطِرًا ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ(مسند أحمد، رقم الحديث ٢٧٦٤٦)

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح، رجاله ثقات.

عَنْ يَحْيَى بْنِ هِنْدِ بْنِ حَارِثَةَ، عَنْ أَبِيهِ -وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْحُدَيْبِيَةِ، وَأَخُوهُ الَّذِي بَعَثَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ قَوْمَهُ بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ وَهُوَ أَسْمَاءُ بْنُ حَارِثَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهُ، فَقَالَ " :مُرْ قَوْمَكَ فَلْيَصُومُوا هَذَا الْيَوْمَ " قَالَ :أَرَأَيْتَ إِنْ وَجَدْتُهُمْ قَدْ طَعِمُوا ؟ قَالَ "فَلْيُتِمُّوا آخِرَ يَوْمِهِمْ"(مسند أحمد، رقم الحديث ١٦٧١٦)

فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ، فَعَظَّمَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ :مَنْ كَانَ لَمْ يَطْعَمْ مِنْكُمْ فَلْيَصُمْ يَوْمَهُ هَذَا، وَمَنْ كَانَ قَدْ طَعِمَ مِنْكُمْ فَلْيَصُمْ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ(المعجم الأوسط للطبرانی، رقم الحديث ٣٢٣١)

عَنْ خَبَّابٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ :أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ أَكَلَ فَلا يَأْكُلْ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ وَمَنْ نَوَى مِنْكُمُ الصَّوْمَ فَلْيَصُمْهُ(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ٣٦٩٢)

عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ :أَخْبَرَنِي مُزَاحِمٌ قَالَ :خَطَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ فِي خِلَافَتِهِ، فَقَالَ: انْظُرُوا هِلَالَ رَمَضَانَ، فَإِنْ رَأَيْتُمُوهُ فَصُومُوا، وَإِنْ لَمْ تَرَوْهُ فَاسْتَكْمِلُوا ثَلَاثِينَ يَوْمًا قَالَ : وَأَصْبَحَ النَّاسُ مِنْهُمُ الصَّائِمُ، وَالْمُفْطِرُ، وَلَمْ يَرَوُا الْهِلَالَ، فَجَاءَهُمُ الْخَبَرُ بِأَنْ قَدْ رُئِيَ الْهِلَالُ قَالَ :فَكَلَّمَ النَّاسُ عُمَرَ، وَبَعَثَ الْأَحْرَاسَ فِي الْعَسْكَرِ مَنْ كَانَ أَصْبَحَ صَائِمًا فَلْيُتِمَّ صِيَامَهُ، فَقَدْ وُفِّقَ لَهُ، وَمَنْ كَانَ أَصْبَحَ مُفْطِرًا، وَلَمْ يَذُقْ شَيْئًا فَلْيُتِمَّ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ، وَمَنْ كَانَ طَعِمَ شَيْئًا فَلْيُتِمَّ مَا بَقِيَ مِنْ يَوْمِهِ، وَلْيَقْضِ بَعْدَهُ يَوْمًا مَكَانَهُ، فَإِنِّي قَدْ لَعَقْتُ الْيَوْمَ لَعْقًا مِنْ عَسَلٍ فَأَنَا صَائِمٌ مَا بَقِيَ مِنْ يَوْمِي، ثُمَّ أُبَدِّلُهُ بَعْدُ(مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ٧٣٢١)

[1] عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ :كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ، وَيَحُثُّنَا عَلَيْهِ، وَيَتَعَاهَدُنَا عِنْدَهُ، فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ، لَمْ يَأْمُرْنَا، وَلَمْ يَنْهَنَا وَلَمْ يَتَعَاهَدْنَا عِنْدَهُ(مسلم، رقم الحديث ١١٢٨ "١٢٥")

اکثر حصہ میں پائی گئی ہو، جو کہ ضحوۂ کبریٰ سے پہلے پہلے کا وقت ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

---

[1] اسی قسم کی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے فقہائے کرام نے بعض افراد کے لئے دن کے باقی حصہ میں کھانے پینے سے رُکے رہنے کا حکم بیان فرمایا ہے۔

(فَصْلٌ) : وَأَمَّا حُكْمُ الصَّوْمِ الْمُؤَقَّتِ إذَا فَاتَ عَنْ وَقْتِهِ فَالصَّوْمُ الْمُؤَقَّتُ نَوْعَانِ :صَوْمُ رَمَضَانَ وَالْمَنْذُورُ فِي وَقْتٍ بِعَيْنِهِ.

أَمَّا صَوْمُ رَمَضَانَ فَيَتَعَلَّقُ بِفَوَاتِهِ أَحْكَامٌ ثَلَاثَةٌ :وُجُوبُ إمْسَاكِ بَقِيَّةِ الْيَوْمِ تَشَبُّهًا بِالصَّائِمِينَ فِي حَالٍ وَوُجُوبُ الْقَضَاءِ فِي حَالٍ وَوُجُوبُ الْفِدَاءِ فِي حَالٍ.

أَمَّا وُجُوبُ الْإِمْسَاكِ تَشَبُّهًا بِالصَّائِمِينَ فَكُلُّ مَنْ كَانَ لَهُ عُذْرٌ فِي صَوْمِ رَمَضَانَ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ مَانِعٌ مِنْ الْوُجُوبِ أَوْ مُبِيحٌ لِلْفِطْرِ ثُمَّ زَالَ عُذْرُهُ وَصَارَ بِحَالٍ لَوْ كَانَ عَلَيْهِ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ لَوَجَبَ عَلَيْهِ الصَّوْمُ وَلَا يُبَاحُ لَهُ الْفِطْرُ كَالصَّبِيِّ إذَا بَلَغَ فِي بَعْضِ النَّهَارِ وَأَسْلَمَ الْكَافِرُ وَأَفَاقَ الْمَجْنُونُ وَطَهُرَتْ الْحَائِضُ وَقَدِمَ الْمُسَافِرُ مَعَ قِيَامِ الْأَهْلِيَّةِ يَجِبُ عَلَيْهِ إمْسَاكُ بَقِيَّةِ الْيَوْمِ.

وَكَذَا مَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ الصَّوْمُ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ لِوُجُودِ سَبَبِ الْوُجُوبِ وَالْأَهْلِيَّةِ ثُمَّ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ الْمُضِيُّ فِيهِ بِأَنْ أَفْطَرَ مُتَعَمِّدًا أَوْ أَصْبَحَ يَوْمَ الشَّكِّ مُفْطِرًا ثُمَّ تَبَيَّنَ أَنَّهُ مِنْ رَمَضَانَ أَوْ تَسَحَّرَ عَلَى ظَنِّ أَنَّ الْفَجْرَ لَمْ يَطْلُعْ ثُمَّ تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ طَلَعَ فَإِنَّهُ يَجِبُ عَلَيْهِ الْإِمْسَاكُ فِي بَقِيَّةِ الْيَوْمِ تَشَبُّهًا بِالصَّائِمِينَ.وَهَذَا عِنْدَنَا.

وَأَمَّا عِنْدَ الشَّافِعِيِّ فَكُلُّ مَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ الصَّوْمُ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ ثُمَّ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ الْمُضِيُّ مَعَ قِيَامِ الْأَهْلِيَّةِ يَجِبُ عَلَيْهِ إمْسَاكُ بَقِيَّةِ الْيَوْمِ تَشَبُّهًا وَمَنْ لَا فَلَا، فَعَلَى قَوْلِهِ لَا يَجِبُ الْإِمْسَاكُ عَلَى الصَّبِيِّ إذَا بَلَغَ فِي بَعْضِ النَّهَارِ، وَالْكَافِرِ إذَا أَسْلَمَ، وَالْمَجْنُونِ إذَا أَفَاقَ، وَالْحَائِضِ إذَا طَهُرَتْ، وَالْمُسَافِرِ إذَا قَدِمَ مِصْرَهُ، لِأَنَّهُ لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِمْ الصَّوْمُ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ، وَجْهُ قَوْلِهِ أَنَّ الْإِمْسَاكَ تَشَبُّهًا يَجِبُ خَلَفًا عَنْ الصَّوْمِ، وَالصَّوْمُ لَمْ يَجِبْ فَلَمْ يَجِبْ الْإِمْسَاكُ خَلَفًا وَلِهَذَا لَوْ قَالَ :لِلَّهِ عَلَيَّ أَنْ أَصُومَ الْيَوْمَ الَّذِي يَقْدَمُ فِيهِ فُلَانٌ فَقَدِمَ بَعْدَ مَا أَكَلَ النَّاذِرُ فِيهِ أَنَّهُ لَا يَجِبُ الْإِمْسَاكُ كَذَا هَهُنَا .

وَلَنَا مَا رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -أَنَّهُ قَالَ فِي يَوْمِ عَاشُورَاءَ :إلَّا مَنْ أَكَلَ فَلَا يَأْكُلَنَّ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ وَصَوْمُ عَاشُورَاءَ كَانَ فَرْضًا يَوْمَئِذٍ، وَلِأَنَّ زَمَانَ رَمَضَانَ وَقْتٌ شَرِيفٌ فَيَجِبُ تَعْظِيمُ هَذَا الْوَقْتِ بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ، فَإِذَا عَجَزَ عَنْ تَعْظِيمِهِ بِتَحْقِيقِ الصَّوْمِ فِيهِ يَجِبُ تَعْظِيمُهُ بِالتَّشَبُّهِ بِالصَّائِمِينَ قَضَاءً لِحَقِّهِ بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ إذَا كَانَ أَهْلًا لِلتَّشَبُّهِ وَنَفْيًا لِتَعْرِيضِ نَفْسِهِ لِلتُّهْمَةِ، وَفِي حَقِّ هَذَا الْمَعْنَى الْوُجُوبُ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ وَعَدَمُ الْوُجُوبِ سَوَاءٌ .

وَقَوْلُهُ التَّشَبُّهُ وَجَبَ خَلَفًا عَنْ الصَّوْمِ مَمْنُوعٌ بَلْ يَجِبُ قَضَاءً لِحُرْمَةِ الْوَقْتِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ لَا خَلَفًا، بِخِلَافِ مَسْأَلَةِ النَّذْرِ لِأَنَّ الْوَقْتَ لَا يَسْتَحِقُّ التَّعْظِيمَ حَتَّى يَجِبَ قَضَاءُ حَقِّهِ بِإِمْسَاكِ بَقِيَّةِ الْيَوْمِ، وَهَهُنَا بِخِلَافِهِ(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۲،ص ۱۰۳، كِتَابُ الصَّوْمِ،فَصْلٌ حُكْمُ الصَّوْمِ الْمُؤَقَّتِ إذَا فَاتَ عَنْ وَقْتِهِ)

وَأما حكم وجوب إِمْسَاك بَقِيَّة الْيَوْم بعد الْإِفْطَار فعندنا كل من صَار بِحَال لَو كَانَ على تِلْكَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اب اس سلسلہ میں متعلقہ مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر ۱...... روزہ معتبر اور درست ہونے کے لئے طلوعِ فجر سے لے کر سورج غروب ہونے تک کا وقت مقرر ہے، لہٰذا اگر کوئی دن کے بجائے رات کو روزہ رکھے، تو اس کا اعتبار نہیں، اسی طرح اگر کوئی صبح صادق سے لے کر سورج غروب ہونے تک کے وقت سے کم وقت کا روزہ رکھے، مثلاً طلوعِ فجر ہونے کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے کھا پی کر روزہ شروع کرے، یا سورج غروب ہونے سے پہلے جان بوجھ کر کھا پی لے، تو اس کا روزہ درست نہیں ہوتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الْحَالة فِی أول النَّهَار يجب عَلَيْهِ الصَّوْم فَإِنَّهُ يجب عَلَيْهِ الْإِمْسَاک فِی الْبَاقِی سَوَاء كَانَ الصَّوْم وَاجِبا عَلَيْهِ فِی أول النَّهَار لقيام سَبَب الْوُجُوب والأهلية ثمَّ عجز عَن الْأَدَاء لِمَعْنى من الْمعَانِی كمن أفطر فِی رَمَضَان مُتَعَمدا أَو اشْتبهَ عَلَيْهِ يَوْم الشَّک فَأفْطر أَو تسحر على ظن أَن الْفجر لم يطلع وَقد طلع أَو لم يكن الصَّوْم وَاجِبا عَلَيْهِ لعدم الْأَهْلِيَّة أَو لعذر الفجر فَأكل ثمَّ زَالَ الْعذر وَحدثت الْأَهْلِيَّة كَالْمَرِيضِ إِذا صَحَّ وَالْمُسَافر إِذا قدم وَالْمَجْنُون إِذا أَفَاق وَالصَّبِیّ إِذا بلغ وَالْكَافِر إِذا أسلم وَالْحَائِض إِذا طهرت وَنَحْوهَا،وَهُوَ أحد قولی الشَّافِعِی وَقَالَ فِی قَول آخر إِن كل من وَجب عَلَيْهِ الصَّوْم ثمَّ أفطر لعذر أَو لغير عذر يلْزمه الْإِمْسَاک.وكل من لَا يجب عَلَيْهِ الصَّوْم فَأفْطر ثمَّ صَار بِحَال لَو كَانَ كَذَلِک فِی أول النَّهَار يجب عَلَيْهِ الصَّوْم فَإِنَّهُ لَا يجب عَلَيْهِ الْإِمْسَاک قَالَ وَلِهَذَا بِالْإِجْمَاع إِن من قَالَ لله عَلیّ أَن أَصوم الْيَوْم الَّذِی يقدم فلَان فِيهِ فَقدم فلَان فِی الْيَوْم بَعْدَمَا أكل فِيهِ لَا يجب عَلَيْهِ الْإِمْسَاک لما أَنه لَا يجب عَلَيْهِ الصَّوْم فِيهِ.وَالْمعْنَى الْجَامِع أَن الْإِمْسَاک بِمَنْزِلَة الْخلف عَن الصَّوْم فِی حق قَضَاء حُرْمَة الْوَقْت فَإِن لم يكن الأَصْل وَاجِبا لَا يجب الْخلف.وَقُلْنَا يجب لِأَن الْإِمْسَاک إِنَّمَا يجب تشبها بالصائمين قَضَاء لحق الْوَقْت بِقدر الْإِمْكَان لَا خلفا أَلا ترى أَنه يجب الْقَضَاء خَارج رَمَضَان على الْمُفطر الَّذِی وَجب عَلَيْهِ الصَّوْم خلفا عَن الصَّوْم الْوَاجِب فَكيف يكون الْإِمْسَاک خلفا عَنهُ وَفِی هَذَا الْمَعْنى يَسْتَوِی الْحَال بَين الْوُجُوب وَعدم الْوُجُوب بِخِلَاف مَسْأَلَة النّذر لِأَن ثمَّة الصَّوْم مَا وَجب بِإِيجَاب الله تَعَالَى حَتَّى يجب الْإِمْسَاک قَضَاء لحق الْوَقْت بل يجب بِالنذرِ فَهُوَ الْفرق بَينه وَبَين سَائِر الْفُصُول(تحفة الفقهاء ،ج ۱ ص ۳۶۴،۳۶۵، كتاب الصوم)

[1] أَمَّا الَّذِی يَرْجِعُ إلَى أَصْلِ الْوَقْتِ :فَهُوَ بَيَاضُ النَّهَارِ وَذَلِکَ مِنْ حِينِ يَطْلُعُ الْفَجْرُ الثَّانِی إلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ، فَلَا يَجُوزُ الصَّوْمُ فِی اللَّيْلِ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَبَاحَ الْجِمَاعَ، وَالْأَكْلَ، وَالشُّرْبَ فِی اللَّيَالِی إلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ، ثُمَّ أَمَرَ بِالصَّوْمِ إلَى اللَّيْلِ بِقَوْلِهِ تَعَالَى (أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إلَى نِسَائِكُمْ) إلَى قَوْلِهِ :(فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... طلوعِ فجر سے مراد وہ وقت ہے، جس پر رات کا وقت ختم ہوجاتا ہے، اور فجر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، طلوعِ فجر ہونے سے پہلے پہلے سحری کھانا جائز ہوتا ہے، اور طلوعِ فجر سے پہلے عشاء کا ادا وقت ہوتا ہے، اور طلوعِ فجر ہونے پر روزہ کا وقت شروع ہوجاتا ہے، لہٰذا سحری کھانے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ طلوعِ فجر ہونے سے پہلے پہلے سحری کھالے، اگر طلوعِ فجر کے ذرا سی دیر بعد بھی جان بوجھ کر کچھ کھایا پیا، تو روزہ درست نہیں ہوگا۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ) أَيْ: حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمْ بَيَاضُ النَّهَارِ مِنْ سَوَادِ اللَّيْلِ. هَكَذَا رُوِيَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- أَنَّهُ قَالَ: الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ، وَالْأَسْوَدُ هُمَا: بَيَاضُ النَّهَارِ، وَظُلْمَةُ اللَّيْلِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ فَكَانَ هَذَا تَعْيِينًا: لِلَّيَالِي الْفِطْرُ، وَالنَّهَارُ لِلصَّوْمِ، فَكَانَ مَحَلُّ الصَّوْمِ هُوَ الْيَوْمُ لَا اللَّيْلُ، وَلِأَنَّ الْحِكْمَةَ الَّتِي لَهَا شُرِعَ الصَّوْمُ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَا: مِنْ التَّقْوَى، وَتَعْرِيفِ قَدْرِ النِّعَمِ، الْحَامِلُ عَلَى شُكْرِهَا لَا يَحْصُلُ بِالصَّوْمِ فِي اللَّيْلِ لِانَّ ذَلِكَ لَا يَحْصُلُ إِلَّا بِفِعْلٍ شَاقٍّ عَلَى الْبَدَنِ مُخَالِفٍ لِلْعَادَةِ وَهَوَى النَّفْسِ وَلَا يَتَحَقَّقُ ذَلِكَ بِالْإِمْسَاكِ فِي حَالَةِ النَّوْمِ فَلَا يَكُونُ اللَّيْلُ مَحَلًّا لِلصَّوْمِ (بدائع الصنائع، ج۲ص۷۷، فصل شرائط انواع الصیام)

قلت وَكَذَلِكَ لَو تسحر بعد طُلُوع الْفجر وَهُوَ لَا يعلم بطلوعه أَو أفطر قبل غرُوب الشَّمْس وَهُوَ يرى أَن الشَّمْس قد غَابَتْ فَأكل بعد ذَلِك أَو شرب مُتَعَمدا لذَلِك قَالَ نعم لَا كَفَّارَة عَلَيْهِ لِأَن صِيَامه كَانَ فَاسِدا وَلِأَنَّهُ قد وَجب عَلَيْهِ قَضَاء ذَلِك الْيَوْم حِين أكل قبل غرُوب الشَّمْس أَو تسحر بعد طُلُوع الْفجر وَهُوَ لَا يعلم بطلوعه (الاصل المعروف بالمبسوط للشيباني، ج۲ص ۲۱۱، کتاب الصوم)

فی فتاوى القاضي: إذا أكل بعد الفجر، أو قبل غروب الشمس، وهو لا يعلم، ثم أكل بعد ذلك متعمداً، فعليه القضاء دون الكفارة (المحیط البرہانی، ج۲ص ۳۹۶، کتاب الصوم، الفصل التاسع فيما يصير شبهة في إسقاط الكفارة)

[۱] وشبه بالخيط وذالک باول حاله لانه يبدودقيقا ثم يرتفع مستطيرا فبطلوع اوله فى الافق يجب الامساک هذا مذهب الجمهور وبه اخذ الناس ومضت عليه الاعصار والامصار وهو مقتضى حديث ابن مسعود وسمرة بن جندب (تفسیر البحر المحیط ج۲ص ۲۱۶، سورة البقرة)

ذكر الشمني أن المعتبر أول طلوع الصبح عند جمهور العلماء (مرقاة المفاتيح ۱۳۸۴، كتاب الصوم، باب فی مسائل متفرقة)

أجمع العلماء على أن وقت صلاة الصبح طلوع الفجر، وهو البياض المعترض فى الافق الشرقى (شرح ابنِ بطال، ج۲ ص ۲۰۰، کتاب مواقیت الصلاة وفضلها، باب وقت الفجر)

مسئلہ نمبر۳ ...... اکثر متقدمین ومتاخرین علماء کے نزدیک طلوعِ فجر یا صبح صادق سورج کے اٹھارہ درجہ زیرِ افق پہنچنے پر ہوتی ہے، اور اسی اٹھارہ درجہ پر ظاہر ہونے والی روشنی کو جدید ماہرین نے اسٹرانومیکل ڈان ''Astronomical Dawn'' کا نام دیا ہے، اس کے مطابق جو نقشے بنے ہوئے ہیں، ان پر ہی عمل کرنا چاہئے۔ [1]

---

[1] طلوعِ فجر اور غروبِ شفق کے بارے میں اگرچہ مختلف اقوال ہیں، جن میں سے ایک قول بیس درجے کا ہے، جو کہ شاذ قول ہے، اور دوسرا قول انیس درجے کا ہے، جو بعض متاخرین علماء کا قول ہے، اور ایک قول پندرہ درجے زیرِ افق کا ہے، یہ بھی دلائل کی رُو سے مرجوح قول ہے، اور اکثر متقدمین ومتاخرین ماہرینِ فلکیات واہلِ علم کا قول اٹھارہ درجے کا ہے (اور اسی کے مطابق عام طور پر قدیمی نقشے معروف ومروج ہیں) اور جدید تجربات ورصدگاہوں کے مشاہدات سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

ثُمَّ الظَّاهِرُ اَنَّ تَنَفُّسَ الصُّبْحِ وَضِيَائَهُ بِوَاسِطَةِ قُرْبِ الشَّمْسِ اِلَى الْاُفُقِ الشَّرْقِ بِمِقْدَارٍ مُعَيَّنٍ وَهُوَ فِي الْمَشْهُوْرِ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ جُزْءًا (روح المعانی، ج۱۵ ص۲۶۳، سورة التكوير)

اِعْلَمْ اَنَّ مُغِيْبَ الشَّفَقِ كَطُلُوْعِ الْفَجْرِ وَذٰلِكَ عِنْدَ مَا يَكُوْنُ اِنْخِفَاضُ الشَّمْسِ تَحْتَ الْاُفُقِ ثَمَانِيَةَ عَشَرَةَ دَرَجَةً . فَلَزِمَ عَلٰى هٰذَا اَنْ تَكُوْنَ مُدَّةُ الشَّفَقِ مُسَاوِيَةً لِمُدَّةَ الْفَجْرِ وَهِيَ دَائِرَةٌ مِّنَ الْفَلَكِ مِنَ الْغُرُوْبِ اِلٰى حِيْنَ كَوْنِ الْاِنْخِفَاضِ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ اَوْ مِنْ حِيْنَ كَوْنِ الْاِنْخِفَاضِ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ اِلٰى حِيْنَ الشُّرُوْقِ وَهٰذَا عَلٰى اَنَّ اِنْخِفَاضَ الشَّمْسِ لِلْوَقْتَيْنِ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ وَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَ لِلشَّفَقِ سَبْعَةَ عَشَرَ، وَلِلْفَجْرِ تِسْعَةَ عَشَرَ فَتَكُوْنُ عَلٰى هٰذَا مُدَّةُ الْفَجْرِ اَوْسَعَ مِنْ مُدَّةِ الشَّفَقِ وَذٰلِكَ اَنَّ الشَّفَقَ هُوَ الْحُمْرَةُ كَمَا عَلِمْتَ، وَالْحُمْرَةُ قَبْلَ الشُّرُوْقِ كَالْحُمْرَةِ بَعْدَ الْغُرُوْبِ، وَلِلْفَجْرِ ضِيَاءٌ يَبْدُوْ قَبْلَ الْحُمْرَةِ فَكَانَتِ الْمُدَّةُ اَوْسَعَ مِنَ الْمُدَّةِ وَلٰكِنَّ الْاِحْتِيَاطَ لِدُخُوْلِ الْوَقْتِ وَتَبَيُّنِهٖ هُوَ عَلٰى رَأْيِ مَنْ جَعَلَ لَهُمَا ثَمَانِيَةَ عَشَرَ وَهُوَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْعَمَلُ كَثِيْرًا وَلَايَخْفٰى كَوْنُ ذٰلِكَ اِحْتِيَاطًا، وَاللهُ اَعْلَمُ (شرح روضة الازهار، ساعات مغيب الشفق وطلوع الفجر وما فى مدتيهما من ادراج، كذافى ايضاح القول الحق فى مقدار انحطاط الشمس وقت طلوع الفجر وغروب الشفق، لمحمد بن عبدالوهاب بن عبدالرزاق الاندلسى اصلا الفاسى المراكشى ص۱۵)

فَاِنْ كَانَ شَرْقِيًّا أَقَلُّ مِنْ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ لَمْ يَغْرِبِ الشَّفَقُ بَعْدُ اَوْ اَكْثَرُ فَقَدْ غَرَبَ، اَوْ مُسَاوِياً فَابْتِدَاءُ غُرُوْبِهٖ وَاِنْ كَانَ غَرْبِيًّا أَقَلُّ فَقَدْ طَلَعَ الْفَجْرُ، اَوْ أَكْثَرُ لَمْ يَطْلُعْ بَعْدُ، اَوْ مُسَاوِياً فَابْتِدَاءُ طُلُوْعِهٖ (الكشكول، تحت ترجمة ابن الخياط)

فَصْلٌ: اَلصُّبْحُ اِسْتِنَارَةٌ فِي الْبُخَارِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ، وَالشَّفَقُ نَحْوَ الْمَغْرِبِ بَعْدَ غُرُوْبِهَا، وَيَتَشَابَهَانِ شَكْلًا وَيَتَقَابَلَانِ وَضْعًا وَانْحِطَاطُهَا عِنْدَ اَوَّلِ الْاَوَّلِ وَآخِرِ الْآخِرِ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ جُزْءًا (السبع الشداد ص۳۶، مطبوعه: اشاعتِ اسلام كتب خانه، پشاور)

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لانبى بعده، سيدنا ونبيا محمد. أما بعد: فإن مجلس المجمع الفقهى الإسلامى فى دورته التاسعة المنعقدة بمبنى رابطة العالم الإسلامى فى مكة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... روزہ صحیح ہونے کے لئے روزہ کی دل میں نیت کرنا ضروری ہے، اور روزہ کی نیت کے لئے اتنا کافی ہے کہ دل میں یہ ارادہ ہو کہ میں مثلاً صبح کو یا آج رمضان کا روزہ رکھتا ہوں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المكرمة فى الفترة من يوم السبت 12رجب1406هـ إلى يوم السبت 19رجب1406هـ قدنظر فى موضوع أوقات الصلاة والصيام لسكان المناطق ذات الدرجات العالية .ومراعاة لروح الشريعة المبنية على التيسير ورفع الحرج وبناء على ماأفادت به لجنة الخبراء الفلكيين، قرر المجلس فى هذا الموضوع مايلى:

أولاً :دفعا للاضطرابات والاختلافات الناتجة عن تعدد طرق الحساب، يحدد لكل وقت من أوقات الصلاة العلامات الفلكية التي تتفق مع ماأشارت الشريعة إليه، ومع ماأوضحه علماء الميقات الشرعيون فى تحويل هذه العلامات إلى حسابات فلكية متصلة بموقع الشمس فى السماء فوق الأفق أو تحته كمايلى:

(۱)الفجر :ويوافق بزوغ أول خيط من النور الأبيض وانتشاره عرضا فى الأفق الفجر الصادق، ويوافق الزاوية ۱۸ درجة تحت الأفق الشرقى(قرارات المجمع الفقه الاسلامى، رقم القرار ٦، رقم الدورة ۹)

وَلَقَدُ تَحَدَّدَ مَوُعِدُ بَدُءِ الْإِضَاءَ ةِ عِنُدَ الْفَجُرِ عِنُدَمَا يُصُبِحُ مَرُكَزُ قُرُصِ الشَّمُسِ تَحُتَ الْاُفُقِ الشَّرقِيّ بِمِقُدَارِ 18دَرَجَةً قَوُسِيَّةً .كَمَا لُوحِظَ اَنَّ اِضَاءَ ةَ شَفَقِ الْغُرُوُبِ تُتَلَاشٰى عِنُدَمَا يُصُبِحُ قُرُصُ الشَّمُسِ تَحُتَ الْاُفُقِ الْغَرُبِيّ بِمِقُدَارِ 18دَرَجَةً قَوُسِيَّةً اَيُضًا .وَلَمُ تَغَيَّرِ الْقِيَاسَاتُ الْحَدِيْثَةُ الْعِلُمِيَّةَ وَالْفَلَكِيَّةَ هٰذَا الُمِقُدَارَ حَتّٰى وَقُتِنَا الْحَاضِرِ .وَقَدُ قَامَتِ الْيَابَانُ بِاخُتِرَاعِ جِهَازٍ حَسَّاسٍ لِقِيَاسِ الضُّوُءِ ، وَمَعَ اِسُتِخُدَامِ الْحِسَابَاتِ الْفَلَكِيَّةِ لِحَرَكَةِ الشَّمُسِ الظَّاهِرِيَّةِ فَقَدُ وَجَدَ اَنَّ اَوَّلَ ضُوُءٍ يَحُدِثُ حِيْنَمَا تَكُوُنُ الشَّمُسُ الظَّاهِرِيَّةُ اَسُفَلَ الْاُفُقِ الْمَرُئِيّ بِمِقُدَارِ 18دَرَجَةً قَوُسِيَّةً .وَلَقَدُ اُعُتُبِرَ هٰذَا الْمِقُدَارُ عِلُمِيًّا وَشَرُعِيًّا مِنُ قِبَلِ الْعُلَمَاءِ فِيُ مُعَظَّمِ الْبُلُدَانِ الْاِسُلَامِيَّةِ وَنُظِمَتِ التَّقَاوِيُمُ عَلٰى اَسَاسِ ذٰلِكَ .وَلٰكِنُ بَعُضَ الدُّوَلِ الْاِسُلَامِيَّةِ مَا زَالَتُ تَعُتَمِدُ بَدُءَ الْفَجُرِ فِي اللَّحُظَةِ الَّتِيُ يَشُكُلُ فِيُهَا مَرُكَزُ قُرُصِ الشَّمُسِ مَعَ اَعُلَى الْاُفُقِ الشَّرِقِيّ زَاوِيَةَ 19دَرَجَةً قُوُسِيَّةً وَبَدُءَ الْعِشَاءِ فِي اللَّحُظَةِ الَّتِيُ يُصُبِحُ فِيُهَا مَرُكَزُ قُرُصِ الشَّمُسِ تَحُتَ الْاُفُقِ الْغَرُبِيّ بِمِقُدَارِ 17دَرَجَةً قَوُسِيَّةً مُعُتَمِدِيُنَ فِيُ ذٰلِكَ عَلٰى اَقُوَالِ بَعُضِ الُمَذَاهِبِ الْاِسُلَامِيَّةِ(الجزيرة ،الجمعة , 10شعبان 1422، Friday 26th October,2001، الطبعةالاولى ،العدد 10620،لاحمد رامى محمودى ،رياض، سعودى عرب)

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہماری کتاب ''صبح صادق وکاذب اور وقتِ عشاء کی تحقیق'')

۱؎ وَمن الشُّرُوط النِّيَّة وَهِي شَرط صِحَة الْأَدَاء لِأَن الصَّوْم عبَادَة فَلَا تصح بِدُون النِّيَّة ثمَّ الْكَلَام فِي كَيفِيَّة النِّيَّة وَفِي وَقت النِّيَّة،أما كَيفِيَّة النِّيَّة فَينْظر إِن كَانَ الصَّوْم عينا يَكْفِيهِ نِيَّة مُطلق الصَّوْم حَتَّى لَو صَامَ رَمَضَان بنية مُطلق الصَّوْم يَقع على رَمَضَان،وَكَذَا فِي صَوْم التَّطَوُّع إِذا صَامَ مُطلقًا خَارج رَمَضَان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵...... اگلے دن کے روزہ کی نیت کا وقت سورج غروب ہونے کے بعد شروع ہوجاتا ہے۔ اس سے پہلے اگلے دن کے روزہ کی نیت کا اعتبار نہیں، کیونکہ رات سورج غروب ہونے پر شروع ہوتی ہے، اور رات اگلے دن کے تابع ہوا کرتی ہے۔

اور روزہ کی نیت رات کو صبح صادق سے پہلے کر لینا مناسب ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۶ ...... عام طور پر رمضان کی ہر رات میں مسلمان کے دل میں جو یہ عزم ہوتا ہے کہ وہ صبح کا روزہ رکھے گا، تو یہ عزم ہی نیت کہلاتا ہے، جب تک اس کے خلاف یعنی اگلے دن

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يَقع عَن النَّفْل لِأَن الْوَقْت مُتَعَيّن للنفل شرعا،وَكَذَا فِي النّذر إِذا كَانَ الْوَقْت معينا بِأَن نذر صَوْم شهر رَجَب وَنَحْوه إِذا صَامَ مُطلقًا فِيهِ يقع عَن الْمَنْذُور،وَهَذَا عندنَا،وعندالشافعي صَوْم الْفَرْض وَالْوَاجِب لَا يَصح بِدُونِ نِيَّة الْفَرْض وَالْوَاجِب وَأما التَّطَوُّع فَيصح بِمُطلق النِّيَّة(تحفة الفقهاء ج ۱ ص ۳۴۲، كتاب الصوم)

قُلْت :وَحَاصِلُهُ أَنَّ النِّيَّةَ الَّتِي هِيَ الْإِرَادَةُ الْجَازِمَةُ لَمَّا كَانَتْ لَا تَتَحَقَّقُ إلَّا بتَصَوُّرِ الْمُرَادِ وَعِلْمِهِ وَكَانَ ذَلِكَ شَرْطًا لِصِحَّتِهَا شَرْعًا وَلَازِمًا لَهَا لُغَةً اُقْتُصِرَ عَلَيْهِ (قَوْلُهُ وَالْمُعْتَبَرُ فِيهَا عَمَلُ الْقَلْبِ) أَيْ أَنَّ الشَّرْطَ الَّذِي تَتَحَقَّقُ بِهِ النِّيَّةُ وَيُعْتَبَرُ فِيهَا شَرْعًا الْعِلْمُ بالشَّيْءِ بَدَاهَةً النَّاشِئُ ذَلِكَ الْعِلْمُ عَنْ الْإِرَادَةِ الْجَازِمَةِ لَا مُطْلَقُ الْعِلْمِ وَلَا مُجَرَّدُ الْقَوْلِ بِاللِّسَانِ .وَالْحَاصِلُ أَنَّ مَعْنَى النِّيَّةِ الْمُعْتَبَرَ فِي الشَّرْعِ هُوَ الْعِلْمُ الْمَذْكُورُ، وَهَذَا مَعْنَى مَا نُقِلَ عَنْ ابْنِ سَلَمَةَ كَمَا قَدَّمْنَاهُ؟ وَأَمَّا قَوْلُهُمْ لَا يَصِحُّ تَفْسِيرُ النِّيَّةِ بِالْعِلْمِ فَالْمُرَادُ بِهِ مُطْلَقُ الْعِلْمِ الْخَالِي عَنْ الْقَصْدِ بِقَرِينَةِ الِاعْتِرَاضِ الْمَارِّ فَافْهَمْ، لَكِنْ فِي جَعْلِهِ الْعِلْمَ مِنْ أَعْمَالِ الْقَلْبِ مُسَامَحَةٌ لِأَنَّ الْعِلْمَ مِنْ الْكَيْفِيَّاتِ النَّفْسَانِيَّةِ كَمَا حُقِّقَ فِي مَوْضِعِهِ (ردالمحتار، ج ۱ ص ۴۱۵، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة)

(قَوْلُهُ :بِنِيَّةٍ) قَالَ فِي الِاخْتِيَارِ النِّيَّةُ شَرْطٌ فِي الصَّوْمِ وَهِيَ أَنْ يَعْلَمَ بِقَلْبِهِ أَنَّهُ يَصُومُ وَلَا يَخْلُو مُسْلِمٌ عَنْ هَذَا فِي لَيَالِي شَهْرِ رَمَضَانَ، وَلَيْسَتْ النِّيَّةُ بِاللِّسَانِ شَرْطًا (ردالمحتار، ج ۲ ص ۳۷۷ كتاب الصوم)

[1] وَلَا خِلَافَ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا وَهُوَ غُرُوبُ الشَّمْسِ وَاخْتَلَفُوا فِي آخِرِهِ كَمَا يَأْتِي .اهـ.وَسَيَأْتِي بَيَانُ مَا يُبْطِلُهَا(ردالمحتار، ج ۲ ص ۳۷۷ كتاب الصوم)

وَأَمَّا الْكَلَامُ فِي وَقْتِ النِّيَّةِ فَلَا خِلَافَ فِي أَنَّ أَوَّلَهُ مِنْ وَقْتِ غُرُوبِ الشَّمْسِ؛ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي الْعِبَادَاتِ اقْتِرَانُ النِّيَّةِ بِحَالِ الشُّرُوعِ فِي الصَّوْمِ إلَّا أَنَّ وَقْتَ الشُّرُوعِ فِي الصَّوْمِ وَقْتٌ مُشْتَبَهٌ لَا يَعْرِفُهُ إلَّا مَنْ يَعْرِفُ النُّجُومَ وَسَاعَاتِ اللَّيْلِ، وَهُوَ مَعَ ذَلِكَ وَقْتُ نَوْمٍ وَغَفْلَةٍ وَالْمُتَهَجِّدُ بِاللَّيْلِ يُسْتَحَبُّ أَنْ يَنَامَ سَحَرًا فَلِدَفْعِ الْحَرَجِ جَوَّزَ لَهُ بِنِيَّةٍ مُتَقَدِّمَةٍ عَلَى حَالَةِ الشُّرُوعِ، وَإِنْ كَانَ غَافِلًا عَنْهُ عِنْدَ الشُّرُوعِ بِأَنْ تُجْعَلَ تِلْكَ النِّيَّةُ كَالْقَائِمَةِ حُكْمًا فَأَمَّا النِّيَّةُ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ لِصَوْمِ رَمَضَانَ تَجُوزُ فِي قَوْلِ عُلَمَائِنَا رَحِمَهُمْ اللَّهُ تَعَالَى وَعَلَى قَوْلِ الشَّافِعِيِّ -رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى -لَا تَجُوزُ (المبسوط للسرخسي، ج۳، ص ۶۱، وص ۶۲، كتاب الصوم)

روزہ نہ رکھنے کی نیت نہ ہو، یہ عزم بھی نیت ہی کہلائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر۷...... صبح صادق سے پہلے یا رات کو کسی وقت سحری کھانا بھی روزہ کی نیت کے قائم مقام ہے، البتہ اگر سحری کھاتے ہوئے نیت ہے کہ صبح روزہ نہ رکھوں گا تو پھر یہ سحری روزہ کی نیت کے قائم مقام نہیں ہوگی۔ [2]

مسئلہ نمبر۸...... اگر کسی نے رات کو کسی وقت روزہ کی نیت نہیں کی، یہاں تک کہ طلوعِ فجر ہوگئی، تو فقہائے احناف کے نزدیک رمضان کے روزہ کی نیت ضحوۂ کبریٰ سے پہلے پہلے کرنا جائز ہے، بشرطیکہ طلوعِ فجر سے ابھی تک کچھ کھایا پیا نہ ہو، اور اس کے بعد نیت کرنا معتبر نہیں۔ [3]

---

[1] (قَوْلُهُ :بِنِيَّةٍ) قَالَ فِي الِاخْتِيَارِ النِّيَّةُ شَرْطٌ فِي الصَّوْمِ وَهِيَ أَنْ يَعْلَمَ بِقَلْبِهِ أَنَّهُ يَصُومُ وَلَا يَخْلُو مُسْلِمٌ عَنْ هَذَا فِي لَيَالِي شَهْرِ رَمَضَانَ، وَلَيْسَتْ النِّيَّةُ بِاللِّسَانِ شَرْطًا (ردالمحتار، ج۲ص۳۷۷ کتاب الصوم)

اعلم أن النية شرط فى الصوم، وهو أن يعلم بقلبه أنه يصوم، ولا يخلو مسلم عن هذا فى ليالى شهر رمضان، وليست النية باللسان شرطا، ولا خلاف فى أول وقتها، وهو غروب الشمس .واختلفوا فى آخره على ما نبينه إن شاء الله تعالى(الاختيار لتعليل المختار، ج ا ص ۱۲۶، کتاب الصوم)

[2] وَفِي الْبَحْرِ عَنْ الظَّهِيرِيَّةِ أَنَّ التَّسَحُّرَ نِيَّةٌ (ردالمحتار، ج۲ص۳۷۷ کتاب الصوم)

(قَوْلُهُ وَصَحَّ صَوْمُ رَمَضَانَ وَالنَّذْرُ الْمُعَيَّنُ وَالنَّفَلُ بِنِيَّةٍ مِنْ اللَّيْلِ إلَى مَا قَبْلَ نِصْفِ النَّهَارِ) شُرُوعٌ فِي بَيَانِ النِّيَّةِ الَّتِي هِيَ شَرْطُ الصِّحَّةِ لِكُلِّ صَوْمٍ، وَعَرَّفَهَا فِي الْمُحِيطِ بِأَنْ يَعْرِفَ بِقَلْبِهِ أَنَّهُ صَوْمٌ، وَوَقْتُهَا بَعْدَ الْغُرُوبِ، وَلَا يَجُوزُ قَبْلَهُ، وَالتَّسَحُّرُ نِيَّةٌ كَذَا فِي الظَّهِيرِيَّةِ (البحرالرائق، ج۲، ص ۲۷۹، کتاب الصوم، اقسام الصوم)

[3] مبيح للأكل والشرب والجماع فى ليالى رمضان إلى طلوع الفجر، ثم الأمر بالصيام عنها بعد طلوع الفجر متأخر عنه، لأن كلمة :ثم، للتعقيب مع التراخى، فكان هذا أمرا بالصيام متراخيا عن أول النهار، والأمر بالصوم أمر بالنية إذ لا صوم شرعا بدون النية، فكان أمرا بالصوم بنية متأخرة عن أول النهار، وقد أتى به، فيخرج عن العهدة.

وفيه :دلالة أن الإمساك فى أول النهار يقع صوما، وجدت فيه النية أو لم توجد، لأن إتمام الشىء يقتضى سابقة وجود بعض شىء منه، فإذا شرطنا النية فى أول الليل بخبر الواحد يكون نسخا لمطلق الكتاب، فلا يجوز ذلک، فحينئذ يحمل ذلک على الصيام الخاص المعين، وهو الذى ذكرناه، لأن مشروع الوقت فى هذا متنوع، فيحتاج إلى التعيين بالنية، بخلاف شهر رمضان لأن الصوم فيه غير متنوع، فلا يحتاج فيه إلى التعيين، وكذلک النذر المعين فهذا هو السر الخفى فى هذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ کا وقت صبح صادق سے لے کرسورج غروب ہونے تک ہے، جس کا آدھا وقت ضحوۂ کبریٰ پر ہوتا ہے۔

اور ضحوۂ کبریٰ صبح صادق سے لے کر سورج غروب ہونے تک کے بالکل درمیانی وقت کا نام ہے، جو زوال سے کچھ پہلے ہوتا ہے، اگر اس سے پہلے پہلے رمضان کے روزہ کی نیت کر لی جائے، تو اکثر کو کُل کا حکم دیتے ہوئے حنفی فقہائے کرام نے رمضان کے روزہ کو ضرورت کی وجہ سے درست قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التخصيص الذى استبدعه من لا وقوف له على دقائق الكلام، ومدارك استخراج المعانى من النصوص، ولم يكتف المدعى بعد هذا الكلام لبعد إدراكه حتى ادعى الأبعدية فى تفرقة الطحاوى بين صوم الفرض وصوم التطوع، فهذه دعوى باطلة لأن حامل الطحاوى على هذه التفرقة ما رواه مسلم، وأبو داود والترمذى من حديث عائشة، رضى الله تعالى عنها، (قالت :قال لى رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم :يا عائشة (هل عندكم شىء ؟ قالت :فقلت :لا يا رسول الله ما عندنا شىء) قال :فإنى صائم) ، وبنحوه روى عن على وابن مسعود وابن عباس وأبى طلحة، رضى الله تعالى عنهم، ثم إن هذا القائل نقل عن إمام الحرمين كلاما لا يوجد أسمج منه، لأن من يتعقب كلام أحد إن لم يذكر وجهه بما يقبله العلماء ، يكون كلامه هو غثاء لا أصل له، وأجاب بعض أصحابنا عن الحديث المذكور، أعنى :حديث حفصة، رضى الله تعالى عنها، بعد التسليم بصحته وسلامته عن الاضطراب بأنه محمول على نفى الفضيلة والكمال، كما فى قوله صلى الله عليه وسلم :(لا صلاة لجار المسجد إلا فى المسجد)(عمدة القارى، ج ۱۰ ص ۳۰۵، ۳۰۶،باب إذا نوى بالنهار صوما)

اور بعض فقہائے کرام کے نزدیک درجِ ذیل حدیث کی وجہ سے رمضان کے روزہ کی نیت صبح صادق سے پہلے کرنا ضروری ہے۔

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ لَمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ، فَلَا صِيَامَ لَهُ(سنن أبى داود، رقم الحديث ۲۴۵۴)

[1] ضحوۂ کبریٰ کا وقت معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ طلوعِ فجر یا اختتامِ سحر اور سورج غروب ہونے یا بالفاظِ دیگر افطار کا وقت معلوم کر کے اس درمیان کے پورے وقت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں۔ پہلے نصف حصے کا آخری وقت ضحوۂ کبریٰ ہوگا، اس سے پہلے پہلے رمضان کی نیت کرنا درست ہے۔

(قَوْلُهُ :فَلَا تَصِحُّ قَبْلَ الْغُرُوبِ) فَلَوْ نَوَى قَبْلَ أَنْ تَغِيبَ الشَّمْسُ أَنْ يَكُونَ صَائِمًا غَدًا ثُمَّ نَامَ أَوْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ أَوْ غَفَلَ حَتَّى زَالَتْ الشَّمْسُ مِنْ الْغَدِ لَمْ يَجُزْ وَإِنْ نَوَى بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ جَازَ خَانِيَّةٌ وَفِيهَا وَإِنْ نَوَى مَعَ طُلُوعِ الْفَجْرِ جَازَ؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ قِرَانُ النِّيَّةِ بِالصَّوْمِ لَا تَقَدُّمُهَا (قَوْلُهُ :إلَى الضَّحْوَةِ الْكُبْرَى) الْمُرَادُ بِهَا نِصْفُ النَّهَارِ الشَّرْعِيِّ وَالنَّهَارُ الشَّرْعِيُّ مِنْ اسْتِطَارَةِ الضَّوْءِ فِي أُفُقِ الْمَشْرِقِ إلَى غُرُوبِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹......فقہائے احناف کے نزدیک جنون یا بیہوشی روزہ کے خلاف نہیں، البتہ مجنون یا بیہوش کے روزہ کی نیت کرنا معتبر نہیں ہوتا، اس لئے اگر کسی کو رمضان کی رات میں کسی وقت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الشَّمْسِ وَالْغَايَةُ غَيْرُ دَاخِلَةٍ فِي الْمُغَيَّا كَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ الْمُصَنِّفُ بِقَوْلِهِ لا عِنْدَهَا .اهـ.ح وَعَدَلَ عَنْ تَعْبِيرِ الْقُدُورِيِّ وَالْمَجْمَعِ وَغَيْرِهِمَا بِالزَّوَالِ لِضَعْفِهِ؛ لِأَنَّ الزَّوَالَ نِصْفُ النَّهَارِ مِنْ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَوَقْتِ الصَّوْمِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنْ الْمَبْسُوطِ قَالَ فِي الْهِدَايَةِ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ قَبْلَ نِصْفِ النَّهَارِ وَهُوَ الْأَصَحُّ؛ لِأَنَّهُ لا بُدَّ مِنْ وُجُودِ النِّيَّةِ فِي أَكْثَرِ النَّهَارِ وَنِصْفُهُ مِنْ وَقْتِ طُلُوعِ الْفَجْرِ إلَى وَقْتِ الضَّحْوَةِ الْكُبْرَى لا وَقْتَ الزَّوَالِ فَتُشْتَرَطُ النِّيَّةُ قَبْلَهَا لِتَتَحَقَّقَ فِي الْأَكْثَرِ .اهـ.وَفِي شَرْحِ الشَّيْخِ إسْمَاعِيلَ وَمِمَّنْ صَرَّحَ بِأَنَّهُ الْأَصَحُّ فِي الْعَتَّابِيَّةِ وَالْوِقَايَةِ وَعَزَاهُ فِي الْمُحِيطِ إلَى السَّرَخْسِيِّ وَهُوَ الصَّحِيحُ كَمَا فِي الْكَافِي وَالتَّبْيِينِ اهـ وَتَظْهَرُ ثَمَرَةُ الِاخْتِلَافِ فِيمَا إذَا نَوَى عِنْدَ قُرْبِ الزَّوَالِ كَمَا فِي التَّتَارْخَانِيَّة عَنْ الْمُحِيطِ وَبِهِ ظَهَرَ أَنَّ قَوْلَ الْبَحْرِ وَالظَّاهِرُ أَنَّ الِاخْتِلَافَ فِي الْعِبَارَةِ لَا فِي الْحُكْمِ غَيْرُ ظَاهِرٍ .(تَنْبِيهٌ) قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ النَّهَارَ الشَّرْعِيَّ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ إلَى الْغُرُوبِ وَاعْلَمْ أَنَّ كُلَّ قُطْرٍ نِصْفُ نَهَارِهِ قَبْلَ زَوَالِهِ بِنِصْفِ حِصَّةِ فَجْرِهِ فَمَتَى كَانَ الْبَاقِي لِلزَّوَالِ أَكْثَرَ مِنْ هَذَا النِّصْفِ صَحَّ وَإِلَّا فَلَا تَصِحُّ النِّيَّةُ فِي مِصْرَ وَالشَّامَ قَبْلَ الزَّوَالِ بِخَمْسِ عَشْرَةَ دَرَجَةً لِوُجُودِ النِّيَّةِ فِي أَكْثَرِ النَّهَارِ؛ لِأَنَّ نِصْفَ حِصَّةِ الْفَجْرِ لا تَزِيدُ عَلَى ثَلَاثَ عَشْرَةَ دَرَجَةً فِي مِصْرَ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَنِصْفٍ فِي الشَّامِ فَإِذَا كَانَ الْبَاقِي إلَى الزَّوَالِ أَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ هَذِهِ الْحِصَّةِ وَلَوْ بِنِصْفِ دَرَجَةٍ صَحَّ الصَّوْمُ كَذَا حَرَّرَهُ شَيْخُ مَشَايِخِنَا السَّائِحَانِيُّ -رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى .-(تَتِمَّةٌ)قَالَ فِي السِّرَاجِ :وَإِذَا نَوَى الصَّوْمَ مِنْ النَّهَارِ يَنْوِي أَنَّهُ صَائِمٌ مِنْ أَوَّلِهِ حَتَّى لَوْ نَوَى قَبْلَ الزَّوَالِ أَنَّهُ صَائِمٌ فِي حِينِ نَوَى لَا مِنْ أَوَّلِهِ لَا يَصِيرُ صَائِمًا (ردالمحتار، ج۲ص۳۷۷، کتاب الصوم)

(تَنْبِيْهٌ) : اِعْلَمْ أَنَّ كُلَّ قُطْرٍ نِصْفُ نَهَارِهٖ قَبْلَ زَوَالِهٖ بِقَدْرِ نِصْفِ حِصَّةِ فَجْرِهٖ فَمَتٰى كَانَ الْبَاقِيَ لِلزَّوَالِ أَكْثَرَ مِنْ هٰذَا النِّصْفِ صَحَّ وَإِلَّا فَلَا فَفِيْ مِصْرَ وَالشَّامِ تَصِحُّ النِّيَّةُ قَبْلَ الزَّوَالِ بِخَمْسَ عَشْرَةَ دَرَجَةً لِوُجُوْدِ النِّيَّةِ فِيْ أَكْثَرِ النَّهَارِ ؛ لِأَنَّ نِصْفَ حِصَّةِ الْفَجْرِ لَا تَزِيْدُ عَلٰى ثَلَاثَ عَشْرَةَ دَرَجَةً فِيْ مِصْرَ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَنِصْفٍ فِي الشَّامِّ فَإِذَا كَانَ الْبَاقِيَ إِلَى الزَّوَالِ أَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ هٰذِهِ الْحِصَّةِ ، وَلَوْ بِنِصْفِ دَرَجَةٍ صَحَّ الصَّوْمُ كَذَا حَرَّرَهُ شَيْخُ مَشَايِخِنَا إِبْرَاهِيْمُ السَّائِحَانِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى (منحة الخالق على البحر الرائق ،اقسام الصوم ج۲ص۲۶۰)

علامہ شامی رحمہ اللہ کی ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نہارِ شرعی صبح صادق سے لے کر غروب تک ہوتا ہے، اور صبح صادق اور طلوع کے درمیان جتنا وقت ہوتا ہے، جب زوال ہونے میں اس کی نصف مقدار سے زیادہ باقی ہو (خواہ نصف درجہ یعنی تقریباً دو منٹ ہی کیوں نہ زیادہ ہو) اس وقت تک روزے کی نیت کرنا درست ہے، اور اگر مذکورہ مقدار سے کم باقی ہو (خواہ نصف درجہ ہی کیوں نہ ہو) تو روزہ کی نیت کرنا درست نہیں۔ پھر علامہ شامی رحمہ اللہ نے آگے مصر و شام کے بارے میں جو تفصیل بیان فرمائی، اس کے مطابق فجر کے وقت کا نصف مصر میں 13 درجے یعنی تقریباً 52 منٹ سے اور شام میں ساڑھے چودہ درجے یعنی تقریباً 58 منٹ سے زیادہ نہیں ہوتا۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جنون یا بیہوشی طاری ہوگئی تو اگر ضحوۂ کبریٰ سے پہلے پہلے ہوش میں آکر اُس نے روزہ کی نیت کرلی تو اس کا روزہ درست ہوجائے گا، بشرطیکہ صبح سے اب تک کچھ کھایا پیا نہ ہو، اور روزہ کے خلاف کوئی عمل نہ پایا گیا ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جس کا مطلب یہ ہے کہ ملکِ مصر میں فجر کا زیادہ سے زیادہ عرضِ بلد کے اعتبار سے وقت ایک گھنٹہ اور تقریباً چوالیس منٹ اور ملکِ شام میں زیادہ سے زیادہ عرضِ بلد کے اعتبار سے ایک گھنٹہ تقریباً چھپن منٹ ہوتا ہے۔

اور مذکورہ وقت کا یہ حساب 18 درجے زیرِ اُفق پر صادق آتا ہے، نہ کہ 15 درجے زیرِ اُفق پر۔

ملکِ مصر کا انتہائی شمالی عرض البلد کا علاقہ ''الخشو'' (Al Khushu) ہے، جس کا عرض البلد 31.36 اور طول البلد 31.01 درجہ شمالی ہے، اس مقام پر اطولِ ایام یعنی 21 جون کو 18 درجہ زیرِ افق کے مطابق صبح صادق تین بجکر بارہ منٹ (3:12AM) پر اور طلوعِ آفتاب چار بجکر باون منٹ (4:52AM) پر ہے، اور یہ فاصلہ ایک گھنٹہ چالیس منٹ بنتا ہے، جو کہ علامہ شامی رحمہ اللہ کے بیان کردہ درجات کے حساب سے کوئی قابلِ ذکر تفاوت نہیں، کیونکہ علامہ شامی کی فی درجہ سے مراد 4 منٹ ہے، اور جب متعدد درجات کا ذکر ہو تو درمیان میں منٹوں کے کسور کے تفاوت کی رعایت نہیں ہوتی، اور پہلے دور میں کمپیوٹر اور دوسرے جدید ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے چند منٹوں کا تفاوت کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں، نیز صبح صادق اور زوال میں ایک دو منٹ کی احتیاط شامل کرنے اور عرصۂ دراز کے بعد چند منٹوں کا فرق فنی لحاظ سے ممکن ہے۔

''الخشو'' کے 21 جون کی تاریخ میں 18 درجہ زیرِ افق کے مطابق اوقات کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

Isha	S.Set	Asr	Asr shafi	Zawal	S.R	Fajr	Date
8:44PM	7:04PM	4:54PM	03:37PM	11:58AM	4:52AM	3:12AM	21

اور ملکِ شام کا انتہائی شمالی عرض البلد کا علاقہ ''القمشلی'' (Al qamishli) ہے، جس کا عرض البلد 37.03 اور طول البلد 41.14 درجہ شمالی ہے، اس مقام پر اطولِ ایام یعنی 21 جون کو 18 درجہ زیرِ افق کے مطابق صبح صادق دو بجکر تین منٹ (2:03AM) پر اور طلوعِ آفتاب تین بجکر چھپن منٹ (3:56AM) پر ہے، اور یہ فاصلہ ایک گھنٹہ ترپن منٹ بنتا ہے، جس میں صرف 3 منٹ کا فرق ہے، جو کہ علامہ شامی رحمہ اللہ کے بیان کردہ درجات کے حساب سے کوئی قابلِ ذکر تفاوت نہیں، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی۔

''القمشلی'' کے 21 جون کی تاریخ میں 18 درجہ زیرِ افق کے مطابق اوقات کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

Isha	S.Set	Asr	Asr shafi	Zawal	S.R	Fajr	Date
8:31pm	6:38pm	4:24pm	3:09pm	11:17am	3:56am	2:03am	21

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہماری کتاب ''صبح صادق وکاذب اور وقتِ عشاء کی تحقیق'')

[1] وَحَاصِلُ الْجَوَابِ: أَنَّ الْجُنُونَ لَا يُنَافِي الصَّوْمَ إِنَّمَا يُنَافِي شَرْطَهُ أَعْنِي النِّيَّةَ وَهِيَ قَدْ وُجِدَتْ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ (ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۰۵، کتاب الصوم، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۰...... رمضان کے روزوں کی نیت اگر یہ مقرر کر کے کی جائے کہ وہ رمضان کا فرض روزہ رکھتا ہے، تو بھی صحیح ہے۔

اور اگر صرف اتنی نیت کی کہ وہ روزہ رکھتا ہے، اور رمضان کے روزہ کی فرضیت کا استحضار نہیں ہوا، تب بھی اس نیت کے ساتھ رمضان کا فرض روزہ ادا ہو جائے گا۔ [۱]

مسئلہ نمبر۱۱...... عوام میں روزہ کی نیت کے جو یہ الفاظ مشہور ہیں کہ:

بِصَوۡمِ غَدٍ نَّوَیۡتُ مِنۡ شَهۡرِ رَمَضَانَ

''یعنی میں صبح رمضان کے مہینہ کے روزہ کی نیت کرتا ہوں''

یہ سنت سے ثابت نہیں ہیں، اور نیت درحقیقت زبان سے الفاظ ادا کرنے کا نام نہیں، جیسا کہ پہلے گزرا؛ بلکہ دل میں ارادہ کر لینے کا نام ہے۔

لہٰذا ان الفاظ کو سنت نہیں سمجھنا چاہیے۔

البتہ فقہائے کرام کے نزدیک اگر دل میں نیت کے ساتھ ساتھ کوئی دل کی نیت کی پختگی اور استحضار کے لئے زبان سے بھی الفاظ ادا کر لے، تو اس میں بھی حرج نہیں ہے، لیکن الفاظ کو ہی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت أَرَأَيُت إِن أصبح فِى شهر رَمَضَان يَنُوِى الُإِفُطَار غير أَنه لم يَأُكُل وَلم يشرب قَالَ عَلَيُهِ قَضَاء ذَلِك الُيَوُم قلت فَإِن نوى الصَّوُم قبل أَن ينتصف النَّهَار قَالَ يجُزِيه قلت لم جعلت عَلَيُهِ قَضَاء ذَلِك الُيَوُم قَالَ أَرَأَيُت مَرِيضا لَا يَسُتَطِيع الصّيام أصبح يَنُوِى الُإِفُطَار وَكَانَ على ذَلِك إِلَى اللَّيُل غير أَنه لم يَأُكُل وَلم يشرب لِأَنَّهُ لم يشته الطَّعَام وَلَا الشَّرَاب أَيكُون هَذَا صَائِما قلت لَا قَالَ فَهَذَا وَذَاك سَوَاء قلت أَرَأَيُت رجلا فِى أَرض الُحَرُب مر بِهِ شهر رَمَضَان وَهُوَ لَا يعلم بِهِ وَلَا يَنُوِى صَوُمه وَنوى الُفطر فِيهِ غير أَنه لَا يجد طَعَاما وَلَا شرابًا أيجزيه هَذَا من صِيَام شهر رَمَضَان قَالَ لَا وَهَذَا وَذَاك سَوَاء قلت أَرَأَيُت هَذَا الَّذِى أصبح مُفطرا إِن ظن أَن نِيَّته قد أفسدت عَلَيُهِ صَوُمه وَأُفُتِى بذلك فَأكل قبل أَن ينتصف النَّهَار أَو شرب أَو جَامع

قَالَ عَلَيُهِ الُقَضَاء وَلَا كَفَّارَة عَلَيُهِ قلت لم ألقيت عَنهُ الُكَفَّارَة قَالَ للشُّبُهَة الَّتِى دخلت (الأصل المعروف بالمبسوط للامام محمد الشيبانى، ج ۲، ص ۲۲۸، كتاب الصَّوُم)

[۱] (قَوُلُهُ :وَبِمُطُلَقِ النِّيَّةِ) أَىُ مِنُ غَيُرِ تَقُيِيدٍ بِوَصُفِ الُفَرُضِ أَوُ الُوَاجِبِ أَوُ السُّنَّةِ ؛ لِأَنَّ رَمَضَانَ مِعُيَارٌ لَمُ يُشُرَعُ فِيهِ صَوُمٌ آخَرُ فَكَانَ مُتَعَيِّنًا لِلُفَرُضِ وَالُمُتَعَيِّنُ لَا يَحُتَاجُ إلَى التَّعُيِينِ وَالنَّذُرُ الُمُعَيَّنُ مُعُتَبَرٌ بِإِيجَابِ اللَّهِ تَعَالَى فَيُصَامُ كُلٌّ بِمُطُلَقِ النِّيَّةِ إمُدَادٌ (ردالمحتار، ج ۲ ص ۳۷۸، كتاب الصوم)

اصل نیت یا مسنون سمجھنا غلط ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۲...... اگر کسی نے دل میں روزہ کی نیت کی، اور ساتھ ہی زبان سے ان شاء اللہ کہہ دیا، اور اس ان شاء اللہ سے مقصد روزہ پر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور استعانت کا حاصل کرنا ہے، تو بھی روزہ کی نیت درست ہو جائے گی۔ [2]

مسئلہ نمبر ۱۳...... رات کو روزہ کی نیت کی پھر رات ہی کو نیت بدل گئی اور پختہ ارادہ کرلیا کہ صبح کو روزہ نہیں رکھوں گا تو روزہ کی نیت ختم ہوگئی، اب اگر اس نے دوبارہ روزہ کی نیت کے بغیر

---

[1] وأما ما اشتهر على الألسنة "اللهم لک صمت وبک آمنت وعلى رزقک أفطرت "فزيادة، (وبک آمنت) لا أصل لها وإن كان معناها صحيحا، وكذا زيادة (وعليک توكلت ولصوم غد نويت بل النية باللسان من البدعة الحسنة (مرقاة، ج۴ص۱۳۸۷، كتاب الصوم، باب في مسائل متفرقة)

[2] وإذا قال :نويت أن أصوم غداً إن شاء الله، أو قال :أصوم غداً بمشيئة الله، فلا رواية في هذه المسألة عن أصحابنا قال شمس الأئمة الحلواني رحمه الله :وفيها قياس واستحسان؛ القياس أن لا يصير صائماً؛ لأن بالاستثناء تبطل النية، و في الاستحسان يصير صائماً؛ لأن قوله :إن شاء الله ههنا ليس على معنى حقيقة الاستثناء ؛ بل هو على معنى الاستعانة، وطلب التوفيق حتى لو أراد به حقيقة الاستثناء نقول:انه لايصير صائما وإن نوى أن يفطر غداً، إن دعى إلى دعوة، وإن لم يدع يصوم، لا يصير صائماً بهذه النية، وإن لم يدع.ونظيره ما في نية صوم يوم الشک أكل السحر يكون نية الصوم هكذا حكى عن نجم الدين عمر النسفي رحمه الله (المحيط البرهاني، ج۲، ص۳۸۰، و ۳۸۱، كتاب الصوم، الفصل الثالث في النية)

وَفِي جَوَامِعِ الْفِقْهِ قَالَ نَوَيْت أَنْ أَصُومَ غَدًا إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى صَحَّتْ نِيَّتُهُ لِأَنَّ النِّيَّةَ عَمَلُ الْقَلْبِ دُونَ اللِّسَانِ فَلَا يَعْمَلُ فِيهِ الِاسْتِثْنَاءُ وَفِي الذَّخِيرَةِ ذَكَرَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ الْحَلْوَانِيُّ أَنَّهُ لَا رِوَايَةَ لِهَذِهِ الْمَسْأَلَةِ وَفِيهَا قِيَاسٌ وَاسْتِحْسَانٌ الْقِيَاسِ أَنْ لَا يَصِيرَ صَائِمًا كَالطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ وَالْبَيْعِ وَفِي الِاسْتِحْسَانِ يَصِيرُ صَائِمًا لِأَنَّهُ لَا يُرَادُ الْإِبْطَالُ بَلْ هُوَ لِلِاسْتِعَانَةِ وَطَلَبًا لِلتَّوْفِيقِ وَالْفَرْقُ مَا ذَكَرَهُ الْعَتَّابِيُّ قَالَ الْمَرْغِينَانِيُّ هُوَ الصَّحِيحُ وَبِهِ قَالَ أَحْمَدُ وَالشَّافِعِيُّ فِي وَجْهٍ انْتَهَى غَايَةٌ مُلَخَّصًا (حاشية الشِّلْبِيِّ على تبيين الحقائق، ج ا، ص۳۱۶، كتاب الصوم)

وَلَوْ نَوَى لَيْلًا بِأَنْ يَصُومَ غَدًا ثُمَّ عَزَمَ فِي اللَّيْلِ عَلَى الْفِطْرِ لَمْ يَصِرْ صَائِمًا ثُمَّ إذَا أَفْطَرَ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ إنْ لَمْ يَكُنْ رَمَضَانُ، وَلَوْ نَوَى الصَّائِمُ الْفِطْرَ لَمْ يُفْطِرْ حَتَّى يَأْكُلَ، وَلَوْ قَالَ نَوَيْت صَوْمَ غَدٍ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى فَعَنْ الْحَلْوَانِيِّ يَجُوزُ اسْتِحْسَانًا؛ لِأَنَّ الْمَشِيئَةَ تُبْطِلُ اللَّفْظَ وَالنِّيَّةُ فِعْلُ الْقَلْبِ وَصَحَّحَهُ فِي الظَّهِيرِيَّةِ(مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج ا، ص۲۳۴، كِتَابُ الصَّوْمِ)

یوں ہی کھائے پئے بغیر سارا دن گزار دیا تو روزہ صحیح نہیں ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۴...... اگر رات کو روزہ کی نیت کر کے سو گیا (کہ صبح کو روزہ رکھوں گا) پھر صبح صادق ہونے سے پہلے اُٹھ کر کچھ کھا پی لیا، مگر وہ نیت نہیں بدلی، تب بھی نیت میں کوئی خرابی نہیں آئے گی اور روزہ صحیح ہو جائے گا، کیونکہ رات کے وقت کھانا پینا جائز ہے، اور روزہ کے خلاف نہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر۱۵...... اگر روزہ رکھنے کے بعد دل میں روزہ توڑنے اور ختم کرنے کا ارادہ کر لیا تو صرف ارادہ کر لینے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا جب تک کہ روزہ توڑنے والا کوئی فعل نہ پایا جائے۔ [3]

---

[1] وإن نوى في الليل أن يصوم غداً ثم بدا له في الليل أن لا يصوم، وعزم على ذلك، ثم أصبح من الغد وأمسک، ولم ينو الصوم لا يعتبر صائماً؛ لأن عزيمته انتقضت بالرجوع عنها، وبعد ذلک لم توجد العزيمة أصلاً، فإذا أصبح في رمضان لا ينوي صوماً، ولا فطراً، وهو يعلم أنه من رمضان ذكر شمس الأئمة الحلواني عن الفقيه أبي جعفر رحمه الله : عن أصحابنا في صيرورته صائماً روايتين، والأظهر أنه لا يصير صائماً ما لم ينو الصوم قبل انتصاف النهار(المحيط البرهاني، ج۲، ص ۳۸۰، كتاب الصوم، الفصل الثالث في النية)

[2] وَلَوْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ أَوْ جَامَعَ أَوْ نَامَ بَعْدَ النِّيَّةِ لَا تَبْطُلُ نِيَّتُهُ وَحَكَى الْأَكْثَرُونَ مِنْ الشَّافِعِيَّةِ عَنْ أَبِي إسْحَاقَ الْمَرْوَزِيِّ أَنَّهَا تَبْطُلُ وَيَجِبُ تَجْدِيدُهَا قَالَ إمَامُ الْحَرَمَيْنِ رَجَعَ الْمَرْوَزِيِّ عَنْ هَذَا عَامَ حَجَّ وَقَالَ الْإِصْطَخْرِيُّ هَذَا خَرْقٌ لِلْإِجْمَاعِ (حاشية الشِّلْبِيِّ على تبيين الحقائق، ج ۱، ص ۳۱۶، كتاب الصوم)

[3] وَفِي جَوَامِعِ الْفِقْهِ والمرغيناني إذَا نَوَى الْإِفْطَارَ بَعْدَ شُرُوعِهِ فِي الصَّوْمِ لَمْ يَكُنْ ذَلِکَ فِطْرًا حَتَّى يَأْكُلَ وَكَذَا لَوْ نَوَى الرُّجُوعَ لَا يَكُونُ رُجُوعًا وَكَذَا لَوْ نَوَى الْكَلَامَ فِي الصَّلَاةِ لَا تَفْسُدُ حَتَّى يَتَكَلَّمَ وَفِي اللَّيْلِ لَوْ نَوَى الْإِفْطَارَ مِنْ الْغَدِ بَعْدَ نِيَّتِهِ يَكُونُ رُجُوعًا ذَكَرَهُ فِي جَوَامِعِ الْفِقْهِ (حاشية الشِّلْبِيِّ على تبيين الحقائق، ج ۱، ص ۳۱۶، كتاب الصوم)

النية إنما تعتبر إذا كانت مقارنة للفعل؛ لأن مجرد العزم عفو، وفعل السفر لا يتحقق إلا بعد الخروج من المصر فما لم يخرج لا يتحقق قران النية بالفعل فلا يصير(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۹۴، فصل بيان مايصير به المقيم)

فَأَما إِذا كَانَ لَهُ مَال للتِّجَارَة وَنوى أَن يكون للبذلة يخرج عَن التِّجَارَة وَإِن لم يَسْتَعْمِلهُ لِأَن التِّجَارَة عمل مَعْلُوم وَلَا يُوجد بِمُجَرَّد النِّيَّة فَلَا يعْتَبر مُجَرّد النِّيَّة فَأَما إِذا نوى الابتذال فقد ترک التِّجَارَة للْحَال فَتكون النِّيَّة مُقَارنَة لعمل هُوَ ترک التِّجَارَة فاعتبرت النِّيَّة(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۲۷۲، باب زكاة اموال التجارة)

اقول: الافطار فعل فلما لم يجد الفعل لايعتبر النية والصوم ترک الفعل فيعتبر بمحض النية، كمافى الاقامة والسفر.

روزہ کو فاسد کرنے اور نہ کرنے والی چیزیں

روزہ کی حقیقت کیونکہ اپنے ارادہ کے ساتھ دن بھر کھانے پینے اور جماع وغیرہ سے رکنا ہے۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور بعض چیزیں تو روزہ کی اس حقیقت کو فوت کر دیتی ہیں، اور بعض اس کی حقیقت کو کمزور کر دیتی ہیں، جبکہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے نہ روزہ کی حقیقت فوت ہوتی، اور نہ کمزور ہوتی، پھر جو چیزیں روزہ کی حقیقت کو فوت کر دیتی ہیں ان میں بعض اوقات روزے دار کی طرف سے کامل جرم پایا جاتا ہے اور بعض اوقات ناقص جرم پایا جاتا ہے۔

فقہائے کرام نے اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے روزہ کے مفسدات ومکروہات اور مباحات کے اعتبار سے تقسیم ودرجہ بندی فرمائی ہے۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ بعض چیزوں سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، یعنی ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ ان میں روزہ کی حقیقت فوت ہو جاتی ہے، اور بعض چیزوں سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں روزہ کی حقیقت فوت نہیں ہوتی، پھر جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ان میں بعض چیزیں تو ایسی ہیں کہ جن میں رمضان کے روزہ کی قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوتا ہے، کیونکہ ان میں کامل جرم پایا جاتا ہے، اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ واجب نہیں ہوتا کیونکہ ان میں ناقص جرم پایا جاتا ہے۔

اور جن چیزوں سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، ان میں بعض چیزیں تو ایسی ہیں کہ جن کی وجہ سے روزہ مکروہ ہوتا ہے، کیونکہ ان میں روزہ کی حقیقت تو فوت نہیں ہوتی، البتہ متاثر وکمزور ہو جاتی ہے، اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں روزہ مکروہ بھی نہیں ہوتا، اور وہ چیزیں مباح اور جائز درجہ میں آتی ہیں کیونکہ ان میں نہ تو روزہ کی حقیقت فوت ہوتی ہے اور نہ ہی کمزور ومتاثر ہوتی ہے۔

اس طرح کی چیزیں کیونکہ بہت ساری ہیں، اور ان کو مفسدات، مکروہات ومباحات کی شکل

میں الگ الگ عنوان کے تحت ذکر کرنے میں مبتلیٰ بہ لوگوں کو اپنے مسائل کا حل معلوم کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں، اور اہلِ علم حضرات کو اصولی انداز میں احکام کو منضبط کرنے میں بھی دشواری کا سامنا ہوتا ہے، اس لئے مختلف افعال اور اعضاء کے اعتبار سے عنوانات قائم کر کے احکام کو ذکر کیا جا رہا ہے، تاکہ مسائل کا منضبط کرنا آسان ہو اور مبتلیٰ بہ لوگوں کو اپنے متعلقہ مسائل کا حل معلوم کرنے میں دشواری کا سامنا نہ ہو۔

جماع، بوس وکنار، انزال، احتلام، وغیرہ سے متعلق احکام

روزہ میں ایک حکم جماع وغیرہ سے بچنے کا ہے۔

پہلے اس سلسلہ میں چند دلائل ذکر کئے جاتے ہیں، جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ متعلّقہ مسائل ذکر کئے جائیں گے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اُحِلَّ لَکُمۡ لَیۡلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمۡ (سورہ بقرہ آیت ۱۸۷)

ترجمہ: تمہارے لیے روزوں کی رات میں اپنی عورتوں سے جماع کرنا حلال کیا گیا ہے (سورہ بقرہ)

جب روزوں یعنی رمضان کی رات میں جماع کرنا حلال ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ رمضان میں دن کے وقت جبکہ روزہ کی حالت میں ہو جماع کرنا حرام ہے۔

اور اسی آیت کے آخر میں ان کو اللہ کی حدود بتلا کر ان کے قریب جانے سے بھی منع کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں جماع کے قریب یا اس کے مثل ہیں، ان سے بھی بچنے کا حکم ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ فَلَا تَقۡرَبُوۡھَا (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۷)

أَنَّ رَجُلًا وَقَعَ بِامْرَأَتِهِ فِيْ رَمَضَانَ، فَاسْتَفْتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً قَالَ: لَا، قَالَ: هَلْ تَسْتَطِيْعُ صِيَامَ شَهْرَيْنِ قَالَ: لَا، قَالَ: فَأَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا (بخاری) [۱]

ترجمہ: ایک آدمی نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کرلیا، پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ طلب کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ کو غلام میسر ہے؟ (جس کو آپ آزاد کردیں) اس نے عرض کیا کہ نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ کو دو مہینے کے روزے رکھنے کی استطاعت ہے؟ اس نے عرض کیا کہ نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر آپ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں (بخاری، مسلم)

بعض روایات میں اس واقعہ کی مزید تفصیل آئی ہے۔ [۲]

---

[۱] رقم الحديث ۶۸۲۱، كتاب الحدود، باب: من أصاب ذنبا دون الحد، فأخبر الإمام، فلا عقوبة عليه بعد التوبة، إذا جاء مستفتيا، واللفظ لهٗ، مسلم، رقم الحديث ۱۱۱۱ "۸۲".

[۲] عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ: أَتَاهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكْتُ. قَالَ: وَمَا أَهْلَكَكَ؟، قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِى فِى رَمَضَانَ، قَالَ: هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُعْتِقَ رَقَبَةً؟، قَالَ: لَا، قَالَ: فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟، قَالَ: لَا، قَالَ: فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا؟، قَالَ: لَا، قَالَ: اجْلِسْ، فَجَلَسَ، فَأُتِىَ النَّبِىُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ، وَالعَرَقُ المِكْتَلُ الضَّخْمُ، قَالَ: تَصَدَّقْ بِهِ، فَقَالَ: مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَحَدٌ أَفْقَرَ مِنَّا، قَالَ: فَضَحِكَ النَّبِىُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ، قَالَ: فَخُذْهُ، فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ.

وَفِى البَابِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَعَائِشَةَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو: .حَدِيثُ أَبِى هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، " وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا الحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ فِى مَنْ أَفْطَرَ فِى رَمَضَانَ مُتَعَمِّدًا مِنْ جِمَاعٍ، وَأَمَّا مَنْ أَفْطَرَ مُتَعَمِّدًا مِنْ أَكْلٍ أَوْ شُرْبٍ، فَإِنَّ أَهْلَ العِلْمِ قَدْ اخْتَلَفُوا فِى ذَلِكَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: عَلَيْهِ القَضَاءُ، وَالكَفَّارَةُ، وَشَبَّهُوا الأَكْلَ وَالشُّرْبَ بِالجِمَاعِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِىِّ، وَابْنِ المُبَارَكِ، وَإِسْحَاقَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: عَلَيْهِ القَضَاءُ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ، لِأَنَّهُ إِنَّمَا ذُكِرَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الكَفَّارَةُ فِى الجِمَاعِ وَلَمْ تُذْكَرْ عَنْهُ فِى الأَكْلِ وَالشُّرْبِ، وَقَالُوا: لَا يُشْبِهُ الأَكْلُ وَالشُّرْبُ الجِمَاعَ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِىِّ، وَأَحْمَدَ "، وقَالَ الشَّافِعِىُّ " : وَقَوْلُ النَّبِىِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلرَّجُلِ الَّذِى أَفْطَرَ فَتَصَدَّقَ عَلَيْهِ خُذْهُ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ يَحْتَمِلُ هَذَا مَعَانِىَ: يَحْتَمِلُ أَنْ تَكُونَ الكَفَّارَةُ عَلَى مَنْ قَدَرَ عَلَيْهَا، وَهَذَا رَجُلٌ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى الكَفَّارَةِ، فَلَمَّا أَعْطَاهُ النَّبِىُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا وَمَلَكَهُ، فَقَالَ الرَّجُلُ: مَا أَحَدٌ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جلیل القدر تابعی حضرت حسن اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ:

اِنْ جَامَعَ نَاسِیًا فَلَا شَیْءَ عَلَیْہِ (بخاری) [1]

ترجمہ: اگر کسی نے بھول کر جماع کرلیا، تو اس پر کچھ واجب نہیں (بخاری)

اس قسم کی احادیث وروایات کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ جو شخص رمضان کے مہینے میں روزہ کی حالت میں جان بوجھ کر جماع کرلے، تو کیونکہ اس میں کامل جرم پایا جاتا ہے، اس لئے اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور اس پر قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوتا ہے، اور بھول کر جماع کر لینے کی صورت میں روزہ کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی اس لیے روزہ نہیں ٹوٹتا اور کفارہ کی تفصیل آگے مستقل عنوان کے تحت میں آتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَبِّلُ وَیُبَاشِرُ وَھُوَ صَائِمٌ، وَکَانَ أَمْلَکَکُمْ لِإِرْبِہٖ (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں (اپنی ازواجِ مطہرات کا) بوسہ لے لیا کرتے تھے، اور (ہاتھ وغیرہ سے جسم کو) چھولیا کرتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مقابلہ میں اپنے اوپر قابو رکھ کر ضرورت پوری کرنے پر زیادہ قادر تھے (بخاری، مسلم)

حضرت عبداللہ بن ثعلبہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أَفْقَرَ إِلَیْہِ مِنَّا، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: خُذْہُ فَأَطْعِمْہُ أَھْلَکَ، لِأَنَّ الْکَفَّارَۃَ إِنَّمَا تَکُونُ بَعْدَ الْفَضْلِ عَنْ قُوتِہِ، وَاخْتَارَ الشَّافِعِیُّ لِمَنْ کَانَ عَلَی مِثْلِ ھَذَا الْحَالِ أَنْ یَأْکُلَہُ وَتَکُونَ الْکَفَّارَۃُ عَلَیْہِ دَیْنًا، فَمَتَی مَا مَلَکَ یَوْمًا مَا کَفَّرَ (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۷۲۴)

[1] ج۳ص ۳۱، کتاب الصوم، بَابُ الصَّائِمِ إِذَا أَکَلَ أَوْ شَرِبَ نَاسِیًا۔

[2] رقم الحدیث ۱۹۲۷، کتاب الصوم، باب المباشرۃ للصائم، واللفظ لہٗ، مسلم، رقم الحدیث ۱۱۰۶ "۶۶"

كَـانُوْا يَـنْهَـوْنِـىْ عَـنِ الْـقُبْـلَةِ تَـخَـوُّفًـا أَنْ أَتَقَرَّبَ لِأَكْثَرَ مِنْهَـا، ثُمَّ الْـمُسْـلِـمُـوْنَ الْيَوْمَ يَنْهَوْنَ عَنْهَا وَيَقُوْلُ قَائِلُهُمْ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَـهُ مِنْ حِفْظِ اللّٰهِ مَا لَيْسَ لِأَحَدٍ (مسنداحمد، رقم الحديث ٢٣٦٦٩) [1]

ترجمہ: صحابۂ کرام مجھے (روزہ کی حالت میں، بیوی کا) بوسہ لینے سے اس خوف کی وجہ سے منع فرماتے تھے، کہ کہیں میں اس سے زیادہ (جماع یا انزال تک) آگے نہ بڑھ جاؤں، پھر آج مسلمان بھی اس سے منع کرتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کی حدود کی اس طرح رعایت کرنے والے تھے کہ جو دوسرے کے لیے مشکل ہے (مسنداحمد)

اس قسم کی احادیث وروایات کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ روزہ کی حالت میں بیوی کے ساتھ صرف بوس وکنار کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ اگر انزال ہوجائے یا بیوی سے صحبت کی نوبت آجائے تو پھر روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے جس کو اپنے نفس پر قابو ہو اور انزال یا جماع کا ڈر نہ ہو اس کے لیے تو بیوی سے بوس وکنار کرنا جائز ہے اور جس کو اپنے نفس پر قابو نہ ہو اور انزال و جماع وغیرہ کا ڈر ہو اس کے لیے بوس وکنار کرنا مکروہ ہے، اور اگر خدانخواستہ انزال وغیرہ کی نوبت آجائے تو پھر روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ [2]

---

[1] فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط البخارى.

[2] (وعن عائشة قالت: كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يقبل) فى شرح السنة رخص فى قبلة الصائم عمر وأبو هريرة وعائشة، وقال الشافعى: لا بأس بها إذا لم تحرك الشهوة، وقال ابن عباس: يكره للشاب ويرخص للشيخ (ويباشر) أى بعض نسائه، يلصق البشرة بالبشرة، وقال ابن الملك: أى يلمس نساء ه بيده (وهو صائم) أى حال كونه صائما، زاد مسلم: فى رمضان، قال الشمنى: وعندنا كره القبلة واللمس والمباشرة فى ظاهر الرواية إن خاف على نفسه الجماع أو الإنزال، وقال محمد: تكره القبلة مطلقا لأنها لا تخلو من الفتنة اهـ فلا ينبغى أن يقاس به -صلى الله عليه وسلم- فى ذلك لقولها -رضى الله عنها- (وكان أملككم) من ملك إذا قدر على شىء أو صار حاكما عليه (لأربه) بفتح الهمزة والراء على المشهور وهو الحاجة وتريد به الشهوة، وقد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ لَا يُفَطِّرْنَ الصَّائِمَ الْحِجَامَةُ، وَالْقَيْءُ، وَالْاِحْتِلَامُ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں روزہ کو نہیں توڑتیں، ایک تو پچھنے لگوانا (یعنی مخصوص طریقہ پر جسم سے خون نکلوانا) دوسرے قے ہونا، تیسرے احتلام ہونا (ترمذی)

بعض حضرات نے سند کے اعتبار سے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ [2]

لیکن یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

یروی بکسر الهمزة وسكون الراء ويفسر تارة بأنه الحاجة وتارة بأنه العقل وتارة بأنه العضو، وأريد هاهنا العضو المخصوص، كذا ذكر لأن الصديقة -رضى الله عنها- ذكرت أنواع الشهوة مترقية من الأدنى إلى الأعلى، فبدأت بمقدمتها التى هى القبلة ثم ثنت بالمباشرة من نحو المداعبة والمعانقة، وأرادت أن تعبر عن المجامعة فكنت عنها بالأرب، وإلى عبارة أحسن منها اهـ وفيه أن المستحسن إذا أن الأرب بمعنى الحاجة كناية عن المجامعة، وأما الذكر فغير ملائم للأنثى كما لا يخفى، لا سيما فى حضور الرجال، ثم المعنى: أنه كان أغلبكم وأقدركم على منع النفس مما لا ينبغى أن يفعل، قال ابن الملك: أرادت بملكه حاجته فبعد قمعه الشهوة فلا يخاف الإنزال بخلاف غيره، وعلى هذا فيكره لغيره القبلة والملامسة باليد، وقيل: المعنى: أنه كان قادرا على حفظ نفسه عنهما لأنه غالب على هواه ومع ذلك كان يقبل ويباشر، وغيره قلما يصبر على تركهما، لأن غيره قلما يملك هواه، فعلى هذا لا يكونان مكروهين لغيره -صلى الله عليه وسلم- أيضا (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۳۸۹، باب تنزيه الصوم)

[1] رقم الحديث ۷۱۹، ابواب الصوم، باب ما جاء فى الصائم يذرعه القىء. واللفظ لهٗ، سنن دار قطنى، رقم الحديث ۲۲۶۹، المعجم الاوسط، رقم الحديث ۲۸۰۶.

[2] قال الترمذی: حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ حَدِيثٌ غَيْرُ مَحْفُوظٍ، وَقَدْ رَوَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، وَعَبْدُ العَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ هَذَا الحَدِيثَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ مُرْسَلًا، وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ يُضَعَّفُ فِي الحَدِيثِ سَمِعْتُ أَبَا دَاوُدَ السِّجْزِيَّ يَقُولُ: سَأَلْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، فَقَالَ: أَخُوهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ لَا بَأْسَ بِهِ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَذْكُرُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ المَدِينِيِّ قَالَ: عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ثِقَةٌ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ضَعِيفٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَا أَرْوِي عَنْهُ شَيْئًا (تحت رقم الحديث ۷۱۹)

چنانچہ حضرت عبداللہ صنابحی سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَصْبَحَ صَائِمًا، فَاحْتَلَمَ أَوِ احْتَجَمَ أَوْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ، فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ، وَمَنِ اسْتَقَاءَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ

(المعجم الأوسط للطبرانی، رقم الحديث ۱۵۶۸، ج ۲ ص ۱۵۸، باب الالف)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے روزہ کی حالت میں صبح کی، پھر اسے احتلام ہوگیا، یا اس نے پچھنے لگوائے، یا اس کو قے آئی، تو اس پر (روزہ کی) قضا نہیں، اور جس نے جان بوجھ کر قے کی، تو اس پر قضا ہے (طبرانی)

اس کے علاوہ بھی اور سندوں سے یہ حدیث مروی ہے۔ [1]

قے ہونے اور پچھنے لگوانے سے روزہ نہ ٹوٹنے کا ذکر اور بھی کئی صحیح احادیث میں آیا ہے، جس کی تفصیل آگے اپنے مقام پر آتی ہے۔

---

[1] عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، عَنْ رَجُلٍ، مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُفْطِرُ مَنْ قَاءَ، وَلَا مَنْ احْتَلَمَ، وَلَا مَنْ احْتَجَمَ (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۲۳۷۶)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُول اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيه وَسَلَّم: ثَلاثَةٌ لا تُفْطِرُ الصَّائِمَ: الْقَيْءُ، وَالْحِجَامَةُ، وَالاحْتِلامُ (مسند البزار، رقم الحديث ۴۸۰۹)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُول اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيه وَسَلَّم: ثَلاثٌ لا يُفْطِرْنَ الصَّائِمَ: الْقَيْءُ وَالْحِجَامَةُ وَالاحْتِلامُ.

وَهَذَا الْحَدِيثُ رَوَاهُ عَبد الرَّحْمَنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَن أَبِيهِ، عَن عَطاء بْنِ يَسَارٍ، عَن أَبِي سَعِيد وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ لَيِّنُ الْحَدِيثِ، وَرَوَاهُ غَيْرُ عَبد الرَّحْمَنِ، عَن زَيد، عَن عَطاء بْنِ يَسَارٍ مُرْسَلا، وَرَوَاهُ سُلَيْمَانُ بْنُ حَيَّانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْد، عَن زَيد، عَن عَطاء بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَهَذَا الإِسْنَادُ مِنْ أَحْسَنِهَا إِسْنَادًا وَأَصَحِّهَا إِلَّا أَنَّ مُحمد بْنَ عَبد الْعَزِيزِ لَمْ يَكُنْ بِالْحَافِظِ (البزار، رقم الحديث ۵۲۹۷)

قال الهيثمي: رواه البزار بإسنادين، وصحح أحدهما، وظاهره الصحة (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، باب جواز الحجامة للصائم)

عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " : ثَلَاثٌ لَا يَمْنَعَنَ الصِّيَامَ: الْحِجَامُ، وَالْقَيْءُ، وَالِاحْتِلَامُ، وَلَا يَتَقَيَّأُ الصَّائِمُ مُتَعَمِّدًا (المعجم الكبير، رقم الحديث ۱۴۳۸، المعجم الأوسط، رقم الحديث ۲۶۷۳)

اس وجہ سے مذکورہ حدیث مجموعی طور پر درست ہے۔ [1]

احتلام کیونکہ سوتے ہوئے غیر اختیاری طور پر ہوتا ہے، اور احتلام ہونے میں آدمی کے فعل کو دخل نہیں ہوتا، اس لئے احتلام کا حکم جنابت کی طرح ہوگیا، اور جنابت (یعنی غسل واجب ہونے کی حالت) روزے کے خلاف نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنابت کی حالت میں روزہ شروع کرنا اور طلوعِ فجر کے بعد غسل کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

چنانچہ امُّ المومنین حضرت عائشہ اور حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ أَهْلِهِ، ثُمَّ يَغْتَسِلُ، وَيَصُوْمُ (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں فجر ہو جاتی تھی کہ آپ اپنی زوجۂ مطہرہ کی وجہ سے (رات کو) جنبی ہو جاتے تھے، پھر (طلوعِ فجر کے بعد) آپ غسل کرتے تھے، اور آپ روزہ سے ہوتے تھے (بخاری، ترمذی)

اس لئے احتلام ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [3]

---

[1] قال ميرک :ورواه الدارقطني والبيهقي، ورواه أبو داود عن رجل من أصحاب النبي -صلى الله عليه وسلم -قال أبو حاتم :حديث أبي داود أشبه بالصواب، وقال أبو زرعة :إنه أصح اهـ .قال ابن الهمام :ورواه البزار من حديث ابن عباس قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم ":- ثلاث لا يفطرن الصائم :القيء والحجامة والاحتلام "قال :وهذا من أحسنها إسنادا وأصحها، وأخرجه الطبراني من حديث ثوبان، فقد ظهر أن هذا الحديث يجب أن يرتقي إلى درجة الحسن، وضعف رواته إنما هو من قبل الحفظ لا العدالة، فالتظافر دليل الجادة في خصوصه(مرقاة المفاتيح ، ج۴ص ۱۳۹۹ ، باب تنزيه الصوم)

[2] رقم الحديث ۱۹۲۶ ،كتاب الصوم، باب الصائم يصبح جنبا،واللفظ لهٗ،سنن الترمذی، رقم الحديث ۷۷۹.

قال الترمذی:حَدِيثُ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، "وَقَدْ قَالَ قَوْمٌ مِنَ التَّابِعِينَ :إِذَا أَصْبَحَ جُنُبًا يَقْضِي ذَلِكَ اليَوْمَ، وَالقَوْلُ الأَوَّلُ أَصَحُّ (سنن الترمذی)

[3] وروى أبو سعيد عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال " :ثلاث لا يفطرن الصائم :القيء ، والحجامة، والاحتلام "وهو يوجب الجنابة، وحكم النبي عليه السلام مع ذلک بصحة صومه، فدل على أن الجنابة لا تنافي صحة الصوم(احكام القرآن للجصاص، ج ۱ ص۲۳۷، باب الغلام يبلغ و الكافر يسلم فی بعض رمضان)

جلیل القدر تابعی حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

إِذَا أَمْنَى الصَّائِمُ فَقَدْ أَفْطَرَ (مُصنف ابن أبی شيبة) [1]

ترجمہ: جب روزہ دار نے اپنی منی (اپنے ارادہ سے) خارج کردی، تو اس نے روزہ توڑ دیا (ابنِ ابی شیبہ)

اور ایک دوسرے جلیل القدر تابعی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

إِذَا قَبَّلَ ، أَوْ لَمَسَ وَهُوَ صَائِمٌ فَأَمْنٰى ، فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَامِعِ (مُصنف ابن أبی شيبة) [2]

ترجمہ: جب کسی روزہ دار نے بوسہ لیا، یا (شہوت سے) لمس کیا (یعنی کسی کو یا اپنی شرم گاہ کو چھیڑا) پھر منی خارج ہوگئی، تو وہ جماع کرنے والے کے درجہ میں ہے (یعنی اس کا روزہ فاسد ہوجاتا ہے) (ابنِ ابی شیبہ)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر روزہ دار اپنے کسی فعل یا بوس وکنار وغیرہ کی وجہ سے منی خارج کردے، تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اگرچہ کفارہ واجب نہ ہو، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم ''تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا'' کی خلاف ورزی پائی جاتی ہے۔

حضرت عمرو بن ہرم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

سُئِلَ جَابِرُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ رَجُلٍ نَظَرَ إِلٰى امْرَأَتِهٖ فِيْ رَمَضَانَ ، فَأَمْنٰى مِنْ شَهْوَتِهَا ، هَلْ يُفْطِرُ ؟ قَالَ: لَا ، وَيُتِمُّ صَوْمَهٗ (مُصنف ابن أبی شيبة) [3]

ترجمہ: حضرت جابر بن زید سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ جو رمضان میں اپنی بیوی کو (شہوت) کی نظر سے دیکھے (ہاتھ وغیرہ نہ لگائے) اور

---

[1] رقم الحديث ۹۵۷۰، ورقم الحديث ۹۵۷۱، ورقم الحديث ۹۵۷۵، كتاب الصيام، باب ما قالوا فِي الصَّائِمِ يُفْطِرُ حِينَ يُمْنِي.

[2] رقم الحديث ۹۵۷۲، كتاب الصيام، باب ما قالوا فِي الصَّائِمِ يُفْطِرُ حِينَ يُمْنِي.

[3] رقم الحديث ۹۵۷۳، كتاب الصيام، باب ما قالوا فِي الصَّائِمِ يُفْطِرُ حِينَ يُمْنِي.

اس کی شہوت سے منی خارج ہوجائے، تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں! وہ اپنے روزہ کو پورا کرے گا (ابنِ ابی شیبہ)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو صرف شہوت سے دیکھنے یا خیال آنے سے منی خارج ہوجائے، تو روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ صرف دیکھنا اور نظر ڈالنا یا خیال آنا، ایسا فعل نہیں، جو عام حالات میں انزال اور منی خارج ہونے کا سبب ہو، لہٰذا اس میں روزہ دار کی طرف سے روزہ توڑ دینے کا سبب نہیں پایا جاتا، جس کی وجہ سے یہ ایک حیثیت سے سوتے ہوئے احتلام ہونے کے مشابہ ہوگیا، اگرچہ بدنظری کرنا یا اپنے ارادہ سے برا خیال لانا منع ہے۔

حضرت عامر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فِي الصَّائِمِ يُلَاعِبُ امْرَأَتَهُ حَتّٰى يُمْذِيَ ، أَوْ يُوْدِيَ ، قَالَ: لَا يُوْجِبُ عَلَيْهِ الْقَضَاءَ إِلَّا مَا أَوْجَبَ عَلَيْهِ الْغُسْلَ (مصنف ابن أبي شيبة) [۱]

ترجمہ: روزہ دار کی اگر اپنی بیوی سے ملاعبت (یعنی چھیڑ چھاڑ) کرتے ہوئے مذی یا ودی خارج ہوجائے، تو اس پر قضاء نہیں ہے، مگر یہ کہ وہ چیز جو غسل واجب کرتی ہے (یعنی منی خارج ہوجائے، تو اس پر قضا ہے) (ابنِ ابی شیبہ)

معلوم ہوا کہ اگر روزہ دار کے کسی حرکت کرنے یا بوس وکنار کرنے سے منی خارج نہ ہو، البتہ مذی وغیرہ خارج ہوجائے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ جب تک منی خارج نہ ہو، اس وقت تک غسل واجب نہیں ہوتا، اس لئے روزہ کی خلاف ورزی نہیں پائی جاتی۔ [۲]

مذکورہ اور اس جیسی احادیث وروایات کی روشنی میں فقہائے کرام نے جو مسائل بیان فرمائے ہیں، اب ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱...... اگر روزہ یاد نہ ہو، اور بھول کر کوئی بیوی سے جماع وصحبت کرلے، تو اس سے

---

[۱] رقم الحديث ۹۵۷۴، كتاب الصيام، باب ما قالوا فِي الصَّائِمِ يُفْطِرُ حِينَ يُمْنِي.

[۲] شہوت کے وقت پانی کی شکل میں جو مادہ خارج ہوتا ہے، مگر اس سے شہوت ٹھنڈی اور ختم نہیں ہوتی، اس کو مذی کہا جاتا ہے، اور اگر بغیر شہوت کے بیماری یا کمزوری وغیرہ کی وجہ سے کچھ لیس دار پانی خارج ہو، تو اس کو ودی کہا جاتا ہے۔

روزہ نہیں ٹوٹتا، جیسا کہ پہلے گزرا۔

مسئلہ نمبر۲...... اگر روزہ یاد ہو، اور کوئی شخص روزہ کی حالت میں بیوی سے جماع کرلے، تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں پہلے گزرا، اور کفارہ کی تفصیل آگے اپنے مقام پر آتی ہے۔

مسئلہ نمبر۳...... اگر کوئی شخص بیوی سے بوس وکنار کرے، اور اس کے نتیجہ میں نہ تو اس کی منی خارج ہو، اور نہ ہی وہ جماع کرے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

البتہ اگر کسی کو منی خارج ہونے یا جماع کی نوبت آنے کا ڈر ہو، تو اس کو روزہ کی حالت میں بوس وکنار کرنا مکروہ اور ممنوع ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۴...... اگر کسی کو روزہ یاد ہو، اور وہ بوس وکنار کرے یا بیوی کے جسم کے ساتھ لَمس (اور چھیڑ چھاڑ) کرے، اور اس کی منی خارج ہوجائے، مگر وہ جماع نہ کرے، تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور اس پر روزہ کی قضا واجب ہوتی ہے، اور کفارہ واجب نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں کامل جرم نہیں پایا جاتا۔ [2]

مسئلہ نمبر۵...... جس طرح بیوی کے ساتھ بوس وکنار اور چھیڑ چھاڑ کرنے سے منی خارج ہونے کے نتیجہ میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے ہاتھ وغیرہ سے حرکت اور چھیڑ چھاڑ کر کے منی خارج کرے، تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور اس پر روزہ کی قضا واجب ہوتی ہے، اور کفارہ واجب نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں بھی ناقص جرم

---

[1] وأما القبلة لما روى :أن شابا سأل رسول الله -صلى الله عليه وسلم -عن القبلة للصائم فمنعه، وسأله شيخ فأذن له، فقال الشاب :إن دينى ودينه واحد، قال :نعم، ولكن الشيخ يملك نفسه ، ولأنه إذا لم يأمن على نفسه ربما وقع فى الجماع؛ فيفسد صومه وتجب الكفارة وذلک مكروه، والمباشرة كالقبلة(الاختيار لتعليل المختار، ج ا ص ۱۳۴ ، كتاب الصوم، فصل فيمن افطر عامدا فى رمضان)

[2] وَلَو جَامع امْرَأَته فِيمَا دون الْفرج فَأنْزل يفْسد صَوْمه لوُجُود الْجِمَاع من حَيْثُ الْمَعْنى دون الصُّورَة،وَلَو بَاشَرَهَا وَأنزل يفْسد أَيْضا لوُجُود اقْتِضَاء الشَّهْوَة بِفِعْلِهِ (تحفة الفقهاء ج ۱ ص۳۵۸،كتاب الصوم)

پایا جاتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۶ ...... اگر کسی نے رات کے وقت بیوی سے جماع کیا، یا احتلام ہوگیا، اور پھر غسل کئے بغیر اسی حال میں سحری ہوگئی، تو اسے غسل کئے بغیر سحری کھانا اور روزہ رکھنا جائز ہے، غسل بعد میں کرلے، تاہم سحری کھانے سے پہلے کلی کرلینا یا وضو کرلینا مناسب ہے۔ [2]

---

[1] وَكَذٰلِكَ لَو استمنى بالكف فَأنْزل فَإِنَّهُ يفْسد لِأَنَّهُ اقْتضى شَهْوَته بِفِعْلِهِ ...... وَلَو جَامع الْبَهِيمَة فَأنْزل يفْسد صَوْمه وَلَا يلْزمه الْكَفَّارَة لِأَنَّهُ وجد الْجِمَاع من حَيْثُ الصُّورَة وَالْمعْنَى وعَلى وَجه الْقُصُور لسعة الْمحل فَلَا يكون نظيرا للجماع فِي قبل الْمَرْأَة، وَلَو أولج فِي الْبَهِيم وَلم ينزل لَا يفْسد بِخِلَاف الْإِيلَاج فِي الْآدَمِيّ وَقيل يفْسد كَمَا فِي الْإِيلَاج فِي الْآدَمِيّ (تحفة الفقهاء ج ۱ ص ۳۵۸، كتاب الصوم)

[2] عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَطْعَمَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ طَعِمَ "(صحيح ابن خزيمة، رقم الحديث ۲۱۸، باب ذكر الدليل على أن الأمر بالوضوء للجنب عند إرادة الأكل أمر ندب وإرشاد وفضيلة وإباحة، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

قال الأعظمي: إسناده صحيح.

عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ " :كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ، تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَشْرَبَ، غَسَلَ كَفَّيْهِ، ثُمَّ يَأْكُلُ، أَوْ يَشْرَبُ، إِنْ شَاءَ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۷۱۴، واللفظ لهٗ؛ سنن كبرىٰ للبيهقى، رقم الحديث ۹۸۱؛ نسائى، رقم الحديث ۲۵۷، بزيادة "اويشرب"؛ و ابوداوٗد، رقم الحديث ۲۲۳؛ ابنِ ماجه، رقم الحديث ۵۹۳؛ مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۶۶۳ بغير لفظ "اويشرب")

حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ يَدَيْهِ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَأَكَلَ (مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۱۰۸۵، باب الرجل ينام وهو جنب أوى يطعم أو يشرب، واللفظ لهٗ، الناشر: المكتب الإسلامي، بيروت؛ سنن الدار قطنى، رقم الحديث ۴۶۵)

وَلَوْ أَصْبَحَ جُنُبًا فِي رَمَضَانَ فَصَوْمُهُ تَامٌّ عِنْدَ عَامَّةِ الصَّحَابَةِ مِثْلِ عَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ وَأَبِي ذَرٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ -رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ-.

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ- أَنَّهُ لَا صَوْمَ لَهُ وَاحْتَجَّ بِمَا رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- أَنَّهُ قَالَ: مَنْ أَصْبَحَ جُنُبًا فَلَا صَوْمَ لَهُ قَالَهُ مُحَمَّدٌ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَهُ رَاوِي الْحَدِيثِ وَأَكَّدَهُ بِالْقَسَمِ، وَلِعَامَّةِ الصَّحَابَةِ قَوْله تَعَالَى (أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ) إلَى قَوْلِهِ (فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... روزہ کی حالت میں سوتے ہوئے اگر احتلام ہوجائے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۸...... اگر کسی نے بوس وکنار نہیں کیا، اور نہ ہی شرم گاہ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی، بلکہ ویسے ہی خود بخود کسی بیماری یا کمزوری کی وجہ سے یا کسی کو دیکھنے یا خیال آنے کی وجہ سے منی خارج ہوگئی، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، مگر اپنے اختیار وقصد سے بدنظری میں مبتلا ہونا یا برا خیال لانا منع ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۹...... اگر روزہ کی حالت میں منی خارج نہیں ہوئی، بلکہ مذی خارج ہوئی، جو کہ شہوت کے وقت لیس دار پانی کی شکل میں خارج ہوتی ہے، مگر اس سے نہ تو شہوت ٹھنڈی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ)أَحَلَّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ الْجِمَاعَ فِي لَيَالِي رَمَضَانَ إلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ، وَإِذَا كَانَ الْجِمَاعُ فِي آخِرِ اللَّيْلِ يُبْقِي الرَّجُلَ جُنُبًا بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ لَا مَحَالَةَ فَدَلَّ أَنَّ الْجَنَابَةَ لَا تَضُرُّ الصَّوْمَ .وَأَمَّا حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَدْ رَدَّتْهُ عَائِشَةُ وَأُمُّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- يُصْبِحُ جُنُبًا مِنْ غَيْرِ احْتِلَامٍ ثُمَّ يُتِمُّ صَوْمَهُ ذَلِكَ مِنْ رَمَضَانَ وَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- يُصْبِحُ جُنُبًا مِنْ قِرَافٍ أَيْ :جِمَاعٍ مَعَ أَنَّهُ خَبَرٌ وَاحِدٌ وَرَدَ مُخَالِفًا لِلْكِتَابِ(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۲،ص ۹۲، كِتَابُ الصَّوْمِ)

[1] وَلَوْ احْتَلَمَ فِي نَهَارِ رَمَضَانَ فَأَنْزَلَ لَمْ يُفْطِرْهُ، لِقَوْلِ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- ثَلَاثٌ لَا يُفْطِرْنَ الصَّائِمَ :الْقَيْءُ، وَالْحِجَامَةُ، وَالِاحْتِلَامُ وَلِأَنَّهُ لَا صُنْعَ لَهُ فِيهِ فَيَكُونُ كَالنَّاسِي(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۲،ص ۹۱، كِتَابُ الصَّوْمِ)

[2] وَكَذَلِكَ لَو نظر إِلَى فرج امْرَأَة شَهْوَة فأمنى أَو تفكر فأمنى لَا يفْسد صَوْمه لِأَنَّهُ حصل الْإِنْزَال لَا بصنعه فَلَا يكون شَبيه الْجِمَاع لَا صُورَة وَلَا معنى (تحفة الفقهاء ج ۱ ص۳۵۳، كتاب الصوم)

وَلَوْ نَظَرَ إلَى امْرَأَةٍ وَتَفَكَّرَ فَأَنْزَلَ لَمْ يُفْطِرْهُ، وَقَالَ مَالِكٌ :إنْ تَتَابَعَ نَظَرُهُ فَطَّرَهُ لِأَنَّ التَّتَابُعَ فِي النَّظَرِ كَالْمُبَاشَرَةِ .وَلَنَا أَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ الْجِمَاعُ لَا صُورَةً وَلَا مَعْنًى لِعَدَمِ الِاسْتِمْتَاعِ بِالنِّسَاءِ فَأَشْبَهَ الِاحْتِلَامَ بِخِلَافِ الْمُبَاشَرَةِ(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۲،ص ۹۱، كِتَابُ الصَّوْمِ)

ذهب الحنفية والشافعية إلى :أن إنزال المنى أو المذى عن نظر وفكر لا يبطل الصيام، ومقابل الأصح عند الشافعية أنه :إذا اعتاد الإنزال بالنظر، أو كرر النظر فأنزل يفسد الصيام.

وذهب المالكية والحنابلة إلى :أن إنزال المنى بالنظر المستديم يفسد الصوم؛ لأنه إنزال بفعل يتلذذ به، ويمكن التحرز منه .وأما الإنزال عن فكر فيفسد الصوم عند المالكية، وعند الحنابلة لا يفسده لأنه لا يمكنه التحرز عنه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۶،ص۲۶۷، الإنزال بنظر أو فكر)

ہوتی ہے، اور نہ اس کی تکمیل ہوتی ہے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۱۰...... جن چیزوں کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اگر کسی کو یہ مسئلہ معلوم نہ ہو کہ ان کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لیکن اسے روزہ یاد ہو، اور پھر وہ روزہ ٹوٹنے والی چیز کا ارتکاب کرے، تو تب بھی اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

البتہ بعض صورتوں میں روزہ کے کفارہ کا حکم نہیں ہوتا، بلکہ صرف قضا کا حکم ہوتا ہے۔

چنانچہ اگر کسی کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ احتلام ہو جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور اس نے احتلام ہونے کے بعد یہ سمجھا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا، اس لئے اس نے بعد میں کھا پی لیا، تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن اس پر صرف روزہ کی قضا واجب ہوتی ہے۔ [۲]

کھانے پینے سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کے احکام

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (سورة البقرة، آیت ۱۸۷)

ترجمہ: اور کھاؤ پیو اس وقت تک کہ تم کو سفید دھاگہ صبح کا ظاہر ہو جائے سیاہ دھاگہ سے، پھر روزوں کو رات تک پورا کرو (سورہ بقرہ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رمضان کی رات میں تو کھانا پینا جائز ہے، مگر دن میں روزہ کی حالت میں رات ہونے تک کھانا پینا جائز نہیں۔

---

[۱] عَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، قَالَ: كُنْتُ أَلْقَى مِنَ الْمَذْيِ شِدَّةً، وَكُنْتُ أُكْثِرُ مِنَ الِاغْتِسَالِ، فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: إِنَّمَا يُجْزِيكَ مِنْ ذَلِكَ الْوُضُوءُ (سنن أبی داؤد، رقم الحديث ۲۱۰)

[۲] وَكَذَا لَوْ احْتَلَمَ لِلتَّشَابُهِ فِي قَضَاءِ الشَّهْوَةِ وَإِنْ عَلِمَ أَنَّ ذَلِكَ لَا يُفَطِّرُهُ فَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ؛ لِأَنَّهُ لَمْ تُوجَدْ شُبْهَةُ الِاشْتِبَاهِ وَلَا شُبْهَةُ الِاخْتِلَافِ اهـ. (رد المحتار على الدر المختار، ج ۲، ص ۴۰۲، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،فَقَالَ: أَفْطَرْتُ يَوْمًا مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ مُتَعَمِّدًا ،فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،أَعْتِقْ رَقَبَةً، أَوْ صُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ، أَوْ أَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا (سنن الدارقطنی) [1]

ترجمہ: ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے رمضان کے مہینے میں ایک دن جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ ایک غلام آزاد کریں، یا دو مہینوں کے لگا تار روزے رکھیں، یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں (دار قطنی)

اسی قسم کی حدیث حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

اور کفارہ کی تفصیل آگے آتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

اَلْإِفْطَارُ مِنَ الطَّعَامِ، وَالشَّرَابِ (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۹۵۶۲) [3]

ترجمہ: روزہ کھانے اور پینے سے ٹوٹتا ہے (طبرانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحدیث ۲۳۹۶، کتاب الصیام، باب طلوع الشمس بعد الإفطار.

[2] جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :إِنِّي أَفْطَرْتُ يَوْمًا فِي رَمَضَانَ، قَالَ :مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ وَلَا سَفَرٍ؟ قَالَ :نَعَمْ، قَالَ :بِئْسَ مَا صَنَعْتَ قَالَ :أَجَلْ فَمَا تَأْمُرُنِي؟ قَالَ :أَعْتِقْ رَقَبَةً قَالَ :وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا مَلَكْتُ رَقَبَةً قَطُّ، قَالَ :فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ :فَلَا أَسْتَطِيعُ ذٰلِكَ، قَالَ :فَأَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ :وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُشْبِعُ أَهْلِي، قَالَ :فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِكْتَلٍ فِيهِ تَمْرٌ، فَقَالَ :تَصَدَّقْ بِهٰذَا عَلَى سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ :إِلَى مَنْ أَدْفَعُهُ، قَالَ :إِلَى أَفْقَرِ مَنْ تَعْلَمُ قَالَ :وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا بَيْنَ قُتْرَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ مِنَّا، قَالَ :فَتَصَدَّقْ بِهِ عَلَى عِيَالِكَ (مسند أبي يعلى الموصلي، رقم الحديث ۵۷۲۵)

قال حسين سليم أسد: رجاله ثقات (تعليق مسند ابی یعلیٰ)

[3] قال الهيثمي: وعبد الله بن مرداس لم أجد من ذكره، وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، باب فيمن أصبح جنبا وهو يريد الصوم)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ، فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو یہ بات بھول جائے کہ وہ روزے سے ہے، پھر وہ کچھ کھاپی لے، تو وہ اپنے روزے کو پورا کرلے، پس اس کو اللہ تعالیٰ کھلاتے پلاتے ہیں (اور اس وجہ سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا) (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ جان بوجھ کر کھانے پینے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔

پھر کھانے پینے کا اصل عمل تو منہ کے ذریعہ سے انجام دیا جاتا ہے، اور منہ ہی پیٹ میں غذا پہنچانے کا فطری اور عادی راستہ ہے، لیکن بعض اوقات کوئی غذا یا دوا وغیرہ جسم کے اندر دوسری جگہوں سے بھی داخل ہوجاتی ہے، جن میں سے بعض جگہوں سے داخل ہونے کا شرعاً اعتبار کیا جاتا ہے، اور بعض جگہوں سے داخل ہونے کا اعتبار نہیں کیا جاتا، اور جسم کے بعض اعضاء یا ان کے بعض حصے ایسے ہیں کہ ان کو جسم کے ظاہری حصے کا حکم حاصل ہے، اس لئے وہاں تک کسی چیز کے پہنچنے سے جسم میں داخل ہونے کا حکم نہیں لگتا۔ [2]

اس سلسلہ میں فقہائے کرام نے قرآن وسنت کی روشنی میں جو تفصیلات ذکر فرمائی ہیں، ان کو الگ الگ اعضاء اور عنوانات کے تحت ذکر کیا جاتا ہے۔

---

[1] رقم الحديث ١١٥٥ "١٧١" كتاب الصيام، باب أكل الناسى وشربه وجماعه لا يفطر.

[2] اعلم أنّ الغذاءَ له هضومٌ خمسة :الأوّل هضمةٌ فى الفمِ بالمضغِ بإعانةِ الريقِ الذى فيه حرارةٌ غريزيّة، الثانى :هضمُة فى المعدة؛ فإنّه إذا دخلَ الغذاء من الفمِ إليها انهضم هناك هضماً تامّاً، وعند ذلك يحصلُ منه وممّا يخالطُهُ من المشروباتِ جوهرٌ شبيه بالكشكِ الثخين، ثمَّ ينجذبُ الغذاءُ المنهضمُ من المعدة، أمّا لطيفه فإلى الكبد، وهو عن يمينِ المعدة، وأمّا ثقيله فإلى الأمعاء ، وهو الخارجُ من المبرز، فإذا دخلَ لطيفُهُ فِي الكبدِ انهضَم هناك هضماً ثالثاً، فيكون ألطفُ من الأوَّل، وتتكون منه هناك أخلاط أربعة :الدمُ والبلغمُ والصفراءُ والسوداء ، وفضلةُ هذا الهضم يندفعُ أكثره بالبولِ ثم يجرى منُه الدمُ مختلطاً بالأخلاطِ الباقية بقدر الحاجةِ إلى العروق، وهناك ينهضمُ هضماً رابعاً، يتميّز حينئذٍ لطيفُهُ من كثيفِهِ ثمَّ ينفصلُ اللطيف من العروق، ويتَّصلُ بالأعضاء ، فيأخذُ كلّ عضوٍ منه حظّه، وهناك ينهضمُ هضماً خامساً حتى تستحيلَ صورتُهُ الدمويّة إلى الصورِ العضويّة، فيلتصقُ به التصاقاً تامَّاً، وتفصيل هذه المباحث فى الكتبِ الطبيَّة(عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، كتاب الطهارة)

منہ (Mouth) میں کوئی چیز لے جانا یا چکھنا، کلی، مسواک کرنا

سب سے پہلا فطری آلۂ ہضم غذا کے لئے منہ ہے، منہ کے اندر زبان، دانت، جبڑے، مسوڑھے، تالو کا حصہ، رخساروں کی اندرونی سطح، ہونٹ اور حلق کا راستہ واقع ہے۔

اور حلق (Oropharynx یا بلعومِ فموی) اس فضا اور کشادہ مقام کا نام ہے، جس کے بعد بلعومِ حنجری یا بلعوم سفلی (Hypopharynx) واقع ہے، اور اس کے بعد مری یعنی خوراک کی نالی (Esophagus) اور حنجرہ یعنی سانس کی نالی (Larynx) کی تقسیم ہوتی ہے (حاذق، صفحہ ۱۴۷، ۱۴۸، باضافہ، مصنفہ: حکیم حافظ محمد اجمل خان)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ میں نے آج بڑا کام کرلیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کیا کہ وہ کیا ہے؟ تو آپ نے عرض کیا کہ میں نے روزہ کی حالت میں (زوجہ کا) بوسہ لے لیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أَرَأَيْتَ لَوْ تَمَضْمَضْتَ بِمَاءٍ وَأَنْتَ صَائِمٌ ؟قُلْتُ:لَا بَأْسَ بِذٰلِكَ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:فَفِيْمَ ؟(مسنداحمد) [1]

ترجمہ: اگر آپ پانی کی کلی کر لیتے، تو کیا ہوتا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس وقت تو کوئی حرج نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں (ابنِ حبان)

اس سے معلوم ہوا کہ روزہ کی حالت میں کلی کرنا اور منہ میں پانی لے جانا منع نہیں، بشرطیکہ اس پانی کو نگلا نہ جائے، اور حدیث میں وضو کے وقت کی کوئی قید نہیں، اس لئے وضو کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی کلی کرنا جائز ہے، مگر یہ شرط ہے کہ بے احتیاطی اور مبالغہ نہ کیا جائے،

---

[1] رقم الحديث ۱۳۸، واللفظ لهٗ، صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۳۵۴۴.
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم .
فی حاشية ابنِ حبان: إسناده صحيح على شرط مسلم.

کہ کہیں پیٹ میں پانی داخل نہ ہوجائے۔ [1]

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاكُ مَا لَا أَعُدُّ، وَلَا أُحْصِيْ، وَهُوَ صَائِمٌ (مسند احمد) [2]

---

[1] البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک روایت کے مطابق غیرِ وضو میں کلی کرنا مکروہ ہے۔
مگر اس روایت کی حدیث سے تائید نہیں ہوتی، اس لئے ہمیں راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کلی احتیاط کے ساتھ کی جائے، اور مبالغہ نہ کیا جائے، تو بلا کراہت جائز ہے۔

و "لا يكره له "المضمضة و "لا "الاستنشاق "وقد فعلهما "لغير وضوء و "لا "الاغتسال(حاشية الطحطاوي على المراقي، ص ٦٨٢، كتاب الصوم)

وَكَذَا لَا تُكْرَهُ حِجَامَةٌ وَتَلَفُّفٌ بِثَوْبٍ مُبْتَلٍّ وَمَضْمَضَةٌ أَوْ اسْتِنْشَاقٌ أَوْ اغْتِسَالٌ لِلتَّبَرُّدِ عِنْدَ الثَّانِي وَبِهِ يُفْتَى شُرُنْبُلَالِيَّةٌ عَنْ الْبُرْهَانِ(الدرالمختار)

(قَوْلُهُ :وَمَضْمَضَةٍ أَوْ اسْتِنْشَاقٍ) أَيْ لِغَيْرِ وُضُوءٍ أَوْ اغْتِسَالٍ نُورُ الْإِيضَاحِ (ردالمحتار، ج٢ص ٤١٩، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

وَفِي الْمُحِيطِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُكْرَهُ لِلصَّائِمِ الْمَضْمَضَةُ وَالِاسْتِنْشَاقُ لِغَيْرِ الْوُضُوءِ، وَلَا بَأْسَ بِهِ لِلْوُضُوءِ (البحرالرائق، ج٢ص ٣٠١، باب مايفسد الصائم ومالايفسده)

الْمَضْمَضَةُ وَالِاسْتِنْشَاقُ فِي غَيْرِ الْوُضُوءِ وَالْغُسْلِ لَا يُكْرَهُ ذَلِكَ وَلَا يُفْطِرُ .وَقَيَّدَهُ الْمَالِكِيَّةُ بِمَا إِذَا كَانَ لِعَطَشٍ وَنَحْوِهِ، وَكَرِهُوهُ لِغَيْرِ مُوجِبٍ، لِأَنَّ فِيهِ تَغْرِيرًا وَمُخَاطَرَةً، وَذَلِكَ لِاحْتِمَالِ سَبْقِ شَيْءٍ مِنَ الْمَاءِ إِلَى الْحَلْقِ، فَيَفْسُدُ الصَّوْمُ حِينَئِذٍ.وَفِي الْحَدِيثِ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ؟ فَقَال :أَرَأَيْتَ لَوْ مَضْمَضْتَ مِنَ الْمَاءِ وَأَنْتَ صَائِمٌ؟ قُلْتُ :لَا بَأْسَ، قَال :فَمَهْ وَلِأَنَّ الْفَمَ فِي حُكْمِ الظَّاهِرِ، لَا يُبْطِل الصَّوْمَ بِالْوَاصِل إِلَيْهِ كَالْأَنْفِ وَالْعَيْنِ.

وَمَعَ ذَلِكَ فَقَدْ قَال ابْنُ قُدَامَةَ :إِنَّ الْمَضْمَضَةَ، إِنْ كَانَتْ لِحَاجَةٍ كَغُسْل فَمِهِ عِنْدَ الْحَاجَةِ إِلَيْهِ وَنَحْوِهِ، فَحُكْمُهُ حُكْمُ الْمَضْمَضَةِ لِلطَّهَارَةِ، وَإِنْ كَانَ عَابِثًا، أَوْ مَضْمَضَ مِنْ أَجْل الْعَطَشِ كُرِهَ (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٨ص ٧٤،مادة"صوم")

أَنَّ الْمَاءَ لَا يَسْبِقُ الْحَلْقَ فِي الْمَضْمَضَةِ، وَالِاسْتِنْشَاقِ عَادَةً إِلَّا عِنْدَ الْمُبَالَغَةِ فِيهِمَا، وَالْمُبَالَغَةُ مَكْرُوهَةٌ فِي حَقِّ الصَّائِمِ، قَالَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -لِلَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ :بَالِغْ فِي الْمَضْمَضَةِ، وَالِاسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا فَكَانَ فِي الْمُبَالَغَةِ مُتَعَدِّيًا فَلَمْ يُعْذَرْ بِخِلَافِ النَّاسِي(بدائع الصنائع، ج٢ص ٩١، فصل اركان الصيام)

وَكَذَا(اى تكره) الْمُبَالَغَةُ فِي الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ قَالَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ الْحَلْوَانِيُّ :وَتَفْسِيرُ ذَلِكَ أَنْ يُكْثِرَ إمْسَاكَ الْمَاءِ فِي فَمِهِ وَيَمْلَأَ لَا أَنْ يُغَرْغِرَ كَذَا فِي الْمُحِيطِ(الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص ١٩٩، الباب الثالث فيما يكره للصائم وما لايكره)

[2] رقم الحديث ١٥٦٨٨ ،واللفظ لهٗ، سنن ابى داوٗد، رقم الحديث ٢٣٦٤، ترمذى، رقم الحديث ٧٢٥، باب ماجاء فى السواك للصائم .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزہ کی حالت میں اتنی مرتبہ مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ جس کا میں شمار نہیں کرسکتا (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مِنْ خَيْرِ خِصَالِ الصَّائِمِ اَلسِّوَاکُ (ابنِ ماجه) [۱]

ترجمہ: روزہ دار کا بہترین عمل مسواک ہے (ابنِ ماجہ)

اس حدیث کو اگرچہ فی نفسہٖ سند کے لحاظ سے بعض حضرات نے کمزور قرار دیا ہے، مگر دوسری احادیث وروایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ [۲]

اس کے علاوہ احادیث سے ہر نماز کے وضو کے وقت مسواک کا سنت ہونا معلوم ہوتا ہے، جس میں روزہ کا استثناء یا نفی مذکور نہیں، اور کسی بھی مستند مرفوع حدیث میں روزہ دار کو مسواک کی ممانعت کا ذکر نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِيْ أَوْ عَلَى النَّاسِ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ (بخاری) [۳]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقال الترمذی: وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ حَدِيثُ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَرَوْنَ بِالسِّوَاكِ لِلصَّائِمِ بَأْسًا، إِلَّا أَنَّ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا السِّوَاكَ لِلصَّائِمِ بِالْعُودِ الرُّطَبِ، وَكَرِهُوا لَهُ السِّوَاكَ آخِرَ النَّهَارِ، وَلَمْ يَرَ الشَّافِعِيُّ بِالسِّوَاكِ بَأْسًا أَوَّلَ النَّهَارِ وَلَا آخِرَهُ، وَكَرِهَ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ السِّوَاكَ آخِرَ النَّهَارِ "(حواله بالا)

فی حاشية مسند احمد: حسن لغيره.

[۱] رقم الحديث ١٦٧٧، كتاب الصيام، باب ما جاء فی السواک والكحل للصائم، واللفظ لهٗ؛ سنن دارقطنی، رقم الحديث ٢٣٧١؛ المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ٨٤٢٠؛ السنن الكبرىٰ للبيهقی، رقم الحديث ٨٣٢٦.

[۲] قال ابن التركمانی: ومجالد وان تكلموا فيه فقد وثقه بعضهم واخرج له مسلم فی صحيحه (الجوهر النقی ج۴ص ٢٧٢، باب السواک للصائم)

[۳] رقم الحديث ٨٨٧، كتاب الجمعة، باب السواک يوم الجمعة، واللفظ لهٗ؛ مسلم، رقم الحديث ٢٥٢ "٤٢"؛ ترمذی، رقم الحديث ٢٢.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت پر یا لوگوں پر مشقت محسوس نہ کرتا، تو انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا (تاکیدی) حکم کر دیتا

(بخاری)

اس قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

کئی صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام وغیرہ سے بھی روزہ کی حالت میں مسواک کا جائز ہونا مروی اور منقول ہے۔ [2]

---

[1] عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي، لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ، قَالَ أَبُو سَلَمَةَ :فَرَأَيْتُ زَيْدًا يَجْلِسُ فِي الْمَسْجِدِ، وَإِنَّ السِّوَاكَ مِنْ أُذُنِهِ مَوْضِعَ الْقَلَمِ مِنْ أُذُنِ الْكَاتِبِ، فَكُلَّمَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ اسْتَاكَ (ابو داوٗد، رقم الحديث ۴۷)

[2] عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ؛ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَرَى بَأْسًا بِالسِّوَاكِ لِلصَّائِمِ(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۹۲۴۱،باب من رخص فِي السِّوَاكِ لِلصَّائِمِ)

عَنْ زِيَادِ بْنِ حُدَيْرٍ، قَالَ :مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَدْوَمَ سِوَاكًا وَهُوَ صَائِمٌ مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۹۲۴۲)

عَنْ شَدَّادٍ أَبِي طَلْحَةَ، عَنِ امْرَأَةٍ مِنْهُمْ يُقَالُ لَهَا :كَبْشَةَ قَالَتْ :جِئْتُ إِلَى عَائِشَةَ فَسَأَلْتُ عَنِ السِّوَاكِ لِلصَّائِمِ؟ قَالَتْ :هَذَا سِوَاكِي فِي يَدِي وَأَنَا صَائِمَةٌ(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۹۲۴۴)

عَنْ عَبْدِ الْجَلِيلِ، قَالَ :حَدَّثَنِي شَهْرُ بْنُ حَوْشَبٍ، قَالَ :سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ السِّوَاكِ لِلصَّائِمِ؟ فَقَالَ :نِعْمَ الطَّهُورُ، اسْتَكْ عَلَى كُلِّ حَالٍ(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۹۲۴۵)

عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ :لاَ بَأْسَ بِالسِّوَاكِ لِلصَّائِمِ(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۹۲۵۰)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ :سُئِلَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنِ السِّوَاكِ لِلصَّائِمِ؟ فَقَالَ :لاَ بَأْسَ بِهِ(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۹۲۵۶)

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ؛ أَنَّهُ كَانَ يَسْتَاكُ بِالسِّوَاكِ الرَّطْبِ وَهُوَ صَائِمٌ(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۹۲۵۷،باب مَا ذُكِرَ فِي السِّوَاكِ الرَّطْبِ لِلصَّائِمِ)

عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ :لاَ بَأْسَ بِالسِّوَاكِ الرَّطْبِ لِلصَّائِمِ (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۹۲۵۹)

عَنْ هِشَامٍ، عَنِ الْحَسَنِ؛ أَنَّهُ كَانَ لاَ يَرَى بَأْسًا بِالسِّوَاكِ الرَّطْبِ وَهُوَ صَائِمٌ(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۹۲۶۰)

عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ :لاَ بَأْسَ بِالسِّوَاكِ الرَّطْبِ لِلصَّائِمِ(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۹۲۶۱)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام بخاری رحمہ اللہ نے روزہ دار کے لئے تَر اور خشک مسواک کا باب قائم کیا ہے، اور اس کے جائز ہونے پر دلائل قائم فرمائے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

بَابُ سِوَاکِ الرَّطْبِ وَالْیَابِسِ لِلصَّائِمِ: وَیُذْکَرُ عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِیْعَةَ، قَالَ: رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَاکُ وَھُوَ صَائِمٌ مَا لَا أُحْصِیْ أَوْ أَعُدُّ، وَقَالَ أَبُوْ ھُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰی أُمَّتِیْ لَأَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ وُضُوْءٍ وَیُرْوٰی نَحْوُہٗ عَنْ جَابِرٍ، وَزَیْدِ بْنِ خَالِدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَمْ یَخُصَّ الصَّائِمَ مِنْ غَیْرِہٖ وَقَالَتْ عَائِشَةُ: عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلسِّوَاکُ مَطْھَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ وَقَالَ عَطَاءٌ، وَقَتَادَةُ: یَبْتَلِعُ رِیْقَہٗ (بخاری، ج۳ص ۳۱، کتاب الصوم)

ترجمہ: یہ باب ہے روزہ دار کے لئے تَر اور خشک مسواک کرنے کا، اور حضرت عامر بن ربیعہ کی سند سے مذکور ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روزہ کی حالت میں اتنی مرتبہ مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ میں اس کو شمار نہیں کرسکتا، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ اگر میں اپنی امت پر مشقت محسوس نہ کرتا، تو ہر وضو کے ساتھ مسواک کا (تاکیدی)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ أَبِی جَسْرة الْمَازِنِیِّ، قَالَ: أَتَی ابْنَ سِیرِینَ رَجُلٌ، فَقَالَ: مَا تَرَی فِی السِّوَاکِ لِلصَّائِمِ ؟ قَالَ: لا بَأْسَ بِهِ، قَالَ: إِنَّهُ جَرِیدَةٌ وَلَهُ طَعْمٌ، قَالَ: وَالْمَاءُ لَهُ طَعْمٌ وَأَنْتَ تَمَضْمَضُ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۹۲۶۲)

عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِیمَ ؟ قَالَ: لا بَأْسَ أَنْ یَسْتَاکَ بِالْعُودِ الرَّطْبِ وَهُوَ صَائِمٌ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۹۲۶۳)

عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: لا بَأْسَ أَنْ یَسْتَاکَ الصَّائِمُ بِالسِّوَاکِ الرَّطْبِ وَالْیَابِسِ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۹۲۶۴)

حکم کردیتا، اوراسی طرح حضرت جابراورحضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے، جن میں روزہ دار کو غیر روزہ دار سے خاص (اور الگ) کر کے بیان نہیں کیا گیا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان فرمایا کہ مسواک منہ کو پاک کرنے اور رب کی رضامندی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، اور حضرت عطاء اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ (روزہ دار) اپنے تھوک کو نگل سکتا ہے (بخاری)

امام ابوبکر ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

إِخُبَارُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ: لَوُلَا أَنُ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِيُ لَأَمَرُتُهُمُ بِالسِّوَاكِ عِنُدَ كُلِّ صَلَاةٍ ، وَلَمُ يَسُتَثُنِ مُفُطِرًا دُوُنَ صَائِمٍ ، فَفِيُهَا دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّ السِّوَاكَ لِلصَّائِمِ عِنُدَ كُلِّ صَلَاةٍ فَضِيُلَةٌ كَهُوَ لِلُمُفُطِرِ (صحيح ابنِ خزيمة) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احادیث کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت وتنگی کا خوف نہ ہوتا، تو میں لوگوں کو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دے دیتا، ان میں غیر روزہ دار کو روزہ دار سے الگ کر کے بیان نہیں فرمایا گیا، پس ان احادیث میں اس بات کی دلالت موجود ہے کہ مسواک روزہ دار کے لئے ہر نماز کے وقت فضیلت والا عمل ہے، جیسا کہ غیر روزہ دار کے لئے فضیلت والا عمل ہے (ابنِ خزیمہ)

اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ سَمِعَ أَهُلَ الُعِلُمِ لَا يَكُرَهُوُنَ السِّوَاكَ لِلصَّائِمِ فِيُ رَمَضَانَ فِيُ سَاعَةٍ مِّنُ سَاعَاتِ النَّهَارِ لَا فِيُ أَوَّلِهٖ وَلَا فِيُ آخِرِهٖ وَلَمُ أَسُمَعُ أَحَدًا

---

[1] ج۳ص۲۴۷، کتاب الصيام، باب الرخصة فى السواك للصائم.

مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَكْرَهُ ذٰلِكَ وَلَا يَنْهٰى عَنْهُ (مؤطا امام مالک) ۱

ترجمہ: انہوں نے اہلِ علم سے یہ بات سنی کہ وہ روزہ دار کے لئے رمضان میں دن کے کسی بھی وقت خواہ شروع کا ہو یا آخر کا، مسواک کرنے کو مکروہ نہیں سمجھتے تھے، اور میں نے اہلِ علم میں سے کسی سے یہ بات نہیں سنی کہ وہ اس کو مکروہ سمجھتا ہو، اور نہ یہ بات سنی کہ وہ روزہ میں مسواک سے منع کرتا ہو (مؤطا امام مالک)

معلوم ہوا کہ روزہ کی حالت میں کلی کی طرح مسواک کرنا بھی جائز اور سنت سے ثابت ہے، خواہ مسواک تر ہو یا خشک، اور خواہ دن کے کسی بھی حصہ میں کی جائے۔

اور مسواک اور کلی کرنے میں منہ کے اندر پانی پہنچتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی چیز منہ میں لے جائی جائے، اور اس کو پیٹ میں نگلا نہ جائے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، وہ الگ بات ہے کہ بلا ضرورت ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت عطاء سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ: لَا بَأْسَ أَنْ يَّذُوْقَ الْخَلَّ ، أَوِ الشَّيْءَ مَا لَمْ يَدْخُلْ حَلْقَهٗ وَهُوَ صَائِمٌ (مصنف ابنِ ابی شیبة) ۲

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی روزہ دار (ضرورت کے وقت) سرکہ یا کسی چیز کو چکھے، بشرطیکہ اپنے حلق میں نہ داخل ہونے دے (ابنِ ابی شیبہ)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ: لَا بَأْسَ أَنْ يَّتَطَاعَمَ الصَّائِمُ مِنَ الْقِدْرِ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحديث ۹۳۷۰، کتاب الصیام، باب فی الصائم يَتَطَعَّمُ بِالشَّيْءِ)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ روزہ دار کے (ضرورت کے

---

۱ رقم الحديث ۱۱۰۲، ج۳ص۴۴۶، کتاب الصیام، باب جامع الصیام.

۲ رقم الحديث ۹۳۶۹، کتاب الصیام، باب فی الصائم يَتَطَعَّمُ بِالشَّيْءِ.

وقت) ہانڈی کو چکھنے میں کوئی حرج نہیں (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت مسروق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَتَيْتُ عَائِشَةَ أَنَا وَرَجُلٌ مَعِيَ ، وَذٰلِکَ يَوْمُ عَرَفَةَ فَدَعَتْ لَنَا بِشَرَابٍ، ثُمَّ قَالَتْ: لَوْلَا أَنِّيْ صَائِمَةٌ لَذُقْتُهُ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: میں اور میرے ساتھ ایک آدمی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، اور یہ عرفہ کا دن تھا، انہوں نے ہمارے لئے مشروب منگایا، پھر فرمایا کہ اگر میں رزہ دار نہ ہوتی، تو میں اس کو چکھ لیتی (ابنِ ابی شیبہ)

اس قسم کے اور بھی آثار اور روایات ہیں۔ [2]

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اِجْعَلُوْا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الْحَرَامِ سُتْرَةً مِّنَ الْحَلَالِ، مَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ اِسْتَبْرَأَ لِعِرْضِهٖ وَدِيْنِهٖ، وَمَنْ أَرْتَعَ فِيْهِ كَانَ كَالْمُرْتِعِ إِلٰى جَنْبِ الْحِمٰى يُوْشِکُ أَنْ يَّقَعَ فِيْهِ، وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِکٍ حِمًى، وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ مَحَارِمُهٗ (صحیح

---

[1] رقم الحدیث ۹۳۷۴، کتاب الصیام، باب فی الصائم يَتَطَعَّمُ بِالشَّيْءِ.

[2] عَنْ مُجَاهِدٍ ، أَوْ عَطَاءٍ ، قَالَ : لَا بَأْسَ أَنْ يَتَطَعَّمَ الصَّائِمُ مِنَ الْقِدْرِ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۹۳۶۸ ،باب فی الصائم يَتَطَعَّمُ بِالشَّيْءِ)

عَنِ الْحَسَنِ ؛ أَنَّهُ كَانَ لَا يَرَى بَأْسًا أَنْ يَتَطَاعَمَ الصَّائِمُ الْعَسَلَ وَالسَّمْنَ وَنَحْوَهُ ، ثُمَّ يَمُجَّهُ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۹۳۷۱)

عَنِ الضَّحَّاکِ بْنِ عُثْمَانَ ، قَالَ : رَأَيْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ صَائِمًا أَيَّامَ مِنًى ، وَهُوَ يَذُوقُ عَسَلًا (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۹۳۷۲)

عَنْ شُعْبَةَ ، قَالَ : سَأَلْتُ الْحَكَمَ عَنِ الصَّائِمِ يَلْحَسُ الْأَنْقَاسَ ؟ قَالَ : لَا بَأْسَ بِهِ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۹۳۷۳)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ : لَا بَأْسَ أَنْ تَمْضُغَ الْمَرْأَةُ لِصَبِيِّهَا وَهِيَ صَائِمَةٌ ، مَا لَمْ يَدْخُلْ حَلْقَهَا (مُصنف ابن أبی شیبة، رقم الحدیث ۹۳۸۵، باب فی الصائمة تَمْضُغُ لِصَبِيِّهَا)

عَنْ عِكْرِمَةَ ، قَالَ : لَا بَأْسَ أَنْ تَمْضُغَ الْمَرْأَةُ لِصَبِيِّهَا وَهِيَ صَائِمَةٌ (مُصنف ابن أبی شیبة، رقم الحدیث ۹۳۸۶)

ابن حبان)[1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ تم اپنے اور حرام کے درمیان حلال کی آڑ بناؤ، جس نے یہ عمل کیا، تو وہ اپنی آبرو اور اپنے دین کو محفوظ کرلے گا، اور جو اس میں (یعنی حرام کے قریب حلال چیز سے) چَرے گا (یعنی اس کو اختیار کرے گا) تو وہ ایسا ہوگا جیسا کہ سرحد کے ساتھ چَر رہا ہو، قریب ہے کہ وہ اس سرحد میں چلا جائے، اور ہر ملک کی سرحد ہوتی ہے، اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی سرحد اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں (مسند احمد، ابنِ حبان)

مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں اگرچہ فی نفسہٖ حلال ہیں، مگر وہ حرام کے قریب ہیں، ان سے بچنے میں ہی حرام سے احتیاط اور حفاظت ملحوظ ہوتی ہے۔

اس قسم کی احادیث اور آثار کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے فرمایا کہ روزہ کی حالت میں بلاضرورت کوئی چیز چکھنا مناسب نہیں، کیونکہ اس سے روزہ ٹوٹنے کا خطرہ ہے، البتہ ضرورت کی وجہ سے ہانڈی وغیرہ چکھنے، یا ضرورت کی وجہ سے مثلاً بچہ کو غذا چبا کر دینے میں حرج نہیں، بشرطیکہ اس کا کوئی حصہ پیٹ میں نہ لے جایا جائے۔[2]

---

[1] رقم الحدیث ۵۵۶۹، کتاب الحظر والاباحة، ج ۱۲ ص ۳۸۰، مسند أحمد، رقم الحدیث ۱۸۳۴۷.

فی حاشیة مسند احمد: حدیث صحیح، وھذا إسناد حسن.

قال شعیب الانؤوط: إسنادہ حسن (حاشیة ابنِ حبان)

[2] الأکل والشرب لا یتحقق إلا بالإیصال إلی الجوف، والذوق یتحقق بدون الإیصال إلی الجوف (المحیط البرھانی، ج۴، ص ۳۰۲، کتاب الأیمان والنذور، الفصل الثانی عشر فی الحلف علی الأفعال)

وَدَخَلَ حَلْقَهُ، يَعْنِي وَلَمْ يَصِلْ إلَى جَوْفِهِ (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۲، ص ۳۹۷، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

(قَوْلُهُ: وَكَذَا لَوْ ابْتَلَعَ خَشَبَةً) أَيْ عُودًا مِنْ خَشَبٍ إنْ غَابَ فِي حَلْقِهِ أَفْطَرَ وَإِلَّا فَلَا (رد المحتار علی الدر المختار ج ۲، ص ۳۹۷، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

(قال): ولا بأس بأن تمضغ المرأة لصبیھا طعاما إذا لم تجد منه بدا؛ لأن الحال حال الضرورة،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ اوراس جیسی احادیث وروایات کی روشنی میں فقہائے کرام نے جو مسائل ذکر فرمائے ہیں، اب ان کو ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر۱...... روزہ کے سلسلہ میں ایک اعتبار سے منہ کو جسم کے ظاہری عضو کا حکم حاصل ہے، اس لئے منہ تک کوئی چیز لے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جبکہ وہ پیٹ میں نہ پہنچ جائے، اور منہ کو ایک حیثیت سے جسم کے اندرونی عضو کا حکم حاصل ہے، اس لئے منہ میں جو تھوک پیدا ہوتا ہے، اس کے پیٹ میں لے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [۱]

اور منہ یا صرف حلق یا حلق کی جڑ (Oropharynx یا بلعوم فموی) تک کسی چیز کے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، تا آنکہ وہ چیز بلعوم حنجری یا بلعوم سفلی (Hypopharynx) سے نیچے پیٹ میں نہ پہنچ جائے۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويجوز لها الفطر لحاجة الولد فلأن يجوز مضغ الطعام كان أولى فأما إذا كانت تجد من ذلك بدا يكره لها ذلك؛ لأنها لا تأمن أن يدخل شيء منه حلقها فكانت معرضة صومها للفساد، وذلك مكروه عند عدم الحاجة قال - صلى الله عليه وسلم - من حام حول الحمى يوشك أن يقع فيه والله تعالى أعلم بالصواب(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسي، ج۳،ص ۱۰۱، كتاب الصوم)

وَكَرِهَ أَبُو حَنِيفَةَ أَنْ يَمْضُغَ الصَّائِمُ الْعِلْكَ لِأَنَّهُ لا يُؤْمَنُ أَنْ يَنْفَصِلَ شَيْءٌ مِنْهُ فَيَدْخُلُ حَلْقَهُ، فَكَانَ الْمَضْغُ تَعْرِيضًا لِصَوْمِهِ لِلْفَسَادِ فَيُكْرَهُ وَلَوْ فَعَلَ لا يَفْسُدُ صَوْمُهُ لِأَنَّهُ لا يَعْلَمُ وُصُولَ شَيْءٍ مِنْهُ إلَى الْجَوْفِ، وَقِيلَ هَذَا إذَا كَانَ مَعْجُونًا، فَأَمَّا إذَا لَمْ يَكُنْ يُفْطِرُهُ لِأَنَّهُ يَتَفَتَّتُ فَيَصِلُ شَيْءٌ مِنْهُ إلَى جَوْفِهِ ظَاهِرًا أَوْ غَالِبًا، وَيُكْرَهُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَمْضُغَ لِصَبِيِّهَا طَعَامًا وَهِيَ صَائِمَةٌ لِأَنَّهُ لا يُؤْمَنُ أَنْ يَصِلَ شَيْءٌ مِنْهُ إلَى جَوْفِهَا إلَّا إذَا كَانَ لا بُدَّ لَهَا مِنْ ذَلِكَ فَلا يُكْرَهُ لِلضَّرُورَةِ، وَيُكْرَهُ لِلصَّائِمِ أَنْ يَذُوقَ الْعَسَلَ أَوْ السَّمْنَ أَوْ الزَّيْتَ وَنَحْوَ ذَلِكَ بِلِسَانِهِ لِيَعْرِفَ أَنَّهُ جَيِّدٌ أَوْ رَدِيءٌ، وَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ حَلْقَهُ ذَلِكَ وَكَذَا يُكْرَهُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَذُوقَ الْمَرَقَةَ لِتَعْرِفَ طَعْمَهَا لِأَنَّهُ يُخَافُ وُصُولُ شَيْءٍ مِنْهُ إلَى الْحَلْقِ فَتُفْطِرُ(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج۲ص ۱۰۶، كِتَابُ الصَّوْمِ،فَصْلٌ بَيَانُ مَا يُسَنُّ وَمَا يُسْتَحَبُّ لِلصَّائِمِ وَمَا يُكْرَهُ لَهُ أَنْ يَفْعَلَهُ)

[۱] لِأَنَّ لِلْفَمِ حُكْمَ الْخَارِجِ حَتَّى لا يُفْطِرُ الصَّائِمُ بِالْمَضْمَضَةِ، وَلَهُ حُكْمُ الدَّاخِلِ حَتَّى لا يُفْطِرُ بِابْتِلاعِ شَيْءٍ مِنْ بَيْنِ أَسْنَانِهِ مِثْلُ الرِّيقِ (تبيين الحقائق، ج ۱ ص ۹، كِتَابُ الطَّهَارَةِ،نَوَاقِضُ الْوُضُوءِ)

[۲] وَلَوْ تَمَضْمَضَ أَوْ اسْتَنْشَقَ فَسَبَقَ الْمَاءُ حَلْقَهُ وَدَخَلَ جَوْفَهُ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ ذَاكِرًا لِصَوْمِهِ لا يَفْسُدُ صَوْمُهُ لِأَنَّهُ لَوْ شَرِبَ لَمْ يَفْسُدْ، فَهَذَا أَوْلَى وَإِنْ كَانَ ذَاكِرًا فَسَدَ صَوْمُهُ عِنْدَنَا(بدائع الصنائع، ج۲ص ۹۱، فصل اركان الصيام) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ روزہ کی حالت میں بلاسخت عذر کے حلق کی جڑ تک کسی چیز کا پہنچانا مکروہ ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۲...... روزہ کی حالت میں دن کے کسی وقت خشک یا تر مسواک کرنا جائز ہے، اس سے روزہ پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا (جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی) [۲]

مسئلہ نمبر ۳...... جس عورت کو کھانے میں نمک مرچ وغیرہ کم یا زیادہ ہونے کی وجہ سے اپنے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ (أَوْ خَرَجَ الدَّمُ مِنْ بَيْنِ أَسْنَانِهِ وَدَخَلَ حَلْقَهُ) يَعْنِي وَلَمْ يَصِلْ إلَى جَوْفِهِ أَمَّا إذَا وَصَلَ فَإِنْ غَلَبَ الدَّمُ أَوْ تَسَاوَيَا فَسَدَ وَإِلَّا لَا (الدر المختار مع رد المحتار، ج۲،ص ۳۹۶، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

إنْ غَابَ فِي حَلْقِهِ أَفْطَرَ وَإِلَّا فَلَا (رد المحتار على الدر المختار ج۲،ص۳۹۷، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

[۱] وتكره المبالغة فى المضمضة والاستنشاق فى الصوم. ففى المضمضة :بإيصال الماء إلى رأس الحلق، وفى الاستنشاق :بإيصاله إلى فوق المارن (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۸،ص ۷۱)

و "يسن "المبالغة فى المضمضة "وهى إيصال الماء لرأس الحلق "و "المبالغة فى "الاستنشاق" وهى إيصاله إلى ما فوق المارن "لغير الصائم "والصائم لا يبالغ فيها خشية إفساد الصوم لقوله عليه الصلاة والسلام" :بالغ فى المضمضة والاستنشاق إلا أن تكون صائما (مراقى الفلاح شرح متن نور الإيضاح، ج ۱،ص ۳۳)

وحَدُّ المضمضة استيعابُ جميع الفم .والمبالغةُ فيه أن يصل الماءُ إلى رأس الحلق.

وحَدُّ الاستنشاق أن يصل الماءُ إلى المارِن .والمبالغةُ فيه أن يُجاوِزَ المارِنَ، وهو بكسر الراء :ما اشتدَّ من الأنف (شرح النقاية، ج ۱،ص ۲۵، كتاب الطهارة، سنن الوضو)

قال الطيبى :الغرغرة أن يجعل المشروب فى الفم، ويردد إلى أصل الحلق ولا يبتلع (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۶۲۳، باب الاستغفار والتوبة)

[۲] (وَ) لَا (سِوَاكٌ وَلَوْ عَشِيًّا) أَوْ رَطْبًا بِالْمَاءِ عَلَى الْمَذْهَبِ (الدرالمختار)

(قَوْلُهُ :وَلَا سِوَاكٌ) بَلْ يُسَنُّ لِلصَّائِمِ كَغَيْرِهِ صَرَّحَ بِهِ فِي النِّهَايَةِ لِعُمُومِ قَوْلِهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ وُضُوءٍ وَعِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ لِتَنَاوُلِهِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَقَدْ تَقَدَّمَ أَحْكَامُهُ فِي الطَّهَارَةِ بَحْرٌ (قَوْلُهُ :وَلَوْ عَشِيًّا) أَيْ بَعْدَ الزَّوَالِ (قَوْلُهُ :عَلَى الْمَذْهَبِ) وَكُرِهَ الثَّانِي الْمَبْلُولُ بِالْمَاءِ لِمَا فِيهِ مِنْ إدْخَالِهِ فَمَهُ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ وَرُدَّ بِأَنَّهُ لَيْسَ بِأَقْوَى مِنْ الْمَضْمَضَةِ أَمَّا الرَّطْبُ الْأَخْضَرُ فَلَا بَأْسَ بِهِ اتِّفَاقًا كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ نَهْرٌ (ردالمحتار، ج۲ ص ۴۱۹، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

وَأَمَّا السِّوَاكُ فَلَا بَأْسَ بِهِ لِلصَّائِمِ أَطْلَقَهُ فَشَمِلَ الرَّطْبَ وَالْيَابِسَ وَالْمَبْلُولَ وَغَيْرَهُ قَبْلَ الزَّوَالِ وَبَعْدَهُ لِعُمُومِ قَوْلِهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ وُضُوءٍ وَعِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ لِتَنَاوُلِهِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ، وَقَدْ تَقَدَّمَ أَحْكَامُهُ فِي سُنَنِ الطَّهَارَةِ فَارْجِعْ إلَيْهَا وَلَمْ يَتَعَرَّضْ لِسُنَّةِ السِّوَاكِ لِلصَّائِمِ، وَلَا شَكَّ فِيهِ كَغَيْرِ الصَّائِمِ صَرَّحَ بِهِ فِي النِّهَايَةِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ (البحرالرائق، ج۲ ص ۳۰۲، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

شوہر وغیرہ کی طرف سے بدمزگی کا ڈر ہو، یا چھوٹے بچے کو غذا چبا کر دینے کی ضرورت ہو، اس کو کوئی چیز چکھنا یا چبانا جائز ہے، بشرطیکہ اس چیز کو پیٹ میں نہ لے جائے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... منہ میں جو تھوک پیدا ہوتا ہے، اس کے نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگرچہ وہ زیادہ مقدار میں کیوں نہ ہو۔

اسی طرح روزہ کی حالت میں ناک کے اندرونی سوراخ یعنی بلعومِ انفی (Nasopharynx) سے حلق یعنی بلعومِ فموی (Oropharynx) کی طرف آنے والی ریزش بھی تھوک کا حکم رکھتی ہے، اس کے پیٹ میں لے جانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

البتہ اگر کوئی اس کو تھوک دے تو اچھا ہے۔ [2]

---

[1] وَكُرِهَ ذَوْقُ شَيْءٍ، وَمَضْغُهُ بِلا عُذْرٍ كَذَا فِي الْكَنْزِ .وَمِنْ الْعُذْرِ فِي الْأَوَّلِ مَا لَوْ كَانَ زَوْجُ الْمَرْأَةِ وَسَيِّدُهَا سَيِّءَ الْخُلُقِ فَذَاقَتْ الْمَرَقَةَ، وَمِنْ الْعُذْرِ فِي الثَّانِي أَنْ لا تَجِدَ مَنْ يَمْضُغُ الطَّعَامَ لِصَبِيِّهَا مِنْ حَائِضٍ أَوْ نُفَسَاءَ أَوْ غَيْرِهِمَا مِمَّنْ لا يَصُومُ، وَلَمْ تَجِدْ طَبِيخًا، وَلَا لَبَنًا حَلِيبًا كَذَا فِي النَّهْرِ الْفَائِقِ وَذَكَرَ فِي التَّجْنِيسِ أَنَّ كَرَاهَةَ الذَّوْقِ فِي صَوْمِ الْفَرْضِ، وَأَمَّا التَّطَوُّعُ فَلا بَأْسَ كَذَا فِي النِّهَايَةِ .وَيُكْرَهُ لِلصَّائِمِ أَنْ يَذُوقَ الْعَسَلَ أَوْ الدُّهْنَ لِيَعْرِفَ الْجَيِّدَ مِنْ الرَّدِيءِ عِنْدَ الشِّرَاءِ كَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ. وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِهِ إذَا لَمْ يَجِدْ بُدًّا مِنْ شِرَائِهِ أَوْ يَخَافُ الْغَبْنَ كَذَا فِي الزَّاهِدِيِّ(الفتاوى الهندية، ج ا ص ۱۹۹ ، كِتَابُ الصَّوْمِ،الْبَابُ الثَّالِثُ فِيمَا يُكْرَهُ لِلصَّائِمِ وَمَا لَا يُكْرَهُ)

[2] جذب الصائم مخاطه فوصل إلى حلقه وابتلع لا شيء وإن عمد وكذا إذا ترطب شفتاه بالبزاق عند الكلام ونحوه فابتلعه أو خرج الدم من بين أسنانه والبزاق غالب فابتلعه ولم يجد طعمه وإن غلب الدم أو تساويا فسد وذكر في شرح الحاوي للشافعي رحمه الله تعالى ويبطل الصوم بجرى النخامة من فضاء الفم في جوفه وإن جرت فيه من مجراها وقدر على مجها ولم يمجها أفطر في أصح الوجهين وفي الوسيط لو جمع الريق قصد ثم ابتلعه لا يفسد صومه في أصح الوجهين فعلى هذا ينبغي أن يحتاط في النخامة والبزاق حتى لا يفسد صومه على قول مجتهد(الفتاوى البزازية، ج ا ،ص ۴۶، كتاب الصوم)

نزل المخاط إلى رأس أنفه لكن لم يظهر ثم جذبه فوصل إلى جوفه لم يفسد ثم قال ابن الشحنة وذكر في البزازية مسألة المخاط وعقبها بكلام الشافعية فقال :ويبطل الصوم بجرى النخامة من فضاء الفم في جوفه، وإن جرت فيه من مجراها وقدر على مجها أفطر في أصح الوجهين فعلى هذا ينبغي أن يحتاط في النخامة حتى لا يفسد صومه على قول مجتهد قال ابن الشحنة أحببت التنبه عليه فإنه مهم اهـ.ولم أر حكم البلغم إذا ابتلعه بعد ما تخلص بالتنحنح من حلقه إلى فمه ولعله كالمخاط فلينظر ثم وجدتها بحمد الله في التتارخانية سئل إبراهيم عمن ابتلع البلغم قال :إن كان أقل من ملء فيه لا ينقض إجماعا، وإن كان ملء فيه ينتقض صومه عند أبي يوسف، .وعند أبي حنيفة لا ينتقض(حاشية الشرنبلالي على درر الحكام ، ج ا ص ۲۰۲، ۲۰۳،باب موجب الإفساد في الصوم)

مسئلہ نمبر۵...... کلی کرنے کے بعد جب پانی منہ سے باہر نکال دیا جائے، اور تھوک کے ساتھ کچھ تری محسوس ہو، تو اس کا حکم تھوک کی طرح ہے، اس کو نگلنے سے حرج وتنگی لازم آنے کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [1]

---

[1] یہی حکم مسواک کرکے کلی کرنے کے بعد مسواک کے باقی ماندہ ذرہ کا بھی ہے، کہ اگر اس کا کوئی ذرہ تھوک کے ساتھ شامل ہوکر پیٹ میں داخل ہوجائے، تو دفعِ حرج کی وجہ سے اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ جس طرح کلی کرنا ثابت ہے، اسی طرح مسواک کرنا بھی ثابت ہے، اور علت دونوں جگہ مشترک ہے۔

وما لا يمكنه التحرز عنه فهو عفو ألا ترى أن الصائم إذا تمضمض فإنه يبقى فى فمه بلة ثم تدخل بعد ذلك حلقه مع ريقه وأحد لا يقول: بأن ذلك يفطره(المبسوط،للسرخسى، ج۳ص ۱۴۲، كتاب الصوم،باب ما يجب فيه القضاء والكفارة وما يجب فيه القضاء دون الكفارة)

وَكَذَلِكَ لَو بَقِىَ بَلل بعد الْمَضْمَضَة وابتلعه مَعَ البزاق أَو ابتلع البزاق الَّذِى اجْتمع فِى فِيهِ لَا يفْسد صَوْمه لما قُلْنَا(تحفة الفقهاء، ج ۱، ص ۳۵۳، كتاب الصَّوْم)

إذا أمسك فى فيه شيئاً لا يؤكل فوصل إلى جوفه أو خل الماء فمه عن الاغتسال لا يفسد إلا إن يصيب فيه متعمداً وكذا إذا بقى بعد المضمضة ماء فابتلعه بالبزاق لم يفطر لتعذر الاحتراز(الفتاوى البزازية، ج ۱، ص ۴۷)

وَلَوْ بَقِيَ بَلَلٌ بَعْدَ الْمَضْمَضَةِ فَابْتَلَعَهُ مَعَ الْبُزَاقِ لَمْ يُفْطِرْهُ، وَلَوْ دَخَلَ الْمُخَاطُ أَنْفَهُ مِنْ رَأْسِهِ ثُمَّ اسْتَشَمَّهُ فَأَدْخَلَ حَلْقَهُ عَمْدًا لَمْ يُفْطِرْهُ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ رِيقِهِ كَذَا فِي مُحِيطِ السَّرَخْسِيِّ(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۲۰۳، كتاب الصوم، الباب الرابع، النوع الاول)

فصار كبلل بقى فى فمه بعد المضمضة لدخوله من الأنف إذا أطبق الفم(مراقى الفلاح شرح متن نور الإيضاح، ص ۲۴۵، كتاب الصوم)

(أَوْ بَقِيَ بَلَلٌ فِي فِيهِ بَعْدَ الْمَضْمَضَةِ وَابْتَلَعَهُ مَعَ الرِّيقِ) كَطَعْمِ أَدْوِيَةٍ وَمَصِّ إهْلِيلِجٍ بِخِلَافِ نَحْوِ سُكَّرٍ(الدر المختار)

(قَوْلُهُ أَوْ بَقِيَ بَلَلٌ فِي فِيهِ بَعْدَ الْمَضْمَضَةِ) جَعَلَهُ فِي الْفَتْحِ وَالْبَدَائِعِ شَبِيهَ دُخُولِ الدُّخَانِ وَالْغُبَارِ وَمُقْتَضَاهُ أَنَّ الْعِلَّةَ عَلَى عَدَمِ إمْكَانِ التَّحَرُّزِ عَنْهُ، وَيَنْبَغِي اشْتِرَاطُ الْبَصْقِ بَعْدَ مَجِّ الْمَاءِ لِاخْتِلَاطِ الْمَاءِ بِالْبُصَاقِ، فَلَا يَخْرُجُ بِمُجَرَّدِ الْمَجِّ نَعَمْ لَا يُشْتَرَطُ الْمُبَالَغَةُ فِي الْبَصْقِ؛ لِأَنَّ الْبَاقِيَ بَعْدَهُ مُجَرَّدُ بَلَلٍ وَرُطُوبَةٍ لَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ وَعَلَى مَا قُلْنَا يَنْبَغِي أَنْ يُحْمَلَ قَوْلُهُ فِي الْبَزَّازِيَّةِ إذَا بَقِيَ بَعْدَ الْمَضْمَضَةِ مَاءٌ فَابْتَلَعَهُ بِالْبُزَاقِ لَمْ يُفْطِرْ لِتَعَذُّرِ الِاحْتِرَازِ فَتَأَمَّلْ(رد المحتار على الدر المختار، ج ۲، ص ۳۹۶، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مضمضہ کی اجازت دینا ثابت ہے، اور وضو اور غسل کے دوران مضمضہ کی اجازت تواتر کے ساتھ ثابت ہے، اور مضمضہ کی تکمیل کلی کردینے سے ہوجاتی ہے، اور مضمضہ کے بعد مزید تھوکنے کا مکلّف کرنے کی کوئی دلیل نہیں، جبکہ فقہائے کرام نے مضمضہ کے بعد تری کے باقی رہ جانے کو روزہ کے لئے مفسد قرار نہیں دیا، اور اس تری کو تھوک کا حکم دیا ہے، اور صاحبِ بزازیہ کی یہ تصریح اوپر گزر چکی ہے کہ ''إذا بقى بعد المضمضة ماء فابتلعه بالبزاق لم يفطر لتعذر الاحتراز'' جس میں ''لتعذر الاحتراز'' کی علت بھی ساتھ ہی مذکور ہے، اس لئے علامہ شامی رحمہ اللہ کا کلی کرنے کے بعد تھوکنے کا مکلّف کرنا راجح معلوم نہ ہوسکا۔ محمد رضوان۔

مسئلہ نمبر۶ ...... روزہ دار کو وضو کرتے وقت کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں اس طرح مبالغہ کرنا مکروہ ہے کہ پانی حلق کے اندر یا ناک کے نرم حصہ سے اوپر چلا جائے۔

اور پانی منہ میں ڈال کر اس طرح غرارہ کرنا کہ پانی حلق کی جڑ تک پہنچ جائے اور حلق سے ٹکرائے، یہ بھی مبالغہ میں داخل ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۷ ...... اگر کلی کرتے وقت روزہ یاد ہوتے ہوئے غیر ارادی طور پر غلطی سے (یعنی پانی اندر لے جانے کا ارادہ کئے بغیر) پانی پیٹ میں چلا گیا، تو حنفیہ کے مشہور قول کے مطابق روزہ ٹوٹ جاتا ہے، البتہ اگر روزہ یاد نہ ہو، تو پھر روزہ نہیں ٹوٹتا۔

جبکہ بعض حضرات نے تین مرتبہ تک کلی کرنے اور بعض نے فرض نماز کے وضو کی کلی کرنے کی صورت میں غلطی سے پانی پیٹ میں جانے کو روزہ کے فاسد ہونے کا سبب قرار نہیں دیا، اور تین دفعہ سے زیادہ کلی کرنا شریعت پر زیادتی ہے، اور اسی طرح غیر فرض نماز ضروری نہیں، اس لئے ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ [2]

---

[1] وتكره المبالغة فى المضمضة والاستنشاق فى الصوم.ففى المضمضة :بإيصال الماء إلى رأس الحلق، وفى الاستنشاق :بإيصاله إلى فوق المارن(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۸، ص ۷۱)

و "يسن "المبالغة فى المضمضة "وهى إيصال الماء لرأس الحلق "و "المبالغة فى "الاستنشاق" وهى إيصاله إلى ما فوق المارن "لغير الصائم "والصائم لا يبالغ فيها خشية إفساد الصوم لقوله عليه الصلاة والسلام" :بالغ فى المضمضة والاستنشاق إلا أن تكون صائما(مراقى الفلاح شرح متن نور الإيضاح، ج ۱، ص ۳۳)

وحَدُّ المضمضة استيعابُ جميع الفم .والمبالغةُ فيه أن يصل الماء ُإلى رأس الحلق.

وحَدُّ الاستنشاق أن يصل الماء ُإلى المارِن .والمبالغةُ فيه أن يُجاوِزَ المارِنَ، وهو بكسر الراء :ما اشتدَّ من الأنف(شرح النقاية، ج ۱، ص ۲۵، كتاب الطهارة، سنن الوضو)

قال الطيبى :الغرغرة أن يجعل المشروب فى الفم، ويردد إلى أصل الحلق ولا يبتلع(مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۶۲۳، باب الاستغفار والتوبة)

[2] وَلَوْ تَمَضْمَضَ أَوْ اسْتَنْشَقَ فَسَبَقَ الْمَاء ُحَلْقَهُ وَدَخَلَ جَوْفَهُ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ ذَاكِرًا لِصَوْمِهِ لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ لِأَنَّهُ لَوْ شَرِبَ لَمْ يَفْسُدْ، فَهَذَا أَوْلَى وَإِنْ كَانَ ذَاكِرًا فَسَدَ صَوْمُهُ عِنْدَنَا .وَقَالَ ابْنُ أَبِي لَيْلَى :إنْ كَانَ وُضُوءُهُ لِلصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ لَمْ يُفْسِدْ وَإِنْ كَانَ لِلتَّطَوُّعِ فَسَد. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَا يُفْسِدُ أَيُّهُمَا كَانَ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ :إنْ تَمَضْمَضَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَسَبَقَ الْمَاء ُحَلْقَهُ لَمْ يَفْسُدْ، وَإِنْ زَادَ عَلَى الثَّلَاثِ فَسَدَ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جو حکم وضو کے دوران منہ یا ناک سے پانی پیٹ میں داخل ہونے کا ہے، وہی حکم غسل کرتے وقت بھی پیٹ میں داخل ہونے کا ہے۔

جبکہ بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک غسل کے دوران غلطی سے پانی پیٹ میں داخل ہو جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ [1]

یہ تفصیل تو حنفیہ کے نزدیک ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَجْهُ قَوْلِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى أَنَّ الْوُضُوءَ لِلصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ فَرْضٌ، فَكَأَنَّ الْمَضْمَضَةَ، وَالِاسْتِنْشَاقَ مِنْ ضَرُورَاتِ إِكْمَالِ الْفَرْضِ، فَكَانَ الْخَطَأُ فِيهِمَا عُذْرًا بِخِلَافِ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ، وَجْهُ قَوْلِ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الثَّلَاثِ وَمَا زَادَ عَلَيْهِ أَنَّ السُّنَّةَ فِيهِمَا، وَالثَّلَاثُ فَكَانَ الْخَطَأُ فِيهِمَا مِنْ ضَرُورَاتِ إِقَامَةِ السُّنَّةِ فَكَانَ عَفْوًا. وَأَمَّا الزِّيَادَةُ عَلَى الثَّلَاثِ فَمِنْ بَابِ الِاعْتِدَاءِ عَلَى مَا قَالَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَمَنْ زَادَ، أَوْ نَقَصَ فَقَدْ تَعَدَّى وَظَلَمَ فَلَمْ يُعْذَرْ فِيهِ، وَالْكَلَامُ مَعَ الشَّافِعِيِّ عَلَى نَحْوِ مَا ذَكَرْنَا فِي الْإِكْرَاهِ يُؤَيِّدُ مَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْمَاءَ لَا يَسْبِقُ الْحَلْقَ فِي الْمَضْمَضَةِ، وَالِاسْتِنْشَاقِ عَادَةً إِلَّا عِنْدَ الْمُبَالَغَةِ فِيهِمَا، وَالْمُبَالَغَةُ مَكْرُوهَةٌ فِي حَقِّ الصَّائِمِ، قَالَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- لِلَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ: بَالِغْ فِي الْمَضْمَضَةِ، وَالِاسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا فَكَانَ فِي الْمُبَالَغَةِ مُتَعَدِّيًا فَلَمْ يُعْذَرْ بِخِلَافِ النَّاسِي(بدائع الصنائع، ج۲ص ۹۱، فصل ارکان الصیام)

[1] وَإِنْ تَمَضْمَضَ أَوْ اسْتَنْشَقَ فَدَخَلَ الْمَاءُ جَوْفَهُ إِنْ كَانَ ذَاكِرًا لِصَوْمِهِ فَسَدَ صَوْمُهُ وَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ ذَاكِرًا لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ وَعَلَيْهِ الِاعْتِمَادُ. وَلَوْ رَمَى رَجُلٌ إِلَى صَائِمٍ شَيْئًا فَدَخَلَ حَلْقَهُ فَسَدَ صَوْمُهُ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمُخْطِئِ، وَكَذَا إِذَا اغْتَسَلَ فَدَخَلَ الْمَاءُ حَلْقَهُ كَذَا فِي السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ(الفتاویٰ الهندية، ج۱ص ۲۰۲، کتاب الصوم، الباب الرابع، النوع الاول)

فَلَوْ دَخَلَ الْمَاءُ فِي الْغُسْلِ أَنْفَهُ أَوْ أُذُنَهُ وَوَصَلَ إِلَى الدِّمَاغِ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ اهـ(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۲، ص ۳۰۰، باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

وفى البقالى: إذا أمسک فى فمه شيئاً لا يؤكل، فوصل إلى جوفه لا يفسد صومه، وفيه أيضاً: إذا اغتسل فدخل الماء فى فمه لا يفسد صومه. وفيه أيضاً: عن نصر إذا اغتسل، فدخل الماء فى فمه لا يفسد صومه؛ لأنه لم يصب فيه متعمداً(المحیط البرهانی، ج۲ص ۳۸۵، کتاب الصوم، الفصل الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد صومه)

وَمَا عَنْ نُصَيْرِ بْنِ يَحْيَى فِيمَنْ اغْتَسَلَ وَدَخَلَ الْمَاءُ فِي حَلْقِهِ لَمْ يَفْسُدْ اهـ. (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۲ص ۲۹۲، باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک روزہ کے باب میں خطاء مانعِ افطارِ صوم نہیں ہے، پھر بعض حنفیہ نے یہاں خطاء کو مانعِ افطار کیوں قرار دیا؟ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ ان حضرات نے دفعِ حرج کے لئے یہ قول کیا، اور اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق معفوعنہ صورتوں کو دخولِ ذباب کے مشابہ سمجھا۔

اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک اگر کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ نہ کیا جائے، اور پھر غلطی سے پانی پیٹ میں داخل ہوجائے، تو روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ روزہ کی حالت میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا منع ہے، لہٰذا جب شریعت کے اس حکم کی خلاف ورزی نہ کرنا پایا جائے گا، تو حرج وتنگی لازم آنے کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، ورنہ ٹوٹ جائے گا۔ [1]

---

[1] شوافع کے صحیح تر قول کے مطابق اگر روزہ دار نے کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کیا، جس کے نتیجے میں پانی اندر داخل ہوگیا، تو روزہ ٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ حدیث میں مبالغہ کی ممانعت آئی ہے، اس لئے مبالغہ کرنے میں تعدی وزیادتی پائی جاتی ہے، اور مبالغہ سے قبل یہ ذباب کے مشابہ ہے، بندہ کے نزدیک دلیل کے لحاظ سے یہی راجح ہے، اور دفعِ حرج کی وجہ سے ذباب کی طرح اسی پر فتویٰ ہونا چاہئے، بالخصوص جبکہ بعض حنفیہ نے اپنے اجتہاد کی روشنی میں دفعِ حرج کا اعتبار کرتے ہوئے مفسد قرار نہیں دیا، کالزیادۃ علی الثلاثۃ۔

اور حنابلہ کے نزدیک مبالغہ یا اسراف کرنے کی صورت میں تو روزہ فاسد ہوتا ہے، ورنہ نہیں ہوتا، کیونکہ جس طرح مبالغہ میں تعدی وزیادتی پائی جاتی ہے، اسی طرح اسراف میں بھی تعدی وزیادتی پائی جاتی ہے، اور بغیر تعدی کے پانی کا دخول، ذباب کے مشابہ ہے۔ محمد رضوان۔

وَقَالَ عَطَاءٌ " :إِنْ تَمَضْمَضَ، ثُمَّ أَفْرَغَ مَا فِي فِيهِ مِنَ المَاءِ لاَ يَضِيرُهُ إِنْ لَمْ يَزْدَرِدْ رِيقَهُ وَمَاذَا بَقِيَ فِي فِيهِ، وَلاَ يَمْضَغُ العِلْكَ، فَإِنِ ازْدَرَدَ رِيقَ العِلْكِ لاَ أَقُولُ إِنَّهُ يُفْطِرُ، وَلَكِنْ يُنْهَى عَنْهُ، فَإِنِ اسْتَنْثَرَ، فَدَخَلَ المَاءُ حَلْقَهُ لاَ بَأْسَ، لَمْ يَمْلِكْ (بخاری، ج۳ص ۳۱،بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ، فَلْيَسْتَنْشِقْ بِمَنْخِرِهِ المَاءَ وَلَمْ يُمَيِّزْ بَيْنَ الصَّائِمِ وَغَيْرِهِ)

(أَوْ تَمَضْمَضَ أَوِ اسْتَنْشَقَ) فِي الْوُضُوءِ، (فَدَخَلَ الْمَاءُ حَلْقَهُ) ؛ لِأَنَّهُ وَاصِلٌ بِغَيْرِ قَصْدٍ، أَشْبَهَ الذُّبَابَ فَإِنْ كَانَ لِنَجَاسَةٍ فَكَالْوُضُوءِ .(لَمْ يَفْسُدْ صَوْمُهُ) لِمَا ذَكَرْنَا، (وَإِنْ زَادَ عَلَى الثَّلَاثِ) فِي أَحَدِهِمَا (أَوْ بَالَغَ فِيهِمَا) فَدَخَلَ الْمَاءُ حَلْقَهُ (فَعَلَى وَجْهَيْنِ) كَذَا فِي "الْكَافِي "وَ "الْمُحَرَّرِ "وَ "الْفُرُوعِ " أَحَدُهُمَا :لَا يُفْطِرُ جَزَمَ بِهِ فِي "الْوَجِيزِ "؛ لِأَنَّهُ وَاصِل بِغَيْرِ اخْتِيَارِهِ، وَالثَّانِي :بَلَى؛ لِأَنَّهُ فَعَلَ مَكْرُوهًا تَعَرَّضَ بِهِ إِلَى إِيصَالِ الْمَاءِ إِلَى حَلْقِهِ، أَشْبَهَ الْإِنْزَالَ بِالْمُبَاشَرَةِ، وَاخْتَارَ الْمَجْدُ يَبْطُلُ بِالْمُبَالَغَةِ لِلنَّهْيِ الْخَاصِّ، وَعَدَمِ نُدْرَةِ الْوُصُولِ فِيهَا بِخِلَافِ الْمُجَاوَزَةِ، وَأَنَّهُ ظَاهِرُ كَلَامِ أَحْمَدَ فِي الْمُجَاوَزَةِ :يُعْجِبُنِي أَنْ يُعِيدَ(المبدع فی شرح المقنع، ج۳ص۲۷، باب مالایفسد الصوم)

قَوْلُهُ (وَإِنْ زَادَ عَلَى الثَّلَاثِ، أَوْ بَالَغَ فِيهَا، فَعَلَى وَجْهَيْنِ) ، وَأَطْلَقَهُمَا فِي الْهِدَايَةِ، وَالْمُسْتَوْعِبِ، وَالْخُلَاصَةِ، وَالْكَافِي، وَالْهَادِي، وَالْمُغْنِي وَالتَّلْخِيصِ، وَالْبُلْغَةِ، وَشَرْحِ الْمَجْدِ، وَالْمُحَرَّرِ، وَالشَّرْحِ، وَالرِّعَايَتَيْنِ، وَالْحَاوِيَيْنِ وَشَرْحِ ابْنِ مُنَجَّى، وَالنَّظْمِ، وَالْفُرُوعِ، وَالْفَائِقِ .أَحَدُهُمَا :لَا يُفْطِرُ، وَهُوَ الْمَذْهَبُ، صَحَّحَهُ فِي التَّصْحِيحِ .قَالَ فِي الْعُمْدَةِ :لَوْ تَمَضْمَضَ أَوْ اسْتَنْشَقَ، فَوَصَلَ إلَى حَلْقِهِ مَاءٌ : لَمْ يَفْسُدْ صَوْمُهُ، وَجَزَمَ بِهِ فِي الْإِفَادَاتِ، وَنَاظِمِ الْمُفْرَدَاتِ، وَهُوَ مِنْهَا، وَيَأْتِي كَلَامُهُ فِي الْوَجِيزِ، وَالْمُنَوِّرِ، وَالْوَجْهُ الثَّانِي :يُفْطِرُ صَحَّحَهُ فِي الْمَذْهَبِ، وَمَسْبُوكِ الذَّهَبِ، وَقَدَّمَهُ ابْنُ رَزِينٍ فِي شَرْحِهِ. وَجَزَمَ فِي الْفُصُولِ بِالْفِطْرِ بِالْمُبَالَغَةِ، وَقَالَ بِهِ إذَا زَادَ عَلَى الثَّلَاثِ، وَقِيلَ :يَبْطُلُ بِالْمُبَالَغَةِ دُونَ الزِّيَادَةِ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸...... بلا اختیار گرد وغبار، مکھی، مچھر، یا فضا میں موجود دھوئیں کے سانس کے ساتھ حلق کے اندر بلعومِ حنجری یا بلعوم سفلی (Hypopharynx) سے نیچے چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، شریعت نے ان چیزوں کو دفعِ حرج کی وجہ سے معاف قرار دے دیا ہے۔

لیکن اپنے ارادہ سے حلق کے اندر دھواں کھینچا جائے، تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے اگر بتی، وغیرہ کے قریب آ کر اس کا دھواں سانس کے ساتھ کھینچا جائے۔ لے

مسئلہ نمبر ۹...... چکی پیسنے، جھاڑو دینے، روئی دھننے اور دوسرے کام کاج کے دوران جو گرد

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ اخْتَـارَهُ الْمَجْدُ .قَـالَ فِي الْوَجِيزِ، وَالْمُنَوِّرِ :لَوْ دَخَـلَ حَلْقَهُ مَاءُ طَهَارَةٍ، وَلَوْ بِمُبَالَغَةٍ :لَـمْ يُفْطِرْ، وَظَاهِرُهُ كَلَامُ الْإِمَامِ أَحْمَدَ :إبْـطَـالُ الصَّوْمِ بِالْمُجَاوَزَةِ عَلَى الثَّلَاثِ، فَإِنَّهُ قَالَ :إذَا جَـاوَزَتْ الثَّلَاثَ، فَسَبَقَ الْـمَاءُ إلَى حَلْقِهِ :يُعْـجِبُنِي أَنْ يُعِيدَ الصَّوْمَ .قَـالَـهُ ابْـنُ عَقِيلٍ، وَالْمَجْدُ فِي شَرْحِهِ(الانصاف للمرداوی، ج۳ص۳۰۸،۳۰۹، باب مایفسد الصوم ویوجب الکفارة)

(مسألة) قـال (أو اغتسـل أو تـمـضـمض أو استنشق فدخل الماء حلقه لم يفسد صومه) المضمضة والاستـنشـاق لا يـفطر بغير خلاف سواء كان فی طهارة أو غيرها وقد روی عن النبی صلی الله عليه وسـلـم ان عـمر سأله عن القبلة للصائم فقال النبی صلی الله عليه وسلم "أرأيت لو تمضمضت من اناء وأنت صائم "قلت لا بأس قال "فمه "ولان الـفـم فی حكم الظاهر فلا يبطل الصوم بالواصل إليـه كـالانف والـعيـن فـان تمضمض أو أستنشق فی الطهارة فسبق الماء إلى حلقه من غير قصد ولا إسـراف فـلا شيئ عليه، وهذا قول الاوزاعی وإسحاق والشافعی فی أحد قوليه وروی ذلک عن ابن عبـاس وقـال مـالک وأبـو حـنيفة يفطر لانه أوصل الماء إلى حلقه ذاكرا لصومه فأفطر كما لو تعمد شـربـه ولنا أنه وصل إلى حلقه من غير قصد ولا إسراف أشبه مالو طارت ذبابة إلى حلقه وبهذا فارق المتعمد(الشرح الكبير لابنِ قدامة، ج۳ص۴۴)

(قلت :رجـل استـنشـق فـدخـل الماء إلى حلقه، وهو صائم؟)قال :إذا كـان لا يـريد ذاک فلا بأس به(مسائل الامام الاحمد بن حنبل واسحاق بن راهويه، رقم المسئلة ۶۸۴)

وعند الشافعية فيه ثلاثة اقوال اصحها ان بالغ افطر والا فلا.والثانی: يفطر مطلقا(كمذهب الاحناف والموالک) وهو قول المزنی من الشافعية ، وهو قول اكثر الفقهاء، كما نقله النووی عن الماوردی رح.والثـالـث:لايفطر مطلقا ،وهو قول الحسن البصری، واسحاق وابی ثور رحمهم الله تعالیٰ.واما الـحـنابلة فعدوه مانعا للفطر اذا لم يوجد من الصائم اسراف ولا مبالغة ، فلا يفطر عندهم ايضا ، واما اذا وجـد مـنه اسراف او مبالغة، فاختلفوا علی وجهين ، وظاهر كلام الامام احمد رح ابطال الصوم، كـالـقـول الاصـح عـند الشافعية (ضابط المفطرات فی مجال التداوی، للشيخ المفتی محمد رفيع العثمانی، ص ۱۴۰ ،الباب الثانی،الفصل الثالث فی الموانع)

لے وَقَالَ عَطَاءٌ :إِن اسْتَـنْـثَـرَ، فَـدَخَلَ الـمَاءُ فِي حَلْقِهِ لاَ بَأْسَ إِنْ لَمْ يَمْلِكْ وَقَالَ الحَسَنُ :إِنْ دَخَلَ حَـلْـقَـهُ الـذُّبَـابُ فَلاَ شَيْءَ عَلَيْهِ وَقَالَ الحَسَنُ، وَمُجَاهِدٌ :إِنْ جَـامَـعَ نَـاسِيًـا فَلاَ شَيْءَ عَلَيْهِ(بخاری، ج۳ص ۳۱،بَابُ الصَّائِمِ إِذَا أَكَلَ أَوْ شَرِبَ نَاسِيًا)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وغبار اڑتا ہے، اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اگر وہ خود بخود سانس کے ساتھ بلعوم حنجری یا بلعوم سفلی (Hypopharynx) سے نیچے چلا جائے، تو روزہ نہیں ٹوٹتا، یہ چیزیں بھی دفعِ حرج کی وجہ سے معاف ہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۰...... منہ کے ذریعہ سے سگریٹ نوشی اور حقہ نوشی کے مروجہ طریقہ پر کرنے (یعنی سانس کے ساتھ دھواں حلق کی طرف کھینچنے) سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ سگریٹ نوشی کرنے سے اپنے اختیار کے ساتھ دھواں حلق سے نیچے یا بالفاظ دیگر بلعوم حنجری یا بلعوم سفلی (Hypopharynx) سے نیچے یعنی ''مری'' یا ''حنجرہ'' کی طرف پہنچانا پایا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عَنْ مُجَاهِدٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؛ فِي الرَّجُلِ يَدْخُلُ حَلْقَهُ الذُّبَابُ ، قَالَ :لاَ يُفْطِرُ(مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۹۸۸۶،باب فِي الصَّائِمِ يَدْخُلُ حَلْقَهُ الذُّبَابُ)

عَنْ جَابِرٍ ، عَنْ عَامِرٍ ، قَالَ :لاَ يُفْطِرُ(مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۹۸۸۷،باب فِي الصَّائِمِ يَدْخُلُ حَلْقَهُ الذُّبَابُ)

عَنِ الْحَسَنِ ، قَالَ :لاَ يُفْطِرُ(ایضاً، رقم الحدیث ۹۸۸۸،باب فِي الصَّائِمِ يَدْخُلُ حَلْقَهُ الذُّبَابُ)

وَلَو دخل الذُّبَاب حلقه وَهُوَ ذَاكر لصومه لَا يفْسد لِأَنَّهُ مغلوب فِيهِ فَيكون بِمَعْنى النَّاسِي...... وَكَذَلِكَ لَو دخل الْغُبَار أَو دخل الدُّخان أَو الرَّائِحَة فِي حلقه لِأَنَّهُ لَا يُمكنهُ الِامْتِنَاع عَنهُ فَيكون فِي معنى النَّاسِي (تحفة الفقهاء ج ۱ ص ۳۵۳،کتاب الصوم)

(قَوْلُهُ أَوْ دَخَلَ حَلْقَهُ غُبَارٌ أَوْ ذُبَابٌ، وَهُوَ ذَاكِرٌ لِصَوْمِهِ) يَعْنِي لَا يُفْطِرُ؛ لِأَنَّ الذُّبَابَ لَا يُسْتَطَاعُ الِامْتِنَاعُ عَنْهُ فَشَابَهُ الدُّخَانُ وَالْغُبَارُ لِدُخُولِهِمَا مِنْ الْأَنْفِ إذَا طَبَّقَ الْفَمَ(البحر الرائق، ج۲ص ۲۹۴، باب مایفسد الصوم وما لایفسده)

(قَوْلُهُ :اسْتِحْسَانًا) وَفِي الْقِيَاسِ يَفْسُدُ أَيْ بِدُخُولِ الذُّبَابِ لِوُصُولِ الْمُفْطِرِ إلَى جَوْفِهِ وَإِنْ كَانَ لَا يَتغَذَّى بِهِ كَالتُّرَابِ وَالْحَصَادِ هِدَايَةٌ (قَوْلُهُ :لِعَدَمِ إمْكَانِ التَّحَرُّزِ عَنْهُ) فَأَشْبَهَ الْغُبَارَ وَالدُّخَانَ لِدُخُولِهِمَا مِنْ الْأَنْفِ إذَا أَطْبَقَ الْفَمَ كَمَا فِي الْفَتْحِ، وَهَذَا يُفِيدُ أَنَّهُ إذَا وَجَدَ بُدًّا مِنْ تَعَاطِي مَا يَدْخُلُ غُبَارُهُ فِي حَلْقِهِ أَفْسَدَ لَوْ فَعَلَ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ (قَوْلُهُ :وَمُفَادُهُ) أَيْ مُفَادُ قَوْلِهِ دَخَلَ أَيْ بِنَفْسِهِ بِلَا صُنْعٍ مِنْهُ (ردالمحتار، ج۲ص ۳۹۵،باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

[1] وَغُبَارُ الطَّاحُونَةِ كَالدُّخَانِ(البحر الرائق، ج۲ص ۲۹۴، باب مایفسد الصوم وما لایفسده)

وَلَوْ دَخَلَ حَلْقَهُ غُبَارُ الطَّاحُونَةِ أَوْ طَعْمُ الْأَدْوِيَةِ أَوْ غُبَارُ الْهَرْسِ، وَأَشْبَاهُهُ أَوْ الدُّخَانُ أَوْ مَا سَطَعَ مِنْ غُبَارِ التُّرَابِ بِالرِّيحِ أَوْ بِحَوَافِرِ الدَّوَابِّ، وَأَشْبَاهِ ذَلِكَ لَمْ يُفْطِرْهُ كَذَا فِي السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ(الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص ۲۰۳، کتاب الصوم، الباب الرابع، النوع الاول)

(قَوْلُهُ :كَطَعْمِ أَدْوِيَةٍ) أَيْ لَوْ دَقَّ دَوَاءً فَوَجَدَ طَعْمَهُ فِي حَلْقِهِ زَيْلَعِيٌّ وَغَيْرُهُ .وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ طَعْمُ الْأَدْوِيَةِ وَرِيحُ الْعِطْرِ إذَا وَجَدَ فِي حَلْقِهِ لَمْ يُفْطِرْ كَمَا فِي الْمُحِيطِ(رد المحتار علی الدر المختار، ج۲،ص ۳۹۶،كِتَابُ الصَّوْمِ،بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

جاتا ہے۔

اور بعض حضرات کے نزدیک قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوتا ہے، کیونکہ اس کی طرف طبیعت کا میلان پایا جاتا ہے، اور پیٹ کی شہوت پوری ہوتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۱...... اگر کسی نے پان یا نسوار روزہ کی حالت میں منہ میں رکھ کر فوراً باہر نکال دی، اور تھوک دی، اور اس کو یقین ہو کہ اس کا کوئی حصہ وذرہ پیٹ میں نہیں گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگرچہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

لیکن کیونکہ مروجہ طریقہ پر پان یا نسوار کے استعمال میں اس کو زیادہ وقت تک منہ میں رکھا جاتا ہے، اور اس سے لعاب پیدا ہوتا ہے، اور ایسی صورت میں پان یا نسوار کا کوئی جزو پیٹ میں داخل ہونے کا قوی امکان ہوتا ہے، جس میں روزہ ٹوٹنے کا غالب گمان پایا جاتا ہے، اس لئے اس سے پرہیز کرنا ہی متعین ہے، اور اگر کوئی جزو پیٹ میں چلا گیا، تو اس سے روزہ ٹوٹ

---

[1] (قَوْلُهُ :أَنَّهُ لَوْ أَدْخَلَ حَلْقَهُ الدُّخَانَ) أَیْ بِأَیِّ صُورَةٍ كَانَ الْإِدْخَالُ، حَتَّى لَوْ تَبَخَّرَ بِبَخُورٍ وَآوَاهُ إلَى نَفْسِهِ وَاشْتَمَّهُ ذَاكِرًا لِصَوْمِهِ أَفْطَرَ لِإِمْكَانِ التَّحَرُّزِ عَنْهُ وَهَذَا مِمَّا يَغْفُلُ عَنْهُ كَثِيرٌ مِنْ النَّاسِ، وَلَا يُتَوَهَّمُ أَنَّهُ كَشَمِّ الْوَرْدِ وَمَائِهِ وَالْمِسْكِ لِوُضُوحِ الْفَرْقِ بَيْنَ هَوَاءٍ تَطَيَّبَ بِرِيحِ الْمِسْكِ وَشِبْهِهِ وَبَيْنَ جَوْهَرِ دُخَانٍ وَصَلَ إلَى جَوْفِهِ بِفِعْلِهِ إمْدَاد. وَبِهِ عُلِمَ حُكْمُ شُرْبِ الدُّخَانِ وَنَظَمَهُ الشُّرُنْبُلَالِيُّ فِي شَرْحِهِ عَلَى الْوَهْبَانِيَّةِ بِقَوْلِهِ: وَيُمْنَعُ مِنْ بَيْعِ الدُّخَانِ وَشُرْبِهِ ...وَشَارِبُهُ فِي الصَّوْمِ لَا شَكَّ يُفْطِرُ وَيَلْزَمُهُ التَّكْفِيرُ لَوْ ظَنَّ نَافِعًا ... كَذَا دَافِعًا شَهَوَاتِ بَطْنٍ فَقَرَّرُوا (ردالمحتار، ج۲ص ۳۹۵،باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

المقصد الثانی فی وجوب الكفارة بشرب الدخان فی حالة الصوم أعلم أن الكفارة تجب بالتغذی واختلفوا فی معناه فقیل هو أن یمیل الطبع إلیه وتنقضی شهوة البطن به وقیل هو ما یعود نفعه إلی اصلاح البدن وفائدته تظهر فی ما إذا مضغ لقمته ثم أخرجها ثم ابتلعها فعلی القول الثانی تجب الكفارة وعلی الأول لا تجب وهو الاصح(ترویج الجنان فی حكم شرب الدخان، لعبد الحیئ اللكنوی،ص ۷۱،۷۲)

اتفق الفقهاء على أن شرب الدخان المعروف أثناء الصوم يفسد الصيام لأنه من المفطرات، كذلک يفسد الصوم لو أدخل الدخان حلقه من غير شرب، بل باستنشاق له عمدا، أما إذا وصل إلى حلقه بدون قصد، كأن كان يخالط من يشربه فدخل الدخان حلقه دون قصد، فلا يفسد به الصوم، إذ لا يمكن الاحتراز من ذلک .وعند الحنفية والمالكية :إن تعمد ذلک فعليه القضاء والكفارة .وعند الشافعية والحنابلة عليه القضاء فقط، إذ الكفارة عندهم تكون بالجماع فقط فی نهار رمضان(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۱۰،ص ۱۱۱،تفطير الصائم بشرب الدخان)

جائے گا، اور بعض کے نزدیک سگریٹ نوشی کی طرح قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۲...... اگر روزہ کی حالت میں کسی کے مسوڑھے یا منہ کے کسی حصہ سے خون نکلا، اور اس نے اس کو باہر تھوک دیا، اس سے روزہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

پھر اگر خون کی مقدار تھوک کی مقدار سے کم ہو، تو اس کو تھوک کا حکم حاصل ہے، اس لئے اس کو پیٹ میں لے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ اگر خون کی مقدار تھوک سے زیادہ یا اس کے برابر ہو، جس کی پہچان یہ ہے کہ اس کا ذائقہ واضح طور پر حلق میں محسوس ہو، تو اکثر مشائخ کے نزدیک اس کو پیٹ میں داخل کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ اس صورت میں اس کو تھوک کے بجائے خون کا حکم حاصل ہے، جبکہ بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر مسوڑھے یا منہ کے کسی حصہ سے نکلنے والا خون خود بخود پیٹ میں داخل ہو جائے، اور اس کو اپنے اختیار سے نہ لے جائے، تو روزہ نہیں ٹوٹتا، خواہ اس کی مقدار تھوک سے زیادہ ہو (وھو الارجح عندنا) [2]

---

[1] (وَ) كُـرِهَ (مَضْغُ الْعِلْكِ) قِيلَ إِذَا كَـانَ أَبْيَـضَ مَمْضُوغًا وَإِلَّا يُفْطِرُ لَكِنَّ إِطْلَاقَ الْمُصَنِّفِ يُشْعِرُ بِأَنْ لَا فَرْقَ بَيْنَ عِلْكٍ وَعِلْكٍ وَمَمْضُوغٍ وَغَيْرِ مَمْضُوغٍ كَمَا فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ.وَفِي الْفَتْحِ إِذَا فُرِضَ فِي بَعْضِ الْعِلْكِ مَعْرِفَةُ الْوُصُولِ مِنْهُ عَادَةً وَجَبَ الْحُكْمُ فِيهِ بِالْفَسَادِ وَلِأَنَّهُ كَالْمُتَيَقَّنِ وَفِي غَيْرِ الصَّوْمِ لَا يُكْـرَهُ وَلِلْـمَـرْأَةِ مَـضْـغُ الْـعِلْكِ فَإِنَّهُ يَقُومُ مَقَامَ السِّوَاكِ فِي حَقِّهِنَّ وَيُكْرَهُ لِلرِّجَالِ إِذَا لَمْ يُحْتَجْ إِلَيْهِ(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ۱، ص۲۴۷، كِتَابُ الصَّوْمِ)

وكـذلک يفطر الصائم بمضغ الدخان أو نشوقه، لأنه نوع من أنواع التكييف، ويصل طعمه للحلق، ويتكيف بـه الـدماغ مثل تكيفه بالدخان الذى يمص بالعود .وهـذا مـا صرح به المالكية، وقواعد المذاهب الأخرى لا تأباه(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۱۰،ص۱۱۱، ۱۱۲،تفطير الصائم بشرب الدخان)

[2] وكـذا إذ خـرج الدم من بين أسنانه والبزاق غالب فابتلعه ولم يجد طعمه لا يفسد صومه وإن كانت الغلبة للدم فسد صومه وإن استويا فسد احتياطاً(فتاوى قاضى خان،ج۱،ص۱۵۵، كتاب الصوم)

(أَوْ خَـرَجَ الـدَّمُ مِنْ بَيْنِ أَسْنَانِهِ وَدَخَلَ حَلْقَهُ)يَعْنِي وَلَمْ يَصِلْ إِلَى جَوْفِهِ أَمَّا إِذَا وَصَلَ فَإِنْ غَلَبَ الدَّمُ أَوْ تَسَاوَيَا فَسَدَ وَإِلَّا لَا، إِلَّا إِذَا وَجَدَ طَعْمَهُ بَزَّازِيَّةٌ وَاسْتَحْسَنَهُ الْمُصَنِّفُ وَهُوَ مَا عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ وَسَيَجِيءُ (الدرالمختار)

(قَوْلُهُ :يَـعْـنِي وَلَمْ يَصِلْ إِلَى جَوْفِهِ) ظَـاهِـرُ إِطْلَاقِ الْـمَتْـنِ أَنَّـهُ لَا يُفْطِرُ وَإِنْ كَانَ الدَّمُ غَالِبًا عَلَى الرِّيقِ وَصَـحَّحَهُ فِي الْوَجِيزِ كَمَا فِي السِّرَاجِ وَقَالَ :وَوَجْهُـهُ أَنَّهُ لَا يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ عَادَةً فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ مَا بَيْنَ أَسْنَانِهِ وَمَا يَبْقَى مِنْ أَثَرِ الْمَضْمَضَةِ كَذَا فِي إِيضَاحِ الصَّيْرَفِيِّ .اهـ .وَلَمَّا كَانَ هَذَا الْقَوْلُ خِلَافَ مَا عَلَيْـهِ الْأَكْثَرُ مِـنْ التَّفْصِيلِ حَاوَلَ الشَّارِحُ تَبَعًا لِلْمُصَنِّفِ فِي شَرْحِهِ بِحَمْلِ كَلَامِ الْمَتْنِ عَلَى مَا إِذَا لَمْ يَصِلْ إِلَى جَوْفِهِ؛ لِئَلَّا يُخَالِفَ مَا عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ .قُلْت :وَمِنْ هَذَا يُعْلَمُ حُكْمُ مَنْ قَلَعَ ضِرْسَهُ فِي رَمَضَانَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۳۱...... دانتوں کے درمیان اٹکے ہوئے کھانے کا ذرہ یا گوشت، پان، چھالیہ، نسوار وغیرہ کا ریشہ اگر قلیل وتھوڑی مقدار میں ہو، اس کے (منہ سے باہر نکالے بغیر) پیٹ میں لے جانے سے دفعِ حرج کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا، خواہ چبا کر لے جائے یا بغیر چبائے ویسے ہی نگل لے، البتہ اپنے اختیار سے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

اور اگر وہ کثیر وزیادہ مقدار میں ہو، تو اس کے نگل لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

اور چنے کی مقدار یا اس سے زائد ہو تو وہ کثیر وزیادہ مقدار میں داخل ہے، اور چنے کی مقدار

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾ وَدَخَلَ الدَّمُ إِلَى جَوْفِهِ فِي النَّهَارِ وَلَوْ نَائِمًا فَيَجِبُ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ إلَّا أَنْ يُفَرِّقَ بِعَدَمِ إمْكَانِ التَّحَرُّزِ عَنْهُ فَيَكُونُ كَالْقَيْءِ الَّذِي عَادَ بِنَفْسِهِ فَلْيُرَاجَعُ (قَوْلُهُ: وَاسْتَحْسَنَهُ الْمُصَنِّفُ) أَيْ تَبَعًا لِشَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ حَيْثُ قَالَ فِيهِ وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ قَيَّدَ عَدَمَ الْفَسَادِ فِي صُورَةِ غَلَبَةِ الْبُصَاقِ بِمَا إذَا لَمْ يَجِدْ طَعْمَهُ وَهُوَ حَسَنٌ .اهـ. (قَوْلُهُ: هُوَ مَا عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ) أَيْ مَا ذُكِرَ مِنْ التَّفْصِيلِ بَيْنَ مَا إذَا غَلَبَ الدَّمُ أَوْ تَسَاوَيَا أَوْ غَلَبَ الْبُصَاقُ هُوَ مَا عَلَيْهِ أَكْثَرُ الْمَشَايِخِ كَمَا فِي النَّهْرِ (قَوْلُهُ: وَسَيَجِيءُ) أَيْ مَا اسْتَحْسَنَهُ الْمُصَنِّفُ حَيْثُ يَقُولُ: وَأَكْلُ مِثْلِ سِمْسِمَةٍ مِنْ خَارِجٍ يُفْطِرُ إلَّا إذَا مَضَغَ بِحَيْثُ تَلَاشَتْ فِي فَمِهِ إلَّا أَنْ يَجِدَ الطَّعْمَ فِي حَلْقِهِ اهـ (ردالمحتار، ج ۲ ص ۳۹۶، ۳۹۷، باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

علامہ شامی رحمہ اللہ نے جو عدمِ امکانِ تحرز کی علت بیان کر کے قے کی طرح خون کے حلق میں خود بخود چلے جانے سے عدمِ فساد کی طرف مراجعت کا جو حکم فرمایا ہے، ہمیں غور کرنے سے اس کا راجح ہونا محسوس ہوا، کیونکہ جو خون منہ کے اندر سے ہی نکل رہا ہے، اس کے پیٹ میں خود بخود داخل ہونے کا حکم قے کے خود عود کرنے کی طرح ہی ہونا چاہئے، اور اگلے مسئلہ کے ذیل میں آتا ہے کہ منہ میں موجود کھانے وغیرہ کے ذرات جو خود بخود پیٹ میں چلے جائیں، اس سے بہت سے حضرات کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوتا، اور ابنِ کمال وغیرہ نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے، جس کی طرف صاحبِ درمختار نے اسی مسئلہ میں ''وسیجیئ'' کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس خون کا درجہ مجوث فیہ صورت میں منہ میں موجود ذرات سے زیادہ نہیں، بلکہ کم ہے۔

لہٰذا بندہ کے نزدیک یہی راجح ہے، بالخصوص ان لوگوں کے حق میں جنہیں مسوڑھوں وغیرہ سے خون جاری رہنے کی بیماری ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو خون تھوک کی مقدار سے کم ہو، اس سے تو بہرحال روزہ نہیں ٹوٹتا، اور جو زیادہ یا برابر ہو، وہ اگر غیر اختیار طور پر پیٹ میں چلا جائے، اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، خواہ وہ بیداری کی حالت میں پیٹ میں داخل ہو، یا سونے کی حالت میں، اور جو حکم منہ سے نکلنے والے خون کا ہے، وہی حکم دماغ یا ناک کی طرف سے اندر ہی اندر سے منہ میں آنے والے نکسیر کے خون اور پائیوریا وغیرہ کی بیماری میں منہ سے نکلنے والے مواد اور پانی کا بھی ہے۔

وَاخْتَارَ الدَّبُوسِيُّ تَقْدِيرَهُ بِمَا يُمْكِنُ أَنْ يَبْتَلِعَهُ مِنْ غَيْرِ اسْتِعَانَةٍ بِرِيقٍ وَاسْتَحْسَنَهُ الْكَمَالُ؛ لِأَنَّ الْمَانِعَ مِنْ الْإِفْطَارِ مَا لَا يَسْهُلُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ وَذَلِكَ فِيمَا يَجْرِي بِنَفْسِهِ مَعَ الرِّيقِ لَا فِيمَا يُتَعَمَّدُ فِي إدْخَالِهِ . اهـ (ردالمحتار، ج ۲ ص ۴۱۵، باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

سے کم ہو، تو وہ قلیل وتھوڑی مقدار میں داخل ہے۔ [1]

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ قلیل وتھوڑی مقدار سے روزہ نہ ٹوٹنے کی اصل وجہ دفعِ حرج ہے کہ اس سے بچنا مشکل ہے، اس لئے دفعِ حرج کی وجہ سے تخفیف کا حکم لگایا گیا ہے۔

---

[1] (قَوْلُهُ أَوْ أَكَلَ مَا بَيْنَ أَسْنَانِهِ) أَيْ لَا يُفْطِرُ؛ لِأَنَّهُ قَلِيلٌ لَا يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ فَجُعِلَ بِمَنْزِلَةِ الرِّيقِ، وَلَمْ يُقَيِّدْهُ الْمُصَنِّفُ بِالْقِلَّةِ مَعَ أَنَّ الْكَثِيرَ مُفْسِدٌ مُوجِبٌ لِلْقَضَاءِ دُونَ الْكَفَّارَةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ خِلَافًا لِزُفَرَ لِمَا أَنَّ الْكَثِيرَ لَا يَبْقَى بَيْنَ الْأَسْنَانِ، وَهُوَ مِقْدَارُ الْحِمَّصَةِ عَلَى رَأْيِ الصَّدْرِ الشَّهِيدِ أَوْ مَا يُمْكِنُ أَنْ يَبْتَلِعَهُ مِنْ غَيْرِ رِيقٍ عَلَى مَا اخْتَارَهُ الدَّبُوسِيُّ وَاسْتَحْسَنَهُ ابْنُ الْهُمَامِ وَمَا دُونَهُ قَلِيلٌ، وَأَطْلَقَهُ فَشَمِلَ مَا إذَا ابْتَلَعَهُ أَوْ مَضَغَهُ، وَسَوَاءٌ قَصَدَ ابْتِلَاعَهُ أَوْ لَا كَمَا فِي غَايَةِ الْبَيَانِ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۲ ص ۲۹۴، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

(وَلَوْ أَكَلَ لَحْمًا بَيْنَ أَسْنَانِهِ) إنْ (مِثْلَ حِمَّصَةٍ) فَأَكْثَرَ (قَضَى فَقَطْ وَفِي أَقَلَّ مِنْهَا لَا) يُفْطِرُ (إلَّا إذَا أَخْرَجَهُ) مِنْ فَمِهِ (فَأَكَلَهُ) وَلَا كَفَّارَةَ لِأَنَّ النَّفْسَ تَعَافُهُ (الدر المختار)

(قَوْلُهُ :إنْ مِثْلَ حِمَّصَةٍ) هَذَا مَا اخْتَارَهُ الصَّدْرُ الشَّهِيدُ وَاخْتَارَ الدَّبُوسِيُّ تَقْدِيرَهُ بِمَا يُمْكِنُ أَنْ يَبْتَلِعَهُ مِنْ غَيْرِ اسْتِعَانَةٍ بِرِيقٍ وَاسْتَحْسَنَهُ الْكَمَالُ؛ لِأَنَّ الْمَانِعَ مِنْ الْإِفْطَارِ مَا لَا يَسْهُلُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ وَذَلِكَ فِيمَا يَجْرِي بِنَفْسِهِ مَعَ الرِّيقِ لَا فِيمَا يُتَعَمَّدُ فِي إدْخَالِهِ .اهـ (رد المحتار على الدر المختار، ج ۲، ص ۴۱۵، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

وَلَوْ بَقِيَ بَيْنَ أَسْنَانِهِ شَيْءٌ فَابْتَلَعَهُ إنْ كَانَ دُونَ الْحِمَّصَةِ لَمْ يَضُرَّهُ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ الْقَدْرَ فِي حُكْمِ التَّبَعِ لِرِيقِهِ لِقِلَّتِهِ وَلِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ؛ لِأَنَّهُ يَبْقَى بَيْنَ الْأَسْنَانِ عَادَةً فَلَوْ جُعِلَ مُفْسِدًا لَوَقَعَ النَّاسُ فِي الْحَرَجِ وَلِهَذَا لَا يَفْسُدُ الصَّوْمُ بِهِ، وَإِنْ كَانَ قَدْرَ الْحِمَّصَةِ فَصَاعِدًا فَسَدَتْ صَلَاتُهُ (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ۱ ص ۲۴۲، كِتَابُ الصَّلَاةِ، فَصْلٌ بَيَانُ مَا يُفْسِدُ الصَّلَاةَ)

وَلَوْ بَقِيَ بَيْنَ أَسْنَانِهِ شَيْءٌ فَابْتَلَعَهُ ذُكِرَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ أَنَّهُ لَا يُفْسِدُ صَوْمَهُ، وَإِنْ أَدْخَلَهُ حَلْقَهُ مُتَعَمِّدًا، رُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ إنْ تَعَمَّدَ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ وَوَفَّقَ ابْنُ أَبِي مَالِكٍ فَقَالَ: إنْ كَانَ مِقْدَارَ الْحِمَّصَةِ، أَوْ أَكْثَرَ يُفْسِدُ صَوْمَهُ وَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَلَا كَفَّارَةَ كَمَا قَالَ أَبُو يُوسُفَ -رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى-، وَقَوْلُ أَبِي يُوسُفَ مَحْمُولٌ عَلَيْهِ، وَإِنْ كَانَ دُونَ الْحِمَّصَةِ لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ، كَمَا لَوْ ذُكِرَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ، وَالْمَذْكُورُ فِيهِ مَحْمُولٌ عَلَيْهِ وَهُوَ الْأَصَحُّ وَوَجْهُهُ أَنَّ مَا دُونَ الْحِمَّصَةِ يَسِيرٌ يَبْقَى بَيْنَ الْأَسْنَانِ عَادَةً، فَلَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ بِمَنْزِلَةِ الرِّيقِ، فَيُشْبِهُ النَّاسِيَ وَلَا كَذَلِكَ قَدْرُ الْحِمَّصَةِ فَإِنَّ بَقَاءَهُ بَيْنَ الْأَسْنَانِ غَيْرُ مُعْتَادٍ فَيُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ فَلَا يُلْحَقُ بِالنَّاسِي (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ۲ ص ۹۰، كِتَابُ الصَّوْمِ، فَصْلٌ أَرْكَانُ الصِّيَامِ)

وَإِنْ أَكَلَ مَا بَيْنَ أَسْنَانِهِ لَمْ يُفْسِدْ إنْ كَانَ قَلِيلًا وَإِنْ كَانَ كَثِيرًا يُفْسِدُ، وَالْحِمَّصَةُ وَمَا فَوْقَهَا كَثِيرٌ، وَمَا دُونَهَا قَلِيلٌ (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۲۰۲، كتاب الصوم، الباب الرابع، النوع الاول)

وَلَنَا أَنَّ الْقَلِيلَ مِنْهُ لَا يُمْكِنُ الِامْتِنَاعُ عَنْهُ عَادَةً فَصَارَ تَبَعًا لِأَسْنَانِهِ بِمَنْزِلَةِ رِيقِهِ وَالْكَثِيرُ يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ فَجُعِلَ الْفَاصِلُ بَيْنَهُمَا مِقْدَارُ الْحِمَّصَةِ وَمَا دُونَهُ قَلِيلٌ (تبيين الحقائق، ج ۱، ص ۳۲۵، كتاب الصوم، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

اور چنے کی مقدار اندازہ کے لئے ہے، ورنہ تحقیقی بات یہ ہے کہ منہ یا دانتوں کی دَرزوں میں موجود جو چیز بغیر ارادہ کے خود بخود اندر چلی جائے، اوراس کو اندر لے جانے کے لئے تھوک کی مدد نہ لینی پڑے، تو وہ قلیل وتھوڑی مقدار میں داخل ہے، اور جو بغیر ارادہ کے خود بخود اندر داخل نہ ہو، بلکہ اس کو نگلنے کے لئے تھوک کی مدد لینی پڑے، تو وہ کثیر وزیادہ مقدار میں داخل ہے۔ [۱]

خلاصہ یہ کہ دانتوں کے درمیان اور منہ میں پہلے سے موجود کھانے وغیرہ کا ذرہ اگر چنے کی

---

[۱] اور ہمارے نزدیک یہی حکم منہ سے نکل کر پیٹ میں خود بخود داخل ہونے والے خون کا بھی ہے۔

(قوله أو أكل لحما بين أسنانه مثل حمصة) كذا فى الهداية وقال فى العناية الفاصل مقدار الحمصة فهو كثير وما دونه قليل بخلاف قدر الدرهم فى باب النجاسة فإنه الفاصل بين القليل والكثير وهو داخل فى القليل؛ لأنه أخذ من قدر الدرهم موضع الاستنجاء وذلك القدر معفو بالإجماع فصار قدر الدرهم معفوا فى غير موضع الاستنجاء أيضا قياسا عليه وأما هاهنا فقدر الحمصة لا يبقى فى فرج الأسنان غالبا فلا يمكن إلحاقه بالريق فصار كثيرا اهـ.

وقال فى البزازية :والفاصل فى مسألة اللحم بين أسنانه قدر الحمصة قال أبو نصر الدبوسى ما ذكروه للتقريب لا للتقدير والتحقيق أنه إن أمكنه الابتلاع بلا استعانة البزاق فهو علامة الكثير، وإن لم يمكنه بلا استعانة البزاق فهو علامة القليل اهـ .قال الكمال وهو حسن وذكر وجهه(حاشية الشرنبلالى على دررالحكام شرح غرر الاحكام، ج ا ص۲۰۷، كتاب الصوم،باب موجب الإفساد فى الصوم)

لِمَا أَنَّ الْكَثِيرَ لَا يَبْقَى بَيْنَ الْأَسْنَانِ، وَهُوَ مِقْدَارُ الْحِمَّصَةِ عَلَى رَأْيِ الصَّدْرِ الشَّهِيدِ أَوْ مَا يُمْكِنُ أَنْ يَبْتَلِعَهُ مِنْ غَيْرِ رِيقٍ عَلَى مَا اخْتَارَهُ الدَّبُوسِيُّ وَاسْتَحْسَنَهُ ابْنُ الْهُمَامِ وَمَا دُونَهُ قَلِيلٌ(البحرالرائق، ج۲ص۲۹۴، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

وفى الجامع الأصغر :أن أبا نصر الدبوسى قدر الكثير بأن يقدر على ابتلاعه من غير ريق، وهذا إذا لم يخرجه من فمه(المحيط البرهانى، ج۲ص۳۸۴، الفصل الرابع فيما يفسد الصوم ومالايفسد صومه)

(قَوْلُهُ :إنْ مِثْلَ حِمَّصَةٍ) هَذَا مَا اخْتَارَهُ الصَّدْرُ الشَّهِيدُ وَاخْتَارَ الدَّبُوسِيُّ تَقْدِيرَهُ بِمَا يُمْكِنُ أَنْ يَبْتَلِعَهُ مِنْ غَيْرِ اسْتِعَانَةٍ بِرِيقٍ وَاسْتَحْسَنَهُ الْكَمَالُ؛ لِأَنَّ الْمَانِعَ مِنْ الْإِفْطَارِ مَا لَا يَسْهُلُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ وَذَلِكَ فِيمَا يَجْرِي بِنَفْسِهِ مَعَ الرِّيقِ لَا فِيمَا يُتَعَمَّدُ فِي إدْخَالِهِ .اهـ(ردالمحتار، ج۲ص۴۱۵، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

وَأُجِيبُ بِأَنَّ الْقَلِيلَ يَبْقَى عَادَةً بَيْنَ الْأَسْنَانِ فَيَكُونُ تَابِعًا لِلرِّيقِ بِخِلَافِ الْكَثِيرِ وَالْفَاصِلُ بَيْنَهُمَا قَدْرُ الْحِمَّصَةِ لَكِنْ فِي الْفَتْحِ إنْ لَمْ يُمْكِنْهُ الِابْتِلَاعُ بِلَا اسْتِعَانَةِ الْبُزَاقِ فَهُوَ عَلَامَةُ الْقِلَّةِ، وَإِلَّا فَعَلَامَةُ الْكَثْرَةِ.وَقَالَ وَهُوَ حَسَنٌ، وَذَكَرَ وَجْهَهُ(مجمع الانهر، ج ا ص۲۴۶، باب موجب الفساد)

مقدار سے کم ہو، یا اس کو اپنے ارادہ سے جان بوجھ کر پیٹ میں نہ لے جائے، تو اس کے غیر ارادی طور پر پیٹ میں داخل ہوجانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

مسئلہ نمبر ۱۴۱...... اگر باہر سے کسی کھانے کی چیز کو منہ کے اندر داخل کیا، خواہ پہلے سے وہ چیز منہ سے باہر تھی، یا منہ و دانتوں میں موجود کھانے وغیرہ کے ذرّات کو منہ سے باہر نکال کر (مثلاً خلال کے کنارہ پر لگا کر) دوبارہ منہ میں داخل کیا، اور پھر اس کو چبائے بغیر حلق میں نگل گیا، تو اُس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، خواہ وہ تھوڑی مقدار میں یہاں تک کہ تِل کی مقدار کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ [۱]

اور اگر اس کو نگلے بغیر دانتوں میں چبالیا، تو اگر وہ چیز چنے کی مقدار کے برابر یا اس سے زیادہ تھی، تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اور اگر اس سے کم مقدار تھی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ وہ چیز دانتوں میں چبانے کی وجہ سے لاشئ اور تھوک کے تابع ہوجاتی ہے۔ [۲]

---

[۱] وَقُيِّدَ بِأَكْلِهِ؛ لِأَنَّهُ لَوْ أَخْرَجَهُ ثُمَّ ابْتَلَعَهُ فَسَدَ صَوْمُهُ كَمَا لَوْ ابْتَلَعَ سِمْسِمَةً أَوْ حَبَّةَ حِنْطَةٍ مِنْ خَارِجٍ ....وَصَرَّحَ فِي الْمُحِيطِ بِمَا فِي الْكَافِي، وَفِي الْفَتَاوَى الظَّهِيرِيَّةِ :رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ خَرَجَ عَلَى أَصْحَابِهِ يَوْمًا وَسَأَلَهُمْ عَنْ هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ فَقَالَ :مَاذَا تَقُولُونَ فِي صَائِمِ رَمَضَانَ إذَا ابْتَلَعَ سِمْسِمَةً وَاحِدَةً كَمَا هِيَ أَيُفْطِرُ قَالُوا :لَا، قَالَ :أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَكَلَ كَفًّا مِنْ سِمْسِمٍ وَاحِدَةٍ بَعْدَ وَاحِدَةٍ وَابْتَلَعَ كَمَا هِيَ قَالُوا نَعَمْ وَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ قَالَ بِالْأُولَى أَمْ بِالْأَخِيرَةِ قَالُوا لَا بَلْ بِالْأُولَى قَالَ الْحَاكِمُ الْإِمَامُ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ فَعَلَى قِيَاسِ هَذِهِ الرِّوَايَةِ يَجِبُ الْقَضَاءُ مَعَ الْكَفَّارَةِ إذَا ابْتَلَعَهَا كَمَا هِيَ اهـ.(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۲ ص ۲۹۴، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

[۲] وإن أخذه بيده وأخرجه ثم أكله ينبغي أن يفسد صومه لما روى عن محمد أن الصائم إذا ابتلع سمسمة من بين أسنانه لا يفسد صومه ولو ابتلعها ابتداء من خارج يفسد ،ولو مضغها لا يفسد لأنها تتلاشى وفى مقدار الحمصة عليه القضاء دون الكفارة عند أبى يوسف وعند زفر عليه الكفارة لأنه طعام متغير وعن أبى يوسف أنه يعافه الطبع ولو جمع ريقه فى فيه ثم ابتلعه لم يفطره،ويكره ولو أخرجه ثم ابتلعه يفطره كريق غيره والدم الخارج من بين أسنانه والدم غالب أو مساو فطره إن ابتلعه فيجب عليه القضاء دون الكفارة،وهذا كله إذا كان بين أسنانه وأما إذا أدخله من خارج فينظر إن ابتلعه من غير مضغ فطره قل أو كثر وإن مضغه ينظر إن كان قدر الحمصة فكذلك وإن كان أقل لا يفطره لما ذكرنا(تبيين الحقائق، ج ۱، ص ۳۲۵، كتاب الصوم، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ بعض حضرات نے یہ تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اگر چبانے کے بعد اس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہوا، تو اس چیز کے پیٹ میں داخل ہونے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، خواہ وہ تھوڑی مقدار میں ہو، اور اگر حلق میں ذائقہ محسوس نہ ہوا، تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ اس صورت میں وہ چیز چبانے سے لاشئ اور تھوک کے تابع ہو جاتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإن أخرجه وأخذه بيده ثم أكله ينبغي أن يفسد صومه لما روى عن محمد -رَحِمَهُ اللَّهُ- أن الصائم إذا ابتلع سمسمة بين أسنانه لا يفسد صومه، ولو أكلها ابتداء يفسد صومه. ولو مضغها لا يفسد لأنها تتلاشى(الهداية)

(فإن أخرجه) ش :أى فإن أخرج الذى بين أسنانه م :(وأخذه بيده ثم أكله ينبغي أن يفسد صومه) ش :لإمكان الاحتراز عنه م :(لما روى عن محمد) ش :أى بالقياس على ما روى عن محمد -رَحِمَهُ اللَّهُ- م :(أن الصائم إذا ابتلع سمسمة) ش :كائنة م :(بين أسنانه لا يفسد صومه) ش :لأنه قليل، وبه قال زفر والشافعي -رحمهما الله- وأحمد .وفى "الخلاصة "يجب أن يفسد صومه، وعلى هذا لو أخذ لقمة من الخبز وهو ناس لصومه فلما مضغها ذكر أنه صائم فابتلعها وهو ذاكر، إن ابتلعها قبل الإخراج من فيه عليه الكفارة، وإن أخرجها ثم أعادها لا كفارة عليه، وبه أخذ الفقيه.

م :(فلو أكلها ابتداء) ش :أى لو أكل سمسمة من الخارج م :(يفسد صومه) ش :لأنها من جنس ما يؤكل ويتغذى به، كذا فى "فتاوى الولوالجى"، هذا إذا لم يمضغها م :(ولو مضغها لا يفسد صومه لأنها تتلاشى) ش :وكذا لو مضغ حبة حنطة لا يفسد صومه، لأنها تلتزق بأسنانه فلا تصل إلى جوفه، لأنه يصير تابعاً لريقه، ولو ابتلع ريقه لا يفسد بإجماع الأمة(البناية شرح الهداية، ج۴ص۴۸، ۴۹، كتاب الصوم،ابتلاع الصائم الشىء اليسير)

[1] (وَأَكَلَ مِثْلَ سِمْسِمَةٍ مِنْ خَارِجٍ (يُفْطِرُ) وَيُكَفِّرُ فِي الْأَصَحِّ (إلَّا إذَا مَضَغَ بِحَيْثُ تَلَاشَتْ فِي فَمِهِ) إلَّا أَنْ يَجِدَ الطَّعْمَ فِي حَلْقِهِ كَمَا مَرَّ وَاسْتَحْسَنَهُ الْكَمَالُ قَائِلًا وَهُوَ الْأَصْلُ فِي كُلِّ قَلِيلٍ مَضَغَهُ(الدر المختار)

(قَوْلُهُ :إلَّا إذَا مَضَغَ إلَخْ) ؛ لِأَنَّهَا تَلْتَصِقُ بِأَسْنَانِهِ فَلَا يَصِلُ إلَى جَوْفِهِ شَيْءٌ وَيَصِيرُ تَابِعًا لِرِيقِهِ مِعْرَاجٌ (قَوْلُهُ :كَمَا مَرَّ) أَيْ عِنْدَ قَوْلِهِ أَوْ خَرَجَ دَمٌ مِنْ بَيْنِ أَسْنَانِهِ(قَوْلُهُ :وَهُوَ) أَيْ وُجُودُ الطَّعْمِ فِي الْحَلْقِ (قَوْلُهُ :فِي كُلِّ قَلِيلٍ) فِي بَعْضِ النُّسَخِ فِي كُلِّ شَيْءٍ وَالْأُولَى أَوْلَى وَهِيَ الْمُوَافِقَةُ لِعِبَارَةِ الْكَمَالِ(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص۴۱۵،كِتَابُ الصَّوْمِ،بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

(قوله ثم أكله ينبغي أن يفسد صومه) المتبادر من لفظ أكل المضغ والابتلاع أو الأعم من ذلك ومن مجرد الابتلاع فيفيد حينئذ خلاف ما فى شرح الكنز أنه إذا مضغ ما أدخله وهو دون الحمصة لا يفطره لكن تشبيهه بما روى عن محمد من الفساد فى ابتلاع سمسمة بين أسنانه وعدمه إذا مضغها يوجب أن المراد بالأكل الابتلاع فقط وإلا لم يصح إعطاء النظير وفى الكافى فى السمسمة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۵...... اگرکسی نے چینی، گڑ، شکر یا مصری کی ڈلی وغیرہ (مثلاً ٹافی، چیونگم) کو منہ میں ڈال کر چوسا، اور اس سے پیدا شدہ لعاب کو پیٹ میں لے گیا، اور اس کو روزہ یاد تھا، تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال إن مضغها لا يفسد إلا أن يجد طعمه فى حلقه وهذا حسن جدا فليكن الأصل فى كل قليل مضغه .ا هـ .فتح وأيضا إذا ابتلع السمسمة حتى فسد هل تجب الكفارة قيل لا والمختار وجوبها لأنها من جنس ما يتغذى به وهو رواية محمد انتهى فتح (قوله ينبغى أن يفسد صومه) أى لإمكان الاحتراز عنه وبالقياس على ما روى عن محمد فى السمسمة انتهى دراية (قوله ولو مضغها لا يفسد) وكذا لو مضغ حبة حنطة لا يفسد صومه لأنها تلتزق بأسنانه فلا يصل إلى جوفه شىء .ا هـ . كاكى(حاشية الشِّلْبِيِّ على التبيين، ج ا ص ۳۲۵، كتاب الصوم، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

بِخِلَافِ مَا لَوْ مَضَغَهَا حَيْثُ لَا يُفْسِدُ؛ لِأَنَّهَا تَتَلَاشَى إلَّا إذَا كَانَ قَدْرَ الْحِمَّصَةِ فَإِنَّ صَوْمَهُ يَفْسُدُ، وَفِي الْكَافِي فِي السِّمْسِمَةِ قَالَ إنْ مَضَغَهَا لَا يَفْسُدُ إلَّا إنْ وَجَدَ طَعْمَهَا فِي حَلْقِهِ قَالَ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ، وَهَذَا حَسَنٌ جِدًّا فَلْيَكُنْ الْأَصْلُ فِي كُلِّ قَلِيلٍ مَضَغَهُ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ص ۴۹۴، كِتَابُ الصَّوْمِ،بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

(قَوْلُهُ :لَا إنْ مَضَغَ قَمْحَةً لِلتَّلَاشِي) أَيْ لَا تَجِبُ الْكَفَّارَةُ بِذَلِكَ، وَأَمَّا الْفَسَادُ فَهُوَ ثَابِتٌ لَوْ وَجَدَ طَعْمَهَا فِي حَلْقِهِ عَلَى مَا مَرَّ عَنْ الْكَافِي وَالْفَتْحِ(منحة الخالق على هامش البحر الرائق، ج۲،ص ۲۹۶، كِتَابُ الصَّوْمِ،بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

"و "منه "أكل "حب "الحنطة وقضمها "لما ذكرنا "إلا أن يمضغ قمحة "أو قدرها من جنس ما يوجب الكفارة "فتلاشت "واستهلكت بالمضغ فلم يجد لها طعما فلا كفارة ولا فساد لصومه كما قدمناه(مراقى الفلاح شرح نورالايضاح ص۲۴۸، باب ما يفسد الصوم وتجب به الكفارة مع القضاء)

(وَإِنْ مَضَغَهَا فَلَا)لِأَنَّهَا تَتَلَاشَى فِي فَمِهِ إلَّا إذَا وَجَدَ طَعْمَهَا فَفَسَدَ (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ا ص۲۴۷، كِتَابُ الصَّوْمِ،بَابُ مُوجِبِ الْفَسَادِ)

وإذا ابتلع سمسمة كانت بين أسنانه لا يفسد صومه، وإن تناولها من الخارج إن مضغها لا يفسد صومه، إلا أن يجد طعمه فى حلقه، وإذا مص إهليلجة يابسة، ولم يدخل عينها فى جوفه لا يفسد صومه، ولو فعل هذا بالفانيد أو السكر يفسد صومه(المحيط البرهانى، ج۲ص ۳۸۴، كتاب الصوم،الفصل الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد صومه)

[1] ولو مص سكرا حتى وصل الماء حلقه فعليه الكفارة كذا فى محيط السرخسى(الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص۲۰۳، كتاب الصوم، الباب الاول، النوع الاول)

وَفِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ وَالظَّهِيرِيَّةِ :وَلَوْ مَصَّ الْهَلِيلَجَ وَجَعَلَ يَمْضُغُهَا فَدَخَلَ الْبُزَاقُ حَلْقَهُ، وَلَا يَدْخُلُ عَيْنُهَا فِي جَوْفِهِ لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ فَإِنْ فَعَلَ هَذَا بِالْفَانِيدِ أَوْ السُّكَّرِ يَلْزَمُهُ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲،ص ۲۹۴، كِتَابُ الصَّوْمِ،بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

الصائم اذا مص سكرة فى رمضان متعمدا حتى دخل الماء حلقه كان عليه القضاء والكفارة ،لان السكر مما يؤكل كذلک عادة (كتاب التجنيس والمزيد لصاحب الهداية، ج۲ص ۳۹۳، كتاب الصوم)

مسئلہ نمبر۱۶...... اگر کوئی سوئی میں دھاگہ ڈالنے کے لئے اس کے کنارہ کو منہ میں ڈال کر نرم وباریک کرے، اور پھر اس کو منہ سے باہر نکال کر دوبارہ یہی عمل دہرائے، اور دھاگہ سے رنگ چھوٹ کر منہ میں شامل نہ ہو، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگرچہ دھاگے کے سِرے پر تھوک کی علامت کیوں نہ ظاہر ہو۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۷...... اگر کسی نے کوئی رنگ دار دھاگہ یا کوئی دوسری رنگ دار چیز (مثلاً قلم کا کنارہ) منہ میں داخل کی، جس سے تھوک کا رنگ واضح طور پر تبدیل ہوگیا (یعنی تھوک پر اُس کا رنگ غالب آ گیا) اور پھر اس نے اس تھوک کو نگل لیا، اور اس کو روزہ یاد تھا، تو اس کا روزہ

---

[1] وَإِنْ فَتَلَ الْخَيَّاطُ الْخَيْطَ وَبَلَّهُ بِرِيقِهِ ثُمَّ أَمَرَّهُ ثَانِيًا وَثَالِثًا فِي فِيهِ وَابْتَلَعَ ذَلِكَ الرِّيقَ فَسَدَ صَوْمُهُ وَصَارَ كَمَا إذَا أَخْرَجَ رِيقَهُ ثُمَّ ابْتَلَعَهُ وَلَوْ سَالَ لُعَابُ الصَّائِمِ إلَى ذَقَنِهِ وَهُوَ نَائِمٌ أَوْ غَيْرُ نَائِمٍ فَابْتَلَعَهُ قَبْلَ أَنْ يَنْقَطِعَ لَا يُفْطِرُ (الجوهرة النيرة، ج١ ص ١٤١، كِتَابُ الصَّوْمِ)

وإذا فتل خيطاً، أو سلكاً، فبله ببزاقه، ثم أدخله في فمه ثم أخرجه، وفعل كذلك مراراً لا يفسد صومه (المحيط البرهاني، ج٢ ص٣٨٥، الفصل الرابع فيما يفسد الصوم ومالايفسد صومه)

(لَمْ يُفْطِرْ) جَوَابُ الشَّرْطِ وَكَذَا لَوْ فَتَلَ الْخَيْطَ بِبُزَاقِهِ مِرَارًا وَإِنْ بَقِيَ فِيهِ عَقْدُ الْبُزَاقِ إلَّا أَنْ يَكُونَ مَصْبُوغًا وَظَهَرَ لَوْنُهُ فِي رِيقِهِ وَابْتَلَعَهُ ذَاكِرًا وَنَظَمَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ فَقَالَ: مُكَرِّرُ بَلِّ الْخَيْطِ بِالرِّيقِ فَاتِلًا ... بِإِدْخَالِهِ فِي فِيهِ لَا يَتَضَرَّرُ. وَعَنْ بَعْضِهِمْ: إنْ يَبْلَعُ الرِّيقَ بَعْدَ ذَا يَضُرُّ ... كَصِبْغٍ لَوْنُهُ فِيهِ يَظْهَرُ (الدرالمختار)

(قَوْلُهُ: وَكَذَا لَوْ فَتَلَ الْخَيْطَ بِبُزَاقِهِ مِرَارًا إلَخْ) يَعْنِي إذَا أَرَادَ فَتْلَ الْخَيْطِ وَبَلَّهُ بِبُزَاقِهِ وَأَدْخَلَهُ فِي فَمِهِ مِرَارًا لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ وَإِنْ بَقِيَ فِي الْخَيْطِ عَقْدُ الْبُزَاقِ وَفِي النَّظْمِ للزندوستى أَنَّهُ يَفْسُدُ كَذَا فِي الْقُنْيَةِ. وَحَكَى الْأَوَّلَ فِي الظَّهِيرِيَّةِ عَنْ شَمْسِ الْأَئِمَّةِ الْحَلْوَانِيِّ ثُمَّ قَالَ: وَذَكَرَ الزَّنْدَوَسْتِيُّ إذَا فَتَلَ السِّلْكَةَ وَبَلَّهَا بِرِيقِهِ ثُمَّ أَمَرَّهَا ثَانِيًا فِي فَمِهِ ثُمَّ ابْتَلَعَ ذَلِكَ الْبُزَاقَ فَسَدَ صَوْمُهُ. اهـ. ثُمَّ لَا يَخْفَى أَنَّ الْمَحْكِيَّ عَنْ شَمْسِ الْأَئِمَّةِ مُقَيَّدٌ بِمَا إذَا ابْتَلَعَ الْبُزَاقَ وَإِلَّا فَلَا فَائِدَةَ فِي التَّنْبِيهِ عَلَى أَنَّهُ لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ فَهُوَ مَحْمُولٌ عَلَى مَا صَرَّحَ بِهِ فِي النَّظْمِ فَكَانَ مُرَادُ صَاحِبِ الظَّهِيرِيَّةِ أَنَّ ذَلِكَ الْمُطْلَقَ مَحْمُولٌ عَلَى هَذَا الْمُقَيَّدِ فَهُمَا مَسْأَلَةٌ وَاحِدَةٌ خِلَافًا لِمَا اسْتَظْهَرَهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ مِنْ أَنَّهُمَا مَسْأَلَتَانِ بِحَمْلِ الْأُولَى عَلَى مَا إذَا لَمْ يَبْتَلِعْ الْبُزَاقَ وَالثَّانِيَةِ عَلَى مَا إذَا ابْتَلَعَهُ إذْ لَا يَبْقَى خِلَافٌ حِينَئِذٍ أَصْلًا كَمَا لَا يَخْفَى وَهُوَ خِلَافُ الْمَفْهُومِ مِنْ الْقُنْيَةِ وَالظَّهِيرِيَّةِ (قَوْلُهُ: مُكَرِّرٌ) مُبْتَدَأٌ وَقَوْلُهُ بِالرِّيقِ مُتَعَلِّقٌ بِبَلِّ وَقَوْلُهُ بِإِدْخَالِهِ مُتَعَلِّقٌ بِخَبَرِ الْمُبْتَدَأِ الَّذِي هُوَ قَوْلُهُ لَا يَتَضَرَّرُ وَوَجْهُهُ أَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الرِّيقِ عَلَى فَمِهِ إذَا لَمْ يَتَقَطَّعْ كَمَا فِي شَرْحِ الشُّرُنْبُلَالِيِّ ط (قَوْلُهُ: بَعْدَ ذَا) أَيْ بَعْدَ تَكْرَارِ إدْخَالِهِ فِي فِيهِ (قَوْلُهُ: يَضُرُّ) أَيْ الصَّوْمَ وَيُفْسِدُهُ؛ لِأَنَّ إخْرَاجَهُ بِمَنْزِلِهِ انْقِطَاعِ الْبُزَاقِ الْمُتَدَلِّي كَذَا فِي شَرْحِ الشُّرُنْبُلَالِيِّ ط (قَوْلُهُ: كَصِبْغٍ) أَيْ كَمَا يَضُرُّ ابْتِلَاعُ الصِّبْغِ وَهَذَا مِمَّا لَا خِلَافَ فِيهِ (وَقَوْلُهُ لَوْنُهُ) أَيْ الصِّبْغِ (وَفِيهِ) أَيْ الرِّيقِ مُتَعَلِّقٌ بِيَظْهَرُ ط (ردالمحتار، ج٢ ص٤٠٠، ٤٠١، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

ٹوٹ جائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۸...... اگر کسی نے منہ میں ہڑ، یا اسی طرح کی دوسری سخت چیز کو رکھ کر چوسا، لیکن اس کے اجزاء تھوک کے ساتھ شامل نہیں ہوئے، تو منہ میں پیدا شدہ پانی اور تھوک کے نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ [2]

---

[1] فی صوم شمس الأئمة الحلوانی؛ الصائم إذا عمل عمل الإبریسم، فأدخل الإبریسم فی فمه، فخرجت به خضرة الصبغ، أو صفرية، أو حمرية، واختلطت بالريق، فصار الريق أخضراً أو أحمراً أو أصفراً، فيبلع هذا الريق، وهو ذاكر لصومه فسد صومه(المحيط البرهانی، ج۲ص۳۸۵، الفصل الرابع فیما یفسد الصوم ومالا)

صَائِمٌ عَمِلَ عَمَلَ الْإِبْرَيْسَمِ فَأَدْخَلَ الْإِبْرَيْسَمِ فِي فِيهِ وَخَرَجَتْ مِنْهُ خُضْرَةُ الصِّبْغِ أَوْ صُفْرَتُهُ أَوْ حُمْرَتُهُ وَاخْتَلَطَ بِالرِّيقِ فَصَارَ الرِّيقُ أَخْضَرَ أَوْ أَصْفَرَ أَوْ أَحْمَرَ فَابْتَلَعَهُ، وَهُوَ ذَاكِرٌ صَوْمَهُ فَسَدَ صَوْمُهُ هَكَذَا فِي الْخُلَاصَةِ(الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۲۰۳، كتاب الصوم،الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد،النوع الأول ما يوجب القضاء دون الكفارة)

وَكَذَا لَوْ فَتَلَ الْخَيْطَ بِبُزَاقِهِ مِرَارًا وَإِنْ بَقِيَ فِيهِ عَقْدُ الْبُزَاقِ إلَّا أَنْ يَكُونَ مَصْبُوغًا وَظَهَرَ لَوْنُهُ فِي رِيقِهِ وَابْتَلَعَهُ ذَاكِرًا وَنَظَمَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ فَقَالَ:مُكَرِّرُ بَلَّ الْخَيْطِ بِالرِّيقِ فَاتِلًا ...بِإِدْخَالِهِ فِي فِيهِ لَا يَتَضَرَّرُ وَعَنْ بَعْضِهِمْ :إنْ يَبْلَعُ الرِّيقَ بَعْدَ ذَا يَضُرُّ كَصِبْغٍ لَوْنُهُ فِيهِ يَظْهَرُ(الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۲ص ۴۰۰، ۴۰۱، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

[2] وَلَوْ مَصَّ إهْلِيلَجَةً فَدَخَلَ الْمَاءُ حَلْقَهُ؟ قَالَ :لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ ذَكَرَهُ فِي الْفَتَاوَى(بدائع الصنائع، ج۲ص ۹۹، فصل حكم فساد الصوم)

وَفِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ وَالظَّهِيرِيَّةِ :وَلَوْ مَصَّ الْهِلَيلَجَ وَجَعَلَ يَمْضُغُهَا فَدَخَلَ الْبُزَاقُ حَلْقَهُ، وَلَا يَدْخُلُ عَيْنُهَا فِي جَوْفِهِ لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ فَإِنْ فَعَلَ هَذَا بِالْفَانِيذِ أَوْ السُّكَّرِ يَلْزَمُهُ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲،ص ۲۹۴ ،كِتَابُ الصَّوْمِ،بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

ولو مص الهليلج فدخل البزاق حلقه لم يفسد ما لم يدخل عينه كذا فی الظهيرية(الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص ۲۰۳، كتاب الصوم، الباب الاول، النوع الاول)

(الإهليلج)شجر ينبت فی الهند و كابل و الصين ثمره على هيئة حب الصنوبر الكبار(المعجم الوسيط، باب الهمزة)

قال ابن الأَعرابیّ :وليس فی الكلامِ إِفْعِيِل -بالكسر -ولكن إِفْعِيلَل مثل إِهلِيلَج وإِبْرِيسَم وإِطْرِيفَل " -ثَمَرٌ م "أَی معروفٌ وهو على أَقسامٍ " .منه أَصْفرُ ومنه أَسودُ وهو البالِغُ النَّضيجُ ومنه كابِلِیٌّ " .وله منافِعُ جَمَّةٌ ذَكرَها الأَطبَّاءُ فی كُتبهم منها أَنه "يَنْفَعُ من الخوانِيقِ ويَحفَظ العَقْلَ ويُزِيل الصُّداعَ "باستعماله مُرَبّىً "وهو فی المَعِدة كالكَذْبانُونَةِ "بفتح فسكون "فی البيتِ وهی المَرْأَة العاقِلةُ المُدَبِّرة "تَترُكُ البَيتَ فی غايةِ الصَّلاحِ فكذلك هذا الدَّواءُ للدِّماغِ والمَعدة (تاج العروس، مادة هلج)

مسئلہ نمبر۱۹...... اگر روزہ دار کو روزہ شروع کرنے سے پہلے کھائی ہوئی غذا یا دوا، پان یا سگریٹ کا صرف رنگ یا ذائقہ منہ میں محسوس ہو، تو اُس سے روزے پر فرق نہیں پڑتا، تاہم روزہ شروع کرنے سے پہلے کلی اور منہ کی صفائی کر لینا مناسب ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲۰...... آنکھ سے نکلنے والے آنسو یا پیشانی ورخسار پر آنے والا پسینہ اگر پیٹ میں لے جائے، تو وہ اگر تھوڑی مقدار میں ہو، مثلاً ایک دو قطرے، تو اس سے دفعِ حرج کی وجہ سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، البتہ اگر زیادہ مقدار میں ہو، جس کا ذائقہ پورے منہ میں واضح طور پر محسوس ہو، تو اس کو پیٹ میں لے جانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۲۱...... منہ میں پیدا ہونے والے تھوک اور گفتگو کے دوران ہونٹوں پر پیدا شدہ اور موجود تھوک کو نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگرچہ اس کا ذائقہ محسوس ہو، لیکن اگر منہ کا تھوک باہر نکال لیا، اور وہ منہ سے جدا ہو گیا، پھر اس کو دوبارہ منہ میں لے جا کر نگل لیا، تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح کسی دوسرے کا تھوک نگل لینے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ [3]

---

[1] (قَوْلُهُ : كَطَعْمِ أَدْوِيَةٍ) أَيْ لَوْ دَقَّ دَوَاءً فَوَجَدَ طَعْمَهُ فِي حَلْقِهِ زَيْلَعِيٌّ وَغَيْرُهُ .وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ طَعْمُ الْأَدْوِيَةِ وَرِيحُ الْعِطْرِ إذَا وَجَدَ فِي حَلْقِهِ لَمْ يُفْطِرْ كَمَا فِي الْمُحِيطِ (ردالمحتار، ج۲ص ۳۹۶، باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

[2] الدُّمُوعُ إذَا دَخَلَتْ فَمَ الصَّائِمِ إنْ كَانَ قَلِيلًا كَالْقَطْرَةِ وَالْقَطْرَتَيْنِ أَوْ نَحْوِهَا لَا يُفْسِدُ صَوْمَهُ، وَإِنْ كَانَ كَثِيرًا حَتَّى وَجَدَ مُلُوحَتَهُ فِي جَمِيعِ فَمِهِ، وَاجْتَمَعَ شَيْءٌ كَثِيرٌ فَابْتَلَعَهُ يُفْسِدُ صَوْمَهُ، وَكَذَا عَرَقُ الْوَجْهِ إذَا دَخَلَ فَمَ الصَّائِمِ كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ(الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص ۲۰۳، کتاب الصوم، الباب الرابع، النوع الاول)

[3] اگر تھوک منہ سے تو خارج ہو گیا، لیکن وہ دھاگہ اور رال کی طرح لٹکا رہا، اور پھر اس کو منہ میں کھینچ کر دوبارہ نگل لیا، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

وإذا وضع البزاق على كفه، ثم ابتلعه فسد صومه بالاتفاق، وإن كان البزاق شيئاً ، فيدلى من فمه لكن لم يزايل فمه، ثم ابتلعه لم يفسد صومه، فی صوم شمس الأئمة الحلوانی، وعن الفقيه أبو جعفر أنه إذا أخرج البزاق على شفتيه، ثم ابتلعه فسد صومه .في المنتقى :الحسن بن أبی مالک عن أبی يوسف قال :البزاق إذا خرج من الفم ثم رجع إلى فمه، فدخل حلقه، وقد بان من الفم، أو لم يبن، فإن كان ذلک قدر ما إذا أصاب الصائم فطره، فإنه يفطره، وإذا ابتلع بزاق غيره فسد صومه من غير كفارة، إلا إذا كان بزاق صديقه، فحينئذٍ تلزمه الكفارة؛ لأن الناس قلما يعافون بزاق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۲...... ہونٹ، زبان یا دانت پر بوقتِ ضرورت کوئی دوا لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، بشرطیکہ اس دوا کو پیٹ کے اندر نہ لے جائے۔ [1]

لیکن بلاضرورت ایسا کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے، تاکہ کسی چیز کے پیٹ میں چلے جانے سے روزہ خطرے میں نہ پڑے۔

مسئلہ نمبر۲۳...... دانت نکلوانے یا لگوانے یا دانتوں کی صفائی کروانے یا منہ میں دوائی کی کلی کرنے یا مسوڑھوں میں ٹیکہ لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، بشرطیکہ کوئی دوا وغیرہ پیٹ میں داخل نہ ہو، البتہ روزہ کی حالت میں بلاضرورت ایسا کرنے سے پرہیز مناسب ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أصدقائهم(المحيط البرهاني، ج٢ص ٣٨٣، ٣٨٤، الفصل الرابع فيما يفسد الصوم ومالايفسد صومه)

وَلَوْ خَرَجَ رِيقُهُ مِنْ فَمِهِ فَأَدْخَلَهُ وَابْتَلَعَهُ إنْ كَانَ لَمْ يَنْقَطِعْ مِنْ فِيهِ بَلْ مُتَّصِلٌ بِمَا فِي فِيهِ كَالْخَيْطِ فَاسْتَشْرَبَهُ لَمْ يُفْطِرْ وَإِنْ كَانَ انْقَطَعَ وَأَخَذَهُ وَأَعَادَهُ أَفْطَرَ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ كَمَا لَوْ ابْتَلَعَ رِيقَ غَيْرِهِ.وَفِي الْكَنْزِ لَوْ ابْتَلَعَ بُزَاقَ صَدِيقِهِ كَفَّرَ، وَلَوْ اجْتَمَعَ الرِّيقُ فِي فِيهِ ثُمَّ ابْتَلَعَهُ يُكْرَهُ وَلَا يُفْطِرُ.وَلَوْ تَغَيَّرَ رِيقُ الْخَيَّاطِ بِخَيْطٍ مَصْبُوغٍ وَابْتَلَعَهُ إنْ صَارَ رِيقُهُ مِثْلَ صَبْغِ الْخَيْطِ فَسَدَ وَإِلَّا لَا .وَلَوْ تَرَطَّبَ شَفَتَاهُ بِالْبُزَاقِ عِنْدَ الْكَلَامِ وَنَحْوِهِ فَابْتَلَعَهُ لَا يُفْطِرُ(مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج١ ص٢٤٦، كِتَابُ الصَّوْمِ،بَابُ مُوجَبِ الْفَسَادِ)

[1] عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَابِسٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ :إذَا كَانَ أَحَدُكُمْ صَائِمًا ، فَلْيَدَّهِنْ حَتَّى لاَ يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ صَوْمِهِ ، وَإِذَا بَزَقَ فَلْيَسْتُرْ بُزَاقَهُ ، وَأَشَارَ يَزِيدُ بِيَدِهِ كَأَنَّهُ يُغَطِّي بِهَا فَاهُ(مصنف ابنِ شيبة، رقم الحديث ٩٨٤٨)

عَنْ هِلاَلِ بْنِ يَسَافٍ ، قَالَ :قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ :إذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلْيَدَّهِنْ شَفَتَيْهِ(مصنف ابنِ شيبة، رقم الحديث ٩٨٤٩)

عَنْ مَسْرُوقٍ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ، قَالَ :إذَا أَصْبَحْتُمْ صِيَامًا فَأَصْبِحُوا مُدَّهِنِينَ(مصنف ابنِ شيبة، رقم الحديث ٩٨٥٠)

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُبَارَكٍ ، عَنِ الأَوْزَاعِيِّ ، قَالَ :لاَ بَأْسَ أَنْ يُدَاوِيَ الصَّائِمُ لِثَتَهُ (مُصنف ابن أبي شيبة،رقم الحديث ٩٣٧٥،باب في الصائم يُدَاوِي حَلْقَهُ بِالْحُضُضِ)

عَنْ هِشَامٍ ، عَنِ الْحَسَنِ ؛ فِي الرَّجُلِ يَكُونُ بِفِيهِ الْجُرْحُ وَالْعِلَّةُ ، قَالَ :لاَ بَأْسَ أَنْ يَضَعَ عَلَيْهِ الْحُضَضَ وَأَشْبَاهَهُ مِنَ الدَّوَاءِ (مُصنف ابن أبي شيبة،رقم الحديث ٩٣٧٦،باب في الصائم يُدَاوِي حَلْقَهُ بِالْحُضُضِ)

عَنِ ابْنِ سِيرِينَ ؛ فِي رَجُلٍ أَصَابَهُ سُلاَقٌ فِي شَفَتَيْهِ ، قَالَ :لاَ بَأْسَ بِالْحُضُضِ(مُصنف ابن أبي شيبة،رقم الحديث ٩٣٧٧،باب في الصائم يُدَاوِي حَلْقَهُ بِالْحُضُضِ)

وإذا أوجر فما دام في فمه لا يفسد صومه، وإذا أوصل إلى الجوف يفسد صومه(المحيط البرهاني ، ج٢،ص٣٨٣،كتاب الصوم،الفصل الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد صومه)

اور مذکورہ صورت میں دانتوں ومسوڑھوں سے نکلنے والا خون پیٹ میں داخل ہو جائے، تو اگر وہ تھوک کے مقابلہ میں کم مقدار میں ہو، جس کا حلق میں ذائقہ محسوس نہ ہو، تو اکثر مشائخ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا، جس کی تفصیل پہلے مسئلہ نمبر بارہ کے ذیل میں گزری۔ [1]

---

[1] وإذا أوجر فما دام فی فمه لا يفسد صومه، وإذا أوصل إلى الجوف يفسد صومه(المحيط البرهانی ، ج۲،ص۳۸۳،کتاب الصوم،الفصل الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد صومه)

بعد اطلاعه على البحوث المقدمة فی موضوع المفطرات فی مجال التداوی، والدراسات والبحوث والتوصيات الصادرة عن الندوة الفقهية الطبية التاسعة التی عقدتها المنظمة الإسلامية للعلوم الطبية، بالتعاون مع المجمع وجهات أخرى، فی الدار البيضاء بالمملكة المغربية، فی الفترة من ۹إلى ۱۲ صفر۱۴۱۸ھ (الموافق ۱۴۔۱۷ یونیو۱۹۹۷م) ، واستماعه للمناقشات التی دارت حول الموضوع بمشاركة الفقهاء والأطباء ، والنظر فی الأدلة من الكتاب والسنة، وفی كلام الفقهاء .قرر ما يلی:أولاً :الأمور الآتية لا تعتبر من المفطرات:............

(۲)حفر السن، أو قلع الضرس، أو تنظيف الأسنان، أو السواک وفرشاة الأسنان، إذا اجتنب ابتلاع ما نفذ إلى الحلق.

(۷)المضمضة، والغرغرة، وبخاخ العلاج الموضعی للفم، إذا اجتنب ابتلاع ما نفذ إلى الحلق(مجلة مجمع الفقه الاسلامی، ج۱۰ ص۱۳ ۹، المفطرات فی ضوء الطب الحديث)

(أَوْ خَرَجَ الدَّمُ مِنْ بَيْنِ أَسْنَانِهِ وَدَخَلَ حَلْقَهُ) يَعْنِی وَلَمْ يَصِلْ إلَى جَوْفِهِ أَمَّا إذَا وَصَلَ فَإِنْ غَلَبَ الدَّمُ أَوْ تَسَاوَيَا فَسَدَ وَإِلَّا لَا، إلَّا إذَا وَجَدَ طَعْمَهُ بَزَّازِيَّةٌ وَاسْتَحْسَنَهُ الْمُصَنِّفُ وَهُوَ مَا عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ وَسَيَجِیءُ (الدرالمختار)

(قَوْلُهُ :يَعْنِی وَلَمْ يَصِلْ إلَى جَوْفِهِ) ظَاهِرُ إطْلَاقِ الْمَتْنِ أَنَّهُ لَا يُفْطِرُ وَإِنْ كَانَ الدَّمُ غَالِبًا عَلَى الرِّيقِ وَصَحَّحَهُ فِی الْوَجِيزِ كَمَا فِی السِّرَاجِ وَقَالَ :وَوَجْهُهُ أَنَّهُ لَا يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ عَادَةً فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ مَا بَيْنَ أَسْنَانِهِ وَمَا يَبْقَى مِنْ أَثَرِ الْمَضْمَضَةِ كَذَا فِی إيضَاحِ الصَّيْرَفِيِّ .اهـ .وَلَمَّا كَانَ هَذَا الْقَوْلُ خِلَافَ مَا عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ مِنْ التَّفْصِيلِ حَاوَلَ الشَّارِحُ تَبَعًا لِلْمُصَنِّفِ فِی شَرْحِهِ بِحَمْلِ كَلَامِ الْمَتْنِ عَلَى مَا إذَا لَمْ يَصِلْ إلَى جَوْفِهِ؛ لِئَلَّا يُخَالِفَ مَا عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ .قُلْت :وَمِنْ هَذَا يُعْلَمُ حُكْمُ مَنْ قَلَعَ ضِرْسَهُ فِی رَمَضَانَ وَدَخَلَ الدَّمُ إلَى جَوْفِهِ فِی النَّهَارِ وَلَوْ نَائِمًا فَيَجِبُ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ إلَّا أَنْ يُفَرَّقَ بِعَدَمِ إمْكَانِ التَّحَرُّزِ عَنْهُ فَيَكُونُ كَالْقَیْءِ الَّذِی عَادَ بِنَفْسِهِ فَلْيُرَاجَعْ (قَوْلُهُ :وَاسْتَحْسَنَهُ الْمُصَنِّفُ) أَیْ تَبَعًا لِشَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ حَيْثُ قَالَ فِيهِ وَفِی الْبَزَّازِيَّةِ قَيَّدَ عَدَمَ الْفَسَادِ فِی صُورَةِ غَلَبَةِ الْبُصَاقِ بِمَا إذَا لَمْ يَجِدْ طَعْمَهُ وَهُوَ حَسَنٌ . اهـ .(قَوْلُهُ :هُوَ مَا عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ) أَیْ مَا ذُكِرَ مِنْ التَّفْصِيلِ بَيْنَ مَا إذَا غَلَبَ الدَّمُ أَوْ تَسَاوَيَا أَوْ غَلَبَ الْبُصَاقُ هُوَ مَا عَلَيْهِ أَكْثَرُ الْمَشَايِخِ كَمَا فِی النَّهْرِ (قَوْلُهُ :وَسَيَجِیءُ) أَیْ مَا اسْتَحْسَنَهُ الْمُصَنِّفُ حَيْثُ يَقُولُ :وَأَكْلُ مِثْلِ سِمْسِمَةٍ مِنْ خَارِجٍ يُفْطِرُ إلَّا إذَا مَضَغَ بِحَيْثُ تَلَاشَتْ فِی فَمِهِ إلَّا أَنْ يَجِدَ الطَّعْمَ فِی حَلْقِهِ اهـ .وَلَا يَخْفَى مَا فِی كَلَامِهِ مِنْ تَشْتِيتِ الضَّمَائِرِ كَمَا عَلِمْت(ردالمحتار، ج۲ص۳۹۶،۳۹۷، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

مسئلہ نمبر۲۴...... دل کی اچانک تکلیف کے لئے ایک مخصوص گولی ایجاد کی گئی ہے، جس کو مریض زبان کے نیچے رکھ لیتا ہے، اور وہ مسامات کے ذریعہ سے مخصوص رگوں اور پٹھوں میں جذب ہوجاتی ہے، اگر کسی شخص کو روزہ کی حالت میں اس گولی کو استعمال کرنے کی ضرورت پیش آجائے، اور وہ احتیاط کے ساتھ اس گولی کو زبان کے نیچے رکھ لے، اور اس سے پیدا ہونے والے لعاب کو پیٹ میں لے جانے سے بچنے کا اہتمام کرے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [1]

---

[1] وَلَوْ مَصَّ إِهْلِيلَجَةً فَدَخَلَ الْمَاءُ حَلْقَهُ؟ قَالَ :لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ ذَكَرَهُ فِي الْفَتَاوَى(بدائع الصنائع، ج۲ص ۹۹، فصل حكم فساد الصوم)

(قَوْلُهُ :وَمَصِّ إِهْلِيلَجٍ) أَيْ بِأَنْ مَضَغَهَا فَدَخَلَ الْبُصَاقُ حَلْقَهُ وَلَا يَدْخُلُ مِنْ عَيْنِهَا فِي جَوْفِهِ لَا يُفْسِدُ صَوْمَهُ كَمَا فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ وَغَيْرِهَا وَفِي الْمُغْرِبِ الْهَلِيلَجُ مَعْرُوفٌ عَنْ اللَّيْثِ، وَكَذَا فِي الْقَانُونِ وَعَنْ أَبِي عُبَيْدٍ الْإِهْلِيلَجَةُ بِكَسْرِ اللَّامِ الْأَخِيرَةِ وَلَا تَقُلْ هَلِيلَجَةٌ وَكَذَا قَالَ الْفَرَّاءُ .اهـ(رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۳۹۶، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

فَالْمُرَادُ بِالْمَصِّ اسْتِخْرَاجُ مَائِيَّةِ الْجَامِدِ بِالْفَمِ وَإِيصَالُهَا إِلَى الْجَوْفِ(رد المحتار على الدر المختار، ج۳، ص۶۶۷)

بعد اطلاعه على البحوث المقدمة فى موضوع المفطرات فى مجال التداوى، والدراسات والبحوث والتوصيات الصادرة عن الندوة الفقهية الطبية التاسعة التى عقدتها المنظمة الإسلامية للعلوم الطبية، بالتعاون مع المجمع وجهات أخرى، فى الدار البيضاء بالمملكة المغربية، فى الفترة من ۹إلى ۱۲ صفر۱۴۱۸ھ (الموافق ۱۴-۱۷ ايونيو۱۹۹۷م) ، واستماعه للمناقشات التى دارت حول الموضوع بمشاركة الفقهاء والأطباء ، والنظر فى الأدلة من الكتاب والسنة، وفى كلام الفقهاء .قرر ما يلى:أولاً :الأمور الآتية لا تعتبر من المفطرات:

(۱) قطرة العين، أو قطرة الأذن، أو غسول الأذن، أو قطرة الأنف، أو بخاخ الأنف، إذا اجتنب ابتلاع ما نفذ إلى الحلق.

(۱)الأقراص العلاجية التى توضع تحت اللسان لعلاج الذبحة الصدرية وغيرها، إذا اجتنب ابتلاع ما نفذ إلى الحلق(مجلة مجمع الفقه الاسلامى، ج۱۰ ص۹۱۳، المفطرات فى ضوء الطب الحديث)

المسألة الثانية :الأقراص التى توضع تحت اللسان:التعريف بها :هى أقراص توضع تحت اللسان لعلاج بعض الأزمات القلبية، وهى تمتص مباشرة بعد وضعها بوقت قصير، ويحملها الدم إلى القلب، فتوقف أزماته المفاجئة، ولا يدخل إلى الجوف شيء من هذه الأقراص.

حكمها :هذه الأقراص لا تفطر الصائم؛ لأنه لا يدخل منها شيء إلى الجوف، بل تمتص فى الفم كما سبق.وأيضاً ليست هذه الأقراص أكلاً ولا شرباً ولا فى معناهما .(مفطرات الصيام المعاصرة،الباب الثانى :المفطرات المعاصرة،الفصل الأول :المفطرات المعاصرة الداخلة إلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۵...... خالص آکسیجن جس میں دوا کے اجزاء شامل نہ ہوں، اس کے منہ یا ناک کے ذریعہ سے استعمال کرنے سے روزہ پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، کیونکہ اس کا حکم ہوا کی طرح ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۶...... اگر کوئی چیز منہ کے راستے سے حلق یا پیٹ میں داخل کی گئی، لیکن وہ پوری طرح غائب نہیں ہوئی، بلکہ اس کا ایک حصہ یا سِرا باہر رہا، اور پھر اس کو واپس نکال لیا گیا، تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بدن الصائم،المبحث الأول :مـا يدخل إلى بدن الصائم عبر الفم،لأحمد بن محمد الخليل،الأستاذ المساعد فى قسم الفقه،بجامعة القصيم)

مـضـغ دواء لا يتـحـلـل منه شيء إلى المعدة ، ففى التتارخانية أنه إذا مضغ الإهليلج ، ولم يدخل منه شـيء إلـى المعدة إلا أن الريق المتأثر بالمضغ قطعًا وصل إلى معدته ، أنه لا يفطر(مجلة مجمع الفقه الإسلامى، ج١٠ ص١٠٦١، مقالة:الشيخ محمد المختار السلامى،مفتى الجمهورية التونسية)

بعض ڈاکٹروں نے بتایا کہ یہ دوا لعابِ دہن کے علاوہ حل نہیں ہوسکتی، اور لعابِ دہن پیٹ میں جائے بغیر نہیں رہ سکتا، اس لئے یہ دوا ضرور پیٹ میں جائے گی۔

اس بارے میں ہم اوپر اصولی انداز میں عرض کر چکے ہیں کہ اگر لعابِ دہن منہ سے باہر پھینک دیا جائے، اور صرف مسامات کے ذریعہ سے اس دوا کا اثر ہو، اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر اس سے پیدا شدہ لعابِ دہن کو پیٹ میں لے جائے، تو روزہ ٹوٹ جائے گا، لہٰذا ہماری اصولی بحث اس کے خلاف نہیں ہے۔

[1] بـعـد اطـلاعـه عـلـى البحوث المقدمة فى موضوع المفطرات فى مجال التداوى، والدراسات والبـحـوث والتـوصـيـات الصادرة عن الندوة الفقهية الطبية التاسعة التى عقدتها المنظمة الإسلامية لـلعلوم الطبية، بالتعاون مع المجمع وجهات أخرى، فى الدار البيضاء بالمملكة المغربية، فى الفترة مـن ٩إلى ١٢ صفر١٤١٨هـ (الموافق ١٤-١٧ ايونيو١٩٩٧م) ، واستـمـاعه للمناقشات التى دارت حـول الـمـوضـوع بـمـشـاركة الـفـقـهـاء والأطباء ، والنظر فى الأدلة من الكتاب والسنة، وفى كلام الفقهاء .قرر ما يلى:أولاً :الأمور الآتية لا تعتبر من المفطرات:............

(٩)غاز الأوكسجين(مجلة مجمع الفقه الاسلامى، ج١٠ ص٩١٣، المفطرات)

المسألة الثانية :غاز الأكسجين.

التعريف به :غاز الأكسجين هو هواء يعطى لبعض المرضى، ولا يحتوى على مواد عالقة، أو مغذية، ويذهب معظمه إلى الجهاز التنفسى.

حكمه :لا يـعتبر غاز الأكسجين مفطراً كما هو واضح، فهو كما لو تنفس الهواء الطبيعى (مفطرات الصيام المعاصرة،الباب الثانى :المفطرات المعاصرة،الفصل الأول :المفطرات المعاصرة الداخلة إلـى بـدن الـصـائـم،المبحث الأول :مـا يـدخـل إلـى بـدن الـصـائـم عـبـر الـفـم،لأحمد بن محمد الخليل،الأستاذ المساعد فى قسم الفقه،بجامعة القصيم)

اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بشرطیکہ اس چیز میں سے کوئی چیز جدا ہوکر اندر نہ رہ جائے، کیونکہ جب تک اس چیز کا سرا باہر رہے گا، اور اس میں سے کوئی چیز جدا ہوکر اندر باقی نہیں رہے گی، اس وقت تک کسی چیز کا نگلنا نہیں پایا جائے گا۔

چنانچہ اگر کسی نے لکڑی حلق کے اندر داخل کی، اور اس کا ایک سرا باہر موجود رہا، اور پھر اس کو باہر واپس کھینچ لیا، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

البتہ اگر اس پر کوئی دوا وغیرہ لگا کر اندر داخل کیا، اور دوا کا کچھ حصہ اندر باقی رہ گیا، تو پھر اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ [1]

آج کل بعض لوگوں کے اندرونی نظام کا جائزہ لینے کے لئے خوردبین داخل کی جاتی ہے، اور اس میں نصب تار یا پائپ وغیرہ باہر موجود ہوتا ہے، تو اگر اس پر کوئی دوا وغیرہ لگا کر اندر داخل کیا جائے، تو روزہ فاسد ہوجائے گا، اور اگر وہ خشک ہو، اور اس میں سے کوئی چیز اندر جا کر

---

[1] وَلَوْ طُعِنَ بِرُمْحٍ فَوَصَلَ إِلَى جَوْفِهِ أَوْ إِلَى دِمَاغِهِ فَإِنْ أَخْرَجَهُ مَعَ النَّصْلِ لَمْ يُفْسِدْ وَإِنْ بَقِيَ النَّصْلُ فِيهِ يُفْسِدُ. وَكَذَا قَالُوا فِيمَنْ ابْتَلَعَ لَحْمًا مَرْبُوطًا عَلَى خَيْطٍ ثُمَّ انْتَزَعَهُ مِنْ سَاعَتِهِ؟ إِنَّهُ لَا يُفْسِدُ وَإِنْ تَرَكَهُ فَسَدَ وَكَذَا رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ فِي الصَّائِمِ إِذَا أَدْخَلَ خَشَبَةً فِي الْمَقْعَدَةِ؟ إِنَّهُ لَا يُفْسِدُ صَوْمَهُ إِلَّا إِذَا غَابَ طَرَفُ الْخَشَبَةِ وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ اسْتِقْرَارَ الدَّاخِلِ فِي الْجَوْفِ شَرْطُ فَسَادِ الصَّوْمِ، وَلَوْ أَدْخَلَ أُصْبُعَهُ فِي دُبُرِهِ قَالَ بَعْضُهُمْ: يُفْسِدُ صَوْمَهُ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا يُفْسِدُ، وَهُوَ قَوْلُ الْفَقِيهِ أَبِي اللَّيْثِ لِأَنَّ الْأُصْبُعَ لَيْسَتْ بِآلَةِ الْجِمَاعِ فَصَارَتْ كَالْخَشَبِ (بدائع الصنائع، ج۲ص۹۳، فصل ارکان الصیام)

وَلَوْ طَعَنَ بِرُمْحٍ حَتَّى وَصَلَ إِلَى جَوْفِهِ لَمْ يُفْطِرْهُ؛ لِأَنَّ كَوْنَ الرُّمْحِ بِيَدِ الطَّاعِنِ يَمْنَعُ وُصُولَهُ إِلَى بَاطِنِهِ حُكْمًا فَإِنْ بَقِيَ الزُّجُّ فِي جَوْفِهِ فَسَدَ صَوْمُهُ؛ لِأَنَّهُ صَارَ مَغِيبًا حَقِيقَةً فَكَانَ وَاصِلًا إِلَى بَاطِنِهِ، وَهُوَ قِيَاسُ مَا لَوْ ابْتَلَعَ خَيْطًا فَإِنْ بَقِيَ أَحَدُ الْجَانِبَيْنِ بِيَدِهِ لَمْ يَفْسُدْ صَوْمُهُ، وَإِنْ لَمْ يَبْقَ فَسَدَ صَوْمُهُ (المبسوط للسرخسی، ج۳ص۹۸، کتاب الصوم)

وَيُشْتَرَطُ أَيْضًا اسْتِقْرَارُهُ دَاخِلَ الْجَوْفِ فَيَفْسُدُ بِالْخَشَبَةِ إِذَا غَيَّبَهَا لِوُجُودِ الْفِعْلِ مَعَ الِاسْتِقْرَارِ وَإِنْ لَمْ يُغَيِّبْهَا فَلَا لِعَدَمِ الِاسْتِقْرَارِ ...... (قَوْلُهُ: مُفَادُهُ) أَيْ مُفَادُ مَا ذُكِرَ مَتْنًا وَشَرْحًا وَهُوَ أَنَّ مَا دَخَلَ فِي الْجَوْفِ إِنْ غَابَ فِيهِ فَسَدَ وَهُوَ الْمُرَادُ بِالِاسْتِقْرَارِ وَإِنْ لَمْ يَغِبْ بَلْ بَقِيَ طَرَفٌ مِنْهُ فِي الْخَارِجِ أَوْ كَانَ مُتَّصِلًا بِشَيْءٍ خَارِجٍ لَا يَفْسُدُ لِعَدَمِ اسْتِقْرَارِهِ (ردالمحتار، ج۲ص۳۹۷، باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ)

وَلَوْ شَدَّ الطَّعَامَ بِخَيْطٍ وَأَرْسَلَهُ فِي حَلْقِهِ وَطَرَفُ الْخَيْطِ فِي يَدِهِ لَا يَفْسُدُ إِلَّا إِذَا انْفَصَلَ مِنْهُ شَيْءٌ (تبیین الحقائق، ج۱ص۳۳۰، باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ)

الگ نہ ہو، تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۷...... بعض لوگوں کو سانس کی تنگی کی شکایت ہوتی ہے، اس کو دور کرنے کے لئے آج کل ایک ہوائی پمپ استعمال کیا جاتا ہے، جس کو وینٹولین (VENTOLIN) کہا جاتا ہے، اس کو استعمال کرنے سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کے بارے میں اہلِ علم حضرات کا اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ اس میں دوا ہوتی

---

[1] بعد اطلاعه على البحوث المقدمة فى موضوع المفطرات فى مجال التداوى، والدراسات والبحوث والتوصيات الصادرة عن الندوة الفقهية الطبية التاسعة التى عقدتها المنظمة الإسلامية للعلوم الطبية، بالتعاون مع المجمع وجهات أخرى، فى الدار البيضاء بالمملكة المغربية، فى الفترة من ۹إلى ۱۲ صفر۱۴۱۸ هـ (الموافق ۱۴-۱۷ ايونيو۱۹۹۷م) ، واستماعه للمناقشات التى دارت حول الموضوع بمشاركة الفقهاء والأطباء ، والنظر فى الأدلة من الكتاب والسنة، وفى كلام الفقهاء .قرر ما يلى:أولاً :الأمور الآتية لا تعتبر من المفطرات:............

(۱۵)منظار المعدة إذا لم يصاحبه إدخال سوائل (محاليل) أو مواد أخرى(مجلة مجمع الفقه الاسلامى، ج۱۰ ص۹۱۴، المفطرات)

فعلى القول بأن كل داخل إلى المعدة مهما كان (مغذياً أو غير مغذى) يفطر فالمنظار على هذا يفطر، تخريجاً على قول الأئمة الثلاثة -عدا الأحناف -فإنهم يشترطون الاستقرار -كما سبق -وهو أنه ألا يبقى منه شىء فى الخارج، ومعلوم أن المنظار يتصل بالخارج، فهو لا يفطر تخريجاً على قول الأحناف ويفطر تخريجاً على قول الثلاثة، ومقتضى كلام كثير من المعاصرين :أن المنظار يفطر، لأنهم قالوا أن كل عين دخلت الجوف تفطر أكلت أو لم تؤكل، تطعم أو لا تطعم صغيرة أو كبيرة.

أما على القول بأنه لا يفطر إلا المغذى فقط فالمنظار لا يفطر؛ لكونه جامداً لا يغذى، وهذا ما اختاره الشيخ محمد بخيت مفتى مصر وشيخنا محمد العثيمين.

والقول بعدم التفطير هو الأقرب؛ لأنه لا يمكن اعتبار عملية إدخال المنظار أكلاً لا لغةً، ولا عرفاً، فهى عملية علاج ليس أكثر.

تنبيه :إذا وضع الطبيب على المنظار مادة دهنية مغذية لتسهيل دخول المنظار فهنا يفطر الصائم بهذه المادة لا بدخول المنظار؛ وذلك لأنها مفطرة بذاتها، فهى مادة مغذية دخلت المعدة، وهذا يفطر بلا إشكال(مفطرات الصيام المعاصرة،الباب الثانى : المفطرات المعاصرة،الفصل الأول :المفطرات المعاصرة الداخلة إلى بدن الصائم،المبحث الأول :ما يدخل إلى بدن الصائم عبر الفم،المسألة الثالثة منظار المعدة،لأحمد بن محمد الخليل،الأستاذ المساعد فى قسم الفقه،بجامعة القصيم)

ہے اور وہ پمپ کے ذریعے حلق کے اندر پہنچ جاتی ہے۔ [1]

جبکہ بعض حضرات کے نزدیک اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ اس میں دوا کی مقدار آکسیجن کے مقابلہ میں بہت تھوڑی اور مغلوب ہوتی ہے، نیز دوا کا مری یعنی خوراک کی نالی (Esophagus) میں پہنچنا یقینی نہیں ہوتا، بلکہ مشکوک ہوتا ہے، اوراس کے اصل اجزاء منہ وحلق کے مسامات میں حل ہوجاتے ہیں۔ [2]

---

[1] وقضية (البخاخة) فهـذه البـخـاخة إنـما تدخل هواء من الفم إلى الحلق، فهذا يدخل الجوف، ولـكـن حكم هذه المسألة ينبنى على أنه هل يكون فى ذلک الهواء شىء من الدواء الجوهرى أو لا يـكـون؟ فما سمعته من السادة الأطباء الموجودين هنا أنه يشتمل على نسبة ضئيلة من الدواء ويصل إلى الجوف، وبما أن الفقهاء لم يفرقوا بين القليل والكثير ما دام الشىء يدخل إلى الجوف، فلو كان قليلًا فإنه يفسد الصوم ومثلوا لذلک بالسمسمة(مجلة المجمع الفقه الاسلامى، مقالة :المفطرات فى ضوء الطب الحديث للشيخ المفتى تقى العثمانى،ج۱۰ ص۸۳۲)

[2] المسألة الأولى :بخَّاخ الربو:

التعريف به :بخّاخ الربو علبة فيها دواء سائل يحتوى على ثلاثة عناصر:

(۱)مـواد كيميائية (مستحضرات طبية)(۲)ماء(۳)أوكسجين.ويتـم استعماله بأخذ شهيق عميق مع الـضـغـط على البخّاخ فى نفس الوقت .وعـنـدئـذ يتـطـاير الرذاذ ويدخل عن طريق الفم إلى البلعوم الـفـمـى، ومـنه إلى الرغامى، فالقصباتِ الهوائية، ولكن يبقى جزء منه فى البلعوم الفمى، وقد تدخل كـمية قـليلة جداً إلى المرىء .حكم بخَّاخ الربو:اختـلف المعاصرون فيه على قولين :القول الأول: أن بـخَّـاخ الـربـو لا يفطر، ولا يفسد صوم الصائم، وهو قول شيخنا عبد العزيز بن باز -رحمه الله - وشيـخـنا محمد بن صالح العثيمين -رحـمه الله -، والشيـخ عبـد الله بن جبرين ، والشيخ الدكتور الصديق الضرير، ود .محمد الخياط،واللجنة الدائمة.

الأدلة:

(۱) أن الـداخـل مـن بـخّـاخ الـربـو إلـى المرىء ومن ثم إلى المعدة قليل جداً، فلا يفطّر قياساً على المتبقى من المضمضة والاستنشاق.

بيان ذلک كما يلى :تـحتـوى عبـوة بخاخ الربو على ۱۰ ملليتر من السائل بما فيه المادة الدوائية، وهـذه الـكمية مُعدة على أساس أن يبخ منه۲۰۰ بخة (أى أن أل۱۰ ملّلتر تنتج ۲۰۰ بخة) أى أنه فى كـل بـخة يـخـرج جـزء مـن الـمـللتر الواحد، فكل بخة تشكل أقل من قطرة واحدة ، وهذه القطرة الـواحـدة ستقسـم إلـى أجـزاء يدخل الجزء الأكبر منه إلى جهاز التنفس، وجزء آخر يترسب على جـدار البـلـعـوم الفمى، والباقى قد ينزل إلى المعدة وهذا المقدار النازل إلى المعدة يعفى عنه قياساً عـلـى المتبقى من المضمضة والاستنشاق، فإن المتبقى منها أكثر من القدر الذى يبقى من بخة الربو "ولو مضمض المرء بماء موسوم بمادة مشعة، لاكتشفنا المادة المشعة فى المعدة بعد قليل، مما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں اس پمپ کا استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے، البتہ انتہائی مجبوری کی صورت میں اگر کوئی احتیاط کے ساتھ استعمال کرے تاکہ اس کے اجزاء پیٹ میں داخل نہ ہوں، بلکہ منہ وحلق کے مسامات میں حل ہوجائیں، اور اگر کچھ اجزاء باقی ہوں، تو ان کو باہر تھوک دے، تو امید ہے کہ روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر دوا کا کوئی جزو پیٹ میں جانے کا یقین یا غالب گمان ہو، تو اس روزہ کی بعد میں قضا کرلی جائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يؤكد وجود قدر يسير معفو عنه، وهو يسير يزيد -يقيناً -عما يمكن أن يتسرب إلى المرىء من بخاخ الربو إن تسرب "

(۲)أن دخول شىء إلى المعدة من بخاخ الربو أمر ليس قطعياً، بل مشكوك فيه، أى قد يدخل وقد لا يدخل، والأصل صحة الصيام وعدم فسادة، واليقين لا يزول بالشک.

(۳)أنه لا يشبه الأكل والشرب، بل يشبه سحب الدم للتحليل والإبر غير المغذية.

المناقشة :يشكل على هذا الدليل وجود قدر من الماء فى تركيب الدواء كما سبق بيانه.

(۴)أن البخاخ يتبخر ولا يصل إلى المعدة، وإنما يصل إلى القصبات الهوائية.

المناقشة :سبق أنه قد يصل شىء يسير من مادة البخاخ إلى المعدة.

(۵)ذكر الأطباء أن السواک يحتوى على ثمانية مواد كيميائية، تقى الأسنان، واللثة من الأمراض، وهى تنحل باللعاب وتدخل البلعوم، وقد جاء فى صحيح البخارى عن عامر بن ربيعة "رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يستاک وهو صائم ما لا أحصى.

فإذا كان عُفى عن هذه المواد التى تدخل إلى المعدة؛ لكونها قليلة وغير مقصودة، فكذلک ما يدخل من بخاخ الربو يعفى عنه للسبب ذاته.

القول الثانى :أن بخاخ الربو يفطِّر، ولا يجوز تناوله فى رمضان إلا عند الحاجة للمريض، ويقضى ذلک اليوم، وهو قول الدكتور فضل حسن عباس(والشيخ محمد المختار السلامى، والدكتور محمد الألفى، والشيخ محمد تقى العثمانى، والدكتور وهبة الزحيلى)

دليل القول الثانى :أن محتوى البخاخ يصل إلى المعدة عن طريق الفم فهو مفطر

لمناقشة:

يجاب عنه بالدليل الأول لأصحاب القول الأول.

ولم أقف لهم على دليل آخر سوى ما ذكرته.

الترجيح:الذى يظهر والله أعلم أن بخاخ الربو لا يفطر، فإن ما ذكره القائلون بعدم التفطير وجيه، وقياسهم على المضمضة والسواک قياس صحيح، والله سبحانه وتعالى أعلم(مفطرات الصيام المعاصرة،الباب الثانى :المفطرات المعاصرة،الفصل الأول :المفطرات المعاصرة الداخلة إلى بدن الصائم،المبحث الأول :ما يدخل إلى بدن الصائم عبر الفم،لأحمد بن محمد الخليل،الأستاذ المساعد فى قسم الفقه،بجامعة القصيم)

قے (Vomiting) آنا یا قے کرنا

جب معدہ اپنی ناپسندیدہ چیز کو باہر خارج کر دیتا ہے، تو اس کو قے آنا کہا جاتا ہے، اور اگر باہر خارج نہیں کر پاتا، البتہ خارج کرنے کے لئے حرکت کرتا ہے، تو اس کو اُبکائی کہا جاتا ہے، اور اگر حرکت کئے بغیر اس چیز سے صرف تنفر کا اظہار کرتا ہے، تو اس کو متلی کہا جاتا ہے (حاذق، صفحہ ۲۶۰، ۲۶۱، ملخصاً، مصنفہ: حکیم حافظ محمد اجمل خان)

قے کی وجہ سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کی احادیث میں تفصیل پائی جاتی ہے، پہلے ان کو ذکر کیا جاتا ہے، جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ ان سے فقہائے کرام کے اخذ کردہ مسائل کا تذکرہ کیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ ذَرَعَهُ الْقَیْءُ فَلَیْسَ عَلَیْهِ قَضَاءٌ ، وَمَنْ اِسْتَقَاءَ فَلْیَقْضِ (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو قے آ جائے، اس پر روزے کی قضا نہیں، اور جو جان بوجھ کر (اپنے اختیار سے) قے کرے، تو اسے

---

[1] رقم الحدیث ۱۰۴۶۳، واللفظ لهٗ، سنن الترمذی، رقم الحدیث ۷۲۰.

فی حاشیة مسند احمد: إسناده صحیح علی شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشیخین غیر الحکم بن موسی، فمن رجال مسلم.

وقال الترمذی: وَفِی البَابِ عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ، وَثَوْبَانَ، وَفَضَالَةَ بْنِ عُبَیْدٍ :. حَدِیثُ أَبِی هُرَیْرَةَ حَدِیثٌ حَسَنٌ غَرِیبٌ، لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِیثِ هِشَامٍ، عَنْ ابْنِ سِیرِینَ، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، إِلَّا مِنْ حَدِیثِ عِیسَی بْنِ یُونُسَ، وقَالَ مُحَمَّدٌ :لَا أُرَاهُ مَحْفُوظًا :. وَقَدْ رُوِیَ هَذَا الحَدِیثُ مِنْ غَیْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَا یَصِحُّ إِسْنَادُهُ وَقَدْ رُوِیَ عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ، وَثَوْبَانَ، وَفَضَالَةَ بْنِ عُبَیْدٍ، أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَأَفْطَرَ وَإِنَّمَا مَعْنَی هَذَا :أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ صَائِمًا مُتَطَوِّعًا فَقَاءَ فَضَعُفَ فَأَفْطَرَ، لِذَلِکَ هَکَذَا رُوِیَ فِی بَعْضِ الحَدِیثِ مُفَسَّرًا "، وَالعَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ عَلَی حَدِیثِ أَبِی هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :أَنَّ الصَّائِمَ إِذَا ذَرَعَهُ القَیْءُ فَلَا قَضَاءَ عَلَیْهِ، وَإِذَا اسْتَقَاءَ عَمْدًا، فَلْیَقْضِ، وَبِهِ یَقُولُ سُفْیَانُ الثَّوْرِیُّ، وَالشَّافِعِیُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ (سنن الترمذی)

چاہئے کہ روزہ قضا کرے (مسند احمد، ترمذی)

حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَصْبَحَ صَائِمًا، فَاحْتَلَمَ أَوِ احْتَجَمَ أَوْ ذَرَعَهُ الْقَیْءُ، فَلا قَضَاءَ عَلَیْہِ، وَمَنِ اسْتَقَاءَ فَعَلَیْہِ الْقَضَاءُ

(المعجم الأوسط للطبرانی، ج۲ ص۱۸۵، رقم الحدیث ۱۵۶۸، باب الالف)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے روزہ کی حالت میں صبح کی، پھر اسے احتلام ہوگیا، یا اس نے پچھنا لگوایا (یعنی خون نکلوایا) یا اس کو قے آئی، تو اس پر روزہ کی قضا نہیں، اور جس نے جان بوجھ کر (اپنے اختیار سے) قے کی، تو اس پر روزہ کی قضا ہے (طبرانی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

مَنْ تَقَیَّأَ فَعَلَیْہِ الْقَضَاءُ، وَإِنْ ذَرَعَهُ الْقَیْءُ، فَلَا قَضَاءَ عَلَیْہِ (مصنف عبد الرزاق، رقم الحدیث ۷۵۵۳، کتاب الصیام، باب القیء للصائم)

ترجمہ: جس نے جان بوجھ کر (اپنے اختیار سے) قے کی، تو اس پر روزہ کی قضا ہے، اور جس کو قے آئی، اس پر قضا نہیں ہے (عبدالرزاق)

حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، کَانَ یَقُوْلُ: مَنِ اسْتَقَاءَ وَهُوَ صَائِمٌ فَعَلَیْہِ الْقَضَاءُ، وَمَنْ ذَرَعَهُ الْقَیْءُ فَلَیْسَ عَلَیْہِ شَیْءٌ (موطأ امام محمد) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص روزہ کی حالت میں جان بوجھ کر اپنے ارادہ سے قے کرے، تو اس پر قضا ہے، اور جس کو خود بخود قے آجائے، تو اس پر کچھ واجب نہیں (مؤطا امام محمد)

---

[1] رقم الحدیث ۳۵۷، ابواب الصیام، باب الصائم یذرعه القیء.
قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِہٖ نَأْخُذُ، وَھُوَ قَوْلُ أَبِی حَنِیفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی (موطأ امام محمد)

اس قسم کی احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود قے کے آنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور اگر اپنے اختیار وارادہ سے قے کی جائے، تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور اس کی قضا واجب ہوتی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اصولی طور پر روزہ کسی چیز کے اندر داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے، کسی چیز کے خارج ہونے سے نہیں ٹوٹتا، جس کی بعض روایات میں وضاحت بھی پائی جاتی ہے۔ [۱]

اس کا تقاضا یہ تھا کہ قے خواہ جان بوجھ کر کی جائے یا خود بخود ہو، روزہ نہیں ٹوٹنا چاہئے، کیونکہ قے میں کوئی چیز اندر داخل نہیں ہوتی، بلکہ اندر سے باہر خارج ہوتی ہے۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ جب قے آتی ہے تو کچھ نہ کچھ مواد حلق میں آنے کے بعد غیر اختیاری طور پر واپس بھی چلا جاتا ہے، جس کا تقاضا یہ تھا کہ قے خود آنے کی وجہ سے بھی روزہ ٹوٹنا چاہئے تھا، لیکن کیونکہ قے کا خود بخود آنا انسان کے اختیار میں نہیں، اس لئے شریعت نے خود بخود آنے والی قے کی صورت میں تنگی وحرج لازم آنے کی وجہ سے روزہ کو درست قرار دیا، اور جو مواد حلق میں آنے کے بعد خود بخود واپس چلا جائے، اس کو سانس کے ساتھ خود بخود جانے والے دھویں، گرد وغبار اور مکھی، مچھر کی طرح معاف قرار دیا۔

لہٰذا اگر کسی کو خود بخود قے آئی، خواہ کتنی مقدار میں بھی ہو، اور کتنی بھی مرتبہ ہو، اس سے روزہ نہ تو فاسد ہوتا ہے، اور نہ ہی مکروہ ہوتا ہے، بشرطیکہ اپنے ارادہ واختیار سے منہ کی طرف آئی ہوئی قے کا کوئی حصہ اپنے اختیار سے واپس پیٹ میں نہ لے جائے۔

اور اس کے برعکس اگر اپنے اختیار وارادہ سے قے کی جائے، تو اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، جیسا کہ اپنے اختیار سے کوئی دھواں وغیرہ اندر لے جائے۔

گویا کہ شریعت نے اپنے ارادہ سے قے کرنے کو ظاہری اعتبار سے اپنے اختیار وارادہ سے

---

[۱] عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؛ فِي الْحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ ، قَالَ : الْفِطْرُ مِمَّا دَخَلَ ، وَلَيْسَ مِمَّا يَخْرُجُ (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ۹۴۱۱)

پیٹ کے اندر کوئی چیز داخل کرنے کا حکم دے کر روزہ کو فاسد قرار دے دیا۔ [1]

فقہائے احناف نے روزہ کی حالت میں قے سے متعلق جو مسائل واحکام ذکر فرمائے ہیں، ان کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر۱...... جو قے خود بخود آئے، خواہ وہ کتنی مقدار میں آئے، اور کتنی مرتبہ آئے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

البتہ اگر قے تو خود بخود آئی، لیکن اس کو اپنے اختیار سے واپس پیٹ میں داخل کرلیا، تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ قے منہ یا حلق کے اس حصہ تک آ جائے، جہاں سے قے کو واپس لے جانا اختیار میں ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۲...... بعض حضرات کے نزدیک اپنے اختیار سے کی ہوئی قے جتنی بھی مقدار میں ہو، خواہ زیادہ ہو یا تھوڑی، اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، بشرطیکہ روزہ یاد ہو۔

---

[1] فقہائے کرام نے ان امور کو جو انسان کے اختیار میں نہ ہوں، جیسے مکھی، مچھر اور گرد وغبار کے خود بخود داخل ہونے کو غلبہ اور دفعِ حرج کی وجہ سے معفوعنہ قرار دیا ہے، اور ایسی چیزوں کے دخول وادخال میں فرق کیا ہے۔

ہمارے نزدیک قے بھی انہی جیسے امور سے تعلق رکھتی ہے، اور قے کرنے کی صورت میں روزہ کا رکن امساک فوت ہوتا ہے، جبکہ خود بخود ہونے بلکہ خود بخود لوٹ جانے میں ارادہ واختیار نہ ہونے کی وجہ سے امساک فوت نہیں ہوتا۔

وَإِنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ لَمْ يُفْطِرْ لِمَا رَوَيْنَا وَلِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ -رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ- الصَّوْمُ مِمَّا دَخَلَ، وَإِنْ تَقَيَّأَ مُتَعَمِّدًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ لِحَدِيثِ عَلِيٍّ -رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى- مَوْقُوفًا عَلَيْهِ وَمَرْفُوعًا إلَى رَسُولِ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- قَالَ: مَنْ قَاءَ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَمَنْ اسْتِقَاءَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ؛ وَلِأَنَّ فِعْلَهُ يُفَوِّتُ رُكْنَ الصَّوْمِ، وَهُوَ الْإِمْسَاكُ فَفِي تَكَلُّفِهِ لَا بُدَّ أَنْ يَعُودَ شَيْءٌ إلَى جَوْفِهِ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ إلَّا عَلَى قَوْلِ مَالِكٍ -رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى- فَإِنَّهُ يَقُولُ كُلُّ مُفْطِرٍ غَيْرُ مَعْذُورٍ فَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ (المبسوط للسرخسی ج۳ص۵۷، کتاب الصوم)

[2] (قَوْلُهُ أَوْ قَاءَ وَعَادَ لَمْ يُفْطِرْ) لِحَدِيثِ السُّنَنِ مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ، وَهُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ، وَإِنْ اسْتَقَاءَ فَلْيَقْضِ وَإِنَّمَا ذَكَرَ الْعَوْدَ لِيُفِيدَ أَنَّ مُجَرَّدَ الْقَيْءِ بِلَا عَوْدٍ لَا يُفْطِرُ بِالْأَوْلَى وَأَطْلَقَهُ فَشَمِلَ مَا إذَا مَلَأَ الْفَمَ أَوْ لَا، وَفِيمَا إذَا عَادَ وَمَلَأَ الْفَمَ خِلَافُ أَبِي يُوسُفَ وَالصَّحِيحُ قَوْلُ مُحَمَّدٍ لِعَدَمِ وُجُودِ الصُّنْعِ وَلِعَدَمِ وُجُودِ صُورَةِ الْفِطْرِ، وَهُوَ الِابْتِلَاعُ، وَكَذَا مَعْنَاهُ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَغَذَّى بِهِ بَلْ النَّفْسُ تَعَافُهُ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۲ ص۲۹۵، کِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

جبکہ بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر قے زیادہ مقدار میں ہو، تو روزہ یاد ہوتے ہوئے، اس کے اپنے اختیار سے کرنے سے تو روزہ ٹوٹتا ہے، اور جو تھوڑی مقدار میں ہو، اس کے اپنے اختیار سے کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ تھوڑی مقدار میں کی جانے والی قے کا حکم اس تھوک اور بلغم کی طرح ہے، جو کوئی حلق یا سینہ سے منہ کی طرف کھینچے اور اس کو واپس لے جائے۔

اور اسی وجہ سے تھوڑی مقدار میں اپنے اختیار سے کی جانے والی قے کو اگر کوئی واپس لے جائے، تو ان حضرات کے نزدیک اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [1]

اور ان حضرات کی طرف سے تھوڑی اور زیادہ مقدار میں فرق منہ بھرنے نہ بھرنے کا ہے، لہٰذا اگر منہ بھر کر قے کی جائے، کہ جس کو منہ بند کر کے منہ میں روکنا مشکل ہو، تو وہ زیادہ مقدار میں داخل ہے، اور اس سے کم ہو، تو وہ تھوڑی مقدار میں داخل ہے۔ [2]

---

[1] وَإِنَّمَا قَالُوا :إِنَّهُ إِذَا اسْتَقَاءَ أَقَلَّ مِنْ مِلْءِ فِيهِ لَمْ يُفْطِرْهُ، مِنْ قِبَلِ أَنَّهُ لَا يَتَنَاوَلُهُ اسْمُ الْقَيْءِ ;أَلَا تَرَى أَنَّ مَنْ ظَهَرَ عَلَى لِسَانِهِ شَيْءٌ بِالْجُشَاءِ لَا يُقَالُ إِنَّهُ قَدْ تَقَيَّأَ؟ وَإِنَّمَا يَتَنَاوَلُهُ هَذَا الِاسْمُ عِنْدَ كَثْرَتِهِ وَخُرُوجِهِ ;وَقَدْ كَانَ أَبُو الْحَسَنِ الْكَرْخِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى يَقُولُ فِي تَقْدِيرِ مِلْءِ الْفَمِ " :هُوَ الَّذِي لَا يُمْكِنُهُ إِمْسَاكُهُ فِي الْفَمِ لِكَثْرَتِهِ فَيُسَمَّى حِينَئِذٍ قَيْئًا(أحكام القرآن،للجصاص، ج ا ص ۲۳۵،سورة البقرة)

وأما إذا استقاء ملء فيه فلقوله -عليه الصلاة والسلام :-من قاء فلا قضاء عليه، ومن استقاء فعليه القضاء روى ذلك عن عكرمة مرفوعا وموقوفا، وعند محمد وزفر يفسده وإن لم يملأ الفم، ولم يفصل بينهما فى ظاهر الرواية لإطلاق الحديث، والصحيح الفصل، وهو رواية الحسن عن أبى حنيفة؛ لأن ما دون ملء الفم تبع للريق كما لو تجشأ ولا كذلك ملء الفم(الاختيار لتعليل المختار، ج ا ص ۱۳۲، كتاب الصوم)

منہ کیونکہ ایک حیثیت سے خارجی عضو کا حکم رکھتا ہے، اور ایک حیثیت سے داخلی عضو کا حکم رکھتا ہے، ان حضرات نے تھوڑی قے کے اعتبار سے تو منہ کو داخلی عضو کا حکم دیا، اور زیادہ قے کے اعتبار سے منہ کو خارجی عضو کا حکم دیا۔

وَشَرْطٌ أَنْ يَكُونَ مِلْءَ الْفَمِ ؛لِأَنَّ لِلْفَمِ حُكْمَ الْخَارِجِ حَتَّى لَا يُفْطِرُ الصَّائِمُ بِالْمَضْمَضَةِ ، وَلَهُ حُكْمُ الدَّاخِلِ حَتَّى لَا يُفْطِرُ بِابْتِلَاعِ شَيْءٍ مِنْ بَيْنِ أَسْنَانِهِ مِثْلُ الرِّيقِ فَلَا يُعْطَى لَهُ حُكْمُ الْخَارِجِ مَا لَمْ يَمْلَأْ الْفَمَ، وَاخْتَلَفُوا فِي حَدِّ مِلْءِ الْفَمِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ مَا لَا يُمْكِنُ ضَبْطُهُ إلَّا بِكُلْفَةٍ ، وَقِيلَ مَا لَا يُمْكِنُ الْكَلَامُ مَعَهُ ، وَبَعْضُهُمْ قَدَّرَهُ بِالزِّيَادَةِ عَلَى نِصْفِ الْفَمِ ، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ا ص ۹، كِتَابُ الطَّهَارَةِ،نَوَاقِض الْوُضُوءِ)

[2] وَلَمْ يُفَصِّلْ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ بَيْنَ مَلِيءِ الْفَمِ، وَمَا دُونَهُ وَفِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى -فَرَّقَ بَيْنَهُمَا، وَهُوَ الصَّحِيحُ فَإِنَّ مَا دُونَ مَلِيءِ الْفَمِ تَبَعٌ لِرِيقِهِ فَكَانَ قِيَاسَ مَا لَوْ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مشائخِ احناف کا فتویٰ اسی تفصیل کے مطابق ہے۔

پھر ان حضرات کے نزدیک جو قے منہ بھر کر آئے، اور اس کو واپس لے جائے، تو اگر واپس لے جانے والی قے کی مقدار چنے کے برابر یا اس سے زیادہ ہو، تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور اگر اس سے کم ہو، یا خود بخود واپس لوٹ جائے، تو خواہ کتنی مقدار میں بھی ہو، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تَجَشَّأً وَمِلْءُ الْفَمِ لَا يَكُونُ تَبَعًا لِرِيقِهِ أَلَا تَرَى أَنَّهُ نَاقِضٌ لِطَهَارَتِهِ فَإِنْ عَادَ إِلَى جَوْفِهِ، أَوْ أَعَادَهُ فَقَدْ رَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ إِذَا ذَرَعَهُ الْقَيْءُ فَرَدَّهُ، وَهُوَ يَسْتَطِيعُ أَنْ يَرْمِيَ بِهِ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَرَوَى ابْنُ مَالِكٍ عَنْ أَبِي يُوسُفَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ إِذَا ذَرَعَهُ الْقَيْءُ فَكَانَ مِلْءَ فِيهِ أَوْ أَكْثَرَ فَعَادَ إِلَى جَوْفِهِ فَسَدَ صَوْمُهُ تَعَمَّدَ ذَلِكَ، أَوْ لَمْ يَتَعَمَّدْ وَالْمَشْهُورُ أَنَّ فِيهِ خِلَافًا بَيْنَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ فَمُحَمَّدٌ اعْتَبَرَ الصُّنْعَ فِي طَرَفِ الْإِخْرَاجِ، أَوْ الْإِدْخَالِ؛ لِأَنَّهُ يَفُوتُ بِهِ الْإِمْسَاكُ وَأَبُو يُوسُفَ يَعْتَبِرُ انْتِقَاضَ الطَّهَارَةِ لِيَسْتَدِلَّ بِهِ عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ بِتَبَعٍ لِرِيقِهِ حَتَّى إِذَا ذَرَعَهُ الْقَيْءُ دُونَ مِلْءِ الْفَمِ، وَعَادَ بِنَفْسِهِ لَمْ يَفْسُدْ صَوْمُهُ بِالِاتِّفَاقِ .وَإِنْ أَعَادَهُ فَسَدَ صَوْمُهُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَلَمْ يَفْسُدْ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ -رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى -، وَإِنْ كَانَ مِلْءَ الْفَمِ فَعَادَ بِنَفْسِهِ فَسَدَ صَوْمُهُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَلَمْ يَفْسُدْ عِنْدَ مُحَمَّدٍ، وَإِنْ أَعَادَهُ فَسَدَ صَوْمُهُ بِالِاتِّفَاقِ، وَإِنْ تَقَيَّأَ أَقَلَّ مِنْ مِلْءِ فَمِهِ فَإِنْ عَادَ بِنَفْسِهِ يَفْسُدُ صَوْمُهُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَلَمْ يَفْسُدْ صَوْمُهُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ -رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى -، وَإِنْ أَعَادَهُ فَفِيهِ رِوَايَتَانِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي إِحْدَاهُمَا لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنَاقِضٍ لِطَهَارَتِهِ وَفِي الْأُخْرَى يَفْسُدُ صَوْمُهُ لِكَثْرَةِ صُنْعِهِ فِي الْإِدْخَالِ وَالْإِخْرَاجِ جَمِيعًا فَكَانَ قِيَاسَ مِلْءِ الْفَمِ(المبسوط للسرخسي ج۳ص۵۷، کتاب الصوم)

[1] (وَإِنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ وَخَرَجَ) وَلَمْ يَعُدْ (لَا يُفْطِرُ مُطْلَقًا) مَلَأَ أَوْ لَا (فَإِنْ عَادَ) بِلَا صُنْعِهِ (وَ) لَوْ (هُوَ مِلْءُ الْفَمِ مَعَ تَذَكُّرِهِ لِلصَّوْمِ لَا يَفْسُدُ) خِلَافًا لِلثَّانِي (وَإِنْ أَعَادَهُ) أَوْ قَدْرُ حِمَّصَةٍ مِنْهُ فَأَكْثَرَ حَدَّادِيٌّ (أَفْطَرَ إِجْمَاعًا) وَلَا كَفَّارَةَ (إِنْ مَلَأَ الْفَمَ وَإِلَّا لَا) هُوَ الْمُخْتَارُ (وَإِنْ اسْتِقَاءَ) أَيْ طَلَبَ الْقَيْءَ (عَامِدًا) أَيْ مُتَذَكِّرًا لِصَوْمٍ (إِنْ كَانَ مِلْءَ الْفَمِ فَسَدَ بِالْإِجْمَاعِ)مُطْلَقًا (وَإِنْ أَقَلَّ لَا) عِنْدَ الثَّانِي وَهُوَ الصَّحِيحُ، لَكِنَّ ظَاهِرَ الرِّوَايَةِ كَقَوْلِ مُحَمَّدٍ إِنَّهُ يَفْسُدُ كَمَا فِي الْفَتْحِ عَنْ الْكَافِي (فَإِنْ عَادَ بِنَفْسِهِ لَمْ يُفْطِرْ وَإِنْ أَعَادَهُ فَفِيهِ رِوَايَتَانِ) أَصَحُّهُمَا لَا يُفْسِدُ مُحِيطٌ (وَهَذَا) كُلُّهُ (فِي قَيْءِ طَعَامٍ أَوْ مَاءٍ أَوْ مِرَّةٍ) أَوْ دَمٍ (فَإِنْ كَانَ بَلْغَمًا فَغَيْرُ مُفْسِدٍ) مُطْلَقًا خِلَافًا لِلثَّانِي وَاسْتَحْسَنَهُ الْكَمَالُ وَغَيْرُهُ(الدر المختار، كِتَابُ الصَّوْمِ،بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

(قَوْلُهُ :وَإِنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ) أَيْ غَلَبَهُ وَسَبَقَهُ قَامُوسٌ وَالْمَسْأَلَةُ تَتَفَرَّعُ إِلَى أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ صُورَةً؛ لِأَنَّهُ إِمَّا أَنْ يَقِيءَ أَوْ يَسْتَقِيءَ وَفِي كُلٍّ إِمَّا أَنْ يَمْلَأَ الْفَمَ أَوْ دُونَهُ، وَكُلٌّ مِنْ الْأَرْبَعَةِ إِمَّا إِنْ خَرَجَ أَوْ عَادَ أَوْ أَعَادَهُ وَكُلٌّ إِمَّا ذَاكِرٌ لِصَوْمِهِ أَوْ لَا وَلَا فِطْرَ فِي الْكُلِّ عَلَى الْأَصَحِّ إِلَّا فِي الْإِعَادَةِ وَالِاسْتِقَاءِ بِشَرْطِ الْمِلْءِ مَعَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳...... اگر کوئی شخص کھانسی کے ساتھ سینہ یا دماغ کی طرف سے آئے ہوئے بلغم کو اپنے اختیار سے نگل لے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اس کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التَّذَكُّرِ شَرْحُ الْمُلْتَقَى (قَوْلُهُ :وَلَوْ هُوَ مِلْءُ الْفَمِ) أَتَى بِلَوْ مَعَ أَنَّ مَا دُونَ مِلْءِ الْفَمِ مَفْهُومٌ بِالْأَوْلَى لِأَجْلِ التَّنْصِيصِ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّ الْمَعْطُوفَ عَلَيْهِ فِي حُكْمِ الْمَذْكُورِ فَافْهَمْ وَأَطْلَقَ لَوْ مِلْءَ الْفَمِ فَشَمِلَ مَا لَوْ كَانَ مُتَفَرِّقًا فِي مَوْضِعٍ وَاحِدٍ بِحَيْثُ لَوْ جَمَعَ مِلْءَ الْفَمِ كَمَا فِي السِّرَاجِ.

(قَوْلُهُ :لَا يُفْسِدُ) أَيْ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِعَدَمِ وُجُودِ الصُّنْعِ وَلِعَدَمِ وُجُودِ صُورَةِ الْفِطْرِ، وَهُوَ الِابْتِلَاعُ وَكَذَا مَعْنَاهُ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَغَذَّى بِهِ بَلْ النَّفْسُ تَعَافُهُ بَحْرٌ (قَوْلُهُ :وَإِنْ أَعَادَهُ) أَيْ أَعَادَ مَا قَاءَهُ الَّذِي هُوَ مِلْءُ الْفَمِ (قَوْلُهُ :أَوْ قَدْرُ حِمَّصَةٍ مِنْهُ فَأَكْثَرَ) أَشَارَ إلَى أَنَّهُ لَا فَرْقَ بَيْنَ إعَادَةِ كُلِّهِ أَوْ بَعْضِهِ إذَا كَانَ أَصْلُهُ مِلْءَ الْفَمِ قَالَ الْحَدَّادِيُّ فِي السِّرَاجِ مَبْنَى الْخِلَافِ أَنَّ أَبَا يُوسُفَ يَعْتَبِرُ مِلْءَ الْفَمِ وَمُحَمَّدًا يَعْتَبِرُ الصُّنْعَ ثُمَّ مِلْءَ الْفَمِ لَهُ حُكْمُ الْخَارِجِ وَمَا دُونَهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ؛ لِأَنَّهُ يُمْكِنُ ضَبْطُهُ.

وَفَائِدَتُهُ تَظْهَرُ فِي أَرْبَعِ مَسَائِلَ :إحْدَاهَا إذَا كَانَ أَقَلَّ مِنْ مِلْءِ الْفَمِ وَعَادَ أَوْ شَيْءٌ مِنْهُ قَدْرَ الْحِمَّصَةِ لَمْ يُفْطِرْ إجْمَاعًا أَمَّا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ فَإِنَّهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ؛ لِأَنَّهُ أَقَلُّ مِنْ الْمِلْءِ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا صُنْعَ لَهُ فِي الْإِدْخَالِ وَالثَّانِيَةُ :إنْ كَانَ مِلْءَ الْفَمِ وَأَعَادَهُ أَوْ شَيْئًا مِنْهُ قَدْرَ الْحِمَّصَةِ فَصَاعِدًا أَفْطَرَ إجْمَاعًا؛ لِأَنَّهُ خَارِجٌ أَدْخَلَهُ جَوْفَهُ وَلِوُجُودِ الصُّنْعِ، وَالثَّالِثَةُ :إذَا كَانَ أَقَلَّ مِنْ مِلْءِ الْفَمِ وَأَعَادَهُ أَوْ شَيْئًا مِنْهُ أَفْطَرَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِلصُّنْعِ لَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لِعَدَمِ الْمِلْءِ، وَالرَّابِعَةُ :إذَا كَانَ مِلْءَ الْفَمِ وَعَادَ بِنَفْسِهِ أَوْ شَيْءٌ مِنْهُ كَالْحِمَّصَةِ فَصَاعِدًا أَفْطَرَ إجْمَاعًا؛ لِأَنَّهُ خَارِجٌ أَدْخَلَهُ جَوْفَهُ وَلِوُجُودِ الصُّنْعِ وَالثَّالِثَةُ إذْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ مِلْءِ الْفَمِ وَأَعَادَهُ أَوْ شَيْئًا مِنْهُ أَفْطَرَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِلصُّنْعِ لَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لِعَدَمِ مِلْءٍ.

وَالرَّابِعَةُ :إذَا كَانَ مِلْءَ الْفَمِ وَعَادَ بِنَفْسِهِ أَوْ شَيْءٌ مِنْهُ كَالْحِمَّصَةِ فَصَاعِدًا أَفْطَرَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لِوُجُودِ الْمِلْءِ لَا عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِعَدَمِ الصُّنْعِ وَهُوَ الصَّحِيحُ اهـ فَمَسْأَلَتُنَا الْإِعَادَةُ وَهُمَا الثَّانِيَةُ وَالثَّالِثَةُ أَوْ لَا هُمَا إجْمَاعِيَّةٌ وَهِيَ الَّتِي ذَكَرَهَا الْمُصَنِّفُ بِقَوْلِهِ :وَإِنْ أَعَادَهُ إلَخْ وَالْأُخْرَى خِلَافِيَّةٌ وَهِيَ الَّتِي ذَكَرَهَا الْمُصَنِّفُ بِقَوْلِهِ وَإِلَّا لَا وَلَا فَرْقَ فِيهِمَا بَيْنَ إعَادَةِ الْكُلِّ أَوْ الْبَعْضِ فَافْهَمْ (قَوْلُهُ :إنْ مَلَأَ الْفَمَ) قَيْدٌ لِإِفْطَارِهِ إجْمَاعًا بِالْإِعَادَةِ لِكُلِّهِ أَوْ لِقَدْرِ حِمَّصَةٍ مِنْهُ (قَوْلُهُ :وَإِلَّا لَا) أَيْ وَإِنْ لَمْ يَمْلَأْ الْقَيْءُ الْفَمَ وَأَعَادَهُ كُلَّهُ أَوْ بَعْضَهُ لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ، وَلَا يُنَافِي مَا قَدَّمَهُ مِنْ أَنَّهُ لَوْ أَعَادَ قَدْرَ حِمَّصَةٍ مِنْهُ أَفْطَرَ إجْمَاعًا؛ لِأَنَّ ذَاكَ فِيمَا إذَا كَانَ الْقَيْءُ مِلْءَ الْفَمِ؛ لِأَنَّهُ صَارَ فِي حُكْمِ الْخَارِجِ؛ لِأَنَّ الْفَمَ لَا يَنْضَبِطُ عَلَيْهِ، وَمَا كَانَ فِي حُكْمِ الْخَارِجِ لَا فَرْقَ بَيْنَ إعَادَةِ كُلِّهِ أَوْ بَعْضِهِ بِصُنْعِهِ بِخِلَافِ مَا دُونَهُ؛ لِأَنَّهُ فِي حُكْمِ الدَّاخِلِ، فَلَا يَفْسُدُ إلَّا إذَا أَعَادَهُ وَلَوْ قَدْرَ الْحِمَّصَةِ مِنْهُ بِصُنْعِهِ وَبِهِ عُلِمَ أَنَّ كَلَامَ الشَّارِحِ صَوَابٌ لَا خَطَأَ فِيهِ بِوَجْهٍ مِنْ الْوُجُوهِ فَافْهَمْ.

(قَوْلُهُ :هُوَ الْمُخْتَارُ) وَفِي الْخَانِيَّةِ :هُوَ الصَّحِيحُ وَصَحَّحَهُ كَثِيرٌ مِنْ الْعُلَمَاءِ رَمْلِيٌّ (قَوْلُهُ :أَيْ مُتَذَكِّرًا لِصَوْمِهِ) أَشَارَ بِهِ إلَى الرَّدِّ عَلَى صَاحِبِ غَايَةِ الْبَيَانِ حَيْثُ قَالَ :إنَّ ذِكْرَ الْعَمْدِ مَعَ الِاسْتِقَاءِ تَأْكِيدٌ؛ لِأَنَّهُ لَا يَكُونُ إلَّا مَعَ الْعَمْدِ .وَحَاصِلُ الرَّدِّ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْعَمْدِ تَذَكُّرُ الصَّوْمِ لَا تَعَمُّدُ الْقَيْءِ فَهُوَ مَخْرَجٌ لِمَا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بسہولت باہر نکالنا ممکن ہو، تو باہر نکال دیا جائے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۴...... اگر کسی نے قے اپنے اختیار سے کی، مگر اسے قے کرتے وقت روزہ یاد نہیں تھا، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ یہ بھول کر روزہ کی خلاف ورزی کرنے میں داخل ہے۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۵...... اگر کسی کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ خود بخود قے کے آنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور اس نے قے آنے کے بعد سمجھا کہ روزہ ٹوٹ گیا ہے، اس لئے اس نے بعد میں جان

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

إذَا فَعَلَ ذٰلِکَ نَاسِيًا فَإِنَّهُ لَا يُفْطِرُ أَفَادَهُ فِي الْبَحْرِ ط .وَحَاصِلُهُ أَنَّ ذِكْرَ الْعَمْدِ لِبَيَانِ تَعَمُّدِ الْفِطْرِ بِكَوْنِهِ ذَاكِرًا لِصَوْمِهِ وَالِاسْتِقَاءُ لَا يُفِيدُ ذٰلِکَ بَلْ يُفِيدُ تَعَمُّدَ الْقَيْءِ قَوْلُهُ :مُطْلَقًا) أَيْ سَوَاءٌ عَادَ أَوْ أَعَادَهُ أَوْ لَا وَلَا ح.قَالَ فِي الْفَتْحِ :وَلَا يَتَأَتَّى فِيهِ تَفَرُّعُ الْعَوْدِ وَالْإِعَادَةِ؛ لِأَنَّهُ أَفْطَرَ بِمُجَرَّدِ الْقَيْءِ قَبْلَهُمَا (قَوْلُهُ: وَإِنْ أَقَلَّ لَا) أَيْ إنْ لَمْ يَعُدْ وَلَمْ يُعِدْهُ بِدَلِيلِ قَوْلِهِ فَإِنْ عَادَ بِنَفْسِهِ إلَخْ ح (قَوْلُهُ :وَهُوَ الصَّحِيحُ) قَالَ فِي الْفَتْحِ صَحَّحَهُ فِي شَرْحِ الْكَنْزِ أَيْ الزَّيْلَعِيُّ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ (قَوْلُهُ :لَمْ يُفْطِرْ) أَيْ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لِعَدَمِ الْخُرُوجِ، فَلَا يَتَحَقَّقُ الدُّخُولُ فَتْحٌ أَيْ؛ لِأَنَّ مَا دُونَ مِلْءِ الْفَمِ لَيْسَ فِي حُكْمِ الْخَارِجِ كَمَا مَرَّ (قَوْلُهُ :فَفِيهِ رِوَايَتَانِ) أَيْ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا يَتَأَتَّى التَّفْرِيعُ لِمَا مَرَّ(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص ۴۱۴،۴۱۵، كِتَابُ الصَّوْمِ،بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

[۱] لَوْ ابْتَلَعَ الْبَلْغَمَ بَعْدَمَا تَخَلَّصَ بِالتَّنَحْنُحِ مِنْ حَلْقِهِ إلَى فَمِهِ لَا يُفْطِرُ عِنْدَنَا قَالَ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ وَلَمْ أَرَهُ وَلَعَلَّهُ كَالْمُخَاطِ قَالَ :ثُمَّ وَجَدْتهَا فِي التَّتَارْخَانِيَّة سُئِلَ إبْرَاهِيمُ عَمَّنْ ابْتَلَعَ بَلْغَمًا قَالَ إنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ مِلْءِ فِيهِ لَا يَنْقُضُ إجْمَاعًا وَإِنْ كَانَ مِلْءَ فِيهِ يَنْقُضُ صَوْمَهُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لَا يَنْقُضُ .اهـ.وَسَيَذْكُرُ الشَّارِحُ ذٰلِکَ أَيْضًا فِي بَحْثِ الْقَيْءِ(رد المحتار ،ج۲،ص ۴۰۰،كِتَابُ الصَّوْمِ،بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

وَهٰذَا فِي غَيْرِ الْبَلْغَمِ أَمَّا هُوَ فَغَيْرُ مُفْسِدٍ مُطْلَقًا خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ فِي الصَّاعِدِ وَاسْتَحْسَنَهُ الْكَمَالُ وَغَيْرُهُ(منحة الخالق على هامش البحرالرائق، ج۲،ص ۲۹۵، كِتَابُ الصَّوْمِ،بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

وَأَطْلَقَ فِي أَنْوَاعِ الْقَيْءِ وَالِاسْتِقَاءِ فَشَمِلَ مَا إذَا اسْتَقَاءَ بَلْغَمًا مِلْءَ الْفَمِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ بِنَاءً عَلَى الِاخْتِلَافِ فِي انْتِقَاضِ الطَّهَارَةِ،وَقَوْلُ أَبِي يُوسُفَ هُنَا أَحْسَنُ إلَى قَوْلِهِ كَذَا فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ (منحة الخالق على هامش البحرالرائق، ج۲،ص ۲۹۶، كِتَابُ الصَّوْمِ،بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

فعلى هذا ينبغى أن يحتاط فى النخامة والبزاق حتى لا يفسد صومه على قول مجتهد(الفتاوى البزازية، ج۱،ص ۴۶، كتاب الصوم)

[۲] أَنَّ الْمُرَادَ بِالْعَمْدِ تَذَكُّرُ الصَّوْمِ لَا تَعَمُّدُ الْقَيْءِ فَهُوَ مَخْرَجٌ لِمَا إذَا فَعَلَ ذٰلِکَ نَاسِيًا فَإِنَّهُ لَا يُفْطِرُ أَفَادَهُ فِي الْبَحْرِ ط(رد المحتار، ج۲،ص ۴۱۴،بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

بوجھ کر کھا پی لیا، تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اس پر بعد میں روزہ کی قضا واجب ہوگی۔ [1]

ناک (Nose) میں کوئی چیز لگانا یا کھینچنا

ناک ایک چھوٹا سا عضو ہے، جو منہ کے اوپر اور دونوں آنکھوں ورخسار کے درمیان واقع ہے، ناک دراصل سونگھنے کی قوت کا ذریعہ وآلہ ہے، ناک کا اوپری حصہ نازک ہڈیوں سے، اور نیچے کا حصہ نرم ہڈیوں یا کُر یوں سے بنا ہوا ہے، ناک کے دونوں نتھنوں کے سوراخ عظمِ مصفات یا عظمِ مشاشی تک پہنچتے ہیں، عظمِ مصفات ایک جھلی کی طرح سوراخ دار ہڈی ہے، اس پر دو بے ڈول جوف یا گڑھے ہوتے ہیں، جو تالو کے اوپر واقع ہیں، ان جوفوں کے سامنے کے سوراخ باہر کی طرف ناک کے نتھنوں سے ملے رہتے ہیں، اور پچھلے سوراخ یعنی بلعوم انفی (Nasopharynx) منہ کے اندرونی حصہ میں بلعومِ فموی (Oropharynx) سے پہلے کھُلتے ہیں (حاذق، صفحہ ۱۳۳، ۱۳۴، باضافہ، مصنفہ: حکیم حافظ محمد اجمل خان) [2]

---

[1] لَوُ ذَرَعَهُ الْقَیْءُ وَظَنَّ أَنَّهُ یُفَطِّرُهُ فَأَفُطَرَ، فَلَا كَفَّارَةَ عَلَیُهِ لِوُجُودِ شُبُهَةِ الِاشْتِبَاهِ بِالنَّظِیرِ فَإِنَّ الْقَیْءَ وَالِاسْتِقَاءَ مُتَشَابِهَانِ؛ لِأَنَّ مَخْرَجَهُمَا مِنُ الْفَمِ وَكَذَا لَوِ احْتَلَمَ لِلتَّشَابُهِ فِی قَضَاءِ الشَّهُوَةِ وَإِنُ عَلِمَ أَنَّ ذَلِکَ لَا یُفَطِّرُهُ فَعَلَیُهِ الْكَفَّارَةُ؛ لِأَنَّهُ لَمُ تُوجَدُ شُبُهَةُ الِاشْتِبَاهِ وَلَا شُبُهَةُ الِاخْتِلَافِ اهـ.(رد المحتار علی الدر المختار، ج ۲، ص ۴۰۲، كِتَابُ الصَّوُمِ، بَابُ مَا یُفُسِدُ الصَّوُمَ وَمَا لَا یُفُسِدُهُ)

[2] وإذا انتهى الأنف إلى أعلاه انقسم المجرى هناک إلى ثلاثة أقسام: قسم واحد غليظ متسع ينحدر مؤرباً إلى آخر فضاء الفم، وفيه ينفذ الهواء إلى الحنجرة وقصبة الرئة ثم إلى الرئة وقسمان دقيقان يصعد منهما الهواء إلى عظام المصفاة المثقبة، ومن هناک إلى داخل الأم الجافية فى ثقوب الأم الجافية محاذية لثقوب تلک العظام ومن هناک تنفذ إلى الزائدتين الشبيهتين بحلمة الثدى اللتين فى مقدم الدماغ وفى كل واحدة من تلک الزائدتين ثقب دقيق جداً يفضى إلى داخل الدماغ، فلذلک فإن الروائح لها تأثير قوى فى الدماغ، وذلک لأجل نفوذها صحبة الهواء المستنشق فى هذين الثقبين إلى داخل الدماغ .ومما يدل على أن إدراک الرائحة هو بهاتين الزائدتين أن الهواء المخالط للرائحة وإن كثرت تلک الرائحة وقويت فإن تلک الرائحة إنما تدرک إذا استنشق ذلک الهواء حتى بلغ هناک ولو كان إدراک الرائحة هو بالمنخرين لكنا ندرک تلک الرائحة بدون الاستنشاق وذلک إذا امتلأ المنخران من الهواء الحامل لتلک الرائحة ومن ذينک الثقبين تندفع الفضول من البطن المقدم من الدماغ إلى حيث ينتهى إلى الأنف فى التصعيد فينزل بعضها فى مجرى الحنک إلى فضاء الفم، ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس سے معلوم ہوا کہ ناک کے راستہ سے بھی بعض اوقات کسی چیز کا منہ کے اندر بلعوم انفی (Nasopharynx) کے واسطے سے بلعومِ فموی (Oropharynx) سے نیچے بلعومِ حنجری یا بلعوم سفلی (Hypopharynx) کی طرف پیٹ میں داخل ہونا ممکن ہے۔

حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَالِغْ فِى الْاِسْتِنْشَاقِ، إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ صَائِمًا (سنن أبی داؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ (وضو کے دوران) ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کریں، مگر یہ کہ آپ روزہ دار ہوں (ابوداؤد، ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ دار کو وضو کے دوران کلی کرنے کی طرح ناک میں پانی ڈالنا جائز ہے، لیکن ناک کے ذریعہ سے پانی زیادہ اندر لے جانا اور بالفاظِ دیگر مبالغہ کرنا منع ہے۔

کیونکہ ناک کے سوراخ یعنی بلعوم انفی (Nasopharynx) منہ کے اندر جا کر کھلتے ہیں، جس کی وجہ سے ناک کے ذریعہ سے لے جایا ہوا پانی پیٹ کے اندر جانے کا خدشہ ہوتا ہے، جو روزہ ٹوٹنے کا سبب بن سکتا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وبعضها يخرج من الأنف وباقى ألفاظ هذا الفصل ظاهرة المعنى. والله ولى التوفيق (شرح تشريح القانون لابنِ سينا، ج ١ ص ١٣٠، ١٣١، لابن النفيس، تشريح اعضاء الحلق)

[1] رقم الحديث ٢٣٦٦، كتاب الصوم، باب الصائم يصب عليه الماء من العطش ويبالغ فى الاستنشاق، واللفظ لهٗ، سنن الترمذى، رقم الحديث ٧٨٨.

قال الترمذى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ كَرِهَ أَهْلُ الْعِلْمِ السُّعُوطَ لِلصَّائِمِ، وَرَأَوْا أَنَّ ذَلِكَ يُفْطِرُهُ، وَفِى الْحَدِيثِ مَا يُقَوِّى قَوْلَهُم.

[2] البتہ متقدمین نے دماغ سے پیٹ تک منفذ ہونے کی وجہ سے دماغ میں کسی چیز کے پہنچنے کو مفسِد قرار دیا ہے، جس پر کلام آگے آتا ہے۔ موجودہ ماہرین سے رابطہ کرنے پر معلوم ہوا کہ ناک سے پانی وغیرہ دماغ میں نہیں جا سکتا، بلکہ ناک کا اندرونی یا بالائی حصہ جس میں قوتِ شامہ ہوتی ہے، اس سے پانی لگے، تو ایسی جھنجھناہٹ ہوتی ہے، جیسے دماغ میں کوئی چیز چلی گئی، اسے بہت سے لوگ دماغ میں جانا سمجھ لیتے ہیں۔

وَكَانَ فِى نَهْيِهِ عَنْهَا فِى حَالِ الصِّيَامِ مَا قَدْ دَلَّ عَلَى أَنَّهَا تُفْسِدُ الصِّيَامَ بِدُخُولِ الْمَاءِ بِهَا مِنَ الْمَوْضِعِ الَّذِى بَلَغَ بِهَا إِلَيْهِ، مِمَّا يَكُونُ سَبَبًا إِلَى وُصُولِهَا إِلَى حَلْقٍ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اب ناک کے ذریعہ سے کسی چیز کے اندر داخل کرنے کے متعلق اہم مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر۱...... ناک کے نتھنوں کے اندرونی سوراخ بلعوم انفی (Nasopharynx) منہ کے آخری حصہ میں حلق یعنی بلعومِ فموی (Oropharynx) کے قریب اس سے پہلے واقع ہیں، لہٰذا اگر ناک کے سوراخوں سے کوئی چیز صرف منہ کے آخری حصہ یا حلق کی جڑ تک پہنچ جائے، مگر پیٹ میں داخل نہ ہو، اور اگر منہ میں داخل ہو، تو اس کو باہر نکال دے، اس سے اصولی درجہ میں روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الْمُسْتَعْمِلِ لَهَا، فَيَكُونَ ذَلِكَ مُفْسِدًا عَلَيْهِ صِيَامَهُ(شرح مشكل الآثار، ج۱۴ ص۱۳۱، بَابُ بَيَانِ مُشْكِلِ مَا رُوِيَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَمْرِهِ بِالْمُبَالَغَةِ بِالِاسْتِنْشَاقِ فِي الْوُضُوءِ لِلصَّلَاةِ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمُتَوَضِّئُ صَائِمًا)

وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ حُكْمَ سَائِرِ مَا يَأْكُلُهُ لَا يَخْتَلِفُ فِي وُجُوبِ الْقَضَاءِ إذَا أَكَلَهُ عَمْدًا وَأَمَّا السَّعُوطُ وَالدَّوَاءُ الْوَاصِلُ بِالْجَائِفَةِ أَوْ الْآمَّةِ فَالْأَصْلُ فِيهِ حَدِيثُ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَالِغْ فِي الِاسْتِنْشَاقِ إلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا فَأَمَرَهُ بِالْمُبَالَغَةِ فِي الِاسْتِنْشَاقِ وَنَهَاهُ عَنْهَا لِأَجْلِ الصَّوْمِ، فَدَلَّ ذَلِكَ عَلَى أَنَّ مَا وَصَلَ بِالِاسْتِنْشَاقِ إلَى الْحَلْقِ أَوْ إلَى الدِّمَاغِ أَنَّهُ يُفْطِرُ لَوْلَا ذَلِكَ لَمَا كَانَ لِنَهْيِهِ عَنْهَا لِأَجْلِ الصَّوْمِ مَعْنًى مَعَ أَمْرِهِ بِهَا فِي غَيْرِ الصَّوْمِ وَصَارَ ذَلِكَ أَصْلًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فِي إيجَابِ الْقَضَاءِ فِي كُلِّ مَا وَصَلَ إلَى الْجَوْفِ وَاسْتَقَرَّ فِيهِ مِمَّا يُسْتَطَاعُ الِامْتِنَاعُ مِنْهُ سَوَاءٌ كَانَ وُصُولُهُ مِنْ مَجْرَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ أَوْ مِنْ مَخَارِقِ الْبَدَنِ الَّتِي هِيَ خِلْقَةٌ فِي بِنْيَةِ الْإِنْسَانِ أَوْ مِنْ غَيْرِهَا لِأَنَّ الْمَعْنَى فِي الْجَمِيعِ وُصُولُهُ إلَى الْجَوْفِ وَاسْتِقْرَارُهُ فِيهِ مَعَ إمْكَانِ الِامْتِنَاعِ مِنْهُ فِي الْعَادَةِ وَلَا يَلْزَمُ عَلَى ذَلِكَ الذُّبَابُ وَالدُّخَانُ وَالْغُبَارُ يَدْخُلُ حَلْقَهُ لِأَنَّ جَمِيعَ ذَلِكَ لَا يُسْتَطَاعُ الِامْتِنَاعُ مِنْهُ فِي الْعَادَةِ وَلَا يُمْكِنُ التَّحَفُّظُ مِنْهُ بِإِطْبَاقِ الْفَمِ(أحكام القرآن، للجصاص، ج۱، ص۲۳۸، سورة البقرة)

وَمَا وَصَلَ إلَى الْجَوْفِ أَوْ إلَى الدِّمَاغِ عَنْ الْمَخَارِقِ الْأَصْلِيَّةِ كَالْأَنْفِ وَالْأُذُنِ وَالدُّبُرِ بِأَنْ اسْتَعَطَ أَوْ احْتَقَنَ أَوْ أَقْطَرَ فِي أُذُنِهِ فَوَصَلَ إلَى الْجَوْفِ أَوْ إلَى الدِّمَاغِ فَسَدَ صَوْمُهُ، أَمَّا إذَا وَصَلَ إلَى الْجَوْفِ فَلَا شَكَّ فِيهِ لِوُجُودِ الْأَكْلِ مِنْ حَيْثُ الصُّورَةِ. وَكَذَا إذَا وَصَلَ إلَى الدِّمَاغِ لِأَنَّهُ لَهُ مَنْفَذٌ إلَى الْجَوْفِ فَكَانَ بِمَنْزِلَةِ زَاوِيَةٍ مِنْ زَوَايَا الْجَوْفِ. وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- أَنَّهُ قَالَ لِلَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ: بَالِغْ فِي الْمَضْمَضَةِ، وَالِاسْتِنْشَاقِ إلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا وَمَعْلُومٌ أَنَّ اسْتِثْنَاءَهُ حَالَةَ الصَّوْمِ لِلِاحْتِرَازِ عَنْ فَسَادِ الصَّوْمِ وَإِلَّا لَمْ يَكُنْ لِلِاسْتِثْنَاءِ مَعْنًى، وَلَوْ وَصَلَ إلَى الرَّأْسِ ثُمَّ خَرَجَ لَا يُفْسِدُ بِأَنْ اسْتَعَطَ بِاللَّيْلِ ثُمَّ خَرَجَ بِالنَّهَارِ لِأَنَّهُ لَمَّا خَرَجَ عَلِمَ أَنَّهُ لَمْ يَصِلْ إلَى الْجَوْفِ، أَوْ لَمْ يَسْتَقِرَّ فِيهِ(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۲ ص۹۳، كِتَابُ الصَّوْمِ، فَصْلٌ أَرْكَان الصِّيَام)

[۱] فقہائے کرام نے استنشاق اور سعوط کی صورت میں ناک میں پانی یا دوا جانے کو مفسد قرار نہیں دیا، تا آنکہ وہ دماغ تک نہ پہنچ جائے، اور دماغ تک پہنچنے کی قید کی بظاہر وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک دماغ سے پیٹ کی طرف راستہ ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... وضواور غسل کے دوران ناک کے ذریعہ سے غلطی سے پانی پیٹ میں چلا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی سعوط کے مفسدِ صوم ہونے کی وجہ دخول فی الرأس منقول ہے، اور دخول فی الرأس یا فی الدماغ کے مفسد ہونے کی وجہ جوفِ رأس اور جوفِ معدہ کے درمیان منفذ ہونا ہے، پس دماغ میں ناک کی طرف سے داخل ہونے کے مفسد ہونے کی علت کان میں داخل ہونے کی علت کی طرح ہوئی۔

جبکہ موجودہ تحقیق سے دماغ کی طرف سے پیٹ میں منفذ کی نفی ہوتی ہے، جس کے پیشِ نظر کان کے مسئلہ کی طرح یہ کہا جائے گا کہ اگر ناک سے کوئی چیز داخل کی، اور وہ پیٹ میں داخل نہیں ہوئی، بلکہ دماغ میں داخل ہوگئی (جو کہ موجودہ ماہرین کے بقول عام حالات میں مشکل ہے) یا منہ میں داخل ہوگئی، لیکن اسے منہ سے باہر نکال دیا گیا، تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

قال البرزلی :من رعف فأمسک أنفه فخرج الدم من فيه ولم يرجع إلى حلقه فلا شيء عليه؛ لأن منفذ الأنف إلى الفم دون الجوف، فهو ما لم يصل إلى الجوف لا شيء فيه، انتهى(مواهب الجليل فی شرح مختصر خليل، ج۲ص ۴۲۵، کتاب الصيام، باب مايثبت به رمضان)

قلت أَرَأَيْت رجلا استعط فِي شهر رَمَضَان وَهُوَ صَائِم قَالَ عَلَيْهِ قَضَاء ذَلِک الْيَوْم قلت فَإِن اكتحل وَهُوَ صَائِم فَوجدَ طعم الْكحل فِي حلقه قَالَ لَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاء وَلَا كَفَّارَة قلت من أَيْن اختلفَا قَالَ لِأَن السعوط يدْخل رَأسه والكحل لَا يدْخل رَأسه وَإِنَّمَا الَّذِي يُوجد مِنْهُ رِيحه مثل الْغُبَار وَالدُّخَان يدْخل حلقه(الاصل المعروف بالمبسوط للشيبانی ج۲ص ۲۰۲، کتاب الصوم)

الْفِطْرَ يَتَعَلَّقُ بِالْوُصُولِ إلَى الْجَوْفِ(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۳، ص ۲۴۶، كِتَابُ الرَّضَاعِ)

سواء أدخله "بطنا "من الفم أو الأنف(مراقی الفلاح ، ج ۱، ص ۲۳۲، کتاب الصوم)

فَأَمَّا السَّعُوطُ وَالْوَجُورُ يُفْطِرُهُ لِوُصُولِهِ إلَى أَحَدِ الْجَوْفَيْنِ إمَّا الدِّمَاغُ، أَوْ الْجَوْفُ وَالْفِطْرُ مِمَّا يَدْخُلُ (المبسوط للسرخسی، ج۳ص ۶۷، کتاب الصوم)

(قَوْلُهُ أَيْ صَبَّ الدَّوَاءَ فِي أَنْفِهِ) هَذَا تَفْسِيرُ السَّعُوطِ، وَعَلَى مَا قَدَّمْنَاهُ مِنَ الْكَلَامِ فِي إقْطَارِ الْمَاءِ فِي الْأُذُنِ لَا يَخْتَصُّ السَّعُوطُ بِالدَّوَاءِ فِي الْحُكْمِ؛ وَلِذَا قَالَ فِي الْبُرْهَانِ أَوِ اسْتَعَطَ شَيْئًا فَدَخَلَ دِمَاغَهُ أَفْطَرَ اهـ .وَفِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ لَوِ اسْتَنْشَقَ فَوَصَلَ الْمَاءُ إلَى دِمَاغِهِ أَفْطَرَ.(تَنْبِيهٌ) : قَالَ قَاضِي خَانْ :الْحُقْنَةُ تُوجِبُ الْقَضَاءَ، وَكَذَا السَّعُوطُ وَالْوُجُورُ وَالْقُطُورُ فِي الْأُذُنِ أَمَّا الْحُقْنَةُ وَالْوُجُورُ؛ فَلِأَنَّهُ وَصَلَ إلَى الْجَوْفِ مَا فِيهِ صَلَاحُ الْبَدَنِ وَفِي الْقُطُورِ وَالسَّعُوطِ؛ لِأَنَّهُ وَصَلَ إلَى الرَّأْسِ مَا فِيهِ صَلَاحُ الْبَدَنِ(حاشية الشرنبلالی علی التبيين، ج ۱ ص ۳۰۳، باب موجب الافساد فی الصوم)

وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ اسْتَنْشَقَ فَوَصَلَ الْمَاءُ إلَى فَمِهِ، وَلَمْ يَصِلْ إلَى دِمَاغِهِ لَا يُفْسِدُ صَوْمَهُ(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۲، ص ۲۷۹، کتاب الصوم، اقسام الصوم)

استنشق فوصل الماء إلى فمه ولم يصل إلى دماغه لم يفطر(الفتاویٰ البزازية، کتاب الصوم)

(أَوْ خَرَجَ الدَّمُ مِنْ بَيْنِ أَسْنَانِهِ وَدَخَلَ حَلْقَهُ) يَعْنِي وَلَمْ يَصِلْ إلَى جَوْفِهِ(الدر المختار مع رد المحتار، ج۲، ص ۳۹۷، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

لَوْ بَقِيَ السَّعُوطُ فِي الْأَنْفِ وَلَمْ يَصِلْ إلَى الرَّأْسِ لَا يُفْطِرُ(رد المحتار ، ج۲، ص ۴۰۲، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جائے، تو اس بارے میں روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کی تفصیل وہی ہے، جو وضو اور غسل کے دوران کلی کرتے ہوئے پیٹ میں چلے جانے کی ذکر کی گئی، کہ بعض حضرات کے نزدیک روزہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَالتَّحقِيقُ أَنَّ بَيْنَ جَوْفِ الرَّأْسِ وَجَوْفِ المعدة مَنْفَذًا أَصْلِيًّا فَمَا وَصَلَ إِلَى جَوْفِ الرَّأْسِ يَصِلُ إِلَى جَوْفِ الْبَطْنِ(رد المحتار، ج۲، ص۴۰۳، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

واما قولهم بفساد الصوم اذا دخل شيئ الى الدماغ فهو ايضا مبنى على ان بينه وبين الحلق مسلكا، لانه جوف معتبر فى نفسه (ضابط المفطرات فى مجال التداوى، للشيخ المفتى محمد رفيع العثمانى، ص۳۴، الباب الاول، الفصل الثالث فى بيان الجوف)

وهناك نواح مبنية على النظر الطبى فيمكن أن يتغير فيها الحكم بتغير التحقيقات الطبية.

الذى تنبنى عليه مسائل الإفطار هو وصول الشىء إلى الجوف، والجوف وإن كان يطلق فى اللغة على كل شىء مجوف ولكن الفقهاء اختلفوا فى تعيين معنى الجوف الذى يؤثر فى إفطار الصوم , وقد تتبعت كتب المذاهب فى هذا الموضوع فوجدت أن الحنفية والمالكية متفقون على أن المراد بالجوف هو الحلق والمعدة والأمعاء فقط .ويظهر من كتب الشافعية أنهم يعتبرون كل جوف فى باطن جسم الإنسان جوفًا معتبرًا يؤثر فى إفطار الصوم .وأما الحنابلة فقد وجدت فى كتبهم عبارات مختلفة ولم أبت بالنظر فى هذه الروايات ولم يتمخض لى المذهب المفتى به والمأخوذ به عندهم , فالروايات تدل على أنهم ينحون منحى الحنفية والمالكية فى أن الجوف المعتبر هو الحلق والمعدة والأمعاء فقط، وتدل بعض العبارات على أنهم ينحون منحى الشافعية فى اعتبار كل باطن الجسم من الجوف المعتبر.فهذا موضوع فقهى بحت وليس فيه مدخل للرأى الطبى ,ثم هناك ناحية أخرى وهى قضية نفوذ الشىء إلى الجوف ,فهذه قضية طبية ولها علاقة بالتحقيق الطبى ,فبنى كثير من الفقهاء بعض المسائل على اعتبار أن هناك منفذًا للجوف فلذلك أفتوا بالإفطار، وذهب بعض الفقهاء إلى أنه ليس هناك منفذ إلى الجوف فذهبوا إلى عدم الإفطار، وهذا فى مسألة الأذن -مثلًا- وفى مسألة الدماغ، وفى مسألة القبل ,ففى مسألة الدماغ -مثلًا -ذهب الإمام أبو حنيفة -رحمه الله -إلى أنه إذا داوى آمة فى الرأس فإنه يفسد به الصوم، لأنه رأى أن هناك منفذًا من الدماغ إلى الجوف، يعنى إلى المعدة وإلى البطن .وهذا موضوع يتعلق بالطب، فإذا ظهر هناك تحقيق جديد أو اكتشاف جديد فى علم الطب بأنه ليس هناك منفذ واتفق الأطباء على أنه ليس هناك منفذ فيما بين الدماغ والبطن فحينئذ القول بفساد الصوم بمداواة آمة الرأس هذا القول ينبغى أن يرجع عنه، ويؤخذ بهذا الرأى الطبى الحديث، لأنه مبنى على واقع قد تحقق خلافه.وكذلك مسألة الأذن، فمن قال بإفساد الصوم بإدخال الدواء فى الأذن فإنه قال ذلك اعتمادا على أن هناك منفذًا فيما بين الأذن والحلق، وإذا تحقق طبيًّا وثبت طبيًّا باتفاق أهل الطب بأنه ليس هناك منفذ فينبغى أن يتغير هذا الرأى؛ لأن هذا ليس مسألة فقهية وإنما هى مسألة واقعية وطبية .وعلى هذا الأساس الموضوعات التى تهمنا فى هذه الجلسة هى موضوع (الأذن) وموضوع (الرأس والآمة) وموضوع (القبل) ، وكذلك القبل قد تحقق أنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ٹوٹ جاتا ہے، اور بعض کے نزدیک نہیں ٹوٹتا، الا یہ کہ اپنی طرف سے ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ سے کام لیا جائے۔ ل

اگر ناک کے ذریعہ سے حلق و پیٹ میں پانی نہیں گیا، بلکہ دماغ کی طرف چڑھ گیا (جس کا طبی لحاظ سے دماغ میں جانا مشکل ہے) تو راجح یہ ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ لیس هناک منفذ فیما بین القبل والبطن .فلذلک ینبغی أن نقول بعدم فساد الصوم إذا أدخل شیء من القبل(مجلة المجمع الفقه الاسلامی، مقالة :المفطرات فی ضوء الطب الحدیث للشیخ المفتی تقی العثمانی، ج۱۰ ص ۸۳۲)

المنفذ الثانی :الأنف،الأنف منفذ إلی الحلق وما وراءه -قطعا یدرک ذلک حتی غیر أهل الاختصاص -فکثیر من العملیات الجراحیة یدخل الفریق الطبی أنبوبًا طرفه بالمعدة وطرفه بجهاز استقبال یتجمع فیه إفرازات المعدة(مجلة مجمع الفقه الإسلامی، ج ۱۰ ص۷ ۲۱، الموضوع: المفطرات، المقالة:المفطرات ،للشیخ محمد المختار السلامی، مفتی الجمهوریة التونسیة)

الأنف منفذ إلی الحلق کما هو معلوم بدلالة السنة، والواقع، والطب الحدیث

فمن السنة قوله صلی الله علیه وسلم "وبالغ بالاستنشاق إلا أن تکون صائماً" فدل هذا الحدیث علی أن الأنف منفذ إلی الحلق، ثم المعدة، والطب الحدیث أثبت، ذلک فإن التشریح لم یدع مجالاً للشک باتصال الأنف بالحلق(مفطرات الصیام المعاصرة، الباب الثانی :المفطرات المعاصرة، الفصل الأول :المفطرات المعاصرة الداخلة إلی بدن الصائم، المبحث الثانی ،ما یدخل إلی الجسم عبر الأنف ،لأحمد بن محمد الخلیل، الأستاذ المساعد فی قسم الفقه، بجامعة القصیم)

ل فأما الاستنشاق فحکمه حکم المضمضة کما ذکره علی الاختلاف(النتف فی الفتاوی، ج ۱، ص ۱۵۶، کتاب الصوم)

الأنف ینطبق علیه ما انطبق علی الفم فی حالة الصوم، فیأخذ حکمه فی المبالغة فی الغسل(عمدة الرعایة بتحشیة شرح الوقایة، ج ۱، ص ۳۴۹، کتاب الطهارة)

عَنْ نُصَیْرِ بْنِ یَحْیَی فِیمَنْ اغْتَسَلَ وَدَخَلَ الْمَاءُ فِی حَلْقِهِ لَمْ یَفْسُدْ(البحر الرائق، ج۲ ص ۲۹۲، با مایفسد الصوم ومالایفسده)

۲ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فتاویٰ امدادیہ مطبوعہ مجتبائی جلد اول صفحہ ۱۸۱ میں جو مسئلہ مذکور ہے کہ ناک کی راہ سے دماغ میں پانی پہنچانے سے روزہ نہیں جاتا اھ، اس مسئلہ میں بعض وجوہ سے تردد ہو گیا، یعنی اگر ناک سے حلق میں پانی چلا آیا، تب تو روزہ فاسد ہو ہی جائے گا، اس میں تردد نہیں، صرف دماغ تک پہنچنے کی صورت میں تردد ہے، تحقیق کر لیں (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۲۹، کتاب الصوم)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے ناک کی راہ سے دماغ میں پہنچنے سے روزہ فاسد نہ ہونے کے موقف کی تائید درج ذیل عبارت سے ہوتی ہے:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۰...... چکی پیسنے، جھاڑو دینے، روئی دھننے اور دوسرے کام کاج کے دوران جو گرد وغبار اڑتا ہے، وہ اگر خود بخود سانس کے ساتھ اندر چلا جائے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جیسا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فَلَوْ دَخَلَ الْمَاءُ فِي الْغُسْلِ أَنْفَهُ أَوْ أُذُنَهُ وَوَصَلَ إِلَى الدِّمَاغِ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ اھـ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۲، ص ۳۰۰، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

ناک میں پانی جانے سے روزہ کے فاسد ہونے کے قائلین نے یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ دماغ سے پیٹ کی طرف منفذ ہے۔
چنانچہ امداد الفتاویٰ اور امداد المفتیین میں ہے کہ:

جوف سے مراد صرف جوفِ بطن ہے، اور جوفِ دماغ سے چونکہ جوفِ بطن میں پہنچنا لازمی ہے، اس لئے اس میں پہنچنے کو بھی طبعاً لجوف المعدہ مفسد قرار دیا ہے (امداد الفتاویٰ، ج ۲ ص ۱۴۶، کتاب الصوم، امداد المفتیین ص ۴۹۱، کتاب الصوم)

یہ مسئلہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا تحریر فرمودہ ہے، جس کی تصحیح حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب اور حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحہم اللہ نے فرمائی ہے (ملاحظہ ہو: امداد المفتیین صفحہ ۴۹۲، کتاب الصوم، فصل فیما یفسد الصوم وما یکرہ للصائم)
اور حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

واما قولهم بفساد الصوم اذا دخل شيئ الى الدماغ فهو ايضا مبنى على ان بينه وبين الحلق مسلكا، لانه جوف معتبر فى نفسه (ضابط المفطرات فى مجال التداوى، ص ۳۴، الباب الاول، الفصل الثالث فى بيان الجوف)

اور موجود تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دماغ سے بطن یعنی پیٹ بلکہ ناک سے دماغ کی طرف بھی کوئی غذائی ودوائی منفذ نہیں ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، لہٰذا ناک سے صرف دماغ کی طرف پانی یا کوئی چیز چڑھنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

خلاصة هذا الفصل: ان الجوف المعتبر فى الصوم عند الحنفية والمالكية هى المعدة والحلق والامعاء، واما الاجواف الاخر فى باطن الجسم فما كان له مسلك الى احد هذه الثلاثة بحيث اذا وصل شيئ من الخارج الى هذا الجوف وصل الى احد هذه الثلاثة عادة ياخذ حكمها، ومالا فلا (ضابط المفطرات فى مجال التداوى، للشيخ المفتى محمد رفيع العثمانى، ص ۵۱، الباب الاول، الفصل الثالث فى بيان الجوف)

الجوف المعتبر فى نفسه عند الحنفية هى المعدة والحلق والامعاء (وانظر للامعاء عبارتهم المارة برقم ۴) واما الاجواف الاخر التى توجد فى باطن الجسم فما كان له مسلك الى احد هذه الثلاثة بحيث اذا وصل شيئ من الخارج الى هذا الجوف وصل الى احد هذه الثلاثة عادة ياخذ حكمها وما لا فلا.

وبقولنا: "باطن الجسم" خرج الفم والانف لان الشارع اعتبرهما فى الصوم من الخارج فليسا بجوفين معتبرين، فما وصل اليهما لايفسد الصوم مالم يصل الى الحلق (حاشية: ضابط المفطرات

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کہ پہلے منہ کے بیان میں گزرا۔ [1]

مسئلہ نمبر۴...... ناک کے ذریعہ سے ایسی آکسیجن دینا کہ جس میں دوا کے اجزاء شامل نہ ہوں، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ اس کا حکم سانس کے ذریعہ سے جانے والی ہوا کی طرح ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۵...... اپنے ارادہ واختیار سے ناک کے ذریعہ سے کوئی دھواں وغیرہ اندر کھینچنے سے جبکہ وہ بلعومِ حنجری یا بلعوم سفلی (Hypopharynx) سے نیچے پہنچ جائے، روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

چنانچہ اگر کوئی ناک کے ذریعہ سے بلعومِ حنجری یا بلعوم سفلی (Hypopharynx) کی طرف

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فی مجال التداوی، للشیخ المفتی محمد رفیع العثمانی، ص ۳۳، الباب الاول، الفصل الثالث فی بیان الجوف)

[1] وَغُبَارُ الطَّاحُونَةِ كَالدُّخَانِ (البحر الرائق، ج۲ص ۲۹۴، باب مایفسد الصوم وما لایفسده)

وَلَوْ دَخَلَ حَلْقَهُ غُبَارُ الطَّاحُونَةِ أَوْ طَعْمُ الْأَدْوِيَةِ أَوْ غُبَارُ الْهَرْسِ، وَأَشْبَاهُهُ أَوِ الدُّخَانُ أَوْ مَا سَطَعَ مِنْ غُبَارِ التُّرَابِ بِالرِّيحِ أَوْ بِحَوَافِرِ الدَّوَابِّ، وَأَشْبَاهِ ذَلِكَ لَمْ يُفْطِرْهُ كَذَا فِي السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ (الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص ۲۰۳، کتاب الصوم، الباب الرابع، النوع الاول)

(قَوْلُهُ :كَطَعْمِ أَدْوِيَةٍ) أَيْ لَوْ دَقَّ دَوَاءً فَوَجَدَ طَعْمَهُ فِي حَلْقِهِ زَيْلَعِيٌّ وَغَيْرُهُ .وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ طَعْمُ الْأَدْوِيَةِ وَرِيحُ الْعِطْرِ إذَا وَجَدَ فِي حَلْقِهِ لَمْ يُفْطِرْ كَمَا فِي الْمُحِيطِ (رد المحتار علی الدر المختار، ج۲، ص ۳۹۶، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

وَإِنْ دَخَلَ ذُبَابٌ جَوْفَهُ لَمْ يُفْطِرْهُ وَلَمْ يَضُرَّهُ، وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ وَكَانَ يَنْبَغِي فِي الْقِيَاسِ أَنْ يَفْسُدَ صَوْمُهُ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ أَكْثَرُ مِنْ أَنَّهُ غَيْرُ مُغَذٍّ وَأَنَّهُ لَا صُنْعَ لَهُ فِيهِ فَكَانَ نَظِيرُ التُّرَابِ يُهَالُ فِي حَلْقِهِ وَفِي الِاسْتِحْسَانِ لَا يَضُرُّهُ هَذَا؛ لِأَنَّهُ لَا يُسْتَطَاعُ الِامْتِنَاعُ مِنْهُ فَإِنَّ الصَّائِمَ لَا يَجِدُ بُدًّا مِنْ أَنْ يَفْتَحَ فَمَهُ فَيَتَحَدَّثَ مَعَ النَّاسِ وَمَا لَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ؛ وَلِأَنَّهُ مِمَّا لَا يَتَغَذَّى بِهِ فَلَا يَنْعَدِمُ بِهِ مَعْنَى الْإِمْسَاكِ، وَهُوَ نَظِيرُ الدُّخَانِ وَالْغُبَارِ يَدْخُلُ حَلْقَهُ (المبسوط للسرخسی، ج۳ص ۹۳، کتاب الصوم)

(قَوْلُهُ فَأَشْبَهَ الْغُبَارَ وَالدُّخَانَ) إذَا دَخَلَا فِي الْحَلْقِ فَإِنَّهُ لَا يُسْتَطَاعُ الِاحْتِرَازُ عَنْ دُخُولِهِمَا لِدُخُولِهِمَا مِنَ الْأَنْفِ إذَا طَبَّقَ الْفَمَ وَصَارَ أَيْضًا كَبَلَلٍ يَبْقَى فِي فِيهِ بَعْدَ الْمَضْمَضَةِ (فتح القدير، ج ۲، ص ۳۳۲)

وَإِذَا دَخَلَ الْغُبَارُ، أَوِ الدُّخَانُ حَلْقَ الصَّائِمِ لَمْ يَضُرَّهُ؛ لِأَنَّ هَذَا لَا يُسْتَطَاعُ الِامْتِنَاعُ مِنْهُ فَالتَّنَفُّسُ لَا بُدَّ مِنْهُ لِلصَّائِمِ وَالتَّكْلِيفُ بِحَسَبِ الْوُسْعِ (المبسوط للسرخسی، ج۳ص ۹۸، کتاب الصوم)

[2] (أَوِ اسْتَعَطَ) عَلَى الْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَهُوَ إيصَالُ مَائِعٍ إلَى الْجَوْفِ مِنْ طَرِيقِ الْمَنْخَرَيْنِ (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، ج ۱ ص ۲۴۱، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مُوجَبِ الْفَسَادِ)

الهواء غیر مفطر بالاجماع، وکذا ماکان من قبیل الاعراض لا الجواهر کالرائحة والبرودة والحرارة (ضابط المفطرات فی مجال التداوی، للشیخ المفتی محمد رفیع العثمانی، ص ۱۶۵، الباب الثالث، الفصل الاول)

دھواں کھینچ کر سگریٹ نوشی کرے، تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر۶ ...... روزہ کی حالت میں کسی قسم کی خوشبو سونگھنے سے روزہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ [2]

---

[1] لیکن اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک کفارہ واجب نہیں ہوتا، کیونکہ کفارہ واجب ہونے کے لئے منہ کے راستہ سے کسی چیز کا اندر پہنچنا ضروری ہے، جس کی تفصیل کفارہ کی بحث میں آتی ہے۔

وكذلك يفطر الصائم بمضغ الدخان أو نشوقه، لأنه نوع من أنواع التكييف، ويصل طعمه للحلق، ويتكيف به الدماغ مثل تكيفه بالدخان الذى يمص بالعود.

وهذا ما صرح به المالكية، وقواعد المذاهب الأخرى لا تأباه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۰،ص ۱۱۱،۱۱۲،تفطير الصائم بشرب الدخان)

قد عللوا عدم فساد الصوم بدخول الدخان بعدم امكان الاحتراز عنه فإذا شرب الدخان فقد ادخله عمدا ذاكرا للصوم فيفسد لا محالة ويجب القضاء حتما وقد نبه عليه بعض الفقهاء أيضاً فقال الشرنبلالى فى شرحه مراقى الفلاح عند نور الايضاح أو دخل فى حلقه دخان بلا صنعه وفى ماذكرنا اشارة إلى أن من ادخله بصنعه فى حلقه باى صورة كان فسد صومه سواء كان دخان عنبر او *غيرهما حتى إن من تبخر ببخار فآواه إلى نفسه وشم دخانه ذاكرا للصوم أفطر لامكان التحرز عن ادخال المفطر جوفه ودماغه وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس فليتنبه ولا يتوهم أنه كشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرق بين هواء التطييب بريح المسك وشبهه وبين جوهر دخان وصل إلى جوفه بفعله وسنذكر الكفارة بشربه انتهى وقال شيخ زاده فى مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر عند قول الماتن وأن دخل حلقه غيا أو ذباب أو دخان لا يفطر والقياس أن يفطر لوصول المفطر إلى جوفه وأن كان لا يتغذى به وجه الاستحسان أنه لايقدر على الامتناع عنها فإذا اطبق الفم لا يستطاع الاحتراز عن الوصول إلى الانف فصار كبلل يبقى فى فيه بعد المضمضة وعلى هذا لو ادخل حلقه فسد صومه حتى أن من تبخر ببخور فاشتم دخانه حلقه ذاكرا لصومه افطر لأنهم فرقوا بين الدخول والادخال لأن الادخال عمله والتحرز عنه ممكن ويؤيده قول صاحب النهاية إذا دخل الذباب جوفه لايفسد صومه لأنه لم يوجد ماهو ضد الصوم وهو ادخال الشىء من الخارج إلى الباطن وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس فليتنبه له انتهى وقال الحصكفى فى الدر المختار مفاده أنه لو ادخل حلقه الدخان افطر اى دخان كان ولوعود *لو ذاكر الامكان الاحتراز عنه فليتنبه له كما بسطه الشرنبلالى انتهى وفى رد المحتار به يعلم حكم شرب الدخان انتهى فقد بان لک دراية ورواية فساد الصوم بشرب دخان التنباک المعروف فى هذا الزمان ولم يبق للمنكر مع ذلک الا الضلال والطغيان(ترويج الجنان فى حكم شرب الدخان، لعبد الحيىٔ اللكنوى،ص ۷۱،۷۲)

[2] الهواء غير مفطر بالاجماع ،وكذا ماكان من قبيل الاعراض لا الجواهر كالرائحة والبرودة والحرارة (ضابط المفطرات فى مجال التداوى، للشيخ المفتى محمد رفيع العثمانى، ص ۱۶۵،الباب الثالث،الفصل الاول)

مسئلہ نمبر ۷...... اگر کوئی جِرم ومادہ والی چیز، خواہ وہ خشک ہو (مثلاً سفوف) یا تَر ہو، ناک میں ڈالی، یا ناک کے نتھنوں وسوراخوں میں لگائی اور اس کے اجزاء پیٹ میں نہیں پہنچے، اور اگر منہ میں پہنچے تو ان کو باہر نکال دیا، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

اور اگر اس کے اجزاء پیٹ میں پہنچ گئے، تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اگر کسی چیز کی صرف خوشبو حلق میں محسوس ہوئی، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ [1]

---

[1] پہلے گزر چکا ہے کہ فقہائے کرام نے جو ناک میں ڈالی ہوئی کسی چیز کے دماغ تک پہنچنے کو روزہ ٹوٹنے کا سبب قرار دیا ہے، یہ اس علت پر مبنی ہے کہ دماغ سے پیٹ تک راستہ ہو، اور ماہرین کی موجودہ تحقیق سے اس کی نفی ہوتی ہے "وَهَذَا لَيْسَ مِنْ بَابِ الْفِقْهِ؛ بل هو مُتَعَلِّقٌ بِالطِّبِّ"

قال البرزلی :من رعف فأمسک أنفه فخرج الدم من فيه ولم يرجع إلى حلقه فلا شیء عليه؛ لأن منفذ الأنف إلى الفم دون الجوف، فهو ما لم يصل إلى الجوف لا شیء فيه، انتهى(مواهب الجليل فی شرح مختصر خليل، ج۲ ص۴۲۵، کتاب الصيام، باب مايثبت به رمضان)

ذهب الحنفية والمالكية إلى أن من رعف فأمسک أنفه فخرج الدم من فيه ولم يرجع إلى حلقه فلا شیء عليه؛ لأن منفذ الأنف إلى الفم دون الجوف، فهو ما لم يصل إلى الجوف لا شیء فيه، ومن دخل دم رعافه حلقه فسد صومه .أما الشافعية والحنابلة فيؤخذ من عباراتهم أن ما يصل إلى جوف الصائم بلا قصد لا يفطر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص۲۶۷، مادة"رعاف" أثر الرعاف على الصوم)

فأما الاستنشاق فحكمه حكم المضمضمة كما ذكره على الاختلاف واما السعوط اذا وصل الى دماغه يفسد صومه وعليه القضاء فی قول الفقهاء ولا يفسد فی قول ابی عبد الله(النتف فی الفتاویٰ، ص۱۵۶، کتاب الصوم)

قوله" :أو دماغه "أی وإذا وصل دماغه وصل جوفه لأن التحقيق أن بين جوف الرأس وجوف المعدة منفذا أصليا فمتى وصل إلى جوف الرأس يصل إلى جوف البطن(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص۶۷۳، کتاب الصوم،باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء)

وَلَا يَرِدُ مَا وَصَلَ إلَى الدِّمَاغِ فَإِنَّهُ مُفْطِرٌ كَمَا سَيَأْتِي لِمَا أَنَّ بَيْنَ الدِّمَاغِ وَالْجَوْفِ مَنْفَذًا فَمَا وَصَلَ إلَى الدِّمَاغِ وَصَلَ إلَى الْجَوْفِ كَمَا صَرَّحَ بِهِ فِي الْبَدَائِعِ عَلَى مَا سَيَأْتِي، وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ اسْتَنْشَقَ فَوَصَلَ الْمَاءُ إلَى فَمِهِ، وَلَمْ يَصِلْ إلَى دِمَاغِهِ لَا يُفْسِدُ صَوْمَهُ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲،ص۲۷۹، كِتَابُ الصَّوْمِ،بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

وَفِي التَّحْقِيقِ أَنَّ بَيْنَ الْجَوْفَيْنِ مَنْفَذًا أَصْلِيًّا فَمَا وَصَلَ إلَى جَوْفِ الرَّأْسِ يَصِلُ إلَى جَوْفِ الْبَطْنِ كَذَا فِي النِّهَايَةِ وَالْبَدَائِعِ وَلِهَذَا لَوِ اسْتَعَطَ لَيْلًا، وَوَصَلَ إلَى الرَّأْسِ ثُمَّ خَرَجَ نَهَارًا لَا يَفْسُدُ كَمَا قَدَّمْنَاهُ، وَعَلَّلَهُ فِي الْبَدَائِعِ بِأَنَّهُ لَمَّا خَرَجَ عُلِمَ أَنَّهُ لَمْ يَصِلْ إلَى الْجَوْفِ أَوْ لَمْ يَسْتَقِرَّ فِيهِ(قَوْلُهُ، وَإِنْ أَقْطَرَ فِي إحْلِيلِهِ لَا) أَيْ لَا يُفْطِرُ أَطْلَقَهُ فَشَمِلَ الْمَاءَ وَالدُّهْنَ، وَهَذَا عِنْدَهُمَا خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ، وَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى أَنَّهُ هَلْ بَيْنَ الْمَثَانَةِ وَالْجَوْفِ مَنْفَذٌ أَمْ لَا، وَهُوَ لَيْسَ بِاخْتِلَافٍ فِيهِ عَلَى التَّحْقِيقِ فَقَالَا :لَا، وَوُصُولُ الْبَوْلِ مِنْ الْمَعِدَةِ إلَى الْمَثَانَةِ بِالتَّرَشُّحِ، وَمَا يَخْرُجُ رَشْحًا لَا يَعُودُ رَشْحًا كَالْجَرَّةِ إذَا سُدَّ رَأْسُهَا وَأُلْقِيَ فِي

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی وجہ سے اگر کوئی مریض ناک میں وِکس، سپرے (Nasal spray) وغیرہ احتیاط کے ساتھ استعمال کرے (اور احتیاط کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ناک کا رُخ نیچے کی طرف رکھے) تا کہ اس میں جانے والی دوا اوپر چڑھ کر بلعوم انفی (Nasopharynx) کے واسطے سے پیٹ میں نہ پہنچے، اور اگر دوا منہ میں پہنچے تو اس کو بلعومِ حنجری یا بلعوم سفلی (Hypopharynx) سے نیچے نہ لے جائے، بلکہ باہر نکال دے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ روزہ کی حالت میں بلاسخت ضرورت کے اس طرح کا عمل اختیار کرنا مکروہ ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الْحَوضِ يَخْرُجُ مِنهَا الْمَاء ُ، وَلَا يَدْخُلُ فِيهَا ذَكَرَهُ الْوَلْوَالِجِيُّ وَقَالَ :نَعَمْ قَالَ: هَـذَا فِـي الْهِـدَايَةِ، وَهَـذَا لَيْسَ مِنْ بَابِ الْفِقْهِ؛ لِأَنَّهُ مُتَعَلِّقٌ بِالطِّبِّ (البحر الرائق ، ج۲، ص ۳۳۰، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

وَفِـي عُـمْـدَـةِ الْـفَتَـاوَى لِـلصَّدْرِ الشَّهِيدِ فَلَوْ دَخَلَ الْمَاء ُفِي الْغُسْلِ أَنْفَهُ أَوْ أُذُنَهُ وَوَصَلَ إِلَى الدِّمَاغِ لَا شَيْء َعَلَيْهِ اهـ.(البحر الرائق ، ج۲، ص ۳۰۰، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

وَفِي الشَّرِيعَةِ (هُوَ تَرْكُ الْأَكْلِ) وَمَـا فِـي حُكْمِهِ فَلَا يَرِدُ مَا وَصَلَ إِلَى الدِّمَاغِ فَإِنَّهُ مُفْطِرٌ؛ لِأَنَّ الْمُرَادَ إِدْخَالُ شَيْء ٍ بَطْنَهُ مَأْكُولًا أَوْ لَا فَمَا وَصَلَ إِلَى الدِّمَاغِ وَصَلَ إِلَى الْجَوْفِ لِمَا أَنَّ بَيْنَ الدِّمَاغِ وَالْجَوْفِ مَنْفَذٌ (مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر، ج ۱، ص ۲۳۰، كِتَابُ الصَّوْمِ)

واما قـولهم بفساد الصوم اذا دخل شيئ الى الدماغ فهو ايضا مبنى على ان بينه وبين الحلق مسلكا، لا انه جوف معتبر فی نفسه (ضابط المفطرات، ص ۳۴، الباب الاول، الفصل الثالث فی بيان الجوف)

[1] لَوْ بَقِـيَ السَّعُـوطُ فِـي الْأَنْفِ وَلَـمْ يَـصِـلْ إِلَـى الـرَّأْسِ لَا يُـفْـطِـرُ (رد الـمحتـار علـى الدر المختار، ج ۲، ص ۴۰۲، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

السعوط يصل إلى الدماغ وإلى الحلق (بدائع الصنائع، ج۴ ص ۹، فصل فی صفة الرضاع المحرم)

بـعـد اطـلاعـه عـلـى الـبـحـوث الـمـقـدمة فی موضوع المفطرات فی مجال التداوی، والدراسات والبـحـوث والتـوصيـات الصادرة عن الندوة الفقهية الطبية التاسعة التی عقدتها المنظمة الإسلامية لـلعلوم الطبية، بالتعاون مع المجمع وجهات أخرى، فی الدار البيضاء بالمملكة المغربية، فی الفترة مـن ۹ إلى ۱۲ صفر ۱۴۱۸ھ (الموافق ۱۴۔ ۱۷ ايونيو ۱۹۹۷م) ، واستـماعه للمناقشات التی دارت حـول الـمـوضـوع بـمـشـاركة الـفـقـهـاء والأطباء ، والنظر فی الأدلة من الكتاب والسنة، وفی كلام الفقهاء .قرر ما يلی: أولاً :الأمور الآتية لا تعتبر من المفطرات:

(۱) قـطـرة الـعيـن، أو قـطـرة الأذن، أو غسول الأذن، أو قطرة الأنف، أو بخاخ الأنف، إذا اجتنب ابتـلاع مـا نـفـذ إلـى الحلق (مجلة مجمع الفقه الاسلامی، ج ۱۰ ص ۹۱۳، الموضوع "المفطرات"، المفطرات فی ضوء الطب الحديث، إعداد: الدكتور محمد هيثم الخياط، عضو مجامع اللغة العربية

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۸...... نزلہ زکام وغیرہ کے مریض خالص گرم پانی یا اس میں دوا ڈال کر اس کی بھاپ (Vapour یا Vapor) سانس کے ذریعے سے اندر کھینچتے ہیں، اس میں چونکہ دوا یا پانی کے اجزاء شامل ہوتے ہیں، جو دھویں کی شکل میں اوپر اٹھتے ہیں، اس لئے بھاپ دراصل اسی چیز کا نام ہے جو پانی کی گرمی کے اثر سے اڑنے لگی ہے گویا کہ کوئی وہ چیز پھینک رہا ہے (طبی جوہر ضمیمہ بہشتی زیور حصہ۹ ص۱۰۸) [1]

اس لئے سانس کی نالی کے تنفس کو کھولنے یا سینہ پر جما ہوا بلغم اکھاڑنے کے لئے جو ''Nebulizer'' کے ذریعہ سے یا کسی دوسرے طریقہ پر بھاپ لی جاتی ہے، وہ اگر بلعومِ حنجری یا بلعوم سفلی (Hypopharynx) سے نیچے تجاوز کر جائے، تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ بدمشق وبغداد وعمان والقاهرة وعليكرة، وأكاديمية نيويورك للعلوم، نائب المدير الإقليمى، لمنظمة الصحة العالمية للشرق المتوسط)

المسألة الثالثة :بخاخ الأنف، والبحث فيه هو البحث نفسه فى بخاخ الربو عن طريق الفم، وقد سبق بيانه، فحكمه كحكمه تماماً ولا داعى لتكرار الكلام (مفطرات الصيام المعاصرة، الباب الثانى: المفطرات المعاصرة، الفصل الأول :المفطرات المعاصرة الداخلة إلى بدن الصائم، المبحث الأول، لأحمد بن محمد الخليل، الأستاذ المساعد فى قسم الفقه، بجامعة القصيم)

[1] الْبُخَارُ لُغَةً وَاصْطِلاَحًا :مَا يَتَصَاعَدُ مِنَ الْمَاءِ أَوِ النَّدَى أَوْ أَيِّ مَادَّةٍ رَطْبَةٍ تَتَعَرَّضُ لِلْحَرَارَةِ. وَيُطْلَقُ الْبُخَارُ أَيْضًا عَلَى :دُخَانِ الْعُودِ وَنَحْوِهِ .وَعَلَى :كُل رَائِحَةٍ سَاطِعَةٍ مِنْ نَتْنٍ أَوْ غَيْرِهِ (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸، ص۱۷، مادة''بخار'')

(البخار) كل ما يصعد كالدخان من السوائل الحارة و الرائحة (ج) أبخرة (المعجم الوسيط، ج۱، ص۸۶، باب الباء)

[2] السعوط اذا دخل جوفه (النتف فى الفتاوى، ج۱، ص۱۵۳، كتاب الصوم)

(وَإِنْ دَخَلَ فِي حَلْقِهِ غُبَارٌ أَوْ دُخَانٌ أَوْ ذُبَابٌ) وَهُوَ ذَاكِرٌ لِصَوْمِهِ (لَا يُفْطِرُ) وَالْقِيَاسُ أَنْ يُفْطِرَ لِوُصُولِ الْمُفْطِرِ إلَى جَوْفِهِ وَإِنْ كَانَ لَا يُتَغَذَّى بِهِ وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ لَا يَقْدِرُ عَلَى الِامْتِنَاعِ عَنْهُ فَإِنَّهُ إذَا أَطْبَقَ الْفَمَ لَا يُسْتَطَاعُ الِاحْتِرَازُ عَنْ الدُّخُولِ مِنْ الْأَنْفِ فَصَارَ كَبَلَلٍ تَبْقَى فِي فِيهِ بَعْدَ الْمَضْمَضَةِ وَعَلَى هَذَا لَوْ أَدْخَلَ حَلْقَهُ فَسَدَ صَوْمُهُ حَتَّى إنَّ مَنْ تَبَخَّرَ بِبَخُورٍ فَاسْتَشَمَّ دُخَانَهُ فَأَدْخَلَهُ حَلْقَهُ ذَاكِرًا لِصَوْمِهِ أَفْطَرَ؛ لِأَنَّهُمْ فَرَّقُوا بَيْنَ الدُّخُولِ وَالْإِدْخَالِ فِي مَوَاضِعَ عَدِيدَةٍ؛ لِأَنَّ الْإِدْخَالَ عَمَلُهُ وَالتَّحَرُّزُ مُمْكِنٌ وَيُؤَيِّدُهُ قَوْلُ صَاحِبِ النِّهَايَةِ إذَا دَخَلَ الذُّبَابُ جَوْفَهُ لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ مَا هُوَ ضِدُّ الصَّوْمِ وَهُوَ إدْخَالُ الشَّيْءِ مِنْ الْخَارِجِ إلَى الْبَاطِنِ وَهَذَا مِمَّا يَغْفُلُ عَنْهُ كَثِيرٌ فَلْيُتَنَبَّهْ لَهُ (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج۱، ص۲۴۵، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مُوجَبِ الْفَسَادِ)

مسئلہ نمبر ۹...... جو بلغم ناک کے اندر اندر سے منہ میں پہنچے، اور اسے کوئی حلق میں لے جائے اور پیٹ میں نگل لے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، لیکن بغیر مجبوری کے اسے نگلنے سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔ [1]

آنکھ (Eye) میں پانی، سرمہ یا دوا ڈالنا

آنکھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھنے کی ضرورت کے لئے بنائی گئی ہیں، جو پیشانی کے نیچے اور ناک کے اوپر والے حصہ کے دائیں بائیں دونوں طرف واقع ہیں۔

آنکھوں کا اصل مقصود دیکھنا ہے، اور یہ جسمانی غذا کا منفذ اور راستہ نہیں ہیں۔

---

[1] (قَوْلُهُ أَوْ دَخَلَ أَنْفَهُ مُخَاطٌ . . .إلَخْ) أَطْلَقَهُ فَشَمِلَ مَا لَوْ ظَهَرَ الْمُخَاطُ عَلَى رَأْسِ أَنْفِهِ أَوْ لَمْ يَظْهَرْ كَمَا يُفِيدُهُ مَا فِي الْبَزَّازِيَّةِ وَنَقَلَهُ فِي شَرْحِ الْمَنْظُومَةِ مِنْ عَدَمِ الْفِطْرِ بِبُزَاقٍ امْتَدَّ وَلَمْ يَنْقَطِعْ مِنْ فَمِهِ إلَى ذَقَنِهِ ثُمَّ ابْتَلَعَهُ بِجَذْبِهِ .اهـ.

وَكَذَا قَالَ الْكَمَالُ لَوْ اسْتَشَمَّ الْمُخَاطَ مِنْ أَنْفِهِ حَتَّى أَدْخَلَهُ إلَى فَمِهِ وَابْتَلَعَهُ عَمْدًا لَا يُفْطِرُ، وَلَوْ خَرَجَ رِيقُهُ مِنْ فِيهِ فَأَدْخَلَهُ وَابْتَلَعَهُ إنْ كَانَ لَمْ يَنْقَطِعْ مِنْ فِيهِ بَلْ مُتَّصِلٌ بِمَا فِي فِيهِ كَالْخَيْطِ فَاسْتَشْرَبَهُ لَمْ يُفْطِرْ، وَإِنْ كَانَ قَدْ انْقَطَعَ فَأَخَذَهُ وَأَعَادَ أَفْطَرَ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ كَمَا لَوْ ابْتَلَعَ رِيقَ غَيْرِهِ اهـ لَكِنَّهُ ذَكَرَ فِي الْكَنْزِ فِي مَسَائِلَ شَتَّى لَوْ بَلَعَ بُزَاقَ صَدِيقِهِ كَفَّرَ اهـ .إلَّا أَنْ يُحْمَلَ مَا فِي الْكَمَالِ عَلَى غَيْرِ الصَّدِيقِ ثُمَّ قَالَ الْكَمَالُ، وَلَوْ اجْتَمَعَ أَيْ الْبُزَاقُ فِي فِيهِ ثُمَّ ابْتَلَعَهُ يُكْرَهُ، وَلَا يُفْطِرُ اهـ.

وَكَذَا مَا نَقَلَهُ فِي الْبَحْرِ عَنْ الْوَلْوَالِجِيَّةِ بِقَوْلِهِ الصَّائِمُ إذَا دَخَلَ الْمُخَاطُ أَنْفَهُ مِنْ رَأْسِهِ ثُمَّ اسْتَشَمَّهُ وَدَخَلَ حَلْقَهُ عَلَى تَعَمُّدٍ مِنْهُ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ رِيقِهِ إلَّا أَنْ يَجْعَلَهُ فِي كَفِّهِ فَيَبْلَعَهُ فَيَكُونُ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ .وَفِي الظَّهِيرِيَّةِ، وَكَذَا الْمُخَاطُ وَالْبُزَاقُ يَخْرُجُ مِنْ فِيهِ أَوْ أَنْفِهِ فَاسْتَشَمَّهُ وَاسْتَنْشَقَهُ لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ اهـ .قُلْتُ لَكِنْ يُخَالِفُهُ مِنْ حَيْثِيَّةِ التَّقْيِيدِ بِعَدَمِ الظُّهُورِ مَا نَقَلَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ عَنْ الْقُنْيَةِ بِقَوْلِهِ نَزَلَ الْمُخَاطُ إلَى رَأْسِ أَنْفِهِ لَكِنْ لَمْ يَظْهَرْ ثُمَّ جَذَبَهُ فَوَصَلَ إلَى جَوْفِهِ لَمْ يَفْسُدْ ثُمَّ قَالَ ابْنُ الشِّحْنَةِ وَذَكَرَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ مَسْأَلَةَ الْمُخَاطِ وَعَقَّبَهَا بِكَلَامِ الشَّافِعِيَّةِ فَقَالَ :وَيَبْطُلُ الصَّوْمُ بِجَرْيِ النُّخَامَةِ مِنْ فَضَاءِ الْفَمِ فِي جَوْفِهِ، وَإِنْ جَرَتْ فِيهِ مِنْ مَجْرَاهَا وَقَدَرَ عَلَى مَجِّهَا أَفْطَرَ فِي أَصَحِّ الْوَجْهَيْنِ فَعَلَى هَذَا يَنْبَغِي أَنْ يَحْتَاطَ فِي النُّخَامَةِ حَتَّى لَا يَفْسُدَ صَوْمُهُ عَلَى قَوْلِ مُجْتَهِدٍ قَالَ ابْنُ الشِّحْنَةِ أَحْبَبْت التَّنَبُّهَ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ مُهِمٌّ اهـ.وَلَمْ أَرَ حُكْمَ الْبَلْغَمِ إذَا ابْتَلَعَهُ بَعْدَ مَا تَخَلَّصَ بِالتَّنَحْنُحِ مِنْ حَلْقِهِ إلَى فَمِهِ وَلَعَلَّهُ كَالْمُخَاطِ فَلْيُنْظَرْ ثُمَّ وَجَدْتهَا بِحَمْدِ اللَّهِ فِي التَّتَارْخَانِيَّة سُئِلَ إبْرَاهِيمُ عَمَّنْ ابْتَلَعَ الْبَلْغَمَ قَالَ :إنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ مِلْءِ فِيهِ لَا يُنْقَضُ إجْمَاعًا، وَإِنْ كَانَ مِلْءَ فِيهِ يَنْتَقِضُ صَوْمُهُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ،وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لَا يُنْتَقَضُ .اهـ.

(حاشية الشرنبلالية على درر الحكام شرح غرر الاحكام، ج ا ص ۲۰۲، ۲۰۳، باب موجب الافساد فى الصوم)

اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ کے دوران وضو اور غسل کرنا ثابت ہے، اور اس کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، اور یہ بات ظاہر ہے کہ وضو اور غسل کے دوران آنکھوں میں پانی داخل ہونے کا امکان ہوتا ہے، جس سے ضمناً یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آنکھ میں پانی یا کوئی اور چیز داخل ہونے سے روزہ پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام وتابعینِ عظام سے روزہ کی حالت میں سُرمہ لگانا ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

اِكْتَحَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ صَائِمٌ(سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں سرمہ لگایا (ابنِ ماجہ)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی سند سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتَحِلُ بِالْإِثْمِدِ وَهُوَ صَائِمٌ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ٦٩١١، ج٧ص ٨١، باب الميم) [2]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روزہ کی حالت میں ''اثمد'' سرمہ لگاتے ہوئے دیکھا (طبرانی)

حضرت ابورافع کی سند سے روایت ہے کہ:

كَـانَ رَسُـوْلُ الـلّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتَحِلُ بِالْإِثْمِدِ وَهُوَ صَائِمٌ

(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ٩٣٩، ج ١ ص ٣١٧، باب الالف) [3]

---

[1] رقم الحديث ١٦٧٨، كتاب الصيام، باب ماجاء فی السواک.
سَعِيدٌ الزُّبَيْدِىُّ مِنْ مَجَاهِيلِ شُيُوخِ بَقِيَّةَ يَنْفَرِدُ بِمَا لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ وَرُوِىَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ مَرْفُوعًا بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ بِمَرَّةٍ أَنَّهُ لَمْ يَرَ بِهِ بَأْسًا(السنن الكبرى للبيهقی، تحت رقم الحديث ٨٢٥٩)

[2] قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، وفيه جماعة لم أعرفهم(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٤٩٧٢، باب الكحل للصائم)

[3] قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير من رواية حبان بن علی بن محمد بن عبيد الله بن أبی رافع، وقد وثقا، وفيهما كلام كثير(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٤٩٧١، باب الكحل للصائم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں ''اثمد'' سرمہ (ایک خاص قسم کا سرمہ) لگایا کرتے تھے (طبرانی)

حضرت عبیداللہ بن ابی بکر سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ كَانَ يَكْتَحِلُ وَهُوَ صَائِمٌ (سنن أبی داود) [1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روزہ کی حالت میں سرمہ لگایا کرتے تھے (ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند سے مرفوعاً بھی روزہ دار کو سرمہ لگانے کی اجازت کی حدیث مروی ہے۔ [2]

ان میں سے بعض احادیث کی سند میں اگرچہ ضعف پایا جاتا ہے، لیکن ان میں سے بعض، بعض کی تائید کرتی ہیں، مزید براں ان کی تائید کئی جلیل القدر تابعین کے قول وفعل سے بھی ہوتی ہے، نیز روزہ کی حالت میں غسل اور وضو کے عمل کے ثابت ہونے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، لہٰذا مجموعی طور پر یہ احادیث حجت بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ۲۳۷۸، كتاب الصوم، باب فی الكحل عند النوم للصائم.

[2] عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ :جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اشْتَكَتْ عَيْنِي، أَفَأَكْتَحِلُ وَأَنَا صَائِمٌ؟ قَالَ :نَعَمْ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ :.حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ (ترمذی، رقم الحديث ۷۲۶)

[3] قَوْلُهُ (وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْكُحْلِ لِلصَّائِمِ فَكَرِهَهُ بَعْضُهُمْ وَهُوَ قَوْلُ سفيان وبن الْمُبَارَكِ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ) وَاسْتُدِلَّ لَهُمْ بِمَا أَخْرَجَ أَبُو دَاوُدَ مِنْ طَرِيقِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ النُّعْمَانِ بْنِ مَعْبَدِ بْنِ هَوْذَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَمَرَ بِالْإِثْمِدِ الْمُرَوَّحِ عِنْدَ النَّوْمِ وَقَالَ لِيَتَّقِهِ الصَّائِمُ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ قَالَ لِي يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ هُوَ حَدِيثٌ مُنْكَرٌ انْتَهَى، قَالَ الزَّيْلَعِيُّ قَالَ صَاحِبُ التَّنْقِيحِ مَعْبَدٌ وَابْنُهُ النُّعْمَانُ كَالْمَجْهُولَيْنِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ النُّعْمَانِ قال ابن مَعِينٍ ضَعِيفٌ وَقَالَ لِي أَبُو حَاتِمٍ صَدُوقٌ انْتَهَى، فَهَذَا الْحَدِيثُ لَا يَصْلُحُ لِلِاسْتِدْلَالِ عَلَى كَرَاهَةِ الْكُحْلِ لِلصَّائِمِ وَلَيْسَ فِي كَرَاهَتِهِ حَدِيثٌ صَحِيحٌ (وَرَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْكُحْلِ لِلصَّائِمِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ) وَهُوَ قَوْلُ الْحَنَفِيَّةِ وَرَوَى أَبُو دَاوُدَ فِي سُنَنِهِ بِإِسْنَادِهِ هُوَ الْأَعْمَشُ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِنَا يَكْرَهُ الْكُحْلَ لِلصَّائِمِ وَكَانَ إِبْرَاهِيمُ يُرَخِّصُ أَنْ يَكْتَحِلَ الصَّائِمُ بِالصَّبْرِ انْتَهَى، وَهَذَا الْأَثَرُ سَكَتَ عَنْهُ أَبُو دَاوُدَ وَالْمُنْذِرِيُّ وَاسْتُدِلَّ لَهُمْ بِأَحَادِيثِ الْبَابِ وَهِيَ بِمَجْمُوعِهَا تَصْلُحُ لِلِاحْتِجَاجِ عَلَى جَوَازِ الِاكْتِحَالِ لِلصَّائِمِ وَلَيْسَ فِي كَرَاهَتِهِ حَدِيثٌ صَحِيحٌ فَالرَّاجِحُ هُوَ الْقَوْلُ بِالْجَوَازِ مِنْ غَيْرِ كَرَاهَةٍ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ (تحفة الاحوذی، ج۳ص۳۴۸، باب ماجاء فی الكحل للصائم)

چنانچہ حضرت اعمش رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِنَا يَكْرَهُ الْكُحْلَ لِلصَّائِمِ،وَكَانَ إِبْرَاهِيمُ يُرَخِّصُ أَنْ يَّكْتَحِلَ الصَّائِمُ بِالصَّبِرِ (سنن أبی داود) ۱؎

ترجمہ: میں نے اپنے اصحاب میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ روزہ دار کے لئے سرمہ کو مکروہ قرار دیتے ہوں، اور حضرت ابراہیم نخعی روزہ دار کو ''صبر'' کا سرمہ لگانے کی اجازت دیا کرتے تھے (ابوداؤد)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے بارے میں روایت ہے کہ:

أَنَّهُ كَانَ لَا يَرٰى بَأْسًا أَنْ يَذُرَّ الصَّائِمُ عَيْنَهُ بِالذَّرُوْرِ (مُصنف ابن أبی شیبة) ۲؎

ترجمہ: وہ روزہ دار کو آنکھ میں دوا ڈالنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت ابنِ جریج سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَطَاءٍ ، قَالَ: لَا بَأْسَ بِالْكُحْلِ لِلصَّائِمِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) ۳؎

ترجمہ: (جلیل القدر تابعی) حضرت عطاء نے فرمایا کہ روزہ دار کے لئے سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت اعمش سے روایت ہے کہ:

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ: لَا بَأْسَ بِالْكُحْلِ لِلصَّائِمِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) ۴؎

ترجمہ: (جلیل القدر تابعی) حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ روزہ دار کے لئے سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَامِرٍ ، وَمُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ، وَعَطَاءٍ ؛ أَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْتَحِلُوْنَ

۱؎ رقم الحديث ۲۳۷۹، كتاب الصوم،باب فى الكحل عند النوم للصائم.

۲؎ رقم الحديث ۹۳۸۷،ورقم الحديث ۹۳۹۹، كتاب الصيام، باب فى الذرور للصائم.

۳؎ رقم الحديث ۹۳۵۹، كتاب الصيام،باب من رخص فِى الْكُحْلِ لِلصَّائِمِ، ورقم الحديث ۹۳۵۸.

۴؎ رقم الحديث ۹۳۶۰، كتاب الصيام،باب من رخص فى الكحل للصائم.

بِالْإِثْمَدِ وَهُمْ صُيَّامٌ ، لَا يَرَوْنَ بِهٖ بَأْسًا (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت عامر شعبی، حضرت محمد بن علی اور حضرت عطاء روزہ کی حالت میں
''اثمد'' سرمہ لگایا کرتے تھے، جس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت معمر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ الزُّهْرِيِّ ، قَالَ: لَا بَأْسَ بِالْكُحْلِ لِلصَّائِمِ (مُصنف ابن أبی شیبة) [2]

ترجمہ: حضرت زہری (جلیلُ القدر تابعی) نے فرمایا کہ روزہ دار کے لئے سرمہ
لگانے میں کوئی حرج نہیں (ابنِ ابی شیبہ)

اس قسم کی احادیث وروایات کی روشنی میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور کئی دیگر فقہائے کرام نے فرمایا کہ روزہ کی حالت میں آنکھ میں سرمہ یا دوا ڈالنا جائز ہے۔

جہاں تک آنکھ میں ڈالی ہوئی دوا کے اثر اور ذائقہ کے حلق میں محسوس ہونے کا تعلق ہے، تو اس سے بھی روزہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

کیونکہ آنکھ میں ڈالی ہوئی چیز کا حلق تک یہ اثر مسامات کے ذریعہ سے بلغم کی حیثیت اختیار کر کے بلعوم انفی (Nasopharynx) کے واسطہ سے پہنچتا ہے، نہ یہ کہ آنکھ اور حلق کے درمیان کوئی باقاعدہ منفذ اور غذائی راستہ موجود ہے، جس سے روزہ ٹوٹنے کا شبہ پیدا ہو۔ البتہ کوئی اس کو باہر تھوک دے، تو اچھا ہے، تاکہ دیگر اختلاف کرنے والوں کے قول کی رُو سے بھی روزہ کی حفاظت رہے۔ [3]

---

[1] رقم الحدیث ۹۳۶۲، کتاب الصیام، باب من رخص فی الکحل للصائم.

[2] رقم الحدیث ۹۳۶۷، کتاب الصیام، باب من رخص فی الکحل للصائم.

[3] (قَوْلُهُ :وَإِنْ وَجَدَ طَعْمَهُ فِی حَلْقِهِ) أَیْ طَعْمَ الْكُحْلِ أَوْ الدُّهْنِ كَمَا فِی السِّرَاجِ وَكَذَا لَوْ بَزَقَ فَوَجَدَ لَوْنَهُ فِی الْأَصَحِّ بَحْرٌ قَالَ فِی النَّهْرِ؛ لِأَنَّ الْمَوْجُودَ فِی حَلْقِهِ أَثَرٌ دَاخِلٌ مِنْ الْمَسَامِّ الَّذِی هُوَ خَلَلُ الْبَدَنِ وَالْمُفْطِرُ إنَّمَا هُوَ الدَّاخِلُ مِنْ الْمَنَافِذِلِلاتِّفَاقِ عَلَى أَنَّ مَنْ اغْتَسَلَ فِی مَاءٍ فَوَجَدَ بَرْدَهُ فِی بَاطِنِهِ أَنَّهُ لَا يُفْطِرُ وَإِنَّمَا كَرِهَ الْإِمَامُ الدُّخُولَ فِی الْمَاءِ وَالتَّلَفُّفَ بِالثَّوْبِ الْمَبْلُولِ لِمَا فِيهِ مِنْ إظْهَارِ الضَّجَرِ فِی إقَامَةِ الْعِبَادَةِ لَا؛ لِأَنَّهُ مُفَطِّرٌ .اهـ .وَسَيَأْتِی أَنَّ كُلًّا مِنْ الْكُحْلِ وَالدُّهْنِ غَيْرُ مَكْرُوهٍ وَكَذَا فِی الْحِجَامَةِ إلَّا إذَا كَانَتْ تُضْعِفُهُ عَنْ الصَّوْمِ (رد المحتار ، ج۲، ص ۳۹۵، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس طرح آنکھ میں سرمہ یا دوا ڈالنے سے روزہ پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، اسی طرح اگر پیشانی وغیرہ سے پسینہ آنکھ میں داخل ہوجائے، اس سے بھی روزہ پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

اوراسی طرح آنکھ سے آنسو یا بیماری کی وجہ سے کوئی پانی رِس کرآنکھوں کے اندر اندر سے حلق میں پہنچ جائے، تو اس سے بھی روزہ پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ ؎[1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ (كان يكتحل بالإثمد) بكسر الهمزة والميم بينهما مثلثة ساكنة (وهو صائم) فلا بأس بالاكتحال للصائم سواء وجد طعم الكحل فى حلقه أم لا وبهذا أخذ الشافعى إذ لا منفذ من العين للحلق وما يصل إليه يصل من المسام كما لو شرب الدماغ الدهن فوجد طعمه فإنه لا يفطر اتفاقا وقال ابن العربى :العين غير نافذة إلى الجوف بخلاف الأذن ذكره الأطباء وقال مالك وأحمد :يكره فإن وجد طعمه فى الحلق أفطر وفيه أن الاكتحال غير مفطر وهو مذهب الشافعى(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۷۱۳۸)

إذا اكتحل الصائم بما يصل إلى جوفه فعند الحنفية والشافعية -وهو اختيار ابن تيمية -لا يفسد صومه، وإن وجد طعمه فى حلقه، ولونه فى نخامته، لأنه لم يصل إلى الجوف من منفذ مباشر، بل بطريق المسام .وقال المالكية، وهو المذهب عند الحنابلة :إنه يفسد صومه إذا وصل إلى الحلق(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۶،ص ۹۴،الاكتحال فى الصوم)

واما عدم اعتبار العين :فاتفقت الحنفية ايضا على ان مايصل منها الى الحلق بالاكتحال او التقطير غير مفطر للاحاديث والآثار التى نذكرها مع تخريجها بعد عبارات الحنفية الآتية ، ولان الواصل من العين الى الحلق بالاكتحال او التقطير انما يصل اليه بواسطة باطن الانف والمنفذ من العين الى الانف لصغره وخفاء ه ملحق بالمسام عندهم فيكون مايصل الى الحلق معفوا عنه كالغبار والدخان يدخل حلقه وكما يصل اليه بتشرب المسام وبه قالت الشافعية (ضابط المفطرات فى مجال التداوى، للشيخ المفتى محمد رفيع العثمانى، ص ۵۹)

وشىء آخر وهو موضوع يتعلق بالعين، وإن كان قد ثبت طبيًّا أن هناك منفذًا بين العين والحلقوم فقد ورد فى ذلک نص :أن الرسول صلى الله عليه وسلم كان يكتحل بالإثمد وهو صائم .وقد تأيد هذا الحديث بآثار عدة من الصحابة والتابعين فهذا أيضًا شىء منصوص، وقد ذكر الفقهاء أن هذا المنفذ ليس منفذًا فى الواقع وإنما ألحق بالمسام، والمسام لا تعتبر منفذًا معتبرًا لإفساد الصوم. فالقول الذى أذهب إليه هو أن إقطار الدواء فى العين لا يفسد به الصوم، أما الإقطار فى الأذن فينبغى أن نقول بعدم فساد الصوم لأنه لا منفذ بين الأذن والحلق كما تحقق طبيًّا.

هذا ما أراه، والله سبحانه وتعالى أعلم، وعلمه أتم وأحكم(مجلة المجمع الفقه الاسلامى، مقالة : المفطرات فى ضوء الطب الحديث للشيخ المفتى تقى العثمانى، ج۱۰ ص ۸۳۲)

[1] (والدمع يترشح كالعرق) ش :جواب عن سؤال مقدر، وهو أن يقال لو لم يكن بين العين والدماغ منفذ لما خرج الدمع، فأجاب بقوله والدمع يترشح أى ينزل من الدماغ شيئاً فشيئاً كما يترشح العرق من مسام الجلد م :(والداخل (من) المسام لا ينافى) ش :هو من جملة الجواب.

قال الكاكى :المسام المنافذ مأخوذ من سم الإبرة، وإن لم يسمع إلا من الأطباء (البناية شرح الهداية، ج۴ص ۱۴۱، كتاب الصوم،ما لا يفطر الصائم)

کان (Ear) میں پانی یا دوا ڈالنا

کان انسان کی سماعت اور سننے کی ضرورت کا آلہ اور عضو ہے، ہوا کی لہریں کان میں جمع ہوکر اس کے سوراخ میں سے گزر کر کان کے پردے پر جا کر لگتی ہیں، اور عصبِ سماعت کے ذریعہ دماغ انہیں محسوس کر لیتا ہے، کان کے تین حصے ہوتے ہیں، ایک بیرونی، ایک درمیانی اور ایک اندرونی، کان کے درمیانی حصہ میں ایک بے ڈول جوف ہے، جو کنپٹی کی ہڈی کے سخت حصہ میں ہوتا ہے، جسے کان کا ڈھول بھی کہتے ہیں، اس حصہ میں کان کا پردہ واقع ہے، اور کان کے اندرونی حصہ میں سماعت کا عصب مفروش ہے (حاذق، صفحہ ۱۱۶، ۱۱۸، ملخصاً، مصنفہ: حکیم حافظ محمد اجمل خان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ کی حالت میں غسل کرنا اور سر پر پانی ڈالنا ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن کی سند سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَرْجِ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهِ الْمَاءَ، وَهُوَ صَائِمٌ مِنَ الْعَطَشِ، أَوْ مِنَ الْحَرِّ (سنن أبی داود) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''عرج'' (نامی مقام) میں دیکھا کہ آپ روزہ سے تھے، اور اپنے سر پر پیاس یا گرمی کی وجہ سے پانی ڈال رہے تھے (ابوداؤد)

اور غسل کرتے یا سر پر پانی ڈالتے وقت کچھ نہ کچھ پانی کے کان میں داخل ہونے کا امکان ہوتا ہے، اس لئے کان میں پانی چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور اگر اپنے اختیار سے کان میں پانی ڈالا جائے، تو بھی بہت سے اہلِ علم حضرات کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۲۳۶۵، كتاب الصوم، باب الصائم يصب عليه الماء من العطش ويبالغ فى الاستنشاق، مسند احمد رقم الحديث ۲۳۲۲۳.

فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير صحابيه.

[2] ولو اغتسل فدخل الماء أذنه فلا شىء عليه ولو صبه فيها فعليه القضاء، والمختار لا شىء عليه فيهما، وهو قول مالك والأوزاعى وداود، وفى "خزانة الأكمل "لو صب الماء فى أذنه لا يفطره، هكذا عند بعض مشايخنا بخلاف الدهن يفعله فعليه القضاء، وفى "السليمانية (البناية شرح الهداية، ج۴، ص ۶۵، كتاب الصوم)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ بہت سے علمائے قدیم کے نزدیک کان میں اپنے اختیار سے پانی یا تَر دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جبکہ وہ دماغ یا حلق کے اندر داخل ہوجائے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

واختلف الحنفية فى تقطير الماء فى الأذن، فاختار المرغينانى فى الهداية -وهو الذى صححه غيره -عدم الإفطار به مطلقا، دخل بنفسه أو أدخله.

وفرق قاضى خان، بين الإدخال قصدا فأفسد به الصوم، وبين الدخول فلم يفسده به، وهذا الذى صححوه، لأن الماء يضر الدماغ، فانعدم الإفساد صورة ومعنى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۸،ص۳۷،مفسدات الصوم،التقطير فى الاذن)

[1] وَقَالَ أَبُو حنيفَة السعوط والحقنة فِى شهر رَمَضَان يوجبان الْقَضَاء وَلَا كَفَّارَة عَلَيْهِ وَكَذَلِكَ مَا أقطر فِى أُذُنه وَكَذَلِكَ كل جَائِفَة أَو آمة داواها صَاحبهَا بزَيْت أَو سمن فخلص إِلَى الْجوف والدماغ فِى قَوْله وَإِن داواها بدواء يَابِس فَلَا شَىْء عَلَيْهِ وَقَالَ أَبُو يُوسُف لَا نرى عَلَيْهِ الْقَضَاء فِى الآمة والجائفة وَقَالَ أَبُو حنيفَة وَمُحَمّد إِن أقطر فِى إحليله فَلَا قَضَاء عَلَيْهِ وَقَالَ أَبُو يُوسُف عَلَيْهِ الْقَضَاء ثمَّ إِن مُحَمَّدًا شكّ فِى ذَلِك ووقف فِيهِ(الأصل المعروف بالمبسوط للشيبانى، ج۲ص۲۱۲، كتاب الصوم)

وأكثر المشايخ اعتبروا الوصول إلى الجوف فى الجائفة والآمة إن عرف أن اليابس وصل إلى الجوف يفسد صومه بالاتفاق، وإن عرف أن الرطب لا يصل إلى الجوف لا يفسد صومه، كذا ذكر شمس الأئمة السرخسى رحمه الله(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۲ص ص۳۸۳،كتاب الصوم،الفصل الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد صومه)

وَلَو وصل إِلَى جَوف الرَّأْس بالإقطار فِى الْأُذن أَو السعوط أَو إِلَى الْبَطن بالاحتقان يفْسد صَوْمه لِأَنَّهُ يصل إِلَى جَوْفه بالحقنة وَكَذَا بالسعوط والإقطار فِى الْأُذن لِأَن جَوف الرَّأْس لَهُ منفذ إِلَى الْبَطن(تحفة الفقهاء، ج۱ص۳۵۵،كتاب الصَّوْم)

فقہائے کرام نے حرمتِ رضاعت کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کان میں دودھ ٹپکانے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ اس کا دماغ تک پہنچنا یقینی نہیں ہے، جبکہ بعض نے روزہ اور حرمتِ رضاعت میں تغذی اور وصول الی الجوف کی علتوں کا فرق کیا ہے۔

وَأَمَّا الْإِقْطَارُ فِى الْأُذُنِ فَلَا يُحَرِّمُ؛ لِأَنَّهُ لَا يُعْلَمُ وُصُولُهُ إلَى الدِّمَاغِ لِضِيقِ الْخَرْقِ فِى الْأُذُنِ وَكَذَلِكَ الْإِقْطَارُ فِى الْإِحْلِيلِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَصِلُ إلَى الْجَوْفِ فَضْلًا عَنْ الْوُصُولِ إلَى الْمَعِدَةِ وَكَذَلِكَ الْإِقْطَارُ فِى الْعَيْنِ وَالْقُبُلِ لِمَا قُلْنَا وَكَذَلِكَ الْإِقْطَارُ فِى الْجَائِفَةِ وَفِى الْآمَّةِ؛ لِأَنَّ الْجَائِفَةَ تَصِلُ إلَى الْجَوْفِ لَا إلَى الْمَعِدَةِ وَالْآمَّةُ إنْ كَانَ يَصِلُ إلَى الْمَعِدَةِ لَكِنْ مَا يَصِلُ إلَيْهَا مِنْ الْجِرَاحَةِ لَا يَحْصُلُ بِهِ الْغِذَاءُ فَلَا تَثْبُتُ بِهِ الْحُرْمَةُ وَالْحُقْنَةُ لَا تُحَرِّمُ بِأَنْ حُقِنَ الصَّبِىُّ بِاللَّبَنِ فِى الرِّوَايَةِ الْمَشْهُورَةِ.

وَرُوِىَ عَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهَا تُحَرِّمُ، وَجْهُ هَذِهِ الرِّوَايَةِ أَنَّهَا وَصَلَتْ إلَى الْجَوْفِ حَتَّى أَوْجَبَتْ فَسَادَ الصَّوْمِ فَصَارَ كَمَا لَوْ وَصَلَ مِنْ الْفَمِ، وَجْهُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِى هَذِهِ الْحُرْمَةِ هُوَ مَعْنَى التَّغَذِّى وَالْحُقْنَةُ

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

لیکن موجودہ طبی تحقیق سے معلوم ہوا کہ کان میں سے باقاعدہ کوئی ایسا راستہ دماغ یا حلق اور پیٹ میں نہیں پہنچتا کہ جس سے کان میں ڈالی ہوئی دوا اس میں سے گزر کر جائے، البتہ اگر کسی کے کان کا پردہ پھٹ جائے، تو حلق کی طرف راستہ بن جاتا ہے۔

اس لئے موجودہ دور کے بہت سے اہلِ علم حضرات کے نزدیک کان میں تیل یا کسی بھی قسم کی تَر دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، الا یہ کہ کسی شخص کے کان کا پردہ پھٹا ہوا ہو جس کی وجہ سے وہ چیز حلق کے اندر داخل جائے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لَا تَـصِلُ إِلَى مَوْضِعِ الْغِذَاءِ ؛ لِأَنَّ مَوْضِعَ الْغِذَاءِ هُوَ الْمَعِدَةُ وَالْحُقْنَةُ لَا تَصِلُ إلَيْهَا فَلَا يَحْصُلُ بِهَا نَبَاتُ اللَّحْمِ وَنُشُوزُ الْعَظْمِ وَانْدِفَاعُ الْجُوعِ فَلَا تُوجِبُ الْحُرْمَةَ(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۴،ص ۹ ، كِتَابُ الرَّضَاعِ،فَصْلٌ فِي صفة الرَّضَاع الْمُحَرِّم)

فأما الإقطار فی الأذن لا يوجب الحرمة؛ لأن الظاهر أنـه لا يصل إلى الدماغ لضيق ذلک الثقب(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسی، ج۵ص ۱۳۵ ،باب الرضاع)

[۱] واما الاذن فلان الدواء او الماء اوالدهن ونحوها لاتصل بالاقطار فيها الى الحلق اذا كان طبلة الاذن سليمة غير مخرومة ، لان فتحة الاذن ليست بنافذة الى الحلق، لامباشرة ولا بواسطة قناة او جوف آخر، الا اذا كانت الطبلة مخرومة.

وايضاحه:ان الاذن ثلاثة اقسام: (۱) الاذن الخارجية(۲) والاذن الوسطى(۳) والاذن الداخلية، والطبلة حاجزة بين الاذن الخارجية والوسطى، وهى (اى: الطبلة) غشاء مثل الجلد تماما فى تركيبها، وما يقطر فى الاذن الخارجية لايصل الى الاذن الوسطى الا بتشرب المسام، اذا كانت الطبلة سليمة غير مخرومة ، فلا يصل الى الحلق.

واما اذا كانت الطبلة مخرومة فان السوائل قد يصل منها شيئ يسير الى الاذن الوسطى ، ومنها عبر القناة السمعية البلعومية (قناة استاكيوس) الى البلعوم الانفى، ومنه الى الحلق، كما فصله الدكتور محمد على البار فى بحثه ص۱۳، ۱۴ ، ۴۳،فحينئذ يكون ذلک سببا للافطار وافساد الصوم (ضابط المفطرات فى مجال التداوى، للشيخ المفتى محمد رفيع العثمانى، ص ۵۸،الباب الاول، الفصل الثالث فى بيان الجوف)

ثم هناک ناحية أخرى وهى قضية نفوذ الشىء إلى الجوف ,فهذه قضية طبية ولها علاقة بالتحقيق الطبى ,فبنى كثير من الفقهاء بعض المسائل على اعتبار أن هناک منفذًا للجوف فلذلک أفتوا بالإفطار، وذهب بعض الفقهاء إلى أنه ليس هناک منفذ إلى الجوف فذهبوا إلى عدم الإفطار، وهذا فى مسألة الأذن -مثلًا -وفى مسألة الدماغ، وفى مسألة القبل ,ففى مسألة الدماغ -مثلًا -ذهب الإمام أبو حنيفة -رحمه الله -إلى أنه إذا داوى آمة فى الرأس فإنه يفسد به الصوم، لأنه رأى أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا اگر کوئی شخص قدیم فقہاء کے قول کے مطابق عمل کرے، تو احتیاط ہے، اور اگر مجبوری میں روزہ کی حالت میں کان میں کوئی دوا ڈالنی پڑ جائے، یا کان کی صفائی وغیرہ کرانی پڑ جائے، مثلاً درد کی وجہ سے تکلیف کا سامنا ہے، یا افطار کے بعد معالج کی دستیابی مشکل ہے، تو روزہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هناک منفذًا من الدماغ إلى الجوف، يعني إلى المعدة وإلى البطن .وهذا موضوع يتعلق بالطب، فإذا ظهر هناک تحقيق جديد أو اکتشاف جديد في علم الطب بأنه ليس هناک منفذ واتفق الأطباء على أنه ليس هناک منفذ فيما بين الدماغ والبطن فحينئذ القول بفساد الصوم بمداواة آمة الرأس هذا القول ينبغي أن يرجع عنه، ويؤخذ بهذا الرأي الطبي الحديث، لأنه مبني على واقع قد تحقق خلافه.

وکذلک مسألة الأذن، فمن قال بإفساد الصوم بإدخال الدواء في الأذن فإنه قال ذلک اعتمادا على أن هناک منفذًا فيما بين الأذن والحلق، وإذا تحقق طبيًّا وثبت طبيًّا باتفاق أهل الطب بأنه ليس هناک منفذ فينبغي أن يتغير هذا الرأي؛ لأن هذا ليس مسألة فقهية وإنما هي مسألة واقعية وطبية.

وعلى هذا الأساس الموضوعات التي تهمنا في هذه الجلسة هي موضوع (الأذن) وموضوع (الرأس والآمة) وموضوع (القبل) ، وکذلک القبل قد تحقق أنه ليس هناک منفذ فيما بين القبل والبطن .فلذلک ينبغي أن نقول بعدم فساد الصوم إذا أدخل شيء من القبل(مجلة المجمع الفقه الاسلامي، مقالة :المفطرات في ضوء الطب الحديث للشيخ المفتي تقي العثماني، ج۱۰ ص ۸۳۲)

والذي أثبته علماء التشريح بالاعتماد على المشاهدة والتجربة أن الأذن ليس بينها وبين الجوف ولا الدماغ قناة ينفذ منها المائعات إلا إذا تخرمت طبلة الأذن (مجلة مجمع الفقه الإسلامي، ج۱۰ ص ۲۱۹، مقالة :المفطرات ،إعداد:الشيخ محمد المختار السلامي،مفتي الجمهورية التونسية)

دارالعلوم کراچی کی مجلس تحقیق مسائلِ حاضرہ کے فیصلہ میں ہے کہ:

فقہائے کرام رحمہم اللہ کے نزدیک کان میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ دوا جوفِ معتبر یعنی دماغ یا حلق تک پہنچ جاتی ہے۔ وہوالاصل فی الافطار۔

اب رہی یہ بات کہ کان میں دوا ڈالنے سے کیا دوا واقعتاً حلق یا دماغ کی طرف کسی منفذ کے ذریعہ منتقل ہوتی ہے یا نہیں؟ تو یہ مسئلہ فقہ سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ طب اور فنِ ''تشریح الابدان'' سے تعلق رکھتا ہے، اور اس بارے میں اطباء کے متفق علیہ قول کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا، جبکہ قرآن وسنت کی نصوص سرے سے موجود ہی نہ ہوں، اور فقہاء کے اقوال خود محتمل ہوں، اور ان میں بھی فقہاء نے خود تشریح البدن کو مدارِ حکم بنایا ہو۔

چنانچہ فقہاء رحمہم اللہ نے اس کی صراحت فرما دی ہے کہ ان جیسے مسائل (تشریح البدن) کا تعلق فقہ سے نہیں ہے (بلکہ طب سے ہے) یعنی ان جیسے مسائل میں نصِ شرعی نہ ہونے کی بناء پر فقہاء کی آراء تشریحِ اعضاء کے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کی حالت میں کان میں دواڈالنے اور کان کی صفائی و دھلائی کرانے کی گنجائش ہے، اور ایسی صورت میں اس کا روزہ فاسد نہیں کہلائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بارے میں اطباء کی آراء سے ماخوذ یا ان پر مبنی ہیں (ماہنامہ البلاغ، کراچی، شمارہ رمضان ۱۴۲۲ھ ردسمبر ۲۰۰۱ء، صفحہ نمبر ۴۷)

ایک عرصہ سے تمام اطباء اور تشریحِ ابدان کے تمام ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ کان کے اندر سے دماغ تک کوئی راستہ موجود نہیں ہے، اور اس بات پر بھی سارے اطباء اور ماہرین متفق ہیں کہ عام صحت مند آدمی کے کان سے حلق تک بھی کوئی ایسا راستہ کھلا ہوا نہیں ہے کہ جس سے دوا یا پانی حلق میں خود بخود جا سکے، کیونکہ کان کے آخر میں ایک باریک مگر مضبوط پردہ ہے، جس نے حلق یا دماغ کی طرف جانے کا راستہ مسدود کیا ہوا ہے، اور عام حالات میں کان میں ڈالے جانے والی کوئی بھی دوا یا غذا حلق تک نہیں جاتی، الا یہ کہ کسی کے کان کا پردہ پھٹ جائے، یا کان کے پردہ میں واضح سوراخ ہو جائے، تو ایسی بیماری یا غیر معمولی صورتِ حال میں دوا اندرونی کان سے حلق کی طرف منتقل ہو سکتی ہے، ورنہ نہیں (ایضاً صفحہ نمبر ۴۸)

اور اندرونی کان سے مراد غالباً کان کا داخلی حصہ ہے، خواہ وہ درمیانی حصہ ہو، واللہ اعلم۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب تک کسی دلیل و علامت سے کان کے پردہ کا پھٹا ہوا ہونا ثابت نہ ہو، اس وقت تک پھٹے ہوئے ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، کیونکہ اصل حالت پردہ کے سلامت ہونے کی ہے، اور پھٹا ہوا ہونا عارض ہے، جس کے لئے دلیل و علامت درکار ہے، نیز یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر کان سے پیٹ کی طرف کوئی فطری راستہ موجود نہیں، تو کان کا پردہ پھٹ جانے کی صورت میں اُن حضرات کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے، جو خلقی و فطری منفذ سے ہی روزہ ٹوٹنے کے قائل ہیں، کیونکہ پردہ پھٹنے کے بعد ظاہر ہے کہ یہ فطری و خلقی راستہ نہیں کہلائے گا۔ محمد رضوان۔

[1] اس بارے میں دارالعلوم کراچی کی مجلس تحقیق مسائلِ حاضرہ نے جو فیصلہ کیا اس کی عبارت یہ ہے کہ:

کان کے اندر پانی، تیل، یا دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، الا یہ کہ کسی شخص کے کان کا پردہ پھٹا ہوا ہو اور وہ پانی، تیل یا دوا وغیرہ اس کے حلق تک پہنچ جائے۔ البتہ اس کے باوجود اگر کوئی شخص قدیم جمہور فقہاء کے قول کے مطابق خود احتیاط کرے اور روزہ کی حالت میں کان کے اندر دوا ڈالنے کے بجائے افطار کے بعد تیل یا دوا وغیرہ ڈالے تو اس کے لئے ایسا کرنا بلا شبہ بہتر اور شبہ سے بعید تر ہوگا۔

یہ تحریر مجلسِ تحقیق مسائلِ حاضرہ کے اجلاس منعقدہ ۲۰ شعبان ۱۴۲۲ھ بروز بدھ میں پڑھ کر سنائی گئی، اور ترمیم واضافہ کے بعد اس کو آخری شکل دیتے ہوئے مندرجہ ذیل تمام شرکاء نے اس کی تصدیق کی، اور اپنے دستخط ثبت فرمائے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

(۱) حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم (۲) حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
(۳) حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم (۴) حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شرم گاہ (قُبل ودُبر) کے راستے سے کوئی چیز اندر داخل کرنا

فقہائے کرام نے مقعد یعنی پاخانہ کے مقام سے کسی چیز کے اندر داخل ہونے کو جبکہ وہ حقنہ کے مقام سے اوپر پہنچ جائے، روزہ ٹوٹنے کا سبب قرار دیا ہے۔

حضرت ابنِ جریج رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَطَاءٍ، كَرِهَ أَنْ يَّسْتَدْخِلَ الْإِنْسَانُ شَيْئًا فِيْ رَمَضَانَ بِالنَّهَارِ، فَإِنْ فَعَلَ فَلْيُبْدِلْ يَوْمًا، وَلَا يُفْطِرُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ (مصنف عبدالرزاق)[1]

ترجمہ: حضرت عطاء نے فرمایا کہ انسان کو رمضان میں دن کے وقت مقعد کے مقام سے کوئی چیز داخل کرنا مکروہ ہے، اگر اس نے یہ عمل کیا تو اسے چاہئے کہ وہ اس دن کے روزہ کی قضا کرے، اور اس دن بھی کھائے پیئے نہیں (عبدالرزاق)

مسئلہ نمبر ۱...... مقعد (Anus) کے راستے میں حقنہ کا مقام وہ کہلاتا ہے، جہاں بعض بیماریوں کے موقع پر آنتوں کے لئے دوا پہنچائی جاتی ہے۔

اور بعض ماہرین وتجربہ کاروں کے نزدیک یہ مقام مقعد سے تقریباً چار انگل (یعنی ایک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سکھروی مدظلہم (۵) حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب مدظلہم (۶) حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب مدظلہم (۷) حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب مدظلہم (۸) حضرت مولانا مفتی محمد کمال الدین صاحب مدظلہم (۹) حضرت مولانا تفضّل شاہ صاحب مدظلہم (۱۰) مولانا زبیر اشرف صاحب مدظلہٗ (۱۱) مولانا عمران اشرف صاحب مدظلہٗ (۱۲) مولانا یحییٰ صاحب مدظلہٗ (۱۳) مولانا عصمت اللہ صاحب مدظلہٗ (۱۴) مولانا حنیف خالد صاحب مدظلہٗ (۱۵) مولانا زبیر شمسی صاحب مدظلہٗ (۱۶) مولانا حسین احمد صاحب مدظلہٗ (۱۷) مولانا یعقوب صاحب مدظلہٗ (۱۸) مولانا افتخار بیگ صاحب مدظلہٗ (۱۹) مولانا حسان کلیم صاحب مدظلہٗ (۲۰) مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہٗ (۲۱) مولانا سلیمان لسبیلا صاحب مدظلہٗ (۲۲) مولانا یاسر عرفات صاحب مدظلہٗ۔

(ماہنامہ البلاغ، کراچی، شمارہ رمضان ۱۴۲۲ھ/دسمبر ۲۰۰۱ء، صفحہ نمبر ۴۹، ۵۰)

[1] رقم الحدیث ۷۴۷۷، کتاب الصیام، باب الحقنة فی رمضان والرجل یصیب أهله.

مشت)او پر واقع ہے (ملاحظہ ہو: مریض ومعالج کے اسلامی احکام، ص ۱۳۸، چوتھا ایڈیشن) [۱]

مسئلہ نمبر۲...... بواسیر کے مسوں (Piles) کو (جن کا محل عموماً مقعد کی جگہ کا کنارہ ہوتا ہے) طہارت کے بعد اندر دبا دینا جائز ہے، کیونکہ یہ مسے عام طور پر حقنہ کے مقام تک نہیں پہنچتے (ایضاً صفحہ ۱۳۸)

مسئلہ نمبر۳...... مشہور ہے کہ اگر استنجے کا پانی خشک نہ کیا جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، حالانکہ روزہ میں استنجے کا پانی خشک کرنا ضروری نہیں، البتہ اگر پانی حقنہ کی جگہ تک پہنچ جائے تو فقہائے کرام کے بقول روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر استنجے میں عموماً ایسا نہیں ہوتا۔ [۲]

مسئلہ نمبر۴...... اگر مقعد (Anus) میں کوئی خشک چیز داخل کی، اور وہ اندر غائب نہیں ہوئی، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، مثلاً خشک انگلی داخل کی، یا کوئی اور چیز داخل کی، مگر اس کا ایک سِرا باہر رہا، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

لیکن اگر اس چیز پر پانی، تیل یا کوئی اور محلول لگا ہوا ہے، تو اس کے حقنہ کے مقام تک پہنچنے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ [۳]

---

[۱] (قَوْلُهُ :حَتَّى بَلَغَ مَوْضِعَ الْحُقْنَةِ) هِيَ دَوَاءٌ يُجْعَلُ فِي خَرِيطَةٍ مِنْ أُدُمٍ يُقَالُ لَهَا الْمِحْقَنَةُ مُغْرِبٌ ثُمَّ فِي بَعْضِ النُّسَخِ الْمِحْقَنَةُ بِالْمِيمِ وَهِيَ أَوْلَى قَالَ فِي الْفَتْحِ :وَالْحَدُّ الَّذِي يَتَعَلَّقُ بِالْوُصُولِ إلَيْهِ الْفَسَادُ قَدْرُ الْمِحْقَنَةِ اهـ .أَيْ قَدْرُ مَا يَصِلُ إلَيْهِ رَأْسُ الْمِحْقَنَةِ الَّتِي هِيَ آلَةُ الِاحْتِقَانِ وَعَلَى الْأَوَّلِ فَالْمُرَادُ الْمَوْضِعُ الَّذِي يَنْصَبُّ مِنْهُ الدَّوَاءُ إلَى الْأَمْعَاءِ (رد المحتار ج ۲، ص ۳۹۷، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

حَتَّى بَلَغَ مَوْضِعَ الْحُقْنَةِ أَفْطَرَهُ وَتَذَكُّرُ الصَّوْمِ شَرْطٌ فِي جَمِيعِ هَذِهِ الصُّوَرِ؛ لِأَنَّ النَّاسِيَ فِي جَمِيعِهَا لَيْسَ بِمُفْطِرٍ اتِّفَاقًا (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج ۱ ص ۲۴۱، بَابُ مُوجِبِ الْفَسَادِ)

[۲] وَفِي كِتَابِ الصَّوْمِ مِنْ الْخُلَاصَةِ :إنَّمَا يُفْسِدُ إذَا وَصَلَ إلَى مَوْضِعِ الْحُقْنَةِ وَقَلَّمَا يَكُونُ ذَلِكَ (فتح القدير، ج ۱ ص ۲۱۳، فَصْلٌ فِي الِاسْتِنْجَاءِ)

بالفرض کسی نے عام عادت کے مطابق استنجاء کیا، اور پھر باقی ماندہ تری خود بخود موضعِ حقنہ تک پہنچ جائے، تب بھی دفعِ حرج کی بناء پر روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے، جیسا کہ کلی کے بعد باقی ماندہ تری کے نگلنے سے روزہ دفعِ حرج کی وجہ سے فاسد نہیں ہوتا، واللہ اعلم۔

[۳] وَلَوْ طُعِنَ بِرُمْحٍ أَوْ أَصَابَهُ سَهْمٌ وَبَقِيَ فِي جَوْفِهِ فَسَدَ وَإِنْ بَقِيَ طَرَفُهُ خَارِجًا لَمْ يَفْسُدْ (تبيين الحقائق، ج ۱ ص ۳۳۰، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

ولايفسد عند الحنفية ، لعدم الاستقرار فيه، لان بقاء الطرف الآخر للمنظار والاصبع واللبوس بيد الطبيب يمنع استقرارها فيه، الا ان ينفصل منها شيئ ووصل الى قدر المحقنة واستقر فيه فيكون فى حكم الحقنة (ضابط المفطرات فى مجال التداوى، للشيخ المفتى محمد رفيع العثمانى، ص ۱۷۵، ۱۷۶)

آج کل مقعد یا آنتوں کی صفائی یا تشخیص وعلاج کے لئے بعض چیزیں یا آلات استعمال کیے جاتے ہیں ان کا حکم بھی خشک اور تر انگلی کی طرح ہے۔

مسئلہ نمبر۵......عورت کی آگے والی شرم گاہ میں مثانہ کی طرف والے سوراخ یا رحم کی طرف والے سوراخ میں، اور اسی طرح مرد کے پیشاب والے سوراخ میں کوئی دوا وغیرہ داخل کی جائے، یا صفائی یا مخصوص تشخیص کے لئے عورت کی مخصوص شرم گاہ میں ہاتھ یا کوئی آلہ داخل کیا جائے، تو اس میں قدیم فقہاء کا اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوتا، کیونکہ ان کی تحقیق کے مطابق ان مقامات سے غذا یا دوا معدہ وآنتوں تک نہیں پہنچتی، جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک ان سوراخوں سے معدہ وآنتوں کی طرف منفذ اور غذائی راستہ موجود ہے، لہٰذا ان کے نزدیک تر چیز یا محلول کے داخل ہونے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ [1]

لیکن جدید ماہرین کی تحقیق کے مطابق مرد اور عورت کی پیشاب گاہ سے معدہ وآنتوں کی طرف راستہ موجود نہیں ہے، لہٰذا ان کی تحقیق کے مطابق عورت یا مرد کی آگے والی شرم گاہ یا

---

[1] احلیل یعنی مرد کے پیشاب والے سوراخ میں کوئی چیز ڈالنے سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوتا، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک فاسد ہو جاتا ہے۔

اور عورت کی پیشاب گاہ کے بارے میں اختلاف ہے، مشائخ نے اصح اس کو قرار دیا ہے کہ بلا خلاف فاسد ہو جاتا ہے۔

(وَكَذَا لَوْ صُبَّ فِي إحْلِيلِهِ دُهْنٌ أَوْ غَيْرُهُ لَا يَفْسُدُ) عِنْدَ الْإِمَامِ (خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ) فَإِنَّهُ قَالَ يُفْطِرُ وَقَوْلُ مُحَمَّدٍ مُضْطَرِبٌ.

وَفِي التَّبْيِينِ وَغَيْرِهِ وَالْأَظْهَرُ مَعَ الْإِمَامِ وَهَذَا الِاخْتِلَافُ مَبْنِيٌّ عَلَى أَنَّهُ هَلْ بَيْنَ الْمَثَانَةِ وَالْجَوْفِ مَنْفَذٌ وَالْأَظْهَرُ أَنَّهُ لَا مَنْفَذَ لَهُ وَإِنَّمَا يَجْتَمِعُ الْبَوْلُ فِيهَا بِالتَّرْشِيحِ :كَمَا يَقُولُ الْأَطِبَّاءُ هَذَا فِيمَا وَصَلَ إلَى الْمَثَانَةِ فَإِنْ لَمْ يَصِلْ بِأَنْ كَانَ فِي قَصَبَةِ الذَّكَرِ لَا يُفْطِرُ اتِّفَاقًا وَالْإِفْطَارُ فِي أَقْبَالِ النِّسَاءِ قَالُوا أَيْضًا عَلَى هَذَا الِاخْتِلَافِ لَكِنَّ الْأَصَحَّ يَفْسُدُ بِلَا خِلَافٍ كَمَا فِي أَكْثَرِ الْمُعْتَبَرَاتِ،وَلَوْ وَضَعَتْ قُطْنَةً فَانْتَهَتْ إلَى الْفَرْجِ الدَّاخِلِ وَهُوَ الرَّحِمُ فَسَدَ(مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر،ج ۱ ص ۲۴۵،كِتَابُ الصَّوْمِ،بَابُ مُوجِبِ الْفَسَادِ)

وَأما فِي الإقطار من الإحليل فَلَا يفْسد الصَّوْم عِنْد أبي حنيفَة وَعِنْدَهُمَا يفْسد وَهَذَا لَيْسَ بِخِلَاف من حَيْثُ الْحَقِيقَة لِأَنَّهُ لَو وصل إِلَى الْجوف يفْسد بِالْإِجْمَاع وَلَو لم يصل لَا يفْسد بِالْإِجْمَاع إِلَّا أَنَّهُمَا أخذا بِالظَّاهِرِ فَإِن الْبَوْل يخرج مِنْهُ فَيكون لَهُ منفذ وَأَبُو حنيفَة يَقُول لَيْسَ لَهُ منفذ وَإِنَّمَا الْبَوْل يترشح مِنْهُ كَمَا يترشح المَاء من الْكوز الْجَدِيد وَالْبَوْل(تحفة الفقهاء للسمرقندي، ج ۱ ص ۳۵۵، كتاب الصَّوْم)

پیشاب گاہ میں کوئی چیز داخل کرنے اور مثانہ ورحم کی تشخیص وصفائی کے لئے کوئی آلہ داخل کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، خواہ وہ چیز تر ہو یا خشک، اور خواہ اس کا سرا باہر ہو یا نہ ہو۔

پس عام حالات میں تو اختلاف سے بچنے کے لئے پیشاب گاہ میں کوئی چیز داخل کرنے سے روزہ کی حالت میں بچنا چاہئے، اور بوقتِ ضرورت ومجبوری جدید ماہرین کی تحقیق کے پیشِ نظر عمل کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ [1]

---

[1] ومنها ما فى نفوذها وعدم نفوذها الى الجوف المعتبر خفاء ،فالجزم فيها بانها نافذة اليه اولا،ليس فى الاصل من باب الفقه ،لانه من باب الطب وتشريح الابدان، كما صرح به غير واحد من الفقهاء، كالسرخسى فى المبسوط، والمرغينانى فى الهداية، وابن الهمام فى فتح القدير، وابن نجيم فى البحرالرائق، وقد مرت عباراتهم فى بحث الجوف برقم ۵،۸، ۹،۱۰ ،فلا بد فيها من الاعتماد على اهل الطب وخبرائه، كما يظهر من عبارات الفقهاء المارة والآتية ، فان "لكل فن رجال" (ضابط المفطرات فى مجال التداوى، للشيخ المفتى محمد رفيع العثمانى، ص۵۴،الباب الثانى،الفصل الاول)

واما الاحليل فلا يفسد الصوم بادخال شيئ فيه كالماء والدواء وكالماصة الطبية(Catheter) وهى انبويه تدخل فى المسالك البولية لافراغ المثانة(Catherization) عند الحنفية والمالكية والحنابلة وان وصل الى المثانة (ضابط المفطرات فى مجال التداوى، للشيخ المفتى محمد رفيع العثمانى، ص۱۷٦)

بعد اطلاعه على البحوث المقدمة فى موضوع المفطرات فى مجال التداوى، والدراسات والبحوث والتوصيات الصادرة عن الندوة الفقهية الطبية التاسعة التى عقدتها المنظمة الإسلامية للعلوم الطبية، بالتعاون مع المجمع وجهات أخرى، فى الدار البيضاء بالمملكة المغربية، فى الفترة من ۹إلى ۱۲ صفر۱۴۱۸ھ(الموافق ۱۴۔۱۷ يونيو۱۹۹۷م) واستماعه للمناقشات التى دارت حول الموضوع بمشاركة الفقهاء والأطباء ، والنظر فى الأدلة من الكتاب والسنة، وفى كلام الفقهاء .قرر ما يلى:أولاً :الأمور الآتية لا تعتبر من المفطرات:............

(۳) ما يدخل المهبل من تحاميل (لبوس)أو غسول، أو منظار مهبلى، أو إصبع للفحص الطبى.

(۴)إدخال المنظار أو اللولب ونحوهما إلى الرحم.

(۵)ما يدخل الإحليل -أى مجرى البول الظاهر للذكر والأنثى -من قثطرة (أنبوب دقيق) أو منظار، أو مادة ظليلة على الأشعة، أو دواء ، أو محلول لغسل المثانة (مجلة مجمع الفقه الإسلامى، ج۱۰ ص۶۱۹، مقالة :المفطرات)

المبحث الخامس:ما يدخل إلى الجسم عن طريق المهبل.

وفيه مسائل:المسألة الأولى :الغسول المهبلى (دوش مهبلى)

يعرف حكم هذه المسألة بمعرفة حكم دخول شيء للمهبل عند الفقهاء المتقدمين، وقد اختلفوا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

غسل، جسم کی مالش، انجکشن، ڈرپ وغیرہ لگوانے کے احکام

حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن کی سند سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَقَدُ رَأَيُتُ رَسُوُلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ بِالْعَرُجِ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهِ الْمَاءَ، وَهُوَ صَائِمٌ مِّنَ الْعَطَشِ، أَوُ مِنَ الْحَرِّ(سنن أبى داود) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''عرج'' (نامی مقام) میں دیکھا کہ آپ روزہ سے تھے، اور اپنے سر پر پیاس یا گرمی کی وجہ سے پانی ڈال رہے تھے (ابوداؤد)

ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوُلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُدُرِكُهُ الْفَجُرُ وَهُوَ جُنُبٌ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

على قولين:القول الأول :ذهب المالكية، والحنابلة، إلى أن المرأة إذا قطرت فى قبلها مائعاً لا تفطر بذلك.الأدلة(١)أن فرج المرأة ليس متصلاً بالجوف (٢)أن مسلك الذكر من فرج المرأة فى حكم الظاهر.

القول الثانى :ذهب الأحناف، والشافعية، إلى أن دخول المائع إلى قبل المرأة يفطر.الدليل :أن لمثانتها منفذاً يصل إلى الجوف، كالإقطار فى الأذن.

القول المختار :بنى الأحناف والشافعية قولهم بالتفطير على وصول المائع إلى الجوف عن طريق قبل المرأة، كما علل به فى بدائع الصنائع، وهو أمر مخالف لما ثبت فى الطب الحديث، حيث دل على أنه لا منفذ بين الجهاز التناسلى للمرأة وبين جوفها، ولذلك فليس هناك فى الحقيقة ما يوجب التفطير، حتى على مذهب الأحناف والشافعية، إنطلاقاً من تعليلهم.

فالقول الأقرب هو عدم التفطير بالغسول المهبلى مطلقاً، وليس فى النصوص ما يدل على التفطير، كل ما جاء فى النصوص فيما يتعلق بالمهبل من المفطرات هو الجماع، ولا علاقة له لا شرعاً، ولا لغةً، ولا عرفاً بالغسول المهبلى(مفطرات الصيام المعاصرة ،المبحث الخامس،ما يدخل إلى الجسم عن طريق المهبل)

[1] رقم الحديث ٢٣٦٥، رقم الحديث ٢٣٦٥،كتاب الصوم،باب الصائم يصب عليه الماء من العطش ويبالغ فى الاستنشاق،مسند احمد رقم الحديث ٢٣٢٢٣)

فى حاشية مسند احمد:إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير صحابيه .

مِنْ أَهْلِهٖ، ثُمَّ يَغْتَسِلُ، وَيَصُوْمُ(بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں فجر ہو جاتی تھی کہ آپ اپنی زوجۂ مطہرہ کی وجہ سے (رات کو) جنبی ہوجاتے تھے، پھر (طلوعِ فجر کے بعد) آپ غسل کرتے تھے، اور آپ روزہ سے ہوتے تھے (بخاری، ترمذی)

اور امُّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ فِيْ رَمَضَانَ وَهُوَ جُنُبٌ، مِنْ غَيْرِ حُلُمٍ، فَيَغْتَسِلُ وَيَصُوْمُ(مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان میں طلوعِ فجر اس حال میں ہوجاتی تھی کہ آپ جنبی ہوتے تھے، احتلام کے بغیر، پھر آپ غسل کرتے تھے اور اسی حال میں روزہ رکھتے تھے (مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

أَصْبِحُوْا مُتَدَهِّنِيْنَ صُيَّامًا(المعجم الكبير للطبرانی) [3]

ترجمہ: تم روزہ کی حالت میں صبح تیل لگانے کی حالت میں کرو (طبرانی)

حضرت ابوعثمان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ وَهُوَ صَائِمٌ يَبُلُّ الثَّوْبَ ، ثُمَّ يُلْقِيْهِ عَلَيْهِ(مصنف ابنِ ابی

---

[1] رقم الحديث ۱۹۲۶، كتاب الصوم، باب الصائم يصبح جنبا،، واللفظ لهٗ، سنن الترمذی، رقم الحديث ۷۷۹.

قال الترمذی: حَدِيثُ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، "وَقَدْ قَالَ قَوْمٌ مِنَ التَّابِعِينَ :إِذَا أَصْبَحَ جُنُبًا يَقْضِي ذَلِكَ اليَوْمَ، وَالقَوْلُ الأَوَّلُ أَصَحُّ (سنن الترمذی)

[2] رقم الحديث ۱۱۰۹ "۷۶" كتاب الصيام، باب صحة صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب.

[3] رقم الحديث ۹۲۰۸، ج۹ص ۲۴۶، باب العين.

قال الهيثمی: رواه الطبرانی، ورجاله رجال الصحيح إلا أنی لم أجد لأبی حصين من ابن مسعود سماعا(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۹۷۴، باب الدهن للصائم)

شيبة) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو روزہ کی حالت میں دیکھا کہ آپ نے کپڑا بھگویا، پھر اپنے اوپر ڈالا (ابنِ ابی شیبہ)

اس قسم کے اور بھی آثار و روایات ہیں۔ [2]

غسل کرنے، سر پر پانی ڈالنے، تیل کی مالش کرنے اور جسم پر بھیگا ہوا کپڑا ڈالنے سے مسامات کے ذریعہ سے پانی اور تیل جسم کے اندر داخل ہو جاتا ہے، لیکن شریعت نے اس سے منع نہیں کیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ جسم کے مسامات کے واسطہ سے پانی یا کوئی دوسری چیز جسم کے اندر داخل ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [3]

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ میں فقہائے کرام کے بیان کردہ چند مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر ۱...... غسل کرنے، کپڑا بھگو کر سر یا بدن پر لپیٹنے یا ڈالنے، سر، داڑھی، مونچھوں اور بدن کے کسی دوسرے حصہ پر تیل لگانے، اور مالش کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [4]

---

[1] رقم الحديث۹۳۰۳ كتاب الصيام، باب مَا ذُكِرَ فِي الصَّائِمِ يَتلَذَّذُ بالْمَاء.

[2] عَنِ ابْنِ عَوْنٍ ، قَالَ : كَانَ ابْنُ سِيرِينَ لا يَرَى بَأْسًا أَنْ يَبُلَّ الثَّوْبَ ، ثُمَّ يُلْقِيَهُ عَلَى وَجْهِهِ(مصنف ابنِ ابی شيبة،رقم الحديث۹۳۰۵ ، باب مَا ذُكِرَ فِي الصَّائِمِ يَتلَذَّذُ بالْمَاءِ)
عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَاءَ ، وَيُرَوِّحُ عَنْهُ وَهُوَ صَائِمٌ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ ، أَوْ يَوْمَ عَرَفَةَ(مصنف ابنِ ابی شيبة،رقم الحديث ۹۳۰۶)
عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ ، قَالَ : رَأَيْتُ عَبْدَ الرَّحْمَن بْنَ الأَسْوَد يَنْقَعُ رِجْلَيْهِ فِي الْمَاءِ وَهُوَ صَائِمٌ(مصنف ابنِ ابی شيبة،رقم الحديث۹۳۰۷)

[3] (قَوْلُهُ أَوْ ادَّهَنَ أَوِ احْتَجَمَ أَوِ اكْتَحَلَ أَوْ قَبَّلَ) أَيْ لا يُفْطِرُ؛ لِأَنَّ الِادِّهَانَ غَيْرُ مُنَافٍ لِلصَّوْمِ، وَلِعَدَمِ وُجُودِ الْمُفْطِرِ صُورَةً وَمَعْنًى وَالدَّاخِلُ مِنْ الْمَسَامِّ لَا مِنْ الْمَسَالِكِ فَلَا يُنَافِيهِ كَمَا لَوْ اغْتَسَلَ بِالْمَاءِ الْبَارِدِ، وَوَجَدَ بَرْدَهُ فِي كَبِدِهِ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ ص۲۹۳، كِتَابُ الصَّوْمِ،بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

[4] وَكَذَا لَا تُكْرَهُ حِجَامَةٌ وَتَلَفُّفٌ بِثَوْبٍ مُبْتَلٍّ وَمَضْمَضَةٌ أَوِ اسْتِنْشَاقٌ أَوِ اغْتِسَالٌ لِلتَّبَرُّدِ عِنْدَ الثَّانِي وَبِهِ يُفْتَى شُرُنْبُلَالِيَّةٌ عَنْ الْبُرْهَانِ(الدر المختار)
(قَوْلُهُ :وَمَضْمَضَةٍ أَوِ اسْتِنْشَاقٍ) أَيْ لِغَيْرِ وُضُوءٍ أَوِ اغْتِسَالٍ نُورُ الْإِيضَاحِ (قَوْلُهُ :لِلتَّبَرُّدِ) رَاجِعٌ لِقَوْلِهِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... کسی قسم کا انجکشن، یا ٹیکہ لگوانے، خون یا گلوکوز چڑھوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، خواہ وہ رگ کے ذریعہ سے ہو، یا گوشت و پٹھے کے ذریعہ سے۔

البتہ بغیر سخت ضرورت ومجبوری کے روزہ کی حالت میں گلوکوز یا خون چڑھوانا یا طاقت کا انجکشن لگوانا مکروہ ہے۔[۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَتَلَفُّفٍ وَمَا بَعْدَهُ (قَوْلُهُ :وَبِهِ يُفْتَى) ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -صَبَّ عَلَى رَأْسِهِ الْمَاءَ، وَهُوَ صَائِمٌ مِنْ الْعَطَشِ أَوْ مِنْ الْحَرِّ رَوَاهُ أَبُو دَاوُد وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا -يَبُلُّ الثَّوْبَ وَيَلُفُّهُ عَلَيْهِ وَهُوَ صَائِمٌ وَلِأَنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ فِيهَا عَوْنٌ عَلَى الْعِبَادَةِ وَدَفْعُ الضَّجَرِ الطَّبِيعِيِّ وَكَرِهَهَا أَبُو حَنِيفَةَ لِمَا فِيهَا مِنْ إظْهَارِ الضَّجَرِ فِي الْعِبَادَةِ؛ كَمَا فِي الْبُرْهَانِ إمْدَادٌ(ردالمحتار، ج۲ص ۴۱۹، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

وَمَا يَدْخُلُ مِنْ مَسَامِّ الْبَدَنِ مِنَ الدُّهْنِ لَا يُفْطِرُ هَكَذَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ(الفتاوىٰ الهندية، ج۱ص ۲۰۳، كتاب الصوم، الباب الرابع، النوع الاول)

[۱] انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا اس لئے کہ انجکشن کے ذریعہ جو دوا رگوں یا گوشت میں پہنچائی جاتی ہے، وہ کسی ایسے منفذ اور راستے سے نہیں جاتی، جس کا شریعت اعتبار کرتی ہو۔

البتہ روزہ جہاں عبادت ہے وہاں اس سے یہ بھی مقصود ہے کہ روزہ کی حالت میں بھوکا پیاسا رہ کر نفس پر قابو حاصل ہو اور تقویٰ حاصل ہونے میں مدد ملے اور تھوڑی بہت کمزوری کو طاقت کی ڈرپ یا ٹیکہ سے ختم کر دیا جائے تو روزہ کی حکمت متاثر ہو جاتی ہے، لہٰذا عام حالات میں صرف طاقت حاصل کرنے اور معمولی کمزوری (جو عموماً روزہ سے ہر ایک کو ہی محسوس ہوتی ہے) دور کرنے کے لئے ٹیکہ یا ڈرپ لگوانا مکروہ ہے، البتہ مخصوص حالات یا غیر معمولی کمزوری میں اس کی کراہت نہ ہوگی۔

اور جو حضرات طاقت کے ٹیکہ یا ڈرپ لگوانے کو روزہ کے لئے اس بناء پر مفسد قرار دیتے ہیں کہ اس سے بھوک، پیاس مٹ جاتی ہے، تو یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ بھوک اور پیاس روزہ کی علت نہیں، بلکہ حکمت ہے، اور حکمت پر حکم کا دارومدار نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص کو روزہ رکھنے کے بعد بالکل بھوک اور پیاس نہ لگے، تب بھی اس کا روزہ درست ہو جاتا ہے، اور اس کے برعکس اگر کوئی روزہ کی نیت کے بغیر لمبے وقت تک بھوکا پیاسا رہے، اور خوب بھوک اور پیاس برداشت کرے، تب بھی اس کا روزہ درست نہیں ہوتا۔

بعد اطلاعه على البحوث المقدمة فى موضوع المفطرات فى مجال التداوى، والدراسات والبحوث والتوصيات الصادرة عن الندوة الفقهية الطبية التاسعة التى عقدتها المنظمة الإسلامية للعلوم الطبية، بالتعاون مع المجمع وجهات أخرى، فى الدار البيضاء بالمملكة المغربية، فى الفترة من ۹إلى ۱۲صفر ۱۴۱۸ھ (الموافق ۱۴۔۱۷ ایونیو ۱۹۹۷م) ، واستماعه للمناقشات التى دارت حول الموضوع بمشاركة الفقهاء والأطباء، والنظر فى الأدلة من الكتاب والسنة، وفى كلام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳...... اگر کسی روزہ دار کو کوئی زہریلا جانور کاٹ لے، مثلاً سانپ، بچھو وغیرہ، اور اس کے جسم میں زہر داخل ہو جائے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

سر اور پیٹ کے زخم (آمّہ وجائفہ) سے کوئی چیز اندر داخل ہونا

فقہائے کرام کے درمیان یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا ہے کہ اگر کسی کے سر یا پیٹ میں زخم ہو، اور اس زخم سے کوئی دوا اندر داخل کی جائے، تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

سر کے زخم کو انہوں نے آمّہ اور پیٹ کے زخم کو جائفہ کے نام سے تعبیر کیا ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کوئی ایسی دوا سر یا پیٹ کے زخم میں داخل کی جائے، جو دماغ یا پیٹ میں پہنچ جائے، تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک زخم کے سوراخ سے اندر داخل ہونے والی دوا وغیرہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ زخم کا سوراخ غذا و دوا کے داخل ہونے کے لئے فطری اور خلقی راستہ نہیں ہے، اس لئے اس کی مثال جسم میں پائے جانے والے مسامات کی طرح ہے، اور مسامات کے ذریعہ سے کسی چیز کے اندر داخل ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الفقهاء .قرر ما يلى:أولاً :الأمور الآتية لا تعتبر من المفطرات:............

(۸)الحقن العلاجية الجلدية أو العضلية أو الوريدية، باستثناء السوائل والحقن المغذية......

(۱۰)غازات التخدير (البنج) ما لم يعط المريض سوائل (محاليل) مغذية.

(۱۱)ما يدخل الجسم امتصاصاً من الجلد؛ كالدهونات والمراهم واللصقات العلاجية الجلدية المحملة بالمواد الدوائية أو الكيميائية.

(۱۲)إدخال قثطرة (أنبوب دقيق) فى الشرايين لتصوير أو علاج أوعية القلب أو غيره من الأعضاء .

(۱۳)إدخال منظار من خلال جدار البطن لفحص الأحشاء أو إجراء عملية جراحية عليها.

(۱۴)أخذ عينات (خزعات) من الكبد أو غيره من الأعضاء ، ما لم تكن مصحوبة بإعطاء محاليل.

(مجلة مجمع الفقه الإسلامى،ج۱۰ ص ۹۱۶، مقالة :المفطرات)

[1] دلائل کے لحاظ سے صاحبین کا قول راجح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اگر خلقی وفطری راستہ کی قید نہ لگائی جائے، تو مسامات کے ذریعہ سے بھی روزہ فاسد ہونا چاہئے، بالخصوص انجکشن کے ذریعہ سے روزہ فاسد ہونا چاہئے، کیونکہ انجکشن کے ذریعہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ دماغ میں کسی چیز کے داخل ہونے سے روزہ ٹوٹنے کی بنیادی وجہ یہ سمجھنا ہے کہ دماغ سے پیٹ کی طرف کوئی منفذ اور معتبر راستہ موجود ہے۔ [1]

جبکہ موجودہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ دماغ سے پیٹ کی طرف ایسا راستہ موجود نہیں، لہٰذا سر کے زخم سے داخل ہونے والی دوا سے روزہ نہیں ٹوٹنا چاہئے۔

پس اختلاف سے بچنے کے لئے عام حالات میں تو (جبکہ کوئی ضرورت ومجبوری نہ ہو) روزہ میں سر اور پیٹ کے زخم میں کوئی ایسی دوا ڈالنے سے پرہیز کرنا چاہئے، جو دماغ یا پیٹ تک پہنچ جائے، البتہ اگر کسی وقت روزہ کی حالت میں علاج معالجہ یا درپیش تکلیف کے ازالہ کے لئے کوئی ضرورت پیش آ جائے، تو سر اور پیٹ کے زخم سے دوا ڈالنے کی گنجائش ہے، اور ایسی صورت میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے قول کے پیشِ نظر روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سے جو دوا اندر جاتی ہے، وہ صرف مسامات کے ذریعہ سے نہیں جاتی، بلکہ اس کی سوئی خود اپنا راستہ بناتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر سوئی کے بغیر وہ دوا جلد کے مسامات پر رکھ دی جائے، تو وہ خود سے اندر داخل نہ ہوگی، اور سوئی کے ذریعہ سے جو راستہ بنتا ہے، اس میں سے عموماً قدرے خون بھی برآمد ہوتا ہے، جو تازہ زخم کے مشابہ ہے، لہٰذا اگر کسی کے پیٹ یا جسم کے ایسے حصہ میں انجکشن لگایا جائے کہ جس کی دوا معدہ یا آنتوں تک پہنچ جائے، بالخصوص جبکہ سوئی کا کنارہ وہاں تک پہنچ جائے، تو امام صاحب کے قول کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہونا چاہئے، جبکہ صاحبین کے قول کے مطابق روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور ہمارے نزدیک صاحبین کا قول ہی راجح ہے۔ محمد رضوان۔

[1] وَقَوْلُهُ :إِلَى جَوْفِهِ عَائِدٌ إلَى الْجَائِفَةِ وَقَوْلُهُ إلَى دِمَاغِهِ عَائِدٌ إلَى الْآمَّةِ، وَفِي التَّحْقِيقِ أَنَّ بَيْنَ الْجَوْفَيْنِ مَنْفَذًا أَصْلِيًّا فَمَا وَصَلَ إلَى جَوْفِ الرَّأْسِ يَصِلُ إلَى جَوْفِ الْبَطْنِ كَذَا فِي النِّهَايَةِ وَالْبَدَائِعِ وَلِهَذَا لَوِ اسْتَعَطَ لَيْلًا، وَوَصَلَ إلَى الرَّأْسِ ثُمَّ خَرَجَ نَهَارًا لَا يَفْسُدُ كَمَا قَدَّمْنَاهُ، وَعَلَّلَهُ فِي الْبَدَائِعِ بِأَنَّهُ لَمَّا خَرَجَ عُلِمَ أَنَّهُ لَمْ يَصِلْ إلَى الْجَوْفِ أَوْ لَمْ يَسْتَقِرَّ فِيهِ(البحر الرائق، ج۲ ص ۳۰۰، باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

[2] وَأما الْجَائِفَة وَالْأمة إِذا داووهما فَإِن كَانَ الدَّوَاء يَابسا فَلَا يفْسد لِأَنَّهُ لَا يصل إِلَى الْجوف،وَأما إِذا كَانَ رطبا فَيفْسد عِنْد أبي حنيفَة وَعِنْدَهُمَا لَا يفْسد.فَأَبُو حنيفَة اعْتبر ظَاهر الْوُصُول بوصول المغذى إِلَى الْجوف حَقِيقَة،وهما يعتبران الْوُصُول بالمخارق الْأَصْلِيّ لَا غير ويقولان فِي الْمخَارِق الْأَصْلِيَّة يتيَقَّن الْوُصُول فَأَما فِي الْمخَارِق الْعَارِض فَيحْتَمل الْوُصُول إِلَى الْجوف وَيحْتَمل الْوُصُول إِلَى موضِع آخر لَا إِلَى مَحل الْغذَاء والدواء فَلَا يفْسد الصَّوْم مَعَ الشَّك وَالِاحْتِمَال وَأَبُو حنيفَة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

روزہ میں جسم سے خون نکلوانے اور نکلنے کے احکام

پہلے زمانہ میں پچھنے لگوانے کا رواج تھا، اور پچھنے لگوانے میں جسم سے غیر ضروری یا فاسد خون خارج کیا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض موقعوں پر روزہ کی حالت میں پچھنے لگوانے سے منع فرمایا، مگر محدثین وفقہائے کرام کے بقول اس کی وجہ یہ تھی کہ کہیں روزہ دار کو اس کی وجہ سے کمزوری واقع نہ ہو جائے، جس کے نتیجہ میں اسے بعد میں روزہ توڑنا نہ پڑ جائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يَقُول الْوُصُول إِلَى الْجوف ثَابت ظَاهرا فَكفى لوُجُوب الْقَضَاء احْتِيَاطًا (تحفة الفقهاء ج ۱ ص ۳۵۶، كتاب الصوم)

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ، وَمُحَمَّدٌ :لَا يَفْسُدُ الصَّوْمُ فِي الْجَائِفَةِ وَالْآمَّةِ؛ لِأَنَّ الشَّرْطَ عِنْدَهُمَا الْوُصُولُ مِنْ مَنْفَذٍ أَصْلِيٍّ، وَلِعَدَمِ التَّيَقُّنِ بِالْوُصُولِ لِاحْتِمَالِ ضِيقِ الْمَنْفَذِ وَانْسِدَادِهِ بِالدَّوَاءِ وَصَارَ كَالْيَابِسِ، وَلَهُ أَنَّ رُطُوبَةَ الدَّوَاءِ إِذَا اجْتَمَعَتْ مَعَ رُطُوبَةِ الْجِرَاحَةِ ازْدَادَ سَيَلَانًا إِلَى الْبَاطِنِ فَيَصِلُ، بِخِلَافِ الْيَابِسِ لِأَنَّهُ يُنَشِّفُ الرُّطُوبَةَ فَيَنْسَدُّ فَمُ الْجِرَاحَةِ .قَالَ مَشَايِخُنَا :وَالْمُعْتَبَرُ عِنْدَهُ الْوُصُولُ حَتَّى لَوْ عَلِمَ بِوُصُولِ الْيَابِسِ فَسَدَ، وَلَوْ عَلِمَ بِعَدَمِ وُصُولِ الرَّطِبِ لَا يَفْسُدُ(الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص ۱۳۲، فصل من افطر عامدا فى رمضان)

أما إذا شك فى وصول الدواء إلى الجوف، فعند الحنفية بعض التفصيل والخلاف، فإن كان الدواء رطبا، فعند أبى حنيفة الظاهر هو الوصول، لوجود المنفذ إلى الجوف، وهو السبب، فيبنى الحكم على الظاهر، وهو الوصول عادة، وقال الصاحبان :لا يفطر، لعدم العلم به، فلا يفطر بالشك، فهما يعتبران المخارق الأصلية؛ لأن الوصول إلى الجوف من المخارق الأصلية متيقن به، ومن غيرها مشكوك به، فلا نحكم بالفساد مع الشك.وأما إذا كان الدواء يابسا، فلا فطر اتفاقا؛ لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ.لكن قال البابرتى :وأكثر مشايخنا على أن العبرة بالوصول، حتى إذا علم أن الدواء اليابس وصل إلى جوفه، فسد صومه، وإن علم أن الرطب لم يصل إلى جوفه، لم يفسد صومه عنده، إلا أنه ذكر الرطب واليابس بناء على العادة،وإذا لم يعلم يقينا فسد عند أبى حنيفة، نظرا إلى العادة، لا عندهما ،ومذهب المالكية عدم الإفطار بمداواة الجراح، وهو اختيار الشيخ تقى الدين .قال المرداوى :واختار الشيخ تقى الدين عدم الإفطار بمداواة جائفة ومأمومة ، قال ابن جزى :أما دواء الجرح بما يصل إلى الجوف، فلا يفطر ،وقال الدردير، معللا عدم الإفطار بوضع الدهن على الجائفة، والجرح الكائن فى البطن الواصل للجوف :لأنه لا يصل لمحل الطعام والشراب، وإلا لمات من ساعته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۸،ص۳۸،مفسدات الصوم،مداواة الآمة والجائفة والجراح)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس کا بعض روایات میں ذکر بھی پایا جاتا ہے، اس لئے روزہ کی حالت میں پچھنے لگوانے اور جسم سے خون نکلوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَكُنْتُمْ تَكْرَهُوْنَ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا مِنْ أَجْلِ الضَّعْفِ، وَزَادَ شَبَابَةُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری) [1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا تم روزہ دار کے لئے پچھنے لگوانے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مکروہ سمجھتے تھے؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں، مگر کمزوری ہوجانے کی وجہ سے (مکروہ سمجھتے تھے) (بخاری)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اِحْتَجَمَ صَائِمًا (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۵۹۴) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں پچھنے لگوائے (مسند احمد)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بعد اطلاعه على البحوث المقدمة فى موضوع المفطرات فى مجال التداوى، والدراسات والبحوث والتوصيات الصادرة عن الندوة الفقهية الطبية التاسعة التى عقدتها المنظمة الإسلامية للعلوم الطبية، بالتعاون مع المجمع وجهات أخرى، فى الدار البيضاء بالمملكة المغربية، فى الفترة من ٩إلى ١٢ صفر١٤١٨هـ (الموافق ١٤ـ١٧ يونيو١٩٩٧م) واستماعه للمناقشات التى دارت حول الموضوع بمشاركة الفقهاء والأطباء، والنظر فى الأدلة من الكتاب والسنة، وفى كلام الفقهاء .قرر ما يلى:أولاً :الأمور الآتية لا تعتبر من المفطرات:............

(١٦)دخول أى أداة أو مواد علاجية إلى الدماغ أو النخاع الشوكى.

(مجلة مجمع الفقه الإسلامى، ج١٠ ص٩١٢، مقالة :المفطرات)

[1] رقم الحديث ١٩٤٠، كتاب الصوم، باب الحجامة والقيء للصائم.

[2] فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ (سنن الدار قطنی، رقم الحديث ٢٢٦٢، كتاب الصيام، باب القبلة للصائم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار کو پچھنے لگوانے کی اجازت دی (دار قطنی)

حضرت ابوظبیان سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؛ فِي الْحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ ، قَالَ: اَلْفِطْرُ مِمَّا دَخَلَ ، وَلَيْسَ مِمَّا يَخْرُجُ (مُصنف ابن أبی شيبة) [2]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے روزہ دار کے لئے پچھنے لگوانے کے بارے میں فرمایا کہ روزہ داخل ہونے والی چیز سے ٹوٹتا ہے، باہر نکلنے والی چیز سے نہیں ٹوٹتا (اور پچھنے لگوانے میں خون باہر نکلتا ہے، کوئی چیز اندر داخل نہیں ہوتی، اس لئے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا) (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت زہری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ سَعْدًا، وَابْنَ عُمَرَ، كَانَا يَحْتَجِمَانِ وَهُمَا صَائِمَانِ (المؤطا للامام محمد، رقم الحديث ٣٥٦، ابواب الصيام، باب الحجامة للصائم)

ترجمہ: حضرت سعد اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما روزہ کی حالت میں پچھنے لگوایا کرتے تھے (مؤطا امام محمد)

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ پچھنے لگوانے اور جسم کا خون نکلوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ اگر کسی کو کمزوری کا خوف ہو، اور اس کی وجہ سے بعد میں روزہ توڑنے کی نوبت آسکتی ہو، یا سخت مشکل پیش آتی ہو، تو پھر روزہ کی حالت میں یہ مکروہ عمل ہے۔ [3]

---

[1] قال الدارقطنی: كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ ,وَرَوَاهُ الْأَشْجَعِيُّ أَيْضًا وَهُوَ مِنَ الثِّقَاتِ(حواله بالا)

[2] رقم الحديث ٩٤١١، كتاب الصيام،باب من رخص للصائم أن يحتجم.

[3] قال محمد :لا بأس بالحجامة للصائم وإنما كرهت من أجل الضعف فإذا أمن ذلك فلا بأس وهو قول أبی حنيفة -رحمه الله(المؤطا للامام محمد، تحت رقم الحديث ٣٥٦)

اس تفصیل کی روشنی میں مندرجہ ذیل مسائل کا حکم بھی معلوم ہوجاتا ہے۔

مسئلہ نمبر۱...... شوگر یا دوسری بیماری کی تشخیص وچیک کی غرض سے جسم سے خون نکلوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

مسئلہ نمبر۲...... جسم کے کسی حصہ میں چوٹ لگ گئی، اور اس سے خون نکل گیا، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

مسئلہ نمبر۳...... ناک سے نکسیر پھوٹنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جبکہ ناک سے نکلنے والے خون کو پیٹ میں نہ لے جائے، اور اگر منہ میں داخل ہو، تو اسے باہر نکال دے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۴...... اگر کسی زخم سے خون کے بجائے پیپ اور پانی کا مواد خارج ہو، اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [۲]

مسئلہ نمبر۵...... بچے کو پستان سے دودھ پلانے یا چھاتی سے کسی طرح دودھ خارج کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [۳]

---

[۱] خروج الدم من البدن لا يفوت ركن الصوم ولا يحصل به اقتضاء الشهوة وبقاء العبادة ببقاء ركنها (المبسوط للسرخسي، ج۳ص۵۷، كتاب الصوم)

لَوُ وَصَلَ لِحَلُقِهِ دُمُوعُهُ أَوُ عَرَقُهُ أَوُ دَم رُعَافِهِ أَوُ مَطَرٌ أَوُ ثَلُجٌ فَسَدَ صَوُمُهُ لِتَيَسُّرِ طَبُقِ الْفَمِ وَفَتُحِهِ أَحُيَانًا مَعَ الِاحُتِرَازِ عَنِ الدُّخُولِ (البحر الرائق، ج۲ص۲۹۴، باب مايفسد الصوم وما لايفسده)

قال البرزلي :من رعف فأمسك أنفه فخرج الدم من فيه ولم يرجع إلى حلقه فلا شيء عليه؛ لأن منفذ الأنف إلى الفم دون الجوف، فهو ما لم يصل إلى الجوف لا شيء فيه، انتهى(مواهب الجليل في شرح مختصر خليل، ج۲ص۴۲۵، كتاب الصيام، باب مايثبت به رمضان)

ذهب الحنفية والمالكية إلى أن من رعف فأمسك أنفه فخرج الدم من فيه ولم يرجع إلى حلقه فلا شيء عليه؛ لأن منفذ الأنف إلى الفم دون الجوف، فهو ما لم يصل إلى الجوف لا شيء فيه، ومن دخل دم رعافه حلقه فسد صومه .أما الشافعية والحنابلة فيؤخذ من عباراتهم أن ما يصل إلى جوف الصائم بلا قصد لا يفطر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص۲۶۷،مادة"رعاف" أثر الرعاف على الصوم)

[۲] لان القيح له حكم الدم فى نقض الوضوء، فحكمها حكم الدم فى الصوم.

[۳] لان لبن المرأة طاهر ،فلما لم يفسد الصوم بالدم فلا يفسد باللبن.

بھول کر، جبر واکراہ، بے ہوشی یا غلط فہمی میں روزہ ٹوٹنے کا حکم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ، فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو یہ بات بھول جائے کہ وہ روزے سے ہے، پھر وہ کچھ کھا یا پی لے، تو وہ اپنے روزے کو پورا کرلے، پس اس کو اللہ تعالیٰ کھلاتے پلاتے ہیں (اور اس وجہ سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا) (مسلم)

اس قسم کی احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر کوئی روزہ دار بھول کر کھائے پئے یا جماع کرے، تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۱۱۵۵ "۱۷۱" کتاب الصیام، باب أکل الناسی وشربه وجماعه لا یفطر.

[2] البتہ بعض فقہاء کے نزدیک بھول کر جماع کرنے کی صورت میں روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔

(فَصْلٌ) وَأَمَّا رُكْنُهُ: فَالْإِمْسَاكُ عَنِ الْأَكْلِ، وَالشُّرْبِ، وَالْجِمَاعِ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَبَاحَ الْأَكْلَ، وَالشُّرْبَ، وَالْجِمَاعَ فِي لَيَالِي رَمَضَانَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ) إلَى قَوْلِه (فَالآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ) أَيْ: حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمْ ضَوْءُ النَّهَارِ مِنْ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ مِنَ الْفَجْرِ، ثُمَّ أَمَرَ بِالْإِمْسَاكِ عَنْ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ فِي النَّهَارِ بِقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ (ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إلَى اللَّيْلِ) فَدَلَّ أَنَّ رُكْنَ الصَّوْمِ مَا قُلْنَا فَلا يُوجَدُ الصَّوْمُ بِدُونِهِ.

وَعَلَى هَذَا الْأَصْلِ يَنْبَنِي بَيَانُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَيَنْقُضُهُ لِأَنَّ انْتِقَاضَ الشَّيْءِ عِنْدَ فَوَاتِ رُكْنِهِ أَمْرٌ ضَرُورِيٌّ، وَذَلِكَ بِالْأَكْلِ، وَالشُّرْبِ، وَالْجِمَاعِ سَوَاءٌ كَانَ صُورَةً وَمَعْنًى، أَوْ صُورَةً لا مَعْنًى، أَوْ مَعْنًى لَا صُورَةً وَسَوَاءٌ كَانَ بِغَيْرِ عُذْرٍ، أَوْ بِعُذْرٍ وَسَوَاءٌ كَانَ عَمْدًا، أَوْ خَطَأً طَوْعًا، أَوْ كَرْهًا بَعْدَ أَنْ كَانَ ذَاكِرًا لِصَوْمِهِ لا نَاسِيًا وَلَا فِي مَعْنَى النَّاسِي، وَالْقِيَاسُ أَنْ يَفْسُدَ، وَإِنْ كَانَ نَاسِيًا وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ لِوُجُودِ ضِدِّ الرُّكْنِ حَتَّى قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: لَوْلَا قَوْلُ النَّاسِ لَقُلْتُ يَقْضِي أَيْ: لَوْلَا قَوْلُ النَّاسِ إنَّ أَبَا حَنِيفَةَ خَالَفَ الْأَمْرَ لَقُلْتُ: يَقْضِي لَكِنَّا تَرَكْنَا الْقِيَاسَ بِالنَّصِّ وَهُوَ مَا رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنَّهُ قَالَ: مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَطْعَمَهُ وَسَقَاهُ حَكَمَ بِبَقَاءِ صَوْمِهِ وَعَلَّلَ بِانْقِطَاعِ نِسْبَةِ فِعْلِهِ عَنْهُ بِإِضَافَتِهِ إلَى اللَّهِ تَعَالَى لِوُقُوعِهِ مِنْ غَيْرِ قَصْدِهِ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ا...... جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اگر کسی آدمی کو ان میں سے کسی چیز کو اختیار کر کے روزہ توڑنے پر (جان سے مار دینے یا کسی عضو کے ضائع کر دینے یا کسی بڑے صدمہ سے دوچار کرنے کی دھمکی وغیرہ دے کر) مجبور کیا جائے، اور وہ اس چیز کو اختیار کر لے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ گناہ گار نہیں ہوتا، اور اس پر صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

جبکہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک جبر واکراہ کے ذریعہ سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَرُوِیَ عَنْ أَبِی حَنِیفَةَ أَنَّهُ قَالَ :لَا قَضَاءَ عَلَی النَّاسِی لِلْأَثَرِ الْمَرْوِیِّ عَنِ النَّبِیِّ -صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ - وَالْقِیَاسُ أَنْ یَقْضِیَ ذَلِکَ وَلَکِنَّ اتِّبَاعَ الْأَثَرِ أَوْلَی إذَا کَانَ صَحِیحًا، وَحَدِیثٌ صَحَّحَهُ أَبُو حَنِیفَةَ لَا یَبْقَی لِأَحَدٍ فِیهِ مَطْعَنٌ.

وَکَذَا انْتَقَدَهُ أَبُو یُوسُفَ حَیْثُ قَالَ :وَلَیْسَ حَدِیثًا شَاذًّا نَجْتَرِءُ عَلَی رَدِّهِ، وَکَانَ مِنْ صَیَارِفَةِ الْحَدِیثِ.

وَرُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِی هُرَیْرَةَ -رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُمْ -مِثْلُ مَذْهَبِنَا وَلِأَنَّ النِّسْیَانَ فِی بَابِ الصَّوْمِ مِمَّا یَغْلِبُ وُجُودُهُ وَلَا یُمْکِنُ دَفْعُهُ إلَّا بِحَرَجٍ فَجُعِلَ عُذْرًا دَفْعًا لِلْحَرَجِ.

وَعَنْ عَطَاءٍ، وَالثَّوْرِیِّ أَنَّهُمَا فَرَّقَا بَیْنَ الْأَکْلِ، وَالشُّرْبِ وَبَیْنَ الْجِمَاعِ نَاسِیًا، فَقَالَا :یَفْسُدُ صَوْمُهُ فِی الْجِمَاعِ وَلَا یَفْسُدُ فِی الْأَکْلِ، وَالشُّرْبِ لِأَنَّ الْقِیَاسَ یَقْتَضِی الْفَسَادَ فِی الْکُلِّ لِفَوَاتِ رُکْنِ الصَّوْمِ فِی الْکُلِّ، إلَّا أَنَّا تَرَکْنَا الْقِیَاسَ بِالْخَبَرِ، وَأَنَّهُ وَرَدَ فِی الْأَکْلِ، وَالشُّرْبِ فَبَقِیَ الْجِمَاعُ عَلَی أَصْلِ الْقِیَاسِ، وَإِنَّا نَقُولُ :نَعَمْ الْحَدِیثُ وَرَدَ فِی الْأَکْلِ، وَالشُّرْبِ لَکِنَّهُ مَعْلُولٌ بِمَعْنًی یُوجَدُ فِی الْکُلِّ، وَهُوَ أَنَّهُ فِعْلٌ مُضَافٌ إلَی اللَّهِ تَعَالَی عَلَی طَرِیقِ التَّمْحِیصِ بِقَوْلِهِ "فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللَّهُ وَسَقَاهُ" قَطَعَ إضَافَتَهُ عَنِ الْعَبْدِ لِوُقُوعِهِ فِیهِ مِنْ غَیْرِ قَصْدِهِ وَاخْتِیَارِهِ، وَهَذَا الْمَعْنَی یُوجَدُ فِی الْکُلِّ،وَالْعِلَّةُ إذَا کَانَتْ مَنْصُوصًا عَلَیْهَا کَانَ الْحُکْمُ مَنْصُوصًا عَلَیْهِ وَیَتَعَمَّمُ الْحُکْمُ بِعُمُومِ الْعِلَّةِ ،وَکَذَا مَعْنَی الْحَرَجِ یُوجَدُ فِی الْکُلِّ(بدائع الصنائع، ج۲ ص ۹۰،فَصْلٌ أَرْکَانُ الصِّیَامِ)

[1] وَلَو أکره علی الْإِفْطَار فَأکل یفْسد صَوْمه لِأَنَّهُ وجد مَا یضاده وَهَذَا لَیْسَ بنظیر النَّاسِی لِأَن الْإِکْرَاه علی الْإِفْطَار لَیْسَ بغالب فَلَا یکون فِی وجوب الْقَضَاء حرج.فَأَما إِذا أوجد فِی حلقة وَهُوَ مکْرُوه ذَاکر للصَّوْم یفْسد صَوْمه عندنَا وَعند الشَّافِعِی لَا یفْسد صَوْمه لِأَنَّهُ أعذر من النَّاسِی،وَلَکنَّا نقُول إِن هَذَا نَادِر وَلَیْسَ بغالب.وَکَذَلِکَ الصَّائِم إِذا فتح فَاه وَرفع رَأسه إِلَی السَّمَاء فَوَقع قَطْرَة من الْمَطَر فِی حلقه یفْسد صَوْمه لِأَنَّهُ نَادِر،وَکَذَلِکَ إِذا وجد فِی حلق النَّائِم یفْسد صَوْمه لِأَنَّهُ نَادِر،وَکَذَلِکَ لَو جومعت النائمة أَو الْمَجْنُون یفْسد صَومهَا بِخِلَاف الناسیة وَالنَّاسِی لِأَن هَذَا لَیْسَ فِی مَعْنَاهُمَا لِأَنَّهُ لَا یکثر وجوده خُصُوصا فِی حَالَة الصَّوْم (تحفة الفقهاء ج ۱ ص ۳۵۴،کتاب الصوم)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... اگر کسی کو روزہ کی حالت میں جنون یا بے ہوشی طاری ہوجائے، یا کوئی سویا ہوا ہو، اور اس کو اس حالت میں کوئی دوا کھلائی پلائی جائے، یا وہ خود کوئی چیز کھا پی لے، یا کسی بے ہوش یا سوئی ہوئی روزہ دار عورت سے صحبت کر لی جائے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کا روزہ فاسد جاتا ہے۔

البتہ سوتے ہوئے احتلام ہوجائے، تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قد اختلف انظار الفقهاء فی عد الاکراه من موانع الفطر، ای: اذا تحقق سبب من اسباب الفطر والصائم مكره فيه هل يفسد صومه ام لا؟فذهب الحنفية والمالكية الى انه غير مانع، فيفسد مع الاكراه ، ولايجب الكفارة .

واما الشافعية فعندهم فيه تفصيل، وهو انه اما ان يفعل به غير شيئا من المفطرات بان اوجر الطعام فی حلقه قهرا او اسعط الماء وغيره، واما ان يكرهه على ان ياكل بنفسه او يشرب .ففی الاول لايفسد الصوم مطلقا، وفى الثانی عندهم قولان مشهوران مصححان: احدهما: لايفسد، وجعله الامام النووی رح اصح القولين ،وثانيها: يفسد، وجعله الامام الغزالی رح اصح القولين، فوقع الاختلاف فی اصحيتهما ايضا كالاختلاف فی تصحيحهما.

واما الحنابلة فعدوه من الموانع المعتبرة فلايفسد معه الصوم، سواء اكره حتى فعله او فعله به، الاالجماع ، ففی الجماع عن الامام احمد روايات: منها: ان الاكراه فيه غير مانع فيجب القضاء والكفارة ، سواه اكره حتى فعله او فعل به، وهو الصحيح من مذهبهم،ومنها: انه غير مانع ، فيفسد معه الصوم ولاتجب الكفارة ، كمذهب الاحناف والموالک.ومنها: انه مانع من الفطر ولايفسد معه الصوم،فلا قضاء عليه ولا كفارة، واختاره الشيخ تقی الدين ابن تيمية الحافظ رح وصاحب الفائق رح. وقيل انه يقضی من فعل بنفسه، لامن فعله به من نائم وغيره(ضابط المفطرات فی مجال التداوی، للشيخ المفتی محمد رفيع العثمانی، ص ۱۳۱، ۱۳۲ ،الباب الثانی،الفصل الثالث فی الموانع)

[۱] اور بعض فقہائے کرام کے نزدیک سوئے ہوئے ہونے کی حالت میں کھانے پینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

وَكَذَلِکَ إِذا وجد فِی حلق النَّائِم يفْسد صَوْمه لِأَنَّهُ نَادِر،وَكَذَلِکَ لَو جومعت النائمة أَو الْمَجْنُون يفْسد صَومهَا بِخِلَاف الناسية وَالنَّاسِی لِأَن هَذَا لَيْسَ فِی مَعْنَاهُمَا لِأَنَّهُ لَا يكثر وجوده خُصُوصا فِی حَالَة الصَّوْم(تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۳۵۴، كتاب الصوم)

(قَوْلُهُ :أَوْ شَرِبَ نَائِمًا) فِيهِ أَنَّ النَّائِمَ غَيْرُ مُخْطِءٍ لِعَدَمِ قَصْدِهِ الْفِعْلَ نَعَمْ صَرَّحَ فِی النَّهْرِ بِأَنَّ الْمَكْرُوهَ وَالنَّائِمَ كَالْمُخْطِءِ .اهـ.وَلَيْسَ هُوَ كَالنَّاسِی؛ لِأَنَّ النَّائِمَ أَوْ ذَاهِبَ الْعَقْلِ لَمْ تُؤْكَلْ ذَبِيحَتُهُ وَتُؤْكَلُ ذَبِيحَةُ مَنْ نَسِيَ التَّسْمِيَةَ بَحْرٌ عَنْ الْخَانِيَّةِ قَالَ الرَّحْمَتِيُّ وَمَعْنَاهُ :أَنَّ النِّسْيَانَ اُعْتُبِرَ عُذْرًا فِی تَرْكِ التَّسْمِيَةِ بِخِلَافِ النَّوْمِ وَالْجُنُونِ فَكَذَا يُعْتَبَرُ عُذْرًا فِی تَنَاوُلِ الْمُفْطِرِ؛ لِأَنَّ النِّسْيَانَ غَيْرُ نَادِرِ الْوُقُوعِ، وَأَمَّا الذَّبْحُ وَتَنَاوُلُ الْمُفَطِرِ فِی حَالِ النَّوْمِ وَالْجُنُونِ فَنَادِرٌ فَلَمْ يُلْحَقْ بِالنِّسْيَانِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی وجہ سے اگر مثلاً کوئی شخص رات کو منہ میں لقمہ یا پان یا نسوار وغیرہ رکھ کر سو گیا، اور طلوعِ فجر ہونے کے بعد نیند کی حالت میں اس کو نگل لیا تو حنفیہ کے نزدیک اس کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(ردالمحتار، ج۲ص ۴۰۱، باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

وَمِمَّا أُلْحِقَ بِالْمُكْرَهِ النَّائِمُ إذَا صُبَّ فِي حَلْقِهِ مَا يُفْطِرُ، وَكَذَا النَّائِمَةُ إذَا جَامَعَهَا زَوْجُهَا، وَلَمْ تَنْتَبِهْ، وَفِي الْفَتَاوَى الظَّهِيرِيَّةِ :وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا رَمَى إلَى رَجُلٍ حَبَّةَ عِنَبٍ فَدَخَلَتْ حَلْقَهُ، وَهُوَ ذَاكِرٌ لِصَوْمِهِ يَفْسُدُ صَوْمُهُ، وَمَا عَنْ نُصَيْرِ بْنِ يَحْيَى فِيمَنْ اغْتَسَلَ وَدَخَلَ الْمَاءُ فِي حَلْقِهِ لَمْ يَفْسُدْ اهـ(البحر الرائق، ج۲ص ۲۹۲، با مایفسد الصوم ومالایفسده)

النَّائِمُ إذَا شَرِبَ فَسَدَ صَوْمُهُ، وَلَيْسَ هُوَ كَالنَّاسِي؛ لِأَنَّ النَّائِمَ أَوْ ذَاهِبَ الْعَقْلِ إذَا ذَبَحَ لَمْ تُؤْكَلْ ذَبِيحَتُهُ وَتُؤْكَلُ ذَبِيحَةُ مَنْ نَسِيَ، كَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ(الفتاویٰ الهندية، ج ا ص ۲۰۲، کتاب الصوم، الباب الرابع، النوع الرابع)

فَصْلٌ :وَإِنْ فَعَلَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ، وَهُوَ نَائِمٌ، لَمْ يَفْسُدْ صَوْمُهُ؛ لِأَنَّهُ لَا قَصْدَ لَهُ، وَلَا عِلْمَ بِالصَّوْمِ، فَهُوَ أَعْذَرُ مِنْ النَّاسِي .وَذَكَرَ أَبُو الْخَطَّابِ .أَنَّ مَنْ فَعَلَ مِنْ هَذَا شَيْئًا جَاهِلًا بِتَحْرِيمِهِ، لَمْ يُفْطِرْ، وَلَمْ أَرَهُ عَنْ غَيْرِهِ .وَقَوْلُ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :-أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ .فِي حَقِّ الرَّجُلَيْنِ اللَّذَيْنِ رَآهُمَا يُحَجِّمُ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، مَعَ جَهْلِهِمَا بِتَحْرِيمِهِ، يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْجَهْلَ لَا يُعْذَرُ بِهِ، وَلِأَنَّهُ نَوْعُ جَهْلٍ، فَلَمْ يَمْنَعْ الْفِطْرَ، كَالْجَهْلِ بِالْوَقْتِ فِي حَقِّ مَنْ يَأْكُلُ يَظُنُّ أَنَّ الْفَجْرَ لَمْ يَطْلُعْ، وَقَدْ كَانَ طَلَعَ (المغنی لابن قدامة الحنبلی ، ج۳ص ۱۳۱ ،فَصْلُ فَعَلَ شَيْئًا مِنْ مُفْطِرَاتِ الصِّيَامِ وَهُوَ نَائِمٌ)

وَلَوْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فَأُوجِرَ مُعَالَجَةً لَمْ يُفْطِرْ فِي الْأَصَحِّ، وَلَوْ صُبَّ فِي حَلْقِهِ وَهُوَ نَائِمٌ فَكَمَا لَوْ أُوجِرَ قَالَهُ فِي الْكَافِي (فَإِنْ) (أُكْرِهَ حَتَّى أَكَلَ) أَوْ شَرِبَ (أَفْطَرَ فِي الْأَظْهَرِ) لِأَنَّهُ حَصَلَ مِنْ فِعْلِهِ لِدَفْعِ الضَّرَرِ عَنْ نَفْسِهِ فَأَفْطَرَ بِهِ كَمَا لَوْ أَكَلَ لِدَفْعِ الْمَرَضِ أَوِ الْجُوعِ (قُلْت :الْأَظْهَرُ لَا يُفْطِرُ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ)(نهاية المحتاج الی شرح المنهاج، ج۳ص ۱۷۲، فصل فی شرط الصوم)

وان فعل ذلک کله ناسیا لم یبطل صومه لِمَا رَوَى أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "مَنْ أَكَلَ ناسیا أو شرب ناسیا فلا یفطر فانما هو رزق رزقه الله "فنص علی الاکل والشرب وقسنا علیه کل ما یبطل الصوم من الجماع وغیره وان فعل ذلک وهو جاهل بتحریمه لم یبطل صومه لانه یجهل تحریمه فهو کالناسی وان فعل ذلک به بغیر اختیاره بان اوجر الطعام فی حلقه مکرها لم یبطل صومه وان شد امرأته ووطئها وهی مکرهة لم یبطل صومها وان استدخلت المرأة ذکر الرجل وهو نائم لم یبطل صومه لحدیث ابی هریرة "ومن ذرعه القء فلا قضاء علیه " فدل علی ان کل ما حصل بغیر اختیاره لم یجب به القضاء ولان النبی صلی الله علیه وسلم اضاف أکل الناسی إلی الله تعالی واسقط به القضاء فدل علی ان کل ما حصل بغیر فعله لا یوجب القضاء (المجموع شرح المهذب، ج٦ص ۳۲۳، کتاب الصیام، مسائل تتعلق بنیة الصوم، مذاهب العلماء فی نیة الصوم)

مسئلہ نمبر۳...... جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ان سے ناواقف ہونا عذر نہیں ہے، اس لئے اگر کسی کو مثلاً یہ مسئلہ معلوم نہ ہو کہ احتلام ہو جانے یا خود بخود قے ہو جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور وہ احتلام ہونے یا قے ہونے کے بعد میں یہ سمجھ کر کھا پی لے کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے، تو تب بھی اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اسی طرح اگر کسی نے سحری کا وقت سمجھ کر صبح صادق ہو جانے کے بعد کچھ کھایا پیا، یا سورج غروب ہونے سے پہلے یہ سمجھ کر کہ سورج غروب ہو گیا ہے افطار کر لیا، تو اس کا روزہ درست نہیں ہوگا، اور اس کو اس روزہ کی قضا کرنا ضروری ہوگا، اگرچہ غلط فہمی کی وجہ سے وہ گناہ گار نہیں ہوگا، اس لئے سحری وافطاری کے وقت انتہائے سحر اور وقتِ افطار کی طرف اچھی طرح توجہ ضروری ہے، ورنہ ذرا سی غفلت ولا پرواہی سے پورے دن کی محنت رائیگاں جانے کا ڈر ہے۔[1]

---

[1] هَـذَا الَّـذِى ذكرنَا إِذا لم يكن فِى الْإِفْطَار شُبْهَة،فَأَما إِذا كَانَ فِيهِ شُبْهَة فَلَا يجب فَإِن الْمُسَافِر إِذا صَامَ فِى رَمَضَان ثمَّ جَامع مُتَعَمدا لَا يلْزمه الْكَفَّارَة لِأَن فِيهِ شُبْهَة الْإِبَاحَة لقِيَام السَّبَب الْـمُبِيح صُورَة وَهُوَ السّفر،وَكَذَلِك إِذا تسحر على ظن أَن الْفجْر لم يطلع فَإِذا هُوَ طالع أَو أفطر على ظن أَن الشَّمْس قد غربت فَإِذا هِىَ لم تغرب لَا تجب الْكَفَّارَة لِأَنَّهُ خاطىء وَإِلَّا ثمَّ عَنهُ مَرْفُوع بِالنَّصِّ،وكل من أكل أَو شرب أَو جَامع نَاسِيا أَو ذرعه الْقَىْء فَظن أَن ذَلِك يفطره فَأكل بعد ذَلِك مُتَعَمدا لَا كَفَّارَة عَلَيْهِ لِأَن هَذَا شُبْهَة فِى مَوضِع الِاشْتِبَاه لوُجُود الْمضاد للصَّوْم قَالَ مُحَمَّد إِلَّا إِذا بلغ الْخَبَر أَن أكل النَّاس والقىء لَا يفسدان الصَّوْم فَتجب عَلَيْهِ الْكَفَّارَة لِأَن الظَّن فِى غير مَوضِع الشُّبْهَة لَا يعْتَبر،فَأَما إِذا احْتجم فَظن أَن ذَلِك يفطره ثمَّ أفطر مُتَعَمدا إِن استفتى فَقِيها فَأُفْتى بالإفطار ثمَّ أفطر مُتَعَمدا لَا كَفَّارَة عَلَيْهِ لِأَن الْعَامى يجب عَلَيْهِ تَقْلِيد الْعَالم فَيصير ذَلِك شُبْهَة،وَلَو بلغه الحَدِيث أفطر الحاجم والمحجوم روى الْحسن عَن أبى حنيفَة أَنه لَا كَفَّارَة عَلَيْهِ لِأَنَّهُ اعْتمد على الحَدِيث وَهُوَ حجَّة فِى الأَصْل،وَرُوِىَ عَن أبى يُوسُف أَنه تجب عَلَيْهِ الْكَفَّارَة لِأَن الْعَامى يجب عَلَيْهِ الاستفتاء من الْمُفْتِى دون الْعَمَل بِظَاهِر الحَدِيث لِأَنَّهُ قد يكون مَتْرُوك الظَّاهِر وَقد يكون مَنْسُوخا فَلَا يصير شُبْهَة،وَإِن لمس امْرَأَة بِشَهْوَة أَو قبل امْرَأَة بِشَهْوَة وَلم ينزل فَظن أَن ذَلِك يفطره فَأكل عمدا يلْزمه الْكَفَّارَة لِأَن ذَلِك لَا يُنَافِى الصَّوْم فَيكون ظنا فِى غير مَوْضِعه إِلَّا إِذا استفتى فَقِيها أَو أول الحَدِيث فَأفْطر على ذَلِك فَلَا كَفَّارَة عَلَيْهِ وَإِن أَخطَأ وَلم يثبت الحَدِيث لِأَن ظَاهره يعْتَبر شُبْهَة،فَإِن اغتاب فَظن أَن ذَلِك يفطره فأكل عمدا يلْزمه الْكَفَّارَة وَإِن بلغه الحَدِيث لِأَنَّهُ تَأْوِيل بعيد لِأَنَّهُ لَا يُرَاد بِهِ إفطار الصَّوْم حَقِيقَة وَالله أعلم(تحفة الفقهاء ،ج ١ ،ص ٣٦٤، كتاب الصَّوْم)

روزہ میں غیبت، جھوٹ اور دوسرے گناہوں کا حکم

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں روزے کی فرضیت بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ:

"لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ "(سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۳)

ترجمہ: تاکہ تم متقی بن جاؤ(سورہ بقرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کو حاصل کرنے میں روزے کا بڑا دخل ہے، کیونکہ روزہ سے اپنی خواہشات کو قابو میں رکھنے کا ایک ملکہ پیدا ہوتا ہے، وہی تقوے کی بنیاد ہے، روزے رکھنے سے نفس کے تقاضوں پر زَد پڑتی ہے اور شہوانی قوتوں میں ضعف آتا ہے اور تقویٰ صغیرہ وکبیرہ ظاہرہ اور باطنہ گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔

ایک مہینہ دن میں کھانے پینے اور جنسی تعلقات کے تقاضوں پر عمل کرنے سے اگر باز رہے تو باطن کے اندر ایک نِکھار اور نفس کے اندر سُدھار پیدا ہوجاتا ہے۔

اگر کوئی شخص روزے اُن احکام وآداب کی روشنی میں رکھ لے جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں تو واقعتاً نفس کا تزکیہ ہوجاتا ہے۔

جو گناہ انسان سے سرزد ہوتے ہیں ان میں سب سے زیادہ دو چیزیں گناہ کا باعث بنتی ہیں۔ ایک منہ اور دوسری شرمگاہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ، فَقَالَ: تَقْوَى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ، وَسُئِلَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ، فَقَالَ: اَلْفَمُ وَالْفَرْجُ (ترمذی) [1]

---

[1] رقم الحدیث ۲۰۰۴، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی حسن الخلق، واللفظ لہٗ، مسند احمد، رقم الحدیث ۷۹۰۷، شعب الایمان للبیھقی، رقم الحدیث ۵۰۲۵، مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۷۹۱۹۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ جنت میں لوگوں کا زیادہ کس وجہ سے داخلہ ہوگا؟ تو فرمایا کہ اللہ کے تقویٰ اور حسنِ خلق کی وجہ سے۔
پھر سوال کیا گیا کہ لوگ جہنم میں زیادہ کس وجہ سے داخل ہوں گے؟ تو فرمایا کہ منہ اور شرم گاہ کی وجہ سے (ترمذی، مسند احمد)

روزہ میں منہ اور شرمگاہ دونوں پر پابندی ہوتی ہے۔ اور مذکورہ دونوں راہوں سے جو گناہ ہو سکتے ہیں روزہ ان سے باز رکھنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ أَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹی بات اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے، تو اللہ تعالیٰ کو اس کا کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں (بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

لَيْسَ الصِّيَامُ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَحْدَهٗ وَلٰكِنَّهٗ مِنَ الْكِذْبِ وَالْبَاطِلِ وَاللَّغْوِ وَالْحَلْفِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [2]

ترجمہ: روزہ صرف کھانے اور پینے سے بچنے کا نام نہیں، بلکہ جھوٹ، باطل، لغو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ هُوَ ابْنُ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَوْدِيُّ.
قال الحاکم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ.
وقال الذهبی فی التلخیص: صحیح.
فی حاشیة مسند احمد: حدیث حسن.

[1] رقم الحدیث ۱۹۰۳، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور، والعمل به فی الصوم.
[2] رقم الحدیث ۸۹۷۵، کتاب الصیام، باب ما یؤمر به الصائم من قلة الکلام وتوقی الکذب.

باتوں اور جھوٹی قسموں سے بچنا بھی ضروری ہے (ابن ابی شیبہ)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

أَلَا إِنَّ الصِّيَامَ لَيْسَ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ، وَلٰكِنْ مِنَ الْكِذْبِ وَالْبَاطِلِ وَاللَّغْوِ (شعب الایمان للبیهقی) [1]

ترجمہ: خبردار کہ روزہ صرف کھانے اور پینے سے بچنے کا نام نہیں، بلکہ جھوٹ، باطل اور لغو باتوں سے بچنا بھی ضروری ہے (شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی اسی قسم کی حدیث مروی ہے۔ [2]

مطلب یہ ہے کہ روزہ میں صرف کھانے اور پینے سے بچنے ہی کا اہتمام کافی نہیں، بلکہ جھوٹ، باطل اور لغو باتوں سے بچنا بھی ضروری ہے، اور جو شخص روزہ رکھ کر گناہ کے کام خاص کر زبان کے گناہ مثلاً جھوٹ، غیبت، بہتان، تہمت، گالی گلوچ، لعن طعن، جھوٹی گواہی اور قسم وغیرہ نہ چھوڑے، تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہوتی، اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے روزہ کو شرفِ قبولیت عطا نہیں فرماتے، کیونکہ اس قسم کی چیزیں تو روزہ کے علاوہ بھی گناہ ہیں، اور روزہ رکھ کر گناہوں سے بچنا اور زیادہ ضروری ہے۔

معلوم ہوا کہ صرف کھانے پینے اور جنسی تعلقات کے چھوڑنے ہی سے روزہ کامل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے روزے کو فواحش و منکرات اور ہر طرح کے گناہوں سے محفوظ رکھنا لازم ہے، روزہ کی حالت میں ہو اور آدمی بدکلامی یا بدعملی کرے یہ اس کو زیب نہیں دیتا۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ۳۳۷۲، كتاب الصيام، باب الصائم ينزه صيامه، عن اللغط والمشاتمة، وما لا يليق به.

[2] عن أبي هريرة -رضي الله عنه -أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: (ليس الصيام من الطعام والشراب؛ إنما الصيام من اللغو والرفث (الترغيب والترهيب لقوام السنة، رقم الحديث ۱۷۷۴)

[3] (عن أبي هريرة قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-من لم يدع ") أي يترك " قول الزور "أي الباطل وهو ما فيه إثم، والإضافة بيانية، وقال الطيبي :الزور الكذب والبهتان، أي من لم يترك القول الباطل من قول الكفر وشهادة الزور والافتراء والغيبة والبهتان والقذف والسب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلْ، وَإِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ أَوْ شَاتَمَهُ فَلْيَقُلْ: إِنِّيْ صَائِمٌ مَرَّتَيْنِ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ ڈھال (یعنی گناہ اور عذاب سے بچاؤ کا ذریعہ) ہے، پس روزہ دار نہ تو بے شرمی کی بات کرے، اور نہ جہالت کی، اور اگر کوئی آدمی اس سے لڑے جھگڑے، یا گالی گلوچ کرے، تو اسے چاہئے کہ وہ دو مرتبہ یہ کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں (بخاری)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ، فَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ، فَلَا يَرْفُثْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَسْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ، فَلْيَقُلْ: إِنِّيْ امْرُؤٌ صَائِمٌ (مسلم) [2]

ترجمہ: اور روزہ ڈھال (یعنی گناہ اور عذاب سے بچاؤ کا ذریعہ) ہے، اور جب تم میں سے کسی کا کسی دن روزہ ہو تو گندی باتیں نہ کرے شور نہ مچائے، اگر کوئی شخص گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑا کرنے لگے تو (اس کو گالی گلوچ سے جواب نہ دے بلکہ) یوں کہہ دے کہ میں روزہ دار آدمی ہوں (گالی گلوچ، لڑائی میرا کام نہیں) (مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والشتم واللعن وأمثالها مما يجب على الإنسان اجتنابها ويحرم عليه ارتكابها "والعمل "بالنصب "به "أى بالزور يعنى الفواحش من الأعمال لأنها فى الإثم كالزور، وقال الطيبى :هو العمل بمقتضاه من الفواحش وما نهى الله عنه "فليس لله حاجة "أى التفات ومبالاة، وهو مجاز عن عدم القبول ينفى السبب وإرادة نفى المسبب "فى أن يدع "أى يترك "طعامه وشرابه "فإنهما مباحان فى الجملة، فإذا تركهما وارتكب أمرا حراما من أصله استحق المقت، وعدم قبول طاعته فى الوقت، فإن المطلوب منه ترك المعاصى مطلقا لا تركا دون ترك، وكأن هذا مأخذ من قال: إن التوبة عن بعض المعاصى غير صحيحة(مرقاة المفاتيح .ج۴ص۱۳۸۸ ،باب تنزيه الصوم)

[1] رقم الحديث ۱۸۹۴، كتاب الصوم ،باب فضل الصوم.

[2] رقم الحديث ۱۱۵۱ "۱۶۳" كتاب الصيام،باب فضل الصيام.

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ الصِّيَامُ مِنَ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ، إِنَّمَا الصِّيَامُ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ، فَإِنْ سَابَّكَ أَحَدٌ أَوْ جَهِلَ عَلَيْكَ فَلْتَقُلْ: إِنِّيْ صَائِمٌ، إِنِّيْ صَائِمٌ (صحيح ابنِ خزيمة) [1]

ترجمہ: روزہ (درحقیقت صرف) کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں، بلکہ روزہ بے ہودہ اور شہوت پرستی والی باتوں سے رکنے کا نام ہے، لہٰذا اگر آپ کو (روزہ کی حالت میں) کوئی گالی دے، یا کوئی جہالت والی حرکت کرے، تو آپ کو چاہئے کہ یہ کہہ دو کہ میں روزہ سے ہوں، میں روزہ سے ہوں (ابنِ خزیمہ)

مطلب یہ ہے کہ روزہ دار خود سے بے ہودہ اور شہوت پرستی والی باتوں سے بچنے کا اہتمام کرے، اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ ایسی حرکت کرے کہ جس کے نتیجہ میں بے ہودہ یا شہوت پرستی والی حرکت مثلاً گالی گلوچ، بدنظری، زنا وغیرہ کی نوبت آئے، تو وہ اس سے یہ کہہ کر اعراض کرے کہ میں روزہ سے ہوں، اور روزہ دار کو اس طرح کی حرکات زیب نہیں دیتیں۔

بعض روزہ دار روزہ کی حالت میں بڑی بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں، ذرا ذرا سی بات پر بیوی سے لڑنا، بچوں کو پیٹنا، ملازمین کو ڈانٹنا غرضیکہ ان کا روزہ رکھنا دوسروں کے لئے ایک آفتِ ناگہانی بن جاتا ہے یہ بڑی معیوب بات ہے ایسا ہرگز نہ کرنا چاہئے۔

بعض لوگ لڑتے جھگڑتے تو نہیں، لیکن گرمی اور بھوک و پیاس ہی کا شکوہ شکایت کرتے رہتے ہیں، جب ان سے ملوان کے پاس یہی قصہ ملتا ہے اور بعض لوگ اس سے بھی کچھ زیادہ ہی ہائے ہوئی کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں، یہ سب بے صبری کی باتیں ہیں، جن سے روزہ دار کو بچنا چاہئے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٩٩٦، كتاب الصيام، باب النهى عن اللغو فى الصيام.
قال الأعظمى: إسناده صحيح (تعليق صحيح ابنِ خزيمة)

[2] ليس الصيام من الأكل والشرب فقط إنما الصيام من اللغو والرفث "، ويؤخذ منه أن يتأكد اجتناب المعاصى على الصائم كما قيل فى الحج، لكن لا يبطل ثوابه من أصله بل كماله، فله ثواب الصوم وإثم المعصية (مرقاة المفاتيح. ج ۴ ص ١٣٨٨، باب تنزيه الصوم) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا تُسَابَّ وَأَنْتَ صَائِمٌ، فَإِنْ سَابَّکَ أَحَدٌ فَقُلْ: إِنِّیْ صَائِمٌ، وَإِنْ کُنْتَ قَائِمًا فَاجْلِسْ (صحیح ابنِ خزیمۃ)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ کی حالت میں گالی گلوچ نہ کرو اور اگر کوئی تمہارے ساتھ گالی گلوچ کرے تو آپ کہہ دو کہ میں روزہ سے ہوں اور اگر آپ کھڑے ہوئے ہوں تو بیٹھ جائیں (تاکہ غصہ ٹھنڈا ہو جائے) (ابنِ خزیمہ)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: رُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ إِلَّا الْجُوْعُ، وَرُبَّ قَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ قِیَامِہٖ إِلَّا السَّھَرُ (ابنِ ماجہ)[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ جن کے لئے بھوک کے علاوہ کچھ بھی نہیں اور بہت سے تہجد گزار ایسے ہیں کہ جن کے لئے جاگنے کے سوا کچھ نہیں (ابنِ ماجہ، مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ روزہ اور تہجد جیسے اعمال میں اگر کوتاہی کی جائے، خواہ نیت کے اعتبار سے (مثلاً ریاکاری شامل کر کے) یا عمل کے اعتبار سے (مثلاً گناہ اور لغویات شامل کر کے) تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(لیس الصیام) فی الحقیقۃ (من الأکل والشرب) وجمیع المفطرات (إنما الصیام) المعتبر الکامل الفاضل (من اللغو) قول الباطل واختلاط الکلام (والرفث) الفحش فی المنطق والتصریح بما یکنی عنہ من ذکر النکاح حول المعنی فیہ من الظاھر إلی الباطن علی وزان ما سبق (فإن سابک أحد أو جھل علیک فقل) بلسانک أو بقلبک وبھما أولی علی ما مر (إنی صائم إنی صائم) أی یکرر ذلک کذلک (فیض القدیر للمناوی، تحت رقم الحدیث ۷۵۷۸)

[1] رقم الحدیث ۱۹۹۴، کتاب الصیام، باب الأمر بالجلوس إذا شتم الصائم وھو قائم.
قال الأعظمی: إسنادہ صحیح (تعلیق صحیح ابنِ خزیمۃ)

[2] رقم الحدیث ۱۶۹۰، کتاب الصیام، باب ما جاء فی الغیبۃ والرفث للصائم، واللفظ لہٗ، مسند احمد، رقم الحدیث ۹۶۸۵.
فی حاشیۃ مسند احمد: إسنادہ حسن

ایسی صورت میں ظاہری مشقت ومجاہدہ تو ہوجاتا ہے، لیکن اس عمل کی اصل فضیلت اور قبولیت سے محرومی ہوتی ہے۔ [1]

بعض لوگ اور خاص کر کئی عورتیں مختلف قسم کے گناہوں کو تو چھوڑتی نہیں، اور اس کے بجائے ایک اور خرابی میں مبتلا ہوتی ہیں، وہ یہ ہے کہ روزہ میں بالکل بات چیت کرنے کو منع اور گناہ سمجھتی ہیں، بلکہ بعض عورتیں تو روزہ ہی خاموشی کا رکھتی ہیں یعنی دن بھر کسی سے بات چیت نہیں کرتیں۔

حالانکہ اسلام سے پہلے تو یہ طریقہ عبادت میں داخل تھا کہ نہ بولنے کا روزہ رکھے، صبح سے رات تک کسی سے کلام نہ کرے۔

جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُکَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا (سورہ مریم آیت ۲۶)

ترجمہ: بے شک میں نے رحمٰن کے لئے روزے کی منت مان رکھی ہے، لہٰذا آج میں کسی انسان سے کلام نہیں کروں گی (سورہ مریم)

---

[1] (وعنه) أى :أبى هريرة (قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-كم من صائم ليس له ") أى :حاصل أو حظ "من صيامه "أى :من أجله "إلا الظمأ "بالرفع أى :العطش ونحوه من الجوع، واختار الظمأ بالذكر لأن مشقته أعظم "وكم من قائم "أى :فى الليل "ليس له من قيامه " أى :أثر "إلا السهر "أى :ونحوه من تعب الرجل وصفار الوجه وضعف البدن، قال الطيبى :فإن الصائم إذا لم يكن محتسبا أو لم يكن مجتنبا عن الفواحش من الزور والبهتان والغيبة ونحوها من المناهى فلا حاصل له إلا الجوع والعطش، وإن سقط القضاء ، وكذلك الصلاة فى الدار المغصوبة وأداؤها بغير جماعة بلا عذر فإنها تسقط القضاء ولا يترتب عليها الثواب اهـ .قال ابن الملك : وكذا جميع العبادات إذ لم تكن خالصة اهـ .كالحج والزكاة فإنه لا يحصل له بهما إلا خسارة المال، وتعب البدن فى المال، والظاهر أنه أريد به المبالغة وأن النفى محمول على نفى الكمال، أو المراد به المرائى فإنه ليس له ثواب أصلا (مرقاة المفاتيح،ج۴،ص۱۳۹۸،كتاب الصوم،باب تنزيه الصوم)

(رب صائم ليس له من صيامه إلا الجوع) قال الغزالى :قيل هو الذى يفطر على حرام أو من يفطر على لحوم الناس بالغيبة أو من لا يحفظ جوارحه عن الآثام (ورب قائم) أى متهجد فى الأسحار (ليس له من قيامه إلا السهر) كالصلاة فى الدار المغصوبة وأداها بغير جماعة لغير عذر فإنها تسقط القضاء ولا يترتب عليها الثواب ذكره الطيبى(فيض القدير للمناوى تحت رقم الحديث،۴۴۰۴)

مگر اسلام نے اس طرح روزہ رکھنے کے حکم کو منسوخ اور ختم کر دیا اور یہ لازم کر دیا کہ روزے میں صرف بُرے کلام، گالی گلوچ، جھوٹ، غیبت وغیرہ سے پرہیز کیا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

حَفِظْتُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُتْمَ بَعْدَ اِحْتِلَامٍ وَلَا صُمَاتَ یَوْمٍ اِلَی اللَّیْلِ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی یہ بات محفوظ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد یتیمی نہیں (یعنی جب یتیم بچہ بالغ ہو جائے تو اس کو یتیم نہیں کہا جاتا) اور رات تک خاموشی اختیار کئے رکھنا کوئی (عبادت کی) چیز نہیں (ابوداؤد)

زمانۂ جاہلیت میں (یعنی اسلام سے پہلے) چُپ کا روزہ رکھنا ایک عبادت شمار ہوتا تھا، لیکن اسلام میں اس سے منع کر دیا گیا اور اس کے بجائے ذکر اور نیک باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا۔ [2]

حضرت قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

دَخَلَ اَبُوْبَکْرٍ عَلٰی اِمْرَأَۃٍ مِّنْ اَحْمَسَ یُقَالُ لَھَا زَیْنَبُ فَرَاٰھَا لَا تُکَلِّمُ

---

[1] رقم الحدیث ۲۸۷۳، کتاب الوصایا، باب ما جاء متی ینقطع الیتم .

[2] رواه أبو داود بإسناد حسن قال الخطابی فی تفسیر هذا الحدیث کان من نسک الجاهلیة الصمات فنهوا فی الإسلام عن ذلک وأمروا بالذکر والحدیث بالخیر (ریاض الصالحین للنووی، کتاب الامور المنهی عنها، باب النهی عن صمت یوم إلی اللیل)

(لا یتم بعد احتلام) وفی روایة للبزار بعد حلم أی لا یجری علی البالغ حکم الیتیم .والحلم بالضم ما یراه النائم مطلقا لکن غلب استعماله فیما یری من أمارة البلوغ کذا فی النهایة وفی المغرب حلم الغلام احتلم والحالم المحتلم فی الأصل ثم عم فقیل لمن بلغ مبلغ الرجال حالم أشار إلی أن حکم الیتیم جار علیه قبل بلوغه من الحجر فی ماله والنظر فی مهماته وکفالته وإیوائه فإذا احتلم وکانت حالة البلوغ استقل ولا یسمی بالیتیم (ولا صمات) بالضم أی سکوت (یوم إلی اللیل) أی لا عبرة به ولا فضیلة له ولیس مشروعا عندنا کما شرع للأمم قبلنا فنهی عنه لما فیه من التشبه بالنصرانیة قال الطیبی :والنفی وإن جری علی اللفظ لکن المنفی محذوف أی لا استحقاق یتم بعد احتلام ولا حل صمت یوم إلی اللیل (فیض القدیر للمناوی، تحت رقم الحدیث ۹۹۴۷)

فَقَالَ مَالَهَا لَا تُكَلِّمُ قَالُوْا حَجَّتْ مُصْمِتَةً، فَقَالَ لَهَا تُكَلِّمِيْ! فَإِنَّ هٰذَا لَا يَحِلُّ؛ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ ،فَتَكَلَّمَتْ (بخاری) [1]

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قبیلۂ احمس کی ایک عورت کی طرف تشریف لائے جسے زینب کہا جاتا تھا۔ آپ کو معلوم ہوا کہ وہ کسی سے کوئی بات نہیں کرتی؟ آپ نے معلوم کیا کہ اس کو کیا ہو گیا کہ بات نہیں کرتی؟ لوگوں نے بتلایا کہ اس نے خاموش رہنے کا ارادہ کیا ہوا ہے (یہ نیت کی ہے کہ وہ کسی سے بات نہیں کرے گی) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو فرمایا کہ کلام کیا کرو! کیونکہ ایسا کرنا حلال نہیں، یہ تو زمانۂ جاہلیت کا عمل ہے، اس کے بعد اس عورت نے کلام کرنا شروع کر دیا (بخاری)

اس قسم کی احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں روزہ بولنے اور بات چیت کرنے سے بچنے اور خاموش رہنے کا نام نہیں، البتہ روزہ دار کو کھانے پینے اور جماع کے علاوہ دوسرے گناہوں سے اور خاص کر زبان کے گناہوں سے بچنا چاہئے، روزہ کا کامل ثواب اور پوری قبولیت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے، ورنہ گناہ کرنے کی صورت میں اگرچہ روزہ کا فریضہ تو ذمہ سے اتر جاتا ہے، مگر روزہ کے پورے فوائد وبرکات سے محرومی رہتی ہے۔

اسی قسم کی احادیث وروایات کے پیشِ نظر بعض مشائخ نے روزے کے چھ آداب بتلائے ہیں، جن پر عمل کر کے روزہ کے پورے فوائد اور فضائل کو حاصل کرنا ممکن وسہل ہوتا ہے۔

ان کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۱) نظر کی حفاظت:...... نظر کے گناہوں سے بچیں، بدنظری نہ کریں، نہ کسی پر شہوت پرستی کی نظر ڈالیں، نہ گناہوں اور بے شرمی وبے حیائی کے مناظر دیکھیں، نہ کسی پر بے جا تجسس کی نظر ڈالیں، نہ کسی کے مال اور جان پر ناحق نظر ڈالیں۔

---

[1] رقم الحدیث ۳۸۳۴، کتاب المناقب، باب ایام الجاهلیة.

(۲) زبان کی حفاظت:...... جھوٹ، غیبت، چغلی، فضول گفتگو، بدکلامی، گالی گلوچ، لعن و طعن، لڑنا جھگڑنا، غرور وتکبر، بے حیائی اور فحش باتوں سے اور دوسروں کا استہزاء کرنے سے، اور گانوں وغیرہ سے بچیں، غیبت سے خاص طور پر بچیں۔

(۳) کان کی حفاظت:...... موسیقی، گانا بجانا، نامحرم عورتوں کی گفتگو، دوسروں کی غیبت سننے، فضول مجلسوں میں بیٹھ کر لوگوں کی فضول ولایعنی بکواس سننے سے اپنے کانوں کو بچائیں۔

(۴) دیگر اعضاء کی حفاظت:...... ہاتھوں سے ناحق کسی کو مارنے یا کسی طرح سے تکلیف دینے، نامحرم عورت کے بدن کو چھونے، قدموں سے، چوری، ڈاکہ ڈالنے، کسی پر ظلم وستم کرنے کے واسطے جانے یا اور کسی گناہ کی طرف جانے اور پیٹ کو حرام اور مشتبہ غذا سے بچائے رکھنے کا پورا اہتمام کریں۔

(۵) شکم سیری سے حفاظت:...... سحری وافطار کے وقت بہت زیادہ پیٹ نہ بھریں کہ چلنا پھرنا اور سانس لینا دوبھر ہوجائے (اگرچہ حلال مال سے ہو) کیونکہ ایسا کرنا روزہ کی حکمت کے خلاف ہے۔

ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ دن بھر جو کھانا پینا چھوڑا تھا افطار کے وقت اس کی کمی کو ضرورت سے کہیں زیادہ پورا کرتے ہیں اور سحری میں دن بھر کی تیاری کے طور پر اتنا کھا لیتے ہیں کہ بغیر رمضان اور روزہ کی حالت میں بھی عموماً اتنا نہیں کھاتے جس کی وجہ سے دن بھر کھٹی ڈکاریں آتی ہیں، جو حرام تو نہیں، لیکن روزہ کی حکمت کے خلاف ہے۔

اعتدال ہونا چاہئے۔

(۶) روزہ کی حفاظت:...... روزہ رکھنے اور عبادت کرنے والوں کو روزہ توڑنے اور مکروہ کرنے والی چیزوں سے بچنے کے ساتھ روزہ کے بعد ڈرتے رہنا چاہئے کہ نامعلوم یہ روزہ قابلِ قبول ہے یا نہیں؟

لہٰذا اخلاصِ نیت کے ساتھ روزہ اور دوسری عبادت وطاعت پر ناز اور تکبر ہرگز نہ کرے بلکہ ڈرتا اور دعا کرتا رہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرمائیں۔

روزہ کے کفارہ، قضا اور فدیہ کے احکام

بعض صورتوں میں رمضان کے روزہ کی قضا، بعض صورتوں میں قضا کے ساتھ کفارہ اور بعض صورتوں میں روزہ کا فدیہ واجب ہوا کرتا ہے۔

آگے ان تینوں چیزوں کے الگ الگ احکام ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱)......رمضان کے روزہ کے کفارہ کے احکام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا وَقَعَ بِامْرَأَتِهِ فِيْ رَمَضَانَ، فَاسْتَفْتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً قَالَ: لَا، قَالَ: هَلْ تَسْتَطِيْعُ صِيَامَ شَهْرَيْنِ قَالَ: لَا، قَالَ: فَأَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا (بخاری) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کرلیا، پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ طلب کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ کو غلام میسر ہے؟ (جس کو آپ آزاد کردیں)

اس نے عرض کیا کہ نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ کو دو مہینے کے روزے رکھنے کی استطاعت ہے؟

اس نے عرض کیا کہ نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر آپ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں (بخاری، مسلم)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ٦٨٢١، كتاب الحدود، باب: من أصاب ذنبا دون الحد، فأخبر الإمام، فلا عقوبة عليه بعد التوبة، إذا جاء مستفتيا، واللفظ لهٗ، مسلم، رقم الحديث ١١١١ "٨٢"

أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ هَلَكْتُ أَفْطَرْتُ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ مُتَعَمِّدًا قَالَ: أَعْتِقْ رَقَبَةً قَالَ: لَا أَجِدُ قَالَ: صُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ: لَا أَقْدِرُ قَالَ: فَأَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا (مسند البزار) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں ہلاک ہوگیا، میں نے رمضان کے مہینے میں جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ ایک غلام آزاد کریں، اس نے کہا کہ مجھے یہ میسر نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ دو مہینے کے لگاتار روزے رکھیں، اس نے کہا کہ میں اس پر قادر نہیں ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں (بزار)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّيْ أَفْطَرْتُ يَوْمًا فِيْ رَمَضَانَ، قَالَ: مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ وَلَا سَفَرٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: بِئْسَ مَا صَنَعْتَ قَالَ: أَجَلْ فَمَا تَأْمُرُنِيْ؟ قَالَ: أَعْتِقْ رَقَبَةً قَالَ: وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا مَلَكْتُ رَقَبَةً قَطُّ، قَالَ: فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ: فَلَا أَسْتَطِيْعُ ذٰلِكَ، قَالَ: فَأَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ: وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُشْبِعُ أَهْلِيْ، قَالَ: فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِكْتَلٍ فِيْهِ تَمْرٌ، فَقَالَ: تَصَدَّقْ بِهٰذَا عَلٰى سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ: إِلٰى مَنْ أَدْفَعُهُ، قَالَ: إِلٰى أَفْقَرِ مَنْ تَعْلَمُ قَالَ: وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا بَيْنَ قُتْرَيْهَا أَهْلُ

---

[1] رقم الحديث ۱۱۰۷، ج۳ص۳۱۳، مسند سعد بن ابى وقاص رضى الله عنه .

قال البزار: "وَهٰذَا الْحَدِيْثُ لَا نَعْلَمُ يُرْوَى عَنْ سَعْدٍ، إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَلَا نَعْلَمُ رَوَاهُ إِلَّا الْوَاقِدِيُّ وَالْوَاقِدِيُّ فَقَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ أَهْلُ الْعِلْمِ.

قال الهيثمى: رواه البزار، وفيه الواقدى، وفيه كلام كثير، وقد وثق (مجمع الزوائد، ج۳ص۱۶۸، باب فيمن أفطر فى شهر رمضان متعمدا أو جامع)

بَيْتٍ أَحْوَجُ مِنَّا، قَالَ: فَتَصَدَّقْ بِهِ عَلٰى عِيَالِكَ (مسند أبي يعلى الموصلي) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اوراس نے عرض کیا کہ میں نے رمضان میں روزہ توڑ دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بغیر عذر کے اور بغیر سفر کے توڑا ہے؟

اس نے کہا کہ بے شک، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ نے بہت برا کام کیا، اس نے کہا کہ بے شک آپ مجھے کیا حکم فرماتے ہیں؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ ایک غلام آزاد کریں، اس نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ میں کبھی بھی کسی غلام کا مالک نہیں بنا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر آپ لگاتار دو مہینوں کے روزے رکھئے، اس آدمی نے عرض کیا کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر آپ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایئے۔

اس آدمی نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ میں نے اپنے گھر والوں کو کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھلایا، راوی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوروں کا ایک تھیلا لایا گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کھجوریں ساٹھ مسکینوں پر صدقہ کردو۔

اس آدمی نے عرض کیا کہ یہ میں کس پر صدقہ کروں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے علم میں جو مسکین ہوں، اس آدمی نے عرض کیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے (مدینہ کی) گلیوں میں ہم سے زیادہ مسکین کوئی

---

[1] رقم الحديث ۵۷۲۵، ج ۱۰ ص ۸۹، مسند عبدالله بن عمر.
قال حسين سليم أسد: رجاله ثقات (تعليق مسند ابى يعلىٰ)

نہیں ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اپنے گھر والوں پر خرچ کردو (ابویعلیٰ)

فقہائے کرام نے فرمایا کہ اپنے بال بچوں کو کھلانے پلانے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس شخص کو اجازت دی، تو اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ کے گھر والے اس وقت بھوکے ہیں، اس لئے فی الحال تو آپ ان کھجوروں سے اپنے گھر والوں کے نان نفقہ کی ضرورت پوری کردو، اور بعد میں جب حیثیت ہو، تو کفارہ ادا کردینا۔

جبکہ بعض حضرات نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم اسی شخص کے لئے خاص تھا، دوسروں کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں۔ [۱]

---

[۱] وَكَفَّارَةَ الْجِمَاعِ لَا أَمَدَ لَهَا فَتَسْتَقِرُّ فِي الذِّمَّةِ وَلَيْسَ فِي الْخَبَرِ مَا يَدُلُّ عَلَى إِسْقَاطِهَا بَلْ فِيهِ مَا يَدُلُّ عَلَى اسْتِمْرَارِهَا عَلَى الْعَاجِزِ وَقَالَ الْجُمْهُورُ لَا تَسْقُطُ الْكَفَّارَةُ بِالْإِعْسَارِ وَالَّذِي أَذِنَ لَهُ فِي التَّصَرُّفِ فِيهِ لَيْسَ عَلَى سَبِيلِ الْكَفَّارَةِ ثُمَّ اخْتَلَفُوا فَقَالَ الزُّهْرِيُّ هُوَ خَاصٌّ بِهَذَا الرَّجُلِ وَإِلَى هَذَا نَحَا إِمَامُ الْحَرَمَيْنِ وَرُدَّ بِأَنَّ الْأَصْلَ عَدَمُ الْخُصُوصِيَّةِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ مَنْسُوخٌ وَلَمْ يُبَيِّنْ قَائِلُهُ نَاسِخَهُ وَقِيلَ الْمُرَادُ بِالْأَهْلِ الَّذِينَ أُمِرَ بِصَرْفِهَا إِلَيْهِمْ مَنْ لَا تَلْزَمُهُ نَفَقَتُهُ مِنْ أَقَارِبِهِ وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ الشَّافِعِيَّةِ وَضُعِّفَ بِالرِّوَايَةِ الْأُخْرَى الَّتِي فِيهَا عِيَالُكَ وَبِالرِّوَايَةِ الْمُصَرِّحَةِ بِالْإِذْنِ لَهُ فِي الْأَكْلِ مِنْ ذَلِكَ وَقِيلَ لَمَّا كَانَ عَاجِزًا عَنْ نَفَقَةِ أَهْلِهِ جَازَ لَهُ أَنْ يَصْرِفَ الْكَفَّارَةَ لَهُمْ وَهَذَا هُوَ ظَاهِرُ الْحَدِيثِ وَهُوَ الَّذِي حَمَلَ أَصْحَابَ الْأَقْوَالِ الْمَاضِيَةِ عَلَى مَا قَالُوهُ بِأَنَّ الْمَرْءَ لَا يَأْكُلُ مِنْ كَفَّارَةِ نَفْسِهِ قَالَ الشَّيْخُ تَقِيُّ الدِّينِ وَأَقْوَى مِنْ ذَلِكَ أَنْ يُجْعَلَ الْإِعْطَاءُ لَا عَلَى جِهَةِ الْكَفَّارَةِ بَلْ عَلَى جِهَةِ التَّصَدُّقِ عَلَيْهِ وَعَلَى أَهْلِهِ بِتِلْكَ الصَّدَقَةِ لِمَا ظَهَرَ مِنْ حَاجَتِهِمْ وَأَمَّا الْكَفَّارَةُ فَلَمْ تَسْقُطْ بِذَلِكَ وَلَكِنْ لَيْسَ اسْتِقْرَارُهَا فِي ذِمَّتِهِ مَأْخُوذًا مِنْ هَذَا الْحَدِيثِ وَأَمَّا مَا اعْتَلُّوا بِهِ مِنْ تَأْخِيرِ الْبَيَانِ فَلَا دَلَالَةَ فِيهِ لِأَنَّ الْعِلْمَ بِالْوُجُوبِ قَدْ تَقَدَّمَ وَلَمْ يَرِدْ فِي الْحَدِيثِ مَا يَدُلُّ عَلَى الْإِسْقَاطِ لِأَنَّهُ لَمَّا أَخْبَرَهُ بِعَجْزِهِ ثُمَّ أَمَرَهُ بِإِخْرَاجِ الْعَرَقِ دَلَّ عَلَى أَنْ لَا سُقُوطَ عَنِ الْعَاجِزِ وَلَعَلَّهُ أَخَّرَ الْبَيَانَ إِلَى وَقْتِ الْحَاجَةِ وَهُوَ الْقُدْرَةُ اه وَقَدْ وَرَدَ مَا يَدُلُّ عَلَى إِسْقَاطِ الْكَفَّارَةِ أَوْ عَلَى إِجْزَائِهَا عَنْهُ بِإِنْفَاقِهِ إِيَّاهَا عَلَى عِيَالِهِ وَهُوَ قَوْلُهُ فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ وَكُلْهُ أَنْتَ وَعِيَالُكَ فَقَدْ كَفَّرَ اللَّهُ عَنْكَ وَلَكِنَّهُ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ لَا يُحْتَجُّ بِمَا انْفَرَدَ بِهِ وَالْحَقُّ أَنَّهُ لَمَّا قَالَ لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ هَذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ لَمْ يَقْبِضْهُ بَلِ اعْتَذَرَ بِأَنَّهُ أَحْوَجُ إِلَيْهِ مِنْ غَيْرِهِ فَأَذِنَ لَهُ حِينَئِذٍ فِي أَكْلِهِ فَلَوْ كَانَ قَبَضَهُ لَمَلَكَهُ مِلْكًا مَشْرُوطًا بِصِفَةٍ وَهُوَ إِخْرَاجُهُ عَنْهُ فِي كَفَّارَتِهِ فَيَنْبَنِي عَلَى الْخِلَافِ الْمَشْهُورِ فِي التَّمْلِيكِ الْمُقَيَّدِ بِشَرْطٍ لَكِنَّهُ لَمَّا لَمْ يَقْبِضْهُ لَمْ يَمْلِكْهُ فَلَمَّا أَذِنَ لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِطْعَامِهِ لِأَهْلِهِ وَأَكْلِهِ مِنْهُ كَانَ تَمْلِيكًا مُطْلَقًا بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِ وَإِلَى أَهْلِهِ وَأَخْذُهُمْ إِيَّاهُ بِصِفَةِ الْفَقْرِ الْمَشْرُوحَةِ وَقَدْ تَقَدَّمَ أَنَّهُ كَانَ مِنْ مَالِ الصَّدَقَةِ وَتَصَرُّفُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ تَصَرُّفُ الْإِمَامِ فِي إِخْرَاجِ مَالِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ روزہ کا کفارہ صرف اس صورت میں واجب ہوگا، جبکہ قصداً وعمداً جماع وصحبت کرکے روزہ توڑا ہو، یا قصداً وعمداً بلاعذر کھا پی کر روزہ توڑنے کی صورت میں بھی کفارہ واجب ہوگا؟

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک تو کفارہ جماع وصحبت کرکے روزہ توڑنے کے ساتھ خاص ہے، اور کھانے پینے سے روزہ توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب نہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کا حکم جماع سے روزہ توڑنے کی صورت میں دیا تھا، اور اکثر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الصَّدَقَةِ وَاحْتُمِلَ أَنَّهُ كَانَ تَمْلِيكًا بِالشَّرْطِ الْأَوَّلِ وَمِنْ ثَمَّ نَشَأَ الْإِشْكَالُ وَالْأَوَّلُ أَظْهَرُ فَلَا يَكُونُ فِيهِ إِسْقَاطٌ وَلَا أَكْلُ الْمَرْءِ مِنْ كَفَّارَةِ نَفْسِهِ وَلَا إِنْفَاقِهِ عَلَى مَنْ تَلْزَمُهُ نَفَقَتُهُمْ مِنْ كَفَّارَةِ نَفْسِهِ وَأَمَّا تَرْجَمَةُ الْبُخَارِيِّ الْبَابَ الَّذِي يَلِيهِ بَابٌ المجامع فِي رَمَضَان هَل يطعم أَهله من الْكَفَّارَةِ إِذَا كَانُوا مَحَاوِيجَ فَلَيْسَ فِيهِ تَصْرِيحٌ بِمَا تَضَمَّنَهُ حُكْمُ التَّرْجَمَةِ وَإِنَّمَا أَشَارَ إِلَى الِاحْتِمَالَيْنِ الْمَذْكُورَيْنِ بِإِتْيَانِهِ بِصِيغَةِ الِاسْتِفْهَامِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ(فتح الباری لابنِ حجر، ج۴ص، ۱۷۱، ۱۷۲،قوله باب اذاجامع فی رمضان)

(ثم قال " :أطعمه أهلك ") وفی رواية صحيحة :فلا تفطر، فيه دليل على أن العبرة بحال الأداء لا الفعل إذ لم يكن له حال ارتكاب المحظور شیء ، فلما تصدق عليه وصار قادرا أمره بالإطعام، وهو قول أكثر العلماء ، وأظهر قولی الشافعی :فلما ذكر حاجته أخره عليه إلى الوجد، وقال الزهری : كان هذا خاصا بذلك الرجل، وقيل :منسوخ، والتأويل الأول أولى من الأخيرين، إذ لا دليل عليهما، كذا ذكره الطيبی (متفق عليه) قال ابن الهمام :رواه أصحاب الستة لكن قال فی آخره : حتى بدت ثناياه، وفی لفظ :أنيابه، وفی لفظ :نواجذه، ثم قال :خذه فأطعمه أهلك، وفی لفظ لأبی داود :زاد الزهری :ربما كان هذا رخصة له خاصة ولو أن رجلا فعل ذلك اليوم لم يكن له بد من التكفير، قال المنذر :قول الزهری ذلك دعوى لا دليل عليها، وعلى ذلك ذهب سعيد بن جبير إلى عدم وجوب الكفارة على من أفطر فی رمضان بأی شیء أفطر، قال :لانتساخه بما فی آخر الحديث بقوله "كلها أنت وعيالك "اهـ وجمهور العلماء على قول الزهری، وأما رفع المصنف يعنی صاحب الهداية :يجزئك ولا يجزء أحدا بعدك، فلم ير فی شیء من طرقه، وكذا لم يوجد فيها لفظ الفرق بالفاء بل بالعين، وهو مكتل يسع خمسة عشر صاعا على ما قيل، قلنا :وإن لم يثبت فغاية الأمر أنه أخر عنه إلى الميسرة إذا كان فقيرا فی الحال عاجزا عن الصوم بعد ما ذكر له ما يجب عليه، كذا قال الشافعی وغيره، والظاهر أنه خصوصية لأنه وقع عند الدارقطنی فی هذا الحديث :فقد كفر الله عنك، ولفظ (وأهلكت) ليس فی الكتب الستة، وجاء فی حديث الدارقطنی والبيهقی وضعفه الحاكم اهـ ملخصا (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۳۹۲ ، كتاب الصوم،باب تنزيه الصوم)

احادیث میں جماع کر کے روزہ توڑنے پر ہی کفارہ کا ذکر ہے۔ [1]

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں کفارہ واجب ہے، کیونکہ بعض روایات میں روزہ توڑنے کا ذکر ہے، خاص جماع کرنے کے الفاظ کا ذکر نہیں، اور روزہ جس طرح جماع کرنے سے ٹوٹتا ہے، اسی طرح کھانے پینے سے بھی ٹوٹتا ہے، لہٰذا دونوں کا حکم کفارہ کے معاملہ میں بھی مساوی اور برابر ہونا چاہئے۔ [2]

---

[1] وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَعَائِشَةَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو :.حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، "وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا الحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ فِي مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ مُتَعَمِّدًا مِنْ جِمَاعٍ، وَأَمَّا مَنْ أَفْطَرَ مُتَعَمِّدًا مِنْ أَكْلٍ أَوْ شُرْبٍ، فَإِنَّ أَهْلَ العِلْمِ قَدْ اخْتَلَفُوا فِي ذَلِكَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ :عَلَيْهِ القَضَاءُ، وَالكَفَّارَةُ، وَشَبَّهُوا الأَكْلَ وَالشُّرْبَ بالجِمَاعِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ المُبَارَكِ، وَإِسْحَاقَ، وقَالَ بَعْضُهُمْ :عَلَيْهِ القَضَاءُ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ، لِأَنَّهُ إِنَّمَا ذُكِرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الكَفَّارَةُ فِي الجِمَاعِ وَلَمْ تُذْكَرْ عَنْهُ فِي الأَكْلِ وَالشُّرْبِ، وَقَالُوا :لَا يُشْبِهُ الأَكْلُ وَالشُّرْبُ الجِمَاعَ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ "، وقَالَ الشَّافِعِيُّ " :وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلرَّجُلِ الَّذِي أَفْطَرَ فَتَصَدَّقَ عَلَيْهِ خُذْهُ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ يَحْتَمِلُ هَذَا مَعَانِيَ :يَحْتَمِلُ أَنْ تَكُونَ الكَفَّارَةُ عَلَى مَنْ قَدَرَ عَلَيْهَا، وَهَذَا رَجُلٌ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى الكَفَّارَةِ، فَلَمَّا أَعْطَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا وَمَلَكَهُ، فَقَالَ الرَّجُلُ :مَا أَحَدٌ أَفْقَرَ إِلَيْهِ مِنَّا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :خُذْهُ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ، لِأَنَّ الكَفَّارَةَ إِنَّمَا تَكُونُ بَعْدَ الفَضْلِ عَنْ قُوتِهِ، وَاخْتَارَ الشَّافِعِيُّ لِمَنْ كَانَ عَلَى مِثْلِ هَذَا الحَالِ أَنْ يَأْكُلَهُ وَتَكُونَ الكَفَّارَةُ عَلَيْهِ دَيْنًا، فَمَتَى مَا مَلَكَ يَوْمًا مَا كَفَّرَ(سنن الترمذی،رقم الحدیث ۷۲۴)

قلت :فهؤلاء أكثر من ثلاثين شخصا اتفقوا على أن الرواية على الترتيب ,وأن الإفطار كان بالجماع ,فروايتهم أرجح لأنهم أكثر عددا ,ولأن معهم زيادة علم ,ومن علم حجة على من لم يعلم .وثمة مرجحات أخرى فانظر "الفتح(۱۴۵/۴)"(ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل للالبانی، ج۴ص ۹۰، تحت رقم الحدیث ۹۳۹)

[2] (قال) أي الرجل (وقعت على امرأتي) أي جامعتها، وزاد في المصابيح :في رمضان (وأنا صائم) كذا نقله ابن الملك، وقال الطيبي :في أكثر نسخ المصابيح :(واقعت على امرأتي في نهار رمضان) قال ابن حجر :وبهذا أخذ أئمتنا فقالوا :إنما تجب الكفارة الآتية بالجماع إن كان في أداء رمضان لا غير، لأنه يميز عن غيره بخصائص كثيرة، وكذا الكفارة واجبة على المرأة خلافا للشافعي، وفي الهداية :أن قوله -صلى الله عليه وسلم " :-من أفطر في رمضان فعليه ما على المظاهر "قال ابن الهمام :الله أعلم به، وهو غير محفوظ، وما في الصحيحين :عن أبي هريرة أنه -صلى الله عليه وسلم -أمر رجلا أفطر في رمضان أن يعتق رقبة، أو يصوم شهرين متتابعين، أو يطعم ستين مسكينا، علق الكفارة بالإفطار، فإن قيل :لا يفيد المطلوب لأنه حكاية واقعة حال لا عموم لها فيجب كون ذلك الفطر بأمر خاص لا بالأعم فلا دليل فيه أنه بالجماع أو بغيره، فلا متمسك به

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس تمہید کے بعد کفارہ سے متعلق اہم مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لأحد، بل قام الدليل على أن المراد به جماع الرجل وهو السائل لمجيئه مفسرا كذلك برواية من نحو عشرين رجلا عن أبى هريرة، قلنا :وجه الاستدلال به تعليقها بالإفطار فى عبارة الراوى عن أبى هريرة إذا أفاد أنه فهم من خصوص الأحوال التى شاهدها فى قضائه -صلى الله عليه وسلم -أو سمع ما يفيد أن إيجابها عليه باعتبار خصوص الإفطار فيصح التمسك به، وهذا كما قالوه فى أصولهم فى مسألة ما إذا نقل الراوى بلفظ ظاهره العموم فإنهم اختاروا اعتباره ومثلوه بقول الراوى، وقضى بالشفعة للجار لما ذكرنا من المعنى، فهذا مثله بلا تفاوت لمن تأمل، ولأن الحد يجب عليها إذا طاوعته، فالكفارة أولى على نظير ما ذكرناه آنفا فتكون ثابتة لدلالة نص حدها، ثم قال ابن الهمام عند قول صاحب الهداية :ولنا أن الكفارة تعلقت بجناية الإفطار :يعنى وهو أعم من أن يكون جماعا أو غيره، قال ابن الهمام :مأخوذ من ذلك الحديث الذى ذكره :من أفطر فى رمضان، من قول أبى هريرة، وروى الدارقطنى عن أبى هريرة :أن رجلا أكل فى رمضان فأمره النبى -صلى الله عليه وسلم -أن يعتق . . .الحديث، وأعله بأبى معشر، وأخرجه الدارقطنى أيضا فى كتاب العلل فى حديث "الذى وقع على امرأته "عن سعيد بن المسيب :أن رجلا أتى النبى -صلى الله عليه وسلم -فقال :يا رسول الله أفطرت فى رمضان متعمدا . .الحديث، وهذا مرسل سعيد، وهو مقبول عند كثير ممن لا يقبل المرسل، وعندنا هو حجة مطلقا، وأيضا دلالة نص الكفارة بالجماع تفيده للعلم بأن من علم استواء الجماع والأكل والشرب فى أن ركن الصوم ألكف عن كلها، ثم علم لزوم عقوبة على من فوت الكف عن بعضها جزم بلزومها على من فوت الكف عن البعض الآخر حكما للعمل بذلك الاستواء ، غير متوقف فيه على أهلية الاجتهاد، أعنى بعد حصول العلمين يحصل العلم الثالث، ويفهم كل عالم بهما أن المؤثر فى لزومها تفويت الركن لا خصوص ركن اهـ وحاصله أن هذا قياس جلى فى غاية الوضوح لا خفى يحتاج إلى ترتيب مقدمات من مقيس ومقيس عليه وإلى معرفة القياس ودقائقه المحتاج إلى إدراك جامعه وفارقه، والله أعلم (فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-هل تجد رقبة؟ "أى عبدا أو أمة "تعتقها "أى كفارة لهذا الذنب (قال :لا، قال " :فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين؟ "قال :لا، قال " :هل تجد "بدون الفاء "إطعام ستين مسكينا؟ "قال :لا) قال القاضى :وكذا فى شرح السنة رتب الثانى بالفاء على فقد الأول، ثم الثالث بالفاء على فقد الثانى، فدل على الترتيب، وقال مالك بالتخيير، فإن المجامع مخير بين الخصال الثلاث عنده، قال ابن حجر :الكفارة مرتبة ككفارة الظهار المذكورة فى سورة المجادلة، وهو قول الشافعى والأكثرين، وقال مالك :إنها مخيرة كالكفارة المذكورة فى سورة المائدة لرواية أبى داود :أن يعتق رقبة أو يصوم شهرين متتابعين أو يطعم ستين مسكينا، وأجابوا بأن أو كما لا تقتضى الترتيب لا تمنعه كما بينته الروايات الأخر، وحينئذ فالتقدير :أو يصوم إن عجز عن العتق أو يطعم إن عجز عن الصوم، ورواتها أكثر وأشهر فقد رواها عشرون صحابيا، وهى حكاية لفظ النبى -صلى الله عليه وسلم -ورواة هذا اثنان، وهو لفظ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱...... فقہائے احناف کے نزدیک روزہ توڑ دینے کا کفارہ لازم ہونے کے لئے کئی چیزیں ضروری ہیں، یعنی روزہ ٹوٹ جانے والی ہر صورت میں کفارہ لازم نہیں ہوتا بلکہ خاص خاص صورتوں میں لازم ہوتا ہے، جس کی بنیاد اس پر ہے کہ روزہ توڑنے کی جنایت اور جرم کامل طریقہ پر پایا گیا ہو اور اس میں کوئی شبہ والی بات نہ پائی جا رہی ہو۔ [۱]

چنانچہ حنفیہ کے نزدیک کفارہ واجب ہونے کے لئے مندرجہ ذیل چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱)...... روزہ کا کفارہ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ روزہ توڑنے والا روزہ کا مکلّف ہو، یعنی اس میں روزہ کے واجب اور صحیح ہونے کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نابالغ بچہ یا مجنون و پاگل نے روزہ رکھ کر توڑا، تو اس پر کفارہ واجب نہیں، بلکہ نابالغ اور دائمی پاگل پر قضا بھی واجب نہیں۔ [۲]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الراوی، وخبر أنه مخير بين عتق ونحر بدنة ضعيف، وإن أخذ به الحسن اهـ واعلم أن الفاء فی أصلنا الموافق للنسخ المصححة فی الثانی غير موجود، وأما فی أصل البخاری فموجود فی بعض النسخ، وفی بعضها مفقود، وأما الفاء فی الأول فموجود اتفاقا، وهو يكفی للدلالة علی الترتيب لعلم القائل بالفصل، والله أعلم(مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۳۹۱،۱۳۹۲، كتاب الصوم، باب تنزيه الصوم)

[۱] وَأما الْكَلَام فِی وجوب الْكَفَّارَة فَإِنَّهَا تتعَلّق بالإفطار الْكَامِل صُورَة وَمعنى فِی رَمَضَان مَعَ وجود صفة العمدية وَكَونه حَرَامًا مَحْضا لَيْسَ فِيهِ شُبْهَة الْإِبَاحَة بِأَن أفطر مُتَعَمدا وَلَا يُبَاح لَهُ الْإِفْطَار بِعُذْر وَلَا لَهُ شُبْهَة الْإِبَاحَة(تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۳۶۰، كتاب الصوم)

(وإن أنزل بقبلة أو مس فعليه القضاء) ش :لأنه يجب بمجرد الإفساد م :(دون الكفارة) ش :لأنها لا تجب إلا بكمال الجناية، لأنها تسقط بالشبهات لكونها دائرة بين العبادة والعقوبة وعدم صورة الجماع صار شبهة فلم تجب الكفارة(البناية شرح الهداية، ج۴ص ۴۵، كتاب الصوم)

[۲] فَإِذَا لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ الصَّوْمُ فِی حَالِ الصِّبَا لَا يَلْزَمُهُ الْقَضَاءُ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ لَا يَلْزَمُهُ لِمَكَانِ الْحَرَجِ لِأَنَّ مُدَّةَ الصِّبَا مَدِيدَةٌ فَكَانَ فِی إيجَابِ الْقَضَاءِ عَلَيْهِ بَعْدَ الْبُلُوغِ حَرَجٌ(بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، ج ۲،ص ۸۷، فصل شرائط انواع الصيام)

أَقُولُ :وَقَدْ صَرَّحَ فِی أَحْكَامِ الصِّغَارِ بِأَنَّهُ يُؤْمَرُ بِالْغُسْلِ إذَا جَامَعَ وَبِإِعَادَةِ مَا صَلَّاهُ بِلَا وُضُوءٍ لَا لَوْ أَفْسَدَ الصَّوْمَ لِمَشَقَّتِهِ عَلَيْهِ(رد المحتار علی الدر المختار، ج ۱،ص ۳۵۲، كِتَابُ الصَّلَاةِ)

(۲)...... روزہ کا کفارہ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جو روزہ توڑا گیا ہے، وہ رمضان کا ادائی روزہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اگر رمضان کا روزہ نہیں ہے، بلکہ نفل روزہ ہے یا منت کا روزہ ہے، یا رمضان کا روزہ تو ہے، مگر وہ دوسرے دنوں میں قضا کر رہا تھا، تو ایسے روزہ کے توڑنے پر کفارہ واجب نہیں۔ [۱]

(۳)...... روزہ کا کفارہ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ رمضان کا ادائی روزہ صبح صادق سے روزہ کی نیت کرنے کے بعد توڑا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے رمضان کا روزہ شروع ہی نہیں کیا یعنی رکھا ہی نہیں، یا صبح صادق ہوتے وقت روزہ کی نیت نہیں کی، بلکہ بعد میں روزہ کی نیت کی، اور پھر اس روزہ کو توڑ دیا، تو اس پر کفارہ واجب نہیں، صرف قضا واجب ہے۔ [۲]

---

[۱] وَأَمَّا صِيَامُ غَيْرِ رَمَضَانَ فَلَا يَتَعَلَّقُ بِإِفْسَادِ شَيْءٍ مِنْهُ وُجُوبُ الْكَفَّارَةِ، لِأَنَّ وُجُوبَ الْكَفَّارَةِ بِإِفْسَادِ صَوْمِ رَمَضَانَ عُرِفَ بِالتَّوْقِيفِ، وَأَنَّهُ صَوْمٌ شَرِيفٌ فِي وَقْتٍ شَرِيفٍ لَا يُوَازِيهِمَا غَيْرُهُمَا مِنَ الصِّيَامِ وَالْأَوْقَاتِ فِي الشَّرَفِ وَالْحُرْمَةِ، فَلَا يَلْحَقُ بِهِ فِي وُجُوبِ الْكَفَّارَةِ(بدائع الصنائع، ج۲ص ۱۰۲، فصل فی حکم فساد الصوم)

قَالَ -رَحِمَهُ اللَّهُ- (وَبِإِفْسَادِ صَوْمِ غَيْرِ رَمَضَانَ) أَيْ لَا تَجِبُ الْكَفَّارَةُ بِإِفْسَادِ الصَّوْمِ فِي غَيْرِ رَمَضَانَ وَلَوْ فِي قَضَاءِ رَمَضَانَ لِأَنَّ الْكَفَّارَةَ وَرَدَتْ فِي هَتْكِ حُرْمَةِ رَمَضَانَ إِذْ لَا يَجُوزُ إِخْلَاؤُهُ عَنِ الصَّوْمِ بِخِلَافِ غَيْرِهِ مِنَ الزَّمَانِ(تبیین الحقائق، ج ا ص ۳۲۹، باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

[۲] وَمَنْ أَصْبَحَ فِي رَمَضَانَ لَا يَنْوِي الصَّوْمَ فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ أَوْ جَامَعَ عَلَيْهِ قَضَاءُ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَصْحَابِنَا الثَّلَاثَةِ، وَعِنْدَ زُفَرَ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ بِنَاءً عَلَى أَنَّ صَوْمَ رَمَضَانَ يَتَأَدَّى بِدُونِ النِّيَّةِ عِنْدَهُ فَوُجِدَ إِفْسَادُ صَوْمِ رَمَضَانَ بِشَرَائِطِهِ، وَعِنْدَنَا لَا يَتَأَدَّى فَلَمْ يُوجَدِ الصَّوْمُ فَاسْتَحَالَ الْإِفْسَادُ.

وَرُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ إِنْ أَكَلَ قَبْلَ الزَّوَالِ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ وَإِنْ أَكَلَ بَعْدَ الزَّوَالِ فَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ، كَذَا ذَكَرَ الْقُدُورِيُّ الْخِلَافَ بَيْنَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَبَيْنَ أَبِي يُوسُفَ فِي شَرْحِهِ مُخْتَصَرَ الْكَرْخِيِّ، وَذَكَرَ الْقَاضِي فِي شَرْحِهِ مُخْتَصَرَ الطَّحَاوِيِّ الْخِلَافَ بَيْنَ أَبِي حَنِيفَةَ وَبَيْنَ صَاحِبَيْهِ.

وَجْهُ قَوْلِ مَنْ فَصَلَ بَيْنَ مَا قَبْلَ الزَّوَالِ أَوْ بَعْدَهُ: أَنَّ الْإِمْسَاكَ قَبْلَ الزَّوَالِ كَانَ بِفَرْضِ أَنْ يَصِيرَ صَوْمًا قَبْلَ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ لِجَوَازِ أَنْ يَنْوِيَ فَإِذَا أَكَلَ فَقَدْ أَبْطَلَ الْفَرْضِيَّةَ وَأَخْرَجَهُ مِنْ أَنْ يَصِيرَ صَوْمًا فَكَانَ إِفْسَادًا لِلصَّوْمِ مَعْنًى بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الزَّوَالِ لِأَنَّ الْأَكْلَ بَعْدَ الزَّوَالِ لَمْ يَقَعْ إِبْطَالًا لِلْفَرْضِيَّةِ لِبُطْلَانِهَا قَبْلَ الْأَكْلِ، وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِيمَنْ أَصْبَحَ لَا يَنْوِي صَوْمًا ثُمَّ نَوَى قَبْلَ الزَّوَالِ ثُمَّ جَامَعَ فِي بَقِيَّةِ يَوْمِهِ؟ فَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۴)...... روزہ کا کفارہ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ روزہ قصداً وعمداً اور جان بوجھ کر توڑا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ بھول کر کھانے پینے یا صحبت کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور اس کی قضا بھی واجب نہیں ہوتی، چہ جائیکہ کفارہ واجب ہو۔ [۱]

اور اگر روزہ تو یاد تھا لیکن غلطی سے پانی یا کوئی دوسری چیز منہ میں چلی گئی، تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَرُوِیَ عَنْ أَبِی یُوسُفَ أَنَّ عَلَیْهِ الْکَفَّارَةَ، وَجْهُ قَوْلِهِ أَنَّ صَوْمَ رَمَضَانَ یَتَأَدَّی بِنِیَّةٍ مِنَ النَّهَارِ قَبْلَ الزَّوَالِ عِنْدَ أَصْحَابِنَا فَکَانَتُ النِّیَّةُ مِنَ النَّهَارِ وَاللَّیْلِ سَوَاءً، وَجْهُ ظَاهِرِ الرِّوَایَةِ أَنَّهُ لَوْ جَامَعَ فِی أَوَّلِ النَّهَارِ لَا کَفَّارَةَ عَلَیْهِ، فَکَذَا إِذَا جَامَعَ فِی آخِرِهِ لِأَنَّ الْیَوْمَ فِی کَوْنِهِ مَحَلًّا لِلصَّوْمِ وَلَا یَتَجَزَّأُ أَوْ یُوجِبُ ذَلِکَ شُبْهَةً فِی آخِرِ الْیَوْمِ وَهَذِهِ الْکَفَّارَةُ لَا تَجِبُ مَعَ الشُّبْهَةِ، وَذُکِرَ فِی الْمُنْتَقَی فِیمَنْ أَصْبَحَ یَنْوِی الْفِطْرَ ثُمَّ عَزَمَ عَلَی الصَّوْمِ ثُمَّ أَکَلَ مُتَعَمِّدًا أَنَّهُ لَا کَفَّارَةَ عَلَیْهِ عِنْدَ أَبِی حَنِیفَةَ، وَعِنْدَ أَبِی یُوسُفَ عَلَیْهِ الْکَفَّارَةُ، وَالْکَلَامُ مِنَ الْجَانِبَیْنِ عَلَی نَحْوِ مَا ذَکَرْنَا (بدائع الصنائع، ج۲ص ۱۰۱، فصل فی حکم فساد الصوم)

الکفارة تعلقت بجنایة الإفطار) ش :أی أن وجوب الکفارة فی الوقاع تعلق بجنایة الإفساد للصوم م :(فی رمضان علی وجه الکمال(البنایة شرح الهدایة، ج۴ص۵۸،کتاب الصوم)

وَهَذَا کُلُّهُ إِذَا ابْتَدَأَ الْجِمَاعَ وَقَدْ نَوَی الصَّوْمَ لَیْلًا .أَمَّا إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ قَبْلَ أَنْ یَنْوِیَ ثُمَّ نَوَی بَعْدَ ذَلِکَ وَجَامَعَ لَمْ تَلْزَمْهُ الْکَفَّارَةُ عِنْدَ أَبِی حَنِیفَةَ وَهُوَ الْمُرَادُ بِمَا ذَکَرَ صَاحِبُ الْمَنْظُومَةِ:

لَا یَجِبُ التَّکْفِیرُ بِالْإِفْطَارِ ...إِذَا نَوَی الصَّوْمَ مِنَ النَّهَارِ

لِأَنَّ النَّاسَ اخْتَلَفُوا فِی صِحَّةِ الصَّوْمِ بِنِیَّةٍ مِنَ النَّهَارِ وَالِاخْتِلَافُ یُورِثُ شُبْهَةً وَالْکَفَّارَةُ تَسْقُطُ بِالشُّبْهَةِ (الجوهرة النیرة، ج ۱ ص ۱۴۰، کتاب الصوم)

وإذا أصبح غیر ناو للصوم ثم نوی قبل الزوال ثم أکل فلا کفارة علیه کذا فی الکشف الکبیر(الفتاوی الهندیة،ج ۱ ص ۲۰۶ ،کتاب الصوم ،الباب الخامس فی الأعذار التی تبیح الإفطار)

[۱] إذا أکل الصائم أو شرب أو جامع ناسیا لم یفطر، ولا فرق بین الفرض والنفل کذا فی الهدایة(الفتاویٰ الهندیة، ج ۱ ص ۲۰۲ ،الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد،النوع الأول ما یوجب القضاء دون الکفارة)

[۲] لو أکل مکرها أو مخطئا علیه القضاء دون الکفارة کذا فی فتاوی قاضی خان .المخطء هو الذاکر للصوم غیر القاصد للفطر إذا أکل أو شرب هکذا فی النهر الفائق .والناسی عکسه، هکذا فی النهایة والبحر الرائق(الفتاویٰ الهندیة، ج ۱ ص ۲۰۲ ،الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد،النوع الأول ما یوجب القضاء دون الکفارة)

اگر کسی نے سحری کا وقت سمجھ کر صبح صادق ہو جانے کے بعد کچھ کھایا پیا، یا سورج غروب ہونے سے پہلے یہ سمجھ کر کہ سورج غروب ہو گیا ہے افطار کرلیا، تو اس کا روزہ تو ٹوٹ جائے گا، اور اس کی قضا بھی ضروری ہوگی، لیکن اس صورت میں کفارہ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ خطا کی وجہ سے کامل جرم نہیں پایا گیا۔ [1]

(۵)...... اگر نفسانی شہوت پوری کر کے روزہ توڑا ہے، تو کفارہ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس نے کامل طریقہ پر جماع کیا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے جماع کئے بغیر ہاتھ وغیرہ سے منی خارج کی، تو اس سے روزہ تو ٹوٹ جاتا ہے، اور اس کی قضا بھی واجب ہوتی ہے، مگر کفارہ واجب نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں کامل جرم نہیں پایا جاتا۔ [2]

---

[1] وَلَوْ تَسَحَّرَ عَلَى ظَنٍّ أَنَّ الْفَجْرَ لَمْ يَطْلُعْ فَإِذَا هُوَ طَالِعٌ أَوْ أَفْطَرَ عَلَى ظَنٍّ أَنَّ الشَّمْسَ قَدْ غَرَبَتْ فَإِذَا هِيَ لَمْ تَغْرُبْ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَلَا كَفَّارَةَ لِأَنَّهُ لَمْ يُفْطِرْ مُتَعَمِّدًا بَلْ خَاطِئًا أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَا إِثْمَ عَلَيْهِ(بدائع الصنائع، ج۲ص ۱۰۰،فصل فی حکم فساد الصوم)

فَأَما إِذا كَانَ فِيهِ شُبْهَة فَلَا يجب فَإِن الْمُسَافِر إِذا صَامَ فِي رَمَضَان ثمَّ جَامع مُتَعَمدا لَا يلْزمه الْكَفَّارَة لِأَن فِيهِ شُبْهَة الْإِبَاحَة لقِيَام السَّبَب الْمُبِيح صُورَة وَهُوَ السّفر،وَكَذَلِكَ إِذا تسحر على ظن أَن الْفجْر لم يطلع فَإِذا هُوَ طالع أَو أفطر على ظن أَن الشَّمْس قد غربت فَإِذا هِيَ لم تغرب لَا تجب الْكَفَّارَة لِأَنَّهُ خاطىء وَإِلَّا ثمَّ عَنهُ مَرْفُوع بِالنَّصِّ(تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۳۶۳، کتاب الصوم)

[2] وَأما فِي الْأكل وَالشرب عمدا فتجب الْكَفَّارَة عندنَا،وَعند الشَّافِعِي لَا تجب لِأَن النَّص ورد فِي الْجِمَاع بِخِلَاف الْقيَاس فَلَا يُقَاس عَلَيْهِ غَيره،وَقُلْنَا إِنَّهَا تجب مَعْقُول الْمَعْنى وَهُوَ تَكْفِير جِنَايَة إِفْسَاد الصَّوْم من كل وَجه وَهَذَا الْمَعْنى مَوْجُود فِي الْأكل وَالشرب لِأَن الصَّوْم هُوَ الْإِمْسَاك عَن الْأكل وَالْجِمَاع فَكَانَ الْإِفْسَاد بِأَحَدِهِمَا نَظِير الْإِفْسَاد بِالْآخرِ وَإِذا اسْتَويَا فِي الْإِفْسَاد فاستويا فِي الْإِثْم فَيجب أَن يستويا فِي وجوب الرافع للإثم،وَلَو أولج وَلم ينزل تجب الْكَفَّارَة لِأَن الْإِيلَاج هُوَ الْجِمَاع فَأَما الْإِنْزَال حَالَة الْفَرَاغ فَلَا عِبْرَة بِهِ،وَلَو أنزل فِيمَا دون الْفرج لَا يجب الْكَفَّارَة لِأَنَّهُ وجد الْجِمَاع معنى لَا صُورَة وَفِي الْمَعْنى قُصُور فَكَانَ دون الْجِمَاع فِي الْجِنَايَة،وَلَو جَامع الْبَهِيمَة وَأنزل لَا تجب الْكَفَّارَة لِأَنَّهُ قَاصِر من حَيْثُ الْمَعْنى لسعة الْمحل وَنَحْوهَا،وَأما إِذا جَامع فِي الْموضع الْمَكْرُوه عمدا فعلى قَول أبي يُوسُف وَمُحَمّد تجب الْكَفَّارَة لِأَنَّهُ مُلْحق بالزنى عِنْدهمَا فِي حق وجوب الْحَد فَفِي حق وجوب الْكَفَّارَة أولى،وَعَن أبي حنيفَة رِوَايَتَانِ فِي رِوَايَة الْحسن عَنهُ أَنه لَا يجب،وَفِي رِوَايَة أبي يُوسُف عَنهُ أَن عَلَيْهِ الْكَفَّارَة وَالْغسْل أنزل أَو لم ينزل(تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۳۶۱، ۳۶۲، کتاب الصوم)

(۲)...... اگر کوئی چیز کھا پی کر روزہ توڑا ہے، تو کفارہ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس چیز کو منہ کے راستے سے پیٹ میں داخل کیا جائے، اور وہ چیز ایسی ہو کہ جو غذا یا دوا کے طور پر استعمال کی جاتی ہو، یا اس سے لذت حاصل کی جاتی ہو، اور طبیعت اس سے نفرت نہ کرتی ہو۔ [1]

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے مثلاً کنکر، پتھر وغیرہ کو حلق میں نگل لیا، یا پاخانہ کے راستہ سے کوئی دوا یا غذا اندر داخل کی، جو پیٹ تک پہنچ گئی، یا کسی نے منہ بھر کے ہونے والی قے کی کچھ مقدار کو اپنے اختیار سے واپس لوٹا لیا، تو اس سے روزہ تو ٹوٹ جاتا ہے، اور روزہ کی قضا واجب ہوتی ہے، لیکن کفارہ واجب نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں کامل جرم نہیں پایا جاتا۔ [2]

---

[1] وَأَمَّا وُجُوبُ الْكَفَّارَةِ فَيَتَعَلَّقُ بِإِفْسَادٍ مَخْصُوصٍ وَهُوَ الْإِفْطَارُ الْكَامِلُ بِوُجُودِ الْأَكْلِ أَوْ الشُّرْبِ أَوْ الْجِمَاعِ صُورَةً وَمَعْنًى مُتَعَمِّدًا مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ مُبِيحٍ وَلَا مُرَخِّصٍ وَلَا شُبْهَةَ الْإِبَاحَةِ، وَنَعْنِي بِصُورَةِ الْأَكْلِ، وَالشُّرْبِ وَمَعْنَاهُمَا :إيصَالَ مَا يُقْصَدُ بِهِ التَّغَذِّي أَوْ التَّدَاوِي إلَى جَوْفِهِ مِنْ الْفَمِ لِأَنَّ بِهِ يَحْصُلُ قَضَاءُ شَهْوَةِ الْبَطْنِ عَلَى سَبِيلِ الْكَمَالِ (بدائع الصنائع، ج۲ص۹۷،۹۸، فصل فی حکم فساد الصوم)

قال فی الجوهرة واختلفوا فی معنی التغذی قال بعضهم أن یمیل الطبع إلی أکله وتنقضی شهوة البطن به وقال بعضهم هو ما یعود نفعه إلی إصلاح البدن وفائدته فیما إذا مضغ لقمة ثم أخرجها ثم ابتلعها فعلی القول الثانی تجب الکفارة وعلی الأول لا تجب وهذا هو الأصح لأنه بإخراجها تعافها النفس کما فی المحیط (مراقی الفلاح شرح نورالایضاح ص۲۴۷،۲۴۸، باب ما یفسد الصوم وتجب به الکفارة مع القضاء)

[2] وَأَمَّا إذَا ابْتَلَعَ مَا لَا يُتَغَذَّى بِهِ، وَلَا يُتَدَاوَى بِهِ كَالْحَصَاةِ وَالْحَدِيدِ فَلِوُجُودِ صُورَةِ الْفِطْرِ، وَلَا كَفَّارَةَ لِعَدَمِ مَعْنَاهُ، وَهُوَ إيصَالُ مَا فِيهِ نَفْعُ الْبَدَنِ إلَى الْجَوْفِ فَقَصُرَتْ الْجِنَايَةُ، وَهِيَ لَا تَجِبُ إلَّا بِكَمَالِهَا فَانْتَفَتْ،وَفِي الْقُنْيَةِ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى بِتُرَابٍ أَوْ مَدَرٍ لِأَجْلِ الْمَعْصِيَةِ فَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ زَجْرًا لَهُ وَكَتَبَ غَيْرُهُ نَعَمْ الْفَتْوَى عَلَى ذَلِكَ وَبِهِ أَفْتَى أَئِمَّةُ الْأَمْصَارِ، وَإِنَّمَا عَبَّرَ بِالِابْتِلَاعِ دُونَ الْأَكْلِ؛ لِأَنَّهُ عِبَارَةٌ عَنْ إيصَالِ مَا يَأْتِي فِيهِ الْمَضْغُ، وَهُوَ لَا يَتَأَتَّى فِي الْحَصَاةِ وَكَذَا كُلُّ مَا لَا يُتَغَذَّى بِهِ، وَلَا يُتَدَاوَى بِهِ كَالْحَجَرِ وَالتُّرَابِ وَالدَّقِيقِ عَلَى الْأَصَحِّ وَالْأُرْزِ وَالْعَجِينِ وَالْمِلْحِ إلَّا إذَا اعْتَادَ أَكْلَهُ وَحْدَهُ، وَلَا فِي النَّوَاةِ وَالْقُطْنِ وَالْكَاغِدِ وَالسَّفَرْجَلِ إذَا لَمْ يُدْرِكْ، وَلَا وَهُوَ مَطْبُوخٌ، وَلَا فِي ابْتِلَاعِ الْجَوْزَةِ الرَّطْبَةِ، وَيَجِبُ لَوْ مَضَغَهَا أَوْ مَضَغَ الْيَابِسَةَ لَا إنْ ابْتَلَعَهَا، وَكَذَا يَابِسُ اللَّوْزِ وَالْبُنْدُقِ وَالْفُسْتُقِ إنْ ابْتَلَعَهُ لَا يَجِبُ، وَإِنْ مَضَغَهُ وَجَبَتْ كَمَا يَجِبُ فِي ابْتِلَاعِ اللَّوْزَةِ الرَّطْبَةِ؛ لِأَنَّهَا تُؤْكَلُ كَمَا هِيَ بِخِلَافِ الْجَوْزَةِ، وَابْتِلَاعُ التُّفَّاحَةِ كَاللَّوْزَةِ، وَالرُّمَّانَةُ وَالْبَيْضَةُ كَالْجَوْزَةِ، وَفِي ابْتِلَاعِ الْبِطِّيخَةِ الصَّغِيرَةِ وَالْخَوْخَةِ الصَّغِيرَةِ وَالْهَلِيلَجَةِ رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ وُجُوبُ الْكَفَّارَةِ، وَتَجِبُ بِأَكْلِ اللَّحْمِ النِّيءِ ، وَإِنْ كَانَ مَيْتَةً مُنْتِنًا لَا إنْ دَوَّدَ فَلَا تَجِبُ (البحر الرائق، ج۲ص۲۹۶،باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

(۷)...... روزہ کا کفارہ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ رمضان کا ادا روزہ اپنی رضامندی اور خوشی سے توڑا ہو۔ [۱]

یہی وجہ ہے کہ جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اگر کسی آدمی کو ان میں سے کسی چیز کو اختیار کر کے روزہ توڑنے پر (جان سے مار دینے یا کسی عضو کے ضائع کر دینے یا کسی بڑے صدمہ سے دوچار کرنے کی دھمکی وغیرہ دے کر) مجبور کیا جائے، اور وہ اس چیز کو استعمال کر لے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اگرچہ وہ گناہگار نہیں ہوتا، اور اس پر صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ [۲]

---

[۱] وکان فعله "شيئا منها "أى المفسدات "طائعا "احترازا عن المكره ولو أكرهته زوجته فى الأصح كما فى الجوهرة وبه يفتى فلا كفارة ولو حصلت الطواعية فى أثناء الجماع لأنها بعد الإفطار مكرها فى الابتداء "متعمدا "احترز به عن الناسى والمخطء"وغير مضطر "إذا المضطر لا كفارة عليه "لزمه القضاء "(مراقى الفلاح شرح نورالايضاح ص۲۴۷، باب ما يفسد الصوم وتجب به الكفارة مع القضاء)

[۲] وَلَو أكره على الْإِفْطَار فَأكل يفْسد صَوْمه لِأَنَّهُ وجد مَا يضاده وَهَذَا لَيْسَ بنظير النَّاسِي لِأَن الْإِكْرَاه على الْإِفْطَار لَيْسَ بغالب فَلَا يكون فِي وجوب الْقَضَاء حرج.فَأَما إِذا أوجد فِي حَلقَة وَهُوَ مَكْرُوه ذَاكر للصَّوْم يفْسد صَوْمه عندنَا وَعند الشَّافِعِي لَا يفْسد صَوْمه لِأَنَّهُ أعذر من النَّاسِي،وَلَكنَّا نقُول إِن هَذَا نَادِر وَلَيْسَ بغالب.وَكَذَلِكَ الصَّائِم إِذا فتح فَاه وَرفع رَأسه إِلَى السَّمَاء فَوَقع قَطْرَة من الْمَطَر فِي حلقه يفْسد صَوْمه لِأَنَّهُ نَادِر،وَكَذَلِكَ إِذا وجد فِي حلق النَّائِم يفْسد صَوْمه لِأَنَّهُ نَادِر،وَكَذَلِكَ لَو جومعت النائمة أَو الْمَجْنُون يفْسد صَومهَا بِخِلَاف الناسية وَالنَّاسِي لِأَن هَذَا لَيْسَ فِي مَعْنَاهُمَا لِأَنَّهُ لَا يكثر وجوده خُصُوصا فِي حَالَة الصَّوْم (تحفة الفقهاء ج ۱ ص ۳۵۴، كتاب الصوم)

قد اختلف انظار الفقهاء فى عد الاكراه من موانع الفطر، اى: اذا تحقق سبب من اسباب الفطر والصائم مكره فيه هل يفسد صومه ام لا؟فذهب الحنفية والمالكية الى انه غير مانع، فيفسد مع الاكراه ، ولايجب الكفارة .واما الشافعية فعندهم فيه تفصيل، وهو انه اما ان يفعل به غيره شيئا من المفطرات بان اوجر الطعام فى حلقه قهرا او اسعط الماء وغيره، واما ان يكرهه على ان ياكل بنفسه او يشرب .ففى الاول لايفسد الصوم مطلقا، وفى الثانى عندهم قولان مشهوران مصححان: احدهما: لايفسد، وجعله الامام النووى رح اصح القولين ،وثانيها: يفسد، وجعله الامام الغزالى رح اصح القولين، فوقع الاختلاف فى اصحيتهما ايضا كالاختلاف فى تصحيحهما.واما الحنابلة فعدوه من الموانع المعتبرة فلايفسد معه الصوم، سواء اكره حتى فعله او فُعل به، الاالجماع ، ففى الجماع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۸)...... روزہ کا کفارہ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ روزہ توڑنے میں روزہ دار کا اپنا فعل پایا گیا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اگر اپنے فعل کے بغیر روزہ ٹوٹنے والی کوئی بات پائی گئی، مثلاً خود بخود بارش کا پانی منہ کے ذریعہ سے پیٹ کے اندر داخل ہوگیا، تو اس میں کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

یا کسی نے کوئی چیز پھینکی اور وہ اس کے منہ کے راستے سے پیٹ میں داخل ہوگئی، تو اس میں کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ [۲]

(۹)...... روزہ کا کفارہ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ روزہ توڑتے وقت اس کو کوئی عذر لاحق نہ ہو، اور اس نے بلا عذر روزہ توڑا ہو۔ [۳]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن الامام احمد روايات: منها: ان الاكراه فيه غير مانع فيجب القضاء والكفارة، سواه اكره حتى فعله او فُعل به، وهو الصحيح من مذهبهم،ومنها: انه غير مانع، فيفسد معه الصوم ولاتجب الكفارة، كمذهب الاحناف والموالك.ومنها: انه مانع من الفطر ولايفسد معه الصوم،فلا قضاء عليه ولا كفارة، واختاره الشيخ تقى الدين ابن تيمية الحافظ رح وصاحب الفائق رح.وقيل انه يقضى من فعل بنفسه، لامن فُعل به من نائم وغيره(ضابط المفطرات فى مجال التداوى، للشيخ المفتى محمد رفيع العثمانى، ص ۱۳۱، ۱۳۲،الباب الثانى،الفصل الثالث فى الموانع)

[۲] أَوْ مَطَرٌ أَوْ ثَلْجٌ فَسَدَ صَوْمُهُ لِتَيَسُّرِ طَبْقِ الْفَمِ وَفَتْحِهِ أَحْيَانًا مَعَ الِاحْتِرَازِ عَنْ الدُّخُولِ(البحر الرائق، ج۲ص ۲۹۴،باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

(أَوْ صُبَّ فِي حَلْقِهِ نَائِمًا) أَيْ لَوْ كَانَ الصَّائِمُ نَائِمًا فَصَبَّ أَحَدٌ فِي فَمِهِ مَاءً أَوْ سَقَطَ مَاءُ الْمَطَرِ فِي فَمِهِ فَدَخَلَ جَوْفَهُ فَإِنَّهُ يَقْضِي وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ(مجمع الانهر، ج ۱ ص ۲۴۳،باب موجب الفساد)

ولو رمى رجل إلى صائم شيئا فدخل حلقه فسد صومه؛ لأنه بمنزلة المخطء(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۲۰۲،الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد،النوع الأول ما يوجب القضاء دون الكفارة)

[۳] مُتَعَمِّدًا مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ مُبِيحٍ وَلَا مُرَخِّصٍ وَلَا شُبْهَةَ الْإِبَاحَةِ، وَنَعْنِي بِصُورَةِ الْأَكْلِ، وَالشُّرْبِ وَمَعْنَاهُمَا :إيصَالَ مَا يُقْصَدُ بِهِ التَّغَذِّي أَوْ التَّدَاوِي إلَى جَوْفِهِ مِنْ الْفَمِ لِأَنَّ بِهِ يَحْصُلُ قَضَاءُ شَهْوَةِ الْبَطْنِ عَلَى سَبِيلِ الْكَمَالِ(بدائع الصنائع، ج۲ص۹۷،۹۸، فصل فى حكم فساد الصوم)

فالأصل عندنا أنه إذا صار فى آخر النهار على صفة لو كان عليها فى أول اليوم يباح له الفطر تسقط عنه الكفارة كذا فى فتاوى قاضى خان(الفتاوى الهندية،ج ۱ ص ۲۰۶، كتاب الصوم ،الباب الخامس فى الأعذار التى تبيح الإفطار)

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے سفر کی حالت میں یا کسی عورت نے حمل کی حالت میں یا بچے کو دودھ پلانے کے زمانہ میں یا کسی مریض نے بیماری کے زمانہ میں یا مجاہد نے جہاد کے وقت روزہ رکھ لیا، اور بعد میں تکلیف ومشقت پیش آنے یا دشمن سے مقابلہ کی قوت حاصل کرنے کی وجہ سے غذا یا دوا کھا کر روزہ توڑنا پڑا، تو اس صورت میں روزہ کا کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جبکہ کسی کو روزہ رکھنے کے بعد سخت بھوک اور پیاس لگی، اور شدید مجبوری کی وجہ سے روزہ توڑنا پڑا کہ اس صورت میں قضا تو واجب ہے، مگر کفارہ واجب نہیں۔ [1]

(۱۰)...... روزہ کا کفارہ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ روزہ توڑنے والے کی طرف سے روزہ توڑنے کے عمل میں کوئی ایسی بات نہ پائی جائے، جو شبہ پیدا کرنے والی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اگر مسافر نے روزہ رکھ لیا، اور پھر جان بوجھ کر بغیر عذر روزہ توڑ دیا،

---

[1] إذا فعل "المكلف "الصائم "مبيتا النية فى أداء رمضان ولم يطرأ ما يبيح الفطر بعده كمرض أو قبله كسفر (مراقى الفلاح شرح نورالايضاح ص۲۴۷، باب ما يفسد الصوم وتجب به الكفارة مع القضاء)

إذا دخل المسافر مصره قبل الزوال، ولم يتناول شيئا ونوى الصوم ثم جامع متعمدا لا كفارة عليه، وكذا إذا أفاق المجنون قبل الزوال فنوى الصوم ثم جامع كذا فى السراج الوهاج (الفتاوى الهندية، ج ا ص ۲۰۶، كتاب الصوم ،الباب الخامس فى الأعذار التى تبيح الإفطار)

وَفِى الْمُبْتَغِى الْعَطَشُ الشَّدِيدُ وَالْجُوعُ الَّذِى يُخَافُ مِنْهُ الْهَلَاكَ يُبِيحُ الْإِفْطَارَ إذَا لَمْ يَكُنْ بِإِتْعَابِ نَفْسِهِ وَمَنْ أَتْعَبَ نَفْسَهُ فِى شَىْءٍ أَوْ عَمَلٍ حَتَّى أَجْهَدَهُ الْعَطَشُ فَأَفْطَرَ كَفَّرَ، وَقِيلَ لَا .وَالْغَازِى إذَا كَانَ بِإِزَاءِ الْعَدُوِّ وَيَعْلَمُ قَطْعًا أَنَّهُ يُقَاتِلُ فِى رَمَضَانَ وَخَافَ الضَّعْفَ إنْ لَمْ يُفْطِرْ يُفْطِرُ قَبْلَ الْحَرْبِ مُسَافِرًا كَانَ أَوْ مُقِيمًا (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ا ،ص ۲۴۹، كِتَابُ الصَّوْمِ)

وَالْغَازِى إذَا كَانَ بِإِزَاءِ الْعَدُوِّ وَيَعْلَمُ قَطْعًا أَنَّهُ يُقَاتِلُ فِى رَمَضَانَ وَخَافَ الضَّعْفَ حَالَ الْقِتَالِ حَلَّ لَهُ الْفِطْرُ مُسَافِرًا كَانَ أَوْ مُقِيمًا، وَكَذَا لَوْ لَسَعَتْهُ حَيَّةٌ فَأَفْطَرَ لِشُرْبِ الدَّوَاءِ كَمَا فِى الْبَزَّازِيَّةِ (حاشية الشرنبلالى ،عَلى درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ا ،ص ۲۰۹، كِتَابُ الصَّوْمِ)

وَلَوْ أَفْطَرَ عَلَى ظَنٍّ أَنَّهُ يُقَاتِلُ أَهْلَ الْحَرْبِ فَلَمْ يَتَّفِقْ الْقِتَالُ لَا يُكَفِّرُ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۲ ،ص ۳۰۳، كِتَابُ الصَّوْمِ)

تو اس پر قضا واجب ہے، کفارہ واجب نہیں، کیونکہ سفر کے شبہ کی وجہ سے کامل جرم نہیں پایا گیا۔ [1]

اسی طرح اگر کسی کو احتلام ہوگیا یا خود بخود الٹی آ گئی، اور اس نے یہ سمجھا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے، اور اس نے بعد میں کھا پی لیا، تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں روزہ ٹوٹنے کا شبہ پیدا کرنے والی بات پائی گئی۔

البتہ روزہ توڑنے والا عمل پائے جانے کی وجہ سے بعد میں اس روزہ کی قضا ضروری ہوگی۔ [2]

---

[1] لَوْ أَصْبَحَ مُقِيمًا صَائِمًا ثُمَّ سَافَرَ فَأَفْطَرَ فَإِنَّهَا تَسْقُطُ؛ لِأَنَّ الْأَصْلَ أَنَّهُ إذَا صَارَ فِي آخِرِ النَّهَارِ عَلَى صِفَةٍ لَوْ كَانَ عَلَيْهَا فِي أَوَّلِ الْيَوْمِ يُبَاحُ لَهُ الْفِطْرُ تَسْقُطُ عَنْهُ الْكَفَّارَةُ كَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲، ص۲۹۸، كِتَابُ الصَّوْمِ)

وَلَوْ أَصْبَحَ صَائِمًا فِي سَفَرِهِ ثُمَّ أَفْطَرَ مُتَعَمِّدًا فَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ لِأَنَّ السَّبَبَ الْمُبِيحَ مِنْ حَيْثُ الصُّورَةُ قَائِمٌ وَهُوَ السَّفَرُ فَأَوْرَثَ شُبْهَةً وَهَذِهِ الْكَفَّارَةُ لَا تَجِبُ مَعَ الشُّبْهَةِ وَالْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ الشُّبْهَةَ إذَا اسْتَنَدَتْ إلَى صُورَةِ دَلِيلٍ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ دَلِيلًا فِي الْحَقِيقَةِ بَلْ مِنْ حَيْثُ الظَّاهِرُ اُعْتُبِرَتْ فِي مَنْعِ وُجُوبِ الْكَفَّارَةِ وَإِلَّا فَلَا.وَقَدْ وُجِدَتْ هَهُنَا، وَهِيَ صُورَةُ السَّفَرِ لِأَنَّهُ مُرَخِّصٌ أَوْ مُبِيحٌ فِي الْجُمْلَةِ(بدائع الصنائع، ج۲ص۱۰۰،فصل فى حكم فساد الصوم)

لَوْ نَوَى الصَّوْمَ وَهُوَ مُسَافِرٌ فِي رَمَضَانَ لَا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يُفْطِرَ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ فَهَذَا أَوْلَى غَيْرَ أَنَّهُ لَا تَجِبُ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ لِوُجُودِ الشُّبْهَةِ وَهُوَ السَّفَرُ فِي أَوَّلِهِ أَوْ آخِرِهِ كَمَا يَسْقُطُ الْحَدُّ بِالنِّكَاحِ الْفَاسِدِ لِلشُّبْهَةِ(تبيين الحقائق، ج۱ص۳۴۰، فصل فى العوارض)

[2] وكل من أكل أو شرب أو جامع نَاسِيا أو ذرعه الْقَيْء فَظن أَن ذَلِك يفطره فَأكل بعد ذَلِك مُتَعَمدا لَا كَفَّارَة عَلَيْهِ لِأَن هَذَا شُبْهَة فِي مَوضِع الِاشْتِبَاه لوُجُود المضاد للصَّوْم قَالَ مُحَمَّد إِلَّا إِذا بلغ الْخَبَر أَن أكل النَّاس والقيء لَا يفسدان الصَّوْم فَتجب عَلَيْهِ الْكَفَّارَة لِأَن الظَّن فِي غير مَوضِع الشُّبْهَة لَا يعْتَبر، فَأَما إِذا احْتجم فَظن أَن ذَلِك يفطره ثمَّ أفطر مُتَعَمدا إِن استفتى فَقِيها فَأفْتى بالإفطار ثمَّ أفطر مُتَعَمدا لَا كَفَّارَة عَلَيْهِ لِأَن الْعَامي يجب عَلَيْهِ تَقْلِيد الْعَالم فَيصير ذَلِك شُبْهَة،وَلَو بلغه الحَدِيث أفطر الحاجم والمحجوم روى الْحسن عَن أبي حنيفَة أَنه لَا كَفَّارَة عَلَيْهِ لِأَنَّهُ اعْتمد على الحَدِيث وَهُوَ حجَّة فِي الأَصْل،وَرُوِيَ عَن أبي يُوسُف أَنه تجب عَلَيْهِ الْكَفَّارَة لِأَن الْعَامي يجب عَلَيْهِ الاستفتاء من الْمُفْتِي دون الْعَمَل بِظَاهِر الحَدِيث لِأَنَّهُ قد يكون مَتْرُوك الظَّاهِر وَقد يكون مَنْسُوخا فَلَا يصير شُبْهَة،وَإِن لمس امْرَأَة بِشَهْوَة أَو قبل امْرَأَة بِشَهْوَة وَلم ينزل فَظن أَن ذَلِك يفطره فَأكل عمدا يلْزمه الْكَفَّارَة لِأَن ذَلِك لَا يُنَافِي الصَّوْم فَيكون ظنا فِي غير مَوْضِعه إِلَّا إِذا استفتى فَقِيها أَو أول الحَدِيث فَأفْطر على ذَلِك فَلَا كَفَّارَة عَلَيْهِ وَإِن أَخطَأ وَلم يثبت الحَدِيث لِأَن ظَاهره يعْتَبر شُبْهَة،فَإِن اغتاب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... اگر کسی مرد وعورت نے جان بوجھ کر باہم جماع کیا، اور دونوں روزہ کی حالت میں تھے، اور دونوں میں کفارہ واجب ہونے والی شرائط پائی جاتی تھیں، تو حنفیہ کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فَظن أَن ذَلِک یفطره فأکل عمدا یلْزمه الْکَفَّارَة وَإِن بلغه الحَدِیث لِأَنَّهُ تَأْوِیل بعید لِأَنَّهُ لَا یُرَاد بِهِ إفطار الصَّوْم حَقِیقَة وَالله أعلم(تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۳۵۶،۳۵۷، کتاب الصوم)

إذا جامع امرأته فی نهار رمضان، ثم حاضت امرأته، ومرضت فی ذلک الیوم لا کفارة علیها عندنا. وکذلک إذا مرض الرجل سقط عنه الکفارة، وکذلک إذا أکلت أو شربت، ثم حاضت أو مرضت فی ذلک الیوم لا کفارة علیها، وإذا جامع أو أکل أو شرب، ثم سافر فی ذلک الیوم لا تسقط عنه الکفارة، وإن سوفر به مکرهاً بأن رکب علی الدابة، وخرج إلی السفر مکرهاً روی الحسن عن أبی حنیفة أنه لا کفارة علیه، وعندهما تجب الکفارة حجتهما أن العذر جاء لا من جهة من له الحق، فصار بمنزلة ما لو سافر بنفسه وأکره علی السفر، فخرج بنفسه.

وجه قول أبی حنیفة إن العذر جاء لا من جهة المفطر، فصار کالحیض والمرض إذا حسبت المرأة أن هذا الیوم یوم حیضها، فأفطرت فیه، ثم لم تحض، أو کان لها نوبة حمی، فافطر فلم تحم فی ذلک الیوم أجمعوا أن فی فصل الحمی تجب الکفارة، وفی فصل الحیض اختلاف المشایخ، والصحیح أنه تجب.

فی فتاوی القاضی :إذا أکل بعد الفجر، أو قبل غروب الشمس، وهو لا یعلم، ثم أکل بعد ذلک متعمداً، فعلیه القضاء دون الکفارة، أصبح فی رمضان لا ینوی الصوم فأکل أو شرب، فلا کفارة علیه، قال أبو یوسف رحمه الله :إن أکل بعده، فلا کفارة علیه، وإن نوی الصوم قبل الزوال، ثم أفطر فی باقی الیوم، فعلیه الکفارة عند أبی یوسف ومحمد؛ لأن هذا إفطار فی صوم جائز، وعند أبی حنیفة لا کفارة علیه؛ لأن ظاهر قوله علیه السلام لا صیام لمن لم ینو الصیام من اللیل یورث شبهة عدم الجواز، والکفارة تدرأ بالشبهات.

قال محمد رحمه الله فی الجامع الصغیر :إذا أکل أو شرب أو جامع فی نهار رمضان ناسیاً، وظن أن ذلک یفطره، فأکل بعد ذلک متعمداً، فلا کفارة علیه، وإنما لم تجب الکفارة لمکان الشبهة، والشبهة نوعان :شبهة اشتباه بالنظیر، وهو أن یجد لما ظن، واشتبه علیه نظیرا و شبهة حکمیة، وقد وجد لما اشتبه نظیراً، وهو الأکل حالة العمد؛ لأن أکل الناسی ینافی الإمساک فی الظاهر کأکل العامد، وکذلک وجدت الشبهة الحکمیة، فإن الصوم قد فسد بالأکل الأول عند أهل المدینة، وإنه قیاس غیر مهجور، فصار شبهة فی الاستحسان.

وعن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ :أنه إن کان بلغه الحدیث لزمه الکفارة؛ لأنه علم أن القیاس متروک، فلا یعتبر القیاس سبباً للشبهة فی حقه، وفی روایة أخری عنه لا تلزمه الکفارة علی کل حال، وهو الصحیح .وإذا احتجم، فظن أن ذلک یفطره، فأکل بعد ذلک متعمداً، فإن لم یستفت أحداً، ولا بلغه الخبر الوارد فی هذا الباب، أو بلغه، وعرف نسخه، فعلیه الکفارة، وإن لم یبلغه النسخ، أو استفتی أحداً

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نزدیک دونوں پر الگ الگ قضا اور کفارہ لازم ہوگا۔ ۱؎

البتہ اگر مرد نے عورت کے ساتھ جبر واکراہ کر کے جماع کیا، تو اس صورت میں صرف مرد پر کفارہ واجب ہوگا، عورت پر واجب نہیں ہوگا۔ ۲؎

مسئلہ نمبر ۳...... اگر کسی عورت نے جان بوجھ کر روزہ فاسد کیا، جس کی وجہ سے اس پر کفارہ واجب ہوگیا، پھر اسی دن سورج غروب ہونے سے پہلے اس کو حیض یا نفاس جاری ہوگیا، تو اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ممن يؤخذ منه الفقه، ويعتمد على فتواه، فأفتي أن صومه فاسد، فلا كفارة عليه؛ لأن على العامي العمل بفتوى المفتي، فإذا فعل كان ذلک معذوراً فيما صنع، وإن كان المفتي مخطئاً فيما أفتى، وإذا ذرعه القيء فظن أن ذلک يفطره، فأكل بعد ذلک متعمداً، فلا كفارة عليه لوجود شبهة الاشتباه بالنظير، فالقيء والتقيؤ سواء ، وإذا اكتحل، فظن أن ذلک يفطره، فأكل بعد ذلک متعمداً، فعليه الكفارة لانعدام الشبهتين، ولو أوصى بالفطر فلا كفارة عليه وإذا قبل امرأته أو مسها، فظن أن ذلک يفطره، فأكل بعد ذلک متعمداً، فلا كفارة عليه لوجود الاشتباه، فإن له نظيراً، وهو الفعل فی حالة اليقظة والله أعلم(المحيط البرهاني، ج۳ص ۳۶۶،۳۶۷، كتاب الصوم،الفصل التاسع فيما يصير شبهة فی إسقاط الكفارة)

۱؎ بَيَان ذَلِک:إذا جَامع الصَّحِيح الْمُقِيم عمدا فِي شهر رَمَضَان فَإِنَّهُ يلْزمه الْكَفَّارَة،بِحَدِيث الْأَعرَابِي أَنه قَالَ هَلَكت وأهلكت فَقَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مَاذَا صنعت فَقَالَ واقعت امْرَأَتي فِي شهر رَمَضَان وَأَنا صَائِم فَقَالَ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَام اعْتِقْ رَقَبَة،وَأما الْمَرْأَة الَّتِي تجامع يلْزمهَا الْكَفَّارَة عندنَا، وللشافعي قولان فِي قَول لَا يلْزمهَا الْكَفَّارَة لِأَن النَّص ورد فِي الرجل دون الْمَرْأَة،وَفِي قَول تجب ويتحملها الرجل لِأَنَّهُ وَجب عَلَيْهَا بِسَبَب فعله،وَالصَّحِيح قَوْلنَا لِأَن الحكم تعلق بِالْجِمَاعِ الْحَرَام الْمُفْسد للصَّوْم وَقد وجد مِنْهَا وَلِهَذَا فِي بَاب الزِّنَى يجب على كل وَاحِد مِنْهُمَا الْحَد لِاسْتِوَائِهِمَا فِي الزِّنَى فَكَذَا هَذَا(تحفة الفقهاء ،ج ا ص ۳۶۰، ۳۶۱، كتاب الصوم، مسالة النذر)

۲؎ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے اظہر قول کے مطابق عورت ومرد کے اختیاری طور پر جماع کرنے سے عورت پر کفارہ نہیں۔

(فَرْعٌ) وَفِي الْمُجْتَبَى فِي الْمَبْسُوطَيْنِ لَوْ مَكَّنَتْ نَفْسَهَا مِنْ صَبِيٍّ أَوْ مَجْنُون فَزَنَى بها فَعَلَيْهَا الْكَفَّارَةُ وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ فِي أَظْهَرِ قَوْلَيْهِ وَفِي النَّوَادِرِ عَلَى قِيَاسِ الْحَدِّ لَا يَلْزَمُهَا الْكَفَّارَةُ وَلَوْ كَانَتْ الزَّوْجَةُ مُكْرَهَةً لَا كَفَّارَةَ عَلَيْهَا قَالَ الْحَلْوَانِيُّ الشَّرْطُ الْإِكْرَاهُ عِنْدَ الْإِيلَاجِ وَالْأَصْلُ فِي جِنْسِ هَذِهِ الْمَسَائِلِ أَنَّ كُلَّ وَطْءٍ يُوجِبُ الْحَدَّ لَوْ وَقَعَ فِي غَيْرِ الْمِلْكِ يُوجِبُ الْكَفَّارَةَ وَمَا لَا فَلَا وَلَوْ أَكْرَهَتْ زَوْجَهَا عَلَى الْجِمَاعِ فَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ وَذَكَرَ مُحَمَّدٌ فِي الْأَصْلِ أَنَّهُ لَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ وَبِهِ يُفْتِي وَقَالَ قَاضِي خَانْ لَوْ جَامَعَ مُكْرَهًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ لَا الْكَفَّارَةُ وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ أَوَّلًا عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ لِأَنَّ الِانْتِشَارَ أَمَارَةُ الِاخْتِيَارِ ثُمَّ رَجَعَ إلَى قَوْلِهِمَا وَلَوْ كَتَمَتْ طُلُوعَ الْفَجْرِ عَلَى زَوْجِهَا حَتَّى جَامَعَهَا فَعَلَيْهَا الْكَفَّارَةُ ا هـ. دِرَايَةٌ(تبيين الحقائق، ج ا ص ۳۲۷، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

سے کفارہ ساقط ہوجائے گا، روزہ کی صرف قضا واجب ہوگی، کیونکہ اس دن حیض یا نفاس جاری ہونے سے ظاہر ہو گیا کہ اس دن عورت میں رزہ کی ادائیگی کی اہلیت موجود نہیں تھی۔ [1]

مسئلہ نمبر۴...... رمضان کے روزہ کو توڑ دینے کا کفارہ ظہار کے کفارہ کی طرح ہے، جس کا قرآن مجید کی سورہ حدید میں ذکر ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۵...... رمضان کا روزہ توڑ دینے کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے، جہاں غلام نہ ملتے ہوں یا غلام کے خریدنے پر قدرت نہ ہو (جیسا کہ آج کل ایسا ہی ہے) تو ساٹھ روزے مسلسل رکھے، ناغہ نہ ہو ورنہ پھر شروع سے ساٹھ روزے پورے رکھنے ہوں گے اور

---

[1] (قَوْلُهُ :وَمِمَّا يُسْقِطُهَا حَيْضُهَا أَوْ نِفَاسُهَا بَعْدَ إِفْطَارِهَا) فِي التَّتَارْخَانِيَّة إِذَا جَامَعَ امْرَأَتَهُ فِي نَهَارِ رَمَضَانَ ثُمَّ حَاضَتْ امْرَأَتُهُ أَوْ مَرِضَتْ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ سَقَطَ عَنْهُ الْكَفَّارَةُ عِنْدَنَا اهـ.(منحة الخالق عَلى هامش البحر الرائق ،ج۲،ص۲۹۸، كِتَابُ الصَّوْمِ)

[2] وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا ذَلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ .فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا (سورة الحديد،آيت ۳،۴)

مَطْلَبٌ فِي الْكَفَّارَةِ (قَوْلُهُ : كَكَفَّارَةِ الْمُظَاهِرِ) مُرْتَبِطٌ بِقَوْلِهِ وَكَفَّرَ أَيْ مِثْلُهَا فِي التَّرْتِيبِ فَيُعْتِقُ أَوَّلًا فَإِنْ لَمْ يَجِدْ صَامَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَطْعَمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا لِحَدِيثِ الْأَعْرَابِيِّ الْمَعْرُوفِ فِي الْكُتُبِ السِّتَّةِ فَلَوْ أَفْطَرَ وَلَوْ لِعُذْرٍ اسْتَأْنَفَ إلَّا لِعُذْرِ الْحَيْضِ وَكَفَّارَةُ الْقَتْلِ يُشْتَرَطُ فِي صَوْمِهَا التَّتَابُعُ أَيْضًا وَهَكَذَا كُلُّ كَفَّارَةٍ شُرِعَ فِيهَا الْعِتْقُ نَهْرٌ، وَتَمَامُ فُرُوعِ الْمَسْأَلَةِ فِي الْبَحْرِ وَفِيهِ أَيْضًا وَلَا فَرْقَ فِي وُجُوبِ الْكَفَّارَةِ بَيْنَ الذَّكَرِ وَالْأُنْثَى وَالْحُرِّ وَالْعَبْدِ وَالسُّلْطَانِ وَغَيْرِهِ، وَلِهَذَا صَرَّحَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ بِالْوُجُوبِ عَلَى الْجَارِيَةِ فِيمَا لَوْ أَخْبَرَتْ سَيِّدَهَا بِعَدَمِ طُلُوعِ الْفَجْرِ عَالِمَةً بِطُلُوعِهِ فَجَامَعَهَا مَعَ عَدَمِ الْوُجُوبِ عَلَيْهِ وَبِأَنَّهُ إذَا لَزِمَتْ السُّلْطَانَ، وَهُوَ مُوسِرٌ بِمَالِهِ الْحَلَالِ وَلَيْسَ عَلَيْهِ تَبِعَةٌ لِأَحَدٍ يُفْتَى بِإِعْتَاقِ الرَّقَبَةِ وَقَالَ أَبُو نَصْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ :يُفْتَى بِصِيَامِ شَهْرَيْنِ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْ الْكَفَّارَةِ الِانْزِجَارُ وَيَسْهُلُ عَلَيْهِ إفْطَارُ شَهْرٍ وَإِعْتَاقُ رَقَبَةٍ فَلَا يُجْعَلُ الزَّجْرُ .اهـ .(قَوْلُهُ :وَمِنْ ثَمَّ) أَيْ مِنْ أَجْلِ ثُبُوتِ كَفَّارَةِ الظِّهَارِ بِالْكِتَابِ وَثُبُوتِ كَفَّارَةِ الْإِفْطَارِ بِالسُّنَّةِ، شَبَّهُوا الثَّانِيَةَ لِكَوْنِهَا أَدْنَى حَالًا بِالْأُولَى لِقُوَّتِهَا بِثُبُوتِهَا بِالْكِتَابِ ط وَمُقْتَضَاهُ الْإِكْفَارُ بِإِنْكَارِهَا دُونَ الْأُولَى يُؤَيِّدُهُ أَنَّهُ فِي الْفَتْحِ ذُكِرَ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ ذَهَبَ إلَى أَنَّهَا مَنْسُوخَةٌ.

(تَنْبِيهٌ) فِي التَّشْبِيهِ إشَارَةٌ إلَى أَنَّهُ لَا يَلْزَمُ كَوْنُهَا مِثْلَهَا مِنْ كُلِّ وَجْهٍ فَإِنَّ الْمَسِيسَ فِي أَثْنَائِهَا يَقْطَعُ التَّتَابُعَ فِي كَفَّارَةِ الظِّهَارِ مُطْلَقًا عَمْدًا أَوْ نِسْيَانًا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا لِلْآيَةِ بِخِلَافِ كَفَّارَةِ الصَّوْمِ وَالْقَتْلِ فَإِنَّهُ لَا يَقْطَعُهُ فِيهِمَا إلَّا الْفِطْرُ بِعُذْرٍ أَوْ بِغَيْرِ عُذْرٍ فَتَأَمَّلْ، فَقَدْ زَلَّتْ بَعْضُ الْأَقْدَامِ فِي هَذَا الْمَقَامِ رَمْلِيٌّ وَنَحْوُهُ فِي الْقُهُسْتَانِيِّ وَأَرَادَ بِغَيْرِ الْعُذْرِ مَا سِوَى الْحَيْضِ (ردالمحتار، ج۲ص۴۱۲، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

اگر روزہ کی طاقت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو پیٹ بھر کر دونوں وقت کھانا کھلائے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۶ ...... اگر کسی شخص نے کفارہ کے روزے رکھنے شروع کئے، اور ساٹھ روزوں کی تعداد پوری ہونے سے پہلے درمیان میں کوئی عذر پیش آ گیا، جس کی وجہ سے روزے رکھنے کا تسلسل برقرار نہیں رہا، اور ایک یا زیادہ دن کے روزوں کا ناغہ ہو گیا، تو اب پھر نئے سرے سے ساٹھ روزں کی تعداد پوری کرنی ہوگی۔ [۲]

مسئلہ نمبر۷ ...... کسی عورت کو نفاس (ولادت کے بعد آنے والے خون) کی وجہ سے درمیان میں روزے چھوٹ جانے کی بناء پر ساٹھ روزے رکھنے میں تسلسل برقرار نہیں رہا، تو بھی ان روزں سے کفارہ صحیح نہیں ہوا، بلکہ نئے سرے سے تعداد پوری کرنی ہوگی۔ [۳]

مسئلہ نمبر۸ ...... عورت کے جتنے روزے درمیان میں حیض کی وجہ سے چھوٹ گئے ہیں وہ معاف ہیں ان کے چھوٹ جانے سے کفارہ کی مسلسل والی قید میں کچھ نقصان نہیں آتا لیکن پاک ہونے کے فوراً بعد پھر روزے رکھنے شروع کرے اور ساٹھ روزے پورے کر لے۔ [۴]

مسئلہ نمبر۹ ...... اگر کفارے کے روزے چاند دیکھ کر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ سے شروع کر دیئے تو چاند کے حساب سے دو مہینے پورے کئے جائیں گے، خواہ دونوں مہینے تیس کے

---

[۱] كَفَّارَةُ الصَّوْمِ -: اتَّفَقَ الْفُقَهَاءُ عَلَى وُجُوبِ الْإِطْعَامِ فِي كَفَّارَةِ الْفِطْرِ فِي صَوْمِ رَمَضَانَ أَدَاءً، غَيْرَ أَنَّ الشَّافِعِيَّةَ وَالْحَنَابِلَةَ قَصَرُوهُ عَلَى مَنْ جَامَعَ فِي رَمَضَانَ عَامِدًا، دُونَ مَنْ أَفْطَرَ فِيهِ بِغَيْرِ الْجِمَاعِ، وَاخْتَلَفَ الْفُقَهَاءُ فِي رُتْبَتِهِ تَقْدِيمًا وَتَأْخِيرًا. فَقَالَ الْحَنَفِيَّةُ وَالشَّافِعِيَّةُ وَالْحَنَابِلَةُ بِتَأْخِيرِهِ عَنِ الْإِعْتَاقِ وَالصِّيَامِ، وَقَالَ الْمَالِكِيَّةُ بِالتَّخْيِيرِ بَيْنَ الْأَنْوَاعِ الثَّلَاثَةِ: الْإِعْتَاقِ وَالصِّيَامِ وَالْإِطْعَامِ وَتَفْصِيلُهُ فِي الْكَفَّارَاتِ (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص ۱۱۶، مادة "اطعام" كفارة اليمين)

[۲] مَطْلَبٌ فِي الْكَفَّارَةِ (قَوْلُهُ: كَكَفَّارَةِ الْمُظَاهِرِ) مُرْتَبِطٌ بِقَوْلِهِ وَكَفَّرَ أَيْ مِثْلُهَا فِي التَّرْتِيبِ فَيُعْتِقُ أَوَّلًا فَإِنْ لَمْ يَجِدْ صَامَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَطْعَمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا لِحَدِيثِ الْأَعْرَابِيِّ الْمَعْرُوفِ فِي الْكُتُبِ السِّتَّةِ فَلَوْ أَفْطَرَ وَلَوْ لِعُذْرٍ اسْتَأْنَفَ إلَّا لِعُذْرِ الْحَيْضِ (ردالمحتار، ج۲ ص ۴۱۲، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

[۳] أَمَّا النِّفَاسُ فَيَقْطَعُ التَّتَابُعَ فِي صَوْمِ كُلِّ كَفَّارَةٍ؛ وَتَمَامُهُ فِي الْبَحْرِ (ردالمحتار، ج۳ص۴۷۷، باب كفارة الظهار)

[۴] وَلَوْ حَاضَتِ الْمَرْأَةُ فِي كَفَّارَةِ الصَّوْمِ لَا تَسْتَقْبِلُ، وَإِنْ أَفْطَرَتْ لِمَرَضٍ اسْتَقْبَلَتْ (الاختيار لتعليل المختار، ج۳ص ۱۶۵، كِتَابُ الطَّلَاقِ، بَابُ الظِّهَار، فصل كفارة الظِّهَار)

ہوں یا انتیس کے، یا ایک تیس کا اور ایک انتیس کا۔

اور اگر چاند کی پہلی تاریخ کے علاوہ کسی اور دن سے روزے شروع کئے تو پھر ساٹھ کا عدد پورا کرنا ضروری ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۰...... اگر ایک ہی رمضان کے دو یا تین روزوں کے توڑنے کا کفارہ ذمہ میں لازم ہوا، اور ابھی تک کسی روزہ کا کفارہ ادا نہیں کیا تو سب روزوں کی طرف سے ایک ہی کفارہ کافی ہے (اگرچہ قضاء ہر ایک روزہ کی الگ الگ ہے)

البتہ اگر یہ روزے ایک رمضان کے نہ ہوں بلکہ الگ الگ رمضان کے ہوں تو ہر رمضان کے روزے کا علیحدہ علیحدہ کفارہ دینا پڑے گا، جبکہ بعض حضرات کے نزدیک اس صورت میں بھی سب کی طرف سے ایک ہی کفارہ واجب اور کافی ہوگا۔ [2]

---

[1] (صَامَ شَهْرَيْنِ وَلَوْ ثَمَانِيَةً وَخَمْسِينَ) بِالْهِلَالِ وَإِلَّا فَسِتِّينَ يَوْمًا(الدرالمختار)
(قَوْلُهُ :بِالْهِلَالِ) حَالٌ مِنْ لَفْظِ الشَّهْرَيْنِ الْمُقَدَّرِ بَعْدَ "لَوْ"، وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ لَوْ بِالْهِلَالِ .وَحَاصِلُهُ أَنَّهُ إذَا ابْتَدَأَ الصَّوْمَ فِي أَوَّلِ الشَّهْرِ كَفَاهُ صَوْمُ شَهْرَيْنِ تَامَّيْنِ، أَوْ نَاقِصَيْنِ، وَكَذَا لَوْ كَانَ أَحَدُهُمَا تَامًّا وَالْآخَرُ نَاقِصًا (قَوْلُهُ :وَإِلَّا) أَيْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ صَوْمُهُ فِي أَوَّلِ الشَّهْرِ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ بِأَنْ غُمَّ، أَوْ صَامَ فِي أَثْنَاءِ شَهْرٍ فَإِنَّهُ يَصُومُ سِتِّينَ يَوْمًا .وَفِي كَافِي الْحَاكِمِ وَإِنْ صَامَ شَهْرًا بِالْهِلَالِ تِسْعَةً وَعِشْرِينَ وَقَدْ صَامَ قَبْلَهُ خَمْسَةَ عَشَرَ وَبَعْدَهُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا أَجْزَأَهُ(ردالمحتار، ج۳ص۴۷۶، باب كفارة الظهار)

[2] وَلَوْ جَامَعَ مِرَارًا فِي أَيَّامِ رَمَضَانَ وَاحِدٌ، وَلَمْ يُكَفِّرْ كَانَ عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ؛ لِأَنَّهَا شُرِعَتْ لِلزَّجْرِ، وَهُوَ يَحْصُلُ بِوَاحِدَةٍ فَلَوْ جَامَعَ وَكَفَّرَ ثُمَّ جَامَعَ مَرَّةً أُخْرَى فَعَلَيْهِ كَفَّارَةٌ أُخْرَى فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِلْعِلْمِ بِأَنَّ الزَّجْرَ لَمْ يَحْصُلْ بِالْأَوَّلِ،وَلَوْ جَامَعَ فِي رَمَضَانَيْنِ فَعَلَيْهِ كَفَّارَتَانِ، وَإِنْ لَمْ يُكَفِّرْ لِلْأُولَى فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، وَهُوَ الصَّحِيحُ كَذَا فِي الْجَوْهَرَةِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ :عَلَيْهِ وَاحِدَةٌ قَالَ فِي الْأَسْرَارِ وَعَلَيْهِ الِاعْتِمَادُ، وَكَذَا فِي الْبَزَّازِيَّةِ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲،ص۲۹۸، كِتَابُ الصَّوْمِ)

وَلَو جَامع فِي شهر رَمَضَان مرَارًا فِي ظَاهر الرِّوَايَة تلْزمهُ كَفَّارَة وَاحِدَة مَا لم يكفر للْأول،وَلَو كفر ثمَّ جَامع ثَانِيًا يلْزمه كَفَّارَة أُخْرَى،وَذكر فِي الكيسانيات أَنه يلْزمه كَفَّارَة وَاحِدَة من غير فصل،وَهَذَا عندنَا،وَقَالَ الشَّافِعِي يلْزمه لكل يَوْم كَفَّارَة لِأَنَّهُ وجد فِي كل يَوْم إِفْسَاد كَامِل،وَلَو أفسد بِالْجِمَاع فِي رمضانين فَعَن أَصْحَابنَا رِوَايَتَانِ فِي رِوَايَة يجب كفارتان،وَفِي رِوَايَة كفارة وَاحِدَة،وَلنَا فِي الْمَسْأَلَة طَرِيقَان أَحدهمَا أَن الْكَفَّارَة تجب بطرِيق الزّجر وَأَسْبَاب الزّجر إِذا اجْتمعت لَا يجب بهَا إِلَّا زاجر وَاحِد كَمَا فِي الزِّنَى إِذا وجد مرَارًا لَا تجب إِلَّا حد وَاحِد،وَالثَّانِي أَنَّهَا تجب بطرِيق التَّكْفِير وَرفع الْإِثْم وَلَكِن الْإِفْطَار فِي الْيَوْم الثَّانِي وَالثَّالِث فِي الْجِنَايَة فَوق الْإِفْطَار فِي الْيَوْم الأول لِأَنَّهُ انضمت إِلَيْهِ جِنَايَة الْإِفْطَار وَجِنَايَة الْإِصْرَار وَإِيجَاب الْكَفَّارَة لأدنى الجنايتين لَا يصلح للأعلى،هَذَا الَّذِي ذكرنَا إِذا لم يكن فِي الْإِفْطَار شُبْهَة(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۳۶۲، كتاب الصوم)

مسئلہ نمبر۱۱...... روزہ کے کفارہ میں کھانا کھلانے میں جس طرح یہ جائز ہے کہ ساٹھ غریبوں کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے، اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ کھانا کھلانے کے بجائے غلہ یا نقدی دے کر روزہ کا کفارہ ادا کرے، اور اس صورت میں ایک صدقۂ فطر کی مقدار ایک غریب کو دو وقت کا کھانا کھلانے کے قائم مقام سمجھی جائے گی۔

اور صدقۂ فطر کی مقدار کا ذکر آگے فدیہ کے بیان میں آتا ہے۔ [۱]

---

[۱] وإن عجز عن الصيام يطعم ستين مسكيناً ويجزىء فيه طعام التمليک وطعام الإباحة، وتفسير طعام الإباحة :أن يعدّ منهم ويعيّنهم، وتفسير طعام التمليک ظاهر، فإن أراد أن يطعم طعام التمليک يطعم لكلّ مسكين نصف صاع من برّ، أو صاع من تمر أو شعير كما فى صدقة الفطر، به ورد الأثر عن عمر رضى الله عنه عن الحنطة تختلف أجناسها، فإنَّ من الحنطة ما يبلغ منوين، منها نصف صاع، ومنها ما يبلغ أكثر من منوين نصف صاع، فلا بدّ من التقدير بأحدهما، أمّا الصاع أو المنّ (المحيط البرهانى، ج۳ص ۴۳۶، كتاب الطلاق، الفصل الثالث والعشرون :فى مسائل الظهار وكفارته)

قَالَ :(فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الصِّيَامَ أَطْعَمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا) لِقَوْلِهِ تَعَالَى :(فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا)(وَيُطْعِمُ كَمَا ذَكَرْنَا فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ) لِقَوْلِهِ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ- فِي حَدِيثِ سَهْلِ بْنِ صَخْرٍ أَوْ أَوْسِ بْنِ الصَّامِتِ :لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ وَلِأَنَّهُ لِحَاجَةِ الْمِسْكِينِ فِي الْيَوْمِ فَاعْتُبِرَتْ بِصَدَقَةِ الْفِطْرِ .قَالَ :(أَوْ قِيمَةُ ذَلِكَ) لِمَا مَرَّ فِي دَفْعِ الْقِيَمِ فِي الزَّكَاةِ(الاختيار لتعليل المختار، ج۳ص ۱۶۵، فصل كفارة الظهار)

پھر طرفین کے نزدیک ذمی مساکین کو بھی یہ کھانا کھلانا جائز ہے، اور امام ابو یوسف اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک ذمی کو جائز نہیں، بلکہ مسلمان مسکین کو ہی جائز ہے۔

اور اس میں شک نہیں کہ غیر مسلم کو کھلانا خلافِ احتیاط ہے، جیسا کہ صدقۂ فطر کا حکم ہے، لہٰذا اختلاف سے بچنے کے لئے حتی الامکان ذمی کو کفارہ کا کھانا کھلانے سے بچنا چاہئے۔

وَقَوْلُهُ سِتِّينَ مِسْكِينًا سَوَاءٌ كَانُوا مُسْلِمِينَ أَوْ ذِمِّيِّينَ عِنْدَهُمَا . وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَا يَجُوزُ فُقَرَاءُ أَهْلِ الذِّمَّةِ(الجوهرة النيرة، ج۲ ص ۶۸، كفارة الظهار)

رَابِعًا :الْمُسْتَحِقُّ لِلْإِطْعَامِ:اشْتَرَطَ الْفُقَهَاءُ فِي الْمَحَل الْمُنْصَرِفِ إِلَيْهِ الطَّعَامُ شُرُوطًا مِنْهَا :(أ)أَنْ لاَ يَكُونَ مَنْ تُصْرَفُ إِلَيْهِ الْكَفَّارَةُ مِمَّنْ يَلْزَمُ الْمُكَفِّرَ نَفَقَتُهُ، كَالْأُصُول وَالْفُرُوعِ، لأَنَّ الْقَصْدَ إِشْعَارُ الْمُكَفِّرِ بِأَلَمٍ حِينَ يُخْرِجُ جُزْءًا مِنْ مَالِهِ كَفَّارَةً عَنِ الذَّنْبِ الَّذِي ارْتَكَبَهُ، وَهَذَا الْمَعْنَى لاَ يَتَحَقَّقُ إِذَا أَطْعَمَ مَنْ تَلْزَمُهُ نَفَقَتُهُ (ب)أَنْ يَكُونُوا مُسْلِمِينَ، فَلاَ يَجُوزُ عِنْدَ الْجُمْهُورِ إِطْعَامُ الْكَافِرِ مِنَ الْكَفَّارَاتِ ذِمِّيًّا كَانَ أَوْ حَرْبِيًّا، وَأَجَازَ أَبُو حَنِيفَةَ -وَمُحَمَّدٌ إِعْطَاءَ فُقَرَاءِ أَهْل الذِّمَّةِ مِنَ الْكَفَّارَاتِ، لِعُمُومِ قَوْلِهِ تَعَالَى :(فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ) مِنْ غَيْرِ تَفْرِقَةٍ بَيْنَ الْمُؤْمِنِ وَغَيْرِهِ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۲...... ساٹھ غریبوں کو دووقت کھانا کھلانے میں یہ بھی جائز ہے کہ ایک ہی دن میں دو وقت کھانا کھلائے، اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک یا زیادہ دنوں کا فاصلہ دے کر دووقت کھانا کھلائے۔

لیکن اگر ایک وقت کا کھانا ایک غریب کو، اور دوسرے وقت کا کھانا دوسرے غریب کو کھلائے، تو یہ جائز نہیں۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۱۳...... اگر ساٹھ دن کا حساب کر کے ایک غریب کو ایک ہی دن میں (یک مشت یا متفرق طور پر) کفارہ دے دیا، تو ایک دن کے اعتبار سے ادا ہوگا، یعنی ایک دن میں ایک غریب کو ایک روزہ کے فدیہ کی مقدار سے زیادہ دینا درست نہیں۔ ۲؎

اسی طرح اگر کسی نے ایک سو بیس افراد کو ایک ہی وقت میں کھانا کھلا دیا، تو وہ اس طرح سمجھا جائے کہ، جس طرح سے ساٹھ افراد کو ایک وقت میں کھانا کھلایا، لہٰذا ساٹھ افراد کو ایک وقت کا مزید کھانا کھلانا پڑے گا۔ ۳؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ (ج) أَنْ لا يَكُونَ هَاشِمِيًّا، لأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى جَعَلَ لَهُمْ مَا يَكْفِيهِمْ مِنْ خُمُسِ الْغَنَائِمِ (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۵ص۱۰۳، مادة "كفارة")

وأما صرف ما وراء الزكاة والعشر إلى فقراء أهل الذمة فجائز عند أبي حنيفة ومحمد نحو صدقة الفطر والصدقة المنذورة والكفارات ولكن الصرف إلى المسلمين أولى وعن أبي يوسف ثلاث روايات والأصح أنه لا يجوز صرف صدقة ما إليهم إلا التطوع وأما الحربي فلا يجوز صرف صدقة ما إليه (تحفة الفقهاء، ج۱ص۳۰۳، كتاب الزكاة، باب من يوضع فيه الصدقة)

۱؎ (قَوْلُهُ وَالشَّرْطُ غَدَاءَانِ وَعَشَاءَانِ مُشْبِعَانِ أَوْ غَدَاءٌ وَعَشَاءٌ) أَيْ :الشَّرْطُ فِي طَعَامِ الْإِبَاحَةِ أَكْلَتَانِ مُشْبِعَتَانِ لِكُلِّ مِسْكِينٍ وَالسَّحُورُ كَالْغَدَاءِ .فَلَوْ غَدَّاهُمْ يَوْمَيْنِ أَوْ عَشَّاهُمْ كَذَلِكَ أَوْ غَدَّاهُمْ وَسَحَّرَهُمْ أَوْ سَحَّرَهُمْ يَوْمَيْنِ أَجْزَأَهُ، وَلَوْ غَدَّى سِتِّينَ مِسْكِينًا وَعَشَّى سِتِّينَ غَيْرَهُمْ لَمْ يُجْزِهِ إلَّا أَنْ يُعِيدَ عَلَى أَحَدِ النَّوْعَيْنِ مِنْهُمْ غَدَاءً أَوْ عَشَاءً، وَلَوْ غَدَّى وَاحِدًا وَعَشَّى آخَرَ لَمْ يَجُزْ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۴ص۱۱۸، بَابُ الظِّهَارِ، فَصْلٌ فِي كَفَّارَةِ الظِّهَارِ)

۲؎ (وَإِنْ أَعْطَاهُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ عَنِ الْكُلِّ أَجْزَأَهُ عَنْ يَوْمٍ وَاحِدٍ) لِانْدِفَاعِ الْحَاجَةِ بِالْمَرَّةِ الْأُولَى، وَهَذَا لَا خِلَافَ فِيهِ فِي الْإِبَاحَةِ، فَأَمَّا التَّمْلِيكُ مِنْهُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ فِي دُفُعَاتٍ، قِيلَ :لَا يُجْزِئُهُ، وَقِيلَ : يُجْزِئُهُ لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى التَّمْلِيكِ تَتَجَدَّدُ فِي الْيَوْمِ مَرَّاتٍ، وَلَوْ دَفَعَ الْكُلَّ إِلَيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً لَا يَجُوزُ لِأَنَّ التَّفْرِيقَ وَاجِبٌ بِالنَّصِّ (الاختيار لتعليل المختار، ج۳ص۱۶۶، فصل كفارة الظهار)

۳؎ وَفِي الْيَنَابِيعِ لَوْ أَطْعَمَ مِائَةً وَعِشْرِينَ مِسْكِينًا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ أَكْلَةً وَاحِدَةً مُشْبِعَةً لَمْ يُجْزِ إلَّا عَنْ نِصْفِ الْإِطْعَامِ فَإِنْ أَعَادَهُ عَلَى سِتِّينَ مِسْكِينًا أَجْزَأَهُ اهـ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۴ص۱۱۹، بَابُ الظِّهَارِ، فَصْلٌ فِي كَفَّارَةِ الظِّهَارِ)

مسئلہ نمبر ۱۴...... اگر ایک ہی غریب کو صبح شام ساٹھ دن تک کھانا کھلایا یا ساٹھ دن تک ایک صدقۂ فطر کے برابر غلہ یا رقم دی جاتی رہی تو بھی کفارہ صحیح ہو گیا۔

اسی طرح اگر کسی غریب کو ساٹھ دن لگاتار کھانا نہیں کھلایا، یا صدقۂ فطر کے برابر غلہ یا رقم لگاتار روزانہ نہیں دی بلکہ درمیان میں کچھ دن ناغہ ہو گئے تو کچھ حرج نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۵...... اگر کسی غریب کو ایک صدقۂ فطر کی مقدار سے کم دیا تو صحیح نہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر ۱۶...... غریب شخص کو پیٹ بھر کھانا کھلانا ضروری ہے، اسی وجہ سے اگر کسی غریب کا پہلے سے پیٹ بھرا ہوا ہے، یا اگر کوئی بچہ ہے، جو بالغ نہیں ہے، اور نہ ہی بالغ ہونے کے قریب ہے، تو اس کو کھلانا کافی نہیں۔

اور پیٹ بھر کھانا کھلانے کے لئے کوئی مقدار متعین نہیں ہے، جتنا غریب پیٹ بھر کر کھائے، وہ کافی ہے۔ [3]

مسئلہ نمبر ۱۷...... غریبوں اور مسکینوں کو کفارہ کا کھانا کھلاتے یا رقم دیتے وقت یہ ضروری نہیں کہ ان کو بتایا جائے کہ یہ روزے کا کفارہ ہے، بلکہ دل میں نیت کر لینا کافی ہے، خواہ وہ پھر

---

[1] قَالَ :(وَلَوْ أَطْعَمَ مِسْكِينًا) وَاحِدًا (سِتِّينَ يَوْمًا أَجْزَأَهُ) لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ دَفْعُ حَاجَةِ الْمِسْكِينِ وَأَنَّهَا تَتَجَدَّدُ بِتَجَدُّدِ الْيَوْمِ(الاختيار لتعليل المختار، ج۳ص۱۶۶، فصل كفارة الظهار)

[2] بِخِلَافِ نَحْوِ كَفَّارَةِ الْيَمِينِ لِلنَّصِّ فِيهَا عَلَى التَّعَدُّدِ(رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۴۲۷، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

[3] وَقُيِّدَ بِالشِّبَعِ؛ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ فِيهِمْ مَنْ هُوَ شَبْعَانُ قَبْلَ الْأَكْلِ أَوْ صَبِيٌّ لَيْسَ بِمُرَاهِقٍ لَا يُجْزِئُهُ وَاخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِيهِ وَمَالَ الْحَلْوَانِيُّ إلَى عَدَمِ الْجَوَازِ، وَفِي الْمِصْبَاحِ الْأَكْلُ مَعْرُوفٌ وَالْأُكُلُ بِضَمَّتَيْنِ وَإِسْكَانِ الثَّانِي لِلتَّخْفِيفِ الْمَأْكُولُ وَالْأَكْلَةُ بِالْفَتْحِ الْمَرَّةُ وَبِالضَّمِّ اللُّقْمَةُ وَالْغَدَاءُ بِالْمَدِّ طَعَامُ الْغَدَاةِ وَالْعَشَاءُ بِالْفَتْحِ وَبِالْمَدِّ طَعَامُ الْعِشَاءِ بِالْكَسْرِ وَالسَّحُورُ بِفَتْحِ السِّينِ مَا يُؤْكَلُ فِي السَّحَرِ مَا قَبْلَ الصُّبْحِ وَبِالضَّمِّ الْأَكْلُ وَقْتَهُ وَأَشَارَ بِهِ إلَى أَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بَعْدَ الشِّبَعِ إلَى مِقْدَارِ الطَّعَامِ حَتَّى رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِي كَفَّارَةِ الْيَمِينِ لَوْ قَدَّمَ أَرْبَعَةَ أَرْغِفَةٍ إلَى عَشَرَةِ مَسَاكِينَ وَشَبِعُوا أَجْزَأَهُ وَإِنْ لَمْ يَبْلُغْ ذَلِكَ صَاعًا أَوْ نِصْفَ صَاعٍ كَذَا فِي التَّتَارْخَانِيَّة وَإِلَى أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ الْإِدَامِ فِي خُبْزِ الشَّعِيرِ وَالذُّرَةِ لِيُمْكِنَهُمْ الِاسْتِيفَاءُ إلَى الشِّبَعِ بِخِلَافِ خُبْزِ الْبُرِّ وَقَدِ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِي جَوَازِ إطْعَامِ خُبْزِ الشَّعِيرِ بِالْإِدَامِ بِنَاءً عَلَى أَنَّ مُحَمَّدًا نَصَّ عَلَى خُبْزِ الْبُرِّ فِي الزِّيَادَاتِ فَقَالَ الْبَعْضُ :لَا يَجُوزُ بِخُبْزِ الشَّعِيرِ وَبَعْضُهُمْ جَوَّزَهُ مَعَ الْإِدَامِ وَإِلَيْهِ مَالَ الْكَرْخِيُّ كَمَا فِي التَّتَارْخَانِيَّة(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۴ص۱۱۸، ۱۱۹، بَابُ الظِّهَارِ، فَصْلٌ فِي كَفَّارَةِ الظِّهَار)

اس کھانے کو دعوت اور اس رقم کو ہدیہ سمجھیں، اس سے فرق نہیں پڑتا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۸...... جن غریبوں کو کفارہ کا کھانا کھلانا یا رقم دینا جائز ہے، وہ ایسے غریب ہونے چاہئیں جن کو زکاۃ اور صدقۂ فطر دینا جائز ہے (اس کی تفصیل آگے فدیہ کے بیان میں آتی ہے)

(۲)...... رمضان کے روزہ کی قضا کے احکام

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (سورة البقرة آيت ۱۸۴)

ترجمہ: پس جو تم میں سے مریض ہو، یا سفر میں ہو، تو اسے دوسرے دنوں میں (روزہ) شمار کر لینے کی گنجائش ہے (سورہ بقرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مریض ومسافر ہو، اور وہ رمضان میں روزے نہ رکھ سکے تو اسے بعد میں روزہ کی قضا کرنے کا حکم ہے۔

اور جو شخص بلا عذر روزہ نہ رکھے، تو اس پر بدرجۂ اولیٰ روزہ کی قضا لازم ہے۔

اسی طرح اگر کوئی رمضان کا روزہ رکھ کر بلا عذر عمداً توڑ دے، اور اس پر کفارہ واجب ہو تو اس پر روزہ کی قضا بھی لازم ہے۔ [2]

رمضان کے روزہ کی قضا کے احکام درجِ ذیل ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱...... رمضان کے ایک روزہ کی قضا ایک روزہ کے ذریعے ہوتی ہے، اور بلا عذر

---

[1] ولا يشترط علم الفقير بأنها زكاة على الأصح لما فى البحر عن القنية والمجتبى الأصح أن من أعطى مسكينا دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوى الزكاة فإنها تجزيه لأن العبرة لنية الدافع لا لعلم المدفوع إليه (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۱۹۶، كتاب الزكاة، شروط صحة اداء الزكاة)

[2] عَنْ عَطَاءٍ، وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، بِمِثْلِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَزَادَ : بَدَنَةً، وَقَالَ عَمْرٌو فِي حَدِيثِهِ : وَأَمَرَهُ أَنْ يَصُومَ يَوْمًا مَكَانَهُ (مسند أحمد، رقم الحديث ۶۹۴۵) فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

رمضان کا روزہ چھوڑنے یا توڑنے پر توبہ واستغفار کا بھی حکم ہوتا ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۲...... رمضان کے جو روزے کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر نہ رکھے ہوں یا رکھ کر توڑ دیئے ہوں اور قضاء واجب ہوئی ہو تو عذر زائل ہونے کے بعد جلد از جلد ان کی قضاء کر لینا مناسب ہے، لیکن اگر کسی نے تاخیر سے قضا کی، تب بھی ادا ہو جائیں گے، البتہ اگر کسی نے اتنی تاخیر کی کہ عمر کا آخری حصہ آ گیا، اور اب ادائیگی کی قدرت نہیں رہی، یا بغیر ادا کئے ہوئے فوت ہو گیا، تو پھر گناہ گار ہوگا۔

اور فوت ہونے سے پہلے اس کو اپنے روزوں کے فدیہ کی وصیت کرنے کا حکم ہوگا، جیسا کہ آگے فدیہ کے بیان میں آتا ہے۔ ۲؎

مسئلہ نمبر۳...... جو مریض چند دن تک روزہ نہیں رکھ سکا، پھر وہ چند دن صحت یاب رہا، پھر وہ

۱؎ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ، فَقَالَ : إِنِّي أَفْطَرْتُ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم : تَصَدَّقْ ، وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ، وَصُمْ يَوْمًا مَكَانَهُ(مُصنف ابن أبى شيبة،رقم الحديث ۹۸۶۷،مَا قَالُوا فِي الرَّجُلِ يُفْطِرُ مِنْ رَمَضَانَ يَوْمًا ، مَا عَلَيْهِ ؟)

عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ ، قَالَ : قَالَ لِي عَاصِمٌ : سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ زَيْدٍ : مَا بَلَغَك فِيمَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ، مَا عَلَيْهِ ؟ قَالَ : لِيَصُمْ يَوْمًا مَكَانَهُ ، وَيَصْنَعُ مَعَ ذَلِكَ مَعْرُوفًا(ايضاً،رقم الحديث ۹۸۶۸)

عَنْ مُغِيرَةَ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ (ح) وَعَنِ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ، قَالاَ : يَقْضِي يَوْمًا مَكَانَهُ(ايضاً،رقم الحديث ۹۸۶۹)

عَنِ الشَّعْبِيِّ ، قَالَ : عَلَيْهِ يَوْمٌ مَكَانَهُ(ايضاً،رقم الحديث ۹۸۷۰)

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ؛ فِي رَجُلٍ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مُتَعَمِّدًا ، قَالَ : يَسْتَغْفِرُ اللَّهَ مِنْ ذَلِكَ وَيَتُوبُ إِلَيْهِ، وَيَقْضِي يَوْمًا مَكَانَهُ(ايضاً،رقم الحديث ۹۸۷۱)

۲؎ وَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ بِالتَّأْخِيرِ وَيَتَضَيَّقُ عَلَيْهِ الْوُجُوبُ فِي آخِرِ عُمُرِهِ فِي زَمَانٍ يَتَمَكَّنُ فِيهِ مِنْ الْأَدَاءِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَلِهَذَا لَهُ التَّطَوُّعُ قَبْلَ الْقَضَاءِ ؛ لِأَنَّهُ يُكْرَهُ لَهُ تَأْخِيرُ الْوَاجِبِ عَنْ وَقْتِهِ الْمُضَيَّقِ وَلِهَذَا إذَا أَخَّرَ قَضَاءَ رَمَضَانَ حَتَّى دَخَلَ آخَرُ فَلَا فِدْيَةَ عَلَيْهِ لِكَوْنِهَا تَجِبُ خَلَفًا عَنْ الصَّوْمِ عِنْدَ الْعَجْزِ وَلَمْ يُوجَدْ لِقُدْرَتِهِ عَلَى الْقَضَاءِ وَلِهَذَا قَالَ (فَإِذَا جَاءَ رَمَضَانُ آخَرُ قَدَّمَ الْأَدَاءَ عَلَى الْقَضَاءِ) ؛ لِأَنَّهُ فِي وَقْتِهِ وَهُوَ لَا يَقْبَلُ غَيْرَهُ وَيَصُومُ الْقَضَاءَ بَعْدَهُ وَهَذَا بِخِلَافِ قَضَاءِ الصَّلَوَاتِ فَإِنَّهَا عَلَى الْفَوْرِ وَلَا يُبَاحُ التَّأْخِيرُ إلَّا بِعُذْرٍ ذَكَرَهُ الْوَلْوَالِجِيُّ(البحر الرائق، ج۲ص۳۰۷، فصل فى عوارض المبيحة فى رمضان)

واختلف أصحابنا فى وقت القضاء ، منهم من قال بأن القضاء على الفور ومنهم من قال : بأنه مؤقت بما بين رمضانين، وبه أخذ أبو الحسن الكرخي، والصحيح أنه على التراخي لقوله تعالى(فعدة من أيام أخر)من غير فصل، وعن هذا قال أصحابنا رحمهم الله ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فوت ہوگیا، تو اس پر اتنے دن کے روزوں کی قضا کرنا ضروری تھا، جتنے دن وہ صحت یاب رہا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... اگر رمضان کے روزے ذمہ میں باقی ہیں، اور دوسرا رمضان آ گیا تو اب رمضان کے ادا روزے رکھنا چاہئے، اور قضا روزوں کی رمضان کے بعد ادائیگی کرنی چاہئے۔ [2]

البتہ اگر رمضان سے پہلے بآسانی ممکن ہو، تو قضا روزوں کو رکھ لینا بہتر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ذمہ میں قضا شدہ روزوں کو رمضان سے پہلے شعبان کے مہینے میں رکھ لیا کرتی تھیں۔ [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ لا يكره لمن عليه قضاء رمضان أن يتطوع بالصوم؛ لأن الوجوب ليس على الفور قد قال أصحابنا :إذا أخر قضاء رمضان حتى دخل رمضان آخر، فلا فدية عليه، وهو بناءً على ما قلنا :إن القضاء غير مؤقت، فكان رجاء القضاء ثانياً، ومع رجاء القضاء لا تلزمه الفدية، فإن لم يصم بعدما صح، أو أقام حتى مات، فعليه أن يوصى أن يطعم عنه؛ لأنه عجز عما هو واجب عليه، فينقل إلى ما يقوم مقامه، وكان عليه أن يوصى بالإطعام، ولا يجوز لابن أن يصوم عنه، وكذا لا يجب عليه الإطعام بدون الوصية؛ لأن العبادات لا يجوز أداؤها عن الغير إلا بالوصية كسائر العبادات وكحالة الحياة(المحيط البرهانی ، ج۲ص ۳۹۱،۳۹۲، كتاب الصوم، الفصل السابع فی الأسباب المبيحة للفطر)

[1] إذا افطر المريض أياماً ثم صح أياماً ثم مات لزمه القضاء بقدر ما صح لأنه لايقدر على القضاء إلا بقدر ما أدركه(فتاوى قاضی خان، ج ۱، ص ۱۵۲، كتاب الصوم)

إِذا صَحَّ الْمَرِيض أَيَّامًا ثُمَّ مَاتَ يلْزمه الْقَضَاء بعَدَد مَا صَحَّ وَلَا يلْزمه قَضَاء جَمِيع مَا فَاتَهُ فِي قَول أَصْحَابنَا جَمِيعًا،وَذكر الطَّحَاوِيّ هَذِه الْمَسْأَلَة على الِاخْتِلَاف فَقَالَ عِنْد أبي حنيفَة وَأبي يُوسُف يلْزمه قَضَاء الْجَمِيع إِذا صَحَّ يَوْمًا وَاحِدًا،وَقَالَ مُحَمَّد يلْزمه بِقدر مَا أدْرك(تحفة الفقهاء ج ۱ ص ۳۶۰، كتاب الصوم)

[2] وإن جاء الرمضان الثانى، ولم يقض الأول قدم الأداء على القضاء كذا فى النهر الفائق(الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۲۰۸، كتاب الصوم ،الباب الخامس فى الأعذار التى تبيح الإفطار)

(فَإِذَا جَاءَ رَمَضَانُ آخَرُ قَدَّمَ الْأَدَاءَ عَلَى الْقَضَاءِ) ؛ لِأَنَّهُ فِي وَقْتِهِ وَهُوَ لَا يَقْبَلُ غَيْرَهُ وَيَصُومُ الْقَضَاءَ بَعْدَهُ وَهَذَا بِخِلَافِ قَضَاءِ الصَّلَوَاتِ فَإِنَّهَا عَلَى الْفَوْرِ وَلَا يُبَاحُ التَّأْخِيرُ إلَّا بِعُذْرٍ ذَكَرَهُ الْوَلْوَالِجِيُّ(البحر الرائق، ج۲ص ۳۰۷، فصل فی عوارض المبيحة فی رمضان)

[3] عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ :سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، تَقُولُ :كَانَ يَكُونُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ، فَمَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَقْضِيَهُ إِلَّا فِي شَعْبَانَ، الشُّغْلُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ(مسلم،رقم الحديث ۱۱۴۶ "۱۵۱") ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵...... اگر کسی کے ذمہ رمضان کے روزوں کی قضا باقی ہے، تو ان کی ادائیگی سے پہلے نفل وسنت روزے رکھنا جائز ہے، یعنی سنت ونفل روزے رکھنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ پہلے ذمہ میں فرض روزوں کی قضا پوری کی جائے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۶...... اگر کسی نے عذر کی وجہ سے رمضان کے روزے نہیں رکھے، اور پھر وہ عذر زائل وختم ہونے سے پہلے فوت ہوگیا، تو اس پر کچھ واجب نہیں۔ [۲]

مسئلہ نمبر۷...... جتنے روزے قضا ہوگئے ہوں سب کو لگا تار یا الگ الگ اور ترتیب کے ساتھ اور بلا ترتیب کے سب طرح رکھنا جائز ہے، البتہ اگر کوئی ترتیب سے رکھے تو بہتر ہے۔ [۳]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وَفِی الْحَدِیثِ دَلَالَةٌ عَلَی جَوَازِ تَأْخِیرِ قَضَاءِ رَمَضَانَ مُطْلَقًا سَوَاءٌ کَانَ لِعُذْرٍ أَوْ لِغَیْرِ عُذْرٍ لِأَنَّ الزِّیَادَةَ کَمَا بَیَّنَّاهُ مُدْرَجَةٌ فَلَوْ لَمْ تَکُنْ مَرْفُوعَةً لَکَانَ الْجَوَازُ مُقَیَّدًا بِالضَّرُورَةِ لِأَنَّ لِلْحَدِیثِ حُکْمَ الرَّفْعِ لِأَنَّ الظَّاهِرَ اطِّلَاعُ النَّبِیِّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی ذَلِکَ مَعَ تَوَفُّرِ دَوَاعِی أَزْوَاجِهِ عَلَی السُّؤَالِ مِنْهُ عَنْ أَمْرِ الشَّرْعِ فَلَوْلَا أَنَّ ذَلِکَ کَانَ جَائِزًا لَمْ تُوَاظِبْ عَائِشَةُ عَلَیْهِ وَیُؤْخَذُ مِنْ حِرْصِهَا عَلَی ذَلِکَ فِی شَعْبَانَ أَنَّهُ لَا یَجُوزُ تَأْخِیرُ الْقَضَاءِ حَتَّی یَدْخُلَ رَمَضَانُ آخَرُ (فتح الباری لابنِ حجر، ج۴ص ۱۹۱، قَوْلُهُ بَابٌ مَتَی یُقْضَی قَضَاءُ رَمَضَانَ)

[۱] وَحَکَی الْقُدُورِیُّ عَنْ الْکَرْخِیِّ أَنَّهُ کَانَ یَقُولُ فِی قَضَاءِ رَمَضَانَ :إنَّهُ مُؤَقَّتٌ بِمَا بَیْنَ رَمَضَانَیْنِ .وَهَذَا غَیْرُ سَدِیدٍ بَلِ الْمَذْهَبُ عِنْدَ أَصْحَابِنَا أَنَّ وُجُوبَ الْقَضَاءِ لَا یَتَوَقَّتُ لِمَا ذَکَرْنَا أَنَّ الْأَمْرَ بِالْقَضَاءِ مُطْلَقٌ عَنْ تَعْیِینِ بَعْضِ الْأَوْقَاتِ دُونَ بَعْضٍ، فَیَجْرِی عَلَی إطْلَاقِهِ .وَلِهَذَا قَالَ أَصْحَابُنَا : إنَّهُ لَا یُکْرَهُ لِمَنْ عَلَیْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ أَنْ یَتَطَوَّعَ، وَلَوْ کَانَ الْوُجُوبُ عَلَی الْفَوْرِ لَکُرِهَ لَهُ التَّطَوُّعُ قَبْلَ الْقَضَاءِ لِأَنَّهُ یَکُونُ تَأْخِیرًا لِلْوَاجِبِ عَنْ وَقْتِهِ الْمَضِیقِ، وَإِنَّهُ مَکْرُوهٌ، وَعَلَی هَذَا قَالَ أَصْحَابُنَا :إنَّهُ إذَا أَخَّرَ قَضَاءَ رَمَضَانَ حَتَّی دَخَلَ رَمَضَانُ آخَرُ فَلَا فِدْیَةَ عَلَیْهِ(بدائع الصنائع، ج۲ ص ۱۰۴، فصل حکم الصوم المؤقت اذا فات عن وقته)

[۲] وَمن أفطر لشَیْء من الْعذر ثمَّ زَالَ الْعذر فَعَلَیهِ الْقَضَاء بِعَدَد الْأَیَّام الَّتِی یزُول عَنهُ الْعذر فِیهَا،وَلَیْسَ عَلَیْهِ قَضَاء مَا لم یزل الْعذر عَنهُ فِیهَا حَتَّی إِن الْمُسَافِر إِذا مَاتَ فِی السّفر وَالْمَرِیض قبل الْبُرْء لَا یجب عَلَیْهِمَا الْقَضَاء لِأَن الْعَاجِز لَا یُکَلف وَإِن أدْرکَا بِعَدَد مَا فاتهما یلْزمهُمَا الْقَضَاء وَإِذا مَاتَا قبل الْقَضَاء یجب عَلَیْهِمَا الْفِدْیَة(تحفة الفقهاء ج ۱ ص ۳۵۹، کتاب الصوم)

[۳] قَالَ :(وَقَضَاءُ رَمَضَانَ إنْ شَاءَ تَابَعَ وَإِنْ شَاءَ فَرَّقَ) لِأَنَّ قَوْله تَعَالَی :(فَعِدَّةٌ مِنْ أَیَّامٍ أُخَرَ)لَمْ یُشْرَطْ فِیهِ التَّتَابُعُ وَهُوَ أَفْضَلُ مُسَارَعَةً إلَی إسْقَاطِ الْفَرْضِ(الاختیار لتعلیل المختار، ج ۱ ص ۱۳۵، کتاب الصوم، فصل مایباح به الافطار)

بِخِلَافِ قَضَاءِ رَمَضَانَ حَیْثُ لَا تَعْیِینَ فِی وَقْتِهِ(درر الحکام شرح غرر الاحکام، ج ۱ ص ۱۹۸، کتاب الصوم)

(قَوْلُهُ :وَقَضَیَا مَا قَدَرَا بِلَا شَرْطِ وَلَاءٍ) أَیْ لَا یُشْتَرَطُ التَّتَابُعُ فِی الْقَضَاءِ لِإِطْلَاقِ قَوْله تَعَالَی (فَعِدَّةٌ مِنْ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۸...... قضا روزے میں صبح صادق ہونے سے پہلے پہلے روزے کی نیت کرنا ضروری ہے، اگر صبح صادق ہوجانے کے بعد نیت کی تو قضاء صحیح نہیں ہوئی بلکہ یہ روزہ نفل ہوگیا، قضا کا روزہ پھر رکھے، کفارے کے روزے کا بھی یہی حکم ہے کہ صبح صادق ہونے سے پہلے نیت کرنا چاہیے۔ [1]

مسئلہ نمبر۹...... قضا کے روزے میں دن تاریخ مقرر کرکے قضاء کی نیت کرنا مثلاً یہ کہ میں فلاں تاریخ کا روزہ قضا رکھ رہا ہوں، ضروری نہیں، بلکہ جتنے روزے قضا ہوں، اُتنے ہی روزے رکھ لینا کافی ہے۔

البتہ اگر دو رمضان کے کچھ کچھ روزے قضاء ہوگئے اس لئے دونوں سال کے روزوں کی قضا رکھنا ہے تو بعض مشائخ کے نزدیک سال کا مقرر کرنا ضروری ہے یعنی اس طرح نیت کرے کہ فلاں سال کے روزوں کی قضاء رکھتا ہوں۔

اور بعض کے نزدیک اس صورت میں بھی متعین کرنا ضروری نہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أَيَّامٍ أُخَرَ)وَالَّذِي فِي قِرَاءَةِ أُبَيٍّ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ مُتَتَابِعَةٍ غَيْرُ مَشْهُورٍ لَا يُزَادُ بِمِثْلِهِ بِخِلَافِ قِرَاءَةِ ابْنِ مَسْعُودٍ فِي كَفَّارَةِ الْيَمِينِ فَإِنَّهَا مَشْهُورَةٌ فَيُزَادُ كَذَا فِي النِّهَايَةِ وَالْكَافِي لَكِنِ الْمُسْتَحَبُّ التَّتَابُعُ وَأَشَارَ بِإِطْلَاقِهِ إلَى أَنَّ الْقَضَاءَ عَلَى التَّرَاخِي؛ لِأَنَّ الْأَمْرَ فِيهِ مُطْلَقٌ وَهُوَ عَلَى التَّرَاخِي كَمَا عُرِفَ فِي الْأُصُولِ وَمَعْنَى التَّرَاخِي عَدَمُ تَعَيُّنِ الزَّمَنِ الْأَوَّلِ لِلْفِعْلِ فَفِي أَيِّ وَقْتٍ شَرَعَ فِيهِ كَانَ مُمْتَثِلًا (البحرالرائق، ج۲ص۳۰۷، فصل فی عوارض المبيحة فی رمضان)

[1] (قَوْلُهُ :فَيَصِحُّ أَدَاءُ صَوْمِ رَمَضَانَ إلَخْ) قَيَّدَ بِالْأَدَاءِ؛ لِأَنَّ قَضَاءَ رَمَضَانَ وَقَضَاءَ النَّذْرِ الْمُعَيَّنِ أَوْ النَّفْلِ الَّذِي أَفْسَدَهُ يُشْتَرَطُ فِيهِ التَّبْيِيتُ وَالتَّعَيُّنُ كَمَا يَأْتِي فِي قَوْلِ الْمُصَنِّفِ وَالشَّرْطِ لِلْبَاقِي إلَخْ(ردالمحتار، ج۲ص۳۷۷، کتاب الصوم، سبب صوم رمضان)

[2] وَكَذَا صَوْمُ كَفَّارَةِ الْيَمِينِ مُتَتَابِعٌ فَهِيَ أَرْبَعَةٌ بِخِلَافِ قَضَاءِ رَمَضَانَ وَصَوْمِ الْمُتْعَةِ وَكَفَّارَةِ الْحَلْقِ وَكَفَّارَةِ جَزَاءِ الصَّيْدِ فَإِنَّهُ غَيْرُ مُتَتَابِعٍ، وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ كَفَّارَةٍ شُرِعَ فِيهَا عِتْقٌ فَإِنَّ صَوْمَهُ مُتَتَابِعٌ، وَمَا لَمْ يُشْرَعْ فِيهَا عِتْقٌ فَهُوَ مُخَيَّرٌ كَذَا فِي النِّهَايَةِ، وَإِذَا وَجَبَ عَلَيْهِ قَضَاءُ يَوْمَيْنِ مِنْ رَمَضَانَ وَاحِدٍ يَنْوِي أَوَّلَ يَوْمٍ وَجَبَ عَلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يَنْوِ جَازَ، وَإِنْ كَانَا مِنْ رَمَضَانَيْنِ يَنْوِي قَضَاءَ رَمَضَانَ الْأَوَّلِ، فَإِنْ لَمْ يَنْوِ ذَلِكَ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِيهِ،وَالصَّحِيحُ الْإِجْزَاءُ، وَلَوْ صَامَ الْفَقِيرُ إحْدَى وَسِتِّينَ لِلْكَفَّارَةِ، وَلَمْ يُعَيِّنْ الْيَوْمَ لِلْقَضَاءِ جَازَ ذَلِكَ كَذَا ذَكَرَهُ الْفَقِيهُ أَبُو اللَّيْثِ وَصَارَ كَأَنَّهُ نَوَى الْقَضَاءَ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر کسی کے ذمہ بہت سے رمضانوں کے روزے قضا ہیں، اوران کا سَن وغیرہ یاد نہیں، تو اس طرح نیت کرلیا کرے کہ مثلاً میرے ذمہ جتنے روزے قضا ہیں، ان میں سے سب سے پہلے روزہ کی قضا کرتا ہوں، ہر مرتبہ یہی نیت کرتا رہے، یہاں تک کہ اس کے ذمہ میں قضا شدہ روزوں کی تعداد مکمل ہوجائے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۰...... جتنے روزے ذمہ میں قضا ہیں، ان کی قضا کرتے وقت تعداد پوری کرنا ضروری ہے، اسی وجہ سے اگر کسی کے ذمہ مثلاً تیس روزے قضا ہیں، اوراس نے چاند کی یکم تاریخ سے روزوں کو قضا کرنا شروع کیا، پھر انتیس تاریخ کو چاند نظر آ گیا، اوراگلے دن دوسرا مہینہ شروع ہوگیا، تو اسے ایک روزہ اور رکھ کر تیس روزوں کی تعداد پوری کرنی ہوگی۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وَسِتِّينَ يَوْمًا عَنْ الْكَفَّارَةِ كَذَا فِي الْفَتَاوَى الظَّهِيرِيَّةِ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲، ص ۲۹۸، كِتَابُ الصَّوْمِ)

(قَوْلُهُ لَوْ مِنْ رَمَضَانَيْنِ) لِأَنَّ كُلَّ رَمَضَانَ سَبَبٌ لِصَوْمِهِ فَصَارَا كَظُهْرَيْنِ مِنْ يَوْمَيْنِ بِخِلَافِ صَوْمِ يَوْمَيْنِ مِنْ رَمَضَانَ وَاحِدٍ فَيَصِحُّ وَإِنْ لَمْ يُعَيِّنْ الْقَضَاء عَنْ الْيَوْمِ الْأَوَّلِ أَوْ الثَّانِي مِنْهُ(ردالمحتار، ج۲ص۷۷، باب سجود السهو)

[1] كَثُرَتْ الْفَوَائِتُ نَوَى أَوَّلَ ظُهْرٍ عَلَيْهِ أَوْ آخِرَهُ(الدر المختار)

(قَوْلُهُ كَثُرَتْ الْفَوَائِتُ إلَخْ) مِثَالُهُ :لَوْ فَاتَهُ صَلَاةُ الْخَمِيسِ وَالْجُمُعَةِ وَالسَّبْتِ فَإِذَا قَضَاهَا لَا بُدَّ مِنْ التَّعْيِينِ لِأَنَّ فَجْرَ الْخَمِيسِ مَثَلًا غَيْرُ فَجْرِ الْجُمُعَةِ، فَإِنْ أَرَادَ تَسْهِيلَ الْأَمْرِ، يَقُولُ أَوَّلَ فَجْرٍ مَثَلًا، فَإِنَّهُ إذَا صَلَّاهُ يَصِيرُ مَا يَلِيهِ أَوَّلًا أَوْ يَقُولُ آخِرَ فَجْرٍ، فَإِنَّ مَا قَبْلَهُ يَصِيرُ آخِرًا، وَلَا يَضُرُّهُ عَكْسُ التَّرْتِيبِ لِسُقُوطِهِ بِكَثْرَةِ الْفَوَائِتِ .وَقِيلَ لَا يَلْزَمُهُ التَّعْيِينُ أَيْضًا كَمَا فِي صَوْمِ أَيَّامٍ مِنْ رَمَضَانَ وَاحِدٍ، وَمَشَى عَلَيْهِ الْمُصَنِّفُ فِي مَسَائِلَ شَتَّى آخِرَ الْكِتَابِ تَبَعًا لِلْكَنْزِ وَصَحَّحَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ عَنْ الْمُنْيَةِ، لَكِنْ اسْتَشْكَلَهُ فِي الْأَشْبَاهِ وَقَالَ إنَّهُ مُخَالِفٌ لِمَا ذَكَرَهُ أَصْحَابُنَا كَقَاضِي خَانْ وَغَيْرِهِ وَالْأَصَحُّ الِاشْتِرَاطُ. اهـ.قُلْت :وَكَذَا صَحَّحَهُ فِي الْمُلْتَقَى هُنَاكَ، وَهُوَ الْأَحْوَطُ، وَبِهِ جَزَمَ فِي الْفَتْحِ كَمَا قَدَّمْنَاهُ فِي بَحْثِ النِّيَّةِ وَجَزَمَ بِهِ هُنَا صَاحِبُ الدُّرَرِ أَيْضًا .(قَوْلُهُ لَوْ مِنْ رَمَضَانَيْنِ) لِأَنَّ كُلَّ رَمَضَانَ سَبَبٌ لِصَوْمِهِ فَصَارَا كَظُهْرَيْنِ مِنْ يَوْمَيْنِ بِخِلَافِ صَوْمِ يَوْمَيْنِ مِنْ رَمَضَانَ وَاحِدٍ فَيَصِحُّ وَإِنْ لَمْ يُعَيِّنْ الْقَضَاء عَنْ الْيَوْمِ الْأَوَّلِ أَوْ الثَّانِي مِنْهُ (رد المحتار على الدر المختار، ج۲ص۷٦، كتاب الصلاة)

[2] وَقَدْ عُلِمَ مِنْ هَذَا أَنَّ مَنْ فَاتَهُ رَمَضَانُ وَكَانَ نَاقِصًا يَلْزَمُهُ قَضَاؤُهُ بِعَدَدِ الْأَيَّامِ، لَا شَهْرٌ كَامِلٌ وَلِهَذَا قَالَ فِي الْبَدَائِعِ قَالُوا فِيمَنْ أَفْطَرَ شَهْرًا بِعُذْرٍ ثَلَاثِينَ يَوْمًا ثُمَّ قَضَى شَهْرًا بِالْهِلَالِ فَكَانَ تِسْعَةً وَعِشْرِينَ أَنَّ عَلَيْهِ قَضَاء يَوْمٍ آخَرَ؛ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ عَدَدُ الْأَيَّامِ الَّتِي أَفْطَرَ فِيهَا دُونَ الْهِلَالِ؛ لِأَنَّ الْقَضَاء عَلَى قَدْرِ الْفَائِتِ، وَلَوْ صَامَ أَهْلُ مِصْرٍ تِسْعَةً وَعِشْرِينَ وَأَفْطَرُوا لِلرُّؤْيَةِ، وَفِيهِمْ مَرِيضٌ لَمْ يَصُمْ فَإِنْ عَلِمَ مَا صَامَ أَهْلُ مِصْرِهِ فَعَلَيْهِ قَضَاء تِسْعَةٍ وَعِشْرِينَ يَوْمًا، وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ صَامَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا؛ لِأَنَّهُ الْأَصْلُ وَالنُّقْصَانُ عَارِضٌ اهـ(البحرالرائق، ج۲ص۲۸۳، كتاب الصوم)

(۳)......رمضان کے روزہ کے فدیہ کے احکام

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ (سورة البقرة، آیت ۱۸۴)

ترجمہ: اور جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہیں ان پر ایک مسکین کے کھانے کا فدیہ ہے (سورہ بقرہ)

ابتداء میں جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے، اس وقت دو اختیار تھے، ایک یہ کہ کوئی روزہ رکھ لے، دوسرا یہ کہ کوئی روزہ کے بجائے فدیہ دے دے۔

لیکن بعد میں فدیہ کا حکم صرف ان لوگوں کے لئے برقرار رکھا گیا، جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كُنَّا فِيْ رَمَضَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ فَافْتَدٰى بِطَعَامِ مِسْكِيْنٍ، حَتّٰى أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رمضان میں ہم میں سے جو چاہے روزہ رکھتا، اور جو چاہے روزہ نہ رکھتا، اور اس کا ایک مسکین کے کھانے کے ذریعہ سے فدیہ دے دیتا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ جو شخص تم میں سے رمضان کے مہینہ کو پائے، تو اسے چاہئے کہ وہ اس مہینہ کا روزہ رکھے (بخاری، مسلم)

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

---

[1] رقم الحديث ۱۱۴۵ ''۱۵۰'' كتاب الصيام، باب بيان نسخ قوله تعالى وعلى الذين يطيقونه فدية، بقوله : فمن شهد منكم الشهر فليصمه، واللفظ لهٗ، بخاری، رقم الحديث ۴۵۰۷، سنن الترمذی، رقم الحديث ۷۹۸، سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۲۳۱۵.

أَمَّا أَحْوَالُ الصِّيَامِ: فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ، فَجَعَلَ يَصُوْمُ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَصِيَامَ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ، ثُمَّ إِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَيْهِ الصِّيَامَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ، إِلٰى هٰذِهِ الْآيَةِ: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ، فَكَانَ مَنْ شَاءَ صَامَ، وَمَنْ شَاءَ أَطْعَمَ مِسْكِيْنًا، فَأَجْزَأَ ذٰلِكَ عَنْهُ، ثُمَّ إِنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ الْآيَةَ الْأُخْرَى، شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ، إِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ، فَأَثْبَتَ اللّٰهُ صِيَامَهُ عَلَى الْمُقِيْمِ الصَّحِيْحِ، وَرَخَّصَ فِيْهِ لِلْمَرِيْضِ وَلِلْمُسَافِرِ، وَثَبَتَ الْإِطْعَامُ لِلْكَبِيْرِ الَّذِيْ لَا يَسْتَطِيْعُ الصِّيَامَ، فَهٰذَانِ حَوْلَانِ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: روزوں کا معاملہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے، تو آپ نے ہر مہینہ میں تین روزے اور عاشوراء (یعنی دس محرم) کے روزے رکھنے شروع کئے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر (رمضان کے) روزے فرض کئے، اور یہ آیت نازل فرمائی کہ اے لوگو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح سے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، اس آیت تک کہ جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہیں، ان پر ایک مسکین کے کھانے کا فدیہ ہے، پس جو شخص چاہتا روزہ رکھتا، اور جو چاہتا مسکین کو کھانا کھلا دیتا، اس کی طرف سے یہ کافی ہو جاتا تھا،

---

[1] رقم الحديث ۳۰۸۵، ج۲ص ۳۰۱، كتاب التفسير، واللفظ لهٗ، مسند أحمد، رقم الحديث ۲۲۱۲۴.

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ

وقال الذهبی فی التلخيص: صحيح.

فی حاشية مسند احمد: رجاله ثقات رجال الشيخين غير المسعودی -وهو عبد الرحمن بن عبد الله بن عتبة -فقد روى له البخارى استشهاداً وأصحاب السنن.

پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت نازل فرمائی کہ رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید نازل کیا گیا، اللہ تعالیٰ کے اس قول تک کہ جو تم میں سے رمضان کے مہینہ کو پائے، تو اسے چاہئے کہ اس کا روزہ رکھے، تو اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کو مقیم، صحت مند پر لازم فرمادیا، اور مریض اور مسافر کے لئے رخصت دے دی (کہ وہ بعد میں رکھ لے) اور کھانا کھلانا (وفدیہ دینا) اس بوڑھے شخص کے لئے ثابت رہا، جو روزوں کی (فی الحال اور آئندہ) طاقت نہیں رکھتا، پس یہ دو تبدیلیاں ہیں

(حاکم، مسند احمد)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورہ بقرہ کی اس آیت میں جو روزہ کے فدیہ کا حکم دیا گیا ہے، وہ ان بوڑھے اور مریضوں کے لئے ہے، جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتے، اور آئندہ بھی انہیں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو، لہٰذا یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی، اور اس کا حکم اپنی حالت پر برقرار ہے۔ [1]

بہر حال جو کچھ بھی ہو، شریعت کا اصل حکم یہ ہے کہ روزہ کا فدیہ دینے کی اجازت اسی بوڑھے یا بیمار شخص کو حاصل ہے، جو نہ تو فی الحال روزہ کی طاقت رکھتا ہو، اور نہ آئندہ اس روزہ کو قضا

---

[1] عَنُ ابُنِ عَبَّاسٍ، فِي قَوُلِهِ عَزَّ وَجَلَّ :(وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدُيَةٌ طَعَامُ مِسُكِينٍ) " يُطِيقُونَهُ :يُكَلَّفُونَهُ، فِدُيَةٌ :طَعَامُ مِسُكِينٍ وَاحِدٍ، فَمَنُ تَطَوَّعَ خَيُرًا طَعَامُ مِسُكِينٍ آخَرَ لَيُسَتُ بِمَنُسُوخَةٍ فَهُوَ خَيُرٌ لَهُ، وَأَنُ تَصُومُوا خَيُرٌ لَكُمُ، لَا يُرَخَّصُ فِي هَذَا إِلَّا لِلَّذِي لَا يُطِيقُ الصِّيَامَ أَوُ مَرِيضٍ لَا يُشُفَى (سنن النسائى، رقم الحديث ٢٣١٧)

عَنِ ابُنِ عَبَّاسٍ ,فِي قَوُلِهِ (وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدُيَةٌ طَعَامُ مِسُكِينٍ) ،قَالَ :يُطِيقُونَهُ يُكَلَّفُونَهُ فِدُيَةٌ طَعَامُ مِسُكِينٍ وَاحِدٍ ,(فَمَنُ تَطَوَّعَ خَيُرًا) فَزَادَ مِسُكِينًا آخَرَ لَيُسَتُ بِمَنُسُوخَةٍ (فَهُوَ خَيُرٌ لَهُ وَأَنُ تَصُومُوا خَيُرٌ لَكُمُ)فَلَا يُرَخَّصُ فِي هَذَا إِلَّا لِلُكَبِيرِ الَّذِي لَا يُطِيقُ الصِّيَامَ أَوُ مَرِيضٍ يَعُلَمُ أَنَّهُ لَا يُشُفَى ."وَهَذَا الُإِسُنَادُ صَحِيحٌ(سنن الدارقطنى، رقم الحديث ٢٣٧٨)

عَنِ ابُنِ عَبَّاسٍ ,قَرَأَ (وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدُيَةٌ طَعَامُ مِسُكِينٍ)يَقُولُ :هُوَ الشَّيُخُ الُكَبِيرُ الَّذِي لَا يَسُتَطِيعُ الصِّيَامَ فَيُفُطِرُ وَيُطُعِمُ عَنُ كُلِّ يَوُمٍ مِسُكِينًا نِصُفَ صَاعٍ مِنُ حِنُطَةٍ(سنن الدارقطنى، رقم الحديث ٢٣٧٨)

کر کے رکھنے کی قدرت حاصل ہو۔ [1]

اب روزہ کے فدیہ کے سلسلہ میں چند مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر ۱...... جس مسلمان میں روزہ واجب ہونے کی شرائط تو پائی جائیں، لیکن وہ کسی عذر کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو، تو اسے قدرت حاصل ہونے پر روزہ کی قضا کرنی چاہئے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

لیکن جس مسلمان کو آئندہ روزہ رکھنے کی بھی قدرت حاصل نہ ہو، مثلاً وہ اتنا بوڑھا ہے کہ نہ تو اب روزہ رکھنے کی قدرت ہے، اور نہ ہی آئندہ روزہ رکھنے کی قدرت حاصل ہونے کا ظاہری طور پر امکان ہے۔

یا مثلاً کسی کو ایسی بیماری لاحق ہے کہ اس میں روزہ رکھنے کی اسے قدرت حاصل نہیں، اور اس بیماری کے آئندہ زائل وختم ہونے کا بھی ظاہری طور پر امکان نہیں، تو ایسے مسلمان کو روزہ کے بدلہ میں فدیہ دینے کا حکم ہے۔ [2]

---

[1] وَاتَّفَقَتْ هَذِهِ الْأَخْبَارُ عَلَى أَنَّ قَوْلَهُ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فدية مَنْسُوخ وَخَالف فِي ذَلِك ابن عَبَّاسٍ فَذَهَبَ إِلَى أَنَّهَا مُحْكَمَةٌ لَكِنَّهَا مَخْصُوصَةٌ بِالشَّيْخِ الْكَبِيرِ وَنَحْوِهِ وَسَيَأْتِي بَيَانُ ذَلِكَ وَالْبَحْثُ فِيهِ فِي كِتَابِ التَّفْسِيرِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى حَيْثُ ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ مِنْ تَفْسِيرِ الْبَقَرَةِ(فتح الباری ، ج۴ص۱۸۸ ، قَوْلُهُ بَابُ قَوْلِهِ تعَالَى وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فدية طَعَام مِسْكين)

[2] (قَوْلُهُ وَلِلشَّيْخِ الْفَانِي) أَيْ الَّذِي فَنِيَتْ قُوَّتُهُ أَوْ أَشْرَفَ عَلَى الْفِنَاءِ، وَلِذَا عَرَّفُوهُ بِأَنَّهُ الَّذِي كُلَّ يَوْمٍ فِي نَقْصٍ إلَى أَنْ يَمُوتَ نَهْرٌ، وَمِثْلُهُ مَا فِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنْ الْكَرْمَانِيِّ: الْمَرِيضُ إذَا تَحَقَّقَ الْيَأْسُ مِنْ الصِّحَّةِ فَعَلَيْهِ الْفِدْيَةُ لِكُلِّ يَوْمٍ مِنْ الْمَرَضِ اهـ (رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص۴۲۷، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

(قَوْلُهُ وَلَا فِدْيَةٍ وَصَوْمٍ) فَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ الصَّوْمُ لَا تَلْزَمُهُ فِدْيَةٌ، وَمَنْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ الْفِدْيَةُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الصَّوْمُ مَا دَامَ عَاجِزًا، أَمَّا إذَا قَدَرَ فَإِنَّهُ يَصُومُ، لَكِنْ لَا يَبْقَى مَا أَدَّاهُ فِدْيَةً؛ لِأَنَّ شَرْطَهَا الْعَجْزُ الدَّائِمُ فَلَا جَمْعَ أَفَادَهُ ط(رد المحتار على الدر المختار، ج۱،ص۲۵۹، کتاب الطهارة، باب التيمم)

وَاعْلَمْ أَنَّ صِحَّةَ الْفِدْيَةِ فِي الصَّوْمِ لِلْفَانِي مَشْرُوطَةٌ بِاسْتِمْرَارِ عَجْزِهِ إلَى الْمَوْتِ .فَلَوْ قَدَّرَ قَبْلَهُ قَضَى كَمَا سَيَأْتِي فِي كِتَابِ الصَّوْمِ .اهـ .ح.(رد المحتار على الدر المختار، ج۱،ص۳۵۵، کتاب الصلاة)

مسئلہ نمبر۲......بعض لوگ خاص طور پر جو مالدار ہوتے ہیں وہ روزہ رکھنے کے بجائے اس کا فدیہ دے دیتے ہیں، جب کہ ان کو روزہ رکھنے کی طاقت ہوتی ہے، روزے کا فدیہ اس طرح ادانہیں ہوتا، کیونکہ جب تک روزہ رکھنے کی طاقت ہو اس وقت تک فدیہ کی ادائیگی معتبرنہیں، بلکہ روزہ رکھنا ہی ضروری ہے۔

یہاں تک کہ اگر کوئی رمضان میں گرمی کی شدت کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادرنہیں، لیکن رمضان گزرنے کے بعد سردیوں کے موسم میں روزہ رکھنے پر قادر ہے، تو اس کو سردیوں کے موسم میں روزہ کی قضا کرنا ضروری ہے، مگر فدیہ دینا اس کو بھی جائزنہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر۳......ایک روزہ کا فدیہ ایک صدقۂ فطر کے برابر ہے۔ [۲]

اور تیس روزوں کا فدیہ تیس صدقۂ فطر کے برابر ہے۔

پس جتنی مقدار ایک صدقۂ فطر کی ہے، اتنی ہی مقدار ایک روزہ کے فدیہ کی بھی ہے، اور جتنی مقدار تیس فطرانوں کی ہے، اتنی ہی مقدار تیس روزوں کے فدیہ کی ہے۔

البتہ روزہ کے فدیہ میں یہ بھی جائز ہے کہ کوئی صدقۂ فطر کے برابر نقدی یا غلہ دینے کے

---

[۱] أَمَّا لَوُ لَمُ يَقُدِرُ عَلَيُهِ لِشِدَّةِ الُحَرِّ كَانَ لَهُ أَنُ يُفُطِرَ وَيَقُضِيَهُ فِى الشِّتَاءِ فَتُحٌ(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص۴۲۷، كتاب الصلاة)

[۲] حَدَّثَنَا عَبُدُ الرَّحُمَنِ بُنُ الْأَصُبَهَانِيِّ قَالَ :سَمِعُتُ عَبُدَ اللهِ بُنَ مَعُقِلٍ، قَالَ قَعَدُتُ إِلَى كَعُبِ بُنِ عُجُرَةَ فِى هَذَا الُمَسُجِدِ، فَسَأَلُتُهُ عَنُ هَذِهِ الُآيَةِ، فَذَكَرَ الُحَدِيثَ وَقَالَ " :أَطُعِمُ سِتَّةَ مَسَاكِينَ كُلَّ مِسُكِينٍ نِصُفَ صَاعٍ مِنُ طَعَامٍ(مسند أحمد، رقم الحديث ۱۸۱۱۱)

فى حاشية مسند احمد:إسناده صحيح على شرط الشيخين.

وقد روى عن ابن عباس وقيس ابن السَّائِبِ الَّذِى كَانَ شَرِيكَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ فِى الُجَاهِلِيَّةِ وَعَائِشَةَ وَأَبِى هريرة وسعيد ابن الُمُسَيِّبِ فِى الشَّيُخِ الُكَبِيرِ أَنَّهُ يُطُعِمُ عَنُ كُلِّ يَوُمٍ نِصُفَ صَاعِ بُرٍّ وَأَوُجَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ عَلَى كَعُبِ ابُنِ عُجُرَةَ إطُعَامَ سِتَّةِ مَسَاكِينَ كُلَّ مِسُكِينٍ نِصُفُ صَاعِ بُرٍّ وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ تَقُدِيرَ فِدُيَةِ الصَّوُمِ بِنِصُفِ صَاعٍ أَوُلَى مِنُهُ بِالُمُدِّ لِأَنَّ التَّخُيِيرَ فِى الُأَصُلِ قَدُ تَعَلَّقَ بَيُنَ الصَّوُمِ وَالُفِدُيَةِ فِى كُلِّ وَاحِدٍ مِنُهُمَا وَقَدُ رُوِىَ عَنُ ابُنِ عُمَرَ وَجَمَاعَةٍ مِنُ التَّابِعِينَ عَنُ كُلِّ يَوُمٍ مُدٌّ وَالُأَوَّلُ أَوُلَى لِمَا رَوَيُنَاهُ عَنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ(أحكام القرآن للجصاص، ج۱،ص۲۲۲، أحكام سُورَةِ الُبَقَرَةِ)

بجائے غریب کو دو وقت کا پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے، ایسی صورت میں غریب دو وقت میں جتنا بھی کھانا کھالے، خواہ وہ زیادہ ہو یا تھوڑا، تو وہ ایک روزہ کا فدیہ بن جائے گا۔ [1]

---

[1] صدقۂ فطر اور روزہ کے فدیہ میں یہ فرق ہے کہ صدقۂ فطر میں تملیک ضروری ہے، اور فدیہ میں اباحت بھی کافی ہے، اور کھانا کھلانے کی صورت میں صدقۂ فطر کی مقدار کی رعایت ضروری نہیں، بلکہ دو وقت پیٹ بھر کر کھلانا اس کے قائم مقام ہے۔

رُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ وَعُمَرَ وَعَائِشَةَ وَسَعِیدِ بْنِ الْمُسَیِّبِ وَسَعِیدِ بْنِ جُبَیْرٍ وَإِبْرَاهِیمَ وَمُجَاهِدٍ وَالْحَسَنِ فِی كَفَّارَةِ الْیَمِینِ كُلُّ مِسْكِینٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ.

وَقَالَ عُمَرُ وَعَائِشَةُ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ وَهُوَ قَوْلُ أَصْحَابِنَا إِذَا أَعْطَاهُمْ الطَّعَامَ تَمْلِیكًا وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ عُمَرَ وَزَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَعَطَاءٌ فِی آخَرِینَ مُدٌّ مِنْ بُرٍّ لِكُلِّ مِسْكِینٍ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ والشافعی وَاخْتُلِفَ فِی الْإِطْعَامِ مِنْ غَیْرِ تَمْلِیكٍ فَرُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ وَمُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ وَالْقَاسِمِ وَسَالِمٍ وَالشَّعْبِیِّ وَإِبْرَاهِیمَ وَقَتَادَةَ یُغَدِّیهِمْ وَیُعَشِّیهِمْ وَهُوَ قَوْلُ أَصْحَابِنَا وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَالثَّوْرِیِّ وَالْأَوْزَاعِیِّ(أحكام القرآن للجصاص، ج۴،ص۱۱۷،سورة المائدة،بَابُ الْأَیْمَانِ)

وَأَرَادَ بِتَشْبِیهِهِ بِالْفِطْرَةِ كَالْكَفَّارَةِ التَّشْبِیهَ مِنْ جِهَةِ الْمِقْدَارِ بِأَنْ یُطْعِمَ عَنْ صَوْمِ كُلِّ یَوْمٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ زَبِیبٍ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِیرٍ لا التَّشْبِیهَ مُطْلَقًا؛ لِأَنَّ الْإِبَاحَةَ كَافِیَةٌ هُنَا وَلِهَذَا عَبَّرَ بِالْإِطْعَامِ دُونَ الْإِیتَاءِ دُونَ صَدَقَةِ الْفِطْرِ فَإِنَّ الرُّكْنَ فِیهَا التَّمْلِیكُ وَلَا تَكْفِی الْإِبَاحَةُ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج۲،ص۳۰۶،باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

(قَوْلُهُ وَلِلشَّیْخِ الْفَانِی وَهِیَ یَفْدِی فَقَطْ) أَیْ لَهُ الْفِطْرُ وَعَلَیْهِ الْفِدْیَةُ وَلَیْسَتْ عَلَى غَیْرِهِ مِنْ الْمَرِیضِ وَالْمُسَافِرِ وَالْحَامِلِ وَالْمُرْضِعِ لِعَدَمِ وُرُودِ نَصٍّ فِیهِمْ وَوُرُودِهِ فِی الشَّیْخِ الْفَانِی وَهُوَ الَّذِی كُلَّ یَوْمٍ فِی نَقْصٍ إلَى أَنْ یَمُوتَ وَسُمِّیَ بِهِ إمَّا؛ لِأَنَّهُ قَرُبَ مِنْ الْفَنَاءِ أَوْ؛ لِأَنَّهُ فَنِیَتْ قُوَّتُهُ وَإِنَّمَا لَزِمَتْهُ بِاعْتِبَارِ شُهُودِهِ لِلشَّهْرِ حَتَّى لَوْ تَحَمَّلَ الْمَشَقَّةَ وَصَامَ كَانَ مُؤَدِّیًا وَإِنَّمَا أُبِیحَ لَهُ الْفِطْرُ لِأَجْلِ الْحَرَجِ وَعُذْرُهُ لَیْسَ بِعَرَضِ الزَّوَالِ حَتَّى یُصَارَ إلَى الْقَضَاءِ فَوَجَبَ الْفِدْیَةُ لِكُلِّ یَوْمٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ زَبِیبٍ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِیرٍ كَصَدَقَةِ الْفِطْرِ لَكِنْ یَجُوزُ هُنَا طَعَامُ الْإِبَاحَةِ أَكْلَتَانِ مُشْبِعَتَانِ بِخِلَافِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ كَمَا قَدَّمْنَاهُ كَذَا فِی فَتْحِ الْقَدِیرِ وَفَتَاوَى قَاضِی خَانْ وَفِی مِعْرَاجِ الدِّرَایَةِ وَلَا یَجُوزُ فِی الْفِدْیَةِ الْإِبَاحَةُ؛ لِأَنَّهَا تنبئ عَنْ تَمْلِیكٍ .اهـ.(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج۲،ص۳۰۸،باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

ثُمَّ الْإِطْعَامُ عِنْدَنَا یُقَدَّرُ بِنِصْفِ صَاعٍ لِكُلِّ مِسْكِینٍ وَعِنْدَهُ یُقَدَّرُ بِالْمُدِّ وَأَصْلُ الْخِلَافِ فِی طَعَامِ الْكَفَّارَةِ وَنَحْنُ نَقِیسُهُ عَلَى صَدَقَةِ الْفِطْرِ بِعِلَّةِ أَنَّهُ أَوْجَبَ كِفَایَةً لِلْمِسْكِینِ فِی یَوْمِهِ(المبسوط للسرخسی،ج۳،ص۹۰،كِتَابُ الصَّوْمِ)

الْإِبَاحَةُ بِالتَّغْذِیَةِ وَالتَّعْشِیَةِ وَالْقِیمَةُ فِی ذَلِكَ جَائِزٌ(الجوهرة النیرة،ج۱،ص۱۴۳،كِتَابُ الصَّوْمِ)

یعطی لكل یوم نصف صاع من الحنطة ویجوز فیها ما یجوز فی صدقة الفطر إلا أن فی الفدیة یجوز طعام الإباحة أكلتان مشبعتان ولا یجوز ذلك فی صدقة الفطر ومن وجب علیه كفارة الیمین أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... ایک روزہ کا فدیہ ایک صدقۂ فطر کے برابر ہے، جو کہ وزن کے اعتبار سے بھی جائز ہے، اور قیمت کے اعتبار سے بھی۔

وزن کے اعتبار سے چار قسم کی چیزوں میں سے کسی ایک چیز سے صدقۂ فطر اور روزہ کا فدیہ ادا کرنا جائز ہے، اور وہ چار چیزیں یہ ہیں:

(۱)...... ایک صاع کشمش (۲)...... ایک صاع کھجور (یا چھوارا)

(۳)...... ایک صاع جَو (۴)...... آدھا صاع گندم (یا گیہوں)

صاع عرب میں اُس زمانے میں ناپنے کے پیمانے تھے، ایک صاع چار مُد کا اور آدھا صاع دو مُد کا ہوتا تھا۔ [۱]

ہمارے مروّجہ وزن کے لحاظ سے آدھا صاع اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق پونے دو سیر (یعنی ایک کلو چھ سو تینتیس گرام) کے وزن کے برابر اور ایک صاع اس وزن کا دوگنا یعنی ساڑھے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

القتل إذا لم يجد ما يكفر به وهو شيخ كبير ولم يصم حتى صار شيخاً فانياً لأن الصوم هنا بدل عن غيره ولهذا لا يجوز المصير إلى الصوم إلا عند العجز عن التكفير بالمال(فتاوى قاضى خان،ج ۱،ص ۱۵۲،كتاب الصوم)

والفدية أن يطعم لكل يَوْم مِسْكينا بِقدر مَا يجب فِي صَدَقَة الْفطر (تحفة الفقهاء ج ۱ ص ۳۵۹،كتاب الصوم)

وَمِقْدَارُ الْفِدْيَةِ مِقْدَارُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ، وَهُوَ أَنْ يُطْعِمَ عَنْ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا مِقْدَارَ مَا يُطْعِمُ فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ .وَقَدْ ذَكَرْنَا ذَلِكَ فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ وَذَكَرْنَا الِاخْتِلَافَ فِيهِ(بدائع الصنائع،ج۲ص۹۷، فصل فى حكم فساد الصوم)

(قَوْلُهُ وَالشَّيْخُ الْفَانِي الَّذِي لَا يَقْدِرُ عَلَى الصَّوْمِ يُفْطِرُ وَيُطْعِمُ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ كَمَا يُطْعِمُ فِي الْكَفَّارَاتِ) الْفَانِي الَّذِي قَرُبَ إلَى الْفَنَاءِ أَوْ فَنِيَتْ قُوَّتُهُ وَكَذَا الْعَجُوزُ مِثْلُهُ.

فَإِنْ قُلْت مَا الْحَاجَةُ إلَى قَوْلِهِ كَمَا يُطْعِمُ فِي الْكَفَّارَاتِ وَقَدْ ذَكَرَ قَدْرَ الْإِطْعَامِ قُلْت يُفِيدَانِ الْإِبَاحَةَ بِالتَّغْذِيَةِ وَالتَّعْشِيَةِ وَالْقِيمَةُ فِي ذَلِكَ جَائِزٌ(الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۴۳، كتاب الصوم)

وَيَجُوزُ فِي الْفِدْيَةِ طَعَامُ الْإِبَاحَةِ أَكْلَتَانِ مُشْبِعَتَانِ بِخِلَافِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ لِلتَّنْصِيصِ عَلَى الصَّدَقَةِ فِيهَا، وَالْإِطْعَامِ فِي الْفِدْيَةِ(فتح القدير، ج۲ ص۳۵۷،كِتَابُ الصَّوْمِ،فَصْلٌ كَانَ مَرِيضًا فِي رَمَضَانَ فَخَافَ إنْ صَامَ ازْدَادَ مَرَضُهُ)

[۱] قلت :وأَجْمَعُوا على أَنَّ الصَّاعَ أَرْبَعَةُ أَمداد (شرح النقاية،فصلٌ صَدَقَةُ الفِطْرِ)

تین سیر (یعنی تین کلو اور دوسو چھیاسٹھ گرام) کے وزن کے برابر ہوتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۵...... جن چار اشیاء کا ذکر کیا گیا (یعنی ایک صاع کشمش، یا ایک صاع کھجور وچھوارا، یا ایک صاع جَو، یا آدھا صاع گندم) اُن میں سے کسی بھی چیز کو بعینہٖ یا اُن میں سے کسی ایک چیز کی قیمت کو ادا کرنا درست ہے۔

اور ان میں سے کسی چیز کی قیمت نقد کی صورت میں ادا کرنا اس لحاظ سے بہتر ہے کہ اس سے غریب ومستحق کی ہر قسم کی ضرورت پوری ہوسکتی ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۶...... اگر مذکورہ چار چیزوں میں سے کوئی چیز دینا چاہے تو اس میں خاص وزن کی پابندی ہے۔ لیکن ان چار چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز دینا چاہے یا نقد رقم دینا چاہے تو مذکورہ چار چیزوں میں سے کسی بھی ایک چیز کے مذکورہ وزن کی مالیت کو بنیاد بنایا جائے گا۔ [3]

---

[1] جبکہ بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق آدھا صاع سوادوسیر (یعنی دوکلو سوگرام) کا اور ایک صاع اس مذکورہ وزن کا دوگنا یعنی ساڑھے چار سیر (یعنی چار کلو دوسو گرام) کا ہوتا ہے، لیکن اکثر حضرات کا فتویٰ اوپر والے قول پر ہے۔

[2] وهى نصف صاع من بر أو دقيقه أو صاع تمر أو زبيب أو شعير وهو ثمانية أرطال بالعراقى ويجوز دفع القيمة وهى أفضل عند وجدان ما يحتاجه لأنها أسرع لقضاء حاجة الفقير(مراقى الفلاح شرح نورالايضاح، ص ۲۷۳، باب صدقة الفطر)

(ودفع القيمة) أى الدراهم (أفضل من دفع العين على المذهب) المفتى به جوهرة وبحر عن الظهيرية وهذا فى السعة، أما فى الشدة فدفع العين أفضل كما لا يخفى(الدرالمختار)

(قوله :ودفع القيمة) أطلقها فشمل قيمة الحنطة وغيرها خلافا لمحمد .قال فى التتارخانية عن المحيط :وإذا أراد أن يعطى قيمة الحنطة أو الشعير أو التمر يؤدى قيمة أى الثلاث شاء عندهما وقال محمد يؤدى قيمة الحنطة (قوله :أى الدراهم) اقتصر على الدراهم تبعا للزيلعى لبيان أنها الأفضل عند إرادة دفع القيمة؛ لأن العلة فى أفضلية القيمة كونها أعون على دفع حاجة الفقير لاحتمال أنه يحتاج غير الحنطة مثلا من ثياب ونحوها بخلاف دفع العروض، وعلى هذا فالمراد بالدراهم ما يشمل الدنانير تأمل (قوله على المذهب المفتى به) مقابله ما فى المضمرات من أن دفع الحنطة أفضل فى الأحوال كلها، سواء كانت أيام شدة أم لا؛ لأن فى هذا موافقة السنة وعليه الفتوى منح فقد اختلف الإفتاء ط (قوله :وهذا) أى كون دفع القيمة أفضل (قوله كما لا يخفى) يوهم أنه بحث منه مع أنه عزاه فى التتارخانية إلى محمد بن سلمة وقال فى النهر وهو حسن(ردالمحتار، ج۲ ص ۳۶۶، ۳۶۷، باب صدقة الفطر)

[3] وإن أراد الأداء من سائر الحبوب أعطى باعتبار القيمة وقد بينا جواز أداء القيمة عندنا،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ اگر کوئی ایک صاع کشمش کے بجائے اس کی قیمت دینا چاہے، تو بازار میں جتنی رقم کی ایک صاع کشمش آتی ہے، اتنی رقم ادا کرے، اور اگر کھجور کے بجائے اس کی قیمت دینا چاہے تو بازار میں جتنی رقم کی ایک صاع کھجور آتی ہے، اتنی رقم ادا کردے، اور اگر جَو سے ادا کرنا چاہے، تو بازار میں جتنی رقم کا ایک صاع جَو آتا ہے، اتنی رقم ادا کردے۔

اور اگر گندم کے بجائے اس کی قیمت دینا چاہے تو جتنی رقم کی آدھا صاع گندم آتی ہے، اتنی رقم ادا کردے۔

مسئلہ نمبر ۷...... اگر کوئی شخص چار چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعہ سے فدیہ ادا کرنا چاہے، مثلاً چاول، کپڑے، یا کسی دوسری ضرورت کی چیز سے، تو یہ بھی جائز ہے، مگر اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اتنی مالیت ومقدار کی چیز سے ادا کیا جائے کہ اس کی مقدار پیچھے بیان کردہ چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی مالیت کے برابر ہوجائے۔ [1]

(مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام'' میں صدقۂ فطر کی بحث ملاحظہ فرمائیں)

مسئلہ نمبر ۸...... اگر کوئی ایک روزہ کا فدیہ ایک سے زیادہ غریبوں کو دے، تو جائز ہے، اگرچہ افضل یہ ہے کہ ایک روزہ کا فدیہ ایک سے زیادہ غریبوں کو نہ دیا جائے۔

اور ایک شخص کے ایک سے زیادہ روزوں کا فدیہ ایک غریب کو ایک ہی وقت میں دے دینے کے جائز ہونے میں اختلاف ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهذا؛ لأنه ليس في سائر الحبوب نص على التقدير فالتقدير بالرأى لا يكون وكذا من الأقط يؤدى باعتبار القيمة عندنا(المبسوط للسرخسي، ج۳ص ۱۱۴، كتاب الصوم، باب صدقة الفطر)

واما الاقط فتعتبر فيه القيمة لايجزئ الا باعتبار القيمة (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۷۲، ۷۳،فصل بيان جنس الواجب وقدره وصفة فى صدقة الفطر)

[1] وما لم ينص عليه كذرة وخبز تعتبر فيه القيمة وصدقة الفطر كالزكاة فى المصارف(حاشية الطحطاوى على المراقى، ص ۷۲۴، باب صدقة الفطر)

(قوله :وخبز) عدم جواز دفعه إلا باعتبار القيمة هو الصحيح لعدم ورود النص به فكان كالذرة وغيرها من الحبوب التى لم يرد بها نص وكالأقط بحر(ردالمحتار، ج ۲ ص ۳۶۵، باب صدقة الفطر)

اس لئے احتیاط یہ ہے کہ کئی روزوں کا فدیہ اکٹھا ایک شخص کو ایک وقت میں نہ دے۔ البتہ اگر کسی نے اس طرح دے دیا، تو اس کی ادائیگی درست ہو جائے گی۔ [1]

مسئلہ نمبر۹ ...... جب کسی شخص کو روزہ کا فدیہ دینا جائز ہو، تو اس کو جس طرح یہ جائز ہے کہ وہ ہر دن کے روزہ کا فدیہ ساتھ ساتھ دیتا رہے، اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ وہ رمضان شروع ہونے کے بعد اس مہینے کے آنے والے دنوں کے روزے کا فدیہ دے دے۔

---

[1] وَعَنْ أَبِی یُوسُفَ لَوْ أَعْطَی نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ عَنْ یَوْمٍ وَاحِدٍ لِمَسَاكِينَ يَجُوزُ قَالَ الْحَسَنُ وَبِهِ نَأْخُذُ وَإِنْ أَعْطَى مِسْكِينًا صَاعًا عَنْ يَوْمَيْنِ فَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رِوَايَتَانِ وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لَا يُجْزِئُهُ كَالْإِطْعَامِ فِي كَفَّارَةِ الْيَمِينِ وَفِي الْفَتَاوَى الظَّهِيرِيَّةِ اسْتِشْهَادًا لِكَوْنِ الْبَدَلِ لَا بَدَلَ لَهُ وَذَكَرَ الصَّدْرُ الشَّهِيدُ إذَا كَانَ جَمِيعُ رَأْسِهِ مَجْرُوحًا فَرَبَطَ الْجَبِيرَةَ لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ أَنْ يَمْسَحَ عَلَى الْجَبِيرَةِ؛ لِأَنَّ الْمَسْحَ بَدَلٌ عَنْ الْغُسْلِ وَالْبَدَلُ لَا بَدَلَ لَهُ وَقَالَ غَيْرُهُ عَلَيْهِ أَنْ يَمْسَحَ؛ لِأَنَّ الْمَسْحَ هُنَا أَصْلٌ مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ لَا بَدَلٌ عَنْ غَيْرِهِ اهـ.(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲، ص ۳۰۹، باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

(وَلِلشَّيْخِ الْفَانِي الْعَاجِزِ عَنْ الصَّوْمِ الْفِطْرُ وَيَفْدِي) وُجُوبًا وَلَوْ فِي أَوَّلِ الشَّهْرِ وَبِلَا تَعَدُّدِ فَقِيرٍ كَالْفِطْرَةِ(الدر المختار)

(قَوْلُهُ وَبِلَا تَعَدُّدِ فَقِيرٍ) أَيْ بِخِلَافِ نَحْوِ كَفَّارَةِ الْيَمِينِ لِلنَّصِّ فِيهَا عَلَى التَّعَدُّدِ، فَلَوْ أَعْطَى هُنَا مِسْكِينًا صَاعًا عَنْ يَوْمَيْنِ جَازَ لَكِنْ فِي الْبَحْرِ عَنْ الْقُنْيَةِ أَنَّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ فِيهِ رِوَايَتَيْنِ وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لَا يُجْزِيهِ كَمَا فِي كَفَّارَةِ الْيَمِينِ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ لَوْ أَعْطَى نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ عَنْ يَوْمٍ وَاحِدٍ لِمَسَاكِينَ يَجُوزُ قَالَ الْحَسَنُ وَبِهِ نَأْخُذُ اهـ وَمِثْلُهُ فِي الْقُهُسْتَانِيِّ(رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۴۲۷)

(وَجَازَ دَفْعُ كُلِّ شَخْصٍ فِطْرَتَهُ إلَى) مِسْكِينٍ أَوْ (مَسَاكِينَ عَلَى) مَا عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ وَبِهِ جَزَمَ فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ وَالْخَانِيَّةِ وَالْبَدَائِعِ وَالْمُحِيطِ وَتَبِعَهُمْ الزَّيْلَعِيُّ فِي الظِّهَارِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرِ خِلَافٍ وَصَحَّحَهُ فِي الْبُرْهَانِ فَكَانَ هُوَ (الْمَذْهَبَ) كَتَفْرِيقِ الزَّكَاةِ وَالْأَمْرُ فِي حَدِيثِ "أَغْنُوهُمْ" لِلنَّدْبِ فَيُفِيدُ الْأَوْلَوِيَّةَ، وَلِذَا قَالَ فِي الظَّهِيرِيَّةِ: لَا يُكْرَهُ التَّأْخِيرُ أَيْ تَحْرِيمًا (كَمَا جَازَ دَفْعُ صَدَقَةِ جَمَاعَةٍ إلَى مِسْكِينٍ وَاحِدٍ بِلَا خِلَافٍ(الدر المختار مع شرحه ردالمحتار، ج۲ ص۳۶۷، باب صدقة الفطر)

(قَوْلُهُ: وَوَجَبَ دَفْعُ كُلِّ شَخْصٍ . . . إلَخْ) ظَاهِرُهُ أَنَّ الْمُرَادَ بِهِ اللُّزُومُ لِمُقَابَلَتِهِ بِقَوْلِهِ حَتَّى لَوْ فَرَّقَ إلَى فَقِيرَيْنِ لَمْ يَجُزْ (قَوْلُهُ: لَكِنَّ الْأَوْلَى هُوَ الْأَوَّلُ) يَعْنِي عَلَى قَوْلِ الْكَرْخِيِّ وَالصَّحِيحُ قَوْلُ الْكَرْخِيِّ لِمَا قَالَ فِي الْبُرْهَانِ وَيَجُوزُ دَفْعُ صَدَقَةٍ وَاحِدَةٍ لِجَمْعٍ مِنْ الْفُقَرَاءِ لِوُجُودِ الدَّفْعِ إلَى الْمَصْرِفِ عَلَى الصَّحِيحِ .اهـ.وَقَالَ فِي الْبَحْرِ صَرَّحَ الْوَلْوَالِجِيُّ وَقَاضِي خَانْ وَصَاحِبُ الْمُحِيطِ وَالْبَدَائِعِ بِجَوَازِ تَفْرِيقِ الْفِطْرَةِ الْوَاحِدَةِ عَلَى مَسَاكِينَ مِنْ غَيْرِ ذِكْرِ خِلَافٍ فَكَانَ هُوَ الْمَذْهَبَ كَجَوَازِ تَفْرِيقِ الزَّكَاةِ، وَأَمَّا الْحَدِيثُ الْمَأْمُورُ فِيهِ بِالْإِغْنَاءِ فَيُفِيدُ الْأَوْلَوِيَّةَ وَقَدْ نَقَلَ فِي التَّبْيِينِ الْجَوَازَ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ فِي بَابِ الظِّهَارِ اهـ.(قَوْلُهُ: وَيَجُوزُ دَفْعُ مَا يَجِبُ عَلَى جَمَاعَةٍ إلَى فَقِيرٍ وَاحِدٍ . . . إلَخْ)أَقُولُ هَذَا عَلَى الصَّحِيحِ،لِأَنَّ الْفَقِيرَ بِالنِّسْبَةِ إلَى كُلِّ دَافِعٍ مَصْرِفٌ كَمَا فِي الْبُرْهَانِ وَاَللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ(حاشية الشرنبلالی علی دررالحكام شرح غرر الاحكام، ج ۱ ص ۱۹۶، كتاب الصوم)

اور اگر کوئی رمضان کے آخر میں سب روزوں کا ایک وقت میں فدیہ دینا چاہے، تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

اور اگر کسی نے رمضان میں ادا نہیں کیا، تو بعد میں ادا کرنا ضروری ہوگا۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۱۰...... فدیہ ادا کرنے کے بعد اگر کبھی روزہ رکھنے کی طاقت ہوگئی تو وہ فدیہ اب معتبر نہیں رہے گا بلکہ روزہ رکھنا ہی ضروری ہوگا اور اس فدیہ کا ثواب الگ سے نفلی درجہ میں مل جائے گا۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۱۱...... اگر کسی کو تنگ دستی کی وجہ سے فدیہ دینے کی بھی قدرت نہ ہو تو اس کا انتظار کرے اور مناسب یہ ہے کہ اس وقت تک استغفار کرے۔ [۳]

---

[۱] وَفِی فَتَاوَی أَبِی حَفْصٍ الْکَبِیرِ إنْ شَاءَ أَعْطَی الْفِدْیَةَ فِی أَوَّلِ رَمَضَانَ بِمَرَّةٍ وَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهَا فِی آخِرِهِ بِمَرَّةٍ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۲، ص ۳۰۹، باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

قوله" :وتلزمهما الفدية "ثم إن شاء أعطى فى أول رمضان وإن شاء أعطى فى آخره ولا يشترط فى المدفوع إليه العدد(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص ۶۸۸، كتاب الصوم)

(قَوْلُهُ وَلَوْ فِی أَوَّلِ الشَّهْرِ) أَیْ یُخَیَّرُ بَیْنَ دَفْعِهَا فِی أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ کَمَا فِی الْبَحْرِ (رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۴۲۷، باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

ثم إن شاء أعطى الفدية فى أول رمضان بمرة، وإن شاء أخرها إلى آخره كذا فى النهر الفائق(الفتاوى الهندية، ج ۱ ص۲۰۷، كتاب الصوم ،الباب الخامس فى الأعذار التى تبيح الإفطار)

اور کیونکہ حنفیہ کے نزدیک روزہ کے فرض ہونے کا سبب شہرِ رمضان یا اس کا جزو ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ رمضان کا آغاز ہونے سے پہلے اس مہینے کے روزوں کا فدیہ جائز نہیں ہوگا۔

(قَوْلُهُ شُرِطَ الْخَلَفِیَّةُ)أَیْ فِی الصَّوْمِ أَیْ کَوْنُ الْفِدْیَةِ خَلَفًا عَنْهُ(ردالمحتار، ج۲ص۴۲۷،۴۲۸، باب مایفسد الصوم ومالایفسده)

فإنما ينتقل وجوب الصوم عليه إلى الفدية عند وجود سبب التعيين(فتح القدير، ج۲ص۳۵۷، باب مايوجب القضاء والكفارة)

[۲] ولو قدر على الصيام بعد ما فدى بطل حكم الفداء الذى فداه حتى يجب عليه الصوم هكذا فى النهاية(الفتاوى الهندية، ج ۱ ص۲۰۷، كتاب الصوم ،الباب الخامس فى الأعذار التى تبيح الإفطار)

[۳] وَإِلَّا فَیَسْتَغْفِرُ اللَّهَ هَذَا إذَا کَانَ الصَّوْمُ أَصْلًا بِنَفْسِهِ وَخُوطِبَ بِأَدَائِهِ(الدر المختار)

(قَوْلُهُ وَإِلَّا فَیَسْتَغْفِرُ اللَّهَ) هَذَا ذَکَرَهُ فِی الْفَتْحِ وَالْبَحْرِ عَقِیبَ مَسْأَلَةِ نَذْرِ الْأَبَدِ إذَا اشْتَغَلَ عَنْ الصَّوْمِ بِالْمَعِیشَةِ فَالظَّاهِرُ أَنَّهُ رَاجِعٌ إلَیْهَا دُونَ مَا قَبْلَهَا مِنْ مَسْأَلَةِ الشَّیْخِ الْفَانِی لِأَنَّهُ لَا تَقْصِیرَ مِنْهُ بِوَجْهٍ بِخِلَافِ النَّاذِرِ لِأَنَّهُ بِاشْتِغَالِهِ بِالْمَعِیشَةِ عَنْ الصَّوْمِ رُبَّمَا حَصَلَ مِنْهُ نَوْعُ تَقْصِیرٍ وَإِنْ کَانَ اشْتِغَالُهُ بِهَا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۲...... اگر کسی شخص کے ذمہ رمضان کے کچھ روزے باقی تھے، اور اس نے ان کی قضا نہیں کی، یہاں تک کہ وہ اتنا بوڑھا ہوگیا، یا ایسا بیمار ہوگیا کہ اب اس کو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہی، اور آئندہ بھی روزہ رکھنے کی بظاہر قدرت حاصل ہونے کا امکان نہیں، تو اس کو روزہ کا فدیہ دینا جائز بلکہ واجب ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۳...... روزہ کا فدیہ صرف انہی غریبوں کو دینا جائز ہے جنہیں زکاۃ وصدقۂ فطر دینا جائز ہو، اور جن لوگوں کو زکاۃ وصدقۂ فطر دینا جائز نہیں، انہیں روزہ کا فدیہ دینا بھی جائز نہیں، چنانچہ مالدار، سید اور بنو ہاشم (یعنی جو لوگ حضرت علی، حضرت عباس، حضرت جعفر، حضرت عقیل، حضرت حارث بن عبدالمطلب کی اولاد ہوں) کو یہ فدیہ دینا جائز نہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَاجِبًا لِمَا فِيهِ مِنْ تَرْجِيحِ حَظِّ نَفْسِهِ فَلْيُتَأَمَّلْ (قَوْلُهُ هَذَا) أَيْ وُجُوبُ الْفِدْيَةِ عَلَى الشَّيْخِ الْفَانِي وَنَحْوِهِ (قَوْلُهُ أَصْلًا بِنَفْسِهِ) كَرَمَضَانَ وَقَضَائِهِ وَالنَّذْرِ كَمَا مَرَّ فِيمَنْ نَذَرَ صَوْمَ الْأَبَدِ، وَكَذَا لَوْ نَذَرَ صَوْمًا مُعَيَّنًا فَلَمْ يَصُمْ حَتَّى صَارَ فَانِيًا جَازَتْ لَهُ الْفِدْيَةُ بَحْرٌ(رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۴۲۷، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

[1] إذا وجب على الرجل القضاء بأن أفطر بعذر أو بغير عذر ولم يقض حتى عجز وصار شيخاً فانياً بحيث لا يرجى برؤه تجوز له الفدية وإنما تجوز له الفدية عن صوم هو أصل بنفسه وهو صوم رمضان عند وقوع اليأس عن القضاء (فتاوى قاضى خان، ج۱، ص۱۵۲، كتاب الصوم)

(وَلِلشَّيْخِ الْفَانِي الْعَاجِزِ عَنْ الصَّوْمِ الْفِطْرُ وَيَفْدِي) وُجُوبًا وَلَوْ فِي أَوَّلِ الشَّهْرِ وَبِلَا تَعَدُّدِ فَقِيرٍ كَالْفِطْرَةِ لَوْ مُوسِرًا وَإِلَّا فَيَسْتَغْفِرُ اللَّهَ هَذَا إذَا كَانَ الصَّوْمُ أَصْلًا بِنَفْسِهِ وَخُوطِبَ بِأَدَائِهِ(الدر المختار مع شرحه ردالمحتار، ج۲ص۴۲۷، باب مايفسد الصوم ومالايفسده)

فَلَوْ وَجَبَ عَلَيْهِ قَضَاءُ شَيْءٍ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ يَقْضِهِ حَتَّى صَارَ شَيْخًا فَانِيًا لَا يُرْجَى بُرْؤُهُ جَازَتْ لَهُ الْفِدْيَةُ(فتح القدير، ج۲، ص۳۵۷، كِتَابُ الصَّوْمِ)

[2] وصدقة الفطر كالزكاة فى المصارف(حاشية الطحطاوى على المراقى، ص۷۲۴، باب صدقة الفطر)

(و) لا إلى (بنى هاشم) إلا من أبطل النص قرابته وهم بنو لهب(الدر المختار مع شرحه ردالمحتار، ج۲ص۳۵۰، كتاب الزكاة ،باب مصرف الزكاة والعشر)

غیر مسلم کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں، البتہ جو غیر مسلم مسلمانوں کے ملک میں رہتا سہتا ہو، اسے صدقۂ فطر دینے کے جائز وناجائز ہونے میں اختلاف ہے، احتیاط اس میں ہے کہ اسے بھی صدقۂ فطر نہ دیا جائے، اور اس کے بجائے کسی مسلمان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۴...... زکاۃ کی طرح فدیہ بھی دل میں نیت کرکے مستحق کو دے دینا کافی ہے، زبان سے یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ فدیہ ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۱۵...... اپنے اصول یعنی جن کے واسطے سے پیدا ہوا ہے مثلاً اپنے ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، پردادا، پردادی، وغیرہ کو یہ فدیہ دینا جائز نہیں۔

والدین کی خدمت ویسے ہی اولاد کے ذمہ ہے۔

اسی طرح اپنے فروع یعنی جو اس کے واسطے سے پیدا ہوئے ہیں، مثلاً اولاد بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہ کو بھی یہ فدیہ دینا جائز نہیں۔

اور اسی طرح شوہر اور بیوی کا ایک دوسرے کو یہ فدیہ دینا جائز نہیں، اس لیے ضرورت مند ہونے کی صورت میں کسی دوسرے طریقے پر ان کی مدد واعانت کرنی چاہیے۔

مذکورہ افراد کے علاوہ سب رشتہ داروں کو یہ فدیہ دینا جائز ہے، بشرطیکہ وہ زکاۃ کے مستحق ہوں بلکہ ان کو دینے میں دوگنا ثواب ہے، ایک ضرورت مند ہونے کے اعتبار سے مدد کرنے کا، دوسرا حسنِ سلوک کرنے کا۔

چنانچہ اپنے بھائی، بھابھی، بہن، بہنوئی، چچا، چچی، ماموں، ممانی، خالہ، پھوپھی، اور ان سب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ مستحق کو دیا جائے۔

بعض علماء نے صدقۂ فطر غریب ذمی کافر کو دینے کی اجازت دی ہے مگر دیگر علماء نے ناجائز قرار دیا ہے، لہٰذا کافر کو نہ دینے میں ہی احتیاط ہے، لیکن دارالکفر میں رہنے والے کافر اور اسی طرح مرتد کو بالاتفاق صدقۂ فطر دینا جائز نہیں، آغاخانی اور قادیانی وغیرہ زنادقہ کا کفر اور ان کا حکم دوسرے کفار سے زیادہ سخت ہے، ان کو صدقۂ فطر دینا بالاتفاق جائز نہیں (امداد المفتین ص۴۶۴، احسن الفتاویٰ ج۴ ص۳۸۳، آپ کے مسائل اور ان کا حل ج۳ ص۴۱۶ تا ۴۱۸)

وأما صرف ما وراء الزكاة والعشر إلى فقراء أهل الذمة فجائز عند أبى حنيفة ومحمد نحو صدقة الفطر والصدقة المنذورة والكفارات ولكن الصرف إلى المسلمين أولى وعن أبى يوسف ثلاث روايات والأصح أنه لا يجوز صرف صدقة ما إليهم إلا التطوع وأما الحربى فلا يجوز صرف صدقة ما إليه(تحفة الفقهاء ، ج ا ص ۳۰۳، كتاب الزكاة، باب من يوضع فيه الصدقة)

[۱] ولا يشترط علم الفقير بأنها زكاة على الأصح لما فى البحر عن القنية والمجتبى الأصح أن من أعطى مسكينا دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوى الزكاة فإنها تجزيه لأن العبرة لنية الدافع لا لعلم المدفوع إليه(مجمع الانهر، ج ا ص ۱۹۶، كتاب الزكاة، شروط صحة اداء الزكاة)

کی اولادیں، دودھ کے رشتے کے والدین اور دودھ کے رشتے والی اولاد، سوتیلے والدین، سوتیلی اولاد، بہو، داماد اور سسر وغیرہ کو فدیہ دینا جائز ہے، بشرطیکہ یہ مستحق اور غریب ہوں۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۶...... اگر کسی شخص کے ذمہ رمضان کے روزے باقی تھے، اور وہ ان کو ادا نہیں کرسکا، تو فوت ہونے سے پہلے اس کو روزوں کے فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے۔

لیکن اگر کسی نے وصیت نہیں کی، اور وہ فوت ہوگیا، تو اس کے وارثوں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ بخوشی اس کے روزوں کا فدیہ ادا کردیں۔ [2]

مسئلہ نمبر۱۷...... اگر کسی شخص نے گزشتہ کئی سالوں کا فدیہ ادا نہیں کیا تو بھی ادائیگی ضروری ہے اور جس وقت فدیہ ادا کرے گا اس وقت صدقۂ فطر کے برابر غلہ کی مقدار یا ادائیگی کے وقت غلہ کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ [3]

---

[1] والشرط الآخر أن لا يكون منافع الأملاك متصلة بين صاحب المال وبين المدفوع إليه لأن الواجب هو التمليك من الغير من كل وجه فإذا كانت المنافع بينهما متصلة عادة فيكون صرفا إلى نفسه من وجه فلا يجوز. بيان ذلك أنه لو دفع الزكاة إلى الوالدين وإن علوا أو إلى المولودين وإن سفلوا لا يجوز لاتصال منافع الأملاك بينهم ولهذا لا تقبل شهادة بعضهم لبعض ،ولو دفع إلى سائر الأقارب سواهم من الإخوة والأخوات وغيرهم جاز لانقطاع المنافع بينهم من حيث الغالب ولهذا تقبل شهادة بعضهم لبعض،ولو دفع إلى الزوج أو الزوجة لا يجوز عند أبي حنيفة لما قلنا من اتصال المنافع بينهم من حيث الغالب وعلى قول أبي يوسف ومحمد يجوز للزوجة أن تدفع إلى زوجها الفقير ولا يجوز للزوج أن يدفع إلى زوجته الفقيرة(تحفة الفقهاء، ج ۱ ص ۳۰۳، ۳۰۴،باب من يوضع فيه الصدقة)

[2] ولو فات صوم رمضان بعذر المرض أو السفر واستدام المرض والسفر حتى مات لا قضاء عليه لكنه إن أوصى بأن يطعم عنه صحت وصيته، وإن لم تجب عليه ويطعم عنه من ثلث ماله فإن برء المريض أو قدم المسافر، وأدرك من الوقت بقدر ما فاته فيلزمه قضاء جميع ما أدرك فإن لم يصم حتى أدركه الموت فعليه أن يوصي بالفدية كذا في البدائع ويطعم عنه وليه لكل يوم مسكينا نصف صاع من بر أو صاعا من تمر أو صاعا من شعير كذا في الهداية .فإن لم يوص وتبرع عنه الورثة جاز، ولا يلزمهم من غير إيصاء كذا في فتاوى قاضي خان .ولا يصوم عنه الولي كذا في التبيين(الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۲۰۷، كتاب الصوم ،الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار)

[3] وما لم ينص عليه كذرة وخبز تعتبر فيه القيمة (حاشية الطحطاوي على المراقي، ص ۷۲۴، باب صدقة الفطر)

سحری کے فضائل واحکام

اللہ جل شانہٗ کا بہت بڑا انعام واحسان ہے کہ روزہ شروع کرنے سے پہلے کھانے (یعنی سحری) کو امت کے لئے ثواب کی چیز بنادیا۔

روزہ کے لئے سحری کھانا سنت ہے، اگر کوئی سحری کے بغیر روزہ رکھ لے یا کسی وجہ سے رات کو سونے سے پہلے ہی سحری کھالے تو بھی روزہ رکھنا درست ہے، مگر افضل اور بہتر یہ ہے کہ سحری طلوعِ فجر یعنی صبح صادق ہونے سے کچھ پہلے کھائی جائے۔

بہت سی احادیث میں سحری کھانے کی فضیلت اوراجر کا ذکر ہے۔

اور فقہائے کرام کا سحری کے سنت ومستحب ہونے پر اتفاق ہے۔ [1]

بہت سے لوگ سُستی کی وجہ سے اس فضیلت سے محروم رہ جاتے ہیں اور بعض لوگ تراویح پڑھ کر کھانا کھا کر سوجاتے ہیں اور وہ سحری کے ثواب سے محروم رہتے ہیں۔

لُغت میں سحری اس کھانے کو کہتے ہیں جو طلوعِ فجر یعنی صبح صادق سے پہلے اور رات کے آخری حصہ میں کھایا جائے۔ [2]

---

[1] وَقد نقل ابن الْمُنْذر الْإِجْمَاع على ندبية السّحُور (فتح البارى لابنِ حجر، ج۴ص ۱۳۹، قوله باب بركة السحور)

فاتفق اصحابناوغيرهم من العلماء علىٰ ان السحور سنة ،وان تاخيره افضل وعلىٰ ان تعجيل الفطر سنة بعد تحقق غروب الشمس، ودليل ذالک كله الاحاديث الصحيحة ،ولان فيهما اعانة على الصوم،ولان فيهما مخالفة للكفار (المجموع شرح المهذب ج٦ ص ٣٦٠، كتاب الصيام، السحورفى الصوم؛ الناشر: دار الفكر)

[2] السَّحُرُ، ويحرَّكُ ويضمُّ الرِّئَةُ ج سُحُورٌ وأسحارٌ، وأثَرُ دَبَرَةِ البعيرِ.وانْتَفَخَ سَحْرُهُ ومَساحِرُهُ عَدَا طَوْرَهُ، وجاوزَ قَدْرَهُ .وانقَطَعَ منه سَحْرِى يَئِسْتُ منه .والمُقَطَّعَةُ السَّحُورِ والأَسْحارِ، وقد تكسرُ الطاءُ الأَرْنَبُ .والسَّحُور، كصَبورٍ ما يُتَسَحَّرُ به .والسَّحَرُ قُبَيْلَ الصُّبحِ، كالسَّحَرِىِّ والسَّحَرِيَّةِ (القاموس المحيط ، ج ١ ، ص ٤٠٥، باب الراء، فصل السين، الناشر :مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت -لبنان)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَكْلَةُ السَّحَرِ (مسلم) [1]

ترجمہ: ہمارے روزوں اور اہلِ کتاب کے روزوں کے درمیان امتیاز کرنے والی چیز سحری کا کھانا ہے (مسلم)

اہلِ کتاب کو رات میں سو جانے کے بعد کھانے پینے کی اجازت نہ تھی اور اسلام کے ابتدائی دور میں بھی یہی حکم تھا بعد میں اِس امت کی آسانی اور اہلِ کتاب کی مخالفت کی غرض سے سورہ بقرہ کی آیت کے ذریعہ یہ حکم ختم کر دیا گیا اور صبح صادق سے پہلے پہلے پوری رات کھانے پینے کی اجازت دے دی گئی، خواہ کوئی سو کر اٹھ کر کھائے، یا جاگ رہا ہو، پھر کھائے، ہر طرح جائز قرار دے دیا گیا۔ [2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقت السحر وهو قبيل الصبح قال الزمخشری هو السدس الأخير من الليل (مرقاة، كتاب الدعوات، باب الدعوات المتفرقة فى الاوقات، الفصل الاول)

وقت السحر وهو كما قال فى القاموس قبيل الصبح (ارشاد السارى، ج۲، ص ۱۱، كتاب الاذان، باب الأذان بعد الفجر)

[1] رقم الحديث ۱۰۹۶ "۴۶" باب فضل السحور وتأكيد استحبابه، واستحباب تأخيره وتعجيل الفطر.

[2] وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ (سورة البقرة، رقم الآية۱۸۷)

(وعن عمرو بن العاص قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-فصل ما بين صيامنا وصيام أهل الكتاب ") ما زائدة أضيف إليها الفصل بمعنى الفرق، قال التوربشتي :هو بالصاد المهملة والمعجمة تصحيف "أكلة السحر "بفتح الهمزة المرة، قاله ميرک، وقال زين العرب :الأكلة بالضم اللقمة، وهو كذا فى نسخة، وقال التوربشتي :والمعنى أن السحور هو الفارق بين صيامنا وصيام أهل الكتاب، لأن الله -تعالى -أباحه لنا إلى الصبح بعد ما كان حراما علينا أيضا فى بدء الإسلام، وحرمه عليهم بعد أن يناموا أو مطلقا، ومخالفتنا إياهم تقع موقع الشكر لتلك النعمة، فقول ابن الهمام :إنه من سنن المرسلين غير صحيح (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۳۸۱، باب فى مسائل متفرقة من كتاب الصوم، الْفَصْلُ الْأَوَّلُ)

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرْکَۃً (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سحری کھایا کرو! کیونکہ سحری میں برکت ہے (بخاری؛ مسلم)

برکت کے مفہوم میں ظاہری اور باطنی دنیوی اوراخروی کئی طرح کی خیراورفائدے کی چیزیں داخل ہیں۔ [2]

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْبَرَکَۃُ فِیْ ثَلَاثَۃٍ: فِی الْجَمَاعَۃِ، وَالثَّرِیْدِ، وَالسُّحُوْرِ (المعجم الکبیر للطبرانی) [3]

---

[1] رقم الحديث ۱۹۲۳، كتابا الصوم، باب بركة السحور من غير إيجاب؛ مسلم،رقم الحديث ۱۰۹۵ "۴۵"باب فضل السحور وتأكيد استحبابه، واستحباب تأخيره وتعجيل الفطر)

[2] (تسحروا) وهو تفعل من السحر وهو الأكل قبيل الصبح والأمر للندب إجماعا قال فى شرح الترمذى :أجمعوا على أن السحور مندوب لا واجب (فإن فى السحور بركة) قال العراقى :روى بفتح السين وضمها فبالضم الفعل وبالفتح ما يتسحر به والمراد بالبركة الأجر فيناسب الضم أو التقوى على الصوم فيناسب الفتح وللبركة فى السحور جهات كالتقوى والنشاط والانبساط ذكره بعضهم وقال الزين العراقى :البركة فيه محتملة لمعان منها أنه يبارك فى القليل منه بحيث يحصل به الإعانة على الصوم ويدل له قوله فى حديث ولو بلقمة وقوله فى الحديث الآتى ولو بالماء ويكون بالخاصية كما بورك فى الثريد والطعام الحار إذا برد ومنه أنه يراد نفى التبعة فيه بدليل حديث الديلمى ثلاثة لا يحاسب العبد عليها أكل السحور وما أفطر عليه وما أكل مع الإخوان ومنها أنه يراد بالبركة القوة على الصيام وغيره من أعمال النهار(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۳۲۹۱، ج۳، ص۲۴۳، الناشر: المكتبة التجارية الكبرى -مصر)

[3] رقم الحديث ۶۱۲۷، دار النشر :مكتبة ابن تيمية -القاهرة، واللفظ لهٗ؛ شعب الايمان للبيهقى، رقم الحديث ۷۱۱۴، فصل فى فضل الجماعة والألفة وكراهية الاختلاف والفرقة وما جاء فى إكرام السلطان وتوقيره؛ اخبارِ اصبهان، ج۱، ص۸۲.

قال المنذرى: رواه الطبرانى فى الكبير ورواته ثقات وفيهم أبو عبد الله البصرى لا يدرى من هو (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۶۱۶، كتاب الصوم، الترغيب فى السحور سيما بالتمر)

وقال الهيثمى: رَوَاهُ الطَّبَرَانِیُّ فِی الْكَبِيرِ ، وَفِيهِ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْبَصْرِیُّ قَالَ الذَّهَبِیُّ :لَا يُعْرَفُ ، وَبَقِيَّةُ رِجَالِهِ ثِقَاتٌ .قُلْتُ :وَيَأْتِی حَدِيثُ أَبِی هُرَيْرَةَ فِی الْأَطْعِمَةِ فِی الثَّرِيدِ ، إِنْ شَاءَ اللَّهُ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۸۵۰، ج۳ص۱۵۱، كتاب الصيام، بَابُ مَا جَاءَ فِی السُّحُورِ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برکت تین چیزوں میں ہے:

ایک جماعت میں (یعنی باجماعت نماز اور ہر وہ کام جو اہلِ حق مسلمانوں کی جماعت مل کر کرے) دوسرے ثرید میں (جو عرب کا ایک قسم کا کھانا ہے) تیسرے سحری میں (طبرانی)

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَيْكُمْ بِغَدَاءِ السَّحَرِ، فَإِنَّهُ هُوَ الْغَدَاءُ الْمُبَارَكُ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سحری کے کھانے کا اہتمام کیا کرو کیونکہ وہ صبح کا مبارک کھانا ہے (مسند احمد)

سحری کو صبح کا مبارک کھانا اس لئے کہا گیا کہ یہ صبح کے کھانے یعنی ناشتے کے قائم مقام ہے۔ [2]

حضرت عرباض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

دَعَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السَّحُوْرِ فِيْ رَمَضَانَ، فَقَالَ: هَلُمَّ إِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ (ابوداؤد) [3]

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری کھانے کے لئے بلایا اور فرمایا کہ آیئے صبح کا مبارک کھانا کھایئے (ابوداؤد؛ مسند احمد)

---

[1] رقم الحديث ١٧١٩٢، واللفظ لهٗ؛ سنن النسائی، رقم الحديث ٢١٦٤، تَسْمِيَةُ السَّحُورِ غَدَاءً؛ شرح مشكل الآثار، رقم الحديث ٥٥٠٤، بَابُ بَيَانِ مُشْكِلِ مَا رُوِيَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَسْمِيَةِ السُّحُورِ غَدَاءً.

فی حاشية مسند احمد: حديث حسن بشواهده.

[2] والغداء مأكول الصباح وأطلق عليه لأنه يقوم مقامه وصحفه بعضهم وضبطه بالمعجمة وكسر أوله (مرقاة المفاتيح، ج٤ص١٣٨٨، كتاب الصوم، باب باب فی مسائل متفرقة)

[3] رقم الحديث ٢٣٤٤، كتاب الصوم، بَابُ مَنْ سَمَّى السَّحُورَ الْغَدَاءَ، واللفظ لهٗ؛ مسند احمد، رقم الحديث ١٧١٤٣؛ المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ٦٢٨؛ ابنِ خزيمه، رقم الحديث ١٩٣٨.

فی حاشية مسند احمد: حديث حسن بشواهده.

سحری کے کھانے کو مبارک کھانے کا نام دینا سحری کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن حارث رحمہ اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَسَحَّرُ، فَقَالَ: إِنَّ السَّحُوْرَ بَرَكَةٌ أَعْطَاكُمُوْهَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَلَا تَدَعُوْهَا (مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۱۴۲) [1]

ترجمہ: ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت آپ سحری تناول فرما رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ بے شک سحری برکت کی چیز ہے؛ اللہ عزوجل نے یہ خاص چیز تم کو عطا فرمائی ہے (تم سے پہلوں کو یہ عطا نہیں کی گئی) لہٰذا اس کو نہ چھوڑو (مسند احمد)

سحری میں برکت کا ایک ظاہری اور عمومی پہلو تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے روزہ دار کو قوت حاصل ہوتی ہے اور سحری کھا کر روزہ رکھنا زیادہ آسانی کا باعث ہوتا ہے اور زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔

اور دوسرا ایمانی اور دینی پہلو یہ ہے کہ اگر سحری کھانے کا رواج نہ رہے، تو اس کا خطرہ ہے کہ عوام اسی کو شریعت کا حکم یا کم از کم اولیٰ وافضل سمجھنے لگیں اور اس طرح شریعت کی مقرر کردہ حدود میں فرق پڑ جائے۔

پہلی امتوں میں اسی طرح دین میں تحریفات ہوئی ہیں تو سحری کی ایک برکت اور اس کا ایک بڑا دینی فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ اس قسم کی تحریفات سے حفاظت کا ذریعہ ہے ان جیسی وجوہات کی بنا پر سحری اللہ کو محبوب اور اس کی رضا ومحبت کا باعث ہے۔ [2]

---

[1] فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير صحابيه.

[2] فِي السَّحُورِ بَرَكَةً هُوَ بِفَتْحِ السِّينِ وَبِضَمِّهَا لِأَنَّ الْمُرَادَ بِالْبَرَكَةِ الْأَجْرُ وَالثَّوَابُ فَيُنَاسِبُ الضَّمُّ لِأَنَّهُ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى التَّسَحُّرِ أَوِ الْبَرَكَةُ لِكَوْنِهِ يُقَوِّى عَلَى الصَّوْمِ وَيُنَشِّطُ لَهُ وَيُخَفِّفُ الْمَشَقَّةَ فِيهِ فَيُنَاسِبُ الْفَتْحَ لِأَنَّهُ مَا يُتَسَحَّرُ بِهِ وَقِيلَ الْبَرَكَةُ مَا يُتَضَمَّنُ مِنَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِسْتَعِيْنُوْا بِطَعَامِ السَّحَرِ عَلٰى صِيَامِ النَّهَارِ، وَبِقَيْلُوْلَةِ النَّهَارِ عَلٰى قِيَامِ اللَّيْلِ (مستدرک حاکم)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دن کے روزے پر سحری کے کھانے سے مدد حاصل کرو، اور رات کے قیام پر دن کے قیلولہ (یعنی دوپہر کے آرام) سے مدد حاصل کرو (حاکم؛ ابنِ ماجہ؛ ابنِ خزیمہ)

اس حدیث کی سند پر اگرچہ محدثین کو کچھ کلام ہے، لیکن اس کی تائید ایک اور روایت سے بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الِاسْتِيقَاظِ وَالدُّعَاءِ فِي السَّحَرِ وَالْأَوْلَى أَنَّ الْبَرَكَةَ فِي السُّحُورِ تَحْصُلُ بِجِهَاتٍ مُتَعَدِّدَةٍ وَهِيَ اتِّبَاعُ السُّنَّةِ وَمُخَالَفَةُ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالتَّقَوِّي بِهِ عَلَى الْعِبَادَةِ وَالزِّيَادَةُ فِي النَّشَاطِ وَمُدَافَعَةُ سُوءِ الْخُلُقِ الَّذِي يُثِيرُهُ الْجُوعُ وَالتَّسَبُّبُ بِالصَّدَقَةِ عَلَى مَنْ يَسْأَلُ إِذْ ذَاكَ أَوْ يَجْتَمِعُ مَعَهُ عَلَى الْأَكْلِ وَالتَّسَبُّبُ لِلذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ وَقْتَ مَظِنَّةِ الْإِجَابَةِ وَتَدَارُكُ نِيَّةِ الصَّوْمِ لِمَنْ أَغْفَلَهَا قَبْلَ أَنْ يَنَامَ قَالَ ابن دَقِيقِ الْعِيدِ هَذِهِ الْبَرَكَةُ يَجُوزُ أَنْ تَعُودَ إِلَى الْأُمُورِ الْأُخْرَوِيَّةِ فَإِنَّ إِقَامَةَ السُّنَّةِ يُوجِبُ الْأَجْرَ وَزِيَادَتَهُ وَيُحْتَمَلُ أَنْ تَعُودَ إِلَى الْأُمُورِ الدُّنْيَوِيَّةِ كَقُوَّةِ الْبَدَنِ عَلَى الصَّوْمِ وَتَيْسِيرِهِ مِنْ غَيْرِ إِضْرَارٍ بِالصَّائِمِ قَالَ وَمِمَّا يُعَلَّلُ بِهِ اسْتِحْبَابُ السُّحُورِ الْمُخَالَفَةُ لِأَهْلِ الْكِتَابِ لِأَنَّهُ مُمْتَنِعٌ عِنْدَهُمْ وَهَذَا أَحَدُ الْوُجُوهِ الْمُقْتَضِيَةِ لِلزِّيَادَةِ فِي الْأُجُورِ الْأُخْرَوِيَّةِ وَقَالَ أَيْضًا وَقَعَ لِلْمُتَصَوِّفَةِ فِي مَسْأَلَةِ السّحُور كَلَام من جِهَة اعْتِبَار حِكْمَة الصَّوْمِ وَهِيَ كَسْرُ شَهْوَةِ الْبَطْنِ وَالْفَرْجِ وَالسُّحُورُ قَدْ يُبَايِنُ ذَلِكَ قَالَ وَالصَّوَابُ أَنْ يُقَالَ مَا زَادَ فِي الْمِقْدَارِ حَتَّى تَنْعَدِمَ هَذِهِ الْحِكْمَة بِالْكُلِّيَّةِ فَلَيْسَ بمستحب كَالَّذِي يصنعه الْمُتْرَفُونَ مِنَ التَّأَنُّقِ فِي الْمَآكِلِ وَكَثْرَةِ الِاسْتِعْدَادِ لَهَا وَمَا عَدَا ذَلِكَ تَخْتَلِفُ مَرَاتِبُهُ تكْمِيلٌ يَحْصُلُ السُّحُورُ بِأَقَلِّ مَا يَتَنَاوَلُهُ الْمَرْءُ مِنْ مَأْكُولٍ وَمَشْرُوبٍ (فتح البارى لابنِ حجر، ج۴ص ۱۴۰، قوله باب بركة السحور)

[1] رقم الحديث ۱۵۵۱، ج ا ص۵۸۸، كتاب الصوم، واللفظ لهٗ؛ سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۱۶۹۳، باب ماجاء فى السحور؛ ابنِ خزيمة، رقم الحديث ۱۹۳۹.

قال الحاكم: زَمْعَةُ بْنُ صَالِحٍ، وَسَلَمَةُ بْنُ وَهْرَامٍ لَيْسَا بِالْمَتْرُوكَيْنِ اللَّذَيْنِ لا يُحْتَجُّ بِهِمَا، لَكِنَّ الشَّيْخَيْنِ لَمْ يُخَرِّجَا عَنْهُمَا وَهَذَا مِنْ غُرَرِ الْحَدِيثِ فِي هَذَا الْبَابِ .

قال الأعظمي: إسناده ضعيف زمعة ضعيف (ابنِ خزيمة، حواله بالا)

وأورده الضياء فى المختارة والحاكم وصححه، لكن فيه زمعة ضعيف لخطأه وإن كان صدوقا (كشف الخفاء للعجلونى، تحت رقم الحديث ۳۳۰، ج ا، ص ۱۱۹)

ہوتی ہے۔ [1]

چنانچہ حضرت طاوس رحمہ اللہ سے مرسلاً مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِسْتَعِیْنُوْا بِرُقَادِ النَّھَارِ عَلٰی قِیَامِ اللَّیْلِ، وَبِأَکْلَۃِ السَّحَرِ عَلٰی صِیَامِ النَّھَارِ (مصنف عبد الرزاق) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دن کو آرام کرکے رات کے قیام پر اور سحری کھا کر دن کے روزہ پر مدد حاصل کرو (عبدالرزاق؛ بیہقی)

سحری کھانے سے روزے پر قوت کا حاصل ہونا تو بالکل ظاہر ہے کہ سحری کھائے بغیر روزہ رکھنا دشوار ہوتا ہے، اور سحری کھا کر اس کے مقابلہ میں آسان ہوجاتا ہے۔

اسی لئے ہماری زبان میں سحری کھائے بغیر روزہ رکھنے کو ''آٹھ پہرہ'' روزہ کہا جاتا ہے۔

اور دوپہر کو آرام کرنے سے رات کو تہجد اور عبادت میں بھی آسانی ہوتی ہے۔ [3]

---

[1] وَرَوَی ابْنُ مَاجَۃُ وَالْحَاکِمُ مِنْ حَدِیثِ ابْنِ عَبَّاسٍ بِلَفْظِ "اسْتَعِینُوا بِطَعَامِ السَّحَرِ عَلَی صِیَامِ النَّھَارِ وَبِقَیْلُولَۃِ النَّھَارِ عَلَی قِیَامِ اللَّیْلِ "وَشَاھِدُہُ فِی الْعِلَلِ لِابْنِ أَبِی حَاتِمٍ عَنْ أَبِی ھُرَیْرَۃَ وَفِی أَبِی دَاوُد رِوَایَۃُ ابْنِ دَاسَۃَ وَفِی ابْنِ حِبَّانَ عَنْ أَبِی ھُرَیْرَۃَ "نِعْمَ سَحُورُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ "وَفِی ابْنِ حِبَّانَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوعًا "إنَّ اللَّہَ وَمَلَائِکَتَہُ یُصَلُّونَ عَلَی الْمُتَسَحِّرِینَ "وَفِیہِ عَنْہُ "تَسَحَّرُوا وَلَوْ بِجَرْعَۃٍ مِنْ مَاءٍ (التلخیص الحبیر فی تخریج أحادیث الرافعی الکبیر للعسقلانی، تحت رقم الحدیث ۹۰۰، ج۲، ص۴۳۷، الناشر: دار الکتب العلمیۃ)

[2] رقم الحدیث ۷۶۰۳، کتاب الصیام، باب ما یقال فی السحور، واللفظ لہٗ؛ شعب الایمان للبیھقی، رقم الحدیث ۴۴۱۲؛ الآداب للبیھقی، تحت رقم الحدیث ۶۷۶.

قال البیھقی: ھکذا روی مرسلا ، ورواہ زمعۃ بن صالح ، عن سلمۃ بن وھرام ، عن عکرمۃ ، عن ابن عباس رفعہ ، غیر أنہ قال : بقیلولۃ النھار .وروی فی القیلولۃ عن عمر بن الخطاب ، وأبی الدرداء (الآداب للبیھقی، تحت رقم الحدیث ۶۷۶)

[3] (استعینوا) ندبا (بطعام السحر) بالتحریک أی المأکول وقت السحر وھو السحور (علی صیام النھار) فإنہ یعین علیہ کما ھو محسوس (وبالقیلولۃ) النوم وسط النھار عند الزوال وما قاربہ من قبل أو بعد (علی قیام اللیل) یعنی الصلاۃ فیہ وھو التھجد وما فی معناہ من ذکر وقراءۃ فإن النفس إذا أخذت حظھا من نوم النھار استقبلت السھر بنشاط وقوۃ انبساط فأفاد ندب التسحر والنوم وسط النھار وبقصد التقوی علی الطاعۃ (ہ ک) وکذا البزاز (طب ھب) کلھم من حدیث زمعۃ بن صالح عن سلمۃ بن وھرام عن عکرمۃ (عن ابن عباس) قال الحاکم زمعۃ وسلمۃ لیسا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلسُّحُوْرُ اَکْلُہٗ بَرَکَۃٌ فَلَا تَدْعُوْہُ وَلَوْ اَنْ یَّجْرَعَ اَحَدُکُمْ جُرْعَۃً مِّنْ مَّآءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ وَمَلَآئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی الْمُتَسَحِّرِیْنَ (مسند احمد، رقم الحديث ١١٠٨٦) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سحری کھانے میں برکت ہے اسے ہرگز نہ چھوڑو، اگر کچھ نہیں تو اس وقت تم میں سے کوئی پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لے، کیونکہ سحری کھانے والوں پر اللہ عزوجل رحمت نازل فرماتے ہیں اور فرشتے ان کے لئے دعا کرتے ہیں (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: تَسَحَّرُوْا وَلَوْ بِجَرْعَۃٍ مِّنْ مَّاءٍ

(صحيح ابنِ حبان) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سحری کھایا کرو اگرچہ پانی کا ایک گھونٹ ہی کیوں نہ ہو (ابنِ حبان)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بمتروكين وأقره الذهبي في التلخيص لكنه أورد زمعة في الضعفاء والمتروكين وقال ضعفه أحمد وأبو حاتم والدارقطني ونقل في الكاشف عن أبي داود أنه ضعف سلمة هذا وقال ابن حجر في مسنده زمعة بن صالح وفيه ضعف وقال السخاوي زمعة كان مع صدقه ضعيفا لخطئه ووهمه ولذا لم يخرج له مسلم إلا مقرونا بغيره وسلمة ضعيف مطلقا أو في خصوص ما يرويه عن زمعة انتهى(فيض القدير للمناوي، تحت رقم الحديث ٩٨٦، الناشر: المكتبة التجارية الكبرى -مصر)

[1] في حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

وقال المنذري: واسناده قوى (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ١٦٢٣، ج ٢ ص ٩٠، الترغيب في السحور سيما بالتمر)

[2] رقم الحديث ٣٤٧٦. ج٨ص ٢٥٤، كتاب الصوم، باب السحور، ذكر الأمر بالاقتصار على شرب الماء لمن أراد السحور.

في حاشية ابنِ حبان: إسناده حسن.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ نِعْمَ سَحُوْرُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ

(ابو داؤد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی کھجور کی سحری کیا ہی اچھی ہے (ابوداؤد)

افراط وتفریط (یعنی حد سے آگے بڑھنا یا حد سے کمی کرنا) ہر چیز میں نقصان دہ ہے۔

سحری میں نہ اتنا کم کھائے کہ عبادات میں کمزوری محسوس ہونے لگے اور نہ اتنا زیادہ کھائے کہ دن بھر کھٹی ڈکاریں آتی رہیں۔

خود ان احادیث میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ اگر چہ چھوارے، کھجور یا ایک گھونٹ پانی ہی سے سحری کرلی جائے۔

یہ مطلب نہیں کہ اس سے زیادہ کھانا منع ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر گنجائش نہ ہو تو تھوڑا بہت ہی سہی۔

چھوارے، کھجور میں طاقت اور غذائیت بھی ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ غذا بھی ہے اور پانی سے پیاس کی شدت میں کمی آتی ہے، اور جسم سے پانی کی کمی دور ہوتی ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّا مَعْشَرَ الْأَنْبِیَاءِ أُمِرْنَا أَنْ نُؤَخِّرَ سُحُوْرَنَا ، وَنُعَجِّلَ فِطْرَنَا ، وَأَنْ نُمْسِکَ بِأَیْمَانِنَا عَلٰی شَمَائِلِنَا فِیْ صَلاتِنَا (صحیح ابنِ حبان) [2]

---

[1] رقم الحدیث ۲۳۴۵، کتاب الصوم، باب من سمی السحور، واللفظ لہٗ؛ سنن البیھقی، رقم الحدیث ۸۱۱۷، باب ما یستحب من السحور؛ صحیح ابنِ حبان، رقم الحدیث ۳۴۷۵، ذکر الاستحباب لمن أراد الصیام أن یجعل سحورہ تمرا؛ مسند البزار، رقم الحدیث ۸۵۵۰؛ حلیۃ الاولیاء عن جابر، ج۳، ص ۳۵۰.

فی حاشیۃ ابنِ حبان: إسنادہ صحیح، رجالہ ثقات رجال الشیخین.

[2] رقم الحدیث ۱۷۷۰، ج۵ ص۶۷، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاہ، باب ذِکْرُ الإِخْبَارِ عَمَّا یُسْتَحَبُّ لِلْمَرْءِ مِنْ وَضْعِ الْیَمِینِ عَلَی الْیَسَارِ فِی صَلاتِہِ، واللفظ لہٗ؛ المعجم الاوسط، رقم الحدیث ۱۸۸۴.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم انبیاء کی جماعت کو حکم دیا گیا ہے، کہ ہم سحری میں تاخیر کریں (یعنی رات کے آخری حصے میں صبح صادق ہونے سے پہلے سحری کھائیں) اور افطار میں (غروب ہوتے ہی) جلدی کریں، اور ہم نماز میں اپنے دائیں ہاتھوں سے بائیں ہاتھوں کو تھامیں (ابنِ حبان)

اسی قسم کی روایت حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ [1]

سحری تاخیر سے کھانے کا اور احادیث میں بھی ذکر ہے۔ [2]

ظاہر ہے کہ سحری دیر سے یعنی رات کے آخری حصہ میں کھانے سے ہی اس کے تمام فوائد اور برکات حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا شرعاً سحری دیر سے کھانے کو پسند کیا گیا۔

لیکن دیر کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اتنی تاخیر کر دی جائے کہ سحری کا وقت ختم ہونے کا ہی اندیشہ ہونے لگے بلکہ انتہائے سحر ہونے سے اتنی دیر پہلے سحری سے فراغت حاصل کر لینی چاہئے کہ اطمینان سے کلی وغیرہ کر لی جائے۔ [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فی حاشیة ابنِ حبان: اسناده صحیح علی شرط مسلم.

وقال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، ورجاله رجال الصحیح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۴۸۸۰، باب تعجیل الإفطار وتأخیر السحور)

[1] عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ ,قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم أُمِرْنَا مَعَاشِرُ الْأَنْبِیَاءِ أَنْ نُعَجِّلَ إِفْطَارَنَا وَنُؤَخِّرَ سُحُورَنَا وَنَضْرِبَ بِأَیْمَانِنَا عَلٰی شَمَائِلِنَا فِی الصَّلَاةِ (سنن الدارقطنی، رقم الحدیث ۱۰۹۶، باب فی أخذ الشمال بالیمین فی الصلاة)

عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ ، قَالَ :مِنْ أَخْلَاقِ النَّبِیِّینَ التَّبْکِیرُ فِی الْإِفْطَارِ وَالْإِبْلَاغُ فِی السُّحُورِ وَوَضْعُ الْیَمِینِ عَلَی الشِّمَالِ فِی الصَّلَاةِ (مصنف ابنِ ابی شیبة،رقم الحدیث ۹۰۵۰، کتاب الصیام، فی تعجیل الافطار وماذکر فیه)

[2] عَنْ أَبِی ذَرٍّ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ " :لَا تَزَالُ أُمَّتِی بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوا الْإِفْطَارَ، وَأَخَّرُوا السُّحُورَ (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۱۳۱۲)

عَنْ أُمِّ حَکِیمٍ بِنْتِ وَدَاعٍ قَالَتْ :سَمِعْتُ النَّبِیَّ یَقُولُ :عَجِّلُوا الْإِفْطَارَ وَأَخِّرُوا السُّحُورَ(المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۳۹۵)

[3] (بکروا بالإفطار) أی تقدموا به وقدموه فی الوقت وقت الفطر قال الدیلمی :والتبکیر التقدم فی أول الوقت وإن لم یکن أول النهار (وأخروا السحور) أی أوقعوه آخر اللیل ما لم یؤد إلی شک فی طلوع الفجر فإنه أعظم للأجر(فیض القدیر للمناوی، تحت رقم الحدیث ۳۱۵۷)

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طلوعِ فجر سے کچھ پہلے سحری کھا کر فارغ ہوجاتے تھے۔ پس سحری کا افضل وقت طلوعِ فجر سے پہلے پہلے ہے۔ [1]

سحری اور تہجد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُوْلُ: مَنْ يَّدْعُوْنِيْ، فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ مَنْ يَّسْأَلُنِيْ فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِيْ فَأَغْفِرَ لَهُ

(بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے رب تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا پر نزولِ رحمت فرماتے ہیں، جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ

---

[1] ومما يستفاد منه :استحباب التسحر وتأخيره إلى قريب طلوع الفجر (عمدة القارى للعينى، ج۵ ص ۷۳، كتاب الصلاة، باب وقت الفجر)

(كم كان بين الأذان والسحور) . قوله :(قال) ، أى :زيد بن ثابت .قوله :(قدر خمسين آية) أى: مقدار قراءة خمسين آية، وقال بعضهم :(قدر خمسين آية) ، أى متوسطة لا طويلة ولا قصيرة ولا سريعة ولا بطيئة .قلت :هذا بطريق الحدس والتخمين، وهو أعم من تقييده بهذه القيود، وأيضا السرعة والبطء من صفات القارىء لا من صفات الآية، ويجوز فى قوله :(قدر) الرفع والنصب، أما الرفع فعلى أنه خبر مبتدأ محذوف تقديره :هو قدر خمسين آية، يعنى :الزمان الذى بين الأذان والسحور، وأما النصب فعلى أنه خبر :كان المقدر، تقديره :كان الزمان بينهما قدر خمسين آية. وقال المهلب :فيه تقدير الأوقات بأعمال البدن، وكانت العرب تقدر الأوقات بالأعمال، كقولهم : قدر حلب شاة، وقدر نحر جزور، فعدل زيد بن ثابت، رضى الله تعالى عنه، عن ذلك إلى التقدير بالقراءة إشارة إلى أن ذلك الوقت كان وقت العبادة بالتلاوة.

وفيه :إشارة إلى أن أوقاتهم كانت مستغرقة بالعبادة .وفيه :تأخير السحور لكونه أبلغ فى المقصود، والنبى صلى الله عليه وسلم كان ينظر إلى ما هو أرفق بأمته (عمدة القارى للعينى، ج۱۰ ص ۲۹۹، كتاب الصوم، باب بركة السحور من غير إيجاب)

[2] رقم الحديث ۱۱۴۵، كتاب الجمعة، باب الدعاء فى الصلاة من آخر الليل، مسلم رقم الحديث ۷۵۸ ”۱۶۸“ ج۱ ص ۵۲۱.

جاتا ہے، فرماتے ہیں کہ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے، تو میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے، تو میں اس کو عطا کروں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے، تو میں اس کی مغفرت کروں (بخاری، مسلم)

حضرت عمرو بن عبسہ سُلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ:

أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ الْآخِرِ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَكُوْنَ مِمَّنْ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ (ترمذی) [1]

ترجمہ: بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری حصہ میں ہوتا ہے، پس اگر آپ اس وقت میں اللہ کو یاد کرنے والوں میں سے ہونے کی قدرت رکھتے ہوں، تو اس وقت میں اللہ کو یاد کرنے (اور نماز پڑھنے) والوں میں سے ہوجائیں (ترمذی)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ، وَهُوَ قُرْبَةٌ لَكُمْ إِلٰى رَبِّكُمْ، وَمُكَفِّرٌ لِلسَّيِّئَاتِ، وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْإِثْمِ (مستدرک حاکم) [2]

ترجمہ: تم رات کی نماز کا اہتمام کرو، کیونکہ یہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ رہا ہے، اور یہ تمہارے لئے اپنے رب کی طرف قرب اور گناہوں کی معافی، اور گناہ سے روکنے کا ذریعہ ہے (حاکم، ترمذی)

---

[1] رقم الحديث، ۳۵۷۹، ابواب الدعوات.

قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

[2] رقم الحديث ۱۱۵۶، واللفظ لهٗ، ترمذی، رقم الحديث ۳۵۴۹، ابواب الدعوات، المعجم الكبير للطبرانی رقم الحديث ۷۴۶۶، صحيح ابنِ خزيمة رقم الحديث ۱۱۳۵، سنن البيهقی رقم الحديث ۴۳۱۷)

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "

وقال الترمذی: وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي إِدْرِيسَ عَنْ بِلَالٍ (حواله بالا)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات اور تہجد کی نماز اللہ تعالیٰ کے قربِ خاص کا ذریعہ ہے، اور اس کے ذریعہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں، اور آدمی کی گناہوں سے حفاظت ہوتی ہے۔ [1]

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اسْتَيْقَظَ مِنَ اللَّيْلِ وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَصَلَّيَا رَكْعَتَيْنِ جَمِيْعًا كُتِبَا مِنَ الذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ (ابوداؤد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات کو بیدار ہو، اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کرے، پھر وہ دونوں دو رکعتیں پڑھیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والوں اور کثرت سے ذکر کرنے والیوں میں لکھے جائیں گے

(ابوداؤد)

رمضان میں رات کے آخری حصہ میں تہجد اور نوافل پڑھنا آسان ہو جاتا ہے، کیونکہ تہجد کے

---

[1] (عليكم بقيام الليل) يعنى التهجد فيه (فإنه دأب الصالحين) أى عادتهم وشأنهم من دأب فى العمل إذا جد فحولوه إلى العادة والشأن (قبلكم) أى هى عادة قديمة واظب عليها الكمل السابقون واجتهدوا فى إحراز فضلها ومنه قوله تعالى (وسخر لكم الشمس والقمر دائبين) أى مواظبين على إصلاح العالم (وقربة إلى الله تعالى) وفى رواية وهو قربة لكم إلى ربكم نكر القربة إيذانا بأن لها شأنا وأتى بالجملة ولم يعطف قربة على دأب الصالحين لتدل باستقلالها على مزيد تقريب (ومنهاة) بفتح الميم وسكون النون (عن الإثم) أى حال من شأنها أن تنهى عن الإثم مفعلة من النهى والميم زائدة وقال القاضى :مفعلة بمعنى اسم فاعل ونظائره كثيرة مطهرة ومرضاة ومبجلة (وتكفير للسيئات) أى خصلة تكفر سيئاتكم (ومطردة للداء عن الجسد) أى حالة شأنها إبعاد الداء مفعلة من الطرد قال القاضى :معناه أن قيام الليل قربة تقربكم إلى ربكم وخصلة تكفر سيئاتكم وتنهاكم عن المحرمات (إن الصلاة تنهى عن الفحشاء والمنكر) قال ابن الحاج :وفى قيام الليل من الفوائد أنه يحط الذنوب كما يحط الريح العاصف الورق الجاف من الشجرة وينور القبر ويحسن الوجه ويذهب الكسل وينشط البدن وترى الملائكة موضعه من السماء كما يتراء ى الكوكب الدرى لنا من السماء (فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ۵۵۷۳)

[2] رقم الحديث ۱۴۵۱ ،كتاب الصلاة،باب الحث على قيام الليل ، واللفظ لهٗ، ابنِ ماجة رقم الحديث ۱۳۳۵ ، صحيح ابنِ حبان رقم الحديث ۲۵۶۸)
اسنادهٗ صحيح (حاشية ابنِ حبان)

وقت سحری کھانے کے لئے تو اٹھتے ہی ہیں، اس میں صبح صادق یعنی انتہائے سحر سے پہلے (سحری کھانے سے پہلے یا بعد میں) جس قدر میسر ہو سکے، کم از کم دو یا اس سے زیادہ جتنی چاہیں، نفلیں پڑھ لیا کریں، اس سے رمضان میں تہجد کی فضیلت نصیب ہو سکتی ہے۔
پھر عادت ہو جائے تو بعد میں بھی جاری رکھ سکتے ہیں ورنہ کم از کم رمضان میں تو تہجد کا اہتمام کر ہی لیں۔
تہجد کا وقت صبح صادق یعنی انتہائے سحر سے پہلے پہلے ہے۔
بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ رمضان میں طلوعِ فجر یا انتہائے سحر ہونے کے بعد بھی تہجد پڑھتے رہتے ہیں۔
بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب تک فجر کی اذان نہ ہوئی ہو اس وقت تک تہجد کا وقت ہوتا ہے۔
حالانکہ بعض اوقات اذان صبح صادق ہونے کے بعد ہوتی ہے اور تہجد کا وقت اس سے پہلے صبح صادق ہونے پر ختم ہو جاتا ہے۔
ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

رمضان میں فجر کی جماعت جلدی ادا کرنا

رمضانُ المبارک میں طلوعِ فجر کے بعد دوسرے دنوں کے مقابلہ میں فجر کی نماز باجماعت اس لئے جلدی پڑھنا تاکہ زیادہ لوگ جماعت میں شریک ہو سکیں جائز بلکہ بہتر ہے۔
فقہ حنفی کی تحقیق کے مطابق اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ فجر کی نماز جلدی (اندھیرے میں) پڑھنے کے بجائے کچھ تاخیر سے (جب روشنی پھیل جائے) پڑھی جائے، جس میں زیادہ لوگوں کی شرکت آسان ہوتی ہے۔
اور تجربہ یہ ہے کہ رمضانُ المبارک میں اگر فجر کی نماز جلدی پڑھی جائے تو زیادہ لوگ شریک ہوتے ہیں اور عام دنوں کی طرح تاخیر سے پڑھی جائے تو بہت سے لوگ ویسے ہی سو جاتے

ہیں اوران کی نماز قضا ہوجاتی ہے یا جلدی بغیر جماعت کے نماز پڑھ کر سو جاتے ہیں۔
اس لئے صبح صادق کے بعد لوگوں کا لحاظ کرتے ہوئے فجر کی نماز جلدی پڑھ لی جائے کہ سب
کو جماعت سے نماز پڑھنے کی توفیق ہوجائے تو بہتر اور افضل ہے۔
حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اَنَّهُمْ تَسَحَّرُوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَامُوْا اِلَى الصَّلَاةِ قُلْتُ كَمْ بَيْنَهُمَا، قَالَ: قَدْرَ خَمْسِيْنَ اَوْسِتِّيْنَ، يَعْنِيْ آيَةً (بخاری) [1]

ترجمہ: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری تناول کی پھر فجر کی نماز ادا فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے کہا کہ سحری اور نماز کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ تو (حضرت زید بن ثابت نے فرمایا) کہ پچاس، ساٹھ آیات کے برابر (بخاری)

حضرت قُرَّہ بن حَیَّان بن حارث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

تَسَحَّرْنَا مَعَ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ السُّحُوْرِ، أَمَرَ الْمُؤَذِّنَ، فَأَقَامَ الصَّلَاةَ (شرح معانی الآثار) [2]

ترجمہ: ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سحری کھائی، پھر سحری سے فارغ ہوکر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مؤذن کو حکم دیا، پھر نماز پڑھی (شرح معانی الآ ثار)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سحری تناول فرما کر صبح صادق ہونے کے بعد جلدی فجر کی نماز ادا فرمائی تھی۔ [3]

---

[1] رقم الحدیث ۵۷۵، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب وقت الفجر.

[2] رقم الحدیث ۱۰۷۲، کتاب الصلاۃ، باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر أی وقت ھو ؟

[3] مطابقتہ للترجمۃ من حیث إنھم قاموا إلی الصلاۃ بعد أن تسحروا بمقدار قراء ۃ خمسین آیۃ أو نحوھا وذلک أول ما یطلع الفجر وھو أول وقت الصبح واستدل البخاری بھذا أن أول وقت الصبح ھو طلوع الفجر فحصل التطابق بین الحدیث والترجمۃ (عمدۃ القاری، ج۵، ص ۷۲، باب وقت الفجر)

پس رمضانُ المبارک میں طلوعِ فجر اور انتہائے سحر کے بعد جلد از جلد فجر کی نماز پڑھ لینا افضل ہے، مگر اتنا وقت ضرور دینا چاہئے کہ سحری کھا کر بآسانی استنجا، وضو اور فجر کی دو سنتوں سے فراغت حاصل کرلیں۔

سحری سے متعلق کوتاہیاں

اب سحری سے متعلق چند کوتاہیاں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱)...... بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جس شخص کی آنکھ دیر سے کھلی کہ فجر کی اذان ہو رہی تھی یا اس کے بھی کچھ دیر بعد آنکھ کھلی تو اس کے لئے جلدی جلدی سحری کھالینا جائز ہے۔

یہ غلط فہمی ہے، کیونکہ سحری کا وقت صبح صادق سے پہلے ہے، صبح صادق ہو جانے کے بعد سحری کھانا جائز نہیں، خواہ اذان ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو (معارف القرآن ج ا ص ۴۵۵)

(۲)...... بعض لوگ آدھی رات سے سحری کھا کر بیٹھ جاتے ہیں۔

اتنی جلدی سحری کھانا شریعت کے منشاء اور سحری کے مقاصد کے خلاف ہے، اس سے بچنا چاہئے، ہاں کوئی معذوری و مجبوری ہو تو علیحدہ بات ہے۔

(۳)...... بعض لوگ جو گھڑی گھنٹہ کے پابند ہوتے ہیں، وہ سحری کھانے میں اتنی تاخیر کرتے ہیں کہ بعض مرتبہ صبح صادق کے بعد کھانا کھانے کا شبہ ہونے لگتا ہے۔

یہ بے احتیاطی ہے، مطلوبِ شرعی یہ ہے کہ سحری صبح صادق سے بہت پہلے نہ کھائی جائے اور نہ ہی اتنی تاخیر کی جائے کہ صبح صادق ہونے کا گمان ہونے لگے بلکہ جب صبح صادق کا وقت قریب ہو اس وقت کھایا پیا جائے، اور صبح صادق سے پہلے اطمینان کے ساتھ فارغ ہو جائیں۔

(۴)...... بعض لوگ سحری تو مناسب وقت پر کھاتے ہیں مگر پھر خواہ مخواہ پان، نسوار، سگریٹ، چائے، قہوہ نوشی میں اتنی دیر لگا دیتے ہیں کہ طلوعِ فجر ہونے کے شبہ کی وجہ سے

روزہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

(۵)...... بعض لوگ پان، نسوار وغیرہ منہ میں دبا کر سو رہتے ہیں، اور اسی حال میں صبح ہو جاتی ہے، یہ سنگین کوتاہی ہے۔

اس سے روزہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

(۶)...... بعض لوگ سحری کھانے کے لئے تو اٹھتے ہیں، مگر فجر کی نماز پڑھے بغیر سحری کھا کر فوراً سو جاتے ہیں۔ اس طرح رمضان میں بھی ان کی فجر کی نماز قضا ہو جاتی ہے۔

یاد رکھئے! اس طرح سحری کی سنت ادا کر کے فجر کے فرضوں کو قضا کرنا جائز نہیں۔

(۷)...... بعض لوگ فجر کی نماز قضا تو نہیں کرتے لیکن نیند پوری کرنے کی غرض سے فجر کی جماعت چھوڑ دیتے ہیں اور جلدی سے گھر ہی میں فجر کی نماز پڑھ کر سو رہتے ہیں۔

یہ بھی درست نہیں، جب تک کوئی واقعی مجبوری نہ ہو، اس طرزِ عمل سے بچنا چاہئے۔

(۸)...... بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی پر صبح صادق سے پہلے غسل واجب ہو یا صبح صادق سے پہلے عورت کو حیض ونفاس آنا بند ہوا ہو تو یہ غسل سے پہلے سحری نہیں کھا سکتے۔

لہٰذا اگر کسی کی دیر سے آنکھ کھلی اور غسل کرنے اور سحری کھانے کا وقت نہیں تو پریشان ہوتے ہیں اور بعض تو روزہ ہی چھوڑ دیتے ہیں یا بغیر سحری کے روزہ رکھ کر تکلیف اٹھاتے ہیں۔

حالانکہ سحری اس حالت میں بھی کھانا جائز ہے، اگر وقت تھوڑا ہو تو سحری کھالیں اور اس کے بعد غسل کر کے نماز پڑھیں، اس سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی،، البتہ کھانے سے پہلے کلی یا وضو کرلیں، تو بہتر ہے۔

(۹)...... آج کل بہت سی جگہ اذان صبح صادق ہونے سے پہلے ہی دے دی جاتی ہے اور بعض جگہ صبح صادق ہونے کے کچھ دیر بعد دی جاتی ہے اور بعض جگہ جنتری میں وقت دیکھ کر ٹھیک صبح صادق ہونے پر فوراً دے دی جاتی ہے اور اس طرح کافی وقت تک مختلف مسجدوں میں اذانوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

دوسری طرف عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ پہلی اذان کی آواز کان میں پڑتے ہی سحری کھانا چھوڑ دینا چاہئے خواہ وہ اذان صبح صادق سے پہلے ہو رہی ہو، یا اس کے بعد ہو رہی ہو یا ٹھیک صبح صادق کے وقت پر ہو رہی ہو، اور بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب تک اذانوں کا سلسلہ چلتا رہے اس وقت تک سحری کھانا جائز رہتا ہے خواہ اذان صبح صادق ہو چکنے کے کتنی ہی دیر بعد کیوں نہ ہو رہی ہو۔

اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو اپنے محلّہ کی اذان کو سحری ختم کرنے کا معیار سمجھتے ہیں۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ سحری ختم کرنے کا معیار پہلی یا بعد کی یا اپنے محلّہ کی اذان نہیں ہے بلکہ صبح صادق کا ہونا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

”وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (سورة البقرة آيت ۱۸۷ پ ۲)

ترجمہ: اور کھاؤ پیو اس وقت تک کہ تم کو سفید دھاگہ فجر کا ظاہر ہو جائے سیاہ دھاگہ (یعنی رات) سے (سورہ بقرہ)

اس آیت میں سفید دھاگے سے بیاض النہار (یعنی دن کی سفیدی جو صبح صادق سے شروع ہوتی ہے) مراد ہے، اور سیاہ دھاگے سے سوادُ اللیل (یعنی رات کی تاریکی) مراد ہے اور یہ تفسیر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ احادیث میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ واقعہ آتا ہے کہ:

جب سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی تو اُنہوں نے ایک سیاہ دھاگہ اور ایک سفید دھاگہ رکھ لیا، اور دونوں کو دیکھنا شروع کیا اور جب رات کی تاریکی میں دونوں میں کچھ فرق معلوم نہ ہوا؛ تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إنما ذلک سواد الليل وبياض النهار (بخاری، رقم الحديث ۱۹۱۶ ،واللفظ لهٗ و رقم الحديث ۴۵۱۰؛ مسلم، رقم الحديث ۱۰۹۰ ”۳۳“ ؛ ابوداوٗد، رقم الحديث ۲۳۴۹ ؛ نسائی،رقم الحديث ۲۱۶۹ ؛ مصنف ابنِ ابی شيبة،رقم الحديث ۹۱۷۲)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس آیت میں رات کی تاریکی کو سیاہ خیط (یعنی دھاگے) اور صبح کی روشنی کو سفید خیط (یعنی دھاگے) کی مثال سے بتلا کر روزہ شروع ہونے اور کھانا پینا حرام ہوجانے کا صحیح وقت متعین فرمادیا۔

کھانے پینے اور روزہ کے درمیان حدِ فاصل صبح صادق کا ہونا ہے، صبح صادق ہوجانے کے بعد کھانے پینے میں مشغول رہنا روزے کو فاسد اور ضائع کرنے والا عمل ہے، اگرچہ ایک ہی منٹ کے لئے ہو۔

جس طرح سے کہ سورج غروب ہونے سے ایک لمحہ پہلے بھی افطار کرلینا اور کھا پی لینا روزہ کو فاسد کردیتا ہے، اور جو حکم روزہ کے آخری وقت کا ہے، وہی پہلے وقت کا بھی ہے، اور جس طرح آخری وقت سے ایک منٹ پہلے کھانا پینا روزہ کو ضائع کردیتا ہے، اسی طرح شروع حصہ میں صبح صادق کے بعد کا بھی یہی حکم ہے۔

سحری کھانے میں وسعت اور گنجائش صرف اسی وقت تک ہے جب تک صبح صادق نہ ہو۔

بہرحال قرآن مجید نے جو حد بندی فرمادی ہے وہ صبح صادق کا ہوجانا ہے اس کے بعد ایک منٹ کے لئے بھی کھانے پینے کی اجازت دینا نصِ قرآن کی خلاف ورزی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ یعنی ''(قرآن مجید کی اس آیت میں جو سیاہ اور سفید دھاگہ بیان کیا گیا ہے) وہ تو رات کا اندھیرا اور دن کی روشنی ہے''

اور ترمذی اور مسند احمد وغیرہ میں یہ الفاظ ہیں کہ:

إنما ذلک بياض النهار من سواد الليل (ترمذی، رقم الحديث ۲۹۷۰،مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۳۷۰ ورقم الحديث ۱۹۳۷۵ ؛ سنن البيهقی،رقم الحديث ۷۹۹۹؛ المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۷۲ ؛ ابنِ خزيمه،رقم الحديث ۱۹۲۵)

یعنی ''(قرآن مجید کی اس آیت میں جو سیاہ اور سفید دھاگہ بیان کیا گیا ہے) وہ تو دن کی روشنی ہے رات کے اندھیرے کے مقابلے میں''

[1] **وكلوا وأشربوا الليل كله حتى يتبين أی يظهر لكم الخيط الأبيض وهو أول ما يبدو من الفجر الصادق المعترض فی الأفق قبل إنتشاره وحمله على الفجر الكاذب المستطيل الممتد كذنب السرحان وهم من الخيط الأسود وهو ما يمتد مع بياض الفجر من ظلمة آخر الليل من الفجر بيان لأول الخيط ومنه يتبين الثانی وخصه بالبيان لأنه المقصود (روح المعانی، سوره بقره)**

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی سحری کھانے میں طلوعِ فجر ہونے سے پہلے کا لحاظ کیا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولـم يقل حتى يتبين لكم الفجر دلالة على حرمة الاكل عند ظهور خيطه يعنى اول جزء منه (التفسير المظهرى ،الجزء الاول ،ص ۲۰۴ ،سورة البقرة)

ولا شک أن حتـى لانتهـاء الـغاية فـدلـت الآية عـلى أن حل المباشرة والأكل والشرب ينتهى عند طلوع الصبح (غرائب القرآن ورغائب الفرقان تفسير النيسا بورى، ج ا ص ۵۱۵، سورة بقرة)

الخيط الأبيض هو أول ما يبدو من الفجر الصادق وهو المستطير :أى المنتشر المعترض فى الأفق كالخيط الممدود (العناية شرح الهداية، ج۲ ص ۳۲۶، كتاب الصوم، فصل فى رؤية الهلال)

الـفـجـر أول طـلـوع الصبح لانفجار ظلمة الليل عن نور الصباح حينئذ ولذلک سمى الفجر فجرا (روح المعانى، ج۸ص ۱۳۰، سوره اسراء)

الـخيـط الأبيـض مـن الـفـجر يتبين عند ابتداء طلوع أوائل الفجر، وقد جعل الله تعالى ذكره ذلک حـدًّا لـمـن لـزَمه الصوم فى الوقت الذى أباح إليه الأكل والشرب والمباشرة............والنهار عندهم أوَّلـه طـلـوع الـفجر، وذلک هو ضوء الشمس وابتداءُ طلوعها دون أن يتتامَّ طلوعها، كما أن آخر النهار ابتداء ُغروبها دون أن يتتامَّ غروبها(تفسير الطبرى ،ج۳ص ۵۳۱،سورة البقرة آيت ۱۸۷)

فإن قيل :فـكيف يشبـه الـصبـح الـصادق بالخيط ، مع أن الصبح الصادق ليس بمستطيل والخيط مستطيل .وجوابه :أن القدر من البياض الذى يحرم هو أول الصبح الصادق ، وأول الصبح الصادق لا يكون منتشراً بل يكون صغيراً دقيقاً .بل الفرق بينه وبين الصبح الكاذب أن الصبح الكاذب يطلع دقيـقاً ، والصادق يبدو دقيقاً ، ويرتفع مستطيلاً فزال السؤال ، فأما ما حكى عن عدى بن حاتم فبعيد ، لأنـه يبـعـد أن يـخفى على مثله هذه الإستعارة مع قوله تعالى :(مِنَ الفجر) . المسألة الثانية :لا شک أن كلمة (حتى) لانتهـاء الـغـاية ، فـدلت هذه الآية على أن حل المباشرة والأكل والشرب ينتهى عند طلوع الصبح (تفسير الرازى ج۵ص ۲۷۳، سورة البقرة، آيت ۱۸۷)

وشبـه بـالـخيـط وذلک بـاول حـالـه لانه يبدودقيقا ثم يرتفع مستطيرا فبطلوع اوله فى الافق يجب الامسـاک هـذا مـذهـب الـجـمـهـور وبـه اخذ الناس ومضت عليه الاعصار والامصار وهو مقتضى حديث ابن مسعود وسمرة بن جندب (تفسير البحرالمحيط ج۲ص ۲۱۶،سورة البقرة)

ذكـر الـشـمـنـى أن المعتبر أول طلوع الصبح عند جمهور العلماء (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۳۸۴، كتاب الصوم، باب فى مسائل متفرقة)

أجـمـع الـعـلـماء على أن وقت صلاة الصبح طلوع الفجر، وهو البياض المعترض فى الافق الشرقى (شرح ابنِ بطال، ج۲ ص ۲۰۰،كتاب مواقيت الصلاة وفضلها، باب وقت الفجر)

قـول الله -تـعالى : -(حتـى يتبيـن لـكـم الـخيط الأبيض من الخيط الأسود من الفجر) وقد ظهر تـحـريـم الأكـل بـطـلوع الفجر عند الخاص والعام وفى كل عصر ومصر(مواهب الجليل فى شرح مختصر الشيخ خليل، ج ا ص ۳۹۸، باب مواقيت الصلاة)

يثبت كونه من النهار بقوله تعالى (فكلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جاتا تھا۔ [1]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سحری ختم کرنے یا انتہائے سحر کا اصل معیار اور دارومدار صبح صادق ہونے پر ہے نہ کہ اذان یا کسی دوسری چیز پر۔

اور اذان تو دراصل فجر کی نماز کے لئے دی جاتی ہے۔

رمضانُ المبارک کے سحر وافطار کے جو نقشے اور جنتریاں شائع ہوتی ہیں ان میں بھی روزمرہ کے اعتبار سے ایک، آدھ منٹ کے فرق کے ساتھ پورے مہینہ کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

اگر سحری کا معیار اذان ہوتی تو ان تمام جنتریوں میں خوامخواہ روزمرہ کی الگ الگ اتنی تفصیل لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

پھر اگر اذان ہی کو معیار قرار دینا ہے تو اس اذان کا معیار کیا ہوگا کیونکہ اذانوں کا سلسلہ بھی دیر تک چلتا رہتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من الفجر) وباجماع اهل الاعصار على تحريم الطعام والشراب بطلوع الفجر وثبت فى حديث جبريل عليه السلام ان النبى صلى الله عليه وسلم قال (ثم صلى الفجر حين برق الفجر وحرم الطعام على الصائم "وهو حديث صحيح كما سبق وثبتت الاحاديث الاربعة فى الفرع الذى قبل هذا وفى الصحيحين ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال (ان بلالا يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى يؤذن ابن أم مكتوم) والليل لا يصح الصوم فيه باجماع المسلمين(المجموع شرح المهذب، ج۳ صفحه ۴۵، ۴۶، باب مواقيت الصلاة)

[1] عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِى بَكْرٍ، أَنَّهُ قَالَ :سَمِعْتُ أَبِى يَقُولُ :كُنَّا نَنْصَرِفُ فِى رَمَضَانَ، فَنَسْتَعْجِلُ الْخَدَمَ بِالطَّعَامِ، مَخَافَةَ الْفَجْرِ(الموطأ للامام مالک، رقم الحديث ۳۸۲)

(وعن عبد الله بن أبى بكر) ، أى :ابن محمد بن عمرو بن حزم الأنصارى المدنى، أحد أعلام المدينة تابعى، قال أحمد :حديثه شفاء ، ذكره المؤلف .(قال :سمعت أبيا يقول :كنا ننصرف فى رمضان من القيام) ، أى :من قيام صلاة التراويح سمى بذلک ;لأنهم كانوا يطيلون القيام فيه، لا لما نقل عن الحليمى أنه لكونهم يفعلونها عقب القيام من النوم ;لأن أكثرهم كانوا يفعلونها قبل النوم .(فنستعجل الخدم) : بفتحتين، أى الخدام (بالطعام) ، أى :بتهيئته أو بإحضاره لنتسحر به، (مخافة) : علة الاستعجال (فوت السحور) : بالضم والفتح (وفى أخرى :مخافة الفجر) ، أى: اقترابه فيفوت السحور، فمآل الروايتين واحد فى المعنى، وإن اختلفتا فى المبنى (مرقاة المفاتيح، ج۳ص ۹۷۳، باب قيام شهر رمضان)

غرضیکہ یہ طرزِ عمل شریعت کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ عقل کے بھی خلاف ہے۔ [۱]

---

[۱] بعض لوگ ایک حدیث سے صبح صادق کے بعد کھاتے پیتے رہنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہیں، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:

إِذَا سَمِعَ أَحَدُكُمُ النِّدَاءَ وَالإِنَاءُ عَلَى يَدِهِ فَلا يَضَعْهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ (ابوداؤد، رقم الحديث ۲۳۵۰، كتاب الصوم، باب في الرجل يسمع النداء والإناء على يده)

کہ ”جب تم میں سے کوئی نداء سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو اس برتن کو اس وقت تک نہ رکھے جب تک کہ اس سے اپنی ضرورت پوری نہ کرلے“

اس کے یہ معنٰی مراد لینا جو ان لوگوں نے سمجھے ہیں درست نہیں ہیں، کیونکہ یہ معنٰی مراد لینا قرآن مجید کی صریح مخالفت ہے قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ سحری کی انتہاء صبح ہونے پر بلکہ طلوعِ فجر کا خیط (دھاگہ) ظاہر ہونے پر ہوجاتی ہے۔ اور کسی مبہم حدیث سے قرآن مجید کی مخالفت جائز نہیں۔

وَذَهَبَ الْجُمْهُورِ إِلَى امْتِنَاعِ السُّحُورِ بِطُلُوعِ الْفَجْرِ ، وَهُوَ قَوْلُ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ ، وَعَامَّةِ فُقَهَاءِ الْأَمْصَارِ (حاشية ابن القيم، تهذيب السنن على هامش عون المعبود، ج۶ ص ۳۴۱، كتاب الصوم، باب في الرجل يسمع النداء والإناء على يده)

اس حدیث میں نہ تو سحری کا ذکر ہے، نہ ہی فجر کی اذان کا ذکر ہے اور نہ ہی رمضان کا ذکر ہے اور نہ ہی صاف طور پر اذان کا لفظ موجود ہے بلکہ ”نداء“ کا لفظ ہے، اب اس وسیع مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس حدیث کے جو صحیح مطالب بیان فرمائے گئے ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اس حدیث کا روزے سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ جب کھانے پینے کی کوئی چیز ہاتھ میں ہو اور اس حال میں اذان ہوجائے تو وہ چیز کھا پی لے، اذان سننے یا اس کا جواب دینے کے لئے فوراً وہ کھانا پینا چھوڑنا ضروری نہیں، بلکہ اس کے کھانے پینے کی اجازت ہے۔

(۲) حدیث میں ”نداء“ کا لفظ ہے اذان کا نہیں جس سے اقامت (یعنی جماعت کھڑی ہونے کی تکبیر) بھی مراد ہوسکتی ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی پانی وغیرہ پی رہا ہو اور اس حال میں اقامت شروع ہوجائے تو پانی وغیرہ پی کر اطمینان سے جماعت میں شریک ہوسکتا ہے، فوراً وہ پانی وغیرہ چھوڑنا ضروری نہیں۔

(۳) یہ حدیث دراصل افطار سے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ مغرب کی اذان ہوجائے اور وہ افطار کر رہا ہو تو اس کا جواب دینے کے لئے افطار موقوف نہ کرے۔

(۴) یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب روزہ دار کو معلوم ہو کہ اذان ہی صبح صادق سے پہلے ہو رہی ہے (جیسا کہ آج کل بعض جگہ ہو رہی ہوتی ہے) تو وہ سحری میں کھانا پینا جاری رکھ سکتا ہے، کیونکہ سحری کا تعلق صبح صادق سے ہے نہ کہ اذان سے (جیسا کہ تفصیل سے پیچھے گزر چکا ہے)

(۵) اس حدیث میں وہ اذان مراد ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں خاص غرض سے صبح صادق سے پہلے دی جاتی تھی۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا سحری کے ختم کرنے کی بنیاد انتہائے سحر کے وقت یا بالفاظِ دیگر صبح صادق کو بنانا چاہئے نہ کہ فجر کی اذان کو اور اس کا وقت عام طور پر جنتریوں میں لکھا ہوتا ہے، مستند کیلنڈر اور جنتریوں میں درج شدہ وقت کو اپنی گھڑیوں کے ساتھ ملا کر آسانی سے سحری ختم ہونے کا وقت معلوم کیا جاسکتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فلا يضعه "أى الإناء "حتى يقضى حاجته منه "أى بالأكل والشرب، وهذا إذا علم أو ظن عدم الطلوع، وقال ابن الملك :هذا إذا لم يعلم طلوع الصبح، أما إذا علم أنه قد طلع أو شك فيه فلا، وقال الخطابى :هذا مبنى على قوله -صلى الله عليه وسلم " -إن بلالا يؤذن بليل، فكلوا واشربوا حتى يؤذن ابن أم مكتوم "، وفيه أنه لا يظهر حينئذ فائدة القيد، قال :أو يكون معناه أن يسمع النداء وهو شاك فى الصبح لتغيم الهواء مثلا فلا يقع له العلم بأذانه أن الفجر قد طلع لعلمه أن دلائل الفجر معدومة ولو ظهرت للمؤذن لظهرت له أيضا، فأما إذا علم طلوعه فلا حاجة إلى أذان الصارخ، فإنه مأمور بالإمساك إذا تبين له الخيط الأبيض من الخيط الأسود، وقال الطيبى :يشعر دليل الخطاب بأنه لم يفطر إذا لم يكن الإناء فى يده، وقد سبق أن تعجيل الإفطار مسنون، لكن هذا من مفهوم اللقب فلا يعمل به، وتعقبه ابن حجر بأن الصواب أنه ليس من مفهوم اللقب، والتقييد بالجملة الحالية له مفهوم اتفاقا اهـ يعنى عند الشافعية، وإلا فعند الحنفية لا اعتبار بالمفهوم إلا فى المسألة لا فى الأدلة.

وقال ابن حجر تبعا للطيبى :إيماء ويصح أن يراد من الحديث طلب تعجيل الفطر، أى إذا سمع أحدكم نداء المغرب وصادف ذلك أن الإناء فى يده لحالة أخرى فليبادر بالفطر منه ولا يؤخر إلى وضعه، وبهذا يندفع قول الشارح، ووجه اندفاعه أن قوله والإناء فى يده ليس للتقييد بل للمبالغة فى السرعة اهـ وهو فى غاية من البعد مع أن قوله لحاجة أخرى يرده صريح الحديث حتى يقضى حاجته منه، فالصواب أنه قيد احترازى فى وقت الصبح مشعر بأن إمكان سرعة أكله وشربه لتقارب وقته واستدراك حاجته واستشراف نفسه وقوة نهمته وتوجه شهوته بجميع همته مما يكاد يخاف عليه أنه لو منع منه لما امتنع فأجازه الشارع -رحمة عليه، وتدريجا له بالسلوك والسير إليه، ولعل هذا كان فى أول الأمر، ويشير عليه ما وقع من الخلاف فى الصبح المراد فى الصوم.

فقد ذكر الشمنى أن المعتبر أول طلوع الصبح عند جمهور العلماء (مرقاة المفاتيح ج۴ص ۱۳۸۴، كتاب الصوم، باب فى مسائل متفرقة)

(إذا سمع أحدكم النداء) أى الأذان للصبح وهو يريد الصوم (والإناء) مبتدأ (على يده) خبره (فلا يضعه) نهى أو نفى بمعناه (حتى يقضى حاجته) بأن يشرب منه كفايته ما لم يتحقق طلوع الفجر أو يظنه يقرب منه وما ذكر من أن المراد به أذان الصبح هو ما جزم به الرافعى فقال :أراد أذان بلال الأول بدليل إن بلالا يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى يؤذن ابن أم مكتوم وقيل المراد أذان المغرب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خصوصاً جبکہ گھڑیاں اور گھنٹے بھی گھر گھر میں بلکہ ہر شخص کے ساتھ موجود ہیں، جن سے روزمرّہ کے کاموں میں مدد حاصل کی جاتی ہے اور جنتریاں اور سحر وافطار کے نقشے بھی آسانی سے حاصل ہو جاتے ہیں۔

مگر نہ جانے کیوں جانتے بوجھتے ہوئے لوگ نہ ان نقشوں کو دیکھتے ہیں اور نہ ہی گھڑیوں کی طرف توجہ کرتے ہیں، اس کی وجہ سوائے غفلت کے اور کیا ہو سکتی ہے؟ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإذا سمعه الصائم والإناء فی یده فلا یضعه بل یفطر فورا محافظة علی تعجیل الفطر وعلیه قال الطیبی :دلیل الخطاب فی أحدکم یشعر بأنه لا یفطر إذا لم یکن الإناء فی یده ویأتی أن تعجیل الفطر مسنون مطلقا لکن هذا مفهوم لقب فلا یعمل به(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی، تحت رقم الحدیث ٦٨٦)

(وَأَمَّا) حَدِیثُ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِیِّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ "إذَا سَمِعَ أَحَدُکُمُ النِّدَاءَ وَالْإِنَاءُ عَلَی یَدِهِ فَلَا یَضَعُهُ حَتَّی یَقْضِیَ حَاجَتَهُ مِنْهُ "وَفِی روایة "وکان المؤذن یؤذن إذا بزغ الْفَجْرُ "فَرَوَی الْحَاکِمُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الرِّوَایَةَ الاولی وَقَالَ هَذَا حَدِیثٌ صَحِیحٌ عَلَی شَرْطِ مُسْلِمٍ وَرَوَاهُمَا الْبَیْهَقِیُّ ثُمَّ قَالَ وَهَذَا إنْ صَحَّ مَحْمُولٌ عِنْدَ عَوَامِّ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَی أَنَّهُ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلِمَ أَنَّهُ یُنَادَی قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ بِحَیْثُ یَقَعُ شُرْبُهُ قُبَیْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ قَالَ وَقَوْلُهُ إذَا بَزَغَ یَحْتَمِلُ أَنْ یَکُونَ مِنْ کَلَامِ مَنْ دُونَ أَبِی هُرَیْرَةَ أَوْ یَکُونَ خبرا عن الْأَذَانِ الثَّانِی وَیَکُونُ قَوْلُ النَّبِیِّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "إذَا سَمِعَ أَحَدُکُمُ النِّدَاءَ وَالْإِنَاءُ عَلَی یَدِهِ "خَبَرًا عَنْ النِّدَاءِ الْأَوَّلِ لِیَکُونَ مُوَافِقًا لِحَدِیثِ ابْنِ عُمَرَ وَعَائِشَةَ رَضِیَ اللَّهُ عنهما قَالَ وَعَلَی هَذَا تَتَّفِقُ الْأَخْبَارُ وَبِاَللَّهِ التَّوْفِیقُ والله أعلم(المجموع شرح المهذب، ج٦ص ٣١٢، کتاب الصیام)

وَعَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ مَرْفُوعًا :(إذَا سَمِعَ أَحَدُکُمُ النِّدَاءَ وَالْإِنَاءُ عَلَی یَدِهِ فَلَا یَضَعْهُ حَتَّی یَقْضِیَ حَاجَتَهُ مِنْهُ)رَوَاهُ أَبُو دَاوُد ، فَإِنْ صَحَّ فَمَعْنَاهُ أَنَّهُ لَمْ یَتَحَقَّقْ طُلُوعُ الْفَجْرِ (الفروع لابن المفلح، کتاب الصیام، فصل تعجیل الافطار وتاخیر السحور)

[1] قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یمنعن احدا منکم اذان بلال او قال نداء بلال من سحوره فانه یؤذن او قال ینادی بلیل لیرجع قائمکم و یوقظ نائمکم وقال لیس ان یقول ھٰکذا و ھٰکذا و صوّب یده ورفعها حتی یقول ھٰکذا و فرّج بین اصبعیه(صحیح مسلم رقم الحدیث ١٠٩٣ "٣٩"، کتاب الصیام، باب بیان ان الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر وان له الخ واللفظ لهٗ، بخاری ،رقم الحدیث ٦٢١ رقم الحدیث ٧٢٤٧)

فیه أبین البیان علی أن بلالا کان یؤذن باللیل لانتباه النوام ، ورجوع الهجد ، عن القیام لا لصلاة الفجر ، فإذا کان المسجد له مؤذنان ، وأذن أحدهما بلیل لما وصفنا ، والآخر عند انفجار الصبح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے اور روزوں کی اصلاح کے لئے آگاہ کرنے کا مناسب طریقہ اختیار کرنا چاہئے، جس کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ مسجدوں وغیرہ میں سحری کا وقت ختم ہونے سے پہلے لاؤڈ اسپیکر وغیرہ پر سحری بند کرنے کا اعلان کردیا جائے، یا کسی جگہ سائرن

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لصلاة الفجر ، كان ذلک جائزا ، فأما من أذن بليل قبل طلوع الفجر لصلاة الصبح ، كان عليه الإعادة لصلاة الصبح (صحيح ابنِ حبان، تحت حديث رقم ۳۴۷۲، ج۸ص ۲۵۱، كتاب الصوم، باب السحور)

ومعناه يرد القائم أى المتهجد إلى راحته ليقوم إلى صلاة الصبح نشيطا أو يكون له حاجة إلى الصيام فيتسحر وقال الكرمانى ليرجع إما من الرجوع وإما من الرجع وقائمكم مرفوع أو منصوب قلت فهم منه أنه جوز الوجهين ههنا أحدهما كون ليرجع لازما ويكون قائمكم فاعله مرفوعا والآخر يكون متعديا ويكون قائمكم منصوب على أنه مفعول له قوله ولينبه من التنبيه أى وليوقظ نائمكم وقال الكرمانى ولينبه من التنبيه وهو الإنباه وفى بعضها ولينتبه من الانتباه قلت جوز الوجهين فيه أيضا ثم قال معناه أنه إنما يؤذن بالليل ليعلمكم أن الصبح قريب فيرد القائم المتهجد إلى راحته لينام لحظة ليصبح نشيطا ويوقظ نائمكم ليتأهب للصبح بفعل ما أراده من تهجد قليل أو تسحر أو اغتسال قلت أو لإيتار إن كان نام عن الوتر وهذا كما ترى جوز الكرمانى الوجهين فى كل واحد من قوله ليرجع ولينبه ولم يبين أنهما رواية أم لا آوالظاهر أنه تصرف من جهة المعنى(عمدة القارى ،ج۵ص ۱۳۴، كتاب مواقيت الصلاة، باب الاذان قبل الفجر)

قلت: وشرحه ماقاله الشيخ مولانا محمود حسن المحدث الديوبندى قدس الله سره: أن للإمام أن يعين طريقا لإيقاظ النائمين وتسحير الصائمين فى رمضان وغيره سواء كان بدق الطبل أو إطلاق المدافع أو زيادة أذان بالليل وهذا لانزاع فيه، وأذان بلال من هذا القبيل، والنزاع إنما هو فى أن أذان الفجر هل يجوزقبل الوقت أم لا؟ وحديث بلال لايجوزه ولا ينهاه، فإن أذانه لم يكن لصلاة الفجر وإنما كان لها أذان ابن أم مكتوم، فمن ادعى جواز الأذان للصلاة المكتوبة قبل الوقت فليأت ببرهان غير هذا اه. قلت: سمعت هذا منه مشافهة رضى الله عنه (اعلاء السنن، باب أن لايؤذن قبل الفجر، جلد۲ صفحه ۱۳۳، ۱۳۴)

وبلال رضى الله عنه ما كان يؤذن بليل لصلاة الفجر بل لمعان أخر ، لما روى عن ابن مسعود رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال (لا يمنعنكم من السحور أذان بلال فإنه يؤذن بليل ليوقظ نائمكم ويرد قائمكم ويتسحر صائمكم ، فعليكم بأذان ابن أم مكتوم). وقد كانت الصحابة رضى الله عنهم فرقتين :فرقة يتهجدون فى النصف الأول من الليل ، وفرقة فى النصف الأخير ، وكان الفاصل أذان بلال ، والدليل على أن أذان بلال كان لهذه المعانى لا لصلاة الفجر أن ابن أم مكتوم كان يعيده ثانيا بعد طلوع الفجر(بدائع الصنائع،ج ۱ ص ۱۵۵ ،كتاب الصلاة، فصل واما بيان من تجب عليه الجماعة)

وغیرہ بجایا جائے، پھر صبح صادق ہو جانے کے بعد فجر کی اذان دی جائے، تاکہ روزہ بھی اپنی جگہ صحیح ہو جائے اور فجر کی اذان بھی اپنے وقت پر ادا ہو۔

اور درمیان میں تھوڑا سا وقفہ بھی رکھا جائے، کیونکہ نقشہ اور گھڑی کے وقت میں کچھ فرق ہونے کی وجہ سے سحری کچھ پہلے ختم کر دینے اور اذان بعد میں دینے میں احتیاط ہے۔

البتہ اگر کسی جگہ لوگ اعلان اور دوسرے طریقوں سے بھی باز نہ آتے ہوں، اور وہ اذان ہونے یا اذان ختم ہونے تک کھاتے پیتے رہتے ہوں، تو ایسی صورت میں لوگوں کے روزوں کی فرضیت کی حفاظت کی خاطر اگر فجر کی اذان طلوعِ فجر سے کچھ پہلے دے دی جائے، تاکہ لوگ سحری کھانے سے باز آ جائیں، تو بعض فقہائے کرام کے قول کے مطابق اس کی گنجائش ہے۔ [1]

---

[1] امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فجر کی اذان طلوعِ فجر سے قبل جائز نہیں، اور امام ابو یوسف اور بعض دیگر فقہائے کرام رحمہم اللہ کے نزدیک طلوعِ فجر سے قبل فجر کی اذان جائز ہے۔

اور اذان سنت عمل ہے، اور روزہ فرض عمل ہے، لہٰذا اگر کسی جگہ کا ماحول ایسا ہو کہ لوگ اذان کے بغیر سحری کھانے سے باز نہ آتے ہوں (جیسا کہ آج کل بہت سے علاقوں میں یہی صورتِ حال ہے) تو اس مجبوری اور مخصوص صورتِ حال میں رمضان میں اذان کے مسنون عمل ہونے کی وجہ سے اور بعض فقہائے کرام کے قول کے پیشِ نظر فجر کی اذان طلوعِ فجر سے قبل دے دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، تاکہ لوگ کھانے پینے سے باز رہیں، اور ان کے روزہ کی فرضیت صحیح ادا ہو سکے۔ محمد رضوان۔

ذكر ما يستفاد منه فيه :أن الأذان الذى كان يؤذن به بلال، رضى الله تعالى عنه، كان لرجع القائم وإيقاظ النائم، وبه قال أبو حنيفة .قال :ولا بد من أذان آخر، كما فعل ابن أم مكتوم، وهو قول النووى أيضا، وقد ذكرنا اختلاف العلماء فيه فيما مضى، وقال أبو الفتح القشيرى :الذين قالوا بجواز الأذان للصبح قبل دخول الوقت اختلفوا فى وقته، فذكر بعض الشافعية أنه يكون فى وقت السحر بين الفجر الصادق والكاذب، ويكره التقديم على ذلك الوقت، وعند البعض :يؤذن عند انقضاء صلاة العتمة من نصف الليل، وقيل :عند ثلث الليل، وقيل :عند سدسه الآخر.

وقال أبو يوسف وأحمد ومالك فى قول الجواز :من نصف الليل، وهو الأصح من أقوال أصحاب الشافعى، رضى الله تعالى عنه .والقول الثانى :عند طلوع الفجر فى السحر، وقال النووى :وبه قطع البغوى وصححه القاضى حسين والمتولى .والثالث :يؤذن لها فى الشتاء لسبع يبقى من الليل، وفى الصيف لنصف سبع يبقى .والرابع :من ثلث الليل آخر الوقت المختار .والخامس :جميع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ورنہ کم از کم لوگوں اور عوام الناس کو اس چیز سے تو آگاہ کرنے کا اہتمام کرنا ہی چاہئے کہ وہ سحری کھانے پینے کا سلسلہ انتہائے سحر کا وقت ہونے پر لازماً بند کردیں، ورنہ چند منٹ کی وجہ سے پورے دن کا روزہ خطرہ میں پڑ کر فاقہ کشی کی نذر ہو سکتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الليل وقت لأذان الصبح، حكاه إمام الحرمين، وقال :لولا حكاية أبى على له، وأنه لم ينقل إلا ما صح عنده لما استجزت نقله(عمدة القارى، ج۵ص ۱۳۵، باب الاذان قبل الفجر)

(فَصْلٌ): وَأَمَّا بَيَانُ وَقْتِ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ فَوَقْتُهُمَا مَا هُوَ وَقْتُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ، حَتَّى لَوْ أَذَّنَ قَبْلَ دُخُولِ الْوَقْتِ لَا يُجْزِئُهُ وَيُعِيدُهُ إذَا دَخَلَ الْوَقْتُ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ.

وَقَدْ قَالَ أَبُو يُوسُفَ :أَخِيرًا لَا بَأْسَ بِأَنْ يُؤَذِّنَ لِلْفَجْرِ فِي النِّصْفِ الْأَخِيرِ مِنْ اللَّيْلِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

(وَاحْتَجَّا) بِمَا رَوَى سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -أَنَّ بِلَالًا كَانَ يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ :لَا يَغُرَّنَّكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ عَنْ السَّحُورِ فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ ؛ وَلِأَنَّ وَقْتَ الْفَجْرِ مُشْتَبَهٌ، وَفِي مُرَاعَاتِهِ بَعْضُ الْحَرَجِ بِخِلَافِ سَائِرِ الصَّلَوَاتِ.

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ مَا رَوَى شَدَّادُ مَوْلَى عِيَاضِ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -قَالَ لِبِلَالٍ لَا تُؤَذِّنْ حَتَّى يَسْتَبِينَ لَكَ الْفَجْرُ هَكَذَا ، وَمَدَّ يَدَهُ عَرْضًا؛ وَلِأَنَّ الْأَذَانَ شُرِعَ لِلْإِعْلَامِ بِدُخُولِ الْوَقْتِ، وَالْإِعْلَامُ بِالدُّخُولِ قَبْلَ الدُّخُولِ كَذِبٌ، وَكَذَا هُوَ مِنْ بَابِ الْخِيَانَةِ فِي الْأَمَانَةِ، وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ عَلَى لِسَانِ رَسُولِ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -، وَلِهَذَا لَمْ يَجُزْ فِي سَائِرِ الصَّلَوَاتِ؛ وَلِأَنَّ الْأَذَانَ قَبْلَ الْفَجْرِ يُؤَدِّي إلَى الضَّرَرِ بِالنَّاسِ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ وَقْتُ نَوْمِهِمْ خُصُوصًا فِي حَقِّ مَنْ تَهَجَّدَ فِي النِّصْفِ الْأَوَّلِ مِنْ اللَّيْلِ، فَرُبَّمَا يَلْتَبِسُ الْأَمْرُ عَلَيْهِمْ، وَذَلِكَ مَكْرُوهٌ.

وَرُوِيَ أَنَّ الْحَسَنَ الْبَصْرِيَّ كَانَ إذَا سَمِعَ مَنْ يُؤَذِّنُ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ قَالَ :عُلُوجٌ فِرَاغٌ لَا يُصَلُّونَ إلَّا فِي الْوَقْتِ، لَوْ أَدْرَكَهُمْ عُمَرُ لَأَدَّبَهُمْ، وَبِلَالٌ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -مَا كَانَ يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ لِصَلَاةِ الْفَجْرِ بَلْ لِمَعَانٍ أُخَرَ، لِمَا رُوِيَ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -عَنْ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -أَنَّهُ قَالَ لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ السَّحُورِ أَذَانُ بِلَالٍ فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ لِيُوقِظَ نَائِمَكُمْ وَيَرُدَّ قَائِمَكُمْ وَيَتَسَحَّرَ صَائِمُكُمْ، فَعَلَيْكُمْ بِأَذَانِ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ .

وَقَدْ كَانَتْ الصَّحَابَةُ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ -فِرْقَتَيْنِ :فِرْقَةٌ يَتَهَجَّدُونَ فِي النِّصْفِ الْأَوَّلِ مِنْ اللَّيْلِ، وَفِرْقَةٌ فِي النِّصْفِ الْأَخِيرِ، وَكَانَ الْفَاصِلُ أَذَانَ بِلَالٍ، وَالدَّلِيلُ عَلَى أَنَّ أَذَانَ بِلَالٍ كَانَ لِهَذِهِ الْمَعَانِي لَا لِصَلَاةِ الْفَجْرِ أَنَّ ابْنَ أُمِّ مَكْتُومٍ كَانَ يُعِيدُهُ ثَانِيًا بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ، وَمَا ذُكِرَ مِنْ الْمَعْنَى غَيْرُ سَدِيدٍ؛ لِأَنَّ الْفَجْرَ الصَّادِقَ الْمُسْتَطِيرَ فِي الْأُفُقِ مُسْتَبِينٌ لَا اشْتِبَاهَ فِيهِ(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۱۵۴، ۱۵۵،فَصْلٌ بَيَانُ وَقْتِ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ)

افطار کے فضائل واحکام

افطار کے فضائل

روزہ شروع ہونے کا وقت طلوعِ فجر ہے، اور روزہ مکمل ہونے کا وقت سورج کا غروب ہونا ہے، جب روزہ رکھ کر یہ وقت گزر گیا، یعنی سورج غروب ہوگیا، تو روزہ مکمل ہوگیا، خواہ غروب ہونے پر کچھ کھایا پیا، یعنی افطار بھی نہ کیا ہو۔

لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ روزہ مکمل ہونے کے وقت کھانے پینے یعنی افطار کرنے کو بھی عبادت اور ثواب کا کام قرار دے دیا، بلکہ جلدی افطار کرنے کو زیادہ ثواب کا باعث قرار دے دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَۃٌ حِیْنَ یُفْطِرُ، وَفَرْحَۃٌ حِیْنَ یَلْقٰی رَبَّہٗ (ترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت اور ایک اپنے رب سے ملاقات کے وقت (ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روزے کی فضیلت سے متعلق ایک لمبی حدیث کا حصہ ہے، روزے دار کو افطار کے وقت خوشی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے روزے جیسی عمدہ عبادت پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور دنیوی نعمتیں حلال ہوگئیں۔

---

[1] رقم الحدیث ۷۶۶، ابواب الصوم، باب ماجاء فی فضل الصوم، واللفظ لہ، مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام؛ بخاری، رقم الحدیث ۷۴۹۲.
قال الترمذی: وَھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ

اور روزے نے اسے آخرت کی نعمتوں اور لذتوں کا امیدوار بنادیا اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے وقت یہ خوشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس عبادت کی قبولیت پر جس اجروثواب کا وعدہ کیا تھا وہ حاصل ہوگا۔ [1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِلّٰهِ عِنْدَ كُلِّ فِطْرٍ عُتَقَاءَ، وَذٰلِكَ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ (ابنِ ماجه) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے (یعنی خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ہر افطار کے وقت (جہنم سے) آزاد کردہ (لوگ) ہوتے ہیں، اور یہ ہر رات کو ہوتے ہیں (ابنِ ماجہ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ لِلّٰهِ عُتَقَاءَ عِنْدَ كُلِّ فِطْرٍ

(المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٨٠٨٨، ج٨ص ٢٨٤، باب الصاد) [3]

---

[1] للصائم فرحتان "أى مرتان من الفرح عظيمتان :إحداهما فى الدنيا والأخرى فى الآخرة " فرحة عند فطره "أى إفطاره بالخروج عن عهدة المأمور، أو بوجدان التوفيق لإتمام الصوم، أو بالأكل والشرب بعد الجوع والعطش، أو بما يرجوه من حصول الثواب(مرقاة المفاتيح، ج٤ص ١٣٦٣، كتاب الصوم)

(وللصائم فرحتان يفرحهما) أى يفرح بهما (إذا أفطر فرح بفطره) أى بإتمام صومه وسلامته من المفسدات لخروجه عن عهدة المأمور أو بالأكل والشرب بعد الجوع أو بما يعتقده من وجود الثواب أو بما ورد فى خبر إن للصائم عند فطره دعوة لا ترد (وإذا لقى ربه فرح بصومه) أى بنيل الثواب وإعظام المنزلة أو بالنظر إلى وجه ربه والأخير فرح الخواص(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٦٠١٢)

[2] رقم الحديث ١٦٤٣، كتاب الصيام، باب ماجاء فى فضل شهر رمضان.

قال البوصيرى: هَـذَا إِسْنَاد رِجَاله ثِقَات إِلَّا أَن طَلْحَة بن نَافِع أَبَا سُفْيَان عَن جَابر إِنَّمَا هِيَ صحيفَة (مصباح الزجاجة فى زوائد ابن ماجه، تحت رقم الحديث ٦٠٣، كتاب الصيام)

[3] قال الهيثمى: رواه أحمد، والطبرانى فى الكبير، ورجاله موثقون (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٤٧٩٤، كتاب الصيام، باب فى شهور البركة وفضل شهر رمضان)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہر افطار کے وقت (جہنم سے) آزاد کردہ (لوگ) ہوتے ہیں (طبرانی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

اِنَّ لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ عُتَقَآءَ فِیْ کُلِّ لَیْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ اِلَّا رَجُلٌ اَفْطَرَ عَلٰی خَمْرٍ (المعجم الصغیر للطبرانی، رقم الحدیث ۴۳۴، ج ۱ ص ۲۶۴، باب الحاء)

ترجمہ: بے شک رمضان کے مہینے کی ہر رات میں اللہ عزوجل کے بہت سے بندے (جہنم سے) آزاد کئے ہوئے ہوتے ہیں (یعنی ان کو جہنم سے خلاصی دی جاتی ہے) مگر وہ آدمی (جہنم سے آزاد نہیں ہوتا) جس نے شراب سے روزہ افطار کیا ہو (طبرانی)

اگرچہ اس حدیث کی سند پر محدثین کو کلام ہے۔ [1]

لیکن شراب کا عام دِنوں میں بھی استعمال حرام ہے، تو ماہِ رمضان میں اور روزہ افطار کرنے میں اس کی کیسے اجازت ہوسکتی ہے، اس لئے عام دِنوں میں بھی اور خاص طور پر رمضان میں اور افطار کے وقت شراب اور دوسری حرام چیزوں سے بچنا چاہئے۔

افطار کے وقت دُعا اور اس کی قبولیت

مسلمان کو اگرچہ دعا ہر وقت کرنے کی ضرورت ہے اور خاص طور پر رمضانُ المبارک کے پورے مہینہ میں دعا کا اہتمام رکھنا چاہئے۔

لیکن احادیث میں بعض خاص خاص اوقات کی قید لگا کر بھی دعا کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

اور روزے دار کی دعا روزے کی حالت میں پورے دن قبول ہوتی ہے۔

اور افطار کے وقت خصوصیت کے ساتھ دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔

---

[1] قال الهيثمي: رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الصَّغِيرِ ، وَفِيهِ وَاسِطُ بْنُ الْحَارِثِ ، وَهُوَ ضَعِيفٌ .(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۸۹۱، بَابٌ فِيمَنْ أَفْطَرَ عَلَى مُحَرَّمٍ)

اس سلسلہ میں وارِد ہونے والی چند احادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلصَّائِمُ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُہٗ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۰۱۸۳) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزے دار کی دعا رَد نہیں کی جاتی (بلکہ قبول کی جاتی ہے) (مسند احمد)

کئی احادیث میں رمضان میں دعا کی قبولیت کا ذکر آیا ہے، اور رمضان میں جو روزہ رکھا جاتا ہے، اس میں روزے اور رمضان دونوں کی قبولیت کے آثار داخل ہوجاتے ہیں، اور دعا کی قبولیت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِہٖ لَدَعْوَۃً مَاتُرَدُّ (ابن ماجه) [2]

---

[1] فی حاشیة مسند احمد: حدیث صحیح بطرقه وشواهده.

[2] رقم الحدیث ۱۷۵۳، کتاب الصیام، بَاب فِی الصَّائِمِ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُ؛ الدعاء للطبرانی، رقم الحدیث ۸۴۵؛ عمل الیوم واللیلة لابن سنی، رقم الحدیث ۴۸۰، مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۵۳۵.

هذا إسناد صحیح رجاله ثقات رواه الحاکم فی المستدرک عن عبد العزیز بن عبد الرحمن الدباس عن محمد بن علی بن زید عن الحکم بن موسی عن الولید به حدثنا إسحاق فذکره ورواه البیهقی من طریق إسحاق بن عبید الله قال عبد العظیم المنذری فی کتاب الترغیب وإسحاق هذا مدنی لا یعرف . قلت قال الذهبی فی الکاشف صدوق وذکره ابن حبان فی الثقات لأن اسحاق بن عبید الله بن الحارث قال النسائی لیس به بأس وقال أبو زرعة ثقة وباقی رجال الإسناد علی شرط البخاری (مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجةلأحمد بن أبی بکر بن إسماعیل الکنانی،باب دعوة الصائم، تحت رقم الحدیث ٦٣٦، باب دعوة الصائم)

وإسناده صحیح وله شاهد من حدیث أبی هریرة رواه أحمد بن حنبل والبزار والترمذی وحسنه، وابن ماجة وابن خزیمة وابن حبان فی صحیحیهما (اتحاف الخیرة المهرة، تحت رقم الحدیث ۲۲۹۲)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ روزہ دار کی افطار کے وقت دعا رد نہیں کی جاتی (ابنِ ماجہ؛طبرانی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ وَالصَّائِمُ حِينَ يُفْطِرُ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ (ابن حبان) [1]

ترجمہ: تین لوگوں کی دعا رَد نہیں کی جاتی، ایک عدل وانصاف کرنے والے بادشاہ کی، دوسرے افطار کے وقت روزہ دار کی، تیسرے مظلوم کی دعا (ابنِ حبان؛ ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ روزے دار کو روزے کی حالت میں ہر وقت اور افطار کے وقت خاص طور پر دعا کا اہتمام کرنا چاہئے، کہ یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رَوَاهُ ابْن مَاجَه وَالْحَاكِم وَاللَّفْظ لَهُ وَقَالَ إِسْحَاق بن عبد الله الْمَذْكُور فِي إِسْنَاده إِن كَانَ هُوَ ابْن عبد الله مولَى زَائِدَة فقد خرج عَنهُ مُسلم وَإِن أبى فَرْوَة فَإِنَّهُمَا لم يخرجَاهُ قلت الْوَاقِع فِي سَنَد ابن ماجة هُوَ إِسْحَاق بن عبيد الله بِالتَّصْغِيرِ وَقد ذكر ابْن حبَان فِي ثقاته (تحفة المحتاج إلى أدلة المنهاج،لابن ملقن ،كتاب الصيام، تحت رقم الحديث ۹۹۹)

[1] رقم الحديث ۷۳۸۷، ج۱۶ ص۳۹۶، باب وصف الجنة واهلها ، واللفظ لهٗ؛ ترمذی، رقم الحديث ۳۵۹۸، ابواب الدعوات.

قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَسَعْدَانُ الْقُبِّيُّ هُوَ :سَعْدَانُ بْنُ بِشْرٍ، وَقَدْ رَوَى عَنْهُ عِيسَى بْنُ يُونُسَ، وَأَبُو عَاصِمٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ كِبَارِ أَهْلِ الحَدِيثِ، وَأَبُو مُجَاهِدٍ هُوَ :سَعْدٌ الطَّائِيُّ، وَأَبُو مُدِلَّةَ هُوَ :مَوْلَى أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةَ، وَإِنَّمَا نَعْرِفُهُ بِهَذَا الحَدِيثِ، وَيُرْوَى عَنْهُ هَذَا الْحَدِيثُ أَطْوَلَ مِنْ هَذَا وَأَتَم(حواله بالا)

وفی حاشية ابنِ حبان:حديث صحيح بشواهد.

[2] قَوْلُهُ (حَتَّى يُفْطِرَ) يَدُلُّ عَلَى أَنَّ دُعَاءَهُ تَمَامَ النَّهَارِ مُسْتَجَابٌ وَعَلَى هَذَا فَلَفْظُ الدَّعْوَةِ بِمَعْنَى الدُّعَاءِ لَا لِلْمَرَّةِ كَمَا هُوَ أَصْلُ الْبِنَاءِ وَالْأَقْرَبُ أَنَّ حَتَّى سَهْوٌ مِنْ بَعْضِ الرُّوَاةِ وَالصَّوَابُ حِينَ كَمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ الْحَدِيثُ الْآتِي (حاشية السندى على سنن ابنِ ماجه، ج ۱ ص ۵۳۳، باب فی الصائم لاترد دعوته)

قال الدميری :يستحب للصائم أن يدعو فی حال صومه بمهمات الآخرة والدنيا له

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لِلصَّائِمِ عِنْدَ اِفْطَارِهٖ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ، وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو إِذَا أَفْطَرَ دَعَا أَهْلَهٗ وَوَلَدَهٗ وَدَعَا (شعب الایمان للبیهقی) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ روزہ دار کی افطار کے وقت دعا قبول کی جاتی ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمرو افطار کے وقت اپنے گھر والوں اور اولاد کو بلاتے اور دعا کرتے (بیہقی)

حضرت معاذ بن زہرہ رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار کرتے تو یہ پڑھتے کہ:

اَللّٰهُمَّ لَکَ صُمْتُ، وَعَلٰى رِزْقِکَ أَفْطَرْتُ.

ترجمہ: اے اللہ! میں نے آپ کے لئے روزہ رکھا، اور آپ کے رزق پر افطار کیا

(ابوداؤد) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولمن يحب وللمسلمين لهذا الحديث والرواية فيه حتى بالمثناة فوق فيقتضى استحباب دعاء الصائم من أول يومه إلى آخره لأنه يسمى صائما فى كل ذلك اه قلت : قوله والرواية فيه حتى بالمثناة من فوق هو كذلک فى بعض الأصول وفى بعضها بالمثناة التحتية والنون وفى خط شيخنا كذلک ويؤيده رواية إن للصائم عند فطره لدعوة ما ترد كما تقدم وقول سائر أصحابنا يستحب للصائم أن يدعو عند إفطاره (حاشية فيض القدير للمناوى، جلد۳، صفحه ۳۲۴، تحت رقم الحديث ۳۵۲۰)

[1] رقم الحديث ۳۶۲۴، كتاب الصيام؛ ابو داؤد طيالسى، رقم الحديث ۲۳۷۶.
ضعيف يحتمل التحسين رواه :أبو داود الطيالسى، ومن طريقه البيهقى فى الشعب، وعلة سنده أبو محمد المليكى (تخريج أحاديث وآثار كتاب فى ظلال القرآن، لسيد قطب رحمه الله، تحت رقم الحديث ۵۷، ج ۱، ص۳۸، الناشر :دار الهجرة للنشر والتوزيع)

[2] رقم الحديث ۲۳۵۸، كتاب الصوم، باب القول عند الافطار؛ مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۹۸۳۷، مَا قَالُوا فِى الصَّائِمِ إِذَا أَفْطَرَ ، مَا يَقُولُ ؟؛ الدعوات الكبير للبيهقى، رقم الحديث ۵۰۱؛ الزهد والرقائق لابن المبارک، رقم الحديث ۱۴۱۰.

اس روایت کی سند قابلِ اطمینان ہے۔ [1]

مگر اس دعا میں ”لَکَ صُمْتُ“ کے بعد لوگوں نے:

”وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ“

کے الفاظ کا اضافہ کرلیا ہے، ان الفاظ کا مذکورہ حدیث میں ثبوت نہیں ہے۔ [2]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا افطار کے وقت یہ دعا پڑھنا مروی ہے کہ:

لَکَ صُمْتُ، وَعَلٰی رِزْقِکَ أَفْطَرْتُ فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ إِنَّکَ أَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ . [3]

مگر تحقیق کرنے سے اس روایت کا سند کے اعتبار سے غیر معمولی ضعیف ہونا معلوم ہوا۔ [4]

---

[1] قال ابن الملقن: وهذا إسناد حسن لكنه مرسل؛ معاذ بن زهرة لم يدرک النبی صلى الله عليه وسلم ، وأخرجه البغوی فی شرح السنة كذلک ولم يذكر فيه أنه بلغه(البدرالمنير ج۵ص ۷۱۰، ۷۱۱،الحديث الثانی بعد الأربعين)

وقال المناوی: قال ابن حجر : أخرجه فی السنن والمراسيل بلفظ واحد ومعاذ هذا ذكره البخاری فی التابعين لكنه قال معاذ أبو زهرة وتبعه ابن أبی حاتم وابن حبان فی الثقات وعده الشيرازی فی الصحابة وغلطه المستغفری ويمكن كون الحديث موصول ولو كان معاذ تابعيا لاحتمال كون الذی بلغه له صحابيا وبهذا الاعتبار أورده أبو داود فی السنن وبالاعتبار الآخر أورده فی المراسيل اه (فيض القدير للمناوی تحت رقم الحديث ۶۵۷۹)

وقال أحمد بن محمد بن علی بن حجر الهيتمی: وَلَا يَضُرُّ إرْسَالُهُ؛ لِأَنَّهُ فِي الْفَضَائِلِ عَلَى أَنَّهُ وَصُلٌ فِي رِوَايَةٍ(تحفة المحتاج فی شرح المنهاج، ج۳،ص ۴۲۵، كتاب الصوم، فصل فی شروط الصوم)

[2] واماما اشتهر على الالسنة اللهم لک صمت وبک آمنت وعلىٰ رزقک افطرت ،فزيادة وبک آمنت لااصل لها وان كان معناها صحيحا وكذا زيادة وعليک توكلت ،وبصوم غدنويت بل النية من البدعة الحسنة (مرقاة ج۴ص۱۳۸۷ ، كتاب الصوم، باب فی مسائل متفرقة، الفصل الثالث)

[3] المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۲۷۲۰ ، واللفظ لهٗ؛ سنن الدارقطنی رقم الحديث ۲۲۸۰ ؛ عمل اليوم والليلة لابن سنی،رقم الحديث ۴۸۰.

[4] قال الهيثمی:رواه الطبرانی فی الكبير، وفيه عبد الملک بن هارون، وهو ضعيف(مجمع الزوائد، ج۳ص ۱۵۶)

وقال العسقلانی: عبد الملک بن هارون بن عنترة عن أبيه قال الدارقطنی هما ضعيفان وقال أحمد عبد الملک ضعيف وقال يحيى كذاب وقال أبو حاتم متروک ذاهب الحديث وقال بن حبان يضع الحديث (لسان الميزان، ج۲، ص ۱۳۳)

اورحضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی سند سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا افطار کے وقت یہ دعا پڑھنا مروی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ لَکَ صُمْتُ، وَعَلٰی رِزْقِکَ أَفْطَرْتُ . [1]

مگر تحقیق کرنے سے اس روایت کی سند کا بھی غیر معمولی ضعیف ہونا معلوم ہوا۔ [2]

اورحضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی اس سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ دعا مروی ہے۔ [3]

اس کی سند پر بھی کلام ہے۔ [4]

---

[1] المعجم الاوسط ، رقم الحديث ۷۵۴۹، المعجم الصغير للطبرانی، رقم الحديث ۹۱۲.

[2] قال الطبرانی فی الاوسط: لَمْ يَرْوِ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ شُعْبَةَ إِلَّا دَاوُدُ بْنُ الزِّبْرِقَانِ، تَفَرَّدَ بِهِ: إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَمْرٍو.

وقال فی الصغير: لَمْ يَرْوِهِ عَنْ شُعْبَةَ إِلَّا دَاوُدُ بْنُ الزِّبْرِقَانِ تَفَرَّدَ بِهِ إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَمْرٍو ,وَلَا كَتَبْنَاهُ إِلَّا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيم.

وقال الهيثمی: رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ، وَفِيهِ دَاوُدُ بْنُ الزِّبْرِقَانِ، وَهُوَ ضَعِيفٌ (مجمع الزوائد ، ج۳ص۱۵۶ ، بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا أَفْطَرَ)

وقال المزی: دَاوُد بن الزبرقان الرقاشی ، أَبُو عَمْرو، وقيل :أَبُو عُمَر البَصْرِيّ، نزل بغداد ...... قال عباس الدُّورِيُّ ، وعثمان بْن سَعِيد الدارمی ، عَن يحيى بْن مَعِين :ليس بشىء.وقَال عَبد اللَّهِ بْن عَلِيّ ابن المدينی، عَن أَبِيهِ :كتبت عنه شيئا يسيرا، ورميت بِهِ، وضعفه جدا.وقَال إِبْرَاهِيم بْن يعقوب الجوزجانی :كذاب. وقَال يَعْقُوب بْن شَيْبَة ، وأَبُو زُرْعَة :متروک.وقَال البُخارِيُّ :مقارب الحديث.وقَال أَبُو دَاوُدَ :ضعيف.وقَال فِي موضع آخر :ليس بشىء .وفی موضع آخر ترک حديثه.وقَال النَّسَائی :ليس بثقة.وقَال أَبُو أَحْمَد بْن عَدِيّ :عامة ما يرويه عَنْ كل من روى عنه مما لا يتابعه أحد عليه، وهو فِي جملة الضعفاء الذين يكتب حديثهم (تهذيب الكمال، ج۸، ص۳۹۵)

[3] قال الحارث ، حدثنا عبد الرحيم بن واقد ، ثنا حماد بن عمرو ، عن السرى بن خالد بن شداد ، عن جعفر بن محمد ، عن أبيه ، عن جده ، عن علی ، قال :قال لی رسول الله صلی الله عليه وسلم : يا علی ، إذا كنت صائما فی شهر رمضان فقل بعد إفطارک : اللهم لک صمت ، وعليک توكلت ، وعلی رزقک أفطرت ، يكتب لک مثل من كان صائما من غير أن ينقص من أجورهم شيئا (المطالب العالية للحافظ ابن حجر العسقلانی، ج۳،ص۴۰۸؛ بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث، رقم الحديث ۴۶۹)

[4] (۱)عبد الرحيم بن واقد، الخراسانی قدم بغداد وحدث بها عن بشير بن زاذان، وهياج بن بسطام، وأبی البختری وهب بن وهب، وعمرو بن جميع، والحارث بن النعمان، وعدی بن الفضل. روى عنه محمد بن الجهم السمری، والحارث بن أَبِی أسامة، وبشر بن مُوسَى .وفی حديثه غرائب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ افطار کے وقت یہ دُعا کیا کرتے تھے کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِرَحْمَتِکَ الَّتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ.

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ کی اس رحمت کا جو ہر چیز پر وسیع ہے کہ آپ میری مغفرت کر دیجئے (ابن ماجہ) [1]

اس روایت کی سند صحیح ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومناكير لأنها عن الضعفاء والمجاهيل(تاريخ بغداد، للخطيب البغدادى، ج ١١، ص ٨٦)

(٢)قَالَ أَبُو حفص عَمْرو بْن عَلِيّ :حَمَّاد بْن عَمْرو النصيبى متروك الحديث، ضعيف جدا منكر الحديث.

أنبأنا ابن الفضل، أنبأنا على بْن إبراهيم المستملى قَالَ :أَخْبَرَنِي مُحَمَّد بن إبراهيم ابن شعيب الغازى قَالَ :سمعت مُحَمَّد بْن إسماعيل الْبُخَارِيّ يقول :حَمَّاد بْن عَمْرو أَبُو إِسْمَاعِيل النصيبى منكر الحديث، ضعفه على بْن حجر.

وفيما ذكر لنا البرقانيّ أن يعقوب ابن موسى الأردبيلى حدّثهم قال :حدّثنا أحمد ابن طاهر بن النّجم، حدّثنا سعيد بن عمرو البردعى قَالَ :وَسمعته -يعنى أبا زرعة الرازى -يقول :حماد بن عمرو النصيبى واهى الحديث.

وأنبأنا البرقانيّ، أنبأنا أحمد بن سعيد بن سعد، حدثنا عبد الكريم بن أحمد بن شعيب النّسائيّ، حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ :حَمَّاد بْن عَمْرو النصيبى متروك الحديث.

حَدَّثَنَا عَبْد العزيز بْن أَحْمَد الكتانى -لفظا بدمشق -حدّثنا عبد الوهّاب بن جعفر الميدانى، حَدَّثَنَا أَبُو هاشم عَبْد الجبار بْن عَبْد الصّمد السلمى، حدّثنا القاسم بن عيسى العصار، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيم بْن يعقوب الجوزجانى قَالَ :حَمَّاد بْن عَمْرو النصيبى كَانَ يكذب، لم يدع للحليم فِي نفسه منه هاجسا(تاريخ بغداد، للخطيب البغدادى، ج٨، ص ١٥١)

[1] رقم الحديث ١٧٥٣، كتاب الصيام، باب فى الصائم لاترد دعوته؛مستدرك حاكم، رقم الحديث ١٥٣٥؛ بيهقى شعب الايمان، رقم الحديث ٣٦٢١؛ عمل اليوم والليلة لابن سنى، رقم الحديث ٤٨١.

[2] وإسناده صحيح وله شاهد من حديث أبى هريرة رواه أحمد بن حنبل والبزار والترمذى وحسنه، وابن ماجة وابن خزيمة وابن حبان فى صحيحيهما(اتحاف الخيرة المهرة، تحت رقم الحديث ٢٢٩٢)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت یہ دعا کیا کرتے تھے کہ:

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ.

ترجمہ: پیاس جاتی رہی، رگیں تَر ہوگئیں اور ان شاءاللہ اجر ثابت ہوگیا (ابوداؤد) [1]

اس حدیث کی سند قابلِ اطمینان ہے۔ [2]

افطار کے وقت جو دعائیں مستند طریقہ سے ثابت ہیں، ان دعاؤں میں سے بعض دعاؤں کے الفاظ ایسے ہیں، جن سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعائیں افطار کرنے کے بعد کی ہیں۔

اس لیے بعض حضرات نے تو فرمایا کہ یہ دعائیں کھجور وغیرہ سے افطار کرتے ہی (اور کھانا پیٹ بھر کر کھانے سے پہلے) پڑھنی چاہئیں، بطورِ خاص آخری دعا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ روزہ افطار کرنے سے پہلے بالکل متصل جب افطار کرنے کے لیے کھانے پینے کی چیز اُٹھالے تو منہ میں لے جانے سے پہلے پڑھنی چاہئے۔ [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هذا إسناد صحيح رجاله ثقات رواه الحاكم فى المستدرك عن عبد العزيز بن عبد الرحمن الدباس عن محمد بن على بن زيد عن الحكم بن موسى عن الوليد به حدثنا إسحاق فذكره ورواه البيهقى من طريق إسحاق بن عبيد الله قال عبد العظيم المنذرى فى كتاب الترغيب وإسحاق هذا مدنى لا يعرف،قلت قال الذهبى فى الكاشف صدوق وذكره ابن حبان فى الثقات لأن إسحاق بن عبيد الله بن الحارث قال النسائى ليس به بأس وقال أبو زرعة ثقة وباقى رجال الإسناد على شرط البخارى (مصباح الزجاجة فى زوائد ابنِ ماجه، ج۲ ص ۸۱، باب دعوة الصائم)

[1] رقم الحديث ۲۳۵۷، كتاب الصوم، باب القول عند الافطار، واللفظ لهٗ؛ سنن كبرى للنسائى، رقم الحديث ۳۳۱۵؛ سنن دارقطنى، رقم الحديث ۲۲۷۹؛ شعب الايمان، رقم الحديث ۳۶۱۹، فصل مايفطر الصائم عليه؛ مستدرک حاكم، رقم الحديث ۱۵۳۶؛ مسند بزار، رقم الحديث ۵۳۹۵.

[2] قال الدارقطنى: اسناده حسن (سنن دارقطنى، حواله بالا)

وقال المناوى: وهو إسناد حسن قال ابن حجر :حديثه حسن (فيض القدير للمناوى تحت رقم الحديث ۶۵۷۹)

[3] اس صورت میں افطرتُ اور ذھب وغیرہ ماضی کے صیغے قریب الشئ فی حکم الشئ کے قبیل سے ہوں گے۔

اذا افطر أى بعد الافطار قَالَ :ذَهَبَ الظَّمَأُ (مرقاة المفاتيح، جلد۴ صفحه ۱۳۸۶، كتاب الصوم، باب فى مسائل متفرقة من كتاب الصوم، الفصل الثانى) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہر حال مذکورہ یا ان میں سے کوئی دعا افطار سے پہلے اور افطار کے بعد ہر طرح سے پڑھ لینا جائز ہے، شریعت کی طرف سے خاص پابندی نہیں۔

اگر کوئی روزہ دار کسی دوسرے کے یہاں افطار کرے تو اسے افطار کے بعد مندرجہ ذیل دعاء پڑھنی چاہئے۔

اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّآئِمُوْنَ وَاَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَآئِكَةُ.

ترجمہ: آپ کے پاس روزہ دار افطار کریں اور آپ کے کھانے کو نیک صالح لوگ کھائیں اور آپ پر فرشتے دعا کریں (ابنِ ماجہ) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اذا افطر قال أی دعا وقال ابن الملک أی قرأ بعد الافطار ومنه اللهم لک صمت (مرقاة، جلد ۴ ص۱۳۸۷، کتاب الصوم، باب فی مسائل متفرقة من کتاب الصوم، الفصل الثانی)

وهٰذا يقتضی ان الدعاء بعد الفطر لاقبلهٔ، وقول المصنف: عند فطره، يحتملهما (شرح غاية المنتهىٰ، ج۲، ص۲۰۷، کتاب الصيام، الناشر: المکتب الإسلامی، دمشق)

قيل هی بين رفع اللقمة ووضعها فی فيه (الفواکه الدوانی، ج۱، ص ۳۰۵، باب فی الصيام، شروط الصوم، الناشر :دار الفکر)

ويسن أن يقول عقب الفطر :اللهم لک صمت، وعلى رزقک أفطرت ويزيد -من أفطر بالماء -: ذهب الظمأ، وابتلت العروق، وثبت الاجر إن شاء الله تعالى(فتح المعين بشرح قرة العين، ج۲، ص ۲۷۹، الناشر دار الفکر، بيروت)

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ذهب الظماء افطار کرنے کے بعد ہونی چاہیے، جیسا کہ سیاقِ دعا سے ظاہر ہورہا ہے، کیونکہ جب کوئی روزے دار پانی پی لے تب ہی یہ کہا جائے گا کہ رگیں تر ہوگئیں (حاشیہ حصنِ حصین صفحہ ۲۱۵، ۲۱۶)

[1] رقم الحديث ۱۷۴۶، کتاب الصيام، بَابٌ فِي ثَوَابِ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا؛ ابنِ حبان، رقم الحديث ۵۲۹۶، ذكر إباحة الضيف للمضيف بغير ما وصفنا عند فراغه من الطعام؛ ابوداؤد، رقم الحديث ۳۸۵۴، بَابُ مَا جَاءَ فِي الدُّعَاءِ لِرَبِّ الطَّعَامِ إِذَا أُكِلَ عِنْدَهُ؛ مسند احمد، رقم الحديث ۱۲۱۷۷؛ مصنف ابنِ ابی شيبة، مَا قَالُوا فِي الصَّائِمِ إِذَا أَفْطَرَ ، مَا يَقُولُ؟، رقم الحديث ۹۸۳۸.

قال شعيب الأرنؤوط: صحيح بشاهده (حاشية ابن حبان، حواله بالا)

فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

روزہ افطار کرانے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قوانین میں سے یہ بھی ایک قانون ہے کہ کسی نیک عمل کی ترغیب دینے والے اوراس میں مدد دینے والے کو بھی اس کے عمل کرنے جیسا ثواب عطا فرماتے ہیں۔

اسی وجہ سے روزہ دار کا روزہ افطار کرانے کی بھی فضیلت ہے۔

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا کَانَ لَہٗ مِثْلُ اَجْرِہٖ غَیْرَ اَنَّہٗ لَایُنْقَصُ مِنْ اَجْرِ الصَّائِمِ شَیْءٌ (ترمذی) [1]

ترجمہ: جس شخص نے روزے دار کو افطار کرایا تو افطار کرانے والے کو روزہ دار کے برابر ثواب ملے گا، لیکن روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی (بلکہ یہ ثواب روزہ افطار کرانے والے کو علیٰحدہ سے حاصل ہوگا) (ترمذی)

اگرچہ روزہ دار کو صرف روزہ افطار کرانے کی چیز مہیا کرنے کی بھی فضیلت ہے، لیکن اگر کوئی مکمل افطار کرائے، جس میں پیٹ بھر کر کھانا کھلانا داخل ہے، تو اس کی فضیلت زیادہ ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۸۰۷، ابواب الصوم، بَابُ مَا جَاءَ فِی فَضْلِ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا، واللفظ لہٗ؛ ابنِ ماجہ، رقم الحدیث ۱۷۴۶، بَابٌ فِی ثَوَابِ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا؛ مسند احمد، رقم الحدیث ۱۷۰۳۳؛ السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث ۳۳۱۶؛ سنن الدارمی، رقم الحدیث ۱۷۴۴؛ المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۵۲۶۷؛ ابنِ خزیمۃ، رقم الحدیث ۲۰۶۴؛ مسند البزار، رقم الحدیث ۳۷۷۵.

قال الترمذی: هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ (حوالہ بالا)

[2] من فطر صائما قال ابن الملک التفطیر جعل أحد مفطرا أی من أطعم صائما اہ أی عند افطارہ (مرقاۃ المفاتیح ج۴ص ۱۳۸۶، کتاب الصوم، باب فی مسائل متفرقۃ)

(من فطر صائما) بعشائه وكذا بتمر فإن لم يتيسر فبماء (كان له مثل أجره غير أنه لا ينقص من أجر الصائم شيئا) فقد حاز الغنى الشاكر أجر صيامه هو أو مثل أجر الفقير الذى فطره ففيه دلالة على تفضيل غنى شاكر على فقير صابر ، ووقع فى رواية البيهقى من فطر صائما كان له أجر من عمله والحديث المشروح كما قال المؤلف يبين أن الضمير راجع للصوم المفهوم من الصائم أى فله مثل أجر من عمل الصوم لا مثل أجر من عمل تفطير الصائم ويجوز كون من بمعنى ما والأصل كان له أجر ما عمله وهو الصوم (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۸۸۸۹)

بعض لوگ دوسرے کی دی ہوئی چیز سے روزہ اس لئے افطار نہیں کرتے کہ اس کی وجہ سے میرے روزہ کا ثواب کم ہو جائے گا یا میرے روزہ کا ثواب روزہ کھلوانے والے کو مل جائے گا، یہ خیال غلط ہے کیونکہ روزہ کھلوانے کا ثواب الگ ملتا ہے اس سے روزہ دار کے ثواب میں کچھ کمی نہیں آتی، جس کا حدیث شریف میں صاف طور پر ذکر گزرا۔

لہٰذا دوسرے کی دی ہوئی چیز سے افطار کر کے خود بھی ثواب حاصل کرنا چاہئے اور دوسرے کو بھی ثواب ملنے کا ذریعہ بننا چاہئے۔

اگر روزہ افطار کرنے کے وقت کئی شخصوں کے دیے ہوئے کھانوں کو استعمال کیا جائے تو چونکہ کھانا دینے والوں میں سے سب کی نیت ہی افطاری کرانے کی ہوتی ہے اس لئے افطار کرانے کے ثواب میں یہ سب لوگ شریک ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ہی حاصل ہوگا، البتہ یہ بات ممکن ہے کہ جس کے کھانے سے روزہ افطار کیا ہو اس کو زیادہ ثواب عطا کیا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

روزہ کس چیز سے افطار کیا جائے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبْدَأُ إِذَا أَفْطَرَ بِالتَّمْرِ (السنن الكبرىٰ للنسائى) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار کرتے تھے تو کھجور سے ابتداء فرماتے تھے (سنن کبریٰ نسائی)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ۳۳۰۴، كتاب الصيام، باب ما يستحب للصائم أن يفطر عليه.
الإسناد صحيح (سلسلة الأحاديث الصحيحة، للالبانى، تحت رقم الحديث ۲۱۱۷)

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ عَلٰى رُطَبَاتٍ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَعَلٰى تَمَرَاتٍ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَاءٍ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مغرب کی) نماز پڑھنے سے پہلے چند کھجوروں سے افطار فرمایا کرتے تھے اور اگر کھجوریں نہ ملتیں تو چند چھواروں سے افطار کیا کرتے تھے اور اگر وہ بھی میسر نہ ہوتے تو پانی کے چند گھونٹ سے افطار کرلیا کرتے تھے (ابوداؤد؛ ترمذی)

بعض اوراحادیث میں بھی مختلف الفاظ کے ساتھ یہ مضمون آیا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٢٣٥٦، كتاب الصوم، باب مايفطر عليه، واللفظ لهٗ؛ ترمذی، رقم الحديث ٦٩٦؛ مسند احمد، رقم الحديث ١٢٦٧٦؛ سنن دار قطنی، رقم الحديث ٢٢٧٨؛ شعب الايمان للبيهقی، رقم الحديث ٣٦١٧؛ مستدرک حاکم، رقم الحديث ١٥٧٦.
قال الترمذی: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.
وقال الدار قطنی: إِسْنَادٌ صَحِيحٌ.
وفی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

[2] سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرٍ، فَإِنَّهُ بَرَكَةٌ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ تَمْرًا فَالْمَاءُ فَإِنَّهُ طَهُورٌ (ترمذی، رقم الحديث ٦٥٨، بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّدَقَةِ عَلَى ذِى الْقَرَابَةِ، واللفظ لهٗ؛ ابنِ ماجه، رقم الحديث ١٦٩٩؛ مسند احمد، رقم الحديث ١٦٢٢٥؛ سنن كبرىٰ نسائی، رقم الحديث ٣٣٠٥؛ ابنِ خزيمة، رقم الحديث ٢٠٦٧؛ معرفة السنن والآثار للبيهقی، رقم الحديث ٨٧٢٠؛ مصنف ابن أبی شيبة، رقم الحديث ٩٨٨٩، ورقم الحديث ٩٨٩٠، مَنْ كَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُفْطِرَ عَلَى تَمْرٍ ، أَوْ مَاءٍ)
عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَأَبْنَائِهَا وَأَبْنَاءِ أَبْنَائِهَا وَحَشَمِهَا. قَالَ :وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الرُّطَبُ لَمْ يُفْطِرْ إِلَّا عَلَى الرُّطَبِ، فَإِذَا لَمْ يَكُنِ الرُّطَبُ لَمْ يُفْطِرْ إِلَّا عَلَى التَّمْرِ (مسند عبد بن حميد، رقم الحديث ١١٤٤، واللفظ لهٗ؛ المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية للعسقلانی، رقم الحديث ١٠٢٣، بَابُ السُّنَّةِ فِي الْفِطْرِ عَلَى التَّمْرِ أَوِ الرُّطَبِ أَوْ ما لم تمسه النار)
قال البوصيری: رواه عبد بن حميد بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ، لِجَهَالَةِ بَعْضِ رُوَاتِهِ (إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة للبوصيری، تحت رقم الحديث ٢٢٨٣، بَابُ الْفِطْرِ عَلَى التَّمْرِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْوِصَالِ، دار النشر :دار الوطن للنشر، الرياض)

اس سے معلوم ہوا کہ عموماً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھجور سے افطار فرماتے تھے، اور کھجور میسر نہ ہوتی تو چھواروں سے افطار فرماتے تھے، اور اگر یہ بھی نہ ہوتے تو پھر پانی سے افطار فرماتے تھے۔ [1]

جلیل القدر تابعیہ حضرت اُمِ موسیٰ رحمہا اللہ فرماتی ہیں کہ:

كَانُوْا يَسْتَحِبُّوْنَ أَنْ يُّفْطِرُوا عَلَى الْبُسْرِ ، أَوِ التَّمْرِ (مُصنف ابن أبی شيبة) [2]

ترجمہ: صحابۂ کرام اس بات کو پسند کرتے تھے کہ وہ تازہ کھجور یا چھوارے سے روزہ افطار کریں (ابنِ ابی شیبہ)

اس لئے افضل یہ ہے کہ کھجور سے اور وہ میسر نہ ہوتو چھوارے سے ورنہ پھر پانی سے افطار کیا جائے، اور اگر پانی میں دودھ یا کوئی دوسرا مشروب شامل کرلیا جائے تو تب بھی کوئی حرج نہیں۔ ایک روایت میں کھجور سے یا ایسی چیز سے افطار کرنے کا ذکر ہے، جو آگ پر نہ پکائی گئی ہو۔ [3]

---

[1] (إذا أفطر أحدكم) أى دخل وقت فطره من صومه (فليفطر) ندبا (على تمر) أى بتمر والأفضل سبع والأولى من رطب فعجوة لخبر الترمذى كان يفطر على رطبات فإن لم يكن فتمرات فإن لم يكن حسا حسوات من ماء ولم ينص على الرطب هنا لقصر زمنه (فإنه بركة) أى فإن الإفطار عليه ثوابا كثيرا فالأمر به شرعى وفيه شوب إرشاد لأن الصوم ينقص البصر ويفرقه والتمر يجمعه ويرد الذاهب لخاصية فيه ولأن التمر إن وصل إلى المعدة وهى خالية أغذى وإلا أخرج بقايا الطعام (فإن لم يجد تمرا) يعنى لم يتيسر (فليفطر على الماء) القراح (فإنه طهور) بالفتح مطهر محصل للمقصود مزيل للوصال الممنوع ومن ثم من الله به على عباده بقوله تعالى *(وأنزلنا من السماء ماء طهورا) * وبما تقرر علم وجه حكمة تخصيص التمر دون غيره مما فى معناه من نحو تين وزبيب وأنه لا يقوم غيره مقامه عند تيسره فزعم أن القصد منه أن لا يدخل جوفه إلا حلوا لم تمسه النار فى حيز المنع وورد الفطر على اللبن لكن سنده ساقط فيقدم الماء عليه لهذا الحديث .(حم وابن خزيمة حب) كلهم فى الصوم (عن سلمان) بفتح فسكون (ابن عامر) بن أوس (الضبى) بفتح المعجمة وكسر الموحدة صحابى سكن البصرة وبها مات .قال مسلم :ليس فى الصحب ضبى غيره واعترض قال الترمذى حسن صحيح(فيض القدير، تحت رقم الحديث ۴۶۴)

[2] رقم الحديث، كتاب الصيام ، مَنْ كَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُفْطِرَ عَلَى تَمْرٍ ، أَوْ مَاءٍ.

[3] عَنْ أَنَسٍ، قَالَ :كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ أَنْ يُفْطِرَ عَلَى ثَلَاثِ تَمَرَاتٍ أَوْ شَيْءٍ لَمْ تُصِبْهُ النَّارُ (مسند ابى يعلى، رقم الحديث ۳۳۰۵، واللفظ لهٗ؛ المطالب العالية للعسقلانى، رقم الحديث ۱۰۶۶)

قال الحافظ البوصيرى:رواه أبويعلى، ورواته ثقات، وأبوداود والترمذى وحسنه دون قوله" :أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ایک روایت میں دودھ سے افطار کرنے کا بھی ذکر ہے۔ [1]

جس سے معلوم ہوا کہ کھجور، چھوارے یا پانی سے افطار کرنا ضروری نہیں، بلکہ کسی اور پاکیزہ چیز مثلاً دودھ سے بھی افطار کرنا جائز ہے۔

البتہ اگر بآسانی میسر ہو، اور کوئی عذر بھی نہ ہو، تو کھجور سے افطار کرنا افضل ہے۔

کھجور سے افطار کرنے میں بہت سی خوبیاں اور کمالات موجود ہیں، کیونکہ کھجور کے بے مثال طبی فوائد ہیں۔

چنانچہ بلغم اور سردی کے اثر سے پیدا ہونے والی یادداشت کی کمزوری کا بہترین علاج ہے، دل اور گردوں کو قوت دیتی ہے اور بدن میں خون کی کمی کو دور کرتی ہے، سانس کی تکلیف اور خاص

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

شیء لم تصبه النار (اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، تحت رقم الحديث ۲۲۸۴، باب الفطر على التمر والنهى عن عن الوصال)

وقال الهيثمي: رواه أبو يعلى، وفيه عبد الواحد بن ثابت، وهو ضعيف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۸۸۶، باب على أى شىء يفطر)

وفي حاشية مسند احمد: وأخرجه أبو يعلى من طريق أبي ثابت عبد الواحد بن ثابت، عن ثابت، عن أنس بلفظ :كان النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يحب أن يفطر على ثلاث تمرات، أو شىء لم تصبه النار .وإسناده ضعيف لضعف أبي ثابت هذا (تحت رقم الحديث ۱۲۶۷۶)

وقال المناوى:(كان يحب أن يفطر على ثلاث تمرات) لما فيه من تقوية البصر الذى يضعفه الصوم (أو شىء لم تصبه النار) أى ليس مصنوعا بنار كلبن وعسل فيندب لنا التأسى به فى ذلك.

(ع) عن إبراهيم بن حجاج عن عبد الواحد بن زياد عن ثابت (عن أنس) بن مالك رمز المصنف لحسنه وليس كما قال قال ابن حجر :عبد الواحد قال البخارى :منكر الحديث اه.وقال الهيثمى : فيه عبد الواحد بن ثابت وهو ضعيف (فيض القدير، تحت رقم الحديث ۶۹۹۷)

[1] أنا أبو القاسم بن حبابة نا أبو بكر محمد بن إبراهيم بن نيروز الأنماطى نا أبو يعقوب إسحاق بن الضيف نا عبد الرزاق نا جعفر بن سليمان عن ثابت عن أنس قال كان رسول الله (صلى الله عليه وسلم) يستحب إذا أفطر أن يفطر على لبن فإن لم يجد فتمر فإن لم يجد حسا حسوات من ماء (تاريخ دمشق لابن عساكر، ج۸، ص۲۲۶)

(كان يستحب إذا أفطر) من صومه (أن يفطر على لبن) هذا محمول على ما إذا فقد الرطب أو التمر أو الحلو أو على أنه جمع مع التمر غيره كاللبن جمعا بين الأخبار.

(قط عن أنس) بن مالك رمز المصنف لحسنه(فيض القدير ،تحت رقم الحديث،۷۰۳۶)

کر دمہ میں مفید ہے، کھانسی، بخار، اور پیچش میں اس کے استعمال سے افاقہ ہوتا ہے، یہ قبض کشا اور پیشاب آور ہے، قوتِ باہ کو بڑھانے میں مددگار ہے۔

غرضیکہ کھجور کا استعمال ایک مکمل غذا بھی ہے اور اچھی صحت کے لئے ایک لاجواب ٹانک بھی۔

بعض اہل علم حضرات فرماتے ہیں کہ جب معدہ خالی ہوتا ہے اور کھانے کی خواہش ہوتی ہے تو کھانے کو معدہ خوب قبول کرتا ہے ایسی حالت میں کھجور جیسی لطیف اور نرم مقوّی غذا بدن کی قوت میں جلدی سرایت کرتی ہے، اور اس سے نظر کو بھی بہت فائدہ ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] بعض حضرات نے ہر میٹھی چیز کو کھجور کا حکم دے کر اس سے افطار کو مستحب قرار دیا ہے۔
لیکن بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اگر (حدیث میں) میٹھی چیز ہی سے افطار کے استحباب کو بیان کرنا مقصود ہوتا تو تمر (کھجور) وغیرہ کے بعد پانی کے بجائے کسی اور میٹھی چیز (مثلاً شہد وغیرہ) کا ذکر ہوتا حالانکہ ایسا نہیں جس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (حدیث میں) کھجور وغیرہ کا تذکرہ میٹھی چیز سے افطار کے استحباب کو بیان کرنے کے لئے نہیں بلکہ چونکہ مدینہ منورہ میں کھجور اور پانی ہی دو ایسی چیزیں تھیں جو عام میسر آ سکتی تھیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول انہی چیزوں سے افطار کرنے کا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کو بھی ان کی سہولت کے پیش نظر اسی کا مشورہ دیا کرتے تھے (ملاحظہ ہو: درس ترمذی ج۲ ص۵۳۹، ابواب الصوم، باب ماجاء مایستحب علیہ الافطار)

وعللوه بان الصوم يضعف البصر والافطار على الحلو يقوى البصر لكن لم يذكر فى الحديث بعدالتمر الاالماء فلعله خرج مخرج الغالب فى المدينه من وجود الرطب فى زمنه ووجود التمر فى بقية السنة وتيسير الماء بعدهما بخلاف الحلواوالعسل وان كان العسل موجوداً عندهم لكن يحتاج الى ما يحمل فيه اذا كانوا خارج منازلهم اوفى الاسفار(عمدة القارى شرح بخارى ج ٨ ص ١٦٢)

(كان يفطر) إذا كان صائما (على رطبات قبل أن يصلى) المغرب (فإن لم يكن رطبات) أى لم تيسر (فتمرات) أى فيفطر على تمرات (فإن لم تكن تمرات) أى لم تتيسر (حسا حسوات من ماء)بحاء وسين مهملتين جمع حسوة بالفتح المرة من الشراب .قال ابن القيم :فى فطره عليها تدبير لطيف فإن الصوم يخلى المعدة من الغذاء فلا يجد الكبد منها ما يجذبه ويرسله إلى القوى والأعضاء فيضعف والحلو أسرع شيئا وصولا إلى الكبد وأحبه إليها سيما الرطب فيشتد قبولها فتنتفع به هى والقوى فإن لم يكن فالتمر لحلاوته وتغذيته فإن لم يكن فحسوات الماء تطفء لهيب المعدة وحرارة الصوم فتنتبه بعده للطعام وتتلقاه بشهوة اهـ .وقال غيره فى كلامه على هذا الحديث :هذا من كمال شفقته على أمته وتعليمهم ما ينفعهم فإن إعطاء الطبيعة الشيئ الحلو مع خلو المعدة أدعى لقبوله وانتفاع القوى سيما القوة الباصرة فإنها تقوى به وحلاوة رطب المدينة التمر ومرباهم عليه وهو عندهم قوت وأدم وفاكهة وأما الماء فإن الكبد يحصل لها بالصوم نوع يبس فإذا رطبت بالماء انتفعت بالغذاء بعده ولهذا كان الأولى بالظمأ الجائع البداء ة بشرب قليل ثم يأكل وفيه ندب الفطر على التمر ونحوه(فيض القدير للمناوى،تحت رقم الحديث ٧١٢٠)

یاد رہے کہ بعض مرد اور بعض عورتیں نمک کی کنکری سے افطار کرتے ہیں اور اس میں ثواب سمجھتے ہیں یہ عقیدہ غلط ہے (بہشتی زیور)

اور بعض لوگ رمضان کے ایک عشرہ میں کھجور سے اور ایک عشرہ میں پانی سے اور ایک عشرہ میں نمک سے افطار کرنے کو افضل سمجھتے ہیں یہ تفصیل اور تقسیم بھی شریعت سے ثابت نہیں، بلکہ من گھڑت ہے۔

بعض لوگ افطار کے وقت بہت سی چیزوں کا تو اہتمام کرتے ہیں، مگر حلال چیز کا اہتمام نہیں کرتے، اور ناجائز طریقے سے حاصل شدہ مال کو افطار کے لئے استعمال کرتے ہیں، حالانکہ عام دنوں میں بھی اور بطورِ خاص رمضان اور افطار میں حرام سے بچنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

روزہ جلدی افطار کرنا

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۸۷)

یعنی تم رات تک روزہ کو پورا کرلیا کرو (سورہ بقرہ)

اس آیت میں روزہ کے آخری وقت کا بیان ہے اور جو روزہ کا آخری وقت ہے وہی روزہ افطار کرنے کا وقت ہے، اور وہ رات شروع ہونے کا وقت ہے، اور شرعی اعتبار سے رات سورج غروب ہونے پر شروع ہوجاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا اَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هَا هُنَا وَاَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هَاهُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّآئِمُ (بخاری) [1]

---

[1] رقم الحديث ۱۹۵۴، كتاب الصوم، باب متىٰ يحل فطر الصوم، واللفظ لهٗ، مسلم، باب بيان وقت انقضاء الصوم؛ ترمذی، بَاب مَا جَاءَ إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ وَأَدْبَرَ النَّهَارُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ، مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۱.

ترجمہ: جب رات اُدھر سے (یعنی مشرق سے) آجائے اور دن ادھر سے (یعنی مغرب سے) چلا جائے اور سورج غروب ہوجائے تو روزہ دار صاحبِ افطار ہوگیا (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج غروب ہوتے ہی روزہ کا وقت مکمل ہوجاتا ہے۔ [1]

اور اسی وجہ سے اگر کسی نے غروب ہونے کے بعد روزہ افطار نہیں کیا تب بھی اس کا روزہ مکمل ہوجاتا ہے، اور اگر سورج غروب ہونے کے بعد افطاری کی نیت کے بغیر بھی کچھ کھا پی لے، تب بھی روزہ ادا ہوجاتا ہے۔

احادیث میں روزہ سورج غروب ہونے کے بعد جلدی افطار کرنے کی ترغیب آئی ہے۔

چنانچہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَایَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَاعَجَّلُوا الْفِطْرَ (بخاری) [2]

ترجمہ: لوگ اس وقت تک خیر کے ساتھ رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کرتے رہیں گے (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَا یَزَالُ الدِّیْنُ ظَاھِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ (ابوداؤد) [3]

---

[1] ذکر معناه :قوله :(إذا أقبل الليل من ههنا) أى :من جهة المشرق .(وأدبر النهار من ههنا) أى :من المغرب، وقد مر الكلام فيه فى باب الصوم فى السفر والإفطار فى آخر حديث عبد الله بن أبى أوفى .قوله :(فقد أفطر الصائم) ، أى :دخل فى وقت الفطر، وقال ابن خزيمة :لفظه خبر ومعناه الأمر أى :فليفطر الصائم(عمدة القارى للعينى، ج ١١ ص ٦٥، باب متى يحل فطر الصائم)

[2] رقم الحديث ١٩٥٧، كتاب الصوم ،باب تعجيل الافطار، واللفظ لهٗ؛ مسلم،رقم الحديث ١٠٩٨ "٤٨" باب فضل السحور؛ ترمذی،رقم الحديث ٦٩٩، باب ماجاء فى تعجيل الافطار.

[3] رقم الحديث ٢٣٥٣،كتاب الصوم، باب مَا يُسْتَحَبُّ مِنْ تَعْجِيلِ الْفِطْرِ، واللفظ لهٗ؛ مسنداحمد، رقم الحديث ٩٨١٠؛ مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ٩٠٣٧؛ سنن كبرىٰ نسائى، رقم الحديث ٣٢٩٩؛ شعب الايمان، رقم الحديث ٣٦٣٣؛ صحيح ابن خزيمة، رقم الحديث ٢٠٦٠؛ صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٣٥٠٣؛ مستدرک حاكم، رقم الحديث ١٥٧٣.

فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح دون قوله:إن اليهود والنصارى يؤخرون، وهذا إسناد حسن.

وقال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ.

ترجمہ: دین اس وقت تک غالب رہے گا جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے (ابوداؤد)

بعض اور احادیث میں بھی جلدی افطار کرنے کو پسند کیا گیا ہے۔ [1]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّا مَعْشَرَ الْأَنْبِيَاءِ أُمِرْنَا أَنْ نُؤَخِّرَ سُحُورَنَا ، وَنُعَجِّلَ فِطْرَنَا ، وَأَنْ نُمْسِكَ بِأَيْمَانِنَا عَلٰى شَمَائِلِنَا فِي صَلَاتِنَا (صحيح ابن حبان) [2]

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم انبیاء کی جماعت کو حکم دیا گیا ہے، کہ ہم سحری میں تاخیر کریں (یعنی رات کے آخری حصے میں صبح صادق ہونے سے پہلے سحری کھائیں) اور افطار میں (غروب ہوتے ہی) جلدی کریں، اور ہم نماز میں اپنے دائیں ہاتھوں سے بائیں ہاتھوں کو تھامیں (ابنِ حبان)

افطار میں جلدی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ غروب کا یقین ہوجانے کے بعد دیر نہ کی جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ ابھی تک غروب کا پوری طرح یقین بھی نہ ہوا ہو اور جھٹ روزہ افطار کرلیا

---

[1] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ :إِنَّ أَحَبَّ عِبَادِي إِلَيَّ أَعْجَلُهُمْ فِطْرًا " (ترمذی، رقم الحدیث ۷۰۰، باب ماجاء فی تعجیل الافطار، واللفظ لہٗ؛ مسند احمد، رقم الحدیث ۷۲۴۱؛ المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۱۴۹؛ صحیح ابن خزیمۃ، رقم الحدیث ۲۰۶۲؛ مسند ابی یعلیٰ، رقم الحدیث ۵۹۷۴؛ صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۳۵۰۷)

قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ (ترمذی، تحت رقم الحدیث ۷۰۱)

وفی حاشیۃ مسند احمد: إسناده ضعيف، قرة -وهو ابن عبد الرحمن المعافری المصری -الجمهور على تضعيفه، وتساهل بعضهم فوثقه، روى له مسلم مقرونا بغيره، وأصحاب السنن الأربعة.

[2] رقم الحدیث ۱۷۷۰، ج۵ص۶۷، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاہ، باب ذِكْرُ الْإِخْبَارِ عَمَّا يُسْتَحَبُّ لِلْمَرْءِ مِنْ وَضْعِ الْيَمِينِ عَلَى الْيَسَارِ فِي صَلَاتِهِ، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۱۱۴۸۵؛ مسند عبد بن حمید، رقم الحدیث ۶۲۲؛ سنن دار قطنی، رقم الحدیث ۱۰۹۶۔

قال الهيثمي: رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۲۶۰۹، بَابُ وَضْعِ الْيَدِ عَلَى الْأُخْرَى)

جائے کیونکہ اس میں جلدی کی فضیلت کا حاصل ہونا تو دور کی بات ہے، روزہ ہونے نہ ہونے کا ہی خطرہ ہے۔

سورج غروب ہونے کے وقت میں تھوڑی سی احتیاط اختیار کی جائے تو مناسب ہے، کیونکہ بعض اوقات گھڑی میں کچھ فرق ہو جاتا ہے اور جنتری ونقشوں اور ان کو استعمال کرنے والوں کی جگہ وغیرہ کے مختلف ہونے کے اعتبار سے بھی تھوڑا بہت فرق ممکن ہوتا ہے۔

لہٰذا احتیاط کے مسئلہ کو جلدی افطار کرنے کے اصول کے خلاف قرار نہیں دیا جاسکتا۔

انتباہ: سورج غروب ہونے کے بعد رات کا شروع ہو جانا اور افطار کا حلال ہو جانا قرآن وسنت کے واضح دلائل سے ثابت ہے، لیکن بہت سے روافض واہلِ تشیع کے نزدیک سورج غروب ہو جانے کے کافی دیر بعد جب آسمان پر ستارے خوب ظاہر ہو جائیں اور سیاہی پھیل جائے تب افطار کا وقت ہوتا ہے۔

مگر روافض واہلِ تشیع کا یہ مذہب قرآن وسنت کے خلاف ہے، بعض سنی لوگ روافض سے متاثر ہو کر دیر سے افطار کرتے ہیں جو کہ غلط طریقہ ہے۔ [1]

مغرب کی نماز سے پہلے افطار کرنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] (عن أبی هريرة قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-لا يزال الدين ظاهرا ") أى غالبا وعاليا أو واضحا ولائحا "ما عجل الناس الفطر "أى مدة تعجيلهم الفطر "لأن اليهود والنصارى يؤخرون "أى الفطر إلى اشتباک النجوم وتبعهم الأرفاض فى زماننا (مرقاة المفاتيح ج۴ص۱۳۸۷ ، كتاب الصوم، باب فى مسائل متفرقة، الفصل الثالث)

ويدخل وقتها بالغروب إجماعا، وكأنه اكتفى بذكر المغرب ولا يعتد بخلاف الشيعة، وخبر :إنه صلى الله عليه وسلم صلى المغرب عند اشتباک النجوم باطل، بل صح " :لا تزال أمتى على الفطرة ما لم يؤخروا المغرب حتى تشتبک النجوم "، وتأخيره عليه الصلاة والسلام لها كما فى أحاديث صحيحة لبيان الجواز، ونقل الترمذى عن العلماء كراهية تأخيرها عن أوله، كذا ذكره ابن حجر (مرقاةالمفاتيح، ج۲ص۵۱۷، كتاب الصلاة، باب المواقيت)

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ (ترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم (مغرب کی) نماز سے پہلے افطار کیا کرتے تھے

(ترمذی)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

مَارَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ صَلّٰى صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ حَتّٰى يُفْطِرَ وَلَوْعَلٰى شَرْبَةٍ مِّنْ مَّاءٍ (صحيح ابن حبان) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے افطار کرنے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھی ہو اگرچہ پانی کے ایک گھونٹ ہی سے افطار کرلیا ہو (ابنِ حبان)

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ:

كَانَ لَايُصَلِّي الْمَغْرِبَ حَتّٰى يُفْطِرَ وَلَوْعَلٰى شَرْبَةٍ مِّنْ مَّآءٍ (مستدرک حاکم) [3]

---

[1] رقم الحديث ٦٩٦،ابواب الصوم، بَابُ مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ عَلَيْهِ الإِفْطَارُ، واللفظ لهٗ؛ ابوداوٗد، رقم الحديث ٢٣٥٦؛ مسند احمد، رقم الحديث ١٢٦٧٦،

قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير جعفر بن سليمان، فمن رجال مسلم.

[2] رقم الحديث ٣٥٠٤،كتاب الصوم باب الافطار وتعجيله، ذِكْرُ الِاسْتِحْبَابِ لِلصُّوَّامِ تَعْجِيلُ الْإِفْطَارِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ، واللفظ لهٗ، مسند ابی یعلیٰ، رقم الحديث ٣٧٩٢؛ مسند بزار، رقم الحديث ٧١٢٧.

قال المنذری: رَوَاهُ أَبُو يعلى وَابْن خُزَيْمَة وَابْن حبَان فِي صَحِيحَيْهِمَا (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ١٦٣٢، التَّرْغِيب فِي تَعْجِيل الْفطر وَتَأْخِير السّحُور)

وقال الهيثمی :رَوَاهُ أَبُو يَعْلَى ، وَالْبَزَّارُ ، وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ ، وَرِجَالُ أَبِي يَعْلَى رِجَالُ الصَّحِيحِ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٤٨٨٣، ج٣ص١٥٥، بَابُ تَعْجِيلِ الْإِفْطَارِ وَتَأْخِيرِ السَّحُورِ)

فی حاشية ابنِ حبان: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

[3] رقم الحديث ١٥٧٧،ج١ص٥٩٧،كتاب الصوم، واللفظ لهٗ؛مسند ابی یعلیٰ،رقم الحديث

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کرنے سے پہلے مغرب کی نماز نہیں پڑھا کرتے تھے، اگرچہ پانی کے ایک گھونٹ پر ہی افطار کیوں نہ کرلیتے (حاکم)

مذکورہ احادیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مغرب کی نماز سے پہلے افطار فرمانے کا ثابت ہوا، لہٰذا اسی کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔

البتہ اگر کوئی اتفاق سے یا کسی عذر و مجبوری سے مغرب کی نماز کے بعد افطار کرے، تو تب بھی کوئی گناہ نہیں اور اس سے روزہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

۳۷۹۲، مسند البزار، رقم الحديث۷۱۲۷، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۸۷۹۳؛ صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ۲۰۶۳؛ مُصنف ابن أبی شيبة، رقم الحديث ۹۸۸۲، مَنْ كَانَ يُحِبُّ أَنْ يُفْطِرَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ.

قال الهيثمی: رواه أبو يعلی، والبزار، والطبرانی فی الأوسط، ورجال أبی يعلی رجال الصحيح (مجمع الزوائد ج۳ص۱۵۵)

[1] حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى ، عَنْ مَعْمَرٍ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ؛ أَنَّ عُمَرَ وَعُثْمَانَ كَانَا يُصَلِّيَانِ الْمَغْرِبَ إِذَا رَأَيَا اللَّيْلَ ، وَكَانَا يُفْطِرَانِ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَا (مصنف ابن أبی شيبة، رقم الحديث ۹۸۸۵، مَنْ كَانَ يُحِبُّ أَنْ يُفْطِرَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ)

عن حميد بن عبد الرحمن بن عوف أنه أخبره :أن عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان كانا يصليان المغرب حين ينظران الليل الأسود قبل أن يفطروا ثم يفطران بعد الصلاة فی رمضان .

قال محمد :وهذا كله واسع فمن شاء أفطر قبل الصلاة ومن شاء أفطر بعدها وكل ذلک لا بأس به (موطأ رواية محمد بن الحسن، رقم الرواية ۳۶۴، ابواب الصيام، باب تعجيل الإفطار، واللفظ لهٗ؛ مسند الشاميين للطبرانی، رقم الحديث ۳۰۷۰)

(وعن أنس قال :كان النبی -صلی الله عليه وسلم -يفطر) أی فی صيامه (قبل أن يصلی) أی المغرب، وفيه إشارة إلی كمال المبالغة فی استحباب تعجيل الفطر، وأما ما صح أن عمر وعثمان -رضی الله عنهما -كانا برمضان يصليان المغرب حين ينظران إلی الليل الأسود ثم يفطران بعد الصلاة فهو لبيان جواز التأخير لئلا يظن وجوب التعجيل، ويمكن أن يكون وجهه أنه -صلی الله عليه وسلم -كان يفطر فی بيته ثم يخرج إلی صلاة المغرب، وأنهما كانا فی المسجد ولم يكن عندهما تمر ولا ماء ، أو كانا غير معتكفين، ورأيا الأكل والشرب لغير المعتكف مكروهين، لكن إطلاق الأحاديث ظاهر فی استثناء حال الإفطار، والله أعلم (مرقاة المفاتيح، ج۴ص۱۳۸۵، كتاب الصوم، باب فی مسائل متفرقة، الفصل الثانی)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رمضان میں افطار کی وجہ سے مغرب کی نماز میں تاخیر کرنا

جس طرح روزہ افطار کرنے کا وقت سورج غروب ہونے پر ہوجاتا ہے، اسی طرح مغرب کی نماز کا وقت بھی سورج کے غروب ہونے پر شروع ہوجاتا ہے۔

اور احادیث میں عام حالات میں مغرب کی نماز کو جلد از جلد ادا کرنے کی ترغیب آئی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مغرب کی نماز غروب ہونے کے بعد بلا تاخیر ادا کرنا اور اس کی ترغیب وفضیلت ثابت ہے۔

اور تاروں کے خوب چٹکنے اور چمکنے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھ لینے میں خیر بتلائی گئی ہے۔

جس کے پیشِ نظر عام حالات میں مغرب کی نماز جلد از جلد پڑھنا مستحب وافضل ہے۔ [1]

لیکن رمضانُ المبارک میں چونکہ مغرب کی نماز اور روزہ افطار کرنے کا وقت ایک ساتھ شروع ہوتا ہے، اور افطار کے وقت کھانے کی طرف رغبت وطلب ہوتی ہے، اور افطار کئے بغیر نماز پڑھنے کی صورت میں نماز کا خشوع کمزور یا فوت ہوجاتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افطار کے بعد نماز کا ثبوت ملتا ہے، اس لئے زیادہ مناسب طریقہ یہی ہے۔

کئی احادیث سے نماز سے پہلے افطار کرنے اور کھانا کھانے کا حکم ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ وَأَحَدُكُمْ صَائِمٌ فَلْيَبْدَأْ بِالْعَشَاءِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَلَا تُعْجَلُوْا عَنْ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وتعجيل الافطار افضل فيستحب ان يفطر قبل الصلاة (الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص ۲۰۰، كتاب الصوم، الباب الثالث)

ويستحب الافطار قبل الصلاة (طحطاوی شرح المراقی، ص ۶۸۳، كتاب الصوم، فصل فيما يكره للصائم)

[1] وأجمع كل من نحفظ عنه من أهل العلم على أن التعجيل بصلاة المغرب أفضل وكذلك نقول (الاوسط لابن المنذر، تحت حديث رقم ۹۹۳)

عَشَائِكُمْ (ابنِ حبان) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز کھڑی کردی جائے، اور تم میں سے کوئی روزہ سے ہو، تو اُسے چاہئے کہ مغرب کی نماز سے پہلے کھانا کھالے، اورتم نماز کو اپنے کھانے سے پہلے نہ پڑھو (ابنِ حبان)

حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ أَحْيَانًا نَلْقَاهُ، وَهُوَ صَائِمٌ، فَيُقَدَّمُ لَهُ الْعَشَاءُ، وَقَدْ نُودِيَ بِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ، ثُمَّ تُقَامُ، وَهُوَ يَسْمَعُ - يَعْنِي الصَّلَاةَ - فَلَا يَتْرُكُ عَشَاءَهُ، وَلَا يَعْجَلُ حَتّٰى يَقْضِيَ عَشَاءَهُ، ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ، وَيَقُوْلُ: إِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ: لَا تَعْجَلُوْا عَنْ

---

[1] رقم الحديث ٢٠٦٨، ج۵ص ۴٢٢، كتاب الصلاة، باب فرض الجماعة والاعذار التى تبيح تركها، ذكر البيان بأن التخلف عن إتيان الجماعات عند حضور العشاء إنما يجب ذلك إذا كان المرء صائما أو تاقت نفسه إلى الطعام فآذته؛ المعجم الاوسط، رقم الحديث ٥٠٧٥؛ شرح مشكل الآثار، رقم الحديث ١٩٩٢.

فى حاشية ابن حبان: إسناده صحيح .العباس بن أبى طالب :هو العباس بن جعفر بن عبد الله، ثقة، ومن فوقه من رجال الصحيح.

قال الهيثمى: قلت :هو فى الصحيح خلا قوله" :وأحدكم صائم ."رواه الطبرانى فى الأوسط ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٢١٩١، باب الأعذار فى ترك الجماعة)

وقال الالبانى: وقال الطبرانى: "لم يقل فى هذا الحديث" :وأحدكم صائم فليبدأ بالعشاء قبل صلاة المغرب "إلا عمرو بن الحارث، تفرد به موسى بن أعين ."قلت :كلاهما ثقة من رجال الشيخين، فلا يضر تفردهما، لا سيما والذين شاركوهم فى رواية أصل الحديث قد رووه بألفاظ متقاربة، يزيد بعضهم على بعض فى "الصحيحين "وغيرهما، وأقربهم ابن وهب قال :أخبرنى عمرو عن ابن شهاب بتمامه نحوه؛ إلا أنه لم يقل " :وأحدكم صائم ."أخرجه مسلم ٢/٧٢.وتابعه أيضاً بكر بن مضر عن عمرو بن الحارث به .أخرجه أبو عوانة ٢/١٦ . وتابع عمراً :عقيل عن ابن شهاب به نحوه .أخرجه البخارى ٦٧٢ . يضاف إلى ما سبق أن هذه الزيادة " :وأحدكم صائم "لا تنافى الروايات الأخرى، لأنها بإطلاقها وشمولها تشمل الصائم وغيره؛ كما هو ظاهر، بل الصائم هو أولى بهذه الرخص من غير الصائم، كما هو ظاهر .والله أعلم (سلسلة الأحاديث الصحيحة ، تحت رقم الحديث ٣٩٦۴)

عَشَائِكُمْ إِذَا قُدِّمَ إِلَيْكُمْ (مصنف عبدالرزاق) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ ہم سے بعض اوقات روزہ کی حالت میں ملاقات کرتے تھے، پھر آپ کے لئے (افطار کے وقت) شام کا کھانا پیش کیا جاتا تھا، اور مغرب کی نماز کی اذان ہو چکتی تھی، پھر وہ کھڑی بھی ہو جاتی تھی، اور آپ نماز کی آواز سُن رہے ہوتے تھے، مگر آپ اپنا کھانا نہیں چھوڑتے تھے، اور نماز کے لئے جلدی نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ کھانا نہ کھالیں، پھر تشریف لے جا کر نماز پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے سامنے جب شام کا کھانا پیش کر دیا جائے تو تم (نماز کے لئے) جلدی نہ کرو (عبدالرزاق)

ان احادیث کا مضمون اُن احادیث کے مطابق ہے، جن میں بھوک لگنے کی حالت میں کھانا تیار ہونے کی صورت میں پہلے کھانے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ روزہ افطار کرنے کے وقت بھی عموماً بھوک لگی ہوئی ہوتی ہے، اور کھانے کی طلب ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٢١٨٩، كتاب الصلاة، بَابُ إِذَا قُرِّبَ الْعَشَاءُ وَنُودِيَ بِالصَّلَاةِ، واللفظ لهٗ؛ الاوسط لابن المنذر، رقم الحديث ١٩١٤.

[2] قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ وَأُقِيمَتُ الصَّلَاةُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ وَلَا يَعْجَلُ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهُ. وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوضَعُ لَهُ الطَّعَامُ وَتُقَامُ الصَّلَاةُ فَلَا يَأْتِيهَا حَتَّى يَفْرُغَ وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ(بخارى رقم الحديث ٦٧٣، بَاب إِذَا حَضَرَ الطَّعَامُ وَأُقِيمَتُ الصَّلَاةُ، واللفظ لهٗ، مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ٧٩٩٨، عن ابنِ عمر)

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَءُوا بِهِ قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوا صَلَاةَ الْمَغْرِبِ وَلَا تَعْجَلُوا عَنْ عَشَائِكُمْ(بخارى رقم الحديث ٦٧٢، عن انس بن مالك)

إِذَا حَضَرَ الْعَشَاءُ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ(مسلم رقم الحديث ٥٥٧ "٦٤" عن انس)

عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَأُقِيمَتُ الصَّلَاةُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ (بخارى، رقم الحديث ٦٧١، بَاب إِذَا حَضَرَ الطَّعَامُ وَأُقِيمَتُ الصَّلَاةُ، واللفظ لهٗ، مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ٧٩٩٥، عن عائشة)

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَالْعَشَاءُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ "(مسند احمد رقم الحديث ١٦٥٢١، واللفظ لهٗ، مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ٧٩٩٩، عن سلمة بن الاكوع)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ مِنْ فِقْهِ الْمَرْءِ إِقْبَالُهُ عَلٰى حَاجَتِهٖ حَتّٰى يُقْبِلَ عَلٰى صَلَاتِهٖ وَقَلْبُهٗ فَارِغٌ (الزهد والرقائق لابن المبارك) [1]

ترجمہ: آدمی کے فقہ (وسمجھداری) کی نشانی میں سے یہ بات ہے کہ وہ اپنی (کھانے پینے وغیرہ کی) حاجت کی طرف متوجہ ہو، اپنی نماز کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے، تاکہ اس کا دل (نماز اور اس کے خشوع کے لئے) فارغ ہو (الزہد والرقائق)

مطلب یہ ہے کہ کھانے وغیرہ کی ضرورت سے فارغ ہو کر اس حال میں نماز پڑھنا کہ دل کھانے کی طرف متوجہ نہ ہو، یہ آدمی کے سمجھدار ہونے کی نشانی ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بھوک لگی ہوئی ہو، اور کھانا تیار ہو، تو نماز میں صحیح خشوع حاصل نہیں ہوتا، اس لئے ایسی صورت میں کھانے کے تقاضے سے فارغ ہو کر نماز پڑھنے کو فقہ اور سمجھداری کی علامت اور اس کا حکم دیا گیا۔ [2]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم :إِذَا حَضَرَ الْعَشَاءُ وَحَضَرَتِ الصَّلاَةُ فَابْدَؤُوا بِالْعَشَاءِ.(مصنف ابن ابی شیبة،رقم الحديث ۷۹۹۷،عن ام سلمة)

عن ابى المليح قال: كُنَّا مَعَ أَبِي بَكْرٍ وَقَدْ خَرَجَ لِصَلاَةِ الْمَغْرِبِ وَأَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَتُلُقِّيَ بِقَصْعَةٍ فِيهَا ثَرِيدٌ وَلَحْمٌ ، فَقَالَ :اجْلِسُوا فَكُلُوا فَإِنَّمَا صُنِعَ الطَّعَامُ لِيُؤْكَلَ ، فَأَكَلَ ، ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَغَسَلَ أَطْرَافَ أَصَابِعِهِ وَمَضْمَضَ وَصَلَّى.(مصنف ابن ابی شیبة، رقم الحديث ۸۰۰۴)

[1] رقم الحديث ۱۱۴۲، ج ۱ ص ۴۰۱، باب فضل ذكر الله عزوجل،بخارى فى ترجمة الباب، ج ۱ ۱۳۵، كتاب الاذان،باب إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة، تعظيم قدر الصلاة لمحمد بن نصر المروزى رقم الحديث ۱۲۰ .

[2] وقال الفاكهانى ينبغى حمله على العموم نظرا إلى العلة وهى التشويش المفضى إلى ترك الخشوع وذكر المغرب لا يقتضى حصرا فيها لأن الجائع غير الصائم قد يكون أشوق إلى الأكل من الصائم انتهى وحمله على العموم إنما هو بالنظر إلى المعنى إلحاقا للجائع بالصائم وللغداء بالعشاء لا بالنظر إلى اللفظ الوارد (فتح البارى لابن حجر، ج ۲ ص ۱۶۰، قوله باب إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة)

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر رمضان کے مہینے میں اذان کے بعد کچھ تاخیر سے نماز پڑھی جائے، اور کچھ تاخیر سے جماعت کھڑی کی جائے، تاکہ اعتدال کے ساتھ افطار کر کے لوگ نماز و جماعت میں شریک ہوسکیں، اور خشوع کے ساتھ نماز ادا کرسکیں، تو اس میں نہ صرف یہ کہ کوئی حرج نہیں، بلکہ اس کی فضیلت زیادہ ہے۔

لیکن مغرب کی نماز میں اتنی تاخیر نہ کی جائے کہ خوب اندھیرا ہو جائے، اور چھوٹے بڑے تارے اچھی طرح روشن ہو جائیں، کیونکہ احادیث میں اتنی تاخیر کرنے کو ناپسند کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ: لَا يَزَالُ أُمَّتِىْ بِخَيْرٍ أَوْ عَلَى الْفِطْرَةِ مَا لَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ

(مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ میری اُمت خیر یا فطرت پر قائم رہے گی، جب تک کہ مغرب میں اتنی تاخیر نہ کرے گی کہ ستارے گتھ جائیں (حاکم)

اسی قسم کی حدیث حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ (إذا أقيمت الصلاة وحضر العشاء) كسماء ما يؤكل عند العشاء والمراد بحضوره وضعه بين يدى الآكل أو قرب حضوره لديه وقد تاقت نفسه له (فابدؤوا) ندبا (بالعشاء) إن إتسع الوقت فيأكل لقيمات يكسر بها حدة الجوع على وجه لكن الأصح يأكل حاجته وذلك لما فى تركه من فوت الخشوع أو كماله (فيض القدير للمناوى تحت حديث رقم ۴۷۳)

[1] رقم الحديث ۶۸۵، ج ۱ ص ۳۰۳، كتاب الصلاة، باب فى مواقيت الصلاة؛ ابوداؤد، رقم الحديث ۴۱۸، بَابٌ فِي وَقْتِ الْمَغْرِبِ؛ مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۵۳۴.

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ وَلَهُ شَاهِدٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ.

وقال الذهبى: على شرط مسلم وله شاهد صحيح.

وفى حاشية مسند احمد: إسناده حسن.

[2] عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا يَزَالُ أَمْرُ أُمَّتِى عَلَى الْفِطْرَةِ مَا لَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ حَتَّى يَشْتَبِكَ النُّجُومُ (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۶۸۶؛ ابنِ ماجه، رقم الحديث ۶۸۹)

ستارے چٹخنے اور چمکنے سے مراد یہ ہے کہ بڑے چھوٹے ستارے خوب اور کثرت سے نظر آنے لگیں، نہ یہ کہ صرف بعض اور تیز ستارے نظر آنے لگیں، اور یہ کیفیت اسی وقت ہوتی ہے، جب زمین پر غیر معمولی اندھیرا چھاجاتا ہے۔ [1]

لہٰذا رمضان میں مغرب کی نماز اور جماعت افطار کے بعد اتنی تاخیر سے ادا کرنا کہ بھوک کا تقاضا جاتا رہے، اور نماز یکسوئی اور خشوع کے ساتھ ادا کی جا سکے، یہ شریعت کے تقاضوں کے

---

[1] (وعن أبی أیوب) : أی :الأنصاری (قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :لا يزال ") : بالتحتانية، وقيل بالفوقية (أمتی بخير -أو قال :علی الفطرة -) : أی :السنة المستمرة، أو الإسلام الذی لم يدخله تبديل فی أركانه ومتمماته، شک من الراوی (ما لم يؤخروا المغرب إلى أن تشتبک النجوم) : أی :تصير مشتبكة كالشبكة قاله ابن الملک .أی :يظهر جميعها ويختلط بعضها ببعض، وهذا يدل على أن لا كراهة بمجرد الطلوع، وقال الطيبی :أی تختلط لكثرة ما ظهر منها، وفی شرح السنة اختار أهل العلم من الصحابة والتابعين ومن بعدهم تعجيل المغرب اهـ .وما وقع من تأخيره -عليه الصلاة والسلام -فی أحاديث صحيحة محمول على بيان الجواز .(رواه أبو داود) : وفی سنده محمد بن إسحاق صاحب المغازی، وصرح بالتحديث فحديثه صحيح، قاله ميرک (مرقاة المفاتيح ، ج۲ ص ۵۳۴، ۵۳۵، کتاب الصلاة، باب تعجيل الصلوات)

(لا تزال أمتی على الفطرة) أی السنة وفی رواية بخير (ما لم يؤخروا المغرب) أی صلاتها (إلى اشتباک النجوم) أی انضمام بعضها إلى بعض وظهورها كلها بحيث يختلط إنارة بعضها ببعض ويظهر صغارها من كبارها حتى لا يخفى منها شیء وفيه رد على الشيعة فی تأخيرهم إلى ظهور النجوم وأن الوصال يحرم علينا شرعا لأن تأخير الفطر إذا كان ممنوعا فتركه بالكلية أشد منعا (حم د)(فيض القدير للمناوی تحت حديث رقم ۹۷۷۲)

قال رسولُ الله -عليه السلام " :-لا تزال أمّتی على الفِطرة ما لم يؤخروا المَغرب حتى تشتبک النجوم ."والمرادُ من الفطرة :السُّنَّة؛ كما فی قوله -عليه السلام " :-عشر من الفطرة ."قوله ": إلى أن تَشتبک النجُوم "أن :مَصدرية، والتقدير :إلى اشتباک النجوم .قال ابن الأثير ": اشتبكت النجوم أی :ظهرت جميعها واختلط بعضها ببعض لكثرة ما ظهر منها (شرح ابی داوٗد للعينی، ج۲، ص۲۸۵، کتاب الصلاة، بَاب :فِی وَقْتِ الْمَغْرِب)

وقوله :إلى أن تشتبک النجوم ، فكلمة "أن "مصدرية والتقدير إلى أن اشتباک النجوم يقال اشتبک النجوم إذا ظهرت جميعها واختلط بعضها ببعض لكثرة ما ظهر منها، وجه التمسک أن التأخير لما كان سببا لزوال الخير كان التعجيل سببا لاستجلائه وكلمة ما فی المتن توقيت الفعل بمعنى المصدر إلى زمان تعجيلهم للمغرب (البناية شرح الهداية، ج۲، ص۴۵، باب تعجيل المغرب)

واشتباكها كثرتها (تبيين الحقائق ج ا ص ۸۴، کتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة)

وَالْمَغْرِبِ إلَى اشْتِبَاکِ النُّجُومِ يُكْرَهُ كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ (البحرالرائق، ج ا ، ص ۲۶۱، کتاب الصلاة)

عین مطابق ہے، اسی پر عمل کرنا چاہئے، بشرطیکہ اتنی تاخیر نہ کی جائے کہ زمین پر خوب اندھیرا ہوجائے، اور آسمان پر چھوٹے بڑے ستارے خوب کثرت سے روشن اور نمایاں ہوجائیں۔ [۱]

[۱] (وَ) أَخَّرَ (الْمَغْرِبَ إِلَى اشْتِبَاكِ النُّجُومِ) أَيْ كَثْرَتِهَا (كُرِهَ) أَيْ التَّأْخِيرُ لَا الْفِعْلُ لِأَنَّهُ مَأْمُورٌ بِهِ (تَحْرِيمًا) إِلَّا بِعُذْرٍ كَسَفَرٍ، وَكَوْنِهِ عَلَى أَكْلٍ (الدرالمختار مع ردالمحتار)

(قَوْلُهُ :إِلَى اشْتِبَاكِ النُّجُومِ) هُوَ الْأَصَحُّ .وَفِي رِوَايَةٍ لَا يُكْرَهُ مَا لَمْ يَغِبْ الشَّفَقُ بَحْرٌ أَيْ الشَّفَقُ الْأَحْمَرُ؛ لِأَنَّهُ وَقْتٌ مُخْتَلَفٌ فِيهِ فَيَقَعُ الشَّكُّ .وَفِي الْحِلْيَةِ بَعْدَ كَلَامٍ :وَالظَّاهِرُ أَنَّ السُّنَّةَ فِعْلُ الْمَغْرِبِ فَوْرًا وَبَعْدَهُ مُبَاحٌ إِلَى اشْتِبَاكِ النُّجُومِ فَيُكْرَهُ بِلَا عُذْرٍ اهـ قُلْت أَيْ يُكْرَهُ تَحْرِيمًا، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ أَرَادَ الْمُبَاحَ مَا لَا يَمْنَعُ فَلَا يُنَافِي كَرَاهَةَ التَّنْزِيهِ وَيَأْتِي تَمَامُهُ قَرِيبًا .(قَوْلُهُ :أَيْ كَثْرَتِهَا) قَالَ فِي الْحِلْيَةِ :وَاشْتِبَاكُهَا أَنْ يَظْهَرَ صِغَارُهَا وَكِبَارُهَا حَتَّى لَا يَخْفَى مِنْهَا شَيْءٌ، فَهُوَ عِبَارَةٌ عَنْ كَثْرَتِهَا وَانْضِمَامِ بَعْضِهَا إِلَى بَعْضٍ .اهـ(قَوْلُهُ :كُرِهَ) يَرْجِعُ إِلَى الْمَسَائِلِ الثَّلَاثَةِ قَبْلَهُ ط .قَوْلُهُ :أَيْ التَّأْخِيرُ لَا الْفِعْلُ) فِيهِ كَلَامٌ يَأْتِي .(قَوْلُهُ :تَحْرِيمًا) كَذَا فِي الْبَحْرِ عَنْ الْقُنْيَةِ، لَكِنْ فِي الْحِلْيَةِ أَنَّ كَلَامَ الطَّحَاوِيِّ يُشِيرُ إِلَى أَنَّ الْكَرَاهَةَ فِي تَأْخِيرِ الْعِشَاءِ تَنْزِيهِيًّا وَهُوَ الْأَظْهَرُ .اهـ(قَوْلُهُ :إِلَّا بِعُذْرٍ إِلَخْ) ظَاهِرُهُ رُجُوعُهُ إِلَى الثَّلَاثَةِ أَيْضًا لَكِنْ ذُكِرَ فِي الْإِمْدَادِ فِي تَأْخِيرِ الْعَصْرِ إِلَى الِاصْفِرَارِ عَنْ الْمِعْرَاجِ أَنَّهُ لَا يُبَاحُ التَّأْخِيرُ لِمَرَضٍ أَوْ سَفَرٍ اهـ وَمِثْلُهُ فِي الْحِلْيَةِ وَاقْتَصَرَ فِي الْإِمْدَادِ وَغَيْرِهِ عَلَى ذِكْرِهِ الِاسْتِثْنَاءَ فِي الْمَغْرِبِ، وَعِبَارَتُهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ كَسَفَرٍ وَمَرَضٍ وَحُضُورِ مَائِدَةٍ أَوْ غَيْمٍ .اهـ.قُلْت وَيَنْبَغِي عَدَمُ الْكَرَاهَةِ فِي تَأْخِيرِ الْعِشَاءِ لِمَنْ هُوَ فِي رَكْبِ الْحُجَّاجِ، ثُمَّ إِنَّ لِلْمُسَافِرِ وَالْمَرِيضِ تَأْخِيرَ الْمَغْرِبِ لِلْجَمْعِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ فِعْلًا كَمَا فِي الْحِلْيَةِ وَغَيْرِهَا :أَيْ بِأَنْ تُصَلَّى فِي آخِرِ وَقْتِهَا وَالْعِشَاءُ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا، وَهُوَ مَحْمَلُ مَا رُوِيَ مِنْ جَمْعِهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -بَيْنَهُمَا سَفَرًا كَمَا سَيَأْتِي.(قَوْلُهُ :وَكَوْنِهِ عَلَى أَكْلٍ) أَيْ لِكَرَاهَةِ الصَّلَاةِ مَعَ حُضُورِ طَعَامٍ تَمِيلُ إِلَيْهِ نَفْسُهُ وَلِحَدِيثِ إِذَا أُقِيمَتْ الصَّلَاةُ وَحَضَرَ الْعِشَاءُ فَابْدَءُوا بِالْعِشَاءِ) رَوَاهُ الشَّيْخَانِ (ردالمحتار، ج ۱، ص ۳۶۸، ۳۶۹، كتاب الصلاة)

علامہ شامی رحمہ اللہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ اشتباکِ نجوم تک کی تاخیر کے بارے میں ایک قول تحریمی ہونے کا ہے، لیکن راجح تنزیہی ہونا ہے، اور ایک غیر اصح قول کے مطابق شفقِ احمر کے غروب تک کراہت نہیں ہے۔

احسن الفتاویٰ میں ہے کہ:

رمضان میں اگر بھوک لگی ہو اور کھانا تیار ہو تو پندرہ بیس منٹ تک تاخیر میں کوئی مضائقہ نہیں، اس لئے کہ یہ تاخیر زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے، اور بھوک کی حالت میں کھانے کی موجودگی میں نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے، لہٰذا کھانے سے فارغ ہو کر اطمینان اور فراغِ قلب کے ساتھ نماز پڑھنا چاہئے (احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۳۸)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسجد میں افطار کرنا

احادیث سے مسجد میں کھانا کھانے کا ثبوت اور اس کے ساتھ مسجدوں کو صاف رکھنے کا حکم ملتا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء زبیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا نَأْكُلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ہمارا مشاہدہ وتجربہ ہے کہ عام حالات میں پندرہ بیس منٹ تک اعتدال کے ساتھ افطار کرکے نماز میں شمولیت آسان ہوتی ہے، ضرورت کے وقت اس میں کمی بیشی بھی کی جاسکتی ہے، بس اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ اتنی تاخیر نہ ہو کہ چھوٹے بڑے ستارے خوب روشن ہوجائیں، اور زمین پر اندھیرا غالب آجائے۔

مختلف علاقوں اور موسموں کے لحاظ سے مذکورہ کیفیت یا بالفاظِ دیگر اشتباکِ نجوم کے اوقات مختلف ہوسکتے ہیں، نیز آب وہوا اور فضاء کے مکدَّر، ابر آلود اور صاف ہونے کے اعتبار سے بھی فرق ہوسکتا ہے۔ تاہم اگر فلکی لحاظ سے یہ بات محقق ہوجائے کہ معتدل حالات میں سورج کے کتنی ڈگری نیچے چلے جانے کے بعد اشتباکِ نجوم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، تو پھر مختلف علاقوں کے اعتبار سے متعین اوقات کی تخریج کرکے اس کی تحدید وتعیین بھی ممکن ہے۔

اور آج کل شہروں میں آبادی اور مصنوعی روشنیوں کی کثرت اور آسمان کے مناظر دیکھنے میں مشکلات کے باعث اس کی فلکی تحقیق کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

اسی ضرورت کے لئے ہم نے اس پر غور کیا، تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ فلکی اعتبار سے سورج غروب ہونے کے بعد اس کے افق سے 6 ڈگری نیچے چلے جانے تک کی روشنی کو سول ٹیولائٹ (Civil Twilight) کہا جاتا ہے، اس روشنی میں شہری ماحول اور آبادی میں اخبار پڑھنا ممکن ہوتا ہے (جس کا مطلب یہ ہے کہ 6 ڈگری تک اندھیرا زیادہ نہیں ہوتا) اور 6 ڈگری کے بعد سے لے کر 12 ڈگری نیچے جانے تک کی روشنی کو ناٹیکل ٹیولائٹ (Nautical Twilight) کہا جاتا ہے، اس وقت میں سمندری راستوں پر سفر کرنے والوں کو معروف اور واضح ستارے نظر آنے لگتے ہیں (اور سمندری راستوں کی قید سے مصنوعی روشنیوں اور آبادی کی آلودگیوں سے احتراز مقصود ہے، کیونکہ فضا کی آلودگی اور مصنوعی روشنیاں ستاروں کے نظر آنے میں مانع ہوتی ہیں) اور 12 ڈگری سے لے کر 18 ڈگری تک کی روشنی کو آسٹرونومیکل ٹیولائٹ (Astronomical Twilight) کہا جاتا ہے، جس کے بعد رات کا اندھیرا اتنا گہرا ہوجاتا ہے، کہ اب مزید گہرا نہیں ہوسکتا (اور ہماری تحقیق کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسی وقت سے عشاء کے وقت کا آغاز ہوتا ہے، اور اس سے پہلے پہلے مغرب کا اداوقت ہوتا ہے)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

الْخُبْزَ وَاللَّحْمَ (ابنِ ماجه) ۱؎

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں روٹی اور گوشت کھالیا کرتے تھے (ابنِ ماجہ)

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء زبیدی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

أَكَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِوَاءً فِي الْمَسْجِدِ (مسند

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اس تفصیل کے پیشِ نظر اشتباکِ نجوم اور چھوٹے بڑے ستارے خوب نظر آنے کی کیفیت 12 ڈگری سے 18 ڈگری کے درمیان ہوتی ہے، کیونکہ 12 ڈگری تک اگر کوئی مانع نہ ہو، تو صرف تیز چمکنے والے ستارے ہی واضح نظر آتے ہیں، جبکہ فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق اشتباکِ نجوم چھوٹے اور بڑے ستاروں کے واضح نظر آنے کا وقت ہے، لہٰذا اگر سورج غروب ہونے سے لے کر 18 ڈگری کے مطابق درمیانی وقت کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے، تو دوتہائی حصہ گزرنے کے کچھ وقت بعد اشتباکِ نجوم کی مذکورہ کیفیت پیدا ہوتی ہے، چنانچہ اگر مثلاً سورج غروب ہونے سے لے کر 18 ڈگری کے مطابق وقت ڈیڑھ گھنٹہ پر مشتمل ہو، تو غروب آفتاب کے ایک گھنٹہ گزرنے کے کچھ دیر بعد ہی اشتباکِ نجوم کی مذکورہ کیفیت پیدا ہوگی، اس سے پہلے نہیں، پس 12 ڈگری یا اس کے کچھ بعد تک مغرب کی نماز سے فراغت حاصل کر لینے میں کراہت نہ ہوگی، صرف استحباب کے خلاف ہوگا، اور افطار کی ضرورت کے لئے اتنی تاخیر میں حرج نہیں۔

اگر اس پر شبہ کیا جائے کہ یہ تو طویل وقت ہے، اور تعجیل کے منافی ہے، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ تعجیل مستحب ہے، اور یہاں بحث اُس وقت سے متعلق ہے، جو کراہت کو مستلزم ہو، جو کہ اشتباکِ نجوم کا وقت ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان مغرب کا ادا وقت ہے، لہٰذا اگر اس کے اکثر وقت کو کراہت میں داخل مانا جائے، تو اس میں حرجِ عظیم ہے، اور شریعت کے پیشِ نظر نمازوں کے اوقات میں جو یُسر وسہولت اور وسعت رکھی گئی ہے، اس مقصود کو فوت کر دینا ہے۔

لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ مکروہ وقت، غیر مکروہ وقت کے مقابلہ میں اقل ہونا چاہئے، جیسا کہ عصر کی نماز کے وقت کا معاملہ ہے۔

مذکورہ تحقیق ہمارے شرح صدر اور اطمینان پر مبنی ہے، اگر کسی صاحبِ علم وفن کو اس پر اطمینان نہ ہو، تو وہ خود تحقیق فرمالیں۔

محمد رضوان۔

۱؎ رقم الحديث ۳۳۰۰، كتاب الاطعمة، بَابُ الْأَكْلِ فِي الْمَسْجِدِ؛ ابنِ حبان، رقم الحديث ۱۶۵۷.

قال شعيب الأرنؤوط: إسناده صحيح رجاله رجال الصحيح غير سليمان بن زياد الحضرمي وهو ثقة (حاشية ابنِ حبان)

احمد، رقم الحدیث ۱۷۷۰۲) ؂۱

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بھنا ہوا کھانا کھایا (مسند احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

اَلْبُزَاقُ فِی الْمَسْجِدِ خَطِیْئَةٌ وَ کَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا (مسلم) ؂۲

ترجمہ: مسجد میں تھوکنا گناہ ہے، اور اس کی تلافی اس کو صاف کر دینا ہے (مسلم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عُرِضَتْ عَلَیَّ أُجُوْرُ أُمَّتِیْ حَتَّی الْقَذَاةَ یُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ (ابو داؤد) ؂۳

ترجمہ: میرے اوپر میری امت کے اعمال پیش کئے گئے، یہاں تک کہ یہ بھی کہ

؂۱ فی حاشیة مسند احمد: صحیح، ابن لهیعة -وإن كان ضعیفاً- قد روی عنه هذا الحدیث قتیبة ابن سعید، وروایته عنه صالحة، ثم هو قد توبع، وباقی رجال الإسناد ثقات.

؂۲ رقم الحدیث ۵۵۲ "۵۵"، کتاب المساجد، باب النهی عن البصاق فی المسجد فی الصلاة وغیرها، داراحیاء التراث العربی، بیروت.

؂۳ رقم الحدیث ۴۶۱، کتاب الصلاة، باب فی کنس المسجد، المکتبة العصریة، بیروت، عن انس بن مالک، واللفظ لهٗ، ترمذی، رقم الحدیث ۲۹۱۶، مسند ابی یعلیٰ ۴۲۶۵.

قال المنذری: رواه أبو داود والترمذی وابن ماجه وابن خزیمة فی صحیحه كلهم من روایة المطلب بن عبد الله بن حنطب عن أنس وقال الترمذی حدیث غریب لا نعرفه إلا من هذا الوجه قال وذاكرت به محمد بن إسماعیل یعنی البخاری فلم یعرفه واستغربه وقال محمد لا أعرف للمطلب بن عبد الله سماعا من أحد من أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم إلا قوله حدثنی من شهد خطبة النبی صلی الله علیه وسلم وسمعت عبد الله بن عبد الرحمن یقول لا نعرف للمطلب سماعا من أحد من أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم قال عبد الله وأنكر علی بن المدینی أن یكون المطلب سمع من أنس.

قال الحافظ عبد العظیم قال أبو زرعة المطلب ثقة أرجو أن یكون سمع من عائشة ومع هذا ففی إسناده عبد المجید بن عبد العزیز بن أبی رواد وفی توثیقه خلاف یأتی فی آخر الكتاب إن شاء الله تعالی(الترغیب والترهیب، ج ۱ ص ۱۲۲، ۱۲۳)

قال الترمذی فیه :هذا حدیث غریب اهـ .و لكن للحدیث شواهد بالمعنی یرتقی بها إلی درجة الحسن(روضة المحدثین، تحت رقم الحدیث ۴۶۶۲)

کوئی تنکا و مٹی جس کو آدمی مسجد سے نکالے (مسند احمد)

چونکہ عام حالات میں مسجد میں کھانے پینے کا معمول بنانا تو مسجد کے ملوث ہونے اور لوگوں بطورِ خاص نمازیوں کے ایذا اُٹھانے کا باعث تھا۔

اس لئے کئی فقہائے کرام نے عام حالات میں مسجد میں کھانے پینے کو ناپسند اور مکروہ قرار دیا ہے، البتہ ضرورت کے وقت اجازت دی ہے، بشرطیکہ مسجد کو ملوث ہونے اور نمازیوں کو ایذاء پہنچانے سے بچنے بچانے کا اہتمام کیا جائے۔

پس بہتر اور مناسب طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی عذر نہ ہو، اور مسجد قریب ہو تو روزہ گھر میں افطار کر کے مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آئے، یا پھر مسجد کی داخلی حدود سے باہر کوئی جگہ میسر ہو (جو کہ نماز پڑھنے کے لئے مخصوص ومتعین نہیں ہے) تو وہاں افطار کیا جائے، اور اگر مسجد میں افطار کرے تو بہتر یہ ہے کہ نفلی اعتکاف کی نیت کر لے، اور کوئی کپڑا وغیرہ بچھا کر مسجد کو ملوث ہونے سے بچایا جائے، اور نمازیوں کے لئے جلدی جگہ خالی کر دی جائے، تا کہ مسجد کے اصل مقصود میں (جو کہ نماز ہے) خلل واقع نہ ہو۔ [1]

---

[1] غیر معتکف کے لئے مسجد میں اکل وشرب کے متعلق ایک قول کراہت کا ہے، اور ایک قول معتکف اور غیر معتکف کے لئے غیر کراہت کا ہے، جس کو ابنِ کمال نے اختیار کیا ہے، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ مسجد میں نماز کی جگہ کو مشغول نہ کیا جائے، اور مسجد کو ملوّث نہ کیا جائے، اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے، تاہم اعتکاف کی نیت کر لینا زیادہ بہتر ہے۔

(وعن أنس قال: كان النبي -صلى الله عليه وسلم- يفطر) أي في صيامه (قبل أن يصلي) أي المغرب، وفيه إشارة إلى كمال المبالغة في استحباب تعجيل الفطر، وأما ما صح أن عمر وعثمان -رضي الله عنهما- كانا برمضان يصليان المغرب حين ينظران إلى الليل الأسود ثم يفطران بعد الصلاة فهو لبيان جواز التأخير لئلا يظن وجوب التعجيل، ويمكن أن يكون وجهه أنه -صلى الله عليه وسلم- كان يفطر في بيته ثم يخرج إلى صلاة المغرب، وأنهما كانا في المسجد ولم يكن عندهما تمر ولا ماء، أو كانا غير معتكفين، ورأيا الأكل والشرب لغير المعتكف مكروهين، لكن إطلاق الأحاديث ظاهر في استثناء حال الإفطار، والله أعلم (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۳۸۵، كتاب الصوم، باب في مسائل متفرقة، الفصل الثاني)

(قَوْلُهُ وَخُصَّ الْمُعْتَكِفُ بِأَكْلٍ إلَخْ) أَيْ فِي الْمَسْجِدِ وَالْبَاءُ دَاخِلَةٌ عَلَى الْمَقْصُورِ عَلَيْهِ بِمَعْنَى أَنَّ الْمُعْتَكِفَ مَقْصُورٌ عَلَى الْأَكْلِ وَنَحْوِهِ فِي الْمَسْجِدِ لَا يَحِلُّ لَهُ فِي غَيْرِهِ، وَلَوْ كَانَتْ دَاخِلَةً عَلَى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

افطار سے متعلق چند قابلِ توجہ پہلو

اب افطار سے متعلق چند ایسے پہلوؤں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱)......بعض لوگ عین افطار کے وقت کئی قسم کے گناہوں اور خرابیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الْمَقْصُورِ كَمَا هُوَ الْمُتَبَادَرُ يَرُدُّ عَلَيْهِ أَنَّ النِّكَاحَ وَالرَّجْعَةَ غَيْرُ مَقْصُورَيْنِ عَلَيْهِ لِعَدَمِ كَرَاهَتِهِمَا لِغَيْرِهِ فِي الْمَسْجِدِ.

وَاعْلَمْ :أَنَّهُ كَمَا لَا يُكْرَهُ الْأَكْلُ وَنَحْوُهُ فِي الِاعْتِكَافِ الْوَاجِبِ فَكَذَلِكَ فِي التَّطَوُّعِ كَمَا فِي كَرَاهِيَةِ جَامِعِ الْفَتَاوَى وَنَصُّهُ يُكْرَهُ النَّوْمُ وَالْأَكْلُ فِي الْمَسْجِدِ لِغَيْرِ الْمُعْتَكِفِ وَإِذَا أَرَادَ ذَلِكَ يَنْبَغِي أَنْ يَنْوِيَ الِاعْتِكَافَ فَيَدْخُلَ فَيَذْكُرَ اللَّهَ تَعَالَى بِقَدْرِ مَا نَوَى أَوْ يُصَلِّيَ ثُمَّ يَفْعَلَ مَا شَاءَ .اهـ.(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص۴۴۸،بَابُ الِاعْتِكَافِ)

(وَكُرِهَ) أَيْ تَحْرِيمًا لِأَنَّهَا مَحَلُّ إطْلَاقِهِمْ بَحْرٌ (إحْضَارُ مَبِيعٍ فِيهِ) كَمَا كُرِهَ فِيهِ مُبَايَعَةُ غَيْرِ الْمُعْتَكِفِ مُطْلَقًا لِلنَّهْيِ وَكَذَا أَكْلُهُ وَنَوْمُهُ إلَّا لِغَرِيبٍ أَشْبَاهٌ وَقَدْ قَدَّمْنَاهُ قُبَيْلَ الْوِتْرِ، لَكِنْ قَالَ ابْنُ كَمَالٍ لَا يُكْرَهُ الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالنَّوْمُ فِيهِ مُطْلَقًا وَنَحْوُهُ فِي الْمُجْتَبَى(الدرالمختار)

(قَوْلُهُ وَكَذَا أَكْلُهُ) أَيْ غَيْرُ الْمُعْتَكِفِ (قَوْلُهُ لَكِنْ إلَخْ) اسْتِدْرَاكٌ عَلَى مَا فِي الْأَشْبَاهِ وَعِبَارَةُ ابْنِ الْكَمَالِ عَنْ جَامِعِ الْإِسْبِيجَابِيِّ لِغَيْرِ الْمُعْتَكِفِ أَنْ يَنَامَ فِي الْمَسْجِدِ مُقِيمًا كَانَ أَوْ غَرِيبًا أَوْ مُضْطَجِعًا أَوْ مُتَّكِئًا رِجْلَاهُ إلَى الْقِبْلَةِ أَوْ إلَى غَيْرِهَا فَالْمُعْتَكِفُ أَوْلَى اهـ وَنَقَلَهُ أَيْضًا فِي الْمِعْرَاجِ وَبِهِ يُعْلَمُ تَفْسِيرُ الْإِطْلَاقِ قَالَ ط :لَكِنَّ قَوْلَهُ رِجْلَاهُ إلَى الْقِبْلَةِ غَيْرُ مُسَلَّمٍ لِمَا نَصُّوا عَلَيْهِ مِنْ الْكَرَاهَةِ اهـ وَمُفَادُ كَلَامِ الشَّارِحِ تَرْجِيحُ هَذَا الِاسْتِدْرَاكِ وَالظَّاهِرُ أَنَّ مِثْلَ النَّوْمِ الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ إذَا لَمْ يَشْغَلْ الْمَسْجِدَ وَلَمْ يُلَوِّثْهُ لِأَنَّ تَنْظِيفَهُ وَاجِبٌ كَمَا مَرَّ لَكِنْ قَالَ فِي مَتْنِ الْوِقَايَةِ :وَيَأْكُلُ أَيْ الْمُعْتَكِفُ وَيَشْرَبُ وَيَنَامُ وَيَبِيعُ وَيَشْتَرِي فِيهِ لَا غَيْرُهُ قَالَ مُنْلَا عَلِيٌّ فِي شَرْحِهِ :أَيْ لَا يَفْعَلُ غَيْرُ الْمُعْتَكِفِ شَيْئًا مِنْ هَذِهِ الْأُمُورِ فِي الْمَسْجِدِ اهـ وَمِثْلُهُ فِي الْقُهُسْتَانِيِّ ثُمَّ نَقَلَ مَا مَرَّ عَنْ الْمُجْتَبَى(ردالمحتار، ج۲ص۴۴۹، باب الاعتكاف)

وَيُكْرَهُ النَّوْمُ وَالْأَكْلُ فِيهِ لِغَيْرِ الْمُعْتَكِفِ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ يَنْبَغِي أَنْ يَنْوِيَ الِاعْتِكَافَ فَيَدْخُلَ فِيهِ وَيَذْكُرَ اللَّهَ تَعَالَى بِقَدْرِ مَا نَوَى أَوْ يُصَلِّيَ ثُمَّ يَفْعَلَ مَا شَاءَ، كَذَا فِي السِّرَاجِيَّةِ (الفتاوىٰ الهندية، ج۵، ص۳۲۱، كتاب الكراهية، الباب الخامس)

وَفِي الشُّمُنِّيِّ أَنَّ الْخَيَّاطَ يَحْفَظُ الْمَسْجِدَ فَلَا بَأْسَ بِخِيَاطَتِهِ فِيهِ (لِغَيْرِهِ) أَيْ غَيْرِ الْمُعْتَكِفِ وَأَمَّا الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ فَلَا يُكْرَهُ عَلَى الصَّحِيحِ (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج۱،ص۲۵۷،بَابُ الِاعْتِكَافِ)

چنانچہ بعض جگہ ٹی۔وی وغیرہ کے پروگرام چلا کر دیکھے اور سنے جاتے ہیں، اوران میں کئی باتیں شریعت کے خلاف ہوتی ہیں، مثلاً:

بدنظری (جوکہ آنکھ کا گناہ ہے) موسیقی (جوکہ کان کا گناہ ہے) فحش اور بے حیائی پر مشتمل حرکات وسکنات وغیرہ۔

کچھ لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ اس وقت دینی باتیں نشر ہورہی ہوتی ہیں، کوئی غلط پروگرام نہیں چل رہا ہوتا، یا روزہ افطار کرنے کا وقت معلوم کرنے کے لئے ٹی۔وی چلایا جاتا ہے، لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ: اوّل تو افطار کا وقت اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور دعا وزاری میں لگنے کا وقت ہے، اس موقع پر ٹی۔وی کے پروگراموں میں مشغول اور منہمک ہوکر اس قیمتی دولت اور قبولیت کی گھڑی کو ضائع کردینا کہاں کی عقل مندی ہے۔

دوسرے آج کل ٹی۔وی پر نشر ہونے والے پروگرام عموماً گناہوں سے خالی نہیں ہوتے، دین کے نام پر نشر ہونے والے پروگراموں کے شروع یا آخر میں بھی موسیقی وغیرہ نشر کی جاتی ہے، اور بے پردگی کی بھی نوبت آتی ہے، عین افطاری کے وقت سے کچھ پہلے مختلف قسم کے اشتہارات دکھائے جاتے ہیں جو کئی فواحش ومنکرات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

تیسرے آج کل دین کے نام پر نشر ہونے والے پروگراموں میں بہت سی باتیں خلافِ شریعت اور غلط پیش کی جاتی ہیں، اوران پر دینی باتوں کا عنوان لگادیا جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں عقائد ونظریات کے بگڑنے تک کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔

رہا افطار کا وقت معلوم کرنے کا عذر تو افطار کا وقت معلوم کرنے کے لئے ٹی۔وی کے علاوہ اور بے شمار جائز اور آسان طریقے موجود ہیں، چنانچہ افطاری کے مختلف قسم کے اعلانات، مغرب کی اذان اور گھڑیوں اور صحیح جنتریوں ونقشوں کے ذریعے سے آج کے دور میں با آسانی افطار کا وقت معلوم کیا جاسکتا ہے، اور جب تک ٹی۔وی جیسی چیزوں کی ایجاد نہیں ہوئی تھی اس وقت بھی تو روزہ اور افطاری کا سلسلہ جاری تھا۔

(۲)...... بعض مقامات پر افطار کے موقعہ پر عورتوں اور مَردوں کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے، خصوصاً دعوتوں کے موقعوں پر نامحرم اور اجنبی عورتیں اور مرد بن سنور کر اور بے پردگی کی حالت میں جمع ہوتے ہیں اور پردے کا بھی کوئی معقول اہتمام وانتظام نہیں ہوتا، جس کے نتیجہ میں بے پردگی وبدنظری کی نوبت آتی ہے۔

(۳)...... بعض لوگ افطار کے قریب ،غیبت، جھوٹ، بہتان تراشی اور آپس کے لڑائی جھگڑوں میں لگ جاتے ہیں ،عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ افطار کے قریب روزہ کی مشقت زیادہ محسوس ہونے یا افطاری کے لئے اپنے گھر یا کسی جگہ پہنچنے کی وجہ سے غصہ زیادہ آتا ہے، جس کے نتیجہ میں لڑائی جھگڑے اور گالی گلوچ کی نوبت آتی ہے۔

بعض جگہ جلد بازی میں راستوں پر حادثے (ایکسیڈنٹ) ہوجاتے ہیں اور جانی ومالی نقصان ہوتا ہے، یا کم از کم ایک دوسرے کو تکلیف ہوتی ہے، اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لئے گالی گلوچ کا سلسلہ بھی چلتا ہے، ان چیزوں سے تو روزہ دار کو بطورِ خاص بچنے کا احادیث میں حکم آیا ہے۔

سارا دن روزہ کی حالت میں گزار کر اور دن بھر کی مشقت برداشت کر کے اب آخری واختتامی لمحات میں ایسی حرکتیں زیب نہیں دیتیں۔

(۴)...... بعض گھروں میں افطاری کی تیاری میں لوگ اور خاص کر عورتیں اتنی مشغول ہوجاتی ہیں کہ افطار سے پہلے چند لمحات بھی دعا کے لئے میسر نہیں آتے بلکہ بعض اوقات تو افطار بھی ہوجاتا ہے مگر افطار کی تیاریاں چل رہی ہوتی ہیں۔

اوّل تو بغیر ضرورت ومجبوری کے اتنا اہتمام اور غلو کرنا ہی مناسب نہیں، دوسرے مناسب تیاری کچھ وقت پہلے بھی کر کے دعا کا مقبول وقت حاصل کیا جاسکتا ہے۔

(۵)...... بعض لوگ افطار کے موقع پر بہت زیادہ تن کر کھالیتے ہیں کہ اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھنا بھی دشوار معلوم ہوتا ہے، پھر یا تو مغرب کی نماز سرے سے چھوڑ دیتے ہیں، یا بہت

تاخیر کردیتے ہیں، جس سے نماز کی ادائیگی ہی خطرہ میں پڑجاتی ہے۔

(۶)...... بعض تاجر افطار کے وقت اتنے مشغول نظر آتے ہیں کہ وہ مغرب کی نماز ہی سرے سے چھوڑ دیتے ہیں یا قضا کردیتے ہیں، یہ لوگ دنیا کی عارضی تجارت تو کرلیتے ہیں لیکن آخرت کی حقیقی ودائمی تجارت سے محروم ہوجاتے ہیں۔

(۷)...... بعض لوگ افطاری کے موقع پر جب ایک سے زیادہ افراد جمع ہوں تو روزہ کھولنے سے پہلے اجتماعی دعا کو ضروری سمجھتے ہیں حالانکہ اس موقع پر اجتماعی دعا کو ضروری سمجھنا درست نہیں (فتاویٰ محمودیہ مبوب ج۱۰ ص۲۱۳ و۲۱۴)

(۸)...... اپنے گھروں وغیرہ میں روزہ افطار کرنے والوں میں بعض لوگ ایسے ہیں جو روزہ کی افطاری میں مشغول ہوکر صرف سستی کی وجہ سے جماعت کی نماز چھوڑ دیتے ہیں، اور اپنے گھروں وغیرہ ہی میں بغیر جماعت کے نماز پڑھ لیتے ہیں، بلا عذر ایسا کرنا مناسب نہیں۔

(۹)...... بعض لوگ جب زیادہ افراد ہوتے ہیں، گھر ہی میں نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں، اگر کوئی عذر پایا جائے، مثلاً مسجد دور ہو، یا مسجد میں نماز جلدی کھڑی ہوگئی ہو، اور کھانے کے تقاضے سے فراغت نہ ہوئی ہو، تو حرج نہیں، لیکن جب اس قسم کا عذر نہ ہو، تو صرف سستی کی وجہ سے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔

(۱۰)...... بہت سے حضرات افطار مسجد میں کرتے ہیں اور نماز بھی جماعت سے پڑھ لیتے ہیں مگر یہ لوگ کھجوریں وغیرہ کھا کر اُن کی گٹھلیاں مسجد ہی میں ڈال دیتے ہیں، بعض دفعہ گٹھلیاں وغیرہ مسجد کی دریوں اور صفوں پر پڑی رہتی ہیں جس سے مسجد گندی ہوتی ہے اور نمازیوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔

اسی طرح بعض اوقات مسجد میں افطاری کے دوران شور شرابے اور چھینا جھپٹی تک کی نوبت آجاتی ہے جبکہ مسجد میں شور شرابا اور اس قسم کی حرکات کرنا مسجد کی بے ادبی میں داخل ہونے کی وجہ سے نامناسب طریقہ ہے۔

(۱۱)......بعض جگہ مسجد میں آنے والی عمدہ عمدہ افطاری الگ چھپا کر رکھ لی جاتی ہے اور عام افطاری ضرورت مند حاضرین میں تقسیم کردی جاتی ہے، پھر اس کو خاص خاص حضرات مل کر کھاتے ہیں جبکہ افطاری بھیجنے والوں کی طرف سے یہ کھانا ان خاص خاص لوگوں کے لئے مخصوص کر کے نہیں بھیجا جاتا بلکہ عام وخاص امیر وغریب سب کے لئے بلاتخصیص بھیجا جاتا ہے، اس لئے یہ طرزِ عمل افطاری بھیجنے والوں کی منشاء کے خلاف ہونے کی وجہ سے مناسب نہیں، ہاں اگر افطاری بھیجنے والے نے مخصوص کر کے بھیجا ہو، یا ان کی طرف سے اس قسم کی اجازت ہو، تو الگ بات ہے۔

(۱۲)...... آج کل بعض لوگ خواہ مخواہ یا نام ونمود کے لئے بہت چھوٹے بچوں کو روزہ رکھواتے ہیں اور پھر روزہ کشائی پر بہت سے رشتہ دار اور دوست احباب کی دعوتیں کی جاتی ہیں اور بڑی ہنگامہ آرائی ہوتی ہے، اور کئی خرابیاں لازم آتی ہیں، مثلاً:

(الف)......بعض لوگ یہاں تک غلو کرتے ہیں کہ اگر اپنے پاس لوگوں کو افطار کرانے کا انتظام نہ ہو تو قرض تک لینے سے گریز نہیں کیا جاتا، بعض جگہ قیمتی کارڈوں پر دعوت نامے بھی تیار کر کے ارسال کیے جاتے ہیں اور اخبار وغیرہ میں بھی اس کی تشہیر کی جاتی ہے جس میں بعض لوگ ان بچوں کی تصویریں بھی شائع کراتے ہیں۔

(ب)......اس قسم کی تقریبوں سے بہت سے لوگوں کا مقصود نام ونمود اور دکھلاوا ہوتا ہے، جس کا گناہ ہونا واضح ہے۔

(ج)...... بہت چھوٹے بچے کو بھوکا پیاسا رکھ کر اسے بے جا تکلیف پہنچائی جاتی ہے۔

(د)......بعض لوگ اس تقریب میں تصویر سازی کے گناہ کا بھی ارتکاب کرتے ہیں۔

(ہ)......بعض لوگ روزہ کشائی کی اس رسم میں تحفہ وہدیہ پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں جبکہ یہ ہرگز ضروری نہیں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا گناہ ہے۔

(و)......اس تقریب کی ہنگامہ آرائی میں مصروف ہوکر کتنے لوگ نماز سے محروم رہتے ہیں اور بہت سے لوگوں کی نماز تک قضاء ہو جاتی ہے۔

(ز)......بعض تقریبوں میں عورتوں اور مردوں کا اختلاط ہوتا ہے اور بے پردگی وبدنظری کا گناہ ہوتا ہے، عورت اور مرد خوب بن سنور کر حاضر ہوتے ہیں۔

اور اس طرح کئی قسم کی خرابیوں میں لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں۔

جبکہ پہلے تو شریعت نے اتنے چھوٹے بچوں پر روزہ کو لازم ہی نہیں کیا کہ روزہ رکھوا کر سارا دن ان کی رکھوالی کی جائے اور کئی خطرات اپنے سر لئے جائیں۔

پھر اگر کسی بچہ میں روزہ رکھنے کی طاقت اور صلاحیت ہو اور وہ شوق میں روزہ رکھنا چاہے یا آئندہ کے لئے عادی بنانے کی غرض سے روزہ رکھوایا جائے تو اس میں اتنی فضول خرچی، دھوم دھام، نمود ونمائش اور اہتمام اور فضولیات ومنکرات کو جمع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

لیلۃُ القدر کے فضائل واحکام

قرآن مجید کی رُو سے لیلۃُ القدر، رمضان کے مہینے میں ہے۔ [1]

اور کئی صحیح احادیث میں یہ تفصیل بھی موجود ہے کہ لیلۃُ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے، اس لئے آخری عشرہ کے ساتھ لیلۃُ القدر کے وابستہ ہونے کی وجہ سے اس عشرہ کی فضیلت رمضان کے دوسرے عشروں سے زیادہ ہے۔

آخری عشرے میں عبادت کا اہتمام

رمضانُ المبارک کا پورا مہینہ ہی آخرت کی دولت کمانے کا مہینہ ہے، لیکن اس مہینہ کا آخری عشرہ زیادہ محنت اور کوشش سے عبادت میں لگنے اور مسنون اعتکاف کا زمانہ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَادَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهٗ وَاَحْيَا لَيْلَهٗ وَ اَيْقَظَ اَهْلَهٗ (بخاری) [2]

---

[1] عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ " :سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ,فَقَالَ " :أَيُّكُمْ يَذْكُرُ لَيْلَةَ الصَّهْبَاوَاتِ "قَالَ عَبْدُ اللهِ :أَنَا وَاللهِ ,بِأَبِى أَنْتَ وَأُمِّى يَا رَسُولَ اللهِ ,وَبِيَدِى تَمَرَاتٌ أَتَسَحَّرُ بِهِنَّ ,وَأَنَا مُسْتَتِرٌ بِمُؤَخِّرَةِ رَحْلِي مِنَ الْفَجْرِ ,وَذَلِكَ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ . "فَفِى هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ,لَمَّا سُئِلَ عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ,أَخْبَرَهُمْ أَىَّ لَيْلَةٍ هِىَ ,وَأَنَّهَا لَيْلَةُ الصَّهْبَاوَاتِ ,فَوَصَفَهَا عَبْدُ اللهِ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ ,بِمَا وَصَفَهَا بِهِ مِنْ ضَوْءِ الْقَمَرِ ,عِنْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ , وَذَلِكَ لَا يَكُونُ إِلَّا فِى آخِرِ الشَّهْرِ .فَقَدْ دَلَّ ذَلِكَ أَيْضًا عَلَى مَا قَالَ أُبَىٌّ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ .وَفِى كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مَا يَدُلُّ أَنَّ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِى شَهْرِ رَمَضَانَ خَاصَّةً .قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ (حم وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ .إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِى لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ .فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ)فَأَخْبَرَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنَّ اللَّيْلَةَ الَّتِى يُفْرَقُ فِيهَا كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ فَهِىَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ,وَهِىَ اللَّيْلَةُ الَّتِى أُنْزِلَ فِيهَا الْقُرْآنُ ,ثُمَّ قَالَ (شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِى أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ)فَثَبَتَ بِذَلِكَ أَنَّ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فِى شَهْرِ رَمَضَانَ (شرح معانى الآثار، ج۳ ص ۹۳، كتاب الطلاق، بَابُ الرَّجُلِ يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ لَيْلَةَ الْقَدْرِ مَتَى يَقَعُ الطَّلَاقُ ؟)

[2] رقم الحديث ۲۰۲۴، كتاب صلاة التراويح، باب العمل فى العشر الأواخر من رمضان.

ترجمہ: جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تہبند کو مضبوط باندھ لیتے تھے اور رات بھر عبادت کرتے تھے اور اپنے گھر والوں کو (بھی عبادت کے لئے) جگاتے تھے (بخاری)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْقِظُ أَهْلَهُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ (ترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اپنے اہلِ خانہ کو (عبادت کے لئے) جگاتے تھے (ترمذی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الْعَشْرُ الْأَوَاخِرُ مِنْ رَمَضَانَ شَمَّرَ الْمِئْزَرَ وَاعْتَزَلَ النِّسَاءَ (سنن البيهقی) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں تہبند کس لیا کرتے تھے اور بیویوں سے علیٰحدگی اختیار فرماتے تھے (بیہقی)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ أَيْقَظَ أَهْلَهُ، وَرَفَعَ الْمِئْزَرَ، قِيْلَ لِأَبِيْ بَكْرٍ: مَا رَفْعُ الْمِئْزَرِ ؟ قَالَ: اِعْتَزَلَ النِّسَاءَ

(مسند احمد، رقم الحديث ۱۰۳) [3]

---

[1] رقم الحديث ۷۹۵، ابواب الصوم، باب ماجاء فی ليلة القدر، واللفظ لهٗ؛ مسند احمد، رقم الحديث ۲ ۶ ۷.

قال الترمذی: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

فی حاشية مسند احمد: اسناده حسن رجاله ثقات.

[2] رقم الحديث ۸۵۶۲، كتاب الصيام، بَابُ الْعَمَلِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ؛ فضائل الاوقات للبيهقی، رقم الحديث ۷۶، باب الاجتهاد فی العشر الأواخر من رمضان.

[3] فی حاشية مسند احمد: إسناده حسن.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ رمضان کا آخری عشرہ داخل ہونے پر اپنے گھر والوں کو جگاتے تھے، اور اپنا تہبند مضبوط کر لیتے تھے، ابوبکر راوی سے معلوم کیا گیا کہ تہبند مضبوط کرنا کیا ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بیویوں سے علیحدگی اختیار کرتے تھے (مسند احمد)

تہبند مضبوط کر لینے کا ایک مطلب تو وہی ہے جو مذکورہ حدیث میں بیان کیا گیا کہ رات کو بیویوں سے دُور رہتے تھے، کیونکہ رات عبادت میں گزر جاتی تھی اور اعتکاف بھی ہوتا تھا، ابتداء میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے مہینے کا اعتکاف فرمایا، اس لئے اس وقت پورے مہینے بیویوں سے علیٰحدگی رہی، اور بعد میں جب رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کا اہتمام فرمایا، اس وقت اس عشرہ میں میاں بیوی والے خاص تعلقات سے علیٰحدگی رہتی تھی۔

محدثین نے تہبند کس لینے کا ایک مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ خوب محنت اور کوشش سے عبادت کرتے تھے۔

اور یہ لفظ ایسا ہی ہے جیسے اُردو کی بول وچال میں محنت کا کام بتانے کے لئے بولا جاتا ہے کہ:

''کمر کس لو'' [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهٖ (مسلم) [2]

---

[1] واعتزل النساء، وهو يؤيد أن المراد بالشد المبالغة فى الجد، قال النووى :قيل :معنى شد المئزر الاجتهاد فى العبادات زيادة على عادته -صلى الله عليه وسلم -فى غيره، ومعناه التشمير فى العبادة، يقال :شددت فى هذا الأمر مئزرى أى تشمرت له وتفرغت، وقيل : هو كناية عن اعتزال النساء وترك النكاح، ودواعيه وأسبابه، وهو كناية عن التشمير للعبادة والاعتزال من النساء معا (مرقاة المفاتيح ،ج۴ص ۱۴۴۱، كتاب الصوم، باب ليلة القدر)

[2] رقم الحديث ۱۱۷۵ "۸" كتاب الاعتكاف، باب الاجتهاد فى العشر الأواخر من شهر رمضان.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں کے اندر جتنی محنت سے عبادت کرتے تھے اس کے علاوہ دوسرے دنوں میں اتنی محنت نہ کرتے تھے

(مسلم)

یعنی اگرچہ آپ پورے رمضان ہی محنت کے ساتھ عبادت کرتے تھے، لیکن آخری عشرہ میں پہلے دو عشروں سے بھی زیادہ عبادت کرتے تھے، اوراس طرح آخری عشرہ کی محنت دوسرے تمام دنوں پر غالب رہتی تھی۔

بہر حال! ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رمضانُ المبارک کے آخری عشرہ میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب عبادت میں مصروف ہو جایا کرتے تھے۔

اور بعض روایات میں جو رمضان کا مہینہ داخل ہونے پر تہبند کس لینے کا ذکر ملتا ہے۔[۱] وہ مذکورہ روایات کے خلاف نہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے رمضان ہی عبادت کی کثرت کیا کرتے تھے، خاص طور پر جبکہ شروع میں آپ نے پورے مہینے کا اعتکاف فرمایا، تو اس وقت پورے مہینے بیویوں سے علیحدگی رہی، اور رمضان کے آخری عشرہ میں، اس سے بھی زیادہ کثرت کے ساتھ عبادت کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ رمضان کے آخری عشرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بہت محنت اور کوشش سے عبادت کرتے تھے، اور گھر والوں کو بھی اس مقصد کیلئے حسبِ قدرت جگاتے تھے۔

اس لئے دونوں قسم کی روایات اپنی جگہ درست ہیں۔

بات یہ ہے کہ جسے آخرت کا خیال ہو، موت کے بعد کے حالات کا یقین ہو، اجر وثواب لینے کا شوق ورغبت ہو وہ کیونکر محنت اور کوشش سے عبادت میں نہیں لگے گا، پھر جو اپنے لئے پسند

---

[۱] كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم اِذَادَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ شَدَّمِئْزَرَهٗ ثُمَّ لَمْ يَأْتِ فِرَاشَهٗ حَتّٰى يَنْسَلِخَ" (شعب الايمان للبيهقى، رقم الحديث ۳۳۵۲، كتاب الصيام، باب فضائل شهر رمضان ، واللفظ لهٗ، فضائل الاوقات للبيهقى رقم الحديث ٦٧، صحيح ابنِ خزيمة رقم الحديث ۲۲۱٦، الكامل لابن عدى، ج٦ ص۲۰۷.

کرے وہی اپنے اہل وعیال کیلئے بھی پسند کرنا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو عام راتوں کو نمازوں میں اتنا قیام فرماتے تھے کہ قدم مبارک سُوج جاتے تھے۔ [1]

پھر رمضان کے اندر اور خصوصاً آخری عشرہ میں عبادت میں محنت کو بڑھا دیتے تھے کیونکہ یہ مہینہ اور خاص کر آخری عشرہ آخرت کی کمائی کا خاص موقع ہے۔

آپ کی کوشش ہوتی تھی کہ گھر والے بھی عبادت میں لگیں۔

لہٰذا آخری عشرہ کی راتوں میں اُن کو بھی حسبِ قدرت وحیثیت عبادت کے لئے جگاتے اور سوئے ہوؤں کو بیدار کرتے تھے۔

یہی حال کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی تھا۔

جلیلُ القدر تابعی حضرت مجاہد رحمہ اللہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

كَانَ يُوقِظُ أَهْلَهُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ (مصنف ابن ابی شیبۃ) [2]

ترجمہ: آپ رمضان کے آخری عشرہ میں اپنے گھر والوں کو جگاتے تھے (ابنِ ابی شیبہ)

بہت سے لوگ خود تو بہت عبادت کرتے ہیں لیکن گھر والوں کی طرف سے غافل رہتے ہیں جو کہ فرض نماز بھی نہیں پڑھتے، اور بعض لوگ رمضان کے شروع میں تو کچھ عبادت کرتے ہیں لیکن آخری عشرہ میں غافل ہو جاتے ہیں، یہ نامناسب طریقہ ہے؟

---

[1] حَدَّثَنَا زِيَادٌ هُوَ ابْنُ عِلَاقَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ الْمُغِيرَةَ، يَقُولُ :قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ، فَقِيلَ لَهُ :غَفَرَ اللَّهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، قَالَ :أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا (بخاری، رقم الحديث ۴۸۳۶، كِتَابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآن)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي حَتَّى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ، فَقِيلَ لَهُ :إِنَّ اللَّهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، قَالَ :أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا (ابنِ ماجه، رقم الحديث ۱۴۲۰، بَابُ مَا جَاءَ فِي طُولِ الْقِيَامِ فِي الصَّلَوَاتِ)

[2] رقم الحديث ۸۷۸۱، كتاب الصلاة، في ليلة القدر وأی ليلة هي.

رمضان کے آخری عشرہ میں مسنون اعتکاف کیا جاتا ہے، اسی عشرہ میں لیلۃ القدر ہونے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں اور لیلۃُ القدر بڑی عظمت و بزرگی اور خیر و برکات والی رات ہے، اسی رات میں قرآن مجید نازل ہوا، اور اسی رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہم فیصلے صادر ہوتے ہیں، قرآن مجید میں اس کو ہزار مہینوں سے بہتر اور افضل بتلایا گیا ہے، اسی رات میں آسمان سے زمین پر تقدیری فیصلے لے کر فرشتے اترتے ہیں۔

ہزار مہینے کے تراسی سال اور چار مہینے ہوتے ہیں، خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس رات کی خیر اور بھلائی نصیب ہو جائے اور وہ شخص اس ایک رات کو عبادت میں گزار دے۔

اللہ جلَّ شانہٗ کا درحقیقت یہ بہت بڑا انعام ہے کہ قدر دانوں کیلئے لیلۃُ القدر کی شکل میں ایک بہت بڑی نعمت عطا فرمائی، اس رات کو دراصل ''سَيِّدُ اللَّيَالِيُ'' یعنی تمام راتوں کی سردار کہنا چاہئے۔

اگر کسی خوش نصیب کو دس لیلۃُ القدر کی راتیں بھی زندگی میں نصیب ہو جائیں اور ان کو عبادت میں گزار دے تو گویا کہ آٹھ سو تینتیس سال اور چار ماہ سے بھی زیادہ کا زمانہ عبادت کا حاصل ہو گیا۔ [1]

لَیلۃُ القدر کے معنٰی

''لیلۃ'' رات کو کہتے ہیں، اور ''قدر'' کے ایک معنٰی عظمت و شرافت کے آتے ہیں۔

بعض اہلِ علم حضرات نے اس جگہ یہی معنٰی لئے ہیں اور اس رات کو لیلۃُ القدر کہنے کی وجہ اس رات کی عظمت و شرافت ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس رات کو لیلۃُ القدر اس وجہ سے کہا گیا کہ جس آدمی کی اس

---

[1] عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: إِنَّ هَذَا شَهْرٌ مُبَارَكٌ، تُغَلُّ فِيهِ الشَّيَاطِينُ، وَتُغْلَقُ فِيهِ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَتُفْتَحُ فِيهِ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَيُسْتَجَابُ فِيهِ الدُّعَاءُ، فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ مِنْ ثَلَاثٍ وَثَمَانِينَ سَنَةً وَأَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ، مَنْ حُرِمَ خَيْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ (مسند الشاميين للطبراني، رقم الحديث ۲۶۸۷)

سے پہلے اپنی بے عملی کی وجہ سے کوئی قدر و قیمت نہ تھی اس رات میں توبہ واستغفار اور عبادت کے ذریعہ وہ صاحبِ قدر و شرف بن جاتا ہے۔ [1]

قدر کے دوسرے معنٰی تقدیر اور حکم کے بھی آتے ہیں۔

اس معنٰی کے اعتبار سے لیلۃُ القدر کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس رات میں مخلوقات کے لئے سال بھر کے تقدیری معاملات طے اور نافذ ہوتے ہیں، یا ان کو اُن فرشتوں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جو کائنات کی تدبیر اور اُمور نافذ کرنے کے لئے مامور ہیں۔ [2]

---

[1] قال العينى: ومعنى ليلة القدر ليلة تقدير الأمور وقضائها والحكم والفصل يقضى الله فيها قضاء السنة وهو مصدر قولهم قدر الله الشىء قدرا وقدرا لغتان كالنهر والنهر وقدره تقديرا بمعنى واحد وقيل سميت بذلك لخطرها وشرفها وعن الزهرى هى ليلة العظمة والشرف من قول الناس لفلان عند الأمير قدر أى جاه ومنزلة ويقال قدرت فلانا أى عظمته قال الله تعالى وما قدروا الله حق قدره أى ما عظموه حق عظمته وقال أبو بكر الوراق سميت بذلك لأن من لم يكن ذا قدر وخطر يصير فى هذه الليلة ذا قدر وخطر إذا أدركها وأحياها وقيل لأن كل عمل صالح يوجد فيها من المؤمن يكون ذا قدر وقيمة عند الله لكونه مقبولا فيها وقيل لأنه أنزل فيها كتاب ذو قدروقال سهل بن عبد الله لأن الله تعالى يقدر الرحمة فيها على عباده المؤمنين وقيل لأنه ينزل فيها إلى الأرض ثلاثة من الملائكة أولى قدر وخطر وعن الخليل بن أحمد لأن الأرض يضيق فيها بالملائكة من قوله ويقدر ومن قدر عليه رزقه ،وقيل القدر هنا بمعنى القدر بفتح الدال الذى يواخى القضاء والمعنى أنه يقدر فيها أحكام تلك السنة لقوله تعالى فيها يفرق كل أمر حكيم .وقيل إنما جاء القدر بسكون الدال وإن كان الشائع فى القدر الذى هو يواخى القضاء فتح الدال ليعلم أنه لم يرد به ذلك وإنما أريد به تفصيل ما جرى به القضاء وإظهاره وتحديده فى تلك السنة لتحصيل ما يلقى إليهم فيها مقدارا بمقدار (عمدة القارى، ج ١١، ص١٢٨، ١٢٩، كتاب التراويح، باب فضل ليلة القدر،الناشر :دار إحياء التراث العربى -بيروت)

[2] قوله تعالى: (فى ليلة القدر) قال مجاهد :فى ليلة الحكم (وما أدراك ما ليلة القدر) قال: ليلة الحكم والمعنى ليلة التقدير سميت بذلك لأن الله تعالى يقدر فيها ما يشاء من أمره إلى مثلها من السنة القابلة من أمر الموت والأجل والرزق وغيره ويسلمه إلى مدبرات الأمور وهو أربعة من الملائكة: إسرافيل وميكائيل وعزرائيل وجبريل عليهم السلام. وعن ابن عباس قال :يكتب من أم الكتاب ما يكون فى السنة من رزق ومطر وحياة وموت حتى الحاج قال عكرمة :يكتب حاج بيت الله تعالى فى ليلة القدر بأسمائهم وأسماء آبائهم ما يغادر منهم أحد ولا يزاد فيهم وقاله سعيد بن جبير وقد مضى فى أول سورة (الدخان) هذا المعنى وعن ابن عباس أيضا :أن الله تعالى يقضى الأقضية فى ليلة نصف شعبان ويسلمها إلى أربابها فى ليلة القدر (تفسير القرطبى، سورة القدر، تحت رقم الآية ١)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیلۃُ القدر نام رکھے جانے کی اس کے علاوہ بھی اور کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ [1]

لیلۃُ القدر کے فضائل

اللہ تعالیٰ نے لیلۃُ القدر کے بارے میں ایک پوری سورت نازل فرمائی ہے، جو سورۃُ القدر کے نام سے معروف ومشہور ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے کہ:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰـــهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ .وَمَآ اَدۡرٰکَ مَا لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ .لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَیۡـرٌ مِّـنۡ اَلۡفِ شَهۡـرٍ .تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ فِیۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ مِّنۡ كُلِّ اَمۡرٍ . سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ (سورۃالقدر پارہ ۳۰)

ترجمہ: بے شک ہم نے قرآن کو لیلۃُ القدر میں اتارا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ لیلۃُ القدر کیا ہے؟ لیلۃُ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس رات میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے ہر امر کو لے کر اترتے ہیں، سراپا سلام ہے، وہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال النووی: قَالَ الْعُلَمَاء :وَسُمِّيَتُ لَيُلَة الْقَدُر ؛ لِمَا يُكْتَب فِيهَا لِلْمَلَائِكَةِ مِنُ الْأَقُدَار وَالْأَرُزَاق وَالْآجَال الَّتِي تَكُون فِي تِلُکَ السَّنَة ، كَقَوُلِهِ تَعَالَى :(فِيهَا يُفُرَق كُلّ أَمُر حَكِيم) وَقَوُله تَعَالَى :(تَنَزَّل الْمَلَائِكَة وَالرُّوح فِيهَا بِإِذُن رَبّهمُ مِنُ كُلّ أَمُر) وَمَعُنَاهُ :يَظُهَر لِلْمَلَائِكَةِ مَا سَيَكُونُ فِيهَا ، وَيَأْمُرهُمُ بِفِعُلِ مَا هُوَ مِنُ وَظِيفَتهمُ ، وَكُلّ ذَلِکَ مِمَّا سَبَقَ عِلُم اللَّه تَعَالَى بِهِ ، وَتَقُدِيره لَهُ ، وَقِيلَ : سُمِّيَتُ لَيُلَة الْقَدُر ؛ لِعِظَمِ قَدُرهَا وَشَرَفهَا ، وَأَجُمَعَ مَنُ يُعُتَدّ بِهِ عَلَى وُجُودهَا وَدَوَامهَا إِلَى آخِر الدَّهُر؛ لِلْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَة الْمَشُهُورَة ، (شرح النووی، ج۸، ص۵۷، بَاب فَضُل لَيُلَة الْقَدُر وَالْحَثّ عَلَى طَلَبهَا وَبَيَان مَحَلّهَا وَأَرُجَى أَوُقَات طَلَبهَا، الناشر :دار إحياء التراث العربی -بيروت)

[1] وقال القرطبی: وقيل :إنما سميت بذلک لعظمها وقدرها وشرفها من قولهم :لفلان قدر أی شرف ومنزلة قاله الزهری وغيره وقيل :سميت بذلک لأن للطاعات فيها قدرا عظيما وثوابا جزيلا وقال أبو بكر الوراق :سميت بذلک لأن من لم يكن له قدر ولا خطر يصير فی هذه الليلة ذا قدر إذا أحياها وقيل :سميت بذلک لأنه أنزل فيها كتابا ذا قدر على رسول ذی قدر على أمة ذات قدر وقيل :لأنه ينزل فيها ملائكة ذوو قدر وخطر وقيل :لأن الله تعالى ينزل فيها الخير والبركة والمغفرة وقال سهل :سميت بذلک لأن الله تعالى قدر فيها الرحمة على المؤمنين وقال الخليل : لأن الأرض تضيق فيها بالملائكة كقوله تعالى :(ومن قدر عليه رزقه)أی ضيق (تفسير القرطبی،تحت سورة القدر)

(لیلۃُ القدر) طلوعِ فجر تک رہتی ہے (سورہ قدر)

اس سورۃ میں پانچ آیات ہیں اور یہ تیس کلمات اور ایک سو بارہ حروف پر مشتمل ہے۔ [1]

اس سورت میں لیلۃُ القدر کی چار خصوصیات ذکر کی گئی ہیں:

ایک یہ کہ اس رات میں قرآن مجید نازل ہوا۔ دوسری یہ کہ یہ رات ہزار مہینوں سے افضل اور بہتر ہے۔ تیسری یہ کہ اس رات میں فرشتے اور روح اترتے ہیں۔ چوتھی یہ کہ اس رات میں طلوعِ فجر ہونے تک سلامتی کا نزول ہوتا ہے۔

آگے ان چار چیزوں کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

لیلۃُ القدر میں قرآن مجید کا نزول

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ .

''ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃُ القدر میں نازل کیا ہے''

اس آیت میں تصریح ہے کہ قرآن مجید لیلۃُ القدر میں نازل ہوا۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ سورۂ دخان میں بھی یہ مضمون کچھ تفصیل کے ساتھ ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ:

حٰمٓ . وَالْكِتَابِ الْمُبِیْنِ . اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ . فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ . اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا (سورۃالدخان آیت ۱ تا ۵)

ترجمہ: حٰمٓ (اس کے معنٰی اللہ کو معلوم ہیں) قسم ہے واضح کتاب کی۔ ہم نے اس (کتاب) کو اتارا ایک برکت والی رات میں، ہم (آخرت کے عذاب سے انسانوں کو) ڈرانے والے ہیں۔ اس رات میں ہر حکمت والے اَمر کا ہماری

---

[1] وهذه السورة مائة وإثنا عشر حرفا، وثلاثون كلمة، وخمس آيات وهى، مدنية، قاله الضحاک ومقاتل، والأكثر على أنها مكية .وقال الواقدى :هى أول سورة نزلت بالمدينة (عمدة القارى، ج ۱۱، ص ۱۲۹، كتاب التراويح، باب فضل ليلة القدر)

طرف سے فیصلہ کیا جاتا ہے (سورہ دخان)

جمہور مفسّرین کے نزدیک اس آیت میں برکت والی رات سے مراد لیلۃُ القدر ہے۔ ۱؎

اور بعض حضرات نے سورہ دخان کی اس آیت میں مذکورہ رات سے جو شبِ برات مراد لی ہے، وہ دلائل کے اعتبار سے راجح نہیں ہے۔ ۲؎

۱؎ يقول تعالى مخبرا عن القرآن العظيم :إنه أنزله فى ليلة مباركة، وهى ليلة القدر، كما قال تعالى :(إِنَّا أَنزلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ) (القدر، ۱)وكان ذلك فى شهر رمضان، كما قال :تعالى: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (تفسير ابن كثير،ج۷ص۲۲۵، سورة الدخان، تحت الآيات ۱ الىٰ ۸)

إنا أنزلناه فى ليلة مباركة يعنى ليلة القدر، ولقوله " :إنا أنزلناه فى ليلة القدر وفى هذا دليل على أن ليلة القدر إنما تكون فى رمضان لا فى غيره (تفسير القرطبى،ج۲ص۲۹۷ سورة البقرة، تحت رقم الآية ۱۸۵)

إنا أنزلناه فى ليلة مباركة يريد :فى ليلة القدر (تفسير القرطبى،ج۲۰ ص ۱۲۹ ،سورة القدر، تحت رقم الآية ۱)

(إِنَّا أنزلناه فِي لَيْلَةٍ مباركة)ليلة القدر (تفسير البيضاوى،ج۵ص۹۹، سورة الدخان، تحت رقم الآية۳)

(انَّآ أنزلناه فِي لَيْلَةٍ مباركة) أى ليلة القدر أو ليلة النصف من شعبان .وقيل :بينها وبين ليلة القدر أربعون ليلة .والجمهور على الأول لقوله (إِنَّا أنزلناه فِي لَيْلَةِ القدر) (القدر وقوله (شَهْرُ رَمَضَانَ الذى أُنزِلَ فِيهِ القرآن)وليلة القدر فى أكثر الأقاويل فى شهر رمضان (تفسير النسفى، ج۳ص۲۸۶، سورة الدخان، تحت رقم الآية ۱)

أنا أنزلناه أى الكتاب المبين الذى هو القرآن على القول المعول عليه فى ليلة مباركة هى ليلة القدر على ما روى عن ابن عباس وقتادة وابن جبير ومجاهد وابن زيد والحسن وعليه أكثر المفسرين والظواهر معهم وقال عكرمة وجماعة :هى ليلة النصف من شعبان (تفسير روح المعانى،ج۱۳ ص ۱۰۰، سورة الدخان، تحت رقم الآية ۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ :إِنَّكَ لَتَرَى الرَّجُلَ يَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ، وَقَدْ وَقَعَ اسْمُهُ فِي الْمَوْتَى ، ثُمَّ قَرَأَ (إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ، إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ)يَعْنِي لَيْلَةَ الْقَدْرِ فَفِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ يُفْرَقُ أَمْرُ الدُّنْيَا إِلَى مِثْلِهَا مِنْ قَابِلٍ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ (مستدرك حاكم، رقم الحديث ۳۶۷۸)

وقال الذهبى: صحيح على شرط مسلم.

۲؎ وإذا ثبت أن هذا النزول ليلة القدر ثبت أن الليلة التى يفرق فيها كل أمر حكيم فى الآية هى ليلة القدر لا ليلة النصف من شعبان، ولا نزاع فى أن ليلة نصف شعبان يقع فيها فرق، كما صرح به الحديث، وإنما النزاع فى أنها المرادة من الآية، والصواب أنها ليست مرادة منها، وحينئذ يستفاد من الحديث والآية وقوع ذلك الفرق فى كل من الليلتين إعلاما بمزيد شرفهما اهـ.ويحتمل أن يقع الفرق فى ليلة النصف ما يصدر ﴿بقيه حاشيه اگلے صفحے پر ملاحظه فرمائيں﴾

کیونکہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ (سورة البقرة ،آية۱۸۵)

ترجمہ: رمضان کے مہینہ میں قرآن نازل کیا گیا ہے۔ جولوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایت کے واضح دلائل ہیں، اور یہ (قرآن) فرق کرنے والا ہے (حق وباطل کے درمیان) (سورہ بقرہ)

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قرآن مجید رمضان کے مہینہ میں نازل کیا گیا ہے۔

لیلۃُ القدر میں قرآن مجید نازل ہونے کا مفہوم حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ پورا قرآن لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر اس رات میں اتارا گیا پھر اس کو وقفہ وقفہ سے حسبِ ضرورت رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا جاتا رہا۔ [۱]

چنانچہ جلیلُ القدر تابعی حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: أَنْزَلَ اللّٰهُ الْقُرْآنَ إِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ، فَكَانَ اللّٰهُ إِذَا أَرَادَ أَنْ یُّوْحِیَ مِنْهُ شَیْئًا، أَوْحَاهُ، أَوْ أَنْ یُّحْدِثَ مِنْهُ فِی الْأَرْضِ شَیْئًا أَحْدَثَهُ (مستدرک حاکم) [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ إلی لیلة القدر، ویحتمل أن یكون الفرق فی إحداهما إجمالا، وفی الأخری تفصیلا، أو تخص إحداهما بالأمور الدنیویة، والأخری بالأمور الأخرویة، وغیر ذلك من الاحتمالات العقلیة(مرقاة المفاتیح، ج۳ص ۹۷۴، كتاب الصلاة ، باب قیام شهر رمضان)

[۱] جبکہ بعض حضرات نے فرمایا کہ قرآن مجید نازل ہونے کی ابتداء لیلۃُ القدر کی رات میں چند آیتوں سے ہوگئی باقی بعد میں نازل ہوتا رہا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر سال میں جتنا قرآن نازل ہونا مقدر ہوتا تھا اتنا ہی لیلۃُ القدر میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر نازل کر دیا جاتا تھا، مگر یہ اقوال کسی مستند روایت سے دستیاب نہیں ہوسکے، اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا قول صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے، جس کا اوپر ذکر کیا گیا (معارف القرآن ج۷و۸ بتغیر)

[۲] رقم الحدیث ۲۸۷۷، ج۲ص ۲۴۱۱، كتاب التفسیر.

قال الحاكم: هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ یُخَرِّجَاهُ "

وقال الذهبی: صحیح.

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو آسمانِ دنیا پر لیلۃُ القدر میں نازل فرمایا، پھر (اس کے بعد) اللہ تعالیٰ جب اُس میں سے کچھ وحی بھیجنا چاہتے، تو وحی بھیج دیتے، یا اُس میں سے کچھ زمین میں ظاہر فرمانا چاہتے، تو اس کو ظاہر فرما دیتے (حاکم)

ایک اور جلیلُ القدر تابعی حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، قَالَ: أُنْزِلَ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ إِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا، وَكَانَ بِمَوْقِعِ النُّجُوْمِ، وَكَانَ اللّٰهُ يُنَزِّلُهٗ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْضَهٗ فِيْ أَثَرِ بَعْضٍ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے قول کہ ''ہم نے اس کو لیلۃُ القدر میں نازل کیا'' کے بارے میں فرمایا کہ قرآن مجید سارا ایک وقت میں لیلۃُ القدر میں آسمانِ دنیا کی طرف ستاروں کے مقام پر نازل کیا گیا، اور (پھر اس کے بعد) اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے کچھ حصے کو ایک دوسرے کے بعد رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرماتے رہے (حاکم)

---

[1] رقم الحديث ۲۸۷۸، ج۲ ص ۲۴۲، كتاب التفسير، واللفظ لهٗ؛ شعب الايمان للبيهقى، رقم الحديث ۳۳۸۶، كتاب الصيام، فَصْلٌ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ.

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِهِمَا، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ

وقال الذهبى: على شرط البخارى ومسلم.

ایک روایت میں مواقعِ نجوم پر وقتاً فوقتاً نزول کا ذکر ہے، مگر وہ روایت سند کے لحاظ سے ناقابلِ اعتبار معلوم ہوتی ہے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ طَرِيفٍ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ قَوْلِهِ (شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِى أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ) وَقَوْلِهِ (إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ) فَقَالَ: إِنَّهُ قَدْ أُنْزِلَ فِي رَمَضَانَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ جُمْلَةً وَاحِدَةً، ثُمَّ أُرْسِلَ عَلَى مَوَاقِعِ النُّجُومِ رِسْلًا فِي الشُّهُورِ وَالْأَيَّامِ (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۱۲۰۹۵)

قال الهيثمى: رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ، وَفِيهِ سَعْدُ بْنُ طَرِيفٍ، وَهُوَ مَتْرُوكٌ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۰۸۴۵، باب سورة البقرة)

آسمان میں بے شمار ستارے ہیں، کچھ زمین سے قریب اور کچھ دور ہیں، ممکن ہے کہ کچھ مخصوص ستارے پہلے آسمان پر ہوں، جہاں کہ اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر میں قرآن مجید کو نازل فرمایا۔

لیلۃُ القدر ہزار مہینوں سے بہتر

اس رات کی سب سے بڑی فضیلت تو یہی ہے جو سورہ قدر میں بیان ہوئی ہے کہ اس رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں یعنی تراسی سال سے زائد کی عبادت سے بھی بہتر ہے۔
پھر بہتر ہونے کی کوئی حد مقرر نہیں، کتنی بہتر ہے؟ دوگنی چوگنی دس گنی سوگنی وغیرہ سب ہی احتمالات ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: إِنَّ هٰذَا شَهْرٌ مُبَارَكٌ ، تُغَلُّ فِيْهِ الشَّيَاطِيْنُ ، وَتُغَلَّقُ فِيْهِ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَتُفَتَّحُ فِيْهِ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ ، وَيُسْتَجَابُ فِيْهِ الدُّعَآءُ ، فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ مِنْ ثَلَاثٍ وَّثَمَانِيْنَ سَنَةً وَأَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ ، مَنْ حُرِمَ خَيْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ (مسند الشاميين للطبرانی) [1]

ترجمہ: جب رمضان کا مہینہ داخل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کرتے تھے کہ یہ مبارک مہینہ ہے کہ جس میں شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے، اور جہنم کے دروازے بھی اس مہینے میں بند کر دیئے جاتے ہیں، اور اس مہینے میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اور اس مہینے میں دعا قبول کی جاتی ہے۔

اس مہینے میں ایک رات ہزار مہینوں سے یعنی تراسی سال اور چار مہینوں سے بہتر

---

[1] رقم الحديث ٢٦٨٧، ما انتهى إلينا من مسند سعيد بن بشير وأصله بصرى نزل الشام ومات بها، الناشر :مؤسسة الرسالة -بيروت.

ہے، جو اس رات کی خیر سے محروم ہوگیا وہ تو بس محروم ہے (ترجمہ ختم)

اس حدیث کے تمام مضامین دوسری صحیح احادیث میں مذکور ہیں، سوائے تراسی سال اور چار مہینوں کے، اور یہ حساب کی بات ہے، اور حساب کے اعتبار سے یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے، لہٰذا یہ حدیث قابلِ اعتبار ہے۔

ایک ہزار مہینوں میں تقریباً تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں، لیلۃُ القدر کے ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا مطلب یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے اور اس کی رضا اور قرب حاصل کرنے والے بندے اس ایک رات میں اللہ کی رضا اور اس کے قرب کی اتنی مسافت طے کر سکتے ہیں جو دوسری ہزاروں راتوں میں طے نہیں ہوسکتی۔

جس طرح ہم اس مادی دنیا میں دیکھتے ہیں کہ تیز رفتار ہوائی جہاز یا راکٹ وغیرہ کے ذریعہ اب ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ میں اس سے زیادہ مسافت طے کی جاسکتی ہے جتنی پُرانے زمانے میں سینکڑوں دنوں میں طے ہوا کرتی تھی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رضا اور قُربِ الٰہی کے سفر کی رفتار لیلۃُ القدر میں اتنی تیز کردی جاتی ہے کہ جو سچے طلب گاروں کو ہزاروں مہینوں میں حاصل نہیں ہوسکتی، وہ اس ایک مبارک رات میں حاصل ہوجاتی ہے۔

اس کے علاوہ احادیث کی رو سے اس مبارک مہینے کی عبادت کی بہت اہمیت ہے۔

اور لیلۃُ القدر کی خصوصیت تو رمضانُ المبارک کے مہینہ کے دوسرے اوقات کی خصوصیت سے بھی زیادہ فضیلت واہمیت رکھتی ہے۔

ایک شبہ کا جواب

سورہ قدر میں لیلۃُ القدر کو ایک ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان ایک ہزار مہینوں کے اندر بھی ہر سال ایک لیلۃُ القدر آئے گی تو حساب کس طرح بنے گا؟

اس کے متعلق اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ یہاں ایک ہزار مہینوں سے وہ مراد ہیں جن میں

لیلۃُ القدر شامل نہ ہو، اس لئے کوئی اشکال نہیں۔ [1]

لیلۃُ القدر میں فرشتوں کا نزول

لیلۃُ القدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا.

ترجمہ: اس رات میں فرشتے اور روح اترتے ہیں (سورہ قدر)

روح سے کیا مراد ہے؟

اس سلسلہ میں اکثر مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، جس کا بعض روایات میں ذکر پایا جاتا ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ کوئی مخصوص فرشتے ہیں۔ [2]

---

[1] معنى ذلک أن ليلة القدر خير من ألف شهر، ليس فيها ليلة القدر. ذكر من قال ذلک: حدثنا ابن عبد الأعلى، قال: ثنا ابن ثور، عن معمر، عن قتادة (خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ) ليس فيها ليلة القدر.......... وأشبه الأقوال فى ذلک بظاهر التنزيل قول من قال: عملٌ فى ليلة القدر خير من عمل ألف شهر، ليس فيها ليلة القدر. وأما الأقوال الأخر، فدعاوى معان باطلة، لا دلالة عليها من خبر ولا عقل، ولا هى موجودة فى التنزيل (تفسير طبرى، سورة القدر، تحت رقم الآية ١ تا ٧)

وقال ابن أبى حاتم: حدثنا أبو زُرْعَة، حدثنا إبراهيم بن موسى، أخبرنا ابن أبى زائدة، عن ابن جُرَيج، عن مجاهد: ليلة القدر خير من ألف شهر، ليس فى تلک الشهور ليلة القدر وهكذا قال قتادة بن دعامة، والشافعى، وغير واحد. وقال عمرو بن قيس الملائى: عمل فيها خير من عمل ألف شهر. وهذا القول بأنها أفضل من عبادة ألف شهر -وليس فيها ليلة القدر -هو اختيارُ ابن جرير. وهو الصواب لا ما عداه، وهو كقوله صلى الله عليه وسلم": رِباطُ ليلة فى سبيل الله خَيْر من ألف ليلة فيما سواه من المنازل. "رواه أحمد وكما جاء فى قاصد الجمعة بهيئة حسنة، ونية صالحة": أنه يُكتَبُ له عمل سنة، أجر صيامها وقيامها "إلى غير ذلک من المعانى المشابهة لذلک (تفسير ابن كثير، سورة القدر، ج٨، ص ۴٢٧، تحت رقم الآية ١ تا ٧، الناشر: دار الكتب العلمية، منشورات محمد على بيضون -بيروت)

[2] وَأَمَّا الرُّوحُ فَقِيلَ الْمُرَادُ بِهِ هَاهُنَا جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَيَكُونُ مِنْ بَابِ عَطْفِ الْخَاصِّ عَلَى الْعَامِّ، وَقِيلَ هُمْ ضَرْبٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ كَمَا تَقَدَّمَ فِى سورة النبأ والله أعلم (تفسير ابنِ كثير، ج٨ص۴٢٧، سورة القدر)

وَالرُّوحُ يعنى جبريل عليه الصّلاة والسّلام قاله أكثر المفسرين (تفسير الخازن، ج۴ص۴۵٣، سورة القدر، الناشر: دار الكتب العلمية -بيروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ: إِنَّھَا لَیْلَةُ سَابِعَةٍ ، أَوْ تَاسِعَةٍ وَّعِشْرِیْنَ، إِنَّ الْمَلَائِکَةَ تِلْکَ اللَّیْلَةَ فِی الْأَرْضِ أَکْثَرُ مِنْ عَدَدِ الْحَصٰی (مسند احمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ القدر کے بارے میں فرمایا کہ وہ ستائیسویں یا انتیسویں رات ہے، بے شک اس رات میں فرشتے زمین پر اتنی زیادہ تعداد میں ہوتے ہیں کہ جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا (مسند احمد)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنَّہٗ قَالَ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ: لَیْلَةِ سَابِعَةٍ أَوْ تَاسِعَةٍ وَّعِشْرِیْنَ، إِنَّ الْمَلَائِکَةَ فِیْ تِلْکَ اللَّیْلَةِ فِی الْأَرْضِ أَکْثَرُ مِنْ عَدَدِ النُّجُوْمِ (المعجم الاوسط للطبرانی) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ القدر کے بارے میں فرمایا کہ وہ ستائیسویں یا انتیسویں رات ہے، بے شک اس رات میں فرشتے زمین پر ستاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہوتے ہیں (طبرانی)

لیلۃ القدر کس رات میں ہوتی ہے، اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ لیلۃ القدر میں زمین پر بے شمار فرشتے ہوتے ہیں۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

---

[1] رقم الحدیث ۱۰۷۳۴؛ مسند ابی داؤد الطیالسی، رقم الحدیث ۲۶۶۸؛ مسند البزار، رقم الحدیث ۹۴۴۷؛ ابنِ خزیمۃ، رقم الحدیث ۲۱۹۴؛ المعجم الاوسط، رقم الحدیث ۴۹۳۷.
فی حاشیۃ مسند احمد: إسنادہ محتمل للتحسین.

[2] رقم الحدیث ۲۵۲۲، ج۳ص ۷۲، باب الالف.

فَإِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْقَدْرِ يَأْمُرُ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَهْبِطُ فِيْ كُبْكُبَةٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَى الْأَرْضِ (اخبار مكة للفاكهی) [1]

ترجمہ: جب لیلۃ القدر ہوتی ہے تو (اللہ تعالیٰ) جبریل علیہ السلام کو حکم دیتے ہیں، چنانچہ وہ فرشتوں کے جمگھٹے میں زمین کی طرف اترتے ہیں (اخبار مکہ، بیہقی)

اس حدیث کی سند پر محدثین کا کلام ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۵۷۵، ج۲ص ۳۱۴،ذكر صوم شهر رمضان بمكة، الناشر:دار اخضر، بيروت؛ شعب الايمان للبيهقی، رقم الحديث ۳۴۲۱، كتاب الصيام، التماس ليلة القدر فی الوتر من العشر الأواخر من شهر رمضان، فضائل الاوقات للبيهقی رقم الحديث ۱۰۷ ؛ الترغيب والترهيب،للأصبهانی، رقم الحديث ۱۷۶۸ .

[2] امام منذری رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

رَوَاهُ الشَّيْخ ابْن حبَان فِي كتاب الثَّوَاب وَالْبَيْهَقِيّ وَاللَّفْظ لَهُ وَلَيْسَ فِي إِسْنَاده من أجمع على ضعفه (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۴۹۳، كتاب الصَّوْم)

بیہقی کی سند اس طرح سے ہے کہ:

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ ، رحمه الله ، حدثنا أبو الحسين عبد الصمد بن على بن مكرم البزاز ، ببغداد ، حدثنا يعقوب بن يوسف القزوينی ، حدثنا القاسم بن الحكم العرنی ، حدثنا هشام بن الوليد ، عن حماد بن سليمان السدوسی البصری شيخ لنا يكنى أبا الحسين ، عن الضحاك بن مزاحم ، عن عبد الله بن عباس ، أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول .

اور اخبارِ مکہ للفاکہی کی سند اس طرح سے ہے کہ:

حَدَّثَنِي أَبُو مُحَمَّدٍ إِسْمَاعِيلُ بْنُ مَحْمُودٍ، عَنْ هَاشِمِ بْنِ الْوَلِيدِ قَالَ :ثنا حَمَّادُ بْنُ سُلَيْمَانَ السَّدُوسِيُّ قَالَ :ثنا أَبُو الْحَسَنِ قَالَ أَبُو مُحَمَّدٍ أَبُو الْحَسَن هُوَ جُوَيْبِرٌ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ مُزَاحِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ :إِنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ (اخبار مكة للفاكهی، رقم الحديث ۱۵۷۵)

اور امام اصبہانی کی ترغیب کی سند اس طرح سے ہے کہ:

أخبرنا أبو عبد الله الحسين بن أحمد النعالی ببغداد، أنبأ محمد بن عبد الله بن محمد الحنائی، أنبأ أبو عمرو :عثمان بن أحمد الدقاق، ثنا إسحاق بن إبراهيم الختلی، ثنا أبو عمرو :العلاء بن عمرو الخراسانی المعروف بالسنی، ثنا عبد الله بن الحكم البجلی قال :أبو عمرو :فشككت فی شیء من هذا الحديث فكتبته من الحسن بن يزيد وكنت سمعته أنا والحسن من عبد الله بن الحكم، ثنا القاسم بن الحكم العرنی، عن الضحاك عن ابن عباس -رضی الله عنه -أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول (الترغيب والترهيب،للأصبهانی، رقم الحديث ۱۷۶۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی اس سے ملتی جلتی حدیث مروی ہے۔

مگر اس کی سند پر بھی کلام ہے۔ [1]

[1] أَخْبَرَنَا أَبُو سَعْدٍ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي عُثْمَانَ الزَّاهِدُ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ رَجَاءٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَشْعَثِ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْأَزْدِيُّ، حَدَّثَنَا أَصْرَمُ بْنُ حَوْشَبٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ الْحَارِثِيُّ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ": إِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي كُبْكُبَةٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ يُصَلُّونَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ أَوْ قَاعِدٍ يَذْكُرُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدِهِمْ، يَعْنِي يَوْمَ فِطْرِهِمْ، بَاهَى بِهِمْ مَلَائِكَتَهُ، فَقَالَ: يَا مَلَائِكَتِي مَا جَزَاءُ أَجِيرٍ وَفَّى عَمَلَهُ؟، قَالُوا: رَبَّنَا جَزَاؤُهُ أَنْ يُوفَى أَجْرَهُ، قَالَ: مَلَائِكَتِي عَبِيدِي وَإِمَائِي قَضَوْا فَرِيضَتِي عَلَيْهِمْ، ثُمَّ خَرَجُوا يَعِجُّونَ إِلَيَّ بِالدُّعَاءِ، وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَكَرَمِي وَعُلُوِّي وَارْتِفَاعِ مَكَانِي لَأُجِيبَنَّهُمْ، فَيَقُولُ: ارْجِعُوا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَّلْتُ سَيِّئَاتِكُمْ حَسَنَاتٍ، قَالَ: فَيَرْجِعُونَ مَغْفُورًا لَهُمْ ."قَالَ أَحْمَدُ ": تَفَرَّدَ بِهِ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى هَذَا عَنْ أَصْرَمَ بْنِ حَوْشَبٍ الْهَمْدَانِيِّ، وَقَدْ رَوَيْنَاهُ فِي الْحَدِيثِ الطَّوِيلِ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ كَعْبِ الْأَحْبَارِ فِي فَضْلِ صَوْمِ شَهْرِ رَمَضَانَ، وَبُرُوزِ الْمُسْلِمِينَ يَوْمَ الْفِطْرِ لِعِيدِهِمْ "(شعب الایمان للبیہقی، رقم الحدیث ۳۴۴۴، کتاب الصیام، باب فِي لَيْلَةِ الْعِيدَيْنِ وَيَوْمِهِمَا، واللفظ لہٗ، فضائل الاوقات للبیہقی رقم الحدیث ۱۵۴، باب فی فضل العید)

لا يصح أصرم كذاب ورواه عباد بن عبد الصمد عن أنس أبسط من هذا وعباد قال العقيلي يروى عن أنس نسخة عامتها مناكير (قلت) ورواه أيضا أبان عن أنس أخرجه الديلمي أنبأنا أبو العلاء رجاء بن عبد الوهاب الرازى وجماعة قالوا أنبأنا أبو القاسم على بن عبد الرحمن بن الحسن أنبأنا أبو محمد بن بالويه حدثنا الأعرابى حدثنا أبو ميسرة محمد بن الحسين الهمدانى حدثنا محمد بن عبيد حدثنا الوليد بن الفضل حدثنا الكابلى عن أبان عن أنس مرفوعا وأبان متروك والله أعلم (اللآلی المصنوعة فی الأحاديث الموضوعة للسُّيوطی، ج۲ ص ۸۴، الناشر: دار الكتب العلمية)

ومن حديثه: ما حدثناه جبرون بن عيسى المغربى، بمصر قال: حدثنا يحيى بن سليمان القرشى، مولى لهم قال: حدثنا أبو معمر عباد بن عبد الصمد عن أنس بن مالك، أنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا كان أول يوم من شهر رمضان نادى الله تبارك وتعالى رضوان خازن الجنة يقول: يا رضوان، فيقول: لبيك سيدى وسعديك، فيقول: زين الجنان للصائمين والقائمين من أمة محمد صلى الله عليه وسلم، ثم لا يغلقها حتى ينقضى شهرهم، ثم إذا كان يوم الثالث أوحى الله تبارك وتعالى إلى جبريل: يا جبريل اهبط إلى الأرض فضلل مردة الشياطين وعتاة الجن كى لا يفسدوا على عبادى صومهم. ثم قال صلى الله عليه وسلم: إن لله تبارك وتعالى ملكا رأسه تحت عرش الرحمن ورجلاه فى تخوم الأرض السابعة السفلى، له جناحان أحدهما بالمشرق والآخر بالمغرب، أحدهما من ياقوت أحمر والآخر من زبرجد أخضر، ينادى فى كل ليلة من شهر رمضان: هل من تائب فيتاب عليه، هل من مستغفر فيغفر له، هل من صاحب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن قرآن مجید میں حضرت جبریل علیہ السلام کو روح کا لقب دیا گیا ہے۔

اس لئے سورہ قدر میں فرشتوں کے ساتھ روح کے نازل ہونے سے حضرت جبریلِ امین کا مراد ہونا راجح معلوم ہوتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حاجة فيسعف بحاجته ؟ يا طالب الخير أبشر ، ويا طالب الشر أقصر وأبصر .ثم قال :ألا وإن لله تبارك وتعالى فى كل ليلة عند السحور والإفطار سبعة آلاف عتيق من النار قد استوجبوا العذاب من رب العالمين .ثم قال :فإذا كان ليلة القدر هبط جبريل عليه السلام فى كبكبة من الملائكة له جناحان أخضران منضوضان بالدر والياقوت لا ينشرهما جبريل فى كل سنة إلا ليلة واحدة ، وذلك قوله :(تنزل الملائكة والروح فيها) أما الملائكة فمن تحت سدرة المنتهى ، وأما الروح فهو جبرائيل عليه السلام ، فيمسح بجناحيه يسلم على القائم والنائم والمصلى من فى البر ومن فى البحر :السلام عليك يا مؤمن السلام عليك يا مؤمن ، حتى إذا طلع الفجر صعد جبرائيل عليه السلام ومعه الملائكة يتلقاه أهل السماوات فيقولون :يا جبرائيل ، ما فعل الرحمن بالصائمين شهر رمضان ؟ فيقول جبريل عليه السلام :خيرا ، ثم يسجد جبريل ومن معه من الملائكة فيقول الجبار عز وجل :يا ملائكتى ، ارفعوا رء وسكم ، أشهدكم أنى قد غفرت للصائمين شهر رمضان إلا لمن أبى أن يسلم عليه جبريل .قال :وجبريل عليه السلام لا يسلم فى تلك الليلة على مدمن خمر ، ولا عشار ، ولا شاعر ، ولا صاحب طوية ، ولا عرطبة ، ولا عاق والديه (الضعفاء الكبير للعقيلى، رقم الحديث ۱۱۲۱، ج۳ص۱۳۸)

[1] وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ .نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ .عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ (سورة الشعراء، رقم الآية ۱۹۲ تا ۱۹۴)

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ (سورة النحل، رقم الآية ۱۰۲)

قلت قد سمى بالروح غير جبريل قال الله تعالى (يوم يقوم الروح والملائكة صفا) وعن ابن عباس هو ملك من أعظم الملائكة خلقا فأفحم عند ذلك فقلت جبريل قد تميز عنه بصفة الأمانة لأن الله تعالى سماه أمينا وسمى ذلك الملك روحا فقط على أنه قد روى عن الشعبى وسعيد بن جبير والضحاك أن المراد بالروح فى قوله تعالى (يوم يقوم الروح) هو جبريل عليه السلام فقال من أين علمنا أن المراد من الروح الأمين هو جبريل عليه السلام قلت بتفسير المفسرين من الصحابة والتابعين وتفسيرهم محمول على السماع لأن العقل لا مجال فيه على أن من جملة أسباب العلم الخبر المتواتر وقد تواترت الأخبار من لدن النبى صلى الله عليه وسلم إلى يومنا هذا أن الذى نزل بالقرآن على نبينا عليه السلام هو جبريل عليه السلام من غير نكير منكر ولا رد راد حتى عرف بذكر أهل الكتاب من اليهود والنصارى (عمدة القارى، ج ۱، ص۴۵، كتاب الايمان)

امن وسلامتی اور اہم فیصلوں کا ہونا

اللہ تعالیٰ نے لیلۃُ القدر کے بارے میں فرمایا کہ:

بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ. سَلَامٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ

مطلب یہ ہے کہ لیلۃُ القدر میں فرشتے اپنے رب کے حکم سے امر لے کر اترتے ہیں، اور یہ رات سلامتی اور برکت والی ہے اور اس رات کا یہ سلسلہ رات کے کسی خاص حصہ کے ساتھ مخصوص نہیں، شروع رات سے طلوعِ فجر تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

سورہ دخان میں اس کی مزید تفصیل آئی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے کہ:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ. فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ اَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا (سورہ دخان رقم الآية ۳ تا ۵)

ترجمہ: ہم نے اس (قرآن مجید) کو ایک برکت والی رات میں اُتارا ہے، بے شک ہم (اس کتاب کے ذریعہ سے لوگوں کو آخرت کے عذاب سے) ڈرانے والے ہیں، اس رات میں ہر حکمت والے امر (معاملہ) کا فیصلہ ہماری طرف سے کیا جاتا ہے (سورہ دخان)

اس آیت میں مبارک رات سے لیلۃُ القدر مراد ہونا راجح ہے، کیونکہ اس رات میں قرآن مجید نازل ہونے کی وضاحت ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن مجید لیلۃُ القدر میں نازل ہوا، اور اس آیت میں ہر حکمت والے فیصلے اس رات میں ہونے کی وضاحت ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ إِنَّكَ لَتَرَى الرَّجُلَ يَمْشِيْ فِيْ الْأَسْوَاقِ وَقَدْ وَقَعَ اسْمُهُ فِي الْمَوْتٰى، ثُمَّ قَرَأَ (إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ

مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيْمٍ ،يَعْنِىْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ ، فَفِىْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ يُفْرَقُ أَمْرُ الدُّنْيَا إِلٰى مِثْلِهَا مِنْ قَابِلٍ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آپ ایک آدمی کو دیکھتے ہیں کہ وہ بازار میں چلتا پھرتا ہے، دراں حالیکہ اس کا نام مُردوں میں شامل ہو چکا ہوتا ہے، پھر آپ نے سورہ دخان کی یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) ہم نے اس (قرآن مجید) کو ایک برکت والی رات میں اُتارا ہے، بے شک (ہم اس کتاب کے ذریعہ سے لوگوں کو آخرت کے عذاب سے) ڈرانے والے ہیں، اس رات میں ہر حکمت والے معاملہ کا فیصلہ (ہماری طرف سے) کیا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ لیلۃ القدر میں اس کتاب کو اتارا ہے، پس اس لیلۃ القدر میں دنیا کے فیصلے ہوتے ہیں، اگلے سال اسی وقت تک کے (حاکم)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر میں مخلوقات کے متعلق تمام اہم امور جن کے فیصلے اس سال میں اگلی لیلۃ القدر تک واقع ہونے والے ہیں طے کئے جاتے ہیں کہ کون کون اس سال میں پیدا ہونگے، کون کون اس میں فوت ہوں گے، کس کو کس قدر رزق اس سال میں دیا جائے گا۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۳۶۷۸، ج۲ ص۴۸۷، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ حم الدخان ، واللفظ لہٗ؛ شعب الایمان، فَصْلٌ فِی لَیْلَةِ الْقَدْرِ، رقم الحدیث ۳۳۸۸؛ فضائل الاوقات للبیھقی، رقم الحدیث ۸۳.

قال الحاکم: صحیح الإسناد ولم یخرجاہ (حوالہ بالا)

و قال الذھبی: صحیح علی شرط مسلم.

[2] أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ الْفَقِيهُ، أَخْبَرَنَا أَبُو عُثْمَانَ عَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللهِ الْبَصْرِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، أَخْبَرَنَا يَعْلَى بْنُ عُبَيْدٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ أَبِي مَالِكٍ، فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ :(فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ) قَالَ " :عَمَلُ السَّنَةِ إِلَى السَّنَةِ "(شعب الایمان، رقم الحدیث ۳۳۸۹، فصل فی لیلۃ القدر)

أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الْأَصَمُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ، حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ حَصِينٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، فِي قَوْلِهِ :(فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ)قَالَ:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کے معنٰی یہ ہیں کہ یہ تمام فیصلے جو تقدیرِ الٰہی میں پہلے ہی سے طے شدہ تھے اس رات میں متعلقہ فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ [1]

کیونکہ قرآن وسنت کی دوسری نصوص اس پر گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلے انسان کی پیدائش سے بھی پہلے ازل ہی میں لکھ دیئے تھے۔

تو اس رات میں ان کے طے کرنے کا حاصل یہی ہو سکتا ہے کہ قضاء وقدر کی تنفیذ جن فرشتوں کے ذریعہ ہوتی ہے اس رات میں یہ سالانہ احکام ان کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ رات سلامتی ہے ہر شر وآفت اور بُری چیز سے۔

پس یہ رات سلام اور سلامتی ہی ہے اور خیر ہی خیر ہے اس میں شر کا نام نہیں، فرشتے اس میں خیر وبرکات اور سعادتیں لے کر اترتے ہیں۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ فرشتے ہر ایسا امر لے کر آتے ہیں جو خیر وسلام ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ يُدَبِّرُ أَمْرَ السَّنَةِ إِلَى السَّنَةِ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ "(شعب الايمان، رقم الحديث ۳۳۹۰، فصل فی ليلة القدر)

أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ الْفَضْلِ الْقَطَّانُ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّفَّارُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الْجَوْزَاءِ، (فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ)قَالَ :هِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ يُجَاءُ بِالدِّيوَانِ الْأَعْظَمِ السَّنَةَ إِلَى السَّنَةِ، فَيَغْفِرُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لِمَنْ شَاءَ أَلَا تَرَى ، أَنَّهُ قَالَ :(رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ (شعب الايمان، رقم الحديث ۳۳۹۱، فصل فی ليلة القدر)

وقد أخبرنا أبو نصر بن قتادة ، أخبرنا أبو منصور النصروى ، حدثنا أحمد بن نجدة ، حدثنا سعيد بن منصور ، حدثنا جرير ، عن منصور ، قال :قلت لمجاهد :ما تقول فى هذا الدعاء :اللهم إن كان اسمى فى السعداء فاثبته فيهم ، وإن كان فى الأشقياء فامحه منهم واجعله فى السعداء ؟ فقال : حسن ثم مكثت حولا فسألته عن ذلك فقال : حم والكتاب المبين إنا أنزلناه فى ليلة مباركة إنا كنا منذرين فيها يفرق كل أمر حكيم قال :يفرق فى ليلة القدر ما يكون فى السنة من رزق أو مصيبة ، فأما كتاب الشقاوة والسعادة فإنه ثابت لا يغير (القضاء والقدر للبيهقى، رقم الحديث ۲۰۱، باب ذكر البيان أن ما كتب على ابن آدم وجرى به القلم أدركه لا محالة)

[1] قال ابن عباس :يحكم الله أمر الدنيا إلى قابل فى ليلة القدر ما كان من حياة أوموت أورزق. وقاله قتادة ومجاهد والحسن وغيرهم .وقيل :إلا الشقاء والسعادة فإنهما لا يتغيران، قاله ابن عمر . قال المهدوى :ومعنى هذا القول أمر الله عز وجل الملائكة بما يكون فى ذلك العام ولم يزل ذلك فى علمه عز وجل (تفسير القرطبى، ج۱۶ ص۱۲۶، سورة الدخان، تحت رقم الآية ۴)

بہرحال جو کچھ بھی ہو اس سے اس رات کی اور اس رات میں عبادت کی بہت بڑی فضیلت ظاہر ہوتی ہے (معارف القرآن ج ۷ ص ۷۵۶ تا ۷۵۸ بتغیر وملخصاً) ۱؎

۱؎ وقوله:(تَنزلُ الْمَلائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ)
اختلف أهل التأويل فى تأويل ذلك، فقال بعضهم :معنى ذلك :تنزل الملائكة وجبريل معهم، وهو الروح فى ليلة القدر(بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ) يعنى بإذن ربهم، من كلّ أمر قضاه الله فى تلك السنة، من رزق وأجل وغير ذلك.
حدثنا ابن عبد الأعلى، قال :ثنا ابن ثور، عن معمر، عن قتادة، فى قوله:(مِنْ كُلِّ أَمْرٍ) قال :يقضى فيها ما يكون فى السنة إلى مثلها.فعلى هذا القول منتهى الخبر، وموضع الوقف من كلّ أمر.وقال آخرون:(تَنزلُ الْمَلائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ) لا يلقون مؤمنا ولا مؤمنة إلا سلَّموا عليه.حُدثت عن يحيى بن زياد الفرّاء ، قال :ثنى أبو بكر بن عياش، عن الكلبيّ، عن أبى صالح، عن ابن عباس : أنه كان يقرأ " :من كل امرء سلام "وهذه القراءة من قرأ بها وجَّه معنى من كلّ امرء :من كلّ ملَك؛ كان معناه عنده :تنزل الملائكة والروح فيها بإذن ربهم من كلّ ملك يسلم على المؤمنين والمؤمنات؛ ولا أرى القراء ة بها جائزة، لإجماع الحجة من القرّاء على خلافها، وأنها خلاف لما فى مصاحف المسلمين، وذلك أنه ليس فى مصحف من مصاحف المسلمين فى قوله "أمر "ياء ، وإذا قُرِئت :(مِنْ كُلِّ امْرِء) لحقتها همزة، تصير فى الخطّ ياء .والصواب من القول فى ذلك : القول الأوّل الذى ذكرناه قبل، على ما تأوّله قتادة..
وقوله:(سَلامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ) سلام ليلة القدر من الشرّ كله من أوّلها إلى طلوع الفجر من ليلتها .وبنحو الذى قلنا فى ذلك قال أهل التأويل.حدثنا ابن عبد الأعلى، قال :ثنا ابن ثور، عن معمر، عن قتادة(سَلامٌ هِيَ) قال :خير(حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ).
حدثنا بشر، قال :ثنا يزيد، قال :ثنا سعيد، عن قتادة(مِنْ كُلِّ أَمْرٍ سَلامٌ) أى هى خير كلها إلى مطلع الفجر.حدثنا أبو كُرَيب، قال :ثنا وكيع، عن إسرائيل، عن جابر، عن مجاهد(سَلامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ) قال :من كلّ أمر سلام.حدثنى يونس، قال :أخبرنا ابن وهب، قال :قال ابن زيد، فى قول الله:(سَلامٌ هِيَ) قال :ليس فيها شىء ، هى خير كلها(حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ). موسى بن عبد الرحمن المسروقى، قال :ثنا عبد الحميد الحمانىّ، عن الأعمش، عن المنهال، عن عبد الرحمن بن أبى لَيلى، فى قوله : (مِنْ كُلِّ أَمْرٍ سَلامٌ هِيَ) قال :لا يحدث فيها أمر.(تفسير طبرى، ج ۲۴ ص ۵۳۴، ۵۳۵ ، سورة القدر، تحت رقم الآية ۵)
وأما الروح فقيل :المراد به هاهنا جبريل، عليه السلام، فيكون من باب عطف الخاص على العام. وقيل :هم ضرب من الملائكة .كما تقدم فى سورة "النبأ ."والله أعلم.
وقوله :(مِنْ كُلِّ أَمْرٍ) قال مجاهد :سلام هى من كل أمر.وقال سعيد بن منصور :حدثنا عيسى بن يونس، حدثنا الأعمش، عن مجاهد فى قوله :(سَلامٌ هِيَ) قال :هى سالمة، لا يستطيع الشيطان أن يعمل فيها سوءا أو يعمل فيها أذى.وقال قتادة وغيره :تقضى فيها الأمور، وتقدر الآجال والأرزاق، كما قال تعالى :(فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ)وقوله :(سَلامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ) قال سعيد بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اُمَّتِ محمدیہ کو لیلۃُ القدر کیوں عطا ہوئی؟

اس امت کو لیلۃُ القدر کس لئے عطاء کی گئی، اس بارے میں مفسرین نے کئی واقعات ذکر فرمائے ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ، جلیلُ القدر تابعی حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مُرسلاً روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ رَجُلًا مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ لَبِسَ السَّلَاحَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَلْفَ شَهْرٍ قَالَ فَعَجِبَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ: فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ، الَّتِيْ لَبِسَ فِيْهَا ذٰلِكَ الرَّجُلُ السَّلَاحَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَلْفَ شَهْرٍ (السنن الکبریٰ للبیہقی) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا حال ذکر کیا جو ایک ہزار مہینے تک اللہ کے راستے میں اسلحہ کے ساتھ رہا، مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب ہوا، اس پر پوری سورۂ قدر نازل فرمائی کہ ہم نے اس کو لیلۃُ القدر میں نازل کیا ہے، اور آپ کو کیا معلوم کہ لیلۃُ القدر کیا ہے، لیلۃُ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، یعنی ان ہزار مہینوں سے جس میں وہ آدمی اللہ کے راستے میں اسلحہ کے ساتھ رہا (بیہقی)

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے ہی روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

منصور: حدثنا هُشَيْم، عن أبی إسحاق، عن الشعبی فی قوله تعالى: (مِنْ كُلِّ أَمْرٍ سَلامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ) قال: تسليم الملائكة ليلة القدر على أهل المساجد، حتى يطلع الفجر. وروى ابن جرير عن ابن عباس أنه كان يقرأ " :من كل امرء سلام هی حتى مطلع الفجر." وروى البيهقی فی كتابه "فضائل الأوقات "عن علیٍّ أثرًا غريبًا فی نزول الملائكة، ومرورهم على المصلين ليلة القدر، وحصول البركة للمصلين. (تفسير ابنِ كثير، ج۸ص۴۲۷، ۴۲۸، سورة القدر، تحت رقم الآية ۵)

[۲] رقم الحديث ۸۵۲۲، كتاب الصوم، باب فضل ليلة القدر؛ فضائل الاوقات للبيهقی، رقم الحديث ۷۸.

أَنَّهٗ كَانَ فِيْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ رَجُلٌ لَبِسَ السَّلَاحَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أَلْفَ شَهْرٍ فَلَمْ يَضَعْهُ عَنْهُ فَذَكَرَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِهٖ فَعَجِبُوْا مِنْ قَوْلِهٖ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ لَيْلَةَ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ يَقُوْلُ اللّٰهُ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ تِلْكَ الْأَلْفِ شَهْرِ الَّتِيْ لَبِسَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ فِيْهَا السَّلَاحَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَلَمْ يَضَعْهُ عَنْهُ (تفسير مجاهد) [1]

ترجمہ: بنی اسرائیل میں ایک عابد کا یہ حال تھا کہ اس نے ایک ہزار مہینوں تک اللہ تعالیٰ کے راستے میں اسلحہ پہن کر رکھا اور اس کو اتارا نہیں (اور دشمنوں سے قتال کرتا رہا) اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرام سے ذکر فرمایا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس پر تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ قدر نازل فرمائی جس میں فرمایا کہ یہ تمہارے لئے اس آدمی کے ہزار مہینوں سے بہتر ہے جس نے ہزار مہینوں تک اللہ تعالیٰ کے راستے میں اسلحہ پہنے رکھا اور کبھی نہیں اتارا (تفسیرِ مجاہد)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

أَنَّهٗ سَمِعَ مَنْ يَّثِقُ بِهٖ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُوْلُ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيَ أَعْمَارَ النَّاسِ قَبْلَهٗ أَوْ مَا شَاءَ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ فَكَأَنَّهٗ تَقَاصَرَ أَعْمَارَ أُمَّتِهٖ أَنْ لَا يَبْلُغُوْا مِنَ الْعَمَلِ مِثْلَ الَّذِيْ بَلَغَ غَيْرُهُمْ فِيْ طُوْلِ الْعُمُرِ فَأَعْطَاهُ اللّٰهُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ (موطا امام مالک، رقم الحديث ۱۱۴۵، كتاب ليلة القدر، بَاب مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ)

ترجمہ: انہوں نے ثقہ ومعتبر اہلِ علم سے یہ بات سنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے پہلے لوگوں کی عمریں بتلائی گئیں، جتنا اللہ کو منظور تھا تو آپ نے

---

[1] ص ۷۴۰، سورة القدر، تحت رقم الآية ۳؛ الناشر :دار الفكر الإسلامي الحديثة، مصر؛ تفسیر ابنِ کثیر، سورة القدر.

اپنی امت کے لوگوں کی عمروں کو کم سمجھا اور یہ خیال کیا کہ میری امت کے لوگ (اتنی سی عمر میں) اُن لمبی عمر والوں کے برابر عمل نہ کرسکیں گے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃُ القدر عطا فرمائی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے (مؤطا امام مالک) [۱]

اس سلسلہ میں اور بھی روایات ہیں، جن میں سے بعض اتنی مستند نہیں ہیں۔ [۲]

---

[۱] امام بیہقی وغیرہ نے مندرجہ ذیل طریقہ پر یہ روایت بیان کی ہے:

أَخْبَـرَنَـا أَبُـو زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الطَّرَائِفِيُّ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، فِيمَا قَرَأَ عَلَى مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ "أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيَ أَعْـمَـالَ الـنَّـاسِ قَبْـلَـهُ أَوْ مَـا شَاءَ اللهُ مِنْ ذَلِكَ فَكَأَنَّهُ تَقَاصَرَ أَعْمَالَ أُمَّتِهِ أَنْ لَا يَبْلُغُوا مِنَ الْـعَـمَـلِ مِثْلَ مَـا بَـلَـغَ غَيْـرُهُمْ فِي طُولِ الْعُمُرِ فَأَعْطَاهُ اللهُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ " (شعب الايمان للبيهقي، رقم الحديث ۳۳۹۵، كتاب الصيام، فصل فى ليلة القدر؛ قيام رمضان لمحمد بن نصر مروزی، ج ۱، ص ۲۴۸، باب ترغيب فى ليلة القدر؛ فضائل الاوقات للبيهقي رقم الحديث ۷۶)

[۲] أَخْبَـرَنَـا يُونُسُ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي مَسْلَمَةُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ عُرْوَةَ قَالَ: ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا أَرْبَعَةً مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَبَدُوا اللَّهَ ثَمَانِينَ عَامًا، لَمْ يَعْصَوْهُ طَرْفَةَ عَيْنٍ فَذَكَرَ أَيُّوبَ وَزَكَرِيَّا وَحِزْقِيلَ بْنَ الْعَجُوزِ وَيُوشَعَ بْنَ نُونٍ قَالَ: فَعَجِبَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذَلِكَ فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ عَجِبَتْ أُمَّتُكَ مِنْ عِبَادَةِ هَؤُلَاءِ النَّفَرِ ثَمَانِينَ سَنَةً لَمْ يَعْصَوْهُ طَرْفَةَ عَيْنٍ، فَقَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ خَيْرًا مِنْ ذَلِكَ. فَقَرَأَ عَلَيْهِ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ هَذَا أَفْضَلُ مِمَّا عَجِبْتَ أَنْتَ وَأُمَّتُكَ: فَسُرَّ بِذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهُ (تفسير ابنِ ابى حاتم، ج ۱۰ ص ۳۴۵۲، سورة القدر، تحت رقم الآية ۱، الناشر: مكتبة نزار مصطفى الباز - المملكة العربية السعودية)

قال المزى: مسلمة بن على بن خلف الخشنى، أَبُو سَعِيد الدمشقى البلاطى، كان يسكن البلاط قرية من قرى دمشق على نحو فرسخ منها ....قال عباس الدُّورِيُّ عَن يحيى بْن مَعِين، وأبو حاتم عن دحيم: لَيْسَ بشيءٍ. وقَال البُخارِيُّ، وأَبُو زُرْعَة: منكر الحديث. وَقَال أبو حاتم: ضعيف الحديث، منكر الحديث، لا يشتغل بِهِ، هو فى حد الترك. وَقَال إبراهيم بْن يعقوب الجوزجاني: ضعيف، وحديثه متروك. وَقَال يعقوب بْن سفيان: لا ينبغى لأهل العلم أن يشغلوا أنفسهم بحديثه. وَقَال النَّسَائى، والدارقطنى، والبرقانى، متروك الحديث وَقَال النَّسَائى فِي موضع آخر: ليس بثقة. وَقَال الحاكم أَبُو أَحْمَد: ذاهب الحديث. وَقَال أَبُو حاتم بْن حبان: كَانَ مِمَّن يقلب الأسانيد ويروى عَنِ الثقات ما ليس عَنْدهم ولا من حديثهم، فلما فحش ذلك بطل الاحتجاج بِهِ. وَقَال أَبُو على الحافظ النيسابورى: ضعيف. وَقَال أَبُو أَحْمَد بْن عدى: وجميع أحاديثه غير محفوظة. وَقَال أَبُو سَعِيد بْن يونس: قدم مصر، فسكنها وحدث بها، ولم يكن عَنْدهم بذاك فى الحديث (تهذيب الكمال، ج ۲۷، ص ۵٦۷، تا ۵۷۱)

اس قسم کی مختلف روایات کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک ہی زمانہ میں جب مختلف واقعات کے بعد کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی ہے تو ہر واقعہ کی طرف اس سورت یا آیت کے نازل ہونے کی نسبت ہوسکتی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃُ القدر امتِ محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔

مگر بعض حضرات نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ [1]

بہرحال سورہ قدر کے نازل ہونے کا یا لیلۃُ القدر کے اس امت کو عطا کئے جانے کا سبب جو کچھ بھی ہوا ہو، لیکن امتِ محمدیہ کے لئے اللہ جلَّ شانہٗ کا بہت ہی بڑا انعام ہے، یہ رات بھی اللہ ہی کا عطیہ ہے اور اس میں عمل کا ہو جانا بھی اللہ ہی کی توفیق اور اس کے کرم کا صدقہ ہے۔

میری طلب بھی ان کے کرم کا صدقہ ہے قدم یہ خود اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

لیلۃُ القدر کس رات میں ہوتی ہے؟

لیلۃُ القدر متعین طور پر کس رات میں ہوتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ہمیشہ کے لئے مستقل تعیین نہیں فرمائی، اور آپ نے مختلف اوقات میں مختلف راتوں میں ہونے کا ذکر فرمایا، اسی لئے اس کی تعیین میں علماء کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔

جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ یہ رات تمام سال میں گھومتی رہتی ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ تمام رمضان کی کسی ایک رات میں ہوتی ہے جو متعین ہے مگر معلوم نہیں، اس کے علاوہ بھی بے شمار اقوال ہیں۔

تاہم اس سلسلہ میں جمہور کا مسلک یہ ہے کہ وہ رمضان کے آخری عشرے بالخصوص آخری

---

[1] الثَّالِثُ أَنَّهَا خَاصَّةٌ بِهَذِهِ الْأُمَّةِ وَلَمْ تَكُنْ فِي الْأُمَمِ قَبْلَهُمْ جَزَمَ بِهِ بن حَبِيبٍ وَغَيْرُهُ مِنَ الْمَالِكِيَّةِ وَنَقَلَهُ عَنِ الْجُمْهُورِ وَحَكَاهُ صَاحِبُ الْعِدَّةِ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ وَرَجَّحَهُ وَهُوَ مُعْتَرَضٌ بِحَدِيثِ أَبِي ذَرٍّ عِنْدَ النَّسَائِيِّ حَيْثُ قَالَ فِيهِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَكُونُ مَعَ الْأَنْبِيَاءِ فَإِذَا مَاتُوا رُفِعَتْ قَالَ لَا بَلْ هِيَ بَاقِيَةٌ وَعُمْدَتُهُمْ قَوْلُ مَالِكٍ فِي الْمُوَطَّأِ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقَاصَرَ أَعْمَارَ أُمَّتِهِ عَنْ أَعْمَارِ الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ فَأَعْطَاهُ اللَّهُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَهَذَا يَحْتَمِلُ التَّأْوِيلَ فَلَا يَدْفَعُ التَّصْرِيحَ فِي حَدِيثِ أَبِي ذَرٍّ (فتح الباری لابن حجر، ج۴، ص۲۶۳، قَوْلُهُ بَابُ تَحَرِّي لَيْلَةِ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ)

عشرے کی طاق راتوں میں گھومتی رہتی ہے، کسی سال کسی رات میں اور کسی سال کسی دوسری رات میں، پھر اس میں اختلاف ہوا ہے کہ ان میں سے کون سی رات میں اس کی زیادہ امید ہے۔ بعض نے اکیسویں رات کو راجح قرار دیا ہے، بعض نے تیئیسویں رات کو، لیکن اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ رمضان کی ستائیسویں رات میں لیلۃُ القدر کا زیادہ امکان پایا جاتا ہے۔

شارحِ بخاری علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں تقریباً چھیالیس اقوال نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ:

وَأَرْجَحُهَا كُلِّهَا أَنَّهَا فِيْ وِتْرٍ مِنَ الْعَشْرِ الْأَخِيْرِ وَأَنَّهَا تَنْتَقِلُ كَمَا يُفْهَمُ مِنْ أَحَادِيْثِ هٰذَا الْبَابِ وَأَرْجَاهَا أَوْتَارُ الْعَشْرِ وَأَرْجٰى أَوْتَارِ الْعَشْرِ عِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ لَيْلَةُ إِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ أَوْ ثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ عَلٰى مَا فِيْ حَدِيْثِ أَبِيْ سَعِيْدٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُنَيْسٍ وَأَرْجَاهَا عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ لَيْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ وَقَدْ تَقَدَّمَتْ أَدِلَّةُ ذٰلِكَ (فتح الباری لابن حجر) [1]

ترجمہ: ان تمام اقوال میں زیادہ راجح یہ ہے کہ لیلۃُ القدر آخری عشرہ کی طاق رات میں ہوتی ہے، اور وہ (ہر سال) منتقل ہوتی رہتی ہے، جیسا کہ اس سلسلہ کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے، اور لیلۃُ القدر کی زیادہ اُمید (آخری) عشرہ کی طاق راتوں میں ہوتی ہے، اور طاق راتوں میں زیادہ اُمید شافعیہ کے نزدیک اکیسویں یا تیئیسویں رات میں ہوتی ہے، جیسا کہ ابوسعید اور عبداللہ بن انیس کی حدیث میں مذکور ہے، اور جمہور کے نزدیک زیادہ اُمید ستائیسویں رات میں ہوتی ہے، اور اس کے دلائل پہلے گزر چکے ہیں (فتح الباری) [2]

---

[1] ج۴، ص۲۶۶، کتاب صلاۃ التراویح، قَوْلُهُ بَابُ تَحَرِّى لَيْلَةِ الْقَدْرِ فِى الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ.

[2] اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اتنی بات تو قرآنِ کریم کی تصریحات سے ثابت ہے کہ شبِ قدر ماہِ رمضانُ المبارک میں آتی ہے مگر تاریخ کے تعین میں علماء کے مختلف اقوال ہیں جو چالیس تک پہنچتے ہیں۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ تَحَرَّوْا لَیْلَۃَ الْقَدْرِ فِی الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیلۃُ القدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں (بخاری)

یعنی لیلۃُ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُجَاوِرُ فِی الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ وَیَقُوْلُ تَحَرَّوْا لَیْلَۃَ الْقَدْرِ فِی الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ (بخاری) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مگر تفسیرِ مظہری میں ہے کہ ان سب اقوال میں صحیح یہ ہے کہ لیلۃُ القدر رمضان مبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے مگر آخری عشرہ کی کوئی خاص تاریخ متعین نہیں بلکہ ان میں سے کسی بھی رات میں ہوسکتی ہے وہ ہر رمضان میں بدلتی بھی رہتی ہے، اوران دس میں سے خاص طاق راتیں یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ میں ازروئے احادیثِ صحیحہ زیادہ احتمال ہے۔

اس قول میں تمام احادیث جو تعیین شبِ قدر کے متعلق آئی ہیں جمع ہوجاتی ہیں جن میں ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ راتوں میں شبِ قدر رہونے کا ذکر آیا ہے۔ اگر شبِ قدر کو ان راتوں میں دائر (گھومنے والی) اور ہر رمضان میں منتقل ہونے والا قرار دیا جائے تو یہ سب روایاتِ حدیث اپنی اپنی جگہ درست اور ثابت ہوجاتی ہیں کسی میں تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔

اسی لئے اکثر ائمہ فقہاء نے اس کو عشرۂ اخیرہ میں منتقل ہونے والی رات قرار دیا ہے۔ ابوقلابہ، امام مالک، احمد بن حنبل، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، مزنی، ابنِ خزیمہ وغیرہ سب نے یہی فرمایا ہے اور ایک روایت میں امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی اس کے موافق منقول ہے اور دوسری روایت امام شافعی رحمہ اللہ کی یہ ہے کہ یہ رات منتقل ہونے والی نہیں بلکہ معین ہے (معارف القرآن ج۸ ص۷۹۲، بلفظہٖ)

[1] رقم الحدیث ۲۰۱۷، کتاب صلاۃ التراویح، باب تحری لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الأواخر فیہ۔

[2] رقم الحدیث ۲۰۲۰، کتاب صلاۃ التراویح، باب تحری لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الأواخرِ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ لیلۃُ القدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس راتوں میں (بخاری)

اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِلْتَمِسُوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۰۸۰۹) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لیلۃُ القدر کو آخری عشرہ میں تلاش کرو (مسند احمد)

یہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور کی بات ہے، جب آپ کو یہ بتلا دیا گیا تھا کہ لیلۃُ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے، ورنہ شروع میں آپ نے رمضان کے پہلے اور دوسرے عشرہ میں بھی شبِ قدر کو تلاش کرنے کے لئے اعتکاف فرمایا ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک آخری عشرہ اکیسویں رات سے شروع ہوتا ہے، خواہ مہینہ انتیس دن کا ہو یا تیس دن کا۔

اور اسی وقت سنت اعتکاف کا بھی وقت ہوتا ہے۔

اس حساب سے مذکورہ حدیث کے مطابق لیلۃُ القدر کی تلاش اکیس، تئیس، پچیس، ستائیس، انتیس ویں راتوں میں کرنا چاہیے۔ [2]

---

[1] فی حاشیة مسند احمد: صحیح لغیره.

[2] چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَابْنِ عُمَرَ وَالْفَلَتَانِ بْنِ عَاصِمٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُنَيْسٍ وَأَبِي بَكْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَبِلَالٍ وَعُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَوْلُهَا يُجَاوِرُ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَخْبِرْنَا عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هِيَ فِيْ رَمَضَانَ اِلْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ ؛ فَإِنَّهَا وِتْرٌ: فِيْ إِحْدَى وَّعِشْرِينَ، أَوْ ثَلَاثٍ وَّعِشْرِينَ، أَوْ خَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ، أَوْ سَبْعٍ وَّعِشْرِينَ، أَوْ تِسْعٍ وَّعِشْرِينَ، أَوْ فِيْ آخِرِ لَيْلَةٍ، فَمَنْ قَامَهَا إِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَأَخَّرَ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۲۷۴۱) [1]

ترجمہ: اے اللہ کے رسول! ہمیں لیلۃ القدر کے بارے میں خبر دیجئے! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ رمضان میں ہوتی ہے، تم اس کو آخری عشرے میں تلاش کرو، وہ اس کی طاق راتوں میں اکیسویں، یا تئیسویں، یا پچیسویں، یا ستائیسویں، یا انتیسویں یا آخری رات میں ہوتی ہے۔

پس جس نے ان راتوں میں ایمان اور ثواب حاصل کرنے کے لئے (یعنی ایمان

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يَعْنِي يَعْتَكِفُ وَأَكْثَرُ الرِّوَايَاتِ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي كُلِّ وِتْرٍ وَرُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ أَنَّهَا لَيْلَةُ إِحْدَى وَعِشْرِينَ وَلَيْلَةُ ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ وَخَمْسٍ وَعِشْرِينَ وَسَبْعٍ وَعِشْرِينَ وَتِسْعٍ وَعِشْرِينَ وَآخِرُ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ قَالَ أَبُو عِيسَى قَالَ الشَّافِعِيُّ كَأَنَّ هَذَا عِنْدِي وَاللَّهُ أَعْلَمُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُجِيبُ عَلَى نَحْوِ مَا يُسْأَلُ عَنْهُ يُقَالُ لَهُ نَلْتَمِسُهَا فِي لَيْلَةِ كَذَا فَيَقُولُ الْتَمِسُوهَا فِي لَيْلَةِ كَذَا قَالَ الشَّافِعِيُّ وَأَقْوَى الرِّوَايَاتِ عِنْدِي فِيهَا لَيْلَةُ إِحْدَى وَعِشْرِينَ قَالَ أَبُو عِيسَى وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ أَنَّهُ كَانَ يَحْلِفُ أَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ وَيَقُولُ أَخْبَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَلَامَتِهَا فَعَدَدْنَا وَحَفِظْنَا وَرُوِيَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّهُ قَالَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ تَنْتَقِلُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ حَدَّثَنَا بِذَلِكَ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ بِهَذَا (ترمذی، تحت رقم الحديث ۷۹۲، بَاب مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ)

[1] فى حاشية مسند احمد: حديث حسن دون قوله" :أو فى آخر ليلة "ودون قوله" :وما تأخر".

کی حالت میں اور ریا کاری سے بچ کر اخلاص کے ساتھ) قیام کیا (یعنی عبادت کی) تو اس کے اگلے پچھلے (صغیرہ) گناہ معاف کردیئے جائیں گے (مسند احمد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ فِيْ قُبَّةٍ تُرْكِيَّةٍ عَلٰى سُدَّتِهَا حَصِيْرٌ، قَالَ: فَأَخَذَ الْحَصِيْرَ بِيَدِهٖ فَنَحَّاهَا فِيْ نَاحِيَةِ الْقُبَّةِ ثُمَّ أَطْلَعَ رَأْسَهٗ فَكَلَّمَ النَّاسَ فَدَنَوْا مِنْهُ فَقَالَ إِنِّيْ اِعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْأَوَّلَ أَلْتَمِسُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ ثُمَّ أُتِيْتُ فَقِيْلَ لِيْ إِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَعْتَكِفَ فَلْيَعْتَكِفْ، فَاعْتَكَفَ النَّاسُ مَعَهٗ قَالَ وَإِنِّيْ أُرِيْتُهَا لَيْلَةَ وِتْرٍ وَأَنِّيْ أَسْجُدُ صَبِيْحَتَهَا فِيْ طِيْنٍ وَمَاءٍ، فَأَصْبَحَ مِنْ لَيْلَةِ إِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ وَقَدْ قَامَ إِلَى الصُّبْحِ فَمَطَرَتِ السَّمَاءُ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ فَأَبْصَرْتُ الطِّيْنَ وَالْمَاءَ فَخَرَجَ حِيْنَ فَرَغَ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَجَبِيْنُهٗ وَرَوْثَةُ أَنْفِهٖ فِيْهِمَا الطِّيْنُ وَالْمَاءُ وَإِذَا هِيَ لَيْلَةُ إِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرے کا اعتکاف فرمایا پھر ترکی خیمہ میں درمیان کے عشرے کا اعتکاف فرمایا، اس خیمہ کے دروازے پر ایک چٹائی لگی ہوئی تھی، آپ نے اپنے ہاتھ سے وہ چٹائی ہٹائی، اور خیمہ کے ایک کونے میں کردی۔

پھر اپنا سر نکالا اور لوگوں سے کلام فرمایا، تو لوگ آپ کے قریب آ گئے، تب آپ

---

[1] رقم الحديث ١١٦٧ "٢١٥" كتاب الصيام، باب فضل ليلة القدر.

نے فرمایا کہ میں نے لیلۃُ القدر کو تلاش کرنے کے لئے پہلے عشرے کا اعتکاف کیا، پھر (اسی مقصد سے) دوسرے عشرے کا اعتکاف کیا، پھر میرے پاس (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) یہ پیغام آیا کہ لیلۃُ القدر آخری عشرے میں ہے۔

لہٰذا تم لوگوں میں سے جو شخص میرے ساتھ اعتکاف کرنا چاہے وہ آخری عشرے کا اعتکاف کرے، پھر لوگوں نے آپ کے ساتھ اعتکاف کیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ مجھے لیلۃُ القدر طاق رات میں دکھادی گئی تھی، اور میں نے یہ دیکھا ہے کہ میں لیلۃُ القدر کی صبح کو پانی اور کیچڑ میں سجدہ کررہا ہوں گا (یعنی لیلۃُ القدر ایسی رات ہوگی، جس میں میرے ساتھ یہ معاملہ پیش آئے گا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جو اس روایت کے راوی ہیں؛ وہ فرماتے ہیں کہ) پھر جب اکیسویں رات آئی تو آپ نے صبح تک عبادت کی، اور اس رات بارش ہوئی، اور مسجد میں پانی ٹپکا؛ اور میں نے مٹی اور پانی (کیچڑ) کو دیکھا، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سے فارغ ہوئے، تو آپ کی پیشانی مبارک اور ناک پر مٹی اور پانی (کیچڑ) لگا ہوا تھا، اور یہ آخری عشرہ کی اکیسویں رات تھی (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں پہلے عشرہ کا، اور اس کے بعد دوسرے عشرہ کا اعتکاف فرمایا تھا، اور وہ لیلۃُ القدر کو تلاش کرنے کے لئے تھا، پھر آپ کو بتلایا گیا کہ وہ آخری عشرہ میں ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت ہے کہ:

اِعْتَكَفَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَشْرَ الْأُوَلَ مِنْ رَمَضَانَ، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ الَّذِیْ تَطْلُبُ أَمَامَکَ ، فَاعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ مِنْ رَمَضَانَ ، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ الَّذِیْ تَطْلُبُ أَمَامَکَ ، فَاعْتَكَفَ الْعَشْرَ

الْأَوَاخِرَ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :الْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِيْ وِتْرٍ ، يَعْنِي لَيْلَةَ الْقَدْرِ (مصنف عبدالرزاق) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرہ کا اعتکاف فرمایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا، کہ جس چیز کو آپ طلب کررہے ہیں (یعنی لیلۃ القدر) وہ آپ سے آگے ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے درمیانی عشرہ کا اعتکاف فرمایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا، کہ جس چیز کو آپ طلب کررہے ہیں (یعنی لیلۃ القدر) وہ آپ سے آگے ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا (جس میں آپ کو لیلۃ القدر بتلا دی گئی) اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لیلۃ القدر کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو (عبدالرزاق)

حضرت اِم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِعْتَكَفَ أَوَّلَ سَنَةٍ الْعَشْرَ الْأُوَلَ، ثُمَّ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ، ثُمَّ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ، وَقَالَ :إِنِّيْ رَأَيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِيْهَا فَأُنْسِيْتُهَا، فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِيْهِنَّ حَتّٰى تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (المعجم الكبير للطبراني) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سال رمضان کے پہلے عشرہ کا اعتکاف فرمایا، پھر درمیانی عشرہ کا اعتکاف فرمایا، پھر آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا اور پھر فرمایا کہ میں نے اس آخری عشرہ (کی مخصوص رات) میں لیلۃ القدر کو دیکھا تھا، پھر مجھ

---

[1] رقم الحديث ۷۶۸۳، كتاب الصيام، باب ليلة القدر .

[2] رقم الحديث ۹۹۴، ج۲۳ص ۴۱۲،مسند النساء.

قال الهيثمي: رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ (مجمع الزوائد ج۳ص ۱۷۳)

سے وہ بھلادی گئی، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ وفات تک آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے رہے (طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ رمضان میں مسنون اعتکاف کا اہم فائدہ لیلۃُ القدر کی فضیلت کا حاصل کرنا ہے۔

چنانچہ جب تک آپ کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ لیلۃُ القدر آخری عشرے میں ہے اس وقت تک آپ نے لیلۃُ القدر کی تلاش میں پہلے اور دوسرے عشرے کا اعتکاف فرمایا۔

اور جب آپ کو یہ بتادیا گیا کہ لیلۃُ القدر آخری عشرے میں آئے گی تو آپ نے آخری عشرے کا اعتکاف خود بھی فرمایا اور دوسرے حضرات کو بھی اس کی ترغیب دی۔ [1]

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰى فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسٰى أَنْ يَّكُوْنَ خَيْرًا لَكُمْ فَالْتَمِسُوْهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اس لئے باہر تشریف لائے کہ ہمیں لیلۃُ القدر کی اطلاع فرمادیں مگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس لئے آیا تھا کہ تمہیں لیلۃُ القدر کی اطلاع دوں مگر فلاں فلاں میں جھگڑا ہو رہا تھا جس کی وجہ سے اُس کی تعیین (میرے ذہن سے) اُٹھالی

---

[1] ممکن ہے کہ جب تک آپ کو لیلۃُ القدر کے بارے میں آخری عشرہ میں ہونے کے متعلق نہیں بتلایا گیا تھا، اس وقت تک آپ لیلۃُ القدر کے مطلق رمضان میں ہونے کی تعلیم دیتے ہوں، اور اسی دور کی روایات کی بنیاد پر بعض حضرات نے لیلۃُ القدر کے بارے میں مطلق رمضان میں ہونے کا قول کیا ہو، لیکن ظاہر ہے کہ یہ پہلے دور کی بات ہے، اس لئے دلائل کی رُو سے لیلۃُ القدر کا آخری عشرہ میں ہونا ہی راجح ہے۔ محمد رضوان۔

[2] رقم الحديث ٢٠٢٣، كتاب صلاة التراويح، باب رفع معرفة ليلة القدر لتلاحى الناس.

گئی، کیا بعید ہے کہ یہ اُٹھالینا تمہارے لئے بہتر ہو، لٰہذا اب اس رات کو انتیسویں، ستائیسویں اور پچیسویں رات میں تلاش کرو (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپس کا جھگڑا اس قدر بُرا عمل ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک سے لیلۃُ القدر کی تعیین اُٹھالی یعنی کس رات کو لیلۃُ القدر ہے مخصوص کر کے اس کا علم جو دے دیا گیا تھا وہ قلب اور دِل سے اٹھالیا گیا۔

اگرچہ بعض وجوہ سے اس میں بھی امت کا فائدہ ہو گیا، لیکن اس کا سبب آپس کا جھگڑا بن گیا جس سے آپس میں جھگڑے کی بُرائی کا پتہ چلا۔

حضرت عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ذُكِرَتْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ عِنْدَ أَبِيْ بَكْرَةَ فَقَالَ مَا أَنَا بِطَالِبِهَا إِلَّا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ بَعْدَ شَيْءٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ الْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ تِسْعٍ يَبْقَيْنَ أَوْ سَبْعٍ يَبْقَيْنَ أَوْ خَمْسٍ يَبْقَيْنَ أَوْ ثَلَاثٍ يَبْقَيْنَ أَوْ آخِرِ لَيْلَةٍ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۰۴۰۴) [1]

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے لیلۃُ القدر کا ذکر کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کے بعد اس کو آخری عشرے میں ہی تلاش کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو آخری عشرے میں تلاش کرو، اکیسویں رات میں، یا تئیسویں رات میں یا پچیسیوں رات میں، یا ستائیسویں رات میں یا آخری رات میں تلاش کرو (مسند احمد)

گزشتہ احادیث سے یہ واضح ہو چکا کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے کسی

[1] في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

رات میں بھی لیلۃُ القدر کے پائے جانے کا زیادہ اور غالب امکان ہے۔ [1]

البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں حسبِ موقع مخصوص راتوں کا تذکرہ فرمایا ہے، اور ان کو مختلف صحابۂ کرام نے ذکر فرمایا ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ (مسلم) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیلۃُ القدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری سات راتوں میں (یعنی تیئیس سے لے کر آخر تک) (مسلم)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ قَالَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ (ابوداؤد) [3]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃُ القدر کے بارے میں فرمایا کہ لیلۃُ القدر رمضان کی ستائیسویں رات ہے (ابوداؤد)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

وَوَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَعْلَمُ أَيُّ لَيْلَةٍ هِيَ، هِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِيْ أَمَرَنَا بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ

---

[1] سمعت رسول الله يقول إلتمسوها يعنى ليلة القدر تفسير للضمير من الراوى فى تسع أى تسع ليال يبقين بفتح الياء والقاف وهى التاسعة والعشرون أو فى سبع يبقين وهى السابعة والعشرون أو فى خمس يبقين وهى الخامسة والعشرون أو ثلاث أى يبقين وهى الثالثة والعشرون أو آخر ليلة من رمضان أى سلخ الشهر قال الطيبى يحتمل التسع أو السلخ رجحنا الأول بقرينة الأوتار وقال ميرک قيل فى تسع يبقين محمول على الحادية والعشرين وفى سبع يبقين محمول على الرابعة والعشرين وفى خمس محمول على السادسة والعشرين أو ثلاث محمول على الثامنة والعشرين وآخر ليلة محمول على التاسعة والعشرين اه وهو محمول على ما إذا نقص الشهر (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۴ص ۱۴۴۲، باب ليلة القدر)

[2] رقم الحديث ۱۱۶۵ ''۲۰۶'' كتاب الصيام، باب فضل ليلة القدر والحث على طلبها.

[3] رقم الحديث ۱۳۸۶ ، كتاب الصلاة، باب من قال سبع وعشرون.

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقِيَامِهَا هِيَ لَيْلَةُ صَبِيْحَةِ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ(مسلم)[1]

ترجمہ: اور اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ کون سی رات لیلۃ القدر کی رات ہے، جس میں عبادت کرنے کا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے، وہ رمضان کی ستائیسویں رات ہے (مسلم)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مُتَحَرِّيَهَا فَلْيَتَحَرَّهَا لَيْلَةَ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ وَقَالَ تَحَرَّوْهَا لَيْلَةَ سَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ يَعْنِيْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ (مسند احمد رقم الحديث ۴۸۰۸)[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لیلۃ القدر کو تلاش کرنا چاہے، تو اسے ستائیسویں رات میں تلاش کرنا چاہئے، اور فرمایا کہ لیلۃ القدر کو ستائیسویں رات میں تلاش کرو (مسند احمد)

اس کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اور بعض تابعین رحمہم اللہ سے بھی ستائیسویں رات کا لیلۃ القدر ہونا منقول ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ دوسری احادیث وروایات کے پیشِ نظر آخری عشرہ کی دیگر راتوں اور خاص طور سے طاق راتوں میں لیلۃ القدر کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا، اس لئے لیلۃ القدر کو حاصل کرنے کے لئے رمضان کے آخری عشرہ کی سب راتوں کو اور خصوصاً طاق راتوں کو اور بالاخص ستائیسویں رات کو لیلۃ القدر کی زیادہ امید رکھتے ہوئے عبادت کا اہتمام کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ بار بار اس نعمت سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

---

[1] رقم الحديث ۷۶۲ ”۱۷۹“ كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الترغيب فى قيام رمضان وهو التراويح.

[2] فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

ایک شبہ کا ازالہ......: یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ آج کل مختلف ملکوں میں تاریخ میں اختلاف ہوتا ہے تو جورات مثلاً یہاں ستائیسویں ہوگی وہ کسی دوسری جگہ اٹھائیسویں ہوگی ،تو کیا لیلۃُ القدر دو ہونگی یا ایک؟ اور اگر ایک ہوگی تو کس جگہ کی تاریخ کا اعتبار ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب اختلافِ مطالع (چاند نظر آنے کے اختلاف) کے سبب مختلف ملکوں اور شہروں میں لیلۃُ القدر مختلف دنوں میں ہو تو ہر جگہ کے اعتبار سے جو رات لیلۃُ القدر قرار پائے گی اس جگہ اسی رات میں لیلۃُ القدر کی برکات حاصل ہوں گی۔

جیسا کہ مختلف نمازوں کے اوقات اور تہجد وغیرہ کا مبارک وقت ہر علاقے کے لحاظ سے ہی وہاں کے باشندوں کے لئے معتبر ہوتا ہے۔

لہٰذا اس میں کوئی اشکال نہیں، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم (معارف القرآن بتغیر واضافہ ج۸ص۷۹۴)

لیلۃُ القدر کی علامات

بعض روایات میں لیلۃُ القدر کی کچھ علامات اور نشانیوں کا ذکر ملتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي النِّصْفِ مِنَ السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، تَطْلُعُ الشَّمْسُ غَدَاتَئِذٍ صَافِيَةً، لَيْسَ لَهَا شُعَاعٌ ، فَنَظَرْتُ إِلَيْهَا فَوَجَدْتُهَا كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسند أحمد، رقم الحديث ۳۸۵۷) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیلۃُ القدر رمضان کی آخری سات راتوں کے نصف (یعنی آدھے) میں ہوتی ہے (اور آخری سات راتوں کے نصف میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ تیئسویں سے انتیسویں تاریخ کے درمیان میں ہوتی ہے) اور اس رات کے بعد جب صبح کو سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ صاف ہوتا

[1] فی حاشیة مسند احمد: حسن لغیرہ.

ہے، اس کی کوئی شعاع نہیں ہوتی، میں نے سورج کو دیکھا تو میں نے اسے اسی طرح پایا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا (مسند احمد)

ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نَظَرْتُ إِلَى الْقَمَرِ صَبِيْحَةَ لَيْلَةِ الْقَدْرِ فَرَأَيْتُهُ كَأَنَّهُ فِلْقُ جَفْنَةٍ، وَقَالَ أَبُوْ إِسْحَاقَ: إِنَّمَا يَكُوْنُ الْقَمَرُ كَذَاكَ صَبِيْحَةَ لَيْلَةِ ثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ (مسند أحمد، رقم الحديث ٢٣١٢٩) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے لیلۃ القدر کی صبح کو چاند کی طرف دیکھا تو وہ آدھے پیالے کی طرح تھا ابو اسحاق کہتے ہیں کہ چاند کی یہ صورت تئیسویں شب کو ہوتی ہے (مسند احمد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ كَأَنَّهُ شِقُّ جَفْنَةٍ (مسند أبي يعلى، رقم الحديث ٥٢٥) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے لیلۃ القدر میں چاند کو دیکھا گویا کہ وہ آدھے پیالے کے ٹکڑے کی طرح تھا (ابو یعلیٰ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّيْ كُنْتُ أُرِيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، ثُمَّ نُسِّيْتُهَا، وَهِيَ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، وَهِيَ طَلْقَةٌ بَلْجَةٌ، لَا حَارَّةٌ وَلَا بَارِدَةٌ كَأَنَّ فِيْهَا قَمَرًا يَفْضَحُ كَوَاكِبَهَا (ابنِ حبان) [3]

---

[1] فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الصحيح غير صحابيه.

[2] فی حاشية مسند ابی يعلیٰ: إسناده حسن.

[3] رقم الحديث ٣٦٨٨، ج٨ص ٤٤٤، كتاب الصوم، باب الاعتكاف وليلة القدر.
فی حاشية ابنِ حبان: حديث صحيح بشواهده.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے لیلۃُ القدر کو دیکھا، پھر میں اُس کو بھول گیا، اور وہ آخری عشرہ میں ہوتی ہے، اور وہ درمیانی ومعتدل رات ہوتی ہے، نہ گرم ہوتی ہے، اور نہ ٹھنڈی، گویا کہ اُس رات میں چاند اپنے ستاروں کو مغلوب کر دیتا ہے (یعنی چاند کی روشنی زیادہ ہوتی ہے) (ابنِ حبان)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ: لَيْلَةٌ طَلْقَةٌ، لَا حَارَّةٌ وَلَا بَارِدَةٌ، تُصْبِحُ الشَّمْسُ يَوْمَهَا حَمْرَاءَ ضَعِيْفَةً (مختصر قيام الليل وقيام رمضان و كتاب الوتر لمحمد بن نصر المروزی، ج ١ ص ٢٥٨، باب امارات ليلة القدر) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃُ القدر کے بارے میں فرمایا کہ وہ رات معتدل ہوتی ہے، نہ گرم ہوتی ہے، اور نہ ٹھنڈی، اُس دن کا سورج صبح کے وقت ہلکا سُرخ نکلتا ہے (ابنِ خزیمہ)

اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةٌ بَلْجَةٌ سَمْحَةٌ، تَطْلُعُ شَمْسُهَا لَيْسَ لَهَا شُعَاعٌ (مصنف ابنِ ابی شيبة) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیلۃُ القدر درمیانی اور ہلکی رات ہے، اُس دن سورج اس طرح طلوع ہوتا ہے، گویا کہ اس کی شعاع نہیں ہے (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَمَارَةَ لَيْلَةِ الْقَدْرِ أَنَّهَا صَافِيَةٌ بَلْجَةٌ كَأَنَّ فِيْهَا قَمَرًا سَاطِعًا سَاكِنَةٌ سَاجِيَةٌ لَا بَرْدَ فِيْهَا، وَلَا

---

[1] واللفظ لهٔ، ابنِ خزيمة، رقم الحديث ٢١٩٢، كتاب الصيام، باب حمرة الشمس عند طلوعها وضعفها صبيحة ليلة القدر، واللفظ لهٔ؛ مسند ابی داوٗد الطيالسی، رقم الحديث ٢٨٠٢.
قال الألبانی: حديث صحيح لشواهده كما سبق (حاشية ابنِ خزيمة)

[2] رقم الحديث ٨٧٧٠، كتاب الصلاة، باب فی ليلة القدر، أی ليلة هی؟

حَرٌّ وَلَا يَحِلُّ لِكَوْكَبٍ أَنْ يُرْمٰى بِهٖ فِيهَا حَتّٰى تُصْبِحَ، وَإِنَّ أَمَارَتَهَا أَنَّ الشَّمْسَ صَبِيحَتَهَا تَخْرُجُ مُسْتَوِيَةً لَيْسَ لَهَا شُعَاعٌ مِثْلَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، لَا يَحِلُّ لِلشَّيْطَانِ أَنْ يَخْرُجَ مَعَهَا يَوْمَئِذٍ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۲۷۶۵) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیلۃ القدر کی علامت یہ ہے کہ وہ رات روشن اور چمکدار ہوتی ہے اس میں چاند کی روشنی بھی خوب اجلی ہوتی ہے وہ رات پرسکون، گہری ہوتی ہے، زیادہ ٹھنڈی نہیں ہوتی، اس رات میں صبح تک ستارے (یعنی شہابِ ثاقب) توڑ کر نہیں مارے جاتے، نیز اس کی علامت یہ ہے کہ اس کی صبح کو جب سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ سیدھا برابر نکلتا ہے، جیسے چودھویں کا چاند ہوتا ہے اور اس کی کوئی شعاع نہیں ہوتی اور اس دن شیطان کے لئے سورج کے ساتھ نکلنا ممنوع ہوتا ہے (مسند احمد)

مذکورہ احادیث وروایات سے لیلۃ القدر کی مجموعی طور پر مندرجہ ذیل علامات اور نشانیاں معلوم ہوئیں۔

ایک یہ کہ اس رات کو چاند خوب روشن ہوتا ہے۔

دوسری یہ کہ اس رات میں چاند پیالے کے ٹکڑے کی طرح دکھائی دیتا ہے۔

تیسری یہ کہ یہ رات درمیانہ موسم کی طرح ہوتی ہے، نہ تو زیادہ گرم ہوتی اور نہ زیادہ ٹھنڈی ہوتی۔

---

[1] فی حاشية مسند احمد: الشطر الأول من الحديث حسن، قد سلف الكلام عليه برقم ۲۲۷۱۳، وأما الشطر الثانی فمحتمل للتحسين لشواهده، وإسناد هذا الحديث ضعيف، بقية -وهو ابن الوليد -يدلس تدليس التسوية، ولم يصرح بالتحديث فی جميع طبقات السند، وخالد بن معدان لم يسمع من عبادة كما قال أبو حاتم فی "المراسيل"، وأبو نعيم الأصبهانی وزاد :ولم يلقه، فيما نقله عنه المزی فی "التحفة" ۴/۲۴۸ ويشهد لشطره الثانی حديث جابر عند ابن خزيمة ۲۱۹۰، وابن حبان ۳۶۸۸، وسنده حسن فی المتابعات والشواهد .وحديث ابن عباس عند ابن خزيمة ۲۱۹۲، والبزار ۱۰۳۴ -كشف الأستار) ورواية البزار مختصرة وسنده ضعيف .ويشهد لقوله" :ليس لها شعاع "حديث أُبی بن كعب فی "صحيح مسلم.

چوتھی یہ کہ یہ رات پُرسکون اور گہری ہوتی ہے۔

پانچویں یہ کہ اس رات میں ستارے توڑ کر (یعنی شہابِ ثاقب) نہیں مارے جاتے۔

چھٹی یہ کہ اس رات کے گزرنے کے بعد صبح کو سورج سیدھا برابر چودھویں رات کے چاند کی طرح نکلتا ہے، مگر سورج کی تیز شعاعیں نہیں ہوتیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محدثین نے فرمایا کہ لیلۃ القدر میں ان علامات کا نہ تو ہر ایک پر ظاہر ہونا ضروری ہے، اور نہ ہی لیلۃ القدر کے فضائل کا حاصل ہونا ان علامات پر موقوف ہے۔

لہٰذا ان علامات کے ضرورت سے زیادہ درپے ہونے کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں لیلۃ القدر کی ممکنہ راتوں میں عبادت کرنی چاہئے، جس کے نتیجے میں ان شاء اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

البتہ اگر اللہ تعالیٰ کسی خاص بندہ پر ان میں سے کوئی علامت ظاہر فرمادیں، تو اس کا بھی انکار نہیں۔ [1]

---

[1] ومن علاماتها أنها بلجة أى مشرقة، كذا فى النهاية .ساكنة لا حارة ولا قارة، تطلع الشمس صبيحتها بلا شعاع كأنها طمست، كذا قالوا .وإنما أخفيت ليجتهد فى طلبها فينال بذلك أجر المجتهدين فى العبادة، كما أخفى -سبحانه- الساعة ليكونوا على وجل من قيامها بغتة، والله أعلم(مرقاة المفاتيح، ج۴ص۱۴۳۸، كتاب الصوم،باب ليلة القدر)

وَاخْتَلَفُوا هَلْ لَهَا عَلَامَةٌ تَظْهَرُ لِمَنْ وُفِّقَتْ لَهُ أَمْ لَا فَقِيلَ يَرَى كُلَّ شَيْءٍ سَاجِدا وَقِيل الْأَنْوَارُ فِي كُلِّ مَكَانٍ سَاطِعَةً حَتَّى فِي الْمَوَاضِعِ الْمُظْلِمَةِ وَقِيلَ يَسْمَعُ سَلَامًا أَوْ خِطَابًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَقِيلَ عَلَامَتُهَا اسْتِجَابَةُ دُعَاءِ مَنْ وُفِّقَتْ لَهُ وَاخْتَارَ الطَّبَرِيُّ أَنَّ جَمِيعَ ذَلِكَ غَيْرُ لَازِمٍ وَأَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ لِحُصُولِهَا رُؤْيَةُ شَيْءٍ وَلَا سَمَاعُهُ وَاخْتَلَفُوا أَيْضًا هَلْ يَحْصُلُ الثَّوَابُ الْمُرَتَّبُ عَلَيْهَا لِمَنِ اتَّفَقَ لَهُ أَنَّهُ قَامَهَا وَإِنْ لَمْ يَظْهَرْ لَهُ شَيْءٌ أَوْ يَتَوَقَّفُ ذَلِكَ عَلَى كَشْفِهَا لَهُ وَإِلَى الْأَوَّلِ ذهب الطَّبَرِيّ والمهلب وبن الْعَرَبِيِّ وَجَمَاعَةٌ وَإِلَى الثَّانِي ذَهَبَ الْأَكْثَرُ وَيَدُلُّ لَهُ مَا وَقَعَ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ بِلَفْظِ مَنْ يَقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فَيُوَافِقُهَا وَفِي حَدِيثِ عُبَادَةَ عِنْدَ أَحْمَدَ مَنْ قَامَهَا إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا ثُمَّ وُفِّقَتْ لَهُ قَالَ النَّوَوِيُّ مَعْنَى يُوَافِقُهَا أَيْ يَعْلَمُ أَنَّهَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ فَيُوَافِقُهَا وَيُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ يُوَافِقُهَا فِي نَفْسِ الْأَمْرِ وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ هُوَ ذَلِكَ وَفِي حَدِيثِ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ عَنِ بن مَسْعُودٍ قَالَ مَنْ يَقُمِ الْحَوْلَ يُصِبْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَهُوَ مُحْتَمِلٌ لِلْقَوْلَيْنِ أَيْضًا وَقَالَ النَّوَوِيُّ أَيْضًا فِي حَدِيثِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ وَفِي حَدِيثِ مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ مَعْنَاهُ مَنْ قَامَهُ وَلَوْ لَمْ يُوَافِقْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ حَصَلَ لَهُ ذَلِكَ وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فَوَافَقَهَا حَصَلَ لَهُ وَهُوَ جَارٍ عَلَى مَا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیلۃُ القدر کو متعین نہ کرنے کی حکمتیں

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر اہم اور فضیلت والی رات کو متعین کر کے کیوں نہیں بتلا دیا گیا، اس کے مخفی رکھنے میں کیا حکمت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے مخفی رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جن کا جاننا ہمارے لئے ضروری نہیں۔

جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا کہ شاید اس رات کے بھلا دیئے جانے میں ہمارے لئے خیر ہو۔

اور حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّـهُ قَـالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَخْبِرْنِىْ بِلَيْلَةٍ يُبْتَغٰى فِيْهَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ، فَقَالَ: لَوْلَا أَنْ يَّنْزِلَ النَّاسُ الصَّلَاةَ إِلَّا تِلْكَ اللَّيْلَةَ لَأَخْبَرْتُكَ، وَلٰكِنِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اخْتَارَهُ مِنْ تَفْسِيرِ الْمُوَافَقَةِ بِالْعِلْمِ بِهَا وَهُوَ الَّذِى يَتَرَجَّحُ فِى نَظَرِى وَلَا أُنْكِرُ حُصُولَ الثَّوَابِ الْجَزِيلِ لِمَنْ قَامَ لِابْتِغَاءِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ بِهَا وَلَوْ لَمْ تُوَفَّقْ لَهُ وَإِنَّمَا الْكَلَامُ عَلَى حُصُولِ الثَّوَابِ الْمُعَيَّنِ الْمَوْعُودِ بِهِ وَفَرَّعُوا عَلَى الْقَوْلِ بِاشْتِرَاطِ الْعِلْمِ بِهَا أَنَّهُ يَخْتَصُّ بِهَا شَخْصٌ دُونَ شَخْصٍ فَيُكْشَفُ لِوَاحِدٍ وَلَا يُكْشَفُ لِآخَرَ وَلَوْ كَانَا مَعًا فِى بَيْتٍ وَاحِدٍ وَقَالَ الطَّبَرِىُّ فِى إِخْفَاءِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ دَلِيلٌ عَلَى كَذِبِ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ يَظْهَرُ فِى تِلْكَ اللَّيْلَةِ لِلْعُيُونِ مَا لَا يَظْهَرُ فِى سَائِرِ السَّنَةِ إِذْ لَوْ كَانَ ذٰلِكَ حَقًّا لَمْ يَخْفَ عَلَى كُلِّ مَنْ قَامَ لَيَالِى السَّنَةِ فَضْلًا عَنْ لَيَالِى رَمَضَان وَتعقبه بن الْمُنِيرِ فِى الْحَاشِيَةِ بِأَنَّهُ لَا يَنْبَغِى إِطْلَاقُ الْقَوْلِ بِالتَّكْذِيبِ لِذٰلِكَ بَلْ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ ذٰلِكَ عَلَى سَبِيلِ الْكَرَامَةِ لِمَنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ فَيَخْتَصُّ بِهَا قَوْمٌ دُونَ قَوْمٍ وَالنَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَحْصُرِ الْعَلَامَةَ وَلَمْ يَنْفِ الْكَرَامَةَ وَقَدْ كَانَتِ الْعَلَامَةُ فِى السَّنَةِ الَّتِى حَكَاهَا أَبُو سَعِيدٍ نُزُولَ الْمَطَرِ وَنَحْنُ نَرَى كَثِيرًا مِنَ السِّنِينَ يَنْقَضِى رَمَضَانُ دُونَ مَطَرٍ مَعَ اعْتِقَادِنَا أَنَّهُ لَا يَخْلُو رَمَضَانُ مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ قَالَ وَمَعَ ذٰلِكَ فَلَا نَعْتَقِدُ أَنَّ لَيْلَةَ الْقَدْرِ لَا يَنَالُهَا إِلَّا مَنْ رَأَى الْخَوَارِقَ بَلْ فَضْلُ اللّٰهِ وَاسِعٌ وَرُبَّ قَائِمٍ تِلْكَ اللَّيْلَةَ لَمْ يَحْصُلْ مِنْهَا إِلَّا عَلَى الْعِبَادَةِ مِنْ غَيْرِ رُؤْيَةِ خَارِقٍ وَآخَرَ رَأَى الْخَارِقَ مِنْ غَيْرِ عِبَادَةٍ وَالَّذِى حَصَلَ عَلَى الْعِبَادَةِ أَفْضَلُ وَالْعِبْرَةُ إِنَّمَا هِىَ بِالاستقامة فَإِنَّهَا تسحيل أَنْ تَكُونَ إِلَّا كَرَامَةً بِخِلَافِ الْخَارِقِ فَقَدْ يَقَعُ كَرَامَةً وَقَدْ يَقَعُ فِتْنَةً وَاللّٰهُ أَعْلَمُ (فتح البارى لابن حجر، ج۴، ص۲۶۶، ۲۶۷، قَوْلُهُ بَابُ تَحَرِّى لَيْلَةِ الْقَدْرِ فِى الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ)

اِبْتَغِهَا فِيْ ثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ مِنَ الشَّهْرِ (المعجم الكبير للطبرانی) [1]

ترجمہ: انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے اس رات کی خبر دید یجئے، جس میں لیلۃُ القدر کو تلاش کیا جائے؟ تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگ نماز (وعبادت) کو اسی رات کے ساتھ خاص نہ کر لیتے، تو میں آپ کو بتلا دیتا، البتہ آپ لیلۃُ القدر کو مہینے کی تئیسویں رات میں تلاش کریں (طبرانی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر لیلۃُ القدر کی تعیین باقی رہتی تو بہت سے لوگ دوسری راتوں میں عبادت کا اہتمام چھوڑ دیتے اور متعین نہ کرنے کی صورت میں کئی راتوں میں عبادت کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

اور بعض اہلِ علم حضرات نے لیلۃُ القدر کو متعین کر کے نہ بتانے کی دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو گناہ کیے بغیر نہیں رہتے، متعین کرنے کی صورت میں لیلۃُ القدر کے معلوم ہونے کے باوجود اگر گناہ کیے جاتے تو یہ بات سخت خطرناک تھی۔

تیسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ متعین کرنے کی صورت میں اگر کسی شخص سے وہ رات اتفاقی طور پر چھوٹ جاتی تو آئندہ راتوں میں افسردگی وغیرہ کی وجہ سے پھر کسی رات کی عبادت کرنا بشاشت اور کھلے دل کے ساتھ نصیب نہ ہوتی، اور اب رمضان کی آخری رات تک عبادت کرنے میں ایسی بات نہیں پائی جاتی۔

چوتھی وجہ یہ بیان فرمائی کہ جتنی راتیں اس کی طلب اور جستجو میں خرچ ہوتی ہیں، ان سب کا مستقل علیحدہ ثواب ملتا ہے۔

پانچویں وجہ یہ بیان فرمائی کہ بندوں کی عبادت پر اللہ تعالیٰ فخر فرماتے ہیں، متعین نہ کرنے کی صورت میں اس فخر کا موقع زیادہ ہے کہ بندے باوجود معلوم نہ ہونے کے صرف احتمال پر

---

[1] رقم الحديث ۳۴۲، ج۱۳ ص ۱۳۸، باب العين.
قال الهيثمي: رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۰۶۲، باب في ليلة القدر)

رات بھر عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

جب صرف احتمال پر اتنی کوشش کررہے ہیں تو اگر بتلا دیا جاتا کہ یہی لیلۃ القدر ہے تو پھر ان کی عبادت اور کوشش کا کیا حال ہوتا۔

اوران کے علاوہ لیلۃ القدر کو متعین نہ کرنے یا متعین کر کے نہ بتانے میں اور بھی حکمتیں اور مصلحتیں ہوسکتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

---

[1] قَالَ الْعُلَمَاءُ الْحِكْمَةُ فِي إِخْفَاءِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ لِيَحْصُلَ الِاجْتِهَادُ فِي الْتِمَاسِهَا بِخِلَافِ مَا لَوْ عُيِّنَتْ لَهَا لَيْلَةٌ لَاقْتُصِرَ عَلَيْهَا كَمَا تَقَدَّمَ نَحْوُهُ فِي سَاعَةِ الْجُمُعَةِ وَهَذِهِ الْحِكْمَةُ مُطَّرِدَةٌ عِنْدَ مَنْ يَقُولُ إِنَّهَا فِي جَمِيعِ السَّنَةِ وَفِي جَمِيعِ رَمَضَانَ أَوْ فِي جَمِيعِ الْعَشْرِ الْأَخِيرِ أَوْ فِي أَوْتَارِهِ خَاصَّةً إِلَّا أَنَّ الْأَوَّلَ ثُمَّ الثَّانِي أَلْيَقُ بِهِ(فتح الباری لابن حجر، ج۴، ص ۲۶۷، قَوْلُهُ بَابُ تَحَرِّي لَيْلَةِ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ)

(فرفعت) بصيغة المجهول أى تعيينا عن خاطرى فنسيت تعيينها لاشتغالى بالمتخاصمين، وليس معناه أن ذاتها رفعت كما توهمه بعض الشيعة، إذ ينافيه قوله الآتى "فالتمسوها "، بل معناه: فرفعت معرفتها التى يستند إليها إخبار "وعسى أن يكون "أى الإبهام، وقال الطيبى :أى الرفع، وقال ابن حجر :أى رفعها، ولكن فيه إبهام "خيرا لكم "حيث يحثكم على الاجتهاد فى جميع ليالى الأيام، ويخلصكم عن الغرور والعجب والرياء والسمعة بين الأنام، وقد استنبط السبكى من هذا أنه يسن كتمها لمن رآها، لأن الله -تعالى -قدر لنبيه أنه لم يخبر بها، والخبر كله فيما قدره له، فيستحب اتباعه فى ذلك، قال ابن حجر :وفى هذا الأخذ وقفة لما مر أنه -صلى الله عليه وسلم - لم يطلع على عينها، وإنما قيل له :إنها تكون فى ليلة كذا، ثم أنسى هذا، فالذى أنسيه ليس للاطلاع عليها لأنه لا ينسى، بل علم عينها كما تقرر اهـ وفيه أن قوله أنه -صلى الله عليه وسلم -لم يطلع على عينها جراءة عظيمة، ومن أين له الاطلاع أولا وآخرا؟ ثم إنما يكون الاستنباط والأخذ بالمقايسة عند عدم الاطلاع على عينها، بل فى نسيان معرفتها، وإلا فالمتابعة على تقدير الاطلاع لأمره بالإخفاء ، فمن أين لغيره الاطلاع المجزوم بها؟ فإن طريق الكشف ظنى، ووجه العلامات الظاهرة فيها غير قطعى، مع احتمال أنها فى تلك السنة، كذلك فيستوى حينئذ إخباره وإخفاؤه، ومع هذا كما قال السبكى يسن كتمها، ولعله أراد هذا المعنى، والله أعلم " .فالتمسوها "أى فبالغوا فى التماسها لعلكم تجدونها، وقال ابن حجر :التمسوا وقوعها فلا ينافى رفع علم عينها اهـ وفيه أنه لا معنى لالتماس وقوعها كما لا يخفى إذ لا يتصور وقوعها بالتماسها، ولا يتخلف وقوعها عن عدم التماسها، ثم قوله -صلى الله عليه وسلم " -التمسوها "يدل على رفع عينها، فلا يحتاج إلى تقدير غير صحيح، ليفرع عليه بقوله فلا ينافى رفع علم عينها، فتأمل، فإنه تكرر الزلل، ثم رأيت أنه تبع الطيبى فوقع فيما وقع، قال الطيبى :قيل :رفعت معرفة ليلة القدر لتلاحى الناس، أقول :لعل مقدر المضاف ذهب إلى أن رفع ليلة القدر مسبوق بوقوعها وحصولها، فإذا حصلت لم يكن لرفعها بمعنى، ويمكن أن يقال :المراد برفعها أنها شرعت أن تقع فلما تلاحا ارتفعت،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیلۃُ القدر سے محرومی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هٰذَاالشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْحُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَااِلَّامَحْرُوْمٌ(ابن ماجه) [1]

ترجمہ: رمضان کا مہینہ آنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا گویا وہ ساری ہی خیر سے محروم رہ گیا اور اس (لیلۃُ القدر) کی بھلائی سے محروم نہیں رہتا مگر وہ شخص جو حقیقتاً محروم ہی ہے (ابنِ ماجہ)

اس طرح کی اور بھی احادیث ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃُ القدر سے محرومی بہت بڑی محرومی کی بات ہے، اس لئے ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہئے کہ وہ لیلۃُ القدر سے محروم لوگوں میں شامل نہ ہو۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فنزل الشروع منزلة الوقوع، ومن ثم عقبه بقوله فالتمسوها أى التمسوا وقوعها لا معرفتها اهـ .ولعل الصواب ما عبر عنه بلعل، ولا يمكن أن يقال لأنه يلزم منه ارتفاع عينها، وهو خلاف ما عليه الحق نقلا وعقلا، إذ الملاحاة قد تكون سببا لنسيان معرفة شىء ، ولا يتصور أن تكون سببا لارتفاع وقوع شىء ، وأيضا إذا شرع فى الوقوع ثم ارتفع لا يكون مما ينسى، مع أن الشروع فى الوقوع مما لم يتبين له من المعنى، ثم قوله :ومن ثم عقبه بقوله "فالتمسوها " أى التمسوا وقوعها لا معرفتها غير مستقيم على أصله، فتدبر "فى التاسعة "أى الباقية، وهى التاسعة والعشرون، وقال ابن حجر :أى فى التاسعة من آخر الشهر، وهى ليلة الحادية والعشرون " والسابعة والخامسة "على ما تقدم (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۴۴۴، باب ليلة القدر)

[1] رقم الحديث ۱٦۴۴، كتاب الصيام، باب ماجاء فى فضل شهر رمضان.

قال المنذرى:رواه ابن ماجه وإسناده حسن إن شاء الله تعالى (الترغيب والترهيب ج ٢ ص ٦٠)

[2] ومن حرم "بصيغة المجهول "خيرها "بالنصب، قال الطيبى :يقال حرمه الشىء يحرمه حرمانا وأحرمه أيضا أى منعه إياه اهـ وفى القاموس :أحرمه لغيه أى من منع خيرها بأن لم يوفق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیلۃُ القدر کی عبادت اور اس کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (بخاری) [1]

ترجمہ: جس نے لیلۃُ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے قیام کیا (یعنی عبادت کی) اس کے پچھلے (صغیرہ) گناہ معاف کردیئے جائیں گے (بخاری)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَمَنْ قَامَهَا إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَأَخَّرَ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۲۷۴۱) [2]

ترجمہ: جس نے لیلۃُ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے قیام کیا (یعنی عبادت کی) اس کے اگلے پچھلے (صغیرہ) گناہ معاف کردیئے جائیں گے (مسند احمد)

حدیث میں جو قیام کرنے کا لفظ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کرے، نماز پڑھے،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لإحيـائها ولو بالطاعة فى طرفيها، لما ورد أن من صلى العشاء والصبح بجماعة فقد أدرك حظه من ليـلة الـقـدر، وأمـا مـا وقـع فـى شرح مسلم من أنه لا ينال فضلها إلا من أطلعه الله عليها فالمراد منه فضلها الكامل "فقد حرم "أى مـنـع الخير كله، كما سيجىء صريحا ففيه مبالغة عظيمة، والمراد حـرمـان الثـواب الـكـامل أو الغفران الشامل الذى يفوز به القائم فى إحياء ليلها، قال الطيبى :اتحد الشـرط والـجـزاء دلالة عـلـى فـخـامة الـجـزاء ، أى فقد حرم خيرا لا يقادر قدره (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۳۶۶، كتاب الصوم)

[1] رقم الحديث ۱۹۰۱، كتاب الصوم،باب من صام رمضان إيمانا واحتسابا ونية.

[2] فى حاشية مسند احمد: حديث حسن .

تلاوت اور ذکر وغیرہ میں مشغول رہے۔

اور ثواب کی امید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ نیت میں اخلاص ہو اور اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کی نیت ہو۔ ریاء، دکھلاوا وغیرہ نہ ہو۔ [1]

رہی یہ بات کہ ان راتوں میں کونسی عبادت کرنا زیادہ بہتر ہے تو اس سلسلے میں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سب سے بہتر اس رات میں نفلیں پڑھنا ہے، کیونکہ ان راتوں میں قیام کی فضیلت آئی ہے اور قیام نفلوں میں ہوتا ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس رات میں دعا کے ساتھ مشغول ہونا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت دوسری عبادات کے (کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات میں دعا کی تلقین فرمائی تھی، جیسا کہ آگے آرہا ہے)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صرف دعا نہیں بلکہ مختلف عبادات میں جمع کرنا افضل ہے مثلاً تلاوت، نماز، دعا وغیرہ، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سب امور منقول ہیں۔ [2]

---

[1] (من قام ليلة القدر) أى أحياها مجردة عن قيام رمضان (إيمانا واحتسابا) إخلاصا من غير شوب نحو رياء طلبا للقبول .هبه شعر بها أم لا هذا مصدر فى موضع الحال أى مؤمنا أو محتسبا أو مفعول من أجله قال أبو البقاء :ونظيره فى جواز الوجهين (اعملوا آل داود شكرا) (غفر له ما تقدم من ذنبه) وفى رواية وما تأخر قال الحافظ ابن رجب :ولا يتأخر تكفير الذنوب بها إلى انقضاء الشهر بخلاف صيام رمضان وقيامه وقد يقال يغفر لهم عند استكمال القيام فى آخر ليلة منه قبل تمام نهارها وتتأخر المغفرة بالصوم إلى إكمال النهار بالصوم (فيض القدير، تحت رقم الحديث ۸۹۰۲)

[2] وأما العمل فى ليلة القدر فقد ثبت عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال" :من قام ليلة القدر إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه "وقيامها إنما هو إحياؤها بالتهجد فيها والصلاة وقد أمر عائشة بالدعاء فيها أيضا قال سفيان الثورى الدعاء فى تلك الليلة أحب إلى من الصلاة قال :وإذا كان يقرأ وهو يدعو ويرغب إلى الله فى الدعاء والمسألة لعله يوافق انتهى ومراده أن كثرة الدعاء أفضل من الصلاة التى لا يكثر فيها الدعاء وإن قرأ ودعا كان حسنا وقد كان النبى صلى الله عليه وسلم يتهجد فى ليالى رمضان ويقرأ قراء ة مرتلة لا يمر بآية فيها رحمة إلا سأل ولا بآية فيها عذاب إلا تعوذ فيجمع بين الصلاة والقراء ة والدعاء والتفكر وهذا أفضل الأعمال وأكملها فى ليالى العشر وغيرها والله أعلم وقد قال الشعبى فى ليلة القدر :ليلها كنهارها وقال الشافعى فى القديم :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہی قول زیادہ اقرب ہے کیونکہ مختلف احادیث میں نماز، ذکر وغیرہ کئی چیزوں کی فضیلت آئی ہے۔

جتنی دیر جاگنا ہے اگر اس میں کچھ حصہ نفلیں پڑھنے میں اور کچھ حصہ قرآن مجید کی تلاوت میں اور کچھ حصہ ذکر وتسبیح میں اور کچھ حصہ توبہ واستغفار اور دعا میں یا ان میں سے جن جن میں سہولت ہو، گزار دیا جائے تو بہت بہتر ہے۔

لیلۃُ القدر کی خاص دعا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَيُّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا أَقُوْلُ فِيْهَا؟ قَالَ: قُوْلِيْ: اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عُفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۳۵۱۳، ابواب الدعوات) [1]

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کی اس بارہ میں کیا رائے ہے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون سی رات لیلۃُ القدر ہے، تو میں اس میں کیا کہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ یہ کہیں کہ:

”اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عُفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ“

اے اللہ! آپ بہت معاف فرمانے والے ہیں، معاف کرنے کو پسند کرتے ہیں، تو آپ مجھ معاف فرما دیجئے (ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے معافی کی دعا کی تلقین وتعلیم فرمائی، کیونکہ جس کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

استحب أن يكون اجتهاده فى نهارها كاجتهاده فى ليلها وهذا يقتضى استحباب الإجتهاد فى جميع زمان العشر الأواخر ليله ونهاره والله أعلم (لطائف المعارف لابنِ رجب، ص ۲۰۴، المجلس الخامس فى ذكر السبع الأواخر من رمضان)

[1] قال الترمذى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

معافی حاصل ہوگئی، اس کو اصل مقصد حاصل ہوگیا۔

بات دراصل یہ ہے کہ آخرت کا معاملہ سب سے زیادہ کٹھن ہے وہاں کام اللہ تعالیٰ کی بخشش اور معافی سے چلے گا اگر معافی نہ ہوئی اور خدانخواستہ عذاب میں گرفتار ہوئے تو دنیا کی ہر نعمت اور لذت اور دولت وثروت بیکار ہوگی، اس لئے اصل چیز معافی ومغفرت ہی ہے۔

یہ نہایت جامع دعا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے آخرت کے مطالبہ سے معاف فرمادیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے۔ [1]

لیلۃُ القدر میں تمام رات جاگنا یا عبادت کرنا ضروری نہیں

لیلۃُ القدر میں تمام رات جاگنا ضروری نہیں، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ لیلۃُ القدر میں تمام رات جاگنا ضروری ہے، ورنہ اس کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔

یہ بات صحیح نہیں بلکہ اگر کوئی اس رات میں گناہوں سے بچتے ہوئے اور دنوں کی بہ نسبت

---

[1] (قال :قولي " :اللهم إنک عفو ") أی كثير العفو "تحب العفو "أی ظهور هذه الصفة، وقد جاء فی حديث رواه البزار عن أبی الدرداء مرفوعا " :ما سأل الله العباد شيئا أفضل من أن يغفر لهم ويعافيهم " "فاعف عنی "فإنی كثير التقصير، وأنت أولى بالعفو الكثير، فهذا دعاء من جوامع الكلم، حاز خيری الدنيا والآخرة، ولذا خلقت المذنبين، أو تحب هذه الصفة من غيرک أيضا (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۴۴۲ ، باب ليلة القدر)

(العفو) : فعول من العفو، وهو الذی يمحو السيئات ويتجاوز عن المعاصی، وهو أبلغ من الغفور لأن الغفران ينبء عن الستر، والعفو ينبء، عن المحو، وأصل العفو القصد لتناول الشیء ، سمی به المحو لأنه قصد لإزالة المحو .قال القشيری :من عرف أنه تعالى عفو طلب عفوه، ومن طلب عفوه تجاوز عن خلقه، فإن الله تعالى بذلک أدبهم وإليه ندبهم بقوله :(وليعفوا وليصفحوا ألا تحبون أن يغفر الله لكم)(مرقاة المفاتيح ج۴ص ۱۵۸۵ ، کتاب اسماء الله تعالیٰ)

(أقول فيها؟ قال :قولی اللهم إنک عفو) بصيغة فعول الموضوعة للمبالغة لأبلغية عفوه سبحانه كيفا وكما يعفو عن الكبائر غير الشرک، وعنه بعد الإسلام وعما لا يعلمٍ عدده سواه (تحب العفو) خبر بعد خبر أو حال من ضمير الخبر قبله أو جملة مستأنفة أتی بها إطناباً (فاعف عنی) وفيه إيماء إلى أن أهم المطالب انفكاک الإنسان من تبعات الذنوب وطهارته من دنس العيوب، فإن بالطهارة من ذلک يتأهل للانتظام فی سلک حزب الله وحزب الله هم المفلحون (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، تحت رقم الحديث ۱۱۹۵ ، باب فضل قيام ليلة القدر)

تھوڑی سی زیادہ عبادت کرلے اس کو بھی لیلۃُ القدر کی فضیلت کا حصہ حاصل ہوجائے گا۔
بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص لیلۃُ القدر کی راتوں میں مغرب وعشاء اور فجر جماعت کے ساتھ پڑھے، یا عشاء کے بعد چار رکعت پڑھ لے، اسے اس رات کی مبارک عبادت سے کسی قدر حصہ مل جاتا ہے۔ [1]
عشاء کی نماز بھی کیونکہ رات کی عبادت ہے، اس لئے اس کو باجماعت پڑھنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ انعام ہے کہ رات کا بڑا حصہ عبادت میں شمار کرلیا جاتا ہے۔
چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِیْ جَمَاعَةٍ فَکَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّیْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِی جَمَاعَةٍ فَکَأَنَّمَا صَلَّى اللَّیْلَ کُلَّہٗ (مسلم) [2]

---

[1] عَنْ أَبِی أُمَامَةَ، رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِی جَمَاعَةٍ، فَقَدْ أَخَذَ مِنْ حَظِّهِ مِنْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۷۷۴۵)
"مَنْ صَلّٰی الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فِیْ جَمَاعَةٍ حَتّٰی یَنْقَضِیَ شَهْرُ رَمَضَانَ فَقَدْ أَصَابَ مِنْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ بِحَظٍّ وَافِرٍ "(شعب الایمان للبیهقی ،رقم الحدیث ۳۴۳۳، کتاب الصیام،باب التماس لیلة القدر فی الوتر من العشر الأواخر من شهر رمضان،فضائل الاوقات للبیهقی ، عن انس)
قَالَ رَسُولُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ " مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ فِی جَمَاعَةٍ فِی رَمَضَانَ فَقَدْ أَدْرَکَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ "(شعب الایمان للبیهقی،رقم الحدیث ۳۴۳۲ ،کتاب الصیام،باب التماس لیلة القدر فی الوتر من العشر الأواخر من شهر رمضان، فضائل الاوقات للبیهقی، ابنِ خزیمة، رقم الحدیث ۲۱۹۵؛ عن ابی هریرة)
"مَنْ صَلَّى الْعَتَمَةَ کُلَّ لَیْلَةٍ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ حَتّٰی یَنْسَلِخَ فَقَدْ قَامَهٗ "، "أَظُنُّهُ أَرَادَ بِالْجَمَاعَةِ ." (شعب الایمان للبیهقی ،رقم الحدیث ۳۴۳۱،کتاب الصیام،باب التماس لیلة القدر فی الوتر من العشر الأواخر من شهر رمضان، عن علی)
" مَنْ شَهِدَ الْعِشَاءَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ فَقَدْ أَخَذَ بِحَظِّهٖ مِنْهَا " (شعب الایمان للبیهقی،رقم الحدیث ۳۴۳۰،کتاب الصیام،باب التماس لیلة القدر فی الوتر من العشر الأواخر من شهر رمضان، السنن الصغریٰ للبیهقی رقم الحدیث ۱۴۰۷، فضائل الاوقات للبیهقی رقم الحدیث ۱۱۴؛ عن سعید بن المسیب)
عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ :مَنْ صَلَّى أَرْبَعًا بَعْدَ الْعِشَاءِ کُنَّ کَقَدْرِهِنَّ مِنْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (مصنف ابن ابی شیبة، رقم الحدیث ۷۳۵۱، فی أربع رَکَعَاتٍ بَعْدَ الْعِشَاءِ)
[2] رقم الحدیث ٦٥٦"۲٦۰"کتاب الصلاة، باب فضل صلاة العشاء والصبح فی جماعة، صحیح ابنِ حبان.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا؛ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرلی تو گویا کہ اس نے آدھی رات کے قیام کا ثواب پالیا اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت سے ادا کرلی تو گویا کہ اس نے پوری رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب حاصل کرلیا (مسلم)

رات کو گُناہ سے بچ کر آرام کرنا اور فجر کی نماز باجماعت پڑھنا حکمی عبادت ہے اور جاگ کر عبادت کرنا حقیقی عبادت ہے۔

اس لئے اگر کسی کو زیادہ توفیق نہ ہوسکے، تو اسے کم از کم عشاء اور فجر کی نماز باجماعت ادا کرنا چاہئے، اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اور چند رکعات مزید پڑھ لینا چاہئے۔

اور اگر کوئی عشاء کی نماز کے بعد تراویح پڑھ لے، تو اس سے بھی ان شاء اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر کی غیر معمولی فضیلت حاصل ہوجائے گی، کیونکہ تراویح، قیامِ رمضان میں داخل ہے، اور لیلۃ القدر میں قیام کی فضیلت آئی ہے۔ [1]

---

[1] (وعن عثمان رضی الله عنه -قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :(من صلى العشاء فی جماعة فكأنما قام نصف الليل) : أی :النصف الأول يعنی كإحيائه بالصلاة والذكر لما فی صلاة العشاء ، سيما مع الجماعة المستدعية للسعی إلى المسجد حتى فی الظلم، أو الباعثة على انتظار الصلاة فيه مع فضيلة الاعتكاف من عظيم المشقة الناشء من تحملها عن كمال الإخلاص، وظهور الخوف من جلال الله والرجاء إلى جماله تعالى .(ومن صلى الصبح فی جماعة، فكأنما صلى الليل) عبر هنا بصلى، وفيما سبق بقام تفننا وإيماء إلى أن صلاة الليل تسمى قياما "(كله) : أی :بانضمام ذلک النصف، فكأنه أحيا نصف الليل الأخير، أو يكون إشارة إلى أن قيام الصبح أفضل من قيام صلاة العشاء ، فإنه أشق وأصعب على النفس وأشد على الشيطان، فإن ترک النوم بعد الدخول فيه أشق من إرادة الدخول فيه، إذ الكسل يستولی فی الأول أكثر، فتكون مجاهدته على الشيطان أكبر (مرقاة المفاتيح، ج۲ ص۵۴۳، كتاب الصلاة، باب فضيلة الصلوات)

(من صلى العشاء فی جماعة) أی معهم (فكأنما قام نصف الليل) أی اشتغل بالعبادة إلى نصف الليل (ومن صلى الصبح فی جماعة فكأنما صلى الليل كله) نزل صلاة كل من طرفی الليل منزلة نوافل نصفه ولا يلزم منه أن يبلغ ثوابه ثواب من قام الليل كله لأن هذا تشبيه فی مطلق مقدار الثواب ولا يلزم من تشبيه الشیء بالشیء أخذه بجميع أحكامه ولو كان قدر الثواب سواء لم يكن لمصلی العشاء والفجر جماعة منفعة فی قيام الليل غير التعب ذكره البيضاوی .وقال الطيبی :لم يرد بقوله فكأنما صلى الليل كله ولم يقل قام ليشاكل قوله صلى الصبح (فيض القدير للمناوی، تحت رقم الحديث ۸۷۹۵)

لیلۃُ القدر سے متعلق چند قابلِ توجہ وقابلِ اصلاح اُمور

نفس اور شیطان کی عادت ہے کہ جتنا عظیم اور اہم عمل ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ اس میں خرابیاں پیدا کرنے اور لوگوں کو ثواب سے محروم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اسی وجہ سے لیلۃُ القدر کے بارے میں بھی نفس و شیطان نے طرح طرح کی خرابیاں اور کوتاہیاں پیدا کردی ہیں، جن میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)...... بعض لوگوں نے لیلۃُ القدر کو حتمی طور پر ستائیسویں رات میں اس طرح خاص اور متعین کرلیا ہے کہ اس رات کے علاوہ کسی اور رات کے بارے میں لیلۃُ القدر ہونے کا ان کو خیال نہیں گزرتا، اسی وجہ سے صرف ستائیسویں رات میں جاگنے اور خاص عبادت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

یہ طریقہ لیلۃُ القدر کو متعین نہ کرنے کی حکمت کے خلاف ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

(۲)...... بعض لوگ لیلۃُ القدر کی فضیلت کو سامنے رکھتے ہوئے لیلۃُ القدر کی راتوں میں عبادت کا اہتمام کر کے بے فکر ہوجاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب تو ہمارے نامۂ اعمال میں ہزاروں مہینوں سے زیادہ کی عبادت جمع ہوگئی ہے، اب ہمیں سارے سال اور ہمیشہ کے لئے عمل کرنے اور گناہوں سے بچنے کی کیا ضرورت ہے؟

حالانکہ لیلۃُ القدر کی فضیلت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ فضیلت حاصل کرنے کے بعد اب کسی عمل کے کرنے یا گناہ سے بچنے کی ضرورت نہیں رہی۔

لیلۃُ القدر کی عبادت فرض یا واجب کے درجہ میں نہیں آتی اور پوری زندگی کے فرائض اور واجبات اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام لیلۃُ القدر کی عبادت سے زیادہ ضروری ہے، لہٰذا لیلۃُ القدر کی عبادت کے ساتھ ساتھ حسبِ استطاعت دوسرے نیک اعمال اور شریعت کے ضروری احکام کا بجالانا اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا اپنی جگہ پھر بھی ضروری ہے۔

(۳)...... بعض لوگ لیلۃُ القدر میں جاگنے کو ضروری سمجھتے ہیں بلکہ کسی نہ کسی طرح جاگ کر وقت گزارنے کو عبادت اور لیلۃُ القدر کا حق سمجھتے ہیں خواہ جاگنے کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے مثلاً نسوار کھانی پڑے، لونگ یا کالی مرچ چبانی پڑے، قہوہ یا چائے پینی پڑے یا پھر جو بھی طریقہ جاگنے کا ہو اس کو اختیار کرنا پڑے، اور خواہ جاگ کر فجر کی نماز ہی قضاء ہو جائے اسی وجہ سے اس رات کو جاگنے کی رات سمجھا ہوا ہے۔

حالانکہ صرف جاگ لینا عبادت نہیں بلکہ بعض اوقات سونا عبادت ہوتا ہے اور بعض اوقات جاگنا عبادت ہوتا ہے اگر جاگنا اللہ کے حکم کے مطابق ہو تو وہ عبادت ہے اور سونا اللہ کے حکم کے مطابق ہو تو وہ بھی عبادت ہے۔

جس شخص نے لیلۃُ القدر میں عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے اور بر وقت پڑھ لی اس نے بھی اس رات کا ثواب پالیا، اور جو شخص جتنی عبادت کرے گا، زیادہ ثواب پائے گا (جیسا کہ گزشتہ احادیث سے معلوم ہو چکا)

خوب سمجھ لیجئے! کہ یہ رات عبادت کی رات ہے صرف جاگنے کی رات نہیں، جتنی دیر اخلاص اور خوش دلی کے ساتھ جاگ کر عبادت ہو سکتی ہو اتنی دیر عبادت کرلیں اور پھر اللہ کا نام لے کر سو جائیں اور صبح فجر کی نماز باجماعت پڑھ لیں اور اگر صبح انتہائے سحر سے کچھ پہلے وقت نکال کر تہجد کی نفلیں بھی پڑھ لیں تو بہت اچھا ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ افضل یہ ہے کہ کچھ عبادت رات کے شروع حصہ میں یعنی عشاء کے بعد کرلے اور سو جائے اور پھر انتہائے سحر سے پہلے اٹھ کر کچھ عبادت کرلے۔

(۴)...... بعض لوگ اس رات میں مسجدوں کے اندر جمع ہو کر جاگنے اور عبادت کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، جبکہ اس رات میں جاگنے اور عبادت کرنے کے لئے مسجد میں جمع ہونا شریعت سے ثابت نہیں۔

شریعت کا مزاج یہ ہے کہ لیلۃُ القدر کی عبادت تنہا اپنے اپنے گھروں میں رہتے ہوئے کی

جائے، کیونکہ اس رات کی عبادت اللہ تعالیٰ کے خاص دربار والی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرائض اورواجبات کے علاوہ نفلی عبادت عموماً گھر میں ادا فرمایا کرتے تھے باوجودیکہ آپ کا حجرہ مبارکہ بہت چھوٹا تھا کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوا کرتی تھیں اور آپ سجدے میں تشریف لے جاتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاؤں سمیٹنے پڑتے تھے جبکہ سوئے ہوئے اور آرام کرنے والے شخص کی بہت زیادہ رعایت کرنے کا حکم ہے۔

اور مسجدِ نبوی، جس میں ایک نماز کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ [1]

---

[1] عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ، وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ "، قَالَ حُسَيْنٌ :فِيمَا سِوَاهُ (مسند أحمد، رقم الحديث ۱۴۶۹۴)

فی حاشية مسند احمد:إسناده صحيح من جهة حُسين بن محمد، وحسنٌ من جهة عبد الجبار ابن محمد، وعبد الجبار هذا روى عنه جمع، وذكره ابن حبان فی "الثقات"، وباقی رجال الإسناد ثقات رجال الشيخين .عبد الكريم :هو ابن مالك الجَزَرى.

وأخرجه ابن ماجه ۱۴۰۶ من طريق زكريا بن عدى، والطحاوى فی "شرح مشكل الآثار ۵۹۹ "من طريق على بن معبد، وابن عبد البر فی "التمهيد۶/۲۷"من طريق حكيم بن سيف، ثلاثتهم عن عبيد الله بن عمرو، بهذا الإسناد .وفی رواية الطحاوى" :وصلاة فی المسجد الحرام أفضل من مئة صلاة فيما سواه "قال الطحاوى عقبه :كأنه يعنی مسجده عليه السلام .وقال السندى :قوله" :من مئة ألف صلاة "قيل :كذا فی بعض الأصول، وفی بعضها من مئة صلاة، وهاتان الروايتان فی ابن ماجه أيضاً، قلت :والتوفيق بينهما بحمل مئة صلاة على أنها مئة بالنظر إلى مسجده صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فصارت مئة ألف بالنظر إلى المساجد الأخرى، والله تعالى اعلم.

حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو الْخَطَّابِ الدِّمَشْقِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا رُزَيْقٌ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْأَلْهَانِيُّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي بَيْتِهِ بِصَلَاةٍ، وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ صَلَاةً، وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُجَمَّعُ فِيهِ بِخَمْسِ مِائَةِ صَلَاةٍ، وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى بِخَمْسِينَ أَلْفِ صَلَاةٍ، وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِي بِخَمْسِينَ أَلْفِ صَلَاةٍ، وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۱۴۱۳)

قال ابن الملقن:وفی إسناده رزيق -بتقديم الراء المهملة -الألهانی .قال أبو زرعة :فلا بأس به .نقله عنه الحافظ جمال الدين المزى مقتصرا، وقال ابن حبان فيما نقله عنه ابن الجوزى فی الضعفاء : ينفرد بالأشياء التی لا تشبه حديث الأثبات لا يجوز الاحتجاج به إلا عند الوفاق .وقال ابن الجوزى فی علله :إنه حديث لا يصح.وقال الخطيب :رزيق هذا فی عداد المجهولين(البدر المنير،لابن الملقن ،ج۹،ص۵۱۴)

اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو لیلۃ القدر وغیرہ کی راتوں میں نفلی عبادت کرنے کے لیے مسجدِ نبوی میں آنے کی ترغیب نہیں دی۔

اسی وجہ سے فقہائے کرام نے فضیلت کی راتوں میں مسجدوں میں جمع ہونے کو مکروہ فرمایا ہے۔ [1]

پھر دوسری بات یہ ہے کہ آج کل مسجد میں ایسے اجتماع منکرات سے خالی نہیں ہوتے لوگ مسجد میں لہو ولعب، شور وشغب، دوسروں کی عبادت وآرام میں خلل، اور بعض دوسرے ایسے کام کرتے ہیں جو مسجد کے احترام اور آداب اور شرعی تقاضوں کے خلاف ہوتے ہیں، جس سے ''نیکی برباد گناہ لازم'' کا مصداق ہو جاتا ہے۔

(۵)...... بعض لوگ اور خاص کر عورتیں دوست احباب یا رشتہ داروں کے گھر کسی ایک جگہ اس رات کی عبادت اور جاگنے کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں اور پھر وقفہ وقفہ سے چائے اور قہوں کا دور چلتا ہے اور ادھر ادھر کی غپ شپ ہوتی ہے جس میں اکثر لطف اندوزی مقصود بن جاتی ہے، اور اصل عبادت ایک ضمنی عمل بن جاتا ہے۔

یہ بھی غلو اور شریعت کے مزاج کے خلاف ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔

---

[1] ویکره الاجتماع علی احیاء لیلة من هذه اللیالی فی المساجد (البحرالرائق ج ۲ ص ۵۶، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

(ویکره الاجتماع علی احیاء لیلة من هذه اللیالی)المتقدم ذکرها (فی المساجد) وغیرها لانه لم یفعله النبی صلی الله علیه وسلم ولااصحابه فانکره اکثر العلماء من اهل الحجاز منهم عطاء وابن ابی ملیکة وفقهاء اهل المدینة واصحاب مالک وغیرهم وقالوا ذالک کله بدعة (مراقی الفلاح شرح نورالایضاح، ص ۱۵۱، کتاب الصلاة، باب فی النوافل)

والثانی انه یکره الاجتماع فیها فی المساجد للصلوٰة والقصص والدعاء ولایکره ان یصلی الرجل فیها لخاصة نفسه وهذا قول الاوزاعی امام اهل الشام وفقیههم وعالمهم وهذاهو الاقرب ان شاء الله تعالیٰ (لطائف المعارف ص۱۳۷، وظائف شهر شعبان، المجلس الثانی فی نصف شعبان)

ویحصل القیام بالصلاة نفلا فرادی من غیر عدد مخصوص، وبقراءة القرآن، والأحادیث وسماعها، وبالتسبیح والثناء، والصلاة والسلام علی النبی -صلی الله علیه وسلم -الحاصل ذلک فی معظم اللیل وقیل بساعة منه(ردالمحتار، ج۲ص۲۶، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

پس صحیح طریقہ یہی ہے کہ اپنے یہاں رہ کر تنہائی میں جتنی عبادت اخلاص کے ساتھ ہوجائے غنیمت ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں گھنٹے شمار نہیں ہوتے بلکہ عبادت میں اخلاص شمار ہوتا ہے خواہ وہ اخلاص والی عبادت تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔

بعض لوگ اپنے گھروں میں تنہائی کے اندر عبادت کرنے میں یہ عذر کرتے ہیں کہ گھروں میں نیند آتی ہے، بچے تنگ کرتے ہیں، شور مچاتے ہیں۔

یہ بھی کوئی معقول عذر نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام نفل نمازوں کو گھر میں پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے۔ [۱]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں یہ بات ملتی ہے کہ آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے اور گھر کے بچے (حضرت حسن، حسین رضی اللہ عنہما وغیرہ) آپ کی کمر مبارک پر بیٹھ جاتے تھے۔ [۲]

لیکن اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کا عذر فرما کر گھر کی عبادت کو ترک نہیں فرمایا، تو کیا کوئی شخص اپنی عبادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل سمجھ سکتا ہے؟

جہاں تک گھروں میں بچوں کے رونے کا تعلق ہے تو بچوں کے رونے پر تو اللہ تعالیٰ کی رحمت

---

[۱] فَعَلَيْكُمْ بِالصَّلاَةِ فِي بُيُوتِكُمْ، فَإِنَّ خَيْرَ صَلاَةِ المَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الصَّلاَةَ المَكْتُوبَةَ (بخاری، رقم الحدیث ۶۱۱۳، عن زید بن ثابت)

[۲] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ، فَإِذَا سَجَدَ وَثَبَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلَى ظَهْرِهِ، فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ، أَخَذَهُمَا بِيَدِهِ مِنْ خَلْفِهِ أَخْذًا رَفِيقًا، فَيَضَعُهُمَا عَلَى الْأَرْضِ، فَإِذَا عَادَ عَادَا، حَتَّى قَضَى صَلَاتَهُ، أَقْعَدَهُمَا عَلَى فَخِذَيْهِ، قَالَ: فَقُمْتُ إِلَيْهِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَرُدُّهُمَا، فَبَرَقَتْ بَرْقَةٌ، فَقَالَ لَهُمَا: "الْحَقَا بِأُمِّكُمَا." قَالَ: فَمَكَثَ ضَوْؤُهَا حَتَّى دَخَلَا (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۰۶۵۹)

فی حاشیة مسند احمد: إسناده حسن من أجل كامل -وهو ابن العلاء أبو العلاء التميمی-، وباقی رجاله ثقات رجال الصحيح. أبو المنذر: هو إسماعيل بن عمر الواسطی، وأبو صالح: هو ذكوان السمان.

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الأَنْصَارِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلِأَبِي العَاصِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا، وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا (بخاری، رقم الحدیث ۵۱۶)

متوجہ ہوتی ہے اللہ کی رحمت کو چھوڑ کر بھاگنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ بچوں کا کام رونا اور شور مچانا ہے، ان کا باقی دنوں کی طرح لیلۃُ القدر کا عمل بھی یہی ہے ان کو اپنا کام کرتے رہنے دیجئے اور آپ اپنا کام کیجئے۔ ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش　　　　تادمِ آخر دمے فارغ مباش

ان علائق کے ساتھ رہ کر عبادت میں لگنا ہی اصل کامیابی ہے اسی وجہ سے اسلام میں رہبانیت اور مخلوق سے الگ تھلگ ہو کر عبادت کرنے کی اجازت نہیں۔

(۶)......بعض لوگ لیلۃُ القدر میں مسجدوں میں جمع ہو کر اور بھی دوسرے گناہ کرتے ہیں مثلاً اوپر کا اسپیکر چلا کر اس میں نعت خوانی، قرآن مجید کی تلاوت اور تقریروں کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں جس سے اہلِ محلّہ اور اہلِ علاقہ کو تکلیف ہوتی ہے اور عبادت میں خلل آتا ہے۔

(۷)......بعض لوگ اس رات میں خاص قسم کی عبادت کو لیلۃُ القدر کی خاص عبادت سمجھتے ہیں مثلاً بعض لوگوں نے مخصوص تعداد میں، مخصوص طریقہ پر نفلیں پڑھنے کو مقصود یا ضروری سمجھا ہوا ہے اور بعض لوگ اس رات میں باجماعت نفل نمازیں پڑھتے ہیں۔

جبکہ شریعت کی جانب سے کوئی خاص عبادت یا نفلوں کی خاص مقدار اور خاص طریقہ لیلۃُ القدر کے لئے مخصوص نہیں کیا گیا بلکہ اس کو ہر شخص کی اپنی سہولت اور طبیعت کے ذوق پر چھوڑ دیا گیا خواہ کوئی نفلیں پڑھے یا تلاوت کرے یا ذکر و تسبیح میں مشغول رہے یا درود شریف پڑھے یا استغفار یا دعا اور توبہ میں مصروف رہے۔

ہر طرح سے عبادت کی جاسکتی ہے۔

حدیث میں لیلۃُ القدر کی ایک دعا بھی آئی ہے جو پیچھے گزر چکی وہ بھی پڑھی جاسکتی ہے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تلقین و تعلیم کئے جانے کی وجہ سے افضل ہے۔

لٰہذا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سہولت سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور اس کو کسی خاص صورت میں مخصوص کر کے تنگی نہیں پیدا کرنی چاہئے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ نفل نماز با جماعت پڑھنا حنفیہ کے نزدیک ویسے ہی مکروہ ہے، اور عورتوں کا با جماعت نفل پڑھنا تو اور بھی زیادہ برا ہے۔

(۸)......بعض لوگ لیلۃُ القدر کی اکثر یا ساری رات تو کسی نہ کسی طرح جاگ کر گزار دیتے ہیں لیکن صبح کی نماز قضاء کر دیتے ہیں یا جماعت چھوڑ دیتے ہیں یا پھر صبح کی نماز میں جھومتے رہتے ہیں اور اس طرح نماز کا خشوع ختم ہو جاتا ہے یا دن بھر کے اپنے فرائضِ منصبی (ملازمت وغیرہ) میں کوتاہی کرتے ہیں۔

یہ تمام باتیں حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں ہر چیز کو اپنے درجہ پر رکھنا ضروری ہے۔

لیلۃُ القدر میں جاگنا ضروری نہیں، وقت پر نماز پڑھنا، مَردوں کو جماعت کا اہتمام کرنا، نماز میں خشوع کا حاصل کرنا اور اپنے فرائض منصبی کو پورا کرنا، یہ تمام چیزیں ساری رات جاگنے سے زیادہ ضروری ہیں۔

(۹)......بعض مسجدوں اور گھروں پر لیلۃُ القدر کی آمد پر چراغاں (لائٹنگ) کی رسم بھی کی جاتی ہے، جس میں دوسری قوموں کے ساتھ مشابہت کے علاوہ فضول خرچی کا گناہ بھی پایا جاتا ہے۔

(۱۰)......آج کل بعض مسجدوں میں پہلے سے یہ اعلان یا اطلاع کر دی جاتی ہے کہ:

’’شبِ قدر کی فلاں رات فلاں مسجد میں اجتماعی دعاء ہوگی سب لوگ اس میں شریک ہوں‘‘

چنانچہ اس رات کو بڑے اہتمام سے اجتماعی دعا کی جاتی ہے اور دُور دَراز سے لوگ اس میں شرکت کے لئے آتے ہیں۔

قرآن وسنت سے اس طرز وطریقہ کا بھی ثبوت نہیں ہے۔

اپنے اپنے مقام پر رہ کر ہی ہر شخص کو دعا کرنا مناسب ہے۔

اس رات میں نفلی عبادت کے لئے جمع ہونا منع ہے، اور دعا عبادت ہے بلکہ عبادت کا مغز ہے، تو اس کے لئے جمع ہونا بھی یقیناً یہی حکم رکھتا ہے۔

(۱۱)...... بعض لوگ لیلۃُ القدر کی بعض نشانیاں مقرر کر کے اس کی بے حد جستجو کرتے ہیں، اور لیلۃُ القدر کے متعین ہونے کا اس پر دار ومدار رکھتے ہیں، مثلاً رات کا روشن ہونا وغیرہ اگرچہ بعض روایات سے بعض علامات کا ذکر ملتا ہے۔

اور بعض حضرات کو خاص انوار کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے۔

لیکن یہ چیزیں اول تو معیار نہیں۔

دوسرے ان کا ہر ایک پر ظاہر ہونا بھی ضروری نہیں۔

تیسرے بہت سی علامات جو مشہور کر دی گئی ہیں وہ خود ساختہ اور من گھڑت ہیں۔

چوتھے لیلۃُ القدر کی برکات اور ثواب کا حاصل ہونا ایسے مشاہدات پر موقوف نہیں۔

اس لئے اس کی فکر میں نہ پڑنا چاہئے (معارف القرآن بتغیر واضافہ)

تراویح کی فضیلت

روزہ کے علاوہ رمضانُ المبارک کا ایک خاص عمل تراویح ہے، فرق یہ ہے کہ روزہ دن کا عمل ہے، اور تراویح رات کا عمل ہے، اور روزہ فرض ہے مگر تراویح سنت ہے۔

لیکن اس کے باوجود تراویح پر حاصل ہونے والا اجروانعام بہت عظیم ہے۔

اور تراویح پورے رمضان کی سنت ہے اور یہ مرد وعورت سب کے حق میں سنت ہے، جس کا ثبوت احادیث اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے علاوہ خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے بھی ہے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر آج تک مسلمانوں کا متواتر اس پر عمل چلا آرہا ہے۔ [1]

---

[1] أَمَّا حُكْمُ الْمَسْأَلَةِ فَصَلَاةُ التَّرَاوِيحِ سُنَّةٌ بِإِجْمَاعِ الْعُلَمَاءِ ,وَمَذْهَبُنَا أَنَّهَا عِشْرُونَ رَكْعَةً بِعَشْرِ تَسْلِيمَاتٍ (المجموع شرح المهذب للنووی الشافعی، ج۴، ص ۳۱، باب صلاۃ التطوع)

مَسْأَلَةٌ :قَالَ (وَقِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ عِشْرُونَ رَكْعَةً) . (يَعْنِي) (صَلَاةَ التَّرَاوِيحِ) وَهِيَ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ، وَأَوَّلُ مَنْ سَنَّهَا رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَرْغَبُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَهُمْ فِيهِ بِعَزِيمَةٍ، فَيَقُولُ :مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَقَالَتْ عَائِشَةُ :صَلَّى النَّبِيُّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -فِي الْمَسْجِدِ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَصَلَّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ، ثُمَّ صَلَّى مِنْ الْقَابِلَةِ، وَكَثُرَ النَّاسُ، ثُمَّ اجْتَمَعُوا مِنْ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ أَوْ الرَّابِعَةِ، فَلَمْ يَخْرُجْ إلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -فَلَمَّا أَصْبَحَ، قَالَ :قَدْ رَأَيْت الَّذِي صَنَعْتُمْ، فَلَمْ يَمْنَعْنِي مِنْ الْخُرُوجِ إلَيْكُمْ إلَّا أَنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ قَالَ :وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ .رَوَاهُمَا مُسْلِمٌ.

وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ :صُمْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -رَمَضَانَ فَلَمْ يَقُمْ بِنَا شَيْئًا مِنْ الشَّهْرِ، حَتَّى بَقِيَ سَبْعٌ .فَقَامَ بِنَا حَتَّى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ، فَلَمَّا كَانَتْ السَّادِسَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا، فَلَمَّا كَانَتْ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتَّى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ .فَقُلْت :يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَوْ نَفَّلْتَنَا قِيَامَ هَذِهِ اللَّيْلَةِ؟ قَالَ :فَقَالَ :إنَّ الرَّجُلَ إذَا صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ، حُسِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ .قَالَ :فَلَمَّا كَانَتْ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ، فَلَمَّا كَانَتْ الثَّالِثَةُ جَمَعَ أَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ وَالنَّاسَ، فَقَامَ بِنَا حَتَّى خَشِينَا أَنْ يَفُوتَنَا الْفَلَاحُ؟ قَالَ :قُلْت :وَمَا الْفَلَاحُ؟ قَالَ :السُّحُورُ .ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُد، وَالْأَثْرَمُ، وَابْنُ مَاجَهْ.

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -فَإِذَا النَّاسُ فِي رَمَضَانَ يُصَلُّونَ فِي

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور تراویح کی بیس رکعات ہیں اور یہ بیس رکعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں، اسی لئے حضرات تابعین، تبعِ تابعین، ائمہ مجتہدین حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک تراویح کی بیس رکعات ہیں اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق بھی تراویح کی بیس رکعات ہیں، اور ایک روایت کے مطابق اس سے بھی زیادہ ہیں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ .فَقَالَ :مَا هَؤُلَاءِ؟ فَقِيلَ :هَؤُلَاءِ نَاسٌ لَيْسَ مَعَهُمْ قُرْآنٌ، وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّي بِهِمْ، وَهُمْ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ .فَقَالَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :-أَصَابُوا، وَنِعْمَ مَا صَنَعُوا .رَوَاهُ أَبُو دَاوُد. وَقَالَ رَوَاهُ مُسْلِمُ بْنُ خَالِدٍ، وَهُوَ ضَعِيفٌ.

وَنُسِبَتْ التَّرَاوِيحُ إلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -لِأَنَّهُ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، فَكَانَ يُصَلِّيهَا بِهِمْ، فَرَوَى عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدٍ الْقَارِي، قَالَ :خَرَجْت مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةً فِي رَمَضَانَ، فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ، يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ، وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ، فَقَالَ عُمَرُ: إنِّي أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هَؤُلَاءِ عَلَى قَارِئٍ وَاحِدٍ، لَكَانَ أَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ :ثُمَّ خَرَجْت مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَى وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ .فَقَالَ :نِعْمَتْ الْبِدْعَةُ هَذِهِ، وَاَلَّتِي يَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنْ الَّتِي يَقُومُونَ .يُرِيدُ آخِرَ اللَّيْلِ، وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ .أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

فَصْلٌ :وَالْمُخْتَارُ عِنْدَ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ، رَحِمَهُ اللَّهُ، فِيهَا عِشْرُونَ رَكْعَةً .وَبِهَذَا قَالَ الثَّوْرِيُّ، وَأَبُو حَنِيفَةَ، وَالشَّافِعِيُّ .وَقَالَ مَالِكٌ :سِتَّةٌ وَثَلَاثُونَ .وَزَعَمَ أَنَّهُ الْأَمْرُ الْقَدِيمُ، وَتَعَلَّقَ بِفِعْلِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، فَإِنَّ صَالِحًا مَوْلَى التَّوْأَمَةِ، قَالَ :أَدْرَكْتُ النَّاسَ يَقُومُونَ بِإِحْدَى وَأَرْبَعِينَ رَكْعَةً، يُوتِرُونَ مِنْهَا بِخَمْسٍ (المغنی لابن قدامة، ج۲ ص ۱۲۲، و ۱۲۳، مَسْأَلَةٌ قِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ عِشْرُونَ رَكْعَةً)

(التَّرَاوِيحُ سُنَّةٌ) مُؤَكَّدَةٌ لِمُوَاظَبَةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ (لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ) إجْمَاعًا (الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار، ج۲ص ۴۳، باب الوتر والنوافل)

۱؎ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ فَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنْ يُصَلِّيَ إِحْدَى وَأَرْبَعِيْنَ رَكْعَةً مَعَ الْوِتْرِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ .وَأَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰى مَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً . وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ و قَالَ الشَّافِعِيُّ وَهٰكَذَا أَدْرَكْتُ بِبَلَدِنَا بِمَكَّةَ يُصَلُّوْنَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً(ترمذی،تحت رقم الحدیث ۸۰۶،ابواب الصوم،بَاب مَا جَاءَ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ)

وَقَالَ الثَّوْرِيُّ وَأَبُوْ حَنِيْفَةَ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ بْنُ دَاوُدَ قِيَامُ رَمَضَانَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ لَا يُقَامُ بِأَكْثَرَ مِنْهَا اِسْتِحْبَابًا .وَذُكِرَ عَنْ وَكِيْعٍ عَنْ حَسَنِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِي الْحُسَيْنِ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بِهِمْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً .وَهٰذَا هُوَ الْاِخْتِيَارُ عِنْدَنَا وَبِاللّٰهِ تَوْفِيْقُنَا (الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار، ج۲ ص ۷۰،باب ماجآء فی قیام شهر رمضان)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تراویح کے تفصیلی فضائل واحکام اور تراویح کی بیس رکعات کے تفصیلی دلائل ہم نے اپنی دوسری مستقل کتاب ''نمازِ تراویح کے فضائل واحکام'' میں ذکر کردیے ہیں، یہاں اختصار کے ساتھ کچھ فضائل ذکر کیے جاتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (بخاری) [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثُمَّ اِعْلَمْ اَنَّ الْحَدِيْثَ الَّذِىْ رَوَاهُ اِبْنُ عَبَّاسٍ فِىْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً اَلَّذِىْ ضَعَّفَهٗ اَئِمَّةُ الْحَدِيْثِ هُوَ صَحِيْحٌ عِنْدَ هٰذَا الْعَبْدِ الضَّعِيْفِ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُ. لِمَا ذَكَرَهُ الْعَلَّامَةُ السُّيُوْطِىُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِى التَّدْرِيْبِ ، قَالَ بَعْضُهُمْ يُحْكَمُ لِلْحَدِيْثِ بِالصِّحَّةِ اِذَا تَلَقَّاهُ النَّاسُ بِالْقُبُوْلِ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ. وَقَالَ اِبْنُ عَبْدِالْبَرِّ فِى الْاِسْتِذْكَارِ لِمَاحَكَى عَنِ التِّرْمِذِىْ اَنَّ الْبُخَارِىَّ صَحَّحَ حَدِيْثَ الْبَحْرِ هُوَ الطَّهُوْرُ مَاءُهٗ وَاَهْلُ الْحَدِيْثِ لَايُصَحِّحُوْنَ مِثْلَ اِسْنَادِهٖ لٰكِنَّ الْحَدِيْثَ الَّذِىْ عِنْدِىْ صَحِيْحٌ لِتَلَقِّى الْعُلَمَاءِ بِالْقُبُوْلِ .وَقَالَ فِى التَّمْهِيْدِ رُوِىَ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ اَلدِّيْنَارُ اَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ قِيْرَاطًا،قَالَ وَفِىْ قَوْلِ جَمَاعَةِ الْعُلَمَاءِ وَاِجْمَاعِ النَّاسِ عَلٰى مَعْنَاهُ غِنًى ، عَنْ اِسْنَادِهٖ ، وَنُقِلَ مِثْلُ ذٰلِكَ عَنْ اِبْنِ الْمُبَارَكِ وَالْاُسْتَادِ اَبِىْ اِسْحَاقَ الْاَسْفَرَايِيْنِىْ .اِنْتَهٰى.

فَاِذَاكَانَ الْحَدِيْثُ يُصَحَّحُ بِتَلَقِّى الْعُلَمَاءِ الصَّالِحِيْنَ فَكَيْفَ لَايُصَحَّحُ بِتَلَقِّى الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ وَسَائِرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَجَمْهُوْرِ الْاَئِمَّةِ وَالْمُجْتَهِدِيْنَ ،وَمَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَاللّٰهِ حَسَنٌ ،فَحَدِيْثُ اِبْنِ عَبَّاسٍ فِىْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً اَلَّذِىْ تَلَقَّاهُ الْخَلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ، وَالَّذِىْ اِسْتَقَرَّ عَلَيْهِ الْاَمْرُ فِىْ سَائِرِ الْبُلْدَانِ وَالْاَمْصَارِ اَحَقُّ بِالتَّصْحِيْحِ مِنْ حَدِيْثِ الْبَحْرِ وَاَجْدَرُ بِالتَّحْسِيْنِ مِنْ حَدِيْثِ الدِّيْنَارِ (التعليق الصبيح ج۲ ص۱۰۵ ،باب قيام شهر رمضان)

وهذا الاثر قد تأيد بمواظبة الخلفاء والصحابة فى ليالى رمضان على القدر الذى ذكرفيه، وقد قدمناه فى المقدمة ان المرسل ضعيف عند الشافعى ومن تابعه، ولكن اذا وافقه قول صحابى صارحجة عندالكل، وصرح بذلک ابن الهمام نفسه فى "الفتح" فقال: وقول الترمذى:"العمل عليه عند اهل العلم يقتضى قوة اصله وان ضعف خصوص هذا الطريق اهـ(۱ :۱۸۸)واى اهل العلم افضل من الخلفاء والصحابة؟فكيف لايكون عملهم دليلا على قوة اصله؟فالحق ان الاثر ان لم يكن صحيحا فلااقل من ان يكون حسنا.

واما قوله: مع مخالفته للصحيح اهـ، فقد اجبنا عنه آنفا، واثبتناان الاثر ليس بمخالف للصحيح (اعلاء السنن ج۷ص۸۳، باب التراويح)

[۱] رقم الحديث ۳۷، كتاب الايمان،بَاب تَطَوُّعُ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ الْإِيمَانِ.

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان (کی رات) میں قیام کیا (یعنی تراویح پڑھیں) ایمان کی حالت میں اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے اخلاص کے ساتھ تو یہ عمل اس کے سابقہ گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا (بخاری)

اس حدیث میں رمضان میں ایمان ویقین اور اخلاص کے ساتھ قیام کرنے پر یہ فضیلت سنائی گئی ہے، کہ اس کی برکت سے سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اور مراد صغیرہ گناہ ہیں، کیونکہ کبیرہ گناہوں کے معاف ہونے کے لئے توبہ ضروری ہے،، اور اس حدیث میں رمضان کے قیام سے مراد؛ تراویح کی نماز ہے، اور دوسری احادیث میں اس کے سنت ہونے کی بھی وضاحت ہے۔ [1]

حضرت عمرو بن مرۃ جہنی سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، أَرَأَيْتَ إِنْ شَهِدْتُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَأَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ، وَصَلَّيْتُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ ، وَأَدَّيْتُ الزَّكَاةَ ، وَصُمْتُ رَمَضَانَ ، وَقُمْتُهُ ، فَمِمَّنْ أَنَا ؟ قَالَ: مِنَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ (صحيح ابنِ حبان) [2]

ترجمہ: ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ذرا بتلایئے کہ اگر میں اس بات کی گواہی دوں کہ اللہ تعالیٰ کے

---

[1] قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : (مَنْ قَامَ رَمَضَان إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا)مَعْنَى (إِيْمَانًا) تَصْدِيقًا بِأَنَّهُ حَقٌّ مُقْتَصِدٌ فَضِيْلَتَهُ ، وَمَعْنَى (اِحْتِسَابًا) أَنْ يُّرِيْدَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَحْدَهُ لا يَقْصِدُ رُؤْيَةَ النَّاسِ ، وَلَا غَيْرَ ذٰلِكَ مِمَّا يُخَالِف الْإِخْلَاصَ .وَالْمُرَادُ بِقِيَامِ رَمَضَانَ صَلَاةُ التَّرَاوِيحِ (شرح النووی علی مسلم،ج٦ ص ٣٩ ،باب الترغيب فی قيام رمضان)

[2] رقم الحديث ٣٤٣٨، كتاب الصوم، باب فضل رمضان، ذِكْرُ كِتْبَةِ اللَّهِ جَلَّ وَعَلَا صَائِمَ رَمَضَانَ وَقَائِمَهُ مَعَ إِقَامَتِهِ الصَّلَاةَ وَالزَّكَاةَ مِنَ الصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ، واللفظ لهٗ؛ صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ٢٢١٢.

فی حاشية ابن حبان: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

علاوہ کوئی معبود نہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہیں، اور میں پانچ وقت کی نماز پڑھوں اور زکاۃ ادا کروں، اور رمضان کے روزے رکھوں، اور رمضان میں قیام کروں (یعنی تراویح پڑھوں) تو میں کن لوگوں میں شمار کیا جاؤں گا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ صدیقین اور شہداء میں سے (ابنِ حبان)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدیقین اور شہداء کا مقام حاصل ہونے میں ایمان کے بعد نماز، زکاۃ، اور رمضان کے روزوں کے ساتھ قیامِ رمضان یعنی تراویح کے عمل کو بھی دخل ہے۔[1] اور یہ فضیلت تراویح کے عظیمُ الشان عمل ہونے کا پتہ دیتی ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فَرَضَ صِيَامَ رَمَضَانَ عَلَيْكُمْ وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ فَمَنْ صَامَهُ وَقَامَهُ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ (سنن نسائی) [2]

---

[1] چنانچہ ابنِ خزیمہ نے اس حدیث پر مندرجہ ذیل باب قائم فرمایا ہے کہ:
باب فی فضل قیام رمضان واستحقاق قائمه اسم الصديقين ، والشهداء إذا جمع مع قيامه رمضان صيام نهاره ، وكان مقيما للصلوات الخمس ، مؤديا للزكاة ، شاهدا لله بالوحدانية ، مقرا للنبى صلى الله عليه وسلم بالرسالة (صحيح ابن خزيمة، ج٣ص ٣٤٠، كتاب الصيام)

[2] رقم الحديث ٢٢١٠ ، كتاب الصيام، ثَوَابُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ وَصَامَهُ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، واللفظ لهٗ، ابنِ ماجة، رقم الحديث ١٣٢٨ ، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى قيام شهر رمضان.
قال المناوى: إسناده حسن (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ١٦٩٠)
وقال الذهبى: هذا حديث حسن غريب (سير اعلام النبلاء، ج ١ ، ص ٧١، تحت ترجمة عبد الرحمن بن عوف بن عبد عوف الزهرى)
وقال الاعظمى: إسناده ضعيف ومعناه ثابت (صحيح ابن خزيمة)

ترجمہ: بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض قرار دیے اور میں نے رمضان کی رات میں قیام (یعنی تراویح) کو سنت قرار دیا پس جس شخص نے رمضان کا روزہ رکھا اور رمضان میں قیام کیا (یعنی تراویح پڑھیں) ایمان کی حالت میں اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے اخلاص کے ساتھ تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح سے نکل جائے گا جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت تھا (نسائی)

معلوم ہوا کہ رمضان کے روزے تو فرض ہیں، اور تراویح سنت اور بہت فضیلت والا عمل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَغِّبُ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَهُمْ فِيْهِ بِعَزِيْمَةٍ فَيَقُوْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ، فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ ثُمَّ كَانَ الْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ فِيْ خِلَافَةِ أَبِيْ بَكْرٍ وَصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلٰى ذٰلِكَ (مسلم) [1]

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قیامِ رمضان (یعنی تراویح) کی ترغیب دیا کرتے تھے، اس کا وجوبی ولازمی حکم نہیں فرماتے تھے، پس آپ فرماتے تھے کہ جو شخص رمضان کا قیام کرے (یعنی تراویح پڑھے) ایمان کی حالت میں اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے، تو اس کے پہلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک یہی عمل رہا اور حضرت ابو بکر کی خلافت

---

[1] رقم الحدیث ۷۵۹ "۱۷۴" کتاب صلاۃ المسافرین وقصرها، باب التَّرْغِيبِ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ وَهُوَ التَّرَاوِيحُ، واللفظ لهٗ؛ ابوداؤد، رقم الحدیث ۱۳۷۳؛ مؤطاامام مالک، الترغیب فی الصلاۃ فی رمضان، ترمذی، بَاب التَّرْغِيبِ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ وَمَا جَاءَ فِيهِ مِنْ الْفَضْلِ.

وقال الترمذی بعد نقل هٰذا الحدیث: وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ أَيْضًا عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنْ النَّبِيِّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

اور حضرت عمر کی ابتدائی خلافت میں بھی یہی عمل رہا (مسلم)

پھر اس کے بعد باجماعت نماز کی شکل میں ایک امام کی اقتداء میں تراویح کا سلسلہ جاری ہوگیا، جس کی تفصیل آگے دوسری روایات میں آتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَغِّبُ النَّاسَ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ وَيَقُوْلُ مَنْ قَامَهُ إِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَلَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى الْقِيَامِ (مسند احمد، رقم الحديث ۷۸۸۱) [۱]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ لوگوں کو رمضان میں قیام (یعنی تراویح) کی ترغیب دیا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے، کہ جس نے رمضان میں قیام کیا، ایمان اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قیامِ رمضان (یعنی تراویح) کے لئے جمع نہیں فرماتے تھے (مسند احمد)

اس حدیث سے رمضان میں قیام اور تراویح کی فضیلت معلوم ہوئی۔ [۲]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

---

[۱] فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

[۲] فَيَقُوْلُ :(مَنْ قَامَ رَمَضَانَ) وَهٰذِهِ الصِّيْغَةِ تَقْتَضِيْ التَّرْغِيْبُ وَالنُّدْبُ دُوْنَ الْإِيْجَابِ ، وَاجْتَمَعَتْ الْأُمَّةُ عَلٰى أَنَّ قِيَامَ رَمَضَان لَيْسَ بِوَاجِبٍ بَلْ هُوَ مَنْدُوْبٌ .

قَوْلُهُ :(فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ ، ثُمَّ كَانَ الْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ فِيْ خِلَافَةِ أَبِيْ بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ)

مَعْنَاهُ :اِسْتَمَرَّ الْأَمْرُ هٰذِهِ الْمُدَّةَ عَلٰى أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ يَقُوْمُ رَمَضَان فِيْهِ بَيْتَهُ مُنْفَرِدًا حَتّٰى اِنْقَضٰى صَدْرٌ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ ، ثُمَّ جَمَعَهُمْ عُمَرُ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَصَلّٰى بِهِمْ جَمَاعَةً ، وَاسْتَمَرَّ الْعَمَلُ عَلٰى فِعْلِهَا جَمَاعَةً ، وَقَدْ جَائَتْ هٰذِهِ الزِّيَادَةُ فِيْ صَحِيْحِ الْبُخَارِيِّ فِيْ كِتَابِ الصِّيَامِ (شرح النووى على مسلم، ج۶ ص ۴۰، باب الترغيب فى قيام رمضان)

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُرَغِّبُ النَّاسَ فِىْ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَهُمْ بِعَزِيْمَةِ أَمْرٍ فِيْهِ فَيَقُوْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ(نسائی) [1]

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قیامِ رمضان (یعنی تراویح) کی ترغیب دیا کرتے تھے، اس کا وجوبی ولازمی حکم نہیں فرماتے تھے، پس آپ فرماتے تھے کہ جو شخص رمضان کا قیام (یعنی تراویح کا عمل) ایمان کی حالت میں اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے کرے تو اس کے پہلے گناہ بخش دیئے جائیں گے (نسائی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّاسُ يُصَلُّوْنَ فِىْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ أَوْزَاعًا يَكُوْنُ مَعَ الرَّجُلِ شَىْءٌ مِّنَ الْقُرْآنِ فَيَكُوْنُ مَعَهُ النَّفَرُ الْخَمْسَةُ أَوِ السِّتَّةُ أَوْ أَقَلُّ مِنْ ذٰلِكَ أَوْ أَكْثَرُ فَيُصَلُّوْنَ بِصَلَاتِهٖ. قَالَتْ فَأَمَرَنِىْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِّنْ ذٰلِكَ أَنْ أَنْصِبَ لَهٗ حَصِيْرًا عَلٰى بَابِ حُجْرَتِىْ فَفَعَلْتُ فَخَرَجَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ أَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ قَالَتْ فَاجْتَمَعَ إِلَيْهِ مَنْ فِى الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى بِهِمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلًا طَوِيْلًا.

ثُمَّ انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ وَتَرَكَ الْحَصِيْرَ عَلٰى حَالِهٖ فَلَمَّا أَصْبَحَ النَّاسُ تَحَدَّثُوْا بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ كَانَ مَعَهٗ فِى الْمَسْجِدِ تِلْكَ اللَّيْلَةَ قَالَتْ

---

[1] رقم الحديث ۲۱۹۱، كتاب الصيام، ثَوَابُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ وَصَامَهُ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا.

وَأَمُسَى الْمَسْجِدُ رَاجًّا بِالنَّاسِ فَصَلّٰى بِهِمُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ ثُمَّ دَخَلَ بَيْتَهُ وَثَبَتَ النَّاسُ قَالَتْ فَقَالَ لِيُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَأْنُ النَّاسِ يَا عَائِشَةُ قَالَتْ فَقُلْتُ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعَ النَّاسُ بِصَلَاتِكَ الْبَارِحَةَ بِمَنُ كَانَ فِي الْمَسْجِدِ فَحَشَدُوْا لِذٰلِكَ لِتُصَلِّيَ بِهِمُ قَالَتْ فَقَالَ اَطْوِ عَنَّا حَصِيْرَكِ يَا عَائِشَةُ قَالَتْ فَفَعَلْتُ وَبَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ غَافِلٍ وَثَبَتَ النَّاسُ مَكَانَهُمُ حَتّٰى خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصُّبْحِ فَقَالَتْ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ أَمَا وَاللّٰهِ مَا بِتُّ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَيْلَتِيُ هٰذِهِ غَافِلًا وَمَا خَفِيَ عَلَيَّ مَكَانُكُمُ وَلَكِنِّيُ تَخَوَّفْتُ أَنْ يُفْتَرَضَ عَلَيْكُمُ فَاكْلَفُوْا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا (مسند احمد) [1]

ترجمہ: صحابۂ کرام مسجدِ نبوی میں رمضان میں رات کو تراویح کی نماز، چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں ادا کیا کرتے تھے، جس کو قرآن مجید کا کچھ حصہ حفظ یاد ہوتا تھا، تو اس کے ساتھ پانچ چھ افراد یا اس سے کم وبیش جمع ہوجاتے، پھر مل کر جماعت کے ساتھ ہی تراویح کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دوران ایک رات حکم فرمایا کہ ان کے لئے اپنے حجرے کے دروازے کے قریب (باجماعت تراویح کے لئے) ایک چٹائی بچھادوں، میں نے یہ کام کردیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد اس چٹائی کی طرف

---

[1] رقم الحديث ٢٦٣٠٧، واللفظ له،قيام رمضان لمحمد بن نصر المروزى رقم الحديث ٧.
فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن من أجل محمد بن إسحاق، وقد صرح بالتحديث، فانتفت شبهة تدليسه، وقد توبع، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين.

تشریف لائے، اور مسجد میں موجود حضرات بھی جمع ہو گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رات کے لمبے حصے تک تراویح کی نماز پڑھائی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس گھر میں تشریف لے آئے، اور چٹائی کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا (اور یہی عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے دن بھی کیا)

پھر جب صبح ہوئی تو ان لوگوں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزشتہ رات نماز میں شامل تھے؛ گفتگو کی، اور پھر شام ہونے کے وقت ہی مسجد لوگوں سے بھر گئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھائی، اور اپنے گھر میں تشریف لے آئے، اور لوگ وہیں موجود رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہ! لوگوں کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول لوگوں نے آپ کی کل گزشتہ نماز کے بارے میں ان لوگوں سے سنا، جو مسجد میں تھے، تو انہوں نے اس نماز کے لئے لوگوں کو جمع کرلیا، تاکہ آپ ان کو (تراویح کی) نماز پڑھائیں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! آپ اس چٹائی کو لپیٹ دیں، تو میں نے اس چٹائی کو لپیٹ دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غور وفکر کے ساتھ یہ رات گزاری، اور لوگ اپنی جگہ موجود تھے۔

یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت تشریف لائے، اور آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! اللہ کی قسم میں نے الحمد للہ یہ رات تمہاری طرف سے غفلت میں نہیں گزاری، اور تمہارا مسجد میں موجود رہنا مجھ سے خفیہ نہیں تھا، لیکن مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ تمہارے اوپر فرض نہ کردی جائے، پھر تم ایسے اعمال کے مکلّف نہ بن جاؤ، جن پر (فرضوں کی طرح) ہمیشگی کی تم میں طاقت نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ (ثواب دینے سے) اس وقت تک نہیں رُکتے، جب تک تم خود ہی نہ (کسی عمل

سے) اُکتا جاؤ (مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں تراویح کی جماعت کی جاتی تھی، اور امام تراویح میں قرآن مجید پڑھا کرتا تھا، اور لوگ مقتدی بن کر سماعت کیا کرتے تھے، اور آپ نے بھی لوگوں کو ایک مرتبہ جماعت سے نماز پڑھائی، لیکن فرض ہونے کے خوف کی وجہ سے اس کو جاری نہیں رکھا۔

اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دراصل تین رات تک جماعت سے تراویح کی نماز پڑھائی تھی، چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں اس کی وضاحت ہے۔

جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

فَكَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى فَصَلَّوْا بِصَلَاتِهِ فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ أَهْلِهِ حَتّٰى خَرَجَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ وَلٰكِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ (بخاری) [1]

ترجمہ: پس تیسری رات میں مسجد میں بہت لوگ جمع ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس رات بھی نماز پڑھائی، پس جب چوتھی رات آئی تو مسجد میں لوگوں کا سمانا دشوار ہو گیا (اور اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تراویح کی نماز پڑھانے کے لئے تشریف نہیں لائے) یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے لئے تشریف لائے، جب آپ فجر کی نماز سے فارغ ہوئے، تو

---

[1] رقم الحدیث ۲۰۱۲، كِتَاب صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ، بَاب فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ.

لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ امابعد! مجھ سے تم لوگوں کی (مسجد میں رات بھر) موجودگی پوشیدہ نہ تھی، لیکن مجھے خوف ہوا کہ کہیں تم پر یہ فرض نہ ہوجائے، اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز ہوجاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یہی حالت رہی (بخاری)

اور ایک روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فَلَمَّا أَصْبَحَ ،قَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ:مَا زَالَ النَّاسُ يَنْتَظِرُوْنَكَ الْبَارِحَةَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ:أَمَا أَنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ أَمْرُهُمْ ، وَلٰكِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْهِمْ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: جب صبح ہوگئی (اور اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تراویح کی نماز پڑھانے کے لئے تشریف نہیں لائے تھے) تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! رات بھر لوگ آپ کے منتظر رہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے ان لوگوں کا معاملہ پوشیدہ نہ تھا، لیکن مجھے یہ خوف ہوا کہ کہیں ان پر یہ (تراویح) فرض نہ کردی جائے (مسند احمد)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے واضح ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء ومقصد کو پوری طرح سمجھ لیا تھا، اور پھر جب وہ وقت آ گیا کہ فرض ہونے کا خوف ختم ہوگیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء اور لوگوں کے شوق کی تکمیل کرتے ہوئے پھر مسجد میں ایک امام کی اقتداء میں تراویح کو جاری فرمادیا۔

یہ سب مزاجِ نبوت کو سمجھنے ہی کی برکت کا اثر تھا۔

چنانچہ صحیح ابنِ حبان کی روایت کے آخر میں ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ۲۵۹۵۴، واللفظ لهٗ؛ مصنف عبدالزاق رقم الحديث ۷۷۴۶.
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ ، ثُمَّ كَذٰلِكَ كَانَ فِيْ خِلَافَةِ أَبِيْ بَكْرٍ وَصَدْرٍ مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ ، حَتّٰى جَمَعَهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ، فَقَامَ بِهِمْ فِيْ رَمَضَانَ، وَكَانَ ذٰلِكَ أَوَّلُ اجْتِمَاعِ النَّاسِ عَلٰى قَارِءٍ وَاحِدٍ فِيْ رَمَضَانَ (صحيح ابن حبان) [1]

ترجمہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، اور معاملہ اسی حالت پر رہا (کہ لوگ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں یا تنہا تراویح کی نماز ادا کیا کرتے تھے) پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کی خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلافت کے ابتدائی زمانہ میں بھی یہی حالت رہی (کہ لوگ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں اور کچھ لوگ تنہا تراویح کی نماز ادا کیا کرتے تھے)

یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب کی اقتداء میں سب لوگوں کو جمع کر دیا، پھر انہوں نے سب لوگوں کو رمضان میں تراویح پڑھائی۔

اور یہ رمضان میں ایک قاری کی اقتداء میں سب کے جمع ہونے کا پہلی مرتبہ اجتماع تھا (ابنِ حبان)

ان احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی خلافت کے زمانے سے پہلے بھی صحابۂ کرام میں تراویح کا معمول تھا، اور تنہا اور باجماعت تراویح اور امام کے قرآن مجید سنانے کا بھی معمول تھا، اور اس زمانے میں حفاظِ کرام کی کثرت تھی۔

اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دن تراویح باجماعت پڑھا کر چھوڑ دی تھی؛ اور اس

---

[1] رقم الحديث ۲۵۴۳، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، ذِكْرُ خَبَرٍ ثَانٍ يُصَرِّحُ بِصِحَّةِ مَا ذَكَرْنَاه.

في حاشية ابن حبان: إسناده صحيح على شرط مسلم.

کے بارے میں ایک عذر بیان فرما دیا تھا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب وہ عذر ختم ہوگیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے مطابق ایک قاری امام کی اقتداء میں سب کو جمع فرمایا۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے کسی چیز کا بھی اضافہ نہیں کیا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے مطابق سنت کی تکمیل فرمائی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عبدُ القاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ لَيْلَةً فِيْ رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ إِنِّيْ أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِءٍ وَّاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً أُخْرَى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ (بخاری) [1]

ترجمہ: میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات میں مسجدِ نبوی کی طرف گیا، تو دیکھا کہ لوگ چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں متفرق ہوکر تراویح کی نماز پڑھ رہے ہیں، کوئی اپنی نماز الگ پڑھ رہا ہے، اور کسی کے ساتھ چند لوگ مل کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں ان سب کو ایک قاری کی اقتداء میں جمع کردوں، تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔

پھر غور فکر (اور مشورہ) کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا پختہ ارادہ کرلیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں سب

---

[1] رقم الحدیث ۲۰۱۰، کِتَاب صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ، بَاب فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ واللفظ لهٗ، معرفة السنن والآثار للبیهقی، رقم الحدیث ۱۴۴۲، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث ۷۷۲۳.

کو جمع کر دیا، پھر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوسری رات مسجد میں گیا، تو سب لوگ ایک قاری کی اقتداء میں تراویح کی نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ (ایک قاری کی اقتداء میں سب کو جمع کرنا) اچھی ایجاد ہے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک قاری کی اقتداء میں سب کو جمع فرمانے سے پہلے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف جماعتوں کی شکل میں اور بعض انفرادی طور پر تراویح پڑھا کرتے تھے، اور تراویح میں حسبِ توفیق قرآن مجید بھی پڑھا اور سنا کرتے تھے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قاری کی اقتداء میں سب کو جمع فرما دیا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اچھی ایجاد ہونے کا مطلب یہی تھا کہ یہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کی تکمیل ہے۔

حضرت نوفل بن ایاس ہذلی فرماتے ہیں کہ:

كُنَّا نَقُوْمُ فِيْ عَهْدِ عُمَرِ بْنِ الْخَطَّابِ فِرَقًا فِيْ رَمَضَانَ فِي الْمَسْجِدِ إِلٰى هَاهُنَا وَهَاهُنَا فَكَانَ النَّاسُ يَمِيْلُوْنَ عَلٰى أَحْسَنِهِمْ صَوْتًا ، فَقَالَ عُمَرُ: أَلَا أُرَاهُمْ قَدْ اِتَّخَذُوا الْقُرْآنَ أَغَانِيَ ، أَمَا وَاللّٰهِ لَئِنِ اسْتَطَعْتُ لَأُغَيِّرَنَّ هٰذَا قَالَ :فَلَمْ يَلْبَثْ إِلَّا ثَلَاثَ لَيَالٍ حَتّٰى أَمَرَ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ، فَصَلّٰى بِهِمْ ، ثُمَّ قَامَ فِيْ مُؤَخَّرِ الصُّفُوْفِ فَقَالَ: إِنْ كَانَتْ هٰذِهٖ بِدْعَةٌ لَنِعْمَتِ الْبِدْعَةُ (الصيام للفريابى) [1]

ترجمہ: ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے (ابتدائی) دورِ خلافت میں رمضان میں مسجد میں تراویح پڑھتے تھے، کچھ لوگ یہاں اور کچھ لوگ وہاں، الگ

[1] رقم الحديث ۱۷۲، ص ۱۲۸، الناشرى: الدار السلفية -بومباى، واللفظ لهٗ، الطبقات الكبرىٰ لابنِ سعد، ج۵ ص ۴۴، تحت ترجمة نوفل بن إياس الهذلى، خلق افعال العباد للبخارى، رقم الحديث ۱۰۵، مختصراً الىٰ قوله فصلىٰ بهم .

الگ ہوکر تراویح پڑھا کرتے تھے، اورلوگ اچھی آواز والے امام کی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں ان کونہیں دیکھ رہا ہوں کہ انہوں نے قرآن مجید کو گانا سمجھ لیا ہے (کہ صرف اچھی آواز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں) اللہ کی قسم! اگر مجھے قدرت ہوئی تو میں اس طرزِ عمل کو بدل دوں گا۔

پس تین دن ٹھہرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب کو حکم فرمایا، پھر انہوں نے سب کو تراویح پڑھائی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ (حکمت ومصلحت کے تحت) آخری صف میں موجود رہتے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر یہ کسی کونئی ایجاد معلوم ہوتی ہے، تو اچھی ایجاد ہے (الصیام للفریابی)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حالات کو بھانپ کر اور جائزہ لے کر خوب غور وفکر کرنے کے بعد سب کو ایک امام کی اقتداء میں جمع کیا تھا، اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا تھا، اور خود بھی تراویح کی جماعت میں شامل رہتے تھے۔

اس لئے تراویح کی نماز سنت اور انتہائی مبارک عمل ہے، ہر مسلمان کو اس کا حتی الامکان اہتمام کرنا چاہئے، اور کوئی عذر نہ ہو تو باجماعت تراویح پڑھنی چاہئے۔

تراویح میں قرآن مجید پڑھنے یا سننے کی فضیلت

اگر کوئی معقول عذر نہ ہو تو تراویح میں ایک مرتبہ قرآن مجید پڑھ کر یا سُن کر مکمل کرنا بھی سنت ہے، اور تراویح میں قرآن مجید پڑھنے اور سننے کی عظیم فضیلت ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ وَكَانَ أَجْوَدَ مَا

يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ وَكَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ فَلَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضانُ المبارک میں جب جبریل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے تھے تو آپ بہت زیادہ سخی اور فیاض ہوجاتے تھے اور جبریل آپ سے رمضان کی ہر رات میں ملاقات کرتے تھے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن مجید سننے سنانے کا عمل کیا کرتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھلائی اور خیر کے کاموں میں تیز ہوا سے بھی زیادہ فیاضی وسخاوت فرماتے تھے (بخاری؛ مسند احمد)

اس قسم کی اور احادیث بھی مروی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں قرآن مجید کے سننے سنانے کا حضرت جبریل کے ساتھ عمل کیا کرتے تھے، اور تراویح کی نماز کی شکل میں بھی قرآن مجید سننے سنانے کا عمل پایا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ، يَتْلُونَ كِتَابَ اللّٰهِ، وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمِ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ، وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ، لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ (مسلم) [2]

---

[1] رقم الحديث ٦، باب بدء الوحی، واللفظ لهٗ؛ نسائی، رقم الحديث ٢٠٩٥؛ مسند احمد، رقم الحديث ٢٦١٦.

[2] رقم الحديث ٢٦٩٩ "٣٨" كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر.

ترجمہ: اور جو شخص کسی راستے پر چلا، جس میں وہ علم کو تلاش کر رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے ذریعہ سے جنت کی طرف راستے کو سہل بنا دیتے ہیں، اور جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتابُ اللہ کی تلاوت اور باہم درس وتدریس کرتی ہے، تو ان لوگوں پر سکینہ نازل ہوتا ہے، اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، اور ان کا ذکر، اللہ تعالیٰ اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں کرتے ہیں، اور جس کا عمل سست ہو، تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا (یعنی عمل خراب ہونے کی صورت میں حسب ونسب اور خاندان کا اچھا ہونا انسان کی نجات کا سامان نہیں کرتا) (مسلم)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَرَأَ رَجُلٌ الْكَهْفَ، وَفِي الدَّارِ دَابَّةٌ فَجَعَلَتْ تَنْفِرُ، فَنَظَرَ فَإِذَا ضَبَابَةٌ، أَوْ سَحَابَةٌ قَدْ غَشِيَتْهُ، قَالَ: فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: اِقْرَأْ فُلَانُ، فَإِنَّهَا السَّكِيْنَةُ تَنَزَّلَتْ عِنْدَ الْقُرْآنِ، أَوْ تَنَزَّلَتْ لِلْقُرْآنِ (مسلم) [1]

ترجمہ: ایک آدمی سورہ کہف کی قرائت کر رہا تھا، اور گھر میں ایک چوپایہ تھا، جس نے بدکنا شروع کیا، تو اس آدمی نے اچانک ایک سائے یا بادل کو دیکھا، جس نے اسے ڈھانپ لیا تھا، پھر اس آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے فلاں شخص قرآن مجید کی قرائت کرتے رہو (کچھ اندیشہ نہ کرو) کیونکہ یہ سکینہ ہے، جو قرآن کے نزدیک یا قرآن کے لئے نازل ہوتا ہے (مسلم)

---

[1] رقم الحدیث ۷۹۵ ''۲۴۱'' کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر، واللفظ لہٗ، بخاری، رقم الحدیث ۵۰۱۱، ورقم الحدیث ۳۶۱۴، مسند احمد، رقم الحدیث ۱۸۵۰۹.

اسی طرح کا واقعہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ انہوں نے رات کو قرآن مجید کی قرائت کرنے کے وقت میں اپنے سر کے اوپر ایک سایہ دیکھا، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد مرتبہ ذکر کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

تِلْکَ الْمَلَائِکَۃُ کَانَتْ تَسْتَمِعُ لَکَ، وَلَوْ قَرَأْتَ لَأَصْبَحَتْ یَرَاھَا النَّاسُ مَا تَسْتَتِرُ مِنْھُمْ (مسلم) [1]

ترجمہ: یہ فرشتے تھے، جو آپ کی قرائت کو سن رہے تھے، اور اگر آپ صبح تک قرائت کرتے رہتے، تو آپ پر سایہ کئے ہوئے بعض فرشتوں کو لوگ بھی دیکھ لیتے (مسلم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی قرائت کرنا رحمت اور سکینہ اور فرشتوں کی حاضری کا سبب ہے۔ [2]

اور مذکورہ فضیلت اُن لوگوں کے حق میں بھی ثابت ہے جو تراویح میں قرآن مجید پڑھ اور سُن رہے ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اَلصِّیَامُ وَالْقُرْاٰنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِیَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَقُوْلُ الصِّیَامُ اَیْ رَبِّ مَنَعْتُہٗ الطَّعَامَ وَالشَّھَوَاتِ بِالنَّھَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ وَیَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُہٗ

---

[1] رقم الحدیث ۶۹۷۲ ”۲۷۴۲“کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر.

[2] وَفِی ھٰذَا الْحَدِیْثِ جَوَازُ رُؤْیَۃِ آحَادِ الْأُمَّۃِ الْمَلَائِکَۃَ وَفِیْہِ فَضِیلَۃُ الْقِرَاءَۃِ وَأَنَّھَا سَبَبُ نُزُوْلِ الرَّحْمَۃِ وَحُضُورِ الْمَلَائِکَۃِ وَفِیْہِ فَضِیلَۃُ اسْتِمَاعِ الْقُرْآنِ قَوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اقْرَأْ فُلَانٌ وَفِی الروایۃ الأخری اقرأ ثلاث مرات معناہ کَانَ یَنْبَغِی أَنْ تَسْتَمِرَّ عَلَی الْقُرْآنِ وَتَغْتَنِمَ مَا حَصَلَ لَکَ مِنْ نُزُوْلِ السَّکِینَۃِ وَالْمَلَائِکَۃِ وَتَسْتَکْثِرَ مِنَ الْقِرَاءَۃِ الَّتِی ھِیَ سَبَبُ بَقَائِھَا (شرح النووی علی مسلم، ج۶ ص ۸۲، باب نزول السکینۃ لقراءۃ القرآن)

النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِيْهِ قَالَ فَيُشَفَّعَانِ (مسند احمد)[1]

ترجمہ: روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے، روزہ عرض کرے گا کہ:

اے میرے رب! میں نے اس بندے کو دن میں کھانے پینے اور نفس کی خواہش پوری کرنے سے روکے رکھا تھا، آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما) اور قرآن کہے گا کہ:

اے میرے رب! میں نے اس بندے کو رات کو سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا، آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ رحمت ومغفرت کا معاملہ فرما)

چنانچہ روزہ وقرآن دونوں کی سفارش اس بندے کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لئے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرمادیا جائے گا) (مسند احمد)

اس حدیث میں ایک ساتھ روزہ اور قرآن مجید کی سفارش کا ذکر ہے کہ وہ قیامت کے روز بندے کی سفارش کریں گے اور اُن کی سفارش قبول کی جائے گی۔

---

[1] رقم الحديث ٦٣٣٧، المعجم الكبير للطبرانی رقم الحديث٨٨، مستدرک حاكم رقم الحديث ٢٠٣٦.

قال احمد بن أبی بكر بن إسماعيل البوصيری: رواه أبويعلی الموصلی وفی سنده ابن لهيعة، لكن رواه أحمد بن حنبل والطبرانی فی الكبير ورجالهما رجال الصحيح ورواه ابن أبی الدنيا بإسناد حسن والحاكم وصححه .(اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، ج٣ص٦٧، باب فی صوم شهر رمضان وفضله)

وقال الهيثمی : رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالطَّبَرَانِيُّ فِی الْكَبِيرِ ، وَرِجَالُ الطَّبَرَانِيِّ رِجَال الصحيح (مجمع الزوائدج٣ص ١٨١)

وقال فی موضع آخر: رَوَاهُ أَحْمَدُ ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ عَلَى ضَعْفٍ فِی ابْنِ لَهِيعَةَ ، وَقَدْ وُثِّقَ (مجمع الزوائد، ج١٠ ص ٣٨١، بَابُ شَفَاعَةِ الْأَعْمَالِ)

وقال المنذری: رواه أحمد والطبرانی فی الكبير ورجاله محتج بهم فی الصحيح ورواه ابن أبی الدنيا فی كتاب الجوع وغيره بإسناد حسن والحاكم وقال صحيح على شرط مسلم(الترغيب والترهيب ج ٢ ص ٥٠)

وقال الالبانی: وجملة القول أن الحديث حسن الإسناد (تمام المنة فی التعليق على فقه السنة، ج١، ص٣٩٥، الناشر :المكتبة الإسلامية ، دار الراية للنشر)

اور جب رمضانُ المبارک میں دن کے وقت روزہ رکھا جائے اور رات کو تراویح میں قرآن مجید کی تلاوت یا اُس کی سماعت کی جائے، تو یہ دونوں مقصد ایک ساتھ حاصل ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید کی سفارش کرنے اور اُس کی سفارش قبول کیے جانے کا اور احادیث میں بھی ذکر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَحَرْفًا مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ فَلَہٗ بِہٖ حَسَنَۃٌ وَالْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا لَااَقُوْلُ الٓمّٓ حَرْفٌ وَلٰکِنْ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِیْمٌ حَرْفٌ (ترمذی) [۱]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف بھی پڑھتا ہے اس کو اس کے بدلے میں ایک نیکی ملتی ہے اور ہر نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے (بلکہ) الف ایک حرف، لام ایک حرف، اور میم ایک حرف ہے (ترمذی)

یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [۲]

---

[۱] رقم الحدیث ۲۹۱۰، ابواب فضائل القرآن، بَاب مَا جَاء َفِیمَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ الْقُرْآنِ مَالَهُ مِنْ الْأَجْرِ.
قال الترمذی: وَيُرْوَى هَذَا الحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ هَذَا الوَجْهِ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ ، رَوَاهُ أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، رَفَعَهُ بَعْضُهُمْ وَوَقَفَهُ بَعْضُهُمْ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ "، :هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الوَجْهِ سَمِعْت قُتَيْبَةَ بْنَ سَعِيدٍ، يَقُولُ :بَلَغَنِي أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ كَعْبٍ القُرَظِيَّ وُلِدَ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ كَعْبٍ يُكْنَى أَبَا حَمْزَةَ.

[۲] عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنَ الْقُرْآنِ كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ، وَلَا أَقُولُ (الم ذٰلِکَ الْكِتَابُ) (البقرة2 :) وَلَكِنَّ الْأَلِفَ حَرْفٌ، وَاللَّامَ حَرْفٌ، وَالْمِيمَ حَرْفٌ، وَالذَّالَ حَرْفٌ، وَاللَّامَ حَرْفٌ، وَالْكَافَ حَرْفٌ .لَا يُرْوَى هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ إِلَّا بِهَذَا الْإِسْنَادِ، تَفَرَّدَ بِهِ :سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ(المعجم الأوسط للطبرانی، رقم الحديث ۳۱۴)

عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ مَأْدُبَةُ اللَّهِ فَاقْبَلُوا مِنْ مَأْدُبَتِهِ مَا اسْتَطَعْتُمْ، إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ حَبْلُ اللَّهِ، وَالنُّورُ الْمُبِينُ، وَالشِّفَاءُ النَّافِعُ عِصْمَةٌ لِمَنْ تَمَسَّكَ بِهِ، وَنَجَاةٌ لِمَنْ تَبِعَهُ، لَا يَزِيغُ فَيُسْتَعْتَبَ، وَلَا يَعْوَجُّ فَيُقَوَّمُ، وَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ، وَلَا يَخْلَقُ مِنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ، اتْلُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْجُرُكُمْ عَلَى تِلَاوَتِهِ كُلَّ حَرْفٍ عَشْرَ حَسَنَاتٍ، أَمَا إِنِّي لَا أَقُولُ الم حَرْفٌ، وَلَكِنْ أَلِفٌ وَلَامٌ وَمِيمٌ .هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ بِصَالِحِ بْنِ عُمَرَ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۲۰۴۰)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اُن کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يَبْتَغِيْ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ حَرْفٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمَحْوُ عَشْرِ سَيِّئَاتٍ (مصنف ابن أبی شيبة) [1]

ترجمہ: جس نے قرآن کو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے (یعنی اخلاص کے ساتھ) پڑھا، تو اُس کو ہر حرف پر دس نیکیاں حاصل ہوں گی، اور دس گناہ مٹا دیے جائیں گے (ابنِ ابی شیبہ)

اس سے قرآن مجید اخلاص کے ساتھ پڑھنے کی عظیم فضیلت معلوم ہوئی۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٣٠٥٥٥، كتاب فضائل القرآن، باب ثواب من قرأ حروف القرآن.

[2] وعن ابن مسعود قال قال رسول الله من قرأ حرفا أی قابلا للإنفصال أو المراد به مثلا من كتاب الله أی القرآن فله به حسنة أی عطية والحسنة بعشر أمثالها أی مضاعفة بالعشر وهو أقل التضاعف الموعود بقوله تعالى من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها والله يضاعف لمن يشاء الأنعام وللحرم مزية على غيره والحرف يطلق على حرف الهجاء والمعانی والجملة المفيدة والكلمة المختلف فی قراء تها وعلى مطلق الكلمة ولذا قال عليه الصلاة والسلام لا أقول ألم حرف ألف بالسكون على الحكاية وقيل بالتنوين حرف ولام حرف وميم حرف قال الطيبی مسمى ألف حرف والاسم ثلاثة أحرف وكذا مسمى ميم وهو مه حرف لما تقرر أن لفظه ميم اسم لهذا المسمى فحمل الحرف فی الحديث على المذكورات مجازا لأن المراد منه فی ضرب الله مثلا كل واحد من ضه وره وبه وعلى هذا إن أريد بألم مفتتح سورة الفيل يكون عدد الحسنات ثلاثين وإن أريد به مفتتح سورة البقرة وشبهها بلغ العدد تسعين اه ولا يخفى أن الوجه الأول بعيد إذ الرواية ألم بالمد لا بفتح اللام وسكون الميم وعلى الوجه الثانی المناسب أن يقال فأحرف بدل ميم حرف إلا أن يقال أنه عليه الصلاة والسلام ذكر من ألم من كل كلمة حرفا وأن يلاحظ المسميات نظرا إلى أن ألم عبارة إجمالية عن تلك المسميات وليس المقصود أداء نفس الأسماء ويمكن أن يوجه الوجه الأول بأن مراده أن فی فاتحة سورة البقرة يكون عدد الحسنات تسعين وفی فاتحة سورة الفيل يكون عددها ثلاثين كما هو عبارة المختصر ولا يريد أن لفظ الحديث يحتملهما لأنه جاء صريحا فی رواية ابن أبی شيبة والطبرانی من قرأ حرفا من القرآن كتب له به حسنة لا أقول ألم ذلك الكتاب ولكن الألف واللام والميم والذال واللام والكاف اه وظاهره أن المعتبر فی الحساب الحروف المكتوبة لا الملفوظة وفی رواية للبيهقی لا أقول بسم الله ولكن باء وسين وميم ولا أقول ألم ولكن الألف واللام والميم رواه الترمذی والدارمی وقال الترمذی هذا حديث صحيح غريب إسنادا أی لا متنا تمييز عن نسبة غريب وقال ووقفه عليه بعضهم وعن الحارث الأعور تابعی من أصحاب علی قال مررت فی المسجد أی بناس جالسين قال الطيبی فی المسجد ظرف والمرور به محذوف يدل عليه قوله فإذا الناس يخوضون أی يدخلون دخول مبالغة (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، كتاب فضائل القرآن)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يُقَالُ، يَعْنِي لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ: اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُ بِهَا (ترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صاحبِ قرآن سے کہا جائے گا کہ آپ (قرآن مجید کی) قراءت کیجئے، اور چڑھیے، اور قرآن مجید کو اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے، جس طرح آپ دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے، پس آپ کا مقام اُس آیت کے آخر پر ہوگا، جس کی آپ قراءت کریں گے (ترمذی)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَإِنَّ الْقُرْآنَ يَلْقَى صَاحِبَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِينَ يَنْشَقُّ عَنْهُ قَبْرُهُ كَالرَّجُلِ الشَّاحِبِ، فَيَقُولُ لَهُ: هَلْ تَعْرِفُنِي ؟ فَيَقُولُ: مَا أَعْرِفُكَ فَيَقُولُ: أَنَا صَاحِبُكَ الْقُرْآنُ الَّذِي أَظْمَأْتُكَ فِي الْهَوَاجِرِ وَأَسْهَرْتُ لَيْلَكَ، وَإِنَّ كُلَّ تَاجِرٍ مِنْ وَرَاءِ تِجَارَتِهِ، وَإِنَّكَ الْيَوْمَ مِنْ وَرَاءِ كُلِّ تِجَارَةٍ فَيُعْطَى الْمُلْكَ بِيَمِينِهِ، وَالْخُلْدَ بِشِمَالِهِ، وَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ، وَيُكْسَى وَالِدَاهُ حُلَّتَيْنِ لَا يُقَوِّمُ لَهُمَا أَهْلُ الدُّنْيَا فَيَقُولَانِ: بِمَ كُسِينَا هٰذَا ؟ فَيُقَالُ: بِأَخْذِ وَلَدِكُمَا الْقُرْآنَ، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: اِقْرَأْ وَاصْعَدْ فِي دَرَجِ الْجَنَّةِ وَغُرَفِهَا، فَهُوَ فِي صُعُودٍ مَا دَامَ يَقْرَأُ، هَذًّا كَانَ، أَوْ تَرْتِيلًا (مسند احمد) [2]

---

[1] رقم الحديث ۲۹۱۴، ابواب فضائل القرآن؛ ابوداؤد، رقم الحديث ۱۴۶۴.
قال الترمذی: "هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَاصِمٍ، بِهَذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

[2] رقم الحديث ۲۲۹۵۰؛ شرح السنة للبغوی، ج۴، ص۴۵۴، باب فضل سورة البقرة وآل عمران.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: اور قیامت کے دن جب انسان کی قبر شق ہوگی تو قرآن اپنے پڑھنے والے سے جو لاغر آدمی کی طرح ہوگا ملے گا اور اس سے پوچھے گا کہ کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا کہ میں تمہیں نہیں پہچانتا، قرآن کہے گا کہ میں تمہارا وہی ساتھی قرآن ہوں جس نے تمہیں سخت گرم دوپہروں میں پیاسا رکھا اور راتوں کو جگایا، ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہوتا ہے، اور آپ آج بھی اپنی تجارت کے پیچھے ہوگے چنانچہ اس کے دائیں ہاتھ میں حکومت اور بائیں ہاتھ میں ہمیشہ (جنت کا آرام وسکون) دے دیا جائے گا اور اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا اور اس کے والدین کو ایسے جوڑے پہنائے جائیں گے جن کی قیمت ساری دنیا کے لوگ مل کر بھی ادا نہ کرسکیں گے اس کے والدین پوچھیں گے کہ ہمیں یہ لباس کس سبب سے پہنایا گیا؟ تو جواب دیا جائے گا کہ تمہاری اولاد کے قرآن حاصل کرنے کی برکت سے پھر اس سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھنا اور جنت کے درجات اور بالاخانوں پر چڑھنا شروع کردو چنانچہ جب تک وہ پڑھتا رہے گا چڑھتا رہے گا خواہ تیزی کے ساتھ پڑھے یا ٹھہر ٹھہر کر (اس کی تلاوت اور قرائت کے مطابق ہی درجات حاصل ہوں گے) (مسند احمد)

ترتیل کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید پڑھنا جس میں ہر حرف اور اُس کی حرکات وسکنات واضح ہوں، زیادہ اجر وثواب اور فضیلت کا باعث ہے۔

اور کچھ تیز پڑھنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ اتنا تیز نہ ہو کہ جس میں حروف کٹ جائیں یا اپنے مخارج سے نہ نکلیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قال البغوی: هذا حديث حسن غريب.

وفی حاشية مسند احمد: إسناده حسن فی المتابعات والشواهد من أجل بشير بن المهاجر الغَنَوی، وباقی رجاله ثقات رجال الشيخين.

[1] قَوْلُهُ وَمَا يُكْرَهُ أَنْ يُهَذَ كَهَذِّ الشِّعْرِ كَأَنَّهُ يُشِيرُ إِلَى أَنَّ اسْتِحْبَابَ التَّرْتِيلِ لَا يَسْتَلْزِمُ كَرَاهَةَ الْإِسْرَاعِ وَإِنَّمَا الَّذِی يُكْرَهُ الْهَذُّ وَهُوَ الْإِسْرَاعُ الْمُفْرِطُ بِحَيْثُ يَخْفَى كَثِيرٌ مِنَ الْحُرُوفِ أَوْ لَا تَخْرُجُ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

صاحبِ قرآن سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن مجید کی تلاوت کثرت سے کرتا ہو، اور اُس پر عمل کرتا ہو، جس کے اولین مصداق قرآن مجید کے حفاظ ہیں، جن کو وقار کا تاج پہنایا جائے گا، اور اُن کے والدین کو عمدہ ترین اور انتہائی عالیشان لباس پہنایا جائے گا۔

اور قرآن پڑھنے کے ساتھ چڑھتے جانے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ جس طرح کی قراءت کرے گا، اُسی طرح کا مقام حاصل ہوگا۔

پس جو اچھے طریقے سے قرائت کرے گا، اُس کو اُسی طرح کا مقام حاصل ہوگا، اور جو اچھی قرائت کے ساتھ قرآن مجید کے علوم سے بھی واقف ہوگا اور سمجھ کر تلاوت کرے گا، اُس کو اُس کے مطابق اجر حاصل ہوگا۔ [1]

اور جو بندہ اچھی آواز کے ساتھ قرآن مجید پڑھے گا، اس کو زیادہ شرفِ قبول حاصل ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

مِنْ مخارجها (فتح الباری لابن حجر، ج۹، ص ۸۹، قَوْلُهُ بَابُ التَّرْتِيلِ فِي الْقِرَاءَةِ)

قوله " :أَهَذًا "الألف فيه للاستفهام، أي :أتهذ هذا كهذ الشعر، والهذ سرعة القراءة، أي :بسرعة كسرعة من يسرع في قراء الشعر .وقال الشيخ محي الدين :الهذ -بتشديد الذال -هو شدة الإسراع، والإفراط في العجلة، ففيه النهي عن الهذ، والحث على الترتيل، والتدبر، وبه قال جمهور العلماء، قال القاضي :وأباحت طائفة قليلة الهذ، وقال في " :كهذ الشعر "معناه في تحفظه وروايته، لا في إنشاده وترنمه، لأنه يرتل في الإنشاد والترنم في العادة (شرح ابی داوٗد للعینی، ج۵، ص ۳۰۱، کتاب الصلاۃ، باب تحزیب القرآن)

وَيُسَنُّ تَرْتِيلُ الْقِرَاءَةِ :قَالَ الله تعالى (ورتل القرآن ترتيلا) وَثَبَتَ فِي الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ أَنَّ قِرَاءَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ مُرَتَّلَةً وَاتَّفَقُوا عَلَى كَرَاهَةِ الْإِفْرَاطِ فِي الْإِسْرَاعِ وَيُسَمَّى الْهَذُّ (المجموع شرح المهذب، ج۲ ص ۱۶۵، باب ما يوجب الغسل)

[1] (وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -:يُقَالُ) ، أَيْ عِنْدَ دُخُولِ الْجَنَّةِ وَتَوَجُّهِ الْعَامِلِينَ إِلَى مَرَاتِبِهِمْ عَلَى حَسَبِ مَكَاسِبِهِمْ (لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ) ، أَيْ مَنْ يُلَازِمُهُ بِالتِّلَاوَةِ وَالْعَمَلِ لَا مَنْ يَقْرَؤُهُ وَهُوَ يَلْعَنُهُ (اقْرَأْ وَارْتَقِ) ، أَيْ إِلَى دَرَجَاتِ الْجَنَّةِ أَوْ مَرَاتِبِ الْقُرْبِ (وَرَتِّلْ) ، أَيْ لَا تَسْتَعْجِلْ فِي قِرَاءَتِكَ فِي الْجَنَّةِ الَّتِي هِيَ لِمُجَرَّدِ التَّلَذُّذِ وَالشُّهُودِ الْأَكْبَرِ كَعِبَادَةِ الْمَلَائِكَةِ (كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ) ، أَيْ قِرَاءَتُكَ، وَفِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ الْجَزَاءَ عَلَى وَفْقِ الْأَعْمَالِ كَمِّيَّةً وَكَيْفِيَّةً (فِي الدُّنْيَا) مِنْ تَجْوِيدِ الْحُرُوفِ وَمَعْرِفَةِ الْوُقُوفِ النَّاشِئِ عَنْ عُلُومِ الْقُرْآنِ وَمَعَارِفِ الْفُرْقَانِ (فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَؤُهَا) (مرقاۃ المفاتیح، ج۴ ص ۱۴۶۹، كِتَابُ فَضَائِلِ الْقُرْآنِ، الفصل الثانی)

أَنَّـهُ سَـمِـعَ رَسُـوْلَ الـلّٰـهِ صَـلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ: مَا أَذِنَ اللّٰهُ لِشَىْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حُسْنَ الصَّوْتِ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآنِ، يَجْهَرُ بِهٖ (مسلم) [1]

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کسی چیز کو اس طرح کان لگا کر (یعنی توجہ کے ساتھ) نہیں سنتے جتنا خوش آواز نبی کے آوازِ بلند قرآن پڑھنے کو سنتا ہے (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کو خوش آوازی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں (بخاری)

قرآن مجید، اللہ کا کلام ہے، اس وجہ سے اس کو لاپرواہی یا بھونڈی آواز کے ساتھ پڑھنا پسندیدہ نہیں، بلکہ خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا پسندیدہ ہے، بشرطیکہ خوش آوازی میں تجوید اور قرآن مجید کے الفاظ کی ترتیب وتنظیم کی رعایت کی جائے۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ٧٩٢ ''٢٣٣''كتاب صلاة المسافرين وقصرها، بَابُ اسْتِحْبَابِ تَحْسِينِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ؛ ابوداؤد، رقم الحديث ١٤٧٣.

[2] رقم الحديث ٧٥٢٧، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى :وأسروا قولكم أو اجهروا به، إنه عليم بذات الصدور، ألا يعلم من خلق وهو اللطيف الخبير.

[3] (ليس منا) أى من العاملين بسنتنا الجارين على طريقتنا (من لم يتغن بالقرآن) يعنى لم يحسن صوته به لأن التطريب به أوقع فى النفوس وأدعى للاستماع والإصغاء وهى كالحلاوة التى تجعل فى الدواء لتنفيذه إلى أمكنة الداء وكالأفاوية التى يطيب بها الطعام ليكون الطبع أدعى قبولا له لكن شرطه أن لا يغير اللفظ ولا يخل بالنظم ولا يخفى حرفا ولا يزيد حرفا وإلا حرم إجماعا كما مر قال ابن أبى مليكة :فإن لم يكن حسن الصوت حسنه ما استطاع والقول بأن المراد يستغنى رده الشافعى بأنه لو أراد الاستغناء لقال من لم يستغن نعم اعترض التوربشتى الأول بعد ما رجح جانب معنى الاستغناء فقال :المعنى ليس من أهل سنتنا أو ممن تبعنا فى أمرنا وهو وعيد ولا خلاف بين الأمة أن قارء القرآن مثاب فى غير تحسين صوته فكيف يجعل مستحقا للوعيد وهو مأجور .قال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: زَیِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِکُمْ، فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ یَزِیْدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کیا کرو، کیونکہ اچھی آواز قرآن کے حسن کو زیادہ کرتی ہے (حاکم)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، یَقُوْلُ: إِنَّ حُسْنَ الصَّوْتِ تَزْیِیْنٌ لِلْقُرْآنِ (مسند البزار) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ فرمان سُنا کہ اچھی آواز قرآن کی زینت ہے (بزار)

قرآن مجید کو تجوید کے قواعد کی رعایت کے ساتھ ساتھ خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا قرآن مجید کے حُسن وخوبصورتی اور تزیین کا باعث ہے، جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے، اوراس طرح قرآن مجید کی تلاوت اور اُس کی سماعت دِلوں میں زیادہ اَثر کرنے اور ایمان کی زیادتی اور قرآن مجید کے مضامین ومعانی میں تدبُّر اور غور وفکر کرنے کا ذریعہ ہے۔

مگر قرآن مجید میں خوش آوازی اُسی وقت تک مطلوب اور محمود وپسندیدہ ہے، جب تک اس کو اللہ کا کلام سمجھ کر پڑھا جائے، اور اس میں موسیقی اور گانے کے طرز وطریقہ سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الطیبی :ویمکن حمله علی معنی التغنی أی لیس منا معشر الأنبیاء من یحسن صوته بالقرآن ویستمع الله منه بل یکون من جملة من هو نازل عن مرتبتهم فیثاب علی قراء ته کسائر المسلمین لا علی تحسین صوته کالأنبیاء ومن تبعهم فیه(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، تحت رقم الحدیث ۷۶۹۰)

[1] رقم الحدیث ۲۱۲۵، ج۱ ص۷۶۸، کتاب فضائل القرآن.

[2] رقم الحدیث ۱۵۵۳، ج۴ ص۳۵۳، مسند عبدالله بن مسعود رضی الله عنه ؛ مختصر قیام اللیل لمحمد بن نصر المروزی، رقم الحدیث ۱۵۱.

بچا جائے۔ [1]

اسی وجہ سے کئی احادیث میں قرآن مجید کو اچھی آواز کے ساتھ پڑھنے کی تفسیر اللہ کی خشیت وڈر سے کی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ صَوْتًا بِالْقُرْآنِ، اَلَّذِیْ إِذَا سَمِعْتُمُوْہُ یَقْرَأُ، حَسِبْتُمُوْہُ یَخْشَی اللّٰہَ (سنن ابن ماجه) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں قرآن مجید کے ساتھ زیادہ اچھی آواز والا وہ شخص ہے کہ جب تم اُس کو قرائت کرتے ہوئے سُنو تو تم یہ سمجھو کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے (ابنِ ماجہ)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحْسَنُ النَّاسِ صَوْتًا بِالْقُرْآنِ؟ قَالَ: مَنْ إِذَا سَمِعْتَ قِرَاءَتَہٗ رَأَیْتَ أَنَّہٗ یَخْشَی اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ (المعجم الأوسط للطبرانی) [3]

---

[1] (زینوا بأصواتکم بالقرآن) أی الھجوا بقراء ته واشغلوا أصواتکم به واتخذوه شعارا وزینة لأصواتکم (فإن الصوت الحسن یزید القرآن حسنا) وفی أدائه بحسن الصوت وجودة الأداء بعث للقلوب علی استماعه وتدبره والإصغاء إلیه قال التوربشتی :ھذا إذا لم یخرجه التغنی عن التجوید ولم یصرفه عن مراعاة النظم فی الکلمات والحروف فإن انتھی إلی ذلک عاد الاستحباب کراھة وأما ما أحدثه المتکلفون بمعرفة الأوزان والموسیقی فیأخذون فی کلام الله مأخذھم فی التشبیب والغزل فإنه من أسوأ البدع فیجب علی السامع النکیر وعلی التالی التعزیر وأخذ جمع من الصوفیة منه ندب السماع من حسن الصوت وتعقب بأنه قیاس فاسد وتشبیه للشیء بما لیس مثله وکیف یشبه ما أمر الله به بما نھی عنه(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، تحت رقم الحدیث ۴۵۷۷)

[2] رقم الحدیث ۱۳۳۹، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیھا، باب فی حسن الصوت بالقرآن.

[3] رقم الحدیث ۲۰۷۴، ج۲ص ۳۱۱، باب الالف؛ مسند الرویانی، رقم الحدیث ۱۴۰۴، تاریخ أصبھان، ج ۱، ص ۳۵۶.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قرآن مجید کے ساتھ زیادہ اچھی آواز والا کون شخص ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ شخص ہے کہ جس کی قرائت کو آپ سُنیں تو آپ یہ سمجھیں کہ وہ اللہ عزوجل سے ڈرتا ہے (طبرانی)

جب تلاوت کرنے والا قرآن مجید کو اللہ کی کتاب سمجھ کر اچھی آواز کے ساتھ پڑھتا ہے، تو اُس میں یقیناً اللہ تعالیٰ کی خشیت اور خوف ہوتا ہے، جو اُس کی آواز سے ظاہر ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے وہ قرآن مجید کو دوسرے کلام اور بالخصوص موسیقی کے طرز سے پڑھنے سے اجتناب کرتا ہے؛ اس لئے قرآن مجید کو اچھی آواز کے ساتھ پڑھنے میں جب اللہ تعالیٰ کی خشیت کے آثار ظاہر ہوں گے، تو اس کو اُس اچھی آواز سے پڑھنا قرار دیا جائے گا، جو اللہ تعالیٰ کو پسند اور قرآن مجید کی زینت ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الهيثمي: رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ، وَفِيهِ حُمَيْدُ بْنُ حَمَّادِ بْنِ خُوَارٍ، وَثَّقَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَقَالَ :رُبَّمَا أَخْطَأَ، وَبَقِيَّةُ رِجَالِ الْبَزَّارِ رِجَالُ الصَّحِيحِ(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١١٦٩٧، بَابُ أَيِّ النَّاسِ أَحْسَنُ قِرَاءَةً)

وقال ابن حجر:هذا حديث حسن(نتائج الأفكارفى تخريج أحاديث الأذكار، ج٣،ص ٢٢٠)

[1] وَعَنْ طَاوُوسٍ مُرْسَلًا قَالَ :سُئِلَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -أَيُّ النَّاسِ أَحْسَنُ صَوْتًا لِلْقُرْآنِ) قِيلَ :اللَّامُ لِلتَّبْيِينِ (وَأَحْسَنُ قِرَاءَةً) ، أَيْ :تَرْتِيلًا وَأَدَاءً (قَالَ :مَنْ إِذَا سَمِعْتَهُ يَقْرَأُ أُرِيتَ) بِصِيغَةِ الْمَجْهُولِ، أَيْ :حَسِبْتَهُ وَظَنَنْتَهُ (أَنَّهُ يَخْشَى اللَّهَ) وَتَأَثَّرَ قَلْبُكَ مِنْهُ، أَوْ ظَهَرَ عَلَيْهِ آثَارُ الْخَشْيَةِ كَتَغَيُّرِ لَوْنِهِ، وَكَثْرَةِ بُكَائِهِ، قَالَ الطِّيبِيُّ :وَكَانَ الْجَوَابُ مِنْ أُسْلُوبِهِ الْحَكِيمِ حَيْثُ اشْتَغَلَ فِي الْجَوَابِ عَنِ الصَّوْتِ الْحَسَنِ بِمَا يُظْهِرُ الْخَشْيَةَ فِي الْقَارِئِ وَالْمُسْتَمِعِ (قَالَ طَاوُوسٌ :وَكَانَ طَلْقٌ كَذَلِكَ) : أَيْ بِهَذَا الْوَصْفِ، قَالَ الطِّيبِيُّ :هُوَ أَبُو عَلِيٍّ طَلْقُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ عَمْرٍو النَّخَعِيُّ الْيَمَامِيُّ، وَيُقَالُ أَيْضًا: طَلْقُ بْنُ يَمَامَةَ وَهُوَ وَالِدُ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ الْيَمَامِيِّ اهـ .وَذَكَرَهُ الْمُؤَلِّفُ فِي الصَّحَابَةِ، وَقَالَ :رَوَى عَنْهُ ابْنُهُ قَيْسٌ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ) (مرقاة المفاتيح، ج٤ص ١٥٠٦، كِتَابُ فَضَائِلِ الْقُرْآنِ)

(أحسن الناس قراءة) للقرآن القارء (الذى إذا قرأ رأيت) أى علمت (أنه يخشى الله) أى يخافه لأن القراءة حالة تقتضى مطالعة جلال الله وعرفان صفاته ولذلك الحال آثار تنشأ عنها الخشية من وعيد الله وزواجر تذكيره وقوارع تخويفه فمن تلبس بهذا الحال وظهرت عليه هيبة الجلال فهو أحسن الناس قراءة لما دل عليه حاله من عدم غفلة قلبه عن تدبر مواعظ ربه وخشية الله سبب لولوج نور اليقين فى القلب والتلذذ بكلام الرب ولم يكن كذلك فالقرآن لا تجاوز حنجرته (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٢٥٢)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ بِمِائَةِ آيَةٍ فِيْ لَيْلَةٍ، كُتِبَ لَهُ قُنُوْتُ لَيْلَةٍ (مسند احمد، رقم الحديث ١٦٠٥٨) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی نے ایک رات میں سو آیتیں پڑھیں، اس کے لئے ساری رات عبادت کا ثواب لکھا جائے گا (مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کے وقت میں سو آیات کی قرائت کرنے سے پوری رات عبادت کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

اگر ایک دن کی تراویح میں ایک سپارہ بھی تلاوت کرلیا جائے تو اُس سے عموماً یہ تعداد پوری ہوجاتی ہے، اور مذکورہ فضیلت حاصل ہوجاتی ہے، اور حافظِ قرآن کی اقتداء میں تراویح پڑھنے والوں کو بھی امام کے واسطے سے یہ فضیلت حاصل ہوجاتی ہے۔

اوراحادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نماز باجماعت کا ثواب بغیر جماعت کے مقابلے میں پچیس گنا زیادہ ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ أَحَدِكُمْ وَحْدَهُ بِخَمْسَةٍ وَّعِشْرِيْنَ جُزْءًا (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کی نماز تمہارے کسی کے اکیلے نماز پڑھنے سے پچیس جزء (یعنی درجے) افضل ہے (مسلم)

اورتراویح کے اندر جب باجماعت قرآن مجید پڑھا؛ یا سنا جائے گا تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا ثواب بھی اسی حساب سے زیادہ ہوگا۔

---

[1] فی حاشیة مسند احمد: حدیث حسن بشواهده.

[2] رقم الحديث ٦٤٩ "٢٤٥" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد فى التخلف عنها، نسائى رقم الحديث ٨٢٩.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ کَانَ لَہٗ إِمَامٌ، فَقِرَاءَ ۃُ الْإِمَامِ لَہٗ قِرَاءَ ۃٌ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا امام ہو، تو امام کی قراءت اُس کے لئے بھی قراءت ہے (ابنِ ماجہ)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ کَانَ لَہٗ إِمَامٌ، فَقِرَاءَ تُہٗ لَہٗ قِرَاءَ ۃٌ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۴۶۴۳) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا کوئی امام ہو، تو اُس کی قرائت اُس کے مقتدی کے لئے بھی قرائت ہے (مسند احمد)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سند سے ہی ایک روایت ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، قَالَ: کُلُّ مَنْ کَانَ لَہٗ إِمَامٌ، فَقِرَاءَ تُہٗ لَہٗ قِرَاءَ ۃٌ (مصنف ابنِ ابی شيبة) [3]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جس کا کوئی امام ہو، تو اُس امام کی قرائت کرنا اُس کے مقتدی کے لئے بھی قرائت کرنا ہے (ابنِ ابی شیبہ)

تراویح کی نماز میں حافظ جو قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے، وہ مقتدی کی طرف سے بھی کافی ہوتی ہے۔ [4]

---

[1] رقم الحديث ۸۵۰، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا.

[2] فى حاشية مسند احمد: حسن بطرقه وشواهده.

[3] رقم الحديث ۳۸۲۳، كتاب الصلاة، باب من كره القراء ة خلف الإمام.

[4] البتہ بعض فقہاء مقتدی کو سرّی یا جہری قرائت والی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں، لیکن سورہ فاتحہ کے علاوہ امام کی طرف سے باقی قرائت کو وہ بھی مقتدیوں کی طرف سے کافی قرار دیتے ہیں۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ تراویح میں جو امام قرآن مجید کی قرائت کرتا ہے، وہ مقتدی کی بھی قرائت کہلاتی ہے، اور اس سے مقتدی کو بھی قرائت کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

لہٰذا اگر امام نماز میں پورے قرآن مجید کی قرائت کرے گا، اور تجوید اور اچھی آواز کے ساتھ تلاوت کرے گا، تو اُس کے واسطے سے اس کا ثواب اور اس کے فضائل مقتدیوں کو بھی حاصل ہوں گے۔

کئی احادیث میں ایک مہینے میں قرآن مجید کی مکمل تلاوت کا حکم آیا ہے، اس لئے رمضانُ المبارک کے مہینے میں کم از کم ایک مرتبہ قرآن مجید کی تراویح میں تلاوت مکمل کر لینی چاہئے۔ [۱]

مذکورہ تفصیل سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت اور سماعت کا جو ثواب رمضانُ المبارک میں باجماعت تراویح کی شکل میں حاصل ہوتا ہے اس طرح کا ثواب کسی دوسرے طریقے سے قرائت کرنے اور سماعت کرنے سے حاصل نہیں ہوتا، اور اگر تراویح میں پورا قرآن مجید مکمل اور ختم کر لیا جائے، تو اس ختمِ قرآن کی جو فضیلت ہے، تو وہ کسی دوسرے طریقے سے ختم کر کے حاصل ہونا مشکل ہے۔

ایک تو اس وجہ سے کہ یہ رمضان کے بابرکت مہینے میں مکمل ہوتا ہے (اور رمضان میں ادا کیے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الفصل الثانی فی تنقیح المذهب وبسطها مع إبطال بعضها قد علم من هذهم القتارات وامثالها الواقعة من الشفات إنهم افترفوا فی باب الفاتحة خلف الإمام علی ثلاثة مسالک الاول مسلک الحنفية ومن وافقهم أنه لايقرأ الفاتحة خلف الإمام لا فی السرية ولا فی الجهرية الثانی مسلک الشافعية ومن وافقهم أنه يقرأ الفاتحة فی فی السرية والجهرية كليهما الثالث مسلک المالكية ومن وافقهم أنه يقرأ الفاتحة فی السرية دون الجهرية ثم تحت كل مسلک مذاهب متشتة ومسالک متفرقة (إمام الكلام فی القراء ة خلف الإمام لعبدالحی اللكنوی، ج۲، ص۲)

[۱] عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: صُمْ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، قَالَ: أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، فَمَا زَالَ حَتَّى قَالَ: صُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمًا فَقَالَ: اقْرَإِ القُرْآنَ فِي كُلِّ شَهْرٍ، قَالَ: إِنِّي أُطِيقُ أَكْثَرَ فَمَا زَالَ، حَتَّى قَالَ: فِي ثَلَاثٍ (بخاری، رقم الحديث ۱۹۷۸)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، فِي كَمْ أَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قَالَ: فِي شَهْرٍ، قَالَ: إِنِّي أَقْوَى مِنْ ذَلِكَ، يُرَدِّدُ الْكَلَامَ أَبُو مُوسَى، وَتَنَاقَصَهُ حَتَّى قَالَ: اقْرَأْهُ فِي سَبْعٍ، قَالَ: إِنِّي أَقْوَى مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَهُ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ (سنن أبی داود، رقم الحديث ۱۳۹۰)

گئے عمل کو دوسرے دِنوں کے عمل پر عظیمُ الشان فضیلت حاصل ہے)

دوسرے اس وجہ سے کہ یہ باوضو پڑھ کر یا سُن کر مکمل کیا جاتا ہے(جس کی فضیلت بے وضو پڑھنے یا سُننے سے زیادہ ہے)

تیسرے اس وجہ سے کہ یہ نماز کی شکل میں مکمل ہوتا ہے(اور نماز میں پڑھے ہوئے قرآن مجید کی فضیلت غیر نماز سے افضل ہے)

چوتھے اس وجہ سے کہ کھڑے ہوکر پڑھا یا سُنا جاتا ہے(جس کی فضیلت بیٹھ کر پڑھنے یا سُننے سے زیادہ ہے)

پانچویں اس وجہ سے کہ باجماعت نماز کی شکل میں اس کی تکمیل ہوتی ہے(جس کی فضیلت یقیناً تنہا نماز سے زیادہ ہے)

چھٹے اس وجہ سے کہ عموماً مسجد میں اس کی تکمیل ہوتی ہے اور مسجد کا عمل یقیناً عظیم اہمیت کا حامل ہے۔

ساتویں اس وجہ سے کہ تراویح میں پڑھے ہوئے قرآن مجید میں غلطی بتلانے والے سامع کا بھی انتظام ہوتا ہے، اس لیے غلط پڑھے جانے سے حفاظت کا انتظام ہوتا ہے(جبکہ انسان اگر خود سے بیٹھ کر قرآن مجید پڑھے تو اس کا انتظام نہیں ہوتا)

آٹھویں جو لوگ قرآن مجید پڑھے ہوئے نہیں، وہ بھی تراویح میں شامل ہوکر پورے قرآن مجید کو مکمل کرنے کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں، جو اُن کے لیے کسی اور شکل میں حاصل کرنا مشکل ہے۔

نویں اس وجہ سے کہ ہر آدمی کی قرآن مجید کی قرائت تجوید کے مطابق نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے وہ خود سے قرآن مجید تجوید کے ساتھ پڑھ کر مکمل کرنے کی سعادت حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے، اور تراویح کی شکل میں تجوید کے ساتھ پڑھنے والے امام کی اقتداء میں تجوید کے ساتھ قرآن مجید مکمل کرنے کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔

تراویح میں دینی فوائد کے علاوہ دنیاوی اور طبی فوائد بھی موجود ہیں، مثلاً سارے دن روزہ کی حالت میں کھانا نہ کھانے کی وجہ سے افطار کے وقت عام طور پر کھانا زیادہ کھایا جاتا ہے، جس سے جسم پر بوجھ ہوجاتا ہے، جو تراویح کی ورزش سے ہضم ہوجاتا ہے۔

اس لئے ہر مسلمان کو کم از کم رمضانُ المبارک میں ایک مرتبہ تو تراویح میں قرآن مجید پڑھ یا سُن کر قرآن مجید کے ساتھ اپنے تعلق ورشتہ کا ثبوت دینا چاہئے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ رمضانُ المبارک میں روزوں کے ساتھ ساتھ، تراویح اور اُس میں قرآن مجید پڑھنے اور سُننے کے فضائل سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

پھر تراویح کی نماز جس طرح مَرد حضرات کے لئے سنت ہے، اسی طرح خواتین کے لئے بھی سنت ہے۔

نمازِ تراویح کی بیس رکعات سنت ہیں، اور بیس رکعات سے کم تراویح کے سنت ہونے کا کوئی مستند ثبوت نہیں ہے۔

نمازِ تراویح رمضانُ المبارک کی تمام راتوں کی سنت ہے، جس کا آغاز رمضان کا چاند نظر آنے کی رات سے ہوجاتا ہے، اور رمضان کی آخری رات تک باقی رہتا ہے۔

بیٹھ کر تراویح پڑھنا جائز ہے، لیکن اگر کوئی عذر نہ ہو، تو کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے، یہ بھی جائز ہے کہ کچھ رکعات یا رکعت کا کوئی حصہ کھڑے ہوکر اور کچھ رکعات یا رکعت کا کوئی حصہ بیٹھ کر پڑھے۔

تراویح کی بیس رکعات کو دو دو رکعات کر کے پڑھنا چاہئے، اور اگر چار چار کر کے پڑھے تو بھی جائز ہے۔

تراویح کی نماز کا وقت عشاء کی نماز کے فرض پڑھ لینے کے بعد سے شروع ہوکر طلوعِ فجر تک جاری رہتا ہے۔

تراویح کے تفصیلی فضائل واحکام اور نمازِ تراویح کی تعداد کے دلائل کے لئے ہماری دوسری کتاب ''نمازِ تراویح کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں۔

رمضان کے آخری عشرہ میں مسنون اعتکاف

یوں تو اعتکاف نفلی درجے کا بھی ہوتا ہے، جس کے لئے کسی مہینے، تاریخ اور وقت کی کوئی قید نہیں، بلکہ جب بھی اور جتنی دیر بھی چاہیں، کیا سکتا ہے۔

لیکن رمضان کے مہینے میں اعتکاف سنت ہے، اور وہ رمضان کے آخری مکمل عشرے کا اعتکاف ہے۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَعۡتَکِفُ الۡعَشۡرَ الۡاَوَاخِرَ مِنۡ رَمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاہُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ ثُمَّ اِعۡتَکَفَ اَزۡوَاجُہٗ مِنۡ بَعۡدِہٖ (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا وصال فرمادیا، پھر آپ کے بعد آپ کی ازواجِ مطہرات اعتکاف کرتی رہیں (بخاری؛ مسلم)

حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَعۡتَکِفُ الۡعَشۡرَ الۡأَوَاخِرَ مِنۡ

---

[1] مسنون، واجب اور نفلی اعتکاف کے تفصیلی فضائل واحکام ہم نے اپنی دوسری تالیف ''اعتکاف کے فضائل واحکام'' میں ذکر کردیے ہیں، یہاں طوالت سے بچنے کے لئے صرف مسنون اعتکاف سے متعلق مختصر مضمون تحریر کیا گیا ہے۔

قال القدوری :الاعتکاف مستحب، وقال صاحب الهداية :الصحيح أنه سنة مؤكدة، قال ابن الهمام :والحق خلاف كل من الإطلاقين، وهو أن يقال الاعتكاف ينقسم إلى واجب وهو المنذور تنجيزا، أو تعليقا، وإلى سنة مؤكدة، أى وهو اعتكاف العشر الأواخر من رمضان، وإلى مستحب وهو ما سواهما (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۴۴۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف)

[2] رقم الحديث ۲۰۲۶ كتاب الاعتكاف ،باب الاعتكاف فى العشر الأواخر والاعتكاف فى المساجد كلها، واللفظ لهٗ؛ مسلم، باب اعتكاف العشر الأواخر من رمضان؛ ابوداؤد، رقم الحديث ۲۴۶۲، باب الاعتكاف.

رَمَضَانَ حَتّٰی قَبَضَهُ اللّٰهُ (ترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض فرمالی (ترمذی؛ ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے (بخاری؛ مسلم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رمضانُ المبارک کے تیسرے یعنی آخری عشرے میں اعتکاف فرمانے کا تھا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں روایت ہے کہ:

اِعْتَكَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ الْأُوَلِ مِنْ رَمَضَانَ وَاعْتَكَفْنَا مَعَهُ، فَأَتَاهُ جِبْرِيْلُ، فَقَالَ: إِنَّ الَّذِیْ تَطْلُبُ أَمَامَكَ، فَاعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ، فَاعْتَكَفْنَا مَعَهُ فَأَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَقَالَ: إِنَّ الَّذِیْ تَطْلُبُ أَمَامَكَ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا صَبِيْحَةَ

---

[1] رقم الحديث ۷۹۰، ابواب الصوم، بَابُ مَا جَاءَ فِی الِاعْتِكَافِ؛ واللفظ لهٗ؛ ابوداوٗد، رقم الحديث ۲۴۶۲؛ مسند احمد، رقم الحديث ۷۷۸۴؛ واللفظ لهٗ؛ السنن الكبرىٰ للنسائی، رقم الحديث ۳۳۲۱؛ ابنِ حبان، رقم الحديث ۳۶۶۵، ذكر مداومة المصطفى صلى الله عليه وسلم على الاعتكاف فی العشر الأواخر من رمضان)

قال الترمذی: وَفِی البَابِ عَنْ أُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ، وَأَبِی لَيْلَى، وَأَبِی سَعِيدٍ، وَأَنَسٍ، وَابْنِ عُمَرَ :.حَدِيثُ أَبِی هُرَيْرَةَ، وَعَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وفی حاشية مسند احمد: إسناداه صحيحان على شرط الشيخين.

[2] رقم الحديث ۲۰۲۵، كتاب الاعتكاف، بَابُ الِاعْتِكَافِ فِی العَشْرِ الْأَوَاخِرِ، وَالِاعْتِكَافِ فِی المَسَاجِدِ كُلِّهَا؛ مسلم، رقم الحديث ۱۱۷۲ ''۳'' بَابُ اعْتِكَافِ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ.

عِشْرِيْنَ مِنْ رَمَضَانَ فَقَالَ: مَنْ كَانَ اِعْتَكَفَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلْيَرْجِعْ، فَإِنِّيْ أُرِيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، وَإِنِّيْ نُسِّيْتُهَا، وَإِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، فِيْ وِتْرٍ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرہ کا اعتکاف فرمایا، اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا، پھر آپ کے پاس جبریل تشریف لائے، اور فرمایا کہ وہ چیز جو آپ طلب کر رہے ہیں (یعنی لیلۃُ القدر) وہ آپ کے آگے (یعنی اگلے دِنوں میں) ہے، پھر آپ نے درمیانی عشرہ کا اعتکاف فرمایا، اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا، پھر آپ کے پاس جبریل تشریف لائے، اور فرمایا کہ وہ چیز جو آپ طلب کر رہے ہیں (یعنی لیلۃُ القدر) وہ آپ کے آگے (یعنی اگلے دِنوں میں) ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیسویں رمضان کی صبح کو کھڑے ہو کر خطبہ دیا، اور فرمایا کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتکاف کیا ہے تو وہ (اپنی اعتکاف والی جگہ میں) لوٹ جائے، کیونکہ میں نے لیلۃُ القدر کو دیکھا ہے، اور مجھے اُس کو بھلا دیا گیا ہے، اور وہ آخری عشرہ کی طاق رات میں ہوتی ہے (بخاری)

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأُوَلَ مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ فِيْ قُبَّةٍ تُرْكِيَّةٍ عَلٰى سُدَّتِهَا حَصِيْرٌ، قَالَ، فَأَخَذَ الْحَصِيْرَ بِيَدِهٖ فَنَحَّاهَا فِيْ نَاحِيَةِ الْقُبَّةِ ثُمَّ أَطْلَعَ رَأْسَهٗ فَكَلَّمَ النَّاسَ فَدَنَوْا مِنْهُ فَقَالَ إِنِّيْ اِعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْأُوَلَ أَلْتَمِسُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ ثُمَّ أُتِيْتُ فَقِيْلَ لِيْ

---

[1] رقم الحديث ۸۱۳، كتاب الاذان، بَابُ السُّجُودِ عَلَى الْأَنفِ، وَالسُّجُودِ عَلَى الطِّينِ.

إِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَعْتَكِفَ فَلْيَعْتَكِفْ، فَاعْتَكَفَ النَّاسُ مَعَهُ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرے کا اعتکاف فرمایا پھر ترکی خیمہ میں درمیان کے عشرے کا اعتکاف فرمایا، اس خیمہ کے دروازے پر ایک چٹائی لگی ہوئی تھی، آپ نے اپنے ہاتھ سے وہ چٹائی ہٹائی، اور خیمہ کے ایک کونے میں کردی۔

پھر اپنا سر نکالا اور لوگوں سے کلام فرمایا، تو لوگ آپ کے قریب آ گئے، تب آپ نے فرمایا کہ میں نے لیلۃ القدر کو تلاش کرنے کے لئے پہلے عشرے کا اعتکاف کیا، پھر (اسی مقصد سے) دوسرے عشرے کا اعتکاف کیا، پھر میرے پاس (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) یہ پیغام آیا کہ لیلۃ القدر آخری عشرے میں ہے۔

لہٰذا تم لوگوں میں سے جو شخص اعتکاف کرنا چاہے، تو وہ آخری عشرے کا اعتکاف کرے، پھر لوگوں نے آپ کے ساتھ اعتکاف کیا (مسلم)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِعْتَكَفَ أَوَّلَ سَنَةٍ الْعَشْرَ الْأُوَلَ، ثُمَّ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ، ثُمَّ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ، وَقَالَ: إِنِّيْ رَأَيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِيْهَا فَأُنْسِيْتُهَا، فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِيْهِنَّ حَتّٰى تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۹۹۴، ج۲۳ ص ۴۱۲، مسند النساء) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سال رمضان کے پہلے عشرہ کا اعتکاف فرمایا، پھر درمیانی عشرہ کا اعتکاف فرمایا، پھر آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا اور پھر فرمایا کہ

---

[1] رقم الحديث ۱۱٦٧ "۲۱۵" ج۲ ص ۸۲۵، باب فضل ليلة القدر.

[2] قال الهيثمي: رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ (مجمع الزوائد ج۳ ص ۱۷۳)

میں نے اس آخری عشرہ (کی مخصوص رات) میں لیلۃ القدر کو دیکھا تھا، پھر مجھ سے وہ بھلادی گئی، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ وفات تک آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے رہے (طبرانی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں یہ وضاحت بھی پائی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے عشرے کا اعتکاف بیس رمضان کا دن گزر کر اکیسویں رات سے شروع فرمایا۔ [1]

اور شرعی اعتبار سے رات اگلے دن کے تابع ہوتی ہے، اس حیثیت سے رمضان کا بیسواں دن گزرنے کے بعد آنے والی رات آخری عشرے کی رات کہلاتی ہے۔

جس کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے فرمایا کہ آخری عشرے کے مسنون اعتکاف کا وقت رمضان کی اکیسویں رات سے (یعنی بیس رمضان کا سورج غروب ہونے پر) شروع ہوجاتا ہے۔ [2]

---

[1] كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَاوِرُ فِي رَمَضَانَ العَشْرَ الَّتِي فِي وَسَطِ الشَّهْرِ، فَإِذَا كَانَ حِينَ يُمْسِي مِنْ عِشْرِينَ لَيْلَةً تَمْضِي، وَيَسْتَقْبِلُ إِحْدَى وَعِشْرِينَ رَجَعَ إِلَى مَسْكَنِهِ، وَرَجَعَ مَنْ كَانَ يُجَاوِرُ مَعَهُ، وَأَنَّهُ أَقَامَ فِي شَهْرٍ جَاوَرَ فِيهِ اللَّيْلَةَ الَّتِي كَانَ يَرْجِعُ فِيهَا، فَخَطَبَ النَّاسَ، فَأَمَرَهُمْ مَا شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ قَالَ: كُنْتُ أُجَاوِرُ هَذِهِ العَشْرَ، ثُمَّ قَدْ بَدَا لِي أَنْ أُجَاوِرَ هَذِهِ العَشْرَ الأَوَاخِرَ، فَمَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِي فَلْيَثْبُتْ فِي مُعْتَكَفِهِ (بخاری، رقم الحدیث ۲۰۱۸)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ فِي العَشْرِ الأَوْسَطِ مِنْ رَمَضَانَ، فَاعْتَكَفَ عَامًا، حَتَّى إِذَا كَانَ لَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ، وَهِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِي يَخْرُجُ مِنْ صَبِيحَتِهَا مِنَ اعْتِكَافِهِ، قَالَ: مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِي، فَلْيَعْتَكِفِ العَشْرَ الأَوَاخِرَ، وَقَدْ أُرِيتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ أُنْسِيتُهَا، وَقَدْ رَأَيْتُنِي أَسْجُدُ فِي مَاءٍ وَطِينٍ مِنْ صَبِيحَتِهَا، فَالْتَمِسُوهَا فِي العَشْرِ الأَوَاخِرِ، وَالتَمِسُوهَا فِي كُلِّ وِتْرٍ، فَمَطَرَتِ السَّمَاءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَكَانَ المَسْجِدُ عَلَى عَرِيشٍ، فَوَكَفَ المَسْجِدُ، فَبَصُرَتْ عَيْنَايَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى جَبْهَتِهِ أَثَرُ المَاءِ وَالطِّينِ، مِنْ صُبْحِ إِحْدَى وَعِشْرِينَ (بخاری، رقم الحدیث ۲۰۲۷)

[2] وَقَدْ وَجَّهَ شَيْخُنَا الْإِمَامُ الْبُلْقِينِيُّ رِوَايَةَ الْبَابِ بِأَنَّ مَعْنَى قَوْلِهِ حَتَّى إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ إِحْدَى وَعِشْرِينَ أَيْ حَتَّى إِذَا كَانَ الْمُسْتَقْبَلُ مِنَ اللَّيَالِي لَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ وَقَوْلُهُ وَهِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِي يَخْرُجُ الضَّمِيرُ يَعُودُ عَلَى اللَّيْلَةِ الْمَاضِيَةِ وَيُؤَيِّدُ هَذَا قَوْلُهُ مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِيَ فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ لِأَنَّهُ لَا يَتِمُّ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

گزشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں لیلۃ القدر کی تلاش کے لئے رمضان کے پہلے اور دوسرے عشرے کا اعتکاف کیا تھا، پھر آپ کو جب یہ بتلایا گیا کہ لیلۃ القدر آخری عشرے میں ہے تو آپ نے آخری عشرے کا اعتکاف فرمایا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذَلِکَ إِلَّا بِإِدْخَالِ اللَّيْلَةِ الْأُولَى (فتح الباری لابن حجر، ج۴، ص۲۵۸، قَوْلُهُ بَابُ الْتِمَاسِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ فِي السَّبْعِ الاواخر)

(فإن قلت) يشكل على هذا رواية مالک من حديث أبی سعيد على ما يأتی فإن فيه كان "يعتكف فی العشر الأوسط من رمضان فاعتكف عاما حتى إذا كان ليلة إحدى وعشرين وهی الليلة التی يخرج من صبيحتها من اعتكافه "(قلت) معنى قوله "وهی الليلة التی يخرج من صبيحتها أی من الصبح الذی قبلها فيكون فی إضافة الصبح إليها تجوز ويوضحه أن فی رواية الباب الذی يليه "فإذا كان حين يمسی من عشرين ليلة تمضی وتستقبل إحدى وعشرين رجع إلى مسكنه (عمدة القاری، ج ۱۱، ص۱۳۳، كتاب الصوم، باب التماس ليلة القدر فی السبع الأواخر)

وَفِی هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَامَ فِی مُعْتَكَفِهِ لَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ لَمَّا أَرَادَ اعْتِكَافَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فَدَلَّ ذَلِکَ عَلَى أَنَّ كَذَلِکَ سُنَّتَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَنْ أَرَادَ اعْتِكَافَ أَيَّامٍ، أَنَّ عَلَيْهِ اعْتِكَافَ لَيَالِيهَا مَعَهَا، وَأَنَّهُ يَبْتَدِءُ فِی دُخُولِهِ فِی مُعْتَكَفِهِ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ مِنَ الْيَوْمِ الَّذِی قَبْلَهَا، فَلا يَزَالُ فِيهِ حَتَّى تَمْضِیَ الْأَيَّامُ الَّتِی أَوْجَبَ عَلَى نَفْسِهِ اعْتِكَافَهَا وَحَتَّى تَمْضِیَ لَيَالِيهَا.

فقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِی مِثْلِ هَذَا فِی رَجُلٍ قَالَ :لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَیَّ اعْتِكَافُ عَشَرَةِ أَيَّامٍ فَكَانَ بَعْضُهُمْ يَقُولُ :يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ عِنْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ مِنَ الْيَوْمِ الَّذِی قَبْلَهَا، فَيُقِيمُ فِيهِ مُعْتَكِفًا إِلَى انْقِضَاءِ تِلْکَ الْعَشَرَةِ الْأَيَّامِ، فَيَكُونُ قَدِ اعْتَكَفَ عَشَرَةَ أَيَّامٍ وَعَشْرَ لَيَالٍ وَمِمَّنْ قَالَ ذَلِکَ مِنْهُمْ :أَبُو حَنِيفَةَ، وَأَبُو يُوسُفَ، وَمُحَمَّدٌ فِيمَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِی حَنِيفَةَ، وَأَبِی يُوسُفَ، وَعَنْ عَلِیٍّ، عَنْ مُحَمَّدٍ وَقَالَ بَعْضُهُمْ :يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ الَّذِی يَعْتَكِفُ فِيهِ عِنْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ مِنَ الْيَوْمِ الْأَوَّلِ مِنْ تِلْکَ الْعَشَرَةِ الْأَيَّامِ فَيُقِيمُ فِيهِ حَتَّى تَنْقَضِیَ تِلْکَ الْعَشَرَةُ الْأَيَّامُ، فَيَكُونُ قَدِ اعْتَكَفَ عشرة أيام وتسع ليال، وَمِمَّنْ قَالَ ذَلِکَ زفر بن الهذيل، فِيمَا حَدَّثَنَا محمد، عَنْ يَحْيَى، عَنِ الحسن، عَنْ زفر قَالَ أحمد :وكَانَ مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ أَبُو حَنِيفَةَ، وَأَبُو يُوسُفَ، ومحمد فِی ذَلِکَ أحب إلينا، لأنه موافق لمَا روينـاه عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِمَّا قَدْ ذَكَرْنَاهُ فِی هَذَا الباب، ولأنه قَدْ دلنا عَلَيْهِ كتاب الله عزّ وجلّ فِی الحكاية عَنْ نبيه زكريا عَلَيْهِ السلام، إذ قَالَ :(رَبِّ اجْعَلْ لِی آيَةً قَالَ آيَتُکَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلاثَةَ أَيَّامٍ إِلا رَمْزًا) وقَالَ :فِی موضع آخر :(ثَلاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا) فعقلنا بِذَلِکَ أن زكريا سأل ربه أن يجعل لَهُ آية فجعل لَهُ آية، واحدة كمَا سأله، ثُمَّ ذكرها لنا فِی كتابه فِی موضع بالأيام، وفِی موضع آخر بالليالی، وَسَوَّى بَيْنَ عدد الأيام وعدد الليالی فعقلنا بِذَلِکَ أَنَّهُ إن كَانَ النَّبِی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَأمورا بالأيام، فقَدْ دخلت فِيهَا الليالی، وإن كَانَ مَأمورا بالليالی فقَدْ دخلت فِيهَا الأيام، ولمَّا استوى عدد الأيام وعدد الليالی فِی ذَلِکَ وجب أن يكون من أوجب عَلَى نفسه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور دیگر احادیث سے یہ معلوم ہو چکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصالِ مبارک تک آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے رہے، جس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اعتکاف سے متعلق اصل سنت، رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کرنے کی ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَانَ يَعْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، فَسَافَرَ سَنَةً، فَلَمْ يَعْتَكِفْ، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ، اِعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ يَوْمًا (مسند احمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، پھر ایک سال آپ سفر میں تھے، جس کی وجہ سے اعتکاف نہیں فرما سکے، پھر جب اگلا سال آیا، تو آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا (مسند احمد، ابنِ ماجہ)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، فَلَمْ يَعْتَكِفْ عَامًا، فَلَمَّا كَانَ فِي الْعَامِ الْمُقْبِلِ اِعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ (ترمذی) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اعتكاف أيام، كَانَ عَلَيْهِ معها من الليالي مثل عددها، وإن أوجب عَلَى نفسه اعتكاف ليال، كَانَ عَلَيْهِ معها من الأيام مثل عددها، فثبت بِذَلِكَ مَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ، وَأَبُو يُوسُفَ، ومحمد مِمَّا ذكرنا عنهم فِي هَذَا المعنى تم كتاب الصيام، والاعتكاف، من كتاب أحكام القرآن العظيم، ولله الحمد والمنة وصلى الله عَلَى سيدنا محمد وعَلَى آله وصحبه وسلم(أحكام القرآن الكريم،للطحاوى ، ج ا ص ۴۸۴،۴۸۵، كتاب الاعتكاف)

[1] رقم الحديث ۲۱۲۷۷، واللفظ لهٗ؛ ابنِ ماجه، رقم الحديث ۱۷۷۰، بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاعْتِكَافِ؛ ابوداؤد، رقم الحديث ۲۴۶۳، باب الاعتكاف.

فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات.

[2] رقم الحديث ۸۰۳،ابواب الصوم، بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاعْتِكَافِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ.

قال الترمذى :هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ .

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، پھر ایک سال آپ نے اعتکاف نہیں کیا، پھر جب اگلا سال آیا، تو آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا (ترمذی)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ مُقِيْمًا اِعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ وَإِذَا سَافَرَ اِعْتَكَفَ الْعَامَ الْمُقْبِلَ عِشْرِيْنَ يَوْمًا (سنن البيهقى، رقم الحديث ۸۵۶۵، كتاب الصيام، باب الاعتكاف)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (رمضان کے مہینے میں) مقیم ہوتے تھے، تو آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے، اور جب (رمضان کے مہینے میں) سفر میں ہوتے تھے، تو آئندہ سال بیس دن کا اعتکاف فرماتے تھے (بیہقی)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل معمول تو آخری عشرے کے اعتکاف کرنے کا تھا، لیکن اگر آپ کسی رمضان کو سفر میں ہوتے، جس کی وجہ سے آپ کو رمضانُ المبارک میں اعتکاف کا موقع نہ ملتا، تو آپ اگلے سال کے اعتکاف کے ساتھ گزشتہ سال کے دس دِنوں کے اعتکاف کو بھی شامل فرمالیتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے کسی عذر سے رمضان میں اعتکاف نہیں کیا، تو پھر آپ نے اس کے بدلے میں شوال کے مہینے میں دس دن کا اعتکاف فرمایا۔ [1]

---

[1] عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَانَ، وَإِذَا صَلَّى الغَدَاةَ دَخَلَ مَكَانَهُ الَّذِي اعْتَكَفَ فِيهِ، قَالَ :فَاسْتَأْذَنَتْهُ عَائِشَةُ أَنْ تَعْتَكِفَ، فَأَذِنَ لَهَا، فَضَرَبَتْ فِيهِ قُبَّةً، فَسَمِعَتْ بِهَا حَفْصَةُ، فَضَرَبَتْ قُبَّةً، وَسَمِعَتْ زَيْنَبُ بِهَا، فَضَرَبَتْ قُبَّةً أُخْرَى، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الغَدَاةِ أَبْصَرَ أَرْبَعَ قِبَابٍ، فَقَالَ :مَا هَذَا؟، فَأُخْبِرَ خَبَرَهُنَّ، فَقَالَ :مَا حَمَلَهُنَّ عَلَى هَذَا؟ آلْبِرُّ؟ انْزِعُوهَا فَلاَ أَرَاهَا، فَنُزِعَتْ، فَلَمْ يَعْتَكِفْ فِي رَمَضَانَ حَتَّى اعْتَكَفَ فِي آخِرِ العَشْرِ مِنْ شَوَّالٍ (بخارى، رقم الحديث ۲۰۴۱، بَابُ الِاعْتِكَافِ فِي شَوَّالٍ)

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف کے شوق اور جذبہ کا عالَم تھا کہ آپ خود رمضان کے اعتکاف کو نہیں چھوڑتے تھے، اور اگر کبھی چھوٹ جاتا تھا، تو اس کی جگہ اگلے رمضان میں یا دوسرے دِنوں میں فرماتے تھے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِيْ كُلِّ رَمَضَانٍ عَشَرَةَ أَيَّامٍ، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِيْ قُبِضَ فِيْهِ اِعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ يَوْمًا (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رمضان میں دس دن کا اعتکاف فرماتے تھے، پھر جب وہ سال آیا، جس میں آپ کا وصال ہوا، تو آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا (بخاری)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَعْتَكِفُ كُلَّ عَامٍ عَشْرَةَ أَيَّامٍ، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِيْ قُبِضَ فِيْهِ اِعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ يَوْمًا، وَكَانَ يُعْرَضُ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَرَّةً، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِيْ قُبِضَ فِيْهِ عُرِضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ (ابنِ ماجه) [3]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال دس دِنوں کا اعتکاف فرماتے تھے، پھر جب وہ سال آیا، جس میں آپ کا وصال ہوا، تو آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا، اور

---

[1] والظاهر أن اعتكافه، صلى الله عليه وسلم، لم يكن فى العام المقبل إلا لأنه قد عزم عليه، ولكنه لم يعتكف .ثم وفى لله، عز وجل، بما نواه من فعل الخير واعتكف فى شوال، وهو اللائق فى حقه .وقال ابن عبد البر :نكير أن يكون النبى صلى الله عليه وسلم قضى الاعتكاف من أجل أنه نوى أن يعمله، وإن لم يدخل فيه، لأنه كان أوفى الناس لربه فيما عاهده عليه .وقال شيخنا، رحمه الله: وعلى تقدير شروعه ففيه دليل على جواز خروج المعتكف المتطوع من اعتكافه (عمدة القارى، ج ١١، ص ١٤٩، باب اعتكاف النساء)

[2] رقم الحديث ٢٠٤٤، كتاب الاعتكاف، باب الاعتكاف فى العشر الأوسط من رمضان.

[3] رقم الحديث ١٧٦٩، كتاب الصيام، بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاعْتِكَافِ.

آپ پر (مِن جانبِ اللہ) ہر سال ایک مرتبہ قرآن پیش کیا جاتا تھا، پھر جب آپ کے وصال والا سال آیا، تو اس میں آپ پر دو مرتبہ قرآن پیش کیا گیا (ابنِ ماجہ)

بعض احادیث میں ہے کہ رمضانُ المبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریلِ امین کے ساتھ قرآن مجید سُننے سُنانے کا عمل کیا کرتے تھے، جس کو عربی میں ''مدارسۃ'' اور اردو میں ''دور'' کہا جاتا ہے۔

ممکن ہے کہ آخری سال میں آپ پر دو مرتبہ قرآن پیش کئے جانے کا عمل اس لئے کیا گیا ہو کہ عمر کے آخری حصے میں نیک عمل کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ وفيه اقوال اخر. [1]

---

[1] والأظهر فى الجمع بين الحديثين أنه كانت القراء ة معارضة ومدارسة بينه وبين جبريل - عليهما الصلاة والسلام - فمرة هذا يقرأ ومرة هذا يقرأ، وهو يحتمل احتمالين: أحدهما وهو الأظهر أن جبريل كان يقرأ أولا بعضا من القرآن ثم يعيده بعينه - صلى الله عليه وسلم - احتياطا للحفظ، واعتمادا للضبط، وثانيهما أن أحدهما يقرأ عشرا مثلا والآخر كذلك، وهو المدارسة المتعارفة بين القراء، ويؤيد ما قلنا أنه ورد فى بعض الروايات فى النهاية كان يعارضه القرآن، أى يدارسه من المعارضة المقابلة ومنه عارضت الكتاب بالكتاب، أى قابلته به، والله أعلم (وكان)، أى غالبا (يعتكف كل عام عشرا)، أى من آخر رمضان (فاعتكف عشرين) بكسر العين والراء، وفى نسخة بفتحهما على التثنية (فى العام الذى قبض)، أى توفى فيه، ولعل وجه التضعيف فى العام الآخر من العرض والاعتكاف إعلامه بقرب وفاته، وتنبيه لأمته أن يتأكد على كل إنسان فى أواخر حياته أن يستكثر من الأعمال الصالحة، وأن يكون على غاية من الاستعداد للقائه تعالى، والقيام بين يديه، ويحتمل أنه وقع كل ختم فى عشر (رواه البخارى) قال ميرك: ورواه أبو داود وابن ماجه، وقد جعل المؤلف هذا والذى قبله حديثا واحدا، وليس كذلك بل هما حديثان، الأول متفق عليه، والثانى من أفراد البخارى قاله الجزرى (مرقاة المفاتيح، ج۴ص۱۴۴۷، ۱۴۴۸، كتاب الصوم، باب الاعتكاف)

قَوْلُهُ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِى قُبِضَ فِيهِ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ قِيلَ السَّبَبُ فِى ذَلِكَ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِمَ بِانْقِضَاءِ أَجَلِهِ فَأَرَادَ أَنْ يَسْتَكْثِرَ مِنْ أَعْمَالِ الْخَيْرِ لِيُبَيِّنَ لِأُمَّتِهِ الِاجْتِهَادَ فِى الْعَمَلِ إِذَا بَلَغُوا أَقْصَى الْعَمَلِ لِيَلْقَوُا اللَّهَ عَلَى خَيْرِ أَحْوَالِهِمْ وَقِيلَ السَّبَبُ فِيهِ أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُهُ بِالْقُرْآنِ فِى كُلِّ رَمَضَانَ مَرَّةً فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِى قُبِضَ فِيهِ عَارَضَهُ بِهِ مَرَّتَيْنِ فَلِذَلِكَ اعْتَكَفَ قَدْرَ مَا كَانَ يَعْتَكِفُ مَرَّتَيْنِ وَيُؤَيِّدُهُ أَنَّ عِنْدَ ابن مَاجَهْ عَنْ هَنَّادٍ عَنْ أَبِى بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ فِى آخِرِ حَدِيثِ الْبَابِ مُتَّصِلًا بِهِ وَكَانَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ الْقُرْآنَ فِى كُلِّ عَامٍ مَرَّةً فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِى قُبِضَ فِيهِ عرضه عَلَيْهِ مرَّتَيْنِ وَقَالَ ابن الْعَرَبِيِّ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ سَبَبُ ذَلِكَ أَنَّهُ لَمَّا تَرَكَ الِاعْتِكَافَ فِى الْعَشْرِ الْأَخِيرِ بِسَبَبِ مَا وَقَعَ مِنْ أَزْوَاجِهِ وَاعْتَكَفَ بَدَلَهُ عَشْرًا مِنْ شَوَّالٍ اعْتَكَفَ فِى الْعَامِ الَّذِى يَلِيهِ عِشْرِينَ لِيَتَحَقَّقَ قَضَاءُ الْعَشْرِ فِى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہرحال گزشتہ احادیث کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کو سنت قرار دیا ہے۔

لیکن کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود پابندی کے ساتھ اعتکاف فرمایا، مگر دوسرے سب لوگوں پر اس کی تاکید نہیں فرمائی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رَمَضَانَ اھـ وَأَقْوَى مِنْ ذَلِكَ أَنَّهُ إِنَّمَا اعْتَكَفَ فِي ذَلِكَ الْعَامِ عِشْرِينَ لِأَنَّهُ كَانَ الْعَامَ الَّذِي قَبْلَهُ مُسَافِرًا وَيَدُلُّ لِذَلِكَ مَا أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَاللَّفْظ لَهُ وَأَبُو دَاوُد وَصَححهُ ابن حِبَّان وَغَيْرُهُ مِنْ حَدِيثُ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ فَسَافَرَ عَامًا فَلَمْ يَعْتَكِفْ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ وَيَحْتَمِلُ تَعَدُّدَ هَذِهِ الْقِصَّةِ بِتَعَدُّدِ السَّبَبِ فَيَكُونُ مَرَّةً بِسَبَبِ تَرْكِ الِاعْتِكَافِ لِعُذْرِ السَّفَرِ وَمَرَّةً بِسَبَبِ عَرْضِ الْقُرْآنِ مَرَّتَيْنِ وَأَمَّا مُطَابَقَةُ الْحَدِيثِ لِلتَّرْجَمَةِ فَإِنَّ الظَّاهِرَ بِإِطْلَاقِ الْعِشْرِينَ أَنَّهَا مُتَوَالِيَةٌ فَيَتَعَيَّنُ لِذَلِكَ الْعَشْرُ الْأَوْسَطُ أَوْ أَنَّهُ حَمَلَ الْمُطْلَقَ فِي هَذِهِ الرِّوَايَةِ عَلَى الْمُقَيَّدِ فِي الرِّوَايَاتِ الْأُخْرَى (فتح الباری لابن حجر، ج۴ص ۲۸۵، قَوْلُهُ بَابُ الِاعْتِكَافِ فِي الْعَشْرِ الْأَوْسَطِ مِنْ رَمَضَانَ)

قَوْلُهُ الْقُرْآنَ كُلَّ عَامٍ مَرَّةً سَقَطَ لَفْظُ الْقُرْآنَ لِغَيْرِ الْكُشْمِيهَنِيِّ زَادَ إِسْرَائِيلُ عِنْدَ الْإِسْمَاعِيلِيِّ فَيُصْبِحُ وَهُوَ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ وَهَذِهِ الزِّيَادَةُ غَرِيبَةٌ فِي حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَة وَإِنَّمَا هِيَ مَحْفُوظَةٌ مِن حَدِيثِ ابن عَبَّاسٍ قَوْلُهُ فَعَرَضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ فِي رِوَايَةِ إِسْرَائِيلَ عَرْضَتَيْنِ وَقَدْ تَقَدَّمَ ذِكْرُ الْحِكْمَةِ فِي تَكْرَارِ الْعَرْضِ فِي السَّنَةِ الْأَخِيرَةِ وَيَحْتَمِلُ أَيْضًا أَنْ يَكُونَ السِّرُّ فِي ذَلِكَ أَنَّ رَمَضَانَ مِنَ السَّنَةِ الْأُولَى لَمْ يَقَعْ فِيهِ مُدَارَسَةٌ لِوُقُوعِ ابْتِدَاءِ النُّزُولِ فِي رَمَضَانَ ثُمَّ فَتَرَ الْوَحْيُ ثُمَّ تَتَابَعَ فَوَقَعَتِ الْمُدَارَسَةُ فِي السَّنَةِ الْأَخِيرَةِ مَرَّتَيْنِ لِيَسْتَوِيَ عَدَدُ السِّنِينِ وَالْعَرْضِ قَوْلُهُ وَكَانَ يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ عَامٍ عَشْرًا فَاعْتَكَفَ عِشْرِينَ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ ظَاهِرُهُ أَنَّهُ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ وَهُوَ مُنَاسِبٌ لِفِعْلِ جِبْرِيلَ حَيْثُ ضَاعَفَ عَرْضَ الْقُرْآنِ فِي تِلْكَ السَّنَةِ وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ السَّبَبُ مَا تَقَدَّمَ فِي الِاعْتِكَافِ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ عَشْرًا فَسَافَرَ عَامًا فَلَمْ يَعْتَكِفْ فَاعْتَكَفَ مِنْ قَابِلٍ عِشْرِينَ يَوْمًا وَهَذَا إِنَّمَا يَتَأَتَّى فِي سَفَرٍ وَقَعَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ وَكَانَ رَمَضَانُ مِنْ سَنَةِ تِسْعٍ دَخَلَ وَهُوَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ وَهَذَا بِخِلَافِ الْقِصَّةِ الْمُتَقَدِّمَةِ فِي كِتَابِ الصِّيَامِ أَنَّهُ شَرَعَ فِي الِاعْتِكَافِ فِي أَوَّلِ الْعَشْرِ الْأَخِيرِ فَلَمَّا رَأَى مَا صَنَعَ أَزْوَاجُهُ مِنْ ضَرْبِ الْأَخْبِيَةِ تَرَكَهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ عَشْرًا فِي شَوَّالٍ وَيَحْتَمِلُ اتِّحَادَ الْقِصَّةِ وَيَحْتَمِلُ أَيْضًا أَنْ تَكُونَ الْقِصَّةُ الَّتِي فِي حَدِيثِ الْبَابِ هِيَ الَّتِي أَوْرَدَهَا مُسْلِمٌ وَأَصْلُهَا عِنْدَ الْبُخَارِيِّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يجاور الشّعْر الَّتِي فِي وَسَطِ الشَّهْرِ فَإِذَا اسْتَقْبَلَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ رَجَعَ فَأَقَامَ فِي شَهْرٍ جَاوَرَ فِيهِ تِلْكَ اللَّيْلَةَ الَّتِي كَانَ يَرْجِعُ فِيهَا ثُمَّ قَالَ إِنِّي كُنْتُ أُجَاوِرُ هَذِهِ الْعَشْرَ الْوَسَطَ ثُمَّ بَدَا لِي أَنْ أُجَاوِرَ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ فجاور الْعشْر الْأَخير الحَدِيث فَيكون المُرَاد بالعشرين الْعشْر الْأَوْسَط وَالْعشر الْأَخير (فتح الباری، ج۹ ص۴۶، قَوْلُهُ بَابٌ كَانَ جِبْرِيلُ يَعْرِضُ الْقُرْآنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

اس لئے فقہائے کرام نے اعتکاف کو کفایہ درجہ کی سنت قرار دیا ہے۔ [1]

یعنی اگر کسی جگہ بعض لوگ اعتکاف کرلیں، تو اُس جگہ کے دوسرے لوگوں کی طرف سے یہ سنت ادا ہو جاتی ہے۔ [2]

اور اگر ایک مسجد میں ایک سے زیادہ افراد اعتکاف کریں، تو بھی باعثِ ثواب ہے، جیسا کہ ایک مسجد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا۔

---

[1] المقام الثانی هل هو سنة مؤكدة أو غير مؤكدة وعرفت من المرغنياني والعينى والزيلعى لتصحيح أنه سنة مؤكدة واستدلوا عليه بان النبى صلى الله عليه وعلى آله وسلم قد واظب عليه رواه الشيخان فان قلت المواظبة دليل الوجوب قلت هذا إذا كان مع الانكار على الترك وأما المواظبة مع عدم الانكار على من تركه فهى دليل السنية ولم يثبت انكاره صلى الله عليه وعلى آله وسلم على من تركه من الصحابة فإن قلت لو كان سنة مؤكدة لما تركه الصحابة مع أنه لم يعتكف الخلفاء الأربعة قلت إنما تركوه الوجه آخر وهو ما قاله الإمام مالك لم يبلغنى أن أبا بكر وعمر وعثمان وإبن المسيب ولا أحدا من سلف هذه الامة اعتكف الا أبو بكر بن عبد الرحمن واراهم تركوه لشدته لأن ليله ونهاره سواء (الانصاف فى حكم الاعتكاف لعبد الحى اللكنوى، ص ١١ وص ١٢، مشمولة مجموعة رسائل اللكنوى، الناشر: ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراتشى، باكستان)

[2] الاعتكاف على ثلاثة أقسام؛ الواجب :وهو اعتكاف النذر، ويجب فى النذر التلفظ باللسان ويجب قضاؤه بالإفساد.

والثانى :سنة مؤكدة على كفاية فلو أداها واحد من أهل مسجد فتأدت وإلا فأثم الكل، وهذا اعتكاف العشرة الأخيرة من رمضان، ولو لم يتم عشره بل نقصه من البين ما أتى بالسنة، ولكنه أحرز ثواب ما اعتكف.

والثالث :النافلة وهو غير هذين القسمين، وفيه اختلاف، قال الشيخ ابن همام :أن يشترط له الصوم، ثم يتأدى هذا النوع بمكث ساعة أيضاً، ولكنه يلزمه إتمام صوم ذلك اليوم إلى غروب ذكاء وتمسك الشيخ بعبارات عامة، وقال صاحب البحر :لا يشترط الصوم فى هذا النوع، وأتى بعبارة صريحة عن محمد بن حسن فالترجيح لصاحب البحر، وأما ما فى كتاب الدارقطنى من أنه لا اعتكاف إلا بالصوم فمخصوص بغير النافلة، فإن عدم اشتراط الصوم فى النافلة مؤيد بالوجوه الفقهية.

قوله :(صلى الفجر ثم دخل إلخ) أى :فى معتكفه المتخذ من الحصير أو غيره، وأما دخوله المسجد كما فى الروايات فكان قبيل غروب شمس العشرين من رمضان، والمعتكف لو أراد إتمام العشر الأواخر فعليه أن يدخل متصلاً بغروب شمس العشرين فى المسجد، وإلا فلا يتم العشر فإن الليالى الماضية تلحق بالأيام التالية بعدها (العرف الشذى، ج٢، ص ٢٠٠، كتاب الصوم، باب ما جاء فى الاعتكاف)

اور آخری عشرے میں جو اعتکاف سنت ہے، وہ مکمل عشرے کا ہے، یعنی بیس رمضان کے دن کا سورج غروب ہونے سے لے کر شوال کی رات (یعنی چاندرات) شروع ہونے تک۔

پس اگر شوال کا چاند انتیس دن گزرنے کے بعد نظر آ جائے تب بھی یہ مکمل عشرے کا اعتکاف ہی کہلائے گا۔

اور اعتکاف کے لئے مسجد کا ہونا ضروری ہے، مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ اعتکاف جائز نہیں۔

البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خواتین کو اپنے گھر کی مساجد میں اعتکاف کرنا جائز ہے۔

کیونکہ ایک تو احادیث میں گھروں میں بھی مساجد بنانے کا حکم آیا ہے۔ [1]

---

[1] عَنْ أَبِيهِ سُلَيْمَانَ بْنِ سَمُرَةَ، عَنْ أَبِيهِ سَمُرَةَ، أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى ابْنِهِ :أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُنَا بِالْمَسَاجِدِ أَنْ نَصْنَعَهَا فِي دِيَارِنَا، وَنُصْلِحَ صَنْعَتَهَا وَنُطَهِّرَهَا(سنن أبی داود، رقم الحديث ۴۵۶)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ وَأَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَيَّبَ (ابوداؤد، رقم الحديث ۴۵۵، بَابُ اتِّخَاذِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ، واللفظ لهٗ؛ ترمذی، رقم الحديث ۵۹۴، بَابُ مَا ذُكِرَ فِي تَطْيِيبِ الْمَسَاجِدِ؛ سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۷۵۸؛ صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۱۶۳۴، ذِكْرُ الْأَمْرِ بِتَنْظِيفِ الْمَسَاجِدِ وَتَطْيِيبِهَا)

إسناده صحيح على شرط البخارى (حاشية ابنِ حبان)

حَدَّثَنَا إسحاق بن حمدان البلخى، حَدَّثَنا على ابن أبى عيسى، حَدَّثَنا عَبد اللَّهِ بْنُ الْوَلِيدِ العدنى، حَدَّثَنا سُفْيَانُ الثَّوْرِىّ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسلَّمَ أَمَرَ بِتَنْظِيفِ الْمَسَاجِدِ التى فى البيوت (الكامل لابن عدى، تحت ترجمة عَبد اللَّهِ بْنُ الْوَلِيدِ بْنِ ميمون بن عَبد الله العدنى مولى عثمان بن عفان مكى، ج۵، ص۴۰۷)

سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصارِيَّ، ثُمَّ أَحَدَ بَنِي سَالِمٍ، قَالَ :كُنْتُ أُصَلِّى لِقَوْمِي بَنِي سَالِمٍ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ :إِنِّي أَنْكَرْتُ بَصَرِى، وَإِنَّ السُّيُولَ تَحُولُ بَيْنِي وَبَيْنَ مَسْجِدِ قَوْمِي، فَلَوَدِدْتُ أَنَّكَ جِئْتَ، فَصَلَّيْتَ فِي بَيْتِي مَكَانًا حَتَّى أَتَّخِذَهُ مَسْجِدًا، فَقَالَ :أَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، فَغَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ مَعَهُ بَعْدَ مَا اشْتَدَّ النَّهَارُ، فَاسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَذِنْتُ لَهُ، فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى قَالَ :أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ؟، فَأَشَارَ إِلَيْهِ مِنَ الْمَكَانِ الَّذِى أَحَبَّ أَنْ يُصَلِّيَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے مَرد حضرات کو گھروں میں غیر فرض نمازیں پڑھنے کا حکم آیا ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فِيهِ، فَقَامَ، فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ، ثُمَّ سَلَّمَ وَسَلَّمْنَا حِينَ سَلَّمَ (بخاری، رقم الحدیث ۸۴۰، بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ رَدَّ السَّلاَمِ عَلَى الإِمَامِ وَاكْتَفَى بِتَسْلِيمِ الصَّلاَةِ، ورقم الحدیث ۴۲۵، بَابُ المَسَاجِدِ فِي البُيُوت. وَصَلَّى البَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ :فِي مَسْجِدِهِ فِي دَارِهِ جَمَاعَةً؛ مسند احمد، رقم الحديث ۱۶۴۸۲)

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ عَمِيَ، فَبَعَثَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنْ تَعَالَ فَاخْطُطْ فِي دَارِي مَسْجِدًا أَتَّخِذُهُ مُصَلًّى، فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاجْتَمَعَ إِلَيْهِ قَوْمُهُ، وَبَقِيَ رَجُلٌ مِنْهُمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَيْنَ فُلَانٌ؟ ، فَغَمَزَهُ بَعْضُ الْقَوْمِ إِنَّهُ، وَإِنَّهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَلَيْسَ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا؟ ، قَالُوا :بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَلَكِنَّهُ كَذَا، وَكَذَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَعَلَّ اللَّهَ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ، فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ، فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۴۷۹۸)

فی حاشية ابن حبان: إسنادهُ حسن.

مذکورہ احادیث میں دور یا دیار کے الفاظ سے بعض حضرات نے قبائل مراد لیے ہیں، اور بعض حضرات نے بیوت مراد لیے ہیں؛ اور ہمارے نزدیک بیوت مراد ہونا راجح ہے، کیونکہ بعض روایات میں بیوت کی تصریح پائی جاتی ہے، نیز گھروں میں نماز پڑھنے کی بھی کئی احادیث میں ترغیب آئی ہے۔

قوله " :فی الدُور "قال سفيان بن عيينة :الدورُ :القبائلُ .وذكر الخطابيّ أنها البيوت، وحكي- أيضا -أنه يراد بها المحالّ التی فيها الدورُ. قلتُ :الظاهر أن المراد بها ما قاله الخطابی؛ لورُود النهی عن اتخاذ البيوت مثل المقابر (شرح سنن أبی داود للعينی، ج۲ ص ۳۵۹، باب :فِي المَسَاجِدِ تبنى فی الدُّور)

۱؎ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلاَتِكُمْ، وَلاَ تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا (بخاری، رقم الحديث ۱۱۸۷؛ مسلم، رقم الحديث ۷۷۷)

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :لَا تَتَّخِذُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا، صَلُّوا فِيهَا (مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۰۳۰)

فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

(وعن ابن عمر قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-(اجعلوا فی بيوتكم) ، بكسر الباء وضمه (من صلاتكم) ، أی :بعض صلاتكم التی هی النوافل مؤداة فی بيوتكم، وقوله :من صلاتكم مفعول أول، وفی بيوتكم مفعول ثان، قدم على الأول للاهتمام بشأن البيوت، وإن من حقها أن يجعل لها نصيبا من الطاعات لتصير منورة ;لأنها مأواكم ومنقلبكم، وليست كقبوركم التی لا تصلح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور خواتین کو گھروں کی مساجد میں نماز پڑھنے کی زیادہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔ [1]
گھر کی مسجد سے مراد یہ ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے کے لئے مخصوص جگہ متعین کی جائے، اور اس کو پاک اور صاف رکھا جائے، جہاں مرد حضرات نفل نماز پڑھا کریں، اور خواتین فرض اور غیر فرض نماز پڑھا کریں، اور اسی جگہ میں خواتین اعتکاف کیا کریں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لصلاتكم، ولذا قال :(ولا تتخذوها) ، أى :بيوتكم (قبورا) : بأن تتركوا الصلاة فيها كما تتركونها فى المقابر، شبه المكان الخالى عن العبادة بالمقبرة والغافل عنها بالميت، وقيل لا تجعلوا بيوتكم مواطن النوم لا تصلون فيها، فإن النوم أخو الموت، وقيل :إن مثل ذاكر الله ومثل غير ذاكر الله كمثل الحى والميت الساكن فى البيوت، والساكن فى القبور، فالذى لا يصلى فى بيته جعله بمنزلة القبر، كما جعل نفسه بمنزلة الميت، وقيل :معناه لا تدفنوا فيها موتاكم ;لئلا يكدر عليكم معاشكم ومأواكم(مرقاة المفاتيح، ج۲ص ۶۰۱، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة)
قوله -صلى الله عليه وسلم - اجعلوا من صلاتكم فى بيوتكم ولا تتخذوها قبورا قلت هو محمول على النافلة(عمدة القارى، ج۲۲ص۱۶۳، كتاب الادب،باب ما يجوز من الغضب والشدة لأمر الله)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا قَضٰى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ فِىْ مَسْجِدِهٖ، فَلْيَجْعَلْ لِبَيْتِهٖ نَصِيْبًا مِنْ صَلَاتِهٖ، فَإِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ فِىْ بَيْتِهٖ مِنْ صَلَاتِهٖ خَيْرًا (مسلم، رقم الحديث ۷۷۸"۲۱۰")

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ، قَالَ :سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنْ تَطَوُّعِهِ؟ فَقَالَتْ :كَانَ يُصَلِّي فِي بَيْتِي قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا، ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّي بِالنَّاسِ، ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، وَكَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ، ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، وَيُصَلِّي بِالنَّاسِ الْعِشَاءَ، وَيَدْخُلُ بَيْتِي فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، وَكَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ فِيهِنَّ الْوِتْرُ، وَكَانَ يُصَلِّي لَيْلًا طَوِيلًا قَائِمًا، وَلَيْلًا طَوِيلًا قَاعِدًا، وَكَانَ إِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ، وَإِذَا قَرَأَ قَاعِدًا رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَاعِدٌ، وَكَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ(مسلم، رقم الحديث ۷۳۰"۱۰۵" واللفظ لهٗ، سنن ابى داوٗد، رقم الحديث ۱۲۵۱)

[1] عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَآءِ قَعْرُ بُيُوْتِهِنَّ (مسند احمد،رقم الحديث ۲۶۵۴۲)
فى حاشية مسند احمد: حديث حسن بشواهده.

[2] وَيُكْرَهُ أَنْ تَكُونَ قِبْلَةُ الْمَسْجِدِ إِلَى مُتَوَضَّأٍ أَوْ مَخْرَجٍ أَوْ حَمَّامٍ لِأَنَّ فِيهِ تَرْكَ تَعْظِيمِ الْمَسْجِدِ وَأَمَّا مَسْجِدُ الْبَيْتِ وَهُوَ الْمَوْضِعُ الَّذِى عَيَّنَهُ صَاحِبُ الْبَيْتِ لِلصَّلَاةِ فَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَسْجِدٍ حَقِيقَةً فَلَا يَكُونُ لَهُ حُكْمُ الْمَسْجِدِ (بدائع الصنائع ،ج۵ص۱۲۶، كتاب الاستحسان)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سنت اعتکاف میں پیشاب، پاخانہ اور وضو کے لئے اور غسل واجب ہوجائے تو اس کے لئے اور کھانا لانے کے لئے اعتکاف گاہ سے نکلنا جائز ہے، اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔

اعتکاف کی حالت میں بعض کام جائز یا مستحب اور بعض کام مکروہ یا ممنوع ہیں، اور بعض چیزیں وہ ہیں جن سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے، ان چیزوں کی تفصیل ہم نے اپنی دوسری کتاب ''اعتکاف کے فضائل واحکام'' میں ذکر کردی ہے، وہاں ملاحظہ کرلی جائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قَوْلُهُ لا يُكْرَهُ مَا ذَكَرَ) أَىْ مِنَ الْوَطْءِ وَالْبَوْلِ وَالتَّغَوُّطِ نَهْرٌ (قَوْلُهُ فَوْقَ بَيْتٍ إلَخْ) أَىْ فَوْقَ مَسْجِدِ الْبَيْتِ :أَىْ مَوْضِعٍ أُعِدَّ لِلسُّنَنِ وَالنَّوَافِلِ ، بِأَنْ يُتَّخَذَ لَهُ مِحْرَابٌ وَيُنَظَّفُ وَيُطَيَّبُ كَمَا أَمَرَ بِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَذَا مَنْدُوبٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ ، كَمَا فِى الْكَرْمَانِىِّ وَغَيْرِهِ قُهُسْتَانِىٌّ ، فَهُوَ كَمَا لَوْ بَالَ عَلَى سَطْحِ بَيْتٍ فِيهِ مُصْحَفٌ وَذَلِكَ لَا يُكْرَهُ كَمَا فِى جَامِعِ الْبُرْهَانِىِّ مِعْرَاجٌ (ردالمحتار، ج ۱ ص ۶۵۷، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا ،مطلب فی احکام المسجد)

(قَوْلُهُ الْخُرُوجُ) أَىْ مِنْ مُعْتَكَفِهِ وَلَوْ مَسْجِدَ الْبَيْتِ فِى حَقِّ الْمَرْأَةِ ط فَلَوْ خَرَجَتْ مِنْهُ وَلَوْ إلَى بَيْتِهَا بَطَلَ اعْتِكَافُهَا لَوْ وَاجِبًا وَانْتَهَى لَوْ نَفْلًا بَحْرٌ (ردالمحتار، ج ۲ ص ۴۴۵، کتاب الصوم، باب الاعتکاف)

مَوْضِعَ أَدَاءِ الِاعْتِكَافِ فِى حَقِّهَا الْمَوْضِعُ الَّذِى تَكُونُ صَلَاتُهَا فِيهِ أَفْضَلَ كَمَا فِى حَقِّ الرِّجَالِ وَصَلَاتُهَا فِى مَسْجِدِ بَيْتِهَا أَفْضَلُ فَإِنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا (سُئِلَ عَنْ أَفْضَلِ صَلَاةِ الْمَرْأَةِ فَقَالَ :فِى أَشَدِّ مَكَانٍ مِنْ بَيْتِهَا ظُلْمَةً) وَفِى الْحَدِيثِ أَنَّ (النَّبِىَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَرَادَ الِاعْتِكَافَ أَمَرَ بِقُبَّةٍ فَضُرِبَتْ فِى الْمَسْجِدِ فَلَمَّا دَخَلَ الْمَسْجِدَ رَأَى قِبَابًا مَضْرُوبَةً فَقَالَ :لِمَنْ هَذِهِ فَقِيلَ لِعَائِشَةَ وَحَفْصَةَ فَغَضِبَ وَقَالَ :آلْبِرَّ يُرِدْنَ بِهِنَّ وَفِى رِوَايَةٍ يُرِدْنَ بِهَذَا ، وَأَمَرَ بِقُبَّتِهِ فَنُقِضَتْ فَلَمْ يَعْتَكِفْ فِى ذَلِكَ الْعَشْرِ) فَإِذَا كَرِهَ لَهُنَّ الِاعْتِكَافَ فِى الْمَسْجِدِ مَعَ أَنَّهُنَّ كُنَّ يَخْرُجْنَ إلَى الْجَمَاعَةِ فِى ذَلِكَ الْوَقْتِ ؛ فَلَأَنْ يُمْنَعْنَ فِى زَمَانِنَا أَوْلَى ، وَقَدْ رَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِى حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهَا إذَا اعْتَكَفَتْ فِى مَسْجِدِ الْجَمَاعَةِ جَازَ ذَلِكَ ، وَاعْتِكَافُهَا فِى مَسْجِدِ بَيْتِهَا أَفْضَلُ ، وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ ؛ لِأَنَّ مَسْجِدَ الْجَمَاعَةِ يَدْخُلُهُ كُلُّ أَحَدٍ ، وَهِىَ طُولُ النَّهَارِ لَا تَقْدِرُ أَنْ تَكُونَ مُسْتَتِرَةً وَيُخَافُ عَلَيْهَا الْفِتْنَةُ مِنْ الْفَسَقَةِ فَالْمَنْعُ لِهَذَا ، وَهُوَ لَيْسَ لِمَعْنًى رَاجِعٍ إلَى عَيْنِ الِاعْتِكَافِ فَلَا يَمْنَعُ جَوَازَ الِاعْتِكَافِ وَإِذَا اعْتَكَفَتْ فِى مَسْجِدِ بَيْتِهَا فَتِلْكَ الْبُقْعَةُ فِى حَقِّهَا كَمَسْجِدِ الْجَمَاعَةِ فِى حَقِّ الرَّجُلِ لَا تَخْرُجُ مِنْهَا إلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ فَإِذَا حَاضَتْ خَرَجَتْ وَلَا يَلْزَمُهَا بِهِ الِاسْتِقْبَالُ إذَا كَانَ اعْتِكَافُهَا شَهْرًا أَوْ أَكْثَرَ وَلَكِنَّهَا تَصِلُ قَضَاءَ أَيَّامِ الْحَيْضِ لِحِينِ طُهْرِهَا وَقَدْ بَيَّنَّا هَذَا فِى الصَّوْمِ الْمُتَتَابِعِ فِى حَقِّهَا .

وَمَسْجِدُ بَيْتِهَا الْمَوْضِعُ الَّذِى تُصَلِّى فِيهِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ مِنْ بَيْتِهَا (المبسوط للسرخسی، ج۳ص ۱۱۹، کتاب الصوم، باب الاعتکاف)

چند قابلِ توجہ اور تحقیقی مسائل

آخر میں ماہِ رمضان اور روزہ سے متعلق چند قابلِ توجہ اور تحقیقی مسائل ذکر کیے جاتے ہیں۔

رمضان اور زکاۃ

آج کل بہت سے لوگ رمضانُ المبارک کو زکاۃ کا مہینہ سمجھتے ہیں اور اپنی زکاۃ ہر حال میں رمضان کے مہینہ میں ادا کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، خواہ کسی کا سال دوسرے مہینوں میں کیوں نہ پورا ہو رہا ہو اور خواہ غریبوں کو دوسرے مہینوں میں ہی ضرورت کیوں نہ ہو۔

خوب سمجھ لیجئے! کہ زکاۃ کا تعلق رمضان کے مہینہ سے نہیں ہے بلکہ سال پورا ہونے سے ہے لہٰذا جس صاحبِ نصاب کا سال جس قمری مہینہ اور چاند کی جس تاریخ میں مکمل ہو رہا ہو، اس کو اس مہینہ اور اس تاریخ میں زکاۃ دینا چاہئے، بلا عذر تاخیر کرنا اور صرف ثواب کی خاطر رمضان تک مؤخر کرنا مناسب نہیں اور اس میں کئی خرابیاں ہیں، جن کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)...... اگر کسی کے زکاۃ کا سال رمضان سے پہلے پورا ہو رہا ہے لیکن وہ اس وقت زکاۃ ادا نہیں کرتا اور رمضان کے انتظار میں رہتا ہے لیکن رمضانُ المبارک کے آنے سے پہلے فوت ہو جاتا ہے تو وہ گنہگار ہو کر فوت ہوگا اور اس کے ذمہ زکاۃ کا فریضہ باقی رہ جائے گا۔

(۲)...... اگر زکاۃ کا سال رمضان کے مہینے سے پہلے پورا ہو رہا ہے لیکن اس وقت زکاۃ ادا نہیں کی اور رمضان کا مہینہ آنے پر اس کا مال کسی طرح کم ہو گیا مثلاً اس نے خرچ کر لیا، اور پھر جب رمضان میں حساب کر کے زکاۃ ادا کی تو کم مال کی زکاۃ ادا کی اور جتنا مال سال پورا ہونے کے بعد خرچ ہو گیا اس کی زکاۃ ذمہ میں باقی رہی، اسی طرح اگر سال پورا ہونے کے بعد رمضان کے مہینے میں مال میں اضافہ ہو گیا تو زیادہ مال کی زکاۃ دینی پڑے گی، جو کہ اس کے ذمہ واجب نہیں تھی، اور اگر کوئی ہمیشہ اسی طرح کرتا رہا تو حساب کی اس خرابی کا

سلسلہ بھی ساتھ ساتھ چلتا رہے گا۔

(۳)...... ہر عبادت کو اس کے صحیح وقت پر ادا کرنے کا جو ثواب ہے اس سے محرومی ہوگی۔

شریعت میں ہر عبادت کو اس کے صحیح وقت پر ادا کرنے کا عظیم ثواب ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِيْنَ (سورة آلِ عمران، آيت ۱۱۴)

''اور یہ لوگ خیر کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں، اور یہ لوگ نیک لوگوں میں سے ہیں''

اور ایک مقام پر ارشاد ہے کہ:

أُولٰئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ (سورة المومنون آيت ۶۱)

''یہ لوگ خیر کے کاموں میں جلدی کرنے والے ہیں، اور یہی لوگ خیر کے کاموں میں سبقت لے جانے والے (اور آگے بڑھنے والے) ہیں''

ایک اور مقام پر ارشاد ہے کہ:

وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ. أُولٰئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ. فِيْ جَنَّاتِ النَّعِيْمِ (سورة الواقعة، آيت ۱۰ تا ۱۲)

''سبقت کرنے والے تو سبقت ہی کرنے والے ہیں، یہی لوگ مقرب ہیں، عیش و آرام والی جنتوں میں ہوں گے''

اور جب سال پورا ہونے کے بجائے اس کو کسی دوسرے مہینے کے لئے مؤخر کیا جائے گا؛ تو اس فضیلت سے محرومی ہوگی۔

(۴)...... جب سب لوگ رمضان میں زکاۃ ادا کریں گے اور دوسرے دنوں میں نہیں کریں

گے تو سال کے گیارہ مہینے غریبوں کو اپنی ضروریات پوری کرنا مشکل ہوگا۔ اور سال کے گیارہ مہینوں میں ان کی ضروریات کا انتظام مشکل ہوگا۔

(۵)...... رمضانُ المبارک کو زکاۃ کے لئے خاص کر لینے کی وجہ سے ایک خرابی یہ لازم آتی ہے کہ ہر شخص کو رمضان ہی میں جلد از جلد اپنی زکاۃ ادا کرنے کی فکر ہوتی ہے اور جب کوئی صحیح مصرف سامنے نہیں آتا تو کسی نہ کسی کو دے کر جان چھڑانے کی کوشش کی جاتی ہے خواہ وہ صحیح مستحق بھی نہ ہو۔

(۶)...... اس مہینے میں رسمی غریبوں اور بھکاریوں کا ایک سیلاب اُمڈ آتا ہے اور پھر لوگ ان ہی پیشہ وروں کو اپنی زکاۃ دیتے ہیں اور اس طرح اصل مستحق نظروں سے پوشیدہ اور محروم رہتے ہیں (ماخذۂ اشرف الجواب ص۱۲۶ للتھانوی رحمہ اللہ)

(۷)...... اس کے علاوہ سال بھر میں مستحقوں کو تلاش کرنا بھی آسان ہے اور صحیح وقت پر ادائیگی کا ثواب بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

لہٰذا زکاۃ کے لئے ہر شخص کو رمضان کی تخصیص کرنا غلط ہے ہر شخص کو اپنے سال پورا ہونے پر زکاۃ صحیح صحیح مصرف میں خرچ کرنی چاہئے، اور اپنے سال پورا ہونے کی تاریخ کو محفوظ رکھنا چاہیئے، البتہ اگر کسی کا سال رمضان ہی میں پورا ہو رہا ہو تو پھر رمضان میں دینے میں بھی حرج نہیں، بہتر یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اپنے تفصیلی حالات اہلِ علم کے سامنے رکھ کر شرعی حکم معلوم کر لیا جائے۔

بعض روایات سے جو رمضان میں صدقہ وخیرات اور سخاوت کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے، اس سے زکاۃ مراد نہیں ہے۔

رمضان میں قضائے عمری کا غلط تصوّر

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ رمضان کے مہینہ میں اعمال کی فضیلت میں اضافہ ہو جاتا ہے، اس لئے وہ رمضان کے مہینہ میں قضائے عمری کے نام پر مختصر نماز پڑھ کر تمام یا بہت سی قضا شدہ

نمازوں کی ادائیگی کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔

حالانکہ یہ نظریہ سراسر قرآن وسنت کے خلاف ہے۔

قضا نماز کے بارے میں کسی بھی جگہ اور کسی بھی زمانے کے بارے میں یہ تصور نہیں ہے کہ ایک نماز کئی نمازوں کے قائم مقام ہوجائے اور رمضان میں نیک اعمال کی فضیلت زیادہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ حقیقت میں وہ تعداد کے اعتبار سے کئی فرضوں کے قائم مقام ہوجاتی ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیک اعمال کی فضیلت کو بڑھا دیا جاتا ہے، کسی عمل کے ثواب کا بڑھ جانا اور چیز ہے اور اس کا کئی اعمال کے برابر اور قائم مقام ہوجانا دوسری چیز ہے، اگر کوئی مالک اعلان کردے کہ جو لوگ فلاں دن کام پر آئیں گے ان کو اتنی زیادہ اجرت دی جائے گی، یا اتنا انعام دیا جائے گا، تو اس کے یہ معنیٰ کبھی نہیں سمجھے جائیں گے کہ ایک دن کام کرنے کے بعد اب کئی دنوں کی چھٹی ہوگئی، یا یہ کہ یہ ایک دن کا کام کئی دنوں کے کام کے قائم مقام ہوگیا۔

غرضیکہ کسی عمل پر زائد مزدوری اور انعام ملنا اور بات ہے اور اس عمل کا کئی دن کے عمل کے قائم مقام ہونا دوسری بات ہے۔ [1]

رمضان کے مخصوص دن یا جمعۃُ الوداع سے متعلق بعض کوتاہیاں

رمضانُ المبارک کے جمعہ یا آخری جمعہ یا چودھویں رمضان سے متعلق بھی کئی خرابیاں عام ہوگئی ہیں، مثلاً:

(۱)......بعض لوگ جمعۃُ الوداع میں قضائے عمری کے نام سے چند رکعتیں پڑھتے ہیں اور

---

[1] وبالجملة فهذه الصلاة التى اخترعوها مشتملة على مفاسد كثيرة، واداء ها مع ما زعموا انه قضاء لما فات خلاف المعقول والمنقول، ومضاد للفروع والاصول ، والذى يدل على ان الصلاة المذكورة لا اصل لها خلوا اكثر الكتب المتعمدة عن ذكرها(ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان" مشموله مجموعة رسائل اللكهنوى، المجلدالثانى، صفحه ۱۳ ؛ مؤلفة: مولانا عبدالحيئ لكهنوى رحمه الله. الناشر: ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراچى .باكستان)

سمجھتے ہیں کہ اس طرح قضاء شدہ نمازیں ذمہ میں سے ادا ہوجاتی ہیں، یہ سراسر غلط ہے، شریعت میں اس کا مستند ذریعہ سے کوئی ثبوت نہیں ہے، جس کی تفصیل پہلے گزری۔

(۲)...... بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ رمضان یا آخری جمعہ کو جو کپڑا پہنا جائے وہ بے حساب ہوجاتا ہے، حالانکہ اس کا بھی شرعی اعتبار سے کوئی ثبوت نہیں۔

(۳)...... بعض لوگ صرف آخری جمعہ کا روزہ رکھ لیتے ہیں اور باقی روزوں کا اہتمام نہیں کرتے، اور سمجھتے ہیں کہ اس جمعہ کے دن کے روزہ کی فضیلت زیادہ ہے، لہٰذا اس جمعہ کے دن روزہ رکھ لینا دوسرے دنوں کی تلافی کے لئے کافی ہوجائے گا۔

یہ بھی سراسر غلط فہمی اور کم علمی پر مبنی ہے، رمضان کے ہر دن کے روزہ کا رکھنا فرض ہے، خواہ وہ جمعہ کا دن ہو، یا کوئی اور دن ہو۔

(۴)...... بعض لوگ صرف جمعہ کو مسجد یا دوسری جگہ ضرورت مندوں کو افطار کرانے اور افطاری بھیجنے کا بہت اہتمام کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں کھانا زیادہ ہونے کی وجہ سے ضائع چلا جاتا ہے، اور دوسرے دنوں میں غریبوں اور ضرورت مندوں کا خیال نہیں کیا جاتا، یہ بھی نامناسب طرزِ عمل اور حد سے تجاوز ہے۔

(۵)...... بعض حضرات جمعۃ الوداع کو نعتیہ انداز میں وداع وفراق کے مضامین بڑے اہتمام سے پڑھتے ہیں، اسی طرح آخری جمعہ کے خطبہ میں بھی اس قسم کے کلمات پڑھتے ہیں، جس کا کوئی شرعی ثبوت نہیں، لہٰذا اس سے بچنا چاہئے۔

(۶)...... کچھ لوگ جمعۃُ الوداع کو عیدُ الفطر کی طرح سمجھتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔

(۷)...... بہت سی عورتیں اور بعض مرد رمضان شریف کے چودھویں روزہ یا جمعہ کے دن کے روزہ کو دوسرے روزوں پر زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اس دن کی افطاری میں زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور چودہویں تاریخ کے روزہ کو منزلہ روزہ یا اسی طرح کا دوسرا نام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چودھویں روزہ کو نچلے آسمان پر اتر آتے ہیں۔

حالانکہ خاص چودھویں اور جمعہ کے روزہ کی یہ اہمیت اور تخصیص شریعت سے ثابت نہیں، بلکہ پورے مہینہ کے روزوں کے رکھنے کا حکم ہے اور جس کام کو شریعت نے ثواب نہ کہا ہو یا اس کی خاص اہمیت نہ بتلائی ہو اس کو ثواب سمجھنا یا خاص کرنا گناہ ہے۔ [1]

---

[1] وَيَنْهَى النَّاسَ عَنْ كَتْبِهِمُ الْحَفَائِظَ فِي آخِرِ جُمُعَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِي حَالِ الْخُطْبَةِ وَذَلِكَ يُمْنَعُ لِوُجُوهٍ :أَحَدُهَا :لِمَا احْتَوَتْ عَلَيْهِ مِنْ اللَّفْظِ الْأَعْجَمِيِّ .وَقَدْ قَالَ مَالِكٌ - رَحِمَهُ اللَّهُ -لَمَّا أَنْ سُئِلَ عَنْهُ وَمَا يَدْرِيك لَعَلَّهُ كُفْرٌ .الثَّانِي :أَنَّ فِيهِ اللَّغْوَ فِي حَالِ الْخُطْبَةِ.الثَّالِثُ :أَنَّهُ يَشْتَغِلُ بِالْكُتُبِ عَنْ سَمَاعِ الْخُطْبَةِ.الرَّابِعُ :أَنَّهُ يَشْتَغِلُ ببِدْعَةٍ وَيَتْرُكُ مَا اخْتَلَفَ فِيهِ النَّاسُ مِنْ الْإِصْغَاءِ فِي حَالِ الْخُطْبَةِ هَلْ هُوَ فَرْضٌ أَوْ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ .الْخَامِسُ: مَا أَحْدَثُوهُ عَنْ بَيْعِهَا وَشِرَائِهَا فِي الْمَسْجِدِ فَيَنْهَى عَنْ ذَلِكَ وَيَزْجُرُ فَاعِلَهُ .وَبَعْضُ النَّاسِ يَكْتُبُهَا بَعْدَ صَلَاةِ عَصْرِ الْجُمُعَةِ وَذَلِكَ بِدْعَةٌ أَيْضًا لَكِنَّهَا أَخَفُّ مِنْ الْبِدْعَةِ الْمُتَقَدِّمِ ذِكْرُهَا إذْ إنَّهُ لَيْسَ ثَمَّ خُطْبَةٌ يَشْتَغِلُ عَنْهَا وَلَوْ كَتَبَهَا وَأَسْقَطَ مِنْهَا اللَّفْظَ الْأَعْجَمِيَّ وَلَمْ يَتَّخِذْ لِكِتَابَتِهَا وَقْتًا مَعْلُومًا لَكَانَ ذَلِكَ جَائِزًا وَاللَّهُ أَعْلَمُ(المدخل لابن الحاج، ج۲ ص ۲۳۳، ۲۳۴، فَصْلٌ رَفْعَ الصَّوْتِ فِي الْمَسْجِدِ)

ومن الامور المحدثة تسميتهم الجمعة الآخرة من جمعات رمضان بجمعة الوداع، وهذه التسمية وان لم يرد بها كتاب ولاسنة، لكن لاباس بذلک اخذا من تسمية آخر حجات النبی صلی الله عليه وسلم فی السنة العاشره من الهجرة بحجة الوداع، وليس فی امثال هذه التسمية ابتداء غير مشروع واختراع امر ممنوع.

ومن الامور المحدثة ماشاع فی اکثر بلاد الهند والدکن وغيرهما من قراء ة الخطباء فی خطبة آخر جمعات رمضان اشعارا فارسية وهندية مشتملة على مضامين التحسر بذهاب رمضان، وهذا امر يجب على العلماء الزجر عنه، فان خلط الخطبة بغير العربية ، وکذا قراء ة کلها بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من عصر حضرة الرسالة والصحابة ومن بعدهم من ارباب الجلالة ، وقد حققت هذ المسئلة مع مالها وما عليها فی رسالتی ”آکام النفائس فی اداء الاذکار بلسان الفارس“ فلتطالع.

ومن الامور المحدثة ماذاع فی اکثر بلاد الهند والدکن وغيرهما من تسمية خطبة الجمعة الاخيرة بـ”خطبة الوداع“ وتضمينها جملا دالة على التحسر بذهاب ذلک الشهر ، فيدرجون فيها جملا دالة على فضائل ذلک الشهر ، ويقولون بعد جملة او جملتين :الوداع والوداع ، اوالفراق والفراق لشهر رمضان، او الوداع والوداع يا شهر رمضان، ونحو ذلک من الالفاظ الدالة على ذلک .ومنهم من يقرأ خطبة الوداع يوم عيد الفطر، وهذا المحدث لا يدرى من ای زمان حدث (”ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان“ مشموله مجموعة رسائل اللکهنوی، المجلدالثانی، صفحه ۲۴؛ مؤلفة: مولانا عبدالحیئ لکهنوی رحمه الله. الناشر: ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، کراچی .باکستان)

حضرت سلمان فارسی کی طویل حدیث کی سند پر تحقیق

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک لمبی حدیث مروی ہے، جس میں رمضان میں نفل عبادت کی فضیلت فرض کے برابر اور فرض عبادت کی فضیلت ستر فرضوں کے برابر اور رمضان کے ابتدائی حصے کے رحمت، درمیانی حصے کے مغفرت اور آخری حصے کے جہنم سے آزاد ہونے کا ذکر ہے، اور بھی کئی باتیں ایسی مذکور ہیں جو دیگر صحیح احادیث میں مذکور نہیں ہیں، کئی اہلِ علم حضرات نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے، اور عوام الناس میں اس حدیث میں مذکور فضیلتوں اور باتوں کا بہت چرچا ہے، بلکہ بہت سے عوام کا ان چیزوں کے ثبوت پر پختہ یقین قائم ہے، اور ہم نے بھی پہلے اپنی بعض تحریرات میں اس حدیث کو اعتماد کی بنیاد پر نقل کیا تھا، اور اس کی سند پر زیادہ تحقیق کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

اب اس حدیث کی سند کی تحقیق کی گئی، تو اس حدیث کی سند قابلِ اطمینان معلوم نہیں ہوئی۔

اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''شعبُ الایمان'' ''الدعواتُ الکبیر'' اور ''فضائلُ الاوقات'' میں ذکر کیا ہے۔ [1]

---

[1] أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الضَّرِيرُ بِالرَّيِّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَرَجِ الْأَزْرَقُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بَكْرٍ السَّهْمِيُّ، حَدَّثَنَا إِيَاسُ بْنُ عَبْدِ الْغَفَّارِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ .

ح وَأَخْبَرَنَا أَبُو نَصْرِ بْنُ قَتَادَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو إِسْمَاعِيلُ بْنُ نُجَيْدٍ، حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَوَّارٍ، أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ .

ح وحدثنا أَبُو سَعْدٍ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي عُثْمَانَ الزَّاهِدُ، أخبرنا أَبُو عَمْرٍو مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ مَطَرٍ، أخبرنا جَعْفَرُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ نَصْرٍ الْحَافِظُ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ .

ح وَأَخْبَرَنَا أَبُو زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ الْمُزَكِّي، حَدَّثَنَا وَالِدِي، قَالَ :قَرَءَ عَلَى مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ خُزَيْمَةَ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ حُجْرٍ السَّعْدِيَّ حَدَّثَهُمْ، حدثنا يُوسُفُ بْنُ زِيَادٍ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ يَحْيَى، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ، قَالَ :خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي آخِرِ يَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ فَقَالَ " :يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ، شَهْرٌ مُبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ، جَعَلَ اللهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً، وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِيهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر اس حدیث کی سند میں ایک راوی تو علی بن زید بن جدعان ہیں، جن کو اکثر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كَانَ كَمَنْ أَدَّى فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ، وَمَنْ أَدَّى فَرِيضَةً فِيهِ كَانَ كَمَنْ أَدَّى سَبْعِينَ فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ، وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ، وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ، وَشَهْرٌ يُزَادُ فِي رِزْقِ الْمُؤْمِنِ، مَنْ فَطَّرَ فِيهِ صَائِمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرَةً لِذُنُوبِهِ، وَعِتْقَ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ، وَكَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ أَجْرِهِ شَيْءٌ "قُلْنَا :يَا رَسُولَ اللهِ، لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يُفْطِرُ الصَّائِمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ": يُعْطِي اللهُ هَذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلَى مَذْقَةِ لَبَنٍ أَوْ تَمْرَةٍ أَوْ شَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ، وَمَنْ أَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللهُ مِنْ حَوْضِي شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتَّى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ، وَهُوَ شَهْرٌ أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ، وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ، وَآخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوكِهِ فِيهِ غَفَرَ اللهُ لَهُ وَأَعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ "زَادَ هَمَّامٌ فِي رِوَايَتِهِ " :فَاسْتَكْثِرُوا فِيهِ مِنْ أَرْبَعِ خِصَالٍ، خَصْلَتَانِ تُرْضُونَ بِهَا رَبَّكُمْ، وَخَصْلَتَانِ لَا غِنَى لَكُمْ عَنْهُمَا، فَأَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ تُرْضُونَ بِهَا رَبَّكُمْ :فَشَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَتَسْتَغْفِرُونَهُ، وَأَمَّا اللَّتَانِ لَا غِنَى لَكُمْ عَنْهُمَا فَتَسْأَلُونَ اللهَ الْجَنَّةَ، وَتَعُوذُونَ بِهِ مِنَ النَّارِ "لَفْظُ حَدِيثِ هَمَّامٍ وَهُوَ أَتَمُّ(شعب الايمان،رقم الحديث ۳۳۳۶، كتاب الصيام، باب فضائل شهر رمضان ،واللفظ لهٗ،الدعوات الكبير، رقم الحديث ۵۳۲ ،فضائل الاوقات، رقم الحديث ۴۰)

[1] قَال صَالِح بْن أَحْمَد بْن حنبل عَن أبيه :ليس بالقوى، وقد روى الناس عنه .وَقَال عَبْد اللَّهِ بْن أَحْمَد بْن حنبل :سئل أبى :سمع الحسن من سراقة؟ قال :لا، هذا على بن زيد، يعنى :يرويه كأنه لم يقنع به .وَقَال أيوب بن إسحاق بْن سافرى:سألت أحمد بْن على بْن زيد، فقال :ليس بشىء .وَقَال حنبل بن إسحاق بن حنبل :سمعت أَبَا عَبْد اللَّهِ يَقُول :على بن زيد ضعيف الحديث وَقَال عثمان بْن سَعِيد الدارمى ، عَنْ يحيى بْن مَعِين :ليس بذاك القوى.وَقَال معاوية بن صَالِح ، عَنْ يحيى بْن مَعِين: ضعيف.وَقَال أبو بكر بْن أَبِي خيثمة، عَن يحيى بْن مَعِين :ليس بذاك.وَقَال مرة أخرى :ضعيف فى كل شيئ .وَقَال عَباس الدُّورِيُّ ، عَن يحيى بْن مَعِين :ليس بشىء .وَقَال فى موضع آخر :ليس بحجة .وَقَال فى موضع آخر:على بن زيد أحب إلى من ابن عقيل، ومن عاصم بن عُبَيد الله .وَقَال أحمد بن عَبْد اللَّهِ العجلى :يكتب حديثه، وليس بالقوى .وَقَال فى موضع آخر:كان يتشيع، لا بأس به.وَقَال يعقوب بْن شَيْبَة :ثقة، صالح الحديث، وإلى اللين ما هو .وَقَال إبراهيم بن يعقوب الجوزجانى :واهى الحديث ،ضعيف، فيه ميل عن القصد، لا يحتج بحديثه . وَقَال أَبُو زُرْعَة :ليس بقوى.وَقَال أَبُو حاتم :ليس بقوى، يكتب حديثه، ولا يحتج بِهِ، وهو أحب إلى من يزيد بن أَبِي زياد، وكان ضريرا، وكان يتشيع .وَقَال التِّرْمِذِيّ:صدوق إلا أنه ربما رفع الشئ الذى لايرفعه غيره.وَقَال النَّسَائى :ضعيف.وَقَال أبو بكر بْن خزيمة :لا احتج به لسوء حفظه .وَقَال أبو أحمد بْن عدى :لم أر أحدا من البَصْرِيِّين، وغيرهم امتنعوا من الرواية عنه، وكان يغلى فى التشيع فى جملة أهل البصرة، ومع ضعفه يكتب حديثه.وَقَال الحاكم أبو أحمد :ليس بالمتين عندهم.وَقَال الدَّارَقُطْنِيّ:أنا أقف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے ان کی حدیث کو دوسرے شواہد وتائیدات کی صورت میں قبول کیا ہے۔ [1]

دوسرے اس حدیث کی سند میں بعض دیگر راوی بھی ایسے ہیں، جو ضعیف یا شدید ضعیف ہیں۔

چنانچہ بیہقی کی بعض سندوں میں اور صحیح ابنِ خزیمہ کی سند میں ایک راوی یوسف بن زیاد ہیں، جو محدثین کے نزدیک شدید ضعیف ہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فيه، لا يزال عندى فيه لين.وَقَال معاذ بن معاذ عن شعبة :حَدَّثَنَا على بن زيد قبل أن يختلط .وَقَال أبو الوليد ، وغير واحد عن شعبة :حَدَّثَنَا على بن زيد، وكان رفاعا .وَقَال إبراهيم بن عبد الله بن الجنيد: قال رجل ليحيى بن مَعِين :وأنا أسمع على بن زيد اختلط؟ قال :ما اختلط على بن زيد قط، ثم قال يحيى :حماد بن سلمة أروى عن على بن زيد.وَقَال سُلَيْمان بُن حرب ، عَنْ حماد بن زيد : حَدَّثَنَا على بن زيد، وكان يقلب الأحاديث .وفى رواية: كان على بن زيد يحَدَّثَنَا اليوم بالحديث ثم يحَدَّثَنَا غدا، فكأنه ليس ذاك .وَقَال عَمْرو بُن على :كان يَحْيَى بن سَعِيد يتقى الحديث عن على بن زيد، فسألته مرة عن حديث حماد بن سلمة عَنْ على بُن زيد عَنْ عقبة بن صهبان عَن أبى بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلم فى قوله عزوجل :(ثلة من الأولين)فقال :حَدَّثَنَا حماد بُن سلمة عن عَلِيّ بن زيد بن عقبة بن صهبان عَن أبى بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلم، ثم تركه، وَقَال :دعه .وكان عبد الرحمن يحدث عن الثورى، وابن عُيَيْنَة، وحماد بن سلمة، وحماد بن زيد، عنه .وَقَال أبو معمر القَطِيعِيّ :كان ابن عُيَيْنَة يضعف ابن عقيل، وعاصم بن عُبَيد الله، وعلى بن زيد.وَقَال أيضا:قال ابن عُيَيْنَة :كتبت عن على بن زيد كتابا كبيرا، فتركته زهدا فيه .وَقَال على بُن المديني:عَن سفيان بُن عُيَيْنَة :وهبت كتاب ابن جدعان، فقيل لسفيان :لم وهبته؟ قال :قد كنت حفظته، ولم أرانى أنساه، وكنت أريد أتثبت منه.وَقَال محمد بن المنهال:سمعت يزيد بن زريع يقول :لقد رأيت على بن زيد، ولم أحمل عنه، فإنه كان رافضيا(تهذيب الكمال ج ٢٠ ص٤٣٧ تا ص ٤٤٠)

[1] وقال ابن حجر:على بن زيد بن جدعان وفيه ضعف ولم يقل أحد إنه كان يتعمد الكذب حتى يحكم على حديثه بالوضع إذا انفرد وكيف وقد توبع من طريق آخر رجاله غير رجال الأول(القول المسدد فى مسند احمد، ج ١ ص ٤٢)

[2] اوراسی وجہ سے ابنِ خزیمہ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ:

بَابُ فَضَائِلِ شَهْرِ رَمَضَانَ إِن صَحَّ الْخَبَرُ(ملاحظه هو:صحيح ابنِ خزيمة،رقم الحديث ١٨٨٧ ، كتاب الصيام، جماع أبواب فضائل شهر رمضان وصيامه)

يوسف بن زياد البصرى أبو عبد الله :عن ابن أنعم الإفريقى وابن أبى خالد قال البخارى :منكر الحديث وقال الدار قطنى :هو مشهور بالأباطيل وكان ببغداد قاله البخارى وقال أبو حاتم :أيضاً منكر الحديث وبعض الناس فرق بين الراوى عن ابن أبى خالد وبين الراوى عن الإفريقى انتهى .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض راوی مجہول ہیں۔ [1]

اور امالی المحاملی میں علی بن زید کے ساتھ ایک اور راوی عبدالعزیز بن عبداللہ جدعانی ہیں، یہ راوی بھی ضعیف ہیں۔ [2]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں رمضان کے مہینے کے پہلے حصے کو رحمت، اور درمیانے حصے کو مغفرت اور آخری حصے کو جہنم سے آزادی قرار دیا گیا ہے۔ [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال النسائی فی الکنی لیس بثقة وضعفه الساجی وذکره العقیلی فی الضعفاء وقال لا یتابع علی حدیثه(لسان المیزان، ج۳ص۱۳۷)

یوسف بن زیاد: من أهل البصرة، کنیته أبو عبد الله، سکن بغداد، یروی عن إسماعیل بن أبی خالد روی عنه العراقیون، یتفرد عن إسماعیل بالاشیاء المقلوبة کأنه إسماعیل آخر، ومن غلب علی حدیثه قلة متابعة الثقات، والانفراد عن الاثبات بما لا یشبه حدیث الثقات صار ساقط الاحتجاج به(کتاب المجروحین لابنِ حبان، ج۳ص۱۳۳)

[1] مثلاً بیہقی کی ایک سند میں ابوبکر اسماعیل بن محمد ضریر اور ایاس بن عبدالغفار مجہول ہیں، اور ان کی حدیث کو بعض محدثین نے غیر محفوظ قرار دیا ہے۔

[2] حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ ثنا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ ثَوَابٍ، ثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْجُدْعَانِيُّ، ثنا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ :خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آخِرَ يَوْمٍ فِي شَعْبَانَ أَوْ أَوَّلَ يَوْمٍ فِي رَمَضَانَ ,فَقَالَ :يَا أَيُّهَا النَّاسُ ,قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ شَهْرٌ مُبَارَكٌ الخ (امالی المحاملی روایة ابن یحییٰ البیع،رقم الحدیث ۲۹۳)

قَالَ الشیخ :وَعَبد العزیز بن عَبد اللَّهِ هَذَا عامة ما یرویه لا یتابعه علیه الثقات(الکامل لابن عدی، ج۵ص۲۹۳)

حدیث :خطبنا رسول الله (آخر یوم من شعبان ، وأول یوم من رمضان ، فقال :إنه قد أظلکم شهر عظیم ، شهر مبارک ، فیه لیلة خیر من ألف شهر ، افترض الله (، وجعل قیامه تطوعاً .رواه عبدالعزیز بن عبدالله القرشی :عن سعید بن أبی عروبة ، عن علی بن زید ، عن سعید بن المسیب ، عن سلمان الفارسی قال.وعبدالعزیز هذا ، لم یذکره المتقدمون بضعف ، ولم یتابعه أحد علی روایته له عن سعید .والله أعلم(ذخیرة الحفاظ،لمحمد بن طاهر المقدسی،ج۳،ص۱۲۸۹، تحت رقم الحدیث ۲۷۷۴)

[3] حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، قثنا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ .قَالَ :ثنا سَلَامُ بْنُ سَوَّارٍ، قثنا مَسْلَمَةُ بْنُ الصَّلْتِ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَوَّلُ شَهْرِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر تحقیق کرنے سے اس حدیث کی سند بھی ضعیف معلوم ہوئی، جبکہ بعض نے اس حدیث کو غیر محفوظ قرار دیا ہے۔ [1]

لہٰذا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس حدیث کو جس انداز میں ذکر کیا جاتا ہے، اور اس حدیث میں مذکور مضامین پر جس پختگی کے ساتھ عقیدہ و یقین رکھا جاتا ہے، اور جس پختگی اور وثوق کے ساتھ اس کو اور اس سے مستنبط مضامین ومسائل کو بیان کیا جاتا ہے، یہ طرزِ عمل درست معلوم نہیں ہوتا۔

صحیح احادیث سے جو بات معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ رمضان کا پورا مہینہ رحمت ہے، اور اس مہینے کے ہر روز بے شمار لوگوں کو جہنم سے آزاد کیا جاتا ہے، اور ہر روز بے شمار لوگوں کی مغفرت کی جاتی ہے، اور ان چیزوں میں رمضان کے ابتدائی، درمیانی اور آخری حصے کی کوئی تخصیص

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رَمَضَانَ رَحْمَةٌ، وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ، وَآخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ (فضائل رمضان لأبن أبی الدنیا، رقم الحدیث ۳۷، الناشر: دار السلف، الریاض -السعودیة، واللفظ لهٗ؛ الفردوس بمأثور الخطاب، رقم الحدیث ۷۹؛ الضعفاء الکبیر للعقیلی، رقم الحدیث ۷۵۰؛ تاریخ دمشق لابن عساکر، تحت المادة رقم ۳۱۴۶)

[1] قَالَ ابنُ عَدِی وَهَذَا أَيضًا يَرْوِيهِ سَلامُ عَنْ مَسْلَمَةَ بْنِ الصَّلْتِ ومسلمة لیس بالمعروف (الکامل فی ضعفاء الرجال، ج۴، ص۳۲۵)

سلام بن سوار عن مسلمة بن الصلت ، عن الزهری ، شامی ، حدیثه غیر محفوظ ، ولا أصل له من حدیث الزهری ولا غیره. حدثناه أحمد بن داود قال :حدثنا هشام بن عمار قال :حدثنا سلام بن سوار قال :حدثنا مسلمة بن الصلت ، عن الزهری ، عن أبی سلمة ، عن أبی هریرة قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : أول شهر رمضان رحمة ، وأوسطه مغفرة ، وآخره عتق من النار وفی فضل شهر رمضان أسانید من غیر هذا الوجه أصلح من هذا الإسناد(الضعفاء الکبیر للعقیلی ،تحت ترجمة سلام بن سوار)

قال مُحَمَّد بْن عَمْرو العقیلی :لا یتابع عَلَی حدیثه.وَقَال أَبُو أحمد بْن عدی .هو عندی منکر الحدیث، وعامة ما یرویه حسان إلا أنه لا یتابع علیه .وَقَال عَبْد الرحمن بْن أَبی حاتم .سمع منه أبی بدمشق فِی الرحلة الأولی وسئل عنه، فقال :لیس بالقوی .وَقَال النَّسَائی فِی "الکنی :"أخبرنا العباس بْن الْوَلِید، قال :حَدَّثَنَا سلام بْن سُلَيْمان، ثقة، مدائنی مات بدمشق، أَبُو العباس.مات بعد سنة عشر ومئتین(تهذیب الکمال ج۱۲ ص۲۸۷ ،تحت ترجمة ”سلام بن سُلَيْمان بن سوار الثقفی، مولاهم، أَبُو العباس المدائنی الضریر ابن أخی شبابة بْن سوار“)

وتقسیم نہیں ہے۔ ل

والله سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

جمعہ یا رمضان میں فوت ہونے پر عذابِ قبر کی تحقیق

عوام الناس میں کثرت سے اور بہت سے اہلِ علم حضرات میں یہ بات مشہور ہے کہ جو مسلمان جمعہ کے دن یا رمضان کے مہینے میں فوت ہو جائے، تو وہ تا قیامت عذابِ قبر و برزخ سے مامون ومحفوظ ہو جاتا ہے، خواہ وہ متقی و پرہیز گار ہو یا فاسق وفاجر، اور جمعہ کے دن اور رمضان کے مہینے میں کسی کافر ومشرک کو بھی عذاب نہیں دیا جاتا، بلکہ بعض اہلِ علم حضرات کا خیال تو یہ ہے کہ جب بھی کسی عام دن میں کوئی فوت ہوتا ہے تو اگر مؤمن ہو تو جمعہ کا دن یا رمضان آنے پر اس سے تا قیامت ہمیشہ کے لئے اور کافر سے صرف جمعہ کے دن اور رمضان کے مہینہ میں عذاب اُٹھالیا جاتا ہے، خواہ وہ شخص زندگی میں ان اعمال میں کیوں نہ مبتلا رہا ہو، جن پر آخرت اور برزخ کے ہولناک عذاب کا قرآن اور صحیح احادیث میں ذکر پایا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں احادیث وروایات اور محدثین کے اقوال وتشریحات کی روشنی میں جو تحقیق کی

ل وَلِلّٰهِ عُتَقَآءُ مِّنَ النَّارِ وَذٰلِکَ کُلَّ لَیْلَةٍ (ترمذی، رقم الحدیث ۶۸۲، بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ شَهْرِ رَمَضَانَ،عن ابی هريرة)

عَنِ ابْنِ أَبِي أَنَسٍ، أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، يَقُولُ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا كَانَ رَمَضَانُ فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ(مسلم، رقم الحديث ۱۰۷۹ "۲")

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَان كُلُّهَا فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ إِلٰى آخِرِ الشَّهْرِ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ إِلٰى آخِرِ الشَّهْرِ وَسُلْسِلَتْ مَرَدَةُ الشَّيَاطِيْنِ وَلِلّٰهِ عُتَقَاءٌ عِنْدَ وَقْتِ كُلِّ فِطْرٍ يَعْتَقُهُمْ مِنَ النَّارِ (المعجم الأوسط، رقم الحديث ۸۱۳۹، عن عائشة)

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا دَخَلَتْ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجِنَان، فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ الشَّهْرَ كُلَّهُ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ الشَّهْرَ كُلَّهُ، وَغُلَّتْ مَرَدَةُ الْجِنِّ، ثُمَّ يَكُونُ لِلَّهِ عُتَقَاء يُعْتِقُهُمْ مِنَ النَّارِ عِنْدَ وَقْتِ كُلِّ فِطْرٍ عَبِيدٌ، وَإِمَاءٌ(مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۷۳۸۵، عن عبدالله بن عمر)

گئی، وہ ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

کئی روایات میں جمعہ کے دن فوت ہونے پر عذابِ قبر سے حفاظت کا ذکر ہے، لیکن بعض اہلِ علم حضرات نے ان احادیث کو سند کے اعتبار سے ضعیف اور غیر معتبر قرار دیا ہے، جبکہ بعض حضرات نے مجموعی طور پر ان روایات کو حسن اور قابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔

مگر احادیث وروایات میں یہ ذکر نہیں پایا جاتا کہ جمعہ کے دن فوت ہونے والا صرف جمعہ کے دن تک عذاب سے محفوظ رہتا ہے، یا پھر تا قیامت محفوظ ہو جاتا ہے، اور محفوظ ہر طرح کے عذاب سے ہوتا ہے، یا مخصوص وشدید عذاب سے؟ اس لئے محدثین واہلِ علم حضرات کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

جہاں تک رمضان کے مہینے میں فوت ہونے والے کے عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کا تعلق ہے، تو اس کا احادیث میں صراحتاً ذکر نہیں پایا جاتا، البتہ اہلِ علم حضرات سے اس سلسلہ میں مختلف اقوال مروی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ (ترمذی) [1]

ترجمہ: جو مسلمان بھی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مر جاتا ہے، تو اس کو اللہ تعالیٰ قبر کے فتنہ سے بچا لیتے ہیں (ترمذی)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے غریب قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۰۷۴، ابواب الجنائز، باب ما جاء فيمن مات يوم الجمعة، واللفظ لهٗ، مسند احمد، رقم الحديث ۶۵۸۲.

[2] هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ " .وَهَذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ رَبِيعَةُ بْنُ سَيْفٍ، إِنَّمَا يَرْوِى عَنْ أَبِى عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبُلِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَلَا نَعْرِفُ لِرَبِيعَةَ بْنِ سَيْفٍ سَمَاعًا مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو (حواله بالا)

اورامام طحاوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو منقطع قرار دیا ہے۔ [1]
اور بعض محدثین نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔ [2]
جس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند میں فی نفسہٖ ضعف پایا جاتا ہے۔ [3]

---

[1] هـذا حديث منقطع ,فإن ربيعة بـن سيف لم يلق عبد الله بن عمرو وإنما كان يحدث عن أبى عبـد الـرحمن الحبلى عنه (شرح مشكل الآثار، تحت رقم الحديث ٢٧٧،باب بيان مشكل ما روى عـن رسـول الله عليه السلام من قوله " :إن لـلـقبـر لـضـغطة لو نجا منها أحد نجا منها سعد بن معاذ رضى الله عنه)

[2] هشام بن سعد (عو، م) أبـو عباد المدنى، مولى بن مخزوم، يقال له يتيم زيد بن أسلم صحبه وأكثر عنـه، وروى عـن عـمرو بن شعيب، والمقبرى،ونافع.وعـنـه ابـن وهب، والقعنبى، وجماعة كثيرة.قال أحمد :لـم يكن بالحافظ.وكـان يحيى القطان لا يحدث عنه .وقال أحمد أيضا :لم يكن محكم الحديث.وقال ابن معين :ليس بذاك القوى، وليس بمتروک.وقال النسائى :ضعيف.وقال -مرة :ليس بالقوى.وقال ابن عدى :مع ضعفه يكتب حديثه.وأما أبو داود فقال :هو أثبت الناس فى زيد بن أسلم .وقال الحاكم :أخـرج له مسلم فى الشواهد.وقال أبو حاتم :هو وابن إسحاق عندى واحد.تـوفى فى حدود الستين ومائة.ومـن مـناكيره ما ساق الترمذى له عن سعيد بن أبى هلال، عن ربيعة بن سيف، عن عبدالله بن عمرو رفعه :من مات يوم الجمعة أو ليلتها غفر له أو كما قال(ميزان الاعتدال، تحت رقم الترجمة٩٢٢٤)

[3] إسـنـاده ضـعيف، ربيـعة بـن سيف لـم يسـمـع مـن عبـد الـله بن عمرو، وهو وهشام بن سعد ضعيفان، وباقى رجاله ثقات رجال الشيخين، أبوعامر :هو العقدى عبد الملک بن عمرو.
ومن طريق أحمد أخرجه المزى فى "تهذيب الكمال "فى ترجمة ربيعة بن سيف١١٦/٩ .
وأخـرجه الترمذى ١٠٧٤ ، والطحاوى فى "شـرح مشكل الآثار٢٧٧ "من طريق أبى عامر العقدى، بهذا الإسناد.وأخـرجه الترمذى(١٠٧٤)أيضاً من طريق عبد الرحمن بن مهدى، عن هشام بن سعد، به .قال الترمذى :وهذا حديث غريب، ليس إسناده بمتصل، ربيعةُ بنُ سيف إنما يروى عن أبى عبد الـرحـمـن الـحُبـلـى، عـن عبـد الـلـه بـن عـمـرو، ولا نعرف لربيعة بن سيف سماعاً من عبد الله بن عمرو .وقـد ضعفه المنذرى فى "الترغيب والترهيب٣٧٣/٤ "ونـقل قول الترمذى هذا المزى فى "تـحفة الأشراف٢٨٩/٢ "وفى "تهـذيـب الكمال١١٦/٩ " وقال :رواه بشـر بـن عـمر الزهرانى وخالد بن نزار الأيلى، عن هشام بن سعد، عن سعيد بن أبى هلال، عن ربيعة بن سيف، عن عياض بن عقبة الفهرى، عن عبد الله بن عمرو .وعياض بن عقبة هذا لم نقع له على ترجمة فيما بين أيدينا من المصادر.قلنا :وذكر المناوى فى "فيض القدير٤٩٩/٥ "أن الطبرانى وصله أيضاً فرواه من حديث ربيـعة بـن سيف، عن عياض بن عقبة، عن ابن عمرو.ثـم قال المزى فى "التحفة :"ورواه الليث بن سـعـد، عـن سعيد بن أبى هلال، عن ربيعة بن سيف، أن ابناً لعياض بن عقبة تُوفى يوم الجمعة، فاشتد وجده عليه، فقال له رجل من صدف (قبيلة من حمُير نزلت مصر) : يا أبا يحيى، ألا أبشرک بشىء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ابو یعلیٰ موصلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ:

مَنْ مَاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وُقِيَ عَذَابَ الْقَبْرِ (مسند ابی یعلیٰ الموصلی) [1]

ترجمہ: جو جمعہ کے دن فوت ہوجائے، وہ عذابِ قبر سے بچالیا جاتا ہے (ابو یعلیٰ)

اس حدیث کی سند بھی فی نفسہٖ ضعیف اور بعض حضرات کے نزدیک شدید ضعیف ہے۔ [2]

اس حدیث کی سند میں واقد بن سلامہ اور یزید بن ابان رقاشی کو محدثین نے ضعیف اور واقد بن سلامہ کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ حدیث کو منقطع قرار دیا ہے، اور امام بخاری

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سمعته من عبد الله بن عمرو بن العاص؟ ...فذكره.قلنا :وأخرجه الطحاوى فى "شرح مشكل الآثار ٢٧٩"من طريق عبد الله بن وهب، عن الليث بن سعد، عن ربيعة بن سيف، أن عبد الرحمن بن قحُزم أخبره أن ابناً لعياض بن عقبة مات يوم جمعة، فاشتد وجدُه عليه، فقال له رجل من الصدف :يا أبا يحيى، ألا أبشرك بشىء سمعتُه من عبد الله بن عمرو؟ ...فذكره، فزاد فى إسناده عبد الرحمن بن قحزم، والرجل من الصدف (تحرف فيه إلى:الصدق) . وابن قحُزم مجهول الحال، ذكره الأمير فى "الإكمال٧/ ١٠١، ١٠٢"والرجل الصدفى مبهم.ثم أخرجه الطحاوى ٢٨٠، والبيهقى فى "إثبات عذاب القبر ١٥٥ "من طرق عن الليث، عن خالد بن يزيد، عن سعيد بن أبى هلال، عن ربيعة بن سيف، أن عبد الرحمن بن قحُزم أخبره أن ابناً لعياض بن عقبة، ثم ذكر مثل سابقه .فزاد فى إسناده أيضاً خالد بن يزيد وسعيد بن أبى هلال بين الليث وبين ربيعة بن سيف، قال الطحاوى :وهو أشبه عندنا بالصواب.

وأخرجه البيهقى فى "إثبات عذاب القبر ١٥٦ "من طريق محمد بن إسحاق، حدثه سليمان بن آدم، عن بقية، حدثه معاوية بن سعيد التجيبى، عن أبى قبيل المصرى، عن عبد الله بن عمرو، به . وسليمان بن آدم لم نعرفه، لكن تابعه سريج بن النعمان فى الرواية الآتية برقم ٦٦٤٦، وإبراهيمُ بنُ أبى العباس برقم ٧٠٥٠، ويزيد بن هاورن فيما ذكره ابنُ حجر فى "النكت الظراف٦/ ٢٨٩"وأبو قبيل -واسمه حيى بن هانىء -ضعفه الحافظ فى "تعجيل المنفعة "لأنه كان يكثر النقل عن الكتب القديمة .وأخرجه البيهقى أيضاً١٥٧ من طريق ابن وهب، عن ابن لهيعة، عن سنان بن عبد الرحمن الصدفى، عن ابن عمرو، موقوفاً(حاشية مسند احمد،تحت رقم الحديث ٦٥٨٢)

[1] رقم الحديث ٤١١٣، ج٧ص ١٤٦، مسند انس بن مالك .

[2] چنانچہ اس حدیث کی سند یہ ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ وَاقِدِ بْنِ سَلَامَةَ، عَنْ يَزِيدَ الرَّقَاشِيِّ، عَنْ أَنَسٍ،قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

رحمہ اللہ نے واقد بن سلامہ کی حدیث کو غیر صحیح فرمایا ہے۔ [1]

حسین بن علوان کی سند سے بھی یہ روایت مروی ہے، مگر وہ بھی شدید ضعیف ہے، حسین بن علوان کو بعض نے کذاب، بعض نے ضعیف جداً، اور بعض نے متروک قرار دیا ہے۔ [2]

ابونعیم اصبہانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ:

مَنْ مَاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ أُجِيرَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَجَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ طَابَعُ الشُّهَدَآءِ (حلية الاولياء، ج۳ص ۱۵۵)

ترجمہ: جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں فوت ہوگیا، تو وہ قبر کے عذاب سے بچا لیا جائے گا، اور قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس پر شہیدوں کی مہر ہوگی (حلیۃ الاولیاء)

ابونعیم اصبہانی نے اس حدیث کی سند کو غریب قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اس کی سند میں عمرو بن موسیٰ مدنی نے تفرد اختیار کیا ہے، جو کہ ضعیف ہیں۔ [3]

---

[1] من اسمه وافد وواقد ووالبة وافد بالفاء أو بقاف هو بن سلامة :عن يزيد الرقاشي ضعفوه قال البخارى :روى الليث عن ابن عجلان عن واقد بن سلامة لم يصح حديثه. قلت :سمع منه أيضاً بن وهب وتأخر وروايته عن أنس منقطعة(لسان الميزان، ج۳ص ۹۴)

يزيد بن أبان الرقاشي بتخفيف القاف ثم معجمة أبو عمرو البصرى القاص بتشديد المهملة زاهد ضعيف من الخامسة مات قبل العشرين(تقريب التهذيب، ج ۱ ص ۵۹۹)

[2] أنبأنا أبو محمد إسماعيل بن أبى القاسم وحدثنا أبى عنه أنبا عمر بن أحمد بن عمر نا محمد بن أحمد بن على انا الحسين بن موسى بن محمويه ثنا يوسف ابن محمد نا محمد بن محمد بن نوح نا نصر بن الأصبغ نا الحسين بن علوان عن أبان بن أبى عياش عن أنس بن مالک قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا ينجو من ضغطة القبر إلا شهيد أو مصلوب أو من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة(تعزية المسلم لابنِ عساكرص ۷۹)

الحسين بن علوان الكلبى :عن الأعمش وهشام بن عروة قال يحيى :كذاب وقال على :ضعيف جداً وقال أبو حاتم والنسائى والدارقطنى :متروک الحديث وقال ابن حبان :كان يضع الحديث على هشام وغيره وضعاً لا يحل كتب حديثه إلا على سبيل التعجب(لسان الميزان ج ۱ ص ۳۲۹)

[3] قال ابونعيم: غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ وَمُحَمَّدٍ تَفَرَّدَ بِهِ عُمَرُ بْنُ مُوسَى، وَهُوَ مَدَنِيٌّ فِيهِ لِينٌ(حواله بالا)

عمر بن موسیٰ کو امام بخاری نے منکر الحدیث اور ابنِ عدی اور ابوحاتم نے واضع الحدیث وذاہب الحدیث اور متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ [۱]

جس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی فی نفسہٖ ضعف یا شدید ضعف سے خالی نہیں۔

عبدالرزاق نے ابنِ جریج سے اور انہوں نے ایک مبہم شخص سے، اور انہوں نے ابنِ شہاب زہری سے مرسلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح روایت کیا ہے کہ:

مَنْ مَاتَ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، أَوْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ، بَرِءَ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ أَوْ قَالَ: وُقِيَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ، وَكُتِبَ شَهِيْدًا (مصنف عبدالرزاق) [۲]

ترجمہ: جو شخص جمعہ کی رات میں یا جمعہ کے دن میں فوت ہوگیا، تو وہ قبر کے فتنہ سے بری ہوگیا، یا یہ فرمایا کہ قبر کے فتنہ سے محفوظ ہوگیا، اور شہید لکھا گیا (عبدالرزاق)

یہ حدیث بھی فی نفسہٖ ضعیف ہے، کیونکہ مرسل ہونے کے علاوہ اس میں ایک راوی ''رجلِ مبہم'' ہیں، جن کا حال معلوم نہیں کہ وہ کون اور کیسے ہیں؟ [۳]

---

[۱] عمر بن موسى بن وجيه الميثمى الوجيهى الحمصى :عن مكحول والقاسم أبى عبد الرحمن وعنه بقية وأبو نعيم وإسماعيل بن عمر والبجلى وآخرون قال البخارى منكر الحديث وقال ابن معين ليس بثقة وقال ابن عدى هو ممن يضع الحديث متناً وإسناداً وهو عمر بن موسى بن وجيه الأنصارى الدمشقى ووهم من عده كوفيا (لسان الميزان، ج۲ص ۲۴۹)

عمر بن موسى بن وجيه الوجيهى:يروى عن الزهرى والقاسم، روى عنه ابن إسحق كان ممن يروى المناكير عن المشاهير، فلما كثر (فى) روايته عن الثقات ما لا يشبه حديث الاثبات حتى خرج عن حد العدالة إلى الجرح فاستحق الترك(كتاب المجروحين لابنِ حبان، ج۲ص ۸۶)

عبد الرحمن قال سألت ابى عن عمر بن موسى الوجيهى فقال متروک الحديث ذاهب الحديث كان يضع الحديث(الجرح والتعديل،لابن أبى حاتم ،ج٦،ص ۱۳۳)

[۲] رقم الحديث ۵۵۹۵،كتاب الجمعة، باب من مات يوم الجمعة.

[۳] وآخر من حديث جابر بن عبد الله عند أبى نعيم فى "الحلية۳/ ۱۵۵"وقال :غريب من حديث جابر ومحمد بن المنكدر، تفرد به عمر بن موسى، وهو مدنى فيه لين .قلنا :قال أبو حاتم: ذاهبُ الحديث كان يضع الحديث، وقال النسائى والدارقطنى :متروک .وقال ابن عدى :هو ممن يضع الحديث متناً وإسناداً.وقد ذكرنا هذين الشاهدين الضعيفين، والثانى منهما ضعيف جداً، لأن المناوى عزا الحديث إليهما فى "فيض القدير۵/ ۴۹۹"وقال :فلو عزاه المؤلف (يعنى السيوطى)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورامام حصکفی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے ہیثم بن حبیب صیرفی سے، اورانہوں نے حضرت حسن سے، اورانہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادروایت کیا ہے کہ:

مَنْ مَاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وُقِيَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (مسند ابی حنيفة رواية الحصكفى، رقم الحديث ٦٦، كتاب الصلاة)

ترجمہ: جو شخص جمعہ کے دن فوت ہوجائے، وہ قبر کے عذاب سے بچالیا جاتا ہے (مسندابی حنیفہ)

اس روایت کوبھی بعض حضرات نے حضرت حسن اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع کی وجہ سے ضعیف قراردیا ہے۔

بعض متاخرین اہلِ علم حضرات نے حمید بن زنجویہ کی الترغیب والترہیب کے حوالہ سے ایاس بن بکیر اور حضرت عطاء کی روایات ذکر کی ہیں، جن میں جمعہ کے دن فوت ہونے والے کو شہید کا اجر حاصل ہونا ذکر کیا گیا ہے۔

مگر ہمیں باسند طریقہ پر یہ روایات تاحال دستیاب نہیں ہوسکیں۔

اور حمید بن زنجویہ کی ترغیب وترہیب کا مطبوعہ نسخہ بھی دستیاب نہ ہوسکا۔

مذکورہ احادیث وروایات کو مجموعی طور پر بھی بعض حضرات نے ضعیف قراردیا ہے، اوران میں ایک دوسرے کے شاہد ومؤید بننے کی صلاحیت کا انکار کیا ہے۔

جبکہ اس کے برعکس بعض حضرات نے ان میں سے بعض کوایک دوسرے کا شاہد بنا کر حسن قرار

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لهؤلاء كان أجود (يعنى من عزوه إلى حديث ابن عمرو عند أحمد والترمذى) . قلنا :ليس العزو إليهما بأجود لأن إسناديهما كما قد رأيت.وله شاهد ثالث ضعيف أيضاً من حديث الزهرى عن النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عند عبد الرزاق٥٥٩٥، وهو معضل، وفيه عنعنة ابن جريج عن راو مبهم ورابع من قول عكرمة بن خالد المخزومى عند البيهقى فى "إثبات عذاب القبر ١٥٨ "(حاشية مسند احمد،تحت رقم الحديث ٦٥٨٢)

دیا ہے۔ [1]

اب تک تو جمعہ کے دن فوت ہونے کی فضیلت سے متعلق احادیث وروایات ذکر کی گئیں۔

جہاں تک رمضان میں فوت ہونے پر عذابِ قبر سے مامون ومحفوظ ہونے کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں کوئی صریح حدیث دستیاب نہیں ہوسکی۔

البتہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ:

مَنْ وَافَقَ مَوْتُهُ عِنْدَ انْقِضَاءِ رَمَضَانَ دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ وَافَقَ مَوْتُهُ عِنْدَ انْقِضَاءِ عَرَفَةَ دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ وَافَقَ مَوْتُهُ عِنْدَ انْقِضَاءِ صَدَقَةٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ (حلية الاولياء، ج۵ ص۲۳)

ترجمہ: جس کی موت رمضان مکمل ہونے کے وقت واقع ہوئی، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جس کی موت وقوفِ عرفہ مکمل ہونے کے وقت واقع ہوئی، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جس کی موت صدقہ مکمل کرنے کے وقت واقع ہوئی، تو وہ جنت میں داخل ہوگا (حلیۃ الاولیاء)

مگر اس حدیث کی سند بھی اولاً تو غیر معمولی ضعیف ہے۔ [2]

---

[1] أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو مَرْفُوعًا مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللَّهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ وَأَخْرَجَهُ أَبُو يَعْلَى مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ نَحْوَهُ وَإِسْنَادُهُ أَضْعَفُ (فتح البارى لابنِ حجر، ج۳ ص۲۵۳، قَوْلُهُ بَابُ مَوْتِ يَوْمِ الِاثْنَيْنِ)

فهذه الشواهد لا تصلح لتقوية الحديث، وقد أخطأ الألبانى فى "الجنائز" ص۳۵، فحسنه أو صححه بها تقليداً للمباركفورى فى "تحفة الأحوذى." (حاشية مسند احمد، تحت رقم الحديث ۶۵۸۲)

[2] اس حدیث کی سند یہ ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثنا ابْنُ سَعِيدٍ الْوَاسِطِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ الْوَاسِطِيُّ، ثَنَا نَصْرُ بْنُ حَمَّادٍ، ثنا هَمَّامٌ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ جُحَادَةَ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، قَالَ: سَمِعْتُ خَيْثَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ابونعیم اصبہانی نے اس حدیث کونقل کرنے کے بعد غریب قرار دیا ہے۔ [۱]

اس روایت کے ایک راوی نصر بن حماد پر محدثین نے غیر معمولی جرح فرمائی ہے، جس میں کذاب ہونے کی جرح بھی شامل ہے۔ [۲]

اور دوسرے اس حدیث میں رمضان کے مکمل ہونے اور تیسرے جنت میں داخل ہونے کی قید لگی ہوئی ہے، جس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ کوئی شخص رمضان میں کسی بھی وقت فوت ہوجائے، تواس سے ہمیشہ کے لئے قبر کا عذاب اٹھالیا جاتا ہے، بلکہ اس میں کئی

---

۱ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

غَرِيبٌ مِنُ حَدِيثِ طَلُحَةَ، لَمُ نَكُتُبُهُ إِلَّا مِنُ حَدِيثِ نَصُرٍ، عَنُ هَمَّامٍ (حلية الاولياء)

۲ نصر بن حماد بن عجلان البجلى......قال عَبد اللَّهِ بُن أَحُمَد بُن حنبل :سمعت يحيى بُن مَعِين يَقُول :نصر بن حماد كذاب .وَقَال يعقوب بن شيبة:ليس بشىءٍ .وقَال البُخارِيُّ :يتكلمون فيه .وَقَال مسلم :ذاهب الحديث .وَقَال النَّسَائي :ليس بثقة.وَقَال أَبُو زُرُعَة، وصالح بن مُحَمَّد الحافظ :لا يكتب حديثه.وَقَال أَبُو حاتم، وأَبُو الفتح الأزدى :متروك الحديث .وَقَال ابن حبان: كان يخطء كثيرا، ويهم فِي الإسناد، فلما كثر ذلک منه بطل الاحتجاج بِهِ .وَقَال زكريا بُن يَحُيَى الساجى :يعد من الضعفاء .وَقَال الدَّارَقُطُنِيُّ :ليس بالقوى فِي الحديث.ورَوَى لَهُ أَبُو أَحُمَدَ بُنُ عدى:أحاديث عَنُ شُعُبَةَ، ثم قال:وهذه الأحاديث التى ذكرتها عَنِ نصر، عَنُ شُعُبَةَ، ولَهُ غيرها عَنُ شُعُبَةَ كلها غير محفوظة، ومع ضعفه يكتب حديثه (تهذيب الكمال ج۲۹ ص۳۴۲تا۳۴۵)

ق -نصر "بن حماد بن عجلان البجلى أبو الحارث الحافظ الوراق البصرى روى عن شعبة ومسعر والمسعودى وهمام وموسى بن كردم وإسرائيل والربيع بن صبيح وأبى بكر الهذلى ومسلم بن خالد الزنجى ومقاتل بن سليمان وغيرهم وعنه أبناه أحمد ومحمد والحسن بن على الحلوانى ومحمد بن رافع النيسابورى وروح بن الفرج البزاز وهارون بن موسى المستملى ويحيى بن جعفر بن الزبرقان ومحمد بن إسحاق الصغانى ومحمد بن سعيد بن غالب وآخرون قال عبد الله بن أحمد عن يحيى بن معين كذاب وقال البخارى يتكلمون فيه وقال مسلم ذاهب الحديث وقال النسائى ليس بثقة وقال يعقوب بن شيبة ليس بشىء وقال أبو زرعة وصالح بن محمد لا يكتب(تهذيب التهذيب،لا بن حجر العسقلانى،ج۱۰،ص۴۲۵)

نصر بن حماد البجلى أبو الحارث الوراق :من أهل بغداد، يروى عن شعبة وإسرائيل، روى عنه العراقيون كان من الحفاظ، ولكنه كان يخطء كثيرا ويهم فى الاسانيد حتى يأتى بالاشياء كأنها مقلوبة، فلما كثر ذلک منه بطل الاحتجاج به إذا انفرد(المجروحين لابى حاتم ،ج۳،ص۵۴)

(حل) وكذا الديلمى (عن ابن مسعود) وفيه نصر بن حماد قال الذهبى :قال النسائى :ليس بثقة ومحمد بن حجاوة قال أعنى الذهبى :قال أبو عوانة الوضاح كان يغلو فى التشيع (فيض القدير ، تحت رقم الحديث ۹۰۷۱)

احتمالات ہیں۔

جن احادیث وروایات میں جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے لئے عذابِ قبر سے حفاظت کا ذکر ہے، اگر ان کو مجموعی طور پر حسن اور معتبر مانا جائے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے کس قسم کے عذابِ قبر سے حفاظت مراد ہے؟

تو اس سلسلہ میں حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

(مَنْ مَاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ) أَيْ مُؤْمِناً (وُقِيَ) بِصِيْغَةِ الْمَجْهُوْلِ، أَيْ حُفِظَ (عَذَابَ الْقَبْرِ) أَيْ مُطْلَقاً، أَوْ شِدَّتَهُ، أَوْ بِخُصُوْصِهٖ، أَوْ كُلَّ يَوْمِ جُمُعَةٍ (شرح مسند ابی حنیفة، ص ۴۲۴)

ترجمہ: جو جمعہ کے دن فوت ہوگیا، یعنی ایمان کی حالت میں، تو اس کو بچالیا جائے گا، مجہول صیغہ کے ساتھ یعنی محفوظ کرلیا جائے گا، قبر کے عذاب سے، یا تو مطلقاً، یا قبر کے عذاب کی شدت سے، یا خاص اس جمعہ کے دن میں (جس دن کہ فوت ہوا) یا ہر جمعہ کے دن (شرح مسند ابی حنیفہ)

اور الکوکبُ الدری میں ہے کہ:

(مَنْ يَّمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ) قَوْلُهٗ (اِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ) فَقِيْلَ هٰذَا الْيَوْمَ وَاللَّيْلَةَ فَقَطْ ثُمَّ يُعَذَّبُ لَيْلَةَ السَّبْتِ وَقِيْلَ لَا بَلْ خُلِّصَ فَخُلِّصَ، نَعَمْ يُحَاسَبُ فَيُجَازٰى بَعْدَ الْحَشْرِ (الکوکب الدری، ج ۲ ص ۲۰۹، ۲۱۰)

ترجمہ: جو جمعہ کے دن فوت ہوجائے، تو اللہ تعالیٰ اس کو قبر کے فتنہ سے محفوظ فرمالیتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ صرف (خاص جمعہ کے) اس دن اور اس رات میں محفوظ فرمالیتے ہیں (جس میں وہ فوت ہوا) پھر ہفتہ کی رات میں عذاب دیا

جاتا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو ہمیشہ کے لئے (عذاب سے) خلاصی دے دی جاتی ہے، البتہ اس کا حساب کیا جائے گا، اور قیامت کے بعد اس کو (اس کے اچھے و بُرے عمل کا) بدلہ دیا جائے گا (الکوکبُ الدری)

اور العرفُ الشذی میں ہے کہ:

مَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فِيْ فَضْلِ مَوْتِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ، وَلَوْ صَحَّ بِالْفَرْضِ لَكَانَ الْفَضْلُ مِنْ عَدَمِ السُّؤَالِ لِمَنْ مَاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ لاَ مَنْ مَاتَ قَبْلُ وَأُخِّرَ دَفْنُهُ إِلٰى يَوْمِ الْجُمُعَةِ (العرف الشذى، ج۲ ص ۳۵۱، باب ما جاء فيمن يموت يوم الجمعة)

ترجمہ: جمعہ کے دن فوت ہونے کی فضیلت کے بارے میں حدیث صحیح نہیں ہے، اور اگر بالفرض صحیح ہو، تو (قبر میں) سوال نہ کئے جانے کی فضیلت اس شخص کو حاصل ہوگی، جو جمعہ کے دن فوت ہو، نہ کہ اس شخص کو جو کہ جمعہ کے دن سے پہلے فوت ہو، اور اس کے دفن کو جمعہ کے دن تک مؤخر کیا جائے (العرف الشذی) [۱]

معلوم ہوا کہ روایات میں جو جمعہ کے دن فوت ہونے پر قبر کے فتنہ یا عذاب سے بچاؤ و حفاظت کا ذکر آیا ہے، ان میں درجِ ذیل اقوال ہیں:

(۱)...... جمعہ کے دن فوت ہونے پر قبر کے فتنہ یا عذاب سے حفاظت کی روایات ضعیف، اور بعض شدید ضعیف ہیں، جبکہ بعض کے نزدیک مجموعی طور پر حسن ہیں (۲)...... اگر مجموعی طور پر ان احادیث کو حسن ومعتبر مانا جائے تو اس کے کئی معنیٰ ہوسکتے ہیں (۳)...... فتنۂ قبر یا عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کے یہ معنیٰ ہوسکتے ہیں کہ ہمیشہ کے لئے قبر کے عذاب سے محفوظ کر دیا جاتا ہے (۴)...... یہ معنیٰ ہوسکتے

---

[۱] مگر اس کے برعکس احسن الفتاویٰ میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا کہ عذابِ قبر دفن کے بعد شروع ہوتا ہے، اس لئے جو شخص جمعہ سے پہلے فوت ہو، مگر جمعہ کے روز دفن ہو، وہ بھی عذابِ قبر سے محفوظ ہوگا (ملاحظہ ہو، احسن الفتاویٰ ج۴ ص۲۰۹)

ہیں کہ قبر کے صرف سخت وشدید عذاب سے محفوظ کر دیا جاتا ہے، نہ کہ ہر طرح کے قبر کے عذاب سے (۵)...... یہ معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں کہ جس جمعہ کو فوت ہوتا ہے، صرف اس جمعہ کو قبر کے عذاب سے محفوظ کر دیا جاتا ہے، نہ کہ آئندہ ہمیشہ کے لئے (۶)...... یہ معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہر جمعہ کے دن قبر کے عذاب سے محفوظ کر دیا جاتا ہے، یعنی کسی بھی جمعہ کو عذاب نہیں دیا جاتا۔

لہٰذا اتنے سارے احتمالات کے ہوتے ہوئے خاص یہ سمجھنا یا پختہ عقیدہ بنالینا کہ جو متقی یا فاسق وفاجر شخص بھی جمعہ کے دن یا رمضان میں فوت ہو، وہ بہر حال تا قیامت قبر کے عذاب سے محفوظ کر لیا جاتا ہے، خواہ وہ قرآن اور صحیح احادیث سے عذابِ قبر پر مرتب ہونے والی بداعمالیوں کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو، درست نہیں ہے۔

اور حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ عقائد کی کتاب شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں کہ:

وَاَمَّا مَاقَالَهُ الشَّيُخُ اَبُو الْمُعِيُنِ فِيُ اُصُوُلِهٖ عَلٰى مَانَقَلَ عَنُهُ الْقَوُنَوِيُّ مِنُ اَنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ حَقٌّ سَوَاءٌ كَانَ مُؤْمِنًا اَمُ كَافِرًا اَمُ مُطِيُعًا اَمُ فَاسِقًا وَلٰكِنُ اِذَا كَانَ كَافِرًا فَعَذَابُهٗ يَدُوُمُ فِي الْقَبْرِ اِلٰى يَوُمِ الْقِيَامَةِ وَيُرُفَعُ عَنُهُ الْعَذَابُ يَوُمَ الْجُمُعَةِ وَشَهُرَ رَمَضَانَ بِحُرُمَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيُهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهٗ مَادَامَ فِي الْاَحُيَاءِ لَا يُعَذِّبُهُمُ اللّٰهُ لِحُرُمَتِهٖ فَكَذٰلِكَ فِي الْقَبْرِ يُرُفَعُ عَنُهُمُ الْعَذَابُ يَوُمَ الْجُمُعَةِ وَكُلَّ رَمَضَانَ لِحُرُمَتِهٖ فَفِيُهِ بَحُثٌ لِاَنَّهٗ يَحُتَاجُ اِلٰى نَقُلٍ صَحِيُحٍ اَوُ دَلِيُلٍ صَرِيُحٍ .... وَقَالَ الْقَوُنَوِيُّ وَاِنُ كَانَ عَاصِيًا يَكُوُنُ لَهٗ عَذَابُ الْقَبْرِ وَضَغُطَةُ الْقَبْرِ لٰكِنُ يَنُقَطِعُ عَنُهُ عَذَابُ الْقَبْرِ يَوُمَ الْجُمُعَةِ وَلَيُلَةَ الْجُمُعَةِ وَلَا يَعُوُدُ الْعَذَابُ اِلٰى يَوُمِ الْقِيَامَةِ وَاِنُ مَاتَ يَوُمَ الْجُمُعَةِ اَوُ لَيُلَةَ الْجُمُعَةِ يَكُوُنُ لَهُ الْعَذَابُ سَاعَةً وَاحِدَةً وَضَغُطَةَ الْقَبْرِ ثُمَّ يَنُقَطِعُ

عَـنْهُ الْعَذَابُ وَلَا يَعُوْدُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِنْتَهٰى. فَـلَا يَخْفٰى اَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِىْ الْعَقَائِدِ هُوَ الْاَدِلَّةُ الْيَقِيْنِيَّةُ وَاَحَادِيْثُ الْاَحَادُ لَوْ ثَبَتَتْ اِنَّمَا تَكُوْنُ ظَنِّيَّةً اَللّٰهُمَّ اِلَّا اِذَا تَعَدَّدَ طُرُقُـهٗ بِحَيْثُ صَارَ مُتَوَاتِرًا مَعْنَوِيًّا فَحِيْنَئِذٍ يَكُوْنُ قَطْعِيًّا.

نَـعَمْ ثَبَتَ فِىْ الْجُمْلَةِ اَنَّ مَنْ مَاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ يُرْفَعُ الْعَذَابُ عَنْهُ اِلَّا اَنَّـهٗ لَا يَعُوْدُ اِلَيْهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَـلَا اَعْرِفُ لَهٗ اَصْلاً وَكَـذَا رَفْـعُ الْعَذَابِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَتِهَا مُطْلَقًا عَنْ كُلِّ عَاصٍ ثُمَّ لَا يَعُـوْدُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَاِنَّهٗ بَاطِلٌ قَطْعًا (شرح فقه اكبر لملا على القارى، صفحه ١٠١ و١٠٢، الناشر: قديمى كتب خانه، آرام باغ، كراچى)

ترجمہ: اور رہی وہ بات جو شیخ ابو معین نے اپنے اصول میں ذکر فرمائی ہے، جس کو ان سے قونوی نے نقل کیا ہے کہ قبر کا عذاب حق ہے، چاہے مومن ہو یا کافر ہو، یا مطیع ہو یا فاسق ہو، لیکن اگر کافر ہو تو اس کا عذابِ قبر قیامت تک جاری رہتا ہے، اور اس کا عذاب جمعہ کے دن اور رمضان کے مہینے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے روک لیا جاتا ہے، اس لئے کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم حیات رہے، اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعظیم کی وجہ سے ان کو عذاب نہیں دیا، اسی طریقہ سے قبر میں کافروں سے جمعہ کے دن اور پورے رمضان میں آپ کی تعظیم کی وجہ سے عذاب کو روک لیا جاتا ہے۔

تو اس میں بحث ہے، کیونکہ یہ بات نقلِ صحیح یا دلیلِ صریح کی محتاج ہے۔...........

اور قونوی نے فرمایا کہ اگر گناہ گار مومن ہوتا ہے، تو اسے قبر کا عذاب اور قبر کا بھینچنا ہوتا ہے، لیکن اس سے جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں عذابِ قبر کو روک لیا جاتا ہے، اور پھر قیامت تک عذاب لوٹ کر نہیں آتا، اور اگر جمعہ کے دن یا جمعہ کی

رات میں فوت ہوجائے، تو اس کو ایک لمحہ کے لئے عذاب اور قبر کا بھینچنا ہوتا ہے، پھر اس کے بعد عذاب کو ہٹالیا جاتا ہے، اور پھر قیامت تک عذاب لوٹایا نہیں جاتا، قونوی کا کلام ختم ہوا۔

تو یہ بات مخفی نہیں کہ عقائد میں اعتبار یقینی دلائل کا ہوتا ہے، اور احادیثِ آحاد اگر ثابت ہوں، تو وہ صرف ظنی درجے کی ہوتی ہیں (ان سے قطعیت کا فائدہ حاصل اور یقین کا عقیدہ ثابت نہیں ہوتا) مگر یہ کہ جب ان کی سندیں اتنی زیادہ ہوں کہ وہ تواترِ معنوی کے درجے میں آجائیں، تو پھر وہ قطعی بن جاتی ہیں۔

البتہ فی الجملہ (احادیث سے) یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں فوت ہوجائے، تو اس سے عذاب کو اٹھالیا جاتا ہے، مگر یہ بات کہ قیامت تک اس کی طرف عذاب کو لوٹایا نہیں جاتا، مجھے اس کی اصل معلوم نہیں ہوسکی (اور اس سلسلہ میں مذکور روایات سے صراحتاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جمعہ کے دن یا رات میں کوئی مسلمان بھی فوت ہونے والا تا قیامت عذابِ قبر سے محفوظ کردیا جاتا ہے)

اور اسی طرح جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں مطلقاً ہر گناہ گار سے عذاب کا رفع ہونا، اور پھر قیامت کے دن تک لوٹ کر نہ آنا، تو یہ بات قطعی طور پر باطل ہے (کیونکہ یہ دعویٰ احادیثِ صحیحہ کثیرہ کی دلالت کے خلاف ہے) (شرح فقہ اکبر)

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ کی اس مدلل عبارت سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱)...... شیخ ابو معین کا یہ قول کہ جمعہ کے دن اور رمضان کے مہینے میں کافروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے قبر میں عذاب نہیں ہوتا۔

اس کے لئے نقلِ صحیح یا دلیلِ صریح کی ضرورت ہے، جو کہ موجود نہیں۔

(۲)...... یہ کہنا کہ گناہ گار شخص سے قبر کا عذاب جمعہ کے دن ہٹالیا جاتا ہے، اور

پھر قیامت تک عذاب نہیں لوٹایا جاتا ، اوراسی طرح جو شخص جمعہ کے دن فوت ہوجائے ، تو اس کو ایک ساعت کے لئے عذاب ہوتا ہے، اور پھر قیامت تک عذاب نہیں لوٹایا جاتا۔

یہ بات محلِ کلام ہے، کیونکہ عقائد میں دلائلِ قطعیہ کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور خبرِ واحد ظنی ہوا کرتی ہے، البتہ اگر اخبارِ آحاد مختلف سندوں سے مروی ہوں کہ جو تواترِ معنوی کا درجہ حاصل کرلیں ،تو پھر قطعیت کا درجہ اختیار کرلیتی ہیں (اور مذکورہ عقیدہ کے لئے اس طرح کا ثبوت نہیں)

(۳)...... احادیث سے اتنی بات ثابت ہے کہ جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں فوت ہونے والے سے عذاب کو اٹھالیا جاتا ہے۔

لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ اس کے بعد پھر قیامت تک عذاب نہیں دیا جاتا، یہ درست نہیں ، کیونکہ اس کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں (بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ صرف اس جمعہ کے دن یا آئندہ ہر جمعہ کے دن عذاب اٹھایا جاتا ہو، جیسا کہ شرح فقہ اکبر میں ذکر کیا گیا)

(۴)...... یہ کہنا کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں ہر گناہ گار سے مطلقاً عذاب کو اٹھالیا جاتا ہے (خواہ وہ کسی بھی دن فوت ہوا ہو) اور پھر اس کے بعد تا قیامت عذاب میں مبتلا نہیں کیا جاتا۔

یہ بات قطعی طور پر باطل ہے۔

ملاعلی قاری رحمہ اللہ کی اس عبارت سے ابو معین کے کلام کا مرجوح ہونا معلوم ہو گیا۔

کئی عربی واردو کتب میں ابو معین کے مذکورہ کلام کو نقل کیا گیا ہے،اوراس سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ جمعہ کے دن یا رمضان میں فوت ہونے والے یا ہر ایک سے جمعہ ورمضان آنے پر آئندہ ہمیشہ کے لئے عذاب اٹھالیا جاتا ہے، ملاعلی قاری رحمہ اللہ کی مذکورہ تفصیل

سے اس کا بھی جواب معلوم ہوگیا، کہ یہ بات مرجوح ہے۔ ۱؎

۱؎ وَيَأْمَنُ الْمَيِّتُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمَنْ مَاتَ فِيهِ أَوْ فِي لَيْلَتِهِ أَمِنَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَلَا تُسَجَّرُ فِيهِ جَهَنَّمُ (الدر المختار)

والعاصی يعذب ويضغط لكن ينقطع عنه العذاب يوم الجمعة وليلتها ثم لا يعود وإن مات يومها أو ليلتها يكون العذاب ساعة واحدة وضغطة القبر ثم يقطع، كذا فی المعتقدات للشيخ أبی المعين النسفی الحنفی من حاشية الحنفی ملخصا (ردالمحتار، ج۲، ص۱۶۵، باب العيدين)

قال أبو المعين فی أصوله قال أهل السنة والجماعة عذاب القبر وسؤال منكر ونكير حق لكن إن كان كافرا فعذابه يدوم فی القبر إلی يوم القيامة ويرفع عنهم العذاب يوم الجمعة وشهر رمضان لحرمة النبی صلی الله عليه وسلم ثم المؤمن علی ضر بين أن كان مطيعا لا يكون له عذاب القبر ويكون له ضغطة فيجد هول ذلک وخوفه لما أنه كان يتنعم بنعمة الله تعالی ولم يشكر النعمة وإن كان عاصيا يكون له عذاب وضغطة القبر لكن ينقطع عنه العذاب يوم الجمعة وليلة الجمعة ولا يعود العذاب إلی يوم القيامة وإن مات ليلة الجمعة أو يوم الجمعة يكون له العذاب ساعة واحدة وضغطة ثم ينقطع عنه العذاب ولا يعود إلی يوم القيامة من مجمع الروايات والتتارخانية كذا فی الشرح وناقش فيه المنلا علی وقال إن ذلک غير ثابت فی الأحاديث (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، لأحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوی الحنفی، ج۱، ص۵۲۴)

قوله ويأمن الميت فيه من عذاب القبر. أقول قال أهل السنة والجماعة عذاب القبر حق وسؤال منكر ونكير وضغطة القبر حق سواء كان مؤمنا أو كافرا مطيعا أو فاسقا لكن إذا كان كافرا فعذابه يدوم إلی يوم القيامة ويرفع العذاب عنهم يوم الجمعة وشهر رمضان بحرمة النبی صلی الله تعالی عليه وسلم فكذلک فی القبر يرفع عنهم العذاب يوم الجمعة وكل رمضان بحرمته فيعذب اللحم متصلا بالروح والروح متصلا بالجسم فتتألم الروح مع الجسد وإن خارجا منه ثم المؤمن علی وجهين إن كان مطيعا لا يكون له عذاب ويكون له ضغطة فيجد هول ذلک وخوفه وإن كان عاصيا يكون له عذاب القبر وضغطة القبر لكن ينقطع عنه عذاب القبر يوم الجمعة وليلة الجمعة ثم لا يعود العذاب إلی يوم القيامة. وإن مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة يكون له العذاب ساعة واحدة وضغطة القبر ثم ينقطع عنه العذاب كذا فی المعتقدات للشيخ أبی المعين النسفی الحنفی. قيل يشكل كلامه فی حق الكفار لقوله تعالی فلا يخفف عنهم العذاب اللهم إلا أن يراد بالتخفيف رفع العذاب بالكلية (غمز عيون البصائر، ج۴، ص۷۲، القول فی احكام يوم الجمعة)

حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے فتاویٰ محمودیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ رمضان میں فوت ہونے والے سے عذابِ قبر کے مرتفع ہونے اور منکر نکیر کے سوال نہ ہونے کی کسی حدیث میں تصریح دیکھنا محفوظ نہیں (ملاحظہ ہو: فتاویٰ محمودیہ مبوب، ج۱ص۶۳۱، ما یتعلق باحوال القبور والارواح)

البتہ مفتی صاحب موصوف نے ایک سوال کے جواب میں رمضان میں عذابِ قبر سے محفوظ رہنے پر اس طرح استدلال فرمایا ہے کہ رمضان شریف میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ یہ کہ جمعہ کے دن فوت ہونے والے سے ہمیشہ کے لئے قبر کے عذاب کے مرتفع وختم ہونے کا صراحتاً کسی معتبر ومستند حدیث میں ذکر نہیں پایا جاتا، البتہ فی الجملہ جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے عذابِ قبر سے محفوظ ہونے کا کئی احادیث وروایات میں ذکر پایا جاتا ہے، جوکہ بعض کے نزدیک ضعیف یا شدید ضعیف ہیں، جبکہ بعض کے نزدیک مجموعی طور پر حسن درجہ میں داخل ہیں، مگر اس کے باوجود بھی ان سے زیادہ سے زیادہ ظنیت کا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے، قطعیت اور یقین کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اور نہ ہی ان احادیث سے اس بات پر واضح دلالت ہوتی ہے کہ جمعہ کے دن فوت ہونے والے سے ہمیشہ کے لئے قبر کے عذاب کو ہٹالیا اور دُور کردیا جاتا ہے، بلکہ اس میں کئی قسم کے احتمالات ہیں، مثلاً یہ کہ عذاب میں تخفیف وکمی کردی جاتی ہو، یا صرف اس جمعہ کے دن یا رات میں عذاب نہ ہوتا ہو، یا کسی بھی جمعہ کے دن عذاب نہ ہوتا ہو، لہٰذا یہ سمجھ لینا بلکہ پختہ عقیدہ بنالینا کہ جمعہ کے دن یا ماہِ رمضان میں فوت ہونے والا شخص تاقیامت عذابِ قبر اور سوالِ قبر سے بھی مامون ومحفوظ ہوجاتا ہے، یہ درست نہیں یا کم ازکم خلافِ احتیاط ضرور ہے، بالخصوص جبکہ یہ عقائد کا معاملہ ہے، جس میں زیادہ احتیاط کا حکم ہے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ سے بندوں کے بارے میں حسنِ ظن کا معاملہ ہے، تو وہ ایک بالکل الگ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ جس سے معلوم ہوا کہ جو شخص رمضان شریف میں مرتا ہے، وہ بھی عذاب سے محفوظ رہتا ہے (ملاحظہ ہو: فتاویٰ محمودیہ مبوب، ج۱ص۶۳۰، مایتعلق باحوال القبور والارواح)

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علت رمضان میں فوت ہونے والے کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اس علت کا تقاضا یہ ہے کہ غیرِ رمضان میں فوت ہونے والے سے بھی رمضان میں جہنم کے دروازے بند ہونے کی وجہ سے رمضان میں عذاب مرتفع ہوجائے۔

احسن الفتاویٰ ج۴ص۲۰۷اورص۲۰۹ پر رمضان اور جمعہ کے دن فوت ہونے والے سے ہمیشہ کے لئے عذابِ قبر مرتفع ہونے اور کسی بھی دوسرے اوقات میں فوت ہونے والے سے بروز جمعہ یا رمضان کی آمد پر شامی میں ابومعین کے حوالہ سے مذکور عبارت کی بنیاد پر ہمیشہ کے لئے عذاب مرتفع ہونے کا حکم مذکور ہے۔

اور ہم نے بھی پہلے اعتماد کی بنیاد پر اس مسئلہ کو اپنے بعض مضامین ورسائل میں ذکر کیا تھا، مگر اب تحقیق کے بعد اس پر اطمینان نہ رہا، لہٰذا اب اس سے رجوع کیا جاتا ہے۔ محمد رضوان۔

معاملہ ہے، اس کی بنیاد پر کوئی عقیدہ بنالینا درست نہیں۔ [1]

البتہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں فوت ہونے والے کے متعلق قبر کے فتنہ سے حفاظت کا بعض احادیث وروایات میں ذکر پائے جانے کی وجہ سے جمعہ کے دن فوت ہونے کی ایک درجہ میں فضیلت ثابت ہے، خواہ وہ فضیلت کسی بھی نوعیت کی ہو، اسی طرح رمضان کا مہینہ بابرکت اور مبارک اوقات میں سے ہے، جس میں جہنم کے دروازے بند رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اگر اس بابرکت وقت میں مومن یا کافر یا ہر دو قسم کے مُردوں سے عذاب کو مرتفع یا ہلکا فرمالیتے ہوں، تو یہ کوئی بعید نہیں، لیکن اس کا تعلق چونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور برزخ سے ہے، جو ہماری نظروں سے پردۂ غیب میں اور اوجھل ہے، اس لئے جمعہ کے دن یا رمضان کے مہینہ میں فوت ہونے والے سے ہمیشہ کے لئے یا پورے ماہِ رمضان عذابِ قبر وبرزخ سے محفوظ ہونے کا قطعی حکم لگانے اور فیصلہ کرنے سے احتیاط برتنی چاہئے، بالخصوص جن گناہوں اور بداعمالیوں پر آخرت اور برزخ میں عذاب کا ذکر قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہو، ان کو نظر انداز کر کے اس طرح کا عقیدہ بنالینے سے سختی کے ساتھ بچنا چاہئے۔

فقط۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم

محمد رضوان

۲۹/ جمادی الاولیٰ/ ۱۴۳۳ھ 22/ اپریل/ 2012ء بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

---

[1] (لافی صفات اللہ) فان وجد حدیث ضعیف دل علی صفة من صفات اللہ تعالیٰ ولم یثبت ذلک بدلیل معتبر ، لم یعتبر به، فان صفات اللہ واسماء ہ لایجترأ علی القول بها بدون دلالة دلیل معتمد، لانها من باب العقائد لا من باب الاعمال، ویلتحق بها جمیع العقائد الدینیة ، فلا ثبت الا بحدیث صحیح او حسن لذاته او لغیره. کیف وقد صرحوا بان اخبار الآحاد وان کان صحیحة ، لاتکفی فی باب العقائد، فما بالک بالضعیفة منها؟ والمراد بعدم کفایتها انها لاتفید القطع ، فلایعتبر بها مطلقا فی العقائد التی کلف الناس بالاعتقاد الجازم فیها، لانها لاتفید الظن ایضا، ولا انها لاعبرة بها رأسا فی العقائد مطلقا، کما توهمه من ابناء عصرنا. ....(واحکام الحلال والحرام) فلایثبت بالحدیث الضعیف تحریم شیئ ولا تحلیله (ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی فی مصطلح الحدیث، لمولانا عبدالحیئ اللکنوی ، ص ۲۰۰ تا ۲۰۴ ، ملخصاً)

ماہِ رمضان کے چند اہم تاریخی حالات وواقعات

(مرتب: مولانا طارق محمود: ادارہ غفران، راولپنڈی)

پہلی صدی ہجری سے پہلے کے اجمالی واقعات

(۱)...... ہجرت سے پہلے اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے پہلے سال: رمضان میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ علق کی ابتدائی آیات پہلی وحی کے طور پر نازل فرمائیں، وحی کے نازل ہونے کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ بھینچا، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں وحی کو ضبط کرنے کی برداشت پیدا ہوجائے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے۔

(عہد نبوت کے ماہ وسال ص۲۵، البدا یة والنهاية ج۳ص ۶ ،باب كيفية بدء الوحى إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، تحت "عمرهٖ صلى الله عليه وسلم وقت بعثتهٖ وتاريخها، المنتظم لابن الجوزى، ج ۲ ص ۳۴۸، سيرت ابن هشام ج ۱ ص ۲۳۶، ابتداء نزول جبريل عليه السلام)

(۲)...... ہجرت سے پہلے اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے پانچویں سال: رمضان میں سورۂ نجم نازل ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں اس کی تلاوت فرمائی، وہاں جن وانس، کافر ومسلمان سب ہی موجود تھے، جب سجدہ کی آیت پر پہنچے تو سب حاضرین نے سجدہ کیا، لیکن امیہ بن خلف کافر نے سجدہ نہیں کیا، بلکہ زمین سے ایک مٹھی کنکریاں اٹھاکر اپنی پیشانی کو لگائیں اورکہا بس مجھے یہی کافی ہے، اللہ تعالیٰ کی شان کہ حاضرین میں تمام کفار کو آگے چل کر یکے بعد دیگرے اسلام کی دولت حاصل ہوئی، لیکن امیہ بن خلف جنگ بدر میں کفر کی حالت پر نہایت ذلت کی موت مرا۔

(عہد نبوت کے ماہ وسال ص۴۰، البداية والنهاية ج۳ص ۹۰، ۹۱، "فصل ذكر مخالفة قبائل قريش بنى هاشم وعبدالمطلب فى نصر رسول الله "ولم يذكر فيه شهر)

(۳)...... ہجرت سے پہلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دسویں سال: ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ مطہرہ تھیں، نکاح کے پندرہ سال بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہوئی، اور پیغامِ نبوت جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سنایا تو نہ صرف یہ کہ قبول کیا بلکہ خوف اور مصائب میں اور مشرکین کی طرف سے طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے میں تسلی اور تشفی بھی دیتی رہیں، الغرض خوف اور مشکل وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد پچیس سال تک حیات رہیں، اور ۱۱/ رمضان المبارک ۱۰ نبوی (ہجرت سے تین سال پہلے) وفات پائی، اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال چھ ماہ تھی، پہلے شوہر سے دو لڑکے ہالہ اور ہند پیدا ہوئے، دوسرے شوہر سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس کا نام بھی ہند تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صاحبزادے حضرت قاسم اور عبداللہ اور چار صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت رقیہ حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن انہیں کے بطن سے تھے۔

(سیر الصحابہ ج۶ ص ۲۰، الاصابة ج ۷، کتاب النساء، حرف الخاء المعجمة، البداية والنهاية، ج۳ص ۱۲۷، فصل فی موت خديجة بنت خويلد، المنتظم لابن الجوزی، ج۳ص ۱۱)

پہلی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

(۴)...... ماہِ رمضان ۲ھ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر کے لئے تشریف لے جانے لگے تو آپ اس وقت بیمار تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تیمارداری کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں ٹھہرایا، چنانچہ جس دن قاصد غزوۂ بدر کی فتح کی خوشخبری لے کر آیا، اسی دن ان کا انتقال ہوا۔

(عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۱۴۲، البداية والنهاية ج۳ص ۳۴۷، فصل جمل من الحوادث سنة ثنتين من الهجرة، المنتظم لابن الجوزی، ج۳ص ۱۳۸، الاصابة، کتاب النساء، حرف الراء)

(۵)......**ماہِ رمضان ۲ھ**: میں غزوۂ بدر کُبریٰ ہوا۔

اسے بدرِ عظمیٰ، بدرالثانیہ، بدرالقتال اور یوم الفرقان بھی کہا جاتا ہے، یہ اسلامی تاریخ کا ایک تابناک اور عظیم الشان واقعہ ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت و رفعت عطا فرمائی، اور کفر اور کفار کا سارا غرور خاک میں ملا دیا، مقامِ بدر جہاں یہ جنگ ہوئی حرمین شریفین کے راستہ میں مدینہ طیبہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے اس غزوہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء یہ تھی کہ کفار کی اقتصادی کمر توڑنے کے لئے ان کے تجارتی قافلے پر حملہ کرنا چاہئے، تا کہ کفار جنگی رصد وسامان میں ترقی نہ کرسکیں، اور ان کے پاس مسلمانوں سے لڑنے کی قوت اور طاقت باقی نہ رہے، لیکن قافلہ تو مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ گیا مگر اس کی مدد کے لئے پہنچنے والے کفار کے لشکر سے مقابلہ ہو گیا، مسلمانوں کی تعداد مشہور یہی ہے کہ ۳۱۳ تھی، لیکن عین لڑائی کے وقت ۳۰۳ تھی، ۷ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں چھوڑا تھا، ایک زخمی حالت میں راستے سے واپس بھیجے گئے، اور ۲ جاسوسی کے لئے گئے ہوئے تھے، جب واپس آئے تو مسلمانوں کو فتح ہو چکی تھی، تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو اصحابِ بدر کے فضائل اور مالِ غنیمت میں باقاعدہ شریک کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصحابِ بدر کے اگلے پچھلے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے۔

(غزوات النبی ص ۶۴ تاریخ ملت ج ۱ ص ۶۱، البدایۃ والنہایۃ ج ۳، غزوہ بدر العظمیٰ یوم الفرقان یوم التقی الجمعٰن، سیرتِ ابنِ ھشام ج ۳)

(۶)......**ماہِ رمضان ۲ھ**: میں غزوۂ بدر کے موقع پر یہ معجزہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھائی اور تین بار فرمایا **شَاھَتِ الْوُجُوْہُ** (کفار کے چہرے بگڑ جائیں) پھر اسے کافروں کی طرف پھینکا، جس سے ان کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی، اور حق تعالیٰ کی طرف سے فتح اور نصرت نازل ہوئی۔

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۱۵۱، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳ ص ۲۸۴، المنتظم لابن الجوزی، ج ۱ ص ۲۲۸)

(۷)......**ماہِ رمضان ۲ھ**: میں غزوۂ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

یہ معجزہ ہوا کہ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طلاع دی گئی تو آپ نے کھجور کی شاخ مرحمت فرمائی اور فرمایا ''اس سے لڑو'' جب حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے اس کو ہاتھ میں لیا تو ان کے ہاتھ میں آتے ہی تلوار بن گئی، اور غزوۂ بدر کے ختم ہونے تک اس تلوار سے خوب لڑائی کی، اس کے بعد دیگر غزوات میں وہ اسی تلوار کے ساتھ قتال و جہاد کرتے تھے اور یہ تلوار ان کے انتقال تک ان کے پاس رہی۔

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۱۵۲، البدایة والنهایة، ج۳ص ۲۹۱، کتاب المغازی، سیرت ابنِ هشام، ج ا ص ۶۳۷)

(۸)......ماہِ رمضان ۲ ھ: میں غزوۂ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تو ٹھیک اسی وقت یہ خبر آئی کہ رومی اہلِ فارس پر غالب آ گئے ہیں اس سے مسلمانوں کو فرحت پر فرحت ہوئی، ایک غزوۂ بدر میں کامیابی کی مسرت، اور دوسرے رومیوں کے اہلِ فارس پر غالب آنے کی مسرت، کیونکہ رومی اہلِ کتاب تھے اور اہلِ فارس آتش پرست، مسلمانوں کو رومیوں کے ساتھ اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے ایک گونہ محبت تھی، اور مشرکینِ مکہ کو اہلِ فارس کے ساتھ ان کے آتش پرست ہونے کی وجہ سے محبت تھی، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے رومیوں کی فتح کا کافی عرصہ پہلے ہی وعدہ کر رکھا تھا۔

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۱۵۳، المنتظم لابن الجوزی، ج ۲ ص ۳۸۷)

(۹)......ماہِ رمضان ۲ ھ: میں غزوۂ بدر میں حضرت یزید بن اخنس سلمی، ان کے صاحبزادے معن بن یزید اور ان کے والد اخنس بن حبیب رضی اللہ عنہم تینوں شریک ہوئے ان کے علاوہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی ایسا شخص معلوم نہیں جس کی تین پیڑھیاں جنگِ بدر میں شریک ہوئی ہوں۔

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۱۴۴، البدایة والنهایة، ج۳ص ۳۲۵، باب الکنی، حرف الیاء، الاصابة، باب الالف بعدها الخاء)

(۱۰)......ماہِ رمضان ۲ ھ: میں غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشہور

تلوار ذوالفقار حاصل ہوئی۔

یہ عاص بن منبہ یا نبیہ بن حجاج کافر کی تھی، یہ دونوں غزوۂ بدر میں قتل ہوئے، یہ تلوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں بھی شامل تھی، اور بعض کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دے دی تھی۔

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۱۵۴، البدایة والنهایة، ج۳ص ۳۰۲، وج۷ص ۳۳۶)

(۱۱)......ماہِ رمضان ۲ھ: میں غزوۂ بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چار بھائی شریکِ جہاد، ہوئے حضرت ایاس، حضرت عاقل، حضرت خالد، حضرت عامر رضی اللہ عنہم، حضرت ایاس رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے تھے، یہ اس وقت اسلام لائے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارِ ارقم میں فروکش تھے، اور باقی تینوں بھائی ان کے بعد غزوۂ بدر سے پہلے اسلام لائے، پھر چاروں بھائی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، اور حضرت عاقل رضی اللہ عنہ جنگِ بدر میں شہید ہوئے۔

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۱۵۶، البدایة والنهایة، ج۳ص ۳۲۰، حرف العین، الاصابة فی تمییز الصحابة، باب الالف بعدها باء)

(۱۲)......ماہِ رمضان ۲ھ: میں غزوۂ بدر میں یہ واقعہ ہوا کہ تین مسلمان یعنی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت علی بن ابی طالب اور عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم تین مشرکین یعنی عتبہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ کے مقابلہ میں نکلے، چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو قتل کر ڈالا، بعد ازاں دونوں حضرات عبیدہ کی مدد کو آگے بڑھے اور عتبہ کو واصل جہنم کیا۔

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۱۶۱، البدایة والنهایة، ج۳ص ۲۷۸، غزوة بدر العظمی یوم الفرقان یوم التقی الجمعان، المنتظم لابن الجوزی، ج۳ص۱۰۷)

(۱۳)......ماہِ رمضان ۸ھ: میں فتح مکہ کا واقعہ ہوا۔

اس کا سبب یہ ہوا کہ کفار مکہ نے جب صلح حدیبیہ کی شرائط کی خلاف ورزی شروع کی تو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہ کی جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکلے اور بغیر جنگ کے اللہ تعالیٰ نے فتح مبین عطا فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت عاجزی سے مکہ میں داخل ہوئے اور سب لوگوں کے لئے عام معافی کا اعلان فرمایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے بوڑھے نابینا والد قحافہ کو اسلام قبول کرنے کی غرض سے لے کر حاضر ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ نے ان کو کیوں تکلیف دی ہم خود ہی حاضر ہوجاتے، ایک کافر قیدی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرنے کے دوران تھرتھرانے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ڈرو نہیں میں کوئی بادشاہ نہیں، ایک غریب عورت کا بیٹا ہوں جو ''قدید'' (عربوں کا ایک خاص قسم کا کھانا جو اتنا قیمتی نہیں ہوتا تھا) کھانے والا ہے، انصارِ مدینہ نے سوچا کہ اب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاید اپنے قدیمی وطن مکہ میں ہی رہیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے'' ہم مدینہ واپس جائیں گے، چنانچہ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر نماز پڑھی۔

(عہد نبوت کے ماہ وسال ص۲۶۵، البدایة والنهایة ج۴ص ۲۸۶، سنة ثمان من الهجرة، الحوادث المشهورة فی سنة ثمان والوفیات، العبر فی خبر من غبر، ج ا ص ۹)

(۱۴)...... ماہِ رمضان ۹ ھ: میں رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد ''ثقیف'' نامی حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوا، جس میں یہ حضرات شامل تھے (۱) عثمان بن ابی العاص ثقفی (۲) اوس بن ابی اوس ثقفی (۳) منیر بن خرشہ (۴) حکم بن عمر (۵) اوس بن اوس بن ثقفی (یہ پہلے والے سے الگ شخص ہیں)

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۲۸۹، البدایة والنهایة، ج۵ ص ۲۹، قدوم وفد ثقیف علی رسول اللہ فی رمضان سنة تسع، سیرت ابنِ هشام، ج ا ص۵۳۷)

(۱۵)...... ماہِ رمضان ۱۱ ھ: میں حضرت فاطمۃ الزہرا خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے کم سن تھیں، آپ کی سنِ ولادت میں اختلاف ہے۔ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ایک سال قبل

پیدائش ہوئی اور بقول ابنِ جوزی بعثت سے پانچ سال پہلے آپ کی ولادت ہوئی، ذی الحجہ ۲ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا، آپ کی پانچ اولادیں ہوئیں، حسن، حسین، محسن، ام کلثوم، زینب رضی اللہ عنہم اجمعین، محسن تو بچپن میں ہی فوت ہوگئے اور حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکاح فرمایا ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی، اور دوسری بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوا اور ان سے اولاد بھی ہوئی اور باقی دو صاحبزادے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے حالات تو روزِ روشن کی طرح عام وخاص سب جانتے ہیں، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا حلیہ مبارک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا جلتا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو، لب ولہجہ اور نشست وبرخاست کا طریقہ بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا تھا، اور رفتار بھی بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار جیسے تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کو چھ ماہ گزرے تھے کہ رمضان ۱۱ھ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی کہ ”میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آکر ملوگی“ پوری ہوئی۔

(المنتظم لابن الجوزی، ج۴ص ۵۹، الاصابة ج۸ کتاب النساء، حرف الفاء، سیرالصحابہ ج۶ص ۱۰۱)

(۱۶)......ماہِ رمضان ۳۲ھ: میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، آپ نے اسلام پہلے ہی قبول کرلیا تھا لیکن فتح مکہ سے کچھ عرصہ قبل اسلام کا اعلان کیا اور مدینہ منورہ ہجرت کی، آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ طائف اور غزوہ حنین میں شرکت کی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب مسجدِ نبوی میں توسیع ہورہی تھی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر مسجدِ نبوی میں توسیع کے لئے ان کے حوالے کردیا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۸۶ یا ۸۸ سال کی عمر میں وفات پائی، حضرت عثمان رضی اللہ

عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لحد میں اتارا۔

(الاصابة ج۳،حرف العين المهملة، العين بعدها الباء، اسد الغابة، تحت ترجمة عباس بن عبدالمطلب)

(۱۷)......ماہِ رمضان ۴۰ھ: میں حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے عبداللہ بن سباء یہودی اور اس کے منافق ٹولے نے مسلمانوں اور اہلِ اسلام کو پے در پے نقصان پہنچائے، اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ تھی کہ ایک طرف تو اس ٹولہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں غلو کرنے والے تیار کئے، حتّٰی کہ ان میں سے بعض حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ خدا کہنے لگے اور دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں لوگ تیار کئے حتی کہ ان میں سے بعض حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ کافر کہنے لگے، جنہیں خارجی کہا جاتا ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم اسی مکروہ سیاست سے بُنے ہوئے جال کا حصہ تھا۔

(تاریخ ملت ج۱ص۴۰۲،سیرتِ علی ۵۲۱،البداية والنهاية ج۷ص ۳۳۰،صفة مقتله رضی الله عنه،الاصابة ج۴،حرف العين المهملة،العين بعدها اللام، العبر فی خبر من غبر، ج ۱ ص ۳۳،)

(۱۸)......ماہِ رمضان ۵۸ھ: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

مدینہ منورہ کے گورنر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، ان کی وصیت کے مطابق ان کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا، ان کی کوئی اولاد نہ تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجودیکہ بڑی محبت تھی، لیکن دوسری بیویوں کے شرعی حقوق میں کبھی ذرہ برابر فرق نہیں آنے دیا۔

۱۸ سال کی عمر میں بیوہ ہوئیں، علم وفضل اور فقہ میں بڑا مقام حاصل تھا، صحابۂ کرام اپنے مسائل کے حل کے لئے آپ کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے" ایک قول آپ کی وفات شوال کے مہینے میں ہونے کا ہے"

(البداية والنهاية ج۸ص ۹۴،ام المؤمنين عائشه بنت ابوبكر الصديق ،الاصابة ج۸،كتاب النساء، العين المهملة، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۴۶)

دوسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

(۱۹)......ماہِ رمضان ۱۰۵ھ: میں جراح بن عبداللہ حکمی اور ترک بادشاہ خاقان کے درمیان جنگ ہوئی، یہ جنگ کئی دن تک جاری رہی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ترکوں کو بری طرح شکست دی۔

(العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۹۷،لمحمد بن احمد بن عثمان الذھبی،تاریخ خلیفۃ بن خیاط ص ۳۳۱،شذرات الذھب ج ۱ ص ۱۲۸)

(۲۰)......ماہِ رمضان ۱۰۷ھ: میں جراح بن عبداللہ حکمی کو خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے آذر بائیجان اور آرمینیا کی امارت سے معزول کیا اور اس کے بھائی مسلمہ کو یہاں کا حکمران بنایا گیا جس نے جہاد کے ذریعہ قیساریہ اور عنوہ کے مقام کو فتح کیا۔

(تقویم تاریخی ص ۲۷،العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۳۱،تاریخ خلیفۃ بن خیاط ص ۳۳۷، شذرات الذھب ج ۱ ص ۱۳۴)

(۲۱)......ماہِ رمضان ۱۱۴ھ: میں حجاز کے فقیہ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص ۲۹)

آپ جلیل القدر تابعی ہیں، حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سماعت کی ہے، ابن جریج رحمہ اللہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ عطاء بیس سال تک مسجد میں رہے، امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عطاء رحمہ اللہ کی ایسی حالت میں وفات ہوئی کہ وہ زمین والوں کے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ تھے، حضرت خالد بن ابی نوف فرماتے ہیں کہ میں نے عطاء بن ابی رباح کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے دوسو صحابۂ کرام کی زیارت کی ہے، تقریباً ۱۰۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

(سیراعلام النبلاء ج ۵ ص ۸۲،العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۰۸،شذرات الذھب ج ۱ ص ۱۴۷)

(۲۲)......ماہِ رمضان ۱۱۷ھ: میں حضرت علی بن عبداللہ بن عباس رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت اسی رات کو ہوئی تھی جس رات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تھا اس لئے آپ کا نام انہی کے نام پر رکھا گیا، اپنے والد، اور حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو سعید خدری اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، عبدالصمد، ابنِ شہاب زہری، سعد بن ابراہیم، منصور بن معتمر اور علی بن ابی حملہ رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ بہت عبادت گزار تھے دن رات میں ہزار رکعت نفل پڑھتے تھے۔

(المنتظم لابنِ جوزی ج۲ ص ۴۱۷، سیر اعلام النبلاء، ج۵ ص ۲۵۳)

(۲۳)......ماہِ رمضان ۱۲۴ھ: میں امام زہری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص ۳۱)

آپ کا پورا نام محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب بن عبداللہ بن حارث بن زہرہ تھا، لیکن آپ امام زہری کے لقب سے زیادہ مشہور ہوئے، حضرت ابنِ عمر، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے بہت تھوڑا روایت کرتے ہیں، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے صرف تین احادیث روایت کی ہیں، اس کے علاوہ آپ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث کی سماعت کی، آپ کا شمار تابعین کے اونچے طبقے میں ہوتا ہے، ۷۴ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۵ ص ۳۵۰، تہذیب الکمال ج۲۶ ص ۴۴۲، العبر فی خبر من غبر، ج ۱ ص ۱۲۱، شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۶۲، الطبقات الکبریٰ لابنِ سعد ج۵ ص ۳۴۸ تا ۳۵۷، طبقات الفقہاء ج ۱ ص ۴۷، البدایۃ والنہایۃ ج۹ ص ۳۴۰ الزہری، المنتظم لابن جوزی ج۲ ص ۴۱۲)

(۲۴)......ماہِ رمضان ۱۳۱ھ: میں حضرت ابوالزناد رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کا پورا نام ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن ذکوان قرشی مدنی تھا، آپ کی ولادت ۶۵ھ میں ہوئی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت ابوامامہ بن سہل، ابان بن عثمان، عروہ، ابن مسیّب رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، صالح بن کیسان، ہشام بن عروہ، عبدالوہاب بن بخت اور عبیداللہ بن عمر رحمہم اللہ جیسے بڑے بڑے حضرات نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، حضرت سفیان رحمہ اللہ آپ کو امیر المومنین فی الحدیث کہا کرتے تھے، آپ کی وفات

اچانک غسل خانے میں ہوگئی تھی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۵ ص ۴۵۰،تھذیب الکمال ج۱۴ ص ۴۸۲،طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۶۳)

(۲۵)......ماہِ رمضان ۱۵۳ھ: میں حضرت معمر بن راشد ازدی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۳۹)

آپ کا پورا نام ابوعروہ معمر بن راشد ازدی تھا، ابان بن عیاش، ابراہیم بن میسرہ، اسماعیل بن جابر حدانی، اشعث بن سوار، ایوب سختیانی اور ابو جبارۃ حسن رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں، ابان بن یزید عطار، ابراہیم بن خالد صنعانی، اسماعیل بن علیہ، حماد بن زید اور رباح بن زید صنعانی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کا شمار طلبِ حدیث کے لئے یمن کی طرف سفر کرنے والوں میں پہلے نمبر پر ہوتا ہے، یمن میں آپ کی ملاقات ھمام بن منبّہ سے بھی ہوئی۔

(تھذیب الکمال، ج۲۸ ص ۳۱۰،العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۶۹ ،شذرات الذھب ج ۱ ص ۲۳۵، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۸۹)

(۲۶)......ماہِ رمضان ۱۶۸ھ: میں رومیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑا۔

یہ معاہدہ ہارون الرشید اور رومیوں کے درمیان ہوا تھا، معاہدے کی خلاف ورزی پر علی بن سلیمان اور یزید بن بدر نے ان پر حملہ کیا اور کامیاب ہوئے، اور بہت سارا مالِ غنیمت حاصل کیا۔

(الکامل فی التاریخ لابن الاثیر، ج۳ ص ۷۶، ثم دخلت سنة ثمان وستین ومائة،المنتظم لابن الجوزی، ج۸ ص ۲۹۳ ،تاریخِ طبری ج۴ ص ۵۸۲، البدایةوالنھایة ج ۱۰ ثم دخلت سنة ثمان و ستین ومائة)

(۲۷)......ماہِ رمضان ۱۸۱ھ: امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۴۶)

آپ کا پورا نام ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مبارک حنظلی تھا، آپ کے اساتذہ میں سلیمان تیمی، عاصم احول، حمید طویل، ہشام بن عروہ، اسماعیل بن ابی خالد، اعمش، خالد حذاء، یحیٰی بن سعید

انصاری اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ جیسے بڑے بڑے حضرات شامل ہیں، معمر، ثوری، ابواسحاق فرازی، بقیہ، ابنِ وہب، ابوداؤد، عبدالرزاق بن ہمام، عفان اور ابنِ معین رحمہم اللہ آپ قابلِ ذکر شاگرد ہیں، آپ بہت بڑے فقیہ، عابد اور زاہد انسان تھے، آپ کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے، آپ بہت بڑے تاجر بھی تھے اور ایک سال میں فقراء پر ایک لاکھ درہم خرچ کرتے تھے، ایک سال حج کرتے تھے اور ایک سال اللہ کے راستے میں جہاد کرتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ج۸ص ۴۱۹، العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۲۱۷، المنتظم لابن جوزی ج۹ ص ۶۳، شذرات الذهب ج ا ص ۲۹۵)

تیسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

(۴۸)...... ماہِ رمضان ۲۰۶ھ: حضرت عبداللہ بن نافع مدنی صائغ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ایک بڑے فقیہ تھے، اور مدینہ کے اکابر فقہاء میں شمار ہوتے تھے، محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ آپ نے امام مالک رحمہ اللہ کی بہت زیادہ صحبت آئی، اور ان سے علوم کو خوب حاصل کیا، اور امام مالک رحمہ اللہ پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے تھے، مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۰ ص ۳۷۳، تهذیب الکمال ج۱۶ ص ۲۱۱، العبر فی خبر من غبر، ج ا ص ۲۷۴، شذرات الذهب ج ا ص ۱۵، تقویمِ تاریخی ص۵۲)

(۴۹)...... ماہِ رمضان ۲۰۸ھ: میں سیدہ نفیسہ بنت امیر المومنین حسن بن زید بن سید حسن بن علی کی وفات ہوئی۔

منصور نے ان کے والد کو مدینہ کا گورنر بنایا تھا، اور کچھ عرصہ کے بعد معزول کر کے طویل مدت تک قید میں رکھا، اس کے بعد مہدی نے ان کو باعزت طریقے سے رہا کیا اور ان کے اموال ان کو واپس کئے اور ان کے ساتھ حج کیا، پھر نفیسہ اپنے شوہر اسحاق بن جعفر کے ساتھ مدینہ سے مصر تشریف لے گئیں، اور مصر میں ہی وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۰ ص ۱۰۶، البدایة والنهایة ج۱۰ ثم دخلت سنة ثمان ومائتین، تقویمِ تاریخی ص۵۲)

(۳۰)......ماہِ رمضان ۲۱۸ھ: میں حضرت ابوالہیثم معلیٰ بن اسد بصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ مشہور محدث بہز بن اسد رحمہ اللہ کے بھائی تھے، عبدالعزیز بن مختار، عبداللہ بن مثنیٰ، وہیب بن خالد، یزید بن زریع اور حماد بن زید رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِ فہرست ہیں، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابنِ ماجہ رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں، بصرہ میں وفات ہوئی، امام ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کو ائمۂ اثبات میں شمار کیا ہے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۶۲۷، الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۳۰۶)

(۳۱)......ماہِ رمضان ۲۲۴ھ: میں ابواسحاق ابراہیم بن مہدی کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۱۶۲ھ میں ہوئی، رنگ کالا اور بھاری جسم کے مالک تھے، عباسی خلفاء کی اولاد میں ان سے زیادہ فصیح اور اچھا شعر کہنے والا کوئی نہ تھا، مامون کے دورِ حکومت میں ان کے لئے خلافت کی بیعت ہوئی، اس وقت ان کی عمر ۳۰ سال دو مہینے پانچ دن تھی، معتصم نے نمازِ جنازہ پڑھائی (المنتظم لابن الجوزی ج ۱۱ ص ۸۹ تا ۹۱، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۵۶۱)

(۳۲)......ماہِ رمضان ۲۳۴ھ: میں حضرت ابوعبدالرحمٰن محمد بن عبداللہ بن نمیر ہمدانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی رحمہما اللہ کے ہم عصر تھے، اپنے والد عبداللہ بن نمیر، مطلب بن زیاد، عمر بن عبید طنافسی رحمہم اللہ کی شاگردی اختیار کی، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، ابنِ ماجہ رحمہم اللہ نے آپ کی شاگردی اختیار کی، ابواسماعیل ترمذی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ محمد بن عبداللہ بن نمیر کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے، ''بعض حضرات کے نزدیک شعبان میں وفات ہوئی'' (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۴۵۷)

(۳۳)......ماہِ رمضان ۲۴۸ھ: میں حضرت ابوعبدالملک قاسم بن عثمان عبدی دمشقی جوعی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ کی صحبت میں طویل عرصہ تک رہے، سفیان بن عیینہ، ولید بن مسلم اور جعفر بن عون رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، ابوحاتم، جعفر بن احمد بن عاصم اور احمد بن انس رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ابوالرضا صیاد فرماتے ہیں کہ شام کے عبادت گزار لوگوں میں قاسم کا شمار ہوتا تھا (سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۷۹)

(۳۴)......**ماہِ رمضان ۲۵۳ھ:** میں حضرت شیخ الاسلام ابوالحسن سری بن مغلس سقطی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

فضیل بن عیاض، ہشیم بن بشیر، ابوبکر بن عیاش، علی بن غراب اور یزید بن ہارون رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، آپ کثرت سے عبادت میں مشغول رہتے تھے، اور حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کی صحبت پائی اور ان کے بڑے ساتھیوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا، جنید بن محمد، ابوالعباس بن مسروق، ابراہیم بن عبداللہ مخرمی اور عبداللہ بن شاکر رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، عبداللہ بن شاکر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سری رحمہ اللہ نے فرمایا:

> میں ایک رات مسجد میں اپنے اوراد واشغال کررہا تھا اور پاؤں محراب کی طرف پھیلائے بیٹھا تھا کہ غیبی آواز آئی، اے سری! اس انداز میں تو بادشاہ بیٹھتے ہیں، پس فوراً میں نے اپنے پاؤں سمیٹے اور جواب دیا کہ تیری عزت وجلال کی قسم (اے میرے رب) آئندہ نہیں پھیلاؤں گا (اس واقعہ سے بارگاہِ الٰہی میں ان کے مقام کی قربت کا انداز ہوتا ہے)

ابوبکر حربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے سری سقطی رحمہ اللہ سے سنا وہ فرمارہے تھے:

> ''میں نے ایک دفعہ ایک بات پر (بے موقع) الحمدللہ کہا تھا، پس اس تحمید پر تیس سال سے استغفار کررہا ہوں، آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ تو فرمایا کہ میری ایک دوکان تھی، سازوسامان اس میں تھا تو وہ بازار جل گیا (جس میں دکان

تھی) مجھے ایک ملنے والے نے خبر دی کہ تجھے خوشخبری ہو تیری دکان جلنے سے بچ گئی، میں نے کہا الحمد للہ (بطورِ شکر کے) پھر میں نے غور کیا تو مجھے اپنی خطا کر احساس ہوا (کیونکہ اس میں ایک پہلو خودغرضی کا ہے کہ جب خود نقصان سے بچ گیا تو دوسروں کے نقصان کا کوئی غم نہ ہو)''

آپ بغداد کے امام شمار ہوتے تھے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۱۸۷)

(۳۵)...... ماہِ رمضان ۲۵۷ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن خشرم بن عبدالرحمٰن بن عطاء بن ہلال بن ہامان بن عبداللہ مروزی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بشر حافی رحمہ اللہ کے چچا زاد بھائی تھے (بعض حضرات کے بقول آپ بشر حافی رحمہ اللہ کے بھانجے تھے) آپ کی ولادت ۱۶۰ھ میں ہوئی، اسماعیل بن علیہ، ابوضمرہ انس بن عیاض، بشر بن محمد کندی اور حجاج بن محمد اعور رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، امام مسلم، امام ترمذی، ابراہیم بن لیث نخشی، ابراہیم بن محمد سکری مروزی اور احمد بن عبد الرحمٰن بن بشار نسائی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۵۵۳، تهذیب الکمال ج ۲۰ ص ۴۲۳، تهذیب التهذیب ج ۷ ص ۲۷۸)

(۳۶)...... ماہِ رمضان ۲۶۴ھ: میں فقیہ الملۃ علامہ ابوابراہیم اسماعیل بن یحیٰی بن عمرو بن مسلم مزنی مصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ امام شافعی رحمہ اللہ کے مشہور شاگرد ہیں، جس سال لیث بن سعد رحمہ اللہ کی وفات ہوئی اسی سال (یعنی ۱۷۵ھ میں) آپ کی ولادت ہوئی، امام شافعی، علی بن معبد بن شداد اور نعیم بن حماد رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، آپ نے بہت کم حضرات سے استفادہ کیا لیکن اس کے باوجود آپ فقہ کے بہت بڑے عالم شمار ہوتے تھے، ابوبکر بن خزیمہ، ابوالحسن بن جوصا، ابوبکر بن زیاد نیشاپوری، ابوجعفر طحاوی اور ابونعیم بن عدی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ ہی کے ذریعہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب سارے عالم میں پھیلا، آپ سے جب جماعت کی نماز فوت ہوجاتی تو آپ اس نماز کو ۲۵ مرتبہ پڑھتے

تھے(سیر اعلام النبلاء ج۱۲ ص ۴۹۵)

(۳۷)......ماہِ رمضان ۲۷۰ھ: میں حضرت ابوبکر احمد بن عبداللہ بن برقی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ایک کتاب صحابہ کے طبقات، سوانح اور انساب پر ہے، آپ کا شمار ائمہ حدیث وآثار میں ہوتا ہے، عمرو بن ابی سلمہ، اسد السنۃ، ابنِ ہشام اور ابوصالح رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں، احمد بن علی مدائنی، طحاوی اور بہت سے حضرات رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں(سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۴۷، تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص ۵۷۰)

(۳۸)......ماہِ رمضان ۲۷۰ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن مسلم بن عثمان بن عبداللہ رازی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابراہیم بن ابی اللیث، ابراہیم بن منذر حزامی، ابراہیم بن موسیٰ رازی، احمد بن صالح مصری اور احمد بن عبداللہ بن یونس رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، امام نسائی، احمد بن سلمہ بن عبداللہ نیشاپوری، ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم، ابوعمرو احمد بن محمد بن ابراہیم بن حکیم مدنی اور احمد بن محمد بن یزید زعفرانی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، عبدالمومن بن احمد بن حوثرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ محمد بن مسلم کے علاوہ کسی کے لئے مجلس میں کھڑے نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی کسی کو اپنی جگہ بٹھاتے تھے، اور میں نے خود ابوزرعہ رازی کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا'' امام جعفر طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں'' تین آدمی حدیث کے معاملے میں زمانے کے علماء شمار ہوتے ہیں، اور تینوں کا تعلق علاقہ رَے سے ہے، پوری دنیا میں اس زمانے میں ان جیسا کوئی نہیں، اور وہ تین علماء یہ ہیں، ابوزرعہ، محمد بن مسلم بن وارۃ، ابوحاتم رازی۔

(تهذيب الكمال ج۲۶ ص ۴۵۲، سير اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۳۱، تذكرة الحفاظ ج۲ ص ۵۷۶)

(۳۹)......ماہِ رمضان ۲۷۳ھ: میں امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کا پورا نام ابوعبداللہ محمد بن یزید ربعی قزوینی تھا، آپ ابوعبداللہ ابن ماجہ القزوینی کے نام

سے مشہور تھے، آپ کا تعلق عراق کے شہر ''قزوین'' سے تھا، آپ کی ولادت ۲۰۹ھ میں ہوئی، اپنے وقت کے عظیم علماء ومحدثین سے آپ نے علمِ دین حاصل کیا، اکیس سال کی عمر تک اپنے علاقے میں طلبِ علم کرنے کے بعد ۲۳ سال کی عمر میں دور دراز علاقوں کے سفر پر تشریف لے گئے، اور خراسان، عراق، حجاز، مصر، شام، رے، بصرہ، کوفہ، بغداد، مکہ اور دمشق کے وغیرہ کی خاک چھانی، آپ کے اساتذہ میں حسن بن علی خلال حلوانی، ابوعبدالرحمٰن سلمہ بن شبیب نیشاپوری، محمد بن یحییٰ عدنی، محمد بن میمون خیاط اور یزید بن عبداللہ یمامی رحمہم اللہ سرِ فہرست ہیں، آپ کے شاگردوں کی فہرست بھی بڑی طویل ہے، صاحبِ تہذیب الکمال نے آپ کے چند شاگردوں کے نام اس طرح ذکر فرمائیں ہیں، علی بن سعید بن عبداللہ عسکری، ابراہیم بن دینار جرشی ہمدانی، احمد بن ابراہیم قزوینی، اسحاق بن محمد قزوینی اور جعفر بن ادریس رحمہم اللہ، ''سنن ابنِ ماجہ'' آپ کی مشہورِ زمانہ حدیث کی کتاب ہے جو صحاحِ ستہ میں بھی شامل ہے، جو آپ نے لاکھوں کی تعداد میں احادیث کے ذخیرے سے چار ہزار روایات کا انتخاب کر کے ترتیب دی ہے، عباسی خلیفہ معتمد علی اللہ کے عہدِ خلافت میں آپ کی وفات ہوئی۔

(تہذیب الکمال ج۲۷ ص ۴۱، سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۲۷۹، تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص ۶۳۶، ظفر المحصلین ص ۱۴۰)

(۴۰)...... ماہِ رمضان ۲۸۶ھ: میں ابوبکر احمد بن معلیٰ بن یزید اسدی دمشقی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ مشہور شخصیت قاضی ابوزرعہ رحمہ اللہ کی نیابت میں قاضی کے عہدے پر فائز ہوئے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابراہیم بن علاء بن ضحاک زبیدی، احمد بن ابی الحواری، احمد بن عبدالواحد بن عبود، اسماعیل بن ابان بن حوی، ابوجعفر حماد بن مبارک ازدی صنعانی اور ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: امام نسائی، ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن صالح بن سنان قرشی، ابوالحسن احمد بن عمیر بن یوسف بن جوصی،

ابوعلی احمد بن محمد بن فضالہ اور اسحاق بن ابراہیم بن ہاشم اذرعی رحمہم اللہ۔

(تهذیب الکمال ج ا ص ۴۸۷، تهذیب التهذیب ج ا ص ۷۰)

(۴۱)......ماہِ رمضان ۲۹۷ھ: میں حضرت ابومحمد یوسف بن یعقوب بن اسماعیل بن حماد بن زید بن درہم ازدی بصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

مسلم بن ابراہیم، سلیمان بن حرب، عمرو بن مرزوق، محمد بن کثیر عبدی، مسدد بن ابراہیم اور ھدبہ بن خالد رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوعمرو بن سماک، ابوسہل قطان، عبدالباقی بن قانع، دعلج بن احمد اور ابوبکر شافعی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، پہلے آپ بصرہ کے قاضی تھے اس کے بعد ۲۹۶ھ میں واسط شہر کے قاضی بنائے گئے، کچھ عرصہ آپ شرقی بغداد کے قاضی بھی رہے، آپ کے والد یعقوب رحمہ اللہ مدینہ کے قاضی تھے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۸۶، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۶۰)

(۴۲)......ماہِ رمضان ۲۹۷ھ: میں حضرت محمد بن داؤد بن علی ظاہری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ذہانت لوگوں میں ضرب المثل تھی، ''الزہرۃ فی الادب والشعر''، ''کتاب فی الفرائض'' آپ کی مشہور کتابیں ہیں، آپ کو علمِ حدیث اور اقوالِ صحابہ میں بڑی گہری نظر حاصل تھی، آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: عباس دوری، ابوقلابہ رقاشی، احمد بن ابی خیثمہ اور محمد بن عیسیٰ مدائنی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درج ذیل ہیں: نفطویہ، قاضی ابوعمر محمد بن یوسف رحمہما اللہ، ابومحمد بن حزم رحمہ اللہ نے ان بلند الفاظ میں آپ کی تعریف کی ہے: ''ابنِ داؤد لوگوں میں سب سے زیادہ صاحبِ حق ومال اور سب سے زیادہ اخلاقِ کریمانہ اور زباندانی میں سب سے بلیغ اور نظافت وصفائی میں بھی سب سے آگے اور دینداری وپرہیزگاری سے متصف اور اچھی صفات کے مالک اور لوگوں میں ہر دلعزیز تھے، سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ یاد کیا (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۱۱۰)

چوتھی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

(۴۳)......ماہِ رمضان ۳۰۱ھ: میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن محمد بن ناجیۃ بن نجبۃ بربری بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابنِ ناجیہ کے نام سے مشہور تھے، سوید بن سعید، ابو معمر ہذلی، عبدالواحد بن غیاث، عبدالاعلی بن حماد نرسی، ابوبکر بن ابی شیبہ اور بندار رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوبکر شافعی، ابوبکر جعابی، طبرانی، ابوالقاسم بن نخاس مقریؒ، اسحاق نعالی، محمد بن مظفر اور ابوحفص بن زیات رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۱۶۵، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۵۹، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۹۶)

(۴۴)......ماہِ رمضان ۳۱۵ھ: میں حضرت ابوالحسن محمد بن فیض بن محمد بن فیاض غسانی دمشقی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۲۱۹ھ میں ہوئی، صفوان بن صالح مؤذن، ہشام بن عمار، ابراہیم بن ہشام بن یحییٰ بن یحییٰ غسانی، دحیم، محمد بن یحییٰ بن حمزہ، ولید بن عتبہ، احمد بن ابی الحواری اور احمد بن عاصم انطا کی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، موسیٰ بن سہل رملی، ابوعمر بن فضالۃ، جمح بن قاسم، ابوسلیمان بن زبر، محمد بن سلیمان ربعی، ابوبکر بن مقریؒ اور ابواحمد حاکم رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۴۲۷)

(۴۵)......ماہِ رمضان ۳۲۳ھ: میں حضرت ابوطالب احمد بن نصر بن طالب بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بغداد کے محدث کے نام سے مشہور تھے، عباس بن محمد دوری، اسحاق دبری، ابراہیم بن برہ صنعانی، یحییٰ بن عثمان بن صالح اور احمد بن ملاعب رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوعمر بن حیویہ، محمد بن مظفر اور ابوالحسن دار قطنی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۶۸، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۶۸، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۳۳، تاریخِ دمشق ج ۶ ص ۵۳)

(۴۶)...... ماہِ رمضان ۳۴۰ھ: میں حضرت شیخ العربیہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن اسحاق بغدادی نحوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ مشہور نحوی عالم ابواسحاق ابراہیم بن سری زجاج رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، اور انہیں کی نسبت کی وجہ سے ''زجاجی'' کے نام سے مشہور تھے، ابنِ درید، نفطویہ، ابوبکر محمد بن سری سراج اور ابوالحسن اخفش رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، احمد بن علی حبال، عبدالرحمٰن بن عمر بن نصر، عفیف بن ابونصر، احمد بن محمد بن شرام نحوی اور حسن بن علی سقلی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، طبریہ مقام میں آپ کی وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۴۷۶، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۳۷)

(۴۷)...... ماہِ رمضان ۳۴۵ھ: میں حضرت ابوالقاسم اسماعیل بن یعقوب بن ابراہیم بن احمد بن عیسیٰ بن جراب بغدادی بزاز رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۲۶۲ھ میں عراق کے شہر سامراء میں ہوئی، موسیٰ بن سہل وشاء، ابوبکر بن ابی الدنیا، احمد بن محمد برتی، عبداللہ بن روح مدائنی، جعفر بن محمد بن شاکر اور اسماعیل القاضی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابن جمیع غسانی، حافظ عبدالغنی، عبداللہ بن سعید، حسین بن میمون صفار، حسین بن محمد بن رزیق مخزومی اور عبدالرحمٰن بن عمر بن نحاس رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۴۹۸)

(۴۸)...... ماہِ رمضان ۳۵۰ھ: میں اندلس کے امیر ابوالمطرف عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن حکم بن ہشام بن عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان مروانی اندلسی کی وفات ہوئی۔

آپ کا لقب ناصرلدین اللہ تھا، آپ اندلس کے شہر ''الزہراء'' کے بانی تھے، آپ کی مدتِ خلافت ۵۰ سال تھی، اس دوران آپ نے کئی فتوحات کیں، ۲۲ سال کی عمر میں ۳۰۰ھ میں آپ کی خلافت کے لئے بیعت ہوئی، ۷۲ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۵۶۴)

(۴۹)......ماہِ رمضان ۳۵۳ھ: میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن حمزہ بن عمارہ اصبہانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابواسحاق بن حمزہ کے نام سے مشہور تھے، ابوخلیفہ فضل بن حباب، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، محمد بن عبداللہ حضرمی، یوسف بن یعقوب القاضی، ابوشعیب حرانی، ابنِ ناجیہ، فریابی اور احمد بن یحییٰ بن زہیر تستری رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوعبداللہ بن مندہ، ابوسعید نقاش، ابوبکر بن مردویہ، ابوبکر بن ابی علی، علی بن یحییٰ بن عبدکویہ اور ابونعیم رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

امام ابونعیم فرماتے ہیں کہ حافظہ میں ابراہیم زمانے میں یکتا تھے، ۸۰ سال کی عمر میں ۷ رمضان کو آپ کی وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۸۴، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۷۳، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۱۰)

(۵۰)......ماہِ رمضان ۳۵۶ھ: میں حضرت ابوعلی حامد بن محمد بن عبداللہ محمد بن معاذ ہروی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

عثمان بن سعید دارمی، فضل بن عبداللہ یشکری، محمد بن مغیرہ ہمزانی سکری، محمد بن صالح اشج، علی بن عبدالعزیز بغوی، محمد بن یونس کدیمی، ابراہم حربی، بشر بن موسیٰ، محمد بن ایوب بجلی اور داؤد بن حسن بیہقی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوعبداللہ حاکم، قاضی ابومنصور محمد بن محمد ازدی، ابوالفضل محمد بن احمد جارودی، یحییٰ بن عمار واعظ، محمد بن عبدالرحمٰن دباس، ابوعلی بن شاذان اور ابوسعید بن عباس قرشی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ہرات میں آپ کی اسناد بلند ہونے کی وجہ سے بہت مشہور ہوئیں، ہرات میں نوے سال سے زیادہ عمر میں ۲۷ رمضان کو آپ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۱۷، تاریخِ بغداد ج ۸ ص ۱۷۲)

(۵۱)......ماہِ رمضان ۳۶۳ھ: میں حضرت ابوالعباس محمد بن موسیٰ بن حسن دمشقی سمسار رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابن السمسار کے لقب سے مشہور تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: محمد بن خریم،

ابوالحسن بن جوصا، ابوالجہم بن طلاب، قاضی ابوعبداللہ محاملی، ابنِ مخلد، ابن الدحداح دمشقی اور عبداللہ بن محمد بن سری حمصی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابوالحسن محمد (یہ آپ کے بھائی بھی ہیں) محمد بن عوف مزنی، تمام رازی اور مکی بن غمر رحمہم اللہ۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص۳۲۵، تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص۹۸۴)

(۵۲)...... ماہِ رمضان ۳۷۱ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن خفیف بن اسفکشار ضبی فارسی شیرازی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

حماد بن مدرک، محمد بن جعفر تمار اور حسین محاملی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوالفضل خزاعی، حسن بن حفص اندلسی، ابراہیم بن خضر شیاح، قاضی ابوبکر بن باقلانی اور محمد بن عبداللہ بن باکویہ رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ۹۵ سال کی عمر پائی، کہا جاتا ہے کہ آپ کے جنازہ میں ہزاروں لوگ جمع ہو گئے تھے (سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص۳۴۷)

(۵۳)...... ماہِ رمضان ۳۷۸ھ: میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن محمد بن علی بن شریعہ لخمی اشبیلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابن الباجی کے نام سے مشہور تھے، آپ کی ولادت ۲۹۱ھ میں ہوئی، محمد بن عبداللہ بن قوق، عبداللہ بن یونس قبری، سعید بن جابر اشبیلی، محمد بن عمر بن لبابہ، اسلم بن عبدالعزیز اور محمد بن فطیس رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ۸۷ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص۳۷۷، طبقات الحفاظ ج۱ ص۸۰، تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص۱۰۰۵)

(۵۴)...... ماہِ رمضان ۳۸۴ھ: میں حضرت ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم بن غالب بن صالح بن خلف بن معدان بن سفیان رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

آپ کا تعلق فقہ ظاہری سے تھا، اور کئی کتب کے مصنف ہیں، اس کے علاوہ بہت سے علوم وفنون میں آپ کو مہارت حاصل تھی، قرطبہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۸ ص۱۸۴ تا ص۲۱۱)

(۵۵)...... ماہِ رمضان ۳۹۷ھ: میں حضرت ابومسعود سلیمان بن ابراہیم بن محمد بن

سلیمان اصبہانی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم جرجانی، ابوبکر بن مردویہ، ابنِ جولہ ابہری، ابوسعد احمد بن محمد مالینی، ابوسعید محمد بن علی نقاش، ابونعیم، ابوعلی بن شاذان، ابوبکر برقانی، ابوالقاسم بن بشران، ابنِ طلحہ منقی اور ابوالقاسم حرفی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوبکر خطیب، اسماعیل بن محمد تیمی، احمد بن عمر غازی، ہبۃ اللہ بن طاوس مقری، ابوسعد بغدادی، محمد بن طاہر سوسی، شرف بن عبدالمطلب حسینی، محمد بن عبدالواحد مغازلی، رجاء بن حامد معدانی، ابوجعفر محمد بن حسن صیدلانی اور مسعود بن حسن ثقفی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۹ ص ۲۲)

پانچویں صدی ہجری کے اجمالی واقعات

(۵۶)......ماہِ رمضان ۴۰۷ھ: میں حضرت ابوعبداللہ احمد بن محمد بن یوسف بن دوست بغدادی بزاز رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابنِ دوست کے نام سے مشہور تھے، حسین بن یحییٰ بن عیاش قطان، محمد بن جعفر مطیری اور اسماعیل صفار رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ہبۃ اللہ الکائی، ابومحمد خلال، ابوالقاسم ازہری، ابوبکر خطیب اور رزق اللہ تمیمی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، آپ فقہ مالکی کے بڑے علماء میں شمار کیئے جاتے ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۳۲۳، تاریخِ بغداد ج۵ ص ۱۲۴)

(۵۷)......ماہِ رمضان ۴۲۱ھ: میں حضرت ابوبکر احمد بن ابوعلی حسن بن ابوعمرو احمد بن محمد بن احمد بن حفص بن مسلم بن یزید حرشی نیشاپوری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ماوراء النہر (وسطی ایشیا) کے مشہور شہر نیشاپور کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابوعلی محمد بن احمد بن معقل میدانی، حاجب بن احمد طوسی، ابوالعباس اصم، ابوسہل بن زیاد قطان، ابوبکر بن ابی دارم کوفی، ابومحمد فاکہی مکی، بکیر بن احمد حداد

اور ابواحمد بن عدی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: امام حاکم، ابومحمد جوینی، ابوبکر بیہقی، ابوالقاسم قشیری، ابوبکر خطیب، ابوصالح مؤذن، حسن بن محمد صفار، محمد بن اسماعیل مقری، محمد بن مامون متولی، محمد بن عبدالملک مظفری، احمد بن عبدالرحمٰن کسائی اور محمد بن یحییٰ مزکی رحمہم اللہ (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۳۵۸، طبقات الشافعیة الکبریٰ ج۴ص۷)

(۵۸)......ماہِ رمضان ۴۳۰ھ: میں حضرت ابوعمران موسیٰ بن عیسیٰ بن ابی حاج بربری فاسی مالکی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

عبدالوارث بن سفیان، سعید بن نصر اور احمد بن نصر قاسم تاہرتی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، حاتم بن محمد فرماتے ہیں کہ ابوعمران لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے، اور حافظ تھے، اور فنِ حدیث اور فقہ کے معانی سب سے زیادہ جانتے تھے، اور مشرق ومغرب کے لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۵۴۶)

(۵۹)......ماہِ رمضان ۴۴۹ھ: میں شیخ الاسلام حضرت ابوعثمان اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن احمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن عابد بن عامر نیشاپوری صابونی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ صابونی کے نام سے مشہور تھے، آپ کی ولادت ۳۷۳ھ میں ہوئی، ابوسعید عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب، ابوبکر بن مہران، ابومحمد مخلدی، ابوطاہر بن خزیمہ، ابوالحسین خفاف، عبدالرحمٰن بن ابی شریح اور زاہر بن احمد رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام کتانی، علی بن حسین بن صصری، نجا بن احمد، ابوالقاسم بن ابی العلاء، بیہقی، عبدالرحمٰن بن اسماعیل اور ابوعبداللہ محمد بن فضل فراوی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

عبدالغافر فرماتے ہیں کہ ابوعثمان صابونی شیخ الاسلام، محدث، مفسر، واعظ ہیں، اور مسلمانوں کو ۷۰ سال تک وعظ کہا، علم حاصل کرنے میں حریص تھے، نیشاپور، ہرات، سرخس، حجاز، شام، جبال، ہند، جرجان، شام وغیرہ سے تحصیلِ علوم کیا (سیر اعلام النبلاء ج۱۸ ص۴۵)

(۶۰)......ماہِ رمضان ۴۷۰ھ: میں حضرت ابوصالح احمد بن عبدالملک بن علی بن

احمد بن عبدالصمد بن بکر نیشاپوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۳۸۸ھ میں ہوئی، ابونعیم اسفرایینی، ابوالحسن علوی، ابوطاہر بن محمش، ابوعبداللہ حاکم، حمزہ بن عبدالعزیز مہلبی، عبداللہ بن یوسف اصبہانی، ابوعبدالرحمٰن سلمی، ابوزکریا مزکی، حمزہ بن یوسف سہمی، ابوالقاسم بن بشران، ابونعیم، مسدد املوکی، عبدالرحمٰن بن طبیز حلبی، ابوذر ہروی، حسن بن اشعث، ابوعلی دقاق اور احمد بن نصر طالقانی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، اسماعیل بن احمد، زاہر بن شحامی، وجیہ بن شحامی، عبدالکریم بن حسین بسطامی، ابوعبداللہ محمد بن فضل فراوی، عبدالمنعم بن قشیری اور ابواسعد ہبۃ الرحمٰن بن عبدالواحد رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

ابوسعد سمعانی فرماتے ہیں کہ جس رات آپ کی وفات ہوئی، اس رات بعض نیک بزرگوں نے خواب میں دیکھا کہ گویا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوصالح کا ہاتھ پکڑا ہوا ہے، اور ان سے فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو میری طرف سے اچھی جزا عطا فرمائیں کہ اچھے طریقہ سے آپ نے میرا حق ادا کیا، اور اچھے طریقہ سے میری بات کو ادا کیا، اور میری سنت کو پھیلایا۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۸ ص ۴۲۱، تذکرۃ الحفاظ ج۳ص ۲۳۷، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۴۳۷)

(۶۱)...... ماہِ رمضان ۴۸۸ھ: میں حضرت ابوالقاسم فضل بن ابی حرب احمد بن محمد بن عیسیٰ جرجانی نیشاپوری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۴۰۵ھ میں ہوئی، حمزہ مہلبی، ابنِ محمش، ابوعبدالرحمٰن سلمی، یحییٰ مزکی، عبدالرحمٰن بن محمد سراج، علی بن محمد بن سقاء اور ابوبکر حیری رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، احمد بن سعد عجلی، اسماعیل بن سمرقندی، ابوعثمان عصائدی، عبداللہ بن فراوی، عمر بن احمد صفار، صدقہ بن محمد سیاف، احمد بن قفرجل اور نصر بن نصر عکبری رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۹ ص ۴۱)

(۶۲)...... ماہِ رمضان ۴۹۶ھ: میں حضرت ابوداؤد سلیمان بن ابوالقاسم نجاح مولیٰ مؤید باللہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۲۱۳ھ میں ہوئی، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ابوعمرو دانی، ابوعمر بن عبدالبر، ابنِ دلہاث، ابوعبداللہ بن سعدون، ابوالولید باجی اور ابوشاکر خطیب رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں، ابوعبداللہ محمد بن حسن بن غلام فرس، ابوعلی صدفی، ابوالعباس بن عاصم ثقفی، احمد بن سحنون مرسی، ابراہیم بن احمد بکری، جعفر بن یحییٰ، محمد بن علی نوالشی، عبداللہ بن فرج زہیری، ابوالحسن بن ہذیل اور ابوداؤد سلیمان بن یحییٰ قرطبی رحمہم اللہ۔

ابن بشکوال فرماتے ہیں کہ آپ بہترین لوگوں میں سے تھے، روایات اور اس کے طرق کے عالم تھے، ضبط بڑا اچھا تھا، حدیث کے معاملہ میں ثقہ تھے، آپ کی معانی القرآن میں تصانیف ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۹ ص ۱۶۹)

پانچویں صدی ہجری کے بعد کے چند اجمالی واقعات

(۶۳)......ماہِ رمضان ۵۴۴ھ: میں ابوعبداللہ فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر بن حسین بن حسن بن علی رحمہ اللہ کی پیدائش ہوئی۔

آپ ابن الخطیب کے نام سے مشہور تھے، اور ہراتؔ کے شیخ الاسلام کے نام سے پکارے جاتے تھے، افغانستان کے شہر ''رےؔ'' میں آپ کی پیدائش ہوئی، آپ کی مشہور تصنیف ''المحصل'' ہے جس میں آپ نے علمِ کلام کے اصول وقواعد بیان فرمائے ہیں، اس کے علاوہ بھی آپ کی کئی تصانیف مشہور ہیں۔

آپ کے زمانہ میں ایک فرقہ کرامیہ کے نام سے مشہور تھا جو آپ سے بغض وعناد رکھتا تھا، اسی فرقہ کے لوگوں نے آپ کو زہر دلوایا اور اس زہر کے اثر سے آپ کی وفات ہوئی (ظفر المحصلین ص ۴۳۱، ۴۳۷)

(۶۴)......ماہِ رمضان ۷۱۰ھ: میں ابوالثناء قطب الدین محمود بن مسعود بن مصلح فارسی شیرازی شافعی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی پیدائش ۶۳۴ھ میں ''شیراز'' کے مقام پر ہوئی، اور ابتدائی تعلیم اپنے والد اور چچا سے حاصل کی، اس کے بعد آپ روم تشریف لے گئے، اور کچھ عرصہ آپ ''ملطیہ'' کے قاضی بھی رہے، پھر آپ بغداد، دمشق اور شام تشریف لے گئے، اور آخر میں ''تبریز'' کے مقام پر مستقل سکونت اختیار کرلی۔

آپ کی مختلف فنون میں بہت سی تصنیفات ہیں جن میں زیادہ شہرت علمِ فلسفہ کی کتاب ''شرح حكمة الاشراق'' کو حاصل ہوئی (ظفر المحصلین ص۴۴۹)

(۶۵)......ماہِ رمضان ۷۵۱ھ: میں قاضی القضاۃ ابوالخیر شمس الدین محمد بن محمد بن محمد جزری رحمہ اللہ کی دمشق شہر میں پیدائش ہوئی۔

مختلف علاقوں سے علمِ دین اور خاص کر علمِ قراءت حاصل کیا، اور تحصیلِ علم کے بعد آپ نے مصر میں دارالقرآن کے نام سے ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی، اور درس کا سلسلہ شروع کیا، کچھ عرصہ بعد آپ شام کے قاضی مقرر ہوگئے، جب آپ پر ظلم وزیادتی کی گئی تو آپ روم تشریف لے گئے اور روم کے شہر بروسا میں علمِ قرأت اور علمِ حدیث کی اشاعت کی، تمام اسلامی ممالک میں خصوصیت کے ساتھ علمِ قرأت کے امام تسلیم کئے گئے، اور روم میں آپ کو امام اعظم کا لقب دیا گیا۔

آپ کی تصنیفات کی تعداد کافی زیادہ ہے جن میں زیادہ شہرت ''مقدمہ جزریہ'' اور ''طیبہ'' کو حاصل ہوئی، اور یہ دونوں کتابیں آج تک متداول ومروج اور داخلِ درس ہیں، ۸۲۷ھ میں آپ اپنے آبائی شہر ''شیراز'' تشریف لے آئے اور یہیں پر ۵/ ربیع الاول ۸۳۳ھ بروز جمعہ آپ کی وفات ہوئی، اور اپنے مدرسہ دارالقرآن میں دفن ہوئے (ظفر المحصلین ص۷۲،۷۴)

(۶۶)......ماہِ رمضان ۸۰۸ھ: میں قاضی القضاۃ ولی الدین ابوزید عبدالرحمٰن بن شیخ امام ابوعبداللہ محمد بن خلدون رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی تاریخِ پیدائش یکم رمضان المبارک ۷۳۲ھ ہے، شروع میں اپنے والد سے تحصیلِ علم

کرنے کے بعد مزید علم کی تحصیل کے لئے آپ اپنے آبائی علاقے تونس سے مغربی علاقوں کی طرف نکل پڑے، اورتقریباً چھبیس سال کے بعد دوبارہ اپنے آبائی وطن پہنچے، لیکن کچھ عرصہ بعد دوبارہ مصر لوٹ آئے اور آخری عمر تک وہیں رہے۔

فنِ تاریخ میں آپ کی کتابیں ''مقدمہ ابنِ خلدون'' اور ''تاریخ ابنِ خلدون'' کے نام سے مشہور ہیں، ۷۴ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی اور قاہرہ میں باب النصر سے باہر مقبرہ صوفیہ میں تدفین ہوئی (ظفر المحصلین ص ۳۹۳، ۳۹۷)

(٦٧)......ماہِ رمضان ۸٦۱ھ: میں کمال الدین محمد بن عبدالواحد رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کے والد مشہور قاضی تھے، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، اوراس کے بعد بڑے بڑے علماء سے علمِ دین حاصل کیا، فقہ میں بھی آپ کو بڑا مقام حاصل تھا، علامہ ابنِ نجیم رحمہ اللہ نے آپ کو اہلِ ترجیح میں شمار کیا ہے، تکمیلِ علوم کے بعد آپ آخری عمر تک اشاعتِ علم میں مشغول رہے، آپ نے بہت سی مفید ومعتبر کتابیں تصنیف کیں جن میں سے ہر ایک علمی مباحث وفوائد پر مشتمل ہے، علم العقائد میں ''مسائرہ'' بہت عمدہ کتاب ہے، جو بہت عرصہ تک درساً پڑھائی جاتی رہی، شام کے شہر حلب کے مقام پر آپ کی وفات ہوئی (ظفر المحصلین ص ۲۳۲)

(٦٨)......ماہِ رمضان ۸٦۴ھ: میں علامہ جلالُ الدین محلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت شوال ۷۹۱ھ میں قاہرہ میں ہوئی، آپ نے جمع الجوامع، ورقات، منہاج فرعی، بردہ وغیرہ کتابوں کی بہترین شروحات لکھیں۔

تفسیرِ قرآن میں قرآن مجید کے دوسرے نصف کو مکمل کرکے ابھی پہلے نصف کا ارادہ تھا کہ وفات ہوگئی، آپ کی وفات کے بعد آپ ہی کے ہم نام امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اول نصف کو مکمل کیا، اس لئے اس کو ''تفسیر الجلالین'' کہا جاتا ہے، اور یہ کتاب آج تک

درسِ نظامی میں شامل اور دینی مدارس کے طلبہ کو پڑھائی جاتی ہے (ظفر المحصلین ص ۴۲)

(۶۹)...... ماہِ رمضان ۸۹۹ھ: میں صلاح الدین موسیٰ پاشا بن محمد بن محمود رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ قاضی زادہ رومی کے نام سے مشہور تھے، آپ نے ابتدائی علوم اپنے آبائی وطن روم میں حاصل کیئے، اس کے بعد خراسان اور ماوراء النہر (وسطی ایشیا) کے علاقوں میں پہنچے، تحصیلِ علم کے بعد سمرقند کے ایک مدرسہ میں رئیس المدرسین مقرر ہو گئے، فنِ ریاضی میں آپ کی کتاب شرح چغمینی بڑی مشہور ہے (ظفر المحصلین ص ۳۸۲)

(۷۰)...... ماہِ رمضان ۹۵۹ھ: میں ابوالمنصور جمال الدین حسن بن زین الدین بن علی بن احمد شامی رحمہ اللہ کی پیدائش ہوئی۔

آپ بہت بڑے فقیہ، اصولِ فقہ کے ماہر، محدث، ادیب اور شاعر تھے، ''معالم الاصول'' کی آپ کی مشہور تصنیف ہے (ظفر المحصلین ص ۴۴۷)

(۷۱)...... ماہِ رمضان ۱۰۶۹ھ: میں ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی شرنبلائی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

چھ سال کی عمر میں آپ کے والد صاحب آپ کو مصر لے آئے، یہاں کے مشہور علماء سے استفادہ کیا، آپ کا شمار اپنے زمانہ کے نامور فقہاء ومحدثین میں شمار ہوتا تھا، آپ کی تصانیف میں سے فقہ کی مشہور کتاب نور الایضاح کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی، اور آج تک دینی مدارس کے نصاب درسِ نظامی میں شامل ہے، ۷۵ سال کی عمر میں وفات ہوئی (ظفر المحصلین ص ۲۰۹)

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

باسمہٖ تعالیٰ

نمازِ تراویح

کے فضائل واحکام

رمضانُ المبارک کے ایک اہم عمل نمازِ تراویح کے تفصیلی فضائل واحکام
نمازِ تراویح اوراُس میں قرآن مجید کی تلاوت وسماعت کی فضیلت واہمیت
نمازِ تراویح کی مسنون تعداد کے ثبوت پر تفصیلی دلائل اور شبہات کا ازالہ
تراویح کی نماز میں قرآن مجید کی قرائت، امامت واقتداء کے احکام
تراویح کی نماز ورکعت میں غلطی واقع ہوجانے کے احکام
تراویح کی نماز سے متعلق اہم مسائل پر تحقیقی کلام

مصنِّف
مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی پاکستان

باسمہٖ تعالیٰ

نفل، سنت اور واجب

اعتکاف

کے فضائل واحکام

نفل ومستحب، مسنون اور واجب اعتکاف کے تفصیلی فضائل واحکام
نفل ومستحب اعتکاف کی فضیلت اور اُس کے اوقات واحکام
مسنون اعتکاف کی فضیلت اور اُس کے اوقات واحکام
واجب اعتکاف کی حقیقت اور اُس کی اقسام واحکام
اور متعلِّقہ تحقیقی مسائل پر مفصَّل ومدلَّل کلام

مصنِّف
مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اضافہ واصلاح شدہ
جدید ایڈیشن

بسلسلہ
اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

شوال
اور
عیدالفطر
کے فضائل و احکام

مصنف
مُفتی محمد رضوان

ادارہ غفران
راولپنڈی پاکستان

شوال اور عیدالفطر کے فضائل و احکام
مصنف
مفتی محمد رضوان
ادارہ غفران

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ: اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام — اضافہ واصلاح شدہ جدید ایڈیشن

شوال

اور

عیدُ الفطر

کے فضائل واحکام

اس رسالہ میں قرآن وحدیث، فقہ اوراہلِ سنت والجماعت کی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی سال کے دسویں مہینے ''شوال المکرّم'' کے فضائل ،مسائل، احکام ومنکرات کومدلل ومفصل انداز میں تحریر کیا گیا ہے،اور صدقۂ فطر، چاندرات،عید کی نماز وخطبہ،عید کی رسموں اور شش عید کے روزوں وغیرہ کے متعلق فضائل ومسائل، بدعات ومنکرات پر کلام کیا گیا ہے،اوراسی کے ساتھ آخر میں ماہِ شوال سے متعلق تاریخی واقعات کوبھی باحوالہ جمع کر دیا گیا ہے،اس طرح بحمداللہ تعالیٰ یہ مجموعہ عوام اوراہلِ علم کے لئے یکساں طور پر مفیداور کارآمد ہو گیا ہے۔

مؤلف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی پاکستان

نام کتاب: شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام
مؤلف: مفتی محمد رضوان
طباعتِ اوّل: رمضان/۱۴۲۳ھ نومبر/2002ء
طباعتِ دوم: شعبان/ ۱۴۲۸ھ اگست/ 2007ء
طباعتِ سوم: رجب المرجب/۱۴۳۲ھ جون/ 2011ء
صفحات: ۴۴۸

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

اسلام میں سال بھر میں دو دن عید کے مقرر کئے گئے ہیں، اور اسلامی عید کے دن دوسرے مذہبوں کی طرح کے عام تہوار نہیں ہیں، بلکہ دوسرے مذاہب سے بالکل الگ اور ممتاز نوعیت کے ہیں، جو دنیاوی زندگی کے علاوہ انسان اور مؤمن کی آخرت والی زندگی کے حالات پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

ان دو عیدوں میں سے ایک عید کا نام ''عید الفطر'' ہے، اور دوسری عید کا نام ''عید الاضحیٰ'' ہے۔

عید الفطر یکم شوال کو رمضانُ المبارک کے اختتام پر آتی ہے۔

بندہ نے اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام کے سلسلہ میں ایک رسالہ ''شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام'' کے عنوان سے تحریر کیا تھا، جس میں ماہِ شوال اور عید وصدقۃُ الفطر کے فضائل واحکام اور منکرات کو بیان کیا گیا تھا۔

یہ رسالہ اس سے پہلے بھی ایک سے زیادہ مرتبہ شائع ہو چکا ہے، اس مرتبہ کی اشاعت سے قبل بندہ نے اس رسالہ پر نظرِ ثانی کی، اور کئی مسائل کو کچھ تفصیل کے ساتھ مرتب وجمع کیا، اور متعلقہ حوالہ جات اور اصل مآخذ کی طرف مراجعت کا اہتمام کیا، جس کی وجہ سے وہ رسالہ کچھ ضخیم ومفصل ہو گیا۔

اب موجودہ اور سابقہ ایڈیشنوں میں سے موجودہ ایڈیشن کی تحقیق کو راجح سمجھا جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول ومنظور فرمائیں۔ آمین۔

محمد رضوان

۳۰/ جمادی الاخریٰ/ ۱۴۳۲ھ 03/ جون/ 2011ء، بروز جمعہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شوّال اور عیدُ الفطر کے فضائل واحکام

ماہِ شوّال اسلامی سال کا دسواں مہینہ

شوال کا مہینہ اسلامی سال کے لحاظ سے ترتیب میں دسواں مہینہ ہے، جو رمضانُ المبارک کا مہینہ ختم ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔

اسلامی سال کے مہینوں کے بالترتیب نام یہ ہیں:

(۱) مُحَرَّمُ (۲) صَفَرُ (۳) رَبِیْعُ الْاَوَّلُ (۴) رَبِیْعُ الْاٰخِرُ (۵) جُمَادَی الْاُوْلٰی (۶) جُمَادَی الْاُخْرٰی (۷) رَجَبُ (۸) شَعْبَانُ (۹) رَمَضَانُ (۱۰) شَوَّالُ (۱۱) ذُوالْقَعْدَہ (۱۲) ذُوالْحِجَّہ۔ [۱]

[۱] کیونکہ آج کل بہت سے لوگ قمری مہینوں کا صحیح تلفظ ادا نہیں کرتے، اس لئے یہاں انگریزی میں بھی یہ نام تحریر کئے جا رہے ہیں:

(1)Muharram(2)Safar(3)Rabi-ul-awwal(4)Rabi-ul-akhir
(5)Jamad-al-ula(6)Jamad-al-ukra(7)Rajab(8)Shaban
(9)Ramazan(10)Shawwal(11)Zul qa,da(12)Zulhijjah

شوّال کی لفظی ومعنوی تحقیق

''شَـوَّال'' (Shawwal) عربی کا لفظ ہے، اس میں ''شَ'' پر زبر اور ''وّ'' پر تشدید اور زبر ہے، یہ مذکر ہے اور بول چال میں اس مہینہ کو عید کا مہینہ بھی کہتے ہیں۔ [۲]

[۲] علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے شوال کی جمع ''شواول، شواویل اور شوالات'' ذکر فرمائی ہے۔

شوال من شالت الابل باذنابها للطراق قال ويجمع على شواول وشواويل وشوالات (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۲۹، تحت آیت ۳۶ من سورۃ التوبۃ)

شوال کے عربی لغت (Dictionary) میں کئی معنیٰ آتے ہیں۔

جن میں سے ایک معنیٰ بلند ہونے اور اوپر اٹھنے کے ہیں۔

اس معنیٰ کے لحاظ سے اس مہینے کا نام شوال رکھنے کی وجہ بعض حضرات نے یہ بیان فرمائی ہے کہ شوال کے مہینے، خصوصاً اس مہینہ کی ابتدائی رات اور ابتدائی دن یعنی عید الفطر کے دن میں بے شمار مؤمن لوگوں کے گناہ ان کے نامۂ اعمال سے اللہ تعالیٰ اٹھا دیتے ہیں، اس لئے اس مہینہ کا نام شوال تجویز کیا گیا۔

اور شوال کے لغت میں ایک معنیٰ خِفّت اور ہلکے پن کے آتے ہیں۔

اس معنیٰ کے لحاظ سے اس مہینے کا نام شوال رکھنے کی وجہ بعض حضرات نے یہ بیان فرمائی ہے کہ رمضانُ المبارک کے مہینے میں روزے اور نیک اعمال کرنے کے ذریعے سے اس مہینہ میں شہوات اور لذات سے نفس ہلکا ہو جاتا اور اس کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔ [1]

[1] وأما شوال :فسمى بذلك لأنه يشول الذنوب أى يرفعها ويذهبها لأنه من شال يشول إذا رفع الشىء ومن ذلك قولهم شالت الناقة بذنبها أى رفعته إذا طلبت الضراب كذا فى "التبيان."
وقال فى "شرح التقويم : "هو من الشول وهو الخفة من الحرارة فى العمل والخدمة وإنما سمى بذلك لخروج الإنسان فيه عن مخالفة النفس الأمارة وقمع شهواتها اللذين كانا فى الإنسان فى رمضان بإطلاق طوع المستلذات والمشتهيات فعند خروجه عن ذلك كان يجد خفة فى نفسه ويستريح(تفسير روح البيان، ج۳ص ۴۲۲،تحت آيت ۳۶ من سورة التوبة)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا یہ نظریہ تھا کہ شوال کے مہینہ میں نکاح کرنے سے نکاح میں خیر و برکت نہیں ہوتی، اور خیر و برکت اوپر اٹھ جاتی ہے، اور اس کے بجائے ہلاکت آ جاتی ہے، اس لئے زمانۂ جاہلیت کے لوگ اس مہینے کو بدفالی کے طور پر شوال کہتے تھے۔

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل کے ذریعہ سے اس نظریہ کی اس طرح تردید فرمائی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی مہینے میں نکاح فرمایا اور رخصتی بھی۔ [2]

[2] وقولها :تزوجنى رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ فى شوال .الحديث ؛ هذا إنما قالته عائشة رضى الله عنها لترد به قول من قال :يكره عقد النكاح فى شهر شوال ، ويتشاء م به من جهة :أن شوالا من الشول ، وهو الرفع .ومنه :شالت الناقة بذنبها .وقد جعلوه كناية عن الهلاك ؛ إذ

قالوا :شالت نعامتهم ؛ أي :هلكوا .

(ف) (شوال) معناه :كثير الشول ، فإنه للمبالغة ، فكأنهم كانوا يتوهمون أن كل من تزوج في شوال منهن شال الشنآن بينها وبين الزوج ، أو شالت نفرته ، فلم تحصل لها حظوة عنده ، ولذلك قالت عائشة رادة لذلك الوهم) :(فأي نسائه كان أحظى عنده مني ؛ أي :لم يضرني ذلك ، ولا نقص من حظوتي .ثم إنها تبركت بشهر شوال ، فكانت تحب أن يدخل بنساء ها على أزواجهن في شوال ؛ للذي حصل لها فيه من الخير برسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ ، ومن الحظوة عنده ، ولمخالفة ما يقول الجهال من ذلك .

ومن هذا النوع كراهية الجهال عندنا اليوم عقد النكاح في شهر المحرم ، بل ينبغي أن يتيمن بالعقد والدخول فيه ، تمسكا بما عظم الله ورسوله من حرمته ، وردعا للجهال عن جهالتهم (المفهم لما اشكل فيه من كتاب مسلم، من باب استئمار الثيب)

اور بعض حضرات نے شوال کے مہینے کے نام کی اور وجوہات بھی بیان فرمائی ہیں۔ [1]

[1] چنانچہ شوال کے لغت میں ایک معنیٰ اونٹ کے لاغر اور دُبلا ہونے یا اونٹنی کے تھن یا دُم اوپر اٹھنے کے آتے ہیں، اس معنیٰ کے لحاظ سے اس کے نام رکھنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس مہینے کا یہ نام ایسے زمانے میں رکھا گیا تھا، جب اونٹ لاغر اور دُبلے تھے، یا اونٹنی کے تھن یا دُم اوپر کو اُٹھے ہوئے تھے۔

شول :الشَّوْلُ :الإِبِلُ إذا شَوَلَتْ فَلَزِقَتْ بُطُونُها بظُهُوْرِها .وشالَتِ النّاقَةُ بذَنَبِها :إذا رَفَعَتْهُ، الواحِدَةُ شائلٌ .والتي قَلَّ لَبَنُها، وهي الشُّوَّلُ .وشوَّلَتِ الإِبِلُ :ارْتَفَعَ لَبَنُها .وكُلُّ ما ارْتَفَعَ فهو شائلٌ .ومنه شالَ المِيْزَانُ :إذا ارْتَفَعَتْ أحدى كِفَّتَيْه .والعَقْرَبُ شائلةٌ بذَنَبِها .وشَوْلَاةُ العَقْرَبِ :ما يَشُوْلُ من ذَنَبِها، وبه سُمِّيَتِ الشَّوْلَةُ للنَّجْمِ، وقال ساجِعُهم :إذا طَلَعَ الشَّوْلَه؛ أعْجَلَتِ الشَّيْخَ البَوْلَاةَ؛ واشْتَدَّ على العِيَالِ العَوْلَة .وشَوْلَةُ :اسْمُ أمَةٍ رَعْناء لَعَدْوَانَ مُتَنَصِّحَةٍ .وفي المَثَل " :أنْتَ شَوْلَةُ الناصِحَةُ ." والشَّوْلُ :جَمْعُ شائِلَةِ الذَّنَبِ .والاشْتِيَالُ :مِثْلُ الاكْتِيَارِ .وشَوَّلَتِ الإبِلُ :قَلَّتْ ألْبَانُها وكَدَتْ تَضْبَعُ. وشَوّالٌ :بمعنى المُشَالِ .وسَمِّيَ شَوّالٌ اسْمُ شَهْرٍ لأنَّه وافَقَ الوَقْتَ الذي تَشُوْلُ فيه الإِبِلُ .والشَّوْلُ: ثُلُثُ القِرْبَةِ ونَحْوه من الماءِ .وشَوَّلَ الغَرْبُ :قَلَّ ماؤه .واشْتَالَ فلانٌ لفلانٍ :أي تَعَرَّض له وسَبَّه. وتَشَاوَلَ القَوْمُ تَشَاوُلاً :تَنَاوَلَ بَعْضُهم بَعْضاً عِنْدَ القِتَال .والتَّشْوِيْلُ :أنْ يَرْتَخِيَ ذَكَرُ الرَّجُلِ عِنْدَ مُحَاوَلَةِ الجِمَاعِ فلا يَشْتَدّ مَتْنُه .والشَّوْشَلاَءُ بلُغَةِ الحَبَشَةِ :النَّيْكُ .والمِشْوَلُ :عُوْدٌ مَعْرُوْضٌ بَيْنَ السُّخْبِ والدُّجْرَيْنِ من الفَدّان .وقد شَوَّلْنا أرْضَنا .والشَّوِلُ :السَّرِيْعُ الخَفِيْفُ في كُلِّ ما أخَذَ فيه .والشُّوَيْلاءُ :نَبْتٌ من نَبَاتِ نَجْدٍ(المحيط في اللغة، مادة شول)

وشوال من اسماء الشهور معروف اسم الشهر الذي يلي شهررمضان وهواول اشهر الحج قيل سمي بتشويل لبن الابل وهوتوليه وادبارهٔ وكذالك حال الابل في اشتدادالحر وانقطاع الرطب وقال الفراء:سمي بذلك لشولان الناقة فيه بذنبها والجمع شواويل على القياس وشواول على طرح الزائد وشوالات وكانت العرب تطيرمن عقدالمناكح فيه وتقول ان المنكوحة تمتنع من ناكحها كما تمتنع طروقةالجمل اذا لقحت وشالت بذنبهافابطل النبي صلى الله عليه وسلم طيرتهم وقالت عائشة رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا تزوجني رسول الله صلى الله عليه وسلم في شوال وبني بي في شوال فاي نسائه كان احظى عنده مني؟ (لسان العرب ماده شوال)

والشَّول من الإبل :التی قد ارتفعَتُ ألبانُها، الواحدة شائل .والشُّوَّل من الإبل :اللواتی لقِحَتْ فرفعَتْ أذنابَها، والواحدة شائلة .قال الراجز:

كأنَّ فی أذنابهنَّ الشُّوَّلِ ...مِن عَبَسِ الصَّيف قُرونَ الإيَّلِ

والشَّولة :نجمٌ من نجوم السَّماء ومنه اشتقاق شَوَّال، لأنه كان فی أيام الصَّيفِ، شالت فيه الإبلُ بأذنابها، فسمِّی بذلک(الاشتقاق لابنِ دريد، باب اليمين من قحطان)

شول :الشول :الابل إذا شولت فلزقت بطونها بظهورها.

وشالت الناقة بذنبها :رفعته، وكل شيئ مرتفع فهو شائل.

وشال الميزان :ارتفعت إحدى كفتيه، والعقرب شائلة بذنبها، قال :كذبت العقرب شوال علق (ويقال القوم إذا خفوا ومضو :شالت نعامتهم.والشول من النوق :التی نقصت ألبانها، أو جفت.

والشول من النوق :اللواقح، الواحدة :شائل.وشوال :اسم شهر(كتاب العين للخليل الفراهيدی، ج٦ص ٢٨٥، مادة، شول)

شوال وجه تسمیه آنکه درین ماه عرب سیروشکارمیکردندواز خانهاے خود بیرون میرفتندمشتق ازشول که مصدراست بمعنی برداشته شدن (غیاث الغات ص ٣٠٠)

شوّال کو ''مکرّم'' کہنے کی وجہ

شوال کو''مکرّم'' بھی کہا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ''شوالُ المکرّم'' اور مکرم کے معنٰی ہیں، اکرام والی چیز۔

اور یہ مہینہ کیونکہ شریعت کی نظر میں کئی طرح سے اکرام والا مہینہ ہے، اس لئے اس مہینہ کو ''شوالُ المکرّم'' بھی کہا جاتا ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم

ماہِ شوّال کے فضائل

ماہِ شوال کو کئی طرح سے فضیلت حاصل ہے۔

ایک تو یہ مہینہ رمضان کا پڑوسی ہے اور رمضان کے روزوں کے ساتھ عیدُ الفطر کے بعد اس مہینہ میں چھ روزے رکھنے کی بڑی فضیلت ہے، اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں عظیم اسلامی تہوار ''عیدُ الفطر'' ادا کیا جاتا ہے، کیونکہ اس مہینے کے شروع ہوتے ہی روزے کی فرضیت کا زمانہ مکمل ہوجاتا ہے اور کھانا پینا حلال ہوجاتا ہے اس لئے اس تہوار کا نام عیدالفطر (افطار کی خوشی) تجویز کیا گیا ہے اور اس دن کی بدولت صدقۂ فطر کو لازم کیا گیا اور اس کے عظیم فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ شوال کے مہینے کو یہ شرف اور اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس مہینے سے اسلام کی اہم عبادت اور ایک اہم فریضے ''حج'' کا زمانہ شروع ہوتا ہے اس لئے اس مہینے کو حج کے مہینوں میں شمار کیا جاتا ہے، اس طرح اس مہینے کو حج کے ساتھ بھی ایک نسبت قائم ہے جو اس کی فضیلت کے لئے کچھ کم نہیں۔

علاوہ ازیں اس مہینہ کی ابتدائی رات بھی فضیلت کی حامل ہے اور عید الفطر کے دن کا بابرکت ہونا تو بالکل واضح ہے، اور شوال کے مہینہ میں چھ نفلی روزے رکھنے کی بھی عظیم فضیلت ہے۔

بہرحال شوال کو کئی عظیم الشان نسبتیں اور فضیلتیں حاصل ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱)......رمضانُ المبارک کے بابرکت مہینے کے اختتام سے اس مہینے کا آغاز ہونا اور رمضان کے بابرکت مہینے کا پڑوسی اور اس کے ساتھ اس مہینے کا ملا ہوا ہونا۔

(۲)......اس مہینہ کا حج کے مہینوں میں سے ہونا بلکہ اس مہینے سے حج کے زمانہ کا آغاز ہونا۔

(۳)...... رمضان کے بخیر وعافیت گزرنے کے بعد اس مہینہ کے ابتدائی دن

کے سبب صدقۂ فطر کا واجب ہونا اور اس کے عظیم فضائل کا ہونا۔

(۴)......اس مہینہ کی ابتدائی یعنی چاندرات کا بابرکت اور فضیلت والی ہونا۔

(۵)...... اس مہینے کے ابتدائی دن میں اسلام کے عظیم تہوار ’’عید الفطر‘‘ کا اسلامی شان وشوکت کے ساتھ انجام دیا جانا اور اللہ کے حضور شکرانے کے طور پر دوگانہ نماز کا ادا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر بندوں کے لئے بخشش اور مغفرتوں کا اعلان ہونا۔

(۶)......اس مہینہ میں چھ روزوں کے عظیم الشان فضائل کا ہونا۔

آگے مذکورہ چیزوں کے فضائل واحکام اور منکرات واصلاحات اور قابلِ توجہ اُمور پر کچھ تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ماہِ شوّال رمضان کا پڑوسی

رمضانُ المبارک کی فضیلتوں اور برکتوں اور اس کے مقدس ومحترم ہونے کو تو سب مسلمان جانتے ہی ہیں، اور ہم نے اپنی کتاب ’’ماہِ رمضان کے فضائل واحکام‘‘ میں بھی اس مہینہ کے فضائل وبرکات کو تفصیل کے ساتھ تحریر کردیا ہے، اور شوال کے مہینہ کو اللہ تعالیٰ نے رمضانُ المبارک کے مقدس مہینہ کے ختم ہونے پر مقرر فرمایا ہے۔

رمضانُ المبارک کی برکات پورے سال انسان کو حاصل رہتی ہیں بشرطیکہ رمضان کا صحیح احترام اور اس کا حق ادا کرے، کیونکہ رمضان کا مہینہ دراصل پورے سال کا اصلاحی کورس ہے، اور شوال کا مہینہ شروع ہوتے ہی یہ سالانہ کورس مکمل ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے رمضان المبارک کے اثرات شوال کے مہینہ میں زیادہ اور تروتازہ انداز میں محسوس کئے جاتے ہیں، کیونکہ ہر چیز کی صحبت کا اثر اُس کے پڑوسی کو حاصل ہوا کرتا ہے، اور شوال کا مہینہ رمضان کا پڑوسی ہے۔

لہٰذا اس مہینہ پر رمضان کی صحبت کا اثر ایک لازمی چیز ہے۔
اور اسی لئے اس مہینہ میں چھ روزے رکھنے کے بڑے فضائل آئے ہیں، یہاں تک کہ رمضان کے مہینہ کے روزے رکھ کر عید کے بعد شوال کے مہینے میں چھ روزے رکھنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورے سال کے روزوں کا ثواب مرحمت فرمایا جاتا ہے۔
سال بھر کے روزوں کا ثواب خاص رمضان اور شوال کے روزوں کے ساتھ حاصل ہونا ان دونوں مہینوں کے ساتھ قریبی تعلق اور شوال کے مہینہ میں رمضان کے انوار وبرکات کو ظاہر کرتا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے شوال کے مہینہ کے چھ روزوں کی رمضان کے روزوں کے ساتھ وہی حیثیت بیان فرمائی ہے جو سنت نماز کو فرضوں کے ساتھ ہوتی ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ سنتوں کا اپنے فرضوں سے بہت قوی اور قریبی تعلق ہوتا ہے۔
صدقۂ فطر جو عید کے دن کے سبب لازم ہوتا ہے اس کا ایک فائدہ بھی رمضان کے روزوں کو پاک وصاف کرنا ہے، اس سے بھی شوال کے مہینہ کا رمضان سے تعلق ظاہر ہوتا ہے۔
اور بعض احادیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رمضان میں عذر کے باعث اعتکاف چھوٹ جانے پر اس کو شوال کے مہینہ میں ادا کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ [1]

[1] عن عائشة رضی الله عنها :أن النبی صلى الله عليه وسلم، أراد أن يعتكف، فلما انصرف إلى المكان الذی أراد أن يعتكف إذا أخبية خباء عائشة، وخباء حفصة، وخباء زينب، فقال :ألبر تقولون بهن ثم انصرف، فلم يعتكف حتى اعتكف عشرا من شوال(بخاری، حدیث نمبر ۲۰۳۴، کتاب الاعتكاف، باب الاخبية فی المسجد)

بہرحال شوال کا مہینہ رمضان کے ساتھ خاص تعلق اور مناسبت کا حامل ہے۔

ماہِ شوال حج کا پہلا مہینہ

شوال کے مہینہ سے حج کے مہینوں کا آغاز ہوتا ہے۔
چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْماتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلارَفَثَ وَلافُسُوْقَ وَلاجِدَالَ فِي الْحَجِّ(سورہ بقرہ آیت ۱۹۷)

ترجمہ: حج کے مہینے مقرر ہیں، پس جو شخص ان میں (احرام باندھ کر) حج لازم کرلے، تو (اس کے لئے) حج میں نہ شہوت (کی گنجائش) ہے، اور نہ گناہ (کرنے) کی، اور نہ لڑائی جھگڑے کی (ترجمہ ختم)

تشریح: ''اَشْهُرٌ'' شہرٌ کی جمع ہے جس کے معنیٰ ہیں ''مہینہ''

اس آیت میں حج کے مہینے مقرر ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے شوال، ذیقعدہ، اور ذی الحجہ کے مہینے مراد ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَوْلِهٖ عَزَّ وَجَلَّ ''اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ'' شَوَّالٌ، وَذُو الْقَعْدَةِ، وَذُو الْحِجَّةِ(المعجم الأوسط)[1]

[1] للطبرانی، حدیث نمبر ۱۵۸۴، دارالحرمین، القاهرة.

قال الهیثمی:

رواه الطبرانی فی الصغیر والأوسط، وفیه حصین بن مخارق قال الطبرانی: کوفی ثقة. وضعفه الدارقطنی، وبقیة رجاله موثقون(مجمع الزوائد، ج۳ص۲۱۸، باب فی أشهر الحج)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل کے قول ''الحج اشہر معلومات'' کے بارے میں فرمایا کہ شوال اور ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے مہینے ہیں (ترجمہ ختم)

البتہ بہت سے حضرات کے نزدیک ذی الحجہ کا پورا مہینہ حج کے مہینوں میں داخل نہیں، بلکہ اس کے ابتدائی دس دن ہی داخل ہیں، اور اس طرح سے ان کے نزدیک حج کے مہینوں سے مراد دو مہینے (شوال اور ذیقعدہ) اور دس دن ہیں (جو کہ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں)

ان حضرات کے قول کی تائید حضرت ابنِ عمر اور حضرت ابنِ عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ کی روایات سے ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ:

أَشْهُرُ الْحَجِّ: شَوَّالٌ، وَذُو الْقَعْدَةِ، وَعَشْرٌ مِّنْ ذِى الْحَجَّةِ(بخاری) [1]

[1] كتاب الحج ،بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى الحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ،دارطوق النجاة،بيروت، واللفظ لهٗ، مستدرک حاکم، حديث نمبر ٣٠٩٢، سنن دارقطنی، حديث نمبر ٢٤٥٢.
قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "
وقال الذهبی فی التلخیص: علی شرط البخاری ومسلم

ترجمہ: حج کے مہینے یہ ہیں: شوال اور ذوالقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَشْهُرُ الْحَجِّ شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرٌ مِّنْ ذِى الْحِجَّةِ(سنن الدارقطنی) [2]

[2] حديث نمبر ٢٤٥٣، كتاب الحج، مؤسسة الرسالة، بيروت.

ترجمہ: حج کے مہینے یہ ہیں: شوال اور ذوالقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَشْهُرُ الْحَجِّ شَوَّالٌ وَّذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرٌ مِّنْ ذِى الْحَجَّةِ(سنن الدارقطنی) [3]

[3] حديث نمبر ٢٤٥٤، كتاب الحج، مؤسسة الرسالة، بيروت.

ترجمہ: حج کے مہینے یہ ہیں: شوال اور ذوالقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن (ترجمہ ختم)

مذکورہ مہینوں کو حج کے مہینے قرار دینے سے معلوم ہوا کہ یہ مہینے حج کے لئے مقرر ہیں، اور ان کے علاوہ کسی اور زمانہ میں حج جائز نہیں۔

اور ان مہینوں کے حج کے مہینے ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس پورے عرصے میں حج ادا کیا جاتا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو کوئی حج کرنا چاہتا ہے، تو وہ حج کے مہینے شروع ہونے (یعنی شوال کا مہینہ داخل ہونے) سے پہلے حج کا احرام نہ باندھے۔

پھر بعض حضراتِ فقہاء (مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ) کے نزدیک تو شوال کا مہینہ شروع ہونے سے پہلے حج کا احرام باندھنا سرے سے جائز ہی نہیں، اور بعض حضرات (مثلاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک ایسا کرنا سنت کے خلاف ہے۔ [1]

[1] اَلْحَجُّ ای وقت الحج بل وقت إحرام الحج فان وقت ارکان الحج انما هو يوم عرفة ويوم النحر

لا غیر أَشْهُرٌ مَعْلُوماتٌ اخرج الطبرانی عن ابی امامة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم شوال وذو القعدة وذو الحجة -قلت المراد شوال وذو القعدة وتسع من ذی الحجة الی طلوع الفجر من یوم النحر -ویروی عن ابن عمر شوال وذو القعدة وعشر من ذی الحجة قال البغوی کل واحد من اللفظین صحیح والمال واحد غیر مختلف فیه فمن قال عشر عبر عن اللیالی ومن قال تسع عبر عن الأیام -وانما قال اشهر بلفظ الجمع لانها وقت والعرب تسمی الوقت تاما بقلیله وکثیره -قال الله تعالی -سُبْحانَ الَّذِی أَسْرى بِعَبْدِهِ لَيْلًا وانما اسری فی بعض اللیل -وهذا هو محمل لما روی عن عمر انه قال شوال وذو القعدة وذو الحجة -وقال عروة بن الزبیر وغیره أراد بالأشهر شوالا وذا القعدة وذا الحجة کملا لانه یبقی علی الحاج امور بعد عرفة یجب علیه فعلها مثل الذبح والرمی والحلق وطواف الزیارة والمبیت بمنی ورمی الجمار فی ایام التشریق فکانت فی حکم الحج -قلت هذه الافعال کلها ینتهی الی ثالث عشر من ذی الحجة فکیف یعد ذو الحجة بهذا التوجیه کاملا- وقال البیضاوی وذو الحجة کله من أشهر الحج بناء علی ان المراد بالوقت عنده ما لا یحسن فیه غیره من المناسک وقال فان مالکا یکره العمرة فی بقیة ذی الحجة -قلت وهذا غیر مستقیم فان العمرة فی أشهر الحج للافاقی غیر مکروه اجماعا -وقد اعتمر رسول الله صلی الله علیه وسلم اربع عمر کلها فی ذی القعدة وکذا للمکی عند مالک والشافعی فان التمتع للمکی عندهما جائز کما ذکرنا -وهذه الایة حجة للشافعی حیث قال لا یجوز إحرام الحج قبل الأشهر وان احرم انعقد الإحرام للعمرة -وقال داود -من احرم للحج قبل الأشهر لغی ولا ینعقد أصلا -وقال ابو حنیفة ومالک واحمد ان احرم قبل الأشهر للحج انعقد لکنه یکره(التفسیر المظهری، ج ۱ ص ۲۳۰، ۲۳۱، تحت آیت ۱۹۷ من سورة البقرة)

واستدل بالآیة علی أنه لا یجوز الإحرام بالحج إلا فی تلک الأشهر، کما قاله ابن عباس رضی الله تعالی عنه وعطاء وغیرهما .إذ لو جاز فی غیرها -کما ذهب إلیه الحنفیة -لما کان لقوله سبحانه: فِيهِنَّ فائدة، وأجیب بأن فائدة فلو قدّم الإحرام انعقد حجا مع الکراهة، وعند الشافعی رضی الله تعالی عنه یصیر محرما بالعمرة، ومدار الخلاف أنه رکن عنده -وشرط عندنا -فأشبه الطهارة فی جواز التقدیم علی الوقت، والکراهة جاء ت للشبهة،فعن جابر عن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم لا ینبغی لأحد أن یحرم بالحج إلا فی أشهر الحج(روح المعانی، ج ۱ ص ۴۸۱، ۴۸۲،تحت سورة البقرة)

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لَا يُحْرَمُ بِالْحَجِّ إِلَّا فِيْ أَشْهُرِ الْحَجِّ، فَإِنَّ مِنْ سُنَّةِ الْحَجِّ أَنْ يُّحْرَمَ بِالْحَجِّ فِيْ أَشْهُرِ الْحَجِّ(مستدرک حاکم) [۲]

---

[۲] حدیث نمبر ۱۶۴۲، کتاب المناسک، دار الکتب العلمیة -بیروت، واللفظ لہ،صحیح ابنِ خزیمة، حدیث نمبر ۲۴۸۶ ،بخاری، کتاب الحج،بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى الحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ، دارقطنی، حدیث نمبر ۲۴۸۶،مصنف ابنِ شیبة، حدیث نمبر ۱۴۸۳۷ .

قَالَ الحاكِمُ: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ ، وَقَدْ جَرَتْ فِيهِ مُنَاظَرَةٌ بَيْنِي وَبَيْنَ شَيْخِنَا أَبِي مُحَمَّدٍ السَّبِيعِيِّ، فَإِنَّهُ أَنْكَرَهُ، وَقَالَ إِنَّمَا رَوَاهُ النَّاسُ عَنْ أَبِي خَالِدٍ، عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ

أَرْطَأَةَ، عَنِ الْحَكَمِ فَمِنْ أَيْنَ جَاءَ بِهِ شَيْخُكُمْ، عَنْ شُعْبَةَ، فَقُلْتُ :تَأَمَّلْ مَا تَقُولُ، فَإِنَّ شَيْخَنَا أَتَى بِالْإِسْنَادَيْنِ جَمِيعًا، فَكَأَنَّمَا أَلْقَمْتُهُ حَجَرًا (حاكم) "

ترجمہ: حج کا احرام، حج کے مہینوں میں ہی باندھا جائے، کیونکہ یہ حج کی سنت ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں میں باندھا جائے (ترجمہ ختم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ، اور جلیل القدر تابعین حضرت عکرمہ، اور حضرت عطاء، اور حضرت طاؤس، اور حضرت مجاہد رحمہم اللہ وغیرہ سے بھی اسی طرح کی روایات مروی ہیں۔ [1]

[1] عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ ، عَنْ جَابِرٍ ، قَالَ :لاَ يُحْرِمُ بِالْحَجِّ ، إِلَّا فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ (مصنف ابن أبی شيبة، حديث نمبر ۱۴۸۳۸ ، كتاب المناسک، باب مَنْ كَرِهَ أَنْ يُهِلَّ بِالْحَجِّ ، فِي غَيْرِ أَشْهُرِ الْحَجِّ)

عَنْ أَيُّوبَ ؛ أَنَّ أَبَا الْحَكَمِ الْبَجَلِيَّ كَانَ يُهِلُّ بِالْحَجِّ فِي غَيْرِ أَشْهُرِ الْحَجِّ ، قَالَ :فَلَقِيَهُ عِكْرِمَةُ ، فَقَالَ : أَنْتَ رَجُلُ سُوءٍ (مصنف ابن أبی شيبة، كتاب المناسک، حديث نمبر ۱۴۸۴۵ ، باب مَنْ كَرِهَ أَنْ يُهِلَّ بِالْحَجِّ ، فِي غَيْرِ أَشْهُرِ الْحَجِّ)

عن ابن جريج قال :أخبرني عمر بن عطاء ، عن عكرمة أنه قال : لا ينبغي لأحد أن يحرم بالحج إلا في أشهر الحج ، من أجل قول الله :الحج أشهر معلومات قال أحمد :وقد روينا عن ابن عباس ، أبين من ذلک (معرفة السنن والآثار للبيهقی، حديث نمبر ۹۲۳۰)

عَنْ عَطَاءٍ ، وَطَاوُوسٍ ، وَمُجَاهِدٍ ؛ قَالُوا :لاَ يُحْرِمُ بِالْحَجِّ ، إِلَّا فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ (مصنف ابن أبی شيبة، حديث نمبر ۱۴۸۳۹ ، كتاب المناسک ، باب مَنْ كَرِهَ أَنْ يُهِلَّ بِالْحَجِّ ، فِي غَيْرِ أَشْهُرِ الْحَجِّ)

اس کے علاوہ اسلام سے پہلے عرب اہلِ جاہلیت کا خیال تھا کہ جب حج کے مہینے شروع ہوجائیں یعنی ماہِ شوال شروع ہوجائے تو اس زمانہ میں حج و عمرہ کا جمع کرنا سخت گناہ ہے۔ شریعت نے اس خیال کی اصلاح کردی۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانُوْا يَرَوْنَ أَنَّ الْعُمْرَةَ فِيْ أَشْهُرِ الْحَجِّ مِنْ أَفْجَرِ الْفُجُوْرِ فِي الْأَرْضِ، وَيَجْعَلُوْنَ الْمُحَرَّمَ صَفَرًا، وَيَقُوْلُوْنَ :إِذَا بَرَأَ الدَّبَرُ، وَعَفَا الْأَثَرُ، وَانْسَلَخَ صَفَرُ، حَلَّتِ الْعُمْرَةُ لِمَنِ اعْتَمَرَ، قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ صَبِيْحَةَ رَابِعَةٍ مُهِلِّيْنَ بِالْحَجِّ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَّجْعَلُوْهَا عُمْرَةً، فَتَعَاظَمَ ذٰلِكَ عِنْدَهُمْ، فَقَالُوْا :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَيُّ

الْحِلِّ؟ قَالَ: حِلٌّ كُلُّهُ(بخاری) [1]

[1] حدیث نمبر ۱۵۶۴، کتاب الحج، باب التمتع والإقران والإفراد بالحج، وفسخ الحج لمن لم یکن معه هدی، دار طوق النجاة، بیروت.

ترجمہ: پہلے (یعنی زمانۂ جاہلیت میں) لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا زمین میں بدترین گناہ ہے اور (اسی وجہ سے وہ لوگ) محرم کو صفر بنا لیتے تھے اور (اپنے مخصوص وہمی نظریات کی وجہ سے) کہتے تھے کہ اس شخص کے لئے جو عمرہ کرنا چاہتا ہے، جب اونٹ کی پیٹھ کا زخم اچھا ہو جائے اور نشانات مٹ جائیں اور صفر گزر جائے، تو عمرہ حلال ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ چوتھی (ذی الحجہ) کی صبح کو حج کا احرام باندھے ہوئے مکہ میں تشریف لائے، آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس (حج کے احرام) کو عمرہ بنا دیں، لوگوں پر یہ بات گراں گزری، لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! کون سی چیز حلال ہوگی؟ (یعنی عمرہ کا کون سا عمل کرنا جائز ہوگا؟) آپ نے فرمایا کہ تمام چیزیں (طواف، سعی وغیرہ) حلال ہوں گی (ترجمہ ختم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کرا کر زمانۂ جاہلیت کے خیال کی اصلاح فرمادی، اور یہ واضح فرمادیا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کے تمام افعال واعمال جائز ہیں۔

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِی الْحَجِّ إِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ (ترمذی) [2]

[2] حدیث نمبر ۹۳۲، ابواب الحج، باب ما جاء فی العمرة أواجبة هی أم لا؟ شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابی الحلبی، مصر.

قال الترمذی:

وَفِی البَاب عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ جُعْشُمٍ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ :حَدِیثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِیثٌ حَسَنٌ.

ترجمہ: عمرہ قیامت کے دن تک حج میں داخل ہو گیا ہے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ہے، اور زمانۂ جاہلیت میں جو ناجائز سمجھا

جاتا تھا، شریعت نے قیامت تک کے لئے اس کی تردید فرمادی ہے۔ [1]

[1] وَمَعْنَى هَذَا الحَدِيثِ :أَنْ لَا بَأْسَ بِالعُمْرَةِ فِي أَشْهُرِ الحَجِّ، وَهَكَذَا قَالَ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، وَمَعْنَى هَذَا الحَدِيثِ :أَنَّ أَهْلَ الجَاهِلِيَّةِ كَانُوا لَا يَعْتَمِرُونَ فِي أَشْهُرِ الحَجِّ، فَلَمَّا جَاءَ الإِسْلَامُ رَخَّصَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ، فَقَالَ :دَخَلَتِ العُمْرَةُ فِي الحَجِّ إِلَى يَوْمِ القِيَامَةِ ،يَعْنِي :لَا بَأْسَ بِالعُمْرَةِ فِي أَشْهُرِ الحَجِّ، وَأَشْهُرُ الحَجِّ :شَوَّالٌ، وَذُو القَعْدَةِ، وَعَشْرٌ مِنْ ذِي الحِجَّةِ، لَا يَنْبَغِي لِلرَّجُلِ أَنْ يُهِلَّ بِالحَجِّ إِلَّا فِي أَشْهُرِ الحَجِّ، وَأَشْهُرُ الحُرُمِ :رَجَبٌ، وَذُو القَعْدَةِ، وَذُو الحِجَّةِ، وَالمُحَرَّمُ، هَكَذَا قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ(سنن الترمذی، حواله بالا)

یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ حج تین طرح سے ہوتا ہے، ایک کا نام حجِ افراد ہے، اور ایسا حج کرنے والے کو ''مُفرِد'' کہا جاتا ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص حج کے مہینوں میں صرف حج کرے، اور اس کے ساتھ عمرہ نہ کرے۔

اور دوسرے حج کا نام ''حجِ قِران'' ہے، اور ایسا حج کرنے والے کو ''قارِن'' کہا جاتا ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں ایک ہی احرام سے عمرہ اور اس کے بعد حج کیا جائے۔

اور تیسرے حج کا نام ''حجِ تمتع'' ہے، اور ایسا حج کرنے والے کو ''مُتمَتع'' کہا جاتا ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ کیا جائے، اور پھر احرام سے نکل کر دوبارہ حج کا احرام باندھا جائے، اور پھر اس احرام میں حج کیا جائے۔ [2]

[2] والقِران لغة مصدر قرن بين الحج والعمرة أى جمع بينهما فلا يظن أنه بيان الحكم قبل التعريف كما فى القهستانى اعلم أن المحرمين أربعة مفرد بالحج وهو :أن يحرم من الميقات فى أشهر الحج ويذكر الحج بلسانه عند التلبية ويقصد بقلبه أو لم يذكر بلسانه وينوى بقلبه كما بيناه ومفرد بالعمرة وهو أن يحرم من الميقات أو قبله فى أشهر الحج أو قبلها ويذكر العمرة بلسانه عند التلبية أو يقصد بقلبه أو لم يذكر بلسانه وينوى بقلبه وقارن وهو أن يجمع بين إحرام الحج والعمرة فى الميقات أو قبله فى أشهر الحج أو قبلها ويذكر الحج والعمرة بلسانه عند التلبية أو يقصد بقلبه أو لم يذكرهما بلسانه وينويهما بقلبه ومتمتع وهو أن يحرم بالعمرة فى أشهر الحج أو قبلها ثم يحج من عامه ذلك قبل أن يلم بأهله إلماما صحيحا(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ا ص۲۸۷، كتاب الحج، باب القِران والتمتع)

پھر جو لوگ میقات سے باہر کے رہنے والے ہیں یعنی اُن کا وطن میقات کی حدود کے اندر نہیں ہے ان کو حج کے مہینوں میں عمرے کے علاوہ تنہا حج کرنا بھی جائز ہے، جس کو ''حجِ افراد'' کہا

جاتا ہے، اور ان کو ’’حجِ تمتّع‘‘ اور ’’حجِ قِرآن‘‘ کی شکل میں عمرہ اور حج کو جمع کرنا بھی جائز ہے۔

البتہ جو لوگ میقات کے اندر رہنے والے ہیں ان کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حج کے مہینوں میں حج وعمرہ دونوں کو جمع کرنا منع ہے، ایسے لوگوں کو ’’حجِ اِفراد‘‘ کرنا چاہئے۔ [1]

---

[1] حج تمتع اور حج قِرَان میں دمِ شکر واجب ہوتا ہے، اور اگر کسی کو دمِ شکر کی قدرت نہ ہو، تو اس کو دس روزے رکھنے کا حکم ہے، جن میں سے تین روزے حج سے پہلے رکھنے کا حکم ہے، اور سات روزے حج کے بعد، اور حج سے پہلے کے تین روزے شوال کا مہینہ شروع ہونے کے بعد رکھنا جائز ہے، کیونکہ شوال حج کا پہلا مہینہ ہے۔

وفيه وجه آخر :وهو أن الله لما قدم ذكر التمتع بالعمرة إلى الحج ورخص فيه وأبطل به ما كانت العرب تعتقده من حظر العمرة فى هذه الأشهر، قال :(الحج أشهر معلومات) فأفاد بذلك أن الأشهر التى يصح فيها التمتع بالعمرة إلى الحج وثبت حكمه فيها هذه الأشهر، وأن من اعتمر فى غيرها ثم حج لم يكن له حكم التمتع ;والله أعلم(احكام القرآن جصاص، ج ا ص ۳۷۴، تحت آيت ۱۹۷، من سورة البقرة)

عن عكرمة، عن ابن عباس رضى الله عنهما، أنه سئل عن متعة الحج، فقال :أهل المهاجرون، والأنصار، وأزواج النبى صلى الله عليه وسلم فى حجة الوداع، وأهللنا، فلما قدمنا مكة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :اجعلوا إهلالكم بالحج عمرة، إلا من قلد الهدى فطفنا بالبيت، وبالصفا والمروة، وأتينا النساء ، ولبسنا الثياب، وقال :من قلد الهدى، فإنه لا يحل له حتى يبلغ الهدى محله ثم أمرنا عشية التروية أن نهل بالحج، فإذا فرغنا من المناسك، جئنا فطفنا بالبيت، وبالصفا والمروة، فقد تم حجنا وعلينا الهدى، كما قال الله تعالى :(فما استيسر من الهدى، فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام فى الحج، وسبعة إذا رجعتم)إلى أمصاركم، الشاة تجزى، فجمعوا نسكين فى عام، بين الحج والعمرة، فإن الله تعالى أنزله فى كتابه، وسنه نبيه صلى الله عليه وسلم، وأباحه للناس غير أهل مكة قال الله :(ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام) وأشهر الحج التى ذكر الله تعالى فى كتابه :شوال وذو القعدة وذو الحجة، فمن تمتع فى هذه الأشهر، فعليه دم أو صوم " والرفث :الجماع، والفسوق :المعاصى، والجدال :المراء "(بخارى، حديث نمبر ۱۵۷۲، كتاب الحج،باب قول الله تعالى ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام)

قوله :(وأباحه للناس غير أهل مكة ...(إلخ، فهذا ابن عباس يؤيد الحنفية أن لا قران للمكى ولا تمتع، وأن ذلك إشارة إلى التمتع والقران كما قلنا، لا إلى الدم، كما اختاره الشافعى(فيض البارى شرح البخارى،باب قول الله تعالى :ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام)

وليس لأهل مكة، ولا لأهل داخل المواقيت التى بينها وبين مكة :قران ولا تمتع .وقال الشافعى: يصح قرانهم وتمتعهم .وجه قوله قوله تعالى :(فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى) (البقرة۱۹۶) من غير فصل بين أهل مكة وغيرهم. ولنا قوله تعالى :(ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام) (البقرة:۱۹۶)جعل التمتع لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام

على الخصوص؛ لأن اللام للاختصاص ثم حاضرو المسجد الحرام هم أهل مكة وأهل الحل الذين منازلهم داخل المواقيت الخمسة .وقال مالك :هم أهل مكة خاصة؛ لأن معنى الحضور لهم .وقال الشافعي :هم أهل مكة.ومن كان بينه وبين مكة مسافة لا تقصر فيها الصلاة؛ لأنه إذا كان كذلك كان من توابع مكة، وإلا فلا، والصحيح قولنا؛ لأن الذين هم داخل المواقيت الخمسة منازلهم من توابع مكة، بدليل أنه يحل لهم أن يدخلوا مكة لحاجة بغير إحرام، فكانوا في حكم حاضرى المسجد الحرام .وروى عن ابن عمر -رضى الله عنه -أنه قال :ليس لأهل مكة تمتع، ولا قران، ولأن دخول العمرة في أشهر الحج ثبت رخصة لقوله تعالى :(الحج أشهر معلومات) (البقرة :قيل فى بعض وجوه التأويل :أى للحج أشهر معلومات، واللام للاختصاص فيقتضى اختصاص هذه الأشهر بالحج، وذلك بأن لا يدخل فيها غيره إلا أن العمرة دخلت فيها رخصة للآفاقى ضرورة تعذر إنشاء السفر للعمرة نظرا له بإسقاط أحد السفرين، وهذا المعنى لا يوجد فى حق أهل مكة.ومن بمعناهم فلم تكن العمرة مشروعة فى أشهر الحج فى حقهم .وكذا روى عن ذلك الصحابى أنه قال :كنا نعد العمرة فى أشهر الحج من أكبر الكبائر ثم رخص، والثابت بطريق الرخصة يكون ثابتا بطريق الضرورة، والضرورة فى حق أهل الآفاق لا فى حق أهل مكة على ما بينا، فبقيت العمرة فى أشهر الحج فى حقهم معصية، ولأن من شرط التمتع أن تحصل العمرة والحج للمتمتع فى أشهر الحج من غير أن يلم بأهله فيما بينهما .وهذا لا يتحقق فى حق المكى؛ لأنه يلم بأهله فيما بينهما لا محالة فلم يوجد شرط التمتع فى حقه(بدائع الصنائع ،ج٢ص ١٦٩ ،كتاب الحج،فصل بيان ما يحرم به المحرمون)

وإن لم يجد فصيام ثلاثة أيام فى الحج أى فى وقت الحج، حتى لو صام بعدما أحرم بالعمرة فى أشهر الحج جاز عندنا خلافاً للشافعى، والأفضل له أن يصوم ما قبل يوم التروية، ويوم التروية، ويوم عرفة؛ لأن الصوم بدل عن الهدى، وكان الأفضل له أن يؤخر الصوم إلى آخر الوقت الذى يفوته الصوم بمضى ذلك الوقت، وهذه الأيام الصوم، فإن مضت يعنى هذه الأيام ولم يصم سقط الصوم، وعاد إلى الهدى عندنا، فإن لم يقدر على الهدى كان عليه دمان دم التمتع ودم التحلل قبل الهدى، وإنما سقط الصوم، وعاد حكم الهدى باعتبار أن كون الصوم بدلاً عن الهدى عرف عن الكتاب (المحيط البرهانى ج٢ص ٤٦٩،كتاب المناسك، الفصل العاشر فى التمتع)

اور میقات وہ متعین مقامات ہیں جو اطرافِ عالم سے حرم شریف کی حدود میں آنے والوں کے ہر راستہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہیں کہ جب حرم شریف کے ارادہ سے آنے والا مسافر یہاں پہنچے تو یہاں سے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھنا لازم ہے بغیر احرام کے یہاں سے آگے بڑھنا جرم و گناہ ہے (معارف القرآن ج۱ص۴۸۳و جواہر الفقہ ج۱ص۴۶۸ بتغیر)[1]

---

[1] اور یہ حکم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک ہے، جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک حج وعمرہ کا ارادہ کرنے والوں کے لیے ہی احرام باندھنا لازم ہے، کسی اور غرض سے آنے والوں کے لیے لازم نہیں۔

وقد اختلف العلماء فى هذا الباب، فقال ابن القصار :واختلف قول مالك والشافعى فى جواز

دخول مكة بغير إحرام لمن لم يرد الحج والعمرة، فقالا مرة :لا يجوز دخولها إلا بالإحرام لاختصاصها ومباينتها جميع البلدان إلا الحطابين، ومن قرب منها مثل جدة والطائف وعسفان لكثرة ترددهم إليها، وبه قال أبو حنيفة والليث، وعلى هذا فلا دم عليه، نص عليه فى (المدونة) .
وقالا مرة أخرى :دخولها به مستحب لا واجب .قلت :مذهب الزهرى والحسن البصرى والشافعى فى قول، ومالک فى رواية، وابن وهب وداود بن على وأصحابه الظاهرية :أنه لا بأس بدخول الحرم بغير إحرام، ومذهب عطاء بن أبى رباح والليث بن سعد والثورى وأبى حنيفة وأصحابه ومالک فى رواية، وهى قوله الصحيح، والشافعى فى المشهور عنه وأحمد وأبى ثور والحسن بن حى :لا يصلح لأحد كان منزله من وراء الميقات إلى الأمصار أن يدخل مكة إلا بالإحرام، فإن لم يفعل أساء و لا شىء عليه عند الشافعى وأبى ثور، وعند أبى حنيفة :عليه حجة أو عمرة .وقال أبو عمر :لا أعلم خلافا بين فقهاء الأمصار فى الحطابين ومن يدمن الاختلاف إلى مكة ويكثره فى اليوم والليلة أنهم لا يأمرون بذلک لما عليهم من المشقة، وقال ابن وهب عن مالک: لست آخذ بقول ابن شهاب فى دخول الإنسان مكة بغير إحرام، وقال :إنما يكون ذلک على مثل ما عمل به عبد الله بن عمر من القرب إلا رجلا يأتى بالفاكهة من الطائف، أو ينقل الحطب يبيعه، فلا أرى بذلک بأسا .قيل له :فرجوع ابن عمر من قديد إلى مكة بغير إحرام؟ فقال :ذلک أنه جاءه خبر من جيوش المدينة (عمدة القارى، ج١٠، ص٢٠٥، كتاب جزاء الصيد، باب دخول الحرم ومكة بغير إحرام)

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا قَالَ:مِنْ أَيْنَ نُهِلُّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ:يُهِلُّ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِى الْحُلَيْفَةِ، وَأَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ، وَأَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ ، قَالَ: وَأَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ (ترمذی) [۲]

[۲] حديث نمبر ۸۳۱، ابواب الحج، باب ما جاء فى مواقيت الإحرام لأهل الآفاق،شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر، واللفظ لهٗ،بخارى، حديث نمبر ۱۳۳ .
قال الترمذى: وَفِى البَابِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو :.حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ.

ترجمہ: ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ہم (حج یا عمرہ کا احرام شروع کرنے کے لئے) تلبیہ کہاں سے پڑھیں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ (یا اس طرف سے آنے) والے ''ذوالحلیفہ'' (Zulhulefah نامی مقام) سے (احرام شروع کرنے کے لئے) تلبیہ پڑھیں، اور شام (یا اس طرف سے آنے) والے ''جحفہ'' (Juhfah نامی

مقام) سے (احرام شروع کرنے کے لئے) تلبیہ پڑھیں، اور نجد (یا اس طرف سے آنے) والے ''قرن'' (Qrn نامی مقام) سے (احرام شروع کرنے کے لئے) تلبیہ پڑھیں، اور یمن (Yaman یا اس طرف سے آنے) والے ''یلملم'' (Yalmlam نامی مقام) سے (احرام شروع کرنے کے لئے) تلبیہ پڑھیں (ترجمہ ختم)

اسی قسم کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابنِ عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

اور بعض روایات میں یہ وضاحت بھی ہے کہ جو لوگ ان مذکورہ مقامات سے اندر کے رہنے والے ہوں، وہ وہیں اپنے مقام سے احرام شروع کریں گے، حتّٰی کہ حرم کی حدود کے اندر رہنے والے وہیں حرم سے حج کا احرام شروع کریں گے۔ [1]

---

[1] عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ وَمِصْرَ الْجُحْفَةَ، وَلِأَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ (سنن نسائی، حدیث نمبر ۲۶۵۳، کتاب مناسک الحج، باب میقات اھلِ مصر)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا :أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِأَهْلِ المَدِينَةِ ذَا الحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّأْمِ الجُحْفَةَ، وَلِأَهْلِ اليَمَنِ يَلَمْلَمَ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنًا، فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ، مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ مِمَّنْ كَانَ يُرِيدُ الحَجَّ وَالعُمْرَةَ، فَمَنْ كَانَ دُونَهُنَّ، فَمِنْ أَهْلِهِ حَتَّى إِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ يُهِلُّونَ مِنْهَا(بخاری، حدیث نمبر ۱۵۲۹، کتاب الحج، باب مهل من كان دون المواقيت، واللفظ لهٗ، مسند احمد، حدیث نمبر ۲۱۲۸)

أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، يُسْأَلُ عَنِ الْمُهَلِّ فَقَالَ : سَمِعْتُ -أَحْسَبُهُ رَفَعَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -فَقَالَ :مُهَلُّ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، وَالطَّرِيقُ الْآخَرُ الْجُحْفَةُ، وَمُهَلُّ أَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ، وَمُهَلُّ أَهْلِ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ، وَمُهَلُّ أَهْلِ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ(مسلم، حدیث نمبر ۱۱۸۳، کتاب الحج، باب مواقيت الحج والعمرة)

ثم هؤلاء الأصناف ثلاثة صنف منهم أهل الآفاق،وصنف منهم من كان داخل الحرم وهم أهل مكة والحرم ،وصنف منهم من كان خارج الحرم داخل مواقيت أهل الآفاق.

وأما مواقيت إحرامهم فمواقيت أهل الآفاق خمسة للحج والعمرة،وهي مواقيت بينها رسول الله صلى الله عليه وسلم تعظيما للبيت حتى لا يجوز للآفاقي التجاوز عن هذه المواقيت لدخول مكة لقصد الحج أو للتجارة ونحوها إلا محرما فلأهل العراق ذات عرق ولأهل المدينة ذو الحليفة

ولأهل الشام الجحفة ولأهل اليمن يلملم ولأهل نجد قرن وقد وردت أحاديث مشهورة في هذا الباب،ثم هذه المواقيت لهؤلاء من أهل الآفاق ولمن حصل من أهل ميقات آخر في هذا الميقات. وكذلك إن كان من أهل الحرم وأهل الحل من داخل هذه المواقيت إذا خرج إلى الآفاق للتجارة ثم رجع فحكمه حكم أهل الآفاق لا يجوز له مجاوزته إلا محرما إذا قصد مكة إما الحج أو العمرة (تحفة الفقهاء للسمرقندي ج ا ص ۳۹۳،۳۹۴، کتاب المناسک، باب الاحرام)

ملحوظ رہے کہ جو لوگ خاص مذکورہ مقامات (ذوالحلیفہ ،جحفہ،قرن،یمن،یلملم) سے گزرتے ہوئے نہ آئیں، بلکہ کسی اور مقام سے گزرتے ہوئے آئیں،تو وہ ان مقامات کے بالمقابل دوسرے مقامات سے ہی احرام شروع کریں گے،یعنی جو مقامات،احادیث میں بیان کردہ ان مقامات میں سے کسی مقام کے مقابلہ ومحاذات میں واقع ہونگے، وہ وہاں سے احرام شروع کریں گے۔

مذکورہ مسائل اس لئے تحریر کردیئے گئے ہیں تا کہ ماہِ شوال کے حج کے مہینوں میں سے ہونے کا مطلب واضح ہوجائے، اگر مزید تفصیلات درکار ہوں تو حج کے موضوع سے متعلق مستند کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔

t

صدقۂ فطر کے فضائل وفوائد اور احکام

شوال کے مہینے کا آغاز، رمضان المبارک کے اختتام پر ہوتا ہے، جس میں روزے رکھنے کی پابندی ختم ہوجاتی ہے۔

اور رمضان المبارک اور اس کے روزوں اور دوسری مبارک عبادات کے زمانے کا حاصل ہونا، اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، جس کے شکرانے پر شریعت کی طرف سے صدقۂ فطر مقرر اور واجب کیا گیا ہے۔

اور اسی وجہ سے صدقۂ فطر واجب ہونے کا اصل وقت عید الفطر کی صبح صادق کا وقت ہے۔[1]

[1] اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صدقۂ فطر کے واجب ہونے کا اصل وقت عیدالفطر کی رات ہے۔
وأما وقت الوجوب فعند أصحابنا وقت الفجر الثانی من یوم الفطر،وعلی قول الشافعی لیلة الفطر.
وفائدة الخلاف أن من ولد له ولد قبل طلوع الفجر تجب علیه صدقة فطره ومن ولد له بعد ذلک لا تجب ولو أسلم قبله تجب علیه وبعده لا وكذلک الفقیر إذا أیسر قبله تجب ولو افتقر الغنی قبله لا تـجب،وعند الشافعی علی عکس هذا.والصحیح قولنا لأنه تضاف الصدقة إلی الفطر وهو یوم العید
(تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۳۳۹، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر)

وہ الگ بات ہے کہ صدقۂ فطر، عیدالفطر کے دن سے پہلے ادا کرنا بھی درست ہے۔

اور اگرچہ صدقۂ فطر، عیدالفطر کے دن کی وجہ سے واجب ہے، لیکن اس کا رمضان کے ساتھ گہرا تعلق ہے، نیز اس صدقہ کو بہت سے احکام میں زکاۃ کے ساتھ بھی تعلق ہے۔

اسی لئے احادیث وروایات میں صدقۂ فطر کو ''زکاۃِ فطر'' اور ''زکاۃِ رمضان'' اور ''صدقۂ رمضان'' اور زکاۃِ صوم'' اور ''صدقۂ صوم'' کے نام سے بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اس طرح احادیث وروایات میں بیان کیے ہوئے اس کے مجموعی طور پر چھ نام ہوئے، جو بالترتیب یہ ہیں۔

(۱)......زکاۃِ فطر (۲)......صدقۂ فطر (۳)......زکاۃِ رمضان

(۴)......صدقہ رمضان (۵)......زکاۃِ صوم (۶)......صدقہ صوم ۱؎

۱؎ چنانچہ یہ نام مختلف احادیث وروایات میں آئے ہیں، بطورِ نمونہ اس سلسلہ میں چند روایات ملاحظہ ہوں۔

زکاۃِ فطر کا ذکر مندرجہ ذیل روایت میں ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ زَكَاةَ الفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَلَى كُلِّ حُرٍّ، أَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى مِنَ المُسْلِمِينَ (بخاری، حدیث نمبر ۱۵۰۴، کتاب الزکاة، باب :صدقة الفطر علی العبد وغیره من المسلمین، عن ابنِ عمر)

اور صدقہ فطر کا ذکر مندرجہ ذیل روایت میں ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ صَارِخًا بِبَطْنِ مَكَّةَ يُنَادِي " :إِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَغِيرٍ، أَوْ كَبِيرٍ :ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، حُرٍّ أَوْ مَمْلُوكٍ، حَاضِرٍ أَوْ بَادٍ، مِنْ شَعِيرٍ أَوْ تَمْرٍ (مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۱۴۹۲، کتاب الزکاة، عن ابنِ عباس)

اور زکاۃِ رمضان کا ذکر مندرجہ ذیل روایت میں ہے:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ رَمَضَانَ عَلَى الْحُرِّ وَالْعَبْدِ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى، صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ، فَعَدَلَ النَّاسُ بِهِ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ (سنن النسائی، حدیث نمبر ۲۵۰۰، کتاب الزکاة، باب فرض زکاة رمضان)

اور صدقہ رمضان کا ذکر مندرجہ ذیل روایت میں ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :فَرَضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَةَ رَمَضَانَ عَلَى الْحُرِّ وَالْعَبْدِ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ قَالَ :فَعَدَلَ النَّاسُ بِهِ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ (مسلم، حدیث نمبر ۹۸۴، کتاب الزکاة، باب زکاة الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر)

اور زکاۃِ صوم کا ذکر مندرجہ ذیل روایت میں ہے:

عَنْ الْحَسَنِ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ خَطَبَ بِالْبَصْرَةِ فَقَالَ :أَدُّوا زَكَاةَ صَوْمِكُمْ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، فَقَالَ :مَنْ هَاهُنَا مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، قُومُوا إِلَى إِخْوَانِكُمْ فَعَلِّمُوهُمْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلَى الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ، وَالْحُرِّ وَالْعَبْدِ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى، نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ (سنن النسائی، حدیث نمبر ۱۵۸۰، کتاب صلاة العیدین)

اور صدقہ صوم کا ذکر مندرجہ ذیل روایت میں ہے:

عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ :خَطَبَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي آخِرِ رَمَضَانَ عَلَى مِنْبَرِ الْبَصْرَةِ، فَقَالَ: أَخْرِجُوا صَدَقَةَ صَوْمِكُمْ، فَكَأَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوا، فَقَالَ :مَنْ هَاهُنَا مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ قُومُوا إِلَى إِخْوَانِكُمْ فَعَلِّمُوهُمْ، فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ، فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ شَعِيرٍ، أَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ، عَلَى كُلِّ حُرٍّ أَوْ مَمْلُوكٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ، فَلَمَّا قَدِمَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَأَى رُخْصَ السِّعْرِ، قَالَ :قَدْ أَوْسَعَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ، فَلَوْ جَعَلْتُمُوهُ صَاعًا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ، قَالَ حُمَيْدٌ :وَكَانَ الْحَسَنُ يَرَى صَدَقَةَ رَمَضَانَ عَلَى مَنْ صَامَ (سنن أبی داؤد، حدیث نمبر ۱۶۲۲، کتاب الزکاة)

اور بعض حضرات نے صدقۂ فطر کو ''زکاۃِ ابدان'' یعنی بدن کی زکاۃ، اور ''صدقۂ رؤس'' یعنی انسانوں کے صدقہ کا نام بھی دیا ہے۔

کیونکہ صدقۂ فطر میں انسان اور اس کے بدن کی زکاۃ کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ [1]

[1] الأولى: معرفة صدقة الفطر لغة وشرعا. فقال النووى: هى لفظة مولدة لا عربية ولا معربة بل هى اصطلاحية للفقهاء. كأنها من الفطرة التى هى النفوس والخلقة. أى: زكاة الخلقة، ذكرها صاحب (الحاوى) والمنذرى. قلت: ولو قيل: لفظة إسلامية كان ولى لأنها ما عرفت إلا فى الإسلام، ويؤيد هذا ما ذكره ابن العربى: هو اسمها على لسان صاحب الشرع، ويقال لها: صدقة الفطر وزكاة الفطر وزكاة رمضان وزكاة الصوم، وفى حديث ابن عباس، صدقة الصوم، وفى حديث أبى هريرة: (صدقة رمضان)، وتسمى أيضا صدقة الرؤوس وزكاة الأبدان سماها الإمام مالك، رحمه الله تعالى، أما شرعا فإنها اسم لما يعطى من المال بطريق الصلة ترحما مقدرا، بخلاف الهبة فإنها تعطى صلة تكرما لا ترحما، ذكره فى (المحيط) (عمدة القارى، ج٩ ص١٠٧، كتاب الزكاة،أبواب صدقة الفطر)

اور ہمارے عرف اور بول چال میں اس کا ''صدقۂ فطر'' نام زیادہ مشہور ومعروف ہے۔

صدقۂ فطر کی فضیلت واہمیت

احادیث وروایات میں صدقۂ فطر کے عظیم الشان فضائل وفوائد آئے ہیں۔

اور شریعت کی طرف سے اس عمل کی نہایت اہتمام کے ساتھ تاکید وترغیب اور اس کے احکام کی تفصیل اور وضاحت فرمائی گئی ہے۔

اور اسی وجہ سے بعض فقہاء نے صدقۂ فطر کو فرض قرار دیا ہے، البتہ فقہائے احناف نے اس کو متعلقہ شرائط پائی جانے پر واجب قرار دیا ہے، جو کہ عملی فرض ہے۔ [2]

[2] ويقال صدقة الفطر وزكاة الفطر أو الفطرة كأنها من الفطرة التى هى الخلقة، فوجوبها عليها تزكية للنفس أى تطهير لها وتنقية لعملها، ويقال للمخرج هنا فطرة بكسر الفاء، وهى مولدة لا عربية ولا معربة، بل اصطلاحية للفقهاء فى حقيقة شرعية على المختار كالصلاة والزكاة، وفرضت هى وصوم شهر رمضان فى السنة الثالثة من الهجرة، أما رمضان ففى شعبان، وأما هى فقال غير واحد فى السنة الثانية أيضا وقال بعض الحفاظ قبل العيد بيومين، وقال البغداديون من أصحابنا: إن زكاة الفطر وجبت بموجب زكاة الأموال، من نصوص الكتاب والسنة بعمومها فيها، وقال البصريون منهم: إن وجوبها سابق على وجوب زكاة الأموال، واعتد به بعض الحفاظ، وقيل: إن

زكاة الأموال فرضت قبل الهجرة، ويدل لفرضها قبل الزكاة خبر قيس ابن سعد بن عبادة :أمرنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بصدقة الفطر قبل أن تنزل الزكاة، فلما نزلت فلم يأمرنا ولم ينهنا أي اكتفاء بالأمر السابق ولأجل ذلك قال :ونحن نفعله، أى نخرجها، وحكمة إيجابها طهر الصوم على ما يأتي، ووجوبها مجمع عليه كما حكاه ابن المنذر والبيهقي، واعترض بأن جمعا حكوا الخلاف فيها عن بعض الصحابة، وغيرهم، وتبعهم ابن اللبان من أصحابنا، لكن في الروضة أن ما قاله غلط صريح، وفي المجموع سبقه إليهم الأصم وهو لا يعتد به في الإجماع(مرقاة المفاتيح، ج۴ص۱۲۹۶، كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)

(عن ابن عمر قال :فرض رسول الله -صلى الله عليه وسلم -زكاة الفطر) قال الطيبي :دل على أنها فريضة والحنفية على أنها واجبة، أقول لعدم ثبوتها بدليل قطعي فهو فرضي عملي لا اعتقادي، قال ابن الهمام :وما يستدل به على الوجوب ما استدل به الشافعي على الافتراض فإن حمل اللفظ على الحقيقة الشرعية في كلام الشارع متعين، ما لم يقيم صارف عنه، والحقيقة الشرعية غير مجرد التقدير، خصوصا في لفظ البخاري ومسلم في هذا الحديث أنه -صلى الله عليه وسلم -أمر بزكاة الفطر، ومعنى لفظ فرض هو معنى لفظ أمر، والأمر الثابت بظني إنما يفيد الوجوب، ولا خلاف في المعنى فإن الافتراض الذي يثبتونه ليس على وجه يكفر جاحده، فهو معنى الوجوب، الذي نقول به، غايته أن الفرض في اصطلاحهم أعم من الواجب في عرفنا، فأطلقناه على أحد جزأيه . اهـ، وفيه دليل لمذهبنا، ولما رأى الحنفية الفرق بين الفرض والواجب بأن الأول ما ثبت بقطعي، والثاني ما ثبت بظني قالوا إن الفرض هنا بمعنى الواجب، وفيه نظر، لأن هذا قطعي لما علمت أنه مجمع عليه، فالفرض فيه باق على حاله، حتى على قواعدهم، فلا يحتاج لتأويلهم الفرض هنا بالواجب .اهـ، وفيه أن الإجماع على تقدير ثبوته إنما هو في لزوم هذا الفعل، وأما أنه على طريق الفرض أو الواجب بناء على اصطلاح الفقهاء المتأخرين فغير مسلم، لا سيما والأحاديث متعارضة في التعبير بالفرض والوجوب، وأما قوله :وجوبها مجمع عليه كما حكاه المنذري والبيهقي فمنقوض بأن جمعا حكوا الخلاف فيها عن بعض الصحابة وغيرهم، وتبعهم ابن اللبان من الشافعية، وسبقه إليه الأصم، هذا وابن المسيب والحسن البصري :لا تجب إلا على من صلى وصام، وعن علي -كرم الله وجهه -لا تجب إلا على من أطاق الصوم والصلاة، وعن عطاء وربيعة والزهري أنها لا تجب إلا أهل البادية، فثبت بهذا النزاع عدم صحة الإجماع، والحديث ظني ومدلوله غير قطعي(مرقاة المفاتيح، ج۴ص۱۲۹۷، كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ، أَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ(بخاری) [1]

[1] حديث نمبر ۱۵۰۴، كتاب الزكاة،باب :صدقة الفطر على العبد وغيره من المسلمين،دارطوق النجاة، بيروت.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃِ فطر کو فرض قرار دیا، کھجور سے ایک صاع، یا جَو سے ایک صاع، ہر مسلمان آزاد یا غلام، مرد یا عورت پر (ترجمہ ختم)

حنفیہ کے نزدیک اس جیسی احادیث میں فرض سے مراد ''فرضِ عملی'' ہے، جس کو واجب کہا جاتا ہے۔

اور بعض روایات میں واجب کے الفاظ ہیں۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ صَارِخًا بِبَطْنِ مَكَّةَ يُنَادِيْ: اَنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ حَقٌّ وَّاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَغِيْرٍ، أَوْ كَبِيْرٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى، حُرٍّ أَوْ مَمْلُوْكٍ، حَاضِرٍ أَوْ بَادٍ، صَاعٌ مِّنْ شَعِيْرٍ أَوْ تَمْرٍ (مستدرک حاکم) [۲]

[۲] حدیث نمبر ۱۴۹۲، کتاب الزکاۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، واللفظ لہٗ، سنن البیہقی، حدیث نمبر ۷۷۲۶، مسند البزار، حدیث نمبر ۵۱۸۷۔
قال الحاکم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ بِهَذِهِ الْأَلْفَاظِ.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی وادی میں ایک پکارنے والے کو حکم فرمایا کہ وہ یہ اعلان کرے کہ صدقۂ فطر حق ہے، واجب ہے ہر مسلمان پر، خواہ نابالغ ہو یا بالغ ہو، مرد ہو یا عورت ہو، آزاد ہو یا غلام ہو، شہری ہو یا دیہاتی ہو، جَو سے ایک صاع یا کھجور سے ایک صاع (ترجمہ ختم)

بعض دیگر روایات میں بھی اسی طرح کا مضمون آیا ہے۔ [۳]

[۳] عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِيًا فِي فِجَاجِ مَكَّةَ: أَلَا إِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ، مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ، أَوْ سِوَاهُ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ (ترمذی، حدیث نمبر ۶۷۴، سنن الدارقطنی، حدیث نمبر ۲۰۸۳)
قال الترمذی:

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرَوَى عُمَرُ بْنُ هَارُونَ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، وَقَالَ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ مِينَاءَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ بَعْضَ هَذَا الْحَدِيثِ، حَدَّثَنَا جَارُودُ قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ هَارُونَ هَذَا الْحَدِيثَ.

وقال العینی:

قال ابن الجوزی :وعلی بن صالح ضعفوه .قال صاحب "التنقیح :"هذا خطأ منه، ولا نعلم أحدا ضعفه، لكنه غیر مشهور الحال، وقال ابن أبی حاتم :سألت أبی عنه؟ فقال: مجهول، لا أعرفه، وذكر غیر أبی حاتم أنه مكی معروف، وهو أحد العباد، وكنیته :أبو الحسن .وروى عن :عمرو بن دینار، وعبد الله بن عثمان بن خُثیم، ویحیى بن جُرجَة، والأوزاعی، وعبید الله بن عمر، وجماعة .وروى عنه :سعید بن سالم القداح، ومعتمر بن سلیمان، وسفیان الثوری .وروى له :الترمذی فی "جامعه"، وذكره ابن حبان فی كتاب "الثقات"، وقال :یعرف، وتوفی سنة إحدى وخمسة ومائة، ورواه البیهقی كذلک عن المعتمر بن سلیمان، عن علی بن صالح به، قال :ورواه سالم بن نوح، عن ابن جریج، عن عمرو بن شعیب، عن أبیه، عن جده مرفوعاً ثم قال :قال الترمذی سألت محمد بن إسماعیل عن هذا الحدیث؟ فقال ة ابن جریج لم یسمع من عمرو بن شعیب . انتهى كلامه(شرح سنن أبی داود، للعینی، ج٦ ص٣٤٨، ٣٤٩، كتاب الزكاة، باب من روى نصف صاع من قمح)

اور صاع کا وزن کتنا ہوتا ہے؟ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ، وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ، مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُوْلَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَهِيَ صَدَقَةٌ مِّنَ الصَّدَقَاتِ(سنن أبی داوٗد) [1]

[1] حدیث نمبر ١٦٠٩، كتاب الزكاة، باب زكاة الفطر، المكتبة العصرية، صیدا، بیروت، واللفظ لهٗ، مستدرک حاكم، حدیث نمبر ١٤٨٨.

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ ".

وقال الذهبی فی التلخیص: علی شرط البخاری

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃِ فطر (یعنی صدقۂ فطر) روزے داروں کو بیکار اور بے ہودہ باتوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اور مساکین کو کھلانے (یعنی ان کی مدد وتعاون کرنے) کے لئے مقرر فرمایا، جس نے (عید کی) نماز سے پہلے ادا کر دیا تو یہ مقبول صدقۂ فطر ہے اور جس نے عید کی نماز کے بعد ادا کیا تو پھر یہ صدقوں میں سے ایک صدقہ ہے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ صدقۂ فطر سے روزے یا روزہ دار کی تطہیر و پاکیزگی حاصل ہوتی ہے، اور جو روزے کی حالت میں فضول اور فحش کلام وغیرہ سرزَد ہوجاتے ہیں، صدقۂ فطر کے ذریعہ سے ان کا ازالہ ہوجاتا ہے، اور صدقۂ فطر سے ضرورت مندوں کا تعاون الگ ہوتا ہے۔

اور صدقۂ فطر کا عید کی نماز سے پہلے ادا کرنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، اور یہ فضیلت عید کی نماز کے بعد ادا کرنے سے حاصل نہیں ہوتی، اگرچہ صدقۂ فطر کی ادائیگی ہوجاتی ہے۔ [1]

---

[1] عن ابن عباس (قال :فرض رسول الله -صلى الله عليه وسلم -زكاة الفطر طهر الصيام) أى: تطهير الصوم وقيل :الصيام جمع صائم كالقيام جمع قائم، وفى المصابيح طهرة الصائم؛ أى: تطهيرا لذنوبه (من اللغو) وهو ما لا يعنى، وقيل :الباطل، وقال الطيبى :المراد به القبيح (والرفث) أى الفحش من الكلام، قال الطيبى :هو فى الأصل ما يجرى من الكلام بين الرجل والمرأة تحت اللحاف ثم استعمل فى كل كلام قبيح اهـ فيحمل قوله فى تفسير اللغو على القبيح الفعلى أو العطف تفسيرى، قال ابن الملك :وهذا لأن الحسنات يذهبن السيئات تمسك به من لم يوجب الفطرة على الأطفال لأنهم إذا لم يلزمهم الصيام لم يلزم طهرته والأكثرون على إيجابهم عليهم، ولعلهم نظروا إلى أن علة الإيجاب مركبة من الطهرة والطعمة رعاية لجانب المساكين، وذهب الشافعى مع هذا أيضا إلى أن شرط وجوبها أن يملك ما يفضل عن قوت يومه لنفسه وعياله لاستواء الغنى والفقير فى كونها طهرة .أقول :كما أنه شرط ما ذكر شرطنا النصاب لما تقدم من الأدلة جمعا بين الأحاديث ما أمكن، وفيه إيماء إلى تفضيل الفقراء فكانت أعمالهم مطهرة وذنوبهم مغفورة من غير صدقة، وإشارة إلى أن أكثر وقوع اللغو والرفث إنما هو من الأغنياء (وطعمة للمساكين) أى ليكون قوتهم يوم العيد مهيئا تسوية بين الفقير والغنى فى وجدان القوت ذلك اليوم، وفيه دلالة ظاهرة على أن الطهرة على الأغنياء من الصائمين، والطعمة للفقراء والمساكين كما هو مقتضى التقسيم سيما على مذهب الشافعى فى تعريف المسكين (رواه أبو داود) قال ميرك :وسكت عليه هو والمنذرى يعنى :فسنده حسن، بل قال الحاكم :صحيح على شرط البخارى، قال ابن الهمام :ولا يخفى أن ركن صدقة الفطر هو نفس الأداء إلى المصرف، وسبب شرعيتها ما نص عليه فى رواية أبو داود وابن ماجه عن ابن عباس -رضى الله عنهما -فرض رسول الله -صلى الله عليه وسلم -زكاة الفطر طهرة للصائم من اللغو أو الرفث وطعمة للمساكين، من أداها قبل الصلاة فهى زكاة مقبولة، ومن أداها بعد الصلاة فهى صدقة من الصدقات .ورواه الدارقطنى وقال :ليس فى روايته مجروح اهـ .وفى خبر حسن غريب :شهر رمضان معلق بين السماء والأرض لا يرفع إلا بزكاة الفطر (مرقاة، ج۴ص ۱۲۹۹، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

(زكاة الفطر طهرة للصائم من اللغو والرفث) الواقعين من الصائم حال الصوم أخذ منه الحسن وابن المسيب أنها لا تجب إلا على من صام والأربعة على خلافه وأجابوا بأن ذلك التطهير خرج مخرج الغالب كما أنها تجب على من لم يذنب قط أو من أسلم قبل الغروب بلحظة (وطعمة للمساكين والفقراء من أداها) أى أخرجها إلى مستحقيها (قبل الصلاة) أى صلاة العيد (فهى زكاة مقبولة) أى

يـقبلها الله ويثيب عليها (ومن أداها بعد الصلاة) صلاة العيد (فهي صدقة من الصدقات) أي وليس بـزكـاة الفطر على ما أفهمه هذا السياق وأخذ بظاهره ابن حزم فقال :لا يـجوز تأخيرها عن الصلاة والأربعة عـلـى خـلافـه ومـذهـب الشـافـعي وأحمد أنها تجب بغروب الشمس ليلة العيد وأوجبها الـحنفية بطلوع فجر العيد ولمالك روايتان >تنبيه <قال الزمخشري :صـدقة الفطر زكاة إلا أن بينـهـا وبين الزكاة المعهودة أن تلك تجب طهرة للمال وهذه طهرة لبدن المؤدي كالكفارة(فيض القدير للمناوي، ج۴ص ۶۳، تحت حديث رقم ۴۵۵۸، حرف الزاي)

اور حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :صَاعٌ مِّنْ بُرٍّ، أَوْ قَمْحٍ عَلٰى كُلِّ اِثْنَيْنِ صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ، حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى، أَمَّا غَنِيُّكُمْ فَيُزَكِّيْهِ اللّٰهُ، وَأَمَّا فَقِيْرُكُمْ، فَيَرُدُّ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطٰى(ابوداؤد) [1]

[1] حديث نمبر ۱۶۱۹، كتاب الزكاة، باب من روى نصف صاع من قمح،المكتبة العصرية، صيدا،بيروت، واللفظ لهٗ،مسند احمد، حديث نمبر ۲۳۶۶۴، شرح معاني الآثار، حديث نمبر ۳۱۲۴، شرح مشكل الآثار للطحاوي، حديث نمبر ۳۴۱۱، سنن البيهقي حديث نمبر ۷۷۰۹، الآحاد والمثاني لابنِ ابي عاصم حديث نمبر ۶۲۸.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گندم کا ایک صاع ہر دو کی طرف سے ہوگا (یعنی ایک شخص کی طرف سے گندم کا نصف صاع اداء کیا جائے) چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں، آزاد ہوں یا غلام، مرد ہوں یا عورت، پس جو تم میں غنی اور مالدار ہوں تو ان کو اللہ تعالیٰ (اس صدقۂ فطر کی وجہ سے) پاک فرمادیں گے اور جو تم میں غریب ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں اس صدقہ سے زیادہ دیں گے جو انہوں نے دیا ہے (ترجمہ ختم)

اس حدیث کی سند میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے۔ [1]

[1] في حاشية مسند احمد:

إسـنـاده ضـعيف لـضـعف نـعمان بن راشد وسوء حفظه، وللاختلاف الذي وقع فيه على الـزهري كما سيأتي بيانه، وقد ضعَّفه الإمام أحمد وابن عبد البر كما في "نصب الراية" للزيلعي ۲/۴۰۹.

وأخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار ۲/۴۵" وفي "شرح المشكل ۳۴۱۰" وابن

قانع فی "معجم الصحابة ١/١٢٢ "من طريق عفان، بهذا الإسناد.
وأخرجه البخاری فی "تاريخه٥/٣٦"، وأبو داود ١٦١٩، ويعقوب بن سفيان فی "المعرفة والتاريخ ١/٢٥٣ " والطحاوی فی "شرح المعانی٢/٤٥"، وفی "شرح المشكل ٣٤١١ "، وابن قانع ١/١٢٢ والدارقطنی فی "سننه٢/١٤٧، ١٤٨و١٤٩ " ، والبيهقی ٤/١٦٧، وابن الأثير فی "أسد الغابة ١/٢٨٩ "من طرق عن حماد بن زيد، به.
وقد انفرد نعمان بن راشد فی هذا الحديث بإيجاب صدقة الفطر علی الغنی والفقير، فقد رواه دون هذا الحرف بكرُ بن وائل الكوفی -وهو صدوق لا بأس به -عن الزهری عن عبد الله بن ثعلبة عن أبيه، أخرجه البخاری فی "تاريخه٥/٣٦"، وأبو داود ١٦٢٠ ، وابن أبی عاصم فی "الآحاد والمثانی ٦٢٩ "وابن خزيمة٢٤١٠ والطحاوی فی "شرح المشكل٣٤١٢ "و٣٤١٣، وابن قانع ١/٢٢، والطبرانی فی "الكبير ١٣٨٩ "والحاكم ٣/٢٧٩، وأبو نعيم فی "معرفة الصحابة١٣٦٧ "وابن الأثير ١/٢٨٨وذكر أبو نعيم بإثره طريق بحر السقاء عن الزهری مثله، وبحر ضعيف. وخالف سفيان بن عيينة عند الدراقطنی ٢/١٤٨، فرواه عن الزهری، عن ابن أبی صعير، عن أبی هريرة روايةً -أی: مرفوعاً -أنه قال" :زكاة الفطر علی الغنی والفقير "ثم قال -أی :سفيان :-أُخبِرت عن الزهری .فهذا يضعف الإسناد، والراوی عن سفيان عنده هو نعيم بن حماد، وهو ليس بذاک.

لیکن صدقۂ فطر سے پاکی حاصل ہونے کا ذکر دوسری احادیث میں بھی ہے، اور صدقۂ فطر عظیم صدقہ ہے، اور صدقہ کے ذریعہ سے مال میں برکت ہونا دوسری احادیث سے ثابت ہے۔

اس لئے اس حد تک اس مضمون کے قبول ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

جہاں تک غریب پر (جو مال دار اور نصاب کا مالک نہ ہو) صدقۂ فطر واجب ہونے نہ ہونے کا تعلق ہے، تو جمہور فقہاء کے نزدیک صدقۂ فطر کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں، اور زکاۃ واجب ہونے کی طرح باقاعدہ صاحبِ نصاب ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس کی ادائیگی کی وسعت کافی ہے، چنانچہ جمہور کے نزدیک صدقۂ فطر ہر اُس شخص کو ادا کرنے کا حکم ہے، جس کے پاس اپنی ذات اور جن لوگوں کا اپنے ذمہ نان نفقہ واجب ہے، ان کے نان ونفقہ کے علاوہ ایک رات اور ایک دن کی خوراک کا بندوبست ہو۔ [1]

---

[1] جمہور کا استدلال مندرجہ بالا حدیث کے علاوہ مندرجہ ذیل روایت سے بھی ہے۔

عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، فِي زَكَاةِ الْفِطْرِ " :عَلَى كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ، فَقِيرٍ أَوْ غَنِيٍّ، صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ، أَوْ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ "قَالَ مَعْمَرٌ :وَبَلَغَنِي أَنَّ الزُّهْرِيَّ، كَانَ يَرْوِيهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ(مسند احمد، حديث نمبر ۷۷۱۰)

فی حاشية مسند احمد:

رجاله ثقات رجال الشيخين، وهو موقوف.

قال الشيخ أحمد شاكر :وقد بيَّن عبد الرزاق أن معمراً كان يُحدث به أولاً عن الزهرى عن أبى هريرة مباشرة موقوفاً، فيكون منقطعاً، وأنه وصله بعدَ ذلك إذ تذكَّر أنه سَمِعَهُ من الزهرى، عن الأعرج، عن أبى هريرة، فصح الإسناد واتصل .أما رفعه فلم يثبُتُ، لأن معمراً لم يسمعه مِن الزُّهرى مرفوعاً، بل بلغه عنه أنه كان يرويه إلى النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أى :يسنده إليه ويرفعه، فالذى أبلغ معمراً هذا، لا نعرف مَنْ هُو.وهو فى "مصنف عبد الرزاق ۵۷۶۱ " ومن طريقه أخرجه الطحاوى فى "شرح معانى الآثار ۲/۴۵"والدارقطنى ۲/۱۴۹، ۱۵۰، والبيهقى ۴/۱۶۴ عن معمر، عن الزهرى، عن عبد الرحمن الأعرج، عن أبى هريرة على الرواية الموصولة دون الرواية المنقطعة التى رجع عنها معمر .وأخرجه الطحاوى فى "شرح مشكل الآثار۳۴۲۸ "من طريق عبد الله بن المبارك، عن ابن لهيعة، عن عُبيد الله بن جعفر، عن الأعرج، عن أبى هريرة نحوه.وقد أورد الدارقطنى هذا الحديث فى "العلل ۷/۳۹. ۴۱"وذكر فيه خلافاً على الزهرى، فراجعه فيه.وانظر ما سلف فى مسند ابن عمر برقم ۴۴۸۶.

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صدقۂ فطر اُس شخص پر واجب ہے جو مخصوص نصاب کا مالک ہو (جس کی تفصیل آگے آتی ہے) [۲]

[۲] وعن الحنفية لا تجب إلا على من ملك نصابا ومقتضاه أنها لا تجب على الفقير على قاعدتهم فى الفرق بين الغنى والفقير واستدل لهم بحديث أبى هريرة المتقدم لا صدقة إلا عن ظهر غنى واشترط الشافعي ومن تبعه أن يكون ذلك فاضلا عن قوت يومه ومن تلزمه نفقته وقال بن بزيزة لم يدل دليل على اعتبار النصاب فيها لأنها زكاة بدنية لا مالية(فتح البارى لابنِ حجر ج۳ص ۳۶۹، كتاب الزكاة، قوله باب فرض صدقة الفطر)

وليس من شرط هذه الزكاة الغنى عند أكثرهم، ولا نصاب، بل أن تكون فضلا عن قوته وقوت عياله.وقال أبو حنيفة، وأصحابه :لا تجب على من تجوز له الصدقة، لانه لا يجتمع أن تجوز له، وأن تجب عليه وذلك بين .والله أعلم(بداية المجتهد، ج ۱ ص ۲۷۹، كتاب زكاة الفطر،الفصل الثانى فيمن تجب عليه وعمن تجب)

مسألة :قال إذا كان عنده فضل عن قوت يومه وليلته وجملة ذلك أن صدقة الفطر واجبة على من قدر عليها، ولا يعتبر فى وجوبها نصاب .وبهذا قال أبو هريرة وأبو العالية، والشعبى، وعطاء، وابن سيرين، والزهرى، ومالك، وابن المبارك، والشافعى، وأبو ثور.

وقال أصحاب الرأى :لا تجب إلا على من يملك مائتى درهم، أو ما قيمته نصاب فاضل عن مسكنه؛ لقول رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-لا صدقة إلا عن ظهر غنى والفقير لا غنى له فلا

تجب عليه، ولأنه تحل له الصدقة، فلا تجب عليه، كمن لا يقدر عليها .ولنا ما روى ثعلبة بن أبى صعير عن أبيه، أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال :أدوا صدقة الفطر صاعا من قمح أو قال: بر عن كل إنسان، صغير أو كبير، حر أو مملوك، غنى أو فقير، ذكر أو أنثى أما غنيكم فيزكيه الله، وأما فقيركم فيرد الله عليه أكثر مما أعطى .
وفى رواية أبى داود :صاع من بر أو قمح عن كل اثنين .ولأنه حق مال لا يزيد بزيادة المال، فلا يعتبر وجوب النصاب فيه .كالكفارة، ولا يمتنع أن يؤخذ منه ويعطى لمن وجب عليه العشر، والذى قاسوا عليه عاجز، فلا يصح القياس عليه، وحديثهم محمول على زكاة المال(المغنى لابنِ قدامة، ج٣ص ٩٤، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر،مسألة صدقة الفطر واجبة على من قدر عليها ولا يعتبر فى وجوبها نصاب)
ومنها الغنى فلا يجب الأداء إلا على الغنى وهذا عندنا، وقال الشافعى :لا يشترط لوجوبها الغنى وتجب على الفقير الذى له زيادة على قوت يومه وقوت عياله .وجه قوله أن وجوبها ثبت مطهرة للصائم ومعنى المطهرة لا يختلف بالغنى، والفقر، ولنا قول النبى -صلى الله عليه وسلم -لا صدقة إلا عن ظهر غنى(بدائع الصنائع، ج٢ص ٦٩، كتاب الزكاة، فصل شرائط وجوب صدقة الفطر)
وأما اشتراط اليسار فقول علمائنا، وقال الشافعى - :رحمه الله تعالى -من ملك قوت يومه وزيادة بقدر ما يؤدى زكاة الفطر فيؤدى زكاة الفطر؛ لأنه ذكر فى آخر حديث ابن عمر -رضى الله عنه - غنى أو فقير ؛ ولأنه واجد لما يتصدق به فضلا عن حاجته فيلزمه الأداء كالموسر وهذا؛ لأن صدقة الفطر تشبه الكفارة دون الزكاة حتى لا يعتبر فيها الحول وفى الكفارة يعتبر تيسير الأداء دون الغنى فكذلك فى زكاة الفطر.
(ولنا) قوله -صلى الله عليه وسلم -لا صدقة إلا عن ظهر غنى ولأن الفقير محل الصرف إليه فلا يجب عليه الأداء كالذى لا يملك إلا قوت يومه وهذا؛ لأن الشرع لا يرد بما لا يفيد فلو قلنا بأنه يأخذ من غيره ويؤدى عن نفسه كان اشتغالا بما لا يفيد وحديث ابن عمر -رضى الله عنه -محمول على ما كان فى الابتداء ثم انتسخ بقوله -صلى الله عليه وسلم -إنما الصدقة ما كانت عن ظهر غنى أو ما أبقت غنى أو هو محمول على الندب فإنه قال فى آخره أما غنيكم فيزكيه الله وأما فقيركم فيعطيه الله أفضل مما أعطى(المبسوط للسرخسى،ج٣ص ١٠٢، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

اس لئے اگر کوئی غیر صاحبِ نصاب شخص بھی صدقۂ فطر ادا کرے، تاکہ تمام فقہاء کے نزدیک وہ بریٔ الذمہ ہوجائے، تو سعادت کی بات ہے۔ [1]

[1] (غنى أو فقير أما غنيكم فيزكيه الله وأما فقيركم فيرد الله عليه أكثر مما أعطاه) فيه أنه لا يعتبر لوجوب صدقة الفطر ملك نصاب وقال أبو حنيفة يعتبر ولا زكاة على من لا يفضل على منزل وخادم يحتاجهما ويليقان به وعن قوته وقوت ممونه ليلة العيد ويومه ما يخرجه فيها وامرأة غنية لها زوج معسر وهى مطيعة له(فيض القدير للمناوى، ج٤ص ١٩١، تحت حديث رقم ٤٩٩٠، حرف الصاد)

جہاں تک مذکورہ حدیث میں غریب کے ادا کرنے کے ذکر کا تعلق ہے، تو احناف کے نزدیک یا تو اس سے مراد وہ غریب ہے، جو کہ زیادہ امیر نہ ہو، مگر نصاب کا مالک ہو، اور مطلب یہ ہے

کہ جو زیادہ امیر وغنی نہ ہو، مگر نصاب کا مالک ہو، اُسے صدقۂ فطر ادا کرنے میں تنگدستی کا خوف نہیں کرنا چاہیے، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مال میں برکت پیدا فرمادیں گے۔

اور یا پھر یہ حکم استحبابی ہے، نہ کہ وجوبی، اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی غریب جو نصاب کا مالک نہ ہو، وہ بھی ادا کرے تو بہتر ومستحب ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کو برکت عطا فرمادیں گے۔ ۲

۲ أما غنيكم "أى وجوبها عليه "فيزكيه الله "التزكية بمعنى التطهير أو التنمية، أى يطهر حاله وينمى ماله وأعماله بسببها "وأما فقيركم "أى بالإضافة إلى أكابر الأغنياء على مذهبنا، وأما على مذهب الشافعى فمن ملك صدقة الفطر زيادة على قوت نفسه وعياله ليوم العيد وليلته وهو يرد عليهم فى الفرق بين الفقير والمسكين (فيرد) أى :الله "عليه أكثر مما أعطاه "أى :هو المساكين، وفى نسخة بصيغة المجهول فى فيرد، ويرفع أكثر، والأول أكثر، وفى هذا تسلية لمن يكون قليل المال بوعد العوض والخلف فى المال(مرقاة، ج۴ص ۱۳۰۰، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

وحديث ابن عمر -رضى الله عنه -محمول على ما كان فى الابتداء ثم انتسخ بقوله -صلى الله عليه وسلم -إنما الصدقة ما كانت عن ظهر غنى أو ما أبقت غنى أو هو محمول على الندب فإنه قال فى آخره أما غنيكم فيزكيه الله وأما فقيركم فيعطيه الله أفضل مما أعطى(المبسوط للسرخسى، ج۳ص ۱۰۲، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

اس جیسی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے اہلِ علم حضرات نے صدقۂ فطر کے کئی فوائد ومنافع اور مصالح ذکر کئے ہیں۔

چنانچہ حضرت وکیع بن جراح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

زَكَاةُ الْفِطْرِ لِشَهْرِ رَمَضَانَ كَسَجْدَتَيِ السَّهْوِ لِلصَّلَاةِ، تَجْبُرُ نُقْصَانَ الصَّوْمِ كَمَا يَجْبُرُ السَّهْوُ نُقْصَانَ الصَّلَاةِ(تاريخ بغداد) ۱

۱ ج۱۰ ص ۲۸۲، تحت ترجمة عبدالرحمن بن حسين ابو واثلة المزنى،دارالكتب العلمية، بيروت، كذافى المجموع للامام النووى ،ج٦ ص ۱۴۰، باب زكاة الفطر.

ترجمہ: زکاۃِ فطر (یعنی صدقۂ فطر) رمضان کے مہینے کے لیے ایسا ہے، جیسا کہ نماز کے لیے سجدۂ سہو ہے، کہ صدقۂ فطر روزے کے نقصان (کمی وکوتاہی) کی اس طرح تلافی کر دیتا ہے جس طرح سے سجدۂ سہو نماز کے نقصان (کمی وکوتاہی) کی تلافی کر دیتا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ مشکاۃ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

يُقَالُ صَدَقَةُ الْفِطْرَةِ وَزَكَاةُ الْفِطْرِ اَوِ الْفِطْرَةِ كَاَنَّهَا مِنَ الْفِطْرَةِ الَّتِىْ هِىَ الْخِلْقَةُ ، فَوُجُوْبُهَا عَلَيْهَا تَزْكِيَةٌ لِّلنَّفْسِ اَىْ تَطْهِيْرًا لَهَا وَتَنْقِيَةً لِعَمَلِهَا (مرقاة المفاتيح) [۲]

[۲] جلد۴ صفحه ۱۲۹۲ ، كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر، دار الفكر، بيروت.

ترجمہ: صدقۂ فطر کو ''صدقۂ فطرۃ'' اور ''زکاۃِ فطر'' یا ''زکاۃِ فطرۃ'' بھی کہا جاتا ہے؛ گویا کہ صدقۂ فطر اس فطرت سے تعلق رکھتا ہے جو کہ پیدائش ہے (اسی لئے پیدائشی بچہ پر بھی ہے) لہٰذا صدقۂ فطر کا اُس پر واجب ہونا نفس کو پاک کرنے کے لیے اور نفس کے عمل کو پاکیزہ بنانے کے لیے ہے (ترجمہ ختم)

اور فقہ حنفی کی کتاب، مجمع الانہر اور حاشیۃ الطحطاوی میں ہے کہ:

قَالُوْا فِىْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ ثَلَاثَةُ أَشْيَاءَ:قَبُوْلُ الصَّوْمِ وَالْفَلَاحُ وَالنَّجَاةُ مِنْ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ (مجمع الأنهر) [۱]

[۱] ج ١ ص ٢٢٦، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، داراحياء التراث العربى، بيروت، كذافى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ،كتاب الزكاة ،باب صدقة الفطر.

ترجمہ: علماء نے فرمایا کہ صدقۂ فطر میں تین چیزیں ہیں، ایک (اس کے ذریعہ سے) روزے کا قبول ہونا، اور دوسرے (اس کے ذریعہ سے) کامیابی حاصل ہونا، اور تیسرے (اس کے ذریعہ سے) موت کی سختی اور قبر کے عذاب سے نجات حاصل ہونا (ترجمہ ختم)

صدقۂ فطر ادا کرنے سے ایک شرعی حکم پورا کرنے کا ثواب تو ملتا ہی ہے، اسی کے ساتھ کئی اور فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں۔

صدقۂ فطر روزوں کو پاک صاف کرنے کا ذریعہ ہے، روزے کی حالت میں جو فضول، بیہودہ باتیں زبان سے نکلیں صدقۂ فطر کے ذریعے روزے ان چیزوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔

اور صدقۂ فطر سے عید کے دن ناداروں اور مسکینوں کی خوراک کا انتظام ہو جاتا ہے اور عید کی خوشیوں و مسرتوں میں غریبوں کو بھی شامل کرلیا جاتا ہے، اسی لئے عید کی نماز کو جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی طرح صدقۂ فطر سے اللہ تعالیٰ مال اور رزق میں برکت فرماتے ہیں، اس کی ادائیگی سے انسان کو کامیابی ملتی ہے اور نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔

اندازہ کیجئے! کتنا آسان نسخہ ہے کہ صرف صدقۂ فطر کی تھوڑی سی مقدار دینے سے پورے مہینے کے روزوں کی صفائی ہو جاتی ہے اور لایعنی اور گندی باتوں کی روزے میں جو ملاوٹ ہوگئی اس کے اثرات سے روزے پاک ہو جاتے ہیں۔ گویا صدقۂ فطر ادا کر دینے سے روزوں کی قبولیت کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والی چیزیں باقی نہیں رہتیں۔

اس لیے بہتر تو یہی ہے کہ ہر مسلمان امیر و غریب صدقۂ فطر ادا کر کے صدقۂ فطر کے فضائل وفوائد سے مستفید ہو۔

اور اسی لئے اگر مسئلہ کی رُو سے کسی پر صدقۂ فطر واجب نہ ہو، اور اس کو صدقۂ فطر ادا کرنے کی وسعت ہو، تب بھی اس کو صدقۂ فطر ادا کرنا بہتر ہے، تاکہ سب کے نزدیک وہ بریٔ الذمہ ہو جائے، اور اس کے فوائد و منافع سے بھی مستفید ہو جائے، بالخصوص جبکہ اس سے مال میں بھی کمی نہیں آتی بلکہ برکت ہوتی ہے (جیسا کہ گزرا) اور یہ ظاہر بات ہے کہ غریب کو بھی اپنے روزوں کو پاک کرنے کی ضرورت ہے۔

خرچ بہت معمولی ہے اور نفع بہت بڑا ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ مندرجہ بالا فوائد و منافع پر صدقۂ فطر واجب ہونے نہ ہونے کا دارومدار نہیں، بلکہ وہ حکمت و مصلحت کے درجے میں ہیں اور ہر حکمت و مصلحت کا ہر وقت ہر شخص کے حق میں پایا جانا ضروری نہیں اور اصل بنیاد اس پر ہے کہ یہ شریعت کا ایک حکم ہے۔

صدقۂ فطر کس پر اور کن افراد کی طرف سے واجب ہے؟

صدقۂ فطر چونکہ مالی عبادت ہے، اس لیے اس کے واجب ہونے کے لیے جس طرح مال ہونا ضروری ہے، اسی طرح مال پر ملکیت قائم ہونا بھی ضروری ہے۔

اور شرعی غلام و باندی کی مال پر ملکیت قائم نہیں ہوتی، اس لیے شرعی غلام و باندی پر بذاتِ خود صدقۂ فطر واجب نہیں۔

البتہ اس کے مسلمان مالک پر اس کی طرف سے صدقۂ فطر واجب ہے، جس طرح سے کہ اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے والد پر صدقۂ فطر واجب ہے۔

اور صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے صاحبِ نصاب ہونے کی شرط فقہائے احناف کے نزدیک ہے۔

جبکہ دیگر فقہاء کے نزدیک صدقۂ فطر ہر اُس شخص کو ادا کرنے کا حکم ہے، جس کے پاس اپنی ذات اور جن لوگوں کا اپنے ذمہ نان نفقہ واجب ہے، ان کے علاوہ ایک رات اور ایک دن کی خوراک کا بندوبست ہو۔

تاہم اگر کوئی غیر صاحبِ نصاب بھی بخوشی ادا کرے، تو اس کے ثواب ہونے سے فقہائے احناف کو بھی انکار نہیں۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

---

[1] وَحَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ- مَحْمُولٌ عَلَى مَا كَانَ فِي الِابْتِدَاءِ ثُمَّ انْتُسِخَ بِقَوْلِهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- إنَّمَا الصَّدَقَةُ مَا كَانَتْ عَنْ ظَهْرِ غِنًى أَوْ مَا أَبْقَتْ غِنًى أَوْ هُوَ مَحْمُولٌ عَلَى النَّدْبِ فَإِنَّهُ قَالَ فِي آخِرِهِ أَمَّا غَنِيُّكُمْ فَيُزَكِّيهِ اللَّهُ وَأَمَّا فَقِيرُكُمْ فَيُعْطِيهِ اللَّهُ أَفْضَلَ مِمَّا أَعْطَى(المبسوط للسرخسی، ج۳ص ۱۰۲، كِتَابُ الزَّكَاةِ،بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ)

الرابعة :معرفة شرط وجوبها، فالإسلام والحرية والغنى على ما يأتي بالخلاف فيه(عمدة القارى ، ۹ ص۱۰۷ ، كتاب الزكاة،أبواب صدقة الفطر)

(وهي واجبة على الحر المسلم المالك لمقدار النصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية) كما بيناه ، وشرط الحرية لأن العبد غير مخاطب بها لعدم ملكه ، والإسلام لأنها عبادة، وقال عليه الصلاة والسلام فيها ' :إنها طهرة للصائم من الرفث 'وإنه مختص بالمسلم الغني لقوله عليه الصلاة والسلام ' :لا صدقة إلا عن ظهر غنى 'وفي رواية 'إنما

الصدقة عن ظهر غنى 'والأصل في وجوبها ما روى عن عبد الله بن ثعلبة بن صعير العذرى عن النبى (صلى الله عليه وسلم أنه قال ' :أدوا عن كل حر وعبد صغير أو كبير نصف صاع من بر أو صاعا من تمر أو صاعا من شعير . 'وعن ابن عمر رضى الله عنه قال ' :فرض رسول الله (صلى الله عليه وسلم) زكاة الفطر على الذكر والأنثى والحر والعبد صاعا من تمر أو صاعا من شعير . 'وقال عليه الصلاة والسلام ':أدوا صدقة الفطر عن كل حر وعبد يهودى أو نصرانى(الاختيار لتعليل المختار، ج ا ص ۱۲۳، كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)

فأما بيان من يجب عليه فنقول إنما تجب على المسلم الحر الغنى.

فالإسلام شرط لأن فيها معنى العبادة ولهذا لا تجوز بدون النية ولا تتأدى بفعل الغير بغير إذنه أو بإذن الشرع لكونه نائبا عنه.

وأما الغنى فهو شرط عندنا،وقال الشافعي ليس بشرط لكن القدرة شرط حتى إن من ملك زيادة على قوته نصف صاع من حنطة أو صاعا من شعير أو تمر تجب عليه. والصحيح قولنا لما روى عن النبى عليه السلام أنه قال لا صدقة إلا عن ظهر غنى.

وأما الحرية فهى شرط عندنا وعند الشافعي ليس بشرط حتى أن العبد عنده تجب عليه صدقة فطره ويتحمل عنه المولى حتى لو لم يؤد المولى عنه فعليه أن يؤدى بعد العتاق،وعندنا يجب على مولاه إذا كان غنيا والعبد للخدمة وهذا بناء على ما ذكرنا أن الغنى شرط عندنا والغنى بالملك والعبد لا ملك له،وعند الشافعي ليس بشرط(تحفة الفقهاء ، ج ا ص ۳۳۴، كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)

پھر صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے زکاۃ وقربانی واجب ہونے کی طرح عاقل وبالغ ہونا ضروری نہیں،جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [۱]

[۱] وأما العقل والبلوغ فليسا بشرط الوجوب عند أبى حنيفة وأبى يوسف،وعند محمد وزفر شرط حتى إن الصبى والمجنون إذا كان لهما نصاب معين وليس للأب مال فإنه يجب صدقة الفطر عليهما،عندهما يؤدى الأب والوصى ولا ضمان عليهما إذا أديا،وعند محمد وزفر لا يجب لأن فيها معنى العبادة،وهما يقولان إن فيها معنى العبادة والمؤونة ولا يمكن الجمع بينهما فى حالة واحدة فى حق شخص واحد فى حكم واحد فوجب اعتبار المؤونة فى بعض الأحكام ومعنى العبادة فى البعض عملا بالدلائل بقدر الإمكان فقالا بالوجوب اعتبارا بالمؤونة(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ا ص ۳۳۴،۳۳۵، كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)

اسی طرح صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے کسی کا رمضان کے روزے رکھنا یا مقیم ہونا بھی ضروری نہیں ہے،جیسا کہ قربانی واجب ہونے کے لئے مقیم ہونا ضروری ہے۔ [۲]

[۲] اور قربانی واجب ہونے کے لئے مقیم ہونا اس لیے شرط ہے کہ قربانی ہر مال سے ادا نہیں کی جاسکتی،اور نہ ہر زمانے میں ادا کی جاسکتی ہے، بلکہ اس کی ادائیگی کے لئے مخصوص جانور اور مخصوص وقت طے ہے،اور مسافر کو ان شرائط کا مکلّف کرنے میں حرج تھا،لہٰذا حرج دفع کرنے کے لئے شریعت کی طرف سے مقیم ہونا شرط قرار دے دیا گیا، برخلاف زکوٰۃ اور صدقۂ

فطر واجب ہونے کے کہ ان کی ادائیگی لئے اس قسم کی شرائط مخصوص نہیں، ان کی ادائیگی کسی بھی قسم کے مال سے اور کسی بھی وقت (عید کے بعد بھی) کی جاسکتی ہے، لہٰذا زکوٰۃ وصدقۂ فطر مسافر پر واجب ہونے میں حرج نہیں۔

من افطر لكبر اومرض اوسفر يلزمه صدقة الفطر لان الامر بادائها مطلق عن هذ الشرط ولانهاتجب على من لايوجد منه الصوم وهوالصغير (بدائع والصنائع ، ج۲ص ۷۰، فصل فى شرائط وجوب صدقة الفطر)

ومنها الاقامة فلا تجب (اى الاضحية. ناقل) على المسافر، لانهالاتتادى بكل مال ولافى كل زمان بل بحيوان مخصوص فى وقت مخصوص والمسافر لايظفر به فى كل مكان فى وقت الاضحية فلواوجبنا عليه لاحتاج الى حمله مع نفسه وفيه من الحرج مالايخفى اواحتاج الى ترك السفر وفيه ضرر فدعت الضرورة الى امتناع الوجوب بخلاف الزكوٰة (فانهاتجب عل المسافر. ناقل) لان الزكوٰة لايتعلق وجوبها بوقت مخصوص بل جميع العمروقتها فكان جميع الاوقات وقتالادائها فان لم يكن فى يده شيئ للحال يؤديها اذاوصل الى المال، وكذاتتادى بكل مال فايجابهاعليه لايوقعه فى الحرج، وكذالك صدقة الفطر (فانهاتجب عل المسافر. ناقل) لانهاتجب وجوبا موسعا كالزكوٰة ،وهو الصحيح (بدائع والصنائع ،ج۵ص ۶۳،فصل فى شرائط وجوب الاضحية)

وانما لاتجب (اى الاضحية. ناقل) على المسافر، لانها اداء ها يختص باسباب تشق على المسافر، وتفوت بمضى الوقت فلاتجب عليه لدفع الحرج عنه كالجمعة بخلاف الزكوٰة وصدقة الفطر فانهما لايفوتان بمضى الوقت فلايحرج (تبيين الحقائق ، ج۶ص ۳،من تجب عليه الاضحية، كتاب الاضحية)

لہٰذا جو شخص صدقۂ فطر واجب ہونے کے وقت یعنی عید کے دن صبح صادق کے وقت مسافر ہو اور اس میں صدقۂ فطر واجب ہونے کی دیگر باتیں موجود ہوں تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہوگا، اگر سفر میں انتظام نہ ہو، تو بعد میں ادا کرے۔

احادیث وروایات میں صدقۂ فطر جن پر اور جن افراد کی طرف سے دینے کا حکم ہے، ان کی کچھ تفصیل آئی ہے، جس سے صدقۂ فطر واجب ہونے کا اصل سبب معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كُلِّ صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ مِمَّنْ يَمُوْنُوْنَ (سنن البيهقى) [1]

[1] حديث نمبر ۷۶۸۳، كتاب الزكاة، باب إخراج زكاة الفطر عن نفسه وغيره ممن تلزمه مؤنته الخ، دار الكتب العلمية، بيروت.
قال البيهقى:

وَهُوَ فِيمَا أَجَازَ لِي أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ رِوَايَتَهُ عَنْهُ عَنْ أَبِي الْوَلِيدِ، ثنا مَكِّيُّ بْنُ عَبْدَانَ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، ثنا النُّفَيْلِيُّ ,ثنا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ فَذَكَرَهُ وَهُوَ مُرْسَلٌ .وَرُوِيَ ذَلِكَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُوسَى الرِّضَا عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ آبَائِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صدقہ فطر) ہر چھوٹے بڑے، آزاد اور غلام، جو کسی کی کفالت میں ہوں پر فرض فرمایا (ترجمہ ختم)

اور حضرت جعفر بن محمد اپنے والد حضرت محمد بن علی بن حسین سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَلَى الْحُرِّ وَالْعَبْدِ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى مِمَّنْ تَمُوْنُوْنَ (مسند الشافعی) [۲]

[۲] حدیث نمبر ٦٧٦، الباب الخامس فی صدقة الفطر، دار الکتب العلمیة، بیروت، واللفظ لهٔ، السنن المأثورة للشافعی، حدیث نمبر ٣٦٠، سنن البیهقی، حدیث نمبر ٧٦٨٢، معرفة السنن والآثار للبیهقی، حدیث نمبر ٨٤٢٩، سنن دارقطنی، حدیث نمبر ٢٠٧٧.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃِ فطر کو ہر آزاد اور غلام، مرد وعورت کی طرف سے مقرر فرمایا، جن کی تم کفالت کرتے ہو (ترجمہ ختم)

اسی قسم کی حدیث حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [۱]

[۱] قال أحمد :ورواه حاتم بن إسماعيل ، عن جعفر بن محمد ، عن أبيه ، عن علي قال : فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم على كل صغير أو كبير ، أو حر أو عبد ، ممن تمونون :صاعا من شعير ، أو صاعا من تمر ، أو صاعا من زبيب عن كل إنسان ، وهو أيضا منقطع ، وروي ذلک عن علي بن موسى الرضا ، عن أبيه ، عن جده ، عن آبائه ، عن النبي صلى الله عليه وسلم(معرفة السنن والآثار للبیهقی، حدیث نمبر ٢٥٤٠)

عَنْ نَافِعٍ ,عَنِ ابْنِ عُمَرَ ,قَالَ :أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَدَقَةِ الْفِطْرِ عَنِ الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ وَالْحُرِّ وَالْعَبْدِ مِمَّنْ تَمُونُونَ .رَفَعَهُ الْقَاسِمُ وَلَيْسَ بِقَوِيٍّ ,وَالصَّوَابُ مَوْقُوفٌ(سنن الدارقطنی، حدیث نمبر ٢٠٧٨، واللفظ لهٔ، سنن البیهقی، حدیث نمبر ٧٦٨٥، وقال البیهقی:إِسْنَادُهُ غَيْرُ قَوِيٍّ)

قال الالبانی:

ورواه .البيهقي (١٦١/٤)من طريق حاتم بن إسماعيل عن جعفر بن جعفر بن محمد عن أبيه عن أبيه عن علي رضي الله عنه قال " :فرض رسول الله (صلى الله عليه وسلم) على كل صغيرا وكبير حر أو عبد ممن يمونون صاعا من شعير أو صاعا من تمر أو صاعا من زبيب عن كل إنسان . "وقال :(وهو مرسل)

قلت :ورجاله ثقات فإذا ضم إليه الطريق التى قبله مع حديث ابن عمر أخذ قوة وارتقى إلى درجة الحسن إن شاء الله تعالى(إرواء الغليل فى تخريج أحاديث منار السبيل،المجلد الثالث،الصفحة،٣٢٠،تحت حديث رقم ٨٣٥)

وقال ابن الملقن:

روى أنه -صلى الله عليه وسلم -قال :أدوا صدقة الفطر عمن تمونون .

هذا الحديث مروى من طرق :إحداها :من حديث ابن عمر رضى الله عنهما قال :أمر رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بصدقة الفطر ، عن الصغير والكبير ، والحر والعبد ، ممن تمونون .

رواه الدارقطنى ، عن أحمد بن محمد بن سعيد الهمدانى ، نا القاسم بن عبد الله بن عامر بن زرارة ، نا (عمير) بن عمار الهمدانى ، ثنا الأبيض ابن الأغر ، قال :حدثنى الضحاك بن عثمان ، عن نافع ، عنه ، (به) سواء .

ورواه البيهقى من هذه الطريق ، ثم قال :إسناده ليس بالقوى .وقال الشيخ تقى الدين فى الإمام :(عمير) بن عمار لم أره فى كتاب أبى حاتم ، ولم يخل الإسناد من مس بكلام ، وممن يحتاج إلى معرفة حاله قال :والأبيض ذكره ابن أبى حاتم ولم يعرف بحاله .

قلت :(روى) أبو عبد الرحمن السلمى -فيما حكاه صاحب الميزان -عن الدارقطنى أنه قال فى حقه :إنه ليس بالقوى .وقال البخارى :يكتب حديثه .وعن الدارقطنى أيضا أنه قال :رفعه هذا الشيخ (القاسم) وليس بالقوى ، والصواب موقوف .

الطريق الثانى :من حديث على بن موسى الرضى ، عن أبيه ، عن جده ، عن آبائه عليهم السلام أن نبى الله -صلى الله عليه وسلم -فرض زكاة الفطر ، على الصغير والكبير ، والذكر والأنثى ، ممن تمونون .

رواه الدارقطنى فى سننه عن أحمد بن محمد بن سعيد ، نا محمد ابن (المفضل) بن إبراهيم الأشعرى ، نا إسماعيل بن همام ، حدثنى على بن موسى الرضى فذكره .

قال الشيخ تقى الدين فى الإمام :لم يخل بعض رواته من كلام ، وبعضهم يحتاج إلى معرفة حاله .وهو كما قال ، وهو مع ذلك مرسل ؛ فإن جد على بن موسى (الرضى) هو جعفر الصادق بن محمد بن على بن الحسين بن على بن أبى طالب ، وجعفر الصادق لم يدرك الصحابة ، قال ابن حبان فى ثقاته :يحتج بحديثه ما كان من غير رواية أولاده عنه ؛ لأن فى حديث ولده عنه مناكير كثيرة .

قلت :وستأتى رواية الشافعى ، من رواية غير ولده (عنه).

الطريق الثالث :من حديث جعفر بن محمد ، عن أبيه أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فرض زكاة الفطر ، على الحر والعبد ، والذكر والأنثى ، ممن تمونون .

رواه الشافعى عن شيخه إبراهيم بن محمد ، عن جعفر به .وأخرجه البيهقى من جهته ، وإبراهيم هذا قد عرفت حاله فى الطهارة ، وهو مع ذلك مرسل .

قال البيهقى :ورواه حاتم بن إسماعيل ، عن جعفر بن محمد ، عن أبيه ، عن على رضى

الله عنه قال :فرض رسول الله -صلى الله عليه وسلم -على كل صغير أو كبير (أو حر) أو عبد ممن تمونون ، صاعا من شعير ، أو صاعا من تمر ، أو صاعا من زبيب ، عن كل إنسان ثم قال :وهذا مرسل .وهذا طريق رابع .
قال الشيخ تقي الدين في الإمام :يعني بالمرسل المنقطع ، والانقطاع فيما بين محمد بن علي بن الحسين ، وجد أبيه علي بن أبي طالب.
وروى (الثوري) عن عبد الأعلى ، عن أبي عبد الرحمن السلمي ، عن علي قال :من جرت عليه نفقتك (فأطعم عنه) نصف صاع (من) بر ، أو صاع من تمر .وهذا موقوف .قال البيهقي :وعبد الأعلى غير قوي ، إلا أنه إذا انضم إلى ما قبله (يعني حديث علي بن موسى الرضى السالف) قويا فيما اجتمعا فيه(البدر المنير في تخريج الأحاديث والأثار الواقعة في الشرح الكبير،لابن الملقن، ج۵ص ۶۲۱،تا۶۲۴،باب : زكاة الفطر،الحديث الخامس)

اور حضرت اعرج سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ يُخْرِجُ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَنْ كُلِّ إِنْسَانٍ يَعُوْلُ مِنْ صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ أَوْ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ وَإِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا مُدَّيْنِ مِنْ قَمْحٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ(شرح مشكل الآثار للطحاوي) [1]

[1] ج۶ص ۳۱، باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من قوله:ليس على المسلم في عبده ولا في فرسه صدقة ،مؤسسة الرسالة، بيروت،واللفظ لهٗ، الاموال لابنِ زنجويه، حديث نمبر ۱۹۴۱ وحديث نمبر ۱۹۸۶ .
قال الطحاوي:وَتَقَدَّمَنَا فِيهِ مِنْ تَابِعِيهِمْ عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ، وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ.
وفي نصب الراية:
وَحَدِيثُ ابْنِ لَهِيعَةَ يَصْلُحُ لِلْمُتَابَعَةِ ، سِيَّمَا مِنْ رِوَايَةِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْهُ(نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية، كِتَابُ الزَّكَاةِ،بَابٌ صَدَقَةُ الْفِطْرِ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ زکاۃِ فطران سب افراد کی طرف سے ادا کیا کرتے تھے، جو آپ کی عیال داری میں ہوتے تھے، خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، آزاد ہوں یا غلام، اگرچہ وہ نصرانی غلام ہی کیوں نہ ہوں، گیہوں سے دو مُد (یعنی آدھا صاع) اور کھجور سے ایک صاع (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمی سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: زَكَاةُ الْفِطْرِ عَنْ كُلِّ إِنْسَانٍ تَعُوْلُ، مِنْ صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ،

أَوْ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، وَإِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا مُدَّيْنِ مِنْ قَمْحٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ

(الأموال لابن زنجويه) [۲]

[۲] حديث نمبر ۲۳۷۵، كتاب الصدقة واحكامها وسننها، باب :من رأى أن البر نصف صاع، وما سواه من الحبوب، مركز الملك فيصل للبحوث والدراسات الإسلامية، السعودية.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زکاۃِ فطر ہر اس انسان کی طرف سے ہے، جس کی آپ کفالت کرتے ہیں، چھوٹے، بڑے، آزاد، غلام کی طرف سے، اگرچہ وہ غلام نصرانی کیوں نہ ہو، گیہوں سے دو مُد (یعنی آدھا صاع) اور کھجور سے ایک صاع (ترجمہ ختم)

اور حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يُعْطِي صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَنْ جَمِيعِ أَهْلِهِ صَغِيرِهِمْ وَكَبِيرِهِمْ عَمَّنْ يَعُولُ وَعَنْ رَقِيقِهِ وَعَنْ رَقِيقِ نِسَائِهِ (سنن الدارقطنى) [۱]

[۱] حديث نمبر ۲۰۷۹، كتاب زكاة الفطر، مؤسسة الرسالة، بيروت.

قلت :وهذا سنده صحيح موقوف (إرواء الغليل فى تخريج أحاديث منار السبيل للالبانى، ج۳ص ۳۲۰، تحت حديث رقم ۸۳۵)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صدقۂ فطر اپنے تمام چھوٹے اور بڑے گھر والوں کی طرف سے، جو آپ کی عیال داری میں ہوتے تھے، ادا کیا کرتے تھے، اور اپنے غلاموں کی طرف سے بھی ادا کیا کرتے تھے، اور اپنے گھر کی عورتوں کے غلاموں کی طرف سے بھی (ترجمہ ختم)

ان احادیث وروایات میں جن کی طرف سے صدقۂ فطر دیے جانے کا ذکر ہے، اُن کے بارے میں مئونت اور عیال داری میں ہونے کا ذکر ہے۔

جس کے پیشِ نظر فقہائے احناف نے درجِ ذیل مسائل بیان فرمائے ہیں۔

مسئلہ:...... صدقۂ فطر واجب ہونے کا سبب ایسا فرد ہونا ہے کہ جس کا نفقہ اور خرچہ اپنے ذمہ ہو اور اس پر پوری ولایت بھی حاصل ہو۔

ایسا فرد ایک تو بالغ مسلمان کی اپنی ذات ہے، اور دوسرے اس کی نابالغ اولاد ہے، اور تیسرے اس کے شرعی غلام وباندی ہیں۔

کہ بالغ انسان کو اپنے اوپر پوری ولایت بھی حاصل ہوتی ہے، اور اپنی ذات کے اخراجات بھی ذمہ میں ہوتے ہیں۔

اور اسی طرح شرعی غلام وباندی اور نابالغ اولاد کا بھی معاملہ ہے۔

پس مسلمان صاحبِ نصاب شخص پر صدقۂ فطر صرف اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد اور شرعی غلام وباندی کی طرف سے ادا کرنا واجب ہے۔ [۲]

---

[۲] الثالثة :معرفة سبب وجوبها، فهو رأس يمونه مؤونة تامة ويلى عليه ولاية تامة لما فى الحديث : (عمن تمونون)(عمدة القارى ،ج۹ص۱۰۷ ،کتاب الزکاة،أبواب صدقة الفطر)

السابعة :معرفة من تجب عليه، فتجب على الأب عن أولاده الصغار الفقراء ، وعلى السيد عن عبده ومدبره ومدبرته وأم ولده(عمدة القارى ،ج۹ص۱۰۷ کتاب الزکاة،أبواب صدقة الفطر)

الثامنة :معرفة الذى تجب من أجله، فأولاده الصغار ومماليكه للخدمة دون مكاتبه وزوجته(عمدة القارى ،ج۹ص۱۰۷ کتاب الزکاة،أبواب صدقة الفطر)

ثُمَّ سَبَبُ وُجُوبِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ رَأْسٌ يُمَوِّنُهُ بِوِلَايَتِهِ عَلَيْهِ قَالَ - :صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -أَدُّوا عَمَّنْ تُمَوِّنُونَ وَحَرْفُ عَنْ لِلِانْتِزَاعِ مِنْ الشَّيْءِ فَيُحْتَمَلُ أَحَدُ وَجْهَيْنِ :إمَّا أَنْ يَكُونَ سَبَبًا يُنْتَزَعُ مِنْهُ الْحُكْمُ أَوْ مَحَلًّا يَجِبُ عَلَيْهِ ثُمَّ يُؤَدَّى عَنْهُ، وَبَطَلَ الثَّانِي لِاسْتِحَالَةِ الْوُجُوبِ عَلَى الْعَبْدِ وَالْكَافِرِ فَتَعَيَّنَ الْأَوَّلُ؛ وَلِأَنَّهُ يَتَضَاعَفُ بِتَضَاعُفِ الرُّءُوسِ فَعُلِمَ أَنَّ السَّبَبَ هُوَ الرَّأْسُ(المبسوط للسرخسى، ج۳ص۱۰۱ ،كِتَابُ الزَّكَاةِ،بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ)

اور مرد کے ذمہ نابالغ اولاد اور شرعی غلام وباندی کے علاوہ کسی اور رشتہ دار مثلاً بیوی، بالغ اولاد، والدین، بہن، بھائی غرضیکہ کسی بھی دوسرے رشتہ دار کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب نہیں، اگرچہ یہ اس کے زیرِ کفالت ہوں مثلاً چھوٹے بھائی، بہن وغیرہ۔ [۱]

[۱] قال :(عن نفسه وأولاده الصغار وعبيده للخدمة ومدبره وأم ولده وإن كانوا كفارا لا غير) والأصل فى ذلك أن سبب وجوبها رأس يمونه ويلى عليه ، لأنه يصير بمنزلة رأسه فى الذب والنصرة .قال عليه الصلاة والسلام ' :أدوا عمن تمونون 'فيلزمه عن أولاده الصغار ومماليكه المسلمين والكفار والمدبر وأم الولد بمنزلة العبد ، ولا تجب عن أبويه وأولاده الكبار وزوجته ومكاتبه لعدم الولاية ، ولو كان أبوه مجنونا فقيرا يجب عليه صدقة فطره لوجود المؤونة والولاية ، ولا تجب عن حفدته مع وجود أبيهم ، فإن عدم فعليه صدقتهم وقيل لا يجب أصلا .وعن أبى يوسف :لو أخرج عن زوجته وأولاده الكبار وهم فى عياله بغير أمرهم أجزأهم ، لأنه مأذون فيه

عادة(الاختيار لتعليل المختار، ج ا ص ١٢٣ ، كتاب الزكاة ،باب صدقة الفطر)

وأما بيان من تجب عليه فيشتمل على بيان سبب وجوب الفطرة على الإنسان عن غيره، وبيان شرط الوجوب أما شرطه فهو أن يكون من عليه الواجب عن غيره من أهل الوجوب على نفسه.

وأما السبب فرأس يلزمه مؤنته ويلى عليه ولاية كاملة لأن الرأس الذى يمونه ويلى عليه ولاية كاملة تكون فى معنى رأسه فى الذب، والنصرة فكما يجب عليه زكاة رأسه يجب عليه زكاة ما هو فى معنى رأسه فيجب عليه أن يخرج صدقة الفطر عن مماليكه الذين هم لغير التجارة لوجود السبب وهو لزوم المؤنة وكمال الولاية مع وجود شرطه وهو ما ذكرنا(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، كتاب الزكاة،فصل بيان من تجب عليه صدقة الفطر)

والأصل أن صدقة الفطر متعلقة بالولاية والمؤنة فكل من كان عليه ولايته، ومؤنته ونفقته فإنه تجب عليه صدقة الفطر فيه، وإلا فلا كذا فى شرح الطحاوى .(الفتاویٰ الهندية، ج ا ص ١٩٣ ، الباب الثامن فى صدقة الفطر)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر واجب ہونے کے لیے کسی کا رمضان کے روزے رکھنا ضروری نہیں، جیسا کہ نابالغ اولاد اور کافر غلام، کہ ان پر روزہ فرض نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی خود سے روزہ نہ رکھے، تو تب بھی اُس سے صدقۂ فطر معاف نہیں ہوتا۔ [1]

[1] فَحِينَئِذٍ تَجِبُ الْفِطْرَةُ وَإِنْ أَفْطَرَ عَامِدًا لِوُجُودِ السَّبَبِ وَهُوَ الرَّأْسُ الَّذِى يَمُونُهُ وَيَلِى عَلَيْهِ وَلَوْ لَمْ يَصُمْ كَالطِّفْلِ الصَّغِيرِ وَالْعَبْدِ الْكَافِرِ.

ثُمَّ رَأَيْت فِى الْبَدَائِعِ مَا يُشْعِرُ بِذَلِكَ حَيْثُ قَالَ :وَكَذَا وُجُودُ الصَّوْمِ فِى شَهْرِ رَمَضَانَ لَيْسَ بِشَرْطٍ لِوُجُوبِ الْفِطْرَةِ حَتَّى إنَّ مَنْ أَفْطَرَ لِكِبَرٍ أَوْ مَرَضٍ أَوْ سَفَرٍ يَلْزَمُهُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ؛ لِأَنَّ الْأَمْرَ بِأَدَائِهَا مُطْلَقٌ عَنْ هَذَا الشَّرْطِ اهـ فَافْهَمْ(رد المحتار على الدر المختار ،ج٢ص ٣٦١،كِتَابُ الزَّكَاةِ،بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ)

مسئلہ:...... اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ صدقۂ فطر صرف مسلمان غلام وباندی کی طرف سے واجب ہے، یا غیر مسلم غلام وباندی کی طرف سے بھی واجب ہے؟

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسلم اور غیر مسلم، دونوں کی طرف سے صدقۂ فطر واجب ہے، کیونکہ شرعی غلام وباندی مسلم وغیر مسلم ہر دو کا نفقہ اور خرچہ اس کے آقا کے ذمہ لازم ہوتا ہے، اور آقا کو ان پر پوری ولایت بھی حاصل ہوتی ہے۔

جبکہ دیگر فقہاء کے نزدیک صدقۂ فطر صرف مسلمان غلام کی طرف سے واجب ہے۔ [2]

[2] امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال اُن احادیث وروایات سے ہے، جن میں مسلم اور غیر مسلم کی قید نہیں، بلکہ نصرانی غلام کی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کرنے کا ذکر ہے، اور بعض آثار سے بھی ہے۔

اور جن احادیث میں مسلم کی قید ہے، وہ اس کی معارض نہیں، لقاعدۃ حمل المطلق علی المقید فی الاسباب۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ :كَانَ يُخْرِجُ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَنْ كُلِّ إِنْسَانٍ ,يَقُولُ " :مِنْ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ ,أَوْ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ ,وَإِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا مُدَّيْنِ مِنْ قَمْحٍ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ(شرح مشكل الآثار،حديث نمبر ٣٤٢٨،بَابُ بَيَانِ مُشْكِلِ مَا رُوِيَ فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ مِمَّا قَصَدَ بِهِ فِيهَا إِلَى الْمُسْلِمِينَ)

عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ :يُخْرِجُ الرَّجُلُ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَنْ مُكَاتَبِهِ، وَعَنْ كُلِّ مَمْلُوكٍ لَهُ، وَإِنْ كَانَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا(مصنف عبد الرزاق،حديث نمبر ٥٨١٢)

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُد ، عَنِ الأَوْزَاعِيِّ ، قَالَ :بَلَغَنِي عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يُعْطِي عَنْ مَمْلُوكِهِ النَّصْرَانِيِّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ١٠٤٧٥،كتاب الزكاة،مَا قَالُوا فِي الْعَبْدِ النَّصْرَانِيِّ ، يُعْطَى عَنْهُ)

عَنْ عَمْرِو بْنِ مُهَاجِرٍ ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ ، قَالَ :سَمِعْتُه يَقُولُ :يُؤَدِّي الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ عَنْ مَمْلُوكِهِ النَّصْرَانِيِّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ١٠٤٧٤،كتاب الزكاة،مَا قَالُوا فِي الْعَبْدِ النَّصْرَانِيِّ ، يُعْطَى عَنْهُ)

عَنْ عُبَيْدَةَ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ مِثْلَ قَوْلِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ(مُصنف ابن أبى شيبة، حديث نمبر ١٠٤٧٧،كتاب الزكاة،مَا قَالُوا فِي الْعَبْدِ النَّصْرَانِيِّ ، يُعْطَى عَنْهُ)

عَنْ ثَوْرٍ ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى ، قَالَ :كَتَبَ إِلَى عَطَاءٍ يَسْأَلُهُ عَنْ عَبِيدٍ يَهُودٍ وَنَصَارَى ، أُطْعِمُ عَنْهُمْ زَكَاةَ الْفِطْرِ ؟ قَالَ :نَعَمْ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ١٠٤٧٦،كتاب الزكاة،مَا قَالُوا فِي الْعَبْدِ النَّصْرَانِيِّ ، يُعْطَى عَنْهُ)

عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ، قَالَ :قَالَ عَطَاءٌ :إِذَا كَانَ لَكَ عَبِيدٌ نَصَارَى لاَ يُدَارُونَ ، يَعْنِي لِلتِّجَارَةِ ، فَزَكِّ عَنْهُمْ يَوْمَ الْفِطْرِ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ١٠٤٧٨،كتاب الزكاة،مَا قَالُوا فِي الْعَبْدِ النَّصْرَانِيِّ ، يُعْطَى عَنْهُ)

عن حماد عن ابراهيم النخعي في الرجل يكون له عبد نصراني او يهودي قال يؤدى عنه زكاة الفطر(الحجة على أهل المدينة،ج ١ ص ٥٢٤،باب زكاة الفطر يؤديه عن اهله وخدمها)

اخبرنا اسماعيل بن عياش الحمصى قال حدثنى عمرو بن المهاجر قال قال عمر بن عبد العزيز يعطى الرجل المسلم عن مملوكه النصرانى صدقة الفطر(الحجة على أهل المدينة،ج ١ ص ٥٢٥، باب زكاة الفطر يؤديه عن اهله وخدمها)

اخبرنا ابراهيم بن محمد المدينى قال اخبرنا داود بن الحصين عن القاسم ابن محمد بن ابى بكر قال يخرج سيد العبد اليهودى والنصرانى عنه صدقة الفطر(الحجة على أهل المدينة،ج ١ ص ٥٢٥، باب زكاة الفطر يؤديه عن اهله وخدمها)

والتقييد فى الصحيح أيضا بقوله من المسلمين لا يعارضه لما عرف من عدم حمل المطلق على المقيد فى الاسباب لانه لاتزاحم فيها فيمكن الاخذ بهما فيكون كل من المطلق والمقيد سببا بخلاف ورودهما فى حكم واحدهٰذا (مرقاة شرح المشكوٰة جلد٤صفحه ١٢٩٨،كتاب الزكاة ، باب صدقة الفطر)

مسئلہ:...... عاقل، بالغ اولاد کا خرچہ باپ کے ذمہ نہیں ہے، اس لئے عاقل، بالغ اولاد کی

طرف سے صدقۂ فطر باپ کے ذمہ نہیں ہے، اگرچہ وہ اولاد اس کے ساتھ ایک گھر میں رہتی ہو، اور اپنے ساتھ اکٹھے کھاتی پیتی ہو۔ [1]

[1] ولا يجب على الرجل صدقة الفطر عن أولاده الكبار سواء كان لهم مال، أو لم يكن، وسواء كانوا أصحاء أو زمنين في ظاهر رواية أصحابنا(المحيط البرهاني، ج٢ص ١ ٤١، الفصل الثالث عشر في صدقة الفطر)

(ولا) يؤدي (عن أولاده الكبار وإن كانوا في عياله) بأن يكونوا فقراء زمنى لأنه لا يستحق عليهم ولاية فصاروا كالأجانب .وقوله (ولو أدى عنهم) ظاهر، وهو استحسان، والقياس أن لا يصح كما إذا أدى الزكاة بغير إذنها .وجه الاستحسان أن الصدقة فيها معنى المؤنة فيجوز أن تسقط بأداء الغير وإن لم يوجد الإذن صريحا، وفي العادة أن الزوج هو الذي يؤدي عنها فكان الإذن ثابتا عادة، بخلاف الزكاة فإنها عبادة محضة لا تصح بدون الإذن صريحا(العناية شرح الهداية، ج٢ص ٢٨٦، باب صدقة الفطر)

(قال) : وليس على الرجل أن يؤدي عن أولاده الكبار وقال الشافعي -رحمه الله تعالى :-إن كانوا زمنى معسرين فعليه الأداء عنهم وإن كانوا أصحاء معسرين في عياله فله فيه وجهان، واستدل بقوله -صلى الله عليه وسلم -أدوا عمن تمونون وهو يمون ولده الزمن والمعسر وأصحابنا قالوا :بأن السبب رأس يمونه بولايته عليه ليكون في معنى رأسه ولا ولاية له على أولاده الزمنى إذا كانوا كبارا وبدون تقرر السبب لا يثبت الوجوب(المبسوط للسرخسي، ج٣ص١٠٥، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

البتہ بالغ مجنون اور پاگل اولاد چونکہ نابالغ اولاد کا حکم رکھتی ہے، کیونکہ ان کا خرچہ ونفقہ باپ کے ذمہ ہے، اور اُن پر کامل ولایت بھی حاصل ہے، اس لیے اگر کسی کی بالغ اولاد خدانخواستہ مجنون یا پاگل ہو، تو اس کا صدقۂ فطر بھی والد پر واجب ہوگا۔ [1]

[1] والمعتوه والمجنون بمنزلة الصغير، سواء كان الجنون أصلياً بأن بلغ مجنوناً، أو كان الجنون عارضاً، هو الظاهر من المذهب(المحيط البرهاني، ج٢ص ١ ٤١، الفصل الثالث عشر في صدقة الفطر)

وتجب عن نفسه وطفله الفقير كذا في الكافي والمعتوه والمجنون بمنزلة الصغير سواء كان الجنون أصليا أو عارضيا، وهو الظاهر من المذهب كذا في المحيط(الفتاویٰ الهندية، ج ١ ص ١٩٢، الباب الثامن في صدقة الفطر)

وفي التتارخانية عن المحيط أن المعتوه والمجنون بمنزلة الصغير سواء كان الجنون أصليا بأن بلغ مجنونا أو عارضا هو الظاهر من المذهب .اهـ(ردالمحتار، ج٢ ص ١ ٣٦، باب صدقة الفطر)

لیکن اگر کوئی بچہ بالغ ہونے کے وقت عاقل تھا، اور بالغ ہونے کے بعد مجنون و پاگل ہو گیا، تو بالغ ہونے کے بعد اس کا صدقۂ فطر اس کے والد پر واجب نہیں ہوگا۔ [2]

۲ وأما الولد الكبير المجنون إذا كان فقيرا إن بلغ مجنونا ففطرته على أبيه وإن بلغ مفيقا ثم جن فلا فطرة على أبيه لأنه إذا بلغ مجنونا فقد استمرت الولاية عليه وإذا أفاق فقد انقلبت الولاية إليه (الجوهرة النيرة، ج ا ص ۱۳۳، كتاب الزكاة ، باب صدقة الفطر)

مسئلہ:...... بیوی کا نان ونفقہ اگرچہ شوہر کے ذمہ ہے مگر بیوی پر شوہر کو ولایت حاصل نہیں اس لئے مرد کے ذمہ بیوی کی طرف سے صدقۂ فطر دینا واجب نہیں۔

لیکن اگر کوئی اپنی بیوی اور بالغ اولاد کی طرف سے خود بخوشی ادا کرے، تو وہ الگ بات ہے، جیسا کہ بعض روایات میں کچھ صحابۂ کرام کا اپنے سب گھر والوں کی طرف سے ادا کرنے کا ذکر ہے۔ ۱

---

۱ (ولا يؤدى عن زوجته) وقال الشافعي :يجب على الرجل أن يؤدى صدقة الفطر عن زوجته لقوله -صلى الله عليه وسلم -أدوا عمن تمونون .وهو يمون زوجته، ولنا ما ذكره في الكتاب ووجهه :أنه -صلى الله عليه وسلم -ذكر المؤنة مطلقة، والمطلق ينصرف إلى الكامل وليس عليه مؤنتها كاملة لأنه يمونها في غير الرواتب كالمداواة، وكذلك لا بد من الولاية، وليس له عليها ولاية في حقوق النكاح(العناية شرح الهداية، ج۲ ص ۲۸۵، ۲۸۶، باب صدقة الفطر)

(قال) : ولا يؤدى الزوج زكاة الفطر عن زوجته، وقال الشافعي -رحمه الله تعالى :-يجب عليه الأداء عنها لقوله -عليه الصلاة والسلام -أدوا عمن تمونون وهو يمون زوجته وملكه عليها نظير ملك المولى على أم ولده فإنه يثبت به الفراش وحل الوطء فكما يجب عليه الأداء عن أم ولده فكذلك عن زوجته.

(ولنا) أن عليها الأداء عن مماليكها ومن يجب عليه الأداء من غيره لا يجب على الغير الأداء عنه وهذا؛ لأن نفسها أقرب إليها من نفس مماليكها ثم النفقة على الزوج باعتبار العقد فلا يكون موجبا للصدقة كنفقه الأجير على المستأجر، وهذا؛ لأن في الصدقة معنى العبادة وهو ما تزوجها ليحمل عنها العبادات، وقد بينا أن مجرد المؤنة بدون الولاية المطلقة لا ينهض سببا وبعقد النكاح لا يثبت له عليها الولاية فيما سوى حقوق النكاح بخلاف أم الولد فإن للمولى عليها ولاية مطلقة بسبب ملك الرقبة فإن أدى الزوج عن زوجته بأمرها جاز، وإن أدى عنها بغير أمرها لم يجز في القياس كما لو أدى عن أجنبي، ويجوز استحسانا في رواية عن أبي يوسف -رحمه الله تعالى -؛ لأن العادة أن الزوج هو الذي يؤدي فكان الأمر منها ثابتا باعتبار العادة فيكون كالثابت بالنص(المبسوط للسرخسي، ج۳ص ۱۰۵، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

مسئلہ:...... ماں باپ، دادا دادی، بہن بھائی اور دوسرے محرم رشتہ داروں کا صدقۂ فطر اپنے ذمہ واجب نہیں، اگرچہ وہ کمانے سے معذور وغریب ہوں، اور اس وجہ سے ان کا نفقہ اپنے ذمہ واجب ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ ان پر مکمل ولایت حاصل نہیں۔ ۲

ؐ ولا يلزم الرجل الفطرة عن أبيه وأمه وإن كانا في عياله لأنه لا ولاية له عليهما كأولاده الكبار وقيل إذا كان الأب فقيرا مجنونا تجب على ابنه فطرته لوجود الولاية والمؤنة(الجوهرة النيرة، ج ا ص ۱۳۳، كتاب الزكاة ، باب صدقة الفطر)

ولا يلزم الرجل الفطرة عن أبيه وأمه، وإن كانا في عياله؛ لأنه لا ولاية له عليهما كالأولاد الكبار كذا في الجوهرة النيرة......ولا يجب أن يؤدي عن أخواته الصغار، ولا عن قرابته، وإن كانوا في عياله كذا في فتاوى قاضي خان(الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص ۱۹۳، كتاب الزكاة ، الباب الثامن في صدقة الفطر)

(قال) : وليس على الرجل أن يؤدي عن أبويه ولا عن أحد من قرابته وإن كانوا في عياله؛ لأنه لا ولاية له عليهم؛ ولأنه متبرع في الإنفاق عليهم فهو كمن تبرع بالإنفاق على الغير فلا يجب عليه الصدقة عنهم باعتباره(المبسوط للسرخسي، ج۳ص ۱۰۵،۱۰۶، باب صدقة الفطر)

ولا يخرج عن سائر قرابته، وإن كانوا في عياله(المحيط البرهاني، ج۲ص ۴۱۱، الفصل الثالث عشر في صدقة الفطر)

.ولا يجب أن يؤدي عن أخواته الصغار، ولا عن قرابته، وإن كانوا في عياله كذا في فتاوى قاضي خان(الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص ۱۹۳، كتاب الزكاة، الباب الثامن في صدقة الفطر)

مسئلہ:...... ماں پر اپنی اولاد کا نفقہ واجب نہیں اس لئے ماں کے ذمہ اپنی اولاد کا صدقۂ فطر واجب نہیں، خواہ اولاد نابالغ اور ماں صاحبِ نصاب کیوں نہ ہو۔ ؎

؎ أن الأم لا يجب عليها صدقة أولادها الصغار كما في منية المفتي(ردالمحتار، ج۲ص ۳۶۱، كتاب الزكاة ، باب صدقة الفطر)

مسئلہ:...... بالغ اولاد اور بیوی کا فطرانہ ان سے اجازت لئے بغیر ادا کر دیا تو ادا ہو جاتا ہے، جبکہ اولاد اور بیوی اپنی عیال داری میں رہ رہی ہو، یعنی ان کا نان ونفقہ خود ادا کرتا ہو، اسی طرح اگر کوئی دوسرا رشتہ دار اپنی عیال داری میں ہو، تو اس کا صدقۂ فطر اس سے اجازت لیے بغیر ادا کرنا بھی جائز ہے، کسی اور کا اس کی اجازت کے بغیر ادا کرنا جائز نہیں۔ ؏

ؐ (لا عن زوجته) وولده الكبير العاقل، ولو أدى عنهما بلا إذن أجزأ استحسانا للإذن عادة أي لو في عياله وإلا فلا قهستاني عن المحيط فليحفظ (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

(قوله :ولو أدى عنهما) أي عن الزوجة والولد الكبير.

وقال في البحر :وظاهر الظهيرية أنه لو أدى عمن في عياله بغير أمره جاز مطلقا بغير تقييد بالزوجة والولد .اهـ .(قوله :أجزأ استحسانا) وعليه الفتوى خانية وأفاد بقوله للإذن عادة إلى وجود النية حكما وإلا فقد صرح في البدائع بأن الفطرة لا تتأدى بدون النية تأمل (قوله :أي لو في عياله) انظر هل المراد من تلزمه نفقته أو أعم؟ ظاهر ما مر عن البحر الثاني، وهو مفاد التعليل أيضا تأمل (ردالمحتار، ج۲ص ۳۶۳، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

وإذا أدى عن الزوجة والولد الكبير بغير إذنهما جاز وظاهر الظهيرية أنه لو أدى عمن في عياله بغير

أمره جاز مطلقا بغير تقييد بالزوجة والولد(البحر الرائق، ج۲ص ۲۷۱، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر)

ولو أدى عنه بغير إذنه فالقياس عدم الإجزاء كالزكاة وفى الاستحسان الإجزاء لثبوت الأذن عادة ذكره العلامة نوح قوله" :وزوجته "لعدم الولاية الكاملة عليها ولو أدى عنها بلا إذن جاز استحسانا للأذن عادة كالولد الكبير وإن كان فى عياله وقيد به إشارة إلى أنه لو دفع عن الزوجة الناشزة والصغيرة التى لم تزف وعن الابن الكبير الذى لم يكن فى عياله لا يجوز عنهم إلا بالأمر كما يفيده القهستانى وهل حكم الأجنبى إذا كان فى عياله حكم الولد الكبير ومقتضى ما فى البحر عن الظهيرية الجواز كذا فى كتابة الدر(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ،ص ۷۲۴،کتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)

ولا يؤدى عن زوجته، ولا عن أولاده الكبار، وإن كانوا فى عياله، ولو أدى عنهم أو عن زوجته بغير أمرهم أجزأهم استحسانا كذا فى الهداية،وعليه الفتوى كذا فى فتاوى قاضى خان(الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص۱۹۳ ،کتاب الزکاة ، الباب الثامن فی صدقة الفطر)

(قوله ولا يؤدى عن زوجته) لقصور الولاية والمؤنة فإنه لا يليها فى غير حقوق النكاح ولا يمونها فى غير الرواتب كالمداواة وشبهها.

(قوله ولا عن أولاده الكبار وإن كانوا فى عياله) بأن كانوا زمناء لانعدام الولاية فإن أدى عنهم أو عن زوجته بغير أمرهم أجزأهم استحسانا لثبوت الإذن عادة (الجوهرة النيرة، ج ۱ ص۱۳۳ ، کتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)

مسئلہ:...... اگر کسی نابالغ بچے یا بچی کا باپ فوت ہوگیا ہو یا موجود تو ہو مگر وہ تنگدست ہو، اور اس بچے یا بچی کا دادا موجود ہو، تو اس صورت میں دادا کے باپ کے قائم مقام ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک اس صورت میں دادا، باپ کے قائم مقام ہے، اس لئے اس صورت میں دادا پر اپنے نابالغ پوتے اور پوتی کا صدقۂ فطر واجب ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک اس صورت میں دادا باپ کے قائم مقام نہیں، اس لئے اس صورت میں دادا پر اپنے نابالغ پوتے اور پوتی کا صدقۂ فطر واجب نہیں۔

اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس صورت میں دادا اپنے نابالغ پوتے اور پوتی کا صدقۂ فطر ادا کردے، تاکہ سب کے نزدیک بری الذمہ ہوجائے۔ [1]

[1] والجد كالأب عند فقده أو فقره كما اختاره فى الاختيار (الدرالمختار)

(قوله :كما اختاره فى الاختيار) هذا رواية الحسن وهو خلاف ظاهر الرواية من أن الجد كالأب إلا فى مسائل ستأتى آخر الكتاب منها هذه واختاره أيضا فى فتح القدير لتحقيق وجود السبب وهو الرأس الذى يمونه ويلى عليه ولاية مطلقة.

ورد ما قيل :من أن الولاية غير تامة لانتقالها إليه من الأب فكانت كولاية الوصى بأنه غير سديد؛

لأن الوصى لا يمونه من ماله، بخلاف الجد إذا لم يكن للصغير مال فإنه يمونه من ماله كالأب، ونازعه فى البحر بما رده عليه المقدسى وصاحب النهر، فلذا اختار الشارح رواية الحسن.
قلت :لكن فى الخانية ليس على الجد أن يؤدى الصدقة عن أولاد ابنه المعسر إذا كان الأب حيا باتفاق الروايات وكذا لو كان الأب ميتا فى ظاهر الرواية اهـ فعلم أن رواية الحسن فيما إذا كان الأب ميتا لكن مقتضى كلام البدائع أن الخلاف فى المسألتين، نعم تعليل الفتح لا يظهر إلا فى الميت تأمل(ردالمحتار، ج۲ ص ۳۶۲، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)
ولا تجب على الجد فطرة بنى ابنه إذا كان أبوهم فقيرا أو ميتا فى ظاهر الرواية وروى الحسن عن أبى حنيفة أنها تجب عليه كما تجب على الأب وفى قاضى خان لا يؤدى عن أولاد ابنه المعسر إذا كان حيا باتفاق الروايات(الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۳۳، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)
وليس على الجد أن يؤدى الصدقة عن أولاد ابنه المعسر إذا كان الأب حيا، وكذا لو كان الأب ميتا فى ظاهر الرواية كذا فى فتاوى قاضى خان(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۹۲، كتاب الزكاة، الباب الثامن فى صدقة الفطر)
(قال) : ولا يؤدى الجد عن نوافله الصغار وإن كانوا فى عياله وروى الحسن عن أبى حنيفة رحمهما الله تعالى أن عليه الأداء عنهم بعد موت الأب وهذه أربع مسائل يخالف الجد فيها الأب فى ظاهر الرواية ولا يخالف فى رواية الحسن :أحدها :وجوب صدقة الفطر والثانى التبعية فى الإسلام والثالث جر الولاء والرابع الوصية لقرابة فلان وجه رواية الحسن أن ولاية الجد عند عدم الأب ولاية متكاملة، وهو يمونهم فيتقرر السبب فى حقه ووجه ظاهر الرواية أن ولاية الجد منتقلة من الأب إليه فهو نظير ولاية الوصى، وهذا؛ لأن السبب إنما يتقرر إذا كان رأسه فى معنى رأس نفسه باعتبار الولاية، وذلك لا يتقرر فى حق الجد؛ لأن ثبوت ولايته بواسطة وولايته على نفسه ثابتة بدون الواسطة(المبسوط للسرخسى، ج۳ص ۱۰۵، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

مسئلہ:...... اگر چھوٹے نابالغ بچے یا بالغ مگر مجنون کی ملکیت میں اتنا مال ہو جتنے کے ہونے سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، مثلاً اس کے کسی رشتہ دار کا انتقال ہوا، اور اس کی میراث میں سے اس نابالغ بچہ یا مجنون کو حصہ ملا، یا کسی اور طرح سے ان کی ملکیت میں نصاب کے بقدر مال آ گیا، تو اس صورت میں باپ پر خود اپنے مال میں سے اس نابالغ بچے یا مجنون کا صدقۂ فطر ادا کرنا لازم نہیں، بلکہ ان کی ملکیت کے مال میں سے ادا کرنا جائز ہے۔ [1]

[1] وأما الأولاد الصغار، فإن كان لهم مال، فإنه يؤدى من مالهم صدقة فطرهم وصدقة فطر مماليكهم عند أبى حنيفة وأبى يوسف خلافاً لمحمد رحمه الله، وكذلك الوصى على هذا الخلاف،وإن لم يكن للصغير مال، فإنه يجب على الأب صدقته دون صدقة فطر مماليكه(المحيط البرهانى، ج۲ ص ۴۱۱، الفصل الثالث عشر فى صدقة الفطر)
ثم إذا كان للولد الصغير والمجنون مال فإن الأب يخرج صدقة فطرتهما من مالهما عندهما. لهما أن الفطرة تجرى مجرى المؤنة بدليل أن الأب يتحملها عن ابنه الفقير فإذا كان غنيا كانت فى

مالہ کنفقته ونفقة ختانه فيخرج أبوهما أو وصيه أو جدهما أو وصيه فطرة أنفسهما ورقيقهما من مالهما(الجوهرة النيرة، ج ا ص ۱۳۳، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

(قوله:الفقير)قيد به؛ لأن الغنى تجب صدقة فطره فى ماله على ما مر لعدم وجوب نفقته نهر (قوله: والكبير المجنون)أى الفقير أما الغنى ففى ماله عندهما كما مر(ردالمحتار ج۲ص ۳۶۱، باب صدقة الفطر)

لم يتضح وجود السبب فى حقه لعدم ولايته على نفسه وكذا المجنون (تقريرات الرافعى،مشموله ردالمحتار ج۲ص ۱۴۲)

مسئلہ:...... نابالغ اور مجنون اگر صاحبِ نصاب تھے اور ان کے سرپرست نے ان کا صدقۂ فطر ادا نہ کیا، تو نابالغ کے بالغ ہونے پر اور مجنون کے جنون زائل ہونے پر خود ان کو اپنا صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہوگا، البتہ اگر نابالغ اور مجنون صاحبِ نصاب نہ تھے، تو اس صورت میں ان کو بعد میں صدقۂ فطر ادا کرنا واجب نہ ہوگا۔ [1]

[1] بخلاف الصبى الغنى إذا لم يخرج وليه على أصل أبى حنيفة وأبى يوسف أنه يلزمه الأداء ؛ لأنه يقدر على أدائه بعد البلوغ(بدائع الصنائع، ج۲ص ۶۹، كتاب الزكاة، فصل شرائط وجوب صدقة الفطر)

ولم يقيد بالبلوغ والعقل لما قدمناه فيجب على الولى أو الوصى إخراجها من مال الصبى والمجنون حتى لو لم يخرجها وجب الأداء بعد البلوغ كذا فى البدائع(البحر الرائق، ج۲ص ۲۷۱، كتاب الزكاة ،باب صدقة الفطر)

مسئلہ:...... جس نابالغ لڑکی کا نکاح کر کے رخصت کر دیا گیا اگر وہ شوہر کی خدمت کے قابل ہے تو اس کا صدقۂ فطر کسی پر نہیں، نہ باپ پر نہ شوہر پر۔ اور اگر خدمت کے قابل نہیں یا صرف نکاح ہوا ہے اور رخصتی عمل میں نہیں آئی تو اس کا صدقۂ فطر بدستور باپ پر ہے۔ یہ جب ہے کہ لڑکی خود صاحبِ نصاب نہ ہو، ورنہ بہر صورت اس کے اپنے مال میں سے ادا کیا جائے۔ [2]

[2] ولو زوج طفلته الصالحة لخدمة الزوج فلا فطرة (الدر المختار)

(قوله :الصالحة لخدمة الزوج) كذا فى النهر عن القنية وفيه عن الخلاصة الصغيرة لو سلمت لزوجها لا تجب فطرتها على أبيها لعدم المؤنة اهـ فأفاد تقييد المسألة بقيدين :صلاحيتها للخدمة، وتسليمها للزوج، ولذا قال الشارح فى باب النفقة فيمن تجب نفقتها على الزوج، وكذا صغيرة تصلح للخدمة أو للاستئناس إن أمسكها فى بيته عند الثانى واختاره فى التحفة .اهـ

وهو صريح بأنها لو لم تصلح لذلک لا تجب نفقتها على الزوج، وظاهره لو أمسكها فى بيته فتجب على أبيها فافهم(ردالمحتار، ج۲ص ۳۶۲، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

وأما الأولاد الصغار، فإن كان لهم مال، فإنه يؤدى من مالهم صدقة فطرهم وصدقة فطر مماليكهم عند أبى حنيفة وأبى يوسف خلافاً لمحمد رحمه الله(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۲ ص ۴۱۱،كتاب الصوم،الفصل الثالث عشر فى صدقة الفطر)

صدقۂ فطر کتنا اور کس چیز سے ادا کیا جائے؟

احادیث میں کئی چیزوں کے ذریعہ سے صدقۂ فطر ادا کرنے کا ذکر آیا ہے۔

پہلے چند احادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں، جن کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ ان سے حاصل شدہ مسائل ذکر کئے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى، وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ(بخاری) [1]

[1] حديث نمبر ١٥٠٣، كتاب الزكاة، باب فرض صدقة الفطر ، دارطوق النجاة، بيروت.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃِ فطر کو فرض قرار دیا، کھجور سے ایک صاع، یا جَو سے ایک صاع، غلام پر اور آزاد پر، مرد پر اور عورت پر، اور نابالغ اور بالغ مسلمانوں پر، اور اس کے بارے میں یہ حکم فرمایا کہ لوگوں کے (عیدالفطر کی) نماز کی طرف نکلنے سے پہلے ادا کردیا جائے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ النَّاسُ يُخْرِجُوْنَ عَنْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ أَوْ تَمْرٍ أَوْ سُلْتٍ أَوْ زَبِيْبٍ(سنن النسائی) [2]

[2] حديث نمبر ٢٥١٦، كتاب الزكاة، باب السلت، مكتب المطبوعات الإسلامية -حلب.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ صدقۂ فطر جَو سے یا کھجور سے یا بغیر چھلکے والی جَو سے یا کشمش سے ایک صاع نکالا کرتے تھے (ترجمہ ختم) [3]

---

[3] قوله " :أو سلت "السلت -بضم السين المهملة، وسكون اللام، وبعدها تاء ثالث الحرَوف- ضرب من الشعير ليس له قشر كأنه الحنُطة، وقيل :هو نوع من الحنطة، والأول أصح(شرح سنن أبى داود للعينى ، ج٩ ص ٣٢٩، كتاب الزكاة،بَاب :كَمْ يُؤدى فى صَدقة الفطر؟)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلَى الْحُرِّ وَالْعَبْدِ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ زَبِيْبٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ أَقِطٍ (صحيح ابن خزيمة) [1]

[1] حديث نمبر ٢٤١١، كتاب الزكاة، باب إخراج الزبيب والأقط فى صدقة الفطر، المكتب الاسلامي، بيروت.
قال مصطفىٰ الأعظمى :إسناده حسن(تعليق صحيح ابن خزيمة)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کو آزاد اور غلام، اور مَرد اور عورت، اور چھوٹے اور بڑے مسلمانوں پر فرض فرمایا، جَو سے ایک صاع، یا کھجور سے ایک صاع، یا کشمش سے ایک صاع، یا پنیر سے ایک صاع (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِزَكَاةِ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَجَعَلَ النَّاسُ عِدْلَهُ مُدَّيْنِ مِنْ حِنْطَةٍ (بخاری) [2]

[2] حديث نمبر ١٥٠٧، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر صاعا من تمر، دارطوق النجاة، بيروت.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃِ فطر کا کھجور سے ایک صاع، یا جَو سے ایک صاع کا حکم فرمایا، پھر لوگوں (یعنی صحابۂ کرام) نے اس (کھجور یا جَو) کے بدلے میں گندم کو دو مُد (یعنی آدھا صاع) کرلیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں اس مضمون کی کچھ تفصیل بھی آئی ہے۔

چنانچہ اِن کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ:

كَانَ النَّاسُ يُخْرِجُوْنَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ، أَوْ تَمْرٍ، أَوْ سُلْتٍ، أَوْ زَبِيْبٍ ، قَالَ:قَالَ

عَبْدُ اللّٰهِ: فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَكَثُرَتِ الْحِنْطَةُ، جَعَلَ عُمَرُ نِصْفَ صَاعِ حِنْطَةٍ مَكَانَ صَاعٍ مِنْ تِلْكَ الْأَشْيَاءِ (سنن أبی داؤد) [1]

[1] حديث نمبر ۱۶۱۴، كتاب الزكاة، باب كم يؤدى فى صدقة الفطر؟ المكتبة العصرية، بيروت، واللفظ لهٗ، سنن دارقطنی، حديث نمبر ۲۰۹۵.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ صدقۂ فطر جَو سے ایک صاع، یا کھجور سے ایک صاع، یا بغیر چھلکے کے جَو سے ایک صاع، یا کشمش سے ایک صاع نکالا کرتے تھے، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا، اور گندم کی کثرت ہوگئی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گندم کے آدھے صاع کو ان چیزوں کے ایک صاع کی جگہ کردیا (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گندم کا استعمال کم تھا، اس لئے زیادہ تر دوسری چیزوں سے صدقۂ فطر ادا کیا جاتا تھا، اور جب گندم کا استعمال زیادہ ہوگیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گندم سے آدھے صاع کو مقرر فرمایا۔

اور دیگر احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدھا صاع گندم سے صدقۂ فطر کی ادائیگی کا حکم رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے (جیسا کہ آگے آتا ہے) جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آدھے صاع گندم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود سے مقرر نہیں فرمایا۔ [2]

[2] قوله: (فعدل الناس) أى: معاوية ومن كان معه، وقال الكرمانى: (الناس) أى: معاوية، ثم قال: فإن قلت: التخصيص به خلاف الظاهر، فيكون المراد به الصحابة فيصير إجماعا سكوتيا (عمدة القارى ج۹ص ۱۲۰، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر على الحر والمملوك)

قوله: (قال عبد الله) أى: عبد الله بن عمر. قوله: (فجعل الناس) أراد به معاوية ومن تبعه، ووقع ذلك صريحا فى حديث أيوب عن نافع أخرجه الحميدى فى (مسنده) عن سفيان بن عيينة، حدثنا أيوب ولفظه: (صدقة الفطر صاع من شعير أو صاع من تمر، قال ابن عمر: فلما كان معاوية عدل الناس نصف صاع بر بصاع من شعير) وهكذا أخرجه ابن خزيمة فى (صحيحه) من وجه آخر عن سفيان، وقال أبو داود: حدثنا الهيثم بن خالد الجهنى، حدثنا حسين بن على الجعفى عن زائدة حدثنا عبد العزيز بن أبى داود (عن نافع عن عبد الله بن عمر، قال: كان الناس يخرجون صدقة الفطر على عهد رسول الله، صلى الله عليه وسلم، صاعا من شعير أو تمر أو سلت أو زبيب، قال عبد الله: فلما كان عمر، رضى الله تعالى عنه، وكثرت الحنطة جعل عمر نصف صاع حنطة مكان

صاع من تلک الأشیاء) . وقال مسلم فی (کتاب التمییز) . عبد العزیز وهم فیه وأعله ابن الجوزی به، وقال صاحب (التنقیح) : وعبد العزیز هذا، وإن کان ابن حبان تکلم فیه، فقد وثقه یحیی القطان وابن معین وأبو حاتم الرازی وغیرهم، والموثقون له أعرف من المضعفین، وقد أخرج له البخاری استشهادا .وقال الطحاوی، رحمه الله :حدثنا فهد، قال :حدثنا عمرو بن طارق، قال :حدثنا یحیی بن أیوب عن یونس بن یزید أن نافعا أخبره قال :(قال عبد الله بن عمر، رضی الله تعالی عنهما: فرض رسول الله، صلی الله علیه وسلم، زکاة الفطر صاعا من تمر أو صاعا من شعیر علی کل إنسان ذکر أو أنثی حر أو عبد من المسلمین) ، وکان عبد الله بن عمر یقول :جعل الناس عدله مدین من حنطة. فقول ابن عمر :جعل الناس عدله مدین من حنطة إنما یرید أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم الذی یجوز تعدیلهم ویجب الوقوف عند قولهم، فإنه قد روی عن عمر مثل ذلک فی کفارة الیمین أنه قال ذلک، فأطعم عنی عشرة مساکین کل مسکین نصف صاع من بر أو صاعا من تمر أو شعیر،ویروی عن علی، رضی الله تعالی عنه، مثل ذلک مع أنه قد روی عن عمر وعن أبی بکر، رضی الله تعالی عنهما أیضا، وعن عثمان بن عفان، رضی الله تعالی عنه، فی صدقة الفطر أنها من الحنطة نصف صاع .وقال أبو داود :حدثنا عبد الله بن مسلم حدثنا داود یعنی ابن قیس عن عیاض بن عبد الله عن أبی سعید الخدری قال :کنا نخرج، إذ کان فینا رسول الله صلی الله علیه وسلم، زکاة الفطر عن کل صغیر وکبیر حر أو مملوک صاعا من طعام أو صاعا من أقط أو صاعا من شعیر أو صاعا من تمر أو صاعا من زبیب، فلم نزل نخرجه حتی قدم معاویة حاجا أو معتمرا فکلم الناس علی المنبر فکان فیما کلم الناس أن قال :إنی أری مدین من سمراء الشام تعدل صاعا من تمر، فأخذ بذلک الناس، فقال أبو سعید :فأما أنا فلا أزال أخرجه أبدا ما عشت) . وقال النووی: هذا الحدیث معتمد أبی حنیفة، قال بأنه فعل صحابی، وقد خالفه أبو سعید وغیره من الصحابة ممن هو أطول صحبة منه وأعلم بحال النبی صلی الله علیه وسلم، وقد أخبر معاویة بأنه رأی رآه، لا قول سمعه من النبی صلی الله علیه وسلم، قلنا :إن قوله :فعل صحابی، لا یمنع لأنه قد وافقه غیره من الصحابة الجم الغفیر بدلیل قوله فی الحدیث :فأخذ الناس بذلک، ولفظ الناس للعموم، فکان إجماعا .ولا تضر مخالفة أبی سعید لذلک بقوله :أما أنا فلا أزال أخرجه، لأنه لا یقدح فی الإجماع، سیما إذا کان فیه الخلفاء الأربعة، أو نقول :أراد الزیادة علی قدر الواجب تطوعا .قوله: (من سمراء الشام) ، بفتح السین المهملة وسکون المیم وبعدها راء ممدودة، وهو البر الشامی، وینطلق علی کل بر .قوله :(عدله) ، بفتح العین وکسرها، قاله الکرمانی، والأظهر أنه بالکسر أی: نظیره .وقال الأخفش :العدل، بالکسر المثل، وبالفتح مصدر عدلته بهذا، وقال الفراء، بالفتح ما عادل الشیء من غیر جنسه، وبالکسر :المثل .قوله :(مدین) ، تثنیة مد، وهو ربع الصاع(عمدة القاری، ج۹ ص۱۱۶، کتاب الزکاة ،باب صاع من زبیب)

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كُنَّا نُخْرِجُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ ، وَقَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ: وَكَانَ طَعَامَنَا الشَّعِيْرُ وَالزَّبِيْبُ

وَالْأَقِطُ وَالتَّمْرُ (بخاری) [1]

[1] حديث نمبر ١٥١٠، كتاب الزكاة، باب الصدقة على العبد، دارطوق النجاة، بيروت.

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عیدُ الفطر کے دن کھانے کے ایک صاع سے صدقۂ فطر نکالا کرتے تھے، اور حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ ہمارا کھانا جَو، اور کشمش، اور پنیر، اور کھجور تھا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

كُنَّا نُخْرِجُ زَكَاةَ الفِطْرِ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيرٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ أَقِطٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ زَبِيبٍ (بخاری) [2]

[2] حديث نمبر ١٥٠٦، كتاب الزكاة، باب: صدقة الفطر صاع من طعام، دارطوق النجاة، بيروت.

ترجمہ: ہم زکاۃِ فطر کھانے کے ایک صاع سے یا جَو کے ایک صاع سے، یا کھجور کے ایک صاع سے، یا پنیر کے ایک صاع سے، یا کشمش کے ایک صاع سے نکالا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ایک صاع سے مراد گیہوں کے علاوہ دوسری چیزیں ہیں، اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی روایات سے یہ معلوم ہو چکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گیہوں کا استعمال کم تھا۔

ورنہ گیہوں کے بارے میں آدھے صاع کا کئی احادیث وروایات میں ذکر ہے۔

بلکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی صحیح روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گیہوں سے آدھا صاع صدقۂ فطر ادا کیا جاتا تھا، اگرچہ گیہوں کے استعمال کے کم ہونے کی وجہ سے اس کے ادا کرنے والے لوگ کم تھے۔ [1]

[1] قال أبو سعيد الخدري: كنا إذا كان فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم نخرج زكاة الفطر .. صاعا من طعام أو صاعا من أقط أو صاعا من شعير أو صاعا من تمر أو صاعا من زبيب . .رواه الجماعة "استدل المؤلف بهذا على أن الواجب في القمح صاع لقوله فيه ": صاعا من طعام " وذلك بناء على ما حكاه الخطابي أن المراد ب "الطعام" هنا الحنطة لكن رد ذلك ابن المنذر

بأن أبا سعيد أجمل الطعام ثم فسره ثم أورد حديث أبى سعيد عند البخارى بلفظ " :كنا نخرج فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الفطر صاعا من طعام قال أبو سعيد :وكان طعامنا الشعير والزبيب والأقط والتمر "قال الحافظ " :وهى ظاهرة فيما قال "وأخرجه الطحاوى نحوه وقال فيه " :ولا يخرج غيره "ثم ذكر الحافظ لحديث أبى سعيد طرقا وألفاظا أخرى ثم قال " :وهذه الطرق كلها تدل على أن المراد بالطعام فى حديث أبى سعيد غير الحنطة فيحتمل أن تكون الذرة فإنه المعروف عند أهل الحجاز الآن وهى قوت غالب لهم "

قلت :فتبين أنه لا دليل فى الحديث على ما ذكره المؤلف ثم إن صنيعه يشير إلى أنه ليس لمذهب أبى حنيفة القائل بإخراج نصف صاع من القمح دليل غير ما جاء فى حديث أبى سعيد من تعديل معاوية مدين من القمح بصاع من تمر وليس الأمر كذلك بل فيه أحاديث مرفوعة إلى النبى صلى الله عليه وسلم أصحها حديث عروة بن الزبير " :أن أسماء بنت أبى بكر كانت تخرج على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أهلها -الحر منهم والمملوك -مدين من حنطة أو صاعا من تمر بالمد أو بالصاع الذى يقتاتون به "

أخرجه الطحاوى واللفظ له وابن أبى شيبة وأحمد وسنده صحيح على شرط الشيخين

وفى الباب آثار مرسلة ومسندة يقوى بعضها بعضا كما قال ابن القيم فى "الزاد "وقد ساقها فيه فليراجعها من شاء وخرجتها أنا فى "التعليقات الجياد "

فثبت من ذلك أن الواجب فى صدقة الفطر من القمح نصف صاع وهو اختيار شيخ الإسلام ابن تيمية كما فى "الاختيارات "وإليه مال ابن القيم كما سبق وهو الحق إن شاء الله تعالى(تمام المنة فى التعليق على فقه السنة للالبانى، ص ۳۸۶، ۳۸۷)

چنانچہ حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

كُنَّا نُؤَدِّىْ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدَّيْنِ مِنْ قَمْحٍ، بِالْمُدِّ الَّذِىْ تَقْتَاتُوْنَ بِهٖ (مسند أحمد) [۲]

[۲] حديث نمبر ۲۶۹۳۶ ،مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، مشكل الآثار للطحاوى، جلد۴، باب بيان ماروى عن رسول الله فى مقدار صدقة الفطر.

فى حاشية مسند احمد:

حديث صحيح، وهذا إسناد حسن، عبد الله بن المبارك صحيح السماع من ابن لهيعة -وهو عبد اللّٰه -فقد سمع منه قبل احتراق كتبه، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين غير عتَّاب بن زياد -وهو الخراسانى -فقد روى له ابن ماجه، وهو ثقة.

وأخرجه حُميد بن زنجويه فى "الأموال ۲۳۷۷ " والطحاوى فى "شرح معانى الآثار ۴۳/۲ "والطبرانى فى "الكبير ۳۵۲/۲۴" وفى "الأوسط ۸۹۶۷ "من طرق عن ابن لهيعة، بهذا الإسناد.وأخرجه الحارث -كما، فى "بغية الباحث ۲۹۳ "من طريق يحيى بن إسحاق، عن ابن لهيعة، عن أبى الأسود محمد بن عبد الرحمن بن نوفل، عن أسماء ، به .لم يذكر فاطمة فى الإسناد .وأخرجه ابن خزيمة ۲۴۰۱ ، والطبرانى فى "الكبير ۲۱۹/۲۴ "والحاكم ۴۱۲/۱، والبيهقى فى "السنن ۱۷۰/۴ "من طريق عُقيل

بن خالد، والطحاوی فی "شرح معانی الآثار ۲/۴۳"والطبرانی ۲۴/۲۱۸من طریق یحیی بن أیوب، کلاهما هشام بن عروة، عن أبیه، عن أسماء ، به.
وصححه الحاکم، ووافقه الذهبی.وأخرجه حمید بن زنجویه فی "الأموال ۲۳۷۸ "عن محاضر بن مورّع، عن هشام بن عروة، عن فاطمة بنت المنذر، عن أسماء ، به.
ومحاضر بن مورّع له أوهام .وأخرجه ابن أبی شیبة۳/۱۷۲عن عبد الرحیم بن سلیمان، عن هشام بن عروة، عن أبیه -أو عن فاطمة، علی الشک -عن أسماء ، به.وسیکرر برقم ۲۶۹۹۵ سنداً ومتناً.

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زکاۃِ فطر گیہوں کے دو مُد (یعنی آدھا صاع) ادا کیا کرتے تھے، اُس مُد کے حساب سے کہ جس سے تم وزن کرتے ہو (ترجمہ ختم)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كُلِّ صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ حُرٍّ أَوْ عَبْـدٍ مِـمَنْ يَمُوْنُوْنَ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ زَبِيْبٍ عَنْ كُلِّ إِنْسَانٍ (سنن البیهقی) [1]

[1] حدیث نمبر ۷۶۸۳، کتاب الزکاة، باب إخراج زکاة الفطر عن نفسه وغیره ممن تلزمه مؤنته الخ، دارالکتب العلمیة، بیروت.
قال البیهقی:
وَهُوَ فِيمَا أَجَازَ لِي أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ رِوَايَتَهُ عَنْهُ عَنْ أَبِي الْوَلِيدِ، ثنا مَكِّيُّ بْنُ عَبْدَانَ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، ثنا النُّفَيْلِيُّ ,ثنا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ فَذَكَرَهُ وَهُوَ مُرْسَلٌ .وَرُوِيَ ذَلِكَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُوسَى الرِّضَا عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ آبَائِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر ہر چھوٹے بڑے، آزاد اور غلام، جو کسی کی کفالت میں ہوں پر فرض فرمایا، جَو سے ایک صاع، کھجور سے ایک صاع، کشمش سے ایک صاع، ہر انسان کی طرف سے (ترجمہ ختم)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی کچھ مختصر لفظوں میں اسی طرح کا مضمون مروی ہے۔ [1]

[1] عَنْ عَلِيٍّ ؛ فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ ، أَوْ صَاعٌ مِنْ شَعِيرٍ ، أَوْ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ (مصنف ابن أبی شیبة،حدیث نمبر ۱۰۴۵۱، فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٍّ، واللفظ لهٗ، سنن دارقطنی، حدیث نمبر ۲۱۲۷)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلَى الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ، وَالْحُرِّ وَالْعَبْدِ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى، نِصْفَ صَاعٍ مِّنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيْرٍ (سنن نسائی) ۲

۲ حدیث نمبر ۱۵۸۰، کتاب صلاۃ العیدین، باب حث الإمام علی الصدقة فی الخطبة، مکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب، واللفظ لہ، مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۱۰۴۳۵.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر فرض فرمایا چھوٹے پر اور بڑے پر، اور آزاد پر اور غلام پر، مرد پر اور عورت پر آدھا صاع گندم کا یا ایک صاع کھجور یا جَو کا (ترجمہ ختم)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی کچھ مختصر انداز میں اسی طرح کی روایت مروی ہے۔ ۳

۳ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: الصَّدَقَةُ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ، أَوْ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ طَعَامٍ. (مصنف ابن أبی شیبة، حدیث نمبر ۱۰۴۵۴، فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٍّ)

اور حضرت عبداللہ بن ثعلبہ سے روایت ہے کہ:

خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ فَقَالَ: أَدُّوْا صَاعًا مِّنْ بُرٍّ، أَوْ قَمْحٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ، أَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ عَلٰى كُلِّ أَحَدٍ صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ (مصنف عبدالرزاق) ۱

۱ حدیث نمبر ۵۷۸۵، کتاب صلاۃ العیدین، باب زکاۃ الفطر، المکتب الإسلامی - بیروت، واللفظ لہ، مسند احمد حدیث نمبر ۲۳۶۶۳.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو عید الفطر سے ایک یا دو دن پہلے خطبہ دیا، اور فرمایا کہ تم گندم کا ایک صاع دو افراد کی طرف سے (یعنی ایک کی طرف سے آدھا صاع) یا کھجور کا ایک صاع، یا جَو کا ایک صاع ہر ایک چھوٹے بڑے (فرد) کی طرف سے ادا کرو (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ قَبْلَ الْعِيْدِ بِيَوْمٍ أَوِ اثْنَيْنِ فَقَالَ: إِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ مُدَّانِ مِنْ بُرٍّ عَنْ كُلِّ إِنْسَانٍ أَوْ صَاعٌ مِمَّا سِوَاهُ مِنَ الطَّعَامِ (سنن دارقطنی) [۲]

[۲] حدیث نمبر ۲۱۱۱، کتاب زکاة الفطر، مؤسسة الرسالة، بیروت.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید سے ایک دن یا دو دن پہلے خطبہ دیا، اور فرمایا کہ صدقۂ فطر گیہوں کے دو مُد (یعنی آدھا صاع) ہر انسان کی طرف سے، یا اس کے علاوہ دوسرے کھانے سے ایک صاع ہے (ترجمہ ختم)

اس حدیث کی سند کو بعض محدثین نے ضعیف اور بعض نے صحیح قرار دیا ہے۔ [۳]

[۳] فی حاشية مسند احمد:

وهذا الإسناد ضعيف، فإن ابن جريج -واسمه عبد الملک بن عبد العزيز -مدلِّس ولم يصرِّح بسماعه من الزهرى، وقد اختُلف فيه على الزهرى كما سيأتى.

وهو فى "مصنف "عبد الرزاق٥٧٨٥ ،ومن طريقه أخرجه البخارى فى "تاريخه٦/٣٦" وأبو داود١٦٢١ ، والدارقطنى فى "سننه٢/١٥٠"

وأخرجه بنحوه الدارقطنى ٢/١٤٨، ١٤٩ من طريق على بن صالح، عن يحيى ابن جُرجَة، عن الزهرى، به وإسناده ضعيف، على بن صالح ويحيى بن جرجة ليسا بذاک.

قوله" :بين اثنين "هو بمعنى الرواية التالية" :عن كل اثنين "أى :يُخرج عن كل واحدٍ نصف صاع، وهو مُدَّان.

وقال العينى:

قال ابن الجوزى :وعلى بن صالح ضعفوه .قال صاحب "التنقيح :"هذا خطأ منه، ولا نعلم أحدا ضعفه، لكنه غير مشهور الحال، وقال ابن أبى حاتم :سألت أبى عنه؟ فقال: مجهول، لا أعرفه، وذكر غير أبى حاتم أنه مكى معروف، وهو أحد العباد، وكنيته :أبو الحسن .وروى عن :عمرو بن دينار، وعبد الله بن عثمان بن خُثيم، ويحيى بن جُرجَة، والأوزاعى، وعبيد الله بن عمر، وجماعة .وروى عنه :سعيد بن سالم القداح، ومعتمر بن سليمان، وسفيان الثورى .وروى له :الترمذى فى "جامعه"، وذكره ابن حبان فى كتاب "الثقات"، وقال :يعرف، وتوفى سنة إحدى وخمسة ومائة، ورواه البيهقى كذلک عن المعتمر بن سليمان، عن على بن صالح به، قال :ورواه سالم بن نوح، عن ابن جريج، عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده مرفوعاً ثم قال :قال الترمذى سألت محمد بن إسماعيل عن هذا الحديث؟ فقال ة ابن جريج لم يسمع من عمرو بن شعيب . انتهى كلامه(شرح سنن أبى داود، لبدر الدين العينى ، ج٦ ص٣٤٨، ٣٤٩، كتاب

الزکاۃ، باب من روی نصف صاع من قمح)

لیکن اس کی تائید دیگر کئی احادیث وروایات اور آثار سے ہوتی ہے۔ ؎

؎ قال الالبانی:

أدوا صاعا من بر أو قمح بین اثنین أو صاعا من تمر أو صاعا من شعیر عن کل حر وعبد و صغیر و کبیر . "

أخرجه الدارقطنی (۲۲۳ ص ۲۲۴)و أحمد/ ۴۳۲/۲عن الزهری عن عبد الله بن ثعلبة بن صعیر -أو عن ثعلبة -عن أبیه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال :فذکره .قلت : و هذا إسناد رجاله ثقات إلا أنهم اختلفوا فی صحبة عبد الله بن ثعلبة لکنه قال فی هذه الروایة و غیرها " :عن أبیه . "فهو مسند ، و قد أخرجه الضیاء المقدسی فی " الأحادیث المختارة "کما فی "زوائد الجامع الصغیر "(ق ۹/ ۲) و للحدیث شواهد کثیرة خرجت طائفة منها فی "التعلیقات الجیاد (السلسلة الصحیحة، تحت حدیث رقم ۱۱۷۷)

وقال ایضاً:

"أدوا صاعا من طعام . "

أخرجه البیهقی(۱۶۷/۴)و أبو نعیم فی "الحلیة "(۱۲/۳ ص ۲۶۲/۶)من طریق عبد الله بن الجراح حدثنا حماد بن زید عن أیوب عن أبی رجاء العطاردی عن ابن عباس قال:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال " :غریب من حدیث حماد و أیوب و لا أعلم له راویا إلا عبد الله بن الجراح . "قلت :و هو صدوق کما قال أبو زرعة ، و قال النسائی " :ثقة . "و ذکره ابن حبان فی "الثقات "و قال " :مستقیم الحدیث . "و أما أبو حاتم فقال " :کان کثیر الخطأ و محله الصدق . "قلت :فهو حسن الحدیث إن شاء الله تعالی .(تنبیه) و المراد بالطعام هنا ما سوی القمح فإنه یجزیء فیه نصف الصاع لحدیث عبد الله بن ثعلبة بن أبی صعیر المتقدم ۱۱۷۷ بلفظ " :أدوا صاعا من بر أوقمح بین اثنین . " ...و یشهد له عدة أحادیث (السلسلة الصحیحة للالبانی، تحت حدیث رقم ۱۱۷۹)

اور حضرت اعرج سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، فِی زَکَاةِ الْفِطْرِ :عَلٰی کُلِّ حُرٍّ وَّعَبْدٍ، ذَکَرٍ أَوْ أُنْثٰی، صَغِیْرٍ أَوْ کَبِیْرٍ، فَقِیْرٍ أَوْ غَنِیٍّ، صَاعٌ مِّنْ تَمْرٍ، أَوْ نِصْفُ صَاعٍ مِّنْ قَمْحٍ(مسنداحمد) ؎

؎ حدیث نمبر ۷۷۲۴،مؤسسة الرسالة، بیروت.

فی حاشیة مسند احمد: رجاله ثقات رجال الشیخین، وهو موقوف.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے زکاۃِ فطر کے بارے میں فرمایا کہ ہر

آزاد اور غلام، اور مرد، عورت، اور چھوٹے، بڑے، اور فقیر اور غنی پر ہے، کھجور کا ایک صاع، یا گندم کا آدھا صاع (ترجمہ ختم)

اس کے علاوہ کئی دیگر احادیث میں دوسری چیزوں سے پورا صاع اور گندم سے آدھا صاع یا دومُد (جوکہ آدھے صاع کے برابر ہوتا ہے) صدقۂ فطر ادا کرنے کا ذکر ہے۔

اور ان میں سے بعض احادیث اگرچہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں، مگر سب آپس میں مل کر قبولیت بلکہ صحت کے درجے کو پہنچ جاتی ہیں۔ [۲]

[۲] عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِيًا فِي فِجَاجِ مَكَّةَ :أَلَا إِنَّ صَدَقَةَ الفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ، مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ، أَوْ سِوَاهُ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ (ترمذی، حدیث نمبر ۶۷۴،سنن الدارقطنی، حدیث نمبر ۲۰۸۳)

قال الترمذی :هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرَوَى عُمَرُ بْنُ هَارُونَ هَذَا الحَدِيثَ، عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، وَقَالَ عَنِ العَبَّاسِ بْنِ مِينَاءَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ بَعْضَ هَذَا الحَدِيثِ، حَدَّثَنَا جَارُودُ قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ هَارُونَ هَذَا الحَدِيثَ(ترمذی، حوالہ بالا)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :صَدَقَةُ الْفِطْرِ عَلَى كُلِّ إِنْسَانٍ مُدَّانِ مِنْ دَقِيقٍ أَوْ قَمْحٍ، وَمِنَ الشَّعِيرِ صَاعٌ، وَمِنَ الْحَلْوَاءِ، زَبِيبٍ أَوْ تَمْرٍ، صَاعٌ صَاعٌ(المعجم الأوسط للطبرانی ، حدیث نمبر ۷۶۶۴)

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط، وفيه الليث بن حماد، وهو ضعيف(مجمع الزوائد،باب صدقة الفطر)

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، يَرْفَعُهُ ؛ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ ؟ فَقَالَ :عَنِ الصَّغِيرِ ، وَالْكَبِيرِ، وَالْحُرِّ ، وَالْمَمْلُوكِ ، نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ ، أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ ، أَوْ شَعِيرٍ(مصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۱۰۴۳۸ ،فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٍّ)

اور کئی جلیل القدر صحابۂ کرام سے بھی صدقۂ فطر دوسری چیزوں سے پورا صاع اور گندم سے آدھا صاع ہونے کی روایات ہیں۔ [۱]

[۱] عَنْ أَبِي قِلَابَةَ ,قَالَ :أَنْبَأَنِي مَنْ أَدَّى إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ(سنن دارقطنی، حدیث نمبر ۲۱۲۸، واللفظ لہ، مصنف ابن ابی شیبۃ، حدیث نمبر ۱۰۴۳۷)

عَنْ عَاصِمٍ ,عَنْ أَبِي قِلَابَةَ ,قَالَ :أَنْبَأَنِي رَجُلٌ ,أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ أُدِّيَ إِلَيْهِ صَاعٌ مِنْ بُرٍّ بَيْنَ رَجُلَيْنِ(سنن دارقطنی،حدیث نمبر ۲۱۲۹)

عَنْ أَبِي قِلَابَةَ ، عَنْ عُثْمَانَ ، قَالَ :صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ ، أَوْ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ(مصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۱۰۴۳۶ ،فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٍّ)

عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ، قَالَ :مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ ، أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ ، أَوْ

شَعِيرٍ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ١٠٤٤٣،فِى صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعِ بُرٍّ)
عَنِ أَبِى الزُّبَيْرِ ، عَنْ جَابِرٍ ؛ مِثْلَهُ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ١٠٤٤٤،فِى صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعِ بُرٍّ)
عَنْ عَمْرٍو ؛ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ الزُّبَيْرِ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ ، يَقُولُ :مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ ، أَوْ صَاعٌ مِنْ شَعِيرٍ ، أَوْ تَمْرٍ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ١٠٤٤٨،فِى صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعِ بُرٍّ)
حدَّثَنِى أَبُو حَبِيبٍ ، قَالَ :سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ شَدَّادٍ عَنْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ ؟ فَقَالَ :نِصْفُ صَاعٍ مِنْ حِنْطَةٍ ، أَوْ دَقِيقٍ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ١٠٤٥٠،فِى صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعِ بُرٍّ)
عَنْ أَسْمَاءَ ؛ أَنَّهَا كَانَتْ تُعْطِى زَكَاةَ الْفِطْرِ عَمَّنْ تَمُونُ مِنْ أَهْلِهَا الشَّاهِدِ ، وَالْغَائِبِ ، نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ ، أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ ، أَوْ شَعِيرٍ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ١٠٤٥٠،فِى صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعِ بُرٍّ)

اور صحابۂ کرام کے علاوہ کئی جلیل القدر تابعین سے بھی صدقۂ فطر دوسری چیزوں سے پورا صاع اور گندم سے آدھا صاع ہونے کی روایات ہیں۔ [1]

---

[1] عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ :صَدَقَةُ الْفِطْرِ عَنِ الصَّغِيرِ ، وَالْكَبِيرِ ، وَالْحُرِّ ، وَالْعَبْدِ ، عَنْ كُلِّ إِنْسَانٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ١٠٤٣٩،فِى صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعِ بُرٍّ)
عَنْ مُجَاهِدٍ ، قَالَ :عَنْ كُلِّ إِنْسَانٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ ، وَمَنْ خَالَفَ الْقَمْحَ ، مِنْ تَمْرٍ ، أَوْ زَبِيبٍ ، أَوْ أَقِطٍ ، أَوْ شَعِيرٍ ، أَوْ غَيْرِهِ ، فَصَاعٌ تَامٌّ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ١٠٤٤٠،فِى صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعِ بُرٍّ)
عَنِ الشَّعْبِيِّ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ :صَدَقَةُ الْفِطْرِ عَمَّنْ صَامَ مِنَ الأَحْرَارِ ، وَعَنِ الرَّقِيقِ مَنْ صَامَ مِنْهُمْ ، وَمَنْ لَمْ يَصُمْ ، نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ ، أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ ، أَوْ شَعِيرٍ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ١٠٤٤١،فِى صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعِ بُرٍّ)
عَنِ ابْنِ طَاوُوس ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ :نِصْفُ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ ، أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ١٠٤٤٥،فِى صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعِ بُرٍّ)
عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ، عَنْ عَطَاءٍ ، قَالَ :مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ ، أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ ، أَوْ شَعِيرٍ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ١٠٤٤٧،فِى صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعِ بُرٍّ)
عَنْ عَوْفٍ ، قَالَ :سَمِعْتُ كِتَابَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى عَدِيٍّ يُقْرَأُ بِالْبَصْرَةِ فِى صَدَقَةِ رَمَضَانَ :عَلَى كُلِّ صَغِيرٍ ، أَوْ كَبِيرٍ ، حُرٍّ ، أَوْ عَبْدٍ ، ذَكَرٍ ، أَوْ أُنْثَى ، نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ ، أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ.(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ١٠٤٥٣،فِى صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعِ بُرٍّ)

ملحوظ رہے کہ گندم کے ذریعہ سے آدھا صاع کی مقدار میں صدقۂ فطر کی ادائیگی بعض فقہاء

کے نزدیک جائز ہے، جن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی داخل ہیں۔
جبکہ دیگر اکثر فقہاء کے نزدیک صدقۂ فطر کی ادائیگی گندم کے ذریعہ سے بھی پورا ایک صاع ہے۔ [2]

[2] وقد ذهب الجمهور منهم أحمد والشافعي إلى أنها صاع من البر وغيره وذهب بعض الصحابة إلى أن الفطرة من البر نصف صاع وقد حكاه ابن المنذر عن علي وعثمان وأبي هريرة وجابر وابن عباس وابن الزبير وأمه أسماء بنت أبي بكر رضي الله تعالى عنهم بأسانيد صحيحة كما قال الحافظ وإليه ذهب زيد بن علي والإمام يحيى وأبو حنيفة حكى ذلك صاحب البحر وقد تمسكوا بحديث ابن عباس مرفوعا ((صدقة الفطر مدان من قمح)) أخرجه الحاكم وأخرج نحوه الترمذي من حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده مرفوعا وفي الباب أحاديث تعضد ذلك(الدراري المضية شرح الدرر البهية للشوكاني، ج٢ص ١٦٨، كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)

اور اس میں شک نہیں کہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے، تو وہ گندم کے ذریعہ سے بھی پورا ایک صاع ادا کرے، تو زیادہ ثواب کا باعث ہے۔
چنانچہ حضرت اسود سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:

أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ إِذَا وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَى النَّاسِ ، أَنْ يُتِمُّوا صَاعًا مِّنْ قَمْحٍ عَنْ كُلِّ إِنْسَانٍ(مُصنف ابن أبي شيبة) [1]

[1] حديث نمبر ١٠٤٥٨، كتاب الزكاة، باب من قال صدقة الفطر صاع من شعير او تمر او قمح.

ترجمہ: مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو وسعت عطا فرمائی ہو، تو وہ ہر انسان کی طرف سے گندم کا پورا ایک صاع ادا کریں (ترجمہ ختم)

تاہم گندم کے ذریعہ سے آدھا صاع ادا کرنے کی صورت میں بھی فقہ حنفی کے مطابق اس کا صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔

پھر یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ اگر کوئی مذکورہ چار چیزوں میں سے بعینہٖ کوئی چیز دینے کے بجائے اُن میں سے کسی چیز کی قیمت نکال کر نقد کی شکل میں روپیہ پیسہ دینا چاہے، تو یہ بھی جائز ہے۔

چنانچہ حضرت وکیع حضرت قرۃ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

جَـاءَ نَا كِتَابُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فِيْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ نِصْفُ صَاعٍ عَنْ كُلِّ اِنْسَانٍ اَوْ قِيْمَتُهٗ نِصْفُ دِرْهَمٍ (مصنف ابنِ ابی شيبة) [۲]

[۲] حديث نمبر ۱۰۴۷۰، كتاب الزكاة،باب فی إعطاء الدرهم فی زكاة الفطر.

ترجمہ: ہمارے پاس حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تحریر صدقۂ فطر کے بارے میں پہنچی کہ ہر انسان کی طرف سے آدھا صاع (گندم) ہے یا اس کی قیمت ہے جو کہ آدھا درہم ہے (ترجمہ ختم)

اُس وقت آدھے صاع گندم کی قیمت آدھا درہم تھی، اس لیے اُس دور کے اعتبار سے آدھا درہم بتلائی گئی، ورنہ جس زمانے میں بھی کوئی قیمت اور نقدی کی شکل میں ادا کرنا چاہتا ہے، اُس وقت کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور حضرت ہشام، حضرت حسن سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لَابَأْسَ اَنْ تُعْطِيَ الدَّرَاهِمَ فِيْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ (مصنف ابنِ ابی شيبة) [۱]

[۱] حديث نمبر ۱۰۴۷۱، كتاب الزكاة،باب فی إعطاء الدرهم فی زكاة الفطر.

ترجمہ: اس میں کوئی حرج نہیں کہ آپ صدقۂ فطر میں دراہم (یعنی قیمت نقدی کی شکل میں) ادا کریں (ترجمہ ختم)

اور ابواُسامہ، حضرت زہیر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابواسحاق (تابعی) سے سُنا جو یہ فرمارہے تھے کہ:

اَدْرَكْتُهُـمْ وَهُـمْ يُعْـطُـوْنَ فِـيْ صَدَقَةِ رَمَضَانَ الدَّرَاهِمَ بِقِيْمَةِ الطَّعَامِ (مصنف ابنِ ابی شيبة) [۲]

[۲] حديث نمبر ۱۰۴۷۲، كتاب الزكاة،باب فی إعطاء الدرهم فی زكاة الفطر.

ترجمہ: میں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس حال میں پایا کہ وہ رمضان کا صدقۂ فطر دراہم سے (نقدی کی شکل میں) کھانے (یعنی کھجور، کشمش، جَو وغیرہ) کی قیمت کے حساب سے ادا فرمایا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر میں کھجور، کشمش، جَو اور گندم کی مخصوص مقدار ادا کرنے کے بجائے ان کی مقدار کی قیمت نکال کر نقدی کی صورت میں رقم دینا بھی جائز ہے۔

اس قسم کی احادیث وروایات کی روشنی میں فقہائے احناف نے جو مسائل اخذ کئے ہیں، اب ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ:...... صدقۂ فطر وزن کے اعتبار سے چار قسم کی چیزوں میں سے کسی ایک چیز سے ادا کرنا جائز ہے، اور وہ چار چیزیں یہ ہیں:

(۱)......ایک صاع کشمش (۲)......ایک صاع کھجور (یا چھوارا)

(۳)......ایک صاع جَو (۴)......آدھا صاع گندم (یا گیہوں)

جہاں تک بعض احادیث میں ایک صاع پنیر کا ذکر ہے، تو بعض فقہاء ایک صاع پنیر کے ذریعہ سے بھی صدقۂ فطر ادا ہونے کے قائل ہیں۔

لیکن فقہائے احناف نے فرمایا کہ اکثر احادیث میں پنیر کا ذکر نہیں ہے، اس لئے پنیر سے ادائیگی قیمت کی صورت میں کرنی چاہیئے، یعنی اگر کوئی پنیر سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہے، تو اسے ایک صاع کشمش یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو، یا آدھے صاع گندم کی قیمت کے برابر ادا کرنا چاہیئے، خواہ ان میں سے کسی چیز کی قیمت کے اعتبار سے پنیر ایک صاع وزن کے برابر ہو، یا اس سے کم وبیش۔ [1]

---

[1] الوجه الثالث :في قوله :(أو صاعا من أقط) قال النووى :اختلفوا فى الأقط، قيل :لا يجزيه لأنه لا يجب فيه العشر، وقال الماوردى :الخلاف فيه فى أهل البادية أما أهل الحضر فلا يجزيهم قولا واحدا .وقال شيخنا زين الدين، رحمه الله تعالى :وقد اختالف فى قول الشافعى فى الأقط، وقال الشيخ تقى الدين فى (شرح العمدة) : قد صح الحديث به .وهو يرد قول الشافعى، وقال النووى فى (شرح مسلم) : ويجزى الأقط على المذهب وعندنا :تجوز صدقة الفطر بالأقط، وفى (التحفة) :فى الأقط تعتبر القيمة .وقال مالك :تجب صدقة الفطر من تسعة أشياء ، وهى :القمح والشعير والسلت والذرة والدخن والأرز والتمر والزبيب والأقط، وزاد ابن حبيب :العلس، فصارت عشرة.
(عمدة القارى، ج۹ ص۱۱۵، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر صاعا من طعام)

أو صاعا من أقط وبه أخذ مالك -رحمه الله تعالى -وقال الأقط :كان قوتا لأهل البادية فى ذلك الوقت كما أن الشعير والتمر كانا قوتا فى أهل البلاد وأصحابنا قالوا :الحديث شاذ لم ينقل فى الآثار المشهورة وبمثله لا يجوز إثبات التقدير فيما تعم به البلوى فيبقى الاعتبار بالقيمة فإن كانت

قیمته قیمة نصف صاع من بر أو صاع من شعیر جاز وإلا فلا والحاصل أن فیما هو منصوص لا تعتبر القیمة حتی لو أدی نصف صاع من تمر تبلغ قیمته قیمة نصف صاع من بر لا یجوز؛ لأن فی اعتبار القیمة هنا إبطال التقدیر المنصوص فی المؤدی، وذلک لا یجوز فأما ما لیس بمنصوص علیه فإنه ملحق بالمنصوص باعتبار القیمة إذ لیس فیه إبطال التقدیر المنصوص وسویق الحنطة کدقیقها؛ لأن التقدیر منه نصف صاع لما بینا فی الدقیق، والله تعالی أعلم بالصواب (المبسوط للسرخسی، ج۳ص۱۱۴، کتاب الصوم، باب صدقة الفطر)

اور راجح یہ ہے کہ کشمش کے ذریعہ سے بھی صدقۂ فطر کی مقدار ایک صاع ہے (جیسا کہ کئی احادیث میں اس کا ذکر ہے) نہ کہ آدھا صاع، جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے۔ ۲

۲ اور کتبِ فقہ میں جو ایک روایت کشمش سے آدھا صاع کی ہے، وہ دلائل کے لحاظ سے کمزور ہے، اور کشمش سے ایک صاع ہونے کی روایت راجح اور مفتٰی بہ ہے، کیونکہ احادیث میں صراحتاً کشمش کے ایک صاع ہونے کا ذکر ہے۔

وإنما تجب صدقة الفطر من أربعة أشیاء من الحنطة والشعیر والتمر والزبیب کذا فی خزانة المفتین وشرح الطحاوی وهی نصف صاع من بر أو صاع من شعیر أو تمر ودقیق الحنطة والشعیر وسویقهما مثلهما (الفتاوی الهندیة، ج۱ص۱۹۱، کتاب الزکاة وفیه ثمانیة أبواب، الباب الثامن فی صدقة الفطر)

قال: (وهی نصف صاع من بر أو دقیقه ، أو صاع من شعیر أو دقیقه ، أو تمر أوزبیب) أما البر والشعیر والتمر فلما روینا ، وأما الدقیق فلأنه مثل الحب بل أجود ، وکذا سویقهما ؛ وأما الزبیب فقد روی فی حدیث أبی سعید الخدری 'أو صاعا من زبیب .' وعن أبی حنیفة فی الزبیب نصف صاع ، لأنه لا یؤکل بعجمه فأشبه الحنطة (الاختیار لتعلیل المختار، ج۱ص۱۲۳، ۱۲۴، کتاب الزکاة،باب صدقة الفطر)

وجعله الزبیب کالبر روایة الجامع الصغیر وجعلاه کالتمر، وهو روایة عن أبی حنیفة وصححها أبو الیسر ورجحها المحقق فی فتح القدیر من جهة الدلیل(البحرالرائق، ج۲ص۲۷۳، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر)

(ومِنْ زَبِیبٍ نِصْفُ صَاعٍ) وقال أَبو یوسف ومحمد :صاع، وهو روایةٌ عن أَبی حنیفة وعلیه الفتوی، لأَن الزبیبَ یقارب التَمر من حیثُ المقصودُ وهو التَّفَکُّه، ولما ورد فی الصحیحین من حدیث أَبی سعیدٍ الخُدْرِیّ :أَو صاعاً من زبیب(شرح النقایة،فصلٌ صَدَقَةُ الفِطْرِ)

(قوله :أو زبیب) جعل الزبیب کالبر وهو روایة الجامع الصغیر وروی الحسن عن أبی حنیفة أن الزبیب کالشعیر وصححها أبو الیسر قاله الکمال وقال فی البرهان الزبیب کالتمر فی روایة عن الإمام وبه قالا وعلیه الفتوی .اهـ .(حاشیة الشرنبلالی علی درر الحکام شرح غرر الأحکام، ج۱ص۱۹۴، کتاب الزکاة ،باب الفطرة)

مسئلہ:...... مُد اور صاع عرب میں اُس زمانے میں ناپنے کے پیمانے تھے، ایک صاع چار مُد کا ہوتا تھا تو دو مُد آدھے صاع کے برابر ہوئے۔ ۱

۱ قلت :وأَجْمَعُوا علی أَنَّ الصَّاعَ أَرْبَعَةُ أَمداد (شرح النقایة،فصلٌ صَدَقَةُ الفِطْرِ)

اور صاع کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، کہ وہ کتنے وزن کا ہوتا ہے؟

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک صاع، آٹھ عراقی رِطلوں کے برابر ہوتا ہے۔

جبکہ امام ابو یوسف اور دیگر فقہائے کرام علیہم الرحمہ کے نزدیک ایک صاع، پانچ رِطلوں اور تہائی رطل کا ہوتا ہے۔ ۲

۲ البتہ بعض حضرات نے اس اختلاف کی بناء بغدادی اور مدنی رِطلوں میں فرق ہونے کو قرار دیا ہے، اور اس کو لفظی اختلاف بتلایا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ محمد رضوان۔

الحكم الثانى :أنه صلى الله عليه وسلم كان يتوضأ بالمد، وهو رطلان عند أبى حنيفة .وعند الشافعى :رطل وثلث بالعراقى، وقد ذكرناه، وأما الصاع :فعند أبى يوسف خمسة أرطال وثلث رطل عراقية، وبه قال مالك والشافعى وأحمد .وقال ابو حنيفة ومحمد :الصاع ثمانية أرطال، وحجة أبى يوسف ما رواه الطحاوى عنه، قال :قدمت المدينة، وأخرج إلى من أثق به صاعا، وقال: هذا صاع النبى صلى الله عليه وسلم، فوجدته خمسة أرطال وثلث، وقال الطحاوى :وسمعت ابن عمران يقول :الذى أخرجه لأبى يوسف هو مالك .وقال عثمان بن سعيد الدارمى :سمعت على بن المدينى يقول :عبرت صاع النبى صلى الله عليه وسلم فوجدته خمسة أرطال وثلث رطل، واحتج أبو حنيفة ومحمد بحديث جابر وأنس، رضى الله عنهما، وقد ذكرناه فى أول الباب(عمدة القارى، ج٣ص٩٦،كتاب الوضوء ،باب الوضوء بالمد)

مطلب فى تحرير الصاع والمد والرطل(قوله :وهو ثمانية أرطال) أى بالبغدادى، وهى صاع عراقى، وهو أربعة أمداد، كل مد رطلان، وبه أخذ أبو حنيفة .والصاع الحجازى خمسة أرطال وثلث، وبه أخذ الصاحبان والأئمة الثلاثة، فالمد حينئذ رطل وثلث، والرطل مائة وثلاثون درهما وقيل مائة وثمانية وعشرون درهما وأربعة أسباع درهم وتمامه فى الحلية .قلت :والصاع العراقى نحو نصف مد دمشقى، فإذا توضأ واغتسل به فقد حصل السنة(ردالمحتار، ج ا ص١٥٨، كتاب الطهارة، سنن الغسل، مطلب فى تحرير الصاع)

مطلب فى تحرير الصاع والمد والمن والرطل(قوله وهو أى الصاع إلخ) اعلم أن الصاع أربعة أمداد والمد رطلان والرطل نصف من والمن بالدراهم مائتان وستون درهما وبالإستار أربعون والإستار بكسر الهمزة بالدراهم ستة ونصف بالمثاقيل قيل أربعة ونصف كذا فى شرح درر البحار فالمد والمن سواء كل منهما ربع صاع مائة وثلاثون درهما، وفى الزيلعى والفتح :اختلف فى الصاع فقال الطرفان ثمانية أرطال بالعراقى وقال الثانى خمسة أرطال وثلث، قيل لا خلاف؛ لأن الثانى قدره برطل المدينة؛ لأنه ثلاثون إستارا والعراقى عشرون وإذا قابلت ثمانية بالعراقى بخمسة وثلث بالمدينى وجدتهما سواء وهذا هو الأشبه؛ لأن محمدا لم يذكر خلاف أبى يوسف ولو كان لذكره؛ لأنه أعرف بمذهبه اهـ وتمامه فى الفتح(ردالمحتار، ج٢ص٣٦٥، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

وقال أبو يوسف :خمسة أرطال وثلث، وبه قال الأئمة الثلاثة، ومنهم من رفع الخلاف بينهم فإن أبا يوسف لما حرره وجده خمسة وثلثا برطل أهل المدينة، وهو أكبر من رطل أهل بغداد؛ لأنه ثلاثون

إستارا، والبغدادی عشرون وإذا قابلت ثمانية بالبغدادی بخمسة وثلث بالمدنی وجدتها سواء.
وهو الأشبه؛ لأن محمدا لم يذكر فی المسألة خلاف أبی يوسف ولو كان لذكره على المعتاد، وهو أعرف بمذهبه، ورده فی الينابيع بأن الصحيح أن الاختلاف بينهم ثابت بالحقيقة(البحر الرائق، ج۲ص ۲۷۴،كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

ثُمَّ الصَّاعُ ثَمَانِيَةُ أَرطالٍ عراقيةٍ عند أَبی حنيفةَ ومحمد .وعن أَحمد ما يَدُلُّ عليه، وهو اختيار بعضِ الصحابة .وقَدَّره أَبو يُوسفَ بخمسةٍ وثُلُثٍ، كما قال مالک والشافعیُّ، لما روی البيهقیُّ عن الحسن بنِ الوليد القُرَشِی - وهو ثِقَةٌ - قال :قَدِمَ علينا أَبو يوسف من الحَجِّ فقال :إِنِّی أُريدُ أَنْ أَفتح عليكم باباً من العلم أَهَمَّنِی، ففحصت عنه، فَقَدِمْتُ المدينة، فسأَلْتُ عن الصَّاع فقالوا :صاعُنَا هذا صاعُ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم قلت لهم :ما حُجَّتُكم فی ذلک؟ فقالوا :نأْتيک بالحجة غداً، فَلَمَّا أَصبحتُ أَتانی نَحْوٌ مِنْ خمسينَ شَيْخاً مِن أَبناء المهاجرين والأَنصار، مع كُلِّ رَجُلٍ منهم الصَّاع تحت رِدَائِه، كُلُّ رجلٍ منهم يُخْبِر عن أَبيه وأَهل بيته أَنَّ هذا صاعُ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم فَنَظَرْتُ فإذا هی سواءٌ، قال :فعيَّرتُهُ فإذا هی خَمْسَةُ أَرطالٍ وثُلُثٌ بنقصان يسيرٍ .قال فرأَيتُ أَمْراً قوياً فتركتُ قولَ أَبی حنيفةَ فی الصَّاعِ فأَخَذْتُ بِقَوْلِ أَهْلِ المدينة، هذا هو المشهور عنه.
ورُوی أَنَّ مَالِكاً ناظره، واحْتَجَّ عليه بالصِّيعَانِ التی جاءَ بِها أُولئک الرَّهْطُ، فرجع أَبو يوسف إِلى قوله .وأَخْرَجَ الطَّحاوی عن أَبی يوسف أَنَّه قال :قَدِمت المدينةَ فأَخْرَج إِلَيَّ مَنْ أَثِقُ به صاعاً وقال: هذا صاعُ النبیِّ صلى الله عليه وسلم فَوَجَدْتُه خَمْسَةَ أَرطالٍ وثُلُث رِطَل .قال الطحاوی :وسمعت عن ابن أَبی عِمْرَان يقول :يقال :إِنَّ الذی أَخرجه إِلی أَبی يوسف هو مالک، وسمعت أَبا حازم يذكر عن مالک أَنه قال :هو تَحَرِّی عبد الملک لِصَاعِ عمر.
ولأَبی حنيفة ومحمد ما رَوی النَّسائی عن موسى الجُهَنِی قال :أَتَی مجاهدٌ بِقَدَحٍ حَزَرْتُه ثمانيةَ أَرطال - أَی خَمَّنْتُهُ وقَدَّرْتُه - فقال :حَدَّثَتْنِی عائشة أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم كان يَغْتَسِل بِمِثْلِ هذا .وما روی أَحمد وأَبو داود عن أَنَسٍ قال :كان النبیُّ صلى الله عليه وسلم يتوضأ بماءٍ يكونُ رطلين، ويغتسل بالصاع، يعنی مع الوضوء فی ضِمْنِهِ .وما روی الدَّارَقُطْنِیّ فی سُننه عن أَنس وعائشة :أَنَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يتوضأُ بالمُدّ برطلين، ويغتسل بالصَّاع ثمانية أَرطال.
قلت :وأَجْمَعُوا على أَنَّ الصَّاعَ أَرْبَعَةُ أَمداد .وما روی ابن أَبی شيبةَ عن يَحْيَى بن آدم قال :سمعت حسن بن صالح يقول :صَاعُ عمر ثمانيةُ أَرطال .قال شَرِيک :أَكثر مِن سبعةِ أَرطال، وأَقل من ثمانية.
وقيل :أَبو يوسف وَجَدَ الصَّاعَ خَمْسَةَ أَرطال وثُلُثاً بِرَطْل المدينة، وأَبو حنيفة يقول :الصاعُ ثمانيةُ أَرطال بالبَغْدادی :وهی تَعْدِل خَمْسة أَرطال وثُلُثاً بالمدنی، لأَن الرَّطل المدنی ثلاثون إِستاراً، والبغدادی عشرونَ إِستاراً، والإِستار - بكسر الهمزة - :ستةُ دراهمَ ونِصْف، (وقيل:) وهو الأَشبه، لأَن محمداً لم يذكر فی المسأَلة خلاف أَبی يوسف، ولو كان لَذَكَرَهُ على المعتاد، وهو أَعْرَفُ بمذهبه.
وحَاصِلُهُ أَنَّ النِّزَاع لَفْظِیٌّ، والحق أَنه تَحْقِيقِیٌّ يحتاج إِلى أَمْرٍ تَوْفِيقی(شرح النقاية،فصلٌ صَدَقَةُ الفِطْرِ)

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِی عِمْرَانَ ,قَالَ :أنا عَلِيُّ بْنُ صَالِحٍ ,وَبِشْرُ بْنُ الْوَلِيدِ جَمِيعًا ,عَنْ أَبِی يُوسُفَ ,قَالَ ":

قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَأَخْرَجَ إِلَيَّ مَنْ أَثِقُ بِهِ صَاعًا ,فَقَالَ " :هَذَا صَاعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ,فَقَدَّرْتُهُ ,فَوَجَدْتُهُ خَمْسَةَ أَرْطَالٍ وَثُلُثَ رَطْلٍ "وَسَمِعْتُ ابْنَ أَبِي عِمْرَانَ ,يَقُولُ :يُقَالُ إِنَّ الَّذِي أَخْرَجَ هَذَا لِأَبِي يُوسُفَ .هُوَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ .وَسَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ يَذْكُرُ ,أَنَّ مَالِكًا سُئِلَ عَنْ ذَلِكَ ,فَقَالَ " :هُوَ تَحَرِّي عَبْدِ الْمَلِكِ لِصَاعِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ "فَكَانَ مَالِكٌ لَمَّا ثَبَتَ عِنْدَهُ أَنَّ عَبْدَ الْمَلِكِ تَحَرَّى ذَلِكَ مِنْ صَاعِ عُمَرَ ,وَصَاعُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ,صَاعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ قُدِّرَ صَاعُ عُمَرَ ,عَلَى خِلَافِ ذَلِكَ(شرح معانی الآثار، حدیث نمبر ۳۱۶۱، بَابُ وَزْنِ الصَّاعِ كَمْ هُوَ ؟)

أقول :إن صاعنا ما تسعه الكفان ست مرات، نقل البيهقى بسند قوى فى السنن الكبرى :أن أبا يوسف رجع عن مد العراقيين حين وقع مناظرته مع مالك بن أنس فى المدينة، وأتى بخمسين رجلاً من ولد الصحابة بأمدادهم فقدرت وكانت رطلاً وثلثه، وقال الأحناف :لم يذكر محمد خلاف أبى يوسف فى كتبه، أقول :إن هذا لا يصلح رداً على ما نقل البيهقى، ووزن صاع العراقيين على تقدير علماء الهند فيه أقوال :منها أنه مئتان وسبعون تولجة، وأحسن ما صنف فى صاعنا رسالة الشيخ المخدوم هاشم بن عبد الغفور السندى رحمه الله، وقال فيها :إن فلس السلطان (عالمگير) مساوٍ لمثقال شرعى:

~صاع كوفى هست أى مرد فهيم ...ووصد وهفتاد وتوله مستقيم
~باز ويناريكه دار واعتبار ...وزن آن أزماشه وأن نيم وهار
~درهم شرعى أزين مسكين شنو ...كان رماشه هست يک سرخه دوجو
~سرخ سه جوهست ليكن پاؤكم ...مشت سرتعه ماشه أى صاحب كرم

ولقد أخطأ مولانا عبد الحى رحمه الله فى نصاب الفضة والذهب فإن حسابه غير مستقيم، واعتبر بأحمر الأطباء وهى أربعة شعيرات، وقال القاضى ثناء الله البانى پتى :إن نصاب الفضة اثنان وخمسون تولجة، ونصاب الذهب سبعة تولجات ونصفها، والقاضى المرحوم من حذاقنا، قال الحجازيون :إن الصاع العراقى لا أصل له، وأقول :إنه ثابت، وذخيرة الأدلة محفوظة منها ما فى سنن أبى داود ص(۱۳) : أن الإناء الذى كان يتوضأ النبى الكريم منه رطلان ، لكن فيه شريک وهو مختلف فيه.

ومنها ما أخرج الطحاوى ص (۳۲۴) بسند صحيح :أن صاع عمر بن الخطاب ثمانية أرطال، وذكر فيه عن مالک أن عبد الملک تحرى صاع عمر فوجده خمسة أرطال وثلثه وقال الطحاوى: إنه تحريه، وقد بلغنا تقديره الحق أنه ثمانية أرطال، والعجب من حافظ الدنيا أنه لم يخبر أنه كان صاع عمر ثمانية أرطال، إلا أنه ذكر أن الصاع العمرى أى صاع عمر بن عبد العزيز ثمانية أرطال فنسبه إلى عمر بن عبد العزيز لا عمر بن الخطاب، وأقول :إن صاعنا وصاع الحجازيين كان فى عهده عليه الصلاة والسلام وثبت برواية صحيحة دالة على أن الصيعان والأمداد وكانت عديدة، وأخرجها صاحب الهداية :يا رسول الله مدنا أكبر الأمداد وصاعنا أصغر الصيعان أخرجه الزيلعى عن صحيح ابن حبان، وظنى أن مراد حديث الصحيحين :اللهم بارک لهم فى مدهم وصاعهم البركة الحية ويمكن البركة المعنوية أيضاً، ومنها ما فى النسائى ص 46، وأخرجه فى معانى الآثار ص324، وفى أحد أسانيده محمد بن شجاع الثلجى معطوفاً عليه غيره، ويقال :إنه من المشبهين

وقال العينى :إن هذا القول ليس بسديد۔إن مجاهداً قال :أخرجت عائشة صاعه فقدرته لم يكن أقل من ثمانية أرطال وقال ابن التيمية :إن الصاع فى مسألة الماء ثمانية أرطال، وفى غيرها خمسة أرطال وثلثه .ونقول :إن مقتضى الاحتياط أن يؤخذ ثمانية أرطال فى جميع المسائل.(العرف الشذى للكشميرى، ج ١ ص ٩٠، ٩١،ابواب الطهارة ،باب الوضوء بالمد)

ہمارے مروّجہ وزن کے لحاظ سے آدھا صاع اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق پونے دوسیر (یعنی ایک کلو چھ سوتینتیس گرام) اور بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق سوا دوسیر (یعنی دو کلو سو گرام) کے وزن کے برابر ہوتا ہے۔

اور ایک صاع اس مذکورہ وزن کا دوگنا ہے یعنی ساڑھے تین سیر (یعنی تین کلو اور دو سو چھیاسٹھ گرام) اور بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق ساڑھے چار سیر (یعنی چار کلو دو سو گرام) [1]

[1] آدھے صاع کا وزن اکثر علمائے کرام کی تحقیق کے مطابق اسّی تولہ یا سولہ چھٹانک فی سیر کے اعتبار سے پونے دو سیر ہے، کلو سیر سے کچھ زیادہ کا ہوتا ہے (عمدۃ الفقہ حصہ سوم ص ۱۷۰)

ایک چھٹانک میں اٹھاون (58) گرام اور تین سو (300) ملی گرام ہوتے ہیں، اس حساب سے ایک سیر سے مراد نو سو تینتیس (933) گرام کا سیر ہے، اور کلو ہزار (1000) گرام کا ہوتا ہے۔

اور امداد المفتین میں ہے:

> علامہ شامی نے جو وزن صاع کا لکھا ہے، اس حساب سے وزن پورے صاع کا تقریباً ساڑھے تین سیر ہوتا ہے، اور نصف صاع پونے دو سیر (امداد المفتین صفحہ ۴۵۲، کتاب الزکاۃ)

اور امداد الاحکام میں ہے:

> نصف صاع کا وزن پونے دو سیر ہے (امداد الاحکام جلد ۲ صفحہ ۴۵)

اور بعض حضرات نے سوا دو سیر کو ترجیح دی ہے (ملاحظہ ہو احسن الفتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۳۸۵، رسالہ ''بسط الباع لتحقیق الصاع'')

صدقۂ فطر سال میں ایک مرتبہ دینا ہوتا ہے، لہٰذا اگر زیادہ وزن والوں کی تحقیق پر عمل کرتے ہوئے ادا کیا جائے تو کوئی مشکل کام نہیں، اس صورت میں مذکورہ تمام حضرات کی تحقیق کے مطابق بھی عمل ہو جائے گا۔ اور زیادہ ہونے کی صورت میں نفلی صدقہ بن جائے گا۔

مسئلہ:...... صدقۂ فطر کی ادائیگی سے متعلق جن چار اشیاء کا ذکر کیا گیا ہے (یعنی ایک صاع کشمش، یا ایک صاع کھجور و چھوارا، یا ایک صاع جَو، یا آدھا صاع گندم) اُن میں سے کسی بھی چیز کو بعینہٖ یا اُن میں سے کسی ایک چیز کی قیمت کو ادا کرنا درست ہے۔

اور ان میں سے کسی چیز کی قیمت نقد کی صورت میں ادا کرنا اس لحاظ سے بہتر ہے کہ اس سے غریب و مستحق کی ہر قسم کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ [1]

لے وبخلاف صدقة الفطر أنها تتأدى بالقيمة عندنا؛ لأن الواجب هناک معلول بمعنى الإغناء ؛ قال النبی -عليه الصلاة والسلام -أغنوهم عن المسألة فی مثل هذا اليوم والإغناء يحصل بأداء القيمة والله عز شأنه أعلم(بدائع الصنائع، ج۵ص۶۷، کتاب التضحية، فصل فی انواع کيفية الوجوب)
وهی نصف صاع من بر أو دقيقه أو صاع تمر أو زبيب أو شعير وهو ثمانية أرطال بالعراقی ويجوز دفع القيمة وهی أفضل عند وجدان ما يحتاجه لأنها أسرع لقضاء حاجة الفقير(مراقی الفلاح شرح نورالايضاح، ص۲۷۳، باب صدقة الفطر)
(ودفع القيمة) أی الدراهم (أفضل من دفع العين على المذهب) المفتى به جوهرة وبحر عن الظهيرية وهذا فی السعة، أما فی الشدة فدفع العين أفضل كما لا يخفى(الدرالمختار)
(قوله :ودفع القيمة) أطلقها فشمل قيمة الحنطة وغيرها خلافا لمحمد .قال فی التتارخانية عن المحيط :وإذا أراد أن يعطی قيمة الحنطة أو الشعير أو التمر يؤدی قيمة أی الثلاث شاء عندهما وقال محمد يؤدی قيمة الحنطة (قوله :أی الدراهم) اقتصر على الدراهم تبعا للزيلعی لبيان أنها الأفضل عند إرادة دفع القيمة؛ لأن العلة فی أفضلية القيمة كونها أعون على دفع حاجة الفقير لاحتمال أنه يحتاج غير الحنطة مثلا من ثياب ونحوها بخلاف دفع العروض، وعلى هذا فالمراد بالدراهم ما يشمل الدنانير تأمل (قوله على المذهب المفتى به) مقابله ما فی المضمرات من أن دفع الحنطة أفضل فی الأحوال كلها، سواء كانت أيام شدة أم لا؛ لأن فی هذا موافقة السنة وعليه الفتوى منح فقد اختلف الإفتاء ط (قوله :وهذا) أی كون دفع القيمة أفضل (قوله كما لا يخفى) يوهم أنه بحث منه مع أنه عزاه فی التتارخانية إلى محمد بن سلمة وقال فی النهر وهو حسن(ردالمحتار،ج۲ ص۳۶۶، ۳۶۷، باب صدقة الفطر)
(قال) : فإن أعطى قيمة الحنطة جاز عندنا؛ لأن المعتبر حصول الغنى وذلک يحصل بالقيمة كما يحصل بالحنطة، وعند الشافعی -رحمه الله تعالى -لا يجوز، وأصل الخلاف فی الزكاة وكان أبو بكر الأعمش -رحمه الله تعالى -يقول :أداء الحنطة أفضل من أداء القيمة؛ لأنه أقرب إلى امتثال الأمر وأبعد عن اختلاف العلماء فكان الاحتياط فيه، وكان الفقيه أبو جعفر -رحمه الله تعالى - يقول :أداء القيمة أفضل؛ لأنه أقرب إلى منفعة الفقير فإنه يشتری به للحال ما يحتاج إليه، والتنصيص على الحنطة والشعير كان؛ لأن البياعات فی ذلک الوقت بالمدينة يكون بها فأما فی ديارنا البياعات تجری بالنقود، وهی أعز الأموال فالأداء منها أفضل(المبسوط للسرخسی، ج۳ص۱۰۷، ۱۰۸، باب صدقة الفطر)
يجوز عند الحنفيةان يعطى عن جميع ذالک القيمة دراهم او دنانير او فلوسا او عروضا او ماشاء لان الواجب فی الحقيقة اغناء الفقير لقولهٖ صلى الله عليه وسلم ”اغنوهم عن المسئلة فی مثل هٰذا اليوم“ والاغناء يحصل بالقيمة بل اتم واوفر وايسر لانها اقرب الیٰ دفع الحاجة فيتبين ان النص معلل بالاغناء (الفقه الاسلامی وادلتهٗ جلد۳ صفحه۳۸۳،الباب الرابع الزكاة وانواعها،المبحث الثالث ۔ جنس الواجب وصفته ومقداره)

مسئلہ:...... اگر کسی کو حیثیت ہے، تو اس کو گندم کے ذریعہ سے پورا ایک صاع، یا اس کی قیمت دینے میں زیادہ ثواب ہے (جیسا کہ پہلے گزرا)

مسئلہ:...... احادیث کی رُو سے ایک صاع کشمش، یا ایک صاع کھجور و چھوارا، یا ایک صاع جَو، یا آدھا صاع گندم یا ان میں سے کسی کی قیمت ادا کرنے سے صدقۂ فطر ادا ہوجاتا ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ مالیت کے زیادہ ہونے سے ثواب میں اضافہ ہوجاتا ہے؛ کیونکہ زیادہ مالیت سے غریبوں اور فقیروں کا زیادہ فائدہ اور نفع ہوتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مذکورہ چار چیزوں میں سے کسی خاص ایک چیز سے صدقۂ فطر ادا کرنے کی پابندی نہیں لگائی، اور ایک سہولت یہ بھی دی گئی کہ اگر کوئی ان چیزوں کے بجائے ان میں سے کسی ایک چیز کی مالیت کی کوئی اور چیز دینا چاہے مثلاً چاول، مکئی، باجرہ، چنا، دال، پنیر، دودھ وغیرہ یا نقد رقم دینا چاہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔

فرق اتنا ہے کہ اگر مذکورہ چار چیزوں میں سے کوئی چیز دینا چاہے تو اس میں خاص وزن کی پابندی ہے۔ لیکن ان چار چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز دینا چاہے یا نقد رقم دینا چاہے تو مذکورہ چار چیزوں میں سے کسی بھی ایک چیز کے مذکورہ وزن کی مالیت کو بنیاد بنایا جائے گا۔ [1]

[1] وإن أراد الأداء من سائر الحبوب أعطى باعتبار القيمة وقد بينا جواز أداء القيمة عندنا، وهذا؛ لأنه ليس فى سائر الحبوب نص على التقدير فالتقدير بالرأى لا يكون وكذا من الأقط يؤدى باعتبار القيمة عندنا(المبسوط للسرخسى، ج٣ص ١١٤، كتاب الصوم، باب صدقة الفطر)

واما الاقط فتعتبر فيه القيمة لايجزئ الا باعتبار القيمة (بدائع الصنائع جلد٢ ص ٧٢، ٧٣،فصل بيان جنس الواجب وقدره وصفة فى صدقة الفطر)

چنانچہ اگر کوئی ایک صاع کشمش کے بجائے نقدی دینا چاہے، تو بازار میں جتنی رقم کی ایک صاع کشمش آتی ہے، اتنی رقم ادا کرے، اور اگر کھجور کے بجائے اس کی قیمت دینا چاہے تو بازار میں جتنی رقم کی ایک صاع کھجور آتی ہے، اتنی رقم ادا کردے، اور اگر جَو سے ادا کرنا چاہے، تو بازار میں جتنی رقم کا ایک صاع جَو آتا ہے، اتنی رقم صدقہ کردے۔

اور اگر گندم کے بجائے اس کی قیمت دینا چاہے تو جتنی رقم کی آدھا صاع گندم آتی ہے، اتنی رقم ادا کردے۔

آج کل کم علمی کی وجہ سے اولاً تو بہت سے لوگوں کو صدقۂ فطر کے بارے میں یہ معلوم ہی نہیں

کہ اس میں شریعت کی طرف سے کیا کیا چیزیں مقرر کی گئی ہیں، بس وہ رقم کو ہی اصل مقصود سمجھتے ہیں، حالانکہ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ رقم یا نقدی تو مذکورہ اشیاء کا بدل ہے، اصل نہیں، اصل تو یہی مذکورہ اشیاء ہیں۔

دوسرے اگر کسی کو معلوم بھی ہوتا ہے تو صرف گندم کا علم ہوتا ہے، باقی تین اشیاء کا علم ہی نہیں ہوتا۔

جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ اور ہر بڑے سے بڑا امیر وغریب شخص گندم ہی کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کرتا ہے۔

جبکہ زیادہ مالیت والی چیز یا اس کی قیمت سے صدقۂ فطر کی ادائیگی زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔

پس اگر صاحبِ حیثیت لوگ فی کس ایک صاع کشمش، یا ایک صاع کھجور، یا اس کی مالیت سے صدقۂ فطر ادا کریں، تو زیادہ اجر وثواب اور زیادہ فائدہ کا باعث ہے۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ مذکورہ تمام اشیاء سامنے رکھ کر اپنی حسبِ حیثیت ہر شخص بڑھ چڑھ کر صدقۂ فطر ادا کرنے کی کوشش کرے، تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل ہو۔

اہلِ علم حضرات کو بھی چاہیے کہ وہ لوگوں کو صدقۂ فطر کی مذکورہ پوری اور مکمل تفصیل بتلائیں اور زیادہ مالیت والی چیز کے اعتبار سے نقد رقم دینے کی زیادہ فضیلت بھی بتلائیں۔ [1]

---

[1] نصف صاع گندم سے ادائیگی مختلف فیہ ہے، دیگر فقہائے ثلاثہ غیر حنفیہ یعنی جمہور گندم سے بھی مکمل صاع کے قائل ہیں۔ اور اختلاف سے بچنا افضل واحوط ہوتا ہے، اور آج کل عموماً گندم سے فطرانہ کی مقدار بھی مالیت ومقدار کے لحاظ سے دوسری اجناس کی مالیت سے کم ہے اور دوسری اجناس کی مالیت ہمارے علاقے میں آج کل زیادہ ہے۔

ان وجوہات کے پیشِ نظر پورا صاع گندم یا اس کی قیمت سے ادا کرنا بلکہ آج کل دیگر اجناس (کشمش، کھجور) یا ان کی قیمت سے صدقۂ فطر کی ادائیگی زیادہ فضیلت کا باعث ہوگی، بالخصوص صاحبِ حیثیت لوگوں کو۔

لان الحذر من الاختلاف اولیٰ وفی العبادات الاحتیاط اولیٰ والانفع للفقراء زیادة فضل

افسوس کہ: آج کل ہمارے علاقوں میں لوگوں کو گندم کے علاوہ دیگر اجناس یا ان کی مالیت سے صدقۂ فطر کی ادائیگی کا نہ تو علم ہے اور نہ ہی اس پر عمل ہے، اور بہت سے علماء کا بھی یہی حال ہے۔

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص احادیث میں بیان کردہ چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعہ سے

صدقۂ فطرادا کرنا چاہے، مثلاً چاول، کپڑے، یا کسی دوسری ضرورت کی چیز سے، تو یہ بھی جائز ہے، مگراس کا لحاظ ضروری ہے کہ اتنی مالیت ومقدار کی چیز سے ادا کیا جائے کہ اس کی مقدار احادیث میں بیان کردہ چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی مالیت کے برابر ہوجائے۔ [1]

[1] وما لم ينص عليه كذرة وخبز تعتبر فيه القيمة وصدقة الفطر كالزكاة فى المصارف(حاشية الطحطاوى على المراقى، ص ۷۲۴، باب صدقة الفطر)

(قوله :وخبز) عدم جواز دفعه إلا باعتبار القيمة هو الصحيح لعدم ورود النص به فكان كالذرة وغيرها من الحبوب التى لم يرد بها نص وكالأقط بحر(ردالمحتار، ج۲ ص۳۶۵، باب صدقة الفطر)

مسئلہ:...... صدقۂ فطر اگر گندم کے بجائے، اس کے آٹے سے ادا کیا جائے اور آدھا صاع آٹے کی قیمت آدھا صاع گندم کی قیمت سے زیادہ یا اس کے برابر ہوتو آدھا صاع آٹا ادا کرنے میں بھی حرج نہیں، لیکن اگر آدھا صاع آٹے کی قیمت، آدھے صاع گندم کی قیمت سے کم ہو، تو پھر آٹا اتنی مقدار میں ادا کرنا چاہیے کہ اس کی مالیت آدھے صاع گندم کے برابر ہوجائے (آج کل بعض بازاری آٹوں میں ملاوٹ کی وجہ سے اس کی قیمت گندم سے کم ہوتی ہے)

اسی طرح جَو کا بھی معاملہ ہے کہ اگر کوئی جَو کے آٹے سے صدقۂ فطر ادا کرے، تو جَو کا آٹا اتنی مقدار میں ہونا چاہیے کہ اس کی قیمت ایک صاع جَو سے کم نہ ہو۔ [2]

---

[2] (قوله: أو دقيقه أو سويقه)الأولى أن يراعى فيهما القدر والقيمة احتياطا وإن نص على الدقيق فى بعض الأخبار هداية؛ لأن فى إسناده سليمان بن أرقم وهو متروك الحديث فوجب الاحتياط بأن يعطى نصف صاع دقيق بر أو صاع دقيق شعير يساويان نصف صاع بر وصاع شعير لا أقل من نصف يساوى نصف صاع دقيق بر أو أقل من صاع يساوى صاع شعير ولا نصف لا يساوى نصف صاع بر أو صاع لا يساوى صاع شعير فتح وقوله فوجب الاحتياط مخالف لتعبير الهداية والكافى بأولى إلا أن يحمل أحدهما على الآخر تأمل (ردالمحتار، ج۲ ص۳۶۴، باب صدقة الفطر)

(قال) : ودقيق الحنطة كالحنطة ودقيق الشعير كعينه عندنا وعند الشافعى لا يجوز الأداء من الدقيق بناء على أصله أن فى الصدقات يعتبر عين المنصوص عليه.

(ولنا) حديث أبى هريرة -رضى الله عنه -أن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال :أدوا قبل خروجكم زكاة فطركم فإن على كل مسلم مدين من قمح أو دقيقه ؛ ولأن المقصود سد خلة المحتاج وإغناؤه عن السؤال كما قال صاحب الشرع وحصول هذا بأداء الدقيق أظهر؛ لأنه أعجل لوصول منفعته إليه، وعلى هذا روى عن أبى يوسف -رحمه الله تعالى -قال :أداء الدقيق من أداء الحنطة وأداء الدرهم أفضل من أداء الدقيق؛ لأنه أعجل لمنفعته(المبسوط للسرخسى،

ج۳ص۱۱۳، باب صدقة الفطر)

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص قیمت سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہتا ہے تو جہاں وہ شخص رہتا ہے وہیں کے اعتبار سے قیمت کا لحاظ کیا جائے گا اور اگر صدقۂ فطر ادا کرنے والا ایک جگہ ہے اور وہ کسی دوسری جگہ اپنا صدقۂ فطر بھیج کر رقم کے ذریعہ سے ادا کرنا چاہتا ہے، تو بھی اپنی جگہ کی قیمت کا اعتبار کرنا چاہیے۔

تاہم اگر اپنی جگہ کی قیمت کم ہے، اور جہاں صدقۂ فطر بھیج رہا ہے، وہاں کی قیمت زیادہ ہے، تو تو افضل یہ ہے کہ دوسری جگہ کی قیمت کا اعتبار (ویلیو) کے لحاظ سے ادا کیا جائے (لانہ انفع للفقراء) اگرچہ گنجائش اس کی بھی ہے کہ اپنے مقام کے اعتبار سے ادائیگی کرے۔ [1]

[1] (قال) : ويؤدى صدقة الفطر عن نفسه حيث هو، ويكره له أن يبعث بصدقته إلى موضع آخر لحديث معاذ بن جبل -رضي الله عنه -من نقل عشره وصدقته عن مخلاف عشيرته إلى غير مخلاف عشيرته فعشره وصدقته في مخلاف عشيرته وأما عن رقيقه فإنما يؤدى صدقة الفطر حيث هو وإن كانوا في بلد آخر، وحكى ابن سماعة عن محمد رحمهما الله تعالى أنه رجع عن هذا القول فقال :يؤدى عنهم حيث هم، وجعله قياس زكاة المال، ولا خلاف أن المعتبر هناك موضع المال لا موضع صاحبه فهنا كذلك، ووجه ظاهر الرواية أن الوجوب على المولى في ذمته، ورأس المماليك في حقه كرأسه فكما أن في أداء الصدقة عن نفسه يعتبر موضعه فكذلك عن مماليكه بخلاف الزكاة فإن الواجب جزء من المال حتى يسقط بهلاك المال، وهنا لا يسقط بهلاك المماليك بعد الوجوب على المولى(المبسوط للسرخسي، ج۳ص۱۰۶، باب صدقة الفطر)

والمعتبر في الزكاة فقراء مكان المال، وفي الوصية مكان الموصى، وفي الفطرة مكان المؤدى عند محمد، وهو الأصح،وأن رء وسهم تبع لرأسه(الدرالمختار)

(قوله :مكان المؤدى) أي لا مكان الرأس الذي يؤدى عنه (قوله :وهو الأصح) بل صرح في النهاية والعناية بأنه ظاهر الرواية كما في الشرنبلالية وهو المذهب كما في البحر فكان أولى مما في الفتح من تصحيح قولهما باعتبار مكان المؤدى عنه .قال الرحمتي :وقال في المنح في آخر باب صدقة الفطر :الأفضل أن يؤدى عن عبيده وأولاده وحشمه حيث هم عند أبي يوسف وعليه الفتوى وعند محمد حيث هو اهـ تأمل .قلت :لكن في التتارخانية يؤدى عنهم حيث هو وعليه الفتوى وهو قول محمد ومثله قول أبي حنيفة وهو الصحيح(ردالمحتار، ج۲ص۳۵۶، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

وأما مكان الأداء وهو الموضع الذي يستحب فيه إخراج الفطرة روى عن محمد أنه يؤدى زكاة المال حيث المال ويؤدى صدقة الفطر عن نفسه وعبيده حيث هو وهو قول أبي يوسف الأول ثم رجع وقال يؤدى صدقة الفطر عن نفسه حيث هو وعن عبيده حيث هم حكى الحاكم رجوعه وذكر القاضي في شرحه مختصر الطحاوي قول أبي حنيفة مع قول أبي يوسف وأما زكاة المال فحيث

المال فی الروایات کلها ویکره إخراجها إلی أهل غیر ذلک الموضع إلا روایة عن أبی حنیفة أنه لا بأس أن یخرجها إلی قرابته من أهل الحاجة ویبعثها إلیهم.
وجه قول أبی یوسف أن صدقة الفطر أحد نوعی الزکاة ثم زکاة المال تؤدی حیث المال فکذا زکاة الرأس ووجه الفرق لمحمد واضح وهو أن صدقة الفطر تتعلق بذمة المؤدی لا بماله بدلیل أنه لو هلک ماله لا تسقط الصدقة.
وأما زکاة المال فإنها تتعلق بالمال . ألا تری أنه لو هلک النصاب تسقط؟ فإذا تعلقت الصدقة بذمة المؤدی اعتبر مکان المؤدی ولما تعلقت الزکاة بالمال اعتبر مکان المال.
وروی عن أبی یوسف فی الصدقة أنه یؤدی عن العبد الحی حیث هو وعن المیت حیث المولی؛ لأن الوجوب فی العبد الحی عنه فیعتبر مکانه وفی المیت لا فیعتبر مکان المولی(بدائع الصنائع، ج۲ص۷۵،فصل مکان أداء صدقة الفطر)

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص ایسے مقام پر رہتا ہے، یا عید کے دن ایسے مقام پر ہے، کہ وہاں کھجور، کشمش، جَو اور گندم کسی چیز کا وجود یا استعمال نہیں ہے، جس کی وجہ سے وہاں بعینہٖ صدقۂ فطر میں ان چیزوں کو دینا یا ان کی قیمت و مالیت کا حساب لگانا مشکل ہے، تو اپنے قریب تر علاقہ میں (جہاں یہ چیزیں موجود و استعمال میں ہیں) کے حساب سے ادا کرے۔ [1]

[1] ولو فی مفازة ففی أقرب الأمصار إلیه فتح(الدر المختار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم)

مسئلہ:...... مذکورہ چار اشیاء میں سے جس چیز کے ساتھ کوئی صدقۂ فطر ادا کرنا چاہتا ہے اور وہ چیز اعلیٰ وادنیٰ کے لحاظ سے مختلف نوعیت کی مالیت کی ہو تو درمیانے درجے کی چیز یا اس کی قیمت کے اعتبار سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیے، اور اعلیٰ نوعیت کی چیز یا اس کی قیمت سے ادا کرنا افضل ہے، تا کہ اللہ کے راستہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ مال جائے۔
اور ادنیٰ وگھٹیا نوعیت یا اس کی قیمت کے اعتبار سے ادا کرنا ناجائز یا کم از کم خلافِ احتیاط ہے۔ [1]

---

[1] (من أوسط ما تطعمون أهلیکم) (المائدة: ۸۹)وذلک أکلتان مشبعتان غداء وعشاء کذا هذا، ولأن الله -جل شأنه -ذکر الأوسط .والأوسط ما له حاشیتان متساویتان، وأقل عدد له حاشیتان متساویتان ثلاثة، وذلک یحتمل أنواعا ثلاثة:
أحدها الوسط فی صفات المأکول من الجودة والرداء ة.
والثانی الوسط من حیث المقدار من السرف والقتر.
والثالث الوسط من حیث أحوال الأکل من مرة ومرتین وثلاث مرات فی یوم واحد، ولم یثبت بدلیل عقلی ولا بسمعی تعیین بعض هذه الأنواع فیحمل علی الوسط من الکل احتیاطا لیخرج عن عهدة

الفرض بيقين وهو أكلتان في يوم بين الجيد والردیء ، والسرف والقتر(بدائع الصنائع، ج۵ص ۱۰۲ ، كتاب الكفارات)

ويؤدى نصف صاع تمر، أو شعير، ومد حنطة لا يجوز، وجوزه فى الكفارة، ولو أدى نصف صاع تمر تساوى نصف صاع حنطة لا يجوز؛ لأن كل واحد منهما منصوص عليه، والمقصود من الكل واحد، ولو أدى الحنطة رديئة جاز، وإن كان عفناً، أو به عيب أدى لنقصان، وقد اعتبر الحسن فى رواية قيمة الوسط فى الجواز، وأما إذا كان قيمته دون قيمة الوسط لا يجوز.

فقد ذكر فى كتاب الزكاة لو أخرج قيمة نصف صاع حنطة لم يجز إلا إن أخرج قدر نصف صاع وسط، فإن كان ما أخرج لا يساوى نصف الصاع حنطة وسط، ولكن يساوى قيمة صاع من شعير وسط، أو صاع تمر وسط، ففى هذه الصورة نوع اضطراب ذكر فى بعض نسخ الحسن أنه يجوز، وذكر فى بعض نسخه أنه لا يجوز، قال البلخى فى كتابه فى حياته :والصحيح عندى جوازه.

وفى المنتقى :إذا أعطى قيمة نصف صاع رديئة لم يجزه، وعليه أن يعطى قيمة نصف صاع حنطة وسط، وإن أعطى قيمة صاع دقيق أو سويق جيد، وذلك لا يساوى نصف صاع حنطة وسط لا يجزئه، وكان عليه تمام قيمة نصف صاع حنطة وسط، والصاع الذى تقدر الحنطة بنصفه والشعير والتمر بكله(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۲ص ۴۱۰،كتاب الصوم،الفصل الثالث عشر فى صدقة الفطر)

(عفن) الشيء عفنا وعفونة فسد وتغيرت صفاته فهو عفن وعفين(المعجم الوسيط، باب العين)

(ويأخذ المصدق وسط المال) لقوله عليه الصلاة والسلام ' :خذ من حواشى أموالهم 'أى الوسط ، ولأن أخذ الجيد إضرار برب المال ، وأخذ الردیء إضرار بالفقراء (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص۱۰۳ ،كتاب الزكاة)

صدقۂ فطر کی قیمت کو متعین کر کے اس لیے نہیں بتایا جاسکتا کہ وہ زمانے اور مقام اور اشیاء کی مالیت کے لحاظ سے کم، زیادہ ہوسکتی ہے؛ اس لیے جس چیز کی مالیت کے اعتبار سے ادا کیا جائے، اس وقت اُس کی قیمت دیکھ لینی چاہئے۔

صدقۂ فطر واجب ہونے کا نصاب

جیسا کہ پہلے گزرا کہ صدقۂ فطر کا حکم عائد ہونے کے لیے بعض فقہاء کے نزدیک تو مال کا نصاب مقرر نہیں، بلکہ ہر شخص کو عید کے دن اپنے اور اپنے ذمہ واجب شدہ نان نفقہ سے زائد مال ہونے کی صورت میں ادا کرنے کا حکم ہے، اس لئے ان کے نزدیک مذکورہ تفصیل کے علاوہ نصاب کے بارے میں تفصیلات نہیں۔

لیکن جن حضرات کے نزدیک صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے نصاب مقرر ہے ''جیسا کہ

احناف کے یہاں‘‘

ان حضرات کا فرمانا ہے کہ احادیث میں عمومی صدقہ کا حکم غنی اور مالدار لوگوں پر عائد کیا گیا ہے، اور ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنی مالیت کے برابر مال والے کو غنی اور زکاۃ وصدقہ کے واجب ہونے کا نصاب قرار دیا گیا ہے۔ ؎

؎ أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، أَنَّ عَمْرَو بْنَ يَحْيَى بْنِ عُمَارَةَ أَخْبَرَهُ، عَنْ أَبِيهِ يَحْيَى بْنِ عُمَارَةَ بْنِ أَبِي الحَسَنِ :أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ :قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ(بخاری ،حدیث نمبر ۱۴۰۵)

أنا أَبُو نُعَيْمٍ النَّخَعِيُّ، أنا الْعَرْزَمِيُّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَيْسَ فِيمَا دُونَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ شَيْءٌ ,وَلَا فِيمَا دُونَ عِشْرِينَ مِثْقَالًا ذَهَبًا شَيْءٌ ,وَفِي الْمِائَتَيْنِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ ,وَفِي عِشْرِينَ مِثْقَالًا ذَهَبًا نِصْفُ مِثْقَالٍ(الاموال لابن زنجويه، حديث نمبر ۱۸۰۴)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رَجُلٍ، مِنْ مُزَيْنَةَ أَنَّهُ قَالَتْ لَهُ أُمُّهُ :أَلَا تَنْطَلِقُ فَتَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا يَسْأَلُهُ النَّاسُ، فَانْطَلَقْتُ أَسْأَلُهُ، فَوَجَدْتُهُ قَائِمًا يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُولُ " :مَنْ اسْتَعَفَّ أَعَفَّهُ اللهُ، وَمَنْ اسْتَغْنَى أَغْنَاهُ اللهُ، وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهُ عِدْلُ خَمْسِ أَوَاقٍ فَقَدْ سَأَلَ إِلْحَافًا ." فَقُلْتُ بَيْنِي وَبَيْنَ نَفْسِي لَنَاقَةٌ لَهُ :هِيَ خَيْرٌ مِنْ خَمْسِ أَوَاقٍ، وَلِغُلَامِهِ نَاقَةٌ أُخْرَى هِيَ خَيْرٌ مِنْ خَمْسِ أَوَاقٍ، فَرَجَعْتُ، وَلَمْ أَسْأَلْهُ (مسنداحمد،حدیث نمبر ۱۶۲۳۷)

فی حاشية مسند احمد:إسناده صحيح على شرط مسلم.

حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ سِنَانٍ ,قَالَ :ثنا أَبُو بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ ,قَالَ :ثنا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ ,قَالَ :حَدَّثَنِي أَبِي , عَنْ رَجُلٍ مِنْ مُزَيْنَةَ أَنَّهُ أَتَى أُمَّهُ فَقَالَتْ :يَا بُنَيَّ لَوْ ذَهَبْتَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْتَهُ، قَالَ :فَجِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَائِمٌ يَخْطُبُ النَّاسَ ,وَهُوَ يَقُولُ " :مَنِ اسْتَغْنَى أَغْنَاهُ اللهُ ,وَمَنِ اسْتَعَفَّ ,أَعَفَّهُ اللهُ ,وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهُ عِدْلُ خَمْسِ أَوَاقٍ ,سَأَلَ إِلْحَافًا(شرح معانی الآثار، حديث نمبر ۷۳۶۳)

ان حضرات کے نزدیک نصاب کے بارے میں تفصیل ہے۔

اس لئے ان حضرات کے نزدیک نصاب سے متعلق مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ:...... صدقۂ فطر واجب ہونے کا نصاب وہی ہے، جو نصاب قربانی واجب ہونے کا ہے، پس جو مسلمان اتنا مالدار ہو کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہو یا زکوٰۃ فرض نہ ہو لیکن اس کی ملکیت میں ضروری سامان سے زائد کم از کم اتنا مال وسامان ہو جس کی مجموعی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو، ایسے شخص پر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف

سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

مسئلہ:......صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے ان پانچ قسم کی چیزوں کا اعتبار کیا جاتا ہے:

(۱)...... سونا (۲)...... چاندی (۳)...... روپیہ پیسہ (۴)...... تجارت کا مال (۵)......ضرورت سے زیادہ سامان۔

مسئلہ:......درجِ ذیل چھ قسم کے افراد صدقۂ فطر کے نصاب کے مالک کہلاتے ہیں۔

(۱)......جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے سات تولہ یا اس سے زیادہ صرف سونا ہو (خواہ ڈَلی کی شکل میں ہو، یا زیور کی شکل میں)

(۲)......جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ صرف چاندی ہو (خواہ ڈَلی کی شکل میں ہو، یا زیور کی شکل میں) [1]

[1] یادر ہے کہ سونا یا چاندی جبکہ منفرد ہوں، تو ان میں تقویم ومالیت کا اعتبار نہیں ہوتا، بلکہ اس کے وزن کا اعتبار ہوتا ہے، کیونکہ شریعت کی طرف سے انفرادی طور پر ان دونوں کے مستقل نصاب وزن کے ساتھ منصوص ہیں، جن کی تقدیر میں عقل وقیاس کو دخل نہیں، اور جس طرح وجوبِ زکاۃ کے باب میں بحالتِ انفراد وزن کا اعتبار ہے، اسی طرح صدقۂ فطر واجب ہونے میں بھی بحالتِ انفراد وزن کا اعتبار کیا جائے گا۔

(۳)......جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ چاندی کی مالیت کے برابر صرف روپیہ پیسہ ہو (خواہ کسی بھی ملک کی کرنسی کی شکل میں ہو)

(۴)......جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ چاندی کی مالیت کے برابر صرف تجارت کا مال ہو۔

(۵)......جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ چاندی کی مالیت کے برابر صرف ضرورت سے زیادہ کسی بھی قسم کی کوئی چیز ہو۔

(۶)......جس کی ملکیت میں اوپر ذکر کی ہوئی تھوڑی تھوڑی پانچوں چیزیں یا ان پانچ میں سے دو یا زیادہ چیزیں اتنی مالیت کی ہوں کہ ان سب کو جمع کیا جائے تو ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ چاندی کی مالیت بن جائے۔

خلاصہ یہ کہ جس شخص کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا نقدی یا تجارت کا سامان یا ضرورت سے زیادہ سامان میں سے کوئی ایک چیز یا ان پانچوں یا ان میں سے بعض چیزوں کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو ایسا شخص صدقۂ فطر کے نصاب کا مالک کہلاتا ہے۔ [1]

---

[1] (قوله ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا من أى مال كان) سواء كان النصاب ناميا أو غير نام حتى لو كان له بيت لا يسكنه يساوى مائتى درهم لا يجوز صرف الزكاة إليه وهذا النصاب المعتبر فى وجوب الفطرة والأضحية قال فى المرغينانى إذا كان له خمس من الإبل قيمتها أقل من مائتى درهم يحل له الزكاة وتجب عليه ولهذا يظهر أن المعتبر نصاب النقد من أى مال كان بلغ نصابا من جنسه أو لم يبلغ وقوله إلى من يملك نصابا بشرط أن يكون النصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية(الجوهرة النيرة، ج ١ ص ١٣١، كتاب الزكاة،باب مصارف الزكاة)

(ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصابا من أى مال كان) ش :يعنى سواء كان من النقدين أو من العروض أو من السوائم م :(لأن الغنى الشرعى مقدر به) ش :أى بالنصاب م :(والشرط أن يكون فاضلا عن الحاجة الأصلية) ش :أى شرط عدم جواز دفع الزكاة إليه أن يكون النصاب فاضلا عن الحاجة الأصلية، لأنه إذا كان غير فاضل عن حاجته الأصلية يجوز الدفع إليه، والحاجة الأصلية فى حق الدراهم والدنانير أن يكون الدين مشغولا بها، وفى غيرها احتياجه إليه فى الاستعمال وأحوال المعاش..........م :(وإنما النماء شرط الوجوب) ش :يعنى الشرط فى عدم جواز الدفع ملك النصاب الفاضل عن الحاجة الأصلية ناميا كان أو غير نام، والنماء شرط وجوب الزكاة، لا كلام فيه، فلا يشترط لحرمان الصدقة، لأن الحرمان بالغناء وهو يحصل بالنامى وغير النامى، ولهذا تجب عليه صدقة الفطر والأضحية م :(ويجوز دفعها) ش :أى دفع الزكاة، م :(إلى من يملك أقل من ذلك) ش :أى من النصاب(البناية شرح الهداية، ج٣ص ٤٧٦،٤٧٧، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز)

وأما الغنى الذى يحرم به أخذ الصدقة وقبولها فهو الذى تجب به صدقة الفطر والأضحية وهو أن يملك من الأموال التى لا تجب فيها الزكاة ما يفضل عن حاجته وتبلغ قيمة الفاضل مائتى درهم من الثياب والفرش والدور والحوانيت والدواب والخدم زيادة على ما يحتاج إليه كل ذلك للابتذال والاستعمال لا للتجارة والإسامة، فإذا فضل من ذلك ما يبلغ قيمته مائتى درهم وجب عليه صدقة الفطر والأضحية وحرم عليه أخذ الصدقة(بدائع الصنائع، ج ٢ ص ٤٨،فصل شرائط ركن الزكاة)

مسئلہ:...... صدقۂ فطر کے نصاب کی مالیت معلوم کرنے کے لئے عید کے موقع پر ساڑھے سات تولہ سونے اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت صرافوں سے معلوم کی جاسکتی ہے، چونکہ سونے چاندی کی قیمت بدلتی رہتی ہے، اس لئے کسی ایک دن کی قیمت لکھ دینے سے غلط فہمی ہوگی۔

مسئلہ:...... صدقۂ فطر کے نصاب کا اعتبار، جس کی وجہ سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، عید کے دن طلوعِ فجر (یعنی صبح صادق) کے وقت ہے۔

یعنی جو شخص عید الفطر کے دن طلوعِ فجر کے وقت اس نصاب کا مالک ہے، اس پر صدقۂ فطر واجب ہے، اور اگر اس وقت صاحبِ نصاب نہیں، اگرچہ اس سے پہلے صاحبِ نصاب تھا، یا اس وقت کے بعد صاحبِ نصاب بنا، تو صدقۂ فطر واجب نہیں۔

اسی سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ صدقۂ فطر کے نصاب کے لئے مال پر سال گزرنا ضروری نہیں بلکہ عید کے دن صبح صادق کے وقت ملکیت میں اتنا مال ہونا کافی ہے جس پر صدقۂ فطر لازم ہوتا ہے، لہٰذا اگر کسی کے پاس عید کی رات میں صبح صادق ہونے سے پہلے اتنا مال آ گیا تو اس پر صدقۂ فطر لازم ہوگا، خواہ عید کا دن گزر کر وہ مال ملکیت میں نہ رہے۔ [1]

مسئلہ:...... جو چیزیں نہ تو سونے کی شکل میں ہوں، اور نہ چاندی کی شکل میں ہوں، نہ روپیہ

[1] (فصل) وأما وقت وجوب صدقة الفطر فقد اختلف فيه، قال أصحابنا :هو وقت طلوع الفجر الثاني من يوم الفطر، وقال الشافعي :هو وقت غروب الشمس من آخر يوم من رمضان حتى لو ملك عبدا، أو ولد له ولد، أو كان كافرا فأسلم، أو كان فقيرا فاستغنى إن كان ذلك قبل طلوع الشمس تجب عليه الفطرة، وإن كان بعده لا تجب عليه وكذا من مات قبل طلوع الفجر لم تجب فطرته وإن مات بعده وجبت، وعند الشافعي إن كان ذلك قبل غروب الشمس تجب عليه وإن كان بعده لا تجب وكذا إن مات قبله لم تجب وإن مات بعده وجبت (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۷۴، فصل الزكاة الواجبة، فصل وقت وجوب صدقة الفطر)

پیسہ کی شکل میں ہوں، اور نہ ہی تجارت کے مال کی شکل میں ہوں، بلکہ ان چاروں چیزوں کے علاوہ ہوں، ان میں اعتبار حاجتِ اصلیہ یعنی بنیادی ضرورت میں استعمال ومشغول ہونے؛ نہ ہونے کا ہوگا۔

پس جو چیزیں کسی شخص کی حاجتِ اصلیہ اور بنیادی ضروریات میں استعمال ومشغول ہوں گی؛ ان کی مالیت کا حساب نہیں لگایا جائے گا، اور جو چیزیں حاجتِ اصلیہ سے زائد ہونگی؛ ان کی مالیت کا حساب لگایا جائے گا۔ [1]

[1] ثم قدر الحاجة ما ذكره الكرخي في مختصره فقال لا بأس بأن يعطى من الزكاة من له مسكن وما يتأثث به في منزله وخادم وفرس وسلاح وثياب البدن وكتب العلم إن كان من أهله فإن كان له

فضل عن ذلک ما يبلغ قيمته مائتي درهم حرم عليه أخذ الصدقة لما روى عن الحسن البصري أنه قال كانوا يعطون الزكاة لمن يملك عشرة آلاف درهم من الفرس والسلاح والخدم والدار.
وقوله :كانوا، كناية عن أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وهذا؛ لأن هذه الأشياء من الحوائج اللازمة التي لا بد للإنسان منها فكان وجودها وعدمها سواء(بدائع الصنائع، ج ٢ ص ۴٨، فصل شرائط ركن الزكاة)

فقہائے کرام نے حاجتِ اصلیہ کی جو قید لاکر اس کے ساتھ مختلف مثالیں ذکر فرمائی ہیں ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت وحاجت کی بنیاد مباح الاستعمال ہونے کے ساتھ ساتھ مشقت پر ہے اور مشقت ایک اضافی چیز ہے۔اس لئے ضرورت وحاجت کی تعیین میں علاقہ، مقام، احوالِ زمانہ، لوگوں کی قوتِ برداشت وغیرہ کے لحاظ سے فرق واقع ہوسکتا ہے کسی دور میں وقت دیکھنے کے لئے موجودہ گھڑی ضرورت میں داخل نہیں تھی، ایک زمانے میں روشنی کے لئے معمولی چراغ کافی تھے مگر آج کے دور میں عموماً گھڑی، بلب اور بجلی ضرورت میں داخل ہوچکی ہے، کسی دور میں ہاتھ کے پنکھے گرمی میں ہوا حاصل کرنے کے لئے کافی سمجھے جاتے تھے مگر آج ان کے بجائے بجلی کے پنکھے ضرورت وحاجت میں داخل ہیں(اذا كان يستعمل)لہٰذا حوائج اصلیہ کا تعین ہر زمانہ، علاقہ اور افراد کے حالات کی روشنی میں ہوگا، لیکن چونکہ یہ ایک اجتہادی کام ہے اور حیثیات وحالات سے حکم مختلف ہوجاتا ہے اس لئے ہر شخص کی انفرادی حالت کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا(اہم فقہی فیصلے بتغیر واضافہ)

مسئلہ:...... اگر نصاب کے برابر سونا؛ چاندی (خواہ زیور کی شکل میں ہو) اور اسی طرح کرنسی موجود تو ہے، مگر وہ آئندہ گھریلو یا کاروباری ضرورت کے استعمال میں خرچ کرنے (مثلاً گھر یا دوکان کا سودا سلف، یا مکان دوکان خریدنے، یا شادی بیاہ میں خرچ کرنے) کے لیے رکھی ہوئی ہے، تو بھی صدقۂ فطر واجب ہے؛ کیونکہ صرف آئندہ ضرورت میں خرچ کرنے کی نیت کر لینے سے سونا چاندی اور کرنسی، ضرورت وحاجت میں مشغول نہیں کہلاتیں۔

البتہ اپنے ذمہ جو کسی کا قرض ودَین ہو، اتنی مقدار کا انسان خود مالک نہیں، اس لئے اس کو نصاب میں شامل نہیں کیا جائے گا، جس کا آگے ذکر آتا ہے۔

تاہم اگر کسی شخص نے عید کے دن صبح صادق سے پہلے اس مال کو اپنی ضروریات میں استعمال وخرچ کرلیا مثلاً گھر کا سودا سلف خرید لیا اور اب پیچھے مال صدقۂ فطر کے نصاب کے برابر نہیں بچا، یا ادھار ضروریات کی چیزیں خرید لیں اور اس کے ذمہ اتنا قرض لازم ہوگیا کہ اگر اس کو ادا کیا جائے تو مال نصاب کے برابر نہیں بچتا، تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں (لانہ مشغول فی الدَین) [1]

---

[1] ثم الفضة مال الزكاة كيفما كانت مضروبة أو غير مضروبة أو تبرا أو حليا يحل استعمالها أو لا

أمسكها للنفقة أو لا نوى التجارة أو لم ينو وكذلك حلية السيف واللجام والسرج والكواكب التي في المصاحف إذا كانت تخلص عند الإذابة(تحفة الفقهاء ،ج ا ص ۲۶۴،كتاب الزكاة)

الاان الاعداد للتجارة في الاثمان المطلقةمن الذهب والفضة ثابت بأصل الخلقة لانهالاتصلح للانتفاع باعيانها في دفع الحوائج الاصلية فلاحاجة الى الاعداد من العبدللتجارة بالنية اذالنية للتعيين وهي متعينة للتجارة بأصل الخلقة فلا حاجة الى التعيين بالنية فتجب الزكاة فيهانوى التجارة أولم ينوأصلا أونوى النفقة وأمافيما سوى الأثمان من العروض فانما يكون الاعداد فيها للتجارة بالنية لانها كماتصلح للتجارة تصلح للانتفاع باعيانها بل المقصود الاصلي منها ذلك فلابد من التعيين للتجارة وذلك بالنية (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۱، فصل الشرائط التي ترجع الى المال)

(وحليهما) سواء كان للنساء أو لا أو قدر الحاجة أو فوقها أو يمسكها للتجارة أو للنفقة أو للتجمل أو لم ينو شيئا.وقال مالك :المباح الاستعمال لا زكاة فيه وهو أظهر القولين عن الشافعي؛ لأنه مبتذل ومباح فشابه ثياب البذلة ولنا أن السبب كونهما مال نام والنماء موجود وهو الإعداد للتجارة خلقة، والدليل هو المعتبر بخلاف الثياب وحلي المرأة معروف جمعه حلي بالضم والكسر ولا يدخل الجواهر واللؤلؤ وبخلافه في بحث الإيمان (وآنيتهما) جمع إناء(مجمع الانهر ، ج ا ص ۲۰۶، ۲۰۷، كتاب الزكاة، نصاب الفضة)

فإذا كان معه دراهم أمسكها بنية صرفها إلى حاجته الأصلية لا تجب الزكاة فيها إذا حال الحول، وهي عنده، لكن اعترضه في البحر بقوله :ويخالفه ما في المعراج في فصل زكاة العروض أن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة، وكذا في البدائع في بحث النماء التقديري . اهـ.قلت :وأقره في النهر والشرنبلالية وشرح المقدسي، وسيصرح به الشارح أيضا، ونحوه قوله في السراج سواء أمسكه للتجارة أو غيرها، وكذا قوله في التتارخانية نوى التجارة أولا......وكذا ما سيأتي في الحج من أنه لو كان له مال، ويخاف العزوبة يلزمه الحج به إذا خرج أهل بلده قبل أن يتزوج، وكذا لو كان يحتاجه لشراء دار أو عبد فليتأمل، والله أعلم(ردالمحتار، ج۲ص ۲۶۲، ۲۶۳، كتاب الزكاة)

مسئلہ:......فضول چیزیں جو اپنی ضرورت وحاجت کی نہ ہوں، بلکہ نمود ونمائش کی ہوں، اور اسی طرح وہ تمام چیزیں جو گھروں میں رکھی رہتی ہیں اور استعمال میں نہیں آتیں ، وہ ضرورت سے زیادہ ہیں اس لئے ان کی قیمت بھی حساب میں لگائی جائے گی۔

اسی طرح جو چیزیں استعمال کرنے، پرانی یا خراب ہوجانے کے بعد یا ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے ویسے ہی گھروں میں ایک طرف پڑی رہتی ہیں، ان کی ضرورت پیش نہیں آتی اور ان کی طرف مدتوں دھیان بھی نہیں جاتا (مثلاً فالتو مشینری، فرنیچر وغیرہ، جو زیرِ استعمال نہ ہو) اس قسم کی تمام چیزیں غیر ضروری ہیں ان کی مالیت کو بھی حساب میں شمار کیا جائے گا، اور جو چیز بالکل ناکارہ ہوگئی ہو اور اس کی کچھ بھی مالیت نہ ہو اس کو شمار نہیں کیا جائے گا۔ [1]

لے والذی یظهر مما مر أن ما کان من أثاث المنزل وثیاب البدن وأوانی الاستعمال مما لا بد لأمثالها منه فهو من الحاجة الأصلیة وما زاد علی ذلک من الحلی والأوانی والأمتعة التی یقصد بها الزینة إذا بلغ نصابا تصیر به غنیة، ثم رأیت فی التتارخانیة فی باب صدقة الفطر :سئل الحسن بن علی عمن لها جواهر ولآلی تلبسها فی الأعیاد وتتزین بها للزوج ولیست للتجارة هل علیها صدقة الفطر؟ قال :نعم إذا بلغت نصابا. وسئل عنها عمر الحافظ فقال لا یجب علیها شیء .اهـ(ردالمحتار، ج۲ص۳۴۸، باب مصرف الزکاة والعشر)

ومحل الصدقات الفقراء وإنما یعتبر فی المسکن والکسوة وأثاث البیت مقدار الکفایة، بدلیل ما روی هشام عن محمد أنه سئل عمن له فضل علی کسوته، أو عن متاع بیته، أو فضل علی مسکنه قدر مائتی درهم، أیعطی من الزکاة؟ قال :لا إذا کان مستغنیاً عنه. یعنی عن فضل الکسوة والمتاع(المحیط البرهانی، ج۲ص۲۸۵، کتاب الزکاة،الفصل الثامن فی المسائل المتعلقة بمن توضع الزکاة فیه)

الحلی مال فاضل عن الحاجة الأصلیة إذ الإعداد للتجمل والتزین دلیل الفضل عن الحاجة الأصلیة فکان نعمة لحصول التنعم به فیلزمه شکرها بإخراج جزء منها للفقراء (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الزکاة،فصل صفة نصاب الزکاة فی الفضة)

مسئلہ:...... رہائشی مکان، پہننے؛اوڑھنے کے کپڑے، کھانے پینے کے برتن،ضرورت کی سواری اور گھریلو ضرورت کا سامان؛ جو عام طور پر زیرِ استعمال رہتا ہے، مثلاً کپڑے، سلائی اور دھلائی مشین، فریج، ڈیپ فریزر وغیرہ۔

یہ ضرورت کے سامان میں داخل ہیں، اور ان کی وجہ سے انسان شرعاً مالدار نہیں کہلاتا۔ لے

لے عَنْ عِرَاکٍ، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ " :لَیْسَ عَلَی الْمُسْلِمِ فِی فَرَسِهِ وَلَا عَبْدِهِ صَدَقَةٌ (مسند أحمد، حدیث نمبر ۷۲۹۵)

فی حاشیة مسند احمد: إسناده صحیح علی شرط الشیخین.

واذا کان للرجل دار وخادم ولا مال له غیر ذلک فلیس علیه صدقة الفطر؛ لأنه یحل له أخذ الصدقة؛ ولأنه محتاج فإن الدار تسترم والخادم یستنفق ولا بد له منهما فهما یزیدان فی حاجته ولا یغنیانه وقد بینا أن الصدقة لا تجب إلا علی الغنی؛ لأن وجوبها للإغناء کما قال :أغنوهم ولا یخاطب بالإغناء من لیس یغنی فی نفسه(المبسوط للسرخسی، ج۳ص۱۱۱، باب صدقة الفطر)

وقوله (فاضلا عن مسکنه) قال فی النهایة :حتی لو کان له داران دار یسکنها وأخری لا یسکنها ویؤاجرها أو لا یؤاجرها یعتبر قیمتها فی الغنی حتی لو کانت قیمتها مائتی درهم وجب علیه صدقة الفطر(العنایة شرح الهدایة، ج۲ص۲۸۱،۲۸۲، کتاب الزکاة،باب صدقة الفطر)

وفی هذه الآیة دلالة علی أن من له ثیاب الکسوة ذات قیمة کثیرة لا تمنعه إعطاء الزکاة ، ؛ لأن الله تعالی قد أمرنا بإعطاء الزکاة من ظاهر حال مشبه لأحوال الأغنیاء (احکام القرآن جصاص ، ج۱ص۵۶۰، سورة البقرة)

اسی طرح آلاتِ صنعت وحرفت (مثلاً درزی کی سلائی مشینیں، ترکھان کی آری، قصاب کی چُھری، مزدو کی مزدوری کا سامان وغیرہ) اور دوسرے وسائلِ رزق جن کے ذریعے کوئی شخص اپنی روزی کماتا ہے (مثلاً سبزی فروش وغیرہ کی ریڑھی) یہ بھی انسان کی ضرورت میں داخل ہیں، اوران کی وجہ سے بھی انسان مالدار شمار نہیں ہوتا۔ [۲]

[۲] (قوله :وفارغ عن حاجته الأصلية) أشار إلى أنه معطوف على قوله عن دين (قوله وفسره ابن ملک) أی فسر المشغول بالحاجة الأصلية والأولى فسرها، وذلک حيث قال :وهی ما يدفع الهلاک عن الإنسان تحقيقا كالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر أو البرد أو تقديرا كالدين، فإن المديون محتاج إلى قضائه بما فی يده من النصاب دفعا عن نفسه الحبس الذی هو كالهلاک وكآلات الحرفة وأثاث المنزل ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها فإن الجهل عندهم كالهلاک (ردالمحتارعلى الدرالمختار، ج۲، ص ۲۶۲، كتاب الزكاة، دارالفكر ،بيروت)

مسئلہ:...... اگرکسی کے پاس ضرورت پوری کرنے کا سامان موجود ہے، لیکن اس نے بلاضرورت مزید کچھ سامان رکھ رکھا ہے، مثلاً ایک سواری سے ضرورت پوری ہوجاتی ہے، مگر اس نے زیادہ سواریاں رکھی ہوئی ہیں، یاایک مکان سے ضرورت پوری ہوجاتی ہے، مگراس نے ایک سے زیادہ مکان رکھے ہوئے ہیں، تو اس ضرورت سے زیادہ سامان کی مالیت کا مالدار ہونے میں اعتبار کیا جائے گا۔

البتہ اگران میں سے کچھ سامان تو اپنی ذاتی ضرورت کے استعمال میں آرہا ہے، اور کچھ سامان کوکرایہ پر چلاکراس سے اپنی روزی کاانتظام کررہاہے، کہ اگر یہ انتظام نہ ہو، تواس کے ضروری اخراجات متأثر ہوتے ہیں، تو پھر یہ سامان بھی ضرورت میں داخل سمجھا جائے گا۔ [۱]

---

[۱] (قوله إذا كان مالكا لمقدار النصاب) وعند الشافعی تجب على الفقير إذا كان له زيادة على قوت يومه لنفسه وعياله وشرط الشيخ الحرية بتحقق التمليک والإسلام لتقع الصدقة قربة وشرط اليسار لقوله -عليه السلام -لا صدقة إلا عن ظهر غنى وقدر اليسار بالنصاب لتقدير الغنى فی الشرع به وسواء ملک نصابا أو ما قيمته نصابا من العروض أو غيرها فضلا عن كفايته ولا يكون عليه دين.

(قوله فاضلا عن مسكنه وثيابه وفرسه وسلاحه وعبيده للخدمة) لأن هذه الأشياء مستحقة بالحوائج

الأصلية والمستحق بها كالمعدوم وكذاكتب العلم إن كان من أهله ويعفى له فى كتب الفقه عن نسخة من كل مصنف لا غير، وفى الحديث عن نسختين ولو كان له دار واحدة يسكنها ويفضل عن سكناه منها ما يساوى نصابا وجبت عليه الفطرة وكذا فى الثياب والأثاث(الجوهرة النيرة، ج ا ص ۱۳۲، ۱۳۳، باب صدقة الفطر)

الفرق بين الأهل وغيرهم فى جواز أخذ الزكاة والمنع عنه، فمن كان من أهلها إذا كان محتاجا إليها للتدريس والحفظ والتصحيح فإنه لا يخرج بها عن الفقر، فله أخذ الزكاة إن كانت فقها أو حديثا أو تفسيرا ولم يفضل عن حاجته نسخ تساوى نصابا، كأن يكون عنده من كل تصنيف نسختان، وقيل ثلاث لأن النسختين يحتاج إليهما لتصحيح كل من الأخرى والمختار الأول :أى كون الزائد على الواحدة فاضلا عن الحاجة، وأما غير الأهل فإنهم يحرمون بالكتب من أخذ الزكاة لتعلق الحرمان بملك قدر نصاب غير محتاج إليه، وإن لم يكن ناميا .وأما كتب الطب والنحو والنجوم فمعتبرة فى المنع مطلقا ونص فى الخلاصة على أن كتب الأدب والمصحف الواحد ككتب الفقه، لكن اضطرب كلامه فى كتب الأدب فصرح فى باب صدقة الفطر بأنها كالتعبير والطب والنجوم. والذى يقتضيه النظر أن نسخة من النحو أو نسختين على الخلاف لا تعتبر من النصاب، وكذا من أصول الفقه، والكلام غير المخلوط بالآراء بل مقصور على تحقيق الحق من مذهب أهل السنة إلا أن لا يوجد غير المخلوط لأن هذه من الحوائج الأصلية أفاده فى فتح القدير.

قلت :والذى يقتضيه النظر أيضا أنه إن أريد بالأدب الظرافة كما فى القاموس وذلك ككتب الشعر والعروض والتاريخ ونحوه تمنع الأخذ، وإن أريد به آداب النفس كما فى المغرب وهو المسمى بعلم الأخلاق كالإحياء للغزالى ونحوه فهو كالفقه لا يمنع، وإن كتب الطب لطبيب يحتاج إلى مطالعتها ومراجعتها لا تمنع لأنها من الحوائج الأصلية كآلات المحترفين، وإن الأهل إذا كان غير محتاج إليها فهو كغير الأهل كما يعلم مما مر، وكذا حافظ قرآن له مصحف لا يحتاجه لأن المناط هو الحاجة (قوله أو تزيد على نسختين) صوابه على نسخة لأن المختار هو كون الزائد على نسخة واحدة فاضلا عن الحاجة كما قدمناه عن الفتح :ومثله فى النهر(رد المحتار على الدر المختار، ج۲ص ۲۶۵، كتاب الزكاة)

مسئلہ:...... جو غلہ (گندم، چاول، مکئی، آٹا، چینی وغیرہ) سال بھر کی کھانے پینے کی ضروریات کے لئے رکھا ہوا ہے، اوراس غلہ کی مالیت صدقۂ فطر کے نصاب کی مالیت کے برابر (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر) یااس سے بھی زیادہ ہے؛ تو راجح یہ ہے کہ یہ غلہ حاجتِ اصلیہ میں داخل ہے، اوراس کی وجہ سے صدقۂ فطر واجب نہیں۔ [1]

[1] ويحل لمن له دور وحوانيت تساوى نصبا، وهو محتاج لغلتها لنفقته ونفقة عياله على خلاف فيه ولمن عنده طعام سنة تساوى نصابا لعياله على ما هو الظاهر بخلاف قضاء الدين فإنه يجب عليه بيع قوته إلا قوت يومه كما فى القنية من الحبس(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ ص ۲۶۳، كتاب الزكاة،باب مصرف الزكاة)

وذكر فى الفتاوى فيمن له حوانيت ودور للغلة لكن غلتها لا تكفيه وعياله أنه فقير ويحل له أخذ

الصدقة عند محمد، وعند أبي يوسف لا يحل وكذا لو له كرم لا تكفيه غلته؛ ولو عنده طعام للقوت يساوي مائتي درهم، فإن كان كفاية شهر يحل أو كفاية سنة، قيل لا تحل، وقيل يحل؛ لأنه يستحق الصرف إلى الكفاية فيلحق بالعدم، وقد ادخر -عليه الصلاة والسلام- لنسائه قوت سنة، ولو له كسوة الشتاء وهو لا يحتاج إليها في الصيف يحل ذكر هذه الجملة في الفتاوى .اهـ.

وظاهر تعليله للقول الثاني في مسألة الطعام اعتماده.

وفي التتارخانية عن التهذيب أنه الصحيح وفيها عن الصغرى له دار يسكنها لكن تزيد على حاجته بأن لا يسكن الكل يحل له أخذ الصدقة في الصحيح وفيها سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاث آلاف ولا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة؟ يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفا وعليه الفتوى وعندهما لا يحل اهـ (ردالمحتار، ج ۲ ص ۳۴۸، کتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

وذكر في الفتاویٰ فیمن لهٗ حوانیت ودورالغلة لکن غلتھا لاتکفیه ولعیاله انهٗ فقیرویحل لهٗ اخذالصدقة عندمحمدوزفروعندابی یوسف لایحل وعلیٰ ھٰذااذاکان لهٗ ارض وکرم لکن غلتهٗ لاتکفیه ولعیاله ولوکان عنده طعام للقوت یساوی مأتی درهم فان کان کفایة شهرتحل له الصدقة وان کان کفایة سنة قال بعضهم لاتحل وقال بعضهم تحل لان ذالک مستحق الصرف الی الکفایة والمستحق ملحق بالعدم (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۴۸، وامافصل الذی یرجع الی المؤدی الیه)

اورامدادالفتاویٰ میں ہے کہ:

اگراس کا غلہ سال بھر کے خرچ سے بمقدارنصاب نہیں بچتا تو مانعِ اخذِ زکوٰۃ وموجبِ فطرواضحیہ نہیں (امدادالفتاویٰ ج ۲ ص ۳۰)

اور یہ حکم مالِ غیرنامی کا ہے، جیسا کہ غلہ کے الفاظ سے ظاہر ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: امدادالفتاویٰ ج ۲ ص ۲۴) لہٰذا بعض حضرات نے اس جزئیہ سے سال بھر کی ضروریات میں خرچ ہونے کے لئے رکھے ہوئے نصاب کے برابر مالِ نامی کو جووجوبِ صدقۂ فطر کے لئے مانع سمجھا ہے؛ یہ غلط فہمی پرمبنی معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ:...... صدقۂ فطر کے نصاب میں سونے، چاندی، تجارت کے سامان اور غیر ضروری چیزوں کی جو قیمت لگائی جاتی ہے وہ قیمتِ فروخت کے اعتبار سے ہوگی (اور جس قیمت پر کوئی چیز خریدی گئی تھی، اس کا اعتبار نہ ہوگا) چنانچہ پرانی اور فالتو یا خراب چیزیں جو گھروں میں رکھی رہتی ہیں ان کی اس قیمت کا اعتبار ہوگا کہ اگر ان کو فروخت کیا جائے تو کیا قیمت حاصل ہوگی؟ اور صدقۂ فطر میں اُس مالیت و قیمت کا اعتبار ہوگا جو عید کے دن اُن چیزوں کی ہو۔ [1]

[1] وذكر محمد رحمه الله في الرقيات أنه يقوم في البلد الذي حال الحول على المتاع بما يتعارفه أهل ذلك البلد نقداً فيما بينهم، يعني غالب نقد ذلك البلد، ولا ننظر إلى موضع الشراء، ولا إلى موضع المالك وقت حولان الحول؛ لأن هذا مال وجب تقويمه، فيقوّم بغالب نقد البلد كما في

ضمان المتلفات إلا أنه يعتبر نقد البلد الذى حال الحول فيه على المال؛ لأن الزكاة تصرف إلى فقراء البلدة التى فيها المال، فالتقويم بنقد ذلك البلد أنفع فى حق الفقراء من حيث الرواج، فيجب اعتباره(المحيط البرهانى، ج۲ص ۲۴۶، الفصل الثالث فى بيان مال الزكاة)

مسئلہ:...... جس قرض کے ملنے کی توقع ہو اسے نقدی میں شمار کیا جائے گا خواہ وہ نقدی کی صورت میں کسی کو دیا ہو یا کوئی چیز فروخت کی ہو اور قیمت وصول کرنا باقی ہو سب کو شامل کر کے حساب کیا جائے گا۔ [۲]

[۲] حدثنا يزيد ، عن هشام ، عن الحسن ، قال : إذا حضر الشهر الذى وقت الرجل أن يؤدى فيه زكاته أدى كل مال له ، وكل ما ابتاع من التجارة ، وكل دين إلا ما كان منه ضمارا لا يرجوه(الاموال للقاسم بن سلام، حديث نمبر ۸۹۲)

(و) اعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة :قوى، ومتوسط، وضعيف؛ (فتجب) زكاتها إذا تم نصابا وحال الحول، لكن لا فورا بل (عند قبض أربعين درهما من الدين) القوى كقرض (وبدل مال تجارة) فكلما قبض أربعين درهما يلزمه درهم (و) عند قبض (مائتين منه لغيرها) أى من بدل مال لغير تجارة وهو المتوسط كثمن سائمة وعبيد خدمة ونحوهما مما هو مشغول بحوائجه الأصلية كطعام وشراب وأملاك ،ويعتبر ما مضى من الحول قبل القبض فى الأصح(الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

(قوله :عند الإمام) وعندهما الديون كلها سواء تجب زكاتها، ويؤدى متى قبض شيئا قليلا أو كثيرا إلا دين الكتابة والسعاية والدية فى رواية بحر(ردالمحتار، ج۲ص ۳۰۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

البتہ اگر کسی کے قبضہ میں اتنا مال نہیں کہ جس سے وہ صدقۂ فطر ادا کر سکے، اور جو اس کا مال ہے، وہ لوگوں کی طرف قرض ودَین ہے، تو ایسی صورت میں صدقۂ فطر کو مال کے حاصل ہونے تک مؤخر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ [۱]

[۱] بخلاف الزكاة؛ لأن الزكاة لا يتعلق وجوبها بوقت مخصوص بل جميع العمر وقتها فكان جميع الأوقات وقتا لأدائها، فإن لم يكن فى يده شىء للحال يؤديها إذا وصل إلى المال، وكذا تتأدى بكل مال فإيجابها عليه لا يوقعه فى الحرج، وكذلك صدقة الفطر لأنها تجب وجوبا موسعا كالزكاة، وهو الصحيح.وعند بعضهم وإن كانت تتوقف بيوم الفطر لكنها تتأدى بكل مال فلا يكون فى الوجوب عليه حرج وذكر فى الأصل وقال :ولا تجب الأضحية على الحاج(بدائع والصنائع ، ج۵ص ۶۳ ،فصل فى شرائط وجوب الاضحية)

اور جس قرض ودَین کے واپس ملنے کی امید نہ ہو، اسے صدقۂ فطر کے نصاب میں شمار نہیں کیا جائے گا (لانہ مال الضمار) [۲]

[۲] عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ ، قَالَ :أَخَذَ الوَلِيدُ بن عَبْدِ الْمَلِكِ مَالَ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الرَّقَّةِ يُقَالُ لَهُ :أَبُو

عَائِشَةَ عِشْرِينَ أَلْفًا ، فَأَلْقَاهَا فِي بَيْتِ الْمَالِ ، فَلَمَّا وَلِيَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَتَاهُ وَلَدُهُ ، فَرَفَعُوا مَظْلِمَتَهُمْ إِلَيْهِ ، فَكَتَبَ إِلَى مَيْمُونٍ :ادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ، وَخُذُوا زَكَاةَ عَامِهِ هَذَا ، فَلَوْلا أَنَّهُ كَانَ مَالاً ضِمَارًا أَخَذْنَا مِنْهُ زَكَاةَ مَا مَضَى(مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ١٠٧١٧، کتاب الزکاة، باب مَا قَالُوا فِي الرَّجُلِ يَذْهَبُ لَهُ الْمَالُ السِّنِينَ ثُمَّ يَجِدُهُ ، فَيُزَكِّيه ؟)

عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ مَيْمُونٍ ؛ أَنَّ رَجُلاً ذَهَبَ لَهُ مَالٌ فِي بَعْضِ الْمَظَالِمِ ، فَوَقَعَ فِي بَيْتِ الْمَالِ ، فَلَمَّا وَلِيَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ رُفِعَ إِلَيْهِ ، فَكَتَبَ عُمَرُ :أَنَ ادْفَعُوا إِلَيْهِ ، وَخُذُوا مِنْهُ زَكَاةَ مَا مَضَى ، ثُمَّ تبعَهُمْ بَعْدُ كِتَاب :أَنَ ادْفَعُوا إِلَيْهِ مَالَهُ ، ثُمَّ خُذُوا مِنْهُ زَكَاةَ ذَلِكَ الْعَامِ ، فَإِنَّهُ كَانَ مَالاً ضِمَارًا(مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ١٠٧١٨، کتاب الزکاة، باب مَا قَالُوا فِي الرَّجُلِ يَذْهَبُ لَهُ الْمَالُ السِّنِينَ ثُمَّ يَجِدُهُ ، فَيُزَكِّيه ؟)

عبد الرزاق عن معمر عن أيوب عن ميمون بن مهران قال كتب عروة بن محمد إلى عمر بن عبد العزيز فى مال ظلم فيه الناس فكان بأيدى العمال فكتب أن يرد عليهم ويؤخذ منهم زكاته فراجعه عامله فى ذلک يأخذها من كل عام أو سنة واحدة فكتب إليه إن كان مالا ضمارا فزكه سنة واحدة قلت له ما الضمار قال الذاهب (مصنف عبدالرزاق، حدیث نمبر ٧١٢٧)

حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ قَالَ :حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ :حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَتَبَ فِي مَالٍ قَبَضَهُ بَعْضُ الْوُلَاةِ ظُلْمًا ,يَأْمُرُهُ بِرَدِّهِ إِلَى أَهْلِهِ ,وَتُؤْخَذُ زَكَاتُهُ لِمَا مَضَى مِنَ السِّنِينَ ,ثُمَّ عَقَّبَ بَعْدَ ذَلِكَ بِكِتَابٍ لَا يُؤْخَذُ مِنْهُ إِلَّا زَكَاةٌ وَاحِدَةٌ ,فَإِنَّهُ كَانَ ضِمَارًا قَالَ أَبُو أَحْمَدَ حُمَيْدٌ :التَّاوِي :الذَّاهِبُ الَّذِي لَا يُرْجَى(الاموال لابنِ زنجويه ،حدیث نمبر ١٧٢٨)

ومنها الملک المطلق وهو أن يكون مملوكا له رقبة ويدا وهذا قول أصحابنا الثلاثة، وقال زفر ": اليد ليست بشرط "وهو قول الشافعى فلا تجب الزكاة فى المال الضمار عندنا خلافا لهما.

وتفسير مال الضمار هو كل مال غير مقدور الانتفاع به مع قيام أصل الملک كالعبد الآبق والضال، والمال المفقود، والمال الساقط فى البحر، والمال الذى أخذه السلطان مصادرة، والدين المجحود إذا لم يكن للمالک بينة وحال الحول ثم صار له بينة بأن أقر عند الناس، والمال المدفون فى الصحراء إذا خفى على المالک مكانه فإن كان مدفونا فى البيت تجب فيه الزكاة بالإجماع(بدائع الصنائع، ج٢ص ٩،کتاب الزکاة، فصل الشرائط التى ترجع إلى المال)

إذا كان لرجل على غيره دين، وهو جاحد، فإن لم يكن لرب الدين بينة عادلة على الدين، فإنه لا يكون نصاباً عند علمائنا الثلاثة، وهذه المسألة فى الفقه تسمى مال الضمار، ومال الضمار كل مال بقى أصله فى ملكه، ولكن زال عن يده زوالاً لايرجى عوده فى الغالب، والأصل فيه أثر على رضى الله عنه :لا زكاة فى مال الضمار، وفسر الضمار بما ذكرنا.

والمعنى فى ذلک أن المال إنما ينعقد نصاباً باعتبار معنى التجارة، ومنفعة التجارة تزول إذا صار المال ضماراً بخلاف ابن السبيل؛ لأن منفعة التجارة لا تزول فى حقه، وأما إذا كانت له بينة عادلة، ذكر فى الأصل أنه ينعقد نصاباً، وسوّى بين الإقرار والبينة، وذكر فى الجامع الصغير أنه لا ينعقد نصاباً .والمذكور فى الجامع الصغير :رجل له على آخر دين جحدها سنين، ثم أقام البينة عليه لا يزكها لما مضى(المحيط البرهانى، ج٢ص ٣٠٩، الفصل الرابع عشر فى المال الذى يتوى، ثم يقدر عليه)

(ولا في مال ضمار) بالكسر مخفي وشرعا مال زائل اليد غير مرجو الوصول غالبا وإنما لا تجب الزكاة عندهم لأن كلا من الملك والنماء فيه مفقود خلافا لزفر والشافعي حيث قالا تجب فيه الزكاة للسنين الماضية إذا وصلت يده إليه لأن السبب قد تحقق وفوات اليد غير مخل بالوجوب كمال ابن السبيل والحجة عليهما قول علي -رضي الله تعالى عنه- لا زكاة في مال الضمار وأما ابن السبيل فقادر بنائبه(مجمع الانهر، ج ا ص ۱۹۴، كتاب الزكاة، شرط وجوب الزكاة)

لا زكاة في مال الضمار ومعناه مال يتعذر الوصول إليه مع قيام الملك من قولك بعير ضامر إذا كان نحيفا مع قيام الحياة فيه وأن عمر بن عبد العزيز في خلافته لما أمر برد أموال بيت المال على أصحابها قيل أفلا نأخذ منهم زكاتها لما مضى قال :لا، فإنها كانت ضمارا والمعنى فيه أن وجوب الزكاة في السائمة كان باعتبار معنى النماء، وقد انسد على صاحبها طريق يحصل النماء منها بجحود الغاصب إياها فانعدم ما لأجله كان نصاب الزكاة بخلاف ابن السبيل، فإن النماء يحصل له بيد ثانية كما يحصل بيده فكان نصاب الزكاة لهذا، وكذلك الضالة وما سقط منه في البحر من مال التجارة إذا وصلت يده إليه بعد الحول فليس عليه الزكاة لما مضى؛ لأن معنى المالية في النمو والانتفاع، وذلك منعدم فكان مستهلكا معنى، وإن كان قائما صورة وكذلك الدين المجحود (المبسوط للسرخسي، ج۲ص ۱۷۱، كتاب الزكاة،باب زكاة الابل)

(وسيأتي مسألة ابن السبيل في الباب الآتي)

مسئلہ:...... اگر کوئی مقروض یا مدیون ہے تو پانچ قسم کے مالوں (سونے، چاندی، تجارت کا مال، نقدی اور ضرورت سے زیادہ سامان) کی قیمت لگائے، پھر اس سے قرض ودَین کو علیحدہ کرے، قرض ودَین نکالنے کے بعد اگر مال نصاب کے برابر ہے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے ورنہ نہیں۔ ل

ل عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ :سَمِعْتُ عُثْمَانَ يَقُولُ :هَـذَا شَهْرُ زَكَاتِكُمْ، فَمَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَلْيَقْضِهِ، وَزَكُّوا بَقِيَّةَ أَمْوَالِكُمْ(مصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۱۰۶۵۸)

قال البوصيري:

رواه مسدد موقوفا بسند صحيح(اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة،للبوصيري،باب لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول ولا على من عليه دين حتى يقضى عنه وما جاء في العمال وتعجيل الصدقة)

ملحوظ رہے کہ جو رقم کسی سے نقد کی شکل میں قرض لی ہو، اور اس کو ادا کرنا باقی ہو، وہ قرض کہلاتی ہے، اور جو چیز کسی سے خریدی، اور اس کی قیمت ادا کرنا باقی ہے، تو وہ دَین کہلاتی ہے، مگر اس کی قیمت بھی قرض کا حکم رکھتی ہے، اور قرض کی طرح اس کی قیمت بھی صدقۂ فطر کے نصاب سے مستثنیٰ ہوتی ہے۔

ملازم اور نوکر کی وہ تنخواہ جو عید الفطر کے دن صبح صادق کے وقت اپنے ذمے واجب ولازم ہو چکی ہے، وہ قرض کا حکم رکھتی ہے۔

اسی طرح مذکورہ وقت میں مکان، دکان کا کرایہ جو ذمہ میں لازم ہو چکا وہ بھی قرض کا حکم رکھتا ہے۔

اور اسی طرح غیر سرکاری اور پرائیویٹ واجبات کی طرح سرکاری و نیم سرکاری واجبات مثلاً فون، بجلی، گیس وغیرہ کے یوٹیلیٹی بلز جو عید الفطر کے دن صبح صادق کے وقت اپنے ذمہ واجب ولازم ہو چکے ہیں، اگرچہ ابھی ادا نہ کئے ہوں، وہ بھی قرض کا حکم رکھتے ہیں۔

اس قسم کی رقوم صدقۂ فطر کے نصاب سے مستثنیٰ ہیں۔ [1]

[1] وقد عللوا سقوط الزكاة بالدين بأن المديون محتاج إلى هذا المال حاجة أصلية لأن قضاء الدين من الحوائج الأصلية والمال المحتاج إليه حاجة أصلية لا يكون مال الزكاة (ردالمحتار، ج۲ص ۲۶۱، كتاب الزكاة)

مسئلہ:...... نصاب کے بقدر مال ہونے کی وجہ سے صدقۂ فطر واجب ہونے کے بعد اگر مال جاتا رہا تب بھی صدقۂ فطر ذمہ میں رہے گا۔ [2]

[2] كالزكاة تسقط بهلاك النصاب، بخلاف صدقة الفطر فإنها لا تسقط بهلاك المال بعدما طلع الفجر من يوم الفطر (ردالمحتار، ج۶ ص ۳۱۵، كتاب الأضحية)

وأما مكان الأداء روى عن محمد أنه قال زكاة المال من حيث المال وصدقة الفطر عن نفسه وعبيده من حيث هو وروى عن أبي يوسف أنه يؤدى عن نفسه من حيث هو وعن عبيدة من حيث هم، والأول أصح لأن صدقة الفطر لا تعلق لها بالمال حتى إذا هلك المال بعد الوجوب لا تسقط الفطرة بخلاف الزكاة والله أعلم (تحفة الفقهاء، ج ۱ ص ۳۴۰ ،باب صدقة الفطر)

صدقۂ فطر کی ادائیگی کا وقت اور اس کے مصارف

مسئلہ:...... صدقۂ فطر کے واجب ہونے کا وقت اگرچہ عید کے دن کا صبح صادق ہے، لیکن اگر کوئی اس سے پہلے رمضان میں کسی تاریخ کو پیشگی دیدے تب بھی اداء ہو جاتا ہے۔ [3]

[3] صدقۂ فطر کا سببِ وجوب ایسا رأس ہے جس کا نفقہ اس کے ذمہ ہے اور اس کی ولایت اس کو حاصل ہے، اور وہ یومِ فطر سے پہلے موجود ہے، اور یومِ فطر وجوبِ ادا کی شرط ہے، لہٰذا جس طرح سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی زکاۃ دینا جائز ہے، اسی طرح صدقۂ فطر بھی عید سے پہلے سببِ وجوب پائے جانے پر دینا جائز ہے (نورالانوار ص۵۶، مبحث الامر، الامر نوعان، مطبوعہ:

مکتبہ امدادیہ، ملتان، عمدۃ الفقہ حصہ سوم، صفحہ ۱۶۶، بتغیر)

اگر کسی نے نہ رمضان میں اداء کیا اور نہ عید کے دن تو بعد میں جب بھی اداء کرے گا وہ اداء ہوجائے گا۔

خلاصہ یہ کہ جب تک صدقۂ فطر ادا نہیں کرے گا، معاف نہ ہوگا خواہ کتنا ہی زمانہ گذر جائے، عمر بھر یہ واجب اس کے ذمہ رہے گا اور جب بھی ادا کرے گا یہ ادا ہوجائے گا، لیکن تاخیر ہونے پر استغفار کرنا چاہئے۔ [1]

[1] (قوله :وصححه فی البدائع) أقول :لیس ذلک مصرحا به فی البدائع وإنما یفهم منه، وعبارة البدائع :وأما وقت أدائها فجمیع العمر عند عامة مشایخنا، ولا یسقط بالتأخیر عن یوم الفطر وقال الحسن بن زیاد وقت أدائها یوم الفطر من أوله إلی آخره فإذا لم یؤدها حتی مضی الیوم سقطت؛ لأن هذا حق یعرف بیوم الفطر فیختص أداؤه به کالأضحیة وجه قول العامة أن الأمر بأدائها مطلق عن الوقت فیجب فی مطلق الوقت وإنما یتعین بتعیینه فعلا أو آخر العمر کالأمر بالزکاة والعشر والکفارات ففی أی وقت أدی کان مؤدیا لا قاضیا کما فی سائر الواجبات الموسعة غیر أن المستحب أن یخرج قبل الخروج إلی المصلی؛ لأنه -علیه الصلاة والسلام -کذا کان یفعل ولقوله -علیه الصلاة والسلام -أغنوهم عن المسألة فی هذا الیوم اهـ(منحة الخالق علی هامش البحرالرائق، ج۲ص ۲۷۰، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر)

(قال) : واذا لم یخرج الرجل صدقة الفطر فعلیه إخراجها، وإن طالت المدة إلا علی قول الحسن بن زیاد فإنه یقول :تسقط بمضی یوم الفطر؛ لأنها قربة اختصت بأحد یومی العید فکانت قیاس الأضحیة تسقط بمضی أیام النحر.

(ولنا) أن هذه صدقة مالیة فلا تسقط بعد الوجوب إلا بالأداء کزکاة المال، ولا نقول :الأضحیة تسقط بل ینتقل الواجب إلی التصدق بالقیمة؛ لأن إراقة الدم لا تکون قربة إلا فی وقت مخصوص أو مکان مخصوص فأما التصدق بالمال قربة فی کل وقت(المبسوط للسرخسی، ج۳ص ۱۱۰، باب صدقة الفطر)

مسئلہ:......سنت و افضل طریقہ یہ ہے کہ عید کی نماز سے پہلے صدقۂ فطر ادا کردیا جائے۔

جیسا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

مِنَ السُّنَّةِ أَنْ لَا تَخْرُجَ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى تُخْرِجَ الصَّدَقَةَ (المعجم الکبیر للطبرانی) [2]

[2] حدیث نمبر ۱۱۲۹۶، مکتبة ابنِ تیمیة ، القاهرة ، واللفظ لهٗ،سنن دارقطنی، حدیث نمبر ۱۷۰۹، وحدیث نمبر ۲۱۳۶، المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث نمبر ۱۴۵۱.

ترجمہ: یہ بات سنت سے تعلق رکھتی ہے کہ آپ عیدالفطر کے دن (عید کی نماز کے لئے) نکلنے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کردیں (ترجمہ ختم)

مسئلہ:...... اگر کسی نے رمضان سے بھی پہلے صدقۂ فطر ادا کردیا تو رمضان آنے کے بعد اسے دوبارہ صدقۂ فطر ادا کرنے کی ضرورت نہیں، پہلے ادا کیا ہوا ہی کافی ہوجائے گا۔ [1]

---

[1] رمضان سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنے میں اختلاف ہے، اگرچہ راجح تو یہی ہے کہ ادا ہوجاتا ہے، لیکن کچھ حضرات رمضان سے پہلے صدقۂ فطر ادا ہونے کے قائل نہیں، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ رمضان شروع ہونے سے پہلے صدقۂ فطر ادا نہ کیا جائے اور اگر ادا کردیا گیا تو اختلاف سے بچنے کے لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ رمضان شروع ہونے کے بعد دوبارہ ادا کیا جائے؛ لیکن اگر کسی نے دوبارہ ادا نہیں کیا تو گنجائش اس کی بھی ہے کہ پہلا ادا کیا ہوا کافی ہے۔

ولو عجل الصدقة على يوم الفطر لم يذكر في ظاهر الرواية وروى الحسن عن أبي حنيفة أنه يجوز التعجيل سنة وسنتين وعن خلف بن أيوب أنه يجوز تعجيلها إذا دخل رمضان ولا يجوز قبله، وذكر الكرخي في مختصره أنه يجوز التعجيل بيوم، أو يومين.

وقال الحسن بن زياد :لا يجوز تعجيلها أصلا.

وجه قوله إن وقت وجوب هذا الحق هو يوم الفطر فكان التعجيل أداء الواجب قبل وجوبه وإنه ممتنع كتعجيل الأضحية قبل يوم النحر.

وجه قول خلف هذه فطرة عن الصوم فلا يجوز تقديمها على وقت الصوم، وما ذكره الكرخي من اليوم، أو اليومين فقد قيل إنه ما أراد به الشرط فإن أراد به الشرط فوجهه أن وجوبها لإغناء الفقير في يوم الفطر وهذا المقصود يحصل بالتعجيل بيوم، أو يومين؛ لأن الظاهر أن المتعجل يبقى إلى يوم الفطر فيحصل الإغناء يوم الفطر وما زاد على ذلك لا يبقى فلا يحصل المقصود، والصحيح أنه يجوز التعجيل مطلقا وذكر السنة، والسنتين، في رواية الحسن ليس على التقدير بل هو بيان لاستكثار المدة أي يجوز وإن كثرت المدة كما في قوله تعالى (إن تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم) (التوبة :٨٠) ووجهه أن الوجوب إن لم يثبت فقد وجد سبب الوجوب وهو رأس يمونه ويلي عليه، والتعجيل بعد وجود السبب جائز كتعجيل الزكاة، والعشور وكفارة القتل والله أعلم(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج۲ ص ۷۴، فصل وقت وجوب صدقة الفطر)

ولو عجل صدقة الفطر على يوم الفطر ذكرالكرخي أنه إذا عجل بيوم أو يومين جاز ولم يذكر أنه لو عجل بأكثر من ذلك هل يجوز

وروى الحسن عن أبي حنيفة أنه يجوز التعجيل بسنة وسنتين وعن خلف بن أيوب أنه يجوز التعجيل بشهر لا غير.

وعن الحسن أنه قال لا يجوز التعجيل ولا يجوز دون يوم الفطر ولو لم يؤد يوم الفطر تسقط عنه.

والصحيح رواية الحسن بن زياد لأن سبب الوجوب هو رأس يمونه لولايته عليه والوقت شرط الوجوب والتعجيل بعد سبب الوجوب جائز كما في الزكاة(تحفة الفقهاء، ج ا ص ۳۳۹، كتاب الزكاة ،باب صدقة الفطر)

وإن قدموها على يوم الفطر جاز ولا تفضيل بين مدة ومدة وهو الصحيح (الفتاوى الهندية، ج ا ص ۱۹۲، كتاب الزكاة، الباب الثامن فى صدقة الفطر)

مسئلہ:...... صدقۂ فطر کیونکہ عید الفطر کی صبح صادق کے وقت واجب ہوتا ہے، لہٰذا عید کے دن صبح صادق سے پہلے صاحبِ نصاب شخص کے یہاں جو بچہ پیدا ہوا، یا کافر صاحبِ نصاب مسلمان ہوگیا یا فقیر مالدار ہوگیا تو ان پر صدقۂ فطر واجب ہے۔

اسی طرح صبح صادق کے بعد صاحبِ نصاب شخص کا کوئی بچہ فوت ہوا یا مالدار فقیر بن گیا تب بھی صدقۂ فطر واجب ہے اور صبح صادق سے پہلے صاحبِ نصاب شخص کا بچہ فوت ہوگیا یا مالدار فقیر ہوگیا تو ان پر صدقۂ فطر واجب نہیں، اسی طرح صبح صادق کے بعد جو بچہ پیدا ہوا یا مالدار کافر مسلمان ہوا تو ان پر بھی صدقۂ فطر واجب نہیں۔ [1]

---

[1] وأما وقت الوجوب فعند أصحابنا وقت الفجر الثانى من يوم الفطر.

وعلى قول الشافعى ليلة الفطر. وفائدة الخلاف أن من ولد له ولد قبل طلوع الفجر تجب عليه صدقة فطره ومن ولد له بعد ذلك لا تجب ولو أسلم قبله تجب عليه وبعده لا وكذلك الفقير إذا أيسر قبله تجب ولو افتقر الغنى قبله لا تجب(تحفة الفقهاء، ج ا ص ۳۳۹، باب صدقة الفطر)

(قال) : ومن مات من مماليكه وولده ليلة العيد فلا صدقة عليه عنهم، ومن مات بعد الصبح فالصدقة واجبة عنهم.

ولا خلاف أن وجوب الصدقة يتعلق بالفطر من رمضان :وإنما الخلاف فى وقت الفطر من رمضان عندنا وقت الفطر عند طلوع الفجر من يوم الفطر، وعنده وقت غروب الشمس من الليلة التى يهل بها هلال شوال حجته لإثبات هذا الأصل أن حقيقة الفطر عند غروب الشمس وكذلك انسلاخ شهر رمضان يكون عن رؤية هلال شوال، وذلك عند غروب الشمس، وحجتنا ما روى عن النبى - صلى الله عليه وسلم -أنه قال :أنهاكم عن صوم يومين يوم تفطرون فيه من صومكم ويوم تأكلون فيه لحم نسككم ؛ ولأن حقيقة الفطر عند غروب الشمس كما يكون فى هذا اليوم كذلك فيما قبله، والفطر من رمضان إنما يتحقق بما يكون مخالفا لما تقدم، وذلك عند طلوع الفجر؛ لأن فيما تقدم كان يلزمه الصوم فى هذا الوقت، وفى هذا اليوم يلزمه الفطر، وهذا اليوم يسمى يوم الفطر فينبغى أن يكون الفطر من رمضان فيه ليتحقق هذا الاسم كيوم الجمعة تجب فيه الجمعة، وتؤدى فيه ليتحقق هذا الاسم فيه إذا عرفنا هذا فنقول كل من أسلم من الكفار ليلة الفطر فعليه صدقة الفطر عندنا؛ لأن وقت الوجوب جاء ، وهو مسلم وكل من يولد ليلة الفطر فعليه صدقة الفطر عندنا؛ لأنه جاء وقت الوجوب، وهو منفصل ومن مات من أولاده ومماليكه ليلة الفطر فليس عليه الصدقة عنه؛ لأنه جاء وقت الوجوب وهو ميت ومن مات بعد طلوع الفجر منهم فعليه الصدقة عنه؛ لأن وقت الوجوب جاء ، وهو حى وصدقة الفطر بعد ما وجبت لا تسقط بموت المؤدى عنه بخلاف الزكاة فإن الواجب هناك جزء من المال وبهلاكه يفوت محل الواجب، وهنا الصدقة تجب فى ذمة

المؤدى فبموت المؤدى عنه لا يفوت محل الواجب فلهذا لا تسقط حتى روى عن أبى يوسف - رحمه الله تعالى -فى الأمالى أن من قال :لعبده إذا جاء يوم الفطر فأنت حر فعليه صدقة الفطر عنه؛ لأنه إنما عتق بعد طلوع الفجر فلا تسقط به الصدقة الواجبة عنه والدليل على أن وقت الوجوب عند طلوع الفجر حديث ابن عمر كان النبى -صلى الله عليه وسلم -يأمرنا بأداء صدقة الفطر قبل الخروج إلى المصلى والمقصود بهذا الأمر المسارعة إلى الأداء لا التأخير عن وقت الوجوب(المبسوط للسرخسى، ج٣ص١٠٥، باب صدقة الفطر)

وأما وقت وجوب صدقة الفطر فقد اختلف فيه، قال أصحابنا :هو وقت طلوع الفجر الثانى من يوم الفطر، وقال الشافعى :هو وقت غروب الشمس من آخر يوم من رمضان حتى لو ملك عبدا، أو ولد له ولد، أو كان كافرا فأسلم، أو كان فقيرا فاستغنى إن كان ذلك قبل طلوع الشمس تجب عليه الفطرة، وإن كان بعده لا تجب عليه وكذا من مات قبل طلوع الفجر لم تجب فطرته وإن مات بعده وجبت، وعند الشافعى إن كان ذلك قبل غروب الشمس تجب عليه وإن كان بعده لا تجب وكذا إن مات قبله لم تجب وإن مات بعده وجبت(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج٢ص٧٤، فصل وقت وجوب صدقة الفطر)

> ووقت الوجوب بعد طلوع الفجر الثانى من يوم الفطر فمن مات قبل ذلك لم تجب عليه الصدقة ومن ولد أو أسلم قبله وجبت ومن ولد أو أسلم بعده لم تجب وكذا الفقير إذا أيسر قبله تجب ولو افتقر الغنى قبله لم تجب كذا فى محيط السرخسى ومن مات بعد طلوع الفجر فهى واجبة عليه وكذا إذا افتقر بعد يوم الفطر كذا فى الجوهرة النيرة(الفتاوى الهندية، ج١ص١٩٢، كتاب الزكاة، الباب الثامن فى صدقة الفطر)
>
> وإن أخروها عن يوم الفطر لم تسقط وكان عليهم إخراجها كذا فى الهداية ولو عجل صدقة الفطر قبل النصاب ثم ملكه صح كذا فى البحر الرائق وفى تجنيس الملتقط من سقط عنه صوم الشهر لكبر أو لمرض لا تسقط عنه صدقة الفطر كذا فى المضمرات (الفتاوى الهندية، ج١ص١٩٢، كتاب الزكاة،الباب الثامن فى صدقة الفطر)
>
> والمستحب للناس أن يخرجوا الفطرة بعد طلوع الفجر يوم الفطر قبل الخروج إلى المصلى كذا فى الجوهرة النيرة وأما وقت أدائها فجميع العمر عند عامة مشايخنا رحمهم الله كذا فى البدائع (الفتاوى الهندية، ج١ص١٩٢، كتاب الزكاة،الباب الثامن فى صدقة الفطر)
>
> ولا يؤدى عن الجنين لأنه لا تعرف حياته (الجوهرة النيرة، ج١ص١٣٣، باب صدقة الفطر)
>
> ولا يؤدى عن الجنين؛ لأنه لا يعرف حياته هكذا فى السراج الوهاج(الفتاوىٰ الهندية، ج١ص١٩٢، الباب الثامن فى صدقة الفطر)

مسئلہ:...... صدقۂ فطر کو اس کے صحیح شرعی مصرف میں لگانا صدقۂ فطر ادا کرنے والوں کی شرعی ذمہ داری ہے، اس بارے میں آج کل بہت کوتاہی پائی جارہی ہے۔

مسئلہ:...... صدقۂ فطر کسی مستحق غریب کو مالکانہ طور پر دینا چاہیے، جس میں اس کو ہر طرح

کا اختیار ہو چاہے وہ اس کو خود استعمال کرے یا کسی دوسرے سے خرید وفروخت یا ہبہ کرے۔ ۱

---

۱ مستحق کو بطور تملیک صدقۂ فطر ادا کرنے کی غرض سے مالیت کا حساب لگا کر کھانا دیدیا جائے، کہ وہ اس کھانے کو اپنی ملک سمجھے، چاہے خود یا کسی اور کو کھلا دے یا فروخت کردے، تو اس طرح صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا، لیکن اگر بطور اباحت کھانا دیا جائے کہ مثلاً جتنا کھا سکو، ٹھیک، اور باقی بچا ہوا معطی کی ملک ہو، اس طرح صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا۔

الخامسة :معرفة ركنها، فالتمليك..........السادس :معرفة شرط جوازها بكون المصرف إليه فقيرا(عمدة القارى ، ج۹ص۱۰۷ ، كتاب الزكاة،أبواب صدقة الفطر)

وأما ركنها فالتمليك لقول النبى -صلى الله عليه وسلم -أدوا عن كل حر وعبد الحديث، والأداء هو التمليك فلا يتأدى بطعام الإباحة وبما ليس بتمليك أصلا ولا بما ليس بتمليك مطلق، والمسائل المبنية عليه ذكرناها فى زكاة المال وشرائط الركن أيضا ما ذكرنا هناك(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج۲ ص۷۴، كتاب الزكاة،فصل ركن صدقة الفطر)

مسئلہ:......صدقۂ فطر صرف انہی غریبوں کو دینا جائز ہے جنہیں زکاۃ دینا جائز ہو، جن لوگوں کو زکاۃ دینا جائز نہیں، انہیں یہ صدقہ دینا بھی جائز نہیں۔ ۲

۲ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا :أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِلَى اليَمَنِ، فَقَالَ :ادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ(بخارى ،حديث نمبر ۱۳۹۵)

(وصدقة الفطر كالزكاة فى المصارف) وفى كل حال (إلا فى) جواز (الدفع إلى الذمى) وعدم سقوطها بهلاك المال وقد مر(الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب زكاة الفطر)

(قوله فى المصارف) أى المذكورة فى آية الصدقات إلا العامل الغنى فيما يظهر ولا تصح إلى من بينهما أولاد أو زوجية ولا إلى غنى أو هاشمى ونحوهم ممن مر فى باب المصرف، وقدمنا بيان الأفضل فى المتصدق عليه (قوله :وكل حال) ليس المراد تعميم الأحوال مطلقا من كل وجه فإن لكل شروطا ليست للأخرى؛ لأنه يشترط فى الزكاة الحول والنصاب النامى والعقل والبلوغ وليس شىء من ذلك شرطا هنا بل المراد فى أحوال الدفع إلى المصارف من اشتراط النية واشتراط التمليك فلا تكفى الإباحة كما فى البدائع هذا ما ظهر لى تأمل .

(فرع) قدمنا فى المصرف عن التتارخانية لو دفع الفطرة إلى الطبال الذى يوقظهم وقت السحر جاز إلا أن الأحوط والأبعد عن الشبهة أن يقدم إليه قرصات هدية ثم يعطيه الحنطة .اهـ .(قوله :إلا فى جواز الدفع إلى الذمى) فى الخانية جاز ويكره .وعند الشافعى وإحدى الروايتين عن أبى يوسف لا يجوز تتارخانية وقدم عن الحاوى أن الفتوى على قول أبى يوسف ومر الكلام فيه(ردالمحتار، ج۲ص ۳۶۹، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

واعلم أنه لا يجوز دفعها إلى ثمانية الغني وولد الغني الصغير وزوجة الغني إذا كان لها مهر عليه وعبد الغني القن ودفعها إلى ولده وولد ولده وأبويه وأجداده وأحد الزوجين إلى الآخر وبني هاشم والكافر سواء كان ذميا أو حربيا فقوله إلى غني يعني غنيا يمكنه الانتفاع بماله حتى لا يدخل عليه ابن السبيل والغني هو من يملك نصابا من النقدين أو ما قيمته نصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية من ثيابه ودار سكناه وأثاثه وعبيد خدمته ودواب ركوبه وسلاح استعماله (الجوهرة النيرة، ج ا ص ۱۲۹، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة)

مسئلہ:...... غیر مسلم کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں، البتہ جو غیر مسلم مسلمانوں کے ملک میں رہتا سہتا ہو، اسے صدقۂ فطر دینے کے جائز و ناجائز ہونے میں اختلاف ہے، احتیاط اس میں ہے کہ اسے بھی صدقۂ فطر نہ دیا جائے، اور اس کے بجائے کسی مسلمان مستحق کو دیا جائے۔ [1]

[1] بعض علماء نے صدقۂ فطر غریب ذمی کافر کو دینے کی اجازت دی ہے مگر دیگر علماء نے ناجائز قرار دیا ہے، لہٰذا کافر کو نہ دینے میں ہی احتیاط ہے، لیکن دارالکفر میں رہنے والے کافر اور اسی طرح مرتد کو بالاتفاق صدقۂ فطر دینا جائز نہیں، آغاخانی اور قادیانی وغیرہ زنادقہ کا کفر اور ان کا حکم دوسرے کفار سے زیادہ سخت ہے، ان کو صدقۂ فطر دینا بالاتفاق جائز نہیں (امداد المفتین ص ۴۶۴، احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۸۳، آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۴۱۶ تا ۴۱۸)

(قال) : ويجوز أن يدفع صدقة الفطر إلى أهل الذمة وعلى قول الشافعي -رحمه الله تعالى- لا يجوز وعن أبي يوسف -رحمه الله تعالى- ثلاث روايات فى رواية قال :كل صدقة مذكورة فى القرآن لا يجوز دفعها إلى أهل الذمة فعلى هذه الرواية يجوز دفع صدقة الفطر إليهم، وفى رواية قال :كل صدقة واجبة بإيجاب الشرع ابتداء من غير سبب من العبد لا يجوز دفعها إلى أهل الذمة فعلى هذا لا يجوز دفع صدقة الفطر إليهم، ويجوز دفع الكفارات والنذور إليهم وفى رواية قال :كل صدقة هى واجبة لا يجوز دفعها إليهم فعلى هذا لا يجوز دفع الكفارات وإنما يجوز دفع التطوعات والشافعي -رحمه الله تعالى- يقيس هذا بزكاة المال بعلة أنها صدقة واجبة فإن الصدقة المالية صلة واجبة للمحاويج المناسبين له فى الملة فلا يملك صرفها إلى غيرهم والمقصود منه أن يتقوى به على الطاعة، ويتفرغ عن السؤال لإقامة صلاة العيد، ولا يحصل هذا المقصود بالصرف إلى أهل الذمة كما لا يحصل بالصرف إلى المستأمنين فكما لا يجوز صرفها إليهم فكذلك إلى أهل الذمة.

(ولنا) أن المقصود سد خلة المحتاج، ودفع حاجته بفعل هو قربة من المؤدى وهذا المقصود حاصل بالصرف إلى أهل الذمة فإن التصدق عليهم قربة بدليل التطوعات؛ لأنا لم ننه عن المبرة لمن لا يقاتلنا قال الله تعالى :(لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين) (الممتحنة8 :) الآية بخلاف المستأمن فإنه مقاتل وقد نهينا عن المبرة مع من يقاتلنا قال الله تعالى :(إنما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم فى الدين) (الممتحنة9 :) الآية، والقياس أن يجوز صرف الزكاة إليهم إنما تركنا القياس فيه بالنص، وهو قوله -صلى الله عليه وسلم- لمعاذ خذها من أغنيائهم وردها فى فقرائهم والمراد به الزكاة لا صدقة الفطر والكفارات إذ ليس للساعى فيها ولاية الأخذ فبقى على أصل القياس.

(قال) : وفقراء المسلمين أحب إلى؛ لأنه أبعد عن الخلاف؛ ولأنهم يتقوون بها على الطاعة وعبادة

الرحمن، والذمی یتقوی بها علی عبادة الشیطان(المبسوط للسرخسی، ج۳ص ۱۱۱، باب صدقة الفطر)

وأما صرف ما وراء الزكاة والعشر إلى فقراء أهل الذمة فجائز عند أبي حنيفة ومحمد نحو صدقة الفطر والصدقة المنذورة والكفارات ولكن الصرف إلى المسلمين أولى وعن أبي يوسف ثلاث روايات والأصح أنه لا يجوز صرف صدقة ما إليهم إلا التطوع وأما الحربي فلا يجوز صرف صدقة ما إليه(تحفة الفقهاء ،ج ا ص ۳۰۳، كتاب الزكاة،باب من يوضع فيه الصدقة)

مسئلہ:...... زکاۃ کی طرح صدقۂ فطر بھی دل میں نیت کرکے مستحق کو دے دینا کافی ہے، زبان سے یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ صدقۂ فطر ہے، بلکہ اگر زبان سے ہدیہ، عطیہ وغیرہ کہہ دے، اور دل میں صدقۂ فطر کے ادا کرنے کی نیت ہو، تب بھی صدقۂ فطر ادا ہوجاتا ہے۔ [1]

[1] ولا يشترط علم الفقير بأنها زكاة على الأصح لما في البحر عن القنية والمجتبى الأصح أن من أعطى مسكينا دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوى الزكاة فإنها تجزيه لأن العبرة لنية الدافع لا لعلم المدفوع إليه(مجمع الانهر، ج ا ص ۱۹۶، كتاب الزكاة، شروط صحة اداء الزكاة)

مسئلہ:...... سید اور بنو ہاشم (یعنی جو لوگ حضرت علی، حضرت عباس، حضرت جعفر، حضرت عقیل، حضرت حارث بن عبدالمطلب کی اولاد ہوں) کو یہ صدقہ دینا جائز نہیں۔

اگر یہ ضرورت مند ہوں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ ویسے دوسرے طریقوں (مثلاً عطیہ، نفلی صدقہ وغیرہ) سے ان کی مدد کریں اور ان کی مدد کو اپنی سعادت سمجھیں۔ [2]

[2] (و) لا إلى (بني هاشم) إلا من أبطل النص قرابته وهم بنو لهب(الدر المختار ،كتاب الزكاة)

قال -رحمه الله -(أو هاشمي) أي لا يجوز دفعها إلى بني هاشم لقوله -عليه الصلاة والسلام -إن هذه الصدقات إنما أوساخ الناس وإنها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد رواه مسلم وقال -عليه الصلاة والسلام -نحن أهل بيت لا تحل لنا الصدقة رواه البخاري وأطلق الهاشمي هنا وفسرهم القدوري فقال هم آل علي وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث بن عبد المطلب وفائدة تخصيصهم بالذكر جواز الدفع إلى بعض بني هاشم وهم بنو أبي لهب لأن حرمة الصدقة كرامة لهم استحقوها بنصرهم النبي -صلى الله عليه وسلم -في الجاهلية والإسلام ثم سرى ذلك إلى أولادهم وأبو لهب آذى النبي -عليه الصلاة والسلام -وبالغ في أذيته فاستحق الإهانة قال أبو نصر البغدادي وما عدا المذكورين لا تحرم عليهم الزكاة(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ا ص ۳۰۳، كتاب الزكاة،باب المصرف)

والهاشمي منسوب إلى بني هاشم وهم آل علي وآل عباس وآل جعفر وآل الحارث بن عبد المطلب(البناية شرح الهداية، ج۳ص ۴۵۰، ۴۵۱، كتاب الزكاة،باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز)

(ولا تدفع إلى بني هاشم) ش :أي ولا تدفع الزكاة إلى بني هاشم .وفي "الإيضاح "الصدقات

الواجبات كلها عليهم لا تجوز لإجماع الأئمة الأربعة(البناية شرح الهداية، ج۳ص ۴۷۱، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز)

(قوله ولا يدفع إلى بنى هاشم) يعنى الأجنبى لا يدفع إليهم بالإجماع وهل يجوز أن يدفع بعضهم إلى بعض عندهما لا يجوز .وقال أبو يوسف يجوز(الجوهرة النيرة، ج ا ص ۱۳۰، كتاب الزكاة،باب مصارف الزكاة)

والتفصيل فى امدادالاحكام، جلد۲، صفحة ۵۰، بعنوان" الاحتياط اللازم فى التصدق على بنى هاشم" و"القول الخاتم فى حرمة الزكاة على بنى هاشم"

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص گھر سے باہر سفر میں ہو، خواہ شرعی مسافت پر ہو، یا اس سے کم پر، اور اس کے گھر میں تو نصاب کے برابر مال ہو، مگر اس کے ساتھ نصاب کے برابر مال نہ ہو، اور جتنا مال اس کے ساتھ ہے، وہ اس کے سفر کی ضروریات (مثلاً کھانے، پینے اور گھر تک پہنچنے کے اخراجات) کے لئے کافی نہیں، تو اس کو اپنی ضرورت کے بقدر صدقۂ فطر لینا جائز ہے، بشرطیکہ صرف ضرورت کے بقدر لے۔

(لانه لايقدر على الوصول الى ماله فلم يكن فى يده)

اور اگر اس کے پاس سفر میں نصاب کے برابر مال ہے، یا اس کے پاس جتنا مال ہے، وہ اس کے سفر کی ضروریات (مثلاً کھانے، پینے اور گھر تک پہنچنے کے اخراجات) کے لئے کافی ہے، تو اس کو صدقۂ فطر لینا جائز نہیں۔

(لانه قادر على الوصول الى ماله فكأنهٗ فى يده)

اور یہی حکم اس شخص کا بھی ہے، جو سفر میں تو نہیں ہے، بلکہ اپنے وطن اور گھر میں ہے، اور اس کی ملکیت میں نصاب کے برابر مال تو ہے، مگر وہ دوسرے پر قرض ودَین ہے، اور اس دَین کی ادائیگی میں ابھی وقت باقی ہے، یا جس پر اس کا دَین ہے، وہ تنگ دست ہے، اور اس کا دَین ادا کرنے پر قادر نہیں، اور خود اس شخص کے قبضہ میں جتنا مال ہے، وہ نصاب کے برابر نہیں، اور اس کو اس حال میں کھانے پینے اور لباس وغیرہ کی ضرورت پیش آ گئی ہے، اور اس ضرورت کے پوری کرنے کے لئے اس کے ہاتھ میں مال نہیں ہے، تو اس کو بھی بقدرِ ضرورت صدقۂ فطر لینا جائز ہے، یہاں بھی یہ شرط ہے کہ وہ صرف ضرورت کے بقدر لے، ضرورت سے زیادہ لینا جائز نہیں۔ لے

لے فقوله إلى غنى يعنى غنيا يمكنه الانتفاع بماله حتى لا يدخل عليه ابن السبيل (الجوهرة النيرة، ج ا ص ١٢٩، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة)

(ومن له مال في وطنه لا معه) وهو المراد من ابن السبيل فكل من يكون مسافرا على الطريق يسمى ابن السبيل كما يسمى ابن الفقير للفقير كما في المبسوط والأولى أن يستقرض إن قدر عليه للأداء في بلده وألحق به كل من هو غائب عن ماله وإن كان في بلده ولا يلزم أن يتصدق بما فضل في يده عند قدرته على ماله كالفقير إذا استغنى والمكاتب إذا عجز كما في الفتح.(مجمع الانهر، ج ا ص ٢٢١، كتاب الزكاة، باب في بيان احكام المصرف)

(ومنها ابن السبيل) ، وهو الغريب المنقطع عن ماله كذا في البدائع .جاز الأخذ من الزكاة قدر حاجته، ولم يحل له أن يأخذ أكثر من حاجته وألحق به كل من هو غائب عن ماله، وإن كان في بلده؛ لأن الحاجة هي المعتبرة ثم لا يلزمه أن يتصدق بما فضل في يده عند قدرته على ماله كالفقير إذا استغنى كذا في التبيين .والاستقراض لابن السبيل خير من قبول الصدقة كذا في الظهيرية(الفتاوى الهندية، ج ا ص١٨٨، كتاب الزكاة،الباب السابع في المصارف)

(قوله :وابن السبيل) هو المسافر سمي به للزومه الطريق زيلعي (قوله :من له مال لا معه) أي سواء كان هو في غير وطنه أو في وطنه وله ديون لا يقدر على أخذها كما في النهر عن النقاية لكن الزيلعي جعل الثاني ملحقا به حيث قال :وألحق به كل من هو غائب عن ماله وإن كان في بلده؛ لأن الحاجة هي المعتبرة وقد وجدت؛ لأنه فقير يدا وإن كان غنيا ظاهرا .اهـ.وتبعه في الدرر والفتح وهو ظاهر كلام الشارح وقال في الفتح أيضا :ولا يحل له أي لابن السبيل أن يأخذ أكثر من حاجته والأولى له أن يستقرض إن قدر ولا يلزمه ذلك لجواز عجزه عن الأداء ولا يلزمه التصدق بما فضل في يده عند قدرته على ماله كالفقير إذا استغنى والمكاتب إذا عجز .وعندهما من مال الزكاة لا يلزمها التصدق اهـ.قلت :وهذا بخلاف الفقير فإنه يحل له أن يأخذ أكثر من حاجته وبهذا فارق ابن السبيل كما أفاده في الذخيرة(رد المحتار على الدر المختار، ج٢ ص٣٤٣،٣٤٤،باب مصرف الزكاة والعشر)

قوله تعالى وَابْنِ السَّبِيلِ وهو المسافر فاعلم ان المسافر اما ان يكون مالكا لنصاب يمنع أخذ الزكاة اولا وعلى الثاني يعطى له الزكوة اتفاقا سواء كان في أثناء السفر او مريدا للسافر كمن لم يكن مسافرا لكونه فقيرا وعلى التقدير الاول إن كان له مال في يده بقدر النصاب وبقدر ما يبلغ بلدا يريد دخوله لا يعطى له الزكوة اتفاقا سواء كان في أثناء السفر اولا وإن كان له مال كثير في وطنه لا معه وهو في أثناء السفر فقير يدا ليس عنده ما يبلغ نصابا ولا ما يبلغ به وطنه الذى فيه ماله يعطى له الزكوة اتفاقا وهو المراد بابن السبيل في هذه الآية عند ابى حنيفة رحمه الله فالفقر المعتبر لاباحة أخذ الزكوة هو الفقر يدا فمالكية المال لا ينافي جواز أخذ الزكوة ان لم يكن المال في يده فالمقيم في الوطن الذى له مال في وطنه بمنزلة ابن السبيل والدائن الذى مديونه مقر مفلس كابن السبيل كذا في المحيط وإن كان له مال كثير في وطنه وعنده مال قليل لا يبلغ نصابا لكن يمكن ان يبلغ به مكانه الذى فيه ماله لا يجوز له أخذ الزكوة اتفاقا لانه قادر على الوصول الى ماله فكانه في يده وإن كان له مال في يده يبلغ نصابا لكن ليس بقدر ما يقطع به المسافة المقصورة سواء هو في أثناء السفر او هو مريد للسفر وسواء كان له مال بعيد منه او لا يكون لا يجوز له أخذ الزكوة عند ابى حنيفة وقال الشافعي يجوز لابى حنيفة ان المبيح لاخذ الزكوة انما هو الفقر وهو ليس بفقير وقال

الشافعی ارادة السفر ایضا مبیح لاخذ الزکوة ان لم یکن عنده ما یقطع به السفر لان ابن السبیل صنف آخر غیر الفقیر لا یعتبر فیه الفقر والله اعلم(التفسیر المظھری، ج۴ص ۲۳۹،تحت آیت ۶۰ من سورة التّوبة)

وَابُنِ السَّبِيلِ وھو المسافر المنقطع عن ماله .والاستقراض له خیر من قبول الصدقة علی ما فی الظھیریة .وفی فتح القدیر أنه لا یحل له أن یأخذ أکثر من حاجته، وألحق به کل من ھو غائب عن ماله وإن کان فی بلده .وفی المحیط وإن کان تاجرا له دین علی الناس لا یقدر علی أخذه ولا یجد شیئا یحل له أخذ الزکاة لأنه فقیر یدا کابن السبیل .وفی الخانیة تفصیل فی ھذا المقام قال :والذی له دین مؤجل علی إنسان إذا احتاج إلی النفقة یجوز له أن یأخذ من الزکاة قدر کفایته إلی حلول الأجل، وإن کان الدین غیر مؤجل فإن کان من علیه الدین معسرا یجوز له أن یأخذ الزکاة فی أصح الأقاویل لأنه بمنزلة ابن السبیل، وإن کان المدیون موسرا معترفا لا یحل له أخذ الزکاة وکذا إذا کان جاحدا وله علیه بینة عادلة، وإن لم تکن عادلة لا یحل له الأخذ أیضا ما لم یرفع الأمر إلی القاضی فیحلفه فإذا حلفه یحل له الأخذ بعد ذلک اھ، والمراد من الدین ما یبلغ نصابا کما لا یخفی .وفی فتح القدیر ولو دفع إلی فقیرة لھا مھر دین علی زوجھا یبلغ نصابا وھو موسر بحیث لو طلبت أعطاھا لا یجوز، وإن کان بحیث لا یعطی لو طلبت جاز اھ .وھو مقید لعموم ما فی الخانیة، والمراد من المھر ما تعورف تعجیله لأن ما تعورف تأجیله فھو دین مؤجل لا یمنع أخذ الزکاة، ویکون فی الأول عدم إعطائه بمنزلة إعساره، ویفرق بینه وبین سائر الدیون بأن رفع الزوج للقاضی مما ینبغی للمرأة بخلاف غیره، لکن فی البزازیة دفع الزکاة إلی أخته وھی تحت زوج إن کان مھرھا المعجل أقل من النصاب أو أکثر لکن الزوج معسر له أن یدفع إلیھا الزکاة وإن کان موسرا والمعجل قدر النصاب لا یجوز عندھما وبه یفتی للاحتیاط، وعند الإمام یجوز مطلقا ھذا(روح المعانی، ج۵ص ۳۱۳،تحت آیت ۶۰ من سورة التّوبة)

ملحوظ رہے کہ مندرجہ بالاحکم مال سے دوریا مال پر قادر نہ ہونے اور ضرورت وحاجت پیش آنے کی صورت میں بقدرِ ضرورت اخذِ زکاۃ وصدقات کا ہے، جہاں تک ملکیت میں موجود مال پر وجوبِ زکاۃ وصدقۂ فطر کا تعلق ہے، تو وہ اپنی شرائط کے ساتھ الگ واجب ہے۔

اگر کوئی اس وقت قادر نہیں، تو بعد میں ادا کر دے۔

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ وجوبِ صدقہ وحرمتِ اخذِ صدقہ مجتمع نہیں ہوتے اور مسافر کو اخذِ صدقہ جائز ہے، لہٰذا اس پر صدقۂ فطر کیونکر واجب ہوگا؟

> جواب یہ ہے کہ بذاتِ خود مسافر ہونا اخذِ صدقہ کے جواز کا سبب نہیں بلکہ اس کا محتاج اور مال پر قادر نہ ہونا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو مسافر نصاب ساتھ نہ رکھتا ہو مگر بقدرِ حاجت مال اس کے پاس موجود ہو اس کے لئے اخذِ صدقہ جائز نہیں، معلوم ہوا کہ بذاتِ خود مسافر ہونا اخذِ صدقہ کے جواز کا سبب نہیں، ورنہ مسافر ہونا بذاتِ خود اخذِ جوازِ صدقہ کو مستلزم ہوتا، لہٰذا غنی مسافر پر صدقۂ فطر واجب ہے اور ضرورت مند مسافر کے حق میں وجوبِ صدقہ وحرمتِ اخذِ صدقہ کے عدمِ اجتماع کا شبہ درست نہیں (کذا فی حاشیۃ امداد الفتاویٰ ج۲ص۸۱)

بخلاف الزکاة؛ لأن الزکاة لا یتعلق وجوبھا بوقت مخصوص بل جمیع العمر وقتھا فکان جمیع الأوقات وقتا لأدائھا، فإن لم یکن فی یده شیء للحال یؤدیھا إذا وصل إلی المال، وکذا تتأدی بکل

مال فإيجابها عليه لا يوقعه فى الحرج، وكذلک صدقة الفطر لأنها تجب وجوبا موسعا كالزكاة، وهو الصحيح.وعند بعضهم وإن كانت تتوقف بيوم الفطر لكنها تتأدى بكل مال فلا يكون فى الوجوب عليه حرج (بدائع والصنائع ، ج۵ ص ۶۳ ، كتاب التضحية،فصل فى شرائط وجوب الاضحية)

مسئلہ:...... اپنے اصول یعنی جن کے واسطے سے پیدا ہوا ہے مثلاً اپنے ماں باپ ، دادا، دادی، نانا، نانی، پردادا، پردادی، وغیرہ کو یہ صدقہ دینا جائز نہیں۔

والدین کی خدمت ویسے ہی اولاد کے ذمہ ہے۔

اسی طرح اپنے فروع یعنی جو اس کے واسطے سے پیدا ہوئے ہیں، مثلاً اولاد بیٹا، بیٹی ، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہ کو بھی یہ صدقہ دینا جائز نہیں۔

اور اسی طرح شوہر اور بیوی کا ایک دوسرے کو یہ صدقہ دینا جائز نہیں، اس لیے کسی دوسرے طریقے پر ان کی مدد واعانت کرنی چاہیے۔

مذکورہ افراد کے علاوہ سب رشتہ داروں کو یہ صدقہ دینا جائز ہے، بشرطیکہ وہ زکوٰۃ کے مستحق ہوں بلکہ ان کو دینے میں دوگنا ثواب ہے، ایک صدقہ کا، دوسرا حسنِ سلوک کا۔

چنانچہ اپنے بھائی، بھابھی، بہن، بہنوئی، چچا، چچی، ماموں، ممانی، خالہ، پھوپھی، اوران سب کی اولادیں، دودھ کے رشتے کے والدین اور دودھ کے رشتے والی اولاد، سوتیلے والدین، سوتیلی اولاد، بہو، داماد اور سسر وغیرہ کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے، بشرطیکہ یہ مستحق اور غریب ہوں۔ [1]

---

[1] والشرط الآخر أن لا يكون منافع الأملاک متصلة بين صاحب المال وبين المدفوع إليه لأن الواجب هو التمليک من الغير من كل وجه فإذا كانت المنافع بينهما متصلة عادة فيكون صرفا إلى نفسه من وجه فلا يجوز.

بيان ذلک أنه لو دفع الزكاة إلى الوالدين وإن علوا أو إلى المولودين وإن سفلوا لا يجوز لاتصال منافع الأملاک بينهم ولهذا لا تقبل شهادة بعضهم لبعض ،ولو دفع إلى سائر الأقارب سواهم من الإخوة والأخوات وغيرهم جاز لانقطاع المنافع بينهم من حيث الغالب ولهذا تقبل شهادة بعضهم لبعض،ولو دفع إلى الزوج أو الزوجة لا يجوز عند أبى حنيفة لما قلنا من اتصال المنافع بينهم من حيث الغالب وعلى قول أبى يوسف ومحمد يجوز للزوجة أن تدفع إلى زوجها الفقير ولا يجوز للزوج أن يدفع إلى زوجته الفقيرة(تحفة الفقهاء، ج ا ص ۳۰۳،۳۰۴،باب من يوضع فيه الصدقة)

(قوله وأصله، وإن علا وفرعه، وإن سفل) بالجر أى لا يجوز الدفع إلى أبيه وجده، وإن علا، ولا إلى ولده وولد ولده، وإن سفل؛ لأن المنفعة لم تنقطع عن الملك من كل وجه كما قدمه فى تعريف الزكاة؛ لأن الواجب عليه الإخراج عن ملكه رقبة ومنفعة، ولم يوجد فى الأصول والفروع الإخراج عن ملكه منفعة وإن وجد رقبة، وفى عبده وجد الإخراج منفعة لا رقبة كذا فى المستصفى، وفيه إشارة إلى أن هذا الحكم لا يخص الزكاة بل كل صدقة واجبة لا يجوز دفعها لهم كأحد الزوجين كالكفارات وصدقة الفطر والنذور، وقيد بأصله وفرعه؛ لأن من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم، وهو أولى لما فيه من الصلة مع الصدقة كالإخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات الفقراء ولهذا قال فى الفتاوى الظهيرية :يبدأ فى الصدقات بالأقارب ثم الموالى ثم الجيران وذكر فى موضع آخر معزيا إلى أبى حفص الكبير :لا تقبل صدقة الرجل، وقرابته محاويج فيسد حاجتهم(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ص ۲۶۲، كتاب الزكاة،باب مصرف الزكاة)

مسئلہ:...... رشتہ داروں میں جب مختلف قسم کے رشتہ دار ضرورت منداور مستحق ہوں، تو صدقۂ فطر دینے میں پہلے حق دار بہن بھائی، پھران کی اولاد، پھر چچااور پھوپھیاں، پھران کی اولاد، پھر ماموں اور خالہ، پھران کی اولاد، پھر دوسرے رشتہ دار ہیں، اوراس کے بعد پڑوسیوں کا حق ہے۔اوراس کے بعد اپنے علاقے وشہر کے ضرورت مندوں کا حق ہے۔

اوراگرکسی نے اس کے برعکس کسی بھی مستحق کودے دیا، تب بھی صدقۂ فطر ادا ہوجاتا ہے۔ [۲]

[۲] واعلم أن الأفضل فى الزكاة والفطرة والنذور الصرف أولا إلى الإخوة والأخوات ثم إلى أولادهم ثم إلى الأعمام والعمات ثم إلى أولادهم ثم إلى الأخوال والخالات ثم إلى أولادهم ثم إلى ذوى الأرحام من بعدهم ثم إلى الجيران ثم إلى أهل حرفته ثم إلى أهل مصره أو قريته ولا ينقلها إلى بلد أخرى إلا إذا كانوا أحوج إليها من أهل بلده أو قريته والله أعلم(الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۳۲، كتاب الزكاة،باب مصارف الزكاة)

والأفضل فى الزكاة والفطر والنذر الصرف أولا إلى الإخوة والأخوات ثم إلى أولادهم ثم إلى الأعمام والعمات ثم إلى أولادهم ثم إلى الأخوال والخالات ثم إلى أولادهم ثم إلى ذوى الأرحام ثم إلى الجيران ثم إلى أهل حرفته ثم إلى أهل مصره أو قريته كذا فى السراج الوهاج(الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۱۹۰، كتاب الزكاة،الباب السابع فى المصارف)

وقالوا الأفضل فى صرف الصدقة أن يصرفها إلى إخوته ثم أولادهم ثم أعمامه الفقراء ثم أخواله الفقراء ثم ذوى الأرحام ثم جيرانه ثم أهل سكنه ثم أهل مصره(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ۱ ص ۳۰۵، كتاب الزكاة،باب المصرف)

مسئلہ:...... کسی کے حالات میں غوروفکر کرنے کے بعد اسے مستحق سمجھ کر صدقۂ فطر دے دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مستحق نہیں، مثلاً مالدار ہے یا ہاشمی ہے یا اپنے اصول وفروع میں سے نکلا تو صدقۂ فطر ادا ہوگیا۔

اور اگر غور وفکر کئے بغیر صدقۂ فطر دے دیا اور بعد میں غیر مستحق نکلا تو صدقۂ فطر ادا نہ ہوا۔

البتہ یہ الگ مسئلہ ہے کہ لینے والا اگر مستحق نہیں ہے اور اسے معلوم ہوگیا کہ جو چیز یا رقم مجھے دی گئی ہے یہ صدقۂ فطر کی ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ چیز یا رقم مالک کو واپس کردے اور مالک اسے صحیح مصرف میں ادا کرے۔ [1]

[1] فوقع فی أکبر رأیه أنه محل الصدقة فدفع إلیه أو سأل منه فدفع أو رآه فی صف الفقراء فدفع فإن ظهر أنه محل الصدقة جاز بالإجماع، وکذا إن لم یظهر حاله عنده، وأما إذا ظهر أنه غنی أو هاشمی أو کافر أو مولی الهاشمی أو الوالدان أو المولودون أو الزوج أو الزوجة فإنه یجوز وتسقط عنه الزکاة فی قول أبی حنیفة ومحمد -رحمهما الله تعالی -، ولو ظهر أنه عبده أو مدبره أو أم ولده أو مکاتبه فإنه لا یجوز علیه أن یعیدها بالإجماع، وکذا المستسعی عند أبی حنیفة -رحمه الله تعالی -هکذا فی شرح الطحاوی.

وإذا دفعها، ولم یخطر بباله أنه مصرف أم لا فهو علی الجواز إلا إذا تبین أنه غیر مصرف، وإذا دفعها إلیه، وهو شاک، ولم یتحر أو تحری، ولم یظهر له أنه مصرف أو غلب علی ظنه أنه لیس بمصرف فهو علی الفساد إلا إذا تبین أنه مصرف هکذا فی التبیین(الفتاوی الهندیة، ج ۱ ص ۱۹۰، کتاب الزکاة،الباب السابع فی المصارف)

مسئلہ:...... ایک شخص کا فطرانہ کئی غریب مستحقین کو یا کئی شخصوں کا فطرانہ ایک غریب مستحق کو دینا جائز ہے۔

البتہ احتیاط وافضلیت اس میں ہے کہ ایک شخص کا فطرانہ ایک سے زیادہ غریبوں کو نہ دیا جائے (امداد الاحکام جلد ۲ صفحہ ۴۱) [1]

---

[1] (وجاز دفع کل شخص فطرته إلی) مسکین أو (مساکین علی) ما علیه الأکثر وبه جزم فی الولوالجیة والخانیة والبدائع والمحیط وتبعهم الزیلعی فی الظهار من غیر ذکر خلاف وصححه فی البرهان فکان هو (المذهب) کتفریق الزکاة والأمر فی حدیث "أغنوهم "للندب فیفید الأولویة (الدرالمختار، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر)

ویجوز أن یعطی ما یجب فی صدقة الفطر عن إنسان واحد جماعة مساکین ویعطی ما یجب عن جماعة مسکینا واحدا؛ لأن الواجب زکاة فجاز جمعها وتفریقها کزکاة المال(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج ۲ ص ۷۵، کتاب الزکاة،فصل رکن صدقة الفطر)

ولم یتعرض فی الکتاب لجواز تفریق صدقة شخص علی مساکین، وظاهر ما فی التبیین وفتح القدیر أن المذهب المنع وأن القائل بالجواز إنما هو الکرخی وصرح الولوالجی وقاضی خان وصاحب المحیط والبدائع بالجواز من غیر ذکر خلاف فکان هو المذهب کجواز تفریق الزکاة(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۵، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر)

(قال) : وله أن يجمع صدقة نفسه ومماليكه فيعطيها مسكينا واحدا لقوله -صلى الله عليه وسلم - اغنوهم عن المسألة فى مثل هذا اليوم والإغناء يحصل بصرف الكل إلى واحد فوق ما يحصل بالتفريق؛ ولأن المعتبر القدر المنصوص عليه وصفة الفقر فى المصروف إليه، وذلك لا يختلف بالتفريق، والجمع فجاز الكل وهذا بخلاف الكفارة فإنه لو صرف الكل إلى مسكين واحد جملة لا يجوز؛ لأن العدد فى المصروف إليه منصوص عليه فلا بد من وجوده صورة ومعنى(المبسوط للسرخسي، ج۳ص۱۰۷، باب صدقة الفطر)

مسئلہ:...... صدقۂ فطر ادا کرنے والا جس علاقہ میں ہے، اُسے اپنا صدقۂ فطر وہیں کے فقراء ومستحقین کو دینا افضل ہے، بلاضرورت دوسرے علاقہ میں بھیجنا مناسب نہیں۔ ۲

۲ ثم المعتبر فى الزكاة مكان المال حتى لو كان هو فى بلد، وماله فى بلد آخر يفرق فى موضع المال، وفى صدقة الفطر يعتبر مكانه لا مكان أولاده الصغار وعبيده فى الصحيح كذا فى التبيين. وعليه الفتوى كذا فى المضمرات(الفتاوى الهندية، ج۱ ص۱۹۰، كتاب الزكاة ،الباب السابع فى المصارف)

ثم المعتبر فى الزكاة مكان المال حتى لو كان هو فى بلد وماله فى بلد أخرى يفرق فى موضع المال وفى صدقة الفطر يعتبر مكانه لا مكان أولاده الصغار وعبيده فى الصحيح والفرق أن الزكاة محلها المال ولهذا تسقط بهلاكه وصدقة الفطر فى الذمة ولهذا لا تسقط بهلاكهم(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق،ج۱ ص۳۰۵، كتاب الزكاة،باب المصرف)

(قوله :مكان المؤدى) أى لا مكان الرأس الذى يؤدى عنه (قوله :وهو الأصح) بل صرح فى النهاية والعناية بأنه ظاهر الرواية كما فى الشرنبلالية وهو المذهب كما فى البحر فكان أولى مما فى الفتح من تصحيح قولهما باعتبار مكان المؤدى عنه.

قال الرحمتى :وقال فى المنح فى آخر باب صدقة الفطر :الأفضل أن يؤدى عن عبيده وأولاده وحشمه حيث هم عند أبى يوسف وعليه الفتوى وعند محمد حيث هو اهـ تأمل .قلت :لكن فى التتارخانية يؤدى عنهم حيث هو وعليه الفتوى وهو قول محمد ومثله قول أبى حنيفة وهو الصحيح(رد المحتار ،ج۲ ص۳۵۵،۳۵۶، كتاب الزكاة،فروع فى مصرف الزكاة)

ہاں اگر دوسرے علاقہ کے مستحقین اپنے رشتہ دار ہوں یا وہاں کے مستحقین زیادہ محتاج ہوں یا زیادہ نیک وپرہیزگار ہوں یا وہاں بھیجنا مسلمانوں کے حق میں زیادہ نفع مند ہو، مثلاً وہاں دین کے طلبہ مستحق ہوں، تو علاقہ سے باہر بھیجنے میں بھی حرج نہیں، اسی طرح اگر کوئی مسلمان غیر مسلم ملک میں رہتا ہے، اگر وہ صدقۂ فطر اسلامی ملک میں بھیجے تو بھی حرج نہیں۔ ۱

۱ ويكره نقل الزكاة من بلد إلى بلد إلا أن ينقلها الإنسان إلى قرابته أو إلى قوم هم أحوج إليها من أهل بلده، ولو نقل إلى غيرهم أجزأه، وإن كان مكروها، وإنما يكره نقل الزكاة إذا كان الإخراج فى حينها بأن أخرجها بعد الحول أما إذا كان الإخراج قبل حينها فلا بأس بالنقل والأفضل فى الزكاة والفطر والنذر الصرف أولا إلى الإخوة والأخوات ثم إلى أولادهم ثم إلى الأعمام والعمات ثم إلى

أولادهم ثم إلى الأخوال والخالات ثم إلى أولادهم ثم إلى ذوى الأرحام ثم إلى الجيران ثم إلى أهل حرفته ثم إلى أهل مصره أو قريته كذا فى السراج الوهاج(الفتاوى الهندية، ج ١ ص ١٩٠، كتاب الزكاة وفيه ثمانية أبواب، الباب السابع فى المصارف)

(و) كره (نقلها) أى الزكاة بعد تمام الحول من بلد (إلى بلد آخر) غير البلد الذى فيه المال وإن كان المزكى فى بلد، والملك فى بلد آخر فالمعتبر مكان الملك لا المالك بخلاف صدقة الفطر حيث يعتبر عنه محمد مكان المؤدى وهو الأصح خلافا لأبى يوسف (إلا) أن ينقلها (إلى قريبه)أى المزكى فلا يكره لما فيه من الصلة قال أبو حفص الكبير لا تقبل صدقته وقرابته محاويج حتى يبدأ بهم قالوا :الأفضل صرف الصدقة إلى أخواته ذكورا أو إناثا ثم إلى أولادهم ثم إلى أعمامه ثم إلى أولادهم نازلين ثم إلى أخواله ثم إلى ذوى الأرحام ثم إلى جيرانه ثم إلى أهل سكنه ثم إلى أهل مصره والمراد من ذوى الأرحام بعد ذكر أخواله ذو رحم أبعد مما ذكر قبله (أو) شخص (أحوج من أهل بلده) لدفع شدة الحاجة هذا إذا لم يكن فقراء غير البلدة أورع أو أنفع بتعليم الشرائع وتعلمها وإلا فلا يكره، ولو مكث مسلم فى دار الحرب سنين بأمان فعليه الزكاة فى ماله يفتى بأدائها إلى من يسكن فى دار الإسلام وإن وجد مصرفا فى دار الحرب(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ١ ص ٢٢٦، كتاب الزكاة،باب فى بيان أحكام المصرف)

مسئلہ:...... اگر کسی کا باپ مالدار ہو تو اس کے نابالغ بچوں کو یہ صدقہ دینا جائز نہیں اور بالغ بچے اگر خود مالدار نہ ہوں تو انہیں یہ صدقہ دینا جائز ہے۔اسی طرح اگر کسی مالدار شخص کی بیوی خود مالدار نہ ہو تو اس عورت کو بھی دینا جائز ہے۔

اور اگر نابالغ بچوں کی ماں تو مالدار ہے، باپ مالدار نہیں تو ان نابالغ بچوں کو بھی یہ صدقہ دینا جائز ہے۔ [۱]

[۱] وكذا لا يجوز صرف الصدقات الواجبة إلى ولد الغنى إذا كان صغيرا وإذا كان كبيرا يجوز لأن الصغير يعد غنيا بمال أبيه بخلاف الكبير،وقال أبو حنيفة ومحمد يجوز الدفع إلى امرأة الغنى إذا كانت فقيرة وكذلك إلى البنت الكبيرة الفقيرة لغنى،وهو إحدى الروايتين عن أبى يوسف لأن الزوج لا يدفع جميع حوائج الزوجة والبنت الكبيرة(تحفة الفقهاء، ج ١ ص ٣٠٠، كتاب الزكاة،باب من يوضع فيه الصدقة)

وفى قنية المنية إن لم يكن للصغير أب وله أم غنية يجوز الدفع إليه اهـ غاية (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق،ج ١ ص ٣٠٣، كتاب الزكاة،باب المصرف)

ولا يجوز دفعها إلى ولد الغنى الصغير كذا فى التبيين .ولو كان كبيرا فقيرا جاز، ويدفع إلى امرأة غنى إذا كانت فقيرة، وكذا إلى البنت الكبيرة إذا كان أبوها غنيا؛ لأن قدر النفقة لا يغنيها وبغنى الأب والزوج لا تعد غنية كذا فى الكافى (الفتاوىٰ الهندية، ج ١،ص ١٨٩، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف)

اسی طرح اولاد کے امیر و مالدار ہونے سے اس کا والد مالدار شمار نہیں کیا جاتا،لہٰذا اگر کسی کی

اولاد تو مال دار ہے، مگر والد مال دار نہیں، تو اُس کے والد کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے۔ ۲

۲ ویجوز صرفها إلى الأب المعسر، وإن كان ابنه موسرا كذا فى شرح الطحاوى(الفتاوى الهندية، ج ا ص ۱۸۹، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف)

مگر ملحوظ رہے کہ جو نابالغ بچہ سمجھدار ہے، اس کو تو براہِ راست صدقۂ فطر پر قبضہ دیدینا کافی ہے، لیکن جو بچہ ناسمجھ ہے، تو اس کا قبضہ کرنا معتبر نہیں، ایسی صورت میں اس کے والد یا سرپرست کو صدقۂ فطر حوالے کرنا چاہئے۔ ۳

---

۳ وإذا دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم الدفع مالم يقبضها الفقير أو من له ولاية على الفقير نحو الأب والوصي يقبضان للصبي والمجنون أو من كان فى عياله من الأقارب أو الأجانب الذين يعولونه والملتقط يقبض للقيط ولو دفع الزكاة إلى صبي لا يعقل أو مجنون فدفع الصبي إلى أبويه أو وصيه قالوا لا يجوز ولو قبض الصبي وهو مراهق جاز وكذا لو كان يعقل القبض بأن كان لا يرمى به ولا يخدع عنه ولو دفع إلى معتوه فقير جاز(فتاوى قاضى خان، كتاب الزكاة)

ولم يشترط البلوغ والعقل؛ لأنهما ليس بشرط؛ لأن تمليك الصبي صحيح لكن إن لم يكن عاقلا، فإنه يقبض عنه وصيه أو أبوه أو من يعوله قريبا أو أجنبيا أو الملتقط كما فى الولوالجية، وإن كان عاقلا فقبض من ذكر، وكذا قبضه بنفسه، والمراد أن يعقل القبض بأن لا يرمى به، ولا يخدع عنه والدفع إلى المعتوه يجزء كذا فى فتح القدير وحكم المجنون المطبق معلوم من حكم الصبي الذى لا يعقل(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ ص۲۱۷، كتاب الزكاة)

مسئلہ:...... کسی کی مزدوری وتنخواہ کے طور پر یہ صدقہ دینا جائز نہیں، اسی وجہ سے امام ومؤذن کی خدمت وتنخواہ کے طور پر ان کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں۔

البتہ مستحق ہونے کی صورت میں ان کی مزدوری وخدمت اور تنخواہ یا اس کا حصہ بنائے بغیر دینا جائز ہے، کہ اگر ان کو نہ دیا جائے تب بھی وہ اپنا کام جاری رکھیں۔ ۱

۱ وإن فرضها عليه فدفعها ينوى الزكاة لا يجوز لأنه أداء واجب فى واجب آخر فلا يجوز(تبيين الحقائق، ج ا ص ۳۰۲، كتاب الزكاة، باب المصرف)

ولو نوى الزكاة بما يدفع المعلم إلى الخليفة ولم يستأجره إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضا أجزأه وإلا فلا وكذا ما يدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء فى الأعياد وغيرها بنية الزكاة كذا فى معراج الدراية(الفتاوى الهندية، ج ا ص ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف)

مسئلہ:...... صدقۂ فطر غریب مستحق کو مالک بنائے بغیر مسجد، مدرسہ، شفاخانہ، کنویں، پل یا کسی اور رفاہی ادارے کی تعمیر میں خرچ کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ ادارہ غریبوں ہی کی خدمت کے لئے وقف ہو، کیونکہ اس صورت میں کسی غریب کو مالک بنانا اور اس کے قبضہ میں دینا

نہیں پایا گیا، اسی طرح کسی میت کے کفن دفن یا کسی میت کا قرض ادا کرنے میں خرچ کرنا جائز نہیں۔

کسی ایسے مدرسہ یا انجمن وغیرہ کو دینا بھی جائز نہیں جہاں غریبوں کو مالکانہ طور پر وہ صدقہ نہ دیا جاتا ہو۔ بلکہ ملازمین کی تنخواہوں یا تعمیر اور فرنیچر وغیرہ انتظامی امور پر خرچ کر دیا جاتا ہو۔ البتہ اگر کسی ادارے میں غریب طلبہ یا دوسرے غریبوں کو مفت کھانا، کپڑا وغیرہ دیا جاتا ہو تو وہاں یہ صدقہ دینا جائز ہے، جبکہ عموماً مستند دینی مدارس میں ایسا ہی ہے۔ [۲]

[۲] (قوله :نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه زيلعي (قوله :ولا إلى كفن ميت) لعدم صحة التمليك منه؛ ألا ترى أنه لو افترسه سبع كان الكفن للمتبرع لا للورثة نهر (ردالمحتار، ج۲ص ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

وأما ركنها فالتمليك لقول النبى -صلى الله عليه وسلم -أدوا عن كل حر وعبد الحديث، والأداء هو التمليك فلا يتأدى بطعام الإباحة وبما ليس بتمليك أصلا ولا بما ليس بتمليك مطلق، والمسائل المبنية عليه ذكرناها فى زكاة المال وشرائط الركن أيضا ما ذكرنا هناك(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج۲ ص ۷۴، كتاب الزكاة،فصل ركن صدقة الفطر)

مسئلہ:...... اہلِ حق علماء کی زیرِ نگرانی دینی مدارس وجامعات دین کی اشاعت اور بقاء کا ذریعہ ہیں، اور دشمنانِ اسلام اِن کو مٹانے کے درپے ہیں، اِن حالات میں ان کے ساتھ تعاون بہت بڑی نیکی ہے اور ان کی طرف سے کسی کا عطیہ وصدقۂ فطر قبول کر لینا، دینے والے کی نیک بختی اور خوش نصیبی ہے نہ کہ ان پر کوئی احسان ہے مسلمان کی سعادت اور خوش بختی کی نشانی یہ ہے کہ از خود ان کو اپنا مال پیش کرے۔ [۱]

[۱] طلب العلم ليس إلا استفادة الأحكام وهل يبلغ طالب رتبة من لازم صحبة النبى -صلى الله عليه وسلم -لتلقى الأحكام عنه كأصحاب الصفة، فالتفسير بطالب العلم وجيه خصوصا وقد قال فى البدائع فى سبيل الله جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى فى طاعة الله وسبيل الخيرات إذا كان محتاجا .اهـ(رد المحتار ،ج۲ص ۳۴۳، كتاب الزكاة،باب مصرف الزكاة والعشر)

(قوله :أو طلب العلم) ذكره فى البحر بحثا بقوله وينبغى أن يلحق به أى بالغازى طالب العلم لاشتغاله عن الكسب بالعلم، ولهذا قالوا :إن نفقته على أبيه وإن كان صحيحا مكتسبا كما لو كان زمنا(رد المحتار على الدر المختار،ج۲ص ۳۵۵، كتاب الزكاة،باب مصرف الزكاة والعشر)

وفى الحاوى للزاهدى رامز للأسرار لنجم الدين قال الشيخ الإمام أبو منصور الماتريدى لزم على

المسلمين كفاية طالب العلم إذا خرج للطلب حتى لو امتنعوا عن كفايته يجبرون كما يجبرون فی دين الزكاة إذا امتنعوا عن أدائها والتصدق على العالم الفقير أفضل منه على الجاهل وعن أبی حفص الدفع إلى من عليه دين ليقضی دينه أحب إلى من الدفع إلى فقير لم يكن عليه دين ا هـ(العقود الدرية فی تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الطلاق، باب النفقة)

مسئلہ:...... آج کل جو مختلف لوگوں نے رفاہی کمیٹیاں اور ادارے قائم کر رکھے ہیں، ان کو صدقۂ فطر دینا خلافِ احتیاط ہے، کیونکہ ان کے ذمہ داران عام طور پر شرعی مسائل سے واقف نہیں ہوتے، اور شرعی طریقہ پر مصارف میں استعمال کرنے کا اہتمام نہیں کرتے۔

(کذا فی امداد الاحکام ج۲ص۴۵)

صدقۂ فطر کے بارے میں چند کوتاہیاں اور غلط فہمیاں

(۱)...... بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جو شخص روزہ نہ رکھے اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں، حالانکہ صدقۂ فطر ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر واجب ہے خواہ اس نے روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں، اور روزے نہ رکھنا کسی عذر کی وجہ سے ہو جیسے بڑھاپا، یا بیماری، سفر وغیرہ یا بلا عذر ہو، بہر حال صدقۂ فطر واجب ہے۔

(۲)......بعض خواتین سمجھتی ہیں کہ سونا، چاندی اگر استعمالی ہو تو اس پر صدقۂ فطر یا زکوٰۃ لازم نہیں خواہ کتنا زیادہ ہو اور اگر استعمالی نہ ہو تو لازم ہے، یہ غلط فہمی ہے۔

(۳)...... بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ زکوٰۃ اور صدقۂ فطر کا نصاب ایک ہی ہے اور ہم پر چونکہ زکوٰۃ فرض نہیں، لہٰذا صدقۂ فطر بھی واجب نہیں، حالانکہ دونوں کا نصاب الگ الگ ہے زکوٰۃ صرف اِن چار قسم کی چیزوں پر فرض ہوتی ہے:

(۱) سونا (۲) چاندی (۳) روپیہ پیسہ (۴) تجارت کا سامان

اور صدقۂ فطر میں ان چار چیزوں کے علاوہ ضرورت سے زیادہ چیزوں کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ پس عید کے دن جس شخص کے پاس زکوٰۃ والا نصاب ہو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے اور اگر کسی شخص کے پاس زکوٰۃ والا نصاب نہ ہو لیکن ضرورت سے زیادہ مال یا سامان ساڑھے

باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر ہو اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے اگر چہ اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

(۴)......عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ جب تک ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی نہ ہو تو اس پر کسی حال میں صدقۂ فطر واجب نہیں، حالانکہ وزن کا اعتبار اس صورت میں ہے کہ جب کسی کی ملکیت میں صرف سونا یا صرف چاندی ہو، تجارت کا سامان ذرا سا بھی نہ ہو، نقدی ایک پیسہ بھی نہ ہو، اور ضرورت سے زیادہ کوئی چیز نہ ہو (اور آج کل کچھ نہ کچھ نقدی اور فالتو سامان ہوتا ہی ہے) اور اگر کسی مرد یا عورت کی ملکیت میں دو یا زیادہ طرح کی چیزیں ہوں تو ہر ایک کا علیٰحدہ نصاب پورا ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس صورت میں سب کی مالیت (ویلیو) ملا کر دیکھی جائے گی، اگر سب کی مالیت ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ ہو جائے تو صدقۂ فطر واجب ہے، چنانچہ بہت سی خواتین کے پاس کئی کئی تولے سونا، چاندی ہوتا ہے، کچھ نہ کچھ نقدی بھی ضرور ہوتی ہے ضرورت سے زیادہ اور فالتو سامان کے ڈھیر ہوتے ہیں مگر وہ نہ زکوٰۃ ادا کرتی ہیں، نہ صدقۂ فطر، اس کی اصلاح ضروری ہے۔

(۵)......بعض خواتین پر صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے اس کے باوجود یہ سمجھتی ہیں کہ ہمارا صدقۂ فطر ہمارے شوہروں کے ذمہ لازم ہے اور اگر ان کے شوہر ادا نہ کریں تو وہ خود بھی ادا نہیں کرتیں، جبکہ عورت کے صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں اس کا صدقۂ فطر اس کے شوہر پر لازم نہیں، بلکہ عورت پر خود اپنے مال سے لازم ہے، خواہ اس کے لئے زیور وغیرہ کیوں نہ بیچنا پڑے۔ البتہ اگر کسی عورت کا شوہر اپنی رقم سے اس کی طرف سے بخوشی صدقۂ فطر ادا کر دے تو جائز ہے۔ [1]

---

[1] البتہ اگر میاں بیوی میں ناراضگی ہو، اور دونوں الگ الگ رہتے ہوں، تو ایسی صورت میں شوہر کا اپنی بیوی کی طرف سے اجازت لئے بغیر صدقۂ فطر ادا کرنے سے ادا نہ ہوگا، بلکہ اس کی اجازت ضروری ہوگی۔

(لاعن زوجته) وولده الكبير العاقل، ولو أدى عنهما بلا إذن أجزأ استحسانا للإذن عادة أى لو فى

عياله وإلا فلا قهستاني عن المحيط فليحفظ (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)
(قوله :ولو أدى عنهما) أى عن الزوجة والولد الكبير.
وقال فى البحر :وظاهر الظهيرية أنه لو أدى عمن فى عياله بغير أمره جاز مطلقا بغير تقييد بالزوجة والولد .اهـ .(قوله :أجزأ استحسانا) وعليه الفتوى خانية وأفاد بقوله للإذن عادة إلى وجود النية حكما وإلا فقد صرح فى البدائع بأن الفطرة لا تتأدى بدون النية تأمل (قوله :أى لو فى عياله) انظر هل المراد من تلزمه نفقته أو أعم؟ ظاهر ما مر عن البحر الثانى، وهو مفاد التعليل أيضا تأمل (ردالمحتار، ج۲ ص ۳۶۳، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)
وإذا أدى عن الزوجة والولد الكبير بغير إذنهما جاز وظاهر الظهيرية أنه لو أدى عمن فى عياله بغير أمره جاز مطلقا بغير تقييد بالزوجة والولد.(البحرالرائق، ج۲ ص ۲۷۱، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)
ولو أدى عنه بغير إذنه فالقياس عدم الإجزاء كالزكاة وفى الاستحسان الإجزاء لثبوت الأذن عادة ذكره العلامة نوح قوله" :وزوجته "لعدم الولاية الكاملة عليها ولو أدى عنها بلا إذن جاز استحسانا للأذن عادة كالولد الكبير وإن كان فى عياله وقيد به إشارة إلى أنه لو دفع عن الزوجة الناشزة والصغيرة التى لم تزف وعن الابن الكبير الذى لم يكن فى عياله لا يجوز عنهم إلا بالأمر كما يفيده القهستانى وهل حكم الأجنبى إذا كان فى عياله حكم الولد الكبير ومقتضى ما فى البحر عن الظهيرية الجواز كذا فى كتابة الدر(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص ۷۲۴،باب صدقة الفطر)

(۶)......بعض جگہ گھر کا سربراہ صرف اپنی طرف سے ایک صدقۂ فطر ادا کردے تو اسے سب افرادِ خانہ کی طرف سے کافی سمجھا جاتا ہے، حالانکہ سربراہ کے علاوہ گھر کا کوئی اور بالغ فرد یا افراد نصاب کے مالک ہوں تو ان پر الگ سے اپنا صدقۂ فطر واجب ہے، اور نابالغ اولاد کا تو ویسے بھی والد کے ذمہ واجب ہے ہی خواہ وہ نابالغ اولاد مالدار نہ بھی ہو۔

(۷)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ زندگی میں ایک شخص کی طرف سے ایک دفعہ صدقۂ فطر ادا ہو جائے تو پھر صدقۂ فطر ادا کرنا واجب نہیں رہتا، یہ بھی غلط ہے۔

صدقۂ فطر ہر سال عید الفطر کے موقع پر واجب ہوتا ہے، جبکہ ہر سال صدقۂ فطر کے دنوں میں اس شخص کے اندر صدقۂ فطر واجب ہونے کی شرائط موجود ہوں۔

(۸)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ شادی سے پہلے انسان پر اپنا صدقۂ فطر واجب نہیں ہوتا۔ حالانکہ صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے مرد یا عورت کا شادی شدہ ہونا ضروری نہیں کنوارے بالغ لڑکے، بالغ لڑکی، بلکہ بیوہ عورت پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے جب کہ نصاب کے مالک ہوں۔

(۹)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ صدقۂ فطر جب لازم ہوتا ہے جبکہ کوئی برسرِ روزگار ہو۔ حالانکہ صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے کسی شخص کا برسر روزگار ہونا ضروری نہیں۔ اگر کوئی شخص نصاب کا مالک ہے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے اگر چہ وہ برسرِ روزگار نہ ہو۔

(۱۰)......بعض لوگ مستحق ہونے کے لئے صرف بیوہ، اپاہج یا بے روزگار ہونے کو دیکھتے ہیں خواہ وہ کتنا ہی مالدار ہو؛ یہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔ [1]

[1] ویدل علی أن الصحیح الجسم جائز أن یعطی من الزکاۃ ؛ لأن اللہ تعالی أمر بإعطاء ھؤلاء القوم ، وکانوا من المھاجرین الذین کانوا یقاتلون مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم المشرکین ولم یکونوا مرضی ولا عمیانا .(احکام القرآن جصاص ،ج ۱ ص ۵۶۰، سورۃ البقرۃ،باب إعطاء المشرک من الصدقۃ)

(۱۱)......بعض لوگ پیشہ ور سائلوں کو مستحق سمجھتے ہیں اور جو سوال نہیں کرتے ان کو مستحق نہیں سمجھتے۔ حالانکہ آج کل عام طور پر پیشہ ور سائلین مستحق نہیں ہوتے بلکہ مالدار ہوتے ہیں، اور پیشہ ور سائلوں کو تو مانگنے پر ویسے بھی دینا جائز نہیں خواہ وہ مستحق ہی کیوں نہ ہوں، پیشہ ور سائل سے مراد وہ شخص ہے جس نے اپنا پیشہ مانگنا، کھانا ہی بنا رکھا ہو۔

(۱۲)......اسی طرح بعض لوگ مستحق ہونے کے لئے عورت کا بیوہ ہونا، یا کسی شخص کا معذور ہونا یا کمانے سے قاصر ہونا کافی سمجھتے ہیں، حالانکہ مستحق ہونے کے لئے صرف یہ چیزیں کافی نہیں بلکہ غریب ہونا ضروری ہے، بعض اوقات یہ لوگ خود صاحبِ نصاب اور مالدار ہوتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی بیوہ یا معذور مگر مالدار ہے یا ہاشمی وسید ہے تو اس کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں۔

(۱۳)......بعض علاقوں میں صدقۂ فطر مسجد کے مؤذنوں، خادموں، اماموں کو دے دیا جاتا ہے، جبکہ وہ مستحق بھی نہیں ہوتے اور اگر مستحق بھی ہوں تب بھی ان کی خدمات کے معاوضے اور اجرت میں صدقۂ فطر دینا جائز نہیں اگر پہلے سے ان کی خدمت کے معاوضے میں صدقۂ فطر دینا طے کرلیا گیا ہو تب تو اس کے معاوضہ ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں اور اگر طے تو نہ کیا گیا ہو مگر کسی علاقہ میں اس کا رواج ہو کہ صدقۂ فطر ان لوگوں کو دینا ضروری سمجھا جاتا ہو، اور یہ لوگ بھی صدقۂ فطر کو اپنا حق سمجھتے ہوں، اور اگر ان کو نہ دیا جائے تو اعتراض ہوتا ہو،

اوران خدمات کے لئے آمادہ نہ ہوتے ہوں، تب بھی یہ معاوضے اور اجرت میں داخل ہے، اور ناجائز ہے اور اس طرح صدقۂ فطر ادا نہیں ہوتا (لان المعروف کالمشروط)

(۱۴)...... عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ صدقۂ فطر آدھا صاع گندم یا اُس کی قیمت کے ساتھ خاص ہے، حالانکہ یہ بات تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکی ہے کہ شریعت کی طرف سے صدقۂ فطر آدھا صاع گندم یا اُس کی قیمت کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وزن کے اعتبار سے چار چیزوں میں سے کسی ایک چیز سے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم بیان فرمایا:

(۱) کشمش سے: ایک صاع (۲) کھجور سے: ایک صاع (۳) جَو یا اس کے آٹے سے: ایک صاع (۴) گندم یا اس کے آٹے سے: آدھا صاع۔

لہٰذا مذکورہ چار چیزوں میں سے کسی ایک چیز یا اُس کی قیمت کے ساتھ صدقۂ فطر ادا کیا جاسکتا ہے، بلکہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے توفیق اور وُسعت دی ہوا نہیں چاہیے کہ وہ ان چار چیزوں میں سے مالیت کے اعتبار سے اعلیٰ چیز (مثلاً کشمش، کھجور) کے ساتھ صدقۂ فطر ادا کر کے زیادہ ثواب حاصل کریں۔

(۱۵)...... بعض لوگ صدقۂ فطر کی قیمت کی تعیین کے بارے میں تھوڑا بہت اختلاف یا فرق ہوجانے پر آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں، حالانکہ اگر کبھی قیمت میں تھوڑا بہت فرق ہو تو زیادہ دیدینے میں احتیاط ہے؛ کیونکہ زیادہ دیدینے کی صورت میں وہ نفلی صدقہ ہو کر نامۂ اعمال میں ذخیرہ بن جاتا ہے، اور کم ادائیگی کی صورت میں واجب ذمہ میں باقی رہ جاتا ہے۔

(۱۶)...... آج کل بہت سے دنیا دار لوگوں نے ویلفیئر اور رفاہی عنوان سے ادارے قائم کر لیے ہیں، اور وہ صدقۂ فطر وغیرہ لوگوں سے حاصل اور اکٹھا کرتے ہیں، اولاً تو بعض لوگوں نے آج کل یہ ایک پیشہ اور کاروبار بنالیا ہے، دوسرے ان لوگوں کو صدقۂ فطر کو شرعی طریقہ پر خرچ کرنے کے شرعی اُصول وقواعد بھی معلوم نہیں ہوتے، اس لیے ایسے غیر معتبر

لوگوں اور اداروں کو صدقۂ فطر دے کر مطمئن ہوجانا درست نہیں، بلکہ احتیاط ضروری ہے۔
اللہ تعالیٰ اس قسم کی سب کوتاہیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

r

شبِ عید یعنی چاند رات کے فضائل واحکام

کیونکہ شوال کا مہینہ بابرکت مہینہ ہے، لہٰذا اس مہینہ کی برکتوں کا آغاز اس مہینہ کے شروع ہوتے ہی پہلی رات سے ہوجاتا ہے، کیونکہ ہر رات آنے والے دن کے تابع ہوتی ہے اور شوال کی پہلی تاریخ کو عید الفطر ہوتی ہے اور عید الفطر کے فضائل بے بہا ہیں، اس وجہ سے عید کے دن کے تابع رات یعنی چاند رات کی بھی شریعت کی طرف سے فضیلت ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَإِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْفِطْرِ سُمِّيَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةُ لَيْلَةَ الْجَائِزَةِ(شعب الإيمان)[1]

ترجمہ: پھر جب عیدُ الفطر کی رات ہوتی ہے تو اس کا نام (آسمانوں پر) لیلۃُ الجائزہ (یعنی انعام کی رات) رکھا جاتا ہے (ترجمہ ختم)

[1] کتاب الصیام، التماس لیلة القدر فی الوتر من العشر الأواخر من شهر رمضان، مکتبة الرشد للنشر والتوزیع بالریاض، وفضائل الاوقات للبیهقی رقم حدیث۱۰۷.
وسیأتی الکلام علی سنده.

عید الفطر کی رات کے انعام کی رات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رمضان المبارک کی عبادت کا اجروثواب اس رات میں طے کیا جاتا ہے۔

جس سے عید الفطر کی رات کی فضیلت معلوم ہوئی۔

اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ مُحْتَسِبًا لِلّٰهِ لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ(سنن ابن ماجه)[2]

[2] حدیث نمبر ۱۷۸۲، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب ما جاء فی القنوت قبل الرکوع وبعده.
قال المنذری: رواه ابن ماجه ورواته ثقات إلا أن بقیة مدلس وقد عنعنه(الترغیب والترهیب، ج۲ص۹۸، کتاب العیدین والأضحیة الترغیب فی إحیاء لیلتی العیدین)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عیدین (یعنی عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ) کی راتوں میں اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی خاطر (عبادت کے ساتھ) قیام کیا، تو اُس کا دل اُس دن مُردہ نہیں ہوگا، جس دن (لوگوں کے) دل مُردہ ہوجائیں گے (ترجمہ ختم)

اس حدیث کی سند پر اگرچہ بعض محدثین کو کلام ہے، مگر اولاً تو اس کی تائید دیگر روایات سے ہوتی ہے، اور دوسرے ضعیف حدیث بعض شرائط کے ساتھ کسی عمل کی فضیلت کے لئے قابلِ قبول ہوتی ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

[1] قال الکنانی:
هـذا إسـنـاد ضـعيف لتـدليـس بـقية ورواتـه ثـقـات لـكـن لم ينفرد به بقية عن ثور بن يزيد فقد رواه الأصبهانى فى كتاب الترغيب من طريق عمر بن هارون البلخى وهو ضعيف عن ثور به وله شاهد من حـديـث عبـادة بن الصامت رواه الطبرانى فى الأوسط والكبير والأصبهانى من حديث معاذ بن جبل فيقوى بمجموع طرقه(مصباح الزجاجة فى زوائد ابن ماجه، ج ۲ ص ۸۵، باب من قام ليلتى العيدين)

قیام سے مراد عبادت ہے، جس میں نماز بھی داخل ہے، اور اُس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، کہ جس کی دہشت سے لوگوں کے دل مُردہ ہوجائیں گے۔ [2]

[2] قوله (من قام ليلتى العيدين)ظاهره أن يحيى كل الليلة بالعبادة والمرجو أن قيام التهجد يكفى. (يوم تـموت القلوب)أى لكثرة الذنوب والمراد إن أدركه ذلك اليوم يكون هو مخصوصا من بين الـناس بحياة القلب وفى الزوائد إسناده ضعيف لتدليس بقية والله تعالى أعلم (حاشية السندى على ابن ماجه، ج ۱ ص ۵۴۲، باب من قام ليلتى العيدين)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَـا أَيُّهَـا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ .يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَـذْهَـلُ كُـلُّ مُـرْضِـعَةٍ عَـمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَـرَى الـنَّاسَ سُكَارٰى وَمَا هُمْ بِسُكَارٰى وَلٰـكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ

(سورة الحج، آيت ۱، ۲)

ترجمہ: اے لوگو اپنے رب سے ڈرو بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔ جس دن آپ اس (قیامت کے دن) کو دیکھو گے، بھول جائے گی ہر دودھ

پلانے والی اس کو جس کو کہ اس نے دودھ پلایا تھا، اور ڈال دے گی ہر حمل والی اپنے حمل کو، اور آپ دیکھیں گے لوگوں کو نشہ کی حالت میں، حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہونگے، لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کی دہشت اور ھیبت کی وجہ سے انسانوں پر یہ حالات پیش آئیں گے، اور لوگوں پر بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہوجائے گی۔ [1]

[1] (يا أَيُّهَا الناس) يا أهل مكة وغيرهم (اتقوا رَبَّكُمُ) أى عقابه بأن تطيعوه (إِنَّ زَلْزَلَةَ الساعة) أى الحركة الشديدة للأرض التي يكون بعدها طلوع الشمس من مغربها الذى هو قرب الساعة (شَىْءٌ عَظِيمٌ) فى إزعاج الناس الذى هو نوع من العقاب .
(يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ) بسببها (كُلُّ مُرْضِعَةٍ) بالفعل (عَمَّا أَرْضَعَتْ) أى تنساه (وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ) أى حبلى (حَمْلَهَا وَتَرَى الناس سكارى) من شدّة الخوف (وَمَا هُم بسكارى) من الشراب (ولكن عَذَابَ الله شَدِيدٌ) فهم يخافونه (تفسير الجلالين، تحت آيت ۱ ،۲ من سورة الحج)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحْيَا لَيْلَتِي الْعِيْدِ إِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ حَتّٰى تَمُوْتَ الْقُلُوْبُ (الترغيب والترهيب) [2]

[2] للاصبهاني، حديث نمبر ۳۷۳، ج ۱ ص ۲۴۸، فصل فى فضل ليلتى العيد، دارالحديث، القاهرة.
وفيه عمر بن هارون البلخي، وسيأتي الكلام عليه.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عید (یعنی عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ) کی راتوں کو ایمان اور اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی خاطر زندہ رکھا، تو اس کا دل اس دن مُردہ نہیں ہوگا، جس دن (لوگوں کے) دل مُردہ ہوجائیں گے (ترجمہ ختم)

عیدین کی راتوں کو زندہ رکھنے سے مراد ان میں عبادت کرنا ہے۔

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيدَيْنِ لِلّٰهِ مُحْتَسِبًا لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ حِيْنَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ

(شعب الإيمان للبيهقي) [1]

[1] حديث نمبر ۳۴۳۸،مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض.

ترجمہ: جس شخص نے دونوں عیدوں (یعنی عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ) کی راتوں میں اللہ کی رضا اور ثواب کی نیت سے قیام کیا، اس کا دل اس دن نہیں مرے گا جس دن لوگوں کے دل مرجائیں گے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ صَلّٰى لَيْلَةَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى، لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ (المعجم الاوسط) [2]

---

[2] للطبراني، حديث نمبر ۱۵۹ ،دارالحرمين ، القاهرة.

قال الطبراني:

لَمْ يَرْوِ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ ثَوْرٍ إِلَّا عُمَرُ بْنُ هَارُونَ، تَفَرَّدَ بِهِ :جَرِيرٌ (المعجم الأوسط)

وقال ابن حجر:

عمر بن هارون بن يزيد الثقفي مولاهم البلخي متروك وكان حافظا من كبار التاسعة مات سنة أربع وتسعين (تقريب التهذيب ج ۱ ص۴۱۷)

قد علم به ان عمربن هارون كان حافظا الحديث واما متروكه فهو عندنا يعتبر اذاكان عليه الاجماع، ولااجماع عليه.

قال يعقوب وقال لي أحمد مذهبي في الرجال اني لا أترك حديث محدث حتى يجتمع أهل مصر على ترك حديثه (تهذيب التهذيب، حرف العين، جزء۵ صفحه ۳۳۰)

قلت :وعند بعض النقاد لا يترك حديث الراوي حتى يجتمع الجميع على ترك حديثه ، وعلى هذا فمن لم يتفق على ترك حديثه فهو عند هذه الطائفة صالح للاعتبار .

وهذه طريقة أحمد بن صالح المصري .قال يعقوب بن سفيان :سمعت أحمد بن صالح ، وذكر مسلمة بن علي ، قال " :لا يترك حديث رجل حتى يجتمع الجميع على ترك حديثه (تحرير علوم الحديث للجديع، جزء۳ صفحه ۲۸۴؛ تأليف عبد الله بن يوسف الجُديع)

وقال الترمذي:

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ و سَمِعْت مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَعِيلَ يَقُولُ عُمَرُ بْنُ هَارُونَ مُقَارِبُ الْحَدِيثِ لَا أَعْرِفُ لَهُ حَدِيثًا لَيْسَ لَهُ أَصْلٌ أَوْ قَالَ يَنْفَرِدُ بِهِ إِلَّا هَذَا الْحَدِيثَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَطُولِهَا لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عُمَرَ بْنِ هَارُونَ وَرَأَيْتُهُ حَسَنَ الرَّأْيِ فِي عُمَرَ و سَمِعْت قُتَيْبَةَ يَقُولُ عُمَرُ بْنُ هَارُونَ كَانَ صَاحِبَ حَدِيثٍ وَكَانَ يَقُولُ الْإِيمَانُ قَوْلٌ وَعَمَلٌ قَالَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا وَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ ثَوْرِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّ

النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَبَ الْمَنْجَنِيقَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ قُتَيْبَةُ قُلْتُ لِوَكِيعٍ مَنْ هَذَا قَالَ صَاحِبُكُمْ عُمَرُ بْنُ هَارُونَ (ترمذی، بَاب مَا جَاءَ فِي الْأَخْذِ مِنْ اللِّحْيَةِ)

وان كان جرحه عليه بمرجئة،فان كان بالحنفية، فلايعتبر .

ولم يقبل جرح بعضهم فى الامام ابى حنيفة وشيخه حماد بن ابى سليمان وصاحبيه محمد وأبى يوسف وغيرهم من أهل الكوفة بانهم كانوا من المرجئة (الرفع والتكميل فى الجرح والتعديل صفحه ٢١، مشموله: مجموعة رسائل اللكنوى جلد٥)

وقال الحاكم روى (اى عمر بن هارون)عن أبى جريج مناكير وقال فى التاريخ كان من أهل السنة والذابين عن أهلها وقال الخليلى يتفرد عن سليمان لكن الاجلاء رووا عنه روى عن ابن جريج حديثا لا يتابع عليه.(تهذيب التهذيب ج٧ص ٤٤٤)

وعمر بن هارون البلخى كان من شيوخ احمد، رواه احمد فى مسنده (راجع لمسند احمدحديث رقم ١٦٩٧٧ حديث نواس بن سمعان الكلابى، و حديث رقم ١٧٢٧٥ ،حديث يعلىٰ بن امية رضى الله عنه)

وقال المنذرى:

رواه أحمد عن شيخه عمر بن هارون وفيه خلاف وبقية رواته ثقات (الترغيب والترهيب للمنذرى، تحت حديث رقم ٤٤٥٩، كتاب الادب)

وقال الهيثمى:

رواه احمد عن شيخه عمر بن هارون وقد وثقه قتيبة وغيره وضعفه ابن معين وغيره (مجمع الزوائد ج ا ص ٣٢٢)

وقال المزى:

عمر بن هارون بن يزيد بن جابر بن سلمة الثقفى ، مولاهم ، أبو حفص البلخى....... روى عنه :إبراهيم بن الاشعث البخارى خادم الفضيل بن عياض وإبراهيم بن عيسى ، وإبراهيم بن هارون البلخى البزاز وأحمد بن حاتم الطويل ، وأحمد بن حنبل ، وأبو الطاهر أحمد بن عمرو بن السرح المصرى ، وأبو بكر أحمد بن محمد بن سهل البلخى ، وأحمد بن ناصح المصيصى ، وأبو الحسن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة الجعفى والد البخارى .... ذكره خليفة بن خياط فى الطبقة الخامسة من أهل خراسان .وقال محمد بن سعد :كتب الناس عنه كتابا كبيرا ، وتركوا حديثه .وقال البخارى :تكلم فيه يحيى بن معين .وقال أحمد بن على الابار ، عن أبى غسان محمد بن عمرو قال :عمر بن هارون :ألقيت من حديثى سبعين ألفا ، لابى جزء عشرين ألفا ولعثمان البرى كذا وكذا .قال :فقلت له :يا أبا غسان ما كان حاله ؟ قال :قال بهز : أرى يحيى بن سعيد حسده ، قال :أكثر عن ابن جريج .من لزم رجلا اثنى عشر سنة لا يريد أن يكثر عنه ؟ !قال أبو غسان :وبلغنى أن أمه كانت تعينه على الكتاب.

قال أبو بكر الخطيب :وذكر مسلم بن عبد الرحمن البلخى أن ابن جريج تزوج أم عمر بن هارون فمن هناك أكثر السماع منه .وقال أبو أحمد بن عدى :يقال :إنه لقى ابن جريج بمكة ، وكان حسن الوجه ، فسأله ابن جريج :ألك أخت ؟ قال :نعم .فتزوج

بأخته ، فقال :لعل هذا الحسن يكون فى أخته كما هو فى أخيها ، فتفرد عن ابن جريج ، وروى عنه أشياء لم يروها غيره.
وقال أبو بكر بن أبى داود ، عن سعيد بن زنجل :سمعت صاحبا لنا يقال له :بور بن الفضل .قال :سمعت أبا عاصم ذكر عمر بن هارون .قال :كان عمر عندنا أحسن أخذا للحديث من ابن المبارك . وقال أحمد بن سيار المروزى :عمر بن هارون البلخى كان كثير السماع ، روى عنه عفان بن مسلم ، وقتيبة بن سعيد ، وغير واحد من أهل الحديث ويقال :إن مرجئة بلخ كانوا يقعون فيه وكان أبو رجاء ، يعنى قتيبة - يطريه ويوثقه .وذكر عن وكيع أنه قال :عمر بن هارون مربنا وبات عندنا وكان يزن بالحفظ ، وسمعت أبا رجاء يقال :كان عمر بن هارون شديدا على المرجئة ، وكان يذكر مساوئهم وبلاياهم .قال :وإنما كانت العداوة فيما بينه وبينهم من هذا السبب.
قال :وكان من أعلم الناس بالقراء ات ، وكان القراء يقرؤن عليه ويختلفون إليه فى حروف القرآن .وسمعت أبا رجاء يقول :سألت عبد الرحمن بن مهدى ، فقلت :إن عمر ابن هارون قد أكثرنا عنه ، وبلغنا أنك تذكره .فقال :أعوذ بالله ما قلت فيه إلا خيرا .قال :وسمعت أبا رجاء يقول :قلت لعبد الرحمن :بلغنا أنك قلت أنه روى عن فلان ولم يسمع منه .فقال :يا سبحان الله ما قلت أنا ذاقط ، ولو روى ، ما كان عندنا بمتهم (تهذيب الكمال، ج ۲۱ ص ۵۲۰ تا ۵۲۵)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات میں نماز پڑھی (اور نفل عبادت کی) تو اس کا دل اس دن مُردہ نہیں ہوگا، جس دن (لوگوں کے) دل مُردہ ہو جائیں گے (ترجمہ ختم)

اور حضرت کردوس سے مرسلاً مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مَنْ أَحْيَا لَيْلَتِي الْعِيْدِ وَلَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، لَمْ يَمُتْ قَلْبُهٗ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ (معرفة الصحابة) [1]

[1] لأبی نعیم، حدیث نمبر ۵۹۰۸، دار الوطن للنشر -الریاض، واللفظ لهٗ، معجم ابن الاعرابی، حدیث نمبر ۲۱۹۴.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عیدین کی راتوں کو اور پندرہویں شعبان کی رات کو (عبادت کے ساتھ) زندہ رکھا، تو اس کا دل اس (قیامت کے) دن مُردہ نہیں ہوگا، جس دن کہ (لوگوں کے) دل مُردہ ہو جائیں گے (ترجمہ ختم)

اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

وَبَلَغَنَا أَنَّهُ كَانَ يُقَالُ :إِنَّ الدُّعَاءَ يُسْتَجَابُ فِيْ خَمْسِ لَيَالٍ فِيْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ، وَلَيْلَةِ الْأَضْحٰى، وَلَيْلَةِ الْفِطْرِ، وَأَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَجَبٍ، وَلَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ ...... قَالَ الشَّافِعِيُّ :وَأَنَا أَسْتَحِبُّ كُلَّ مَا حَكَيْتُ فِيْ هٰذِهِ اللَّيَالِي مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّكُوْنَ فَرْضًا (كتاب الام) [1]

[1] جزء ۱، صفحه ۲۶۴، كتاب صلاة العيدين ، بيان العبادة ليلة العيدين. واللفظ لهٗ، سنن البيهقى، تحت حديث رقم ۶۲۹۳ باب عبادة ليلة العيدين من كتاب الصلوٰة ج ۳ ص ۴۴۵ ،معرفة السنن والاٰثار تحت حديث رقم ۲۰۱۰، فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوى، ج ۲ ص ۳۸، تحت حديث رقم ۸۳۴۲،اتحاف السادة المتقين فى مسائل العيدين للزبيدى ج ۳ ص ۴۱.

ترجمہ: اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ یہ کہا جاتا تھا کہ پانچ راتوں میں دعا (زیادہ) قبول کی جاتی ہے، جمعہ کی رات میں اور عید الاضحیٰ کی رات میں، اور عید الفطر کی رات میں، اور رجب کی پہلی رات میں، اور نصف شعبان کی رات میں (اس روایت کے بعد) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جو کچھ ان راتوں کے بارے میں بیان کیا ان سب کو میں مستحب سمجھتا ہوں، فرض نہیں سمجھتا (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بسندِ ضعیف روایت ہے کہ:

خَيْرُ مَا يَمُوْتُ عَلَيْهِ الْعَبْدُ اَنْ يَّكُوْنَ قَافِلاً مِنْ حَجٍّ اَوْ مُفْطِرًا مِّنْ رَّمَضَانَ (كنز العمال) [2]

---

[2] جزء۵، صفحه ۲، حديث نمبر ۱۱۷۹۸، الجامع الصغير للسيوطى بحواله ديلمى فى مسند الفردوس ، رقم حديث ۶۶۷۲.

قال الالبانى: (خير ما يموت عليه العبد أن يكون قافلاً من حج، أو مفطراً من رمضان)ضعيف أخرجه الديلمى ۲/۱۱۴) من طريق أبى نعيم، عن سلمة بن سواية، عن ابن حدر الكلبى، عن أبى الزبير، عن جابر مرفوعاً.

قلت :وهذا إسناد ضعيف؛ أبو الزبير مدلس وقد عنعنه .وسلمة بن سواية .لم أعرفه. ومثله ابن حدر الكلبى.لكن ذكر المناوى أن فى إسناد الديلمى "أبو جناب الكلبى، ضعفه النسائى والدارقطنى ". فالظاهر أنه تحرف على الناسخ، فكتب "ابن حدر"، وإنما هو "أبو جناب "(سلسلة الأحاديث الضعيفة، تحت رقم روايت ۳۵۸۳)

ترجمہ: بہترین موت بندے کی وہ ہے جو کہ حج کے سفر میں ہو یا رمضان کا افطار کرنے کے بعد ہو (ترجمہ ختم)

رمضان کا افطار کرنے کے بعد سے رمضان کے کسی بھی دن روزہ افطار کرنے کے بعد کا وقت بھی مراد ہوسکتا ہے اور یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ رمضان سے فارغ ہونے کے بعد شوال کا چاند نظر آنے کا وقت یعنی چاندرات ہو۔ [1]

[1] (خير ما يموت عليه العبد أن يكون قافلا) أى راجعا (من حج) بعد فراغ أعماله (أو مفطرا من رمضان) يحتمل أن المراد عقب إفطاره في يوم منه أى عند الغروب ويحتمل أن المراد عقب فراغ رمضان عند استهلال شوال.

(فر عن جابر) وفيه أبو جناب الكلبي أورده الذهبي في الضعفاء وضعفه النسائي والدارقطني ورواه عنه أيضا الطبراني وعنه ومن طريقه أورده الديلمي مصرحا فلو عزاه المصنف للأصل لكان أولى(فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ٢٧٦٦)

اور جلیلُ القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

كَانُوا يَسْتَحِبُّوْنَ لِلْمُعْتَكِفِ أَنْ يَّبِيتَ لَيْلَةَ الْفِطْرِ فِيْ مَسْجِدِهٖ ، حَتّٰى يَكُوْنَ غُدُوُّهٗ مِنْهُ (مصنف ابن أبى شيبة) [2]

[2] حديث نمبر ٩٧٧١، كتاب الصيام، من كان يُحِبُّ أَنْ يَغْدُوَ الْمُعْتَكِفُ كَمَا هُوَ مِنْ مَسْجِدِهٖ إِلَى الْمُصَلّٰى.

ترجمہ: صحابۂ کرام وتابعین اعتکاف کرنے والے کے لیے اس بات کو پسند کرتے تھے کہ وہ عیدُ الفطر کی رات اپنی (اعتکاف گاہ والی) مسجد میں گزارے، یہاں تک کہ وہ وہاں سے صبح کو جائے (ترجمہ ختم)

اس قسم کی روایت اور محدثین کے بارے میں بھی مروی ہے۔ [1]

[1] حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ ؛ أَنَّهُ أُوتِيَ يَوْمَ الْفِطْرِ فِي مَسْجِدِ قَوْمِهٖ ، وَاعْتَكَفَ فِيهِ بِجُوَيْرِيَةٍ مُزَيَّنَةٍ فَأَقْعَدَهَا فِي حِجْرِهٖ ، ثُمَّ اعْتَنَقَهَا وَخَرَجَ إِلَى الْمُصَلّٰى كَمَا هُوَ مِنَ الْمَسْجِدِ(مصنف ابن أبى شيبة، حديث نمبر ٩٧٧٠، من كان يُحِبُّ أَنْ يَغْدُوَ الْمُعْتَكِفُ كَمَا هُوَ مِنْ مَسْجِدِهٖ إِلَى الْمُصَلّٰى)

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ عِمْرَانَ ، عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ ، قَالَ : بِتْ لَيْلَةَ الْفِطْرِ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي اعْتَكَفْتَ فِيهِ ، حَتّٰى يَكُونَ غُدُوُّكَ إِلَى مُصَلَّاكَ مِنْهُ(مصنف ابن أبى شيبة، حديث نمبر ٩٧٧٢، من كان يُحِبُّ أَنْ يَغْدُوَ الْمُعْتَكِفُ كَمَا هُوَ مِنْ مَسْجِدِهٖ إِلَى الْمُصَلّٰى)

اس کی وجہ بھی بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ عید الفطر کی رات بابرکت اور مبارک رات ہے، اس لیے اس رات کو بھی مختلف عبادت میں خرچ کرے۔

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر حضرات سے عید کی رات میں تکبیر کہنے (یعنی اللہ اکبر وغیرہ کا ذکر کرنے) کا مستحب ہونا مروی ہے۔ ۲

۲ حَدَّثَنِي يُونُسُ، قَالَ :أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ :قَالَ ابْنُ زَيْدٍ، كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ " حَقٌّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ إِذَا نَظَرُوا إِلَى هِلَالِ شَوَّالٍ أَنْ يُكَبِّرُوا اللَّهَ حَتَّى يَفْرُغُوا مِنْ عِيدِهِمْ؛ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى ذِكْرُهُ يَقُولُ :(وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ)قَالَ ابْنُ زَيْدٍ: يَنْبَغِي لَهُمْ إِذَا غَدَوْا إِلَى الْمُصَلَّى كَبَّرُوا، فَإِذَا جَلَسُوا كَبَّرُوا، فَإِذَا جَاءَ الْإِمَامُ صَمَتُوا، فَإِذَا كَبَّرَ الْإِمَامُ كَبَّرُوا، وَلَا يُكَبِّرُونَ إِذَا جَاءَ الْإِمَامُ إِلَّا بِتَكْبِيرِهِ، حَتَّى إِذَا فَرَغَ وَانْقَضَتِ الصَّلَاةُ فَقَدِ انْقَضَى الْعِيدُ قَالَ يُونُسُ، قَالَ ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدٍ وَالْجَمَاعَةُ عِنْدَنَا عَلَى أَنْ يَغْدُوا بِالتَّكْبِيرِ إِلَى الْمُصَلَّى(تفسير طبرى، ج۳ص ۲۲۲، تحت سورة البقرة)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالَ :ثنا سُفْيَانُ، فِي قَوْلِهِ تَعَالَى :(وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ)قَالَ " :نَرْجُو أَنْ يَكُونَ التَّكْبِيرُ لَيْلَةَ الْفِطْرِ "وَزَعَمَ الْمَكِّيُّونَ أَنَّهُمْ رَأَوْا مَشَايِخَهُمْ يُكَبِّرُونَ لَيْلَةَ الْفِطْرِ إِلَى خُرُوجِ الْإِمَامِ يَوْمَ الْعِيدِ، وَيُظْهِرُونَ التَّكْبِيرَ، وَيَرَوْنَهُ سُنَّةً، وَهُمْ عَلَى ذَلِكَ الْيَوْمَ(اخبار مكة للفاكهى، حديث نمبر ۱۷۰۳)

قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ :وَمِنَ السُّنَّةِ إِظْهَارُ التَّكْبِيرِ لَيْلَتَيِ الْعِيدَيْنِ، مُقِيمِينَ وَسَفْرًا فِي مَنَازِلِهِمْ، وَمَسَاجِدِهِمْ، وَأَسْوَاقِهِمْ، وَبَعْدَ الْغُدُوِّ فِي الطَّرِيقِ، وَبِالْمُصَلَّى إِلَى أَنْ يَحْضُرَ الإِمَامُ.

رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَغْدُو إِلَى الْمُصَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَيُكَبِّرُ حَتَّى يَأْتِيَ الْمُصَلَّى، ثُمَّ يُكَبِّرُ بِالْمُصَلَّى حَتَّى إِذَا جَلَسَ الإِمَامُ تَرَكَ التَّكْبِيرَ.

وَعَنِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ، وَعُرْوَةَ، وَأَبِي سَلَمَةَ، وَأَبِي بَكْرٍ :يُكَبِّرُونَ لَيْلَةَ الْفِطْرِ فِي الْمَسْجِدِ يَجْهَرُونَ بِالتَّكْبِيرِ(شرح السنة، ج۴ص ۳۰۱، كتاب الجمعة،باب لا أذان ولا إقامة لصلاة العيد وتقديم الصلاة)

وفيه :استحباب التكبير يوم العيد، وكذا فى ليلته فى طريق المصلى(عمدة القارى، ج۶ ص ۲۹۵، كتاب العيدين،باب حمل العنزة أو الحربة بين يدى الإمام يوم العيد)

ملحوظ رہے کہ عیدین کی راتوں کی فضیلت کے بارے میں بعض روایتوں کی سند ضعیف ہے، لیکن ایک تو ان روایات کے مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہونے کی وجہ سے ضعف کسی درجہ میں دور ہو جاتا ہے، دوسرے محدثین وفقہاء کے راجح قول کے مطابق فضائلِ اعمال کے سلسلہ میں ضعیف حدیث بھی بعض شرائط کے ساتھ قابلِ عمل ہو جاتی ہے۔ ۱

۱ ضعیف حدیث کے بارے میں اس سلسلہ میں تین قسم کے اقوال ہیں، ایک مطلقاً غیر معمول بہ ہونے کا، دوسرا مطلقاً معمول بہ ہونے کا، اور تیسرا بعض شرائط کے ساتھ فضائل میں معمول بہ ہونے کا، اور یہی قول راجح ہے۔

فتحصل ان فی العمل بالحدیث الضعیف ثلاثۃ مذاھب ،لایعمل بہ مطلقا، یعمل بہ مطلقا، یعمل بہ فی الفضائل بشروطہ (الاجوبۃ الفاضلۃ عن الاسئلۃ العشرہ الکاملۃ،ص ۱۰، مشمولۃ:مجموعہ رسائل اللکنوی ،ج۴)

ھذہ العبارات ونحوھا الواقعۃ فی کتب الثقات تشھد بتفرقھم فی ذلک ،فمنھم من منع العمل بالضعیف مطلقا،وھو مذھب ضعیف،ومنھم من جوزہ مطلقا،وھو توسع سخیف،ومنھم من فصل وقید وھو المسلک المسدد (ایضاً ص ۱۱)

قال العلماء من المحدثین والفقھاء وغیرھم :یجوزویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوع (کتاب الاذکار للنووی ص ۷)

والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۳، باب الجنائز، فصل فی الصلاۃ علی المیت)

جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی ضعیف حدیث سے کسی عمل کی ترغیب وفضیلت ثابت ہو،اور اس کے خلاف اس سے کوئی قوی دلیل موجود نہ ہو،تو اس سے اس عمل کا مستحب ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔

لیکن اِس مستحب کا درجہ اُس مستحب سے کمزور ہوتا ہے،جس کا مستحب ہونا اس سے قوی (صحیح وحسن) حدیث سے ثابت ہو۔

البتہ ضعیف حدیث سے کسی عمل کے مستحب ہونے کے ثبوت کے لئے مجموعی طور پر چار شرائط ہیں۔

(۱)......پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے خلاف اس سے کوئی قوی دلیل موجود نہ ہو(جیسا کہ پہلے گزرا)

(۲)......دوسری شرط یہ ہے کہ یہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو،بایں طور کہ اس میں کوئی کذاب،اور فاحشُ الغلط وفاحشُ المغفل راوی نہ ہو۔

کیونکہ اس صورت میں یہ معدوم (موضوع ومخترع حدیث) کے درجہ میں ہوتی ہے،جس پر کسی حال میں عمل جائز نہیں۔ [1]

[1] تاہم اس میں اختلاف کی گنجائش ہے کہ ایک راوی بعض کے نزدیک شدید ضعیف ہو،اور بعض کے نزدیک شدید ضعیف نہ ہو،پس ایسی صورت میں کسی جرح کے مؤثر وغیر مؤثر ہونے میں اجتہادی طور پر اختلاف ممکن ہے۔محمد رضوان۔

(۳)......تیسری شرط یہ ہے کہ اس ضعیف حدیث سے ثابت شدہ حکم شریعت کے اصولوں میں سے کسی اصول وقاعدے کے تحت داخل ہو، اور دینی قواعد کے خلاف نہ ہو۔

(۴)...... چوتھی شرط یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے والا اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے، بلکہ صرف احتیاط کی وجہ سے اس پر عمل کرے۔ [۲]

---

[۲] والذی یظهر بعد التامل الصادق، هو قبول الضعیف فی ثبوت الاستحسان وجوازه، فاذا دل حدیث ضعیف علی استحباب شیئ او جوازه، ولم یدل دلیل آخر صحیح علیه، ولیس هناک مایعارضه ورجح علیه، قبل ذلک الحدیث وجاز العمل بما افاده واقول باستحباب مادل علیه او جوازه.

غایة مافی الباب ان یکون مثل هذا الاستحباب والجواز ادون رتبة من الاستحباب والجواز الثابت بالاحادیث الصحیحة والحسنة ویشترط قبوله بشروط:

احدها: ما اشرنا الیه من فقدان دلیل آخر اقوی منه معارضا له، فان دل حدیث صحیح او حسن، علی کراهة عمل او حرمته، والضعیف علی استحبابه وجوازه ، فالعمل یکون بالاقوی ، والقول بمفاده احری.

وثانیها: ان لایکون الحدیث شدید الضعف ، بان تفرد بروایته شدید الضعف ، کالکذاب، وفاحش الغلط، والمغفل، وغیر ذلک، او کثرت طرقه، لکن لم یخل طریق من طرقه عن شدة الضعف، وذلک لان کون السند شدید الضعف، مع عدم مایجبر به نقصانه ، یجعله فی حکم العدم ، ویقربه الی الموضوع والمخترع، الذی لایجوز العمل به بحال .

وثالثها: ان یکون ماثبت به داخلا تحت اصل کلی من الاصول الشرعیة غیر مخالف للقواعد الدینیة، لئلا یلزم اثبات مالم یثبت شرعا به، فانه اذا کان مادل علیه داخلا فی الاصول الشرعیة، غیر مناقض لها، فنفس جوازه ثابت بها.

والحدیث الضعیف الدال علیه یکون مؤکدا عله، کذا الاستحباب، فان الجائزات تصیر بحسن النیة عبادة، فکیف اذا وجدمافیه شبهة ثبوت الاستحباب.

ورابعها: ان لایعتقد العامل به ثبوته بل الخروج عن العهدة بیقین، فانه ان کان صحیحا فی نفس الامر فذاک ، والا لم یترتب علی العمل به فساد شرعی.

وقس علیه اذا دلیل الحدیث الضعیف علی کراهة عمل، لم یدل علی استحبابه دلیل آخر، فیؤخذ به ویعمل بمفاده احتیاطا ، فان ترک المکروه مسحتب ، وترک المباح لابأس فیه شرعا.

وبهذا کله یظهر لک دفع الاشکال الذی تصدی للجواب عنه الدوانی والخفاجی، وسلک کل منهما مسلکا مغایرا لمسلک الآخر.

وخلاصة الکلام، الرافع للاوهام ، هو ان ثبوت الاستحباب ، او الکرهة التی هی فی قوة الاستحباب ، او الجواز بالحدیث الضعیف مع الشروط المتقدمة : لاینافی قولهم: انه لایثبت الاحکام الشرعیة،

فان الحكم باستحباب شيئ دل عليه الضعيف او كراهته: احتياطي، والحكم بجواز شيئ دل عليه تاكيد لما ثبت بدلائل اخر، فلا يلزم منه ثبوت شيئ من الاحكام في نفس الامر، ومن حيث الاعتقاد.
نعم لو لم تلاحظ الشروط المتقدمة، لزم الاشكال البتة (ظفر الأماني في مختصر الجرجاني في مصطلح الحديث، ص ١٩٨ تا ٢٠٠، لمولانا عبدالحيي اللكنوي رحمه الله)
فالحق في هذا المقام: انه اذا لم يثبت ندب شيئ او جوازه بخصوصه بحديث صحيح، وورد بذلك حديث ضعيف ليس شديد الضعف، يثبت استحبابه وجوازه به، بشرط ان يكون مندرجا تحت اصل شرعي، ولا يكون مناقضا للاصول الشرعية والادلة الصحيحة.
وما احسن كلام المحقق جلال الدين الدواني في رسالته "انموذج العلوم" التي جمع فيها الفوائد المتفرقة حيث قال في صدرها: المسألة الاولىٰ في اصول الحديث: اتفقوا على ان الحديث الضعيف لايثبت به الاحكام الشرعية، ثم ذكروا انه يجوز بل يستحب العمل بالاحاديث الضعيفة في فضائل الاعمال، وممن صرح به النووي في كتبه لاسيما كتاب "الاذكار" وفيه اشكال، لان جواز العمل واستحبابه كلاهما من الاحكام الخمسة الشرعية، فاذا استحب العمل بمقتضى الحديث الضعيف كان ثبوته بالحديث الضعيف، وذلك ينافي ما تقرر من عدم ثبوت الاحكام بالاحاديث الضعيفة. وقد حاول بعضهم التفصي عن ذلك وقال: ان مراد النووي انه اذا ثبت حديث صحيح او حسن في فضيلة عمل من الاعمال تجوز رواية الحديث الضعيف في هذا الباب.
ولايخفى ان هذا لايرتبط بكلام النووي فضلا عن ان يكون مراده ذلك، فكم من فرق بين جواز العمل واستحبابه، وبين مجرد نقل الحديث، على انه لولم يثبت الحديث الصحيح او الحسن في فضيلة عمل من الاعمال يجوز نقل الحديث الضعيف فيها، لاسيما مع التنبيه على ضعفه، ومثل ذلك في كتب الحديث وغيره كثير شائع، يشهد به من تتبع ادنى تتبع.
والذي يصلح للتعويل: انه اذا وجد حديث ضعيف في فضيلة عمل من الاعمال، ولم يكن هذا العمل مما يحتمل الحرمة او الكراهة فانه يجوز العمل به ويستحب، لانه مامون الخطر ومرجو النفع، اذ هو دائر بين الاباحة والاستحباب، فالاحتياط العمل به رجاء الثواب.
واما اذا دار بين الحرمة والاستحباب فلا وجه لاستحباب العمل به.
واما اذا دار بين الكراهة والاستحباب، فمجال النظر فيه واسع، اذ في العمل دغدغة الوقوع في المكروه، وفي الترك مظنة الترك المستحب. فلينظر.
ان كان خطر الكراهة اشد بان تكون الكراهة المحتملة شديدة، والاستحباب المحتمل ضعيفا، فحينئذ يرجح الترك على العمل، فلا يستحب العمل به.
وان كان خطر الكراهة اضعف بان تكون الكراهة على تقدير وقوعها كراهة ضعيفة دون مرتبة ترك العمل على تقرير استحبابه، فالاحتياط العمل به.
وفي صورة المساواة يحتاج الى نظر تام، والظن انه يستحب ايضا، لان المباحات تصير بالنية عبادة، فكيف مافيه شبهة الاستحباب لاجل الحديث الضعيف. (......وبعد اسطر......)
وحاصل الجواب، ان الجواز معلوم من خارج والاستحباب ايضا معلوم من القواعد الشرعية الدالة على استحباب الاحتياط في امر الدين، فلم يثبت شيئ من الاحكام بالحديث الضعيف، بل اوقع الحديث الضعيف شبهة الاستحباب، فصار الاحتياط ان يعمل به، واستحباب الاحتياط معلوم من

قواعد الشرع ، انتھیٰ کلام الدوانی (الاجوبة الفاضلة عن الاسئلة العشرہ الکاملة، ص ۱۳، ۱۴، مشمولة: مجموعه رسائل اللکنوی ، ج ۴)

اقول: قال فی البناية :

ثم إن تزيين المسجد لما دار مرة بين الاستحباب وبين الكراهة، قال أصحابنا بالجواز، ولم يقولوا بالاستحباب كما قال به بعضهم (البناية شرح الهداية ج ۲ ص ۴۷۱، كتاب الصلاة، باب احكام المساجد)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ضعیف حدیث سے ثابت شدہ استحباب کا درجہ احتیاطی ہے اور یہ اُس استحباب سے کم ہوتا ہے، جو حسن وصحیح حدیث سے ثابت ہو۔

اور پھر یہ استحباب بھی اُن شرعی قواعد کے ماتحت ہو کر ثابت ہوتا ہے، جو کہ قوی دلائل سے ثابت ہیں۔

لہٰذا ضعیف حدیث سے اس تفصیل کے مطابق استحباب ثابت ہونے پر یہ شبہ نہیں ہوتا کہ ضعیف حدیث سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا، جبکہ کسی چیز کا مستحب ہونا بھی شرعی حکم ہی کی ایک قسم ہے۔

اور یہ تفصیل اعمال کی فضیلت کے بارے میں ہے۔

جہاں تک حلال وحرام اور عقائد، نیز اللہ تعالیٰ کی صفات کا معاملہ ہے، تو ان میں ضعیف حدیث معتبر نہیں ہے۔ [1]

[1] (لافی صفات الله) فان وجد حديث ضعيف دل على صفة من صفات الله تعالىٰ ولم يثبت ذلك بدليل معتبر ، لم يعتبر به، فان صفات الله واسماء ه لايجترأ على القول بها بدون دلالة دليل معتمد، لانها من باب العقائد لا من باب الاعمال، ويلتحق بها جميع العقائد الدينية ، فلا تثبت الا بحديث صحيح او حسن لذاته او لغيره.

كيف وقد صرحوا بان اخبار الآحاد وان كان صحيحة ، لاتكفى فى باب العقائد، فما بالك بالضعيفة منها؟ والمراد بعدم كفايتها انها لاتفيد القطع ، فلايعتبر بها مطلقا فى العقائد التى كلف الناس بالاعتقاد الجازم فيها، لانها لاتفيد الظن ايضا، ولا انها لاعبرة بها رأسا فى العقائد مطلقا، كما توهمه من ابناء عصرنا............ (واحكام الحلال والحرام) فلايثبت بالحديث الضعيف تحريم شيئ ولا تحليله (ظفر الأمانى فى مختصر الجرجانى فى مصطلح الحديث، لمولانا عبدالحيئ اللكنوى ، ص ۲۰۰ تا ۲۰۴ ، ملخصاً)

اور عیدین کی راتوں اور ان میں نفلی عبادت کی فضیلت کے سلسلہ میں مندرجہ بالا شرائط پائی جاتی ہیں۔

اس لیے عیدین کی راتوں میں نفلی عبادات مستحب ہے۔

جیسا کہ متعدد فقہاء ومحدثین نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم کے شارح امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اِتَّفَقُوْا عَلٰى اِسْتِحْبَابِ إِحْيَاءِ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ(شرح النووی) [1]

[1] على مسلم، ج۸ص ۱۷، باب صوم عشر ذی الحجة، دار إحياء التراث العربی -بيروت.

ترجمہ: (ہمارے) فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عیدین کی راتوں میں (عبادت کے لئے) جاگنا مستحب ہے (ترجمہ ختم)

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وَاتَّفَقَ أَصْحَابُنَا عَلٰى إِحْيَاءِ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ(المجموع) [2]

[2] شرح المهذب، ج۴ ص۴۵، باب صلاة التطوع، دار الفكر، بيروت.

ترجمہ: ہمارے اصحاب کا عیدین کی راتوں میں جاگنے پر اتفاق ہے (ترجمہ ختم)

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

اِعْلَمْ أَنَّهٗ يُسْتَحَبُّ إِحْيَاءُ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ فِيْ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَالصَّلَاةِ، وَغَيْرِهِمَا مِنَ الطَّاعَاتِ، لِلْحَدِيْثِ الْوَارِدِ فِيْ ذٰلِكَ "مَنْ أَحْيَا لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ، لَمْ يَمُتْ قَلْبُهٗ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ "وَرُوِيَ"مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ لِلّٰهِ مُحْتَسِبًا لَمْ يَمُتْ قَلْبُهٗ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ" هٰكَذَا جَاءَ فِيْ رِوَايَةِ الشَّافِعِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ، وَهُوَ حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ رَوَيْنَاهُ مِنْ رِوَايَةِ أَبِيْ أُمَامَةَ مَرْفُوْعًا وَمَوْقُوْفًا، وَكِلَاهُمَا ضَعِيْفٌ، لٰكِنْ أَحَادِيْثُ الْفَضَائِلِ يُتَسَامَحُ فِيْهَا، كَمَا قَدَّمْنَاهُ فِيْ أَوَّلِ الْكِتَابِ. وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِى الْقَدْرِ الَّذِىْ يَحْصُلُ بِهِ الْإِحْيَاءُ، فَالْأَظْهَرُ أَنَّهٗ لَا يَحْصُلُ إِلَّا بِمُعَظَّمِ اللَّيْلِ، وَقِيْلَ: يَحْصُلُ بِسَاعَةٍ(الاذكار النووية، ۱۷۱) [1]

[1] كتاب الاذكار فى صلوات مخصوصة، باب الأذكار المشروعة فى العيدين، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت -لبنان.

ترجمہ: یہ بات جان لینی چاہئے کہ عیدین کی راتوں میں جاگ کر اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اور نماز اور دوسرے نیک اعمال (توبہ واستغفار وغیرہ) میں مشغول رہنا مستحب ہے، اس حدیث کی وجہ سے، جو اس سلسلہ میں وارِد ہوئی ہے کہ جس نے

عیدین کی راتوں کو زندہ رکھا، اس کا دل اس دن مردہ نہیں ہوگا، جس دن (لوگوں کے) دل مُردہ ہوجائیں گے، اور یہ بھی مروی ہے کہ جس نے عیدین کی راتوں میں اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی خاطر قیام کیا، تو اس کا دل اس دن مردہ نہیں ہوگا، جس دن (لوگوں کے) دل مردہ ہوجائیں گے، اسی طرح امام شافعی اور ابنِ ماجہ کی روایت میں آیا ہے، اور یہ حدیث ضعیف ہے، جس کو ہم نے ابوامامہ کی روایت سے مرفوعاً اور موقوفاً روایت کیا ہے، اور یہ دونوں ضعیف ہیں، لیکن فضائل کی احادیث میں چشم پوشی اختیار کی جاتی ہے، جیسا کہ ہم شروع کتاب میں ذکر کرچکے ہیں۔

اور علماء کا اس مقدار کے بارے میں اختلاف ہے، جس کے ذریعہ سے رات کو زندہ رکھنے کی فضیلت حاصل ہوتی ہے، زیادہ راجح یہ ہے کہ یہ رات کے بڑے حصہ کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوتی ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک ساعت کے ذریعہ سے بھی حاصل ہوجاتی ہے (ترجمہ ختم)

اور امام نووی رحمہ اللہ ایک مقام پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

قَالَ أَصْحَابُنَا: يُسْتَحَبُّ إِحْيَاءُ لَيْلَتِي الْعِيْدَيْنِ بِصَلاةٍ أَوْ غَيْرِهَا مِنَ الطَّاعَاتِ وَاحْتَجَّ: لَهُ أَصْحَابُنَا بِحَدِيْثِ أَبِيْ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم "مَنْ أَحْيَا لَيْلَتَيِ الْعِيدِ لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ "وَفِيْ رِوَايَةِ الشَّافِعِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ "مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ مُحْتَسِبًا لِلّٰهِ تَعَالٰى لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ حِيْنَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ "رَوَاهُ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ مَوْقُوْفًا، وَرُوِيَ مِنْ رِوَايَةِ أَبِيْ أُمَامَةَ مَوْقُوْفًا عَلَيْهِ وَمَرْفُوْعًا كَمَا سَبَقَ، وَأَسَانِيْدُ الْجَمِيْعِ ضَعِيْفَةٌ، قَالَ الشَّافِعِيُّ فِي الْأُمِّ: وَبَلَغَنَا أَنَّهُ كَانَ يُقَالُ: إِنَّ الدُّعَاءَ يُسْتَجَابُ فِيْ خَمْسِ لَيَالٍ: فِيْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ،

وَلَيْلَةِ الْأَضْحٰى، وَلَيْلَةِ الْفِطْرِ، وَأَوَّلِ لَيْلَةٍ فِيْ رَجَبٍ، وَلَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَأَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: رَأَيْتُ مَشْيَخَةً مِّنْ خِيَارِ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ يَظْهَرُوْنَ عَلٰى مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْعِيْدَيْنِ فَيَدْعُوْنَ وَيَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى، حَتّٰى تَذْهَبَ سَاعَةٌ مِّنَ اللَّيْلِ، قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَبَلَغَنَا أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُحْيِيْ لَيْلَةَ النَّحْرِ، قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَأَنَا أَسْتَحِبُّ كُلَّ مَا حَكَيْتُ فِيْ هٰذِهِ اللَّيَالِيْ مِنْ غَيْرِ أَنْ تَكُوْنَ فَرْضًا هٰذَا آخِرُ كَلَامِ الشَّافِعِيِّ، وَاسْتَحَبَّ الشَّافِعِيُّ وَالْأَصْحَابُ اَلْإِحْيَاءَ الْمَذْكُوْرَ، مَعَ أَنَّ الْحَدِيْثَ ضَعِيْفٌ، لِمَا سَبَقَ فِيْ أَوَّلِ الْكِتَابِ أَنَّ أَحَادِيْثَ الْفَضَائِلِ يُتَسَامَحُ فِيْهَا، وَيُعْمَلُ عَلٰى وَفْقِ ضَعِيْفِهَا وَالصَّحِيْحُ أَنَّ فَضِيْلَةَ هٰذَا الْإِحْيَاءِ لَا تَحْصُلُ إِلَّا بِمُعْظَمِ اللَّيْلِ، وَقِيْلَ تَحْصُلُ بِسَاعَةٍ، وَيُؤَيِّدُهٗ مَا سَبَقَ فِيْ نَقْلِ الشَّافِعِيِّ عَنْ مَشْيَخَةِ الْمَدِيْنَةِ، وَنَقَلَ الْقَاضِيْ حُسَيْنٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ إِحْيَاءَ لَيْلَةِ الْعِيْدِ أَنْ يُّصَلِّيَ الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ، وَيَعْزِمَ أَنْ يُّصَلِّيَ الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ وَالْمُخْتَارُ مَا قَدَّمْتُهٗ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ (المجموع)[1]

[1] شرح المهذب، ج۵ ص۴۲،۴۳، باب صلاة العيدين، فرع فی مسائل تتعلق بالعيدين، دار الفكر، بيروت.

ترجمہ: ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ عیدین کی راتوں کو نماز اور دوسرے نیک اعمال کے ذریعہ سے زندہ رکھنا مستحب ہے، اوراس کے لئے ہمارے اصحاب نے حضرت ابوامامہ کی حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عید کی راتوں کو زندہ رکھا، تو اس کا دل اس دن مُردہ نہیں ہوگا، جس دن لوگوں کے دل مردہ ہوجائیں گے، اورامام شافعی اورابنِ ماجہ کی روایت میں یہ ہے کہ جس نے عیدین کی راتوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کے حصول کی

خاطر قیام کیا، تو اس کا دل اس دن مُردہ نہیں ہوگا، جس دن لوگوں کے دل مردہ ہوجائیں گے، اس کو ابوالدرداء سے موقوفاً روایت کیا ہے، اور حضرت ابوامامہ کی موقوف روایت بھی اس سلسلہ میں مروی ہے، اور مرفوع بھی، جیسا کہ پہلے گزرا، اور تمام روایتوں کی سندیں ضعیف ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ نے کتابُ الام میں فرمایا کہ اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ یہ کہا جاتا تھا کہ پانچ راتوں میں دعا (زیادہ) قبول کی جاتی ہے، جمعہ کی رات میں اور عید الاضحیٰ کی رات میں، اور عید الفطر کی رات میں، اور رجب کی پہلی رات میں، اور نصف شعبان کی رات میں، اور ہمیں ابراہیم بن محمد نے خبر دی کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے مدینہ کے نیک لوگوں میں سے مشائخ کو دیکھا کہ وہ مسجدِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں عیدین کی راتوں میں حاضر ہوتے تھے، پھر دعائیں کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے، یہاں تک کہ رات کا ایک حصہ گزر جاتا تھا، امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمیں یہ بات بھی پہنچی ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ عید الاضحیٰ کی رات میں عبادت کرتے تھے (اس کے بعد) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جو کچھ ان راتوں کے بارے میں بیان کیا ان سب کو میں مستحب سمجھتا ہوں، فرض نہیں سمجھتا، یہ امام شافعی کا آخری کلام تھا۔

اور امام شافعی، اور اُن کے اصحاب نے مذکورہ راتوں میں عبادت کو مستحب قرار دیا ہے، باوجودیکہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ کتاب کے شروع میں یہ بات گزر چکی ہے کہ فضائل کی احادیث میں چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے، اور اُس کے ضعیف ہونے کے موافق اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ ان راتوں میں جاگنے کی فضیلت رات کے بڑے حصہ ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک ساعت کے لئے

جاگ لینے سے بھی حاصل ہوجاتی ہے، اور اس کی تائید امام شافعی کی اس نقل کردہ روایت سے بھی ہوتی ہے، جو انہوں نے مدینہ کے مشائخ کے بارے میں نقل کی ہے، اور قاضی حسین نے ابنِ عباس سے نقل کیا ہے کہ عید کی رات کو زندہ رکھنا یہ ہے کہ عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے، اور یہ پختہ ارادہ رکھے کہ وہ فجر کی نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھے گا، اور مختار وہ ہے، جو میں نے پہلے بیان کیا (یعنی رات کا بڑا حصہ جاگنے سے پوری فضیلت حاصل ہوگی) واللہ اعلم (ترجمہ ختم)

اور امام زکریا بن محمد بن زکریا انصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَالدُّعَاءُ فِيهِمَا وَفِيْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَتَيْ أَوَّلِ رَجَبٍ وَنِصْفِ شَعْبَانَ مُسْتَجَابٌ فَيُسْتَحَبُّ (أسنى المطالب) [1]

---

[1] ج ۱ ص ۲۸۲، کتاب صلاۃ العیدین ،فصل احیاء لیلتی العید بالعبادۃ.

ترجمہ: اور عیدین کی راتوں میں اور جمعہ کی رات میں اور رجب کی پہلی رات میں اور نصف شعبان کی رات میں دعا مستحب ہے (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابنِ حاج مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

إِحْيَاءُ اللَّيْلَتَيْنِ الشَّرِيْفَتَيْنِ بِعِبَادَةِ الْمَوْلٰى سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى الْمَنْدُوْبِ إِلٰى إِحْيَائِهِمَا كَمَا هُوَ مَعْلُوْمٌ مَشْهُوْرٌ (المدخل لابن الحاج) [1]

[1] جلد ۱، صفحة ۲۸۹، الموسم الثانی عید الفطر، دار التراث، بیروت.

ترجمہ: عیدین کی مبارک راتوں کو مولیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت کے ساتھ زندہ رکھنا مستحب ہے، جن میں عبادت کرنے کا معاملہ معلوم اور مشہور ہے (ترجمہ ختم)

اور ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن محمد طرابلسی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَقَالَ ابْنُ الْفُرَاتِ: اُسْتُحِبَّ إِحْيَاءُ لَيْلَةِ الْعِيْدِ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا مِنَ الطَّاعَاتِ لِلْحَدِيْثِ مَنْ أَحْيَا لَيْلَةَ الْعِيْدِ لَمْ يَمُتْ

قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوتُ الْقُلُوبُ وَرُوِيَ مَرْفُوعًا وَمَوْقُوفًا وَكِلَاهُمَا ضَعِيفٌ لَكِنَّ أَحَادِيثَ الْفَضَائِلِ يُتَسَامَحُ فِيهَا (مواهب الجليل) ؎۲

؎۲ فی شرح مختصر الخليل، ج۲ ص۱۹۳، کتاب الصلاة، فصل صلاة العيدين، دار الفكر، بيروت.

ترجمہ: اور ابنِ فرات نے فرمایا کہ عید کی رات کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز اور اس کے علاوہ دوسرے نیک اعمال کے ذریعہ سے زندہ رکھنا مستحب ہے، اس حدیث کی وجہ سے کہ جس نے عید کی رات کو زندہ رکھا، تو اس کا دل اس دن مردہ نہیں ہوگا، جس دن (لوگوں کے) دل مردہ ہوجائیں گے، یہ مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح سے مروی ہے، اور دونوں ضعیف ہیں، لیکن فضائل کی احادیث میں چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے (ترجمہ ختم)

اور فقہ حنبلی کے مشہور فقیہ علامہ شیخ منصور بن یونس بہوتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(وَفِي اِسْتِحْبَابِ قِيَامِهَا) اَيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ (مَافِي) اِحْيَاءِ (لَيْلَةِ الْعِيْدِ) (كشاف القناع عن متن الاقناع) ؎۱

؎۱ ج ۱ ص ۴۴۴، کتاب الصلاة، باب صلاة التطوع، فصل صلاة الضحیٰ، دار الكتب العلمية، بيروت.

ترجمہ: اور نصف شعبان کی رات کی عبادت کا مستحب ہونا عیدین کی رات کی طرح ہے (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابنِ نجیم مصری حنفی رحمہ اللہ (المتوفیٰ ۹۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

وَمِنَ الْمَنْدُوْبَاتِ اِحْيَاءُ لَيَالِي الْعَشْرِ مِنْ رَمَضَانَ وَلَيْلَتَي الْعِيْدَيْنِ وَلَيَالِي عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ وَلَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ كَمَا وَرَدَتْ بِهِ الْاَحَادِيْثُ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق) ؎۲

؎۲ ج ۲ ص ۵۶، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل.

ترجمہ: اور مستحبات میں سے ہے رمضان کی آخری دس راتوں میں، اور عیدین کی

راتوں میں اور ذی الحجہ کی پہلی دس راتوں میں اور شعبان کی پندرہویں رات میں شب بیداری (اور بکثرت عبادت) کرنا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے (ترجمہ ختم)

اور علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۸۸ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:

وَمِنَ الْمَنْدُوْبَاتِ ...... اِحْيَآءُ لَيْلَةِ الْعِيْدَيْنِ وَالنِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَالْعَشْرِ الْاَخِيْرِ مِنْ رَمَضَانَ وَالْاَوَّلِ مِنْ ذِى الْحِجَّةِ (الدرالمختار) [۳]

[۳] مع شرح ردالمحتار ج ۲ ص ۲۴، ۲۵، دار الفکر، بیروت.

ترجمہ: اور مستحبات میں سے ہے ......عیدین کی رات میں اور شعبان کی پندرہویں رات میں اور رمضان کے آخری عشرہ میں اور ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں عبادت کرنا (ترجمہ ختم)

اور علامہ بدرُالدین عینی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَيُسْتَحَبُّ إِحْيَاءُ لَيْلَتِي الْعِيْدَيْنِ (البناية شرح الهداية) [۱]

[۱] ج ۲ ص ۵۲۱، کتاب الصلاة، باب النوافل، دار الکتب العلمية، بيروت.

ترجمہ: اور عیدین کی راتوں کو (عبادت کے ساتھ) زندہ رکھنا مستحب ہے (ترجمہ ختم)

اور علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی مصری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَنُدِبَ إِحْيَاءُ لَيَالِي الْعَشْرِ الْأَخِيْرِ مِنْ رَمَضَانَ وَإِحْيَاءُ لَيْلَتَي الْعِيْدَيْنِ وَلَيَالِي عَشْرِ ذِى الْحَجَّةِ (نور الإيضاح) [۲]

[۲] ص ۸۰، فصل فی تحية المسجد وصلاة الضحى وإحياء الليالى، المكتبة العصرية، بيروت.

ترجمہ: اور رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں کو اور عیدین کی راتوں کو اور ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کی راتوں کو (عبادت کے ساتھ) زندہ رکھنا مستحب ہے (ترجمہ ختم)

خلاصہ یہ کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی راتیں مبارک راتیں ہیں، اور ان راتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا چاہئے، نفل نماز، ذکر، تلاوت، تسبیح، دعا و استغفار کی کثرت اور منکرات

اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اور اہل و عیال کے ساتھ انس و محبت سے پیش آنا چاہئے۔

غرضیکہ خیر کے کاموں میں یہ رات گزارنی چاہئے، اگر زیادہ عبادت کی توفیق اور ہمت نہ ہو سکے تو کم از کم عشاء اور فجر کی نماز اپنے اپنے وقت پر پڑھ لی جائے اور درمیان میں کوئی گناہ نہ کیا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم

عید کی رات کی مروّجہ خرابیاں اور اس کو ضائع کرنے کی صورتیں

عید کی رات بڑی اہم اور فضیلت والی رات ہے مگر افسوس کہ آج عام طور پر لوگوں نے اپنے آپ کو ان سب فضیلتوں سے محروم کیا ہوا ہے اور نہ صرف محروم بلکہ اس مبارک رات کو طرح طرح کی لغویات، فضولیات، سیر وتفریح، گانے بجانے، بے پردگی اور بدنظری وغیرہ جیسی خرافات کی نظر کر کے ''نیکی برباد گناہ لازم'' کا مصداق کیا ہوا ہے۔ [1]

[1] وفی ليلتی العيدين من البدع سهر بعض الناس فيهما، أو فی بعضهما لا لعبادة، بل للشغل بزخارف الدنيا وما شاكلها وإضاعة المال بصقل القماش الذی يفضی إلى تقطيعه وترک إحياء الليلتين الشريفتين بعبادة المولى سبحانه وتعالى المندوب إلى إحيائهما كما هو معلوم مشهور، وقد تقدم فی عيد الأضحى ما فيه من بنات العيد، وزيارة القبور، وتأخير الرجوع إلى البيوت وتفرقة اللحم بتلک المقاصد الذميمة، فكل ذلک موجود هنا، فتفرقة الكعک هاهنا مقابلة لتفرقة اللحم فی الأضحى(المدخل لابن الحاج، ج ۱ ص ۲۸۹، الموسم الثانی عيد الفطر)

(۱)...... بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں اس رات کی عظمت وفضیلت ہی معلوم نہیں اس لئے وہ اپنی لاعلمی اور نادانی سے بیسیوں راتیں فضول گنوا چکے ہیں اور ان کی اس لاعلمی نے انہیں آخرت کے عظیم ثواب سے محروم کیا ہوا ہے، جو محرومی کی بات ہے۔

(۲)...... بعض لوگ اس رات کی عظمت اور فضیلت کو تو جانتے ہیں لیکن وہ بھی اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور سمجھتے ہیں کہ اس رات میں عبادت فرض وواجب نہیں؟ بے شک اس رات میں عبادت فرض، واجب تو نہیں لیکن ان لوگوں کو سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا ترغیبات فضول اور اس قابل ہیں کہ انھیں غیر فرض قرار دے کر رد کر دیا جائے، آخر یہ ترغیبات کن کے لئے ہیں؟ اور ان کا کون مکلّف ہے؟

(۳)...... بعض لوگ اس مبارک رات میں آتش بازی اور اسلحہ چلا کر خوشی کا اظہار کرتے ہیں جبکہ آتش بازی یا اسلحہ سے خوشی کا اظہار کرنا بذاتِ خود گناہ ہے اور اس سے دوسروں کو ایذاء وتکلیف بھی ہوتی ہے اور بعض اوقات جانی یا مالی نقصان بھی ہو جاتا ہے، لہٰذا اس طرزِ عمل سے بچنا چاہیے۔

(۴)......بعض لوگ عین اس مبارک رات میں عید کی تیاریوں میں مشغول ہوجاتے ہیں اوّل تو آج کل جن بے شمار فضول خرچیوں کے سیلاب کو عید کے لوازمات میں سے سمجھ لیا گیا ہے، اس کا دین وشریعت سے تعلق نہیں، دوسرے شریعت کی حد میں رہتے ہوئے تیاری خاص اس رات سے پہلے بھی کی جاسکتی ہے۔

(۵)......بعض لوگ یہ مبارک رات مختلف کھیلوں میں مصروف ہوکر گذار دیتے ہیں، مثلاً شطرنج، لوڈو، کیرم بورڈ اور دیگر جدید ہار جیت والے کھیلوں میں، جن میں شطرنج تو گناہ ہے ہی، اور باقی کھیلوں میں بھی شرعی حدود کی رعایت نہیں ہوتی، بالفرض اگر کوئی کھیل جائز بھی ہو تب بھی یہ مبارک رات لہو ولعب کے لئے نہیں، عبادت وطاعت کے لئے ہے، اس کو عبادت ہی میں مشغول رکھنا چاہئے، اور جائز اور مباح کھیلوں سے بھی بچنا چاہئے۔

(۶)...... بہت سے لوگ اس مبارک رات میں ٹی وی کے پروگرام دیکھنے میں مصروف رہتے ہیں حالانکہ موجودہ شکل میں ٹی وی بہت سے گناہوں اور کئی خرابیوں کا مجموعہ ہے، جس کی وجہ سے اس کو دیکھنا منع ہے، پھر اس مقدس رات میں مبتلا ہونا اس کے گناہ کو اور بھی سخت کردیتا ہے، اس لئے ٹی وی دیکھنے سے عام دنوں میں اور خاص کر اس مبارک رات میں بچنا چاہیے۔

(۷)......بعض لوگ اس مبارک رات میں بازاروں کی سجاوٹ، چمک دمک، خریداروں کی کثرت اور نامحرم عورتوں کو دیکھنے جیسے گناہوں میں گھوم پھر کر رات کا قیمتی وقت ضائع کردیتے ہیں، جبکہ بازار اکثر بڑے بڑے گناہوں کا مرکز ہیں، مثلاً عورتوں کا بن سنور کر بے پردہ خرید وفروخت کرنا اور بازاروں میں گھومنا، گانا بجانا عام ہونا، دھوکہ فریب، جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا ہونا، کم تولنا اور ناپنا، ملاوٹ وغیرہ کرنا، اس لئے بازار میں تو تمام گناہوں سے حتی الامکان بچتے ہوئے ضرورت کے وقت بقدرِ ضرورت ہی جانا چاہیے، بلاضرورت بازاروں میں تفریح کرنے والے بھی طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہوجاتے

ہیں، اس طرح اس مبارک رات میں بجائے کچھ حاصل کرنے کے اپنے آپ کو اور گناہوں میں مشغول کرنا، اور بازار جیسی گناہوں کی جگہ میں بلاضرورت جانا اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے محروم کرنے والی بات ہے۔

(۸)......بعض لوگ اس مبارک رات میں ہوٹلوں میں بیٹھ کر کھانے پینے اور فضول گوئی میں وقت ضائع کر دیتے ہیں، جو محرومی کی بات ہے، اور گناہوں کا وبال الگ ہے۔

(۹)......بعض خواتین و حضرات گھروں میں بیٹھ کر ہی ادھر ادھر کی باتوں میں وقت گنوا دیتے ہیں اور خاص طور پر خواتین کھانے پینے کی تیاریوں میں پوری پوری رات تک گذار دیتی ہیں اور اس رات کی فضیلت حاصل کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتیں، خواتین کو بھی چاہیئے کہ کم از کم کام میں مصروف رہتے ہوئے کچھ نہ کچھ ذکر وفکر تو کر لیا کریں۔

(۱۰)......بعض تاجر بھی اس مبارک رات میں دنیوی مصروفیات کو کم کرنے کے بجائے بڑھا لیتے ہیں اور اس میں اس قدر منہمک و مصروف ہو جاتے ہیں کہ بعض اوقات نمازیں تک ضائع کر دیتے ہیں، جو کہ جائز نہیں، ایسے تاجر اگر کاروباری مصروفیت کم نہیں کر سکتے اور اس رات کو ذکر و تلاوت اور عبادت وطاعت میں نہیں گزار سکتے تو کم از کم فجر اور عشاء کی نماز باجماعت ادا کر کے اور نظر و زبان اور دیگر اعضاء کی حفاظت کرتے ہوئے چلتے پھرتے ذکر و دعا کے ذریعہ کسی نہ کسی درجہ میں وہ بھی اس رات کی فضیلت حاصل کر سکتے ہیں۔

بات اصل میں فکر و طلب اور قدر و قیمت کی ہے، جس کے دل میں اس کی اہمیت ہے اور فکر ہے، وہ مشغولیت میں بھی اس فضیلت کو حاصل کرنے کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لے گا اور جس کو طلب نہیں، دنیا اور دنیاوی منافع ہی اس کی نظر میں اصل مقصود ہیں تو اس کا نفس طرح طرح کے حیلے بہانے پیش کر کے بالآخر اس کو اس رات کی برکات سے محروم کر دے گا۔

(۱۱)......بعض لوگ اس کے برعکس وہ ہیں جو اس رات کی فضیلت معلوم ہونے پر تمام رات جاگنا ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ اگر کوئی اس رات میں گناہوں سے بچتے

ہوئے اور دنوں کی بہ نسبت تھوڑی سی زیادہ عبادت کرلے اس کو بھی اس رات کی فضیلت کا حصہ حاصل ہو جائے گا، کیونکہ اللہ تعالی کے یہاں گھنٹے شمار نہیں ہوتے بلکہ اخلاص دیکھا جاتا ہے اگر اخلاص کے ساتھ چند لمحات بھی اللہ تعالی کے خاص دربار میں میسر آ گئے تو وہ بہت بڑی نعمت اور دولت ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ(مسلم) [1]

---

[1] حدیث نمبر ٦٥٦، کتاب الصلاۃ، باب فضل صلاۃ العشاء والصبح فی جماعۃ، دار إحیاء التراث العربی -بیروت.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا؛ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرلی تو گویا کہ اس نے آدھی رات کے قیام کا ثواب پالیا اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت سے ادا کرلی تو گویا کہ اس نے پوری رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب حاصل کرلیا (ترجمہ ختم)

رات کو گُناہ سے بچ کر آرام کرنا اور فجر کی نماز باجماعت پڑھنا حکمی عبادت ہے اور جاگ کر عبادت کرنا حقیقی عبادت ہے۔

بعض لوگ عید کی رات کی فضیلت سن کر فرض نماز تو پڑھتے نہیں اور اس رات کی عشاء اور فجر باجماعت کا اہتمام تو درکنار وہ سرے سے فرض نماز ہی چھوڑ دیتے ہیں اور رات بھر کسی نہ کسی طرح جاگ کر خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے اس رات کی فضیلت کو حاصل کرلیا، جو کہ سراسر لاعلمی کی بات ہے۔

(۱۲)......آج کل بعض مقامات پر عید کی رات اور دوسری مبارک راتوں میں مسجدوں یا کسی گھر وغیرہ میں اجتماعی انداز میں شب گذاری اور جاگنے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کے لئے

لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے۔

بعض جگہ وقفہ وقفہ سے چائے اور قہووں کا دور چلتا ہے اور ادھر ادھر کی غپ شپ ہوتی ہے جس میں اکثر لطف اندوزی اور مزے اڑانا اور عبادت کا صرف بہانہ کرنا ہی مقصد ہوتا ہے۔

یہ بھی دین پر زیادتی ہے، اس طرح اجتماعی انداز میں جاگنے کا اہتمام ثواب کے بجائے گناہ ہے، اس رات میں عبادت نفلی درجہ رکھتی ہے، اور نفل عبادت کے لئے اجتماع اور اس کے لئے مساجد یا دوسری جگہوں کا انتخاب، نیز اس غرض کے لئے لوگوں کو بلانا یہ تمام کام شریعت پر زیادتی ہیں۔

شریعت کا مزاج یہ ہے کہ اس رات کی عبادت تنہا اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے کی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرائض اور واجبات کے علاوہ نفلی عبادت عموماً گھر میں ادا فرمایا کرتے تھے باوجودیکہ آپ کا حجرہ مبارک بہت چھوٹا تھا، مگر مبارک راتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفلی عبادت گھر سے متصل مسجد میں تشریف لا کر کرنا ثابت نہیں۔

اسی وجہ سے کئی فقہائے کرام نے فضیلت کی راتوں میں عبادت کرنے کی غرض سے مسجدوں میں جمع ہونے کو مکروہ اور بدعت فرمایا ہے۔ [1]

---

[1] ویکرہ الاجتماع علی احیاء لیلۃ من ھذہ اللیالی فی المساجد (البحرالرائق ج ۲ ص ۵۶، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل)

(ویکرہ الاجتماع علی احیاء لیلۃ من ھذہ اللیالی)المتقدم ذکرھا (فی المساجد) وغیرھا لانہ لم یفعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولااصحابہ فانکرہ اکثر العلماء من اھل الحجاز منھم عطاء وابن ابی ملیکۃ وفقھاء اھل المدینۃ واصحاب مالک وغیرھم وقالوا ذالک کلہ بدعۃ (مراقی الفلاح شرح نورالایضاح، ص ۱۵۱، کتاب الصلاۃ، باب فی النوافل)

والثانی انہ یکرہ الاجتماع فیھا فی المساجد للصلوٰۃ والقصص والدعاء ولایکرہ ان یصلی الرجل فیھا لخاصۃ نفسہ وھذا قول الاوزاعی امام اھل الشام وفقیھھم وعالمھم وھذاھو الاقرب ان شاء اللہ تعالیٰ (لطائف المعارف ص۱۳۷ ،وظائف شھر شعبان، المجلس الثانی فی نصف شعبان)

ویحصل القیام بالصلاۃ نفلا فرادی من غیر عدد مخصوص، وبقراءۃ القرآن، والأحادیث وسماعھا، وبالتسبیح والثناء ، والصلاۃ والسلام علی النبی -صلی اللہ علیہ وسلم -الحاصل ذلک فی معظم اللیل وقیل بساعۃ منہ(ردالمحتار، ج۲ ص ۲۶، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل)

پس صحیح طریقہ یہی ہے کہ اپنے یہاں رہ کر تنہائی میں جتنی عبادت اخلاص کے ساتھ ہو جائے، کر لینی چاہیے۔

(۱۳)......بعض مسجدوں میں معتکف حضرات عید کی رات کو بھی سنت اعتکاف میں شامل کر لیتے ہیں، یعنی یہ لوگ عید کا چاند نظر آنے پر اپنے سنت اعتکاف سے نکلنے کو ناجائز سمجھتے ہیں اور یہ رات مسجد میں گزار کر صبح اپنے گھروں کو جانا ضروری سمجھتے ہیں۔

اس بارے میں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ سنت اعتکاف شوال کا چاند نظر آنے یا تیسویں رمضان کو غروب ہونے پر ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد اگر کوئی اپنی مرضی سے مسجد میں ٹھہرنا چاہے تو یہ نفلی اعتکاف کے طور پر تو ہو سکتا ہے مگر اس کو سنت اعتکاف سمجھنا یا سنت اعتکاف کا حصہ سمجھنا یا گھر جانے کو ناجائز سمجھنا غلط ہے۔

خلاصہ یہ کہ زندگی کے لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے اس مبارک رات کی قدر کرنی چاہئے اور لغو ولایعنی اور بدعت وگناہ کے کاموں میں مشغول ہونے کے بجائے شرعی حدود میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت میں لگنا چاہئے۔

زیادہ عبادت اس رات میں کوئی نہ کر سکے تو کم از کم عشاء باجماعت پڑھ کر جتنی دیر عبادت کر سکے کر لے پھر سو جائے اور فجر باجماعت اٹھ کر ادا کر لے یہ بھی غنیمت ہے، عید کے دن اکثر لوگ عموماً فجر کی نماز باجماعت نہیں پڑھتے بلکہ بہت سے مَردوں اور عورتوں کی نماز قضاء تک ہو جاتی ہے اور اس طرح عید کی ایک اہم اور پہلی سنت یعنی صبح سویرے اٹھنا بھی فوت ہو جاتی ہے، اس طرزِ عمل سے بچنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

e

چاند کے بارے میں چند مسائل واحکام

اسلامی مہینے کے آغاز کا معیار اور چند متعلّقہ مسائل

شرعی اعتبار سے مہینے کے آغاز واختتام کا تعلق چاند کے نظام پر مبنی ہے، اور اسی وجہ سے چاند کے مہینے اور تاریخوں کو یاد رکھنے کی کوشش کرنا انتہائی ضروری ہے۔

مگر آج کل بہت سے لوگوں کی یہ حالت ہے کہ انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ چاند کا کونسا مہینہ چل رہا اور کونسا آنے والا ہے، بلکہ عیدین اور رمضان وغیرہ کی تعیین اور پہچان کے لئے بھی انگریزی وعیسوی تاریخوں اور مہینوں کو بنیاد بنایا جاتا ہے کہ رمضان فلاں عیسوی مہینہ کی فلاں تاریخ سے شروع ہورہا ہے اور عید عیسوی مہینہ کی فلاں تاریخ میں آرہی ہے وغیرہ وغیرہ۔ چاند کی تاریخوں اور مہینوں سے اتنی غفلت بہت افسوس ناک بات ہے۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ جَعَلَ هٰذِهِ الْأَهِلَّةَ مَوَاقِيْتَ لِلنَّاسِ، صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ، وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَتِمُّوا الْعِدَّةَ (مسند أحمد) [1]

[1] حديث نمبر ۱۶۲۹۴، مؤسسة الرسالة، بيروت.
فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح لغيره.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل نے اس چاند کو لوگوں کے لئے اوقات پہچاننے کا ذریعہ بنایا ہے، تم چاند کو دیکھ کر روزہ رکھو (یعنی رمضان شروع کرو) اور چاند کو دیکھ کر ہی افطار کرو (یعنی عیدُ الفطر مناؤ) پھر اگر تم پر اَبر آلود ہو جائے، تو تم (تیس کی) تعداد پوری کرو (ترجمہ ختم)

اسی قسم کی حدیث حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

[1] عن نافع ، عن ابن عمر ، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إن الله جعل الأهلة مواقيت للناس ، فصوموا لرؤيته ، وأفطروا لرؤيته ، فإن غم عليكم فعدوا ثلاثين يوما (حديث ابن عمر فی ترائی الهلال للخطیب البغدادی،حديث نمبر ۱۸، ص ۲٦)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی مہینوں کا آغاز واختتام چاند کے نظام پر مبنی ہے۔

اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

أَحْصُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ وَلَا تُقَدِّمُوْا الشَّهْرَ بِصَوْمٍ،فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَصُوْمُوْا وَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَأَفْطِرُوْا،فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوْا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ أَفْطِرُوْا فَإِنَّ الشَّهْرَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا (سنن الدار قطنى) [2]

[2] حديث نمبر ۲۱۷٦، كتاب الصيام، مؤسسة الرسالة، بيروت.
وفيه الواقدى. وهو فى الحديث ضعيف ،ولكن له شواهد كثيرة.

ترجمہ: تم رمضان کے لیے شعبان کے دِنوں کو صحیح شمار کر کے رکھو، اور تم رمضان کا مہینہ شروع ہونے سے پہلے روزہ نہ رکھو، پس جب تم چاند دیکھ لو، تو روزہ رکھو، اور جب (اس کے بعد اگلا) چاند دیکھ لو، تو روزے رکھنے چھوڑ و، اور اگر تم پر موسم اَبر آلود ہو جائے (جس کی وجہ سے چاند نہ دیکھا جا سکے) تو تم تیس دن پورے کرلو، پھر اس کے بعد روزے رکھنے چھوڑ دو، کیونکہ مہینہ اس طرح اور اس طرح اور اس طرح ہوتا ہے (ترجمہ ختم)

مہینہ اس طرح اور اس طرح اور اس طرح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے، اور کبھی تیس دن کا، اگر شرعی اصولوں کے مطابق انتیس کو چاند کی رؤیت ہو جائے، تو انتیس دن کا، ورنہ تیس دن کا ہوتا ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :أَحْصُوْا ھِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ وَلَا تَخْلِطُوْا بِرَمَضَانَ إِلَّا أَنْ یُّوَافِقَ ذٰلِکَ صِیَامًا کَانَ یَصُوْمُہٗ أَحَدُکُمْ وَصُوْمُوْا لِرُؤْیَتِہٖ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْیَتِہٖ فَإِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَإِنَّھَا لَیْسَتْ تُغْمَی عَلَیْکُمُ الْعِدَّةُ (سنن دارقطنی) [1]

[1] حدیث نمبر ۲۱۷۴، کتاب الصیام، مؤسسة الرسالة، بیروت.
قال الالبانی:
الحدیث حسن .و اللہ أعلم(السلسلة الصحیحة الکاملة، تحت حدیث رقم ۵۶۵)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم شعبان کے چاند کو رمضان کے لیے محفوظ کرو (تاکہ رمضان کی ابتداء میں دشواری اور گڑبڑ نہ ہو) اور تم (شعبان کے آخر میں روزہ رکھ کر) رمضان کے ساتھ خلط ملط نہ کرو، مگر یہ کہ یہ دن کسی کے اُس روزے کے موافق ہوجائے کہ تم میں سے کوئی اُس دن کا (نفلی) روزہ رکھتا تھا، اور تم چاند دیکھ کر روزہ رکھو (یعنی رمضان کو شروع کرو) اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو (یعنی شوال کو شروع کرو) پھر اگر تم پر موسم اَبر آلود ہوجائے (جس کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے) تو تم پر تعداد غائب نہیں ہوئی (یعنی تم کو تیس دن پورے کرنا مشکل نہیں) (ترجمہ ختم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے روزوں کو شعبان کا مہینہ ختم ہونے کے بعد رمضان کا مہینہ شروع ہونے پر مقرر فرمایا ہے، اور رمضان کے مہینے کے شروع ہونے کی پوری وضاحت بھی اس طرح فرمادی ہے کہ ایک تو یہ قاعدہ مقرر فرمادیا کہ اسلامی مہینہ کبھی انتیس دن کا اور کبھی تیس دن کا ہوتا ہے، نہ تیس سے زیادہ ہوتا، اور نہ انتیس سے کم، اور اسلامی مہینہ کے انتیس دن گزرنے کے بعد غروب ہونے پر (تیسویں رات میں) چاند کی معتبر رؤیت ہونے پر اگلے مہینے کا آغاز ہوتا ہے، ورنہ بصورتِ دیگر تیس دنوں کی تعداد پوری کی جاتی ہے۔

پھر رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا مہینہ شروع ہونے، بلکہ شعبان کے اختتام سے پہلے ہی رجب کا مہینہ ختم ہونے کے وقت شعبان کے آغاز پر چاند کی حفاظت کے اہتمام کا حکم فرمادیا، تاکہ شعبان کے مہینہ کے دنوں کی تعداد اور رمضان کے مہینے کا چاند دیکھنے اور رمضان کے مہینے کے دنوں کی تعداد اور پھر شوال کا چاند دیکھنے یا شوال کے مہینے کے آغاز میں دشواری پیدا نہ ہو۔

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ یہ طریقہ انتہائی منظّم و مستحکم ہے، جس پر عمل کرنے سے ہر قسم کے فتنوں اور دشواریوں سے حفاظت ہوجاتی ہے۔

پس اگر رمضان کے انتیس دن پورے ہونے پر چاند کی معتبر رؤیت ہوجائے، تو شوال کے مہینے کا آغاز سمجھا جائے گا، ورنہ تیس دن پورے کئے جائیں گے۔

مگر یہ اس وقت ہے کہ جب کہ پہلے سے (شعبان و رمضان) کے مہینوں کا آغاز شرعی قواعد کے مطابق ہوا ہو۔

اور شرعی قواعد کو نظر انداز کر کے اپنی طرف سے تعداد پوری کر لینے کا اعتبار نہیں۔

اور اسی وجہ سے جس طرح شوال کا چاند دیکھنے کی کوشش کرنا ضروری ہے، اسی طرح اس سے پہلے شعبان اور رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔

اگر کوئی بھی کوشش نہ کرے گا تو سب گناہ گار ہوں گے۔ [1]

---

[1] (قوله ويجب التماس الهلال إلخ) هو واجب على الكفاية .ا هـ .فتح (حاشية الشِّلْبِي على تبيين الحقائق، ج ا ص١٣١٧، كتاب الصوم)

(قَوْلُهُ وَيَنْبَغِي لِلنَّاسِ أَنْ يَلْتَمِسُوا الْهِلَالَ فِي الْيَوْمِ التَّاسِعِ وَالْعِشْرِينَ مِنْ شَعْبَانَ) أَيْ يَجِبُ وَكَذَا يَنْبَغِي أَنْ يَلْتَمِسُوا هِلَالَ شَعْبَانَ أَيْضًا فِي حَقِّ إتْمَامِ الْعِدَّةِ (الجوهرة النيرة، ج ا ص١٣٧، كِتَابُ الصَّوْمِ)

يجب أن يلتمس الناس الهلال فى التاسع والعشرين من شعبان وقت الغروب فإن رأوه صاموه وإن غم أكملوه ثلاثين يوما كذا فى الاختيار شرح المختار وكذا ينبغى أن يلتمسوا هلال شعبان أيضا فى حق إتمام العدد (الفتاوى الهندية، ج ا ص١٩٧، كتاب الصوم، الباب الثانى فى رؤية الهلال)

ويلتمس هلال شوال فى التاسع والعشرين من رمضان (المختار للفتوىٰ مع شرحه الاختيار لتعليل المختار، ج ا ص١٣٠، كتاب الصوم)

اوراس کی وجہ یہی ہے کہ انتیسو اں دن گزرنے کے بعد چاند نظر آنے پر اگلے مہینے کا آغاز، اور بصورتِ دیگر تیس دنوں کی تعداد پر عمل اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک پہلے مہینے کا آغاز شریعت کے قاعدے پر نہ ہو۔

مگر افسوس ہے کہ آج کل بہت سے لوگ شعبان کا چاند دیکھنے کا ذرا اہتمام نہیں کرتے، اور پھر انتیس یا تیس شعبان ہی کو یکم رمضان قرار دے کر رمضان کے روزے شروع کر دیتے ہیں، اور پھر اس کے بعد انتیس یا تیس رمضان کو عید بھی منا لیتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

احادیث میں کیونکہ چاند کی رؤیت کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہوا کہ قمری مہینے کے شروع اور ختم ہونے کا معیار فلکیات وغیرہ کے حساب پر نہیں بلکہ رؤیت پر ہے، جبکہ وہ معتبر اور صحیح ہو اور رؤیت یا تو انتیس دن کے بعد ہوتی ہے یا پھر تیس دن مکمل ہونے پر شرعاً معتبر سمجھی جاتی ہے، اس لئے شرعاً مہینے کے ثبوت کے لئے اصل اعتماد رؤیتِ ہلال پر ہوگا، البتہ فلکی حسابات اور فلکی رصد گاہوں سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے، تا کہ احادیثِ نبوی پر بھی عمل ہو، اور سائنسی حقائق کی بھی رعایت ہو سکے (جدید فقہ اکیڈمی کی قراردادیں اور سفارشات صفحہ ۴۹)

فلکیات کے فن سے اس میں اتنی مدد تو لی جاسکتی ہے کہ آج چاند ہونے کا امکان ہے یا نہیں، لیکن جب تک رؤیت کے ذریعے چاند ہونے کا ثبوت نہ ہو جائے، محض فلکیات کے حساب سے چاند ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا (آپ کے مسائل اور ان کا حل، جلد سوم، صفحہ ۲۶۱)

شوال کے چاند کا معاملہ انتہائی نازک ہے، اگر شرعی قواعد کے مطابق انتیس دن گزرنے کے بعد کوئی چاند دیکھنے کی گواہی دے، اور موسم بھی صاف ہو، تو اتنی بڑی مختلف لوگوں کی تعداد کی گواہی ضروری ہے کہ جس سے قاضی یا مجاز حاکم کو اطمینان حاصل ہو جائے۔ [1]

---

[1] وأما الثانی :وهو بيان ما يعرف به وقته، فإن كانت السماء مصحية يعرف برؤية الهلال، وإن كانت متغيمة يعرف بإكمال شعبان ثلاثين يوما، لقول النبی -صلى الله عليه وسلم :-صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته فإن غم عليكم فأكملوا شعبان ثلاثين يوما ثم صوموا .

وكذلک إن غم على الناس هلال شوال أكملوا عدة رمضان ثلاثين يوما، لأن الأصل بقاء الشهر وكماله، فلا يترک هذا الأصل إلا بيقين على الأصل المعهود، أن ما ثبت بيقين لا يزول إلا بيقين

مثلہ، فإن كانت السماء مصحية ورأى الناس الهلال صاموا وإن شهد واحد برؤية الهلال لا تقبل شهادته ما لم تشهد جماعة يقع العلم للقاضي بشهادتهم، في ظاهر الرواية ولم يقدر في ذلك تقديرا (بدائع الصنائع، ج۲ ص ۸۰، كتاب الصوم، فصل شرائط انواع الصيام)

یاد رہے کہ رمضان کے علاوہ شوال اور دوسرے ہلالوں کے متعلق شہادت ضروری ہے، اور شہادت کے لئے قاضی (جج) کے روبرو گواہی دینا ضروری ہے، اور قاضی کا فیصلہ ہی اُس کی حدودِ ولایت میں عوام وعلماء تمام رعایا پر (جس میں حاکم کے خلاف فیصلہ واعلان کرنے اور گواہی دینے والے حضرات بھی داخل وشامل ہیں) حجتِ ملزمہ ہے۔

اس کے مقابلہ میں کسی دوسرے کا شہادت سُننا اور اعلان کرنا خبر کی حیثیت رکھتا ہے، جو حجتِ ملزمہ نہیں اور ایسا کرنا شرعاً جائز بھی نہیں، قاضی کے لیے صاحبِ حکومت ہونا قضاء کا رُکن ہے اور صاحبِ حکومت مسلمان قاضی کے مقابلے میں دوسروں کے فیصلے کو قضاء کا درجہ نہیں دیا جاسکتا (کمافی حاشیۃ امداد الاحکام جلد۴ صفحہ ۹۴)

بدائع الصنائع میں ہے کہ:

الشهادة لاتصير حجة ملزمة الا بقضاء القاضي فتختص بمجلس القضاء (بدائع الصنائع ج۶ ص ۲۷۷، كتاب الشهادت، فصل في شرائط ركن الشهادة)

مبسوط سرخسی میں ہے کہ:

الشهادة لم تكن ملزمة بدون القضاء (المبسوط ج۱۰ ص ۱۷۸، كتاب الاستحسان)

حاشیہ تبیین الحقائق للشرنبلالیۃ میں ہے کہ:

اما الشهادة في غير مجلس القاضي غير ملزمة كذا قاله قاضيخان (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق ج۴ ص ۲۱۴، كتاب الشهادت، باب مايشترط للشهادة)

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

شہادت معتبر ہونے کے لیے مجلسِ قضا بھی شرط ہے (امداد الاحکام جلد۴ صفحہ ۶۵، کتاب الدعویٰ والشھادات والقضاء)

رمضان اور عیدین وغیرہ کا معاملہ چونکہ ایک اجتماعی حیثیت رکھتا ہے جس میں انتظامی مضبوطی اور فیصلے کی بھی ضرورت ہے۔

لہٰذا شریعت نے مسلمان حاکم یا قاضی (یا اس کے قائم مقام) کو چاند کی گواہی لینے کے بعد شرعی اصولوں کے مطابق فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے پس جہاں اس کا انتظام ہو وہاں اس کے فیصلے کو ہی اجتماعی اعتبار سے معیار قرار دیا جائے گا (مگر یہ کہ وہ فیصلہ ہی شرعی اصولوں کے خلاف ہو، جس کی تحقیق اہلِ علم حضرات کا کام ہے)

آج کل پاکستان میں ''مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی'' کو یہ ذمہ داری سپرد کی گئی ہے (اور اہلِ علم حضرات کے فتوے کی رو سے عموماً اس کمیٹی کا فیصلہ شرعی اصولوں کے مطابق ہوتا ہے) **پاکستان کی موجودہ**

مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی جو رمضان وعیدین اور دیگر قمری مہینوں کے چاند کے نظر آنے کا فیصلہ کرتی ہے، اس کی حیثیت قضاءِ قاضی کی ہے جو ملک کے باشندگان کے لئے حجتِ شرعیہ ہے، اس لئے اس کے برخلاف باشندگانِ ملک کا انفراداً یا کسی متوازی کمیٹی کے فیصلے کی بنیاد پر چاند کی رؤیت کا عمومی فیصلہ صادر کرنا بالخصوص عید کروا کر روزہ چھڑانا درست نہیں ہے۔ [1]

---

[1] حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(۱)......رؤیتِ ہلال کمیٹی اہلِ علم پر مشتمل ہے، یہ حضرات ثبوتِ رؤیت کے مسائل ہم سے تو بہر حال زیادہ ہی جانتے ہیں، اس لیے ہمیں ان پر اعتماد کرنا چاہیے (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد سوم، صفحہ ۲۵۶)

(۲)...... جہاں تک مجھے معلوم ہے رؤیتِ ہلال کا فیصلہ شرعی قواعد کے مطابق ہوتا ہے، اور یہ پورے ملک کے لیے واجبُ العمل ہے، اور جب تک یہ کام لائق اعتماد ہاتھوں میں رہے اور وہ شرعی قواعد کے مطابق فیصلے کریں، ان کے اعلان کے مطابق عمل لازم ہے (ایضاً صفحہ ۲۵۷)

(۳)......مردان وغیرہ علاقوں میں ایک دو دن پہلے رؤیت کیسے ہو جاتی ہے؟

یہ معمہ ہماری سمجھ میں بھی نہیں آیا؛ بہر حال جب ملک میں رؤیتِ ہلال کمیٹی مقرر ہے اور سرکاری طور پر مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کو چاند ہونے یا نہ ہونے کے فیصلے کا اختیار دیا گیا ہے، تو مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلے کے خلاف کسی عالم کا فیصلہ شرعاً حجت ملزمہ نہیں، اس لیے ان علاقوں کے لوگوں کا فرض ہے کہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلے کی پابندی کریں اور ان علاقوں میں چاند نظر آ جائے تو باضابطہ شہادت مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی یا اس کے نامزد کردہ نمائندہ کے سامنے پیش کر کے اس کے فیصلے کی پابندی کریں (ایضاً ۲۵۷)

ملحوظ رہے کہ اگر کسی نے رمضان کا چاند دیکھا مگر اس کی گواہی قاضی یا مجاز حاکم نے قبول نہیں کی تھی اور اب اس کے حساب سے اکتیسواں روزہ ہے تو وہ اکتیسواں روزہ رکھے گا اور حاکم کے فیصلے کے مطابق دوسروں کے ساتھ ہی عید کرے گا۔

اسی طرح اگر کسی نے انتیس رمضان کو عید کا چاند دیکھا لیکن اس کی گواہی کسی شرعی وجہ سے قبول نہیں کی گئی تو اس کو دوسروں کے ساتھ تیس تاریخ کا روزہ رکھنا پڑے گا۔ [2]

[2] اگر ایک شخص کا رمضان مثلاً سعودی عرب میں موجود ہوتے ہوئے شروع ہوا، اور رمضان کے درمیان وہ شخص مثلاً پاکستان یا ہندوستان میں آ گیا۔

اور سعودی عرب میں رمضان کا آغاز ایک یا دو دن پہلے ہو چکا تھا، اب یہاں پر آنے کے بعد یہاں والوں کے ساتھ روزے رکھے گا (خواہ اس کے روزے اکتیس ہو جائیں) اور فاضل روزے نفلی شمار ہونگے۔ اگر کوئی اس کے برعکس رمضان میں سعودی عرب چلا گیا تو وہ وہاں کے اعتبار سے عید کرے گا اور باقی ماندہ روزہ کی بعد میں قضاء بھی کرے گا (احسن

الفتاویٰ، ج۴ص۴۳۳؛ خیر الفتاوی ج۴ص۴۵؛ آپ کے مسائل اوران کا حل ج۳ص۳۲۷)

(رأى) مكلف (هلال رمضان أو الفطر ورد قوله) بدليل شرعى (صام) مطلقا وجوبا وقيل ندبا (فإن أفطر قضى فقط) فيهما لشبهة الرد(الدرالمختار)

(قوله رأى مكلف) أى مسلم بالغ عاقل ولو فاسقا كما فى البحر عن الظهيرية، فلا يجب عليه لو صبيا أو مجنونا، وشمل ما لو كان الرائى إماما فلا يأمر الناس بالصوم، ولا بالفطر إذا رآه وحده ويصوم هو كما فى الإمداد، وأفاد الخير الرملى أنه لو كانوا جماعة وردت شهادتهم لعدم تكامل الجمع العظيم فالحكم فيهم كذلك (قوله :بدليل شرعى) هو إما فسقه أو غلطه نهر وفى القهستانى بفسقه لو السماء متغيمة أو تفرده لو كانت مصحية (قوله :صام) أى صوما شرعيا؛ لأنه المراد حيث أطلق شرعا، ويدل عليه ما بعده وفيه إشارة إلى رد قول الفقيه أبى جعفر إن معناه فى هلال الفطر لا يأكل ولا يشرب، ولكن ينبغى أن يفسده؛ لأنه يوم عيد عنده وإلى رد قول بعض مشايخنا من أنه يفطر فيه سرا كما فى البحر وإليه أشار الشارح بقوله :مطلقا أى فى هلال رمضان والفطر.(تنبيه) : لو صام رائى هلال رمضان وأكمل العدة لم يفطر إلا مع الإمام لقوله -عليه الصلاة والسلام -صومكم يوم تصومون وفطركم يوم تفطرون رواه الترمذى وغيره والناس لم يفطروا فى مثل هذا اليوم فوجب أن لا يفطر نهر.(قوله وجوبا وقيل ندبا) قال فى البدائع المحققون قالوا :لا رواية فى وجوب الصوم عليه، وإنما الرواية أنه يصوم وهو محمول على الندب احتياطا .اهـ.

قال فى التحفة :يجب عليه الصوم .وفى المبسوط عليه صوم ذلك اليوم وهو ظاهر استدلالهم فى هلال رمضان بقوله تعالى (فمن شهد منكم الشهر فليصمه) (البقرة:۱۸۵) وفى العيد بالاحتياط نهر وما فى البدائع مخالف لما فى أكثر المعتبرات من التصريح بالوجوب نوح.

قلت :والظاهر أن المراد بالوجوب المصطلح لا الفرض؛ لأن كونه من رمضان ليس قطعيا ولذا ساغ القول بندب صومه وسقطت الكفارة بفطره ولو كان قطعيا للزم الناس صومه .على أن الحسن وابن سيرين وعطاء قالوا لا يصوم إلا مع الإمام كما نقله فى البحر فافهم (قوله :قضى فقط) أى بلا كفارة (قوله :لشبهة الرد) علة لما تضمنه قوله فقط من عدم لزوم الكفارة أى أن القاضى لما رد قوله بدليل شرعى أورث شبهة وهذه الكفارة تندرء بالشبهات هداية، ولا يخفى أن هذه علة لسقوط الكفارة فى هلال رمضان .أما فى هلال الفطر فلكونه يوم عيد عنده كما فى النهر وغيره وكأنه تركه لظهوره(ردالمحتار، ج۲ص۳۴۸، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان)

چاند کے بڑا دکھائی دینے یا دیر تک باقی رہنے کی حیثیت

حضرت ابوالبختری سے روایت ہے کہ:

خَرَجْنَا لِلْعُمْرَةِ، فَلَمَّا نَزَلْنَا بِبَطْنِ نَخْلَةَ قَالَ:تَرَاءَيْنَا الْهِلَالَ، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ:هُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ، وَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ:هُوَ ابْنُ لَيْلَتَيْنِ، قَالَ: لَقِيْنَا ابْنَ عَبَّاسٍ، فَقُلْنَا:إِنَّا رَأَيْنَا الْهِلَالَ، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ:هُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ، وَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ:هُوَ ابْنُ لَيْلَتَيْنِ، فَقَالَ:أَيَّ لَيْلَةٍ رَأَيْتُمُوهُ؟

قَالَ فَقُلْنَا: لَيْلَةَ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ مَدَّهُ لِلرُّؤْيَةِ، فَهُوَ لِلَيْلَةٍ رَأَيْتُمُوهُ (مسلم) [1]

[1] حدیث نمبر ۱۰۸۸، کتاب الصیام، باب بیان أنه لا اعتبار بکبر الهلال وصغره، وأن الله تعالى أمده للرؤية فإن غم فليكمل ثلاثون، داراحیاء التراث العربی، بیروت.

ترجمہ: ہم عمرہ کے لئے نکلے، پس جب ہم وادئ نخلہ میں آئے، تو ہمیں چاند دکھائی دیا، تو بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تیسری رات کا چاند ہے، اور بعض نے کہا کہ دوسری رات کا چاند ہے، پھر ہماری حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، ہم نے ان سے عرض کیا کہ ہم نے چاند دیکھا تھا، بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تیسری رات کا چاند ہے، اور بعض لوگوں نے کہا کہ دوسری رات کا چاند ہے، تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے معلوم کیا کہ تم نے کس رات میں چاند دیکھا تھا؟ تو ہم نے کہا کہ فلاں فلاں رات میں دیکھا تھا، تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس (چاند) کو دیکھنے کے لئے لمبا کر دیا، پس وہ اسی رات کا ہے جس میں تم نے دیکھا ہے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ پہلی رات کے چاند کو بعض اوقات اللہ تعالیٰ دیکھنے کے لئے زیادہ وقت تک ظاہر فرماتے ہیں۔

لٰہذا چاند کے کچھ بڑا نظر آنے یا کچھ دیر تک باقی رہنے کی صورت میں اس پر دوسری یا تیسری رات کے چاند کا حکم لگانا درست نہیں۔

نیز اس حدیث میں رات کے وقت چاند دیکھنے کی قید ہے، جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہینے کے آغاز کی بنیاد رات کو (یعنی سورج کے غروب ہونے کے بعد) چاند دیکھنے پر ہے، دن میں دیکھنے پر نہیں، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

[1] واستفيد منه قوله لليلة رأيتموه أن لا عبرة برؤية الهلال قبل الغروب، وإنه لو رؤى ليلة ثلاثين شعبان أو رمضان نهارا قبل الزوال أو بعده لم يحكم لليلة الماضية ولا المستقبلة، فلا يفطره من

رمضان ولا يمسكه من شعبان، بل إن رؤى بعد الغروب حكم به للمستقبلة، وإلا فلا للخبر السابق: "صوموا لرؤيته (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۳۸۰، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ اِنْتِفَاخُ الْأَهِلَّةِ، حَتّٰى يُرَى الْهِلَالُ لِلَيْلَتِهِ، فَيُقَالُ: هُوَ لِلَيْلَتَيْنِ (المعجم الاوسط للطبرانی) [۲]

[۲] حدیث نمبر ۲۸۶۴، دار الحرمین، القاهرة، واللفظ لهٗ، المعجم الصغير للطبرانی، حديث نمبر ۸۷۷، مسند الشاميين للطبرانی، حديث نمبر ۳۳۵۶.

قال الالبانی: الحديث صحيح عندی على كل حال، فإن له شواهد تقويه (السلسلة الصحيحة للالبانی، تحت حديث رقم ۲۲۹۲)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی چاند کا بڑا دِکھائی دینا ہے، یہاں تک کہ چاند اسی رات کا نظر آئے گا، مگر یہ کہا جائے گا کہ وہ دو راتوں کا ہے (ترجمہ ختم)

اس قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [۳]

---

[۳] عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِنِ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ انْتِفَاخُ الْأَهِلَّةِ (المعجم الكبير للطبرانی، حديث نمبر ۱۰۴۵۱)

عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنِ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ انْتِفَاخُ الْأَهِلَّةِ (الكامل لابن عدی، ج۵ص ۵۱۳، تحت ترجمة عبدالرحمن بن واقد ابومسلم الواقدی)

عن أبی الوداك، عن أبی سعيد الخدری، قال: من اقتراب الساعة انتفاخ الأهلة, يراه الرجل لليلة يحسبه لليلتين (السنن الواردة فی الفتن للدانی، حديث نمبر ۳۹۷)

عن أنس بن مالك، -رفعه إلى النبی صلى الله عليه وسلم- قال: من اقتراب الساعة أن يرى الهلال قبلا، فيقال: لليلتين، وأن تتخذ المساجد طرقا، وأن يظهر موت الفجاءة لم يرو هذا الحديث عن العباس بن ذريح إلا شريك، تفرد به عبد الكبير بن المعافی (المعجم الاوسط للطبرانی، حديث نمبر ۹۳۷۶)

خلاصہ یہ کہ چاند کے بڑا دکھائی دینے یا دیر تک نظر آنے پر اس کو دوسری یا تیسری رات کا چاند قرار دینا درست نہیں۔

اور آج کل بعض لوگ جو چاند کو دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ چاند بہت بڑا ہے کل کا معلوم ہوتا ہے۔

ایسا کہنا شریعت کی نظر میں بُرا ہے۔

چاند نظر آنے کا اعتبار غروب کے بعد ہے، نہ کہ دن میں

دن کے وقت (یعنی صبح صادق کے بعد سے لے کر سورج غروب ہونے سے پہلے تک) چاند نظر آنے کا اعتبار نہیں، بلکہ سورج غروب ہونے کے بعد ہی نظر آنے کا اعتبار ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

أَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمًا صُبْحَ ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا فَرَأٰى هِلَالَ شَوَّالٍ نَهَارًا فَلَمْ يُفْطِرْ حَتّٰى أَمْسٰى(سنن الدارقطنی) [1]

[1] حدیث نمبر ۲۲۱۹، کتاب الصیام، باب الشهادة علی رؤیة الهلال، مؤسسة الرسالة، بیروت.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (رمضان کے) تیسویں دن کا روزہ رکھ کر صبح کی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن میں شوال کا چاند دیکھا، تو شام ہونے تک روزہ افطار نہیں کیا (ترجمہ ختم)

اور امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

أَنَّ الْهِلَالَ رُئِيَ فِيْ زَمَانِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ بِالْعَشِيِّ، فَلَمْ يُفْطِرْ عُثْمَانُ حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ(معرفة السنن والآثار للبیهقی) [2]

[2] حدیث نمبر ۸۶۱۶، کتاب الصیام، باب الهلال یری بالنهار، دارالوفاء، قاهرة.

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں زوال کے بعد چاند دیکھا گیا، تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے روزہ افطار نہیں کیا، جب تک کہ سورج غروب نہیں ہوگیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبدالرحمٰن بن حرملہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّاسَ رَأَوْا هِلَالَ الْفِطْرِ حِيْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ ، فَأَفْطَرَ بَعْضُهُمْ ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، فَقَالَ: رَآهُ النَّاسُ فِيْ زَمَنِ

عُثْمَانَ فَأَفْطَرَ بَعْضُهُمْ ، فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ: أَمَّا أَنَا فَمُتِمٌّ صِيَامِيْ إِلَى اللَّيْلِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) ؎۱

؎۱ حدیث نمبر ۹۵۴۵، کتاب الصیام، باب فِی الْهِلاَلِ یُرَی نَهَارًا ، أَیُفْطِرُ أَمْ لاَ ؟

ترجمہ: لوگوں نے زوال کے بعد عید الفطر کا چاند دیکھ لیا، تو بعض لوگوں نے روزہ افطار کرلیا، میں نے اس بات کا حضرت سعید بن مسیّب سے ذکر کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (دن میں) چاند دیکھا تھا، پھر بعض لوگوں نے روزہ افطار کرلیا تھا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں تو اپنے روزہ کو رات تک پورا کروں گا (ترجمہ ختم)

اور حضرت یحییٰ بن ابی اسحاق فرماتے ہیں کہ:

رَأَيْتُ الْهِلَالَ ، هِلَالَ الْفِطْرِ قَرِيْبًا مِّنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ ، فَأَفْطَرَ نَاسٌ ، فَأَتَيْنَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ ، فَذَكَرْنَا لَهُ رُؤْيَةَ الْهِلَالِ وَإِفْطَارَ مَنْ أَفْطَرَ ، قَالَ: وَأَمَّا أَنَا فَمُتِمٌّ يَوْمِيْ هٰذَا إِلَى اللَّيْلِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) ؎۲

؎۲ حدیث نمبر ۹۵۴۲، کتاب الصیام، باب فِی الْهِلاَلِ یُرَی نَهَارًا ، أَیُفْطِرُ أَمْ لاَ ؟

ترجمہ: میں نے عید الفطر کا چاند ظہر کی نماز کے قریب دیکھ لیا، تو بعض لوگوں نے روزہ افطار کرلیا، پھر ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور ان سے دن میں چاند دیکھنے کا ذکر کیا، اور جنہوں نے روزہ افطار کیا، ان کا بھی ذکر کیا، تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو اپنے اس دن کا روزہ رات تک پورا کروں گا (ترجمہ ختم)

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ دن میں چاند نظر آنے کا اعتبار نہیں، اور اسی وجہ سے اگر انتیس یا تیس رمضان کو دن میں چاند نظر آ جائے، تو روزہ افطار نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت سالم سے روایت ہے کہ:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ: إِنَّ نَاسًا يُفْطِرُوْنَ إِذَا رَأَوُا الْهِلَالَ نَهَارًا، وَإِنَّهُ لَا

يَصْلُحُ لَكُمْ أَنْ تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ لَيْلًا مِنْ حَيْثُ يُرٰى (سنن البيهقى) ؎1

؎1 حديث نمبر ٧٩٨٧، كتاب الصيام، باب الهلال يرى بالنهار، دارالكتب العلمية، بيروت.

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ (بعض) لوگ دن میں چاند دیکھ کر روزہ افطار کر لیتے ہیں، حالانکہ تمہارے لئے یہ بات درست نہیں کہ تم روزہ افطار کرلو، جب تک کہ تم چاند کو رات کے وقت اس جگہ سے نہ دیکھ لو، جہاں سے چاند نظر آیا کرتا ہے (یعنی مغرب سے) (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

رُاِیَ هِلَالُ شَوَّالٍ نَهَارًا فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ مِنْ حَيْثُ يُرٰى (سنن الدارقطنى) ؎2

؎2 حديث نمبر ٢٢٢٠، كتاب الصيام، باب الشهادة على رؤية الهلال، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، مصنف ابنِ ابى شيبة، حديث نمبر ٩٥٤٣، كتاب الصيام، باب فِى الْهِلالِ يُرَى نَهَارًا، أَيُفْطِرُ أَمْ لاَ ؟

ترجمہ: شوال کا چاند دن میں دیکھ لیا گیا، تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم روزہ افطار کرو، یہاں تک کہ تم چاند کو اس جگہ سے دیکھ لو، جہاں سے نظر آیا کرتا ہے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ أُنَاسًا رَأَوْا هِلَالَ الْفِطْرِ نَهَارًا فَأَتَمَّ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ صِيَامَهٗ إِلَى اللَّيْلِ وَقَالَ: لَا، حَتّٰى يُرٰى مِنْ حَيْثُ يُرٰى بِاللَّيْلِ (سنن البيهقى) ؎3

؎3 حديث نمبر ٧٩٨٦، كتاب الصيام، باب الهلال يرى بالنهار، دارالكتب العلمية، بيروت.

ترجمہ: لوگوں نے عید کا چاند دن میں دیکھ لیا، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا روزہ رات تک پورا کیا، اور فرمایا کہ تم اس دن کے چاند کا اعتبار نہ کرو، جب تک کہ اس کو اس جگہ سے نہ دیکھ لیا جائے، جہاں سے رات کو دیکھا جاتا ہے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ جب تک رات کے وقت اپنے مقام سے چاند نظر نہ آئے، اس وقت تک اس کا اعتبار نہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرعاً مہینہ شروع ہونے کے لئے جس طرح رات کے وقت چاند نظر آنے کا اعتبار ہے، اسی طرح چاند کے اپنے مخصوص مقام سے بھی نظر آنے کا اعتبار ہے۔

اور اسی وجہ سے قاضی یا گواہی قبول کرنے والے مجاز حاکم کو چاند دیکھنے والے سے اس کے نظر آنے کے مقام کا فنی تزکیہ کرنا بھی شریعت کی نظر میں معتبر ہے۔

اور حضرت نافع سے مروی ہے کہ:

أَنَّ هِلَالَ شَوَّالٍ رُئِيَ مِنَ النَّهَارِ وَلَمْ يُفْطِرْ عَبْدُ اللّٰهِ حَتّٰى أَمْسٰى، وَخَرَجُوْا إِلَى الْمُصَلّٰى مِنَ الْغَدِ (الفوائد الشهير بالغيلانيات) [1]

[1] لابی بکر الشافعی، حدیث نمبر ۱۹۹، باب رؤية الهلال لشهر رمضان،دار ابن الجوزی - السعودية / الرياض.

ترجمہ: شوال کا چاند دن میں دیکھ لیا گیا، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے شام ہونے تک روزہ افطار نہیں کیا، اور اگلے دن عید کی نماز کے لئے تشریف لے گئے (ترجمہ ختم)

اور حضرت قاسم بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

إِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ نَهَارًا فَلَا تُفْطِرُوْا، فَإِنَّ مَجْرَاهُ فِي السَّمَآءِ، لَعَلَّهُ أَنْ يَّكُوْنَ أَهَلَّ سَاعَتَئِذٍ (مصنف ابن ابی شيبة) [2]

[2] حديث نمبر ۹۵۴۶، كتاب الصيام، باب فِي الْهِلَالِ يُرَى نَهَارًا، أَيُفْطِرُ أَمْ لَا؟

ترجمہ: جب تم چاند کو دن میں دیکھو، تو روزہ افطار نہ کرو، کیونکہ چاند آسمان میں اپنے چلنے کی جگہ (یعنی اپنے مدار اور اپنی منزل) میں ہوتا ہے، شاید وہ اسی وقت میں پیدا ہوا ہو (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے دن کے وقت چاند دیکھنے کا اعتبار نہیں، اور دن کے وقت چاند نظر آنے کی فنی وجہ یہ ہے کہ چاند اس وقت بھی اپنے مدار میں ہوتا ہے، اور پیدائش کے بعد اس کے نظر آنے کا امکان ہوتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فلکیات کے فن سے بقدرِ ضرورت واقف تھے۔

اور حضرت زبرقان سے مروی ہے کہ:

فَأَتَيْتُ أَبَا وَائِلٍ ، فَقُلْتُ: إِنِّيْ رَأَيْتُ الْهِلَالَ نِصْفَ النَّهَارِ ، فَقَالَ: (أَتِمُّوْا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ) (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

[1] حدیث نمبر ۹۵۴۴، کتاب الصیام، باب فِی الْهِلَالِ يُرَى نَهَارًا ، أَيُفْطِرُ أَمْ لاَ ؟

ترجمہ: میں حضرت ابووائل رحمہ اللہ کے پاس آیا، اور میں نے کہا کہ میں نے چاند کو دوپہر کے وقت میں دیکھ لیا ہے، تو حضرت ابووائل نے فرمایا کہ تم روزہ کو رات تک پورا کرو (ترجمہ ختم)

اور حضرت حسن بن عبیداللہ سے مروی ہے کہ:

رَأَيْتُ الْهِلَالَ قَبْلَ نِصْفِ النَّهَارِ ، فَأَتَيْتُ أَبَا بُرْدَةَ ، فَأَمَرَنِيْ أَنْ أُتِمَّ صَوْمِيْ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [2]

[2] حدیث نمبر ۹۵۵۲، کتاب الصیام، باب فِی الْهِلَالِ يُرَى نَهَارًا ، أَيُفْطِرُ أَمْ لاَ ؟

ترجمہ: میں نے دوپہر سے پہلے چاند دیکھ لیا، تو میں حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، تو انہوں نے مجھے اپنے روزہ کو مکمل کرنے کا حکم فرمایا (ترجمہ ختم)

اور حضرت شقیق سے مروی ہے کہ:

كُنَّا مَعَ عُتْبَةَ بْنِ فَرْقَدٍ السُّلَمِيِّ فِيْ أُنَاسٍ بِالْجَبَلِ، فَرَأَيْنَا هِلَالَ شَوَّالٍ نَهَارًا، فَأَفْطَرْنَا، وَكُتِبَ إِلٰى عُمَرَ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فِيْ ذٰلِكَ، فَكَتَبَ عُمَرُ: اَنَّ الْأَهِلَّةَ بَعْضَهَا أَعْظَمُ مِنْ بَعْضٍ، فَإِذَا أَصْبَحْتُمْ

صِيَامًا، فَلَا تُفْطِرُوا حَتّٰى تُمْسُوا، إِلَّا أَنْ يَشْهَدَ رَجُلَانِ مُسْلِمَانِ يَشْهَدَانِ أَنَّ لا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَنَّهُمَا أَهَلَّاهُ بِالْأَمْسِ عَشِيًّا (تهذيب الآثار للطبری)[1]

[1] حديث نمبر ۱۱۳۰، ج۲ص۷۶۳، مطبعة المدنی -القاهرة.

ترجمہ: ہم حضرت عتبہ بن فرقد سلمی اور چند لوگوں کے ساتھ پہاڑ پر موجود تھے، تو ہم نے شوال کا چاند دن میں دیکھ لیا، اور ہم نے روزہ افطار کرلیا، اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس واقعہ کو تحریر کر کے بھیجا گیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ بعض (مرتبہ کا) چاند بعض (مرتبہ کے) چاند سے بڑا ہوتا ہے، پس جب تم روزہ رکھ کر صبح کرو، تو (دن میں چاند دیکھنے سے) روزہ افطار نہ کرو، یہاں تک کہ شام نہ ہو جائے، مگر یہ کہ دو مسلمان جو اس بات کی گواہی دیتے ہوں کہ ''لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ وان محمدا عبدہٗ ورسولہٗ'' وہ یہ گواہی دیں کہ انہوں نے اس چاند کو گزشتہ شام دیکھا ہے (ترجمہ ختم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ حضرت ابووائل سے بھی مروی ہے۔[2]

[2] عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ :جَاءَ نَا كِتَابُ عُمَرَ وَنَحْنُ بِخَانِقِينَ :إِنَّ الْأَهِلَّةَ بَعْضُهَا أَكْبَرُ مِنْ بَعْضٍ " ,فَإِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ نَهَارًا فَلَا تُفْطِرُوا حَتَّى تُمْسُوا، إِلَّا أَنْ يَشْهَدَ رَجُلَانِ مُسْلِمَانِ أَنَّهُمَا أَهَلَّاهُ بِالْأَمْسِ عَشِيَّةً "(سنن البيهقی، حديث نمبر ۷۹۸۲،واللفظ لهٗ،معرفة السنن والآثار للبيهقی، حديث نمبر ۲۵۹۶،مصنف ابنِ ابی شيبة، حديث نمبر ۹۵۵۳، كتاب الصيام،باب فِي الْهِلَالِ يُرَى نَهَارًا ، أَيُفْطِرُ أَمْ لاَ ؟)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ ہر مہینہ میں چاند کی ایک کیفیت نہیں ہوتی، بلکہ بعض اوقات اس کی عمر زیادہ اور بڑی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس کی ولادت جلدی ہو جاتی ہے، اور اس کے دن میں نظر آنے کا بھی امکان ہوتا ہے، مگر شریعت کی نظر میں دن کے وقت چاند کے نظر آنے کا اعتبار نہیں ہے۔

البتہ اگر گزشتہ شام (مثلاً تیسویں شب) کو نظر آنا معتبر اور ثقہ گواہوں سے ثابت ہو جائے، تو اس کا معاملہ الگ ہے۔[1]

۱ (أو عشية) : في النهاية :العشي ما بعد الزوال إلى المغرب .وفي القاموس :العشي والعشية آخر النهار(مرقاة المفاتيح، ج۶ص ۲۵۱۵، كتاب الجهاد، باب آداب السفر)
قلت وقد يراد بالعشي الليل لمكان العشاء وهي الظلمة وبه فسر قول الشاعر هيفاء عجزاء خريد بالعشي *تضحک عن ذی أشر عذب نقي أراد المبالغة في استحيائها لان الليل قد يعدم فيه الرقباء أي إذا كان ذلک مع عدم هؤلاء فما ظنک بتجردها نهار أو يجوز أن يريد استحياء ها عند المباعلة لانها أكثر ما تكون ليلا (تاج العروس، فصل العين)
والعَشِيُّ والعَشِيَّةُ :آخر النهار، يقال جئته عَشِيَّةً وعَشِيَّةَ، حكى الأخيرة سيبويه(المحكم والمحيط الاعظم لابنِ سيده ، باب العين والشين والواو)

اور حضرت معاذ بن محمد انصاری سے مروی ہے کہ:

سَأَلْتُ الزُّهْرِيَّ عَنْ هِلَالِ شَوَّالٍ إِذَا رُؤِيَ بَاكِرًا قَالَ:سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ يَقُوْلُ:إِنْ رُؤِيَ هِلَالُ شَوَّالٍ بَعْدَ أَنْ طَلَعَ الْفَجْرُ إِلَى الْعَصْرِ أَوْ إِلَى أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَهُوَ مِنَ اللَّيْلَةِ الَّتِيْ تَجِيْءُ(سنن الدارقطنی) ۲

۲ حديث نمبر ۲۲۲۱،كتاب الصيام، باب الشهادة على رؤية الهلال، مؤسسة الرسالة، بيروت.

ترجمہ: میں نے حضرت زہری سے شوال کے چاند کے بارے میں سوال کیا، جب کہ وہ (غروب سے پہلے) جلدی نظر آ جائے،تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت سعید بن مسیّب سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر شوال کا چاند طلوعِ فجر سے عصر تک یا سورج غروب ہونے تک نظر آئے،تو وہ آنے والی رات کا ہوتا ہے(ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ اگر مہینے کے تیسویں دن نظر آئے،تو وہ آنے والی رات کا چاند ہے،اور اگر انتیسویں دن نظر آئے،تو شام ہونے پر نظر آنے کا اعتبار ہوگا۔

اور حضرت ابنِ جریج سے مروی ہے کہ:

كَانَ عَطَاءٌ يَقُوْلُ:إِنْ رُئِيَ هِلَالُ شَوَّالٍ نَهَارًا،فَلَا تُفْطِرُوْا،وَيَتْلُوْ (ثُمَّ أَتِمُّوْا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ) (مصنف ابنِ ابی شیبۃ) ۱

۱ حديث نمبر ۹۵۵۱، كتاب الصيام،باب فِي الْهِلَالِ يُرَى نَهَارًا ، أَيُفْطِرُ أَمْ لَا ؟

ترجمہ: حضرت عطاء یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر شوال کا چاند دن میں نظر آ جائے، تو تم روزہ افطار نہ کرو، اور (دلیل میں یہ آیت) تلاوت فرماتے تھے کہ "ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ" یعنی تم روزہ کو رات تک پورا کرو (ترجمہ ختم)

اس قسم کی احادیث وروایات سے استدلال کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سمیت متعدد فقہائے کرام کا یہ قول ہے کہ دن میں چاند نظر آنے کا اعتبار نہیں، خواہ چاند زوال سے پہلے نظر آئے یا زوال کے بعد، پھر اگر مہینہ کا انتیسواں دن ہے، تو غروب کے بعد چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے گی، اگر نظر آ گیا تو فبہا، ورنہ تیس دن پورے کیے جائیں گے (جیسا کہ شریعت کا اُصول ہے)

اوردلائل کے لحاظ سے یہی راجح ہے، جیسا کہ گزشتہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا۔ [۲]

---

[۲] مطلب فی رؤية الهلال نهارا (قوله :ورؤيته بالنهار لليلة الآتية مطلقا) أى سواء رئى قبل الزوال أو بعده (وقوله على المذهب) : أى الذى هو قول أبى حنيفة ومحمد قال فى البدائع فلا يكون ذلك اليوم من رمضان عندهما وقال أبو يوسف إن كان بعد الزوال فكذلك وإن كان قبله فهو لليلة الماضية ويكون اليوم من رمضان.

وعلى هذا الخلاف هلال شوال فعندهما يكون للمستقبلة مطلقا ويكون اليوم من رمضان وعنده لو قبل الزوال يكون الماضية ويكون اليوم يوم الفطر؛ لأنه لا يرى قبل الزوال عادة إلا أن يكون لليلتين فيجب فى هلال رمضان كون اليوم من رمضان، وفى هلال شوال كونه يوم الفطر، والأصل عندهما أنه لا تعتبر رؤيته نهارا، وإنما العبرة لرؤيته بعد غروب الشمس لقوله -صلى الله عليه وسلم - صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته أمر بالصوم والفطر بعد الرؤية ففيما قاله أبو يوسف مخالفة النص اهـ ملخصا.

وفى الفتح :أوجب الحديث سبق الرؤية على الصوم والفطر، والمفهوم المتبادر منه الرؤية عند عشية آخر كل شهر عند الصحابة والتابعين ومن بعدهم بخلاف ما قبل الزوال من الثلاثين والمختار قولهما اهـ. .... وأما عندهما فلا يكون للماضية مطلقا بل هو للمستقبلة وليس كونه للمستقبلة ثابتا برؤيته نهارا؛ لأنه لا عبرة عندهما برؤيته نهارا وإنما ثبت بإكمال العدة؛ ....
وقد صرحت أئمة المذاهب الأربعة بأن الصحيح أنه لا عبرة برؤية الهلال نهارا وإنما المعتبر رؤيته ليلا وأنه لا عبرة بقول المنجمين (ردالمحتار، ج٢ص ٣٩٢، ٣٩٣، ملخصاً، كتاب الصوم)

يسئلونك عن الأهلة قل هى مواقيت للناس والحج مع قوله تعالى وجعلنا الليل والنهار رأيتين فمحونا آية الليل وجعلنا آية النهار مبصرة لتبتغوا فضلاً من ربكم ولتعلموا عدد السنين والحساب والمراد بآية الليل هى القمر وبآية النهار الشمس الا نور فدل ذلك على ان القمر انما هو آية الليل لا آية النهار فلا عبرة برويته بالنهار وأن كونه مواقيت للناس والحج والصيام وغيرها وعلم عدد

السنین والحساب وغیرھا انما ھو إذا اطلع فی اللیلة لا فی غیرھا الأمر الرابع أن المذھب والمختار وظاھر الروایة علی مافی عامة الکتب الحنفیة ھو عدم عبرة الرویة النھاریة مطلقاً عشیاً کانت أو صباحاً (الفلک الدوار فی رأیة الھلال بالنھار للکنوی، ص ۱۸)

چاند دیکھنے کے وقت کی مسنون دعائیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند دیکھنے کے وقت کی کئی دعائیں منقول ہیں۔

چاند نظر آنے کا وقت دعاء کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے، اس لیے چاند دیکھنے کے وقت ان دعاؤں میں سے کسی بھی دعا کو پڑھ لینا چاہیے۔

اگر عربی میں نہ ہوسکے تو اردو میں ان کا ترجمہ پڑھ لے، یا کوئی اور اسی قسم کی دعاء کرلے۔

چاند دیکھنے کے وقت کی چند مسنون دعائیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱)......اَللّٰھُمَّ أَھِلَّهُ عَلَیْنَا بِالْیُمْنِ وَالْإِیْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰهُ.

ترجمہ: یااللہ! اس چاند کو ہم پر برکت، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ ظاہر فرمایئے (اے چاند) میرا اور تیرا رب اللہ ہی ہے (مسند احمد) [۱]

[۱] حدیث نمبر ۱۳۹۷، مؤسسة الرسالة، بیروت، ترمذی، حدیث نمبر ۳۴۵۱، الدعوات الکبیر للبیھقی، حدیث نمبر ۵۱۸، مسند ابویعلیٰ الموصلی، حدیث نمبر ۶۶۱، مسند عبد بن حمید، حدیث نمبر ۱۰۴. عن طلحة بن عبیداللہ.
حسن لشواھدہ (حاشیة مسند احمد)

(۲)......اَللّٰھُمَّ أَھِلَّهُ عَلَیْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِیْمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ، وَالتَّوْفِیْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی، رَبُّنَا وَرَبُّکَ اللّٰهُ.

ترجمہ: یااللہ! اس چاند کو ہم پر امن اور ایمان، اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ اور اس چیز کی توفیق کے ساتھ جسے آپ پسند کرتے ہیں، اور آپ راضی ہوتے ہیں، ظاہر فرمایئے (اے چاند) ہمارا اور آپ کا رب اللہ ہی ہے (صحیح ابنِ حبان) [۱]

[۱] حدیث نمبر ۸۸۸، ج۳ص ۱۷۱، باب الادعیة، عن ابنِ عمر، مؤسسة الرسالة، بیروت.

قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح لغیرہ (حاشیۃ صحیح ابنِ حبان)

(۳)...... اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذَا الشَّھْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ الْقَدْرِ وَمِنْ سُوْٓءِ الْحَشْرِ.

ترجمہ: اللہ سب سے بڑا ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اللہ کے علاوہ کوئی طاقت اور قدرت نہیں ہے، اے اللہ میں آپ سے اس مہینہ کی خیر اور بھلائی کو چاہتا ہوں اور تقدیر کے شر سے اور قیامت کے دن کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں (مسند احمد) [۲]

---

[۲] حدیث نمبر ۲۲۷۹۱، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، واللفظ لہٗ، مصنف ابنِ ابی شیبۃ، حدیث نمبر ۹۸۲۰، السنۃ لابنِ ابی عاصم حدیث نمبر ۳۸۷. عن عبادۃ بن الصامت .

قال الالبانی:

وهذا إسناد رجاله كلهم ثقات رجال الشيخين ؛ غير تابعيه ؛ فإنه لم يسم ، فهو مجهول ، غير أن الراوی عنه ذكر أنه غير متهم عنده ، والله أعلم (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ للالبانی حدیث نمبر ۳۵۰۲)

(۴)...... ھِلَالُ خَیْرٍ وَرُشْدٍ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ ھٰذَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ ھٰذَا الشَّھْرِ وَخَیْرِ الْقَدْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ .

ترجمہ: یہ خیر اور ہدایت کا چاند ہے، اے اللہ! بے شک میں تجھ سے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! بے شک میں تجھ سے اس مہینے اور تقدیر کی خیر کا سوال کرتا ہوں، اور تقدیر کے شر سے پناہ چاہتا ہوں (المعجم الکبیر للطبرانی) [۱]

[۱] حدیث نمبر ۴۴۰۹، عن رافع بن خدیج. مکتبۃ ابنِ تیمیۃ، القاھرۃ.

قال الھیثمی:

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ (مَجْمَعُ الزَّوَائِدِ ج۱۰ ص ۱۳۹، باب ما یقول إذا رأی الھلال)

یہ دعا تین مرتبہ پڑھے تو بہتر ہے۔

اور بعض اہلِ علم حضرات نے عید کا چاند نظر آنے کے بعد سے لے کر رات میں حسبِ موقع تکبیر کہنے کو مستحب قرار دیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چاند نظر آنے پر شریعت نے دعا و ذکر کی تعلیم دی ہے۔

مگر آج کل بعض لوگ چاند نظر آنے (یا چاند کا اعلان ہونے پر) مسنون دعاؤں کے بجائے آتش بازی یا اسلحہ سے چاند کا اعلان یا خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔

یہ طرزِ عمل گناہ ہے۔

نیز چاند دیکھتے وقت بلا ضرورت اس کی طرف اشارہ کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ یہ زمانۂ جاہلیت کے عمل کے مشابہ ہے۔ [۲]

[۲] وتكره الإشارة إلى الهلال عند رؤيتها (المحيط البرهانی، ج۵ص۴۰۷، کتاب الاستحسان والکراهية ،الفصل الثانی والثلاثون فی المتفرقات)

ويكره الإشارة إلى الهلال عند رؤيته لأنه من عادة الجاهلية كانوا يفعلونه تعظيما له .أما إذا أشار إليه ليريه صاحبه فلا بأس به (الاختيار لتعليل المختار، ج۴ص۱۷۹، کتاب الکراهية)

وتكره الإشارة عند رؤية الهلال تحرزا عن التشبه بأهل الجاهلية (البحرالرائق، ج۲ص۲۸۴، کتاب الصوم)

وتكره الإشارة إلى الهلال عند رؤيته لأنه فعل أهل الجاهلية .ا هـ .فتح (حاشية الشلبی على التبيين الحقائق، ج۱ص۳۲۲، باب مایفسد الصوم ومالا یفسد)

عیدُ الفطر کے فضائل واحکام

شوال کے مہینہ کے پہلے دن کا آغاز ''عیدالفطر'' کے ساتھ ہوتا ہے، اور ''عیدالفطر'' دو لفظوں کا مجموعہ ہے:

(۱)......عید (۲)......الفطر

اور عیدالفطر کے جملہ میں عید کی نسبت فطر کی طرف ہو رہی ہے۔

فطر کے معنٰی ''افطار کرنے'' کے ہیں جس سے یہاں مراد روزوں کی فرضیت کے بعد افطار یعنی روزے نہ رکھنے کی اجازت مل جانا ہے کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں جو روزے رکھنے کی پابندی تھی وہ شوال کے آغاز پر ختم ہو جاتی ہے۔

''عید'' عربی کا لفظ ہے، جس کے عربی میں کئی معنٰی آتے ہیں۔ایک معنٰی خوشی کے ہیں اور کیونکہ عیدین کے دِنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشی کا موقع حاصل ہوتا ہے اس لئے اس کو عید کہا جاتا ہے۔اور عید کے ایک معنٰی لوٹ کر آنے والی چیز کے ہیں، اور کیونکہ عیدین کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر سال بندوں پر مختلف قسم کے احسانات لوٹ کر آتے ہیں مثلاً روزے میں کھانے پینے کی ممانعت کے بعد افطار کی اجازت، صدقۂ فطر، بڑی عید پر حج کی عبادت اور قربانی کا گوشت وغیرہ اس لئے ان تہواروں کا نام عید رکھا گیا۔

اس کے علاوہ اور وجوہات بھی عید کا نام رکھنے کی بیان کی گئی ہیں۔ [۱]

---

[۱] أی :الفطر والأضحی .قیل :إنما سمی العید عیدا لأنه یعود کل سنة، وهو مشتق من العود، فقلبت الواو یاء لسکونها وانکسار ما قبلها .وفی الأزهار :کل اجتماع للسرور، فهو عند العرب عید لعود السرور بعوده .وقیل :لأن الله تعالی یعود علی العباد بالمغفرة والرحمة، ولذا قیل :لیس العید لمن لبس الجدید، إنما العید لمن أمن الوعید، وجمعه أعیاد وإن کان أصله الواو لا الیاء للزومها فی الواحد، أو للفرق بینه وبین أعواد الخشب(مرقاة المفاتیح، ج۳ص۱۰۶۰،باب صلاة العیدین)

سمی العید بهذا الاسم لأن لله تعالٰی فیه عوائد الاحسان ای انواع الاحسان العائدة علی عباده فی کل عام : منها الفطر بعد المنع عن الطعام وصدقة الفطر واتمام الحج بطواف الزیارة ولحوم

الاضاحي وغير ذلک ، ولان العادة فيه الفرح والسرور والنشاط والحبور غالباً بسبب ذلک . اوتفاؤلا اى بعوده على من ادركه كما سميت القافلة قافلة تفاؤلا بقفولها أى رجوعها بحر(ردالمحتار ج ۲ ص ۱۶۵ و ۱۶۶ ،باب العيدين)

سمي العيد عيدا لأنه يعود ويتكرر لأوقاته وقيل يعود به الفرح على الناس وكلاهما متقارب المعنى وقيل تفاؤلا لأن يعود ثانية على الإنسان(مشارق الانوار على صحاح الآثار، ج۲ص۱۰۵ ، حرف العين،مادة ع و د)

ہر قوم اور ملّت میں سال کے کچھ دن خوشی کا جشن منانے کے لئے مقرر ہوتے ہیں، جنہیں عام بول چال میں تہوار کہا جاتا ہے، تہوار منانے کے لئے ہر قوم کا مزاج ومذاق، انداز اور طور طریقے مختلف ہوسکتے ہیں، لیکن ان سب میں ایک بات مشترک طور پر پائی جاتی ہے اور وہ ’’خوشی منانا‘‘ ہے۔

اسلام میں بھی سال میں دو دن اس غرض کے لئے دوسری قوموں سے علیحدہ عبادت کے طور پر مقرر کئے گئے ہیں۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس وقت شروع ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے ، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دونوں تہواروں کا سلسلہ بھی اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا، فَقَالَ:مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ؟ قَالُوْا: كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا:يَوْمَ الْأَضْحٰى، وَيَوْمَ الْفِطْرِ (ابوداؤد) [1]

[1] حديث نمبر ۱۱۳۴ ،كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، المكتبة العصرية، بيروت، واللفظ لهٗ، سنن نسائي، حديث نمبر ۱۵۵۶ ، مسنداحمد، حديث نمبر ۱۲۸۲۷ .

في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين من جهة يزيد بن هارون، وأما متابعه سهل بن يوسف، فمن رجال البخارى وأصحاب السنن.

ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ منورہ تشریف

لائے تو مدینے کے لوگ (جن میں بہت سے لوگ پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکے تھے) دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ دو دن کیا ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم جاہلیت میں (اسلام سے پہلے) ان دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے (بس وہی رواج اب تک چل رہا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اِن دو دنوں کے بدلے میں اِن سے بہتر دو دن عطا فرما دیئے ہیں (اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) ایک عید الاضحیٰ کا دن، اور دوسرا عید الفطر کا دن (ترجمہ ختم)

وہ دو دن جن میں مدینہ کے لوگ کھیل کود کیا کرتے تھے ان کے نام "نیروز" اور "مہرجان" تھے۔

چنانچہ اسلام نے ان دو دِنوں کے بدلے میں پورے سال میں اُمَّتِ مسلمہ کے لئے عید کے یہ دو دن مقرر کئے ہیں، ایک عیدُ الاضحیٰ کا دن اور دوسرے عید الفطر کا دن۔

اور دوسری قوموں کے تہواروں کے منانے سے اسلام نے منع فرما دیا۔

بلکہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں اسلامی عید کے دن مقرر فرمائے، اور اسی وجہ سے مسلمانوں کو عیدین کے دن منانا عبادت ہے، اور کافروں کے مذہبی تہواروں میں شرکت گناہ ہے۔[1]

[1] آج کل بہت سے مسلمان غیر قوموں کے مذہبی تہوار (مثلاً کرسمس ڈے، بسنت، ہولی دیوالی وغیرہ) مناتے ہیں یا ان میں کسی حیثیت سے شرکت کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو اپنے دین کی حفاظت کی فکر کرنی چاہیے۔

(عن أنس قال :قدم النبی -صلی اللہ علیہ وسلم -المدینۃ) أی :من مکۃ بعد الھجرۃ .(ولھم) قال الطیبی :أی :لأھل المدینۃ، ولولا استدعاء الراجع من الحال أعنی :ولھم لکانت لنا مندوحۃ عن التقدیر اھـ .یعنی :ولقلنا للأنصار أو للأصحاب .(یومان یلعبون فیھما) : وھما :یوم النیروز، ویوم المھرجان .کذا قالہ الشراح .وفی القاموس :النیروز :أول یوم السنۃ معرب نوروز .قدم إلی علی -رضی اللہ عنہ -شیء من الحلاوی فسأل عنہ فقالوا :للنیروز .فقال :نیروزنا کل یوم، وفی المھرجان قال :مھرجاننا کل یوم اھـ .والنوروز مشھور، وھو أول یوم تتحول الشمس فیہ إلی برج الحمل، وھو أول السنۃ الشمسیۃ، کما أن غرۃ شھر المحرم أول السنۃ القمریۃ .وأما مھرجان، فالظاھر بحکم مقابلتہ بالنیروز أن یکون أول یوم المیزان، وھما یومان معتدلان فی الھواء ، لا حر

ولا برد، ويستوى فيهما) الليل والنهار، فكان الحكماء المتقدمين المتعلقين بالهيئة اختاروهما للعيد فى أيامهم، وقلدهم أهل زمانهم ;لاعتقادهم بكمال عقول حكمائهم، فجاء الأنبياء ، وأبطلوا ما بنى عليه الحكماء .(فقال :ما هذان اليومان؟ قالوا :كنا نلعب فيهما أى :فى اليومين .(فى الجاهلية) أى :فى زمن الجاهلية قبل أيام الإسلام .(فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قد) للتحقيق .(أبدلكم الله بهما خيرا) : الباء هنا داخلة على المتروك، وهو الأفصح أى :جعل لكم بدلا عنهما خيرا .(منهما) أى :فى الدنيا والأخرى، وخيرا ليست أفعل تفضيل ;إذ لا خيرية فى يوميهما .(يوم الأضحى ويوم الفطر) : وقدم الأضحى ;فإنه العيد الأكبر قاله الطيبى .نهى عن اللعب والسرور فيهما أى :فى النيروز والمهرجان، وفيه نهاية من اللطف، وأمر بالعبادة ;لأن السرور الحقيقى فيها .قال الله تعالى :(قل بفضل الله وبرحمته فبذلك فليفرحوا) (يونس58 :) قال المظهر :فيه دليل على أن تعظيم النيروز والمهرجان وغيرهما أى :من أعياد الكفار منهى عنه . قال أبو حفص الكبير الحنفى :من أهدى فى النيروز بيضة إلى مشرك تعظيما لليوم فقد كفر بالله تعالى، وأحبط أعماله .وقال القاضى أبو المحاسن :الحسن بن منصور الحنفى :من اشترى فيه شيئا لم يكن يشتريه فى غيره، أو أهدى فيه هدية إلى غيره فإن أراد بذلك تعظيم اليوم كما يعظمه الكفرة فقد كفر، وإن أراد بالشراء التنعم والتنزه، وبالإهداء التحاب جريا على العادة، لم يكن كفرا لكنه مكروه كراهة التشبه بالكفرة، حينئذ فيحترز عنه اهـ.

وأما أهل مكة فيجعلون أيضا أيام دخول الكعبة عيدا، وليس داخلا فى النهى، إلا أن يوم عاشوراء فيه تشبه بالخوارج، بإظهار السرور، كما أن إظهار آثار الحزن من شيم الروافض، وإن كان الثانى أهون من الأول، ولكن الأولى تركهما ;فإنهما من البدع الشنيعة، ظهرت فى أيام مناصب النواصب، وزمان غلبة الشيعة، وأهل مكة بحمد الله غافلون عنهما، غير عالمين بأحوالهما، وشاركت الرافضة المجوسية أيضا فى تعظيم النيروز ;معللين بأن فى مثل هذا اليوم قتل عثمان، وتقررت الخلافة لعلى -رضى الله عنهما -، وإنما ذكرت هذا مع ما فيه من الشناعة للاحتراز والاحتراس عن الشباهة، قال ابن حجر :قد وقع فى هذه الورطة أهل مصر ونحوهم، فإن لمن بها من اليهود والنصارى تعظيما خارجا عن الحد فى أعيادهم، وكثير من أهلها يوافقونهم على صور تلك التعظيمات، كالتوسع فى المأكول، والزينة على طبق ما يفعله الكفار، ومن ثم أعلن النكير عليهم فى ذلك ابن الحاج المالكى فى مدخله، وبين تلك الصور، وكيفية موافقة المسلمين لهم فيها، بل قال :إن بعض علمائها قد تحكم عليه زوجته فى أن يفعل لها نظير ما يفعله الكفار فى أعيادهم فيطيعها، ويفعل ذلك(مرقاة المفاتيح، ج۳ص ۱۰۶۹ ، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

وكذلك كثير من مسلمى الهند، يوافقون اهل الاوثن من الهنود فى اعيادهم ويفعلون مايفعلون فالى الله المشتكى وانالله وانا اليه راجعون (بذل المجهود فى حل ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۰)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْ صَوْمِ هٰذَيْنِ الْيَوْمَيْنِ، أَمَّا يَوْمُ الْفِطْرِ فَفِطْرُكُمْ مِنْ صَوْمِكُمْ وَعِيْدٌ لِلْمُسْلِمِيْنَ،

وَأَمَّا يَوْمُ الْأَضْحٰى فَكُلُوْا مِنْ لُحُوْمِ نُسُكِكُمْ(سنن الترمذی) [1]

[1] حدیث نمبر ۷۷۱، ابواب الصوم، باب ما جاء فی کراھیة الصوم یوم الفطر والنحر،شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی -مصر.
قال الترمذی: هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے ان دو دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا، عید الفطر کا دن تو روزے کے افطار کا دن ہے، اور مسلمانوں کی عید ہے، اور عید الاضحیٰ کا دن تمہاری قربانیوں کے گوشت کھانے کا دن ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَهٰى عَنْ صَوْمِ خَمْسَةِ أَيَّامٍ فِي السَّنَةِ: يَوْمِ الْفِطْرِ وَيَوْمِ النَّحْرِ وَثَلَاثَةِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ (سنن الدارقطنی) [2]

[2] حدیث نمبر ۲۴۰۹، کتاب الصیام، باب طلوع الشمس بعد الافطار، مؤسسة الرسالة، بیروت، واللفظ لهٗ، مسند ابی یعلیٰ، حدیث نمبر ۲۹۱۳، وحدیث نمبر ۴۱۱۷، الحجة علی اھل المدینة، ج ۱، ص ۳۹۰، کتاب الصیام، بَاب الرجل ینسی صِیَام ثَلَاثَة ایام فِي الْحَج وَقد وَجب عَلَيْهِ.
وله شواھد کثیرة فلایضر الضعف فی بعض الاسناد .

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سال میں پانچ دنوں کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا، ایک عید الفطر کے دن کا، اور دوسرے عید الاضحیٰ کے دن کا، اور تین دن ایامِ تشریق (یعنی گیارہ، بارہ، تیرہ ذی الحجہ) کا (ترجمہ ختم)

اور بعض روایتوں میں عید کے دن سمیت ایامِ تشریق (یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ) کو کھانے پینے کے دن قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

وَهِيَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَّشُرْبٍ (سنن الترمذی) [1]

[1] حدیث نمبر ۷۷۳، ابواب الصوم،باب ما جاء فی کراھیة الصوم فی أیام التشریق،شرکة مکتبة

ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.
قال الترمذى: وَفِي البَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَسَعْدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَجَابِرٍ، وَنُبَيْشَةَ، وَبِشْرِ بْنِ سُحَيْمٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُذَافَةَ، وَأَنَسٍ، وَحَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الأَسْلَمِيِّ، وَكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، وَعَائِشَةَ، وَعَمْرِو بْنِ العَاصِ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو :.وَحَدِيثُ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ: يَكْرَهُونَ الصِّيَامَ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ.

ترجمہ: اور یہ کھانے اور پینے کے دن ہیں (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَلَا وَإِنَّ هٰذِهِ الْأَيَّامَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (ابوداؤد) ؎۲

؎۲ حدیث نمبر ۲۸۱۳، کتاب الضحایا، باب فی حبس لحوم الأضاحی، المکتبة العصرية، بيروت.
قال الالبانى:
قلت :إسناده صحيح على شرط مسلم، وكذا قال الحاكم، ووافقه الذهبى، وصححه الترمذى وابن خزيمة وابن حبان والحاكم والذهبى(صحيح ابى داؤد، تحت حديث رقم ۲۰۹۰)

ترجمہ: خبردار ہوجاؤ، یہ دن کھانے پینے اور اللہ عزوجل کے ذکر کے دن ہیں

(ترجمہ ختم)

ملحوظ رہے کہ بعض روایات میں عرفہ (نو ذی الحجہ) کے دن کو بھی کھانے پینے کا دن قرار دیا گیا ہے، اور اس دن میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، تو اس بارے میں سمجھ لینا چاہیے کہ یہ حکم حجاجِ کرام کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ وہ اپنے حج کے اعمال میں مشغول ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے انہیں عرفہ کے دن یعنی نو ذی الحجہ کو روزہ رکھنے کی وجہ سے اپنے حج کے اعمال ومناسک انجام دینے میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

جہاں تک غیر حجاجِ کرام کا معاملہ ہے، تو ان کے لئے نو ذی الحجہ کو روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ عظیم ثواب ہے۔ ؎۱

؎۱ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَوْشَبُ بْنُ عُقَيْلٍ، عَنْ مَهْدِيٍّ الْهَجَرِيِّ، حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ، قَالَ :كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ، فِي بَيْتِهِ فَحَدَّثَنَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ(ابوداؤد، حديث نمبر ۲۴۴۰)
(وعن أبى هريرة أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -نهى) أى نهى تنزيه (عن صوم يوم عرفة

بعرفة) أى فى عرفات لئلا يضعف عن الدعاء ولئلا يسيء خلقه مع الرفقاء ، وفى معناه من يكون مثله، ولو من أهل الحضر، قال ابن الملك :وليس هذا نهى تحريم، روى عن عائشة أنها كانت تصوم، وقال عطاء :أصومه فى الشتاء ولا أصومه فى الصيف (رواه أبو داود) وقال الحاكم :إنه على شرط البخارى، وأقره الذهبى وصححه ابن خزيمة(مرقاة، ج۴ص ۱۴۲۴، باب صيام التطوع)

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ، إِنِّي أَحْتَسِبُ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ :.حَدِيثُ أَبِي قَتَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَدِ اسْتَحَبَّ أَهْلُ العِلْمِ صِيَامَ يَوْمِ عَرَفَةَ، إِلَّا بِعَرَفَةَ(ترمذى، حديث نمبر ۷۴۹)

وقد جاء تسمية عيدا من حديث مرفوع خرجه أهل السنن من حديث عقبة بن عامر، عن النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال " :يوم عرفة ويوم النحر وأيام التشريق عيدنا أهل الإسلام، وهى أيام أكل وشرب "

وقد أشكل وجهه على كثير من العلماء ؛ لأنه يدل على أن يوم عرفة يوم عيد لا يصام، كما روى ذلك عن بعض المتقدمين، وحمله بعضهم على أهل الموقف وهو الأصح لأنه اليوم الذى فيه أعظم مجامعهم ومواقفهم بخلاف أهل الأمصار فإن اجتماعهم يوم النحر، وأما أيام التشريق فيشارك أهل الأمصار أهل الموسم فيها؛ لأنها أيام ضحاياهم وأكلهم من نسكهم .هذا قول جمهور العلماء . وقال عطاء :إنما هى أعياد لأهل الموسم، فلا ينهى أهل الأمصار عن صيامها .وقول الجمهور أصح (فتح البارى لابن رجب، ج ۱ ص ۱۷۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَإِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْفِطْرِ سُمِّيَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةُ لَيْلَةَ الْجَائِزَةِ، فَإِذَا كَانَتْ غَدَاةَ الْفِطْرِ يَبْعَثُ اللّٰهُ الْمَلَائِكَةَ فِيْ كُلِّ بِلَادٍ فَيَهْبِطُوْنَ إِلَى الْأَرْضِ فَيَقُوْمُوْنَ عَلٰى أَفْوَاهِ السِّكَكِ، فَيُنَادُوْنَ بِصَوْتٍ يَسْمَعُ مَنْ خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا الْجِنَّ وَالْإِنْسَ فَيَقُوْلُوْنَ :يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ، اُخْرُجُوْا إِلٰى رَبٍّ كَرِيْمٍ يُعْطِي الْجَزِيْلَ، وَيَعْفُوْ عَنِ الذَّنْبِ الْعَظِيْمِ، فَإِذَا بَرَزُوْا لِمُصَلَّاهُمْ، يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِلْمَلَائِكَةِ :مَا جَزَاءُ الْأَجِيْرِ إِذَا عَمِلَ عَمَلَهُ ؟ قال:فَتَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ :إِلٰهَنَا وَسَيِّدَنَا جَزَاؤُهُ أَنْ تُوَفِّيَهُ أَجْرَهُ، قَالَ :فَيَقُوْلُ :فَإِنِّيْ أُشْهِدُكُمْ يَا مَلَائِكَتِيْ أَنِّي قَدْ جَعَلْتُ ثَوَابَهُمْ مِنْ صِيَامِهِمْ شَهْرَ رَمَضَانَ وَقِيَامَهُ رِضَائِيْ وَمَغْفِرَتِيْ، وَيَقُوْلُ :يَا عِبَادِيْ،

سَلُوْنِیْ فَوَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَا تَسْأَلُوْنِیْ الْیَوْمَ شَیْئًا فِیْ جَمْعِکُمْ لِآخِرَتِکُمْ إِلَّا أَعْطَیْتُکُمْ، وَلَا لِدُنْیَاکُمْ إِلَّا نَظَرْتُ لَکُمْ فَوَعِزَّتِیْ لَأَسْتُرَنَّ عَلَیْکُمْ عَثَرَاتِکُمْ مَا رَاقَبْتُمُوْنِیْ، فَوَعِزَّتِیْ لَا أُخْزِیْکُمْ وَلَا أَفْضَحُکُمْ بَیْنَ یَدَیْ أَصْحَابِ الْحُدُوْدِ، انْصَرِفُوْا مَغْفُوْرًا لَکُمْ قَدْ أَرْضَیْتُمُوْنِیْ وَرَضِیْتُ عَنْکُمْ، فَتَفْرَحُ الْمَلَائِکَةُ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِمَا یُعْطِی اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ إِذَا أَفْطَرُوْا مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ (شعب الإیمان للبیهقی)[1]

[1] حدیث نمبر ۳۶۹۵، کتاب الصیام ،التماس لیلة القدر فی الوتر من العشر الأواخر من شهر رمضان، مکتبة الرشد للنشر والتوزیع بالریاض ،واللفظ لهٗ،فضائل الاوقات للبیهقی حدیث نمبر ۱۰۷ ،تاریخ مدینة دمشق، تحت ترجمة، محمد بن الحسن بن أحمد بن الصباح بن عبد الحمید أبو بکر المعروف بابن أبی الذیال الثقفی الأصبهانی الجواربی الزاهد.

ترجمہ: پھر جب عیدُ الفطر کی رات ہوتی ہے تو اس کا نام (آسمانوں پر) لیلۃُ الجائزہ (یعنی انعام کی رات) رکھا جاتا ہے، اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیجتے ہیں وہ زمین پر اُتر کر تمام گلیوں (راستوں) کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے جس کو جنات و انسان کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے پکارتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس کریم رب کی (بارگاہ) کی جانب چلو جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف فرمانے والا ہے پھر جب لوگ عیدگاہ (یعنی عید کی نماز پڑھنے والے مقام) کی طرف نکلتے ہیں تو اللہ عزوجل فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہمارے معبود اور ہمارے مالک! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے، تو اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ ان کو رمضان کے روزوں اور اس کے قیام (یعنی تراویح) کے بدلہ میں

اپنی رضا اور مغفرت عطا کردی، اور بندوں سے خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے بندو! مجھ سے مانگو، میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! آج کے دن اپنے اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے عطا کروں گا اور دنیا کے بارے میں جو سوال کرو گے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا، میری عزت کی قسم! کہ جب تک تم میرا (یعنی میرے احکام کا) خیال رکھو گے میں تمہاری لغزشوں کی ستاری کرتا رہوں گا (اور ان کو چھپاتا رہوں گا) میری عزت کی قسم اور میرے جلال کی قسم! میں تمہیں مجرموں (اور کافروں) کے سامنے رسوا اور فضیحت نہیں کروں گا، بس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، تم نے مجھے راضی کردیا اور میں تم سے راضی ہوگیا، پس فرشتے اس اجروثواب کو دیکھ کر جو اس امت کو رمضان کے مہینے کے افطار (یعنی عیدُ الفطر) کے دن ملتا ہے خوشیاں مناتے ہیں اور کھِل جاتے ہیں (ترجمہ ختم)

(اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ)

اس حدیث کا مضمون تھوڑے بہت فرق کے ساتھ مختلف سندوں سے مروی ہے، اور بعض سندوں میں اگرچہ ضعف پایا جاتا ہے، لیکن مجموعی طور پر فی نفسہ قابلِ اعتبار ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ بیہقی کی سند درجِ ذیل ہے:

أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، أخبرنا أَبُو الْحُسَيْنِ عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مُكْرَمٍ الْبَزَّارُ، بِبَغْدَادَ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ يُوسُفَ الْقَزْوِينِيُّ، حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ الْحَكَمِ الْعُرَنِيُّ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ الْوَلِيدِ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سُلَيْمَانَ السَّدُوسِيِّ، شَيْخٍ لَنَا يُكَنَّى أَبَا الْحَسَنِ، عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ مُزَاحِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُول(شعب الإيمان،رقم حديث ٣٦٩٥،فضائل الاوقات للبيهقى رقم حديث١٠٧)

اور ابنِ عساکر کی سند درج ذیل ہے:

أخبرنا أبو الحسن الفرضى حدثنا عبد العزيز بن أحمد حدثنا الحسن بن على بن إبراهيم حدثنا عمر بن داود الأنطرطوسى حدثنا أبو بكر محمد بن الحسن بن أبى الذيال الأصبهانى المعروف بالجوارىى حدثنا أبو عبد الله محمد بن إسحاق الشعار حدثنا سلمة ابن شبيب حدثنا القاسم بن الحكم حدثنا هشام بن الوليد حدثنا حماد بن سليمان السدوسى عن الضحاک بن مزاحم عن عبد الله بن عباس انه سمع النبى (صلى الله

علیه وسلم)(تاريخ مدينة دمشق، تحت ترجمة، محمد بن الحسن بن أحمد بن الصباح بن عبد الحميد أبو بكر المعروف بابن أبي الذيال الثقفي الأصبهاني الجواربي الزاهد)

امام منذری رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

رواه الشيخ بن حبان في كتاب الثواب، والبيهقي واللفظ له وليس في اسناده من اجمع على ضعفه(الترغيب والترهيب ج ٢ ص ٦١ تا٦٢)

مگر بیہقی کی مندرجہ بالا حدیث کو ابن جوزی نے غیر صحیح کہا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

وهذا حديث لا يصح قال يحيى بن سعيد الضحاک عندنا ضعيف وقال أبو حاتم الرازي والقاسم بن الحكم مجهول وقال أبن حبان لا يجوز الإحتجاج بالعلاء بن عمرو(العلل المتناهية ج٢ ص ٥٣٥ تحت حديث رقم ٨٨٠)

لیکن اولاً تو ابن جوزی جرح کے معاملے میں متشدد شمار کئے جاتے ہیں، جو جارح کی جرح کے معتبر ہونے کے لئے مانع ہے، دوسرے جن وجوہات کی بناپر انہوں نے اس حدیث کو غیر صحیح قرار دیا ہے وہ بھی واقعہ کے مطابق نہیں چنانچہ اس حدیث میں ضحاک بن مزاحم ہیں، جن کو متعدد حضرات نے ثقہ اور صدوق قرار دیا ہے، لیکن ساتھ ہی مدلس بھی قرار دیا ہے جو کہ ہمارے نزدیک مضر نہیں، اور ابنِ جوزی کا قاسم بن حکم کو مجہول قرار دینا بھی صحیح نہیں، کیونکہ ان کو متعدد حضرات نے ثقہ قرار دیا ہے، اور رہا علاء بن عمر کا معاملہ تو وہ اس روایت میں موجود نہیں ہیں۔

البتہ اس قسم کی دوسری روایت میں ہیں، جو اس وقت ہمارے زیرِ بحث نہیں۔

قال الذهبي:

(الضحاک بن مزاحم) الهلالي، أبو محمد، وقيل أبو القاسم، صاحب التفسير.
كان من أوعية العلم، وليس بالمجود لحديثه، وهو صدوق في نفسه، وكان له أخوان: محمد ومسلم، وكان يكون ببلخ وبسمرقند .(سير اعلام النبلاء تحت ترجمة نمبر ٢٣٨، ج۴ص ٥٩٨)

وقال ابن حبان :

الضحاک بن مزاحم الهلالي من بني هلال بن عامر بن صعصعة كنيته أبو القاسم وقد قيل أبو محمد لقي جماعة من التابعين ولم يشافه أحدا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ومن زعم أنه لقي بن عباس فقد وهم(ثقات ابن حبان ، ج٦ ص ۴٨٠)

وقال المزي:

قال عبد الله بن أحمد بن حنبل ، عن أبيه :ثقة ، مأمون.وقال أبو بكر بن أبي خيثمة عن يحيى بن معين ، وأبو زرعة ثقة.قال زيد بن الحباب ، عن سفيان الثوري :خذوا التفسير من أربعة :سعيد بن جبير ، ومجاهد ، وعكرمة ، والضحاک.(تهذيب الكمال؛ ج١٣ ص ٢٩١ ،تحت رقم الترجمة ٢٩٢٨)

وقال ابن حجر:

وقال العجلي ثقة وليس بتابعي قال الدارقطني ثقة(تهذيب التهذيب ج۴ص٣٩٧، تحت رقم الترجمة ٧٩۴)

وقال الصفدی:

وثقه أحمد بن حنبل وابن معين، وضعفه يحيى القطان وغيره، واحتج به النسائی وغيره وكان مدلساً(الوافی بالوفيات؛تحت ترجمة الضحاک بن مزاحم)

وقال ابن حجر فی تقريب التهذيب:

القاسم بن الحكم بن كثير العرنی بضم المهملة وفتح الراء بعدها نون أبو أحمد الكوفی قاضی همذان صدوق فيه لين من التاسعة مات سنة ثمان ومائتين(تقريب التهذيب، ج٢ص١٨)

وقال فی تهذيب التهذيب:

وقال عبدالله بن علی بن الجارود حدثنا أبو صالح أحمد ابن خلف قال حدثنا القاسم بن الحكم وسألت أحمد ويحيى وأبا خيثمة وخلف بن سالم ومحمد بن عبدالله بن نمير عنه فقالوا ثقة وقال النسائی ثقة وقال أبو زرعة صدوق وقال أبو حاتم محله الصدق يكتب حديثه ولا يحتج به وذكره ابن حبان فی الثقات وقال مستقيم الحديث (تهذيب التهذيب، ج٨ص٢٨٠،تحت رقم الترجمة ٥٦٥)

بہرحال اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ ضعیف کہا جاسکتا ہے، اور موضوع کہنا مشکل ہے، اور اس حدیث کے مضامین کی تائید دوسری روایات سے ہوتی ہے، اور فضائل کے باب میں کسی قدر ضعف قابلِ تحمل ہوتا ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

اور حضرت عبیداللہ بن محصن انصاری رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَ يَوْمُ الْفِطْرِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ فِيْ أَفْوَاهِ الطُّرُقِ، فَيُنَادُوْنَ: يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ، اُغْدُوْا إِلٰى رَبٍّ رَّحِيْمٍ، يَمُنُّ بِالْخَيْرِ وَيُثِيْبُ عَلَيْهِ الْجَزِيْلَ، أَمَرَكُمْ بِصِيَامِ النَّهَارِ، فَصُمْتُمْ وَأَطَعْتُمْ رَبَّكُمْ، فَاقْبِضُوْا جَوَائِزَكُمْ، فَإِذَا صَلَّوْا الْعِيْدَ نَادٰى مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اِرْجِعُوْا إِلٰى مَنَازِلِكُمْ رَاشِدِيْنَ، فَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ، وَيُسَمّٰى ذٰلِكَ الْيَوْمُ يَوْمَ الْجَائِزَةِ (معرفة الصحابة ،لابی نعيم حديث نمبر ٤٧١٧،باب الياء من باب العين،دار الوطن للنشر -الرياض)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے، تو فرشتے راستوں کے منہ (سروں وکناروں) پر کھڑے ہوجاتے ہیں، پھر وہ یہ آواز لگاتے ہیں کہ اے مسلمانو کی جماعت! ربِ رحیم کی (عبادت کی) طرف

جلدی چلو، جو خیر کے کاموں پر انعام واحسان فرمائیں گے، اوراس پر پائیدار اجر وثواب عطا فرمائیں گے، تمہیں دن میں روزوں کا حکم دیا گیا، تو تم نے روزہ رکھا، اوراپنے رب کی اطاعت کی، لہٰذا تم اپنے انعامات کو حاصل کرو، پھر جب مسلمان عید کی نماز پڑھ لیتے ہیں، تو آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اپنے گھروں کی طرف ہدایت یافتہ ہوکر لوٹ جاؤ، اللہ نے تمہارے گناہوں کو معاف فرمادیا، اوراس دن کا نام یومُ الجائزہ (یعنی انعام کا دن) رکھا جاتا ہے (ترجمہ ختم)

اس حدیث کا مضمون بھی پہلی حدیث کے مطابق ہے۔ [1]

---

[1] اس حدیث کی سند درجِ ذیل ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ، مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْغِطْرِيفِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ طَاهِرِ بْنِ أَبِي الدُّمَيْكِ، ثنا سُلَيْمَانُ بْنُ الْفَضْلِ الزُّهْرِيُّ، ثنا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي شُمَيْلَةَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :

اوراس حدیث کی سند کے راویوں کا حال بالترتیب درجِ ذیل ہے۔

(۱)...... الغطريفى أبو أحمد محمد بن أحمد بن حسين،الإمام، الحافظ، المجود، الرحال، مسند وقته، أبو أحمد محمد بن أحمد بن حسين بن القاسم بن السرى بن الغطريف بن الجهم العبدى، الغطريفى الجرجانى، الرباطى، الغازى.........وكان مع علمه وحفظه صواما قواما متعبدا، صنف (الصحيح على المسانيد)، وعمر دهرا .حدث عنه :أبو نعيم الحافظ، وحمزة السهمى، ورضى بن إسحاق النصرى، وأبو العلاء السرى بن إسماعيل بن الإمام الإسماعيلى، والقاضى أبو الطيب الطبرى، وآخرون(سير اعلام النبلاء ج١٦ ص٣٥٤، ٣٥٥)

(٢)...... محمد بن طاهر بن خالد بن البخترى، أبو العباس المعروف بابن أبى الدميك .
سمع عبد الله بن محمد بن عائشة، وإبراهيم بن زياد سبلان، وعلى بن المدينى، وسليمان بن الفضل الزيدى .روى عنه :جعفر بن محمد الخالدى، وعبد العزيز بن جعفر الخرقى، وعمر بن نوح البجلى، ومخلد بن جعفر، ومحمد بن المظفر، وكان ثقة.
أخبرنا على بن محمد بن عبد الله المعدل، أخبرنا جعفر بن محمد بن نصير، حدثنا أبو العباس محمد بن طاهر بن أبى الدميك، حدثنا سليمان بن الفضل الزيدى، حدثنا عبد الله بن المبارك، عن همام، عن قتادة، عن أنس :أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من حسن عبادة المرء حسن ظنه .بلغنى أن ابن أبى الدميك مات فى يوم الثلاثاء لسبع خلون من جمادى الآخرة سنة خمس وثلاثمائة(تاريخ بغداد ج٢ ص٤٥٣)

(٣)...... سليمان بن الفضل الزيدى ليس بمستقيم الحديث(الكامل لابنِ عدى، ج٣ص ٢٩١)

(٤)...... مروان بن معاوية بن الحارث الفزارى(ع)ابن عثمان بن أسماء بن خارجة بن حصن بن

حذيفة بن بدر، الإمام، الحافظ، الثقة، أبو عبد الله الفزاري، الكوفي، ثم الدمشقي......روى :أبو بكر الأسدي، عن أحمد بن حنبل، قال :ثبت، حافظ.وروى :أبو داود، عن أحمد، قال :ما كان أحفظه ! كان يحفظ حديثه،وروى :عثمان الدارمي، عن يحيى :ثقة.وكذا وثقه :النسائي، وغير واحد.وقال علي بن المديني :ثقة فيما روى عن المعروفين، وضعفه فيما روى عن المجهولين.قلت :إنما الضعف من قبلهم، كان يروي عن كل ضرب، وقد كان سفيان الثوري مع جلالته يفعل كذلك.وقال علي بن الحسين بن الجنيد :قال ابن نمير :كان مروان يلتقط الشيوخ من السكك.وقال العجلي :ثقة، ثبت، ما حدث عن المعروفين، وما حدث عن المجهولين ففيه ما فيه، وليس بشيء .وقال أبو حاتم :صدوق، لا يدفع عن صدق، وتكثر روايته عن الشيوخ المجهولين(سیر اعلام النبلاء ج۹ ص ۵۱تا ۵۳ ملخصاً)

(۵)...... عبد الرحمن بن أَبي شميلة الأَنْصارِيّ المدني القبائي ،رَوَى عَن :سَعِيد الصراف (صد) ، وسلمة بن عُبَيد الله بن محصن الأَنْصارِيّ الخطمي (بخ ت ق)رَوَى عَنه :حماد بن زيد (صد) ، ومروان بن معاوية الفزاري (بخ ت ق)قال علي بن المديني :لا أعلم أحدًا روى عنه غيرهما.وَقَال عَباس الدُّورِيُّ عن يحيى بن مَعِين :مشهور.وَقَال أبو حاتم : مشهور برواية حماد بن زيد عنه.وذكره ابنُ حِبَّان في كتاب "الثقات"روى له البخاري في كتاب "الأدب "، وأبو داود في "فضائل الانصار "، والتِّرْمِذِيّ ، وابن ماجة ، وقد كتبنا حديثيه في ترجمة شيخيه(تهذيب الكمال ج۱۷ ص۱۷۵، ۱۷۶)

(۶)...... سلمة بن عَبد الله، ويُقال :ابن عُبَيد الله بن محصن الأَنْصارِيّ الخطمي المدني روى عن :أبيه (بخ ت ق) ويُقال :له صحبة.رَوَى عَنه :عبد الرحمن بن أَبي شميلة الأَنْصارِيّ (بخ ت ق) ذكرة ابن حبان في كتاب "الثقات"روى له البخاري في كتاب "الأدب "، والتِّرْمِذِيّ ، وابن ماجة حديثًا واحدًا(تهذيب الكمال ج ۱۱ ص ۲۹۶)

اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند میں سلیمان بن فضل، ابنِ عدی کے بقول ضعیف ہیں، اور یہ حدیث فی نفسہٖ ضعیف ہے، جو دوسری سندوں کے ساتھ مل کر قابلِ تحسین ہوسکتی ہے، بالخصوص جبکہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث بھی اپنی شرائط کے ساتھ قابلِ قبول ہوتی ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ محمد رضوان۔

اور حضرت سعید بن اوس انصاری اپنے والد حضرت اوس بن ثابت انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:إِذَا كَانَ غَدَاةُ الْفِطْرِ، وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ فِيْ أَفْوَاهِ الطُّرُقِ، فَنَادَوْا:يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اُغْدُوْا إِلٰى رَبٍّ رَّحِيْمٍ يَمُنُّ بِالْخَيْرِ، وَيُثِيْبُ عَلَيْهِ الْجَزِيْلَ، أُمِرْتُمْ بِصِيَامِ النَّهَارِ فَصُمْتُمْ، وَأَطَعْتُمْ رَبَّكُمْ، فَاقْبِضُوْا جَوَائِزَكُمْ، فَإِذَا صَلَّوُا الْعِيْدَ نَادٰى مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ:اِرْجِعُوْا إِلٰى مَنَازِلِكُمْ رَاشِدِيْنَ، قَدْ غَفَرْتُ ذُنُوْبَكُمْ

كُلَّهَا، وَيُسَمّٰى ذٰلِكَ الْيَوْمُ فِى السَّمَاءِ يَوْمَ الْجَائِزَةِ (المعجم الكبير للطبراني) [1]

[1] حديث نمبر ۶۱۸، مكتبة ابنِ تيمية، القاهرة، واللفظ لهٗ، وحديث نمبر ۶۱۷، معرفه الصحابة لابى نعيم، حديث نمبر ۹۹۴، وحديث نمبر ۹۹۵، وحديث نمبر ۹۹۶.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عید الفطر کی صبح ہوتی ہے تو فرشتے راستوں کے سروں پر کھڑے ہوجاتے ہیں، پھر پکارتے ہیں کہ اے مسلمانو کی جماعت! صبح سویرے اپنے ربِّ کریم کی طرف چلو، جو تمہارے اوپر خیر اور بھلائی کے عظیم احسانات فرمائیں گے، اور پھر اس پر لامحدود اور پائیدار ثواب بخشیں گے، تمہیں (رمضان کے) دنوں میں روزوں کا حکم دیا گیا، تو تم نے روزہ رکھا اور اپنے رب کی اطاعت کی، لہٰذا تم اپنے انعامات کو حاصل کرو، اور جب بندے عید کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتے ہیں تو آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ تم اپنے گھروں کی طرف ہدایت یافتہ ہو کر لوٹ جاؤ، بے شک تمہارے رب نے تمہارے سب (صغیرہ) گناہ معاف فرما دیئے، اور اس دن کا نام آسمان میں ''یومُ الجائزۃ'' (یعنی انعام والا دن) رکھا جاتا ہے (ترجمہ ختم)

حضرت اوس بن ثابت کی یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے، اور گزشتہ روایات اس کی مؤید ہیں، اور یہ مسئلہ بابُ الفضائل سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے بعض راویوں پر محدثین کا کلام نقصان دہ نہیں ہے۔ [1]

---

[1] معجم کبیر طبرانی کی ایک سند میں عمرو بن شمر اور جابر جعفی ہیں، جن کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

قال المنذرى:

رواه الطبرانى فى الكبير من رواية جابر الجعفى وتقدم فى الصيام ما يشهد له (الترغيب والترهيب، ج۲ ص۹۸)

وقال الهيثمى:

رواه الطبرانى فى الكبير وفيه جابر الجعفى وثقه الثورى وروى عنه هو وشعبة وضعفه الناس وهو متروك (مجمع الزوائد ج۲ رقم ۳۲۲۵ ابواب العيدين ،باب فضل يوم العيد)

اور معجم کبیر طبرانی کی دوسری سند، اور معرفۃ الصحابہ کی سند میں مسلم بن سالم، یا سلم بن سالم ہیں، جن پر محدثین نے جرح فرمائی ہے، لیکن ابنِ عدی نے ان کے بارے میں ''لابأس بہ'' فرمایا ہے، مگر معرفۃ الصحابہ کی دوسری سند میں یہ راوی موجود نہیں ہیں۔

سلم بن سالم البلخی الزاهد............قال ابن عدی: أرجو أنه لا بأس به(ميزان الاعتدال، ج۲ ص۱۸۵، تحت رقم الترجمة، ۳۳۷۱)

اور سعید بن اوس اور ان کے والد اوس بن ثابت کو بعض حضرات کا مجہول سمجھنا درست نہیں، جیسا کہ جناب ناصر الدین البانی صاحب نے سلسلۃ الضعیفہ میں سعید بن اوس کے بارے میں فرمایا ہے، کہ ان پر کلام نہیں ملا۔

ومدار الطريقين على سعيد بن أوس الأنصاری ، ولم أجد من ترجمه (سلسلة الأحاديث الضعيفة للالبانی، تحت حديث رقم ۵۴۷۰)

علامہ ذہبی اور امام مزی، اور ابنِ ابی حاتم کا ان پر کلام درجِ ذیل ہے۔

البتہ اس روایت کو مرسل قرار دیا جا سکتا ہے۔

أبو زيد الأنصاری سعيد بن أوس *(د، ت)الإمام، العلامة، حجة العرب، أبو زيد سعيد بن أوس بن ثابت بن بشير ابن صاحب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أبی زيد الأنصاری، البصری، النحوی، صاحب التصانيف......قال ابن أبی حاتم :سمعت أبی يجمل القول فيه، ويرفع شأنه، ويقول :هو صدوق.وقال صالح جزرة :ثقة(سير اعلام النبلاء ج۹ص ۴۹۴، ۴۹۵ملخصاً)

د ت :سَعِيد بن أوس بن ثابت بن بشير بن أَبی زيد ، أبو زيد الأَنْصارِیّ ، النحوی ، البَصْرِیّ ...... قال الحسين بن الحسن الرازی ، عن يحيى بن مَعِين :كان صدوقا.وَقَال صالح بن محمد البغدادی :ثقة.وَقَال عبد الرحمن بن أَبی حاتم :سمعت أبی يجمل القول فيه ويرفع شأنه ويقول :هو صدوق.(تهذيب الكمال ج۱۰ ص۳۳۰تا ۳۳۱ ملخصاً)

اوس بن ثابت الانصاری والد ابی زيد النحوی روى عن حكيم بن عقال القرشی روى عنه شعبة وحماد بن سلمة سمعت ابی يقول ذلک .حدثنا عبد الرحمن قال ذكره ابی عن اسحاق بن منصور عن يحيى بن معين انه قال :اوس بن ثابت الانصاری ثقة(الجرح والتعديل،لا بن أبی حاتم، تحت رقم الترجمة، ۱۱۳۸)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

فَإِذَا اسْتَهَلَّ شَهْرُ شَوَّالٍ نُوْدِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ: أَنِ اغْدُوْا إِلٰی جَوَائِزِكُمْ ، فَإِنَّهُ يَوْمُ جَائِزَةٍ ، فَأَقَلُّ مَا يُجَازٰی بِهِ الرَّجُلُ أَنْ يُكْتَبَ لَهُ أَلْفُ أَلْفُ حَسَنَةٍ ، وَيُمْحٰی عَنْهُ أَلْفُ أَلْفُ سَيِّئَةٍ (مجلس من امالی ابن فنجويه فی فضل رمضان، حديث نمبر ۴)

ترجمہ: پھر جب شوال کا چاند نظر آتا ہے، تو مومنوں کو ندا دی جاتی ہے کہ تم اپنے انعامات حاصل کرنے کی طرف صبح صبح چلو، کیونکہ یہ انعام کا دن ہے، پس سب سے کم آدمی کو جو انعام دیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہزار ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور ہزار ہزار برائیاں معاف کی جاتی ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو جعفر سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

حَتّٰى إِذَا كَانَ يَوْمُ الْفِطْرِ نَادٰى مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ، اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْجَائِزَةِ، فَاغْدُوْا فَبَادِرُوْا خُذُوْا جَوَائِزَكُمْ (فضائل رمضان لابنِ ابی الدنیا) [1]

[1] ص ٤٦، حدیث نمبر ٢٠، دار السلف، الریاض -السعودیة.

ترجمہ: یہاں تک کہ جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے، تو آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ یہ دن انعام کا دن ہے، پس تم صبح سویرے نکلو، اور جلدی کرو، اپنے انعامات کو حاصل کرو (ترجمہ ختم)

عید کے دن اور عید کی نماز کے کتنے عظیم الشان فضائل ہیں، یہ فضائل اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جبکہ عید کے دن اور عید کی نماز کو شریعت کے مطابق گناہوں سے بچ کر بجالایا جائے۔

عید الفطر کا دن مسلمانوں کے لئے بڑی مسرت اور خوشی کا دن ہے اور یہ خوشی اس بناء پر ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے رمضان شریف کے روزے رکھنے کی توفیق بخشی اور شب میں تراویح ادا کرنے اور اس میں کلام الٰہی پڑھنے اور سننے کی سعادت عطا فرمائی۔

عید کے دن میں ایک طرف انسانی نفسیات کے تقاضے (خوشی منانے) کی رعایت ہے، اور ساتھ ساتھ اس کے مقرر کرنے اور اس کو منانے کے انداز میں بہت سے عملی سبق بھی ہیں۔

عید کا دن مسلمانوں کے لئے عیسائیوں، یہودیوں یا دوسری قوموں کے تہواروں کی طرح کا صرف ایک تہوار نہیں، بلکہ یہ دن مسلمانوں کی عبادت کا دن بھی ہے اور خوشی کا دن بھی، ان خوشیوں کا افتتاح ایک خاص شان کی عبادت عید کی نماز سے کیا جاتا ہے، جسے تمام مسلمان مل کر اپنے رب کے سامنے ایک ساتھ ادا کرتے ہیں مسلمانوں کی یہ اجتماعی عبادت جہاں اللہ

تعالیٰ کے حضور شکرانے کے طور پر ادا کی جاتی ہے وہاں یہ عبادت اسلامی بھائی چارے کا بھی سبق دیتی ہے کہ تمام مسلمان رنگ ونسل سے بالاتر ہو کر علاقائیت، قومیت اور تعصُّب کے تصورات کو چھوڑ کر ایک صف میں شانہ بشانہ اپنے ربّ کریم کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں عید کے دن مسلمانوں کا یہ عظیمُ الشّان اجتماع اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ مسلمان ایک قوم ہیں ان کے اندر رنگ ونسل اور علاقائیت وقومیت کی کوئی تفریق نہیں اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔

قوموں کے تہوار دراصل ان کے عقائد وتصورات اور ان کی تاریخ وروایات کے ترجمان اور ان کے قومی مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں، اس لئے ظاہر ہے کہ اسلام سے پہلے اپنی جاہلیت کے دور میں اہلِ مدینہ جو دو تہوار مناتے تھے وہ جاہلی مزاج وتصورات اور جاہلی روایات ہی کے آئینہ دار ہوں گے۔

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ حدیث کے صریح الفاظ کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے ان پرانے تہواروں کو ختم کرا کے ان کی جگہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دو تہوار اس امت کے لئے مقرر فرمادیئے جو اس کے توحیدی مزاج اور اصولِ حیات کے عین مطابق اور اس کی تاریخ وروایات اور عقائد وتصورات کے پوری طرح آئینہ دار ہیں۔

کاش اگر مسلمان اپنے ان تہواروں ہی کو صحیح طور پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت وتعلیم کے مطابق منائیں تو اسلام کی روح اور اس کے پیغام کو سمجھنے سمجھانے کے لئے صرف یہ دو تہوار ہی کافی ہو سکتے ہیں۔

پھر عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے یہ دو دن ایسے وقت پر مقرر کئے گئے جن میں پوری امت ایک ایسی اجتماعی عبادت مکمل کر کے فارغ ہوتی ہے جو سال میں ایک ایک بار ہی انجام دی جاتی ہے۔

عید الفطر رمضان المبارک کے ختم ہونے پر یکم شوال کو منائی جاتی ہے، جب

مسلمان رمضان المبارک میں نہ صرف روزوں کی تکمیل کرتے ہیں، بلکہ اس مقدس مہینے کے ایک تربیتی دَور سے گذر کر اپنی روحانیت کو تازگی بخشتے ہیں۔

رمضانُ المبارک دینی وروحانی حیثیت سے سال کے بارہ مہینوں میں سب سے مبارک مہینہ ہے۔اسی مہینہ میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر قرآن مجید نازل ہوا، اسی پورے مہینے کے روزے امتِ مسلمہ پر فرض کئے گئے، اس کی راتوں میں مستقل نمازِ تراویح کا اضافہ کیا گیا اور ہر طرح کی نیکیوں میں اضافہ کی ترغیب دی گئی، الغرض یہ پورا مہینہ خواہشات کی قربانی اور مجاہدہ کا اور ہر طرح کی طاعات وعبادات کی کثرت کا مہینہ قرار دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ اس مہینہ کے خاتمہ پر جو دن آئے ایمانی اور روحانی برکتوں کے لحاظ سے وہی سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو اس امت کے جشن ومسرت کا دن اور تہوار بنایا جائے، چنانچہ اسی دن کو عید الفطر قرار دیا گیا۔

اور عید الاضحیٰ اس وقت منائی جاتی ہے جب ایک دوسری سالانہ عبادت یعنی حج کی تکمیل ہوتی ہے اور لاکھوں مسلمان عرفات کے میدان میں اپنے پروردگار سے مغفرت کی دعائیں اور توبہ کر کے ایک نئی زندگی کا آغاز کر چکے ہوتے ہیں اور جو لوگ براہِ راست حج میں شریک نہیں ہوسکے وہ قربانی کی عبادت انجام دیتے ہیں۔

۱۰ رذی الحجہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں امتِ مسلمہ کے مؤسس ومورثِ اعلیٰ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کا حکم واشارہ پا کر اپنے لختِ جگر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ان کی رضا مندی سے قربانی کے لئے اللہ کے حضور میں پیش کر کے اور ان کے گلے پر چھری رکھ کر اپنی سچی وفاداری اور کامل تسلیم ورضا کا ثبوت دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے محبت وجانثاری

اور قربانی کے اس امتحان میں ان کو کامیاب قرار دے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو زندہ سلامت رکھ کر ان کی جگہ ایک جانور کی قربانی قبول فرمالی تھی ، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر پر ''اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا '' کا تاج رکھ دیا تھا، اوران کی اس ادا کی نقل کو قیامت تک کے لئے نمونہ قرار دیا تھا۔

پس اگر کوئی دن کسی عظیم تاریخی واقعہ کی یادگار کی حیثیت سے تہوار قرار دیا جاسکتا ہے تو اس امتِ مسلمہ کے لئے جو ملتِ ابراہیمی کی وارث اور اسوۂ خلیلی کی نمائندہ ہے ۱۰/ذی الحجہ کے دن کے مقابلے میں کوئی دوسرا دن اس کا مستحق نہیں ہوسکتا، اس لئے دوسری عید ۱۰/ذی الحجہ کو قرار دی گئی جس ''وَادِیٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ '' (بیابان جنگل) میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا یہ واقعہ پیش آیا تھا اسی وادی میں پورے عالمِ اسلام کا حج کا سالانہ اجتماع اوراس کے مناسک قربانی وغیرہ اس واقعہ کی گویا اصل اوراول درجے کی یادگار ہیں، اور ہر اسلامی شہراور بستی میں عیدالاضحیٰ کی تقریبات نماز اور قربانی وغیرہ بھی اسی کی گویا نقل اور دوم درجہ کی یادگار ہیں۔

بہرحال ان دونوں دِنوں (یعنی یکم شوال اور دس ذی الحجہ) کی ان خصوصیات کی وجہ سے ان کو یوم العید اور امتِ مسلمہ کا تہوار قرار دیا گیا ہے۔

عید کے دن اللہ پاک کی مہمانی کے دن ہیں۔ اسی وجہ سے ان دنوں میں روزہ رکھنا حرام اور کھانا پینا عبادت ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مہمان کو میزبان کی طرف سے جو جو سہولیات دی جائیں، ان سے فائدہ اُٹھانا چاہیے، اور جو اُصول ٹھہرنے اور کھانے پینے وغیرہ کے مقرر کیے جائیں، اُن کی پابندی کرنی چاہیے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اپنی میزبانی کے دِنوں میں صحیح مہمان بننے اور باری تعالیٰ

کے دربار کے آداب بجالانے کی توفیق عطا فرمائیں؛ اور ہر ایسے طرزِ عمل سے بچائیں جو اللہ تعالیٰ کے مہمان بننے کے آداب کے خلاف ہے۔ آمین۔

p

عید کے دن مسنون ومستحب اعمال

عید کا دن چونکہ عبادت اور خوشی کے مجموعے کا دن ہے، اس لیے شریعت کی طرف سے اس دن ایسے کام عبادت قرار دیے گئے ہیں جو ان دونوں عناصر کو شامل ہوں؛ یعنی ان میں عبادت کا پہلو بھی ہو، اور خوشی ومسرت کا پہلو بھی ہو۔

چنانچہ احادیث وروایات سے چند اعمال کا سنت ومستحب ہونا معلوم ہوتا ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱)......عید کی رات میں حسبِ توفیق نفلی عبادت وذکر کرنا، اور بطورِ خاص گناہوں سے بچنا۔

(۲)......عید کے دن صبح کو سویرے اُٹھنا، اور فجر کی نماز اپنے وقت پر ادا کرنا، اور مرد حضرات کو فجر کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھنا۔

(۳)......شریعت کے موافق طہارت و نظافت اور صفائی ستھرائی اور زیب وزینت اختیار کرنا۔

(۴)...... خوب اہتمام کے ساتھ میل کچیل دور کر کے غسل کرنا۔

(۵)......خاص اہتمام کے ساتھ مرد وعورت سب کو مسواک کرنا۔

(۶)...... فاضل (یعنی زیرِ ناف وبغلوں اور مونچھوں کے) بال اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے ناخن وغیرہ کاٹنا۔

(۷)......پاک وصاف عمدہ لباس جو میسر ہو پہننا۔

(۸)......خوشبو لگانا (مگر خواتین تیز خوشبو لگانے سے پرہیز کریں)

(۹)......صدقۂ فطر ادا نہ کیا ہو، تو عید کی نماز سے پہلے پہلے ادا کر دینا۔

(۱۰)......عید کی نماز کے لئے جلدی پہنچنا۔

(۱۱)......کوئی عذر نہ ہو تو عید کی نماز ادا کرنے کے لیے پیدل جانا۔

(۱۲)......کوئی عذر نہ ہو تو عید کی نماز، عیدگاہ میں ادا کرنا۔

(۱۳)......عید کی نماز کے لیے جاتے ہوئے راستے میں تکبیر کہنا، اور تکبیر ان الفاظ میں کہنا بہتر ہے:

”اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ“

(۱۴)......عیدالفطر کی نماز کے لئے جانے سے پہلے کچھ کھالینا۔

(۱۵)...... جس راستہ سے عید کی نماز کے لئے جائیں اس کے علاوہ سے واپس آنا۔

(۱۶)......اپنی وسعت وحیثیت کے مطابق صحیح مستحقین ومساکین کو صدقہ کرنا۔

(۱۷)......حسبِ حیثیت اپنے اہل وعیال اور گھر والوں کی ضروریات (لباس، اور کھانے پینے وغیرہ) میں وسعت وفراخی کرنا۔

(۱۸)......گھر والوں، عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔

آگے ان امور کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۱)......عید کی رات میں حسبِ توفیق نفلی عبادت کرنا

عید کی رات میں حسبِ توفیق نفلی عبادت وذکر کرنا، اور بطورِ خاص گناہوں سے بچنا سنت ومستحب ہے۔

(جس کی تفصیل ”شبِ عید یعنی چاندرات کے فضائل واحکام“ کے ذیل میں گزر چکی ہے)

(۲)......صبح سویرے اُٹھنا اور فجر کی نماز وقت پر ادا کرنا

عید کے دن صبح کو سویرے اُٹھنا چاہیے، اور فجر کی نماز اپنے وقت پر ادا کرنی چاہیے، اور مرد حضرات کو فجر کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھنی چاہیے۔

کیونکہ عید کا دن عبادت کا دن ہے، اور اس دن کا آغاز عبادت کے ساتھ ہونا چاہیے۔

صحابۂ کرام کے حالات میں بھی یہ چیز ملتی ہے۔

بلکہ کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو فجر کی نماز سے پہلے ہی تیاری کر کے فجر کی نماز کے لیے مسجد میں پہنچ جاتے تھے، اور فجر کی نماز کے بعد وہیں سے ہی عید گاہ تشریف لے جاتے تھے۔

چنانچہ حضرت یزید بن ابی عبید فرماتے ہیں کہ:

خَرَجْتُ أَقُوْدُ سَلَمَةَ بْنَ الْأَكْوَعِ يَوْمَ عِيْدٍ فَشَهِدَ صَلَاةَ الصُّبْحِ مَعَ الْإِمَامِ فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، ثُمَّ خَرَجْنَا إِلَى الْمُصَلّٰى (أحكام العيدين للفريابي) [1]

[1] حديث نمبر ۳۳، باب وقت الخروج الى العيدين، مكتبة العلوم والحكم -المدينة المنورة.

[2] حديث نمبر ۲۸، باب وقت الخروج الى العيدين، مكتبة العلوم والحكم -المدينة المنورة، واللفظ لهٗ، شرح السنة، تحت حديث رقم ۱۱۰۳.

ترجمہ: میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے پیچھے عید کے دن نکلا، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں فجر کی نماز میں امام کے ساتھ شریک ہوئے، پھر ہم عید گاہ کی طرف نکلے (ترجمہ ختم)

اور حضرت محمد بن زیاد فرماتے ہیں کہ:

رَأَيْتُ أَبَا أُمَامَةَ الْبَاهِلِيَّ وَرِجَالاً مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا صَلَّوُا الْفَجْرَ فِي الْعِيْدَيْنِ مَعَ الْجَمَاعَةِ، فَسَلَّمَ الْإِمَامُ، عَجَّلُوا الْخُرُوْجَ حَتّٰى يَقْعُدُوْا قَرِيْبًا مِّنَ الْمِنْبَرِ (أحكام العيدين للفريابي) [2]

ترجمہ: میں نے حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ جب وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن جماعت کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ لیتے تھے، تو وہ (عید کی نماز کے لئے) جلدی نکلا کرتے تھے، تاکہ منبر (یعنی امام) کے قریب بیٹھیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّي الصُّبْحَ فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَغْدُوْ كَمَا هُوَ إِلَى الْمُصَلّٰى (مصنف ابن أبى شيبة) [1]

[1] حديث نمبر ۵۶۵۶، كتاب الصلاة، باب السَّاعَةُ الَّتِي يَتَوَجَّهُ فِيهَا إِلَى الْعِيدِ ، أَيُّ سَاعَةٍ هِيَ ؟

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھتے تھے، پھر اسی حال میں عیدگاہ کی طرف نکل پڑتے تھے (ترجمہ ختم)

لہٰذا عید کے دن صبح سویرے اُٹھنا چاہیے، اور فجر کی نماز اپنے وقت پر اور مرد حضرات کو باجماعت ادا کرنی چاہیے۔ [2]

[2] بعض اہلِ علم حضرات نے عید کے دن فجر کی نماز کو اپنے محلے کی مسجد میں پڑھنا مستحب قرار دیا ہے، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محلّہ کی قید، عیدگاہ سے احتراز کرنے کے لیے ہے، کہ کہیں تکبیر کی فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے لوگ فجر کی نماز بھی عیدگاہ میں جا کر نہ پڑھنے لگیں، جو کہ شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔
ومن المندوبات صلاة الصبح فى مسجد حية (رد المحتار ج۲ ص ۱۶۹ ،باب العيدين)

(۳)......طہارت ونظافت اور زیب وزینت اختیار کرنا

عید کے دن شریعت کے موافق طہارت ونظافت اور صفائی ستھرائی اور زیب وزینت اختیار کرنا سنت ومستحب ہے، کیونکہ شریعت کی طرف سے عید کے دن کے ساتھ صفائی ستھرائی کا بھی خاص تعلق ہے۔

اور اسی وجہ سے جمعے کے دن بھی اس قسم کے بہت سے کام سنت ومستحب ہیں۔

چنانچہ حضرت ابنُ السباق سے مرسلاً روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عِيْدًا لِلْمُسْلِمِيْنَ فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهُ اَنْ يَّمُسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ (مؤطا امام محمد) [3]

[3] رقم حديث ۵۹، باب الاغتسال يوم الجمعة، دار القلم، دمشق، واللفظ لهٗ؛ موطا امام مالک، حديث نمبر ۲۱۳.

قال البیھقی:

ھذاھو الصحیح مرسل، ولایصح وصلہ(السنن الکبریٰ للبیھقی ج۳ص۳۴۵، تحت حدیث رقم ۵۹۵۹)

قال احمد ھذامرسل(معرفۃ السنن والآثار ج۴ص۴۱۲،باب الھیئۃ للجمعۃ)

وقال الھیثمیی:

رواہ مسدد والبیھقی مرسلا بسند رجالہ ثقات ،رواہ البیھقی مرفوعا من حدیث ابی ھریرۃ ومن حدیث انس وقال الصحیح انہ مرسل (اتحاف الخیرۃ المھمرۃ، ج۲ص۲۷۶،کتاب الجمعۃ، باب الزینۃ والطیب والسواک یوم الجمعۃ)

وقال ابن عبدالبر:

ابن السباق ھذا عبید روی عنہ ابن شھاب وابنہ سعید بن عبید بن اسباق وھو من ثقات التابعین ومن اشرافھم من بنی عبدالدار بن قصی (التمھید لابن عبدالبر ، ج۱۱ص۲۰۹،باب المیم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ تعالیٰ نے اس دن کو مسلمانوں کے لئے عید بنادیا ہے لہٰذا تم (اس دن) غسل کرواور جس کو خوشبو (عطر) میسّر ہو تو اس کو بھی استعمال کرے اور تم مسواک کا بھی اہتمام کرو (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّ ھٰـذَا یَوۡمُ عِیۡدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ لِلۡمُسۡلِمِیۡنَ فَمَنۡ جَاءَ اِلَی الۡجُمُعَةِ فَلۡیَغۡتَسِلۡ وَاِنۡ کَانَ طِیۡبٌ فَلۡیَمُسَّ مِنۡهُ وَعَلَیۡکُمۡ بِالسِّوَاکِ (ابنِ ماجہ) [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اس دن کو مسلمانوں کے لئے عید بنادیا ہے لہٰذا جو جمعہ

[1] حدیث نمبر ۱۰۹۸،کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا، باب ما جاء فی الزینۃ یوم الجمعۃ، واللفظ لہٗ،معجم اوسط للطبرانی حدیث نمبر ۷۳۵۵.

قال المنذری:

رواہ ابن ماجہ بإسناد حسن وستأتی أحادیث تدل لھذا الباب فیما یأتی من الأبواب إن شاء اللہ تعالی (الترغیب والترھیب، تحت حدیث نمبر ۱۰۵۸، کتاب الجمعۃ، الترغیب فی صلاۃ الجمعۃ والسعی إلیھا وما جاء فی فضل یومھا وساعتھا)

(وعید) کی نماز کے لئے آئے تو اسے چاہئے کہ غسل کرے اور اگر خوشبو (عطر)

میسر ہو تو اس کو بھی استعمال کرے اور تم مسواک کا بھی اہتمام کرو (ترجمہ ختم)

یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

[1] عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي جُمُعَةٍ مِنَ الْجَمْعِ مَعَاشِرَ الْمُسْلِمِينَ إِنَّ هَذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللَّهُ لَكُمْ عِيدًا فَاغْتَسِلُوا وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ لَمْ يَرْوِهِ عَنْ مَالِكٍ إِلَّا يَزِيدُ بْنُ سَعِيدٍ وَمَعْنُ بْنُ عِيسَى (المعجم الصغير للطبرانی، حدیث نمبر ۳۵۸)

عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي مَنْ، لَا أَتَّهِمُ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي جُمُعَةٍ مِنَ الْجُمَعِ :يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ إِنَّ هَذَا يَوْمَ عِيدٍ، جَعَلَهُ اللَّهُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ، فَاغْتَسِلُوا بِالْمَاءِ، وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طِيبٌ فَلَا يَضُرُّهُ أَنْ يَمَسَّ مِنْهُ، وَعَلَيْكُمْ بِهَذَا السِّوَاكِ (مسند الشاميين للطبرانی، حديث نمبر ۱۸۲۴)

ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعے کو عید کا دن قرار دیا ہے، کیونکہ عید اور جمعے کے کئی احکام مشترک اور ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

چنانچہ عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ کے دنوں میں دو رکعت اجتماعی انداز میں بڑے بڑے مجمعوں کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، اسی طرح جمعہ کی نماز بھی ادا کی جاتی ہے۔

اور عیدین کی نماز دو رکعت ہے، اسی طرح جمعہ کی نماز بھی دو رکعت فرض ہے۔

اور عیدین کی نماز کے ساتھ خطبہ پڑھا جاتا ہے، اسی طرح جمعہ کی نماز کے ساتھ بھی خطبہ پڑھا جاتا ہے (پہلے اور بعد کے فرق کے ساتھ)

اور عیدین کی نماز شہروں اور قصبات میں ادا کی جاتی ہے، دیہات اور عام گاؤں میں عیدین کی نماز کا حکم نہیں، یہی حکم جمعہ کی نماز کا بھی ہے۔

اور عیدین کی نماز کے لئے جلدی جانا سنت ہے، اسی طرح جمعہ کی نماز کے لئے بھی جلدی جانا سنت ہے۔

اور عیدین کی نماز پڑھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور مغفرت اور مختلف انعامات عطا کئے جانے کا ذکر ہے، اسی طرح جمعہ کی نماز پڑھنے والوں کے لئے بھی ہے، اور جمعہ کے دن بھی بے شمار لوگوں کی مغفرت ہوتی ہے۔

اور عیدین کی راتیں مبارک راتیں ہیں، اسی طرح جمعہ کی رات بھی مبارک رات ہے۔
اور عیدین کے دنوں میں غسل کرنا، مسواک کرنا اور اچھا لباس پہننا، صفائی ستھرائی اختیار کرنا اور فاضل بال وناخن وغیرہ کاٹنا سنت ومستحب ہے، اسی طرح جمعہ کے دن بھی یہ اعمال سنت ومستحب ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعے کے دن غسل اور مسواک اور خوشبو کا حکم فرماتے وقت اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ عید کا دن ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ جمعے کا دن جزوی اعتبار سے عید کا دن ہے۔

جس سے عید کے دن بدرجۂ اولیٰ ان چیزوں کا شریعت کی طرف سے حکم ہونا ثابت ہوا۔ [1]

---

[1] قوله هذا يوم جعله الله عيدا يقتضى ظاهره أنه شرع فيه الغسل لأنه عيد وهذا يدخل فيه كل ما يقع عليه هذا الاسم فى الحكم وذلك أن الأعياد مشروع فيها التجمل والمباهاة والنظافة من أفضل التجمل (المنتقىٰ شرح الموطا، تحت حديث رقم ١٣١، كتاب الطهارة، باب ماجاء فى السواک)

ومـمـن روى عنه الغسل للعيد -أيضا -من الصحابة :على بن أبى طالب، وابن عباس، وسلمة بن الأكوع، والسائب بن يزيد.وقال ابن المسيب :هو سنة الفطر .وروى مالک، عن الزهرى، عن عبيد بن السباق، أن رسول الله -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -قال فى جمعة من الجمع(يا معشر المسلمين، إن هذا اليوم جعله الله عيدا، فاغتسلوا، ومن كان عنده طيب فلا يضره أن يمس منه، وعليكم بالسواک) . وهذا تنبيه على أن ذلک مأمور به فى كل عيد للمسلمين (فتح البارى لابن رجب، ج٨ص٦ ١ ٤، أبواب العيدين، باب فى العيدين والتجمل فيهما)

ثم يستحب لصلاة العيد ما يستحب للجمعة من الاغتسال والاستياک والتطيب ولبس احسن الثياب والتكبير الى المصلى لانه يوم اجتماع للعبادة كالجمعة فيستحب التنظيف واظهار النعمة والمسارعة وذكر السروجى على الجواهرى قال يغتسل بعد الفجر فان فعلهٗ قبلهٗ اجزأه ويتطيب بازالة الشعر وقلم الاظفار ومس الطيب وقال المالكية والشافعية يستوى فى ذالک الذاهب الى الصلاة والقاعد لانهم يوم الزينة بخلاف الجمعة قال السروجى وهٰذا صحيح (حلبى كبير صفحه ٥٦٦،فصل فى صلاة العيد)

(۴)......اہتمام کے ساتھ غسل کرنا

عید کے دن خوب اہتمام کے ساتھ میل کچیل دور کر کے غسل کرنا سنت ومستحب ہے۔

چنانچہ حضرت زاذان سے روایت ہے کہ:

سَأَلَ رَجُلٌ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ الْغُسْلِ؟ فَقَالَ اِغْتَسِلْ كُلَّ يَوْمٍ اِنْ شِئْتَ فَقَالَ اَلْغُسْلُ الَّذِیْ هُوَ الْغُسْلُ، قَالَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَوْمَ عَرَفَةَ وَيَوْمَ النَّحْرِ وَيَوْمَ الْفِطْرِ (مسند الشافعی) [1]

[1] حدیث نمبر ۹۸۸، باب غسل یوم عرفة ویوم النحر، شرکة غراس للنشر والتوزیع، الکویت. قال الالبانی: وسنده صحیح (ارواء الغلیل، تحت حدیث رقم ۱۴۶)

ترجمہ: ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے غسل کے بارے میں سوال کیا؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو ہر دن غسل کر سکتے ہیں (یعنی ہر روز غسل کرنا جائز ہے) پھر اس نے کہا کہ جو غسل کہ (شریعت کی نظر میں ثواب والا) غسل ہے (میں اس غسل کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن، اور عید الاضحیٰ کے دن اور عید الفطر کے دن (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

اَلْغُسْلُ يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ (مصنف ابن أبی شیبة) [2]

[2] کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۵۸۲۲، فی الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ.

ترجمہ: عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن غسل (ثواب) ہے (ترجمہ ختم)

معلوم ہوا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کرنا سنت و مستحب ہے۔ [3]

[3] (کان یغتسل یوم الجمعة ویوم الفطر ویوم النحر ویوم عرفة) فیه أنه یندب الاغتسال فی هذه الأیام ولهذه الأربعة وعلیه الإجماع (فیض القدیر للمناوی، تحت حدیث رقم ۷۱۱۷)

اور حضرت محمد بن علی بن حسین سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَلِيًّا كَانَ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَوْمَ عَرَفَةَ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُحْرِمَ (مسند الشافعی) [1]

[1] حدیث نمبر ۷۸۵، ج۲ص ۱۸۲، باب الغسل والطیب للاحرام.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن، اور جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن اور احرام شروع کرنے کا ارادہ کرتے وقت غسل کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَغْتَسِلُ فِي الْعِيدَيْنِ (مصنف ابن أبى شيبة) [۲]

[۲] حدیث نمبر ۵۸۲۵، وحدیث نمبر ۵۸۲۳، کتاب الصلاة، فی الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ.

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ يَّغْدُوَ (موطأ امام محمد) [۳]

[۳] حدیث نمبر ۷۰، ابواب الصلاة، باب الاغتسال یوم العیدین، واللفظ لہٗ، دارالقلم، دمشق؛احکام العیدین للفریابی، روایت نمبر ۱۳ .

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن صبح نکلنے سے پہلے غسل کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اَلْغُسْلُ يَوْمَ الْعِيدِ حَسَنٌ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ (موطأ امام محمد) [۴]

[۴] حدیث نمبر ۷۰، ابواب الصلاة، باب الاغتسال یوم العید، دارالقلم، دمشق .

ترجمہ: جمعہ کے دن غسل کرنا مستحسن عمل ہے، واجب نہیں ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے (ترجمہ ختم)

اور جلیل القدر تابعی حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ:

كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يَغْتَسِلُوا يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ (مصنف ابن أبى شيبة) [۱]

[۱] حدیث نمبر ۵۸۲۸، کتاب الصلاة، فی الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ.

ترجمہ: صحابۂ کرام عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن غسل کرنے کو مستحب (و پسندیدہ عمل) قرار دیتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابراہیم تیمی اپنے والد حضرت یزید بن شریک کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

أَنَّهُ كَانَ يَسْتَحِبُّ الْغُسْلَ لِلْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ (مُصنف ابن أبی شيبة) [۲]

[۲] حديث نمبر ۵۸۳۲، كتاب الصلاة، فی الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ.

ترجمہ: حضرت یزید بن شریک جمعہ اور عیدین کے دن غسل کو مستحب (و باعثِ ثواب) قرار دیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

حضرت یزید بن شریک صحابۂ کرام کے شاگردوں میں سے ہیں۔ [۳]

[۳] يزيد بن شَرِيک بن طارق التَّيْمِیّ، تيم الرباب الكوفی، والد إبراهيم التَّيْمِیّ. رَوَى عَن: حذيفة بن اليمان (م)، وأبی معمر عَبد الله بن سخبرة الأزدی، وعَبد الله بن مسعود، وعلي بن أَبی طالب (خ م د ت س)، وعُمَر بن الخطاب (بخ)، وأبی ذر الغفاری (ع)، وأبی مسعود الأَنْصارِیّ (م د ت.(رَوَى عَنه: ابنه إبراهيم التَّيْمِیّ (ع)، وإبراهيم النخعی، وجواب التَّيْمِیّ (ر عس)، والحكم بن عتيبة (س)، وهمام بن عَبد الله التَّيْمِیّ: الكوفيون. قال إسحاق بن منصور، عن يحيى بن مَعِين: ثقة. وذكره ابنُ حِبَّان فی كتاب "الثقات" روى له الجماعة (تهذيب الكمال، جزء ۳۲، صفحه ۱۶۰)

اور حضرت سعید بن مسیّب کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

اَلْاِغْتِسَالُ يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ حَقٌّ (مُصنف ابن أبی شيبة، حديث نمبر ۵۸۲۹، كتاب الصلاة، فی الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ)

ترجمہ: عیدُ الاضحیٰ اور عیدُ الفطر کے دن (عید الفطر کی نماز کے لیے) نکلنے سے پہلے غسل کرنا حق ہے (ترجمہ ختم)

حق ہونے سے مراد سنت و مستحب ہونا ہے۔

اس کے علاوہ دیگر صحابہ و تابعین اور جلیلُ القدر محدثین سے بھی اسی قسم کی روایات مروی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کرنا سنت و مستحب عمل ہے۔ [۱]

[۱] أخبرنا إبراهيم بن محمد بن أبی يحيى الأسلمی أخبرنی يزيد بن أبی عبيد مولى سلمة بن الأكوع عن سلمة بن الأكوع أنه كان يغتسل يوم العيد (مسند الشافعی، روايت نمبر ۴۷۲)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ :اغْتَسَلَ فِي الْعِيدَيْنِ (مُصنف ابن أبی شیبة، حدیث نمبر ۵۸۲۴، فی الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ)

عَنْ أَبِي بَكْرٍ ؛ أَنَّ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ كَانَ يَغْتَسِلُ لِلْعِيدِ (مُصنف ابن أبی شیبة، حدیث نمبر ۵۸۳۰، فی الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ)

عن سعيد بن المسيب أنه قال : سنة الفطر ثلاث :المشي إلى المصلى ، والأكل قبل الخروج ، والاغتسال (أحكام العيدين للفريابي، حديث نمبر ۱۷)

عَنْ يَزِيدَ ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى ، قَالَ :الْغُسْلُ يَوْمَ الْأَضْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ(مُصنف ابن أبی شیبة، حدیث نمبر ۵۸۲۱، فی الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ)

عَنِ الْحَسَنِ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ النَّحْرِ (مُصنف ابن أبی شیبة، حدیث نمبر ۵۸۲۶، فی الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ)

عَنِ الْحَسَنِ ، وَمُحَمَّدٍ ؛ أَنَّهُمَا كَانَا يَغْتَسِلَانِ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ النَّحْرِ (مُصنف ابن أبی شیبة، حدیث نمبر ۵۸۲۷، فی الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ)

عَنْ أَبِي بَكْرٍ ، قَالَ :سَمِعْتُ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَأْمُرُ بِالْغُسْلِ لِلْعِيدَيْنِ (مُصنف ابن أبی شیبة، حدیث نمبر ۵۸۳۱، فی الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ)

عَنْ مُحَمَّدٍ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْعِيدِ قَبْلَ أَنْ يَغْدُوَ (مُصنف ابن أبی شیبة، حدیث نمبر ۵۸۳۳، فی الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ)

اصل میں تو عید کے دن غسل کرنا سنت ہے، اور اس کو مستحب اس معنیٰ میں کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ واجب یا تاکیدی درجے کی سنت نہیں۔ [۲]

۲ (قَوْلُهُ وَنُدِبَ يَوْمُ الْفِطْرِ إلَخْ) النَّدْبُ قَوْلُ الْبَعْضِ وَعَدَّ الْمُصَنِّفُ الْغُسْلَ سَابِقًا مِنْ السُّنَنِ وَالصَّحِيحُ أَنَّ الْكُلَّ سُنَّةٌ لِخُصُوصِ الرِّجَالِ قُهُسْتَانِيٌّ عَنْ الزَّاهِدِيِّ ط وَزَادَ فِي الْبَحْرِ عَنْ الْمُجْتَبَى وَإِنَّمَا سَمَّاهُ مُسْتَحَبًّا لِاشْتِمَالِ السُّنَّةِ عَلَى الْمُسْتَحَبِّ قَالَ نُوحٌ أَفَنْدِي وَحَاصِلُهُ تَجْوِيزُ إطْلَاقِ اسْمِ الْمُسْتَحَبِّ عَلَى السُّنَّةِ وَعَكْسُهُ وَلِهَذَا أَطْلَقَ فِي الْهِدَايَةِ اسْمَ الْمُسْتَحَبِّ عَلَى الْغُسْلِ ثُمَّ قَالَ فَيُسَنُّ فِيهِ الْغُسْلُ اهـ وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ أَيْضًا أَنَّ هَذِهِ الْأُمُورَ مَنْدُوبَةٌ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَمِنْ آدَابِهَا لَا مِنْ آدَابِ الْيَوْمِ كَمَا فِي الْجَلَّابِيِّ لَكِنْ فِي التُّحْفَةِ أَنَّ فِي غُسْلِهِ اخْتِلَافَ الْجُمُعَةِ .اهـ (ردالمحتار، جزء۲، صفحه ۱۶۸، باب العيدين، مَطْلَبٌ يُطْلَقُ الْمُسْتَحَبُّ عَلَى السُّنَّةِ وَبِالْعَكْسِ)

قلت:اختلفت عبارات المشايخ، ففي بعضها جعله مستحبا، وفي بعضها سنة والصحيح أنه سنة، وسماه مستحبا لاشتمال السنة على المستحب (البناية شرح الهداية، ج۳، ص ۱۰۰، باب صلاة العيدين)

مسئلہ:...... اگر عید اور جمعہ کا دن ایک ساتھ جمع ہو جائے یا کسی پر غسل فرض ہو تو دونوں کے لئے ایک ہی غسل کافی ہے، اور بہتر یہ ہے کہ ایک غسل میں سب کی نیت کر لی جائے، تاکہ ثواب پورا پورا حاصل ہو۔ [۱]

۱ وَيَكْفِي غُسْلٌ وَاحِدٌ لِعِيدٍ وَجُمُعَةٍ اجْتَمَعَا مَعَ جَنَابَةٍ كَمَا لِفَرْضَيْ جَنَابَةٍ وَحَيْضٍ (وَ) لِأَجْلِ (إحْرَامٍ

وَ) فِي جَبَلِ (عَرَفَةَ) بَعْدَ الزَّوَالِ (الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار، جزء ا ،صفحه ١٦٩ ، كتاب الطهارة، سنن الغسل)

(قَوْلُهُ :اجْتَمَعَا مَعَ جَنَابَةٍ) أَقُولُ :وَكَمَا لَوْ كَانَ مَعَهُمَا كُسُوفٌ وَاسْتِسْقَاءٌ، وَهَذَا كُلُّهُ إذَا نَوَى ذَلِكَ لِيَحْصُلَ لَهُ ثَوَابُ الْكُلِّ تَأَمَّلْ (ردالمحتار، جزء ا ، صفحه ١٦٩ ، سنن الغسل)

وَلَوْ اتَّفَقَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَيَوْمُ الْعِيدِ أَوْ عَرَفَةَ وَجَامَعَ ثُمَّ اغْتَسَلَ يَنُوبُ عَنْ الْكُلِّ كَذَا فِي مِعْرَاجِ الدِّرَايَةِ (البحرالرائق، جزء ا ، صفحه ٦٨، احكام الغسل)

مسئلہ:...... اس بارے میں اہلِ علم حضرات کا اختلاف ہے کہ عید کے دن غسل کرنا عید کے دن کی سنت ہے، یا عید کی نماز کی سنت ہے۔

اور بہتر یہ ہے کہ عید کا غسل صبح صادق کے بعد کیا جائے اور اس کے بعد وضو ٹوٹنے سے پہلے اسی غسل سے عید کی نماز ادا کی جائے (تاکہ عید کے دن اور عید کی نماز کے لیے سنت ہونے کے دونوں قولوں پر عمل ہو جائے)

اور جو شخص (کسی عذر یا عید کی نماز واجب نہ ہونے کی وجہ سے جیسا کہ عورت اور نابالغ بچہ) عید کی نماز ادا نہ کرے اس کو بھی غسل کر لینا بہتر ہے، کیونکہ یہ دن صفائی اور زینت کا بھی ہے

(فتاویٰ رحیمیہ مبوب، جلد ٦ صفحہ ١٧٢، باب الجمعۃ والعیدین)

آج کل مرد حضرات تو عید کی نماز سے پہلے غسل اور شرعی طریقہ پر صفائی وغیرہ کرکے فارغ ہو جاتے ہیں، مگر خواتین اس میں کوتاہی کرتی ہیں، اور اگر کہیں آنا جانا ہوتا ہے، تو اس غرض سے غسل وصفائی کر لیتی ہیں، ورنہ نہیں کرتیں؛ حالانکہ یہ اُمور عید کے دن کی وجہ سے عبادت ہیں، کسی کو دکھانے کی غرض سے نہیں اور اگر نامحرموں کو دکھانا مقصود ہو تو یہ مستقل گناہ ہے۔ [۲]

۲ (وَسُنَّ لِصَلَاةِ جُمُعَةٍ وَ) لِصَلَاةِ (عِيدٍ) هُوَ الصَّحِيحُ كَمَا فِي غُرَرِ الْأَذْكَارِ وَغَيْرِهِ .وَفِي الْخَانِيَّةِ لَوْ اغْتَسَلَ بَعْدَ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ لَا يُعْتَبَرُ إجْمَاعًا (الدرالمختار)

(قَوْلُهُ :هُوَ الصَّحِيحُ) أَيْ كَوْنُهُ لِلصَّلَاةِ هُوَ الصَّحِيحُ، وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ .ابْنُ كَمَالٍ :وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ .وَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ زِيَادٍ :إنَّهُ لِلْيَوْمِ، وَنُسِبَ إلَى مُحَمَّدٍ وَالْخِلَافُ الْمَذْكُورُ جَارٍ فِي غُسْلِ الْعِيدِ أَيْضًا كَمَا فِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنْ التُّحْفَةِ، وَأَثَرُ الْخِلَافِ فِيمَنْ لَا جُمُعَةَ عَلَيْهِ لَوْ اغْتَسَلَ وَفِيمَنْ أَحْدَثَ بَعْدَ الْغُسْلِ وَصَلَّى بِالْوُضُوءِ نَالَ الْفَضْلَ عِنْدَ الْحَسَنِ لَا عِنْدَ الثَّانِي .قَالَ فِي الْكَافِي :وَكَذَا فِيمَنْ اغْتَسَلَ قَبْلَ الْفَجْرِ وَصَلَّى بِهِ يَنَالُ عِنْدَ الثَّانِي لَا عِنْدَ الْحَسَنِ؛ لِأَنَّهُ اشْتِرَاطُ إيقَاعِهِ فِيهِ إظْهَارًا لِشَرَفِهِ وَمَزِيدِ اخْتِصَاصِهِ عَنْ غَيْرِهِ كَمَا فِي النَّهْرِ، قِيلَ وَفِيمَنْ اغْتَسَلَ قَبْلَ الْغُرُوبِ .وَاسْتَظْهَرَ فِي الْبَحْرِ مَا ذَكَرَهُ الشَّارِحُ عَنْ الْخَانِيَّةِ مِنْ أَنَّهُ لَا يُعْتَبَرُ إجْمَاعًا؛ لِأَنَّ سَبَبَ مَشْرُوعِيَّتِهِ دَفْعُ حُصُولِ الْأَذَى مِنْ الرَّائِحَةِ عِنْدَ

الِاجْتِمَاعِ وَالْحَسَنُ وَإِنْ قَالَ هُوَ لِلْيَوْمِ، لَكِنْ بِشَرْطِ تَقَدُّمِهِ عَلَى الصَّلَاةِ، وَلَا يَضُرُّ تَخَلُّلُ الْحَدَثِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْغُسْلِ عِنْدَهُ .وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَضُرُّ .اهـ .وَلِسَيِّدِي عَبْدِ الْغَنِيِّ النَّابُلُسِيِّ هُنَا بَحْثٌ نَفِيسٌ ذَكَرَهُ فِي شَرْحِ هِدَايَةِ ابْنِ الْعِمَادِ .حَاصِلُهُ أَنَّهُمْ صَرَّحُوا بِأَنَّ هَذِهِ الِاغْتِسَالَاتِ الْأَرْبَعَةَ لِلنَّظَافَةِ لَا لِلطَّهَارَةِ مَعَ أَنَّهُ لَوْ تَخَلَّلَ الْحَدَثُ تَزْدَادُ النَّظَافَةُ بِالْوُضُوءِ ثَانِيًا، وَلَئِنْ كَانَتْ لِلطَّهَارَةِ أَيْضًا فَهِيَ حَاصِلَةٌ بِالْوُضُوءِ ثَانِيًا مَعَ بَقَاءِ النَّظَافَةِ فَالْأَوْلَى عِنْدِي الْإِجْزَاءُ وَإِنْ تَخَلَّلَ الْحَدَثُ؛ لِأَنَّ مُقْتَضَى الْأَحَادِيثِ الْوَارِدَةِ فِي ذَلِكَ طَلَبُ حُصُولِ النَّظَافَةِ فَقَطْ .اهـ .أَقُولُ :وَيُؤَيِّدُهُ طَلَبُ التَّبْكِيرِ لِلصَّلَاةِ، وَهُوَ فِي السَّاعَةِ الْأُولَى أَفْضَلُ وَهِيَ إلَى طُلُوعِ الشَّمْسِ، فَرُبَّمَا يَعْسُرُ مَعَ ذَلِكَ بَقَاءُ الْوُضُوءِ إلَى وَقْتِ الصَّلَاةِ وَلَا سِيَّمَا فِي أَطْوَلِ الْأَيَّامِ، وَإِعَادَةُ الْغُسْلِ أَعْسَرُ -(وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ) (الحج:۷۸)وَرُبَّمَا أَدَّاهُ ذَلِكَ إلَى أَنْ يُصَلِّيَ حَاقِنًا وَهُوَ حَرَامٌ، وَيُؤَيِّدُهُ أَيْضًا مَا فِي الْمِعْرَاجِ :لَوْ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْخَمِيسِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ اسْتَنَّ بِالسُّنَّةِ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ وَهُوَ قَطْعُ الرَّائِحَةِ اهـ.(ردالمحتار ج ۱ ص ۱۶۹، کتاب الطهارة، سنن الغسل)

ثم يستحب لصلاة العيد ما يستحب للجمعة من الاغتسال والاستياک والتطيب ولبس احسن الثياب والتكبير الى المصلى لانه يوم اجتماع للعبادة كالجمعة فيستحب التنظيف واظهار النعمة والمسارعة وذكر السروجى على الجواهرى قال يغتسل بعد الفجر فان فعلهٗ قبلهٗ اجزأه ويتطيب بازالة الشعر وقلم الاظفار ومس الطيب وقال المالكية والشافعية يستوى فى ذالک الذاهب الى الصلاة والقاعد لانهم يوم الزينة بخلاف الجمعة قال السروجى وهٰذا صحيح (حلبى كبير صفحه ۵۶۲،فصل فى صلاة العيد)

قوله " :وتقدم أنه للصلاة "ذكر السرخسى عن الجواهر يغتسل بعد الفجر فإن فعل قبله أجزأه ويستوى فى ذلک الذاهب إلى الصلاة والقاعد لأنه يوم زينة واجتماع بخلاف الجمعة قال السروجى وهذا صحيح وبه قالت المالكية والشافعية كما فى الحلبى واختار فى الدرر أيضا كون الغسل والنظافة فيه لليوم فقط وعلله فى النهر بأن السرور فيه عام فيندب فيه التنظيف لكل قادر عليه صلى أم لا اهـ وفى السيد عن الأنهر الأصح أنه سنة وسماه مندوبا بالاشتمال السنة عليه (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، جزء ۱، صفحه ۵۲۹، باب الجمعة)

وَنُدِبَ أحياء لَيْلَتِهِ وَغُسْلٌ بَعْدَ الصُّبْحِ وَتَطَيُّبٌ وَتَزَيُّنٌ وَإِنْ لِغَيْرِ مُصَلٍّ وَمَشْيٌ فى ذَهَابِهِ وَفِطْرٌ قَبْلَهُ فى الْفِطْرِ وَتَأْخِيرُهُ فى النَّحْرِ (الفواكه الدوانى، جزء ۱، صفحه ۲۷۵، بَابٌ فى الْكَلَامِ على صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ)

قوله :(وسن غسل للعيدين) ولو لغير مميز فيغسله وليه ، كما قيل به فى غسل إسلام الكافر الصغير تبعا لأبيه .

قوله :(لأنه يوم زينة) مقتضاه أنه يطلب من الحائض والنفساء كما فى غسل الإحرام ، وهو كذلک ا هـ (حاشية البجيرمى على الخطيب، جزء۲ صفحه ۲۲۲، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة العيدين)

ووقت الغسل بعد طلوع الفجر فى ظاهر كلام الخرقى لقوله فاذا اصبحوا تطهروا قال القاضى والأمدى ان اغتسل قبل الفجر لم يصب سنة الاغتسال لانه غسل الصلاة فى اليوم فلم يجز قبل الفجر كغسل الجمعة وقال ابن عقيل المنصوص عن احمد انه قبل الفجر وبعده لان زمن العيد

اضيق من وقت الجمعة فلو وقف على الفجر ربما فات ولان المقصود منه التنظيف وذلك يحصل بالغسل فى الليل لقربه من الصلاة والافضل ان يكون بعد الفجر ليخرج من الخلاف ويكون ابلغ فى النظافةلقربه من الصلاة وقول الخرقي : تطهر والم يخص به الغسل بل هو ظاهر فى الوضوء وهو غير مختص بما بعد الفجر(المغني لابن قدامه ج ۲ ص ۲۲۹)

مسئلہ:...... سنت کے مطابق غسل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو گٹّوں تک تین مرتبہ دھوئیں، اس کے بعد اپنی دونوں شرمگاہوں والے حصوں کو دھوئیں (اگرچہ ان پر بظاہر کوئی ناپاکی نہ لگی ہو) اس کے بعد اگر بدن پر کہیں ناپاکی لگی ہو تو اس کو دھوئیں، اور اس کے بعد سنت کے مطابق پورا وضو کریں (اگر اُس نہانے والی جگہ پر نیچے جہاں پاؤں موجود ہیں، پانی جمع ہے تو پیروں کو بعد میں اُس جگہ سے ہٹ کر دھوئیں) اس کے بعد سر پر پانی ڈالیں، پھر جسم کے دائیں حصے پر اور اس کے بعد بائیں حصے پر پانی ڈالیں، اور اس عمل کو تین مرتبہ دہرائیں، تاکہ تین مرتبہ پورے جسم پر پانی بہہ جائے۔

ویسے جس طرح بھی پورے جسم پر پانی بہالیا جائے، اور کلّی کرلی جائے اور ناک میں پانی ڈال لیا جائے، تو غسل کے فرائض ادا ہوجاتے ہیں، مگر اس میں سنت کے مطابق غسل کرنے کا ثواب نہیں ملتا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

(۵)......مسواک کرنا

عید کا دن چونکہ ذکر وعبادت اور صفائی ونظافت کا بھی دن ہے، اور مسواک عبادت اور صفائی ونظافت کا ذریعہ ہے۔

اس لیے عید کے دن خاص اہتمام کے ساتھ مسواک کرنا سنت ومستحب ہے، اور مسواک خواتین کے لیے بھی سنت ہے۔ [۱]

[۱] ویستحب یوم الفطر للرجل الاغتسال والسواک ولبس أحسن ثیابه، کذا فی القنیة جدیدا کان أو غسیلا، کذا فی محیط السرخسی (الفتاویٰ الهندیة، ج ۱ ص ۱۴۹، کتاب الصلاة، الباب السابع عشر فی صلاة العیدین)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

اَلسِّوَاکُ مِطْهَرَةٌ لِلْفَمِ، وَمَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ (سنن نسائی) [۲]

[۲] حدیث نمبر ۵، کتاب الطهارة، باب الترغیب فی السواک، مکتب المطبوعات الإسلامیة - حلب، واللفظ لهٗ، مسند احمد، حدیث نمبر ۲۴۲۰۳.

فی حاشیة مسند احمد: حدیث صحیح لغیره، وهذا إسناد حسن (تحت حدیث نمبر ۲۴۲۰۳)

ترجمہ: مسواک منہ کی صفائی اور رب تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے (ترجمہ ختم)

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اِسْتَاکُوْا وَتَنَظَّفُوْا (مصنف ابنِ ابی شیبة) [۳]

[۳] حدیث نمبر ۱۸۱۷، کتاب الطهارة، باب فی أی ساعة یستحب السواک؟ المعجم الاوسط للطبرانی حدیث نمبر ۷۴۴۲.

ترجمہ: مسواک کرو، اور نظافت وصفائی حاصل کرو (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ لَكُمْ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ

(المعجم الصغیر للطبرانی) [۴]

[۴] حدیث نمبر ۳۵۸، مکتبة ابنِ تیمیة، القاهرة، واللفظ لهٗ، معجم ابن المقری، حدیث نمبر ۳۹۰.
قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط والصغیر، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، ج ۲ ص ۱۷۳)

ترجمہ: اس دن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے عید بنا دیا ہے، لہٰذا تم غسل کرو اور تم مسواک کا بھی اہتمام کرو (ترجمہ ختم)

اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِي السِّوَاكِ يَوْمَ الْعِيدِ كَهَيْئَتِهِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ (مصنف عبد الرزاق) [1]

[1] حدیث نمبر ۵۷۴۵، کتاب صلاۃ العیدین، باب الاستنان، المکتب الاسلامی، بیروت.

ترجمہ: عید کے دن کی ایک سنت مسواک کرنا بھی ہے، جس طرح سے کہ جمعہ کے دن مسواک کرنا سنت ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

اَلسِّوَاكُ فِي يَوْمِ الْعِيدِ سُنَّةٌ (مصنف عبد الرزاق) [2]

[2] حدیث نمبر ۵۷۴۴، کتاب صلاۃ العیدین، باب الاستنان، المکتب الاسلامی، بیروت.

ترجمہ: عید کے دن مسواک کرنا سنت ہے (ترجمہ ختم)

لہٰذا عید کے دن مرد وعورت سب کو اور خاص طور پر مرد حضرات کو عید کی نماز سے پہلے مسواک کا اہتمام کرنا چاہئے۔

اور مسواک کی سنت ادا کرنے کے لیے اگر مسواک موجود نہ ہو تو عید کا دن آنے سے پہلے ہی اس کا انتظام کر لینا چاہئے۔

(۶)......فاضل بال و ناخن کاٹنا

عید کا دن چونکہ صفائی و نظافت کا بھی دن ہے (جیسا کہ پہلے گزرا) اس لیے عید کے دن فاضل (یعنی زیرِ ناف و بغلوں اور مونچھوں کے) بال اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے ناخن وغیرہ کاٹنا بھی سنت و مستحب عمل ہے۔

کیونکہ یہ چیزیں بھی شرعاً صفائی و نظافت میں داخل ہیں۔ [1]

[1] ويتطيب بازالة الشعر وقلم الاظفار ومس الطيب وقال المالكية والشافعية يستوى فى ذالك

الذاهب الى الصلاة والقاعد لانهم يوم الزينة بخلاف الجمعة قال السروجي وهٰذا صحيح (حلبی كبير، صفحه ٥٦٦،فصل فی صلاة العيد)

ويستحب إزالة الشعر والظفر والريح الكريهة (حاشية البجيرمى على الخطيب، جزء٢، صفحه ٢٢٢، كتاب الصلاة، فصل فی صلاة العيدين)

(قَوْلُهُ وَإِزَالَةُ نَحْوِ شَعْرٍ إلَخْ) أَيِّ شَعْرٍ تُطْلَبُ إزَالَتُهُ كَالْعَانَةِ وَالْإِبِطِ فَلَوْ لَمْ يَكُنْ بِبَدَنِهِ شَعْرٌ فَالظَّاهِرُ بَلْ الْمُتَعَيِّنُ أَنَّهُ لَا يُسَنُّ لَهُ إمْرَارُ الْمُوسَى عَلَى بَدَنِهِ؛ لِأَنَّ إزَالَةَ الشَّعْرِ لَيْسَتْ هُنَا مَطْلُوبَةً لِذَاتِهَا بَلْ لِلتَّنْظِيفِ وَبِهَذَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مَا هُنَا وَبَيْنَ تَحَلُّلِ الْمُحْرِمِ ع ش (حاشية الشروانی على تحفة المحتاج فی شرح المنهاج، جزء٣، صفحه ٤٧، باب صلاة العيدين)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ أُمِرْتُ بِيَوْمِ الْأَضْحٰى عِيْدًا جَعَلَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ، فَقَالَ الرَّجُلُ أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ أَجِدْ إِلَّا مَنِيْحَةً أُنْثٰى أَفَأُضَحِّيْ بِهَا؟ قَالَ لَا، وَلٰكِنْ تَأْخُذُ مِنْ شَعْرِكَ، وَتُقَلِّمُ أَظْفَارَكَ، وَتَقُصُّ شَارِبَكَ، وَتَحْلِقُ عَانَتَكَ، فَذٰلِكَ تَمَامُ أُضْحِيَّتِكَ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (سنن نسائی) [۲]

---

[۲] حديث نمبر ٤٣٦٥، كتاب الضحايا، باب من لم يجد الاضحية،مكتب المطبوعات الإسلامية -حلب، واللفظ لهٗ؛ صحيح ابنِ حبان، حديث نمبر ٥٩١٤؛ مستدرک حاكم، حديث نمبر ٧٥٢٩؛ مسند احمد، حديث نمبر ٦٥٧٥.

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ

وقال الذهبی فی التلخيص: هذا حديث صحيح.

وفی حاشية ابنِ حبان:

إسناده صحيح عيسى بن هلال الصدفي :وثقه المؤلف، وروى عنه جمع، وباقي رجاله ثقات رجال مسلم غير يزيد -وهو ابنُ خالد بن يزيد بن موهب -فقد روى له أبو داود والنسائي وابن ماجه، وهو ثقة.وأخرجه النسائي ٧/٢١٢،٢١٣في الضحايا :باب من لم يجد الأضحية، والدارقطني ٢/٢٨٢، والحاكم ٢/٢٢٣، والبيهقي ٩/٢٦٣من طريقين عن ابن وهب، بهذا الإسناد .وصححه الحاكم، ووافقه الذهبي.وأخرجه أحمد٢/١٦٩،وأبو داود "٢٧٨٩ "في لأضاحي :باب ما جاء في إيجاب الأضاحي، من طريق أبي عبد الرحمن عبد الله بن يزيد، عن سعيد بن أبي أيوب، به.وأخرجه الدارقطني ٤/٢٨٢،والحاكم ٤/٢٢٣، والبيهقي ٩/٢٦٣،٢٦٤من طيقين عن عياش بن عباس، به.والمنيحة:هي الناقة أو الشاة تعار لينتفع بلبنها، وتعاد إلى صاحبها (حاشيه ابنِ حبان)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو فرمایا کہ مجھے (اللہ تعالیٰ کی

طرف سے) حکم دیا گیا ہے بقر عید کے دن عید منانے کا جو اللہ عز وجل نے اس امت کے لیے مقرر فرمائی ہے، اس آدمی نے عرض کیا کہ اگر میرے پاس کچھ بھی موجود نہ ہو (یعنی قربانی کے مطابق نصاب موجود نہ ہو) سوائے ایک مادہ (بکری یا اونٹنی) کے، جو کہ دوسرے کی میرے پاس امانتاً ہو (اور میں اس کا مالک نہ ہوں) تو کیا میں اس کی قربانی کروں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں (آپ اس کی قربانی نہ کریں) بلکہ آپ اپنے بال اور ناخن کاٹ لیں، اور مونچھوں کے بال کاٹ لیں، اور اپنے زیرِ ناف بال کاٹ لیں، پس اللہ عز وجل کے نزدیک یہی آپ کی پوری قربانی ہے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ عید کے دن ناخن کاٹنا اور فاضل بال یعنی زیرِ ناف اور مونچھوں کے بال اور بغلوں کے بال کاٹنا سنت ومستحب ہے۔ [1]

[1] وهذا يشعر باستحباب هذه الطهارات فی الأعياد كلها، وأنها من تمام النسک المشروع فيها، والجمعة من جملة الأعياد، وهی عيد الأسبوع، كما أن عيد الفطر والأضحى عيد العام (فتح البارى لابن رجب، ج۸ص۱۱۳، كتاب الجمعة، باب الدهن للجمعة)

اور ایک حدیث میں داڑھی بڑھانے، مونچھیں اور ناخن کاٹنے اور زیرِ ناف وزیرِ بغل بالوں کے صاف کرنے کو فطرت اور سنت کے کاموں میں شمار کیا گیا ہے۔ [2]

---

[2] حدثنا قتيبة بن سعيد، وأبو بكر بن أبی شيبة، وزهير بن حرب، قالوا :حدثنا وكيع، عن زكريا بن أبی زائدة، عن مصعب بن شيبة، عن طلق بن حبيب، عن عبد الله بن الزبير، عن عائشة، قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :عشر من الفطرة :قص الشارب، وإعفاء اللحية، والسواک، واستنشاق الماء ، وقص الأظفار، وغسل البراجم، ونتف الإبط، وحلق العانة، وانتقاص الماء "قال زكريا :قال مصعب :ونسيت العاشرة إلا أن تكون المضمضة زاد قتيبة، قال وكيع ": انتقاص الماء :يعنی الاستنجاء (مسلم،حديث نمبر ۲۶۱، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة)

أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِی بِشْرٍ، عَنْ طَلْقِ بْنِ حَبِيبٍ قَالَ " :عَشَرَةٌ مِنَ السُّنَّةِ: السِّوَاکُ، وَقَصُّ الشَّارِبِ، وَالْمَضْمَضَةُ، وَالِاسْتِنْشَاقُ، وَتَوْفِيرُ اللِّحْيَةِ، وَقَصُّ الْأَظْفَارِ، وَنَتْفُ الْإِبْطِ، وَالْخِتَانُ، وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَغَسْلُ الدُّبُرِ (نسائی، حديث نمبر ۵۰۴۲، كتاب الزينة، من السنن الفطرة)

مگر یہ بات یاد رکھیے کہ عید الاضحیٰ کے موقع پر جس شخص کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو، اُس کے

لیے بہتر ہے کہ عید الاضحیٰ کا چاند نظر آنے کے بعد سے لے کر قربانی ہونے تک ناخن نہ کاٹے، اور جسم کے کسی حصے کے بال بھی نہ کاٹے۔ [1]

[1] عن أم سلمة، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال :إذا رأيتم هلال ذي الحجة، وأراد أحدكم أن يضحي، فليمسك عن شعره وأظفاره (مسلم،حديث نمبر ١٩٧٧،كتاب الصيدوالذبائح، باب نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة وهو مريد التضحية أن يأخذ من شعره، أو أظفاره شيئا)

عن عمر بن مسلم بن عمار بن أكيمة الليثي، قال :سمعت سعيد بن المسيب، يقول : سمعت أم سلمة، زوج النبي صلى الله عليه وسلم تقول :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من كان له ذبح يذبحه فإذا أهل هلال ذي الحجة، فلا يأخذن من شعره، ولا من أظفاره شيئا حتى يضحي (مسلم،١٩٧٧،كتاب الصيد والذبائح، باب نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة وهو مريد التضحية أن يأخذ من شعره، أو أظفاره شيئا)

ويندب لمن أراد أن يضحي تأخير تقليم الأظفار وحلق الرأس (منية المصلي وغنية المبتدي،ص ٣٠٦)

(۷)...... پاک صاف عمدہ لباس پہننا

عید کے دن پاک وصاف عمدہ لباس جو میسر ہو، پہننا سنت ہے۔

مگر شرعی حدود کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہئے، مثلاً مرد ریشمی لباس نہ پہنیں، اور تکبر اور فخر کی نیت نہ ہو اور اس معاملہ میں حد سے نہ بڑھا جائے نہ ہی اس کے لئے قرض وغیرہ لیا جائے، بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق میانہ روی ہو۔ [2]

[2] (قوله ولو غير أبيض) قال في البحر :وظاهر كلامهم تقديم الأحسن من الثياب في الجمعة والعيدين وإن لم يكن أبيض، والدليل دال عليه فقد روى البيهقي أنه -عليه الصلاة والسلام -كان يلبس يوم العيد بردة حمراء وفي الفتح الحلة الحمراء عبارة عن ثوبين من اليمن فيهما خطوط حمر وخضر لا أنها أحمر بحت فليكن محمل البردة أحدهما اهـ أي أحد الثوبين اللذين هما الحلة أي فلا يعارض ذلك حديث النهي عن لبس الأحمر.

والقول مقدم على الفعل والحاظر على المبيح إذا تعارضا فكيف إذا لم يتعارضا بالحمل المذكور اهـ بزيادة وسيأتي إن شاء الله تعالى تمام الكلام على لبس الأحمر في كتاب الحظر والإباحة (ردالمحتار، جزء٢، صفحه ١٦٨، باب العيدين)

والتزين بأحسن ثيابه ، وأفضلها البيض إلا أن يكون غيرها أحسن فهو أفضل منها هنا لا في الجمعة ؛ والفرق أن المراد هنا إظهار النعم وثم إظهار التواضع.

وھل التزین ھنا أفضل منه فی الجمعة أو ھو فیھا أفضل أو یستویان ؟ فیه نظر ، والأقرب تفضیل ما ھنا علی الجمعة ؛ بدلیل أنه طلب ھنا أعلی الثیاب قیمة وأحسنھا منظرا ولم یختص،التزین فیه بمرید الحضور بل طلب حتی من النساء فی بیوتھن کما فی ع ش علی م ر (حاشیة البجیرمی علی الخطیب، جزء۲، صفحه ۲۲۲، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة العیدین)

والسنة :أن یغتسل یوم العید، روی عن علی، أنه کان یغتسل یوم العید، ومثله عن ابن عمر، وسلمة بن الأکوع.وأن یلبس أحسن ما یجد ویتطیب، روی أن النبی صلی الله علیه وسلم کان یلبس برد حبرة فی کل عید .وقال نافع :کان ابن عمر یغتسل فی یوم العید، کغسله من الجنابة، ثم یمس من الطیب، إن کان عنده، ویلبس أحسن ثیابه، ثم یخرج حتی یأتی المصلی، فإذا صلی الإمام رجع (شرح السنة للبغوی، ج۴ص ۳۰۱، ۳۰۲، کتاب الجمعة، باب لا أذان ولا إقامة لصلاة العید وتقدیم الصلاة)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَخَذَ عُمَرُ جُبَّةً مِّنْ إِسْتَبْرَقٍ تُبَاعُ فِي السُّوقِ، فَأَخَذَهَا، فَأَتٰى بِهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِبْتَعْ هٰذِهٖ تَجَمَّلُ بِهَا لِلْعِيْدِ وَالْوُفُوْدِ، فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا هٰذِهٖ لِبَاسُ مَنْ لاَ خَلاَقَ لَهٗ (بخاری) [1]

[1] حدیث نمبر ۹۴۸، کتاب الجمعة، باب فی العیدین والتجمل فیه، دارطوق النجاة، بیروت.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ریشمی جبہ لیا جو بازار میں فروخت ہو رہا تھا، اور اس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اسے خرید لیجئے، اور عید کے دن اور وفود کے آنے کے موقع پر اسے پہن کر اپنے کو آراستہ کیا کیجئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اُس شخص کا لباس ہے جس کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں ہے (ترجمہ ختم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کے دن اچھے لباس سے آراستہ ہونا سنت ہے، اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عید کے موقع پر آراستہ ہونے کے لئے یہ لباس پیش کیا۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اچھے لباس سے آراستہ ہونے کے لئے شرعی حدود کا لحاظ ضروری ہے،

اوراسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جبہ کے ریشمی ہونے کی وجہ سے اس کو لینے سے منع فرما دیا، کیونکہ مرد کو ریشمی لباس منع ہے۔ [1]

[1] ومن فوائده :استحباب التجمل بالثياب فى أيام الأعياد والجمع، وملاقاة الناس، ولهذا لم ينكر الشارع إلا كونها حريرا، وهذا على خلاف بعض المتقشفين(عمدة القارى للعينى، ج٦ص٢٦٧ ، كتاب العيدين،باب فى العيدين والتجمل فيه)

وقد دل هذا الحديث على التجمل للعيد، وأنه كان معتادا بينهم.وقد تقدم حديث لبس النبى -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -فى العيدين برده الأحمر .وإلى هذا ذهب الأكثرون، وهو قول مالك والشافعى وأصحابنا وغيرهم . وقال ابن المنذر :كان ابن عمر يصلى الفجر وعليه ثياب العيد . وقال مالك: سمعت أهل العلم يستحبون الزينة والطيب فى كل عيد . واستحبه الشافعى .وخرج البيهقى بإسناد صحيح، عن نافع، أن ابن عمر كان يلبس فى العيدين أحسن ثيابه (فتح البارى لابن رجب، ج٨ص٤١٣،٤١٤ ، أبواب العيدين،باب فى العيدين والتجمل فيهما)

اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَلْبَسَ أَجْوَدَ مَا نَجِدُ، وَأَنْ نَتَطَيَّبَ بِأَجْوَدِ مَا نَجِدُ، وَأَنْ نُضَحِّيَ بِأَسْمَنِ مَا نَجِدُ، وَالْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ، وَأَنْ نُظْهِرَ التَّكْبِيْرَ، وَعَلَيْنَا السَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ (شعب الإيمان للبيهقى) [2]

---

[2] حديث نمبر ٣٤٤٢،فِى لَيْلَةِ الْعِيدَيْنِ وَيَوْمِهِمَا، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض، واللفظ لهٗ، فضائل الاوقات للبيهقى، حديث نمبر ٢٠٩،المعجم الكبير للطبرانى، حديث نمبر ٢٧٥٦،مستدرک حاكم، حديث نمبر ٧٥٦٠.

قال الحاكم: لَوْلَا جَهَالَةُ إِسْحَاقَ بْنِ بُزُرْجٍ لَحَكَمْتُ لِلْحَدِيثِ بِالصِّحَّةِ.

وقال ابن الملقن:

قلت لَيْسَ بِمَجْهُول فقد ضعفه الْأَزْدِيّ وَوَثَّقَهُ ابْن حبَان (تحفة المحتاج إلى أدلة المنهاج لابن الملقن، ج ١ ص ٥٤٤، باب صلاة العيدين)

وقال ابن حجر:

إسحاق بن بزرج شيخ لليث بن سعد :له حديث فى التجمل للعيد .ضعفه الأزدى انتهى .وزاد ابن يونس :أنه طوسى مولى أم حبيبة وأنه روى عنه أيضاً ابن لهيعة .وقال الأزدى :وى عن الحسن بن على " :أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نلبس أحسن ما نجد . "وذكر فى الطيب والأضحية يجب أن نظهر التكبير وعلينا الوقار. وهو عن أبى صالح كاتب الليث .وقد ذكره ابن حبان فى الثقات وقال :يروى عن أبى سعيد والحسن بن على .وذكره ابن أبى حاتم بروايته عن الحسن ورواية الليث عنه فلم

یذکر فیہ جرحاً.وأخرج الحاکم حدیثہ فی مستدرکہ وقال :لولا جھالۃ إسحاق لحکمت بصحتہ انتھی کلامہ(لسان المیزان،لابن حجر العسقلانی،ج۱ ص۱۴۷)

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمایا کہ ہم اپنی حیثیت کے مطابق اچھا لباس پہنیں، اور اپنی حیثیت کے مطابق اچھی خوشبو لگائیں، اور اپنی حیثیت کے مطابق موٹی تازی قربانی کریں، گائے (بھینس) سات افراد کی طرف سے، اور اونٹ سات افراد کی طرف سے، اور یہ کہ ہم تکبیر کہیں، اور ہم سکینہ اور وقار کو لازم پکڑیں (ترجمہ ختم)

سکینہ سے مراد فضول اور بے کار حرکات سے بچنا ہے، اور وقار سے مراد نظر اور زبان وغیرہ کی حفاظت کرنا ہے۔

جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید کے دن بے کار، اور فضول حرکات سے بچنا اور نظر اور زبان اور دیگر اعضاء کی حفاظت کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔ [۱]

[۱] ثم عطف السکینۃ للتأکید والبیان کما قال القرطبی بناء علی ترادفھما، وقال المصنف بعد ذکر الجامع بینھما :الظاھر أن بینھما فرقاً، فالسکینۃ :التأنی فی الحرکات واجتناب العبث، والوقار فی الھیئۃ کغضّ البصر وخفض الصوت وعدم الالتفات .ورجح بأن التأسیس خیر من التوکید وأن الأصل فی العطف التغایر قال :قال بعض شراح الجامع الصغیر :ویرجع الأول بالاکتفاء بالسکینۃ عنہ ھنا فی روایۃ فذلک ظاھر فی ترادفھما .إلا أن یقال إن الفرق بینھما علی القول بہ عند اجتماعھما، أما عند افتراقھما فأحدھما یغنی عن الآخر کالفقیر والمسکین (دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین، تحت حدیث رقم ۱۷۰۴، کتاب الادب،باب الندب)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ يَوْمَ الْعِيْدِ بُرْدَةً حَمْرَآءَ

(المعجم الاوسط للطبرانی) [۲]

[۲] حدیث نمبر ۷۶۰۹،دارالحرمین، القاھرۃ، واللفظ لہٗ،أخلاق النبی لأبی الشیخ الأصبھانی ، حدیث نمبر ۲۷۸،معرفۃ السنن والآثار للبیھقی، حدیث نمبر ۱۸۹۷ .

قال الھیثمی:

رواہ الطبرانی فی الأوسط ورجالہ ثقات(مجمع الزوائد،ج۲ص۱۹۸،باب اللباس یوم العید)

وقال الالبانی:

قلت :و هذا إسناد جيد و رجاله كلهم ثقات معروفون غير سعد بن الصلت و هو البجلى مولاهم ترجمه ابن أبى حاتم(٢/١/٨٦)من رواية جماعة آخرين عنه و لم يذكر فيه جرحا و لا تعديلا ، و هو فى "ثقات ابن حبان(السلسلة الصحيحة،تحت حديث رقم ١٢٧٩)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن سرخ دھاری دار لباس پہنا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یمن کے علاقہ سے خوبصورت دھاری دار لباس آتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے موقع پر اس کو زیب تن فرماتے تھے۔ [۲]

[۲] واعلم أن الحلة الحمراء عبارة عن ثوبين من اليمن، فيهما خطوط حمر وخضر، لا أنه أحمر بحت فليكن محمل البردة أحدهما اهـ .والحبرة على وزن العنبة ضرب من برود اليمن، ويحرک، كذا فى القاموس(مرقاة المفاتيح، ج٣ص ١٠٧٠، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

ويندب للرجال وكان للنبى صلى الله عليه وسلم جبة فنک يلبسها فى الجمع والاعياد (حاشية الطحطاوى على المراقى صفحه ٢٨٩،باب احكام العيدين)

اور حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَلْبَسُ فِي الْعِيدَيْنِ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ (سنن البيهقى) [۳]

[۳] حديث نمبر ٦١٤٣،كتاب صلاة العيدين، باب الزينة للعيد،دار الكتب العلمية، بيروت.

قال ابن حجر:

روى بن أبى الدنيا والبيهقى بإسناد صحيح(فتح البارى لابنِ حجر، ج٢ص ٤٣٩،قوله باب فى العيدين والتجمل فيه)

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ کے دن اچھا اور عمدہ ترین لباس پہنا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ:

قُلْتُ لِنَافِعٍ كَيْفَ كَانَ بْنُ عُمَرَ يَصْنَعُ يَوْمَ الْعِيدِ قَالَ كَانَ يَشْهَدُ صَلاَةَ الْفَجْرِ مَعَ الْإِمَامِ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلٰى بَيْتِهِ فَيَغْتَسِلُ غُسْلَهُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَيَلْبَسُ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ وَيَتَطَيَّبُ بِأَطْيَبَ مَا عِنْدَهُ ثُمَّ يَخْرُجُ حَتّٰى يَأْتِيَ الْمُصَلّٰى فَيَجْلِسُ فِيهِ حِيْنَ يَجِيْءُ الْإِمَامُ فَإِذَا جَاءَ الْإِمَامُ صَلّٰى مَعَهُ

ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَدْخُلُ مَسْجِدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُصَلِّي فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَأْتِي بَيْتَهُ (بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث) [1]

[1] حديث نمبر ۲۰۷، باب ما جاء في العيد، مركز خدمة السنة والسيرة النبوية -المدينة المنورة.

قال البوصيري:

رواه الحارث بن أبي أسامة ورجاله ثقات، والبيهقي مختصرًا قال :وروينا في ذلک عن سلمة بن الأكوع، ثم عن ابن المسيب وعروة بن الزبير(اتحاف الخيرة المهرة ، ج۲ص ۳۲۴، كتاب صلاة العيدين،باب الغسل والزينة للعيدين)

ترجمہ: میں نے حضرت نافع سے کہا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ عید کے دن کیا عمل کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ فجر کی نماز میں امام کے ساتھ شریک ہوتے تھے، پھر اپنے گھر میں لوٹ جاتے تھے، پھر جنابت کے غسل کی طرح اہتمام سے غسل کیا کرتے تھے،اور عمدہ لباس پہنتے تھے،اور اپنے پاس موجود عمدہ خوشبو لگایا کرتے تھے، پھر گھر سے باہر نکلتے تھے، یہاں تک کہ عیدگاہ میں تشریف لاتے تھے، پھر امام کے آنے کی جگہ کے قریب بیٹھ جاتے تھے، پھر جب امام آتا تھا،تو اس کے ساتھ عید کی نماز پڑھتے تھے، پھر واپس لوٹتے تھے،اور مسجدِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوتے تھے، پھر اس میں دو رکعت (نفل) پڑھتے تھے، پھر اپنے گھر میں آ جایا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي الْفَجْرَ يَوْمَ الْعِيْدِ وَعَلَيْهِ ثِيَابُ الْعِيْدِ

(الاوسط لابن المنذر) [1]

[1] حديث نمبر ۲۱۳۲، ج۴ص ۲۶۴، كتاب العيدين، دار طيبة -الرياض -السعودية.

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عید کے دن فجر کی نماز پڑھتے تھے،اور آپ عید کا لباس پہنے ہوئے ہوتے تھے (ترجمہ ختم)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ بعض اوقات فجر کی نماز کے بعد غسل وغیرہ کرتے ،اور لباس پہنتے،

پھر عید کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے، اور بعض اوقات یہ کام فجر کی نماز سے پہلے ہی کرلیا کرتے تھے، اور فجر کی نماز کے بعد وہاں سے ہی عید کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

لہٰذا دونوں قسم کی روایات میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔

اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

سَمِعْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّوْنَ الزِّيْنَةَ وَالتَّطَيُّبَ فِيْ كُلِّ عِيْدٍ (الاوسط لابن المنذر) [۲]

[۲] حدیث نمبر ۲۱۳۲، ج۴ص ۲۶۴، کتاب العیدین، دار طیبۃ -الریاض -السعودیۃ.

ترجمہ: میں نے اہلِ علم سے سنا، کہ وہ عید کے دن زینت اور خوشبو کو مستحب (وثواب کا باعث) قرار دیتے تھے (ترجمہ ختم)

لہٰذا عید کے دن اچھا لباس پہننا سنت ہے، اور سنت کی نیت سے ہی اچھا لباس پہننا چاہئے، شہرت اور دکھلاوے وغیرہ کی نیت سے نہیں پہننا چاہئے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ أَلْهَبَ فِيْهِ نَارًا (ابن ماجه) [۳]

[۳] حدیث نمبر ۳۶۰۷، کتاب اللباس، باب من لبس شھرۃ من الثیاب، واللفظ لہٗ، مسند احمد، حدیث نمبر ۵۶۶۴.
فی حاشیۃ مسند احمد: حدیث حسن.

ترجمہ: جس نے دنیا میں شہرت کا لباس پہنا تو اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے، پھر اس ذلت کے لباس میں آگ بھڑکائیں گے (ترجمہ ختم)

اسی طرح خواتین کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اجنبی اور نامحرموں کے سامنے اپنی زیب وزینت کا اظہار کریں۔

البتہ شریعت کی طرف سے خواتین کو اپنے شوہروں کے سامنے حسن وجمال کے اظہار کو جائز بلکہ شوہروں کے لئے زیب وزینت اختیار کرنے کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔

(۸)......خوشبو لگانا

عید کے دن خوشبو لگانا بھی سنت ومستحب ہے۔

مگر خواتین کو تیز خوشبو لگانا منع ہے، اس لیے ان کو ہلکی خوشبو لگانی چاہیے، تا کہ نامحرموں تک ان کی لگائی ہوئی خوشبو نہ پہنچے۔ [1]

---

[1] وأما بيان ما يستحب في يوم العيد فيستحب فيه أشياء منها ما قال أبو يوسف :إنه يستحب أن يستاک، ويغتسل، ويطعم شيئا، ويلبس أحسن ثيابه، ويمس طيبا، ويخرج فطرته قبل أن يخرج، أما الاغتسال والاستياک ومس الطيب ولبس أحسن الثياب -جديدا كان أو غسيلا -؛ فلما ذكرنا في الجمعة(بدائع الصنائع، ج ا ص ۲۷۹، فصل بيان ما يستحب في يوم العيد)

وهي واجبة وهو الأصح، هكذا في محيط السرخسي، ويستحب يوم الفطر للرجل الاغتسال والسواک ولبس أحسن ثيابه، كذا في القنية جديدا كان أو غسيلا، كذا في محيط السرخسي.

ويستحب التختم والتطيب والتبكير وهو سرعة الانتباه والابتكار وهو المسارعة إلى المصلى وأداء صدقة الفطر قبل الصلاة وصلاة الغداة في مسجد حيه (الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص ۱۴۹، كتاب الصلاة،الباب السابع عشر في صلاة العيدين)

ويندب التطيب للذكر بأحسن ما يجده عنده من الطيب (حاشية البجيرمي على الخطيب، ج ۲، ص ۲۲۲، كتاب الصلاة، فصل في صلاة العيدين)

عید کے دن خوشبو لگانے کے متعلق کئی احادیث وروایات پہلے گزر چکی ہیں، جن میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی ہے کہ:

أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَلْبَسَ أَجْوَدَ مَا نَجِدُ، وَأَنْ نَتَطَيَّبَ بِأَجْوَدِ مَا نَجِدُ (شعب الإيمان للبيهقي) [1]

[1] حديث نمبر ۳۴۴۲،في ليلة العيدين ويومهما،مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض.

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمایا کہ ہم اپنی حیثیت کے مطابق اچھا لباس پہنیں، اور اپنی حیثیت کے مطابق اچھی خوشبو لگائیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَغْتَسِلُ وَيَتَطَيَّبُ يَوْمَ الْفِطْرِ (احكام العيدين للفريابى) [2]

[2] حديث نمبر ١٧، ج ١ ص ٨٣، باب ماروى فى الاغتسال للفطر، مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة.

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ عید الفطر کے دن غسل کرتے تھے، اور خوشبو لگاتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ خَيْرَ طِيْبِ الرَّجُلِ مَا ظَهَرَ رِيْحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ، وَخَيْرَ طِيْبِ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيْحُهُ (ترمذى) [3]

[3] حديث نمبر ٢٧٨٨، ابواب الادب، باب ما جاء فى طيب الرجال والنساء ،شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

ترجمہ: مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد کی بہترین خوشبو وہ ہے، کہ جس کی خوشبو ظاہر (وغالب) ہو، اور اس کا رنگ مخفی (ومغلوب) ہو، اور عورتوں کی بہترین خوشبو وہ ہے کہ جس کا رنگ ظاہر (وغالب) ہو، اور خوشبو مخفی (ومغلوب) ہو (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : طِيْبُ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيْحُهُ، وَخَفِيَ لَوْنُهُ، وَطِيْبُ النِّسَآءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ، وَخَفِيَ رِيْحُهُ (ابوداؤد) [1]

[1] حديث نمبر ٥١١٧، كتاب الزينة، باب الفصل بين طيب الرجال، وطيب النساء، المكتبة العصرية، بيروت ، واللفظ لهٗ، ترمذى، حديث نمبر ٢٧٨٧،بَاب مَا جَاءَ فِى طِيْبِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَردوں کی خوشبو وہ ہے کہ جس کی خوشبو ظاہر اور رنگ مغلوب ہو، اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے کہ جس کا رنگ ظاہر اور خوشبو مغلوب ہو (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو ایسی خوشبو استعمال کرنی چاہئے کہ جس کی وجہ سے پسینے وغیرہ کی بو

ختم ہو جائے، اور خوشبو دوسرے نامحرم تک نہ پہنچے۔

اس کی خلاف ورزی کر کے نامحرموں تک اپنی خوشبو پہنچانے والی عورت کو احادیث میں سخت گناہ گار قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ، وَالمَرْأَةُ إِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا يَعْنِي زَانِيَةً (ترمذی) [۲]

[۲] حديث نمبر ۲۷۸۶، ابواب الادب، باب ما جاء في كراهية خروج المرأة متعطرة، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي -مصر، واللفظ لهٗ، ابوداؤد، حديث نمبر ۴۱۷۳، سنن نسائی، حديث نمبر ۵۱۲۶، مسند احمد، حديث نمبر ۱۹۵۷۸.

قال الترمذی: وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ :هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: ہر آنکھ زنا کرتی ہے، اور جو عورت خوشبو لگا کر کسی مجلس سے گزرتی ہے، تو وہ ایسی ویسی یعنی زانیہ ہے (ترجمہ ختم)

(۹)......صدقۂ فطر ادا نہ کیا ہو، تو عید کی نماز سے پہلے ادا کر دینا

اگر کسی نے عید الفطر کی نماز سے پہلے صدقۂ فطر ادا نہ کیا ہو، تو عید کی نماز سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دینا سنت ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِزَكَاةِ الْفِطْرِ قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ (بخاری) [۱]

[۱] حديث نمبر ۱۵۰۹، كتاب الزكاة، باب الصدقة قبل العيد، دارطوق النجاة، بيروت، واللفظ لهٗ، مسلم، حديث نمبر ۹۸۶، ترمذی، حديث نمبر ۶۷۷.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر لوگوں کے عید کی نماز کی طرف نکلنے سے پہلے ادا کرنے کا حکم فرمایا (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکَاۃَ الْفِطْرِ طُھْرَۃً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ، وَطُعْمَۃً لِلْمَسَاکِیْنِ، مَنْ أَدَّاھَا قَبْلَ الصَّلَاۃِ، فَھِیَ زَکَاۃٌ مَقْبُوْلَۃٌ، وَمَنْ أَدَّاھَا بَعْدَ الصَّلَاۃِ، فَھِیَ صَدَقَۃٌ مِّنَ الصَّدَقَاتِ (سنن أبی داوٗد) [2]

[2] حدیث نمبر ۱۶۰۹، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الفطر، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت، واللفظ لہٗ، مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۱۴۸۸.
قال الحاکم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ ".
وقال الذهبی فی التلخیص: علی شرط البخاری.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃِ فطر (یعنی صدقۂ فطر) روزے داروں کو بے کار اور بے ہودہ باتوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اور مساکین کو کھلانے (یعنی ان کی مدد وتعاون کرنے) کے لئے مقرر فرمایا، جس نے (عید کی) نماز سے پہلے ادا کر دیا تو یہ مقبول صدقۂ فطر ہے اور جس نے عید کی نماز کے بعد ادا کیا تو پھر یہ صدقوں میں سے ایک صدقہ ہے (ترجمہ ختم)

ان جیسی احادیث کی روشنی میں اہلِ علم حضرات نے عید کی نماز کے لئے جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دینے کو سنت ومستحب قرار دیا ہے۔ [3]

[3] قال الترمذی: هذا حدیث حسن صحیح غریب، وهو الذی یستحبه أهل العلم: أن یخرج الرجل صدقة الفطر قبل الغدو إلی الصلاة (سنن الترمذی، ابواب الزکاۃ، باب ما جاء فی تقدیمها قبل الصلاۃ)

(۱۰)......عید کی نماز کے لئے جلدی پہنچنا

عید کی نماز کے لئے فجر کی نماز کے بعد جتنی جلدی ممکن ہو، پہنچنا سنت ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْدُوْ إِلَى الْمُصَلّٰى (بخاری) [1]

[1] حدیث نمبر ۹۷۳، کتاب الجمعة، باب حمل العنزة أو الحربة بین یدی الإمام یوم العید، دار طوق النجاة، بیروت.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ کی طرف صبح (جلدی) تشریف لے جاتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت محمد بن زیاد فرماتے ہیں کہ:

رَأَيْتُ أَبَا أُمَامَةَ الْبَاهِلِيَّ ، وَرِجَالاً مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا صَلَّوُا الْفَجْرَ فِي الْعِيْدَيْنِ مَعَ الْجَمَاعَةِ، فَسَلَّمَ الْإِمَامُ، عَجَّلُوا الْخُرُوْجَ حَتّٰى يَقْعُدُوْا قَرِيْبًا مِّنَ الْمِنْبَرِ (أحكام العيدين للفريابى) ؎2

؎2 حديث نمبر ٢٨، ص ١٠٤، مكتبة العلوم والحكم -المدينة المنورة، واللفظ لهٗ، شرح السنة، تحت حديث رقم ١١٠٣.

ترجمہ: میں نے حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ جب وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن جماعت کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ لیتے تھے، تو وہ جلدی نکلا کرتے تھے، تاکہ منبر (یعنی عید کی نماز پڑھانے والے امام) کے قریب بیٹھیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّي الصُّبْحَ فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَغْدُوْ كَمَا هُوَ إِلَى الْمُصَلّٰى (مُصنف ابن أبى شيبة) ؎3

؎3 حديث نمبر ٥٦٥٦، كتاب الصلاة، باب السَّاعَةُ الَّتِي يَتَوَجَّهُ فِيهَا إِلَى الْعِيدِ ، أَيُّ سَاعَةٍ هِيَ ؟

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھتے تھے، پھر اسی حال میں عیدگاہ کی طرف نکل پڑتے تھے (ترجمہ ختم)

اور بعض اوقات حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کے بعد غسل وغیرہ فرما کر عید کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

چنانچہ حضرت نافع کی یہ روایت پہلے گزر چکی ہے، کہ جس میں ہے کہ:

كَانَ يَشْهَدُ صَلاَةَ الْفَجْرِ مَعَ الْإِمَامِ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلٰى بَيْتِهٖ فَيَغْتَسِلُ غُسْلَهٗ

مِنَ الْجَنَابَةِ وَيَلْبَسُ أَحْسَنَ ثِيَابِهٖ وَيَتَطَيَّبُ بِأَطْيَبَ مَا عِنْدَهٗ ثُمَّ يَخْرُجُ حَتّٰى يَأْتِيَ الْمُصَلّٰى فَيَجْلِسُ فِيْهِ حِيْنَ يَجِيْءُ الْإِمَامُ فَإِذَا جَاءَ الْإِمَامُ صَلّٰى مَعَهٗ (بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث) [1]

[1] حديث نمبر ٢٠٧، كتاب الصلاة، باب ما جاء فى العيد، مركز خدمة السنة والسيرة النبوية - المدينة المنورة.

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ (عید کے دن) فجر کی نماز میں امام کے ساتھ شریک ہوتے تھے، پھر اپنے گھر میں لوٹ جاتے تھے، پھر جنابت کے غسل کی طرح اہتمام سے غسل کیا کرتے تھے، اور عمدہ لباس پہنتے تھے، اور اپنے پاس موجود عمدہ خوشبو لگایا کرتے تھے، پھر گھر سے باہر نکلتے تھے، یہاں تک کہ عیدگاہ میں تشریف لاتے تھے، پھر امام کے آنے کی جگہ کے قریب بیٹھ جاتے تھے، پھر جب امام آتا تھا، تو اس کے ساتھ عید کی نماز پڑھتے تھے (ترجمہ ختم)

اس کے علاوہ جلیل القدر تابعین ومحدثین کے بارے میں بھی اسی طرح کی روایات مروی ہیں۔ [2]

---

[2] عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَرْمَلَةَ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَنْصَرِفُ مَعَ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ مِنَ الصُّبْحِ حِينَ يُسَلِّمُ الإِمَامُ فِي يَوْمِ عِيدٍ ، حَتَّى يَأْتِيَ الْمُصَلَّى عِنْدَ دَارِ كَثِيرِ بْنِ الصَّلْتِ ، فَيَجْلِسُ عِنْدَ الْمِصْرَاعَيْنِ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٦٥٧،السَّاعَةُ الَّتِي يَتَوَجَّهُ فِيهَا إِلَى الْعِيدِ ، أَيُّ سَاعَةٍ هِيَ ؟)

عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ ، قَالَ :صَلَّيْتُ الْفَجْرَ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ فِي يَوْمِ فِطْرٍ ، فَإِذَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ مَعْقِلٍ ، فَلَمَّا قَضَيَا الصَّلاَةَ خَرَجَا ، وَخَرَجْتُ مَعَهُمَا إِلَى الْجَبَّانَةِ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٦٥٨،السَّاعَةُ الَّتِي يَتَوَجَّهُ فِيهَا إِلَى الْعِيدِ ، أَيُّ سَاعَةٍ هِيَ ؟)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ :كَانُوا يُصَلُّونَ الْفَجْرَ وَعَلَيْهِمْ ثِيَابُهُمْ ، يَعْنِي يَوْمَ الْعِيدِ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٦٥٩،السَّاعَةُ الَّتِي يَتَوَجَّهُ فِيهَا إِلَى الْعِيدِ ، أَيُّ سَاعَةٍ هِيَ ؟)

عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ ، قَالَ :لِيَكُنْ غُدُوُّكَ يَوْمَ الْفِطْرِ مِنْ مَسْجِدِكَ إِلَى مُصَلاَّكَ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٦٦٠،السَّاعَةُ الَّتِي يَتَوَجَّهُ فِيهَا إِلَى الْعِيدِ ، أَيُّ سَاعَةٍ هِيَ ؟)

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، قَالَ :كَانَ عُرْوَةُ لاَ يَأْتِي الْعِيدَ حَتَّى تَسْتَقِلَّ الشَّمْسُ .(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٦٦١،السَّاعَةُ الَّتِي يَتَوَجَّهُ فِيهَا إِلَى الْعِيدِ ، أَيُّ سَاعَةٍ هِيَ ؟)

پس عید کی نماز کے لیے فجر کی نماز پڑھ کر جتنی جلدی ہو سکے جانا چاہئے، اور امام کے قریب والی جگہ بیٹھنا چاہئے، تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب وانعام حاصل کیا جاسکے۔

(۱۱)......عید کی نماز کے لئے پیدل جانا

کوئی عذر نہ ہوتو عید کی نماز ادا کرنے کے لیے پیدل جانا سنت ومستحب ہے۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى الْعِيدِ مَاشِيًا، وَأَنْ تَأْكُلَ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ (ترمذی) [1]

[1] حدیث نمبر ۵۳۰، ابواب العیدین، باب ماجاء فی المشی یوم العید، شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی -مصر.
قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ. وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا الحَدِيثِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ: يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يَخْرُجَ الرَّجُلُ إِلَى العِيدِ مَاشِيًا، وَأَنْ لَا يَرْكَبَ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ.
(حکم الألبانی) حسن.

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ آپ عید کے دن (نمازِ عید کے لئے) پیدل نکلیں، اور آپ نکلنے سے پہلے کچھ کھالیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

سُنَّةُ الْفِطْرِ ثَلَاثٌ اَلْمَشْيُ إِلَى الْمُصَلّٰى، وَالْأَكْلُ قَبْلَ الْخُرُوْجِ، وَالْإِغْتِسَالُ (أحكام العيدين للفريابی) [1]

[1] حدیث نمبر ۲۶، باب ما روی أن السنة المشی إلی العیدین، مکتبة العلوم والحکم -المدینة المنورة.
قال الالبانی: وإسناده صحیح (ارواء الغلیل، تحت حدیث رقم ۶۳۶)

ترجمہ: عید الفطر کے دن یہ تینوں کام سنت ہیں، عید کی نماز پڑھنے کی جگہ کی طرف پیدل جانا، اور نکلنے سے پہلے کچھ کھالینا، اور غسل کرنا (ترجمہ ختم)

اس قسم کی اور بھی روایات مروی ہیں، جن سے عید کی نماز کے لئے پیدل جانے کا سنت

ومستحب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ۲

۲ عن الزهری أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يركب فى جنازة قط، ولا فى خروج أضحى ولا فطر (أحكام العيدين للفريابى،حديث نمبر ٢٦)
قال الالبانى:
قلت :وهذا سند صحيح رجاله كلهم ثقات ,ولكنه مرسل (ارواء الغليل، تحت حديث رقم ٦٣٦)
عَنْ عَاصِمٍ ، عَنْ زِرٍّ ، قَالَ :خَرَجَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي يَوْمِ فِطْرٍ ، أَوْ فِي يَوْمِ أَضْحَى ، خَرَجَ فِي ثَوْبِ قُطْنٍ مُتَلَبِّبًا بِهِ ، يَمْشِي(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٦٥٣،فِي الرُّكُوبِ إِلَى الْعِيدَيْنِ وَالْمَشْي)
عَنْ جَعْفَرِ بْنِ بُرْقَانَ ، قَالَ :كَتَبَ إِلَيْنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ :مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَأْتِيَ الْعِيدَ مَاشِيًا فَلْيَفْعَلْ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٦٥١،فِي الرُّكُوبِ إِلَى الْعِيدَيْنِ وَالْمَشْي)
عَنْ إِبْرَاهِيمَ ؛ أَنَّهُ كَرِهَ الرُّكُوبَ إِلَى الْعِيدَيْنِ وَالْجُمُعَةِ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٦٥٤،فِي الرُّكُوبِ إِلَى الْعِيدَيْنِ وَالْمَشْي)

اس لئے عید کی نماز کے لئے پیدل جانے کی کوشش کرنی چاہئے، البتہ اگر کوئی عذر ہو، تو سواری پر جانے میں بھی حرج نہیں۔ ۳

۳ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي حَفْصَةَ ، قَالَ :رَأَيْتُ الْحَسَنَ يَأْتِي الْعِيدَ رَاكِبًا(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٦٥٥،فِي الرُّكُوبِ إِلَى الْعِيدَيْنِ وَالْمَشْي)
عَنْ :سَعِيدِ بْنِ أَشْوَعَ ,عَنْ حَنَشِ بْنِ الْمُعْتَمِرِ ,قَالَ :رَأَيْتُ عَلِيًّا أَتَى بِبَغْلَةٍ يَوْمَ الْأَضْحَى فَرَكِبَهَا ,فَلَمْ يَزَلْ يُكَبِّرُ حَتَّى أَتَى الْجَبَّانَةَ(شرح معانى الآثار،حديث نمبر ٥٣٣٥)
وَالْخُرُوجُ إِلَى الْمُصَلَّى مَاشِيًا وَالرُّجُوعُ فِي طَرِيقٍ آخَرَ، كَذَا فِي الْقُنْيَةِ . وَلَا بَأْسَ بِالرُّكُوبِ فِي الْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ وَالْمَشْيُ أَفْضَلُ فِي حَقِّ مَنْ يَقْدِرُ عَلَيْهِ، كَذَا فِي الظَّهِيرِيَّةِ (الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر فى صلاة العيدين)

(۱۲)......اگر عذر نہ ہو تو عید کی نماز عید گاہ میں ادا کرنا

کوئی عذر نہ ہو تو عید کی نماز، عید گاہ میں ادا کرنا سنت ہے۔

البتہ عذر کی صورت میں مسجد یا آبادی کے اندر کسی مقام پر پڑھنے میں بھی حرج نہیں، خاص طور پر ضعفاء اور کمزور لوگوں کے لئے آبادی کے اندر یا اپنے محلّہ میں پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ۱

ل اگر کسی عیدگاہ کے امام کا عقیدہ یا عمل صحیح نہ ہو، تو یہ بھی عذر میں داخل ہے۔ کما سیأتی۔

(والخروج إليها) أی الجبانة لصلاة العيد (سنة وإن وسعهم المسجد الجامع) هو الصحيح (الدرالمختار)

(قوله :هو الصحيح) قال فی الظهيرية .وقال بعضهم :ليس بسنة وتعارف الناس ذلک لضيق المسجد وكثرة الزحام والصحيح هو الأول .اهـ.

وفی الخلاصة والخانية السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره ليصلی فی المصر بالضعفاء بناء على أن صلاة العيدين فی موضعين جائزة بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذلک .اهـ.

نوح (ردالمحتار، جزء۲، صفحه ۱۶۸، باب العيدين)

چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى إِلَى الْمُصَلّٰى (بخاری) ۲

۲ حديث نمبر ۹۵۶، كتاب الجمعة، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، دارطوق النجاة، بيروت.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ میں تشریف لے جایا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْدُوْ إِلَى الْمُصَلّٰى فِيْ يَوْمِ الْعِيْدِ، وَالْعَنَزَةُ تُحْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَإِذَا بَلَغَ الْمُصَلّٰى، نُصِبَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَيُصَلِّيْ إِلَيْهَا، وَذٰلِكَ أَنَّ الْمُصَلّٰى كَانَ فَضَاءً، لَيْسَ فِيْهِ شَيْءٌ يُسْتَتَرُ بِهِ (سنن ابن ماجه) ل

ل حديث نمبر ۱۳۰۴، كتاب اقامه الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فی الحربة يوم العيد، واللفظ لهٗ، بخاری، حديث نمبر ۹۷۳.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن کی صبح، عیدگاہ میں تشریف لے جاتے تھے، اور آپ کے ساتھ نیزہ بھی لے جایا جاتا تھا، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں پہنچتے، تو نیزہ آپ کے سامنے گاڑ دیا جاتا تھا، پھر آپ اس کے سامنے کھڑے ہو کر (اور اس نیزے کو سُترہ بنا کر) نماز پڑھایا کرتے تھے، اور

یہ اس وجہ سے تھا کہ عید گاہ خالی میدان تھا، اس میں کوئی آڑ کی چیز نہیں تھی (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس عید گاہ میں عید کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے، وہ آبادی سے باہر خالی میدان تھی۔

اور حضرت عبدالرحمٰن بن عابس سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، قِيْلَ لَهُ أَشَهِدْتَ الْعِيْدَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ نَعَمْ، وَلَوْلَا مَكَانِيْ مِنَ الصِّغَرِ مَا شَهِدْتُهُ حَتّٰى أَتَى الْعَلَمَ الَّذِيْ عِنْدَ دَارِ كَثِيْرِ بْنِ الصَّلْتِ، فَصَلّٰى، ثُمَّ خَطَبَ (بخاری) [۲]

[۲] حدیث نمبر ۹۷۷، کتاب الجمعة، باب العلم الذی بالمصلی، دار طوق النجاة، بیروت.

ترجمہ: میں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے سنا، ان سے یہ کہا گیا کہ کیا آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کی نماز میں حاضر ہوئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ بے شک! اور اگر میرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی رشتہ نہ ہوتا، تو میں (کم عمری کی وجہ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر نہ ہوسکتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نشان کے پاس آئے جو کثیر بن صلت کے مکان کے پاس ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عید کی نماز پڑھی، پھر خطبہ دیا (ترجمہ ختم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عید گاہ میں آبادی نہیں تھی، جیسا کہ پہلی روایت میں گزرا، اور کثیر بن صلت کا گھر بعد میں تعمیر ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عید گاہ میں صرف نشان نصب تھا۔ [۱]

---

[۱] تقدم فی باب الخروج إلى المصلى بغير منبر التعريف بمكان المصلى وأن تعريفه بكونه عند دار كثير بن الصلت على سبيل التقريب للسامع وإلا فدار كثير بن الصلت محدثة بعد النبى صلى الله عليه وسلم وظهر من هذا الحديث أنهم جعلوا لمصلاه شيئا يعرف به وهو المراد بالعلم وهو بفتحتين الشيء الشاخص قوله ولولا مكانى من الصغر ما شهدته أى حضرته وهذا مفسر للمراد من قوله فى باب وضوء الصبيان ولولا مكانى منه ما شهدته فدل هذا على أن الضمير فى قوله منه يعود على غير مذكور وهو الصغر ومشى بعضهم على ظاهر ذلک السياق فقال إن الضمير يعود على النبى صلى الله عليه وسلم والمعنى ولولا منزلتى من النبى صلى الله عليه وسلم ما شهدت معه العيد

وھو متجه لكن هذا السياق يخالفه وفيه نظر لأن الغالب أن الصغر فى مثل هذا يكون مانعا لا مقتضيا فلعل فيه تقديما وتأخيرا ويكون قوله من الصغر متعلقا بما بعده فيكون المعنى لولا منزلتى من النبى صلى الله عليه وسلم ما حضرت لأجل صغرى ويمكن حمله على ظاهره(فتح البارى لابنِ حجر، ج٢ص٤٦٥، ٤٦٦،قوله باب العلم الذى بالمصلى)

والعلم الذى عند دار كثير بن الصلت، ودار كثير بن الصلت، الظاهر أن ذلک كله محدث، أحدث بعد النبى -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فى مكان المصلى.

وقد تقدم أن المصلى كان فضاء، ليس فيه سترة؛ فلذلک كانَ النَّبيّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- تحمل لهُ الحربة؛ ليصلى إليها(فتح البارى لابن رجب، ج٩ص٤٣، ابواب العيدين،باب خروج الصبيان إلى المُصلى)

فالعلم كان قبل اتخاذ مسجدا ليعرف به المحل ودار كثير كانت قبلة للوليد ثم اشتهرت بكثير وهو تابعى فوقع التعريف بذلک ليقرب إلى ذهن المخاطب فهمه لقول ابن شبة أتخذ الوليد بن عقبة بن أبى معيط الدار التى صلى إليها النبى صلى الله عليه وسلم العيد وهو يصلى إليها اليوم لآل كثير بن الصلت الكندى فجلد عثمان الوليد فى الشراب فحلف لا يساكنه إلا وبينهما بطن واد فعارض كثير بن الصلت بداره هذه إلى دار كثير بشفير وادى بطحان العدوة الغربية(خلاصة الوفا بأخبار دار المصطفى،للسمهودى،الباب الخامس فى مصلى الأعياد ومساجدها النبوية ومقابرها وفضل أحد الشهداء به)

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أَضْحٰى إِلَى الْبَقِيْعِ، فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ، وَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ نُسُكِنَا فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا، أَنْ نَبْدَأَ بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ نَرْجِعَ، فَنَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ وَافَقَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ ذٰلِكَ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ عَجَّلَهٗ لِأَهْلِهٖ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ (بخاری) [1]

[1] حديث نمبر ٩٧٦، كتاب الجمعة، باب استقبال الإمام الناس فى خطبة العيد،دارطوق النجاة، بيروت.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ کے دن بقیع کی طرف نکلے، پھر دو رکعتیں پڑھائیں، پھر ہماری طرف رُخ کر کے متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ ہمارا اس دن کا سب سے پہلا عمل یہ ہے کہ ہم (عید کی) نماز پڑھیں، پھر ہم لوٹیں اور قربانی کریں، پس جس نے اس طرح کیا، تو اس نے ہمارے طریقہ کی موافقت کی، اور جس نے اس (عید کی نماز) سے پہلے ذبح کرلیا، تو وہ ایسی چیز ہے، جو اس نے

اپنے گھر والوں کے لئے جلدی کرلی (یعنی گھر والوں کے لئے عام کھانے کا گوشت ہے) اس کا قربانی سے تعلق نہیں (ترجمہ ختم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیع کے قریب میدان میں نماز پڑھی تھی، اس کو بقیع کہہ دیا گیا۔ ۲

۲ فی هذا الحديث :أن خروجه وصلاته كانت بالبقيع، وليس المراد به :أنه صلى في المقبرة، وإنما المراد :أنه صلى في الفضاء المتصل بها، واسم البقيع يشمل الجميع.وقد ذكر ابن زبالة، بإسناد له، أن النبي -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -صلى العيد خارج المدينة في خمسة مواضع، حتّى استقر من صلاته في الموضع الذي عرف به، وصلى فيه الناس بعده(فتح الباري لابنِ رجب، ج ۹ ص ۴۴، ابواب العيدين،باب استقبال الإمام الناس في خطبة العيد)

اور بعض نے فرمایا کہ بقیع سے مراد عیدگاہ کا قطعہ ہے۔ ۳

۳ فالمراد بقيع المصلى وبقيع السوق لما سبق في الفصل قبله لا يقبع الغرقد كما سبق لبعض الأوهام حيث حمل الرجم بالمصلى على بقيع الغرقد وقد أشتهر المصلى في الأشعار قال أبو قطيفةرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أضحى إلى البقيع فصلى الحديث فالمراد بقيع المصلى وبقيع السوق لما سبق في الفصل قبله لا يقبع الغرقد كما سبق لبعض الأوهام حيث حمل الرجم بالمصلى على بقيع الغرقد(خلاصة الوفا بأخبار دار المصطفى،للسمهودى،الباب الخامس في مصلى الأعياد ومساجدها النبوية ومقابرها وفضل أحد الشهداء به،الفصل السادس عشر، الاول في مصلى الاعياد)

اور حضرت حارث سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

اَلْجَهْرُ فِيْ صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ مِنَ السُّنَّةِ وَالْخُرُوْجُ فِي الْعِيْدَيْنِ إِلَى الْجَبَّانَةِ مِنَ السُّنَّةِ (السنن الكبرى للبيهقي) ۱

۱ حديث نمبر ۶۱۹۶،كتاب صلاة العيدين،باب الجهر بالقراء ة في العيدين، دارالكتب العلمية، بيروت.

ترجمہ: عیدین کی نماز میں بلند آواز سے قرأت کرنا سنت ہے، اور عیدین کے دِنوں میں عیدگاہ کی طرف نکلنا سنت ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يَمْشِيَ الرَّجُلُ إِلَى الْمُصَلّٰى قَالَ وَالْخُرُوْجُ يَوْمَ

الْعِيدَيْنِ مِنَ السُّنَّةِ، وَلَا يَخْرُجُ إِلَى الْمَسْجِدِ إِلَّا ضَعِيفٌ أَوْ مَرِيضٌ

(السنن الکبری للبیهقی) ۲

۲ حدیث نمبر ۶۲۶۱، کتاب صلاۃ العیدین، باب الإمام یأمر من یصلی بضعفة الناس العید فی المسجد، دار الکتب العلمیة، بیروت.

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ آدمی عیدگاہ کی طرف پیدل چل کر جائے، اور عیدین کے دن عیدگاہ میں جانا سنت ہے، اور مسجد میں ضعیف اور مریض ہی نماز پڑھیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابواسحاق سے مروی ہے کہ:

أَنَّ عَلِيًّا، أَمَرَ رَجُلاً أَنْ يُصَلِّيَ بِضَعَفَةِ النَّاسِ يَوْمَ الْعِيدِ فِي الْمَسْجِدِ رَكْعَتَيْنِ (معرفة السنن والآثار للبیهقی) ۳

۳ حدیث نمبر ۶۹۷۴، کتاب صلاۃ العیدین، دار الوفاء، قاهرة.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم فرمایا کہ وہ کمزور لوگوں کو عید کے دن مسجد میں (عید کی) دو رکعت پڑھائے (ترجمہ ختم)

اس قسم کی احادیث اور روایات کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ عیدین کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے، مگر یہ کہ عیدگاہ میں جانے یا عیدگاہ میں پڑھنے میں کوئی عذر ہو۔ ۱

۱ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا رَجُلٌ مِنَ الْفَرَوِيِّينَ، وَسَمَّاهُ الرَّبِيعُ فِي حَدِيثِهِ عِيسَى بْنَ عَبْدِ الْأَعْلَى بْنِ أَبِي فَرْوَةَ، سَمِعَ أَبَا يَحْيَى عُبَيْدَ اللَّهِ التَّيْمِيَّ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِي يَوْمِ عِيدٍ، فَصَلَّى بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِيدِ فِي الْمَسْجِدِ (سنن أبی داود، حدیث نمبر ۱۱۶۰) فی .(شرح السنة) : السنة أن یخرج الإمام لصلاة العیدین إلا من عذر، فیصلی فی المسجد، أی مسجد داخل البلد .قال ابن الهمام :والسنة أن یخرج الإمام إلى الجبانة، ویستخلف من یصلی بالضعفاء فی المصر، بناء على أن صلاة العید فی الموضعین جائزة بالاتفاق .قال ابن حجر :والکلام کله فی غیر مسجدی مکة وبیت المقدس، وأما هما فهی فیهما أفضل مطلقا تبعا للسلف والخلف، ولشرفهما مع اتساعهما (مرقاة، ج۳ص ۱۰۶۰، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین)

اور عیدگاہ کا آبادی سے باہر، مگر آبادی کے متصل بنانا سنت ہے۔ ۲

---

۲ (والخروج إلیها) أی الجبانة لصلاة العید (سنة وإن وسعهم المسجد الجامع) هو الصحیح (الدر المختار)

(قوله المصلى العام) أى فى الصحراء بحر عن المغرب (قوله والواجب مطلق التوجه) أى لا التوجه المترتب على ما ذكر ولا التوجه المقيد بالمشي، ولا التوجه إلى خصوص الجبانة، وهذا تكملة الجواب عن السؤال المقدر (قوله :هو الصحيح) قال في الظهيرية .وقال بعضهم :ليس بسنة وتعارف الناس ذلك لضيق المسجد وكثرة الزحام والصحيح هو الأول .اهـ.

وفي الخلاصة والخانية السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناء على أن صلاة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذلك .اهـ.
نوح(رد المحتار على الدر المختار، ج٢ص ١٦٩ ،كتاب الصلاة،باب العيدين)

والخروج إلى الجبانة لصلاة العيد سنّة، وإن كان يسعهم المسجد الجامع على هذا عامة المشايخ. وبعضهم قالوا :الخروج إلى الجبانة ليس سنّة، وإنما تعارف الناس ذلك لضيق المسجد، والصحيح ما عليه عامة المشايخ :أنهم لا يخرجون عن المصر، بل يقيمونها في فناء المصر؛ لأن المصر شرط جواز هذه الصلاة وفناء المصر من المصر.

ألا ترى أن أفنية البيوت كأجوافها فكذا فناء المصر كجوفه، أما ما زاد على فناء المصر ليس من المصر، فلهذا قال يقيمونها في فناء المصر ثم إذا خرج الإمام إلى الجبانة، لصلاة العيد وإن استخلف رجلاً يصلي بالضعفة في الجامع، فحسن كما فعل علي رضي الله عنه، فإنه روى أنه لما قدم الكوفة استخلف أبا موسى الأشعري رضي الله عنه ليصلي بالضعفة صلاة العيد في الجامع، وخرج إلى الجبانة مع خمسين شيخاً يمشي ويمشون، ولأنه راعى حق الأقوياء ، فيراعي حق الضعفاء بأن يستخلف عليهم من يصلي بهم في الجامع كيلا تفوتهم صلاة العيد، وإن لم يفعل ذلك فلا شيء عليه؛ لأنه لم ينقل عن رسول الله عليه السلام أنه فعل ذلك.

وتجوز إقامة صلاة العيد في موضعين نص على هذا في الأصل ، وهذا لما ذكرنا أن السنّة في صلاة العيد أن تقام خارج المصر بالجبانة، ولا يمكن للضعفاء الخروج إليها إلا بحرج عظيم، فجوزنا الإقامة في موضعين دفعاً للحرج.

وأما إقامتها في ثلاث مواضع، فعلى قول محمد يجوز وعلى قول أبي يوسف لا يجوز(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج٢ص ١٠٠، ١٠١ ،الفصل السادس والعشرون في صلاة العيدين)

امداد الاحکام میں ہے کہ:

اگر کوئی عیدگاہ آبادی کے اندر آجائے تو قواعد کا مقتضاء یہ ہے کہ اگر وہ عیدگاہ خاص نمازِ عید کے لئے وقف نہ ہو بلکہ کسی اور غرض کے لئے مثلاً مصالح عامہ کے لئے وقف ہو تب تو اس کو چھوڑ کر آبادی سے باہر عید کی نماز پڑھنا سنت ہوگا اور اگر وہ جگہ خاص عید کی نماز ادا کرنے کے لئے وقف شدہ ہو تو (آبادی سے باہر عیدین کی نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ۔ناقل) اس میں بھی عید کی نماز پڑھنا ترک نہ کیا جاوے گا۔لان تحفظ الوقف واجب واتیان الواجب اهم من فعل السنة (کذا فی امداد الاحکام ج۱ص۷۸۸)

لیکن اسی کے ساتھ آبادی کے اندر بھی کمزور اور معذور لوگوں کے لئے عید کی نماز کا انتظام کرنا چاہئے۔ [1]

[1] (ومنها) أنه يستحب للإمام إذا خرج إلى الجبانة لصلاة العيد أن يخلف رجلا يصلي بأصحاب

العلل فی المصر صلاة العید؛ لما روی عن علی -رضی اللہ عنہ -أنہ لما قدم الکوفة استخلف أبا موسی الأشعری لیصلی بالضعفة صلاة العید فی المسجد، وخرج إلی الجبانة مع خمسین شیخا یمشی ویمشون؛ ولأن فی ھذا إعانة للضعفة علی إحراز الثواب فکان حسنا، وإن لم یفعل لا بأس بذلک؛ لأنہ لم ینقل ذلک عن رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم -ولا عن الخلفاء الراشدین سوی علی -رضی اللہ عنہ -؛ ولأنہ لا صلاة علی الضعفة، ولکن لو خلف کان أفضل(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۸۰، کتاب الصلاۃ ،فصل صلاۃ العیدین)

امدادالاحکام میں ہے کہ:

”نمازِ عیدین کا عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے، بلاوجہ اس سنت کا چھوڑنا بُرا ہے، لیکن اگر کوئی جماعت شہر ہی میں عید کی نماز بلاعذر پڑھ لے، تو اس کو بھی ملامت نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ صلوٰۃِ عید کا متعدد مواقع میں پڑھنا بالاتفاق جائز ہے اور اگر کوئی جماعت بستی میں عید کی نماز اس لئے پڑھے کہ مثلاً عیدگاہ کا امام جاہل یا فاسق ہے تو یہ جماعت اس فعل میں معذور ہے۔

(وبعداسطرٍ)اگر کوئی غرض محمود ہو تو (عیدگاہ کے علاوہ صرف۔ناقل) بستی میں بھی عید کی نماز جائز ہے“

(امدادالاحکام ج۱ص۷۳۳، فصل فی الجمعۃ والعیدین)

اور آج کل بڑے بڑے شہروں میں آبادی سے باہر نکل کر عید کی نماز ادا کرنا عام طور پر مشکل ہوتا ہے، یہ بھی ایک طرح سے عذر میں داخل ہے۔

ایسے حالات میں آبادی کے اندر متعدد مقامات پر عیدین کی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اسی کے ساتھ کوشش کرنی چاہئے کہ جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے اجتماعات منعقد نہ کئے جائیں۔ [۱]

[۱] بیان استنباط الأحکام وھو علی وجوہ :الأول :فیہ استحباب خروج الإمام مع القوم إلی مصلی العید فی الجبانة لأجل صلاة العید، ولم یزل الصدر الأول کانوا یفعلون ذلک، ثم ترکہ أکثرھم لکثرة الجوامع، ومع ھذا فإن أھل بلاد شتی لم یترکوا ذلک(عمدۃ القاری للعینی، ج۳ص ۲۷۲، کتاب الحیض،باب ترک الحائض الصوم)

(۱۳)......عید کی نماز کے لئے جاتے ہوئے تکبیر کہنا

عید کا دن کیونکہ اللہ عزوجل کے ذکر کا بھی دن ہے، اس لئے عیدُ الفطر کی نماز کے لیے جاتے ہوئے راستے میں بلکہ بعض حضرات کے نزدیک عیدگاہ پہنچ کر امام کی آمد سے پہلے بھی تکبیر کہنا سنت ہے، اور دلیل کے لحاظ سے راجح یہ ہے کہ عیدالفطر کے دن بھی عیدالاضحیٰ کی طرح جہراً

تکبیر کہنا سنت ومستحب ہے۔ [۲]

---

[۲] وهو قول الصاحبين والطحاوى رحمهم الله.ويأتى الدلائل بهذا القول .
السنة فى الأضحى التكبير فى الطريق كما سيأتى فافهم(رد المحتار على الدر المختار، ج۲ص۱۶۹، كتاب الصلاة ،باب العيدين)
ومنها أن يغدو إلى المصلى جاهرا بالتكبير فى عيد الأضحى، فإذا انتهى إلى المصلى ترك؛ لما روى عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه كان يكبر فى الطريق .
وأما فى عيد الفطر فلا يجهر بالتكبير عند أبى حنيفة، وعند أبى يوسف ومحمد يجهر، وذكر الطحاوى أنه يجهر فى العيدين جميعا(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۷۰، كتاب الصلاة، فصل بيان مايستحب فى يوم العيد)
قلت :هذا خلاف ما مر عنه آنفا أنه يكبر، وقال أبو جعفر :والذى عندنا أنه لا ينبغى أن يمنع العامة من ذلك لقلة رغبتهم فى الخيرات، وقال :وبه نأخذ(البناية شرح الهداية،ج۳ص۱۰۴،كتاب الصلاة ،باب صلاة العيدين)
وقال الفقيه ابوجعفر :والذى عندنا انه لاينبغى ان تمنع العامة عن ذلك لقلة رغبتهم فى الخيرات ، وبه ناخذ ، يعنى انهم اذا منعوا عن الجهر به لايفعلونه سرا، فينقطعون عن الخير بخلاف العالم الذى يعلم ان الاسرار هو الافضل ، ثم قيل يقطع التكبير اذا انتهى الى المصلى سواء فى الفطر اى على القول بالجهر او الاضحى ، وقيل لايقطعه مالم يفتتح الصلاة (غنية المستملى فى شرح منية المصلى ، المعروف بشرح الكبير ص۵۶۷، صلاة العيد)
وبقولهما قالت الأئمة الثلاثة ، وهو قول على وأبى أمامة الباهلى وعمر بن عبد العزيز والنخعى وابن أبى ليلى وابن جبير وأبان بن عثمان والحكم وإسحاق وأبى ثور وحماد قال الطحاوى وبه نأخذ ، ثم ما أول وقت التكبير ؟ اختلف فيه فذهب سعيد بن المسيب وابن سلمة وعروة وزيد بن أسلم والشافعى إلى أن أول وقته إذا غربت الشمس ليلة العيد وقال جمهور الصحابة والتابعين والأئمة الثلاثة ابتداؤه عند الغدو إلى الصلاة لا قبلها واختاره النووى -والله سبحانه أعلم -قال الكمال الخلاف فى الجهر بالتكبير فى الفطر لا فى أصله ؛ لأنه داخل فى عموم ذكر الله تعالى فعندهما يجهر به كالأضحى وعنده لا يجهر وعن أبى حنيفة كقولهما ، وفى الخلاصة ما يفيد أن الخلاف فى أصل التكبير وليس بشىء إذ لا يمنع من ذكر الله تعالى بسائر الألفاظ فى شىء من الأوقات بل من إيقاعه على وجه البدعة فقال أبو حنيفة رفع الصوت بالذكر بدعة تخالف الأمر من قوله تعالى (واذكر ربك فى نفسك تضرعا وخيفة ودون الجهر من القول) (الأعراف 205 :) فيقتصر فيه على مورد الشرع وقد ورد به فى الأضحى ، وهو قوله تعالى (واذكروا الله فى أيام معدودات) (البقرة:۲۰۳) جاء فى التفسير أن المراد التكبير فى هذه الأيام والأولى الاكتفاء فيه بالإجماع عليه اهـ .(قوله وقال أبو جعفر إلخ) يحتمل أن يراد بأبى جعفر هذا الإمام الطحاوى وأن يكون الفقيه الهندوانى إذ فى غاية السروجى قال الطحاوى والذى عندنا أنه لا ينبغى أن يمنع العامة من ذلك لقلة رغبتهم فى الخيرات قال :وبه نأخذ ، وفى الفتاوى الظهيرية وعن الفقيه أبى جعفر أنه كان يقول سمعت أن مشايخنا كانوا يرون التكبير فى الأسواق فى الأيام العشر ، وفى المجتبى وذكر أبو

الليث أن إبراهيم بن يوسف كان يفتى بالتكبير فى الأسواق فى الأيام العشر قال الهندوانى وعندى : لا ينبغى أن تمنع العامة من ذلك لقلة رغبتهم فى الخيرات وبه نأخذ هذا فى جمع التفاريق قيل لأبى حنيفة ينبغى لأهل الكوفة وغيرها أن يكبروا أيام التشريق فى الأسواق والمساجد قال نعم اهـ كذا نقلته من خط العلامة ابن أمير حاج(حاشية الشلبى على التبيين الحقائق، ج ا ص ۲۲۴، باب صلاة العيدين، مندوبات عيدالفطر)

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ:

أَلاَ وَإِنَّ هٰذِهِ الْأَيَّامَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (ابوداؤد)[1]

[1] حديث نمبر ۲۸۱۳، كتاب الضحايا، باب فى حبس لحوم الاضاحى، المكتبة العصرية، بيروت.
(حكم الألبانى): صحيح.

ترجمہ: خبردار ہو جاؤ، یہ دن کھانے پینے اور اللہ عزوجل کے ذکر کے دن ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت زہری سے مرسلاً روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ فَيُكَبِّرُ حَتّٰى يَأْتِيَ الْمُصَلّٰى، وَحَتّٰى يَقْضِيَ الصَّلَاةَ، فَإِذَا قَضَى الصَّلَاةَ قَطَعَ التَّكْبِيْرَ (مُصنف ابن أبى شيبة)[1]

[1] حديث نمبر ۵۶۶۷، كتاب الصلاة، فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد.
قال الالبانى:
وهذا سند صحيح مرسلا ,ومن هذا الوجه أخرجه المحاملى (۱۴۲/۲)وقد روى من وجه آخر عن ابن عمر مرفوعا(إرواء الغليل فى تخريج أحاديث منار السبيل،باب صلاة العيدين،تحت حديث رقم ۶۵۰)
قلت :وهذا إسناد صحيح لولا أنه مرسل لكن له شاهد موصول يتقوى به، أخرجه البيهقى (سلسلة الأحاديث الصحيحة،تحت حديث رقم ۱۷۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر کے دن عیدگاہ اور عید کی نماز پڑھنے تک تکبیر کہتے ہوئے تشریف لے جاتے تھے، پھر جب نماز پڑھ لیتے، تو تکبیر ختم فرمادیتے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ فِي الْعِيْدَيْنِ مَعَ

الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ، وَالْعَبَّاسِ، وَعَلِيٍّ، وَجَعْفَرٍ، وَالْحَسَنِ، وَالْحُسَيْنِ، وَأُسَامَةِ بْنِ زَيْدٍ، وَزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ، وَأَيْمَنَ بْنِ أُمِّ أَيْمَنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ رَافِعًا صَوْتَهُ بِالتَّهْلِيلِ وَالتَّكْبِيرِ، فَيَأْخُذُ طَرِيقَ الْحَدَّادِيْنَ حَتّٰى يَأْتِيَ الْمُصَلّٰى، وَإِذَا فَرَغَ رَجَعَ عَلَى الْحَذَّائِيْنَ حَتّٰى يَأْتِيَ مَنْزِلَهُ (السنن الکبری للبیهقی) [1]

---

[1] حدیث نمبر ۶۱۳۰، کتاب صلاة العیدین، باب التکبیر لیلة الفطر ویوم الفطر الخ، دار الکتب العلمیة، بیروت، واللفظ لهٔ، صحیح ابنِ خزیمة، حدیث نمبر ۱۴۳۱، شعب الایمان للبیهقی، حدیث نمبر ۳۴۴۱.

قال الالبانی:

قلت :ورجاله کلهم ثقات رجال مسلم، غیر أن عبد الله بن عمر وهو العمری المکبر، قال الذهبی " :صدوق فی حفظه شیء ."قلت :فمثله مما یصلح للاستشهاد به، لأن ضعفه لم یأت من تهمة فی نفسه، بل من حفظه، فضعفه یسیر، فهو شاهد قوی لمرسل الزهری، وبذلک یصیر الحدیث صحیحا کما تقتضیه قواعد هذا العلم الشریف(سلسلة الأحادیث الصحیحة،تحت حدیث رقم ۱۷۱)

وقال البیهقی " :هذا أمثل من الوجه المتقدم .

قلت :ورجاله ثقات رجال مسلم غیر عبد الله بن عمر ,وهو العمری المکبر ,قال الذهبی " :صدوق فی حفظه شیء ."ورمز له هو وغیره بأنه من رجال مسلم ,فمثله یستشهد به ,فهو شاهد صالح لمرسل الزهری فالحدیث صحیح عندی موقوفا ومرفوعا والله أعلم(إرواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل،باب صلاة العیدین،تحت حدیث رقم ۶۵۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن فضل بن عباس، اور عبداللہ، اور عباس، اور علی اور جعفر، اور حسن اور حسین اور اسامہ بن زید، اور زید بن حارثہ اور ایمن بن امِ ایمن رضی اللہ عنہم کے ساتھ بلند آواز سے تہلیل اور تکبیر کہتے ہوئے نکلتے تھے، اور حدّادین (نامی علاقہ) کے راستے عیدگاہ تک پہنچتے تھے، اور جب (عید کی نماز سے) فارغ ہوجاتے تو حذّائین (نامی علاقہ) کے راستے سے اپنے گھر میں تشریف لاتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ، وَيَوْمَ الْأَضْحٰى يُكَبِّرُ، يَرْفَعُ بِذٰلِكَ صَوْتَهُ حَتّٰى يَجِيْءَ الْمُصَلّٰى (شرح مشکل الآثار للطحاوی) ؎[1]

[1] ج ۱۴ ص ۳۸، باب بیان مشکل ما روی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم من إظهار التکبیر فی العید، وفی أی حال یکون من الطریق إلیه، أم بعد الجلوس فیه، واللفظ لهٗ، مُصنف ابن أبی شیبة، حدیث نمبر ۵۶۶۵.

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن بلند آواز سے تکبیر کہتے ہوئے نکلتے تھے، یہاں تک کہ عیدگاہ میں پہنچ جاتے تھے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا غَدَا يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ يَجْهَرُ بِالتَّكْبِيْرِ حَتّٰى يَأْتِيَ الْمُصَلّٰى ثُمَّ يُكَبِّرُ حَتّٰى يَأْتِيَ الْإِمَامُ (سنن الدارقطنی) ؎[1]

[1] حدیث نمبر ۱۷۱۶، کتاب العیدین، مؤسسة الرسالة، بیروت، واللفظ لهٗ، وحدیث نمبر ۱۷۱۲.

قال الالبانی:

وقد صح من طریق نافع عن ابن عمر موقوفا مثله. ولا منافاة بینه وبین المرفوع لاختلاف المخرج، کما هو ظاهر، فالحدیث صحیح عندی مرفوعا وموقوفا. ولفظ الموقوف ": کان یجهر بالتکبیر یوم الفطر إذا غدا إلی المصلی حتی یخرج الإمام، فیکبر بتکبیره (أخرجه الفریابی فی "کتاب أحکام العیدین "(ق ۱/۱۲۹) بسند صحیح، ورواه الدارقطنی ۱۸۰ وغیره بزیادة " : ویوم الأضحی ."وسنده جید(سلسلة الأحادیث الصحیحة، تحت حدیث رقم ۱۷۱)

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دن صبح کو بلند آواز سے تکبیر کہتے ہوئے نکلتے تھے، پھر (عیدگاہ میں بیٹھ کر بھی) امام کے تشریف لانے تک تکبیر کہتے تھے (ترجمہ ختم)

دیگر صحابہ وتابعین کے بارے میں بھی اس طرح کی کئی روایات مروی ہیں۔ ؎[2]

[2] عَنْ حَنَشِ بْنِ الْمُعْتَمِرِ، قَالَ :رَأَيْتُ عَلِيًّا يَوْمَ أَضْحَى لَمْ يَزَلْ يُكَبِّرُ حَتَّى أَتَى الْجَبَّانَةَ(سنن الدارقطنی، حدیث نمبر ۱۷۱۱، واللفظ لهٗ، مُصنف ابن أبی شیبة، حدیث نمبر ۵۶۷۱، فِی التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيدِ)

عن أبي جميلة ، قال :رأيت عليا خرج من منزله يوم العيد فلم يزل يكبر حتى انتهى إلى الجبانة ، ثم نزل فصلى ثم خطب على راحلته(الاوسط لابن المنذر، حديث نمبر ٢٠٧٢)

عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ ، قَالَ :أُرَاهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ ؛ أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ كَانَ يُكَبِّرُ يَوْمَ الْعِيدِ وَيَذْكُرُ اللَّهَ .(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ٥٦٦٦،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد)

عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ ,عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ ,قَالَ :كَانُوا فِي التَّكْبِيرِ فِي الْفِطْرِ أَشَدَّ مِنْهُمْ فِي الْأَضْحَى(سنن الدارقطني،،حديث نمبر ١٧١٣)

عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ ، قَالَ :خَرَجْتُ مَعَ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، وَابْنِ مَعْقِلٍ ، فَكَانَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ يُكَبِّرُ ، يَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالتَّكْبِيرِ ، وَكَانَ ابْنُ مَعْقِلٍ يَقُولُ :لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ .(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ٥٦٦٨،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد)

عَنْ عَطَاءٍ ، قَالَ :إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يُكَبِّرَ يَوْمَ الْعِيدِ.(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ٥٦٧٢،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد)

عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ ، قَالَ :خَرَجْتُ مَعَ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى فَلَمْ يَزَالاَ يُكَبِّرَانِ ، وَيَأْمُرَانِ مَنْ مَرَّا بِهِ بِالتَّكْبِيرِ .(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ٥٦٦٩،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد،واللفظ لهٗ، احكام العيدين للفريابى، حديث نمبر ٥٥)

عَنْ شُعْبَةَ ، قَالَ :قُلْتُ لِلْحَكَمِ ، وَحَمَّادٍ :أُكَبِّرُ إِذَا خَرَجْتُ إِلَى الْعِيدِ ؟ قَالاَ : نَعَمْ.(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ٥٦٧٣،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد)

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ؛ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يُكَبِّرُ يَوْمَ الْعِيدِ.(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ٥٦٧٤،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد)

عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، قَالَ :كَانَ النَّاسُ يُكَبِّرُونَ فِي الْعِيدِ ، حِينَ يَخْرُجُونَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ حَتَّى يَأْتُوا الْمُصَلَّى ، وَحَتَّى يَخْرُجَ الإِمَامُ ، فَإِذَا خَرَجَ الإِمَامُ سَكَتُوا ، فَإِذَا كَبَّرَ كَبَّرُوا.(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ٥٦٧٥،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد)

عَنِ الأَعْمَشِ ، قَالَ :كُنْتُ أَخْرُجُ مَعَ أَصْحَابِنَا ؛ إِبْرَاهِيمَ وَخَيْثَمَةَ ، وَأَبِي صَالِحٍ يَوْمَ الْعِيدِ فَلاَ يُكَبِّرُونَ.(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ٥٦٧٠،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد)

قلت : لعلهم يكبرون سرا، كما هو قول ابى حنيفة رحمه الله.

عَنْ شُعْبَةَ ، قَالَ :كُنْتُ أَقُودُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَوْمَ الْعِيدِ ، فَسَمِعَ النَّاسَ يُكَبِّرُونَ ، فَقَالَ :مَا شَأْنُ النَّاسِ ؟ قُلْتُ :يُكَبِّرُونَ ، قَالَ :يُكَبِّرُونَ ؟ قَالَ :يُكَبِّرُ الإِمَامُ ؟ قُلْتُ :لاَ ، قَالَ :أَمَجَانِينُ النَّاسُ ؟.(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ٥٦٧٦،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد)

فقال قائل فقد روى عن عبد الله بن عباس ما يخالف ما فى هذه الآثار فذكر ما قد حدثنا بكار بن قتيبة حدثنا أبو عامر العقدى حدثنا ابن أبى ذئب عن شعبة مولى ابن عباس قال كنت أقود ابن عباس إلى المصلى فيسمع الناس يكبرون فيقول ما شأن الناس أيكبر الإمام فأقول لا فيقول أمجانين الناس فكان جوابنا له فى ذلك أنه قد يحتمل أن يكون التكبير الذى أنكره ابن عباس لما سمعه كان تكبير

من فی المصلی ولیس ذلک بموضع تکبیر فقال من أجل ذلک ما قال إن ذلک الموضع إنما یکبر الناس فیه بعد دخولهم فی الصلاة لعیدهم ولتکبیر الإمام التکبیر الذی یکبره فیها مما یکبر الناس بتکبیره فیها وهو أولی ما حمل علیه ما قد روی عنه من هذا حتی لا یکون خارجا عما رویناه عما سواه فی هذا الباب فقال قائل فقد روی عن إبراهیم ما یدل علی کراهته کان لذلک فذکر

ما قد حدثنا أحمد بن داود حدثنا محمد بن یحیی بن أبی عمر حدثنا سفیان عن علی بن حی عن إبراهیم النخعی أنه سئل عن التکبیر یوم الفطر فقال إنما یفعله الحواکون فکان جوابنا له فی ذلک أن ما روینا فی هذا الباب مما تقدمت روایتنا إیاه فیه عمن روینا عنه فیه أولی أن یؤخذ به مما رویناه عن إبراهیم مما یخالفه وإن کان غیر متصل به فی إسناده لأن علی بن حی لم یلقه ولم یسمع منه وقد روی فی تأویل قول الله عز وجل !(ولتکبروا الله علی ما هداکم) ! البقرة ۱۸۵ ما یدل علی ما روی خلاف ذلک مما قد ذکرناه قبله فی هذا الباب کما حدثنا ابن أبی داود حدثنا عبد الله بن محمد بن أسماء حدثنا عبد الله بن المبارک عن داود بن قیس قال سمعت زید بن أسلم یقول !(ولتکملوا العدة ولتکبروا الله علی ما هداکم) ! البقرة ۱۸۵ قال التکبیر یوم الفطر وقد روی عن عطاء بن أبی رباح أن التکبیر فی العید سنة.

کما حدثنا أبو أمیة قال حدثنا عبد الرحمن بن قیس الضبی قال حدثنا ابن جریج عن عطاء فی التکبیر یوم العید قال سنة وفیما قد ذکرنا فی هذا الباب مما یوجب التکبیر فی یوم العید فی الطریق إلی المصلی مما یجب التمسک به وترک خلافه وبالله التوفیق(شرح مشکل الآثار،باب بیان مشکل ما روی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم من إظهار التکبیر فی العید وفی أی حال یکون من الطریق إلیه أم بعد الجلوس فیه)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر حضرات سے عید کی رات میں بھی تکبیر کہنے کا مستحب ہونا مروی ہے۔ ۱

۱ حَدَّثَنِي يُونُسُ، قَالَ :أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ :قَالَ ابْنُ زَيْدٍ، كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ " حَقٌّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ إِذَا نَظَرُوا إِلَى هِلَالِ شَوَّالٍ أَنْ يُكَبِّرُوا اللَّهَ حَتَّى يَفْرُغُوا مِنْ عِيدِهِمْ؛ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى ذِكْرُهُ يَقُولُ :(وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ)قَالَ ابْنُ زَيْدٍ: يَنْبَغِي لَهُمْ إِذَا غَدَوْا إِلَى الْمُصَلَّى كَبَّرُوا، فَإِذَا جَلَسُوا كَبَّرُوا، فَإِذَا جَاءَ الْإِمَامُ صَمَتُوا، فَإِذَا كَبَّرَ الْإِمَامُ كَبَّرُوا، وَلَا يُكَبِّرُونَ إِذَا جَاءَ الْإِمَامُ إِلَّا بِتَكْبِيرِهِ، حَتَّى إِذَا فَرَغَ وَانْقَضَتِ الصَّلَاةُ فَقَدِ انْقَضَى الْعِيدُ قَالَ يُونُسُ، قَالَ ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدٍ وَالْجَمَاعَةُ عِنْدَنَا عَلَى أَنْ يَغْدُوا بِالتَّكْبِيرِ إِلَى الْمُصَلَّى(تفسیر طبری، ج۳ص ۲۲۲، تحت سورة البقرة)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالَ :ثنا سُفْيَانُ، فِي قَوْلِهِ تَعَالَى :(وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ)قَالَ " :نَرْجُو أَنْ يَكُونَ التَّكْبِيرُ لَيْلَةَ الْفِطْرِ "وَزَعَمَ الْمَكِّيُّونَ أَنَّهُمْ رَأَوْا مَشَايِخَهُمْ يُكَبِّرُونَ لَيْلَةَ الْفِطْرِ إِلَى خُرُوجِ الْإِمَامِ يَوْمَ الْعِيدِ، وَيُظْهِرُونَ التَّكْبِيرَ، وَيَرَوْنَهُ سُنَّةً، وَهُمْ عَلَى ذَلِكَ الْيَوْمَ(اخبار مکة للفاکهی، حدیث نمبر ۱۷۰۳)

قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ :وَمِنَ السُّنَّةِ إِظْهَارُ التَّكْبِيرِ لَيْلَتَيِ الْعِيدَيْنِ، مُقِيمِينَ وَسَفْرًا فِي مَنَازِلِهِمْ، وَمَسَاجِدِهِمْ، وَأَسْوَاقِهِمْ، وَبَعْدَ الْغُدُوِّ فِي الطَّرِيقِ، وَبِالْمُصَلَّى إِلَى أَنْ يَحْضُرَ الْإِمَامُ.

رُوِیَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَغْدُو إِلَى الْمُصَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَيُكَبِّرُ حَتَّى يَأْتِيَ الْمُصَلَّى، ثُمَّ يُكَبِّرُ بِالْمُصَلَّى حَتَّى إِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ تَرَكَ التَّكْبِيرَ.
وَعَنِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ، وَعُرْوَةَ، وَأَبِي سَلَمَةَ، وَأَبِي بَكْرٍ :يُكَبِّرُونَ لَيْلَةَ الْفِطْرِ فِي الْمَسْجِدِ يَجْهَرُونَ بِالتَّكْبِيرِ.
وَعَنْ عُرْوَةَ وَأَبِي سَلَمَةَ :أَنَّهُمَا كَانَا يَجْهَرَانِ بِالتَّكْبِيرِ حِينَ يَغْدُونَ إِلَى الْمُصَلَّى.
وَكَانَ عُمَرُ يُكَبِّرُ فِي قُبَّتِهِ بِمِنًى، فَيَسْمَعُ أَهْلُ الْمَسْجِدِ، فَيُكَبِّرُونَ وَيُكَبِّرُ أَهْلُ الْأَسْوَاقِ، حَتَّى تَرْتَجَّ مِنًى تَكْبِيرًا.
وَقَالَ الْأَسْوَدُ :كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُكَبِّرُ :اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَ اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، وَلِلَّهِ الْحَمْدُ.
قَالَ الزُّهْرِيُّ :مَضَتِ السُّنَّةُ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ أَنْ يُكَبِّرَ حِينَ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ إِلَى الْمُصَلَّى، وَحِينَ يَخْرُجُ الْإِمَامُ، فَإِذَا فَرَغَ مِنَ الصَّلَاةِ قَطَعَ التَّكْبِيرَ، فَكَانَ النَّاسُ يَفْعَلُونَ ذَلِكَ، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ سَكَتُوا، فَإِذَا كَبَّرَ كَبَّرُوا.
وَرُوِيَ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، وَأَبَا هُرَيْرَةَ كَانَا يَخْرُجَانِ إِلَى السُّوقِ فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ يُكَبِّرَانِ، وَيُكَبِّرُ النَّاسُ بِتَكْبِيرِهِمَا(شرح السنة، ج۴ص ۳۰۱، كتاب الجمعة،باب لا أذان ولا إقامة لصلاة العيد وتقديم الصلاة)

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ عید الفطر کی رات میں، اور بطورِ خاص عید کے دن عید کی نماز کے لئے جاتے ہوئے اور عید گاہ میں پہنچ کر امام کی آمد سے پہلے تکبیر کہنا سنت ومستحب ہے، اور تکبیر کا بلند آواز سے کہنا بہتر ہے، اور اگر کوئی آہستہ آواز میں کہے، تو بھی حرج نہیں۔ [1]

[1] وفيه :استحباب التكبير يوم العيد، وكذا في ليلته في طريق المصلى، وروى عن على، رضى الله تعالى عنه، أنه كبر يوم الأضحى حتى أتى الجبانة، وعن أبى قتادة :أنه كان يكبر يوم العيد حتى يبلغ المصلى، وعن ابن عمر أنه كان يكبر فى العيد حتى يبلغ المصلى ويرفع صوته بالتكبير، وهو قول مالك والأوزاعى .وقال مالك :يكبر فى المصلى إلى أن يخرج الإمام، فإذا خرج قطعه ولا يكبر إلا إذا رجع .وقال الشافعى :أحب إظهار التكبير ليلة النحر، وإذا غدوا إلى المصلى حتى يخرج الإمام ليلة الفطر عقيب الصلوات فى الأصح .وقال أبو حنيفة :يكبر يوم الأضحى، يخرج فى ذهابه ولا يكبر يوم الفطر، وقال الطحاوى :ومن كبر يوم الفطر تأول فيه قوله تعالى :(ولتكبروا الله على ما هداكم) (البقرة:١٨٥، والحج:٣٧) .وتأول ذلك زيد بن أسلم، ويجعل ذلك تعظيم الله بالأفعال والأقوال كقوله :(وكبره تكبيرا) (الإسراء:١١١).والقياس أن يكبر فى العيدين جميعا، لأن صلاتى العيدين لا تختلفان فى التكبير فيهما، والخطبة بعدهما وسائر سننهما، وكذلك التكبير فى الخروج إليهما(عمدة القارى،ج٦ ص ٢٩٥،كتاب العيدين،باب حمل العنزة أو الحربة بين يدى الإمام يوم العيد)
واختلف فقهاء الأمصار فى ذلك، فروى المعلى عن أبى يوسف عن أبى حنيفة قال :يكبر الذى

يذهب إلى العيد يوم الأضحى ويجهر بالتكبير ولا يكبر يوم الفطر وقال أبو يوسف :يكبر يوم الأضحى والفطر وليس فيه شيء موقت، لقوله تعالى :(وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ) وقال عمرو: سألت محمدا عن التكبير في العيدين، فقال :نعم يكبر وهو قولنا .وقال الحسن بن زياد عن أبي حنيفة :إن التكبير في العيدين ليس بواجب في الطريق ولا في المصلى، وإنما التكبير الواجب في صلاة العيد .وذكر الطحاوي أن ابن أبي عمران كان يحكى عن أصحابنا جميعا أن السنة عندهم في يوم الفطر أن يكبروا في الطريق إلى المصلى حتى يأتوه، ولم نكن نعرف ما حكاه المعلى عنهم......

ولا خلاف بين الفقهاء أن إظهار التكبير ليس بواجب، ومن كبر فإنما فعله استبراء ، ومع ذلك فإنه متى فعل أدنى ما يسمى تكبيرا فقد وافق مقتضى الآية، إلا أن ما روى من ذلك عن النبي صلى الله عليه وسلم وعن السلف من الصدر الأول والتابعين في تكبيرهم يوم الفطر في طريق المصلى، يدل على أنه مراد الآية، فالأظهر من ذلك أن فعله مندوب إليه ومستحب لا حتما واجبا .والذي ذكره ابن أبي عمران هو أولى بمذهب أبي حنيفة وسائر أصحابنا، لما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم من طريق الزهري وإن كان مرسلا، وعن السلف، فلأن ذلك موافق لظاهر الآية ;إذ كانت تقتضي تحديد تكبير عند إكمال العدة، والفطر أولى بذلك من الأضحى، وإذا كان ذلك عنده مسنونا في الأضحى فالفطر كذلك ;لأن صلاتي العيدين لا تختلفان في حكم التكبير فيهما والخطبة بعدهما وسائر سننهما، فكذلك ينبغي أن تكون سنة التكبير في الخروج إليهما(أحكام القرآن للجصاص، ج ١ ص ٢٧٣، ٢٧٤ ،سورة البقرة،باب في عدد قضاء رمضان)

اور حضرت عمر، حضرت علی، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم، اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے تکبیر کے یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

"اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآاِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" [1]

[1] حدثنا محمد بن الصباح ، قال :ثنا عبد الرزاق ، عن ابن التيمي ، عن الحجاج بن أرطأة ، عن عطاء بن أبي رباح ، عن عبيد بن عمير ، أن عمر : كان يكبر من صلاة الغداة يوم عرفة إلى صلاة الظهر من آخر أيام التشريق يكبر في العصر يقول :الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله ، والله أكبر الله أكبر ولله الحمد (الاوسط لابن المنذر، حديث نمبر ٢١٦٦)

عَنْ أَبِي الْأَحْوَص ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ؛ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ :اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ٥٦٩٧، كَيْفَ يُكَبِّرُ يَوْمَ عَرَفَةَ ؟)

حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ ، قَالَ :حَدَّثَنَا شَرِيكٌ ، قَالَ :قُلْتُ لأَبِي إِسْحَاق :كَيْفَ كَانَ تَكْبِيرُ عَلِيٍّ ، وَعَبْدِ اللهِ ؟ فَقَالَ :كَانَا يَقُولاَنِ :اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ٥٦٩٩، كَيْفَ يُكَبِّرُ يَوْمَ عَرَفَةَ ؟)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ :كَانُوا يُكَبِّرُونَ يَوْمَ عَرَفَةَ وَأَحَدُهُمْ مُسْتَقْبِلٌ الْقِبْلَةَ فِي دُبُرِ الصَّلاَةِ :اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ٥٦٩٦، كَيْفَ يُكَبِّرُ يَوْمَ عَرَفَةَ ؟)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ اس طرح تکبیر پڑھا کرتے

تھے کہ:

اَللّٰہُ أَکْبَرُ کَبِیْرًا اَللّٰہُ أَکْبَرُ کَبِیْرًا اَللّٰہُ أَکْبَرُ وَأَجَلُّ اَللّٰہُ أَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ (مُصنف ابن أبی شیبة) [1]

[1] حدیث نمبر ۵۷۰۱، کتاب الصلاۃ، کَیْفَ یُکَبِّرُ یَوْمَ عَرَفَةَ ؟

اور بعض حضرات سے صرف اَللّٰہُ أَکْبَرُ کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ [2]

[2] حَدَّثَنَا یَزِیدُ بْنُ هَارُونَ ، قَالَ :أَخْبَرَنَا حُمَیْدٌ ؛ أَنَّ الْحَسَنَ کَانَ یُکَبِّرُ :اللَّهُ أَکْبَرُ اللَّهُ أَکْبَرُ ، ثَلاَثَ مَرَّاتٍ(مُصنف ابن أبی شیبة،حدیث نمبر ۵۷۰۰، کَیْفَ یُکَبِّرُ یَوْمَ عَرَفَةَ ؟)

پس گنجائش تو ان میں سے کسی بھی الفاظ کے کہہ لینے کی ہے، لیکن حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہم کی تکبیر زیادہ جامع ہونے کے ساتھ ساتھ امت میں متعارف بھی ہے، (کیونکہ اس میں تکبیر، تہلیل، اور تحمید کے تینوں جملے موجود ہیں)اس لئے ہمارے فقہائے کرام نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ [3]

---

[3] حدثنا علی بن عبد العزیز ، قال :ثنا حجاج ، قال :ثنا حماد ، عن حجاج ، عن أبی إسحاق ، عن عاصم بن ضمرة ، عن علی أن علیا : کان یکبر یوم عرفة صلاة الفجر إلی العصر من آخر أیام التشریق یقول :الله أکبر الله أکبر ، لا إله إلا الله ، والله أکبر الله أکبر ولله الحمد .وبه قال النخعی ، والثوری ، وأحمد ، وإسحاق ، وسفیان ، ومحمد .وقالت طائفة :یکبر ثلاثا ، الله أکبر ، الله أکبر ، الله أکبر ، هذا قول مالک ، والشافعی ، وبه قال الحسن البصری .وفیه قول ثالث : وهو أن یقول :الله أکبر ، الله أکبر ، الله أکبر کبیرا ، الله أکبر تکبیرا ، الله أکبر وأجل ، الله أکبر ولله الحمد ، روینا هذا القول عن ابن عباس(الاوسط لابن المنذر، حدیث نمبر ۲۱۲۸)

اختلفت الروایات عن الصحابة -رضی الله عنهم -فی تفسیر التکبیر، روی الله أکبر الله أکبر لا إله إلا الله، والله أکبر الله أکبر ولله الحمد وهو قول علی وابن مسعود -رضی الله عنهما -، وکان ابن عمر یقول :الله أکبر الله أکبر الله أکبر وأجل، الله أکبر ولله الحمد، وبه أخذ الشافعی.

وکان ابن عباس یقول :الله أکبر الله أکبر لا إله إلا الله الحی القیوم یحیی ویمیت وهو علی کل شیء قدیر، وإنما أخذنا بقول علی وابن مسعود -رضی الله عنهما -؛ لأنه المشهور والمتوارث من الأمة؛ ولأنه أجمع لاشتماله علی التکبیر والتهلیل والتحمید فکان أولی(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۱۹۵ ، کتاب الصلاة، فصل حکم التکبیر فی أیام التشریق)

(۱۴)......نماز کے لئے جانے سے پہلے کچھ کھا لینا

عید الفطر کا دن کیونکہ کھانے پینے کا دن ہے، اور اس دن کو رمضان کے دِنوں سے کھانے پینے

کے اعتبار سے امتیاز حاصل ہے، اس لئے عیدالفطر کی نماز کے لئے جانے سے پہلے کچھ کھالینا سنت ہے۔

چنانچہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَأْكُلَ، وَكَانَ لَا يَأْكُلُ يَوْمَ النَّحْرِ حَتّٰى يَرْجِعَ (سنن ابنِ ماجه) [1]

[1] حديث نمبر ١٧٥٦، كتاب الصيام، باب فى الأكل يوم الفطر قبل أن يخرج.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر کے دن کچھ کھائے بغیر نہیں نکلتے تھے، اور عیدالاضحیٰ کے دن (عید کی نماز سے) لوٹ کر ہی کھاتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْفِطْرِ، لَمْ يَخْرُجْ حَتّٰى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ يَأْكُلُهُنَّ إِفْرَادًا (مسند احمد) [2]

[2] حديث نمبر ١٢٢٦٨، مؤسسة الرسالة، بيروت.

فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن من أجل مُرجى بن رجاء، وباقى رجاله رجال الشيخين.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر کے دن چند طاق عدد کھجوریں کھائے بغیر (عید کی نماز کے لئے) نہیں جاتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عطاء سے روایت ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا يَغْدُوَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ، فَلْيَفْعَلْ (مسنداحمد) [3]

---

[3] حديث نمبر ٢٨٦٦، مؤسسة الرسالة، بيروت.

فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

ترجمہ: اگر تمہیں اس چیز کی استطاعت ہو، کہ تم میں سے کوئی عیدالفطر کے دن کچھ کھائے بغیر (عید کی نماز کے لئے) نہ نکلے، تو اسے چاہئے کہ ایسا کرے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ:

مِنَ السُّنَّةِ أَنْ لَا تَخْرُجَ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى تُخْرِجَ الصَّدَقَةَ، وَتَطْعَمَ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ (المعجم الكبير للطبرانى) [1]

[1] حديث نمبر ۱۱۲۹۶، مكتبة ابنِ تيمية، القاهرة، واللفظ لهٗ،سنن دارقطنى، حديث نمبر ۱۷۰۹، وحديث نمبر ۲۱۳۶، المعجم الاوسط للطبرانى، حديث نمبر ۴۵۱.

ترجمہ: یہ بات سنت سے تعلق رکھتی ہے کہ آپ عید الفطر کے دن (عید کی نماز کے لئے) نکلنے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دیں، اور نکلنے سے پہلے کچھ کھالیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

إِذَا خَرَجْتَ يَوْمَ الْعِيدِ، يَعْنِى الْفِطْرَ ، فَكُلْ وَلَوْ تَمْرَةً (مصنف ابنِ ابى شيبة) [2]

[2] حديث نمبر ۵۶۴۱، كتاب الصلاة،فى الطعام يوم الفطر قبل أن يخرج إلى المصلى.
قال الالبانى:وإسناده صحيح، وعبدالله هذا هو الأنصارى أبو الوليد(السلسلة الصحيحة ، تحت حديث رقم ۳۰۳۸)

ترجمہ: جب آپ عید الفطر کے دن (عید کی نماز کے لئے) نکلیں، تو کچھ کھالیں، اگرچہ ایک کھجور (یا چھوارا) ہی سہی (ترجمہ ختم)

حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا سے بھی اسی قسم کی روایت مروی ہے۔ [3]

[3] عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ أَبِى عَبْلَةَ ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ ، قَالَتْ :كُلْ قَبْلَ أَنْ تَغْدُوَ يَوْمَ الْفِطْرِ ، وَلَوْ تَمْرَةً(مصنف ابنِ ابى شيبة، حديث نمبر ۵۶۳۹)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

كَانَ النَّاسُ يَأْكُلُونَ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجُوا (مصنف عبدالرزاق) [4]

[4] حديث نمبر ۵۷۴۱،كتاب صلاة العيدين، باب الاكل قبل الصلاة، المكتب الاسلامى، بيروت.

ترجمہ: صحابۂ کرام عید الفطر کے دن نکلنے سے پہلے کچھ کھالیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح کے الفاظ میں روایت مروی ہے۔ [5]

[5] عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ " :كَانَ الْمُسْلِمُونَ يَأْكُلُونَ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الصَّلَاةِ، وَلَا يَفْعَلُونَ ذٰلِكَ يَوْمَ النَّحْرِ "(سنن البيهقى، حديث نمبر ۶۱۶۳، واللفظ لهٗ،

معرفة السنن والآثار، حديث نمبر ۱۹۱۴، احكام العيدين للفريابی، حديث نمبر ۱۸)

قال الالبانی:

وفی معنی حديث الترجمة ما رواه البيهقی ۲۸۳/۳ بسند صحيح عن سعيد بن المسيب قال: كان المسلمون يأكلون يوم الفطر قبل الصلاة؛ ولا يفعلون ذلک يوم النحر. فإن (المسلمون) فی هذا الأثر إنما هم أصحاب النبی -صلی الله عليه وسلم- الذين تلقوا هذه السنة من النبی -صلی الله عليه وسلم-، وهی المقصودة بقول ابن عباس): (من السنة)؛ كما هو مقرر فی علم مصطلح الحديث.

علی أن للحديث شواهد كثيرة صريحة الرفع إلی النبی -صلی الله عليه وسلم-؛ كحديث أنس): (كان رسول الله -صلی الله عليه وسلم- لا يغدو يوم الفطر حتی يأكل تمرات) رواه البخاری وغيره. وزاد بعض الضعفاء) (سبع تمرات) (السلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ۳۰۳۸)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى الْعِيدِ مَاشِيًا، وَأَنْ تَأْكُلَ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ

(ترمذی) [1]

[1] حديث نمبر ۵۳۰، ابواب العيدين، باب ماجاء فی المشی يوم العيد، شركة مكتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی -مصر، واللفظ لهٗ، سنن البيهقی، حديث نمبر ۶۱۵۸.

قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ آپ عید کے دن (نمازِ عید کے لئے) پیدل نکلیں، اور آپ نکلنے سے پہلے کچھ کھالیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

سُنَّةُ الْفِطْرِ ثَلَاثٌ اَلْمَشْيُ إِلَى الْمُصَلّٰى، وَالْأَكْلُ قَبْلَ الْخُرُوجِ، وَالْإِغْتِسَالُ (أحكام العيدين للفريابی) [2]

[2] حديث نمبر ۲۶، باب ما روی أن السنة المشی إلی العيدين، مكتبة العلوم والحكم -المدينة المنورة.

قال الالبانی: وإسناده صحيح (ارواء الغليل، تحت حديث رقم ۶۳۶)

ترجمہ: عیدالفطر کے دن یہ تینوں کام سنت ہیں، عید کی نماز کی جگہ کی طرف پیدل جانا، اور نکلنے سے پہلے کچھ کھالینا، اور غسل کرنا (ترجمہ ختم)

اور حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

مَضَتِ السُّنَّةُ أَنْ تَأْكُلَ قَبْلَ أَنْ تَغْدُوَ يَوْمَ الْفِطْرِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

[1] حديث نمبر ۵۶۴۰، كتاب الصلاة، فی الطعام يوم الفطر قبل أن يخرج إلی المصلی.

ترجمہ: یہ سنت چلتی آ رہی ہے کہ آپ عید الفطر کے دن نکلنے سے پہلے کچھ کھالیں (ترجمہ ختم)

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ عید کے دن عید کی نماز کو جانے سے پہلے کچھ کھالینا سنت ہے، اور یہ سنت کسی بھی قسم کی چیز کے کھالینے سے ادا ہو جاتی ہے۔

اور اگر طاق عدد کھجور یا چھوارے کھالے، خواہ ایک ہی ہو، تو یہ زیادہ بہتر ہے، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اتباع ہو جائے۔

اور بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ اگر کسی کو کھجور وغیرہ میسر نہ ہو، تو پھر کوئی بھی میٹھی چیز کھالینا بہتر ہے (کیونکہ میٹھی چیز کو کھجور کے ساتھ مشابہت حاصل ہے) [2]

---

[2] بعض تابعین سے شہد کا چاٹنا اور بعض سے چپاتی کا ایک لقمہ، یا دودھ یا پانی کا پینا بھی ثابت ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل سنت تو کسی چیز کا کھالینا ہے، اور کھجور بہتر ہے، اور وہ نہ ہو تو میٹھی چیز ورنہ کسی بھی چیز کے استعمال سے اس سنت پر عمل ہو جاتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔

أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقُولُ " :إِنِ اسْتَطَعْتُم أَنْ لَا يَغْدُوَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَطْعَمَ، فَلْيَفْعَلْ "قَالَ " :فَلَمْ أَدَعْ أَنْ آكُلَ قَبْلَ أَنْ أَغْدُوَ مُنْذُ سَمِعْتُ ذَلِكَ مِنَ ابْنِ عَبَّاسٍ، فَآكُلَ مِنْ طَرَفِ الصَّرِيقَةِ الْأُكْلَةَ، أَوْ أَشْرَبَ اللَّبَنَ، أَوِ الْمَاءَ، قُلْتُ :فَعَلَامَ يُؤَوَّلُ هَذَا ؟ قَالَ :سَمِعَهُ أَظُنُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "، قَالَ " :كَانُوا لَا يَخْرُجُونَ حَتَّى يَمْتَدَّ الضَّحَاءُ، فَيَقُولُونَ :نَطْعَمُ لِئَلَا نَعْجَلَ عَنْ صَلَاتِنَا "(مسند احمد، حديث نمبر ۲۸۶۶)

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

الصَّرَق مُحرَّكة أهمله الجوهَريّ وقال ابنُ الأعرابِيّ :هو الرّقيقُ من كلِّ شيء .قال :وإنّهم يقولون :الصَّريقة كسَفينَة هي :الرُّقاقَةُ من الخُبْز .ومنه حَديثُ ابْنِ عبّاسٍ رضِي اللهُ عنهما :أنّه كان يأكُل يومَ الفِطْر قبلَ أنْ يخرُج الى المُصَلّى من طرَفِ الصّريقَة ويقول :إنّه سُنّة هكذا رُوِي بالقافِ والرّاء قال الأزهَرِيُّ :وعَوامُّ النّاسِ تقول :الصّليقَة باللاّم .ورَواه الخَطّابيُّ في غَريبِه في حَديث عَطاء بالفاء .قال :هكذا رُوِي وهو بالقاف .قال الفراءُ :ج صَريقٌ وصُرُقٌ بضمّتَيْن وصَرائِق زاد غيرُه :وصُروق .ورُوِي في حَديثِ عُمَرَ -رضى الله عنه : -لو شِئْتُ لدَعَوْتُ بصَرائِقَ وصِنابٍ والأعرَفُ بصلائِق حكاه الهَرَوِيُّ في الغَريبَيْنِ .ومما يُسْتَدرَك عليه :صَرَقُ الحَرير مُحرَّكة :جيِّدُه لغةٌ في السّينِ حكاه ابنُ شُمَيْلٍ (تاج العروس من جواهر القاموس، ماده، ص ر ق)

(الرقاق) الرقيق و المرقق و الخبز المنبسط الرقيق يقال خبز رقاق و مشى مشيا رقاقا سهلا واحدته رقاقة(المعجم الوسيط، باب الراء)

أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ ، قَالَ :غَدَوْتُ مَعَ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْد بْنِ مُقَرِّنٍ يَوْمَ فِطْرٍ ، فَقُلْتُ لَهُ :يَا أَبَا سُوَيْد ، هَلْ طَعِمْتَ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ تَغْدُوَ ؟ قَالَ :لَعِقْتُ لَعْقَةً مِنْ عَسَلٍ(مصنف ابنِ ابی شيبة، حديث نمبر ۵۶۳۱)

عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ ، عَنِ ابْنِ مَعْقِلٍ ؛ أَنَّهُ لَعِقَ لَعْقَةً مِنْ عَسَلٍ ، ثُمَّ خَرَجَ(مصنف ابنِ ابی شيبة، حديث نمبر ۵۶۳۲)

اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اگر کھجور یا میٹھی چیز کے علاوہ کچھ بھی کھالیا جائے، تب بھی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

اور بعض حضرات کے نزدیک یہ سنت مرد حضرات کے علاوہ عورتوں اور ان لوگوں کے لئے بھی ہے، جو عید کی نماز ادا نہ کریں۔ [1]

[1] ويستحب يوم الفطر أن يأكل شيئا قبل الصلاة والأولى أن يكون تمرا إن تيسر وإلا فشيئا حلوا ويوم الأضحى يؤخر الأكل إلى ما بعد الصلاة(منية المصلى،فصل فى صلاة العيد)

ويستحب يوم الفطر أن يأكل شيئا قبل الصلاة لماروى انس كان عليه الصلاة والسلام لا يغدوا يوم الفطر حتى ياكل تمرات وياكلهن وترا رواه البخارى، فلذا ينبغى ان يكون الماكول تمرا ان وجد، والا فشيئا حلوا (حلبى كبير صفحه ۵۶۲،فصل فى صلاة العيد)

قال المصنف رحمه الله *(والسنة ان يأكل فى يوم الفطر قبل الصلاة ويمسك يوم النحر حتى يفرغ من الصلاة لما روى بريدة رضى الله عنه قال "كان النبى صلى الله عليه وسلم لا يخرج يوم الفطر حتى يطعم ويوم النحر لا يأكل حتى يرجع فيأكل من نسيكته "والسنة أن يأكل التمر ويكون وترا لما روى انس رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم "كان لا يخرج يوم الفطر حتى يأكل تمرات ويأكلهن وترا(المجموع شرح المهذب،ج۵ص۵،باب صلاة العيدين)

ويستحب فى عيد الفطر أن يأكل شيئا قبل خروجه إلى الصلاة ولا يأكل فى الأضحى حتى يصلى ويرجع .قلت ويستحب أن يكون المأكول تمرا إن أمكن ويكون وترا والله أعلم(روضة الطالبين وعمدة المفتين،للنووى،ج۲ص۷۶،فصل فى السنن المستحبة ليلة العيد ويومه)

مسألة :قال :(وأكلوا إن كان فطرا) السنة أن يأكل فى الفطر قبل الصلاة ، ولا يأكل فى الأضحى حتى يصلى .وهذا قول أكثر أهل العلم ؛ منهم على ، وابن عباس ، ومالك والشافعي وغيرهم ، لا نعلم فيه خلافا قال :أنس :(كان النبى صلى الله عليه وسلم لا يغدو يوم الفطر حتى يأكل تمرات) رواه البخارى .وفى رواية استشهد بها " :ويأكلهن وترا . "

وروى عن بريدة ، قال (كان النبى صلى الله عليه وسلم لا يخرج يوم الفطر حتى يفطر ، ولا يطعم يوم الأضحى حتى يصلى).

رواه الأثرم ، والترمذى ، ولفظ رواية الأثرم " :حتى يضحى . "

ولأن يوم الفطر يوم حرم فيه الصيام عقيب وجوبه ، فاستحب تعجيل الفطر لإظهار المبادرة إلى طاعة الله تعالى ، وامتثال أمره فى الفطر على خلاف العادة ، والأضحى بخلافه .

ولأن فی الأضحی شرع الأضحية والأكل منها ، فاستحب أن يكون فطره على شیء منها .
قال أحمد :والأضحی لا یأکل فيه حتى يرجع إذا كان له ذبح ؛ لأن النبی صلی الله عليه وسلم أكل من ذبيحته ، وإذا لم يكن له ذبح لم يبال أن يأكل .
فصل :والمستحب أن يفطر على التمر ؛ لأن النبی صلی الله عليه وسلم كان يفطر عليه ، ويأكلهن وترا ، لقول أنس :يأكلهن وترا ؛ ولأن الله تعالى وتر يحب الوتر ، ولأن الصائم يستحب له الفطر كذلک (المغنی ،لابن قدامة المقدسی، ج۲ ص۲۷۵ ،باب صلاة العیدین)
ذکر ما یستفاد منه :فیه :أن السنة لا یخرج إلی المصلی یوم عید الفطر إلا بعد أن یطعم تمرات وترا وله شواهد(عمدة القاری، ج٦ ص۲۷۵ ،باب الأکل یوم الفطر قبل الخروج)
(قوله وندب يوم الفطر أن يطعم ويغتسل ويستاک ويتطيب ويلبس أحسن ثيابه) اقتداء بالنبی -صلی الله عليه وسلم -ويستحب كون ذلک المطعوم حلوا لما روی البخاری كان -عليه الصلاة والسلام -لا يغدو يوم الفطر حتى يأكل تمرات ويأكلهن وترا وأما ما يفعله الناس فی زماننا من جمع التمر مع اللبن والفطر عليه فليس له أصل فی السنة (البحرالرائق ، ج۲ص ۱۷۱ ، کتاب الصلاة، باب العیدین)
(قوله حلوا) قال فی فتح القدير ويستحب كون ذلک المطعوم حلوا لما فی البخاری كان -عليه الصلاة والسلام -لا يغدو يوم الفطر حتى يأكل تمرات ويأكلهن وترا .اهـ.
قلت :فالظاهر أن التمر أفضل كما اقتضاه هذا الخبر فإن لم يجد يأكل شيئا حلوا ثم رأيته فی شرح المنية (قوله ولو قرويا) كذا فی الشرنبلالية ولعله يشير إلى أن ذلک ليس من سنن الصلاة بل من سنن اليوم لأن فی الأكل مبادرة إلى قبول ضيافة الحق سبحانه وإلى امتثال أمره بالإفطار بعد امتثال أمره بالصيام تأمل (ردالمحتار، جزء۲، صفحه ۱۶۸، باب العیدین)
واستحب فی عيد الفطر أن يأكل قبل الخروج إلى المصلى تميرات ثلاثا أو خمسا أو سبعا أو أقل أو أكثر بعد أن يكون وترا وإلا ما شاء من أی حلو كان كذا فی العينی شرح الكنز ولو لم يأكل قبل الصلاة لا يأثم ولو لم يأكل بعدها إلى العشاء ربما يعاقب عليه والأضحى كالفطر فيها إلا أنه يترک الأكل حتى يصلی العيد كذا فی القنية وفی الكبرى الأكل قبل الصلاة يوم الأضحى هل هو مكروه فيه روايتان والمختار أنه لا يكره لكن يستحب له أن لا يفعل كذا فی التتارخانية ويستحب أن يكون أول تناولهم من لحوم الأضاحی التی هی ضيافة الله كذا فی العينی شرح الهداية(الفتاوى الهندية، ج۱ ص ۱۴۹، ۱۵۰، کتاب الصلاة،الباب السابع عشر فی صلاة العیدین)
وندب "أی استحب لمصلی العيد "فی "يوم "الفطر ثلاثة عشر شيئا أن يأكل "بعد الفجر قبل ذهابه للمصلی شيئا حلوا كالسكر "و "ندب "أن يكون المأكول تمرا "إن وجد "و "أن يكون عدده "وترا "لما روى عن البخاری عن أنس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم" :لا يغدو يوم الفطر حتى يأكل تمرات ويأكلهن وترا "ولو لم يأكل قبلها لا يأثم ولو لم يأكل فی يومه ذلک ربما يعاقب كذا فی الرواية(مراقی الفلاح شرح متن نور الإیضاح،ص۲۰۰،باب صلاة العیدین)
قال فی مختصر الوقار يستحب للمرء أن يطعم يوم الفطر بعد صلاة الصبح شيئا من الحلو إن أمكن قبل صعوده المصلى انتهى .قال فی التوضيح قال الباجی :ويستحب أن يكون فطره على تمرات (مواهب الجلیل لشرح مختصر الخلیل، ج۲ ص۱۹۴، کتاب الصلاة،فصل فی أحکام صلاة العید)

ملحوظ رہے کہ آج کل بعض عوام عید کی رات کو اور عید کے دن نماز سے پہلے تک بھوکا پیاسا رہنے کو روزہ کا نام دیتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ عید کی رات میں روزہ ہوتا ہے اور وہ عید کے دن صبح کو کھجور یا میٹھی چیز سے افطار کیا جاتا ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں، اور یہ لاعلمی کی بات ہے، روزہ تو پورے دن کا ہوتا ہے اور عید کے دن تو ویسے ہی روزہ رکھنا گناہ ہے، البتہ عید کی نماز سے پہلے کچھ کھالینا سنت ہے، مگر وہ روزہ نہیں، نہ اس میں روزہ کا ثواب ہے، نہ روزہ کی نیت ہے اور نہ ہی یہ حکم فرض، واجب ہے، صرف سنت ہے، جس کی تفصیل اوپر ذکر کی جاچکی۔

(۱۵)......ایک راستے سے جانا اور دوسرے سے واپس آنا

عید کے دن جس راستہ سے عید کی نماز کے لئے جائیں اس کے علاوہ سے واپس آنا سنت ہے۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدٍ خَالَفَ الطَّرِيقَ (بخاری) [1]

[1] حديث نمبر ٩٨٦، كتاب الجمعة، باب من خالف الطريق إذا رجع يوم العيد، دار طوق النجاة، بيروت.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن (عید کی نماز کے لئے آتے جاتے ہوئے ایک دوسرے کے) مخالف راستے کو اختیار فرماتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيدَيْنِ، رَجَعَ فِيْ غَيْرِ الطَّرِيقِ الَّذِيْ خَرَجَ مِنْهُ (صحيح ابن حبان) [1]

[1] حديث نمبر ٢٨١٥، كتاب الصلاة، باب العيدين، مؤسسة الرسالة، بيروت.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية صحيح ابنِ حبان)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عیدین (کی نماز) کی طرف نکلتے تھے، تو اس

راستے کے علاوہ سے لوٹ کر آتے تھے، جس راستے سے تشریف لے جاتے تھے

(ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ إِلَى الْعِيْدَيْنِ مِنْ طَرِيْقٍ، وَيَرْجِعُ مِنْ طَرِيْقٍ أُخْرٰى (مسند احمد) [۲]

[۲] حدیث نمبر ۵۸۷۹، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۱۱۵۶. فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین (کی نماز) کی طرف ایک راستے سے تشریف لے جاتے تھے، اور دوسرے راستے سے واپس تشریف لاتے تھے (ترجمہ ختم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح ایک راستے سے جانے، اور دوسرے راستے سے واپس آنے میں محدثین نے مختلف حکمتیں و مصلحتیں بیان فرمائی ہیں۔

بہرحال اس قسم کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کی نماز کے لئے ایک راستے سے جانا، اور دوسرے راستے سے واپس آنا سنت ہے۔ [۳]

---

[۳] (وعن جابر قال :كان النبى -صلى الله عليه وسلم -إذا كان يوم عيد خالف الطريق) أى: رجع فى غير طريق الخروج، قيل :والسبب فيه وجوه منها :أن يشمل أهل الطريقين بركته وبركة من معه من المؤمنين .ومنها :أن يستفتى منه أهل الطريقين .ومنها :إشاعة ذكر الله، ومنها :التحرز عن كيد الكفار .ومنها اعتياد أخذه ذات اليمين حيث عرض له سبيلان، ومنها :أخذ طريق أطول فى الذهاب إلى العبادة ليكثر خطاه فيزيد ثوابه، وأخذ طريق أخصر ليسرع إلى مثواه، كذا قاله الطيبى، وتبعه ابن حجر، وفيه أن هذا لا يصلح أن يكون سببا لتعدد الطريق ;لأن طول الطريق إلى المسجد ليس مقصودا بالذات، نعم هذا يصلح أن يكون سببا لاختيار الأطول على الأخصر عند التعارض، مع أنه قد يقال :ينبغى أن يختار الأقرب مبادرة إلى الطاعة، ومسارعة إلى العبادة، بخلاف حال المراجعة .ومنها :أن يتصدق على فقراء الطريقين .ومنها :أن يشهد له الطريقان .ومنها :أن يزور قبور أقاربه .ومنها :أن يزداد المنافقون غيظا إلى غيظهم .ومنها :التفاؤل بتغير الحال .ومنها :أن لا يكثر الازدحام .ومنها :أن عدم التكرار أنشط عند طباع الأنام(مرقاة، ج۳ص۱۰۶۶، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

وفى الجملة الاقتداء به سنة؛ لاحتمال بقاء المعنى الذى فعله من أجله، ولأنه قد يفعل الشىء لمعنى ويبقى فى حق غيره سنة، مع زوال المعنى، كالرمل والاضطباع فى طواف القدوم، فعله هو وأصحابه

لإظهار الجلد للكفار، وبقى سنة بعد زوالهم(المغنى لابنِ قدامة، ج٢ص ٢٨٩،كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

والتاسع ان يرجع من طريق غير الطريق الذى خرج منه لان النبى عليه السلام كان يفعل ذلك(النتف فى الفتاوىٰ، ج ا ص ٩٩، كتاب الصلاة)

(و) يسن (رجوعه) أى المصلى (فى غير طريق غدوه) لحديث جابر (كان النبى صلى الله عليه وسلم إذا خرج إلى العيد خالف إلى الطريق) رواه البخارى ورواه مسلم عن أبى هريرة وعلته شهادة الطريقين ، أو تسويته بينهما فى التبرك بمروره ، أو سرورهما بمرور ، أو الصدقة على فقرائهما ونحوه فلذا قال (وكذا جمعة) ولا يمتنع فى غيرها (شرح منتهى الارادات ،كتاب الصلاة، باب احكام صلاة العيدين)

اور اگر پورا راستہ مختلف نہ ہو سکے، تو جتنا راستہ مختلف ہو سکے، اتنا اختیار کر لینے سے امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ سنت ادا ہو جائے گی۔

اور اگر کوئی عذر ہو، تو ایک ہی راستے سے آنے جانے میں بھی کوئی گناہ نہیں۔

(١٦)......صدقہ کرنا

عید کے دن اپنی وسعت وحیثیت کے مطابق صحیح مستحقین ومساکین کو صدقہ کرنا بھی سنت ومستحب ہے، بشرطیکہ صحیح مستحقین اور غریبوں کا انتخاب کیا جائے، اور پیشہ ور بھکاریوں سے اجتناب کیا جائے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں مروی ہے کہ:

فَصَلّٰى، ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ يَذْكُرْ أَذَانًا وَلاَ إِقَامَةً، ثُمَّ أَمَرَ بِالصَّدَقَةِ (بخارى) [1]

[1] حديث نمبر ٧٣٢٥،كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما ذكر النبى صلى الله عليه وسلم وحض على اتفاق أهل العلم الخ، دارطوق النجاة، بيروت، واللفظ لهٗ ، سنن ابى داوٗد،حديث نمبر ١١٤٦.

ترجمہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عید کی) نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، اور اذان اور اقامت نہیں کہی، پھر صدقہ کا حکم فرمایا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْعِيْدِ، فَيُصَلِّيْ

بِـالـنَّـاسِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ يُسَلِّمُ فَيَقِفُ عَلٰى رِجْلَيْهِ فَيَسْتَقْبِلُ النَّاسَ وَهُمْ جُلُوْسٌ، فَيَقُوْلُ تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا (سنن ابنِ ماجه) [2]

[2] حديث نمبر ١٢٨٨، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى الخطبة فى العيدين.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن تشریف لے جاتے تھے، پھر لوگوں کو دو رکعت پڑھاتے تھے، پھر سلام پھیرتے تھے، پھر (منبر وغیرہ کے بجائے) اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاتے تھے، اور لوگوں کی طرف رخ کر لیتے تھے، اور لوگ بیٹھے ہوتے تھے، پھر فرماتے تھے کہ صدقہ کرو، صدقہ کرو (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ الـلّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْعِيْدِ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْـنِ، ثُـمَّ يَـخْـطُـبُ فَيَـأْمُـرُ بِالصَّدَقَةِ، فَيَكُوْنُ أَكْثَرَ مَنْ يَّتَصَدَّقُ النِّسَآءُ (سنن نسائى) [3]

[3] حديث نمبر ١٥٧٩، كتاب صلاة العيدين، باب حث الإمام على الصدقة فى الخطبة، مكتب المطبوعات الإسلامية -حلب.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن تشریف لے جاتے تھے، پھر دو رکعتیں پڑھاتے تھے، پھر خطبہ دیتے تھے، پھر صدقے کا حکم فرماتے تھے، اور اکثر صدقہ خواتین دیا کرتی تھیں (ترجمہ ختم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عید کے دن صدقہ کرنا مرد و عورت سب کے لئے سنت و مستحب ہے، اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن صدقہ کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ [1]

[1] الثانى :فيه الحث على الصدقة لأنها من أفعال الخيرات والميراث فإن الحسنات يذهبن السيئات، ولا سيما فى مثل يوم العيدين لاجتماع الأغنياء والفقراء، وتحسر الفقراء عند رؤيتهم الأغنياء وعليهم الثياب الفاخرة، ولا سيما الأيتام الفقراء والأرامل الفقيرات، فإن الصدقة عليهم فى مثل هذا اليوم مما يقل تحسرهم وهمهم، وإما تخصيصه، صلى الله عليه وسلم النساء فى ذلك اليوم، حيث أمرهن بالصدقة فلغلبة البخل عليهن، وقلة معرفتهن بثواب الصدقة وما يترتب عليها من الحسن والفضل فى الدنيا قبل يوم الآخرة(عمدة القارى، ج٣ص ٢٧٢، كتاب الحيض، باب ترك الحائض الصوم)

واکثار الصدقة (الدرالمختار مع شرحه رد المحتار ج۲ ص ۱۶۹ ،باب العيدين كذا فى درر الحكام شرح غرر الحكام جلد ۱ ،باب صلاة العيدين ،وكذا فى الموسوعة الفقهية، جلد۲)

(و) تسن (الصدقة) في يومي العيدين إغناء للفقراء عن السؤال(شرح منتهى الارادات كتاب الصلاة، باب احكام صلاة العيدين)

(و) يسن يوم العيدين (التوسعة على الأهل والصدقة) على الفقراء ليغنيهم عن السؤال(كشاف القناع عن متن الاقناع، ج۲ ص ۵۲، باب صلاة العيدين)

(۱۷)......اہل وعیال کے لیے وسعت کرنا

عید کے دن صدقہ کی ترغیب دی گئی ہے، اور اپنے ضرورت مند رشتہ دار اور اہل وعیال پر نفلی صدقہ کی فضیلت زیادہ ہے۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اِبْدَأْ بِنَفْسِکَ فَتَصَدَّقْ عَلَيْهَا، فَإِنْ فَضَلَ شَیْءٌ فَلِأَهْلِکَ، فَإِنْ فَضَلَ عَنْ أَهْلِکَ شَیْءٌ فَلِذِیْ قَرَابَتِکَ، فَإِنْ فَضَلَ عَنْ ذِیْ قَرَابَتِکَ شَیْءٌ فَهٰکَذَا وَهٰکَذَا يَقُوْلُ فَبَيْنَ يَدَيْکَ وَعَنْ يَّمِيْنِکَ وَعَنْ شِمَالِکَ (مسلم) [۱]

[۱] حديث نمبر ۹۹۷،كتاب الزكاة، باب الابتداء فى النفقة بالنفس ثم أهله ثم القرابة،دار إحياء التراث العربى -بيروت.

ترجمہ: آپ اپنی ذات پر خرچ کرنے سے ابتداء کریں، پھر اگر (ضروری اخراجات کے بعد) کچھ بچ جائے، تو اپنے گھر والوں پر خرچ کریں، پھر اگر آپ کے گھر والوں سے بھی کچھ بچ جائے، تو اپنے رشتہ داروں پر خرچ کریں، پھر اگر اپنے رشتہ داروں سے بھی کچھ بچ جائے، تو اس طرح اور اس طرح یعنی اپنے آگے اور دائیں بائیں (کے ضرورت مندوں پر) خرچ کریں (ترجمہ ختم)

اپنے گھر والوں میں، اپنے عیال دار (بیوی، بچے) داخل ہیں۔ [۲]

[۲] ثم قال (ابدأ بنفسک) : أى فى الإنفاق (فتصدق عليها) : أى :فإنها أحق بها وأهلها فإنها

مركب الروح فى سلوكها(فإن فضل) : بفتح العين أى زاد (شىء) : أى منها (فلأهلك) : أى: مما يعولك (فإن فضل عن أهلك شىء فلذى قرابتك) : أى :إما وجوبا أو استحبابا (مرقاة ، ج٦ص ٢٢٢٣، كتاب العتق،باب إعتاق العبد المشترك وشراء القريب والعتق فى المرض)

(ابدأ) بالهمزة وبدونه فيه وفيما بعده كما ذكره الزركشى (بنفسك) أى بما تحتاجه من مؤنة وغيرها .والنفس ما به ينفس المرء على غيره استبدادا منه واكتفاء بوجود نفاسته على من سواه ذكره الحرانى والمراد هنا الذات أى قدم ذاتك فيما تحتاج إليه من نحو نفقة وكسوة (فتصدق عليها) لأنك المخصوص بالنعمة المنعم عليك بها فتلقاها بالقبول وقدم مهجتك وحاجتك على من تعول وسمى الانفاق عليها صدقة لأنه قربة إذا كان من حلال وكفافا وقد ينتهى إلى الوجوب وذلك عند الاضطرار (فإن) وفى رواية " :ثم إن "(فضل) بفتح الضاد ومضارعه بضمها وبكسر الضاد فمضارعه بفتحها وفضل بالكسر يفضل بالضم شاذ (شىء فلأهلك) أى زوجتك. قال الراغب :يعبر عن امرأة الرجل بأهله وذلك لأن نفقتها معاوضة وما بعدها مواساة (فإن فضل عن أهلك شىء فلذى قرابتك) لأنهم فى الحقيقة منك فيحصل بذلك الجبر التام بالمواساة وصلة الأرحام ثم إن حمل على التطوع شمل كل قريب أو الواجب اختص بمن تجب نفقته من أصل وفرع عند الشافعى وغيرهما أيضا عند غيره وله تفاريع فى الفروع (فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ٤٦، ج ١ ص ٧٤،٧٥، حرف الهمزة)

اس کے علاوہ کئی احادیث میں ضرورت مند رشتہ داروں پر صدقہ کی زیادہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔ [۳]

---

۳ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ زَيْنَبَ، امْرَأَةِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَتْ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلنِّسَاءِ :تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ قَالَتْ :وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ خَفِيفَ ذَاتِ الْيَدِ، فَقَالَتْ لَهُ :أَيَسَعُنِي أَنْ أَضَعَ صَدَقَتِي فِيكَ وَفِي بَنِي أَخٍ لِي يَتَامَى، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ :سَلِي عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ :فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا عَلَى بَابِهِ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهَا :زَيْنَبُ تَسْأَلُ عَمَّا أَسْأَلُ عَنْهُ، فَخَرَجَ إِلَيْنَا بِلَالٌ، فَقُلْنَا لَهُ :انْطَلِقْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلْهُ عَنْ ذَلِكَ، وَلَا تُخْبِرْهُ مَنْ نَحْنُ، فَانْطَلَقَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :مَنْ هُمَا؟ قَالَ :زَيْنَبُ قَالَ :أَيُّ الزَّيَانِبِ؟ قَالَ :زَيْنَبُ امْرَأَةُ عَبْدِ اللَّهِ وَزَيْنَبُ الْأَنْصَارِيَّةُ قَالَ " :نَعَمْ، لَهُمَا أَجْرَانِ :أَجْرُ الْقَرَابَةِ، وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ "(سنن نسائى، حديث نمبر ٢٥٨٣)

عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ، وَعَلَى ذِي الْقَرَابَةِ اثْنَتَانِ :صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ (سنن ابن ماجه، حديث نمبر ١٨٤٤)

جس سے معلوم ہوا کہ عید کے دن حسبِ حیثیت اپنے اہل وعیال اور گھر والوں کے لیے وسعت کرنا بھی باعثِ اجروثواب ہے، جس میں گھر والوں کے لئے اچھے لباس اور کھانے پینے وغیرہ کا انتظام بھی داخل ہے۔

اور اگر نقدی کی شکل میں وسعت کی جائے، تو بھی حرج نہیں، بشرطیکہ اس میں غلو نہ ہو۔ [1]

[1] اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر عیدی کے عنوان سے بغیر رسم ورواج کے اپنے اہل وعیال اور اقارب بالخصوص ضرورت مند عزیزوں کی مدد کی جائے، تو باعثِ اجر وثواب ہے، اور مروجہ عیدی کی اصل بھی یہی معلوم ہوتی ہے، مگر آج کل جو اس میں غلو ہونے لگا ہے، اور اس میں کئی منکرات شامل ہو گئے ہیں، ان سے بچنے کی ضرورت ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى هؤلاء لقوله عليه السلام نفقة الرجل على نفسه صدقة وعلى عياله صدقة وكل معروف صدقة(تحفة الفقهاء ، ج ا ص ۳۰۴، كتاب الزكاة،باب من يوضع فيه الصدقة)

(و) يسن (التوسعة على الأهل) لأنه سرور(شرح منتهى الارادات كتاب الصلاة، باب احكام صلاة العيدين)

(و) يسن يوم العيدين (التوسعة على الأهل والصدقة) على الفقراء ليغنيهم عن السؤال(كشاف القناع عن متن الاقناع، ج۲ ص ۵۲، باب صلاة العيدين)

والسنة فى عيد الفطر التوسعة فيه على الأهل بأى شىء كان من المأكول، إذ لم يرد الشرع فيه بشىء معلوم فمن وسع على أهله فيه، فقد امتثل السنة، ويجوز أن يتخذ فيه طعاما معلوما، إذ هو من المباح لكن بشرط عدم التكلف فيه وبشرط أن لا يجعل ذلك سنة يستن بها فمن خالف ذلك فكأنه ارتكب كبيرة، وإذا وصل الأمر إلى هذا الحد ففعل ذلك بدعة، إذ أنه بسبب ذلك ينسب إلى السنة ما ليس منها، وكذلك يشترط فيه أن يكون على لسان العلم(المدخل لابن الحاج، ج ا ص ۲۸۷، الموسم الثانى عيد الفطر)

(۱۸)......خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنا

عید کا دن کیونکہ خوشی ومسرّت کا دن ہے، بلکہ عید کے ایک معنیٰ بھی خوشی ومسرّت کے ہیں، اس لئے اپنے گھر والوں اور عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے اور منکرات سے بچتے ہوئے بشاشت کا اظہار کرنا اور غیض وغضب سے پرہیز کرنا اور عفو ودرگزر سے کام لینا بھی عبادت وثواب ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ أَبُوْ بَكْرٍ وَعِنْدِىْ جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِي الْأَنْصَارِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثٍ، قَالَتْ وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ، فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ أَمَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذٰلِكَ

فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا بَكْرٍ، إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا (بخاری) [1]

[1] حديث نمبر ٩٥٢، كتاب الجمعة، باب سنة العيدين لاهل الاسلام، دارطوق النجاة، بيروت، واللفظ لهٔ،مسلم،حديث نمبر ٨٩٢،مسند احمد ،حديث نمبر ٢٥٠٢٨.

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میرے پاس انصار کی دو لڑکیاں جنگ بعاث کے دن کے انصار کی بہادری کے شعر ترنم سے پڑھ رہی تھیں، اور وہ لڑکیاں گانے والے نہیں تھیں، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ شیطانی گانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں؟ اور وہ عید کا دن تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر! ہر قوم کی عید (وخوشی) کا دن ہوتا ہے اور یہ ہماری عید (یعنی خوشی) کا دن ہے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ عید کے دن شرعی حدود میں رہتے ہوئے خوشی کا اظہار اور غصے سے پرہیز کرنا، اورالغرض خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنا اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے مسرّت وفرحت کا اظہار کرنا عبادت ہے۔ [1]

---

[1] (تقاولت) : تفاعل من القول أى :تناشدت وتفاخرت به .(الأنصار) أى :بما يخاطب الأنصار بعضهم بعضا فى الحرب من الأشعار التى تفاخر فيها الحيان الأوس والخزرج .(يوم بعاث) : بضم الباء ، اسم موضع من المدينة على ميلين، والأشهر فيه ترك الصرف قاله العسقلانى.
وفى النهاية :بالعين المهملة، ومن قال بالمعجمة فقد صحف، وهو اسم حصن للأوس جرى الحرب فى هذا اليوم عند هذا الحصن بين الأوس والخزرج، وكانت فيه مقتلة عظيمة، وكانت النصرة للأوس، واستمرت بينهما مائة وعشرين سنة حتى زالت بيمن قدم رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وفيه نزل قوله -عز وجل :(لو أنفقت ما فى الأرض جميعا ما ألفت بين قلوبهم ولكن الله ألف بينهم) (الأنفال:٦٣) ذكره الطيبى :وقال تعالى فى حقهم أيضا :(واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا وكنتم على شفا حفرة من النار فأنقذكم منها) (آل عمران:١٠٣).(والنبى -صلى الله عليه وسلم -متغش) أى :متغط وملتف. (بثوبه، فانتهرهما أبو بكر) أى :زجرهما بكلام غليظ عن الغناء بحضرته -عليه الصلاة والسلام - لما تقرر عنده من منع اللهو والغناء مطلقا، ولم يعلم أنه -عليه الصلاة والسلام -قررهن على هذا النزر اليسير .(فكشف النبى -صلى الله عليه وسلم -عن وجهه، فقال " :دعهما ") أى :اتركهما. ("يا أبا بكر فإنها ") أى :أيام منى أو الأيام التى نحن فيها(" .أيام عيد ") : سماها عيدا

لمشاركتها يوم العيد فى عدم جواز الصوم فيها قاله ابن الملك، وفى مقاله نظر، والأظهر ما قاله ابن حجر :أى :أيام سرور وفرح، وهذا من جملته .وقال النووى :أجازت الصحابة غناء العرب الذى فيه نشاد وترنم والحداء، وفعلوه بحضرته -عليه الصلاة والسلام -وبعده، ومثله ليس بحرام حتى عند القائلين بحرمة الغناء، وهم أهل العراق، ولا يجرح الشاهد قال :وفى الحديث أن مواضع الصالحين تنزه عن اللهو، وإن لم يكن فيه إثم، وأن التابع للكبير إذا رأى بحضرته ما لا يليق به ينكره إجلالا للكبير أن يتولى ذلك بنفسه.

(وفى رواية " :يا أبا بكر ") : كذا فى نسخة السيد بإثبات الهمزة بعد حرف النداء فى الأول دون الثانى إشارة إلى جواز الأمرين، فإن الأول القياس الخطى، والثانى الرسم القرآنى .("إن لكل قوم ") أى :من الأمم السالفة من الأقوام المبطلة ") .عيدا ") : كالنيروز للمجوس وغيرهم، وجعل علماؤنا التشبه بهم كلبس ثياب الزينة، ولعب البيض، وصبغ الحناء، واللهو والغناء على وجه التعظيم لليوم كفرا .("وهذا ") أى :هذا الوقت .("عيدنا ") أى :معاشر الإسلام .قال الطيبى : وهذا اعتذار منه -عليه الصلاة والسلام -بأن إظهار السرور فى يوم العيدين شعار أهل الدين، وليس كسائر الأيام .وفى شرح السنة :كان الشعر الذى تغنيان به فى وصف الحرب والشجاعة، وفى ذكره معونة بأمر الدين، وأما الغناء بذكر الفواحش والمنكرات من القول، فهو المحظور من الغناء، وحاشا أن يجرى شىء من ذلك بحضرته -عليه الصلاة والسلام(مرقاة المفاتيح ج٣ص١٠٦٥، كتاب الصلاة،باب صلاة العيدين)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

كَانَتِ الْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ يَوْمَ عِيْدٍ، فَدَعَانِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ أَطَّلِعُ مِنْ عَاتِقِهٖ فَأَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، فَجَاءَ أَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهَا فَإِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا (مسند أحمد) [1]

[1] حديث نمبر ٢٥٥٣٤، مؤسسة الرسالة، بيروت.
فى حاشية مسند احمد:رجاله ثقات رجال الشيخين.

ترجمہ: حبشہ کے لوگ عید کے دن (جنگی مشق کا) کھیل کود کیا کرتے تھے، پس مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، تو میں آپ کے کندھے کے پیچھے سے جھانک کر ان کو دیکھنے لگی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے (جنہوں نے اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جانے دیجئے، ہر قوم کی عید (یعنی خوشی) کا دن ہوتا ہے، اور یہ ہماری عید (یعنی خوشی) کا دن ہے (ترجمہ ختم)

یہ جنگی مشقیں عید کے دن خوشی کے اظہار کا ایک طریقہ تھیں، جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے منع نہیں فرمایا، اوران کی یہ کہہ کر اجازت مرحمت فرمائی، کہ یہ خوشی کا دن ہے۔

جس سے عید کے دن شرعی حدود میں رہتے ہوئے خوشی کے اظہار اور عفو ودرگزر کا ثواب ہونا معلوم ہوا۔ ؎

؎ قال المحب الطبری هذا السیاق یشعر بأن عادتهم ذلک فی کل عید ووقع فی روایة بن حبان لما قدم وفد الحبشة قاموا یلعبون فی المسجد وهذا یشعر بأن الترخیص لهم فی ذلک بحال القدوم ولا تنافی بینهما لاحتمال أن یکون قدومهم صادف یوم عید وکان من عادتهم اللعب فی الأعیاد ففعلوا ذلک کعادتهم ثم صاروا یلعبون یوم کل عید ویؤیده ما رواه أبو داود عن أنس قال لما قدم النبی صلی الله علیه وسلم المدینة لعبت الحبشة فرحا بذلک لعبوا بحرابهم ولا شک أن یوم قدومه صلی الله علیه وسلم کان عندهم أعظم من یوم العید قال الزین بن المنیر سماه لعبا وإن کان أصله التدریب علی الحرب وهو من الجد لما فیه من شبه اللعب لکونه یقصد إلی الطعن ولا یفعله ویوهم بذلک قرنه ولو کان أباه أو ابنه(فتح الباری لابنِ حجر، ج۲ص ۴۴۳، قوله باب الحراب والدرق یوم العید)

فأوضح له النبی صلی الله علیه وسلم الحال وعرفه الحکم مقرونا ببیان الحکمة بأنه یوم عید أی یوم سرور شرعی فلا ینکر فیه مثل هذا کما لا ینکر فی الأعراس(فتح الباری لا بن حجر، ج۲ص ۴۴۲،قوله باب الحراب والدرق یوم العید)

ومن آداب العید :إظهار البشاشة والسرور فیه أمام الأهل والأقارب والأصدقاء (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۷ص ۲۵۰)

واظهار البشاشة (رد المحتار جلد۲ صفحه ۱۶۹ ،باب العیدین)

وزاد فی الحاوی القدسی ان من المستحبات التزین وان یظهر فرحاً وبشاشة (البحرالرائق جلد۲ صفحه ۱۵۸ ، باب العیدین)

یوم العید یوم انبساط وانشراح یغتفر فیه ما لا یغتفر فی غیره(عمدة القاری، ٦ص٢٦٧، کتاب الخوف،باب الحراب والدرق یوم العید)

چند متعلّقہ مسائل

اب عید کے دن سے متعلق چند مزید باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱)...... فجر کے بعد عید کی نماز سے پہلے گھر یا کسی بھی جگہ کوئی نفل نماز پڑھنا مرد وعورت دونوں کے لئے مکروہ ہے۔

اور عید کی نماز کے بعد جہاں عید کی نماز ادا کی ہے وہاں نفل پڑھنا مکروہ ہے کسی دوسری جگہ

یا گھر میں مرد وعورت دونوں کے لئے مکروہ نہیں۔

البتہ قضاء نماز عید سے پہلے پڑھنے میں حرج نہیں، مگر بہتر یہ ہے کہ وہ عیدگاہ میں یا مسجد میں دوسروں کے سامنے نہ پڑھی جائے، تاکہ لوگوں کو غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ [1]

---

[1] (ويكره النفل قبل صلاة العيد) مطلقا ؛ (و) كذا يكره (بعدها في الجبانة) أي الصحراء والمراد بها فناء المصر المعد لصلاة العيد والجمعة ولا فرق في هذا الحكم بين الجبانة والجامع (وينتقل) في غير الجبانة أما (في مسجده) أي مسجد محلته (أو في بيته (منية المصلى ،كتاب الصلاة)
إذا قضى صلاة الفجر قبل صلاة العيد لا بأس به ولو لم يصل صلاة الفجر لا يمنع جواز صلاة العيد وكذا يجوز قضاء الفوائت القديمة قبلها لكن لو قضاها بعدها فهو أحب وأولى(الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص ١٥٠، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين)
وعامة أصحابنا على أنه لا يتطوع قبل صلاة العيد لا في المصلى ولا في بيته، فأول الصلاة في هذا اليوم صلاة العيد والله أعلم(المحيط البرهاني، ج ا ص٢٩٧، فصل بيان ما يكره من التطوع)
و "يكره التنفل "قبل "صلاة "العيد ولو "تنفل "في المنزل و "كذا "بعده "أي العيد "في المسجد "أي مصلى العيد لا في المنزل في اختيار الجمهور لأنه صلى الله عليه وسلم كان لا يصلي قبل العيد شيئا فإذا رجع إلى منزله صلى ركعتين (مراقي الفلاح شرح نورالايضاح، ص٧٧، فصل في الاوقات المكروهة)
قوله" :في المصلى اتفاقا "في القهستاني عن المضمرات أنها لا تكره في ناحية المسجد عند ابن مقاتل فكأنه لم يعتبر خلافه والكراهة تثبت مطلقا ولو في صلاة الضحى أو تحية المسجد وسواء من تجب عليه صلاة العيد وغيره حتى يكره للنساء أن يصلين الضحى يوم العيد قبل صلاة الإمام كما في النهر وغيره عن الخانية قوله " :لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ "أي مع حرصه على النوافل فلولا الكراهة لفعل(حاشية الطحاوي على المراقي، ص ٥٣١، ٥٣٢)
(ويكره التنفل قبل صلاة العيد) مطلقا ؛(و) كذا يكره (بعدها)اى بعد صلاة العيد، لكن (في الجبانة)فقط وهي الصحراء والمراد بها فناء المصر المعد لصلاة العيد والجمعة ولا فرق في هذا الحكم بين الجبانة والجامع (وينتفل) في غير الجبانة أما (في مسجده) أي مسجد محلته (أو في بيته)لما تقدم من الدليل في بيان اوقات الكراهة (غنية المستملي في شرح منية المصلي ، المعروف بشرح الكبير ص٣٦٥، كراهية الصلاة)

(اس کے بارے میں احادیث وروایات عید کی نماز کے بیان میں آتی ہیں)

(۲)......عید کے دن مبارک باد دینے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس کو ضروری اور لازم نہ سمجھا جائے (اس مسئلے کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آگے مستقل عنوان کے تحت ذکر کی جائے گی)

(۳)......عید کے دن معانقہ ومصافحہ عید کی سنت ومستحب نہیں (اس مسئلے کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ

آگے مستقل عنوان کے تحت ذکر کی جائے گی)

(۴)......عید کے دن قبرستان جانا سنت سے ثابت نہیں، لہٰذا اس کو سنت نہیں سمجھنا چاہئے، اور آج کل قبرستان جانے کو عید کا بہت ضروری عمل شمار کیا جاتا ہے، جو کہ درست نہیں (اس مسئلے کی تفصیل ان شاء اللہ آگے مستقل عنوان کے تحت ذکر کی جائے گی)

(۵)......بعض لوگ عید کے دن غیر شرعی زیب وزینت کرتے ہیں، جو کہ گناہ ہے، عید کے دن شریعت کے موافق زیب وزینت کرنا ثواب ہے، نہ کہ شریعت کے خلاف (اس مسئلے کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آگے مستقل عنوان کے تحت ذکر کی جائے گی)

(٦)......عید کی نماز خواتین پر لازم نہیں ہے، اُن کو اپنے گھر میں رہتے ہوئے ہی دوسرے مسنون کام انجام دینا چاہئے (اس مسئلے کی تفصیل ان شاء اللہ آگے مستقل عنوان کے تحت ذکر کی جائے گی)

(۷)......بعض لوگ عید کے دن بھیک مانگنے کے پیشہ میں مبتلا ہوتے ہیں، جبکہ یہ دن تو اللہ سے مانگنے کا دن ہے اور بلاضرورت مانگنا یا اس کو پیشہ بنانا تو ویسے ہی گناہ ہے، اس کی عید کے مبارک دن میں کیسے اجازت ہوسکتی ہے؟

(۸)......عید کے دن اگر کوئی عذر نہ ہو تو شرعی حدود میں رہتے ہوئے اپنے عزیز واقارب سے ملاقات کے لیے جانا فی نفسہٖ جائز ہے لیکن اس کو ضروری سمجھنا یا اگر کوئی ملاقات کرنے نہ آسکے، اس پر ناگواری کا اظہار کرنا جائز نہیں۔

(۹)......مروجہ عیدی کا لین دین کوئی خاص عید کی سنت نہیں، اور اگر کوئی سنت اور ضروری سمجھے بغیر خوشی کے طور پر اپنی حسبِ حیثیت کسی کے ضرورت مند ہونے یا کے پیشِ نظر بطور ہدیہ کے دے دے اور نہ دینے کی صورت میں کوئی اعتراض والزام بھی نہ ہو اور ادلہ بدلی بھی پیش نظر نہ ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر اس قسم کی کوئی خرابی شامل ہو تو پھر جائز نہیں (اس مسئلے کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آگے مستقل عنوان کے تحت ذکر کی جائے گی)

(۱۰)......بعض لوگ عید جیسے مبارک دن پتنگ بازی اور اس جیسے دوسرے گناہ میں مصروف

ہوکر یہ بابرکت وقت اور اس رسم میں پیسہ برباد کرتے ہیں، اور اگر خود پتنگ بازی یا دوسرے گناہ میں مصروف نہ ہوں تو اپنی اولاد کو اس کے لیے پیسے اور مواقع فراہم کرتے ہیں۔

ان سب چیزوں کا عید کے مبارک دن سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور عید کے دنوں میں یہ کام کرنا زیادہ بُرائی کا حامل ہے، جن سے اہتمام کے ساتھ بچنے بچانے کی ضرورت ہے۔

تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ.

h

عید کی نماز کے احکام وآداب

نمازِ عید کا حکم

عید کے دن دو رکعت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکرانہ کے طور پر مقرر کی گئی ہیں، جس کو عید کی نماز کہا جاتا ہے۔

اور عید کی نماز بعض حضرات کے نزدیک سنت، اور بعض کے نزدیک فرضِ کفایہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سمیت بعض حضرات کے نزدیک واجب ہے، لیکن اس کے واجب ہونے کی کچھ شرائط ہیں، جن کا آگے ذکر آتا ہے۔ [1]

---

[1] وأما صلاة العيد، فاختلف العلماء فيها على ثلاثة أقوال:
أحدها :أنهـا سنة مسنونة، فلو تركها الناس لم يأثموا .هذا قول الثوری ومالک والشافعی وإسحاق وأبـی يوسف، وحكی رواية عن أحمد .واختلفوا :هـل يـقـاتلون علی تركها؟ وفيه وجهان للشافعية. وقال أبويوسف :آمـرهـم وأضربهم؛ لأنها فوق النوافل، ولا أقاتلهم؛ لأنها دون الفرائض .وقد يتعلق لهـذا القول بإخبار النبی -صَـلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -عـن المصلی يوم العيد أنه أصاب السنة .ولا دليل فيـه؛ فإن السنة يراد بها الطريقة الملازمة الدائمة، كقوله :(سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلاً)والقولُ الثانی :أنهـا فرض كفاية فإذا أجمع أهل بلد علی تركها أثموا وقوتلوا علی تركها .وهـو الظاهر مذهب أحمد، نص عليه فی رواية المروذی وغيره .وهو قول طائفة من الحنفية والشافعية .والقولُ الثالث :أنها واجبة علی الأعيان كالجمعة .وهو قول أبی حنيفة، ولكنه لا يسميها فرضاً .وحكی أبو الفرج الشيرازی -من أصحابنا -رواية عن أحمد :أنها فرض عين .وقال الشافعی -فی) (مختصر المزنی) :- مـن وجب عليه حضور الجمعة وجب عليه حضور العيدين .وهذا صريح فـی أنها واجبة علی الأعيان .ولـيـس ذلک خـلافـاً لإجماع المسلمين، كما ظنه بعضهم(فتح الباری لابنِ رجب، ج۸ص، ۴۲۴،۴۲۴، ۴۲۵، ابواب العيدين)

(تـجب صلاتهما) فـی الأصـح (عـلی من تجب عليه الجمعة بشرائطها) الـمتقدمة (سوی الخطبة) فـإنها سنة بعدها،وفی القنية :صـلاة الـعيد فی القری تكره تحريما أی لأنه اشتغال بما لا يصح لأن المصر شرط الصحة(الدرالمختار)

(قوله :فی الأصح) مـقـابـلـه القول بأنها سنة وصححه النسفی فی المنافع لكن الأول قول الأكثرين كـمـا فـی الـمجتبی ونص علی تصحيحه فی الخانية والبدائع والهداية والمحيط والمختار والكافی النسفی .وفی الخلاصة هو المختار لأنه -صلی الله عليه وسلم -واظـب عليها وسماها فی الجامع

الصغير سنة لأن وجوبها ثبت بالسنة حلية قال فى البحر :والظاهر أنه لا خلاف فى الحقيقة لأن المراد من السنة :المؤكدة بدليل قوله :ولا يترك واحد منهما وكما صرح به فى المبسوط، وقد ذكرنا مرارا أنها بمنزلة الواجب عندنا ولهذا كان الأصح أنه يأثم بترك السنة المؤكدة كالواجب. اهـ .وسيأتي له نظير ذلک فی تكبير التشريق وفيه كلام ستعرفه(ردالمحتار، ج۲ص ۱۶۶، ۱۶۷، كتاب الصلاة، باب العيدين)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ (سورہ کوثر)

ترجمہ: پس آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیے اور نحر کیجئے (ترجمہ ختم)

ایک تفسیر کے مطابق ''فَصَلِّ'' ''نماز پڑھیے'' سے مراد عید کی نماز ہے۔ [1]

[1] قال عكرمة وعطاء وقتادة فصل لربک صلوة العيد يوم النحر ونحر نسكک فعلى هذا يثبت به وجوب صلوة العيد والاضحية(التفسير المظهرى، تحت آيت ۳ من سورة الكوثر)

(فَصَلِّ لِرَبِّکَ)صَلَاة عِيد النَّحْر (وَانْحَرْ)نُسُكک(تفسير الجلالين، تحت آيت ۳ من سورة الكوثر)

وَمِنْ سُورَةِ الْكَوْثَرِ قَوْله تَعَالَى :(فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ) ؛ قَالَ الْحَسَنُ " :صَلَاةُ يَوْمِ النَّحْرِ وَنَحْرُ الْبُدْنِ "وَقَالَ عَطَاءٌ وَمُجَاهِدٌ " :صَلِّ الصُّبْحَ بِجَمْعٍ وَانْحَرْ الْبُدْنَ بِمِنًى . "قَالَ أَبُو بَكْرٍ :وَهَذَا التَّأْوِيلُ يَتَضَمَّنُ مَعْنَيَيْنِ :أَحَدُهُمَا :إيجَابُ صَلَاةِ الْأَضْحَى ، وَالثَّانِي :وُجُوبُ الْأُضْحِيَّةِ ، وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِيمَا سَلَفَ .وَرَوَى حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَاصِمٍ الْجَحْدَرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيٍّ (فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ) قَالَ :وَضْعُ الْيَدِ الْيُمْنَى عَلَى السَّاعِدِ الْأَيْسَرِ ثُمَّ وَضْعُهُ عَلَى صَدْرِهِ . "وَرَوَى أَبُو الْجَوْزَاءِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ :(فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ) قَالَ " :وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ عِنْدَ النَّحْرِ فِي الصَّلَاةِ " .وَرُوِيَ عَنْ عَطَاءٍ أَنَّهُ رَفْعُ الْيَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ .وَقَالَ الْفَرَّاءُ " :يُقَالُ :اسْتَقْبِلْ الْقِبْلَةَ بِنَحْرِکَ . "فَإِنْ قِيلَ :يُبْطِلُ التَّأْوِيلَ الْأَوَّلَ حَدِيثُ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ :(خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَضْحَى إلَى الْبَقِيعِ ، فَبَدَأَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ وَقَالَ :إنَّ أَوَّلَ نُسُكِنَا فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نَبْدَأَ بِالصَّلَاةِ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ ، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِکَ فَقَدْ وَافَقَ سُنَّتَنَا ، وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ ذَلِکَ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ عَجَّلَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنْ النُّسُکِ فِي شَيْءٍ) ، فَسَمَّى صَلَاةَ الْعِيدِ وَالنَّحْرَ سُنَّةً ، فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يُؤْمَرْ بِهِمَا فِي الْكِتَابِ .قِيلَ لَهُ :لَيْسَ كَمَا ظَنَنْت ؛ لِأَنَّ مَا سَنَّهُ اللَّهُ وَفَرَضَهُ فَجَائِزٌ أَنْ نَقُولَ :هَذَا سُنَّتُنَا وَهَذَا فَرْضُنَا كَمَا نَقُولُ :هَذَا دِينُنَا ، وَإِنْ كَانَ اللَّهُ فَرَضَهُ عَلَيْنَا ، وَتَأْوِيلُ مَنْ تَأَوَّلَهُ عَلَى حَقِيقَةِ نَحْرِ الْبُدْنَ أَوْلَى ؛ لِأَنَّهُ حَقِيقَةُ اللَّفْظِ وَلِأَنَّهُ لَا يُعْقَلُ بِإِطْلَاقِ اللَّفْظِ غَيْرُهُ ؛ لِأَنَّ مَنْ قَالَ :نَحَرَ فُلَانٌ الْيَوْمَ ؛ عُقِلَ مِنْهُ نَحْرُ الْبُدْنَ وَلَمْ يُعْقَلْ مِنْهُ وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الْيَسَارِ ؛ وَيَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ الْأَوَّلُ اتِّفَاقُ الْجَمِيعِ عَلَى أَنَّهُ لَا يَضَعُ يَدَهُ عِنْدَ النَّحْرِ .وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الْيَسَارِ أَسْفَلَ السُّرَّةِ ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَضَعُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ مِنْ وُجُوهٍ كَثِيرَةٍ (احكام القرآن للجصاص، تحت سورة الكوثر)

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز کا حکم نازل ہونے کے بعد ہمیشہ عید کی نماز ادا فرمائی ہے اور کبھی اس کو ناغہ نہیں فرمایا۔

پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر آج تک امت کا اس پر برابر عمل رہا ہے۔ ۱؎

۱؎ والدليل على وجوبها اشارة الكتاب ولتكملوا العدة ولتكبروا الله علىٰ ماهداكم وقوله تعالىٰ فصل لربك وانحر فان فى الاول اشا رة الىٰ صلوٰة عيد الفطر وفى الثانى اشارة الىٰ صلوٰة عيد النحر والسنة وهو ماثبت بالنقل المستفيض عنه صلى الله عليه وسلم انهٗ واظب عليها من غير ترك وهو دليل الوجوب وكذا عمل الخلفاء الراشدين من بعد من غير ترك (فتح الملهم شرح صحيح مسلم ج ۲ ص ۴۲۴)

عید کی نماز کا حکم عائد ہونے اور عید کی نماز صحیح ہونے کی اکثر شرائط جمعہ کی نماز کی طرح ہیں۔ ۲؎

۲؎ (وشرائطها كشرائط الجمعة وجوبا وأداء) تمييز أى كشرائط وجوب الجمعة ووجوب أدائها من نحو الإقامة والمصر فلا يصلى أهل القرى والبوادى (سوى الخطبة) فإنها تجب فى الجمعة لا فى العيد (مجمع الانهر، ج ا ص ۱۷۲، كتاب الصلاة،باب صلاة العيدين،شرائط صلاة العيد)

چنانچہ عید کی نماز کا حکم عائد ہونے کے لئے مندرجہ ذیل چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱)......عاقل ہونا (مجنون و پاگل عید کی نماز کا مکلّف نہیں)

(۲)......بالغ ہونا (نابالغ عید کی نماز کا مکلّف نہیں)

(۳)......آزاد ہونا (شرعی غلام عید کی نماز کا مکلّف نہیں)

(۴)......صحت مند ہونا (بیمار اور مریض عید کی نماز کے مکلّف نہیں)

(۵)......مَرد ہونا (عورت عید کی نماز کی مکلّف نہیں)

(۶)......مقیم ہونا (مسافر عید کی نماز کا مکلّف نہیں)

تاہم کوئی نابالغ، غلام، بیمار، مسافر، یا عورت عید کی نماز پڑھے، تو ادا ہو جاتی ہے۔ ۳؎

۳؎ الذكورة، والعقل، والبلوغ، والحرية، وصحة البدن، والإقامة من شرائط وجوبها كما هى من شرائط وجوب الجمعة حتى لا تجب على النسوان والصبيان والمجانين والعبيد بدون إذن مواليهم والزمنى والمرضى والمسافرين، كما لا تجب عليهم لما ذكرنا فى صلاة الجمعة ولأن هذه الأعذار لما أثرت فى إسقاط الفرض فلأن تؤثر فى إسقاط الواجب أولى، وللمولى أن يمنع عبده عن حضور العيدين كما له منعه عن حضور الجمعة لما ذكرنا هناك (بدائع الصنائع، ج ا ص ۲۷۵، فصل شرائط وجوب وجواز صلاة العيدين)

(قوله وشرط وجوبها :الإقامة والذكورة والصحة والحرية وسلامة العينين والرجلين) فلا تجب على مسافر، ولا على امرأة، ولا مريض، ولا عبد ولا أعمى، ولا مقعد؛ لأن المسافر يحرج فى الحضور، وكذا المريض والأعمى والعبد مشغول بخدمة المولى والمرأة بخدمة الزوج فعذروا دفعا للحرج والضرر، ولم أر حكم الأعمى إذا كان مقيما بالجامع الذى تصلى فيه الجمعة، وأقيمت

وهو حاضر هل تجب عليه لعدم الحرج أو لا، وإنما لم يذكر العقل والبلوغ والإسلام؛ لأنها شرط كل تكليف فلا حاجة إلى ذكرها هنا كما في الخلاصة وأما الشيخ الكبير الذى ضعف فهو ملحق بالمريض فلا يجب عليه، وفي فتح القدير والمطر الشديد والاختفاء من السلطان الظالم مسقط فلو قال المصنف وشرط وجوبها الإقامة والذكورة والصحة والحرية ووجود البصر والقدرة على المشي وعدم الحبس والخوف والمطر الشديد لكان أشمل(البحرالرائق، ج٢ص١٦٣، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

اورعید کی نماز صحیح ہونے کے لئے ان چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱)......نمازِ عید کا وقت ہونا (پس وقت گزرنے کے بعد عید کی نماز درست نہیں)

(۲)......نمازِ عید با جماعت پڑھنا (پس بغیر جماعت کے عید کی نماز درست نہیں)

(۳)......مصر یعنی شہر یا قصبہ ہونا (پس گاؤں یا جنگل میں عید کی نماز درست نہیں) [۱]

[۱] أما بيان شرائط وجوبها فكل ما هو شرط وجوب الجمعة فهو شرط وجوب صلاة العيدين من الإمام والمصر والجماعة إلا الخطبة فإنها سنة بعد الصلاة بإجماع الصحابة(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج١ص١٦٦، باب صلاة العيدين)

وأما الشرائط التي ترجع إلى غير المصلى فخمسة في ظاهر الروايات، المصر الجامع، والسلطان، والخطبة، والجماعة، والوقت(بدائع الصنائع، ج١ص٢٥٩، كتاب الصلاة،فصل صلاة الجمعة)

الجماعة في العيدين وإن كانت واجبة أو سنة على القولين فيها فهي شرط الصحة على كل قول؛ لأن شرائط العيدين وجوبا وصحة شرائط الجمعة إلا الخطبة فلا تصح صلاة العيدين منفردا كالجمعة ولا يلزم من بطلان الوصف بطلان الأصل على المذهب(البحرالرائق، ج١ص٣٦٦، كتاب الصلاة، باب الامامة)

اذنِ سلطان دلالتاً بھی کافی ہے، جیسا کہ آج کل دلالتاً اذن پایا جاتا ہے، اس لئے متن میں اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔

وحاصله أنه لا تصح إقامتها إلا لمن أذن له السلطان بواسطة أو بدونها، أما بدون ذلك فلا كما هو صريح ما يذكره الشارح عن السراجية، نعم وقع في فتاوى ابن الشلبي ما يوهم ما أوهمه كلام الشارح حيث سئل عن ثغر فيه جوامع لها خطباء ليس لأحد منهم إذن صريح من السلطان مع علم السلطان بذلك الثغر وبإقامة الجمع والأعياد في جوامعه فهل يكون ذلك إذنا دلالة؟ فأجاب بأن أمور المسلمين محمولة على السداد، وقد جرت العادة بأن من بنى جامعا، وأراد إقامة الجمعة استأذن الإمام فإذا وجد الإذن أول مرة فقد حصل به الغرض والإذن بعد ذلك اهـ ملخصا لكن يمكن حمله على ما مر أي فلا يشترط إذن السلطان ثانيا بل كل خطيب له أن يستنيب للاكتفاء بالإذن أول مرة والله أعلم(ردالمحتار، ج٢ص١٤١، باب الجمعة)

اور نوادر کی روایت کے مطابق ایک شرط ''لوگوں کے داخلے کی عام اجازت کے ساتھ نماز ادا کرنا'' بھی ہے۔

لیکن اگر اس شہر یا قصبہ میں اس کے علاوہ دوسری جگہ عید کی نماز ہو رہی ہو تو کسی حفاظتی تدبیر کے طور پر عام داخلے کی ممانعت میں کوئی حرج نہیں۔

(قوله والإذن العام) أى شرط صحتها الأداء على سبيل الاشتهار حتى لو أن أميرا أغلق أبواب الحصن وصلى فيه بأهله وعسكره صلاة الجمعة لا تجوز كذا فى الخلاصة، وفى المحيط، فإن فتح باب قصره وأذن للناس بالدخول جاز ويكره؛ لأنه لم يقض حق المسجد الجامع وعللوا الأول بأنها من شعائر الإسلام وخصائص الدين فيجب إقامتها على سبيل الاشتهار، وفى المجتبى فانظر إلى السلطان يحتاج إلى العامة فى دينه ودنياه احتياج العامة إليه فلو أمر إنسانا يجمع بهم فى الجامع، وهو فى مسجد آخر جاز لأهل الجامع دون أهل المسجد إلا إذا علم الناس بذلك اهـ.
ولم يذكر صاحب الهداية هذا الشرط؛ لأنه غير مذكور فى ظاهر الرواية، وإنما هو رواية النوادر كما فى البدائع(البحر الرائق، ج٢ص ١٦٢، ١٦٣، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

مسئلہ:......سورج نکلنے کے تھوڑی دیر بعد (اشراق کا وقت ہونے پر) عید کی نماز کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور زوال سے پہلے تک رہتا ہے، اس دوران کسی وقت بھی عید کی نماز ادا کرنا درست ہے۔

البتہ مستحب یہ ہے کہ عید الفطر کی نماز کچھ تاخیر سے ادا کی جائے۔ [1]

[1] وأما الوقت فقال أبو الحسن وقت صلاة العيدين من حين تبيض الشمس إلى أن تزول لما روى عن النبى عليه السلام أنه كان يصلى العيد والشمس قدر رمح أو رمحين(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ا ص ١٦٦، باب صلاة العيدين)
وأما بيان وقت أدائها فقد ذكر الكرخي وقت صلاة العيد :من حين تبيض الشمس إلى أن تزول لما روى عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه كان يصلى العيد والشمس على قدر رمح، أو رمحين وروى أن قوما شهدوا برؤية الهلال فى آخر يوم من رمضان فأمر رسول الله -صلى الله عليه وسلم- بالخروج إلى المصلى من الغد.ولو جاز الأداء بعد الزوال لم يكن للتأخير معنى؛ ولأنه المتوارث فى الأمة فيجب اتباعهم، فإن تركها فى اليوم الأول فى عيد الفطر بغير عذر حتى زالت الشمس سقطت أصلا سواء تركها لعذر أو لغير عذر(بدائع الصنائع، ج ا ص ٢٧٦،فصل بيان وقت أداء صلاة العيدين)
(قوله ووقتها من ارتفاع الشمس إلى زوالها) أما الابتداء فلأنه -عليه الصلاة والسلام -كان يصلى العيد والشمس على قيد رمح أو رمحين، وهو بكسر القاف بمعنى قدر وأما الانتهاء فلما فى السنن أن ركبا جاء وا إلى النبى -صلى الله عليه وسلم -يشهدون أنهم رأوا الهلال بالأمس فأمرهم أن يفطروا وإذا أصبحوا يغدون إلى مصلاهم، ولو جاز فعلها بعد الزوال لم يكن للتأخير إلى الغد معنى واستفيد منه أنها لا تصح قبل ارتفاع الشمس بمعنى لا تكون صلاة عيد بل نفل محرم، ولو زالت الشمس، وهو فى أثنائها فسدت كما فى الجمعة صرح به فى السراج الوهاج، وعلى هذا فينبغى إدخاله فى المسائل الاثنى عشرية لما أنها كالجمعة، وقد أغفلوها عن ذكرهاويستحب تعجيل صلاة الأضحى لتعجيل الأضاحى، وفى المجتبى ويستحب أن يكون خروجه بعد ارتفاع قدر رمح حتى لا يحتاج إلى انتظار القوم، وفى عيد الفطر يؤخر الخروج قليلا كتب النبى -صلى الله عليه وسلم -إلى عمرو بن حزم عجل الأضحى وأخر الفطر قيل ليؤدى الفطرة ويعجل الأضحية (البحر الرائق، ج٢ص١٧٣، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

ویستحب تعجیل الإمام الصلاة فی أول وقتها فی الأضحی وتأخیرها قلیلا عن أول وقتها فی الفطر بذلک کتب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم إلی عمرو بن حزم وهو بنجران عجل الأضحی وأخر الفطر قیل لیؤدی الفطر ویعجل إلی التضحیة زاهدی وحلبی وابن أمیر حاج(حاشیة الطحطاوی علی المراقی، ص ۵۳۲، باب الجمعة)

قال ویؤخر الفطر ویعجل الأضحی ومن صلی قبل طلوع الشمس أعاد ،وهذا کله مروی معناه عن مالک وهو قول سائر العلماء (الاستذکار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار،باب غدو الإمام فی العیدین وانتظار الخطبة)

چنانچہ حضرت عطاء سے مروی ہے کہ:

كَانُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ حَتّٰى يَمْتَدَّ الضَّحَاءُ (مسند احمد) [1]

[1] حدیث نمبر ۲۸۶۶، مؤسسة الرسالة، بیروت.
فی حاشیة مسند احمد:إسناده صحیح علی شرط الشیخین.

ترجمہ: صحابۂ کرام (عید کی نماز پڑھنے کے لئے) سورج بلند ہونے کے بعد نکلتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ حویرث لیثی سے مروی ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَتَبَ إِلٰى عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَهُوَ بِنَجْرَانَ أَنْ عَجِّلِ الْأَضْحٰى وَأَخِّرِ الْفِطْرَ وَذَكِّرِ النَّاسَ (مسند الشافعی) [2]

[2] حدیث نمبر ۴۷۸، کتاب العیدین والاضاحی والاستسقاء، باب :وقت الصلاة والإطعام قبل أن یخرج إلی الجبان،شرکة غراس للنشر والتوزیع، الکویت.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کی طرف نجران میں یہ لکھ کر بھیجا کہ عید الاضحیٰ کی نماز جلدی پڑھیں، اور عید الفطر کی نماز میں کچھ تاخیر کریں، اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کریں (ترجمہ ختم)

معلوم ہوا کہ عید الاضحیٰ کی نماز سورج طلوع ہونے اور مکروہ وقت گزرنے کے بعد جلدی پڑھنا بہتر ہے، تاکہ لوگوں کو جلدی نماز سے فارغ ہو کر قربانی کرنے میں سہولت رہے، اور عید الفطر کی نماز سورج طلوع ہونے کے بعد کچھ تاخیر سے پڑھنا بہتر ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ بسہولت شرکت کر سکیں۔ [1]

[1] (وعن أبی الحویرث) : بالتصغیر قال میرک :تکلم فیه اهـ .ولم یذکره المؤلف فی أسماء

رجالہ، والظاهر أنه تابعی .(أن رسول اللهﷺ كتب إلى عمرو بن حزم) : يكنى أبا الضحاك الأنصاری، أول مشاهده الخندق، وله خمس عشرة سنة، استعمله النبیﷺ على نجران سنة عشر ذكره المؤلف .(وهو بنجران) : بفتح النون، وسكون الجيم، فراء فألف فنون، على وزن سلمان، بلد باليمن كان واليا فيه .(عجل الأضحى) أی :صلاته ليشتغل الناس لذبح الأضاحی .(وأخر الفطر) أی :صلاته لتوسع على الناس وقت إخراج زكاة الفطر قبل الصلاة قاله ابن الملك .فانظر إلى نظره الإكسير المراعی جانب الغنی والفقير، وما ذلک إلا لكونه رحمة للعالمين، ومظهرا للطف الله تعالى على عباده المؤمنين .(وذكر الناس) أی :بالموعظة فی خطبتی العيدين، أو ذكرهم بخصوص ما يتعلق بهم من صدقة الفطر، وأحكام الأضحية فی الخطبتين .(رواه الشافعی) أی :عن إبراهيم بن محمد، عن أبی الحويرث :أن النبی -صلى الله عليه وسلم -كتب .وساقه .قال البيهقی :هذا مرسل، وقد طلبت فی سائر الروايات لكتابه إلى عمرو بن حزم، فلم أجده .كذا نقله ميرک عن التصحيح .قال ابن حجر :وهو وإن كان ضعيفا إلا أنه يعمل له فی مثل ذلک اتفاقا(مرقاة المفاتيح ،ج۳ص ۱۰۷۴،كتاب الصلاة،باب صلاة العيدين)

مسئلہ:...... اگر کسی عذر سے عید الفطر کی نماز پہلے دن ادا نہ کی جاسکی یا پڑھنے کے بعد (جبکہ وقت گذر گیا تھا) معلوم ہوا کہ عید الفطر کی نماز درست نہیں ہوئی تھی، مثلاً امام کا وضو نہ تھا تو دوسرے دن زوال سے پہلے ادا کی جائے، اگر دوسرے دن بھی نہ پڑھی جاسکے تو اس کے بعد نہیں پڑھی جاسکتی۔ [۲]

---

[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عید کی نماز عذر کی صورت میں اگلے دن ہی پڑھنا ثابت ہے، اس کے بعد ثابت نہیں۔

عَنْ أَبِي عُمَيْرِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :حَدَّثَنِي عُمُومَتِي، مِنَ الْأَنْصَارِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا :أُغْمِيَ عَلَيْنَا هِلَالُ شَوَّالٍ، فَأَصْبَحْنَا صِيَامًا، فَجَاءَ رَكْبٌ مِنْ آخِرِ النَّهَارِ، فَشَهِدُوا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ رَأَوُا الْهِلَالَ بِالْأَمْسِ، فَأَمَرَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُفْطِرُوا، وَأَنْ يَخْرُجُوا إِلَى عِيدِهِمْ مِنَ الْغَدِ(سنن ابن ماجه، حديث نمبر ۱۶۵۳، واللفظ لهٗ، المنتقىٰ لابن الجارود،حديث نمبر ۲۶۶)

إلا أن فی عيد الفطر إذا ترک الصلاة فی اليوم الأول لعذر يؤدی فی اليوم الثانی فی وقتها وإن ترک بغير عذر سقطت أصلا (تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۱۶۶، باب صلاة العيدين)

إمام صلى بالناس صلاة العيد يوم الفطر على غير وضوء وعلم بذلک قبل الزوال أعاد الصلاة وإن علم بعد الزوال خرج من الغد وصلى فإن لم يعلم حتى زالت الشمس من الغد لم يخرج(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۵۲، الباب السابع عشر فی صلاة العيدين)

قوله :فإن غم الهلال على الناس إلى آخره) التقييد بالهلال ليس بشرط بل لو حصل عذر مانع كالمطر وشبهه فإنه يصليها من الغد؛ لأنه تأخير للعذر.

(قوله :فإن حدث عذر يمنع الناس من الصلاة فی اليوم الثانی لم يصلها بعده) وإن تركها فی اليوم الأول بغير عذر حتى زالت الشمس لم يصلها فی الغد كذا فی الكرخی(الجوهرة النيرة،

ج ا ص ۹۴، باب صلاة العیدین)

مسئلہ:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عید کی نماز کا ہمیشہ با جماعت پڑھنا ہی ثابت ہے، اس لئے عید کی نماز کے لئے جماعت کا ہونا ضروری ہے۔

اور اگر چہ عید کی نماز کا بڑے مجمع کے ساتھ پڑھنا سنت ہے، لیکن عید کی نماز صحیح ہونے کے لئے کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، پھر بعض حضرات کے نزدیک تو امام سمیت تین آدمیوں کا ہونا کافی ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، جو امام کے ساتھ شروع نماز سے شریک ہوں۔ [1]

[1] لان الجمع يطلق اقلا على الثلاث.

واشتراط الجماعة لها وكونها ثلاثة سوى الإمام (ردالمحتار، ج۲ ص ۱۶۵، کتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

ومن شرائطها :الجماعة وأقلهم عند أبي حنيفة ثلاثة سوى الإمام وقال أبو يوسف ومحمد :اثنان سوى الإمام(المختصر القدوری، باب صلاة الجمعة)

قوله واشتراط الجماعة لها أى لصلاة الجمعة وفيه أن الجماعة كما هى شرط لها شرط لصلاة العيدين .قوله وكونها بالجر عطف على الجماعة أى واشتراط كو الجماعة ثلاثة سوى الإمام وفيه أن كونها ثلاثة سوى الإمام ليس شرطا خاصا بالجمعة بل كذلك صلاة العيدين(غمز عيون البصائر ،القول فى أحكام يوم الجمعة)

مسئلہ:...... جمعہ اور عیدین کی نماز کا حکم جنگل اور عام دیہات میں نہیں ہے، بلکہ شہروں اور قصبوں میں ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی جنگل اور عام دیہات میں جمعہ وعیدین کی نماز پڑھنا ثابت نہیں، اور دیہات والوں کا شہر میں آ کر جمعہ وعیدین کی نماز میں شریک ہونا ہی ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ مِنَ الْعَوَالِي (مسلم) [1]

[1] حديث نمبر ۸۴۷، کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب وجوب غسل الجمعة على كل بالغ من الرجال، وبيان ما أمروا به، داراحياء التراث العربى، بيروت.

ترجمہ: گاؤں والے لوگ اپنے گھروں سے (مدینہ منورہ شہر میں) جمعہ کی نماز کے

لیے باری باری آیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو عبید سے روایت ہے کہ:

شَهِدُتُ الْعِيُدَ مَعَ عُثُمَانَ بُنِ عَفَّانَ، فَكَانَ ذٰلِكَ يَوُمَ الْجُمُعَةِ، فَصَلّٰى قَبُلَ الْخُطُبَةِ، ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ هٰذَا يَوُمٌ قَدِ اجُتَمَعَ لَكُمُ فِيُهِ عِيُدَانِ، فَمَنُ أَحَبَّ أَنُ يَنُتَظِرَ الْجُمُعَةَ مِنُ أَهُلِ الْعَوَالِي فَلْيَنُتَظِرُ، وَمَنُ أَحَبَّ أَنُ يَرُجِعَ فَقَدُ أَذِنُتُ لَهُ (بخاری) [2]

[2] حديث نمبر ۵۵۷۲، كتاب الاضاحى، باب ما يؤكل من لحوم الأضاحى وما يتزود منها، دارطوق النجاة، بيروت.

ترجمہ: میں عید کی نماز میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوا، تو یہ جمعہ کا دن تھا، تو آپ نے خطبے سے پہلے عید کی نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، پھر فرمایا: اے لوگو! اس دن میں تمہارے لیے دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں، پس گاؤں والے لوگوں میں سے جو آدمی (ہمارے ساتھ ٹھہر کر) جمعے کا انتظار کرنا پسند کرے، تو اُسے چاہیے کہ وہ ٹھہر جائے، اور جو (اپنے گاؤں میں) لوٹنا چاہے، تو میری طرف سے اُس کو اجازت ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لاَ جُمُعَةَ، وَلاَ تَشُرِيُقَ، وَلاَ صَلاَةَ فِطُرٍ، وَلاَ أَضُحٰى، إِلَّا فِيُ مِصُرٍ جَامِعٍ، أَوُ مَدِيُنَةٍ عَظِيُمَةٍ. قَالَ حَجَّاجٌ وَسَمِعُتُ عَطَاءً يَقُوُلُ مِثُلَ ذٰلِكَ (مصنف ابنِ ابی شیبہ) [1]

[1] كتاب الجمعة، حديث نمبر ۵۰۹۹، من قال لاجمعة ولاتشريق الا فى مصر جامع.

ترجمہ: جمعہ کی نماز، اور تشریق، اور عید الفطر، اور عید الاضحیٰ کی نماز شہر یا بڑے شہر میں ہی ہے، حضرت حجاج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے بھی اسی طرح سنا ہے (ترجمہ ختم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد مختلف سندوں سے مروی ہے، اگرچہ بعض سندوں میں کچھ کلام ہے، لیکن بعض سندیں بالکل صحیح ہیں۔

اور بعض دیگر جلیل القدر تابعین سے بھی اسی طرح کی روایات مروی ہیں۔ [۲]

---

[۲] عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ :لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ .قَالَ مَعْمَرٌ :يَعْنِي بِالتَّشْرِيقِ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى الْخُرُوجَ إِلَى الْجَبَّانَةِ(مصنف عبد الرزاق،حديث نمبر ۵۷۱۹)

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، قَالَ :قَالَ عَلِيٌّ :لاَ جُمُعَةَ ، وَلاَ تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ .(مصنف ابنِ ابی شيبه ،حديث نمبر۵۰۹۸ ،كتاب الجمعة،من قال لاجمعة ولاتشريق الا فی مصر جامع)

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ ، عَنْ عَلِيٍّ ، قَالَ :لاَ تَشْرِيقَ ، وَلاَ جُمُعَةَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ(مصنف ابنِ ابی شيبه ،حديث نمبر۵۱۰۵ ،كتاب الجمعة،من قال لاجمعة ولاتشريق الا فی مصر جامع)

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ " :لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ مِنَ الْأَمْصَارِ (شرح مشكل الآثار،بَابُ بَيَانِ مُشْكِلِ مَا رُوِيَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعِيدَيْنِ يَجْتَمِعَانِ فِي الْيَوْمِ الْوَاحِدِ)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ حُذَيْفَةَ ، قَالَ :لَيْسَ عَلَى أَهْلِ الْقُرَى جُمُعَةٌ ، إِنَّمَا الْجُمَعُةُ عَلَى أَهْلِ الْأَمْصَارِ ، مِثْلِ الْمَدَائِنِ(مصنف ابنِ ابی شيبه ،حديث نمبر ۵۱۰۰ ،كتاب الجمعة،من قال لاجمعة ولاتشريق الا فی مصر جامع)

عَنْ هِشَامٍ ، عَنِ الْحَسَنِ ، وَمُحَمَّدٍ ؛ أَنَّهُمَا قَالاَ :الْجُمُعَةُ فِي الْأَمْصَارِ(مصنف ابنِ ابی شيبه ،حديث نمبر ۵۱۰۱ ،كتاب الجمعة،من قال لاجمعة ولاتشريق الا فی مصر جامع)

عَنِ الْحَسَنِ ؛ أَنَّهُ سُئِلَ :عَلَى أَهْلِ الأُبُلَّة جُمُعَةٌ ؟ قَالَ :لاَ(مصنف ابنِ ابی شيبه ،حديث نمبر۵۱۰۲ ،كتاب الجمعة،من قال لاجمعة ولاتشريق الا فی مصر جامع)

عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ؛ أَنَّهُ أَرْسَلَ إِلَى أَهْلِ ذِي الْحُلَيْفَةِ :أَنْ لاَ تُجَمِّعُوا بِهَا ، وَأَنْ تَدْخُلُوا إِلَى الْمَسْجِدِ ، مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم(مصنف ابنِ ابی شيبه ،حديث نمبر۵۱۰۳ ، كتاب الجمعة،من قال لاجمعة ولاتشريق الا فی مصر جامع)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ :كَانُوا لاَ يُجَمِّعُونَ فِي الْعَسَاكِرِ(مصنف ابنِ ابی شيبه ،حديث نمبر۵۱۰۴ ،كتاب الجمعة،من قال لاجمعة ولاتشريق الا فی مصر جامع)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ :لاَ جُمُعَةَ ، وَلاَ تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ(مصنف ابنِ ابی شيبه ،حديث نمبر۵۱۰۵ ،كتاب الجمعة،من قال لاجمعة ولاتشريق الا فی مصر جامع)

من شرائطها المصرويشترط لهاجميع مايشترط للجمعة وجوباً واداءً الاالخطبة فانها ليست بشرط لها بل سنة بعدها للنقل المستفيض بذالک .ثم يستحب لصلوٰة العيد مايستحب للجمعة الخ (حلبی كبير ص۲۶۶)

وفی القنية صلاة العيد فی الرساتيق تكره كراهة تحريم اهـ؛ لأنه اشتغال بما لا يصح؛ لأن المصر شرط الصحة(البحر الرائق،ج ۲ ص ۱۷۱ ، كتاب الصلاة ، باب العيدين)

مسئلہ:......عید کی نماز ایک شہر یا قصبے میں کئی جگہ پڑھنا جائز ہے مگر حتی الامکان ہر محلّہ میں چھوٹے چھوٹے اجتماعوں کی بجائے کم از کم مقامات پر بڑے بڑے اجتماعات کی کوشش کرنی چاہیے۔

بڑے اجتماع میں اسلام کی شوکت کا مظاہرہ بھی ہے، اور کوئی عذر نہ ہو تو عید کی نماز آبادی سے باہر نکل کر بڑے میدان یا عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے۔

عید کی نماز مستقل ہے، جمعہ کی نماز کا متبادل نہیں

عید کی نماز بعض حضرات کے نزدیک سنت اور بعض حضرات کے نزدیک واجب ہے، جو کہ سال میں دو مرتبہ ادا کی جاتی ہے۔

اور جمعہ کی نماز فرض ہے، جو کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ ظہر کے فریضہ کی جگہ اور اس کے بدلہ میں ادا کی جاتی ہے، اور اس کا درجہ عید کی نماز سے زیادہ ہے، اور یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں، اس لئے اگر جمعہ اور عید ایک ہی دن میں جمع ہو جائیں، تو دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر ادا کی جائیں گی، اور ایک کی وجہ سے دوسری نماز ساقط و معاف نہیں ہوگی۔ [1]

[1] ومقتضى هذا :الاكتفاءُ بالعيد فى هذا اليوم وسقوط فَرضيّة الجمعة؛ وهو مذهب عطاء ، ولم يقُلْ به أحدٌ من الجُمهور؛ لأن الفَرضَ لا يَسقط بالسُّنَة، وأطلق العيدين على العيد والجمعة بطريق أن أحدهما عيد حقيقة، والجمعة -أيضا -فى معنى العيد؛ لاجتماع الناس فيه، أو لأنها تعود كل شهر مرات، وقال محمد فى "الجامع الصغير :"عيدان اجتمعا فى يوم واحد، فالأول سُنَّة، والثانى فريضة، ولا يُتركُ واحد منهما(شرح ابى داؤد للعينى، ج۴ص ۴۰۱، باب :إذا وافق يوم الجمعة يوم العيد)

وبالجملة ثبوت الجمعة بادلة قاطعة وسقوطها لابد ان تكون بمثلها، وليس فى الباب خبر مرفوع صحيح صريح واحد فضلا عن كون المسقط قطعيا، فكيف يترک كتاب الله ، والاخبار المتواترة ، والاجماع، بمثل تلک الروايات التى للكلام فيها مجال واسع سندا ومتنا منطوقاومفهوما؟(معارف السنن ج۴ص ۴۳۳،باب القراء ة فى العيدين)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ اور عید ایک ہی دن میں جمع ہو جانے کی صورت میں عید اور جمعہ کی دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پڑھنا ثابت ہیں۔

البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شہر سے باہر دور دراز کے لوگ بھی جمعہ اور بطور خاص عید کی نماز میں آ کر اہتمام کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز پڑھنے کے بعد جمعہ کی نماز تک ٹھہرے رہنے اور اپنے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے کا مکلّف و پابند نہیں فرمایا، بلکہ انہیں جمعہ کی نماز پڑھے بغیر اپنے گھروں کو لوٹنے کی اجازت مرحمت فرمائی، تاکہ ان کا عید کا سارا دن اپنے اہل وعیال سے الگ نہ گزرے، اور وہ عید کا بقیہ دن اپنے اہل وعیال اور گھر والوں کے ساتھ گزار سکیں، اور عیدُ الاضحیٰ کا موقع ہو تو اپنے گھروں کو لوٹ کر قربانی وغیرہ بھی کر سکیں۔ ۲

۲ وفی الجمعةَ إذا اجتمعا فی یوم علی ما ذکرہ فی الحدیث ، فلعلہ لتخفیف صلاۃ الجمعة لینصرف الناس الذین یشھدون العیدین من أھل العوالی إلی منازلھم ، لیشھدوا بقیة یوم عیدھم مع من ترکوہ من عیالھم (اکمال المعلم شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض، کتاب الجمعة)

چنانچہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيْدَيْنِ، وَفِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى، وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ، قَالَ: وَإِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمُعَةُ، فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ، يَقْرَأُ بِهِمَا أَيْضًا فِي الصَّلَاتَيْنِ (مسلم) ۱

۱ حدیث نمبر ۸۷۸، کتاب صلاۃ المسافرین قصرھا، باب مایقرأ فی صلاۃ الجمعة، داراحیاء التراث العربی، بیروت.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز اور جمعہ کی نماز میں ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى'' اور ''هَلْ أَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ'' کی قرائت کیا کرتے تھے، اور جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاتے تھے، تو عید اور جمعہ کی دونوں نمازوں میں ان دونوں سورتوں کی قرائت کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید اور جمعہ کا دن جمع ہو جانے پر عید اور جمعہ کی دونوں نمازیں ادا فرمایا کرتے تھے۔

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اجْتَمَعَ عِيْدَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمُ فِطْرٍ، وَجُمُعَةٍ فَصَلّٰى بِهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِيْدِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ قَدْ أَصَبْتُمْ خَيْرًا وَأَجْرًا، وَإِنَّا مُجْمِعُوْنَ فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُجْمِعَ مَعَنَا فَلْيُجْمِعْ، وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَرْجِعَ إِلٰى أَهْلِهٖ فَلْيَرْجِعْ (المعجم الكبير للطبراني) [2]

[2] حديث نمبر ۱۳۵۹۱، مكتبة ابنِ تيمية، القاهرة.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو عیدیں جمع ہو گئیں، یعنی عید الفطر کا دن اور جمعہ کا دن، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو عید کی نماز پڑھائی، پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے لوگو! تم نے خیر اور اجر کو حاصل کر لیا ہے، اور ہم جمعہ پڑھیں گے، پس جو شخص یہ چاہے کہ ہمارے ساتھ جمعہ پڑھے، تو اسے چاہیئے کہ ہمارے ساتھ جمعہ پڑھ لے، اور جو شخص اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر جانا چاہے، تو وہ لوٹ کر چلا جائے (ترجمہ ختم)

اسی قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

[1] اجْتَمَعَ عِيدَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ": إِنَّهُ قَدْ اجْتَمَعَ عِيدُكُمْ هَذَا وَالْجُمُعَةُ، وَإِنَّا مُجَمِّعُونَ، فَمَنْ شَاءَ أَنْ يُجَمِّعَ فَلْيُجَمِّعْ ,فَلَمَّا صَلَّى الْعِيدَ جَمَّعَ (السنن الكبرى للبيهقي، حديث نمبر ۶۲۸۷، عن ابی هريرة)

عَنْ ذَكْوَانَ قَالَ :اجْتَمَعَ عِيدَانِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِطْرٌ وَجُمُعَةٌ - أَوْ أَضْحَى وَجُمُعَةٌ -قَالَ :فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :إِنَّكُمْ قَدْ أَصَبْتُمْ ذِكْرًا وَخَيْرًا، وَإِنَّا مُجَمِّعُونَ، مَنْ أَرَادَ أَنْ يُجَمِّعَ فَلْيُجَمِّعْ، وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ (مصنف عبد الرزاق، حديث نمبر ۵۷۲۸، واللفظ لهٗ، سنن البيهقي، حديث نمبر ۶۲۸۹)

جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عید اور جمعہ کی دونوں نمازیں پڑھنے کا ذکر ہے، اور اس قسم کی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں جمعہ پڑھنے اور اپنے ساتھ جمعہ پڑھنے کا (بصیغۂ جمع) ذکر فرمایا، جس سے مراد مدینہ منورہ شہر کے لوگ ہیں۔

اور جن لوگوں کو اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنے کی اجازت دی، ان سے مراد وہ لوگ ہیں، جن کا گھر بار شہر میں نہ ہو، اور وہ گاؤں دیہات سے شہر میں عید کی نماز ادا کرنے کے لئے آئے ہوں، تاکہ ان پر قربانی وغیرہ میں حرج نہ ہو، اور وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ جا کر عید کا باقی دن گزارنا چاہیں، تو گزار لیں۔ ۲

---

۲ كان اهل القرى يجتمعون لصلاة العيدين مالايجتمعون لغيرهما كماهو العادة ،وكان فى انتظارهم الجمعة بعد الفراغ من العيد حرج عليهم ، فلما فرغ رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلاة العيد نادى مناديه من شاء منكم ان يصلى الجمعة فليصل ، ومن شاء الرجوع فليرجع، وكان ذلک خطابا لاهل القرى المجتمعين هناک ، والقرينة على ذلک بانه قد صرح فيه بانا مجمعون ، والمراد به من جمع المتكلم اهل المدينة بلاشک ، وفيه دلالة واضحة على ان الخطاب بقوله "من شاء منكم ان يصلى " لاهل القرى ،دون اهل المدينة ، ويؤيده ماذكرنا فى المتن من مرسل عمر بن عبدالعزيز قال: اجتمع عيدان على عهد النبى صلى الله عليه وسلم، فقال: من احب من اهل العالية ان يجلس فليجلس فى غير حرج.وكذا هو فى رواية عبدالعزيز بن رفيع عن ابى صالح عن ابى هريرة مقيدا"باهل العوالى" وقد ذكرنا ان مجموع المرسل ، والموصول صالح للاحتجاج به حتما على ان ابداء الاحتمال يجوز بالضعيف ايضا، فلايصح الاستدلال بظاهر مافى رواية ابن ماجة، وابى داؤد من العموم فى قوله " فمن شاء اجزأه من الجمعة " على سقوط الجمعة بالعيد عن اهل البلد، لاحتمال كونه مختصا باهل القرى، بقرينة قوله" وانا لمجمعون" وبقرينة مرسل عمر بن عبدالعزيز وموصول ابى هريرة مقيدا لهم ، واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال(اعلاء السنن ج۸ص ۹۴، باب اذا اجتمع العيد والجمعة لاتسقط الجمعة به)

قال المصنف رحمه الله تعالى *(وان اتفق يوم عيد ويوم جمعة فحضر أهل السواد فصلوا العيد جاز ان ينصرفوا ويتركوا الجمعة لما روى عن عثمان رضى الله عنه انه قال فى خطبته "ايها الناس قد اجتمع عيدان فى يومكم فمن أراد من اهل العالية ان يصلى معنا الجمعة فليصل ومن اراد ان ينصرف فلينصرف "ولم ينكر عليه احد،ولانهم إذا قعدوا فى البلد لم يتهيؤا بالعيد فان خرجوا ثم رجعوا للجمعة كان عليهم فى ذلک مشقة والجمعة تسقط بالمشقة ومن اصحابنا من قال تجب عليهم الجمعة لان من لزمته الجمعة فى غير يوم العيد وجبت عليه فى يوم العيد كأهل البلد والمنصوص فى الام هو الاول(المجموع شرح المهذب، ج۴ص ۴۹۱، باب صلاة الجمعة)

(فمن شاء أجزأه من الجمعة أى :يكفيه عن الجمعة وإنا مجمعون فمن حضر معنا وأدى معنا الجمعة حصل منه الاجتماع الأول والاجتماع الثانى، ومن اكتفى بالاجتماع الأول الذى هو العيد فإنه يجزئه عن الحضور للجمعة، ومعنى هذا أن أهل الأطراف وأهل العوالى إذا جاء وا فى الصباح ورجعوا لا يأتون إلى الجمعة، بل يصلون الظهر فى مساجدهم وفى أماكنهم(شرح سنن أبى داود لعبد المحسن العباد، ج۶ص ۲۹۸)

اور اس بات کی بعض دوسری احادیث وروایات میں وضاحت پائی جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

اِجْتَمَعَ عِيْدَانِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَجْلِسَ مِنْ أَهْلِ الْعَالِيَةِ فَلْيَجْلِسْ مِنْ غَيْرِ حَرَجٍ (سنن البيهقي) [1]

[1] حديث نمبر ٦٢٩٠، كتاب صلاة العيدين، باب اجتماع العيدين بأن يوافق يوم العيد يوم الجمعة، دارالكتب العلمية، بيروت، واللفظ لهٗ، معرفة السنن والآثار للبيهقي، حديث نمبر ٧٠٢١،مسند الشافعي، حديث نمبر ٣٤٩.

قال البيهقي: هذا مرسل وقد روى من وجه آخر موصولا دون هذا (معرفة السنن والآثار للبيهقي، حواله بالا)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو عیدیں (جمعہ وعید) جمع ہوگئیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو گاؤں والوں میں سے ٹھہرنا چاہے، اور اس کو کوئی حرج نہ ہو، تو وہ ٹھہر جائے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے مرسلاً مروی ہے کہ:

اِجْتَمَعَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِيْدَانِ : اَلْجُمُعَةُ وَالْأَضْحٰى، أَوِ الْفِطْرُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ الْعَالِيَةِ: مَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَشْهَدَ مَعَنَا صَلَاةَ الْجُمُعَةِ فَلْيَشْهَدْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُصَلِّيَ فِيْ أَهْلِهٖ فَلْيُصَلِّ (حديث هشام بن عمار، حديث نمبر ١٠٥)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو عیدیں یعنی جمعہ اور عید الاضحیٰ یا عید الفطر جمع ہوگئیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گاؤں والوں کو فرمایا کہ تم میں سے جو یہ پسند کرتا ہے کہ ہمارے ساتھ جمعہ کی نماز میں شریک ہو، تو وہ شریک ہوجائے، اور جو یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے گھر جا کر نماز پڑھے، تو اسے چاہئے کہ وہ گھر جا کر نماز پڑھ لے (ترجمہ ختم)

ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گاؤں والوں کو ہی اپنے ساتھ جمعہ کی نماز میں شریک ہونے یا جمعہ کی نماز چھوڑ کر اپنے گاؤں میں جانے کی اجازت بیان فرمائی ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ جن روایات میں گاؤں والوں کا ذکر نہیں، ان سے مراد بھی گاؤں والے ہی ہیں، اور یہ اجازت واختیار شہر کے لوگوں کو نہیں ہے۔

اور حضرت ابو عبید سے روایت ہے کہ:

شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، فَكَانَ ذٰلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَصَلّٰى قَبْلَ الْخُطْبَةِ، ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِيهِ عِيدَانِ، فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ مِنْ أَهْلِ الْعَوَالِي فَلْيَنْتَظِرْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ فَقَدْ أَذِنْتُ لَهُ (بخاری) [1]

[1] حدیث نمبر ۵۵۷۲، کتاب الاضاحی، باب ما یؤکل من لحوم الأضاحی وما یتزود منها، دارطوق النجاۃ، بیروت۔

ترجمہ: میں عید کی نماز میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوا، تو یہ جمعہ کا دن تھا، تو آپ نے خطبے سے پہلے عید کی نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، پھر فرمایا: اے لوگو! اس دن میں تمہارے لیے دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں، پس گاؤں والے لوگوں میں سے جو آدمی (ہمارے ساتھ ٹھہر کر) جمعے کا انتظار کرنا پسند کرے، تو اُسے چاہیے کہ وہ ٹھہر جائے، اور جو (اپنے گاؤں میں) لوٹنا چاہے، تو میری طرف سے اُس کو اجازت ہے (ترجمہ ختم)

اور مؤطا امام مالک میں یہ الفاظ ہیں کہ:

شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ . فَجَاءَ، فَصَلّٰى، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَخَطَبَ. وَقَالَ : إِنَّهُ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِي يَوْمِكُمْ هٰذَا عِيدَانِ . فَمَنْ أَحَبَّ مِنْ أَهْلِ الْعَالِيَةِ أَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ، فَلْيَنْتَظِرْهَا. وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ، فَقَدْ أَذِنْتُ لَهُ (مؤطا امام مالک) [1]

[1] حدیث نمبر ٦١٣، کتاب العیدین، الأمر بالصلاۃ قبل الخطبۃ فی العیدین، مؤسسۃ زاید بن سلطان آل نہیان للأعمال الخیریۃ والإنسانیۃ -أبو ظبی -الإمارات۔

ترجمہ: میں عید کی نماز میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوا، تو وہ تشریف لائے، پھر نماز پڑھائی، پھر نماز سے فارغ ہوئے، پھر خطبہ دیا، اور فرمایا کہ تمہارے اس دن میں (عید اور جمعہ کی نماز کی شکل میں) دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں، تو گاؤں والوں میں سے جو شخص (یہاں رہ کر) جمعہ کی نماز کا انتظار کرنا چاہے، تو وہ انتظار کرلے، اور جو شخص (جمعہ کی نماز پڑھے بغیر) اپنے گھر لوٹنا چاہے، تو میں نے اس کو اجازت دے دی ہے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

ثُمَّ شَهِدْتُ بَعْدَ ذٰلِكَ الْفِطْرَ مَعَ عُثْمَانَ، فَجَاءَ بَعْدَمَا اجْتَمَعَ النَّاسُ فِيهِ، فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ، ثُمَّ قَامَ فَأَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ هٰذَا يَوْمُ الْفِطْرِ، وَهُوَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، وَهُمَا عِيدَانِ اجْتَمَعَا لِلْمُسْلِمِينَ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ، فَمَنْ أَحَبَّ مِنْ أَهْلِ الْعَوَالِي أَنْ يَتَعَجَّلَ إِلٰى أَهْلِهِ، فَقَدْ أَذِنْتُ لَهُ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَشْهَدَ مَعَنَا الْجُمُعَةَ فَلْيَفْعَلْ (مسند الشاميين، حديث نمبر ۱۷۹۹، مؤسسة الرسالة، بيروت)

ترجمہ: پھر میں اس کے بعد عید الفطر کی نماز میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوا، تو وہ لوگوں کے جمع ہونے کے بعد تشریف لائے، پھر خطبہ سے پہلے (عید کی) نماز پڑھائی، پھر کھڑے ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان ثناء بیان کی، پھر فرمایا کہ اما بعد! پس یہ عید الفطر کا دن ہے، اور جمعہ کا بھی دن ہے، اور یہ دونوں عیدیں مسلمانوں کے لئے ایک دن میں جمع ہوگئی ہیں، پس گاؤں والوں میں سے جو شخص اپنے گھر والوں کی طرف (جمعہ کی نماز پڑھے بغیر) جلدی جانا چاہے، تو میں نے اس کو اجازت دے دی ہے، اور جو شخص ہمارے ساتھ جمعہ میں شریک ہونا چاہے، تو وہ شریک ہو جائے (ترجمہ ختم)

امام محمد رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَأْخُذُ وَإِنَّمَا رَخَّصَ عُثْمَانُ فِي الْجُمُعَةِ لِأَهْلِ الْعَالِيَةِ لِأَنَّهُمْ لَيْسُوْا مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ -رَحِمَهُ اللّٰه (مؤطا امام محمد) [1]

[1] تحت حديث رقم ۲۳۳، ابواب الصلاة، باب صلاة العيدين وأمر الخطبة ، دارالقلم ، بيروت.

ترجمہ: اور ہم اسی پوری بات کو لیتے ہیں، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی نماز کی ان لوگوں کو ہی چھوٹ دی، جو گاؤں کے لوگ تھے، کیونکہ وہ شہر والے نہیں تھے (جن پر کہ جمعہ واجب ہو) اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے (ترجمہ ختم)

اور امام شافعی رحمہ اللہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْفِطْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صَلَّى الْإِمَامُ الْعِيْدَ حِيْنَ تَحِلُّ الصَّلَاةُ ثُمَّ أَذِنَ لِمَنْ حَضَرَهُ مِنْ غَيْرِ أَهْلِ الْمِصْرِ فِيْ أَنْ يَّنْصَرِفُوْا إِنْ شَاءُوْا إِلٰى أَهْلِيْهِمْ، وَلَا يَعُوْدُوْنَ إِلَى الْجُمُعَةِ وَالْاِخْتِيَارُ لَهُمْ أَنْ يُّقِيْمُوْا حَتّٰى يَجْمَعُوْا أَوْ يَعُوْدُوْا بَعْدَ انْصِرَافِهِمْ إِنْ قَدَرُوْا حَتّٰى يَجْمَعُوْا وَإِنْ لَّمْ يَفْعَلُوْا فَلَا حَرَجَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى (قَالَ الشَّافِعِيُّ) وَلَا يَجُوْزُ هٰذَا لِأَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ أَنْ يَّدَعُوْا أَنْ يَّجْمَعُوْا إِلَّا مِنْ عُذْرٍ يَجُوْزُ لَهُمْ بِهٖ تَرْكُ الْجُمُعَةِ، وَإِنْ كَانَ يَوْمَ عِيْدٍ (قَالَ الشَّافِعِيُّ) : وَهٰكَذَا إِنْ كَانَ يَوْمَ الْأَضْحٰى لَا يَخْتَلِفُ إِذَا كَانَ بِبَلَدٍ يَجْمَعُ فِيْهِ الْجُمُعَةَ وَيُصَلِّي الْعِيْدَ (الام للشافعی) [1]

[1] ج ۱ ص ۲۷۴، كتاب صلاة العيدين، اجتماع العيدين، دار المعرفة -بيروت.

ترجمہ: اور جب عید الفطر کا دن جمعہ کے دن ہو، تو امام عید کی نماز پڑھائے، جب نماز کے جائز ہونے کا وقت داخل ہو جائے، پھر ان لوگوں کو جو شہر کے علاوہ

(گاؤں، دیہات) سے حاضر ہوئے ہوں، ان کو اجازت دے دے، کہ وہ اگر چاہیں، تو اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جائیں، اور جمعہ کی نماز کے لئے (دوبارہ) لوٹ کر نہ آئیں، اور ان (گاؤں سے شہر میں آنے والوں) کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ (شہر میں) ٹھہرے رہیں، یہاں تک کہ جمعہ کی نماز ادا کریں، یا وہ اگر قادر ہوں تو (گاؤں میں) جانے کے بعد دوبارہ جمعہ کی نماز کے لئے (شہر میں) آ جائیں، اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ان پر کوئی حرج نہیں۔

(پھر) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہر والوں میں سے کسی کے لئے جمعہ کی نماز چھوڑنا جائز نہیں، سوائے ایسے عذر کی بناء پر، کہ جس کی وجہ سے جمعہ کی نماز کا چھوڑنا جائز ہوتا ہے، اگرچہ عید کا دن ہی کیوں نہ ہو۔

(پھر) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی حکم اس وقت بھی ہے، جبکہ جمعہ کا دن عید الاضحیٰ کے دن ہو، اس کا حکم بھی مختلف نہیں ہے، جب شہر میں ہو، تو اس میں جمعہ کی نماز بھی پڑھے، اور عید کی نماز بھی پڑھے (ترجمہ ختم)

پس اس سے معلوم ہوا کہ عید اور جمعہ ایک دن جمع ہونے کی صورت میں شہر کے لوگوں کو عید اور جمعہ کی دونوں نمازیں پڑھنا ضروری ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو عید کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے نہ پڑھنے کی اجازت ورخصت دی تھی، وہ گاؤں کے لوگ تھے، جن پر جمعہ کی نماز لازم نہیں تھی۔ [1]

[1] وکان عثمان قال ذلک بمحضر من الصحابة ، فلو کانت للرخصة تعم اهل القری واهل البلد جمیعا کمازعمه احمد بن حنبل رحمه الله ،لانکروا علیه تخصیصها باهل العالیة ،فثبت ان الرخصة مخصوصة بمن لم تجب علیهم الجمعة، فلاتترک الجمعة بالعید، کیف؟ وان فریضة الجمعة ثابتة بالکتاب والاجماع لازمة علی اهل البلد ، فلایجوز اسقاطها عنهم بما هو دون الا بنص قطعی مثله ، ودونه خرط القتاد فان الآثار التی استدل بها احمد رحمه الله علی سقوط الجمعة بالعید عن اهل البلد من الآحاد مع احتمال اختصاصها باهل القری والعوالی (اعلاء السنن ج۸ص۹۳،باب اذا اجتمع العید والجمعة لاتسقط الجمعة به)

واذا جاز تخصيص خبر الواحد بدلالة العقل والعرف والقياس كما تقرر في الاصول، فجواز تخصيصه بقول الصحابي اولىٰ، لكونه اعرف الناس بمراد الرسول صلى الله عليه وسلم لاسيما عند من يجعل اقوال الصحابة حجة، فافهم (ايضاً ص ۹۴)

کیونکہ گاؤں والوں پر جمعہ کی نماز واجب نہیں، اور شہر میں جمعہ کی نماز کے لئے ٹھہرے رہنے کی پابندی کی صورت میں ان کو قربانی وغیرہ کرنا اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ عید کا تہوار منانا اور گزارنا مشکل تھا۔ [۲]

---

[۲] فَسَأَلَ سَائِلٌ عَنِ الْمُرَادِ بِمَا فِي هَذَيْنِ الْحَدِيثَيْنِ بَعْدَ اسْتِعْظَامِهِ مَا فِيهِمَا مِنَ الرُّخْصَةِ فِي تَرْكِ الْجُمُعَةِ وَنَفَى ذَلِكَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ :كَيْفَ يَكُونُ لِأَحَدٍ أَنْ يَتَخَلَّفَ عَنِ الْجُمُعَةِ مَعَ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ) (الجمعة: ۹)؟ الْآيَةَ فَكَانَ جَوَابُنَا لَهُ فِي ذَلِكَ بِتَوْفِيقِ اللهِ وَعَوْنِهِ أَنَّ الْمُرَادِينَ بِالرُّخْصَةِ فِي تَرْكِ الْجُمُعَةِ فِي هَذَيْنِ الْحَدِيثَيْنِ هُمْ أَهْلُ الْعَوَالِي الَّذِينَ مَنَازِلُهُمْ خَارِجَةٌ عَنِ الْمَدِينَةِ مِمَّنْ لَيْسَتِ الْجُمُعَةُ عَلَيْهِمْ وَاجِبَةً ;لِأَنَّهُمْ فِي غَيْرِ مِصْرٍ مِنَ الْأَمْصَارِ ,وَالْجُمُعَةُ فَإِنَّمَا تَجِبُ عَلَى أَهْلِ الْأَمْصَارِ، وَفِي الْأَمْصَارِ دُونَ مَا سِوَى ذَلِكَ كَمَا رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي ذَلِكَ مِمَّا نُحِيطُ عِلْمًا أَنَّهُ لَمْ يَقُلْهُ رَأْيًا إِذْ كَانَ مِثْلُهُ لَا يُقَالُ بِالرَّأْيِ ,وَأَنَّهُ لَمْ يَقُلْهُ إِلَّا تَوْقِيفًا وَلَا تَوْقِيفَ يُوجَدُ فِي ذَلِكَ إِلَّا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وَهُوَ مَا قَدْ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَرْزُوقٍ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ الْإِيَامِيِّ قَالَ :سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ " :لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ مِنَ الْأَمْصَارِ.

وَمَا قَدْ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ، قَالَ :حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ " :لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ "قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ :فَكَانَ أَهْلُ الْعَوَالِي الَّذِينَ لَيْسُوا فِي مِصْرٍ مِنَ الْأَمْصَارِ لَهُمُ التَّخَلُّفُ عَنِ الْجُمُعَاتِ ,وَمَنْ كَانَ لَهُ التَّخَلُّفُ عَنِ الْجُمُعَاتِ كَانَ لَهُ التَّخَلُّفُ عَنِ الْجَمَاعَاتِ سِوَاهَا فِي صَلَوَاتِ الْأَعْيَادِ وَمِمَّا سِوَاهَا ,وَكَانُوا إِذَا حَضَرُوا الْأَمْصَارَ لِصَلَوَاتِ الْأَعْيَادِ كَانُوا بِذَلِكَ فِي مَوْضِعٍ عَلَى أَهْلِهِ حُضُورُ تِلْكَ الصَّلَاةِ، يَعْنِي : صَلَاةَ الْجُمُعَةِ وَمَا سِوَاهَا مِنْ صَلَوَاتِ الْأَعْيَادِ، فَأَعْلَمَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا فِي هَذَيْنِ الْحَدِيثَيْنِ أَنَّهُمْ لَيْسَ عَلَيْهِمْ أَنْ يُقِيمُوا بِمَكَانِهِمُ الَّذِي حَضَرُوهُ لِصَلَاةِ الْعِيدِ حَتَّى يَدْخُلَ عَلَيْهِمْ وَقْتُ الْجُمُعَةِ وَهُمْ بِهِ ,فَتَجِبُ عَلَيْهِمُ الْجُمُعَةُ كَمَا تَجِبُ عَلَى أَهْلِ ذَلِكَ الْمَكَانِ ;لِأَنَّهُ مِصْرٌ مِنَ الْأَمْصَارِ ,وَجَعَلَ لَهُمْ أَنْ يُقِيمُوا بِهِ اخْتِيَارًا حَتَّى يُصَلُّوا فِيهِ الْجُمُعَةَ أَوْ يَنْصَرِفُوا عَنْهُ إِلَى أَمَاكِنِهِمْ ، وَيَتْرُكُونَ الْإِقَامَةَ لِلْجُمُعَةِ ,فَيَكُونُ رُجُوعُهُمْ إِلَى أَمَاكِنِهِمْ رُجُوعًا إِلَى أَمَاكِنَ لَا جُمُعَةَ عَلَى أَهْلِهَا

فَقَالَ :فَقَدْ رَوَيْتُمْ أَيْضًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْمَعْنَى حَدِيثًا هُوَ أَعْجَبُ مِنْ هَذَا.

يَعْنِي مَا حَدَّثَنَا بِهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ دَاوُدَ الْبَغْدَادِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ رَبِّهِ الْجُرْجُسِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ بْنُ الْوَلِيدِ، قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :اجْتَمَعَ عِيدَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ " :أَيَّمَا شِئْتُمْ أَجْزَأَكُمْ "قَالَ :فَفِي هَذَا الْحَدِيثِ رَدُّهُ الْمَشِيئَةَ إِلَيْهِمْ فِي الْإِتْيَانِ إِلَى صَلَاةِ الْعِيدِ وَتَرْكِ الْإِتْيَانِ لِمَا سِوَاهَا مِنْ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ أَوْ إِتْيَانِ الْجُمُعَةِ وَتَرْكِ مَا قَبْلَهَا مِنْ صَلَاةِ الْعِيدِ، فَكَانَ جَوَابُنَا لَهُ فِي ذَلِكَ بِتَوْفِيقِ اللهِ وَعَوْنِهِ أَنَّهُ قَدْ يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاطَبَهُمْ بِذَلِكَ قَبْلَ يَوْمِ الْعِيدِ لِيَفْعَلُوهُ فِي يَوْمِ الْعِيدِ ,وَأَعْلَمَ بِذَلِكَ أَهْلَ الْعَوَالِي أَنَّ لَهُمْ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ صَلَاةِ الْعِيدِ وَيَحْضُرُوا لِصَلَاةِ الْجُمُعَةِ أَوْ يَحْضُرُوا لِصَلَاةِ الْعِيدِ فَيُصَلُّونَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُونَ إِلَى أَمَاكِنِهِمْ ,وَلَا يَحْضُرُونَ الْجُمُعَةَ إِذَا كَانَ أَهْلُ تِلْكَ الْأَمَاكِنِ لَا جُمُعَةَ عَلَيْهِمْ ;لِأَنَّهُمْ لَيْسُوا بِمِصْرٍ مِنَ الْأَمْصَارِ , وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ بِأَلْفَاظٍ هِيَ أَدَلُّ عَلَى هَذَا الْمَعْنَى مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ الَّذِي ذَكَرْنَا.

كَمَا حَدَّثَنَا بَكَّارُ بْنُ قُتَيْبَةَ، قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، وَأَبُو عَامِرٍ قَالَا :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ، عَنْ ذَكْوَانَ، قَالَ :اجْتَمَعَ عِيدَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ " :إِنَّكُمْ قَدْ أَصَبْتُمْ خَيْرًا وَذِكْرًا، وَإِنَّا مُجَمِّعُونَ فَمَنْ شَاءَ أَنْ يُجَمِّعَ فَلْيُجَمِّعْ وَمَنْ شَاءَ أَنْ يَرْجِعَ فَلْيَرْجِعْ "قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ: فَفِي هَذَا الْحَدِيثِ كَشْفُ الْمَعْنَى الَّذِي ذَكَرْنَا احْتِمَالَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ إِيَّاهُ ,وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَدْ كَانَ أَمَرَ أَهْلَ الْعَوَالِي بِمِثْلِ ذَلِكَ فِي يَوْمِ اجْتَمَعَ فِيهِ عِيدَانِ مِنْ أَيَّامِهِ.

كَمَا حَدَّثَنَا بَكَّارُ بْنُ قُتَيْبَةَ قَالَ :حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ قَالَ :حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ قَالَ :أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ قَالَ :شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُثْمَانَ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَجَاءَ فَصَلَّى ثُمَّ انْصَرَفَ فَخَطَبَ فَقَالَ " :إِنَّهُ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ عِيدَانِ فِي يَوْمِكُمْ هَذَا ,مَنْ أَحَبَّ مِنْ أَهْلِ الْعَالِيَةِ أَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ فَلْيَنْتَظِرْهَا ,وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ فَلْيَرْجِعْ فَقَدْ أَذِنْتُ لَهُ "

وَكَمَا حَدَّثَنَا بَكَّارٌ قَالَ :حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي الْوَزِيرِ قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ قَالَ :شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَوَافَقَ ذَلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ ,ثُمَّ قَالَ " :هَذَا يَوْمٌ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِيهِ عِيدَانِ، مَنْ كَانَ هَاهُنَا مِنْ أَهْلِ الْعَوَالِي فَقَدْ أَذِنَّا لَهُ ,وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَمْكُثَ فَلْيَمْكُثْ "وَفِيمَا ذَكَرْنَا بَيَانٌ لِمَا ذَكَرْنَا مِمَّا قَدْ تَقَدَّمَ وَصْفُنَا لَهُ فِي احْتِمَالِ مَا قَدْ رَوَيْنَاهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْبَابِ .وَاللهَ نَسْأَلُهُ التَّوْفِيقَ(شرح مشكل الآثار للطحاوی، ج۳ص۱۸۷،تا ۱۹۲،باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى العيدين يجتمعان فى اليوم الواحد)

اس قسم کی احادیث وروایات کی روشنی میں جمہور فقہائے کرام نے فرمایا کہ عید اور جمعہ اگر ایک دن واقع ہوں، تو شہر والوں کو عید اور جمعہ کی دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر پڑھنا ضروری ہوگا۔ [1]

[1] اور بعض فقہاء عید کا دن جمعہ کے دن واقع ہونے کی صورت میں اہلِ شہر کے لئے سقوطِ جمعہ کے قائل ہیں۔

البتہ گاؤں، دیہات والے اگر شہر وقصبہ میں آ کر عید کی نماز ادا کریں، تو ان کو عید کی نماز پڑھ کر اپنے گھر جانے اور وہاں جا کر عید کا باقی دن گزارنے میں حرج نہیں، اور اگر وہ شہر میں ٹھہرے رہیں، تو شہر والوں کی طرح جمعہ کے وقت ان پر جمعہ کی نماز بھی واجب ہوگی۔ [2]

[2] (قد اجتمع فى يومكم هذا عيدان فمن شاء أجزأه من الجمعة) أى عن حضورها ولا يسقط عنه

الظهر (وإنا مجمعون إن شاء الله) قاله في يوم جمعة وافقت عيدا فإذا وافق يوم الجمعة يوم عيد وحضر من تلزمه من أهل القرى فصلوا العيد سقطت عنهم الجمعة عند الشافعي كالجمهور ولم يسقطها أبو حنيفة(فيض القدير شرح الجامع الصغير، تحت حديث رقم ٢١٠٣)

وبه استدل أحمد على سقوط الجمعة على من صلى العيد إذا وافق العيد يوم الجمعة، وبه قال مالك مرة :وأجيب بأنهم إنما كانوا يأتون العيد والجمعة من مواضع لا يجب عليهم المجيء فأخبر بما لهم في ذلك(عمدة القارى للعينى، ج ٢١ص ١٦١، كتاب الاضاحى،باب ما يؤكل من لحوم الأضاحي وما يتزود منها)

قال أبو عمر ذهب مالك رحمه الله في إذن عثمان رضي الله عنه فيما ذهب لأهل العوالي إلى أنه عنده غيره معمول به ، ذكر بن القاسم عنه أنه قال ليس عليه العمل ، وذلك أنه كان لا يرى الجمعة لازمة لمن كان من المدينة على ثلاثة أميال والعوالي عندهم أكثرها كذلك فمن هنا لم ير العمل على إذن عثمان ورأى أنه جائز له خلافه باجتهاده إلى رؤى الجماعة العاملين بالمدينة بما ذهب إليه في ذلك .

وقال الثوري وأبو حنيفة والشافعي وأكثر أهل العلم إن إذن عثمان كان لمن لا تلزمه الجمعة من أهل العوالي لأن الجمعة لا تجب إلا على أهل المصر عند الكوفيين،وأما الشافعي فتجب عنده على من سمع النداء من خارج المصر، ولا يختلف العلماء في وجوب الجمعة على من كان بالمصر بالغا من الرجال الأحرار سمع النداء أو لم يسمعه.

قال أبو عمر وقد روي في هذا الباب عن بن الزبير وعطاء قول منكر أنكره فقهاء الأمصار ولم يقل به أحد منهم ،وذلك أن عبد الرزاق روى عن بن جريج قال قال عطاء إن اجتمع يوم الجمعة ويوم الفطر في يوم واحد فليجمعهما يصلي ركعتين فقط ولا يصلي بعدها حتى العصر .

قال بن جريج ثم أخبرنا عند ذلك قال اجتمع يوم فطر ويوم جمعة في يوم واحد في زمن بن الزبير فقال بن الزبير عيدان اجتمعا في يوم واحد فجمعهما جميعا صلى ركعتين بكرة صلاة الفطر ثم لم يزد عليها حتى صلى العصر .

وروى سعيد بن المسيب عن قتادة قال سمعت عطاء يقول اجتمع عيدان على عهد بن الزبير فصلى العيد ثم لم يخرج إلى العصر.

قال أبو عمر أما فعل بن الزبير وما نقله عطاء من ذلك وأفتى به على أنه قد اختلف عنه فلا وجه فيه عند جماعة الفقهاء وهو عندهم خطأ إن كان على ظاهره لأن الفرض من صلاة الجمعة لا يسقط بإقامة السنة في العيد عند أحد من أهل العلم،وقد روي فيه قوم أن صلاته التي صلاها لجماعة ضحى يوم العيد نوى بها صلاة الجمعة على مذهب من رأى أن وقت صلاة العيد ووقت الجمعة واحد

وقد أوضحنا فساد قول من ذهب إلى ذلك في باب المواقيت .

وتأول آخرون أنه لم يخرج إليهم لأن صلاها في أهله ظهرا أربعا .

وهذا لا دليل فيه في الخبر الوارد بهذه القصة عنه .

وعلى أي حال كان فهو عند جماعة العلماء خطأ وليس على الأصل المأخوذ به،والأصل في ذلك ما ذكره علي بن المديني قال حدثني يحيى بن سعيد قال حدثنا سفيان سمع عبد العزيز بن رفيع قال حدثني ذكوان أبو صالح أن عيدين اجتمعا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى بهم

صلاة العيد وقال إنكم قد أصبتم ذكرا وخبرا ونحن مجمعون إن شاء الله فمن شاء منكم أن يجمع فليجمع ومن شاء أن يجلس فليجلس،وقد روى حدث عبد العزيز بن رفيع مسندا وإن كان بن المديني قال إن المرسل فيه عن عبد العزيز حديث شريف...........قال أبو عمر ليس في شيء من آثار هذا الباب ما ذكرناه منها وما سكتنا عنه أن صلاة الجمعة لم يقمها الأئمة في ذلك اليوم وإنما فيها أنهم أقاموها بعد إذنهم المذكور عنهم وذلك عندنا لمن قصد العيدين غير أهل المصر والله أعلم(الاستذكار لابن عبدالبر، كتاب العيدين، باب الأمر بالصلاة قبل الخطبة في العيدين)

اوراس کے برخلاف بعض احادیث یا آثار سے جوعید وجمعہ کا دن جمع ہو جانے کی صورت میں عید کی نماز پڑھ لینے سے علی الاطلاق جمعہ کی نماز کا ساقط ہونا ظاہر ہوتا ہے، وہ اس درجہ کی نہیں ہیں کہ ان کی وجہ سے جمعہ جیسے فریضہ کو ساقط کیا جاسکے۔ [1]

---

[1] واحتج الحنابلة ايضا بما رواه مسدد والمروزي في العيدين وصحح كما في كنز العمال والحاكم في المستدرك وصححه على شرطهما واقره الذهبي عن وهب بن كيسان، قال :اجتمع عيدان على عهد ابن الزبير، فأخر الخروج حتى تعالى النهار، ثم خرج، فخطب، فأطال ، ثم نزل، فصلى ركعتين ولم يصل الناس الجمعة، فعاب ذلك عليه ناس ، فذكر ذلك لابن عباس ، فقال: أصاب السنة، فذكروا ذلك لابن الزبير، فقال " :رأيت عمر بن الخطاب اذااجتمع على عهده عيدان، صنع هكذا اهـ. وقد رواه النسائي وسكت عنه الى قوله"السنة"وفي النيل "رجاله رجال الصحيح" وقد رواه ابوداؤد وسكت عنه، وقال النووي اسناده حسن كمافي نصب الراية ، وعن عطاء ابن ابي رباح عن ابي داؤد ايضا قال صلى بنا ابن الزبير في يوم عيد، في يوم جمعة أول النهار، ثم رحنا إلى الجمعة، فلم يخرج إلينا فصلينا وحدانا، وكان ابن عباس بالطائف، فلما قدم ذكرنا ذلك له، فقال :أصاب السنة ،اهـ،قال الزيلعي"قال النووي :اسناده على شرط مسلم" وفي رواية له "فجمعهما جميعا فصلاهما ركعتين بكرة لم يزد عليهما حتى صلى العصر اهـ ، وفي النيل "رجاله رجال الصحيح" .

قلت: لاحجة لهم في ذلك اصلا، ، فان الناس كلهم انكروا على ابن الزبير، ولم يوافقه على فعله من الصحابة غير ابن عباس، وامر لايعرفه اكثر الناس في عهد الصحابة، بل ينكرونه لايجوز به اسقاط فريضة قد اجمع عليها، ولايخفى ان ابن الزبير، وابن عباس كانا صغيرين في عهد النبي صلى الله عليه وسلم ، فلعلهما سمعا منادى النبي صلى الله عليه وسلم ينادي:"من شاء منكم ان يصلى فليصل ومن الرجوع فليرجع" وكان ذلك خطابا لاهل القرى، فلم يفهما المراد به، وظناه عاما لاهل البلد ايضا، فجمع ابن الزبير الجمعة والعيد، وقال فيه ابن عباس: "انه اصاب السنة" اى اصاب ماسمعه من منادى النبي صلى الله عليه وسلم من قوله"من شاء فليصل" بالمعنى الذى فهمه، واما قول ابن الزبير"رأيت عمر بن الخطاب اذا اجتمع عيدان صنع هكذا" فلعل عمر رضى الله عنه فعل ذلك بعذر عرفه الناس، ولم يعرفه ابن الزبير ولذا انكروا عليه، ولم ينكروا على عمر والا فيبعد كل البعد ان يصنع ابن الزبير مثل ما صنعه ، فعرفه الناس من عمر، وانكروه منه (اعلاء السنن ج٨ص٩٥، ٩٦،باب اذا اجتمع العيد والجمعة لاتسقط الجمعة به)

وایضاً فلاحجة بقول الصحابی وفعله فی معارضة قول النبی وفعله لاسیما ، وقد ثبت ان الناس انکروا علی ابن الزبیر ماصنعه وعاتبوه علیه فافهم ،علی ان الحنابلة یقولون انه اذا اتفق عید فی یوم جمعة سقط حضور الجمعة عمن صلی العید الاالامام فانها لاتسقط عنه الا ان لا یجتمع له من یصلی به الجمعة لقول النبی صلی الله علیه وسلم "وانا لجمعون "ولانه لو ترکها لامتنع فعل الجمعة فی حق من تجب علیه ومن یریدها ممن سقطت عنه ذکره ابن قدامة فی المغنی.فصنع ابن الزبیر وقع خلاف الاجماع لکونه لم یزد علی الرکعتین قبل الزوال بکرة حتی صلی العصر مع انه قد اجتمع له من یصلی به الجمعة ، قال عطاء ثم رحنا الی الجمعة فلم یخرج الینا فصلینا وحدانا کما تقدم (ایضاً ص۹۷)

حدیث زید بن ارقم فیه ایاس مجهول، قال ابن المنذر:هذا الحدیث لایثبت ، وایاس بن ابی رملة راویه عن زید مجهول، وقال ابن القطان: هو کما قال النزاع ، فان العام القطعی لایختص عندنا بالآحاد ، وایضا فان حدیث زید هذا مقید عندنا باهل العوالی بدلیل ماذکرناه فی المتن من قول عثمان ومن مرسل عمر بن عبدالعزیز وموصول ابی هریرة مرفوعا فتذکر، واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال(ایضاً ص۹۷،۹۸)

نمازِ عید کی رکعات اور اذان واقامت

عید کی نماز کی دو رکعتیں ہیں، اور پہلے گزر چکا ہے کہ عید کی نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے، مگر عید کی نماز کے لئے اذان اور اقامت نہیں ہے، نیز عید کی نماز کے لئے اس سے پہلے اور بعد میں سنت ونفل نماز نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس اور جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ:

لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمَ الْأَضْحٰى (مسلم) [1]

[1] حدیث نمبر ۸۸۶، کتاب صلاۃ العیدین، داراحیاء التراث العربی، بیروت.

ترجمہ: عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن (عید کی نماز کے لئے) اذان نہیں دی جاتی (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لَا أَذَانَ لِلصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ، حِينَ يَخْرُجُ الْإِمَامُ، وَلَا بَعْدَ مَا يَخْرُجُ، وَلَا إِقَامَةَ (مسلم) [2]

[2] حدیث نمبر ۸۸۶، کتاب صلاۃ العیدین، داراحیاء التراث العربی، بیروت.

ترجمہ: عید الفطر کی نماز کے لئے جب امام (عید کی نماز پڑھانے کے لیے) نکلتا ہے، اس وقت (جمعہ کی طرح) اذان نہیں ہے، اور نہ ہی (جمعہ کی طرح) امام کے نکلنے کے بعد اذان ہے، اور نہ اقامت ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيدَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ، فَكُلُّهُمْ صَلّٰى قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلاَ إِقَامَةٍ

(مسند احمد) [1]

[1] حديث نمبر ۲۱۷۱، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، ابو داؤد، حديث نمبر ۱۱۴۷.
فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غيرَ محمد بن ربيعة الكلابى. الرؤاسى الكوفى، فقد روى له أصحابُ السنن والبخارى فى "الأدب المفرد"، وهو ثقة.

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور حضرت ابو بکر، اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سب کے ساتھ عید کی نماز میں شریک ہوا، ان سب نے خطبہ سے پہلے عید کی نماز بغیر اذان اور بغیر اقامت کے پڑھی (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يُقَامُ لَهُ فِي الْعِيدَيْنِ (مسند الإمام أحمد) [2]

[2] حديث نمبر ۲۱۰۲۹، مؤسسة الرسالة، بيروت.
فى حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عیدین کی نماز میں نہ تو اذان دی جاتی تھی، اور نہ اقامت کہی جاتی تھی (ترجمہ ختم)

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز کے لیے اذان واقامت نہیں ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

صَلَاةُ السَّفَرِ رَكْعَتَانِ، وَصَلَاةُ الْأَضْحٰى رَكْعَتَانِ، وَصَلَاةُ الْفِطْرِ

رَکْعَتَانِ ، وَصَلَاةُ الْجُمُعَةِ رَکْعَتَانِ ، تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ ، عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسنداحمد) ۳؎

۳؎ حديث نمبر ۲۵۷ ،مؤسسة الرسالة، بيروت.
فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح ، رجاله ثقات رجال الشيخين

ترجمہ: سفر کی نماز کی دو رکعتیں ہیں، اور عیدالاضحیٰ کی نماز کی دو رکعتیں ہیں، اور عیدالفطر کی نماز کی دو رکعتیں ہیں، اور جمعہ کی نماز کی دو رکعتیں ہیں، یہ پوری پوری ہیں، قصر نہیں ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک کے مطابق (ترجمہ ختم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز کی دو رکعتیں ہیں، اور یہ شریعت کی طرف سے پوری پوری دو ہی رکھی گئی ہیں، ان کو چار سے دو بنا کر قصر نہیں کیا گیا۔

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا (بخاری) ۱؎

۱؎ حديث نمبر ۹۶۴، كتاب الجمعة، باب الخطبة بعد العيد، دارطوق النجاة ، بيروت ،واللفظ لهٗ، ترمذی ،حديث نمبر ۵۳۷.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن (نمازِ عید کی) دو رکعتیں پڑھیں، نہ ان سے پہلے کوئی نماز پڑھی، اور نہ بعد میں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعِيْدِ شَيْئًا، فَإِذَا رَجَعَ إِلٰى مَنْزِلِهٖ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ (سنن ابن ماجه) ۲؎

۲؎ حديث نمبر ۱۲۹۳ ، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها،باب ما جاء فی الصلاة قبل صلاة العيد وبعدها.
(تعليق محمد فؤاد عبد الباقی)فی الزوائد إسناده صحيح ورجاله ثقات.
(حكم الألبانی)حسن.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھا کرتے

تھے، پھر جب اپنے گھر لوٹ آتے، تو دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور محمد بن علی بن حنفیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

كُنَّا فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى لَا نُصَلِّيْ فِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى نَأْتِيَ الْمُصَلّٰى ، فَإِذَا رَجَعْنَا مَرَرْنَا بِالْمَسْجِدِ فَصَلَّيْنَا فِيْهِ (مسند الشافعی) [1]

[1] حدیث نمبر ۴۸۳، کتاب العیدین والاضاحی والاستسقاء ،باب :ترک الصلاۃ قبل صلاۃ العید وبعدھا فی المصلی، شرکۃ غراس للنشر والتوزیع، الکویت، واللفظ لہٗ، معرفۃ السنن والآثار للبیھقی، حدیث نمبر ۱۹۷۳ .

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن (فجر کے بعد) مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے، یہاں تک کہ ہم عید گاہ میں آتے تھے، پھر جب ہم (عید کی نماز پڑھ کر) لوٹتے تھے، تو مسجد سے گزرتے تھے (جہاں کہ عید کی نماز نہیں پڑھی جاتی تھی) تو اس میں (نفل) نماز پڑھتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت شعبیؒ سے مروی ہے کہ:

كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ إِذَا رَجَعَ يَوْمَ الْعِيدِ، صَلّٰى فِيْ أَهْلِهِ أَرْبَعًا (مصنف ابن أبی شیبۃ) [2]

[2] حدیث نمبر ۵۸۰۲، کتاب الصلاۃ ،فِیمَنْ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْعِيدِ أَرْبَعًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب عید کے دن (عید کی نماز پڑھ کر) لوٹتے تھے، تو اپنے گھر میں چار رکعت (نفل) پڑھتے تھے (ترجمہ ختم)

ان سب احادیث وروایات سے معلوم ہو رہا ہے کہ عید کی نماز سے پہلے اور بعد میں کوئی سنت ونفل نماز نہیں ہے، البتہ عید کی نماز کے بعد گھر آ کر، یا کسی دوسری جگہ (مسجد وغیر مسجد میں) جہاں عید کی نماز نہیں پڑھی، دو یا چار نوافل پڑھنے میں حرج نہیں۔ [3]

[3] ثم إذا أراد أن یصلی بعدھا صلی أربعا، وفی "زاد الفقھاء :"إن أحب أن یصلی بعدھا صلی أربعا، إلا أن مشایخنا قالوا :المستحب أن یصلی أربعا بعد الرجوع إلی منزلہ، کیلا یظن ظان أنہ ھو السنۃ المتوارثۃ(البنایۃ شرح الھدایۃ، ج۳ص۱۰۶، وقت صلاۃ العیدین)

اس کے علاوہ کئی روایات اور آثار میں عید کی نماز سے پہلے اور بعد میں کوئی نفل وسنت نماز نہ ہونے کا ذکر ہے۔ [1]

---

[1] عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؛ أَنَّهُ خَرَجَ يَوْمَ عِيدٍ فَلَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا ، وَلاَ بَعْدَهَا ، وَذَكَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَعَلَهُ.(مصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٧٨٦،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنِ الشَّعْبِيِّ ، قَالَ :رَأَيْتُ ابْنَ أَبِي أَوْفَى ، وَابْنَ عُمَرَ ، وَجَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ ، وَشُرَيْحًا ، وَابْنَ مَعْقِلٍ ، لاَ يُصَلُّونَ قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ.(مصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٧٨٧،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنْ أَبِي بِشْرٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، قَالَ :كُنْتُ مَعَهُ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ يَوْمَ الْفِطْرِ، فَقَامَ عَطَاءٌ يُصَلِّي قَبْلَ خُرُوجِ الإِمَامِ ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ سَعِيدٌ :أَنَ اجْلِسْ ، فَجَلَسَ عَطَاءٌ .قَالَ :فَقُلْتُ لِسَعِيدٍ :عَمَّنْ هَذَا يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ ؟ فَقَالَ :عَنْ حُذَيْفَةَ وَأَصْحَابِهِ.(مصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٧٨٨،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي كَثِيرٍ ؛ أَنَّ أَبَا مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيَّ كَانَ إِذَا كَانَ يَوْمَ أَضْحَى ، أَوْ يَوْمَ فِطْرٍ طَافَ فِي الصُّفُوفِ ، فَقَالَ :لاَ صَلاَةَ إِلاَّ مَعَ الإِمَامِ.(مصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٧٨٩،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ زَهْدَمٍ الْحَنْظَلِيِّ ؛ أَنَّ أَبَا مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيَّ قَامَ فِي يَوْمِ عِيدٍ ، فَقَالَ :إِنَّهُ لاَ صَلاَةَ فِي هَذَا الْيَوْمِ حَتَّى يَخْرُجَ الإِمَامُ .(مصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٧٩٠،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؛ أَنَّهُ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ .(مصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٧٩١،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنِ الشَّعْبِيِّ ، قَالَ :كُنْتُ بَيْنَ مَسْرُوقٍ وَشُرَيْحٍ فِي يَوْمِ عِيدٍ ، فَلَمْ يُصَلِّيَا قَبْلَهَا ، وَلاَ بَعْدَهَا.(مصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٧٩٢،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنِ ابْنِ سِيرِينَ ، قَالَ :كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ .(مصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٧٩٣،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنْ إِسْمَاعِيلَ ، قَالَ :رَأَى الشَّعْبِيُّ إِنْسَانًا يُصَلِّي بَعْدَ مَا انْصَرَفَ الإِمَامُ ، فَجَبَذَهُ .(مصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٧٩٤،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنِ الضَّحَّاكِ ، قَالَ :لاَ صَلاَةَ قَبْلَهَا ، وَلاَ بَعْدَهَا .(مصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٧٩٥،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنِ الشَّعْبِيِّ ؛ أَنَّهُ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَهَا ، وَلاَ بَعْدَهَا .(مصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٧٩٦،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ ، قَالَ :لاَ صَلاَةَ قَبْلَهَا ، وَلاَ بَعْدَهَا .(مصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٧٩٧،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللهِ الأَصَمِّ ؛ أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ مَسْرُوقٍ فِي يَوْمِ عِيدٍ ، فَقُمْتُ أُصَلِّي ، فَأَخَذَ

بِثِيَابِى فَأَجْلَسَنِي ، ثُمَّ قَالَ : لاَ صَلاَةَ حَتَّى يُصَلِّيَ الإِمَامُ .(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٧٩٨،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّى قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عن عامر ، قال : كنت إلى جنب شريح فى يوم عيد ، فما رأيته صلى قبلها ولا بعدها ، قال : وأتيت المدينة فما رأيت أحدا من الفقهاء صلى قبلها ولا بعدها (أحكام العيدين للفريابى،حديث نمبر ١٦٦)

عید کی نماز کا طریقہ

عید کی نماز کا طریقہ عام نمازوں کی طرح ہی ہے، البتہ عید کی نماز میں عام نمازوں کے مقابلہ میں چھ تکبیریں زیادہ ہیں، تین پہلی رکعت میں ثناء کے بعد اور سورہ فاتحہ سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قرائت کے بعد اور رکوع سے پہلے۔

پس پہلی رکعت میں تین زائد تکبیرات قرائت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قرائت کے بعد میں ہیں، اور اس طرح دونوں رکعتوں میں قرائت پے در پے ہے، دونوں سورتوں کی قراءت کے درمیان زائد تکبیرات حائل نہیں ہیں۔

اور اگر تکبیرِ تحریمہ اور دونوں رکعتوں کی رکوع کی تکبیرات کو بھی ان چھ زائد تکبیرات کے ساتھ شمار کیا جائے، تو مجموعی طور پر نو اور تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ آٹھ تکبیرات بن جاتی ہیں۔

عید کی نماز کا مکمل طریقہ یہ ہے کہ پہلے دل میں عید الفطر کی دو رکعت چھ زائد تکبیروں کے ساتھ پڑھنے کی نیت کرے۔

پھر عام نمازوں کی طرح تکبیرِ تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے، اور ثناء (یعنی سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ الخ) پڑھے، پھر وقفہ وقفہ سے تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر ''اللہ اکبر'' کہے، پہلی اور دوسری مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہنے کے ساتھ کانوں تک ہاتھ اٹھا کر چھوڑتا رہے، اور تیسری مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہنے کے بعد ہاتھ باندھ لے، اور امام کو چاہئے کہ ہر دفعہ ''اللہ اکبر'' کہنے کے بعد کم از کم اتنی دیر ٹھہرے، جتنی دیر تین مرتبہ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم '' کہنے میں لگتی ہے، مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے ضرورت ہو تو اس سے زیادہ بھی وقفہ کیا جا سکتا ہے۔

پہلی رکعت میں تین مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہنے کے بعد امام ''اَعُوْذُ بِاللہ ''اور ''بِسْمِ اللہ'' پڑھ کر عام نمازوں کی طرح اونچی آواز سے سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کسی سورت کی قرأت کرے اور حسبِ قاعدہ رکوع اور دو سجدوں کے ساتھ پہلی رکعت مکمل کرے۔

پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہو کر حسبِ قاعدہ سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کسی سورت کی قرأت کرے، اور پھر قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے اسی طرح ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہے جیسے پہلی رکعت میں کہا تھا اور تینوں مرتبہ ہاتھ اٹھا کر چھوڑتا رہے۔

پھر چوتھی مرتبہ ہاتھ اٹھائے بغیر رکوع کی تکبیر کہتا ہوا رکوع میں جائے اور حسبِ قاعدہ رکوع اور دو سجدوں اور قعدہ کے ساتھ اور سلام پھیر کر نماز مکمل کرے۔ [1]

[1] وأما بيان كيفية أداء صلاة العيدين فنقول يصلى الإمام ركعتين فيكبر تكبيرة الافتتاح ويقول سبحانك اللهم وبحمدك إلى آخره ثم يكبر ثلاثا ثم يقرأ جهرا ثم يكبر تكبيرة الركوع فإذا قام إلى الثانية يقرأ أولا ثم يكبر ثلاثا ويركع بالرابعة فتكون التكبيرات الزوائد ستا ثلاثة في الركعة الأولى وثلاثة في الركعة الثانية وثلاثة أصليات تكبيرة الافتتاح وتكبيرات الركوع فصار حاصل الجواب عندنا أن يكبر في صلاة العيدين تسع تكبيرات ستة في الزوائد وثلاثة أصليات،ويوالى بين القراء تين فيقرأ في الركعة الأولى بعد التكبيرات وفي الثانية قبل التكبيرات،وهذا هو مذهب عبد الله بن مسعود وحذيفة بن اليمان وعقبة بن عامر الجهني وأبي موسى الأشعري وأبي هريرة وابن مسعود الأنصاري رضي الله عنهم(تحفة الفقهاء،ج ١ ص١٦٧،كتاب الصلاة،باب صلاة العيدين)

عید کی نماز میں زائد تکبیرات اور اُن کا ثبوت

عید کی نماز میں عام نمازوں کے مقابلہ میں چھ زائد تکبیرات اور تکبیرِ تحریمہ اور رکوع کی تکبیرات سمیت دونوں رکعتوں میں مجموعی طور پر نو تکبیرات کا ہونا کئی صحیح احادیث وروایات سے ثابت ہے۔

جس کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے متبعین نے اختیار کیا ہے۔ [2]

[2] قال أبو حنيفة رضي الله عنه في العيدين الفطر والأضحى سواء يكبر الإمام تسع تكبيرات في العيدين يفتتح الصلاة فيكبر اربعا بالتي يفتتح بها الصلاة ثم يقرأ ثم يكبر فيركع ثم يقوم فيقرأ ثم يكبر اربعا يركع بالرابع فيفتتح الصلاة بالتكبير ويختم الصلاة بالتكبير وهذا قول عبد الله بن مسعود رضي الله عنه(الحجة على أهل المدينة،ج ١ ص٢٩٨،باب العيدين)

اور کئی صحیح احادیث وروایات میں بارہ تکبیرات کا ذکر ہے، جس کو دوسرے فقہائے کرام نے اختیار کیا ہے۔

آج کل بعض لوگ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بیان کردہ طریقہ کو احادیث وروایات کے خلاف کہتے ہیں۔

اس لیے اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: زَیِّنُوْا أَعْیَادَکُمْ بِالتَّکْبِیْرِ (المعجم الصغیر للطبرانی) [1]

[1] حدیث نمبر ۵۹۹،المکتب الإسلامی ،بیروت، واللفظ لہٗ، المعجم الاوسط للطبرانی حدیث نمبر ۴۳۷۳.

قال الھیثمی:

رواہ الطبرانی فی الصغیر والأوسط وفیہ عمر بن راشد ضعفہ أحمد وابن معین والنسائی وقال العجلی :لا بأس بہ(مجمع الزوائد، ج۲ ۱۹۷ ،أبواب العیدین،باب التکبیر فی العیدین)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی عیدوں کو تکبیر کے ذریعہ سے مزیّن کرو (ترجمہ ختم)

اس کے عمومی مفہوم میں عید کی نماز میں اور خطبہ میں نیز عید کی نماز کے لئے جاتے آتے ہوئے کثرت سے تکبیرات کہنا سب داخل ہے۔

اور حضرت عاصم ابوعبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ:

حَدَّثَنِیْ بَعْضُ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلّٰی بِنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ عِیْدٍ، فَکَبَّرَ أَرْبَعًا، وَأَرْبَعًا، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْہِہٖ حِیْنَ انْصَرَفَ، قَالَ: لَا تَنْسَوْا، کَتَکْبِیْرِ الْجَنَائِزِ، وَأَشَارَ بِأَصَابِعِہٖ، وَقَبَضَ إِبْہَامَہٗ (شرح معانی الآثار) [2]

۲ حدیث نمبر ۷۲۷۳، کتاب الزیادات، باب صلاۃ العیدین کیف التکبیر فیھا.

ترجمہ: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابۂ کرام نے یہ حدیث بیان کی کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن نماز پڑھائی، تو (ہر رکعت میں) چار چار تکبیریں کہیں، پھر ہماری طرف اپنا چہرہ مبارک پھیر کر فرمایا کہ تم (ان تکبیروں کو) نہ بھولو، جنازہ کی تکبیر کی طرح، اور اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا، اور اپنے انگوٹھے کو بند کرلیا (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز میں تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ اور رکوع کی تکبیر سمیت ہر رکعت میں چار چار تکبیرات کہیں، جس کی مزید وضاحت اگلی روایات میں آتی ہے۔

یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن درجے سے کم نہیں ہے، اور اس کی تائید کئی دوسری روایات وآثار سے ہوتی ہے۔ ۱

---

۱ قال الطحاوی: فَهَذَا حَدِيثٌ ,حَسَنُ الْإِسْنَادِ (حوالہ بالا)

وقال الالبانی:

قلت: و هو كما قال رحمه الله تعالى، فإن القاسم هذا هو ابن عبد الرحمن الدمشقى أبو عبد الرحمن صاحب أبى أمامة، و هو صدوق حسن الحديث. و الوضين بن عطاء، أورده ابن أبى حاتم برواية جمع من الثقات عنه، و روى عن ابن معين أنه قال فيه: "لا بأس به." وعن أحمد: "ثقة ليس به بأس." وعن أبى حاتم: "نعرف و ننكر."

قلت: فمثله لا ينزل حديثه عن مرتبة الحسن. و سكت عنه البخارى فى "التاريخ الكبير"، و من دونه ثقتان مشهوران من رجال البخارى. فالحديث شاهد قوى بهذا الإسناد لما أخرجه أبو داود و غيره بإسناد حسن عن أبى عائشة جليس لأبى هريرة: أن سعيد بن العاص سأل أبا موسى الأشعرى و حذيفة بن اليمان: كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبر فى الأضحى و الفطر؟ فقال أبو موسى: كان يكبر أربعا تكبيره على الجنائز. فقال حذيفة: صدق. فقال أبو موسى: كذلك كنت أكبر فى البصرة حيث كنت عليهم. فقال أبو عائشة: و أنا حاضر سعيد بن العاص. لكن أبو عائشة هذا غير معروف كما قال الذهبى، و قال الحافظ: "مقبول." يعنى عند المتابعة. و على هذا ينبغى أن يكون هذا الحديث مقبولا عند الحافظ، لأنه قد تابعه القاسم أبو عبد الرحمن فى رواية الطحاوى، و هو و إن لم يسم الصحابى فإنه لا يضر عند أهل السنة، لأن الصحابة كلهم عدول مع احتمال أن يكون هو أبا موسى الذى فى

هـذه الطريق الأخرى ، ثم كيف لا يكون الحديث مقبولا و هو حسن الإسناد من الرواية الأولى .و هي في الحقيقة رواية عزيزة جيدة ، مما حفظه لنا الإمام الطحاوى رحمه الله ، و لست أدرى لم لم يتعرض لها بذكر كل الذين أخرجوه من الطريق الأخرى من الذين تـكـلـموا عليه بالتضعيف كالنووى و العسقلاني ،بل و الزيلعي ، هو أحوج ما يكون إليه لدعم مذهبه الحنفي !و قـد استـدركه عليه المحشى الفاضل ، و نقل عن الحافظ في " الفتح "أنه قال " :إسناده قوى . "و لم أقف عليه الآن في مظانه من "الفتح . "و الله أعلم .و يزداد قوة بما رواه عبد الرزاق (٥٦٨٦)عن الثورى عن أبي إسحاق عن علقمة و الأسود بن يزيد :أن ابن مسعود كان يكبر في العيدين تسعا ، تسعا ، أربعا قبل القراء ة ثـم كبر فركع ، و في الثانية يقرأ فإذا فرغ كبر أربعا ثم ركع .و إسناده صحيح كما قال ابن حزم و غيره .و أخـرجه ابن أبي شيبة(١٧٣/٢)و الطحاوى في "شـرح المعاني " (٣٤٨/٤)عـن سـفيـان عـن أبـي إسـحـاق عـن عبد الله بن أبي موسى ، و عن حماد عن إبراهيم :أن أميـرا من أمراء الكوفة -قـال سفيان :أحـدهـمـا سعيد بن العاصي ، و قال الآخر :الوليد بن عقبة -بـعـث إلى عبد الله بن مسعود و حذيفة بن اليمان و عبد الله بن قيس (يـعنى أبا موسى) فقال :إن هـذا الـعيد قد حضر فما ترون ؟ فأسندوا أمرهم إلى عبد الله ، فقال :يكبر تسعا :تـكبيرة يفتتح بها الصلاة ، ثم يكبر ثلاثا ، ثم يقرأ سورة ، ثم يكبر ، ثم يركع .ثم يقوم فيقرأ سورة ، ثم يكبر أربعا يركع بإحداهن .و هو من طريق عبـد الـلـه بـن أبي موسى صحيح ، و هو حمصى مخضرم ثقة .وكـذلـك هو من طريق إبـراهـيـم ، و هـو ابـن يـزيـد الـنـخـعـي ، و هـو و إن كـان لم يسمع من ابن مسعود فمن المعروف من ترجمته أن ما أرسله عنه فهو صحيح .و رواه الطحاوى من طريق زهير بن مـعـاوية عـن أبـي إسـحـاق عن إبراهيم بن عبد الله بن قيس عن أبيه أن سعيد بن العاص دعاهم يوم عيد ..الحديث نحوه ، فأدخل بين أبي إسحاق و عبد الله بن قيس -إبراهيم بـن عبد الله هذا ، و من الظاهر أنه ابن عبد الله بن أبي موسى الذى في الإسناد الذى قبله ، فإنه يقال :عبـد الـله بن أبي موسى ، و عبد الله بن قيس ، و عبد الله بن أبي قيس كما في "التقريب "، فإن كان كذلك فإني لم أعرف إبراهيم هذا .و من طبقته إبراهيم بن أبـي مـوسى الأشعرى وثقه العجلي ، فيحتمل على بعد أنه هو .و الله أعلم .و له طريق أخـرى عند ابن أبي شيبة (١٧٤/٢)و البيهقي(٢٩١/٣)عن معبد بن خالد عن كردوس قال :قـدم سـعـيـد بـن الـعـاص قبـل الأضـحـى فأرسل إلى عبد الله بن مسعود و إلى أبي مـوسـى و إلى أبي مسعود الأنصارى ،فسألهم عن التكبير ؟ قال :فـقذفوا بالمقاليد إلى عبد الله ، فقال عبد الله :تـقوم فتكبر أربع تكبيرات ثم تقرأ ، ثم تركع في الخامسة ، ثم تـقوم فتقرأ ثم تكبر أربع تكبيرات ، فتركع بالرابعة .و إسناده صحيح إلى كردوس ، و أمـا هـذا ، فقد وثقه ابن حبان(٢٢٨/٣)و روى عنه جمع من الثقات كما في "الجرح و التعديل "(١٧٥/٧)و "التهذيب "لكن اختلفوا في اسم أبيه ، و هل هو واحد أو أكثر ،فـمثله إن لم يحتج به ، فلا أقل من أن يستشهد به ، و قد أشار إلى هذا الحافظ بقوله في "التهذيب "ث " :مقبول . "و يشهد له ما روى عبد الله بن الحارث قال :صلى بنا

ابـن عبـاس يوم عيد فكبر تسع تكبيرات ، خمسا في الأولى ، و أربعا في الأخرى ، والى بين القراء تين . "أخرجه ابن أبي شيبة .و إسناده صحيح على شرط الشيخين ، و عبد اللـه بـن الـحـارث هـو الأنصارى أبو الوليد البصرى نسيب ابن سيرين و ختنه .قلت : فهذه آثار كثيرة قوية تشهد لحديث الترجمة ، و هي و إن كانت موقوفة ، فهي في حكم المرفوع ، لأنه يبعد عادة أن يتفق جماعة منهم على مثله دون توقيف ، و لو جاء مثله غير مـرفـوع لـكـان حجة ، فكيف و قد جاء مرفوعا من وجهين أحدهما حديث الترجمة ، و الآخـر شـاهـده المذكور عن أبي عائشة ، و أما إعلال البيهقي إياه بمخالفته للذين رووه عـن ابـن مسـعـود موقوفا ، فكان يمكن الاعتداد به ، لولا الطريق الأولى ، و هي مما فات البيهقي فلم يتعرض لها بذكر ، و لهذا قال عقب أثر كردوس المتقدم و غيره " :و هذا رأى مـن جهة عبـد الـلـه رضي الله عنه ، و الحديث المسند مع ما عليه عمل المسلمين أولى . "و قـد تعقبه ابن التركماني بقوله " :قلت :هذا لا يثبت بالرأى .قال أبو عمر في "التمهيد : "مثل هـذا لا يكون رأيا ، و لا يكون إلا توقيفا ، لأنه لا فرق بين سبع و أقـل و أكثـر من جهة الرأى و القياس ، و قال ابن رشد في "القواعد : "معلوم أن فعل الـصحابة في ذلک توقيف ، إذ لا يدخل القياس في ذلک ، و قد وافق ابن مسعود على ذلک جـمـاعة مـن الصحابة و التابعين ، أما الصحابة فقد قدمنا ذكرهم ، و أما التابعون فقد ذكرهم ابن أبي شيبة في (مصنفه) (سلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ۲۹۹۷)

اور حضرت مکحول سے روایت ہے کہ:

أَخْبَـرَنِيْ أَبُوْ عَائِشَةَ، جَلِيْسٌ لِأَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ سَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ، سَأَلَ أَبَـا مُـوْسَـى الْأَشْـعَـرِيَّ، وَحُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ، كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَـلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الْأَضْحٰى وَالْفِطْرِ؟ فَقَالَ أَبُوْ مُوْسٰى : كَـانَ يُـكَبِّـرُ أَرْبَعًا تَكْبِيْرَهُ عَلَى الْجَنَائِزِ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ :صَدَقَ، فَقَالَ أَبُوْ مُوْسٰى : كَـذٰلِكَ كُـنْـتُ أُكَبِّرُ فِي الْبَصْرَةِ، حَيْثُ كُنْتُ عَلَيْهِمْ، وَقَالَ أَبُوْ عَائِشَةَ: وَأَنَا حَاضِرٌ سَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ (ابوداؤد) [1]

[1] حديث نمبر ۱۱۵۳، كتاب الصلاة، باب التكبير في العيدين، المكتبة العصرية، بيروت.
(حكم الألباني): حسن صحيح.

أخـرجـه أبـو داود و غيره بإسناد حسن عن أبي عائشة جليس لأبي هريرة :أن سعيد بن الـعـاص سأل أبا موسى الأشعري و حذيفة بن اليمان :كيف كـان رسول الله صلى الله عـليـه وسـلم يكبر في الأضحى و الفطر ؟ فقال أبو موسى :كـان يكبر أربعا تكبيره على الجنائز .فقال حذيفة :صدق .
فقال أبو موسى :كـذلک كنت أكبر في البصرة حيث كنت عليهم .فقال أبو عائشة :

و أنا حاضر سعيد بن العاص .لكن أبو عائشة هذا غير معروف كما قال الذهبى ، و قال الحافظ " :مقبول . " يعنى عند المتابعة .و على هذا ينبغى أن يكون هذا الحديث مقبولا عند الحافظ ، لأنه قد تابعه القاسم أبو عبد الرحمن فى رواية الطحاوى ، و هو و إن لم يسم الصحابى فإنه لا يضر عند أهل السنة ، لأن الصحابة كلهم عدول مع احتمال أن يكون هو أبا موسى الذى فى هذه الطريق الأخرى ، ثم كيف لا يكون الحديث مقبولا و هو حسن الإسناد من الرواية الأولى .و هى فى الحقيقة رواية عزيزة جيدة ، مما حفظه لنا الإمام الطحاوى رحمه الله ، و لست أدرى لم لم يتعرض لها بذكر كل الذين أخرجوه من الطريق الأخرى من الذين تكلموا عليه بالتضعيف كالنووى و العسقلانى ،بل و الزيلعى ، هو أحوج ما يكون إليه لدعم مذهبه الحنفى !و قد استدركه عليه المحشى الفاضل ، و نقل عن الحافظ فى "الفتح "أنه قال " :إسناده قوى . "و لم أقف عليه الآن فى مظانه من "الفتح . "و الله أعلم .(سلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ٢٩٩٧)

ترجمہ: مجھے حضرت ابوعائشہ نے خبر دی، جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہم نشین تھے، کہ حضرت سعید بن عاص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کس طرح تکبیر کہتے تھے؟ تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چار تکبیریں کہتے تھے، جس طرح جنازہ پر (چار) تکبیریں کہی جاتی ہیں، تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سچ فرمایا، پھر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بصرہ میں اسی طرح تکبیر کہتا تھا، جب میں بصرہ کے لوگوں کے ساتھ تھا، اور ابوعائشہ نے فرمایا کہ میں سعید بن عاص کے ساتھ (اس وقت) موجود تھا (ترجمہ ختم)

اور مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ سَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ دَعَا أَبَا مُوْسَى الْأَشْعَرِيَّ، وَحُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَ فَقَالَ : كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى ؟ فَقَالَ : أَبُوْ مُوْسٰى كَانَ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا، تَكْبِيْرَهٗ عَلَى الْجَنَائِزِ وَصَدَّقَهٗ حُذَيْفَةُ فَقَالَ أَبُوْ عَائِشَةَ : فَمَا نَسِيْتُ

بَعْدُ قَوْلَهُ تَكْبِيرَهُ عَلَى الْجَنَائِزِ، وَ أَبُوْ عَائِشَةَ حَاضِرٌ سَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ

(مسند احمد، حديث نمبر ۱۹۷۳۴، مؤسسة الرسالة، بيروت)

ترجمہ: حضرت سعید بن عاص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کو بلایا، اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں کس طرح تکبیر کہتے تھے؟ تو حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا کہ چار تکبیرات کہتے تھے، جس طرح جنازہ پر (چار) تکبیریں کہی جاتی ہیں، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے تصدیق فرمائی، پھر حضرت ابو عائشہ نے فرمایا کہ میں حضرت ابوموسیٰ کی اس بات کو آج تک نہیں بھولا کہ جس طرح جنازہ پر (چار) تکبیریں کہی جاتی ہیں، اور حضرت ابو عائشہ، سعید بن عاص کے پاس موجود تھے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ ایک رکعت میں چار تکبیرات کہتے تھے، جن میں سے ایک تو عام نماز والی تکبیر ہوتی تھی، اور تین تکبیرات زائد ہوتی تھیں۔ [1]

[1] (يكبر فى الأضحى والفطر) :أى فى صلاتهما(كان)النبى صلى الله عليه وسلم (يكبر) :أى فى كل ركعة(أربعا) :أى متوالية .والمعنى مع تكبيرة الإحرام فى الركعة الأولى ومع تكبيرة الركوع فى الثانية(تكبيره) :أى مثل عدد تكبيره(على الجنائز) :صلاة الجنائز(صدق) :أبو موسى (حيث كنت عليهم) :أى أميرا(وأنا حاضر) :وقت هذه المكالمة والحديث استدل به الحنفية وقالوا :يصلى الإمام بالناس ركعتين يكبر فى الأولى للافتتاح وثلاثا بعدها ثم يقرأ الفاتحة وسورة ويكبر تكبيرة يركع بها ثم يبتدى فى الركعة الثانية بالقراء ة ثم يكبر ثلاثا بعدها ويكبر رابعة يركع بها ، وهذا قول ابن مسعود وهو قولنا كذا فى الهداية(عون المعبود، ج۴ص۷،باب التكبير فى العيدين)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نمازِ عید پڑھانے کے واقعہ میں اس کی مزید تفصیل ہے، چنانچہ حضرت ابو کنانہ قرشی سے مروی ہے کہ:

لَـمَّا كَانَ يَوْمُ الْفِطْرِ خَرَجْنَا مَعَ أَبِيْ مُوسٰى الْأَشْعَرِيِّ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ، ثُـمَّ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَكَبَّرَ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ، وَلَا يَتْبَعُ بَعْضُهَا بَعْضًا، ثُمَّ

قَرَأَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰی ثُمَّ کَبَّرَ الْخَامِسَةَ، ثُمَّ رَكَعَ، ثُمَّ قَامَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ فَقَرَأَ : فَاتِحَةَ الْكِتَابِ، وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ثُمَّ كَبَّرَ ثَلَاثًا، ثُمَّ كَبَّرَ الرَّابِعَةَ وَرَكَعَ (احكام العيدين للفريابى) [1]

[1] ص١٩٧، باب القرائة فى صلاة العيد،مكتبة العلوم والحكم -المدينة المنورة.

ترجمہ: جب عید الفطر کا دن ہوا، تو ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ (عید کی نماز کے لیے) نکلے، پھر ہم نے آپ کے پیچھے صف بنائی، پھر انہوں نے قبلہ کی طرف رخ کیا، پھر (تکبیرِ تحریمہ سمیت) چار تکبیرات کہیں، اور انہوں نے وہ تکبیرات ایک دوسرے کے بعد (جلدی جلدی) نہیں کہیں، پھر "سبح اسم ربک الاعلیٰ" کی قرائت کی، پھر پانچویں تکبیر کہہ کر رکوع کیا، پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہوئے، پھر سورہ فاتحہ کی قرائت کی، اور "قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد" پڑھیں، پھر تین تکبیرات کہیں، پھر چوتھی تکبیر کہی اور (اس کے ساتھ) رکوع کیا (ترجمہ ختم)

یہ روایت پہلی روایات کے ساتھ مل کر حسن درجے میں داخل ہے۔ [2]

[2] اور بعض حضرات کے ابوکنانہ قرشی کو مجہول قرار دینے کی وجہ سے اس حدیث کو حسن لغیرہ سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ ابنِ حجر وغیرہ نے ابوکنانہ قرشی کی بعض روایات کو دوسرے مؤیدات کی وجہ سے حسن قرار دیا ہے۔ محمد رضوان۔

حديث روى أنه صلى الله عليه و سلم قال إن الله لا يرد دعوة ذى الشيبة المسلم هذا الحديث ذكر الغزالى فى الوسيط والإمام فى النهاية ولا أدرى من خرجه وعند أبى داود من حديث أبى موسى الأشعرى إن من إجلال الله إكرام ذى الشيبة المسلم وإسناده حسن(تلخيص الحبير لابنِ حجر، تحت حديث رقم ٦٢٧)

اور حضرت مکحول سے روایت ہے کہ:

أَخْبَرَنِي مَنْ شَهِدَ سَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ أَرْسَلَ إِلٰى أَرْبَعَةِ نَفَرٍ مِّنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ فَسَأَلَهُمْ عَنِ التَّكْبِيْرِ فِي الْعِيْدِ ؟ فَقَالُوْا ثَمَانُ تَكْبِيْرَاتٍ ، قَالَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِابْنِ سِيْرِيْنَ، فَقَالَ : صَدَقَ، وَلٰكِنَّهُ أَغْفَلَ تَكْبِيْرَةَ فَاتِحَةِ الصَّلَاةِ (مصنف ابن أبى شيبة) [1]

۱؎ حدیث نمبر ۵۷۴۵، کتاب الصلاۃ ، فِی التَّکْبِیرِ فِی الْعِیدَیْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِیهِ.

ترجمہ: مجھے اس شخص نے خبر دی، جو سعید بن عاص کے پاس حاضر ہوئے کہ انہوں نے بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے چار (جلیل القدر) صحابۂ کرام کی طرف عید کی تکبیرات کے بارے میں سوال بھیجا، تو انہوں نے فرمایا کہ آٹھ تکبیرات ہیں، حضرت مکحول کہتے ہیں کہ میں نے اس کا ابنِ سیرین سے ذکر کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ سچ فرمایا، لیکن نماز شروع کرنے والی تکبیر کے ذکر سے انہوں نے غفلت کی (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ رکوع کی تکبیر سمیت دونوں رکعتوں میں چار چار اور مجموعی طور پر آٹھ تکبیرات ہیں، ایک ایک تکبیر تو دونوں رکعتوں میں رکوع کی ہے، اور باقی تکبیرات عید کی نماز کی ہیں، اور حضرت ابنِ سیرین کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں ایک تکبیر تحریمہ کی بھی ہے، جو نماز شروع کرنے کے لئے کہی جاتی ہے، جس کو راوی نے ذکر نہیں کیا، اور اس طرح یہ تمام تکبیرات ملا کر مجموعی طور پر نو بن جاتی ہیں۔

اور حضرت علقمہ اور حضرت اسود بن یزید رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ جَالِسًا وَعِنْدَهُ حُذَيْفَةُ وَأَبُوْ مُوسٰى الْأَشْعَرِيُّ، فَسَأَلَهُمَا سَعِيْدُ بْنُ الْعَاصِ عَنِ التَّكْبِيرِ فِي الصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى فَجَعَلَ هٰذَا يَقُوْلُ سَلْ هٰذَا، وَهٰذَا يَقُوْلُ : سَلْ هٰذَا، فَقَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ : سَلْ هٰذَا ـ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ـ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ : يُكَبِّرُ أَرْبَعًا ثُمَّ يَقْرَأُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ فَيَرْكَعُ، ثُمَّ يَقُوْمُ فِي الثَّانِيَةِ فَيَقْرَأُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا بَعْدَ الْقِرَاءَةِ (مصنف عبد الرزاق) ۲؎

۲؎ حدیث نمبر ۵۶۸۷، کتاب صلاۃ العیدین، باب التکبیر فی الصلاۃ یوم العید، المکتب الاسلامی، بیروت، واللفظ لہٗ، المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر ۹۵۱۶.
و إسناده صحيح كما قال ابن حزم و غيره (سلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ۲۹۹۷)

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، اور آپ کے پاس

حضرت حذیفہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری بھی تشریف فرماتھے، تو ان دونوں حضرات سے حضرت سعید بن عاص نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کی تکبیر کے بارے میں سوال کیا، تو یہ (یعنی حضرت حذیفہ) کہنے لگے کہ ان (یعنی حضرت ابوموسیٰ) سے معلوم کیجئے، اور یہ (یعنی حضرت ابوموسیٰ) کہنے لگے کہ ان (یعنی حضرت حذیفہ) سے معلوم کیجئے، تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیجئے، تو حضرت سعید بن عاص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، تو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (تکبیرِ تحریمہ سمیت) چار تکبیر کہہ کر قرأت کرے، پھر (پانچویں) تکبیر کہہ کر رکوع کرے، پھر دوسری رکعت میں کھڑا ہو، پھر قرأت کرے، پھر قرأت کے بعد (رکوع کی تکبیر سمیت) چار تکبیرات کہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت کردوس سے روایت ہے کہ:

أَرْسَلَ الْوَلِيْدُ إِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، وَحُذَيْفَةَ، وَأَبِىْ مَسْعُوْدٍ، وَأَبِىْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ بَعْدَ الْعَتَمَةِ فَقَالَ: إِنَّ هٰذَا عِيْدُ الْمُسْلِمِيْنَ فَكَيْفَ الصَّلَاةُ؟ فَقَالُوْا: سَلْ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ: يَقُوْمُ فَيُكَبِّرُ أَرْبَعًا، ثُمَّ يَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَسُوْرَةٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ، ثُمَّ يُكَبِّرُ، وَيَرْكَعُ فَتِلْكَ خَمْسٌ، ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَسُوْرَةٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ، ثُمَّ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا يَرْكَعُ فِيْ آخِرِهِنَّ فَتِلْكَ تِسْعٌ فِي الْعِيْدَيْنِ، فَمَا أَنْكَرَهُ وَاحِدٌ مِّنْهُمْ (المعجم الكبير للطبرانی) [1]

[1] حديث نمبر ۹۵۱۴، مكتبة ابنِ تيمية، القاهرة.

قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير ورجاله موثقون (مجمع الزوائد، ج۲ ص ۲۰۴)

ترجمہ: ولید (بن عقبہ) نے حضرت عبداللہ بن مسعود، اور حضرت حذیفہ اور

حضرت ابومسعود، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کی طرف عشاء کی نماز کے بعد پیغام بھیجا کہ یہ مسلمانوں کی عید کا موقع ہے، تو (عید کی) نماز کس طرح پڑھی جائے گی؟ تو ان سب نے کہا کہ آپ حضرت ابوعبدالرحمٰن (یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے معلوم کیجئے، تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے معلوم کیا، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (تکبیرِ تحریمہ سمیت) چار تکبیرات کہے، پھر سورہ فاتحہ کی قرائت کرے، اور کوئی لمبی سورت پڑھے، پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے، تو یہ (تکبیرِ تحریمہ اور رکوع کی تکبیر سمیت) پانچ تکبیرات ہیں، پھر (پہلی رکعت مکمل کر کے) کھڑا ہو، پھر سورہ فاتحہ اور کسی لمبی سورت کی قرائت کرے، پھر چار تکبیرات کہے، اور ان تکبیرات میں سے آخری تکبیر کے ساتھ رکوع کرے، پس یہ عیدین کی مجموعی طور پر نو تکبیرات ہیں۔

تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس بات کا کسی نے انکار نہیں کیا (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بتلائے طریقہ پر مذکورہ تمام جلیل القدر صحابۂ کرام نے اتفاق کیا۔

اور حضرت کردوس کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : يَقُوْمُ فَيُكَبِّرُ ، ثُمَّ يُكَبِّرُ ، ثُمَّ يُكَبِّرُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ فَيَقْرَأُ ، ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ ، وَيَقُوْمُ فَيَقْرَأُ ، ثُمَّ يُكَبِّرُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ الرَّابِعَةَ، ثُمَّ يَرْكَعُ (مصنف ابن أبی شیبة) [1]

[1] حديث نمبر ۵۷۵۵، كتاب الصلاة، فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلَافِهِمْ فِيهِ.

ترجمہ: تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کھڑا ہوگا، پھر

تکبیر (تحریمہ) کہے گا، پھر (دوسری) تکبیر کہے گا، پھر (تیسری) تکبیر کہے گا، پھر (چوتھی) تکبیر کہے گا، پھر قرائت کرے گا، پھر تکبیر کہے گا، اور (اس تکبیر کے ساتھ) رکوع کرے گا اور (رکعت مکمل کرکے) کھڑا ہوگا، پھر قرائت کرے گا، پھر (پہلی) تکبیر کہے گا، پھر (دوسری) تکبیر کہے گا، پھر (تیسری) تکبیر کہے گا، پھر چوتھی تکبیر کہے گا، اور (اس تکبیر کے ساتھ) رکوع کرے گا (ترجمہ ختم)

اور حضرت کردوس، حضرت ابنِ عباس سے روایت کرتے ہیں کہ:

لَمَّا كَانَ لَيْلَةَ الْعِيْدِ أَرْسَلَ الْوَلِيْدُ بْنُ عُقْبَةَ إِلٰى ابْنِ مَسْعُوْدٍ ، وَأَبِيْ مَسْعُوْدٍ ، وَحُذَيْفَةَ، وَأَبِيْ مُوْسٰى الْأَشْعَرِيِّ ، فَقَالَ لَهُمْ : إِنَّ الْعِيْدَ غَدًا، فَكَيْفَ التَّكْبِيْرُ ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : تَقُوْمُ فَتُكَبِّرُ أَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ، وَتَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ لَيْسَ مِنْ طِوَالِهَا، وَلَا مِنْ قِصَارِهَا، ثُمَّ تَرْكَعُ، ثُمَّ تَقُوْمُ فَتَقْرَأُ، فَإِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ كَبَّرْتَ أَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ، ثُمَّ تَرْكَعُ بِالرَّابِعَةِ (مصنف ابن أبی شيبة) [1]

---

[1] حدیث نمبر ۵۷۵۴، کتاب الصلاة، فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلَافِهِمْ فِيهِ.

ترجمہ: جب عید الفطر کی رات ہوئی، تو ولید بن عقبہ نے حضرت ابنِ مسعود، اور حضرت ابو مسعود، اور حضرت حذیفہ، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کی طرف پیغام بھیجا کہ صبح عید ہے، تو (عید کی نماز میں) کس طرح تکبیر کہی جائیں؟ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کھڑے ہوں، پھر (تکبیرِ تحریمہ سمیت) چار تکبیرات کہیں، اور سورہ فاتحہ اور کسی بڑی سورت کی قرائت کریں، نہ زیادہ لمبی ہو اور نہ زیادہ چھوٹی، پھر آپ رکوع کریں (اور پہلی رکعت مکمل کریں) پھر آپ (دوسری رکعت کے لیے) کھڑے ہوں، پھر قرائت کریں، پھر جب (سورہ فاتحہ اور اس کے بعد سورت کی) قرائت سے فارغ

ہو جائیں، تو چار تکبیریں کہیں، پھر چوتھی تکبیر پر رکوع کریں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابراہیم نخعی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فَقَالَ :تُكَبِّرُ تِسْعًا تَكْبِيرَةٍ تَفْتَتِحُ بِهَا الصَّلاةَ، ثُمَّ تُكَبِّرُ ثَلاثًا، ثُمَّ تَقْرَأُ سُورَةً، ثُمَّ تُكَبِّرُ، ثُمَّ تَرْكَعُ، ثُمَّ تَقُومُ فَتَقْرَأُ سُورَةً، ثُمَّ تُكَبِّرُأَرْبَعًا، تَرْكَعُ بِإِحْدَاهُنَّ (مصنف ابن أبی شيبة) [1]

[1] كتاب الصلاة،حديث نمبر ۵۷۴۸،فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ.

و هو من طريق عبد الله بن أبی موسی صحيح ، و هو حمصی مخضرم ثقة .وكذلک هو من طريق إبراهيم ، و هو ابن يزيد النخعی ، و هو و إن كان لم يسمع من ابن مسعود فمن المعروف من ترجمته أن ما أرسله عنه فهو صحيح (سلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ۲۹۹۷)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نو تکبیریں کہیں، (جن میں سے) ایک تکبیر کے ساتھ آپ نماز کو شروع کریں، پھر (آگے پیچھے) تین تکبیریں کہیں، پھر (سورہ فاتحہ اور کسی) سورت کی قرائت کریں، پھر تکبیر کہہ کر رکوع کریں، پھر آپ (پہلی رکعت مکمل کر کے دوسری رکعت کے لئے) کھڑے ہوں، پھر (سورہ فاتحہ اور کسی) سورت کی قرائت کریں، پھر چار تکبیرات کہیں، ان میں سے ایک (یعنی آخری) تکبیر کے ساتھ رکوع کریں (ترجمہ ختم)

اور حضرت مسروق سے روایت ہے کہ:

كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُعَلِّمُنَا التَّكْبِيرَ فِي الْعِيدَيْنِ تِسْعَ تَكْبِيرَاتٍ؛ خَمْسٌ فِي الْأُولٰى ، وَأَرْبَعٌ فِي الْآخِرَةِ ، وَيُوَالِي بَيْنَ الْقِرَاءَتَيْنِ(مصنف ابن أبی شيبة) [2]

[2] حديث نمبر ۵۷۴۶، كتاب الصلاة،فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں عیدین کی نماز میں نو تکبیروں کی تعلیم دیتے تھے، پانچ پہلی رکعت میں (تکبیرِ تحریمہ اور رکوع کی تکبیر سمیت) اور چار دوسری رکعت میں (رکوع کی تکبیر سمیت) اور دونوں رکعتوں میں قرائت پے در پے کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

پے درپے قرائت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں رکعتوں کی قرائت کے درمیان زائد تکبیرات نہیں ہوتی تھیں، اور وہ اس طرح کہ پہلی رکعت میں زائد تکبیرات قرائت سے پہلے ہوتی تھیں، اور دوسری رکعت میں قرائت کے بعد ہوتی تھیں۔

اور حضرت ابراہیم اور حضرت شعبی سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى تِسْعًا تِسْعًا؛ خَمْسًا فِي الْأُولٰى، وَأَرْبَعًا فِي الْآخِرَةِ، وَيُوَالِي بَيْنَ الْقِرَاءَ تَيْنِ (مصنف ابن أبی شیبة) [1]

[1] حدیث نمبر ۵۷۴۷، کتاب الصلاۃ، فِی التَّکْبِیرِ فِی الْعِیدَیْنِ وَاخْتِلَافِهِمْ فِیهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں نو نو تکبیرات کہتے تھے، پانچ پہلی رکعت میں (تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر سمیت) اور چار دوسری رکعت میں (رکوع کی تکبیر سمیت) اور دونوں رکعتوں کی قرائتیں پے درپے کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عامر شعبی سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُمَرَ وَعَبْدَ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اجْتَمَعَ رَأْيُهُمَا فِي تَكْبِيرِ الْعِيدَيْنِ عَلٰى تِسْعِ تَكْبِيرَاتٍ خَمْسٌ فِي الْأُولٰى وَأَرْبَعٌ فِي الْآخِرَةِ وَيُوَالِي بَيْنَ الْقِرَاءَ تَيْنِ (شرح معانی الآثار) [2]

[2] حدیث نمبر ۷۲۷۸، کتاب صلاۃ العیدین، باب صلاۃ العیدین کیف التکبیر فیها.

ترجمہ: حضرت عمر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما کی آراء عیدین کی تکبیرات کے بارے میں نو تکبیروں پر جمع ہوگئیں، پانچ تکبیریں پہلی رکعت میں، اور چار دوسری رکعت میں، اور دونوں رکعتوں کی قرائتوں کو پے درپے کرنے میں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن حارث فرماتے ہیں کہ:

صَلّٰى بِنَا ابْنُ عَبَّاسٍ يَوْمَ عِيدٍ، فَكَبَّرَ تِسْعَ تَكْبِيرَاتٍ؛ خَمْسًا فِي الْأُولٰى، وَأَرْبَعًا فِي الْآخِرَةِ، وَوَالٰى بَيْنَ الْقِرَاءَ تَيْنِ (مصنف ابن أبی شیبة) [1]

۱؎ حديث نمبر ۵۷۵۷، كتاب الصلاة،فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ.
أخرجه ابن أبي شيبة .و إسناده صحيح على شرط الشيخين ، و عبد الله بن الحارث هو الأنصارى أبو الوليد البصرى نسيب ابن سيرين و ختنه (سلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ۲۹۹۷)

ترجمہ: ہمیں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے عید کی نماز پڑھائی، اور نو تکبیرات کہیں، پانچ پہلی رکعت میں (تکبیرِ تحریمہ اور رکوع کی تکبیر سمیت) اور چار دوسری رکعت میں (رکوع کی تکبیر سمیت) اور دونوں رکعتوں کی قرائتیں پے در پے کیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن حارث کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

شَهِدْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ كَبَّرَ فِيْ صَلَاةِ الْعِيْدِ بِالْبَصْرَةِ تِسْعَ تَكْبِيْرَاتٍ، وَالٰى بَيْنَ الْقِرَاءَتَيْنِ قَالَ : وَشَهِدْتُ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ فَعَلَ ذٰلِكَ أَيْضًا . فَسَأَلْتُ خَالِدًا كَيْفَ فَعَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ؟ فَفَسَّرَ لَنَا كَمَا صَنَعَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فِي حَدِيْثِ مَعْمَرٍ وَالثَّوْرِيِّ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ سَوَاءً (مصنف عبد الرزاق) ۲؎

۲؎ حديث نمبر ۵۶۸۹، كتاب صلاة العيدين، باب التكبير فى الصلاة يوم العيد، المكتب الاسلامى، بيروت.

ترجمہ: میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا، انہوں نے بصرہ میں عید کی نماز میں (مجموعی طور پر) نو تکبیرات کہیں، اور دونوں رکعتوں کی قرائتیں پے در پے کیں، اور میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھی حاضر ہوا، انہوں نے بھی اسی طرح سے کیا، پھر میں نے حضرت خالد سے سوال کیا کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے یہ تکبیرات کس طرح کہیں؟ تو انہوں نے ہمارے سامنے اسی طرح کی تفسیر بیان کی، جس طرح ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت معمر اور ثوری کی حضرت ابواسحاق سے مروی روایات میں بیان کی (ترجمہ ختم)

اور حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، وَسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، قَالَا تِسْعُ تَكْبِيْرَاتٍ،

وَيُوَالِي بَيْنَ الْقِرَاءَ تَيْنِ (مصنف ابن أبي شيبة) ؎١

؎١ حديث نمبر ٥٧٥٦، كتاب الصلاة، فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلَافِهِمْ فِيهِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ (عید کی نماز میں) نو تکبیرات ہیں، اور دونوں رکعتوں کی قرائتیں پے در پے ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَنَسٍ؛ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْعِيدِ تِسْعًا فَذَكَرَ مِثْلَ حَدِيثِ عَبْدِ اللّٰهِ

(مصنف ابن أبي شيبة) ؎٢

؎٢ حديث نمبر ٥٧٦٠، كتاب الصلاة ،فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلَافِهِمْ فِيهِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ عید کی نماز میں (مجموعی طور پر) نو تکبیریں کہتے تھے، پھر انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرح ذکر فرمایا (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ : تِسْعُ تَكْبِيرَاتٍ خَمْسٌ فِي الْأُولٰى وَأَرْبَعٌ فِي الْآخِيرَةِ مَعَ تَكْبِيرَةِ الصَّلَاةِ (شرح معاني الآثار) ؎٣

؎٣ حديث نمبر ٧٢٨٨، كتاب صلاة العيدين،باب صلاة العيدين كيف التكبير فيها.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (عید کی نماز میں) نو تکبیرات ہیں، پانچ پہلی رکعت میں، اور چار دوسری رکعت میں، نماز (یعنی تکبیرِ تحریمہ اور رکوع) کی تکبیر سمیت (ترجمہ ختم)

متعدد جلیل القدر صحابۂ کرام کی یہ روایات مرفوع احادیث کا درجہ رکھتی ہیں، کیونکہ ان کے یہ اقوال وافعال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو دیکھنے پر ہی مبنی ہیں، خاص طور پر جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث بھی ان کے مطابق ہے۔ ؎١

؎١ قلت :فهذه آثار كثيرة قوية تشهد لحديث الترجمة ، و هي و إن كانت موقوفة ، فهي في حكم

المرفوع ، لأنه يبعد عادة أن يتفق جماعة منهم على مثله دون توقيف ، و لو جاء مثله غير مرفوع لكان حجة ، فكيف و قد جاء مرفوعا من وجهين أحدهما حديث الترجمة ، و الآخر شاهده المذكور عن أبي عائشة ، و أما إعلال البيهقي إياه بمخالفته للذين رووه عن ابن مسعود موقوفا ، فكان يمكن الاعتداد به ، لولا الطريق الأولى ، و هي مما فات البيهقي فلم يتعرض لها بذكر ، و لهذا قال عقب أثر كردوس المتقدم و غيره " :و هذا رأى من جهة عبد الله رضى الله عنه ، و الحديث المسند مع ما عليه عمل المسلمين أولى . "و قد تعقبه ابن التركماني بقوله " :قلت :هذا لا يثبت بالرأى .قال أبو عمر في "التمهيد : "مثل هذا لا يكون رأيا ، و لا يكون إلا توقيفا ، لأنه لا فرق بين سبع و أقل و أكثر من جهة الرأى و القياس ، و قال ابن رشد في "القواعد : "معلوم أن فعل الصحابة في ذلك توقيف ، إذ لا يدخل القياس في ذلك ، و قد وافق ابن مسعود على ذلك جماعة من الصحابة و التابعين ، أما الصحابة فقد قدمنا ذكرهم ، و أما التابعون فقد ذكرهم ابن أبي شيبة في (مصنفه) (سلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ۲۹۹۷)

مذکورہ احادیث وروایات کے علاوہ کئی دیگر جلیل القدر تابعین مثلاً حضرت مسروق، حضرت اسود، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت ابوقلابہ، حضرت ابوجعفر، امام شعبی، حضرت مسیّب اور حضرت حسن بصری رحمہم اللہ سے بھی عید کی نماز میں مجموعی طور پر نو تکبیرات مروی ہیں۔ ؎۲

؎۲ عَنِ الشَّعْبِيِّ ، قَالَ :أَرْسَلَ زِيَادٌ إِلَى مَسْرُوقٍ :إِنَّا تَشْغَلُنَا أَشْغَالٌ ، فَكَيْفَ التَّكْبِيرُ فِي الْعِيدَيْنِ ؟ قَالَ :تِسْعُ تَكْبِيرَاتٍ ، قَالَ :خَمْسًا فِي الْأُولَى ، وَأَرْبَعًا فِي الآخِرَةِ ، وَوَالِ بَيْنَ الْقِرَاءَتَيْنِ .(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۵۷۵۸،فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنِ الأَسْوَدِ ، وَمَسْرُوقٍ ؛ أَنَّهُمَا كَانَا يُكَبِّرَانِ فِي الْعِيدِ تِسْعَ تَكْبِيرَاتٍ .(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۵۷۵۹،فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ؛ أَنَّ أَصْحَابَ عَبْدِ اللهِ كَانُوا يُكَبِّرُونَ فِي الْعِيدَيْنِ تِسْعَ تَكْبِيرَاتٍ .(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۵۷۶۱،فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ)

عَنْ أَبِي قِلاَبَةَ ، قَالَ :التَّكْبِيرُ فِي الْعِيدَيْنِ تِسْعٌ تِسْعٌ (مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۵۷۶۲،فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ)

عَنْ جَابِرٍ ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ ؛ أَنَّهُ كَانَ يُفْتِي بِقَوْلِ عَبْدِ اللهِ فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ.(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۵۷۶۳،فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ)

عَنِ الشَّيْبَانِيِّ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ، وَالْمُسَيَّبِ ، قَالاَ :الصَّلاَةُ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ تِسْعُ تَكْبِيرَاتٍ ؛ خَمْسٌ فِي الأُولَى ، وَأَرْبَعٌ فِي الآخِرَةِ ، لَيْسَ بَيْنَ الْقِرَاءَتَيْنِ تَكْبِيرَةٌ .(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۵۷۷۴،فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ)

عَنِ الْحَسَنِ، رَحِمَهُ اللهُ ,قَالَ " :تِسْعُ تَكْبِيرَاتٍ ,خَمْسٌ فِي الْأُولَى ,وَأَرْبَعٌ فِي الْآخِرَةِ ,مَعَ تَكْبِيرَةِ الصَّلَاةِ (شرح معاني الآثار،حديث نمبر ۷۲۹۵)

البتہ بعض احادیث میں بارہ تکبیرات کا ذکر ہے، سات پہلی رکعت میں قرائت سے پہلے اور

پانچ دوسری رکعت میں قرائت سے پہلے، جن کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ دوسرے فقہائے کرام نے اختیار فرمایا ہے۔ ؎

؎ عَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي العِيدَيْنِ فِي الأُولَى سَبْعًا قَبْلَ القِرَاءَةِ، وَفِي الآخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ القِرَاءَةِ وَفِي البَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو .حَدِيثُ جَدِّ كَثِيرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَهُوَ أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي هَذَا البَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاسْمُهُ عَمْرُو بْنُ عَوْفٍ المُزَنِيُّ، وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَغَيْرِهِمْ،وَهَكَذَا رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ صَلَّى بِالمَدِينَةِ نَحْوَ هَذِهِ الصَّلَاةِ، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ المَدِينَةِ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّهُ قَالَ فِي التَّكْبِيرِ فِي العِيدَيْنِ " :تِسْعَ تَكْبِيرَاتٍ فِي الرَّكْعَةِ الأُولَى :خَمْسًا قَبْلَ القِرَاءَةِ، وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ يَبْدَأُ بِالقِرَاءَةِ ثُمَّ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا مَعَ تَكْبِيرَةِ الرُّكُوعِ "وَقَدْ رُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ هَذَا، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الكُوفَةِ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِي(ترمذی، حدیث نمبر ۵۳۶، ابواب العیدین، باب فی التکبیر فی العیدین)

حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَعْدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ سَعْدٍ مُؤَذِّنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْعِيدَيْنِ فِي الْأُولَى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ، وَفِي الْآخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ(سنن ابن ماجه، حديث نمبر ۱۲۷۷)

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، سَمِعَهُ مِنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ " :أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي عِيدٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ تَكْبِيرَةً، سَبْعًا فِي الْأُولَى، وَخَمْسًا فِي الْآخِرَةِ، وَلَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا، وَلَا بَعْدَهَا(مسنداحمد، حديث نمبر ٦٦٨٨)

فی حاشية مسند احمد:إسناده حسن، عبد الله بن عبد الرحمن :هو ابن يعلى الطائفی، قال ابن معين :صويلح، وقال مرة :ضعيف، ووثقه ابن المدينی فيما نقله ابن خلفون، والعجلی، وقال البخاری فيما نقله عنه الترمذی فی "العلل الكبير ١ /٢٨٨ "مقارب الحديث، وصحح حديثه هذا، وضعفه النسائی وأبو حاتم، وقال ابن عدی :أما سائر حديثه، فعن عمرو بن شعيب، وهی مستقيمة، فهو ممن يكتب حديثه، وقال الدارقطنی :يعتبر به .وباقی رجاله ثقات.

عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، "أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْعِيدَيْنِ سَبْعًا فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى، وَخَمْسًا فِي الْآخِرَةِ، سِوَى تَكْبِيرَتَي الرُّكُوعِ(مسند احمد، حديث نمبر ۲۴۴۰۹)

فی حاشية مسند احمد:حسن لغيره، وهذا إسناد ضعيف لضعف ابن لهيعة، واضطرابه له، كما بسطنا ذلک فی الرواية (۲۴۳٦۲)وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين، غير يحيى بن إسحاق -وهو السَّيلَحِينی -فمن رجال مسلم، وهو ثقة..

؎ مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے نو تکبیرات والی احادیث وروایات کو اختیار فرمایا ہے۔ ؎

لے أخبرنا مالک أخبرنا نافع قال :شهدت الأضحى والفطر مع أبى هريرة فكبر فى الأولى سبع تكبيرات قبل القراءة وفى الآخرة بخمس تكبيرات قبل القراءة .
قال محمد :قد اختلف الناس فى التكبير فى العيدين فما أخذت به فهو حسن وأفضل ذلك عندنا ما روى عن ابن مسعود أنه كان يكبر فى كل عيد تسعا :خمسا وأربعا فيهن تكبيرة الافتتاح وتكبيرتا الركوع ويوالى بين القراءتين ويؤخرها فى الأولى ويقدمها فى الثانية وهو قول أبى حنيفة (المؤطا للامام محمد، تحت حديث رقم ٢٣٧، باب التكبير فى العيدين)
ثُمَّ نَظَرْنَا فِي عَدَدِ التَّكْبِيرِ فِيهِمَا فَرَأَيْنَا سَائِرَ الصَّلَوَاتِ خَالِيَةً مِنْ هَذَا التَّكْبِيرِ ,وَرَأَيْنَا صَلَاةَ الْعِيدَيْنِ قَدْ أُجْمِعَ أَنَّ فِيهِمَا تَكْبِيرَاتٍ زَائِدَةً عَلَى غَيْرِهِمَا مِنَ الصَّلَوَاتِ .فَكَانَ النَّظَرُ أَنْ لَا يُزَادَ فِي الصَّلَاةِ لِلْعِيدَيْنِ عَلَى مَا فِي سَائِرِ الصَّلَوَاتِ غَيْرِهِمَا ,إِلَّا مَا اتُّفِقَ عَلَى زِيَادَتِهِ ,فَكُلٌّ قَدْ أَجْمَعَ عَلَى زِيَادَةِ التِّسْعِ تَكْبِيرَاتٍ عَلَى مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ ابْنُ مَسْعُودٍ ,وَحُذَيْفَةُ ,وَابْنُ عَبَّاسٍ ,وَأَبُو مُوسَى ,وَمَنْ سَمِعْنَا مَعَهُمْ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ .وَاخْتَلَفُوا فِي الزِّيَادَةِ عَلَى ذَلِكَ فَزِدْنَا فِي هَذِهِ الصَّلَاةِ ,مَا اتُّفِقَ عَلَى زِيَادَتِهِ فِيهَا ,وَنَفَيْنَا عَنْهَا مَا لَمْ يُتَّفَقْ عَلَى زِيَادَتِهِ فِيهَا .فَثَبَتَ بِذَلِكَ مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ أَهْلُ هَذِهِ الْمَقَالَةِ .ثُمَّ نَظَرْنَا فِي مَوْضِعِ الْقِرَاءَةِ مِنْهَا فَقَالَ الَّذِينَ ذَهَبُوا إِلَى أَنَّهَا فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى بَعْدَ التَّكْبِيرِ ,وَفِي الثَّانِيَةِ كَذَلِكَ قَدْ رَأَيْنَاكُمْ قَدِ اتَّفَقْتُمْ ,وَنَحْنُ ,أَنَّ الْقِرَاءَةَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى ,مُؤَخَّرَةٌ عَنِ التَّكْبِيرِ ,فَالنَّظَرُ أَنْ تَكُونَ فِي الثَّانِيَةِ كَذَلِكَ .فَكَانَ مِنَ الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ لِأَهْلِ الْمَقَالَةِ الْأُخْرَى ,أَنَّ التَّكْبِيرَ ذِكْرٌ يُفْعَلُ فِي الصَّلَاةِ وَهُوَ غَيْرُ الْقِرَاءَةِ .فَنَظَرْنَا فِي مَوْضِعِ الذِّكْرِ مِنَ الرَّكْعَةِ الْأُولَى مِنَ الصَّلَاةِ ,وَمِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ ,أَيْنَ مَوْضِعُهُ ؟ .فَوَجَدْنَا الرَّكْعَةَ الْأُولَى فِيهَا الِاسْتِفْتَاحُ وَالتَّعَوُّذُ عَلَى مَا قَدْ رَوَيْنَا فِي غَيْرِ هَذَا الْمَوْضِعِ مِنْ كِتَابِنَا هَذَا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَمَّنْ رَوَيْنَاهُ عَنْهُ مِنْ أَصْحَابِهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ ,فَكَانَ ذَلِكَ فِي أَوَّلِ الصَّلَاةِ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ .فَثَبَتَ بِذَلِكَ أَنَّ كَذَلِكَ مَوْضِعُ التَّكْبِيرِ فِي صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى ,هُوَ ذَلِكَ الْمَوْضِعُ مِنْهَا .وَوَجَدْنَا الْقُنُوتَ فِي الْوِتْرِ ,يُفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأَخِيرَةِ مِنْ صَلَاةِ الْوِتْرِ ,فَكُلٌّ قَدْ أَجْمَعَ أَنَّهُ بَعْدَ الْقِرَاءَةِ ,وَأَنَّ الْقِرَاءَةَ مُقَدَّمَةٌ عَلَيْهِ .وَإِنَّمَا اخْتَلَفُوا فِي تَقْدِيمِ الرُّكُوعِ عَلَيْهِ ,وَفِي تَقْدِيمِهِ عَلَى الرُّكُوعِ .فَأَمَّا فِي تَأْخِيرِهِ عَنِ الْقِرَاءَةِ ,فَلَا .فَثَبَتَ بِذَلِكَ أَنَّ مَوْضِعَ التَّكْبِيرِ مِنَ الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِنْ صَلَاةِ الْعِيدِ ,هُوَ بَعْدَ الْقِرَاءَةِ يَسْتَوِي مَوْضِعُ سَائِرِ الذِّكْرِ فِي الصَّلَوَاتِ ,وَيَكُونُ مَوْضِعُ كُلِّ مَا اخْتَلَفُوا فِي مَوْضِعِهِ مِنْهُ ,كَمَوْضِعِ مَا قَدْ أُجْمِعَ عَلَى مَوْضِعِهِ .وَكُلُّ مَا بَيَّنَّا فِي هَذَا الْبَابِ ,فَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ ,وَأَبِي يُوسُفَ ,وَمُحَمَّدٍ ,رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ(شرح معانى الآثار، ج٤ص ٣٥٠،باب صلاة العيدين كيف التكبير فيها)
فيحمل اختلافهم على اختلاف فعل رسول الله عليه السلام فى صلاة العيد، لأن المقادير فى العبادات لا تثبت قياساً كأصلها وإنما تثبت توقيفاً وسماعاً، فحمل ما روى عن واحد منهم على أنه رأى رسول الله عليه السلام فعل ذلك، ولم يثبت عنده نسخ ذلك، فصار المروى عنهم كالمروى عن رسول الله عليه السلام، فيجب ترجيح بعض الأقوال على البعض، لما جهل التاريخ.
فالشافعى رحمه الله رجح ما اشتهر عن أبى بكر، وابن عباس رضى الله عنهم أخذاً بالأكثر احتياطاً.وأصحابنا رجحوا قول ابن مسعود رضى الله عنه فى العدد، وفى الموضع أما فى العدد؛ لأنه لا تردد فى قوله، ولا اضطراب، فإنه قال قولاً واحداً وفى أقوال غيره تعارض واضطراب، فكان قوله أثبت؛ ولأن قوله ينفى الزيادة على التسع، وأقوال غيره تثبت والنفى موافق القياس؛ إذ القياس ينفى

إدخال زيادة للأذكار في الصلاة، قياساً على غيرها من الصلوات، والإثبات مخالف للقياس.
ولا شك أن الأخذ بالموافق للقياس أولى، ولأن الجهر بالتكبير وهو ذكر مخالف للمنصوص والأصول، فالأخذ بما اتفقت الأقاويل عليه، وهو متيقن أولى؛ ولأن ما قاله ابن مسعود رضى الله عنه أشهر، فإنه عمل به جماعة من الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين على نحو ما بينا، فكان الأخذ به أولى، وإذا وجب ترجيح قول ابن مسعود رضى الله عنه في العدد وجب ترجيحه في الموضع؛ لأن الرواية واحدة(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج٢ص٩٧، كتاب الصلاة،الفصل السادس والعشرون في صلاة العيدين)

جہاں تک عید کی زائد تکبیرات کہتے وقت ہاتھ اُٹھانے کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں اگرچہ کوئی صریح حدیث نہیں پائی جاتی، اور اسی وجہ سے اہلِ علم حضرات کا اس وقت ہاتھ اٹھانے نہ اٹھانے میں اختلاف ہے، لیکن بہت سے اہلِ علم حضرات نے راجح اس کو قرار دیا ہے کہ ان تکبیرات کے وقت تکبیرِ تحریمہ کی طرح ہاتھ اٹھانا چاہئے۔ [1]

[1] عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ قَالَ " :تُرْفَعُ الْأَيْدِي فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ :فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ,وَفِي التَّكْبِيرِ لِلْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ ,وَفِي الْعِيدَيْنِ ,وَعِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ ,وَعَلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ , وَبِجُمْعٍ وَعَرَفَاتٍ ,وَعِنْدَ الْمَقَامَيْنِ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ "قَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ :فَأَمَّا فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ فِي الْعِيدَيْنِ ,وَفِي الْوِتْرِ ,وَعِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ ,فَيَجْعَلُ ظَهْرَ كَفَّيْهِ إِلَى وَجْهِهِ ,وَأَمَّا فِي الثَّلَاثِ الْأُخَرِ ,فَيَسْتَقْبِلُ بِبَاطِنِ كَفَّيْهِ وَجْهَهُ فَأَمَّا مَا ذَكَرْنَا فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ,فَقَدِ اتَّفَقَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى ذَلِكَ جَمِيعًا وَأَمَّا التَّكْبِيرَةُ فِي الْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ , فَإِنَّهَا تَكْبِيرَةٌ زَائِدَةٌ فِي تِلْكَ الصَّلَاةِ ,وَقَدْ أَجْمَعَ الَّذِينَ يَقْنُتُونَ قَبْلَ الرُّكُوعِ عَلَى الرَّفْعِ مَعَهَا فَالنَّظَرُ عَلَى ذَلِكَ ,أَنْ يَكُونَ كَذَلِكَ كُلُّ تَكْبِيرَةٍ زَائِدَةٍ فِي كُلِّ صَلَاةٍ ,فَتَكْبِيرُ الْعِيدَيْنِ الزَّائِدُ فِيهَا عَلَى سَائِرِ الصَّلَاةِ ,كَذَلِكَ أَيْضًا وَأَمَّا عِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ ,فَإِنَّ ذَلِكَ جُعِلَ تَكْبِيرًا يُفْتَتَحُ بِهِ الطَّوَافُ ,كَمَا يُفْتَتَحُ بِالتَّكْبِيرِ الصَّلَاةُ وَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْضًا(شرح معاني الآثار،بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْبَيْتِ)

أخبرنا أبو بكر الفريابي ، ثنا صفوان ، ثنا الوليد ، قال :قلت للأوزاعي : فأرفع يدي كرفعي في تكبيرة الصلاة ، قال :نعم ، ارفع يديك مع كلهن(أحكام العيدين للفريابي، ص١٨٢)

أخبرنا أبو بكر الفريابي ، ثنا صفوان ، ثنا الوليد ، قال :سألت مالك بن أنس عن ذلك فقال : نعم ارفع يديك مع كل تكبيرة ، ولم أسمع فيه شيئا (أحكام العيدين للفريابي،ص١٨٢)

مقدار الفصل بين التكبيرات وقد روى عن أبي حنيفة أنه يسكت بين كل تكبيرتين قدر ثلاث تسبيحات ويرفع يديه عند تكبيرات الزوائد وحكى أبو عصمة عن أبي يوسف أنه لا يرفع يديه في شيء منها لما روى عن ابن مسعود أن النبي -صلى الله عليه وسلم - كان لا يرفع يديه في الصلاة إلا في تكبيرة الافتتاح .ولأنها سنة فتلتحق بجنسها وهو

تکبیرتا الرکوع، ولنا ما روینا من الحدیث المشهور لا ترفع الأیدی إلا فی سبع مواطن وذکر من جملتها تکبیرات العید ؛ ولأن المقصود وهو إعلام الأصم لا یحصل إلا بالرفع فیرفع کتکبیرة الافتتاح وتکبیرات القنوت بخلاف تکبیرتی الرکوع؛ لأنه یؤتی بهما فی حال الانتقال فیحصل المقصود بالرؤیة، فلا حاجة إلی رفع الید للإعلام، وحدیث ابن مسعود محمول علی الصلاة المعهودة المکتوبة(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج ا ص۲۷۷،فصل بیان قدر صلاة العیدین وکیفیة أدائها)

قوله ویرفع یدیه فی الزوائد إلخ) وقال ابن أبی لیلی لا یرفع وهو قول أبی یوسف وجه قول أبی حنیفة ومحمد ما روی أن النبی -صلی الله علیه وسلم -قال لا ترفع الأیدی إلا فی سبع مواطن وذکر من جملتها تکبیرات العیدین ولأنها تکبیرة مقصودة بنفسها غیر قائمة مقام غیرها فترفع الید عندها کالتکبیر فی ابتداء الصلاة وجه قول أبی یوسف أنه تکبیر مسنون فصار کتکبیر الرکوع .ا هـ .أقطع وقال الولوالجی قال أبو یوسف :لا یرفع قیاسا علی تکبیر الرکوع ا هـ قال فی الخلاصة إذا سبقه الإمام بالتکبیرات یقضیها ، ثم یرکع الأنفع تکبیرة الرکوع فی صلاة العیدین من الواجبات ؛ لأنها من تکبیرات العید وتکبیرات العید واجبة(حاشیة الشلبی علی التبیین الحقائق، ج ا ۲۲۶، باب صلاة العیدین، وقت صلاة العید وکیفیتها)

(عید کی نماز کے مزید مسائل آگے ''عید کی نماز اور خطبہ کے متفرق مسائل'' کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں)

عید کی نماز میں قرائت

عید کی نماز میں امام کو بلند آواز سے قرائت کرنا چاہئے ،اور مستحب یہ ہے کہ امام پہلی رکعت میں سورۃُ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃُ الغاشیہ پڑھے۔

چنانچہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْرَأُ فِی الْعِیدَیْنِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰی، وَهَلْ أَتَاکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ (مسند الإمام أحمد) [1]

[1] حدیث نمبر ۲۰۰۸۰،مؤسسة الرسالة، بیروت ،واللفظ لهٗ، مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۵۷۷۷.

فی حاشیة مسند احمد:

إسناده صحیح، رجاله ثقات رجال الشیخین غیر زید بن عقبة، فقد روی له أصحاب السنن غیر ابن ماجه، وهو ثقة.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز میں ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی''

اور ''هَلُ اَتَاکَ حَدِیُثُ الْغَاشِیَةِ'' کی قرائت کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اسی قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ ؎۲

؎۲ عَنِ النُّعْمَانِ بُنِ بَشِيرٍ ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَالْجُمُعَةِ :(هَلُ أَتَاکَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ) ، وَ(سَبِّحِ اسُمَ رَبِّکَ الأَعْلَى) وَإِذَا اجْتَمَعَ الْعِيدَانِ فِي يَوْمٍ قَرَأَ بِهِمَا فِيهِمَا.(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۷۷۶،مَا يُقْرَأُ بِهِ فِي الْعِيد)
عَنِ ابُنِ عَبَّاسٍ ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدِ بِـ :(سَبِّحِ اسُمَ رَبِّکَ الأَعْلَى) ، وَ(هَلُ أَتَاکَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ).(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۷۸۲،مَا يُقْرَأُ بِهِ فِي الْعِيد)

اور بعض صحابۂ کرام سے بھی عید کی نماز میں انہی سورتوں کی قرائت کرنا منقول ہے۔ ؎۳

؎۳ عَنُ عَبُدِ الْمَلِکِ بُنِ عُمَيُرٍ ، قَالَ :حَدَّثْتُ عَنُ عُمَرَ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدِ بِـ : (سَبِّحِ اسُمَ رَبِّکَ الأَعْلَى) ، وَ(هَلُ أَتَاکَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ).(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۷۹۱،مَا يُقْرَأُ بِهِ فِي الْعِيد)
أَخْبَرَنَا عُمَارَةُ الصَّيْدَلاَنِيُّ ، عَنُ مَوْلًى لأَنَسٍ قَدُ سَمَّاهُ ، قَالَ :انْتَهَيْتُ مَعَ أَنَسٍ يَوْمَ الْعِيدِ ، حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى الزَّاوِيَةِ ، فَإِذَا مَوْلًى لَهُ يَقْرَأُ فِي الْعِيدِ بِـ :(سَبِّحِ اسُمَ رَبِّکَ الأَعْلَى) ، وَ(هَلُ أَتَاکَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ) ، فَقَالَ أَنَسٌ :إِنَّهُمَا لَلسُّورَتَانِ اللَّتَانِ قَرَأَ بِهِمَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۷۸۴،مَا يُقْرَأُ بِهِ فِي الْعِيد)

البتہ بعض روایات میں عید کی نماز میں دوسری سورتوں کی قراءت کرنے کا ذکر ہے۔ ؎۴

؎۴ عَنُ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ، قَالَ :سَأَلَنِي عُمَرُ بُنُ الْخَطَّابِ :عَمَّا قَرَأَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمِ الْعِيدِ؟ فَقُلْتُ :بِاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ، وَق وَالْقُرُآنِ الْمَجِيدِ(مسلم،حديث نمبر ۸۹۱،واللفظ له، مصنف ابن ابى شيبة، حديث نمبر ۵۷۷۵)
عَنُ كُرُدُوسٍ ، عَنُ عَبُدِ اللهِ ؛ أَنَّ الْوَلِيدَ بُنَ عُقْبَةَ أَرُسَلَ إِلَيْهِ ، فَقَالَ :تَقْرَأُ بِأُمِّ الْكِتَابِ ، وَسُورَةٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ .زَادَ فِيهِ هُشَيُمٌ :لَيْسَ مِنُ قِصَارِهَا ، وَلاَ مِنُ طِوَالِهَا .(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۷۸۳،مَا يُقْرَأُ بِهِ فِي الْعِيد)

اس قسم کی احادیث وروایات کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے فرمایا کہ عید کی نماز میں پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۃُ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۃُ الغاشیہ کی قراءت کرنا بہتر ہے۔

اور کسی دوسری سورت کی قراءت کرنا بھی جائز ہے۔

اس لیے ہمیشہ ان دو سورتوں ہی کی قراءت نہ کرنی چاہیے، کبھی دوسری سورتوں کی بھی کرلینی

چاہیے، تا کہ لوگ ان دو سورتوں ہی کی قراءت کو ضروری نہ سمجھ لیں۔ [1]

[1] (قوله :ويقرأ كالجمعة) أى كالقراء ة فى صلاة الجمعة، لما روى أبو حنيفة أنه -صلى الله عليه وسلم -كان يقرأ فى العيدين ويوم الجمعة الأعلى والغاشية كما فى الفتح .وقال فى البدائع فإن تبرك بالاقتداء به -صلى الله عليه وسلم -فى قراء تهما فى أغلب الأوقات فحسن لكن يكره أن يتخذهما حتما لا يقرأ فيها غيرهما لما ذكرنا فى الجمعة اهـ(ردالمحتار، ج٢ص١٧٣، باب العيدين)

(مزید مسائل آگے ''عید کی نماز اور خطبہ کے متفرق مسائل'' کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں)

عید کا خطبہ

عید کی نماز کے بعد امام کے لئے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنے کا حکم ہے، اور امام کو عید کی نماز کے بعد دو خطبے پڑھنا چاہئے، اور دونوں کے درمیان کچھ دیر کے لئے بیٹھنا چاہئے۔

کئی احادیث سے عید کی نماز کے بعد خطبہ ثابت ہے۔

مگر عید کا خطبہ جمعہ کے خطبہ کی طرح فرض نہیں، بلکہ سنت ہے، البتہ اس کا خاموشی سے سننا واجب ہے۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الفِطْرِ، فَبَدَأَ بِالصَّلاَةِ قَبْلَ الخُطْبَةِ(بخاری) [2]

[2] حديث نمبر ٩٥٨، كتاب الجمعة، باب المشى والركوب إلى العيد، والصلاة قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة، دارطوق النجاة، بيروت.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن (عید کی نماز کے لئے) نکلے، پھر خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

شَهِدْتُ الصَّلَاةَ يَوْمَ الْفِطْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِيْ بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ فَكُلُّهُمْ يُصَلِّيْهَا قَبْلَ الْخُطْبَةِ، ثُمَّ يَخْطُبُ

بَعْدُ (بخاری) [1]

[1] حدیث نمبر ۴۸۹۵، کتاب تفسیر القرآن،باب إذا جاء ک المؤمنات یبایعنک،دارطوق النجاة، بیروت.

ترجمہ: میں عید الفطر کے دن عید کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر، اور حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سب کے ساتھ شریک ہوا، ان تمام حضرات نے خطبہ سے پہلے عید کی نماز پڑھی، پھر بعد میں خطبہ دیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْطُبُ الْخُطْبَتَيْنِ وَهُوَ قَائِمٌ، وَكَانَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِجُلُوسٍ (سنن نسائی) [2]

[2] حدیث نمبر ۱۴۱۶، کتاب الجمعة، باب الفصل بین الخطبتین بالجلوس،مکتب المطبوعات الإسلامية -حلب.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر دو خطبے دیا کرتے تھے، اور دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھ کر فصل کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ قَائِمًا، ثُمَّ يَقْعُدُ قَعْدَةً لَا يَتَكَلَّمُ فِيهَا، ثُمَّ قَامَ فَخَطَبَ خُطْبَةً أُخْرٰى ، فَمَنْ خَبَّرَكَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ قَاعِدًا فَلَا تُصَدِّقْهُ (سنن نسائی) [3]

---

[3] حدیث نمبر ۱۵۸۳، کتاب صلاة العیدین،باب الجلوس بین الخطبتین والسکوت فیه.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے، پھر تھوڑی دیر بیٹھا کرتے تھے، جس میں کوئی کلام نہیں کرتے تھے، پھر کھڑے ہوتے تھے، اور دوسرا خطبہ دیا کرتے تھے، پس جو شخص آپ کو اس بات کی خبر دے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر خطبہ دیا، تو آپ اس کی تصدیق نہ کریں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ، قَالَ: إِنَّا نَخْطُبُ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّجْلِسَ لِلْخُطْبَةِ فَلْيَجْلِسْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّذْهَبَ فَلْيَذْهَبْ (مستدرک حاکم) [1]

[1] حديث نمبر ۱۰۹۳، کتاب صلاة العيدين، دارالكتب العلمية، بيروت.

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ وَهُوَ مَعْنَى الْحَدِيثِ الَّذِي يُسْأَلُ عَنْهُ فِي الْأَعْيَادِ إِلَّا أَنَّهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ .

وقال الذهبي في التلخيص: على شرط الشيخين.

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کی نماز میں حاضر ہوا، پس جب آپ نے عید کی نماز ختم فرمالی، تو فرمایا کہ ہم خطبہ دیں گے، پس جو شخص خطبہ کے لئے بیٹھنا چاہے، بیٹھ جائے، اور جو جانا چاہے، وہ چلا جائے (ترجمہ ختم)

اور حضرت سعد مؤذن سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ بَيْنَ أَضْعَافِ الْخُطْبَةِ، يُكْثِرُ التَّكْبِيْرَ فِيْ خُطْبَةِ الْعِيْدَيْنِ (سنن ابن ماجه) [2]

[2] حديث نمبر ۱۲۸۷، کتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى الخطبة فى العيدين.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے درمیان لگا تار تکبیر کہتے تھے، عیدین کے خطبہ میں کثرت سے تکبیر کہتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: زَيِّنُوْا أَعْيَادَكُمْ بِالتَّكْبِيْرِ (المعجم الصغير للطبراني) [1]

[1] حديث نمبر ۵۹۹، المكتب الاسلامى، بيروت، واللفظ لهٗ، المعجم الاوسط للطبرانى حديث نمبر ۴۳۷۳.

قال الهيثمي:

رواه الطبراني في الصغير والأوسط وفيه عمر بن راشد ضعفه أحمد وابن معين والنسائي وقال العجلي :لا بأس به(مجمع الزوائد، ج۲ص۱۹۷، أبواب العيدين)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی عیدوں کو تکبیر کے ذریعہ سے مزیّن کرو (ترجمہ ختم)

اس کے عمومی مفہوم میں عید کی نماز میں اور خطبہ میں نیز عید کی نماز کے لئے جاتے آتے ہوئے تکبیرات کہنا سب داخل ہے۔ [۲]

[۲] اور ان سب حالات کے بارے میں تکبیرات کا ثبوت دیگر دلائل سے بھی ہے، لہٰذا اس حیثیت سے اس روایت میں کوئی نکارت نہیں، اور زیادہ سے زیادہ اس حدیث کو ضعیف کہا جاسکتا ہے، مگر پھر بھی اس سے استحباب کا ثبوت ہوسکتا ہے۔

اس قسم کی احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے عید کی نماز کے خطبہ میں تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کثرت سے پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

اور بعض حضرات نے افضل اس کو قرار دیا ہے کہ پہلے خطبہ کے بالکل شروع میں نو مرتبہ اور دوسرے خطبہ کے شروع میں سات مرتبہ اور بالکل آخر میں چودہ مرتبہ مسلسل تکبیر یعنی ''اللہ اکبراللہ اکبر'' کہا جائے۔ [۳]

(عید کے خطبہ کے مزید مسائل آگے ''عید کی نماز اور خطبہ کے متفرق مسائل'' کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں)

---

[۳] حَـدَّثَـنَـا وَكِيـعٌ ، عَنْ سُفْيَانَ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقَارِيِّ ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْـدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ ، قَالَ :مِنَ السُّـنَّةِ أَنْ يُـكَبِّـرَ الإِمَـامُ عَـلَى الْمِنْبَرِ فِي الْعِيدَيْنِ تِسْعًا قَبْلَ الْخُطْبَةِ ، وَسَبْعًا بَعْدَهَا(مُصنف ابن أبی شیبة،حدیث نمبر ۵۹۱۶،فِي التَّكْبِيرِ عَلَى الْمِنْبَرِ)

حَـدَّثَـنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ أَبِي الْحَسْنَاءِ ، عَنِ الْحَسَنِ ، قَالَ :يُكَبِّرُ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ أَرْبَعَ عَشْرَةَ تَكْبِيرَةً(مُصنف ابن أبی شیبة ،حدیث نمبر ۵۹۱۷،فِي التَّكْبِيرِ عَلَى الْمِنْبَرِ)

ملحوظ رہے کہ بعض کتابوں میں خطبہ سے پہلے اور بعد میں مخصوص تعداد میں تکبیر کہنے کے سنت ہونے کی مندرجہ بالا روایت کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے، حالانکہ یہ روایت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے مروی ہے، جو کہ تابعین میں سے ہیں، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کسی مستند سند کے ساتھ دستیاب نہیں ہوسکی۔

ويـكبـر فـى الـخـطبة فـى الـعيـديـن وليس ذلک عدد فى ظاهر الرواية لكن ينبغى أن لا يكون أكثر الـخطبة التكبير ويكبر فى عيد الأضحى أكثر مما يكبر فى خطبة عيد الفطر فإن لم يسمعهم جاز ولا يضر تباعدهم(فتاوى قاضى خان،باب صلاة العيدين وتكبيرات أيام التشريق)

ويـكبـر فـى خـطبة العيدين ولـيس لذلک عدد فى ظاهر الرواية لكن لا ينبغى أن يجعل أكثر الخطبة التـكبيـر ويـكبـر فـى خـطبة عـيـد الأضـحـى أكثر مما يكبر فى خطبة الفطر كذا فى قاضيخان ويبدأ الـخـطـيب بـالـتـحـمـيـد فـى الـجمعة وغيرها ويبدأ بالتكبير فى خطبة العيدين ويستحب أن يستفتح الأولى بتسع تترى متوالية والثانية بسبع قال عبد الله بن مسعود هو السنة ويكبر القوم معه ويصلون عـلـى الـنبـى صلى الله عليه وسلم فى أنفسهم امتثالا للأمر وسنة الإنصات (مراقى الفلاح شرح متن

نور الإيضاح،ص ۲۰۳،باب صلاة العيدين)
(ويستحب أن يستفتح الأولى بتسع تكبيرات تترى) أى متتابعات (والثانية بسبع) هو السنة (و) أن (يكبر قبل نزوله من المنبر أربع عشرة)(الدرالمختار)
(قوله ويستحب إلخ) ذكر ذلك فى المعراج عن مجمع النوازل وقال فى الخانية إنه ليس للتكبير عدد فى ظاهر الرواية لكن ينبغي أن لا يكون أكثر الخطبة التكبير ويكبر فى الأضحى أكثر من الفطر .اهـ.قلت :وإطلاق العدد فى ظاهر الرواية لا ينافى تقييده بما ورد فى السنة وقال به الشافعى -رحمه الله تعالى (ردالمحتار، ج۲ص ۱۷۵، باب العيدين)

عید کی نماز اور خطبہ کے چند متفرق مسائل

مسئلہ:...... حنفیہ کے نزدیک عید کی نماز میں عام نمازوں کے مقابلہ میں چھ زائد تکبیرات واجب ہیں، اور ہر تکبیر مستقل طور پر واجب ہے۔ مگر ان تکبیرات کا امام کو بآوازِ بلند کہنا واجب نہیں۔
اور ہر تکبیر کے درمیان تین تسبیحات کے بقدر وقفہ کرنا افضل ہے، تاکہ مقتدیوں کو تکبیرات اور ان کی تعداد کے بارے میں اشتباہ نہ ہو، مجمع کے کم وبیش ہونے کی وجہ سے اس سے کچھ کم وبیش وقفہ ہوجائے، تب بھی حرج نہیں، اور ان تکبیرات کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں، بلکہ خاموش رہنا چاہئے۔ [1]

---

[1] (قوله وتكبيرات العيدين) هى ست تكبيرات فى كل ركعة ثلاثة (قوله وكذا أحدها) أفاد أن كل تكبيرة واجب مستقل ط (ردالمحتار، ج ا ص ۴۶۹، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة)
وأما الجهر فى تكبيرات الزوائد فالظاهر استحبابه للإمام فقط للإعلام فتأمل(ردالمحتار، ج۲ص ۱۷۳، باب العيدين)

وقد روى عن أبى حنيفة أنه يسكت بين كل تكبيرتين قدر ثلاث تسبيحات (بدائع الصنائع، ج ا ص ۲۷۷، فصل بيان قدر صلاة العيدين وكيفية ادائها)
وأشار المصنف إلى أنه يسكت بين كل تكبيرتين؛ لأنه ليس بينهما ذكر مسنون عندنا؛ ولهذا يرسل يديه عندنا وقدره مقدار ثلاث تسبيحات لزوال الاشتباه، وذكر فى المبسوط أن هذا التقدير ليس بلازم بل يختلف بكثرة الزحام وقلته؛ لأن المقصود إزالة الاشتباه(البحر الرائق، ج۲ص ۱۷۴، وقت صلاة العيدين)
(وليس بين تكبيراته ذكر مسنون) ولذا يرسل يديه (ويسكت بين كل تكبيرتين مقدار ثلاث تسبيحات) هذا يختلف بكثرة الزحام وقلته(الدرالمختار ، باب العيدين)
ويسكت بين كل تكبيرتين مقدار ثلاث تسبيحات ؛ لأنها تقام بجمع عظيم وبالموالاة تشتبه على

من كان نائيا(تبيين الحقائق، ج ا ص ٢٢٦، وقت صلاة العيد و كيفيتها)
وليس بين التكبيرات ذكر مسنون ولا مستحب لكن يستحب المكث بين كل تكبيرتين مقدار ثلاث تسبيحات.وفى المبسوط ليس هذا القدر بلازم بل يختلف ذلک بكثرة الزحام وقلته (مجمع الانهر، ج ا ص ١٧٤، صفة صلاة العيد)
قال محمد رحمه الله فى الأصل :يستحب المكث بين كل تكبيرتين مقدار ما يسبح ثلاث تسبيحات، وهذا؛ لأن صلاة العيد تقام بجمع عظيم وتوالى بين التكبيرات يشتبه على من كان نائباً عن الإمام، والاشتباه يزول بهذا القدر من المكث، وليس بين التكبيرات ذكر مسنون عندنا؛ إذ لو كان بينهما ذكر مسنون، لكان أتى به النبى عليه السلام، ولو أتى به لوصل إلينا ولم ينقل........... وما قال الحسن أنه يسبح بين كل تكبيرتين مقدار ثلاث تسبيحات ليس بمقدر لازم، بل يتفاوت بكثرة القوم وبقلته لأن المقصود إزالة الاشتباه عن القوم، وذلک يختلف بكثرة القوم وقلتهمالمحيط البرهانى، ج٣ص ٩٩، الفصل السادس والعشرون فى صلاة العيدين)

مسئلہ:......عید کی نماز میں امام کے لئے آوازِ بلند قرائت کرنا واجب ہے۔ [1]

[1] الجهر يجب على الإمام فيما يجهر فيه وهو صلاة الصبح والأوليان من المغرب والعشاء وصلاة العيدين والجمعة والتراويح والوتر فى رمضان(ردالمحتار، ج ا ص ٤٦٩، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة)

مسئلہ:...... دوسری رکعت میں عید کی زائد تکبیروں کو قرأت کے بعد کہنا افضل ہے واجب نہیں لہٰذا اگر غلطی سے امام نے یہ تکبیریں پہلے کہہ دیں تب بھی نماز بلا کراہت ہوگئی۔

جہاں تک پہلی رکعت کا تعلق ہے، تو اس میں اگرچہ بعض حضرات نے قرائت سے پہلے تکبیرات کہنے کو واجب قرار دیا ہے۔ [2]

[2] (قوله ويوالى ندبا بين القراء تين) أى بأن يكبر فى الركعة الثانية بعد القراء ة لتكون قراء تها تالية لقراء ة الركعة الأولى، أما لو كبر فى الثانية قبل القراء ة أيضا كما يقول ابن عباس يكون التكبير فاصلا بين القراء تين، وأشار بقوله :ندبا إلى أنه لو كبر فى أول كل ركعة جاز؛ لأن الخلاف فى الأولوية كما مر عن البحر .هذا، وأما ما فى المحيط من التعليل للموالاة بأن التكبيرات من الشعائر؛ ولهذا وجب الجهر بها فوجب ضم الزوائد فى الأولى إلى تكبيرة الافتتاح لسبقها على تكبيرة الركوع وإلى تكبيرة الركوع فى الثانية لأنها الأصل فقد قال فى البحر :الظاهر أن المراد بالوجوب الثبوت لا المصطلح عليه لأن الموالاة مستحبة اهـ وكذا قوله وجب الجهر بها :أى ثبت فى بعض المواضع كما فى الأذان والتكبير فى طريق المصلى وتكبير التشريق، وأما الجهر فى تكبيرات الزوائد فالظاهر استحبابه للإمام فقط للإعلام فتأمل.
لكن فى البحر عن المحيط إن بدأ الإمام بالقراء ة سهوا فتذكر بعد الفاتحة والسورة يمضى فى صلاته، وإن لم يقرأ إلا الفاتحة كبر وأعاد القراء ة لزوما لأن القراء ة إذا لم تتم كان امتناعا من الإتمام لا رفضا للفرض اهـ ونحوه فى الفتح وغيره وظاهره أن تقديم الكبير على القراء ة واجب، وإلا لم ترفض الفاتحة لأجله يؤيده ما قدمناه فى باب صفة الصلاة من أنه إن كبر وبدأ بالقراء ة

ونسی الثناء والتعوذ والتسمیة لا یعید لفوت محلها .وقد یجاب بأن العود إلی التکبیر قبل إتمام القراء ة لیس لأجل المستحب الذی هو الموالاة بل لأجل استدراک الواجب الذی هو التکبیر لأنه لم یشرع فی الرکعة الأولی بعد القراء ة بدلیل أنه لو تذکره بعد قراء ة السورة یترکه فکان مثل ما لو نسی الفاتحة، وشرع فی السورة ثم تذکر یترک السورة، ویقرأ الفاتحة لوجوبها بخلاف الثناء والتعوذ والتسمیة، والله أعلم (رد المحتار علی الدر المختار، ج۲ ص۱۷۳، باب العیدین)

لیکن بعض حضرات نے ایسی صورت میں قرائت کے بعد بھی کہہ لینے کی گنجائش دی ہے۔

اس لئے اگر کوئی شخص بھولے سے پہلی رکعت میں تکبیرات سے پہلے قرائت کرلے، تو قرائت کے بعد تکبیرات کہہ کر نماز پوری کرلینے کی گنجائش ہے (عمدۃ الفقہ ج۲،ص۴۶۵) [1]

[1] وإذا نسی الإمام تکبیرات العید حتی قرأ فإنه یکبر بعد القراء ة أو فی الرکوع ما لم یرفع رأسه، کذا فی التتارخانیة (الفتاویٰ الهندیة، ج۱ ص۱۵۱، الباب السابع عشر فی العیدین)

اور جب رکوع میں بھی یاد آنے کی صورت میں کہنے کی گنجائش ہے، تو قیام میں بدرجہ اولیٰ گنجائش ہونی چاہئے۔

مسئلہ:...... اگر امام عید کی زائد تکبیریں بھول کر رکوع میں چلا گیا تو یاد آنے پر رکوع ہی میں یہ تکبیریں کہہ لے، رکوع چھوڑ کر قیام کی طرف نہ لوٹے لیکن اگر امام رکوع چھوڑ کر لوٹ آیا اور تکبیریں کہہ کر پھر رکوع کرلیا تو بھی نماز ہوجائے گی۔ [2]

[2] ولا یقنت فی الرکوع أیضا بخلاف تکبیرات العید إذا تذکرها فی حال الرکوع حیث یکبر فیه، والفرق أن تکبیرات العید لم تختص بالقیام المحض.

ألا تری أن تکبیرة الرکوع یؤتی بها فی حال الانحطاط؟ وهی محسوبة من تکبیرات العید بإجماع الصحابة، فإذا جاز أداء واحدة منها فی غیر محض القیام من غیر عذر جاز أداء الباقی مع قیام العذر بطریق الأولی، فأما القنوت فلم یشرع إلا فی محض القیام غیر معقول المعنی فلا یتعدی إلی الرکوع الذی هو قیام من وجه (بدائع الصنائع، ج۱ ص۲۷۴، فصل صلاة العیدین)

وإذا نسی الإمام تکبیرات العید حتی قرأ فإنه یکبر بعد القراء ة أو فی الرکوع ما لم یرفع رأسه، کذا فی التتارخانیة (الفتاویٰ الهندیة، ج۱ ص۱۵۱، الباب السابع عشر فی العیدین)

مسئلہ:...... جو امام عیدین کی بارہ تکبیرات کہے، اس کی اقتداء میں عید کی نماز ادا کرنا جائز ہے۔ [1]

[1] اور بعض مشائخ کے نزدیک تیرہ زائد تکبیرات اور تکبیرِ تحریمہ اور دونوں رکعتوں کے رکوع کی تکبیرات سمیت مجموعی طور پر سولہ تکبیرات تک کہنے والے امام کی اقتداء میں عید کی نماز جائز ہے۔

ولو کان الإمام یقنت فی القومة بین الرکوع والسجود والمقتدی لا یری ذلک تابع الإمام وکذا فی سجود السهو قبل السلام وکذا فی تکبیرات العیدین (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الصلاة، فصل فی الوتر)

ثم ذكر ما حاصله أنه تجب متابعته للإمام فى الواجبات فعلا، وكذا تركا إن لزم من فعله مخالفته الإمام فى الفعل كتركه القنوت أو تكبيرات العيد أو القعدة الأولى أو سجود السهو أو التلاوة فيتركه المؤتم أيضا، وأنه ليس له أن يتابعه فى البدعة والمنسوخ، وما لا تعلق له بالصلاة فلا يتابعه لو زاد سجدة أو زاد على أقوال الصحابة فى تكبيرات العيدين (ردالمحتار، ج ا ص ۴۷۰، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة)

إذا اقتدى بمن لا يرى رفع اليدين فى تكبيرات العيدين يرفع يديه لأن هذه مخالفة يسيرة فلا تخل بالمتابعة كذا فى الغياثية قال محمد رحمه الله تعالى فى الجامع إذا دخل الرجل مع الإمام فى صلاة العيد وهذا الرجل يرى تكبيرات ابن مسعود رضى الله تعالى عنهما فكبر الإمام غير ذلك اتبع الإمام إلا إذا كبر الإمام تكبيرا لم يكبره أحد من الفقهاء فحينئذ لا يتابعه كذا فى المحيط لكن هذا إذا كان بقرب الإمام يسمع التكبيرات منه فأما إذا كان ببعد منه يسمع من المكبرين يأتى بجميع ما يسمع وإن خرج من أقاويل الصحابة لجواز أن الغلط من المكبرين فلو ترك شيئا منها ربما كان المتروك ما أتى به الإمام كذا فى البدائع قال محمد رحمه الله تعالى فى الكبير ولو أن رجلا دخل مع الإمام فى صلاة العيد فى الركعة الأولى بعدما كبر الإمام تكبير ابن عباس رضى الله تعالى عنهما ست تكبيرات فدخل معه وهو فى القراء ة والرجل يرى تكبيرات ابن مسعود رضى الله عنهما فإنه يكبر برأى نفسه فى هذه الركعة حال ما يقرأ الإمام وفى الركعة الثانية يتبع رأى الإمام كذا فى التتارخانية(الفتاوى الهندية، ج ا ص ۱۵۱ ،الباب السابع عشر فى صلاة العيدين)

ثم إلى كم يتابعه؟ اختلف مشايخنا فيه قال عامتهم :إنه يتابعه إلى ثلاث عشرة تكبيرة، ثم يسكت بعد ذلك، وقال بعضهم يتابعه إلى ستة عشرة تكبيرة؛ لأن فعله إلى هذا الموضع محتمل للتأويل فلعل هذا القائل ذهب إلى ابن عباس أراد بقوله ثلاث عشرة تكبيرة الزوائد، فإذا ضممت إليها تكبيرة الافتتاح وتكبيرتى الركوع صارت ست عشرة تكبيرة لكن هذا إذا كان يقرب من الإمام يسمع التكبيرات منه، فأما إذا كان يبعد منه يسمع من المكبرين يأتى بجميع ما يسمع وإن خرج عن أقاويل الصحابة لجواز أن الغلط من المكبرين، فلو ترك شيئا منها ربما كان المتروك ما أتى به الإمام، والمأتى به ما أخطأ فيه المكبرون فيتابعهم ليتأدى ما يأتيه الإمام بيقين ولهذا قيل إذا كان المقتدى يبعد من الإمام يسمع من المكبرين ينبغى أن ينوى بكل تكبيرة الافتتاح لجواز أن ما سمع قبل هذه كان غلطا من المنادى، وإنما كبر الإمام للافتتاح الآن(بدائع الصنائع ، ج ا ص ۲۷۸ ،فصل بيان قدر صلاة العيدين و كيفية أدائها)

مسئلہ:...... عام نمازوں کی طرح جمعہ وعیدین کی نماز میں بھی واجب عمل کی خلاف ورزی سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے لیکن اگر ان نمازوں میں بلکہ کسی بھی نماز میں مجمع بہت زیادہ ہو اور سجدہ سہو کرنے سے لوگوں میں فساد وانتشار یا مقتدیوں کی نماز خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو بہتر ہے کہ سجدہ سہو نہ کیا جائے۔ایسی صورت میں سجدہ سہو معاف ہے۔ [1]

[1] ومنها تكبيرات العيدين قال فى البدائع إذا تركها أو نقص منها أو زاد عليها أو أتى بها فى غير موضعها فإنه يجب عليه السجود كذا فى البحر الرائق ويستوى فى الزيادة والنقصان القليل والكثير

فقد روى عن الحسن عن أبى حنيفة رحمه الله إذا سها الإمام عن تكبيرة واحدة فى صلاة العيد يسجد للسهو كذا فى الذخيرة وذكر فى كشف الأسرار أن الإمام إذا سها عن التكبيرات حتى ركع فإنه يعود إلى القيام بخلاف المسبوق إذا ترك الإمام فى الركوع فإنه يأتى بالتكبيرات فى الركوع كذا فى البحر الرائق ولو ترك تكبيرة الركوع الثانى فى صلاة العيد وجب عليه السهو لأنها واجبة تبعا لتكبيرات العيد بخلاف تكبيرة الركوع الأول لأنها ليست ملحقة بها كذا فى التبيين السهو فى الجمعة والعيدين والمكتوبة والتطوع واحد إلا أن مشايخنا قالوا لا يسجد للسهو فى العيدين والجمعة لئلا يقع الناس فى فتنة كذا فى المضمرات ناقلا عن المحيط(الفتاوى الهندية، ج ١ ص ١٢٨، كتاب الصلاة، الباب الثانى عشر فى سجود السهو)

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص عید کی نماز میں اس وقت پہنچا، جبکہ امام پہلی رکعت کی کچھ یا تینوں تکبیریں کہہ چکا تھا، لیکن ابھی رکوع میں نہیں گیا تھا، تو مقتدی کو چاہئے کہ نیت باندھنے کے فوراً بعد وقفہ کے بغیر تین تکبیریں کہہ لے اگرچہ تکبیرات کے دوران امام قرأت شروع کردے یا پہلے سے قرأت کررہا ہو۔ [۲]

[۲] (ولو أدرك) المؤتم (الإمام فى القيام)بعدما كبر (كبر) فى الحال برأى نفسه لأنه مسبوق (الدر المختار، باب صلاة العيدين)

(قوله كبر فى الحال) أى وإن كان الإمام قد شرع فى القراءة كما فى الحلية (ردالمحتار، ج ٢ ص ١٧٤، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص پہلی رکعت میں اس وقت پہنچا، جبکہ امام رکوع میں جا چکا تھا، تو اگر غالب گمان ہو کہ میں تین تکبیریں کہہ کر رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہو جاؤں گا، تو نیت باندھ کر کھڑا ہونے کی حالت میں تکبیریں کہہ کر پھر رکوع میں جائے، اور اگر خطرہ ہو کہ کھڑا ہو کر تکبیریں کہنے لگ گیا تو رکوع نہیں ملے گا، تو نیت باندھ کر سیدھا رکوع میں چلا جائے اور ہاتھ اٹھائے بغیر رکوع میں تینوں تکبیریں کہہ لے، اور رکوع کی تسبیح "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم" بھی پڑھ لے، دونوں کے پڑھنے کا وقت نہ ہو تو صرف عید کی تکبیریں کہہ لے، رکوع کی تسبیح چھوڑ دے، کیونکہ عید کی تکبیریں واجب ہیں اور رکوع کی تسبیح سنت ہے، اور اگر اس کے تین تکبیریں کہنے سے پہلے امام رکوع سے اٹھ جائے تو اس کو بھی کھڑا ہو جانا چاہئے، جو تکبیریں رہ گئی ہیں وہ معاف ہیں۔ [۱]

[۱] (فروع) أدرك الإمام راكعا يحرم، ثم إن غلب على ظنه إدراكه فى الركوع إن كبر قائما كبر قائما ثم ركع لأن القيام هو المحل الأصلى للتكبير، ويكبر برأى نفسه؛ لأنه مسبوق، وهو منفرد

فیما یقضی، والذکر الفائت یقضی قبل فراغ الإمام بخلاف الفعل، وإن خشی فوت رکوع الإمام رکع وکبر فی رکوعه خلافا لأبی یوسف(فتح القدیر ،ج۲ص۷۷،۷۸، باب صلاۃ العیدین)

ولو انتھی رجل إلی الإمام فی الرکوع فی العیدین فإنه یکبر للافتتاح قائما فإن أمکنه أن یأتی بالتکبیرات ویدرک الرکوع فعل ویکبر علی رأی نفسه وإن لم یمکنه رکع واشتغل بالتکبیرات عند أبی حنیفة ومحمد -رحمھما الله تعالی -ھکذا فی السراج الوھاج.

ولا یرفع یدیه إذا أتی بتکبیرات العید فی الرکوع، کذا فی الکافی، ولو رفع الإمام رأسه بعدما أدی بعض التکبیرات فإنه یرفع رأسه ویتابع الإمام وتسقط عنه التکبیرات الباقیة، کذا فی السراج الوھاج(الفتاویٰ الھندیة، ج ۱ ص ۱۵۱، الباب السابع عشر فی العیدین)

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص اس وقت پہنچا، جبکہ امام پہلی رکعت کے رکوع سے سر اٹھا چکا تھا تو کیونکہ اس کی پہلی رکعت رہ گئی، جو بعد میں پڑھنی ہوگی، اس لئے اب پہلی رکعت کی تکبیریں کہنے کی ضرورت نہیں، امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب پہلی رکعت پوری کرے گا تو اس میں تکبیریں کہے۔

پہلی رکعت امام کے بعد پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہوکر ثناء، اعوذ باللہ، بسم اللہ پڑھ کر سورہ فاتحہ پڑھے اور سورت ملائے، اس کے بعد تین تکبیریں کہے۔ لیکن اگر کوئی غلطی سے قرائت سے پہلے یہ تکبیریں کہہ لے، تب بھی نماز ہوجاتی ہے۔ [1]

[1] اگرچہ قیاس کے مطابق تکبیریں قراءت سے پہلے کہنی چاہئیں تھیں، لیکن چونکہ اس طریقے سے دونوں رکعتوں میں تکبیریں پے درپے ہوجاتی ہیں، اس لئے اس سے عدول کیا گیا، اور تکبیر کو قراءت کے بعد رکھا گیا (بہشتی زیور ص۹۴۱)

ولو سبق برکعة یقرأ ثم یکبر لئلا یتوالی التکبیر(الدر المختار، باب صلاۃ العیدین)

ولو أدرکه فی القومة لا یقضی فیھا؛ لأنه یقضی الرکعة الأولی مع التکبیرات واللاحق یکبر برأی إمامه کمن شرع مع الإمام ونام فانتبه یکبر برأی الإمام؛ لأنه کأنه خلف الإمام بخلاف المسبوق، کذا فی الکافی(الفتاویٰ الھندیة، ج ۱ ص ۱۵۱، الباب السابع عشر فی العیدین)

عَنْ حَمَّادٍ ، قَالَ :إِذَا فَاتَتْکَ مِنْ صَلاَةِ الْعِیدِ رَکْعَةٌ فَاقْضِھَا ، وَاصْنَعْ فِیھَا مِثْلَ مَا یَصْنَعُ الإِمَامُ فِی الرَّکْعَةِ الأُولَی(مُصنف ابن أبی شیبة،حدیث نمبر ۵۸۶۲،فِی الرَّجُلِ إِذَا فَاتَتْهُ رَکْعَةٌ ، مَا یَصْنَعُ ؟)

عَنِ الْحَسَنِ ، قَالَ :یُکَبِّرُ مَعَهُ فِی ھَذِهِ مَا أَدْرَکَ مِنْھَا ، وَیَقْضِی الَّتِی فَاتَتْهُ وَیُکَبِّرُ فِیھَا مِثْلَ تَکْبِیرِ الإِمَامِ فِی الرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ(مُصنف ابن أبی شیبة،حدیث نمبر ۵۸۶۳،فِی الرَّجُلِ إِذَا فَاتَتْهُ رَکْعَةٌ ، مَا یَصْنَعُ ؟)

اور ہر مرتبہ ہاتھ کانوں تک اٹھا کر لٹکا دے۔ پھر چوتھی تکبیر کہتا ہوا ہاتھ اٹھائے بغیر رکوع میں جائے اور باقی رکعت عام نماز کی طرح پوری کرے۔

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص دوسری رکعت میں اس وقت پہنچا، جب امام قرائت وغیرہ کر کے

تینوں تکبیریں کہہ چکا تھا، تو ویسے ہی کرے جیسے پہلی رکعت کے بارے میں لکھا گیا ہے، یعنی تکبیرِ تحریمہ کے بعد کھڑے ہوکر تکبیریں کہہ کر رکوع میں مل سکتا ہو تو کھڑا ہوکر یہ تکبیریں کہے، ورنہ یہ تکبیرات رکوع میں کہے، اس کی دوسری رکعت تو ہوگئی، اور پہلی رکعت امام کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھے، جس کا طریقہ وہی ہے، جو اس سے پہلے مسئلہ میں لکھا گیا کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہوکر ثناء اور اعوذ باللہ، بسم اللہ پڑھ کر سورہ فاتحہ پڑھے اور سورت ملائے، اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر تین تکبیریں کہے، اور چوتھی تکبیر کہتا ہوا رکوع میں جائے، اور حسبِ قاعدہ نماز مکمل کرے۔

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص اس وقت پہنچا، جب امام دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھا چکا تھا، تو وہ اسی حال میں امام کے ساتھ شریک ہوجائے، مگر اس صورت میں دوسری رکعت کا رکوع نہ ملنے کی وجہ سے اس کی دونوں رکعتیں فوت ہوگئیں، اس لئے امام کے سلام کے بعد دونوں رکعتیں پڑھے ان دو رکعتوں کے پڑھنے کا طریقہ وہی ہے، جو عید کی نماز کا طریقہ ہے یعنی پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے زائد تکبیریں کہے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے کہے۔

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص اس وقت پہنچا، جب امام دونوں رکعتیں پڑھ کر تشہد میں بیٹھ چکا تھا، مگر ابھی سلام نہیں پھیرا تھا، تو ایسی صورت میں مقتدی کو چاہئے کہ نیت باندھ کر امام کے ساتھ شریک ہوجائے، اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد عید کی دونوں رکعتیں حسبِ قاعدہ پڑھے۔ [1]

---

[1] إذا أدرک الإمام فی صلاة العید بعد ما تشهد الإمام قبل أن یسلم أو بعدما سلم قبل أن یسجد للسهو أو بعدما سجد للسهو ولم یسلم الإمام فإنه یقوم ویقضی صلاة العید.
ومن المشایخ من قال المذکور قول أبی حنیفة وأبی یوسف -رحمهما الله تعالی- فأما علی قول محمد -رحمه الله تعالی- لا یصیر مدرکا کصلاة الجمعة ومنهم من قال هذا بلا خلاف وهو الصحیح، کذا فی الظهیریة (الفتاویٰ الهندیة، ج ۱ ص ۱۵۱، الباب السابع عشر فی العیدین)
وإذا أدرک الإمام فی صلاة العید بعدما تشهد الإمام قبل أن یسلم أو بعد ما سلم قبل أن یسجد للسهو أو بعدما سجد للسهو فدخل معه، ثم سلم الإمام فإنه یقوم فیقضی صلاة العید لأنه شارک

الإمام فی الصلاة فیلزمه القضاء .من مشایخنا من قال :المذکور قول أبی حنیفة، وأبی یوسف رحمهما الله، فأما قول محمد رحمه الله :لا یصیر مدرکاً لصلاة العید کما قال فی الجمعة :إذا أدرک الإمام فی هذه الحالة لا یصیر مدرکاً للجمعة عنده، حتی یصلی أربعاً عنده فکذلک ها هنا.
ومنهم من قال :هذا بلا خلاف وهو الأصح، فإن صح الخلاف لمحمد فی صلاة العید کما فی الجمعة فلا حاجة لمحمد رحمه الله إلی الفرق بین صلاة الجمعة وصلاة العید، وإن لم یصح الخلاف یحتاج محمد إلی الفرق بین صلاة العید وبین صلاة الجمعة.
فإنه قال :فی صلاة الجمعة لا یصیر مدرکاً للجمعة، ویصلی أربعاً، وفی صلاة العید قال :یصیر مدرکاً لصلاة العید، ویصلی صلاة العید وحده.ووجه الفرق لمحمد رحمه الله وهو :أن القیاس ما قاله أبو حنیفة وأبو یوسف رحمهما الله فی الجمعة، إلا أنه ترک القیاس بالأثر، والأثر ورد فی الجمعة، وما ورد فی العید، وترد صلاة العید إلی أصل القیاس، ولأن محمدا رحمه الله جعله مدرکاً للجمعة فی تلک المسألة بدلیل أنه لو ترک القعدة علی رأس الرکعتین لا تجزئه صلاته، کما إذا صلی الجمعة وترک القعدة علی رأس الرکعتین، وإذا خرج وقت الظهر فسدت صلاته إلا أنه أمر بزیادة رکعتین احتیاطاً لتقوم مقام الظهر، ولیس فی صلاة العید زیادة نأمره بها احتیاطاً.
ثم إذا سلم الإمام وقام هو إلی القضاء کیف یصنع؟ قال الشیخ الإمام الزاهد المعروف بخواهر زاده رحمه الله :یقوم فیکبر ثلاث تکبیرات، ثم یقرأ؛ لأن ما یقضی أول صلاته فی هذه الحالة بالإجماع، لأنه مسبوق برکعتین، والتکبیر مقدم علی القراء ة الأولی ومؤخر فی الثانیة عندنا، فکذلک ههنا
(المحیط البرهانی، ج۲ص۱۱۳، ۱۱۴،الفصل السادس والعشرون فی صلاة العیدین)

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص ایسے وقت میں پہنچا، جبکہ عید کی نماز کا سلام پھیرا جاچکا تھا تو کسی اور جگہ عید کی نماز ملنے کی امید ہو تو دوسری جگہ جانا چاہئے، اگر کہیں بھی عید کی نماز ملنے کی امید نہ ہو اور جو لوگ نماز سے رہ گئے ہیں وہ ایک سے زیادہ ہوں تو ان کو کسی دوسری مسجد یا عید گاہ میں جہاں پہلے عید کی نماز نہ ہوئی ہو اپنی الگ جماعت کر کے عید کی نماز پڑھ لینا درست ہے، ایسی مسجد یا عید گاہ نہ ملے تو کسی دوسری جگہ بھی پڑھ لینا جائز ہے۔ [1]

[1] عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ خَادِمِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :كَانَ أَنَسٌ إِذَا فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعِيدِ مَعَ الْإِمَامِ جَمَعَ أَهْلَهُ فَصَلَّى بِهِمْ مِثْلَ صَلَاةِ الْإِمَامِ فِي الْعِيدِ(السنن الکبری للبیهقی،حدیث نمبر ۶۲۳۷)
عَنْ يُونُسَ ، قَالَ :حَدَّثَنِي بَعْضُ آلِ أَنَسٍ ؛ أَنَّ أَنَسًا كَانَ رُبَّمَا جَمَعَ أَهْلَهُ وَحَشَمَهُ يَوْمَ الْعِيدِ ، فَصَلَّى بِهِمْ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي عُتْبَةَ رَكْعَتَيْنِ(مُصنف ابن أبی شیبة،حدیث نمبر ۵۸۵۳،الرَّجُلُ تَفُوتُهُ الصَّلاَةَ فِي الْعِيدَيْنِ ، كَمْ يُصَلِّي ؟)

مسئلہ:...... اگر ایک ہی آدمی عید کی نماز سے رہ گیا ہو تو وہ عید کی نماز نہیں پڑھ سکتا، اس لئے کہ عید کی نماز جماعت کے ساتھ ہوتی ہے، اکیلے نہیں پڑھی جاتی۔

البتہ اگر عید کی نماز کے بجائے گھر میں نفل کی نیت سے دو یا چار رکعت نفل پڑھ لے تو بہتر ہے۔ ۲؎

۲؎ عَنْ مَسْرُوقٍ ، قَالَ :قَالَ عَبْدُ اللهِ :مَنْ فَاتَهُ الْعِيدُ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۵۸۵۰،الرَّجُلُ تَفُوتُهُ الصَّلاَةُ فِي الْعِيدَيْنِ ، كَمْ يُصَلِّي ؟)
ولٰكنه يصلى أربعا مثل صلاة الضحى ان شاء لانها اذا فاتته لايمكن تداركها بالقضاء لفقد الشرائط فان صلى مثل الضحى لنيل الثواب كان حسنا وهومروى عن ابن مسعود(البحرالرائق ج ۲ ص ۱۶۲)
روى عن ابن مسعود رضى اللہ عنه انه قال من فاتته صلوة العيدصلى اربع ركعات يقرأفى الاولٰى سبح اسم ربك الاعلٰى وفى الثانيه والشمس وضحها وفى الثالثة والليل اذايغشى وفى الرابعه والضحى وروى فى ذلك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعدا جميلاً وثواباً جزيلا (قاضى خان علٰى هامش الهندية ج ۱ ص ۱۸۴)

مسئلہ:...... اکثر اکابر فقہاء کے نزدیک عید کی نماز کے بعد خطبہ سے قبل مختصر دعا مستحب ہے، ضروری نہیں۔

اور بعض حضرات کے نزدیک نمازِ استسقاء کے خطبے کے بعد کی طرح عید کی نماز کے خطبے کے بعد بھی دعا کی گنجائش ہے، لہٰذا اس پر بھی نکیر نہیں کرنی چاہئے، اور اگر کوئی سِرے سے دعا نہ کرے، تو بھی گناہ نہیں (اس مسئلہ کی تفصیل ان شاءاللہ تعالیٰ آگے مستقل عنوان کے تحت ذکر کی جائے گی) ۱؎

۱؎ جن حضرات نے نماز کے بعد مختصر دعا کو مستحب قرار دیا، انہوں نے اس کو فرض نماز پر قیاس کیا ہے، اور جنہوں نے خطبہ کے بعد گنجائش دی، انہوں نے استسقاء کی نماز وخطبہ پر قیاس کیا، اور بعض نے انکار کیا ہے، انہوں نے صراحتاً ثبوت نہ ہونے کو بنیاد بنایا، تفصیل آگے مستقل عنوان کے تحت آتی ہے۔

مسئلہ:......عید کی نماز سے فارغ ہوکر گھر آنے کے بعد چار رکعت نفل نماز پڑھنا بہتر ہے، بعض روایات میں دو رکعت کا بھی ذکر ہے، یہ بھی درست ہے۔

اس کی تفصیل پہلے عید کی نماز کی رکعات کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ ۲؎

۲؎ المستحب أن يصلى أربعا بعد الرجوع إلى منزله، كذا فى الزاد(الفتاویٰ الهندية، ج ا ص ۱۵۰، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر فى صلاة العيدين)
ثم إذا أراد أن يصلى بعدها صلى أربعا، وفى "زاد الفقهاء :"إن أحب أن يصلى بعدها صلى أربعا، إلا أن مشايخنا قالوا :المستحب أن يصلى أربعا بعد الرجوع إلى منزله، كيلا يظن ظان أنه هو السنة المتوارثة(البناية شرح الهداية، ج۳ص ۱۰۶، وقت صلاة

العیدین)

مسئلہ:...... جہاں عید کی نماز ادا کی جائے، اگر وہاں منبر موجود ہو، تو عید کی نماز کے بعد اس پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا چاہئے، اور اگر منبر نہ ہو، تو زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا چاہئے۔ اور خاص عید کی نماز کے لئے منبر لے جانے کی ضرورت نہیں۔ ۳؎

۳؎ ولا يخرج المنبر فى العيدين؛ لما روينا أن النبى -صلى الله عليه وسلم -لم يفعل ذلك، وقد صح أنه كان يخطب فى العيدين على ناقته ، وبه جرى التوارث من لدن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -إلى يومنا هذا؛ ولهذا اتخذوا فى المصلى منبرا على حدة من اللبن والطين، واتباع ما اشتهر العمل به فى الناس واجب(بدائع الصنائع، ج ا ص ٢٨٠، فصل بيان ما يفسد صلاة العيدين وبيان حكمها إذا فسدت)

(قوله ولا بأس بإخراج منبر إليها) عزاه فى الدرر إلى الاختيار (قوله لكن فى الخلاصة إلخ) ومثله فى الخانية فإنهما قالا ولا يخرج المنبر إلى الجبانة يوم العيد.

واختلف المشايخ فى بنائه فى الجبانة قيل :يكره، وقيل :لا، فدل كلامهما على أنه لا خلاف فى كراهة إخراجه إليها، وإنما الخلاف فى بنائه فيها .ويمكن حمل الكراهة على التنزيهية وهى مرجع خلاف الأولى المفاد من كلمة لا بأس غالبا فلا مخالفة فافهم، وفى الخلاصة عن خواهر زاده هذا أى بناؤه حسن فى زماننا(ردالمحتار، ج٢ص ١٦٩، باب صلاة العيدين)

مسئلہ:...... عید کے خطبہ کے احکام بھی جمعہ کے خطبہ کی طرح ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے پڑھا جاتا ہے اور عید کا خطبہ نماز کے بعد، اور عید کا خطبہ پڑھنا سنت ہے اور جمعہ کا خطبہ واجب ہے۔ ۱؎

۱؎ وكيفية الخطبة فى العيدين كهى فى الجمعة فيخطب خطبتين يجلس بينهما جلسة خفيفة ويقرأ فيها سورة من القرآن ويستمع لها القوم وينصتوا لأنه يعلمهم الشرائع ويعظهم وإنما ينفعهم ذلك إذا استمعوا(بدائع الصنائع ج ا ص ٢٧٦، فصل صلاة العيدين)

مسئلہ:...... خطیب کے لئے بہتر ہے کہ پہلا خطبہ شروع کرنے سے پہلے آہستہ آواز میں اعوذ باللہ الخ پڑھے۔ ۲؎

۲؎ (وأما سننها فخمسة عشر) أحدها الطهارة حتى كرهت للمحدث والجنب (وثانيها) القيام، هكذا فى البحر الرائق، ولو خطب قاعدا أو مضطجعا جاز، هكذا فى فتاوى قاضى خان.

(وثالثها) استقبال القوم بوجهه (ورابعها) التعوذ فى نفسه قبل الخطبة (وخامسها) أن يسمع القوم الخطبة وإن لم يسمع أجزأه (الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص ١٤٦، الباب السادس عشرفى صلاة الجمعة)

مسئلہ:......عید کے خطبے کے دوران خاموش رہنا اور خطبہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے خواہ خطبہ کی آواز بھی نہ آرہی ہو۔

بعض جگہ خطبے کے دوران چندہ جمع کیا جاتا ہے ایسا کرنا جائز نہیں اور خطبہ کے وقت چندہ دینا بھی گناہ ہے۔ ۳

۳ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :مَنْ قَالَ يَوْمَ الجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ: أَنْصِتْ، فَقَدْ لَغَا "، وَفِى البَابِ عَنْ ابْنِ أَبِى أَوْفَى، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ :حَدِيثُ أَبِى هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ ، "وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ :كَرِهُوا لِلرَّجُلِ أَنْ يَتَكَلَّمَ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ، فَقَالُوا :إِنْ تَكَلَّمَ غَيْرُهُ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ إِلَّا بِالإِشَارَةِ(ترمذی، حدیث نمبر ۵۱۲)

مسئلہ:......خطبہ کے دوران کوئی بات چیت، سلام وکلام کرنا یہاں تک کہ نماز پڑھنا بھی جائز نہیں بعض لوگ خطبہ کے دوران نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آنے پر زبان سے درود شریف پڑھتے ہیں یا دعائیہ کلمات پر آمین وغیرہ کہتے ہیں، یا دونوں خطبوں کے دوران ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، یہ سب چیزیں غلط ہیں۔

البتہ دل ہی دِل میں زبان کو حرکت دیئے بغیر دعا کرنے اور درود پڑھنے میں حرج نہیں۔ ۱

۱ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ سُفْيَانَ ، عَنْ لَيْثٍ ، عَنْ مُجَاهِدٍ (ح) وَعَنْ سُفْيَانَ ، عَنْ أَبِى إِسْحَاقَ ، عَنِ الْحَارِثِ ، عَنْ عَلِيٍّ (ح) وَعَنْ سُفْيَانَ ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ، عَنْ عَطَاءٍ ؛ أَنَّهُمْ كَرِهُوا الصَّلاَةَ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ(مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۵۲۱۰، کتاب الصلاة، باب مَنْ كَانَ يَقُولُ : إِذَا خَطَبَ الإِمَام فَلاَ يُصَلِّى)

عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ أَبِى مَالِكٍ الْقُرَظِيِّ ، قَالَ :أَدْرَكْتُ عُمَرَ ، وَعُثْمَانَ ، فَكَانَ الإِمَامِ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَرَكْنَا الصَّلاَةَ(ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۶)

عَنْ عَطَاءٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، وَابْنِ عُمَرَ ؛ أَنَّهُمَا كَانَا يَكْرَهَانِ الصَّلاَةَ وَالْكَلاَمَ بَعْدَ خُرُوجِ الإِمَامِ(ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۸)

عَنِ ابْنِ سِيرِينَ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ :إِذَا خَرَجَ الإِمَامُ فَلاَ يُصَلِّ أَحَدٌ حَتَّى يَفْرُغَ الإِمَامِ(ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۱)

عَنِ ابْنِ عَوْنٍ ، قَالَ :كَانَ ابْنُ سِيرِينَ يَجْلِسُ ، وَلاَ يُصَلِّى (ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۵)

حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ ، قَالَ :أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِى خَالِدٍ ، قَالَ :رَأَيْتُ شُرَيْحًا دَخَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ أَبْوَابِ كِنْدَةَ فَجَلَسَ ، وَلَمْ يُصَلِّ(ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۲)

حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ ، قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ تَوْبَةَ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ، قَالَ :كَانَ شُرَيْحٍ إِذَا أَتَى الْجُمُعَةَ ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ خَرَجَ الإِمَامُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ، وَإِنْ كَانَ خَرَجَ جَلَسَ وَاحْتَبَى ، وَاسْتَقْبَلَ الإِمَامَ ، فَلَمْ يَلْتَفِتْ يَمِينًا ، وَلاَ شِمَالاً(ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۹)

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ :إِذَا قَعَدَ الإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَلاَ صَلاَةَ(ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۳)

عَنْ مَعْمَرٍ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ؛ فِي الرَّجُلِ يَجِيء يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ يَجْلِسُ ، وَلاَ يُصَلِّي(ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۴)

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، قَالَ :خُرُوجُ الإِمَامِ يَقْطَعُ الصَّلاَةَ(ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۷)

مسئلہ:...... خطبہ کو نماز سے زیادہ لمبا کرنا مکروہ ہے۔

حدیث میں نماز کو مختصر اور خطبے کو لمبا کرنے کو قیامت کی علامات میں شمار کیا گیا ہے۔ [۲]

[۲] ویکرہ تطویل الخطبة بان تزید الخطبتان علی سورة من طوال المفصل(منیة المصلی وغنیة المبتدی، کتاب الصلاة)

فقد سنَّ رسولُ الله صلَّى الله عليه وسلَّم أنَّ تطولَ الصَّلاةُ، وتقصرَ الخطبةُ، وجعلَ تطويلَ الخطبةِ إلى حدٍ يفضى إلى حدِ النَّفرةِ من أشراطِ السَّاعة(اللطائف المستحسنة بجمع خطب شهور السنة للكنوی، ص۷)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِنَّ قِصَرَ الْخُطْبَةِ، وَطُولَ الصَّلاةِ مَئِنَةٌ مِنْ فِقْهِ الرَّجُلِ، فَأَطِيلُوا الصَّلاةَ، وَاقْصُرُوا الْخُطَبَ، وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا، وَإِنَّهُ سَيَأْتِي بَعْدَكُمْ قَوْمٌ يُطِيلُونَ الْخُطَبَ وَيَقْصُرُونَ الصَّلَاةَ (مسند بزار، حدیث نمبر ۱۹۰۸)

قال الهيثمي: رواه البزار، وروى الطبراني بعضه موقوفا في الكبير ورجال الموقوف ثقات، وفي رجال البزار قيس بن الربيع وثقه شعبة والثوري وضعفه الناس(مجمع الزوائد، ج۲ ص ۱۹۰، باب قصر الخطبة)

مسئلہ:...... خطبہ سننے والوں کو دونوں خطبوں کے دوران تشہد کی حالت میں یعنی دو زانو بیٹھنا مستحب ہے ویسے جس طرح چاہیں بیٹھنا جائز ہے۔

بعض لوگ جو پہلے خطبہ کے دوران دونوں ہاتھ باندھتے ہیں اور دوسرے خطبہ میں چھوڑ دیتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں اس کا اہتمام کرنا یا ثواب سمجھنا شریعت سے ثابت نہیں (کذا فی احسن الفتاویٰ ج۴ص۱۴۳) [۱]

[۱] إذا شهد الرجل عند الخطبة إن شاء جلس محتبيا أو متربعا أو كما تيسر؛ لأنه ليس بصلاة عملا وحقيقة، كذا في المضمرات، ويستحب أن يقعد فيها كما يقعد في الصلاة، كذا في معراج الدراية (الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۴۸، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة)

مسئلہ:...... جمعہ وعیدین کا خطبہ سنت سے عربی میں پڑھنا ثابت ہے، اور غیر عربی زبان میں ثابت نہیں، اکثر فقہاء کی تحقیق کے مطابق تو عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ پڑھنا معتبر ہی نہیں ہوتا، اور بعض حضرات کے نزدیک مکروہ تحریمی ہوتا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور سلف سے غیر عربی میں جمعہ وعیدین کا خطبہ

پڑھنا ثابت نہیں۔

البتہ عید کی نماز سے پہلے کسی اور زبان میں وعظ وتقریر کرنا جائز ہے، اور یہ شرعاً عید کا خطبہ نہیں ہے، اور عید کا خطبہ عید کی نماز کے بعد پڑھا جاتا ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: جواہر الفقہ، جلد ا صفحہ ۳۴۷، صفحہ ۳۶۹)

مسئلہ:...... عید کی نماز کے خطبہ میں کثرت سے ''اللہ اکبر'' پڑھنا مستحب ہے، بعض حضرات کے نزدیک پہلے خطبہ کے بالکل شروع میں نو مرتبہ اور دوسرے خطبہ کے شروع میں سات مرتبہ، اور دوسرے خطبہ کے بالکل آخر میں چودہ مرتبہ مسلسل ''اللہ اکبر'' کہنا مستحب ہے۔ [۲]

---

[۲] (ويستحب أن يستفتح الأولى بتسع تكبيرات تترى) أى متتابعات (والثانية بسبع) هو السنة (و) أن (يكبر قبل نزوله من المنبر أربع عشرة)(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين)

ماہِ شوال اور عید سے متعلق چند اصلاحات وقابلِ توجہ پہلو

اب کچھ تفصیل کے ساتھ چند وہ موضوعات تحریر کیے جاتے ہیں جو ماہِ شوال اور عید کے حوالے سے قابلِ توجہ یا قابلِ اصلاح ہیں، اوران میں عموماً افراط وتفریط پائی جاتی ہے اوران مسائل کی وجہ سے بعض اوقات نزاع و جھگڑے کی بھی صورت بھی پیدا ہوجاتی ہے۔

شوال میں رمضان کی عبادت کو برقرار رکھنے کی ضرورت

بہت سے لوگوں کی یہ حالت ہے کہ وہ رمضان گزرتے ہی اپنی گناہوں والی زندگی کی طرف لوٹ آتے ہیں۔

حالانکہ رمضانُ المبارک کے مہینے میں الحمدللہ تعالیٰ اکثر مسلمانوں کو نیک اعمال مثلاً نماز باجماعت پڑھنے ،تلاوت کرنے ،اور دوسرے فرائض ،واجبات ادا کرنے اور روزہ رکھ کر گناہوں سے کافی حدتک بچنے کی توفیق ہوجاتی ہے۔

اوررمضان کا مہینہ گزرنے کے بعد خاص طور پر شوال کے مہینہ میں اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ رمضان کے ان اعمال کی برکات کو باقی وجاری رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے جو فرائض وواجبات انسانوں کے ذمہ عائد کئے ہیں، وہ ایسے نہیں ہیں کہ جن کا کرنا دوسرے دنوں میں مشکل ہو اور آدمی ان کو ادا نہ کرسکے، اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرض ہی کیوں فرماتے۔

لہٰذا جتنے بھی کام ہیں، چاہے وہ فرائض کی ادائیگی والے ہوں، یا گناہوں سے بچنے والے، وہ سب بندے کے اختیار میں ہیں اور یہ اختیار رمضان کے بعد بھی برقرار رہتا ہے اگر بندہ اپنے اختیار کو استعمال کرے تو رمضان کے بعد بھی ان پر بآسانی عمل درآمد کرسکتا ہے۔

اوررمضان کے مہینہ میں جو نیک اعمال کرنے اور گناہوں کے چھوڑنے کا تھوڑا سا مزاج بن

جاتا ہے اور رمضان میں جو کچھ مجاہدہ کیا جاتا ہے، رمضان کے بعد اس سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ رمضان گزرتے ہی شوال کا چاند نظر آنے پر مسجد سے ایسا رُخ موڑتے ہیں کہ اگلے رمضان تک پھر نام ہی نہیں لیتے ،اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ بھی بعض لوگ سلوک کرتے ہیں کہ رمضان کے بعد قرآن مجید کو جو اٹھا کر رکھتے ہیں تو پورے سال اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

بہت سے معتکفین کا بھی یہی حال ہے کہ اعتکاف کے دنوں میں تو بہت اللہ والے اور ولی اللہ محسوس ہوتے ہیں اور فرائض ،واجبات کے علاوہ سنن اور نوافل (تہجد ، اشراق ،اوابین وغیرہ) تک کا اہتمام کرتے ہیں،لیکن شوال کا چاند نظر آتے ہی ایسے غائب ہو جاتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید ہجرت کر کے دور دراز تشریف لے گئے ہیں ،ان لوگوں کو اپنے اعتکاف پر نظر کرنے کی ضرورت ہے کہ جو اعتکاف غیر اللہ سے تعلق توڑ کر اللہ سے تعلق جوڑنے کے لئے تھا اس کا اتنا بھی اثر ظاہر نہ ہوا کہ اس سے فارغ ہو کر فرض نماز کی ہی توفیق ہو جاتی۔

اور بے شک نیک اعمال کا ثواب رمضان المبارک میں زیادہ ہو جاتا ہے،لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ رمضان کے علاوہ نیک اعمال کرنے کی ضرورت نہ ہو، بلکہ شریعت کے اکثر احکام ایسے ہیں جو رمضان اور غیر رمضان دونوں حالتوں میں بندوں پر عائد ہوتے ہیں۔

عید ملن پارٹی کی شرعی حیثیت

آج کل عید سے فراغت کے بعد بعض لوگوں میں یہ دستور ہے کہ باری باری ایک دوسرے کی دعوت کی جاتی ہے اور اس کو عید ملن پارٹی کا نام دیا جاتا ہے خصوصاً سرکاری دفاتر میں ملازمت کرنے والے حضرات زیادہ تر یہ رسم انجام دیتے ہیں۔

بعض علاقوں میں ایک مسجد میں اعتکاف کرنے والے حضرات عید کے بعد ایک دوسرے کے لئے اس قسم کی تقاریب کا اہتمام کرتے ہیں۔

اور اس میں عام طور پر دوسرے کو شرمندہ کر کے اور کسی بھی طرح کا دباؤ ڈال کر اس سے دعوت منوائی جاتی ہے، اور وہ بے چارہ غریب شرما حضوری میں آ کر کسی نہ کسی طرح اس کا انتظام کرتا ہے خواہ اس کے لئے اس کو قرض لینا پڑے یا ضروری درجہ کے حقوق فوت ہو جائیں۔

نیز اس میں عام طور پر دکھاوا اور ایک دوسرے کا مقابلہ بھی پیشِ نظر ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ بعض لوگ اس کو شرعی حکم سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔

اور بعض اتنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی اس پر عمل نہ کرے تو اسے لعن وطعن کیا جاتا ہے اور بُرا بھلا، بخیل و کنجوس وغیرہ کہا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان خرابیوں کے ہوتے ہوئے اس رسم کی شرعاً اجازت نہیں ہو سکتی، کسی کا مال بغیر خوشدلی کے استعمال کرنے کو شریعت نے حلال قرار نہیں دیا، اس لئے اس رسم کو ترک کر دینا چاہئے۔

البتہ اگر ان خرابیوں سے بچ کر خوشدلی کے ساتھ کوئی دوسرے کی دعوت کرے، اور اس کو عید کا کوئی حصہ اور ضروری نہ سمجھے، تو پھر اس میں حرج نہ ہوگا۔

ماہِ شوال میں نکاح کو منحوس و معیوب سمجھنا

آج کل بعض لوگ شوال کے مہینہ میں نکاح وشادی کو منحوس و معیوب سمجھتے ہیں اور اس سے بدشگونی و بدفالی لیتے ہیں۔

یہ جاہلیت کی بات ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں شوال میں نکاح کرنے کو منحوس سمجھا جاتا تھا، اور اس کی وجہ بعض حضرات نے یہ بیان فرمائی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ایک مرتبہ شوال کے مہینہ میں طاعون ہو گیا تھا، اس لئے جاہلیت کے لوگ شوال میں نکاح کو منحوس سمجھنے لگے

تھے اور وہ اس مہینہ میں شادی کی کوئی تقریب انجام نہیں دیتے تھے۔ [1]

[1] وقال أبو عاصم :إنما كره الناس أن يدخلوا النساء فى شوال لطاعون وقع فى شوال فى الزمن الأول(الطبقات الكبرى لا بن سعد، ج۸ص۴۸،تحت ترجمة عائشة بنت ابى بكر الصديق)

حضرت عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

تَزَوَّجَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ شَوَّالٍ، وَبَنٰى بِيْ فِيْ شَوَّالٍ، فَأَيُّ نِسَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَحْظٰى عِنْدَهُ مِنِّيْ؟ قَالَ : وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَسْتَحِبُّ أَنْ تُدْخِلَ نِسَاءَ هَا فِيْ شَوَّالٍ (مسلم) [2]

[2] حديث نمبر ۱۴۲۳، كتاب النكاح، باب استحباب التزوج والتزويج فى شوال، واستحباب الدخول فيه، دار احياء التراث العربى، بيروت.

ترجمہ: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال میں نکاح فرمایا، اور شوال ہی میں میری رخصتی ہوئی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کون سی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مجھ سے زیادہ مرغوب ہوگی، حضرت عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شوال میں نکاح ورخصتی کو پسند فرماتی تھیں (ترجمہ ختم)

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

وَقَصَدَتْ عَائِشَةُ بِهٰذَا الْكَلَامِ رَدَّ مَا كَانَتِ الْجَاهِلِيَّةُ عَلَيْهِ وَمَا يَتَخَيَّلُهُ بَعْضُ الْعَوَامِّ الْيَوْمَ مِنْ كَرَاهَةِ التَّزَوُّجِ وَالتَّزْوِيْجِ وَالدُّخُوْلِ فِيْ شَوَّالٍ وَهٰذَا بَاطِلٌ لَا أَصْلَ لَهُ وَهُوَ مِنْ آثَارِ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَتَطَيَّرُوْنَ بِذٰلِكَ (شرح النووى علىٰ مسلم) [3]

[3] ج۹ص۲۱۰، كتاب النكاح، باب استحباب التزوج والتزويج فى شوال، داراحياء التراث العربى، بيروت.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد اس اعتقاد کو غلط ثابت کرنا تھا جو جاہلیت کے لوگوں کا تھا کہ وہ شوال میں نکاح کرنے میں بدشگونی اور بدفالی

لیا کرتے تھے، اور آج بھی بعض عوام شوال میں نکاح اور رخصتی کرنے کرانے کو معیوب سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ باطل بات ہے، جس کی کوئی اصل نہیں، اور یہ جاہلیت کے آثار میں سے ہے کہ جاہلیت کے لوگ اس سے بدشگونی لیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

خوب سمجھ لیجئے! شرعی اعتبار سے کوئی مہینہ یا کوئی دن منحوس نہیں ہے، دراصل نحوست انسان کی بداعمالیوں میں ہے اور نکاح بذاتِ خود کوئی بُرا عمل نہیں بلکہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے، اور یہ ایسی عبادت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تقریباً سارے انبیائے علیہم السلام نے انجام دی ہے اور یہ عبادت جنت میں بھی برقرار رہے گی۔

اس لئے اگر اس عبادت کو شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق انجام دیا جائے تو یہ خیر وبرکت کا باعث ہوگی اور جس مہینہ یا جس دن میں بھی یہ عمل سنت کے مطابق انجام دیا جائے گا وہ بابرکت ہی ہوگا، اور اس کے برعکس خلافِ شرع طریقہ پر انجام دینے سے برکت نہ ہوگی۔

بعض لوگ آج کل شادی بیاہ کے موقع پر مختلف گناہوں اور خرابیوں (مثلاً بے پردگی، مَردوں عورتوں کا مخلوط اجتماع ،تصویر سازی، گانا بجانا، ڈھول باجے، آتش بازی ،فضول خرچی وغیرہ) میں مبتلاء ہوتے ہیں، لیکن اس طرف توجہ نہیں کرتے کہ ان گناہوں کی وجہ سے یہ نکاح بے برکتا ہو جائے گا، مگر اس کے برعکس شوال یا کسی دوسرے مہینے میں نکاح کو معیوب ومنحوس سمجھتے ہیں۔ یہ لاعلمی وناواقفی کی بات ہے۔

عید کارڈ کی وباء

ہمارے معاشرے میں بہت سے ایسے رواج اور رسمیں ایجاد ہوگئی ہیں کہ جن کا دین ومذہب

سے تعلق نہیں لیکن ہماری قوم ان رسموں میں اس طرح منہمک ہے کہ کسی طرح چھوڑنے کے لئے تیار نہیں خواہ ان کی خاطر کتنا ہی مال، قیمتی اوقات، اور کتنی ہی جان کیوں نہ کھپانی پڑے اور دین سے بھی محرومی ہو اور اس شعر کا مصداق ہی کیوں نہ بن جائے ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم   نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

ہمارے معاشرے کی اِن رسموں میں سے ایک رسم مروَّجہ ''عید کارڈ'' کی ہے، عیدین کے موقع پر اور خاص کر عیدُ الفطر پر ایک دوسرے کو عید کارڈ بھیجنے کی پابندی والتزام ہے، اور اس کا اس حد تک التزام ہونے لگا ہے کہ اگر کسی دوست یا قریبی عزیز کا عید کارڈ موصول نہ ہو تو ناراضگی اور طعن وتشنیع تک سے گریز نہیں کیا جاتا اور اسی پر بس نہیں بلکہ آپس میں مقابلہ بازی اور ہار جیت تک کے فیصلے بھی ''عید کارڈوں'' کی بنیادوں پر کیے جانے لگے ہیں۔

عید الفطر آنے سے ہفتوں پہلے ہی سے بک اسٹالوں اور کارڈ فروشوں کی دوکانوں کے چکر لگانا شروع کردیئے جاتے ہیں جہاں شروع رمضان ہی سے ہر قسم کے رنگ برنگ اور نت نئے کارڈوں کا اجتماع ہوتا ہے، جن میں اعلیٰ، درمیانی اور ادنیٰ درجہ اور ہر طرح کے کارڈ دستیاب ہوتے ہیں۔

اور ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور اعلیٰ سے اعلیٰ اور قیمتی سے قیمتی کارڈ کے انتخاب کو ترجیح دی جاتی ہے، اور اس کو اپنی شان وشوکت بڑھانے کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ عید کارڈ کی مروَّجہ رسم میں کئی گناہ اور منکرات ومفاسد جمع ہیں، جن کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

(۱)......زیادہ تر عید کارڈ کی رسم میں پیش پیش وہ لوگ نظر آتے ہیں جنہیں نہ تو اپنے روزوں کو صحیح صحیح رکھنے کی توفیق ہوتی اور نہ ہی رات کو تراویح کا وقت ان کے پاس ہوتا، نہ صدقہ خیرات کی ان کے پاس گنجائش نظر آتی اور نہ ہی کسی غریب کے نانِ شبینہ کا انتظام کرنے کی، اور نہ زکوٰۃ کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کی توجہ ہوتی ہے، اور نہ ہی صدقۂ فطر نکالنے کی۔

ہزاروں بندگانِ خدا روزہ کی نعمت سے محروم ہیں زکوٰۃ اور صدقۂ فطر ادا نہیں کرتے غریب

نانِ شبینہ تک کے محتاج ہیں مگر عید کارڈ کی رسم میں جان اور مال اور وقت کھپانے سے گریز نہیں کرتے۔

بھلا اللہ تعالیٰ کے اہم احکامات کو چھوڑ اور توڑ کر ایک فضول رسم پر اپنے مال اور وقت کو قربان کرنا کیسی عقلمندی ہے؟

(۲)...... اس رسم کو بہت سے لوگوں کی طرف سے ایک عبادت اور ثواب کا کام اور عید کا حصہ سمجھ کر انجام دیا جاتا ہے، جبکہ اس عید کارڈ کی رسم کا خیر القرون کے دور میں کوئی ذکر نہیں ملتا، کسی صحابی، تابعی، یا تبع تابعی نے اس رسم کو انجام نہیں دیا بلکہ یہ اِس دور کی پیداوار ہے، اس کو عید کے اہم اسلامی حکم اور عبادت کے ساتھ چسپاں کرنا اور عید کے اسلامی تہوار کی طرف منسوب کرنا دین میں زیادتی اور گناہ ہے۔ ۱

۱ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :إِنَّمَا هُمَا اثْنَتَانِ، الْكَلَامُ وَالْهَدْيُ، فَأَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللَّهِ، وَأَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ، أَلَا وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدِثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ شَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ(ابن ماجه، حديث نمبر ۴۶)

(۳)...... یہ عید کارڈ کی رسم بنیادی طور پر عیسائیوں کے کرسمس کارڈ کی نقل بھی ہے، جبکہ کافروں کی نقل اتارنا اوران کی مشابہت کرنا گناہ ہے۔

کئی احادیث میں غیروں کے ساتھ تشبہ اوران کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے، اوراس پر وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ ۲

---

۲ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ(سنن ابی داؤد، حديث نمبر ۴۰۳۱)

عَنْ سَعِيدِ بن جبلة ، عَنْ طَاوُسٍ ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم ، قَالَ :إِنَّ اللَّهَ بَعَثَنِي بِالسَّيْفِ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ ، وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي وَجُعِلَ الذُّلُّ وَالصَّغَارُ عَلَى مَنْ خَالَفَنِي وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ(مصنف ابنِ ابی شيبة، حديث نمبر ۱۹۷۸۳)

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا، لَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ وَلَا بِالنَّصَارَى(سنن ترمذی، حديث نمبر ۲۶۹۵)

عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ :قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا فَلَيْسَ مِنَّا ,وَلَا تُسَلِّمُوا بِتَسْلِيمِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى ,فَإِنَّ تَسْلِيمَ الْيَهُودِ بِالْأَكُفِّ ,وَتَسْلِيمَ النَّصَارَى بِالْإِشَارَةِ (مسند الشاميين للطبرانی، حديث نمبر ۵۰۳)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؛ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَأَى رَجُلاً يُصَلِّي مُلْتَحِفًا ، فَقَالَ :لاَ تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ ، مَنْ لَمْ يَجِدْ مِنْكُمْ إِلَّا ثَوْبًا وَاحِدًا فَلْيَتَّزِرْ بِهِ (مصنف ابنِ ابی شیبۃ حدیث نمبر ۳۲۱۵)

عَنْ مَسْرُوقٍ ، عَنْ عَائِشَةَ ؛ أَنَّهَا كَرِهَتِ الاخْتِصَارَ فِي الصَّلاَةِ ، وَقَالَتْ :لاَ تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ(مصنف ابنِ ابی شیبۃ حدیث نمبر ۴۶۳۴)

عَنْ عَبْدِ الأَعْلَى ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، أَنَّهُ رَأَى مِجْمَرًا فِي جِنَازَةٍ فَكَسَرَه ، وَقَالَ سَمِعْت ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ لاَ تُشَبَّهُوا بِأَهْلِ الْكِتَابِ(مصنف ابنِ ابی شیبۃ حدیث نمبر ۱۱۲۸۶)

اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ہے کہ:

وَلَاتَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْافَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (سورہ ھود آیت ۱۱۳)

ترجمہ: اور ان ظالموں (اور کافروں) کی طرف مت جھکو، کبھی تم کو (جہنّم کی) آگ نہ پہنچ جائے (ترجمہ ختم)

کافروں اور ظالموں کی طرف جھکنے میں ان کے ساتھ ظاہری تشبہ بھی داخل ہے (تفسیر عثمانی)

(۴)......عید کارڈ کی رسم میں پیسے کا بے جا اسراف بھی ہے، ملک بھر میں ہر سال اس بے ہودہ رسم پر لاکھوں، کروڑوں روپیہ برباد کر دیا جاتا ہے، اور آج کل عید کارڈ کے لئے اچھے سے اچھے کاغذ اور کارڈ اور زیب وزینت کا انتخاب کیا جاتا ہے، بعض امیر گھرانوں میں تو بڑے بڑے عید کارڈوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے جن میں بعض عید کارڈ پانچ، پانچ، چھ، چھ سو روپے کی قیمت کے بھی ہوتے ہیں۔ پھر ان کو ڈاک سے بھیجنے کا خرچ علیحدہ ہے، اور یہ فضول خرچی ہے جو قرآن وسنت کی رو سے گناہ ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی بند قرار دیا ہے۔ [1]

[1] اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۷ پ ۱۵)

اور احادیث میں قیامت کے روز مال کے بارے میں سوال کئے جانے سے پہلے قدم نہ ہٹنے کا ذکر آیا ہے۔ [2]

[2] عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الأَسْلَمِيِّ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لاَ تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ القِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ عِلْمِهِ فِيمَ فَعَلَ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَعَنْ جِسْمِهِ فِيمَ أَبْلاَهُ (سنن ترمذی، حدیث نمبر ۲۴۱۷)

(۵)...... بہت سے عید کارڈ جانداروں کی تصویروں پر مشتمل ہوتے ہیں، مثلاً کبوتر، طوطا،

بگلا یا کوئی دوسرا جانور یا پرندہ وغیرہ بنا ہوتا ہے، جبکہ اس طرح کے جانداروں کی تصاویر کھینچنا، بنانا، چھاپنا، دیکھنا اور دوسرے کے پاس بھیجنا اور رکھنا سب گناہ ہے۔

(۶)...... بہت سے عید کارڈ کھلاڑیوں، گانے بجانے والے گویوں، اور فلمی اداکاروں (جن کو فلمی اور غیر فلمی ستاروں اور موسیقی کاروں کا نام دیا جاتا ہے) کی رنگین تصویروں سے ملوث ہوتے ہیں، جنہیں خاص مقبولیت حاصل ہوتی ہے، اللہ کی پناہ! ذرا سوچئے ان گناہ گار لوگوں کی تصویروں کا انتخاب اور ان کی تعظیم واحترام کس قدر غضبناک بات ہے، پھر ان تصویر شدہ کارڈوں کو دیواروں پر لٹکایا اور الماریوں اور کمروں میں سجایا جاتا ہے، جو ایک دوسرا مستقل گناہ ہے۔

(۷)......بعض عید کارڈوں پر اسی قسم کی عورتوں کی تصویریں بھی ہوتی ہیں، جن میں بہت سی تصویریں عریاں اور نیم عریاں رنگین اور فحش انداز کی ہوتی ہیں ان کو دیکھنا، پسند کرنا اور بھیجنا سب خطرناک گناہ ہیں۔

(۸)...... پھر اس قسم کی تصویروں میں سے کسی کا انتخاب کرنا اپنی اپنی پسند کی ترجمانی کا اظہار اور اس کی علامت سمجھی جاتی ہے، جس میں گناہ کی شہرت اور اس کا اظہار بھی ہے جو کہ مستقل گناہ ہے۔

(۹)...... سب سے بڑھ کر ''کریلا اور نیم چڑھا'' کا مصداق یہ ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ''عید مبارک'' کے عنوان اور اس کے نام پر ہوتا ہے، کیا اتنے عظیم گناہوں کو مبارک خوشی اور مبارک عید کا نام دے کر بجالانا دین اور شریعت کی بے احترامی نہیں ہے؟

(۱۰)......بعض عید کارڈ، مبارک اور عظیم کلمات یا قرآنی آیتوں سے آراستہ کئے جاتے ہیں، اول تو مبارک کلمات اور قرآنی آیات کو ایک رسم کے ساتھ وابستہ کرنا ہی بے احترامی ہے اور پھر ایک بے حرمتی یہ کی جاتی ہے کہ یہ عید کارڈ استعمال کرنے کے بعد ردی کی ٹوکری یا اور کسی بے ادبی والی جگہ پھینک دیئے جاتے ہیں۔ خدارا! کچھ تو انصاف کیجئے۔

(۱۱)......عموماً عید کارڈ بھیجنے والوں کا آپس میں اعلیٰ سے اعلیٰ عید کارڈ بھیجنے کا مقابلہ ہوتا ہے ہر شخص اس رسم میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ اس کی زیادہ سے زیادہ تعریف ہو، کسی رسم اور گناہوں پر مشتمل رسم میں مقابلہ کرنا اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا اور دوڑ لگانا کیسے جائز ہوسکتا ہے اور پھر اس گناہ پر فخر، دکھلاوا اور بڑائی اس گناہ کی سنگینی کو اور بڑھا دیتا ہے۔

(۱۲)......اس مقابلہ بازی میں جس فریق کا عید کارڈ دوسرے کے مقابلہ میں گھٹیا ہو اس کو دوسرا طرح طرح کے مثلاً، بخیل، کنجوس وغیرہ کے طعنے دیتا ہے یا دل میں اس کو حقیر سمجھتا ہے۔

حالانکہ اول تو کسی کو طعنہ دینا ہی گناہ ہے دوسرے کسی مسلمان کو حقیر سمجھنا ایک علیحدہ گناہ ہے، تیسرے کسی کو گناہ پر ابھارنا بھی گناہ ہے۔

(۱۳)......بعض جگہ عید کارڈ میں اس طرح کا ادلہ بدلہ ہوتا ہے کہ اس کو دوسرے پر ایک طرح کا قرض سمجھا جاتا ہے اگر دوسرا نہ بھیجے تو اس کو اپنا مقروض یا حق تلفی کرنے والا یا غاصب وغیرہ شمار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ کسی کو گناہ نہ کرنے پر غاصب وغیرہ سمجھنا یا دوسرے کے گناہ کو اپنا حق شمار کرنا کتنا بڑا گناہ ہے اور گناہ میں ادلہ بدلہ کرنا بھی گناہ ہے۔

(۱۴)......بعض عید کارڈ ظاہری خرافات سے تو خالی ہوتے ہیں ان میں جاندار کی تصویریں وغیرہ نہیں ہوتیں لیکن دوسرے متبرک غیر جاندار مقامات مثلاً حرمین شریفین، کسی مسجد وغیرہ یا خوبصورت باغات، پہاڑوں، دریاؤں وغیرہ کی تصویریں اور سینریاں ہوتی ہیں، اس لئے لوگ سمجھتے ہیں کہ ایسے عید کارڈ بھیجنے میں حرج نہیں لیکن یاد رکھئے کہ دوسری خرابیاں تو پھر بھی ہوتی ہیں (کہ خود عید کارڈ ہی غیر اسلامی رسم اور فضول خرچی ہے) لہٰذا ایسے عید کارڈ سے بھی بچنا چاہئے۔

اس طرح بے شمار خرافات ومنکرات کے ساتھ عید کارڈوں میں قوم کا روپیہ ضائع ہو کر ردی کی

نظر ہو جاتا ہے نہ کوئی دین کا فائدہ ہوتا بلکہ الٹا نقصان ہی ہوتا ہے اور نہ دنیا کا کوئی فائدہ۔
اگر یہی رقم غریبوں، مسکینوں، ناداروں، دینی مدرسوں اور دوسرے شرعی ورفاہی کاموں پر خرچ کی جائے تو کتنے تنگدست گھرانے خوشحال ہو جائیں، بیمار تندرست ہو جائیں، روزی کے محتاج برسر روزگار ہو جائیں، جاہل علم کی دولت سے بہرہ ور ہو جائیں، کتنے ضرورت مند لوگوں کی ضروریات کا انتظام اور مشکلات و پریشانیوں سے نجات حاصل ہو جائے۔
اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو صحیح فہم عطا فرمائیں اور اس رسم سے بچنے کی توفیق بخشیں۔ آمین۔[1]

---

[1] بعض حضرات نے زیب وزینت کی خاطر اور دوسرے کا دل خوش کرنے کی غرض سے عید کارڈ کو جائز قرار دیا ہے (کمافی احسن الفتاویٰ ج۸ ص۱۴۷)

لیکن ناقص خیال کے مطابق اگر غور کیا جائے تو اس عید کارڈ کی مروجہ رسم میں عید کے حوالہ سے ہونے والی دوسری خرابیوں سے کم تو کجا زیادہ ہی خرابیاں نظر آتی ہیں جن کا مشاہدہ ہر شخص بخوبی کر سکتا ہے۔ جہاں تک زینت کا تعلق ہے تو صرف زینت اس میں عوام کے ہرگز پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ نمود ونمائش ہی غالب ہوتی ہے اور کوئی شخص بھی بطور خود یہ اقرار نہیں کرتا کہ اس کی غرض نمود ونمائش کی ہے پھر زینت کی غرض تو اس وقت معتبر سمجھی جائے گی جبکہ اس عید کارڈ کو زینت کے طور پر سجا کر رکھا جائے اور ایسا نہیں ہے بلکہ اس کو ردی کی نذر کر دیا جاتا ہے علاوہ ازیں اس کو زینت میں داخل مان کر زیادہ سے زیادہ جائز یا مستحب کہا جا سکتا ہے اور مباح یا مستحب عمل میں اگر کوئی منکر شامل ہو جائے تو وہ پھر جائز یا مستحب نہیں رہتا، خصوصاً جبکہ اس سے دوسروں کے غلط عمل کی تائید بھی ہوتی ہو۔ جہاں تک دوسرے کا دل خوش کرنے کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں ادب کے ساتھ عرض ہے کہ اس کی بھی اسی وقت اجازت ہو سکتی ہے جبکہ یہ عمل منکرات سے خالی ہو۔ وَاِذْ لَا فَلَا۔ واللہ اعلم۔

اسی طرح بعض حضرات نے جو یہ سمجھا ہے کہ مروجہ عید کارڈ دراصل عید کی مبارک بادی کی ایک صورت ہے، اور عید کارڈ پر ''عید مبارک'' ہی لکھا ہوا ہوتا ہے، لہٰذا جو حکم عید مبارک کہنے کا ہے، وہی حکم عید کارڈ کا بھی ہے؛ یہ بھی درست معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ عید مبارک تو زبان کا عمل ہے، نہ اس میں پیسوں کا فضول ضیاع ہے، نہ تصاویر وغیرہ جیسے منکرات ہیں، اور نہ ہی اس کو فرض وواجب سمجھنا درست ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

عید کی تیاری میں غلو

آج کل عید کی غیر معمولی تیاری بھی ایک مستقل رسم بن گئی ہے، اس میں ہر شخص دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، عید کے دن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے بلاشبہ خوشی کا دن بنایا ہے اور اتنی بات بھی شریعت سے ثابت ہے کہ اس روز جو بہتر سے بہتر لباس ہو وہ

پہنے لیکن اس غرض کے لئے آج بیشمار فضول خرچیوں کو عید کا ضروری حصہ سمجھ لیا گیا ہے۔
چنانچہ آج یہ بات ضروری سمجھ لی گئی ہے کہ کسی کے پاس گنجائش ہو یا نہ ہو مگر وہ ہر حال میں کسی نہ کسی طرح گھر کے ہر فرد کے لئے نئے جوڑے اور سر سے لے کر پاؤں تک کی ہر نئی سے نئی چیز کا انتظام کرے، بیوی بچوں کا ہر جائز و ناجائز مطالبہ پورا کرے، سر سے لے کر پاؤں تک ہر چیز نئی اور اچھی سے اچھی ہو اور دکان ومکان کی زیب وزینت بھی عمدہ سے عمدہ طریقے پر کرے، خواہ اس کی خاطر ناجائز ذریعۂ آمدنی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے، یا دوسروں سے قرض اور بھیک ہی کیوں نہ مانگنی پڑے۔ جس کی وجہ سے ایک درمیانی آمدنی والے شخص کے لئے عید کی تیاری ایک مستقل مصیبت اور مسئلہ بن چکی ہے۔
شریعت نے ہر مسلمان کو ہر موقع پر میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔ اور فضول خرچی اور حد سے تجاوز کرنے سے منع فرمایا ہے۔
اس لیے عید کی تیاری میں بے جا غلو سے پرہیز کرنا چاہیے۔

عید کے موقعہ پر لائٹنگ اور دوسری فضول خرچیاں

آج کل عید کے موقعہ پر بعض لوگوں میں چراغاں (لائٹنگ) کرنے کی وباء بھی بہت زیادہ اہمیت اختیار کر چکی ہے، بہت سی دوکانوں اور بلڈنگوں پر ضرورت سے زیادہ روشنی کی جاتی ہے، قمقمے روشن کئے جاتے ہیں، لائٹ کا بے جا اضافہ کر کے پورے پورے گھروں اور درودیوار کو روشن کیا جاتا ہے اور بے جا سجاوٹ اور نمائش میں بھی رقم کا بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے اور اس کو کارِ خیر شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ کئی گناہوں کا مجموعہ ہے، جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔
(۱)......اس رسم میں اہلِ ہنود (بت پرستوں) کے ساتھ مشابہت ہے، کیونکہ ہندوؤں کے یہاں ان کے تہواروں دیوالی وغیرہ کے موقع پر اس طرح روشنی کی جاتی ہے، اور غیر مسلموں

سے تشبہ گناہ ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی رسمِ دیوالی سے اس طرح کی رسموں کو لیا گیا ہے کیونکہ ہندوستان میں عموماً بدعتی رسمیں کفر کے زمانہ ہی کی باقی ہیں اور مسلمانوں میں (کفار کے ساتھ) میل جول کرنے کے سبب پھیل گئی ہیں۔

(۲)...... یہ رسم ہندوؤں کے علاوہ آتش پرستوں (آگ کے پجاریوں) کے ساتھ بھی مشابہت سے خالی نہیں بلکہ بہت سے علماء نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ مسلمانوں میں یہ رسم آتش پرستوں سے شروع ہوئی۔ [1]

[1] قال علی وأول حدوث الوقود من البرامكة وكانوا عبدة النار فلما أسلموا أدخلوا الإسلام ما يموهون أنه من سنن الدين ومقصودهم عبادة النيران ولم يأت فی الشرع استحباب زيادة الوقود علی الحاجة فی موضع وما يفعله عوام الحجاج من الوقود بجبل عرفات وبالمشعر الحرام فهو من هذا القبيل، قال وقد أنكر الطرطوشی الاجتماع ليلة الختم فی التراويح ونصب المنابر وبين أنه بدعة منكرة وأعظم منه ما يوجد اليوم فی مجلس القصاص والبداة من اختلاط الرجال والنساء وتلاصق أجسادهم حتی يروی أن رجلا ضم امرأة من خلف وعبث بها وآخر التزم امرأة وغير ذلک من الفسوق واللغط والسرقة وتنجيس مواضع العبادة وإهانة بيوت الله وكله بدعة وضلالة(تذكرة الموضوعات لمحمد طاهر الفتنی،ص ۴۶، كتاب العلم،باب التطوع،الفصل الخامس فی البراءة وصلاتها وكثرة وقودها)

(۳)......اس رسم میں مال کو بے جا اڑانا اور ضائع کرنا ہے، اس لئے کہ اس رسم میں قوم کی لاکھوں روپے کی بجلی اور پیسہ ضائع ہو جاتا ہے، جبکہ حاصل حصول کچھ بھی نہیں ہوتا، بجلی ایک ضرورت کی چیز ہے جس کو بوقتِ ضرورت استعمال کرنا چاہئے، بلاضرورت یا ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا اسراف اور فضول خرچی میں داخل ہے، اور بطورِ خاص ایک ایسے ملک میں جہاں بجلی کی قلت اور لوڈ شیڈنگ کا رونا رویا جا رہا ہے، یہ رسم کسی طرح عقلمندی نہیں، بلکہ حماقت پر مبنی ہے۔

(۴)......اس رسم میں عموماً اپنی بڑائی جتلانا اور دوسروں پر فخر ظاہر کرنا ہوتا ہے، اور اس قسم کی بڑائی جتلانے اور فخر ظاہر کرنے والے پر اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتے ہیں۔

کیا اب بھی لوگ ان خرافات سے باز نہ آئیں گے؟

مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آج کل جو دوسرے مختلف طریقوں سے عیدین کے دنوں میں فضول خرچیاں کی جاتی ہیں وہ بھی جائز نہیں، اس کے بجائے یہی پیسہ صحیح مستحقین اور دوسرے خیر کے کاموں پر خرچ کر دیا جائے، تو کتنی خیر اور نیکی حاصل ہو۔

عید کے دن مصافحہ ومعانقہ

مصافحہ اور معانقہ کرنے (یعنی ہاتھ ملانے اور گلے ملنے) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپس میں ملاقات ہوتی تو سنت کے مطابق سلام کرتے اور سلام کے ساتھ مصافحہ کرتے اور جب سفر سے آتے تو معانقہ کرتے (یعنی گلے ملتے) اس سے ہٹ کر مصافحہ اور معانقہ کا کوئی خاص وقت یا دن مثلاً کسی نماز کے بعد یا عید کا موقع مقرر نہ تھا۔

اس سلسلہ میں چند احادیث وروایات ملاحظہ فرمائیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلرَّجُلُ مِنَّا يَلْقٰى أَخَاهُ أَوْ صَدِيْقَهٗ أَيَنْحَنِيْ لَهٗ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: أَفَيَلْتَزِمُهٗ وَيُقَبِّلُهٗ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: أَفَيَأْخُذُ بِيَدِهٖ وَيُصَافِحُهٗ؟ قَالَ: نَعَمْ (ترمذی) [1]

[1] حديث نمبر ٢٧٢٨، ابواب الاستئذان والآداب، باب ماجاء المصافحة، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.
قال الترمذی: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

ترجمہ: ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ایک آدمی اپنے بھائی یا دوست سے ملاقات کرتا ہے، کیا وہ اس کے لئے جھکے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، اس نے عرض کیا کہ اس سے چمٹے گا (یعنی معانقہ کرے گا) اور اس کو بوسہ دے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، اس نے عرض کیا کہ کیا اس کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَيَنْحَنِيْ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ؟ قَالَ: لَا. قُلْنَا أَيُعَانِقُ بَعْضُنَا بَعْضًا؟ قَالَ: لَا، وَلٰكِنْ تَصَافَحُوْا (ابنِ ماجه) [1]

[1] حديث نمبر ٣٧٠٢، كتاب الادب، باب فى المصافحة.
(حكم الألبانى) حسن.

ترجمہ: ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہم میں سے کوئی دوسرے کے لئے جھکے گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، ہم نے کہا کہ کیا ہم میں سے کوئی دوسرے سے معانقہ کرے گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ تم مصافحہ کرو (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ سلام اور مصافحہ ملاقات کے وقت کرنا چاہئے، اور صرف ملاقات ہونے پر معانقہ نہیں کرنا چاہئے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معانقہ سفر سے آمد کے موقع پر ثابت ہے۔ [2]

[2] (وعن أنس -رضى الله عنه -قال :قال رجل :يا رسول الله !الرجل منا) أى :من المسلمين، أو من العرب (يلقى أخاه) أى :المسلم أو أحدا من قومه، فإنه يقال له أخو العرب (أو صديقه) أى: حبيبه وهو أخص مما قبله (أينحنى له؟) : من الانحناء ، وهو إمالة الرأس والظهر تواضعا وخدمة (قال :لا) أى :فإنه فى معنى الركوع، وهو كالسجود من عبادة الله سبحانه (قال :أفيلتزمه) أى: يعتنقه ويقبله (قال :لا) : استدل بهذا الحديث من كره المعانقة والتقبيل، وقيل :لا يكره التقبيل لزهد، وعلم، وكبر سن، قال النووى :تقبيل يد الغير إن كان لعلمه وصيانته وزهده وديانته، ونحو ذلك من الأمور الدينية لم يكره، بل يستحب، وإن كان لغناه أو جاهه فى دنياه كره وقيل حرام. اهـ.وقيل :الحرام ما كان على وجه التملق والتعظيم، وأما المأذون فيه فعند التوديع والقدوم من السفر وطول العهد بالصاحب، وشدة الحب فى الله مع أمن النفس، وقيل :لا يقبل الفم، بل اليد والجبهة .وفى شرح مسلم للنووى :حتى الظهر مكروه للحديث الصحيح فى النهى عنه، ولا تعتبر كثرة من يفعله ممن ينسب إلى علم وصلاح .المعانقة وتقبيل الوجه لغير القادم من سفر ونحوه مكروهان .صرح به البغوى وغيره للحديث الصحيح فى النهى عنهما كراهة تنزيه .(قال :أفيأخذ بيده ويصافحه؟) : عطف تفسير أو الثانى أخص وأتم (قال :نعم، رواه الترمذى) (مرقاة المفاتيح، ج٧ ص ٢٩٦٥، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة)

اور حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

مِنۡ تَمَامِ التَّحِيَّةِ أَنۡ تُصَافِحَ أَخَاكَ (الادب المفرد للبخاری) ۱

۱ حدیث نمبر ۹۶۸، باب المصافحة،مکتبة المعارف للنشر والتوزیع، الریاض.
قال الالبانی: صحیح ۔ الإسناد موقوفاً(حواله بالا)

ترجمہ: آپ کا اپنے بھائی سے مصافحہ کرنا سلام کو مکمل کرنے کی چیز ہے (ترجمہ ختم)

اس قسم کا مضمون مرفوع حدیث اور بعض صحابہ وتابعین کے آثار میں بھی مروی ہے۔ ۲

۲ عَنۡ أَبِی أُمَامَةَ ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم :تَمَامُ تَحِيَّتِكُمَ الۡمُصَافَحَةُ .(مصنف ابنِ ابی شیبة،حدیث نمبر ۲۶۲۳۸)
عَنِ ابۡنِ مَسۡعُودٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ " :إِنَّ تَمَامَ التَّحِيَّةِ الۡأَخۡذُ بِالۡيَدِ (شعب الایمان،حدیث نمبر ۸۵۴۸)
عَنِ ابۡنِ الۡأَسۡوَدِ ، قَالَ :إِنَّ مِنۡ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الۡمُصَافَحَةَ.(مصنف ابنِ ابی شیبة،حدیث نمبر ۲۶۲۳۶)
عَنِ الۡأَسۡوَدِ ، قَالَ :إِنَّ مِنۡ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الۡمُصَافَحَةَ.(مصنف ابنِ ابی شیبة،حدیث نمبر۲۶۲۳۷)

اور اگر چہ ان روایات کی سند میں کلام ہے، لیکن مجموعی طور پر یہ مضمون درست ہے۔

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ ملاقات کے وقت سلام کے ساتھ مصافحہ کرنا شرعاً ثابت ہے، اور معانقہ کرنا ثابت نہیں۔

البتہ سفر سے آمد کے موقع پر معانقہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا قَدِمۡنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ مِنۡ عِنۡدِ النَّجَاشِيِّ تَلَقَّانِيۡ فَاعۡتَنَقَنِيۡ (شرح معانی الآثار، حدیث نمبر ۲۹۰۳، کتاب الکراهة، باب المعانقة)

ترجمہ: جب ہم نجاشی کے پاس سے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (سفر کرکے) آئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ملاقات فرمائی، اور ہم سے معانقہ فرمایا (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

لَـمَّا قَدِمَ جَعْفَرٌ مِنَ الْحَبَشَةِ عَانَقَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسند ابی یعلیٰ الموصلی) [1]

[1] حدیث نمبر ۱۸۷۶، ج۳ص۳۹۸، مسند جابر، دار المأمون للتراث -دمشق.
قال الهیثمی:
رواه أبو یعلى، وفيه مجالد بن سعيد، وهو ضعيف وقد وثق، وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت روایت نمبر ۱۵۴۹۰)

ترجمہ: جب حضرت جعفر حبشہ سے (سفر کر کے) آئے، تو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معانقہ فرمایا (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے آنے والے کے ساتھ معانقہ فرماتے تھے۔

اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں یہی معمول تھا، کہ وہ ملاقات کے وقت مصافحہ اور سفر سے آمد کے وقت معانقہ فرماتے تھے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَـانَ أَصْـحَـابُ الـنَّبِـيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَـلَاقَوْا تَصَافَحُوْا، وَإِذَا قَدِمُوْا مِنْ سَفَرٍ تَعَانَقُوْا (المعجم الاوسط للطبرانی) [2]

[2] حدیث نمبر ۹۷، دار الحرمین، القاهرة.
قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، ج۸ص۳۶)
قال الالبانی: قلت :فالإسناد جيد (سلسلة الأحاديث الصحيحة وشیء من فقهها وفوائدها، تحت حدیث نمبر ۲۶۴۷)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام جب ملاقات کرتے تھے، تو (سلام کے ساتھ) مصافحہ کرتے تھے، اور جب کسی سفر سے آتے تھے، تو معانقہ کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت شعبی سے روایت ہے کہ:

كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا الْتَقَوْا صَافَحُوْا، فَإِذَا

قَدِمُوْا مِنْ سَفَرٍ عَانَقَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا (السنن الکبریٰ للبیهقی) [1]

[1] حدیث نمبر ۱۳۵۷۵، کتاب النکاح، باب ما جاء فی معانقة الرجل الرجل، إذا لم تکن مؤدية إلى تحريک شهوة، دارالکتب العلمية، بيروت.

قال الالبانی:

أخرجه البيهقی فی سننه بإسناد جيد كما قال الحافظ ابن مفلح الحنبلی فی "الآداب الشرعية" (سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت حديث رقم ۲۶۴۷)

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام جب ملاقات کرتے تھے، تو (سلام کے ساتھ) مصافحہ کرتے تھے، اور جب کسی سفر سے آتے تھے، تو ایک دوسرے سے معانقہ کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ مصافحہ ملاقات کے وقت ہے، اور معانقہ سفر سے آمد کے وقت ہے۔ [2]

---

[2] يؤخذ من هذا الحديث فائدتان :الأولى :المصافحة عند التلاقی. والأخرى :المعانقة بعد العودة من السفر .ولكل منهما شواهد عن النبی صلى الله عليه وسلم(سلسلة الأحاديث الصحيحة ،تحت حديث رقم ۲۶۴۷)

وأما ما قيل من أن حديث جعفر محمولٌ على ما قَبْلَ التحريم، فغير ظاهر، بل ينبغی أن يُخصّ جواز المعانقة بالقادم من السفر، والله تعالى أعلم(شرح النقاية، كتاب الكراهية)

وأما المعانقة وتقبيل الوجه لغير القادم من سفر ونحوه فمكروهان صرح به البغوی وغيره للحديث الصحيح فی النهی عنهما وأما المصافحة فسنة عند التلاقی سواء فيه الحاضر والقادم من سفر والأحاديث الصحيحة فيها كثيرة جداً(روضة الطالبين وعمدة المفتين، ج۱۰ ص۲۳۶، كتاب السير)

وأما المعانقة وتقبيل وجه غير القادم من سفر ونحوه غير الطفل فمكروهان صرح بكراهتهما البغوی وغيره وهذا الذی ذكرنا فی التقبيل والمعانقة أنه يستحب عند القدوم من سفر ونحوه ومكروه فی غيره هوفی غير الأمرد الحسن الوجه فأما الأمرد الحسن فيحرم بكل حال تقبيله سواء قدم من سفر أم لا(المجموع شرح المهذب ج۴ص۶۳۷،۶۳۸،الفصل الخامس فی المصافحة والمعانقة والتقبيل ونحوها)

وأما المعانقةُ وتقبيلُ الوجه لغير الطفل ولغير القادم من سفر ونحوه، فمكروهان، نصَّ على كراهتهما أبو محمد البغویّ وغيره من أصحابنا(الاذكار النووية، ص۲۶۵، كتاب السلام والاستئذان وتشميت العاطس وما يتعلق بها، فصل فی المصافحة)

مشروعية المعانقة للقادم من السفر وهو الحق والصواب(تحفة الاحوذی شرح جامع الترمذی، ج۷ص۲۳۴، كتاب الاستئذان،باب ماجاء فی المعانقة والقبلة)

وأما الحاضر فی المصر الذی قد طالت غیبته والذی لیس من عادته المجیء إلیه(المعانقة) فمحل نظر (الأداب الشرعیة للامام محمد بن مفلح، ج ۱،ص۴۰۷،فصل فی القیام للقادم وأدب السنة ومراعاة العادة فیه)

ویسن للشخص تقبیل وجه صاحبه، ومعانقته إذا قدم من السفر ونحوه ویکرهان لغیر ذلک(فتاویٰ الرملی ،ج۴ص۴۷،۴۸، کتاب السیر)

ویسن تقبیل قادم من سفر ومعانقته للاتباع الصحیح (تحفة المحتاج فی شرح المنهاج ، ج۹ص۲۳۰، کتاب السیر)

ذهب الشافعیة والحنابلة إلی أن تهنئة القادم من سفر والسلام علیه ومعانقته تحسن وتستحب(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۴ص۱۰۰، مادة تهنئة)

قال ابن بطال المصافحة حسنة عندعامة العلماء وقداستحبها مالک بعد کراهته وقال النووی المصافحة سنة مجمع علیها عندالتلاقی قال الحافظ ویستثنی من عموم الامر بالمصافحة المرأة الاجنبیة والامرد الحسن انتهیٰ (تحفة الاحوذی، ج۷ص۴۲۶، کتاب الاستئذان، باب ماجاء فی المصافحة)

لہٰذا اسی طرح اس تفصیل سے مصافحہ اور معانقہ کرنا مسنون ومستحب اور ثواب ہے اس پر عمل کرنا چاہئے اس سے نہ کوئی روک سکتا ہے نہ کسی کی مجال ہے۔

چنانچہ اگر کوئی مصافحہ اور معانقہ عید کے دن خاص عید کی وجہ سے لازم، ضروری اور سنت نہ سمجھے اور عیدین کے علاوہ سال کے باقی دنوں میں بھی سنت سمجھ کر اس کا اپنے موقع پر اہتمام کیا کرے اور پھر عیدین کے دن اپنی گزشتہ عادت کے مطابق ملاقات کے وقت سنّت کے مطابق سلام کر کے مصافحہ کرلے تو کوئی حرج نہیں یا جو عزیز، رشتہ دار یا دوست عید کے دن سفر سے آئیں اور سفر سے آنے کی وجہ سے ان سے معانقہ کرے اور گلے ملے تو بھی نہ صرف جائز بلکہ سنت ومستحب ہے۔

لیکن موجودہ دور میں ہمارے یہاں خاص عید کے موقع پر صرف عید کی وجہ سے گلے ملنے کی رسم کو بہت سے لوگوں نے اس قدر اہم اور عید کا خاص عمل سمجھ لیا ہے کہ اس عمل کو چھوڑنا کسی حال میں گوارا نہیں (خواہ ایک ہی گھر کے افراد کیوں نہ ہوں اور ایک ساتھ عید کی نماز کے لئے گئے ہوں، ایک دوسرے کے قریب ساتھ میں نماز ادا کی ہو اور خاص اس موقعہ پر ملاقات نہ ہو رہی ہو)

یہاں تک کہ عید کے دن خواہ تمام نمازوں اور مسنون اعمال کی ادائیگی اور گناہوں سے بچنے کی توفیق نہ ہو مگر یہ رسم ادا کرنا انتہائی لازم سمجھا جاتا ہے (بلکہ صرف خاص اس عمل کی غرض سے ایک دوسرے سے ملنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اگر خاص عید کے دن کسی کے ساتھ یہ رسم پوری نہ ہو سکے تو اگلے روز بھی اس کی جستجو اور کوشش رہتی ہے)

اور اگر کوئی اس کو ادا نہ کرے تو اسے بہت برا سمجھا جاتا ہے جیسا کہ عام طور پر مشاہدہ ہے، اور اس میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی شامل ہیں، جبکہ شرعاً خاص عید کی تخصیص کی وجہ سے مصافحہ اور معانقہ ثابت نہیں۔

لہٰذا اس طریقہ کو چھوڑنا اور حکمت کے ساتھ دوسروں کو سمجھانا چاہئے، فقہائے کرام و اکابر عظام رحمہم اللہ نے اسی پہلو سے اس کو بدعت و ناجائز قرار دیا ہے اور اس سے بچنے کی تعلیم دی ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ حجر ہیتمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حَيْثُ وُجِدَ تَلَاقٍ بَيْنَ اِثْنَيْنِ سُنَّ لِكُلٍّ مِّنْهُمَا اَنْ يُّصَافِحَ الْآخَرَ وَحَيْثُ لَمْ يُوْجَدْ ذَالِكَ بِاَنْ ضَمَّهُمَا نَحْوَ مَجْلِسٍ وَلَمْ يَتَفَرَّقَا لَا تُسَنُّ سَوَاءٌ فِيْ ذَالِكَ الْمُصَافَحَةُ الَّتِيْ تُفْعَلُ عَقِبَ الصَّلَاةِ وَلَوْ يَوْمَ الْعِيْدِ اَوِالدَّرْسِ اَوْ غَيْرِهِمَا ...... نَعَمْ اَلتَّهْنِئَةُ بِالْعِيْدِ وَالشُّهُوْرِ سُنَّةٌ كَمَا ذَكَرَهٗ بَعْضُ اَئِمَّتِنَا وَاسْتَدَلَّ لَهٗ وَلَايَلْزَمُ مِنْ نَدْبِهَا نَدْبُ الْمُصَافَحَةِ فِيْهَا وَاِنْ لَمْ يُوْجَدْ شَرْطُهَا السَّابِقُ (الفتاویٰ الفقهية الكبرى، جلد ۴ صفحه ۲۴۵، باب السير)

ترجمہ: جب دو شخصوں کے درمیان ملاقات پائی جائے، تو اس وقت دونوں کے لیے سنت ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مصافحہ کریں اور جب ملاقات نہ پائی جائے بایں طور کہ دونوں کسی مجلس وغیرہ میں مل کر بیٹھے ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے

علیحدہ نہیں ہوئے تھے تو ایسی صورت میں مصافحہ سنت نہیں ہے، خواہ یہ مصافحہ وہ ہو جو نماز کے بعد کیا جاتا ہے، اگرچہ عید کے دن ہی کیوں نہ ہو یا درس (وعظ وتقریر) وغیرہ کے بعد ہو...... البتہ عید کے دن اور مہینوں کے آغاز پر مبارک بادی دینا سنتِ مستحبہ ہے جیسا کہ ہمارے بعض ائمہ نے اس کا ذکر کیا ہے، اور اس کی دلیل بھی پیش کی ہے اور مبارک بادی کے مستحب ہونے سے عید کے دن اور مہینوں کے آغاز پر مصافحہ کا مستحب ہونا لازم نہیں آتا اگرچہ سابق شرط بھی نہ پائی جائے (یعنی عید کے دن اور مہینوں کے آغاز پر مبارک بادی مستحب ہونے کے لیے ابتدائے ملاقات ضروری نہیں، بلکہ ان اوقات میں بغیر ملاقات کے بھی مبارک بادی درست ہے) (ترجمہ ختم)

اور بریقۂ محمودیہ میں ہے کہ:

وَاَمَّاالْمُصَافَحَةُ فِی الْجُمُعَةِ وَالْاَعْيَادِ فَعَنْ شَرْحِ الْمَجْمَعِ بِدْعَةٌ مَكْرُوْهَةٌ (بریقۂ محمودیہ، ج۴ص۷۶، الصنف الخامس فی آفات الید)

ترجمہ: اور جمعہ اور عیدین کے دن مصافحہ کرنا مجمع کی شرح میں ہے کہ یہ بدعت اور مکروہ ہے (ترجمہ ختم)

اور علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اَقُوْلُ اِنَّهُمْ قَدِ اتَّفَقُوْا عَلٰی اَنَّ هٰذِهِ الْمُصَافَحَةَ لَيْسَ لَهٗ اَصْلٌ فِیْ الشَّرْعِ ثُمَّ اخْتَلَفُوْا فِیْ الْكَرَاهَةِ وَالْاِبَاحَةِ وَالْاَمْرُاِذَادَارَبَيْنَ الْكَرَاهَةِ وَالْاِبَاحَةِ يَنْبَغِیْ الْاِفْتَاءُ بِالْمَنْعِ لِاَنَّ دَفْعَ مَضَرَّةٍ اَوْلٰی مِنْ جَلْبِ مَنْفَعَةٍ فَكَيْفَ لَا يَكُوْنُ اَوْلٰی مِنْ فَعْلِ اَمْرٍ مَبَاحٍ عَلٰی اَنَّ الْمُصَافِحِيْنَ فِیْ زَمَانِنَا يَظُنُّوْنَهٗ اَمْرًا حَسَنًا وَيَشْنَعُوْنَ عَلٰی مَانِعِهٖ تَشْنِيْعًا بَلِيْغًا وَيُصِرُّوْنَ عَلَيْهِ اِصْرَارًاشَدِيْدًا وَقَدْ مَرَّاَنَّ الْاِصْرَارَعَلَی الْمَنْدُوْبِ يُبَلِّغُهٗ اِلٰی حَدِّ

اَلْکَرَاهَةِ فَکَیْفَ اِصْرَارُ الْبِدْعَةِ الَّتِیْ لَا اَصْلَ لَهَا فِی الشَّرْعِ وَعَلٰی هٰذَا فَلَا شَکَّ فِی الْکَرَاهَةِ وَهٰذَا هُوَ غَرْضُ مَنْ اَفْتٰی بِالْکَرَاهَةِ مَعَ اَنَّ الْکَرَاهَةَ اِنَّمَا نَقَلَهَا مَنْ نَقَلَهَا مِنْ عِبَارَاتِ الْمُتَقَدِّمِیْنَ وَالْمُحَقِّقِیْنَ ، فَلَا یُوَازِیْهَا رِوَایَاتُ مِثْلِ صَاحِبِ مَجْمَعِ الْبَرَکَاتِ وَالسِّرَاجِ الْمُنِیْرِ وَمَطَالِبِ الْمُؤْمِنِیْنَ فَاِنَّ تَسَاهُلَ مُصَنِّفِیْهَا فِیْ تَحَقُّقِ الرِّوَایَاتِ اَمْرٌ مَشْرُوْعٌ وَجَمْعَهُمْ کُلَّ رَطْبٍ وَّیَابِسٍ مَعْلُوْمٌ عِنْدَ الْجَمْهُوْرِ (السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة) [1]

[1] جلد ۲ صفحه ۲۶۵ ،باب صفة الصلاة،قبیل فصل فی القراءة.

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس مصافحہ کی شریعت میں کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے، پھر اُن کا اس مصافحہ کے مکروہ اور مباح ہونے میں اختلاف ہے؛ اور معاملہ کراہت اور اباحت کے درمیان دائر ہے، تو اس کے ممنوع ہونے کا فتویٰ دینا مناسب ہے کیونکہ مضرت کو دُور کرنا اولیٰ ہے منفعت کو حاصل کرنے سے؛ پس مباح کام کرنے سے اولیٰ کیونکر نہیں ہوگا باوجودیکہ ہمارے زمانے میں یہ مصافحہ کرنے والے اس مصافحہ کو اچھا کام سمجھتے ہیں اور اس کے منع کرنے والے پر سخت طعن وتشنیع کرتے ہیں اور اس پر سخت اصرار کرتے ہیں اور یہ بات گزر چکی ہے کہ مندوب ومستحب کام پر اصرار کرنا اسے مکروہ کی حد تک پہنچادیتا ہے پس ایسی بدعت پر اصرار کرنا کیونکر درست ہوگا جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں اور اس کی وجہ سے اس کے مکروہ ہونے میں کوئی شک نہیں اور یہی مکروہ ہونے کا فتویٰ دینے والوں کی غرض ہے، باوجودیکہ اس مصافحہ کے مکروہ ہونے کو جس نے بھی نقل کیا ہے، اس نے متقدمین اور محققین کی عبارات کے حوالے سے نقل کیا ہے، تو صاحبِ مجمع البرکات اور سراجِ منیر اور مطالبِ مؤمنین کی روایات اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں اس لیے کہ ان کتابوں کے مصنفین کا

روایات کی تحقیق میں تساہل اختیار کرنا ایک مشہور معاملہ ہے اور ان کا ہر رطب ویابس کا جمع کرنا جمہور کے نزدیک مشہور ہے (ترجمہ ختم)

اور فیض الباری شرح بخاری میں ہے کہ:

بِخِلَافِ الْمُصَافَحَةِ فِي الْعِيْدَيْنِ فَإِنَّهَا لَمْ تَثْبُتْ فِي الْجِنْسِ أَيْضًا، نَعَمْ ثَبَتَتْ عِنْدَ اللِّقَآءِ فَقَطْ. وَتِلْكَ فُرُوْقٌ أَدَقُّ مِنَ الشَّعَرِ، يُرَاعِيُهَا الْمُتَطَلِّبُ لِسُنَّةِ نَبِيِّهٖ أَمَّا مَنْ اِتَّبَعَ الْهَوٰى وَلَمْ يُوَفَّقْ لِلْفَرْقِ بَيْنَ الضَّلَالَةِ وَالْهُدٰى فَقَدْ غَوٰى (فیض الباری شرح البخاری، باب الرکعتین قبل الظهر)

ترجمہ: برخلاف عیدین میں مصافحہ کے کہ یہ عیدین کی جنس سے ثابت نہیں، البتہ صرف ملاقات کے وقت ثابت ہے، اور یہ فروق بال سے زیادہ باریک ہیں، ان کی رعایت وہی شخص کرسکتا ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی خوب طلب رکھنے والا ہو، اور جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے، جو خواہش کی پیروی کرتا ہے، اور اس کو ضلالت اور ہدایت کے درمیان فرق کی توفیق حاصل نہیں ہوئی، تو وہ گمراہ ہے (ترجمہ ختم)

اور عون المعبود میں ہے کہ:

قُلْتُ : وَكَذَا الْمُصَافَحَةُ وَالْمُعَانَقَةُ بَعْدَ صَلَاةِ الْعِيْدَيْنِ مِنَ الْبِدَعِ الْمَذْمُوْمَةِ الْمُخَالِفَةِ لِلشَّرْعِ (عون المعبود) [1]

[1] ج ۱۴ ص ۸۲، کتاب الادب، باب المصافحة، دار الکتب العلمية، بيروت.

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اسی طرح سے عید کی نماز کے بعد مصافحہ اور معانقہ مذموم بدعت ہے، جو شریعت کے مخالف ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

عیدین میں معانقہ کرنا بدعت ہے (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۱۴۰، کتاب البدعات) [2]

[2] نیز ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

معانقہ ومصافحہ بوجہ تخصیص کے اس روز میں اس کو موجبِ سرور اور باعثِ مودت (یعنی خوشی ومحبت کا ذریعہ) اور ایام سے زیادہ مثل ضروری کے جانتے ہیں بدعت ہے اور مکروہ تحریمی ہے اور علی الاطلاق (بوقتِ ملاقات) ہر روز مصافحہ کرنا سنت ہے، ایسا ہی بشرائطِ خود (یعنی ملاقات کے پائے جانے پر) یوم العید کے ہے اور علیٰ ہذا معانقہ جیسا بشرائط خود (یعنی سفر سے آمد پر) دیگر ایام میں ہے ویسا ہی یوم عید کے ہے کوئی تخصیص اپنی رائے سے کرنا بدعتِ ضلالہ ہے (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص۱۰۲، کتاب البدعات)

اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

عیدین اور جمعہ میں جو لوگ محض رسم جان کر مصافحہ یا معانقہ کیا کرتے ہیں، کہیں ثابت نہیں اور عیدین اور جمعہ کو کوئی دخل نہیں اس لیے یہ رسم بدعت ہے، اس کو ترک کر دینا چاہیے (خطباتِ حکیم الامت، بعنوان ''حقوق وفرائض'' جلد۴ صفحہ ۴۳۱، وعظ ''حقوق المعاشرت'') [۳]

[۳] اور ایک مقام پر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قاعدہ کلیہ ہے کہ عبادات میں حضرت شارع علیہ السلام نے جو ہیئت وکیفیت معین فرما دی ہے اس میں تغیر وتبدل جائز نہیں اور مصافحہ چونکہ سنت ہے اس لئے عبادات میں سے ہے تو حسبِ قاعدہ مذکورہ اس میں ھیئت وکیفیتِ منقولہ سے تجاوز جائز نہ ہوگا، اور شارع علیہ السلام سے صرف اولِ لقاء کے وقت بالاجماع، یا وِداع کے وقت بھی علی الاختلاف منقول ہے، وبس، اب اس کے لئے ان دو وقتوں کے سوا اور کوئی محل وموقع تجویز کرنا تغییرِ عبادت کرنا ہے، جو ممنوع ہے، لہٰذا مصافحہ بعد عیدین یا بعد نماز پنج گانہ مکروہ وبدعت ہے، شامی میں اس کی تصریح موجود ہے (امداد الفتاویٰ ج۱ ص۴۸۱)

نیز ایک مقام پر فارسی زبان میں ایک سوال کا جواب تحریر فرماتے ہیں کہ:

مصافحہ کردن مطلقاً سنت است بوقتے خاص مخصوص نیست، پس تخصیصِ آں بروز جمعہ وعیدین وبعد نماز پنجگانہ وتراویح بے اصل است؛ ہاں اگر در ہمیں اوقات یکسے بعد مدتے ملاقات شود باو مصافحہ کردن مضائقہ ندارد؛ نہ ایں کہ از خانہ یا مسجد یا عیدگاہ ہمراہ آیند وپس از نماز مصافحہ ومعانقہ کنند (امداد الفتاویٰ جلد پنجم صفحہ ۲۶۰، کتاب البدعات)

ترجمہ: مصافحہ کرنا مطلق (ملاقات کی) سنت ہے، کسی خاص وقت (صبح، شام، یا کسی دن) کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، لہٰذا اسے جمعہ اور عیدین کے دنوں کے ساتھ اور نمازِ پنجگانہ اور تراویح کے بعد خاص کرنا بے بنیاد ہے، البتہ اگر انہیں اوقات میں کسی کے ساتھ ایک مدت بعد ملاقات ہو تو اس کے ساتھ مصافحہ کرنے میں حرج نہیں؛ نہ یہ کہ گھر سے یا مسجد سے یا عیدگاہ سے ایک ساتھ آئیں اور نماز کے بعد مصافحہ اور معانقہ کرنے لگ جائیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

عیدین میں معانقہ کرنا یا عید کی تخصیص سمجھ کر کرنا شرعی نہیں بلکہ محض ایک رسم ہے

(کفایت المفتی مع عنوانات جلد سوم صفحہ ۳۰۲، کتاب الصلاۃ، چھٹا باب نمازِ عیدین) ل

ل اور ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:
عیدین کی تخصیص سے بعد نمازِ عید مصافحہ ومعانقہ کرنا بدعت ہے (کفایت المفتی، ج۹ص۴۴، الحظر والاباحۃ)
عیدین یا جمعہ کی تخصیص سے مصافحہ ومعانقہ کرنا کئی وجہ سے مکروہ اور بدعت ہے۔ اوّل یہ کہ بسا اوقات یہ تخصیص جہلا کے فسادِ اعتقاد کا باعث ہوجاتی ہے۔ دوم یہ کہ یہ طریقہ روافض کا تھا کہ بعد نماز مصافحہ کرتے تھے اور آج ہمارے زمانے میں علاوہ مشابہت بالروافض کے مشابہت بالہنود بھی ہے کہ وہ اپنی ہولی کے روز ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں۔ سوم یہ کہ مصافحہ کا مسنون وقت وقتِ ملاقات ہے (ایضاً صفحہ ۴۶)

اور حضرت مولانا مفتی ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

عید کی نماز کے بعد مصافحہ کا رواج بدعت ہے (امداد الاحکام ج ۱ ص ۱۸۸)

اور حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ بعد نمازِ عید آپس میں معانقہ اور مصافحہ کرتے ہیں اور اس کو ضروری خیال کرتے ہیں یہ بالکل بدعت ہے، ہاں جو لوگ باہر کے آئے ہیں اگر اُن میں سے بوجہ ملاقات کے مثل اور ایام کے معانقہ یا مصافحہ کیا جاوے تو کچھ حرج نہیں (بارہ مہینوں کے فضائل واحکام صفحہ ۵۳)

اور امدادُ المفتین میں ہے کہ:

یہ بدعت ہے اور شعائر روافض ہے ترک کرنا چاہئے (امداد المفتین ص ۲۰۳، کتاب السنۃ والبدعۃ)

اور عزیز الفتاوی میں ہے کہ:

نمازِ عیدین یا دیگر نمازوں کے بعد تخصیص مصافحہ کی کرنا اور اسی وقتِ خاص میں اس کو سنت جاننا اور معمول بہ ٹھہرانا بعض فقہاء نے منع لکھا ہے (عزیز الفتاوی صفحہ ۱۲۸، کتاب السنۃ والبدعۃ)

اور فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ:

عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ کا طریقہ مروَّجہ بدعت ہے، اس کا ثبوت نہیں ہے

(فتاویٰ محمودیہ جلد سوم صفحہ ۱۴۶، مبوب: جامعہ فاروقیہ کراچی) ؎

؎ اور ایک مقام پر ہے کہ:

بعض جگہ عید کے مصافحہ کرنے کا جو رواج ہے، یہ ٹھیک نہیں ہے؛ یہ بدعت اور مکروہ ہے (ایضاً ص ۱۴۶)

اور ایک اور مقام پر ہے کہ:

عیدین کا معانقہ روافض کا شعار ہے، اس سے پورا پرہیز کیا جائے، دل میں کینہ اور حسد رکھتے ہوئے محض عید کو معانقہ کر لینے سے ہرگز سینہ صاف نہیں ہوگا (ایضاً صفحہ ۱۴۸)

اور ایک مقام پر ہے کہ:

عید کا مصافحہ ومعانقہ بدعت ہے (فتاویٰ محمودیہ جلد ہشتم، صفحہ ۴۶۴)

اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

یہ طریقہ اختیار کرنا بدعت اور مکروہ ہے .... بدعت یا کسی گناہ کا ارتکاب کسی مصلحت کے پیشِ نظر کسی مصلحت کے تحت ہرگز جائز نہیں البتہ دوسروں کو منع کرنا اس وقت ضروری ہے جبکہ قبول کی اُمید ہو، ورنہ نہی عن المنکر ضروری نہیں؛ غرضیکہ خود نمازِ عید کے بعد کسی سے معانقہ ومصافحہ نہ کرے، ہاں اگر کسی سے ملاقات ہی بعد نماز کے ہوئی ہو تو اس سے جائز ہے مگر تشبہ بالبدعۃ اور اس کی تائید کا ذریعہ ہونے سے اس سے بھی اجتناب کرنا چاہیے (احسن الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۳۵۴، ملخصاً)

اور فتاویٰ رحیمیہ میں ہے کہ:

عید کی نماز کے بعد ملنا اور معانقہ ومصافحہ کرنا کوئی امر مسنون نہیں ہے لوگوں کی اختراعات اور بدعات میں سے ہے، احادیث میں جہاں تک معلوم ہے اس کا پتہ نہیں چلتا، غیبوبت کے بعد مصافحہ اور طویل غیبوبت پر معانقہ ثابت ہے، مگر عید کی نماز کے بعد ان کا ثبوت نہیں ہے، یہاں یہ حالت ہے کہ وہ رفقاء جو نماز میں شریک بلکہ برابر کھڑے تھے، سلام اور خطبہ کے بعد معانق ہوتے (یعنی گلے ملتے) ہیں اور اس کو امرِ دینی سمجھتے ہیں، اس لیے یہ غلط چیز ہے (مکتوباتِ شیخ الاسلام ج ۱ م ۹۶ ص ۳۰۷، ۳۰۸)

(فتاویٰ رحیمیہ جلد۲ صفحہ۱۱۲، کتاب السنۃ والبدعۃ) (کذا فی فتاویٰ شیخ الاسلام صفحہ ۱۶۸)

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ:

عیدین کے بعد معانقہ کو سنت سمجھا جانے لگا ہے، حالانکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اس لئے علماء نے اس کو بدعت قرار دیا ہے اور اس سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے (فتاویٰ عثمانی جلد۱ صفحہ ۱۱۶، کتاب السنۃ والبدعۃ)

اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں اس لئے اس کو دین کی بات سمجھنا بدعت ہے لوگ اس دن گلے ملنے کو ایسا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی اس رواج پر عمل نہ کرے تو اس کو برا سمجھتے ہیں اس لئے یہ رسم لائقِ ترک ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۷ ص ۲۶۸) [1]

---

[1] اور ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

شریعت نے باہر سے آنے والے کے لئے سلام اور مصافحہ مسنون ٹھہرایا ہے، مگر مجلس میں بیٹھے بیٹھے لوگ اچانک ایک دوسرے سے مصافحہ و معانقہ کرنے لگیں، سلفِ صالحین میں اس لغو حرکت کا رواج نہیں تھا۔ بعد میں نہ جانے کس مصلحت کی بناء پر بعض لوگوں میں فجر، عصر عیدین اور دوسری نمازوں کے بعد مصافحہ کا رواج چل نکلا، جس پر علمائے اہلِ سنت کو اس کے ''بدعت'' ہونے کا فتویٰ دینا پڑا (اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم صفحہ ۱۰۷)

اور بھی متعدد حضرات نے عیدین کے دن مصافحہ و معانقہ کے بارے میں یہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

مصافحہ بڑے ثواب کی چیز ہے، اور ملاقات کی سنت ہے نہ کہ عید کی؛ اس کو کسی خاص وقت کے لیے مقرر کرنا اور عمل سے فرض وواجب کا درجہ دینا صحیح نہیں (تحفۂ خواتین صفحہ ۷۵، کتاب الایمان والعقائد)

اور خیرُ الفتاویٰ میں ہے کہ:

عیدین یا دوسری نمازوں کے بعد مصافحہ یا معانقہ کرنا بدعت ہے (خیر الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۵۶۹، ما یتعلق بالسنۃ والبدعۃ)

اور فتاویٰ مفتی محمود میں ہے کہ:

اگر عید کے بعد مصافحہ کرنے کو عوام دین کا ایک ضروری کام یا مسنون جانتے ہوں یا ہوتے ہوتے اس کا اندیشہ ہو تب تو بدعتِ مکروہ ہے اور اس سے اجتناب ضروری ہے (فتاویٰ مفتی محمود، جلد دوم صفحہ ۵۱۳، باب فی احکام العیدین)

لیکن فتاویٰ مفتی محمود میں یہ بھی ہے کہ:

اور اگر عوام دین کا ایک ضروری کام سمجھ کر نہ کرتے ہوں اور نہ اس کو مسنون جان کر کرتے ہوں بلکہ ویسے ہی خوشی کے دن مزید مسرت اور مابین الفت ومودت پیدا کرنے کی خاطر کرتے ہوں تب یہ عمل بدعت مباحہ شمار ہوگا، اور رحمت ایزدی سے امید ہے کہ تب مؤاخذہ نہ فرمائیں گے کیونکہ بدعت شنیعہ کی تعریف میں یہ داخل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ علامہ شامی اور صاحبِ درمختار عید کے دن عید مبارک باد کے کلمہ کے استعمال کو جائز قرار دیتے ہیں (فتاویٰ مفتی محمود جلد دوم صفحہ ۵۱۳، باب فی احکام العیدین)

مگر اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اوّلاً تو آج کل عیدین کے مصافحے ومعانقے پر التزام ہوتا ہے؛ دوسرے عید کی تخصیص کے حوالے سے شرعاً اس کا ثبوت بھی نہیں اور مطلق کو مقید کرنا ویسے ہی ممنوع ہے؛ اور کسی منکَر عمل سے حقیقی اُلفت ومودّت پیدا ہونے کی توقع رکھنا درست نہیں، نیز اس کو عید کی مبارک باد پر قیاس کرنا بھی قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ عید کی مبارک باد روایات وآثار سے ثابت اور فی الجملہ مشروع ہے جبکہ عید کے دن کی تخصیص کے ساتھ مصافحے ومعانقے کا کوئی ثبوت نہیں۔

چنانچہ دونوں میں فرق علامہ ابنِ حجر ہیتمی کے حوالہ سے گزر چکا ہے اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''عید مبارک'' کہنا درست ہے، فقہاء نے لکھا ہے، باقی مصافحہ سو اول ملاقات کے وقت تو اتفاقاً اور وداع کے وقت اختلافاً مشروع ہے، اور عید کا مصافحہ ان دونوں سے الگ ہے، اس لیے بدعت ہے اور معانقہ اور بھی قبیح؛ لوگوں کی پھر حالت ہے کہ نمازِ عید سے پیشتر تو باتیں کررہے تھے، نماز ختم ہوئی اور مصافحہ کرنے لگے (ملفوظاتِ حکیم الامت جلد ۱۹، صفحہ ۹۴)

اور فتاویٰ حقانیہ میں ہے کہ:

اگر مصافحہ کرنے میں التزام مالا یلزم ہو تو ممنوع ہے، ورنہ نہیں؛ تاہم نہ کرنا بہتر ہے (فتاویٰ حقانیہ جلد دوم صفحہ ۵۳، کتاب البدعۃ والرسوم)

ملحوظ رہے کہ فقہائے کرام نے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ مباح عمل میں اگر بدعت کی آمیزش ہو جائے یا اس کو سنت سمجھا جانے لگے تو اس کا کرنا جائز نہیں رہتا (ملاحظہ ہو، اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم صفحہ ۱۱۸)

جبکہ بعض حضرات نے اس مصافحہ کو سرے سے ہی بدعت قرار دیا ہے نہ کہ مباح، چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اگر اس مصافحہ کو جائز رکھ کر اس کے دوام کو بدعت کہتے تو یہ شبہ صحیح تھا، خود اس مصافحہ کو بدعت کہتے ہیں اس لیے کہ غیر محل مشروع میں ہے، کیونکہ اس کا محل اوّلِ لقاء ہے اتفاقاً یا وداع بھی ہے اختلافاً؛ اور یہاں صرف صلاۃ (یا یومِ عید۔ ناقل) کی وجہ سے کیا جاتا ہے جو کہ غیر ہے محلِ مشروع کا، اس لیے بدعت ہے...... البتہ اگر مصافحہ بعد الصلاۃ (یا فی یوم العید۔ ناقل) ثابت ہوتا اور پھر اس کے دوام کو منع کیا جاتا تو وجہ فرق پوچھنا صحیح

ہوتا اور اگر علاوہ مصافحہ کے یہی فرق ایسے اعمال میں پوچھا جاوے جن کی اصل ثابت ہے تو وہاں یہ جواب ہوگا کہ دوام کو منع نہیں کیا جاتا بلکہ التزامِ اعتقادی یا عملی کو منع کیا جاتا ہے، التزامِ اعتقادی یہ کہ اس کو ضروری سمجھیں اور التزامی عملی یہ کہ اس کے ترک پر ملامت کریں (امداد الفتاویٰ جلد ۵ صفحہ ۳۰۷ و ۳۰۸)

التزام مالا یلزم کی تعریف اس کے ترجمہ سے ظاہر ہے، البتہ اس کی دو قسمیں ہیں؛ اگر اس کو اعتقاد میں دین سمجھا جاتا ہے تو وہ اقبح ہے، اور اگر دین نہیں سمجھا جاتا مگر پابندی ایسی کی جاتی ہے جیسے ضروریاتِ دین کی تو وہ بھی قبیح ہے گو قسمِ اول کے برابر اقبح نہیں (ایضاً صفحہ ۳۲۵)

التزام سے مراد مطلق التزام نہیں، بلکہ وہ مراد ہے جس کے ترک کو عیب اور موجبِ ملامت ولعن طعن سمجھا جائے (ایضاً صفحہ ۳۳۰)

بہر حال عید کے دن مصافحہ ومعانقہ کا یہ عمل خواہ فوراً نماز کے بعد کیا جائے یا کچھ بعد میں اور مسجد میں یہ عمل کیا جائے یا مسجد سے باہر اور خواہ کسی کے ساتھ ایک مرتبہ معانقہ کیا جائے یا تین تین مرتبہ اور خواہ اس کو خوشی یا سنت کا نام دیا جائے یا کچھ اور بہر حال جب تک عید کے ساتھ اس کی تخصیص یا عملی واعتقادی التزام باقی ہے اس وقت تک اس وجہ سے ممانعت بھی باقی ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ عید کے دن کا خوشی کا دن ہونا اور اس دن میں عید کی نماز کے لئے مسلمانوں کا جمع اور اکٹھا ہونا اور ہر وقت ایک دوسرے مسلمان کی دل میں محبت کا مطلوب ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے چلا آرہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عید کے دن کے اعمال قرآن وسنت اور فقہ میں محفوظ ہیں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس مروجہ رسم کا عید کی تخصیص کے حوالہ سے کسی درجہ میں ثبوت نہیں ملتا۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ جس طرح نماز کے بعد کی تخصیص مصافحہ کے لئے منع ہے اسی طرح عیدین کے دن کی تخصیص بھی منع ہے کیونکہ دونوں جگہ اصل علت ''وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ'' یعنی اس عمل کو غیر محل میں کرنا ہے اس کے علاوہ اس قسم کی اور دوسری تاویلات بھی جو کی جاتی ہیں وہ شرعی اور فقہی نقطۂ نظر سے معقول معلوم نہیں ہوتیں۔

خلاصہ یہ کہ عید کے دن مصافحہ ومعانقہ کرنا عید کے دن یا عید کی نماز کی سنت، اور خاص عید کے

دن یا عید کی نماز کی وجہ سے ثواب کی چیز نہیں، مصافحہ ملاقات کی اور معانقہ سفر سے آمد کی سنت ہے، لہٰذا ملاقات وسفر کے بغیر عید کے دن یا عید کی نماز کے بعد اس کا اہتمام والتزام کرنا درست نہیں، اس سے بچنا چاہیے، لیکن اگر کوئی خود سے بچنے کا اہتمام کرے، اور خود سے پیش قدمی نہ کرے، پھر بھی کوئی دوسرا خود سے پیش قدمی کرے، اور اس کو سمجھانے سے فتنہ کا اندیشہ ہو، تو اس کے ساتھ جھگڑنے کے بجائے اس وقت اس کو کرنے دیا جائے، اور پھر کسی وقت حکمت سے اس کو سمجھا اور بتلا دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عید کی مبارک باد

عید کی مبارک باد دینے کا شرعی حکم کیا ہے؟

اس سلسلہ میں اہلِ علم حضرات کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔

بعض حضرات اس کو ایک جائز ومباح کام قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ ایک دعائیہ کلمہ ہے۔

اور بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ خود سے مبارک بادی نہ دے، اور اگر کوئی دوسرا مبارک بادی دے تو اس کے جواب میں مبارک دے دے۔

اور بعض حضرات اس کو مکروہ عمل قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ یہودیوں کا طریقہ ہے۔

اور بعض حضرات اس کو بدعت قرار دیتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ قرآن وسنت اور شرعی دلائل سے ثابت نہیں۔

جبکہ بعض حضرات فی نفسہ اس کو مستحب عمل قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ دعا ہے اور ایک مؤمن کا اپنے مؤمن بھائی کو دعا دینا مستحب ہے جبکہ اس کے ساتھ کوئی خرابی شامل نہ ہو اور صحابہ وتابعین کے کئی اقوال وافعال سے عید کی مبارک باد ثابت ہے۔ [1]

۱؎ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ قَالَ :لَقِيتُ وَاثِلَةَ بْنَ الْأَسْقَعِ فِي يَوْمِ عِيدٍ ,فَقُلْتُ :تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ ,فَقَالَ " :نَعَمْ، تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ , "قَالَ وَاثِلَةُ " :لَقِيتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عِيدٍ فَقُلْتُ :تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ ,قَالَ " :نَعَمْ ,تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ(السنن الكبرى للبيهقى، حديث نمبر ۶۲۹۴)

حَدَّثَنِي حَبِيبُ بْنُ عُمَرَ الْأَنْصَارِيُّ، أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ " :لَقِيتُ وَاثِلَةَ يَوْمَ عِيدٍ فَقُلْتُ :تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ فَقَالَ :نَعَمْ، تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ(المعجم الكبير للطبرانى، حديث نمبر ۱۲۳)

حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ الْبَزَّازُ، عَنْ أَدْهَمَ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، قَالَ " :كُنَّا نَقُولُ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فِي الْعِيدَيْنِ :تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، فَيَرُدُّ عَلَيْنَا وَلَا يُنْكِرُ ذَلِكَ عَلَيْنَا(شعب الإيمان للبيهقى، حديث نمبر ۳۴۴۶)

عن راشد بن سعد ، أن أبا أمامة الباهلى ، وواثلة بن الأسقع ، رضى الله عنهما لقياه فى يوم عيد فقالا : تقبل الله منا ومنک(الدعاء للطبرانى، حديث نمبر ۸۵۴)

ذكره من طريق محمد بن ابراهيم الشامى عن بقية ثم قال (قال أبو احمد بن عدى هذا منكر لا اعلم يرويه عن بقية غير محمد بن ابراهيم هذا) ثم قال البيهقى (رأيته باسناد آخر عن بقية موقوفا ولا اراه محفوظ)قلت فى هذا الباب حديث جيد

اغفله البيهقى وهو حديث محمد بن زياد قال كنت مع ابى امامة الباهلى وغيره من اصحاب النبى صلى الله عليه و سلم فكانوا إذا رجعوا يقول بعضهم لبعض تقبل الله منا ومنک قال احمد بن حنبل اسناده اسناد جيد (الجوهر النقى لابن التركمانى، ج۳ص ۳۱۹،۳۲۰،باب قول الناس فى العيد تقبل الله منا ومنک)

وقد روى بن عدى من حديث واثلة أنه لقى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عيد فقال تقبل الله منا ومنک فقال نعم تقبل الله منا ومنک وفى إسناده محمد بن إبراهيم الشامى وهو ضعيف وقد تفرد به مرفوعا وخولف فيه فروى البيهقى من حديث عبادة بن الصامت أنه سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلک فقال ذلک فعل أهل الكتابين وإسناده ضعيف أيضا وكأنه أراد أنه لم يصح فيه شىء وروينا فى المحامليات بإسناد حسن عن جبير بن نفير قال كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا التقوا يوم العيد يقول بعضهم لبعض تقبل الله منا ومنک(فتح البارى لابنِ حجر، ج۲ص ۴۴۶،قوله باب سنة العيدين لأهل الإسلام)

اس سلسلہ میں راجح یہی آخری قول ہے کہ فی نفسہ یہ جائز بلکہ مستحب عمل ہے، لہٰذا اگر عید کی مبارک باد خرابیوں سے خالی ہو، نہ اس کو فرض، واجب سمجھا جائے اور نہ اس کے ساتھ فرض، واجب والا معاملہ کیا جائے اور جو اس کا اہتمام نہ کرے اس کو برا بھلا اور معیوب نہ کہا وسمجھا جائے تو عید کی مبارک باد نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ مستحب اور ثواب ہے۔ ۱؎

۱؎ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ''مبارک بادی'' کے ثبوت پر ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے، جس کا نام ہے ''وصول الامانی باصول التهانی'' ۔علامہ سیوطی رحمہ اللہ اس رسالے میں عید کے موقعہ پر مبارک بادی کے ثبوت پر

کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

اخرج الطبرانی فی الکبیر ،وزاهر بن طاهر فی تحفة عید الاضحیٰ عن حبیب بن عمر الانصاری قال: حدثنی أبی قال :لقیت واثلة رضی الله عنه یوم عید فقلت :تقبل الله منا ومنک ،فقال: تقبل الله منا ومنک .وأخرج الأصبهانی فی الترغیب عن صفوان بن عمرو السکسکی قال: سمعت عبد الله بن بشر ،وعبدالرحمن بن عائذ ،وجبیر بن نفیر، وخالد بن معدان یقال لهم فی أیام الأعیاد:تقبل الله منا ومنکم ویقولون ذالک لغیرهم. وأخرج الطبرانی فی الدعاء ،والبیهقی عن راشد بن سعد أن أباأمامة ،وواثلة لقیاه فی یوم عید فقالا:تقبل الله منا ومنک .وأخرج زاهر بن طاهر فی کتاب تحفة عید الفطر، وأبوأحمد الفرضی فی مشیخته بسند حسن عن جبیر بن نفیر قال: کان أصحاب رسول الله ﷺ اذاالتقوایوم العید یقول بعضهم لبعض :تقبل الله منا ومنکم .وأخرج زاهر أیضاً بسند حسن عن محمد بن زیاد الألهانی قال :رأیت أباأمامة الباهلی یقول فی العید لأصحابه :تقبل الله منا ومنکم .وأخرج البیهقی من طریق أدهم مولی عمر بن عبد العزیز قال: کنا نقول لعمر بن عبد العزیز فی العیدین :تقبل الله منا ومنک یا أمیر المؤمنین فیرد علینا مثله ولاینکر ذالک ،وأخرج الطبرانی فی الدعاء عن شعبة بن الحجاج قال: لقیت یونس بن عبید فقلت :تقبل الله منا ومنک فقال لی مثله . وأخرج الطبرانی فی الدعاء من طریق حوشب بن عقیل قال: لقیت الحسن البصری فی یوم عید فقلت :تقبل الله منا ومنک .وأخرج ابن حبان فی الثقات عن علی بن ثابت قال: سألت مالکاً عن قول الناس فی العید تقبل الله منا ومنک فقال: مازال الأمر عندنا کذالک. لکن أخرج ابن عساکر من حدیث عبادة ابن الصامت قال: سألت رسول الله ﷺ عن قول الناس فی العیدین تقبل الله منا ومنکم فقال" کذالک فعل أهل الکتابین" وکرهه وفی اسناده عبد الخالق بن خالد بن زید بن واقد الدمشقی قال فیه البخاری :منکر الحدیث، وقال أبوحاتم :ضعیف، وقال النسائی :لیس بثقة، وقال الدارقطنی :متروک، وقال أبونعیم : لاشیئ (الحاوی للفتاویٰ ،الجزء الاول، صفحه ۹۳و ۹۴، کتاب الصلاة، التهنئة بالعید . مطبوعة:فاروقی کتب خانه ،ملتان)

لیکن اگر اس عمل کو حد سے آگے بڑھایا جاوے مثلاً اس کو فرض وواجب کی طرح ضروری سمجھا جائے ،اور مبارک باد نہ دینے والے کو معیوب سمجھا جائے اور جو یہ عمل نہ کرے اس پر لعن طعن کیا جائے تو پھر یہ عمل ان خرابیوں کی وجہ سے مکروہ وممنوع ہو جائے گا۔

اور چونکہ بعض جگہ اس کو ضروری سمجھا جاتا ہے، اور اس پر ایسا التزام کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی اس پر عمل نہ کرے تو اُسے معیوب سمجھا جاتا ہے اور اس کے ساتھ مصافحہ یا معانقہ کو بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس حالت میں اس کو ناجائز ہی قرار دیا جائے گا۔

ذیل میں چند حوالے جات اس سلسلہ میں پیش کیے جاتے ہیں:

(۱)......امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ہے کہ:

سُئِلَ: هَلُ اَلتَّهُنِئَةُ فِی الْعِيُدِ وَمَا يَجْرِیُ عَلٰیٓ اَلْسِنَةِ النَّاسِ "عِيُدُکَ مُبَارَکٌ" وَمَا اَشْبَهَهُ هَلُ لَهُ اَصُلٌ فِی الشَّرِيُعَةِ اَمُ لَا ؟وَاِذَا كَانَ لَهُ اَصُلٌ فِی الشَّرِيُعَةِ، فَمَا الَّذِیُ يُقَالُ؟ اَفْتُوْنَا مَاجُوُرِيُنَ.

اَلْجَوَابُ: اَمَّا التَّهُنِئَةُ يَوُمَ الْعِيُدِ يَقُوُلُ بَعُضُهُمُ لِبَعُضٍ اِذَالَقِيَهُ بَعُدَ صَلَاةِ الْعِيُدِ تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُمُ وَاَحَالَهُ اللّٰهُ عَلَيُکَ وَنَحُوَ ذَالِکَ ، فَهٰذَا قَدُ رُوِیَ عَنُ طَائِفَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ اَنَّهُمُ كَانُوُا يَفُعَلُوُنَهُ وَرَخَّصَ فِيُهِ الْاَئِمَّةُ كَاَحُمَدَ وَغَيُرِهٖ لٰكِنُ قَالَ اَحُمَدُ: اَنَا لَا اَبْتَدِئُ اَحَدًافَاِنُ اِبْتَدَأَنِیُ اَحَدٌ اَجَبْتُهُ ،وَذَالِکَ لِاَنَّ جَوَابَ التَّحِيَّةِ وَاجِبٌ وَاَمَّا الْاِبْتِدَاءُ بِالتَّهُنِئَةِ فَلَيُسَ سُنَّةً مَامُوُراً بِهَا وَلَا هُوَاَيُضًا مَانُهِیَ عَنُهُ فَمَنُ فَعَلَهُ فَلَهُ قُدُوَةٌ وَمَنُ تَرَكَهُ فَلَهُ قُدُوَةٌ .وَاللّٰهُ اَعُلَمُ(الفتاویٰ الکبری لابن تیمیة) [۱]

[۱] جلد ۲ ص ۳۷۱، کتاب الصلاة،التهنئة فی العید، دار الکتب العلمیة، بیروت.

ترجمہ: (امام ابنِ تیمیہ سے) سوال کیا گیا کہ: کیا عید کے دن مبارک باد دینا اور وہ الفاظ جو عام طور پر لوگ استعمال کرتے ہیں، یعنی "عید مبارک" اور اس جیسے دوسرے الفاظ؛ کیا ان کی شریعت میں کوئی اصل ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کی شریعت میں کوئی اصل ہے تو وہ کیا الفاظ ہیں؟ ہمیں اس پر فتویٰ دیجیے اور ثواب حاصل کیجیے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ: عید کے دن مبارک باد دینا کہ ایک دوسرے سے عید کی نماز کے بعد جب ملاقات کریں تو یوں کہیں کہ "اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے اور آپ کی طرف سے قبول فرمائیں اور اللہ تعالیٰ اس کو آپ کے لیے بہتر کریں"

اوراس جیسے دوسرے الفاظ، تو یہ صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ وہ ایسا کیا کرتے تھے اوراس کی ائمۂ فقہاء مثلاً امام احمد (رحمہ اللہ) وغیرہ نے اجازت دی ہے۔

لیکن امام احمد (رحمہ اللہ) نے یہ بھی فرمایا کہ میں کسی کے ساتھ اس کی ابتداء نہیں کرتا لیکن اگر کوئی میرے ساتھ ابتداء کرتا ہے تو میں اس کا جواب دیدیتا ہوں اوراس کی وجہ یہ ہے کہ سلام کا جواب واجب ہے اور مبارک بادی کی ابتداء کرنا ایسی سنت نہیں ہے جس کا شریعت نے حکم دیا ہو اور نہ وہ ایسی چیز ہے کہ جس سے شریعت نے منع کیا ہو؛ لہٰذا جو شخص اس کو کرتا ہے اس کے لیے بھی دلیل موجود ہے اور جو نہیں کرتا اس کے لیے بھی موجود ہے۔ واللہ اعلم (ترجمہ ختم)

(۲)......الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے کہ:

اَلتَّهْـنِـئَةُ مُسْتَحَبَّةٌ فِي الْجُمْلَةِ لِاَنَّهَا مُشَارَكَةٌ بِالتَّبْرِيْكِ وَالدُّعَاءِ مِنَ الْـمُسْـلِـمِ لِاَخِيْـهِ الْـمُسْلِمِ فِيْمَا يَسُرُّهُ وَيُرْضِيْهِ وَلِمَا فِيْ ذَالِكَ مِنَ التَّـوَادِّ وَالتَّـرَاحُـمِ وَالتَّـعَـاطُفِ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَقَدْ جَاءَ فِي الْقُرْآنِ الْـكَـرِيْـمِ ،تَهْنِئَةُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلىٰ مَايَنَالُوْنَ مِنْ نَعِيْمٍ ،وَذَالِكَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالىٰ ”كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ“

وَالتَّهْـنِئَةُ تَكُوْنُ بِكُلِّ مَايُسِرُّوَيُسْعِدُ مِمَّا يُوَافِقُ شَرْعَ اللهِ تَعَالىٰ ،وَمِنْ ذَالِكَ اَلتَّهْـنِـئَـةُ بِـالـنِّـكَـاحِ ،وَالتَّهْـنِـئَـةُ بِـالْـمَوْلُوْدِ ،وَالتَّهْنِئَةُ بِالْعِيْدِ وَالْاَعْـوَامِ وَالْاَشْهُرِ وَالتَّهْنِئَةُ بِالْقُدُوْمِ مِنَ السَّفَرِوَالتَّهْنِئَةُ بِالْقُدُوْمِ مِنَ الْـحَـجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ وَالتَّهْنِئَةُ بِالطَّعَامِ وَالتَّهْنِئَةُ بِالْفَرَجِ بَعْدَ الشِّدَّةِ ...... ذَهَـبَ جَـمْـهُـوْرُالْـفُـقَـهَـاءِ اِلـىٰ مَشْـرُوْعِيَّةِ التَّهْـنِئَةِ بِالْعِيْدِ مِنْ حَيْثُ الْجُمْلَةِ (الموسوعة الفقهية ج۱۴،ص۹۷،،ماده تهنئة) ؎۱

۱ اور جمہور فقہاء کے اقوال کی تشریح کرتے ہوئے آگے الموسوعۃ الفقہیۃ میں مذکور ہے کہ:

فقال صاحب الدر المختار من الحنفية ان التهنئة بالعيد بلفظ "يتقبل الله منا ومنكم" لاتنكر وعقب ابن عابدين على ذالك بقوله: انما قال اى صاحب الدرالمختار، كذالك لانه لم يحفظ فيهاشيئى عن ابى حنيفة واصحابه ، وقال المحقق ابن امير حاج: بل الأشبه انهاجائزة مستحبة فى الجملة ، ثم ساق آثارا باسانيد صحيحة عن الصحابة فى فعل ذلك ، ثم قال: و المتعامل فى البلاد الشامية والمصرية: عيد مبارك عليك ونحوه وقال : يمكن ان يلحق بذالك فى المشروعيةو الاستحباب لما بينهمامن التلازم ،فان من قبلت طاعته فى زمان كان ذالك الزمان عليه مباركا، على انه قد ورد الدعاء بالبركة فى امور شتى فيؤ خذمنه استحباب الدعاء بها هناايضاً.

اما عند المالكية: فقدسئل الامام مالك عن قول الرجل لأخيه يوم العيد: تقبل اللهمنا ومنك يريد الصوم وفعل الخير الصادر فى رمضان، وغفراللهلنا ولك،فقال:ما اعرفه ولاانكره ،قال ابن حبيب : معناه لايعرفه سنة ولاينكره على من يقوله :لانه قول حسن لانه دعاء ، حتى قال الشيخ الشبيبى يجب الاتيان به لمايترتب على تركه من الفتن والمقاطعة،ويدل لذلك ماقالوه فى القيام لمن يقدم عليه ، ومثله قول الناس لبعضهم فى اليوم المذكور : عيد مبارك، واحياكم اللهلأمثاله ، لا شك فى جواز كل ذالك بل لو قيل بوجوبه لما بعد ، لان الناس مأمورون باظهار المودة والمحبة لبعضهم .

اما الشافعية: فقد نقل الرملى عن القمولى قوله : لم ار لاصحابنا كلاما فى التهنئةبالعيد،والأعوام والاشهر كما يفعله الناس ، لكن نقل الحافظ المنذرى عن الحافظ المقد سى انه اجاب عن ذالك بان الناس لم يزالوامختلفين فيه ، والذى اراه انه مباح لاسنة فيه ولابدعة ثم قال الرملى : وقال ابن حجر العسقلانى : انها مشروعة ، واحتج له بان البيهقى عقد لذلك بابافقال : باب ما روى فى قول الناس بعضهم لبعض فى يوم العيد : تقبل اللهمنا ومنك ، وساق ما ذكره من اخبار وآثارضعيفة لكن مجموعها يحتج به فى مثل ذلك ، ثم قال : ويحتج لعموم التهنئة لما يحدث من نعمة او يندفع من نقمة بمشروعية سجود الشكر والتعزية، وبما فى الصحيحين عن كعب بن مالك فى قصة توبته لما تخلف عن غزوة تبوك انه لما بشر بقبول توبته ومضى الى النبى ﷺ قام اليه طلحة بن عبيداللهفهنّأه، وكذالك نقل القليوبى عن ابن حجر ان التهنئة بالاعياد والشهور والاعوام مندوبة قال البيجورى:وهوالاعتمد.وجاء فى المغنى لابن قدامه:قال احمد رحمه الله :ولاباس ان يقول الرجل للرجل يوم العيد:تقبل اللهمنا ومنك وقال حرب سئل احمد عن قول الناس فى العيدين تقبل اللهمنا ومنكم، قال:لاباس به،يرويه اهل الشام عن ابى امامة،قيل:وواثلة بن الاسقع،قال نعم،قيل: فلاتكره ان يقال هذايوم العيد؟قال:لاوذكرابن عقيل فى تهنئة العيد احاديث منهاان محمد بن زياد قال: كنت مع ابى امامة الباهلى وغيره من اصحاب النبىﷺ فكانوا اذارجعوا من العيد يقول بعضهم لبعض:تقبل اللهمنا ومنك،وقال احمد:اسناد حديث ابى امامة جيد (الموسوعة الفقهية ج۱۴ ص ۹۹تا۱۰۰ ،مادة تهنئة)

ترجمہ: مبارک بادی فی الجملۃ مستحب ہے ،اس لیے کہ یہ برکت میں ایک دوسرے کوشریک کرنا ہے، اور ایک مسلمان کی طرف سے اُس کے مسلمان بھائی کے لیے اُس چیز میں دعا ہے جس چیز سے اُس کوخوشی حاصل ہو اور وہ جس چیز سے راضی ہو، اور ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کے درمیان محبت ورحمت اور ہمدردی کا پہلو پایا جاتا ہے، اور مؤمنین کا اُن نعمتوں پر مبارک باد دینا جو وہ جنت میں پائیں گے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کے اس قول میں مذکور ہے کہ:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (مرسلات آیت ۴۳)

اور مبارک بادی ہر اُس چیز کے ساتھ ہوتی ہے جو خوشی والی ہو اور نیک بخت ہو، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو (گناہ والا کام نہ ہو) اور اسی خوشی والی چیزوں میں سے نکاح کی مبارک باد بھی ہے اور بچے کی ولادت کی مبارک باد بھی ہے اور عید کی مبارک باد بھی ہے اور سال اور مہینوں کے آغاز کی مبارک باد بھی ہے اور سفر سے آنے کی مبارک باد بھی ہے اور حج وعمرے سے آنے کی مبارک باد بھی ہے اور کھانے کی مبارک باد بھی ہے اور پریشانی دُور ہونے کی مبارک باد بھی ہے .... جمہور فقہاء کے نزدیک عید کے موقعہ پر مبارک باد دینا مجموعی طور پر مشروع ہے (ترجمہ ختم)

(۳)......سلیمان بن محمد بجیرمی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(قَوْلُهٗ تَقَبَّلَ اللّٰهُ الخ) قَضِيَّةُ هٰذَا اَنَّ هٰذَا مِنَ التَّهْنِئَةِ وَمِنْهُ اَعَادَهَا اللّٰهُ عَلَيْكُمْ بِخَيْرٍ وَالْمُرَادُ تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنْكُمْ صَلَاةَ الْعِيْدِ وَالْاَضْحٰى وَالْقِيَامَ

(حاشية البجيرمي على الخطيب) [1]

[1] ج۲ص۲۲۶، فصل فی صلاة العيدين ،دار الكتب العلمية، بيروت.

ترجمہ: یہ الفاظ کہ ''اللہ تعالیٰ آپ سے قبول فرمائے'' ان الفاظ کا معاملہ یہ ہے کہ یہ مبارک بادی کے الفاظ ہیں (اور مستحب ہیں) اور مبارک بادی ہی کے الفاظ یہ

ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو آپ کے لیے بھی لوٹائے خیر کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ آپ سے قبول فرمائے سے مراد یہ ہے کہ عیدین کی نماز اور تراویح وغیرہ قبول فرمائے

(ترجمہ ختم)

(۴)......اور حلبی کبیر میں ہے کہ:

وَالْاَظْهَرُ اَنَّهٗ لَا بَأْسَ بِهٖ لِمَا فِيْهِ مِنَ الْاَثَرِ (حلبی کبیر) ۲

۲ صفحہ ۵۷۳ ،فروع فی صلاۃ العید،سہیل اکیڈمی، لاھور.

ترجمہ: اور راجح بات یہ ہے کہ عید کی مبارک باد میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس بارے میں (بعض صحابۂ کرام کا) اثر وروایت موجود ہے (ترجمہ ختم)

(۵)......اور درِمختار اور البحر الرائق میں ہے کہ:

وَالتَّهْنِئَةُ بِقَوْلِهٖ تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ لَاتُنْكَرُ (البحر الرائق) ۱

۱ ج۲ص ۱۷۱ ، کتاب الصلاۃ، باب العیدین، واللفظ لہٗ،الدرالمختار مع شرحہ رد المحتار جلد۲ صفحہ ۱۶۹ ، باب العیدین.

ترجمہ: اور مبارک بادی دینا ان الفاظ میں کہ ” تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ “ کوئی بُری چیز نہیں (ترجمہ ختم)

(۶)......اور طحطاوی علی المراقی میں ہے کہ:

وَالتَّهْنِئَةُ بِقَوْلِهٖ تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ لَاتُنْكَرُ بَلْ مُسْتَحَبَّةٌ لِوُرُوْدِ الْاَثَرِ بِهَا......قَوْلُ الرَّجُلِ لِصَاحِبِهٖ عِيْدٌ مُبَارَكٌ عَلَيْكَ وَنَحْوُهٗ وَيُمْكِنُ اَنْ يُّلْحَقَ هٰذَا اللَّفْظُ فِي الْجَوَازِ الْحَسَنِ وَاِسْتِحْبَابِهٖ لِمَا بَيْنَهُمَا مِنَ التَّلَازُمِ (طحطاوی علی المراقی ص ۲۸۹ ،باب احکام العیدین)

ترجمہ: اور عید کے دن مبارک باد دینا ان الفاظ میں کہ اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی طرف سے قبول فرمائے، اس کو ممنوع قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ مستحب قرار دیا جائے گا......(اور کچھ آگے چل کر ہے)......

آدمی کا اپنے ساتھی کو یہ کہنا کہ آپ کو عید مبارک ہو یا اس سے ملتا جلتا لفظ ان الفاظ کے جائز اور مستحب ہونے میں وہی حکم ہے جو پہلے الفاظ کا گزرا کیونکہ دونوں ایک دوسرے کی طرح ہیں (ترجمہ ختم)

(۷)......اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''عید مبارک'' کہنا درست ہے، فقہاء نے لکھا ہے (حسن العزیز جلد ۳ صفحہ ۱۳۳، اشرف الاحکام صفحہ ۲۰۵)

اور بھی کئی اہلِ علم حضرات نے یہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ [۱]

[۱] چنانچہ حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

عید کے روز باہم ایک دوسرے کو اس لفظ سے تہنیت دینا ''تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَمِنْکُمْ'' یا اس کے ہم مضمون لفظ سے جیسا ''عید مبارک'' وغیرہ، جائز اور فی الجملہ مستحب ہے بشرطیکہ بطورِ رسم کے پابندی کے ساتھ نہ ہو (بارہ مہینوں کے فضائل واحکام صفحہ ۵۳ مطبوعہ: ادارۂ اسلامیات، لاہور۔ تاریخِ طبع جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ)

اور فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ:

اس طرح مبارک باد دینا کہ ''تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَمِنْکُمْ'' درست ہے (فتاویٰ محمودیہ تبویب جدید جلد ۳، صفحہ ۱۴۸، باب البدعات والرسوم۔ مطبوعہ: جامعہ فاروقیہ کراچی)

اور خیر الفتاویٰ میں ہے کہ:

کوئی ضروری نہیں اور ضروری سمجھنا جائز بھی نہیں۔ اس عقیدے کے بغیر اگر کسی کو روزے مکمل کرنے کی مبارک باد دی جائے تو کوئی حرج بھی نہیں (خیر الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۵۵۳، ما یتعلق بالسنۃ والبدعۃ)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ راجح یہ ہے کہ عید کے موقع پر مبارکباد کہنے کا صحابۂ کرام سے ثبوت موجود ہے، جس کی وجہ سے یہ ناجائز نہیں، بلکہ مستحب عمل ہے، لیکن اس کو فرض وواجب کا درجہ نہیں دینا چاہیے۔

عورتوں کا عید کی نماز کے لئے جانا

آج کل بعض لوگوں میں عورتوں کے عید کی نماز کے لیے جانے نہ جانے کا مسئلہ زیرِ بحث آتا رہتا ہے، اور اس کا شرعی حکم معلوم کرنے کے متعلق سوالات کیے جاتے رہتے ہیں، اور بعض

کتابوں میں اجمالی حکم مذکور ہونے سے تشویش رہتی ہے، اس لیے اس سلسلہ میں کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض شرائط کے ساتھ عورتوں کو نمازوں کے لئے مسجد میں اور عید کی نماز کے لئے عید گاہ میں آنے کی اجازت تھی۔

اور خواتین کا نماز کے لیے مساجد میں آنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کو مساجد میں آنے کی اجازت دینا اور اُن کو مساجد میں آنے سے منع نہ کرنا صحیح احادیث میں مذکور وموجود ہے۔ [1]

---

[1] عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ عُمَرُ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ (مسند أبی یعلی، حدیث نمبر ۱۵۴)

فی حاشیة مسند ابی یعلیٰ: إسناده صحيح.

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :إِذَا اسْتَأْذَنَتْ أَحَدَكُمُ امْرَأَتُهُ أَنْ تَأْتِيَ الْمَسْجِدَ، فَلَا يَمْنَعْهَا "قَالَ :وَكَانَتِ امْرَأَةُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ تُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ لَهَا :إِنَّكِ لَتَعْلَمِينَ مَا أُحِبُّ فَقَالَتْ :وَاللهِ لَا أَنْتَهِي حَتَّى تَنْهَانِي قَالَ: فَطُعِنَ عُمَرُ وَإِنَّهَا لَفِي الْمَسْجِدِ(مسند أحمد، حدیث نمبر ۴۵۲۲)

فی حاشیة مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

عن عاتكة بنت زيد بن عمرو بن نفيل، امرأة عمر بن الخطاب؛ أنها كانت تستأذن عمر بن الخطاب إلى المسجد .فيسكت .فتقول :والله لأخرجن، إلا أن تمنعني .فلا يمنعها(مؤطاامام مالک، حدیث نمبر ۶۷۶)

عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :كَانَتِ امْرَأَةٌ لِعُمَرَ تَشْهَدُ صَلاَةَ الصُّبْحِ وَالعِشَاءِ فِي الجَمَاعَةِ فِي المَسْجِدِ، فَقِيلَ لَهَا :لِمَ تَخْرُجِينَ وَقَدْ تَعْلَمِينَ أَنَّ عُمَرَ يَكْرَهُ ذَلِكَ وَيَغَارُ؟ قَالَتْ :وَمَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَنْهَانِي؟ قَالَ :يَمْنَعُهُ قَوْلُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لاَ تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ(بخاری، حدیث نمبر ۹۰۰)

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اگرچہ خواتین کے مسجد میں جانے کو پسند نہیں فرماتے تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ”خواتین کو مساجد میں جانے سے منع نہ کرو“ منع نہیں فرماتے تھے، اور آپ کا خواتین کو تنبیہ فرمانا بھی اسی صورت میں تھا، جبکہ خواتین شرائط کی پابندی نہ کریں۔

أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ إِذَا اسْتَأْذَنَّكُمْ إِلَيْهَا قَالَ :فَقَالَ بِلَالُ بْنُ عَبْدِ اللهِ :وَاللهِ لَنَمْنَعُهُنَّ، قَالَ: فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللهِ :فَسَبَّهُ سَبًّا سَيِّئًا مَا سَمِعْتُهُ سَبَّهُ مِثْلَهُ قَطُّ وَقَالَ " :أُخْبِرُكَ عَنْ رَسُولِ

اللہِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُولُ :وَاللہِ لَنَمْنَعُهُنَّ "(مسلم، حدیث نمبر ۴۴۲، باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة، وأنها لا تخرج مطيبة)

عَنْ بِلَالِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تَمْنَعُوا النِّسَاءَ حُظُوظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ، إِذَا اسْتَأْذَنُوكُمْ فَقَالَ بِلَالٌ :وَاللهِ، لَنَمْنَعُهُنَّ .فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللهِ " :أَقُولُ :قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُولُ أَنْتَ :لَنَمْنَعُهُنَّ (مسلم، حديث نمبر ۴۴۲، باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة، وأنها لا تخرج مطيبة)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ، وَلَكِنْ لِيَخْرُجْنَ وَهُنَّ تَفِلَاتٌ(سنن أبي داود، حديث نمبر ۵۶۵)

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ الْمَسَاجِدَ، وَلْيَخْرُجْنَ تَفِلَاتٍ(مسند أحمد، حديث نمبر ۲۱۶۷۴)

فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :إِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ نِسَاؤُكُمْ إِلَى الْمَسَاجِدِ فَأْذَنُوا لَهُنَّ(مسند أبي يعلى، حديث نمبر ۵۴۴۳و حديث نمبر ۵۵۱۰)

فی حاشية مسند ابی یعلیٰ: إسناده صحيح.

عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ، وَلْيَخْرُجْنَ تَفِلَاتٍ "قَالَتْ عَائِشَةُ " :وَلَوْ رَأَى حَالَهُنَّ الْيَوْمَ مَنَعَهُنَّ(مسند أحمد، حديث نمبر ۲۴۴۰۶)

اسی طرح بعض شرائط کے ساتھ خواتین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت وحکم سے عید کی نماز کے لیے عید گاہ میں آنا بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے، جس کا ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنْ نُخْرِجَهُنَّ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى، اَلْعَوَاتِقَ، وَالْحُيَّضَ، وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ، فَأَمَّا الْحُيَّضُ فَيَعْتَزِلْنَ الصَّلَاةَ، وَيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ، وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ، قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِحْدَانَا لَا يَكُوْنُ لَهَا جِلْبَابٌ، قَالَ : لِتُلْبِسْهَا أُخْتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا (مسلم) [1]

[1] حديث نمبر ۸۹۰،كتاب صلاة العيدين، باب ذكر إباحة خروج النساء فى العيدين إلى المصلى وشهود الخطبة، مفارقات للرجال، داراحياء التراث العربى، بيروت، واللفظ لهٗ،سنن

الترمذی، حدیث نمبر ۵۳۹، بَابٌ فِی خُرُوجِ النِّسَاءِ فِی العِیدَینِ.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم عورتوں کو عید الفطر وعید الاضحیٰ کے لئے نکالیں، بالغ لڑکیوں کو بھی، اور حیض والی اور پردہ نشین عورتوں کو بھی، جہاں تک کہ حائضہ عورتوں کا تعلق ہے، تو وہ نماز سے علیٰحدہ رہ کر خیر اور مسلمانوں کی دعوت (یعنی وعظ وخطبہ وغیرہ) میں حاضر ہوں، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے جس کے پاس (پردہ کرنے کے لیے بڑی) چادر نہ ہوتو؟ آپ نے فرمایا کہ اس کی بہن کو چاہئے کہ اپنی (پردہ والی) چادر اس کو پہنا دے (ترجمہ ختم)

حضرت حفصہ بنتِ سیرین کی سند سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔ [1]

[1] عَنْ حَفْصَةَ، قَالَتْ :كُنَّا نَمْنَعُ عَوَاتِقَنَا أَنْ يَخْرُجْنَ فِي العِيدَيْنِ، فَقَدِمَتِ امْرَأَةٌ، فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِي خَلَفٍ، فَحَدَّثَتْ عَنْ أُخْتِهَا، وَكَانَ زَوْجُ أُخْتِهَا غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً، وَكَانَتْ أُخْتِي مَعَهُ فِي سِتٍّ، قَالَتْ :كُنَّا نُدَاوِي الكَلْمَى، وَنَقُومُ عَلَى المَرْضَى، فَسَأَلَتْ أُخْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَعَلَى إِحْدَانَا بَأْسٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ أَنْ لاَ تَخْرُجَ؟ قَالَ :لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا وَلْتَشْهَدِ الخَيْرَ وَدَعْوَةَ المُسْلِمِينَ، فَلَمَّا قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ، سَأَلْتُهَا أَسَمِعْتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: بِأَبِي، نَعَمْ، وَكَانَتْ لاَ تَذْكُرُهُ إِلَّا قَالَتْ :بِأَبِي، سَمِعْتُهُ يَقُولُ :يَخْرُجُ العَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الخُدُورِ، أَوِ العَوَاتِقُ ذَوَاتُ الخُدُورِ، وَالحُيَّضُ، وَلْيَشْهَدْنَ الخَيْرَ، وَدَعْوَةَ المُؤْمِنِينَ، وَيَعْتَزِلُ الحُيَّضُ المُصَلَّى، قَالَتْ حَفْصَةُ :فَقُلْتُ الحُيَّضُ، فَقَالَتْ :أَلَيْسَ تَشْهَدُ عَرَفَةَ، وَكَذَا وَكَذَا(بخاری، حدیث نمبر ۳۲۴)

خیر اور مسلمانوں کی دعوت سے مراد خطبہ اور وعظ وتذکیر ہے۔ [2]

[2] قوله :(وليشهدن الخير) أى :وليحضرن مجالس الخير كسماع الحديث وعيادة المريض . قوله :(ودعوة المسلمين) ، كالاجتماع لصلاة الاستسقاء .وفى رواية :(ودعوة المؤمنين) ، وهى رواية الكشميهنى(عمدة القارى، ج۳ص ۳۰۴، كتاب الحيض،باب شهود الحائض العيدين ودعوة المسلمين ويعتزلن المصلى)

والمراد بالدعوة :الكلمات الدعائية التى فى خلال الخطبة(فيض البارى شرح البخارى، كتاب الحيض،باب شهود الحائض العيدين ودعوة المسلمين، ويعتزلن المصلى)

جیسا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -خَرَجَ وَمَعَهُ بِلَالٌ، فَظَنَّ أَنَّهُ

لَـمْ يُسْمِعُ فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ، فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تُلْقِي الْقُرْطَ وَالْخَاتَمَ، وَبِلَالٌ يَأْخُذُ فِي طَرَفِ ثَوْبِهِ (بخاری) ۳؎

۳؎ حديث نمبر ۹۸، كتاب العلم، باب عظة الإمام النساء وتعليمهن، دار طوق النجاة، بيروت.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عید کی نماز کے لئے) نکلے، اور آپ کے ساتھ حضرت بلال بھی تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گمان فرمایا کہ ان کے خطبہ کی آواز عورتوں کو نہیں پہنچ سکی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خواتین کو بھی وعظ فرمایا، اور انہیں صدقہ کا حکم فرمایا، پس عورتوں نے اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں دینی شروع کیں، اور حضرت بلال نے اپنے کپڑے میں ان کو لینا شروع کیا (ترجمہ ختم)

یہ واقعہ کئی سندوں سے مروی ہے، اور چونکہ عید گاہ میں عورتوں کے لئے مَردوں سے الگ باپردہ انتظام کیا جاتا تھا، اس لئے بعض اوقات عورتوں کو خطبہ کی آواز نہیں پہنچتی تھی، اس لئے ان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ سے وعظ فرمایا۔ ۱؎

۱؎ فكـان النساء بعيدا من الرجال .ألا ترى أنه -عليه الصلاة والسلام -لـما أن فرغ من خطبته وصـلاتـه جـاء إلى النساء فوعظهن وذكرهن، فلو كن قريبا لسمعن الخطبة ولما احتجن إلى تذكيره لهن بعد الخطبة (المدخل لابن الحاج، ج۲ ص۲۸۳، فصل فى خروج الإمام إلى صلاة العيدين)

جس سے معلوم ہوا کہ خواتین کو عید کی نماز میں شریک کرنے کا مقصد وعظ وتبلیغ بھی تھا۔

حضرت عائشہ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کی سند سے بھی خواتین کے عید گاہ میں آنے کی احادیث وروایات مروی ہیں۔ ۲؎

۲؎ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، شَهِدْتُ العِيدَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى قَبْلَ الخُطْبَةِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ :وَزَادَ ابْنُ وَهْبٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ :فَأَتَى النِّسَاءَ، فَجَعَلْنَ يُلْقِينَ الفَتَخَ وَالخَوَاتِيمَ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ (بخاری، حديث نمبر ۵۸۸۰)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ " :قَدْ كَانَتْ تَخْرُجُ الْكَعَابُ مِنْ خِدْرِهَا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعِيدَيْنِ (مسند أحمد، حديث نمبر ۲۵۵۱۲)

فى حاشية مسند احمد:

صحيح لغيره .على :وهو الواسطى -وإن كان ضعيفاً -متابع، وباقى رجاله ثقات رجال الشيخين إلا أن أبا قلابة -وهو عبد الله بن زيد الجَرْمى -لم يسمع من عائشة.

قال الهيثمي:
رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد، ج٢ص ٢٠٠،باب الخروج إلى العيد)
عَنْ مُجَاهِدٍ فِي قَوْلِهِ :(كَوَاعِبُ) قَالَ :نَوَاهِدُ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ٥٨٣٩، مَنْ رَخَّصَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ " :كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَأْمُرُ بَنَاتَهُ وَنِسَاءَهُ أَنْ يَخْرُجْنَ فِي الْعِيدَيْنِ (مسنداحمد، حديث نمبر ٢٠٥٤)
فی حاشية مسند احمد:
صحيح لغيره، حجاج -وهو ابن أرطاة -مدلس وقد عنعن، وباقي رجاله ثقات رجال الشيخين.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کئی جلیل القدر صحابۂ کرام (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ) اور تابعین (حضرت علقمہ، حضرت اسود وغیرہ) سے بھی خواتین کے عید کی نماز کے لیے آنے کا جواز وثبوت ملتا ہے۔ [1]

[1] عَنْ طَلْحَةَ الْيَامِيِّ ، قَالَ :قَالَ أَبُو بَكْرٍ :حَقٌّ عَلَى كُلِّ ذَاتِ نِطَاقٍ الْخُرُوجُ إِلَى الْعِيدَيْنِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ٥٨٣٥، مَنْ رَخَّصَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)
عَنْ عَلِيٍّ ، قَالَ :حَقٌّ عَلَى كُلِّ ذَاتِ نِطَاقٍ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى الْعِيدَيْنِ ، وَلَمْ يَكُنْ يُرَخِّصُ لَهُنَّ فِي شَيْءٍ مِنَ الْخُرُوجِ إِلَّا إِلَى الْعِيدَيْنِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ٥٨٣٦، مَنْ رَخَّصَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)
عَنْ نَافِعٍ ، قَالَ :كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يُخْرِجُ إِلَى الْعِيدَيْنِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْ أَهْلِهِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ٥٨٣٧، مَنْ رَخَّصَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)
عَنْ أَبِي قِلَابَةَ ، قَالَ :قَالَتْ عَائِشَةُ :قَدْ كَانَتِ الْكِعَابُ تَخْرُجُ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ خِدْرِهَا فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ٥٨٣٨، مَنْ رَخَّصَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)
عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ ؛ أَنَّ عَلْقَمَةَ ، وَالْأَسْوَدَ كَانَا يُخْرِجَانِ نِسَاءَهُمَا فِي الْعِيدَيْنِ ، وَيَمْنَعُونَهُنَّ مِنَ الْجُمُعَةِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ٥٨٤٠، مَنْ رَخَّصَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)
عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ ، قَالَ :إِنْ كَانَتِ امْرَأَةُ أَبِي مَيْسَرَةَ لَتَخْرُجَ إِلَى الْعِيدِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ٥٨٤١، مَنْ رَخَّصَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)
عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ :كَانَ لِعَلْقَمَةَ امْرَأَةٌ قَدْ خَلَتْ فِي السِّنِّ تَخْرُجُ إِلَى الْعِيدَيْنِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ٥٨٤٢، مَنْ رَخَّصَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)

لیکن ایک تو احادیث میں جہاں ایک طرف خواتین کو مساجد میں نماز پڑھنے کی اجازت ثابت

ہے، اسی کے ساتھ خواتین کو مساجد میں نماز پڑھنے کے لیے آنے کے مقابلہ میں گھروں میں رہ کر نماز پڑھنے اور عبادت کرنے کی زیادہ فضیلت بھی ثابت ہے۔

چنانچہ صحیح احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواتین کو اپنے گھروں میں رہ کر نماز پڑھنے کی ترغیب دینا اور فضیلت بیان فرمانا مذکور ہے۔ [1]

---

[1] عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ، وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ(سنن أبي داود، حديث نمبر ٥٦٧؛ مستدرک حاکم، حديث نمبر ٧٥٥)

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، فَقَدِ احْتَجَّا جَمِيعًا بِالْعَوَّامِ بْنِ حَوْشَبٍ، وَقَدْ صَحَّ سَمَاعُ حَبِيبٍ مِنِ ابْنِ عُمَرَ، وَلَمْ يُخَرِّجَا فِيهِ الزِّيَادَةَ وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ وَشَاهِدُهُ.

وقال الذهبي في التلخيص: على شرطهما.

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ : خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَآءِ قَعْرُ بُيُوْتِهِنَّ (مسند احمد، حديث نمبر ٢٦٥٤٢)

في حاشية مسند احمد: حديث حسن بشواهده.

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا، وَصَلَاتُهَا فِي حُجْرَتِهَا خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِهَا فِي دَارِهَا، وَصَلَاتُهَا فِي دَارِهَا خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِهَا خَارِجٍ(المعجم الأوسط، حديث نمبر ٩١٠١)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا، وَصَلَاتُهَا فِي مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا(سنن أبي داود، حديث نمبر ٥٧٠)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا، وَصَلَاتُهَا فِي مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا (مستدرک حاکم، حديث نمبر ٧٥٧)

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ، وَقَدِ احْتَجَّا جَمِيعًا بِالْمُوَرِّقِ بْنِ مُشَمْرِجٍ الْعِجْلِيِّ .

وقال الذهبي في التلخيص: على شرطهما.

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِنَّ أَحَبَّ صَلَاةٍ تُصَلِّيهَا الْمَرْأَةُ إِلَى اللَّهِ فِي أَشَدِّ مَكَانٍ فِي بَيْتِهَا ظُلْمَةً (صحيح ابن خزيمة، حديث نمبر ١٦٩١، بَابُ اخْتِيَارِ صَلَاةِ الْمَرْأَةِ فِي أَشَدِّ مَكَانٍ مِنْ بَيْتِهَا ظُلْمَةً)

قال الألباني :حسن بما بعده.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّ أَحَبَّ صَلَاةٍ تُصَلِّيهَا الْمَرْأَةُ

إِلَى اللَّهِ أَنْ تُصَلِّيَ فِي أَشَدِّ مَكَانٍ مِنْ بَيْتِهَا ظُلْمَةً .حَدَّثَنَاهُ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، نا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ(صحيح ابن خزيمة، حديث نمبر ١٦٩٢، بَابُ اخْتِيَارِ صَلَاةِ الْمَرْأَةِ فِي أَشَدِّ مَكَانٍ مِنْ بَيْتِهَا ظُلْمَةً)

قال الألباني: حسن بما قبله.

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :لَأَنْ تُصَلِّيَ الْمَرْأَةُ فِي بَيْتِهَا خَيْرٌ مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ فِي حُجْرَتِهَا، وَلَأَنْ تُصَلِّيَ فِي حُجْرَتِهَا خَيْرٌ مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ فِي الدَّارِ، وَأَنْ تُصَلِّيَ فِي الدَّارِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ فِي الْمَسْجِدِ(شعب الإيمان، حديث نمبر ٧٤٣٥)

قال الألباني: قلت :و لكنه شاهد لا بأس به لحديث عائشة ، فالحديث حسن بمجموعهما .و له شاهد آخر من حديث أم حميد امرأة أبى حميد الساعدى مرفوعا بنحوه ، و له عنها طريقان يقوى أحدهما الآخر كما بينته فى "تخريج الترغيب "، فالحديث به صحيح (السلسلة الصحيحة الكاملة، تحت حديث نمبر ٢١٤٢)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سُوَيْدٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَمَّتِهِ أُمِّ حُمَيْدٍ امْرَأَةِ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ، أَنَّهَا جَاءَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي أُحِبُّ الصَّلَاةَ مَعَكَ، قَالَ ": قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكِ تُحِبِّينَ الصَّلَاةَ مَعِي، وَصَلَاتُكِ فِي بَيْتِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلَاتِكِ فِي حُجْرَتِكِ، وَصَلَاتُكِ فِي حُجْرَتِكِ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِكِ فِي دَارِكِ، وَصَلَاتُكِ فِي دَارِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلَاتِكِ فِي مَسْجِدِ قَوْمِكِ، وَصَلَاتُكِ فِي مَسْجِدِ قَوْمِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلَاتِكِ فِي مَسْجِدِي "، قَالَ :فَأَمَرَتْ فَبُنِيَ لَهَا مَسْجِدٌ فِي أَقْصَى شَيْءٍ مِنْ بَيْتِهَا وَأَظْلَمِهِ، فَكَانَتْ تُصَلِّي فِيهِ حَتَّى لَقِيَتِ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ (مسند احمد، ٢٧٠٩٠)

حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ الْمُنْذِرِ السَّاعِي ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدَّتِهِ أُمِّ حُمَيْدٍ ، قَالَتْ :قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَمْنَعُنَا أَزْوَاجُنَا أَنْ نُصَلِّيَ مَعَكَ وَنُحِبُّ الصَّلَاةَ مَعَكَ ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم :صَلَاتُكُنَّ فِي بُيُوتِكُنَّ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكُنَّ فِي حُجَرِكُنَّ ، وَصَلَاتُكُنَّ فِي حُجَرِكُنَّ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكُنَّ فِي الْجَمَاعَةِ(مصنف ابن أبى شيبة، حديث نمبر ٧٧٠٢)

حَدَّثَنِي عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ الْمُنْذِرِ السَّاعِدِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدَّتِهِ أُمِّ حُمَيْدٍ، قَالَتْ :قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ يَمْنَعُنَا أَزْوَاجُنَا أَنْ نُصَلِّيَ مَعَكَ، وَنُحِبُّ الصَّلَاةَ مَعَكَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :صَلَاتُكُنَّ فِي بُيُوتِكُنَّ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكُنَّ فِي حُجَرِكُنَّ، وَصَلَاتُكُنَّ فِي حُجَرِكُنَّ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكُنَّ فِي دُورِكُنَّ، وَصَلَاتُكُنَّ فِي دُورِكُنَّ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكُنَّ فِي الْجَمَاعَةِ(المعجم الكبير، حديث نمبر ٣٥٦)

عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ الْمُنْذِرِ بْنِ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدَّتِهِ أُمِّ حُمَيْدٍ، أَنَّهَا قَالَتْ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّا نُحِبُّ الصَّلَاةَ تَعْنِي مَعَكَ فَيَمْنَعُنَا أَزْوَاجُنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :صَلَاتُكُنَّ فِي بُيُوتِكُنَّ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِكُنَّ فِي دُورِكُنَّ، وَصَلَاتُكُنَّ فِي دُورِكُنَّ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكُنَّ فِي مَسْجِدِ الْجَمَاعَةِ ."قَالَ أَبُو زَكَرِيَّا :سَأَلْتُ أَبَا بَكْرٍ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ هَذَا أَيْنَ سَمِعَ مِنْهُ؟ قَالَ :بِوَدَّانَ، وَبِهَا يَوْمَئِذٍ عَبْدُ الْمُؤْمِنِ .قَالَ الشَّيْخُ :تَابَعَهُ أَيْضًا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ، وَفِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ الْأَمْرَ بِأَنْ لَا يُمْنَعْنَ أَمْرُ نَدْبٍ

وَاسْتِحْبَابٍ، لَا أَمْرُ فَرْضٍ وَإِيجَابٍ، وَهُوَ قَوْلُ الْعَامَّةِ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ(السنن الكبرى للبيهقي، حديث نمبر ۵۳۷۱)

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ ، أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتْهُ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ؟ فَقَالَ :صَلَاتُكِ فِي مَخْدَعِكِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكِ فِي بَيْتِكِ ، وَصَلَاتُكِ فِي بَيْتِكِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكِ فِي حُجْرَتِكِ ، وَصَلَاتُكِ فِي حُجْرَتِكِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكِ فِي مَسْجِدِ قَوْمِكِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۷۶۹۷)

عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ ، قَالَ :سَمِعْتُ رَبَّ هَذِهِ الدَّارِ ، يَعْنِي ابْنَ مَسْعُودٍ حَلَفَ فَبَالَغَ فِي الْيَمِينِ مَا صَلَّتِ امْرَأَةٌ صَلَاةً أَحَبَّ إِلَى اللهِ مِنْ صَلَاةٍ فِي بَيْتِهَا إِلَّا فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ ، إِلَّا امْرَأَةٌ قَدْ أَيِسَتْ مِنَ الْبُعُولَةِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۷۷۰۱)

عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ، قَالَ :سَمِعْتُ رَبَّ هَذِهِ الدَّارِ يَحْلِفُ فَيَبْلُغُ بِالْيَمِينِ :مَا مِنْ مُصَلَّى الْمَرْأَةِ خَيْرٌ لَهَا مِنْ بَيْتِهَا إِلَّا فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ إِلَّا امْرَأَةً يَئِسَتْ مِنَ الْبُعُولَةِ فَهِيَ فِي مَنْقَلَيْهَا ، قُلْتُ :مَا مَنْقَلَيْهَا؟ قَالَ :امْرَأَةٌ عَجُوزٌ قَدْ تَقَارَبَ خَطْوُهَا(المعجم الكبير للطبراني، حديث نمبر ۹۴۷۳)

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير ورجاله موثقون(مجمع الزوائد، ج۲ ص۳۵،باب خروج النساء إلى المساجد وغير ذلك وصلاتهن في بيوتهن وصلاتهن في المسجد)

دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور سرپرستی اور صحابہ وصحابیات کے انتہائی تقوے اور خیر القرون کے پاکیزہ اور مقدس زمانے کے باوجود، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے مساجد میں آنے اور جانے کے متعلق سخت شرائط عائد فرمائی تھیں، تاکہ ہر قسم کے فتنوں کا سدِّ باب رہے، مثلاً یہ کہ وہ مَردوں کے آمد ورفت والے دروازے سے نہ آئیں جائیں، اور مکمل پردے کے ساتھ آئیں، اور نظروں کی حفاظت رکھیں، اور بن سنور کر زیور وغیرہ سے آراستہ ہوکر اور مزین لباس پہن کر اور خوشبو وغیرہ لگا کر نہ آئیں اور مَردوں کے اٹھنے سے پہلے اٹھ کر چلی جائیں وغیرہ وغیرہ۔ [1]

[1] عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ، فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ، مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الغَلَسِ(بخاری، حديث نمبر ۸۶۷)

عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ :إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ(مستخرج أبي عوانة حديث نمبر ۱۰۹۵)

(فتنصرف النساء) : أي :اللاتي يصلين معه وكن في ذلك الزمن على أعلى غاية الصيانة، فما كان يتطرق إليهن ولا بهن فتنة ألبتة، ولما حدثت الفتن لهن وبهن منعهن العلماء من ذلك، ولقد قالت عائشة :لو علم النبي صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء بعده لمنعهن المساجد كما منعت نساء

بنی إسرائیل (ملتفعات) : بالنصب علی الحالیة أی :مستترات وجوههن وأبدانهن .قال الطیبی : التلفع شدة اللفاع وهو ما یغطی الوجه ویتلحف به (بمروطهن) : المرط :بالکسر کساء من صوف أو خز یؤتزر به، وقیل :الجلباب، وقیل :الملحفة (ما یعرفن) : ما :نافیة أی ما یعرفهن أحد، وفی روایة للبخاری، ولا یعرف بعضهن بعضا (من الغلس) : من :ابتدائیة بمعنی لأجل قاله الطیبی، والغلس :ظلمة آخر اللیل، ثم إنه یستعمل علی الاتساع فیما بقی منه بعد الصباح، وقیل :من غلس المسجد أی :من أجل ظلمته وعدم إسفاره؛ لأنه ما کان یظهر النور فیه إلا بطلوع الشمس(مرقاة المفاتیح، ج ۲ ص ۵۳۰، کتاب الصلاة،باب المواقیت،باب تعجیل الصلوات)

أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ، زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، أَخْبَرَتْهَا :أَنَّ النِّسَاءَ فِی عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کُنَّ إِذَا سَلَّمْنَ مِنَ المَکْتُوبَةِ، قُمْنَ وَثَبَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ صَلَّی مِنَ الرِّجَالِ مَا شَاءَ اللَّهُ، فَإِذَا قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ، قَامَ الرِّجَالُ (بخاری، حدیث نمبر ۸۶۶)

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ :کَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَاءُ حِینَ یَقْضِی تَسْلِیمَهُ، وَیَمْکُثُ هُوَ فِی مَقَامِهِ یَسِیرًا قَبْلَ أَنْ یَقُومَ ، قَالَ :نَرَی - وَاللَّهُ أَعْلَمُ -أَنَّ ذَلِکَ کَانَ لِکَیْ یَنْصَرِفَ النِّسَاءُ، قَبْلَ أَنْ یُدْرِکَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الرِّجَالِ(بخاری، حدیث نمبر ۸۷۰)

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ " :خَیْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ الْمُقَدَّمُ، وَشَرُّهَا الْمُؤَخَّرُ، وَشَرُّ صُفُوفِ النِّسَاءِ الْمُقَدَّمُ، وَخَیْرُهَا الْمُؤَخَّرُ "، ثُمَّ قَالَ " :یَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ، إِذَا سَجَدَ الرِّجَالُ فَاغْضُضْنَ أَبْصَارَکُنَّ، لَا تَرَیْنَ عَوْرَاتِ الرِّجَالِ مِنْ ضِیقِ الْأُزُرِ(مسنداحمدحدیث نمبر ۱۴۱۲۳)

فی حاشیة مسند احمد: صحیح لغیره، وهذا إسناد حسن فی المتابعات والشواهد.

عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِیدٍ، أَنَّ زَیْنَبَ الثَّقَفِیَّةَ، کَانَتْ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ :إِذَا شَهِدَتْ إِحْدَاکُنَّ الْعِشَاءَ فَلَا تَطَیَّبْ تِلْکَ اللَّیْلَةَ (مسلم، حدیث نمبر ۴۴۳)

عَنْ زَیْنَبَ، امْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ، قَالَتْ :قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا شَهِدَتْ إِحْدَاکُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمَسَّ طِیبًا (مسلم، حدیث نمبر ۴۴۳)

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ، وَلَکِنْ لِیَخْرُجْنَ وَهُنَّ تَفِلَاتٌ (ابوداؤد، حدیث نمبر ۵۶۵)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :لَوْ تَرَکْنَا هَذَا الْبَابَ لِلنِّسَاءِ، قَالَ نَافِعٌ :فَلَمْ یَدْخُلْ مِنْهُ ابْنُ عُمَرَ، حَتَّی مَاتَ، وَقَالَ غَیْرُ عَبْدِ الْوَارِثِ :قَالَ عُمَرُ :وَهُوَ أَصَحُّ(سنن أبی داود،بَابٌ فِی اعْتِزَالِ النِّسَاءِ فِی الْمَسَاجِدِ عَنِ الرِّجَالِ، حدیث نمبر ۴۶۲)

عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، کَانَ یَنْهَی أَنْ یُدْخَلَ مِنْ بَابِ النِّسَاءِ(سنن أبی داود،بَابٌ فِی اعْتِزَالِ النِّسَاءِ فِی الْمَسَاجِدِ عَنِ الرِّجَالِ، حدیث نمبر ۴۶۴)

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بعض صحابہ وتابعین نے حالات کی تبدیلی کو

دیکھتے ہوئے خواتین کے نماز کے لیے مساجد میں آنے کو پسند نہیں فرمایا۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

لَوْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی مَااَحْدَثَ النِّسَآءُ لَمَنَعَھُنَّ الْمَسْجِدَ کَمَامُنِعَتْ نِسَآءُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (مسلم) [1]

[1] حدیث نمبر ۴۴۵، کتاب الصلاۃ، باب منع نساء بنی اسرائیل المسجد، داراحیاء التراث العربی، بیروت، و اللفظ لہٗ ؛ بخاری، حدیث نمبر ۸۶۹؛ ابوداوٗد، حدیث نمبر ۵۶۹؛ مسند احمد، حدیث نمبر ۲۵۹۸۲.

ترجمہ: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان حالات کو دیکھ لیتے جو (آپ کے بعد) عورتوں نے پیدا کردیئے ہیں تو عورتوں کو مسجد میں آنے سے ضرور منع فرمادیتے، جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کردیا گیا تھا (ترجمہ ختم)

اسی وجہ سے بعض صحابہ وتابعین (مثلاً حضرت ابراہیم نخعی، حضرت عروہ وغیرہ) سے عورتوں اور بالخصوص جوان عورتوں کے عید کی نماز کے لیے جانے کا مکروہ ہونا مروی ہے۔ [2]

[2] عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؛ أَنَّهُ كَانَ لاَ يُخْرِجُ نِسَاءَهُ فِي الْعِيدَيْنِ(مصنف ابنِ ابی شیبة، حديث نمبر ۵۸۴۵، مَنْ كَرِهَ خُرُوجَ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)

روى بن أبي شيبة أيضا عن ابن عمر أنه كان يخرج إلى العيدين من استطاع من أهله وهذا ليس صريحا في الوجوب أيضا بل قد روى عن بن عمر المنع فيحتمل أن يحمل على حالين(فتح الباری، ج۲ص ۴۷۰،قوله باب اعتزال الحيض المصلى)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ :يُكْرَهُ خُرُوجُ النِّسَاءِ فِي الْعِيدَيْنِ(مصنف ابنِ ابی شیبة، ، حدیث نمبر ۵۸۴۴، مَنْ كَرِهَ خُرُوجَ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ :كُرِهَ لِلشَّابَّةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى الْعِيدَيْنِ(مصنف ابنِ ابی شیبة، حديث نمبر ۵۸۴۸، مَنْ كَرِهَ خُرُوجَ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ؛ أَنَّهُ كَانَ لاَ يَدَعُ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِهِ تَخْرُجُ إِلَى فِطْرٍ ، وَلاَ إِلَى أَضْحَى(مصنف ابنِ ابی شیبة، حديث نمبر ۵۸۴۶، مَنْ كَرِهَ خُرُوجَ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْقَاسِمِ ، قَالَ :كَانَ الْقَاسِمُ أَشَدَّ شَيْءٍ عَلَى الْعَوَاتِقِ ، لاَ يَدَعُهُنَّ يَخْرُجْنَ فِي الْفِطْرِ وَالأَضْحَى(مصنف ابنِ ابی شیبة، حديث نمبر ۵۸۴۷، مَنْ كَرِهَ خُرُوجَ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)

اس قسم کی احادیث وروایات اور حالات کے پیشِ نظر بعد میں فقہائے کرام کا بھی اس سلسلہ

میں اختلاف ہوگیا۔

چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَفِی الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرٍ: حَدِیْثُ أُمِّ عَطِیَّةَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَقَدْ ذَھَبَ بَعْضُ أَھْلِ الْعِلْمِ إِلٰی ھٰذَا الْحَدِیْثِ، وَرَخَّصَ لِلنِّسَاءِ فِی الْخُرُوْجِ إِلَی الْعِیْدَیْنِ وَکَرِھَهٗ بَعْضُھُمْ، وَرُوِیَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَکِ أَنَّهٗ قَالَ: أَکْرَهُ الْیَوْمَ الْخُرُوْجَ لِلنِّسَاءِ فِی الْعِیْدَیْنِ، فَإِنْ أَبَتِ الْمَرْأَۃُ إِلَّا أَنْ تَخْرُجَ فَلْیَأْذَنْ لَھَا زَوْجُھَا أَنْ تَخْرُجَ فِیْ أَطْمَارِھَا وَلَا تَتَزَیَّنْ، فَإِنْ أَبَتْ أَنْ تَخْرُجَ کَذٰلِکَ فَلِلزَّوْجِ أَنْ یَمْنَعَھَا عَنِ الْخُرُوْجِ وَیُرْوٰی عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَوْ رَأٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَھُنَّ الْمَسْجِدَ کَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِیْ إِسْرَائِیْلَ وَیُرْوٰی عَنْ سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ: أَنَّهٗ کَرِهَ الْیَوْمَ الْخُرُوْجَ لِلنِّسَآءِ إِلَی الْعِیْدِ (سنن الترمذی) [1]

[1] حدیث نمبر ۵۳۹، ابواب العیدین، باب فی خروج النساء فی العیدین، شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی -مصر.

ترجمہ: اور اس باب میں حضرت ابنِ عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی بھی احادیث موجود ہیں، اور اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث حسن صحیح ہے، اور بعض اہلِ علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں، اور انہوں نے عورتوں کو عیدین کی نماز کی طرف نکلنے کی اجازت دی ہے، اور بعض نے اس کو مکروہ سمجھا ہے، اور حضرت ابنِ مبارک سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں آج کے دور میں عورتوں کو عید کی نماز کے لیے نکلنے کو مکروہ سمجھتا ہوں، پھر اگر عورت باز نہ آئے، اور نکلنا ہی چاہے، تو اس کے شوہر کو چاہیے کہ اُسے پُرانی چادر سے پردہ کرنے کے ساتھ اور زیب

وزینت کے بغیر نکلنے کی اجازت دیدے، پھر اگر عورت اس طرح (مزیّن چادر کے ساتھ بے پردہ) نکلنے پر اصرار کرے، تو شوہر کو چاہیے کہ نکلنے سے منع کردے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ حالات دیکھ لیتے، جو بعد میں عورتوں نے پیدا کردیے ہیں، تو اُن کو مسجد سے منع فرمادیتے، جس طرح سے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کیا گیا تھا، اور حضرت سفیان ثوری سے مروی ہے کہ انہوں نے آج کے دور میں عورتوں کو عید کی نماز کے لیے جانے کو مکروہ سمجھا ہے (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابنِ رجب فرماتے ہیں کہ:

وَفِیْ خُـرُوْجِ الـنِّسَاءِ إِلَی الْعِیْدَیْنِ أَحَادِیْثٌ کَثِیْرَۃٌ، قَدْ سَبَقَ بَعْضُهَا، وَیَأْتِیْ بَعْضُهَا أَیْضاً. وَقَدْ اِخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِیْهِ عَلٰی أَقْوَالٍ: أَحَدُهَا: أَنَّهٗ مُسْتَحَبٌّ، وَحُکِیَ عَنْ طَائِفَةٍ مِّنَ السَّلَفِ، مِنْهُمْ عَلْقَمَةُ وَرُوِیَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهٗ کَانَ یُخْرِجُ نِسَاءَهٗ. وَرُوِیَ عَنْهُ، أَنَّهٗ کَانَ یَحْبِسُهُنَّ. وَرَوَی الْحَارِثُ، عَنْ عَلِیٍّ قَالَ: حَقٌّ عَلٰی کُلِّ ذَاتِ نِطَاقٍ أَنْ تَخْرُجَ فِی الْعِیْدَیْنِ. وَلَمْ یَکُنْ یُرَخِّصُ لَهُنَّ فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الْخُرُوْجِ إِلَّا فِی الْعِیْدَیْنِ. وَهُوَ قَوْلُ إِسْحَاقَ وَابْنِ حَامِدٍ مِّنْ أَصْحَابِنَا. وَقَالَ أَحْمَدُ فِیْ رِوَایَةِ ابْنِ مَنْصُوْرٍ لَا أُحِبُّ مَنْعَهُنَّ إِذَا أَرَدْنَ الْخُرُوْجَ. وَالثَّانِیْ: أَنَّهٗ مُبَاحٌ، غَیْرُ مُسْتَحَبٍّ وَلَا مَکْرُوْهٍ، حُکِیَ عَنْ مَالِكٍ، وَقَالَهٗ طَائِفَةٌ مِّنْ أَصْحَابِنَا. اَلثَّالِثُ: أَنَّهٗ مَکْرُوْهٌ بَعْدَ النَّبِیِّ -صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ قَوْلُ النَّخَعِیِّ وَیَحْیَی الْأَنْصَارِیِّ وَالثَّوْرِیِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ. وَأَحْمَدَ -فِیْ رِوَایَةِ حَرْبٍ، قَالَ: لَا یُعْجِبُنِیْ فِیْ زَمَانِنَا؛ لِأَنَّهٗ فِتْنَةٌ وَاسْتَدَلَّ هٰؤُلَاءِ بِأَنَّ الْحَالَ تَغَیَّرَ بَعْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ

قَالَتْ عَائِشَةُ : لَوْ أَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ بَعْدَهُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسَاجِدَ، وَقَدْ سَبَقَ وَالرَّابِعُ : أَنَّهُ يُرَخَّصُ فِيْهِ لِلْعَجَائِزِ دُوْنَ الشَّوَابِّ، رُوِيَ عَنِ النَّخَعِيِّ أَيْضاً وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَصْحَابِهِ، وَنَقَلَهُ حَنبَلٌ عَنْ أَحْمَدَ. وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ بِإِسْنَادٍ فِيْهِ ضُعْفٌ، أَنَّهُ أَفْتٰى بِذٰلِكَ سَعِيْدُ بْنُ الْعَاصِ، فَأَمَرَ مُنَادِيَهُ أَنْ لاَ تَخْرُجَ يَوْمَ الْعِيْدِ شَابَّةٌ، وَكُلُّ الْعَجَائِزِ يَخْرُجْنَ . اَلْخَامِسُ: قَوْلُ الشَّافِعِيِّ. يُسْتَحَبُّ الْخُرُوْجُ لِلْعَجَائِزِ وَمَنْ لَيْسَتْ مِنْ ذَوَاتِ الْهَيْئَاتِ. وَفَسَّرَ أَصْحَابُهُ ذَوَاتَ الْهَيْئَاتِ بِذَوَاتِ الْحُسْنِ وَالْجَمَالِ، وَمَنْ تَمِيْلُ النُّفُوْسُ إِلَيْهَا، فَيُكْرَهُ لَهُنَّ الْخُرُوْجُ؛ لِمَا فِيْهِ مِنَ الْفِتْنَةِ (فتح الباری لا بن رجب) [1]

[1] ج ۹ ص ۳۹، ۴۰، ابواب العیدین، باب خروج الحیض إلى المصلى، مکتبة الغرباء الأثرية - المدينة النبوية.

ترجمہ: اور عورتوں کے عیدین کی نماز کے لیے نکلنے سے متعلق بہت سی احادیث ہیں، جو کہ گزر چکی ہیں، اور بعض آگے بھی آتی ہیں۔

اور اس بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں، ایک قول مستحب ہونے کا ہے، جو کہ سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے، جن میں حضرت علقمہ بھی شامل ہیں، اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو عید کے لیے نکالا کرتے تھے، اور یہ بھی مروی ہے کہ وہ اُن کو روک کر رکھا کرتے تھے (شاید یہ مختلف حالات اور مختلف نوعیّتوں کی عورتوں پر محمول ہو)

اور حضرت حارث نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہر باپردہ اور بانقاب عورت پر عیدین کے لیے نکلنا حق ہے، اور اُن کو عیدین کے علاوہ کسی نماز کی طرف نکلنے کی اجازت نہیں، اور یہی ہمارے اصحاب میں سے

حضرت اسحاق اور ابنِ حامد کا قول ہے۔

اور امام احمد نے ابنِ منصور کی ایک روایت میں فرمایا کہ جب عورتیں نکلنا چاہیں تو میں اُن کو منع کرنا پسند نہیں کرتا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ عورتوں کا نکلنا مباح و جائز ہے، نہ تو مستحب ہے اور نہ ہی مکروہ، یہ قول امام مالک سے مروی ہے، اور ہمارے اصحاب میں سے ایک جماعت کا قول ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مکروہ ہے، اور یہ حضرت نخعی اور یحییٰ انصاری اور سفیان ثوری اور ابنِ مبارک کا قول ہے، اور امام احمد کا بھی حرب کی روایت کے مطابق کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں عورتوں کا نکلنا مجھے پسند نہیں، کیونکہ اس میں فتنہ ہے، اور ان حضرات نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حالت تبدیل ہوگئی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن حالات کو پالیتے، جو عورتوں نے آپ کے بعد پیدا کردیے ہیں، تو اُن کو مساجد سے منع فرمادیتے، اور یہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔

اور چوتھا قول یہ ہے کہ بوڑھی عورتوں کو اجازت دی جائے گی، جوان عورتوں کو اجازت نہیں دی جائے گی، یہ حضرت نخعی سے بھی مروی ہے، اور یہی قول امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا ہے، اور اس کو حنبل نے احمد سے روایت کیا ہے۔

اور حضرت ابنِ عباس سے ضعیف سند کے ساتھ مروی ہے کہ اسی کا حضرت سعید بن عاص نے فتویٰ دیا، اور اپنے منادی سے یہ اعلان کرایا کہ عید کے دن جوان عورت نہیں نکلے گی، اور بوڑھی عورتیں نکلیں گی۔

اور پانچواں قول امام شافعی کا ہے کہ بوڑھی عورتوں کو اور جو حسن و جمال والی نہیں

ہیں، اُن کو نکلنا مستحب ہے، اور جن کی طرف نفس مائل ہوتے ہیں، اُن کو نکلنا مکروہ ہے، کیونکہ اُن کے نکلنے میں فتنہ ہے (ترجمہ ختم)

امام نووی رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

قَالَ أَصْحَابُنَا يُسْتَحَبُّ إِخْرَاجُ النِّسَاءِ غَيْرِ ذَوَاتِ الْهَيْئَاتِ وَالْمُسْتَحْسَنَاتِ فِي الْعِيدَيْنِ دُوْنَ غَيْرِهِنَّ وَأَجَابُوْا عَنْ إِخْرَاجِ ذَوَاتِ الْخُدُوْرِ وَالْمُخَبَّأَةِ بِأَنَّ الْمَفْسَدَةَ فِيْ ذٰلِكَ الزَّمَنِ كَانَتْ مَأْمُوْنَةً بِخِلَافِ الْيَوْمِ وَلِهٰذَا صَحَّ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا لَوْ رَأٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسَاجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ (شرح النووی علی مسلم) [1]

[1] ج٦ ص١٧٨، کتاب صلاۃ العیدین، دار احیاء التراث العربی، بیروت.

ترجمہ: ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ اُن عورتوں کو عید کی نماز کے لیے نکالنا مستحب ہے، جو زیب وزینت اور حسن وجمال والی نہ ہوں۔

ان کے علاوہ کا نکالنا مستحب نہیں، اور ان حضرات نے جوان اور حسن وجمال والی عورتوں کے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں) نکالنے کا یہ جواب دیا کہ اُس زمانے میں فتنہ وفساد نہیں تھا، بخلاف آج کے زمانے کے، اور اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ حالت دیکھ لیتے، جو عورتوں نے پیدا کردی ہے، تو اُن کو مساجد سے منع فرمادیتے، جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کیا گیا تھا (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابنِ حجر رحمہما اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا کہ:

وَالْأَوْلٰى أَنْ يُّخَصَّ ذٰلِكَ بِمَنْ يُؤْمَنُ عَلَيْهَا وَبِهَا الْفِتْنَةُ وَلَا يَتَرَتَّبُ عَلٰى حُضُوْرِهَا مَحْذُوْرٌ وَلَا تَزَاحَمَ الرِّجَالَ فِي الطُّرُقِ وَلَا فِي

اَلْمَجَامِعِ (فتح البارى لابنِ حجر) [1]

[1] ج ٢ ص ٤٧١، قوله باب اعتزال الحيض المصلى، دار المعرفة ،بيروت.

ترجمہ: اور مناسب یہ ہے کہ اس (یعنی عورتوں کے عید کی نماز کے لیے نکلنے کے جائز ومستحب ہونے) کو اُن عورتوں کے ساتھ خاص رکھا جائے، جن پر اور جن کے ذریعے سے فتنے سے حفاظت ہو، اور اُن کے عید کی نماز کے لیے حاضر ہونے پر کوئی خرابی لازم نہ آئے، اور نہ تو وہ راستے میں مَردوں کے سامنے آئیں، اور نہ مجامع میں (ترجمہ ختم)

اور حنفیہ کی کتاب المحیطُ البرہانی میں ہے کہ:

قَالَ ثَمَّةَ أَيْضاً: وَلَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ خُرُوْجُ الْعِيْدَيْنِ وَكَانَ تُرَخَّصُ لَهُنَّ فِيْ ذٰلِكَ قَالَ: وَقَالَ أَبُوْحَنِيْفَةَ: فَأَمَّا الْيَوْمَ فَاِنِّيْ أَكْرَهُ لَهُنَّ ذٰلِكَ وَأَكْرَهُ لَهُنَّ شُهُوْدَ الْجُمُعَةِ وَصَلاَةَ الْمَكْتُوْبَةِ وَإِنَّمَا أُرَخِّصُ لِلْعَجُوْزِ الْكَبِيْرَةِ أَنْ تَشْهَدَ الْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ وَالْعِيْدَيْنِ.

وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ، وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ: يُرَخَّصُ لِلْعَجُوْزِ فِيْ حُضُوْرِ الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا، وَفِي الْكُسُوْفِ وَالْاِسْتِسْقَاءِ (المحيط البرهانى لابن مازة البخارى) [1]

[1] ج ٢ ص ١٠١، ١٠٢، كتاب الصلاة،الفصل السادس والعشرون فى صلاة العيدين، دار الكتب العلمية، بيروت.

ترجمہ: امام محمد رحمہ اللہ نے الاصل میں یہ بھی فرمایا کہ: عورتوں پر عید کی نماز کے لیے نکلنا لازم نہیں، البتہ اُن کو اس کی اجازت دی جاتی تھی، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آج کے دور میں، میں عورتوں کو عید کی نماز اور جمعہ کی نماز اور فرض نماز کے لیے نکلنے کو مکروہ سمجھتا ہوں، اور میں صرف بوڑھی اور بڑی عورتوں کو عشاء اور فجر اور عیدین کی نماز کے لیے اجازت دیتا ہوں، اور امام ابو یوسف اور امام محمد

رحمہما اللہ نے فرمایا کہ بوڑھی عورتوں کو تمام نمازوں میں (عیدُ الفطر کی نماز سمیت) اور گرہن اور استسقاء کی نماز میں حاضر ہونے کی اجازت ہے (ترجمہ ختم)

اور امام کاسانی رحمہ اللہ فقہ حنفی کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

وَأَمَّا الْعَجَائِزُ فَلَا خِلَافَ فِيْ أَنَّهٗ يُرَخَّصُ لَهُنَّ الْخُرُوْجُ فِي الْفَجْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَالْعِيْدَيْنِ، وَاخْتَلَفُوْا فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْجُمُعَةِ قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ: لَا يُرَخَّصُ لَهُنَّ فِيْ ذٰلِكَ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يُرَخَّصُ لَهُنَّ فِيْ ذٰلِكَ .... وَأَمَّا صَلَاةُ الْعِيْدِ فَإِنَّهَا تُؤَدّٰى فِي الْجَبَّانَةِ فَيُمْكِنُهَا أَنْ تَعْتَزِلَ نَاحِيَةً عَنِ الرِّجَالِ كَيْ لَا تُصْدَمَ فَرَخَّصَ لَهُنَّ الْخُرُوْجَ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ثُمَّ هٰذَا الْخِلَافُ فِي الرُّخْصَةِ وَالْإِبَاحَةِ فَأَمَّا لَا خِلَافَ فِيْ أَنَّ الْأَفْضَلَ أَنْ لَا يَخْرُجْنَ فِيْ صَلَاةٍ لِمَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ قَالَ: صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِيْ دَارِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ مَسْجِدِهَا، وَصَلَاتُهَا فِيْ بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ دَارِهَا، وَصَلَاتُهَا فِيْ مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ بَيْتِهَا (بدائع الصنائع) [۲]

---

[۲] ج ۱، صفحہ ۲۷۵، کتاب الصلاة، فصل صلاة العیدین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت.

ترجمہ: جہاں تک بوڑھی عورتوں کا تعلق ہے، تو اس بارے میں (احناف کا) کوئی اختلاف نہیں کہ ان کو فجر اور مغرب اور عشاء اور عیدین کی نماز میں نکلنے کی اجازت دی جائے گی، اور ظہر اور عصر اور جمعہ کی نماز کے لیے نکلنے کے بارے میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان نمازوں کے لیے اجازت نہیں دی، اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے اجازت دی ہے.........اور جہاں تک عید کی نماز کا تعلق ہے تو وہ چونکہ عید گاہ میں ادا کی جاتی ہے، پس عورتوں کے لیے یہ بات ممکن ہے کہ وہ مَردوں سے الگ ایک کنارہ پر رہیں، تاکہ مَردوں سے ٹکراؤ نہ ہو،

اس لیے ان کو عید کی نماز کے لیے اجازت دی جائے گی، واللہ اعلم۔

پھر یہ اختلاف رخصت اور اباحت کا ہے، اور اس بارے میں (امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا) کوئی اختلاف نہیں کہ افضل یہی ہے کہ عورتیں کسی نماز کے لیے بھی نہ نکلیں، اس حدیث کی وجہ سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عورت کی نماز اپنے گھر میں افضل ہے اس کے مسجد میں نماز پڑھنے سے، اور عورت کی اپنے کمرے میں نماز پڑھنا افضل ہے اُس کے گھر (کے صحن وغیرہ) میں نماز پڑھنے سے، اور عورت کا اندر کی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا افضل ہے اُس کے کمرے میں نماز پڑھنے سے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَقَالَ ابْنُ الْهُمَامِ: وَتَخْرُجُ الْعَجَائِزُ لِلْعِيدِ لَا الشَّوَابُّ اهـ . وَهُوَ قَوْلٌ عَـدْلٌ، لٰكِـنْ لَا بُـدَّ أَنْ يُـقَيَّدَ بِأَنْ تَكُوْنَ غَيْرَ مُشْتَهَاةٍ فِيْ ثِيَابٍ بِذْلَةٍ، بِإِذْنِ حَلِيْلِهَا مَعَ الْأَمْنِ مِنَ الْمَفْسَدَةِ بِأَنْ لَا يَخْتَلِطْنَ بِالرِّجَالِ، وَيَكُنَّ خَالِيَاتٍ مِنَ الْحُلِيِّ وَالْحُلَلِ، وَالْبَخُوْرِ وَالشُّمُوْمِ، وَالتَّبَخْتُرِ وَالتَّكَشُّفِ، وَنَحْوِهَا مِمَّا أَحْدَثْنَ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ مِنَ الْمَفَاسِدِ (مرقاة المفاتيح) [1]

[1] ج۳ص ۱۰۶۴، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، دار الفکر، بیروت.

ترجمہ: اور علامہ ابنِ ہمام نے فرمایا کہ بوڑھی عورتیں عید کی نماز کے لیے نکلیں گی نہ کہ جوان عورتیں، اور یہ معتدل قول ہے۔ لیکن اس بات کی قید ضروری ہے کہ شہوت پرست عورت نہ ہو، پُرانے اور سادے لباس میں ہو، اپنے شوہر کی اجازت کے ساتھ ہو، اور مفسدے سے اطمینان ہو بایں طور کہ مَردوں کے ساتھ اختلاط نہ کریں، اور زیور اور مزین لباس میں نہ ہوں، اور خوشبو اور عطر وغیرہ نہ لگائیں، اور اتراہٹ اور بے پردگی وغیرہ اختیار نہ کریں، جو کہ آج کل کے دور میں انہوں نے مفاسد پیدا کر رکھے ہیں (ترجمہ ختم)

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر عید کی نماز لازم نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خواتین کا عید کی نماز کے لیے جانا ثابت اور فی نفسہٖ جائز ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فتنے وفساد پیدا ہونے کی وجہ سے اہلِ علم حضرات کا اس سلسلہ میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔

بعض فقہاء کے نزدیک تو فتنہ وفساد سے بچنے کا اہتمام کرتے ہوئے مطلقاً عورتوں کو عید کی نماز کے لئے نکلنا جائز ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک خواتین کو عید کی نماز کے لیے گھر سے باہر نہ نکلنا افضل ہے، اور بہتر یہ ہے کہ وہ گھر میں رہ کر ہی عبادت وذکر کریں۔

اور جوان عورتوں کو فتنہ وفساد لازم آنے کی وجہ سے عید کی نماز کے لیے گھر سے باہر نکلنا مکروہ ہے۔

البتہ بوڑھی اور معمَّر خواتین کو عید کی نماز کے لیے گھر سے نکلنا جائز ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بوڑھی خواتین کے ساتھ ساتھ اُن خواتین کو بھی نکلنا جائز بلکہ مستحب ہے، جو کہ بوڑھی تو نہیں ہیں، لیکن حسن وجمال والی نہیں ہیں، اور جو حسن وجمال والی ہوں ان کو فتنہ وفساد لازم آنے کی وجہ سے نکلنا مستحب نہیں ہے۔

مگر یہ شرط دونوں بلکہ سب حضرات کے نزدیک ضروری ہے کہ فتنہ وفساد سے بچنے بچانے کا پورا پورا اہتمام وانتظام کیا جائے۔

چنانچہ آمدورفت اور نماز پڑھنے کی جگہ نامحرم لوگوں سے الگ اور مکمل پردے کے ساتھ ہو، خواتین پُرکشش لباس وچادر اور زیور وغیرہ سے مزین ہو کر اور زیب وزینت اختیار کر کے اور خوشبو لگا کر نہ نکلیں، تاکہ ہر قسم کے فتنوں کا سدِّ باب رہے، اور ان شرائط کی خلاف ورزی کر کے نکلنا جائز نہیں۔

اور آج کل کے دور میں کیونکہ عام طور پر خواتین ان شرائط کی پابندی کا اہتمام نہیں کرتیں،

جس کی وجہ سے بعد کے بعض حضرات نے علی الاطلاق منع کر دیا ہے۔ [1]

---

[1] قال المصنف فی الکافی والفتوی الیوم علی الکراھة فی الصلاة کلھا لظھور الفساد ومتی کرہ حضور المسجد للصلاة فلأن یکرہ حضور مجالس الوعظ خصوصا عند ھؤلاء الجھال الذین تحلوا بحلیة العلماء أولی .ذکرہ فخر الإسلام اھـ.

وفی فتح القدیر المعتمد منع الکل فی الکل إلا العجائز المتفانیة فیما یظھر لی دون العجائز المتبرجات وذوات الرمق .اھـ.

وقد یقال ھذہ الفتوی التی اعتمدھا المتأخرون مخالفة لمذھب الإمام وصاحبیه فإنھما نقلوا أن الشابة تمنع مطلقا اتفاقا، وأما العجوز فلھا حضور الجماعة عند أبی حنیفة فی الصلاة إلا فی الظھر والعصر والجمعة، وقالا یخرج العجائز فی الصلاة کلھا کما فی الھدایة والمجمع وغیرھما فالإفتاء بمنع العجوز فی الکل مخالف للکل فالاعتماد علی مذھب الإمام(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج ۱ ص ۳۸۰، کتاب الصلاة،باب الإمامة)

أصل مذھبنا جواز خروج النسوان للعیدین ، ونھی أرباب الفتوی ، وفی مذھب غیرنا تضییق مما فی مذھبنا ، وأما من یدَّعی العمل بالحدیث فیطعن علی الأحناف علی منعھم النسوان من خروجھن إلی المصلی والمساجد ، وھذا من قلة التدبر ، ونقل أصل مذھبنا العینی من التوضیح علی البخاری للشیخ سراج الدین بن الملقن تلمیذ المغلطائی الحنفی ، أقول :لقد أبعد العینی فی النجعة والحال أن المسألة مذکورة فی الھدایة ص ۱۰۵ وقالا :یخرجن فی الصلوات کلھا لأنه لا فتنة لقلة الرغبة ، فلا یکرہ کما فی العید ، انتھی .وکذلک روی فی الخروج إلی العید فی حاشیة الھدایة من المبسوط(العرف الشذی،باب ما جاء فی خروج النساء فی العیدین)

لیکن دوسری طرف اس میں بھی شبہ نہیں کہ آج کل اکثر خواتین کی دین سے ناواقفیت اور جہالت کا جو عالم ہے، کہ وہ نماز، روزہ کے ضروری اور اہم مسائل سے بھی واقف نہیں، اور عقائد ونظریات میں بھی انتہائی کمزوری پائی جاتی ہے، اور اہلِ باطل مختلف طریقوں سے خواتین کے عقائد ونظریات اور اعمال کے بگاڑنے کے درپے ہیں، اور خواتین کے شوہروں اور سرپرستوں کو بھی اس طرف توجہ نہیں۔

ان حالات میں اگر ممکنہ حد تک مفاسد کا سدِ باب کرتے ہوئے، اور شرائط کا اہتمام کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے خواتین اور بالخصوص بوڑھی خواتین کے لئے عید، وغیرہ کے موقع پر شرکت کا انتظام کیا جائے، تاکہ اس کے ذریعہ سے ان کو دین کے احکام کی وعظ وتبلیغ کی جاسکے، بشرطیکہ وہ واقعتاً دین کے احکام کی صحیح تبلیغ ہو، تو اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ عورتوں کو بھی بغرضِ تعلیم واصلاح شریک فرمایا تھا، کما مر۔ [1]

---

[1] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور جلیل القدر صحابۂ کرام کے اندازِ کلام اور طرزِ عمل سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بجائے اس کے کہ خواتین کو سرے سے مساجد میں آنے سے منع کیا جائے، ان کو شرائط کے اہتمام کی طرف توجہ دلانی چاہئے، اور سرپرست حضرات کو بھی ان کا اہتمام کرانا چاہئے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وإذا أرادت المرأة أن تخرج إلى مجلس العلم بغير إذن الزوج لم يكن لها ذلك فأن وقعت لها نازلة فسألت زوجها وهو عالم فأخبرها بذلك ليس لها أن تخرج بغير إذنه وأن كان الزوج جاهلاً وسأل عالماً عن ذلك فكذلك وأن امتنع الزوج عن السؤال كأن لها أن تخرج بغير إذنه لأن طلب العلم فيما يحتاج إليه فرض على كل مسلم ومسلم فيقدم على حق الزوج وأن لم يقع لها نازلة وأرادت أن تخرج على مجلس العلم لتتعلم مسائل الصلاة والوضوء فأن كأن الزوج يحفظ تلك المسائل ويذكر لها ذلك ليس لها أن تخرج بغير إذنه فأن كأن الزوج لا يحفظ المسائل فالأولى له أن يأذن لها بالخروج فأن لم يأذن فلا شيء عليه ولا يسع لها أن تخرج بغير إذنه ما لم يقع لها نازلة (فتاویٰ قاضیخان، کتاب النکاح)

وإذا أرادت أن تخرج إلى مجلس العلم لنازلة وقعت لها، فإن كان الزوج يسأل عن العالم ويخبرها بذلك، فليس لها أن تخرج .وإذا امتنع من السؤال، فلها أن تخرج وإن لم تقع لها نازلة، فأرادت أن تخرج إلى مجلس العلم لتتعلم بعض مسائل الصلاة والوضوء ، فإن كان الزوج يحفظ المسائل ويذكر عندها له أن يمنعها من الخروج، وإن كان لا يحفظ ولا يذكر عندها، فالأولى أن يأذن لها بالخروج أحياناً، وإن لم يأذن فلا شيء عليه، ولا يسعها أن تخرج ما لم تقع لها نازلة(المحيط البرهاني، ج۳ص ۱۷۲ ،كتاب النكاح،الفصل الثاني والعشرون :في بيان ما للزوج أن يفعل :وما ليس له أن يفعل)

عید کے دن قبرستان جانے کا اہتمام

آج کل بہت سے لوگ عید کے دن میں قبرستان جانے کا بھی بہت زیادہ اہتمام بلکہ التزام کرنے لگے ہیں، اور اگر کوئی عید کے دن میں قبرستان نہ جائے تو اسے بہت معیوب خیال کرتے ہیں۔

اور اسی پر بس نہیں مَردوں کے علاوہ عورتیں بھی قبرستان جانے کا اہتمام کرتی ہیں، بلکہ خوب زیب وزینت کے ساتھ بن سنور کر اور بے پردہ ہو کر قبرستان جاتی ہیں اور پھر قبرستان میں جا کر بے شمار بدعات ومنکرات کا بھی ارتکاب کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عید کے دنوں میں

قبروں پر ڈالے جانے والے پھولوں، پتیوں اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کی خرید وفروخت بھی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور بہت سے لوگ خاص عید کے دن اس کاروبار سے بہت سا پیسہ کماتے ہیں۔

اور عید کے دن بے شمار بدعاتِ قبور کا ارتکاب ہوتا ہے۔

حالانکہ خاص عید کے دن قبرستان جانا عید کی سنت نہیں، لہٰذا اس کا اہتمام والتزام اور عید کی سنت یا حصہ سمجھنا اور عید کی نماز کی طرح اس کا اہتمام والتزام کرنا درست نہیں۔ [1]

---

[1] البتہ ہندیہ میں غرائب سے نقل کیا گیا ہے کہ:

وأفضل أيام الزيارة أربعة يوم الاثنين والخميس والجمعة والسبت والزيارة يوم الجمعة بعد الصلاة حسن ويوم السبت إلى طلوع الشمس ويوم الخميس في أول النهار وقيل في آخر النهار وكذا في الليالي المتبركة لا سيما ليلة براء ة وكذلك في الأزمنة المتبركة كعشر ذي الحجة والعيدين وعاشوراء وسائر المواسم كذا في الغرائب (الفتاویٰ الهندية، ج۵، ص ۳۵۰، كتاب الحظر والاباحة، الباب السادس عشر في زيارة القبور وقراء ة القرآن في المقابر)

مگر اولاً تو یہ غرائب کی عبارت ہے، جس کی کسی حدیث سے تائید نہیں ہوتی، اور منکرات والتزامات کے ہوتے ہوئے اس سے استدلال مزید مخدوش ہو جاتا ہے۔

و قدذكرنا مسئلة زيارة القبور في ''شعبان وشبِ براءت کے فضائل واحکام'' وهو مؤيد بالحديث الضعيف، فافترقا.

اور عورتوں کا تو آج کے ماحول میں عید کے دن کے علاوہ بھی قبرستان جانے کا اہتمام درست نہیں اور اس میں کئی خرابیاں جمع ہیں۔

اگر قبرستان جا کر کوئی بدعت انجام نہ دی جائے تو بھی خود عید کے دن جانے کو ضروری سمجھنا اور اس کا التزام کرنا درست نہیں، اور اگر دوسری خرابیاں بھی شامل ہوں تو پھر اس کے ناجائز ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ [1]

---

[1] عوض (اى الشيطان) لهم عن سرعة الدوبة زيارة القبور قبل ان يرجعوا الىٰ اهليهم يوم العيد وزين لهم ذالك واراهم ان زيارة الاقارب من الموتى في ذالك اليوم من باب البروزيادة الودلهم وانهٗ من قوة التفجع عليهم اذ فقد هم في مثل هٰذا العيد وفي زيارة في غير هٰذا اليوم من البدع والمحرمات ما تقدم ذكرهٗ في زيارة القبور فكيف به في هٰذا اليوم الذى فيه النساء يلبسن ويتحلين

ابتداءً ویتجملن فیه بغایة الزینة مع عدم الخروج فکیف بهن فی الخروج فی هٰذا الیوم ،فتراهن یوم العید علی القبور متکشفات قد خلعن جلباب الحیاء عنهن فبدل لهم موضع السنة محرماً ومکروهاً ، فالمکروه فی کونه اخرهم عن سرعة الدوبة الی الاهل لانها السنة کما تقدم والمحرم ما یشاهد الزائر من احوالهن فی المقابر علی الصفة المذمومة المتقدمة (المدخل لابن الحاج، ج ا ص ۲۸۶،الموسم الاول عید الاضحیٰ)

قد تقدم ان السنة فی الخروج الیٰ صلاة العیدین سُرعة الدوبة الی الاهل فلا یشتغل بزیارة القبور ولهٗ ان یزور اخوانهٗ من الاحیاء لکن ان کان لهٗ اهل فلیبدأ بهم ویزیل تشوفهم الیه ثم بعد ذالک یمض لما یختاره من زیارة ماذکر وان لم یکن لهٗ اهل فلیمض الیٰ اخوانه ومعارفة المتقین من الاولیاء والصالحین للتبرک برؤیتهم والتماس الدعاء منهم لکن یتحری وقت زیارتهم اذ ان الغالب من اخوانه انهم یضحون والسنة فیها ان یتولی المکلف ذالک بنفسه فاذا خرج الوقت الذی هو معد للذبح غالباً فلیمش علیهم کما تقدم ذکره وان علم ان فیهم من لم یذبح فلهٗ ان یأتی الیه فی ای وقت شاء لعدم المانع (المدخل ج۲ ص۲۸۸، ۲۸۹، فصل فی انصراف الناس عن صلاة العید)

ولم یذکر الفقهاء زیا رةَالقبور من سنن العیدین مع انهم قدذکروااعمالَ العیدین مفصَّلاً ونصُّ الفقهاء معتبرٌ بمفهوم المخالف کما ذکرفی رسم المفتی .وقدذُکر فی عمدة الفقه زیارةُ القبور من مستحبات العیدین ولم اقف علٰی هٰذا من عبارات الفقهاء الا فی الهندیة من روایته الغرائب وان سلم فقد ثبت من الاصول ان المنکر اذا دخل فی المستحب فهویکون قابل الترک والمنکرات توجد کثیرا فی هٰذا العمل. محمد رضوان.

عید کے دن مروجہ سویّاں ’’شیر خورما‘‘ پکانے کی شرعی حیثیت

عید کے دن اپنے اہل وعیال پر حسبِ حیثیت کسی بھی قسم کے کھانے کی وسعت کرنا اوراس دن گھر میں اپنی استطاعت کے مطابق کوئی بھی اچھا اور اپنا کوئی بھی پسندیدہ کھانا بنالینا مستحب ہے، بشرطیکہ اس میں غلو، اسراف اور تکلف نہ کیا جائے اور کسی خاص قسم کے کھانے کو زیادہ ثواب کا باعث نہ سمجھا جائے۔ [1]

[1] السنة فی عید الفطر التوسعة فیه علی الاهل بای شئ کان من الماکول اذ لم یرد الشرع فیه بشئ معلوم فمن وسع علیٰ اهله فیه فقد امتثل السنة ویجوز ان یتخذ فیه طعاماً معلوماً اذ هو من المباح لکن بشرط عدم التکلف فیه وبشرط ان لا یجعل ذالک سنة یستن بها فمن خالف ذالک فکانهٗ ارتکب کبیرة واذا وصل الامر الیٰ هٰذا الحد ففعل ذالک بدعة اذ انهٗ بسبب ذالک ینسب الی السنة مالیس منها، وکذالک یشترط ان یکون علیٰ لسان العلم (المدخل لابن الحاج، ج ا ص۲۸۷، الموسم الثانی عید الفطر)

اوراس کی تفصیل پہلے عید کے دن مسنون ومستحب اعمال کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

جہاں تک عید کے دن مخصوص طریقے پر چھوارے سویّوں اور دودھ میں ملا کر پکانے کا تعلق ہے تو صرف پسند ہونے کی وجہ سے کوئی اگر عید کے دن تیار کر لے تو فی نفسہٖ جائز ہے، اور کوئی گناہ نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ اس کو نہ تو عید کے دن کی سنت اور ثواب یا ضروری سمجھے اور نہ ہی خلاف ورزی کرنے والے پر لعن طعن کرے۔

لہٰذا خاص سویّوں کو عید کی سنت قرار دینا یا انہیں عید کے دن پکانے کو ایسا لازمی اور ضروری سمجھنا کہ جو شخص عید کے دن سویاں نہ پکائے اس پر نکیر کرنا شرعی حیثیت سے جائز نہیں۔

البتہ جو لوگ ایسا نہ سمجھیں بلکہ صرف اپنی سہولت یا پسند کے مطابق اس کو معمول بنائیں تو اس کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔

جیسا کہ ہمارے علاقہ میں رمضان کے دنوں میں عموماً افطار کے موقعہ پر پکوڑوں کا اہتمام کیا جاتا ہے مگر ان کو سنت یا ضروری کوئی بھی نہیں سمجھتا بلکہ پسند کی وجہ سے معمول رکھا جاتا ہے۔

البحرالرائق میں ہے کہ:

وَاَمَّا مَایَفْعَلُهُ النَّاسُ فِیْ زَمَانِنَا مِنْ جَمْعِ التَّمْرِ مَعَ اللَّبَنِ وَالْفِطْرِ عَلَیْهِ فَلَیْسَ لَهٗ اَصْلٌ فِی السُّنَّةِ (البحرُالرائق) [1]

[1] ج ۲ ص ۱۷۱، کتاب الصلاۃ، باب العیدین.

ترجمہ: اور ہمارے زمانے میں جو لوگ (عید کے دن) یہ عمل کرتے ہیں کہ چھوارے کو دودھ کے ساتھ جمع کرتے ہیں اور پھر اس سے افطار بھی کرتے ہیں تو اس کی سنت میں کوئی اصل نہیں (ترجمہ ختم)

اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

عید کے روز سویّوں کے پکانے کو کوئی عبادت اور دین نہیں سمجھتا، جس سے بدعت ہونے کا شبہ ہو (الافاضات الیومیہ جلد ۶ صفحہ ۳۱۸، ملفوظ نمبر ۳۶۸ و انفاسِ عیسیٰ جلد ۲ صفحہ ۶۱۴)

اور حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

سوّیاں کھانا کھلانا کوئی شرعی بات نہیں ہے (کفایت المفتی جلد سوم، صفحہ ۳۰۷، چھٹا باب، نمازِ عیدین)

اور اگر کسی جگہ عید کے دن خاص سوّیاں بنانے کو عید کی سنت یا ایسی لازمی رسم سمجھی جائے کہ اگر سویاں نہ بنائی جائیں تو اس کو بُرا سمجھا جائے، اور اگر اپنے پاس انتظام نہ ہو تو اس کے لئے قرض تک لینے سے بھی گریز نہ کیا جائے یا اسی قسم کی کوئی اور خرابی شامل ہو تو پھر یہ عمل ممنوع ہو جائے گا، اور اسی قسم کی خرابیوں کی وجہ سے بعض علمائے کرام نے عید کے دن سویاں پکانے سے منع کیا ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اس قسم کی خرابیاں پائے جانے کی صورت میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

اور عید الفطر میں سوّیاں پکانا فی نفسہٖ (یعنی اپنی ذات کے لحاظ سے) مباح ہے مگر لوگوں نے اس میں خرابیاں پیدا کر لی ہیں:

(۱) اس کو ضروری سمجھتے ہیں حتیٰ کہ اگر سویاں نہ پکائی جاویں تو گویا عید ہی نہیں ہوئی، ایسے التزام واہتمام کا خلافِ شرع ہونا اوپر مذکور ہو چکا ہے (۲) اس پابندی کی بدولت یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اگر پاس خرچ نہ ہو تو قرض لے کر گو سودی ہی ملے، ضرور اس کا اہتمام کرتے ہیں (۳) اس کی نسبت ایک موضوع روایت مشہور کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آٹا پکا کر مروڑیاں جمع کر کے سویاں پکائی تھیں، یہ محض تہمت ہے کہیں ثابت نہیں (۴) اور دینے لینے میں ریا وتفاخر ہونا یہاں بھی موجود ہے............ اس تاریخ میں حضرت پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ چند خرما نوش فرما کر عید گاہ تشریف لے جاتے تھے، اگر رغبت ولذت کے لیے دودھ سویاں وغیرہ بھی اضافہ کر لے تو مباح ہے، مگر اس کا ایسا پابند نہ ہو جس سے مفاسدِ مذکورہ لازم آویں، کبھی کبھی ناغہ بھی کر دیا کریں، گنجائش نہ ہونے کے وقت خواہ مخواہ تردد میں نہ پڑے اور گنجائش کے وقت بھی رسوم کا اتباع نہ کرے، بے تکلفی سے جو ہو جاوے اس پر بس کرے (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۸۱، ۱۸۲، تیسرا باب، فصلِ سوم)

ملحوظ رہے کہ عید کے دن مروجہ سویوں کے سنت یا ثواب ہونے پر بعض لوگوں کو اس سے شبہ ہو جاتا ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عید کی نماز کے لئے تشریف لے جانے سے پہلے کھجور، چھوارے وغیرہ کھانے کا معمول تھا، جس کا ذکر پہلے گزرا۔

مگر اوّلاً تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول عیدُ الفطر کی نماز سے پہلے کا تھا، دوسرے مخصوص مروجہ سویوں کا اس مسئلے سے تعلق نہیں۔

اور جیسا کہ عید کے دن مسنون و مستحب اعمال کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ عید الفطر کے دن عید کی نماز سے پہلے کچھ کھالینا سنت ہے، جس میں طاق عدد کھجور یا چھوہارے کھانا افضل ہے، اور اگر کھجوریں موجود نہ ہوں تو کوئی دوسری میٹھی چیز کھالے، میٹھی چیز بھی نہ ہو تو جو چیز بھی میسر ہو وہی کھالے، خواہ وہ نمکین ہی ہو، اس سے بھی یہ سنت ادا ہو جائے گی، اور اگر بغیر کچھ کھائے پیئے کوئی شخص عید کی نماز کے لئے چلا جائے تب بھی گناہ نہیں۔ [1]

[1] اس کی تفصیل پیچھے عید کے دن مسنون و مستحب اعمال کے ضمن میں حاشیہ میں گزر چکی ہے۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عید الفطر کے دن کھجور کھا کر جانے سے مروجہ سویوں پر استدلال مشکل ہے، اور اس سلسلہ میں اصل بات وہی ہے جو ہم نے شروع میں ذکر کر دی ہے کہ فی نفسہٖ پسند وغیرہ ہونے کے باعث یہ جائز و مباح عمل ہے، اور عید کی سنت یا لازم وضروری سمجھنا غلط ہے۔

عیدی کا لین، دین

عید کے موقعہ پر آج کل بعض لوگوں میں نقدی یا کھانے پینے کی چیز کی شکل میں ایک دوسرے کو عیدی کا لین دین بھی بہت زیادہ عام ہو گیا ہے، اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ مرَوَّجہ عیدی، شرعی عید کی سنت یا لازم نہیں۔

سنت اور لازم سمجھے بغیر اور دوسری خرابیوں سے بچ کر صرف دوسروں کی ضرورت کو پیشِ نظر رکھ کر یا محبت کے طور پر اخلاص کے ساتھ جائز بلکہ امید ہے کہ باعثِ ثواب ہے۔

لیکن قرض سمجھ کر یا بڑائی ظاہر کرنے کے لئے اس کا لین دین جائز نہیں اور آج کل بعض جگہ اس میں فخر ونمود اور ادلا بدلا کی نیت ہوتی ہے، جو ایک اعتبار سے قرض میں داخل ہو جاتی ہے، اور اس کا لین دین ضروری سمجھا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسی خرابیوں کے ہوتے ہوئے یہ ناجائز ہے (ملاحظہ ہو احسن الفتاویٰ ج ۸ ص ۱۴۸ اور رسالہ "بدعاتِ رمضان" ص ۶۷)

اسی طرح کھانے یا کسی دوسری چیز کا لین دین ضروری سمجھنا اور کسی کے گھر سے نہ آئے تو اس کو معیوب قرار دینا یا اس میں ادلا بدلی اور قرض کی نیت کرنا بھی جائز نہیں، جیسا کہ بعض جگہ دستور ہے کہ اگر کسی جگہ سے کوئی چیز آئی تو وہاں اپنی طرف سے بھی بھیجنا ضروری سمجھا جاتا ہے بلکہ بعض جگہ خالی برتن واپس آنے کو بھی بُرا سمجھا جاتا ہے۔

ہاں اگر اس قسم کی رسموں اور خرابیوں سے بچ کر ہو اور ایک صدقہ یا ہدیہ کی شکل ہو تو پھر کوئی حرج نہیں (ملاحظہ ہو بہشتی زیور حصہ ۶ ''عید کی رسموں کا بیان'')

بعض لوگ اسی طرح فخر وتفاخر کی غرض سے عید کے موقعہ پر ایسے کیک تیار کرکے دوسروں کے یہاں بھیجتے ہیں کہ جن میں مختلف طرح کی تصاویر تیار کی جاتی ہیں، اس میں تصویر کا گناہ بھی شامل ہے۔

البتہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ عید کے دن اہل وعیال کے لیے اپنی حیثیت کے مطابق اچھا اور عمدہ کھانا تیار کیا جاسکتا ہے، مگر وہ ان رسموں سے الگ چیز ہے۔ [1]

---

[1] السنة فی عید الفطر التوسعة فیه علی الاهل بای شئ کان من الماکول اذ لم یرد الشرع فیه بشئ معلوم فمن وسع علیٰ اهله فیه فقد امتثل السنة ویجوز ان یتخذ فیه طعاماً معلوماً اذ هو من المباح لکن بشرط عدم التکلف فیه وبشرط ان لا یجعل ذالک سنة یستن بها فمن خالف ذالک فکانهٗ ارتکب کبیرة واذا وصل الامر الیٰ هٰذا الحد ففعل ذالک بدعة اذ انهٗ بسبب ذالک ینسب الی السنة مالیس منها، وکذالک یشترط ان یکون علیٰ لسان العلم (المدخل لابن الحاج، ج ۱ ص ۲۸۷، الموسم الثانی عید الفطر)

اور اسی طرح عید کے دن صدقہ کی فضیلت آئی ہے، اور صدقہ میں اپنے ضرورت مند رشتہ داروں، عزیزوں اور اہل وعیال کو ترجیح حاصل ہے، اس حیثیت کو ملحوظ رکھ کر اور خرابیوں سے بچتے ہوئے دوسرے کا تعاون کرنے کی ممانعت نہیں، جس کی تفصیل عید کے دن کے مسنون ومستحب اعمال کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

فوتگی والے گھر جانے کی رسم

بعض لوگ پہلی عید پر فوتگی والے گھر میں جانے کی رسم ضروری سمجھتے ہیں، جس میں وہاں جا کر تعزیت اور افسوس کا اظہار ودعا کرتے ہیں، جبکہ فوتگی کو کافی عرصہ گزر چکا ہوتا ہے اور اپنے

موقع پر تعزیت کی سنت بھی ادا کی جا چکی ہوتی ہے۔

اس کا بھی شریعت میں کوئی ثبوت نہیں۔

تعزیت تو خود ہی ایک مرتبہ کرنا سنت ہے اور وہ بھی تین دن کے اندر اندر سنت ہے (اِلَّا یہ کہ کوئی مجبوری ہو) اور اس میں بھی افسوس کا اظہار کرنا کوئی کارِ ثواب نہیں، بلکہ تعزیت میں اصل چیز تسلی و ہمدردی کا سامان ہے، اس رسم کے نتیجہ میں عید کا دن جو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے خوشی کا دن ہے اور اس دن لوگ اللہ کے مہمان ہوتے ہیں، غم دوبالا اور تازہ کر کے عید کی اس خوشی کو غمی سے تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

لہٰذا اس رسم کو اختیار کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں۔

فوتگی والے گھر میں سوگ کا سماں

جس گھر میں فوتگی ہو جاتی ہے تو اس کے بعد آنے والی پہلی عید کے موقع پر اس گھر کے افراد خوشی منانا اور اچھے کپڑے وغیرہ پہننا معیوب سمجھتے ہیں، اگرچہ عید سے پہلے فوتگی کے بعد انہوں نے مختلف موقعوں پر تقریبات وغیرہ میں شریک ہو کر اچھے لباس اور خوشی کے اظہار کا کتنا ہی اہتمام کیوں نہ کیا ہو، لیکن جس دن یہ لوگ اللہ کے مہمان ہوتے ہیں اور خاص اس دن میں خوشی کا اظہار اور اچھا لباس پہننا، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار کرنا اللہ کو پسند اور ثواب کا کام ہے، اس دن یہ لوگ اچھے خاصے سوگوار بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔

پھر یہ بھی سوچنے کی زحمت نہیں کی جاتی کہ اگر مردہ اچھی جگہ چلا گیا تو اس کی خوشی اور عید ہم سے بہتر ہے، اور اگر بُری جگہ چلا گیا تو ہماری عید کی خوشی سے اس کو کوئی فائدہ نہیں۔[1]

(تفصیل کے لیے ہماری دوسری کتاب ''ماہِ محرم الحرام کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

---

[1] یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ شرعی اعتبار سے سوگ کرنا صرف چند صورتوں میں عورتوں کے حق میں ثابت ہے اور وہ یہ ہیں۔

(۱)......جس عورت کو اس کے شوہر نے طلاقِ بائن (ایسی طلاق جس میں نکاح ختم ہو جاتا ہے) دیدی ہو اس پر عدت کے زمانہ میں سوگ کرنا واجب ہے۔ عدت ختم ہونے کے بعد واجب نہیں بلکہ جائز بھی نہیں (جس عورت نے مرد سے شرعی خلع حاصل کیا ہو یا جس عورت کا نکاح شرعی اصولوں کے مطابق کسی مسلمان حاکم

نے فسخ کیا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے)

(۲)......جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو اس پر عدت کے زمانہ میں سوگ کرنا واجب ہے عدت کے بعد واجب نہیں، بلکہ جائز بھی نہیں۔

(۳)......شوہر کے علاوہ کسی قریبی رشتہ دار (باپ بیٹے وغیرہ) کے فوت ہونے پر صرف تین دن تک عورت کو سوگ کرنے کی اجازت ہے واجب اور ضروری نہیں تین دن کے بعد یہ اجازت بھی نہیں اس کے علاوہ اور کسی موقعہ پر عورت کو سوگ کرنے کی اجازت نہیں اور مرد کو تو سوگ کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں۔

اور شرعی سوگ کا طریقہ یہ ہے کہ عورت اتنے عرصہ میں ایسے کپڑے نہ پہنے اور ایسا رنگ ڈھنگ اختیار نہ کرے جس سے مردوں کو کشش اور میلان ہوتا ہو۔ خوشبو، سرمہ، مہندی اور دوسری زیب وزینت اور بناؤ سنگھار کی چیزیں چھوڑ دے۔ اس کے علاوہ اپنی طرف سے سوگ کے طریقے اختیار کرنا جائز نہیں مثلاً غم کے اظہار کے لئے مخصوص رنگوں کے (مثلاً کالے) کپڑے پہننا وغیرہ۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ جب ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو (ان کے والد) حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر پہنچی تو انہوں نے تیسرے دن خوشبو منگائی جو زرد رنگ کی تھی اور اپنے بازوؤں اور رخساروں پر ملی اور فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی (لیکن اس ڈر سے کہ کہیں میں تین دن سے زیادہ سوگ کرنے والی عورتوں میں شمار نہ ہو جاؤں میں نے خوشبو لگالی) میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''ایسی عورت کے لئے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو یہ حلال نہیں ہے کہ (کسی کے فوت ہونے پر) تین دن تین رات سے زیادہ سوگ کرے سوائے شوہر کے کہ اس (کی موت ہو جانے) پر چار مہینہ دس دن سوگ کرے (بخاری، حدیث نمبر ۲۳۰۶، کتاب الطلاق)

لہٰذا فوتگی کے بعد پہلی عید کے موقع پر مرحوم کے پسماندگان کا سوگ کرنا ایک خودساختہ رسم ہے، جس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

عید کے دن موسیقی، ٹی وی اور فلموں میں مبتلاء ہونا

بعض لوگ بطورِ خاص عید جیسے بابرکت دن میں موسیقی، ٹی وی اور فلموں کے پروگراموں میں سرگرم نظر آتے ہیں۔

چنانچہ بعض جگہ عید کے دن موسیقی اور گانے بجانے کے پروگرام چل رہے ہوتے ہیں، گھروں میں بھی ٹی وی پر عید کے حوالے سے پیش کیئے جانے والے مخصوص مختلف پروگرام چل رہے ہوتے ہیں، جن میں گانے بجانے اور بے حیائی اور غیر شرعی باتوں کا مظاہرہ ہوتا ہے، بلکہ غیر شرعی چیزوں کو عید کے ساتھ تعلق جوڑ کر پیش کیا جاتا ہے، جس سے عام لوگوں کے عقائد

ونظریات میں بھی بگاڑ وفساد پیدا ہوتا ہے، اور لوگ ان پروگراموں کو (نعوذ باللہ تعالیٰ) عید کی خصوصی نشریات سمجھ کر دلچسپی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔

اور بعض سینما ہالوں میں مختلف فلموں کا افتتاح بھی عید کے دن سے کیا جاتا ہے اور (نعوذ باللہ تعالیٰ) اس کو عید کا خصوصی تحفہ قرار دیا جاتا ہے، عید کے دن سینما، وی۔ سی۔ آر اور ٹیلی ویژن وغیرہ دیکھنا تو بہت سے لوگوں نے بہت اہم سمجھ رکھا ہے۔

دراصل یہ لوگ عید کی خوشی کو سینما بینی اور ان گناہوں کے ناپاک عمل سے گندہ کر دیتے ہیں۔
گناہ میں خوشی نہیں ہوتی، اللہ کو ناراض کرنے والی چیز کیسے خوشی کا باعث بن سکتی ہے؟

یہ تمام حرکات سراسر غیر اسلامی ہیں، غیر مسلموں کے تہواروں میں اس قسم کی حرکات وخرافات انجام دی جاتی ہیں، اسلامی تہوار میں تو عبادت کی جاتی ہے نہ کہ گناہ، اور گناہوں کو عید کے خصوصی پروگرام یا عید کے تحفے قرار دینے سے تو ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، لہٰذا ان گناہوں سے عام دنوں میں بھی اور خاص طور پر عید جیسے بابرکت دنوں میں بچنا ضروری ہے۔

بعض لوگ عید کے دن گانے بجانے کے جائز ہونے پر ایک روایت سے مغالطہ کھا جاتے ہیں جس میں عید کے دن انصاری لڑکیوں کے اشعار پڑھنے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ان کو ڈانٹنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجازت دینے کا ذکر ہے۔ [1]

---

[1] عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: دَخَلَ أَبُوْ بَكْرٍ وَعِنْدِيْ جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِي الْأَنْصَارِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ، قَالَتْ وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ، فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ أَمَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذٰلِكَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا بَكْرٍ، إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا (بخاری، حدیث نمبر ۹۵۲، مسلم، حدیث نمبر ۸۹۲، مسند احمد، حدیث نمبر ۲۵۰۲۸)

حالانکہ اس روایت سے گانے کی اجازت نکالنا صحیح نہیں کیونکہ:

پہلی بات تو یہ ہے کہ موسیقی اور گانے بجانے کے ناجائز ہونے پر جو قرآن وسنت کے دلائل موجود ہیں وہ بہت کثرت سے، واضح اور صاف ہیں ان کے ہوتے ہوئے اس قسم کی گول

مول اور مبہم روایت سے اپنا مقصد نکالنا صحیح نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب تک شرعی احکام میں سختی نہیں آئی تھی۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں مروَّجہ گانے کا ذکر نہیں بلکہ جنگ بعاث (جو ایک جنگ کا نام ہے) کے اشعار (بغیر موسیقی کے آلات کے) ترنم کے ساتھ پڑھنے کا ذکر ہے اور ایسے اشعار کا گانے سے کوئی تعلق نہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ یہ لڑکیاں ابھی نابالغ اور غیر مکلّف تھیں، کوئی پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں، چنانچہ احادیث ہی میں اس کی صراحت اور وضاحت بھی ہے کہ وہ لڑکیاں کوئی باقاعدہ گانے والی نہیں تھیں۔

پانچویں بات یہ ہے کہ یہ اشعار جنگ میں بہادری کے جذبات ابھارنے سے متعلق تھے جو ایک طرح سے جہاد کے لئے معاون اور مفید تھے، عشقیہ اشعار اور ناجائز مضامین پر مشتمل نہیں تھے، جیسا کہ پہلے عید کے دن مسنون ومستحب اعمال کے ضمن میں خوش اخلاقی کے مظاہرہ کے ذیل میں گزرا۔ [1]

[1] چنانچہ وہ روایت یہ ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا، قَالَتْ : دَخَلَ أَبُوْ بَكْرٍ وَعِنْدِیْ جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِی الْأَنْصَارِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ، قَالَتْ وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ، فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ أَمَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ فِیْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذٰلِكَ فِیْ يَوْمِ عِيْدٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا بَكْرٍ، إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا (بخاری، حدیث نمبر ۹۵۲، مسلم، حدیث نمبر ۸۹۲، مسند احمد، حدیث نمبر ۲۵۰۲۸)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میرے پاس انصار کی دو لڑکیاں جنگ بعاث کے دن کے انصار کی بہادری کے شعر ترنم سے پڑھ رہی تھیں، اور وہ لڑکیاں گانے والی نہیں تھیں، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ شیطانی گانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں؟ اور وہ عید کا دن تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر! ہر قوم کی عید (خوشی) کا دن ہوتا ہے اور یہ ہماری عید (یعنی خوشی) کا دن ہے (ترجمہ ختم)

اور آج کل کے مروّجہ گانوں میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں پائی جاتی، اس لئے مروجہ گانا بجانا اور موسیقی ناجائز ہے، خواہ عید کے دن ہو یا کسی اور دن۔

یہی حق اور صحیح ہے اور اس سے ہٹنا گمراہی ہے اور ضلالت ہے۔ [۲]

[۲] قال القرطبی أما الغناء فلاخلاف فی تحریمه لانه من اللهو واللعب المذموم بالا تفاق أما مایسلم من المحرمات فیجوز القلیل منه فی الاعراس والا عیادو شبههماومذهب أبی حنیفة تحریمه وبه یقول أهل العراق (تنقیح فتاویٰ حامدیه للعلامه شامی ج ۲ ص ۳۵۹)

(تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''ماہِ ربیع الاول کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

عید کے دن غیر شرعی لباس اور زیب وزینت

بعض لوگ عید کے دن غیر شرعی لباس پہنتے ہیں چنانچہ خاص طور پر نوجوان عید کے دن کے لئے فیشن نُما اور ٹخنوں سے نیچے تک لٹکا ہوا لباس، پینٹ، شرٹ وغیرہ تیار کراتے ہیں، عورتیں باریک نیم برہنہ اور فیشنی لباس پہنتی ہیں، اور بھنویں کٹواتی ہیں، اسی طرح سَر کے بال بھی کٹواتی ہیں اور دوسری غیر شرعی زیب وزینت اور بے پردگی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔

مرد داڑھی ایک مٹھی سے کم کر کے کاٹتے ہیں، اس دن بطورِ خاص شیو کرتے ہیں، خلافِ شرع فیشن نُما کپڑے پہنتے ہیں، بالوں وغیرہ کی کٹنگ انگریزی اور خلافِ شریعت طرز پر کرائی جاتی ہے، اور داڑھی منڈا کر، انگریزی بال تراش کر عید کی نماز کے لئے آتے ہیں۔

بعض لوگ عید کے دن عید کی نماز کے لئے تو شلوار قمیض تیار کراتے ہیں اور عید کی نماز سے فارغ ہوتے ہی اس کو اتار کر فیشن نماز کپڑے پینٹ، شرٹ وغیرہ پہن لیتے ہیں، بہت سے لوگ عید کے کپڑے بناتے ہیں تو اس میں بھی حرام وحلال کا خیال نہیں کرتے۔

اسی طرح چھوٹی بچیوں کو بھی عید کے دن خوب زیور پہنایا جاتا ہے اور بے حد وحساب زیب وزینت کی جاتی ہے، جس میں کئی فتنے ہیں۔

یہ چیزیں شریعت کے موافق آرائش میں داخل نہیں، بلکہ گناہ یا غلو میں داخل ہیں۔

عید کا دن تو اللہ کی مہمانی کا دن ہے، اس دن میں ایسا لباس اور ایسی زینت اختیار کرنی چاہئے جو اللہ کو پسند ہو، کیونکہ اس دن مسلمان اللہ کی میزبانی میں ہوتے ہیں، ایسا طرز اور طریقہ اختیار کر کے اللہ کے مہمان بننا جو خود اللہ کو ناپسند ہو کتنی بڑی حماقت اور بے وقوفی ہے، جو عید

سراسر اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کا مظاہرہ کرنے کے لئے تھی اُسے گناہوں سے ملوث کردیا۔

عید تو اسلامی چیز ہے اس دن گناہوں سے بچنا اور نیک کاموں کا خاص اہتمام کرنا چاہئے بلکہ طبیعت کو آمادہ کیا جائے کہ آئندہ بھی گناہ نہ کرے مومن کی زندگی گناہوں والی زندگی نہیں ہوتی۔

عید کے دن بے پردگی اور بے حیائی

عید کے دن بعض جگہ بے پردگی اور بے حیائی کا بھی مظاہرہ کیا جاتا ہے، چنانچہ عورتیں زیب وزینت اور نعوذ باللہ تعالیٰ نیم برہنہ لباس کے ساتھ بے پردہ ہوکر نامحرموں کے سامنے آتی ہیں، تفریح گاہوں اور ہوٹلوں اور بعض گھروں میں بھی عورتوں ومَردوں کا مخلوط، بے محابا اور بلا تکلف اجتماع ہوتا ہے۔

بعض عورتیں عید ملنے کے لئے بن سنور کر نامحرم لوگوں کے سامنے جاتی ہیں، جس میں بسا اوقات ایک دوسرے کے ساتھ مصافحہ بھی ہوتا ہے اور ایک دوسرے کو عید کی مبارک باد پیش کی جاتی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلفی اور ہنسی مذاق تک کی نوبت آجاتی ہے، اور اس قسم کی دوسری خلافِ شرع حرکات بھی ہوتی ہیں، ان بے ہودہ حرکات کا عید کے مبارک اسلامی تہوار سے تعلق نہیں اور ان حرکات کو عید کی آڑ میں انجام دینا سخت حماقت وسفاہت اور گناہ کی بات ہے۔

عید اور جمعہ کے ایک دن جمع ہونے کو بھاری سمجھنا

اگر کسی موقع پر عید اور جمعہ ایک دن جمع ہوجائیں تو اس کو بعض لوگ عوام یا حکومت پر بھاری سمجھتے ہیں، اور اس سے طرح طرح کی بدفالی لیتے ہیں۔

اس قسم کی بدفالی سخت گناہ ہے، عید کا جمعہ یا کسی بھی دن واقع ہونا صرف اور صرف اللہ کے حکم

سے ہے، بندوں کا اس میں کوئی دخل نہیں، جب اللہ کا حکم ہوتا ہے چاند انتیس دن پر نظر آ جاتا ہے اور جب مہینہ کے تیس دن کے ہونے کا حکم ہوتا ہے تو مہینہ تیس دن کا ہوتا اور عید کے دنوں کی تبدیلی ہوتی ہے اور اللہ کے ہر حکم میں بندوں کے لئے کوئی نہ کوئی مصلحت اور حکمت ہوتی ہے، جب شریعت نے عید اور جمعہ ایک دن جمع ہونے کو معیوب قرار نہیں دیا، تو اس کو معیوب یا منحوس سمجھنے اور اس سے بدفالی و بدشگونی لینے کا کیا مطلب؟

اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ نبوت اور صحابۂ کرام کے مبارک زمانے میں بھی ایسے مواقع آئے کہ عید اور جمعہ ایک دن واقع ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے اس کو دو عیدوں کے جمع ہونے والا دن قرار دیا، اور عید اور جمعہ کی نمازیں اپنے اپنے وقتوں پر ادا فرمائیں۔

جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

اس لئے اپنی طرف سے اس کے بارے میں ایسا غلط عقیدہ رکھنا جائز نہیں، بلکہ اگر غور کیا جائے تو جمعہ اور عید ایک دن جمع ہونے میں زیادہ خیر معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایک تو خود عید کا دن بابرکت ہے دوسرے جمعہ کا دن بھی بذاتِ خود بابرکت دن اور ہفتہ بھر کے تمام دنوں کا سردار ہے لہٰذا ایک وقت میں دونوں دنوں کی برکات جمع ہونے میں زیادہ خیر و برکت ہوگی۔

ہاں اگر دنیا دار لوگوں کو اس اعتبار سے بھاری گزرتا ہو کہ ایک ہی دن میں عید اور جمعہ کی دو نمازوں کا اہتمام کرنا پڑتا ہے تو یہ دنیا داروں کا معاملہ ہے، اور دیندار لوگ تو خوش ہوتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ جس نے عید اور جمعہ کی دونوں نمازوں کی ایک ہی دن میں سعادت جمع کر کے عطا فرمادی۔ [1]

[1] اور جہاں تک گاؤں و دیہات کے لوگوں کا تعلق ہے کہ انہیں شہر میں آ کر عید اور جمعہ کی دونوں نمازوں کو پڑھنا مشکل اور بھاری ہو سکتا ہے، تو ان کے لیے شریعت نے خود تخفیف و آسانی فرمادی ہے، جس کی تفصیل پہلے عید کی نماز کے جمعہ کی نماز کا متبادل ہونے کی بحث میں گزر چکی ہے۔

عیدین کی نماز یا خطبہ کے بعد دُعا کا مسئلہ

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عید کی نماز اور اس کے بعد خطبہ پڑھنے کا ذکر ملتا ہے، اور بطور خاص عید کی نماز یا خطبہ کے بعد دعا کرنے کی صراحت نہیں ملتی، البتہ خطبہ کے دوران عربی میں دعائیہ کلمات اور مسنون دعاؤں کے پڑھنے کے جائز ہونے میں کلام نہیں۔ [1]

[1] الخطبة مشتملة على الدعاء كما أنها تشتمل على غيره من بيان أحكام العيد (عمدة القارى، ج٦، ص ٢٧٢، كتاب العيدين، باب سنة العيدين لأهل الإسلام)

تاہم ہمارے اکثر اکابر فقہائے کرام نے عید کی نماز کے باجماعت ادا کیے جانے کی وجہ سے اس کو فرض نماز کے ساتھ مشابہت حاصل ہونے کی بناء پر فرض نماز کے بعد والی دعا پر قیاس کرتے ہوئے عیدین کی نماز کے بعد دُعا کا استحباب اور اس کے بعد پھر دوبارہ خطبے سے فراغت کے بعد دُعا نہ ہونے کا حکم بیان فرمایا ہے، اور اگر کوئی یہ دعا نہ کرے، اس میں بھی حرج نہ ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔

جبکہ بعض حضرات نے استسقاء کی نماز کی طرح خطبہ کے بعد دعا کرنے کی بھی گنجائش بیان فرمائی ہے۔

لیکن ایک تو اکابر فقہاء کی تصریح کے مطابق عید کی نماز کے بعد کی یہ دُعا مستحب ہے، اس کو ضروری نہ سمجھنا چاہیے، اور اگر کوئی نہ کرے تو اس پر بھی ملامت نہیں کرنی چاہیے۔

دوسرے عید کی نماز کے بعد دعا کو مختصر کرنا چاہیے، جیسا کہ اُن فرض نمازوں کے بعد مختصر دُعا پر اکتفاء کرنا چاہیے جن کے بعد سنتیں ہیں، کیونکہ لمبی دعا سے خطبہ میں فصل ہوجاتا ہے جو کہ خلافِ سنت ہے۔

اس سلسلہ میں اکابر فقہاء کے چند حوالہ جات وعبارات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

خطبے سے اول و آخر دعا کرنا کہیں ثابت نہیں، لہٰذا نہ کرنا چاہئے، البتہ بعد سلام نمازِ

عید کے دعا کریں، پھر منبر پر کھڑا ہو کر دعا ثابت نہیں (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۳۸، کتاب البدعات)

اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ظاہراً قواعدِ عامہ سے نماز ہی کے بعد دعا بہتر معلوم ہوتی ہے، اُسی ہیئت سے جیسے اور نمازوں کے بعد ہے (امداد الفتاوٰی ج ۱ ص ۴۰۷)

اور ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

عموماتِ نصوص سے فضیلتِ دعا بعد الصلوٰۃ کی ثابت ہے، پس اُس عموم میں اس (یعنی عید کی نماز کے بعد کی دعا) کے داخل ہونے کی گنجائش ہے۔

اور اگر کوئی شخص بالخصوص منقول نہ ہونے کے سبب اس کو ترک کرے اُس پر بھی ملامت نہیں۔

بہرحال یہ مسئلہ ایسا مہتم بالشان نہیں ہے دونوں جانب میں توسع ہے (ایضاً ص ۴۰۵) ؎[1]

؎[1] نیز ایک سوال کا فارسی زبان میں جواب تحریر فرماتے ہیں کہ:

وعمل من واکابرِ من موافق ہمین است یعنی بعد نمازِ عیدین دعا معمول است

ترجمہ: میرا اور میرے اکابر کا عمل اسی کے موافق ہے یعنی عید کی نماز کے بعد دعا کا معمول ہے (امداد الفتاویٰ، ج ۱، ص ۴۰۶)

اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ:

عید کی نماز کے بعد تو دعا مانگنے کی گنجائش ہے، لیکن خطبہ کے بعد دعا کرنا محض بے دلیل ہے، اس واسطے خطبے کے بعد دعا نہ مانگی جاوے (خطباتِ حکیم الامت جلد ۱۷، بعنوان سنتِ ابراہیم، صفحہ ۴۹۴، وعظ احکامِ حج، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

اور حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

نماز کے بعد دعا کرنا مطلقاً جائز ہے، اور رفع یدین آدابِ دعا سے ہے، لہٰذا بعد نماز عیدین کے دعا برفعِ یدین جائز ہے، اور ثواب کی بھی امید ہے، مگر اس کو ضروری نہ سمجھا جاوے اور جو لوگ اس سے منع کرتے ہیں اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت دعا کرنا جائز ہی نہیں تب تو وہ غلط کہتے ہیں، اور مباح سے روکنے کے سبب ”**لم تحرم ما احل اللہ لک**“ کے مخاطب ہیں، اور اگر یہ مطلب ہے کہ اس وقت دعا برفعِ یدین ضروری نہیں (یا کسی اور خرابی سے منع کرنا مقصد ہے۔ ناقل) تو ان کا قول بھی صحیح ہے، ان سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں

(امداد الاحکام ج۱ص۷۳۵)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

عیدین کی نماز کے بعد دعا کرنا جائز و مستحب یقیناً ہے، استحباب و جواز کا انکار نہیں ہوسکتا، لیکن اگر کوئی شخص جائز و مستحب فعل کو ترک کردے تو اس پر ملامت وطعن اور اس سے ترکِ موالات ہرگز جائز نہیں، کیونکہ یہ شان ترکِ فرائض وواجبات کی ہے نہ کہ مستحبات کی، اور اگر کسی وقت مستحب وسنت کے ترک پر ملامت وطعن ہونے لگے اور اس مستحب وسنت کے ساتھ واجب وفرض کا معاملہ ہونے لگے تو اس وقت اصلاحِ عقیدۂ عوام کے لئے اس مستحب کا ترک کردینا ضروری ہوجاتا ہے۔

تو جو لوگ بعد صلوٰۃِ عیدین کے دعا کو مستحب سمجھتے ہیں وہ تارکین پر ملامت وطعن کرنے کی وجہ سے خود ہی اس مستحب کو ممنوع بنانا چاہتے ہیں (امداد الاحکام ج۱ص۷۴۳)

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

احادیثِ قولیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے باسانیدِ صحیحہ ہر نماز کے بعد جس میں نمازِ عید بھی داخل ہے دعاء مانگنے کی فضیلت وثواب منقول ہے اگرچہ احادیثِ فعلیہ میں عمل کی تصریح نہیں مگر نفی بھی منقول نہیں اس لئے حدیثِ قولیہ پر عمل کرنا اور ہر نماز کے بعد اور عیدین کے بعد دعا مانگنا جائز و مستحب ہوگا (امداد المفتین ص۴۰۸)

اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

عام طور سے نماز کے بعد دعاء مانگنا وارد ہوا ہے لہٰذا عیدین کی نماز کے بعد بھی دعاء مانگنا مسنون و مستحب ہے (فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ج۵ص۱۸۸) [1]

---

[1] ایک اور مقام پر فارسی زبان میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

دعا بعد الصلوٰۃ مسنون و مستحب است و در احادیث وارد شدہ است، کما نقلہا فی الحصن الحصین وغیرہ، پس در صلوات صلوٰۃ عیدین ہم داخل وشامل است بدعت گفتن آنرا صحیح نیست واکابر امت مثل حضرت مولانا رشید احمد محدث وفقیہ گنگوہی راوجمیع اکابر واساتذہ ما بعد نمازِ عیدین مثل صلوات مکتوبات دعا می فرمودند پس ہر کہ آنرا بدعت گفتہ صحیح نیست (فتاویٰ دار العلوم، جلد۵ صفحہ۲۰۲)

ترجمہ: نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون اور مستحب ہے، اور اس میں احادیث وارد ہوئیں ہیں، جیسا کہ حصنِ حصین میں منقول ہے، پس نمازوں میں عید کی نماز بھی داخل اور شامل ہے، پس اس کو بدعت کہنا صحیح نہیں اور اکابر امت مثلاً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور تمام اکابر واساتذہ نمازِ عیدین کے بعد فرض نمازوں کی طرح دعا مانگتے تھے، پس جو اس کو بدعت کہتا ہے وہ صحیح نہیں۔

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

بعد نمازِ عیدین دعاء مانگنا ان احادیث کے عموم سے ثابت ہے جن میں بعد الصلوٰۃ دعاء مانگنا مستحب معلوم ہوتا ہے اور نمازِ عیدین کے اس سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور وہ احادیث حصن حصین وغیرہ کتب احادیث میں مذکور ہیں۔البتہ خطبے کے بعد دعاء مانگنا وارد نہیں ہوا، نہ خصوصاً نہ عموماً (ایضاً صفحہ ۲۱۹)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

عیدین کی نماز کے بعد مثل دیگر نمازوں کے دعا مانگنا مستحب ہے، خطبہ کے بعد دعا مانگنے کا استحباب کسی روایت سے ثابت نہیں ہے اور عیدین کی نماز کے بعد دعا کرنے کا استحباب ان ہی حدیثوں وروایات سے معلوم ہوتا ہے، جن میں عموماً نمازوں کے بعد دعا مانگنا وارد ہوا ہے اور دعا بعد الصلوٰۃ مقبول ہوتی ہے، حصن حصین میں وہ احادیث مذکور ہیں اور ہمارے حضرات اکابر کا یہی معمول رہا ہے، بندہ کے نزدیک جو علماء عیدین کی نماز کے بعد دعا مانگنے کو بدعت یا غیر ثابت فرماتے ہیں، وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ عموماً نمازوں کے بعد دعا کا استحباب ثابت ہے، پھر عیدین کی نمازوں کا استثناء کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور وہ احادیث معروف ومشہور مشکوٰۃ شریف وحصن حصین میں مذکور ہیں، ان کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں (ایضاً صفحہ ۲۲۵)

ایک اور مقام پر حضرت مفتی صاحب موصوف رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ہمارے حضراتِ اکابر مثل حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ اور دیگر حضراتِ اساتذہ مثل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس سابق، مدرسہ ھٰذا (دارالعلوم دیوبند) اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدر مدرس، مدرسہ ھٰذا (دارالعلوم دیوبند) وغیرہم کا یہی معمول رہا ہے کہ بعد عیدین کے بھی مثل تمام نمازوں کے ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگتے تھے اور احادیث سے بھی مطلقاً نمازوں کے بعد دعاء مانگنا ثابت ہے، اس میں عیدین کی نماز بھی داخل ہے، لہٰذا راجح ہمارے نزدیک یہی ہے کہ دعاء بعد نمازِ عیدین بھی مستحب ہے (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ج ۵ ص ۱۸۸)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

نمازِ عیدین کے بعد خصوصیت سے دعا کا ذکر نہیں، ممانعت بھی نہیں، نماز فرض ہو یا نفل، عمومی روایات میں دعا مذکور ہے، عمل الیوم والیلۃ میں ان روایات کی تخریج ہے، اس عموم میں نمازِ عیدین بھی داخل ہے (فتاویٰ محمودیہ جلد ہشتم صفحہ ۴۵۹) [1]

[1] ایک اور مقام پر حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

عیدین کی نماز کے بعد خصوصیت سے دعا یا عدم منقول نہیں، لیکن مطلقاً ہر نماز کے بعد دعا روایات سے ثابت ہے، پس عیدین کے بعد بھی دعا کرنا مسنون ہوگا (فتاویٰ محمودیہ، ج ۸، ص ۴۶۱)

ایک اور مقام پر حضرت مفتی صاحب موصوف رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

احادیث سے علی الاطلاق بعد صلوٰۃ دعا کا ثبوت ہے، ترمذی شریف میں ہے کہ:

كان يعلم بنيه هؤلاء الكلمات كما يعلم المُكتِب الغلمان يقول: ان رسول الله ﷺ كان

یتعوذبھن دبر الصلاۃ: اللھم انی اعوذبک من الجبن الخ (ج ۲ ص ۲۱۵)
وفیہ: فقال رسول اللہ ﷺ: عجلت ایھا المصلی اذاصلیت فقعدت، فاحمدالله بماھو اھلہ، وصل علی، ثم ادعہ، الخ. وقال ھذاحدیث حسن (ج ۲ ص ۲۰۵)
عمل الیوم واللیلۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:
عن النبی ﷺ انہ قال: مامن عبد بسط کفیہ دبر کل صلوٰۃ ثم یقول "اللھم، الخ...... الاکان حقا علی اللہ عزوجل ان لایرد یدیہ خائبین.
اور متبادر بعدیت سے بعدیتِ متصلہ ہے، لہٰذا بعد عید خطبہ ہو کر دعا کرنا پھر اس کو متصل قرار دینا مجازاً ہوگا جو متبادر نہیں، اس وجہ سے بعد نماز دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے خطبہ دعا مانگنا کسی کی روایت نہیں، لہٰذا بعد نماز دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے خطبہ کے بعد دعا کرنے کو معین کر لینا تخصیص بلا دلیلِ شرعی ہے (فتاویٰ محمودیہ جلد ہشتم صفحہ ۴۶۲،صفحہ ۴۶۳)
خیر الفتاویٰ میں ہے کہ:
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے منقول نہیں کہ نماز یا خطبہ کے بعد دعا کرتے تھے، اور اسی طرح کتبِ فقہ میں بھی یہ دعا مذکور نہیں، اور اکابر علمائے دیوبند کا طرزِ عمل بھی یہی لکھا ہے کہ وہ خطبہ کے بعد دعا نہیں مانگتے تھے، اور حدیث شریف میں عورتوں کے بارے میں وارد ہے:
ویشھدن الخیر ودعوۃ المؤمنین وفی روایۃ یشھدن جماعۃ المسلمین ودعوتھم الخ
لفظِ "دعوتھم" سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ معروف طریقے پر اجتماعی دعا کرنا اس سے مراد ہے، حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو شروحِ حدیث اور کتبِ فقہ میں مستقلاً اس دعا کا ذکر ہوتا، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس دعوت سے مراد خطبہ ہے، یا نماز وخطبہ میں کی جانے والی دعائیں ہیں، سورۂ فاتحہ میں دعا ہے، تمام مقتدی آمین کہہ کر اس میں شریک ہوتے ہیں، اور اللہ پاک کی بارگاہ سے نازل ہونے والی رحمت واجابت اس پورے مجمع کو گھیر لیتی ہے، آخری تشہد میں دعائیں ہیں اور ایک روایت میں ہے:
فاذاکان یوم عیدھم یعنی یوم فطرھم باھی بھم ملائکۃ فقال یاملائکتی (الیٰ ان قال) عبیدی وامائی قضوافریضتی علیھم ثم خرجوا یعجون الی الدعاء وعزتی وجلالی وکرمی علوی وارتفاع مکانی لاجیبنھم فیقول ارجعوا قد غفرت لکم الحدیث (مشکوٰۃ ص ۱۸۲، ج ۱)
اس حدیث میں عید کو جاتے ہوئے دعا کا ذکر ہے، تکبیرات بھی بمعنیٰ دعا ہیں، کیوں کہ رب کریم کی ثناء وتکبیر بھی دعا ہے۔ الغرض اتنی متنوع اور متعدد ومتفقہ دعاؤں کی موجودگی میں "دعوتھم" کے لفظ کو معروف زمانہ دعا پر محمول کرنا قرینِ قیاس نہیں، البتہ دیگر تمام نمازوں کے بعد دعا مانگنا چونکہ مستحب ہے، اس عموم کے تحت داخل کرتے ہوئے اگر نمازِ عیدین کے بعد بھی دعا کر لی جائے تو گنجائش ہے، لیکن خطبے کے بعد دعا کرنا کسی طرح بھی ثابت نہیں (خیر الفتاویٰ جلد ۳ صفحہ ۱۲۸ و ۱۲۹)

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تحریر

فرماتے ہیں کہ:

دعا نماز کے متصل بعد ہی مسنون ہے، خطبہ کے بعد اجتماعی طور سے دعا مانگنا کہیں ثابت نہیں (فتاویٰ عثمانی جلد ا، صفحہ ۵۹۵، فصل فی العیدین) [1]

[1] ایک اور سوال کے جواب میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں کہ:
چونکہ ہر نماز کے بعد دعا کرنا ثابت ہے، اس لئے اس میں عیدین بھی شامل ہیں، اور خطبے کے بعد دعا کرنے کا ثبوت کہیں نہیں ہے اور اکابر دیوبند کا معمول بھی یہی رہا ہے، اور بہشتی زیور فقہی اعتبار سے ''علم الفقہ'' کے مقابلے میں زیادہ مستند اور معتبر کتاب ہے (فتاویٰ عثمانی، ج ا، صفحہ ۶۰۲)

اور فتاویٰ حقانیہ میں ہے کہ:

نمازِ عیدین کے بعد دعا مانگنے پر اکابرینِ امت کا تعامل چلا آ رہا ہے، اس لئے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، بلکہ دعا مانگنا مستحب ہے (فتاویٰ حقانیہ، جلد سوم صفحہ ۳۹۶)

ان عبارات سے عید کی نماز کے بعد دعا کا مستحب ہونا اور خطبہ کے بعد دعا کا مستحب نہ ہونا معلوم ہوا۔

اور حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

عیدین کے بعد دعا مانگنے کا فی الجملہ تو ثبوت ہے، مگر تعینِ موقع کے ساتھ ثبوت نہیں کہ نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد۔

دونوں موقعوں میں سے کسی ایک موقع پر دعا مانگنے میں مضائقہ نہیں ہے (کفایتُ المفتی، جلد ۳، صفحہ ۳۹۹، کتاب الصلاۃ، چھٹا باب، نمازِ عیدین)

اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

عید کا خطبہ نماز کے بعد ہوتا ہے، دعا بعض حضرات نماز کے بعد کرتے ہیں، اور بعض خطبہ کے بعد، دونوں کی گنجائش ہے؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور فقہاء سے اس سلسلہ میں کچھ منقول نہیں (آپ کے مسائل اور اُن کا حل، جلد ۲، صفحہ ۴۱۷، عیدین کی نماز کا بیان)

ان عبارات سے عید کی نماز کے خطبے کے بعد دعا کرنے کی گنجائش کا ہونا معلوم ہوا۔

کیونکہ استسقاء کی نماز میں خطبہ کے بعد دعا کا احادیث میں ثبوت موجود ہے، اور استسقاء کی نماز کو عید کی نماز کے ساتھ مشابہت حاصل ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

خَرَجَ رَسُولُ اللَّـهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَخَشِّعًا مُتَذَلِّلًا فَصَنَعَ فِيهِ كَمَا يَصْنَعُ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى (سنن الدارقطني، حديث نمبر ١٨٠٦، واللفظ لهٗ؛ صحيح ابن خزيمة، حديث نمبر ١٤١٩؛ مستدرک حاکم، حديث نمبر ١٢١٨)

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ رُوَاتُهُ مِصْرِيُّونَ وَمَدَنِيُّونَ، وَلَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْهُمْ مَنْسُوبًا إِلَى نَوْعٍ مِنَ الْجَرْحِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "وَقَدْ رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ هِشَامِ بْنِ إِسْحَاقَ(حواله بالا)

اس سے عید کی نماز کا استسقاء کی نماز کے مشابہ ہونا معلوم ہوا۔

اور امام طحاوی رحمہ اللہ استسقاء کی نماز کے بعد خطبے کو عید کی نماز کے خطبے پر قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

قد اختلف فى خطبة رسول الله صلى الله عليه وسلم متى كانت .ففى حديث عائشة رضى الله عنها ,وعبد الله بن زيد أنه خطب قبل الصلاة ,وفى حديث أبى هريرة رضى الله عنه أنه خطب بعد الصلاة فنظرنا فى ذلك ,فوجدنا الجمعة فيها خطبة وهى قبل الصلاة ,ورأينا العيدين فيهما خطبة وهى بعد الصلاة كذلك كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعل .فأردنا أن ننظر فى خطبة الاستسقاء بأى الخطبتين هى أشبه ؟ فنعطف حكمها على حكمها .فرأينا خطبة الجمعة فرضا ,وصلاة الجمعة مضمنة بها لا تجزء إلا بإصابتها ,ورأينا خطبة العيدين ليست كذلك لأن صلاة العيدين تجزء أيضا وإن لم يخطب ,ورأينا صلاة الاستسقاء تجزء أيضا وإن لم يخطب .ألا ترى أن إماما لو صلى بالناس فى الاستسقاء ولم يخطب كانت صلاته مجزئة غير أنه قد أساء فى تركه الخطبة فكانت بحكم خطبة العيدين أشبه منها بحكم خطبة الجمعة .فالنظر على ذلك أن يكون موضعها من صلاة الاستسقاء مثل موضعها من صلاة العيدين فثبت بذلك أنها بعد الصلاة لا قبلها .وهذا مذهب أبى يوسف .وقد روى ذلك عمن بعد النبى صلى الله عليه وسلم أنه صلى فى الاستسقاء وجهر بالقراءة(شرح معانى الآثار،باب الاستسقاء كيف هو ,وهل فيه صلاة أم لا ؟)

اور فقہائے کرام نے استسقاء میں خطبے کے بعد دعا کو سنت ومستحب قرار دیا ہے۔

(قوله ثم يدعو حتى تنجلى الشمس) أى يدعو الإمام والناس معه حتى تنجلى الشمس للحديث المتقدم أطلقه فأفاد أن الداعى مخير إن شاء دعا جالسا مستقبل القبلة، وإن شاء دعا قائما يستقبل الناس بوجهه قال الحلوانى وهذا أحسن، ولو قام ودعا معتمدا على عصا أو قوس كان أيضا حسنا وأفاد بكلمة ثم أن السنة تأخير الدعاء عن الصلاة؛ لأنه هو السنة فى الأدعية وفى المحيط، ولا يصعد الإمام على المنبر للدعاء ، ولا يخرج (البحرالرائق، ج٢، ص ١٨١ ، باب صلاة الاستسقاء)

ثم هو فى الدعاء بالخيار إن شاء دعا جالسا مستقبل القبلة ، وإن شاء قائما يستقبل الناس بوجهه ويؤخر الدعاء عن الصلاة ؛ لأنه هو السنة فى الأدعية(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ١ ص ٢٣٠ ، باب الاستسقاء)

جس پر قیاس کرتے ہوئے خطبہ کے بعد دعا کی گنجائش ہے۔ ل

ل البتہ اس قیاس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ استسقاء میں اصل مقصود دعا ہے، اور اسی وجہ سے استسقاء بغیر نماز کے بھی وارد ہے، جبکہ عید کی نماز میں اصل مقصود دعا نہیں، بلکہ نماز ہے؛ مگر اس فرق سے خطبے کے بعد دعا کے جواز پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ عید کی نماز یا خطبے کے بعد اصل سے دعا ضروری نہیں، بلکہ اصل مقصود نماز ہے، لیکن اگر کوئی خطبے کے بعد دعا کرے، تو اس کی اصل استسقاء کی نماز میں موجود ہے، بالخصوص جبکہ خطبے کے بعد دعا کرنے میں خطبے اور نماز کے درمیان فصل کا بھی خدشہ نہیں ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ خطبے کا درجہ دعا سے زیادہ ہے، اور عام نمازوں اور جمعہ کی نماز کے مقابلے میں عید کی نماز کو استسقاء کی نماز کے ساتھ زیادہ مماثلت ومشابہت حاصل ہے، اس لیے کہ دونوں جگہ نماز کے بعد خطبہ ہے۔ محمد رضوان۔

البتہ بعض حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عید کی نماز اور خطبہ کے بعد خصوصیت کے ساتھ دعا منقول نہ ہونے کی وجہ سے دونوں مقامات پر دعا کا انکار فرمایا ہے۔ ل

ل چنانچہ فیض الباری میں ہے کہ:

لم یثبت عنہ ﷺ بعد صلاۃ العیدین دعاء فالسنة الخاصة فی ذالک قاضية علیٰ عموم الاحادیث فی الاذکار بعد الصلوات (فیض الباری، جلد ۲ صفحہ ۳۶۲، کتاب العیدین، مکتبة حقانیة، پشاور)

اور علم الفقہ میں ہے کہ:

بعد نمازِ عیدین کے یا بعد خطبہ کے دعا مانگنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں، اور اگر ان حضرات نے کبھی دعا مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی، لہٰذا بغرضِ اتباع دعا نہ مانگنا مانگنے سے بہتر ہے (علم الفقہ، حصہ دوم، صفحہ ۳۲۶، عیدین کی نماز کا بیان)

مگر اکابر فقہائے کرام کی یہ تصریحات پہلے گزر چکی ہیں کہ انہوں نے عید کی نماز یا بعض نے خطبہ کے بعد دعا کے استحباب وجواز پر استدلال علی التعیین کسی حدیث سے نہیں کیا، بلکہ فرض اور جماعت سے پڑھی جانے والی نماز کے بعد کی، یا پھر استسقاء کی دعا پر قیاس کیا ہے، اور ضروری پھر بھی قرار نہیں دیا، لہٰذا علی التعیین ثبوت نہ ہونے سے کوئی حرج لازم نہیں آنا چاہیے۔ محمد رضوان

بہرحال اگر کوئی امام عید کی نماز کے بعد مختصر دعا کرے، اور اس کے بعد خطبہ پڑھے اور خطبہ کے بعد پھر دعا نہ کرے، اس کی بھی گنجائش ہے، بلکہ اکثر اکابر فقہاء کے نزدیک مستحب ہے۔ اور اگر کوئی سرے سے یہ دعا نہ کرے، تو بھی کوئی گناہ نہیں، لہٰذا اس پر بھی ملامت نہیں کرنی چاہیے۔

جبکہ بعض حضرات کے نزدیک نمازِ استسقاء کے خطبے کے بعد کی طرح عید کی نماز کے بعد دعا کی گنجائش موجود ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص عید کی نماز کے بعد دعا نہ کرے، بلکہ خطبہ سے فارغ

ہوکر دعا کرے تو اس پر بھی نکیر نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ اس کی بھی گنجائش موجود ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ [۲]

[۲] مسئلہ ھٰذا میں اس مرتبہ دوبارہ غور کرکے مندرجہ بالا تحقیق کی گئی ہے، جو کہ اب بندہ کے نزدیک راجح ہے۔ محمد رضوان۔

شوّال کے چھ روزوں کے فضائل واحکام

رمضان کے روزوں اور عید الفطر سے فراغت کے بعد شوال کے مہینہ میں روزے رکھنے کی احادیث میں ترغیب آئی ہے، اور خاص طور پر رمضان کے روزے رکھ کر عید کے بعد شوال کے مہینہ میں چھ نفلی روزے رکھنے کی عظیم الشان فضیلت بیان کی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَہٗ سِتًّامِّنْ شَوَّالٍ کَانَ کَصِیَامِ الدَّھْرِ (مسلم) [1]

[1] حدیث نمبر ۲۰۴، حدیث نمبر ۱۱۶۴، کتاب الصیام، باب استحباب صوم ستة أیام من شوال إتباعا لرمضان، داراحیاء التراث العربی، بیروت، واللفظ لہٗ؛ ترمذی، حدیث نمبر ۷۵۹؛ مسند احمد، حدیث نمبر ۲۳۵۳۳؛ ابوداؤد، حدیث نمبر ۲۴۳۳؛ ابنِ ماجہ، حدیث نمبر ۱۷۱۶۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد چھ (نفل) روزے شوال کے مہینے میں رکھ لئے تو (پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب ہوگا، اگر ہمیشہ ایسا ہی کرے گا تو) گویا اس نے ساری عمر روزے رکھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، وَسِتًّا مِنْ شَوَّالٍ، فَکَأَنَّمَا صَامَ السَّنَةَ کُلَّھَا (مسند احمد) [2]

[2] حدیث نمبر ۱۴۳۰۲، مؤسسة الرسالة، بیروت، واللفظ لہٗ؛ سنن کبریٰ نسائی، حدیث نمبر ۲۸۷۸۔

فی حاشیة مسند احمد: صحیح لغیرہ.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور شوال کے چھ روزے رکھے، تو گویا کہ اس نے

پورے سال کے روزے رکھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، وَأَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ فَذٰلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ ، قَالَ :قُلْتُ لَهُ :كُلُّ يَوْمٍ عَشْرٌ؟، قَالَ :نَعَمْ (المعجم الكبير للطبراني) [1]

[1] حديث نمبر ٣٩٠٢،مكتبة ابنِ تيمية، القاهرة.

قال الهيثمي:

رواه الطبراني في الكبير، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد،ج٣ص ١٨٤، باب فيمن صام رمضان وستة أيام من شوال)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے، تو یہ پورے زمانے (یعنی سال بھر) کے روزے ہیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہر ایک دن، دس (دن کے روزوں کے ثواب) کے برابر ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک (ترجمہ ختم)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حَدِيْثُ اَبِیْ اَيُّوْبَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَقَدِاسْتَحَبَّ قَوْمٌ صِيَامَ سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ (ترمذی) [2]

[2] ابواب الصوم، باب ما جاء في صيام ستة أيام من شوال،شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

ترجمہ: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے، اور اس حدیث کی وجہ سے علماء کی جماعت نے شوال کے چھ روزوں کو مستحب قرار دیا ہے (ترجمہ ختم)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَسِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ، فَقَدْ صَامَ السَّنَةَ (صحیح ابنِ حبان) [1]

[1] حدیث نمبر ٣٦٣٥، کتاب الصوم، باب صوم التطوع، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ؛ مسند الشاميين للطبرانی، حدیث نمبر ٤٨٥.

فی حاشية ابنِ حبان:

إسناده صحيح، أبو أسماء الرحبی :هو عمرو بن مرثد . وأخرجه أحمد ٥/٢٨٠، والدارمی ٢/٢١، والطحاوی فی "مشكل الآثار٣/١١٩، ١٢٠"، وابن ماجه "١٧١٥ "فی الصيام :باب صيام ستة أيام من شوال، والبيهقی ٤/٢٩٣، والنسائی فی "الكبرى" "كما فی "التحفة"٢/١٣٩"، والخطيب فی تأريخه ٢/٣٦٢ من طرق عن يحيى بن الحارث الذماری، بهذا الإسناد.

ترجمہ: جس نے رمضان کے روزے رکھے اور شوال کے چھ روزے رکھے، تو اس نے پورے سال کے روزے رکھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ثوبان کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعَشَرَةِ أَشْهُرٍ وَصِيَامُ سِتَّةِ أَيَّامٍ مِّنْ شَوَّالٍ بِشَهْرَيْنِ فَذٰلِكَ صِيَامُ سَنَةٍ

(السنن الکبریٰ للنسائی) [2]

[2] حدیث نمبر ٢٨٧٣، کتاب الصیام، باب صيام ستة أيام من شوال، مؤسسة الرسالة، بيروت؛ شرح مشكل الآثار، حدیث نمبر ٢٣٤٨؛ تاريخ بغداد، ج١، ص ٢٦٤.

قال الالبانی: صحیح (صحیح الترغیب والترهیب، تحت حدیث نمبر ١٠٠٧)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کے مہینہ کے روزے دس مہینوں کے (اجر وثواب کے) برابر ہیں اور شوال کے چھ دِنوں کے روزے دو مہینوں کے (اجر وثواب کے) برابر ہیں، پس یہ (دونوں قسم کے روزے) پورے سال کے روزوں کے برابر ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ثوبان کی ایک روایت میں یہ مضمون اس طرح آیا ہے کہ:

أَنَّـهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ :جَعَلَ اللّٰهُ الْحَسَنَةَ بِعَشْرٍ فَشَهْرٌ بِعَشَرَةِ أَشْهُرٍ وَسِتَّةُ أَيَّامٍ بَعْدَ الْفِطْرِ تَمَامُ السَّنَةِ

(السنن الکبریٰ للنسائی) [1]

[1] حدیث نمبر ۲۸۷۴، کتاب الصیام، باب صیام ستة أیام من شوال، مؤسسة الرسالة، بیروت، واللفظ لهٗ؛ شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر ۲۳۴۹؛ مسند احمد، حدیث نمبر ۲۲۴۱۲.
فی حاشیة مسند احمد: حدیث صحیح، وهذا إسناد حسن.

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا کہ اللہ تعالیٰ نے نیکی کو دس نیکیوں کے برابر کردیا ہے، پس (رمضان کا) ایک مہینہ دس مہینوں کے (اجروثواب کے) برابر ہے اور عیدُ الفطر کے بعد چھ دِن (کے روزے ملاکر) پورے سال کے برابر (اجروثواب) ہے (ترجمہ ختم)

اور ابنِ ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

مَنْ صَامَ سِتَّةَ أَيَّامٍ بَعْدَ الْفِطْرِ كَانَ تَمَامَ السَّنَةِ، مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا (ابنِ ماجه) [2]

[2] حدیث نمبر ۱۷۱۵، کتاب الصیام، باب صیام ستة أیام من شوال.
(حکم الألبانی) صحیح.

ترجمہ: جس نے عیدُ الفطر کے بعد چھ روزے رکھے، تو یہ (رمضان کے روزوں کے ساتھ مل کر اجروثواب میں) پورے سال کے برابر ہوجائیں گے، جو شخص ایک نیک عمل کرے گا، تو اسے اُس کے دس گنا اجروثواب حاصل ہوگا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَأَتْبَعَهُ بِسِتٍّ مِنْ شَوَّالٍ فَذٰلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ (مستخرج ابی عوانة) [3]

---

[3] حدیث نمبر ۲۷۰۲، کتاب الصیام، باب بیان ثواب من صام رمضان، وفضیلة صومه إذا أتبع بصوم ستة أیام من شوال، دار المعرفة، بیروت، واللفظ لهٗ؛ مسند بزار، حدیث نمبر ۸۳۳۴.
قال الهیثمی: رواه البزار وله طرق رجال بعضها رجال الصحیح (مجمع الزوائد، ج۳ص۱۸۳)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے، تو یہ (ثواب کے اعتبار سے) پورے

زمانے (یعنی سال بھر) کے روزے ہیں (ترجمہ ختم)

ثواب دینے کے بارے میں اللہ عزوجل نے یہ مہربانی فرمائی ہے کہ ہر عمل کا ثواب کم از کم دس گنا مقرر فرمایا ہے، جب کسی نے رمضان کے تیس روزے رکھے اور پھر چھ روزے اور رکھ لئے تو یہ چھتیس روزے ہوگئے، چھتیس کو دس میں ضرب دینے سے تین سو ساٹھ ہوجاتے ہیں، قمری سال کے حساب سے ایک سال میں عموماً تین سو چوّن دن ہوتے ہیں، لہٰذا چھتیس روزے رکھنے پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک پورے سال کا ثواب شمار ہوگا اور ثواب کے اعتبار سے ساری عمر روزہ رکھنے والا مان لیا جائے گا۔ [1]

[1] من صام رمضان ثم أتبعه "بهمزة قطع أی جعل عقبه فی الصیام "ستا "أی ستة أیام والتذکیر لتأنیث الممیز، أو باعتبار لیالیه "من شوال "وهو یصدق علی التوالی والتفرق "کان کصیام الدهر "قال الطیبی :وذلک لأن الحسنة بعشر أمثالها، فأخرجه مخرج التشبیه للمبالغة والحث علی صیام الست اهـ (مرقاة المفاتیح، ج۴ص ۱۴۱۶، کتاب الصوم، باب صیام التطوع)

محدثین نے لکھا ہے کہ رمضان کے فرض روزے رکھنے کے بعد شوال کے مہینے میں ان چھ نفلی روزوں کو وہی نسبت اور مقام حاصل ہے جو فرضوں کے ساتھ سنت ونفل نماز کو حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز فرض نماز کے اندر اگر کوئی چھوٹی موٹی کمی کوتاہی ہوگی تو وہ سنت ونفل نمازوں سے پوری کی جائے گی، لہٰذا جو لوگ صرف رمضان کے روزے رکھ کر اس کے پورے فوائد اور برکات حاصل نہیں کر پاتے وہ فوائد شوال کے چھ روزے رکھ کر حاصل ہوجاتے ہیں۔ [2]

[2] علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ روحہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے:
وَالسِّرُّ فِیْ مَشْرُوْعِیَّتِهَا اَنَّهَا بِمَنْزِلَةِ السُّنَنِ الرَّوَاتِبِ فِی الصَّلٰوةِ تَکْمِلُ فَائِدَتُهَا بِالنِّسْبَةِ اِلٰی اَمْزِجَةٍ لَمْ تَتَامُ فَائِدَتُهَا بِهِمْ ، وَاِنَّمَا خُصَّ فِیْ بَیَانِ فَضْلِهٖ اَلتَّشَبُّهُ بِصَوْمِ الدَّهْرِ لِاَنَّ مِنَ الْقَوَاعِدِ الْمُقَرَّرَةِ اَنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا وَبِهٰذِهِ السِّتَّةِ یَتِمُّ الْحِسَابُ (فتح الملهم ج ۳ ص ۱۸۷)

ترجمہ: ان روزوں کی مشروعیت کا راز یہ ہے کہ یہ روزے ایسے ہیں جیسے نماز پنج گانہ کے ساتھ سنتیں مقرر کی گئی ہیں، جن کی وجہ سے ان لوگوں کو پورا فائدہ ہوجاتا ہے جو اصل نماز سے پورا فائدہ حاصل نہیں کرتے، ان روزوں کی فضیلت میں یہ بات، کہ ان کی وجہ سے آدمی کو ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ثواب ملتا ہے، اس

واسطے مخصوص کی گئی ہے کہ یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس نیکیوں کے برابر ملتا ہے اور ان چھ روزوں سے یہ حساب پورا ہوسکتا ہے (یعنی تیس اور چھ چھتیس ہوئے اور چھتیس کو دس سے ضرب دیں تو تین سو ساٹھ ہوجاتے ہیں، جو ایک سال کے دن ہیں) (ترجمہ ختم)

بعض علماء نے فرمایا کہ شوال کے روزوں کی اتنی عظیم فضیلت اس مہینہ کے رمضان کے بابرکت مہینہ سے متصل اور ملا ہوا ہونے کی وجہ سے ہے، نیز ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رمضان میں روزے رکھنے کے بعد شوال کے مہینہ میں کھانے کی رغبت زیادہ ہوتی ہے، اس لئے اس میں روزہ رکھنا نفس پر زیادہ گراں گذرتا ہے، اور جس عمل میں نفس کو زیادہ مشقت ہو، اس میں ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ [1]

[1] قال ابن رجب هذانص فی تفضیل شوال علی الاشهر الحرم وذالک لانه یلی رمضان من بعده کمایلیه شعبان من قبله وشعبان افضل من الاشهرالحرم لصوم النبی ﷺ له دون شوال فاذا کان صوم شوال افضل من الحرم فصوم شعبان اولٰی فظهرا ان افضل التطوع ماکان بقرب رمضان قبله وبعده وذالک ملحق بصوم رمضان ومنزلته منه منزلة الرواتب من الفرائض (فیض القدیر ج ۴ حرف الصاد)وخص شوال لانه زمن یستدعی الرغبة فیه الی الطعام لوقوعه عقب الصوم فالصوم حینئذا اشق فثوابه اکثروفیه ندب صوم الستةالمذکورة (فیض القدیر ج ۶ تحت رقم حدیث ۸۷۷۷)

شوال کے چھ روزوں کے مسائل

(۱)......اگر کسی کے ذمہ رمضان کے روزے قضا ہوں، تو اس کو بھی شوال کے مہینے میں نفلی روزے رکھنا اگرچہ جائز ہے، مگر بعض علماء کے نزدیک شوال کے ان چھ روزوں کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس رمضان کے روزوں کی پوری تعداد مکمل طور پر ادا کرلی ہو (کیونکہ حدیث میں ان روزوں کی فضیلت رمضان کے مہینے کے روزے رکھ لینے کے بعد بیان کی گئی ہے)

البتہ بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک اگر کسی کے اس رمضان کے روزے عذر میں قضا ہوئے ہوں، تو اس کو شوال کے مہینے میں چھ روزے رکھنے سے یہ فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

اس لئے اگر کسی کے ذمہ اس رمضان کے کچھ روزے قضاء ہوں تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ

پہلے ان کو ادا کیا جائے پھر شوال کے باقی ماندہ دِنوں میں چھ روزے رکھ کر فضیلت حاصل کی جائے۔ [1]

---

[1] وَلَوْ صَامَ فِي شَوَّالٍ قَضَاءً أَوْ نَذْرًا أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ ، هَلْ تَحْصُلُ لَهُ السُّنَّةُ أَوْ لَا ؟ لَمْ أَرَ مَنْ ذَكَرَهُ ، وَالظَّاهِرُ الْحُصُولُ. لَكِنْ لَا يَحْصُلُ لَهُ هَذَا الثَّوَابُ الْمَذْكُورُ خُصُوصًا مَنْ فَاتَهُ رَمَضَانُ وَصَامَ عَنْهُ شَوَّالًا ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَصْدُقْ عَلَيْهِ الْمَعْنَى الْمُتَقَدِّمُ ، وَلِذَلِكَ قَالَ بَعْضُهُمْ : يُسْتَحَبُّ لَهُ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ أَنْ يَصُومَ سِتًّا مِنْ ذِي الْقَعْدَةِ لِأَنَّهُ يُسْتَحَبُّ قَضَاءُ الصَّوْمِ الرَّاتِبِ ا هـ .وَهَذَا إنَّمَا يَأْتِي إذَا قُلْنَا : إنَّ صَوْمَهَا لَا يَحْصُلُ بِغَيْرِهَا .أَمَّا إذَا قُلْنَا بِحُصُولِهِ وَهُوَ الظَّاهِرُ كَمَا تَقَدَّمَ فَلَا يُسْتَحَبُّ قَضَاؤُهَا (مغنى المحتاج إلى معرفة ألفاظ المنهاج ، ج۵، ص ۳۱۰، باب فى صوم التطوع)

وقضية كلام التنبيه و كثيرين أن من لم يصم رمضان لعذر أو سفر أو صبا أو جنون أو كفر لا يسن له صوم ستة من شوال .قال أبو زرعة : وليس كذلك : أى بل يحصل أصل سنة الصوم وإن لم يحصل الثواب المذكور لترتبه فى الخبر على صيام رمضان .وإن أفطر رمضان تعديا حرم عليه صومها .وقضية قول المحاملى تبعا لشيخه الجرجانى (يكره لمن عليه قضاء رمضان أن يتطوع بالصوم كراهة صومها لمن أفطره بعذر) فينافى ما مر ، إلا أن يجمع بأنه ذو وجهين ، أو يحمل ذاك على من لا قضاء عليه كصبى بلغ و كافر أسلم وهذا على من عليه قضاء (نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، ج۱۰، ص۲۰، كتاب الصيام)

(قوله :ثم أتبعه) أى حقيقة إن صامه وحكما إن أفطره؛ لأن قضاء ه يقع عنه فكأنه مقدم ومن هنا يعلم أن من عجز عن صوم رمضان وأطعم عنه، ثم شفى يوم العيد، ثم صام ستة أيام من شوال حصل له الثواب المذكور كما حققه البرماوى(حاشية البجيرمى على شرح المنهج، ج۲ ص ۸۹، كتاب الصوم، باب صوم التطوع)

(۲)......بعض علماء کی تصریح کے مطابق ایک روزے سے رمضان کے قضاء روزے کی ادائیگی اور شوال کے روزے کی فضیلت اکھٹی حاصل نہیں کی جاسکتی، لہٰذا یہ دونوں روزے الگ الگ رکھنا چاہئے۔ [2]

[2] حدیث مسلم مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهُ سِتاً مِّنْ شَوَّالَ كَانَ كَصِيَامَ الدَّهْرِ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چھ روزے غیر رمضان کے مراد ہیں، نیز صیامِ دہر کے ثواب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ہر نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا ہے، اس حساب سے رمضان کا مہینہ دس ماہ کے قائم مقام ہوا، پورے سال سے دو ماہ رہ گئے، اس کی تکمیل کے لئے شوال کے چھ روزے ہیں، جو ساٹھ روز (دو ماہ) کے قائم مقام ہیں، اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ نفل روزے مراد ہیں، ان ایام سے قضاء روزوں سے یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۴۱)

(۳)......شوال کے یہ روزے لگاتار رکھنا یا عید کے اگلے دن سے فوراً رکھنا ضروری نہیں بلکہ شوال کے مہینے میں عید کا دن چھوڑ کر جب اور جس طرح سے چاہیں رکھ سکتے ہیں، بس اس بات کا اہتمام ضروری ہے کہ ان چھ روزوں کی تعداد شوال کے مہینے میں مکمل ہو جانی چاہئے،

البتہ بعض حضرات کے نزدیک ان روزوں کو عید کے بعد لگاتار رکھنا افضل ہے۔ [1]

[1] واختلفوا فيما بينهم، فقيل :الأفضل وصلها بيوم الفطر لظاهر قوله :ثم أتبعه ستا، وقيل : تفريقها (شرح النقاية، ج۲، ص ۲۱۵،الايام التى يستحب صومها)

وَتَحْصُلُ السُّنَّةُ بِصَوْمِهَا مُتَفَرِّقَةً (وَ) لَكِنْ (تَتَابُعُهَا أَفْضَلُ) عَقِبَ الْعِيدِ مُبَادَرَةً إلَى الْعِبَادَةِ وَلِمَا فِي التَّأْخِيرِ مِنْ الْآفَاتِ (مغنى المحتاج إلى معرفة ألفاظ المنهاج ، ج۵، ص ۳۱۰، باب فی صوم التطوع)

(۴)......بعض احمق اور کم عقل وکم علم لوگ ان چھ روزوں کے بعد شش عید کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ ان چھ روزوں کے بعد عید منائی جاتی ہے، اس لئے انہوں نے چھ روزوں کے بعد عید منانے کی بدعت شروع کر دی، یہ جہالت وحماقت پر مبنی ہے، جس کا آگے ذکر آتا ہے۔

(۵)......شوال کے یہ روزے کیونکہ نفلی درجہ کا حکم رکھتے ہیں، اس لئے ان پر نفلی روزوں کے احکام ہی جاری ہوں گے۔

چنانچہ ان روزوں کے لئے رات سے نیت کرنا ضروری نہیں، اگر کسی کا دن کے شروع وقت میں روزہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا لیکن صبح صادق کے بعد سے ابھی تک کچھ کھایا پیا نہیں پھر روزہ رکھنے کا ارادہ ہوگیا تو زوال سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے (یعنی ضحوۂ کبریٰ جو صبح صادق سے سورج غروب ہونے تک کے آدھے حصہ کا نام ہے) تک نفل روزے کی نیت کر لینا صحیح ہے اس کے بعد نیت کرنا صحیح نہیں۔

نیت زبان سے الفاظ ادا کرنے کا نام نہیں بلکہ دل کے ارادہ کا نام ہے۔لہٰذا دل میں نیت کر لینا کافی ہے زبان سے الفاظ ادا کرنا ضروری نہیں۔

سحری کھانا سنت ہے اگر بھوک نہ ہو تو تھوڑا بہت سنت کی نیت سے کچھ کھا لینا چاہئے لیکن اگر کسی نے بالکل سحری نہ کھائی اور بغیر سحری کے روزہ رکھ لیا تب بھی روزہ ہو جائے گا۔

نفلی روزہ اگر رکھ کر پورا کرنے سے پہلے توڑ دیا جائے تو اس کی قضاء ضروری ہو جاتی ہے لیکن کفارہ وغیرہ لازم نہیں ہوتا۔

عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنا منع ہے۔

مشہور ہے کہ جب تک فجر کی اذان کی آواز نہ آئے اس وقت تک سحری کھانا جائز رہتا ہے، یہ غلط ہے، اور اصل بات یہ ہے کہ سحری کا وقت صبح صادق ہونے پر ختم ہو جاتا ہے خواہ ابھی اذان بھی نہ ہوئی ہو۔ اور صبح صادق کا وقت مستند جنتریوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

شوال کے چھ روزوں کے بارے میں ایک علمی شبہ اور اس کا جواب

آج کل بعض حضرات نے شوال کے ان چھ روزوں کو فقہ کی بعض عبارات کے حوالے سے مکروہ کہنا شروع کر دیا ہے۔

دلائل کی رُو سے ان کا یہ کہنا درست نہیں، احادیثِ مبارکہ، تابعین، ائمہ مجتہدین، فقہائے کرام اور جمہور مشائخ رحمہم اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں راجح اور مضبوط بات یہ ہے کہ پہلی شوال یعنی عید الفطر کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنا مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہیں۔

البتہ بعض کتابوں میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کی طرف ان روزوں کے مکروہ ہونے کی نسبت کی گئی ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ نسبت علی الاطلاق صحیح نہیں، کیونکہ ان حضرات نے ان روزوں کو مطلقاً مکروہ نہیں قرار دیا بلکہ کچھ خاص صورتوں میں مکروہ قرار دیا ہے۔

مثلاً یہ روزے اس صورت میں مکروہ اور ممنوع ہیں، جبکہ کوئی شخص عید کے دن بھی روزہ رکھے، یا پھر یہ کہ ان روزوں کو رمضان کا حصہ اور رمضان کی طرح ضروری سمجھے، کیونکہ ان صورتوں میں اسلامی احکام میں گڑبڑ اور خرابی لازم آتی ہے۔

اور اگر عید الفطر کے دن کو چھوڑ کر اور رمضان کا حصہ سمجھے بغیر شوال میں چھ روزے رکھے تو یہ مستحب ہے، معتمد و مستند کتابوں اور عربی و اُردو فتاویٰ میں یہ وضاحت موجود ہے۔ [1]

---

[1] (وندب تفريق صوم الست من شوال) ولا يكره التتابع على المختار خلافا للثانى حاوى. والإتباع المكروه أن يصوم الفطر وخمسة بعده فلو أفطر الفطر لم يكره بل يستحب ويسن ابن كمال (الدرالمختار، كتاب الصوم)

(مطلب فى صوم الست من شوال) (قوله وندب إلخ) ذكر هذه المسألة بين مسائل النذر غير

مناسب وإن تبع فيه صاحب الدرر (قوله على المختار) قال صاحب الهداية فی كتابه التجنيس :إن صوم الستة بعد الفطر متتابعة منهم من كرهه والمختار أنه لا بأس به لأن الكراهة إنما كانت لأنه لا يؤمن من أن يعد ذلك من رمضان فيكون تشبها بالنصارى والآن زال ذلك المعنى اهـ ومثله فی كتاب النوازل لأبی الليث والواقعات للحسام الشهيد والمحيط البرهانی والذخيرة؛ وفی الغاية عن الحسن بن زياد أنه كان لا يرى بصومها بأسا ويقول كفى بيوم الفطر مفرقا بينهن وبين رمضان اهـ وفيها أيضا عامة المتأخرين لم يروا به بأسا.

واختلفوا هل الأفضل التفريق أو التتابع اهـ.

وفی الحقائق صومها متصلا بيوم الفطر يكره عند مالك وعندنا لا يكره وإن اختلف مشايخنا فی الأفضل.

وعن أبی يوسف أنه كرهه متتابعا والمختار لا بأس به اهـ وفی الوافی والكافی والمصفى يكره عند مالك، وعندنا لا يكره، وتمام ذلك فی رسالة تحرير الأقوال فی صوم الست من شوال للعلامة قاسم وقد رد فيها على ما فی منظومة التبانی وشرحها من عزوه الكراهة مطلقا إلى أبی حنيفة وأنه الأصح بأنه على غير رواية الأصول وأنه صحح ما لم يسبقه أحد إلى تصحيحه وأنه صحح الضعيف وعمد إلى تعطيل ما فيه الثواب الجزيل بدعوى كاذبة بلا دليل ثم ساق كثيرا من نصوص كتب المذهب فراجعها فافهم (قوله والإتباع المكروه إلخ) العبارة لصاحب البدائع وهذا تأويل لما روی عن أبی يوسف على خلاف ما فهمه صاحب الحقائق كما فی رسالة العلامة قاسم، لكن ما مر عن الحسن بن زياد يشير إلى أن المكروه عند أبی يوسف تتابعها وإن فصل بيوم الفطر فهو مؤيد لما فهمه فی الحقائق تأمل (ردالمحتار، ج۲، ص۴۳۵، كتاب الصوم)

ولا يُكْرَهُ عندنا، وعند الشافعی إتْبَاعُ عيدِ الفطر بِستَ من شوّال، لقوله صلى الله عليه وسلم مَنْ صَامَ رمضانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتّاً من شوال كانَ كَصِيامِ الدَّهْرِ .رواه مسلم وأَبو داود .وكَرِهَهُ مالكٌ، وهو رِوَايةٌ عن أَبی حنيفة وأَبی يوسف، لاشْتِمَالِهِ على التَّشَبُّهِ بأَهل الكتاب فی الزيادة على الفروض، والتشبّه بهم مَنْهِيٌّ عنه، وعَامَّةُ المُتَأَخِّرِينَ لم يَرَوْا به بَأْساً (شرح النقاية، ج۲، ص ۲۱۵)

وَمِنْهَا اِتِّبَاعُ رَمْضَانَ بِسِتٍّ مِّنْ شَوَالٍ كَذَا قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ كَانُوْايَكْرَهُوْنَ اَنْ يَّتَّبِعُوْا رَمْضَانَ صَوْماً خَوْفًااَنْ يَّلْحَقَ ذٰلِكَ بِالْفَرْضِيَّةِ وَكَذَارُوِیَ عَنْ مَالِكٍ ...والاتباع المكروه هوان يصوم يوم الفطر ويصوم بعده خمسة ايام فامااذا افطر يوم العيد ثم صام بعده ستة ايام فليس بمكروه بل هو مستحب وسنة(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۷۸،كتاب الصوم، فصل شرائط انواع الصيام)

اما صوم التطوع فالايام كلها محل له عندنا وهورواية محمد عن ابی حنيفة ويجوز صوم التطوع خارج فی الايام كلها ...فقد جعل السنة كلها محلا للصوم على العموم (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۷۷،۷۸،كتاب الصوم، فصل شرائط انواع الصيام)

(ولا يكره إتباع الفطر بصوم ستة من شوال) فی المختار؛ لأنه وقع الفصل بيوم الفطر فلا يلزم التشبه بأهل الكتاب فليس بمكروه، بل هو مستحب وسنة لورود الحديث فی هذا الباب .والاتباع المكروه وهو أن يصوم يوم الفطر ويصوم بعده خمسة أيام (وتفريقها) أی صوم الستة أفضل؛ لأنه (أبعد عن الكراهة والتشبه بالنصارى) فی زيادة صيام أيام على صيامهم (مجمع الانهر، ج ۱، ص۲۵۵، كتاب الصوم)

نُسِبَ اِلٰی اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَمَالِکٍ کَرَاهَتُهَا وَاِلَی الشَّافِعِیْ وَاَحْمَدَ اِسْتِحْبَابُهَا وَالنُّقُوْلُ الَّتِیْ حَکَاهَا الْمَتَاخِرُوْنَ مِنْ اِبْنِ نُجَیْمٍ وَالْکَمَالِ وَابْنِ الْکَمَالِ وَغَیْرِهِمْ مِنْ عُلَمَائِنَا مُضْطَرِبَةٌ وَلٰکِنْ اَفْرَدَ هٰذَا الْمَوْضُوْعَ الْمُحَقِّقُ الْعَلَّامَةُ الْحَافِظُ قَاسِمُ بْنُ قَطْلُوْبُغَا بِرِسَالَةٍ خَاصَّةٍ سَمَّاهَا " تَحْرِیْرُ الْاَقْوَالِ فِیْ صَوْمِ السِّتِّ مِنْ شَوَّالٍ" وَحَقَّقَ مِنْ نُصُوْصِ الْمَذْهَبِ اِسْتِحْبَابَهَا عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ (معارف السنن ج ۵ ص ۴۴۳، باب ماجاء فی صیام ستة ایام من شوال)

لہٰذا مختار اور راجح قول کے مطابق یکم شوال کے بعد بقیہ شوال کے دنوں میں چھ نفلی روزوں کو مکروہ قرار دینا غلط ہے۔

اور یہ قول مفتیٰ بہ نہ ہونے کے علاوہ متعدد مستند کتب اور جمہور فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہے۔

اور اس سلسلے میں علماء، صلحاء کا شوال کے چھ روزوں کے مستحب ہونے کے ثبوت میں جو عمل جاری رہا ہے، یہی صحیح ہے اور کسی شک وشبہ کے بغیر یہ چھ روزے عید کا دن چھوڑ کر رکھنے میں حرج نہیں، بلکہ مستحب اور عظیم ثواب ہے، بشرطیکہ ان کو نفلی روزوں کا درجہ دیا جائے، اور فرض وواجب اور رمضان کا حصہ نہ سمجھا جائے۔

آٹھ شوّال کو یا نفلی روزوں سے فارغ ہوکر ایک اور عید منانا

بعض لوگ عیدُ الفطر گزرنے کے بعد شوال کے مہینے میں آٹھ تاریخ کو ایک اور عید مناتے ہیں، جبکہ بعض لوگ شوال کے چھ روزوں سے فارغ ہوکر یہ عید مناتے ہیں اور بعض لوگ اس عید کو "عیدِ ابرار" کا نام دیتے ہیں۔

اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اور اس کو عید قرار دینا شرعاً غلط ہے۔ [1]

[1] وأما ثامن شوال فليس عيدا لا للأبرار ولا للفجار ولا يجوز لأحد أن يعتقده عيدا ولا يحدث فيه شيئا من شعائر الأعياد(الفتاویٰ الکبریٰ لابنِ تیمیة، ج۵،ص ۳۷۹،کتاب الصوم، فصل صیام ثلاثة ایام من کل شهر)

ولایجوز اعتقاد ثامن شوال عیدا فانهٗ لیس بعید اجماعاً ولا شعائرهٗ شعائر العید (الفروع لابنِ مفلح ، کتاب الصیام،باب صوم التطوع وذکر لیلة القدر ومایتعلق بذالک)

وأما اتخاذ موسم غير المواسم الشرعية كبعض ليالی شهر ربيع الأول التی يقال إنها ليلة المولد، أو بعض ليالی رجب، أو ثامن عشر ذی الحجة، أو أول جمعة من رجب، أو ثامن شوال الذی يسميه

الجهال "عيد الأبرار"، فإنها من البدع التى لم يستحبها السلف ولم يفعلوها (الفتاویٰ الكبرىٰ لابنِ تيمية، ج۴ص۴۱۴، كتاب الفضائل)

تمت

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ

محمد رضوان

فراغت بموقع طباعتِ اول: ۲۱/ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ، بمطابق 27/ نومبر 2002ء

اصلاح بارِدوم: ۴/ شعبان ۱۴۲۸ھ، بمطابق 18/ اگست 2007ء

اصلاح واضافہ بارِسوم: ۲۹/ جمادی الاخریٰ/ ۱۴۳۲ھ 02/ جون/ 2011ء، بروز جمعرات

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی، پاکستان

X

ماہِ شوال کے چند اہم تاریخی واقعات

(مرتب: مولانا طارق محمود: ادارہ غفران، راولپنڈی)

پہلی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... ماہِ شوال ۱ھ: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔
رخصتی سے تین سال پہلے شوال ہی میں آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح ہوا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ ان کی والدہ ام رومان نے آواز دے کر بلایا اور منہ دھونے اور بال درست کرنے کو کہا اور بتایا کہ تمہاری رخصتی ہے اوران کو گھر لے گئیں، انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں یہ داخل ہوئیں تو سب نے مبارک باد دی، اس طرح بالکل سادگی کے ساتھ آپ کی رخصتی عمل میں آئی (الاصابة ج۸، کتاب النساء، العين المهملة، البدايه والنهاية ج۳، فصل بناء ه ﷺ بعائشة، عہد نبوت کے ماہ وسال ص۱۳۵)

□...... ماہِ شوال ۱ھ: میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی قباء کے مقام پر ولادت ہوئی۔
آپ کی ولادت سے مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی، کیونکہ یہودیوں نے یہ بات مشہور کر رکھی تھی، کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر رکھا ہے، اس لئے مسلمانوں کے ہاں نرینہ اولاد پیدا نہیں ہوتی، ولادت کے بعد آپ کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور منگوا کر اپنے منہ مبارک میں چبائی اوران کے تالو سے لگائی (الاصابة ج۷، حرف العين المهملة، عہد نبوت کے ماہ وسال ص۱۳۴)

□...... ماہِ شوال ۲ھ: میں حضرت سالم بن عمیر بن ثابت رضی اللہ عنہ (جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر اور دیگر غزوات میں شرکت کا شرف حاصل ہے) کو ابوعفک نامی ایک یہودی کی طرف بھیجا گیا۔

یہ ایک سو بیس سال کا بوڑھا یہودی بنو عمرو بن عوف کے خاندان سے تھا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ناشائستہ اشعار گھڑا کرتا تھا، حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے اس کو خفیۃً قتل کر دیا اور صحیح سلامت واپس تشریف لے آئے (المنتظم لابن الجوزی، ج۳ص ۱۳۶، السنة الثانية من الهجرة، سرية سالم بن عمير، عہد نبوت کے ماہ وسال ص۸۹)

□...... ماہِ شوال ۲ ھ: میں غزوۂ قینقاع ہوا۔

بنو قینقاع یہودیوں کی ایک جماعت کا نام ہے جو عبداللہ بن سلام کی قوم تھی، یہودیوں میں عہد شکنی سب سے پہلے انہوں نے ہی کی تھی، جب انہوں نے خیانت اور عہد شکنی کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف نکلے، مدینہ میں ابولبابہ بن منذر رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلعہ کا محاصرہ کیا جو پندرہ دن تک جاری رہا، بعد ازاں منافقوں میں سے عبداللہ بن ابی ابن سلول نے اور مسلمانوں میں سے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان کی سفارش کی، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جلاوطنی کا حکم دیا اور ان کے اموال ضبط کر لئے، مگر انہیں قتل سے معاف رکھا "بعض حضرات کے نزدیک یہ واقعہ جمادی الاولیٰ میں ہوا" (المنتظم لابن الجوزی، ج۳ص ۱۳۶، السنة الثانية من الهجرة، غزوة بني قينقاع، عہد نبوت کے ماہ وسال ص۷۲)

□...... ماہِ شوال ۲ ھ: میں حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو ساٹھ یا اسی مہاجرین کے ساتھ "بطن رابغ" کی طرف بھیجا۔

انہیں قریش کے ایک قافلے سے تعرّض کرنا تھا جو ابوسفیان بن حرب کی زیرِ کمان تھا، اس قافلے میں عکرمہ بن ابی جہل بھی شامل تھے، یہ سریہ بغیر مقابلہ کے واپس آیا، البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک تیر پھینکا اور یہ سب سے پہلا تیر تھا جو اسلامی تاریخ میں پھینکا گیا "بعض حضرات کے نزدیک یہ واقع ربیع الاول کے مہینے میں پیش آیا" (المنتظم لابن

الجوزی، ج ۳ص ۸۰، سریۃ عبیدۃ بن الحارث، عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۸۶ بتغیر)

□...... ماہِ شوال ۳ھ: میں غزوۂ اُحد ہوا۔

جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار افراد کے ساتھ نکلے تھے، راستہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کرتے ہوئے ۳۰۰ منافقین کے ساتھ واپس لوٹ گیا۔ بقیہ ۷۰۰ کے پاس صرف ۲ گھوڑے تھے، دوسری طرف ۳۰۰۰ کفار تھے جن میں ۷۰۰ زرہ بند اور ۲۰۰ گھوڑے تھے، ابتداء میں مسلمانوں کو کچھ وجوہات کی بناء پر ہزیمت اٹھانا پڑی، لیکن آخر کار فتح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں ہی کو عطا فرمائی، اسی غزوہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت بھی ہوئی تھی جو کہ مشہور معروف ہے (البدایۃ والنھایۃ ج ۴ خروج النبی ﷺ باصحابہ، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱، عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۷۲)

□...... ماہِ شوال ۳ھ: میں غزوۂ اُحد سے واپسی پر غزوۂ حمراء الاسد پیش آیا۔

ابوسفیان اور دیگر کفارِ قریش غزوۂ احد میں شکست کھا کر اس جگہ دوبارہ لڑائی کے لئے جمع ہو گئے تھے مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر متوجہ ہوئے تو دشمنوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسا رعب ڈالا کہ سب ڈر کر مسلمانوں سے بلا مقابلہ بھاگ کھڑے ہوئے (عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۷۳، البدایۃ والنھایۃ ج ۴ خروج النبی ﷺ باصحابہ)

□...... ماہِ شوال ۴ھ: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

اس سے پہلے حضرت ام سلمہ کے شوہر عبداللہ بن عبدالاسد (ابوسلمہ) رضی اللہ عنہ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے غزوۂ اُحد میں زخمی ہو کر ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ عدت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغامِ نکاح ملا تو عرض کیا میں سخت غیور عورت ہوں اور صاحبِ عیال ہوں، میری عمر زیادہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں کے باوجود اس کو گوارا فرمالیا، چنانچہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا

نکاح کرو، شوال ۵۹ھ میں ان کا انتقال ہوا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھایا ”ایک قول سن ۴ ہجری کے بجائے سن ۳ھ کا ہے لیکن پہلا قول راجح ہے (کما صرح الزرقانی فی شرح المواہب)“ (الاصابة ج۸، حرف السين المهملة، سیر الصحابیات ج۶ ص۵۸ بحواله سنن نسائی، زرقانی ج۳ ص ۲۷۳، عہد نبوت کے ماہ وسال ص۱۹۴)

□...... ماہِ شوال ۵ھ: میں غزوۂ خندق ہوا۔

اسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں، اس کو غزوۂ خندق تو اس لئے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر صحابہ کے مشورہ سے مدینہ کے اردگرد بہت بڑی خندق کھودی تھی اور احزاب اس لئے کہتے ہیں کہ کفار کی مختلف قومیں متحد ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جمع ہوئیں تھیں، احزاب کے معنٰی ”جماعتوں“ کے ہیں اس غزوہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے لشکر پر تیز آندھی بھیجی جس سے کفار کا لشکر تتر بتر ہو گیا، اور فرشتے بھی مسلمانوں کی مدد کے لئے اترے جو لڑائی میں شریک تو نہیں تھے لیکن ان کی موجودگی سے کفار پر رعب چھایا رہا اور کفار میدان چھوڑ کر بھاگ گئے، اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی ”بعض حضرات کے نزدیک غزوۂ خندق ۴ھ میں ہوا، لیکن البدایہ والنہایہ ج۴ میں غزوۂ خندق کا شوال ۵ھ کو ہی ہونا راجح قرار دیا گیا ہے“ (غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۲۳۳، عہد نبوت کے ماہ وسال ص۷۶)

□...... ماہِ شوال ۶ھ: میں حضرت کرز بن جابر القرشی الفہری رضی اللہ عنہ کا سریہ عکل و عرینہ کی طرف بھیجا گیا۔

ان کو تغلیباً عرنیین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان میں سے بعض قبیلہ عکل کے تھے اور بعض عرینہ کے، یہ وہی آٹھ افراد تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور مدینہ میں رہنے لگے، یہاں کی آب وہوا موافق نہ آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جنگل میں چلے گئے جہاں صدقہ کے اونٹ چرتے تھے، وہاں انہوں نے یہ حرکت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو جس کا نام حضرت یسار رضی اللہ عنہ تھا قتل کر ڈالا اور

اُونٹ ہنکا کر لے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کرز بن جابر رضی اللہ عنہ کو بیس سواروں کی معیت میں ان کے تعاقب میں بھیجا، چنانچہ یہ پکڑے گئے اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ ان ہی کے بارے میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَ یَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ اَرۡجُلُہُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ (سورة المائدہ آیت ۳۳)

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اسکے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں (مراد اس سے راہ زنی اور ڈکیتی ہے) ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی دئے جائیں یا انکے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دئے جائیں یا زمین پر سے نکال دئے جائیں (بیان القرآن)

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم فرمایا، اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں لگائی گئیں (کیونکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے سے بھی یہی سلوک کیا تھا، اس کے قصاص میں یہ سزا دی گئی) اور ان کو ''حرہ'' میں ڈال دیا گیا یہاں تک کہ یہ جہنم واصل ہوئے''بعض حضرات کے نزدیک یہ واقعہ جمادی الاخریٰ میں اور بعض کے نزدیک ذی الحجہ میں پیش آیا'' (البدایة والنهایة ج ٦، فصل فی السرایا، عہد نبوت کے ماہ وسال ص ٩٨)

□...... ماہِ شوال ٦ھ: میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا سریہ اُسَیر بن رزام یہودی کی طرف خیبر بھیجا گیا۔

یہ سریہ تیس افراد پر مشتمل تھا، جس میں عبداللہ بن عتیک انصاری اور عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے یہ حضرات اسکے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تیرے پاس بھیجا ہے، تا کہ تو دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو، اور آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم تجھے انعام واحسان سے نوازیں اور تجھے خیبر کا حاکم مقرر کریں'' اُسیر اس لالچ میں تیس یہودیوں کو ساتھ لے کر چلا، دوران سفر اُن کی طرف سے کسی معاملہ میں وعدہ خلافی ظاہر ہوئی تو حضرت انیس نے اس کو قتل کر دیا۔ اسکے ساتھی لڑائی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے چنانچہ مسلمانوں نے ان سب کو ٹھکانے لگا دیا، البتہ ان میں سے ایک شخص بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور اس لڑائی میں کسی مسلمان کا نقصان نہیں ہوا'' بعض حضرات کے نزدیک یہ واقعہ ۷ھ میں ہوا'' (المنتظم لابن الجوزی، ج۳ص ۱۳۶، سنة ست من الهجرة،ثم كانت سرية عبد الله بن رواحة إلى أسير بن زارم اليهودى بخيبر ،عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۹۷)

□...... ماہِ شوال ۷ ھ: میں حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کا سریہ یمن اور جبار کی طرف روانہ کیا گیا۔

یمن اور جبار یہ دو وادیاں خیبر اور القریٰ کے قریب واقع تھیں، اور یہاں بنو غطفان رہائش پذیر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین سو افراد کے ساتھ روانہ فرمایا، بہت سے مویشی غنیمت میں ہاتھ آئے اور دو آدمیوں جن کا نام مذکور نہیں گرفتار کر لائے، بعد میں یہ دونوں مسلمان ہو گئے (المنتظم لابن الجوزى، ج۳ص ۱۳۶، سنة سبع من الهجرة،سرية بشير بن سعد الأنصارى إلى يمن وجبار فى شوال،عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۱۰۱)

□...... ماہِ شوال ۸ ھ: میں غزوہ طائف ہوا۔

جب مکہ فتح ہوا تو تمام قبیلوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کی مگر ''حنین'' کے بنو ہوازن اور ''طائف'' کے بنو ثقیف قبیلہ نے اطاعت قبول نہیں کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو حنین کا رخ کیا حنین سے فارغ ہونے کے بعد طائف کا رخ کیا، بالآخر بنو ہوازن وہاں سے بھاگ کر بنو ثقیف کے پاس چلے گئے اب دونوں ایک جگہ جمع تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا ارادہ فرمایا، چونکہ اس غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مقصد بنو ہوازن تھے بنو ثقیف نہیں تھے اس لئے طائف کے محاصرہ اور گھیراؤ کے دوران جب دیکھا

کہ یہ قلعوں میں پناہ پکڑے ہوئے ہیں تو لڑائی کا حکم نہیں فرمایا۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معلوم کرنے پر فرمایا کہ ابھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں بنوثقیف کے ساتھ لڑائی کا حکم نہیں ہے، ۲۰ دن تک قلعہ کا محاصرہ اور گھیراؤ رکھا پھر واپس تشریف لے آئے، کچھ عرصہ بعد بنوثقیف کے وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا (البدایۃ والنھایۃ ج ۴، غزوۃ الطائف، غزوات النبی ص ۶۲۱، عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۸۳)

☐...... ماہِ شوال ۸ ھ: میں غزوہ حنین اور غزوہ طائف کے درمیانی عرصہ میں ابو عامر عبید بن سلیم بن حضار الاشعری (یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے چچا ہیں۔ رضی اللہ عنہما) کا سریّہ اوطاس کی جانب روانہ ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنگ حنین کے بعد ان کافروں کے تعاقب کے لئے بھیجا تھا جو حنین سے بھاگ نکلے تھے۔ اوطاس، علاقہ ہوازن میں ایک وادی کا نام ہے چنانچہ ان کا مقابلہ ابودرید بن الصمہ سے ہوا، ابودرید قتل ہوا، اس کے رفقاء کو ہزیمت ہوئی، اور مسلمانوں کو بہت سا مال اور قیدی غنیمت میں ہاتھ آئے۔ اسی سریہ میں حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے بنوجشم کے ایک شخص نے (کہا جاتا ہے کہ یہ درید کا بیٹا سلمہ تھا) ان کے تیر مارا جو ان کے گھٹنے میں پیوست ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عامر رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی، دعا کے الفاظ یہ تھے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِعُبَیْدٍ اَبِیْ عَامِرٍ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ فَوْقَ کَثِیْرٍ مِنْ خَلْقِکَ مِنَ النَّاسِ

اے اللہ! ابو عامر عبید کی مغفرت فرما، اے اللہ! اس کو اپنی بہت سی مخلوق سے اوپر کر دے

اسی سریہ میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بنوجشم کے اس شخص کو، جس نے حضرت ابو عامر کو شہید کیا تھا، جہنم رسید کیا (البدایۃ والنھایۃ، ج ۴ ص ۳۸۸، غزوۃ اوطاس، عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۱۱۰)

□...... ماہِ شوال ۸ ھ: میں غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف کے مابین حضرت طفیل بن ودثی رضی اللہ عنہ کا سریہ ''ذُوالکفّین'' کو منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا (ذوالکفین بنودوس کا بت تھا جو لکڑی سے بنایا گیا تھا) ان حضرات نے اس بت کو توڑ پھوڑ کر جلا دیا اور یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طائف تشریف لے جانے کے چار دن بعد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۱۱۰، المنتظم لابن الجوزی، ج ۴ ص ۱۵۴)

□...... ماہِ شوال ۱۶ ھ: میں بیت المقدس فتح ہوا۔

یہ مسلمانوں کی بیت المقدس پر پہلی فتح تھی، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شام اور فلسطین کے علاقے فتح کرتے ہوئے بیت المقدس پہنچے تو حضرت خالد بن ولید اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما بھی اپنے اپنے معرکوں سے فارغ ہو کر پہنچ گئے اور بیت المقدس کا چاروں طرف سے گھیراؤ کر لیا، عیسائیوں کو یہ خیال ہوا کہ اگر ہم ہتھیار ڈال دیں تو مسلمان کہیں ہماری مقدس جگہوں کو پامال نہ کر دیں، لہٰذا ہم اس شرط پر صلح کرتے ہیں کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خود آ کر صلح کی شرائط لکھیں اور دستخط فرمائیں، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود تشریف لا کر صلح کی شرائط لکھیں جس میں عیسائیوں کے مقدس مقامات کو امان دی گئی تھی، اور مال و جان سے تعرّض نہ کرنے کا عہد کیا گیا تھا، شہر کے دروازے کھول دیئے گئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی بیت المقدس تشریف لے گئے اور عیسائیوں کے مشہور کنیسہ ''قمامہ'' کی سیر کی، سیر کے دوران نماز کا وقت آ گیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیسائی رہبر کے کہنے کے باوجود کنیسہ میں نماز نہیں پڑھی کہ کہیں میرے بعد مسلمان میرے اس عمل کو بنیاد بنا کر عیسائیوں سے ان کے کنیسہ کو چھین نہ لیں (البدایة والنهایة ج ۷، فتح بیت المقدس علی یدی عمر بن الخطاب، تاریخ ملت ج ۱ ص ۱۷۱، بحوالہ، اتمام الوفاء، بحوالہ طبری، محاضرات خضری ج ۲ ص ۹)

□...... ماہِ شوال ۳۸ ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی وفات

ہوئی۔

آپ کا شمار ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کرنے والوں میں ہوتا ہے، آپ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ایک ہی دن میں اکٹھے دارارقم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا، آپ جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے جارہے تھے تو قریشِ مکہ نے آپ سے کہا کہ آپ تو مکہ میں خالی ہاتھ آئے تھے اور اب اتنی دولت لے کر جارہے ہو، یہ دولت ہماری ہے اسے ہمارے حوالے کرو اور جہاں جی چاہے وہاں چلے جاؤ، آپ نے تمام مال ودولت ان کے آگے پھینک دیا اور خالی ہاتھ مدینے چلے آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آپ کو دیکھا تو فرمایا ''اے ابو یحییٰ تمہاری تجارت بڑی نفع بخش رہی''

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ:

قَدِمْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبَيْنَ يَدَيْهِ خُبْزٌ وَّتَمْرٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اُدْنُ فَكُلْ فَأَخَذْتُ آكُلُ مِنَ التَّمْرِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَأْكُلُ تَمْرًا وَبِكَ رَمَدٌ؟ قَالَ، فَقُلْتُ: إِنِّيْ أَمْضُغُ مِنْ نَاحِيَةٍ أُخْرٰى، فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (سنن ابنِ ماجه، حديث نمبر ۳۴۴۳، واللفظ لهٗ، المعجم الكبير للطبراني، حديث نمبر ۷۳۰۴، مستدرک حاکم، حديث نمبر ۵۷۰۳، وقال صحيح الاسناد، وقال الذهبي :صحيح)

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کے سامنے اس وقت روٹی اور کھجور تھی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہوجائیے، اور کھائیے، تو میں نے کھجور کھانی شروع کی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کھجور کھاتے ہیں، حالانکہ آپ کو آشوبِ چشم ہے؟ تو میں نے کہا کہ میں دوسری طرف سے چبا رہا ہوں (جس طرف کی آنکھ میں آشوبِ چشم نہیں ہے) تو یہ سن کر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے (ترجمہ ختم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد نئے خلیفہ کے انتخاب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق آپ تین دن تک امامت کراتے رہے، ۷۰ یا ۷۲ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، اور جنت البقیع میں دفن ہوئے (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۷، صحابہ انسائیکلو پیڈیا ص ۲۹۴)

□...... ماہِ شوال ۸۶ھ: میں اموی خلیفہ ابوالولید عبدالملک بن مروان کی وفات ہوئی۔ اس کی ولادت ۲۲ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینہ منورہ میں ہوئی تھی، عبدالملک کی نشو ونما مدینہ ہی میں ہوئی تھی، اس لئے اس کو مدینہ کے بڑے بڑے علماء کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کا خوب خوب موقع ملا۔

عبدالملک جب خلیفہ بنا تو اس وقت سلطنت میں بہت انتشار تھا عبدالملک نے اپنے فہم وتدبر اور مستقل مزاجی اور سخت گیری کی وجہ سے تمام مخالف طاقتوں کو مغلوب کر دیا تھا، اور بنوامیہ کی بنیادیں جو یزید کی موت کی وجہ سے اکھڑ چکی تھی از سرِ نو قائم کیں، اسی لئے عبدالملک کو اموی سلطنت کا دوسرا بانی کہا جاتا ہے، دمشق میں ۶۰ سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا، مدتِ خلافت ۲۱ سال ڈیڑھ ماہ تھی، دمشق میں بابِ جابیہ کے باہر اس کو دفن کیا گیا (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۸، تاریخِ ملت ج ۱ ص ۵۳۷ تا ۵۹۱ ملخصاً)

دوسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... ماہِ شوال ۱۰۵ھ: میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے عمر بن ھبیرۃ کو عراق کی گورنری سے معزول کر کے خالد بن عبداللہ القسر ی کو ان کی جگہ عراق کا گورنر مقرر کیا (الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۳۷۰، تاریخِ طبری ج ۴ ص ۱۸۹)

□...... ماہِ شوال ۱۱۰ھ: میں امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

بوقتِ وفات آپ کی عمر ۸۰ سال کے لگ بھگ تھی، آپ کے والد حضرت انس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، امام ابنِ سیرین رحمہ اللہ ثقہ، جلیل القدر فقیہ اور خوابوں کی تعبیر کے ماہر تھے، ''تعبیر الرؤیا'' آپ کی یادگار و نادر روزگار کتاب اور خوابوں کی تعبیر کا انسائیکلو پیڈیا ہے، آپ کی ولادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہوئی (المنتظم لابنِ جوزی ج۷ص ۱۴۰، طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۶۵، تقویمِ تاریخی ص ۲۳ میں سنِ وفات ۱۱۰ھ مذکور ہے، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۴)

□...... ماہِ شوال ۱۳۸ھ: میں اموی شہزادہ عبدالرحمٰن الداخل عباسیوں کے ہاتھوں اموی خلافت کا خاتمہ ہونے کے بعد عباسیوں کے مظالم کے آگ وخون کے دریا کو عبور کر کے اندلس پہنچا۔

اس اولوالعزم شہزادے نے اپنی لیاقت، ذہانت وفطانت اور مردانگی کے جوہر دکھاتے ہوئے اندلس میں عظیم الشان پائیدار دوسری اموی سلطنت کی بنیاد رکھی، جو آٹھ سو سالوں تک ظلمت کدہ یورپ میں اسلام کی شمع فروزاں روشن کئے رہی۔

اسلامی اندلس نے یورپ کو تہذیب وتمدن علوم وفنون سائنس و آرٹس کی وہ لازوال سوغاتیں عطا کیں جس نے یورپ کو جینے کا قرینہ دیا، لیکن آہ یورپ کی احسان فراموشی ؂

جن پتھروں کو ہم نے عطا کی تھیں دھڑکنیں ان کو زباں ملی تو ہم پہ برس پڑے

ہسپانیہ مرحوم پر اقبال کے لہو رنگ مرثیہ کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

ہسپانیہ تو خونِ مسلمان کا ایک امیں ہے مانند حرم پاک ہے تو میری نظر میں
پوشیدہ تیری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنانیں خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ وکمر میں
پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے حناء کی باقی ہے ابھی رنگ مرے خونِ جگر میں

(تقویمِ تاریخی ص ۳۵، تاریخِ ملت ج ۱ ص ۷۴۷، بالِ جبریل نظم ہسپانیہ)

□……ماہِ شوال ۱۷۰ھ: میں عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے بیٹے امین کی ولادت ہوئی، یہ مامون کے چھوٹے بھائی تھے (الکامل لابنِ عدی ج۵ ص ۲۷۸، المنتظم لابنِ جوزی ج۸ ص ۳۲۸)

□……ماہِ شوال ۱۸۱ھ: میں حضرت مفضل بن فضالہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۱۰۷ھ میں ہوئی اور دو مرتبہ مصر کے قاضی بنائے گئے، آپ ایک بڑے فقیہ اور نہایت تقویٰ دار تھے، آپ کے عجیب وغریب فیصلے بہت مشہور ہوئے (المنتظم لابنِ جوزی ج۹ ص ۶۴)

□……ماہِ شوال ۱۹۴ھ: کی ۱۳ تاریخ کو امام بخاری رحمہ اللہ پیدا ہوئے۔

امام بخاری ابھی کم عمر ہی تھے کہ سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا اور والدہ کے زیرِ سایہ آپ کی پرورش ہوئی، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ محترمہ کی تربیت ونگرانی میں حاصل کی، اور دس سال کی عمر میں آپ نے تحصیل علم حدیث اور زیارتِ علماء کے لئے دور دراز کے سفر کئے، کہا جاتا ہے کہ آپ کے اساتذہ کی کل تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔

امام بخاری اٹھارہ سال کی عمر میں فاضل اجل ہو گئے تھے اور آپ کے علم کی شہرت سن سن کر لوگ آپ سے حدیث کا علم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے، آپ کے تلامذہ اور آپ سے مستفید ہونے والوں کا حلقہ نہایت وسیع تھا آپ سے براہ راست نوّے ہزار آدمیوں نے صحیح بخاری کو سنا تھا۔

امام بخاری نہایت قوی الحافظہ تھے جو حدیث سنتے فوراً زبانی یاد ہو جاتی، آپ کی مشہور تصنیف صحیح بخاری ہے جس کی تصنیف کا ابتدائی خاکہ اور ترتیبِ ابواب تو مسجد حرام میں ہوئی، لیکن مختلف مقامات میں احادیث کی تخریج فرماتے رہے اور تراجم ابواب کے مسودہ کو روضہ مبارک اور منبر شریف کے درمیان مکمل کیا۔

بخارا سے سمرقند جاتے ہوئے راستے میں بعد نماز عشاء حدیث رسول کا یہ آفتابِ تاباں کچھ

دن کم باسٹھ سال کی عمر میں عید الفطر کی رات عشاء کی نماز کے وقت ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا، عید الفطر کے دن ظہر کی نماز کے بعد تدفین ہوئی (سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲ ص ۴۶۸، تحت ترجمة أبو عبد الله البخاری محمد بن إسماعيل بن إبراهيم، ظفر المحصلین ص ۹۴)

□...... ماہِ شوال ۱۹۶ھ: میں افریقہ کے گورنر ابراہیم بن اغلب کی وفات ہوئی۔ وفات کے وقت عمر ۶۵ سال تھی، مدتِ امارت بارہ سال چار ماہ اور دس دن تھی (الکامل لابنِ عدی ج ۵ ص ۳۱۴)

□...... ماہِ شوال ۱۹۸ھ: میں امام ابو یحییٰ معن بن عیسیٰ المدنی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ آپ کا علمِ حدیث میں بڑا مقام تھا، اور علمِ حدیث میں آپ کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔

ابراہیم بن طہمان، معاویہ بن صالح، امام مالک بن انس اور ثابت بن قیس رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابراہیم المنذر، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، حمید، ابوبکر بن ابی شیبہ اور فضل بن صباح رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام مالک کے ساتھیوں میں سب سے زیادہ ثقہ آپ تھے (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۲۷، تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۲۶)

□...... ماہِ شوال ۱۹۸ھ: میں حضرت ابو القاسم یزید بن محمد بن عبد الصمد بن عبد اللہ بن یزید بن ذکوان ہاشمی الدمشقی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

ابو کلثم سلامہ بن بشر، عبد الرزاق بن عمر العابد، محمد بن المبارک الصوری، ابو مسہر، صفوان بن صالح اور آدم بن ابی ایاس رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، امام ابوداؤد، نسائی، احمد بن المعلی ابن یزید القاضی، احمد بن عمر بن جابر الرملی، ابو زرعہ الدمشقی اور ابو حاتم رازی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۱۳)

تیسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... ماہِ شوال ۲۰۱ھ: میں حضرت ابواسامہ حماد بن اسامہ بن زید الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ہشام بن عروہ، اعمش اور ابنِ ابی خالد رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، عبدالرحمٰن بن مہدی، امام شافعی، قتیبہ، حمیدی، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، محمد بن اسماعیل بن علی العباسی نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی (سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۲۷۸، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۱۴۰)

□...... ماہِ شوال ۲۰۶ھ: میں حضرت محاضر بن مورع ہمدانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی کنیت ابوالمودع تھی، امام اعمش اور ہشام بن عروہ رحمہما اللہ کی شاگردی اختیار کی، عباسی خلیفہ مامون الرشید کے دورِ خلافت میں کوفہ میں وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ ج ۶ ص ۳۹۸)

□...... ماہِ شوال ۲۰۹ھ: میں حضرت یعلیٰ بن عبید بن ابی امیۃ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

یحییٰ بن سعید الانصاری، اسماعیل بن ابی خالد، اعمش اور عبدالملک بن ابی سلیمان رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، اسحاق بن راھویہ، محمد بن عبداللہ بن نمیر، محمود بن غیلان اور ھارون الحمال رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، کوفہ میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۴۷۷)

□...... ماہِ شوال ۲۱۰ھ: میں حضرت ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

مصنف عبدالرزاق حدیث میں آپ کا مشہور مجموعہ ہے، مصنف عبدالرزاق کئی اعتبار سے بڑی جلیل القدر کتاب ہے، ایک تو اس لئے کہ عبدالرزاق رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ اور معمر بن راشد رحمہما اللہ کے شاگرد اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے استاذ ہیں، اس لئے ان کی کتاب کی اکثر

احادیث ''ثلاثی'' ہیں، دوسرے اس لئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق اس کتاب کی تمام احادیث صحیح ہیں، ۸۰ سال سے زیادہ عمر پائی ''سیر اعلام النبلاء ج۹ص ۵۸۰ اور شذرات الذہب ج ۱ص ۲۷ میں سنِ وفات ۲۱۱ھ درج ہے'' (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۶۰، الطبقات الکبریٰ ج ۵ ص ۵۴۸، درسِ ترمذی مقدمہ ج ۱ ص ۴۸)

□...... ماہِ شوال ۲۱۳ھ: میں حضرت عبداللہ بن داؤ دخریبی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

۱۲۶ھ میں ولادت ہوئی، اعمش اور بکار رحمہما اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، اپنے زمانہ کے بڑے عبادت گذاروں میں آپ کا شمار ہوتا تھا، کوفہ میں وفات ہوئی (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۶۴، شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۹، سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۳۵۲)

□...... ماہِ شوال ۲۱۳ھ: میں حضرت عبداللہ بن داؤ د ہمدانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابتداء میں آپ کوفہ میں رہتے تھے اس کے بعد آپ کوفہ سے منتقل ہو کر بصرہ کے نواح میں ''خریبہ'' نامی مقام میں قیام پذیر ہوگئے تھے، امام اعمش رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں (المنتظم ج ۱۰ ص ۲۵۶، الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۲۹۵)

□...... ماہِ شوال ۲۱۶ھ: میں حضرت ابوالاشہب ہوذۃ بن خلیفہ بن عبداللہ بن ابی بکرۃ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۱۲۵ھ میں ہوئی، یونس، ہشام، عوف، ابنِ عون، ابنِ جریج اور سلیمان تیمی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، مامون کے دورِ حکومت میں بغداد میں وفات ہوئی، آپ کے بیٹے نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی، ۹۲ سال کی عمر پائی (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۳۳۹، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۱۲۳)

□...... ماہِ شوال ۲۲۴ھ: میں فرغانہ شہر میں شدید زلزلہ آیا، جس میں تقریباً پندرہ ہزار افراد ہلاک ہوئے (المنتظم ج ۱۱ ص ۸۹)

□...... ماہِ شوال ۲۳۲ھ: میں حضرت ابوصالح حکم بن موسیٰ قنطری بغدادی رحمہ اللہ

کا انتقال ہوا۔

آپ بہت عبادت گذار تھے، اسماعیل بن عیاش اور عبداللہ بن المبارک رحمہما اللہ کے طبقہ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے امام مالک بن انس رحمہ اللہ کی زیارت بھی کی ہے، امام احمد بن حنبل اور علی بن المدینی رحمہما اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں (العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۴۱۱، المنتظم ج ۱۱ ص ۱۸۳، شذرات الذهب ج ا ص ۷۵، الطبقات الکبریٰ ج۷ ص ۳۴۶، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۶)

□...... ماہِ شوال ۲۳۶ھ: میں حضرت ابو الصلت عبدالسلام بن صالح بن سلیمان بن ایوب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ نے طلبِ علم کے لئے کوفہ، بصرہ، حجاز اور یمن کی طرف سفر کیا، حماد بن زید، مالک بن انس، معاویہ اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، بغداد میں رہتے تھے، عباس الدوری رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں (المنتظم ج ۱۱ ص ۲۴۳)

□...... ماہِ شوال ۲۴۲ھ: میں حضرت ابو عبداللہ محمد بن رمح التجیبی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، حدیث کی سماعت لیث، اور ابنِ لہیعۃ رحمہما اللہ سے کی، امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ نے کبھی کسی حدیث میں خطا نہیں کی (العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۴۳۸، المنتظم ج ۱۱ ص ۳۰۴، شذرات الذهب ج ا ص ۱۰۱، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۴۹۹)

□...... ماہِ شوال ۲۴۴ھ: میں حضرت ابو علی الحسن بن شجاع البلخی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ نے طلبِ علم کے لئے شام، مصر، عراق کے سفر کئے، اسحاق بن راہویہ، ابو نعیم بن دکین اور یحییٰ بن یحییٰ التمیمی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام بخاری، ابو زرعۃ الرازی اور محمد بن اسحاق السراج رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ۴۹ سال کی عمر میں وفات ہوئی (طبقات الحفاظ ج ا ص ۲۴۲)

□...... ماہِ شوال ۲۴۷ھ: میں عباسی خلیفہ المتوکل باللہ کو قتل کیا گیا۔

اس کا پورا نام ابوالفضل جعفر بن المعتصم باللہ محمد بن الرشید ھارون العباسی تھا، متوکل نے پہلے اپنے بیٹے المنتصر باللہ کو ولی عہد بنایا تھا، لیکن بعد میں مختلف وجوہات کی بنیاد پر اس کا اپنے بیٹے سے اختلاف ہوگیا، المنتصر باللہ نے ترک امراء کے ساتھ مل کر اس کو رات کے وقت قتل کردیا (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۴۹، شذرات الذهب ج ۱ ص ۱۱۴، تاریخِ اسلام اخیرین ص ۲۳۲، از شاہ معین الدین ندوی صاحب)

□...... ماہِ شوال ۲۴۷ھ: میں المنتصر باللہ کی خلافت کے لئے بیعت کی گئی اور اس کو خلیفہ بنایا گیا۔

متوکل کے قتل کے بعد ترکوں نے منتصر باللہ کو خلیفہ بنایا، خلافت کے وقت اس کی عمر ۲۵ سال تھی، منتصر کی خلافت کے بعد نظامِ خلافت سارے کا سارا ترکوں کے ہاتھ میں آ گیا، اور خلفاء کی قوت اور ان کا اقتدار بالکل ختم ہوگیا، اس کی خلافت کا زمانہ بہت مختصر ہے، ربیع الثانی ۲۴۸ھ میں اس کی وفات ہوئی (المنتظم ج ۱۱ ص ۳۵۳، تاریخِ اسلام اخیرین ص ۲۳۸، از شاہ معین الدین ندوی صاحب)

□...... ماہِ شوال ۲۵۰ھ: میں حضرت ابوعبداللہ احمد بن یحییٰ بن الوزیر رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ایک بڑے فقیہہ تھے، اور شعر، ادب، جاہلی تاریخ، علم الانساب میں آپ کو بڑا ملکہ حاصل تھا، ۱۵۱ھ میں ولادت ہوئی (المنتظم ج ۱۲ ص ۳۶)

□...... ماہِ شوال ۲۷۵ھ: میں امام ابوداؤد رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

اس دن شوال کی ۱۶ تاریخ تھی، آپ کا اصل نام سلیمان تھا، آپ ۲۰۲ھ میں سیستان میں پیدا ہوئے تھے آپ نے جس زمانے میں آنکھیں کھولیں اس وقت علم حدیث کا حلقہ بہت وسیع ہو چکا تھا اس لئے آپ نے وقت کے مشاہیر علماء سے علمِ حدیث حاصل کیا۔

حافظ ابن حجر کے اندازے کے مطابق آپ کے شیوخ کی تعداد تین سو سے زائد ہے، علمِ حدیث کے ساتھ ساتھ آپ پر فقہی ذوق بھی غالب تھا آپ کی بہت تصنیفات ہیں جن میں سب سے زیادہ مقبولیت سنن ابوداؤد کو ملی، یہ احادیث نبویہ کا وہ بہترین مجموعہ ہے جو علم دین میں اپنی نظیر نہیں رکھتا یہ کتاب علماء کے تمام فرقوں اور فقہاء کے سب طبقوں میں باوجود اختلاف مذاہب کے حَکَمُ مانی جاتی ہے علماء نے اس کی متعدد شروحات لکھی ہیں (تھذیب الکمال ج ۱۱ ص ۳۶۷، سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۲۲۱، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۵۱، تھذیب التھذیب ج ۱ ص ۱۵۱، ظفر المحصلین ص ۱۲۷ تا ۱۳۷ بتغیر)

□...... ماہِ شوال ۲۷۰ھ: میں حضرت ابو محمد ربیع بن سلیمان بن عبدالجبار بن کامل المرادی المؤذن رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ امام شافعی رحمہ اللہ کے خصوصی شاگرد تھے اور شافعی مسلک کی اہم کتب امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، اسد بن موسیٰ، ایوب بن سوید الرملی، بشر بن بکر التنیسی، حجاج بن ابراہیم الازرق اور خالد بن عبدالرحمٰن رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، ابوالحسن احمد بن بہزاذ بن مہران السیرافی، ابوالحریش احمد بن عیسیٰ الکلابی اور حسن بن حبیب بن عبدالملک الحصائری رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، مصر کے امیر حمارویہ بن احمد (ابن طولون) نے نماز جنازہ پڑھائی (تھذیب الکمال ج ۹ ص ۸۹، سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۵۹۰، تھذیب التھذیب ج ۳ ص ۲۱۳)

□...... ماہِ شوال ۲۷۶ھ: میں حضرت ابوقلابہ عبدالملک بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبدالملک بن مسلم الرقاشی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: اشہل بن حاتم، بشر بن عمر الزہرانی، حجاج بن منہال، حسن بن عمرو العبدی، روح بن عبادہ اور سعید بن عامر الضبعی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درج ذیل ہیں: امام ابن ماجہ، ابومسلم ابراہیم بن عبداللہ الکجی، ابراہیم بن علی الھجمی، احمد بن سلیمان

النجاد، احمد بن کامل بن شجرۃ القاضی اور احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری رحمہم اللہ۔

آپ کی پیدائش سے پہلے آپ کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے ہاں ہدہد پرندے کی ولادت ہوئی، تو ان کو یہ تعبیر دی گئی کہ اگر تیرا خواب سچا ہو تو تیرے ہاں ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو کثرت سے نمازیں پڑھے گا۔

آپ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ ایک دن میں چار سو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، ۱۹۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی (تہذیب الکمال ج۱۸ ص ۴۰۴، سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۱۷۸، طبقات الحفاظ ج۱ ص ۵۰، تہذیب التہذیب ج۶ ص ۳۷۲)

☐...... ماہِ شوال ۲۸۸ھ: میں حضرت ابوالقاسم عثمان بن سعید بن بشار بغدادی انماطی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابن بشار کے نام سے مشہور تھے، آپ کو شافعی مسلک کا شیخ کہا جاتا تھا، آپ کے ذریعے شافعی مسلک بغداد میں پھیلا، آپ نے فقہ کی تعلیم امام مزنی اور ربیع المرادی رحمہما اللہ سے حاصل کی اور ابوالعباس بن سریج رحمہ اللہ نے آپ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، بغداد میں آپ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۴۳۰، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۰۲)

☐...... ماہِ شوال ۲۹۸ھ: میں حضرت ابومحمد بن اسحاق بن بہلول بن حسان رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ انبار کے خطیب، قاضی اور بڑے عالم مشہور تھے، آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: سعید بن منصور، اسماعیل بن ابی اویس، ابراہیم بن حمزہ الزبیری اور احمد بن حاتم الطّویل رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درج ذیل ہیں: ابوجعفر محمد بن اسحاق (آپ ان کے بھائی تھے) یوسف بن یعقوب الازرق، ابوبکر الشافعی، طبرانی، ابن عدی اور ابوبکر اسماعیلی رحمہم اللہ، آپ کی ولادت ۲۰۴ھ میں ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۵۳۶)

☐...... ماہِ شوال ۲۹۸ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن یحییٰ بن سلیمان المروزی

البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

عاصم بن علی، ابوعبید قاسم بن سلام، علی بن الجعد، خلف بن ھشام اور بشر بن الولید رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، ابوبکر الشافعی، امام نجاد، مخلد الباقرحی، طبرانی، ابن عبید العسکری اور ابوبکر اسماعیلی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۴۹)

چوتھی صدی ہجری کے تاریخی واقعات

☐...... ماہِ شوال ۳۰۸ھ: میں حضرت ابوخبیب عباس بن قاضی علامہ احمد بن محمد بن عیسیٰ البرتی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابن البرتی کے نام سے مشہور تھے، عبدالاعلیٰ بن حماد بن النرسی، ابوبکر بن ابی شیبۃ اور سوار بن عبداللہ العنبری رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوبکر الشافعی، عبدالعزیز بن ابی صابر، ابوحفص بن شاہین اور ابوبکر بن المقرئ رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔
(سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۲۵۷)

☐...... ماہِ شوال ۳۱۰ھ: میں عظیم مورخ حضرت ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر طبری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابنِ جریر طبری کے نام سے مشہور تھے، آپ کی ولادت ۲۲۴ھ میں ہوئی اور ۲۴۰ھ کے بعد طلبِ علم شروع کیا، اور کثرت سے سفر کئے اور بڑے بڑے مشاہیر علماء سے علم سے حاصل کیا، محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب، اسماعیل بن موسیٰ السدی، اسحاق بن ابی اسرائیل، محمد بن ابی معشر، محمد بن حمید الرازی، احمد بن منیع، ابوکریب محمد بن علاء، ہناد بن السری، ابوہمام السکونی، محمد بن عبدالاعلیٰ الصنعانی، بندار اور محمد بن المثنیٰ رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوشعیب عبداللہ بن الحسن الحرانی، ابوالقاسم الطبرانی، احمد بن کامل القاضی، ابوبکر الشافعی، ابواحمد بن عدی، مخلد بن جعفر الباقرحی، قاضی ابومحمد بن زبر، احمد بن

القاسم الخشاب اور ابو عمرو محمد بن احمد بن حمدان رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔
(سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۲۸۲، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۱۵)

□......ماہِ شوال ۳۱۳ھ: میں حضرت ابو الحسن علی بن عبدالحمید بن عبداللہ بن سلیمان الغضائری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ شام کے علاقے حلب کے محدث کے لقب سے مشہور تھے، آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: عبدالاعلیٰ بن حماد النرسی، بشر بن ولید، عبداللہ بن معاویہ الجمحی، ابو ابراہیم الترجمانی اور عبیداللہ بن عمر القواریری رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: عبداللہ بن عدی، ابوبکر بن المقریٔ اور قاضی علی بن محمد بن اسحاق الحلبی رحمہم اللہ، آپ فرماتے تھے: کہ میں نے اپنے ان پاؤں (یعنی پیدل) سے چالیس حج کئے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۲۵۷)

□......ماہِ شوال ۳۱۹ھ: میں حضرت امام ابو عبداللہ محمد بن فطیس بن واصل بن عبداللہ الغافقی الاندلسی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابنِ فطیس کے نام سے مشہور تھے اور اندلس کے محدث کہلاتے تھے، آپ کی ولادت ۲۲۹ھ میں ہوئی، یونس بن عبدالاعلی، احمد بن عبدالرحمٰن بن وہب، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، احمد بن عبداللہ العجلی، شجرۃ بن عیسیٰ، اور یحییٰ بن عون رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ''الروع والاہوال'' اور ''الدعاء'' آپ کی مشہور کتابیں ہیں، ۹۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔
(سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۸۰، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۲۱، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۶۶، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۰۲)

□......ماہِ شوال ۳۲۰ھ: میں حضرت ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ امام بخاری رحمہ اللہ سے ان کی ''صحیح بخاری'' روایت کرتے ہیں اور ''فربر'' کے مقام پر دو مرتبہ آپ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے صحیح بخاری سنی، آپ کی ولادت ۲۳۱ھ میں ہوئی، اس کے علاوہ آپ حضرت علی بن خشرم رحمہ اللہ سے بھی روایت کرتے ہیں، ابو زید المروزی،

حافظ ابوعلی بن السکین، ابوالہیثم الکشمینی، ابومحمد بن حمویہ السرخسی، محمد بن عمر بن شبویہ، ابوحامد بن عبداللہ النعیمی، ابواسحاق ابراہیم بن احمد المستملی اور اسماعیل بن حاجب الکشانی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص۱۳، العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۱۲۲)

□...... ماہِ شوال ۳۴۶ھ: میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن جعفر بن احمد بن فارس الاصبہانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۲۴۸ھ میں ہوئی، محمد بن عاصم الثقفی، یونس بن حبیب، احمد بن یونس الضبی، ہارون بن سلیمان، احمد بن عصام، اسماعیل سمویہ، یحییٰ بن حاتم اور حذیفہ بن غیاث رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، ابوعبداللہ بن مندۃ، ابوذر بن الطبرانی، ابوبکر بن ابوعلی الذکوانی، ابوبکر بن فورک، ابنِ مردویہ، حسین بن ابراہیم الجمال، محمد بن علی مصعب اور ابونعیم الحافظ رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

ابنِ مندۃ فرماتے ہیں: دنیا میں بڑے بڑے شیوخ پانچ ہیں، اصبہان میں ابن فارس، نیشاپور میں اصم، مکہ مکرمہ میں ابن الاعرابی، طرابلس میں خیثمۃ، بغداد میں اسماعیل الصفار۔

ابوالشیخ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن جعفر کو خواب میں دیکھا تو ان سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اور مجھے انبیاء کے درجوں میں بٹھایا۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص۵۵۴، العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۱۴۱)

□...... ماہِ شوال ۳۴۹ھ: میں حضرت ابوطاہر عبدالواحد بن عمر بن محمد بن ابو ہاشم البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ کی ولادت ۲۸۰ھ میں ہوئی، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: محمد بن جعفر القتات، احمد بن فرح، اسحاق بن احمد الخزاعی، عبداللہ بن الصقر السکری، حسن بن حباب اور احمد بن سہل الاشنانی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: عنہ ابوالقاسم عبدالعزیز بن جعفر الفارسی، علی بن احمد بن الحمامی، علی محمد الجوہری، ابوالحسن علی بن العلاف

الکبیر، عبیداللہ المصاھفی اور ابوالحسین احمد بن عبداللہ السوسنجردی رحمہم اللہ (سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص ۲۲)

چوتھی صدی ہجری کے بعد کے تاریخی واقعات

□......ماہِ شوال ۴۴۴ھ: میں ''شیخ ابوعمرو عثمان بن سعید'' رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ فن قرأت کے امام، حدیث، طرقِ حدیث اور اسماء رجال کے ماہر، عمدہ خطاط، جیدالحفظ، ذکی وذہین، متقی وپرہیزگار اور مستجاب الدعوات تھے، آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں ''التیسر'' فن قرأتِ سبعہ میں بہت مشہور ہے اور درسِ نظامی پڑھائی جاتی ہے (ظفر المحصلین ص ۴۸۲)

□......ماہِ شوال ۶۴۶ھ: میں ''عثمان'' صاحب کافیہ کا جمعرات کے روز دن چڑھے اسکندریہ میں انتقال ہوا۔

انتقال کے دن شوال کی ۱۶ تاریخ تھی، آپ ابن الحاجب کے نام سے مشہور ہیں، آپ بلند پایہ فقیہ، اعلیٰ مناظر، بڑے دین دار متقی وپرہیزگار، معتمد وثقہ، نہایت متواضع اور تکلفات سے قطعاً ناآشنا تھے، تبحرِ علمی میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔

آپ کی بہت سی تصانیف میں سے نحو کی کتاب ''کافیہ'' کی شہرت کا جو سکہ جما ہوا ہے وہ محتاج بیان نہیں اس میں آپ نے علم نحو کے تمام قواعد نہایت عمدہ اسلوب کے ساتھ جمع کئے ہیں اشعار کا آپ کو طبعی ذوق تھا اور بہت عمدہ اشعار کہتے تھے، کافیہ آپ نے خود نظم کی ہے جس کا نام آپ نے ''الوافیہ'' رکھا، باب البحر سے باہر شیخ صلح ابن ابی اسامہ کی تربت کے پاس مدفون ہوئے (ظفر المحصلین ص ۳۱۹)

□......ماہِ شوال ۱۰۸۸ھ: میں مشہور عالم وبزرگ ''شیخ محمد بن علی'' رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ اپنے دور کے مشہور محدث وفقیہ، جامع معقول ومنقول، بلند پایہ ادیب بڑے فصیح وبلیغ

تھے اور تقریر وتحریر ہر دو میں ملکہ رکھتے تھے، نحو وصرف اور فقہ وغیرہ میں بے نظیر اور احادیث ومرویات کے بڑے حافظ تھے۔

آپ نے بہت سی عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سے فقہ کی کتاب ''تنویر الابصار'' مؤلفہ: شمس الدین محمد بن عبداللہ الغزی کی شرح ''الدر المختار'' بہت مشہور ہے اور مدارس عربیہ میں فتویٰ نویسی سیکھنے والوں کو پڑھائی جاتی ہے (ظفر المحصلین ص ۴۷۷)

□...... ماہِ شوال ۱۱۶۴ھ: میں قاضی مبارک رحمہ اللہ کا انتقال دہلی میں ہوا۔

آپ مشہور ذہانت وذکاوت والوں میں سے تھے اور آپ کو ایسی شہرت حاصل تھی کہ تعریف وتوصیف کی زیادتی سے آپ بے نیاز تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا محمد دائم علی اور قاضی شہاب الدین گوپامری سے پائی، آپ کی مشہور تصنیف درس نظامی کے نصاب میں شامل منطق کی مشہور کتاب ''سلم العلوم'' کی شرح ''قاضی مبارک'' ہے (ظفر المحصلین ص ۳۶۱)

□...... ماہِ شوال ۱۱۷۶ھ: میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا بروز چہار شنبہ بوقت طلوع آفتاب آپ کے ننہال قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر میں انتقال ہوا۔

وفات کے دن شوال کی ۴ تاریخ تھی، حضرت شاہ صاحب نے اکثر تعلیم اپنے والد کے پاس حاصل کی، چودہ سال کی عمر میں آپ کا نکاح ہوا، اور نکاح کے ایک سال بعد شاہ صاحب نے اپنے والد کے دستِ حق پر بیعت کی اور ان کی زیرِ نگرانی اشغالِ صوفیہ میں مشغول ہوئے، آپ کی عمر کے سترہویں سال آپ کے والد ماجد سخت بیمار ہوئے اور اسی حالت مرض میں آپ کو بیعت وارشاد کی اجازت مرحمت فرمائی، مدرسہ رحیمیہ اور خانقاہ کی جو بساط بچھائی تھی اس کا انتظام حضرت شاہ صاحب کے سپرد فرمایا۔

حضرت شاہ صاحب بارہویں صدی کے مجدد تھے چنانچہ ''تفہیمات'' میں تحریر فرماتے ہیں ''جب میرا دورۂ حکمت یعنی علم اسرار دین پورا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے خلعت مجددیت عطا

فرمائی پس میں نے مسائل اختلافی میں جمع (تطبیق) کو معلوم کیا'' حضرت شاہ صاحب نے ایک طرف مدرسہ و خانقاہ کی بساط بچھائی جس سے ہزاروں تشنگانِ علوم نے استفادہ کیا اور دوسری طرف ملک کے گوشے گوشے میں پہنچ کر سارے ہندوستان میں فیوض کو تقسیم کیا، آپ کی تصانیف بے شمار ہیں بعض مؤرخین دو سو سے زائد بتاتے ہیں (ظفر المحصلین ص ۵۱، ۶۱)

□......ماہِ شوال ۱۲۷۹ھ: میں ''مفتی عنایت احمد'' رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ قریشی النسل تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم کاکوری میں حاصل کی جب ۱۳/سال کی عمر ہوگئی تو تحصیلِ علم کی غرض سے رامپور تشریف گئے، رامپور میں درسی کتابیں ختم کر کے دہلی پہنچے وہاں شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی (متوفی ۱۲۶۲ھ) سے کتبِ حدیث سبقاً سبقاً پڑھیں اور سند حاصل کی، جب تحریک آزادی ناکام ہوئی اور انگریزوں کا ملک پر دوبارہ تسلط ہوگیا تو مفتی صاحب گرفتار ہوئے، اور عبور دریا شور کی سزا تجویز ہوئی، مفتی صاحب نے جزیرہ انڈمان میں بھی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا، جزیرہ انڈمان میں آپ کے پاس کسی علم کی کوئی کتاب نہ تھی، محض اپنی قوت حافظہ پر مختلف فنون میں رسالے تصنیف کر دئے اور وطن واپس آ کر کتابیں دیکھیں تو تمام مسائل حرف بحرف صحیح تھے (ظفر المحصلین ص ۳۱۳، ۳۱۴)

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

n

باسمہ تعالیٰ

بسلسلہ: اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

اضافہ واصلاح شدہ جدید ایڈیشن

ماہِ ذی قعدہ اور حج

کے

فضائل واحکام

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ: اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

اضافہ واصلاح شُدہ ایڈیشن

ماہِ
ذی قعدہ اور حج
کے فضائل واحکام

اس کتاب میں اسلامی سال کے گیارہویں مہینے ''ذی قعدہ'' کے متعلق فضائل ومسائل اور قابلِ توجہ اُمور پر روشنی ڈالی گئی ہے، نیز ماہِ ذی قعدہ کے حج کے مہینوں میں سے ہونے کی وجہ سے حج وعمرہ کے فرض وواجب ہونے سے متعلق بھی بنیادی اور اُصولی احکام چند رائج منکَرات کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں، اور فرض حج میں تاخیر کے حیلے بہانوں پر بھی کلام کیا گیا ہے، اسی کے ساتھ حجِ بدل وحجِ نذر کے مسائل بھی درج کیے گئے ہیں، اور عمرہ کا حکم بھی تحریر کیا گیا ہے، اور چند تحقیقی مسائل پر بھی بحث کی گئی ہے، اور آخر میں ماہِ ذی قعدہ میں واقع ہونے والے چند تاریخی واقعات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی، پاکستان

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

نام کتاب: ماہِ ذی قعدہ اور حج کے فضائل واحکام

مصنّف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اوّل: ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ بمطابق اپریل 2008ء/ طباعتِ دوم: رمضان ۱۴۳۳ھ اگست 2012ء

صفحات: ۳۷۶

ملنے کے پتے

کتب خانہ ادارہ غفران: چاہ سلطان، گلی نمبر 17، راولپنڈی۔فون:051-5507270
ادارہ اسلامیات: ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔فون:042-37353255
کتب خانہ رشیدیہ: مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی۔فون:051-5771798
دارالاشاعت: اردو بازار، کراچی۔فون:021-32631861
مکتبہ سید احمد شہید: 10-الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:042-37228196
مکتبہ اسلامیہ: گامی اڈہ، ایبٹ آباد۔فون:0992-340112
ادارہ اشاعت الخیر: شاہین مارکیٹ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان۔فون:061-4514929
ادارۃ المعارف: دارالعلوم کراچی۔فون:021-35032020
مکتبہ سراجیہ: چوک سیٹلائیٹ ٹاؤن، سرگودھا۔فون048-3226559
مکتبہ شہید اسلام، متصل مرکزی جامع مسجد (لال مسجد) اسلام آباد۔فون:0321-5180613
ملت پبلیکیشنز بک شاپ: شاہ فیصل مسجد، اسلام آباد۔فون:051-2254111
ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، چوک فوارہ، ملتان۔فون:061-4540513
مکتبہ العارفی: نزد جامعہ امدادیہ، ستیانہ روڈ، فیصل آباد۔فون:041-8715856
کتب خانہ شمسیہ، نزد اپری گیشن مسجد، سریاب روڈ، کوئٹہ۔فون:0333-7827929
مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم کراچی۔فون:021-35123130
تاج کمپنی، لیاقت روڈ، گوالمنڈی، راولپنڈی۔فون:051-5774634
مکتبۃ القرآن: گورومندر، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔فون:021-34856701
مکتبہ الفرقان، اردو بازار، گوجرانوالہ۔فون:055-4212716
مکتبہ القرآن: رسول پلازہ، امین پورہ بازار، فیصل آباد۔فون:041-2601919
اسلامی کتب خانہ، پھولوں والی گلی، بلاک نمبر 1، سرگودھا۔فون:048-3712628
اسلامی کتاب گھر: خیابانِ سرسید، سیکٹر 2، عظیم مارکیٹ، راولپنڈی۔فون:051-4830451
مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ، 17، اردو بازار، لاہور۔فون:042-37232536
الخلیل پبلشنگ ہاؤس: اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔فون:051-5553248
قرآن محل، اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔فون:0321 0312-5123698

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

بندہ نے ابتداء میں اسلامی اور قمری بارہ مہینوں میں سے ہر ایک مہینے کے متعلق الگ الگ مختصر رسائل تحریر کئے تھے، بعد میں بہت سے عوام اور اہلِ علم حضرات کی جانب سے ان رسائل کی طرف دلچسپی وتوجہ کو دیکھتے ہوئے اور متعدد اہلِ علم حضرات کے رابطہ کرنے پر اس چیز کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ان رسائل کو اصل مآخذ ومراجع کے ساتھ مدلَّل ومفصَّل کیا جائے، جس کی وجہ سے بعد میں اگلی اشاعتوں کے موقع پر وقتاً فوقتاً ان رسائل پر تحقیق وتخریج کا کام کیا جاتا رہا، جس کے نتیجہ میں اکثر رسائل، کتب کی شکل اختیار کر گئے۔

ماہِ ذی الحجہ کے مہینے سے متعلق اسلام کا ایک اہم رکن ''حج'' وابستہ ہے، اور شوال اور ذیقعدہ کے مہینے شرعاً حج کے مہینے ہیں، اس لئے خیال تھا کہ حج کے فضائل واحکام کا ذکر ماہِ ذی الحجہ سے متعلق کتاب میں یا پھر ماہِ شوال سے متعلق ورنہ کم از کم ماہِ ذی قعدہ سے متعلق کتاب میں تو آ ہی جانا چاہئے، لیکن ماہِ ذی الحجہ سے متعلق کتاب میں قربانی کے تفصیلی فضائل واحکام اور ماہِ شوال سے متعلق کتاب میں عیدُ الفطر اور صدقۂ فطر کے تفصیلی فضائل واحکام شامل ہونے کی وجہ سے حج کے فضائل واحکام کی ان دونوں کتابوں میں گنجائش نہیں رہی، اس لئے بالآخر ماہِ ذی قعدہ والی کتاب میں حج کے فضائل واحکام کو جمع وترتیب دینا شروع کیا، لیکن جب حج کے فرض وواجب ہونے کی شرائط پر تحقیق کرنی شروع کی، تو خود حج کے فرض وواجب ہونے کی شرائط اور ان کے احکام اور فرض حج ادا نہ کرنے کے حیلے بہانوں اور حج کے فرض وواجب ہونے کے بعد معذور یا فوت ہو جانے کی صورت میں حجِ بدل کے احکام اتنے طویل اور تفصیلی نکل آئے کہ وہ خود ایک مستقل کتاب کے متقاضی تھے، اس کے علاوہ پہلے سے موجود کئی اُردو کتابوں میں مذکور متعدد مسائل سے قرآن وسنت اور فقہی عبارات کی طرف مراجعت کرنے

کے نتیجہ میں اختلاف بھی نظر آیا، جس کی وجہ سے جابجا کچھ مفصل ومدلل کلام کی بھی ضرورت محسوس ہوئی، تاکہ اس اختلاف کی اصل وجہ معلوم ہوسکے۔ [1]

اس لئے مناسکِ حج کے فضائل واحکام کی اس کتاب میں بھی گنجائش نہیں رہی۔

بالآخر یہ طے پایا کہ ماہِ ذی قعدہ سے متعلق اس کتاب میں حج وعمرہ سے متعلق ان اصولی فضائل واحکام کو شامل کیا جائے کہ جن کی عموماً حج کرنے سے پہلے ضرورت پیش آتی ہے، اور ''مناسکِ حج کے فضائل واحکام'' کو الگ مستقل کتاب کی شکل میں شائع کیا جائے، جو عملی طور پر حج ادا کرنے یا اس سے متعلق پیش آمدہ مسائل سے متعلق ہو۔

فی الحال ماہِ ذی قعدہ اور حج کے فضائل واحکام کے عنوان سے یہ کتاب شائع ہورہی ہے، اور ''مناسکِ حج کے فضائل واحکام'' کے عنوان سے مفصّل ومدلّل کتاب الگ زیرِ ترتیب ہے۔

اللہ تعالیٰ حق بات کو کہنے، سُننے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور اپنی رضا والے موقف پر تادمِ حیات بغیر لومۃ لائم کے استقامت نصیب فرمائیں۔ آمین۔ فقط۔ محمد رضوان

۲۵/ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ۔ بمطابق 14/ اگست 2012ء بروز منگل

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

---

[1] اور بندہ پہلے بھی اپنے بعض مضامین میں اس بات کا ذکر کرچکا ہے کہ موجودہ دور میں جب پوری دنیا کی معاشرت ایک دوسرے کے قریب آرہی اور ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہوتی جارہی ہے، جس کو ہماری زبان میں عالمگیریت، عربی میں ''العولمۃ'' اور انگریزی میں گلوبلائزیشن (GLOBALIZATION) کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور دنیا نت نئے قوانین اور ایجادات کی جکڑ بندیوں میں بندھتی جارہی ہے، ایسے حالات میں اہلِ علم واہلِ نظر حضرات کو شرعی دلائل میں اجتہاد واستنباط کرکے ان کا حل پیش کرنے کی ضرورت پہلے زمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، جس کے لئے سابق مؤقف سے اختلاف بھی لازم ہے، لیکن ان حالات میں بجائے اس کے کہ اس ضرورت کا اہلِ علم کی طرف سے خود سے احساس کرکے اس کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے، اگر کوئی دوسرا اس پر پیش قدمی کرتا ہے، تو اسے ایک متعصب علمی طبقہ کی طرف سے علمی وفقہی طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے، اور دیگر معاصر یا اکابر اہلِ علم حضرات کے موقف سے تفرد اختیار کرنے کا الزام عائد کیا جاتا ہے، اور اصل دلائل کی طرف مراجعت وتحقیق اور ضرورت وحاجت اور عرف ورواج اور معاشرتی تبدیلیوں کے اہم پہلوؤں کو نظر انداز کردیا جاتا ہے، حالانکہ اگر موجودہ دور میں سابق اہلِ علم حیات ہوتے، تو وہ خود بھی موجودہ حالات اور عرف ورواج کے مطابق ہی حکم بیان فرماتے، لہٰذا موجودہ دور کے بعض متعصب اہلِ علم حضرات کا مجتہد فیہ اور فروعی مسائل میں سابق طرزِ عمل، شرعی اور فقہی اُصولوں کی روشنی میں نامناسب طریقہ اور غلو فی الدین کے قبیل سے ہے۔ محمد رضوان۔

ماہِ ذی قعدہ اور حج کے فضائل واحکام

ماہِ ذی قعدہ اسلامی سال کا گیارہواں مہینہ

ماہِ ذی قعدہ اسلامی سال کا گیارہواں مہینہ ہے، اور یہ مہینہ ''شوال'' اور ''ذوالحجہ'' کے مہینوں کے درمیان میں آتا ہے۔

ماہِ ذی قعدہ سے پہلا مہینہ شوال کا مہینہ ہے، اور اس کے بعد ذوالحجہ کا مہینہ ہے۔

اس مہینے کے نام کی تحقیق

اس مہینے کو عربی میں ''ذوالقعدہ'' یا ''ذی القعدہ'' کہا جاتا ہے، جس کے لغت میں معنیٰ ''بیٹھنے والے'' کے آتے ہیں۔

یہ نام دوسرے اسلامی مہینوں کے ناموں کی طرح عربی کے الفاظ پر مشتمل ہے، اور یہ دو لفظوں کا مجموعہ ہے ایک ''ذو'' دوسرے ''القعدہ''

پہلا لفظ عربی میں ''والے'' کے معنیٰ میں آتا ہے، اور عربی کے نحوی (Grammar) قاعدے کے اعتبار سے مختلف حالتوں میں ''ذال'' کے بعد کبھی ''واؤ'' اور کبھی ''یا'' آتا ہے۔

اور اس طرح سے کبھی ''ذوالقعدہ'' اور کبھی ''ذی القعدہ'' استعمال ہوتا ہے، اور کبھی الف لام کے بغیر ''ذوقعدہ'' یا ''ذی قعدہ'' بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ [1]

اور عربی میں ''قعدہ'' کے معنیٰ بیٹھنے کے آتے ہیں، اس مہینے میں زمانۂ جاہلیت میں عرب کے

---

[1] وذو القعدة صفة قامت مقام الشهر من القعود عن التصرف، كقولك :هذا الرجل ذو الجلسة فإذا حذفت الرجل قلت ذو الجلسة(غمزعيون البصائر ج ۲ ص ۷۸، كتاب الصوم)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

لوگ قتل وقتال کو گناہ وحرام سمجھتے تھے، اور اپنے اسلحہ کو رکھ دیتے تھے، اور کوئی کسی کو قتل نہیں کیا کرتا تھا، اور پھر اگلے مہینے میں بہت سے لوگ حج کیا کرتے تھے، گویا کہ وہ لڑائی جھگڑوں اور سفر واسفار سے الگ ہو کر اس مہینے میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔

اس مناسبت سے اس مہینہ کا نام ''ذو القعدہ'' رکھا گیا یعنی ''بیٹھنے والا مہینہ''۔ [1]

ماہِ ذی قعدہ عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ والے مہینوں کے درمیان

یہ بات سب مسلمانوں کو معلوم ہے کہ ماہِ شوال کی پہلی تاریخ کو اسلام کا عظیم تہوار ''عیدُ الفطر'' کے نام سے انجام دیا جاتا ہے، اور رمضان کے روزوں سے فارغ ہو کر شوال کے مہینہ کے آخری دن تک اگر چھ روزے رکھ لئے جائیں تو وہ رمضانُ المبارک کے روزوں کے ساتھ مل کر پورے سال روزے رکھنے کے برابر اجر وثواب کا باعث ہو جاتے ہیں۔

ذی قعدہ کا مہینہ شوال کے اسی مبارک مہینے کے اختتام پر شروع ہوتا ہے، اور ذی قعدہ کے مہینہ کا اختتام بھی ایک ایسے مہینے کے آغاز کی تمہید بنتا ہے جس میں اسلام کا دوسرا عظیم تہوار ''عیدُ الاضحیٰ'' کے نام سے انجام دیا جاتا ہے اور اسلام کا اہم رکن حج بھی اُسی مہینہ میں انجام دیا جاتا ہے اور وہ ذی الحجہ کا مہینہ ہے۔

---

[1] قال ابوجعفر: وإنما سمى الله جل ثناؤه ذا القعدة الشهر الحرام؛ لأن العرب فى الجاهلية كانت تحرم فيه القتال والقتل وتضع فيه السلاح، ولا يقتل فيه أحد أحدا ولو لقى الرجل قاتل أبيه أو ابنه .وإنما كانوا سموه ذا القعدة لقعودهم فيه عن المغازى، والحروب، فسماه الله بالاسم الذى كانت العرب تسميه به(تفسير الطبرى ،ج۳ص ۳۰۹،تحت آیت ۱۹۴ من سورة بقره)

وذو القعدة بالفتح ويكسر: شهر يلى شوالا سمى به لأن العرب كانوا يقعدون فيه عن الأسفار والغزو والميرة وطلب الكلإ ويحجون فى ذى الحجة ذوات القعدة يعنى: بجمع ذى وإفراد القعدة وهو الأكثر (تاج العروس، باب قعد، جزء ۱ صفحه ۲۲۰۸)

وذوالقعدة بفتح القاف والكسر لغة شهر والجمع ذوات القعدة وذوات القعدات والتثنية ذواتا القعدتين فثنوا الاسمين وجمعوها وهو عزيز لان الكلمتين بمنزلة كلمة واحدة ولا تتوالى على كلمة علامتا تثنية ولاجمع والقعود ذكرالقلاص وهوالشاب قيل سمى بذلك لان ظهره اقتعد اى ركب والجمع قعدان بالكسر(المصباح المنير فى غريب الشرح الكبير ،القاف مع العين يثلثهما،كتاب العين)

گویا کہ اسلام کے دو عظیم تہوار ''عیدُ الفطر'' اور ''عیدُ الاضحیٰ'' نیز ''حج مبارک'' انجام دیئے جانے والے دو مہینوں ''(شوال اور ذی الحجہ)'' کے درمیان ''ذوالقعدہ'' کا مہینہ واقع ہے، اس اعتبار سے ذوالقعدہ کا مہینہ اپنی ابتداء اور انتہاء کے لحاظ سے عیدین کے مہینوں کے درمیان واقع ہے، اور اس مہینہ کو آگے پیچھے سے عیدین کے دو مہینے گھیرے اور احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

اور عام طور پر دنیا بھر سے ''حج مبارک'' کی عظیم سعادت اور فریضہ کی ادائیگی کے لئے حجاجِ کرام عمرہ یا حج کا احرام باندھ کر ذوالقعدہ کے مہینہ میں ہی حرمین شریفین میں اکثر وبیشتر حاضری کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

ذیقعدہ کے مہینہ کی تاریخیں اچھی طرح یاد رکھ کر اور ان کا صحیح حساب محفوظ رکھ کر ذی الحجہ کے مہینہ کے آغاز کی حفاظت کے اہتمام کی بھی خاص اہمیت اس لئے رکھی گئی ہے تاکہ حج اور عید الاضحیٰ اپنے صحیح وقت پر انجام دیئے جانے اور ہر قسم کی تاریخی غلطی سے بچنے کا انتظام ہو سکے۔

ظاہر ہے کہ جو مہینہ عیدین یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ و حج مبارک کے مہینوں کے درمیان حدِّ فاصل (Departing Boundry) کی شان رکھتا ہو، اس کی فضیلت واہمیت بھی کچھ کم نہ ہوگی۔

ماہِ ذی قعدہ چار عظمت والے مہینوں میں سے

پھر ماہِ ذی قعدہ اور ماہِ ذی الحجہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ یہ دونوں مہینے سال بھر کے ان چار مہینوں میں شامل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی شرف وفضیلت بخشی ہے، وہ چار مہینے یہ ہیں:

(۱)......ذی قعدہ (۲)......ذی الحجہ (۳)......محرم (۴)......رجب۔

ان مہینوں کی عظمت وبرتری اسلام کے آغاز سے بھی پہلے سے ہے اور اسلام سے پہلے

دوسرے آسمانی مذہبوں میں بھی تسلیم کی گئی ہے، یہاں تک کہ مکہ کے مشرکین شرک وکفر کی حالت میں بھی ان مہینوں کی عظمت وفضیلت کے قائل تھے، اسلام کے آغاز تک ان مہینوں میں جہاد وقتال بھی منع تھا اور ساتھ ہی ان مہینوں میں عبادت واطاعت کی خاص فضیلت رکھی گئی تھی، اور اب بھی ان مہینوں میں عبادت واطاعت کی فضیلت برقرار ہے، لہٰذا جو شخص ان مہینوں میں عبادت واطاعت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بارگارہ میں خاص فضیلت واہمیت کی شان رکھتی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ (سورہ توبۃ رقم الآیۃ ۳۶)

ترجمہ: مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں جس دن اللہ نے پیدا کئے تھے آسمان اور زمین، ان میں چار مہینے عظمت کے ہیں، یہی ہے سیدھا دین، سوان (مہینوں) میں ظلم مت کرو اپنے اوپر (سورہ توبہ)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ السَّنَةُ اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِّنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُّتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِیْ بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے خطبہ میں)

[1] رقم الحدیث ۴۶۶۲، کتاب تفسیر القرآن، باب قولہ إن عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ، دارطوق النجاۃ، بیروت، واللفظ لہٗ، ورقم الحدیث ۳۱۹۷، مسلم رقم الحدیث ۱۶۷۹، ابوداؤد رقم الحدیث ۱۹۴۷، مسند احمد رقم الحدیث ۲۰۳۸۶.

فرمایا کہ (اس وقت) زمانہ اسی حالت پر گھوم پھر کر آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا تھا (یعنی اب اس کے دنوں اور مہینوں میں کمی زیادتی نہیں ہے جو جاہلیت کے زمانے میں مشرک کیا کرتے تھے۔ اب وہ ٹھیک ہو کر اس طرز پر آ گئی ہے جس پر ابتداء اور اصل میں تھی لہٰذا) ایک سال بارہ مہینہ کا ہوتا ہے، ان میں چار مہینے حرمت وعزت والے ہیں جن میں تین مہینے مسلسل ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور ایک رجب کا مہینہ ہے جو کہ جمادی الاخریٰ اور ماہِ شعبان کے درمیان واقع ہے (بخاری)

اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ذی قعدہ کے مہینہ کی اہمیت اپنے دلوں میں پیدا کی جائے اور اس مہینہ کو غفلت میں نہ گزارا جائے۔

اس مہینہ میں عبادت کی فضیلت اور گناہ کی شِدَّت

احکامُ القرآن میں چار مہینوں کے محترم ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے مذکور ہے کہ:

وَبِالْجُمْلَةِ فَلَامَعْنٰی لِحُرْمَةِ الْاَشْهُرِ الْاَرْبَعَةِ اِلَّا اَنَّ الظُّلْمَ فِيْهَا اَشَدُّ مِنْهُ فِيْ غَيْرِهَا وَفِعْلَ الطَّاعَاتِ فِيْهَا اَفْضَلُ مِنْ فِعْلِهَا فِيْ غَيْرِهَا (احکامُ القرآن للتھانوی جلد ۱ صفحہ ۳۷۹، ۳۸۰ سورۃ البقرۃ رقم الآیۃ ۲۱۷) [۱]

---

[۱] اہلِ علم حضرات کے لیے احکام القرآن کی مذکورہ عبارت سے پہلے کی مفصل عبارت مع ترجمہ کے ذیل میں نقل کی جاتی ہے:

وَتَوْضِيْحُهٗ أَنَّ اَرْبَعَةً مِّنْهَا حُرُمٌ لِمَعْنَى تَعْظِيْمِ اِنْتِهَاكِ الْمَحَارِمِ فِيْهَا بِأَشَدِّ مِنْ تَعْظِيْمِهٖ فِيْ غَيْرِهَا وَتَعْظِيْمِ الطَّاعَاتِ فِيْهَا أَيْضًا، كَمَا جَعَلَ بَعْضَ الْأَمَاكِنِ فِيْ حُكْمِ الطَّاعَاتِ وَمَوَاقِعَةِ الْمَحْظُوْرَاتِ أَعْظَمُ حُرْمَةً مِنْ غَيْرِهٖ نَحْوَ بَيْتِ اللهِ الْحَرَامَ وَمَسْجِدُ الْمَدِيْنَةَ فَيَكُوْنُ تَرْكُ الظُّلْمِ وَالْقَبَائِحِ فِيْ هٰذِهِ الشُّهُوْرِ وَالْمَوَاضِعِ دَاعِيًا اِلٰى تَرْكِهَا فِيْ غَيْرِهٖ، وَيَصِيْرُ فِعْلُ الطَّاعَاتِ وَالْمُوَاظَبَةِ عَلَيْهَا فِيْ هٰذِهِ الشُّهُوْرِ وَهٰذِهِ الْمَوَاضِعِ الشَّرِيْفَةِ دَاعِيًا اِلٰى فِعْلِ أَمْثَالِهَا فِيْ غَيْرِهَا، لِلْمُرُوْرِ وَالْاِعْتِيَادِ، فَكَانَ فِيْ تَعْظِيْمِ بَعْضِ الشُّهُوْرِ وَالْاَيَّامِ وَبَعْضِ الْاَمَاكِنِ أَعْظَمُ الْمَصَالِحِ فِى الْاِسْتِدْعَاءِ اِلَى الطَّاعَاتِ وَتَرْكِ الْقَبَائِحِ فَقَوْله تَعَالٰى: فَلَا تَظْلِمُوْا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: اور خلاصہ یہ ہے کہ ان چار مہینوں کے احترام کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان مہینوں میں ظلم (وگناہ) دوسرے مہینوں کی بنسبت زیادہ شدید ہے، اور ان مہینوں میں نیک اعمال کا کرنا دوسرے مہینوں کی بنسبت زیادہ افضل ہے (احکامُ القرآن)

اور علامہ ابو طالب مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَمِنَ الْفَاضِلِ الشُّهُوْرُ الْاَرْبَعَةُ الْحُرُمُ وَهِيَ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ خَصَّهُنَّ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِالنَّهْيِ عَنِ الظُّلْمِ فِيْهِنَّ لِعَظْمِ حُرُمَتِهِنَّ، فَكَذٰلِكَ الْاَعْمَالُ لَهَا فِيْهِنَّ فَضْلٌ عَلٰى غَيْرِهَا وَاَفْضَلُهَا ذُو الْحِجَّةَ بِوُقُوْعِ الْحَجِّ فِيْهِ وَلِمَا خَصَّ بِهٖ مِنَ الْاَيَّامِ الْمَعْلُوْمَاتِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ تَفْرِيْعٌ عَلٰى قَوْلِهٖ: مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ وَتَفْسِيْرٌ لِلْحُرْمَةِ الَّتِيْ اِخْتَصَّتْ بِهَاتِلْكَ الشُّهُوْرِ، وَالْمَعْنٰى فَلَاتَنْتَهِكُوْا الْمَحَارِمَ وَلَاتَرْتَكِبُوْا الْمَعَاصِيَ فِيْ هٰذِهِ الشُّهُوْرِ خَاصَّةً وَاِنْ كَانَتْ مُحَرَّمَةً عَلَيْكُمْ فِي الشُّهُوْرِ كُلِّهَا. فَهِيَ فِيْ هٰذِهٖ أَشَدُّ حُرْمَةً (احکام القرآن للتھانوی جلد ا صفحہ ۳۷۹، ۳۸۰ سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۷)

ترجمہ: اس کی وضاحت وتشریح یہ ہے کہ بارہ مہینوں میں سے چار مہینے احترام والے ہیں اس لحاظ سے کہ ممنوع چیزوں اور گناہوں کے کاموں کا ان میں کرنا دوسرے مہینوں میں کرنے کی بہ نسبت زیادہ شدید ہے جیسا کہ بعض جگہوں میں نیکی اور گناہوں کے کام کرنے کا حکم دوسری جگہوں کی بنسبت زیادہ عظیم ہے مثلاً بیت اللہ مبارک اور مسجدِ نبوی۔ اس لیے ظلم اور بُرے کاموں کو ان مہینوں اور مقامات میں چھوڑنا دوسرے مہینوں اور دوسرے مقامات میں چھوڑنے کا داعی ہوگا اور اِن مہینوں اور اِن متبرّک مقامات میں نیک کاموں کا کرنا اور اُن پر استقامت اختیار کرنا دوسرے مہینوں اور دوسرے مقامات میں ان جیسے نیک اعمال کرنے کا داعی ہوگا، نیک کام کرنے اور ان کی عادت ہوجانے کی وجہ سے۔

پس بعض مہینوں اور دنوں اور مقامات کی تعظیم میں سب سے بڑی مصلحت نیک کاموں کی طرف متوجہ کرنا اور بُرے کاموں کو چھڑوانا ہے، پس اللہ تعالیٰ کا جو یہ قول ہے کہ "فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ" (تم اِن چار مہینوں میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو) یہ متفرع ہے اللہ تعالیٰ کے قول "مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ" (کہ ان بارہ میں سے چار مہینے احترام والے ہیں) پر اور اُس احترام کی تفسیر ہے جو ان مہینوں کے ساتھ مخصوص ہے، اور مطلب یہ ہے کہ ان مہینوں میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو اختیار نہ کرو، اور گناہوں کے کام نہ کرو اگرچہ یہ کام تمہارے لیے سارے مہینوں میں ہی حرام ہیں؛ پس یہ گناہ ان مہینوں میں زیادہ شدت کے ساتھ حرام ہیں (احکامُ القرآن)

وَالْاَيَّامِ الْمَعْدُوْدَاتِ ثُمَّ ذُوالْقَعْدَةِ لِجَمْعِهِ الْوَصْفَيْنِ مَعًا وَهُوَ مِنَ الْاَشْهُرِ الْحُرُمِ وَمِنْ اَشْهُرِ الْحَجِّ (قوتُ القلوب لابی طالب المکی) [1]

ترجمہ: اور فضیلت والے مہینوں میں سے چار احترام والے مہینے ہیں، اور وہ چار مہینے یہ ہیں: ذوالقعدۃ، ذوالحجہ، محرّم اور رجب؛ اللہ تعالیٰ نے ان چار مہینوں میں ظلم (یعنی گناہ) سے بطورِ خاص منع فرمایا ہے، ان مہینوں کے احترام کی عظمت کے پیشِ نظر۔ پس اسی طریقے سے ان مہینوں میں نیک اعمال دوسرے مہینوں کے مقابلے میں زیادہ فضیلت رکھتے ہیں، اور ان چار مہینوں میں سے زیادہ فضیلت والا ذوالحجہ کا مہینہ ہے، کیونکہ اس مہینے میں حج کی عبادت واقع ہوتی ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ اس مہینے کے چند متعین اور مخصوص دن اللہ تعالیٰ نے خاص فرمائے ہیں، پھر (اس کے بعد) ذوالقعدہ کا مہینہ افضل ہے، کیونکہ اس میں دو وصف ایک ساتھ جمع ہیں، اور وہ اشہرِ حرم میں سے ہونا اور اشہرِ حج میں سے ہونا ہے (قوتُ القلوب)

بعض مفسّرین نے فرمایا کہ:

ان چار بابرکت مہینوں کی خاصیت یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمّت ہوتی ہے، اسی طرح جو شخص کوشش کر کے ان مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور بُرے کاموں سے بچا کر رکھتا ہے تو باقی سال کے مہینوں میں بھی اس کو ان بُرائیوں اور گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے اس لئے ان مہینوں سے فائدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے (تفسیر معارف القرآن، انوارالبیان بتغیر) [2]

---

[1] ج ۱ ص ۱۱۴، الفصل العشرون فی ذکر أحیاء اللیالی المرجو فیها الفضل المستحب إحیاؤها وذکر مواصلة الأوراد فی الأیام الفاضلة، الناشر: دارالکتب العلمیة، بیروت.

[2] تعظیم انتهاک المحارم فیها بأشد من تعظیمه فی غیرها وتعظیم الطاعات فیها أیضا وإنما فعل الله تعالی ذلک لما فیه من المصلحة فی ترک الظلم فیها لعظم منزلتها فی حکم الله والمبادرة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ ذی قعدہ کے مہینے میں عبادت وطاعت بہت اہمیت رکھتی ہے، کہ اس مہینہ میں عبادت کرنے اور گناہوں سے بچنے کے انوار وبرکات دوسرے مہینوں میں عبادت کرنے اور گناہوں سے بچنے کی توفیق حاصل ہونے کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اس مہینہ میں روزوں کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک صحابی کوخطاب کرتے ہوئے) فرمایا کہ:

صُمْ شَهْرَ الصَّبْرِ وَيَوْمًا مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ قَالَ زِدْنِيْ فَاِنَّ بِيْ قُوَّةً قَالَ صُمْ يَوْمَيْنِ قَالَ زِدْنِيْ قَالَ صُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ قَالَ زِدْنِيْ قَالَ صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ وَقَالَ بِاَصَابِعِهِ الثَّلَاثَةِ فَضَمَّهَا ثُمَّ اَرْسَلَهَا (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: صبر یعنی رمضان کے مہینے کے روزے رکھواور ہر مہینے میں ایک دن کا روزہ رکھ لیا کرو، ان صحابی نے عرض کیا کہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے لہٰذا میرے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إلى الطاعات من الاعتمار والصلاة والصوم وغيرها كما فرض صلاة الجمعة فی يوم بعينه وصوم رمضان فی وقت معين وجعل بعض الأماكن فی حكم الطاعات ومواقعة المحظورات أعظم من حرمة غيره نحو بيت الله الحرام ومسجد المدينة فيكون ترك الظلم والقبائح فی هذه الشهور والمواضع داعيا إلى تركها فی غيره ويصير فعل الطاعات والمواظبة عليها فی هذه الشهور وهذه المواضع الشريفة داعيا إلى فعل أمثالها فی غيرها للمرور والاعتياد وما يصحب الله العبد من توفيقه عند إقباله إلى طاعته وما يلحق العبد من الخذلان عند إكبابه على المعاصی واشتهاره وأنسه بها فكان فی تعظيم بعض الشهور وبعض الأماكن أعظم المصالح فی الاستدعاء إلى الطاعات وترك القبائح ولأن الأشياء تجر إلى أشكالها وتباعد من أضدادها فالاستكثار من الطاعة يدعو إلى أمثالها والاستكثار من المعصية يدعو إلى أمثالها (احكام القرآن للجصاص ج ۴ ص ۳۰۸، تحت آيت ۳۶ من سورة التوبة)

[1] رقم الحديث ۲۴۲۸، كتاب الصوم، باب فی صوم أشهر الحرم، واللفظ لہٗ، ابن ماجة رقم الحديث ۱۷۴۱، مسند احمد رقم الحديث ۲۰۳۲۳، السنن الكبرىٰ للنسائی رقم الحديث ۲۷۵۶، شعب الايمان رقم الحديث ۳۴۶۳، المعجم الكبير للطبرانی رقم الحديث ۹۰۱.

لئے اور اضافہ کر دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مہینے میں دو دن روزہ رکھ لیا کیجئے، پھر ان صحابی نے عرض کیا کہ میرے لئے اور اضافہ فرما دیجئے (کیونکہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھ لیا کیجئے، پھر ان صحابی نے عرض کیا کہ میرے لئے اور اضافہ فرما دیجئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَشْھُرِ حُرُمْ (یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، اور رجب کے مہینوں) میں روزہ رکھو اور چھوڑو (آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی) اور آپ نے اپنی تین انگلیوں سے اشارہ فرمایا ان کو ساتھ ملا دیا پھر چھوڑ دیا (یعنی کہ ان مہینوں میں تین دن روزہ رکھو پھر تین دن ناغہ کرو اور اسی طرح کرتے رہو) (ابوداؤد)

حضرت سالم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَصُوْمُ أَشْهُرَ الْحُرُمِ (مصنف عبد الرزاق)[1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ چار عظمت والے مہینوں (یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) میں روزے رکھا کرتے تھے (عبدالرزاق)

فائدہ: ذوالقعدہ کا مہینہ عظمت وشرافت والے اُن مہینوں میں سے ہے، جن کو عربی میں حرمت والے مہینے کہا جاتا ہے، اور ان مہینوں میں عبادت وطاعت کی خاص فضیلت اسلام میں اب بھی باقی ہے، اور روزہ بھی عبادت وطاعت میں داخل ہے، اس نقطۂ نظر سے اس مہینہ میں حسبِ توفیق جتنے ممکن ہوں نفلی روزے رکھنا بھی باعثِ فضیلت ہے۔

کئی فقہائے کرام نے ان چار مہینوں میں نفلی روزے رکھنے کو باعثِ فضیلت قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام نووی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ أَصْحَابُنَا وَمِنَ الصَّوْمِ الْمُسْتَحَبِّ صَوْمُ الْأَشْهُرِ الْحُرُمِ وَهِيَ

---

[1] رقم الحديث ٧٨٥٦، كتاب الصيام، باب صيام اشهر الحرم، المكتب الإسلامي -بيروت.

ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ (المجموع) [1]

ترجمہ: ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ مستحب روزوں میں سے عظمت والے مہینوں کے روزے بھی ہیں، اور وہ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کے مہینے ہیں (مجموع)

اور امام نووی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وَأَفْضَلُ الْأَشْهُرِ لِلصَّوْمِ بَعْدَ رَمَضَانَ، اَلْأَشْهُرُ الْحُرُمُ، ذُو الْقَعْدَةِ، وَذُو الْحِجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ (روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین للنووی) [2]

ترجمہ: اور مہینوں میں روزوں کے لئے رمضان کے بعد افضل عظمت والے مہینے ہیں، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کے مہینے (روضۃ الطالبین)

لہٰذا ماہِ ذی القعدہ کے مہینے میں جتنے نفلی روزے رکھنے کی توفیق ہوجائے، اُتنے روزے رکھ لینے چاہئیں۔

حضرت موسیٰ کا کوہِ طور پر ماہِ ذی قعدہ کا اعتکاف فرمانا

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ، موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو ''نئی شریعت اور توراۃ'' دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور پر تیس راتوں کا اعتکاف کرنے کا حکم فرمایا اور پھر مزید دس راتوں کا اضافہ فرما کر کُل چالیس راتیں مکمل ہونے پر اُن کو ''شریعت اور تورات'' عطا فرمائی، چنانچہ ارشاد ہے کہ:

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (سورۃ اعراف رقم الآیۃ ۱۴۲)

ترجمہ: اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا اور دس راتیں مزید اِن تیس راتوں میں (اضافہ کر کے) مکمل فرمادیں (سورہ اعراف)

---

[1] ج٦ ص٣٨٦، کتاب الصیام، دار الفکر، بیروت.

[2] ج٢ ص٣٨٨، کتاب الصیام، المکتب الإسلامی، بیروت - دمشق - عمان.

گویا کہ کُل چالیس راتیں کو طور پر مسلسل گزر وائی گئیں اور حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا ایک چلّہ پورا کرایا گیا۔

کئی مفسرین مثلاً حضرت مجاہد، حضرت مسروق وغیرہ رحمہما اللہ اور بعض حضرات کے بقول حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ یہ چالیس راتیں ذو القعدہ کے پورے مہینہ اور ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کی تھیں۔ [1]

علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

وَقَدِ اخْتَلَفَ الْمُفَسِّرُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْعَشْرِ مَا هِیَ، فَالْاَكْثَرُوْنَ عَلٰى اَنَّ الثَّلَاثِیْنَ هِیَ (ذُوالْقَعْدَةِ) وَعَشْرٌمِّنَ ذِی الْحِجَّةِ رُوِیَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَغَیْرِهٖ، فَعَلٰى هٰذَا یَكُوْنُ قَدْ كَمُلَ الْمِیْقَاتُ یَوْمَ النَّحْرِ وَحَصَلَ فِیْهِ التَّكْلِیْمُ لِمُوْسٰى عَلَیْهِ السَّلَامُ، وَفِیْهِ اَكْمَلَ اللّٰهُ الدِّیْنَ لِمُحَمَّدٍصَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَالَ تَعَالٰى "اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً" (تفسیر ابن کثیر) [2]

---

[1] حدثنا إبراهيم بن محمد بن برة الصنعانى ثنا عبد الرزاق ثنا الثورى عن مجاهد فى قول الله تعالى (وواعدنا موسى ثلاثين ليلة وأتممناها بعشر) قال ذو القعدة (وأتممناها بعشر)من ذى الحجة(فضل عشر ذى الحجة للطبرانى، رقم الحديث ٢٠،باب تأويل قول الله تعالى وواعدنا موسى ثلاثين ليلة وأتممناها بعشر)

اخرج ابن ابى حاتم عن ابى العالية يعنى ذى القعدة وعشرا من ذى الحجة(التفسير المظهرى، ج٣ص ٤٠٢، سورةالاعراف)

حدثنا المنذر بن شاذان، ثنا يعلى، ثنا طلحة بن عمرو، عن عطاء فى قوله :وواعدنا موسى ثلاثين ليلة قال :ذو القعدة.

حدثنا أبى، ثنا سهل بن عثمان، ثنا محبوب عن طلحة، ثنا عطاء قال:كان ابن عباس يقول فى قول الله :وواعدنا موسى ثلاثين ليلة وأتممناها بعشر قال :ذو القعدة وعشر ذى الحجة.

وروى عن مسروق ومجاهد وعطاء وأتممناها بعشر قالوا :عشر ذى الحجة(تفسير ابنِ ابى حاتم، ج٥ص ١٥٥٦،سورة الاعراف)

باب قول الله تعالى (وواعدنا)بألف بعد الواو(موسى ثلاثين ليلة)ذا القعدة(وأتممناها بعشر)من ذى الحجة (فتم ميقات ربه أربعين ليلة)(ارشاد السارى للقسطلانى ،ج٥ص ٣٧٨، كتاب احاديث الانبياء)

[2] ج٣ص ٤٢١، تحت آيت ١٤٣ من سورة الاعراف.

ترجمہ: اور مفسرین کا اس عشرہ کے بارہ میں اختلاف ہے کہ وہ کون سا ہے؟ اکثر حضرات کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام کی کوہِ طور پر تیس راتیں ذی قعدہ کے مہینہ کی اور دس راتیں ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کی تھیں، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے یہی مروی ہے، لہٰذا اس تفصیل کی روشنی میں موسیٰ علیہ السلام کی میعاد عید الاضحیٰ کے دن مکمل ہوئی تھی، اور اسی دن اللہ تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا تھا، اور یہی وہ زمانہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو مکمل فرمایا تھا اور دین کی تکمیل کی بشارت اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں نازل فرمائی تھی کہ:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً (سورۃ المائدہ آیت ۳)

یعنی ”آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کردیا، اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کردیا، اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کرلیا (ابنِ کثیر)

اس واقعہ سے ظاہر ہوا کہ ذی قعدہ کا پورا مہینہ مبارک ہے کہ اس مہینہ میں ایک جلیل القدر نبی نے کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور آسمانی کتاب حاصل کرنے کے لئے قیام اور اعتکاف فرمایا۔

ماہِ ذی قعدہ حج کا ”دوسرا مہینہ“

ذی قعدہ کے مہینہ کو ایک شرف یہ حاصل ہے کہ یہ مہینہ حج کا دوسرا مہینہ ہے، کیونکہ شوال کے مہینہ سے حج کے مہینوں کا آغاز ہوتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَارَفَثَ وَلَافُسُوْقَ وَلَاجِدَالَ فِي الْحَجِّ(سورة البقرة رقم الاية ١٩٧)

ترجمہ: حج کے چند مہینے ہیں جو (مشہور و) معلوم ہیں سو جو شخص ان میں حج مقرر کرلے (کہ حج کا احرام باندھ لے) تو پھر (اس شخص کو) نہ کوئی فحش بات (جائز) ہے اور نہ کوئی گناہ (درست) ہے اور نہ کسی قسم کا نزاع (وجھگڑا) ہے (سورہ بقرہ)

تشریح: ''اَشْهُرٌ'' شہرٌ کی جمع ہے جس کے معنٰی ہیں ''مہینہ'' [1]

حج ادا کرنے کے لئے شریعت نے کچھ خاص مہینے، تاریخیں اور اوقات مقرر کئے ہیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَوْلِهٖ عَزَّ وَجَلَّ ''اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ'' شَوَّالٌ، وَذُو الْقَعْدَةِ، وَذُو الْحِجَّةِ (المعجم الأوسط) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل کے قول ''الحج اشہر معلومات'' کے بارے میں فرمایا کہ شوال اور ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے مہینے ہیں (طبرانی)

البتہ بہت سے حضرات کے نزدیک ذی الحجہ کا پورا مہینہ حج کے مہینوں میں داخل نہیں، بلکہ اس کے ابتدائی دس دن ہی داخل ہیں، اور اس طرح سے ان کے نزدیک حج کے مہینوں سے مراد دو مہینے (شوال اور ذیقعدہ) اور دس دن ہیں (جو کہ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں)

ان حضرات کے قول کی تائید حضرت ابنِ عمر اور حضرت ابنِ عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر

---

[1] (قوله وأشهر الحج شوال وذو القعدة وعشر من ذى الحجة)فإن قيل كيف يكون الشهران وبعض الثالث أشهرا قيل إقامة لأكثر الثلاثة مقام كلها (الجوهرة النيرة ،ج ١ ص١٦٧ ،باب التمتع)

[2] للطبرانى،رقم الحديث ١٥٨۴ ،دارالحرمين ، القاهرة.

قال الهيثمى:

رواه الطبرانى فى الصغير والأوسط، وفيه حصين بن مخارق قال الطبرانى :كوفى ثقة. وضعفه الدارقطنى، وبقية رجاله موثقون(مجمع الزوائد، ج٣ص٢١٨ ،باب فى أشهر الحج)

رضی اللہ عنہم وغیرہ کی روایات سے ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ سے روایت ہے کہ:

أَشْهُرُ الْحَجِّ: شَوَّالٌ، وَذُو الْقَعْدَةِ، وَعَشْرٌ مِّنْ ذِی الْحَجَّةِ (بخاری) [1]

ترجمہ: حج کے مہینے یہ ہیں: شوال اور ذوالقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن (بخاری)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَشْهُرُ الْحَجِّ شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرٌ مِّنْ ذِی الْحِجَّةِ (سنن الدارقطنی) [2]

ترجمہ: حج کے مہینے یہ ہیں: شوال اور ذوالقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن (دارقطنی)

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَشْهُرُ الْحَجِّ شَوَّالٌ وَّذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرٌ مِّنْ ذِی الْحَجَّةِ (سنن الدارقطنی) [3]

ترجمہ: حج کے مہینے یہ ہیں: شوال اور ذوالقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن (دارقطنی)

مذکورہ مہینوں کو حج کے مہینے قرار دینے سے معلوم ہوا کہ یہ مہینے حج کے لئے مقرر ہیں، اور ان کے علاوہ کسی اور زمانہ میں حج جائز نہیں۔

اور ان مہینوں کے حج کے مہینے ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس پورے عرصے میں حج ادا کیا جاتا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو کوئی حج کرنا چاہتا ہے، تو وہ حج کے مہینے شروع ہونے (یعنی شوال کا مہینہ داخل ہونے) سے پہلے حج کا احرام نہ باندھے۔

پھر بعض حضراتِ فقہاء (مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ) کے نزدیک تو شوال کا مہینہ شروع ہونے

---

[1] كتاب الحج ،باب قول الله تعالى الحج أشهر معلومات،دارطوق النجاة،بيروت، واللفظ له، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۳۰۹۲، سنن دارقطنی،رقم الحديث ۲۴۵۲.
قال الحاكم:هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ، ولم يخرجاه.
وقال الذهبي في التلخيص: على شرط البخاري ومسلم.

[2] رقم الحديث ۲۴۵۳،كتاب الحج، مؤسسة الرسالة، بيروت.

[3] رقم الحديث ۲۴۵۴،كتاب الحج، مؤسسة الرسالة، بيروت.

سے پہلے حج کا احرام باندھنا سرے سے جائز ہی نہیں، اور بعض حضرات (مثلاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک ایسا کرنا سنت کے خلاف ہے۔ [1]

(ماخوذ از "شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام" مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی)

کیا ذی قعدہ خالی کا مہینہ ہے؟

ذی قعدہ کے مہینہ کو اگرچہ بعض لوگ آج کل خالی کا مہینہ کہتے ہیں، لیکن خالی کا مہینہ کہنے کا

---

[1] اَلْحَجُّ ای وقت الحج بل وقت إحرام الحج فان وقت اركان الحج انما هو يوم عرفة ويوم النحر لا غير أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ اخرج الطبرانى عن ابى امامة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم شوال وذو القعدة وذو الحجة -قلت المراد شوال وذو القعدة وتسع من ذى الحجة الى طلوع الفجر من يوم النحر -ويروى عن ابن عمر شوال وذو القعدة وعشر من ذى الحجة قال البغوى كل واحد من اللفظين صحيح والمال واحد غير مختلف فيه فمن قال عشر عبر عن الليالى ومن قال تسع عبر عن الأيام -وانما قال اشهر بلفظ الجمع لانها وقت والعرب تسمى الوقت تاما بقليله وكثيره -قال الله تعالى -سُبْحَانَ الَّذِى أَسْرى بِعَبْدِهِ لَيْلًا وانما اسرى فى بعض الليل -وهذا هو محمل لما روى عن عمر انه قال شوال وذو القعدة وذو الحجة -وقال عروة بن الزبير وغيره أراد بالأشهر شوالا وذا القعدة وذا الحجة كملا لانه يبقى على الحاج امور بعد عرفة يجب عليه فعلها مثل الذبح والرمى والحلق وطواف الزيارة والمبيت بمنى ورمى الجمار فى ايام التشريق فكانت فى حكم الحج -قلت هذه الافعال كلها ينتهى الى ثالث عشر من ذى الحجة فكيف يعد ذو الحجة بهذا التوجيه كاملا -وقال البيضاوى وذو الحجة كله من أشهر الحج بناء على ان المراد بالوقت عنده ما لا يحسن فيه غيره من المناسك وقال فان مالكا يكره العمرة فى بقية ذى الحجة -قلت وهذا غير مستقيم فان العمرة فى أشهر الحج للافاقى غير مكروه اجماعا -وقد اعتمر رسول الله صلى الله عليه وسلم اربع عمر كلها فى ذى القعدة وكذا للمكى عند مالك والشافعى فان التمتع للمكى عندهما جائز كما ذكرنا -وهذه الاية حجة للشافعى حيث قال لا يجوز إحرام الحج قبل الأشهر وان احرم انعقد الإحرام للعمرة -وقال داود -من احرم للحج قبل الأشهر لغى ولا ينعقد أصلا -وقال ابو حنيفة ومالك واحمد ان احرم قبل الأشهر للحج انعقد لكنه يكره(التفسير المظهرى، ج ا ص ۲۳۰، ۲۳۱، تحت آیت ۱۹۷ من سورة البقرة)

واستدل بالآية على أنه لا يجوز الإحرام بالحج إلا فى تلك الأشهر، كما قاله ابن عباس رضى الله تعالى عنه وعطاء وغيرهما .إذ لو جاز فى غيرها -كما ذهب إليه الحنفية -لما كان لقوله سبحانه: فِيهِنَّ فائدة، وأجيب بأن فائدة فلو قدّم الإحرام انعقد حجا مع الكراهة، وعند الشافعى رضى الله تعالى عنه يصير محرما بالعمرة، ومدار الخلاف أنه ركن عنده -وشرط عندنا -فأشبه الطهارة فى جواز التقديم على الوقت، والكراهة جاء ت للشبهة،فعن جابر عن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم لا ينبغى لأحد أن يحرم بالحج إلا فى أشهر الحج(روح المعانى، ج ا ص ۴۸۱، ۴۸۲،تحت سورة البقرة)

مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس مہینہ کو عبادت واطاعت سے بھی خالی اور فارغ سمجھا جائے بلکہ اس کا صحیح مطلب اگر زیادہ سے زیادہ کچھ ہوسکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ یہ مہینہ اپنے سے اگلے اور پچھلے مہینوں کے برعکس عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ وغیرہ سے خالی ہے، لہٰذا خالی کا مطلب یہ سمجھنا کہ اس مہینہ میں کسی نیک عمل کی ضرورت نہیں اور شریعت کی طرف سے اس مہینہ میں کسی عمل کی بھی کوئی پابندی نہیں رہتی، یہ سراسر لاعلمی اور ناواقفی ہے۔

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ یہ مہینہ سال کے ان چار بابرکت مہینوں میں سے ہے، جن میں جس طرح گناہوں کا وبال بڑھ جاتا ہے، اُسی طرح نیک اعمال کی فضیلت بھی بڑھ جاتی ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ اس مہینے میں بطورِ خاص گناہوں سے بچنے اور نیک اعمال کرنے کی زیادہ اہمیت ہے، پھر خالی ہونے کا کیا مطلب؟

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ذیقعدہ کے مہینہ میں کوئی خاص عبادت جس کا تعلق صرف اس مہینہ سے ہو وہ شریعت کی طرف سے مقرر نہیں کی گئی۔

لیکن اس سے یہ سمجھ لینا کہ یہ مہینہ شریعت کی طرف سے مسلمانوں کے لئے آزادی کا مہینہ ہے، جس میں کسی عمل کی بھی پابندی نہیں؛ یہ سنگین غلطی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

کیا ماہِ ذی قعدہ میں نکاح کرنا منع ہے؟

آج بہت سے مسلمانوں نے اس مہینہ کو خالی کا نام دیئے جانے کا مطلب یہ سمجھ لیا ہے کہ اس مہینہ میں نکاح اور شادی بیاہ کی تقریب بھی نہیں کی جاسکتی، کیونکہ یہ خالی کا مہینہ ہے، لہٰذا اس مہینے میں اگر شادی بیاہ کی تقریب منعقد کی جائے گی تو وہ برکت سے خالی ہوگی۔

اسی لئے آج کل ہمارے علاقہ میں بہت سے لوگ شوال کے مہینہ میں جلدی جلدی نکاح کر کے فارغ ہوجاتے ہیں کہ کہیں ذی قعدہ کا مہینہ شروع نہ ہوجائے۔

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

محرم اور صفر کے مہینہ کو تو پہلے ہی سے بہت سے عوام نے شادی بیاہ سے فارغ کر رکھا تھا کیونکہ ان کی غلط سوچ کے مطابق نعوذ باللہ تعالیٰ محرم غم کا مہینہ ہے اور شادی بیاہ کرنا غم کے بجائے خوشی کا تقاضا کرتی ہے اور صفر نحوست کا مہینہ ہے اور اس مہینہ میں کی ہوئی شادی بیاہ نحوست والی ہوتی ہے، مگر اب ذی قعدہ کے مہینہ کو بھی خالی کا مہینہ سمجھ کر شادی بیاہ سے فارغ کر دیا گیا ہے۔

حالانکہ اسلامی نقطۂ نظر سے اپنی ذات میں ذی قعدہ، محرم اور صفر سمیت کوئی مہینہ، کوئی سال، کوئی ہفتہ، کوئی تاریخ، کوئی دن اور کوئی وقت ایسا نہیں ہے کہ جس میں نکاح کرنا گناہ یا منع ہو یا پھر بے برکتی اور نحوست کا ذریعہ ہو۔

بعض مؤرخین کے نزدیک ذوالقعدہ کے مہینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امُّ المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے اپنا نکاح فرمایا تھا۔ [۱]

نکاح کرنا عبادت ہے اور اس عبادت کے لئے کسی سال، کسی مہینہ، کسی ہفتہ یا دن وتاریخ اور وقت کو ممنوع یا مکروہ قرار نہیں دیا گیا، بلکہ اس کے لئے وقت کو عام چھوڑ دیا گیا ہے کہ جب چاہیں اور جب ضرورت ہو نکاح کریں۔

---

[۱] تزويجه عليه السلام بزينب بنت جحش بن رئاب بن يعمر بن صبرة بن مرة بن كبير بن غنم بن دودان بن أسد بن خزيمة الأسدية أم المؤمنين وهى بنت أميمة بنت عبد المطلب عمة رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت قبله عند مولاه زيد بن حارثة رضى الله عنه قال قتادة والواقدى وبعض أهل المدينة تزوجها عليه السلام سنة خمس زاد بعضهم فى ذى القعدة قال الحافظ البيهقى تزوجها بعد بنى قريظة وقال خليفة بن خياط وأبو عبيدة معمر بن المثنى وابن منده تزوجها سنة ثلاث والأول أشهر وهو الذى سلكه ابن جرير وغير واحد من أهل التاريخ(البداية والنهاية، ج۴ص ۱۴۵ ،تزويجه عليه السلام بزينب بنت جحش)

وفى هذه السنة :تزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم زينب بنت جحش بن رئاب، أمها أميمة بنت عبد المطلب، وكانت فيمن هاجر مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكانت امرأة جميلة، فخطبها رسول الله صلى الله عليه وسلم لزيد، فقالت :لا أرضاه لنفسى، قال :فإنى قد رضيته لک ، فتزوجها زيد بن حارثة، ثم تزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم لهلال ذى القعدة سنة خمس من الهجرة، وهى يومئذ بنت خمس وثلاثين سنة(المنتظم لابن الجوزى، ج۳ص ۲۲۵)

مگر ہم لوگوں نے اپنی طرف سے اس سلسلہ میں بعض مہینوں کو ممنوع سمجھ لیا ہے، اور شریعت کی طرف سے دی ہوئی آزادی سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اپنے آپ کو اس سے محروم کرلیا ہے۔

لیکن اس کے برخلاف شریعت نے جن چیزوں پر پابندی لگائی تھی اور جن چیزوں سے منع کیا تھا، ان چیزوں سے اپنے آپ کو آزاد کررکھا ہے، چنانچہ آج کل شادی بیاہ میں جو خرافات ہورہی ہیں وہ کسی سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہیں، ناچ، گانا، بے پردگی، بے حیائی، تصویر سازی، آتش بازی، فضول خرچی، دکھلاوا، بڑائی، فخر وتفاخر، تکبر وبناوٹ، وقت کا ضیاع اور نہ جانے کیا کیا خرابیاں آج ہماری عام شادی بیاہ کی تقریبات میں دیکھنے اور سننے کو ملتی ہیں اور یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو عام حالات میں بھی گناہ ہیں، چہ جائیکہ نکاح جیسی عبادت کے ساتھ ان کو جمع کیا جائے، اور ان گناہوں کے ساتھ نکاح کو خواہ شوال کے مہینہ میں انجام دیا جائے تب بھی بے برکتی اور نحوست کا باعث ہے، اور خواہ ذی قعدہ یا کسی اور مہینہ میں، ہر حال میں ان گناہوں کے بے برکتی والے زہریلے اثرات انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ ماہِ ذی قعدہ سال کے چار محترم ومعظَّم مہینوں میں سے ہے، اور ان مہینوں میں جس طرح نیک عمل کی فضیلت کا درجہ زیادہ ہے، اسی طرح گناہ کا وبال بھی زیادہ ہے، لہٰذا اس کے پیشِ نظر اگر نکاح کی عبادت کو اس مہینہ میں سنت کے مطابق انجام دیا جائے گا تو یہ نکاح بہت برکت اور فضیلت کا باعث ہوگا۔

افسوس کہ جس چیز پر شریعت نے پابندی نہیں لگائی تھی اس چیز کی تو ہم نے اپنی طرف سے پابندی لگالی ہے مگر جن چیزوں پر شریعت نے ہمہ وقت پابندی لگائی تھی ان چیزوں سے ہم نے ہمیشہ کے لئے پابندی کو ہٹادیا ہے، گویا کہ ہم دونوں طرح سے شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کرکے مجرم بن رہے ہیں۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ نکاح عبادت ہے اور اس عبادت کے ساتھ ان گناہوں کو جمع کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ نعوذ باللہ تعالیٰ مسجد اور نماز کی عبادت کے ساتھ تصویر سازی، بے پردگی، ناچ، گانے اور باجے وغیرہ کو جمع کیا جائے اور جس طرح مسجد کے اندر اور نماز کی عبادت میں مصروف ہونے کی حالت میں ان گناہوں کا ارتکاب کرنا کسی مسلمان کی طرف سے گوارا نہیں کیا جاتا، اسی طرح نکاح کی عبادت میں بھی ان گناہوں کو گوارا نہیں کیا جانا چاہئے۔

ماہِ ذی قعدہ کی مبارک باد دینے کے متعلق مَن گھڑت عقیدہ

آج کل بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو ماہِ ذی قعدہ کے شروع ہونے پر مبارک باد دے تو اُس پر جنت واجب ہو جاتی ہے، اور اس فضیلت کو سُن کر بعض لوگ ماہِ ذی قعدہ کے آغاز پر ایک دوسرے کو زبانی، تحریری، اور ذرائع ابلاغ کے واسطہ سے مبارَکباد دیتے ہیں۔

لیکن یاد رکھیے کہ اس طرح کی کوئی بات شریعت سے ثابت اور شریعت میں وارِد نہیں؛ لہٰذا اس قسم کا عقیدہ رکھنا درست نہیں، بلکہ شریعت پر زیادتی اور گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے عقیدوں کو اپنی رضا کے مطابق بنانے کی توفیق عطا فرمائیں، اور ہر قسم کی خلافِ شریعت باتوں سے بچنے کی توفیق مرحمت فرمائیں، اور پوری امتِ محمدیہ کو حق پر متفق ومجتمع ہونے کی توفیق سے نوازیں۔ آمین۔

حج کے فضائل واحکام

ماہِ ذی قعدہ حج کا دوسرا مہینہ ہے، اور اسی مہینے میں عموماً آج کل حجاجِ کرام حج کے سفر پر جاتے ہیں، اور اس مہینہ میں حج کرنے والوں کی چَہَل پَہَل اور نقل وحرکت نظر آنی شروع ہوجاتی ہے۔ اگرچہ حج ذی الحجہ کے مہینہ میں ادا کیا جاتا ہے۔

اس لیے اس مہینہ کی مناسبت سے حج کے اہم فضائل واحکام کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

''حج'' کی تاکیدواہمیت اور اس کے ترک کرنے پر وعید

اسلام کے پانچ ارکان میں سے آخری اور تکمیلی رکن بیت اللہ کا حج ہے۔

''حج'' اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین عبادت ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت آدم یا حضرت ابراہیم علیہما الصلاۃ والسلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام یا اکثر انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے حج کیا ہے۔ [1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن دس ہجری میں اپنے وصال سے تین مہینے پہلے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ حج فرمایا، جو '' حَجَّةُ الْوِدَاعُ '' کے نام سے مشہور ہے۔ [2]

---

[1] روى أن آدم عليه السلام حج أربعين سنة من الهند ماشيا وأن جبريل قال له: إن الملائكة كانوا يطوفون قبلک بهذا البيت سبعة آلاف سنة وادعى ابن إسحاق أنه لم يبعث الله تعالى نبيا بعد إبراهيم إلا حج، والذى صرح به غيره أنه ما من نبى إلا حج خلافا لمن استثنى هودا وصالحا عليهما الصلاة والسلام(روح المعانى، ج۲ ص ۲۳۰، سورة آل عمران)

مگر بندہ کو کسی مستند مرفوع یا موقوف حدیث میں یہ مضمون نہیں ملا۔

[2] اور اس کو حجۃ الوداع اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس حج کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصال اور وداع فرما گئے تھے، اور اس حج کے موقع پر آپ نے انتہائی جامع، قیمتی نصیحتیں اُمت کو فرمائی تھیں، جو وداع وفراق والے کے مثل تھیں۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

حج کی فرضیت کا حکم کس وقت نازل ہوا؟ اس بارے میں اہلِ علم حضرات کے مختلف اقوال ہیں، ایک قول سن پانچ ہجری میں، دوسرا قول سن چھ ہجری میں، تیسرا قول سن سات ہجری میں، چوتھا قول سن آٹھ ہجری میں اور پانچواں قول سن نو ہجری میں فرض ہونے کا ہے، اور بہت سے حضرات نے سن چھ ہجری میں حج کے فرض ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حدثنا أبو إسحاق، قال :حدثني زيد بن أرقم، أن النبي صلى الله عليه وسلم غزا تسع عشرة غزوة، وأنه حج بعد ما هاجر حجة واحدة، لم يحج بعدها حجة الوداع، قال أبو إسحاق :وبمكة أخرى(بخاری، رقم الحديث ۴۴۰۴)

ثنا أبو إسحاق، حدثني زيد بن أرقم، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم حج بعد ما هاجر حجة واحدة لم يحج بعدها حجة الوداع(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۵۰۴۹)

عن جابر بن عبد الله، أن النبی صلى الله عليه وسلم :حج ثلاث حجج، حجتين قبل أن يهاجر، وحجة بعد ما هاجر، ومعها عمرة، فساق ثلاثة وستين بدنة، وجاء علی من اليمن ببقيتها فيها جمل لأبی جهل فی أنفه برة من فضة فنحرها رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم من كل بدنة ببضعة، فطبخت، وشرب من مرقها :هذا حديث غريب من حديث سفيان لا نعرفه إلا من حديث زيد بن حباب ورأيت عبد الله بن عبد الرحمن روى هذا الحديث فی كتبه، عن عبد الله بن أبی زياد وسألت محمدا عن هذا فلم يعرفه من حديث الثوری، عن جعفر، عن أبيه، عن جابر، عن النبی صلى الله عليه وسلم، ورأيته لم يعد هذا الحديث محفوظا "، وقال :إنما يروى عن الثوری، عن أبی إسحاق، عن مجاهد مرسلا(سنن الترمذی، رقم الحديث ۸۱۵)

قوله ولا ندری ما حجة الوداع كأنه شیء ذكره النبی صلى الله عليه وسلم فتحدثوا به وما فهموا أن المراد بالوداع وداع النبی صلى الله عليه وسلم حتى وقعت وفاته صلى الله عليه وسلم بعدها بقليل فعرفوا المراد وعرفوا أنه ودع الناس بالوصية التی أوصاهم بها أن لا يرجعوا بعده كفارا وأكد التوديع بإشهاد الله عليهم بأنهم شهدوا أنه قد بلغ ما أرسل إليهم به فعرفوا حينئذ المراد بقولهم حجة الوداع وقد وقع فی الحج فی باب الخطبة بمنى من رواية عاصم بن محمد بن زيد عن أبيه عن ابن عمر فی هذا الحديث فودع الناس وقدمت هناك ما وقع عند البيهقی أن سورة إذا جاء نصر الله والفتح نزلت فی وسط أيام التشريق فعرف النبی صلى الله عليه وسلم أنه الوداع فركب واجتمع الناس فذكر الخطبة(فتح الباری لابن حجر، ج۸ص۱۰۸، باب حجة الوداع)

[1] اور کیونکہ یہ تاریخی معاملہ ہے، جس سے شریعت کے خاطر خواہ احکام کا تعلق نہیں، اس لئے بلاضرورت تاریخ کی کھود کرید کے درپے ہونا مناسب نہیں۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قرآن وسنت میں حج کی بہت زیادہ تاکید واہمیت بیان کی گئی ہے، اور صاحبِ استطاعت لوگوں کے اس کو چھوڑنے پر سخت سزا اور وعید کا ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ(سورة آل عمران رقم الآية ۹۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے واسطے بیتُ اللہ کا حج کرنا فرض ہے ان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں اور جو شخص انکار کرے تو (اللہ تعالیٰ کا اس میں کیا نقصان ہے) اللہ تو تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے(سورہ آلِ عمران)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وفی وقت وجوبه خلاف فقيل :قبل الهجرة، وقيل :أول سنيها وهكذا إلى العاشرة وصحح أنه فى السادسة، نعم حج صلى الله تعالى عليه وسلم قبل النبوة وبعدها وقبل الهجرة حججا لا يدرى عددها(روح المعانى، ج۲ص ۲۳۰، سورة آل عمران)

الصوم فرض فى السنة الثانية، والحج فرض سنة خمس، أو ست، أو ثمان، أو تسع(مرقاة المفاتيح، ج ۱ ص۶۷، كتاب الايمان)

النوع الرابع :فى وقت ابتداء فرضه، فذكر القرطبى أن الحج فرض سنة خمس من الهجرة، وقيل : سنة تسع، قال :وهو الصحيح .وذكر البيهقى أنه كان سنة ست، وفى حديث ضمام بن ثعلبة ذكر الحج، وذكر محمد بن حبيب أن قدومه كان سنة خمس من الهجرة، وقال الطرطوشى :وقد روى أن قدومه على النبى صلى الله عليه وسلم كان فى سنة تسع، وذكر الماوردى أنه فرض سنة ثمان، وقال إمام الحرمين :سنة تسع أو عشر، وقيل :سنة سبع، وقيل :كان قبل الهجرة وهو شاذ(عمدة القارى، ج۹ص ۱۲۲، كتاب الحج)

واختلف هل هو على الفور أو التراخى وهو مشهور وفى وقت ابتداء فرضه فقيل قبل الهجرة وهو شاذ وقيل بعدها ثم اختلف فى سنته فالجمهور على أنها سنة ست لأنها نزل فيها قوله تعالى وأتموا الحج والعمرة لله وهذا ينبنى على أن المراد بالإتمام ابتداء الفرض ويؤيده قراءة علقمة ومسروق وإبراهيم النخعى بلفظ وأقيموا أخرجه الطبرى بأسانيد صحيحة عنهم وقيل المراد بالإتمام الإكمال بعد الشروع وهذا يقتضى تقدم فرضه قبل ذلك وقد وقع فى قصة ضمام ذكر الأمر بالحج وكان قدومه على ما ذكر الواقدى سنة خمس وهذا يدل إن ثبت على تقدمه على سنة خمس أو وقوعه فيها وسيأتى مزيد بسط فى الكلام على هذه المسألة فى أول الكلام على العمرة(فتح البارى لابنِ حجر، ج۳ص۳۷۸،قوله باب وجوب الحج وفضله)

فائدہ: انکار کرنے میں وہ شخص تو داخل ہے ہی جو صراحتاً اور صاف طور پر حج کے فریضہ کا منکرو انکاری ہو، حج کو فرض ہی نہ سمجھے، اس کا دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر ہونا تو ظاہر ہے۔

اس لئے ''کَـفَـرَ'' یعنی کفر وانکار کرنے کا لفظ اس پر صاف طور سے صادق آتا ہے اور ایسے شخص پر پورا اُترتا ہے اور جو شخص حج کو عقیدہ کے طور پر فرض سمجھتا ہے، لیکن باوجود استطاعت وقدرت کے حج نہیں کرتا وہ بھی ایک حیثیت سے یعنی عملی طور پر منکر ہی ہے۔

اس کے حق میں کفر وانکار تنبیہ کے لئے ہے، کہ یہ شخص کافروں جیسے عمل میں مبتلا ہے، جیسے کافر ومنکر حج نہیں کرتے یہ بھی عمل کے اعتبار سے ایسا ہی ہے، اگرچہ وہ حقیقت میں دائرۂ اسلام سے خارج نہ ہو۔ [۱]

آیت کے اس جملہ میں ان لوگوں کے لئے سخت وعید ہے جو باوجود قدرت واستطاعت کے حج نہیں کرتے، کہ وہ اپنے اس عمل سے کافروں کی طرح ہوگئے، کیونکہ اس آیت میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے طرزِ عمل کو ''کـفـر'' کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے۔ اور ''فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ'' کی وعید سنائی گئی ہے۔

اس کا مطلب یہی ہوا، کہ ایسے ناشکرے اور نافرمان جو کچھ بھی کریں اور جس حال میں مریں اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں۔

بعض روایات میں ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ چاہیں تو یہودی ہوکر مریں یا نصرانی ہوکر، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ [۲]

---

[۱] وقوله ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا هذه آية وجوب الحج عند الجمهور. وقيل: بل هی قوله وأتموا الحج والعمرة لله، والأول أظهر. وقد وردت الأحاديث المتعددة بأنه أحد أركان الإسلام ودعائمه وقواعده، وأجمع المسلمون على ذلك إجماعا ضروريا، وإنما يجب على المكلف فى العمر مرة واحدة بالنص والإجماعِ (تفسير ابنِ كثير ج۲ ص ۷۰، سورة آلِ عمران)

[۲] وَمَنْ كَفَرَ يعنى أنكر وجوب الحج كذا قال ابن عباس والحسن وعطاء -اخرج عبد بن حميد فى تفسيره عن نقيع قال قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم هذه الاية فقام رجل من هذيل فقال يا رسول الله فمن تركه فقد كفر قال من تركه لا يخاف عقوبته ولا يرجو ثوابه -نقيع تابعى فالحديث

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ (سورہ حج آیت ۲۷)

ترجمہ: اور (ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) آپ لوگوں میں حج کے متعلق اعلان کر دیجئے (اس اعلان سے) لوگ تمہارے پاس پیدل چلے آئیں گے اور اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز راستوں سے (لمبے سفر کی تکان کی وجہ سے) دبلی پتلی حالت میں پہنچیں گی (سورہ حج)

مطلب یہ ہے کہ جن سواریوں پر لوگ دُور دراز سے سفر کر کے پہنچیں گے، ان سواریوں پر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مرسل -وقال سعيد بن المسيب نزلت في اليهود حيث قالوا الحج الى مكة غير واجب واخرج سعيد بن منصور وابن جرير عن الضحاک مرسلا انه لما نزل صدر الاية جمع رسول الله صلى الله عليه وسلم ارباب الملل فخطبهم وقال ان الله كتب عليكم الحج فحجوا فامنت به ملة واحدة يعنى المسلمين وكفرت به خمس ملل يعنى المشركين واليهود والنصارى والصابئين والمجوس فنزل ومن كفر فإن الله غنى عن العالمين -واخرج سعيد بن منصور عن عكرمة قال لما نزلت ومن يبتغ غير الإسلام دينا الاية قالت اليهود فنحن مسلمون فقال لهم النبى صلى الله عليه وسلم ان الله فرض على المسلمين حج البيت فقالوا لم يكتب علينا وأبوا ان يحجوا فانزل الله ومن كفر الاية -والظاهر انه وضع من كفر موضع من لم يحج تأكيدا لوجوبه وتغليظا على تاركه ومعنى كفر انه لم يشكر المنعم على صحة جسمه وسعة رزقه وهذان التأويلان جاريان فى حديث ابى امامة ان النبى صلى الله عليه وسلم قال من لم تحبسه حاجة ظاهرة او مرض حابس او سلطان جائر ولم يحج فليمت ان شاء يهوديا وان شاء نصرانيا رواه البغوى والدارمى فى مسنده وأورده ابن الجوزى فى الموضوعات وتعقبه الحفاظ وحديث على عليه السلام من ملك زادا وراحلة يبلغه الى بيت الله ولم يحج فلا عليه ان يموت يهوديا او نصرانيا رواه الترمذى وضعفه فإن الله غنى عن العالمين أكد الله سبحانه امر الحج فى هذه الاية بوجوه بالدلالة على وجوبه بصيغة الخبر وابرازه فى صورة الاسمية -و إيراده على وجه يفيد انه حق واجب لله فى رقاب الناس وتعميم الحكم اولا وتخصيصه ثانيا فانه كايضاح بعد إبهام وتكرير للمراد وتسمية ترک الحج كفرا من حيث انه فعل الكفرة وذكر الاستغناء فانه فى هذا الموضع يدل على المقت والخذلان ووضع المظهر بلفظ عام شامل لمرجع الضمير موضعه لما فيه من مبالغة التعميم والدلالة على الاستغناء عنه بالبرهان والاشعار بعظم السخط(التفسير المظهرى، ج۲ص۱۰۰، تحت سورة آل عمران)

لمبے سفر کے (گرد وغبار کی شکل میں) آثار ظاہر ہوں گے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لَمَّا فَرَغَ إِبْرَاهِيْمُ مِنْ بِنَاءِ الْبَيْتِ قَالَ: رَبِّ قَدْ فَرَغْتُ، فَقَالَ: أَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ، قَالَ: رَبِّ وَمَا يَبْلُغُ صَوْتِيْ؟ قَالَ: أَذِّنْ وَعَلَيَّ الْبَلَاغُ، قَالَ: رَبِّ كَيْفَ أَقُوْلُ؟ قَالَ: قُلْ: يَآ أَيُّهَا النَّاسُ، كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ، حَجُّ الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ فَسَمِعَهُ مَنْ بَيْنَ السَّمآءِ وَالْأَرْضِ أَلَا تَرٰى أَنَّهُمْ يَجِيْئُوْنَ مِنْ أَقْصَى الْأَرْضِ يُلَبُّوْنَ؟ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیتُ اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے، تو انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں (بیتُ اللہ کی تعمیر سے) فارغ ہو چکا ہوں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ لوگوں میں حج کا اعلان فرمائیے، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب! کیا میری آواز (لوگوں تک) پہنچ جائے گی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ تو اعلان فرمائیے، اور (آواز کا) پہنچانا ہمارے ذمہ ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں کس طرح اعلان کروں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ یہ کہئے کہ اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے، بیتِ عتیق (یعنی بیتُ اللہ) کا حج (حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اسی طرح اعلان کر دیا) تو حضرت

---

[1] رقم الحديث ۳۴۶۴، ج۲ص ۴۲۱، كتاب التفسير، تفسير سورة الحجّ.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه .

وقال الذهبي في التلخيص: صحيح.

وقال ابن حجر: وأقوى ما فيه عن ابن عباس ما أخرجه أحمد بن منيع في مسنده وابن أبي حاتم من طريق قابوس بن أبي ظبيان عن أبيه عنه قال لما فرغ إبراهيم عليه السلام من بناء البيت قيل له أذن في الناس بالحج قال رب وما يبلغ صوتي قال أذن وعلى البلاغ قال فنادى إبراهيم يا أيها الناس كتب عليكم الحج إلى البيت العتيق فسمعه من بين السماء والأرض أفلا ترون أن الناس يجيئون من أقصى الأرض يلبون(فتح الباري ،ج۳ص ۴۰۹، قوله باب التلبية)

ابراہیم کے اس اعلان کو آسمان اور زمین کے درمیان والے سب نے سن لیا، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ لوگ زمین کے دور دراز علاقوں سے تلبیہ پڑھتے ہوئے (حج و عمرہ کے لیے جوق در جوق چلے) آتے ہیں (یہ اسی اعلان کا اثر ہے) (مستدرک حاکم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی بعض روایات میں یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے حج کی فرضیت کے اعلان کی آواز بطورِ معجزہ قیامت تک آنے والے سب لوگوں کی روحوں تک پہنچادی تھی۔ [1]

چنانچہ اس وقت سے آج تک ہزارہا سال گزر چکے ہیں، بیت اللہ کی طرف حج کے لئے آنے والوں کی یہی کیفیت ہے، حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد جو ایک لمبا زمانہ جاہلیت کا گزرا ہے اس میں بھی عرب کے لوگ جو اگرچہ بت پرستی کی بلاء میں مبتلاء ہو گئے تھے مگر حج کی وہ بھی پابندی کیا کرتے تھے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم کی گئی ہے، ایک اس حقیقت کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ (عبادت

---

[1] حدثنا ابن حميد قال :ثنا يحيى بن واضح، قال :ثنا ابن واقد، عن أبى الزبير، عن مجاهد، عن ابن عباس :قوله:(وأذنُ فى الناس بالحج)قال :قام إبراهيم خليل الله على الحجر، فنادى :يا أيها الناس كُتب عليكم الحجّ، فأسمع من فى أصلاب الرجال وأرحام النساء ، فأجابه من آمن من سبق فى علم الله أن يحج إلى يوم القيامة :لبَّيک اللهمّ لبَّيک(تفسير طبرى ج۱۸ ص۶۰۲)

[2] رقم الحديث ۸، كتاب الايمان، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم :بنى الإسلام على خمس، مسلم ،رقم الحديث ۱۶ "۲۰" ترمذى ،رقم الحديث ۲۶۰۹، نسائى،رقم الحديث ۵۰۰۱.

کے لائق) نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے زکاۃ ادا کرنا، چوتھے حج کرنا، پانچویں رمضان کے روزے رکھنا (بخاری ومسلم)

اس قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ حج، اسلام کے بنیادی ستونوں میں سے ہے، جن پر کہ اسلام کی عمارت قائم ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبریلِ امین نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے جوابات دیے، جن میں ایک سوال اسلام کے بارے میں تھا، جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔

چنانچہ صحیح مسلم کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ:

وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا، قَالَ: صَدَقْتَ (مسلم) [2]

ترجمہ: اور حضرت جبریلِ امین نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسلام کے بارے میں خبر دیجئے (کہ اس کی حقیقت کیا ہے) تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ آپ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں، اور آپ نماز قائم کریں، اور آپ زکاۃ

---

[1] عن جرير قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وحج البيت، وصوم رمضان " (مسند احمد، رقم الحديث ١٩٢٢٠)

في حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[2] رقم الحديث ٨" ا "كتاب الايمان، باب معرفة الايمان والاسلام والقدر وعلامة الساعة

ادا کریں، اور آپ رمضان کے روزے رکھیں، اور آپ بیت اللہ کا حج کریں، اگر آپ کو اس کی طرف جانے کی قدرت ہو، جبریلِ امین نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا (صحیح مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ حج کرنا اسلام کے بنیادی ارکان اور تقاضوں میں سے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ، فَحُجُّوْا (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (ایک دن) خطبہ دیا اور فرمایا کہ اے لوگو! تم پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض کر دیا ہے، لہٰذا تم حج کرو (صحیح مسلم)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَقِيْمُوْا الصَّلَاةَ، وَآتُوا الزَّكَاةَ، وَحُجُّوْا واعْتَمِرُوْا، واسْتَقِيْمُوْا، يُسْتَقَمْ بِكُمْ (المعجم الكبير للطبرانی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نماز قائم کرو، اور زکاۃ ادا کرو، اور حج کرو، اور عمرہ کرو، اور (ایمان اور اعمالِ صالحہ پر) استقامت (دوام اور پابندی) اختیار کرو، جس کے نتیجے میں تمہیں (مخلوق کے ساتھ معاملات میں)

---

[1] رقم الحدیث ۱۳۳۷ "۴۱۲" کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر.

[2] رقم الحدیث ۶۸۹۷، ج۷ ص ۲۱۶.

قال المنذری:

رواہ الطبرانی فی الثلاثۃ وإسنادہ جید إن شاء اللہ تعالی عمران القطان صدوق (الترغیب والترہیب للمنذری، کتاب الصدقات الترغیب فی أداء الزکاۃ وتأکید وجوبہا)

وقال الہیثمی:

رواہ الطبرانی فی الکبیر والأوسط والصغیر، وفی إسنادہ عمران القطان، وقد استشہد بہ البخاری ووثقہ أحمد وابن حبان، وضعفہ آخرون (مجمع الزوائد، باب منہ فی بیان فرائض الإسلام وسہامہ)

استقامت عطا کی جائے گی (طبرانی)

نماز اور زکاۃ کے ساتھ حج کے ذکر اور ان اعمال کی برکت سے استقامت نصیب ہونے سے حج کی اہمیت معلوم ہوئی۔ [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نُهِيْنَا أَنْ نَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ، فَكَانَ يُعْجِبُنَا أَنْ يَجِيْءَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ، فَيَسْأَلَهُ، وَنَحْنُ نَسْمَعُ، فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، أَتَانَا رَسُوْلُكَ فَزَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللّٰهَ أَرْسَلَكَ، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَمَنْ خَلَقَ السَّمَآءَ؟ قَالَ: اَللّٰهُ، قَالَ: فَمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ؟ قَالَ: اَللّٰهُ، قَالَ: فَمَنْ نَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ، وَجَعَلَ فِيْهَا مَا جَعَلَ؟ قَالَ: اَللّٰهُ، قَالَ: فَبِالَّذِيْ خَلَقَ السَّمَآءَ، وَخَلَقَ الْأَرْضَ، وَنَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ، آللّٰهُ أَرْسَلَكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ أَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ يَوْمِنَا، وَلَيْلَتِنَا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَبِالَّذِيْ أَرْسَلَكَ، آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ أَنَّ عَلَيْنَا زَكَاةً فِيْ أَمْوَالِنَا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَبِالَّذِيْ أَرْسَلَكَ، آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ أَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيْ سَنَتِنَا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَبِالَّذِيْ أَرْسَلَكَ، آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ أَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا، قَالَ:

---

[1] (أقيموا الصلاة) أخبر بأقيموا دون صلوا إشارة إلى أن المطلوب أن يكون همك إقامة الصلاة لا وجود الصلاة فما كل مصل مقيم (وآتوا الزكاة وحجوا واعتمروا) إن استطعتم إلى ذلک سبيلا (واستقيموا) دوموا على تلک الطاعة واثبتوا على الإيمان (يستقم بكم) بالبناء للمفعول :أى فإنكم إن استقمتم مع الله استقامت أموركم مع الخلق وهذا إشارة إلى طلب قطع كل ما سوى الله عن مجرى النظر (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۱۳۷۳)

صَدَقَ، قَالَ : ثُمَّ وَلّٰى، قَالَ: وَالَّذِىْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، لَا أَزِيْدُ عَلَيْهِنَّ، وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُنَّ، فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَئِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ (مسلم) [1]

ترجمہ: ہمیں اس بات سے روک دیا گیا تھا کہ ہم رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی (غیر ضروری) چیز کے بارے میں سوال کریں، اس لئے ہمیں یہ بات پسند آتی تھی کہ گاؤں والے لوگوں میں سے کوئی عقل مند شخص (جسے سوال کرنے سے منع نہیں کیا گیا) آکر رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرے، اور ہم (سوال وجواب) سُنیں، تو گاؤں والوں میں سے ایک آدمی آیا، اور اُس نے کہا کہ اے محمد! ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا ہے، اُس نے ہمیں یہ بات بتلائی کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس قاصد نے سچ کہا۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے۔

اُس دیہاتی نے کہا تو زمین کو کس نے پیدا کیا؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ ان پہاڑوں کو کس نے قائم کیا، اور ان میں جو کچھ ہے، وہ کس نے پیدا کیا؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آسمان کو پیدا کیا، اور زمین کو پیدا کیا، اور ان پہاڑوں کو قائم کیا، کیا واقعی اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔

[1] رقم الحديث ١٠ ”١٢“ كتاب الايمان، باب فى بيان الايمان بالله وشرائع الدين.

اُس دیہاتی نے کہا کہ آپ کا قاصد یہ یقین ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کیا اللہ نے آپ کو اس (پانچ وقت کی نماز) کا حکم فرمایا ہے؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آپ کا قاصد یہ یقین ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے مالوں میں زکاۃ فرض ہے؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کیا اللہ نے آپ کو اس (مال کی زکاۃ) کا حکم فرمایا ہے؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آپ کا قاصد یہ یقین ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے اوپر سال بھر میں رمضان کے مہینے کے روزے فرض ہیں، رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کیا اللہ نے آپ کو اس (رمضان کے روزے) کا حکم فرمایا ہے؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آپ کا قاصد یہ یقین ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے اوپر بیتُ اللہ کا حج کرنا فرض ہے، اُس شخص پر جو اس کی طرف چلنے کی استطاعت وقدرت رکھتا ہو؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ دیہاتی شخص واپس جانے لگا اور اُس نے

کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں ان اعمال پر نہ تو (اپنی طرف سے کوئی) زیادتی کروں گا، اور نہ ان میں سے (کسی عمل کو) کم کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس نے سچ کہا تو یہ ضرور جنت میں داخل ہوجائے گا (صحیح مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز، روزے اور زکاۃ کی طرح صاحبِ استطاعت پر بیت اللہ کا حج کرنا بھی فرض ہے۔

حج چونکہ اسلام کا اہم رکن اور فریضہ ہے، اس لئے جہاں اس کی ادائیگی کی تاکید واہمیت ثابت ہوتی ہے، اسی سے اس کو ترک کرنے اور چھوڑنے کی بُرائی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

اور بعض احادیث وروایات میں حج کے فریضہ کو چھوڑنے پر سخت وعیدیں بھی آئی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ مَّلَکَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا، أَوْ نَصْرَانِيًّا، وَذٰلِکَ أَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ فِيْ كِتَابِهٖ: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا (ترمذی) [1]

ترجمہ: جس شخص کے پاس حج کے سفر کا ضروری سامان ہو اور اس کو سواری (یا اس

[1] رقم الحديث ٨١٢، ابواب الحج، باب ما جاء فی التغليظ فی ترک الحج، واللفظ لهٗ؛ شعب الايمان للبيهقی، رقم الحديث ٣٦٩٢؛ مسند البزار، رقم الحديث ٨٦١؛ الترغيب والترهيب للاصبهانی، رقم الحديث ١٠٧٧.

قال الترمذی: هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من هذا الوجه، وفی إسناده مقال، وهلال بن عبد الله مجهول، والحارث يضعف فی الحديث.

وقال البيهقی:

تفرد به هلال أبو هاشم مولى ربيعة بن عمرو، عن أبی إسحاق.

وقال البزار:

وهذا الحديث لا نعلم له إسنادا عن علی، إلا هذا الإسناد، وهلال هذا بصری حدث عنه غير واحد من البصريين، عفان، ومسلم بن إبراهيم، وغيرهما ولا نعلم يروی عن علی إلا من هذا الوجه.

کا کرایہ) میسر ہو جو بیت اللہ تک اس کو پہنچا سکے، اور پھر وہ حج نہ کرے، تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ کے لئے بیت اللہ کا حج فرض ہے ان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہیں“ (اور جو شخص کفر وانکار کرے تو اللہ تو تمام عالَم والوں سے بے نیاز ہے) (ترمذی)

فائدہ: محدثین کے قواعد کے موافق اس حدیث کی سند میں کلام ہے، لیکن سورہ آلِ عمران کی آیت سے جس میں استطاعت رکھنے والے پر حج کے فرض اور منکر کے بارے میں اللہ کے بے نیاز ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

اور کئی روایات سے اس حدیث کی تائید ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] من ملک زادا وراحلة تبلغه إلى بيت الله الحرام ولم يحج فلا عليه أن يموت يهوديا أو نصرانيا (ت) من حديث على (عد) من حديث أبى هريرة بلفظ من مات ولم يحج حجة الإسلام فى غير وجع حابس أو حاجة ظاهرة أو سلطان جائر فليمت أى الميتتين إما يهوديا أو نصرانيا (أبو يعلى وابن الجوزى) من حديث أبى أمامة بنحوه ولا يصح فى سند الأول الحارث الأعور وفيه هلال بن عبد الله مولى ربيعة بن عمرو ومجهول، وفى الثانى أبو المهزم وعبد الرحمن بن قطامى، وفى الثالث عمار بن مطر، وفى الرابع المغيرة بن عبد الرحمن وليث بن أبى سليم متروكان وإنما يروى هذا من قول عمر (تعقب) بأن حديث على أورده الذهبى فى الميزان من طريق هلال ثم قال قد جاء بإسناد آخر أصلح من هذا وله شواهد من حديث أبى أمامة وأبى هريرة، وقد أخرجه البيهقى من حديث أبى أمامة، وقال إسناده وإن كان غير قوى، فله شاهد من قول عمر أخرجه سعيد بن منصور فى سننه عن عمر، قال لقد هممت أن أبعث رجالا إلى هذه الأمصار فلينظروا كل من كان له جدة ولم يحج فيضربو عليه الجزية ما هم بمسلمين، وقال القاضى عز الدين ابن جماعة فى مناسكه لا التفات إلى قول ابن الجوزى إن حديث على موضوع وكيف يصفه بالوضع وقد أخرجه الترمذى فى جامعه، وقال إن كل حديث فى كتابه معمول به إلا حديثين وليس هذا أحدهما، قال والحديث مؤول على من يستحل تركه ولا يعتقد وجوبه وقال الحافظ ابن حجر فى تخريج أحاديث الرافعى هذا الحديث له طرق فأخرجه سعيد بن منصور وأحمد فى كتاب الإيمان وأبو يعلى والبيهقى من طرق عن شريک عن ليث بن أبى سليم عن ابن سابط عن أبى أمامة وليث ضعيف وشريک سىء الحفظ وقد خالفه سفيان الثورى فأرسله، أخرجه أحمد فى الإيمان وابن أبى شيبة من طريقه عن ابن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ عَنِ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ، أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ، أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ، فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا، وَإِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا

(سنن الدارمی)[1]

ترجمہ: جس شخص کے لئے کوئی ظاہری ضرورت حج سے مانع ورکاوٹ نہ ہو، یا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سابط مرسلا وقال المنذری طريق أبی أمامة علی ما فيها أصلح طرقه وله طريق أخری صحيحة موقوفة أخرجها البيهقی عن عمر قال ليمت يهوديا أو نصرانيا ثلاث مرات رجل مات ولم يحج، وجد لذلک سعة وخليت سبيله، قال ابن حجر فإذا انضم هذا الموقوف إلی مرسل ابن سابط علم أن لهذا الحديث أصلا ومحمله علی من استحل الترک وتبين لذلک خطأ من ادعی أنه موضوع (قلت) وعن بعضهم أنه علی سبيل التغليظ والتنفير والتحريض علی المبادرة إلی قضاء الفرض وعن بعضهم أنه علی سبيل التمثيل لأن اليهودی والنصرانی لا يحج فمن مات ولم يحج كان كاليهودی والنصرانی، والله أعلم، (قال) السيوطی ومن شواهده ما أخرجه ابن أبی حاتم فی تفسيره عن ابن عمر، قال من كان يجد وهو موسر صحيح ولم يحج كان سيماه بين عينيه كافر، ثم تلا هذه الآية: (ومن كفر فإن الله غنی عن العالمين) ، وأخرج سعيد بن منصور من وجه آخر عن ابن عمر قال من وجد إلی الحج سبيلا سنة ثم سنة ثم مات ولم يحج لم يصل عليه لأنه لا يدری مات يهوديا أو نصرانيا (قلت) وتعقبه الحافظ ابن حجر أيضا فيما رأيته بخطه علی حاشية الموضوعات لابن درباس بأن ابن الجوزی نفسه قد أخرج هذه الأحاديث بالتحقيق محتجا بها فإن كانت موضوعة فكيف جاز له الاحتجاج بها والله تعالی أعلم (تنزيه الشريعة المرفوعة، ج۲ص۱۶۷، ۱۶۸، كتاب الحج، الفصل الثانی)

[1] رقم الحديث ۱۸۲۶، كتاب المناسک، باب من مات ولم يحج؛ اخبار مكة للفاكهی، رقم الحديث ۸۰۱؛ شعب الايمان، رقم الحديث ۳۶۹۳؛ سنن كبریٰ للبيهقی، رقم الحديث ۸۶۶۰؛ حلية الاولياء، ج۹، ص۲۵۱.

قال البيهقی فی السنن الكبریٰ:

وهذا وإن كان إسناده غير قوی فله شاهد من قول عمر بن الخطاب رضی الله عنه.

وقال البيهقی فی شعب الايمان:

قال الشيخ أحمد: وهذا إن صح فإنما أراد والله أعلم إذا لم يحج وهو لا يری تركه مأثما، ولا فعله برا.

وقال الحافظ العسقلانی:

هذا الحديث ذكره ابن الجوزی فی الموضوعات وقال العقيلی والدارقطنی لايصح فيه شيئ. قلت: وله طرق (التلخيص الحبير كتاب الحج، رقم الحديث ۹۵۸)

ظالم بادشاہ کی طرف سے روک نہ ہو، یا ایسا مرض نہ ہو جو حج سے روک دے (مثلاً چلنے پھرنے سے معذوری) پھر وہ بغیر حج کئے مرجائے تو چاہے یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر مرے (دارمی، بیہقی)

جلیل القدر تابعی حضرت عمرو بن میمون رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: مَنْ قَدَرَ عَلٰى أَنْ يَّحُجَّ فَلَمْ يَحُجَّ، فَلْيَمُتْ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا (أخبارِ مكة للفاكهی) [1]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص حج کرنے کی قدرت رکھتا ہو، پھر وہ حج نہ کرے، تو چاہے وہ یہودی ہوکر مرے یا نصرانی (یعنی عیسائی) ہوکر (اخبارِ مکہ)

اور حضرت عدی کندی اور حضرت ضحاک بن عزرم رحمہما اللہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: مَنْ مَاتَ وَهُوَ مُوْسِرٌ لَمْ يَحُجَّ، فَلْيَمُتْ عَلٰى أَيِّ حَالٍ شَاءَ، يَهُوْدِيًّا، أَوْ نَصْرَانِيًّا (مصنف ابنِ ابی شيبة) [2]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص فوت ہوجائے، اور اُس نے مالدار ہوتے ہوئے حج نہیں کیا، تو وہ چاہے کسی حال میں مرے، چاہے یہودی ہوکر مرے یا نصرانی (یعنی عیسائی) ہوکر (مصنف ابنِ ابی شیبہ)

بعض صحابہ اور تابعین سے اس قسم کی اور بھی وعیدیں مروی ہیں۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ۸۰۴، ج ۱ ص ۳۸۱، الناشر: دارخضر، بيروت.
قال ابن كثير: وهذا إسناد صحيح إلى عمر رضى الله عنه (تفسير ابنِ كثير ج ۲ ص ۷۳، سورة آل عمران)

[2] رقم الرواية ۱۴۶۷۰، كتاب المناسک، باب فى الرجل يموت ولم يحج وهو موسر، عن عدى؛ السنة لأبى بكر بن الخلال، رقم الحديث ۱۵۹۴ عن ضحاک بن عزرم)

[3] عن مجاهد، عن ابن عمر، قال: من مات وهو موسر لم يحج، جاء يوم القيامة وبين عينيه مكتوب: كافر (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الرواية ۱۴۶۶۹، فى الرجل يموت ولم يحج وهو موسر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

یہ حج کے انکار کرنے کی ایسی وعید ہے جیسا کہ قرآن مجید میں پہلے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور پھر مشرکین میں سے نہ ہونے کا ذکر فرمایا گیا۔

چنانچہ قرآن مجید میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (سورة الروم رقم الآية ۳۱)

ترجمہ: تم نماز کو قائم کرو اور شرک کرنے والوں میں سے مت ہو جاؤ (سورہ روم)

جس سے معلوم ہوا کہ نماز نہ پڑھنا مشرکوں والا عمل ہے۔

اسی طرح حج نہ کرنے والوں کو یہود و نصاریٰ کے مشابہ بتایا گیا ہے جس طرح سے کہ نماز نہ پڑھنے والوں کو مشرکوں کے مشابہ بتایا گیا ہے۔

اس کا راز یہ ہے کہ عیسائی اور یہودی حج نہیں کرتے، لہٰذا باوجود استطاعت کے حج نہ کرنا یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ مشابہت ہے۔

اور عرب کے مشرکین حج تو کرتے تھے لیکن وہ نماز نہیں پڑھتے تھے اس لئے نماز نہ پڑھنے کو مشرکوں والا عمل بتایا۔

بہرحال مطلب یہ ہے کہ استطاعت وقدرت ہوتے ہوئے بغیر حج کئے مرنے والے ناشکرے اور نافرمان بندے کی اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں۔

حضرت ضحاک بن مزاحم رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن إبراهيم ، قال :قال الأسود لرجل منهم موسر :لو مت ولم تحج ، لم أصل عليك (ايضاً، رقم الرواية ۱۴۶۶۶)

عن شعبة ، عن أبي المعلى ، عن سعيد بن جبير ، قال :لو كان لي جار موسر ، ثم مات ولم يحج ، لم أصل عليه(ايضاً، رقم الرواية ۱۴۶۶۸)

عن مجاهد بن رومي ، وكان ثقة ، قال :سألت سعيد بن جبير ، وعبد الرحمن بن أبي ليلى ، وعبد الله بن معقل عن رجل مات ولم يحج ، وهو موسر ؟ فقال سعيد :النار ، النار ، وقال ابن معقل :مات وهو لله عاص ، وقال ابن أبي ليلى :إني لأرجو إن حج عنه وليه(ايضاً، رقم الرواية ۱۴۶۶۷)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَنْ كَانَ لَهُ مَالٌ يُبَلِّغُهُ حَجَّ بَيْتِ رَبِّهٖ، أَوْ يَجِبُ عَلَيْهِ فِيْهِ زَكَاةٌ، فَلَمْ يَفْعَلْ، يَسْأَلِ الرَّجْعَةَ عِنْدَ الْمَوْتِ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ، اِتَّقِ اللّٰهَ، فَإِنَّمَا يَسْأَلُ الرَّجْعَةَ الْكُفَّارُ؟ فَقَالَ: سَأَتْلُوْ عَلَيْكَ بِذٰلِكَ قُرْآنًا (يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ وَأَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِيْ إِلٰى أَجَلٍ قَرِيْبٍ فَأَصَّدَّقَ) إِلٰى قَوْلِهٖ (وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ) قَالَ: فَمَا يُوجِبُ الزَّكَاةَ؟ قَالَ: إِذَا بَلَغَ الْمَالُ مِائَتَيْنِ فَصَاعِدًا، قَالَ: فَمَا يُوْجِبُ الْحَجَّ؟ قَالَ: اَلزَّادُ وَالْبَعِيْرُ (ترمذی) [1]

ترجمہ: ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس اپنے رب کے گھر کے حج کو جانے کے لیے مال ہو اور وہ حج نہ کرے یا اس کے پاس اتنا مال ہو جس پر زکاۃ واجب ہو اور زکاۃ ادا نہ کرے، وہ مرتے وقت دنیا میں واپس آنے کی درخواست کرے گا، ایک شخص نے عرض کیا کہ اے ابنِ عباس! اللہ سے ڈریئے، دنیا میں واپسی کی تمنا تو کافر کریں گے (یعنی مسلمان دنیا میں واپسی کی تمنا نہ کریں گے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ابھی آپ کو اس پر قرآن کی تلاوت سناتا ہوں (جس میں مسلمانوں ہی کا ذکر ہے، اس کے بعد حضرت

---

[1] رقم الحديث ٣٣١٦، ابواب تفسير القرآن، باب :ومن سورة المنافقين، واللفظ لهٗ، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ١٢٦٣٥، و رقم الحديث ١٢٦٣٦؛ مسند عبدبن حميد، رقم الحديث ٦٩٥.

قال الترمذی: حدثنا عبد بن حميد قال :حدثنا عبد الرزاق، عن الثوری، عن يحيى بن أبی حية، عن الضحاک، عن ابن عباس، عن النبی صلى الله عليه وسلم بنحوه .هكذا روى سفيان بن عيينة، وغير واحد هذا الحديث عن أبی جناب، عن الضحاک، عن ابن عباس، قوله، ولم يرفعه، "وهذا أصح من رواية عبد الرزاق، وأبو جناب القصاب، اسمه :يحيى بن أبی حية وليس هو بالقوی فی الحديث.

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سورہ منافقون کے آخر کی یہ آیتیں تلاوت کیں)

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ الَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَااَوْلَادُکُمْ آخر سورت تک

جن کا ترجمہ یہ ہے کہ:

''اے ایمان والو تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں اور جو ایسا کرے گا (کہ اس کے مال، اولاد اس کو اللہ کی یاد سے غافل کردیں) یہی لوگ خسارہ والے ہیں اور ہم نے جو کچھ مال دیا ہے اس سے پہلے پہلے (اللہ کے کاموں میں) خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کے (سرپر) موت آجائے اور وہ (حسرت اور تمنا سے) کہنے لگے کہ اے میرے رب مجھ کو تھوڑی سی مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ (اور آپ کے راستہ میں خرچ) کرلیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہوجاتا، مگر جب کسی کا مقررہ وقت آجائے، تو اللہ ہرگز مہلت نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے''

پھر اس آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ زکاۃ کتنے مال میں واجب ہوتی ہے؟

تو آپ نے فرمایا کہ جب مال دوسو درہم (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی) کی مالیت یا اس سے زیادہ ہو، پھر اس شخص نے سوال کیا کہ حج کو کون سی چیز واجب کرتی ہے تو آپ نے جواب دیا کہ سفر کا سامان اور سواری (ترمذی)

دنیا میں لوٹنے کی تمنا کرنے کا ذکر قرآن مجید میں اور جگہ بھی ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ:

''حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّااِنَّھَا کَلِمَۃٌ ھُوَقَآئِلُھَاوَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ'' (سورة المؤمنون رقم الآية ۹۹،۱۰۰)

ترجمہ: حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے اس وقت کہتا ہے کہ

اے میرے رب مجھ کو دنیا میں واپس کر دیجئے تا کہ میں جس (مال ومتاع) کو چھوڑ آیا ہوں اس میں پھر نیک کام کروں (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) ایسا ہرگز نہیں ہوگا، یہ اس کی ایک بات ہے جس کو وہ کہے جا رہا ہے اور ان کے آگے برزخ کا عالم (یعنی قبر میں رہنا) ہے قیامت تک کے لئے (سورہ مؤمنون)

جو لوگ روپیہ پیسہ خیر کے کاموں اور خاص کر فرض حج سے بچا بچا کر رکھتے ہیں تو ان کا پیسہ خواہ مخواہ کے مقدمات وغیرہ میں، جھگڑوں میں اور اس سے بڑھ کر بعض اوقات ناجائز کاموں، مثلاً ناچ گانے اور موسیقی، تصویر سازی وغیرہ میں خرچ ہونے لگتا ہے۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کی اس عطا فرمائی ہوئی دولت کو خیر کے کاموں میں آدمی خرچ کرے تو پھر ان بلاؤں سے حفاظت میں رہتا ہے۔

یہ تاکید فرض حج کے لئے ہے

یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ حج کے بارے میں جو تاکیدیں اور حج نہ کرنے پر جو وعیدیں ذکر کی گئیں وہ فرض حج کے بارے میں ہیں اور حج عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، جس نے ایک مرتبہ حج کر لیا وہ اس فریضہ سے سبکدوش ہو گیا، البتہ ایک مرتبہ حج کرنے کے بعد دوبارہ، سہ بارہ، حج کرنا فی نفسہٖ گناہ تو نہیں بلکہ ثواب کا کام ہے، لیکن ایک مرتبہ حج کر لینے کے بعد پھر بعد میں حج کرنا یہ نفلی درجہ کا عمل ہے، فرض یا واجب درجہ کا عمل نہیں، لہٰذا اس کو نفل ہی کا درجہ دینا چاہئے، اور اس کو اس درجہ سے بڑھانا نہیں چاہئے، بعض لوگ اس سلسلہ میں بہت غلو کرتے ہیں اور نفل حج کی خاطر کئی قسم کے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، اور دوسروں کے حجِ فرض میں خلل کا باعث بنتے ہیں۔

یہ عمل قابلِ اصلاح ہے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آگے تحقیقی مسائل کے ضمن میں آتی ہے۔

حج کے فضائل وفوائد

حجۃ الوداع میں خاص عرفات کے میدان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی کہ:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (سورۃ المائدۃ، رقم الآیۃ ۳)

ترجمہ: آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل ومکمل دیا، اور تم پر اپنا انعام (آج) پورا کردیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے (ہمیشہ کو) پسند کرلیا (سورہ مائدہ)

حج کے اہم فضائل میں سے ایک یہ بات ہی کیا کم ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ ''جس میں دین کی تکمیل کا اعلان ہے'' حج کے مبارک موقع پر نازل ہوئی۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اَلْحَجُّ مِنْ بَیْنِ أَرْکَانِ الْإِسْلَامِ وَمَبَانِیْہِ عِبَادَۃُ الْعُمُرِ وَخِتَامُ الْأَمْرِ وَتَمَامُ الْإِسْلَامِ وَکَمَالُ الدِّیْنِ ،فِیْہِ أَنْزَلَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ ''اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُم دِیْنَکُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْإِسْلَامَ دِیْناً '' (احیاء علوم الدین للغزالی، کتاب اسرار الحج)

ترجمہ: حج اسلام کے بنیادی ارکان میں سے اور پوری عمر کی عبادت ہے، اسی پر (دین کے) احکام کا اختتام ہوا ہے اور اسی پر اسلام تمام اور دین مکمل ہوا ہے، اسی میں اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی کہ:

''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا'' (احیاء العلوم)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَصَلَّی الصَّلَوَاتِ وَحَجَّ الْبَیْتَ، لَا أَدْرِیْ أَذَکَرَ الزَّکَاۃَ أَمْ لَا، إِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ أَنْ یَّغْفِرَ لَہٗ (ترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے، اور نمازیں پڑھیں، اور بیت اللہ کا حج کیا، راوی کہتے ہیں کہ شاید زکاۃ کی ادائیگی کا بھی ذکر فرمایا، تو اللہ پر یہ حق ہے کہ اس کی مغفرت فرمادیں گے (ترمذی)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: خَمْسٌ مَنْ جَاءَ بِہِنَّ مَعَ إِیْمَانٍ دَخَلَ الْجَنَّۃَ، مَنْ حَافَظَ عَلَی الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ عَلٰی وُضُوْئِہِنَّ وَرُکُوْعِہِنَّ وَسُجُوْدِہِنَّ وَمَوَاقِیْتِہِنَّ، وَصَامَ رَمَضَانَ، وَحَجَّ الْبَیْتَ إِنِ اسْتَطَاعَ إِلَیْہِ سَبِیْلًا، وَأَعْطَی الزَّکَاۃَ طَیِّبَۃً بِہَا نَفْسُہٗ، وَأَدَّی الْأَمَانَۃَ، قَالُوْا: یَا أَبَا الدَّرْدَاءِ، وَمَا أَدَاءُ الْأَمَانَۃِ قَالَ: اَلْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَۃِ (ابوداؤد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ چیزیں ہیں، جو انہیں ایمان کے ساتھ بجالائے گا، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، جس نے پانچ نمازوں کی وضو کے ساتھ اور نمازوں کے رکوع اور سجود اور اوقات کی پابندی کے ساتھ حفاظت کی، اور رمضان کے روزے رکھے، اور بیت اللہ کا حج کیا، اگر بیت اللہ کی طرف جانے کی استطاعت ہے، اور اپنی خوش دلی کے ساتھ زکاۃ ادا کی، اور امانت ادا کی، لوگوں نے عرض کیا کہ اے ابوالدرداء امانت کی ادائیگی کیا ہے؟ تو فرمایا کہ غسلِ جنابت کرنا (ابوداؤد)

---

[1] رقم الحدیث ۲۵۳۰، ابواب صفة الجنة، باب ما جاء فی صفة درجات الجنة.

[2] رقم الحدیث ۴۲۹، کتاب الصلاۃ، باب فی المحافظة علی وقت الصلوات.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ، وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ (بخاری) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے اللہ کے لئے (یعنی اخلاص کے ساتھ) حج کیا، اور (اس میں) نہ تو شہوت والی بات کی اور نہ گناہ کیا تو وہ (حج کے بعد گناہوں سے) اس طرح (پاک صاف ہوکر) لوٹے گا جس دن کہ وہ (گناہوں سے) اپنی ماں سے پیدا ہونے کے وقت (پاک صاف) تھا (بخاری)

فائدہ: اس حدیث میں گناہوں سے پاک ہونے کے لئے حج میں گناہ اور شہوت والی بات سے بچنے کی قید لگی ہوئی ہے۔ [2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک حدیث ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ، وَلَمْ يَفْسُقْ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (سنن الترمذی) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے حج کیا، اور نہ تو (اس حج

---

[1] رقم الحديث ١٥٢١، كتاب الحج، باب فضل الحج المبرور، واللفظ لهٗ؛ سنن النسائی، رقم الحديث ٢٦٢٧؛ ابنِ ماجه، رقم الحديث ٢٨٨٩؛ مسند احمد، رقم الحديث ٧١٣٦.

[2] (قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم -من حج لله) أى خالصا له تعالى (فلم يرفث) أى فى حجه بتثليث الفاء والضم أشهر قال السيوطى -رحمه الله -الرفث يطلق على الجماع، وعلى التعريض، وعلى الفحش فى القول، وهو المراد هنا وفاؤه مثلثة فى الماضى والمضارع والأفصح الفتح فى الماضى والضم فى المضارع (ولم يفسق) بضم السين أى لم يفعل فيه كبيرة، ولا أصر على صغيرة، ومن الكبائر ترك التوبة عن المعاصى قال تعالى: (ومن لم يتب فأولئك هم الظالمون)(مرقاة المفاتيح، ج٥ص ١٧٤١، كتاب المناسك)

[3] رقم الحديث ٨١١، ابواب الحج، باب ما جاء فى ثواب الحج والعمرة.
قال الترمذى: حديث أبى هريرة حديث حسن صحيح وأبو حازم كوفى وهو الأشجعى، :واسمه سلمان مولى عزة الأشجعية "

میں) شہوت والی بات کی اور نہ گناہ کیا، تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے (ترمذی)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ (مسلم) [1]

ترجمہ: بے شک اسلام گزشتہ (گناہوں) کو منہدم (وختم) کر دیتا ہے، اور ہجرت گزشتہ (گناہوں) کو منہدم (وختم) کر دیتی ہے اور حج گزشتہ (گناہوں) کو منہدم (وختم) کر دیتا ہے (صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ (بخاری) [2]

ترجمہ: اور حجِ مبرور کی جزاء وبدلہ صرف جنت ہے (بخاری، مسلم)

حجِ مبرور کی تحقیق آگے آتی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ،

---

[1] رقم الحدیث ۱۹۲ "۱۲۱" کتاب الایمان، باب کون الإسلام یهدم ما قبله وكذا الهجرة والحج.

[2] رقم الحدیث ۱۷۷۳، کتاب الحج، ابواب العمرة، باب وجوب العمرة وفضلها؛ مسلم، رقم الحدیث ۱۳۴۹ "۴۳۷" باب فی فضل الحج والعمرة ویوم عرفة، ترمذی، رقم الحدیث ۹۳۳؛ ابن ماجه، رقم الحدیث ۲۸۸۸؛ نسائی، رقم الحدیث ۲۶۲۹.

وَالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ، وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ (ترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم حج اور عمرے کو آگے پیچھے ادا کرو، کیونکہ یہ دونوں فقروفاقہ اور گناہوں کو اس طرح سے دُور کردیتے ہیں، جس طرح سے بھٹی لوہے اور سونے اور چاندی کے میل کچیل کو الگ کردیتی ہے، اور حجِ مبرور کا ثواب صرف جنت ہے (ترمذی، نسائی)

اسی قسم کی حدیث دوسری سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

فائدہ: اس حدیث سے جہاں حجِ مبرور کی فضیلت معلوم ہوئی، اسی کے ساتھ حج اور عمرے کو آگے پیچھے ادا کرنے کی فضیلت بھی معلوم ہوئی، خواہ وہ حجِ قران کی شکل میں ہو، جس میں ایک سفر اور ایک احرام کے ساتھ پہلے عمرہ اور پھر حج ادا کیا جاتا ہے، یا حجِ تمتع کی شکل میں ہو، جس میں ایک سفر کے ساتھ اور الگ الگ احراموں کے ساتھ پہلے عمرہ اور پھر حج ادا کیا جاتا ہے۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ۸۱۰، ابواب الحج، باب ما جاء فی ثواب الحج والعمرة، واللفظ لهٔ؛ نسائی، رقم الحديث ۲۶۳۱.

قال الترمذی: وفی الباب عن عمر، وعامر بن ربيعة، وأبی هريرة، وعبد الله بن حبشی، وأم سلمة، وجابر: حديث ابن مسعود حديث حسن صحيح غريب من حديث ابن مسعود.

[2] عن عمر، عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: تابعوا بين الحج والعمرة، فإن المتابعة بينهما، تنفی الفقر والذنوب، كما ينفی الكير، خبث الحديد (ابنِ ماجه، رقم الحديث ۲۸۸۷)

عن عبد الله بن عامر بن ربيعة، عن أبيه، قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم ": تابعوا بين الحج والعمرة، فإن متابعة بينهما تنفی الفقر والذنوب، كما ينفی الكير خبث الحديد "(مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۶۹۴)

فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

عن عمرو بن دينار، قال: قال ابن عباس: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم ": تابعوا بين الحج والعمرة، فإنهما: ينفيان الفقر، والذنوب، كما ينفی الكير خبث الحديد " (نسائی، رقم الحديث، ۲۶۳۰)

[3] (وعن ابن مسعود قال: قال رسول الله -صلی الله عليه وسلم- تابعوا بين الحج والعمرة) أی قاربوا بينهما إما بالقران أو بفعل أحدهما بعد الآخر قال الطيبی -رحمه الله: إذا اعتمرتم فحجوا، وإذا حججتم فاعتمروا (مرقاة المفاتيح، ج۵ ص ۱۷۵۰، كتاب المناسک)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

محققین نے فرمایا کہ حج سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، وہ بھی اُس وقت جبکہ حجِ مبرور کیا جائے (جس کا ذکر آگے آتا ہے) اور کبیرہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے، البتہ اگر کوئی حج کرنے سے پہلے یا حج کے موقع پر کبیرہ گناہوں سے سچی توبہ کرلے، تو پھر کبیرہ گناہ بھی معاف ہوجاتے ہیں (وفیه اقوال اخر) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(تابعوا بین الحج والعمرة) أی إذا حججتم فاعتمروا وإذا اعتمرتم فحجوا (فیض القدیر، تحت رقم الحدیث ۳۲۲۷)

وروی عنه -صلی الله علیه وسلم -أنه قال :تابعوا بین الحج والعمرة فإن المتابعة بینهما تزید فی العمر، وتنفی الفقر ، ولأن القران، والتمتع جمع بین عبادتین بإحرامین، فكان أفضل من إتیان عبادة واحدة بإحرام واحد(بدائع الصنائع، ج۲، ص۱۷۵، كتاب الحج،فصل بیان مایجب علی الممتع والقارن بسبب التمتع والقران)

[1] (الإسلام یهدم ما كان قبله) من سائر الذنوب التی أعظمها الكفر، قال تعالی :قل للذین كفروا إن ینتهوا یغفر لهم ما قد سلف :(وأن الهجرة تهدم ما كان قبلها) أی مما یحدث بین الإسلام وبینها (وأن الحج یهدم ما كان قبله) هذا محمول عند المحققین علی صغائر الذنوب المتعلقة بحق الله تعالی، أما الكبائر فلا یكفرها إلا التوبة، والتبعات لا تكفر إلا برضی أهلها أو بفضل الله تعالی فیها، ولهذه الجمل المبشرات بهدم كل من الأعمال الثلاث لما قبله من الذنوب (دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین، ج۵، ص۱۹۵، كتاب الادب، باب استحباب التبشیر)

(أن الإسلام) أی إسلام الحربی ;لأن إسلام الذی لا یسقط عنه شیئا من حقوق العباد (یهدم) : بكسر الدال أی یمحو (ما كان قبله) أی السیئات (وأن الهجرة) أی إلی فی حیاتی، وبعد وفاتی من دار الحرب إلی دار الإسلام، وأما خبر :لا هجرة بعد الفتح فمعناه لا هجرة من مكة؛ لأن أهلها صاروا مسلمین (تهدم ما كان قبلها) أی مما وقع قبلها وبعد الإسلام ما عدا المظالم أی من السیئات (وأن الحج یهدم ما كان قبله) أی من التقصیرات سقط لفظ كان من أصل ابن حجر، فتكلف له وجها، وهو موجود فی جمیع النسخ الحاضرة المصححة المقروءة علی المشایخ .قال الشیخ التوربشتی من أئمتنا رحمهم الله :الإسلام یهدم ما كان قبله مطلقا مظلمة كانت أو غیرها، صغیرة أو كبیرة، وأما الهجرة والحج فإنهما لا یكفران المظالم، ولا یقطع فیهما بغفران الكبائر التی بین العبد ومولاه، فیحمل الحدیث علی هدمهما الصغیرة المتقدمة، ویحتمل هدمهما الكبائر التی تتعلق بحقوق العباد بشرط التوبة .عرفنا ذلک من أصول الدین فرددنا المجمل إلی المفصل، وعلیه اتفاق الشارحین .وقال بعض علمائنا :یمحو الإسلام ما كان قبله من كفر وعصیان، وما ترتب علیهما من العقوبات التی هی حقوق الله، وأما حقوق العباد فلا تسقط بالحج والهجرة إجماعا، ولا بالإسلام لو كان المسلم ذمیا، سواء كان الحق علیه مالیا أو غیر مالی كالقصاص، أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: إِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قِيْلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: جِهَادٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قِيْلَ: ثُمَّ مَاذَا؟

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كان المسلم حربيا وكان الحق ماليا بالاستقراض أو الشراء، وكان المال غير الخمر .وقال ابن حجر :الحج يهدم ما قبله مما وقع قبله وبعد الإسلام ما عدا المظالم، لكن بشرط ما ذكر فى حديث :(من حج فلم يرفث، ولم يفسق خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه) مع ذلک فالذى عليه أهل السنة كما نقله غير واحد من الأئمة كالنووى وعياض أن محل ذلک فى غير التبعات، بل الكبائر، إذ لا يكفرها إلا التوبة، وعبارة بعض الشارحين حقوق المالية لا تنهدم بالهجرة والحج، وفى الإسلام خلاف، وأما حقوق العباد فلا تسقط بالهجرة والحج إجماعا اهـ.

نعم يجوز بل يقع كما دل عليه بعض الأحاديث أن الله تعالى إذا أراد لعاص أن يعفو عنه وعليه تبعات عوض صاحبها من جزيل ثوابه ما يكون سببا لعفوه ورضاه، وأما قول جماعة من الشافعية وغيرهم : إن الحج يكفر التبعات، واستدلوا بخبر ابن ماجه أنه -عليه الصلاة والسلام -دعا لأمته عشية عرفة بالمغفرة، فاستجيب له ما خلا المظالم فلم يجب لمغفرتها، فدعا صبيحة مزدلفة بذلک فضحک -عليه الصلاة والسلام -لما رأى من جزع إبليس لما شاهده من عموم تلک المغفرة ، فيرده أن الحديث سنده ضعيف اهـ .وعلى تقدير صحته يمكن حمل المظالم على ما لا يمكن تداركه، أو يقيد بالتوبة، أو التخصيص بمن كان معه -عليه الصلاة والسلام -من أمته فى حجته، فإنه لا يعرف أحد منهم أن يكون مصرا على معصية؛ ولذا قال الجمهور :إن الصحابة كلهم عدول، والله تعالى أعلم(مرقاة المفاتيح، ج ا ص ۱۰۲، كتاب الايمان)

(ولم يفسق) بضم السين أى لم يفعل فيه كبيرة، ولا أصر على صغيرة، ومن الكبائر ترک التوبة عن المعاصى قال تعالى :(ومن لم يتب فأولئک هم الظالمون)(رجع كيوم ولدته أمه) بفتح الميم وقيل بالجر قال الطيبى -رحمه الله -أى مشابها فى البراء ة عن الذنوب لنفسه فى يوم ولدته أمه فيه ......

اعلم أن ظاهر الحديث يفيد غفران الصغائر والكبائر السابقة لكن الإجماع أن المكفرات مختصة بالصغائر عن السيئات التى لا تكون متعلقة بحقوق العباد من التبعات فإنه يتوقف على إرضائهم مع أن ما عدا الشرک تحت المشيئة وقد كتبت رسالة مستقلة فى تحقيق هذه المسألة(مرقاة المفاتيح، ج۵ص ۱۷۴۱، ۱۷۴۲،كتاب المناسک)

من حج فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته أمه "وهذا موافق لدلالة الآية ;وذلک لأن الله تعالى لما نهى عن المعاصى، والفسوق فى الحج فقد تضمن ذلک الأمر بالتوبة منها ;لأن الإصرار على ذلک هو من الفسوق، والمعاصى، فأراد الله تعالى أن يحدث الحاج توبة من الفسوق، والمعاصى حتى يرجع من ذنوبه كيوم ولدته أمه على ما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم (احكام القرآن للجصاص، ج ا ، ص۳۷۳، باب الإحرام بالحج قبل أشهر الحج)

قَالَ: حَجٌّ مَبْرُوْرٌ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اعمال میں کون سا عمل زیادہ افضل ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، عرض کیا گیا کہ پھر کون سا عمل افضل ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، عرض کیا گیا کہ پھر کون سا عمل افضل ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''حجِ مبرور'' (بخاری)

حضرت عبداللہ بن حبشی خثعمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ: أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ فَقَالَ: إِيْمَانٌ لَا شَكَّ فِيْهِ، وَجِهَادٌ لَا غُلُوْلَ فِيْهِ، وَحَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ (سنن نسائی) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اعمال میں کون سا عمل زیادہ فضیلت کا باعث ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا ایمان کہ جس میں کوئی شک نہ ہو، اور ایسا جہاد کہ جس میں کوئی خیانت نہ ہو، اور حجِ مبرور (نسائی)

اور حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سُئِلَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: إِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ، ثُمَّ الْجِهَادُ، ثُمَّ حَجَّةٌ بَرَّةٌ تَفْضُلُ سَائِرَ الْعَمَلِ كَمَا بَيْنَ مَطْلَعِ الشَّمْسِ إِلٰى مَغْرِبِهَا (مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۰۱۰) [3]

---

[1] رقم الحديث ۱۵۱۹، كتاب الحج، باب فضل الحج المبرور.

[2] رقم الحديث ۴۹۸۶، كتاب الايمان وشرائعه، ذكر افضل الاعمال.

[3] في حاشية مسند احمد:

حديث صحيح، وهذا إسناد اختلف فيه على أبي مسعود الجريري: وهو سعيد بن إياس، فرواه شعبة -كما في هذه الرواية- عنه، عن يزيد بن عبد الله بن الشخير، عن ماعز، به. ورواه وهيب بن خالد -كما سيأتي في الرواية (۱۹۰۱۱) عنه، عن حيان بن عمير، عن ماعز، به. وشعبة ووهيب كلاهما سمع من الجريري قبل اختلاطه، ويزيد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اعمال میں کون سا عمل زیادہ فضیلت کا باعث ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانا، پھر جہاد، پھر حجِّ مبرور تمام اعمال پر اس طرح (انتہائی) افضل ہے، جیسا کہ سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے درمیان (کا فاصلہ) (مسند احمد)

فائدہ: ان احادیث میں ایمان کے بعد جہاد کی اور پھر حجِ مبرور کی فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن نماز اور روزے کا ذکر نہیں کیا گیا، حالانکہ ان کا درجہ ایمان کے بعد ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد قائم کرنے والا صحیح مجاہد، ضرور بالضرور نماز اور روزے کو بھی قائم کرنے والا ہوتا ہے، اس لئے ان احادیث میں نماز روزے کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وحيان كلاهما يكنى أبا العلاء ، وقد رواه بالكنية فحسب دون أن يسميه عباد بن العوام فيما أخرجه البخارى فى "التاريخ الكبير ۸/۳۷" قال :عن الجريرى عن أبى العلاء ، عن ماعز، به .ولا يضر هذا الاختلاف، فقد يكون للجريرى فيه شيخان، أو هو انتقال من ثقة إلى ثقة، وإن كان صنيع البخارى يرجح رواية وهيب، والله أعلم.

وأخرجه الطبرانى فى "الكبير ۲۰/۸۰۹"من طريق الإمام أحمد، بهذا الإسناد إلا أنه أُقحم فى المطبوع منه :أبو موسى بين شعبة وأبى مسعود الجريرى.

[1] وعنه أى عن أبى هريرة (قال سئل رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أى العمل) أى الأعمال (أفضل) قال الطيبى -رحمه الله -قد اختلفت الأحاديث فى مفاضلة الأعمال على وجه يشكل التوفيق بينها والوجه ما بينا فى أول كتاب الصلاة (قال إيمان) التنكير للتفخيم (بالله ورسوله) والإيمان هو التصديق القلبى وهو من أعمال الباطن (قيل ثم ماذا قال الجهاد) التعريف للعهد قال الطيبى -رحمه الله -والمراد به الجهاد الخالص، وفى نسخة جهاد (فى سبيل الله) لأن المجاهد لا يكون إلا مصليا وصائما (قيل ثم ماذا قال حج مبرور) أى مقبول قال الطيبى -رحمه الله :بره أى أحسن إليه يقال بر الله عمله أى قبله كأنه أحسن إلى عمله بقبوله، وقيل أى مقابل بالبر وهو الثواب أو هو الذى لم يخالطه شىء من المآثم وفى الدر للسيوطى -رحمه الله، أخرج الأصبهانى عن الحسن أنه قيل له ما الحج المبرور قال أن يرجع زاهدا فى الدنيا راغبا فى الآخرة اهـ.

وبهذا يظهر لك وجه الترتيب فى الأفضلية إذ لا نزاع فى أن الإيمان أفضل مطلقا ثم الجهاد إذ لا يكون عادة إلا مع الاجتهاد فى العبادة وزيادة الرغبة فى الآخرة بالسعى إلى وسيلة سعادة الشهادة، ثم الحج الجامع بين العبادة البدنية والمالية، ومفارقة الوطن المألوف وترك الأهل والولد وغير ذلك على الوجه المعروف أو يقال ذكره -صلى الله عليه وسلم -على ترتيب فرضيتها فوجب الجهاد بعد الإيمان ثم فرض الحج تكملة للأركان قال تعالى :(اليوم أكملت لكم دينكم) (المائدة)(مرقاة المفاتيح، ج۵ص ۱۷۴۱، كتاب المناسك)

حضرت عائشہ بنتِ طلحہ رحمہا اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، نَرَى الْجِهَادَ أَفْضَلَ الْعَمَلِ، أَفَلاَ نُجَاهِدُ؟ قَالَ: لَا، لٰكِنَّ أَفْضَلَ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ (بخاری) [1]

ترجمہ: امُّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم جہاد کو افضل عمل سمجھتے ہیں، تو کیا ہم جہاد نہ کریں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، لیکن افضل جہاد ''حجِ مبرور'' ہے (بخاری)

اور حضرت عائشہ بنتِ طلحہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَخْبَرَتْنِيْ عَائِشَةُ أُمُّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنَّهَا قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَلَا نُخْرِجُ وَنُجَاهِدُ مَعَكَ، فَإِنِّيْ لَا أَرٰى عَمَلًا فِي الْقُرْآنِ أَفْضَلَ مِنَ الْجِهَادِ؟ قَالَ: لَا، إِنَّ لَكُنَّ أَحْسَنَ الْجِهَادِ، حَجُّ الْبَيْتِ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۳۷۰۲، كتاب الحج، باب فضل الحج والعمرة) [2]

ترجمہ: مجھے اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتلایا کہ انہوں نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! کیا ہم آپ کے ساتھ جہاد وغیرہ کے لئے نہ نکلا کریں؟ اس لئے کہ میں نے قرآن میں جہاد سے زیادہ افضل عمل نہیں دیکھا۔

---

[1] رقم الحديث ۱۵۲۰، كتاب الحج، باب فضل الحج المبرور.

[2] فی حاشية ابنِ حبان: إسناده صحيح على شرط الشيخين، جرير :هو ابن عبد الحميد. وأخرجه النسائی ۵/۱۱۴، ۱۱۵ فی الحج :باب فضل الحج، عن إسحاق بن إبراهيم، عن جرير، بهذا الإسناد. وأخرجه أحمد ۶/۷۱-۹۷، والبخاری ۱۵۲۰ فی الحج :باب فضل الحج المبرور، و ۱۸۶۱ فی جزاء الصيد :باب حج النساء، و ۲۷۸۴ فی الجهاد :باب فضل الجهاد والسير، و ۱۸۷۶ باب حج النساء، وابن ماجه ۲۹۰۱ فی المناسک :باب الحج جهاد النساء، وابن خزيمة ۳۰۷۴، والبيهقی ۴/۳۲۶، والبغوی ۱۸۴۸ من طرق عن حبيب بن أبی عمرة، به. وأخرجه عبد الرزاق ۸۶۱۱، والبخاری ۲۸۷۵ و ۲۸۷۶ فی الجهاد :باب جهاد النساء، والبيهقی ۴/۳۲۶ من طريق سفيان الثوری، عن معاوية بن إسحاق، عن عائشة بنت طلحة، به.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! بے شک تمہارے لئے بہترین جہاد بیتُ اللہ کا حج کرنا ہے، جو کہ حجِ مبرور ہو (ابنِ حبان)

خواتین پر صنفِ نازک ہونے کی وجہ سے عام حالات میں جہاد فرض نہیں، اس لئے اُن کے لئے حجِ مبرور کو بہترین جہاد قرار دیا گیا ہے۔

بعض احادیث میں عورت کے علاوہ بوڑھے اور ضعیف کے لیے بھی حج کو جہاد قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: جِهَادُ الْكَبِيْرِ، وَالصَّغِيْرِ، وَالضَّعِيْفِ، وَالْمَرْأَةِ: اَلْحَجُّ، وَالْعُمْرَةُ (سنن نسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بوڑھے اور بچے اور ضعیف اور عورت کا جہاد، حج اور عمرہ کرنا ہے (نسائی)

اور حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْحَجُّ جِهَادُ كُلِّ ضَعِيْفٍ (سنن ابنِ ماجه) [2]

---

[1] رقم الحديث ٢٦٢٦، كتاب مناسك الحج، باب فضل الحج، واللفظ لهٗ، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ٨٧٥١.
قال المنذری: رواه النسائی بإسناد حسن (الترغيب والترهيب، ج٢ص١٠٥)

[2] رقم الحديث ٢٩٠٢، كتاب المناسك، باب الحج جهاد النساء، واللفظ لهٗ، مسند الطيالسی، رقم الحديث ١٧٠٤.
قال العجلونی:
ورجاله رجال الصحيح غير أن أبا جعفر منهم لا يعرف له سماع عن أم سلمة وأن أدرك ست سنين من حياتها ، إذ مولده سنة ست وخمسين وموتها سنة اثنتين وستين على الراجح ، وله شاهد عند القضاعی عن علی رفعه ، وفيه وجهاد المرأة حسن التبعل ، لكن فيه ابن لهيعة ، وعلق البخاری عن عمر شدوا الرحال فی الحج فإنه أحد الجهادين، قال فی المقاصد وتساهل الصغانی فأدرجه فی الموضوعات (كشف الخفاء ومزيل الالباس، تحت رقم الحديث ١١١٣)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج ہر ضعیف (وکمزور) شخص کا جہاد ہے (ابنِ ماجہ)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّيْ جَبَانٌ، وَإِنِّيْ ضَعِيْفٌ، قَالَ: هَلُمَّ إِلٰى جِهَادٍ لَا شَوْكَةَ فِيْهِ، اَلْحَجُّ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۲۹۱۰، ج۳ص۱۳۵، واللفظ لهٗ، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۴۲۸۷) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور اُس نے کہا کہ میں کم ہمت اور ضعیف ہوں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ ایسے جہاد کی طرف آیئے، جس میں طاقت (وقتال) کی ضرورت نہیں، جو کہ حج ہے (معجم کبیر طبرانی)

ایک اور سند سے بھی اسی قسم کی حدیث مروی ہے۔ [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال المنذری:

رواه الطبرانی فی الكبير والأوسط ورواته ثقات وأخرجه عبد الرزاق أيضا (الترغيب والترهيب، ج۲ص۱۰۴)

وقال الهيثمی:

رواه الطبرانی فی الكبير والأوسط، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، ج۳ص۲۰۶)

[2] عن عثمان بن أبی سليمان، عن جدته أم أبيه، قالت :جاء رجل إلى النبی صلی الله عليه وسلم فقال :إنی أريد الجهاد فی سبيل الله، فقال :ألا أدلک على جهاد لا شوكة فيه؟ قلت :بلی، قال :حج البيت (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۷۹۲؛ سنن سعيد بن منصور، رقم الحديث ۲۱۶۶)

قال الهيثمی:

رواه الطبرانی فی الكبير، وفيه الوليد بن أبی ثور ;ضعفه أبو زرعة وجماعة، وزكاه شريک (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۲۵۸، باب الحث على الحج)

وقال المناوی:

وَإِسْنَاده حسن (التيسير بشرح الجامع الصغير، ج۱، ص۳۹۷)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَفْدُ اللهِ ثَلاثَةٌ اَلْغَازِيُ وَ الْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ (سنن نسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے وفد تین ہیں، ایک غازی (یعنی اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا) دوسرے حج کرنے والا، تیسرے عمرہ کرنے والا (نسائی؛ ابنِ حبان)

اللہ تعالیٰ کے وفد ہونے سے مراد، اللہ کے نزدیک ان کا قابلِ اکرام اور قابلِ تعظیم ہونا ہے۔ [2]

حضرت معقل کی والدہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَإِنَّ الْحَجَّ سَبِيْلُ اللّٰهِ (المعجم الكبير للطبرانی) [3]

ترجمہ: پس بے شک حج اللہ کا راستہ ہے (طبرانی، ابوداؤد)

اس حدیث سے حج کا اللہ کا راستہ ہونا معلوم ہوا، اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا دوسری احادیث میں عظیم ثواب بتلایا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت خریم بن فاتک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ٢٦٢٥، كتاب مناسک الحج، باب فضل الحج، السنن الكبرىٰ للنسائی، رقم الحديث ٣٥٩١، صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٣٦٩٢، مستدرک حاکم، رقم الحديث ١٦١١.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، إسناده على شرط مسلم، رجاله رجال الشيخين غير مَخْرَمَةَ بن بكير بن عبد الله بن الأشج، فمن رجال مسلم (حاشية ابنِ حبان)

[2] (وعنه) أي عن أبي هريرة (قال سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يقول: وفد الله ثلاثة) أي ثلاثة أشخاص أو أجناس (الغازي) أي المجاهد مع الكفار لإعلاء الدين، (والحاج والمعتمر) المتميزون عن سائر المسلمين بتحمل المشاق البدنية، والمالية، ومفارقة الأهلين، وفي النهاية الوفد القوم يجتمعون ويردون البلاد، أو يقصدون الرؤساء للزيارة، أو استرفادا وغير ذلک، والحاصل أنهم قوم معظمون عند الكرماء، ومكرمون عند العظماء، تعطى مطالبهم وتقضى مآربهم (مرقاة المفاتيح، ج۵ص۱۷۵۵، كتاب المناسک)

[3] رقم الحديث ٥٥١، ج٢٠ص٢٣٤، واللفظ لهٗ، سنن ابی داوٗد، رقم الحديث ١٩٨٩.

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَنْفَقَ نَفَقَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كُتِبَتْ لَهٗ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا تو اس کے لئے سات سو گنا اجر وثواب لکھا جائے گا (ترمذی)

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلنَّفَقَةُ فِي الْحَجِّ كَالنَّفَقَةِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٣٠٠٠) [2]

---

[1] رقم الحديث ١٦٢٥، ابواب فضائل الجهاد، باب ما جاء فی فضل النفقة فی سبيل الله.
قال الترمذی: وفی الباب عن أبی هريرة وهذا حديث حسن .إنما نعرفه من حديث الركين بن الربيع.

[2] فی حاشية مسند احمد:
حسن لغيره، وهذا إسناد ضعيف، أبو زهير -وهو حرب بن زهير الضُّبَعی -لم يرو عنه غير عطاء بن السائب ومحمد بن أبی إسماعيل السلمی، وترجم له البخاری وابن أبی حاتم ولم يأثرا فيه جرحاً ولا تعديلاً، وذكره ابن حبان فی "الثقات"، وقد اختلف عليه فی إسناده ومتنه، وعطاء بن السائب اختلط، وقد اختلف عليه أيضاً كما سيأتی بيانه .أبو عوانة :هو الوضَّاح بن عبد الله اليشكری .
وأخرجه البخاری تعليقاً فی "التاريخ الكبير٣/٦٣-٦٤ "وابن أبی عاصم فی "الجهاد(٧٤)" والبيهقی فی "السنن٣٣٢/٤"من طريق يحيی بن حماد، ومسدد فی "مسنده "كما أشار إليه البوصيری فی "إتحاف الخيرة(٣١٨٥) "ومن طريقه أورده البخاری فی "التاريخ٣/٦٣-٦٤" كلاهما (يحيی بن حماد ومسدد) عن أبی عوانة الوضاح بن عبد الله، بهذا الإسناد .ولم يسق البخاری لفظه، وقال البيهقی فی روايته" :سبعين ضعفاً "بدل "سبع مئة ضعف. "
وأخرجه البخاری تعليقاً٦٣/٣، والبيهقی فی "الشعب(٤١٢٥) "وابن عساكر فی "الأربعين فی الحث علی الجهاد "من طريق منصور بن أبی الأسود، والبخاری تعليقاً ٦٣/٣، والبيهقی فی "شعب الإيمان(٤١٢٤) "من طريق أبی حمزة محمد بن ميمون السُّكَّری، كلاهما عن عطاء بن السائب، به .ولم يسق البخاری لفظه، وقال البيهقی فی روايته فی الموضع الأول" :الدرهم بسبع مئة"وفی الثانی" :مئة ضعف "بدل قوله" :بسبع مئة ضعف. "
قلنا :كذا رواه أبو عوانة ومنصور بن أبی الأسود وأبو حمزة السكری فقالوا :عن عطاء بن السائب، عن أبی زهير حرب بن زهير، عن عبد الله بن بريدة، عن أبيه، عن النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .
وخالفهم إبراهيم بن طهمان عند البخاری فی "تاريخه الكبير "معلقاً ٦٤/٣، فقال :عن عطاء بن السائب، عن عبد الله بن زهير، عن النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ولم يسق لفظه .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج میں خرچ کرنا ایسا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا سات سوگنا (فضیلت کا باعث ہے) (مسند احمد)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وخالفهم حماد بن سلمة أيضاً، واختلف عليه:

فرواه هدبة بن خالد، عنه عند ابن أبي عاصم في "الجهاد(۷۵)"فقال :عن عطاء بن السائب، عن محمد بن زهير، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

ورواه كامل بن طلحة، عنه عند علي بن سعيد العسكري في "الصحابة "وأبي موسى المديني في "الذيل "كما في "الإصابة "لابن حجر۵/۱۸۸۔۱۸۹، فقال :عن عطاء بن السائب، عن عبد الله بن زهير، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

وخالفهم علي بن عاصم عند ابن منده في "الصحابة "كما في "الإصابة۵/۱۸۹ "فقال :عن عطاء بن السائب، عن زهير بن عبد الله، عن أبيه، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .ولم يسق لفظه .

وخالفهم موسى بن أعْين أيضاً، واختلف عليه:

فرواه يحيى بن رجاء ، عنه عند ابن الأعرابي في "معجمه(۱۹۹)"فقال :عن عطاء بن السائب، عن زهير، عن علقمة، عن سليمان بن بريدة، عن أبيه، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

ورواه المعافى بن سليمان، عنه عند الطبراني في "الأوسط(۵۲۷۰)"والبيهقي في "شعب الإيمان (۴۱۲۶) "فقال :عن عطاء بن السائب، عن علقمة ابن مرثد، عن سليمان بن بريدة، عن أبيه، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بإسقاط "زهير "من إسناده .

هذه حاصل الاختلافات التي وقعت لنا في حديث عطاء بن السائب .ورواه محمد بن أبي إسماعيل السلمي، عن حرب بن زهير، واختلف عليه:

فرواه عبد الرحمن بن مَغْراء ، عنه، واختلف عليه أيضاً :فرواه يوسف بن موسى، عنه، عند البزار (۱۶۶۴۔كشف الأستار) ، فقال :عن محمد بن أبي إسماعيل، عن حرب بن زهير، عن أنس بن مالک موقوفاً، قال :النفقة في سبيل الله تضاعف سبع مئة ضعف .

ورواه عبد الرحمن بن مغراء عند البخاري في "التاريخ الكبير "معلقاً ۳/۶۳، فقال :عن محمد بن أبي إسماعيل السلمي، عن حرب بن زهير، عن يزيد بن زهير الضبعي، عن أنس بن مالک مرفوعاً : "النفقة في سبيل الله تضاعف سبع مئة ضعف . "قلنا :ويزيد بن زهير الضبعي تفرد بالرواية عنه حرب بن زهير، وترجم له البخاري وابن أبي حاتم، ولم يذكرا فيه جرحاً ولا تعديلاً، ولم يذكره غير ابن حبان في "الثقات "فهو في عداد المجهولين .

ورواه محمد بن بشر، عن محمد بن أبي إسماعيل السلمي، واختلف عليه أيضاً في متن الحديث:

فرواه علي ابن المديني، عنه، عند البخاري في "التاريخ الكبير۳/۶۳ "فقال :عن محمد بن أبي إسماعيل، عن حرب بن زهير، عن يزيد بن زهير الضبعي، عن أنس بن مالک، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" :النفقة في سبيل الله تضاعف سبع مئة ضعف. "

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان احادیث سے حج کا اللہ کا راستہ ہونا، اور حج کے لیے خرچ کرنے کے عظیم الشان فضائل کا ہونا معلوم ہوا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَا أَمْعَرَ حَاجٌّ قَطُّ قِيْلَ لِجَابِرٍ: مَا الْإِمْعَارُ؟ قَالَ: مَا افْتَقَرَ (المعجم الأوسط للطبرانی) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ورواه الحسين بن عبد الأول، عنه عند الطبرانی فی "الأوسط(۵۶۹۰)" فقال: عن محمد بن أبی إسماعيل، عن حرب بن زهير، عن يزيد الضبعی، عن أنس بن مالک مرفوعاً. ولفظه": الحج سبيل الله، النفقة فيه الدرهم بسبع مئة. "

قلنا: ومع هذا الاضطراب الحاصل فيه، فإن فی الباب ما يقويه ويحسنه، فقد سلف من حديث أبی هريرة برقم(۹۷۱۴) أن النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال ": كل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة بعشر أمثالها إلى سبع مئة ضعف، إلى ما شاء الله "وهو فی "صحيح مسلم. "

وأخرج ابن أبی حاتم فی "تفسيره "فی تفسير الآية(۲۱۶) من سورة البقرة من طريق شَبيب بن بِشْر، عن عكرمة، عن ابن عباس فی قول الله تعالى: (مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِئَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ) . قال ابن عباس: نفقة الحج والجهاد سواء ، الدرهم سبع مئة، لأنه فی سبيل الله. قلنا: وهذا إسناد ضعيف من أجل شبيب بن بِشْر البَجَلی، فهو ضعيف الحديث .

وسيأتی من حديث أُمِّ مَعْقِل الأسدية(۳۷۵/۶) وفيه أنها قالت: يا رسول الله، إن عليَّ حِجَّةً وإن لأبی مَعْقِل بَكْراً، قال أبو معقل: صَدَقَتْ، جعلتُه فی سبيل الله، قال ": أَعطِها، فلتَحُجَّ عليه، فإنه فی سبيل الله "وهو حديث صحيح، وقد ذكرنا بقية شواهده هناك .

[1] رقم الحديث ۵۲۱۳، ج۵ص۲۴۵، باب الميم، واللفظ لهٗ، كشف الاستار عن زوائد البزار، رقم الحديث ۱۰۸۰، شعب الايمان للبيهقی، رقم الحديث ۳۸۳۹.

قال المنذری:

رواه الطبرانی فی الأوسط والبزار ورجاله رجال الصحيح(الترغيب والترهيب، ج۲ص۱۱۳)

وقال الهيثمی:

رواه الطبرانی فی الأوسط والبزار، ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد ج۳ص۲۰۸)

وقال الحوينی:

قال البزار ":تفرد به محمد بن أبی حميد ، وعنه أحاديث لا يتابع عليها ، ولا أحسب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: حاجی کبھی اِمعار کا شکار نہیں ہوتا؛ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ ''امعار'' کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ فقر وفاقہ میں مبتلا نہیں ہوتا (طبرانی)

امام عبدالرزاق نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ:

مَا أَمْعَرَ حَاجٌّ قَطُّ يَقُوْلُ: مَا افْتَقَرَ (مصنف عبدالرزاق) [1]

ترجمہ: حاجی کبھی فقر وفاقہ میں مبتلا نہیں ہوتا (عبدالرزاق)

اور حضرت صفوان بن سلیم سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

حُجُّوْا تَسْتَغْنُوْا (مصنف عبدالرزاق) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذلک من تعمده ، ولكن من سوء حفظه ، فقد روى عنه أهل العلم . "

قُلْتُ :رضى الله عنك !

فلم يتفرَّد به محمد بن أبى حميد ، فقد تابعه محمد بن زيد ، عن ابن المنكدر بسنده سواء .و زاد " :ما الإمعار ؟ قال :مالفتقر . "أخرجه الطبرانى فى "الأوسط "قال : حدثنا محمد بن الفضل السقطى ، قال حدثنا سعيد بن سليمان، قال :حدثنا شريک النخعى ، عن محمد بن زيد .قال الطبرانىّ ":لم يرو هذا الحديث عن محمد بن المنكدر ، الا محمد بن زيد " قُلْتُ :رضى الله عنک !ورواية البزار تردُّ ما قلت .وأيضاً :فرواه عبد الله بن محمد بن المنكدر ، عن أبيه بسنده سواء .أخرجه ابنُ عساكر فى "تاريخه "(ج۵/ق۲۵۷)من طريق محمد بن المثنى ، ثنا محمد بن خالد بن عثمة ، عن عبد الله بن محمد بن المنكدر .ونقل ابن عساكر عن ابن الأنبارى قال : "معناهُ :ما افتقر حاجٌّ قطُّ ، وأصلهُ من قولهم :مكانٌ أمعر ، إذا ذهب نباتُهُ . "قُلْتُ : وعبد الله بن محمد بن المنكدر لم أجد له ترجمة .وقال المنذرى فى "الترغيب " (۲/۱۸۰) "رجال البزار رجال الصحيح ."قُلْتُ :رضى الله عنكما !ومحمد بن أبى الحميد لم يخرج له الشيخان ولا أحدهما شيئاً قطُّ ، لا أصلاً ولا متابعةً ولو قصدا رجال الطبرانى فى "الأوسط "، لكان أقرب ، فإنَّ الطبرانى رواه من طريق سعيد بن سليمان قال :نا شريک النخعى ، عن محمد بن زيد ، عن ابن المنكدر ، عن جابرٍ وسعيد بن سليمان ، هو المعروف ب "سعدوية "من رجال الصحيحين . وشريک النخعى أخرج له مسلمٌ متابعةً ، ومحمد بن زيد هو ابن المهاجر بن قنفد ، أخرج له مسلم(كتاب تنبيه الهاجد ج ا ص ۲۵۱ ،تحت رقم الحديث ۲۰۱)

[1] رقم الحديث ۸۸۱۸، كتاب المناسک، باب فضل الحج.

[2] رقم الحديث ۸۸۱۹، كتاب المناسک، باب فضل الحج.

ترجمہ: تم حج کرو غنی (یعنی مالدار) ہو جاؤ گے (عبدالرزاق)

مطلب یہ ہے کہ جس کا حجِ مبرور واقع ہوا ہو، وہ فقر وفاقہ میں مبتلا نہیں ہوگا اور اگر کوئی حاجی اس میں مبتلا ہو جائے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس نے حج کی ادائیگی میں کوتاہیاں کی ہوں گی اور حج کو شریعت کے پسندیدہ طریقہ پر ادا نہیں کیا ہوگا۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ خَرَجَ حَاجًّا فَمَاتَ كُتِبَ لَهُ أَجْرُ الْحَاجِّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ خَرَجَ مُعْتَمِرًا فَمَاتَ كُتِبَ لَهُ أَجْرُ الْمُعْتَمِرِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ خَرَجَ غَازِيًا فَمَاتَ كُتِبَ لَهُ أَجْرُ الْغَازِي إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (المعجم الأوسط للطبرانی) [2]

---

[1] (حجوا تستغنوا) بغناء الله تعالى بأن يبارك لكم فيما رزقكم (وسافروا تصحوا) فإن السفر مصحة للبدن وزاد الديلمي في روايته وتناكحوا تكثروا فإني مباهي بكم الأمم
(عب عن صفوان بن سليم) بضم الميم وفتح اللام (مرسلا) ظاهر صنيع المصنف أنه لم يقف عليه متصلا لأحد وإلا لما اقتصر على رواية إرساله وهو عجب فقد رواه في مسند الفردوس من حديث ابن عمر (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٣٦٨٦، جزء٣ صفحه ٣٧٦)

[2] رقم الحديث ٥٣٢١، ج٥ ص ٢٨٢، باب الميم؛ مسند ابی یعلیٰ الموصلی، رقم الحديث ٦٣٥٧.

قال الهيثمي:

رواه أبو يعلى وفيه ابن إسحاق وهو مدلس، وبقية رجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٩٤٥٦)

وقال الالبانی:

قلت: وقد وجدت له إسنادا آخر عن الليثي، فقال يحيى بن صاعد في "مجلسان من الأمالي (ق٢/١٥١) "حدثنا عمرو بن علي قال: أخبرنا أبو معاوية الضرير قال: حدثنا هلال بن ميمون الفلسطيني عن عطاء بن يزيد الليثي به. وأخرجه أبو نعيم في "أخبار أصبهان(٢/٢١) "من طريق ابن صاعد به، لكنه قال ": الواسطي "بدل "الفلسطيني"، وهو خطأ من الناسخ أو الطابع. قلت: وهذا إسناد جيد رجاله كلهم ثقات رجال الشيخين غير هلال بن ميمون الفلسطيني، وثقه ابن معين وابن حبان، وقال النسائي: ليس به بأس. وأما أبو حاتم فقال ": ليس بالقوي، يكتب حديثه (سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها وفوائدها، تحت رقم الحديث ٢٥٥٣)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حج کے لئے جائے پھر (راستہ میں) فوت ہو جائے، اس کے لئے قیامت تک حج کا ثواب لکھا جائے گا اور جو شخص عمرہ کے لئے جائے پھر (راستہ میں) فوت ہو جائے، اس کے لیے قیامت تک عمرہ کا ثواب لکھا جائے گا اور جو شخص جہاد کے لئے جائے پھر (راستہ میں) فوت ہو جائے اس کے لئے قیامت تک مجاہد کا ثواب لکھا جائے گا (طبرانی، ابویعلیٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ حج یا عمرہ کے سفر پر جائے، اور پھر وہ فوت ہو جائے، تو وہ تا قیامت حج وعمرہ کے ثواب کو پاتا رہے گا۔ [1]

''حج'' اللہ اور موت کی محبت کا مظہر

نماز، روزے، اور زکاۃ وغیرہ کے مقابلہ میں حج میں ایک خاص بات ایسی ہے کہ جو دوسری عبادتوں میں نہیں پائی جاتی۔

اور وہ یہ ہے کہ دوسری عبادتوں کے کاموں میں تو کچھ عقلی حکمتیں ومصلحتیں بھی سمجھ میں آتی

---

[1] (وعن أبي هريرة قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم -من خرج حاجا أو معتمرا أو غازيا) أي قاصدا للغزو، (ثم مات في طريقه) أي قبل العمل (كتب الله له أجر الغازي والحاج والمعتمر) لقوله تعالى :(ومن يخرج من بيته مهاجرا إلى الله ورسوله ثم يدركه الموت فقد وقع أجره على الله) قيل فمن قال إن من وجب عليه الحج وأخره ثم قصد بعد زمان فمات في الطريق كان عاصيا، فقد خالف هذا النص، وذكره الطيبي وفيه بحث، إذ ليس نص في الحديث على مطلوبه فإنه مطلق، فيحمل على ما إذا خرج حاجا في أول ما وجب عليه وخرج أهل بلده للحج، أو على ما إذا تأخر لحدوث عارض من مرض أو حبس أو عدم أمن في الطريق ثم خرج فمات فإنه يموت مطيعا، وأما إذا تأخر من غير عذر حتى فاته الحج فإنه يكون عاصيا بلا خلاف عندنا، على اختلاف في أن وجوب الحج على الفور أو التراخي، والصحيح هو الأول ومع هذا يمكن أن نقول له أجر الحاج في الجملة فإن الله لا يضيع أجر من أحسن عملا، ولا مانع من أن يكون عاصيا من وجه، ومطيعا من وجه، والله ولي التوفيق.

ثم رأيت ابن حجر اعترض عليه بأن هذا من سوء أدبه على إمامه الشافعي وأهل مذهبه، وعلى مالك وغيره من بقية علماء السلف وفضلاء الخلف رحمهم الله تعالى (رواه البيهقي في شعب الإيمان)(مرقاة المفاتيح، ج٥ص ١٧٥٥، كتاب المناسك)

ہیں، مگر حج کے کاموں میں محبوبانہ شان پائی جاتی ہے، سِلے ہوئے کپڑوں کے بجائے ایک کفن نُما لباس پہن لینا، ننگے سر رہنا، حجامت نہ بنوانا بلکہ جسم کے کسی حصے کے بھی بال نہ کاٹنا، ناخن نہ ترشوانا، بالوں میں کنگھا نہ کرنا، تیل نہ لگانا، خوشبو کا استعمال نہ کرنا، جسم سے میل کچیل صاف نہ کرنا، بلکہ جوں تک نہ مارنا، کسی خشکی کے جانور کا شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، پکار پکار کر لبیک کہتے پھرنا، بیت اللہ کے گرد مستانہ وار چکر کاٹنا، حجرِ اسود کو چومنا، بیت اللہ کے درودیوار سے چمٹنا اور آہ وزاری کرنا، صفا ومروہ کے چکر لگانا۔

پھر مکہ شہر سے نکل کر منیٰ، کبھی عرفات اور کبھی مزدلفہ کے صحراؤں اور میدانوں میں جا پڑنا، تپتی ہوئی دھوپ اور گرمی میں پھرنا، جمرات پر بار بار کنکریاں مارنا وغیرہ وغیرہ، یہ سارے اعمال وہی ہیں جو انتہائی محبت رکھنے والوں سے سرزد ہوا کرتے ہیں۔

حج کے اعمال میں انسان کو عملی طور پر سادگی اختیار کرنے اور تکلّفات، تکبر، نمود ونمائش چھوڑنے اور موت کی تیاری کا سبق دیا جاتا ہے۔

اور اسی وجہ سے حج کے سارے ارکان واعمال تکبر وبڑائی کے دشمن اور ان کو ختم کرنے والے ہیں۔

دور دراز کا سفر اختیار کرنا، رشتہ دار اور دوست احباب کو چھوڑ دینا، نفس پروری، اور سستی وکاہلی کا دور ہو جانا اور احرام پہن کر کفن اور اپنی موت کا یاد آ جانا، اور اس کے نتیجہ میں دنیا کی محبت کا دل سے نکل جانا اور اس کے مقابلے میں آخرت سے محبت کا ہو جانا، یہ سب چیزیں اخلاص کے ساتھ صحیح طور پر حج کرنے سے حاصل ہو جاتی ہیں۔

اس اعتبار سے حج کا عمل دوسرے اعمال کے مقابلہ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ حج، اللہ تعالیٰ اور آخرت کی محبت کا بہت بڑا مظہر ہے۔

حجِّ مبرُور کیا ہے؟

کئی احادیث میں حج کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حجِ مبرور کی قید لگائی گئی ہے۔

اور مبرور کا لفظ دراصل عربی کے لفظِ ''بِر'' سے بنا ہے، اور ''بِر'' بھلائی اور خیر کو کہتے ہیں، تو

مبرور کے لغت میں معنیٰ بھلائی اور خیر والی چیز کے اور حجِ مبرور کے لغوی معنیٰ ایسے حج کے ہوئے کہ جو خیر اور بھلائی والا ہو۔

اس اعتبار سے جو چیز نیکی اور طاعت والی ہو، اور اس میں گناہ والی بات نہ ہو، اس کو بھی مبرور کہا جاتا ہے۔ [1]

حجِ مبرور کسے کہتے ہیں؟

تو اس سلسلہ میں قرآن واحادیث میں غور کر کے محدثین واہلِ علم حضرات نے حجِ مبرور کے مندرجہ ذیل معنیٰ بیان کئے ہیں:

نمبر۱......حجِ مبرور وہ ہے کہ جس کے ساتھ کوئی گناہ شامل وداخل نہ ہو، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مبرور ''بر'' سے بنا ہے اور ''بر'' کے معنیٰ طاعت کے ہیں اور طاعت گناہ کی ضد ہے۔

اس کے علاوہ سورہ بقرہ کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حج میں فسوق اور گناہوں کی نفی فرمائی ہے۔ [2]

مزید یہ کہ کئی احادیث وروایات میں حج کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے گناہوں سے بچنے کی صاف قید لگی ہوئی ہے۔

نمبر۲......حجِ مبرور وہ ہے کہ جس کے بعد گناہ نہ ہو (اور حج سے پہلے گناہوں سے سچی

---

[1] (باب فضل الحج المبرور)أی :هـذا باب فی بیان فضل الحج المبرور أی :المقبول، قاله ابن خالويه، وقال غيره :الحج المبرور الذی لا يخالطه شیء من المأثم، وهو من البر وهو اسم جامع للخير، يقال :بر عمله وبر عمله، بفتح الباء وضمها، بريرا وبرورا، وأبره الله تعالى .قال الفراء :بر حجة، فإذا قالوا :أبر الله حجک قالوه بالألف .وقال ثعلب :بر حجک لأن العامة تقول :بر حجک، بفتح الباء ، يجعلون الفعل للحج، وإنما الحج مفعول به مبرور وليس ببار، وحکی أبو عبيد واللحيانی وابن التيانی وأبو المعانی وأبو نصر فی آخرين :بر، بفتح الباء (عمدة القاری، ج۹ ص ۱۳۳ ،باب فضل الحج المبرور)

[2] اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ، فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَارَفَثَ وَلَافُسُوْقَ وَلَاجِدَالَ فِي الْحَجِّ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۹۷)

توبہ کرلی ہو ورنہ حج کے ذریعہ گناہوں سے پاک وصاف ہونے کا پورا مقصد حاصل نہ ہوگا)

نمبر۳...... حج مبرور وہ ہے کہ جس میں کسی قسم کا دکھلاوا اور نام ونمود نہ ہو، بلکہ اخلاص اور اللہ کی رضاء کے لیے حج کیا گیا ہو۔ [1]

اور اگرچہ ان میں سے پہلے معنیٰ کو بعض حضرات نے راجح اور مضبوط قرار دیا ہے۔

لیکن درحقیقت ان تینوں معنیٰ میں باہم کوئی ٹکراؤ نہیں، اس لئے کہ آخر کے دونوں معنیٰ پہلے معنیٰ میں داخل ہیں اور پہلے معنیٰ ان دونوں کو شامل ہیں، کیونکہ ایسا حج کہ جس کے ساتھ کوئی گناہ شامل اور داخل نہ ہو، اس میں نام ونمود سے بچنا اور توبہ واستغفار اور آئندہ گناہوں سے پرہیز بھی داخل ہے۔

اور بعض حضرات نے مقبول اور مبرور دونوں کو ایک ہی معنیٰ میں مراد لیا ہے، اور مقبول حج کی جو پہچان وعلامت بتلائی گئی ہے، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مقبول اور مبرور دونوں ہم معنیٰ ہیں۔

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مبرور ایک باطن اور حقیقت ہے اور مقبول اس کی صورت اور ظاہر ہے کہ مقبول سے مبرور ہونے کو پہچانا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] عن أنس بن مالک، قال :حج النبی صلی اللہ علیه وسلم علی رحل، رث، وقطیفة تساوی أربعة دراهم، أو لا تساوی، ثم قال :اللهم حجة لا رياء فيها، ولا سمعة(ابنِ ماجه، رقم الحديث ۲۸۹۰)

عن ابن عباس قال :غدا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عرفة من منى، فلما انبعثت به راحلته، وعليها قطيفة قد اشتريت بأربعة دراهم قال :اللهم اجعلها حجة مبرورة، لا رياء فيها، ولا سمعة(المعجم الأوسط، رقم الحديث ۱۳۷۸؛ أخبار مكة للفاكهى، رقم الحديث ۸۵۵)

[2] قوله :(والحج المبرور) ، المبرور من :بره إذا أحسن إليه ثم قيل :بر الله عمله، إذا قبله كأنه أحسن إلى عمله بأن قبله ولم يرده .واختلفوا فى المراد بالحج المبرور، فقيل :هو الذى لا يخالطه شىء من مأثم، وقيل :هو المتقبل، وقيل :هو الذى لا رياء فيه ولا سمعة ولا رفث ولا فسوق، وقيل: الذى لم يتعقبه معصية، وقد ورد تفسير الحج المبرور بغير هذه الأقوال، وهو ما روى محمد بن المنكدر عن جابر عن النبى صلى الله عليه وسلم (قال :الحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورحجِ مبرور کی پہچان یہ ہے کہ اپنے حج سے اس طرح واپس آئے کہ اس کا دل دنیا کی محبت سے فارغ اورآخرت کی طرف راغب ہو، اورحج کرنے کے بعدنیکیوں کے کرنے اور برائیوں سے بچنے کے سلسلے میں اس حالت سے بہتر حالت ہوجائے جوحالت حج سے پہلے تھی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾فقيل :يا رسول الله! ما بر الحج؟ قال :إفشاء السلام وإطعام الطعام) . وفي رواية فيه بدل (إفشاء السلام :وطيب الكلام) ، وفي رواية :(ولين الكلام) وهو في (مسند) أحمد. قوله :(ليس له جزاء إلا الجنة) أي :لا يقصر لصاحبه من الجزاء على تكفير بعض ذنوبه، بل لا بد أن يدخل الجنة(عمدة القاري، ج۱۰ ص ۱۰۹، أبواب العمرة،وجوب العمرة وفضلها)

(والحج المبرور) هو الذي لا رياء فيه ولا رفث ولا فسوق، ويكون بمال حلال والله أعلم (شرح صحيح البخاري لابن بطال، ج۴، ص۴۳۵، أبواب العمرة،وجوب العمرة وفضلها)

(حج مبرور) مقبول أو لم يخالطه إثم أو لا رياء فيه أو لا تقع فيه معصية .وفي حديث جابر عند أحمد بإسناد فيه ضعف قالوا :يا رسول الله ما بر الحج؟ قال " :إطعام الطعام وإفشاء السلام (إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري، ج۳ص ۹۶، كتاب الحج، باب فضل الحج المبرور)

(حجة مبرورة) أي مقبولة أو لم يخالطها إثم من الإحرام إلى التحلل الثاني أو لا رياء فيها أقوال رجح النووي ثانيها (فيض القدير للمناوي، تحت رقم الحديث ۱۲۳۹)

قال ابن خالويه المبرور المقبول وقال غيره الذي لا يخالطه شيء من الإثم ورجحه النووي وقال القرطبي الأقوال التي ذكرت في تفسيره متقاربة المعنى وهي أنه الحج الذي وفيت أحكامه ووقع موقعا لما طلب من المكلف على الوجه الأكمل والله أعلم وقد تقدم في ذلك أقوال أخر مع مباحث الحديث الأول في باب من قال إن الإيمان هو العمل من كتاب الإيمان منها أنه يظهر بآخره فإن رجع خيرا مما كان عرف أنه مبرور ولأحمد والحاكم من حديث جابر قالوا يا رسول الله ما بر الحج قال إطعام الطعام وإفشاء السلام وفي إسناده ضعف فلو ثبت لكان هو المتعين دون غيره (فتح الباري لابن حجر، ج۳ص ۳۸۲، باب فضل الحج المبرور)

(والحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة)الاصح الاشهر ان المبرور هو الذى لايخالطه اثم ،ماخوذ من البر وهو الطاعة وقيل هو المقبول،ومن علامة القبول ان يرجع خيرا مماكان ولايعاود المعاصى، وقيل هوالذى لارياء فيه،وقيل الذى لايعقبه معصية وهما داخلان فيما قبلهما(شرح النووى على مسلم ،ج۹ص۱۱۸،۱۱۹،كتاب الحج، باب فضل الحج والعمرة)

[1] والمبرور :هو الذي لا يخالطه إثم، ومنه :برت يمينه إذا سلم من الحنث .وقيل :هو المقبول، ومن علامات القبول أنه إذا رجع يكون حاله خيرا من الحال الذي قبله، وقيل :هو الذي لا رياء فيه، وقيل :هو الذي لا تعقبه معصية، وهما داخلان فيما قبلهما، والبر، بالكسر :الطاعة والقبول، يقال: بر حجك، بضم الباء وفتحها لازمين، وبر الله حجك، وأبر الله اى قبله، فله أربعة استعمالات . وقال الأزهري :المبرور المتقبل، يقال :بر الله حجه يبره اى :تقبله، وأصله من البر، وهو اسم لجماع الخير، وبررت فلانا أبره برا، إذا وصلته وكل عمل صالح بر، وجعل لبيد البر :التقوى،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل کے پیشِ نظر اب یہ سمجھنا مشکل نہ رہا کہ حجِ مبرور ومقبول اور حج کے پورے فضائل حاصل کرنے لئے یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ حج کو اخلاص کے ساتھ صحیح طور پر غلطیوں سے بچ کر ادا کیا جائے اور گناہوں سے سچی توبہ کر لی جائے۔

اور گناہوں کی دو قسمیں ہیں:

(۱)......ایک کبیرہ (بڑے) گناہ (۲)......دوسرے صغیرہ (چھوٹے) گناہ۔

صغیرہ گناہ تو حج جیسے نیک اعمال سے بھی معاف ہوجاتے ہیں لیکن کبیرہ گناہوں کے بارے میں اصولی وتحقیقی بات یہ ہے کہ وہ بغیر توبہ وندامت کے معاف نہیں ہوتے اور حقوق العباد حق ادا کئے بغیر یا صاحبِ حق سے معاف کرائے بغیر معاف نہیں ہوتے۔

اور سچی توبہ کے لئے تین باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱)......پہلی یہ کہ گزرے ہوئے گناہوں پر افسوس اور شرمندگی کا ہونا اور ساتھ ہی جن چیزوں کی قضاء ضروری ہے، خواہ وہ اللہ کے حقوق ہوں (جیسے قضاء نمازیں، قضا روزے، زکاۃ، حج، قربانی، صدقۂ فطر، قسم کا کفارہ، جائز منت وغیرہ) ان کو حسبِ قدرت ادا کرنا اور خواہ بندوں کے حقوق ہوں (جیسے قرض و دین، تقسیمِ میراث، کسی بھی قسم کا جانی، مالی نقصان اور ایذاء رسانی وغیرہ) ان کو ممکنہ حد تک ادا کرنے کی کوشش کرنا یا حقدار سے اس کی خوشدلی کا لحاظ کرکے معافی حاصل کرنا۔

(۲)......دوسری یہ کہ اس وقت فوراً ان گناہوں کو چھوڑ دینا اور ان سے الگ ہوجانا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فقال:(وما البر إلا مضمرات من التقى ...وما المال إلا معمرات ودائع)(عمدة القارى، ج ۱، ص ۱۸۸، كتاب الايمان)

والمبرور هوالذى لايخالطه اثم ومنه "برت يمينه" اذا سلم من الحنث وقيل هوالمقبول ومن علامات القبول انه اذا رجع يكون حاله خيرا من حال الذى قبله وقيل هوالذى لارياء فيه وقيل هوالذى لاتتعقبه معصية وهما داخلان فيما قبلهما اه والذى رجحه النووى انه الذى لايخالطه شئى من الاثم وقال القرطبى الاقوال فى تفسيره متقاربة وهى ان الحج الذى وفيت احكامه ووقع موقعا لماطلب من المكلف على الوجه الاكمل حكاه فى الفتح (۳.۲۰۳) والذى يظهرلى ان يفسر الحج المبرور بقوله تعالىٰ فلا رفث ولافسوق ولا جدال فى الحج . فمن كان حجه بهذه الصفة فهوالمبرور ويؤيده حديث الباب (معارف السنن ج ٦ ص ۱۲)

(۳)...... تیسری یہ کہ آئندہ کے لئے ان گناہوں کو نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلینا

(کذا فی معارف القرآن ج۲ تحت سورۃ نساء آیت ۳۱) [۱]

اب لاکھوں کی تعداد میں آج کل ذوق وشوق کے ساتھ حج کرنے والے مرد اور خواتین گزشتہ تفصیل کی روشنی میں اپنے حالات کا جائزہ لے لیں کہ ان کا حج مقبول ومبرور ہے یا نہیں؟

اگر نہیں، تو اس کو مقبول ومبرور بنانے کی کوشش واہتمام کریں۔

---

[۱] لأن حد التوبة الرجوع عن الذنب والعزم ان لا يعود إليه والاقلاع عنه والاستغفار بمجرده لا يفهم منه ذلک انتهى وقال غيره شروط التوبة ثلاثة الاقلاع والندم والعزم على ان لا يعود والتعبير بالرجوع عن الذنب لا يفيد معنى الندم بل هو إلى معنى الاقلاع أقرب وقال بعضهم يكفى فى التوبة تحقق الندم على وقوعه منه فإنه يستلزم الاقلاع عنه والعزم على عدم العود فهما ناشئان عن الندم لا أصلان معه ومن ثم جاء الحديث الندم توبة وهو حديث حسن من حديث ابن مسعود أخرجه ابن ماجة وصححه الحاكم وأخرجه ابن حبان من حديث أنس وصححه وقد تقدم البحث فى ذلک فى باب التوبة من أوائل كتاب الدعوات مستوفى(فتح البارى لابنِ حجر، ج۱۳ ص ۴۷۱، كتاب التوحيد، قوله باب قول الله تعالى يريدون ان يبدلوا كلام الله)

ثم اعلم ان التوبة اما من الكفر واما من الذنب فتوبة الكافر مقبولة قطعا وتوبة العاصى مقبولة بالوعد الصادق ومعنى القبول الخلاص من ضرر الذنوب حتى يرجع كمن لم يعمل ثم توبة العاصى اما من حق الله واما من حق غيره فحق الله تعالى يكفى فى التوبة منه الترک على ما تقدم غير ان منه ما لم يكتف الشرع فيه بالترک فقط بل أضاف إليه القضاء أو الكفارة وحق غير الله يحتاج إلى ايصالها لمستحقها والا لم يحصل الخلاص من ضرر ذلک الذنب لكن من لم يقدر على الايصال بعد بذله الوسع فى ذلک فعفو الله مأمول فإنه يضمن التبعات ويبدل السيئات حسنات والله اعلم(فتح البارى لابنِ حجر، ج۱۱ ص۱۰۳، كتاب الدعوات، باب التوبة)

باب التوبة قال العلماء :التوبة واجبة من كل ذنب، فإن كانت المعصية بين العبد وبين الله تعالى لا تتعلق بحق آدمى، فلها ثلاثة شروط :أحدها :أن يقلع عن المعصية .والثانى :أن يندم على فعلها . والثالث :أن يعزم أن لا يعود إليها أبداً، فإن فقد أحد الثلاثة لم تصح توبته .وإن كانت المعصية تتعلق بآدمى فشروطها أربعة :هذه الثلاثة، وأن يبرأ من حق صاحبها :فإن كانت مالاً أو نحوه رده إليه، وإن كانت حد قذف ونحوه مكنه منه أو طلب عفوه وإن كانت غيبة استحله منها ويجب أن يتوب من جميع الذنوب فإن تاب من بعضها صحت توبته عند أهل الحق من ذلک الذنب وبقى عليه الباقى وقد تظاهرت دلائل الكتاب، والسنة، وإجماع الأمة على وجوب التوبة (شرح رياض الصالحين للعثيمين ، باب التوبة)

حجِ مبرور اور چند رائج گناہ ومنکرات

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہو چکا کہ حجِ مبرور کی فضیلت اور حج کے فضائل وبرکات کا حاصل کرنا اسی وقت ممکن ہے جبکہ حج کے فرائض، واجبات وغیرہ کی رعایت کے ساتھ جو چیزیں حج کو خراب کرنے والی ہیں ان سے پرہیز کرے ورنہ اگر فرض سے سبکدوشی ہو بھی گئی تو فضائل وبرکات سے محروم رہنا تو یقینی ہے، حج وزیارت کو جانے والے حضرات اس معاملے میں اکثر غفلت کرتے ہیں، حج وزیارت کے احکام اور مسائل معلوم کرنے کا اہتمام نہیں کرتے، اور نہ صرف یہ کہ حج وعمرہ کی عین ادائیگی کے دوران کئی گناہ کرتے ہیں، بلکہ حرمین شریفین پہنچنے سے پہلے ہی کئی خرابیوں اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اور یہ بے خبر لوگ حج کر کے یہ حساب لگاتے ہیں کہ ہم گناہوں سے پاک ہو کر آئے ہیں، اور آخرت کے ثواب کا بڑا ذخیرہ کر کے لائے ہیں، حالانکہ یہ لوگ ایک طرف تو حجِ مبرور ومقبول کے ثواب سے اپنے آپ کو محروم کرتے ہیں، اور دوسری طرف گناہوں کی دَلدَل میں اپنے آپ کو دھنسا لیتے ہیں، جو کہ سخت توجہ واصلاح طلب بات ہے۔

اس کی بنیادی وجہ تو دین وآخرت سے غفلت؛ یا حج کو ایک رسمی ورواجی چیز سمجھنا اور حج کو نام ونمود وشہرت کے لئے اختیار کرنا ہے، لیکن بعض دین کے قدر شناسوں اور مخلص لوگوں میں بھی رسم ورواج اور عام معاشرے میں بگاڑ کے باعث اس قسم کی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں، کہ دوسروں کی دیکھا دیکھی وہ بھی دین سمجھ کر بہت سی خرابیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

یوں تو خاص حج وعمرے کی ادائیگی کے دوران ہونے والے گناہ اور خرابیاں بہت زیادہ ہیں، جن کو ''مناسکِ حج'' کی کتابوں میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

لیکن کچھ غلطیاں یا غلط فہمیاں ایسی ہیں کہ جو حج کی ادائیگی سے پہلے یا حج وعمرے کے سفر سے متعلق ہیں۔

یہاں اسی قسم کی چند خرابیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

نام ونمود کے لئے حج کرنا

بعض لوگ حج وعمرہ نام ونمود، نیک نامی اور اپنی مالداری ظاہر کرنے کے لئے کرتے ہیں۔
اور اسی لئے جانے سے پہلے ان کی طرف سے اپنے حج کا عام اعلان کر دیا جاتا ہے، دعوتوں کی پارٹیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ کوئی آرہا ہے کوئی جا رہا ہے، گھر میں بھی بے پردہ عورتوں اور مردوں کا ہجوم ہوتا ہے (جس میں بدنظری اور بے پردگی کا گناہ بھی عام ہوتا ہے) اور ایک شور ہنگامہ آرائی کا سماں بر پا ہوتا ہے۔
آخر حج ایک فریضہ ہے جیسے نماز، روزہ اور زکاۃ وغیرہ ایک فریضہ ہے، اس میں شور، ہنگامہ کی کیا ضرورت ہے، پھر جو لوگ اس قسم کی ہنگامہ آرائی میں مبتلا ہوتے ہیں ان لوگوں کی عام طور پر یہ حالت ہوتی ہے کہ نہ نماز کا اہتمام ہے. نہ روزے اور زکاۃ کا اور نہ ہی دوسرے گناہوں سے بچنے کا۔
اگر حج کو اللہ کا حکم سمجھ کر اور اللہ کو راضی کرنے کے لئے کیا جا رہا ہے تو کیا نماز، روزہ، زکاۃ وغیرہ کی ادائیگی اور گناہوں سے بچنا یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہیں؟ پھر کیا وجہ ہے کہ ان چیزوں پر عمل نہیں۔
اور اگر عمل ہے تو کیا نماز، روزہ اور زکاۃ کا عمل انجام دینے سے پہلے بھی اسی طرح کی ہنگامہ آرائی ہوتی ہے، اور اگر کوئی اس طرح کی ہنگامہ آرائی کرے، تو کیا اس کو نیک عمل کہا جا سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔
بات دراصل یہ ہے کہ جو نام ونمود اور شہرت حاجی، الحاج وغیرہ جیسے القاب سے ملتی ہے، نماز روزہ اور زکاۃ کی ادائیگی اور گناہوں سے بچنے میں نہیں ملتی اور نہ ہی ان نیک کاموں کے کرنے سے مالدار ہونے کی شہرت ہوتی ہے، اور یہ دوسرے اعمال خاموشی سے ادا ہو جاتے

ہیں اس لئے ان احکام کی وہ حیثیت نہیں سمجھی جاتی۔

حالانکہ دکھلاوے اور ریاکاری سے ثواب سے محرومی، عذاب میں گرفتاری انسان کا مقدر بن جاتی ہے اور وہ دنیا جس کی تلاش میں دکھلاوا کیا گیا وہ بھی نہیں ملتی اور اگر ملتی بھی ہے تو وہ بھی چندروز کے بعد موت اور فناء کے گھاٹ اتر جاتی ہے، اور پھر انسان اس کا مصداق ہو جاتا ہے کہ: ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَإِنَّمَا لِامْرِءٍ مَا نَوٰى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، فَهِجْرَتُهٗ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ إِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهٗ إِلٰى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ (بخاری)[1]

ترجمہ: اعمال (کے عبادت بننے کا اعتبار) نیت کے ساتھ ہے، اور بس آدمی کو وہی حاصل ہوگا، جس کی وہ نیت کرے گا، پس جس کی ہجرت (کی نیت) اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو، تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی کہلائے گی، اور جس کی ہجرت (کی نیت) دنیا کو پانے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی طرف ہو، تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہونا کہلائے گی، جس کی طرف اس نے ہجرت (کی نیت) کی ہو (بخاری؛ مسلم)

اور جب نیتوں میں اخلاص نہ رہا بلکہ اپنی شہرت اور نام طلبی پیدا ہو گئی تو پھر حج وعمرہ کی مقبولیت کہاں سے حاصل ہو گی؟

کئی احادیث میں ریا اور دکھلاوے کو شرک فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت محمود بن لبید سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحدیث ۶۶۸۹، کتاب الأیمان والنذور، باب النیة فی الأیمان، واللفظ لهٗ، مسلم، ج۳ص ۱۵۱۵.

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَیْکُمُ الشِّرْکُ الْأَصْغَرُ، قَالُوْا: وَمَا الشِّرْکُ الْأَصْغَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: اَلرِّیَاءُ، یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ: إِذَا جُزِیَ النَّاسُ بِأَعْمَالِھِمْ: اِذْھَبُوا إِلَی الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تُرَاءُ وْنَ فِی الدُّنْیَا فَانْظُرُوْا ھَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَھُمْ جَزَاءً (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۳۶۳۰)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر (یعنی اُمت پر) میں سب سے زیادہ شرکِ اصغر (یعنی چھوٹے شرک) کا خوف کرتا ہوں، صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! شرکِ اصغر (یعنی چھوٹا شرک) کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ریا کاری (یعنی دِکھلاوا) اللہ عزوجل اِن (ریاکار) لوگوں سے قیامت کے دن جب ان کے اعمال کا بدلہ دیں گے، فرمائیں گے کہ تم ان لوگوں کی طرف جاؤ، جن کے لئے تم دنیا میں ریاکاری کرتے تھے، اور دیکھو کہ کیا ان کے پاس تم کوئی بدلہ (وثواب) پاتے ہو (مسند احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی: أَنَا أَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَکَ فِیْہِ مَعِیَ غَیْرِیْ، تَرَکْتُہٗ وَشِرْکَہٗ (مسلم)[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں شرکاء کے شرک سے بے نیاز ہوں، جس نے کوئی عمل ایسا کیا کہ جس میں میرے کسی غیر کو شریک کرلیا تو اس کو اس کے عمل کے ساتھ چھوڑ دوں گا (یعنی اس عمل کا کوئی اجر وثواب نہ دوں گا) (مسلم)

---

[1] فی حاشیۃ مسند احمد: حدیث حسن.

[2] رقم الحدیث ۲۹۸۵ "۴۶" کتاب الزھد والرقائق، باب من اشرک فی عملہ غیر اللہ.

اور حضرت ابوسعید بن ابوفضالہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِذَا جَمَعَ اللّٰهُ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ، لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيْهِ، نَادٰى مُنَادٍ: مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِيْ عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلّٰهِ أَحَدًا، فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۸۸۸) [۱]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جب اللہ تعالیٰ اول اور آخر کے سب لوگوں کو اس دن میں جمع فرمائیں گے، جس میں کوئی شک نہیں (یعنی قیامت کے دن) تو ایک ندا دینے والا ندا دے گا کہ جس نے کسی ایسے عمل میں جو اللہ کے لئے کرتا تھا، کسی کو شریک کیا، تو وہ اس کا ثواب اس غیرُ اللہ سے ہی طلب کرلے، کیونکہ اللہ تعالیٰ شریکوں کے شرک سے بری ہیں (مسند احمد)

اس قسم کی احادیث سے ریا کاری کرنے والے کے لئے سخت عذاب کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اس لئے حج کرنے والے اشخاص کو اپنی نیتوں میں اخلاص پیدا کرنا چاہئے اور نام ونمود، اور دکھلاوے سے بڑے اہتمام کے ساتھ بچنا چاہئے۔

قرآن وسنت کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے عمل میں وزن پیدا کرنے والی بنیادی چیزیں دو ہیں ایک اخلاص، دوسرے صدق۔

اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ جو عمل کیا جائے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی بھلائی ہو اور صدق یہ ہے کہ جو عمل کیا جارہا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہو، لہٰذا نیت میں اخلاص پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہوگا کہ حج کرنے سے پہلے حج کے مسائل اور احکام اچھی طرح سیکھ لئے جائیں اور پھر ان کے مطابق صحیح طریقہ پر گناہوں سے بچتے ہوئے حج کیا جائے۔

---

[۱] فی حاشیة مسند احمد: صحیح لغیره، وهذا إسناد حسن من أجل زياد بن ميناء .

حج کے لئے بھیک مانگنا یا بھیک مانگنے کی غرض سے حج کرنا

بعض لوگوں کے پاس نہ تو حج کا سامان ہوتا ہے نہ دل غنی ہوتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ پر صحیح توکل ہوتا ہے، وہ صرف اپنے شوق اور جذبہ کی تکمیل وتسکین کے لئے بھیک مانگ کر اور چندہ کر کے حج پر جاتے ہیں، حالانکہ اس طرح حج پر جانا گناہ کا کام ہے، کیونکہ بلاسخت ضرورت کے سوال کرنا حرام ہے اور اس طرح حج کرنے کے لئے سوال کرنا شرعی لحاظ سے سخت ضرورت میں داخل نہیں۔

اور بعض لوگ ایسے بھی ملتے ہیں کہ جن کا کام اور پیشہ ہی مانگنا اور لوگوں سے سوال کرنا ہوتا ہے، حج کے موقعہ پر یہ لوگ حج کرنے کے بجائے بھیک مانگنے اور چندہ کرنے کی نیت سے سفر کرتے ہیں، اور اپنے وطن سے حج وغیرہ کے ویزے پر سفر کرتے ہیں۔ پھر دوسرے لوگ تو وہاں جا کر اپنے اپنے اعمال اور عبادت میں مشغول ہوتے ہیں، مگر ان لوگوں کو نہ مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کی عظمت کا احساس ہوتا ہے اور نہ ہی منیٰ، مزدلفہ، اور عرفات وغیرہ کی قدر وقیمت کا لحاظ ہوتا ہے۔ جہاں دیکھو، بھیک مانگتے ہوئے ہی نظر آتے ہیں۔

حج کے نام پر بھیک مانگنے کی غرض سے اتنا لمبا سفر کرنا اور اتنی جدوجہد کرنا کتنا بڑا دھوکہ اور خیانت ہے، ایسے لوگ کل قیامت میں اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھائیں گے، جبکہ ان کے خلاف مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات وغیرہ کے متبرک مقامات گواہی دیں گے اور ساری دنیا کے لوگوں کے سامنے رسوائی ہوگی۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَأَنْ يَّأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ، فَيَأْتِيَ بِحُزْمَةِ الْحَطَبِ عَلٰى ظَهْرِهٖ، فَيَبِيْعَهَا، فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَّسْأَلَ النَّاسَ أَعْطَوْهُ أَوْ مَنَعُوْهُ (بخاری) [1]

---

[1] رقم الحدیث ۱۴۷۱، کتاب الزکاۃ، باب الاستعفاف عن المسألۃ.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی رسی لے، پھر لکڑیوں کی گٹھڑی اپنی پشت پر لاد کر لائے اور پھر اسے فروخت کردے اور اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کردیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے (اور پھر) وہ چاہیں تو دیدیں اور چاہیں تو منع کردیں (بخاری)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ وَمَنْ أَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ أَوْشَکَ اللّٰهُ لَهُ بِالْغِنٰى إِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ أَوْ غِنًى عَاجِلٍ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: جس کو فاقہ پہنچا اور اس نے اس کو لوگوں کے سامنے رکھا (یعنی سوال کیا) تو اس کا فاقہ بند نہیں کیا جائے گا، اور جس نے اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھا (اور لوگوں سے سوال نہیں کیا) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے غنی بنادیں گے، یا تو جلدی موت دے کر یا جلدی مالدار بنا کر (ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ معمولی ضرورت کے وقت صبر نہ کرنے اور لوگوں سے سوال کرنے سے فقر وفاقہ میں مزید اضافہ ہوتا ہے، اور صبر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے اس سے نجات حاصل ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ (مسلم) [2]

ترجمہ: جو لوگوں سے ان کے مال کا سوال کرے، تاکہ اپنے پاس مال بڑھ جائے،

---

[1] رقم الحدیث ۱۶۴۵، کتاب الزکاۃ، باب فی الاستعفاف، واللفظ لہٗ؛ ترمذی، رقم الحدیث ۲۳۲۶، باب ما جاء فی الھم فی الدنیا وحبھا.

[2] رقم الحدیث ۱۰۴۱ "۱۰۵" کتاب الزکاۃ، باب کراھۃ المسألۃ للناس، واللفظ لہٗ، سنن ابنِ ماجۃ حدیث نمبر ۱۸۳۸.

تو وہ درحقیقت آگ کے انگارے کا سوال کر رہا ہے، اب اس کی مرضی ہے کہ وہ آگ کو کم کرے یا زیادہ کرے (صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ مال کی حرص وہوس اور مال کو بڑھانے کے لئے سوال کرنے والا اپنے لئے آگ کا عذاب جمع کرتا ہے، اور جتنا بھی زیادہ سوال کرتا ہے، اتنا ہی آگ کا عذاب اکٹھا کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتّٰى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ فِيْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ (مسلم) [1]

ترجمہ: آدمی لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا، کہ اس کے چہرے میں گوشت کا کوئی حصہ نہیں ہوگا (صحیح مسلم)

اس حال میں اس شخص کو لوگ دور سے پہچان لیں گے کہ یہ سوال کرنے اور بھیک مانگنے والا تھا، دنیا میں اس نے اپنی عزت وآبرو کھوئی تو آخرت میں بھی سب کے سامنے اس عذاب میں مبتلا ہو کر بے آبرو ہوگا۔

اس لئے حج کرنے کے لئے لوگوں سے بھیک مانگنا اور چندہ کرنا یا بھیک مانگنے کے لئے حج وعمرہ کے نام سے سفر کرنا گناہ ہے، اور ایسے لوگوں کو دینا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ گناہ کا تعاون ہے اور گناہ کا تعاون بھی گناہ ہے۔

تجارت یا سیر وتفریح کی نیت سے حج کرنا

بعض لوگ تجارت کو مقصود بنا کر یا سیر وتفریح کی نیت سے حج کے سفر پر جاتے ہیں اور اسی وجہ

---

[1] رقم الحدیث ۱۰۴۱ "۱۰۴"، کتاب الزکاۃ، باب کراھۃ المسألۃ للناس، واللفظ لہ، بخاری رقم الحدیث ۱۴۷۴۔

سے یہ لوگ وہاں جا کر حج وعبادات سے زیادہ خرید وفروخت اور گھومنے پھرنے کا اہتمام اور مشغلہ اختیار کرتے ہیں، اور ان لوگوں کے قیمتی اور مبارک اوقات اسی کی نظر ہوجاتے ہیں جو بہت خسارے کی بات ہے۔

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ بے شک حج کے دوران کاروبار کی تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ (سورة البقرة، آية ۱۹۸)

ترجمہ: تم پر حرج نہیں کہ اپنے رب کے فضل کو تلاش کرو (سورہ بقرہ)

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسی کو اصل مقصد بنالیا جائے، البتہ اگر اصل نیت حج کی ہے اور اسی کے شوق میں گھر سے نکلنا ہوا لیکن حج کے اخراجات یا گھر کی ضروریات میں تنگی ہے اس کو پورا کرنے کے لئے تجارت یا مزدوری کرلی، تو یہ اخلاص کے خلاف نہیں۔ [۱]

گذشتہ تفصیل سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ اگر سیر وتفریح کو مقصد بنا کر حج کا سفر کیا جائے، یہ بھی اخلاص کے خلاف ہے۔

آج کل جس طرح لوگ دنیا کے دوسرے تفریحی مقامات پر سیر وتفریح کے لئے جاتے ہیں، اسی غرض کو مقصد بنا کر بہت سے حج کے سفر پر بھی جاتے ہیں، یہ بہت بھاری غلطی ہے۔

---

[۱] ثم اعلم أن من حج بقصد الحج والتجارة كان ثوابه دون ثواب التخلي عن التجارة، وكان القياس أن لا يكون للحاج التاجر ثواب لقوله -عليه الصلاة والسلام -من حج لله أى خالصا لرضاه إلا أنه صح عن ابن عباس -رضى الله عنهما -أن الناس تحرجوا من التجارة وهم حرم بالحج، فأنزل الله (ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلا من ربكم)وصح عن ابن عمر أن رجلا سأل أن يكرى جماله للحج ويحج، وأن ناسا يقولون له لا حج لک، فقال إن رجلا جاء إلى النبى -صلى الله عليه وسلم -فسأله عما سألتنى عنه حتى نزلت هذه الآية (ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلا من ربكم)فأرسل إليه فقرأها عليه وقال لک حج وجاء بسند حسن عن ابن عباس أن رجلا سأله فقال لو آجر نفسى من هؤلاء القوم فأنسک ألى أجر قال أولئک لهم نصيب مما كسبوا والله سريع الحساب والله الملهم بالصواب(مرقاة المفاتيح، ج۵ ص ۱۷۴۲، كتاب المناسک)

حج کے لئے حرام مال کا استعمال

بعض لوگوں کو حج کرنے کا تو بہت شوق ہوتا ہے اور اس کے لئے بڑی جدو جہد اور بھاگ دوڑ کرتے ہیں اور ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی کئی مرتبہ حج وعمرے کا اہتمام کرتے ہیں، لیکن حج میں استعمال کرنے کے لئے حلال اور پاکیزہ مال تلاش نہیں کرتے، حالانکہ یہ لوگ تھوڑی سی محنت اور فکر سے حلال مال سے حج کے اخراجات کا انتظام کرسکتے ہیں، اور بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہاں تک غلط بات بیٹھ گئی ہے کہ نعوذ باللہ حج سے تمام گناہ یہاں تک کہ حرام مال کا گناہ بھی ختم ہوجاتا ہے اور دوسرا مال بھی پاک وصاف ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے ایسے لوگ سال بھر خوب ناجائز طریقہ سے مال حاصل کرتے ہیں اور پھر حج وعمرہ کرآتے ہیں۔

جبکہ شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ حج پر جانے سے پہلے سب پچھلے گناہوں سے توبہ کرلی جائے، اپنے ذمہ جو کسی کا حق واجب ہو اس سے سبکدوشی حاصل کرلی جائے، کسی کا مال ظلم سے لے رکھا ہو تو اس کو واپس کردیا جائے، کسی کی چیز غصب کررکھی ہو تو وہ مالک کو لوٹادی جائے، کسی کا حق دبا رکھا ہو تو اس کو ادا کردیا جائے اگر کچھ قرضہ اپنے ذمہ ہو تو اس کو ادا کردیا جائے، یا ادائیگی کا کوئی مناسب انتظام کردیا جائے، جو امانتیں لوگوں کی اپنے پاس ہوں، وہ مالکان کو واپس کردی جائیں یا امانت رکھنے والوں کی رضامندی سے کوئی مناسب انتظام کردیا جائے، کسی پر ظلم کیا ہو تو اس سے قاعدہ کے مطابق معاف کرالیا جائے، وغیرہ وغیرہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا، وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ، فَقَالَ (يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا، إِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ) وَقَالَ (يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ) ثُمَّ

ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ، يَا رَبِّ، يَا رَبِّ، وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہیں، پاکیزہ چیز ہی کو قبول فرماتے ہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اسی چیز کا حکم دیا ہے، جس کا رسولوں کو حکم دیا ہے، پس فرمایا کہ اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ، اور نیک عمل کرو، بے شک میں تمہارے اعمال کو اچھی طرح جانتا ہوں، اور فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو تم کو رزق دیا، اس میں سے پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کا ذکر فرمایا جو دور سے لمبا سفر کر کے (بیت اللہ وغیرہ کے لئے) جاتا ہے اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں بدن پر گرد وغبار اَٹا ہوا ہے اور وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے یارب یارب کہہ کر دعا کرتا ہے (یہ شخص دعا تو کر رہا ہے) اور حال یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے، اور پینا حرام ہے اور پہننا حرام ہے اور اس کی غذا حرام ہے پس ان حالات کی وجہ سے اس کی دعا کیوں کر قبول ہوگی (مسلم)

لہٰذا خوب سمجھ لیجئے کہ اگرچہ ظاہری اعتبار سے حج کا فرض حرام مال سے ادا ہو جاتا ہے (بشرطیکہ حج کے تمام ارکان اور واجبات صحیح ادا کر لئے) لیکن یہ حج قبول نہیں ہوتا اور اس حرام کا گناہ مستقل ذمہ میں رہتا ہے، لوگ اس میں بہت تساہل اور غفلت کرتے ہیں اپنی قوت اور زور کے گھمنڈ پر دوسروں کے مال پر ظلم سے قبضہ کر لیتے ہیں، دوسرے وارثوں کے حصہ کو دبا لیتے ہیں اور دل میں خوش ہوتے ہیں کہ کس کی مجال ہے جو ہم سے مطالبہ کر سکے یا ہم پر الزام قائم کر دے؟ لیکن کل جب ہر مظلوم قوی ہوگا اس وقت اپنے اس ظلم کی حقیقت واضح

---

[1] رقم الحديث ١٠١٥ "٦٥" كتاب الزكاة، باب قبول الصدقه من الكسب الطيب وتربيتها.

ہوگی، جب قیامت کے دن حق دبانے والے ظالم کی نیکیاں حق کے بدلے میں لے لی جائیں گی اور اگر ظالم کے پاس نیک عمل نہ ہوا تو ظالم پر مظلوم کے گناہوں کا بار ڈال دیا جائے گا۔ [1]

اس لئے نہایت اہتمام سے ایسی حرکتوں سے بچنا چاہئے اور ہر وقت اس کی فکر کرنی چاہئے کہ نہ معلوم کب موت آجائے اور حرام مال کا وبال سر پر رہے خاص طور پر حج کے سفر کو جاتے وقت بہت اہتمام سے حرام مال اور دوسروں کے حقوق سے پاکی حاصل کرنی چاہئے کہ لمبا سفر درپیش ہے، نہ معلوم واپسی مقدر ہے یا نہیں۔

لیکن یہ بات بھی یادرکھنی چاہئے کہ اگر کسی شخص کے پاس اتنا مال ہو کہ اتنی مقدار پر حج فرض ہو جاتا ہے، اور وہ مال مشکوک ہے یا کسی غیر شرعی طریقہ پر حاصل کیا ہے، اور اس کے علاوہ پاکیزہ اور حلال مال اپنے پاس اتنی مقدار میں موجود نہیں جس سے حج کر سکے تو وہ اسی طرح نہ بیٹھا رہے اور ساری زندگی اسی حالت میں نہ گزار دے، بلکہ ایسی صورت میں اپنی صورتِ حال مستند مفتیانِ عظام وعلمائے کرام کو بتلا کر اس کا حکم معلوم کرنا چاہئے (ملاحظہ ہو: اصلاح انقلاب امت حصہ اول ص ۱۵۹)

---

[1] عن أبی هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال :أتدرون ما المفلس؟ قالوا :المفلس فينا من لا درهم له ولا متاع، فقال :إن المفلس من أمتي يأتي يوم القيامة بصلاة، وصيام، وزكاة، ويأتي قد شتم هذا، وقذف هذا، وأكل مال هذا، وسفک دم هذا، وضرب هذا، فيعطى هذا من حسناته، وهذا من حسناته، فإن فنيت حسناته قبل أن يقضى ما عليه أخذ من خطاياهم فطرحت عليه، ثم طرح فی النار(مسلم، رقم الحديث ۲۵۸۱"۵۹")

عن سلمان، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :يجیء الرجل يوم القيامة من الحسنات بما يظن أنه ينجو بها، فلا يزال رجل يجیء قد ظلمه بمظلمة، فيؤخذ من حسناته فيعطى المظلوم حتى لا يبقى له حسنة، ثم يجیء من يطلبه، ولم يبق من حسناته شیء، فيؤخذ من سيئات المظلوم، فيوضع على سيئاته(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۶۱۵۳،واللفظ لهٔ، مسند البزار، رقم الحديث ۲۵۲۴)

قال الهيثمی:

رواه الطبرانی، والبزار عن عبد الله بن إسحاق العطار، عن خالد بن حمزة، ولم أعرفهما، وبقية رجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد ،ج۱۰ ص۳۵۳)

حج کی آڑ میں حقوق العباد سے بے توجہی اور گناہوں پر جرأت

بہت سے لوگ اس خیال میں رہتے ہیں کہ ہم نے حج کرلیا ہے اور سب گناہ معاف ہو گئے ہیں، بلکہ وہ اس خیال کی وجہ سے گناہوں پر زیادہ جری ہو جاتے ہیں کہ حج کر کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے اور حج کی آڑ میں حقوق اللہ کے علاوہ حقوق العباد بھی ضائع کرتے ہیں؛ اور دلیل میں ایک حدیث ذکر کرتے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا لِأُمَّتِهٖ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ، بِالْمَغْفِرَةِ فَأُجِيبَ: إِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ، مَا خَلَا الظَّالِمَ، فَإِنِّيْ آخُذُ لِلْمَظْلُوْمِ مِنْهُ قَالَ: أَيْ رَبِّ إِنْ شِئْتَ أَعْطَيْتَ الْمَظْلُوْمَ مِنَ الْجَنَّةِ، وَغَفَرْتَ لِلظَّالِمِ فَلَمْ يُجَبْ عَشِيَّتَهٗ، فَلَمَّا أَصْبَحَ بِالْمُزْدَلِفَةِ، أَعَادَ الدُّعَاءَ، فَأُجِيبَ إِلٰى مَا سَأَلَ (سنن ابن ماجه)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے عرفہ کی رات میں دعا کی، جو کہ قبول کرلی گئی (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) میں نے ظالم کے علاوہ لوگوں کی مغفرت کردی، میں مظلوم کے لئے ظالم کا مؤاخذہ کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ اے میرے رب! اگر آپ چاہیں تو مظلوم کو جنت عطا فرمادیں، اور ظالم کی مغفرت فرمادیں، تو اس رات یہ دعا قبول نہیں کی گئی، پھر جب مزدلفہ میں صبح کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ دعا کی، تو آپ کی دعا قبول کرلی گئی (ابنِ ماجہ)

اس حدیث کے پیشِ نظر یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر حقوق کی ادائیگی نہ کی تو کچھ حرج نہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کا اعلان ہو چکا ہے، العیاذ باللہ؛ حدیث کا یہ مطلب سمجھ لینا نفس و

[1] رقم الحديث ٣٠١٣، كتاب المناسك، باب الدعاء بعرفة.

شیطان کا پُرفریب جال ہے۔

حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حج کرنے سے سارے حقوق العباد ختم ہوجاتے ہیں، اگر ایسا ہوتا تو حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور خاص کروہ صحابہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا تھا حج کے بعد وہ حضرات لوگوں کے مال مارلیا کرتے اور بے جا لوگوں کے حقوق تلف کیا کرتے، لیکن حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تو حدیث کا مطلب یہ نہیں سمجھا کہ دیدہ دانستہ لوگوں کا حق مارلو اور قدرت ہوتے ہوئے نہ حقوق کی ادائیگی کرو اور نہ شرعی اُصولوں کے مطابق معافی مانگ کر معاملہ صاف کرو، علاوہ ازیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد سے لے کر آج تک محدثین نے یا ائمہ مجتہدین نے یا فقہائے کرام اور اولیائے عظام نے یہ نہیں فرمایا کہ حقوقُ العباد اور مظالم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے حج کرلو، اس کے بعد نہ کسی کو کچھ دینا پڑے گا اور نہ معافی مانگنی پڑے گی، اور نہ ہی قرضوں وغیرہ کی ادائیگی کی ضرورت ہوگی۔

اگر کسی ناواقف نے حدیث کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ حقوق دباؤ اور مال غصب کرو، اور لوگوں پر اچھی طرح پیٹ بھر کر ظلم کرو، پھر حج کرکے سب سے پاک وصاف ہوجاؤ تو یہ اس کی اپنی نادانی ہے ایسا ہوتو پھر تو ہر شخص لاکھوں روپے مختلف ناجائز طریقوں (غبن، چوری وغیرہ) کے ذریعے حاصل کرلیا کرے پھر اس رقم میں سے کچھ پیسہ خرچ کرکے حج کرلیا کرے اور آخرت کی گرفت سے بالکل مطمئن ہوکر ہر سال اس طرح پیسہ جمع کرتا رہا کرے؟

یادرکھئے اولاً تو کئی محدثین کو اس مذکورہ حدیث کی سند پر ہی کلام ہے۔

دوسری طرف بے شمار احادیث حقوقُ العباد ادا کرنے کے بارے میں آئی ہیں وہ سند کے اعتبار سے قوی اور صحیح ہیں، اتنی کثیر تعداد میں صحیح احادیث کو چھوڑ کر ایک حدیث سے اپنا مقصد نکالنا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

دوسرے اس حدیث کا مطلب بھی غلط مراد لیا گیا ہے، کیونکہ اس حدیث سے صرف اتنی بات

ثابت ہوتی ہے کہ عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ:

''اگر آپ چاہیں تو مظلوم کو جنت عطا فرمادیں، اور ظالم کی مغفرت فرمادیں''

یہ دعا عرفات میں قبول نہیں ہوئی، پھر صبح کو مزدلفہ میں یہ دعا کی تو دعا قبول ہوگئی۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم والے کی معافی کے لئے یہ دعا کی اور قبول ہوئی کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو مظلوم کو اپنے پاس سے دے دیں اور ظالم کی مغفرت فرمادیں۔

معلوم ہوا کہ دارومدار اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے، حج کرنے پر نہیں اور یہ بات تو حج نہ کرنے والے کے لئے بھی ہے، حاجی کی اس میں کیا خصوصیت ہے۔ [1]

---

[1] ظاهره أنه سأل مغفرة مظالم المؤمنين بخلاف مظالم أهل الذمة إلا أن يقال قوله :(من الجنة) أى مثلا، أو تخفيف العذاب والله تعالى أعلم بالصواب، وفى الزوائد فى إسناده عبد الله بن كنانة قال البخارى :لم يصح حديثه اهـ .ولم أر من تكلم فيه بجرح ولا توثيق اهـ .وقال السيوطى فى حاشية الكتاب هذا الحديث أورده ابن الجوزى فى الموضوعات وأعله بكنانة فإنه منكر الحديث جدا، أورده عليه الحافظ ابن حجر بمؤلف سماه "قذة الحجاج فى عموم المغفرة للحجاج :قال فيه :حكم ابن الجوزى على هذا الحديث بأنه موضوع مردود فإن الذى ذكره لا ينتهض دليلا على كونه موضوعا، وقد اختلف قول ابن حبان فى كنانة فذكره فى الثقات وذكره من الضعفاء وذكره ابن منده أنه قيل :إن له رواية عن النبى -صلى الله عليه وسلم -، وولده عبد الله مختلف فيه فى كلام ابن حبان أيضا، وكل ذلك لا يقتضى الحكم على الحديث بالوضع، بل غايته أن يكون ضعيفا ويعتضد بكثرة طرقه وهو بمفرده يدخل فى حد الحسن على رأى الترمذى ولا سيما بالنظر فى مجموع طرقه، وقد أخرج أبو داود فى سننه طرفا منه وسكت عليه فهو صالح عنده، وأخرجه الحافظ ضياء الدين المقدسى فى الأحاديث المختارة مما ليس فى الصحيحين، وقال البيهقى بعد أن أخرجه فى شعب الإيمان :هذا الحديث له شواهد كثيرة فذكرناها فى كتاب البعث فإن صح شواهده ففيه الحجة وإن لم تصح فقد قال تعالى :(ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء)وظلم بعضهم بعضا دون الشرك وقد جاء هذا الحديث أيضا من حديث أنس بن مالك وابن عمر وعبادة بن الصامت وزيد جد عبد الرحمن بن عبد الله بن زيد وكثرة الطرق إن اختلفت المخارج تزيد المتن قوة وبعض ما فى هذا الحديث له شواهد فى أحاديث صحاح(حاشية السندى على سنن ابن ماجه، ج ۲ ص ۲۳۷، ۲۳۸، باب الدعاء بعرفة)

وظاهر الحديث عموم المغفرة، وشمولها حق الله وحق العباد، إلا أنه قابل للتقييد بمن كان معه -صلى الله عليه وسلم -فى تلك السنة، أو بمن قبل حجه، بأن لم يرفث، ولم يفسق، ومن جملة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا حدیث سے اپنے مقصد کا غلط مطلب نکال کر دھوکہ کھانا درست نہیں۔

حج کے سفر میں نماز چھوڑ دینا یا قضاء کر دینا

بہت سے لوگوں کو حج کے سفر میں دیکھا جاتا ہے کہ نماز بالکل چھوڑ دیتے ہیں اور بعض پڑھتے تو ہیں مگر پابندی کے ساتھ اہتمام نہیں کرتے، جبکہ بعض لوگ کم ہمتی اور سستی سے کئی کئی نمازیں قضاء کر دیتے ہیں یا مکروہ وقت میں پڑھتے ہیں، بعض لوگ اس خیال سے نماز چھوڑ دیتے ہیں کہ آرام سے رہائش گاہ پر یا گھر پہنچ کر پڑھیں گے، بعض لوگوں کو سفر کے دوران یہ کہتے ہوئے بھی سنا گیا ہے کہ ریل یا جہاز وغیرہ میں نماز نہیں ہوتی (حالانکہ یہ سوچ صحیح نہیں)

خوب سمجھ لیجئے کہ نماز کا چھوڑنا بڑا سخت گناہ ہے، ایک فرض یعنی حج ادا کرنے کے لئے جا رہے ہیں اور روزانہ کے پانچ فرضوں سے غفلت اختیار کر رہے ہیں، جو لوگ نماز کا اہتمام نہیں کرتے وہ حج کی برکات سے محروم رہتے ہیں، اور ایسے لوگوں کا حج مبرور ومقبول بھی نہیں ہوتا، حاجی کو تو نماز کا بہت اہتمام کرنا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے وہاں ایسی حالت میں جانا بلکہ وہاں پہنچ کر بھی ایسی حالت میں مبتلا رہنا بڑی بدنصیبی کی بات ہے۔

بعض فقہاء نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ یہ چیز حج فرض ہونے کی شرائط میں سے ہے کہ نماز کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الفسق الإصرار على المعصية، وعدم التوبة، ومن شرطها :أداء حقوق الله الفائتة ;كالصلاة، والزكاة، وغيرهما، وقضاء حقوق العباد المالية، والبدنية، والعرضية، اللهم إلا أن يحمل على حقوق لم يكن عالما بها، أو يكون عاجزا عن أدائها، وقد تقدم هذا المبحث فی كتاب الإيمان مفصلا فراجعه، ولا تغتر بكون هذا الحديث مجملا مع اعتقاد أن فضل الله واسع، وقد قال -تعالى: (إن الله لا يغفر أن يشرک به ويغفر ما دون ذلک لمن يشاء)لذا قال -صلى الله عليه وسلم " :أى رب، إن شئت "فما شاء الله كان وما لم يشأ لم يكن، ولا يسأل عما يفعل وهم يسألون ، وقد جمعت هذه الرواية فی رسالة مستقلة .(رواه ابن ماجه) أى :بهذا اللفظ (وروى البيهقی فی كتاب البعث والنشور نحوه) أى :بمعناه، وضعفه غير واحد من الحفاظ(مرقاة المفاتيح، ج۵ص۱۸۰۵، ۱۸۰۶، كتاب الحج، باب الوقوف بعرفة)

اپنے اوقات میں ادا کرنے پر راستہ میں قدرت ہو، اگر کسی وقت راستہ کی حالت ایسی ہو کہ نماز ادا کرنے کا وقت نہیں مل سکتا، تو حج کی فرضیت نہیں ہوتی۔ [1]

اس لئے حج کے سفر میں نمازوں کا بہت اہتمام رکھنا چاہئے۔

یہ تفصیل تو فرض حج کے بارے میں تھی اور ایسے لوگ بھی سننے اور دیکھنے میں آئے ہیں کہ جو نفلی حج کی خاطر سفر میں نمازوں کو ضائع کر دیتے ہیں ان لوگوں کے بارے میں ہر شخص خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ نفلی عمل کی خاطر فرض کو ضائع کرنا کتنے نقصان اور خسارے کی بات ہے (ضمیمہ معلم الحجاج، وفضائل حج، بتغیر)

صاحبِ استطاعت کو زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَیُّھَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ الْحَجَّ، فَحُجُّوْا ، فَقَالَ رَجُلٌ: أَکُلَّ عَامٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ فَسَکَتَ حَتّٰی قَالَھَا ثَلَاثًا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ لَوَجَبَتْ، وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ، ثُمَّ قَالَ: ذَرُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ، فَإِنَّمَا ھَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِکَثْرَۃِ سُؤَالِھِمْ وَاخْتِلَافِھِمْ عَلٰی أَنْبِیَائِھِمْ، فَإِذَا أَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ فَأْتُوْا مِنْہُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَھَیْتُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَدَعُوْہُ (مسلم) [2]

---

[1] (تتمة)ذكر صاحب اللباب فى منسكه الكبير أن من الشرائط إمكان السير وهو أن يبقى وقت يمكنه الذهاب فيه إلى الحج على السير المعتاد فإن احتاج إلى أن يقطع كل يوم أو فى بعض الأيام أكثر من مرحلة لا يجب الحج اهـ.وذكر شارح اللباب أن منها أن يتمكن من أداء المكتوبات فى أوقاتها قال الكرمانى :لأنه لا يليق بالحكمة إيجاب فرض على وجه يفوت به فرض آخر اهـ وتمامه هناك(رد المحتار، ج۲،ص،۴۶۵،۴۶۶، كتاب الحج)

[2] رقم الحديث ۱۳۳۷ "۲۱۴" كتاب الحج، باب فرض الحج مرة فى العمر، واللفظ لهٗ،سنن نسائى، رقم الحديث ۲۶۱۹، مسند احمد، رقم الحديث ۱۰۶۰۷.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (ایک دن) خطبہ دیا اور فرمایا کہ اے لوگو! تم پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض کر دیا ہے، لہٰذا تم حج کرو، یہ سن کر ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال (حج کرنا فرض ہے؟) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، یہاں تک کہ اس شخص نے تین مرتبہ اسی سوال کو دہرایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (بحکمِ الٰہی ہر سال حج) واجب ہوجاتا، اور تم ہر سال حج کرنے کی استطاعت (وطاقت) نہ رکھتے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جس چیز کو تمہارے لئے چھوڑ دوں (یعنی اس کی کوئی قید وشرط بیان نہ کروں، بلکہ اس کو عام بیان کروں) تو تم بھی اس کو چھوڑ دو (اور اس کے متعلق کھود کرید اور بے جا سوالات نہ کرو) کیونکہ تم سے پہلے لوگ کثرت سے سوال کرنے، اور اپنے نبیوں کے ساتھ اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوچکے ہیں، جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم کروں، تو اپنی استطاعت (وطاقت) کے مطابق اس پر عمل کرو، اور جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں، تو تم اسے چھوڑ دو (صحیح مسلم)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ، فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَقَالَ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِيْمِيُّ كُلَّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَسَكَتَ، فَقَالَ: لَوْ قُلْتُ نَعَمْ، لَوَجَبَتْ، ثُمَّ إِذًا لَا تَسْمَعُوْنَ، وَلَا تُطِيْعُوْنَ، وَلٰكِنَّهُ حَجَّةٌ وَاحِدَةٌ (سنن نسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، پھر فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے، تو اقرع بن حابس تمیمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول!

---

[1] رقم الحدیث ۲۶۲۰، کتاب مناسک الحج، باب وجوب الحج.

کیا ہر سال فرض کر دیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، پھر فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا، تو (اللہ کے حکم سے ہر سال حج) واجب ہو جاتا، پھر ایسی صورت میں تم نہ تو بات سنتے، اور نہ عمل کر پاتے، اور حج (زندگی میں) ایک ہی (مرتبہ فرض) ہے (سنن نسائی)

اور ایک روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

اَلْحَجُّ مَرَّةً،فَمَنْ زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: حج (زندگی میں) ایک مرتبہ فرض ہے، جو ایک مرتبہ سے زیادہ کرے، وہ نفل ہے (مسند احمد؛ ابنِ ماجہ)

اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس موقع پر ہر سال حج کی فرضیت کا بار بار سوال کرنے پر سورہ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی کہ:

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَسْأَلُوْا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (سورة المائدة آيت ۱۰۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر (وہ) تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں (سورہ مائدہ) [2]

---

[1] رقم الحديث ۲۳۰۴، سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۲۸۸۶، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۳۱۵۵.

فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه، هكذا رواه سفيان بن حسين الواسطى، عن الزهرى.

وقال الذهبى فى التلخيص: على شرط البخارى ومسلم.

[2] عن صفوان بن عمرو، حدثنى سليم بن عامر، قال: سمعت أبا أمامة الباهلى، يقول: قام رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الناس، فقال: إن الله كتب عليكم الحج فقام رجل من الأعراب فقال: أفى كل عام قال: فغلق كلام رسول الله صلى الله عليه وسلم وأسكت واستغضب ومكث طويلا ثم تكلم فقال: من هذا السائل؟ فقال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فقہائے اصولیین نے فرمایا کہ حج کے واجب ہونے کا سبب بیتُ اللہ ہے، جو کہ ایک ہے، اور اس سبب کے ایک ہونے کے وجہ سے صاحبِ استطاعت پر زندگی میں صرف ایک مرتبہ حج فرض ہے۔ [1]

گذشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حج زندگی میں صاحبِ استطاعت وحیثیت پر صرف ایک مرتبہ فرض ہے، اگر کسی نے ایک سے زیادہ حج کیے تو ایک حج فرض ہوگا اور باقی نفل ہوں گے۔ [2]

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأعرابی :أنا ذا ,فقال :ویحک، ماذا یؤمنک أن أقول نعم ,واللہ، لو قلت نعم لوجبت ولو وجبت (لترکتم ,ولو ترکتم) لکفرتم ,ألا إنہ إنما (أ) ھلک الذین قبلکم أئمۃ الحرج ,واللہ، لو أنی أحللت لکم جمیع ما فی الأرض من شیء وحرمت علیکم موضع (مثل) خف بعیر لوقعتم فیہ قال :فأنزل اللہ عز وجل عند ذلک (یا أیھا الذین آمنوا لا تسألوا عن أشیاء إن تبد لکم تسؤکم)إلی آخر الآیۃ(مسند الشامیین للطبرانی، رقم الحدیث ۹۵۵، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۷۶۷۱)

قال الھیثمی:

رواہ الطبرانی فی الکبیر، وإسنادہ حسن جید(مجمع الزوائد ج۳ص۲۰۴)

[1] واضافۃ الحج الی البیت یقتضی ان سبب وجوب الحج ھو البیت ولذا لا یتکرر الحج فی العمر لعدم تکرر البیت -قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحج مرۃ فمن زاد فتطوع -رواہ احمد والنسائی(التفسیر المظھری، ج۲ص۱۰۱، تحت سورۃ آل عمران)

[2] ہاں اگر حج فرض نہ ہو، بلکہ واجب ہو تو اس میں تکرار ہوسکتا ہے، مثلاً حنفیہ کے نزدیک کسی بھی نیت سے اور بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک بنیتِ حج یا عمرہ حرم میں داخل ہونے والے آفاقی کے لئے میقات سے گزرنے پر۔ حج یا عمرہ کا احرام واجب ہوجاتا ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے ایک سے زیادہ مرتبہ حج کی اس طرح نذر مانی کہ اس کے حق میں ایک سے زیادہ مرتبہ حج کا وجوب لازم ہوگیا، تو بھی تکرار ہوسکتا ہے۔

حج فرض ہونے کی شرائط اور ان کے احکام

زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا ہر عاقل، بالغ مسلمان پر فرض نہیں ہے، بلکہ اُسی پر فرض ہے، جس میں حج فرض ہونے کی شرائط پائی جائیں۔

حج بنیادی طور پر اگرچہ بدنی عبادت ہے، مگر یہ عبادت نماز، روزے کی طرح ہر جگہ ادا نہیں کی جاسکتی، بلکہ اس کے لئے مخصوص مقام پر جا کر مناسکِ حج کی ادائیگی ضروری ہے، اور دنیا میں لوگ مختلف خطوں میں آباد ہیں، کوئی قریب، اور کوئی دور، جس کی وجہ سے ہر شخص کو پیدل جا کر حج کرنا ممکن نہیں۔

اس لئے حج فرض ہونے کے لئے بدنی قدرت حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ اتنی مالی قدرت کا حاصل ہونا بھی ضروری ہے کہ جس کے ذریعہ سے مناسکِ حج کی ادئیگی کے مقام تک پہنچنا ممکن ہو۔ [۱]

---

[۱] حج بنیادی طور پر بدنی عبادت ہے، البتہ اس عبادت کے وجوب کے لئے مالی استطاعت موضعِ اداء تک وصول کے تمکن کے لئے شرط ہے، اس وجہ سے اس کو بدنی ومالی عبادت سے مرکب عبادت بھی کہہ دیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی فقیر کسی طرح اپنی طرف سے حج کرلے، تو راجح یہ ہے کہ اس کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے، اور حج کے مال کے ساتھ تعلق ہونے کی وجہ سے حج میں مخصوص شرائط کے ساتھ نیابت جائز ہوتی ہے۔

(كالحج)ش :وقد ذكرنا فى أول الباب أن الصواب أن الحج من العبادات البدنية؛ لأن المال شرط الوجوب(البناية شرح الهداية، ج۴ص ۴۷۰، كتاب الحج،باب الحج عن الغير)

الحج عبادة بدنية لها تعلق بالمال، والزكاة عبادة مالية لا تعلق لها بالبدن(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ۷،ص ۳۷۹، كتاب الوصايا)

أما الحج وإن كان عبادة بدنية فلها تعلق بالمال لا تجب بدونه فالحق التسبيب فيها بالمباشرة كما فى الزكاة(فتاوىٰ قاضيخان، كتاب الحج)

الحج عبادةبدنية وجبت لِلابتلاء(الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص ۱۷۰، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

(قوله والمركبة منهما) قال فى غاية السروجى وفى المبسوط :جعل المال فى الحج شرط الوجوب فلم يكن الحج مركبا من البدن والمال.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً (سورہ آلِ عمران رقم الآیۃ ۹۷)

ترجمہ: اور اللہ کے لئے لوگوں پر بیتُ اللہ کا حج کرنا (فرض) ہے، جو اس کی طرف راستے کی استطاعت رکھتا ہو (آلِ عمران)

قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں حج فرض ہونے کی شرط ''مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا'' بتائی گئی ہے کہ حج اس پر فرض ہے جو بیت اللہ کی طرف راستہ کی استطاعت رکھتا ہو۔

اس آیت میں ایک تو استطاعت کی قید لگائی گئی ہے، اور ایک ''سبیل'' کی قید لگائی گئی ہے، عربی لغت کے اعتبار سے ''استطاعت'' ایسی قدرت حاصل ہونے کو کہا جاتا ہے کہ جس کے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قلت :وهو أقرب إلى الصواب، ولهذا لا يشترط المال في حق المكي إذا قدر على المشي إلى عرفات .وفي قاضي خان :الحج عبادة بدنية كالصوم والصلاة اهـ وكون الحج يشترط له الاستطاعة وهي ملك الزاد والراحلة لا يستلزم أن الحج مركب من المال، لأن الشرط غير المشروط، والشيء لا يتركب من شرطه؛ كما أن صحة الصلاة يشترط لها ستر العورة والماء للطهارة وهما بالمال، ولم يقل أحد بأنها مركبة من المال اهـ كذا ذكره بعض المحشين وقدمنا جوابه في أول الحج (ردالمحتار، ج۲ص۵۹۸، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

هو عبادة بدنية محضة والمال إنما هو شرط في وجوبه لا أنه جزء مفهومه(منحة الخالق على البحر الرائق ج۲،ص ۳۳۰،كتاب الحج)

وكذلك الاستطاعة بالمال ليس بسبب للوجوب فإن هذه عبادة بدنية وإنما كان البيت سببا لوجوبها لأنها عبادة هجرة وزيارة تعظيما لتلك البقعة فلا يصلح المال سببا لوجوبها ولا هو شرط لجواز الأداء أيضا فالأداء من الفقير صحيح وإن كان لا يملك شيئا وإنما المال شرط وجوب الأداء فإن السفر الذي يوصله إلى الأداء لا يتهيأ له بدون الزاد والراحلة إلا بحرج عظيم والحرج مدفوع فعرفنا أن المال شرط وجوب الأداء وهو نظير عدة من أيام أخر في باب الصوم(أصول السرخسي،لشمس الأئمة السرخسي،ج۱،ص۱۰۵،فصل في بيان أسباب الشرائع)

وكذلك يشترط عند ابي حنيفة ومالك الصحة فلا يجب عندهما على الضعيف والزمن وان كان له مال يمكن ان يستنيب من يحج عنه لانه غير مستطيع بنفسه والحج عبادة بدنية والمقصود من العبادات البدنية اتعاب النفس فلا يحصل مقصوده بالاستنابة(التفسير المظهري، ج۲،ص۹۶، سورة ال عمران)

ذریعہ سے حج کے فعل کو بجالانا ممکن ہو۔ ل

ل امام راغب اصفہانی نے استطاعت کو قدرت سے اخص قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ استطاعت طوع سے ماخوذ ہے، اور استطاعت محققین کے نزدیک اُن اُمور کا نام ہے، جن کے ذریعہ سے انسان اپنی منشاء کے مطابق فعل کو وجود میں لانے پر تمکن حاصل کرتا ہے، اور وہ چار اشیاء ہیں، ایک فاعل کی مخصوص جسمانی ساخت، دوسرے فعل کا تصور، تیسرے ایسا مادہ جو اس کی تاثیر کو قبول کرتا ہو، چوتھے اگر فعل آلی ہو، تو اس کا آلہ۔

اور استطاعت کے مقابلہ میں عجز کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جب مذکورہ چار اشیاء یا ان میں سے کوئی ایک موجود نہ ہو تو اس کو عجز کہا جاتا ہے۔

پھر جب یہ چاروں اشیاء پائی جائیں تو اس کو مستطیع مطلق کہا جاتا ہے، اور جب چاروں مفقود ہوں تو اس کو عاجزِ مطلق کہا جاتا ہے، اور جب بعض موجود ہوں اور بعض مفقود ہوں، تو اگرچہ اُسے من وجہٍ مستطیع اور من وجہٍ عاجز کہا جاتا ہے، لیکن درحقیقت وہ عاجز ہی کہلاتا ہے۔

اور بعض روایات میں جو استطاعتِ حج میں زاد وراحلہ کا ذکر کیا گیا ہے، تو وہ ایک آلہ کا ذکر ہے، اور بقیہ چیزوں کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ وہ عقل کی جہت اور شریعت کے مقتضیٰ سے معلوم تھیں، کیونکہ دوسری چیزوں کے بغیر مکلّف بنانا درست نہیں، صاحبِ روح المعانی نے بھی یہی تفصیل ذکر فرمائی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

والاستطاعة استفعالة من الطوع وذلك وجود ما يصير به الفعل متأتيا وهى عند المحققين اسم للمعانى التى بها يتمكن الانسان مما يريده من إحداث الفعل وهى أربعة أشياء :بنية مخصوصة للفاعل .وتصور للفعل، ومادة قابلة لتأثيره، وآلة إن كان الفعل آليا كالكتابة فإن الكاتب يحتاج إلى هذه الاربعة فى إيجاده للكتابة، وكذلك يقال فلان غير مستطيع للكتابة إذا فقد واحدا من هذه الاربعة فصاعدا، ويضاده العجز وهو أن لا يجد أحد هذه الاربعة فصاعدا، ومتى وجد هذه الاربعة كلها فمستطيع مطلقا ومتى فقدها فعاجز مطلقا، ومتى وجد بعضها دون بعض فمستطيع من وجه عاجز من وجه، ولان يوصف بالعجز أولى.والاستطاعة أخص من القدرة، قال (لا يستطيعون نصر أنفسهم -فما استطاعوا من قيام -من استطاع إليه سبيلا) فإنه يحتاج إلى هذه الاربعة، وقوله عليه السلام "الاستطاعة الزاد والراحلة "فإنه بيان ما يحتاج إليه من الالة وخصه بالذكر دون الاخر إذ كان معلوما من حيث العقل ومقتضى الشرع أن التكليف من دون تلك الاخر لا يصح(المفردات فى غريب القرآن للاصفهانى، ج ا ص ۵۳۰، مادة طوع)

مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حسّی اور بدنی وشرعی موانع ہونے کی صورت میں استطاعتِ صحیحہ حاصل نہیں ہوتی، اور موانعِ شرعی میں عورت کے لئے محرم کا نہ ہونا، اور عورت کا عدت میں ہونا، اور حسّی رُکاوٹ میں راستہ کا مامون نہ ہونا، اور حکومت کی رُکاوٹ نہ ہونا داخل ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

الاستطاعة:هى عرض يخلقه الله تعالى فى الحيوان، يفعل أو يفعل به الأفعال الاختيارية، والاستطاعة والقدرة والقوة والوسع والطاقة متقاربة فى المعنى فى اللغة، وأما فى عرف المتكلمين فهى عبارة عن صفة بها يتمكن الحيوان من الفعل والترك .الاستطاعة الحقيقية:هى القدرة التامة التى يجب عندها صدور الفعل، فهى لا تكون إلا مقارنةً للفعل .الاستطاعة الصحيحة:هى أن ترفع الموانع من المرض وغيره(التعريفات للجرجانى، مادة الاستطاعة)

اور لغت میں ’’سبیل‘‘ راستے کو کہا جاتا ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سہل راستے کو کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ سبیل ان چیزوں کو بھی کہا جاتا ہے جو کسی چیز کی طرف پہنچنے یا کسی چیز کو حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہوں، جس طرح سے کہ راستہ اور سواری منزل تک پہنچنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہوتے ہیں، پس جب تک کسی کو حج کے لئے سفر کرنے اور جانے کی استطاعت حاصل نہیں ہوگی، اور مالی، بدنی یا شرعی وحِسّی مانع موجود ہوگا، اس وقت تک اس پر حج فرض نہیں ہوگا۔ [1]

حج فرض ہونے میں صاحبِ استطاعت کی حیثیت کی تعیین کے لئے فقہائے کرام نے سورۂ آلِ عمران کی مذکورہ آیت کو ہی بنیاد بنایا ہے۔

اس آیت میں کیونکہ بیتُ اللہ تک سبیل کی استطاعت وقدرت کا ذکر ہے، اور کسی شرعی عمل کو انجام دینے کے لئے فی نفسہٖ استطاعت وقدرت یا تو بدن کے ذریعہ سے ہوتی ہے، یا مال کے ذریعہ سے ہوتی ہے، یا بدن اور مال دونوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ظاہرِ روایت کے مطابق حج فرض ہونے کے لئے بدنی اور مالی دونوں قسم کی استطاعت وقدرت ضروری ہے، کیونکہ صحتِ بدن کے بغیر سبیل کی بدنی استطاعت کا تصور نہیں کیا جاسکتا، جس طرح سے کہ سواری اور کھانے پینے کے اخراجات کے بغیر مالی استطاعت حاصل نہیں ہوتی، اور اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جو چیزیں بدن کے بیتُ اللہ تک پہنچنے میں رُکاوٹ ہوں، خواہ شرعاً (جیسے محرم کے بغیر اور عدت

---

[1] قال ابن الأَثير وقد تكرر فى الحديث ذكر سَبيل الله وابن السَّبيل والسَّبيل فى الأَصل الطريق(لسان العرب ،مادة، سبل)

سبل :السبيل الطريق الذى فيه سهولة وجمعه سبل قال (وأنهارا وسبلا -وجعل لكم فيها سبلا - ليصدونهم عن السبيل) يعنى به طريق الحق لان اسم الجنس إذا أطلق يختص بما هو الحق وعلى ذلک (ثم السبيل يسره) وقيل لسالكه سابل وجمعه سابلة وسبيل سابل نحو شعر شاعر، وابن السبيل المسافر البعيد عن منزله، نسب إلى السبيل لممارسته إياه، ويستعمل السبيل لكل ما يتوصل به إلى شىء خيرا كان أو شرا(المفردات فى غريب القرآن للاصفهانى، ج ا ص ۳۹۵، ۳۹۶، مادة” سبل“)

میں عورت کا جانا) اور خواہ حسّاً رُکاوٹ ہوں (جیسے راستہ کا پُر امن نہ ہونا، حکومت کی طرف سے رُکاوٹ کا ہونا وغیرہ) ان کے ہوتے ہوئے حج فرض نہیں ہوتا۔ ۱؎

۱؎ مالی استطاعت کا ہونا حج کی شرطِ وجوب ہے، اور خود حج بدنی عبادت ہے، جیسا کہ پہلے گزرا؛ لہٰذا بدنی استطاعت تو خود اس وجہ سے شرط ہوئی کہ حج بدنی عبادت ہے، اور مالی استطاعت اس کے واجب ہونے کے اعتبار سے شرط ہوئی، اور بعض روایات میں جو استطاعت کی تفسیر زاد وراحلہ سے کی گئی ہے، وہ مکمل تفسیر نہیں ہے، بلکہ صرف مالی عبادت ہونے کی جہت سے ہے، اور صحتِ بدن کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔

پس اس لئے حج کے لئے بدنی استطاعت کو شرطِ وجوبِ اداء کا درجہ دے کر اپاہج اور معذور پر حج فرض قرار دینا اور مالی استطاعت کو شرطِ وجوب کا درجہ دینا عکسِ نقیض کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

والقدرة إما بالبدن أو بالمال أو بهما .وإلى الأول ذهب الإمام مالك فيجب الحج عنده على من قدر على المشي والكسب في الطريق، وإلى الثاني ذهب الإمام الشافعي ولذا أوجب الاستنابة على الزمن إذا وجد أجرة من ينوب عنه، وإلى الثالث ذهب إمامنا الأعظم رضي الله تعالى عنه، ويؤيده ما أخرجه البيهقي، وغيره عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أنه قال :السبيل أن يصح بدن العبد ويكون له ثمن زاد وراحلة من غير أن يجحف به .واستدل الإمام الشافعي رضي الله تعالى عنه بما أخرجه الدارقطني عن جابر بن عبد الله قال :لما نزلت هذه الآية وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا قام رجل فقال :يا رسول الله ما السبيل؟ قال :الزاد والراحلة.وروى هذا من طرق شتى وهو ظاهر فيما ذهب إليه الشافعي حيث قصر الاستطاعة على المالية دون البدنية، وهو مخالف لما ذهب إليه الإمام مالك مخالفة ظاهرة، وأما إمامنا فيؤول ما وقع فيه بأنه بيان لبعض شروط الاستطاعة بدليل أنه لو فقد أمن الطريق مثلا لم يجب الحج عليه، والظاهر أنه صلى الله تعالى عليه وسلم لم يتعرض لصحة البدن لظهور الأمر كيف لا والمفسر في الحقيقة هو السبيل الموصل لنفس المستطيع إلى البيت وذا لا يتصور بدون الصحة، ومما يؤيد أن ما في الحديث بيان لبعض الشروط أنه ورد في بعض الروايات الاقتصار على واحد مما فيه، فقد أخرج الدارقطني أيضا عن علي كرم الله تعالى وجهه أن النبي صلّى الله عليه وسلم سئل عن السبيل فقال :أن تجد ظهر بعير ولم يذكر الزاد. هذا واستدل بالآية على أن الاستطاعة قبل الفعل وفساد القول بأنها معه، ووجه الاستدلال ظاهر، وأجيب بأن الاستطاعة التي ندعي أنها مع الفعل هي حقيقة القدرة التي يكون بها الفعل وتطلق الاستطاعة على معنى آخر هو سلامة الأسباب والآلات والجوارح أي كون المكلف بحيث سلمت أسبابه وآلاته وجوارحه ولا نزاع لنا في أن هذه الاستطاعة قبل الفعل وهي مناط صحة التكليف وما ى الآية بهذا المعنى كذا قالوا(روح المعاني ،ج۲،ص۲۲۵،سورة آل عمران)

الاستطاعة بملك الزاد، والراحلة، ومنافع البدن شرط الوجوب؛ لأن الحج يقام بالمال، والبدن جميعا(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع،ج۲،ص۱۲۰،كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج)

وأصله أن صحة البدن شرط للوجوب عنده، ولوجوب الأداء عندهما وقدمنا أول الحج اختلاف التصحيح وأن قول الإمام هو المذهب(رد المحتار على الدر المختار،ج۲،ص۵۹۸،كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

پس جس کو بیت اللہ تک جانے کی بدنی یا مالی قدرت نہ ہو، اس پر سِرے سے حج فرض نہیں ہوتا، بدنی قدرت نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ مثلاً وہ اپاہج ہو، اور مالی قدرت نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ مالدار نہ ہو، بلکہ غریب ہو، جس کی وجہ سے اُسے بیتُ اللہ وعرفات تک پہنچنا ممکن نہ ہو۔ [1]

---

[1] مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ اى الى البيت سَبِيلًا الموصول بدل من الناس بدل البعض خصص له فلا يجب الحج على غير المستطيع والسبيل الطريق منصوب على المفعولية واليه حال منه مقدم عليه والمراد به الذهاب على طريقة جرى النهر يعنى من استطاع ذهابا الى البيت ولاجل قصر الحكم على المستطيع اجمع العلماء على انه يشترط لوجوب الحج ان يكون الطريق أمنا والمنازل الماهولة معمورة يوجد فيه الزاد والماء وعند فوات الا من لا يجب الحج وكون البحربينه وبين مكة إذا كانت السلامة غالبة لا يمنع وجوب الحج عندهم خلافا لاحد قول الشافعي وكذلك يشترط عند ابى حنيفة ومالك الصحة فلا يجب عندهما على الضعيف والزمن وان كان له مال يمكن ان يستنيب من يحج عنه لانه غير مستطيع بنفسه والحج عبادة بدنية والمقصود من العبادات البدنية اتعاب النفس فلا يحصل مقصوده بالاستنابة وقال الشافعي واحمد هو مستطيع بماله قال البغوى يقال فى العرف فلان مستطيع لبناء داروان كان لا يفعله بنفسه وانما يفعله بماله وباعوانه- قلنا هو غير مستطيع على الحج الذى هو عبارة عن اركان مخصوصة وانما هو مستطيع على الانفاق والمقصود فى البناء ليس إتيانه بنفسه بخلاف العبادات البدنية فلا يجرى فيه ذلك العرف واحتج الشافعي واحمد بحديث ابن عباس رضى الله عنهما قال كان الفضل ردف النبى صلى الله عليه وسلم فجاء ت امراة من خثعم فجعل الفضل ينظر إليها وتنظر اليه وجعل النبى صلى الله عليه وسلم يصرف وجه الفضل الى الشق الاخر فقالت يا رسول الله ان فريضة الله على عباده فى الحج أدركت ابى شيخا كبيرا لا يستطيع ان يمسك على الرحل أفأحج عنه قال نعم وفى رواية لا يستطيع ان يستوى على الراحلة فهل تقضى عنه ان أحج عنه قال نعم وذلك فى حجة الوداع -متفق عليه والجواب انه حديث احاد لا يجوز به نسخ الكتاب المقتضى لاشتراط الاستطاعة وقد قيل فى الجواب ان معناه فريضة الله على عباده فى الحج الذى وقع بشرط الاستطاعة صادف ابى بصفة عدم الاستطاعة افاحج عنه اى هل يجوز لى ذلك او هل فيه اجر ومنفعة له فقال نعم وتعقب بان فى بعض ألفاظه والحج مكتوب عليه ونحوه وأجيب بانه لو صح تلك الألفاظ فهو ظن من امراة ظنت ظنا وتعقب بان النبى صلى الله عليه وسلم أجابها عن سوالها ولو كان ظنها غلطا لبينه لها وأجيب بانه انما أجابها عن سوالها افاحج عنه فقال حجى عنه لما راى من حرصها على إيصال الخير والثواب لابيها ويؤيده ما رواه عبد الرزاق من حديث ابن عباس فزاد فى الحديث حجى عن أبيك فان لم تزده خيرا لم تزده شرا -لكن جزم الحفاظ بانها رواية شاذة والاولى ان يحمل الحديث على من استقر فى ذمته صحيحا ثم طرا عليه ضعف وزمانة فانه لا يسقط عنه الحج بل يجب عليه ان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض احادیث میں جو استطاعت کی تفسیر سواری اور سفر کے سامان سے کی گئی ہے، تو اولاً تو وہ بطور حصر کے نہیں ہے، بلکہ استطاعت کی ایک مخصوص صورت کو بیان کیا گیا ہے، دوسرے ان میں سے بعض روایات سند کے اعتبار سے مستند بھی نہیں ہیں، تیسرے وہ خبرِ آحاد ہیں،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

يحج عنه غيره من ماله ما دام حيّا او يوصى به عند موته وإذا مات ولم يحج يحج عنه وارثه او يحج عنه أجنبيا من ماله ان شاء فالحج عن الغير قضاء بمثل غير معقول ثبت بهذا الحديث كما ثبت الفدية عن الصوم فى حق الشيخ الفانى بنص الكتاب -وافتراض الحج كان عام الحديبية سنه بقوله تعالى وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ وهذه قصة حجة الوداع فلعل أباه ضعف فى تلك السنين بعد الوجوب والله اعلم وكذا يشترط البصارة عند ابى حنيفة فلا يجب الحج على الأعمى وان وجد قائدا لأنه غير مستطيع بنفسه والاستطاعة بالغير غير معتبر عنده وقال ابو يوسف ومحمد والجمهور الأعمى إذا وجد قائدا يجب عليه الحج وكذا الخلاف فى وجوب الجمعة على الأعمى ولاجل اشتراط الاستطاعة يشترط عند ابى حنيفة فى حق المرأة ان يكون معها زوجها او ذو محرم منها إذا كان بينها وبين مكة ثلاثة مراحل وقال احمد يشترط ذلک مطلقا طال المسافة او قصرت فان لم يكن لها رجل كذلک او كان ولا يخرج معها او كان لا يخرج معها الا بأجرة وهى لا تقدر على الاجرة لا يجب عليها الحج وذلک لانها ممنوعة عن السفر الا ومعها زوجها او ذو محرم منها والمهجور شرعا كالمهجور عادة فصارت غير مستطيعة -وجه قول ابى حنيفة فى اشتراط مسافة ثلاثة ايام حديث ابن عمر عن النبى صلى الله عليه وسلم قال لا تسافر المرأة ثلاثا الا معها ذو محرم -متفق عليه وفى رواية لمسلم لا يحل لامراة تؤمن بالله واليوم الاخر تسافر مسيرة ثلاث ليال الا ومعها ذو محرم -وفى رواية فوق ثلاث وفى الباب مقيدا بثلاثة ايام حديث ابى هريرة رواه مسلم والطحاوى -وفى رواية للطحاوى فوق ثلاث ليال -وحديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده بلفظ ثلاثة ايام رواه الطحاوى -وحديث ابى سعيد الخدرى رواه مسلم والطحاوى بلفظ ثلاثة ايام فصاعدا -وفى رواية لمسلم بلفظ فوق ثلاث وبلفظ اكثر من ثلاث............

والمراد بالاستطاعة الاستطاعة على سفر معتاد بحيث لا يلحقه حرج ومن ثم يشترط عند الجمهور ان يكون له زاد وراحلة فاضلا عما لا بد منه وعن الديون وعن نفقة عياله الى حين عوده فان المشغول بالحاجة الاصلية كالمعدوم ولذا لا يجب فيه الزكوة ومن لا زاد له اولا راحلة له لا يستطيع السفر غالبا والحرج مدفوع فى الشرع وقال داود لا يشترط لوجوب الحج زاد ولا راحلة- وقال مالک ان كان هو ممن له عادة بالسؤال او كان يمكنه ان يكتسب فى الطريق لا يشترط له الزاد وان كان قادرا على المشى لا يشترط له الراحلة وقد قال الله تعالى وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ قلنا الواقع فى جواب الأمر يكون اخبارا عن الواقع ولا يكون دليلا على وجوب الحج بلا راحلة والقدرة على المشى امر خفى وقد يزول القدرة فى أثناء الطريق فلا بد من اشتراط زاد وراحلة من ابتداء السفر كيلا يفضى الى الهلاک(التفسير المظهرى، ج۲،۹۸، ۹۹،سورة آلِ عمران)

جن سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہوسکتی۔ ۱

۱ وقوله عليه السلام "الاستطاعة الزاد والراحلة "فإنه بيان ما يحتاج إليه من الالة وخصه بالذكر دون الاخر إذ كان معلوما من حيث العقل ومقتضى الشرع أن التكليف من دون تلك الاخر لا يصح(المفردات فى غريب القرآن للاصفهانى، ج ا ص ۵۳۰، مادة طوع)

قال أبو بكر فوجود الزاد والراحلة من السبيل الذى ذكره الله تعالى ومن شرائط وجوب الحج وليست الاستطاعة مقصورة على ذلك لأن المريض الخائف والشيخ الذى لا يثبت على الراحلة والزمنى وكل من تعذر عليه الوصول إليه فهو غير مستطيع السبيل إلى الحج وإن كان واجدا للزاد والراحلة فدل ذلك على أن النبى صلى الله عليه وسلم لم يرد بقوله الاستطاعة الزاد والراحلة أن ذلك جميع شرائط الاستطاعة وإنما أفاد ذلك بطلان قول من يقول إن من أمكنه المشى إلى بيت الله ولم يجد زادا وراحلة فعليه الحج فبين صلى الله عليه وسلم أن لزوم فرض الحج مخصوص بالركوب دون المشى وأن من لا يمكنه الوصول إليه إلا بالمشى الذى يشق ويعسر فلا حج عليه (أحكام القرآن للجصاص ،ج۲،ص۳۰۸،سورة آلِ عمران، باب فرض الحج)

وقال آخرون :السبيل التى إذا استطاعها المرء كان عليه الحج :الطاقةُ للوصول إليه .قالوا: وذلك قد يكون بالمشي وبالركوب، وقد يكون مع وجودهما العجز عن الوصول إليه :بامتناع الطريق من العدوّ الحائل، وبقلة الماء ، وما أشبه ذلك .قالوا :فلا بيان فى ذلك أبين مما بيَّنه الله عز وجل، بأن يكون مستطيعًا إليه السبيل، وذلك :الوصولُ إليه بغير مانع ولا حائل بينه وبينه، وذلك قد يكون بالمشى وحده وإنْ أعوزَه المركب، وقد يكون بالمركب وغير ذلك.

ذكر من قال ذلك:

حدثنا محمد بن بشار قال، حدثنا عبد الرحمن بن مهدى قال، حدثنا سفيان، عن خالد بن أبى كريمة، عن رجل، عن ابن الزبير قوله":ولله على الناس حجّ البيت من استطاع إليه سبيلا "قال: على قدر القوة.

حدثنا يحيى بن أبى طالب قال، أخبرنا يزيد قال، أخبرنا جويبر، عن الضحاك فى قوله":من استطاع إليه سبيلا"، قال :الزاد والراحلة، فإن كان شابًّا صحيحًا ليس له مال، فعليه أن يُؤاجر نفسه بأكله وعُقْبَته حتى يقضى حجته به،فقال له قائل :كلَّف الله الناسَ أن يمشوا إلى البيت؟ فقال :لو أنّ لبعضهم ميراثًا بمكة، أكان تاركَه؟ والله لانطلق إليه ولو حَبوًا !!كذلك يجبُ عليه الحج.

حدثنا محمد بن بشار قال، حدثنا محمد بن بكر قال، أخبرنا ابن جريج قال، قال عطاء :من وجد شيئًا يبلِّغه، فقد وَجد سبيلا كما قال الله عز وجل".:من استطاع إليه سبيلا

............قال أبو جعفر :وأولى الأقوال فى ذلك عندنا بالصواب، قولُ من قال بقول ابن الزبير وعطاء :إنّ ذلك على قدر الطاقة .لأن"السبيل "فى كلام العرب :الطريقُ، فمن كان واجدًا طريقًا إلى الحج لا مانعَ له منه من زَمانة، أو عَجز، أو عدوّ، أو قلة ماء فى طريقه، أو زاد، أو ضعف عن المشى، فعليه فرضُ الحج، لا يجزيه إلا أداؤه .فإن لم يكن واجدًا سبيلا =أعنى بذلك :فإن لم يكن مطيقًا الحجَّ، بتعذُّر بعض هذه المعانى التى وصفناها عليه =فهو ممن لا يجدُ إليه طريقًا ولا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ عَنِ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ، أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ، أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ، فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا، وَإِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا (سنن الدارمی) [1]

ترجمہ: جس شخص کے لئے کوئی ظاہری ضرورت حج سے مانع و رکاوٹ نہ ہو، یا ظالم بادشاہ کی طرف سے روک نہ ہو، یا ایسا مرض نہ ہو جو حج سے روک دے پھر وہ بغیر حج کئے مرجائے تو چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے (دارمی، بیہقی)

اس حدیث میں جسمانی مرض اور حکومت کی رُکاوٹ کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اپاہج ہو، یا حکومت کی طرف سے اُسے رُکاوٹ ہو، اس پر بھی حج فرض نہیں، کیونکہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يستطيعه .لأن الاستطاعة إلى ذلك، هو القدرة عليه .ومن كان عاجزًا عنه ببعض الأسباب التى ذكرنا أو بغير ذلك، فهو غير مطيق ولا مستطيع إليه السبيلَ .وإنما قلنا :هذه المقالة أولى بالصحة مما خالفها، لأن الله عز وجل لم يخصُص، إذ ألزم الناسَ فرضَ الحج، بعض مستطيعى السبيل إليه بسقوط فرض ذلك عنه .فذلك على كل مستطيع إليه سبيلا بعموم الآية .فأما الأخبار التى رويت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى ذلك بأنه ":الزاد والراحلة "، فإنها أخبار :فى أسانيدها نظر، لا يجوز الاحتجاج بمثلها فى الدّين(جامع البيان للطبرى، ج۵ص ۶۱۴،تا ۶۱۷ ملخصاً، سورة آلِ عمران)

[1] رقم الحديث ۱۸۲۶،كتاب المناسك، باب من مات ولم يحج؛ اخبار مكة للفاكهى، رقم الحديث ۸۰۱؛ شعب الايمان، رقم الحديث ۳۶۹۳؛ سنن كبرىٰ للبيهقى، رقم الحديث ۸۶۶۰؛ حلية الاولياء، ج۹، ص ۲۵۱.

قال البيهقى فى السنن الكبرىٰ:

وهذا وإن كان إسناده غير قوى فله شاهد من قول عمر بن الخطاب رضى الله عنه.

وقال فى شعب الايمان:

قال الشيخ أحمد:وهذا إن صح فإنما أراد والله أعلم إذا لم يحج وهو لا يرى تركه مأثما، ولا فعله برا.

وقال الحافظ العسقلانى:

هذا الحديث ذكره ابن الجوزى فى الموضوعات وقال العقيلى والدارقطنى لايصح فيه شيئ. قلت: وله طرق (التلخيص الحبير كتاب الحج، رقم الحديث ۹۵۸)

ایسا شخص بھی حج کے بارے میں صاحبِ استطاعت نہیں کہلاتا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے سورہ آلِ عمران کی آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ:

(وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا) قَالَ : اَلسَّبِيْلُ أَنْ يَّصِحَّ بَدَنُ الْعَبْدِ وَيَكُوْنَ لَهُ ثَمَنُ زَادٍ وَرَاحِلَةٍ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُّجْحَفَ بِهٖ (السنن الكبرى للبيهقى)[1]

ترجمہ: اور اللہ کے لئے لوگوں پر بیتُ اللہ کا حج کرنا (فرض) ہے، جو اس کی طرف سبیل (یعنی راستے) کی استطاعت رکھتا ہو، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سبیل یہ ہے کہ بندہ کا بدن صحیح ہو، اور اُس کے پاس سواری اور سفر کے سامان کی قیمت ہو، اور اُس کے لئے کوئی روک بھی نہ ہو (بیہقی، طبری)

اس روایت میں بھی سبیل کی تفسیر میں بدن کے صحیح ہونے اور رُکاوٹ نہ ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ظاہرِ قول کی تائید ہوتی ہے۔[2]

---

[1] رقم الرواية ١٨٦٤١، كتاب الحج، باب الرجل يطيق المشى ولا يجد زادا ولا راحلة فلا يبين أن يوجب عليه الحج، واللفظ لهٗ، جامع البيان للطبرى، رقم الحديث ٧٤٧٧.

[2] شرائط وجوب الحج :العقل، والبلوغ، والحرية، والاستطاعة، وتكلموا فى تفسير الاستطاعة.

قال أبو حنيفة رحمه الله فى ظاهر الرواية :تفسيرها ملائمة البدن وملك الزاد والراحلة، وهو رواية عن أبى يوسف ومحمد رحمهما الله.

وقال أبو يوسف ومحمد فى ظاهر الرواية :تفسيرها ملك الزاد والراحلة لا غير، وهو رواية الحسن عن أبى حنيفة رحمه الله، حتى إن فى ظاهر الرواية عن أبى حنيفة رحمه الله :لا يجب الحج على الزّمِن، والمفلوج، والمقطوع الرجلين، وإن ملكوا الزاد والراحلة وهو رواية عنهما، وفى ظاهر روايتهما يجب الحج على هؤلاء ، وهو رواية الحسن عن أبى حنيفة إذا كان ملكه من الزاد والراحلة قدر ما يحج به، ويحج معه من يرفعه ويقوده إلى المناسك وإلى حاجته، وفائدة هذا الخلاف إنما تظهر فيما إذا ملك هؤلاء الزاد والراحلة، ففى ظاهر رواية أبى حنيفة رحمه الله :أنه لا يجب عليهم الإحجاج بمالهم؛ لأن الإحجاج بالمال بدل عن الحج بالبدن ولم يجب عليهم الحج بالبدن لمكان العجز فكيف يجب عليهم البدل؟ وفى ظاهر روايتهما يجب؛ لأنه لزمهم الأصل وهو الحج بالبدن فى الذمة، وقد عجزوا عنه فيلزمهم البدل(المحيط البرهانى، ج٢، ص٤١٧، الفصل الأول :فى بيان شرائط الوجوب)

فقہائے کرام نے قرآن وسنت کے اسی قسم کے مذکورہ دلائل میں غور وفکر کرکے حج فرض ہونے کی کچھ شرائط بیان فرمائی ہیں۔ ؎۱

؎۱ مشائخِ احناف نے بطورِ خاص حج کے باب میں بعض شرائط کو تو شرائطِ وجوب سے تعبیر فرمایا ہے۔
اور بعض شرائط کو شرائطِ وجوبِ اداء سے تعبیر فرمایا ہے۔
اور بعض شرائط کو شرائطِ اداء یا شرائطِ صحتِ اداء سے تعبیر فرمایا ہے۔
اور بعض شرائط کو شرائطِ وقوعِ حج عن الفرض سے تعبیر فرمایا ہے۔
اور اس طرح مشائخِ احناف نے حج کے باب میں یہ کل چار قسم کی شرائط بیان فرمائی ہیں۔
اور مشائخِ احناف کی حج کے باب میں بطورِ خاص شرائطِ وجوب سے مراد یہ ہے کہ اُن کے بغیر حج ذمہ میں فرض ہی نہیں ہوتا، اور حج کو بجالانے اور ادا کرنے کا انسان کو امر نہیں ہوتا اور جب وہ شرائط پائی جائیں، تو نفسِ حج تو ذمہ میں فرض ہوجاتا ہے، لیکن حج کی ادائیگی کا انسان اُس وقت مکلّف ہوتا ہے، جبکہ شرائطِ وجوبِ اداء بھی پائی جائیں، اور اگر شرائطِ وجوبِ اداء نہ پائی جائیں تو خود حج ادا کرنا فرض نہیں ہوتا، بلکہ دوسرے سے حجِ بدل کرانا، یا موت سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا واجب ہوتا ہے۔
اور فقہائے کرام کے نزدیک شرائطِ صحتِ اداء وہ کہلاتی ہیں کہ جب وہ شرائط پائی جائیں، تو حج کا ادا کرنا صحیح اور معتبر کہلاتا ہے، ورنہ نہیں۔
اور شرائطِ وقوعِ حج عن الفرض وہ کہلاتی ہیں کہ جب وہ شرائط پائی جائیں، تو حج بطورِ فرض (نہ کہ بطورِ نفل) واقع ہوتا ہے۔

(قوله على مسلم إلخ) شروع فى بيان شروط الحج وجعلها فى اللباب أربعة أنواع.
الأول :شروط الوجوب وهى التى إذا وجدت بتمامها وجب الحج وإلا فلا وهى سبعة :الإسلام، والعلم بالوجوب لمن فى دار الحرب والبلوغ والعقل والحرية والاستطاعة والوقت أى القدرة فى أشهر الحج أو فى وقت خروج أهل بلده على ما يأتى.
والنوع الثانى :شروط الأداء وهى التى إن وجدت بتمامها مع شروط الوجوب، وجب أداؤه بنفسه، وإن فقد بعضها مع تحقق شروط الوجوب، فلا يجب الأداء بل عليه الإحجاج أو الإيصاء عند الموت وهى خمسة :سلامة البدن، وأمن الطريق وعدم الحبس، والمحرم أو الزوج للمرأة وعدم العدة لها.
النوع الثالث :شرائط صحة الأداء وهى تسعة :الإسلام والإحرام، والزمان، والمكان، والتمييز، والعقل ومباشرة الأفعال إلا بعذر وعدم الجماع والأداء من عام الإحرام.
النوع الرابع :شرائط وقوع الحج عن الفرض وهى تسعة أيضا :الإسلام، وبقاؤه إلى الموت، والعقل، والحرية والبلوغ والأداء بنفسه إن قدر، وعدم نية النفل، وعدم الإفساد، وعدم النية عن الغير (قوله على مسلم) فلو ملك الكافر ما به الاستطاعة ثم أسلم بعد ما افتقر لا يجب عليه شىء بتلك الاستطاعة بخلاف ما لو ملكه مسلما فلم يحج حتى افتقر حيث يتقرر وجوبه دينا فى ذمته فتح، وهو ظاهر على القول بالفورية لا التراخى نهر.
قلت :وفيه نظر لأن على القول بالتراخى يتحقق الوجوب من أول سنى الإمكان(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص۴۵۸،كتاب الحج)

ان شرائط میں کچھ تفصیل ہے، اس لئے آگے ان کو الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] حج کی شرائطِ وجوب اور شرائطِ وجوبِ اداء میں متعدد فقہاء کا اختلاف ہے کہ کون کون سی شرائط، شرائطِ وجوب میں داخل ہیں، اور کون کون سی شرائطِ اداء میں داخل ہیں، بعض فقہائے کرام نے ان سب کو شرائطِ وجوب میں داخل مانا ہے، ہمارے نزدیک دلائل کی رو سے ان میں سے اکثر شرائط کا شرائطِ وجوب ہونا راجح ہے، البتہ بعض شرائطِ وجوب کے ساتھ شرائطِ صحت میں بھی داخل ہیں، جیسے مسلمان ہونا، جن میں سے ہر ایک کے مختلف پہلو ہم نے اُس شرط کے ضمن میں ذکر کردیئے ہیں۔

ملحوظ رہے کہ فقہائے اُصولیین نے جو اُصولی اور فقہی تقسیم وتعریف فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ شرطِ وجوب کے بغیر وہ عبادت سرے سے ذمہ میں واجب نہیں ہوتی، اور شرطِ وجوبِ اداء کے بغیر اس عبادت کو عملاً ادا کرنا واجب نہیں ہوتا، نہ خود اور نہ دوسرے سے کرانا؛ جبکہ بطورِ خاص حج کے باب میں وجوبِ اداء کی اس کے برعکس یہ تعریف کی جاتی ہے کہ خود ادا کرنا تو واجب نہیں ہوتا، مگر دوسرے سے کرانا واجب ہوجاتا ہے، اور عام طور پر فقہائے کرام نے وجوب کی دو انواع بیان فرمائی ہیں، ایک اصلِ وجوب، جو کہ سبب سے ثابت ہوتا ہے، اور اسی لئے اس کو سببِ وجوب کہا جاتا ہے، اور حج کا سببِ وجوب بیتُ اللہ ہے۔ دوسرے وجوبِ اداء، جس کے لئے قدرت شرط ہوتی ہے، اور اس کے بغیر اس فعل کی ادائیگی اصالتاً ونیابتاً واجب نہیں ہوتی۔

اس اصولی تقسیم کا تقاضا یہ تھا کہ اگر کسی شرط کو حج کی شرطِ وجوبِ اداء بھی مانا جائے تب بھی اس کے بغیر حج اصالتاً ونیابتاً فرض نہیں ہونا چاہئے تھا۔ لیکن مشائخ احناف نے حج کے باب میں یہ مراد نہیں لیا، جس کا پہلے ذکر گزرا۔

الوجوب نوعان :أحدهما: أصل الوجوب وهو اشتغال الذمة بالواجب وأنه ثبت بالأسباب لا بالخطاب، ولا تشترط القدرة لثبوته بل ثبت جبرا من الله تعالى شاء العبد، أو أبى.

والثاني :وجوب الأداء وهو إسقاط ما في الذمة وتفريغها من الواجب، وأنه ثبت بالخطاب وتشترط له القدرة على فهم الخطاب وعلى أداء ما تناوله الخطاب، لأن الخطاب لا يتوجه إلى العاجز عن فهم الخطاب ولا إلى العاجز عن فعل ما تناوله الخطاب، والمجنون لعدم عقله، أو لاستتاره، والمغمى عليه، والنائم لعجزهما عن استعمال عقلهما عاجزون عن فهم الخطاب وعن أداء ما تناوله الخطاب، فلا يثبت وجوب الأداء في حقهم ويثبت أصل الوجوب في حقهم، لأنه لا يعتمد القدرة بل يثبت جبرا.

وتقرير هذا الأصل معروف في أصول الفقه، وفي الخلافيات، وقال أهل التحقيق من مشايخنا بما وراء النهر :إن الوجوب في الحقيقة نوع واحد وهو وجوب الأداء فكل من كان من أهل الأداء كان من أهل الوجوب ومن لا فلا وهو اختيار أستاذي الشيخ الأجل الزاهد علاء الدين رئيس أهل السنة محمد بن أحمد السمرقندي -رضي الله عنه -لأن الوجوب المعقول هو وجوب الفعل (بدائع الصنائع، ج ٢، ص ٨٨، كتاب الصوم، فصل شرائط أنواع الصيام)

حج کی شرائطِ وجوب اور شرائطِ وجوبِ اداء کے مذکورہ اختلاف کی وجہ سے ان سب شرائط کو ہم نے بالترتیب ذکر کیا ہے، اور کسی شرط کے شرطِ وجوب یا شرطِ وجوبِ اداء ہونے کے اختلاف کو ساتھ ہی ذکر کردیا ہے۔

جبکہ بہت سے حضرات نے مناسکِ حج کی کتب میں ان کو الگ الگ ذکر کیا ہے۔ محمد رضوان

(ا)...... مسلمان ہونا (غیر مسلم، نو مسلم اور مرتد کے حج کا حکم)

حج کے عملی طور پر فرض بلکہ صحیح ہونے کے لئے مسلمان ہونا بنیادی شرط ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (سورۃ التوبة، آیة ۲۸)

ترجمہ: بس مشرکین نجس ہیں تو وہ مسجدِ حرام کے قریب نہ جائیں، اس سال کے بعد (سورہ توبہ)

بعض فقہائے کرام نے فرمایا کہ اس آیت میں مشرکین کو درحقیقت حج وعمرہ سے منع کرنا مقصود ہے، جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے؛ اور بعض فقہائے کرام نے اس آیت کے ظاہر سے مشرکین کے مسجدِ حرام میں داخلے ہی سے منع کیا ہے۔ [1]

لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ مشرک وکافر کا حج کرنا درست نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا (مسند احمد، بخاری)

زمانۂ جاہلیت میں مشرک حج کیا کرتے تھے، اور حج کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے، اس لئے اسلام کی آمد کے بعد مشرکوں کو حج کرنے سے منع کر دیا گیا۔

---

[1] قالت الحنفية المراد به النهى عن الحج والعمرة لا عن الدخول مطلقا بدليل ان النبى صلى الله عليه وسلم بعث عليا رضى الله عنه ينادى فى الموسم لا يحج بعد العام مشرك فظهر ان المراد منعهم عن الحج والعمرة فيجوز عنده دخول الكافر المسجد الحرام ودخول غيره بالطريق الاولى وورد النهى عن الاقتراب للمبالغة وقالت الشافعية هو نهى عن دخولهم الحرم لانهم إذا دخلوا بالحرم فقد اقتربوا من المسجد الحرام (التفسير المظهرى، ج۴ص ۱۷۶، سورة التوبة، تحت رقم الآية ۲۸)

[2] رقم الحديث ۴، واللفظ لهٗ؛ بخارى، رقم الحديث ۳۱۷۷، باب : كيف ينبذ إلى أهل العهد.

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَأَيُّمَا أَعْرَابِيٍّ حَجَّ ثُمَّ هَاجَرَ فَعَلَيْهِ أَنْ يَحُجَّ حَجَّةً أُخْرٰى (المعجم الأوسط للطبراني، رقم الحديث ۲۷۳۱، ج۳ص ۱۴۰، باب الالف) [1]

ترجمہ: جس اعرابی نے (کفر کی حالت میں) حج کرلیا، پھر اُس نے ہجرت کی (یعنی اسلام قبول کیا) تو اُس پر (دیگر شرائط پائے جانے کی صورت میں) دوبارہ حج کرنا فرض ہے (طبرانی)

خلاصہ یہ کہ حج ایک عبادت ہے، اور عبادت کے عملاً فرض اور صحیح ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے۔

اب اس شرط سے متعلق چند اہم مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر۱...... اگر کوئی کافر حج کرے، تو اس کا حج صحیح نہیں ہوتا۔ [2]

---

[1] قال الهيثمي:

رواه الطبراني في الأوسط، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۲۵۴، باب حج الصبي قبل البلوغ والعبد قبل العتق)

[2] کافر کے عبادت کا مکلّف ہونے کے سلسلہ میں حنفیہ کے تین مؤقف ہیں، پہلا یہ کہ کافر عبادت کا ادا اور اعتقاد دونوں کے اعتبار سے مکلّف نہیں (پس کافر کو آخرت میں عبادت کی فرضیت کے اعتقاد اور اس کے عملاً ترک کی وجہ سے عذاب نہ ہوگا) یہ علمائے سمرقند کا مؤقف ہے؛ دوسرا یہ کہ کافر عبادت کا فقط اعتقاد کے اعتبار سے مکلّف ہے (پس کافر کو آخرت میں عبادت کی فرضیت کے صرف ترکِ اعتقاد کی وجہ سے عذاب ہوگا) یہ علمائے بخاریٰ کا مؤقف ہے؛ تیسرا یہ کہ کافر عبادت کا اداء اور اعتقاد دونوں کے اعتبار سے مکلّف ہے (پس کافر کو آخرت میں عبادت کی فرضیت کے اعتقاد اور اس کے عملاً ترک دونوں کی وجہ سے عذاب ہوگا) یہ علمائے عراق کا مؤقف ہے۔

علامہ ابنِ نجیم نے اس تیسرے وآخری مؤقف کو معتمد قرار دیا ہے؛ لیکن یہ سب بحث آخرت کے عذاب کے اعتبار سے ہے، اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کافر کے اسلام لانے کے بعد جب تک اُس میں دیگر شرائط نہ پائی جائیں، اُس وقت تک اُس پر حج کرنا فرض نہیں ہوتا۔

(على مسلم) لأن الكافر غير مخاطب بفروع الإيمان في حق الأداء وقد حققناه فيما علقناه على المنار (حر مكلف) عالم بفرضيته (الدرالمختار، ج۲، ص۴۵۸، كتاب الحج)

(قوله وقد حققناه إلخ) حاصل ما ذكره هناك :أن في تكليفه بالعبادات ثلاثة مذاهب مذهب السمرقنديين غير مخاطب بها أداء واعتقادا والبخاريين مخاطب اعتقادا فقط والعراقيين مخاطب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... کافر کا جس طرح خود حج کرنا درست نہیں، اسی طرح کافر کا کسی مسلمان کو اپنی طرف سے حج کرانا بھی درست نہیں؛ لہٰذا اگر کافر نے کسی مسلمان کو بھیج کر اپنی طرف سے حج کرایا تو وہ بھی اس کافر کی طرف سے ادا نہ ہوگا۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۳...... اگر کفر کی حالت میں کوئی حج کرلے اور پھر حج کرنے کے بعد مسلمان ہو تو کفر کی حالت میں کیے ہوئے اس حج کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، بلکہ مسلمان ہونے کے بعد اگر حج فرض ہونے کی شرائط پائی جائیں گی، تو دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا۔ ۲؎

مسئلہ نمبر۴...... اگر کسی نے مسلمان ہونے کی حالت میں ایک یا کئی حج کیے، اور پھر نعوذ باللہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بهما فيعاقب عليهما قال :وهو المعتمد كما حرره ابن نجيم لأن ظاهر النصوص يشهد لهم وخلافه تأويل ولم ينقل عن أبى حنيفة وأصحابه شيء ليرجع إليه اهـ ولا يخفى أن قوله فى حق الأداء يفهم أنه مخاطب بها اعتقادا فقط كما هو مذهب البخاريين وهو ما صححه صاحب المنار لكن ليس فى كلام الشارح أن ما هنا هو ما اعتمده هناك وما قيل إن ما هنا خلاف المذهب فيه نظر لما علمت من أنه لا نص عن أصحاب المذهب فافهم (ردالمحتار، ج۲، ص۴۵۸، كتاب الحج)

وأما شرائط أركانه فمنها الإسلام فإنه كما هو شرط الوجوب، فهو شرط جواز الأداء ؛ لأن الحج عبادة، والكافر ليس من أهل العبادة(بدائع الصنائع،ج۲ص۱۶۰، كتاب الحج،فصل شرائط أركان الحج)

۱؎ فلا يقع حج الكافر عن الفرض ولا عن النفل إذا أسلم ولا المسلم إذا ارتد بعد الحج وإن تاب ولا المجنون والصبى والعبد وإن أفاق وبلغ وعتق بعده ولا بأداء الغير قبل العذر ولا بنية النفل أو عن الغير أو مع الفساد فهؤلاء لو حجوا ولو بعد الاستطاعة لا يسقط عنهم الفرض ويجب عليهم ثانيا إذا استطاعوا اهـ.(منحة الخالق على البحر الرائق،ج ۲،ص ۳۳۱،كتاب الحج)

فلا يصح حج الكافر أصالة ولا نيابة، فإن حج أو حج عنه ثم أسلم، وجبت عليه حجة الإسلام (الموسوعة الفقهية، ج۱۷، ص۳۹، و۴۰، شروط صحة الحج،مادة"حج")

۲؎ ومنها الإسلام فى حق أحكام الدنيا بالإجماع حتى لو حج الكافر ثم أسلم يجب عليه حجة الإسلام، ولا يعتد بما حج فى حال الكفر (بدائع الصنائع، ج۲، ص۱۲۰، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج)

شروط صحة الحج: شروط صحة الحج أمور تتوقف عليها صحة الحج وليست داخلة فيه .فلو اختل شيء منها كان الحج باطلا، وهى : الشرط الأول :الإسلام: يشترط الإسلام لأن الكافر ليس أهلا للعبادة ولا تصح منه، فلا يصح حج الكافر أصالة ولا نيابة، فإن حج أو حج عنه ثم أسلم، وجبت عليه حجة الإسلام (الموسوعة الفقهية، ج۱۷، ص۳۹، و۴۰، شروط صحة الحج،مادة"حج")

تعالیٰ کافر ومرتد ہوجائے، تو اس کا حج باطل ہوجاتا ہے۔

اگر کسی مسلمان نے حج کیا لیکن (نعوذ باللہ تعالیٰ) پھر کافر ہوگیا، اس کے بعد پھر مسلمان ہوگیا تو اب اگر حج فرض ہونے کی شرائط موجود ہیں تو حنفیہ کے نزدیک اس پر دوبارہ حج کرنا فرض ہوجائے گا، اور پہلا کیا ہوا حج کافی نہ ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۵...... اگر کوئی شخص کفر کی حالت میں اتنا مالدار تھا کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس پر حج فرض ہوجاتا لیکن کفر ہی کی حالت میں غریب ہوگیا اور پھر غریب ہونے کے بعد مسلمان ہوگیا تو حالتِ کفر میں مال دار ہونے کی وجہ سے مسلمان ہونے کے بعد اس پر حج فرض نہیں ہوگا جب تک بحالتِ اسلام صاحبِ استطاعت نہ ہو۔ [2]

مسئلہ نمبر ۶...... اگر کوئی عاقل بالغ شخص کفر کی حالت میں حج کے لئے چلا، اور اسی حال میں

---

[1] البتہ شافعیہ کے نزدیک مرتد ہونے سے حج باطل نہیں ہوتا۔ وھو روایۃ عن احمد۔

ومنها الإسلام فی حق أحكام الدنيا بالإجماع حتى لو حج الكافر ثم أسلم يجب عليه حجة الإسلام، ولا يعتد بما حج فی حال الكفر (بدائع الصنائع، ج۲، ص۱۲۰، كتاب الحج،فصل شرائط فرضية الحج)

شروط إجزاء الحج عن الفرض ثمانية وهی: أ -الإسلام :وهو شرط لوقوعه عن الفرض والنفل، بل لصحته من أساسه كما هو معلوم.

ب -بقاؤه على الإسلام إلى الموت من غير ارتداد عياذا بالله تعالى، فإن ارتد عن الإسلام بعد الحج ثم تاب عن ردته وأسلم وجب عليه الحج من جديد عند الحنفية والمالكية، ورواية عن أحمد.

وقال الشافعية وهو رواية عن أحمد :لا تجب عليه حجة الإسلام مجددا بعد التوبة عن الردة

استدل الحنفية والمالكية ومن معهم بقوله تعالى :(لئن أشركت ليحبطن عملک)فقد جعلت الآية الردة نفسها محبطة للعمل.واستدل الشافعی بقوله تعالى :(ومن يرتدد منكم عن دينه فيمت وهو كافر فأولئک حبطت أعمالهم فی الدنيا والآخرة وأولئک أصحاب النار هم فيها خالدون)فقد دلت الآية على أن إحباط الردة للعمل مشروط بالموت كافرا (الموسوعة الفقهية، ج۱۷، ص۴۱، شروط إجزاء الحج عن الفرض،مادة"حج")

[2] قوله" :الإسلام "فلا يجب على الكافر حتى لو ملک ما به الاستطاعة ثم أسلم بعد ما افتقر لا يجب عليه شیء بتلک الاستطاعة (حاشية الطحطاوی على المراقی ، ج۱ ص۷۲۷، كتاب الحج)

الشرط الأول :الإسلام: -أ -لو حج الكافر ثم أسلم بعد ذلک تجب عليه حجة الإسلام، لأن الحج عبادة، بل هو من أعظم العبادات والقربات، والكافر ليس من أهل العبادة. ب -ولو أسلم وهو معسر بعد استطاعته فی الكفر، فإنه لا أثر لها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۲۷، مادة"حج")

احرام بھی باندھ لیا، تو کفر کی وجہ سے اس کا احرام باندھنا معتبر نہیں؛ پھر اگر وہ وقوفِ عرفہ کا وقت فوت ہونے (یعنی دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر) سے پہلے مسلمان ہو جائے، اور مسلمان ہونے کے بعد احرام کی تجدید کر لے، اور دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر سے پہلے وقوفِ عرفہ کر لے اور حج کے باقی مناسک بھی پورے کر لے، تو اس کا حج صحیح ہو جائے گا۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۷...... اگر کسی نے مسلمان ہونے کی حالت میں حج کا احرام باندھا، اور پھر حج کرنے سے پہلے نعوذ باللہ تعالیٰ وہ مرتد ہو گیا، تو اس کا احرام باطل ہو جائے گا۔

پھر اگر وہ (گزشتہ مسئلہ کی تفصیل کے مطابق) وقوفِ عرفہ کا وقت فوت ہونے سے پہلے اسلام قبول کر کے احرام کی تجدید کر لے، اور وقوفِ عرفہ اور حج کے دیگر مناسک پورے کر لے تو اس کا حج صحیح ہو جائے گا۔ [۲]

---

[۱] کیونکہ حالتِ کفر میں احرام منعقد نہیں ہوتا، اسی وجہ سے کافر کے احرام شروع کر کے اس کے فسخ کرنے سے اس پر کچھ لازم نہیں ہوتا، لہٰذا اس پر وقوفِ عرفہ کا مرتب ہونا بھی معتبر نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ اگر کسی کافر نے احرام باندھ کر وقوفِ عرفہ کیا، اور وقوفِ عرفہ کے دوران ہی وقت ختم ہونے سے پہلے اسلام قبول کر کے احرام کی تجدید کر لی، یا وقوفِ عرفہ کرنے کے بعد مگر وقت فوت ہونے (یعنی دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر) سے پہلے احرام کی تجدید کر کے دوبارہ وقوفِ عرفہ کر لیا، اور حج کے باقی مناسک پورے کر لیے، تو اس کا حج ادا ہو جائے گا، اس کی مزید تفصیل آگے بالغ ہونے کے بیان میں آتی ہے۔

وأما الكافر إذا دخل مكة بغير إحرام ثم أسلم فإنه لا يلزمه شيء كالصبي إذا جاوزه بغير إحرام ثم بلغ لعدم أهلية الوجوب (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۳، ص۴۵، كتاب الحج)

وكذا المجنون إذا أفاق، والكافر إذا أسلم قبل الوقوف بعرفة فجدد الإحرام، ولو أحرم العبد ثم عتق فأحرم بحجة الإسلام بعد العتق لا يكون ذلك عن حجة الإسلام بخلاف الصبي، والمجنون، والكافر، والفرق أن إحرام الكافر، والمجنون لم ينعقد أصلا لعدم الأهلية، وإحرام الصبي العاقل وقع صحيحا، لكنه غير لازم لكونه غير مخاطب فكان محتملا للانتقاض فإذا جدد الإحرام بحجة الإسلام انتقض فأما إحرام العبد، فإنه وقع لازما لكونه أهلا للخطاب فانعقد إحرامه تطوعا فلا يصح إحرامه الثاني إلا بفسخ الأول، وإنه لا يحتمل الانفساخ (بدائع الصنائع، ج۲، ص ۱۲۱، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج)

[۲] ويتفرع عليه أيضا ما في شرح اللباب من أنه لو أحرم ثم ارتد والعياذ بالله تعالى بطل إحرامه (ردالمحتار، ج۲، ص۴۶۷، كتاب الحج، مطلب في فروض الحج وواجباته)

الكافر إذا أحرم للحج ثم أسلم فجدد الإحرام يجوز يقتضي أن لا يكون مسلما بالإحرام لكن محله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)...... بالغ ہونا (نابالغ اور قریب البلوغ کے حج کا حکم)

حج فرض ہونے کے لئے بالغ ہونا بھی شرط ہے، نابالغ پر حج فرض نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يُرْفَعُ الْقَلَمُ عَنِ الصَّغِيْرِ، وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ، وَعَنِ النَّائِمِ (ابنِ ماجه) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (نابالغ) بچے سے اور مجنون سے اور سونے والے سے قلم (یعنی احکام کے مکلّف ہونے) کو اٹھالیا گیا ہے (ابنِ ماجہ)

حضرت ابنِ عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی سند سے بھی اس قسم کی احادیث مروی ہیں۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ما إذا لبى ولم يشهد المناسك أما إذا لبى وشهد المناسك كلها مع المسلمين ، فإنه يكون مسلما كما صرح به في المحيط والأصل أن الكافر متى فعل عبادة، فإن كانت موجودة في سائر الأديان، فإنه لا يكون به مسلما كالصلاة منفردا والصوم والحج الذى ليس بكامل والصدقة ومتى فعل ما هو مختص بشريعتنا، فإن كان من الوسائل كالتيمم لا يكون به مسلما، وإن كان من المقاصد أو من الشعائر كالصلاة بجماعة والحج على الهيئة الكاملة والأذان في المسجد وقراء ة القرآن، فإنه يكون به مسلما إليه أشار في المحيط وغيره من كتاب السير (البحرالرائق، ج ا ، ص ۱۵۹، و ۱۶۰، كتاب الطهارة، باب التيمم، نواقض التيمم)

[۱] رقم الحديث ۲۰۴۲، كتاب الطلاق ، باب طلاق المعتوه والصغير والنائم، واللفظ لهٗ؛ ابوداوٗد، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدا، مستدرک حاكم، رقم الحديث ۸۱۷۰ مسند احمد، رقم الحديث ۹۵۶.

في حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[۲] عن ابن عباس، قال: مر علي على بن أبي طالب رضى الله عنه بمعنى عثمان، قال: أو ما تذكر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: رفع القلم عن ثلاثة، عن المجنون المغلوب على عقله حتى يفيق، وعن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يحتلم، قال: صدقت، قال: فخلى عنها (سنن ابى داوٗد، رقم الحديث ۴۴۰۱، واللفظ لهٗ، مستدرک حاكم، رقم الحديث ۹۴۹)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ، ولم يخرجاه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّمَا صَبِيٍّ حَجَّ ثُمَّ بَلَغَ الْحِنْثَ عَلَيْهِ أَنْ يَّحُجَّ حَجَّةً أُخْرٰى (المعجم الأوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو (نابالغ) بچہ حج کرلے، پھر وہ بلوغ کی عمر کو پہنچ جائے (یعنی بالغ ہوجائے) تو اُس پر (دیگر شرائط پائی جانے کی صورت میں) دوبارہ حج کرنا فرض ہے (طبرانی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نابالغ پر حج فرض نہیں ہوتا، اور اگر وہ حج کرے، تو اس سے حج کا فریضہ ادا نہیں ہوتا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَفَعَتِ امْرَأَةٌ صَبِيًّا لَهَا، فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَلِهٰذَا حَجٌّ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَلَكِ أَجْرٌ (مسلم) [2]

ترجمہ: ایک عورت نے اپنے بچہ کو اُٹھا کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا اس کا حج ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک، اور آپ کو اجر حاصل ہوگا (مسلم)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقال الذهبی فی التلخيص: علی شرطهما.

عن عائشة، عن النبی صلی الله عليه وسلم، قال " : رفع القلم عن ثلاثة : عن الصبی حتی يحتلم ، وعن النائم حتی يستيقظ، وعن المعتوه حتی يعقل "(مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۷۰۳، واللفظ لهٗ، سنن النسائی، رقم الحديث ۳۴۳۲)

فی حاشية مسند احمد: إسناده جيد.

[1] رقم الحديث ۲۷۳۱، ج۳ ص ۱۴۰، باب الالف.

قال الهيثمی:

رواه الطبرانی فی الأوسط، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۲۵۴، باب حج الصبی قبل البلوغ والعبد قبل العتق)

[2] رقم الحديث ۱۳۳۶ "۴۱۰" كتاب الحج، باب صحة حج الصبی وأجر من حج به.

والدہ کو بچہ کے حج کا اجر حاصل ہونے کی وجہ یہ تھی کہ والدہ بچہ کے نیک عمل اور اس کو حج کی تعلیم دینے کا سبب بنی، اور اگر وہ ناسمجھ ہے تو اس کے احرام اور دوسری چیزوں میں نیابت کی وجہ سے بھی ثواب حاصل ہوا۔ [۱]

حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ:

حَجَّ بِیْ أَبِیْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَأَنَا ابْنُ سَبْعِ سِنِيْنَ (ترمذی) [۲]

ترجمہ: میرے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں مجھے ساتھ لے کر حج کیا، اور میں (اس وقت) سات سال کا تھا (ترمذی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی نابالغ بچہ حج کرے، تو اس کا حج درست تو ہو جاتا ہے، لیکن اس کا حج نفل واقع ہوتا ہے۔

احادیث وروایات کے بعد اب اس سلسلہ میں چند مسائل ملاحظہ فرمائیں:

مسئلہ نمبر ۱...... حج فرض ہونے کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، نابالغ پر حج فرض نہیں ہوتا خواہ وہ کتنا ہی سمجھ دار اور مالدار کیوں نہ ہو۔ [۳]

مسئلہ نمبر ۲...... اگر کوئی نابالغ بچہ یا بچی حج کرے، تو اس کا حج صحیح ہو جاتا ہے، لیکن اس کا حج نفل واقع ہوتا ہے، اور بالغ ہونے کے بعد اگر حج فرض ہونے کی شرائط پائی جائیں، تو اس پر

---

[۱] (فقالت ألهذا) أی یحصل لهذا الصغیر (حج) أی ثوابه (قال نعم) أی له حج النفل (ولک أجر) أی أجر السببیة وهو تعلیمه إن کان ممیزا أو أجر النیابة فی الإحرام والرمی والإیقاف والحمل فی الطواف والسعی إن لم یکن ممیزا (مرقاة المفاتیح، ج۵ص ۱۷۴۲، کتاب المناسک)

[۲] رقم الحدیث ۹۲۵، ابواب المناسک، باب ما جاء فی حج الصبی.
قال الترمذی: هذا حدیث حسن صحیح.

[۳] الشرط الثالث :البلوغ: یشترط البلوغ، لأن الصبی لیس بمکلف، وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال :رفعت امرأة صبیا لها فقالت :یا رسول الله ألهذا حج؟ قال: نعم ولک أجر (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۷، ص۲۷، و۲۸، شروط فرضیة الحج، مادة"حج")

فرض حج کرنا ضروری ہوتا ہے، اور نابالغی کی حالت میں کیا ہوا حج کافی نہیں ہوتا۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... اگر کوئی نابالغ بچہ یا بچی سمجھدار ہے، جو بات کو سمجھتا ہے، اور جواب بھی دیتا ہے، تو اس کا خود سے حج کا احرام باندھنا اور حج کے مناسک ادا کرنا صحیح ہے، خواہ اس کا ولی وسر پرست اجازت دے یا اجازت نہ دے، اور اس کی طرف سے اس کے ولی اور سر پرست کا احرام باندھنا صحیح نہیں۔ [2]

---

[1] وقد أجمع أهل العلم :أن الصبی إذا حج قبل أن يدرک فعليه الحج إذا أدرک، لا تجزء عنه تلک الحجة عن حجة الإسلام، وكذلک المملوک إذا حج فی رقه ثم أعتق فعليه الحج إذا وجد إلى ذلک سبيلا، ولا يجزء عنه ما حج فی حال رقه، وهو قول سفيان الثوری، والشافعی، وأحمد، وإسحاق (ترمذی، ج۳ص ۲۵۶، ابواب الحج، باب ما جاء فی حج الصبی)

لو حج يلزمه الحج ثانيا بعد البلوغ لأن حجة الإسلام من شرطها البلوغ والحرية، بخلاف الحج النفل (ردالمحتار، ج ۱، ص۵۷۸، باب الامامة)

مشروعية حج الصبی وصحة إحرامه:

اتفق العلماء على صحة حج الصبی، وعمرته، وأن ما يؤديه من عبادة أو من حج أو من عمرة يكون تطوعا، فإذا بلغ وجب عليه حجة فرض الإسلام .وإذا كان أداء الصبی للنسک صحيحا كان إحرامه صحيحا قطعا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۷۸، مادة "إحرام" إحرام الصبی)

فلو حج الصبی صح حجه وكان تطوعا، فإذا بلغ الصبی وجب عليه حجة الفريضة، بإجماع العلماء، لأنه أدى ما لم يجب عليه، فلا يكفيه عن الحج الواجب بعد البلوغ، لما روى ابن عباس قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إذا حج الصبی فهی له حجة حتى يعقل، وإذا عقل فعليه حجة أخرى، وإذا حج الأعرابی فهی له حجة، فإذا هاجر فعليه حجة أخرى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۲۸، شروط فرضية الحج، مادة"حج")

[2] مگر جیسا کہ پہلے گزر چکا کہ نابالغی کی حالت میں فرض حج ادا نہیں ہوتا، لہٰذا مندرجہ بالا صورت میں نابالغ سمجھدار بچہ کے خود سے احرام باندھ کر حج کرنے سے اس کا حج نفل واقع ہوگا۔

(قوله وظاهره) أی ظاهر قول المبسوط أو أحرم عنه أبوه بإعادة الضمير إلى الصبی العاقل لكن تأمله مع قول اللباب، وكل ما قدر الصبی عليه بنفسه لا تجوز فيه النيابة اهـ وكذا ما فی جامع الأسروشنی عن الذخيرة قال محمد فی الأصل والصبی الذی يحج له أبوه يقضی المناسک ويرمی الجمار وأنه على وجهين الأول إذا كان صبيا لا يعقل الأداء بنفسه، وفی هذا الوجه إذا أحرم عنه أبوه جاز وإن كان يعقل الأداء بنفسه يقضی المناسک كلها يفعل مثل ما يفعله البالغ اهـ فهو كالصريح فی أن إحرامه عنه إنما يصح إذا كان لا يعقل (ردالمحتار، ج۲، ص۴۶۶، كتاب الحج)

وينبغی الجمع بينهما بحمل الأول على مجنون ليس له قابلية النية فی الإحرام كالصبی الذی لا يعقل والثانی على الذی له بعض الإدراكات الشرعية وعلى صحة حج الصبی الغير المميز إذا ناب عنه وليه فی النية كذا فی شرح لباب المناسک لمنلا على القاری (منحة الخالق على البحرالرائق، ج۲، ص۳۳۴، وص۳۳۵، كتاب الحج، واجبات الحج)

اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نابالغ سمجھ دار بچہ کا احرام اس کے ولی وسرپرست کی اجازت سے ہی منعقد ومعتبر ہوتا ہے، بلکہ شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح قول کے مطابق بچہ کے ولی کا اس بچہ کی طرف سے احرام باندھنا بھی درست ہوتا ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۴...... جو بچہ نابالغ ہونے کے ساتھ ساتھ ناسمجھ ہو، تو اس کا خود احرام باندھنا تو درست ومعتبر نہیں، البتہ اس کے ولی کا اس کی طرف سے احرام باندھنا صحیح ہے، مثلاً ولی تلبیہ کے ساتھ یہ نیت کرے کہ میں نے اس بچہ کو حج یا عمرہ (جو بھی پیشِ نظر ہو) کے احرام میں داخل کردیا، اور اس کے بعد ولی بچہ کو ساتھ لے کر حج کے مناسک ادا کرے، اور اگر وہ بچہ، لڑکا ہو، تو اس کے سلے ہوئے کپڑے بھی اتار دے۔ [۲]

---

[۱] ینقسم الصبی بالنسبة إلی مرحلة صباه إلی قسمین :صبی ممیز، وصبی غیر ممیز .وضابط الممیز :هو الذی یفهم الخطاب ویرد الجواب، دون اعتبار للسن.
أما الصبی الممیز :فعند الحنفیة والمالکیة ینعقد إحرامه بنفسه، ولا تصح النیابة عنه فی الإحرام، لعدم جواز النیابة عند عدم الضرورة .ولا تتوقف صحة إحرامه علی إذن الولی، بل یصح إحرامه بإذن الولی، وبغیر إذن الولی، لکن إذا أحرم بغیر إذن الولی فقد صرح المالکیة أن للولی تحلیله، وله إجازة فعله وإبقاؤه علی إحرامه بحسب ما یری من المصلحة .فإن کان یرتجی بلوغه فالأولی تحلیله لیحرم بالفرض بعد بلوغه .فإن أحرم بإذنه لم یکن له تحلیله، أما إذا أراد الولی الرجوع عن الإذن قبل الإحرام فقال الحطاب " :الظاهر أن له الرجوع، لا سیما إذا کان لمصلحته. ولم یصرح بذلک الحنفیة .ولعله یدخل فی الإحصار بمنع السلطان عندهم.
وذهب الشافعیة والحنابلة إلی أنه لا ینعقد إحرامه إلا بإذن ولیه، بل قال الشافعیة :یصح إحرام ولیه عنه، علی الأصح عندهم فی المسألتین .أما عند الحنابلة فلا یحرم عنه ولیه لعدم الدلیل .ویفعل الصبی الصغیر الممیز کل ما یستطیع أن یفعله بنفسه، فإن قدر علی الطواف علمه فطاف، وإلا طیف به، وکذلک السعی وسائر المناسک .ولا تجوز النیابة عنه فیما قدر علیه بنفسه، وکل ما لا یقدر الصبی علی أدائه ینوب عنه ولیه فی أدائه (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲،ص۱۶۸، مادة "إحرام" إحرام الصبی، صفة إحرام الصبی)

[۲] الصبی الغیر الممیز لا یصح إحرامه ولا أداؤه، بل یصحان من ولیه له، فیحرم عنه من کان أقرب إلیه، فلو اجتمع والد وأخ یحرم الوالد ومثله المجنون، إلا أنه إذا جن بعد الإحرام یلزمه الجزاء ویصح منه الأداء وتمامه فی اللباب (ردالمحتار، ج۲، ص۵۲۷، کتاب الحج، مطلب فی طواف الزیارة)
وأما الصبی غیر الممیز -ومثله المجنون جنونا مطبقا -فیحرم عنه ولیه، بأن یقول :نویت إدخال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵......اگر کسی نابالغ بچہ کا والد یا ولی بچہ کو احرام بندھوا کر اس کو حج کرائے، تو بچہ کے ولی یا والد کو چاہئے کہ بچہ کو احرام کی ممنوع چیزوں سے بچائے، لیکن اگر بچہ احرام یا حج کی کوئی خلاف ورزی کرے، تو حنفیہ کے نزدیک اس بچہ پر یا اس بچہ کی طرف سے اس کے ولی یا والد پر کچھ واجب نہیں ہوتا، خواہ وہ بچہ سمجھدار ہو یا ناسمجھ ہو، مگر نابالغ ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هـذا الـصبي في حرمات الحج، مثلا .وليـس الـمـراد أن الـولـي يـحرم في نفسه ويقصد النيابة عن الصبي .ولا ينعقد إحرام الصبي غير المميز بنفسه اتفاقا.

ويؤدي الـولـي بـالـصبي غيـر الـمـميـز الـمناسک، فيجرده من المخيط والمحيط إن كان ذكرا، ويـكشف وجـه الأنثى وكـفيهـا كـالـكبيـرة عـلـى مـا سبق فيه ويطوف به ويسعى، ويقف به بعرفة والـمزدلفة، ويرمي عنه، ويجنبه محظورات الإحرام، وهكذا .لـكن لا يصلي عنه ركعتي الإحرام أو الـطواف، بل تسقطان عنه عند الحنفية والمالكية، أما عند الشافعية فيصليهما الولي عنه، وهو ظاهر كلام الحنابلة.

إلا أن الـمالكية خففوا في الإحرام والتجرد من الثياب، فقالوا " :يـحرم الولي بالصغير غير المميز، ويـجرده من ثيابه قرب مكة، لخوف المشقة وحصول الضرر .فإن كانت المشقة أو الضرر يتحقق بتـجـريـده قرب مكة أحرم بغير تجريده، كما هو الظاهر من كلامهم -ويفدى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲،ص۱۷۸ وص ۱۷۹، مادة "إحرام" إحرام الصبي، صفة إحرام الصبي)

[1] اور شوافع وحنابلہ کے نزدیک اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔

(قال) : صبـي أحـرم عنه أبوه وجنبه ما يجنب المحرم فلبس ثوبا أو أصاب طيبا أو صيدا فليس عليه شيء عندنا والشافعي -رحمه الله تعالى -يوجب الكفارة المالية على الصبي كالبالغ بناء على أصله في إيجاب الزكاة عليه ويأمر الولي بأدائه من ماله، وعندنا المالي والبدني سواء في أن وجوب ذلک ينبني على الخطاب .والـصبـي غيـر مخاطب ثم إحرام الصبي للتخلق فلا تتحقق جنايته في الإحرام بهـذه الأفـعـال، وهذا؛ لأنه ليس للأب عليه ولاية الإلزام فيما يضره، ولو جعلنا إحرامه ملزما إياه في الاجتناب عن المحظورات وموجبا للكفارة عليه لم يكن تصرف الأب في الإحرام واقعا بصفة النظر لـه فـلهـذا جـعـلـناه تخلقا غير ملزم إياه فلا يلزمه الجزاء بارتكاب المحظور غير أن الأب يمنعه من ذلک لتـحقيق معنى التخلق والاعتياد(المبسوط لشمس الأئمة السرخسي، ج۴، ص۱۳۰، كتاب المناسک، يضرب المحرم فسطاطا ليستظل به)

وإذا ارتـكـب الصبي محظورا من محظورات الإحرام فلا فدية عليه مطلقا، وإذا فعل الولي أو غيره به ذلک فـعـلـيـه الـفـدية (حـاشية الـبـجيرمي على تحفة الحبيب على شرح الخطيب، ج۲، ص۴۳۱، كتاب الحج)

ولو فرط الصبي في شيء من أعمال الحج كان وجوب الدم في مال الولي ، ويجب عليه منعه من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۶ ...... اگر کوئی نابالغ بچہ میقات سے بغیر احرام کے حرم میں داخل ہوا، اور وہ پھر حرم کی حدود میں پہنچ کر بالغ ہوگیا، اور اس نے حرم کی حدود ہی سے حج کا احرام باندھ کر حج کرلیا، تو اس کا حج ادا ہوجائے گا، اور اس بچہ یا اس کے ولی پر بچہ کے میقات سے بغیر احرام کے گزرنے سے کچھ واجب نہیں ہوگا۔[1]

مسئلہ نمبر ۷ ...... نابالغی کی حالت میں اگر کوئی حج کرے، تو وہ نفل حج کہلاتا ہے، اس وجہ سے اگر کسی نابالغ بچہ نے حج کا احرام باندھا، پھر وہ وقوفِ عرفہ سے پہلے بالغ ہوگیا، اور اُسی احرام کے ساتھ اس نے وقوفِ عرفہ اور حج کے دیگر مناسک ادا کیے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کا یہ حج نفل واقع ہوگا، کیونکہ اس کا احرام نابالغی کی حالت میں شروع ہونے کی وجہ سے نفل واقع ہوا تھا، لہٰذا اس احرام سے جو حج کیا جائے گا، وہ بھی نفل ہوگا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

محظورات الإحرام ، فإن ارتكب منها شيئا وهو مميز وتعمد فعل ذلك فالفدية في مال الولي في الأظهر.

أما غير المميز فلا فدية في ارتكابه محظورا على أحد (مغني المحتاج إلى معرفة ألفاظ المنهاج، ج۵، ص۳۸۸، كتاب الحج)

الفصل الثالث، في محظورات الإحرام :وهي قسمان؛ ما يختلف عمده وسهوه، كاللباس والطيب، وما لا يختلف، كالصيد، وحلق الشعر، وتقليم الأظفار .فالأول، لا فدية على الصبي فيه؛ لأن عمده خطأ .والثاني، عليه فيه الفدية.

وإن وطء أفسد حجه، ويمضي في فاسده .وفي القضاء عليه وجهان، أحدهما، لا يجب؛ لئلا تجب عبادة بدنية على من ليس من أهل التكليف .والثاني، يجب؛ لأنه إفساد موجب للفدية، فأوجب القضاء ، كوطء البالغ، فإن قضى بعد البلوغ بدأ بحجة الإسلام .فإن أحرم بالقضاء قبلها، انصرف إلى حجة الإسلام .وهل تجزئه عن القضاء ؟ ينظر، فإن كانت الفاسدة قد أدرك فيها شيئا من الوقوف بعد بلوغه، أجزأ عنهما جميعا، وإلا لم يجزئه، كما قلنا في العبد على ما مضى(المغني لابن قدامة، ج۳،ص۲۴۳،كتاب الحج،الفصل الثالث في محظورات إحرام الصبي)

[1] ولو جاوز الميقات بغير إحرام ثم احتلم بمكة، وأحرم من مكة أجزأه عن حجة الإسلام، ولم يكن عليه لمجاوزة الميقات بغير إحرام شيء كذا في فتاوى قاضي خان(الفتاوى الهندية،ج ،ص ۲۱۷،كتاب المناسك،الباب الأول)

(قوله وينبغي إلخ) قال في اللباب وشرحه :وينبغي لوليه أن يجنبه من محظورات الإحرام كلبس المخيط والطيب وإن ارتكبها الصبي لا شيء عليهما (ردالمحتار، ج۲، ص۴۶۶، كتاب الحج)

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کا یہ حج بطورِ فرض ادا ہو جائے گا، کیونکہ اُن کے نزدیک نفل کی نیت سے بھی فرض حج ادا ہو جاتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۸...... اگر نابالغ بچہ، یا بچی حج کا احرام باندھ لے، تو اس کو احرام کا توڑنا اور ختم کرنا

---

[1] حنفیہ کے نزدیک نابالغی کی حالت میں شروع کئے گئے احرام کے بعد فرض حج ادا ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ وہ بلوغ کے بعد احرام کی نیت سے تلبیہ پڑھ کر احرام کی تجدید کر لے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک نفل حج کے احرام سے فرض حج ادا نہیں ہوتا؛ اور دوسرے یہ کہ وقت کے اندر (یعنی دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر ہونے سے پہلے پہلے) بلوغ کی حالت میں وقوفِ عرفہ کر لے، کیونکہ وقوفِ عرفہ حج کا بنیادی رکن ہے۔

جبکہ شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک صرف ایک شرط ہے، وہ یہ کہ بلوغ کی حالت میں وقت کے اندر وقوفِ عرفہ کر لے، جس کی مزید تفصیل اگلے مسئلہ کے ذیل میں آتی ہے۔

ولو أحرم الصبي ثم بلغ قبل الوقوف بعرفة فإن مضى على إحرامه، يكون حجه تطوعا عندنا، وعند الشافعي :يكون عن حجة الإسلام إذا وقف بعرفة، وهو بالغ، وهذا بناء على أن من عليه حجة الإسلام إذا نوى النفل يقع عن النفل عندنا، وعنده يقع عن الفرض، والمسألة تأتي في موضعها إن شاء الله تعالى، ولو جدد الإحرام بأن لبى أو نوى حجة الإسلام، ووقف بعرفة وطاف طواف الزيارة يكون عن حجة الإسلام بلا خلاف وكذا المجنون إذا أفاق، والكافر إذا أسلم قبل الوقوف بعرفة فجدد الإحرام، ولو أحرم العبد ثم عتق فأحرم بحجة الإسلام بعد العتق لا يكون ذلك عن حجة الإسلام بخلاف الصبي، والمجنون، والكافر، والفرق أن إحرام الكافر، والمجنون لم ينعقد أصلا لعدم الأهلية، وإحرام الصبي العاقل وقع صحيحا، لكنه غير لازم لكونه غير مخاطب فكان محتملا للانتقاض فإذا جدد الإحرام بحجة الإسلام انتقض فأما إحرام العبد، فإنه وقع لازما لكونه أهلا للخطاب فانعقد إحرامه تطوعا فلا يصح إحرامه الثاني إلا بفسخ الأول، وإنه لا يحتمل الانفساخ(بدائع الصنائع، ج٢، ص ١٢١، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج)

قال -رحمه الله -(فلو أحرم الصبي أو عبد فبلغ أو عتق فمضى لم يجز عن فرضه) ؛ لأن إحرامه انعقد لأداء النفل فلا ينقلب للفرض كالضرورة إذا أحرم للنفل لا يؤدى به الفرض وكإحرام الصلاة إذا عقد للنفل ليس له أن يؤدى به الفرض فإن قيل الإحرام شرط عندكم فوجب أن يجوز أداء الفرض به كالصبي إذا توضأ ثم بلغ جاز له أن يؤدى بذلك الوضوء قلنا الإحرام يشبه الركن من وجه من حيث اتصال الأداء به فأخذنا بالاحتياط في العبادة وقال الشافعي - :رحمه الله -إذا مضى يكون عن الفرض وأصل الخلاف في الصبي إذا بلغ في أثناء الصلاة بالسن يكون عن الفرض عنده وعندنا لا يكون عنه ولو جدد الصبي الإحرام قبل الوقوف بعرفة ونوى حجة الإسلام أجزأه ولو فعل العبد ذلك لم يجزه عنه ؛ لأن إحرام الصبي غير لازم لعدم الأهلية فيمكنه الخروج بالشروع في غيره وإحرام العبد لازم فلا يمكنه ذلك ألا ترى أن الصبي لو أحصر وتحلل لا قضاء عليه ولا دم ولا يلزمه الجزاء بارتكاب محظوراته وفي المبسوط الصبي لو أحرم بنفسه ، وهو يعقل أو أحرم عنه أبوه صار محرما وينبغي له أن يجرده ويلبسه إزارا ورداء (تبيين الحقائق، ج٢، ص٦، كتاب الحج)

جائز ہوتا ہے، اس لئے نابالغ بچہ نے اگر حج کا احرام باندھا، اور حج کا وقت فوت ہونے سے پہلے وہ بالغ ہوگیا، تو اُس کو احرام کی تجدید کر کے (یعنی احرام کی نیت سے تلبیہ پڑھ کر) حج کا فریضہ ادا کرنا جائز ہوتا ہے۔ [1]

لہٰذا اگر کسی بچہ نے نابالغی کی حالت میں حج کا احرام باندھا، اور وہ وقوفِ عرفہ کا وقت فوت ہونے سے پہلے بالغ ہوگیا، اور اُس نے تلبیہ و نیت کے ساتھ احرام کی تجدید کر کے وقوفِ عرفہ کرلیا، تو اُس کا فرض حج ادا ہو جائے گا، کیونکہ نابالغی کی حالت کا احرام اس پر لازم نہیں تھا، اس لئے بالغ ہونے کے بعد احرام کی تجدید کر کے وقوفِ عرفہ کرنے سے اس کا حج فرض واقع ہو جائے گا۔ [2]

---

[1] (قوله لأن إحرام الصبى غير لازم) لعدم أهلية اللزوم عليه، ولذا لو أحصر الصبى وتحلل لا دم عليه ولا قضاء ولا جزاء عليه لارتكاب المحظورات (فتح القدير، ج۲، ص۴۲۳، كتاب الحج)

وإذا بلغ الصبى بعدما أحرم أو عتق العبد) يعنى بعدما أحرم (فمضيا لم يجزهما عن حجة الإسلام، لأن إحرامهما انعقد لأداء النفل) لعدم الخطاب وشرط الوجوب فى حقهما (فلا ينقلب لأداء الفرض) واعترض بأن الإحرام شرط على ما نذكره كالطهارة، والشرط يراعى وجوده لا وجوده قصدا؛ ألا ترى أن الصبى إذا توضأ ثم بلغ بالسن فصلى بتلك الطهارة جازت صلاته، فما بال الحج لم يجز بذلك الإحرام. والجواب أن الإحرام عندنا إنما يكون بالنية على ما سيأتى، وبها يصير شارعا فى أفعال الحج، فصار كصبى توضأ وشرع فى الصلاة وبلغ بالسن فنوى أن تكون تلك الصلاة فرضا لا تنقلب إليها (ولو جدد الصبى الإحرام قبل الوقوف ونوى حجة الإسلام جاز والعبد لو فعل ذلك لم يجز لأن إحرام الصبى غير لازم لعدم الأهلية) ولهذا لو تناول محظورا لم يلزمه شىء، وإذا كان كذلك جاز الفسخ والشروع فى غيره (العناية شرح الهداية، ج۲، ص۴۲۳، كتاب الحج)

[2] اگر کوئی نابالغ بچہ وقوفِ عرفہ کے دوران ہی وقت ختم ہونے سے پہلے بالغ ہوگیا، اور اس نے احرام کی تجدید کرلی، یا وقوفِ عرفہ کرنے کے بعد مگر وقت فوت ہونے (یعنی دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر) سے پہلے بالغ ہوا، اور احرام کی تجدید کر کے وقت کے اندر دوبارہ وقوفِ عرفہ کرلیا، اور حج کے باقی مناسک پورے کر لیے، تو ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس کا حج ادا ہو جائے گا، کیونکہ نابالغی کی حالت میں شروع کئے گئے احرام کو فسخ کرنا اور اس کی تجدید کرنا جائز ہے۔

ولما كان الصبى غير مخاطب كان إحرامه غير لازم ولذا لو أحصر وتحلل لا دم عليه ولا جزاء ولا قضاء، ولو جدده بعد بلوغه قبل الوقوف ونوى الفرض أجزأه؛ لأنه يمكنه الخروج عنه لعدم اللزوم بخلاف العبد لا يمكنه الخروج عنه للزوم فلو جدده بعد عتقه لا يصح والكافر والمجنون كالصبى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر وہ وقوفِ عرفہ کا وقت ختم ہونے کے بعد بالغ ہوا، یا اُس نے بلوغ کے بعد احرام کی تجدید کر کے وقت کے اندر (یعنی دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر سے پہلے) وقوفِ عرفہ نہیں کیا، تو اُس کا فرض حج ادا نہیں ہوگا، کیونکہ پہلی صورت میں اس کے حج کا بنیادی رکن (وقوفِ عرفہ) فوت ہو چکا ہے، اور دوسری صورت میں اس کا احرام نابالغی کی حالت میں شروع ہونے کی وجہ سے نفل واقع ہوا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فلو حج كافر، أو مجنون فأفاق، أو أسلم فجددا الإحرام أجزأهما (البحرالرائق، ج۲، ص ۳۴۰، كتاب الحج)

(ومنها البلوغ) فلا يجب على الصبى كذا فى فتاوى قاضى خان ولو أن الصبى اذا حج قبل البلوغ فلا يكون ذلك عن حجة الإسلام ويكون تطوعا، ولو أحرم ثم بلغ قبل الوقوف بعرفة إن مضى على إحرامه يكون تطوعا، وإن جدد التلبية أو استأنف الإحرام بعد الإدراك ثم وقف بعرفة يكون عن حجة الإسلام بالإجماع كذا فى شرح الطحاوى، وكذا المجنون إذا أفاق، والكافر إذا أسلم قبل الوقوف بعرفة فجدد الإحرام كذا فى البدائع ولو جاوز الميقات بغير إحرام ثم احتلم بمكة، وأحرم من مكة أجزأه عن حجة الإسلام، ولم يكن عليه لمجاوزة الميقات بغير إحرام شيء كذا فى فتاوى قاضى خان(الفتاوى الهندية، ج ،ص ۲۱۷، كتاب المناسك،الباب الأول)

[1] علامہ شامی رحمہ اللہ نے ردالمحتار اور منحۃ الخالق میں صبی کے وقوفِ عرفہ سے پہلے بالغ ہونے اور مجنون کے افاقہ ہونے اور کافر کے اسلام قبول کرنے کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ صبی کے وقوفِ عرفہ سے پہلے بالغ ہونے میں دو احتمال ہیں، یا تو یہ مراد ہو کہ وقوف کرنے سے پہلے بالغ ہو جائے، یا یہ مراد ہو کہ وقوف کا وقت فوت ہونے سے پہلے بالغ ہو جائے؛ پھر فرمایا کہ دوسرے احتمال کو ملا علی قاری نے شرح مناسک اور شرح نقایہ میں اختیار کیا ہے، اور پہلے قول کی تائید امام سرخسی کے مبسوط کے قول سے ہوتی ہے۔

اور پھر علامہ شامی رحمہ اللہ نے پہلے احتمال کی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا ہے۔

مگر ہمیں علامہ شامی کے اس رُجحان سے اتفاق نہیں ہوا، بلکہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کے مؤقف سے اتفاق ہوا، کیونکہ کافر کا تو احرام سرے سے معتبر ہی نہیں ہوتا، لہٰذا اس کا وقوف بھی معتبر نہیں، اور وقوفِ عرفہ کا وقت فوت ہونے سے پہلے جب بھی وہ اسلام قبول کر کے احرام کی تجدید کے ساتھ وقوفِ عرفہ کرے گا، تو اس کا حج درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اور مجنون بھی عبادت کا اہل نہیں، لہٰذا اس کا حکم بھی یہی ہوگا؛ اور بعض حضرات کے نزدیک اس کا حکم صبی کی طرح ہے، اور صبی کا احرام کیونکہ اس پر لازم نہیں ہوتا، اسی وجہ سے اس کو فسخ کرنا بھی جائز ہوتا ہے، لہٰذا صبی بلوغ کے بعد احرام کی تجدید کر کے وقت کے اندر جب وقوف کر لے، تو اس سے اس کا پہلا احرام فسخ ہو جائے گا، اور دوسرا احرام جائز ہو جائے گا، اور اس کا یہ حج حجۃ الاسلام بن جائے گا؛ حنابلہ اور شوافع کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ وقوفِ عرفہ کا وقت فوت ہونا مراد ہے، جس کا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اگر کوئی بچہ وقوفِ عرفہ کا وقت نکلنے (یعنی دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر) کے بعد بالغ ہوا، یا عرفات میں وقوف سے جدائیگی کے بعد بالغ ہوا، لیکن وہ وقت کے اندر عرفات میں وقوف کے لئے لوٹ کر نہیں آیا، تو اس کا حجِ فرض ادا نہیں ہوگا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذکر آگے آتا ہے، برخلاف عاقل بالغ غلام کے، کہ حنفیہ کے نزدیک اس کا احرام فسخ کرنا جائز نہیں، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

جہاں تک اس شبہ کا تعلق ہے کہ وقوفِ عرفہ کرنے کے بعد حج پورا ہو جاتا ہے، لہٰذا وہ نقض کو قبول نہیں کرتا، نیز ایک سال میں دو حج ادا کرنا ممتنع ہے، تو اس کا جواب پیچھے ذکر کیا جاچکا ہے کہ اوّلاً تو صبی کے لئے نقض جائز ہے، دوسرے بعض اُمور اصلاً تو ممتنع ہوا کرتے ہیں، لیکن ضمناً وتبعاً جائز ہو جایا کرتے ہیں۔

(فلو أحرم صبی عاقل أو أحرم عنه أبوه صار محرما) وينبغی أن يجرده قبله ويلبسه إزارا ورداء مبسوطين وظاهر أن إحرامه عنه مع عقله صحيح فمع عدمه أولى (فبلغ أو عبد فعتق) قبل الوقوف (فمضى) كل على إحرامه (لم يسقط فرضهما) لانعقاده نفلا فلو جدد الصبی الإحرام قبل وقوفه بعرفة ونوى حجة الإسلام أجزأه(الدرالمختار مع ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۶۶، كتاب الحج)

(قوله قبل وقوفه بعرفة) قيل عبارة المبتغى :ولو أحرم الصبی أو المجنون أو الكافر ثم بلغ أو أفاق ووقت الحج باق فإن جددوا الإحرام يجزيهم عن حجة الإسلام اهـ مقتضاه أن المراد بما قبل الوقوف قبل فوت وقته كما عبر به منلا علی القاری فی شرحه على الوقاية واللباب، لكن نقل القاضی عيد فی شرحه على اللباب عن شيخه العلامة الشيخ حسن العجيمی المكی أن المراد به الكينونة بعرفة حتى لو وقف بها بعد الزوال لحظة فبلغ ليس له التجديد، وإن بقی وقت الوقوف وأيده الشيخ عبد الله العفيف فی شرح منسكه بقوله -صلى الله عليه وسلم -من وقف بعرفة ساعة من ليل أو نهار فقد تم حجه وقال وقد وقع الاختلاف فی هذه المسألة فی زماننا فمنهم من أفتى بصحة تجديده الإحرام بعد ابتداء الوقوف ومنهم من أفتى بعدمها ولم نر فيها نصا صريحا اهـ ملخصا . قلت :وظاهر قول المصنف تبعا للدرر قبل وقوفه أن المراد حقيقة الوقوف لا وقته فهو مؤيد لكلام العجيمی (ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۶۶، كتاب الحج)

(قوله: ولو جدده بعد بلوغه قبل الوقوف إلخ) كذا عبارة أغلب كتب المذهب بصيغة قبل الوقوف وهی محتملة لأن يراد قبل أن يقف أو قبل فوات وقت الوقوف وعلى الثانی مشى منلا علی فی شرح المناسك وشرح النقاية ويؤيد الأول قول الإمام السرخسی فی مبسوطه فی آخر باب المواقيت ولو أن الصبی أهل بالحج قبل أن يحتلم ثم احتلم قبل أن يطوف بالبيت أو قبل أن يقف بعرفة لم يجزه عن حجة الإسلام عندنا إلا أن يجدد إحرامه قبل أن يقف بعرفة فحينئذ يجزئه عن حجة الإسلام اهـ.فلو وقف بعد الزوال ولو لحظة ثم بلغ ليس له التجديد وإن بقی وقت الوقوف لتمام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اگر وہ وقوفِ عرفہ کرنے کی حالت میں بالغ ہوگیا، یا وہ وقوفِ عرفہ کرنے کے بعد بالغ ہوا، مگر وہ بلوغ کے بعد دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر سے پہلے عرفات میں وقوف کے لئے لوٹ کر آ گیا، تو اس کا پہلے احرام سے ہی فرض حج ادا ہو جائے گا۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

حجه إذ الحج بعد التمام لا يقبل النقض ولا يصح أداء حجتين فی عام واحد بالإجماع كذا ذكره القاضی محمد عيد فی شرحه خلاصة الناسک علی لباب المناسک المختصر من شرحه الكبير عباب المسالک عن شيخه العلامة الشيخ حسن العجيمی وذكر مثله الشيخ عبد الله العفيف فی شرح منسكه مستدلا بقوله -صلى الله عليه وسلم- من وقف بعرفة ساعة من ليل أو نهار فقد تم حجه فمن من صيغ العموم فيشمل الصبی وقد قلنا بأن حجه نفلا صحيح ويمتنع أداء حجتين نفل وفرض فی سنة واحدة ثم قال وقد وقع الاختلاف فی الإفتاء فی هذه المسألة فی زماننا فمن العصريين من أفتی بعدم صحة تجديد الصبی الإحرام بعد أن دخل عليه وقت الوقوف وهو بأرض عرفة محرم بالحج النفل ومنهم من أفتی بصحة ذلک وقد بسطت الكلام عليها فی التذكرة العفيفية فی فقه الحنفية اهـ .ملخصا من حاشية المدنی على الدر المختار (منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲، ص ۳۴۰، كتاب الحج، واجبات الحج)

[1] اور جن صورتوں میں شوافع اور حنابلہ کے نزدیک فرض حج ادا ہو جاتا ہے، اُن صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک احرام کی تجدید کے ساتھ بھی فرض حج ادا ہو جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک راجح یہی ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ محمد رضوان

فإذا أحرم الصبی بالحج ثم بلغ أو العبد ثم عتق فلهما أربعة أحوال (أحدها) أن يكون البلوغ والعتق بعد فراغ الحج فلا يجزئهما عن حجة الإسلام بل يكون تطوعا فإن استطاعا بعد ذلک لزمهما حجة الإسلام وهذا لا خلاف فيه عندنا وبه قال العلماء كافة ونقل ابن المنذر فيه اجماع من يعتد به للحديث المذكور لان حجه وقع تطوعا فلا يجزئه عن الواجب بعده (الثانی) أن يكون البلوغ والعتق قبل الفراغ من الحج لكنه بعد خروج وقت الوقوف بعرفات فلا يجزئهما عن حجة الإسلام بلا خلاف لأنه لم يدرک وقت العبادة فأشبه من أدرک الإمام بعد فوات الركوع فإنه لا تحسب له تلک الركعة (الثالث) أن يكون قبل الوقوف بعرفات أو فی حال الوقوف فيجزئهما عن حجة الإسلام بلا خلاف عندنا.

وقال أبو حنيفة ومالک لا يجزئهما والخلاف يتصور مع أبی حنيفة فی العبد دون الصبی فإنه قال لا يصح إحرامه.دليلنا أنه وقف بعرفات كاملا فأجزأه عن حجة الإسلام كما لو كمل حالة الإحرام (الرابع) أن يكون بعد الوقوف بعرفات وقبل خروج وقت الوقوف بأن وقف يوم عرفات ثم فارقها ثم بلغ أو عتق قبل طلوع الفجر ليلة النحر فإن رجع إلى عرفات فحصل فيها ووقت الوقوف باق أجزأه عن حجة الإسلام بلا خلاف كما لو بلغ وهو واقف وإن لم يعد فوجهان مشهوران ذكر المصنف دليلهما (الصحيح) باتفاق الأصحاب لا يجزئه وهو المنصوص (المجموع شرح المهذب، ج۷، ص۵۷، كتاب الحج)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹...... بچے اور بچی کی عمر قمری سالوں یعنی چاند کی تاریخوں کے حساب سے جب پندرہ سال کی مکمل ہوجائے تو وہ شرعی اعتبار سے بہرحال بالغ (Adult) سمجھے جاتے ہیں اور اگر پندرہ سال کی عمر سے پہلے احتلام ہوجائے، یا بچی کو ماہواری آجائے، تو بھی بالغ ہونے کا آغاز (Puberty) ہوجاتا ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إن بـلـغ الـصبـى الـحـلـم بعدما أحرم، فمضى فى نسكه على إحرامه الأول، لم يجزه حجه عن فرض الإسلام عند الحنفية والمالكية .وقال الحنفية :لو جدد الصبى الإحرام قبل الوقوف بعرفة، ونوى حجة الإسلام، جاز عن حجة الإسلام؛ لأن إحرام الصبى غير لازم لعدم أهليته للزوم عليه .وقال المالكية لا يرتفض إحرامه السابق، ولا يجزيه إرداف إحرام عليه، ولا ينقلب إحرامه عن الفرض، لأنه اختل شرط الوقوع فرضا، وهو ثبوت الحرية والتكليف، وقت الإحرام .وهذا لم يكن مكلفا وقت الإحرام، فلا يقع نسكه هذا إلا نفلا.

أما الشافعية والحنابلة فقالوا :إن بلغ الصبى فى أثناء الحج ينظر إلى حاله من الوقوف فينقسم إلى قسمين:

الأول :أن يبلغ بعد خروج وقت الوقوف، أو قبل خروجه وبعد مفارقة عرفات لكن لم يعد إليها بعد البلوغ، فهذا لا يجزيه حجه عن حجة الإسلام.

الثانى :أن يبلغ فى حال الوقوف، أو يبلغ بعد وقوفه بعرفة، فيعود ويقف بها فى وقت الوقوف، أى قبل طلوع فجر يوم النحر، فهذا يجزيه حجه عن حجة الإسلام .لكن يجب عليه إعادة السعى إن كان سعى عقب طواف القدوم قبل البلوغ، ولا دم عليه.

أما فى العمرة :فالطواف فى العمرة كالوقوف بعرفة فى الحج، إذا بلغ قبل طواف العمرة أجزأه عن عمرة الإسلام، عند من يقول بوجوبها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۷۹، بلوغ الصبى فى أثناء النسك، مادة" احرام")

[۱] شافعیہ، حنابلہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد، صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک لڑکے اور لڑکی کے لئے بلوغ کی انتہائی عمر پندرہ سال قمری ہے، اور حنفیہ کا اسی پر فتویٰ ہے۔

اور مالکیہ کے نزدیک اٹھارہ سال کا پورا ہونا یا اٹھارہ سال میں داخل ہونا ہے، اور ایک قول انیس سال کا بھی ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بلوغ کی انتہائی عمر لڑکے کے لئے اٹھارہ سال، اور لڑکی کے لئے سترہ سال ہے۔

اور لڑکے کے لئے بلوغ کی ادنیٰ عمر مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک نو سال قمری کی تکمیل ہے، اور حنفیہ کے نزدیک بارہ سال، اور حنابلہ کے نزدیک دس سال ہے، اور لڑکی کے لئے حنفیہ اور شافعیہ کے اظہر قول کے مطابق اور حنابلہ کے نزدیک نو سال قمری ہے۔

اور غالباً یہ اختلاف اپنے اپنے مشاہدہ اور مختلف علاقوں اور آب وہوا اور نسل وغذا کے اختلاف پر مبنی ہے، جس کا موجودہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۳)......عاقل ہونا (مجنون، بیہوش وغیرہ کے حج کا حکم)

حج فرض ہونے کے لئے بالغ ہونے کے ساتھ ساتھ عاقل ہونا بھی شرط ہے، اور جس طرح نابالغ بچہ حج کا مکلّف نہیں ہوتا، اسی طرح مجنون اور پاگل بھی حج کا مکلّف نہیں ہوتا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ماہرینِ فن نے بھی اعتراف کیا ہے۔

عن نافع، عن ابن عمر قال :عرضت على رسول الله صلى الله عليه وسلم فى جيش وأنا ابن أربع عشرة فلم يقبلنى، فعرضت عليه من قابل فى جيش وأنا ابن خمس عشرة فقبلنى قال نافع :وحدثت بهذا الحديث عمر بن عبد العزيز، فقال :هذا حد ما بين الصغير والكبير، ثم كتب أن يفرض لمن يبلغ الخمس عشرة حدثنا ابن أبى عمر قال :حدثنا سفيان بن عيينة، عن عبيد الله بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر، عن النبى صلى الله عليه وسلم نحو هذا، ولم يذكر فيه أن عمر بن عبد العزيز كتب أن هذا حد ما بين الصغير والكبير وذكر ابن عيينة فى حديثه :حدثت به عمر بن عبد العزيز، فقال :هذا حد ما بين الذرية والمقاتلة :هذا حديث حسن صحيح والعمل على هذا عند أهل العلم، وبه يقول سفيان الثورى، وابن المبارك، والشافعى، وأحمد، وإسحاق يرون أن الغلام إذا استكمل خمس عشرة سنة فحكمه حكم الرجال، وإن احتلم قبل خمس عشرة فحكمه حكم الرجال وقال أحمد، وإسحاق :البلوغ ثلاثة منازل بلوغ خمس عشرة، أو الاحتلام فإن لم يعرف سنه ولا احتلامه فالإنبات يعنى العانة(سنن الترمذى، رقم الحديث ۱۳۶۱،ابواب الاحكام، باب ما جاء فى حد بلوغ الرجل والمرأة)

(بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحبل) ولم يذكر الإنزال صريحا لأنه قلما يعلم منها (فإن لم يوجد فيهما) شىء (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى) (الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار، ج۶، ص۱۵۳، كتاب الحجر)

البلوغ بالسن:جعل الشارع البلوغ أمارة على أول كمال العقل؛ لأن الاطلاع على أول كمال العقل متعذر، فأقيم البلوغ مقامه.

والبلوغ بالسن :يكون عند عدم وجود علامة من علامات البلوغ قبل ذلک، واختلف الفقهاء فى سن البلوغ .فيرى الشافعية، والحنابلة، وأبو يوسف ومحمد من الحنفية أن البلوغ بالسن يكون بتمام خمس عشرة سنة قمرية للذكر والأنثى، كما صرح الشافعية بأنها تحديدية؛ لخبر ابن عمر عرضت على النبى صلى الله عليه وسلم يوم أحد، وأنا ابن أربع عشرة سنة فلم يجزنى، ولم يرنى بلغت، وعرضت عليه يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة سنة فأجازنى، ورآنى بلغت.

قال الشافعى :رد النبى صلى الله عليه وسلم سبعة عشر من الصحابة، وهم أبناء أربع عشرة سنة،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

احادیث میں نابالغ بچہ کے ساتھ مجنون کو بھی مرفوعُ القلم قرار دیا گیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ ، وَعَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الْمَعْتُوهِ حَتّٰى يَعْقِلَ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قلم (یعنی مکلّف ہونے کے حکم) کو تین

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لأنـه لم يرهم بلغوا، ثم عرضوا عليه وهم من أبناء خمس عشرة فأجازهم، منهم :زيد بن ثابت ورافع بن خديج وابن عمر.

ويـرى الـمـالـكية أن البـلـوغ يكون بتمام ثماني عشرة سنة، وقيل بالدخول فيها، وقد أورد الحطاب خمسة أقوال في المذهب، ففي رواية :ثمانية عشر، وقيل :سبعة عشر، وزاد بعض شراح الرسالة : ستة عشر، وتسعة عشر، وروى عن ابن وهب خمسة عشر ،لحديث ابن عمر السابق.

ويرى أبو حنيفة :أن البـلـوغ بـالسـن لـلغلام هو بلوغه ثماني عشرة سنة، والجارية سبع عشرة سنة لـقوله تعالى :(ولا تـقـربـوا مـال اليتيم إلا بالتي هي أحسن حتى يبلغ أشده قال ابن عباس رضي الله عنه :الأشـد ثـماني عشرة سنة .وهـي أقـل مـا قيـل فيـه، فأخذ به احتياطا، هذا أشد الصبي، والأنثى أسرع بلوغا فنقصت سنة.

السن الأدنى للبلوغ الذي لا تصح دعوى البلوغ قبله:

السن الأدنى للبلوغ في الذكر :عـند المالكية والشافعية باستكمال تسع سنين قمرية بالتمام، وفي وجه آخر للشافعية :مضي نصف التاسعة، ذكره النووي في شرح المهذب.

وعـند الحنفية :اثـنتـا عشـرة سنة،وعند الحنابلة :عشر سنين .ويـقبـل إقـرار الولي بأن الصبي بلغ بالاحتلام، إذا بلغ عشر سنين.

والسـن الأدنى للبلوغ في الأنثى :تسـع سـنيـن قمرية عند الحنفية، والشافعية على الأظهر عندهم، وكـذا الـحـنابلة لأنه أقل سن تحيض له المرأة، ولحديث :إذا بـلـغت الجارية تسع سنين فهي امرأة والـمـراد حـكمها حكم المرأة، وفي رواية للشافعية :نـصف التاسعة، وقيل :الـدخول في التاسعة؛ ولأن هذا أقل سن لحيض الفتاة.

والسـن الأدنى للبلوغ في الخنثى :تسـع سـنين قمرية بالتمام، وقيل نصف التاسعة، وقيل :الدخول فيها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸ص ۱۹۱ تا ۱۹۳ ،مادة "بلوغ")

[1] رقم الحديث ۲۴۷۰۳، واللفظ لهٗ،سنن النسائي، رقم الحديث ۳۴۳۲.
في حاشية مسند احمد:إسناده جيد.

افراد سے اٹھالیا گیا ہے، ایک بچہ سے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہوجائے، دوسرے سونے والے سے جب تک کہ وہ بیدار نہ ہوجائے، تیسرے پاگل سے جب تک کہ وہ صاحبِ عقل نہ ہوجائے (مسند احمد، نسائی)

اس قسم کی احادیث کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے غیر عاقل اور مجنون کے حج کے جو احکام بیان فرمائے ہیں، اب ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر۱...... حج فرض ہونے کے لئے عاقل ہونا شرط ہے، جو شخص پاگل و مجنون ہو، اُس پر حج فرض نہیں، خواہ اس کی ملکیت میں کتنا ہی مال ہو۔ [1]

---

[1] البتہ اس میں اختلاف ہے کہ عاقل ہونا صرف حج فرض ہونے کی شرط ہے، یا حج صحیح ہونے کی بھی شرط ہے؛ بندہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مجنون کا حکم صبی غیر ممیز کی طرح ہے، لہٰذا مجنون اگر خود سے حج کا احرام باندھے، تو صحیح نہیں، اور اگر اس کا ولی اس کی طرف سے نیابۃً احرام باندھے تو صحیح ہوجاتا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک مجنون کی طرف سے حج میں نیابت جائز نہیں۔

فمنها :البلوغ، ومنها العقل فلا حج على الصبى، والمجنون؛ لأنه لا خطاب عليهما فلا يلزمهما الحج حتى لو حجا، ثم بلغ الصبى، وأفاق المجنون فعليهما حجة الإسلام، وما فعله الصبى قبل البلوغ يكون تطوعا(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج٢، ص ١٢٠، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج)

ومنها العقل فلا يجوز أداء الحج من المجنون والصبى الذى لا يعقل كما لا يجب عليهما، فأما البلوغ والحرية فليسا من شرائط الجواز، فيجوز حج الصبى العاقل بإذن وليه، والعبد الكبير بإذن مولاه لكنه لا يقع عن حجة الإسلام لعدم الوجوب(بدائع الصنائع، ج٢ ص ١٦٠، كتاب الحج،فصل شرائط أركان الحج)

الشرط الثانى :العقل: يشترط لفرضية الحج العقل، لأن العقل شرط للتكليف والمجنون ليس مكلفا بفروض الدين، بل لا تصح منه إجماعا، لأنه ليس أهلا للعبادة، فلو حج المجنون فحجه غير صحيح، فإذا شفى من مرضه وأفاق إلى رشده تجب عليه حجة الإسلام.

روى على بن أبى طالب عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :رفع القلم عن ثلاثة :عن المجنون المغلوب على عقله حتى يفيق، وعن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبى حتى يحتلم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٢٧، شروط فرضية الحج،مادة"حج")

(وأما المجنون فلا يصح منه لانه ليس من أهل العبادات فلم يصح حجه ولا يجب عليه لقوله صلى الله عليه وسلم (رفع القلم عن ثلاثة عن الصبى حتى يبلغ وعن المجنون حتى يفيق وعن النائم حتى يستيقظ() (الشرح) هذا الحديث صحيح رواه على وعائشة رضى الله عنهما وسبق بيانه فى أول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... جس شخص کے اکثر اقوال وافعال میں خلل ہو، اور اس کی اکثر حرکات وسکنات عقل مندوں والی نہ ہوں، بلکہ پاگلوں والی ہوں، وہ شریعت کی نظر میں پاگل ومجنون شمار ہوتا ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۳...... جو شخص پاگل ومجنون تو نہیں ہے، البتہ بے وقوف یا کم عقل ہے، مگر وہ حج کی حقیقت اور اس کے احکام کو سمجھتا ہے، تو اس کا حکم عاقل کی طرح ہے، پاگل ومجنون کی طرح

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كتاب الصيام وأجمعت الأمة على أنه لا يجب الحج على المجنون (وأما) صحته ففيها وجهان (جزم المصنف وآخرون بأنه لا يصح منه (وجزم) البغوى والمتولى والرافعي وآخرون بصحته منه كالصبى الذى لا يميز فى العبادات (المجموع شرح المهذب، ج۷، ص۲۰، كتاب الحج)

وكذا المجنون لا يجوز استنابته فى حج الفرض عندنا وبه قال أحمد وداود (المجموع شرح المهذب، ج۷، ص۱۱۶، كتاب الحج)

ولا يجب على المجنون ولا يصح منه إن عقده بنفسه أم عقده له وليه (الإقناع فى فقه الإمام أحمد بن حنبل، ج۱، ص۳۳۴، و۳۳۵، كتاب الحج وشروطه)

وأما غير العاقل فاختلف فيه ففى البدائع ولا يجوز أداء الحج من المجنون والصبى الذى لا يعقل كما لا يجب عليهما وقال ابن أمير حاج قال مشايخنا وغيرهم بصحة حج الصبى ولو كان غير مميز وكذا بصحة حج المجنون اهـ.

وينبغى الجمع بينهما بحمل الأول على مجنون ليس له قابلية النية فى الإحرام كالصبى الذى لا يعقل والثانى على الذى له بعض الإدراكات الشرعية وعلى صحة حج الصبى الغير المميز إذا ناب عنه وليه فى النية كذا فى شرح لباب المناسك لمنلا على القارى أقول :المتعين حمل ما فى البدائع على أداء المجنون والصبى بنفسهما بلا ولى وحمل ما نقله ابن أمير حاج على ما إذا أحرم عنهما وليهما فإن المجنون كالصبى فى ذلك كما سنذكره قريبا عن الذخيرة والولوالجية وغيرهما (منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲، ص۳۳۴، وص۳۳۵، كتاب الحج، واجبات الحج)

[۱] العاقل من يستقيم كلامه وأفعاله إلا نادرا، والمجنون ضده .وأيضا فإن بعض المجانين يعرف ما يقول ويريده ويذكر ما يشهد الجاهل به بأنه عاقل ثم يظهر منه فى مجلسه ما ينافيه، فإذا كان المجنون حقيقة قد يعرف ما يقول ويقصده فغيره بالأولى، فالذى ينبغى التعويل عليه فى المدهوش ونحوه إناطة الحكم بغلبة الخلل فى أقواله وأفعاله الخارجة عن عادته، وكذا يقال فيمن اختل عقله لكبر أو لمرض أو لمصيبة فاجأته :فما دام فى حال غلبة الخلل فى الأقوال والأفعال لا تعتبر أقواله وإن كان يعلمها ويريدها لأن هذه المعرفة والإرادة غير معتبرة لعدم حصولها عن الإدراك صحيح كما لا تعتبر من الصبى العاقل (ردالمحتار، ج۳، ص۲۴۴، كتاب الطلاق، مطلب فى تعريف السكران وحكمه)

نہیں ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۴...... اگر کوئی مرد یا عورت پوری طرح مجنون اور پاگل تو نہیں ہے، البتہ کبھی کبھی وہ مجنون و پاگل ہوجاتا ہے، تو جس وقت وہ مجنون و پاگل ہو، اُسی وقت اُس پر مجنون و پاگل ہونے کا حکم لگایا جائے گا، اور افاقہ ہونے کے اوقات میں اُس کو عاقل کا حکم حاصل ہوگا، لہٰذا اگر ایسا شخص عاقل ہونے کی حالت میں حج کرے، تو اس کا حج درست ہوجائے گا۔ [۲]

مسئلہ نمبر۵...... اگر کوئی مجنون و پاگل مرد یا عورت خود حج کا احرام باندھ لے، تو اس کا احرام معتبر نہیں، اس لئے اگر وہ احرام باندھنے کے بعد احرام کی خلاف ورزی کرے، یا احرام فاسد کردے، یا حج کے مناسک ادا نہ کرے، تو اس پر کچھ واجب نہیں۔ [۳]

مسئلہ نمبر۶...... اگر کسی عاقل، بالغ مرد یا عورت نے حج کا احرام باندھا، اور پھر اُس کو حج سے پہلے جنون اور پاگل پن لاحق ہوگیا، لیکن پھر وقوفِ عرفہ سے پہلے اس کو افاقہ ہوگیا، اور ہوش وحواس لوٹ آئے، اور اس نے افاقہ کی حالت میں وقوفِ عرفہ اور حج کے باقی مناسک ادا کرلیے، تو اس کا حج بالاتفاق ادا ہوجاتا ہے۔

اور اگر کسی نے جنون و پاگل پن کی حالت میں حج کا احرام باندھا تھا، اور پھر وقوفِ عرفہ سے

---

[۱] والسفه لا يبطل حق الله تعالى ولا حق الناس (مجمع الانهر، ج۲، ص۴۴۰، كتاب الحجر)

[۲] المعتوه إذا كان يفيق أحياناً ففي حال إفاقته هو كالعاقل سواء كان لإفاقته وقت معلوم أولا (الفتاوى البزازية، ج۳، ص۲۷)

[۳] البتہ اگر احرام عاقل ہونے کی حالت میں باندھا، اور پھر اس کے بعد جنون و پاگل پنا لاحق ہوگیا، تو ایسی صورت میں حنفیہ کے نزدیک احرام کی خلاف ورزی پر کفارہ لازم ہوتا ہے۔ بخلاف احرام الصبی۔

ومنها العقل فلا يجوز أداء الحج من المجنون والصبى الذى لا يعقل كما لا يجب عليهما، فأما البلوغ والحرية فليسا من شرائط الجواز، فيجوز حج الصبى العاقل بإذن وليه، والعبد الكبير بإذن مولاه لكنه لا يقع عن حجة الإسلام لعدم الوجوب (بدائع الصنائع، ج۲ ص۱۲۰، كتاب الحج، فصل شرائط أركان الحج)

البالغ إذا جن بعد الإحرام، ثم ارتكب شيئاً من المحظور، فإن عليه فيها الكفارة .فرق بينه وبين الصبى؛ لأن ابتداء إحرام المجنون قبل أن يجن كان صحيحاً لازماً؛ بخلاف إحرام الصبى (المحيط البرهانى، ج۲، ص۴۹۴، كتاب المناسك، الفصل العشرون فى المتفرقات)

پہلے اس کو افاقہ ہوگیا، اور اس نے احرام کی تجدید کر کے وقوفِ عرفہ اور دیگر مناسک ادا کر لیے، تو تب بھی اس کا حج ادا ہو جاتا ہے، جیسا کہ نابالغ بچہ کے اس حالت میں بالغ ہونے کے بیان میں تفصیل سے گزرا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷...... اگر کوئی مرد یا عورت مسلمان اور بالغ ہو، لیکن وہ مجنون ہو، اور اس کا ولی اس کی طرف سے احرام باندھے، تو فقہائے احناف کے نزدیک ولی کی طرف سے ایسا کرنا صحیح ہے۔

مگر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مجنون کا ولی اگر مجنون کی طرف سے احرام باندھ کر اس کی طرف سے حج کرے، تو وہ حج نفل واقع ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] وكذا المجنون إذا أفاق، والكافر إذا أسلم قبل الوقوف بعرفة فجدد الإحرام(بدائع الصنائع، ج۲، ص ۱۲۱، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج)

وإفاقة المجنون بعد الإحرام عنه كبلوغ الصبى وعتق الرقيق فى جميع ما ذكر (إعانة الطالبين على حل ألفاظ فتح المعين، ج۲، ص۳۱۸، باب الحج)

(أو يفيق) المجنون ثم يحرم قبل الدفع من عرفة، أو بعده إن عاد فوقف فى وقته ثم أتم حجه (كشاف القناع عن متن الإقناع لمنصور بن يونس البهوتى الحنبلى، ج۲، ص ۳۷۹، كتاب الحج)

من أحرم بالحج، وطرأ عليه جنون أو إغماء ثم أفاق منه قبل الوقوف بعرفة، ووقف، أجزأه الحج باتفاق .وكذلك من لم يحرم بالحج لجنون أو إغماء ، ولكنه أفاق من قبل الوقوف، وأحرم ووقف بعرفة أجزأه، على تفصيل فى وجوب الجزاء عليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۱، ص ۱۱۲ وص ۱۱۳، تدارك المجنون والمغمى عليه للعبادات،مادة" تدارك")

[2] اور حنابلہ وشافعیہ کے نزدیک مجنون کی طرف سے بہر حال نیابت ہی درست نہیں، جیسا کہ گزرا۔

(قوله :وكون وليه أحرم عنه يحتاج إلى نقل صريح) قال فى النهر ظاهر أن مقتضى صحة إحرام الولى عن الصبى الذى لا يعقل صحته عن المجنون بجامع عدم العقل فى كل اهـ.

وقال المقدسى فى شرحه أقول :وفى البحر العميق لا حج على مجنون مسلم ولا يصح منه إذا حج بنفسه ولكن يحرم عنه وليه كما سيأتى إن شاء الله تعالى اهـ.

قلت وفى الذخيرة قال فى الأصل وكل جواب عرفته فى الصبى يحرم عنه الأب فهو الجواب فى المجنون اهـ.وفى الولوالجية قبيل الإحصار وكذا الصبى يحج به أبوه وكذا المجنون يقضى المناسك ويرمى الجمار؛ لأن إحرام الأب عنهما وهما عاجزان كإحرامهما بنفسهما اهـ.

فهذه النقول صريحة فى أن المجنون كالصبى(منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲،ص ۳۴۱،كتاب الحج)

وفى شرح المقدسى عن البحر العميق لا حج على مجنون مسلم، ولا يصح منه إذا حج بنفسه ولكن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸...... اگر کسی شخص نے ہوش وحواس کی حالت میں احرام باندھا، اور پھر احرام کی حالت میں راستے میں ہی یا مکہ مکرمہ پہنچ کر بے ہوش ہوگیا، اوراس کے ساتھیوں نے بے ہوشی کی حالت میں اس کو عرفات میں وقوف کرایا، اوراس کو کاندھے وغیرہ پر اُٹھا کر یا سواری وغیرہ پر بٹھا کر طواف وغیرہ بھی کرایا، تو اس شخص کا حج ادا ہوجائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يحرم عنه وليه اهـ فهذه النقول صريحة فى أن المجنون يحرم عنه وليه كالصبى وبه اندفع ما فى البحر من قوله كيف يتصور إحرام المجنون بنفسه وكون وليه أحرم عنه يحتاج إلى نقل صريح يفيد أنه كالصبى .اهـ(ردالمحتار، ج۲، ص۴۶۷، كتاب الحج)

وكذا المجنون لا يجوز استنابته فى حج الفرض عندنا وبه قال أحمد وداود (المجموع شرح المهذب، ج۷، ص۱۱۶، كتاب الحج)

ومثل ذلك أيضا المجنون الذى أحرم عنه وليه، أو المغمى عليه -عند من يقول بجواز الإحرام عنه كالحنفية وبعض الشافعية -إذا أفاقا قبل الوقوف ووقفا أجزأهما الحج، ومن وقف بعرفة وهو مجنون أو مغمى عليه بعد أن أحرم وهو مفيق، أو أحرم وليه عنه فعند المالكية وبعض الشافعية :كان حجهما صحيحا، مع الاختلاف بين وقوعه فرضا أو نفلا.

وعند الحنفية كان حج المغمى عليه صحيحا، وفى المجنون خلاف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۱، ص۱۱۲ وص۱۱۳، تدارك المجنون والمغمى عليه للعبادات،مادة"تدارك")

العقل :فإن المجنون وإن صح إحرام وليه عنه ومباشرته أعمال الحج عنه، فإنه يقع نفلا لا فرضا.

نعم، لو كان حال الإحرام مفيقا يعقل النية والتلبية وأتى بهما، ثم أوقفه وليه، وباشر عنه سائر أموره صح حجه فرضا، إلا أنه يبقى عليه طواف الزيارة حتى يفيق فيؤديه بنفسه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۴۱، مادة "حج" شروط إجزاء الحج عن الفرض)

[1] ثانيا :من أغمى عليه بعد إحرامه بنفسه: الإغماء بعد الإحرام لا يؤثر فى صحته، باتفاق الأئمة. وعلى ذلك فهذا حمله متعين على رفقائه، ولا سيما للوقوف بعرفة، فإنه يصح ولو كان نائما أو مغمى عليه، على تفصيل فى أداء المناسك له يطلب فى موضعه من مصطلح "حج "ومصطلح " عمرة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲،ص۱۸۰ ،مادة" إحرام" إحرام المغمى عليه)

فى المنتقى :عيسى بن أبان عن محمد رحمهم الله :رجل أحرم بالحج، وهو صحيح ثم أصابه عته، فقضى به أصحابه المناسك ووقفوا به، فلبث كذلك سنين، ثم أفاق أجزأه ذلك عن حجة الإسلام، قال :وكذلك الرجل إذا قدم مكة أو صحيح أو مريض، إلا أنه يعقل أغمى عليه بعد ذلك، فحمله أصحابه وهو مغمى عليه، وطافوا به فلما قضوا الطواف أو بعضه أفاق، وقد أغمى عليه ساعة من نهار لم يتم ذلك يوماً، أجزأه ذلك عن طوافه، قال :لأنه حين ما أغمى عليه فصار فى حالة من نحو من يجزئه أن يطاف به من غير نية، فهو بمنزلة ما لو أصابه وجع، واعجزه عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹...... اگر کوئی عاقل بالغ شخص حج کرنے کے لئے چلا، مگر وہ احرام میں داخل ہونے سے پہلے ہی کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے بے ہوش ہوگیا، تو اگر اس نے بے ہوش ہونے سے پہلے اپنے کسی ساتھی کو یہ کہہ دیا تھا کہ اگر وہ بے ہوش ہوگیا، تو وہ اس کی طرف سے احرام باندھ لے، اور پھر وہ احرام باندھنے سے پہلے بے ہوش ہوگیا تو اس کے ساتھی کا اس کی طرف سے احرام کی نیت کر کے تلبیہ پڑھنے سے اس کا احرام شروع ہوجائے گا۔

اور اگر اس نے بے ہوش ہونے سے پہلے اپنے کسی ساتھی کو احرام باندھنے کا نہیں کہا تھا، تو بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے ساتھیوں اور رفیقوں کا اس کی طرف سے احرام کی نیت کر کے تلبیہ پڑھنے سے اس کا احرام شروع ہوجاتا ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حج کے سفر کے ساتھیوں کو ایک دوسرے کی اس طرح نیابت واعانت کی دلالۃً اجازت حاصل ہوتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

القيام فصلى قاعداً، فلما فرغ منها قدر على القيام (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج۲ ص ۴۸۰، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر)

في المنتقى . روى عيسى بن أبان عن محمد -رحمه الله :- رجل أحرم وهو صحيح ثم أصابه عته فقضى به أصحابه المناسك ووقفوا به فلبث بذلك سنين ثم أفاق أجزأه ذلك عن حجة الإسلام. قال :وكذلك الرجل إذا قدم مكة وهو صحيح أو مريض إلا أنه يعقل فأغمي عليه بعد ذلك فحمله أصحابه وهو مغمى عليه فطافوا به فلما قضى الطواف أو بعضه أفاق وقد أغمي عليه ساعة من نهار ولم يتم يوما أجزأه عن طوافه (فتح القدير، ج۲، ص ۵۱۲، كتاب الحج)

[1] جبکہ صاحبین کے نزدیک بغیر امر کے نیابت صحیح نہیں ہوتی، اور مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بیہوش کے احرام کی بہر حال نیابت درست نہیں، خواہ امر بھی موجود ہو۔

ولو حدث ذلك قبل الإحرام فأهلّ عنه رفيقه جاز عند "ح "رحمه الله لا عندهما ولو أمره بذلك قبل نومه أو إغمائه جاز وفاقاً ولو أحرم بالحج ثم أغمي عليه فطافوا به حول البيت على بعير وأوقفوه بعرفة ومزدلفة ووضعوا الأحجار في يديه ورموا بها وسعوا به بين الصفا والمروة جاز (جامع الفصولين للشهير بابن قاضي، ج۲، ص ۱۲۶، كتاب الحج)

ومما يتصل بهذا الفصل ما ذكر في الجامع الصغير :رجل توجه يريد حجة الإسلام، فأغمي (عليه) فأهل عنه أصحابه أجزأه، ويصير المغمى عليه محرماً حتى لو وقفوا به وطافوا به جاز، وسقط عنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۰...... جن فقہائے کرام کے نزدیک کسی شخص کے بیہوش ہونے کی وجہ سے جس صورت میں اس کی طرف سے دوسرے کا احرام باندھنا درست ہے، اس صورت میں اگر اُس کو بعد میں ہوش آ جائے، تو اس کا احرام برقرار رہتا ہے، اس لئے اس کو دوبارہ احرام کی تجدید کی ضرورت نہیں ہوتی، لہٰذا وہ ہوش میں آنے کے بعد سابقہ احرام سے ہی اپنے حج کے افعال ومناسک ادا کرسکتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حجة الإسلام، وهذا قول أبي حنيفة، وقال أبو يوسف ومحمد :لا يجزئه، واختلفت عبارة المشايخ في تخريج المسألة، قال بعضهم :لا خلاف بين أصحابنا أن الإحرام يتأدى بالنائب، حتى أن من أمر أهل رفقته أن يحرموا عنه متى عجز عن الإحرام بنفسه، فأغمي عليه، وأحرم عنه واحد من أهل رفقته يجوز، ويصير المغمى عليه محرماً، وإنما وقع الخلاف في هذه المسألة لاختلافهم في أنه هل وجدت الإنابة من المغمى عليه في الإحرام عنه؟ فهما تمسكا بالحقيقة والصريح، وقالا :لم توجد الإنابة من حيث الحقيقة والصريح، وأبو حنيفة رحمه الله يتمسك بالدلالة، وقال الناس فيما بينهم :إنما يقصدون عقد الرفقة للإستعانة بعضهم ببعض فيما يحتاج إليه في سفره، هذا هو الكلام في الإحرام وأما سائر المناسك هل تتأدى بأهل رفقته، فمن المشايخ من قال :تتأدى، إلا أن الأولى أن يطوفوا به ويقفوا به ليكون أقرب إلى أدائه لو كان مفيقاً وإليه مال شمس الأئمة السرخسي، فعلى هذا القول لا يقع الفرق بين سائر المناسك وبين الإحرام.

ومنهم من فرق بين الإحرام وسائر المناسك، والفرق أن الاستعانة تتحقق عند العجز، وفي أصل الإحرام تحقق العجز، فأما في الأعمال لم يتحقق العجز، فإنهم إذا حضروه المواقف كان هو الواقف والطائف بمنزلة ما لو طاف راكباً بعذر، ومن المشايخ من قال :لا خلاف بين العلماء أن عقد الرفقة استعانة من كل واحد منهم بأصحابه فيما يعجز عن الفعل بنفسه.

والخلاف في هذه المسألة بناءً على اختلافهم في أن الإحرام هل يتأدى بالنائب؟ على قول أبي حنيفة يتأدى، وعلى قولهما :لا يتأدى وهذا القائل يقول :لا رواية عنهما فيما إذا أمر أصحابه بالإحرام عنهما صريحاً، وإنما الرواية في بدنة بين سبعة نفر قلّدها واحد منهم بأمر أصحابه محرمين، فالرواية عنهما في التقليد، والرواية في التقليد لا تكون رواية في التلبية فيما يقولان بأن الإحرام فعل من أفعال الحج، فلا تجري فيه النيابة قياساً على الطواف وسائر الأفاعيل، والمعنى في الكل أن أفعال الحج عبادة بدنية، وهذا بخلاف ما لو أغمي عليه بعد الشروع، وطافوا ووقفوا به؛ لأن ذلك إعانة وليس بنيابة؛ لأن المغمى عليه يصير طائفاً وواقفاً لكن بإعانتهم، والإعانة جائزة، وبخلاف النفل؛ لأنه فعل مأتيّ والنيابة تجري في نفله.

وأبو حنيفة يقول :الإحرام عنه ليس بمقصود تحريم المحظورات، وهذا المقصود يحصل بالنائب، فتصح النيابة كما في باب الزكاة بخلاف الوقوف والطواف؛ لأن المقصود من الطواف والوقوف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر وہ وقوفِ عرفہ کے وقت تک بھی بے ہوش رہا، تو جن صورتوں میں بے ہوش کا احرام درست تھا، اس کے ساتھیوں کا اسے بے ہوشی کی حالت میں عرفات میں وقوف کرانا اور اپنے ساتھ (اُٹھا کر یا سواری پر بٹھا کر) طواف وغیرہ کرانا بھی معتبر ہوجاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تعظيم البيت وحصوله فی ذلک المكان، هذا المقصود لا يحصل بفعل النائب وأما إذا أحرم عنه من ليس من رفقته، لا شک أن على قولهما لا يجوز، وأما على قول أبی حنيفة، اختلف المشايخ، بعضهم قالوا :يجوز لوجود الإذن دلالة؛ لأنه أنفق مالاً عظيماً حتى بلغ الميقات، فالظاهر أنه يكون مستعيناً بكل واحد من آحاد الناس بالإحرام عنه إذا لم يحرم عنه أهل رفقته (المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج۲ ص ۴۷۹، ۴۸۰، کتاب المناسک، الفصل الخامس عشر)

للمغمى عليه حالان :أن يغمى عليه قبل الإحرام، أو يغمى عليه بعد الإحرام.

أولا :من أغمى عليه قبل الإحرام:

فی المذاهب الثلاثة المالكي والشافعي والحنبلي :لا إحرام له، ولا يحرم عنه أحد من رفقته ولا غيرهم، سواء أمرهم بذلک قبل أن يغمى عليه أو لم يأمرهم، ولو خيف فوات الحج عليه؛ لأن الإغماء مظنة عدم الطول، ويرجى زواله عن قرب غالبا .

وذهب الحنفية إلى جواز الإحرام عن المغمى عليه، على تفصيل بين الإمام وصاحبيه:

أ -من توجه إلى البيت الحرام يريد الحج فأغمى عليه قبل الإحرام، أو نام وهو مريض فنوى عنه ولبى أحد رفقته، وكذا من غير رفقته وكان قد أمرهم بالإحرام عنه قبل الإغماء ، صح الإحرام عنه، ويصير المغمى عليه محرما بنية رفيقه وتلبيته عنه اتفاقا بين أئمة الحنفية .ويجزيه عن حجة الإسلام.

ب -إن أحرم عنه بعض رفقته أو غيرهم بلا أمر سابق على الإغماء صح كذلک عند الإمام أبی حنيفة، ولم يصح عند صاحبيه أبی يوسف ومحمد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۷۹، مادة إحرام، إحرام المغمى عليه)

[1] اور جن فقہائے کرام کے نزدیک بیہوش کی احرام میں نیابت صحیح نہیں، اُن کے نزدیک وقوفِ عرفہ سے پہلے ہوش میں آنے کے بعد احرام کی تجدید ضروری ہے، اور بے ہوشی کی حالت میں اس کے ساتھی کا احرام باندھنے سے وہ احرام میں داخل نہیں ہوتا۔ کما مر۔

أ -إن أفاق المغمى عليه بعدما أحرم عنه غيره، فهو عند الحنفية محرم يتابع النسک.

وعند غيرهم لا عبرة بإحرام غيره عنه، فإن كان بحيث يدرک الوقوف بعرفة أحرم بالحج، وأدى المناسک، وإلا فإنه يحرم بعمرة .ولا ينطبق عليه حكم الفوات عند الثلاثة؛ لأنه لم يكن محرما.

ب -لا يجب على من أحرم عن المغمى عليه تجريده من المخيط وإلباسه غير المخيط لصحة الإحرام؛ لأن ذلک ليس هو الإحرام، بل كف عن بعض محظورات الإحرام .حتى إذا أفاق وجب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۱...... اگر کسی شخص نے عاقل بالغ ہونے کی حالت میں اپنا فرض حج ادا کرلیا تھا، اور اس کے بعد پھر وہ مجنون وپاگل ہوگیا، تو اس کا حج باطل نہیں ہوگا، لہٰذا مذکورہ صورت میں اس پر عاقل ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا فرض نہیں ہوگا۔

(۴)...... آزاد ہونا (غلام اور باندی کے حج کا حکم)

حج فرض ہونے کے لئے آزاد ہونا بھی شرط ہے، شرعی غلام وباندی پر حج فرض نہیں۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَأَيُّمَا عَبْدٍ حَجَّ ثُمَّ عُتِقَ فَعَلَيْهِ أَنْ يَحُجَّ حَجَّةً أُخْرٰى (المعجم الأوسط للطبراني، رقم الحديث ۲۷۳۱، ج۳ص ۱۴۰، باب الالف) [۱]

ترجمہ: اور جو غلام حج کرلے، پھر وہ آزاد کردیا جائے، تو اُس پر (دیگر شرائط پائے جانے کی صورت میں) دوبارہ حج کرنا فرض ہے (طبرانی)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عليه أفعال النسک، والكف عن المحظورات.

ج -لو ارتكب المغمى عليه الذى أحرم عنه غيره محظورا من محرمات الإحرام لزمه موجبه، أى كفارته، وإن كان غير قاصد للمحظور .ولا يلزم الرفيق الذى أحرم عنه؛ لأن هذا الرفيق أحرم عن نفسه بطريق الأصالة، وعن المغمى عليه بطريق النيابة، كالولي يحرم عن الصغير .فينتقل إحرامه إليه، فيصير محرما كما لو نوى هو ولبى، ولذا لو ارتكب هو أيضا -أى الولي -محظورا لزمه جزاء واحد لإحرام نفسه، ولا شيء عليه من جهة إهلاله عن غيره عند الحنفية كما سبق.

د -إذا لم يفق المغمى عليه فهل يشهد به رفقته المشاهد، على أساس الإحرام عنه الذى قال به الحنفية؟ هناک قولان عند الحنفية :قيل :لا يجب على الرفقاء أن يشهدوا به المشاهد، كالطواف والوقوف والرمي والوقوف بمزدلفة، بل مباشرتهم عنه تجزيه، لكن إحضاره أولى، على ما صرح به بعض أصحاب هذا القول .وهذا الأصح على ما أفاد فى رد المحتار المعتمد فى الفتوى فى مذهب الحنفية، لكن لا بد للإجزاء عنه من نية الوقوف عنه، والطواف عنه بعد طواف النائب عن نفسه، وهكذا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲،ص ۱۸۰ ،مادة "إحرام" إحرام المغمى عليه)

[۱] قال الهيثمي:

رواه الطبراني فى الأوسط، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۲۵۴، باب حج الصبى قبل البلوغ والعبد قبل العتق)

اس سے معلوم ہوا کہ شرعی غلام وباندی حج کے مکلّف نہیں۔

مسئلہ نمبر ۱...... شرعی اعتبار سے آزاد کے مقابلے میں غلام اُس فرد کو کہا جاتا ہے، جو شرعی جہاد کے نتیجہ میں قتل کرنے سے محفوظ رکھا جائے، اور مسلمانوں کی قید میں آجائے، شریعت نے غلاموں کے مخصوص احکام رکھے ہیں، اور اُن کے لئے احکام میں بہت سی رُخصتیں اور رعایتیں دی ہیں۔

مسئلہ نمبر ۲...... غلام پر کیونکہ اُس کے آقا کی ملکیت قائم ہوتی ہے، اس لئے غلام ہونے کی حالت میں جس طرح حج فرض نہیں ہوتا، اسی طرح اگر کوئی غلام حج کرلے، تو اُس کا فرض حج ادا نہیں ہوتا، اور آزاد ہونے کے بعد اگر اُس میں حج فرض ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، تو اُس پر حج کرنا فرض ہوتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۳...... اگر کوئی غلام حج کا احرام باندھنے سے پہلے (خواہ حج کا سفر شروع کرنے کے بعد) آزاد ہوجائے، اور پھر وہ آزاد ہونے کے بعد احرام باندھ کر اپنا حج کرے، تو اس کا حج ادا ہوجاتا ہے۔

اور اگر احرام باندھنے کے بعد آزاد ہو تو حنفیہ کے نزدیک سابق احرام سے اس کا فرض حج ادا

---

[1] اور حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی غلام اپنے آقا کی اجازت سے حج کرے، تو وہ حج نفل واقع ہوتا ہے۔

(ومنها الحرية) فلا حج على عبد، ولو مدبرا أو أم ولد مكاتبا أو مبعضا أو مأذونا له فى الحج، ولو كان بمكة لعدم ملكه كذا فى البحر الرائق، ولو حج قبل العتق مع المولى لا يجزيه عن حجة الإسلام، وعليه حجة الإسلام إذا أعتق(الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۲۱۷، كتاب المناسک، الباب الاول)

الشرط الرابع :الحرية:العبد المملوک لا يجب عليه الحج، لأنه مستغرق فى خدمة سيده، ولأن الاستطاعة شرط ولا تتحقق إلا بملک الزاد والراحلة، والعبد لا يتملک شيئا، فلو حج المملوک ولو بإذن سيده صح حجه وكان تطوعا لا يسقط به الفرض، ويأثم إذا لم يأذن له سيده بذلک. ويجب عليه أن يؤدى حجة الإسلام عندما يعتق، للحديث السابق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۷ ، ص ۲۸، شروط فرضية الحج)

(وان حج الصبى ثم بلغ أو حج العبد ثم اعتق لم يجزئه ذلک عن حجة الاسلام لما روى ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ (قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلم أيما صبى حج ثم بلغ فعليه حجة اخرى وايما عبد حج ثم اعتق فعليه حجة اخرى) (المجموع شرح المهذب، ج ۷، ص ۵۶، كتاب الحج)

نہیں ہوتا، خواہ وہ وقوفِ عرفہ سے پہلے احرام کی تجدید بھی کیوں نہ کرلے۔ [1]

اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر غلام وباندی آزاد ہونے کے بعد احرام کی تجدید کرکے اپنے وقت میں وقوفِ عرفہ کرلے، تو اس کا حج ادا ہوجاتا ہے۔ [2]

---

[1] کیونکہ حنفیہ کے نزدیک غلام کا احرام اگرچہ نفلی واقع ہوتا ہے، لیکن وہ اس پر عاقل بالغ ہونے کی وجہ سے لازم ہوجاتا ہے، اس لئے اس کو فسخ وختم کرنا جائز نہیں ہوتا؛ برخلاف نابالغ کے، کہ اس کا احرام اس پر لازم نہیں ہوتا، اس لئے اس کو فسخ وختم کرنا اور بالغ ہونے پر تجدید کرنا جائز ہوتا ہے۔

ولو أعتق فی الطریق قبل الإحرام، وأحرم وحج أجزأه عن حجة الإسلام، ولو أحرم قبل العتق ثم جدد الإحرام بعد العتق لا یجزیه ذلک عن حجة الإسلام کذا فی فتاوی قاضی خان(الفتاوی الهندیة، ج ا ص ۲۱۷، کتاب المناسک، الباب الاول)

(فبلغ أو عبد فعتق) قبل الوقوف (فمضی) کل علی إحرامه (لم یسقط فرضهما) لانعقاده نفلا فلو جدد الصبی الإحرام قبل وقوفه بعرفة ونوی حجة الإسلام أجزأه (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۶۶، کتاب الحج)

ولو أحرم العبد ثم عتق فأحرم بحجة الإسلام بعد العتق لا یکون ذلک عن حجة الإسلام بخلاف الصبی، والمجنون، والکافر، والفرق أن إحرام الکافر، والمجنون لم ینعقد أصلا لعدم الأهلیة، وإحرام الصبی العاقل وقع صحیحا، لکنه غیر لازم لکونه غیر مخاطب فکان محتملا للانتقاض فإذا جدد الإحرام بحجة الإسلام انتقض فأما إحرام العبد، فإنه وقع لازما لکونه أهلا للخطاب فانعقد إحرامه تطوعا فلا یصح إحرامه الثانی إلا بفسخ الأول، وإنه لا یحتمل الانفساخ(بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۱۲۱، کتاب الحج، فصل شرائط فرضیة الحج)

[2] فصل :فإن بلغ الصبی، أو عتق العبد بعرفة، أو قبلها، غیر محرمین، فأحرما ووقفا بعرفة، وأتما المناسک، أجزأهما عن حجة الإسلام .لا نعلم فیه خلافا؛ لأنه لم یفتهما شیء من أرکان الحج، ولا فعلا شیئا منها قبل وجوبه.

وإن کان البلوغ والعتق وهما محرمان، أجزأهما أیضا عن حجة الإسلام .کذلک قال ابن عباس . وهو مذهب الشافعی، وإسحاق .وقاله الحسن فی العبد.

وقال مالک :لا یجزئهما .واختاره ابن المنذر .وقال أصحاب الرأی :لا یجزء العبد، فأما الصبی، فإن جدد إحراما بعد أن احتلم قبل الوقوف، أجزأه، وإلا فلا؛ لأن إحرامهما لم ینعقد واجبا، فلا یجزء عن الواجب، کما لو بقیا علی حالهما.

ولنا، أنه أدرک الوقوف حرا بالغا فأجزأه، کما لو أحرم تلک الساعة .قال أحمد :قال طاوس، عن ابن عباس :إذا أعتق العبد بعرفة، أجزأت عنه حجته؛ فإن أعتق بجمع، لم تجزء عنه .وهؤلاء یقولون :لا تجزء .ومالک یقوله أیضا، وکیف لا یجزئه، وهو لو أحرم تلک الساعة کان حجه تاما، وما أعلم أحدا قال لا یجزئه إلا هؤلاء .والحکم فیما إذا أعتق العبد وبلغ الصبی بعد خروجهما من عرفة، فعادا إلیها قبل طلوع الفجر لیلة النحر، کالحکم فیما إذا کان ذلک فیها؛ لأنهما قد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۵)......حج کا علم ہونا (حج کی فرضیت کے علم سے متعلق احکام)

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

فَاسْأَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ النحل آیت ۴۳، سورۃ الانبیاء، آیت ۷)

ترجمہ: تم کو اگر علم نہیں، تو اہلِ ذکر (واہلِ علم) سے سوال کرو (سورہ نحل، سورہ انبیاء)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أدركا من الوقت ما يجزء ولو كان لحظة.

وإن لم يعودا، أو كان ذلك قبل طلوع الفجر من يوم النحر، لم يجزئهما عن حجة الإسلام، ويتمان حجهما تطوعا؛ لفوات الوقوف المفروض، ولا دم عليهما؛ لأنهما حجا تطوعا بإحرام صحيح من الميقات، فأشبها البالغ الذى يحج تطوعا .فإن قيل :فلم لا قلتم إن الوقوف الذى فعلاه يصير فرضا، كما قلتم فى الإحرام الذى أحرم به قبل البلوغ يصير بعد بلوغه فرضا؟ قلنا :إنما اعتددنا له بإحرامه الموجود بعد بلوغه، وما قبل بلوغه تطوع لم ينقلب فرضا، ولا اعتد له به، فالوقوف مثله، فنظيره أن يبلغ وهو واقف بعرفة، فإنه يعتد له بما أدرك من الوقوف، ويصير فرضا دون ما مضى (المغنى لابن قدامة، ج۳، ص۲۳۸، فصل بلغ الصبى أو عتق العبد بعرفة أو قبلها غير محرمين فأحرما ووقفا بعرفة وأتما المناسك)

فان بلغ الصبى أو عتق العبد فى الاحرام نظرت فان كان قبل الوقوف بعرفة أو فى حال الوقوف بعرفة اجزأه عن حجة الاسلام لانه اتى بافعال النسك فى حال الكمال فاجزاه وان كان ذلك بعد فوات الوقوف لم يجزئه لانه لم يدرك وقت العبادة وان كان بعد الوقوف وقبل فوات وقته ولم يرجع إلى الموقف فقد قال أبو العباس يجزئه لان ادراك العبادة فى حال الكمال كفعلها فى حال الكمال والدليل عليه أنه لو أحرم ثم كمل جعل كانه بد أبالاحرام فى حال الكمال وإذا صلى فى أول الوقت ثم بلغ فى آخر الوقت جعل كانه صلى فى حال البلوغ (والمذهب) أنه لا يجزئه لانه لم يدرك الوقوف فى حال الكمال فاشبه إذا اكمل فى يوم النحر ويخالف الاحرام لان هناك ادرك الكمال والاحرام قائم فوزانه من مسألتنا أن يدرك الكمال وهو واقف بعرفة فيجزئه وههنا أدرك الكمال وقد انقضى الوقوف فلم يجزئه كما لو أدرك الكمال بعد التحلل عن الاحرام ويخالف الصلاة فان الصلاة تجزئه بادراك الكمال بعد الفرغ منها ولو فرغ من الحج ثم أدرك الكمال لم يجزئه (المجموع شرح المهذب، ج۷، ص۵۶، و۵۷، كتاب الحج)

فإن عتق العبد وكان بعرفة غير محرم، ثم أحرم وحج أجزأه عن حجة الإسلام .قال ابن قدامة :لا نعلم فى ذلك خلافا .وإن أحرم بالحج بإذن سيده ثم عتق بعرفة أو قبلها وأتم مناسكه أجزأه عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مطلب یہ ہے کہ دین کا علم نہ ہو تو اہلِ علم سے سوال کرنا ضروری ہے۔ [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ (سنن ابن ماجه) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے (ابنِ ماجہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علم کے طلب کرنے کا شریعت کی طرف سے حکم ہے، اور اس میں کوتاہی کرنا منع ہے۔

اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (سورة البقرة، آية ۲۸۶)

ترجمہ: اللہ کسی بھی جان کو اس کی وُسعت کے مطابق ہی مکلّف کرتا ہے (سورہ بقرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز انسان کی وُسعت میں نہ ہو، اس کا انسان مکلّف نہیں ہوتا۔

اس قسم کی آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیزیں انسان پر فرض ہیں، ان کا علم حاصل کرنا بھی انسان پر فرض ہے، بشرطیکہ علم حاصل کرنے کی وسعت ہو۔ [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ حجة الإسلام؛ لكونه أتى بأركان الحج كلها .وهذا عند الشافعي وأحمد، ويجب عليه إعادة السعي إن كان قد سعى بعد طواف القدوم .وقال أبو حنيفة ومالك :لا يجزئهما عن حجة الإسلام وحكمه في حال إتيانه شيئا من محظورات الإحرام كحكمه في الكفارات كما تقدم، فيفدي بالصوم لا غير، ويصوم عن الهدي الواجب، وفي دم الإحصار خلاف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۴۵، مادة "رق" حج الرقيق)

[1] وفى الاية دليل على وجوب المراجعة الى العلماء للجهال فيما لا يعلمون (التفسير المظهرى، سورة النحل، تحت رقم الآية ۴۳، الناشر: مكتبة الرشدية -الباكستان)

[2] رقم الحديث ۲۲۴، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم.

[3] وأما علم الفروع :فهو علم الفقه، ومعرفة أحكام الدين، فينقسم إلى فرض عين، وفرض كفاية، أما فرض العين، فمثل علم الطهارة والصلاة والصوم، فعلى كل مكلف معرفته، قال النبى صلى الله عليه وسلم :طلب العلم فريضة على كل مسلم. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لئے اگر کسی کو حج کی فرضیت کا علم نہ ہو، تو وہ معذور نہیں ہے، بلکہ اسے اس کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

البتہ اگر کوئی ایسی جگہ اسلام لایا، جہاں حج کی فرضیت کا سرے سے حکم پہنچا ہی نہیں، جس کی وجہ سے اسے حج کی فرضیت کا علم نہ ہوا، اور نہ ہی کوئی بتانے والا موجود ہے، مثلاً کوئی بیابان جنگل میں ہے، اور نہ وہاں کسی سے رابطہ کر کے علم حاصل کرنے کی کوئی صورت ہے، تو وہاں وہ علم حاصل ہونے تک معذور شمار ہوگا۔ [1]

اب اس سلسلہ میں چند مسائل ملاحظہ فرمائیں:

مسئلہ نمبر ۱..... جو شخص مسلمانوں کے ملک میں رہتا سہتا ہو، اُس پر حج کے فرض ہونے کی شرائط پائی جانے پر حج فرض ہو جاتا ہے، اور اس کا مسلمانوں کے ملک میں ہونا حج کے فریضہ کا علم ہونے کے لئے کافی ہے اور اس کے لئے مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہوئے حج کی فرضیت سے ناواقف ہونا عذر نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں کے ملک میں حج کی فرضیت کا حکم پہنچ چکا ہوتا ہے، اور جس کو علم نہ ہو، اس کے لئے معلوم کرنے کے ذرائع بھی موجود ہوتے ہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكذلك كل عبادة أوجبها الشرع على كل واحد، فعليه معرفة علمها، مثل علم الزكاة إن كان له مال، وعلم الحج إن وجب عليه.

وأما فرض الكفاية، فهو أن يتعلم ما يبلغ به رتبة الاجتهاد، ودرجة الفتيا، فإذا قعد أهل بلد عن تعلمه، عصوا جميعا، وإذا قام واحد منهم بتعلمه، فتعلمه، سقط الفرض عن الآخرين، وعليهم تقليده فيما يعن لهم من الحوادث، قال الله تعالى :(فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون)

قال سفيان الثورى :أما العلم عندنا الرخص عن الثقات، أما التشديد، فكل إنسان يحسنه(شرح السنة للبغوى، ج ۱ ص ۲۹۰، كتاب العلم، باب التفقيه فى الدين)

[1] (ومنها العلم بكون الحج فرضا) (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۲۱۸، كتاب المناسك، الباب الاول)

[2] والعلم المذكور يثبت لمن فى دار الإسلام بمجرد الوجود فيها سواء علم بالفرضية، أو لم يعلم ولا فرق فى ذلك بين أن يكون نشأ على الإسلام فيها، أو لا فيكون ذلك علما حكميا(البحرالرائق، ج ۲، ص ۳۳۱، كتاب الحج)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ جو شخص دارُالحرب میں مسلمان ہوا، اُس پر اُس وقت تک حج فرض نہیں ہوتا، جب تک اُسے حج کی فرضیت کا علم نہ ہو۔

اور دارُالحرب وہ ملک کہلاتا ہے، جو کافروں کے زیرِ تسلط ہو، اور وہاں کفر کا دور دورہ ہو۔ [1]

دارُالحرب میں چونکہ اسلامی ماحول نہیں ہوتا، اس لئے اگر کوئی دارُالحرب میں مسلمان ہوا، اس کو جب تک حج کے حکم کا علم نہ ہو، اس وقت تک اس پر حج فرض نہیں ہوتا۔

اس لئے ایسے شخص کو جب تک کسی ذریعہ سے حج کے حکم کا علم نہ ہو، اس وقت تک اس پر حج کرنا فرض نہ ہوگا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والعلم المذكور يثبت لمن فی دار الإسلام بمجرد الوجود فيها سواء علم بالفرضية أو لم يعلم، ولا فرق فی ذلک بين أن يكون نشأ على الإسلام أو لا فيكون علما حكميا(الفتاوى الهندية، ج ا ص ۲۱۸، كتاب المناسک، الباب الاول)

(قوله :أو عالم بالوجوب) أی أو كائن فی غير دارنا عالم بالوجوب فالكون بدار الإسلام موجب للصوم، وإن لم يعلم بوجوبه إذ لا يعذر بالجهل فی دار الإسلام(رد المحتار ج۲ ص ۳۷۱، كتاب الصوم)

(قوله أو دليله) أی دليل العلم وهو الكون فی دار الإسلام لاشتهار الفرائض فيها، فمن أسلم فيها لزمه قضاء ما ترک (رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۷۵، كتاب الصلاة)

[1] دار الحرب هی :كل بقعة تكون فيها أحكام الكفر ظاهرة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۰ ص ۲۰۱، مادة "دار")

[2] فالعلم بوجوبها حال الفوات شرط لوجوب قضائها، حتى أن الحربی إذا أسلم فی دار الحرب ومكث فيها سنة ولم يعلم أن عليه الصلاة فلم يصل ثم علم -لا يجب عليه قضاؤها فی قول أصحابنا الثلاثة وقال زفر :عليه قضاؤها.

ولو كان هذا ذميا أسلم فی دار الإسلام فعليه قضاؤها استحسانا، والقياس أن لا قضاء عليه، وهو قول الحسن

(وجه) قول زفر :أنه بالإسلام التزم أحكامه، ووجوب الصلاة من أحكام الإسلام فيلزمه، ولا يسقط بالجهل، كما لو كان هذا فی دار الإسلام.

(ولنا) أن الذی أسلم فی دار الحرب منع عنه العلم لانعدام سبب العلم فی حقه، ولا وجوب على من منع عنه العلم كما لا وجوب على من منع عنه القدرة بمنع سببها، بخلاف الذی أسلم فی دار الإسلام؛ لأنه ضيع العلم حيث لم يسأل المسلمين عن شرائع الدين مع تمكنه من السؤال،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... جو شخص دارُ الحرب میں اسلام لایا، اور اسے حج کی فرضیت کا علم نہیں تھا، پھر اس کو دو عام مَردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں نے حج کی فرضیت کی خبر دے دی، یا ایک عادل اور ثقہ آدمی نے خبر دے دی، تب بھی وہ حج کا مکلّف ہو جائے گا۔

جبکہ بعض حضرات کے نزدیک اگر ایک عام فرد بھی خبر دے دے، چاہے اس کا حال معلوم نہ ہو کہ وہ ثقہ اور عادل بھی ہے یا نہیں، اور خواہ وہ بالغ اور آزاد بھی نہ ہو، تب بھی وہ حج کا مکلّف ہو جاتا ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والوجوب متحقق فی حق من ضیع العلم کما یتحقق فی حق من ضیع القدرة، ولم یوجد التضییع ههنا إذ لا یوجد فی الحرب من یسأله عن شرائع الإسلام، حتی لو وجد ولم یسأله یجب علیه، ویؤاخذ بالقضاء إذا علم بعد ذلک؛ لأنه ضیع العلم وما منع منه کالذی أسلم فی دار الإسلام.

وقد خرج الجواب عما قاله زفر أنه التزم أحکام الإسلام؛ لأنا نقول :نعم لکن حکما له سبیل الوصول إلیه ولم یوجد(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع،ج ۱،ص ۱۳۵،کتاب الصلاة، فصل شرائط ارکان الصلاة)

الحربی إذا أسلم فی دار الحرب، ولم یعلم بفرضیة رمضان ثم علم لیس علیه قضاء ما مضی (البحرالرائق، ج۲، ص۲۷۷، کتاب الصوم)

(ویعذر بالجهل حربی أسلم ثمة ومکث مدة فلا قضاء علیه) لأن الخطاب إنما یلزم بالعلم أو دلیله ولم یوجدا (کما لا یقضی مرتد ما فاته زمنها) ولا ما قبلها إلا الحج، لأنه بالردة یصیر کالکافر الأصلی (الدر المختار مع رد المحتار، ج۲ص۷۵، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت)

بخلاف من أسلم فی دار الحرب ولم یعلم به فإنه لا یجب علیه ما لم یعلم فإذا علم لیس علیه قضاء ما مضی إذ لا تکلیف بدون العلم ثمة للعذر بالجهل(رد المحتار ج۲ص ۳۷۱،کتاب الصوم)

[۱] ولمن فی دار الحرب بإخبار رجلین أو رجل وامرأتین، ولو مستورین أو واحد عدل وعندهما لا تشترط العدالة والبلوغ والحریة فیه (البحرالرائق، ج۲، ص ۳۳۱، کتاب الحج)

ولمن فی دار الحرب بإخبار رجلین أو رجل وامرأتین، ولو مستورین أو واحد عدل وعندهما لا تشترط العدالة والبلوغ والحریة فیه کذا فی البحر الرائق(الفتاوی الهندیة، ج ۱ ص۲۱۸،کتاب المناسک، الباب الاول)

فإن بلغه فی دار الحرب رجل واحد فعلیه القضاء فیما یترک بعد ذلک فی قول أبی یوسف ومحمد، وهو إحدی الروایتین عن أبی حنیفة، وفی روایة الحسن عنه لا یلزمه ما لم یخبره رجلان أو رجل وامرأتان.

(وجه) هذه الروایة أن هذا خبر ملزم، ومن أصله اشتراط العدد فی الخبر الملزم، کما فی الحجر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ آج کل دنیا کے مختلف اطراف سے فاصلے سمٹ جانے اور گلوبلائزیشن (GLOBALIZATION) ہوجانے کی وجہ سے اکثر دارُالحربوں اور غیراسلامی ملکوں میں سفرواسفاراور ذرائع ابلاغ کے واسطے سے حج کا حکم پہنچ چکا ہے، بلکہ وہاں مختلف شکلوں میں تبلیغ وتدریس کے سلسلے وحلقے بھی قائم ہیں، نیز ذرائع ابلاغ کے واسطے سے دیگر علاقے کے اہلِ علم سے شریعت کے حکم کا علم حاصل کرنا بھی اس دور میں ممکن اور سہل ہوگیا ہے۔

جبکہ فقہائے کرام کے نزدیک ایک دوثقہ وعادل اور بعض حضرات کے نزدیک عام افراد کی طرف سے بھی حج کی فرضیت کی خبر پہنچنا مکلّف ہونے کے لئے کافی ہے۔

اس لئے اس طرح کے ممالک میں کوئی شخص اسلام لے آئے، تو وہ حج کا مکلّف ہوجائے گا۔

مسئلہ نمبر۳...... جو شخص مسلمانوں کے ملک میں اسلام لایا، تو وہ اسلام لاتے ہی حج فرض ہونے کی شرائط پائے جانے کے بعد حج کا مکلّف ہوجائے گا، اور اس کا حج کی فرضیت سے ناواقف ہونا عذر شمار نہیں کیا جائے گا۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

على المأذون، وعزل الوكيل، والإخبار بجناية العبد.

(وجه) الرواية الأخرى وهى الأصح أن كل واحد مأمور من صاحب الشرع بالتبليغ، قال النبى -صلى الله عليه وسلم :-ألا فليبلغ الشاهد الغائب وقال -صلى الله عليه وسلم :-نضر الله امرءا سمع منا مقالة فوعاها كما سمعها ثم أداها إلى من لم يسمعها ، فهذا المبلغ نظير الرسول من المولى والموكل، وخبر الرسول هناك ملزم فههنا كذلك والله أعلم(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ۱ ،ص ۱۳۵ ،كتاب الصلاة، فصل شرائط اركان الصلاة)

(قوله بالعلم) فإذا بلغه فى دار الحرب رجل واحد فعليه قضاء ما تركه بعده عندهما، وهو إحدى الروايتين عن الإمام وفى رواية الحسن عنه لا يلزمه حتى يخبره رجلان عدلان مسلمان أو رجل وامرأتان؛ وأما العدالة ففى المبسوط أنها شرط عندهما .وروى أبو جعفر فى غريب الرواية أنها غير شرط عندهما، حتى إذا أخبره رجل فاسق أو صبى أو امرأة أو عبد فإن الصلاة تلزمه تتارخانية(رد المحتار على الدر المختار، ج ۲،ص ۷۵، كتاب الصلاة)

[۱] وزاد فى فتح القدير العلم بالوجوب أو الكون فى دار الإسلام(البحرالرائق، ج ۲، ص ۲۷۷، كتاب الصوم)

(۶)......اپاہج اور محتاج نہ ہونا (معذور، مفلوج، نابینا وغیرہ کے حج کے احکام)

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حج فرض ہونے کے لئے بدنی استطاعت وقدرت بھی ضروری ہے، اسی وجہ سے حج فرض ہونے کی ایک شرط بدن کا ایسی بیماری یا معذوری سے صحیح وسلامت ہونا بھی ہے کہ جو حج کے سفر یا حج کے اعمال کی ادائیگی میں مُخل ہو، جیسے اپاہج، کوڑھی ہونا یا ہاتھ پیر کا شَل ہونا، یا اسی طرح کی کسی بیماری یا معذوری کا لاحق ہونا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حج فرض ہونے کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (سورة آل عمران رقم الآية ۹۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی (رضا) کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے ان لوگوں پر جو اس تک سبیل (راستے) کی استطاعت رکھتے ہوں (سورہ آلِ عمران)

اس آیت میں جس استطاعت کا ذکر ہے، اس میں بدنی استطاعت بھی داخل ہے، جیسا کہ تفصیلاً پہلے گزرا۔

اور یہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ:

مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ عَنِ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ، أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ، أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ، فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا، وَإِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا (سنن الدارمی)[1]

ترجمہ: جس شخص کے لئے کوئی ظاہری ضرورت حج سے مانع ورکاوٹ نہ ہو، یا ظالم بادشاہ کی طرف سے روک نہ ہو، یا ایسا مرض نہ ہو جو حج سے روک دے پھر وہ بغیر حج کئے مرجائے تو چاہے یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر مرے (دارمی، بیہقی)

---

[1] رقم الحدیث ۱۸۲۶، کتاب المناسک، باب من مات ولم یحج.

اور اسی طرح حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی پہلے گزر چکا ہے کہ:

(وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا) قَالَ : السَّبِيلُ أَنْ يَصِحَّ بَدَنُ الْعَبْدِ وَيَكُونَ لَهُ ثَمَنُ زَادٍ وَرَاحِلَةٍ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُجْحَفَ بِهِ (السنن الكبرى للبيهقى) [1]

ترجمہ: اور اللہ کے لئے لوگوں پر بیتُ اللہ کا حج کرنا (فرض) ہے، جو اس کی طرف سبیل (یعنی راستے) کی استطاعت رکھتا ہو، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سبیل یہ ہے کہ بندہ کا بدن صحیح ہو، اور اُس کے پاس سواری اور سفر کے سامان کی قیمت ہو، اور اُس کے لئے کوئی روک بھی نہ ہو (بیہقی، طبری)

اس قسم کی احادیث وآثار میں حج نہ کرنے کی وعید میں بدن کے صحیح اور بیماری سے سلامت ہونے کا ذکر ہے۔

اب اس سلسلہ میں چند مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر ۱...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہرُ الروایت کے مطابق اگر کوئی شخص اپاہج اور چلنے پھرنے سے معذور ہو، اگرچہ کتنا ہی مال دار کیوں نہ ہو، اس پر سرے سے حج فرض ہی نہیں ہوتا؛ نہ تو اُس پر خود حج کرنا فرض ہوتا ہے، اور نہ ہی دوسرے کے ذریعہ سے حجِ بدل کرانا یا فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الرواية ۸۶۴۱، كتاب الحج، باب الرجل يطيق المشى ولا يجد زادا ولا راحلة فلا يبين أن يوجب عليه الحج، واللفظ له، جامع البيان للطبرى، رقم الحديث ۷۴۷۷.

[2] جہاں تک حدیثِ خثعم کا تعلق ہے، تو اس کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے اہلِ علم حضرات نے مختلف جوابات دیے ہیں، جن میں سے ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اُس پر محمول ہے کہ بحالتِ صحت حج فرض ہوگیا، اور بعد میں عذر لاحق ہوا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک دلیل یہ ہے کہ حج بنیادی طور پر بدنی عبادت ہے، اور مال صرف اس عبادت کی ادائیگی کے مقام تک وصول کے لئے شرط ہے، تاکہ اس بدنی عبادت کو ادا کرنا ممکن وسہل ہو، اور جب کوئی خود وہاں پہنچ کر حج ادا کرنے پر قادر نہ ہو، تو اس پر حج ادا کرنا فرض نہیں، لہٰذا دوسرے کی طرف اس کی نیابت منتقل کرنے کا بھی حکم نہ ہونا چاہئے۔

شرائط وجوب الحج :العقل، والبلوغ، والحرية، والاستطاعة، وتكلموا فى تفسير الاستطاعة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ہمارے نزدیک دلائل کے لحاظ سے یہی راجح ہے، جیسا کہ نماز اور روزہ وغیرہ کا معاملہ ہے کہ جب تک ان کے ادا کرنے کی قدرت نہ ہو، تو سرے سے ان کا ادا کرنا فرض ہی نہیں ہوتا، اور حج فرض ہونے کے لئے قرآن مجید سے استطاعت کا ہونا شرط ہے، اور جب تک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال أبو حنيفة رحمه الله فى ظاهر الرواية :تفسيرها ملائمة البدن وملك الزاد والراحلة، وهو رواية عن أبى يوسف ومحمد رحمهما الله.

وقال أبو يوسف ومحمد فى ظاهر الرواية :تفسيرها ملك الزاد والراحلة لا غير، وهو رواية الحسن عن أبى حنيفة رحمه الله، حتى إن فى ظاهر الرواية عن أبى حنيفة رحمه الله :لا يجب الحج على الزّمِن، والمفلوج، والمقطوع الرجلين، وإن ملكوا الزاد والراحلة وهو رواية عنهما، وفى ظاهر روايتهما يجب الحج على هؤلاء ، وهو رواية الحسن عن أبى حنيفة إذا كان ملكه من الزاد والراحلة قدر ما يحج به، ويحج معه من يرفعه ويقوده إلى المناسك وإلى حاجته، وفائدة هذا الخلاف إنما تظهر فيما إذا ملك هؤلاء الزاد والراحلة، ففى ظاهر رواية أبى حنيفة رحمه الله :أنه لا يجب عليهم الإحجاج بمالهم؛ لأن الإحجاج بالمال بدل عن الحج بالبدن ولم يجب عليهم الحج بالبدن لمكان العجز فكيف يجب عليهم البدل؟ وفى ظاهر روايتهما يجب؛ لأنه لزمهم الأصل وهو الحج بالبدن فى الذمة، وقد عجزوا عنه فيلزمهم البدل (المحيط البرهانى، ج۲، ص۴۱۷، كتاب المناسك، الفصل الأول :فى بيان شرائط الوجوب)

وكذلك يشترط عند ابى حنيفة ومالك الصحة فلا يجب عندهما على الضعيف والزمن وان كان له مال يمكن ان يستنيب من يحج عنه لانه غير مستطيع بنفسه والحج عبادة بدنية والمقصود من العبادات البدنية اتعاب النفس فلا يحصل مقصوده بالاستنابة وقال الشافعى واحمد هو مستطيع بماله قال البغوى يقال فى العرف فلان مستطيع لبناء داروان كان لا يفعله بنفسه وانما يفعله بماله وباعوانه -قلنا هو غير مستطيع على الحج الذى هو عبارة عن اركان مخصوصة وانما هو مستطيع على الانفاق والمقصود فى البناء ليس إتيانه بنفسه بخلاف العبادات البدنية فلا يجرى فيه ذلك العرف ....وأجيب بانه انما أجابها عن سوالها افاحج عنه فقال حجى عنه لما راى من حرصها على إيصال الخير والثواب لابيها ويؤيده ما رواه عبد الرزاق من حديث ابن عباس فزاد فى الحديث حجى عن أبيك فان لم تزده خيرا لم تزده شرا -لكن جزم الحفاظ بانها رواية شاذة والاولى ان يحمل الحديث على من استقر فى ذمته صحيحا ثم طرا عليه ضعف وزمانة فانه لا يسقط عنه الحج بل يجب عليه ان يحج عنه غيره من ماله ما دام حيّا او يوصى به عند موته وإذا مات ولم يحج يحج عنه وارثه او يحج عنه أجنبيا من ماله ان شاء(التفسير المظهرى، ج۲،۹۸، ۹۹، سورة آل عمران)

قال فى الروضة ذكره فى مناسك ابن شجاع وفى المحيط عند فقد سلامة البدن لا يلزمه الإحجاج عنه بالمال عند أبى حنيفة بخلاف الفدية فى الصوم ؛ لأنها وجبت حالة اليأس بالنص انتهى غاية(حاشية الشلبى على تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج۲،ص۴،كتاب الحج)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مال کے ساتھ بدنی قدرت نہ ہو، اس وقت تک حج کی استطاعت کو وجود نہیں ملتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وظاهر كلامه أن الصحة شرط الوجوب وهو الأصح لكن الصحيح أنه شرط الأداء فعلى هذا يلزم على المريض الإيصاء لا على الأول كما في النهاية(مجمع الانهر، ج ا، ص ۲۶۱، كتاب الحج، شروط الحج)

(قوله :فلا يجب أداء الحج على مقعد إلخ) الأصوب أن يقول فلا يجب الحج إلخ ويسقط لفظة أداء ليوافق قوله بعده لا يجب عليهم الحج بأنفسهم ولا الإحجاج عنهم؛ لأن هذا بناء على أن الصحة من شرائط الوجوب فينافيه التعبير بالأداء ، تأمل(منحة الخالق على هامش البحر الرائق، ج ۲، ص ۳۳۵، كتاب الحج)

[1] اتفق الفقهاء على أن سلامة البدن من الأمراض والعاهات التي تعوق عن الحج شرط لوجوب الحج. واختلفوا هل هي شرط لأصل الوجوب كما قال به أبو حنيفة ومالك وهو رواية عن محمد وأبي يوسف أو شرط للأداء بالنفس كما قال به الشافعية والحنابلة وهو ظاهر الرواية عن الصاحبين. وعلى هذا فمن وجدت فيه شروط وجوب الحج، ولكن كان عاجزا عنه لمانع لا يرجى زواله، كزمانة أو مرض لا يرجى برؤه، أو كان مهزول الجسم لا يقدر على الثبوت على الراحلة إلا بمشقة غير محتملة . فذهب جمهور الفقهاء إلى أنه يلزمه أن يقيم من يحج عنه ويعتمر إذا وجد من ينوب عنه، ومالا يستنيبه به. واستدلوا بما روى عن ابن عباس :رضي الله عنهما أن امرأة من خثعم قالت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن فريضة الله على عباده في الحج أدركت أبي شيخا كبيرا لا يثبت على الراحلة أفأحج عنه؟ قال :نعم وذلك في حجة الوداع. وقال مالك وأبو حنيفة في رواية :لا حج عليه إلا أن يستطيع بنفسه، واستدلوا بقوله تعالى: (من استطاع إليه سبيلا، وهذا غير مستطيع، ولأن هذه عبادة لا تدخلها النيابة مع القدرة، فلا تدخلها مع العجز كالصوم والصلاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۶، ص۳۶۳، وص ۳۶۴مادة، مرض، الاستنابة في الحج والعمرة للمرض)

وحجتنا في ذلك قوله تعالى (من استطاع إليه سبيلا)فإنما أوجب الله تعالى الحج على من يستطيع الوصول إلى بيت الله تعالى والزمن لا يستطيع الوصول إلى بيت الله تعالى فلا يتناوله هذا الخطاب، ثم رسول الله -صلى الله عليه وسلم -جعل الشرط ما لا يوصله إلى البيت بقوله من وجد زادا وراحلة يبلغانه بيت الله تعالى وزاد المعضوب وراحلته لا يبلغانه بيت الله تعالى(المبسوط للسرخسي، ج۴ص۱۵۳، كتاب الحج، باب الحج عن الميت وغيره)

ومنها صحة البدن فلا حج على المريض والزمن، والمقعد، والمفلوج، والشيخ الكبير الذي لا يثبت على الراحلة بنفسه، والمحبوس، والممنوع من قبل السلطان الجائر عن الخروج إلى الحج؛ لأن الله تعالى شرط الاستطاعة لوجوب الحج، والمراد منها استطاعة التكليف، وهي سلامة الأسباب، والآلات، ومن جملة الأسباب سلامة البدن عن الآفات المانعة عن القيام بما لا بد منه في سفر الحج؛ لأن الحج عبادة بدنية، فلا بد من سلامة البدن، ولا سلامة مع المانع، وعن ابن عباس - رضي الله عنه -في قوله عز وجل :(من استطاع إليه سبيلا)أن السبيل أن يصح بدن العبد، ويكون له

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اگر دوسری شرائط پائی جائیں، مثلاً کوئی شخص مال دار ہو، اور حج کی مالی استطاعت رکھتا ہو، مگر اپاہج ہو، اور حج کا سفر کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، تو ایسے شخص پر نفسِ حج تو فرض ہوجاتا ہے، لیکن خود حج کا ادا کرنا فرض نہیں ہوتا؛ بلکہ دوسرے کے ذریعہ سے حج بدل کرانا یا فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا ضروری ہوتا ہے، اور حجِ بدل کا ذکر آگے آتا ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثمن زاد، وراحلة من غير أن يحجب، ولأن القرب، والعبادات، وجبت بحق الشكر لما أنعم الله على المكلف فإذا منع السبب الذى هو النعمة، وهو سلامة البدن أو المال كيف يكلف بالشكر، ولا نعمة .وأما الأعمى فقد ذكر في الأصل عن أبي حنيفة :أنه لا حج عليه بنفسه، وإن وجد زادا، وراحلة، وقائدا، وإنما يجب في ماله إذا كان له مال، وروى الحسن عن أبي حنيفة في الأعمى، والمقعد والزمن أن عليهم الحج بأنفسهم، وقال أبو يوسف، ومحمد :يجب على الأعمى الحج بنفسه إذا وجد زادا، وراحلة، ومن يكفيه مؤنة سفره في خدمته، ولا يجب على الزمن، والمقعد، والمقطوع ....وجه رواية الأصل لأبي حنيفة أن الأعمى لا يقدر على أداء الحج بنفسه؛ لأنه لا يهتدى إلى الطريق بنفسه، ولا يقدر على ما لا بد منه في الطريق بنفسه من الركوب، والنزول، وغير ذلك.وكذا الزمن، والمقعد فلم يكونا قادرين على الأداء بأنفسهم بل بقدرة غير مختار، والقادر بقدرة غير مختار لا يكون قادرا على الإطلاق؛ لأن فعل المختار يتعلق باختياره، فلم تثبت الاستطاعة على الإطلاق، ولهذا لم يجب الحج على الشيخ الكبير الذى لا يستمسك على الراحلة، وإن كان ثمة غيره يمسكه لما قلنا كذا هذا، وإنما فسر النبى -صلى الله عليه وسلم - الاستطاعة بالزاد، والراحلة لكونهما من الأسباب الموصلة إلى الحج لا لاقتصار الاستطاعة عليهما .(ألا ترى) : أنه إذا كان بينه، وبين مكة بحر زاخر لا سفينة ثمة، أو عدو حائل يحول بينه، وبين الوصول إلى البيت لا يجب عليه الحج مع وجود الزاد، والراحلة فثبت أن تخصيص الزاد، والراحلة ليس لاقتصار الشرط عليهما بل للتنبيه على أسباب الإمكان، فكل ما كان من أسباب الإمكان يدخل تحت تفسير الاستطاعة معنى، ولأن في إيجاب الحج على الأعمى والزمن، والمقعد، والمفلوج، والمريض، والشيخ الكبير الذى لا يثبت على الراحلة بأنفسهم حرجا بينا، ومشقة شديدة .وقد قال الله (عز وجل) : (وما جعل عليكم في الدين من حرج)(بدائع الصنائع، ج۲ص ۱۲۱، ۱۲۲، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج)

[۱] صاحبین کی ظاہرُ الراویۃ یہی ہے، اور صاحبین کی ایک روایت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہرُ الراویت کے مطابق ہے، علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ نے صاحبین کی ظاہرُ الروایۃ کو قوی قرار دیا ہے، اور بعد کے بیشتر حنفیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔
مگر ہمارے نزدیک امام صاحب کی ظاہرُ الروایت والا قول ہی دلائل کے لحاظ سے راجح ہے، اگرچہ متأخرین کی کئی کتب اور

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... جس شخص کا ایک یا دونوں پاؤں یا ہاتھ کٹے ہوئے یا شَل ومفلوج ہوں، اور ایسا بوڑھا ضعیف جو خود سے سواری پر سوار نہ ہوسکتا ہو، اس قسم کے افراد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہرِ روایت کے مطابق حج کے اعتبار سے معذور ہیں، اور اگر کسی کو ان اعذار و بیماریوں کے علاوہ کوئی اور ایسی بیماری یا معذوری لاحق ہو، جس کی وجہ سے وہ سفر کی استطاعت نہ رکھتا ہو،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

خاص کر موجودہ اکثر اردو کتابوں میں صاحبین کے قول کو اختیار کیا گیا ہے۔

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ بدنی استطاعت کے بغیر ''مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا'' کا تحقق نہیں ہوتا، جس طرح سے کہ مالی استطاعت یعنی زادوراحلہ کے بغیر اس کا تحقق نہیں ہوتا، بالخصوص جبکہ بنیادی طور پر حج بدنی عبادت ہے، اور مال اس عبادت کی تیسیر کے لئے شرط ہے۔

لہٰذا ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہرِ روایت کی دلیل کے انتہائی مستحکم ومضبوط ہونے کی وجہ سے اس سے عدول کرکے صاحبین کی ظاہرُ الروایت کو راجح قرار دینے کے کوئی معنیٰ نہیں۔

لأن الله تعالى شرط الاستطاعة لوجوب الحج، والمراد منها استطاعة التكليف، وهى سلامة الأسباب، والآلات، ومن جملة الأسباب سلامة البدن عن الآفات المانعة عن القيام بما لا بد منه فى سفر الحج؛ لأن الحج عبادة بدنية، فلا بد من سلامة البدن، ولا سلامة مع المانع(بدائع الصنائع، ج۲ص ۱۲۱، و ۱۲۲، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج)

(ومنها سلامة البدن) حتى إن المقعد والزمن والمفلوج، ومقطوع الرجلين لا يجب عليهم حتى لا يجب عليهم الإحجاج إن ملكوا الزاد والراحلة، ولا الإيصاء فى المرض، وكذلك الشيخ الذى لا يثبت على الراحلة، وكذلك المريض كذا فى فتح القدير، وهذا ظاهر المذهب عن أبى حنيفة - رحمه الله تعالى -، وهو رواية عنهما وظاهر الرواية عنهما أنه يجب عليهم فإن أحجوا أجزأهم ما دام العجز مستمرا بهم فإن زال فعليهم الإعادة بأنفسهم وظاهر ما فى التحفة اختياره فإنه اقتصر عليه، وكذا الإسبيجابى وقواه المحقق فى فتح القدير كذا فى البحر الرائق وألحق بهم المحبوس والخائف من السلطان الذى يمنع الناس من الخروج إلى الحج، وكذا لا يجب الإحجاج عنهم كذا فى النهر الفائق(الفتاوى الهندية، ج۱ ص۲۱۸، كتاب المناسك، الباب الاول)

(قوله صحيح البدن) أى سالم عن الآفات المانعة عن القيام بما لا بد منه فى السفر، فلا يجب على مقعد ومفلوج وشيخ كبير لا يثبت على الراحلة بنفسه وأعمى، وإن وجد قائدا، ومحبوس، وخائف من سلطان لا بأنفسهم، ولا بالنيابة فى ظاهر المذهب عن الإمام وهو رواية عنهما وظاهر الرواية عنهما وجوب الإحجاج عليهم، ويجزيهم إن دام العجز وإن زال أعادوا بأنفسهم.

والحاصل :أنه من شرائط الوجوب عنده ومن شرائط وجوب الأداء عند هما وثمرة الخلاف تظهر فى وجوب الإحجاج والإيصاء كما ذكرنا وهو مقيد بما إذا لم يقدر على الحج وهو صحيح فإن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کا بھی یہی حکم ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہرُ الروایت کے مطابق اس پر نہ تو خود حج کرنا فرض ہے، اور نہ اپنی طرف سے کسی کو حجِ بدل کرانا یا فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا ضروری ہے، بشرطیکہ حج فرض ہونے کی دیگر شرائط مثلاً مالدار ہونا، اس طرح کا مرض وعذر لاحق ہونے سے پہلے نہ پائی گئی ہوں، اور نہ ہی اس مرض وعذر کے زائل ہونے کے بعد پائی جائیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قدر ثم عجز قبل الخروج إلى الحج تقرر دينا فى ذمته، فيلزمه الإحجاج، فلو خرج ومات فى الطريق لم يجب الإيصاء لأنه لم يؤخر بعد الإيجاب ولو تكلفوا الحج بأنفسهم سقط عنهم وظاهر التحفة اختيار قولهما وكذا الإسبيجابى وقواه فى الفتح ومشى على أن الصحة من شرائط وجوب الأداء اهـ من البحر والنهر، وحكى فى اللباب اختلاف التصحيح وفى شرحه أنه مشى على الأول فى النهاية وقال فى البحر العميق إنه المذهب الصحيح وأن الثانى صححه قاضى خان فى شرح الجامع واختاره كثير من المشايخ ومنهم ابن الهمام(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص ۴۵۹، كتاب الحج)

والمراد بالصحة صحة الجوارح فلا يجب أداء الحج على مقعد ولا على زمن ولا مفلوج ولا مقطوع الرجلين ولا على المريض والشيخ الذى لا يثبت بنفسه على الراحلة والأعمى والمجبوس والخائف من السلطان الذى يمنع الناس من الخروج إلى الحج لا يجب عليهم الحج بأنفسهم ولا الإحجاج عنهم إن قدروا على ذلك هذا ظاهر المذهب عن أبى حنيفة وهو رواية عنهما

وظاهر الرواية عنهما أنه يجب عليهم الإحجاج فإن أحجوا أجزأهم ما دام العجز مستمرا بهم فإن زال فعليهم الإعادة بأنفسهم وظاهر ما فى التحفة اختياره فإنه اقتصر عليه وكذا الإسبيجابى وقواه المحقق فى فتح القدير ومشى على أن الصحة من شرائط وجوب الأداء فالحاصل أنها من شرائط الوجوب عنده ومن شرائط وجوب الأداء عندهما وفائدة الخلاف تظهر فى وجوب الإحجاج كما ذكرنا فى وجوب الإيصاء (البحرالرائق، ج۲، ص۳۳۵، كتاب الحج، باب واجبات الحج)

[1] (قوله وكذا صحة الجوارح) حتى إن المقعد والزمن والمفلوج ومقطوع الرجلين لا يجب عليهم الإحجاج إذا ملكوا الزاد والراحلة، ولا الإيصاء به فى المرض، وكذا الشيخ الذى لا يثبت على الراحلة :يعنى إذا لم يسبق الوجوب حالة الشيخوخة بأن لم يملك ما يوصله إلا بعدها، وكذا المريض لأنه بدل الحج بالبدن، وإذا لم يجب المبدل لا يجب البدل.

وظاهر الرواية عنهما يجب الحج على هؤلاء إذا ملكوا الزاد والراحلة ومؤنة من يرفعهم ويضعهم ويقودهم إلى المناسك، وهو رواية الحسن عن أبى حنيفة -رضى الله عنه -، وهى الرواية التى أشار إليها المصنف بقوله :وأما المقعد إلا أنه خص المقعد، ويقابل ظاهر الرواية عنهما ما نسبه المصنف إلى محمد بقوله :فرق محمد فى هذه الرواية بين المقعد والأعمى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳۳...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ظاہرِ روایت کے مطابق نابینا شخص بھی معذور کی فہرست میں داخل ہے، اوراس پر نہ تو خود حج کرنا فرض ہے، اور نہ کسی دوسرے سے حجِ بدل کرانا یا فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا ضروری ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإذا وجب على هؤلاء الإحجاج للزومهم الأصل وهو الحج بالبدن فيجب عليهم البدل، فلو أحجوا عنهم وهم آيسون من الأداء بالبدن ثم صحوا وجب عليهم الأداء بأنفسهم، وظهرت نفلية الأول لأنه خلف ضروری فيسقط اعتباره بالقدرة على الأصل، كالشيخ الفانی إذا فدى ثم قدر، وكذا من كان بينه وبين مكة عدو فأحج عنه، فإن أقام العدو على الطريق إلى موت المحجوج عنه جاز الحج عنه، وإن لم يقم حتى مات لا يجوز لزوال العذر قبل الموت، فيجب الأصل وهو الحج بنفسه(فتح القدير، ج۲ص۴۱۵، كتاب الحج)

ل والأعمى إذا وجد من يكفيه مؤنة سفره ووجد زادا وراحلة لا يجب عليه الحج عند أبى حنيفة رحمه الله خلافا لهما (الهداية، ج۱، ص۱۳۲، كتاب الحج، وجوب الحج)

وكذلك الأعمى إذا وجد قائداً يقوده إلى الحج لا يفترض عليه الحج عنده، وعندهما يفترض (المحيط البرهانی، ج۱، ص۱۴۷، كتاب الطهارات، الفصل الخامس)

القادر بقدرة الغير هل يصير قادراً؟ قال أبو حنيفة رحمه الله :لا يصير قادراً، وقالا :يصير قادراً حتى أن الأعمى لا يجب (عليه الحج والجمعة، وإن كان له ألف قائد عند أبى حنيفة رحمه الله، وعندهما :يجب الحج والجمعة (المحيط البرهانی، ج۲، ص۱۴۸، كتاب الصلاة، الفصل الحادى والثلاثون فى صلاة المريض)

وعلى الأصل الذى قلنا أن المعتبر استطاعة توصله إلى البيت يتضح الكلام فی هذه المسألة، وعلى هذا الأصل قال أبو حنيفة -رحمه الله تعالى :-الأعمى لا يلزمه الحج، وإن وجد مالا وقائدا، وعلى قول أبى يوسف ومحمد -رحمهما الله تعالى -يلزمه ذلك وهو رواية الحسن عن أبى حنيفة -رحمهما الله تعالى -وجه قولهما أن الأعمى متمكن من الأداء ببدنه، ولكنه محتاج إلى قائد يهديه إلى ذلك فيكون بمنزلة الضال والذى ضل الطريق إذا وجد من يهديه إلى الطريق يلزمه الحج وأبو حنيفة -رحمه الله تعالى -يقول :هو عاجز عن الوصول إلى البيت بنفسه فكان بمنزلة المعضوب، وهذا لأن ملك المال إنما يعتبر إذا كان يوصله إلى البيت، والمال هنا لا يوصله إليه وبذل القائد الطاعة غير معتبر فكان وجود ذلك كعدمه فلهذا لا يلزمه الحج(المبسوط للسرخسی، ج۴، ۱۵۴، كتاب المناسک)

ولا فرق فی الأعمى بين أن يجد قائدا، أو لا وهو المشهور عن أبی حنيفة؛ لأن القادر بقدرة غيره ليس بقادر(البحرالرائق، ج۲ص۳۳۵، كتاب الحج، واجبات الحج)

والأعمى إذا ملک الزاد والراحلة إن لم يجد قائدا لا يلزمه الحج بنفسه فی قولهم، وهل يجب الإحجاج بالمال فعند أبی حنيفة -رحمه الله تعالى -لا يجب وعندهما يجب، وإن وجد قائدا عند أبی حنيفة -رحمه الله تعالى -لا يجب الحج بنفسه وعن صاحبيه فيه روايتان كذا فی فتاوى قاضی خان (الفتاوى الهندية، ج۱ ص۲۱۸، كتاب المناسک، الباب الاول)

مسئلہ نمبر۴...... اگر کسی شخص میں حج واجب ہونے کی شرائط صحت وتندرستی اور بدن کی سلامتی کی حالت میں پائی گئی تھیں، اور پھر بعد میں وہ اپاہج ومعذور ہوا، تو اُس پر بالاتفاق حج واجب ہوجائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر۵...... اگر کوئی معذور واپاہج شخص جدوجہد کر کے حج کرلے، اور وہ حج کے مناسک ادا کرلے، تو سب کے نزدیک اُس کا حج ادا ہوجاتا ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۶ ...... اگر کوئی عاقل بالغ مسلمان شخص ایسی سخت بیماری میں مبتلا ہوگیا کہ چلنے پھرنے اور سفر کرنے کے قابل نہ رہا، مثلاً اسے فالج ہوگیا، یا ہاتھ پاؤں شَل ہوگئے، اور اُسے اس بیماری کے علاج معالجہ کے لئے غیر معمولی رقم کی ضرورت ہے۔

پھر اس شخص نے علاج معالجہ کے لئے کسی طرح سے رقم کا انتظام کرلیا، مگر ابھی اس بیماری کا علاج نہ کراپایا تھا کہ حج کا زمانہ آ گیا، اور یہ رقم اتنی مقدار میں ہے کہ جو حج کے مصارف کے لئے کافی ہوسکتی ہے، پھر اس نے اگلے سال حج کا زمانہ شروع ہونے سے پہلے اس رقم کو اپنے علاج معالجہ میں خرچ کرلیا، اور صحت یاب ہوکر چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا، مگر اس کی ملکیت میں حج کے مصارف کے بقدر مال نہیں ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہرُ الروایۃ کے مطابق اس پر حج فرض نہ ہوگا، کیونکہ جس وقت اس کی ملکیت میں حج کے

---

[1] ولو ملک الزاد والراحلة، وهو صحيح البدن، ولم يحج حتى صار زمنا أو مفلوجا لزمه الإحجاج بالمال بلا خلاف، كذا فى المحيط ولو تكلف هؤلاء الحج بأنفسهم سقط عنهم حتى لو صحوا بعد ذلک لا يجب عليهم الأداء هكذا فى فتح القدير (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۲۱۸، كتاب المناسک، الباب الاول)

[2] ومحل الخلاف فيما إذا لم يقدر على الحج وهو صحيح أما إن قدر عليه وهو صحيح ثم زالت الصحة قبل أن يخرج إلى الحج فإنه يتقرر دينا فى ذمته فيجب عليه الإحجاج اتفاقا أما إن خرج فمات فى الطريق فإنه لا يجب عليه الإيصاء بالحج؛ لأنه لم يؤخر بعد الإيجاب كذا فى التجنيس ولا فرق فى الأعمى بين أن يجد قائدا، أو لا وهو المشهور عن أبى حنيفة؛ لأن القادر بقدرة غيره ليس بقادر ولو تكلف هؤلاء الحج بأنفسهم سقط عنهم حتى لو صحوا بعد ذلک لا يجب عليهم الأداء ؛ لأن سقوط الوجوب عنهم لدفع الحرج فإذا تحملوه وقع عن حجة الإسلام كالفقير إذا حج (البحر الرائق، ج ۲، ص ۳۳۵، كتاب الحج، باب واجبات الحج)

مصارف کے بقدر مال تھا، اس وقت وہ حج پر جانے کے قابل نہ تھا، اور اس وجہ سے اس پر حج فرض نہیں ہوا تھا۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ بعض دیگر حضرات کے نزدیک اس پر حج فرض ہو جائے گا، اور اس کو کسی بھی طرح سے حج ادا کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہوگا، اور خود حج نہ کر سکا، تو دوسرے سے حجِ بدل کرانا یا فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا ضروری ہوگا، اور اگر زندگی میں حجِ بدل کرانے کے بعد دوبارہ خود حج کرنے پر قادر ہو گیا، تو خود حج کرنا ضروری ہو جائے گا، اور حجِ بدل کالعدم ہو جائے گا۔ [۱]

(۷)......قانونی رُکاوٹ ومحبوس نہ ہونا (قانونی اجازت نہ ملنے وغیرہ پر حج کا حکم)

حج فرض ہونے کے لئے حکومت وغیرہ کی طرف سے رُکاوٹ نہ ہونا بھی شرط ہے۔

بادشاہ وغیرہ کی طرف سے رکاوٹ نہ ہونے کا بعض احادیث میں ذکر آیا ہے۔

---

[۱] المقعد ومقطوع الرجلين والمريض والشيخ الذى لا يثبت بنفسه على الراحلة والأعمى والمحبوس والخائف من السلطان الذى يمنع الناس من الخروج إلى الحج لا يجب عليهم الحج بأنفسهم ولا الإحجاج عنهم إن قدروا على ذلك ظاهر المذهب عند أبى حنيفة -رحمه الله -، وهو رواية الصاحبين وروى الحسن عنه ، وهو قولهما أنه يجب عليهم وعليهم أن يأمروا من يحج عنهم بمالهم ويكون ذلك مجزيا عن حجة الإسلام ما دام العجز مستمرا بهم فإن زال فعليهم الإعادة بأنفسهم (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق، ج ۲، ص ۵، كتاب الحج)

(قوله وكذا صحة الجوارح) حتى إن المقعد والزمن والمفلوج ومقطوع الرجلين لا يجب عليهم الإحجاج إذا ملكوا الزاد والراحلة، ولا الإيصاء به فى المرض، وكذا الشيخ الذى لا يثبت على الراحلة :يعنى إذا لم يسبق الوجوب حالة الشيخوخة بأن لم يملك ما يوصله إلا بعدها، وكذا المريض لأنه بدل الحج بالبدن، وإذا لم يجب المبدل لا يجب البدل .وظاهر الرواية عنهما يجب الحج على هؤلاء إذا ملكوا الزاد والراحلة ومؤنة من يرفعهم ويضعهم ويقودهم إلى المناسك، وهو رواية الحسن عن أبى حنيفة -رضى الله عنه -، وهى الرواية التى أشار إليها المصنف بقوله :وأما المقعد إلا أنه خص المقعد، ويقابل ظاهر الرواية عنهما ما نسبه المصنف إلى محمد بقوله :فرق محمد فى هذه الرواية بين المقعد والأعمى .وإذا وجب على هؤلاء الإحجاج للزومهم الأصل وهو الحج بالبدن فيجب عليهم البدل، فلو أحجوا عنهم وهم آيسون من الأداء بالبدن ثم صحوا وجب عليهم الأداء بأنفسهم، وظهرت نفلية الأول لأنه خلف ضرورى فيسقط اعتباره بالقدرة على الأصل، كالشيخ الفانى إذا فدى ثم قدر (فتح القدير لابن الهمام، ج ۲، ص ۴۱۵، كتاب الحج)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ عَنِ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ، أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ، أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ، فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا، وَإِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا

(سنن الدارمی) [1]

ترجمہ: جس شخص کے لئے کوئی ظاہری ضرورت حج سے مانع ورکاوٹ نہ ہو، یا ظالم بادشاہ کی طرف سے روک نہ ہو، یا ایسا مرض نہ ہو جو حج سے روک دے پھر وہ بغیر حج کئے مرجائے تو چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے (دارمی)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

اَلسَّبِيْلُ أَنْ يَّصِحَّ بَدَنُ الْعَبْدِ وَيَكُوْنَ لَهُ ثَمَنُ زَادٍ وَرَاحِلَةٍ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُّجْحَفَ بِهِ (السنن الكبرى للبيهقي) [2]

ترجمہ: سبیل یہ ہے کہ بندہ کا بدن صحیح ہو، اور اُس کے پاس سواری اور سفر کے سامان کی قیمت ہو، اور اُس کے لئے کوئی روک بھی نہ ہو (بیہقی)

پس اگر کسی شخص میں حج فرض ہونے کی دیگر شرائط تو پائی جاتی ہیں، لیکن اُس کو حج کا سفر کرنے یا حج کرنے میں حکومت کی طرف سے رُکاوٹ کا سامنا ہے (مثلاً تمام قانونی تقاضے پورے کرنے کے باوجود حج کی درخواست منظور نہیں ہوئی، یا کسی مخصوص بیماری وغیرہ کی وجہ سے اُسے قانونی طور پر سفر کی اجازت نہ ملی) یا وہ قید خانہ (اور جیل) میں ہے، اور وہاں سے چھوٹ کر جانا ممکن نہیں، تو اُس پر حج کرنا فرض نہیں ہوتا۔

مسئلہ نمبرا...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ظاہرِ مذہب کے مطابق اپاہج کی طرح اگر کسی مال دار شخص کو حکومت کی طرف سے حج کے لئے جانے کی اجازت نہ ملے، یا وہ قید خانہ اور جیل

---

[1] رقم الحديث ۱۸۲۶، كتاب المناسك، باب من مات ولم يحج.

[2] رقم الرواية ۸۶۴۱، كتاب الحج، باب الرجل يطيق المشي ولا يجد زادا ولا راحلة فلا يبين أن يوجب عليه الحج.

میں ہو تو ایسے شخص پر سرے سے حج ہی فرض نہیں ہوتا، یعنی نہ اُس پر خود حج کرنا فرض ہوتا ہے، اور نہ حجِ بدل کرانا یا فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا فرض ہوتا ہے، تا آنکہ یہ رُکاوٹ دُور نہ ہو، اور ہمارے نزدیک دلائل کے لحاظ یہی راجح ہے۔ [1]

---

[1] فقہائے کرام نے محبوس اور خائف من السلطان کو معذور واپاہج کے ساتھ ذکر کیا ہے بلکہ محبوس کو ان ہی کے ساتھ لاحق کیا ہے اور اس کے شرطِ وجوب ہونے کو سلامتِ بدن کی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ظاہرِ مذہب قرار دیا ہے اور صاحبین کی ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے، علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے اس کے شرطِ ادا ہونے کو اولیٰ قرار دیا ہے، جس کی بعد میں متعدد مشائخِ احناف نے یکے بعد دیگرے پیروی کی ہے، اور موجودہ اکثر حنفی کتب میں اسی قول کو نقل کیا گیا ہے۔

مگر اس سلسلہ میں غور کرنے سے ہمیں سلامتِ بدن کی شرط کی طرح امام صاحب رحمہ اللہ کا ظاہرِ مذہب ہی راجح معلوم ہوا، کیونکہ حکومت کی اجازت کے بغیر بالخصوص آج کے دور میں ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرنا تقریباً ناممکنات میں سے ہے، اور بغیر قانونی اجازت کے سرحد پار کرنے کی صورت میں قتل، حبس وقید اور جان مال کے مختلف خطرات لاحق ہوتے ہیں، اور جیل سے قیدی کا غیر قانونی طریقہ پر نکلنا بھی اختیار سے باہر ہے، اور اگر کسی طرح سے مفرور ہو جائے تو قانونی تقاضوں کے پیشِ نظر اس کو حج کا سفر بھی مشکل ہے؛ اس حیثیت سے یہ شرط جس طرح امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک سلامتِ بدن کے ساتھ ملحق ہے، اسی طرح ایک حیثیت سے امنِ طریق کے ساتھ بھی ملحق ہے۔

جہاں تک اس کے مقابلہ میں بعض حضرات کی اس دلیل کا تعلق ہے کہ حج ایسی عبادت ہے جو نیابت کو قبول کرتی ہے، تو اس سے اختلاف نہیں، اصل بحث اس میں ہے کہ جب خود کوئی عمل واجب نہ ہو، تو نیابت کا حکم کیسے واجب ہو سکتا ہے؟

جہاں تک صاحبین کے قول کا تعلق ہے، تو ان کی ظاہرِ روایت کے مطابق تو سلامتِ بدن بھی شرطِ وجوب نہیں، پھر یہ ان کے نزدیک کیونکر شرطِ وجوب میں داخل ہو سکتی ہے، لہٰذا اس سلسلہ میں صاحبین کے قول کے مختلف ہونے سے امام صاحب کی ظاہرِ روایت والے قول پر اثر نہیں پڑتا۔

البتہ اس موقعہ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کئی دیگر احکام میں فقہائے کرام نے عذر من جہۃ اللہ اور عذر من جہۃ العباد میں فرق کیا ہے، جبکہ اپاہج ہونا پہلی اور حکومت کی طرف سے رکاوٹ ہونا دوسری قسم سے تعلق رکھتا ہے، پھر اس کو متعدد فقہائے کرام نے پہلی قسم کے ساتھ ملحق کر کے حکم کیوں بیان فرمایا؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ حج میں ''من استطاع الیہ سبیلا'' کی قید کی وجہ سے اس قسم کے یعنی من جہۃ العباد اعذار بھی حج فرض نہ ہونے میں معتبر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ومنها صحة البدن فلا حج على المريض والزمن، والمقعد، والمفلوج، والشيخ الكبير الذى لا يثبت على الراحلة بنفسه، والمحبوس، والممنوع من قبل السلطان الجائر عن الخروج إلى الحج؛ لأن الله تعالى شرط الاستطاعة لوجوب الحج، والمراد منها استطاعة التكليف، وهى سلامة الأسباب، والآلات، ومن جملة الأسباب سلامة البدن عن الآفات المانعة عن القيام بما لا بد منه فى سفر الحج؛ لأن الحج عبادة بدنية، فلا بد من سلامة البدن، ولا سلامة مع المانع، وعن ابن عباس -

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ بعض دیگر حضرات کے نزدیک دوسری شرائط پائی جانے کی صورت میں ایسے شخص کے ذمہ نفسِ حج فرض تو ہوجاتا ہے، لیکن اُس کو خود حج کرنا فرض نہیں ہوتا، بلکہ کسی دوسرے کے ذریعے سے حجِ بدل کرانا یا فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رضی اللہ عنہ -فی قولہ عز وجل :(من استطاع إلیہ سبیلا)أن السبیل أن یصح بدن العبد، ویکون لہ ثمن زاد، وراحلۃ من غیر أن یحجب، ولأن القرب، والعبادات، وجبت بحق الشکر لما أنعم اللہ علی المکلف فإذا منع السبب الذی ہو النعمۃ، وہو سلامۃ البدن أو المال کیف یکلف بالشکر، ولا نعمۃ(بدائع الصنائع ،ج۲ص ۱۲۱، کتاب الحج، فصل شرائط فرضیۃ الحج)

والمراد بالصحۃ صحۃ الجوارح فلا یجب أداء الحج علی مقعد ولا علی زمن ولا مفلوج ولا مقطوع الرجلین ولا علی المریض والشیخ الذی لا یثبت بنفسہ علی الراحلۃ والأعمی والمحبوس والخائف من السلطان الذی یمنع الناس من الخروج إلی الحج لا یجب علیہم الحج بأنفسہم ولا الإحجاج عنہم إن قدروا علی ذلک ہذا ظاہر المذہب عن أبی حنیفۃ وہو روایۃ عنہما.

وظاہر الروایۃ عنہما أنہ یجب علیہم الإحجاج فإن أحجوا أجزأہم ما دام العجز مستمرا بہم فإن زال فعلیہم الإعادۃ بأنفسہم وظاہر ما فی التحفۃ اختیارہ فإنہ اقتصر علیہ وکذا الإسبیجابی وقواہ المحقق فی فتح القدیر ومشی علی أن الصحۃ من شرائط وجوب الأداء فالحاصل أنہا من شرائط الوجوب عندہ ومن شرائط وجوب الأداء عندہما وفائدۃ الخلاف تظہر فی وجوب الإحجاج کما ذکرنا فی وجوب الإیصاء ومحل الخلاف فیما إذا لم یقدر علی الحج وہو صحیح أما إن قدر علیہ وہو صحیح ثم زالت الصحۃ قبل أن یخرج إلی الحج فإنہ یتقرر دینا فی ذمتہ فیجب علیہ الإحجاج اتفاقا أما إن خرج فمات فی الطریق فإنہ لا یجب علیہ الإیصاء بالحج؛ لأنہ لم یؤخر بعد الإیجاب کذا فی التجنیس(البحر الرائق، ج۲، ص۳۳۵، کتاب الحج، باب واجبات الحج)

(قولہ :وظاہر ما فی التحفۃ اختیارہ) قال الرملی تقدم فی تعداد الشرائط أن من شرائط الوجوب الصحۃ علی الأصح تأمل اہـ .وذکر منلا علی فی شرح اللباب أنہ مشی علیہ فی النہایۃ وأنہ قال فی البحر العمیق ہو المذہب الصحیح وأن الثانی صححہ قاضی خان فی شرح الجامع واختارہ کثیر من المشایخ ومنہم ابن ہمام اہـ .فقد اختلف الترجیح (منحۃ الخالق علی البحرالرائق،ج۲، ص۳۳۵، کتاب الحج، باب واجبات الحج)

[1] والمقعد والمفلوج والزمن ومقطوع الرجلین والشیخ الذی لا یثبت علی الراحلۃ بنفسہ والمحبوس والأعمی إذا وجد زادا وراحلۃ ولم یجد من یہدیہ لا یجب علیہم الحج عند أبی حنیفۃ، وہو روایۃ عنہما وعلی ظاہر الروایۃ عنہما یجب ، وہو روایۃ الحسن عن أبی حنیفۃ وثمرۃ الخلاف تظہر فی وجوب الإحجاج فعن أبی حنیفۃ لا یجب علیہم الإحجاج ؛ لأنہ بدل عن الحج

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... اگر کسی شخص کے پاس حج کے زمانے میں اتنا مال یا روپیہ پیسہ جمع ہوگیا کہ جو حج کے مصارف کے لئے کافی تھا، اور اس نے قانونی تقاضوں کے مطابق حج پر جانے کی پوری کوشش کی، اور اپنی طرف سے کوتاہی کا مظاہرہ نہیں کیا، لیکن حکومت کی طرف سے اس کو اجازت نہ مل سکی، یعنی اس کی حج کی درخواست قبول نہیں کی گئی، پھر بعد میں اگلے سال حج کا زمانہ شروع ہونے سے پہلے اس شخص نے اس روپیہ پیسہ کو اپنی ضرورت میں خرچ کرلیا، مثلاً کھانے پینے کی ضروریات میں استعمال کرلیا، یا اپنی ضرورت کے لئے مکان خرید لیا، اور اب وہ اتنا مالدار نہیں رہا کہ حج کے مصارف برداشت کرسکے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ظاہرِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالبدن والأصل لم يجب فلا يجب البدل وعندهما يجب ؛ لأنهم لزمهم الأصل ، وهو الحج بالبدن في الذمة وقد عجزوا عنه فيجب البدل عليهم(تبيين الحقائق ،ج۲،ص۴،كتاب الحج)

صحة البدن وزوال الموانع الحسية على الذهاب إلى الحج حتى أن المقعد ومقطوع الرجلين والمريض والشيخ الذى لا يثبت بنفسه على الراحلة والأعمى والمحبوس والخائف من السلطان الذى يمنع الناس من الخروج إلى الحج لا يجب عليهم الحج بأنفسهم ولا الإحجاج عنهم إن قدروا على ذلک ظاهر المذهب عند أبى حنيفة -رحمه الله -، وهو رواية الصاحبين وروى الحسن عنه ، وهو قولهما أنه يجب عليهم وعليهم أن يأمروا من يحج عنهم بمالهم ويكون ذلک مجزيا عن حجة الإسلام ما دام العجز مستمرا بهم فإن زال فعليهم الإعادة بأنفسهم(حاشية الشلبى على تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق،ج۲،ص۵،كتاب الحج)

قوله:وزوال المانع الحسى عن الذهاب "كالحبس وكذا يشترط أن لا يكون خائفا من سلطان يمنع منه (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح،ص۷۲۸،كتاب الحج)

وفى الغاية :المحبوس والخائف من السلطان كالمريض لوجود المانع .انتهى .وكذا حُكْمُ السلطان إذا خيف على ملكه أو ملک غيره(شرح النقاية،لعلى بن سلطان محمد القارى،ج۲ ، ۲۴۶،كتاب الحج)

(قوله غير محبوس) هذا من شروط الأداء كما مر والظاهر أنه لو كان حبسه لمنعه حقا قادرا على أدائه لا يسقط عنه وجوب الأداء .

(تنبيه)ذكر فى شرح اللباب عن شمس الإسلام أن السلطان ومن بمعناه من الأمراء ملحق بالمحبوس فيجب الحج فى ماله الخالى عن حقوق العباد وتمامه فيه ولا يخفى أن هذا إن دام عجزه إلى الموت وإلا فيجب عليه الحج بنفسه بعد زوال عذره وهو مقيد أيضا بما إذا كان قادرا على الحج ثم عجز وإلا فلا يلزمه الإحجاج على الخلاف المذكور آنفا (قوله يمنع منه) أى من الحج أى الخروج إليه ط (رد المحتار على الدر المختار،ج۲،ص ۴۵۹،كتاب الحج)

مذہب کے مطابق اس پر حج فرض نہیں ہوگا۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ظاہرِ مذہب کے علاوہ بعض حضرات کے نزدیک اس پر حج فرض ہوجائے گا، اور اس کو کسی بھی طرح سے حج ادا کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہوگا، اور خود حج نہ کرسکا، تو دوسرے سے حجِ بدل کرانا یا فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا واجب اور ضروری ہوگا۔[1]

مسئلہ نمبر ۳...... کوئی شخص قید خانہ (یعنی جیل) میں محبوس اور قید ہے، اور وہاں سے نکلنے کے لئے اس کو غیر معمولی رقم درکار ہے، اس شخص نے کسی طرح سے قید خانہ سے رہائی پانے کے لئے لوگوں سے کہہ سُن کر یا کوئی اپنی ضرورت کی چیز فروخت کرکے رقم کا انتظام کیا، یا اس کو کسی شخص نے مذکورہ ضرورت پوری کرنے کے لئے رقم عطیہ وصدقہ کی، جس کی مقدار حج کے مصارف کے لئے کافی ہے، اور اسی دوران حج کا زمانہ شروع ہوگیا، پھر اس نے اس رقم کو صرف کرکے رہائی حاصل کی، اور اب اس کی ملکیت میں حج کے مصارف کے بقدر مال نہ رہا، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ظاہرِ مذہب کے مطابق اس پر اس مال کی وجہ سے سِرے سے حج فرض نہیں ہوگا۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ بعض دیگر حضرات کے نزدیک اس پر حج فرض ہوجائے گا، اور اس کو کسی بھی طرح سے حج ادا کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہوگا، اور خود حج نہ کرسکا، تو دوسرے سے حج کرانا یا فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا واجب ہوگا۔

---

[1] (ومنها سلامة البدن) حتى إن المقعد والزمن والمفلوج، ومقطوع الرجلين لا يجب عليهم حتى لا يجب عليهم الإحجاج إن ملكوا الزاد والراحلة، ولا الإيصاء فى المرض، وكذلك الشيخ الذى لا يثبت على الراحلة، وكذلك المريض كذا فى فتح القدير، وهذا ظاهر المذهب عن أبى حنيفة -رحمه الله تعالى-، وهو رواية عنهما وظاهر الرواية عنهما أنه يجب عليهم فإن أحجوا أجزأهم ما دام العجز مستمرا بهم فإن زال فعليهم الإعادة بأنفسهم وظاهر ما فى التحفة اختياره فإنه اقتصر عليه، وكذا الإسبيجابى وقواه المحقق فى فتح القدير كذا فى البحر الرائق وألحق بهم المحبوس والخائف من السلطان الذى يمنع الناس من الخروج إلى الحج، وكذا لا يجب الإحجاج عنهم كذا فى النهر الفائق(الفتاوى الهندية، ج ۱ ص۲۱۸، كتاب المناسك، الباب الاول)

مسئلہ نمبر ۴...... اگر کوئی شخص مثلاً رمضان میں یا اس سے پہلے عمرہ کرنے یا کسی اور کام کی غرض سے حرم شریف یا اس کے قُرب وجوار میں چلا گیا، اور اس کے وہاں قیام کے دوران شوال کا مہینہ شروع ہوگیا، یا کوئی شخص شوال یا ذوالقعدہ کے مہینے میں عمرہ وغیرہ کرنے کی غرض سے حرم شریف چلا گیا، اور اس کے پاس وہاں حج کرنے تک قیام وطعام کے اخراجات موجود ہیں، مگر حکومت کی طرف سے اس کو حج کرنے تک قیام کی اجازت نہ ملی، اور اسے قانونی مجبوری کی وجہ سے واپس آنا پڑا، تو مذکورہ صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ظاہرِ مذہب کے مطابق اس پر خود حج کرنا یا کسی دوسرے کے ذریعہ سے حجِ بدل کرانا فرض نہ ہوگا۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ بعض دیگر حضرات کے نزدیک اس پر حج فرض ہوجائے گا، اور سابقہ مسئلہ کی طرح کسی بھی طرح حج کرنا یا دوسرے کے ذریعہ سے حجِ بدل کرانا یا فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا ضروری ہوگا۔

(۸)......راستے کا مامون ہونا (راستہ میں جان، مال وغیرہ کے خطرہ پر حج کا حکم)

حج فرض ہونے کے لئے راستے کا مامون اور امن والا ہونا بھی ضروری ہے۔

اگر راستے میں جان یا مال کا خطرہ غالب ہو تو حج فرض نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے بغیر منزلِ مقصود تک رسائی کی استطاعت حاصل نہیں ہوتی۔

مسئلہ...... امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ سمیت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کسی شخص میں حج فرض ہونے کی دیگر شرائط تو پائی گئیں، مثلاً سواری اور کھانے پینے کا خرچہ موجود ہے، لیکن راستہ مامون نہیں ہے، جس میں جان، مال کے قوی خطرات لاحق ہیں، تو جب تک راستہ پر امن نہ ہوجائے، اس وقت تک اس پر سرے سے حج فرض ہی نہیں ہوگا۔ [1]

---

[1] (الثالث) من شروط الاستطاعة (أمن الطريق) ولو ظنا بحسب ما يليق به (فلو خاف) فی طريقه (على نفسه) أو عضو أو بضع (أو ماله) ولو يسيرا .نعم ينبغی كما قال الأذرعی بحثا تقييده بما لا بد منه للنفقة والمؤن، فلو أراد استصحاب مال خطير للتجارة وكان الخوف لأجله لم يكن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ہمارے نزدیک دلائل کے لحاظ سے یہی قول راجح ہے، لہٰذا جب کسی شخص میں حج فرض ہونے کی دیگر (مثلاً مالدار وغیرہ ہونے کی) شرائط پائی جائیں، لیکن اس وقت راستہ پر امن نہ ہو، اور جان مال کا خطرہ لاحق ہو، تو اس عرصہ میں اس پر نہ تو خود حج کرنا فرض ہوتا ہے، اور نہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عذرا وهو ظاهر إن أمن عليه لو تركه في بلده (سبعا أو عدوا أو رصديا) بفتح الصاد المهملة وسكونها وهو من يرصد :أي يرقب من يمر ليأخذ منه شيئا (ولا طريق) له (سواء لم يجب) عليه (الحج) أو العمرة لحصول الضرر ولهذا جاز التحلل بذلك كما يأتي، والمراد بالخوف الخوف العام، وكذا الخاص في الأرجح، فلو اختص الخوف بواحد لم يقض من تركته (نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج لشهاب الدين الرملي، ج۳، ص۲۴۷، كتاب الحج، شروط وجوب الحج والعمرة)

(وتخلية الطريق)والمراد بالتخلية هنا أمن الطريق ظنا بحسب ما يليق بكل مكان؛ فلو لم يأمن الشخص على نفسه أو ماله أو بُضعه لم يجب عليه الحج (فتح القريب المجيب فى شرح ألفاظ التقريب، ج۱، ص۱۴۴، و۱۴۵، كتاب أحكام الحج، شروط وجوب الحج)

(والسبيل) المذكور عبارة عن مجموع أربعة أشياء أحدها :(الطريق السابلة) أى المأمونة فإن خاف على نفسه سقط عنه اتفاقا، وإن خاف على بعض ماله وكان يجحف به سقط وإن لم يجحف به فقولان (كفاية الطالب الربانى، ج۱ ص۵۱۸، باب فى الحج)

(بإمكان الوصول بلا مشقة عظمت وأمن على نفس ومال)ش :لما ذكر أن سبب وجوب الحج الاستطاعة أخذ يفسرها وذكر أنها إمكان الوصول إلى مكة بلا مشقة عظمت مع الأمن على النفس والمال، وهذا هو المشهور فى المذهب قال مالك فى كتاب محمد :وفى سماع أشهب لما سئل عن قوله تعالى (من استطاع إليه سبيلا)أذلك الزاد والراحلة، قال :والله ما ذاك إلا طاقة الناس، الرجل يجد الزاد والراحلة ولا يقدر على المسير وآخر يقدر أن يمشى على رجله ولا صفة فى هذا أبين مما قال الله تعالى (من استطاع إليه سبيلا)(مواهب الجليل فى شرح مختصر خليل، ج۲، ص۴۹۱، ۴۹۲، باب الحج)

وفى الجواهر يسقط إذا كان فى الطريق عدو يطلب النفس أو من المال ما لا يتجدد أو يتجدد ويجحف وفى غير المجحف خلاف وقال أصحاب ح وش وإذا لم يمكنه السفر إلا بدفع شيء من ماله لا يلزمه الحج (الذخيرة للقرافى، ج۳، ص۱۷۷، كتاب الحج)

ومن يجب عليه ومتى يجب وما يجب فيه قال الله عز وجل(وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً)يجب الحج على كل من استطاع إليه سبيلا من الرجال والنساء إذا كانوا أحرارا بالغين غير مغلوب على عقولهم والاستطاعة القدرة بالبدن وما يبلغ من الزاد راجلا وراكبا إذا كان الطريق آمنا وليس وجود الزاد والراحلة عند عدم الطاقة باستطاعة عند مالك ومن عجز عنه ببدنه ولم يستمسك على راحلته سقط عنه عند مالك فرضه ولم يلزمه أن يحج عنه غيره من ماله (الكافى فى فقه أهل المدينة للقرطبى، ج۱، ص۱۳۳، كتاب الحج، باب فرض الحج)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے سے حجِ بدل کرانا ضروری ہوتا ہے، کیونکہ جب تک راستہ مامون نہ ہو، اس وقت تک حج کے لئے جانے کی استطاعت حاصل نہیں ہوتی، جو کہ قرآن مجید کے الفاظ، من استطاع الیہ سبیلاً، سے ثابت ہے، اور سواری اور سفر کے سامان کا مقصد بھی منزل تک پہنچنا اور وہاں جا کر حج کرنا ہے، اور راستہ میں جان مال کے خطرات اس راہ میں رُکاوٹ ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مَنِ اسْتَطاعَ إِلَيْهِ اى الى البيت سَبِيلًا الموصول بدل من الناس بدل البعض خصص له فلا يجب الحج على غير المستطيع والسبيل الطريق منصوب على المفعولية واليه حال منه مقدم عليه والمراد به الذهاب على طريقة جرى النهر يعنى من استطاع ذهابا الى البيت ولاجل قصر الحكم على المستطيع اجمع العلماء على انه يشترط لوجوب الحج ان يكون الطريق أمنا والمنازل الماهولة معمورة يوجد فيه الزاد والماء وعند فوات الا من لا يجب الحج وكون البحر بينه وبين مكة إذا كانت السلامة غالبة لا يمنع وجوب الحج عندهم خلافا لاحد قول الشافعى(التفسير المظهرى، ج۲،۹۸، سورة آل عمران)

أما كون الطريق آمنا فلأنه لا يتأتى الحج بدونه فصار كالزاد والراحلة ثم قال ابن شجاع هو شرط الوجوب لما ذكرناه ، وهو مروى عن أبى حنيفة ؛ لأن الوصول إلى البيت بدونه لا يتصور إلا بمشقة عظيمة فصار من جملة الاستطاعة وكان القاضى أبو حازم يقول هو شرط الأداء ؛ لأنه -عليه الصلاة والسلام -لما سئل عن الاستطاعة فسرها بالزاد والراحلة ولو كان أمن الطريق من الاستطاعة لبينه ؛ لأنه موضع الحاجة إلى البيان فلا يجوز الزيادة فى شرط العبادة بالرأى ؛ ولأن هذا من العبادة فلا يسقط به الواجب كالقيد من الظالم لا يسقط به خطاب الشرع ، وإن طال بخلاف المرض(تبيين الحقائق، ج۲، ص۴، كتاب الحج)

[1] امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس شرط کے شرطِ وجوب ہونے کی روایت مروی ہے، اور امام صاحب سے اس کے خلاف روایت کا کسی سند سے ہونا ہمیں دستیاب نہ ہو سکا، مگر بہت سے متأخرین نے قاضی ابوحازم کی اتباع میں اس شرط کے شرطِ اداء ہونے کو ترجیح دی ہے، جبکہ بعض نے شرطِ وجوب ہونے کو ترجیح دی ہے، اور ہمارے نزدیک دلائل کے لحاظ سے اس کا شرطِ وجوب ہونا راجح ہے۔

قاضی ابوحازم کی دلیل کا جواب پیچھے گزر چکا ہے کہ زاد وراحلہ کا ذکر بعض شرائط کا ذکر ہے، نہ کہ جملہ شرائط کا، کیونکہ اس حدیث میں مسلمان، عاقل، بالغ، حریت اور صحتِ بدن وغیرہ کا بھی ذکر نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ جو کہ زاد وراحلہ کی حدیث کو مرکزی حیثیت دیتے ہیں، وہ بھی امنِ طریق کی شرط کو شرطِ وجوب قرار دیتے ہیں۔

وأما إمامنا فيؤول ما وقع فيه بأنه بيان لبعض شروط الاستطاعة بدليل أنه لو فقد أمن الطريق مثلا لم يجب الحج عليه، والظاهر أنه صلى الله تعالى عليه وسلم لم يتعرض لصحة البدن لظهور الأمر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اگر راستہ پرامن ہوجائے، اور پھر حج فرض ہونے کی دیگر (مثلاً اس وقت حج کے زمانہ میں مالدار ہونے اور معذور نہ ہونے وغیرہ کی) شرائط پائی جائیں، تو پھر بالاتفاق حج فرض ہوجائے گا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كيف لا والمفسر فى الحقيقة هو السبيل الموصل لنفس المستطيع إلى البيت وذا لا يتصور بدون الصحة، ومما يؤيد أن ما فى الحديث بيان لبعض الشروط أنه ورد فى بعض الروايات الاقتصار على واحد مما فيه، فقد أخرج الدارقطنى أيضا عن على كرم الله تعالى وجهه أن النبى صلّى الله عليه وسلم سئل عن السبيل فقال :أن تجد ظهر بعير ولم يذكر الزاد(روح المعانى ج ٢ ص ٢٢٣ تحت سورة آل عمران)

(ومنها) أمن الطريق، وإنه من شرائط الوجوب عند بعض أصحابنا بمنزلة الزاد، والراحلة، وهكذا روى ابن شجاع عن أبى حنيفة وقال بعضهم :إنه من شرائط الأداء لا من شرائط الوجوب، وفائدة هذا الاختلاف تظهر فى وجوب الوصية إذا خاف الفوت فمن قال إنه من شرائط الأداء يقول إنه تجب الوصية إذا خاف الفوت، ومن قال إنه شرط الوجوب يقول :لا تجب الوصية؛ لأن الحج لم يجب عليه، ولم يصر دينا فى ذمته فلا تلزمه الوصية، وجه قول من قال :إنه شرط الأداء لا شرط الوجوب ما روينا أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فسر الاستطاعة بالزاد، والراحلة، ولم يذكر أمن الطريق، وجه قول من قال إنه شرط الوجوب، وهو الصحيح :أن الله تعالى شرط الاستطاعة، ولا استطاعة بدون أمن الطريق كما لا استطاعة بدون الزاد، والراحلة إلا أن النبى -صلى الله عليه وسلم -بين الاستطاعة بالزاد، والراحلة بيان كفاية ليستدل بالمنصوص عليه على غيره لاستوائهما فى المعنى، وهو إمكان الوصول إلى البيت .ألا ترى أنه كما لم يذكر أمن الطريق لم يذكر صحة الجوارح، وزوال سائر الموانع الحسية، وذلك شرط الوجوب على أن الممنوع عن الوصول إلى البيت لا زاد له، ولا راحلة معه فكان شرط الزاد، والراحلة شرطا لأمن الطريق ضرورة(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج٢ص ١٢٣، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج)

(مع أمن الطريق) ؛ لأنه لا يقدر على الوصول إلى المقصود بدونه والمعتبر غلبة السلامة فى الطريق على المفتى به وفى الشمنى ولو كان الطريق بحرا لا يجب الحج ولو كان نهرا كسيحون والفرات يجب .وقال الكرمانى إن كان الغالب فى البحر السلامة فى موضع جرت العادة بركوبه يجب وظاهره أن أمن الطريق شرط الوجوب .وفى الإصلاح وهو الصحيح .وفى النهاية أنه شرط الأداء وهو الصحيح فيلزمه الإيصاء (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ١، ص ٢٦٢، كتاب الحج)

وأما أمن الطريق، فقد روى أبو شجاع عن أبى حنيفة أنه من جملة الاستطاعة لا يثبت الوجوب بدونه كالزاد والراحلة، ومن أصحابنا من جعله شرط الأداء، وثمرة الخلاف إنما تظهر فى حق وجوب الوصية بالحج، فمن جعله شرط الوجوب قال :لا تجب عليه الوصية، ومن جعله شرط الأداء يقول: تجب عليه الوصية.وجه من جعله شرط الوجوب ظاهر أنه لا وصول إلى الحج إلا بأمن الطريق، كما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ بعض حضرات کے نزدیک اگر دیگر شرائط پائی جائیں، لیکن راستہ پُر امن نہ ہو، تو ایسی صورت میں خود حج کرنا تو ضروری نہیں، لیکن حجِ بدل کرانا یا فوت ہونے سے پہلے حج بدل کی وصیت کرنا ضروری ہے۔

لہٰذا اگر کسی شخص کے پاس حج کے زمانہ میں اتنا مال آ گیا، جو حج کی مالی استطاعت کے لئے کافی تھا، اور وہ سفر سے معذور بھی نہیں تھا، لیکن راستہ میں جان مال کے خطرات غالب تھے، اس وجہ سے یہ حج کے سفر پر نہ جاسکا، اور پھر اگلا سال آنے سے پہلے اس نے اپنا مال اپنی کھانے پینے رہنے سہنے کی ضروریات میں خرچ کرلیا، اور اب وہ مالدار نہیں رہا، تو ان حضرات کے نزدیک اس شخص پر کسی بھی طرح حج کرنا فرض رہے گا، اور خود حج کی قدرت نہ ہو تو دوسرے سے حجِ بدل کرانا یا فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا ضروری ہوگا۔

جبکہ دیگر حضرات کے نزدیک اس پر سرے سے حج ہی فرض نہ ہوگا، لہٰذا نہ خود حج کرنا فرض ہوگا، اور نہ دوسرے سے حجِ بدل کرانا یا فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا ضروری

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لا وصول إليه إلا بالزاد والراحلة، ومن جعله شرط الأداء ، وهو الفرق بين الزاد والراحلة أن بالزاد والراحلة يثبت التمكن من الأداء ، فلا تثبت الاستطاعة بدونهما، فأما خوف الطريق مبنى بعجزهما عن الأداء ، فهو فى معنى المعارض والمانع، فلا تنعدم به الاستطاعة يعتبر هذا بالمحسوسات، فإن المقيد الممنوع عن المشى لا يكون نظير المريض الذى لا يقدر. والمحرم فى حق المرأة شرط، شابة كانت أو عجوزاً إذا كان بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام، واختلفوا فى كون المحرم شرط الوجوب، أو شرط الأداء حسب اختلافهم فى أمن الطريق(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۲،ص ۴۱۹، كتاب المناسك، الفصل الأول :فى بيان شرائط الوجوب)

قوله" :وأمن الطريق "بأن يكون الغالب السلامة ولو بالرشوة وقتل بعض الحجاج عذر(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح،ص۷۲۸، كتاب الحج)

(ومنها أمن الطريق) قال أبو الليث إن كان الغالب فى الطريق السلامة يجب، وإن كان خلاف ذلك لا يجب وعليه الاعتماد كذا فى التبيين قال الكرمانى إن كان الغالب فى طريق البحر السلامة من موضع جرت العادة بركوبه يجب، وإلا فلا، وهو الأصح وسيحون وجيحون والفرات والنيل أنهار لا بحار كذا فى فتح القدير وكذا دجلة هكذا فى فتاوى قاضى خان(الفتاوى الهندية، ج۱ ص۲۱۸، كتاب المناسك، الباب الاول)

ہوگا، اِلّا یہ کہ زندگی میں راستہ پُرامن ہونے پر اس میں دوبارہ حج فرض ہونے کی شرائط پائی جائیں، اور ہمارے نزدیک یہی مؤقف راجح ہے۔ [۱]

(۹)...... مالی استطاعت کا ہونا (فرضیتِ حج کے لئے مالدار ہونے کے احکام)

حج فرض ہونے کے لیے مالی استطاعت کا ہونا بھی شرط ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ

---

[۱] (قوله مع أمن الطريق) أى وقت خروج أهل بلده وإن كان مخيفا فى غيره بحر وقدمنا عن اللباب أنه من شروط وجوب الأداء وفى شرحه أنه الأصح ورجحه فى الفتح، وروى عن الإمام أنه شرط وجوب فعلى الأول تجب الوصية به إذا مات قبل أمن الطريق أما بعده فتجب اتفاقا بحر (قوله بغلبة السلامة) كذا اختاره الفقيه أبو الليث وعليه الاعتماد (رد المحتار، ج۲، ص۴۶۳، كتاب الحج)

وأشار المصنف إلى أن أمن الطريق والمحرم من شرائط الوجوب؛ لأنه عطفه على ما قبله وهو أحد القولين وقيل شرط وجوب الأداء وثمرة الاختلاف تظهر فى وجوب الوصية وفى وجوب نفقة المحرم وراحلته إذا أبى أن يحج (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ ص ۳۳۹، كتاب الحج، واجبات الحج)

(قوله :وهو أحد قولين) قال فى شرح اللباب وقد اختلف فى أمن الطريق فمنهم من قال إنه شرط الوجوب وهو رواية ابن شجاع عن أبى حنيفة ومنهم من قال شرط وجوب الأداء على ما ذكره جماعة من أصحابنا كصاحب البدائع والمجمع والكرمانى وصاحب الهداية وغيرهم فمن خاف من ظالم أو عدو أو سبع أو غرق أو غير ذلك لم يلزمه أداء الحج بنفسه بل بماله والعبرة بالغالب برا وبحرا فإن كان الغالب السلامة يجب عليه أن يؤدى بنفسه وإلا فلا كذا قاله أبو الليث وعليه الفتوى وفى القنية وعليه الاعتماد والمراد أنه لا يجب عليه أن يؤدى بنفسه بل إما أن يحج غيره أو يوصى به اهـ (منحة الخالق، ج۲ ص ۳۳۹، كتاب الحج، واجبات الحج)

ووقع الخلاف فى أمن الطريق كما فى صحة البدن:

فمذهب المالكية والشافعية ورواية أبى شجاع عن أبى حنيفة ورواية عن أحمد أنه شرط الوجوب . لأن الاستطاعة لا تتحقق بدون أمن الطريق. وفى رواية أخرى عند أبى حنيفة وأحمد، وهو الأصح عند الحنفية ورجحه المتأخرون من الحنفية والحنابلة أن أمن الطريق شرط للأداء بالنفس لا لأصل الوجوب .واستدلوا بنحو أدلتهم فى إيجاب الحج على من فقد شرط صحة البدن وعلى هذا المذهب الأخير من استوفى شروط الحج عند خوف الطريق فمات قبل أمنه يجب عليه أن يوصى بالحج. أما إذا مات بعد أمن الطريق فتجب عليه الوصية بالحج عنه اتفاقا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ص ۳۴، مادة "حج" الخصلة الثالثة :أمن الطريق)

مَایُوْجِبُ الْحَجَّ قَالَ الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ (ترمذی) [1]

ترجمہ: ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے معلوم کیا کہ کون سی چیز حج کو واجب کر دیتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر کا سامان اور سواری (ترمذی، ابنِ ماجہ وغیرہ)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَوْلِهٖ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى(وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا)قَالَ: قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا السَّبِيْلُ؟ قَالَ: الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ (مستدرک حاکم) [2]

---

[1] رقم الحديث ۸۱۳، ابواب الحج، باب ماجاء فی ایجاب الحج، ابن ماجه، رقم الحديث ۲۸۹۶، باب مايوجب الحج، مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۱۵۹۴۶، سنن دارقطنی، رقم الحديث ۲۴۲۱ ورقم الحديث ۲۴۲۲ ورقم الحديث ۲۴۲۳، سنن البيهقی، رقم الحديث ۸۶۲۳.

قال الترمذی: هذا حديث حسن والعمل عليه عند أهل العلم :أن الرجل إذا ملك زادا وراحلة وجب عليه الحج وإبراهيم هو ابن يزيد الخوزی المكی وقد تكلم فيه بعض أهل العلم من قبل حفظه.

وقال البيهقی: وقد روی هذا من حديث الحسن البصری عن النبی صلى الله عليه وسلم مرسلا.

وقال ابن التركمانی: قلت -فی هذا الكلام تقوية لهذا الحديث وكذا كلامه تقوية لهذا الحديث (الجوهر النقی، ج۵ص۲۲۵)

وقال المنذری: رواه ابن ماجه بإسناد حسن (الترغيب والترهيب ج۲ص۱۱۸)

وقال البوصيری الكنانی: هذا إسناد حسن ابن عطاء اسمه عمر بن عطاء بن وراز قال ابن معين عمر بن عطاء الذی يروی عنه ابن جريج يحدث عن عكرمة ليس هو بشیء وهو ابن وراز وهم يضعفون كل شیء عن عكرمة وقال وعمر بن عطاء بن أبی الحوار ثقة وقال أحمد ليس بقوی فی الحديث وقال أبو زرعة ثقة لين وقال النسائی ليس بثقة وقال ابن عدی قليل الحديث ولا أعلم يروی عنه غير ابن جريج، قلت روی عنه أيضا أبو بكر بن أبی سيره كما قاله المزی فی التهذيب وله شاهد من حديث ابن عمر رواه الترمذی فی الجامع وقال حديث حسن انتهی (مصباح الزجاجة فی زوائد ابنِ ماجه، ج۳ص۱۸۴، باب مايوجب الحج)

[2] رقم الحديث ۱۶۱۳، ج۱ص۶۰۹، كتاب المناسك.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه، وقد تابع حماد بن سلمة سعيدا على روايته، عن قتادة.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس قول کہ ’’وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَیْہِ سَبِیْلًا‘‘ کے بارے میں عرض کیا گیا کہ سبیل کی استطاعت کیا ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر کا سامان اور سواری (حاکم)

اس قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

---

[1] حدثناه أبو نصر أحمد بن سهل بن حمدويه الفقيه ببخارى، ثنا صالح بن محمد بن حبيب الحافظ، ثنا أبو أمية عمرو بن هشام الحرانى، ثنا أبو قتادة، ثنا حماد بن سلمة، عن قتادة، عن أنس، رضى الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن قول الله :(من استطاع إليه سبيلا)فقيل :ما السبيل؟ قال :الزاد والراحلة هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه "(مستدرک حاکم، رقم الحديث،۱۶۱۴)

قال ابن الملقن:قلت :وأما أنا فأرى أن حديث أنس جيد الإسناد صالح (للاحتجاج) به كما أسلفته. وقال الحافظ ضياء الدين (المقدسى) فى أحكامه :لا أرى ببعض طرقه بأسا(البدرالمنير، ج۶ص ۳۰، کتاب الحج، الحديث الرابع)

عن الحسن ،عن أنس بن مالك ، قال :قيل :يا رسول الله ما السبيل إليه؟قال :الزاد والراحلة(سنن دارقطنی، رقم الحديث ۲۴۲۶)

عن سفيان، عن يونس، عن الحسن، قال :سئل النبى صلى الله عليه وسلم عن السبيل , قال " :الزاد والراحلة "(سنن البيهقی، رقم الحديث ۸۶۲۴)

قال البيهقی:وهذا شاهد لحديث إبراهيم بن يزيد الخوزی وروی عن ابن عباس من قوله موقوفا.

حدثنا هشيم، أخبرنا يونس، عن الحسن، قال :لما نزلت (ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا)قال :قيل :يا رسول الله ما السبيل؟ قال :الزاد والراحلة (المراسيل لابی داوٗد، رقم الحديث ۱۳۳)

عن عمرو بن شعيب ,عن أبيه ,عن جده ,قال :قال رجل :يا رسول الله ما يوجب الحج؟ ,قال :الزاد والراحلة(سنن دارقطنی، رقم الحديث ۲۴۱۵)

عن عكرمة، عن ابن عباس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :الزاد، والراحلة يعنى قوله (من استطاع إليه سبيلا)(سنن ابنِ ماجه، رقم الحدديث ۲۸۹۷)

عن عكرمة،عن ابن عباس،قال :قيل :يا رسول الله الحج كل عام؟قال :لا بل حجة , قيل :فما السبيل إليه؟ ,قال :الزاد والراحلة(سنن دارقطنی، رقم الحديث ۲۴۲۵)

عن عمر بن عطاء ، عن عكرمة، عن ابن عباس، أن النبى صلى الله عليه وسلم قال " : البلاغ :الزاد، والراحلة "(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۱۵۹۶)

عن جابر بن عبد الله ,قال " :لما نزلت هذه الآية (ولله على الناس حج البيت من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان روایات میں سفر کے سامان اور سواری کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ اگر کسی کے پاس سواری اور سفر کے سامان کا انتظام نہ ہو، تو اس پر پیدل چل کر حج کرنا اور راستہ میں محنت مزدوری وغیرہ کر کے اپنی ضروریات کا انتظام کرنا ضروری نہیں۔ [1]

اس قسم کی احادیث وروایات اور دیگر شرعی اصول وقواعد کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے حج کی مالی استطاعت سے متعلق جو مسائل واحکام بیان فرمائے ہیں، اب ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر۱...... سفر کے سامان اور سواری کے اخراجات ہر شخص کے حق میں اُس کے مقام کے اعتبار سے معتبر ہوتے ہیں، پس جو شخص جس مقام پر ہوگا، اُس مقام کے اعتبار سے آمدورفت اور قیام طعام اور واپسی تک اپنے ذمہ جن لوگوں کا نان نفقہ واجب ہے، مثلاً بیوی بچے، اُن کے اخراجات مہیا ہونے میں وہ شخص مالی استطاعت والا کہلائے گا، اور اُس پر حج فرض ہوگا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ استطاع إليه سبيلا)قام رجل ,فقال :يا رسول الله ما السبيل؟ قال :الزاد والراحلة(سنن دارقطني، رقم الحديث ۲۴۱۳)

وقد روى من طرق عديدة مرفوعا من حديث ابن عمر وابن عباس وعائشة وجابر وعبد الله بن عمر وابن مسعود وحديث ابن عباس رواه ابن ماجه، وباقي الأحاديث بطرقها عمن ذكرنا من الصحابة عند الترمذي وابن ماجه والدارقطني وابن عدي في الكامل لا تسلم من ضعف، فلو لم يكن للحديث طرق صحيحة ارتفع بكثرتها إلى الحسن فكيف ومنها الصحيح اهـ .وبه بطل قول ابن حجر :وفي سنده ضعيف متفق على ضعفه، فإنه حسن الترمذي الحديث، وقد يحمل ضعف البيهقي وابن الصلاح والنووي من حيث ذاته فهو حسن لغيره والحسن قد يوصف بالصحة أيضا فارتفع النزاع (مرقاة المفاتيح، ج۵ص ۱۷۵۰، كتاب المناسك)

[1] جہاں تک دیگر شرائط کا معاملہ ہے، تو وہ عقل وشریعت کی جہت و مقتضیٰ سے معلوم تھیں، لہٰذا ان کے ذکر کی ان روایات میں ضرورت نہیں سمجھی گئی، جیسا کہ پہلے مفصّل وباحوالہ گزر چکا۔

[2] بخلاف الفقير إذا حج، ثم استغنى حيث جاز ما أدى عن الفرض؛ لأن مالك المال ليس بشرط للوجوب إنما شرط الوجوب التمكن من الوصول إلى موضع الأداء ، ألا ترى أن المكي الذي هو في موضع الأداء لا يعتبر في حقه ملك المال، وفي حق الآفاقي لا يتقدر المال بالنصاب بل يختلف ذلك باختلاف قربه من موضع الأداء وبعده فعرفنا أن الشرط هو التمكن من الوصول إلى موضع الأداء فبأي طريق وصل الفقير إلى ذلك الموضع وجب الأداء فإنما حصل أداؤه بعد الوجوب فكان فرضا (المبسوط للسرخسي، ج۴، ۱۵۰، كتاب المناسك)

مسئلہ نمبر۲...... جو شخص حرم شریف یا اُس کے قرب وجوار میں ہو، اور اُسے پیدل حج کرنے کی قدرت ہو، اُس پر حج فرض ہونے کے لئے مالدار اور سواری کا مہیا ہونا ضروری نہیں، البتہ اس دوران کھانے پینے اور جن لوگوں کا نان نفقہ اپنے ذمہ ہے، مثلاً بیوی بچے، ان کے نان نفقہ کے اخراجات کا انتظام ضروری ہے۔ [۱]

---

[۱] خصال الحاجة الأصلية ثلاث:

أ -نفقة عياله ومن تلزمه نفقتهم مدة ذهابه وإيابه عند الجمهور (خلافا للمالكية كما نوضح في الخصلة التالية) ، لأن النفقة حق للآدميين، وحق العبد مقدم على حق الشرع .لما روى عبد الله بن عمرو عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال :كفى بالمرء إثما أن يضيع من يقوت .

ب -ما يحتاج إليه هو وأهله من مسكن، ومما لا بد لمثله كالخادم وأثاث البيت وثيابه بقدر الاعتدال المناسب له في ذلک كله، عند الجمهور خلافا للمالكية أيضا.

وقال المالكية في هاتين الخصلتين:

يبيع في زاده داره التي تباع على المفلس وغيرها مما يباع على المفلس من ماشية وثياب ولو لجمعته إن كثرت قيمتها، وخادمه، وكتب العلم ولو محتاجا إليها.

وإن كان يترک ولده وزوجته لا مال لهم، فلا يراعى ما يؤول إليه أمره وأمر أهله وأولاده في المستقبل، وإن كان يصير فقيرا لا يملک شيئا، أو يترک أولاده ونحوهم للصدقة، إن لم يخش هلاكا فيما ذكر أو شديد أذى "

وهذا لأن الحج عندهم واجب على الفور كما قدمنا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ص ۳۱، مادة"حج"خصال الحاجة الأصلية)

ومنها ملک الزاد، والراحلة في حق النائي عن مكة(بدائع الصنائع، ج۲، ص ۱۲۲، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج)

رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فسر الاستطاعة :بالزاد، والراحلة جميعا فلا تثبت الاستطاعة بأحدهما، وبه تبين أن القدرة على المشي لا تكفي لاستطاعة الحج ثم شرط الراحلة إنما يراعى لوجوب الحج في حق من نأى عن مكة فأما أهل مكة، ومن حولهم فإن الحج يجب على القوي منهم القادر على المشي من غير راحلة؛ لأنه لا حرج يلحقه في المشي إلى الحج كما لا يلحقه الحرج في المشي إلى الجمعة(بدائع الصنائع، ج۲ص ۱۲۲، فصل شرائط فرضية الحج)

والفقير الآفاقي إِذا وصل إلى ميقات فهو كالمكي .والـمُعْتَمَدُ أَن يشترط الزاد في حقِّ المكي إِنْ قَدَرَ على المشي، وإِلَّا فهو كالآفاقي(شرح النقاية ،كتاب الحج)

في اللباب :الفقير الآفاقي إذا وصل إلى ميقات فهو كالمكي قال شارحه أي حيث لا يشترط في حقه إلا الزاد والراحلة إن لم يكن عاجزا عن المشي، وينبغي أن يكون الغني الآفاقي كذلک إذا عدم الركوب بعد وصوله إلى أحد المواقيت فالتقييد بالفقير لظهور عجزه عن المركب، وليفيد أنه يتعين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... اگر کوئی شخص اصل میں تو مکہ مکرمہ یا اس کے قرب وجوار کا رہنے والا نہیں، لیکن حج کے زمانہ میں (یعنی شوال کا چاند نظر آنے سے لے کر دس ذی الحجہ سے پہلے پہلے کے زمانہ میں کسی بھی وقت) مکہ مکرمہ یا اس کے قرب وجوار میں پہنچ گیا ہے، تو اخراجات کے اعتبار سے اس کا حکم بھی مکہ یا اس کے قرب وجوار والوں کا (جہاں کہ وہ موجود ہے) ہو جائے گا۔

اب اگر دیگر شرائط موجود ہوں، تو اُس پر حج فرض ہو جائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر۴...... اگر کوئی شخص بیتُ اللہ سے مسافتِ سفر یا اس سے زیادہ فاصلے پر ہے، تو اس کے حق میں حج کی استطاعت کا حکم عائد ہونے کے لئے اس جگہ سے سفر کرنے اور سواری

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علیه أن لا ینوی نفلا علی زعم أنه لا یجب علیه لفقره لأنه ما کان واجبا وهو آفاقی فلما صار کالمکی وجب علیه فلو نواه نفلا لزمه الحج ثانیا .اهـ.ملخصا(رد المحتار علی الدر المختار، ج۲،ص ۴۶۰،کتاب الحج)

والقدرة علی راحلة مختصة به أو علی شق محمل بالملک أو الإجارة لا الإباحة والإعارة لغیر أهل مکة ومن حولهم؛ لأنهم لا یلحقهم مشقة فأشبه السعی إلی الجمعة قاله الزیلعی والکمال والمراد إذا کان قویا یمکنه المشی بالقدم وإلا فلا یجب وقیل لا یجب الحج علی أهل مکة بدون الراحلة کما فی المبتغی(حاشیة الشرنبلالی علی درر الحکام ، ج ۱ ص ۲۱۶، کتاب الحج)

[1] اگر حکومت کی طرف سے اس کو حج کرنے کی اجازت نہ ہو، تو امام صاحب کے ظاہرِ مذہب کے مطابق اس پر حج فرض نہ ہوگا، جبکہ صاحبین کے نزدیک اس پر حج فرض ہو جائے گا (للاختلاف فی منع السلطان هل هو شرط لوجوب الحج او شرط لادائه)

(تنبیه)فی اللباب :الفقیر الآفاقی إذا وصل إلی میقات فهو کالمکی قال شارحه أی حیث لا یشترط فی حقه إلا الزاد والراحلة إن لم یکن عاجزا عن المشی، وینبغی أن یکون الغنی الآفاقی کذلک إذا عدم الرکوب بعد وصوله إلی أحد المواقیت فالتقیید بالفقیر لظهور عجزه عن المرکب، ولیفید أنه یتعین علیه أن لا ینوی نفلا علی زعم أنه لا یجب علیه لفقره لأنه ما کان واجبا وهو آفاقی فلما صار کالمکی وجب علیه فلو نواه نفلا لزمه الحج ثانیا .اهـ(ردالمحتار، ج۲ص ۴۶۰، کتاب الحج)

(قوله :کالفقیر إذا حج) أی فإنه یسقط عنه الفرض حتی لو استغنی لا یجب علیه أن یحج قال فی فتح القدیر وهو معلل بأمرین الأول أن عدمه علیه لیس لعدم الأهلیة کالعبد بل للترفیه ودفع الحرج عنه فإذا تحمله وجب ثم یسقط کالمسافر إذا صام رمضان والثانی أن الفقیر إذا وصل إلی المواقیت صار حکمه حکم أهل مکة فیجب علیه وإن لم یقدر علی الراحلة اهـ(منحة الخالق،شرح البحر الرائق، ج ۲ ص ۳۳۵، و ۳۳۶،کتاب الحج)

کے اخراجات مہیا ہونے کا اعتبار ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۵......سواری اور راستہ کے اخراجات کا اعتبار ہر شخص کی حیثیت کے مطابق ہوگا، کہ جس قسم کے کھانے پینے اور سفر کرنے کے اخراجات سے اس کو وقت و پریشانی لاحق نہ ہوتی ہو، اس قسم کے اخراجات معتبر ہوں گے، اور اس سلسلہ میں مختلف خطوں میں آباد لوگوں اور مختلف قبیلوں کے افراد کے مزاج مختلف ہیں۔ [2]

---

[1] (لَهُ زَادٌ) أى نفقة متوسطة ذاهباً وآيباً، (ورَاحِلَةٌ) وهو شِقُّ مَحْمِلٍ لذى رفاهية وضعيف بِنُيَة، أو رأس زَامِلَة لذى قوة وجَلَدٍ، لا عُقْبة، لعدم القدرة فى جميع السفر حينئذ، وهذا فى حق غير أهل مكة ومَنْ حولها ما دون مسافة القصر، وأَما هُمْ فليس من شرط الوجوب عليهم الراحلة لعدم المشقة فى حقهم، فأشبه السعى إلى الجمعة(شرح النقاية ، كتاب الحج)

والحاصل :أن الزاد لا بد منه ولو لمكى كما صرح به غير واحد كصاحب الينابيع والسراج، وما فى الخانية والنهاية من أن المكى يلزمه الحج ولو فقيرا لا زاد له نظر فيه ابن الهمام إلا أن يراد ما إذا كان يمكنه الاكتساب فى الطريق، وأما الراحلة فشرط للآفاقى دون المكى القادر على المشى وقيل شرط مطلقا لأن ما بين مكة وعرفات أربع فراسخ، ولا يقدر كل أحد على مشيها كما فى المحيط وصحح صاحب اللباب فى منسكه الكبير الأول، ونظر فيه شارحه القارى بأن القادر نادر ومبنى الأحكام على الغالب، وحد المكى عندنا من كان داخل المواقيت إلى الحرم كما ذكره الكرمانى، وهو بعيد جدا بل الظاهر ما فى السراج وغيره أنه من بينه وبين مكة أقل من ثلاثة أيام وفى البحر الزاخر واشتراط الراحلة فى حق من بينه وبين مكة ثلاثة أيام فصاعدا أما ما دونه فلا إذا كان قادرا على المشى وتمامه فى شرح اللباب(ردالمحتار، ج۲ص ۴۶۰، كتاب الحج)

[2] (قوله :والناس متفاوتون فى ذلك) قال فى الفتح فليس كل من قدر على ما تيسر من خبز وجبن دون لحم قادرا على الزاد بل ربما يهلك بمداومته ثلاث أيام مرضا إذا كان مترفها معتاد اللحم والأطعمة المترفهة (قوله :لو قدر على غير الراحلة إلخ) قال العلامة الشيخ -رحمه الله - السندى تلميذ المحقق ابن الهمام فى منسكه الكبير واعلم أن مراد الفقهاء من الراحلة المركب من الإبل ذكرا كان أو أنثى كما قاله الجوهرى ثم هل هو شرط بخصوصه أو غيره من الدواب داخل فى حكمه لم أر تعرض الأصحاب لذلك وتعرض له بعض العلماء من الشافعية فقال المحب الطبرى وفى معنى الراحلة كل حمولة اعتيد الحمل عليها فى طريقه أى الحج من برذون أو بغل أو حمار وقال الأذرعى منهم هو صحيح فيمن بينه وبين مكة مراحل يسيرة جرت العادة بالسفر عليها فى مثل تلك المسافة دون المراحل البعيدة كأهل المشرق والمغرب مثلا؛ لأن غير الإبل لا يقوى على قطع المسافات الشاسعة غالبا اهـ .وهو تفصيل حسن جدا ولم أر فى كلام أصحابنا ما يخالفه بل ينبغى أن يكون هذا التفصيل مرادهم اهـ.

(قوله :ولم أره صريحا) قال الشيخ إسماعيل قد رأيت ولله تعالى الحمد فى المجتبى برمز شرح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر اگر اخراجات مختلف نوعیّتوں کے ہوں، تو درمیانی درجے کے اخراجات کا اعتبار ہوگا، جس میں نہ تو اعلیٰ درجہ کے اخراجات کو بنیاد بنایا جائے گا، اور نہ ہی بالکل ادنیٰ درجہ کے اخراجات کو۔

پس حج فرض ہونے کے لئے مالی استطاعت حاصل ہونے کے سلسلہ میں حج کے اخراجات ومصارف میں درمیانی اور متوسط درجے کے اخراجات ومصارف کا اعتبار ہے، نہ تو اعلیٰ درجے کے اخراجات کا مہیا ہونا ضروری ہے، جن میں فضول خرچی شامل ہو، اور نہ ہی کمزور درجے کے اخراجات کا ہونا کافی ہے، کہ جو کنجوسی میں داخل ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الصباغی ما هو صريح فيه ولفظه ولو ملك كراء حمار أو كراء بعير عقبة فهو عاجز عن الراحلة اهـ.لكن فی ذخيرة العقبی والراحلة قيل الناقة التی تصلح لأن ترحل والمراد هاهنا المركب مطلقا اهـ.وقال الرملی الفقه يقتضی الوجوب فی البغل والحمار والفرس إذ هو منوط بالاستطاعة وهی أعم واشتراط ذكر الإبل أو أنثاه لا دليل عليه تأمل اهـ.وينبغی التفصيل كما بحثه السندی فی منسكه الكبير وهو الوجوب عند قرب المسافة بخلاف المشرقی والمغربی (قوله :ويعتبر فی حق كل إنسان ما يبلغه إلخ) قال منلا علی القاری فی شرحه علی لباب المناسك فهو إما بركوب زاملة أو شق محمل، وأما المحفة فمن مبتدعات المترفهة فليس لها عبرة اهـ.

أقول :الظاهر أن المراد بالمحفة التخت المعروف فی زماننا الذی يحمل علی جملين أو بغلين لا المحارة؛ لأنها شق المحمل كما فسره المؤلف، تأمل .ثم رأيت بعض الفضلاء نقل عن الشيخ عبد الله العفيف فی شرح منسكه أنه اعترض كلام منلا علی فقال لا يخفی منابذته لما قرروه من أنه يعتبر فی حق كل ما يليق بحاله عادة وعرفا إذ كثير من المترفهين لا يقدر علی الركوب إلا فی المحفة لا سيما عند بعد المسافة فمن كان كذلك ينبغی أن يعتبر فی حقه بلا ارتياب وأما لو قدر علی غيرها من محمل أو رأس زاملة فلا يعذر ولو كان شريفا أو وجيها أو ذا ثروة اهـ(منحة الخالق علی البحر الرائق، ج۲ ص ۳۳۶، كتاب الحج)

[1] وأما تفسير الزاد، والراحلة فهو أن يملك من المال مقدار ما يبلغه إلی مكة ذاهبا، وجائيا راكبا لا ماشيا بنفقة وسط لا إسراف فيها، ولا تقتير فاضلا عن مسكنه، وخادمه، وفرسه، وسلاحه، وثيابه، وأثاثه، ونفقة عياله، وخدمه، وكسوتهم، وقضاء ديونه(بدائع الصنائع، ج۲ ص ۱۲۳، فصل شرائط فرضية الحج)

شروط الزاد وآلة الركوب :ذكر العلماء شروطا فی الزاد وآلة الركوب المطلوبين لاستطاعة الحج، هی تفسير وبيان لهذا الشرط، نذكرها فيما يلی:أ -أن الزاد الذی يشترط ملكه هو ما يحتاج إليه فی ذهابه وإيابه من مأكول ومشروب وكسوة بنفقة وسط لا إسراف فيها ولا تقتير، فلو كان يستطيع زادا أدنی من الوسط الذی اعتاده لا يعتبر مستطيعا للحج، ويتضمن اشتراط الزاد أيضا ما يحتاج إليه من آلات للطعام والزاد مما لا يستغنی عنه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ص ۳۰، مادة "حج")

مسئلہ نمبر ۶ ...... حج کی مالی استطاعت اپنی ملکیت والے مال سے ثابت ہوتی ہے، جو مال اپنی ملکیت میں نہ ہو، بلکہ دوسرے سے قرض لیا ہو، یا کسی دوسرے نے اس مال کو اس کے لئے مالک بنائے بغیر مباح کر دیا ہو، یعنی مثلاً یہ اجازت دے دی ہو کہ آپ اگر چاہو، تو اس سے حج کرلو، تو اس سے استطاعت ثابت نہیں ہوتی، اور اس لئے اگر کوئی دوسرا شخص کسی کو حج کے لئے مال ہدیہ وعطیہ کرے، تو اس کا قبول کرنا واجب نہیں۔

البتہ اگر قبول کرلیا، اور اس مال پر جائز ملکیت قائم ہوگئی، تو پھر اس مال کی وجہ سے مالی استطاعت کا حکم حاصل ہوجائے گا، اور دیگر شرائط پائی جانے پر حج فرض ہوجائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷...... فقہائے احناف کے نزدیک قربانی کی طرح حج فرض ہونے کے لئے بھی پانچ قسم کے مالوں کا اعتبار کیا جاتا ہے، جو کہ ترتیب وار یہ ہیں:

(۱)...... سونا (۲)...... چاندی (۳)...... روپیہ پیسہ (۴)...... تجارت کا مال

(۵)......ضرورت سے زیادہ سامان۔

پس جس مسلمان، عاقل، بالغ مرد یا عورت کی ملکیت میں سونا یا چاندی یا نقدی یا تجارت کا سامان یا ضرورت سے زیادہ سامان میں سے کوئی ایک چیز یا ان پانچوں یا ان میں سے بعض چیزوں کا مجموعہ اتنی مقدار میں ہو کہ جس سے حج کے لئے آمد ورفت اور قیام وطعام کے

---

[1] (قوله ولو وهب الأب لابنه إلخ) وكذا عكسه وحيث لا يجب قبوله مع أنه لا يمن أحدهما على الآخر يعلم حكم الأجنبي بالأولى ومراده إفادة أن القادر على الزاد والراحلة لا بد فيها من الملك دون الإباحة والعارية كما قدمناه(رد المحتار ،ج۲،ص ۴۶۱،کتاب الحج)

الأمر الثاني :اختلف العلماء في الزاد ووسائل المواصلة هل يشترط ملكية المكلف لما يحصلها به أو لا يشترط؟

فذهب الحنفية والمالكية والحنابلة إلى أن ملك ما يحصل به الزاد ووسيلة النقل (مع ملاحظة ما ذكرنا عند المالكية) شرط لتحقق وجوب الحج، وفي هذا يقول ابن قدامة :ولا يلزمه الحج ببذل غيره له، ولا يصير مستطيعا بذلك، سواء كان الباذل قريبا أو أجنبيا، وسواء بذل له الركوب والزاد، أو بذل له مالا "وذهب الشافعي فيما يروى عنه إلى أنه يجب الحج بإباحة الزاد والراحلة إذا كانت الإباحة ممن لا منة له على المباح له، كالوالد إذا بذل الزاد والراحلة لابنه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ص ۲۹،وص ۳۰، مادة "حج")

مصارف برداشت کئے جاسکیں، اور جن افراد کا نان نفقہ اپنے ذمہ لازم ہے، مثلاً بیوی، بچے واپسی تک اُن کا نان نفقہ بھی ادا کرسکے، تو حج کی مالی استطاعت حاصل ہونے کا حکم لگایا جائے گا، اور دیگر شرائط پائی جانے پر حج فرض ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر۸...... جو چیزیں نہ تو سونے کی شکل میں ہوں، اور نہ چاندی کی شکل میں ہوں، نہ روپیہ پیسہ کی شکل میں ہوں، اور نہ ہی تجارت کے مال کی شکل میں ہوں، بلکہ ان چاروں چیزوں کے علاوہ ہوں، خواہ کسی بھی نوعیت کی ہوں، منقولہ یا غیر منقولہ، ان میں اعتبار حاجتِ اصلیہ یعنی بنیادی ضرورت میں استعمال ومشغول ہونے، نہ ہونے کا ہوگا۔

پس جو چیزیں کسی شخص کی حاجتِ اصلیہ اور بنیادی ضروریات میں استعمال ومشغول ہوں گی، حج فرض ہونے کے سلسلہ میں ان کی مالیت کا حساب نہیں لگایا جائے گا، اور جو چیزیں حاجتِ اصلیہ سے زائد ہوں گی، ان کی مالیت کا حساب لگایا جائے گا۔ [2]

---

[1] سبب وجوب الزكاة هو المال النامي الفاضل عن الحاجة والنماء في مال التجارة بالاسترباح وذلك من حيث المالية إلا أن حقيقة النماء مما يتعذر اعتباره فأقيمت التجارة التي هي سبب النماء مع الحول الذي هو زمان النماء مقامه فمتى حال الحول على مال التجارة يكون ناميا فاضلا عن الحاجة تقديرا، إذا ثبت هذا فنقول كل ما كان من أموال التجارة كائنا ما كان من العروض والعقار والمكيل والموزون وغيرها تجب فيه الزكاة إذا بلغ نصاب الذهب أو الفضة وحال عليه الحول وهو ربع عشره، وهذا قول عامة العلماء (تحفة الفقهاء، ج ١ ص ٢٧١، باب زكاة اموال التجارة)

وفي الأصل: إذا كان له دار يسكنها، وعبد يستخدمه وثياب يلبسها، ومتاع يحتاج إليه، لا تثبت به الاستطاعة، وذكر القدوري في شرحه: إذا كان له دار لا يسكنها وعبد لا يستخدمه، فعليه أن يبيعه ويحج به، وكل ذلك يشير إلى اعتبار الفراغ عن الحاجة الأصلية.

وفي القدوري أيضاً: إذا كان له منزل يسكنه، ويمكنه أن يبيع ويشتري بثمنه منزلاً دون منه، ويحج بالفضل لم يلزمه ذلك، لأنه محتاج إلى منزله للسكنى، ولا يعتبر في الحاجة قدر ما لا بد منه، ألا ترى أنه لا يلزمه بيع المنزل والاقتصار على السكنى؟ (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج٢ص٤١٨، كتاب المناسك، الفصل الأول: في بيان شرائط الوجوب)

[2] ثم قدر الحاجة ما ذكره الكرخي في مختصره فقال لا بأس بأن يعطى من الزكاة من له مسكن وما يتأثث به في منزله وخادم وفرس وسلاح وثياب البدن وكتب العلم إن كان من أهله فإن كان له فضل عن ذلك ما يبلغ قيمته مائتي درهم حرم عليه أخذ الصدقة لما روى عن الحسن البصري أنه قال كانوا يعطون الزكاة لمن يملك عشرة آلاف درهم من الفرس والسلاح والخدم والدار.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۹...... بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جس کے پاس نقد روپیہ یا زیورات وغیرہ حج کرنے کے لائق ہو، تو اس کو حج کی مالی استطاعت حاصل ہوجاتی ہے، لیکن اگر زیورات اور رقم کے علاوہ ضرورت سے زائد فالتو سامان اور جائیداد وغیرہ ہو تو حج کی مالی استطاعت کے لئے اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا، یہ غلط فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ حج کی مالی استطاعت حاصل ہونے میں رقم، سونا، چاندی اور تجارت کے سامان کے علاوہ ضرورت سے زیادہ سامان اور جائیداد کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔

لہٰذا اگر یہ تمام چیزیں ملا کر حج کی استطاعت کے لئے کافی ہوجائیں تو دیگر شرائط پائی جانے پر حج فرض ہوجاتا ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۱۰...... حج فرض ہونے کے لئے حج کے جن اخراجات کا اعتبار کیا جاتا ہے، اُن میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقوله: كانوا، كناية عن أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم- وهذا لأن هذه الأشياء من الحوائج اللازمة التي لا بد للإنسان منها فكان وجودها وعدمها سواء(بدائع الصنائع، ج۲ص۴۸، فصل شرائط ركن الزكاة)

فقہائے کرام نے حاجتِ اصلیہ کی جو قید لاکر اس کے ساتھ مختلف مثالیں ذکر فرمائی ہیں ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت وحاجت کی بنیاد مباح الاستعمال ہونے کے ساتھ ساتھ مشقت پر ہے اور مشقت ایک اضافی چیز ہے۔ اس لئے ضرورت وحاجت کی تعیین میں علاقہ، مقام، احوالِ زمانہ، لوگوں کی قوتِ برداشت وغیرہ کے لحاظ سے فرق واقع ہوسکتا ہے کسی دور میں وقت دیکھنے کے لئے موجودہ گھڑی ضرورت میں داخل نہیں تھی، ایک زمانے میں روشنی کے لئے معمولی چراغ کافی تھے مگر آج کے دور میں عموماً گھڑی، بلب اور بجلی ضرورت میں داخل ہوچکی ہے، کسی دور میں ہاتھ کے پنکھے گرمی میں ہوا حاصل کرنے کے لئے کافی سمجھے جاتے تھے مگر آج ان کے بجائے بجلی کے پنکھے ضرورت وحاجت میں داخل ہیں (اذا كان يستعمل) لہٰذا حوائج اصلیہ کا تعین ہر زمانہ، علاقہ اور افراد کے حالات کی روشنی میں ہوگا، لیکن چونکہ یہ ایک اجتہادی کام ہے اور حیثیات وحالات سے حکم مختلف ہوجاتا ہے اس لئے ہر شخص کی انفرادی حالت کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا۔

اس سلسلے میں مناسب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے حالات اور ضروریات کو سامنے رکھ کر کسی معتبر عالم سے حکم معلوم کرلیا کرے۔ محمد رضوان۔

[۱] ثم المراد من الاستطاعة بملك الزاد والراحلة أن يكون عنده مال فاضل عن حوائجه الأصلية قدر ما يشترى أو يكرى به شقّ محمل أو راحلة، وقدر نفقته ونفقة عياله مدة ذهابه ومجيئه من غير سرف ولا تقتير(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج۲ص۴۱۸، كتاب المناسك، الفصل الأول: في بيان شرائط الوجوب)

آمدورفت کے اخراجات کے علاوہ حکومت کی طرف سے مقرر شُدہ معلمین کی فیس، منیٰ اور مکہ وغیرہ میں رہائش وقیام کے اخراجات، اور جن مختلف ٹیکسز سے بچنا اختیار میں نہ ہو، اس قسم کے سب مصارف داخل ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۱...... حج فرض ہونے کے لئے اتنے مال کا ہونا معتبر ہے کہ مکہ آنے جانے اور وہاں کے قیام اور جن لوگوں کا نان نفقہ اپنے ذمہ لازم ہے، اُن کے نان نفقہ کے لئے کافی ہو، فی نفسہٖ مدینہ منورہ کی آمدورفت اور وہاں کے قیام وطعام کے اخراجات کا انتظام ہونا ضروری نہیں، البتہ اگر کسی کے پاس انتظام ہو تو اس کو مدینہ منورہ اور روضہ پر حاضری سعادت کی بات ہے۔

لیکن یہاں اصل بحث حج فرض ہونے کی مالی حیثیت سے ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۱۲...... حج کے مصارف اور ضروریات میں دوستوں اور رشتہ داروں کے لئے تحفے تحائف کے اخراجات شامل نہیں، لہٰذا جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک دوستوں اور رشتہ داروں کے لئے تحفے تحائف کا انتظام نہ ہو، اس وقت تک حج کی مالی استطاعت حاصل نہیں ہوتی، اس لئے حج فرض نہیں ہوتا، یہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔ [۲]

---

[۱] اور اگر حکومت کے قانون کی رو سے مدینہ منورہ کا سفر اور وہاں چند دن قیام ضروری ہو، اور اس کے اخرجات بھی حج درخواست کے ساتھ لازمی طور پر کاٹے اور حاصل کئے جاتے ہوں، تو پھر بامرِ مجبوری اس طرح کے اخراجات بھی معلمین کی فیس وغیرہ کی طرح حج فرض ہونے کی مالی استطاعت میں داخل سمجھے جائیں گے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

[۲] ليس من الحوائج الأصلية ما جرت به العادة المحدثة برسم الهدية للأقارب والأصحاب، فلا يعذر بترك الحج لعجزه عن ذلك كما نبه عليه العمادى فى منسكه، وأقره الشيخ إسماعيل وعزاه بعضهم إلى منسك المحقق ابن أمير حاج، وعزاه السيد أبو السعود إلى مناسك الكرمانى(رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص ۴۶۲، كتاب الحج)

(قوله :وأطلق فى الزاد إلخ) قال ابن العمادى فى منسكه وهاهنا فائدة ينبغى للعامة التنبه لها وهى أن عدم القدرة على ما جرت به العادة المحدثة لكثير من أهل الثروة برسم الهدية للأقارب والأصحاب ليس بعذر مرخص لتأخير الحج فإن هذا ليس من الحوائج الشرعية فمن امتنع من الحج بمجرد ذلك حتى مات فقد مات عاصيا فالحذر من ذلك اهـ قال بعض الفضلاء ونحوه لابن أمير حاج اهـ.(منحة الخالق على هامش البحر الرائق، ج۲ ص ۳۳۶، كتاب الحج)

مسئلہ نمبر۱۴۳...... اگر سونا؛ چاندی (خواہ زیور کی شکل میں ہو) اور اسی طرح کرنسی موجود تو ہے، مگر وہ آئندہ ضرورت کے استعمال میں خرچ کرنے (مثلاً گھر یا دوکان وغیرہ خریدنے، یا شادی بیاہ میں خرچ کرنے) کے لیے رکھی ہوئی ہے، اور حج کا زمانہ شروع ہوگیا، تو اس رقم کو حج کی مالی استطاعت کے حاصل ہونے میں شمار کیا جائے گا۔ [۱]

کیونکہ صرف آئندہ ضرورت میں خرچ کرنے کی نیت کر لینے سے سونا چاندی اور کرنسی، ضرورت وحاجت میں مشغول نہیں کہلاتیں۔

البتہ جن لوگوں کا نان ونفقہ واجب ہے، ان کے حج سے واپسی تک کے اخراجات اور اس زمانے کے اپنے کھانے پینے اور رہنے سہنے اور سفر کے اخراجات کا اعتبار خود حج فرض ہونے کے لئے معتبر ہے، لہٰذا اتنی مقدار کے مستثنیٰ ہونے میں شک نہیں۔

---

[۱] وذكر الكرخي أن أبا يوسف قال إذا لم يكن له مسكن، ولا خادم، ولا قوت عياله، وعنده دراهم تبلغه إلى الحج لا ينبغي أن يجعل ذلك في غير الحج فإن فعل أثم؛ لأنه مستطيع لملك الدراهم فلا يعذر في الترك، ولا يتضرر بترك شراء المسكن، والخادم بخلاف بيع المسكن، والخادم، فإنه يتضرر ببيعهما (بدائع الصنائع، ج۲ ص۱۲۳، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج)

اور یہ مذکورہ حکم حج کے زمانہ کا ہے، اور حج کے زمانہ کی بحث آگے آتی ہے۔

بعض اہلِ علم نے آئندہ پیش آنے والے ضروری یا رواں اخراجات کو حاجاتِ اصلیہ میں مشغول قرار دیا ہے، مگر یہ بات فقہی اصول وقواعدِ احناف کی روشنی میں درست معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ فقہائے کرام کے بیان کردہ جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجتِ اصلیہ میں مشغول ہونے کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ مال خود مباح الاستعمال طریقہ پر حاجتِ اصلیہ میں استعمال ومشغول ہو، مثلاً رہائشی مکان، پہننے کے کپڑے، سواری کا جانور یا گاڑی اور گھریلو استعمال کا سامان وغیرہ کہ یہ چیزیں حاجاتِ اصلیہ میں خود یعنی ان کی ذات استعمال ہوتی ہے، برخلاف دراہم ودنانیر کے (روپیہ پیسہ بھی اسی حکم میں ہے) کہ یہ خود یعنی ان کی ذات کسی حاجتِ اصلیہ میں استعمال نہیں ہوتی کیونکہ نہ ان میں رہائش ہوسکتی ہے نہ انہیں بذات خود پہنا جاسکتا، نہ کھایا پیا جاسکتا ہے نہ ان پر سواری ہوسکتی ہے۔

البتہ ان کو خرچ کر کے ان کے عوض ایسی چیزیں ضرور خریدی جاسکتی ہیں جو حاجاتِ اصلیہ میں استعمال ہوں، پس جب تک یہ چیزیں اپنی حالت پر برقرار ہوں خرچ نہ ہوں حاجتِ اصلیہ میں مشغول نہیں کہلائیں گی (ماخوذ از نوادرُ الفقہ جلد اول صفحہ ۳۸۳، بتغیر)

ثم الفضة مال الزكاة كيفما كانت مضروبة أو غير مضروبة أو تبرا أو حليا يحل استعمالها أو لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اپنے ذمہ جو کسی کا قرض ودَین ہو، اتنی مقدار کا انسان خود مالک نہیں، اس لئے اس قرض کے بقدر مال (نقدی، سونا، چاندی) کو حج کی مالی استطاعت اور حج فرض ہونے میں شامل نہیں کیا جائے گا، جس کا آگے ذکر آتا ہے۔

تاہم اگر کسی شخص نے حج پر جانے یا حج کی درخواستیں وصول کئے جانے کا زمانہ شروع ہونے سے پہلے اپنے پاس ضرورت سے زائد مال کو اپنی ضروریات میں استعمال وخرچ کرلیا مثلاً دکان یا گھر خریدلیا اور اس رقم کو اس کی قیمت میں ادا کردیا، یا فی الحال تو ادا نہیں کیا لیکن اس کی قیمت کا ذمہ میں ادا کرنا باقی اور لازم ہوگیا، تو اب اتنی مقدار کو حج کی مالی استطاعت میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أمسكها للنفقة أو لا نوى التجارة أو لم ينو وكذلك حلية السيف واللجام والسرج والكواكب التي في المصاحف إذا كانت تخلص عند الإذابة(تحفة الفقهاء ، ج ا ص ۲۶۴،كتاب الزكاة)

الاان الاعداد للتجارة في الاثمان المطلقة من الذهب والفضة ثابت بأصل الخلقة لانهالاتصلح للانتفاع باعيانها في دفع الحوائج الاصلية فلاحاجة الى الاعداد من العبدللتجارة بالنية اذالنية للتعيين وهي متعينة للتجارة بأصل الخلقة فلا حاجة الى التعيين بالنية فتجب الزكاة فيهانوى التجارة أولم ينوأصلا أونوى النفقة وأمافيما سوى الأثمان من العروض فانما يكون الاعداد فيها للتجارة بالنية لانها كماتصلح للتجارة تصلح للانتفاع باعيانها بل المقصود الاصلي منها ذلك فلابد من التعيين للتجارة وذلك بالنية (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۱، فصل الشرائط التي ترجع الى المال)

(وحليهما) سواء كان للنساء أو لا أو قدر الحاجة أو فوقها أو يمسكها للتجارة أو للنفقة أو للتجمل أو لم ينو شيئا .وقال مالك :المباح الاستعمال لا زكاة فيه وهو أظهر القولين عن الشافعي؛ لأنه مبتذل ومباح فشابه ثياب البذلة ولنا أن السبب كونهما مال نام والنماء موجود وهو الإعداد للتجارة خلقة، والدليل هو المعتبر بخلاف الثياب وحلي المرأة معروف جمعه حلي بالضم والكسر ولا يدخل الجواهر واللؤلؤ وبخلافه في بحث الإيمان (وآنيتهما) جمع إناء(مجمع الانهر ، ج ا ص ۲۰۶، ۲۰۷، كتاب الزكاة، نصاب الفضة)

فإذا كان معه دراهم أمسكها بنية صرفها إلى حاجته الأصلية لا تجب الزكاة فيها إذا حال الحول، وهي عنده، لكن اعترضه في البحر بقوله :ويخالفه ما في المعراج في فصل زكاة العروض أن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة، وكذا في البدائع في بحث النماء التقديري . اهـ.قلت :وأقره في النهر والشرنبلالية وشرح المقدسي، وسيصرح به الشارح أيضا، ونحوه قوله في السراج سواء أمسكه للتجارة أو غيرها، وكذا قوله في التتارخانية نوى التجارة أولا......وكذا ما سيأتي في الحج من أنه لو كان له مال، ويخاف العزوبة يلزمه الحج به إذا خرج أهل بلده قبل أن يتزوج، وكذا لو كان يحتاجه لشراء دار أو عبد فليتأمل، والله أعلم(ردالمحتار، ج۲ص ۲۶۲، ۲۶۳، كتاب الزكاة)

وہ الگ بات ہے کہ بلاضرورت اور حج کی فرضیت سے بچنے کے لئے ایسا کرنا بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک مکروہ یا گناہ والا عمل ہے، بالخصوص جبکہ بلاضرورت ایسا کیا جائے۔

اور اگر حج پر جانے یا حج کی درخواستیں وصول کئے جانے کا وقت گزرنے اور ختم ہونے کے بعد اُس مال کو مذکورہ یا اس جیسی ضروریات میں استعمال وخرچ کیا، تو پھر اس مال کا حج فرض ہونے میں اعتبار کیا جائے گا۔ [1]

[1] (قوله ويعتبر أن يكون مالكا له وقت خروج أهل بلده إلخ) حتى لو تصرف فيه أو اشترى به عروضا أو حيوانا قبل خروج أهل بلده يسقط عنه الحج غير أن ذلك مكروه عند محمد وعند أبي يوسف لا بأس به ولو تصرف فيه بعد خروج أهل بلده لا يسقط عنه الحج ، ويكون دينا في ذمته حتى لو مات لقي الله وعليه الحج (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، ج ۲ ص ۴، كتاب الحج)

وكذا لو كان عنده ما لو اشترى به مسكنا وخادما لا يبقى بعده ما يكفي للحج لا يلزمه خلاصة (الدر المختار)

(قوله لا يلزمه) تبع في عزو ذلك إلى الخلاصة ما في البحر والنهر، والذي رأيته في الخلاصة هكذا وإن لم يكن له مسكن ولا شيء من ذلك وعنده دراهم تبلغ به الحج وتبلغ ثمن مسكن وخادم وطعام وقوت وجب عليه الحج وإن جعلها في غيره أثم اهـ لكن هذا إذا كان وقت خروج أهل بلده كما صرح به في اللباب أما قبله فيشتري به ما شاء لأنه قبل الوجوب كما في مسألة التزوج الآتية وعليه يحمل كلام الشارح فتدبر (رد المحتار على الدر المختار، ج۲ص ۴۶۲، كتاب الحج)

ولو لم يكن له مسكن ولا شيء من ذلك، وعنده دراهم تبلغه الحج، وتبلغه من مسكن وخادم وطعام وقوت كان عليه أن يحج، وإن جعلها في غير الحج أثم، فإن كان ذلك قبل شهر الحج وقبل أن يخرج أهل بلده إلى الحج، فهو في سعة من صرفها إلى أي الأصناف التي سمّينا إن شاء (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج۲ص ۴۱۸، كتاب المناسك، الفصل الأول في بيان شرائط الوجوب)

ثم هذه الشرائط التي ذكرنا إنما تعتبر عند خروج أهل بلدة إلى الحج لأن ذلك وقت الوجوب في حقه حتى إنه إذا كان عنده دراهم قبل خروج أهل بلده واشترى بها المسكن والخادم وأثاث البيت ونحو ذلك، فعند خروج أهل بلده لا يجب عليه أن يبيع ذلك ولا يجب الحج عليه، فأما إذا كان له دراهم وقت الخروج مقدار الزاد والراحلة ولم يكن له مسكن ولا خدام ولا زوجة فأراد أن يصرفها إلى هذه الأشياء فإنه يأثم ويجب عليه الحج ويلزمه الخروج معهم (تحفة الفقهاء للسمرقندي، ج ۱ ص ۳۸۹، ۳۹۰، كتاب المناسك)

(قوله :وقد يقال اعتبار (قوله :كان في سعة من صرفها إلى غيره) أي من شراء مسكن وخادم وتزوج ونحو ذلك لكن إن صرفه على قصد حيلة إسقاط الحج عنه فمكروه عند محمد ولا بأس به عند أبي يوسف شرح اللباب لمنلا علي .(منحة الخالق على البحر الرائق، ج ۲ ص ۳۳۷، ۳۳۸، كتاب الحج)

مسئلہ نمبر۱۴...... فضول چیزیں جو اپنی ضرورت وحاجت کی نہ ہوں، بلکہ نمود ونمائش کی ہوں، اور اسی طرح وہ تمام چیزیں جو گھروں میں رکھی یا پڑی رہتی ہیں اور استعمال میں نہیں آتیں، وہ ضرورت سے زیادہ ہیں، اس لئے ان کی قیمت بھی حساب میں لگائی جائے گی۔

اسی طرح جو چیزیں استعمال کرنے، پرانی یا خراب ہوجانے کے بعد یا ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے ویسے ہی گھروں میں ایک طرف پڑی رہتی ہیں، اور ان کی عام طور پر ضرورت پیش نہیں آتی اور ان کی طرف مدتوں دھیان بھی نہیں جاتا (مثلاً فالتو مشینری، فرنیچر، غیر ضروری لباس وغیرہ، جو زیرِ استعمال نہ ہو) اس قسم کی تمام چیزیں غیر ضروری ہیں ان کی مالیت کو بھی حج کی مالی استطاعت کے حساب میں شمار کیا جائے گا، اور جو چیز بالکل ناکارہ ہوگئی ہو اور اس کی کچھ بھی مالیت نہ ہو، اس کو شمار نہیں کیا جائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۵...... رہائشی مکان، پہننے؛ اوڑھنے کے کپڑے، کھانے پینے کے برتن، ضرورت کی سواری اور گھریلو ضرورت کا سامان؛ جو عام طور پر زیرِ استعمال رہتا ہے، مثلاً پہننے، اوڑھنے، بچھانے کے کپڑے، سلائی اور دھلائی مشین، فریج، ڈیپ فریزر وغیرہ۔

یہ ضرورت وحاجت کے سامان میں داخل ہیں، ان کی وجہ سے انسان شرعاً مالدار نہیں کہلاتا،

---

[1] والذی یظھر مما مر أن ما کان من أثاث المنزل وثیاب البدن وأوانی الاستعمال مما لا بد لأمثالها منه فهو من الحاجة الأصلیة وما زاد علی ذلک من الحلی والأوانی والأمتعة التی یقصد بها الزینة إذا بلغ نصابا تصیر به غنیة، ثم رأیت فی التتارخانیة فی باب صدقة الفطر :سئل الحسن بن علی عمن لها جواهر ولآلی تلبسها فی الأعیاد وتتزین بها للزوج ولیست للتجارة هل علیها صدقة الفطر؟ قال :نعم إذا بلغت نصابا .وسئل عنها عمر الحافظ فقال لا یجب علیها شیء . اهـ(ردالمحتار، ج۲ ص۳۴۸، باب مصرف الزکاة والعشر)

ومحل الصدقات الفقراء وإنما یعتبر فی المسکن والکسوة وأثاث البیت مقدار الکفایة، بدلیل ما روی هشام عن محمد أنه سئل عمن له فضل عن کسوته، أو عن متاع یده بنفسه، أو فضل عن مسکنه قدر مائتی درهم،یعطی من الزکاة؟ قال :لا إذا کان مستغنیاً عنه .یعنی عن فضل الکسوة والمتاع(المحیط البرهانی، ج۲ص۲۱۵، ۲۱۶، کتاب الزکاة، الفصل الثامن)

الحلی مال فاضل عن الحاجة الأصلیة إذ الإعداد للتجمل والتزین دلیل الفضل عن الحاجة الأصلیة فکان نعمة لحصول التنعم به فیلزمه شکرها بإخراج جزء منها للفقراء (بدائع الصنائع، ج۲ص۱۷، کتاب الزکاة، فصل صفة نصاب الزکاة فی الفضة)

اوران چیزوں کی مالیت کی وجہ سے حج فرض نہیں ہوتا۔ [۱]

اسی طرح آلاتِ صنعت وحرفت (مثلاً درزی کی سلائی مشینیں، ترکھان کی آری، رندہ وغیرہ، قصاب کی چُھری، ٹوکہ وغیرہ، مزدور کی مزدوری کا سامان، صنعت وکارخانے کی مشینری وغیرہ) اور دوسرے وسائلِ رزق جن کے ذریعے کوئی شخص اپنی روزی کماتا ہے (مثلاً سبزی فروش وغیرہ کی ریڑھی، ترازو) یہ بھی انسان کی حاجتِ اصلیہ میں داخل ہیں، اوران کی وجہ سے بھی انسان مالدار شمار نہیں ہوتا۔ [۲]

---

[۱] عن عراک، عن أبی هريرة، عن النبی صلى الله عليه وسلم: ليس على المسلم فی فرسه ولا عبده صدقة (مسند أحمد، رقم الحديث ۷۲۹۵)

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

(قوله كما مر فی الزكاة) أی من بيان ما لا بد منه من الحوائج الأصلية كفرسه وسلاحه وثيابه وعبيد خدمته وآلات حرفته وأثاثه وقضاء ديونه وأصدقته ولو مؤجلة كما فی اللباب وغيره والمراد قضاء ديون العباد ولذا قال فی اللباب أيضا وإن وجد مالا وعليه حج وزكاة يحج به قيل إلا أن يكون المال من جنس ما تجب فيه الزكاة فيصرف إليها .اهـ.(رد المحتار، ج۲ص ۴۶۱، كتاب الحج)

واذا كان للرجل دار وخادم ولا مال له غير ذلك فليس عليه صدقة الفطر؛ لأنه يحل له أخذ الصدقة؛ ولأنه محتاج فإن الدار تسترم والخادم يستنفق ولا بد له منهما فهما يزيدان فی حاجته ولا يغنيانه وقد بينا أن الصدقة لا تجب إلا على الغنی؛ لأن وجوبها للإغناء كما قال :أغنوهم ولا يخاطب بالإغناء من ليس يغنی فی نفسه(المبسوط للسرخسی، ج۳ص ۱۱۱، باب صدقة الفطر)

وقوله (فاضلا عن مسكنه) قال فی النهاية :حتى لو كان له داران دار يسكنها وأخرى لا يسكنها ويؤاجرها أو لا يؤاجرها يعتبر قيمتها فی الغنى حتى لو كانت قيمتها مائتی درهم وجب عليه صدقة الفطر(العناية شرح الهداية، ج۲ص ۲۸۱،۲۸۲،كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)

وفی هذه الآية دلالة على أن من له ثياب الكسوة ذات قيمة كثيرة لا تمنعه إعطاء الزكاة ، ؛ لأن الله تعالى قد أمرنا بإعطاء الزكاة من ظاهر حال مشبه لأحوال الأغنياء (احكام القرآن جصاص ، ج ۱ ص ۵۶۰، سورة البقرة)

وفی الاجناس رجل به زمانة اشترى حمارا يركبه ويسعى فی حوائجه وقيمته مائتا درهم ، فلا اضحية عليه (خلاصة الفتاویٰ ج۴ص ۳۱۰، كتاب الاضحية، الفصل الثانی فی نصاب الاضحية)

[۲] (قوله :وفارغ عن حاجته الأصلية) أشار إلى أنه معطوف على قوله عن دين (قوله وفسره ابن ملک) أی فسر المشغول بالحاجة الأصلية والأولى فسرها، وذلک حيث قال :وهی ما يدفع الهلاک عن الإنسان تحقيقا كالنفقة ودور السكنی وآلات الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر أو البرد أو تقديرا كالدين، فإن المديون محتاج إلى قضائه بما فی يده من النصاب دفعا عن نفسه الحبس الذی هو كالهلاک وكآلات الحرفة وأثاث المنزل ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها فإن الجهل عندهم كالهلاک (ردالمحتارعلى الدرالمختار، ج۲، ص ۲۶۲، كتاب الزكاة)

مسئلہ نمبر ۱۶...... کسی کے پاس ضرورت پوری کرنے کا سامان یا مکان وجائیداد وغیرہ موجود ہے، لیکن اس نے بلاضرورت مزید کچھ سامان رکھ رکھا ہے، مثلاً ایک سواری (یعنی گاڑی وغیرہ) سے ضرورت پوری ہوجاتی ہے، مگر اس نے زیادہ سواریاں (یعنی گاڑیاں وغیرہ) رکھی ہوئی ہیں، یا ایک مکان سے ضرورت پوری ہوجاتی ہے، مگر اس نے ایک سے زیادہ مکان رکھے ہوئے ہیں، تو اس ضرورت سے زیادہ سامان کی مالیت کا حج کی مالی استطاعت حاصل ہونے اور حج فرض ہونے کے لئے مالدار ہونے میں اعتبار کیا جائے گا۔

البتہ اگر ان میں سے کچھ سامان تو اپنی ذاتی ضرورت کے استعمال میں آرہا ہے، اور کچھ سامان (گاڑی وغیرہ) یا جگہ (مکان، دوکان) کو کرایہ پر چلا کر اس سے اپنی روزی کا انتظام کررہا ہے، کہ اگر یہ انتظام نہ ہو، تو اس کے ضروری اخراجات متأثر ہوتے ہیں، تو پھر یہ سامان (گاڑی وغیرہ) اور جگہ (مکان، دوکان) بھی ضرورت وحاجت میں داخل سمجھا جائے گا، اور حج کی مالی استطاعت میں اس کو شمار نہیں کیا جائے گا۔ [1]

---

[1] وذكر ابن شجاع أنه إذا كانت له دار لا يسكنها، ولا يؤاجرها، ومتاع لا يمتهنه، وعبد لا يستخدمه، وجب عليه أن يبيعه، ويحج به، وحرم عليه أخذ الزكاة إذا بلغ نصابا؛ لأنه إذا كان كذلك كان فاضلا عن حاجته كسائر الأموال، وكان مستطيعا فيلزمه فرض الحج فإن أمكنه بيع منزله، وأن يشترى بثمنه منزلا دونه، ويحج بالفضل فهو أفضل لكن لا يجب عليه؛ لأنه محتاج إلى سكناه فلا يعتبر فى الحاجة قدر ما لا بد منه كما لا يجب عليه بيع المنزل، والاقتصار على السكنى، وذكر الكرخى أن أبا يوسف قال إذا لم يكن له مسكن، ولا خادم، ولا قوت عياله، وعنده دراهم تبلغه إلى الحج لا ينبغى أن يجعل ذلك فى غير الحج فإن فعل أثم؛ لأنه مستطيع لملك الدراهم فلا يعذر فى الترك، ولا يتضرر بترك شراء المسكن، والخادم بخلاف بيع المسكن، والخادم، فإنه يتضرر ببيعهما، وقوله " :ولا قوت عياله "مؤول وتأويله :ولا قوت عياله ما يزيد على مقدار الذهاب، والرجوع.

فأما المقدار المحتاج إليه من وقت الذهاب إلى وقت الرجوع فذلك مقدم على الحج لما بينا(بدائع الصنائع، ج۲ص۱۲۳، كتاب الحج،فصل شرائط فرضية الحج)

وتثبت الاستطاعة بدار لا يسكنها وعبد لا يستخدمه فعليه أن يبيعه ويحج بخلاف ما إذا كان سكنه وهو كبير يفضل عنه حتى يمكنه بيعه والاكتفاء بما دونه ببعض ثمنه ويحج بالفضل فإنه لا يجب بيعه لذلك كما لا يجب بيع مسكنه والاقتصار على السكنى بالإجارة اتفاقا بل إن باع واشترى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۷...... اگر کسی کے پاس رہنے کا مکان ہے، لیکن وہ بہت بڑا یا قیمتی ہے، اور رہنے کی ضرورت اس سے چھوٹے یا کم قیمت کے مکان میں پوری ہوسکتی ہے، یا ضرورت میں استعمال ہونے والی گاڑی قیمتی ہے، اور ضرورت اس سے کم قیمت کی گاڑی سے بھی پوری ہوسکتی ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی وجہ سے مالی استطاعت والا نہیں کہلاتا اور اس پر حج فرض نہیں ہوتا، اس لئے ایسے شخص پر واجب نہیں ہے کہ وہ قیمتی یا بڑا مکان یا گاڑی فروخت کرے، اور چھوٹا یا کم قیمت کا مکان یا گاڑی خریدے، اور باقی رقم سے حج کرے، البتہ اگر پھر بھی اس کو بیچ کر حج کرے، اور کم قیمت کے مکان یا گاڑی وغیرہ سے اپنی ضرورت پوری کرے، تو افضل ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قدر حاجته وحج بالفضل كان أفضل، ولو لم يكن له مسكن ولا خادم وعنده مال يبلغ ثمن ذلك ولا يبقى بعده قدر ما يحج به فإنه لا يجب عليه الحج؛ لأن هذا المال مشغول بالحاجة الأصلية إليه أشار في الخلاصة وأشار بقوله وما لا بد منه إلى أنه لا بد أن يفضل له مال بقدر رأس مال التجارة بعد الحج إن كان تاجرا وكذا الدهقان والمزارع أما المحترف فلا كذا في الخلاصة ورأس المال يختلف باختلاف الناس والمراد بالعيال من تلزمه نفقته.

قال الشارح ويعتبر في نفقة عياله الوسط من غير تبذير ولا تقتير وقد يقال اعتبار الوسط في نفقة الزوجة مخالف للمفتى به فيها فإن الفتوى اعتبار حالهما والوسط إنما يعتبر فيما إذا كان أحدهما غنيا والآخر فقيرا كما سيأتي في باب النفقات إن شاء الله تعالى(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۲ ص ۳۳۸، كتاب الحج)

(قوله فاضلا عن مسكنه وثيابه وفرسه وسلاحه وعبيده للخدمة) لأن هذه الأشياء مستحقة بالحوائج الأصلية والمستحق بها كالمعدوم وكذا كتب العلم إن كان من أهله ويعفى له في كتب الفقه عن نسخة من كل مصنف لا غير، وفي الحديث عن نسختين ولو كان له دار واحدة يسكنها ويفضل عن سكناه منها ما يساوي نصابا وجبت عليه الفطرة وكذا في الثياب والأثاث(الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۳۲، ۱۳۳، باب صدقة الفطر)

[۱] اور ائمۂ ثلاثہ غیر حنفیہ کے نزدیک فاضل حصہ کو فروخت کرکے حج کرنا ضروری ہے۔

فإن أمكنه بيع منزله، وأن يشتري بثمنه منزلا دونه، ويحج بالفضل فهو أفضل لكن لا يجب عليه؛ لأنه محتاج إلى سكناه فلا يعتبر في الحاجة قدر ما لا بد منه كما لا يجب عليه بيع المنزل، والاقتصار على السكنى(بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۱۲۳، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج)

ويتعلق بذلك فروع نذكر منها:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۸...... اگر کسی کے پاس زرعی زمین ہے، اور اتنی مقدار میں ہے کہ اگر اس کا کچھ حصہ بیچا جائے، تو حج کے اخراجات نکل آتے ہیں، اور پیچھے بھی اتنی زمین باقی رہ جاتی ہے کہ اس کا بآسانی گزر بسر ہو جاتا ہے، تو زائد زمین کو بیچ کر حج کرنا فرض ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۹...... جو غلہ (گندم، چاول، دال، مکئی، آٹا، چینی وغیرہ) سال بھر کی کھانے پینے کی ضروریات کے لئے رکھا ہوا ہے، تو راجح یہ ہے کہ یہ غلہ حاجتِ اصلیہ میں داخل ہے، اور اس کی وجہ سے انسان حج کی مالی استطاعت کا مالک نہیں بنتا، اور اس پر حج واجب نہیں ہوتا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أ -من كان له مسكن واسع يفضل عن حاجته، بحيث لو باع الجزء الفاضل عن حاجته من الدار الواسعة لوفى ثمنه للحج يجب عليه البيع عند المالكية والشافعية والحنابلة .ولا يجب عليه بيع الجزء الفاضل عند الحنفية .

ب -كذلك لو كان مسكنه نفيسا يفوق على مثله لو أبدل دارا أدنى لوفى تكاليف الحج يجب عليه عند الثلاثة، ولا يجب عند الحنفية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ص ۳۲، مادة"حج"خصال الحاجة الأصلية)

[1] وذكر ابن شجاع أنه إذا كانت له دار لا يسكنها، ولا يؤاجرها، ومتاع لا يمتهنه، وعبد لا يستخدمه، وجب عليه أن يبيعه، ويحج به، وحرم عليه أخذ الزكاة إذا بلغ نصابا؛ لأنه إذا كان كذلك كان فاضلا عن حاجته كسائر الأموال، وكان مستطيعا فيلزمه فرض الحج(بدائع الصنائع، ج۲ص۱۲۳، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج)

[2] ويحل لمن له دور وحوانيت تساوى نصبا، وهو محتاج لغلتها لنفقته ونفقة عياله على خلاف فيه ولمن عنده طعام سنة تساوى نصابا لعياله على ما هو الظاهر بخلاف قضاء الدين فإنه يجب عليه بيع قوته إلا قوت يومه كما في القنية من الحبس(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ص۲۶۳، كتاب الزكاة،باب مصرف الزكاة)

وذكر في الفتاوى فيمن له حوانيت ودور للغلة لكن غلتها لا تكفيه وعياله أنه فقير ويحل له أخذ الصدقة عند محمد، وعند أبي يوسف لا يحل وكذا لو له كرم لا تكفيه غلته؛ ولو عنده طعام للقوت يساوى مائتي درهم، فإن كان كفاية شهر يحل أو كفاية سنة، قيل لا تحل، وقيل يحل؛ لأنه يستحق الصرف إلى الكفاية فيلحق بالعدم، وقد ادخر -عليه الصلاة والسلام -لنسائه قوت سنة، ولو له كسوة الشتاء وهو لا يحتاج إليها في الصيف يحل ذكر هذه الجملة في الفتاوى .اهـ.

وظاهر تعليله للقول الثاني في مسألة الطعام اعتماده.وفي التتارخانية عن التهذيب أنه الصحيح وفيها عن الصغرى له دار يسكنها لكن تزيد على حاجته بأن لا يسكن الكل يحل له أخذ الصدقة في الصحيح وفيها سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاث آلاف ولا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۰...... اگر کسی نے تجارت (یعنی فروخت کرنے) کی نیت سے (نہ کہ کھانے کی نیت سے) غلہ خرید کر رکھا ہوا ہے، تو یہ کیونکہ تجارت کے مال میں شامل ہے، اس لئے اس کو حج فرض ہونے کی مالی استطاعت کے حساب میں شامل کیا جائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر۲۱...... حج فرض ہونے کی مالی استطاعت کے حساب میں سونے، چاندی، تجارت کے سامان اور غیر ضروری چیزوں کی جو قیمت لگائی جاتی ہے وہ قیمتِ فروخت کے اعتبار سے ہوگی (اور جس قیمت پر کوئی چیز خریدی گئی تھی، اس کا اعتبار نہ ہوگا) چنانچہ فالتو، پرانی اور خراب چیزیں جو گھروں میں رکھی رہتی ہیں، ان کی اس قیمت کا اعتبار ہوگا کہ اگر ان کو فروخت کیا جائے تو کیا قیمت حاصل ہوگی؟ اور اُس مالیت و قیمت کا اعتبار ہوگا جو حج فرض ہونے کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تکفی لنفقته ونفقة عياله سنة؟ يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفا وعليه الفتوى وعندهما لا يحل اهـ (ردالمحتار، ج۲ص۳۴۸، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

وذكر في الفتاوىٰ فيمن لهٗ حوانيت ودور الغلة لكن غلتها لاتكفيه ولعياله انهٗ فقير ويحل لهٗ اخذ الصدقة عند محمد وزفر وعند ابى يوسف لايحل وعلىٰ هٰذا اذا كان لهٗ ارض وكرم لكن غلتهٗ لاتكفيه ولعياله ولو كان عنده طعام للقوت يساوى مأتى درهم فان كان كفاية شهر تحل له الصدقة وان كان كفاية سنة قال بعضهم لاتحل وقال بعضهم تحل لان ذالك مستحق الصرف الى الكفاية والمستحق ملحق بالعدم (بدائع الصنائع ج۲ص۴۸، واما فصل الذى يرجع الى المؤدى اليه)

اور امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

اگر اس کا غلہ سال بھر کے خرچ سے بمقدار نصاب نہیں بچتا تو مانعِ اخذِ زکوٰۃ و موجبِ فطر و اضحیہ نہیں (امداد الفتاویٰ ج۲ص۳۰)

اور یہ حکم مالِ غیر نامی کا ہے، جیسا کہ غلہ کے الفاظ سے ظاہر ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: امداد الفتاویٰ ج۲ص۲۴) لہٰذا بعض حضرات نے اس جزئیہ سے سال بھر کی ضروریات میں خرچ ہونے کے لئے رکھے ہوئے نصاب کے برابر مالِ نامی کو وجوبِ زکاۃ اور حج وغیرہ کے لئے مانع سمجھا ہے؛ یہ غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔

[1] وفي الأجناس: وإن كان خبازا عنده حنطة قيمتها مائتا درهم يتجر به، أو ملح قيمتها مائتا درهم، أو قصار عنده صابون أو أشنان قيمتها مائتا درهم فعليه الأضحية (المحيط البرهاني فى الفقه النعماني، ج۸ص۴۵۶، كتاب الأضحية، الفصل الأول فى بيان وجوب الأضحية ومن لا تجب)

وان كان خبازا عنده حنطة قيمتها مائتا درهم او ملح قيمته مائتا درهم او قصار عنده اشنان او صابون قيمته مائتا درهم فعليه الاضحية (خلاصة الفتاوىٰ ج۴ص۳۱۰، كتاب الاضحية، الفصل الثاني فى نصاب الاضحية)

شرائط کے وقت مثلاً حج پر لوگوں کے جانے یا حج کی درخواستیں وصول کئے جانے کے زمانے میں اُن چیزوں کی ہو۔ ؎۱

مسئلہ نمبر۲۲...... جس قرض کے ملنے کی توقع وامید ہو، اس کو نقدی میں شمار کیا جائے گا خواہ وہ نقدی کی صورت میں کسی کو دیا ہو یا کوئی چیز فروخت کی ہو اور قیمت وصول کرنا باقی ہو سب کو شامل کر کے حج کی مالی استطاعت کا حساب کیا جائے گا۔ ؎۲

مسئلہ نمبر۲۳...... اگر کوئی مقروض یا مدیون ہے تو پانچ قسم کے مالوں (سونے، چاندی، تجارت کا مال، نقدی اور ضرورت سے زیادہ سامان) کی قیمت لگائے، پھر اس سے قرض

؎۱ وذكر محمد رحمه الله في الرقيات أنه يقوم في البلد الذي حال الحول على المتاع بما يتعارفه أهل ذلك البلد نقداً فيما بينهم، يعني غالب نقد ذلك البلد، ولا ينظر إلى موضع الشراء، ولا إلى موضع المالك وقت حولان الحول؛ لأن هذا مال وجب تقويمه، فيقوّم بغالب نقد البلد كما في ضمان المتلفات إلا أنه يعتبر نقد البلد الذي حال الحول فيه على المال؛ لأن الزكاة تصرف إلى فقراء البلدة التي فيها المال بالتقويم ،فنقد ذلك البلد أنفع في حق الفقراء من حيث الرواج، فيجب اعتباره(المحيط البرهاني، ج۲ص ۱۶۳،۱۶۴، كتاب الزكاة، الفصل الثالث)

؎۲ حدثنا يزيد ، عن هشام ، عن الحسن ، قال : إذا حضر الشهر الذي وقت الرجل أن يؤدي فيه زكاته أدى كل مال له ، وكل ما ابتاع من التجارة ، وكل دين إلا ما كان منه ضمارا لا يرجوه(الاموال للقاسم بن سلام،رقم الحديث ۱۴۹۲)

(و) اعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة :قوي، ومتوسط، وضعيف؛ (فتجب) زكاتها إذا تم نصابا وحال الحول، لكن لا فورا بل (عند قبض أربعين درهما من الدين) القوي كقرض (وبدل مال تجارة) فكلما قبض أربعين درهما يلزمه درهم (و) عند قبض (مائتين منه لغيرها) أي من بدل مال لغير تجارة وهو المتوسط كثمن سائمة وعبيد خدمة ونحوهما مما هو مشغول بحوائجه الأصلية كطعام وشراب وأملاك ،ويعتبر ما مضى من الحول قبل القبض في الأصح(الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

(قوله :عند الإمام) وعندهما الديون كلها سواء تجب زكاتها، ويؤدي متى قبض شيئا قليلا أو كثيرا إلا دين الكتابة والسعاية والدية في رواية بحر((ردالمحتار، ج۲ص ۳۰۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

وسئل على أيضا لو كان لرجل دين على مقر هل تحل له الزكاة؟ فقيل له :هل عليه أضحية؟ قال : لا؛ لأن ماله مستقرض لم يصل إليه وسئل أيضا عن رجل له ديون مؤجلة، أو غير مؤجلة على رجل وهو مقر حتى جاء يوم النحر وليس في يده شيء وعليه شراء الأضحية هل عليه أن يستقرض ويشتري أضحية؟فقال :لا قيل له :هل يجب على رب الدين أن يسأل المديون إذا غلب على ظنه أنه لو سأله أعطاه ثمن الأضحية، وإن كان مؤجلا؟قال :نعم(البحرالرائق، ج۸ص ۲۰۳، كتاب الاضحية،أجرة الجزار هل تأخذ من الأضحية)

ودَین کو علیٰحدہ کرے، قرض ودَین نکالنے کے بعد اگر مال اتنی مقدار میں ہے کہ حج کے مصارف برداشت کرسکتا ہے تو حج کی مالی استطاعت سمجھی جائے گی، ورنہ نہیں۔ [۱]

ملحوظ رہے کہ جو رقم کسی سے نقد کی شکل میں قرض لی ہو، اور اس کا ادا کرنا باقی ہو، وہ قرض کہلاتی ہے، اور مثلاً جو چیز کسی سے خریدی، اور اس کی قیمت ادا کرنا باقی ہے، تو وہ دَین کہلاتی ہے، مگر اس کی قیمت بھی قرض کا حکم رکھتی ہے، اور قرض کی طرح اس کی قیمت بھی حج کی مالی استطاعت کے حساب سے مستثنیٰ ہوتی ہے۔ [۲]

ملازم اور نوکر کی وہ تنخواہ جو اپنے ذمے واجب ولازم ہو چکی ہے، وہ قرض کا حکم رکھتی ہے۔

اسی طرح مکان، دکان کا کرایہ جو ذمہ میں لازم ہو چکا وہ بھی قرض کا حکم رکھتا ہے۔

اور اسی طرح غیر سرکاری اور پرائیویٹ واجبات کی طرح سرکاری ونیم سرکاری واجبات مثلاً فون، بجلی، گیس وغیرہ کے یوٹیلیٹی بلز جو اپنے ذمہ واجب ولازم ہو چکے ہیں، اگرچہ ابھی ادا نہ کئے ہوں، وہ بھی قرض کا حکم رکھتے ہیں۔

اس قسم کے قرض ودَین کی رقوم بھی حج کی مالی استطاعت کے حساب سے مستثنیٰ ہوں گی۔ [۳]

---

[۱] عن السائب بن يزيد ، قال :سمعت عثمان يقول :هذا شهر زكاتكم ، فمن كان عليه دين فليقضه ، وزكوا بقية أموالكم(مُصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ١٠٦٥٨)

قال البوصيري: رواه مسدد موقوفًا بسند صحيح(اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة،للبوصيري، ج۳ص ١٩،تحت رقم الرواية ٢٠٧٦،باب لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول ولا على من عليه دين حتى يقضى عنه وما جاء في العمال وتعجيل الصدقة)

ج -قضاء الدين الذى عليه، لأن الدين من حقوق العباد، وهو من حوائجه الأصلية، فهو آكد، وسواء كان الدين لآدمي أو لحق الله تعالى كزكاة فى ذمته أو كفارات ونحوها فإذا ملك الزاد والحمولة زائدا عما تقدم،على التفصيل المذكور،فقد تحقق فيه الشرط، وإلا بأن اختل شيء مما ذكر لم يجب عليه الحج(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ص ٣١،٣٢، مادة"حج"خصال الحاجة الأصلية)

[۲] والقرض هو أن يقرض الدراهم والدنانير أو شيئا مثليا يأخذ مثله في ثاني الحال، والدين هو أن يبيع له شيئا إلى أجل معلوم مدة معلومة كذا في التتارخانية(الفتاوى الهندية،ج۵ص ٣٦٦،كتاب الكراهية،الباب السابع والعشرون في القرض والدين)

[۳] وقد عللوا سقوط الزكاة بالدين بأن المديون محتاج إلى هذا المال حاجة أصلية لأن قضاء الدين من الحوائج الأصلية والمال المحتاج إليه حاجة أصلية لا يكون مال الزكاة (ردالمحتار، ج۲ص ٢٦١، كتاب الزكاة)

مسئلہ نمبر۲۴...... اگر کسی کی ملکیت میں حج کی استطاعت کے بقدر مال ہے، مگر وہ اپنے قبضے میں نہیں ہے، اور حج پر جانے یا حج کی درخواستیں وصول کئے جانے کا زمانہ شروع ہوگیا، اور اس مال تک رسائی ممکن نہیں، تو اگر اپنے پاس موجود ضرورت سے زیادہ سامان بیچ کر حج کے اخراجات ادا کرسکتا ہو، تو حج کرنے کا حکم ہوگا۔

اور اگر اتنی مقدار میں ضرورت سے زیادہ سامان نہ ہو، تو جب تک مال حاصل نہ ہو، اس وقت تک حج مؤخر کرنے میں حرج نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۲۵...... حج کا حکم لاگو ہونے کے لئے مرد یا عورت کا شادی شدہ ہونا ضروری نہیں کنوارے بالغ لڑکے، بالغ لڑکی اور بیوہ عورت کو بھی حج کا حکم ہے، جبکہ یہ مالدار ہوں، اور حج فرض ہونے کی دیگر شرائط بھی موجود ہوں۔

مسئلہ نمبر۲۶...... حج کا حکم لاگو ہونے کے لئے کسی شخص کا برسرِ روزگار ہونا بھی ضروری نہیں، اگر کسی بے روزگار شخص کو حج کی مالی استطاعت حاصل ہے، اور اس میں حج فرض ہونے کی دیگر شرائط موجود ہیں، تو اس پر حج فرض ہے۔

مسئلہ نمبر۲۷...... اگر کوئی مرد یا عورت مالدار یعنی مالی استطاعت کا مالک نہیں تھا، جس کی وجہ سے اس پر حج فرض نہیں تھا، لیکن اس نے کسی سے قرض لے کر حج کرلیا، یا کسی اور نے اس کو

---

[1] (قوله وابن السبيل) هو المنقطع عن ماله لبعده عنه والسبيل الطريق فكل من يكون مسافرا يسمى ابن السبيل، وهو غنى بمكانه حتى تجب الزكاة فى ماله، ويؤمر بالأداء إذا وصلت إليه يده، وهو فقير يدا حتى تصرف إليه الصدقة فى الحال لحاجته كذا فى الكافى فإن قلت :منقطع الغزاة أو الحج إن لم يكن فى وطنه مال فهو فقير، وإلا فهو ابن السبيل فكيف تكون الأقسام سبعة، قلت :هو فقير إلا أنه زاد عليه بالانقطاع فى عبادة الله -تعالى -فكان مغايرا للفقير المطلق الخالى عن هذا القيد كذا فى النهاية، وفى الظهيرية الاستقراض لابن السبيل خير من قبول الصدقة، وفى فتح القدير :ولا يحل له أن يأخذ أكثر من حاجته وألحق به كل من هو غائب عن ماله، وإن كان فى بلده، ولا يقدر عليه إلا به، وفى المحيط، وإن كان تاجرا له دين على الناس لا يقدر على أخذه، ولا يجد شيئا يحل له أخذ الزكاة؛ لأنه فقير يدا كابن السبيل اهـ.

وهو أولى من جعله غارما كما فى فتح القدير وقد قدمنا فى بحث الفقير تفصيلا له فراجعه(البحرالرائق، ج۲ص ۲۶۰، باب مصرف الزكاة)

رقم یا ٹکٹ وغیرہ دے کر ثواب کی نیت سے حج کرادیا اور اس نے اپنی طرف سے نیت کر کے حج کرلیا، تو اس طرح حج کرنے سے اس کے حج کا فریضہ ادا ہو جائے گا، اور اس کے بعد اگر یہ شخص خود صاحبِ استطاعت ہو گیا تو دوبارہ حج کرنا فرض نہ ہوگا۔ [۱]

[۱] ولو حج الفقير ثم استغنى لم يحج ثانيا؛ لأن شرط الوجوب التمكن من الوصول إلى موضع الأداء ألا ترى أن المال لا يشترط فى حق المكى وفى النوادر أنه يحج ثانيا (مجمع الانهر، ج ۱، ص ۲۶۰، كتاب الحج)

فإن قيل :ليس الفقير من أهل الخطاب بالحج ;لعدم ملك الزاد والراحلة ,ولو حج جاز حجه; كذلك العبد .قيل له :إن الفقير من أهل الخطاب ;لأنه ممن يملك ,والعبد ممن لا يملك ; وإنما سقط الفرض عن الفقير ;لأنه غير واجد لا لأنه ليس ممن يملك ,فإذا وصل إلى مكة فقد استغنى عن الزاد والراحلة وصار بمنزلة سائر الواجدين الواصلين إليها بالزاد والراحلة(أحكام القرآن للجصاص، ج۲ص ۳۱۱،باب فرض الحج،سورة آل عمران)

وأما الاستطاعة بالمال فشرط أى شرط لوجوب الأداء لا لجوازه فإن الأداء صحيح من الفقير، وإن كان لا يملك شيئا، ولكنها شرط وجوب الأداء فإن السفر الذى يوصله إلى الأداء لا يتهيأ له بدون الزاد والراحلة إلا بحرج عظيم، وهو مدفوع فعرفنا أن المال شرط وجوب الأداء لا أنه سبب. والدليل عليه أن تفسير الاستطاعة ملك الزاد والراحلة، والأداء قبل ملكهما جائز كما ذكرنا لوجود السبب كما يجوز للمسافر أن يصوم قبل الإقامة؛ لأن السبب قد وجد، وكذلك لا يتجدد الوجوب بتجدد الاستطاعة، ولا يضاف إليها كما لا يضاف إلى الوقت، ولا يتجدد بتجدده فعلم أن الاستطاعة شرط كالوقت فصار تأويل الآية -والله أعلم -ولله على الناس المستطيعين حج البيت حقا واجبا بسببه إذا جاء وقت الأداء كذا فى التقويم(كشف الأسرار ،ج۲،ص۳۵۳،باب بيان اسباب الشرائع، سبب وجوب الحج)

وقوله :فأما الزاد والراحلة جواب عما يقال إن القدرة على الزاد والراحلة شرط للوجوب كقدرة البدن فكان أداء الفقير قبل هذه القدرة أداء قبل الوجوب كأداء العبد والصبى فينبغى أن لا يتأدى به الفرض ولا يقع عن حجة الإسلام فقال اشتراط الزاد والراحلة لليسر يعنى اليسر الذى يندفع به الحرج ويخرج به الواجب عن الإمكان البعيد إلى الإمكان العادى لا اليسر الذى به يصير الواجب سمحا سهلا لينا كيسر الزكاة فإن ذلك لا يحصل إلا بأعوان وخدم ومراكب على ما مر بيانه وهى ليست بشرط فلم يجب الأداء على الفقير لعدم القدرة على الزاد والراحلة وصح الأداء منه لوجود أصل القدرة .قال القاضى الإمام أبو زيد -رحمه الله -فى الأسرار السبب هو البيت وهو موجود فتوجه الخطاب إذا جاء وقته على من هو أهل الخطاب بالحج والفقير منهم لأنه ملك استطاعة الأداء لكن يلحقه المشقة بلا زاد وراحلة فتأخر الوجوب عنه إلى ملك الزاد والراحلة تيسيرا له وحقا له فلم يمنع ذلك صحة التعجيل كالمسافر يعجل الصوم(كشف الأسرار، ج۴،ص ۲۸۸ ،باب الامور المعترضة على الاهلية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۰)......محرم کا ہونا (عورت کو محرَم کے بغیر یا محرَم میسر نہ ہونے پر حج کے احکام)

عورت کے حق میں حج فرض ہونے کے لئے شرعی محرم کا ہونا بھی شرط ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ، وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اُكْتُتِبْتُ فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا، وَخَرَجَتِ امْرَأَتِيْ حَاجَّةً، قَالَ: اِذْهَبْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ (بخاری) [1]

ترجمہ: کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ ہرگز تنہائی (خلوت) اختیار نہ کرے، اور کوئی عورت بغیر اپنے محرم کے ہرگز سفر نہ کرے، تو ایک آدمی کھڑا ہوا، اور اُس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! فلاں اور فلاں غزوہ میں میرا نام لکھا جا چکا ہے، اور میری بیوی حج کے لئے نکل چکی ہے؛ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو (بخاری؛ طبرانی)

ایک دوسری روایت میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَا تَحُجَّنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ (سنن الدار قطنی، رقم الحديث ۲۴۴۰، كتاب الحج)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وبهذا تبين أن الوقت ليس بسبب للوجوب ولكنه شرط جواز الأداء ووجوب الأداء فيه وكذلك الاستطاعة بالمال ليس بسبب للوجوب فإن هذه عبادة بدنية وإنما كان البيت سببا لوجوبها لأنها عبادة هجرة وزيارة تعظيما لتلك البقعة فلا يصلح المال سببا لوجوبها ولا هو شرط لجواز الأداء أيضا فالأداء من الفقير صحيح وإن كان لا يملك شيئا وإنما المال شرط وجوب الأداء فإن السفر الذى يوصله إلى الأداء لا يتهيأ له بدون الزاد والراحلة إلا بحرج عظيم والحرج مدفوع فعرفنا أن المال شرط وجوب الأداء وهو نظير عدة من أيام أخر فى باب الصوم (اصول السرخسی، ج ۱، ص ۱۰۵، فصل فى بيان أسباب الشرائع)

[1] رقم الحديث ۳۰۰۶، كتاب الجهاد والسير، باب من اكتتب فى جيش فخرجت امرأته حاجة، أو كان له عذر، هل يؤذن له، واللفظ لهٗ؛ المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۱۲۲۰۵.

ترجمہ: کوئی عورت ہرگز بھی حج نہ کرے، مگر اُس کے ساتھ اُس کا محرم ہو (دارقطنی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو حج کا سفر اپنے محرَم کے ساتھ کرنے کا حکم ہے۔

حضرت ابنِ سابط سے مرسلاً روایت ہے کہ:

قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ قَوْلَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى (وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا) مَا السَّبِيْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الَّذِيْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ؟ قَالَ: مِنَ الرِّجَالِ زَادٌ وَرَاحِلَةٌ، وَمِنَ النِّسَآءِ زَادٌ وَرَاحِلَةٌ وَمَحْرَمٌ (اخبار مكة للفاكهى) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس قول کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ ''اللہ کے لئے لوگوں پر بیتُ اللہ کا حج فرض ہے، اس پر جو اس کی طرف راستہ کی استطاعت رکھتا ہو'' اے اللہ کے رسول! راستہ کیا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے؟ تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَردوں کے لئے سفر کا سامان اور سواری؛ اور عورتوں کے لئے سفر کا سامان اور سواری اور محرم (اخبارمکہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے حج کے سفر میں محرَم ہونے کی شرط مالی استطاعت کی طرح شرط ہے، اور یہ شرط عورت کے حق میں سبیل میں داخل ہے۔

حضرت یحییٰ بن عباد سے روایت ہے کہ:

كَتَبَتِ امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِ الرَّيِّ إِلٰى إِبْرَاهِيْمَ ، إِنَّهَا مُوْسِرَةٌ وَلَيْسَ لَهَا بَعْلٌ، وَلَا مَحْرَمٌ ، وَلَمْ تَحُجَّ قَطُّ ، فَكَتَبَ إِلَيْهَا إِبْرَاهِيْمُ: إِنَّ هٰذَا مِنَ السَّبِيْلِ الَّذِيْ ، قَالَ اللّٰهُ وَلَيْسَ لَكِ مَحْرَمٌ ، فَلَا تَحُجِّيْ إِلَّا مَعَ بَعْلٍ ، أَوْ مَحْرَمٍ (مصنف ابنِ ابى شيبة) [2]

---

[1] رقم الحديث ۷۹۸، ج ۱ ص ۳۷۹، الناشر: دارخضر ، بيروت.

[2] رقم الحديث ۱۵۴۰۰ ،كتاب المناسك، باب فى المرأة تخرج مع ذى محرم.

ترجمہ: رَی کے علاقہ کی ایک عورت نے (جلیل القدر تابعی) حضرت ابراہیم نخعی کولکھا کہ وہ مال دار ہے، لیکن اس کا شوہر نہیں ہے، اور نہ کوئی دوسرا محرم ہے، اور اس نے کبھی حج نہیں کیا؛ تو اس کو حضرت ابراہیم نخعی نے لکھا کہ یہ محرم اس سبیل سے ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، اور آپ کو محرم میسر نہیں، لہٰذا آپ شوہر یا محرم کے ساتھ ہی حج کرسکتی ہیں (ابنِ ابی شیبہ)

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ عورت کے لئے محرَم ہونا سبیل میں داخل ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے حج کی استطاعت میں ذکر فرمایا ہے۔

اس قسم کی احادیث وآثار کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے عورت کے سفرِ حج میں محرَم سے متعلق جو مسائل ذکر فرمائے ہیں، وہ ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک عورت پر حج فرض ہونے کے لئے محرم کا ہونا اسی طرح شرط ہے، جس طرح مالی استطاعت کا ہونا اور مال دار ہونا شرط ہے؛ اس لئے جب تک عورت کو محرم میسر نہ ہو، اس وقت تک عورت پر سرے سے حج فرض ہی نہیں ہوتا، خواہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو۔

اور ہمارے نزدیک یہی قول راجح ہے، کیونکہ حج فرض ہونے کے لئے جس طرح بدنی اور مالی استطاعت شرط ہے، اسی طرح عورت کے ساتھ محرَم ہونے کی استطاعت بھی شریعت کی طرف سے مقرر ہے، لہٰذا یہ استطاعتِ شرعیہ میں داخل ہے، جیسا کہ کئی روایات وآثار سے بھی محرَم کا سبیل میں سے ہونا معلوم ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے سفیان ثوری اور اہلِ کوفہ کا اور بہت سے حضرات نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول اس شرط کے بارے میں شرطِ وجوب ہونے کا ذکر کیا ہے، اور بہت سے حنفیہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

اور شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے راجح قول کے مطابق محرم کا ہونا سبیل میں داخل ہے، اور حج واجب ہونے کی شرط ہے، اگرچہ بعض حضرات کے نزدیک دوسری ثقہ عورتوں کی موجودگی یا دوسری عورت کا محرم اس شرط کے قائم مقام ہوجاتا ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ اگر عورت میں حج فرض ہونے کی دوسری شرائط پائی جائیں، مثلاً وہ مالی استطاعت کی مالک اور مال دار ہو، اور اس کو محرم میسر نہ ہو، تو اُس پر اگرچہ خود حج پر جانا تو فرض نہیں ہوتا، لیکن اُس پر نفسِ حج فرض ہو جاتا ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

اور متعدد حنفیہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک محرم ہونے کی شرط کو قرآن مجید میں مذکور استطاعت کی تفسیر میں داخل کیا ہے۔

اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے کہ عورت کے لئے محرم کا ہونا زاد و راحلہ کی طرح شرط ہے، اور استطاعتِ شرعیہ کے مفہوم میں داخل ہے "لان المهجور شرعا كالمهجور عادة فصارت غير مستطيعة بغير المحرم" کما مرّ۔

واختلف أهل العلم فى المرأة إذا كانت موسرة ولم يكن لها محرم، هل تحج؟فقال بعض أهل العلم : لا يجب عليها الحج لأن المحرم من السبيل لقول الله عز وجل :(من استطاع إليه سبيلا)فقالوا :إذا لم يكن لها محرم فلا تستطيع إليه سبيلا، وهو قول سفيان الثورى، وأهل الكوفة، وقال بعض أهل العلم :إذا كان الطريق آمنا فإنها تخرج مع الناس فى الحج، وهو قول مالک، والشافعى(ترمذى، تحت رقم الحديث ١١٦٩،باب ما جاء فى كراهية أن تسافر المرأة وحدها)

نوع الاشتراط للمحرم: اختلفوا فى الزوج أو المحرم هل هو شرط وجوب أو شرط للزوم الأداء بالنفس :ذهب المالكية والشافعية والحنابلة فى الراجح عندهم وهو رواية عن أبى حنيفة إلى أن المحرم شرط لوجوب الحج، ويحل محله عند فقده الرفقة المأمونة عند الشافعية والمالكية على الوجه الذى ذكرناه(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج١٧،ص٣٦،مادة"حج")

(فصل) (وشرط لوجوب سعى) لحج أو عمرة (على أنثى محرم) شابة كانت أوعجوزا نصا .قال: المحرم من السبيل، فمن لم يكن لها محرم، لم يلزمها الحج بنفسها ولا بنائبها(مطالب أولى النهى فى شرح غاية المنتهى،ج٢،ص٢٩١،فصل شروط وجوب السعى لحج أوعمرة)

فصل (ويشترط لوجوب الحج على المرأة وجود محرمها) نقله الجماعة، وهو المذهب(المبدع فى شرح المقنع لابن مفلح،ج٣،ص٩٤،كتاب المناسک،يشترط لوجوب الحج على المرأة وجود محرمها)

وكل الذى أثبتنا فى هذا الباب من منع المرأة من السفر مسيرة ثلاثة أيام إلا مع محرم ومن إباحة ما دون ذلک لها من السفر بغير محرم ومن أن المرأة لا يجب عليها فرض الحج إلا بوجودها المحرم مع وجود سائر السبيل الذى يجب بوجودها فرض الحج . قول أبى حنيفة وأبى يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى (شرح معانى الآثار، ج٣، ص٩٣، كتاب مناسک الحج، باب المرأة لا تجد محرما هل يجب عليها فرض الحج أم لا؟)

قلت -هذا مخالف لظاهر الحديث الذى ذكره فى الباب الذى بعد هذا وهو قوله عليه السلام لا تسافر المرأة ثلاثا -الحديث وكما شرط جميع العلماء الصحة وان كان لا ذكر لها فى الاية وفسر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر اگر محرم میسر نہ آئے، تو اُس پر حجِ بدل کرانا یا فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

البیھقی الاستطاعة بالزاد والراحلة بحديث ضعفه هو فيما تقدم فلغيره ان يفسر الاستطاعة في حق المرأة بالمحرم بحديث متفق على صحته وذهب الحسن والنخعي وأبو حنيفة واصحابه واحمد واسحق وأبو ثور إلى ان المحرم أو الزوج من السبيل فان لم تجد هما فلا حج عليها(الجوهر النقي على سنن البيهقي، ج۵،ص ۲۲۵)

ولاجل اشتراط الاستطاعة يشترط عند ابى حنيفة فى حق المرأة ان يكون معها زوجها او ذو محرم منها إذا كان بينها وبين مكة ثلاثة مراحل (التفسير المظهرى، ج۲،ص ۹۹،سورة آل عمران)

ثم الزوج أو المحرم شرط الوجوب أم شرط الجواز فقد اختلف أصحابنا فيه كما اختلفوا فى أمن الطريق، والصحيح أنه شرط الوجوب لما ذكرنا فى أمن الطريق، والله أعلم(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج۲،ص ۱۲۴،كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج)

وهل ذلک شرط للوجوب، وهو الأظهر (شرح النقاية، ج ۲ ص ۲۴۸،كتاب الحج)

[1] مگر ہمارے نزدیک یہ قول دلائل کے لحاظ سے مرجوح ہے، اگرچہ متعدد متاخرین مشائخِ حنفیہ نے ابنِ ہمام وغیرہ کی اتباع میں محرم ہونے کی شرط کے امنِ طریق کی طرح وجوبِ اداء ہونے کو ترجیح دی ہے۔

اور متاخرین میں سے بیشتر حضرات اس کی پیروی کرتے رہے ہیں، اور یہ بات فقہی اعتبار سے مسلم ہے کہ ترجیح قوتِ دلیل کو ہوا کرتی ہے، نہ کہ کثرتِ آراء کو، بالخصوص جبکہ متقدمین میں سے اکثریت بھی قوتِ دلیل کے ساتھ ہو، اور بعض حضراتِ متاخرین کا اس کے شرطِ اداء ہونے کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرنا راجح معلوم نہ ہوسکا، جیسا کہ امام صاحب کے سابق موقف اور دلیل سے ظاہر ہو چکا۔

وتكلموا فى أن سلامة البدن فى قول أبى حنيفة رحمه الله تعالى وأمن الطريق ووجود المحرم للمرأة من شرائط الوجوب أو من شرائط الأداء فعلى قول من يجعلها من شرائط الوجوب إذا مات قبل الحج لا يلزمه الإحجاج بالمال وعلى قول من يجعلها من شرائط الأداء يلزمه الإحجاج بالمال إذا مات قبل الحج (فتاوىٰ قاضى خان، ج ۱، ص۱۹۳، كتاب الحج)

وظاهره أن المحرم شرط الوجوب .وفى الإصلاح وهو الصحيح لكن فى الجوهرة أن الصحيح أى المحرم أنه من شرائط الأداء حتى يجب الإيصاء به(مجمع الانهر، ج ۱، ص ۲۶۲، كتاب الحج، شروط الحج)

مع (الزَّوْجِ) المكلف (أَوْ الْمَحْرَمِ) وهو مَنْ حَرُمَ عليه نكاحها على التأبيد :وهو رضاعاً أو مصاهرة، بشرط أَنْ يكون تقياً، لا فاسقاً ولا مجوسياً (للمَرْأَةِ) ولو عجوزاً.

وهل ذلک شرط للوجوب، وهو الأظهر، أو للأداء ؟ فيه ما مر فى أَمْنِ الطريق من الخلاف، وثمرته تظهر فى وجوب الوصية إذا أدركها الموت وليس لها مَحْرَم ولا زوج، وفى وجوب نفقة المَحْرَم وراحلته عليه إذا أَبَى أَنْ يَحُجَّ معها إلاَّ بهما، وفى وجوب التزوج عليها إذا لم تجد مَحْرَماً، فَمَنْ قال:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... عورت کے ساتھ حج کے سفر میں شرعی محرم کا ہونا فقہائے احناف کے نزدیک اس وقت ضروری ہے جبکہ عورت اور مکہ کے درمیان تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت ہو۔

چنانچہ حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا تُسَافِرِ امْرَأَةٌ سَفَرًا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ تَحُجَّ إِلَّا وَمَعَهَا زَوْجُهَا (سنن الدار قطنی، رقم الحديث ۲۴۴۲، کتاب الحج)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ فرمان سُنا کہ عورت تین دن کا سفر یا حج نہ کرے، مگر یہ کہ اُس کے ساتھ اُس کا شوہر ہو (دارقطنی)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إِنَّ الزوج والمَحْرَم شرط أَداء قال: بِوُجُوب ذلک، ومَنْ قال: إنه شرط وجوب، لَمْ يَقُلْ بِوُجُوبه (شرح النقاية، ج۲ ص۲۴۸، كتاب الحج)

أى اختلف العلماء -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ- فيه، فقال: وجود المحرم، أو الزوج شرط الأداء، فعليها أن تتزوج، ونفقة المحرم عليها، وكذا قال القاضى أبو حازم عبد الحميد: هو شرط الأداء فى رواية أبى شجاع عن أبى حفص الكبير، والكرخى عن أبى حنيفة -رَحِمَهُ اللَّهُ- شرط الوجوب، ذكره فى "المحيط"، وفائدة الخلاف تظهر فى وجوب الوصية، ومن شرائط وجوب الحج عليها خلوها عن العدة، أى عدة كانت، وعند أحمد -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ-: لا تخرج فى عدتها عن وفاة درجتين، وتخرج فى الطلاق البائن (البناية شرح الهداية، ج۴، ص۱۵۵، كتاب الحج، الاستطاعة من شروط وجوب الحج)

(قوله قولان) هما مبنيان على أن وجود الزوج أو المحرم شرط وجوب أم شرط وجوب أداء والذى اختاره فى الفتح أنه مع الصحة وأمن الطريق شرط وجوب الأداء فيجب الإيصاء إن منع المرض، وخوف الطريق أو لم يوجد زوج، ولا محرم، ويجب عليها التزوج عند فقد المحرم، وعلى الأول لا يجب شيء من ذلك كما فى البحر وفى النهر وصحح الأول فى البدائع ورجح الثانى فى النهاية تبعا لقاضى خان واختاره فى الفتح .اهـ(ردالمحتار، ج۲، ص۴۶۵، كتاب الحج)

(قوله: وخروج الزوج والمحرم معها) قال الرملى وفى البدائع والأصح أنه أى المحرم شرط الوجوب اهـ.فقد اختلف التصحيح(منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲، ص۳۳۱، كتاب الحج)

ثم قال فى شرح اللباب ثم اختلفوا فى أن المحرم أو الزوج شرط الوجوب أو الأداء كما اختلفوا فى أمن الطريق فصحح قاضى خان وغيره أنه من شرائط الأداء وصحح صاحب البدائع والسروجى أنه من شرائط الوجوب وصنيع المصنف أى صاحب اللباب يشعر بأنه من شرائط الأداء على الأرجح (منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲، ص۳۳۹، كتاب الحج،واجبات الحج)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ لِإِمْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ سَفَرًا يَكُوْنُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا إِلَّا وَمَعَهَا أَبُوْهَا، أَوْ أَخُوْهَا، أَوْ زَوْجُهَا، أَوْ اِبْنُهَا، أَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ مِّنْهَا (ترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی ایسی عورت کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو حلال نہیں کہ وہ تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر اپنے والد یا اپنے بھائی یا اپنے شوہر یا اپنے بیٹے، یا اپنے کسی (دوسرے) محرم کو ساتھ لیے بغیر کرے (ترمذی)

جو عورت حرم سے تین دن سے کم فاصلے کی جگہ پر ہو، اس کو محرم کے بغیر اس جگہ سے حج کا سفر کرنا جائز ہے، بشرطیکہ کوئی فتنہ لازم نہ آتا ہو۔

اور تین دن کی مسافت اور فاصلہ کی تحدید بہت سے حضرات نے اڑتالیس میل سے کی ہے، اور اسی کو نماز وغیرہ کے اعتبار سے شرعی مسافت قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۱۶۹، ابواب الرضاع، باب ما جاء فی کراهية أن تسافر المرأة وحدها.

[2] (ومنها المحرم للمرأة) شابة كانت أو عجوزا إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام هكذا فی المحيط، وإن كان أقل من ذلک حجت بغير محرم كذا فی البدائع (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۲۱۸، ۲۱۹، کتاب المناسک، الباب الاول)

ولاجل اشتراط الاستطاعة يشترط عند ابی حنيفة فی حق المرأة ان يكون معها زوجها او ذو محرم منها إذا كان بينها وبين مكة ثلاثة مراحل وقال احمد يشترط ذلک مطلقا طال المسافة او قصرت فان لم يكن لها رجل كذلک او كان ولا يخرج معها او كان لا يخرج معها الا بأجرة وهی لا تقدر على الاجرة لا يجب عليها الحج وذلک لانها ممنوعة عن السفر الا ومعها زوجها او ذو محرم منها والمهجور شرعا كالمهجور عادة فصارت غير مستطيعة -وجه قول ابی حنيفة فی اشتراط مسافة ثلاثة ايام حديث ابن عمر عن النبی صلى الله عليه وسلم قال لا تسافر المرأة ثلاثا الا معها ذو محرم -متفق عليه وفی رواية لمسلم لا يحل لامراة تؤمن بالله واليوم الاخر تسافر مسيرة ثلاث ليال الا ومعها ذو محرم -وفی رواية فوق ثلاث وفی الباب مقيدا بثلاثة ايام حديث ابی هريرة رواه مسلم والطحاوی -وفی رواية للطحاوی فوق ثلاث ليال -وحديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده بلفظ ثلاثة ايام رواه الطحاوی -وحديث ابی سعيد الخدری رواه مسلم والطحاوی بلفظ ثلاثة ايام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... جس عورت کو اپنا محرم میسر نہ آئے، اور وہ حرم سے شرعی مسافت کے فاصلے پر ہو، اس کو حج کے سفر پر جانا جائز نہیں، خواہ وہ عورت جوان ہو یا بوڑھی۔

اگر کوئی عورت شرعی محرم کے بغیر مذکورہ مقدار یا اس سے زیادہ کا سفر کر کے حج کرے، تو وہ گناہ گار ہوتی ہے، لیکن اگر وہ حج کے فرائض پورے کر لے، تو اس کے حج کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فصاعدا -وفي رواية لمسلم بلفظ فوق ثلاث وبلفظ اكثر من ثلاث(التفسير المظهرى، ج۲،ص۹۹،سورة آل عمران)

أناط الفقهاء بالمراحل السفر المثبت للرخص كالقصر فى الصلاة وجمع الصلوات

وقد ذهب الجمهور إلى أن السفر المثبت للرخص ما كان قدر مرحلتين وقدروه بستة عشر فرسخا، أو أربعة برد، أو ثمانية وأربعين ميلا.

قال الدردير :وهي -أى مسافة السفر -باعتبار الزمان مرحلتان أى سير يومين معتدلين .وقال الدسوقى :فالعبرة بالأربعة البرد وقال النووى :وطويل السفر ثمانية وأربعون ميلا هاشمية، قال وهو مرحلتان بسير الأثقال .

وقال المقدسى :يبلغ سفره ذهابا ستة عشر فرسخا تقريبا .وهى يومان .

أما الحنفية فقد نصوا على أن مسافة السفر المثبت للرخص هى ثلاث مراحل، قال ابن عابدين: التقدير بثلاث مراحل قريب من التقدير بثلاثة أيام ، ولا عبرة عند جمهور الحنفية للمسافة، بل العبرة للزمن فقط على المذهب، وقال الحصكفى :ولا اعتبار بالفراسخ على المذهب .

فالمرحلة من حيث المسافة عند الجمهور تساوى أربعة وعشرين ميلا هاشميا، أو بريدين، أو ثمانية فراسخ، وكلها متساوية.

وعند الحنفية المرحلة ستة فراسخ، وقيل خمسة فراسخ، وقيل سبعة فراسخ، والفتوى على الأول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۸، ص۳۲۳، و۳۲۴، ما يناط بالمرحلة من الأحكام الشرعية،مادة "المرحلة")

[1] (قوله أو كانت عجوزاً شوهاء) قال فى القنية: واجمعوا ان العجور لاتسافربغير محرم فلاتخلو برجل شاباً اوشيخا (رد المحتار، ج۶ ص۳۶۸، كتاب الحظر والاباحة، فصل فى النظر واللمس)

والمحرم فى حق المرأة شرط، شابة كانت أو عجوزاً إذا كان بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام (المحيط البرهانى، ج۲، ص۴۱۹، كتاب المناسك، الفصل الأول :فى بيان شرائط الوجوب)

ويستوى الجواب بين أن تكون المرأة شابة أو عجوزا فى اشتراط المحرم لأنها عورة أيضا.

هذا إذا كان بينها وبين مكة مدة السفر وهى ثلاثة أيام ولياليها فأما إذا كان دون مدة السفر فإنه لا يشترط المحرم (تحفة الفقهاء، ج۱، ص۳۸۸، كتاب المناسك، مسألة الحج)

(قوله مع الكراهة) أى التحريمية للنهى فى حديث الصحيحين لا تسافر امرأة ثلاثا إلا ومعها محرم زاد مسلم فى رواية أو زوج "ط (ردالمحتار، ج۲، ص۴۶۵، كتاب الحج)

البتہ اگر کوئی عورت حرم شریف سے شرعی مسافت سے کم کے فاصلے پر ہو، تو اس کو محرم کے بغیر حج کے سفر پر جانا جائز ہے، بشرطیکہ کوئی فتنہ لازم نہ آتا ہو۔ ؎

؎ اور شافعیہ کے نزدیک اگر دو یا زیادہ ثقہ عورتیں سفر میں ساتھ میسر ہوں، تو وہ محرم کی طرف سے کفایت کر دیتی ہیں، اور مالکیہ کے نزدیک اگر مامون قافلہ میسر ہو، اور عورت کی طرف سے بھی امن ہو، تو پھر فرض حج کے لئے محرم ضروری نہیں۔

ابنِ سیرین اور حضرت عطاء کا قول بھی اسی طرح سے مروی ہے۔

یہاں اہلِ علم کے لئے یہ بات قابلِ غور ہے کہ عورت کو محرم کے بغیر سفر کرنے کی ممانعت منہی لعینہٖ کے طور پر ہے، یا منہی لغیرہٖ کے طور پر؟

اگر منہی لغیرہٖ کے طور پر ہو، تو جو سفر اجتماعی انداز میں ہو، اور اُس میں متعدد مرد اور عورتیں ہوں، اور کسی نامحرم سے خلوت بھی لازم نہ آئے، جس کی وجہ سے فتنہ سے امن ہو، اور عورت کی طرف سے بھی کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اور وہ سفر بھی ضروری ہو، تو کیا ایسی صورت میں توسُّع موجود ہے یا نہیں؟

نیز اگر کسی عورت نے اپنے محرم کے ساتھ حج کے سفر میں جانے کے لئے حج کے اخراجات جمع کرا دیئے، اور پھر اس کا وہ محرم فوت ہو گیا، یا سفر سے معذور ہو گیا، اور جمع کردہ حج کے اخراجات کی واپسی یا حج کے سفر کی معطّلی قانونی طور پر مشکل ہے، یا غیر معمولی مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور حج کا قافلہ ثقہ لوگوں پر مشتمل ہو، اور عورت کی طرف سے بھی کوئی فتنہ لازم نہ آتا ہو، یا ثقہ عورتیں ہمراہ ہوں، تو بندہ کے خیال میں مالکیہ یا شوافع کے قول پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے، کیونکہ دوبارہ حج کے اخراجات اور حج کی منظوری اور حج کے سفر کی تیاری وغیرہ اس دور میں قانونی طور پر مشکل ترین مرحلہ بن گیا ہے۔

لا تسافر امرأة ثلاثا إلا ومعها ذو محرم ، وفي لفظ لهما فوق ثلاث، وفي لفظ للبخاری ثلاثة أيام، وفي رواية البزار لا تحج امرأة إلا ومعها ذو محرم ، وفي رواية الدارقطني لا تحجن امرأة إلا ومعها ذو محرم .قال ابن الملك فيه دليل على عدم لزوم الحج عليها إذ لم يكن معها محرم، وبهذا قال أبو حنيفة وأحمد، وقال مالك -رحمه الله تعالى يلزمها إذا كان معها جماعة النساء ، وقال الشافعي -رحمه الله -يلزمها إذا كان معها امرأة ثقة اهـ.وقال الشمني مذهب مالك إذا وجدت المرأة صحبة مأمونة لزمها الحج لأنه سفر مفروض كالهجرة، ومذهب الشافعي إذا وجدت نسوة ثقات فعليها أن تحج معهن، ثم قال واعلم أنه يشترط في المرأة أيضا أن لا تكون معتدة، والمراد بالمحرم من حرم عليه نكاحها على التأبيد :بسبب قرابة أو رضاع أو مصاهرة بشرط أن يكون مكلفا ليس بمجوسي ولا غير مأمون(مرقاة المفاتيح، ج۵، ص ۱۷۴۴، كتاب المناسك)

يشترط أن يصحب المرأة في سفر الحج زوجها أو محرم منها، إذا كانت المسافة بينها وبين مكة ثلاثة أيام، وهي مسيرة القصر في السفر، وإلى هذا ذهب الحنفية والحنابلة.

واستدلوا بحديث ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :لا تسافر المرأة ثلاثا إلا ومعها ذو محرم.وتوسع الشافعية والمالكية فسوغوا الاستبدال بالمحرم:

ذهب الشافعية إلى أنها إن وجدت نسوة ثقات :اثنتين فأكثر تأمن معهن على نفسها كفى ذلك بدلا عن المحرم أو الزوج بالنسبة لوجوب حجة الإسلام على المرأة .وعندهم "الأصح أنه لا يشترط

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴۴ ...... اگر کوئی عورت بیوہ ہوگئی، اور اسے اپنے شوہر کے ترکہ میں سے یا شوہر کی ملازمت وغیرہ کے متعلقہ کسی سرکاری وغیر سرکاری ادارہ سے اتنا مال ملا کہ جو حج کے مصارف کے لئے کافی تھا، اور اسی دوران حج کا زمانہ شروع ہوگیا، مگر اس عورت کو حج پر جانے کے لئے کوئی محرَم میسر نہیں، پھر اس نے اگلے سال حج کا زمانہ شروع ہونے سے پہلے اس رقم کو اپنے کھانے پینے کی ضروریات میں خرچ کرلیا، یا اس سے کوئی مکان خرید لیا، اور اب حج کے مصارف کے لئے اس کے پاس مال نہ رہا، تو راجح یہ ہے کہ اس پر حج فرض نہ ہوگا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وجود محرم لإحداهن، لأن الأطماع تنقطع بجماعتهن .فإن وجدت امرأة واحدة ثقة فلا يجب عليها الحج، لكن يجوز لها أن تحج معها حجة الفريضة أو النذر، بل يجوز لها أن تخرج وحدها لأداء الفرض أو النذر إذا أمنت .وزاد المالكية توسعا فقالوا :المرأة إذا لم تجد المحرم أو الزوج ولو بأجرة تسافر لحج الفرض أو النذر مع الرفقة المأمونة، بشرط أن تكون المرأة بنفسها هي مأمونة أيضا .والرفقة المأمونة جماعة مأمونة من النساء ، أو الرجال الصالحين .قال الدسوقي: وأكثر ما نقله أصحابنا اشتراط النساء ."أما حج النفل فلا يجوز للمرأة السفر له إلا مع الزوج أو المحرم فقط اتفاقا، ولا يجوز لها السفر بغيرهما، بل تأثم به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۳۵، و۳۶، الشروط الخاصة بالنساء)

عن ابن سيرين ، أنه قال :تخرج في رفقة فيها رجال ونساء (مُصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث۱۵۳۹۸)

عن عطاء قال :تحج مع رفقة فيها رجال ونساء وتتخذ سلما تصعد عليه ، ولا يقربها الكرى(مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث۱۵۳۹۹)

[1] البتہ جو حضرات اس کو حج کی ادائیگی واجب ہونے کی شرط قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک اس پر حج فرض ہوجائے گا، اور اس کو کسی بھی طرح سے حج ادا کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہوگا، اور خود حج نہ کرسکے، تو فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا واجب ہوگا، اور متن کے موقف کے راجح ہونے کی وجہ پیچھے گزر چکی ہے۔

(قوله قولان) هما مبنيان على أن وجود الزوج أو المحرم شرط وجوب أم شرط وجوب أداء والذى اختاره فى الفتح أنه مع الصحة وأمن الطريق شرط وجوب الأداء فيجب الإيصاء إن منع المرض، وخوف الطريق أو لم يوجد زوج، ولا محرم، ويجب عليها التزوج عند فقد المحرم، وعلى الأول لا يجب شيء من ذلك كما فى البحر وفى النهر وصحح الأول فى البدائع ورجح الثانى فى النهاية تبعا لقاضى خان واختاره فى الفتح .اهـ(ردالمحتار، ج۲، ص۴۶۵، كتاب الحج)

(والعبرة لوجوبها) أى العدة المانعة من سفرها (وقت خروج أهل بلدها) وكذا سائر الشروط بحر (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۲، ص۴۶۵، كتاب الحج)

مسئلہ نمبر ۵...... جب کسی عورت پر حج فرض ہو جائے تو اپنے شوہر سے اجازت لینا ضروری نہیں (بشرطیکہ اس کے ساتھ جانے کے لئے محرم کا انتظام ہو) اگر ایسی صورت میں شوہر اجازت نہ دے تب بھی حج کرنا ضروری ہے، اور عورت اس صورت میں شوہر کی نافرمانی کرنے کی گناہ گار نہیں، کیونکہ اللہ کے حکم کی مخالفت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۶...... جو عورت مال دار ہو، اور اس کو ہمسرے سے محرم میسر نہ ہو، تو راجح یہ ہے کہ اُس کو حج کرنے کے لئے کسی سے نکاح کرنا ضروری نہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر ۷...... شرعی اعتبار سے محرم (شوہر اور اس کے علاوہ) ایسا شخص ہے جس سے زندگی بھر کبھی بھی کسی طرح نکاح صحیح ہونے کا احتمال (Chance) نہ ہو، خواہ نسب یعنی پیدائش کے رشتہ کے اعتبار سے ہو (جیسے نسبی باپ، دادا، بیٹا، پوتا، نواسا، نسبی تایا، نسبی چچا، نسبی ماموں، وغیرہ) یا رضاعت یعنی دودھ کے رشتہ کے اعتبار سے ہو (جیسے دودھ شریک بھائی) یا مصاہرت یعنی سسرالی رشتہ کے اعتبار سے ہو (جیسے داماد اور خسر) [3]

اور جس شخص سے زندگی میں کسی بھی وقت نکاح کا امکان ہو وہ شرعاً محرم نہیں جیسے دیور، بہنوئی، خالو، پھوپا، تایازاد، پھوپی زاد، خالہ زاد وغیرہ اس قسم کے سب لوگ نامحرم ہیں۔

چند قریبی رشتہ دار جو شرعاً نامحرم شمار ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں۔

(۱) چچازاد (۲) پھوپھی زاد (۳) ماموں زاد (۴) خالہ زاد (۵) دیور (۶) جیٹھ

---

[1] وإذا وجدت محرما يجب عليها الحج ولا يشترط رضا الزوج وإذنه عندنا وقال الشافعي لا بد من إذن الـزوج لأن فيه فوات حقه ولكنا نقول إن الحج من الفرائض اللازمة فيكون منافعها مستثناة عن ملك الزوج فأما في التطوع فللزوج حق المنع كما في الصلاة (تحفة الفقهاء، ج ا، ص ۳۸۸، كتاب المناسک، مسألة الحج)

[2] وإن لـم يـكـن لهـا مـحـرم أو زوج لا يـجـب عـليهـا التـزوج للحج، كما لا يجب على الفقير اكتساب المال لأجل الحج والزكاة (العناية شرح الهداية، ج ۲، ص ۴۲۰، كتاب الحج)

[3] وتـفـسيـره مـن لا يـحـل له نكاحها على التأبيد بسبب قرابة أو رضاع أو مصاهرة ألا ترى أنه يـجـوز له أن يخلو بها لأنه لا يطمع فيها إذا علم أنها محرمة عليه أبدا فكذلک يسافر بها (المبسوط للسرخسي، ج ۴ ص ۱۱۱، كتاب المناسک، باب المحصر)

(۷) نندوئی (۸) بہنوئی (۹) پھوپھا (۱۰) خالو (۱۱) شوہر کا بھتیجا (۱۲) شوہر کا بھانجا (۱۳) شوہر کا چچا (۱۴) شوہر کا پھوپھا (۱۵) شوہر کا ماموں (۱۶) شوہر کا خالو، وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب لوگ شرعی اعتبار سے نامحرم ہیں۔ [۱]

منہ بولے بھائی یا منہ بولے بیٹے، یا منہ بولے باپ وغیرہ کی حیثیت شرعاً محرم ہونے کی نہیں ہے، صرف منہ سے کسی کو بھائی، بیٹا، یا باپ وغیرہ کہہ دینے، بنالینے یا سمجھ لینے سے اجنبی شخص حقیقی محرم نہیں بن جاتا۔

پس منہ بولے بھائی، بیٹے اور باپ وغیرہ کو محرم تصور کر کے اس کے ہمراہ سفر کو جائز سمجھنا درست نہیں۔

یہی حکم لے پالک بیٹے کا بھی ہے، لہٰذا جو عورتیں کسی دوسرے کے چھوٹی عمر کے بچہ کو لے کر پال لیتی ہیں اور جوان ہوجانے کے بعد اس کو اپنا محرم تصور کرتی ہیں، اس سے وہ محرَم نہیں بن جاتا، کیونکہ کسی بچہ کی صرف پرورش کر دینے کی وجہ سے اس سے محرم کا رشتہ پیدا نہیں ہوجاتا، خواہ بچپن میں اس کی ہر طرح کی خدمت کیوں نہ کی ہو۔

البتہ اگر کسی عورت نے اس بچہ کو دو سال کی عمر کے اندر اندر اپنی چھاتی سے دودھ پلا دیا تھا، تو پھر وہ بچہ رضاعی (یعنی دودھ کے رشتہ کا) بیٹا بن گیا تھا، لہٰذا اس پر رضاعی (دودھ کے رشتہ کی) اولاد کے احکام جاری ہوں گے، اور کوئی فتنہ لازم نہ آئے، تو بوقتِ ضرورت اس کے

---

[۱] والمحرم الزوج، ومن لا يجوز مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع أو مصاهرة كذا في الخلاصة ويشترط أن يكون مأمونا عاقلا بالغا حرا كان أو عبدا كافرا كان أو مسلما هكذا في فتاوى قاضي خان والمجوسي إذا كان يعتقد إباحة مناكحتها لا يسافر معها كذا في محيط السرخسي والمراهق كالبالغ وعبد المرأة ليس بمحرم لها كذا في الجوهرة النيرة ولا عبرة للصبي الذي لا يحتلم والمجنون الذي لا يفيق كذا في محيط السرخسي وتجب عليها النفقة والراحلة في مالها للمحرم ليحج بها، وعند وجود المحرم كان عليها أن تحج حجة الإسلام، وإن لم يأذن لها زوجها، وفي النافلة لا تخرج بغير إذن الزوج، وإن لم يكن لها محرم لا يجب عليها أن تتزوج للحج كذا في فتاوى قاضي خان(الفتاوى الهندية، ج ١ ص ٢١٩، كتاب المناسك، الباب الاول)

ساتھ سفر کی گنجائش ہوگی۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۸ ...... جو لڑکا ابھی بالغ نہیں ہوا، لیکن بالغ ہونے کے قریب ہے، مثلاً بارہ سال کے لگ بھگ عمر ہے، تو وہ عورت کے ساتھ محرَم کی ضرورت پوری کرنے کے لئے معتبر ہو جائے گا، اگر یہ لڑکا کسی عورت کا محرَم ہو، تو اس کے ساتھ عورت کو سفر کرنا جائز ہے۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۹ ...... بعض عورتیں شرعی محرم کے بغیر حج کے سفر کا گناہ تو کرتی ہی ہیں لیکن اوپر سے ایک اور گناہ جھوٹ بولنے کا بھی کرتی ہیں مثلاً حکومت کی طرف سے جو آج کل حج درخواست کے کاغذات اور فارم ہوتے ہیں ان میں محرَم کی وضاحت بھی درج کرنی ہوتی ہے، اب بعض عورتوں کے ساتھ ان کا اپنا شرعی محرم تو ہوتا نہیں لیکن خانہ پوری کرنے کے لئے کسی اور شخص کو جو حج پر جارہا ہوتا ہے اپنا محرم لکھ دیتی ہیں جو کہ جھوٹ میں داخل ہے اور جھوٹ خواہ زبانی ہو یا تحریری بہر حال گناہ ہے۔

پھر اس معاملہ میں صرف ایک جھوٹ پر ہی اکتفا نہیں ہوتا بلکہ اس کے نتیجہ میں بسا اوقات کئی

---

[۱] وَأما التَّحْرِيم بِسَبَب الرَّضَاع فَنَقُول كل من يحرم من الْفرق السَّبع بِسَبَب الْقَرَابَة يحرم بِسَبَب الرَّضَاع قَالَ الله تَعَالَى (وأمهاتكم اللَّاتِي أرضعنكم وأخواتكم من الرضَاعَة) وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلام يحرم من الرَّضَاع مَا يحرم من النّسَب وَكَذَا كل من يحرم بالصهرية من الْفرق الْأَرْبَع بالنّسَبِ يحرم بِالرّضَاعِ حَتَّى يحرم على الواطىء أم الْمَوْطُوءَة وبنتها من جِهَة الرَّضَاع وَتحرم الْمَوْطُوءَة على أَب الواطىء وَابْنه من جِهَة الرَّضَاع وَيحرم مَوْطُوءَة أَب الرَّضَاع على ابْنه من الرَّضَاع وَيحرم مَوْطُوءَة ابْن الرَّضَاع على أَب الرَّضَاع لما روينَا من الحَدِيث (تحفة الفقهاء، ج۲، ص۱۲۴، كتاب النكاح)

وعند جمهور العلماء من الصحابة والتابعين وعلماء الأمصار :إلى الآن لا تثبت إلا برضاع من له دون سنتين، وعند أبي حنيفة :بسنتين ونصف، وعند زفر :بثلاث سنين، وعن مالك :بسنتين وأيام (عمدة القارى، ج۲۰ ص۸۵، كتاب النكاح، باب الاكفاء فى الدين)

[۲] (عاقل والمراهق كبالغ) جوهرة (الدرالمختار مع رد المحتار، ج۲ ص۴۶۴، كتاب الحج)

ذهب الحنفية والشافعية وهو الظاهر من مذهب المالكية إلى اعتبار المراهق كالبالغ الذى لا يجوز للمرأة السفر إلا برفقته إن كان من محارمها.

وخالف فى ذلك الحنابلة فاشترطوا أن يكون المحرم بالغا عاقلا، قال ابن قدامة :قيل لأحمد فيكون الصبى محرما؟ قال :لا حتى يحتلم، لأنه لا يقوم بنفسه فكيف يخرج مع امرأة وذلك لأن المقصود بالمحرم حفظ المرأة ولا يحصل إلا من البالغ العاقل(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۶ص۳۴۰، مادة "مراهقة")

مقامات پر زبانی جھوٹ بولنے کی نوبت آتی ہے، اور اس طرح گناہ در گناہ ہوتا چلا جاتا ہے۔
لہٰذا حج جیسی مقدس عبادت کو انجام دیتے ہوئے اس غلط بیانی اور جھوٹ سے پرہیز لازم ہے۔
اسی طرح بعض مَرد حضرات کا بھی حال ہے کہ وہ اپنی رشتہ دار غیر محرم یا اجنبی کسی عورت کو جس کے ساتھ اپنا کوئی محرم نہیں ہوتا اپنا محرم بنالیتے ہیں اور کاغذوں میں اس کو اپنی محرم بنا کر اس کے ساتھ حج کا سفر کرتے ہیں، جو سخت گناہ ہے، جھوٹ بولنا ویسے بھی گناہ ہے اور حج جیسی عبادت میں یہ حرکت اور زیادہ نازیبا ہے۔
لہٰذا اجنبی عورت کو اپنی محرم ظاہر نہ کیا جائے، بھلے ہی کوئی ناراض ہو۔

سارا جہاں ناراض ہو پرواہ نہ چاہئے پیش نظر تو بس مرضی جاناں نا نہ چاہئے

مسئلہ نمبر ۱۰...... بعض عورتیں اعتراض کے طور پر کہتی ہیں کہ دنیا کی وہ ہزاروں عورتیں جن کا کوئی محرم نہیں کیا وہ حج نہ کریں اور حج کے بغیر محروم رہیں؟
اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک عورت کو حج کے سفر کے لیے شرعی محرم میسر نہ ہو اس وقت تک عورت پر حج فرض ہی نہیں ہوتا۔
پھر پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے، اپنا شوق پورا کرنا مقصد ہے یا اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنا؟
جب اللہ تعالیٰ کا حکم اس طرح بغیر محرم کے سفر کرنے کا نہیں تو پھر پریشان کیوں ہوتی ہیں۔
دراصل خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ بہت سی خواتین یا مرد حضرات صرف اپنے شوق اور جذبے کے پورا کرنے کو عبادت یا دین سمجھ لیتے ہیں، اور اس کی خاطر شریعت کے بتلائے ہوئے طریقے اور شرائط و پابندیوں کو چھوڑ یا توڑ دیتے ہیں۔
حالانکہ اس طرح کرنے سے کوئی عمل عبادت نہیں بن جاتا، کیونکہ عبادت کے لیے شریعت کی طرف سے کچھ شرائط اور پابندیاں مقرر کی گئی ہیں، اُن کے مطابق انجام دینے سے ہی کوئی

عمل عبادت بنتا ہے اور اُن پابندیوں کو توڑنے اور شرائط کی خلاف ورزی کرنے سے وہ عمل عبادت کے زُمرے سے نکل کر گناہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

اگر بالفرض کسی عورت کو ساری عمر ایسا محرم نہ ملا جس کے ساتھ حج کے سفر پر جا سکے تو حج نہ کرنے کا گناہ نہ ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۱...... جو انسان نہ مرد ہو اور نہ عورت، بلکہ خنثیٰ ہو (یعنی حقیقی نہ کہ بناوٹی اور مصنوعی ہیجڑا) تو فقہائے کرام نے اس پر حج فرض ہونے کے احکام عورتوں والے بیان فرمائے ہیں، کہ اس کے ساتھ بھی سفر میں محرم ضروری ہے۔ [2]

(۱۱)......عدت میں نہ ہونا (عورت کے عدت میں ہونے پر حج کا حکم)

عورت پر حج فرض ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جس وقت حج پر جانے یا حج کی درخواستیں وصول کئے جانے کا زمانہ ہو، اُس وقت وہ شوہر کی طلاق یا وفات کی عدت میں نہ ہو۔

عورت کو عدت کے زمانہ میں حج کا سفر کرنا جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں

---

[1] البتہ بعض ان فقہاء کے نزدیک جو محرم ہونے کی شرط کو شرطِ وجوب کے بجائے شرطِ اداء قرار دیتے ہیں، حج کی مالی استطاعت رکھنے والی عورت کو مرنے سے پہلے یہ وصیت واجب اور ضروری ہے کہ اگر میں حج نہ کر سکوں اور فوت ہو جاؤں تو میری طرف سے میرا حج بدل کرا دیا جائے۔

عورت کے فوت ہونے کے بعد وصیت کی شرائط کے مطابق وارثوں کے ذمہ اس وصیت کا پورا کرنا لازم ہوگا اور اگر وہ وارث باوجود کوئی شرعی عذر نہ ہونے کے اس کی وصیت پوری نہ کریں گے تو وہ گناہ گار ہوں گے، وصیت کرنے والی ایسی صورت میں حج نہ کرنے کے مؤاخذہ اور پکڑ سے بری ہو جائے گی، البتہ اگر وصیت کئے بغیر فوت ہوگئی تو پھر اس کا گناہ ہوگا۔

[2] فإن قلت :كيف حكم الخنثى فى هذه الأشياء .

قلت :يشترط فى حقه ما يشترط فى المرأة احتياطاً فى المحرمات (البناية شرح الهداية، ج۴، ص۲۷۵، كتاب الحج، فصل فى بيان مسائل شتى من أفعال الحج)

حجه وإحرامه: ذهب جمهور الفقهاء إلى أن الخنثى كالأنثى فى شروط وجوب الحج، وفى لبس المخيط، والقرب من البيت، والرمل فى الطواف، والاضطباع، والرمل بين الميلين فى السعى، والوقوف، والتقديم من مزدلفة، ولا يحج إلا مع ذى محرم لا مع جماعة رجال فقط، ولا مع نساء فقط، إلا أن يكونوا من محارمه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۰، ص۲۶، مادة "خنثىٰ")

عورتوں کو عدت کے زمانے میں گھر سے باہر نکلنے سے منع فرمایا ہے۔ [۱]

جلیل القدر تابعی حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُمَرَ وَعُثْمَانَ رَدَّا نِسْوَةً حَاجَّاتٍ وَمُعْتَمِرَاتٍ ، حَتّٰى اِعْتَدَدْنَ فِيْ بُيُوْتِهِنَّ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [۲]

ترجمہ: حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے حج اور عمرہ کرنے والی چند عورتوں کو واپس فرمادیا، جب تک کہ وہ اپنی عدت اپنے گھروں میں پوری نہ کرلیں (مصنف ابنِ ابی شیبہ)

اس قسم کی اور بھی روایات ہیں۔ [۳]

جن کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے عدت کی حالت میں عورت کو حج کے سفر سے منع فرمایا ہے۔

اب اس شرط سے متعلق چند ضروری احکام ومسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... اگر کسی عورت میں حج کی مالی استطاعت کے اعتبار سے مالدار وغیرہ ہونے کی شرط ایسے وقت میں پائی گئی کہ اس وقت وہ عدت میں تھی، تو بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک اس پر سِرے سے حج فرض نہیں ہوتا، جس طرح سے کہ محرَم میسر نہ آنے کی صورت میں حج فرض نہیں ہوتا، اور ہمارے نزدیک یہی موقف راجح ہے۔

---

[۱] يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (سورة الطلاق، رقم الآية ۱)

[۲] رقم الحديث ۱۴۸۶۷، كتاب المناسك، باب من كره لها ان تحج فى عدتها.

[۳] عن مجاهد ، عن سعيد بن المسيب ؛ أن عمر رد نسوة حاجات ، أو معتمرات ، خرجن فى عدتهن(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۱۴۸۶۵ ، باب من كره لها ان تحج فى عدتها)

عن سعيد بن المسيب ، قال :المتوفى عنها ، والمطلقة ثلاثا ، لا تحج ، ولا تعتمر ، ولا تلبس مجسدا(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۱۴۸۶۶ ، باب من كره لها ان تحج فى عدتها)

لہٰذا اگر بعد میں وہ عورت حج نہ کرسکے، یا حج پر قدرت حاصل نہ رہے، تو اس کو حجِ بدل کرانا یا فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا واجب نہیں ہوتا۔

البتہ عدت ختم ہونے کے بعد اگر اُس عورت میں حج فرض ہونے کی سب شرائط پائی جائیں، تو اُس پر حج فرض ہوجائے گا۔ [1]

---

[1] جمہور فقہائے کرام کے نزدیک عدمِ عدت کی شرط، شرطِ وجوب میں داخل ہے، اور حنفیہ کا اس سلسلہ میں محرَم کی شرط کی طرح اختلاف ہے، اور متعدد متاخرینِ حنفیہ نے اس کو شرطِ اداء قرار دیا ہے، مگر ہمارے نزدیک اس کا شرطِ وجوب ہونا راجح ہے، کیونکہ جس طرح عورت کو محرم کے بغیر سفر شرعاً منع ہے، اسی طرح عدت میں بھی سفر بلکہ اس سے بڑھ کر خروج منع ہے، اگرچہ محرم کے ساتھ ہو، اس حیثیت سے عورت کے عدت میں نہ ہونے کی شرط محرم ہونے کی شرط سے بھی زیادہ سخت ہوئی، اور عدت میں نہ ہونے کی شرط عورت کے حق میں استطاعتِ شرعیہ کے مفہوم میں داخل ہوئی۔

لأن العدة لما منعت أصل الخروج فلأن تمنع من خروج مديد وهو الخروج من السفر أولى (بدائع الصنائع، ج۳، ص۲۰۶، كتاب الطلاق، الرجعة، فصل فی أحكام العدة)

وتأثير فقد المحرم فی المنع من السفر كتأثير العدة، فإذا منعت من الخروج لسفر الحج بسبب العدة فكذلك بسبب فقدان المحرم (البناية شرح الهداية، ج۴، ص۱۵۲، كتاب الحج، اشتراط الزوج أو المحرم للمرأة فی الحج)

ثم اختلف الحنفية فی عدم العدة :هل هو شرط وجوب أو شرط أداء ، والأظهر أنه شرط للزوم الأداء بالنفس .أما عند الجمهور فهو شرط للوجوب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷،ص۳۸،عدم العدة، مادة"حج")

والشرط الثانی أن لا تكون معتدة من طلاق بائن أو رجعی أو عن وفاة لأن الحج مما يمكن أداؤه فی وقت آخر فأما العدة فيجب قضاؤها فی هذا الوقت خاصة والله تعالى يقول (لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن) (تحفة الفقهاء، ج۱، ص۳۸۸، كتاب المناسک، مسألة الحج)

الخروج فی حال العدة حرام عليها (تحفة الفقهاء، ج۲، ص۲۵۰، كتاب الطلاق، باب ما يجب على المعتدة)

لو كانت معتدة لم يكن لها أن تخرج للحج، وتأثير فقد المحرم فی المنع من السفر كتأثير العدة فإذا منعت من الخروج لسفر الحج بسبب العدة فكذلک بسبب فقد المحرم(المبسوط للسرخسی، ج۴ص۱۱۱، كتاب المناسک، باب المحصر)

لو كانت معتدة لم يكن لها أن تخرج للحج، وتأثير فقد المحرم فی المنع من السفر كتأثير العدة، فإذا منعت من الخروج لسفر الحج بسبب العدة فكذلک بسبب فقدان المحرم(البناية شرح الهداية، ج۴ص۱۵۲، كتاب الحج)

ومن شرائط وجوب الحج عليها خلوها عن العدة، أی عدة كانت(البناية شرح الهداية، ج۴ص۱۵۵، كتاب الحج)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک اگر عورت میں حج فرض ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، مگر وہ اس وقت عدت میں ہو، تو اُس پر حج تو فرض ہوجاتا ہے، لیکن اس عورت کو خود حج پر جانا فرض نہیں ہوتا، اب اگر عدت کے بعد وہ مالدار نہ بھی رہے، تب بھی اس پر واجب ہوتا ہے کہ وہ کسی طرح خود حج کرے، یا وہ کسی کے ذریعہ سے حجِ بدل کرائے یا فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والثانی :أن لا تكون معتدة عن طلاق أو وفاة؛ لأن الله تعالى نهى المعتدات بقوله عز وجل :(لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن) (الطلاق ١).

وروی عن عبد الله بن عمر -رضی الله عنه -أنه رد المعتدات من ذی الحليفة.

وروی عن عبد الله بن مسعود -رضی الله عنه -أنه ردهن من الجحفة.

ولأن الحج يمكن أداؤه فی وقت آخر فأما العدة فإنها إنما يجب قضاؤها فی هذا الوقت خاصة فكان الجمع بين الأمرين أولی (بدائع الصنائع، ج۲، ۱۲۴، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج)

[1] بعض متاخرین مشائخ حنفیہ نے عدمِ عدت کے شرطِ وجوبِ اداء ہونے کو اظہر قرار دیا ہے، مگر ہم یہ واضح کرچکے ہیں کہ عدت کی حالت میں عورت کو خروج وسفر شرعاً منع ہے، اور شریعت کا حکم ہونے کی وجہ سے اس کے بغیر استطاعتِ شرعیہ متحقق نہیں ہوتی، لہٰذا اگر کسی عورت میں ایسے وقت حج فرض ہونے کی شرائط پائی جائیں کہ جب وہ عدت میں ہو، تو ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس پر محرَم میسر نہ ہونے کی طرح سرے سے حج فرض نہیں ہوگا، اور عدت کے بعد اگر اس میں حج فرض ہونے کی شرائط نہ پائی جائیں، تو کسی سے حجِ بدل کرانا یا حجِ بدل کی وصیت کرنا بھی ضروری نہیں ہوگا۔ محمد رضوان۔

(و) مع (عدم عدة عليها مطلقا) أية عدة كانت ابن مالک (والعبرة لوجوبها) أی العدة المانعة من سفرها (وقت خروج أهل بلدها) وكذا سائر الشروط بحر(الدر المختار)

(قوله ومع عدم عدة إلخ) أی فلا يجب عليها الحج إذا وجدت كما فی شرح المجمع واللباب قال شارحه وهو مشعر بأنه شرط الوجوب، وذكر ابن أمير حاج أنه شرط الأداء وهو الأظهر...... (قوله وكذا سائر الشرائط) أی يعتبر وجودها فی ذلک الوقت(رد المحتار على الدر المختار، ج ۲ ص ۴۶۵، كتاب الحج)

والاستطاعة استفعالة من الطوع وذلک وجود ما يصير به الفعل متأتيا وهی عند المحققين اسم للمعانی التی بها يتمكن الانسان مما يريده من إحداث الفعل وهی أربعة أشياء :بنية مخصوصة للفاعل .وتصور للفعل، ومادة قابلة لتأثيره، وآلة إن كان الفعل آليا كالكتابة فإن الكاتب يحتاج إلى هذه الاربعة فی إيجاده للكتابة، وكذلک يقال فلان غير مستطيع للكتابة إذا فقد واحدا من هذه الاربعة فصاعدا، ويضاده العجز وهو أن لا يجد أحد هذه الاربعة فصاعدا، ومتى وجد هذه الاربعة كلها فمستطيع مطلقا ومتى فقدها فعاجز مطلقا، ومتى وجد بعضها دون بعض فمستطيع من وجه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر حج پر جانے کا زمانہ شروع ہوگیا، اور اس وقت کسی عورت میں حج فرض ہونے کی سب شرائط پائی گئیں، پھر بعد میں اس عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا، یا اس کو طلاق ہوگئی، اور اس کی عدت شروع ہوگئی، تو اس پر دیگر شرائط پائی جانے کی صورت میں بالاتفاق حج فرض ہوجائے گا، کیونکہ حج فرض ہونے کی شرائط پائی جانے کے وقت وہ عدت میں نہیں تھی۔

مسئلہ نمبر۲...... حنفیہ کے نزدیک عورت خواہ شوہر کے فوت ہونے کی عدت میں ہو، یا اس کو شوہر نے طلاق دے دی ہو، دونوں صورتوں میں عدت کے اندر حج کا سفر کرنا منع ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۳...... اگر کوئی عورت بیوہ ہوگئی، اور اسے اپنے شوہر کے فوت ہونے کے نتیجہ میں اس کے ترکہ میں سے یا کسی سرکاری وغیر سرکاری ادارہ سے اتنا مال ملا، یا کسی نے یا چند لوگوں نے بیوہ اور ضرورت مند سمجھتے ہوئے زکاۃ، صدقہ یا عطیہ کے مال سے اس کی اتنی مقدار میں مدد کی کہ وہ مال حج کے مصارف کے لئے کافی تھا، اور اسی دوران حج کا زمانہ شروع ہوگیا، مگر یہ عورت عدت میں ہے، جس کی وجہ سے حج کے سفر سے قاصر ہے، پھر اس نے اگلے سال حج کا زمانہ شروع ہونے سے پہلے اس رقم کو اپنے کھانے پینے کی ضروریات میں خرچ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عاجز من وجه، ولان يوصف بالعجز أولى. والاستطاعة أخص من القدرة، قال (لا يستطيعون نصر أنفسهم -فما استطاعوا من قيام من استطاع إليه سبيلا)فإنه يحتاج إلى هذه الاربعة، وقوله عليه السلام "الاستطاعة الزاد والراحلة "فإنه بيان ما يحتاج إليه من الالة وخصه بالذكر دون الاخر إذ كان معلوما من حيث العقل ومقتضى الشرع أن التكليف من دون تلك الاخر لا يصح(المفردات في غريب القرآن للاصفهاني، ج ا ص ۵۳۰، مادة طوع)

لا يجب عليها الحج وذلك لانها ممنوعة عن السفر الا ومعها زوجها او ذو محرم منها والمهجور شرعا كالمهجور عادة فصارت غير مستطيعة (التفسير المظهرى، ج۲ص۹۷، تحت آيت ۹۷ من سورة آل عمران)

[۱] (ومنها عدم قيام العدة فى حق المرأة) عدة وفاة كانت أو عدة طلاق، والطلاق بائن أو رجعى هكذا فى شرح الطحاوى فلا تخرج المرأة إلى الحج فى عدة طلاق أو موت(الفتاوى الهندية، ج ا ص ۲۱۹ ،كتاب المناسك، الباب الاول)

(قوله أية عدة كانت) أى سواء كانت عدة وفاة أو طلاق بائن أو رجعى ح(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص۴۶۵، كتاب الحج)

کرلیا، یا اس سے کوئی مکان خرید لیا، اور اب حج کے مصارف کے لئے اس کے پاس مال نہ رہا، تو ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس پر سرے سے حج فرض نہیں ہوگا، لہٰذا خود حج نہ کرسکنے کی صورت میں نہ تو دوسرے سے حجِ بدل کرانا ضروری ہوگا، اور نہ فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا واجب ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... اگر کوئی عورت عدت کی حالت میں حج کا سفر کر کے حج کرلے، تو اس کا حج صحیح ہوجاتا ہے، لیکن وہ گناہ گار ہوتی ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۵...... اگر کسی عورت نے حج کا سفر شروع کردیا تھا، اور پھر اس درمیان اس پر عدت واجب ہوگئی، تو حنفیہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر حج کے سفر میں عورت کے ساتھ اس کا شوہر ہو، اور شوہر نے راستے میں طلاقِ رجعی دے دی، تو طلاقِ رجعی میں کیونکہ نکاح قائم ہوتا ہے، اس لئے وہ اس حال میں شوہر کے ساتھ سفر جاری رکھ سکتی ہے، اور حج کے اعمال پورے کرسکتی ہے، اور شوہر کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ طلاق سے رجوع کرلے۔ [3]

اور اگر شوہر نے طلاقِ بائن دی ہو (جس میں نکاح ٹوٹ جاتا ہے، اور شوہر کو رجوع کا حق نہیں رہتا) یا شوہر کے فوت ہونے کی وجہ سے اس عورت پر عدت واجب ہوگئی ہو، تو جس جگہ اس پر عدت شروع ہوئی، وہاں سے اگر اپنا گھر مدتِ مسافت سے کم کے فاصلہ پر ہے، تو اسے اپنے گھر لوٹ آنا چاہئے، اور وہیں عدت پوری کرنی چاہئے، اور اگر گھر مدتِ مسافت سے زیادہ کے فاصلہ پر ہے، اور حرم مسافتِ سفر سے کم کے فاصلہ پر ہے، تو اسے حرم یعنی مکہ مکرمہ چلے جانا چاہئے، اور اگر دونوں طرف کا فاصلہ مدتِ مسافت سے کم پر ہے، تو اسے گھر

---

[1] البتہ جو حضرات عدمِ عدت کو حج کی ادائیگی واجب ہونے کی شرط قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک مندرجہ بالا صورت میں اس پر حج فرض ہوجائے گا، اور اس کو کسی بھی طرح سے حج ادا کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہوگا، اور خود حج نہ کرسکے، اور نہ کسی سے حجِ بدل کرا سکے، تو فوت ہونے سے پہلے حجِ بدل کی وصیت کرنا واجب ہوگا۔

[2] فروع: لو خالفت المرأة وخرجت للحج فی العدة صح حجها، وكانت آثمة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ص ۳۸، مادة "حج")

[3] یعنی عورت کو مثلاً زبان سے یہ کہہ دے کہ میں نے طلاق سے رجوع کرلیا، یا آپ کو نکاح میں واپس لوٹا لیا وغیرہ۔

واپس لوٹ کر آنے یا حرم یعنی مکہ مکرمہ جانے کا اختیار ہے، اور اگر گھر اور حرم شریف دونوں کا فاصلہ مسافتِ سفر یا اس سے زیادہ کا ہے، اور وہ کسی شہر وآبادی میں ہو، جہاں اس کو اپنی عزت اور جان مال کا خطرہ نہ ہو، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسے وہیں عدت گزارنی چاہئے، اگرچہ اس کے ساتھ اس کا محرم کیوں نہ موجود ہو، اور اگر وہاں اس کو اپنی عزت اور جان مال کا خطرہ ہو، تو کسی قریب ترین اطمینان بخش جگہ جا کر عدت پوری کرنی چاہئے، اور صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ) کے نزدیک مذکورہ صورت میں اگر محرم ساتھ ہو، تو اسے وہاں سے نکلنا اور سفر کرنا جائز ہے، اور اگر محرم ساتھ نہ ہو، تو پھر ان تینوں حضرات کے نزدیک وہاں سے نکلنا اور سفر کرنا جائز نہیں۔

اور حنفیہ کے نزدیک اس عورت نے اگر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیا تھا، تو وہ عدت کی وجہ سے مُحصَر کے حکم میں ہوگی، لہٰذا اس کے حلال ہونے کا طریقہ وہی ہوگا، جو مُحصَر کا ہے۔ [1]

اور اگر عورت کے ساتھ حج کے سفر میں شوہر کے علاوہ کوئی اور محرم (مثلاً والد، بیٹا، بھائی وغیرہ) تھا، اور وہ فوت ہوگیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس عورت کے لئے گھر لوٹنے یا آگے جانے میں وہی تفصیل ہوگی، جو پیچھے ذکر کی گئی۔

---

[1] وإن لزمتها بعد الخروج إلى السفر، وهى مسافرة فإن كان الطلاق رجعيا لا يفارقها زوجها؛ لأن الطلاق الرجعى لا يزيل الزوجية، والأفضل أن يراجعها، وإن كانت بائنا، أو كانت معتدة عن وفاة، فإن كان إلى منزلها أقل من مدة سفر، وإلى مكة مدة سفر فإنها تعود إلى منزلها؛ لأنه ليس فيه إنشاء سفر فصار كأنها فى بلدها، وإن كان إلى مكة أقل من مدة سفر، وإلى منزلها مدة سفر مضت إلى مكة؛ لأنها لا تحتاج إلى المحرم فى أقل من مدة السفر، وإن كان من الجانبين أقل من مدة السفر فهى بالخيار إن شاء ت مضت، وإن شاء ت رجعت إلى منزلها فإن كان من الجانبين مدة سفر فإن كانت فى المصر، فليس لها أن تخرج حتى تنقضى عدتها فى قول أبى حنيفة، وإن وجدت محرما، وعند أبى يوسف، ومحمد لها أن تخرج إذا وجدت محرما، وليس لها أن تخرج بلا محرم بلا خلاف، وإن كان ذلك فى المفازة أو فى بعض القرى بحيث لا تأمن على نفسها ومالها، فلها أن تمضى فتدخل موضع الأمن ثم لا تخرج منه فى قول أبى حنيفة سواء وجدت محرما أو لا، وعندهما :تخرج إذا وجدت محرما، وهذه من مسائل (كتاب الطلاق) ونذكرها بدلائلها فى فصول العدة إن شاء الله تعالى(بدائع الصنائع، ج۲ص۱۲۴، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج)

یہ تفصیل تو حنفیہ کے نزدیک تھی، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر حج کرنے کے لئے اپنے شہر سے نکلنے اور سفر شروع ہونے کے بعد عورت پر عدت واجب ہوئی، اور اس نے احرام نہیں باندھا، تو اس کو لوٹ کر آنے کا بھی اختیار ہے، اور سفر جاری رکھنے کا بھی اختیار ہے، کیونکہ سفر شروع ہونے کے بعد بعض اوقات واپسی میں عظیم مشقت پیش آتی ہے۔ [1]

[1] بالخصوص آج کے دور میں قانونی تقاضوں کو نظر انداز کر کے واپسی مشکل ہو جاتی ہے، بلکہ بعض اوقات ناممکن سی ہو جاتی ہے، اور خلاف ورزی پر حبس وقتل وغیرہ کے خطرات لاحق ہوتے ہیں۔

آج کل حج کی درخواستیں اور حج کے اخراجات سفر شروع ہونے سے پہلے سرکاری طور پر حاصل کر لئے جاتے ہیں، اور بآسانی واپس نہیں ملتے، اور اگر ملتے ہیں، تو غیر معمولی رقم کی کٹوتی کر لی جاتی ہے، اب اگر کوئی عورت سفر کے اخراجات جمع کرا چکی ہے، پھر اس پر عدت واجب ہو جائے، تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا کیا حکم ہے؟ اس کی تصریح نہیں ملی، لیکن شافعیہ کی اس مسئلہ کی تعلیل سے اس حالت میں سفر کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

ولو خرجت من منزله ففارقت المصر أو لم تفارقه إلا أنها قد فارقت منزله بإذنه للخروج إلى الحج ثم مات عنها أو طلقها كان لها أن تمضى فى وجهها وتقيم فيه مقام الحاج ولا تزيد فيه وتعود مع الحاج فتكمل بقية عدتها فى منزله إلا أن يكون أذن لها فى هذا أن تقيم بمكة أو فى بلد غيرها إذا قضت الحج فتكون هذه كالنقلة وتقيم فى ذلك البلد(كتاب الام للشافعى، ج۵ص ۲۴۴، ابواب متفرقة فى النكاح والطلاق وغيرهم)

وإن خرجت فمات زوجها فى الطريق رجعت ان كانت لم تفارق البنيان، فإن فارقت البنيان فلها الخيار بين الرجوع والتمام لانها صارت فى موضع أذن لها فيه وهو السفر، فأشبه ما لو كانت قد بعدت.

وقال أحمد وأصحابه :يجب عليها أن ترجع ان كانت قريبة لانها فى حكم الاقامة وان تباعدت مضت(المجموع شرح المهذب، ج۱۸ص ۱۷۲، كتاب العدد،اب مقام المعتدة والمكان الذى تعتد فيه)

وقال الشافعية............وإن أذن الزوج لزوجته فى سفر حج، أو عمرة، أو تجارة، أو استحلال مظلمة، أو نحو ذلك كسفر لحاجتها، ثم وجبت عليها العدة، فإن كانت لم تفارق عمران البلد فإنه يجب عليها الرجوع فى الأصح؛ لأنها لم تشرع فى السفر.

وإن فارقت عمران البلد ووجبت العدة فى أثناء الطريق فلها الرجوع ولها المضى فى السفر؛ لأن فى قطعها عن السفر مشقة، لا سيما إذا بعدت عن البلد، أو خافت الانقطاع عن الرفقة، والأفضل الرجوع .وإذا اختارت المضى ومضت لمقصدها أو بلغته فإنها ترجع بعد قضاء حاجتها دون تقيد بمدة السفر وهى ثلاثة أيام .ويجب الرجوع بعد قضاء الحاجة لتعتد ما بقى من العدة فى مسكنها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص ۱۴۲، مادة"رجوع"رجوع المعتدة إلى منزل العدة)

اور اگر عورت کے حج کا احرام باندھنے کے بعد اس پر عدت واجب ہوئی، تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ حکم ہے کہ حج میں اگر اتنا وقت ہو (اور اس کے لئے ممکن بھی ہو) کہ وہ وہاں عدت پوری کرکے حج کرسکتی ہے، تو اسے چاہئے کہ پہلے وہیں ٹھہر کر عدت پوری کرے، اور عدت پوری کرکے حج کے لئے نکلے، لیکن اگر وقت اتنا تنگ ہو کہ عدت گزارنے کی صورت میں اس کا حج فوت ہوجائے گا (خواہ وقت تنگ ہونے کی وجہ سے یا قانونی تقاضوں کی وجہ سے) تو اس کو نہ صرف یہ کہ حج کرنا جائز ہے، بلکہ اس پر حج کرنا واجب ہے، کیونکہ ایک طرف تو اس پر عدت واجب ہے، اور دوسری طرف احرام باندھنے کی وجہ سے حج بھی واجب ہوچکا ہے، اور دونوں کا وقت تنگ ہے، اس لئے اس چیز کو ترجیح ہوگی، جو پہلے واجب ہوا ہے، اور وہ حج ہے، جو کہ عدت شروع ہونے سے پہلے احرام کی وجہ سے واجب ہوچکا ہے، اور حج کی تاکید بہت زیادہ ہے، کیونکہ وہ اسلام کا اہم رکن ہے، جبکہ عدت کا یہ درجہ نہیں ہے، اور حج کے بعد میں ادا کرنے کا مکلّف کرنے میں حرجِ عظیم پایا جاتا ہے، کیونکہ دوبارہ آسانی حج کرنے کے انتظامات میں غیر معمولی مشکلات پائی جاتی ہیں۔ [1]

---

[1] (فصل)إذا أحرمت بالحج ثم وجبت عليها العدة، فان لم يخش فوات الحج إذا قعدت للعدة لزمها أن تقعد للعدة ثم تحج، لانه يمكن الجمع بين الحقين فلم يجز إسقاط أحدهما بالآخر فإن خشيت فوات الحج وجب عليها المضى فى الحج لانهما استويا فى الوجوب وتضيق الوقت والحج أسبق فقدم(المجموع شرح المهذب، جز،۱۸، ص ۱۷۰، كتاب العدد،اب مقام المعتدة والمكان الذى تعتد فيه)

وان مات زوجها بعد احرامها بحج الفرض أو بحج أذن لها فيزوجها نظرت -فإن كان وقت الحج متسعا لا تخاف فوته ولا فوت الرفقة لزمها الاعتداد فى منزلها، لانه أمكن الجمع بين الحقين فلم يجز اسقاط أحدهما.

وان خشيت فوات الحج لزمها المضى فيه.وبهذا قال أحمد.

وقال أبو حنيفة يلزمها المقام وان فاتها الحج لانها معتدة فلم يجز لها أن تنشء سفرا كما لو أحرمت بعد وجوب العدة عليها.دليلنا أنهما عبادتان استويا فى الوجوب وضيق الوقت فوجب تقديم الاسبق منهما، كما لو كانت العدة أسبق، ولان الحج آكد لانه أحد أركان الاسلام والمشقة بتفويته تعظم، فوجب تقديمه كما لو مات زوجها بعد أن بعد سفرها إليه(المجموع شرح المهذب، ج۱۸، ص ۱۷۳، كتاب العدد،اب مقام المعتدة والمكان الذى تعتد فيه)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہ بات ظاہر ہے کہ آج کل باہر کے ممالک سے حج کا سفر کرنے والوں کے لئے قانونی تقاضوں کی وجہ سے درمیان میں کسی بھی جگہ ٹھہرنا یا واپس آنا اختیار میں نہیں ہوتا، اور دوبارہ حج کا سفر کرنا اور اس کے اخراجات برداشت کرنا بھی آسان نہیں ہوتا، ایسی صورت میں اگر کوئی عورت حج کا سفر شروع کر چکی ہو، یا حج کا احرام باندھ چکی ہو، اور پھر اس پر عدت واجب ہو جائے، تو ہمارے نزدیک حنابلہ وشافعیہ اور بالخصوص شافعیہ کے قول کے مطابق عمل کر لینا درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۲)......شرائط کا زمانۂ حج میں پایا جانا (حج فرض ہونے کے وقت کے احکام)

حج فرض ہونے کے لئے مخصوص وقت کا ہونا بھی ضروری ہے۔

جو شرائط حج کے فرض ہونے کی ہیں، مثلاً مالدار ہونا وغیرہ، اُن کے کسی بھی وقت پائے جانے سے حج فرض نہیں ہوتا، بلکہ اُن شرائط کا مخصوص وقت میں پایا جانا ضروری ہے۔

لہٰذا مخصوص وقت میں حج کی استطاعت کا ہونا بھی حج فرض ہونے کی شرائط میں داخل ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فأما إذا أحرمت بالحج غير معتدة ، ثم طرأت عليها العدة في الإحرام بوفاة زوج أو طلاق ، فعليها المضي في إحرامها ، ولا تكون العدة مانعة لها لتقدم الإحرام عليها (الحاوی فی فقه الشافعي - للماوردی، ج۴ص ۳۶۴، کتاب الحج، باب حصر العبد المحرم)

وإن مات زوجها بعد إحرامها بحج الفرض، أو بحج أذن لها زوجها فيه، نظرت؛ فإن كان وقت الحج متسعا، لا تخاف فوته، ولا فوت الرفقة، لزمها الاعتداد في منزلها؛ لأنه أمكن الجمع بين الحقين، فلم يجز إسقاط أحدهما، وإن خشيت فوات الحج، لزمها المضي فيه. وبهذا قال الشافعي.

وقال أبو حنيفة: يلزمها المقام وإن فاتها الحج؛ لأنها معتدة، فلم يجز لها أن تنشء سفرا، كما لو أحرمت بعد وجوب العدة عليها. ولنا، أنهما عبادتان استويا في الوجوب، وضيق الوقت، فوجب تقديم الأسبق منهما، كما لو كانت العدة أسبق؛ ولأن الحج آكد؛ لأنه أحد أركان الإسلام، والمشقة بتفويته تعظم، فوجب تقديمه كما لو مات زوجها بعد أن بعد سفرها إليه (المغنی لابنِ قدامة، ج۸ص ۱۶۸، کتاب الحج)

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ (سورة البقرة، رقم الآية ١٩٧)

ترجمہ: حج کے چند مہینے ہیں جو (مشہورو) معلوم ہیں (سورہ بقرہ)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ سے روایت ہے کہ:

أَشْهُرُ الْحَجِّ: شَوَّالٌ، وَذُو الْقَعْدَةِ، وَعَشْرٌ مِّنْ ذِی الْحَجَّةِ (بخاری) [1]

ترجمہ: حج کے مہینے یہ ہیں: شوال اور ذوالقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن (بخاری)

نو دس ذی الحجہ کی درمیانی شب کے آخر (یعنی صبح صادق یا طلوعِ فجر) تک چونکہ حج کے سب سے بڑے فریضے وقوفِ عرفہ کا وقت ہوتا ہے، اس لئے ذی الحجہ کی دس تاریخ تک حج کا وقت ہوتا ہے۔

پس حج کے فرض ہونے کی شرائط جب حج کے مہینے شروع ہونے کے بعد پائی جائیں، اور وہ شخص اس عرصہ میں جا کر حج کرنے پر قادر ہو، تو اس پر حج فرض ہوگا۔

البتہ جو شخص مکہ مکرمہ سے دُور اور فاصلے پر ہو، یا کسی دوسرے ملک میں ہو، اُس کے لئے اُس وقت کا اعتبار کیا جائے گا، جب وہاں سے عادتاً سفر کر کے حج کے مناسک ادا کرنا ممکن ہو۔

اس تمہید کے بعد اس شرط سے متعلق اہم مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر ۱...... حج فرض ہونے کے لئے، حج فرض ہونے کی شرائط کا مخصوص وقت میں پایا جانا ضروری ہے، کہ اس وقت میں اس کو حج کا سفر ممکن ہو۔

اگر کسی میں حج کے فرض ہونے کی شرائط کسی دوسرے وقت میں تو پائی گئیں، مگر حج کے وقت میں نہیں پائی گئیں، مثلاً کسی دوسرے وقت میں مالدار ہوا، لیکن حج کے وقت میں وہ مال موجود نہ رہا، بلکہ پہلے ہی خرچ ہو گیا، تو اس پر حج فرض نہیں ہوگا، جیسا کہ نماز کے وقت کا معاملہ ہے

---

[1] ج۲ص ۱۴۱، كتاب الحج ،باب قول الله تعالى الحج أشهر معلومات، دارطوق النجاة،بيروت، واللفظ لهٗ، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۳۰۹۲، سنن دارقطني، رقم الحديث ۲۴۵۲.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ، ولم يخرجاه.

وقال الذهبي في التلخيص: على شرط البخاري ومسلم.

کہ نماز وقت سے پہلے فرض وواجب نہیں ہوا کرتی۔ [1]

---

[1] إمكان السير أن تكمل شرائط الحج فى المكلف والوقت متسع يمكنه الذهاب للحج.
وهذا شرط لأصل الوجوب عند الحنفية والمالكية والشافعية، وشرط للأداء عند الحنابلة.
وعبر الحنفية عن هذا الشرط بالوقت .وجعله بعضهم شرطا مفردا من شرائط وجوب الحج .
وفسروا هذا الشرط بأنه أشهر الحج، أو وقت خروج أهل بلده إن كانوا يخرجون قبلها، فلا يجب الحج إلا على القادر فيها، أو فى وقت خروجهم .وفسر غيرهم إمكان السير بوقت الخروج للحج
واستدل الجمهور على أن إمكان السير شرط لوجوب الحج بالآتى:
أ -أن إمكان السير من لواحق الاستطاعة وهى شرط لوجوب الحج
ب -أن ذلك بمنزلة دخول وقت الوجوب، كدخول وقت الصلاة، فإنها لا تجب قبل وقتها، إلا أن ذلك يختلف باختلاف البلدان، فيعتبر وقت الوجوب فى حق كل شخص عند خروج أهل بلده، فالتقييد بأشهر الحج فى الآية إنما هو بالنسبة إلى أهل أم القرى ومن حولها، وللإشعار بأن الأفضل أن لا يقع الإحرام فيما قبلها على مقتضى قواعد الحنفية من أن الإحرام شرط، خلافا للشافعية من أنه لا يجوز الإحرام قبل الأشهر لكونه ركنا.
واستدل الحنابلة على أن إمكان السير شرط للزوم أداء الحج بنفسه بأنه يتعذر الأداء دون القضاء ، كالمرض المرجو برؤه، وعدم الزاد والراحلة يتعذر معه الجميع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧،ص٣٤وص٣٥،مادة"حج"الخصلة الرابعة :إمكان السير)
(قوله :والوقت) قال الرملى سيذكره أيضا فى شرائط الصحة ولا شك أن من لم يدرك وقت الحج لم يجب عليه وأنه لا يصح إلا فى وقته المخصوص فكان شرطا للوجوب وشرطا للصحة تأمل اهـ.
وفى لباب المناسك السابع الوقت وهو أشهر الحج أو وقت خروج أهل بلده إن كانوا يخرجون قبلها فلا يجب إلا على القادر فيها أو فى وقت خروجهم فإن ملكه أى المال قبل الوقت فله صرفه حيث شاء ولا حج عليه وإن ملكه فيه فليس له صرفه إلى غير الحج فلو صرفه لم يسقط الوجوب عنه ولو أسلم كافر وبلغ صبى أو أفاق مجنون أو عتق عبد قبل الوقت فخافوا الموت وهم موسرون قيل ليس عليهم الإيصاء بالحج وقيل يجب فإن أوصوا به فعلى الأول لا يصح وصح على الثانى والخلاف مبنى على أن الوقت شرط الوجوب أو الأداء قولان اهـ.
قال شارحه منلا على هما روايتان عن أبى حنيفة وأبى يوسف وزفر ورجح ابن الهمام القول بأنه شرط الوجوب ونسب صاحب المجمع صحة الإيصاء إلى الإمام وصاحبه وخلافها إلى زفر معللا بأنهم كانوا أهل الوجوب وقت الوصية فيصح إيصاؤهم بأن يحج عنهم فى وقته لعجزهم عنه ويؤيده ما فى الخانية لو بلغ الصبى فحضره الوفاة وأوصى بأن يحج عنه حجة الإسلام جازت وصيته عندنا ويحج فجعل المذهب الجواز وهو لا ينافى جعل الوقت من شرائط الوجوب على المشهور المرجح خلاف ما فهم المصنف ويبنى عليه صحة الإيصاء وعدمها اهـ.
قلت فعلى هذا فثمرة الخلاف فى أن الوقت شرط للوجوب أو للأداء لا تظهر فى صحة الوصية وعدمها وإنما تظهر فى وجوب الإيصاء أو الإحجاج عنه وعدم ذلك فلا يجب على المشهور ويجب على خلافه، تأمل(منحة الخالق على البحر الرائق، ج٢، ص ٣٣١، كتاب الحج)

مسئلہ نمبر۲...... جو شخص جس علاقہ میں رہائش پذیر ہو، اُس علاقہ سے جب لوگ حج کے لئے جاتے ہوں یا حکومت کی طرف سے حج کی درخواستیں وصول کی جاتی ہوں (خواہ حج کے مہینوں میں، یا اس سے پہلے) اُس وقت حج فرض ہونے کی شرائط پائی جانے کا اعتبار ہوگا، اور یہی زمانہ حج فرض ہونے کا زمانہ کہلائے گا۔ [1]

[1] والوقت أى القدرة فى أشهر الحج أو فى وقت خروج أهل بلده على ما يأتى(ردالمحتار، ج۲، ص۴۵۸، كتاب الحج)

(قوله وقت) ظرف متعلق بمحذوف خبر العبرة أى ثابتة وقت خروج أهل بلدها، ولو قبل أشهر الحج لبعد المسافة ط (قوله وكذا سائر الشرائط) أى يعتبر وجودها فى ذلك الوقت.

(تتمة)ذكر صاحب اللباب فى منسكه الكبير أن من الشرائط إمكان السير وهو أن يبقى وقت يمكنه الذهاب فيه إلى الحج على السير المعتاد فإن احتاج إلى أن يقطع كل يوم أو فى بعض الأيام أكثر من مرحلة لا يجب الحج اهـ.وذكر شارح اللباب أن منها أن يتمكن من أداء المكتوبات فى أوقاتها قال الكرمانى :لأنه لا يليق بالحكمة إيجاب فرض على وجه يفوت به فرض آخر اهـ وتمامه هناك(رد المحتار، ج۲،ص،۴۶۵،۴۶۶، كتاب الحج)

وقد قدمنا أن من الشرائط الوقت أعنى أن يكون مالكا لما ذكر فى أشهر الحج حتى لو ملك ما به الاستطاعة قبلها كان فى سعة من صرفها إلى غيره وأفاد هذا قيدا فى صيرورته دينا افتقر هو أن يكون مالكا فى أشهر الحج فلم يحج والأولى أن يقال إذا كان قادرا وقت خروج أهل بلده إن كانوا يخرجون قبل أشهر الحج لبعد المسافة أو كان قادرا فى أشهر الحج إن كانوا يخرجون فيها ولم يحج حتى افتقر تقرر دينا وإن ملك فى غيرها وصرفها إلى غيره لا شىء عليه كذا فى فتح القدير (البحرالرائق، ج۲، ص۳۳۸، كتاب الحج، واجبات الحج)

ثم هذه الشرائط التى ذكرنا إنما تعتبر عند خروج أهل بلدة إلى الحج لأن ذلك وقت الوجوب فى حقه حتى إنه إذا كان عنده دراهم قبل خروج أهل بلده واشترى بها المسكن والخادم وأثاث البيت ونحو ذلك،فعند خروج أهل بلده لا يجب عليه أن يبيع ذلك ولا يجب الحج عليه،فأما إذا كان له دراهم وقت الخروج مقدار الزاد والراحلة ولم يكن له مسكن ولا خدام ولا زوجة فأراد أن يصرفها إلى هذه الأشياء فإنه يأثم ويجب عليه الحج ويلزمه الخروج معهم(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۳۸۹، ۳۹۰، كتاب المناسك)

ثم ما ذكرنا من الشرائط لوجوب الحج من الزاد، والراحلة، وغير ذلك يعتبر، وجودها، وقت خروج أهل بلده حتى لو ملك الزاد، والراحلة فى أول السنة قبل أشهر الحج، وقبل أن يخرج أهل بلده إلى مكة فهو فى سعة من صرف ذلك إلى حيث أحب؛ لأنه لا يلزمه التأهب للحج قبل خروج أهل بلده؛ لأنه لم يجب عليه الحج قبله، ومن لا حج عليه لا يلزمه التأهب للحج فكان بسبيل من التصرف فى ماله كيف شاء ، وإذا صرف ماله ثم خرج أهل بلده لا يجب عليه الحج فأما إذا جاء ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... اگر حج پر جانے یا حکومت کی طرف سے حج پر جانے کی درخواستیں وصول کئے جانے کا وقت تو شروع ہوگیا، مگر ختم نہیں ہوا، اور اس وقت کسی پر حج فرض ہوا، مثلاً کسی کے پاس اتنا مال آ گیا، جو حج کے مصارف کے لئے کافی ہے، تو قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر حج فرض ہوجائے گا، اور اگر اس کے برعکس کسی پر وقت شروع ہوتے وقت تو حج فرض تھا، مثلاً حج کے مصارف کے لئے مال تھا، لیکن وقت ختم ہونے سے پہلے وہ صاحبِ استطاعت نہ رہا، مثلاً اس کا مال جاتا رہا، یا خرچ ہوگیا، تو قواعد کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر حج فرض نہ ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر۴...... اگر کسی شخص پر حج فرض ہوجائے لیکن اس کے والدین فرض حج کی اجازت نہ دیں تب بھی حج پر جانا ضروری ہے، فرض حج کی ادائیگی کے لئے والدین کی اجازت ضروری نہیں۔

البتہ نفلی حج والدین کی اجازت کے بغیر نہیں کرنا چاہئے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقت الخروج، والمال في يده فليس له أن يصرفه إلى غيره على قول من يقول بالوجوب على الفور؛ لأنه إذا جاء وقت خروج أهل بلده فقد وجب عليه الحج لوجود الاستطاعة فيلزمه التأهب للحج، فلا يجوز له صرفه إلى غيره كالمسافر إذا كان معه ماء للطهارة.

وقد قرب الوقت لا يجوز له استهلاكه في غير الطهارة، فإن صرفه إلى غير الحج أثم، وعليه الحج، والله تعالى أعلم(بدائع الصنائع ،ج۲ص۱۲۵ ،كتاب الحج،فصل شرائط فرضية الحج)

وهذا كله إذا وُجد الشرط عند تأهبِ أهل بلده، إذْ به يصير قادراً على الحج، فلو ملك مالاً قبله وأنفقه حيث شاء ، جاز ولا يجب عليه الحج، لأنه لا يلزمه التأهب في الحال (شرح النقاية، ج۲ ص۲۴۸ ،كتاب الحج)

[1] فقہائے کرام سے صراحتاً اس مسئلہ کا ذکر نہ مل سکا، لیکن عبادات میں جہاں کہیں فقہائے کرام نے وقت کو شرطِ وجوب قرار دیا ہے، وہاں اسی قاعدہ کا اعتبار فرمایا ہے، مثلاً نماز، روزہ، قربانی کے اوقات وغیرہ۔

أ -أن إمكان السير من لواحق الاستطاعة وهي شرط لوجوب الحج

ب -أن ذلك بمنزلة دخول وقت الوجوب، كدخول وقت الصلاة، فإنها لا تجب قبل وقتها (الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۱۷ ،ص۳۵،مادة"حج"الخصلة الرابعة :إمكان السير)

[2] في شرح السنة :هذا في جهاد التطوع لا يخرج إلا بإذن الوالدين إذا كانا مسلمين، فإن كان الجهاد فرضا متعينا فلا حاجة إلى إذنهما وإن منعاه عصاهما وخرج، وإن كانا كافرين فيخرج بدون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵...... جس شخص میں حج فرض ہونے کی شرائط پائی جائیں، اور وہ حج نہ کرے، اور پھر اُن میں سے کوئی شرط جاتی رہے، تو تب بھی اس پر حج فرض رہتا ہے۔

مثلاً ایک شخص کے پاس اتنا مال موجود تھا کہ اس پر حج فرض ہوگیا تھا، لیکن اس نے حج نہیں کیا اور پھر یہ شخص غریب ہوگیا تو اس کے ذمہ حج باقی رہے گا، اور اس کو کسی بھی جائز طریقے سے حج کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہوگا، یا حجِ بدل کرانا ضروری ہوگا، اور حجِ بدل کا بیان آگے آتا ہے۔ [۱]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

إذنهما فرضا كان الجهاد، أو تطوعا، وكذلك لا يخرج إلى شيء من التطوعات كالحج والعمرة والزيارة، ولا يصوم التطوع إذا كره الوالدان المسلمان، أو أحدهما إلا بإذنهما قال ابن الهمام :لأن طاعة كل منهما فرض عليه، والجهاد لم يتعين عليه(مرقاة المفاتيح، ج٦ص ٢٤٧٢، كتاب الجهاد)

(قوله حج الفرض أولى من طاعة الوالدين) لأنه لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق سبحانه وتعالى لكن هذا إذا لم يضيعا بسفره لما قدمه أول الحج أنه يكره بلا إذن ممن يجب استئذانه أي كأحد الأبوين المحتاج إلى خدمته، وقدمنا أن الأجداد والجدات كالأبوين عند فقدهما (قوله بخلاف النفل) أي فإن طاعتهما أولى منه مطلقا كما قدمناه عن البحر عن الملتقط(رد المحتار على الدر المختار، ج٢ص ٦٢١،كتاب الحج)

ويكره الخروج إلى الحج إذا كره أحد أبويه إن كان الوالد محتاجا إلى خدمة الولد وإن كان مستغنيا عن خدمته فلا بأس (الفتاوى الهندية، ج ١ ص ٢٢٠،كتاب المناسك،الباب الاول)

[۱] لو ملكه مسلما فلم يحج حتى افتقر حيث يتقرر الحج في ذمته دينا عليه كذا في فتح القدير ولو حج ثم ارتد ثم أسلم لزمه أخرى إذا استطاع كذا في السراجية(الفتاوىٰ الهندية، ج ١ ص٢١٧، كتاب المناسك، الباب الاول)

قال في الإحياء :من استطاع الحج ولم يحج حتى أفلس فعليه الخروج إلى الحج وإن عجز للإفلاس عليه أن يكتسب قدر الزاد فإن عجز فعليه أن يسأل الزكاة والصدقة ويحج فإن لم يفعل ومات مات عاصيا اهـ .ومعلوم أن النسك باق على أصله إذ لا يتضيق إلا بوجود مسوغ ذلك فمرادهم بما ذكر استقرار الوجوب أخذا مما يأتي وحينئذ فالأوفق بكلامهم في الدين عدم وجوب سؤال الصدقة ونحوها وعدم وجوب الكسب عليه لأجله ما لم يتضيق أي بخوف العضب أو الموت اهـ .شرح م ر(فتوحات الوهاب بتوضيح شرح منهج الطلاب المعروف بحاشية الجمل على شرح المنهج، ج٢ص ٣٧٩، كتاب الحج)

حج فرض ہونے کی شرائط کا خلاصہ

پیچھے جو حج فرض ہونے کی شرائط بیان کی گئیں، اُن کا خلاصہ یہ نکلا کہ:

''جس مسلمان، عاقل، بالغ، آزاد غیر معذور کی ملکیت میں حج پر جانے یا حج کی درخواستیں وصول کئے جانے کے وقت اس کی اصلی اور بنیادی ضروریات سے زائد اور فاضل اتنا مال ہو کہ جس سے وہ بیت اللہ وعرفات تک آنے جانے اور وہاں کے قیام وطعام کا خرچ برداشت کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور واپسی تک اپنے اُن اہل وعیال ومتعلقین کے خرچ کا انتظام بھی کر سکے جن کا نان ونفقہ اس کے ذمہ واجب ہے اور راستہ بھی مامون (امن والا) ہو اور حکومت وغیرہ کی طرف سے کوئی رُکاوٹ نہ ہو، تو ایسے ہر مسلمان پر زندگی میں ایک مرتبہ حج فرض ہے''

عورت کے لئے چونکہ بغیر محرم کے اور عدت میں سفر کرنا شرعاً جائز نہیں اس لئے وہ حج ادا کرنے پر اس وقت قادر سمجھی جائے گی جبکہ اس کے ساتھ شوہر یا کوئی شرعی محرم حج کرنے والا ہو، خواہ محرم اپنے خرچ سے حج کررہا ہو یا یہ عورت اس کے سفر کا خرچ بھی برداشت کرے، اور وہ عورت عدت میں بھی نہ ہو۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ

وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

حج صحیح ہونے کی شرائط

پھر جب کوئی حج کرے، تو اُس کا حج صحیح ہونے کے لئے بھی کچھ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جن کو مشائخِ احناف نے شرائطِ صحتِ اداء سے تعبیر فرمایا ہے۔

ان شرائط کا مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ شرائط نہ پائی جائیں، اگرچہ شرائطِ وجوب پائی جائیں، تو حج کی ادائیگی صحیح ودرست نہیں کہلاتی۔

ملحوظ رہے کہ ان شرائط میں سے بعض شرائطِ وجوب میں بھی داخل ہیں، مشائخِ احناف نے حج کے صحیح ہونے کی جو شرائط بیان فرمائی ہیں، اُن کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

(۱)......اسلام (یعنی اسلام کی حالت میں حج کرنا، اگر کسی غیر مسلم نے حج کیا، تو اس کا حج صحیح نہیں ہوگا)

(۲)......احرام (یعنی حج احرام کے ساتھ کرنا، اگر کسی نے احرام کے بغیر حج کیا، تو اس کا حج صحیح نہیں ہوگا)

(۳)...... زمان (یعنی حج کے ارکان ومناسک مخصوص زمانے میں ادا کرنا، اگر کسی نے حج کے زمانے کے علاوہ کسی اور وقت میں وقوفِ عرفہ وغیرہ کیا، تو اس کا حج صحیح نہیں ہوگا)

(۴)......مکان (یعنی حج کے ارکان ومناسک اُن کے مخصوص ومقررہ مقامات پر ادا کرنا، اگر کسی نے حج کے مناسک ادا کیے جانے والی جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ میں طواف، سعی اور وقوف وغیرہ کیا، تو اس کا حج صحیح نہیں ہوگا)

(۵)......تمیز (یعنی حج کرنے والے کو اپنے عمل کا شعور ہو، تاکہ اس کی طرف سے حج کی نیت معتبر ہوجائے، اگر کسی بے شعور شخص نے خود سے حج کیا تو اس کا حج صحیح نہیں ہوگا)

(۶)......عقل (یعنی حج کرنے والا صاحبِ عقل ہو، پاگل ومجنون نہ ہو، اگر کسی مجنون وپاگل نے حج کیا، تو اس کا حج صحیح نہیں ہوگا)

(۷)......صاحبِ قدرت کا خود حج کے مناسک ادا کرنا (یعنی جب تک قدرت ہو، خود حج کے ارکان ومناسک ادا کرے، صاحبِ قدرت شخص اگر کسی دوسرے کو نائب بنا کر اپنا حج یا حج کے مناسک ادا کرائے گا تو اس کا حج صحیح نہیں ہوگا)

(۸)...... جماع وصحبت نہ کرنا (یعنی وقوفِ عرفہ جو کہ حج کا رُکنِ اعظم ہے، اُس سے پہلے حج کے احرام میں جماع وصحبت نہ کرے، ورنہ حج صحیح نہیں ہوگا)

(۹)......اسی سال کے احرام میں حج کرنا (یعنی حج کے جس سال میں حج کا احرام باندھا ہے، اسی سال حج کرے، ورنہ حج صحیح نہیں ہوگا) [1]

مذکورہ شرائط صرف مشائخِ احناف کی تصریح کے مطابق ذکر کی گئی ہیں، دیگر فقہائے کرام کا ان میں سے بعض شرائط میں اختلاف ہے، جس کا یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

---

[1] النوع الثالث :شرائط صحة الأداء وهى تسعة :الإسلام والإحرام، والزمان، والمكان، والتمييز، والعقل ومباشرة الأفعال إلا بعذر وعدم الجماع والأداء من عام الإحرام(ردالمحتار، ج۲، ص۴۵۸، كتاب الحج)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

حج کے فرض واقع ہونے کی شرائط

مشائخِ احناف نے حج کے بطور فرض ادا ہونے کی بھی کچھ شرائط بیان فرمائی ہیں، جن کو انہوں نے شرائطِ وقوعِ حج عن الفرض سے تعبیر فرمایا ہے کہ ان شرائط کے پائے جانے سے ادا شدہ حج، فرض حج کی ادائیگی میں شمار کیا جاتا ہے، ورنہ وہ حج فرض کی ادائیگی میں شمار نہیں کیا جاتا۔

ان میں سے بعض شرائط چونکہ وجوبِ حج کی بھی شرائط ہیں، جن پر کلام پہلے گزر چکا ہے، اس لئے یہاں ان کی تفصیل ذکر نہیں کی جائے گی۔

مشائخِ احناف نے حج کے بطور فرض واقع ہونے کی جو شرائط بیان فرمائی ہیں، اُن کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

(۱)...... اسلام (یعنی اگر کسی نے اسلام لانے سے پہلے حج کیا، تو اس سے اس کے حج کا فرض ادا نہیں ہوگا، اور مسلمان ہونے کے بعد صاحبِ استطاعت ہونے پر دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا)

(۲)...... اسلام پر باقی رہنا (یعنی حج کرنے کے بعد مَرتے دَم تک اسلام پر قائم رہے، اگر خدانخواستہ کوئی حج کرنے کے بعد دائرۂ اسلام سے خارج ومرتد ہوجائے، تو اس کے حج کا فریضہ کالعدم ہوجاتا ہے)

(۳)...... عقل (یعنی اگر کسی نے جنون وپاگل پنے کی حالت میں حج کیا، تو اس سے حج کا فریضہ ادا نہیں ہوگا، اور صحت مند ہونے کے بعد صاحبِ استطاعت ہونے پر دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا)

(۴)...... آزاد ہونا (یعنی اگر کسی غلام وباندی نے آزاد ہونے سے پہلے حج کیا، تو اس کے حج کا فریضہ ادا نہیں ہوگا، اور آزاد ہونے کے بعد صاحبِ استطاعت ہونے کی صورت میں اس پر دوبارہ حج فرض ہوگا)

(۵)...... بلوغ (یعنی اگر کسی نے نابالغ ہونے کی حالت میں حج کیا، تو اس سے حج کا فریضہ ادا نہیں ہوگا، اور بالغ ہونے کے بعد صاحبِ استطاعت ہونے پر اس کو دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا)

(۶)...... اگر قدرت ہو تو خود حج ادا کرنا (یعنی اگر صحیح و تندرست ہے، اور کوئی شرعی رُکاوٹ نہیں تو خود جا کر حج ادا کرے، ایسی صورت میں کسی اور کا اس کی طرف سے حج کرنا فرض حج نہیں بنے گا، بلکہ نفل حج بنے گا)

(۷)...... حج کو فاسد نہ کرنا (یعنی کوئی ایسا عمل نہ کرنا کہ جس سے حج فاسد ہو جاتا ہے، مثلاً حج کا احرام باندھنے کے بعد وقوفِ عرفہ سے پہلے جماع نہ کرنا، ورنہ حج کا فریضہ ادا نہیں ہوگا)

(۸)......نفل حج کی نیت نہ کرنا (یعنی اگر کوئی نفل حج کی نیت سے حج کرے، اور اس نے اپنا فرض حج ادا نہ کیا ہو، تو اس کے نفل کی نیت سے حج کرنے سے اس کے حج کا فریضہ ادا نہیں ہوگا)

(۹)...... دوسرے کی طرف سے حج کی نیت نہ کرنا (یعنی اگر کسی نے اپنی طرف سے حج کی نیت نہیں کی، بلکہ کسی اور کی طرف سے نیت کر کے حج کیا، تو اس سے اس حج کرنے والے کے حج کا فریضہ ادا نہیں ہوگا) [1]

ملحوظ رہے کہ مذکورہ شرائط اجمالی درجہ میں وہ ہیں کہ جو مشائخِ احناف نے ذکر فرمائی ہیں، دیگر فقہائے کرام کا ان میں سے بعض شرائط میں اختلاف بھی ہے، جس کا یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

---

[1] النوع الرابع :شرائط وقوع الحج عن الفرض وهي تسعة أيضا :الإسلام، وبقاؤه إلى الموت، والعقل، والحرية والبلوغ والأداء بنفسه إن قدر، وعدم نية النفل، وعدم الإفساد، وعدم النية عن الغير (ردالمحتار، ج۲، ص۴۵۸، كتاب الحج)

فرض حج نہ کرنے اور اس میں ٹال مٹول کے بہانے

بہت سے لوگوں پر حج فرض ہو چکا ہوتا ہے، اور ان میں حج فرض ہونے کی شرائط مکمل طور پر پائی جاتی ہیں، لیکن وہ حج کرنے میں بہت غفلت اور لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اس بارے میں بے شمار حیلے، بہانے اور مختلف تاویلیں پیش کر کے جان چرانے کی کوشش کرتے ہیں، اور پھر اسی حال میں حج کئے بغیر بہت سے لوگ فوت بھی ہو جاتے ہیں۔

خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جب کسی شخص میں حج فرض ہونے کی سب شرائط پائی جائیں، تو بعض فقہاء کے نزدیک اس پر فوراً اسی سال حج کرنا فرض ہو جاتا ہے جس کے بعد بغیر شرعی عذر کے تاخیر یا ٹال مٹول کرنے سے انسان گناہ گار ہوتا ہے۔

اور بعض فقہاء کے نزدیک اگرچہ فوراً اسی سال حج کرنا تو ضروری نہیں ہوتا، اور تاخیر کرنے میں گناہ نہیں ہوتا، البتہ ان کے نزدیک اسی سال حج کرنا افضل ضرور ہے، لیکن اس بات پر وہ بھی متفق ہیں کہ اگر حج فرض ہونے کے بعد تاخیر کی اور خدانخواستہ حج کرنے سے پہلے فوت ہو گیا تو پھر یہ شخص سخت گناہ گار ہوتا ہے۔

اور موت کے وقت کا کسی کو علم نہیں کہ کس وقت آ جائے، اور موت کا خطرہ ہر وقت سر پر لگا ہوا ہے، اور موت کا خطرہ نہ ہو، تو تب بھی یہ خطرہ تو ہر وقت موجود ہے کہ آئندہ اس کے پاس مال نہ رہے، یا کوئی اور عذر پیش آ جائے، اور پھر حج کی ادائیگی دشوار ہو جائے۔

لہٰذا حج فرض ہونے کے بعد جتنی جلدی ممکن ہو، حج کا فریضہ ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ [1]

---

[1] (وعنه) أى عن ابن عباس (قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم -من أراد الحج فليعجل) بتشديد الجيم قال الطيبى رحمه الله أى من قدر على الحج فليغتنم الفرصة وقيل أمر استحباب اهـ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اگر کوئی شخص حج فرض ہونے کے بعد اسی سال حج نہیں کرتا اور بلاشرعی عذر کے تاخیر کرتا ہے، لیکن بہرحال اگلے سال یا اس کے بعد حج کر لیتا ہے تو حج کا فریضہ ذمہ سے اُتر جاتا ہے، اور اس کا حج ادا ہو جاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والأصح عندنا أن الحج واجب على الفور، وهو قول أبي يوسف ومالك رحمهما الله، وعن أبي حنيفة -رحمه الله- ما يدل عليه وهو ما روى ابن شجاع عنه أن الرجل يجد ما يحج به وقصد التزوج أنه يحج به، وقال محمد -رحمه الله- وهو رواية عن أبي حنيفة، وقول الشافعي أنه على التراخي إلا أن يظن فواته لو أخره لأن الحج وقته العمر نظرا إلى ظاهر الحال في بقاء الإنسان، فكان كالصلاة في وقتها يجوز تأخيره إلى آخر العمر كما يجوز تأخيرها إلى آخر وقتها، إلا أن جواز تأخيره مشروط عند محمد بأن لا يفوت يعني لو مات ولم يحج أثم، ولأبي يوسف أن الحج في وقت معين من السنة والموت فيها ليس بنادر، فيضيق عليه للاحتياط لا لانقطاع التوسع بالكلية، فلو حج في العام الثاني كان مؤديا باتفاقهما، ولو مات قبل العام الثاني كان آثما باتفاقهما، وثمرة الخلاف بينهما إنما تظهر في حق تفسيق المؤخر ورد شهادته عند من يقول بالفور وعدم ذلك عند من يقول بالتراخي، كذا حققه الشمني(مرقاة المفاتيح، ج۵ص ۱۷۴۹، كتاب المناسك)

وأما كيفية وجوبه، فنقول :ذكر الحسن الكرخي رحمه الله أنه يجب على الفور ولا يجوز التأخير عن أول أوقات الإمكان، وهذا قول أبي يوسف روى عنه بشر والمعلى، قال شيخ الإسلام رحمه الله :وهو قول أبي حنيفة رحمه الله في أصح الروايتين.

وقال محمد :يجب على التراخي، وهو قول الشافعي.

محمد احتج بتأخير رسول الله عليه السلام الحج من غير عذر، بيانه :فيما روي أن فرضية الحج نزلت في سنة ثلاث من الهجرة ورسول الله حج سنة عشر، وما كان به عذر .وأبو يوسف يحمل ذلك على العذر التأخير بعذر جائز(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج۲ص ۴۲۰، كتاب المناسك،الفصل الثاني في بيان ركن الحج وكيفية وجوبه)

ويجب على الفور .قال -عليه الصلاة والسلام :- من ملك زادا يبلغه إلى بيت الله تعالى ولم يحج فلا عليه أن يموت يهوديا أو نصرانيا .وعن أبي حنيفة ما يدل عليه، فإنه قال :من كان عنده ما يحج به ويريد التزوج يبدأ بالحج، ولأن الموت في السنة غير نادر، بخلاف وقت الصلاة فإن الموت فيه نادر، ولهذا كان التعجيل أفضل إجماعا(الاختيار لتعليل المختار، ج۱ ص۱۳۹، كتاب الحج)

[1] واختلف في وجوبه على الفور، والتراخي، ذكر الكرخي: أنه على الفور حتى يأثم بالتأخير عن أول أوقات الامكان، وهي السنة الاولىٰ عند استجماع شرائط الوجوب، وذكر أبو سهل الزجاجيُ الخلاف في المسألة بين أبي يوسف، ومحمد فقال في قول أبي يوسف: يجب على الفور، وفي قول محمد: على التراخي، وهو قول الشافعي. وروي عن أبي حنيفة مثلُ قول أبي يوسف، وروي عنه مثل قول محمد.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْیَتَعَجَّلْ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۱۷۳۲، کتاب المناسک، باب التجارۃ فی الحج)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو حج کا ارادہ کرے، تو اس کو جلدی کرنی چاہیئے (ابوداؤد)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وجه قول محمد: أن الله تعالیٰ فرض الحج فی وقت مطلقاً؛ لأن قوله تعالیٰ "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا" مطلق عن الوقت ثم بین، وقت الحج بقوله (عزوجل) "اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ" أی: وقت الحج أشهر معلومات فصار المفروض هو الحج فی أشهر الحج مطلقاً من العمر فتقییده بالفور تقیید المطلق، ولا یجوز الا بدلیل. وروی أن فتح مكة كان لسنة ثمان من الهجرة، وحج رسول الله صلى الله عليه وسلم فی سنة العشر، ولو كان وجوبه على الفور لما احتمل التأخير منه، والدليل عليه: أنه لو أدى فی السنة الثانية أو الثالثة يكون مؤديا لا قاضيا، ولو كان، واجباً على الفور. وقد فات الفور فقد فات وقته فینبغی أن يكون قاضيا لامؤديا كما لو فاتت صلاة الظهر عن وقتها، وصوم رمضان عن وقته.

ولهما :أن الأمر بالحج فی وقته مطلق يحتمل الفور، ويحتمل التراخی، والحمل على الفور أحوط؛ لأنه اذا حمل عليه يأتی بالفعل على الفور ظاهراً وغالباً خوفاً من الاثم بالتأخير،فان اريد به الفور فقد اتی بما امر به فامن الضرر، وان اريد به التراخی لايضره الفعل على الفور بل ينفعه، لمسارعته الخير، ولوحمل على التراخی ربما لايأتی به على الفور، بل يؤخر الی السنة الثانية، والثالثة فتلحقه المضرة ان اريد به الفور، وان كان لايلحقه ان اريد به التراخی، فكان الحمل على الفور حملا على احوط الوجهين فكان اولی، وهذاقول امام الهدى الشيخ ابی منصور الماتريدی فی كل امر مطلق عن الوقت انه يحمل على الفور لكن عملا لااعتقادا على طريق التعيين ان المراد منه الفور اوالتراخی بل يعتقد ان مااراداللهتعالیٰ به من الفور، والتراخی فهو حق، وروينا عن النبی صلى الله عليه وسلم انه قال:(من ملك زادا وراحلة تبلغه الی بيت الله الحرام فلم يحج فلاعليه ان يموت يهوديا اونصرانيا) ألحق الوعيد بمن اخر الحج عن اول اوقات الامكان، لانه قال ،من ملك كذا فلم يحج، والفاء للتعقيب بلافصل ای لم يحج عقيب ملك الزاد، والراحلة بلافصل، واما طريق عامة المشايخ فان للحج وقتا معينا من السنة يفوت عن تلك السنة بفوات ذلك الوقت، فلواخره عن السنة الاولی وقد يعيش الی السنة الثانية، وقد لايعيش فكان التاخير عن السنة الاولیٰ تفويتا له للحال،لانه لايمكنه الاداء للحال الی ان يجیء،وقت الحج من السنة الثانية،وفی ادراكه السنة الثانية شك،فلايرتفع الفوات الثابت للحال بالشك، والتفويت حرام.واما قوله:ان الوجوب فی الوقت ثبت مطلقا عن الفور فمسلم لكن المطلق يحتمل الفور، ويحتمل التراخی،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ: تَعَجَّلُوْا إِلَى الْحَجِّ يَعْنِيْ: الْفَرِيْضَةَ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِيْ مَا يَعْرِضُ لَهُ (مسند أحمد، رقم الحديث ۲۸٦۷) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم حج (کا فریضہ ادا) کرنے میں جلدی کرو، کیونکہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اُس کو کیا عارضہ پیش آجائے (مسند احمد)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَرَادَ أَنْ يَحُجَّ، فَلْيَتَعَجَّلْ فَإِنَّهُ قَدْ تَضِلُّ الضَّالَّةُ، وَيَمْرَضُ الْمَرِيْضُ، وَتَكُوْنُ الْحَاجَةُ (مسند أحمد، رقم الحديث ۱۸۳۳) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والحمل على الفور اولىٰ لما بينا، ويجوز تقييد المطلق عند قيام الدليل، واما تاخير رسول اللّٰہ صلى الله عليه وسلم الحج عن اول اوقات الامكان فقد قيل انه كا ن لعذر له، ولا كلام فى حال العذر يدل على انه لاخلاف فى ان التعجيل افضل، والرسول صلى الله عليه وسلم لايترك الافضل الا لعذر على ان المانع من التاخير هو احتمال الفوات، ولم يكن فى تاخير ذالك فوات لعلمه من طريق الوحى انه يحج قبل موته قال الله تعالىٰ: لقد صدق اللّٰہ رسوله الرؤيا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللّٰہ امنين، والثنيا للتيمن ، والتبرك او لما ان اللّٰہ تعالىٰ خاطب الجماعة. وقد علم ان بعضهم يموت قبل الدخول ،واما قوله لو ادى فى السنة الثانية كان مؤديا لا قاضيا فانما كان كذالك، لان اثر الوجوب على الفور عملا فى احتمال الاثم بالتاخير عن اول الوقت فى الامكان لافى اخراج السنة الثانية ،والثالثة من ان يكون ، وقتا للواجب كما فى باب الصلاة، وهذا ،لان وجوب التعجيل انما كان تحرزا عن الفوات اذا عاش الى السنة الثانية، والثالثة فقد زال احتمال الفوات فحصل الاداء فى وقته كما فى باب الصلاة، واللّٰہ اعلم (بدائع الصنائع، ج۲ ص ۱۱۹، ۱۲۰، كتاب الحج، فصل كيفية فرض الحج)

[1] فى حاشية مسند احمد: حديث حسن.

[2] فى حاشية مسند احمد: حديث حسن.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو حج کرنے کا ارادہ کرے، تو اُسے جلدی کرنی چاہئے، کیونکہ کبھی گُم ہونے والی چیز (مثلاً دولت اور رقم) گُم ہوجاتی ہے، اور مریض بیمار ہوجاتا ہے، اور کوئی حاجت پیش آجاتی ہے (مسند احمد)

اگرچہ مذکورہ احادیث میں اصولی طور پر حج فرض ہوجانے کے بعد تاخیر اور ٹال مٹول کرنے کے وہ تمام حیلے بہانے آگئے جو آج کل لوگ پیش کیا کرتے ہیں، لیکن کیونکہ عام لوگوں کے شبہات اس طرح دور نہیں ہوتے، اور مختلف لوگوں کے اپنے اپنے اور الگ الگ حیلے بہانے ہوتے ہیں، اس لئے آگے لوگوں کی طرف سے حجِ فرض میں تاخیر اور ٹال مٹول کرنے کے چند رائج حیلوں اور بہانوں پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

کیا حج بڑھاپے میں کرنے کا کام ہے؟

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حج بڑھاپے کی عمر میں کرنے کا کام ہے، لہٰذا جوانی میں یا جب تک عمر کا ایک بڑا حصہ نہ گزر جائے اس وقت تک حج کرنے کی ضرورت نہیں۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حج کا عمر کے کسی خاص حصہ سے تعلق نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق حج فرض ہونے کی شرائط اور حج کی استطاعت سے ہے کہ جب حج فرض ہونے کی شرائط پائی جائیں، یہ فریضہ ذمہ میں لازم ہوجاتا ہے، جس طرح نماز اور روزہ وغیرہ کا معاملہ ہے کہ عاقل بالغ مسلمان پر نماز فرض ہوجاتی ہے، اور اگر انسان زکاۃ کے نصاب کا مالک ہو تو سال بعد زکاۃ بھی فرض ہوجاتی ہے، اسی طرح بالغ ہونے کے بعد جب بھی حج فرض ہونے کی شرائط پائی جائیں، حج کا فریضہ ذمہ میں لازم ہوجاتا ہے۔

اور غور کیا جائے تو حج کا اصل مزہ جوانی ہی میں ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ حج میں جسمانی محنت اور مشقت پیش آتی ہے، بلکہ حج کے احکام اسی وقت ذوق وشوق اور زندہ دلی کے ساتھ ٹھیک ٹھیک طریقہ پر انجام دیئے جاسکتے ہیں جبکہ انسان اس کا متحمل ہو اور انسانی قویٰ

اور اعضاء مضبوط ہوں اور یہ بات عام طور پر جوانی میں ہی انسان کو حاصل ہوتی ہے نہ کہ بڑھاپے میں۔

اور بڑھاپے میں بھی اگرچہ انسان حج کر ہی لیتا ہے لیکن بہت سے کاموں کو ذوق وشوق کے ساتھ کرنے کی صرف حسرت ہی دل میں رہ جاتی ہے، اور بعض اوقات ٹھیک ٹھیک احکام کی ادائیگی بھی نہیں ہو پاتی۔

دوسرے اس وجہ سے کہ حدیث شریف میں جوانی کی عبادت کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ [1]

ایک حدیث میں ہے کہ جن مخصوص لوگوں کو قیامت کے دن عرش کا سایہ نصیب ہوگا، اُن میں ایک وہ نوجوان ہے جو اپنے رب تعالیٰ کی عبادت میں پلا بڑھا ہو۔ [2]

---

[1] عن عقبة بن عامر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :عجب الله من شاب ليس له صبوة (الترغيب فى فضائل الأعمال وثواب ذلك، لابن شاهين، رقم الحديث ٢٣١، باب فضل عبادة الشاب على ذوى الأسنان)

عن موسى بن جابان، عن أنس، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :فضل الشاب العابد الذى تعبد فى شبابه على الشيخ الذى تعبد بعدما كبرت سنه، قال :يقول الله :للشاب المؤمن بقدرى، الراضى بكتابى القانع برزقى، التارك شهوته من أجلى، أنت عندى كبعض ملائكتى، وللشاب التارك لحرمات الله العامل بطاعة الله كل أجر سبعين صديقا، وفضل الشاب المتعبد على الشيخ الذى تعبد بعدما كبرت سنه كفضل المرسلين على سائر النبيين "(الترغيب فى فضائل الأعمال وثواب ذلك، لابن شاهين، رقم الحديث ٢٢٩ ،باب فضل عبادة الشاب على ذوى الأسنان)

عن أبى حبان، عن أبى الأحوص، عن عبد الله بن مسعود، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :إن أحب الخلائق إلى الله شاب حدث السن، جميل فى صورة حسنة، جعل شبابه وجماله فى عبادة الله، فذاك الذى يباهى به الرحمن ملائكته، يقول :هذا عبدى حقا (الترغيب فى فضائل الأعمال وثواب ذلك، لابن شاهين، رقم الحديث ٢٣٠ ،باب فضل عبادة الشاب على ذوى الأسنان)

[2] عن أبى هريرة، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال " :سبعة يظلهم الله فى ظله، يوم لا ظل إلا ظله :الإمام العادل، وشاب نشأ فى عبادة ربه، ورجل قلبه معلق فى المساجد، ورجلان تحابا فى الله اجتمعا عليه وتفرقا عليه، ورجل طلبته امرأة ذات منصب وجمال، فقال :إنى أخاف الله، ورجل تصدق، أخفى حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه، ورجل ذكر الله خاليا ففاضت عيناه "(بخارى، رقم الحديث ٦٦٠، باب من جلس فى المسجد ينتظر الصلاة وفضل المساجد)

تیسرے اس وجہ سے کہ اگر اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ صحیح طریقہ پر حج کیا جائے تو تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ وہ انسان کے دل ودماغ میں ایک خاص انقلاب پیدا کرتا ہے، جس سے انسان کے دل میں نرمی، اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی تعلق اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے، جس کے نتیجہ میں انسان کے لئے گناہوں، جرائم اور بدعنوانیوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے اور دل ودماغ کی اس تبدیلی کی ضرورت بڑھاپے کی بنسبت جوانی میں زیادہ ہوتی ہے۔

کیونکہ جوانی میں نفس وشیطان کا غلبہ اور گناہوں کی خواہش زیادہ ہوتی ہے۔

مشہور ہے کہ جوانی دیوانی ہوتی ہے۔

جبکہ بڑھاپے میں خواہشات کمزور ہوجاتی ہیں۔ ؎

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری وقت پیری گرگِ ظالم می شود پرہیزگار

کہ بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے، پیغمبروں کا شیوہ یہ ہے کہ جوانی میں ظلم اور گناہ سے توبہ کی جائے۔

پس اگر حج کی برکت سے جوانی میں ہی کسی کو ہدایت مل جائے تو پھر آنے والی زندگی میں خیر کی امید زیادہ ہوتی ہے اور بڑھاپے تک کے لمبے عرصہ کی زندگی کا رخ اچھائی کی طرف مڑ جاتا ہے، اور ایک لمبے عرصے تک انسان گناہوں کے وبال وعذاب سے محفوظ رہ کر جنت کا مستحق ہوجاتا ہے۔

لہٰذا حج فرض ہوجانے کے بعد جوانی ہی میں بڑھاپے کا انتظار کئے بغیر جلد از جلد شوق وذوق کے ساتھ حج کا فریضہ سرانجام دینا چاہئے۔

حج سے پہلے نماز روزہ کا بہانہ

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حج پر اس وقت جانا چاہئے کہ جب نماز روزے کے پابند ہوجائیں اور وہ اسی خیال میں ایک عرصہ گزار دیتے ہیں، نہ انہیں نماز روزے کی پابندی کی سعادت

حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی حج کرنے کی توفیق حاصل ہوتی۔

ان لوگوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ اوّل تو ان کو نماز روزے کی پابندی سے کس نے منع کیا ہے جو پابندی نہیں کرتے، کیا ابھی نماز روزہ فرض نہیں ہوا؟ اور اگر فرض ہو چکا ہے تو پھر کیا رکاوٹ ہے؟ آج ہی سے اس کی پابندی شروع کر دیجئے پھر حج نہ کرنے کا کیا عذر ہوگا؟

دوسرے حج علیٰحدہ سے فرض ہے اور نماز، روزہ علیٰحدہ سے فرض ہیں، ایک کی وجہ سے دوسرے کو چھوڑنا کہاں کی عقل مندی ہے؟

پس جو عبادت جس وقت فرض ہو جائے، اس کو اسی وقت انجام دینا چاہئے، اور اگر ایک سے زیادہ عبادتیں فرض ہو چکی ہیں، تو اپنے اپنے وقت پر ان سب کو انجام دینا چاہئے، اور اگر کسی کو ایک عبادت کی توفیق نہیں ہوتی، تو اس کی وجہ سے دوسری عبادت کے فریضہ کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔

ایک عبادت کی وجہ سے دوسری عبادت کو چھوڑنا بلکہ دونوں کو ہی چھوڑ دینا یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک شخص کو پیاس بھی لگی ہوئی ہو اور بھوک بھی، اور پانی اور کھانے دونوں چیزوں کا بندوبست بھی ہو، لیکن وہ شخص نہ پانی پیئے اور نہ ہی کھانا کھائے، اور جب بھوک کا علاج بتایا جائے کہ کھانا کھاؤ تو وہ جواب میں کہے کہ پہلے پانی پی لیں پھر کھانا کھائیں گے، لیکن پانی بھی نوش نہیں کرتا۔

ظاہر ہے کہ ایسے شخص کو یہی کہا جائے گا کہ آپ کو پانی پینے سے کس نے منع کیا ہے؟ اور اگر آپ پانی نہیں پیتے تب بھی کھانے کی ضرورت اپنی جگہ ہے اور پانی کی ضرورت اپنی جگہ؟

بس اس مثال سے واضح ہوا کہ اصل بات یہ ہے کہ حج کرنا نہیں چاہتے ورنہ تو نماز روزے کا آج ہی سے پابند ہونا نہ تو اپنے اختیار سے باہر ہے اور نہ ہی حج کا فرض ہونا نماز روزے کی پابندی پر موقوف ہے۔ [1]

---

[1] وہ الگ بات ہے کہ حجِ مبرور کی فضیلت اس پر موقوف ہو، مگر فرضیت کا اس سے تعلق نہیں۔ محمد رضوان۔

حج کے بعد گناہ نہ ہو جانے کا بہانہ

بعض لوگ حج فرض ہونے کے باوجود اس لئے حج پر نہیں جاتے کہ حج کے بعد پھر کوئی گناہ نہ ہو جائے، لہٰذا سوچتے ہیں کہ پہلے ہر قسم کے گناہوں سے فارغ ہو جائیں اور پھر زندگی کے آخری دنوں میں حج کریں گے تاکہ بعد میں پھر کوئی گناہ نہ کریں۔

یاد رکھئے کہ یہ بھی نفس و شیطان کا بہانہ ہے، کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ زندگی کے کتنے ایّام باقی ہیں اور کب موت آ جائے۔

اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان ہر وقت کو اپنی زندگی کے آخری ایّام سمجھے، اور اگر خدانخواستہ زندگی کے آخری ایّام کا انتظار کرتے کرتے حج کیے بغیر موت آ گئی تو پھر کیا ہوگا؟

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ حج کر لینے کے بعد گناہ کرنے کا اختیار اور خواہش بالکل ختم نہیں ہو جاتی بلکہ وہ تو مرتے دم تک برقرار رہتی ہے اور حج کرنے کے بعد بھی گناہ سے بچنے کے لئے اپنے اختیار کو استعمال کرنا پڑتا ہے، ورنہ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ آخری عمر میں بھی حج کر کے گناہوں سے نہیں بچتے۔

پس حج کے بعد بھی اپنے آپ کو گناہ سے بچانے کے لئے اپنے ارادہ اور اختیار کو استعمال کرنا پڑتا ہے، وہ ارادہ اور اختیار اللہ تعالیٰ نے آج بھی دیا ہوا ہے اس کو استعمال کیجئے اور آج ہی سے گناہوں کو چھوڑ دیجئے اور سچی و پکی توبہ کر کے حج کے لئے تشریف لے جائیے، کیونکہ گناہوں سے بچنا اور گناہوں سے توبہ کرنا تو حج سے پہلے بھی ضروری ہے۔

اور اگر بالفرض آج گناہ نہیں چھوڑتے تب بھی اس کے انتظار میں حج کو مؤخر نہ کیجئے، کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ حج کے فریضہ کی برکت سے گناہ چھوڑنے کی ہمت عطا فرما دیں اور اگر بعد میں بھی گناہ نہیں چھوٹے تب بھی حج ادا کرنے سے کم از کم ایک بڑے (حج نہ کرنے کے) گناہ سے تو چھٹکارا حاصل ہو ہی جائے گا، اور آخرت میں حجِ فرض ادا نہ کرنے کا سوال نہ ہوگا،

اگرچہ حجِ مبرور کی سعادت حاصل نہ ہو۔

یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ نہ دوسرے گناہ چھوڑیں اور اس سے بڑھ کر مزید گناہوں کا ذخیرہ جمع کرتے چلے جائیں۔

پہلے کچھ کھا، کما لیں؟

بعض لوگ حج کے بارے میں یہ بہانہ کرتے ہیں کہ یہ وقت کھانے کمانے کا ہے، پہلے کچھ کھا کما لیں پھر حج کریں گے۔

یہ بھی نفس وشیطان کا دھوکہ ہے۔

حج فرض ہونے کی شرائط پائے جانے کے بعد کھانے کمانے کا عذر بے کار ہے، حج میں بھی تو کھانے کی اجازت ہوتی ہے، کھانے پینے کی پابندی نہیں ہوتی، جہاں تک کمانے کا تعلق ہے تو یاد رکھیے کہ یہ مال اللہ تعالیٰ کی دَین اور عطاء ہے، لہٰذا اس کے حقوق ادا کرنا ضروری ہے، اور حج کی وجہ سے تو مال میں برکت ہوتی ہے، تو حج کمائی کرنے کے بھی خلاف نہ ہوا، اور آخری درجہ میں حج روح کی غذا اور آخرت کی کمائی ہے، اور جسم ودنیا فانی اور آخرت وروح باقی ہے، لہٰذا باقی کے لیے فانی سے زیادہ غذا اور کمائی کی ضرورت ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حج سے پہلے کاروبار میں دھوکہ، فریب، جھوٹ، سود، رشوت، کم تولنا، کم ناپنا، نقلی اور جعلی چیز کو اصلی بتا کر بیچنا جیسے گناہ اگر حج کے بعد کئے جائیں تو بڑی بدنامی ہوگی، لوگ کہیں گے حاجی صاحب ہو کر ایسا کام کرتے ہیں اس لئے وہ جوانی میں حج نہیں کرتے۔

اور سمجھتے ہیں کہ جب بوڑھے ہو جائیں گے تو حج کرنے جائیں گے تاکہ واپس آنے کے بعد حج کی نیک نامی باقی رہے، حالانکہ حج کا مقصد دنیا میں نیک نامی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی ادائیگی اور اس کی رضا کا حصول ہے، لہٰذا اس قسم کے لوگوں کو چاہئے کہ مذکورہ گناہوں سے

توبہ کریں اور صحت وجوانی میں حج کریں۔

گھر میں حج کا ماحول نہیں؟

بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ حج فرض ہونے کے باوجود ٹال مٹول کرتے رہتے ہیں اور جب حج کی بات آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہمارے گھر میں حج کا ماحول نہیں ہے، اور جب تک ماحول نہ ہو، حج کرنے کا فائدہ کیا؟

مگر! یہ بہانہ آخرت میں نہ چل سکے گا اور خدانخواستہ حج کیے بغیر موت آ گئی تو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے گا۔

حج فرض ہونے کے لیے گھر میں حج کا ماحول ہونا ضروری نہیں، بغیر ماحول ہوئے بھی حج فرض ہونے کی شرائط پائے جانے پر حج فرض ہوجاتا ہے؛ دوسرے حج کا ماحول بنانے کے لیے مسلمان ہونا کافی ہے، اور ہر مسلمان کا ماحول حج کا ہونا چاہیے، اور اگر نہیں ہے اور کوئی حج کے لئے اِس کو ضروری قرار دیتا ہے تو حج فرض ہونے پر اسے فی الفور اپنا ماحول حج کا بنانا چاہئے۔

بہرحال گھر کا ماحول خراب ہونا حج فرض ہونے میں مانع نہیں ہے؟ اور گھر کا ماحول شریعت کے مطابق بنانا ہر مسلمان کے لئے ہمہ وقت حج سے پہلے اور حج کے بعد ضروری ہے۔

مصروفیت کا بہانہ

بعض لوگ حج فرض ہونے کے بعد اپنی مصروفیت کو بہانہ بنا کر حج پر جانے سے محروم رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ابھی فارغ نہیں ہیں، جب فراغت وفرصت ہوجائے گی تب حج کو جائیں گے۔

حالانکہ یہ عذر بھی قابلِ قبول نہیں، آخر دنیا کے کام وکاج کے لئے بھی وقت نکالنا ہی پڑتا ہے، تو کیا دین ہی کا کام ایسا ہے کہ اس کا انسان کے پاس وقت نہ ہو۔

پھر اس قسم کی باتیں اور بہانے کرنے والے ہر سال تمام بچوں اور گھر والوں کے ساتھ بمع ملازمین دُور دراز سیر وتفریح کے لیے اور گھومنے، پھرنے جاتے ہیں، بعض دوسرے ملکوں کا بھی چکر لگاتے ہیں، لیکن حج کے لئے نہیں جاتے، اور حج کے لئے وقت نہ ہونے کا بہانہ کرتے ہیں۔

جبکہ دنیا میں آنے کا مقصد ہی شریعت کے احکام کو پورا کرنا ہے، تو جب شریعت کے احکام پورے نہ کئے جن میں حج بھی داخل ہے تو ایسی زندگی اور عمر کا کیا فائدہ؟

لہٰذا جس مقصد کے لئے دنیا میں آنا ہوا ہے، اس کو پورا کرنا چاہئے۔

پہلے والدین کو حج کرانا

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک اولاد اپنے ماں باپ کو حج نہ کرالے یا ماں باپ خود حج نہ کرلیں اس وقت تک اولاد حج نہیں کرسکتی، اس لئے پہلے وہ والدین کو حج کرانے کی فکر کرتے ہیں، اور خود حج کرنے کا اہتمام نہیں کرتے، جبکہ والدین پر شرعاً حج فرض نہیں ہوتا، مگر والدین کو حج کرانے کے انتظار میں اولاد اپنا حج فرض ادا نہیں کرتی، یہ بھی غلط طریقہ ہے۔

شرعی اعتبار سے اولاد پر ماں باپ کو حج کرانا فرض نہیں۔ اگر اولاد پر حج فرض ہوجائے تو پہلے وہ اپنا حج کرے پھر اگر اللہ تعالیٰ مزید استطاعت دیں تو والدین کو بھی حج کرانے کی سعادت حاصل کرلیں، مگر والدین کو حج کرانے کی خاطر اپنا فرض حج مؤخر کرنا یا خطرہ میں ڈالنا غلط ہے۔

گھر کے سربراہ کا پہلے حج کرنا

بعض گھرانوں میں یہ رواج دیکھنے میں آیا کہ جب تک گھر کا بڑا فرد حج نہ کرلے اس وقت تک اُس گھر کے چھوٹے افراد باوجود اُن پر حج فرض ہوجانے کے، حج کرنا ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ بعض گھرانوں میں اس کو ایک عیب سمجھا جاتا ہے کہ چھوٹا بڑے سے پہلے حج کر

آئے۔

حالانکہ دوسری عبادتوں یعنی نماز، روزے اور زکاۃ وغیرہ کی طرح حج بھی ایک ایسا فریضہ ہے جو ہر عاقل، بالغ شخص پر اپنی شرائط کے ساتھ انفرادی طور سے عائد ہوتا ہے، خواہ کسی دوسرے نے حج کیا ہو، یا نہ کیا ہو۔

بہر حال اگر گھر کے کسی چھوٹے فرد میں حج فرض ہونے کی شرائط موجود ہیں، تو اس پر خود حج کرنا فرض ہے۔

اگر گھر کے بڑے فرد اور سربراہ میں حج فرض ہونے کی شرائط موجود نہ ہوں، یا موجود تو ہوں لیکن وہ حج نہ کرے، تو نہ اس سے گھر کے چھوٹی عمر کے حج کے نصاب کے مالک افراد کا فریضہ ساقط ہوتا ہے، اور نہ اسے بڑے کے حج نہ کرنے کی وجہ سے اپنے فرض حج میں ٹال مٹول کرنے اور خطرہ میں ڈالنے کا کوئی جواز پیدا ہوتا ہے۔

بیوی یا والدہ کو ساتھ لے جانے کا عذر

بعض لوگ وہ ہیں جن پر حج فرض ہے اور وہ خود حج کر سکتے ہیں البتہ اپنی بیوی یا والدہ کو حج پر لے جانے کی استطاعت نہیں رکھتے، لیکن وہ بیوی یا والدہ کے اصرار کی وجہ سے یا اپنی مرضی سے اس انتظار میں رہتے ہیں کہ جب بیوی یا والدہ کو ساتھ لے جانے کے قابل ہوں گے، اس وقت بیوی یا والدہ کے ساتھ حج کرنے جائیں گے۔

پھر اسی حال میں بعض اوقات تو حج سے پہلے ہی کوئی ایسا عارضہ پیش آجاتا ہے کہ حج پر جانے سے محروم ہو جاتے ہیں، یا اسی حال میں موت واقع ہو جاتی ہے۔

حالانکہ بیوی یا والدہ کو ساتھ لے جانے کے انتظار میں فرض حج میں ٹال مٹول کرنا اور فرض حج کو خطرہ میں ڈالنا درست نہیں اور بیوی یا والدہ کو بھی اپنی وجہ سے شوہر یا بیٹے کو فرض حج ادا کرنے سے روکنا درست نہیں۔

شوہر یا بیٹے کو چاہئے کہ جب اس پر حج فرض ہو جائے تو اس وقت وہ خود حج ادا کرے پھر بعد میں اللہ تعالیٰ توفیق دیں تو بیوی یا والدہ کو بھی حج کرادے۔

اپنی شادی کا بہانہ

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب تک انسان کی شادی نہ ہو جائے اس وقت تک حج فرض نہیں ہوتا خواہ کوئی عاقل بالغ ہو گیا ہو اور کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو۔

یہ کم علمی کی بات ہے کیونکہ حج فرض ہونے کا شادی بیاہ سے تعلق نہیں۔

لہٰذا اگر کسی شخص میں حج فرض ہونے کی شرائط پائی جائیں، لیکن وہ غیر شادی شدہ ہو تب بھی اس پر حج فرض ہے۔

اولاً تو اگر کوئی سنت کے مطابق نکاح کا بندوبست کرے تو نکاح بھی جلدی ہو سکتا ہے اور خدانخواستہ بغیر حج کئے فوت ہو گیا تو آخرت میں مؤاخذہ کا اندیشہ ہے، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حج کے بجائے وہ پیسہ شادی بیاہ کے فضول اخراجات کی نظر ہو جاتا ہے، اور پھر دوبارہ توفیق نہیں ہوتی، دوسرے کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ اپنی شادی تک زندہ بھی رہ سکے گا یا نہیں اور تیسرے اگر خدانخواستہ شادی اور حج دونوں سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گیا تو اس کی مثال ایسی ہوگی۔ ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم   نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

لہٰذا حج فرض ہونے کے بعد جلدی کرنی چاہئے اور شادی کے انتظار کے بہانے حج کو مؤخر یا متأثر نہیں کرنا چاہئے۔

بچیوں کی شادی کا مسئلہ

کچھ لوگ یہ تاویل پیش کیا کرتے ہیں کہ بھائی! پہلے ہی سیانی بچیاں گھر بیٹھی ہیں پہلے ان کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں، باقی چیزیں بعد کی ہیں، بچیوں کی شادی سے فراغت

کے بعد حج کا پروگرام بنائیں گے؛ جبکہ بچیوں کا ابھی نہ نکاح ہوا ہے نہ سامنے کوئی رشتہ ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ کب ان کا نکاح ہوگا، یا اگر نکاح ہو بھی گیا تو بھی رخصتی باقی ہے۔

حالانکہ شرعاً یہ بھی فرض حج کی تاخیر اور حج کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے عذر نہیں ہے۔

اولؔ تو یہاں بھی شریعت نے شادی بیاہ کے لئے مروَّجہ اخراجات ضروری قرار نہیں دیئے، بلکہ آج کل کے کئی مروَّجہ اخراجات گناہ ہیں، دوسرےؔ ان اخراجات کے باعث حج کے فریضے کو مؤخر کرنا درست نہیں، اور تیسرےؔ بعض اوقات یہ پیسہ شادی بیاہ کی خرافات کی نظر ہو کر حج سے محرومی کا باعث بن جاتا ہے، اور پھر عمر بھر توفیق نہیں ہوتی۔

اس لئے بچیوں کے نکاح کے انتظار میں فرض حج کو مؤخر یا متأثر کرنا درست نہیں، بچیوں کی حفاظت کا تسلی بخش انتظام یا ان کی سنت کے مطابق سادگی کے ساتھ نکاح ورُخصتی کر کے حج کے لئے جانا چاہئے۔

بچوں کو کس کے حوالے کریں؟

بعض لوگ خصوصاً عورتیں یہ بہانہ بناتی ہیں کہ ابھی بچے چھوٹے ہیں، انہیں اکیلا چھوڑ کر کیسے حج پر جائیں؟

یہ بھی ایک بہانہ ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کو اگر کسی دوسری جگہ کا سفر پیش آجائے یا کسی مرض کی وجہ سے ہسپتال جانا پڑے یا کسی شادی بیاہ وغیرہ کی وجہ سے کسی لمبے سفر پر جانے کی ضرورت سمجھی جائے (جو کہ شرعاً ضروری بھی نہیں) تو اس وقت چھوٹے بچوں کا کچھ نہ کچھ انتظام کرلیا جاتا ہے۔

جب دنیا کی خاطر انتظام ہوسکتا ہے تو حج جو کہ عبادت اور آخرت کا کام ہے اس کے لئے بھی انتظام ہوسکتا ہے۔

دوسرےؔ آجکل پہلے زمانے کی طرح حج کے لئے زیادہ عرصہ بھی خرچ نہیں ہوتا، مختصر وقت

میں آمد ورفت ہو جاتی ہے، اور چند دنوں کے لئے بچوں کا انتظام مشکل کام نہیں۔
اس لیے بچوں کی حفاظت کا مناسب بندوبست کر کے حج ادا کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔
البتہ اگر واقعتاً بچوں کی حفاظت کا مناسب انتظام نہ ہو سکے جس کی وجہ سے ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو اور ساتھ لے جانا بھی مشکل ہو تو پھر مناسب بندوبست ہونے تک تاخیر کرنے میں اُمید ہے کہ ان شاء اللہ کوئی حرج نہ ہوگا۔

کاروبار اور پیشہ کس کے حوالے کریں؟

کچھ کاروباری اور امیر ترین لوگ یہ عذر پیش کیا کرتے ہیں کہ چونکہ بچے ابھی چھوٹے ہیں اور کاروبار کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے۔
اس لئے بچے جب بڑے ہو جائیں گے اور کاروبار سنبھال لیں گے، یا کوئی مناسب نگران مل جائے گا، تو ہم پھر حج پر جائیں گے۔
یہ بھی نفس کا بہانہ اور حج کرنے سے جی چرانا ہے، نہ معلوم کب بچے بڑے ہوں اور کب وہ کاروبار سنبھالیں، اور کب مناسب نگران ملے؟
اگر خدانخواستہ بچوں کا پہلے ہی انتقال ہو گیا یا بڑے میاں کا وقت پہلے ہی آ گیا یا اور کوئی عذر پیش آ گیا تو پھر حج کا کیا ہوگا؟
بہرحال حج فرض ہونے کے بعد کسی قابلِ اعتماد شخص کو کاروبار سپرد کر کے حج کے لئے جانا چاہئے، اور اگر کوئی بھروسہ کا آدمی نہ ملے اور اللہ تعالیٰ نے حیثیت دی ہو تو کاروبار موقوف کر کے حج کے لئے جانا چاہئے۔
آخر دنیائے فانی کی خاطر بھی تو کسی ذمہ دار کو نگران بنا کر یا کام کاج چھوڑ کر سفر کرتے ہی ہیں، پھر دین کو ہی اتنا کمزور کام کیوں سمجھتے ہیں، جبکہ دنیا میں آنا ہی دین کی خاطر ہوا ہے۔
ملازمت پیشہ لوگوں کے لئے بھی یہی تفصیل ہے کہ انہیں بھی چھٹی وغیرہ لے کر اپنے فریضہ کو

پورا کرنا چاہئے، اور جس طرح دنیا کی ضرورت کے لئے چھٹی کا بندوبست کرتے ہیں، حجِ بیتُ اللہ کے لئے بھی چھٹی کا بندوبست کرنا چاہئے، اور دنیا کی خاطر نہ بھی کریں تب بھی آخرت کی خاطر تو کرنا ہی چاہئے۔

حج کے بجائے عمرے کرنا

بعض لوگوں پر حج فرض ہوجاتا ہے، ان کے پاس مال ودولت کا ڈھیر جمع رہتا ہے، لیکن یہ لوگ حج کا فریضہ ادا نہیں کرتے، بلکہ اس کے بجائے عمروں پر عمرے کرتے رہتے ہیں۔

حالانکہ جس شخص پر حج فرض ہوجائے اس کو حج کرنا چاہئے، عمرہ بھی اپنی جگہ کارِ خیر ہے مگر یہ حج کا متبادل نہیں۔

اس لیے عمرہ کا اتنا اہتمام کرنا اور اس کے مقابلے میں فرضیت کے باوجود حج کرنے کا اہتمام نہ کرنا غلط طرزِ عمل ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس شخص پر شرعی اصولوں کی روشنی میں حج فرض ہو چکا ہو، اُسے جلد از جلد یہ فریضہ ادا کرنا چاہیئے، اور نفسانی، شیطانی ورواجی حیلوں اور بہانوں سے بچنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو شرعی احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور نفس وشیطان کے حیلوں اور چال بازیوں سے محفوظ فرمائیں۔ آمین

عمرہ کی شرعی حیثیت

قرآن وسنت میں حج کے علاوہ عمرہ کی بھی فضیلت وترغیب بلکہ تاکید آئی ہے۔

اس لئے اُمت کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ حج کے علاوہ عمرہ کرنا بھی عبادت ہے۔

لیکن کیا عمرہ کرنا بھی حج کی طرح زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے، یا پھر سنت ومستحب ہے؟

اس سلسلہ میں فقہائے کرام میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔

بعض فقہائے کرام تو زندگی میں ایک مرتبہ عمرہ کے فرض ہونے کے قائل ہیں، اور فقہائے احناف کے نزدیک عمرہ، حج کی طرح کا فریضہ تو نہیں ہے، کیونکہ قرآن وسنت میں جس طرح حج کی تاکید اور فرضیت کا ذکر آیا ہے، اس طرح کی تاکید اور فرضیت کا ذکر عمرہ کے متعلق نہیں آیا؛ البتہ بعض احادیث میں عمرہ کی تاکید وفضیلت آئی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی عمرہ فرمایا ہے، اس لئے راجح یہ ہے کہ زندگی میں ایک مرتبہ عمرہ کرنا واجب یا سنتِ مؤکدہ ہے، اور سنتِ مؤکدہ کا درجہ اگرچہ واجب سے کم ہوتا ہے، لیکن واجب کے قریب ہوتا ہے، اس لئے سنتِ مؤکدہ اور واجب کے قول میں کوئی زیادہ فرق نہیں، تاکید دونوں قولوں میں کم وبیش موجود ہے۔

اور اگر حج کے سفر میں ایک مرتبہ عمرہ بھی کرلیا جائے، خواہ حج سے پہلے تمتع یا قران کی شکل میں، یا حج سے فراغت کے بعد، تو بھی اس حکم پر عمل ہوجاتا ہے، اور پھر ایک مرتبہ کے بعد مزید عمرے کرنا نفل درجہ کا عمل کہلاتا ہے۔ [1]

---

[1] (والعمرة) فى العمر (مرة سنة مؤكدة) على المذهب وصحح فى الجوهرة وجوبها .قلنا المأمور به فى الآية الإتمام وذلک بعد الشروع وبه نقول (وهى إحرام وطواف وسعى) وحلق أو تقصير (الدر المختار)

مطلب أحكام العمرة (قوله والعمرة فى العمر مرة سنة مؤكدة) أى إذا أتى بها مرة فقد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اگر احرام باندھ کر عمرہ شروع کر دیا جائے، تو پھر اس کو پورا کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (سورة البقرة، آية ١٩٦)

ترجمہ: اور تم حج کو اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو (سورہ بقرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح حج کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا ضروری ہے، اسی طرح

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أقام السنة غير مقيد بوقت غير ما ثبت النهى عنها فيه إلا أنها فى رمضان أفضل هذا إذا أفردها فلا ينافيه أن القران أفضل لأن ذلك أمر يرجع إلى الحج لا العمرة.

فالحاصل :أن من أراد الإتيان بالعمرة على وجه أفضل فيه فبأن يقرن معه عمرة فتح، فلا يكره الإكثار منها خلافا لمالك، بل يستحب على ما عليه الجمهور وقد قيل سبع أسابيع من الأطوفة كعمرة شرح اللباب (قوله وصحيح فى الجوهرة وجوبها) قال فى البحر واختاره فى البدائع وقال إنه مذهب أصحابنا، ومنهم من أطلق اسم السنة، وهذا لا ينافي الوجوب .اهـ.

والظاهر من الرواية السنية فإن محمدا نص على أن العمرة تطوع اهـ ومال إلى ذلك فى الفتح وقال بعد سوق الأدلة تعارض مقتضيات الوجوب والنفل، فلا تثبت ويبقى مجرد فعله -عليه الصلاة والسلام -وأصحابه والتابعين، وذلك يوجب السنة فقلنا بها (قوله قلنا المأمور إلخ) جواب عن سؤال مقدر أورده فى غاية البيان دليلا على الوجوب، ثم أجاب عنه بما ذكره الشارح، ثم هذا مبنى على أن المراد بالإتمام تتميم ذاتهما أى تتميم أفعالهما أما إذا أريد به إكمال الوصف وعليه ما نقله فى البحر من أن الصحابة فسرت الإتمام بأن يحرم بهما من دويرة أهله، ومن الأماكن القاصية فلا حاجة إلى الجواب للاتفاق على أن الإتمام بهذا المعنى غير واجب فالأمر فيه للندب إجماعا فلا يدل على وجوب العمرة فافهم(ردالمحتار، ج٢ ص ٤٧٢، مطلب فى احكام العمرة)

(أما) الأول فقد اختلف فيها قال أصحابنا :إنها واجبة كصدقة الفطر والأضحية والوتر، ومنهم من أطلق اسم السنة، وهذا الإطلاق لا ينافى الواجب وقال الشافعي :إنها فريضة.وقال بعضهم :هى تطوع (بدائع الصنائع، ج٢، ص ٢٢٦،كتاب الحج، العمرة)

ذهب المالكية وأكثر الحنفية إلى أن العمرة سنة مؤكدة فى العمر مرة واحدة وذهب بعض الحنفية إلى أنها واجبة فى العمر مرة واحدة على اصطلاح الحنفية فى الواجب والأظهر عند الشافعية وهو المذهب عند الحنابلة أن العمرة فرض فى العمر مرة واحدة، ونص أحمد على أن العمرة لا تجب على المكي؛ لأن أركان العمرة معظمها الطواف بالبيت وهم يفعلونه فأجزأ عنهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠، ص ٣١٤، مادة "عمرة")

عمرہ کو شروع کرنے کے بعد اس کو پورا کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ [1]

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اِعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يَّحُجَّ (ابوداؤد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج سے پہلے عمرہ کیا (ابوداؤد)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

دَخَلْتُ أَنَا وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، جَالِسٌ إِلٰى حُجْرَةِ عَائِشَةَ ثُمَّ قَالَ: كَمْ اِعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: أَرْبَعًا (بخاری) [3]

ترجمہ: میں اور عروہ بن زبیر مسجد میں داخل ہوئے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے قریب تشریف فرما تھے، پھر انہوں نے سوال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے عمرے کئے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ چار (بخاری)

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

اِعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ رَدُّوْهُ، وَمِنَ الْقَابِلِ عُمْرَةَ الْحُدَيْبِيَةِ، وَعُمْرَةً فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ، وَعُمْرَةً مَعَ حَجَّتِهِ (بخاری) [4]

---

[1] وأتموا الحج والعمرة لله أى اجعلوهما تامين إذا تصديتم لأدائهما لوجه الله تعالى فلا دلالة فى الآية على أكثر من وجوب الإتمام بعد الشروع فيهما وهو متفق عليه بين الحنفية والشافعية رضى الله تعالى عنهم، فإن إفساد الحج والعمرة مطلقا يوجب المضى فى بقية الأفعال والقضاء ، ولا تدل على وجوب الأصل (روح المعانى فى تفسير القرآن ،ج ۱ ص ۴۷۵،سورة البقرة)

[2] رقم الحديث ۱۹۸۶،كتاب المناسك، باب العمرة.

[3] رقم الحديث ۴۲۵۳،كتاب المغازى، باب عمرة القضاء.

[4] رقم الحديث ۱۷۷۹، ابواب العمرة، باب :كم اعتمر النبى صلى الله عليه وسلم.
قال ابن التين هذا أراه وهما لأن التى ردوه فيها هى عمرة الحديبية وأما التى من قابل فلم يردوه منها قلت لا وهم فى ذلك لأن كلا منهما كان من الحديبية ويحتمل أن يكون قوله عمرة الحديبية يتعلق بقوله حيث ردوه (فتح البارى لابنِ حجر، ج۳ص ۶۰۲، قوله باب كم اعتمر النبى ﷺ)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ فرمایا، جب آپ کو مشرکین نے واپس لوٹادیا، اور اگلے سال عمرہ حدیبیہ فرمایا، اور ایک عمرہ ذوالقعدہ میں کیا، اور ایک عمرہ حج کے ساتھ کیا (بخاری)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

اِعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعَ عُمَرٍ، كُلَّهُنَّ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ، إِلَّا الَّتِيْ كَانَتْ مَعَ حَجَّتِهِ ،عُمْرَةً مِنَ الْحُدَيْبِيَةِ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ، وَعُمْرَةً مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ، وَعُمْرَةً مِنَ الْجِعْرَانَةِ، حَيْثُ قَسَمَ غَنَائِمَ حُنَيْنٍ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ، وَعُمْرَةً مَعَ حَجَّتِهِ (بخاری، رقم الحدیث ۴۱۴۸، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے، سارے کے سارے ذوالقعدہ کے مہینے میں کئے، سوائے اس عمرے کے جو آپ نے اپنے حج کے ساتھ کیا، ایک عمرہ حدیبیہ (مقام) سے کیا ذی القعدہ کے مہینے میں، اور ایک عمرہ اگلے سال ذی القعدہ کے مہینے میں کیا، اور ایک عمرہ جعرانہ (مقام) سے کیا، جس وقت آپ نے غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت کو تقسیم فرمایا ذی القعدہ میں، اور ایک عمرہ اپنے حج کے ساتھ کیا (بخاری)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اِعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعَ عُمَرٍ، عُمْرَةَ الْحُدَيْبِيَةِ، وَعُمْرَةَ الْقَضَاءِ، وَالثَّالِثَةَ مِنَ الْجِعْرَانَةِ، وَالرَّابِعَةَ الَّتِيْ مَعَ حَجَّتِهِ

(مسند احمد) [1]

---

[1] رقم الحدیث ۲۹۵۴، واللفظ لہٗ، ابوداؤد، رقم الحدیث ۱۹۹۳، باب العمرۃ.
فی حاشیۃ مسند احمد: إسنادہ صحیح علی شرط البخاری، رجالہ ثقات رجال الشیخین غیر عکرمۃ، فمن رجال البخاری.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے فرمائے، ایک عمرہ حدیبیہ، اور ایک عمرہ قضاء، اور تیسرا عمرہ جعرانہ سے کیا، اور چوتھا اپنے حج کے ساتھ کیا (مسند احمد، ابوداؤد)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اِعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يَّحُجَّ، وَاعْتَمَرَ قَبْلَ أَنْ يَّحُجَّ وَاعْتَمَرَ قَبْلَ أَنْ يَّحُجَّ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لَقَدْ عَلِمَ أَنَّهُ اِعْتَمَرَ أَرْبَعَ عُمَرٍ بِعُمْرَتِهِ الَّتِيْ حَجَّ فِيْهَا (مسند احمد، رقم الحديث ١٨٦٢٩) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج سے پہلے عمرہ کیا، اور پھر حج سے پہلے عمرہ کیا، اور پھر حج سے پہلے عمرہ کیا (یعنی حج سے پہلے تین عمرے کئے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ انہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس عمرے کے ساتھ، جس میں حج کیا (مجموعی طور پر) چار عمرے کئے ہیں (مسند احمد)

حضرت عمرو بن شعیب کی سند سے روایت ہے کہ:

اِعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ عُمَرٍ (مسند احمد، رقم الحديث ٦٦٨٥) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین عمرے کئے (مسند احمد)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے عمرے کے علاوہ تین عمرے کئے۔

جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِعْتَمَرَ أَرْبَعَ عُمَرٍ، وَحَجَّ حَجَّةً وَّاحِدَةً، قَرَنَ مَعَهَا إِحْدٰى عُمَرِهِ الْأَرْبَعِ (الآثار لابی یوسف) [3]

---

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح لغيره.

[2] فی حاشية مسند احمد: حسن لغيره.

[3] رقم الحديث ٤٨٦، باب القران، وما يجب عليه من الطواف والسعی.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے، اور ایک حج کیا، ان چار عمروں میں سے ایک عمرہ حج کے ساتھ کیا (آثار لابی یوسف)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَوْصِنِيْ، قَالَ: تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا، وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصُوْمُ شَهْرَ رَمَضَانَ، وَتَحُجُّ الْبَيْتَ وَتَعْتَمِرُ، وَتَسْمَعُ وَتُطِيْعُ (مستدرک حاکم، ج ا ص ۱۱٦، رقم الحديث ١٦٥، كتاب الايمان) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور اس نے عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اللہ کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں، اور نماز قائم کریں، اور زکاۃ ادا کریں، اور رمضان کے مہینے کے روزے رکھیں، اور بیت اللہ کا حج اور عمرہ کریں، اور آپ (دین کی بات) سنیں، اور اطاعت کریں (حاکم)

اس حدیث میں عمرہ کو حج اور دوسرے اہم اعمال کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جس سے عمرہ کی اہمیت وفضیلت معلوم ہوئی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ خَرَجَ حَاجًّا فَمَاتَ كُتِبَ لَهٗ أَجْرُ الْحَاجِّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ خَرَجَ مُعْتَمِرًا فَمَاتَ كُتِبَ لَهٗ أَجْرُ الْمُعْتَمِرِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ خَرَجَ غَازِيًا فَمَاتَ كُتِبَ لَهٗ أَجْرُ

---

[1] قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، فإن رواته عن آخرهم ثقات ولم يخرجاه توقيا لما.

وقال الذهبي في التلخيص: على شرطهما.

الْغَازِی إِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ (المعجم الأوسط للطبرانی) ؎۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حج کے لئے جائے پھر (راستہ میں) فوت ہوجائے، اس کے لئے قیامت تک حج کا ثواب لکھا جائے گا اور جو شخص عمرہ کے لئے جائے پھر (راستہ میں) فوت ہوجائے، اس کے لیے قیامت تک عمرہ کا ثواب لکھا جائے گا اور جو شخص جہاد کے لئے جائے پھر (راستہ میں) فوت ہوجائے اس کے لئے قیامت تک مجاہد کا ثواب لکھا جائے گا (طبرانی، ابو یعلیٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ حج یا عمرہ کے سفر پر جائے، اور پھر وہ فوت ہوجائے، تو وہ تا قیامت حج وعمرہ کے ثواب کو پاتا رہے گا، جس سے حج کی فضیلت کے ساتھ ساتھ عمرہ کی فضیلت بھی ظاہر ہوئی۔ ؎۲

؎۱ رقم الحدیث ۵۳۲۱، ج۵ص۲۸۲، باب المیم؛ مسند ابی یعلیٰ الموصلی، رقم الحدیث ۶۳۵۷.

قال الهیثمی:

رواه أبو یعلی وفیه ابن إسحاق وهو مدلس، وبقیة رجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۹۴۵۶)

وقال الالبانی:

قلت :وقد وجدت له إسنادا آخر عن اللیثی، فقال یحیی بن صاعد فی "مجلسان من الأمالی (ق۲/۵۱) "حدثنا عمرو بن علی قال :أخبرنا أبو معاویة الضریر قال: حدثنا هلال بن میمون الفلسطینی عن عطاء بن یزید اللیثی به .وأخرجه أبو نعیم فی "أخبار أصبهان(۲/۲۱) "من طریق ابن صاعد به، لکنه قال " :الواسطی "بدل "الفلسطینی "، وهو خطأ من الناسخ أو الطابع .قلت :وهذا إسناد جید رجاله کلهم ثقات رجال الشیخین غیر هلال بن میمون الفلسطینی، وثقه ابن معین وابن حبان، وقال النسائی :لیس به بأس .وأما أبو حاتم فقال " :لیس بالقوی، یکتب حدیثه (سلسلة الأحادیث الصحیحة وشیء من فقهها وفوائدها، تحت رقم الحدیث ۲۵۵۳)

؎۲ (وعن أبی هریرة قال :قال رسول الله -صلی الله علیه وسلم -من خرج حاجا أو معتمرا أو غازیا) أی قاصدا للغزو، (ثم مات فی طریقه) أی قبل العمل (کتب الله له أجر الغازی والحاج والمعتمر) لقوله تعالی :(ومن یخرج من بیته مهاجرا إلی الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: وَفْدُ اللّٰہِ ثَلَاثَۃٌ اَلْغَازِیُ وَ الْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ (سنن نسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے وفد تین ہیں، ایک غازی (یعنی اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا) دوسرے حج کرنے والا، تیسرے عمرہ کرنے والا (نسائی؛ ابنِ حبان)

اللہ تعالیٰ کے وفد ہونے سے مراد، اللہ کے نزدیک ان کا قابلِ اکرام اور قابلِ تعظیم ہونا ہے، جس سے عمرہ کی فضیلت بھی معلوم ہوئی۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أجره على الله) قيل فمن قال إن من وجب عليه الحج وأخره ثم قصد بعد زمان فمات في الطريق كان عاصيا، فقد خالف هذا النص، وذكره الطيبي وفيه بحث، إذ ليس نص في الحديث على مطلوبه فإنه مطلق، فيحمل على ما إذا خرج حاجا في أول ما وجب عليه وخرج أهل بلده للحج، أو على ما إذا تأخر لحدوث عارض من مرض أو حبس أو عدم أمن في الطريق ثم خرج فمات فإنه يموت مطيعا، وأما إذا تأخر من غير عذر حتى فاته الحج فإنه يكون عاصيا بلا خلاف عندنا، على اختلاف في أن وجوب الحج على الفور أو التراخي، والصحيح هو الأول ومع هذا يمكن أن نقول له أجر الحاج في الجملة فإن الله لا يضيع أجر من أحسن عملا، ولا مانع من أن يكون عاصيا من وجه، ومطيعا من وجه، والله ولي التوفيق. ثم رأيت ابن حجر اعترض عليه بأن هذا من سوء أدبه على إمامه الشافعي وأهل مذهبه، وعلى مالك وغيره من بقية علماء السلف وفضلاء الخلف رحمهم الله تعالى (رواه البيهقي في شعب الإيمان)(مرقاة المفاتيح، ج۵ص۱۷۵۵، کتاب المناسک)

[1] رقم الحديث ۲۶۲۵، کتاب مناسک الحج، باب فضل الحج، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحديث ۳۵۹۱، صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۳۶۹۲، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۶۱۱.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، إسناده على شرط مسلم، رجاله رجال الشيخين غير مَخْرَمَةَ بن بكير بن عبد الله بن الأشج، فمن رجال مسلم (حاشية ابن حبان)

[2] (وعنه) أي عن أبي هريرة (قال سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يقول: وفد الله ثلاثة) أي ثلاثة أشخاص أو أجناس، (الغازي) أي المجاهد مع الكفار لإعلاء الدين، (والحاج والمعتمر) المتميزون عن سائر المسلمين بتحمل المشاق البدنية، والمالية، ومفارقة الأهلين، وفي النهاية الوفد القوم يجتمعون ويردون البلاد، أو يقصدون الرؤساء للزيارة، أو استرفادا وغير ذلك، والحاصل أنهم قوم معظمون عند الكرماء، ومكرمون عند العظماء، تعطى مطالبهم وتقضى مآربهم (مرقاة المفاتيح، ج۵ص۱۷۵۵، کتاب المناسک)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَى النِّسَاءِ جِهَادٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ، لَا قِتَالَ فِيْهِ: اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ (ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا عورتوں پر جہاد ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک ان پر ایسا جہاد ہے، کہ جس میں قتال نہیں (اور وہ) حج اور عمرہ ہے (ابنِ ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: جِهَادُ الْكَبِيْرِ، وَالصَّغِيْرِ، وَالضَّعِيْفِ، وَالْمَرْأَةِ: اَلْحَجُّ، وَالْعُمْرَةُ (سنن نسائی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بوڑھے اور بچے اور ضعیف اور عورت کا جہاد حج اور عمرہ کرنا ہے (نسائی)

ان احادیث سے حج کے ساتھ عمرہ کی اہمیت وفضیلت معلوم ہوئی کہ ان دونوں اعمال کو عورتوں اور ضعیفوں کا جہاد قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ مَّشٰى إِلٰى صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ وَهُوَ مُتَطَهِّرٌ كَانَ لَهٗ كَأَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ، وَمَنْ مَّشٰى إِلٰى سُبْحَةِ الضُّحٰى كَانَ لَهٗ كَأَجْرِ الْمُعْتَمِرِ

(مسند احمد، رقم الحديث ۲۲۳۰۴) [3]

---

[1] رقم الحديث ۲۹۰۱، كتاب المناسك، باب الحج، جهاد النساء، واللفظ لهٗ، مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۴۶۳.
فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

[2] رقم الحديث ۲۶۲۶، كتاب مناسك الحج، باب فضل الحج، واللفظ لهٗ، المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۸۷۵۱.
قال المنذرى: رواه النسائى بإسناد حسن (الترغيب والترهيب، ج۲ ص۱۰۵)

[3] فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح، وهٰذا إسناد حسن.

ترجمہ: جو شخص فرض نماز کی طرف پاکی کی حالت میں چلا، تو اس کو احرام کی حالت میں حج کرنے والے کی طرح کا اجر حاصل ہوتا ہے، اور جو شخص چاشت کی نماز کے لئے چلا، تو اس کو عمرہ کرنے والے کی طرح کا اجر حاصل ہوتا ہے (مسند احمد)

اس حدیث میں فرض نماز کے لئے جانے کا اجر حاجی کی طرح، اور چاشت کی نماز کے لئے جانے کا اجر عمرہ کی طرح بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح احادیث میں مدینہ منورہ شہر کی مسجدِ قباء میں نماز پڑھنے کا اجر عمرہ کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ [1]

اور چاشت کی نماز اور اسی طرح مسجد قباء میں نماز پڑھنا فرض درجے کا عمل نہیں ہے۔

جس سے بعض فقہائے کرام نے یہ استدلال کیا ہے کہ عمرہ فرض سے نیچے کے درجے کا عمل ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْعُمْرَةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ؟ قَالَ: لَا، وَأَنْ تَعْتَمِرُوْا هُوَ أَفْضَلُ (ترمذی) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ واجب

---

[1] عن عبد الحميد بن جعفر، قال :حدثنا أبو الأبرد، مولى بنى خطمة، أنه سمع أسيد بن ظهير الأنصارى، وكان من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم يحدث، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :الصلاة فى مسجد قباء كعمرة، وفى الباب عن سهل بن حنيف، حديث أسيد حديث حسن صحيح(ترمذی،رقم الحديث ۳۲۴، باب ما جاء فى الصلاة فى مسجد قباء)

[2] رقم الحديث ۹۳۱،ابواب الحج، باب ما جاء فى العمرة أواجبة هى أم لا؟
قال الترمذى: هذا حديث حسن صحيح .وهو قول بعض أهل العلم قالوا :العمرة ليست بواجبة، وكان يقال :هما حجان الحج الأكبر يوم النحر، والحج الأصغر العمرة .وقال الشافعى " :العمرة سنة، لا نعلم أحدا رخص فى تركها، وليس فيها شىء ثابت بأنها تطوع، وقد روى عن النبى صلى الله عليه وسلم بإسناد وهو ضعيف، لا تقوم بمثله الحجة، وقد بلغنا عن ابن عباس أنه كان يوجبها : كله كلام الشافعى.

ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، البتہ تم عمرہ کرو، تو بہت فضیلت کا باعث ہے (ترمذی)

اس حدیث کی سند پر بعض محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن بہر حال عمرہ کے فرض سے کم درجہ کا عمل ہونے کی تائید کئی احادیث وروایات سے ہوتی ہے۔

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ:

اَلْحَجُّ جِهَادٌ، وَالْعُمْرَةُ تَطَوُّعٌ (ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: حج جہاد ہے، اور عمرہ تطوع (یعنی فرض سے نیچے کے درجے کا) عمل ہے (ابنِ ماجہ)

اس حدیث کی سند پر بھی محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن اس کی تائید ایک اور مرسل حدیث اور گزشتہ حدیث سے ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٢٩٨٩، كتاب المناسك، باب العمرة.

[2] حدثنا جرير ، عن معاوية بن إسحاق ، عن أبي صالح ماهان ، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :الحج جهاد ، والعمرة تطوع(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ١٣٨٢٧ ، باب من قال العمرة تطوع)

م د س :عبد الرحمن بن قيس ، أبو صالح الحنفي الكوفي أخو طليق بن قيس.

وزعم إسحاق بن راهويه أن أبا صالح الحنفي هو ماهان الحنفي، وأنكر ذلك النسائي وغيره.

روى عن :حذيفة بن اليمان، وسعد بن أبي وقاص، وأخيه طليق بن قيس الحنفي، وعبد الله بن عباس، وعبد الله بن مسعود، وعلي بن أبي طالب (د س) وأبيه قيس الحنفي، وأبي سعيد الخدري (سي)وأبي مسعود البدري، وأبي هريرة (سي)وعائشة.

روى عنه :إسماعيل بن أبي خالد، وإسماعيل بن سالم، وأبو بشر بيان بن بشر، وسعيد بن مسروق الثوري، وضرار بن مرة أبو سنان الشيباني (سي) وعمار الدهني، وعمرو بن مرة، وأبو عون محمد بن عبيد الله الثقفي (م د س) ومعاوية بن إسحاق بن طلحة بن عبيد الله، وميسرة بن حبيب النهدي، وهارون بن سعد الجعفي.

قال إسحاق بن منصور، عن يحيى بن معين :أبو صالح الحنفي ثقة.

وذكره ابن حبان في كتاب "الثقات "

روى له مسلم، وأبو داود، والنسائي(تهذيب الكمال،ج١٧ ص٣٦٠ تا ٣٦٢)

اس قسم کی احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرہ فرض سے نیچے کے درجہ کا عمل ہے، جو کہ واجب یا سنت ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، اور جلیلُ القدر تابعین حضرت مجاہد، حضرت سعید بن جبیر، حضرت عطاء، حضرت مسروق، حضرت حسن اور حضرت ابنِ سیرین رحمہم اللہ سے عمرہ کا واجب ہونا مروی ہے۔ [1]

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور جلیلُ القدر تابعین حضرت امام شعبی اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہما اللہ سے عمرہ کا سنت ہونا مروی ہے۔ [2]

اور حضرت حماد رحمہ اللہ سے اس کے واجب ہونے میں اختلاف کا قول مروی ہے۔ [3]

بہر حال زندگی میں ایک مرتبہ عمرہ کرنا واجب ہے، یا سنت، یہ فقہی اختلاف تو اپنی جگہ ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ عمرہ بھی عظیم الشان عمل ہے، اور اسی وجہ سے بعض آثار میں عمرہ کو حجِ

---

[1] عن نافع ، عن ابن عمر ، قال :ليس من خلق الله تعالى أحد إلا وعليه حجة وعمرة واجبتان(مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الروایة۱۳۸۳۵ ،باب من کان یری العمرة فریضة)
عن ليث ، عن عطاء ، وطاووس ، ومجاهد ؛ قالوا :واجبة(ایضاً، رقم الروایة۱۳۸۳۴)
عن عبد الملک ، قال :سئل سعيد بن جبير عن العمرة ، واجبة هي ؟ قال :نعم(ایضاً، رقم الروایة۱۳۸۳۶)
عن ابن جريج ، قال :سئل سعيد بن جبير ، وعلي بن حسين ، عن العمرة ، أواجبة هي ؟ فتلوا هذه الآية :(وأتموا الحج والعمرة)(ایضاً، رقم الروایة۱۳۸۳۷)
عن أبي إسحاق ، عن مسروق ، قال :أمرتم بإقامة الحج والعمرة (ایضاً، رقم الروایة ۱۳۸۴۱)
عن يونس ، عن الحسن ، ومحمد ، قالا :العمرة واجبة(ایضاً، رقم الروایة۱۳۸۴۳)

[2] عن أبي معشر ، عن إبراهيم ، قال :قال عبد الله :الحج فريضة ، والعمرة تطوع(مصنف ابن ابی شیبة،رقم الروایة ۱۳۸۲۸ ، باب من قال العمرة تطوع)
عن عبد الملک ، عن الشعبي ، قال :هی تطوع(ایضاً،رقم الروایة ۱۳۸۲۹)
عن مغيرة ، عن إبراهيم ، قال :العمرة سنة ، وليست بفريضة (ایضاً،رقم الروایة ۱۳۸۳۱)

[3] عن شعبة ، قال :سألت حمادا عن العمرة ، واجبة هي ؟ قال :قد اختلف فيها(مصنف ابن ابی شیبة،رقم الروایة ۱۳۸۳۰ ، باب من قال العمرة تطوع)

اصغر قرار دیا گیا ہے۔ [1]

اس تمہید و تفصیل کے بعد اب عمرہ سے متعلق چند ضروری احکام ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر ۱......عمرہ واجب یا سنت ہے، اور عمرہ کے سنت یا واجب ہونے کے لئے وہی شرائط ہیں، جو حج فرض ہونے کی شرائط ہیں، یعنی مسلمان ہونا، عاقل ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، اور بدنی و مالی استطاعت کا ہونا، اور عورت کے لئے محرَم کا ہونا، اور عدت کا نہ ہونا، وغیرہ۔

جب کسی شخص میں یہ شرائط پائی جائیں، اور اس نے اس سے پہلے عمرہ نہ کیا ہو، خواہ الگ سے یا حج کے ساتھ، تو اس کو عمرہ کرنا سنتِ مؤکدہ یا واجب ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] عن عكرمة ، عن ابن عباس ، قال :العمرة ، الحجة الصغرى(مصنف ابنِ ابى شيبة،رقم الرواية ۱۳۸۳۹ ،باب من كان يرى العمرة فريضة)

عن منصور ، عن مجاهد ، قال :كان يقال :العمرة هى الحجة الصغرى(ايضاً،رقم الرواية ۱۳۸۴۵)

عن منصور ، عن مجاهد ، قال :العمرة الحج الأصغر(ايضاً،رقم الرواية ۱۳۸۴۷)

حدثنا سفيان ، عن أبى إسحاق ، قال :سألت عبد الله بن شداد عن الحج الأكبر ؟ فقال :الحج الأكبر يوم النحر ، والحج الأصغر العمرة(ايضاً،رقم الرواية ۱۳۸۴۴)

[2] (وأما) شرائط وجوبها فهى شرائط وجوب الحج؛ لأن الواجب ملحق بالفرض فى حق الأحكام، وقد ذكرنا ذلك فى فصل الحج (بدائع الصنائع، ج۲، ص۲۲۷، شرائط وجوب العمرة)

شروط فرضية العمرة عند القائلين بفرضيتها هى شروط فرضية الحج، وكذا على القول بوجوبها وسنيتها .فيشترط لفرضية العمرة :العقل والإسلام، والبلوغ والحرية، والاستطاعة، والاستطاعة شرط لفرضية العمرة فقط، لكن لا يتوقف عليها سقوط الفرض عند من يقول بفرضية العمرة أو وجوبها، فلو اعتمر من لم تتوفر فيه شروط الاستطاعة صحت عمرته وسقط الفرض عنه.

وتتلخص الاستطاعة فى ملك الزاد والقدرة على آلة الركوب، وذلك بالنسبة للرجال والنساء .

وتختص النساء بشرطين آخرين وهما :مصاحبة الزوج أو المحرم، وعدم العدة.

ويجزء عند الشافعية رفقة نساء ثقات عوضا عن المحرم أو الزوج فى سفر الفرض.

أما البلوغ والحرية فهما شرطان لوجوب العمرة وإجزائها عن الفرض، فلو اعتمر الصبى أو العبد صحت عمرتهما، ولم يسقط فرضها عنهما عند البلوغ أو العتق.

وأما العقل والإسلام :فهما شرطان لوجوب العمرة وصحتها، فلا تجب العمرة على كافر، ولا مجنون ولا تصح منهما، لكن يجوز أن يحرم بالعمرة عن المجنون وليه ويؤدى المناسك عنه، ويجنبه محظورات الإحرام وهكذا، لكن لا يصلى عنه ركعتى الإحرام أو الطواف، بل تسقطان عنه عند الحنفية والمالكية، أما عند الشافعية فيصليهما عنه، وهو ظاهر كلام الحنابلة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۳۲۳،شروط فرضية العمرة،مادة"عمرة")

مسئلہ نمبر۲...... عمرہ تین طرح سے ادا کیا جاتا ہے، ایک تنہا عمرہ، جسے عربی زبان میں عمرۂ مُفردہ کہا جاتا ہے۔

دوسرے حجِ تمتع کے ساتھ عمرہ، جس میں پہلے عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے، اور عمرہ سے فارغ ہوکر حلال ہوکر پھر اسی سال حج کیا جاتا ہے۔

تیسرے حجِ قران کے ساتھ عمرہ، جس میں ایک احرام کے ساتھ پہلے عمرہ اور پھر حج ادا کیا جاتا ہے۔

ان میں سے جس طریقہ کے ساتھ بھی عمرہ کرلیا جائے، تو اس سے عمرہ کے سنت یا واجب ہونے کا حکم پورا ہوجاتا ہے۔ [1]

---

[1] تتأدى العمرة على ثلاثة أوجه، وهي:

أ) إفراد العمرة: وذلك بأن يحرم بالعمرة أي: ينويها ويلبي -دون أن يتبعها بحج- في أشهر الحج، أو يحج ثم يعتمر بعد الحج، أو يأتي بأعمال العمرة في غير أشهر الحج فهذه كلها إفراد للعمرة.

ب) التمتع: وهو أن يحرم بالعمرة في أشهر الحج ويأتي بأعمالها ويتحلل، ثم يحج، فيكون متمتعا ويجب عليه هدى التمتع بالشروط المقررة للتمتع.(ر: تمتع ف ۲ وحج ف ۳۷)

ج) القران: وهو أن يحرم بالعمرة والحج معا في إحرام واحد، فيأتي بأفعالهما مجتمعين، وتدخل أفعال العمرة في الحج عند الجمهور، ويجزئه لهما طواف واحد وسعي واحد عندهم، ويظل محرما حتى يتحلل بأعمال يوم النحر في الحج.

ومذهب الحنفية: أن القارن يطوف طوافين ويسعى سعيين طواف وسعي لعمرته، ثم طواف وسعي لحجه، ولا يتحلل بعد أفعال العمرة، بل يظل محرما أيضا حتى يتحلل تحلل الحج (ر: قران، وحج ف ۳۷ ب)

وكيفما أدى العمرة على أي وجه من هذه الوجوه تجزء عنه، ويتأدى فرضها عند القائلين بفرضيتها كما تتأدى سنيتها على القول بسنيتها.

قال ابن قدامة في المغني: وتجزء عمرة المتمتع وعمرة القارن، والعمرة من أدنى الحل عن العمرة الواجبة، ولا نعلم في إجزاء عمرة التمتع خلافا، كذلك قال ابن عمر رضي الله عنهما وعطاء وطاوس ومجاهد، ولا نعلم عن غيرهم خلافهم. وروى عن أحمد أن عمرة القارن لا تجزء، وهو اختيار أبي بكر، وعن أحمد: أن العمرة من أدنى الحل لا تجزء عن العمرة الواجبة، وقال: إنما هي من أربعة أميال، واحتج على أن عمرة القارن لا تجزء بأن عائشة رضي الله عنها حين حاضت أعمرها من التنعيم فلو كانت عمرتها في قرانها أجزأتها لما أعمرها بعدها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳...... عمرہ کی ادائیگی کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں، اور کوئی مکروہ وقت بھی نہیں، دن رات میں جب چاہیں ادا کر سکتے ہیں، اور رمضان میں عمرہ کرنا افضل ہے۔

حضرت اُمِ معقل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: عُمْرَةٌ فِيْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً (ترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر (فضیلت رکھتا) ہے (ترمذی)

اس قسم کے مضمون کی اور روایات بھی ہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واستدل ابن قدامة بقول الصبی بن معبد :إنی وجدت الحج والعمرة مكتوبين علی فأهللت بهما، فقال عمر :هديت لسنة نبيک وهذا يدل على أنه أحرم بهما يعتقد أداء ما كتبه الله عليه منهما والخروج عن عهدتهما، فصوبه عمر، وقال :هديت لسنة نبيک وبحديث عائشة رضی الله تعالی عنها أن النبی صلی الله عليه وسلم :قال لها لما جمعت بين الحج والعمرة :يجزء عنک طوافک بالصفا والمروة عن حجک وعمرتک ، وقال ابن قدامة :وإنما أعمرها النبی صلی الله عليه وسلم من التنعيم قصدا لتطييب قلبها وإجابة مسألتها، لا؛ لأنها كانت واجبة عليها، ثم إن لم تكن أجزأتها عمرة القران فقد أجزأتها العمرة من أدنی الحل، وهو أحد ما قصدنا الدلالة عليه،؛ ولأن الواجب عمرة واحدة وقد أتی بها صحيحة فتجزئه كعمرة المتمتع؛ ولأن عمرة القارن أحد نسكی القران فأجزأت كالحج، والحج من مكة يجزء فی حق المتمتع، فالعمرة من أدنی الحل فی حق المفرد -للعمرة -أولی(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۳۱۵تا۳۱۷،وجوه أداء العمرة،مادة"عمرة")

[1] رقم الحديث ۹۳۹، ابواب الحج، باب ماجاء فی عمرة رمضان.

قال الترمذی:وفی الباب عن ابن عباس، وجابر، وأبی هريرة، وأنس، ووهب بن خنبش " :ويقال: هرم بن خنبش "، قال :بيان، وجابر، عن الشعبی، عن وهب بن خنبش، وقال داود الأودی :عن الشعبی، عن هرم بن خنبش، ووهب أصح، وحديث أم معقل حديث حسن غريب من هذا الوجه، وقال أحمد وإسحاق :قد ثبت عن النبی صلی الله عليه وسلم أن عمرة فی رمضان تعدل حجة، قال إسحاق :معنی هذا الحديث مثل ما روی عن النبی صلی الله عليه وسلم أنه قال " :من قرأ :قل هو الله أحد فقد قرأ ثلث القرآن(ترمذی)

[2] أخبرنی عطاء ، قال :سمعت ابن عباس يخبرنا قال :قال رسول الله صلی الله عليه وسلم لامرأة من الأنصار :إذا كان رمضان فاعتمری فيه، فإن عمرة فيه تعدل حجة(نسائی،رقم الحديث ۲۱۱۰) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عمرہ کے حج کے برابر ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس عمرہ سے فرض حج ادا ہوجائے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ عمرہ کے ساتھ رمضانُ المبارک کی فضیلت شامل ہوجانے کی وجہ سے ثواب میں حج کے برابر ہوجاتا ہے۔ [1]

البتہ حنفیہ کے نزدیک سال کے صرف پانچ دنوں میں تنہا عمرہ کرنا مکروہ ہے، یعنی یوم ِعرفہ سے لے کر تیرہ ذی الحجہ تک، کیونکہ یہ حج کے مخصوص دن ہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عن وهب بن خنبش، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :عمرة فى رمضان، تعدل حجة (ابنِ ماجه،رقم الحديث ۲۹۹۱، واللفظ لهٗ؛ مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۵۹۹)

عن جابر، أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :عمرة فى رمضان، تعدل حجة (ابنِ ماجه،رقم الحديث ۲۹۹۵)

[1] فالحاصل أنه أعلمها أن العمرة فى رمضان تعدل الحجة فى الثواب لا أنها تقوم مقامها فى إسقاط الفرض للإجماع على أن الاعتمار لا يجزء عن حج الفرض (فتح البارى لابن حجر، ج۳، ص۶۰۴، تحت رقم الحديث ۱۷۸۲، قوله باب عمرة فى رمضان)

ملحوظ رہے کہ کسی بھی عمل کی جو فضیلت ہوتی ہے، وہ اس کی ذات کے اعتبار سے اور اس عمل کو اخلاص کے ساتھ اور ٹھیک ٹھیک انجام دینے کی صورت میں ہوتی ہے، وہ فضیلت نہ تو دوسرے عمل کے تقابل کے اعتبار سے ہوتی اور نہ ہی اس عمل کو بغیر اخلاص اور غلط طریقہ پر کرنے کی صورت میں ہوتی، یہی معاملہ رمضان میں عمرے کا بھی ہے۔

جب غریب اور مستحق لوگ تعاون کے زیادہ محتاج ہوں (جیسا کہ آجکل اکثر جگہ ایسا ہے) تو اِن غریبوں کا تعاون کرنا اس رقم کو بار بار کے نفلی حج وعمرے میں خرچ کرنے سے افضل ہوگا، جس کی تفصیل آگے تحقیقی مسائل کے ضمن میں آتی ہے۔

[2] اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق یوم ِعرفہ یعنی نو ذی الحجہ کے زوال سے پہلے تک عمرہ مکروہ نہیں ہے، کیونکہ اس سے پہلے حج کا عملی طور پر وقت شروع نہیں ہوتا، اور پہلا فرض وقوفِ عرفہ ہی ہے، جس کا وقت نو ذی الحجہ کے زوال سے شروع ہوتا ہے۔

والعمرة لا تفوت وهى جائزة فى جميع السنة إلا خمسة أيام يكره فيها فعلها وهى يوم عرفة ويوم النحر وأيام التشريق "لما روى عن عائشة رضى الله تعالى عنها أنها كانت تكره العمرة فى هذه الأيام الخمسة ولأن هذه الأيام أيام الحج فكانت متعينة له وعن أبى يوسف رحمه الله أنها لا تكره فى يوم عرفة قبل الزوال لأن دخول وقت ركن الحج بعد الزوال لا قبله والأظهر من المذهب ما ذكرناه ولكن مع هذا لو أداها فى هذه الأيام صح ويبقى محرما بها فيها لأن الكراهة لغيرها وهو تعظيم أمر الحج وتخليص وقته له فيصح الشروع(الهداية فى شرح بداية المبتدى، ج۱ ص۱۷۸، باب الفوات)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ان پانچ دنوں میں بھی عمرہ کرنا مکروہ نہیں ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... حنفیہ کے نزدیک عمرہ کے لئے احرام شرط ہے، اور عمرہ کا رکن طواف ہے، اور سعی اور حلق یا قصر واجب ہے۔

اور بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک عمرہ کے تین ارکان ہیں، ایک احرام، دوسرے طواف،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ان پانچ دنوں میں عمرۂ مفردہ کے مکروہ ہونے پر حنفیہ کا استدلال درجِ ذیل آثار سے ہے۔

عن عائشة رضی الله عنها قالت " :حلت العمرة فی السنة كلها إلا فی أربعة أيام :يوم عرفة ويوم النحر ويومان بعد ذلک "وهذا موقوف وهو محمول عندنا على من كان مشتغلا بالحج فلا يدخل العمرة عليه ولا يعتمر حتى يكمل عمل الحج كله، فقد أمر عمر بن الخطاب رضی الله عنه أبا أيوب الأنصاری وهبار بن الأسود حين فات كل واحد منهما الحج بأن يتحلل بعمل عمرة ,قال الشافعی :وأعظم الأيام حرمة أولاها أن ينسک فيها لله عز وجل(سنن البیهقی، رقم الروایة ۸۷۴۱)

عن عائشة ، قالت :حلت العمرة الدهر ، إلا ثلاثة أيام ؛ يوم النحر ، ويومين من أيام التشريق(مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الروایة ۱۲۸۷۰،باب فی العمرة ، من قال :فی كل شهر ، ومن قال :متى ما شئت ؟)

عن ليث ، عن طاووس ؛ أنه سئل عن العمرة ؟ فقال :إذا مضت أيام التشريق ، فاعتمر متى شئت إلى قابل(ایضاً، رقم الروایة ۱۲۸۷۱)

[1] اتفقوا على أن ميقات العمرة الزمانی هو جميع العام، فيصح أن تفعل فی جميع السنة، وينعقد إحرامها، وذلک لعدم المخصص لها بوقت دون وقت وكذلک قرروا أنها أفضل فی شهر رمضان منها فی غيره .وعبر الحنفية بقولهم " :تندب فی رمضان "، لقوله صلى الله عليه وسلم :عمرة فی رمضان تقضی حجة .متفق عليه.

ثم اختلفوا فی أوقات يكره فيها الإحرام بالعمرة أو لا يكره .وهی:

أ -يوم عرفة ويوم النحر وأيام التشريق :ذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى عدم الكراهة فيها، لكن قال الرملی الشافعی " :وهی فی يوم عرفة والعيد وأيام التشريق ليست كفضلها فی غيرها؛ لأن الأفضل فعل الحج فيها ."

واستدلوا لعدم الكراهة بأن الأصل عدم الكراهة، ولا دليل عليها.

وذهب الحنفية إلى أن العمرة تكره تحريما يوم عرفة وأربعة أيام بعده، حتى يجب الدم على من فعلها فی ذلک عندهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ص۱۴۴،الميقات الزمانی للإحرام بالعمرة،مادة "احرام")

تیسرے سعی، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حلق یا قصر بھی رکن میں داخل ہے۔ [1]

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ

وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

⌘

---

[1] ذهب جمهور الفقهاء إلى أن أركان العمرة ثلاثة هی :الإحرام والطواف والسعی، وهو مذهب المالكية والحنابلة ، وقال بركنيتها الشافعية، وزادوا ركنا رابعا هو :الحلق

ومذهب الحنفية أن الإحرام شرط للعمرة، وركنها واحد هو :الطواف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۳۱۸،أركان العمرة،مادة"عمرة")

يجب فی العمرة أمران :الأول :السعی بين الصفا والمروة عند الحنفية والحنابلة، وقال غيرهم :هو ركن.الثانی :الحلق أو التقصير عند الحنفية والمالكية، والحنابلة، وقال الشافعية فی الراجح عندهم :إنه ركن.والقدر الواجب هو حلق شعر جميع الرأس أو تقصيره عند المالكية، والحنابلة، وربع الرأس على الأقل عند الحنفية، وثلاث شعرات على الأقل عند الشافعية.

والحلق للرجال أفضل فی العمرة إلا للمتمتع، فالتقصير له أفضل، لكی يبقى شعرا يأخذه فی الحج.

والسنة للنساء التقصير فقط، ويكره الحلق فی حقهن؛ لأنه مثلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۳۲۳ و۳۲۴،واجبات العمرة،مادة"عمرة")

حج وعمرہ کی نذر ومنت ماننے کے احکام

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر حج کے فرض اور عمرہ کے واجب یا سنت ہونے کی شرائط تو تفصیل کے ساتھ پیچھے ذکر کردی گئی ہیں۔

اور بعض اوقات حج یا عمرہ بندہ کے خود اپنے اوپر نذر ومنت مان کر واجب کر لینے سے بھی لازم ہو جاتا ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَتٰى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ: إِنَّ أُخْتِيْ قَدْ نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ، وَإِنَّهَا مَاتَتْ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ كَانَ عَلَيْهَا دَيْنٌ أَكُنْتَ قَاضِيَهُ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَاقْضِ اللّٰهَ، فَهُوَ أَحَقُّ بِالْقَضَآءِ (بخاری) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے آپ سے عرض کیا کہ میری بہن نے حج کرنے کی نذر (ومنت) مانی تھی، اور وہ فوت ہوگئی ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آپ کی بہن پر قرض ہوتا تو کیا آپ اسے ادا کرتے؟ اُس آدمی نے کہا کہ بے شک؛ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (یہ حج کی نذر ومنت اللہ کا حق ہے) آپ اللہ کے حق کو ادا کیجئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو (اپنے حق کی) ادائیگی کے (دوسروں سے) زیادہ مستحق ہیں (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ حج کی نذر ومنت ماننے سے حج انسان پر لازم ہو جاتا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مثال قرض ودَین سے بیان فرمائی ہے، اور قرض ودَین کی ادائیگی ظاہر ہے کہ لازم ہوا کرتی ہے۔

---

[1] رقم الحدیث ۶۶۹۹، کتاب الایمان والنذور، باب من مات وعلیه نذر.

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ سَفَرٍ إِذْ مَرَّ بِامْرَأَةٍ نَاشِرَةٍ شَعَرَهَا فَقَالَ: مَا هٰذَا؟ فَقِيْلَ: فُلَانَةُ لِامْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ، نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ نَاشِرَةً شَعَرَهَا، قَالَ: مُرُوْهَا فَلْتَخْتَمِرْ (المعجم الكبير للطبرانی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے، آپ کا گزر ایک عورت کے قریب سے ہوا، جس نے اپنے بال کھولے اور پھیلائے ہوئے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ قریش کی فلاں عورت ہے، جس نے یہ نذر ومنت مانی ہے کہ وہ اپنے بال کھول کر اور پھیلا کر حج کرے گی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس عورت کو حکم دو کہ وہ اپنے بال ڈھک لے (طبرانی؛ بزار)

حضرت عمرو بن شعیب کی سند سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْرَكَ رَجُلَيْنِ وَهُمَا مُقْتَرِنَانِ، يَمْشِيَانِ إِلَى الْبَيْتِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا بَالُ الْقِرَانِ؟ قَالَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، نَذَرْنَا أَنْ نَمْشِيَ إِلَى الْبَيْتِ مُقْتَرِنَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ هٰذَا نَذْرًا، فَقَطَعَ قِرَانَهُمَا، قَالَ سُرَيْجٌ فِيْ حَدِيْثِهٖ: إِنَّمَا النَّذْرُ مَا ابْتُغِيَ بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (مسند احمد، رقم الحدیث ۶۷۱۴) [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۱۸۷۲، ج ۱۱ ص ۳۲۰؛ كشف الاستار عن زوائد البزار للهيثمى، تحت رقم الحديث ۱۳۴۸، باب لا نذر فى معصية.

قال الهيثمى:

رواه البزار، وفيه يحيى بن أبى يحيى، وهو غير الذى فى الميزان، فإن هذا روى عنه الفضل بن سهل الأعرج، وروى هو عن زيد بن الحباب، وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۶۹۵۵، باب لا نذر فى معصية إنما النذر ما ابتغى به وجه الله)

[2] فى حاشية مسند احمد: حديث حسن.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کو اس حال میں پایا کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کو باہم (رسی سے) باندھ رکھا تھا، اور بیتُ اللہ کی طرف چل رہے تھے، تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ان کے آپس میں) باندھنے کی کیا وجہ ہے؟ تو ان دونوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم نے یہ نذر ومنت مانی تھی کہ ہم بیتُ اللہ کی طرف ایک دوسرے کو ساتھ باندھ کر جائیں گے، تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نذر ومنت نہیں ہے، تو ان دونوں (آدمیوں) نے اپنی رسی کو کاٹ لیا، حضرت سُریج (راوی) نے اس حدیث میں فرمایا کہ نذر ومنت تو اس عمل کے ذریعے سے ہوتی ہے، جس سے اللہ عزوجل کی رضا حاصل کی جائے (مسند احمد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حج کی نذر ومنت ماننا تو درست ہے، کیونکہ وہ عبادت کا کام ہے، لیکن اس کے ساتھ کسی گناہ کی یا ایسی فضول چیز کی قید لگانا معتبر نہیں، کہ جس میں کوئی ثواب نہ ہو، اور بلاوجہ کی مشقت ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأٰى شَيْخًا يُهَادَى بَيْنَ اِبْنَيْهِ، قَالَ: مَا بَالُ هٰذَا؟ قَالُوْا: نَذَرَ أَنْ يَّمْشِيَ، قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ عَنْ تَعْذِيْبِ هٰذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ، وَأَمَرَهُ أَنْ يَّرْكَبَ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے دو بیٹوں کے

---

[1] رقم الحديث ١٨٦٥، كتاب جزاء الصيد، باب من نذر المشى إلى الكعبة؛ مسند احمد، رقم الحديث ١٣٨٦٦؛ ترمذى، رقم الحديث ١٥٣٦.

فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

وقال الترمذى: وفى الباب عن أبى هريرة، وعقبة بن عامر، وابن عباس :حديث أنس حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه .والعمل على هذا عند بعض أهل العلم، وقالوا :إذا نذرت امرأة أن تمشى فلتركب ولتهد شاة (حواله بالا)

سہارے جارہا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو کیا ہوگیا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اس نے پیدل چل کر حج کرنے کی نذر ومنت مانی تھی (اور پیدل چلنے کی قدرت نہیں، اس لئے دو آدمیوں کے سہارے جارہا ہے) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ اس شخص کے اپنے آپ کو عذاب (وتکلیف) دینے سے بے نیاز ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سوار ہونے کا حکم فرمایا (بخاری؛ مسند احمد)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّ أُخْتَهُ نَذَرَتْ أَنْ تَمْشِيَ إِلَى الْبَيْتِ، وَشَكَا إِلَيْهِ ضَعْفَهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْ نَذْرِ أُخْتِكَ، فَلْتَرْكَبْ وَلْتُهْدِ بَدَنَةً

(مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۳۴، واللفظ لهٗ؛ ابوداؤد، رقم الحديث ۳۳۰۳) [1]

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اُن کی بہن نے یہ نذر ومنت مانی تھی کہ وہ بیتُ اللہ کی طرف پیدل جائے گی، اور حضرت عقبہ نے اُن کی کمزوری کی شکایت کی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ آپ کی بہن کی نذر ومنت سے بے نیاز ہے، اُسے چاہئے کہ وہ سوار ہو کر حج کرے، اور ایک بدنہ (قربانی کا بڑا جانور) ذبح کرے (مسند احمد)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ أُخْتَ عُقْبَةَ، نَذَرَتْ أَنْ تَمْشِيَ، إِلَى الْبَيْتِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ نَذْرِ أُخْتِكَ لِتَرْكَبْ، وَلْتُهْدِ هَدْيًا

(سنن الدارمی، رقم الحديث ۲۳۸۰، كتاب النذور والايمان، باب فی كفارة النذر) [2]

---

[1] فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط البخاری، عكرمة من رجاله، وباقی السند على شرطهما.

[2] فی حاشية سنن الدارمی: إسناده صحيح.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے یہ نذر ومنت مانی تھی کہ وہ بیتُ اللہ کی طرف پیدل جائے گی، تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ آپ کی بہن کی نذر ومنت سے بے نیاز ہے، اُسے چاہئے کہ وہ سوار ہوجائے (اور پھر حج کرے) اور ایک ہدی (اونٹ یا گائے یا بکری) ذبح کرے (دارمی)

جلیلُ القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

مَنْ نَـذَرَ أَنْ يَـحُجَّ مَاشِيًا، ثُمَّ عَجَزَ فَلْيَرْكَبْ، وَلْيَحُجَّ، وَلْيَنْحَرْ بَدَنَةً وَجَاءَ عَنْهُ فِيْ حَدِيْثٍ آخَرَ وَيُهْدِيْ هَدْيًا (مؤطا امام محمد) [1]

ترجمہ: جس شخص نے یہ نذر ومنت مانی کہ وہ پیدل حج کرے گا، پھر وہ (پیدل حج کرنے سے) عاجز ہوگیا، تو اُسے چاہئے کہ وہ سوار ہوجائے، اور حج کرے، اور ایک بدنہ (اونٹ یا گائے) ذبح کرے، اور دوسری حدیث میں یہ آیا ہے کہ ایک ہدی (اونٹ یا گائے یا بکری) ذبح کرے (موطا)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

فِيْ رَجُـلٍ نَـذَرَ أَنْ يَّـحُـجَّ مَاشِيًا ، قَالَ: يَمْشِيْ حَتّٰى إِذَا أَعْيَا رَكِبَ ، وَأَهْدٰى (مصنف ابن ابی شیبة) [2]

ترجمہ: جس آدمی نے پیدل حج کرنے کی نذر ومنت مانی، تو وہ پیدل چلے، یہاں تک کہ جب وہ تھک جائے تو سوار ہوجائے، اور ایک ہدی ذبح کرے (ابن ابی شیبہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرنے کے بعد امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

---

[1] رقم الحديث ۷۴۷، كتاب الايمان والنذور، باب :من جعل على نفسه المشى ثم عجز.

[2] رقم الحديث ۱۳۷۵۵، كتاب المناسک، الرجل يجعل عليه المشى إلى بيت الله ، فيمشى بعض الطريق ثم يعجز.

فَبِهٰذَا نَأْخُذُ، يَكُونُ الْهَدْيُ مَكَانَ الْمَشْيِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا (موطا امام محمد) [1]

ترجمہ: ہم اسی روایت کو لیتے ہیں، پیدل چلنے کی جگہ (یعنی پیدل چلنے کی نذر ومنت ماننے کے بدلہ میں) ہدی (یعنی اونٹ یا گائے یا بکری کی قربانی) ہو جائے گی، اور یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے (موطا)

ملحوظ رہے کہ بعض روایات میں پیدل حج کی نذر ومنت ماننے کے بعد پیدل حج نہ چل سکنے کی صورت میں بدنہ کا ذکر ہے، اور بدنہ بڑی قربانی یعنی اونٹ اور گائے کو کہا جاتا ہے، اور بعض روایات میں ہدی کا ذکر ہے، اور ہدی ہر اُس جانور کو کہا جاتا ہے، جس کی قربانی جائز ہے، جس میں اونٹ، گائے بھی داخل ہے، اور بکری، بھیڑ، دنبہ بھی؛ لہٰذا اگر کوئی بدنہ یعنی بڑا جانور ذبح کرے، تو وہ بھی جائز ہے، اور اگر کوئی چھوٹا جانور یعنی بکری وغیرہ ذبح کرے تو وہ بھی جائز ہے۔ [2]

---

[1] تحت رقم الحديث ٧٤٧، كتاب الايمان والنذور، باب :من جعل على نفسه المشى ثم عجز.

[2] ثم إطلاق الركوب في الروايتين محمول على علمه بعجزها عن المشي بدليل ما في الرواية الأخرى لأبي داود عن ابن عباس -رضي الله عنهما -أن أخت عقبة بن عامر نذرت أن تحج ماشية وإنها لا تطيق المشي، فقال النبي -صلى الله عليه وسلم :-إن الله لغني عن مشي أختك، فلتركب ولتهد بدنة إلا أنه عمل بإطلاق الهدى من غير تعيين بدنة لقوة روايتها (فتح القدير لابن الهمام، ج٣، ص ١٧٢، كتاب الحج، باب الجنايات، مسائل منثورة)

اور مشی کی نذر کی خلاف ورزی کی صورت میں جو ہدی کی شکل میں اراقۃِ دَم کو واجب کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی نذر میں گویا کہ مشی نُسک کے درجہ میں آ جاتی ہے۔

فنظرنا في ذلك فرأينا الحج فيه الطواف بالبيت والوقوف بعرفة وبجمع .وكان الطواف منه ما يفعله الرجل في حال إحرامه وهو طواف الزيارة .ومنه ما يفعله بعد أن يحل من إحرامه ,وهو طواف الصدر .وكان ذلك كله من أسباب الحج قد أريد أن يفعله الرجل ماشيا وكان من فعله راكبا مقصرا وجعل عليه الدم .هذا إذا كان فعله لا من علة .وإن كان فعله من علة ,فإن الناس مختلفون في ذلك .فقال بعضهم :لا شيء عليه وممن قال بذلك أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى وقال بعضهم :عليه دم وهذا هو النظر -عندنا -لأن العلل إنما تسقط الآثام في انتهاك الحرمات ,ولا تسقط الكفارات (شرح معاني الآثار، ج٣، ص ١٣١، كتاب الأيمان والنذور،باب :الرجل يوجب على نفسه المشي إلى بيت الله)

حج کا سفر پیدل کرنا بھی جائز ہے، اور سوار ہو کر بھی؛ البتہ اس میں اہلِ علم کا اختلاف ہے کہ پیدل حج کا سفر کرنا افضل ہے، یا سوار ہو کر؟ [1]

احادیث وروایات اور ان کی ضروری تشریح کے بعد حج وعمرہ کی نذر ومنت سے متعلق احکام ومسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر ۱..... حج وعمرہ کی نذر ومنت ماننا درست ہے، خواہ حج وعمرہ کی نذر ومنت غیر مشروط ہو، یا مشروط ہو۔

اور جب حج وعمرہ یا ان میں سے کسی ایک کی زبان سے نذر ومنت مان لی جائے، تو اس کا پورا کرنا ضروری ہو جاتا ہے، فرق اتنا ہے کہ اگر مشروط نذر ومنت ہو، تو اس شرط کے پائے جانے پر نذر ومنت کا پورا کرنا ضروری ہو جاتا ہے، شرط کے بغیر ضروری نہیں ہوتا۔ [2]

---

[1] الركوب فى سفر الحج والركوب فيه والمشى سواء فى الإباحة، والكلام فى الأفضلية، فقال قوم :الركوب أفضل اتباعا للنبى صلى الله عليه وسلم ولفضل النفقة فإن النفقة فيه كالنفقة فى سبيل الله سبعمائة ضعف، كما أخرجه أحمد من حديث بريدة، وصحح جماعة أن المشى أفضل وبه قال إسحاق لأنه أشد على النفس (عمدة القارى، ج۹، ص ۱۳۰، كتاب الحج، باب قول الله تعالى "يأتوک رجالا وعلى كل ضامر يأتين من كل فج عميق ليشهدوا منافع لهم")

[2] البتہ اگر کسی نے ایسے الفاظ ادا کئے، جو صرف ارادہ کے اظہار پر دلالت کرتے تھے، التزامِ نذر پر دلالت نہیں کرتے تھے، مثلاً یہ کہا کہ میرا حج کرنے کا ارادہ ہے، یا میں حج کروں گا، تو اس سے نذر ومنت منعقد نہیں ہوتی۔

ثم الحج كما هو واجب بإيجاب الله تعالى ابتداء على من استجمع شرائط الوجوب -وهو حجة الإسلام -فقد يجب بإيجاب الله تعالى لكن بناؤه على وجود سبب الوجوب من العبد وهو النذر بأن يقول لله على حجة لأن النذر من أسباب الوجوب فى العبادات والقرب المقصودة قال النبى -صلى الله عليه وسلم :-من نذر أن يطيع الله فليطعه وكذا لو قال على حجة فهذا .وقوله :لله على حجة سواء ؛ لأن الحج لا يكون إلا لله تعالى، وسواء كان النذر مطلقا أو معلقا بشرط بأن قال :إن فعلت كذا فلله على أن أحج حتى يلزمه الوفاء به إذا وجد الشرط، ولا يخرج عنه بالكفارة فى ظاهر الرواية عن أبى حنيفة، وسنذكر إن شاء الله تعالى المسألة فى كتاب النذر (بدائع الصنائع ، ج۲، ص ۲۲۳، كتاب الحج، فصل سبب وجوب الحج)

إذا نذر الحج فإنه يصير فرضا أيضا ومن فروعه ما فى الخلاصة رجل قال لله على مائة حجة لزمته كلها، ولو قال أنا أحج لا حج عليه، ولو قال إذا دخلت الدار فأنا أحج يلزمه عند الشرط،ولو قال المريض إن عافانى الله تعالى من مرضى هذا فعلى حجة فبرء لزمته حجة وإن لم يقل على حجة لله؛ لأن الحجة لا تكون إلا لله (البحر الرائق، ج۲، ص ۳۳۴، كتاب الحج)

ومن نذر عمرة فأداها من التنعيم خرج عن موجب نذره (المبسوط للسرخسى، ج۳۰، ص ۱۶۱، كتاب اختلاف أبى حنيفة وابن أبى ليلى)

مسئلہ نمبر۲...... جو شخص پیدل حج یا عمرہ کرنے کی نذر ومنت مانے، تو اس کی یہ نذر ومنت منعقد ومعتبر ہوجاتی ہے، اور اگر حج وعمرہ کا نام لیے بغیر بیتُ اللہ کی طرف پیدل چلنے کی نذر ومنت مانے تو یہ نذر ومنت بھی منعقد ومعتبر ہوجاتی ہے، اور اس پر حج یا عمرہ میں سے کوئی ایک چیز لازم ہوجاتی ہے، کیونکہ بیتُ اللہ کی طرف پیدل چلنے کی نذر ومنت سے شرعاً وعُرفاً حج یا عمرہ کا احرام باندھنا مراد ہوا کرتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... جس شخص نے پیدل حج یا عمرہ کرنے یا بیتُ اللہ کی طرف پیدل چلنے کی نذر ومنت مانی، تو اس پر پیدل چلنا ضروری ہوجائے گا، پھر اگر وہ مکمل سفر یا کچھ سفر پیدل کرنے سے معذور ہے، اور اُس نے سوار ہوکر حج یا عمرہ کا سفر طے کیا، تو اس کی نذر ومنت پوری ہوجائے گی، لیکن اُس پر پیدل سفر نہ کرنے کی وجہ سے اونٹ، گائے یا بکری میں سے کسی ایک

---

[1] نذر المشى إلى بيت الله الحرام:

من نذر المشى إلى بيت الله الحرام لزمه المشى إليه فى حج أو عمرة، قال هذا أبو عبيد، والأوزاعى، والليث بن سعد، وابن المنذر وإليه ذهب الحنفية، والمالكية، والشافعية، والحنابلة، وقال ابن قدامة :لا نعلم فيه خلافا.

واستدلوا بما ورد عن أبى هريرة -رضى الله عنه -أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال :لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد :مسجدى هذا، ومسجد الحرام، ومسجد الأقصى كما استدلوا بأن قول الناذر :على المشى إلى بيت الله تعالى أو إلى الكعبة أو نحو ذلک، هو كناية عن التزام الإحرام، يستعمله الناذرون لالتزام الإحرام بطريق الكناية، من غير أن يعقل فيه وجه الكناية، بمنزلة قول القائل :لله على أن أضرب بثوبى حطيم الكعبة، إذ هو كناية التزام الصدقة، والإحرام يكون بالحج أو بالعمرة، فيلزم الناذر أحدهما، بخلاف سائر الألفاظ فما جرت عادتهم بالتزام الإحرام بها، والمعتبر فى الباب عرفهم وعادتهم، ولا عرف هناک، فيلزمه ذلک ماشيا؛ لأنه التزم المشى، وفيه زيادة قربة، فجاز التزامه بالنذر، كصفة التتابع فى الصيام وقالوا :إن الناذر قد التزم المشى إلى بيت الله الحرام، وجعله وصفا للعبادة، فيلزمه المشى كما لو نذر أن يصلى قائما واستدلوا كذلک بأن من نذر المشى إلى بيت الله الحرام لا يجزئه المشى إليه إلا فى حج أو عمرة، وذلک لأن المشى المعهود فى الشرع هو المشى فى حج أو عمرة، فإذا أطلق الناذر المشى إليه حمل على المعهود فى الشرع، ويلزمه المشى فيه لنذره وإن نذر المشى إلى بيت الله الحرام نذر فى طاعة الله تعالى، فيلزم الناذر الوفاء ، لما ورد عن عائشة -رضى الله عنها -أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال :من نذر أن يطيع الله فليطعه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص ۱۹۵ وص ۱۹۶ ، نذر المشى إلى بيت الله الحرام)

جانور کی شکل میں دَم لازم ہوگا۔

اور اگر اس نے بلاعذر سوار ہو کر سفر طے کیا، تب بھی حنفیہ کے نزدیک اس کی نذر و منت پوری ہوجائے گی، لیکن اس پر دم پھر بھی لازم ہوگا۔ [1]

---

[1] حنفیہ کے نزدیک عذر اور بلاعذر کی تفصیل کے بغیر مطلقاً دَم لازم ہے، جبکہ اکثر سفر سوار ہو کر کیا جائے، اور اقل کی صورت میں درمیانی درجہ کی بکری کی قیمت نکال کر پیدل چلنے کی مقدار کے بقدر قیمت کا تصدُّق واجب ہوگا۔

(نذر الحج ماشيا)قال -رحمه الله -(ومن أوجب حجا ماشيا لا يركب حتى يطوف للركن) أي من أوجب على نفسه بالنذر أن يحج ماشيا لا يجوز له أن يركب حتى يطوف طواف الركن ، وهو طواف الزيارة ؛ لأنه التزم الحج على صفة الكمال ؛ لأن المشي أشق على البدن فيجب عليه الإيفاء بما التزم كما لو نذر أن يصوم متتابعا ولا يقال :كيف يجب عليه المشي بالنذر وهو من شرطه أن يكون له نظير في الشرع وهذا لا نظير له ؛ لأنا نقول :لا بل له نظير ؛ لأن أهل مكة ومن حولها لا يشترط في حقهم الراحلة بل يجب المشي على كل من قدر منهم على المشي ، ولو ركب أراق دما ؛ لأنه أدخل فيه النقص ، وكذا إذا ركب في أكثره ، وإن ركب الأقل يجب عليه بحسابه من الدم وبطواف الزيارة ينتهي الإحرام فيمشي إليه ، وطواف الصدر للتوديع وليس بأصل في الحج حتى لا يجب على من لا يودع ولم يذكر في المختصر من أين يبتدء المشي قيل :يمشي من الميقات والأصح أنه يمشي من بيته ؛ لأنه هو المراد في العرف ، وهو أملك(تبيين الحقائق، ج۲ص۹۳، كتاب الحج، مسائل منثورة)

وأفاد بقوله لا يركب أنه لو ركب لزمه الجزاء لترك الواجب فإذا ترك في الكل أو في الأكثر يلزمه الدم، وفي الأقل يلزمه التصدق بقدره من قيمة الشاة الوسط، ومقتضى الأصل أن لا يخرج عن عهدة النذر إذا ركب كما لو نذر الصوم متتابعا فقطع التتابع، ولكن ثبت ذلك نصا في الحج فوجب العمل به (البحرالرائق، ج۳، ص ۸۱، كتاب الحج، مسائل منثورة في الحج والعمرة)

حكم من عجز عن المشي المنذور إلى بيت الله الحرام:

اختلف الفقهاء فيما يجب على من عجز عن المشي المنذور إلى بيت الله الحرام .وذلك على ثلاثة مذاهب:

المذهب الأول :يرى أصحابه أن من عجز عن المشي المنذور فركب وهو في طريقه إلى بيت الله الحرام فإنه يلزمه دم، وهو رأي الحنفية والمالكية والشافعية في الأظهر ورواية عن أحمد، وروي عن علي -رضي الله عنه -وأفتى به عطاء ، ولهم في ذلك تفصيل :فقد ذهب الحنفية إلى أن له أن يركب وإن لم يكن عاجزا عن المشي، ويذبح لركوبه شاة استحسانا، وقال مالك :من لزمه المشي إلى مكة فخرج ماشيا فعجز في مشيه فليركب فيما عجز، فإذا استراح نزل وعرف أماكن ركوبه من الأرض، ثم يعود ثانية فيمشي أماكن ركوبه، ولا يجزئه أن يمشي عدة أيام ركوبه، إذ قد يركب مواضع ركوبه أولا، وليس عليه في رجوعه ثانية إن كان قويا أن يمشي الطريق كله، ولكن يمشي ما ركب فقط، ويهرق دما لتفريق مشيه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... جس شخص نے حرم یا اس کے کسی حصہ وجزء (مثلاً حرم، بیتُ اللہ، کعبہ، مسجدِ حرام، صفا، مروہ، مسجدِ خیف، منیٰ وغیرہ) کی طرف چلنے کی نذر ومنت مانی، تو امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک یہ نذر ومنت منعقد ومعتبر ہوجائے گی، اور اس پر حج وعمرہ لازم ہوجائے گا؛ کیونکہ پورا حرم حج وعمرہ کے نُسک کا محل ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذهب الشافعية إلى أن من ركب لعذر أجزأه حجه عن نذره وعليه دم في الأظهر، والمراد بالعذر أن تلحقه مشقة ظاهرة، كنظيره في العجز عن القيام في الصلاة، والعجز عن صوم رمضان بالمرض، وقيد البلقيني وجوب الدم بما إذا ركب بعد إحرامه مطلقا أو قبله وبعد مجاوزة الميقات مشيا، وإلا فلا؛ إذ لا خلل في النسك يوجب دما، وإن ركب بلا عذر أجزأه على المشهور وعليه دم مع عصيانه واستدلوا بما روى عن ابن عباس -رضي الله عنهما- أن أخت عقبة بن عامر نذرت أن تمشي إلى الكعبة، فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم- " :إن الله لغني عن مشيها، لتركب ولتهد بدنة "وفي رواية أخرى :أن أخت عقبة بن عامر نذرت أن تمشي إلى البيت، وأنها لا تطيق ذلك، فأمرها النبي -صلى الله عليه وسلم- أن تركب وتهدي هديا وبما روى عن علي -رضي الله عنه- أنه قال :فيمن نذر أن يمشي إلى البيت " :يمشي، فإذا أعيى ركب ويهدي جزورا وبأن من نذر المشي إلى بيت الله الحرام إذا ركب فإنه يكون قد أخل بواجب في الإحرام فلزمه هديه كتارك الإحرام من الميقات.

المذهب الثاني :يرى أنه لا يلزمه شيء، وهو القياس عند الحنفية ومقابل الأظهر عند الشافعية، وحكاه ابن رشد "الحفيد "عن بعض العلماء واستدلوا بقوله تعالى :لا يكلف الله نفسا إلا وسعها وبأن من نذر المشي إلى بيت الله الحرام قد عجز عما التزمه بالنذر، وهو المشي، فله أن يركب ولا شيء عليه، قياسا على ما لو نذر الصلاة قائما فصلى من قعود لعجزه .وقال الحنفية في وجه القياس عندهم :إن من شرط صحة النذر أن يكون المنذور به قربة مقصودة ولا قربة في نفس المشي .

المذهب الثالث :يرى أن عليه كفارة يمين إذا ركب، وهو المذهب عند الحنابلة.واستدلوا بما ورد عن عقبة بن عامر -رضي الله عنه " -أن أخته نذرت أن تمشي حافية غير مختمرة إلى الكعبة، فسأل النبي -صلى الله عليه وسلم- فقال:إن الله لا يصنع بشقاء أختك شيئا، فلتركب ولتختمر ولتصم ثلاثة أيام "وفي حديث ابن عباس " :ولتكفر عن يمينها وبما روى عن عقبة بن عامر أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قال :كفارة النذر كفارة اليمين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص ۱۹۶ الى ص۱۹۸،حكم من عجز عن المشي المنذور إلى بيت الله الحرام)

[1] نذر المشي إلى بلد الله الحرام أو بقعة منها.

من نذر المشي إلى بلد الله الحرام، أو إلى بقعة منها :كالصفا والمروة، أو مقام إبراهيم أو أبي قبيس أو نحو ذلك من المواضع التي تقع في بلد الله الحرام، فقد اختلف الفقهاء فيما يلزمه بهذا النذر على مذاهب ثلاثة:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کے نزدیک اگر کعبہ یا مکہ یا بیتُ اللہ کی طرف چلنے کی نذر و منت مانی، تو اس کی یہ نذر و منت منعقد و معتبر ہو جائے گی، اور اس پر حج یا عمرہ میں سے کسی ایک کا کرنا واجب ہو جائے گا، کیونکہ عرف میں ان مقامات کی طرف چلنے سے حج و عمرہ کرنا مراد ہوا کرتا ہے۔

اور حرم کے دوسرے حصوں مثلاً صفا، مروہ، مسجدِ خیف وغیرہ کی طرف چلنے کی نذر و منت مانی، تو منعقد و معتبر نہیں ہوگی، کیونکہ عرف میں ان مقامات کی طرف چلنے سے حج و عمرہ کرنا مراد نہیں لیا جایا کرتا۔

اور اگر حرم یا مسجدِ حرام کی طرف چلنے کی نذر و منت مانی، تو حنفیہ میں سے صاحبین کے نزدیک یہ نذر و منت منعقد و معتبر ہو جائے گی، اور پیدل حج یا عمرہ کوئی ایک چیز لازم ہو جائے گی، کیونکہ حرم یا مسجدِ حرام کی طرف چلنے سے عُرف میں حج یا عمرہ کرنا مراد ہوا کرتا ہے، جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ نذر و منت منعقد و معتبر نہیں ہوگی، کیونکہ اُن کے نزدیک ان الفاظ سے عُرف میں حج و عمرہ کرنا مراد نہیں ہوا کرتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المذهب الأول :يرى أصحابه أن من نذر المشي إلى بلد الله الحرام أو إلى بقعة منها، فإنه يلزمه بهذا الحج والعمرة ماشيا، وهو المذهب عند الشافعية والحنابلة.

واستدلوا بأن من نذر المشي إلى الحرم أو إلى موضع منه، شبيه بمن نذر المشي إلى البيت الحرام؛ لأن الحرم كله محل للنسك، ولذلك صح إحرام المكي بالحج منه وأن من نذر المشي إلى الحرم أو جزء منه إنما لزمه المشي إليه في حج أو عمرة؛ لأنه التزم جعله وصفا للعبادة، كما لو نذر الصلاة قائما وأن المشي إلى البلد الحرام أو إلى موضع منه يقصد منه في الشرع المشي إليه في حج أو عمرة، فيحمل النذر على المعهود الشرعي، ويلغى ما يخالفه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص ۱۹۸،وص ۱۹۹، نذر المشي إلى بلد الله الحرام أو بقعة منها)

[1] متعدد مشائخِ احناف نے صاحبین کے قول کو استحسان پر اور امام صاحب کے قول کو قیاس پر مبنی قرار دیا ہے، اور ہمارے نزدیک صاحبین کا قول فتوے کے لحاظ سے اولیٰ ہے، کیونکہ حرم یا مسجدِ حرام کا اطلاق بیتُ اللہ اور کعبہ پر بھی کیا جاتا ہے، اور اس کے برعکس بھی، اور مسجدِ حرام، کعبہ کی فناء کے درجہ میں ہے، اور حرم، مکہ کی فناء کے درجہ میں ہے، لہٰذا جس طرح مکہ کے لفظ سے نذر و منت معتبر ہو جاتی ہے، اسی طرح حرم یا مسجدِ حرام کے لفظ سے بھی معتبر ہونی چاہئے، اور عوام میں بھی کثرت سے حرم یا مسجدِ حرام بول کر کعبہ اور بیتُ اللہ کا مراد لیا جانا آج کل معروف ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵...... اگر کسی نے مکہ یا کعبہ وبیتُ اللہ کی طرف جانے یا سفر کرنے کے الفاظ کے ساتھ نذر ومنت مانی، تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک ان الفاظ سے نذر ومنت معتبر ومنعقد نہیں ہوگی، کیونکہ ان الفاظ سے عرف ورواج میں حج وعمرہ کا التزام مراد نہیں لیا جایا کرتا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

چنانچہ حج وعمرہ کرنے کے لئے جانے کو بکثرت سفرِ حرمین شریفین سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صاحبین کے امام صاحب سے اختلاف کی بناء عُرف کی تبدیلی ہے، کہ امام صاحب کے بعد صاحبین کے دور میں عُرف تبدیل ہونے کی وجہ سے امام صاحب سے اُن کا اختلاف ہوا۔

ثم المسجد الحرام بمنزلة الفناء للكعبة والحرم بمنزلة الفناء لمكة (المبسوط للسرخسی جلد۴، باب النذر)

لهما فی ذلک طريقان احدهما أن منىٰ من فناء مكة فانهٔ من الحرم قال الله تعالىٰ: "هدياً بالغ الكعبة" سماه باسم الكعبة لكونه تبعاً لها لما ان الهدايا والضحايا لا تنحر بمكة بل منىٰ دل ذلک علىٰ انه فی حكمها او فی فنائها (كفاية شرح الهداية مع فتح القدير جلد۲ صفحه ۲۵، باب صلاة الجمعة)

واختلفوا فيما إذا قال: لله على المشی إلى الحرم أو إلى المسجد الحرام قال أبو حنيفة لا يلزمه شیء، وقال صاحباه: يلزمه أحد النسكين. والوجه فی ذلک أن يحمل على أنه تعورف بعد أبی حنيفة إيجاب النسک بهما فقالا به كما تعورف بالمشی إلى الكعبة ويرتفع الخلاف، وإلا فالوجه الذی ذكر لهما متضائل وهو أن الحرم والمسجد الحرام يشتمل على الكعبة فذكر المشتمل ذكر للمشمول وهو الكعبة، ولو صرح بقوله لله على المشی إلى الكعبة لزمه، فكذا ذكر المشتمل لأن إيجاب اللفظ لتعارف عينه فيه، وليس عين المشی إلى الحرم عينه وهو وجه أبی حنيفة (فتح القدير لابن الهمام، ج۵، ص ۱۸۴، كتاب الايمان، باب اليمين فی الحج والصلاة والصوم)

المذهب الثانی: ذهب إليه الحنفية، ويرون أن من نذر المشی إلى الصفا والمروة أو مسجد الخيف أو غيره من المساجد التی تقع فی الحرم، فإنه لا يصح نذره بلا خلاف فی المذهب، وإن ذكر الكعبة أو مكة أو بيت الله تعالى، صح نذره ولزمه حجة أو عمرة ماشيا، وإن ذكر الحرم أو المسجد الحرام لم يصح نذره ولم يلزمه شیء عند أبی حنيفة، ولزمه حج أو عمرة ماشيا عند الصاحبين واستدلوا على صحة نذر المشی إلى الكعبة أو مكة أو بيت الله تعالى، ولزوم مشی الناذر إلى ذلک فی حج أو عمرة، بما سبق الاستدلال به لمذهبهم فی "نذر المشی إلى بيت الله الحرام."

واستدل لما ذهب إليه أبو حنيفة من عدم صحة النذر بالمشی إلى المسجد الحرام أو الحرم بأن مقتضى القياس أن لا يجب شیء بإيجاب المشی المضاف إلى مكان ما؛ لأن المشی ليس بقربة مقصودة؛ إذ هو مجرد انتقال من مكان إلى مكان، فليس فی نفسه قربة، ولهذا لا يجب بسائر الألفاظ، إلا أنا أوجبنا على الناذر الإحرام فی لفظ المشی إلى بيت الله أو الكعبة أو مكة للعرف؛ إذ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اگر کہیں عرف میں ان الفاظ سے حج وعمرہ کا التزام مراد لیا جاتا ہو، جیسا کہ آج کل ہمارے عرف میں یہی مراد لیا جایا کرتا ہے، تو پھر ان الفاظ سے بھی نذر و منت منعقد ومعتبر

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

جرى عرف الناس على استعمال هذه الألفاظ كناية عن التزام الإحرام، ولم يتعارفوا على استعمال غيرها من الألفاظ، فيقال :مشى إلى مكة والكعبة وبيت الله، ولا يقال :مشى إلى الحرم أو المسجد الحرام، والكناية يتبع فيها عين اللفظ لا المعنى، بخلاف المجاز فإنه يراعى فيه المعنى اللازم المشهور فى محل الحقيقة؛ لأن الكناية ثابتة بالاصطلاح كالأسماء الموضوعة، فيتبع فيها العرف واستعمال اللفظ، بخلاف المجاز ووجه ما ذهب إليه الصاحبان من صحة النذر بالمشى إلى المسجد الحرام أو إلى الحرم، ولزوم مشى الناذر إلى ذلك فى حج أو عمرة أن من نذر المشى إلى الحرم أو إلى المسجد الحرام هو بمثابة من نذر المشى إلى بيت الله أو مكة، لأن الحرم يشتمل على البيت وعلى مكة، فلزم الناذر المشى إلى ذلك فى حج أو عمرة ووجه ما ذهب إليه الحنفية من عدم صحة النذر بالمشى إلى الصفا والمروة أو مسجد الخيف أن من نذر المشى إلى الصفا والمروة أو مسجد الخيف ونحو ذلك من المواضع لا يلزمه شىء بخلاف من نذر المشى إلى مكة أو الكعبة أو بيت الله، حيث يلزمه الحج أو العمرة ماشيا؛ وذلك لأن كل واحد من هذه الألفاظ (الكعبة، مكة، وبيت الله) يستعمل عند استعمال الآخر، فيقال :فلان مشى إلى بيت الله، وإلى الكعبة، وإلى مكة، ولا يقال :مشى إلى الصفا والمروة، ولهذا فلا يلزم بنذر المشى إلى هذه شىء ويضاف إلى ذلك أن من نذر المشى إلى الصفا والمروة أو مسجد الخيف أو نحو ذلك من المواضع، قد أوجب على نفسه التحول من مكان إلى مكان آخر، وذلك ليس بقربة مقصودة؛ لأنه لا قربة فى نفس المشى، وإنما القربة فى الإحرام، وهو ليس بمذكور، ولا يصح النذر بما ليس بقربة .

المذهب الثالث :يرى من ذهب إليه أن من نذر المشى إلى مكة أو المسجد الحرام أو الحجر لزمه المشى إلى ذلك فى حج أو عمرة، بخلاف من نذر المشى إلى الصفا والمروة، أو منى أو عرفة، أو مزدلفة أو ذى طوى، أو الحرم أو جبال الحرم فلا يلزمه شىء ، وهو قول لمالک، وابن القاسم، وقال ابن حبيب :إن قال :على المشى إلى الحجر أو إلى الحطيم أو زمزم، لم يلزمه شىء من ذلک عند ابن القاسم واستدلوا :بأن من نذر المشى إلى مكة أو إلى المسجد الحرام أو الكعبة إنما لزمه المشى إلى ذلک فى حج أو عمرة؛ لأن ذلک يحتوى على البيت الحرام، والبيت لا يؤتى إليه إلا فى حج أو عمرة، بخلاف غير ذلک من المواضع :كمنى أو عرفة أو ذى طوى أو مزدلفة أو نحوها، فلا يلزم الناذر بالمشى إليها شىء ؛ لأنه ليس بها بيت يحج إليه أو يزار (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص ۱۹۸تا ص ۲۰۰، نذر المشى إلى بلد الله الحرام أو بقعة منها)

ہوجائے گی، اور حج وعمرہ میں سے کوئی ایک لازم ہوجائے گا۔ ؎ۡ

مسئلہ نمبر۷ ...... اگر کسی نے حج کرنے کی نذر ومنت مانی، اور اس پر حج کی شرائط پائی جانے کی وجہ سے حج بھی فرض تھا، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی نذر ومنت کی وجہ سے اس پر الگ سے حج فرض نہیں ہوگا، بلکہ جو حج شریعت کی طرف سے فرض ہے، وہی حج کرنا فرض ہوگا، اور جب یہ فرض حج کرلے گا، تو نذر والا حج کرنا اس پر الگ سے واجب نہیں ہوگا۔ ؎۲

---

۱ ملحوظ رہے کہ فقہائے احناف نے مشی اور ذہاب کے الفاظ میں فرق کیا ہے، اور ذہاب کے الفاظ سے نذر منعقد نہ ہونے کو عرف کی وجہ سے غیر معتبر قرار دیا ہے؛ جبکہ ہمارے آج کل کے عرف میں چلنے اور جانے میں کوئی خاص فرق نہیں کیا جاتا، بلکہ عام طور پر سواریوں پر سفر رائج ہونے کی وجہ سے چلنے کے بجائے جانے کے الفاظ رائج ہیں، اور اس کے برعکس چلنے یا پیدل جانے کے الفاظ عموماً رائج نہیں، اس لئے جس طرح چلنے کے الفاظ سے نذر منعقد ہوجاتی ہے، اسی طرح ہمارے عرف کے پیشِ نظر جانے کے الفاظ سے بھی منعقد ہوجانی چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔

وقد ذكرنا أنه ثمان فصول فى ثلاث يلزم بلا خلاف فى المشى إلى بيت الله تعالى أو الكعبة أو مكة، وفى ثلاث لا يلزمه شيء بالاتفاق، وهو إذا نذر الذهاب إلى مكة، أو السفر إلى مكة، أو الركوب وفى فصلين خلاف، وهو ما إذا نذر المشى إلى الحرم أو المسجد الحرام .كان أبو حنيفة -رحمه الله تعالى -يأخذ فيهما بالقياس، وهما بالاستحسان (المبسوط للسرخسى، ج۸، ص۱۳۸، كتاب الايمان)

قال -رحمه الله -(بخلاف الخروج أو الذهاب إلى بيت الله تعالى أو المشى إلى الحرم أو الصفا والمروة) أى بخلاف ما إذا قال على الخروج أو الذهاب إلى بيت الله تعالى أو على المشى إلى الحرم أو إلى الصفا والمروة حيث لا يلزمه شيء بهذه العبارة وكذا إذا قال على المشى إلى المسجد الحرام لا يلزمه شيء لأن التزام الحج أو العمرة بهذه العبارات غير متعارف واللزوم للعرف ولا يمكن إيجابه باعتبار حقيقة اللفظ فامتنع أصلا وهذا على إطلاقه قول أبى حنيفة -رحمه الله -وقالا فى قوله على المشى إلى الحرم أو إلى المسجد الحرام عليه حجة أو عمرة لأن الحرم والمسجد الحرام شامل للبيت فصار ذكره كذكره بخلاف الصفا والمروة لأنهما منفصلان عنه وجوابه ما ذكرنا أن المعتبر فيه العرف وليس فيه عرف ولا مدخل للقياس فيه ولهذا لا يلزمه بلفظة الذهاب والخروج وإن قال إلى بيت الله تعالى (تبيين الحقائق، ج۳، ص۱۵۳، كتاب الايمان، باب اليمين فى البيع والشراء والتزوج والصوم والصلاة وغيرها)

۲ جبکہ دیگر فقہائے کرام کی آراء اس میں مختلف ہیں۔

اختلف الفقهاء فيما يجب على من نذر أن يحج من عامه وعليه حجة الإسلام، وذلك على مذاهب ثلاثة:

المذهب الأول :يرى أصحابه أنه لا يلزمه شيء غير هذه الحجة؛ إذ تجزئه عن حجة الإسلام وعن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... اگر کوئی طواف کی نذر ومنت مانے، تو راجح یہ ہے کہ یہ نذر ومنت منعقد ومعتبر ہوجاتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نذره، ولا يجب عليه حج آخر، روى هذا عن ابن عباس -رضى الله عنهما -وهو قول عكرمة، وإليه ذهب الحنفية، وهو رواية عن أحمد قدمها الحنابلة، وهو قول عند المالكية إذا نوى نذره وفريضته، واستدلوا بما روى عكرمة عن ابن عباس -رضى الله عنهما -أنه قال فى رجل نذر أن يحج ولم يكن حج الفريضة " :يجزء لهما جميعا ولأن من نذر الحج قد نذر عبادة فى وقت معين، وقد أتى بها فيه، فتجزء عن نذره وعن فرضه، كما لو قال :لله على أن أصوم رمضان.

المذهب الثانى :يرى أصحابه أنه يلزمه أن يبدأ بحجة الإسلام، ثم يحج لنذره بعد ذلك، روى هذا عن ابن عمر وأنس -رضى الله عنهم -وعروة بن الزبير، وهو قول عند المالكية إذا نوى نذره وفريضته، وهو رواية عن أحمد، وهو مذهب الشافعية إن نوى غير الفرض فإن نوى الفرض أو أطلق لم ينعقد نذره واستدل الشافعية بأنه إن نوى الفرض بنذره فإنه لا ينعقد كما لو نذر الصلاة المكتوبة أو صوم رمضان، وكذلك إن أطلق؛ إذ لا ينعقد نسك محتمل وقالوا :إن الحج المنذور وحجة الإسلام عبادتان تجبان بسببين مختلفين، فلم تسقط إحداهما بالأخرى، كما لو نذر حجتين.

المذهب الثالث :يرى المالكية أن من نذر الحج من عام النذر وعليه حجة الإسلام، ونوى أداء نذره وفريضته، أجزأه لنذره لا لفرضه، وعليه قضاء الفريضة قابلا، وهو مذهب المدونة، ولو أحرم ولم ينو فرضا ولا نذرا انصرف للفرض كمن أحرم بحج ولم ينو فرضا ولا نفلا فإنه ينصرف إلى الحج (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص ۲۰۱ وص ۲۰۲، نذر حج البيت هذا العام ممن عليه حجة الإسلام)

[1] ملحوظ رہے کہ بعض اہلِ علم حضرات نے طواف کی نذر کو غیر معتبر قرار دیا ہے، اور یہ فرمایا ہے کہ طواف عبادتِ مقصودہ نہیں، بلکہ اصل مقصود بیتُ اللہ کی تعظیم ہے؛ مگر یہ بات راجح نہیں ہے، کیونکہ اوّلاً تو طواف عبادتِ مقصودہ ہے، اور اسی وجہ سے صرف طواف بھی عبادت کے طور پر مشروع ہے، اگرچہ اس کے ساتھ سعی اور عمرہ وحج شامل نہ ہو، دوسرے خود حج اور عمرہ بھی بیتُ اللہ کی تعظیم کے طور پر ثابت ہے، مگر اُس کی نذر بالاتفاق منعقد ہوجاتی ہے، بلکہ احرام جو کہ حج یا عمرہ کے لئے ہی شرط ہے، خود سے عبادتِ مقصودہ نہیں، اُس کی نذر بھی منعقد ہوجاتی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، اور اس سے بڑھ کر بیت اللہ کی طرف مشی کی نذر سے جو حج یا عمرہ کوئی ایک لازم ہوتا ہے، اس کی وجہ بھی التزامِ احرام کا مراد ہونا، اور پھر اس کے نتیجہ میں حج یا عمرہ کا وجوب ہے۔

لزوم الحجة أو العمرة ثبت تعظيما للبقعة (بدائع الصنائع، ج۲، ص ۱۶۶، كتاب الحج، فصل بيان مكان الإحرام)

تیسرے فقہائے کرام نے گھسٹ کر طواف کی نذر کو معتبر قرار دیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے؛ جس سے معلوم ہوا کہ اس شرط کے بغیر طواف کی نذر بدرجہ اولیٰ معتبر ہوجاتی ہے، کیونکہ طواف میں گھسٹنا عبادت نہیں، اس لئے گھسٹنے کی قید لغو ہوجاتی ہے،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر کسی نے یہ نذر ومنت مانی کہ وہ گھسٹ کر طواف کرے گا، تو اس نذر ومنت کی وجہ سے اُس پر چل کر طواف کرنا لازم ہوجائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور اصل نذر لازم ہوجاتی ہے۔

وفي الخانية ولو قال :على الطواف بالبيت والسعي بين الصفا والمروة أو على أن أقرأ القرآن إن فعلت كذا لا يلزمه شيء .اهـ.

قلت :وهو مشكل فإن القراءة عبادة مقصودة ومن جنسها واجب، وكذا الطواف فإنه عبادة مقصودة أيضا ثم رأيت في لباب المناسك قال في باب أنواع الأطوفة :الخامس طواف النذر وهو واجب ولا يختص بوقت فهذا صريح في صحة النذر به (ردالمحتار، ج۳، ص۷۳۸، كتاب الايمان)

أنواع الطواف:

يتنوع الطواف بحسب سبب مشروعيته إلى سبعة أنواع، وهي:

طواف القدوم، طواف الزيارة، طواف الوداع، طواف العمرة، طواف النذر، طواف تحية المسجد الحرام، طواف التطوع .كذا عدها الحنفية والمالكية والحنابلة.

وعدها الشافعية ستة :طواف القدوم، طواف الركن، طواف الوداع، طواف ما يتحلل به في الفوات، طواف النذر، طواف التطوع .... خامسا :طواف النذر :وهو واجب، ولا يختص بوقت إذا لم يعين الناذر في نذره للطواف وقتا. والتفصيل في مصطلح :(نذر) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۱۲۱تاص۱۲۳ ملخصاً، مادة "طواف")

[1] ولو نذر طوافا زحفا لزمه ماشيا ولو شرع متنفلا زحفا فمشيه أفضل (الدرالمختار)

(قوله والمشي فيه إلخ) فلو تركه بلا عذر أعاده وإلا فعليه دم لأن المشي واجب عندنا على هذا نص المشايخ وهو كلام محمد، وما في الخانية من أنه أفضل تساهل أو محمول على النافلة لا يقال بل ينبغي في النافلة أن تجب صدقة لأنه إذا شرع فيه وجب فوجب المشي لأن الفرض أن شروعه لم يكن بصفة المشي، والشروع إنما يوجب ما شرع فيه كذا في الفتح (قوله لزمه ماشيا).

قال صاحب اللباب في منسكه الكبير ثم إن طافه زحفا أعاده كذا في الأصل، وذكر القاضي في شرح مختصر الطحاوي أنه يجزيه لأنه أدى ما أوجب على نفسه وتمامه في شرح اللباب (ردالمحتار، ج۲، ص۴۶۸، و۴۶۹، كتاب الحج)

ولو أوجب على نفسه أن يطوف بالبيت زحفا، وهو قادر على المشي عليه أن يطوف ماشيا؛ لأنه نذر إيقاع العبادة على وجه غير مشروع فلغت الجهة، وبقي النذر بأصل العبادة كما إذا نذر أن يطوف للحج على غير طهارة فإن طاف زحفا أعاد إن كان بمكة، وإن رجع إلى أهله فعليه دم؛ لأنه ترك الواجب كذا ذكر في الأصل، وذكر القاضي في شرحه مختصر الطحاوي أنه إذا طاف زحفا أجزأه؛ لأنه أدى ما أوجب على نفسه فيجزئه كمن نذر أن يصلي ركعتين في الأرض المغصوبة أو يصوم يوم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸...... اگر کسی نے احرام باندھنے کی نذر ومنت مانی، تو اس کی یہ نذر ومنت معتبر ومنعقد ہوجاتی ہے، اور اُسے اس نذر ومنت کے نتیجہ میں احرام باندھ کر حج یا عمرہ میں سے کوئی ایک عمل کرنا ضروری ہوجاتا ہے، کیونکہ احرام حج یا عمرہ کے لئے ہی باندھا جاتا ہے، اور احرام سے نکلنے کا شرعی اختیاری طریقہ یہی ہے کہ حج یا عمرہ کوئی ایک عمل کیا جائے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۹...... اگر کسی نے مدینہ منورہ یا بیتُ المقدس یا مسجدِ نبوی یا مسجدِ اقصیٰ کی طرف جانے کی نذر ومنت مانی، تو حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔

اور حنابلہ کے نزدیک اس پر یہ نذر ومنت لازم ہوجائے گی۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

النحر أنه يجب عليه أن يصلى فى موضع آخر ويصوم يوما آخر، ولو صلى فى الأرض المغصوبة، وصام يوم النحر أجزأه، وخرج عن عهدة النذر كذا هذا، وعلى هذا أيضا يخرج ما إذا طاف محمولا أنه إن كان لعذر جاز، ولا شىء عليه، وإن كان لغير عذر جاز، ويلزمه الدم؛ لأن الطواف ماشيا، واجب عند القدرة على المشى، وترك الواجب من غير عذر يوجب الدم (بدائع الصنائع، ج۲، ص۱۳۰، كتاب الحج، فصل شرط وواجبات طواف الزيارة)

[1] ولو قال :لله على إحرام :أو قال على إحرام صح وعليه حجة أو عمرة، والتعيين إليه (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج۲، ص۲۲۳، كتاب الحج، فصل سبب وجوب الحج)

نذر بالإحرام فإنه يلزمه أن يحرم بأحد النسكين (تبيين الحقائق، ج۲، ص۴۳، كتاب الحج، باب : مجاوزة الميقات بغير إحرام)

[2] اختلف الفقهاء فيمن نذر المشى إلى المدينة المنورة وبيت المقدس أو المشى إلى مسجديهما على أقوال:

فذهب الحنفية والشافعية إلى أنه لا يلزمه شىء ، واستدل الحنفية بأن من نذر المشى إلى مسجد المدينة أو المسجد الأقصى فقد أوجب على نفسه التحول من مكان إلى مكان، وذلك ليس بقربة مقصودة لأنه لا قربة فى المشى، ولا يصح النذر بما ليس بقربة .

وقال المالكية :يلغو نذر مشى وذهاب ومسير للمدينة أو إيلياء فلا يلزم ذهابه لهما لا ماشيا ولا راكبا، ومحل عدم لزوم الإتيان لا ماشيا ولا راكبا للبلدين إن لم ينو أو ينذر صلاة بمسجديهما أو يسمهما -أى المسجدين لا البلدين -فإن نوى صلاة فيهما أو سماهما لزمه الإتيان فيركب ولا يلزمه المشى .

وقال الحنابلة :من نذر المشى إلى مسجد المدينة المنورة أو المسجد الأقصى لزمه ذلك، ويلزمه بهذا النذر أن يصلى فى الموضع الذى أتاه ركعتين؛ لأن القصد بالنذر القربة والطاعة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۰...... اگر کوئی شخص اپنی حج وعمرہ کی مانی ہوئی نذر و منت کو پورا کرنے سے پہلے فوت ہوگیا، تو اگر وہ اُس سال حج کا وقت پانے سے پہلے فوت ہوگیا، تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اور مالکیہ کی مشہور روایت کے مطابق اس کی یہ نذر و منت ساقط ہوجائے گی؛ مگر یہ کہ وہ اس کی وصیت کر کے فوت ہو، تو پھر اس کی وصیت کو پورا کرنا وارثوں پر اس کے تہائی ترکہ سے لازم ہوجائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وتحصيل هذا إنما يكون بالصلاة؛ لأن المساجد غير المسجد الحرام إنما تقصد للصلاة، فتضمن ذلك نذره.

واستدلوا بأن مسجد النبى -صلى الله عليه وسلم -أو المسجد الأقصى من المساجد الثلاثة التى لا تشد الرحال إلا إليها؛ لاشتراكها فى عظم الفضيلة وزيادة ثواب الصلاة فيها عن غيرها من المساجد، فيلزم المشى إليهما بالنذر كالمسجد الحرام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص ۲۰۱، نذر المشى إلى المدينة المنورة وبيت المقدس أو مسجديهما)

[1] الموت قبل فعل الطاعة المنذورة :من نذر طاعة لله تعالى ومات قبل فعلها، إما أن يكون ما نذره حجا أو صياما أو اعتكافا أو صلاة أو صدقة، أو غيرها، وتفصيل ذلك فيما يلى :أولا :موت من نذر الحج قبل أدائه :من نذر الحج ومات قبل أدائه، إما أن يكون موته قبل تمكنه من أداء الحج، أو بعد تمكنه من أدائه ولم يؤده .

أ -موت من نذر الحج قبل تمكنه من أدائه.

اختلف الفقهاء فى حكم من مات قبل تمكنه من أداء الحج الذى وجب عليه بالنذر، بأن مات قبل حج الناس من سنة الوجوب، وذلك على اتجاهين :الاتجاه الأول :يرى أصحابه أن من لم يتمكن من أداء الحج الواجب عليه بالنذر حتى مات فإنه يسقط عنه، ولا يؤدى عنه إلا إذا أوصى به، فإن وصى به حج عنه من ثلث ماله، ولا تجب على الوارث أو الولى أن يأمر بالحج عنه بماله (أى بمال الوارث أو الولى) . قال به :ابن سيرين، وحماد بن أبى سليمان، وحميد الطويل، والشعبى، وعثمان البتى، وإبراهيم النخعى، وإليه ذهب الحنفية، والمالكية على المشهور، والشافعية واستدلوا بأن من وجب عليه الحج بالنذر قد مات قبل التمكن من الأداء ، فسقط عنه ما وجب عليه، كما لو هلك النصاب قبل التمكن من إخراج الزكاة منه وبأن الحج عبادة بدنية، فتسقط بموت من وجبت عليه كالصلاة وبأن الحج عبادة، وكل ما كان كذلك فلا بد فيه من الاختيار، وذلك فى الإيصاء دون الوراثة، لأنها جبرية، والإيصاء تبرع ابتداء ، ولأن الحج فعل مكلف به، وقد سقطت الأفعال بالموت، فصار الحج كأنه سقط فى حق الدنيا، فكانت الوصية بما يحج به عنه تبرعا، وهذه الوصية تعتبر من الثلث.

الاتجاه الثانى :يرى من ذهب إليه أن من نذر الحج ولم يتمكن من أدائه حتى مات، فإنه يخرج من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر اس نے نذر و منت ماننے کے بعد حج کا وقت پالیا تھا، اور پھر اس نے حج نہیں کیا، اور وہ وصیت کئے بغیر فوت ہوگیا، تو بھی حنفیہ کے نزدیک اس کی نذر و منت ساقط ہو جائے گی۔ اور شافعیہ وغیرہ کے نزدیک یہ نذر و منت ساقط نہیں ہوگی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جميع ماله ما يحج به عنه، إن لم يوجد من يتطوع بالحج عنه، سواء أوصى بذلك أو لم يوص به، روى هذا عن ابن عباس، وأبي هريرة -رضي الله عنهم، وهو قول سعيد بن جبير، وعطاء، وطاوس، والضحاك، والحسن البصري، والثوري، والأوزاعي، وعبد الرحمن بن أبي ليلى، وإسحاق، وإليه ذهب الحنابلة واستدلوا بقوله تعالى :من بعد وصية يوصى بها أو دين وبما ورد عن ابن عباس -رضي الله عنهما -قال :أتى رجل النبي -صلى الله عليه وسلم -فقال له :إن أختي نذرت أن تحج وإنها ماتت، فقال النبي -صلى الله عليه وسلم :لو كان عليها دين أكنت قاضيه؟ قال :نعم، قال: فاقض الله فهو أحق بالقضاء وبما ورد عن ابن عباس -رضي الله عنهما -أن امرأة من جهينة جاء ت إلى النبي -صلى الله عليه وسلم -فقالت :إن أمي نذرت أن تحج، فلم تحج حتى ماتت، أفأحج عنها؟ قال :نعم حجي عنها، أرأيت لو كان على أمك دين أكنت قاضيته؟ اقضوا الله، فالله أحق بالوفاء وقالوا :إن الحج الذي وجب على هذا الناذر، حتى استقر عليه تدخله النيابة، فلا يسقط بموته كالدين الذي وجب عليه، وبأن هذا الحج المنذور دين استقر في ذمة الناذر ويجب الوفاء به فكان من جميع ما ترك كدين الآدمي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص ۲۱۱، و ص۲۱۲، الموت قبل فعل الطاعة المنذورة)

[1] موت من نذر الحج بعد تمكنه من أدائه ولم يؤده حتى مات.

اختلف الفقهاء في حكم من مات بعد أن تمكن من أداء الحج الذي أوجبه على نفسه بالنذر، إلا أنه لم يؤده حتى مات، وذلك على مذهبين :المذهب الأول :يرى أصحابه أن من مات بعد التمكن من أداء الحج الواجب عليه بالنذر، فإنه يقضى عنه من تركته، بأن يخرج من جميع ماله ما يؤدى به ذلك عنه، سواء أوصى به أو لم يوص، ولا يسقط عنه بموته، روى هذا عن ابن عباس، وأبي هريرة -رضي الله عنهم -، وقال به الحسن البصري، وطاوس، والثوري، والأوزاعي، والضحاك، وعبد الرحمن بن أبي ليلى، وإسحاق، وسعيد بن المسيب، وعطاء، وسعيد بن جبير، وإليه ذهب الشافعية، ويرون أن الميت إن لم يخلف مالا يحج منه النذر، فلا يلزم الوارث الحج عنه، لكن يستحب له أداؤه عنه، فإن حج عنه الوارث بنفسه أو استأجر من يحج عنه أجزأ عن الحج الواجب على الميت، وإلى هذا المذهب ذهب الحنابلة واستدلوا بقوله تعالى :من بعد وصية يوصى بها أو دين وبما ورد عن ابن عباس -رضي الله عنهما -استفتى سعد بن عبادة الأنصاري رسول الله -صلى الله عليه وسلم -في نذر كان على أمه، توفيت قبل أن تقضيه، فأفتاه أن يقضيه وبما روى عن ابن عباس -رضي الله عنهما -أن امرأة من جهينة جاء ت إلى النبي -صلى الله عليه وسلم -فقالت: "إن أمي نذرت أن تحج، فلم تحج حتى ماتت، أفأحج عنها؟ قال :نعم حجي عنها، أرأيت لو كان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حج وعمرہ کی نذر ومنت کے احکام کا بیان مکمل ہوا
اب حجِ بدل اور دوسرے کی طرف سے حج وعمرہ کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

علی أمک دین أکنت قاضیته؟ اقضوا الله فالله أحق بالوفاء "وبما ورد عن ابن عباس -رضی الله عنهما -أن رجلا أتی النبی -صلی الله علیه وسلم -فقال :إن أختی نذرت أن تحج، وإنها ماتت، فقال النبی -صلی الله علیه وسلم " :لو کان علیها دین أکنت قاضیه؟ قال :نعم، قال :فاقض الله فهو أحق بالقضاء "وبما روی عن ابن عباس -رضی الله عنهما " :أن امرأة أتته فقالت :إن أمی ماتت وعلیها حج، أفأحج عنها؟ فقال :هل کان علی أمک دین؟ قالت :نعم، قال فما صنعت؟ قالت :قضیته عنها، قال :فالله خیر غرمائک، حجی عن أمک "وبما روی عن ابن عباس -رضی الله عنه -أنه قال " :إذا مات وعلیه نذر قضی عنه ولیه "

وقالوا :إن الحج الذی أوجبه الناذر علی نفسه حق لزمه فی حال الحیاة واستقر علیه، وهو مما تدخله النیابة، فلم یسقط بموت من وجب علیه کدین الآدمی.

واستدلوا کذلک بأن هذا الحج الذی استقر فی ذمة الناذر دین یجب الوفاء به، فکان من رأس مال ترکته، کدین الآدمی.

المذهب الثانی :یری من ذهب إلیه أن من مات بعد أن تمکن من الحج الواجب علیه بالنذر ولم یؤده حتی مات، فإنه یسقط عنه بموته، إلا أن یوصی بأدائه عنه، فإن أوصی به حج عنه من ثلث ماله، ولا یجب علی ولیه أن یأمر بالحج عنه من مال نفسه، قال به الشعبی، والنخعی، وابن سیرین، وحماد بن أبی سلیمان، وحمید الطویل، وداود بن أبی هند، وعثمان البتی، وإلیه ذهب الحنفیة، والمالکیة واستدلوا بما روی نافع عن ابن عمر -رضی الله عنهما -أنه کان یقول " :لا یصلی أحد عن أحد، ولا یصوم أحد عن أحد، ولا یحج أحد عن أحد، قال عبد الله :ولو کنت أنا أفعل ذلک لتصدقت وأهدیت "وبأن الحج عبادة بدنیة فتسقط بموت من وجبت علیه کالصلاة وبأن النیة شرط إجزاء العبادة، لیتحقق أداء المکلف لها اختیارا منه، فیظهر اختیاره الطاعة من اختیاره المعصیة، الذی هو المقصود من التکلیف، وفعل الوارث من غیر أمر المبتلی بالأمر والنهی لا یحقق اختیاره، بل إنه لما مات من غیر فعل ولا أمر فقد تحقق عصیانه، بخروجه من دار التکلیف بغیر امتثال لما کلف به، وهذا یقرر علیه موجب العصیان، فلیس فعل الوارث الفعل المأمور به، فلا یسقط به الواجب کما لو تبرع به حال حیاته، ومن ثم فإن المقصود من حقوق الله تعالی إنما هی الأفعال، لأنها التی تظهر الطاعة والامتثال، وقد سقطت الأفعال کلها بالموت، لتعذر ظهور طاعته بها فی دار التکلیف، فکان الإیصاء بالمال الذی هو متعلق الأفعال تبرعا من المیت ابتداء فیعتبر من الثلث (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۴۰، ص ۲۱۲ تا ۲۱۵، موت من نذر الحج بعد تمکنه من أدائه ولم یؤده حتی مات)

حجِ بدل اور دوسرے کی طرف سے حج وعمرہ کا حکم

شرعی اعتبار سے بعض اوقات مخصوص شرائط کے ساتھ دوسرے مسلمان کی طرف سے بھی حج یا عمرہ کرنا جائز ہے۔

پہلے اس سلسلہ میں چند احادیث وروایات ملاحظہ فرمائیں، جس کے بعد اس سلسلہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ مسائل واحکام ذکر کئے جائیں گے۔

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ امْرَأَةً مِنْ خَثْعَمَ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ أَبِي شَيْخٌ كَبِيرٌ، عَلَيْهِ فَرِيْضَةُ اللّٰهِ فِي الْحَجِّ، وَهُوَ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَّسْتَوِيَ عَلٰى ظَهْرِ بَعِيرِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَحُجِّي عَنْهُ (مسلم) [1]

ترجمہ: خثعم قبیلہ کی ایک عورت نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے والد بہت بوڑھے ہیں، ان پر اللہ کا فریضہ حج لازم ہے، اور وہ اپنی سواری کی پیٹھ پر صحیح طرح بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ ان کی طرف سے حج کرلیں (مسلم)

اور نسائی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

إِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْحَجِّ عَلٰى عِبَادِهِ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا، لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَّرْكَبَ إِلَّا مُعْتَرِضًا، أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، حُجِّي عَنْهُ، فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَضَيْتِيهِ؟ (سنن نسائی) [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۳۳۵ ”۴۰۸“ كتاب الحج، باب الحج عن العاجز لزمانة وهرم ونحوهما، أو للموت.

[2] رقم الحديث ۵۳۸۹، كتاب آداب القضاة، باب الحكم بالتشبيه والتمثيل.

ترجمہ: اللہ عزوجل کی طرف سے حج کا فریضہ (یعنی حج کے فریضے کا زمانہ) اس کے بندوں پر آ چکا ہے، جس نے میرے باپ کو بڑھاپے کی حالت میں پالیا ہے، جو کہ سواری پر چوڑائی میں ہی سوار ہو سکتے ہیں (یعنی لیٹ کر سوار ہو سکتے ہیں، بیٹھ کر نہیں) تو کیا میں ان کی طرف سے حج کرلوں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک آپ اُن کی طرف سے حج کرلیں، اگر اُن پر قرض ہوتا، تو آپ اس کو بھی ادا کرتیں (نسائی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبِیْ اَدْرَکَہُ الْحَجُّ وَھُوَ شَیْخٌ کَبِیْرٌ لَایَثْبُتُ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ فَاِنْ شَدَدْتُہٗ خَشِیْتُ اَنْ یَّمُوْتَ اَفَاَحُجُّ عَنْہُ قَالَ اَرَأَیْتَ لَوْ کَانَ عَلَیْہِ دَیْنٌ فَقَضَیْتَہٗ اَکَانَ مُجْزِئًا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَحُجَّ عَنْ اَبِیْکَ (نسائی) [1]

ترجمہ: ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے والد کو حج نے پالیا ہے (یعنی ان پر حج فرض ہو چکا ہے)، اور وہ عمر رسیدہ بزرگ ہیں، جو سواری پر صحیح طرح بیٹھ بھی نہیں سکتے، اور اگر میں انہیں (سواری پر رسی وغیرہ سے) باندھ کر بٹھاؤں تو ان کے فوت ہونے کا خوف ہے، تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتا ہوں؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے کہ اگر ان پر کوئی قرض ہوتا تو کیا آپ اس کو ادا کرتے، تو کیا ان کی طرف سے ادائیگی نہ ہو جاتی؟

---

[1] رقم الحدیث ۲۶۴۰، کتاب مناسک الحج، تشبیہ قضاء الحج بقضاء الدین.
وھذہ قصۃ اخری، ومن وحد بینھاوبین حدیث الخثعمی فقد ابعد وتکلف(فتح الباری لابن حجر، ج۴ص ۶۹، کتاب الحج ،باب حج المرأۃ عن الرجل)

اس شخص نے عرض کیا کہ بے شک اس کی ادائیگی تو ہو جاتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پس (اسی طرح) آپ اپنے والد کی طرف سے حج کرلیں (وہ بھی قرض کی طرح ادا ہو جائے گا) (نسائی)

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ مِنْ خَثْعَمٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَبِىْ اَدْرَكَهُ الْاِسْلَامُ وَهُوَ شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَايَسْتَطِيْعُ رُكُوْبَ الرَّحْلِ وَالْحَجُّ مَكْتُوْبٌ عَلَيْهِ اَفَاَحُجُّ عَنْهُ قَالَ اَنْتَ اَكْبَرُ وَلَدِهٖ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ عَلٰى اَبِيْكَ دَيْنٌ فَقَضَيْتَهٗ عَنْهُ اَكَانَ ذٰلِكَ يُجْزِئُ عَنْه قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاحْجُجْ عَنْهُ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: قبیلۂ خثعم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے والد کو اسلام (یا اسلام کے رکن یعنی حج) نے پالیا ہے، اور وہ عمر رسیدہ بزرگ ہیں جو سواری پر سوار ہونے کی طاقت نہیں رکھتے، اور حج ان پر فرض ہو چکا ہے، تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتا ہوں؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ ان کی اولاد میں بڑے ہیں، اس شخص نے عرض کیا کہ جی ہاں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ کہ اگر آپ کے والد پر قرض ہوتا، پھر آپ اسے ادا کر دیتے تو کیا آپ کے اس عمل سے وہ قرض ادا ہو جاتا؟

اس شخص نے عرض کیا کہ بے شک، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اسی طرح) آپ اپنے والد کی طرف سے حج کرلیں (مسند احمد)

---

[1] رقم الحدیث ۱۶۱۲۵، سنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث ۳۶۰۴، سنن دارمی، رقم الحدیث ۱۸۷۸.

فی حاشیة احمد: حدیث صحیح دون قوله" :أنت أكبر ولده"

اس قسم کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معذور شخص کی طرف سے حجِ بدل کرنا جائز ہے۔ [1]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ: لَبَّيْکَ عَنْ شُبْرُمَةَ، قَالَ: مَنْ شُبْرُمَةُ؟ قَالَ: أَخٌ لِيْ - أَوْ قَرِيْبٌ لِيْ - قَالَ: حَجَجْتَ عَنْ نَفْسِکَ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: حُجَّ عَنْ نَفْسِکَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ

(ابوداؤد) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے اللہ! شبرمہ کی طرف سے لبیک، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبرمہ کون ہے؟

اُس نے عرض کیا کہ میرا بھائی ہے یا (یہ کہا کہ) کہ میرا عزیز ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ نے اپنا حج کرلیا ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ نہیں؛ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے اپنا حج کیجئے، پھر آپ شبرمہ کی طرف سے حج کیجئے (ابوداؤد)

مطلب یہ تھا کہ اپنا حج چھوڑ کر دوسرے کی طرف سے حج کرنا مناسب طریقہ نہیں ہے، لہٰذا

---

[1] قال ابن الملک وفيه دليل على وجوب الحج على الزمن، والشيخ العاجز عن الحج بنفسه، وهو قول الشافعی -رحمه الله -اهـ، يعنى خلافا لأبى حنيفة.

قال ابن الهمام رحمه الله يعنى إذا لم يسبق الوجوب حالة الشيخوخة بأن لم يملک ما يوصله إلا بعدها، وظاهر الرواية عنهما يجب الحج عليه، إذا ملک الزاد والراحلة ومؤنة من يرفعه ويضعه ويقوده إلى المناسک، وهو رواية الحسن عن أبى حنيفة.

وإذا عجز وجب عليه الإحجاج للزومه الأصل وهو الحج بالبدن، فيجب عليه البدل وهو الإحجاج وجه قولهما حديث الخثعمية إن فريضة الحج أدركت أبى وهو شيخ كبير لا يستمسک على الراحلة أفأحج عنه قال أرأيت لو كان على أبيک دين فقضيته عنه أكان يجزء عنه، قالت نعم قال فدين الله أحق ولنا قوله تعالى :(من استطاع إليه سبيلا) قيد الإيجاب به، والعجز لازم مع هذه الأمور لا الاستطاعة، (أفأحج عنه) أى أيصح من أن أكون نائبة عنه فأحج عنه (قال نعم) دل على أن حج المرأة يصح عن الرجل، وقيل لا يصح لأن المرأة تلبس فى الإحرام ما لا يلبسه الرجل(مرقاة المفاتيح، ج۵ص ۱۷۴۳، كتاب المناسک)

[2] رقم الحديث ۱۸۱۱، كتاب المناسک، باب الرجل يحج عن غيره.

پہلے اپنا حج کیجیے، پھر دوسرے کی طرف سے حج کیجیے۔ [۱]

حضرت ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّــهُ أَتَـى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَـا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّ أَبِيْ شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَا يَسْتَطِيْعُ الْحَجَّ، وَلَا الْعُمْرَةَ، وَلَا الظَّعْنَ، قَالَ: حُجَّ عَنْ أَبِيْكَ وَاعْتَمِرْ (ترمذی) [۲]

ترجمہ: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے والد بہت بوڑھے ہیں جو حج اور عمرہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور نہ سفر کر سکتے ہیں (اگر میں ان کی طرف سے حج و عمرہ کرلوں تو اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے والد کی طرف سے حج کرو اور عمرہ کرو (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کو ثواب پہنچانے کے لئے بھی حج و عمرہ کرنا جائز ہے، خواہ وہ زندہ ہی ہو۔ [۳]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَتٰى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ: إِنَّ أُخْتِيْ قَدْ نَذَرَتْ

---

[۱] قال الطیبی -رحمه الله :دل على أن الصرورة لا يحج عن غيره، وإليه ذهب الأوزاعی والشافعی وأحمد لأن إحرامه عن غيره ينقلب عن نفسه، وذهب مالک والثوری وأصحاب أبی حنيفة رحمهم الله إلى أنه يحج اهـ.إلا أنه يغيره فيحمل الأمر على الندب والعمل بالأولى(مرقاة المفاتيح، ج۵ص ۱۷۵۲، کتاب المناسک)

[۲] رقم الحدیث ۹۳۰، ابواب الحج، باب ما جاء فی الحج عن الشيخ الكبير، والميت.
قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح وإنما ذكرت العمرة عن النبی صلی الله عليه وسلم فی هذا الحديث أن يعتمر الرجل عن غيره وأبو رزين العقيلی :اسمه لقيط بن عامر.

[۳] وعن حديث أبی رزين بأنه -عليه الصلاة والسلام -إنما أمره بأن يحج ويعتمر عن أبيه وحجه واعتماره عن أبيه ليس بواجب، مع أن قول أبی رزين لا يستطيع الحج ولا العمرة يقتضی عدم وجوبها على أبيه، فيكون الأمر فی حديث أبی رزين للاستحباب، كذا ذكره الشمنی (مرقاة المفاتيح، ج۵ص ۱۷۵۱، کتاب المناسک)

أَنْ تَحُجَّ، وَإِنَّهَا مَاتَتْ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ كَانَ عَلَيْهَا دَيْنٌ أَكُنْتَ قَاضِيَهُ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَاقْضِ اللّٰهَ، فَهُوَ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ (بخاری) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے عرض کیا کہ میری بہن نے حج کرنے کی نذر (ومنت) مانی تھی، اور وہ فوت ہوگئی ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آپ کی بہن پر قرض ہوتا تو کیا آپ اسے ادا کرتے، اُس آدمی نے کہا کہ بے شک؛ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (یہ حج کی نذر اللہ کا حق ہے) آپ اللہ کے حق کو ادا کیجئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو (اپنے حق کی) ادائیگی کے (دوسروں سے) زیادہ مستحق ہیں (بخاری)

اس قسم کی احادیث سے جمہور فقہائے کرام نے دوسرے کی طرف سے بطورِ نیابت اور بطور ایصالِ ثواب کے حج وعمرہ کرنے کے جائز ہونے پر استدلال کیا ہے۔

اب دوسرے کی طرف سے حج وعمرہ کرنے کے متعلق اہم مسائل ملاحظہ فرمائیں:

مسئلہ نمبر ۱...... جب کسی شخص پر حج فرض ہوگیا، اور وہ خود حج کرنے سے معذور ہو، تو جمہور فقہائے کرام کے نزدیک بعض شرائط کے ساتھ دوسرے کو اس کی طرف سے حج کرنا جائز ہوتا ہے، جس کو عربی میں ''حج عن الغیر'' اور ہمارے آج کل کے عرف اور بول چال میں حجِ بدل کہا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٦٦٩٩، كتاب الايمان والنذور، باب من مات وعليه نذر.

[2] أخبرنا مالک أخبرنا أيوب السختيانى عن ابن سيرين :أن رجلا كان جعل عليه أن لا يبلغ أحد من ولده الحلب فيحلب فيشرب ويستقيه إلا حج وحج به قال :فبلغ رجل من ولده الذى قال وقد كبر الشيخ فجاء ابنه إلى النبى صلى الله عليه و سلم فأخبره الخبر فقال إن أبى قد كبر وهو لا يستطيع الحج أفأحج عنه ؟ قال :نعم .

قال محمد :وبهذا نأخذ لا بأس بالحج عن الميت وعن المرأة والرجل إذا بلغا من الكبر ما لا يستطيعان أن يحجا .وهو قول أبى حنيفة والعامة من فقهائنا رحمهم الله تعالى .وقال مالک بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... جس شخص پر حج فرض یا واجب ہو، اور پھر وہ حج نہ کرے، اور وہ آئندہ کے لئے حج کرنے سے عاجز ہو جائے، تو اس کو حنفیہ کے نزدیک دوسرے کے ذریعے سے حج کرانا یا فوت ہونے سے پہلے دوسرے کے ذریعے حج کرانے کی وصیت کرنا واجب ہے، خواہ وہ حجۃ الاسلام یعنی فرض حج ہو، یا واجبُ القضاء ہو، یا نذر ومنت کے نتیجے میں واجب شدہ حج ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أنس :لا أرى أن يحج أحد عن أحد (موطأ محمد، ج۲، ص۳۵۵، باب الحج عن الميت أو عن الشيخ الكبير)

ذهب الجمهور (الحنفية والشافعية والحنابلة) إلى مشروعية الحج عن الغير.

وقابليته للنيابة، وذهب مالك على المعتمد فى مذهبه إلى أن الحج لا يقبل النيابة لا عن الحى ولا عن الميت، معذورا أو غير معذور .وقالوا :إن الأفضل أن يتطوع عنه وليه بغير الحج، كأن يهدى أو يتصدق عنه، أو يدعو له، أو يعتق.استدل الجمهور على مشروعية حج الإنسان عن غيره بالسنة الثابتة المشهورة، وبالعقل.أما السنة :فمنها حديث ابن عباس رضى الله عنه قال :جاء ت امرأة من خثعم عام حجة الوداع، قالت :يا رسول الله :إن فريضة الله على عباده فى الحج أدركت أبى شيخا كبيرا لا يستطيع أن يستوى على الراحلة، فهل يقضى عنه أن أحج عنه؟ قال :نعم وعن ابن عباس أيضا :أن امرأة من جهينة جاء ت إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقالت :إن أمى نذرت أن تحج فلم تحج حتى ماتت أفأحج عنها؟ قال صلى الله عليه وسلم :نعم حجى عنها، أرأيت لو كان على أمك دين أكنت قاضيته؟ . .اقضوا الله، فالله أحق بالوفاء.وأما العقل، فقال الكمال بن الهمام :وكان مقتضى القياس أن لا تجرى النيابة فى الحج، لتضمنه المشقتين البدنية والمالية، والأولى لم تقم بالآمر، لكنه تعالى رخص فى إسقاطه بتحمل المشقة الأخرى، أعنى إخراج المال عند العجز المستمر إلى الموت، رحمة وفضلا، وذلك بأن يدفع نفقة الحج إلى من يحج عنه، بخلاف حال القدرة فإنه لم يعذره لأن تركه ليس إلا لمجرد إيثار راحة نفسه على أمر ربه، وهو بهذا يستحق العقاب، لا التخفيف فى طريق الإسقاط، وإنما شرط دوامه (أى العذر) إلى الموت لأن الحج فرض العمر.وقال ابن قدامة :هذه عبادة تجب بإفسادها الكفارة، فجاز أن يقوم غير فعله فيها مقام فعله، كالصوم إذا عجز عنه افتدى بخلاف الصلاة ،وأخذ المالكية بالأصل، وهو عدم جريان النيابة فى العبادة البدنية، كالصوم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۷۲ وص ۷۳، الحج عن الغير، مشروعية الحج عن الغير)

[1] أولا -شروط وجوب الإحجاج:

يتضمن ذلك شروط الأصيل المحجوج عنه لحجة الفرض .يشترط لوجوب الإحجاج عن المكلف عند الجمهور -خلافا للمالكية :-العجز عن أداء الحج الواجب عليه.

ويشمل ذلك ما يلى:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... جب کسی زندہ شخص کی طرف سے حجِ بدل کیا جائے تو ضروری ہے کہ جس کی طرف سے حجِ بدل کیا جارہا ہے، اس پر حج فرض بھی ہو چکا ہو، اور وہ خود حج کرنے سے عاجز بھی ہو۔

اگر کوئی شخص غریب ہے، جو کہ حج کی مالی استطاعت نہیں رکھتا، اور اس پر زندگی میں ابھی تک سِرے سے حج فرض ہی نہیں ہوا، تو اس کی طرف سے کسی دوسرے کو بھیج کر حجِ بدل کرانا کافی نہیں ہے، اور اس صورت میں دوسرے کے حج کرنے سے اس کے حج کا فریضہ ادا نہیں ہوگا، اور اگر ایسا غریب شخص بعد میں صاحبِ استطاعت اور مالدار ہو جائے، تو اس پر خود حج کرنا ضروری ہوگا۔

اسی طرح اگو کوئی شخص حج کی مالی استطاعت تو رکھتا ہے، لیکن وہ خود جا کر حج کرنے پر قادر ہے، اور اس کو خود حج ادا کرنے میں کوئی شرعی عذر نہیں ہے، تو اس کو خود حج کرنا ضروری ہے،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كل من وجب عليه الحج وهو قادر على الحج بنفسه وحضره الموت يجب عليه الوصية بالإحجاج عنه عند الحنفية .سواء حجة الإسلام، أو النذر، أو القضاء .

ولم يوقف الشافعية وجوب الإحجاج عنه على الوصية إجراء للحج مجرى الديون.

أما المالكية :فلا يوجبون عليه الوصية، ولا يسقط عنه الفرض بأداء الغير عنه -كما هو أصل مذهبهم الذى عرفناه -لكن إذا أوصى نفذت وصيته، وإن لم يوص لم يرسل من يحج عنه.

من توفرت فيه سائر شروط وجوب الحج واختل شيء من شروط الأداء بالنفس، يجب عليه أن يحج عن نفسه، أو يوصى بالإحجاج عنه إذا لم يرسل من يحج عنه.

من توفرت فيه شروط وجوب الحج بنفسه فلم يحج حتى عجز عن الأداء بنفسه يجب عليه أن يحج عنه فى حال حياته، أو يوصى بالإحجاج عنه بعد موته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ص۷۳،وص۷۴، مادة "حج"الحج عن الغير)

اگر کسی پر حج فرض ہوگیا، اور وہ اُسی سال حج کے سفر پر چلا، مگر راستہ میں حج کرنے سے پہلے ہی فوت ہوگیا، تو عندالاحناف اُس پر حجِ بدل کی وصیت واجب نہیں، کیونکہ اُس نے حج فرض ہونے کے بعد اُس کی ادائیگی میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی۔

وجوب الإيصاء إنما يتعلق بمن لم يحج بعد الوجوب إذا لم يخرج إلى الحج حتى مات، فأما من وجب عليه الحج فحج من عامه فمات فى الطريق لا يجب عليه الإيصاء بالحج، لأنه لم يؤخر بعد الإيجاب، ذكره المصنف فى التجنيس (فتح القدير لابن الهمام، ج۲، ص۴۱۷، كتاب الحج)

اور اس حال میں دوسرے کا اس کی طرف سے حجِ بدل کرنا معتبر اور کافی نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... جس شخص کی طرف سے حجِ بدل کرایا جائے، اس کے لئے کیونکہ یہ ضروری ہے کہ وہ خود حج کرنے سے عاجز ہو۔

اور عاجز ہونا یا تو وفات ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ جس پر حج فرض تھا، اس نے حج نہیں کیا، اور اسی حال میں وہ وفات پا گیا، تو اس کے وفات پا جانے کی وجہ سے ثابت ہو گیا کہ اب وہ خود حج کرنے سے عاجز ہو چکا ہے۔

اور یا زندہ ہوتے ہوئے دائمی معذور ہونے کی وجہ سے عاجز ہونا ثابت ہوتا ہے، یعنی جس شخص پر حج فرض ہے، وہ زندہ تو ہے، لیکن اُس کو حج کرنے سے ایسا عذر لاحق ہو گیا ہے کہ جس کے تادمِ حیات ختم ہونے کا بظاہر امکان نہیں ہے، مثلاً بہت زیادہ بوڑھا ہونے کی وجہ سے چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہا۔ [2]

---

[1] شرائط جواز النيابة فى الحج عن الحى :الشرط الأول :أن يكون المحجوج عنه عاجزا عن أداء الحج بنفسه، وله مال يستنيب منه فإذا كان قادرا على الأداء بنفسه، بأن كان صحيح البدن وله مال .فإنه لا يجوز حج غيره عنه لأنه إذا كان قادرا على الأداء ببدنه وله مال يحج به، فالفرض يتعلق ببدنه لا بماله، بل المال يكون شرطا، وإذا تعلق الفرض ببدنه لا تجزى فيه النيابة كالعبادات البدنية المحضة .وكذا لو كان فقيرا صحيح البدن لا يجوز حج غيره عنه؛ لأن المال من شرائط الوجوب فإذا لم يكن له مال لا يجب عليه أصلا، فلا ينوب عنه غيره فى أداء الواجب ولا واجب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۳۲، شرائط جواز النيابة فى الحج عن الحى، الشرط الاول)

وأما شرائط جواز النيابة فمنها :أن يكون المحجوج عنه عاجزا عن أداء الحج بنفسه وله مال فإن كان قادرا على الأداء بنفسه بأن كان صحيح البدن وله مال لا يجوز حج غيره عنه؛ لأنه إذا كان قادرا على الأداء ببدنه وله مال، فالفرض يتعلق ببدنه لا بماله، بل المال يكون شرطا وإذا تعلق الفرض ببدنه لا تجزء فيه النيابة كالعبادات البدنية المحضة .وكذا لو كان فقيرا صحيح البدن لا يجوز حج غيره عنه؛ لأن المال من شرائط الوجوب فإذا لم يكن له مال لا يجب عليه أصلا فلا ينوب عنه غيره فى أداء الواجب ولا واجب(بدائع الصنائع، ج۲ص ۲۱۲،۲۱۳،كتاب الحج)

[2] اگر عذر ومرض دائمی نہ ہو، بلکہ ایسا ہو کہ جس کے زائل ہونے کا بظاہر امکان ہے، اور پھر ایسے مریض ومعذور کی طرف سے اس عذر ومرض کی حالت میں حجِ بدل کیا جائے، تو حنفیہ کے نزدیک یہ حجِ بدل موقوف رہتا ہے، اگر فوت ہونے تک یہ عذر ومرض باقی رہے، تو حجِ بدل معتبر ہو جاتا ہے، اور زائل ہو جائے تو معتبر نہیں ہوتا، جیسا کہ دائمی عذر ومرض کا معاملہ ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵...... اگر کسی زندہ معذور ومریض شخص کی طرف سے حجِ بدل کرانے کے بعد اُس کا عذر ومرض زائل ہوگیا، اور وہ خود حج کرنے کے قابل ہوگیا، تو حنفیہ کے نزدیک بہر حال اس کی طرف سے کیا ہوا حجِ بدل معتبر نہیں رہے گا، بلکہ اس کو خود اپنا حج کرنا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ويتحقق العجز بالموت، أو بالحبس، والمنع، والمرض الذى لا يرجى زواله كالزمانة والفالج، والعمى والعرج، والهرم الذى لا يقدر صاحبه على الاستمساك، وعدم أمن الطريق، وعدم المحرم بالنسبة للمرأة، إذا استمرت هذه الآفات إلى الموت (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۷۳ وص ۷۴، الحج عن الغير، شروط الحج الفرض عن الغير)

باب الحج عن الغير ولا يجوز إلا عن الميت أو عن العاجز بنفسه عجزا مستمرا إلى الموت(الدرالمختار مع ردالمحتار، ج ۱ ص ۱۷۰، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

ومنها :العجز المستدام من وقت الإحجاج إلى وقت الموت، فإن زال قبل الموت لم يجز حج غيره عنه؛ لأن جواز حج الغير عن الغير ثبت بخلاف القياس لضرورة العجز الذى لا يرجى زواله فيتقيد الجواز به، وعلى هذا يخرج المريض أو المحبوس إذا أحج عنه أن جوازه موقوف إن مات -وهو مريض أو محبوس -جاز وإن زال المرض أو الحبس قبل الموت لم يجز (بدائع الصنائع، ج۲، ص۲۱۳، كتاب الحج، فصل واجبات الحج)

(سئل) فى المعذور الذى لا يرجى برؤه إذا أمر بأن يحج عنه غيره وحج عنه فهل سقط الفرض عنه استمر ذلك العذر أم لا؟

(الجواب) : إذا كان لا يرجى برؤه يسقط الفرض عنه استمر العذر أو لا وإن كان يرجى برؤه يشترط عجزه إلى موته كما فى البحر وغيره خلافا لما فى فتح القدير من اشتراط دوام العجز إلى الموت بلا تفصيل (العقود الدرية فى تنقيح الفتاوى الحامدية لابن عابدين، ج ۱، ص۱۵، كتاب الحج)

وهل يجوز للمريض الذى يرجى برؤه أن يستنيب من يحج عنه؟ اختلف الفقهاء فى ذلك:

فذهب الشافعية، والحنابلة إلى أن من يرجى زوال مرضه، والمحبوس ونحوه ليس له أن يستنيب ، فإن فعل لم يجزئه وإن لم يبرأ؛ لأنه يرجو القدرة على الحج بنفسه فلم يكن له الاستنابة ولا تجزئه إن فعل كالفقير.

كما أن النص إنما ورد فى الحج عن الشيخ الكبير وهو ممن لا يرجى منه الحج بنفسه، فلا يقاس عليه إلا من كان مثله.

فعلى هذا :إذا استناب من يرجو القدرة على الحج بنفسه، ثم صار ميئوسا من برئه فعليه أن يحج عن نفسه مرة أخرى؛ لأنه استناب فى حال لا تجوز له الاستنابة فيها فأشبه الصحيح .

وذهب الحنفية إلى أن الجواز موقوف إن مات وهو مريض أو محبوس جاز، وإن زال المرض أو الحبس قبل الموت لم يجز(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص ۳۳،و ص ۳۴، شرائط جواز النيابة فى الحج عن الحى، الشرط الثانى)

ضروری ہوجائے گا۔ [1]

[1] البتہ حنابلہ کے نزدیک اور ایک قول کے مطابق شوافع کے نزدیک جب مریض حج بدل کیے جاچکنے کے بعد صحت یاب ہوجائے، تو اس کو دوبارہ حج کرنا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ اس کی طرف سے کیا ہوا حجِ بدل برقرار رہتا ہے، کیونکہ مریض ومعذور کے ذمہ جو حکم تھا، وہ اس نے پورا کردیا، اور آئندہ کے حالات پر انسان کو قدرت ودسترس حاصل نہیں ہوا کرتی، لہٰذا وہ آئندہ کے حالات کا مکلّف نہیں ہے، لیکن اگر نائب کے احرام شروع کرنے سے پہلے اصیل صحت یاب ہوجائے، تو پھر نیابت درست نہیں، کیونکہ احرام شروع کرنے سے پہلے اصیل کے صحت یاب ہوجانے سے ظاہر ہوگیا کہ وہ خود حج کرنے سے عاجز نہیں ہے، بندہ کے نزدیک یہ موقف معتدل اور مناسب اور دلیل کے اعتبار سے قابلِ ترجیح ہے۔

اور اگر احرام شروع کرنے کے بعد اور حج کے اتمام سے پہلے اصیل صحت یاب ہوجائے، تو حنابلہ کے ایک قول کے مطابق حجِ بدل صحیح ومعتبر ہوجاتا ہے، اور اصیل پر دوبارہ حج فرض نہیں ہوتا۔ محمد رضوان۔

الشرط الثانى :العجز المستدام من وقت الإحجاج إلى وقت الموت، بأن يموت على مرضه فإذا عوفى المريض بعد أن حج عنه، فإما أن يكون عوفى بعد حج النائب، وإما أن يكون عوفى قبل فراغ النائب من الحج، وإما أن يكون عوفى قبل إحرام النائب .

الحالة الأولى :إذا عوفى المريض بعد ما حج عنه:فقد ذهب الحنابلة وهو قول عند الشافعية إلى أنه لا يجب عليه حج آخر، وهذا قول إسحاق لأنه أتى بما أمر به فخرج من العهدة كما لو لم يبرأ . ولأنه قد أدى حجة الإسلام بأمر الشارع فلم يلزمه حج ثان كما لو حج بنفسه .والمعتبر لجواز الاستنابة اليأس ظاهرا.

وذهب الحنفية والشافعية فى الأصح، وابن المنذر إلى أنه يلزمه حج ثان ولم يجز حج غيره عنه لأن هذا بدل إياس فإذا برأ تبين أنه لم يكن ميئوسا منه، فلزمه الأصل، كالآيسة إذا اعتدت بالشهور ثم حاضت لا تجزئها تلك العدة .كما أن جواز حج الغير عن الغير ثبت بخلاف القياس لضرورة العجز الذى لا يرجى زواله فيتقيد الجواز به.

الحالة الثانية :إذا عوفى قبل فراغ النائب من الحج:المذهب عند الحنابلة أنه يجزئه كالمتمتع إذا شرع فى الصيام ثم قدر على الهدى، والمكفر إذا قدر على الأصل بعد الشروع فى البدل، وفى قول عندهم أنه لا يجزئه، قال ابن قدامة :ينبغى ألا يجزئه الحج؛ لأنه قدر على الأصل قبل تمام البدل فلزمه كالصغيرة ومن ارتفع حيضها إذا حاضتا قبل إتمام عدتهما بالشهور، وكالمتيمم إذا رأى الماء فى صلاته.

الحالة الثالثة :إذا عوفى قبل إحرام النائب:لم يجزئه بحال .لقدرته على المبدل قبل الشروع فى البدل . النيابة عن المريض الذى يرجى برؤه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۳۲،وص۳۴، شرائط جواز النيابة فى الحج عن الحى، الشرط الثانى)

وضابط العذر الذى تصح معه النيابة هو العجز الدائم إلى الموت، وذلك كالشيخ الفانى والزمن والمريض الذى لا يرجى برؤه .فهؤلاء إذا وجدوا مالا يلزمهم الاستنابة فى الحج عنهم.

ومن أحج عن نفسه للعذر الدائم، ثم زال العذر قبل الموت، فعند الحنفية لم يجز حج غيره عنه،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۶ ...... اگر کسی ایسے شخص کی طرف سے حج کیا جائے، جس پر اگرچہ حج تو فرض ہے، مگر وہ خود حج کرنے سے معذور نہیں ہے، تو اس کی طرف سے دوسرے کا یہ حج کرنا نفل درجہ میں واقع ہوتا ہے، اور اس کی وجہ سے اس کا فرض حج ادا نہیں ہوتا۔ [1]

اسی طرح اگر کسی غیر معذور نے (جو خود حج کرنے کے قابل تھا) اپنی طرف سے حجِ بدل کرایا، اور پھر وہ معذور ہو گیا، اور خود حج کرنے کے قابل نہیں رہا، تب بھی اس کا حجِ فرض ادا نہیں ہوگا، کیونکہ حجِ بدل کے لئے یہ شرط ہے کہ حجِ بدل کرانے کے وقت وہ خود حج کرنے سے معذور ہو، اور مذکورہ دونوں صورتوں میں حجِ بدل کے وقت وہ خود حج کرنے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وعليه الحج؛ لأن جواز الحج عن الغير ثبت بخلاف القياس، لضرورة العجز الذى لا يرجى زواله، فيتقيد الجواز به.

وعند الحنابلة يجزء حج الغير، ويسقط عنه الفرض؛ لأنه أتى بما أمر به فخرج من العهدة، كما لو لم يبرأ .لكن ذلك مقيد بما إذا عوفى بعد فراغ النائب من الحج، فإذا عوفى قبل فراغ النائب فينبغى أن لا يجزئه الحج؛ لأنه قدر على الأصل قبل تمام البدل، ويحتمل أن يجزئه، وإن برأ قبل إحرام النائب لم يجزئه بحال .وللشافعية قولان بالإجزاء وعدمه والمريض الذى يرجى زوال مرضه والمحبوس ونحوه إذا أحج عنه فعند الحنفية هذا الحج موقوف .إن مات المحجوج عنه وهو مريض أو محبوس جاز الحج، وإن زال المرض أو الحبس قبل الموت لم يجز .وعند الحنابلة وفى قول للشافعية :ليس له أن يستنيب أصلا؛ لأنه لم ييأس من الحج بنفسه، فلا تجوز فيه النيابة كالصحيح، فإن خالف وأحج عن نفسه، لم يجزئه ولو لم يبرأ؛ لأنه يرجو القدرة على الحج بنفسه فلم يكن به الاستنابة، وعليه أن يحج عن نفسه مرة أخرى، وفى القول الثانى للشافعية أنه يجزئه إذا مات؛ لأنه لما مات تبينا أنه كان مأيوسا منه .

والمشهور عند المالكية أنه لا تجوز النيابة فى الحج مطلقا .وقيل تصح النيابة فى الحج لغير المستطيع، قال الباجى :تجوز النيابة للمعضوب كالزمن والهرم.

وقال أشهب :إن آجر صحيح من يحج عنه لزمه للخلاف .وسواء فيما مر فى المذاهب حج الفريضة وحج النذر .والعمرة فى ذلك كالحج (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۳۳۵، وص ۳۳۶، مادة "اداء" النيابة فى أداء العبادات)

[1] وإن أحج رجلاً، وهو صحيح أجزأه عن التطوع؛ لأن فرض الحج يتأدى بالإحجاج حالة العذر، وكل عبادة جاز أداء فرضها بجهة حالة العذر جاز أداء نفلها بتلك الجهة فى غير حالة العذر كالصلاة قاعداً وراكباً (المحيط البرهانى، ج۲، ص۴۷۷، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر)

سے معذور نہیں تھا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲...... دوسرے کے ذریعہ سے حجِ بدل کرانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس کی طرف سے حجِ بدل کیا جارہا ہے اگر وہ زندہ ہے تو اس نے اپنے حجِ بدل کا حکم کیا ہو، کیونکہ دوسرے کے عمل کی نیابت اصیل کے حکم کے بغیر ثابت نہیں ہوتی، یعنی دوسرا شخص کسی کا نائب اس کی طرف سے حکم دیئے اور امر کئے یا اس سے اجازت حاصل کئے بغیر نہیں بنتا۔ [2]

البتہ جب کسی پر حج فرض ہو، اور وہ اس فریضے کو ادا کئے بغیر اور حجِ بدل کی وصیت کیے بغیر فوت ہوجائے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کے وارثوں کو اس کی طرف سے بغیر وصیت کے بھی حجِ بدل کرنا اور کرانا درست ہوجاتا ہے، کیونکہ وارث کو اپنے مورِث کی دلالۃً نیابت اور اس کی طرف سے حج کی اجازت حاصل ہوتی ہے۔ [3]

اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک جب کسی شخص پر حج فرض ہو، اور وہ وصیت کیے بغیر فوت ہوجائے، تو اس کی وصیت کے بغیر وارث اور اجنبی ہر ایک مسلمان کو اس کا حجِ بدل کرنا صحیح ہوجاتا ہے، کیونکہ احادیث میں حجِ بدل کی مثال دَین اور قرض سے دی گئی

---

[1] ولو حج الصحيح قبل العجز ثم عجز لم يجزه (البناية شرح الهداية، ج۴، ص ۴۷۱، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، شروط جواز الحج عن الغير)

(سئل) فى امرأة كانت تستطيع الحج ثم عميت فهل يسقط الفرض عنها بإحجاج الغير عنها

(الجواب) : إذا طرأ العمى على الاستطاعة يجب عليها الإحجاج فى الحال أو الإيصاء فى المال من مناسك ملا على القارى (العقود الدرية فى تنقيح الفتاوى الحامدية لابن عابدين، ج ۱، ص ۱۵، كتاب الحج)

[2] الشرط الثالث:

لا يجوز الحج عن الغير بغير أمره؛ لأن جوازه بطريق النيابة عنه، والنيابة لا تثبت إلا بالأمر.

وهذا بالاتفاق بالنسبة للحى، أما الميت ففيه خلاف، وينظر التفصيل فى مصطلح (حج ف)

(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۲، ص ۳۴، شرائط جواز النيابة فى الحج عن الحى، الشرط الثالث، مادة "نيابة")

[3] ومنها :الأمر بالحج فلا يجوز حج الغير عنه بغير أمره؛ لأن جوازه بطريق النيابة عنه، والنيابة لا تثبت إلا بالأمر إلا الوارث يحج عن مورثه بغير أمره، فإنه يجوز إن شاء الله تعالى بالنص، ولوجود الأمر هناك دلالة على ما نذكر -إن شاء الله تعالى (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۲۱۳، كتاب الحج)

ہے، اور فوت ہونے کے بعد میت کا دَین وقرض بغیر وصیت کے بھی وارثوں کو ادا کرنے کا حکم ہوتا ہے، اور اگر وارث کے علاوہ کوئی اور تبرعاً ادا کردے، تب بھی ادا ہو جاتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۸...... حجِ بدل کے لئے حنفیہ کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ جس کی طرف سے

---

[1] ثالثا :شروط صحة الحج الواجب عن الغير:
أ -يشترط أن يأمر الأصيل بالحج عنه، باتفاق العلماء بالنسبة للحى.
أما الميت فلا يجوز حج الغير عنه بدون وصيته عند الحنفية والمالكية.
واستثنى الحنفية، إذا حج أو أحج عن مورثه بغير إذنه فإنه يجزيه، وتبرأ ذمة الميت إن شاء الله تعالى، مستدلين بحديث الخثعمية، فإنه لم يفصل فى حق السائل هل أوصى أو لم يوص، وهو وارث.
وذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه :من مات وعليه حج وجب الإحجاج عنه من جميع تركته، سواء أوصى به أم لا، كما تقضى منها ديونه سواء أوصى بها أم لا .فلو لم يكن له تركة استحب لوارثه أن يحج عنه، فإن حج عنه بنفسه أو أرسل من حج عنه سقط الحج عن الميت، ولو حج عنه أجنبى جاز، وإن لم يأذن له الوارث كما يقضى دينه بغير إذن الوارث.
ومأخذهم تشبيه النبى صلى الله عليه وسلم الحج بالدين، فأجروا على قضاء الحج أحكام الديون.
فإذا مات والحج فى ذمته يجب الإحجاج عنه من رأس المال ولو لم يوص، وهو مقدم على وفاء الديون، عند الشافعية.
وقال الحنابلة :من ضاق ماله وكان عليه دين يحاص نفقة الحج من الدين، ويؤخذ للحج حصته فيحج بها من حيث تبلغ (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۷۵ ، الحج عن الغير، شروط صحة الحج الواجب عن الغير ،مادة "حج")
(فرع :للورثة أو الأجنبى إسقاط فرض الحج عن الميت من غير التركة وإن لم يوص) بذلك أو لم يأذن الوارث للأجنبى فيه كقضاء دينه وتقدم الفرق بينه وبين نظيره فى الصوم فى بابه (ولو حج عنه) الوارث أو الأجنبى (تطوعا بلا وصية لم يصح) لعدم وجوبه على الميت (أسنى المطالب فى شرح روض الطالب لزكريا بن محمد بن زكريا الأنصارى الشافعى، ج۳، ص۶۰، كتاب الوصايا، فصل الوصية بحج التطوع)
(ومن وجب عليه الحج) لاجتماع الشروط السابقة (فتوفى قبله فرط) فى الحج بأن أخره لغير عذر (أو لم يفرط) كالتأخير لمرض يرجى برؤه أو لحبس أو أسر أو نحوه (أخرج عنه من جميع ماله حجة وعمرة ولو لم يوص به) لحديث ابن عباس أن امرأة قالت :يا رسول الله إن أمى نذرت أن تحج فلم تحج حتى ماتت أفأحج عنها؟ قال :نعم حجى عنها أرأيت لو كان على أمك دين أكنت قاضيته؟ اقضوا الله فالله أحق بالوفاء رواه البخارى؛ ولأنه حق استقر عليه فلم يسقط بموته ولهذا كان من جميع ماله؛ لأنه -صلى الله عليه وسلم -شبهه بالدين فوجب مساواته له ولا فرق بين الواجب بأصل الشرع أو إيجابه على نفسه (كشاف القناع عن متن الإقناع للبهوتى الحنبلى، ج۲، ص۳۹۳، كتاب الحج، فصل فى الاستطاعة)

حجِ بدل کیا جارہا ہے، حج کے ضروری تمام یا اکثر اخراجات اُسی شخص کے مال میں سے کیے جائیں، جس کا حجِ بدل کیا جارہا ہے۔

البتہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اگر کوئی اجنبی شخص بھی اپنا مال تبرعاً خرچ کر کے میت کی طرف سے حجِ بدل کرے، تو صحیح ہے، اوراس سے میت کا فرض حج ادا ہوجاتا ہے، خواہ مَرنے والے نے وصیت بھی نہ کی ہو، اور ترکہ بھی نہ چھوڑا ہو، جیسا کہ میت کی طرف سے تبرعاً قرض ودَین کی ادائیگی کا معاملہ ہے۔ [1]

---

[1] آج کل دین سے عام غفلت کی وجہ سے، بہت سے لوگوں کو اپنے اوپر حج فرض ہونے کا علم نہیں ہوتا، یا علم ہونے کے باوجود غفلت کرتے ہیں، اور حج فرض ادا کئے بغیر اور اسی طرح وصیت کئے بغیر فوت ہوجاتے ہیں، بعد میں کسی وارث یا کسی دور پرے کے رشتہ دار یا دوست احباب یا کسی شاگرد وغیرہ کو اس کے حجِ بدل کا خیال پیدا ہوتا ہے، اوراس وقت میت کے ترکہ کا مال بھی نہیں ہوتا، ایسی صورت میں شافعیہ اور حنابلہ کے قول کے پیشِ نظر حجِ بدل کرنے میں جو احتیاط ہے، وہ مخفی نہیں۔

وفی فتح القدیر واعلم أن شرط الإجزاء کون أکثر النفقة من مال الآمر (البحرالرائق، ج۳، ص ٦٦، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر)

ب -أن تکون نفقة الحج من مال الآمر کلها أو أکثرها عند الحنفیة، سوی دم القران والتمتع، فهما علی الحاج عندهم .لکن إذا تبرع الوارث بالحج عن مورثه تبرأ ذمة المیت إن لم یکن أوصی بالإحجاج عنه إن شاء الله.

أما الشافعیة والحنابلة فقد أجازوا أن یتبرع بالحج عن غیر المیت مطلقا، کما یجوز أن یتبرع بقضاء دینه.

وأما المالکیة فالأمر عندهم فی هاتین المسألتین

تابع للوصیة، ولتنفیذها بعقد الإجارة، أو لتبرع النائب، لا لإسقاط الفریضة عن المیت.

وأما الحی المعضوب :إذا بذل له المال أو الطاعة فلا یلزمه قبول ذلک للإحجاج عن نفسه عند الحنفیة والمالکیة والحنابلة.

وقال الشافعیة :لو بذل له ولده أو أجنبی مالا للأجرة لم یجب قبوله فی الأصح .ولو وجد مالا أقل من أجرة المثل ورضی به الأجیر لزمه الاستئجار، لأنه مستطیع، والمنة فیه لیست کالمنة فی المال. ولو لم یجد أجرة وبذل له ولده الطاعة بأن یذهب هو بنفسه للحج عنه وجب علیه قبوله، وهو الإذن له فی ذلک، لأن المنة فی ذلک لیست کالمنة فی المال .لحصول الاستطاعة، وکذا الأجنبی فی الأصح.ویشترط للزوم قبول طاعتهم أربعة شروط :أن یثق بالباذل، وأن لا یکون علیه حج ولو نذرا، وأن یکون ممن یصح منهم حجة الإسلام، وأن لا یکونا معضوبین (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۷، ص ۷۵ ،وص۷٦، الحج عن الغیر، شروط صحة الحج الواجب عن الغیر،مادة "حج")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹...... حجِ بدل کے لئے حنفیہ کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ اگر کسی فوت شُدہ کی طرف سے حجِ بدل کیا جارہا ہے، تو اُس کے وطن سے حجِ بدل کرایا جائے، بشرطیکہ فوت شدہ شخص کے ترکہ کے تہائی حصہ سے حج کے اخراجات پورے ہوجائیں؛ اور اگر اس کے ترکہ کے تہائی حصہ سے اخراجات پورے نہ ہوں، تو اس مقام سے حجِ بدل کرایا جائے، جہاں سے ترکہ کے تہائی حصہ سے اخراجات پورے ہوجائیں، خواہ وہ جدہ یا مکہ سے ہی پورے ہوتے ہوں تاکہ ترکہ کے جو دیگر حقوق ہیں، مثلاً وارثوں کو میراث ملنا، وہ فوت نہ ہوں۔

اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک فوت شدہ شخص کا کل ترکہ بھی اگر حجِ بدل میں خرچ ہوجائے، تو اس کو خرچ کیا جائے گا، کیونکہ حج کی ادائیگی فوت شدہ شخص کا واجبی دَین ہے، اس لئے اس کا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ومنها :أن يكون حج المأمور بمال المحجوج عنه، فإن تطوع الحاج عنه بمال نفسه لم يجز عنه حتى يحج بماله.

وكذا إذا كان أوصى أن يحج عنه بماله ومات، فتطوع عنه وارثه بمال نفسه؛ لأن الفرض تعلق بماله فإذا لم يحج بماله لم يسقط عنه الفرض؛ ولأن مذهب محمد أن نفس الحج يقع للحاج، وإنما للمحجوج عنه ثواب النفقة، فإذا لم ينفق من ماله فلا شيء له رأسا(بدائع الصنائع، ج۲ص ۲۱۳، كتاب الحج)

ويصح الاستنابة عن الميت من الوارث والأجنبي كقضاء الدين وللأخبار السابقة (لا في تطوع لم يوص به) إذ لا اضطرار إلى الاستنابة فيه بخلاف ما إذا أوصى به وقيل تصح من الوارث وإن لم يوص به نقله الأصل في الوصية عن السرخسي بعد نقله المنع عن العراقيين (ويجب على من عليه قضاء دينه) من وارث ووصي وحاكم إذا خلف الميت تركة (أن يستنيب عنه) في الحج (عند استقراره عليه) وإن لم يوص به لخبر مسلم السابق ولخبر الصحيحين أن رجلا جاء إلى النبي - صلى الله عليه وسلم -فقال يا رسول الله إن أختي نذرت أن تحج وماتت قبل أن تحج أفأحج عنها؟ فقال :لو كان على أختك دين أكنت قاضيه؟ قال :نعم قال فاقضوا حق الله فهو أحق القضاء فإن لم يخلف تركة استحب للوارث أن يحج عنه فإن حج هو أو أجنبي عنه بنفسه أو باستئجار سقط الحج عنه كما سيأتي في الوصية (أسنى المطالب في شرح روض الطالب لزكريا بن محمد بن زكريا الأنصاري الشافعي، ج ۱، ص ۴۵۰، كتاب الحج والعمرة)

(ويسقط) الحج عن الميت (بحج أجنبي عنه ولو بلا إذن) وليه؛ لأنه -صلى الله عليه وسلم -شبهه بالدين بخلاف من حج عن حي بلا إذنه كدفع زكاة مال غيره بغير إذنه (كشاف القناع عن متن الإقناع للبهوتي الحنبلي، ج۲، ص ۳۹۳، كتاب الحج، فصل في الاستطاعة)

تعلق انسانوں کے دَین وقرض کی طرح پورے مال سے وابستہ ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۰...... اگر کسی شخص پر حج فرض ہوجائے لیکن حج فرض ہونے کے بعد وہ خود حج ادا کرنے سے دائمی قاصر ومعذور ہوجائے اور اتنا مال نہ ہو کہ جس سے کسی کو بھیج کر حجِ بدل کرا سکے، تو اس کو بھی گزشتہ مسئلہ کی طرح مکہ یا اس کے قرب وجوار میں موجود شخص سے حج بدل کرانا جائز ہے۔

مسئلہ نمبر۱۱...... اگر کسی شخص پر حج فرض نہیں تھا، اور اس نے فوت ہونے سے پہلے اپنی طرف سے حج کی وصیت کی، تو اس کے فوت ہونے کے بعد اس کے وارثوں کو اس کی طرف سے وصیت کے مطابق حج کرانا جائز ہے۔ [2]

---

[1] البتہ شافعیہ کے نزدیک حجِ بدل کی ادائیگی اس کے وطن سے کرانے کے بجائے اس کے وطن کی طرف والی میقات سے کرائی جائے گی، کیونکہ اُس پر حج میقات سے واجب ہوا تھا۔

ج -يشترط أن يحج عنه من وطنه إن اتسع ثلث التركة، وإن لم يتسع يحج عنه من حيث يبلغ عند الحنفية والمالكية وعند الشافعية والحنابلة يعتبر اتساع جميع مال الميت، لأنه دين واجب، فكان من رأس المال كدين الآدمي .لكن عند الشافعية يجب قضاؤه عنه من الميقات لأن الحج يجب من الميقات، وقال الحنابلة :الحج على الميت من بلده فوجب أن ينوب عنه منه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص ٧٦، الحج عن الغير، شروط صحة الحج الواجب عن الغير،مادة "حج")

وعلى كل حال :يجب أداء الحج عن الميت إذا ترك، سواء وصّى أو لم يوص، وعلم وارثه بذلك.

قال رحمه الله :(من كل ماله بعد موته وإن لم يوص به) (شرح زاد المستقنع للشنقيطي حنبلي، كتاب الوصايا،إخراج الواجب من مال الميت وإن لم يوص به)

[2] اور حنفیہ کے نزدیک نفل حج کی یہ وصیت بھی فوت شدہ شخص کے تہائی ترکہ سے پوری کی جائے گی۔

ب- النيابة عن الميت فى حج التطوع :يجوز عند الحنفية والحنابلة والمالكية مع الكراهة الاستنابة فى حج تطوع لم يوص به الميت، وكذا التطوع عنه بلا استنابة.وذهب الشافعية إلى أنه لا تجوز الاستنابة فيه.أما إذا أوصى الميت بحج التطوع عنه فيرى الحنفية والمالكية والحنابلة وفى الأصح عند الشافعية جواز الاستنابة، وفى قول عند الشافعية منع الاستنابة فيه لأنه إنما جاز الاستنابة فى الفرض للضرورة، ولا يجوز فى النفل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٢، ص٤٥ وص٤٦، النيابة عن الميت فى حج التطوع،مادة "نيابة")

ولو أوصى بوصيته إن كانت موافقة لوصايا أهل الخير والصلاح نحو الوصية بالحج أو للمساكين أو شيء من الأبواب التى يتقرب بها إلى الله تعالى يجوز استحسانا وينفذ من ثلث ماله(الفتاوىٰ الهندية، ج٥ص٦٠، كتاب الحجر،الباب الثانى، الفصل الاول)

مسئلہ نمبر۱۲...... حجِ بدل کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جو حجِ بدل کا عمل انجام دے رہا ہے، وہ احرام کے وقت یہ نیت کرے کہ وہ فلاں شخص کی طرف سے حج ادا کر رہا ہے، اور اگر وہ اس شخص کا نام بھول گیا، تو اپنے ذہن میں اس شخص کا تصور کر کے نیت کرنا بھی معتبر ہو جاتا ہے۔ ؎۱

مسئلہ نمبر۱۳...... جس شخص سے حجِ بدل کرایا جائے، اس کے اندر حج کی اہلیت ضروری ہے، جو مسلمان اور عاقل ہونے سے ثابت ہوتی ہے، لہٰذا حجِ بدل ایسے شخص سے ہی کرانا معتبر ہے کہ جو مسلمان ہونے کے ساتھ عاقل بھی ہو، کافر اور مجنون و پاگل کا حجِ بدل کرنا درست و معتبر نہیں۔ ؎۲

؎۱ ومنها :نية المحجوج عنه عند الإحرام؛ لأن النائب يحج عنه لا عن نفسه، فلا بد من نيته، والأفضل أن يقول بلسانه لبيک عن فلان كما إذا حج عن نفسه(بدائع الصنائع، ج۲ص۲۱۳، كتاب الحج)

الشرط الرابع :النية عن المحجوج عنه عند الإحرام :ذهب الفقهاء إلى أنه يشترط النية عن المحجوج عنه عند الإحرام؛ لأن النائب يحج عنه لا عن نفسه، فلا بد من نيته، والأفضل أن يقول بلسانه :لبيک عن فلان، كما إذا حج عن نفسه.

ويكفي أن ينوي النائب عن المستنيب وإن لم يسمه لفظا .وإن نسي اسمه ونسبه نوى من دفع إليه المال ليحج عنه.وقال الشافعية :لا تكفي نية المستنيب في الحج؛ لأن العبادة في الحج فعل النائب فوجبت النية منه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۳۴، شرائط جواز النيابة في الحج عن الحي، الشرط الرابع)

د -النية :أي نية الحاج المأمور أداء الحج عن الأصيل.

بأن ينوي بقلبه ويقول بلسانه (والتلفظ أفضل) : أحرمت بالحج عن فلان، ولبيک بحجة عن فلان. وإن اكتفى بنية القلب كفى ذلک، اتفاقا .ولو نسي اسمه ونوى أن يكون الحج عن الشخص المقصود أن يحج عنه يصح، ويقع الحج عن الأصيل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۷۶ ، الحج عن الغير، شروط صحة الحج الواجب عن الغير)

؎۲ اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نائب کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنا حجۃ الاسلام یعنی حجِ فرض ادا کر چکا ہو۔

ثانيا :شروط النائب عن غيره في الحج :اشترط الشافعية والحنابلة لإجزاء الحج الفرض عن الأصيل أن يكون النائب قد حج حجة الإسلام عن نفسه أولا، وإلا كانت الحجة عن نفسه، ولم تجزء عن الأصيل، وهو قول الأوزاعي وإسحاق بن راهويه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۴...... دوسرے کی طرف سے حجِ بدل کرنا مرد اور عورت دونوں کے لئے جائز ہے، یعنی یہ بھی جائز ہے کہ مرد کا حجِ بدل مرد کرے، اور یہ بھی جائز ہے کہ عورت کا حجِ بدل عورت کرے، اور یہ بھی جائز ہے کہ مرد کا حجِ بدل عورت کرے، اور یہ بھی جائز ہے کہ عورت کا حجِ بدل مرد کرے۔

البتہ بعض حضرات کے نزدیک مرد کا حجِ بدل عورت سے کرانا مکروہ و نامناسب ہے، کیونکہ عورت کے احرام و حج میں مرد کے مقابلہ میں ایک قسم کا نقصان پایا جاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واكتفى الحنفية بأهلية المأمور لصحة الحج، بأن يكون مسلما عاقلا، فأجازوا أن يكون المأمور لم يحج عن نفسه حجة الإسلام (وهو المسمى صرورة)وأجازوا حج العبد، والمراهق عن غيرهم، وتصح هذه الحجة البدلية وتبرأ ذمة الأصيل، مع الكراهة التنزيهية بالنسبة للآمر، والكراهة التحريمية بالنسبة للمأمور إن كان تحقق وجوب الحج عليه .ونحو ذلك عند المالكية فى الحج عن الميت يصح على القول بوجوب الحج على التراخى عندهم، أما على وجوبه على الفور فيحرم الحج عنه.

استدل الأولون :بما أخرج أبو داود وابن ماجه عن ابن عباس رضى الله عنهما أن النبى صلى الله عليه وسلم سمع رجلا يقول :لبيك عن شبرمة .قال :من شبرمة؟ قال :أخ لى، أو قريب لى .قال: حججت عن نفسك؟ قال :لا .قال :حج عن نفسك، ثم حج عن شبرمة.

واستدل الحنفية بإطلاق حديث الخثعمية السابق، فإنه صلى الله عليه وسلم قال لها :حجى عن أبيك من غير استخبارها عن حجها لنفسها قبل ذلك، وترك الاستفصال يتنزل منزلة عموم المقال (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۷۴ وص ۷۵، الحج عن الغير، شروط النائب عن غيره فى الحج)

[1] نيابة المرأة فى الحج:

تجوز النيابة فى الحج بالشروط السابقة، سواء كان النائب رجلا أو امرأة، وهذا فى قول عامة أهل العلم.

ويرى الحنفية أنه يجوز مع الكراهة وهو قول الحسن بن صالح.

أما الجواز، فلحديث الخثعمية، وأما الكراهة، فلأنه يدخل فى حجها ضرب نقصان؛ لأن المرأة لا تستوفى سنن الحج، فإنها لا ترمل فى الطواف وفى السعى بين الصفا والمروة، ولا تحلق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۳۵، نيابة المرأة فى الحج،مادة ”نيابة“)

دل على أن حج المرأة يصح عن الرجل، وقيل لا يصح لأن المرأة تلبس فى الإحرام ما لا يلبسه الرجل(مرقاة المفاتيح، ج۵ص۱۷۴۳، كتاب المناسك)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۵......جس شخص نے اپنا حج نہیں کیا، خواہ اُس پر حج فرض ہو چکا ہو، یا حج فرض نہ ہوا ہو، اُس کو بعض فقہائے کرام نے عربی میں ''صرورہ'' کا نام دیا ہے۔ [1]

حنفیہ کے نزدیک جو شخص دوسرے کی طرف سے حجِ بدل کرے، اُس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ حجِ بدل کرنے والا پہلے اپنا حج کر چکا ہو، لہٰذا ان کے نزدیک صرورہ کا حجِ بدل کرنا بھی معتبر ہے؛ البتہ اگر اس نے اپنا حج نہیں کیا، اور اس پر حج فرض بھی ہے، تو پھر بعض مشائخِ حنفیہ کی تصریح کے مطابق ایسے شخص کا دوسرے کی طرف سے حجِ بدل کرنا مکروہِ تحریمی اور گناہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وسواء كان رجلا أو امرأة إلا أنه يكره إحجاج المرأة، لكنه يجوز أما الجواز فلحديث الخثعمية.
وأما الكراهة فلأنه يدخل في حجها ضرب نقصان؛ لأن المرأة لا تستوفي سنن الحج فإنها لا ترمل في الطواف وفي السعي بين الصفا والمروة ولا تحلق، وسواء كان حرا أو عبدا بإذن المولى لكنه يكره إحجاج العبد أما الجواز فلأنه يعمل بالنيابة، وما تجوز فيه النيابة يستوي فيه الحر والعبد كالزكاة ونحوها.
وأما الكراهة فلأنه ليس من أهل أداء الفرض عن نفسه فيكره أداؤه عن غيره والله الموفق(بدائع الصنائع، ج٢ ص٢١٣، كتاب الحج)

[1] الصرورة بصاد مهملة وبتخفيف الراء :من لم يحج والمراد به في اصطلاح الفقهاء : الشخص الذي لم يحج عن نفسه حجة الإسلام، كما نص عليه أكثر الفقهاء .قال ابن عابدين :فهو أعم من المعنى اللغوي؛ لأنه يشمل من لم يحج أصلا، ومن حج عن غيره، أو عن نفسه نفلا أو نذرا.
وقال بعض المالكية :هو من لم يحج قط ، وهذا هو المعنى اللغوي.
قال النووي :سمي بذلك؛ لأنه صر بنفسه عن إخراجها في الحج وكره الشافعي وابن عقيل من الحنابلة تسمية من لم يحج صرورة؛ لما روى ابن عباس -رضي الله عنهما قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا صرورة في الإسلام قال النووي :أي لا يبقى أحد في الإسلام بلا حج، ولا يحل لمستطيع تركه ، فكراهة تسمية من لم يحج صرورة، واستدلالهم بهذا الحديث فيه نظر؛ لأنه ليس في الحديث تعرض للنهي عن ذلك.
الحكم الإجمالي:
ذكر الفقهاء في بحث الحج :أن الحج من العبادات البدنية والمالية معا؛ فيقبل النيابة في الجملة.
ثم فصلوا بين حج الفرض وحج النفل، وبينوا شروط الحج عن الغير، كما بينوا شروط الآمر والمأمور أي النائب، وهل يصح الحج عن الغير من قبل من لم يحج عن نفسه حجة الإسلام، وهو المسمى بصرورة أم لا؟ وهل يصح أخذ الأجرة في ذلك؟ وبيانه فيما يلي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧،ص٥، مادة "صرورة")

ہے؛ اور اگر اس پر حج فرض نہیں ہے، تو پھر اُس سے حجِ بدل کرانا مکروہِ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ ہے۔ ل

اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک حجِ بدل یا دوسرے کی حج میں نیابت کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا حجۃُ الاسلام یعنی فرض حج ادا کر چکا ہو، لہٰذا جس شخص نے اپنا حجۃُ الاسلام یعنی اپنا فرض حج ادا نہیں کیا، وہ ان فقہائے کرام کے نزدیک دوسرے کی طرف سے حجِ بدل یا حج میں نیابت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا؛ یہی وجہ ہے کہ اگر ایسا شخص دوسرے کی طرف سے حج کا احرام باندھے، تب بھی ان حضرات کے نزدیک وہ حج دوسرے کی طرف سے ادا نہیں ہوتا، بلکہ مباشر یعنی حج کے افعال انجام دینے والے ہی کی طرف سے حجۃُ الاسلام یعنی فرض حج ادا ہوتا ہے۔ ۲

ل وقال فی الفتح أيضا والأفضل أن يكون قد حج عن نفسه حجة الإسلام خروجا عن الخلاف، ثم قال :والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسك الذى حج عن نفسه وذكر فی البدائع كراهة إحجاج الصرورة لأنه تارك فرض الحج .ثم قال فی الفتح بعد ما أطال فی الاستدلال :والذى يقتضيه النظر أن حج الصرورة عن غيره إن كان بعد تحقق الوجوب عليه بملك الزاد والراحلة والصحة فهو مكروه كراهة تحريم لأنه يتضيق عليه فی أول سنی الإمكان فيأثم بتركه، وكذا لو تنفل لنفسه ومع ذلك يصح لأن النهی ليس لعين الحج المفعول بل لغيره وهو الفوات، إذ الموت فی سنة غير نادر .اهـ .قال فی البحر :والحق أنها تنزيهية على الآمر لقولهم والأفضل إلخ تحريمية على الصرورة المأمور الذى اجتمعت فيه شروط الحج ولم يحج عن نفسه لأنه أثم بالتأخير اهـ .
قلت :وهذا لا ينافی كلام الفتح لأنه فی المأمور، ويحمل كلام الشارح على الآمر، فيوافق ما فی البحر من أن الكراهة فی حقه تنزيهية وإن كانت فی حق المأمور تحريمية (ردالمحتار، ج۲، ص۶۰۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

۲ أولا :نيابة الصرورة فی حجة الإسلام:
يرى الشافعية والحنابلة أن من شروط النائب فی حجة الإسلام أن يكون قد حج عن نفسه حجة الإسلام، فليس للصرورة أن يحج عن غيره، فإن فعل وقع إحرامه عن حجة الإسلام لنفسه لما روى ابن عباس -رضی الله عنهما -أن النبی صلى الله عليه وسلم سمع رجلا يقول :لبيك عن شبرمة، قال :من شبرمة؟ قال :أخ لی أو قريب لی .قال :حججت عن نفسك؟ قال :لا .قال :حج عن نفسك ثم حج عن شبرمة .
وعلى ذلك :فإن أحرم عن غيره وقع عن نفسه لا عن الغير، قال ابن قدامة :إذا ثبت هذا فإن عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لئے اختلاف سے بچنے کے لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ حجِ بدل ایسے شخص سے کرایا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رد ما أخذ من النفقة؛ لأنه لم يقع الحج عنه فأشبه ما لو لم يحج قال النووى :وبه قال ابن عباس -رضى الله عنهما والأوزاعى وإسحاق.

وفى المغنى :قال أبو بكر عبد العزيز :يقع الحج باطلا، ولا يصح ذلك عنه ولا عن غيره، وروى ذلك عن ابن عباس -رضى الله عنهما

وقال الحنفية :لا يشترط فى النائب أن يكون قد حج عن نفسه، فيصح حج الصرورة، لكن الأفضل أن يكون قد حج عن نفسه حجة الإسلام خروجا عن الخلاف، فيكره عندهم حج الصرورة.

وهل الكراهة تحريمية أم تنزيهية؟ اختلفت عباراتهم.

وذكر ابن عابدين نقلا عن الفتح :والذى يقتضيه النظر :أن حج الصرورة عن غيره إن كان بعد تحقق الوجوب عليه بملك الزاد والراحلة والصحة فهو مكروه كراهة تحريم؛ لأنه تضييق عليه فى أول سنى الإمكان فيأثم بتركه، وكذا لو تنفل لنفسه، ومع ذلك يصح؛ لأن النهى ليس لعين الحج المفعول، بل لغيره وهو الفوات إذ الموت فى سنة غير نادر .ثم نقل عن البحر قوله :والحق أنها تنزيهية على الآمر لقولهم :والأفضل . .إلخ، تحريمية على الصرورة، أى المأمور الذى اجتمعت فيه شروط الحج، ولم يحج عن نفسه؛ لأنه أثم بالتأخير .اهـ .ثم قال :وهذا لا ينافى كلام الفتح؛ لأنه فى المأمور.

واستدل الحنفية بصحة حج الصرورة بإطلاق قوله صلى الله عليه وسلم للخثعمية :حجى عن أبيك من غير استخبارها عن حجها لنفسها قبل ذلك .قال فى الفتح :وترك الاستفصال فى وقائع الأحوال ينزل منزلة عموم الخطاب؛ فيفيد جوازه عن الغير مطلقا .وحديث شبرمة يفيد استحباب تقديم حجة نفسه؛ وبذلك يحصل الجمع.

أما المالكية :فقد منعوا استنابة صحيح مستطيع فى فرض لحجة الإسلام أو حجة منذورة .قال الحطاب :لا خلاف فى ذلك، والظاهر أنها لا تصح، وتفسخ إذا عثر عليها،أما الصرورة :فيكره عندهم حجه عن الغير (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷،ص۵ تا ص۷، مادة صرورة)

الشرط السادس :أن يكون النائب قد حج عن نفسه أولا:

وهذا الشرط اختلف فيه الفقهاء :

فذهب الشافعية، والحنابلة، إلى أنه ليس لمن لم يحج حجة الإسلام أن يحج عن غيره، فإن فعل وقع إحرامه عن حجة الإسلام عن نفسه، وبهذا قال الأوزاعى وإسحاق .

وذهب الحنفية إلى أن النيابة تصح، سواء كان النائب قد حج عن نفسه أو لا، إلا أن الأفضل أن يكون قد حج عن نفسه ويسمى حج الصرورة.

وهذا القول الذى قال به الحنفية، هو قول الحسن، وإبراهيم، وأيوب السختيانى، وجعفر بن محمد، وحكى عن أحمد مثل ذلك .

وقال الثورى :إن كان يقدر على الحج عن نفسه حج عن نفسه، وإن لم يقدر على الحج عن نفسه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جائے، جو اپنا حج کا فریضہ ادا کرچکا ہو، اور وہ حج کے احکام سے واقف و باعلم ہو۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۶...... جب دوسرے کی طرف سے حجِ بدل کیا جائے، اور حجِ بدل صحیح ہونے کی شرائط کا بھی لحاظ کیا جائے، تو یہ حج ابتداءً ہی اُس شخص کی طرف سے واقع ہوتا ہے، جس کی طرف سے حجِ بدل کیا گیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حج عن غيره؛ لأن الحج مما تدخله النيابة، فجاز أن يؤديه عن غيره من لم يسقط فرضه عن نفسه، كالزكاة .

وقال أبو بكر عبد العزيز :يقع الحج باطلا، ولا يصح عنه ولا عن غيره، وروى ذلك عن ابن عباس -رضى الله عنهما -لأنه لما كان من شرط طواف الزيارة تعيين النية، فمتى نواه لغيره، ولم ينو لنفسه، لم يقع عن نفسه، كذا الطواف حاملا لغيره لم يقع عن نفسه ، وانظر تفصيل ذلك فى مصطلح (حج ف) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص ۳۴ وص ۳۵، شرائط جواز النيابة فى الحج عن الحى، الشرط السادس)

[1] والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسك الذى حج عن نفسه (البحرالرائق، ج۳، ص ۷۴، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحج رجلاً عن نفسه أن يحج رجلاً قد حج عن نفسه؛ لأنه أهدى إلى إقامة الأعمال؛ ولأنه أبعد عن الخلاف، فإن الذى لم يحج عن حجة الإسلام عن نفسه لم تجز حجته عن غيره عند بعض الناس(المحيط البرهانى، ج۲ ص۴۷۸، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر)

[2] حنفیہ کے نزدیک الاصل کی روایت کے مطابق حج محجوج عنہ یعنی اصیل کی طرف سے ہی واقع ہوتا ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق حاج کی طرف سے واقع ہوتا ہے، اور محجوج عنہ کو حج میں نفقہ اور خرچ کا ثواب حاصل ہوتا ہے؛ مگر دلیل کے لحاظ سے الاصل کی روایت کو ترجیح حاصل ہے، اور یہی دوسرے فقہاء کا بھی قول ہے۔

ملحوظ رہے کہ اگر حجِ بدل کرنے والے کا حجِ بدل فوت یا فاسد ہوجائے، تو اس سے دوسرے کا حجِ بدل ادا نہیں ہوتا، اور بہت سی صورتوں میں حجِ بدل کرنے والا دوسرے کے مال کا ضامن بھی ہوتا ہے۔

ثم فى الحديث دليل على أن الحج يقع عن الآمر وهو مختار شمس الأئمة السرخسى -رحمه الله، وجمع من المحققين وهو ظاهر المذهب(مرقاة المفاتيح، ج۵ ص۱۷۴۳ ، كتاب المناسك)

أولا :النيابة فى الحج عن الحى:من يقع عنه حج النائب:

ذهب الفقهاء إلى أن الحج يقع عن المحجوج عنه .لحديث الخثعمية حيث قال لها النبى صلى الله عليه وسلم :حجى عن أبيك فقد أمرها النبى صلى الله عليه وسلم بالحج عن أبيها، ولولا أن حجها يقع عن أبيها لما أمرها بالحج عنه.

ولأن النبى صلى الله عليه وسلم قاس دين الله تعالى بدين العباد بقوله :أرأيت لو كان على أبيك

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۷...... حنفیہ کے نزدیک دوسرے کی طرف سے حجِ بدل کرنے والے کو اُجرت اور معاوضہ طلب کر کے حج کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر کوئی اُجرت کے معاملہ کے ساتھ دوسرے کی طرف سے حج کرے تو اُجرت کا معاملہ باطل ہے؛ البتہ اس کے نتیجہ میں جو حج کیا جائے وہ اس دوسرے کی طرف سے معتبر ہو جاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

دین .وذلک تجزء فیه النیابة، ویقوم فعل النائب مقام فعل المنوب عنه کذا هذا .لأن الحاج یحتاج إلی نیة المحجوج عنه کذا الإحرام، ولو لم یقع نفس الحج عنه لکان لا یحتاج إلی نیته.

وروی عن محمد بن الحسن أن نفس الحج یقع عن الحاج، وإنما للمحجوج عنه ثواب النفقة؛ لأن الحج عبادة بدنیة ومالیة والبدن للحاج، والمال للمحجوج عنه، فما کان من البدن لصاحب البدن، وما کان بسبب المال یکون لصاحب المال .والدلیل علیه أنه لو ارتکب شیئا من محظورات الإحرام فکفارته فی ماله لا فی مال المحجوج عنه، وکذا لو أفسد الحج یجب علیه القضاء ، فدل علی أن نفس الحج یقع له إلا أن الشرع أقام ثواب نفقة الحج فی حق العاجز عن الحج بنفسه، مقام الحج بنفسه نظرا له ومرحمة علیه (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۴۲، ص ۳۱ وص ۳۲، النیابة فی الحج عن الحی،مادة "نیابة")

وأما کیفیة النیابة فیه، فذکر فی الأصل أن الحج یقع عن المحجوج عنه، وروی عن محمد أن نفس الحج یقع عن الحاج، وإنما للمحجوج عنه ثواب النفقة.

وجه روایة محمد أنه عبادة بدنیة ومالیة والبدن للحاج، والمال للمحجوج عنه فما کان من البدن لصاحب البدن، وما کان بسبب المال یکون لصاحب المال، والدلیل علیه أنه لو ارتکب شیئا من محظورات الإحرام فکفارته فی ماله لا فی مال المحجوج عنه .وکذا لو أفسد الحج یجب علیه القضاء فدل أن نفس الحج یقع له إلا أن الشرع أقام ثواب نفقة الحج فی حق العاجز عن الحج بنفسه مقام الحج بنفسه نظرا له ومرحمة علیه .وجه روایة الأصل ما روینا من حدیث الخثعمیة حیث قال لها النبی - :صلی الله علیه وسلم -حجی عن أبیک أمرها بالحج عن أبیها.

ولولا أن حجها یقع عن أبیها لما أمرها بالحج عنه، ولأن النبی -صلی الله علیه وسلم -قاس دین الله تعالی بدین العباد بقوله :أرأیت لو کان علی أبیک دین؟ وذلک تجزء فیه النیابة ویقوم فعل النائب مقام فعل المنوب عنه کذا هذا، والدلیل علیه أن الحاج یحتاج إلی نیة المحجوج عنه کذا الإحرام، ولو لم یقع نفس الحج عنه لکان لا یحتاج إلی نیته والله أعلم (بدائع الصنائع، ج۲، ص ۲۱۲، کتاب الحج)

[1] اور یہ حکم حنفیہ کے نزدیک ہے، اور حنابلہ کی مشہور روایت بھی یہی ہے؛ جبکہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق اُجرت ومعاوضہ پر حج کرنا جائز ہے، اور مالکیہ کے نزدیک جواز اور کراہت دونوں قسم کی روایات ہیں۔

استیجار علی الحج یا اجرت ومعاوضہ پر حج کے جواز کی صورت میں حجِ بدل کرنے اور کرانے والے کے مابین جتنے مال کی مقدار پر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۸...... جب دوسرے کے مال سے اس کے حکم یا وصیت کے مطابق حجِ بدل

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

استیجار علی الحج کا معاملہ ہوجائے، اتنے مال کا وہ اس عقد کے نتیجہ میں مالک بن جاتا ہے، اور اسے اس مال میں حسبِ منشاء تصرف کا حق ہوتا ہے، اور حج کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم کی واپسی اور سفرِ حج میں مخصوص اخراجات کی پابندی بھی ضروری نہیں ہوتی، برخلاف استیجار علی الحج کے عدمِ جواز کے، کہ اس صورت میں ان چیزوں کی رعایت ضروری ہوتی ہے، جیسا کہ آگے آنے والے چند مسائل سے ظاہر ہوگا۔

جب بغیر اُجرت کے حجِ بدل کے لئے کوئی میسر نہ ہو، اور حجِ بدل کرانا فرض ہو، تو ہمارے نزدیک دوسرے کے حج کے اہم فریضہ کی ادائیگی کے لیے شافعیہ کے قول پر عمل کی گنجائش دی جاسکتی ہے، جیسا کہ متأخرینِ احناف نے بعض دیگر عبادات میں شوافع کے قول پر ضرورت کی وجہ سے فتویٰ دیا ہے۔

اور بعض متقدمین نے جو اجرت پر حج کے عدمِ جواز پر زور دیا ہے، تو وہ عام حالات میں ہے، اور ہماری بحث خاص ضرورت ومجبوری کے تحت ہے۔ محمد رضوان۔

الاستئجار على الحج: مشروعيته: ذهب أبو حنيفة وإسحاق بن راهويه وهو الأشهر عن أحمد إلى أنه لا يجوز الاستئجار على الحج. وذهب الشافعي إلى الجواز، وبه أخذ المالكية، مراعاة لخلاف الشافعية في جواز النيابة في حج النفل.

فلو عقدت الإجارة للحج عن الغير فهي عند أبي حنيفة باطلة، لكن الحجة عن الأصيل صحيحة، على التحقيق في المذهب، ويسمون الأجير: مأمورا، ونائبا، وقالوا له نفقة المثل في مال الأصيل، لأنه حبس نفسه لمنفعة الأصيل فوجبت نفقته في ماله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۷۸، الاستئجار على الحج)

النيابة في الحج بأجرة: ذهب المالكية والشافعية والحنابلة في رواية إلى أنه يجوز الاستئجار على الحج عن الميت. أما عن الحي فلا يجوز إلا للعذر الميئوس عن زواله وذلك عند الشافعية والحنابلة. أما عند المالكية فلا يجوز الاستئجار على الحج عن الحي عندهم.

وذهب الحنفية وهو رواية عند الحنابلة إلى أنه لا يجوز الاستئجار على الحج عن الحي أو الميت، فإن وقعت الإجارة فهي باطلة لكن الحجة تقع عن الأصيل، ولمن حج نفقة مثله لأنه حبس نفسه لمنفعة الأصيل، فوجبت نفقته في ماله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۴۷، النيابة في الحج بأجرة)

ثانيا - حكم الأجرة في حج الصرورة: صرح الحنفية: بعدم جواز أخذ الأجرة لمن يحج عن غيره، فلو استأجر رجلا على أن يحج عنه بكذا لم يجز حجه، وإنما يقول: أمرتك أن تحج عني بلا ذكر إجارة، وله نفقة المثل. ونقل ابن عابدين عن الكفاية: أنه يقع الحج من المحجوج عنه في رواية الأصل عن أبي حنيفة. وعدم جواز الأجرة في الحج هو الرواية المشهورة عن أحمد - أيضا - قال ابن قدامة في الصرورة الذي يحج عن غيره: عليه رد ما أخذ من النفقة؛ لأنه لم يقع الحج عنه.

ومذهب المالكية: الجواز مع الكراهة. قال الدسوقي: لأنه أخذ العوض عن العبادة، وليس ذلك من شيم أهل الخير وينظر مصطلح: (حج ف) قال الشيخ زكريا الأنصاري: ولا أجرة له - يعني للصرورة - لأنه لم ينتفع بما فعله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۷، مادة "صرورة")

کیا جائے، تو حج کے افعال انجام دینے والا اس دوسرے کا اس کے مال اور حج کے افعال میں نائب اور وکیل ہوتا ہے، اس لیے اسے دوسرے کے حکم اور وصیت کے مطابق حج اور اس کے اخراجات کو ٹھیک ٹھیک طریقہ پر انجام دینا چاہیے، اور اس کی خلاف ورزی اور خیانت نہیں کرنی چاہئے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۹...... جس شخص کو کسی نے حجِ بدل کرنے کے لئے متعین و مامور کیا، تو اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے کی اجازت کے بغیر اُس کے مال سے اپنے بجائے کسی اور کو حجِ بدل کے لئے بھیجے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۲۰...... جب کوئی شخص دوسرے کو حجِ بدل کا حکم یا وصیت کرے، تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ حجِ بدل کرنے والے کو صراحتاً ہر طرح کا حج کرنے کی اجازت دے دے کہ خواہ وہ حجِ افراد کرے، یا حجِ تمتع کرے، یا حجِ قران کرے، اور خواہ وہ اس کی طرف سے

---

[1] وما فضل في يد الحاج عن الميت بعد النفقة في ذهابه ورجوعه فإنه يرده على الورثة لا يسعه أن يأخذ شيئا مما فضل؛ لأن النفقة لا تصير ملكا للحاج بالإحجاج، وإنما ينفق قدر ما يحتاج إليه في ذهابه وإيابه على حكم ملك الميت؛ لأنه لو ملك إنما يملك، بالاستئجار والاستئجار على الطاعات لا يجوز عندنا فكان الفاضل ملك الورثة فيجب عليه رده إليهم(بدائع الصنائع، ج۲ص ۲۲۳، كتاب الحج،فصل بيان حكم فوات الحج عن العمرة)

[2] هـ -أن يحج المأمور بنفسه :نص عليه الحنفية والمالكية والشافعية .فلو مرض المأمور أو حبس فدفع المال إلى غيره بغير إذن المحجوج عنه لا يقع الحج عن الميت، والحاج الأول والثاني ضامنان لنفقة الحج، إلا إذا قال الآمر بالحج :اصنع ما شئت فله، حينئذ أن يدفع المال إلى غيره، ويقع الحج عن الآمر.

و أن يحرم بالحج من ميقات الشخص الذي يحج عنه من غير مخالفة .ولو أمره بالإفراد فقرن عن الآمر فيقع ذلك عن الآمر في مذهب الشافعي والصاحبين استحسانا، وأما عند أبي حنيفة فهو مخالف ضامن من النفقات ولا يقع عن الآمر .أما إذا أمره بالإفراد فتمتع عن الآمر لم يقع حجه عنه ولا يجوز ذلك عن حجة الإسلام، ويضمن اتفاقا عند أئمة الحنفية، والشافعية .وسوى المالكية بين القران والتمتع إذا فعلا وكان الإفراد يجزء إن كان الشرط من الوصي لا الأصيل .وصحح الحنابلة الحج عن الأصيل في كل الحالات ويرجع على الأجير بفرق أجرة المسافة، أو توفير الميقات(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۷۶،وص۷۷، الحج عن الغير، شروط صحة الحج الواجب عن الغير)

خود حجِ بدل کرے یا کسی دوسرے مسلمان کو بھیج کر کرائے، تاکہ بعد میں حجِ بدل کرنے والے کو حسبِ موقع اس کے حجِ بدل کی ادائیگی میں سہولت رہے، اور اسے کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۱...... اگر دوسرے نے ہر طرح کا حج کرنے کی اجازت دی ہو، تو حجِ بدل کرنے والے کو حجِ افراد کے علاوہ حجِ تمتع اور حجِ قران کرنا بھی جائز ہے، اور اگر کسی خاص قسم کے حج کی تخصیص کی ہو، مثلاً یہ کہ حجِ تمتع کیا جائے، تو اس کے حکم کے مطابق حج کرنے میں تو کوئی شبہ نہیں، اور اگر حجِ افراد یا مطلق حج کا حکم کیا ہو، تو اس صورت میں حنفیہ (امام ابوحنیفہ اور صاحبین) کے نزدیک حجِ تمتع کرنا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حجِ تمتع اور حجِ قران دونوں ہی کرنا جائز نہیں۔

جبکہ شوافع اور صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) رحمہما اللہ کے نزدیک اس صورت میں حجِ قران کرنا جائز ہے، اور حنابلہ کے نزدیک حجِ قران اور حجِ تمتع دونوں جائز ہیں۔

آج کل کیونکہ میقات سے آنے والوں کی طرف سے عام طور پر حجِ تمتع کا رواج ہے، اس لئے اگر دوسرے نے کسی خاص قسم کے حج کی صراحت نہ کی، بلکہ عام حج کا حکم یا وصیت کی ہو، تو عرف اور رواج کی وجہ سے دلالۃً اجازت ہونے کی بناء پر حجِ بدل کرنے والے کو حجِ تمتع کرنا جائز ہے۔ [2]

---

[1] وقال الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى إذا أمر غيره بأن يحج عنه ينبغي أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول حج عنى بهذا المال كيف شئت إن شئت حجة وإن شئت حجة وعمرة وإن شئت قراناً والباقي من المال منى لک وصية كيلا يضيق الأمر على الحاج ولا يجب عليه رد ما فضل إلى الورثة(فتاویٰ قاضیخان، ج ۱ ص ۲۰۴، کتاب الحج)

[2] جب کسی میقاتی پر ابتداءً حج فرض ہوتا ہے، تو اصلاً حج فرض ہوتا ہے، جس کے ساتھ عمرہ فرض نہیں ہوتا، اور حجِ افراد میں میقات سے حج کا احرام باندھا جاتا ہے، جس میں حج کی قربانی واجب نہیں ہوتی، اور حجِ تمتع میں میقات سے عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے، پس تمتع میں ابتداءً یہ سفر عمرہ کا بن جاتا ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حجِ بدل کرنے والا اگر آمر کی اجازت کے بغیر حجِ افراد کے بجائے حجِ تمتع یا حجِ قران کرتا ہے، تو وہ اس سفر میں عمرہ کو ساتھ ملا کر آمر کی مخالفت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۲...... جب دوسرے کی طرف سے اُس کے مال اور اُس کی اجازت سے حجِ بدل کے طور پر حجِ تمتع کیا جائے، تو حجِ بدل کرنے والے پر ضروری ہے کہ وہ عمرہ اور حج دونوں کے احرام میں دوسرے کی طرف سے بطور نیابت عمل انجام دینے کی نیت کرے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کرتا ہے، اور یہ گویا کہ ایسا ہے جیسا کہ عمرہ اپنی طرف سے کیا، اور حج آمر کی طرف سے؛ اور شوافع اور صاحبین کے نزدیک حجِ تمتع کرنے کی صورت میں تو مخالفت پائی جاتی ہے، کیونکہ متمتع کا میقات سے احرام عمرہ کا واقع ہوتا ہے، جبکہ حجِ بدل کرنے والے پر میقات سے حج کا احرام لازم تھا؛ البتہ حجِ قران کرنے کی صورت میں یہ مخالفت نہیں پائی جاتی، اور وہ اضافی ثواب کو حاصل کرنے والا شمار ہوتا ہے۔

ملحوظ رہے کہ بعض مشائخ حنفیہ کی تصریح کے مطابق آمر کی طرف سے اجازت کے ساتھ حجِ تمتع یا حجِ قران کرنے کی صورت میں بھی دمِ قران اور دمِ تمتع حاجی یعنی مامور کے ذمہ ہوتا ہے، جس کا وہ آمر یا اُس کے مال سے مطالبہ نہیں کرسکتا، البتہ اگر آمر بخوشی اس کا خرچہ خود ادا کردے، تو پھر مامور کے لئے یہ خرچہ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

اور حنابلہ کے نزدیک اگر آمر کی اجازت سے تمتع یا قران کیا جائے، تو دمِ شکر کا خرچ آمر کے ذمہ ہے، اور عرف ورواج سے دلالتاً اجازت متحقق ہوجایا کرتی ہے، جیسا کہ گزرا۔

لہٰذا حنابلہ کے نزدیک عرف ورواج کی صورت میں آمر کی تصریح کے بغیر حجِ تمتع وقران کرنا اور آمر کے مال میں سے دمِ شکر ادا کرنا جائز ہے۔

موجودہ حالات میں یہ موقف عمل کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہے، کیونکہ اگر حجِ بدل کرنے والے کو حجِ بدل کے بعد کہا جائے کہ دمِ شکر آپ اپنے مال سے ادا کریں، تو ظاہر ہے کہ یہ تنازع کا باعث ہوگا، مگر یہ کہ پہلے ہی تمام معاملات طے اور صاف کرلئے گئے ہوں، لیکن موجودہ دور میں عوامی دنیا میں صفائی معاملات تقریباً عنقاء ہے۔

من الشروط عدم المخالفة فلو أمره بالإفراد أو العمرة فقرن أو تمتع، ولو للميت لم يقع حجه عن الآمر ويضمن النفقة (منحة الخالق على البحر الرائق، ج۳، ص۶۸، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

(ودم القران) والتمتع (والجناية على الحاج) إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا فيضمن (الدر المختار)

(قوله على الحاج) أى المأمور .أما الأول فلأنه وجب شكرا على الجمع بين النسكين وحقيقة الفعل منه وإن كان الحج يقع عن الآمر لأنه وقوع شرعي لا حقيقي .وأما الثاني فباعتبار أنه تعلق بجنايته، أفاده في البحر (قوله فيصير مخالفا) هذا قول أبي حنيفة .ووجهه أنه لم يأت بالمأمور به لأنه أمره بسفر يصرفه إلى الحج لا غير، فقد خالف أمر الآمر فضمن بدائع .زاد في المحيط لأن العمرة لا تقع عن الآمر لأنه ما أمره بها فصار كأنه حج عنه واعتمر لنفسه فيصير مخالفا (ردالمحتار، ج۲، ص۶۱۱، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عمرہ میں اپنی طرف سے نیت کرنا اور حج میں دوسرے کی طرف سے نیت کرنا جائز نہیں ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما بيان ما يصير به المأمور بالحج مخالفا، وبيان حكمه إذا خالف فنقول :إذا أمر بحجة مفردة أو بعمرة مفردة فقرن فهو مخالف ضامن في قول أبي حنيفة وقال أبو يوسف ومحمد :يجزي ذلك عن الآمر نستحسن وندع القياس فيه، ولا يضمن فيه دم القران على الحاج.وجه قولهما أنه فعل المأمور به وزاد خيرا فكان مأذونا في الزيادة دلالة، فلم يكن مخالفا كمن قال لرجل :اشتر لي هذا العبد بألف درهم فاشتراه بخمسمائة أو قال :بع هذا العبد بألف درهم، فباعه بألف وخمسمائة يجوز، وينفذ على الآمر لما قلنا كذا هذا، وعليه دم القران؛ لأن الحاج إذا قرن بإذن المحجوج عنه كان الدم على الحاج لما نذكر، ولأبي حنيفة أنه لم يأت بالمأمور به؛ لأنه أمر بسفر يصرفه إلى الحج لا غير، ولم يأت به فقد خالف أمر الآمر فضمن. ولو أمره أن يحج عنه فاعتمر ضمن؛ لأنه خالف ولو اعتمر ثم حج من مكة يضمن النفقة في قولهم؛ جميعا لأمره به بالحج، بسفر وقد أتى بالحج من غير سفر؛ لأنه صرف سفره الأول إلى العمرة، فكان مخالفا فيضمن النفقة (بدائع الصنائع، ج۲ص۲۱۳، ۲۱۴، كتاب الحج)

اختلف الفقهاء فيمن يجب عليه دم القران والتمتع في الحج عن الغير:

قال الحنفية :دم القران والتمتع على الحاج -أي المأمور بالحج عن غيره -إن أذن له الآمر بالقران والتمتع، وإلا فيصير مخالفا، فيضمن النفقة. وللشافعية تفصيل وتفرقة بين ما إذا كانت الإجارة على الذمة أو العين، وكان قد أمره بالحج، فقرن أو تمتع. وقال الحنابلة :دم التمتع والقران على المستنيب، إن أذن له فيهما، وإن لم يؤذن فعليه.(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۸، ص۳۰۰، دم القران والتمتع،مادة "ضمان")

إذا أمر النائب بالإفراد فقرن فقد ذهب الشافعية، والحنابلة، وأبو يوسف ومحمد من الحنفية، إلى أنه لا يكون مخالفا ولا يضمن، ووقع الحج والعمرة عن المحجوج عنه؛ لأنه فعل المأمور به وزاد خيرا، فكان مأذونا في الزيادة دلالة، فلم يكن مخالفا فصح ولم يضمن، كما لو أمره بشراء شاة بدينار فاشترى به شاتين تساوي إحداهما دينارا وذهب أبو حنيفة إلى أنه يكون مخالفا ويضمن النفقة؛ لأنه لم يأت بالمأمور به، إذ أمر بسفر يصرفه إلى الحج لا غير، ولم يأت به، فقد خالف أمر الآمر فضمن (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۳۶، وص۳۷، مادة "نيابة")

إذا أمر بالحج فتمتع أو قرن جاز ذلك ووقع عن الآمر والدم على النائب (شرح العمدة في الفقه لابن تيمية، ج۲، ص۲۵۵، كتاب الحج)

؎ ولو أمره بالحج فاعتمر ثم حج من مكة فهو مخالف لأنه مأمور بحج ميقاتي (ردالمحتار، ج۲، ص۶۱۱، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

ولو أمره بالحج فاعتمر، ثم حج من مكة، فهو مخالف في قولهم؛ لأنه أمره بأن يؤدي بالسفر الحجة، وقد أدى الحجة من غير سفر (المحيط البرهاني، ج۲، ص۴۷۸، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۴ ...... حجِ بدل جب دوسرے کے مال سے کیا جائے تو حجِ بدل کرنے والے کے پاس حجِ بدل کرانے والے کی رقم اور مال امانت ہوتا ہے۔ [1]

نیز اس مال اور رقم کا صحیح اور جائز استعمال اس پر واجب ہے، اور اس رقم کو فضول خرچی اور گناہ کے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں، اور اسی وجہ سے حجِ بدل کرنے کے بعد جو رقم و مال بچ جائے، وہ مالک کو واپس کرنا ضروری ہے، البتہ مالک نے جن چیزوں میں خرچ کرنے کی اجازت دے دی، تو ان چیزوں میں خرچ کرنا جائز ہے اور اگر مالک بچی ہوئی رقم و مال کا حج کرنے والے کو بخوشی ہبہ یا صدقہ کے طور پر مالک بنا دے تو پھر حرج نہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ملحوظ رہے کہ آمر کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت کے بغیر تو نائب کو حج تمتع جائز نہیں، کیونکہ اس میں آمر کی مخالفت پائی جاتی ہے، لیکن آمر کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت سے آمر کی مخالفت ختم ہو جاتی ہے، جیسا کہ مندرجہ بالا عبارات میں "لانہ مامور" کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

لہٰذا بعض حضرات کا یہ سمجھنا کہ حنفیہ کے نزدیک آمر کی اجازت سے بھی حج تمتع جائز نہیں، یہ بات مرجوح معلوم ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، رسالہ "منہج الخیر فی الحج عن الغیر" مشمولہ: جواہر الفقہ، ج۴ص۲۰۱، لمفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ۔

[1] اور اسی وجہ سے دوسرے کے مال سے جو احرام وغیرہ خریدا جائے، وہ فراغت کے بعد اصولی طور پر مال کے مالک یا وارثوں کو لوٹانا ضروری ہوتا ہے، اور یہ حکم اس صورت میں ہے، جبکہ استیجار علی الحج کو ناجائز قرار دیا جائے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

(قال) : وإن أوصى أن يحج رجل حجة فأحجوه فلما قدم فضل معه كسوة ونفقة فإن ذلك لورثة الميت؛ لأن الحاج عن الغير لا يتملك المال المدفوع إليه فإن التمليك يكون بطريق الاستئجار، وقد بينا بطلان الاستئجار على الطاعة، وإنما ينفق المال على ملك الموصى بطريق الإباحة لاستحقاقه الكفاية حين فرغ نفسه ليعمل له فما فضل من ذلك يكون باقيا على ملك الميت فيرد على ورثته(المبسوط للسرخسي، ج۴ص ۱۶۲، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره)

[2] المأمور بالحج له أن ينفق على نفسه بالمعروف ذاهبا وآيبا من غير تبذير ، ولا تقتير في طعامه وشرابه وثيابه وركوبه وما لا بد منه ، وما فضل يرده على ورثته أو وصيه إلا إذا تبرع به الوارث ، أو أوصى له به الميت ، وليس له أن يدعو أحدا إلى طعامه ، ولا يتصدق به ، ولا يقرض أحدا ، ولا يصرف الدراهم بالدنانير ، ولا يشتري بها ماء لوضوئه ، ولا يدخل بها الحمام ، ولا يشتري بها دهن السراج ، ولا يدهن به ، ولا يتداوى بشيء منه ، ولا يحتجم به ، ولا يعطي أجرة الحلاق منه إلا أن يوسع عليه الميت أو الوارث ، ولا ينفق على من يخدمه إلا إذا كان ممن لا يخدم نفسه ولو نوى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مناسب یہ ہے کہ حجِ بدل کے لئے مال فراہم کرنے والا ساتھ ہی یہ بھی کہہ دے کہ میں نے آپ کو اس مال میں پورا اختیار دے دیا ہے، اور جو مال حج کے اخراجات سے زائد ہو، وہ آپ کے لئے میری طرف سے ہدیہ ہے، تاکہ حجِ بدل کرنے والے کو اخراجات میں تنگی کا سامنا نہ ہو۔ [1]

مسئلہ ۲۴..... حجِ بدل کرنے والے کے مکہ میں قیام وطعام کے عمومی اخراجات حجِ بدل کرانے والے کے مال میں سے ادا کیے جائیں گے، اور عمومی اخراجات سے ہٹ کر جو اضافی اخراجات کئے جائیں گے، خواہ وہ اخراجات کسی عبادت کی ادائیگی کے لیے ہی ہوں، وہ اخراجات حجِ بدل کرنے والا اپنے مال سے کرنے کا پابند ہوگا، حج بدل کرانے والے کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر لینا جائز نہیں ہوگا، چنانچہ اگر حجِ بدل کرنے والا حجِ بدل سے فارغ ہونے کے بعد واپس آنے سے پہلے قیام کے زمانہ میں اپنی طرف سے عمرہ کرے، اور اس عمرہ پر آنے والے اضافی اخراجات حجِ بدل کرنے والے کے مال میں سے نہ کرے، بلکہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الإقامة بمكة خمسة عشر يوما سقطت نفقته من مال الميت ثم إذا عاد تعود نفقته عند محمد وهو الظاهر وعند أبي يوسف لا تعود،ولو خرج من مكة مسيرة سفر لحاجة نفسه سقطت نفقته من مال الميت في رجوعه ، وإن توطن بمكة سقطت نفقته قل أو كثر ثم إذا عاد لا تعود بالاتفاق ، وإن كانت الإقامة بها قدر العادة حتى تخرج القافلة لا تسقط للضرورة ، وكذا إذا دخل في الطريق بلدة ، فإن أقام بها القدر المعتاد فنفقته لا تسقط ، وإلا سقطت حتى يخرج منها ولو تعجل إلى مكة في رمضان تكون نفقته من مال نفسه إلى عشر ذي الحجة ، وينبغي أن ينفق في الطريق من مال الميت لا غير فإن أنفق من ماله شيئا فإن كان الأكثر مال الميت جاز عنه وإلا فلا ويضمن مال الميت وقال السرخسي :وهذه المسألة تدل على أن الحج يقع للميت ؛ إذ لو كان له ثواب الإنفاق لا غير لحصل له بذلك ، ويؤيد هذا أنه يجب عليه أن ينويه عن الميت ، ولو سلك طريقا آخر أبعد من المعتاد وتكون النفقة فيه أكثر فإن كان مما يسلكه الناس فله ذلك وله أن يشتري حمارا يركبه(تبيين الحقائق، ج۲ ص۸۸، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

[1] قالوا وينبغي أن يكون الحاج رجلاً حج مرة .مريض أو شيخ دفع إلى رجل مالاً ليحج عنه حجة الإسلام أراد أن ما يفضل عن الحج من النفقة والثياب وغير ذلك يكون للمدفوع إليه قال ابن شجاع رحمه الله تعالى الحيلة في ذلك أن يقول دافع المال للمدفوع إليه وكلتك أن تهب الفضل من نفسك وتقبضه لنفسك فيهبه من نفسه(فتاویٰ قاضیخان، ج ۱ ص ۲۰۴، كتاب الحج)

اپنے مال میں سے کرے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

البتہ اگر حجِ بدل کرنے والا عام عرف ورواج سے زیادہ وہاں قیام کرے، تو اس زمانہ کے قیام وطعام کے اخراجات حجِ بدل کرانے والے کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر لینا جائز نہیں۔

حجِ بدل کے لیے مال فراہم کرنے والے نے اگر اضافی اخراجات مثلاً مدینہ منورہ کے سفر اور وہاں قیام وطعام کے اخراجات کی اجازت دی ہو تو اس مال میں سے یہ اخراجات کرنا جائز ہے، جبکہ فضول اخراجات نہ کیے جائیں، اور اگر اس نے اجازت نہ دی ہو تو پھر جائز نہیں، آجکل اکثر وبیشتر مدینہ منورہ کے سفر اور قیام کے اخراجات حج کی درخواست کے ساتھ جبری طور پر کاٹ لیے جاتے ہیں، اس لیے اگر کسی نے صراحتاً اس کی اجازت نہ دی ہو تو بھی عرف ورواج کی وجہ سے یہ اخرجات حجِ بدل کرنے والے کو دوسرے کے مال میں سے وصول کرنا دلالتاً اجازت کی وجہ سے جائز ہوگا۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۴۵...... دوسرے کی طرف سے حجِ بدل کے بجائے اپنے مال میں سے دوسرے کے لئے حجِ نفل کرنا بھی جائز ہے، خواہ وہ دوسرا زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو اور خواہ اس نے اس

---

[۱] اور جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حجِ بدل کرنے والے پر مال کے استعمال کی یہ پابندیاں استیجار علی الحج کے عدمِ جواز کی صورت میں ہیں، اور جن فقہائے کرام کے نزدیک استیجار علی الحج جائز ہے، ان کے نزدیک جتنا مال نائب کے لئے اجرت میں مقرر کیا جائے، اس کا وہ مالک ہے، اور اس کو اس میں حسبِ منشاء تصرف کا حق ہے۔

ولو أحج رجلا يؤدى الحج ويقيم بمكة جاز والأفضل أن يحج ويرجع وإذا فرغ المأمور بالحج من الحج ونوى الإقامة خمسة عشر يوما فصاعدا أنفق من مال نفسه ولو أنفق من مال الآمر يضمن فإن أقام بها أياما من غير نية الإقامة قال أصحابنا :إنه إن أقام إقامة معتادة مقدار ما يقيم الناس بها عادة؛ فالنفقة فى مال المحجوج عنه، وإن أقام أكثر من ذلک فالنفقة فى ماله وهذا كان فى زمانهم فأما فى زماننا فلا يمكن الخروج للأفراد والآحاد ولا لجماعة قليلة من مكة إلا مع القافلة فما دام منتظرا خروج القافلة فنفقته فى مال المحجوج عنه (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱، ص ۲۵۸، كتاب المناسک، الباب الرابع عشر فى الحج عن الغير)

ابن سماعة عن محمد رحمه الله :المأمور بالحج إذا حج عن الآمر، ثم أحرم بعمرة ينفق من مال نفسه ما دام معتمراً؛ لأنه فى العمرة عامل لنفسه، فإذا انصرف أنفق من مال الآمر؛ لأنه مأمور بالانصراف (المحيط البرهانى، ج ۲، ص ۴۷۸، كتاب المناسک، الفصل الخامس عشر)

کی اجازت دی ہو، یا نہ دی ہو، بلکہ دوسرے کو علم ہو یا نہ ہو، کیونکہ حجِ نفل کا مقصود دوسرے کو ایصالِ ثواب کرنا ہے، جو زندہ کے لئے بھی جائز ہے، اور فوت شُدہ کے لئے بھی۔ [1]

---

[1] حج النفل عن الغير:

مشروعيته: اتفق الجمهور على مشروعية حج النفل عن الغير بإطلاق، وهو مذهب الحنفية وأحمد. وأجازه المالكية أيضا مع الكراهة فيه وفى النيابة فى الحج المنذور

أما الشافعية ففصلوا وقالوا :لا تجوز الاستنابة فى حج النفل عن حى ليس بمعضوب، ولا عن ميت لم يوص به.

أما الميت الذى أوصى به والحى المعضوب إذا استأجر من يحج عنه، ففيه قولان مشهوران للشافعية: أصحهما الجواز، وأنه يستحق الأجرة.

والقول الآخر عدم الجواز، لأنه إنما جاز الاستنابة فى الفرض للضرورة، ولا ضرورة، فلم تجز الاستنابة فيه، كالصحيح، ويقع عن الأجير، ولا يستحق الأجرة.

ويدل للجمهور على صحة حج النفل عن الغير المستطيع بنفسه أنها حجة لا تلزمه بنفسه، فجاز أن يستنيب فيها كالمعضوب.

ولأنه يتوسع فى النفل ما لا يتوسع فى الفرض، فإذا جازت النيابة فى الفرض فلأن تجوز فى النفل أولى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۷۷، حج النفل عن الغير، مادة "حج")

أما بالنسبة لحج التطوع فعند الحنفية تجوز فيه الاستنابة بعذر وبدون عذر، وعند الحنابلة إن كان لعذر جاز وإن كان لغير عذر ففيه روايتان:

إحداهما يجوز؛ لأنها حجة لا تلزمه بنفسه، فجاز أن يستنيب فيها كالمعضوب.

والرواية الثانية لا يجوز، لأنه قادر على الحج بنفسه، فلم يجز أن يستنيب فيه كالفرض، وللشافعية قولان فيما إذا كان بعذر :أحدهما لا يجوز؛ لأنه غير مضطر إلى الاستنابة فيه، فلم تجز الاستنابة فيه كالصحيح، والثانى يجوز، وهو الصحيح؛ لأن كل عبادة جازت النيابة فى فرضها جازت النيابة فى نفلها .وتكره الاستنابة فى التطوع عن المالكية .

وما مر إنما هو بالنسبة للحى .أما الميت فعند الحنابلة والشافعية :من مات قبل أن يتمكن من أداء الحج سقط فرضه، ولا يجب القضاء عنه، وإن مات بعد التمكن من الأداء ولم يؤد لم يسقط الفرض، ويجب القضاء من تركته، لما روى بريدة قال :أتت النبى صلى الله عليه وسلم امرأة فقالت :يا رسول الله إن أمى ماتت، ولم تحج فقال لها النبى صلى الله عليه وسلم :حجى عن أمك ، ولأنه حق تدخله النيابة حال الحياة، فلم يسقط بالموت، كدين الآدمى، ومثل ذلك الحج المنذور؛ لما روى ابن عباس قال :أتى رجل النبى صلى الله عليه وسلم فقال له :إن أختى نذرت أن تحج، وإنها ماتت، فقال النبى صلى الله عليه وسلم :لو كان عليها دين أكنت قاضيه؟ قال :نعم. قال :فاقض الله فهو أحق بالقضاء .وعند الحنفية والمالكية :من مات ولم يحج فلا يجب الحج عنه، إلا أن يوصى بذلك، فإذا أوصى حج من تركته .وإذا لم يوص بالحج عنه، فتبرع الوارث بالحج بنفسه، أو بالإحجاج عنه رجلا جاز، ولكن مع الكراهة عند المالكية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۳۳۶، النيابة فى أداء العبادات، مادة" نيابة")

مسئلہ نمبر ۲۶...... جو شخص اپنا فرض حج ادا کر چکا ہے، وہ اگر بعد میں کسی دوسرے کو ثواب پہنچانے کے لئے حج کرے، تو ایسا کرنا جائز ہے، لیکن اگر اس نے خود اپنا فرض حج ادا نہیں کیا، تو پھر اس کو ایسا کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اسے پہلے اپنے حج کا فریضہ ادا کرنا ضروری ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۷...... دوسرے کے لئے نفل حج کرنے والے کے لئے بھی ضروری ہے کہ اُس میں اہلیت ہو، کہ وہ مسلمان ہو، اور عاقل ہو۔ [2]

مسئلہ نمبر ۲۸...... جس طرح دوسرے کی طرف سے حجِ بدل یا حجِ نفل کرنا جائز ہے، اسی طرح دوسرے کی طرف سے عمرہ کرنا بھی جائز ہے۔ [3]

---

[1] النيابة فى حالة القدرة على الحج بنفسه :الحج إما أن يكون فرضا، وإما أن يكون نذرا، وإما أن يكون تطوعا .فإن كان الحج فرضا، فقد اتفق الفقهاء على أنه لا يجوز للقادر أن يستنيب من يحج عنه، وكذا الحج المنذور عند الجمهور خلافا للمالكية الذين يرون كراهته.

وأما إن كان الحج حج تطوع، وكان المستنيب قد أدى حجة الإسلام، وهو قادر على الحج بنفسه، فقد اختلف الفقهاء فى جواز الاستنابة:

فذهب الحنفية، والحنابلة فى المذهب، إلى أنه تجوز الاستنابة.

ويرى المالكية كراهة الاستنابة.

وذهب الشافعية والحنابلة فى الرواية الثانية، إلى عدم جواز الاستنابة ، وينظر التفصيل فى مصطلح (حج ف) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۳۶، النيابة فى حالة القدرة على الحج بنفسه)

[2] شروطه:يشترط لصحة حج النفل عن الغير:

الإسلام، والعقل، والتمييز، وقيده الحنفية بالمراهق، وأن يكون النائب قد حج الفرض عن نفسه، وليس عليه حج آخر واجب، وذلک عند الشافعية والحنابلة كما يشترط نية الحاج النائب الحجة عن الأصيل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۷۷ وص۷۸، حج النفل عن الغير)

[3] النوع الثالث :العبادات المشتملة على البدن والمال:

العبادات المشتملة على البدن والمال هى الحج والعمرة .وقد ذهب الجمهور إلى مشروعية الحج عن الغير، وقابليته للنيابة للعذر الميئوس من زواله بالنسبة للحى، وذهب مالک على المعتمد فى مذهبه، إلى أن الحج لا يقبل النيابة لا عن الحى ولا عن الميت، معذورا أو غير معذور، والتفصيل فى مصطلح (حج ف ۱۱۴ وما بعدها، وأداء ف ۱۶، وعبادة ف ۷) . أما العمرة فتقبل النيابة فى الجملة، والتفصيل فى مصطلح (عمرة ف ۳۸) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۳۱، العبادات المشتملة على البدن والمال)

ذهب الفقهاء فى الجملة إلى أنه يجوز أداء العمرة عن الغير؛ لأن العمرة كالحج تجوز النيابة فيها؛

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۹...... اگر کوئی شخص دوسرے کے تعاون کے طور پر اس دوسرے کو اپنے مال سے حج کرائے اور اس کا مقصود حج بدل کرانا نہ ہو، بلکہ دوسرے کے حج کی اعانت و مدد کر کے ثواب حاصل کرنا ہو تو ایسا کرنا بھی جائز ہے، اور اس صورت میں اگر حج کرنے والا اپنے حج کی نیت سے حج کرے تو اس سے اس کے حج کا فریضہ ادا ہو جائے گا، خواہ حج کرنے والا شخص اس وقت غریب ہی کیوں نہ ہو، اور بعد میں مالدار ہی کیوں نہ ہو جائے، کیونکہ یہ صورت حج بدل کی نہیں ہے، بلکہ دوسرے کے حج کی مالی اعانت و مدد کر کے ثواب حاصل کرنے کی ہے۔

فقط

وَاللہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ

وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لأن كلا من الحج والعمرة عبادة بدنية مالية ولهم فى ذلك تفصيل:

ذهب الحنفية إلى أنه يجوز أداء العمرة عن الغير بأمره؛ لأن جوازها بطريق النيابة، والنيابة لا تثبت إلا بالأمر، فلو أمره أن يعتمر فأحرم بالعمرة واعتمر جاز؛ لأنه فعل ما أمر به.

وذهب المالكية إلى أنه تكره الاستنابة فى العمرة وإن وقعت صحت.

وقال الشافعية :تجوز النيابة فى أداء العمرة عن الغير إذا كان ميتا أو عاجزا عن أدائها بنفسه، فمن مات وفى ذمته عمرة واجبة مستقرة بأن تمكن بعد استطاعته من فعلها ولم يؤدها حتى مات .وجب أن تؤدى العمرة عنه من تركته، ولو أداها عنه أجنبى جاز ولو بلا إذن كما أن له أن يقضى دينه بلا إذن .وتجوز النيابة فى أداء عمرة التطوع إذا كان عاجزا عن أدائها بنفسه، كما فى النيابة عن الميت .وذهب الحنابلة إلى أنه لا تجوز العمرة عن الحى إلا بإذنه؛ لأنها عبادة تدخلها النيابة، فلم تجز إلا بإذنه، أما الميت فتجوز عنه بغير إذنه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۳۲۸ و ۳۲۹،أداء العمرة عن الغير ،مادة"عمرة")

احرام باندھ کر رکاوٹ پیدا یا محصَر ہوجانے کا حکم

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُ وْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ (سورة البقرة، آية ۱۹۶)

ترجمہ: اور تم حج کو اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو، پھر اگر تم محصَر ہو جاؤ، تو جو ہدی میسر ہو، اور تم اپنے سَروں کو نہ منڈاؤ جب تک کہ ہدی اپنے محل پر نہ پہنچ جائے (سورہ بقرہ)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مُعْتَمِرًا، فَحَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْبَيْتِ، فَنَحَرَ هَدْيَهُ وَحَلَقَ رَأْسَهُ بِالْحُدَيْبِيَةِ، وَقَاضَاهُمْ عَلٰى أَنْ يَّعْتَمِرَ الْعَامَ الْمُقْبِلَ (بخارى، رقم الحديث ۴۲۵۲، باب عمرة القضاء)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے لئے نکلے، تو تو قریش کے کفار آپ کے اور بیتُ اللہ کے درمیان حائل ہوگئے، تو آپ نے اپنی ہدی کو ذبح کیا، اور حدیبیہ میں اپنے سر کو منڈوایا، اور قریش کے کفار سے اس بات پر فیصلہ (ومعاہدہ) فرمایا کہ آپ آئندہ سال عمرہ کریں گے (بخاری)

مذکورہ آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ حج اور عمرہ کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا ضروری ہوجاتا ہے، خواہ وہ حج وعمرہ فرض ہو یا واجب یا نفل۔ [1]

---

[1] أما ما ندب إليه الشارع من السنن فإن كان حجا أو عمرة وشرع فيهما وجب عليه الإتمام باتفاق، لقوله تعالى: (وأتموا الحج والعمرة لله). وإن كان غيرهما فإتمامه بعد الشروع فيه محل خلاف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۶، ص۹۴، مادة شروع، ما يجب إتمامه بالشروع)

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی حج یا عمرہ کے احرام والا شخص دشمن وغیرہ کی وجہ سے حج یا عمرہ کے مناسک کی ادائیگی سے قاصر و عاجز ہو جائے، تو شریعت کی زبان میں ایسے شخص کو محصَر اور اس عمل کو احصار کہا جاتا ہے۔ [1]

جس پر شریعت نے احرام سے نکلنے کے لئے حلال ہونے کا مخصوص طریقہ مقرر کیا ہے۔ [2]

---

[1] إحصار .التعريف:

من معاني الإحصار في اللغة المنع من بلوغ المناسك بمرض أو نحوه، وهو المعنى الشرعي أيضا على خلاف عند الفقهاء فيما يتحقق به الإحصار.

واستعمل الفقهاء مادة (حصر) بالمعنى اللغوي في كتبهم استعمالا كثيرا .ومن أمثلة ذلك :قول صاحب تنوير الأبصار وشارحه في الدر المختار " :والمحصور فاقد الماء والتراب الطهورين، بأن حبس في مكان نجس، ولا يمكنه إخراج مطهر، وكذا العاجز عنهما لمرض يؤخر الصلاة عند أبي حنيفة، وقالا يتشبه بالمصلين وجوبا، فيركع ويسجد إن وجد مكانا يابسا، وإلا يومء قائما ثم يعيد."

ومنه أيضا قول صاحب تنوير الأبصار "وكذا يجوز له أن يستخلف إذا حصر عن قراء ة قدر المفروض ."وقال أبو إسحاق الشيرازي " :ويجوز أن يصل بتيمم واحد ما شاء من النوافل؛ لأنها غير محصورة، فخف أمرها ."وتفصيله في مصطلح (صلاة).

إلا أنهم غلبوا استعمال هذه المادة (حصر) ومشتقاتها في باب الحج والعمرة للدلالة على منع المحرم من أركان النسك، وذلك اتباعا للقرآن الكريم، وتوافقت على ذلك عباراتهم حتى أصبح (الإحصار) اصطلاحا فقهيا معروفا ومشهورا.

ويعرف الحنفية الإحصار بأنه :هو المنع من الوقوف بعرفة والطواف جميعهما بعد الإحرام بالحج الفرض، والنفل، وفي العمرة عن الطواف، وهذا التعريف لم يعترض عليه. ويعرفه المالكية بأنه المنع من الوقوف والطواف معا أو المنع من أحدهما .وبمثل مذهب الشافعية هذا التعريف الذي أورده الرملي الشافعي في نهاية المحتاج ، ونصه " :هو المنع من إتمام أركان الحج أو العمرة ."

وينطبق هذا التعريف للشافعية على مذهب الحنابلة في الإحصار؛ لأنهم يقولون بالإحصار عن أي من أركان الحج أو العمرة، على تفصيل يسير في كيفية التحلل لمن أحصر عن الوقوف دون الطواف(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ ص ۱۹٦ ،مادة"احصار")

[2] الأصل التشريعي في موجب الإحصار:

موجب الإحصار -إجمالا -التحلل بكيفية سيأتي تفصيلها .والأصل في هذا المبحث حادثة الحديبية المعروفة،وفي ذلك نزل قوله تبارك وتعالى :(وأتموا الحج والعمرة لله فإن أحصرتم فما استيسر من الهدى ولا تحلقوا رء وسكم حتى يبلغ الهدى محله) وقال ابن عمر رضي الله عنهما :خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فحال كفار قريش دون البيت، فنحر النبي صلى الله عليه وسلم هديه وحلق رأسه .أخرجه البخاري(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ص ۱۹٦ ،و۱۹۷ ،مادة"احصار")

اب حج یا عمرہ سے مُحصَر یا احصار ہوجانے کے بارے میں چند اہم مسائل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر ا...... مُحرِم (یعنی حج یا عمرہ کے احرام باندھنے والے شخص) کے احصار کا بنیادی رُکن یہ ہے کہ وہ حج یا عمرہ کی ادائیگی سے قاصر و عاجز ہوجائے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲...... جس مُحرِم کو دشمن کی طرف سے رُکاوٹ پیدا ہونے کی وجہ سے بیتُ اللّٰہ تک رسائی ممکن نہ رہے، تو ایسا شخص شرعی اعتبار سے مُحصَر کہلاتا ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک دشمن کی طرف سے رُکاوٹ پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ بیماری کی وجہ سے سفر جاری رکھنے یا سفر کے اخراجات ضائع ہوجانے کی وجہ سے بھی شرعاً احصار متحقق ہوجاتا اور وجود میں آجاتا ہے۔ [2]

---

[1] ما يتحقق به الإحصار:
يتحقق الإحصار بوجود ركنه، وهو المنع من المضى فى النسك، حجا كان أو عمرة، إذا توافرت فيه شروط بعضها متفق عليه وبعضها مختلف فيه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ص۱۹۷، مادة"احصار")

[2] نیز حنفیہ کے نزدیک عورت کے محرم یا شوہر کے راستے میں فوت ہوجانے کی وجہ سے بھی احصار متحقق ہوجاتا ہے؛ جبکہ اس سلسلہ میں دیگر فقہائے کرام کا مؤقف حج کے لئے محرم ہونے اور عدمِ عدت کی شرائط کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

ركن الإحصار:
اختلف الفقهاء فى المنع الذى يتحقق به الإحصار هل يشمل المنع بالعدو والمنع بالمرض ونحوه من العلل، أم يختص بالحصر بالعدو؟
فقال الحنفية " :الإحصار يتحقق بالعدو، وغيره، كالمرض، وهلاك النفقة، وموت محرم المرأة، أو زوجها، فى الطريق "
ويتحقق الإحصار بكل حابس يحبسه ، يعنى المحرم، عن المضى فى موجب الإحرام .وهو رواية عن الإمام أحمد .وهو قول ابن مسعود، وابن الزبير، وعلقمة، وسعيد بن المسيب، وعروة بن الزبير، ومجاهد، والنخعى، وعطاء ، ومقاتل بن حيان، وسفيان الثورى، وأبى ثور.
ومذهب المالكية :أن الحصر يتحقق بالعدو، والفتنة، والحبس ظلما .كذلك هو مذهب الشافعية والمشهور عند الحنابلة، مع أسباب أخرى من الحصر بما يقهر الإنسان، مما سيأتى ذكره، كمنع الزوج زوجته عن المتابعة.
واتفقت المذاهب الثلاثة على أن من يتعذر عليه الوصول إلى البيت بحاصر آخر غير العدو،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳...... شرعی اعتبار سے احصار یا محصَر ہونے کے لئے یہ شرط اور ضروری ہے کہ حج یا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كالحصر بالمرض أو بالعرج أو بذهاب نفقة ونحوه، أنه لا يجوز له التحلل بذلك.
لكن من اشترط التحلل إذا حبسه حابس له حكم خاص عند الشافعية والحنابلة يأتي بيانه إن شاء الله تعالى.
وهذا القول ينفي تحقق الإحصار بالمرض ونحوه من علة وهو قول ابن عباس وابن عمر وطاوس والزهري وزيد بن أسلم ومروان بن الحكم .
استدل الحنفية ومن معهم بالأدلة من الكتاب والسنة والمعقول:
أما الكتاب فقوله تعالى :(فإن أحصرتم فما استيسر من الهدى) ووجه دلالة الآية قول أهل اللغة إن الإحصار ما كان بمرض أو علة، وقد عبرت الآية بأحصرتم، فدل على تحقق الإحصار شرعا بالنسبة للمرض وبالعدو .وقال الجصاص " :لما ثبت بما قدمته من قول أهل اللغة أن اسم الإحصار يختص بالمرض، وقال الله (فإن أحصرتم فما استيسر من الهدى) وجب أن يكون اللفظ مستعملا فيما هو حقيقة فيه، وهو المرض، ويكون العدو داخلا فيه بالمعنى ."
وأما السنة :فقد أخرج أصحاب السنن الأربعة بأسانيد صحيحة، كما قال النووى ، عن عكرمة، قال :سمعت الحجاج بن عمرو الأنصارى قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من كسر أو عرج فقد حل، وعليه الحج من قابل .قال عكرمة :سألت ابن عباس وأبا هريرة عن ذلك فقالا : صدق .وفي رواية عند أبي داود وابن ماجه :من كسر أو عرج أو مرض. . . .
وأما العقل :فهو قياس المرض ونحوه على العدو بجامع الحبس عن أركان النسك في كل، وهو قياس جلي، حتى جعله بعض الحنفية أولويا.
واستدل الجمهور بالكتاب والآثار والعقل:
أما الكتاب فآية :(فإن أحصرتم فما استيسر من الهدى) قال الشافعي " :فلم أسمع مخالفا ممن حفظت عنه ممن لقيت من أهل العلم بالتفسير في أنها نزلت بالحديبية .وذلك إحصار عدو، فكان في الحصر إذن الله تعالى لصاحبه فيه بما استيسر من الهدى .ثم بين رسول الله صلى الله عليه وسلم أن الذى يحل منه المحرم الإحصار بالعدو، فرأيت أن الآية بأمر الله تعالى بإتمام الحج والعمرة لله عامة على كل حاج ومعتمر، إلا من استثنى الله، ثم سن فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم من الحصر بالعدو .وكان المريض عندى ممن عليه عموم الآية ."يعني (وأتموا الحج والعمرة لله).
وأما الآثار :فقد ثبت من طرق عن ابن عباس أنه قال :لا حصر إلا حصر العدو، فأما من أصابه مرض، أو وجع، أو ضلال، فليس عليه شيء ، إنما قال الله تعالى :(فإذا أمنتم) وروى عن ابن عمرو والزهري وطاوس وزيد بن أسلم نحو ذلك.
وروى الشافعي في الأم عن مالك -وهو عنده في الموطأ -عن يحيى بن سعيد عن سليمان بن يسار أن عبد الله بن عمر، ومروان بن الحكم، وابن الزبير أفتوا ابن حزابة المخزومي، وأنه صرع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عمرہ یا ان دونوں میں سے کسی ایک کا احرام شروع ہونے کے بعد اس کی بنیادی ادائیگی میں رُکاوٹ پیدا ہوئی ہو۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ببعض طريق مكة وهو محرم، أن يتداوى بما لا بد له منه، ويفتدى، فإذا صح اعتمر فحل من إحرامه، وكان عليه أن يحج عاما قابلا ويهدى. وهذا إسناد صحيح.

وأما الدليل من المعقول :فقال فيه الشيرازى " :إن أحرم وأحصره المرض لم يجز له أن يتحلل؛ لأنه لا يتخلص بالتحلل من الأذى الذى هو فيه، فهو كمن ضل الطريق ."(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ص۱۹۷تا۱۹۹ ،مادة"احصار" ، ركن الإحصار)

۱؎ اور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر حج کا احرام باندھا ہو، تو احصار متحقق ہونے کے لئے وقوفِ عرفہ سے رُکاوٹ پیدا ہونا شرط ہے۔

اور اگر عمرہ کا احرام باندھا ہو، تو بالاجماع اکثرِ طواف سے رُکاوٹ پیدا ہونے سے احصار متحقق ہوتا ہے۔

شروط تحقق الإحصار:

لم ينص الفقهاء صراحة على شروط تحقق الإحصار أنها كذا وكذا، ولكن يمكن استخلاصها، وهى:

الشرط الأول :سبق الإحرام بالنسك، بحج أو عمرة، أو بهما معا؛ لأنه إذا عرض ما يمنع من أداء النسك، ولم يكن أحرم، لا يلزمه شىء .ويتحقق الإحصار عن الإحرام الفاسد كالصحيح، ويستتبع أحكامه أيضا.

الشرط الثانى :ألا يكون قد وقف بعرفة قبل حدوث المانع من المتابعة، إذا كان محرما بالحج. وهذا عند الحنفية والمالكية، أما عند الشافعية والحنابلة فيتحقق الإحصار عن الطواف بالبيت، كما سيتضح فى أنواع الإحصار.

أما فى العمرة فالإحصار يتحقق بمنعه عن أكثر الطواف بالإجماع.

الشرط الثالث :أن ييأس من زوال المانع، بأن يتيقن أو يغلب على ظنه عدم زوال المانع قبل فوات الحج، "بحيث لم يبق بينه وبين ليلة النحر زمان يمكنه فيه السير لو زال العذر ."

وهذا نص عليه المالكية والشافعية ، وقدر الرملى الشافعى المدة فى العمرة إلى ثلاثة أيام .فإذا وقع مانع يتوقع زواله عن قريب فليس بإحصار .ويشير إلى أصل هذا الشرط تعليل الحنفية إباحة التحلل بالإحصار بأنه معلل بمشقة امتداد الإحرام.

الشرط الرابع :نص عليه المالكية وتفردوا به، وهو ألا يعلم حين إحرامه بالمانع من إتمام الحج أو العمرة .فإن علم فليس له التحلل، ويبقى على إحرامه حتى يحج فى العام القابل، إلا أن يظن أنه لا يمنعه فمنعه، فله أن يتحلل حينئذ، كما وقع للنبى صلى الله عليه وسلم أنه أحرم بالعمرة عام الحديبية عالما بالعدو، ظانا أنه لا يمنعه، فمنعه العدو، فلما منعه تحلل(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ص۱۹۹ ،مادة"احصار"، شروط تحقق الإحصار)

مسئلہ نمبر ۴...... اگر کوئی مرد یا عورت حج کے احرام میں داخل ہونے کے بعد وقوفِ عرفہ اور طوافِ زیارت دونوں کی ادائیگی سے عاجز وقاصر ہوگیا، تو اس کے شرعی مُحصَر اور اس عمل کے شرعی احصار ہونے اور اس پر شرعی احصار کے احکام جاری ہونے میں شبہ نہیں۔

اور اگر وقوفِ عرفہ کی ادائیگی سے تو عاجز وقاصر ہوگیا، لیکن طوافِ زیارت کی ادائیگی سے قاصر نہیں ہوا، تو بھی حنفیہ کے نزدیک ایسا شخص شرعی مُحصَر کہلاتا ہے، اور اس پر شرعی احصار کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

اور اگر وقوفِ عرفہ ادا کر چکا ہے، اور اس کے بعد طوافِ زیارت وغیرہ کی ادائیگی میں رُکاوٹ پیدا ہوگئی، تو وہ شرعاً محصر نہیں کہلاتا۔ [1]

---

[1] أنواع الإحصار: بحسب الركن المحصر عنه، يتنوع الإحصار بحسب الركن الذى أحصر عنه المحرم ثلاثة أنواع:

الأول :الإحصار عن الوقوف بعرفة وعن طواف الإفاضة:

هذا الإحصار يتحقق به الإحصار الشرعى، بما يترتب عليه من أحكام ستأتى وذلك باتفاق الأئمة، مع اختلافهم فى بعض أسباب الإحصار.

الثانى :الإحصار عن الوقوف بعرفة دون الطواف:

من أحصر عن الوقوف بعرفة، دون الطواف بالبيت، فليس بمحصر عند الحنفية، وهو رواية عن أحمد. ووجه ذلك عندهم أنه يستطيع أن يتحلل بمناسك العمرة، فيجب عليه أن يؤدى مناسك العمرة بالإحرام السابق نفسه .ويتحلل بتلك العمرة .قال فى المسلك المتقسط " :وإن منع عن الوقوف فقط يكون فى معنى فائت الحج، فيتحلل بعد فوت الوقوف عن إحرامه بأفعال العمرة، ولا دم عليه، ولا عمرة فى القضاء ."

وهذا يفيد بظاهره أنه ينتظر حتى يفوت الوقوف، فيتحلل بعمرة، أى بأعمال عمرة بإحرامه السابق، كما صرح بذلك فى المبسوط بقوله " :إن لم يكن ممنوعا من الطواف يمكنه أن يصبر حتى يفوته الحج، فيتحلل بالطواف والسعى "ومذهب المالكية والشافعية أنه يعتبر من أحصر عن الوقوف فقط محصرا، ويتحلل بأعمال العمرة .لكنه وإن تشابهت الصورة عند هؤلاء الأئمة إلا أن النتيجة تختلف فيما بينهم .فالحنفية يعتبرونه تحلل فائت حج، فلا يوجبون عليه دما، ويعتبره المالكية والشافعية تحلل إحصار، فعليه دم أما الحنابلة فقالوا :له أن يفسخ نية الحج، ويجعله عمرة، ولا هدى عليه، لإباحة ذلك له من غير إحصار، ففيه أولى، فإن كان طاف وسعى للقدوم ثم أحصر أو مرض، حتى فاته الحج، تحلل بطواف وسعى آخر، لأن الأول لم يقصد به طواف العمرة ولا سعيها، وليس عليه أن يجدد إحراما.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵...... جب کوئی مرد یا عورت احرام کے بعد مُحصَر ہو جائے، تو اس کے احرام سے نکلنے کے لئے شریعت نے جو طریقہ مقرر کیا ہے، اُس کو ''تحلُّل'' یعنی احرام کی پابندیوں سے حلال ہونا اور چھٹکارا پانا کہا جاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الثالث :الإحصار عن طواف الركن:
مذهب الحنفية والمالكية أن من وقف بعرفة ثم أحصر لا يكون محصرا، لوقوع الأمن عن الفوات، كما قال الحنفية .ويفعل ما سوى ذلك من أعمال الحج، ويظل محرما فی حق النساء حتى يطوف طواف الإفاضة .
وقال الشافعية :إن منع المحرم من مكة دون عرفة وقف وتحلل، ولا قضاء عليه فی الأظهر .وأما الحنابلة ففرقوا بين أمرين فقالوا:
إن أحصر عن البيت بعد الوقوف بعرفة قبل رمی الجمرة فله التحلل .
وإن أحصر عن طواف الإفاضة بعد رمی الجمرة فليس له أن يتحلل.
واستدلوا على التحلل فی الصورة الأولى فی الإحصار قبل الرمی بأن "الحصر يفيده التحلل من جميعه، فأفاد التحلل من بعضه ."
وهو دليل لمذهب الشافعية أيضا.
واستدلوا لعدم التحلل بعد رمی جمرة العقبة إذا أحصر عن البيت :بأن إحرامه أی بعد الرمی عندهم إنما هو عن النساء ، والشرع إنما ورد بالتحلل الإحرام التام الذی يحرم جميع محظوراته، فلا يثبت التحلل -بما ليس مثله .ومتى زال الحصر أتى بالطواف، وقد تم حجه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢ص ٢٠٠،وص ٢٠١،مادة"احصار"، أنواع الإحصار)

[1] اور اگر کوئی تحلُّل کو اختیار نہ کرے، اور اس احرام کو جاری رکھ کر احصار کے زائل ہونے کا انتظار کرے، تو اس کو ''مصابرہ'' کہا جاتا ہے۔

التحلل لغة :أن يفعل الإنسان ما يخرج به من الحرمة
واصطلاحا :هو فسخ الإحرام، والخروج منه بالطريق الموضوع له شرعا .
جواز التحلل للمحصر:
إذا تحقق للمحرم وصف الإحصار فإنه يجوز له التحلل.
وهذا الحكم متفق عليه بين العلماء ، كل حسب الأسباب التی يعتبرها موجبة لتحقق الإحصار الشرعی.والأصل فی الإحرام وجوب المضی على المحرم فی النسک الذی أحرم به، وألا يخرج من إحرامه إلا بتمام موجب هذا الإحرام، لقوله تعالی (وأتموا الحج والعمرة لله)
لكن جاز التحلل للمحصر قبل إتمام موجب إحرامه استثناء من هذا الأصل، لما دل عليه الدليل الشرعی.
والدليل على جواز التحلل قوله تعالی :(فإن أحصرتم فما استيسر من الهدی)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۶ ......مُحصَر کے تحلُّل یا احرام سے حلال ہونے کا مقصد حاصل کرنے کے لئے ہدی کا ذبح کرنا ضروری ہے، اور ہدی اُس جانور کی جائز ہے، جس جانور کی قربانی جائز ہے، مثلاً اونٹ، گائے، بکری، دُنبہ وغیرہ۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وجه الاستدلال بالآية :أن الكلام على تقدير مضمر، ومعناه والله أعلم، فإن أحصرتم عن إتمام الحج أو العمرة، وأردتم أن تحلوا فاذبحوا ما تيسر من الهدى.

والدليل على هذا التقدير أن الإحصار نفسه لا يوجب الهدى، ألا ترى أن له أن لا يتحلل ويبقى محرما كما كان، إلى أن يزول المانع، فيمضى فى موجب الإحرام.

ومن السنة :فعله صلى الله عليه وسلم فقد تحلل وأمر أصحابه بالتحلل عام الحديبية حين صدهم المشركون عن الاعتمار بالبيت العتيق، كما وردت الأحاديث الصحيحة السابقة.

المفاضلة بين التحلل ومصابرة الإحرام:

أطلق الحنفية الحكم على المحصر أنه "جاز له التحلل " وأنه رخصة فى حقه، حتى لا يمتد إحصاره، فيشق عليه، وأن له أن يبقى محرما . يرجع إلى أهله بغير تحلل ويعتبر محرما حتى يزول الخوف.

وقال المالكية إن منعه بعض ما ذكر من أسباب الإحصار الثلاثة المعتبرة عندهم، عند إتمام حج، بأن أحصر عن الوقوف والبيت معا، أو عن إكمال عمرة، بأن أحصر عن البيت أو السعى، فله التحلل بالنية، مما هو محرم به، فى أى محل كان، قارب مكة أو لا، دخلها أو لا .وله البقاء لقابل أيضا، إلا أن تحلله أفضل.

أما من منع عن إتمام نسكه بغير الأسباب الثلاثة (العدو والفتنة والحبس) كالمرض، فإن قارب مكة كره له إبقاء إحرامه بالحج لقابل، ويتحلل بفعل عمرة.

أما الشافعية ففرقوا بين حالى اتساع الوقت وضيقه :فإن كان الوقت واسعا فالأفضل أن لا يعجل التحلل، فربما زال المنع فأتم الحج، ومثله العمرة، وإن كان الوقت ضيقا فالأفضل تعجيل التحلل؛ لئلا يفوت الحج .وذلك ما لم يغلب على ظن المحرم المحصر إدراكه بعد الحصر، أو إدراك العمرة فى ثلاثة أيام فيجب الصبر ،كما سبق .وأطلق الحنابلة فقالوا "المستحب له الإقامة مع إحرامه رجاء زوال الحصر، فمتى زال قبل تحلله فعليه المضى لإتمام نسكه .

والحاصل أن جواز التحلل متفق عليه، إنما اختلفوا فى المفاضلة بينه وبين البقاء على الإحرام، فإن اختار المحصر التحلل تحلل متى شاء ، إذا صنع ما يلزمه للتحلل، مما سيأتى ذكره فى موضعه.

وهذا الحكم سواء فيه المحصر عن الحج، أو عن العمرة، أو عنهما معا، عند عامة العلماء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ص۲۰۵، وص۲۰۶،مادة"احصار"، أحكام الإحصار)

[1] الهدى ما يهدى إلى الحرم من حيوان وغيره. لكن المراد هنا وفى أبحاث الحج خاصة :ما يهدى إلى الحرم من الإبل والبقر والغنم والماعز خاصة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق جس جگہ حج یا عمرہ سے احصار واقع ہوا اور رُکاوٹ پیدا ہو، اُسی جگہ ہدی کا ذبح کرنا کافی ہے؛ لہٰذا اگر کوئی حرم کی حدود سے باہر محصَر بنے، تو اس کو ہدی کا وہیں ذبح کرنا کافی ہے (اگرچہ اُس کو اپنی ہدی کا حرم کی حدود میں ذبح کرانا ممکن ہو) اور اگر حرم کی حدود میں محصَر بنے، تو حرم کی حدود میں ہدی کا ذبح کرنا معتبر ہے۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق محصَر کی ہدی کے ذبح ہونے کے لئے حرم کی حدود کا ہونا ضروری ہے، لہٰذا جب تک محصَر کی طرف سے حرم کی حدود میں ہدی ذبح نہیں کی جائے گی، اُس وقت تک محصَر کو احرام سے تحلُّل اختیار کرنا اور احرام کی پابندیوں سے آزاد ہونا جائز نہیں ہوگا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حکم ذبح الهدى لتحلل المحصر:

ذهب جمهور العلماء إلى وجوب ذبح الهدى على المحصر، لكى يتحلل من إحرامه، وأنه لو بعث به واشتراه، لا يحل ما لم يذبح.

ما يجب من الهدى على المحصر:

اتفق الفقهاء على أن المحرم بالعمرة مفردة، أو الحج مفردا، إذا أحصر يلزمه ذبح هدى واحد للتحلل من إحرامه.

أما القارن فقد اختلفوا فيما يجب عليه من الهدى للتحلل بالإحصار :فذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه يحل بدم واحد، حيث أطلقوا وجوب هدى على المحصر دون تفصيل، والمسألة مشهورة.

وذهب الحنفية إلى أنه لا يحل إلا بدمين يذبحهما فى الحرم .

ومنشأ الخلاف هو اختلاف الفريقين فى حقيقة إحرام القارن .(انظر مصطلح إحرام).

فالشافعية ومن معهم :القارن عندهم محرم بإحرام واحد يجزء عن الإحرامين :إحرام الحج وإحرام العمرة، لذلک قالوا :يكفيه طواف واحد وسعى واحد للحج والعمرة مقرونين، فألزموه إذا أحصر بهدى واحد.

وأما الحنفية فالقارن عندهم محرم بإحرامين :إحرام الحج وإحرام العمرة، لذلک ألزموه بطوافين وسعيين، فألزموه إذا أحصر بهديين .وقالوا :الأفضل أن يكونا معينين مبينين، هذا لإحصار الحج، وهذا لإحصار العمرة، كما ألزموه فى جنايات الإحرام على القران التى يلزم فيها المفرد دم ألزموا القارن بدمين، وكذا الصدقة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ص ۲۰۹تا۲۱۰، مادة''احصار''، تعريف الهدى)

لہٰذا اگر کوئی شخص حرم کی حدود سے باہر محصر ہوا، اور اُس کو حرم کی حدود میں پہنچنا ممکن نہیں، تو اس کو کسی دوسرے کے واسطے سے حرم کی حدود میں اپنی ہدی ذبح کرانا ضروری ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۸...... محصَر کی طرف سے ہدی ذبح کر کے حلال ہونے کے لئے ہدی کے ذبح کا کوئی زمانہ اور وقت مقرر نہیں، بلکہ جس وقت بھی اُس کی ہدی ذبح ہو جائے، جائز ہے۔ [2]

---

[1] مكان ذبح هدى الإحصار:

ذهب الشافعية والحنابلة فى رواية إلى أن المحصر يذبح الهدى حيث أحصر، فإن كان فى الحرم ذبحه فى الحرم، وإن كان فى غيره ذبحه فى مكانه .حتى لو كان فى غير الحرم وأمكنه الوصول إلى الحرم فذبحه فى موضعه أجزأه على الأصح فى المذهبين.

وذهب الحنفية -وهو رواية عن الإمام أحمد -إلى أن ذبح هدى الإحصار مؤقت بالمكان، وهو الحرم، فإذا أراد المحصر أن يتحلل يجب عليه أن يبعث الهدى إلى الحرم فيذبح بتوكيله نيابة عنه فى الحرم، أو يبعث ثمن الهدى ليشترى به الهدى ويذبح عنه فى الحرم .ثم لا يحل ببعث الهدى ولا بوصوله إلى الحرم، حتى يذبح فى الحرم، ولو ذبح فى غير الحرم لم يتحلل من الإحرام، بل هو محرم على حاله .ويتواعد مع من يبعث معه الهدى على وقت يذبح فيه ليتحلل بعده .وإذا تبين للمحصر أن الهدى ذبح فى غير الحرم فلا يجزى ،وفى رواية أخرى عن أحمد أنه إن قدر على الذبح فى أطراف الحرم ففيه وجهان .استدل الشافعية والحنابلة بفعل النبى صلى الله عليه وسلم فإنه نحر هديه فى الحديبية حين أحصر، وهى من الحل .بدليل قوله تعالى :(والهدى معكوفا أن يبلغ محله) واستدلوا كذلك من جهة العقل بما يرجع إلى حكمة تشريع التحلل من التسهيل ورفع الحرج، كما قال فى المغنى " .لأن ذلك يفضى إلى تعذر الحل، لتعذر وصول الهدى إلى الحرم "أى وإذا كان كذلك دل على ضعف هذا الاشتراط.

واستدل الحنفية على توقيت ذبح الهدى بالحرم بقوله تعالى :(ولا تحلقوا رء وسكم حتى يبلغ الهدى محله)

وتوجيه الاستدلال بالآية عندهم من وجهين :الأول :التعبير ب "الهدى ."الثانى :الغاية فى قوله (حتى يبلغ الهدى محله) وتفسير قوله "محله "بأنه الحرم.

واستدلوا بالقياس على دماء القربات، لأن الإحصار دم قربة، والإراقة لم تعرف قربة إلا فى زمان، أو مكان، فلا يقع قربة دونه .أى دون توقيت بزمان ولا مكان، والزمان غير مطلوب، فتعين التوقيت بالمكان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢ ص ٢١٠ وص ٢١١، مادة"احصار"، مكان ذبح هدى الإحصار)

[2] البتہ حنفیہ میں سے صاحبین کے نزدیک محصَر عن الحج کی ہدی کے ذبح ہونے کے لئے ایامِ نحر خاص ہیں۔

زمان ذبح هدى الإحصار:

ذهب أبو حنيفة والشافعي وأحمد -على المعتمد فى مذهبه -إلى أن زمان ذبح الهدى هو مطلق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۹...... اگر کوئی محصَر ہدی کے ذبح کرنے پر قادر نہ ہو، تو فقہائے احناف کے نزدیک اس کے لئے حلال ہونے کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں؛ لہٰذا جب تک وہ ہدی ذبح نہیں کرے گا، تو اُس پر احرام کی پابندیاں لازم رہیں گی۔

اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک جو محصَر ہدی کے ذبح کرنے سے عاجز وقاصر ہو، تو اُس کا بدل وہی ہے جو حجِ تمتع وقِران کی ہدی کا بدل ہے، یعنی دس روزے رکھنا۔

لہٰذا ایسا شخص جب احرام کی پابندیوں سے نکلنے کے لئے دس روزے رکھ لے گا، تو ایسا سمجھا جائے گا، جیسا کہ اس نے ہدی ذبح کردی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الوقت، لا يتوقت بيوم النحر، بل أى وقت شاء المحصر ذبح هديه، سواء كان الإحصار عن الحج أو عن العمرة.

وقال أبو يوسف ومحمد -وهو رواية عن الإمام أحمد -لا يجوز الذبح للمحصر بالحج إلا فى أيام النحر الثلاثة، ويجوز للمحصر بالعمرة متى شاء .

استدل الجمهور بقوله تعالى :(فإن أحصرتم فما استيسر من الهدى) . فقد ذكر الهدى فى الآية مطلقا عن التوقيت بزمان، وتقييده بالزمان نسخ أو تخصيص لنص الكتاب القطعي فلا يجوز إلا بدليل قاطع ولا دليل.

واستدل أبو يوسف ومحمد بأن هذا دم يتحلل به من إحرام الحج، فيختص بيوم النحر فى الحج .

وربما يعتبرانه بدم التمتع والقران فيقيسانه عليه، حيث إنه يجب أن يذبح فى أيام النحر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ ص ۲۱۱، مادة"احصار"، زمان ذبح هدى الإحصار)

[1] ويتفرع على هذا الخلاف أن المحصر يستطيع على مذهب الجمهور أن يتحلل متى تحقق إحصاره بذبح التمتع .

وقال أبو حنيفة ومحمد ، وهو قول عند الشافعية وهو المعتمد فى المذهب الحنفى لا بدل للهدى .

فإن عجز المحصر عن الهدى بأن لم يجده، أو لم يجد ثمنه، أو لم يجد من يبعث معه الهدى إلى الحرم بقي محرما أبدا، لا يحل بالصوم، ولا بالصدقة، وليسا ببدل عن هدى المحصر.

وأما المالكية فلا يجب الهدى من أصله على المحصر عندهم، فلا بحث فى بدله عندهم.

استدل الشافعية والحنابلة القائلون بمشروعية البدل لمن عجز عن الهدى بالقياس، ووجهه "أنه دم يتعلق وجوبه بإحرام، فكان له بدل، كدم التمتع ."

وقاسوه أيضا على غيره من الدماء الواجبة ، فإن لها بدلا عند العجز عنها (ر :إحرام).

واستدل الحنفية بقوله تعالى :(ولا تحلقوا ر ء وسكم حتى يبلغ الهدى محله) .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۰...... محصَر کے حلال ہونے کے لئے ہدی ذبح کرنے کے بعد سَر کے بال مُنڈ وانا یا کٹوانا شرط اور ضروری نہیں۔

البتہ شوافع کے نزدیک راجح یہ ہے کہ شرط ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وجه دلالة الآية كما قال في البدائع " :نهى الله عن حلق الرأس ممدودا إلى غاية ذبح الهدى، والحكم الممدود إلى غاية لا ينتهى قبل وجود الغاية، فيقتضى أن لا يتحلل ما لم يذبح الهدى، سواء صام، أو أطعم، أو لا ."

وبتوجيه آخر :أنه تعالى "ذكر الهدى، ولم يذكر له بدلا، ولو كان له بدل لذكره، كما ذكره في جزاء الصيد ."واستدلوا بالعقل وذلك "لأن التحلل بالدم قبل إتمام موجب الإحرام عرف بالنص، بخلاف القياس، فلا يجوز إقامة غيره مقامه بالرأى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ص ۲۱۱تا۲۱۳،مادة"احصار")

مسألة :قال :(فإن لم يكن معه هدى، ولا يقدر عليه، صام عشرة أيام، ثم حل) وجملة ذلك أن المحصر، إذا عجز عن الهدى، انتقل إلى صوم عشرة أيام، ثم حل .وبهذا قال الشافعي، في أحد قوليه.

وقال مالك، وأبو حنيفة :ليس له بدل؛ لأنه لم يذكر في القرآن .ولنا، أنه دم واجب للإحرام، فكان له بدل، كدم التمتع والطيب واللباس، وترك النص عليه لا يمنع قياسه على غيره في ذلك، ويتعين الانتقال إلى صيام عشرة أيام، كبدل هدى التمتع، وليس له أن يتحلل إلا بعد الصيام، كما لا يتحلل واجد الهدى إلا بنحره (المغنى لابن قدامة، ج۳، ص ۳۳۰، مسألة المحصر إذا عجز عن الهدى)

وبخلاف المحصر إذا لم يجد الهدى بل وجد ثمنه يصوم ولا يلزمه الصبر للضرر بالإحصار (: أسنى المطالب في شرح روض الطالب لزكريا بن محمد بن زكريا الأنصارى، ج۳، ص۳۶۸، كتاب الكفارات، فصل عدول الرشيد إلى الصوم عند تعسر الرقبة)

[۱] ثالثا :الحلق أو التقصير:

مذهب أبي حنيفة وأبي يوسف في رواية عنه -ومحمد ومالك وهو قول عند الحنابلة الحلق ليس بشرط لتحلل المحصر من الإحرام .ويحل المحصر عند الحنفية بالذبح بدون الحلق، وإن حلق فحسن، وصرح المالكية أن الحلق سنة.

وقال أبو يوسف في رواية ثانية :إنه واجب، ولو تركه لا شيء عليه .أى أنه سنة، وفي رواية ثالثة عن أبي يوسف أنه قال في الحلق للمحصر " :هو واجب لا يسعه تركه "وهو قوله آخرا، وأخذ به الطحاوى .

والأظهر عند الشافعية وهو قول عند الحنابلة.

أن الحلق أو التقصير شرط للتحلل، وذلك بناء على القول بأن الحلق نسك من مناسك الحج

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۱...... جب کوئی حج وعمرہ سے محصَر شخص ہدی ذبح کر کے (اور اس سے عاجز ہونے کی صورت میں بعض حضرات کے نزدیک دس روزے رکھ کر) احرام کی پابندیوں سے نکل جائے، تو حنفیہ کے نزدیک اگر اُس نے صرف حج کا احرام باندھا تھا، تو اُس پر آئندہ ایک حج اور ایک عمرہ کی اور اگر حجِ قران (یعنی ایک ساتھ عمرہ وحج) کا احرام باندھا تھا، تو ایک حج اور دو عمروں کی اور اگر صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا، تو صرف عمرہ کی قضاء واجب ہوگی۔

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک صرف اُسی چیز کی قضاء واجب ہوگی، جس کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والعمرة، كما هو المشهور الراجح فى المذهبين ، ولا بد من نية التحلل بالحلق أو التقصير لما ذكر فى النية عند الذبح.

استدل أبو حنيفة ومن معه بالقران وهو قوله تعالى :(فإن أحصرتم فما استيسر من الهدى) ووجه دلالة الآية :أن المعنى " :إن أحصرتم وأردتم أن تحلوا فاذبحوا ما استيسر من الهدى .جعل ذبح الهدى فى حق المحصر إذا أراد الحل كل موجب الإحصار، فمن أوجب الحلق فقد جعله بعض الموجب، وهذا خلاف النص .

واستدل الشافعية والحنابلة وأبو يوسف :بفعله صلى الله عليه وسلم عام الحديبية فإنه حلق، وأمر أصحابه أن يحلقوا ، ولما تباطئوا اعظم عليه صلى الله عليه وسلم حتى بادر فحلق بنفسه، فأقبل الناس فحلقوا وقصروا، فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم اغفر للمحلقين قالوا: والمقصرين؟ ، فقال والمقصرين فى الثالثة أو الرابعة .

ولولا أن الحلق نسك ما دعا لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم .وإذا كان نسكا وجب فعله كما يجب عند القضاء لغير المحصر .

واستدل لهم أيضا بالآية (ولا تحلقوا رء وسكم حتى يبلغ الهدى محله) .

ووجه الاستدلال بها أن التعبير بالغاية يقتضى "أن يكون حكم الغاية بضد ما قبلها، فيكون تقديره ولا تحلقوا رء وسكم حتى يبلغ الهدى محله فإذا بلغ فاحلقوا .وذلك يقتضى وجوب الحلق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢ص ٢١٣ ،وص٢١٤ ،مادة"احصار")

وهل يلزمه الحلق أو التقصير مع ذبح الهدى أو الصيام؟ ظاهر كلام الخرقي، أنه لا يلزمه؛ لأنه لم يذكره .وهو إحدى الروايتين عن أحمد؛ لأن الله تعالى ذكر الهدى وحده، ولم يشرط سواه .

والثانية، عليه الحلق أو التقصير؛ لأن النبى -صلى الله عليه وسلم -حلق يوم الحديبية، وفعله فى النسك دل على الوجوب .ولعل هذا ينبنى على أن الحلاق نسك أو إطلاق من محظور، على ما يذكر فى موضعه، إن شاء الله (المغنى لابن قدامة، ج٣، ص ٣٣٠، مسألة المحصر إذا عجز عن الهدى)

احرام باندھ کر احصار پایا گیا تھا۔

چنانچہ اگر حج کا احرام باندھ کر احصار پایا گیا تھا تو صرف حج کی، اور اگر عمرہ کا احرام باندھ کر احصار پایا گیا تھا تو صرف عمرہ کی قضاء واجب ہوگی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۲...... احصار کے نتیجہ میں جو ہدی ذبح کی جاتی ہے، ذبح کرنے کے بعد اُس کا گوشت زکاۃ کے مستحق فقیروں پر صدقہ کرنا واجب ہے، اور ہدی ذبح کرنے والے کو خود اُس کا گوشت کھانا جائز نہیں۔ [2]

---

[1] ذهب الحنفية إلى أن المحصر عن الحج إذا تحلل وقضى فيما يستقبل يجب عليه حج وعمرة، والقارن عليه حجة وعمرتان .أما المعتمر فيقضي العمرة فقط .وعليه نية القضاء في ذلك كله .وذهب الأئمة الثلاثة إلى أن النسك الذي وجب فيه القضاء للتحلل بالإحصار يلزم فيه قضاء ما فاته بالإحصار فحسب، إن حجة فحجة فقط، وإن عمرة فعمرة، وهكذا .وعليه نية القضاء عندهم أيضا استدل الحنفية بما روى عن بعض الصحابة كابن مسعود وابن عباس، فإنهما قالا في المحصر بالحج " :عليه عمرة وحجة وذلك لا يكون إلا عن توقيف.

وتابعهما في ذلك علقمة، والحسن، وإبراهيم، وسالم، والقاسم، ومحمد بن سيرين .

واستدل الجمهور بحديث :من كسر أو عرج فقد حل، وعليه الحج من قابل .وجه الاستدلال به أنه لم يذكر العمرة، ولو كانت واجبة مع الحج لذكرها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص٢١٨، مادة احصار، ما يلزم المحصر في القضاء)

ومنها أن المحصر إذا حل بالهدى فعليه قضاء حجة وعمرة من القابل أما الحجة فلأنه أوجبها بالشروع وإن كانت تطوعا وإن كانت حجة الإسلام وفاتت فعليه أداؤها وعليه قضاء عمرة لفوات الحج في عامة ذلك وفائت الحج يتحلل بأفعال العمرة هذا هو الأصل.

فإذا خرج بالهدى فعليه قضاء العمرة التي يتحلل بها فائت الحج وإن كان قارنا يقضي حجة وعمرة مكان ما فاته من الحج والعمرة وعمرة أخرى لكونه فائت الحج (تحفة الفقهاء للسمرقندي، ج١، ص٤١٨، كتاب المناسك، باب آخر جمع في الكتاب مسائل الإحصار)

[2] اختلف الفقهاء في الأكل من هدايا الكفارات والإحصار:

فذهب جمهور الفقهاء (الحنفية والشافعية والحنابلة) إلى أنه لا يجوز للمهدي أن يأكل من هدايا الكفارات والإحصار ويجب عليه التصدق بلحمها بعد الذبح، لأنه إذا لم يجز أكله للمهدي ولا يتصدق به فإنه يؤدي إلى إضاعة المال وهو منهي عنه شرعا ويرى المالكية أنه يجوز للمهدي الأكل من هذه الهدايا .وعن أحمد أنه يجوز الأكل من هدى الإحصار وهدايا الكفارات عدا جزاء الصيد . وهو قول ابن عمر وعطاء والحسن وإسحاق واستدلوا على استثناء جزاء الصيد من جواز الأكل منه بأنه بدل .وقال ابن أبي موسى بجواز الأكل من هدى الإحصار (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٢، ص٢٤١، و٢٤٢، مادة هدى، دماء الكفارات وهدى الإحصار)

چند تحقیقی مسائل

آخر میں حج وعمرہ سے متعلق چند تحقیق طلب مسائل پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

حجِ اکبر اور حجِ اصغر کی تحقیق

آج کل عوام میں یہ بات بہت مشہور ہے کہ جمعہ کے دن واقع ہونے والا حج دوسرے دنوں کے مقابلے میں ستّر درجے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی مشہور ہے کہ جو حج جمعہ کے دن واقع ہو رہا ہو، وہ حجِ اکبر کہلاتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے۔

اوراسی وجہ سے جس سال وقوفِ عرفہ جمعہ کے دن واقع ہو رہا ہو، اس مرتبہ اس کو حجِ اکبر سمجھ کر اس کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے لوگوں کی بہت بڑی تعداد حج کی ادائیگی کے لئے جمع ہوجاتی ہے، اور دنیا کے مختلف اطراف سے بہت سے لوگ اس کو ستر مرتبہ حج کا درجہ دیتے ہوئے اس میں شرکت کا اہتمام کرتے ہیں، خواہ ان کا نفلی حج ہی کیوں نہ ہو، اور پھر حج کے زمانے میں اتنا ہجوم ہوجاتا ہے کہ جس کی وجہ سے لوگوں کو حج کے مناسک کی ادائیگی میں غیر معمولی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

تو اس بارے میں سمجھ لینا چاہئے کہ جمعہ کا دن بلاشبہ اپنی ذات میں دوسرے دنوں کے مقابلہ میں فضیلت والا دن ہے، اور اسی وجہ سے اس دن کا نیک عمل دوسرے دنوں کے مقابلہ میں زیادہ فضیلت کا باعث ہے، بشرطیکہ وہ عمل شریعت اور اخلاص کے مطابق ہو، اور اس میں کوئی خرابی شامل نہ ہو۔

اور جمعہ کے دن کی گونا گوں فضیلتوں کی وجہ سے ہی بہت سے اہلِ علم حضرات نے جمعہ کے دن حج کی فضیلت کو تسلیم کیا ہے۔

لیکن جہاں تک بہت سے لوگوں میں مشہور شدہ اس بات کا تعلق ہے کہ قرآن مجید میں حجِ اکبر کا جوذکر آیا ہے، اس سے مراد وہ حج ہے جو جمعہ کے دن واقع ہو۔

تو یہ بات درست نہیں ہے۔

قرآن مجید کی جس آیت میں حجِ اکبر کا ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ:

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰـهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ. وَرَسُوْلُهٗ. (سورة التوبة، رقم الآية ۳)

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑے حج کے دن میں عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے، کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری ہے (سورہ توبہ)

بہت سے اہلِ علم حضرات کے نزدیک ''حجِ اکبر'' سے مراد عام حج ہے، جو کہ ہر سال کیا جاتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں حجِ اصغر ہے، جس سے مراد عمرہ ہے، اور حج کو عمرہ سے ممتاز کرنے کے لئے ''حجِ اکبر'' کہا گیا ہے۔

جبکہ بعض اہلِ علم حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ ''حجِ اکبر'' صرف وہی حج تھا، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی تھی، اور اس کے بعد ہر سال کا حج حجِ اکبر نہیں ہوتا۔

حجِ اکبر کے مقابلہ میں عربی میں ایک لفظ ''یومِ حجِ اکبر'' بولا جاتا ہے، جس کے معنیٰ ہیں حج کا بڑا دن۔

اس کے بارے میں بہت سے اہلِ علم حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ اس سے مراد حج کا وہ دن ہے جس میں حج کے بڑے بڑے کئی کام انجام دیئے جاتے ہیں یعنی دس ذی الحجہ کا دن۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد عرفہ کا دن ہے، کیونکہ اس دن حج کا سب سے بڑا رکن ادا کیا جاتا ہے، یعنی وقوفِ عرفات۔ [1]

---

[1] حضرت ابوبکر، حضرت ابنِ عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی روایات میں حج کو یا عرفہ کے دن کو ''حجِ اکبر'' یا ''یومِ حجِ اکبر'' اور اس کے مقابلہ میں عمرہ کو ''حجِ اصغر'' قرار دیا گیا ہے۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد حج کے پانچوں دن ہیں، جن میں نویں اور دسویں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن مسروق قال :قال عبد الله " :أمرتم بإقامة أربع :إقامة الصلاة، وإيتاء الزكاة، وأقيموا الحج والعمرة إلى البيت، والحج الحج الأكبر، والعمرة الحج الأصغر " (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ١٠٢٩٨، واللفظ لهٗ، سنن البيهقى، رقم الحديث ٨٧٦٨)

قال الهيثمى:

رواه الطبرانى فى الكبير، ورجاله ثقات(مجمع الزوائد، ج٣ص٢٠٥)

عن ابن عباس ,قال :الحج الأكبر يوم النحر والحج الأصغر العمرة(سنن الدارقطنى، رقم الحديث ٢٧٢٢)

عن حميد بن عبد الرحمن، أن أبا هريرة، قال " :بعثنى أبو بكر فيمن يؤذن يوم النحر بمنى أن لا يحج بعد العام مشرك، ولا يطوف بالبيت عريان، وإن يوم الحج الأكبر يوم النحر، والحج الأكبر الحج، والحج الأصغر العمرة (مسند الشاميين للطبرانى، رقم الحديث ٣٠٦٧)

أنواع الحج:اعلم ان الحج على وجهين الحج الاكبر والحج الاصغر فأما الحج الاكبر فهو حجة الاسلام واما الاصغر فهو العمرة ولا اختلاف فى وجوب الحج الاكبر على من استطاع اليه سبيلا واما العمرة فهى سنة وليست بواجبة الا ان يدخلها احد فحينئذ يلزمه اتمامها فى قول ابى حنيفة واصحابه وفى قول أبى عبد الله لا تلزمه البتة الا ان يوجبها على نفسه بنذره(النتف فى الفتاوىٰ، كتاب المناسك،ص٢٠٠)

اختلف العلماء فى يوم الحج الأكبر متى هو فقيل يوم عرفة والصحيح الذى قاله الشافعى وأصحابنا وجماهير العلماء وتظاهرت عليه الأحاديث الصحيحة أنه يوم النحر وإنما قيل الحج الأكبر للاحتراز من الحج الأصغر وهو العمرة.هكذا أثبت فى الحديث الصحيح(المجموع شرح المهذب ج٨ ص٢٢٣،باب صفة الحج)

قال الله تعالى (وأذان من الله ورسوله إلى الناس يوم الحج الأكبر)والمراد يوم النحر(المبسوط للسرخسى ج٤ص١٦٤،كتاب المناسك، باب الخروج من منىٰ)

قال العلامة نوح فى رسالته المصنفة فى تحقيق الحج الأكبر :قيل إنه الذى حج فيه رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وهو المشهور .وقيل يوم عرفة جمعة أو غيرها، وإليه ذهب ابن عباس وابن عمر وابن الزبير وغيرهم، وقيل يوم النحر وإليه ذهب على وابن أبى أوفى والمغيرة بن شعبة، وقيل إنه أيام منى كلها، وهو قول مجاهد وسفيان الثورى .وقال مجاهد :الحج الأكبر القران والأصغر الإفراد .وقال الزهرى والشعبى وعطاء :الأكبر الحج والأصغر العمرة(ردالمحتار، ج٢ ص٦٢٢، كتاب الحج، فروع فى الحج)

(یعنی عرفہ اور یومُ النحر) دونوں تاریخیں اور دونوں دن بھی داخل ہیں۔ [۱]

معلوم ہوا کہ حجِ اکبر یا یومِ حجِ اکبر کے مفہوم ومصداق میں اہلِ علم حضرات کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، اور عام لوگوں میں جو یہ مشہور ہے کہ جس سال وقوفِ عرفہ کے دن جمعہ ہو، صرف وہی حجِ اکبر ہے، قرآن وسنت کی اصطلاح میں اس کی کوئی اصل نہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ حسنِ اتفاق سے جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا، اس میں وقوفِ عرفہ کا دن جمعہ کو واقع ہوا تھا، یہ اپنی جگہ ایک فضیلت ضرور ہے۔

مگر قرآن مجید کی سورہ توبہ میں ذکر شدہ ''یومُ الحج الاکبر'' کے مفہوم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

(کذا فی معارف القرآن جلد۴ صفحہ ۳۱۴، و۳۱۵، ودرسِ ترمذی ج۳ ص ۲۴۵ تا ۲۴۷)

جلیلُ القدر مفسّر علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَأَمَّا تَسْمِيَةُ الْحَجِّ الْمُوَافِقِ يَوْمَ عَرَفَةَ فِيْهِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ بِالْأَكْبَرِ فَلَمْ يَذْكُرُوْهَا وَإِنْ كَانَ ثَوَابُ ذٰلِكَ الْحَجِّ زِيَادَةً عَلٰى غَيْرِهٖ كَمَا نَقَلَهُ الْجَلَالُ السُّيُوْطِيُّ فِيْ بَعْضِ رَسَائِلِهٖ (تفسیر روح المعانی للالوسی، ج۵ ص ۲۴۲، تحت سورۃ التوبۃ، رقم الآیۃ ۳)

ترجمہ: وہ حج جس کے عرفہ کا دن جمعہ کے دن واقع ہو اس کا نام حجِ اکبر ہونا فقہاء ومحدثین نے ذکر نہیں کیا، اگرچہ اس حج کا ثواب دوسرے حج کے مقابلہ میں زیادہ ضرور ہے، جیسا کہ علامہ جلالُ الدین سیوطی نے اپنے بعض رسائل میں ذکر کیا ہے (روحُ المعانی)

---

[۱] اس قول کے مطابق جہاں تک لفظ یوم کو مفرد لانے کا تعلق ہے سو وہ محاورہ کے مطابق ہے۔ اس لئے کہ بسا اوقات لفظ ''یوم'' بول کر مطلق زمانہ یا چند ایام مراد ہوتے ہیں، جیسے غزوۂ بدر کے چند ایام کو قرآن مجید نے ''یوم الفرقان'' کے مفرد نام سے تعبیر کیا ہے، اسی طرح عرب کی دوسری جنگوں کو بھی ''یوم'' ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ان میں کتنے ہی ایام صرف ہوئے ہوں، جیسے ''یوم بعاث'' ''یوم احد'' ''یوم الجمل'' ''یوم صفین'' وغیرہ (ماخوذ از درسِ ترمذی ج۳ ص ۲۴۵ تا ۲۴۷)

لہٰذا جمعہ کے دن واقع ہونے والے حج کو قرآن مجید کی سورہ توبہ میں مذکور حجِ اکبر کا مصداق قرار دینا درست نہیں۔

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جس دن وقوفِ عرفہ جمعہ کے دن واقع ہو اس مرتبہ کے حج کی فضیلت ستر حجوں کے برابر ثابت ہے یا نہیں؟

تو اس بارے میں عرض ہے کہ اس دن کے حج کی ستر حجوں کے برابر فضیلت کا عقیدہ رکھنا درست نہیں، کیونکہ یہ بات کسی مستند اور صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

البتہ اس بارے میں ایک روایت بعض کتابوں میں ذکر کی گئی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللهِ بْنِ كُرَيْزٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَفْضَلُ الْاَيَّامِ يَوْمُ عَرَفَةَ وَافَقَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَهُوَ اَفْضَلُ مِنْ سَبْعِيْنَ حَجَّةً فِيْ غَيْرِ جُمُعَةٍ (رواه رزين)

ترجمہ: حضرت طلحہ بن عبیداللہ بن کریز سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام دنوں میں وہ دن افضل ہے جو کہ عرفہ کے ساتھ جمعہ کے دن ہو، اور وہ جمعہ کے علاوہ والے ستر حجوں سے افضل ہے (رزین)

مگر اس حدیث کے ثبوت پر محدثین نے کلام کیا ہے، چنانچہ امام مناوی رحمہ اللہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

فِفِيْ ثُبُوْتِهٖ وَقْفَةٌ (فیض القدیر، تحت رقم الحدیث ۱۰۰۳۰)

ترجمہ: اس حدیث کے ثابت ہونے میں توقف ہے (فیض القدیر)

اور امام مناوی رحمہ اللہ ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

فَلِهٰذِهِ الْوُجُوْهِ فُضِّلَتْ وَقْفَةُ الْجُمُعَةِ عَلٰى غَيْرِهٖ، لٰكِنْ مَا اِسْتَفَاضَ اَنَّهَا تَعْدِلُ اِثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ حَجَّةً بَاطِلٌ لَا اَصْلَ لَهٗ كَمَا بَيَّنَهٗ بَعْضُ الْحُفَّاظِ (فیض القدیر تحت رقم الحدیث ۱۲۴۲)

ترجمہ: ان چند وجوہات کی بنا پر جمعہ کے دن وقوفِ عرفہ واقع ہونے کو دوسرے دنوں پر فضیلت حاصل ہوگی لیکن لوگوں میں جو یہ بات انتہائی مشہور ہے کہ یہ حج بہتّر حجوں کی فضیلت کے برابر ہوتا ہے، یہ باطل ہے جس کی کوئی اصل نہیں، جیسا کہ بعض حفاظ نے بیان کیا ہے (فیض القدیر) [1]

اور علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

رَوَاهُ رَزِيْنُ بْنُ مُعَاوِيَةَفِيْ تَجْرِيْدِ الصِّحَاحِ اھ .لٰـكِنْ نَقَلَ الْمُنَاوِيُّ عَنْ بَعْضِ الْحُفَّاظِ أَنَّ هٰذَا حَدِيْثٌ بَاطِلٌ لَاأَصْلَ لَهُ. نَعَمْ ذَكَرَ الْغِزَالِيُّ فِي الْاَحْيَآءِ (ردالمحتار، کتاب الحج، ج۲ص ۶۲۱، مطلب فی فضل وقفة الجمعة)

ترجمہ: اس کو رزین بن معاویہ نے تجرید الصحاح میں روایت کیا ہے، لیکن امام مناوی نے بعض حفاظِ حدیث سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے جس کی کوئی اصل نہیں، البتہ امام غزالی نے احیاء میں اس کو ذکر کیا ہے (ردالمحتار)

اور علامہ محمد امیر کبیر مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

أَفْضَلُ الْأَيَّامِ يَوْمُ عَرَفَةَ اِنْ وَافَقَ الْجُمُعَةَ فَهُوَ أَفْضَلُ مِنْ سَبْعِيْنَ حَجَّةً فِيْ غَيْرِيَوْمِ الْجُمُعَةِ لَمْ يُوْجَدْ لَهُ اَصْلٌ يُعْتَمَدُ عَلَيْهِ مِنَ السُّنَّةِ

(النحبةالبهية فى الاحاديث المكذوبة على خير البرية رقم الحديث ۲۸، الناشر: المكتب الإسلامى)

---

[1] ایک مقام پر امام مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:
استدل بالحديث على مزية الوقوف بعرفة يوم الجمعة على غيره من الأيام ومن ثم كان وقوف المصطفى فى حجة الوداع والله إنما يختار لرسوله الأفضل ولأن الأعمال تشرف بشرف الأزمنة كالأمكنة ويوم الجمعة أفضل أيام الأسبوع قال ابن حجر: وأما ما ذكره رزين فى جامعه مرفوعا خير يوم طلعت فيه الشمس يوم عرفة وافق يوم جمعة وهو أفضل من سبعين حجة فى غيرها فحديث لاأعرف حاله لأنه لم يذكر صحابيه ولا من خرجه بن ادرجه فى حديث الموطأ وليس فى الموطآت فإن كان له أصل احتمل أن يراد بالسبعين التحديد أو المبالغة وعلى كل فتثبت المزية بذالك (فيض القدير، تحت رقم الحديث ۴۰۹۶)

ترجمہ: تمام دِنوں میں افضل دن عرفے کا وہ دن ہے جو جمعہ کے دن واقع ہو، پس وہ غیر جمعہ کے ستّر حجوں کے برابر ہے؛ اس حدیث کی سنت میں کوئی ایسی بنیاد نہیں، جس پر اعتماد کیا جاسکے (النخبۃ البہیۃ)

اور بھی کئی حضرات نے اس حدیث کو باطل اور بے اصل قرار دیا ہے۔ [1]

بہر حال ایک ایسی روایت کی بنیاد پر جس کے ثبوت میں بھی توقف ہو اور اس سے بڑھ کر اسے باطل بھی قرار دیا گیا ہو، جمعہ کے دن کے حج میں ستر حجوں کے برابر فضیلت کا عقیدہ رکھنا اور اس فضیلت کو حاصل کرنے کی خاطر اس حج میں شمولیت کی غیر معمولی جدوجہد کرنا اور اوپر سے لوگوں میں اس کی تشہیر وتبلیغ کرنا اور اس حج میں جوق در جوق شرکت کر کے اور ہجوم پیدا کر کے اپنے آپ کو اور دوسروں کو مناسکِ حج کی ادائیگی کی غیر معمولی مشقت میں ڈالنا درست نہیں ہے۔

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان

---

[1] أفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم الجمعة، وهو أفضل من سبعين حجة فى غير جمعة ." باطل لا أصل له .وأما قول الزيلعي -على ما فى "حاشية ابن عابدين(۲/۳۴۸) "رواه رزين ابن معاوية فى تجريد الصحاح .فاعلم أن كتاب رزين هذا جمع فيه بين الأصول الستة " :الصحيحين " و "موطأ مالک "و "سنن أبى داود "والنسائى والترمذى، على نمط كتاب ابن الأثير المسمى " جامع الأصول من أحاديث الرسول "إلا أن فى كتاب "التجريد "أحاديث كثيرة لا أصل لها فى شىء من هذه الأصول كما يعلم مما ينقله العلماء عنه مثل المنذرى فى "الترغيب والترهيب " وهذا الحديث من هذا القبيل فإنه لا أصل له فى هذه الكتب ولا فى غيرها من كتب الحديث المعروفة، بل صرح العلامة ابن القيم فى "الزاد (۱/۱۷)"ببطلانه فإنه قال بعد أن أفاض فى بيان مزية وقفة الجمعة من وجوه عشرة ذكرها :وأما ما استفاض على ألسنة العوام بأنها تعدل اثنتين وسبعين حجة، فباطل لا أصل له عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا عن أحد من الصحابة والتابعين .وأقره المناوى فى "فيض القدير(۲/۲۸)"ثم ابن عابدين فى "الحاشية ."(السلسلة الضعيفة للالبانى ،تحت رقم الحديث ۲۰۷)

ایک سے زیادہ مرتبہ مروَّجہ نفلی حج وعمرے کا حکم

فی نفسہٖ کثرت سے حج اورعمرے کرنا کوئی گناہ کا کام نہیں، بلکہ عبادت ہے، کئی روایات میں کثرت سے حج وعمرے کرنے کی فضیلت آئی ہے۔

مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ایک مرتبہ عمرہ کرنا واجب یا سنتِ مؤکدہ ہے، فرض عمل نہیں (اور یہ سنت حج کے ساتھ عمرہ کرنے سے بھی ادا ہوجاتی ہے) اور ایک مرتبہ عمرہ کر لینے کے بعد دوبارہ عمرہ کرنا اور اسی طرح ایک مرتبہ فرض حج ادا کر لینے کے بعد دوبارہ وسہ بارہ حج کرنا فرض وواجب نہیں، زیادہ سے زیادہ فی نفسہٖ مستحب اور نفلی درجہ کا عمل ہے۔ ؎

؎ (قوله :وهي سنة) أي العمرة سنة مؤكدة، وهو الصحيح في المذهب، وقيل بوجوبها وصححه في الجوهرة واختاره في البدائع، وقال :إنه مذهب أصحابنا، ومنهم من أطلق اسم السنة، وهذا لا ينافي الوجوب .اهـ.والظاهر من الرواية ما في المختصر فإن محمدا نص في كتاب الحجر أن العمرة تطوع، وليس بينهما كبير فرق كما قدمناه مرارا واستدل لها في غاية البيان بما رواه الترمذي وصححه عن جابر أن النبي -صلى الله عليه وسلم -سئل عن العمرة أواجبة هي قال :لا، وأن تعتمروا هو أفضل ، وأما قوله تعالى :(وأتموا الحج والعمرة لله)فالإتمام بعد الشروع، ولا كلام لنا فيه؛ لأن الشروع ملزم، وكلامنا فيما قبل الشروع والمراد أنها سنة في العمر مرة واحدة فمن أتى بها مرة فقد أقام السنة غير مقيد بوقت غير ما ثبت النهي عنها فيه إلا أنها في رمضان أفضل هذا إذا أفردها فلا ينافيه أن القران أفضل؛ لأن ذلك أمر يرجع إلى الحج لا العمرة فالحاصل أن من أراد الإتيان بالعمرة على وجه أفضل فيها ففي رمضان أو الحج على وجه أفضل فبأن يقرن معه عمرة (البحر الرائق، ج٢ ص٦٣، كتاب الحج، باب الفوات في الحج)

(والعمرة) في العمر (مرة سنة مؤكدة) على المذهب وصحح في الجوهرة وجوبها .قلنا المأمور به في الآية الإتمام وذلك بعد الشروع وبه نقول (الدر المختار)

مطلب أحكام العمرة (قوله والعمرة في العمر مرة سنة مؤكدة) أي إذا أتى بها مرة فقد أقام السنة غير مقيد بوقت غير ما ثبت النهي عنها فيه إلا أنها في رمضان أفضل هذا إذا أفردها فلا ينافيه أن القران أفضل لأن ذلك أمر يرجع إلى الحج لا العمرة .فالحاصل :أن من أراد الإتيان بالعمرة على وجه أفضل فيه فبأن يقرن معه عمرة فتح، فلا يكره الإكثار منها خلافا لمالك، بل يستحب على ما عليه الجمهور وقد قيل سبع أسابيع من الأطوفة كعمرة شرح اللباب (قوله وصحيح في الجوهرة وجوبها) قال في البحر واختاره في البدائع وقال إنه مذهب أصحابنا، ومنهم من أطلق اسم السنة، وهذا لا ينافي الوجوب .اهـ.والظاهر من الرواية السنية فإن محمدا نص على أن العمرة تطوع اهـ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن ایک تو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ نفل ومستحب عمل شروع کرنے کے بعد صحیح طور پر ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے، جیسا کہ نفل نماز شروع کرنے کے بعد اس کو صحیح طور پر ادا کرنا واجب اور قرائت، رکوع اور سجود وغیرہ کی پابندیاں لازم ہو جاتی ہیں (یہ مسئلہ واضح ہے)

دوسرے یہ کہ نفل ومستحب عمل کو انجام دینے کی خاطر کسی مکروہ یا گناہ کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے، ورنہ اس عمل کا استحباب وثواب باقی نہیں رہتا اور کراہت یا گناہ سے بچنا اس عمل کو انجام دینے پر مقدم اور اس سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ [۱]

تیسرے یہ کہ نفل ومستحب عمل سے کسی دوسرے مسلمان کو ایذاء وتکلیف نہیں پہنچنی چاہئے، نیز دوسرے مسلمان کو اپنے فرض وواجب عمل کی ادائیگی میں اس کی وجہ سے خلل بھی واقع نہیں ہونا چاہئے۔ [۲]

اب اِن اصولی باتوں کے بعد عرض ہے کہ:

اولاً تو بہت سے علماء وفقہاء کے نزدیک نفلی حج اور نفلی عمرہ کے بجائے اس رقم کا غرباء

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومال إلى ذلك في الفتح وقال بعد سوق الأدلة تعارض مقتضيات الوجوب والنفل، فلا تثبت ويبقى مجرد فعله -عليه الصلاة والسلام- وأصحابه والتابعين، وذلك يوجب السنة فقلنا بها (قوله قلنا المأمور إلخ) جواب عن سؤال مقدر أورده في غاية البيان دليلا على الوجوب، ثم أجاب عنه بما ذكره الشارح، ثم هذا مبنى على أن المراد بالإتمام تتميم ذاتهما أي تتميم أفعالهما أما إذا أريد به إكمال الوصف وعليه ما نقله في البحر من أن الصحابة فسرت الإتمام بأن يحرم بهما من دويرة أهله، ومن الأماكن القاصية فلا حاجة إلى الجواب للاتفاق على أن الإتمام بهذا المعنى غير واجب فالأمر فيه للندب إجماعا فلا يدل على وجوب العمرة فافهم (ردالمحتار، ج۲ص ۴۷۲، كتاب الحج،مطلب في أحكام العمرة)

[۱] لان دفع المضرة خير من جلب المنفعة ، والا جتناب عن الحرام اولىٰ من ارتكاب السنة كما في اصول الفقه .

[۲] كما ان الاستلام سنة وترك الايذاء واجب فالاتيان بالواجب اولىٰ (كذا في تبيين الحقائق، ج۲ص ۱۵ ، باب الاحرام)

وفي البحر: لأن الاستلام سنة والكف عن الإيذاء واجب فالاتيان بالواجب متعين (البحر الرائق، ج۲ص ۳۵۱، كتاب الحج، باب الاحرام، الاغتسال ودخول الحمام)

ومساکین اور ضرورت مندوں پر خرچ کرنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔ [1]

اور جن حضرات سے نفلی حج کی نفلی صدقہ پر فضیلت ثابت ہے، وہ بھی اس وقت ہے جبکہ غرباء ومساکین خصوصاً نیک صالح فقراء ومساکین اور ضرورت مند موجود نہ ہوں، نیز دوسری کوئی خرابی بھی شامل نہ ہو (جن کا ذکر بعد میں آتا ہے)

اور آج کل بے شمار غرباء ومساکین موجود ہیں، جن میں نیک صالح افراد بھی ہیں، نیز ایسے غرباء بھی ہیں، جن کو زکاۃ نہیں لگتی (مثلاً بنوہاشم) پھر اوپر سے مہنگائی کا دَور دورہ ہے، اور لوگوں میں بخل کا مرض بھی عام ہے؛ لہٰذا اِن حالات میں حج فرض ادا کرنے کے بعد نفل حج کے بجائے مذکورہ غرباء کی مدد کرنا زیادہ اہم ہے۔ [2]

---

[1] حج بدل اور عورت کے ساتھ محرم کی ضرورت سے نفل حج کا سفر کرنے والا اس سے مستثنٰی ہے۔ محمد رضوان۔

[2] اذاحج الرجل مرۃ ثم ارادان یحج مرۃ اخریٰ فالحج مرۃ اخریٰ افضل لہ ام الصدقۃ؟ فالمختاران الصدقۃ افضل لہٗ لان نفع الصدقۃ یعودالی الغیرونفع الحج یقتصرعلیہ (المحیط البرھانی جلد۳صفحہ۵۰۰، کتاب المناسک، الفصل العشرون، فی المتفرقات. مطبوعۃ: ادارۃ القرآن کراچی)

قال الرحمتی: والحق التفصیل، فما کانت الحاجة فیه أکثر والمنفعة فیه أشمل فهو الأفضل کما ورد حجة أفضل من عشر غزوات وورد عکسه فیحمل علی ما کان أنفع، فإذا کان أشجع وأنفع فی الحرب فجهاده أفضل من حجه، أو بالعکس فحجه أفضل، وکذا بناء الرباط إن کان محتاجا إلیه کان أفضل من الصدقة وحج النفل وإذا کان الفقیر مضطرا أو من أهل الصلاح أو من آل بیت النبی -صلی الله علیه وسلم- فقد یکون إکرامه أفضل من حجات وعمر وبناء ربط. کما حکی فی المسامرات عن رجل أراد الحج فحمل ألف دینار یتأهب بها فجاء ته امرأة فی الطریق وقالت له إنی من آل بیت النبی -صلی الله علیه وسلم- وبی ضرورة فأفرغ لها ما معه، فلما رجع حجاج بلده صار کلما لقی رجلا منهم یقول له تقبل الله منک، فتعجب من قولهم، فرأی النبی -صلی الله علیه وسلم- فی نومه وقال له: تعجبت من قولهم تقبل الله منک؟ قال نعم یا رسول الله؛ قال: إن الله خلق ملکا علی صورتک حج عنک؛ وهو یحج عنک إلی یوم القیامة بإکرامک لامرأة مضطرة من آل بیتی؛ فانظر إلی هذا الإکرام الذی ناله لم ینله بحجات ولا ببناء ربط (ردالمحتار، ج۲ص۶۲۱، کتاب الحج، فروع فی الحج، مطلب فی تفضیل الحج علی الصدقة)

قلت قد یقال إن صدقة التطوع فی زماننا أفضل لما یلزم الحاج غالبا من ارتکاب المحظورات ومشاهدته لفواحش المنکرات وشح عامة الناس بالصدقات وترکهم الفقراء والأیتام فی حسرات ولا سیما فی أیام الغلاء وضیق الأوقات وبتعدی النفع تتضاعف الحسنات ثم رأیت فی متفرقات

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیز صحابۂ کرام میں سے حضرت ابنِ عباس، حضرت جابر وحضرت حسین رضی اللہ عنہم سے اور تابعین میں سے حضرت ابراہیم نخعی، حضرت حسن بصری، حضرت ضحاک، حضرت شعبی رحمہم اللہ وغیرہ سے نفلی صدقہ کی نفلی حج پر فضیلت منقول ہے۔

چنانچہ ابونعیم اصبہانی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ،لَاَنْ اَعُوْلَ اَھْلَ بَیْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ شَھْراً اَوْجُمُعَۃً اَوْمَاشَاءَ اللّٰہُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ حَجَّۃٍ بَعْدَحَجَّۃٍ الخ(حلیۃ الاولیاء، ج ۱ ص ۳۲۸)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں مسلمانوں کے کسی گھرانے کی مہینہ بھر یا ہفتہ بھر کے لیے کفالت کروں، یہ مجھے پے در پے (یعنی لگاتار اور کئی) حج کرنے سے زیادہ محبوب ہے (حلیۃ الاولیاء)

اور حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لَأَنْ أَتَصَدَّقَ بِدِرْھَمٍ عَلٰی یَتِیْمٍ أَوْ مِسْکِیْنٍ أَحَبُّ إِلَیَّ مِنْ حَجَّۃٍ بَعْدَ حَجَّۃِ الْإِسْلَامِ (حلیۃ الاولیاء،للأصبھانی، ج۳ص ۸۹)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اللباب الجزم بأن الصدقة أفضل منه وقال شارحه القارى أى على ما هو المختار كما فى التجنيس ومنية المفتى وغيرهما ولعل تلك الصدقة محمولة على إعطاء الفقير الموصوف بغاية الفاقة أو فى حال المجاعة وإلا فالحج مشتمل على النفقة بل وزاد إن الدرهم الذى ينفق فى الحج بسبعمائة إلخ قلت قد يقال ما ورد محمول على الحج الفرض على أنه لا مانع من كون الصدقة للمحتاج أعظم أجرا من سبعمائة(منحة الخالق على البحر الرائق ،ج ۲ ص ۳۳۴، كتاب الحج)

ونقل عن الشيخ عزالدين بن عبدالسلام انهٗ قال يحدث للناس فى كل زمان من الاحكام مايناسبهم ......فلانقول ان الاحكام تتغير بتغير الزمان بل باختلاف الصورة الحادثة ......وقداكثر الرويانى فى الحلية من اختيارات خلاف مذهب الشافعى ويقول فى هٰذاالزمان وقال العبادىُّ فى فتاويه الصدقة افضل من حج التطوع فى قول ابى حنيفة وهى تُحتمل فى هذاالزمان ،وافتى الشيخ عزالدين بالقيام للناس ،وقال لوقيل بوجوبه لماكان بعيداً،وكل ذالك فانماهواستنباط من قواعدالشرع لاانهٗ خارج عن الاحكام المشروعة ،فاعلم ذالك فانهٗ عجيب(البحر المحيط فى اصول الفقه ،لبدرالدين الزركشى ج ۱ ص ۲۱۹ تا ۲۲۱ ملخصاً،مسئلة احكام الشرع ثابتة الىٰ يوم القيامة)

ترجمہ: میں کسی یتیم یا مسکین پر ایک درہم خرچ کروں، یہ مجھے زیادہ پسند ہے، اس کے مقابلہ میں کہ فرض حج کرنے کے بعد حج کروں (حلیۃ الاولیاء) [1]

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جہاد میں ایک کوڑا خرچ کرنے کا، فرض حج کے بعد دوبارہ حج کرنے کے مقابلہ میں زیادہ پسندیدہ ہونا مروی ہے۔ [2]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لَاَنْ اَقُوْتَ اَهْلَ بَيْتٍ بِالْمَدِيْنَةِ صَاعًا كُلَّ يَوْمٍ اَوْ كُلَّ يَوْمٍ صَاعَيْنِ شَهْرًا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ حَجَّةٍ فِيْ اَثْرِ حَجَّةٍ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [3]

ترجمہ: میں شہر کے کسی گھرانہ کی یومیہ ایک صاع یا دو صاع (ساڑھے تین سیر، یا سات سیر) سے مہینہ بھر کی کفالت کروں، یہ مجھے حج کے بعد حج کرنے سے زیادہ محبوب ہے (ابنِ ابی شیبہ)

شہر کی قید سے یہ نہ سمجھا جائے کہ کسی اور جگہ کے غریبوں کا یہ حکم نہیں ہے۔

اور جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

كَانُوْا يَرَوْنَ اَنِّيْ اَحُجُّ مِرَارًا، اَنَّ الصَّدَقَةَ اَفْضَلُ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [4]

ترجمہ: صحابۂ کرام وتابعین یہ سمجھتے تھے کہ میں چند مرتبہ (نفلی) حج کروں، اس کے بجائے (نفل حج پر خرچ ہونے والی رقم کا) صدقہ کرنا زیادہ فضیلت کا باعث

---

[1] والحاصل أن قول الصحابی حجة یجب تقلیده عندنا إذا لم ینفه شیء آخر من السنة .اهـ. (ردالمحتارج۲ص۱۵۸،باب الجمعة ،وفتح القدیر ج۲ ص۲۸،باب صلاة الجمعة)

[2] عن عبد الله، قال :لأن أمتع بسوط فی سبیل الله، أحب إلی من أن أحج حجة بعد حجة (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۸۵۷۵)

أخبرنی یحیى بن عمرو بن سلمة، عن أبیه، أنه سمع عبد الله، یقول :لأن أجهز سوطا فی سبیل الله أحب إلی من حجة بعد حجة الإسلام (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۹۱۵۸)

قال الهیثمی:رواه الطبرانی ورجاله ثقات(مجمع الزوائد،باب فیمن جهز غازیا أو خلفه فی أهله، تحت رقم الحدیث ۹۴۶۲)

[3] رقم الروایة ۱۳۳۵۱، کتاب المناسک،باب فی الصدقة والعتق والحج.

[4] رقم الروایة ۱۳۳۴۷، کتاب المناسک،باب فی الصدقة والعتق والحج.

ہے (ابنِ ابی شیبہ) [1]

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

عَنِ الثَّوْرِیِّ وَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ اَلْحَجُّ اَفْضَلُ بَعْدَالْفَرِیْضَةِ اَمِ الصَّدَقَةُ؟ فَقَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْمِسْکِیْنٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ اَنَّهُ قَالَ اِذَاحَجَّ حِجَجًا فَالصَّدَقَةُ وَکَانَ الْحَسَنُ یَقُوْلُ اِذَاحَجَّ حَجَّةً (مصنف عبدالرزاق) [2]

ترجمہ: حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ فرض حج کر لینے کے بعد نفلی حج افضل ہے؟ یا (اس رقم کا) صدقہ افضل ہے؟ تو حضرت ثوری نے فرمایا کہ مجھے ابو مسکین نے حضرت ابراہیم نخعی کے حوالہ سے خبر دی کہ حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ جب چند مرتبہ حج کر لیا تو صدقہ کرنا افضل ہے، اور حضرت حسن (بصری) فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حج فرض ادا کر لینے کے بعد صدقہ کرنا افضل ہے (عبدالرزاق)

امام ابوبکر بن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں کہ:

عَنِ الشَّعْبِیِّ قَالَ: جَاءَهُ بَعْضُ جِیْرَانِهٖ ،فَقَالَ اِنِّیْ قَدْتَهَیَّأْتُ لِلْخُرُوْجِ، وَلِیَ جِیْرَانٌ مُحْتَاجُوْنَ مُتَعَفِّفُوْنَ، فَمَاتَرٰی لِیْ؟ اَجْعَلُ کِرَائِیْ وَجَهَازِیْ فِیْهِمْ ،اَوْاَمْضِیْ لِوَجْهِیْ لِلْحَجِّ؟فَقَالَ: وَاللّٰهِ ،اِنَّ الصَّدَقَةَ لَعَظِیْمٌ اَجْرُهَا،وَمَا یَعْدِلُ عِنْدِیْ مَوْقِفٌ مِنَ الْمَوَاقِفِ اَوْشَیْئًا مِّنَ الْاَشْیَاءِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [3]

ترجمہ: حضرت شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرا ایک پڑوسی میرے پاس آیا اور (مجھ سے) کہا کہ بے شک میں (نفلی حج کے لیے) تیار ہو کر نکلا ہوں، حالانکہ

---

[1] اذا قال التابعی کانوا یفعلون کذا وکانوا یقولون کذا، ولایرون بذالک بأسا فالظاهر اضافتهٔ الی الصحابة الا ان یقوم دلیل علی غیر ذالک وهذا ظاهر بالتتبع (قواعد فی علوم الحدیث صفحه ۱۲۸)

[2] رقم الروایة ۸۸۲۳، کتاب المناسک، باب فضل الحج.

[3] رقم الروایة ۱۳۳۴۹، کتاب المناسک،باب فی الصدقة والعتق والحج.

میرے پڑوسی محتاج اور سفید پوش ہیں تو آپ کا کیا خیال ہے کہ آیا میں اپنا کرایہ اورزادِ راہ ان (محتاج اور سفید پوش پڑوسیوں) کو دے دوں یا میں حج کی ادائیگی کے لیے سفر جاری رکھوں؟

تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ کی قسم بلا شبہ صدقہ کا اجر بڑا ہے اور میرے نزدیک نفلی حج کے ارکان میں سے کوئی رکن یا اور کوئی چیز اس کے برابر نہیں ہوسکتی (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے علاوہ حضرت شعبی رحمہ اللہ بھی جلیلُ القدر تابعین میں سے ہیں، ان کے اقوال بھی فقہائے کرام کے نزدیک بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ [1]

نیز امام ابوبکر بن ابی شیبہ ہی روایت کرتے ہیں کہ:

عَنِ الضَّحَاکِ قَالَ مَاعَمِلَ النَّاسُ بَعْدَالْفَرِیْضَةِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اِطْعَامِ مِسْکِیْنٍ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [2]

ترجمہ: حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک فرض (حج) کی ادائیگی کے بعد مسکین (غریب) کی مدد سے زیادہ محبوب کوئی عمل نہیں (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت ضحاک کا علمِ تفسیر میں اونچا مقام ہے۔ [3]

---

[1] الشعبی عامر بن شراحیل بن عبد بن ذی کبار وذو کبار ...... قلت :رأی علیا -رضی اللہ عنه- وصلی خلفه. وسمع من :عدة من کبراء الصحابة .... قال أحمد بن عبد اللہ العجلی :سمع الشعبی من ثمانیة وأربعین من أصحاب رسول اللہ -صلی اللہ علیه وسلم-.قال :ولا یکاد یرسل إلا صحیحا .... عن ابن سیرین، قال: قدمت الکوفة، وللشعبی حلقة عظیمة، والصحابة یومئذ کثیر (سیر أعلام النبلاء، ج۴، ص۲۹۴، ملخصاً)

قول ابراھیم النخعی حجة عندنا اذا لم یخالف قول الصحابی فمافوقهٗ (قواعدفی علوم الحدیث، مقدمه اعلاء السنن صفحه ۱۳۲)

[2] رقم الروایة ۱۳۳۵۲، کتاب المناسک،باب فی الصدقة والعتق والحج.

[3] الضحاک بن مزاحم الهلالی أبو محمد، وقیل :أبو القاسم، صاحب (التفسیر) کان من أوعیة العلم، ولیس بالمجود لحدیثه، وهو صدوق فی نفسه............ وثقه :أحمد بن حنبل، ویحیی بن معین، وغیرهما...... قال سفیان الثوری :کان الضحاک یُعَلِّمُ ولا یأخذ أجرا (سیر أعلام النبلاء، ج۴، ص۵۹۸ وص۵۹۹، ملخصاً)

ان روایات وآثار سے معلوم ہوا کہ کئی صحابۂ کرام وتابعینِ عظام سے فرض حج کے بعد صدقہ کرنا نفلی حج میں خرچ کرنے سے افضل ہونا منقول ہے۔

دوسرے آج کل ہر سال دنیا بھر سے نفلی حج کرنے والوں کی بڑی تعداد کے حج کے موقعہ پر جمع ہوجانے کی وجہ سے بہت سے فرض حج ادا کرنے کے لیے جانے والوں کی قانونی تقاضوں کی وجہ سے باری ہی نہیں آتی، اوراس طرح وہ فرض حج کی ادائیگی سے محروم رہتے ہیں، جس کا ایک سبب نفلی حج کرنے والوں کی کثرت ہوتی ہے، کیونکہ آج کل حکومت کی طرف سے ہر سال مخصوص تعداد کو حج پر بھیجنے کا انتظام ہوتا ہے، اوراس تعداد سے زیادہ لوگوں کو حج کے سفر کی اجازت نہیں ہوتی۔

تیسرے نفل حج کے لئے جانے والوں کی غیر معمولی تعداد کی وجہ سے فرض حج ادا کرنے والوں کو قیام وطعام اوراس کے اخراجات میں مشکلات کے علاوہ اپنے مناسِکِ حج ادا کرنے میں بھی سخت مشکلات پیش آتی ہیں، طواف وسعی کا مرحلہ ہو یا منٰی وعرفات اور مزدلفہ میں قیام اورآمدورفت کا؛ تقریباً ہر مرحلہ پر مشکلات میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے، جس میں بڑا دخل رَش اور ہجوم کا ہے اوراسی وجہ سے اب حج کے کئی احکام کو سنت بلکہ واجب طریقہ پر ادا کرنا مشکل سے مشکل تر ہوتا چلا جارہا ہے۔

چوتھے عام حجاجِ کرام کی بہت بڑی تعداد (جن میں نفل حج کرنے والے عام لوگ بھی شامل ہوتے ہیں) وہ ہوتی ہے جسے حج کے احکام ومناسک کا علم ہی نہیں ہوتا اور نہ ان کے سیکھنے کا اہتمام ہوتا، پھر صحیح حج کی توفیق کیسے ہوگی؟ اور نام ونمود اور ریا کاری کا مرض بھی عموماً حجاج کرام میں بہت زیادہ دیکھنے میں آرہا ہے اور بہت سی رسمیں اور گناہ آج عوامی دنیا میں حج کا لازمی حصہ بن گئے ہیں۔

اِن وجوہات کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ایک مرتبہ فرض حج ادا کرلینے کے بعد نفلی حج میں رقم خرچ کرنے کے بجائے اس رقم کو صدقہ کیا جائے، اور غرباء ومساکین کی ضروریات کا انتظام کیا

جائے۔[1]

نیز بعض اوقات (حج کے موقع پر زیادہ ہجوم کے باعث انتظامی امور میں خلل واقع ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے) حکومت کی طرف سے یہ اعلان کر دیا جاتا ہے کہ اس مرتبہ صرف فرض حج یا حج بدل کرنے والوں کی درخواستیں قبول ومنظور کی جائیں گی۔

ایسے حالات میں بعض لوگ جو کہ اپنا فرض حج پہلے ادا کر چکے ہوتے ہیں؛ اور نفلی حج کرنا چاہتے ہیں، اپنی درخواست میں پہلا حج، یا فرض حج، یا حج بدل لکھ دیتے ہیں، حالانکہ یہ بات واقعہ کے مطابق نہیں ہوتی، بعض دفعہ اس سلسلہ میں حلفیہ بیان وغیرہ بھی دینا پڑتا ہے، اور اس طرح کی خلافِ واقعہ باتیں نہ جانے کتنے مقامات پر کرنی پڑتی ہیں، اور بعض اوقات اس غرض کو پورا کرنے کے لئے رشوت وغیرہ بھی دینی پڑ جاتی ہے۔ اور قانون کی خلاف ورزی

---

[1] علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

والحج على الوجه المشروع أفضل من الصدقة التي ليست واجبة. وأما إن كان له أقارب محاويج فالصدقة عليهم أفضل، وكذلك إن كان هناك قوم مضطرون إلى نفقته، فأما إذا كان كلاهما تطوعا فالحج أفضل لأنه عبادة بدنية مالية وكذلك الأضحية والعقيقة أفضل من الصدقة بقيمة ذلك، لكن هذا بشرط أن يقيم الواجب في الطريق ويترك المحرمات ويصلي الصلوات الخمس، ويصدق الحديث ويؤدي الأمانة ولا يتعدى على أحد(الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیة ، ج۵ ص ۳۸۲، کتاب الحج)

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کی اس واضح صراحت سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے رشتہ دار ضرورت مند ہوں یا کسی علاقہ میں لوگ سخت محتاجی میں مبتلا ہوں تو ان پر صدقہ کرنا اس رقم کو نفلی حج میں خرچ کرنے سے افضل ہے؛ اور اگر حج کے سفر میں واجبات کی خلاف ورزی کی جائے یا حرام کاموں میں مبتلا ہوا جائے یا جھوٹ بولا جائے یا کسی کی امانت ادا نہ کی جائے یا کسی پر زیادتی کی جائے تو نفلی حج کے بجائے اس رقم کو نفلی صدقہ میں خرچ کرنے کی اہمیت زیادہ ہے۔

علامہ ابن امیر الحاج رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

وبعضهم يترك اهله ضياعا ويمضى الى الحج وقد قال عليه السلام "كفى بالمرء اثما ان يضيع من يعول "(المدخل لابن الحاج ج۴ ص ۳۸۸، فصل فى شروط وجوب الحج)

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اور اگر یہ حج نفل ہے اور کسی سبب سے اہتمام نماز کا نہ ہو سکے تو اس شخص کو اس حج کے لیے سفر کرنا ہی جائز نہیں، وہ اپنے گھر رہ کر کام میں لگے (اصلاحِ انقلابِ امت صفحہ ۱۰۷، درضمن نماز کے متعلق کوتاہیاں؛ مطبوعہ: ادارۃ المعارف کراچی، تاریخِ طباعت ۱۴۰۷ھ)

کرنے کے باعث ہر وقت عزت کا خطرہ الگ رہتا ہے، حالانکہ حج اور خاص طور پر نفلی حج کی خاطر اس قسم کی غلط بیانی اور جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں، جب ایک مرتبہ حج کا فریضہ ادا کر لیا تو نفلی عمل کی خاطر اتنے سارے گناہوں کا بوجھ لادنا اور اپنی عزت کو خطرہ میں ڈالنا کسی طرح مناسب نہیں، لہٰذا اس کے بجائے اس رقم کو دوسرے کارِ خیر خصوصاً نیک صالح غرباء ومساکین پر خرچ کرنا چاہیے۔

نفلی حج میں سنتوں اور واجبات کو ترک کرنا، گناہوں کا ارتکاب کرنا یا نفلی حج والوں کی وجہ سے فرض حج کرنے والوں کی مشکلات کا باعث بننا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی نفل نماز ایسے طریقہ پر پڑھے کہ اس میں سنن وواجبات کو چھوڑ دے، یا مثلاً نفل نماز میں مشغول افراد کے مسجد میں رَش اور ہجوم کے باعث وہاں باجماعت فرض نماز ادا کرنے والوں کو مشکلات کا سامنا ہو۔

اور جو حکم تفصیل کے ساتھ پیچھے ایک مرتبہ حجِ فرض ادا کر لینے کے بعد نفلی حج کا گزرا، وہی حکم ایک مرتبہ عمرہ کر لینے کے بعد دوبارہ عمرے کرنے کا بھی ہوگا، کیونکہ قادر ہونے کی صورت میں زندگی بھر میں ایک مرتبہ عمرہ کرنا فرض حج سے کم یعنی واجب یا سنتِ مؤکدہ کا درجہ رکھتا ہے، اور اس کے بعد مزید عمرے کرنا نفل ہے۔

لہٰذا نفلی عمل ہونے کے اعتبار سے اس سلسلہ میں عمرہ کا حکم نفلی حج کی طرح ہوگا۔ [1]

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں ان لوگوں یا اداروں کا مسئلہ بھی واضح ہو گیا جو اپنی طرف سے رقم کا

---

[1] (قوله :وهى سنة) أى العمرة سنة مؤكدة، وهو الصحيح فى المذهب، وقيل بوجوبها وصححه فى الجوهرة واختاره فى البدائع، وقال :إنه مذهب أصحابنا، ومنهم من أطلق اسم السنة، وهذا لا ينافى الوجوب .اهـ.والظاهر من الرواية ما فى المختصر فإن محمدا نص فى كتاب الحجر أن العمرة تطوع، وليس بينهما كبير فرق كما قدمناه مرارا واستدل لها فى غاية البيان بما رواه الترمذى وصححه عن جابر أن النبى -صلى الله عليه وسلم -سئل عن العمرة أواجبة هى قال :لا، وأن تعتمروا هو أفضل ، وأما قوله تعالى :(وأتموا الحج والعمرة لله)فالإتمام بعد الشروع، ولا كلام لنا فيه؛ لأن الشروع ملزم، وكلامنا فيما قبل الشروع والمراد أنها سنة فى العمر مرة واحدة فمن أتى بها مرة فقد أقام السنة(البحر الرائق، ج٣ص ٦٣ ، كتاب الحج، باب الفوات فى الحج)

(قوله والعمرة فى العمر مرة سنة مؤكدة) أى إذا أتى بها مرة فقد أقام السنة (ردالمحتار، ج٢ص ٤٧٢، مطلب فى احكام العمرة)

انتظام کر کے لوگوں کو نفل حج وعمرے کے لئے بھیجتے ہیں کہ اس کے بجائے انہیں یہ رقم غریبوں، ناداروں اور ضرورت مندوں پر خرچ کرنی چاہئے۔

اب اگر یہاں یہ شبہ کیا جائے کہ شریعت نے تو دین کے راستہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے، اور آپ لوگوں کو اس سے منع کر رہے ہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو ہم نے حج وعمرہ سے منع نہیں کیا بلکہ بحالاتِ موجودہ نفلی حج وعمرے کے بجائے اس رقم کو دیگر کارِ خیر میں خرچ کرنے کے افضل ہونے کا حکم بیان کیا ہے، نہ یہ کہ نہ تو صدقہ کیا جائے اور نہ ہی نفل حج وعمرہ، دوسرے خود صدقہ کرنا بھی اللہ کا راستہ ہے، جس کے بے شمار فضائل وفوائد قرآن وسنت میں بیان کئے گئے ہیں۔

نیز اگر یہ شبہ کیا جائے کہ صدقہ کو حج وعمرہ کا بدل قرار دیا جا رہا ہے جبکہ صدقہ الگ عمل ہے اور حج وعمرہ الگ، تو صدقہ حج وعمرہ کا بدل کیسے بن سکتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہاں صدقہ کو اولاً تو حج وعمرہ کا بدل قرار نہیں دیا جا رہا، کیونکہ صدقہ فرض حج اور سنت عمرہ کے مقابلہ میں تجویز نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ نفلی حج ونفلی عمرہ کے مقابلہ میں تجویز کیا جا رہا ہے، دوسرے دونوں عملوں کے درجات اور ضرورت اور ثواب کے اعتبار سے گفتگو کی جا رہی ہے، نہ کہ ایک دوسرے کا بدل ہونے کے اعتبار سے۔

اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص نفلی حج میں تو لاکھوں روپیہ خرچ کرنے پر آمادہ ہو لیکن اسے نفلی صدقہ کی ترغیب دی جائے تو اس میں خرچ کرنے پر آمادہ نہ ہو تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اس کے دل میں مال کی محبت کا مرض موجود ہے۔ [1]

---

[1] جیسا کہ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ نفلی حج میں لاکھوں روپیہ خرچ کرنے والے کسی صاحب کو اگر کسی عذر سے نفلی حج کے سفر پر جانے کا موقع نہ مل سکے تو وہ باوجود انتہائی درجہ کے غریب ونادار لوگوں کے موجود ہونے کے اس رقم کو صدقہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔

وشح عامة الناس بالصدقات وتركهم الفقراء والايتام فى حسرات ولاسيمافى أيام الغلاء وضيق الاوقات وبتعدى النفع تتضاعف الحسنات ثم رأيت فى متفرقات اللباب الجزم بان الصدقة أفضل منه الخ(منحة الخالق على البحر الرائق، ج ۲ ص ۳۳۴، كتاب الحج)

یا پھر اخلاص کی کمی ہے، کہ جس عمل سے شہرت نہیں ہوتی اس کو کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور اس کے مقابلہ میں شہرت اور نام ونمود حاصل ہونے والے عمل کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

جبکہ صدقہ میں اتنی محنت وجد وجہد بھی نہیں کرنی پڑتی جتنی کہ حج وعمرے میں کرنی پڑتی ہے، نیز وقت بھی صدقہ میں اتنا خرچ نہیں ہوتا جتنا کہ حج وعمرہ میں خرچ ہوتا ہے، یہ وقت بچا کر دوسرے کارِ خیر میں صَرف کیا جاسکتا ہے۔

امید ہے کہ اگر نیک نیتی سے اس مسئلہ کو سمجھا جائے اور اہلِ علم حضرات بھی عوام میں اس چیز کی تبلیغ وترغیب کا اہتمام کریں، تو ان شاء اللہ تعالیٰ نہ صرف کئی مسائلِ حج وعمرہ کی پیچیدگیوں کا حل نکل آئے گا، بلکہ اس کے ساتھ نفلی حج وعمرہ پر بے حد وحساب خرچ ہونے والی رقم کو غرباء ومساکین پر خرچ کرنے سے ملک میں جاری غربت میں کافی حد تک کمی اور بے شمار دینی ضروریات پوری ہونے میں مدد حاصل ہوسکے گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اصلاح فرمائیں اور اپنی رضا وآخرت کے کاموں کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں اور ہر عمل کو اس کے درجہ پر رکھ کر ادا کرنے اور اعتدال پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان

۱۱/ ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ بمطابق 18 اپریل 2008ء بروز جمعۃُ المبارک

اضافہ ونظرِ ثانی بموقع طباعتِ دوم

۲۵/ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ۔ بمطابق 14 / اگست 2012ء بروز منگل

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

ماہِ ذی قعدہ کے چند اہم تاریخی واقعات

(مرتب: مولانا طارق محمود: ادارہ غفران، راولپنڈی)

پہلی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

(۱)......ماہِ ذی قعدہ ۱ ھ: میں سریہ سعد بن ابی وقاص پیش آیا۔

غزوۂ بدر کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں بیس یا اکیس مہاجرین صحابہ کو "خرار" کی طرف بھیجا گیا، اس لشکر کے جھنڈے کا رنگ سفید تھا، جس کو حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے تھاما ہوا تھا، انہیں قریش کے قافلے سے مقابلہ کرنا تھا لیکن وہ قافلہ بچ کر نکل گیا۔

(البداية والنهاية ج۳ص۲۸۷،۲۸۸،فصل عقده عليه السلام لسعد ابن ابی وقاص الی الخرار لواء ابیض، عہد نبوت کے ماہ و سال ص۸۷،غزوات النبی ﷺ ۴۴۰)

(۲)......ماہِ ذی قعدہ ۵ ھ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امّ المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امہات المؤمنین میں سے سب سے پہلے آپ رضی اللہ عنہا ہی کا انتقال ہوا، آپ کی رخصتی کے دن حجاب کا حکم نازل ہوا۔

(البداية والنهاية، ج۴ص۱۶۶،تزويجه بزينب بنت جحش ونزول الحجاب صبيحة عرس زينب)

(۳)......ماہِ ذی قعدہ ۵ ھ: میں غزوۂ خندق کے بعد غزوۂ بنی قریظہ پیش آیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق سے فارغ ہو کر ابھی ہتھیار اتارے ہی تھے اور ظہر کی نماز پڑھی کہ جبریل علیہ السلام پہنچے اور عرض کیا کہ آپ نے اپنے ہتھیار اتار دیئے، اللہ کی قسم! ہم نے تو ابھی تک نہیں اتارے، ہمیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنو قریظہ سے قتال کا حکم ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۰۰۰ صحابۂ کرام کی معیت میں مدینہ سے چلے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوقریظہ کا ۲۵ دن تک محاصرہ کئے رکھا، آخر کار انہوں نے تنگ آ کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا فیصل مقرر کیا، انہوں نے ان کا یہ فیصلہ سنایا کہ ان کے لڑاکا مردوں کو قتل کر دیا جائے اور باقی سب کو قید کرلیا جائے۔

(البداية والنهاية، ج۴ص ۱۳۳ ،فصل في غزوة بني قريظة،سیرت ابنِ هشام ج۴غزوة بني قريظة في سنة خمس،العبر في خبر من غبر، ج ۱ ص۷،المنتظم لابن الجوزي، ج۳ص ۲۳۸، عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۷۷)

(۴)......**ماہِ ذی قعدہ ۶ ھ:** میں عمرۂ حدیبیہ اور صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔

اس سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض عمرہ کی نیت سے مدینہ سے نکلے تھے، لیکن کفار جنگی تیاریوں کے ساتھ مکہ سے نکل آئے، کفار سے مذاکرات کے دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جو کہ قاصد بن کر گئے تھے، اہلِ مکہ نے روک لیا، اس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے درخت کے نیچے ''بیعتِ رضوان'' لی، کفار نے ڈر کی وجہ سے مسلمانوں سے صلح کی پیش کش کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیش کش کو قبول کیا، صلح کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے حق میں سخت معلوم ہوتی تھیں، لیکن یہی شرائط بعد میں فتح مکہ کا سبب ہوئی، آئندہ سال عمرہ کی قضاء کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ ہی میں سفر فرمایا۔

(سیرت ابنِ هشام ، ج۲ ص۳۰۷،امر الحديبية في آخر سنة ست وذكر بيعة الرضوان الخ،البداية والنهاية ، ج۴ص ۱۸۸ ،غزوة الحديبية،المنتظم لابن الجوزي، ج۳ص ۲۶۷، عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۲۱۴)

(۵)......**ماہِ ذی قعدہ ۷ ھ:** میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے آخری نکاح حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ سے ''سرف مقام'' میں فرمایا ''سرف'' کے مقام پر آپ کا نکاح ہوا، اور ایک طویل مدت بعد ۶۳ ھ میں اسی جگہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اور اور یہی جگہ آپ کا مدفن بنی۔

(البداية والنهاية ، ج۴ ص ۲۶۵ ،قصة تزويجه عليه السلام بميمونة،سير اعلام النبلاء

ج ۲ ص ۲۳۹، عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۲۳۲)

(۶)......ماہِ ذی قعدہ ۸ھ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''جعرانہ'' کے مقام سے عمرہ فرمایا۔

رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، طواف اور سعی کر کے عمرہ ادا کیا اور راتوں رات ''جعرانہ'' واپس تشریف لے آئے۔

(البدایة والنهایة، ج ۴ ص ۴۱۹، عمرة الجعرانه فی ذی القعدة، عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۲۸۴)

(۷)......ماہِ ذی قعدہ ۹ھ: میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول ۲۰ دن بیمار رہ کر مرا۔

اس کے مرض کا آغاز شوال کے آخر ہی میں ہو گیا تھا، اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

''وَلَاتُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَاتَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِهٖ'' (التوبة)

یعنی ان منافقوں میں سے کوئی مرے تو آپ کبھی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں''

یہ آیت ان پندرہ مواقع میں سے ہے جن میں وحی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق نازل ہوئی۔

(البدایة والنهایة، ج ۵ ص ۷۴، موت عبد الله بن ابی قبحه الله، عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۲۹۶)

(۸)......ماہِ ذی قعدہ ۳۸ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اہلِ شام نے بیعت کی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی دینی اور علمی قابلیت کی وجہ سے آپ کو وحی لکھنے کے نازک کام پر مامور فرمایا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے وحی لکھواتے تھے، ۱۸ھ میں آپ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دمشق کا گورنر مقرر فرمایا، پھر اس کے بعد آپ

حمص اور جابیہ کے گورنر مقرر ہوئے، اس طرح پورا شام آپ کے سپرد ہوا، ۳۳ھ میں آپ نے قبرص پر لشکر کشی کر کے اسے فتح کرلیا، ۴۰ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد آپ باقاعدہ طور پر خلیفہ بنے اور اموی حکومت کی بنیاد رکھی، ۶۰ھ میں دمشق میں انتقال ہوا، اور ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

(صحابۂ کرام انسائیکلوپیڈیا ص۸۵۲ تا ۸۵۷، سیر اعلام النبلاء ج۳ ص۱۳۷)

(۹)...... ماہِ ذی قعدہ ۴۲ھ: میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں حارث بن مرہ عبدی نے مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ سابق سندھ (جو اس وقت پورا ایک ملک تھا) کے علاقے قیقان (قلات، بلوچستان) پر حملہ کیا، لیکن اپنے تمام ساتھیوں سمیت شہید ہوگئے، آئندہ سال مسلمانوں نے دوبارہ حملہ کیا اور اور قیقان والوں کو شکست دی، بہت سے کافروں کو قیدی بنایا اور کافی مالِ غنیمت حاصل کیا، مسلمان یہ سب کچھ لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دے کر واپس آئے، تاکہ صحیح طریقہ سے اسلام نافذ کرسکیں، لیکن آتے ہی پھر مقابلہ ہوا، جس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی (تقویم تاریخی ص۱۰، تاریخ سندھ ص۳۴)

(۱۰)...... ماہِ ذی قعدہ ۶۲ھ: میں حضرت ابو معن مسلمہ بن مخلد بن صامت انصاری خزرجی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

مصر میں آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نائب تھے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، ابنِ سیرین اور ہشام بن ابی رقیہ رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۱۴ سال تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو بنی فزارہ سے زکاۃ وصول کرنے کے لئے عامل بنا کر بھیجا، عقبہ بن عامر کے مصر کی امارت سے معزول ہونے کے بعد آپ مصر کے امیر بنے، اور یزید بن معاویہ کے دورِ حکومت تک مصر کے امیر رہے، آپ اتنی اچھی نماز پڑھاتے تھے کہ امامِ تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمہ کے پیچھے ایک مرتبہ نماز پڑھی تو انہوں نے تلاوت کے

دوران ایک الف یا واؤ تک نہیں چھوڑا، اسکندریہ میں آپ کی وفات ہوئی(سیر اعلام النبلاء ج۳ص ۴۲۶)

دوسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

(۱)......ماہِ ذی قعدہ ۱۰۶ھ: میں حضرت ابوعمر سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بہت جلیل القدر تابعی ہیں، بڑے بڑے صحابۂ کرام سے اکتسابِ فیض کیا اور کئی جلیل القدر تابعینِ کرام آپ کے شاگرد ہیں، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن محمد بن ابی بکر الصدیق، قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق، ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم اور نافع بن خدیج، زید بن خطاب، سعید بن مسیّب رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابراہیم بن ابوحنیفہ یمامی، ابراہیم بن عقبہ، بکیر بن عتیق، بکیر بن موسیٰ، جابر جعفی، جہم بن جارود اور حارث بن عبدالرحمٰن رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

> حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے اور سالم، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مشابہت رکھتے تھے۔

علی بن حسن عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

> مدینہ کے فقہاء جن کی رائے معتبر سمجھی جاتی تھی سات تھے، سعید بن مسیّب، سلیمان بن یسار، سالم بن عبداللہ بن عمر، قاسم بن محمد، عروہ بن زبیر، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ اور خارجہ بن زید بن ثابت رحمہم اللہ اور جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو ان سب کے پاس پیش ہوتا اور یہ اس میں غور وفکر کرتے، اور قاضی بھی اس وقت تک کسی معاملے میں فیصلہ نہیں کرتا تھا جب تک کہ وہ کام ان حضرات کے

سامنے پیش کر کے ان کی رائے نہ لے لے۔

(تهذيب الكمال ج١٠ ص ١٥٣)

(۱۲)......**ماہِ ذی قعدہ ۱۲۵ھ:** میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن وہب بن مسلم فہری رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

ابراہیم بن سعد زہری، ابراہیم بن نشیط وعلانی، اسامہ بن زید بن اسلم، اسامہ بن زید لیثی، اور افلح بن حمید رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابراہیم بن منذر حزامی، احمد بن سعید ہمدانی، احمد بن صالح مصری، ابوالطاہر احمد بن عمرو بن سرح اور احمد بن عیسیٰ مصری رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، ہارون بن عبداللہ زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

> لوگوں کا جب امام مالک رحمہ اللہ کے کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جاتا تو عبداللہ بن وہب کا انتظار کرتے تھے کہ وہ تشریف لے آئیں تو ان سے اصل مسئلہ پوچھیں۔

ایک مرتبہ آپ کو قاضی کا عہدہ پیش کیا گیا تو آپ چھپ گئے اور اپنے گھر میں مستقل رہنے لگ گئے، تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ کہاں ہیں، رشدین بن سعد رحمہ اللہ کو جب پتہ چلا تو وہ آپ کے پاس تشریف لائے تو آپ اس وقت اپنے گھر کے صحن میں وضو کر رہے تھے، تو رشدین رحمہ اللہ نے آپ سے پوچھا کہ اے ابومحمد تم کیوں باہر نہیں نکلتے تاکہ لوگوں کے مابین کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے فیصلہ کرو، تو آپ نے اپنا سر اٹھا کر فرمایا! کیا تم نہیں جانتے کہ علماء قیامت کے دن انبیاء کے ساتھ اٹھائے جائیں گے اور قاضی بادشاہوں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے (تهذيب الكمال ج١٦ ص ٢٨٦)

(۱۳)......**ماہِ ذی قعدہ ۱۲۵ھ:** میں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کی وفات ہوئی۔

آپ اپنے والد سے صرف ۱۴ سال چھوٹے تھے، اپنے والد سے شکل اتنی ملتی تھی کہ لوگ باپ بیٹے میں فرق نہیں کر سکتے تھے، یہاں تک آپ کے والد کے بال سفید ہو گئے، سب سے پہلے آپ ہی نے خلافتِ عباسیہ کا نعرہ بلند کیا، ۶۰ یا ۶۳ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

(المنتظم لابنِ جوزی ج٧ ص ٢٤٥)

(۱۴)...... **ماہِ ذی قعدہ ۱۳۲ھ:** میں عراق کے امیر ابوخالد یزید بن عمر بن ھبیرۃ فرازی کو قتل کیا گیا۔

قتل کے وقت عمر ۴۵ سال تھی، عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے اس کا واسط شہر میں محاصرہ کیا، اور اس کو امان دی، لیکن بعد میں وعدہ خلافی کرتے ہوئے اس کو قتل کر دیا۔

(العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۱۳۶، و ۱۳۷)

(۱۵)...... **ماہِ ذی قعدہ ۱۳۲ھ:** میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن علی بن سلمہ بن عامر فہری مدنی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ابراہیم بن ہرمہ کے نام سے مشہور تھے، اپنے زمانہ کے مشہور شاعر تھے، ایک مرتبہ آپ نے عباسی خلیفہ منصور کے دربار میں اپنا کلام پیش کیا، تو منصور نے خوش ہو کر آپ کو ۲۰ ہزار درہم انعام میں دیئے، آپ کی ولادت ۸۷ھ میں ہوئی، اور ۴۵ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۲۰۸)

(۱۶)...... **ماہِ ذی قعدہ ۱۴۳ھ:** میں حضرت شیخ الاسلام ابوالمعتمر سلیمان بن طرخان تیمی بصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بنو تیم قبیلہ میں رہتے تھے اس نسبت سے آپ کو ''تیمی'' کہا جاتا تھا، آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ابوعثمان نہدی، یزید بن عبداللہ بن شخیر، طاؤس، ابومجلز، یحییٰ بن یعمر اور بکر بن عبداللہ مزنی رحمہم اللہ، جب آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث شریف بیان کرتے تو آپ کے چہرے کا رنگ حدیثِ نبوی کے مقام کی وجہ سے بدل جاتا تھا، ابنِ سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ بہت زیادہ عبادت کرنے والے اور کثرت سے حدیث روایت کرنے والے اور حدیث کے معاملے میں ثقہ شمار ہوتے تھے، عشاء کے وضو سے رات کے نوافل پڑھا کرتے تھے، آپ اور آپ کے بیٹے رات کو مختلف مساجد میں تشریف لے جاتے اور کبھی ایک مسجد میں نماز پڑھتے اور کبھی دوسری مسجد نماز پڑھتے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی، ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص سے پوستین عاریۃً مانگی، اور

کچھ عرصہ پہن کر ان کو واپس کردی وہ شخص بتلاتے ہیں کہ اس دن کے بعد برابر اس سے مجھ کو مشک کی خوشبو آرہی ہے، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سلیمان تیمی ۴۰ سال تک برابر عشاء اور فجر ایک وضو سے ادا کرتے رہے، ۹۷ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔
(سیر اعلام النبلاء ج۶ ص ۲۰۲، تھذیب الکمال ج۳ص ۳۲، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۹۴)

(۱۷)......ماہِ ذی قعدہ ۱۶۸ھ: میں حضرت عبیداللہ بن حسن بن حصین بن ابوالحر رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

خالد حذاء، داؤد بن ابی ہند، سعید جریری اور ہارون بن رئاب رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، اسماعیل بن سوید، خالد بن حارث، رافع بن دحیۃ مسلی، عبدالرحمٰن بن مہدی اور ابوحفص عمر بن عامر تمار سعدی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کی ولادت ۱۰۶ھ میں ہوئی، ۱۵۷ھ میں آپ سوار بن عبداللہ رحمہ اللہ کے بعد بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے (تھذیب الکمال ج۱۹ ص ۲۶)

(۱۸)......ماہِ ذی قعدہ ۱۷۷ھ: میں حضرت ابوعبداللہ شریک بن عبداللہ نخعی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا زمانہ پایا، سلمہ بن کہیل، منصور بن معتمر اور ابواسحاق رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابان بن تغلب، محمد بن اسحاق، شعبہ، سفیان، لیث بن سعد، ابن المبارک، یحییٰ بن آدم رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ کی ولادت ۹۵ھ میں ہوئی، آپ کوفہ کے مشہور قاضی تھے (سیر اعلام النبلاء ج۸ ص ۲۱۱)

(۱۹)......ماہِ ذی قعدہ ۱۹۱ھ: میں حضرت ابویزید خالد بن حیان رقی کندی خزار رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

سالم بن ابی المہاجر، سلیمان بن عبداللہ بن زبرقان، علی بن عروہ دمشقی، جعفر بن برقان اور ہمام بن یحییٰ رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، احمد بن حنبل، ایوب، یحییٰ، ابوکریب، علی بن میمون عطار، زکریا بن عدی، عبداللہ بن محمد نفیلی، حسن بن عرفہ رحمہم اللہ آپ

کے مایہ ناز شاگرد ہیں، رقّہ کے مقام پر آپ کی وفات ہوئی۔

(تہذیب التہذیب ج۳ص ۷۴، تہذیب الکمال ج۸ص ۴۴، المنتظم لابنِ جوزی ج۹ص ۱۹)

(۲۰)......ماہِ ذی قعدہ ۱۹۳ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن جعفر ہذلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ''غندرؔ'' کے نام سے مشہور تھے، آپ کی اکثر مرویات حضرت شعبہ رحمہ اللہ سے ہیں اوران کی صحبت میں آپ ۲۰ سال تک رہے، ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن سعید بن ابی ہند، عوف اعرابی، معمر بن راشد، سعید بن ابی عروبہ، حسین معلم اور ہشام بن حسان رحمہم اللہ آپ کا اساتذہ ہیں، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، ابوبکر، عثمان بن ابی شیبہ، قتیبہ اور ابراہیم بن محمد بن عرعرہ رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، ۵۰ سال تک آپ ایک دن روزہ رکھتے اورایک دن افطار کرتے رہے، ایک مرتبہ آپ نے بازار سے مچھلی خریدی اور گھر لے کرآئے اور گھر والوں کواس کے پکانے کا کہہ کرسوگئے، آپ کے گھر والوں نے بطورِمزاح کے وہ مچھلی پکا کر خود کھالی، اور تھوڑی سی آپ کے ہاتھوں پر مَل دی تا کہ آپ کے ہاتھوں سے بومحسوس ہو، پھر جب آپ جاگے تو آپ نے مچھلی طلب کی، تو گھر والوں نے آپ سے کہا کہ مچھلی تو آپ نے کھالی، آپ نے فرمایا میں نے تو نہیں کھائی، گھر والوں نے کہا اپنے ہاتھوں کی بو سونگھیں، آپ نے جب ہاتھوں کوسونگھا تو کہا واقعی تم سچ کہتے ہو میں نے کھائی تو ہے لیکن میرا پیٹ نہیں بھرا (گویا کہ مزاح کا جواب مزاح سے دیا)

(تہذیب التہذیب ج۹ص ۸۵، سیر اعلام النبلاء ج۹ص ۱۰۱، تہذیب الکمال ج۲۵ص ۹، المنتظم لابنِ جوزی ج۹ص ۲۲۸)

(۲۱)......ماہِ ذی قعدہ ۱۹۳ھ: میں حضرت ابوبشر اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابنِ علیہ کے نام سے مشہور تھے (علیّہ آپ کی والدہ کا نام تھا) ۱۱۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، اسی سال حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، گویا کا علم کا ایک

سورج غروب ہوا تو دوسرا طلوع ہوا، ابوبکر محمد بن منکدر تیمی، ابوبکر ایوب بن ابوتمیمہ، یونس بن عبید، اسحاق بن سوید، علی بن زید رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابنِ جریج، شعبہ، حماد بن زید، عبدالرحمٰن بن مہدی، علی بن مدینی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ اپنے زمانے کے مفتی، عالم، فقیہ اور امام الحدیث تھے، آپ کی ۸۳ سال کی عمر میں وفات ہوئی، دمشق کے قاضی ابوبکر محمد بن اسماعیل بن علیہ رحمہ اللہ آپ کے بیٹے ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج۹ ص ۱۱۲، تہذیب الکمال ج۳ص ۳۲، المنتظم لابنِ جوزی ج۹ ص ۲۲۷)

(۶۲)...... ماہِ ذی قعدہ ۱۹۹ھ: میں حضرت ابوعمر حفص بن عبدالرحمٰن بلخی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ خراسان کے مفتی تھے، عاصم الاحول، داؤد بن ابی ہند، ابنِ عون، ابوحنیفہ، اور عیسیٰ بن طہمان رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، حسین بن منصور، محمد بن رافع، سلمہ بن شبیب، محمد بن عقیل خزاعی، محمد بن محمش اور اسحاق بن عبداللہ بن رزین رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ کے والد عبدالرحمٰن بن عمر بن فروخ بن فضالہ بلخی، قتیبہ بن مسلم کے دورِ امارت میں نیشاپور کے قاضی رہے، اور حفص خراسان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بہت زیادہ فقہ جاننے والے ساتھیوں میں سے تھے، آپ کچھ عرصہ قاضی رہے، لیکن بعد میں اس منصب کو چھوڑ کر عبادت میں مشغول ہوگئے، ابن المبارک رحمہ اللہ آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے تھے، آپ کے شہر میں آپ کے نام سے موسوم ایک محلّہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے، جب صحیح بخاری کے مصنف امام بخاری رحمہ اللہ نیشاپور آتے تھے، تو آپ کی مسجد میں درسِ حدیث دیتے تھے، ۸۰ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء ج۹ ص ۱۱۳، تہذیب الکمال ج۷ ص ۲۴)

تیسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

(۲۳)...... ماہ ذی قعدہ ۲۰۱ھ: میں حضرت ابواسامہ حماد بن اسامہ بن زید کوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۱۲۰ھ کے لگ بھگ ہوئی، ہشام بن عروہ، اعمش، ابنِ ابی خالد، ادریس بن یزید اودی اور احوص بن حکیم شامی رحمہم اللہ وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی، عبدالرحمٰن بن مہدی، شافعی، قتیبہ، حمیدی، احمد، اسحاق اور ابوخیثمہ رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ایک مرتبہ اپنی دوانگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں نے ان دوانگلیوں سے ایک لاکھ حدیثیں لکھیں، ۸۰ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۹ ص ۲۷۹، تہذیب الکمال ج۷ ص ۲۲۳)

(۲۴)...... ماہِ ذی قعدہ ۲۰۳ھ: میں حضرت حسین بن علی جعفی کوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ امام اعمش اور بہت سے محدثین کے شاگرد ہیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حسین بن علی اور سعد بن عامر ضبعی سے افضل کسی کو نہیں دیکھا، امام یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ابدال میں سے کوئی شخص باقی ہو تو وہ حسین جعفی ہیں، باوجود بہت بڑے عالم ہونے کہ آپ کو زہد وعبادت میں بھی بڑا مقام حاصل تھا۔

(العبر فی خبر من خبر ج ا ص ۳۳۹، الطبقات الکبریٰ لابنِ سعد ج۶ ص ۵۹۶، سیر اعلام النبلاء ج۹ ص ۴۰۰)

(۲۵)...... ماہِ ذی قعدہ ۲۰۵ھ: میں حضرت محمد بن عبید بن امیہ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ کی ولادت ۱۲۴ھ میں ہوئی۔

ابان بن اسحاق، اسماعیل بن ابی خالد، حسن بن حکم نخعی، سفیان عصری اور سلیمان اعمش رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، احمد بن حنبل، احمد بن سلیمان رہاوی، احمد بن سنان قطان، ابومسعود احمد بن فرات رازی، احمد بن منیع بغوی اور احمد بن یحییٰ صوفی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں،

آپ پہلے کوفہ میں رہتے تھے اس کے بعد کوفہ سے منتقل ہوکر بغداد میں رہائش اختیار کرلی، اور ایک طویل زمانہ تک بغداد میں قیام کرنے کے بعد دوبارہ کوفہ لوٹ آئے، عباسی خلیفہ مامون الرشید کے دورِ خلافت میں وفات ہوئی (تهذيب الكمال ج٢٦ ص ٥٩)

(۴۶)......**ماہِ ذی قعدہ ۲۱۳ھ**: میں حضرت عبیداللہ بن موسیٰ بن ابوالمختار کوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسند کی ترتیب پر ایسی کتاب مرتب کی جس میں کوفہ کے صحابہ کی روایات کو جمع کیا گیا تھا، آپ کی ولادت تقریباً ۱۲۰ھ میں ہوئی، ہشام بن عروہ، سلیمان اعمش، اسماعیل بن ابوخالد، زکریا بن ابی زائدہ اور سعد بن اوس عبسی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام احمد بن حنبل، اسحاق، ابنِ معین، محمد بن عبداللہ بن نمیر، عبد بن حمید اور علی بن محمد طنافسی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی "وقیل مات فی شوالها"

(سیر اعلام النبلاء ج۹ ص ۵۵۶، تهذيب الكمال ج١٩ ص ١٦٩)

(۴۷)......**ماہِ ذی قعدہ ۲۲۷ھ**: میں عباسی خلیفہ الواثق باللہ کی والدہ قراطیس کی وفات ہوئی۔

یہ حج کے لئے نکلیں اور حیرہ کے مقام پر وفات ہوئی، اور کوفہ میں تدفین ہوئی (المنتظم ج ١١ ص ١٢٦)

(۴۸)......**ماہِ ذی قعدہ ۲۲۹ھ**: میں حضرت ابوجعفر محمد بن سلام جعفی مسندی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کے اساتذ درجِ ذیل ہیں: سفیان بن عیینہ، مروان بن معاویہ، اسحاق ارزق، فضیل بن عیاض، عبداللہ بن نمیر اور عبدالرزاق رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: بخاری، ذہلی، ابوالزرعہ رازی، عبیداللہ بن واصل اور محمد بن نصر رحمہم اللہ، آپ کو ماوراء النہر (وسطی ایشیا) کا شیخ کہا جاتا ہے، امام حاکم رحمہ اللہ نے آپ کو علمِ حدیث میں وسطی ایشیاء کا امام قرار دیا ہے، ۹۰ سال کی عمر میں وفات ہوئی (سير اعلام النبلاء ج ١٠ ص ٦٥٩)

(۴۹)......**ماہِ ذی قعدہ ۲۳۲ھ**: میں حضرت عبدالرحمٰن بن اسحاق بن ابراہیم بن سلمہ

بن ضبی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ مذھباً حنفی تھے، رقّہ شہر اور اس کے بعد بغداد کا قاضی بھی آپ کو بنایا گیا تھا، ۲۲۸ھ میں قضا کے منصب سے معزول ہوئے، اور مکہ کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں قَید کے مقام پر انتقال ہوا، اور وہیں پر دفن ہوئے (المنتظم ج ۱۱ ص ۱۸۳)

(۳۰)......**ماہِ ذی قعدہ ۲۳۳ھ:** میں حضرت یحییٰ بن معین بن عون بن زیاد بن بسطام بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کا شمار مدینہ منورہ کے بڑے علماء میں ہوتا تھا، ابن المبارک، ہشیم، عیسیٰ بن یونس، یحییٰ بن ابی زائدہ اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں، احمد بن حنبل، ابوخیثمہ، محمد بن سعد اور بخاری رحمہم اللہ آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں، امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معین علمِ جرح وتعدیل میں کمال رکھتے تھے اس علم کی امامت آپ پر ختم ہے، امام احمد رحمہ اللہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہر وہ حدیث جو یحییٰ بن معین تک نہ پہنچے وہ حدیث ہی نہیں، آپ سے روایت شدہ حدیثیں صحاحِ ستہ میں بھی موجود ہیں، حج کے سفر میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، اور جنت البقیع میں دفن ہوئے، وفات کے وقت ۷۵ یا ۷۶ سال عمر تھی۔

(المنتظم ج ۱۱ ص ۲۰۴، شذرات الذھب ج ۱ ص ۷۹، العبر فی خبر من خبر ج ۱ ص ۴۱۵، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۹۱، تہذیب الکمال ج ۳۱ ص ۵۶۵)

(۳۱)......**ماہ ذی قعدہ ۲۳۵ھ:** میں حضرت ابونصر منصور بن ابومزاحم بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ترک قیدیوں میں سے تھے، آپ کا ایک دیوان بھی لوگوں میں متداول اور رائج تھا، ۸۰ سال کی عمر میں بغداد میں وفات ہوئی، ابراہیم بن سعد، ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان، اسماعیل بن جعفر اور اسماعیل بن علیہ رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، مسلم، ابوداؤد، ابراہیم بن اسحاق حربی، احمد بن بشیر طیالسی، احمد بن حسن بن عبدالجبار اور احمد بن حسین بن منصور بغدادی

رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، ۸۰ سال کے قریب عمر پائی، اور بغداد میں آپ کی وفات ہوئی (تہذیب الکمال ج۲۸ ص ۵۴۵، الطبقات الکبریٰ لابنِ سعد ج۷ ص ۳۴۷)

(۳۲)...... ماہِ ذی قعدہ ۲۴۱ھ: میں حضرت ابوجعفر مخلد بن مالک بن جابر رازی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ نیشاپور میں رہتے تھے، حجاج بن محمد مصیصی، حکام بن سلیم، ابواسامہ حماد بن اسامہ، حماد بن خالد خیاط، سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن نمیر رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، بخاری، احمد بن نضر بن عبدالوہاب، ایوب بن حسن زاہد، حسن بن سفیان نسوی اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ہفتہ کے دن آپ کی وفات ہوئی اور آپ کے بیٹے نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی (تہذیب الکمال ج۲۷ ص ۳۴۱)

(۳۳)...... ماہِ ذی قعدہ ۲۴۵ھ: میں حضرت ابوعبداللہ احمد بن نصر بن زیاد قرشی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ابراہیم بن اشعث بخاری، ابراہیم بن حمزہ زبیری، ابراہیم بن معبد بن شداد مصری، اور ابراہیم بن منذر حزامی رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں، ترمذی، نسائی، احمد بن علی ابار، ابوعمرو احمد بن مبارک مستملی، ابوالعباس احمد بن محمد بن ازہر ازہری اور جعفر بن احمد بن نصر الحافظ رحمہم اللہ آپ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں، امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ احمد بن نصر ایک فقیہ آدمی تھے اور اپنے زمانے میں احادیث کے امام شمار ہوتے تھے، اور آپ نے کثرت سے شام، مصر اور عراق کی طرف سفر کئے (تہذیب الکمال ج۱ ص ۵۰۳)

(۳۴)...... ماہِ ذی قعدہ ۲۵۰ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن وزیر بن حکم سلمی دمشقی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ کے داماد تھے، آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: خالد بن عبدالرحمٰن خراسانی، رواد بن جراح عسقلانی، صبیح بن بزیع خراسانی، ضمرہ بن ربیعہ رملی اور محمد

بن شعیب بن شابور رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درج ذیل ہیں: ابوداؤد، ابراہیم بن دحیم، ابوالجہم احمد بن حسین بن طلاب، احمد بن سعید دمشقی اور ابوالحسن احمد بن عمیر بن جوصار رحمہم اللہ، اتوار کی رات آپ کی وفات ہوئی (تھذیب الکمال ج۲۶ ص ۵۸۳)

(۳۵)...... ماہِ ذی قعدہ ۲۵۱ھ: میں حضرت ابوالحسن عبدالوھاب بن عبدالحکم بن نافع وراق بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ساتھی تھے، آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: ابوصخرۃ انس بن عیاض لیثی، حجاج بن محمد مصیصی، عبدالحمید بن عبدالعزیز بن ابی رواد، معاذ بن معاذ عنبری اور یحیٰی بن سعید اموی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درج ذیل ہیں: ابوداؤد، ترمذی، نسائی، احمد بن علی بن علاء جوزجانی، ابوعلی احمد بن ہیثم بن اسماعیل خطاب شوکی، حسین بن اسماعیل محاملی اور خطاب بن بشر رحمہم اللہ۔

(تھذیب الکمال ج۱۸ ص ۵۰۰، سیراعلام النبلاء ج۱۲ ص ۳۲۴، تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص ۵۲۶)

(۳۶)...... ماہِ ذی قعدہ ۲۵۶ھ: میں حضرت ابوعبداللہ زبیر بن بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر بن عوام قرشی اسدی زبیری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابوعبداللہ بن ابوبکر مدنی کے نام سے مشہور تھے، اور مکہ کے قاضی تھے، ابراہیم بن حمزہ زبیری، ابراہیم بن منذر حزامی، اسحاق بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، اسماعیل بن ابی اویس اور ابوضمرۃ انس بن عیاض لیثی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابن ماجہ، احمد بن سعید دمشقی، احمد بن سلیمان طوسی، ابوبکر احمد بن محمد بن ابی شیبہ بغدادی بزاز، احمد بن یحیٰی ثعلب نحوی، اسماعیل بن عباس، حسن بن علی بن نصر طوسی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، ۸۴ سال کی عمر میں مکہ میں وفات ہوئی آپ کے بیٹے مصعب نے نمازِ جنازہ پڑھائی، آپ کی وفات کا سبب یہ ہوا کہ آپ ایک اونچی جگہ سے گرے اور اس کے بعد دو دن تک زندہ رہے، لیکن کسی سے کوئی بات نہیں کی اور وفات پا گئے۔

(تھذیب الکمال ج۹ ص ۲۹۹، سیراعلام النبلاء ج۱۲ ص ۳۱۴، العبر فی خبر من غبر

ج ۱ ص ۸۹، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۴۴، تھذیب التھذیب ج ۳ ص ۲۶۹، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۲۸)

(۳۷)...... ماہِ ذی قعدہ ۲۶۸ھ: میں حضرت شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم بن ایمن بن لیث مصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۱۸۲ھ میں ہوئی، آپ نے حدیث کی سماعت عبداللہ بن وہب، ابو ضمرۃ لیثی، ابن ابی فدیک، ایوب بن سوید، بشر بن بکر، اشہب بن عبدالعزیز اور ابو عبدالرحمٰن مقریٔ رحمہم اللہ سے کی، نسائی، ابنِ خزیمہ، ابنِ صاعد، عمرو بن عثمان مکی، ابو بکر بن زیاد، ابو جعفر طحاوی، علی بن احمد علان، اسماعیل بن داؤد بن وردان اور عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، فقہ کی تعلیم آپ نے امام مالک رحمہ اللہ حاصل کی، اور ایک طویل مدت تک ان کی صحبت اختیار کی، قاضی بکار بن قتیبہ رحمہ اللہ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۵۰۱، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۴۷)

(۳۸)...... ماہِ ذی قعدہ ۲۷۰ھ: میں مصر کے امیر احمد بن طولون کی وفات ہوئی۔

آپ مصر میں دولتِ طولونیہ کے بانی تھے، آپ کے والد ایک ترکی غلام تھے، ۲۰۰ھ میں بخارا کے عامل نوح بن اسد سامانی نے اسے مامون الرشید کی خدمت میں ہدیتاً بھیجا، مامون نے طولون کو خدمت گزاری کی وجہ سے امراء کے پہلو میں جگہ دی، اس لئے احمد بن طولون کی پرورش بھی شہزادوں کے ساتھ ہوئی، علمِ حدیث سے ان کو بڑا شغف تھا، اور طرسوس کے محدثین سے علمِ حدیث میں استفادہ کے لئے آپ نے کئی سفر کئے، عباسی خلیفہ مستعین باللہ کی نوازشات آپ پر بہت زیادہ تھیں، کچھ عرصہ بعد آپ کو مصر کے امیر کے نائب کی حیثیت سے مستعین باللہ نے مصر بھیج دیا، احمد بن طولون میں عدل، فیاضی، شجاعت و بہادری، حسنِ سیرت، فراست سمیت تمام اوصاف جمع تھے، اور اپنے فرائض کو خود تندہی سے سرانجام دیتے تھے، رعایا کی خبر گیری، اہلِ علم سے مشورہ کا خوب اہتمام کرتے تھے، آپ کا دسترخوان عوام وخواص ہر شخص کے لئے وسیع تھا، اس کے علاوہ ایک ہزار دینار یومیہ خیرات کرتے تھے، اہلِ

مصر آپ کے گرویدہ ہوگئے، عباسی خلیفہ مہتدی باللہ نے یہ دیکھ کر آپ کو اسکندریہ کی حکومت دے دی، احمد بن طولون نے برسرِ اقتدار آ کر بہت سے کارنامے سرانجام دیئے مثلاً نئے شہر قطائع کی تعمیر، بیمارستان (ہسپتال کا قیام) مدارس کی تعمیر، فوجی نظام کی مضبوطی، بحری نظام وغیرہ، ۲۰ ذی قعدہ اتوار کی رات آپ کی وفات ہوئی۔

(العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۹۵، تاریخ ملت ج ۲ ص ۷۶۹ تا ۷۷۵)

(۳۹)......**ماہِ ذی قعدہ ۲۸۲ھ:** میں حضرت ابو زکریا یحییٰ بن عثمان بن صالح بن صفوان قرشی سہمی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: ابان بن صباح حضرمی، احمد بن رفاعہ بن راشد لخمی، احمد بن سکین بن عطاء صرفی، احمد بن سواد مرادی، احمد بن شعیب بن سعید مرادی اور ابو طاہر احمد بن عمرو بن سرح رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درج ذیل ہیں: ابنِ ماجہ، احمد بن ابراہیم بن محمد بن جامع سکری، ابو جعفر احمد بن اسماعیل، اسحاق بن ابراہیم بن صالح عذری، بکر بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ خلال، حسین بن علی فرائضی اور ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی رحمہم اللہ، حضرت ابو سعید آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”آپ عالمی حالات وواقعات، تاریخ اور اہلِ علم کی سوانح اور ان کے زمانے کے بہت باخبر اور معلومات رکھنے والے تھے، بعض روایتیں ان کی ایسی ہیں جن میں یہ ممتاز اور منفرد ہیں“

(تہذیب الکمال ج ۳۱ ص ۴۶۴، سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۳۵۵)

(۴۰)......**ماہِ ذی قعدہ ۲۹۹ھ:** میں حضرت ابوالحسن علی بن سعید بن بشیر بن مہران رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ مصر میں رہتے تھے، عبدالاعلیٰ بن حماد نرسی، جبارہ بن مغلس، بشر بن معاذ عقدی، نوح بن عمرو سکسکی اور محمد بن ہاشم بعلی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، احمد بن حسن بن عتبہ رازی، عبداللہ بن جعفر بن ورد، محمد بن احمد بن خروف، ابوالقاسم طبرانی، حسن بن رشیق اور ابو منصور محمد بن سعید لابیوردی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۱۴۶)

چوتھی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

(۴۱)......ماہِ ذی قعدہ ۳۰۱ھ: میں حضرت امام محدث ابوعبداللہ، محمد بن عبدالرحمٰن ہروی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

کوفہ میں احمد بن یونس یربوعی، مدینہ میں اسماعیل بن ابی اویس، بغداد میں احمد بن حنبل، مکہ میں ابراہیم بن محمد شافعی، نیشاپور میں محمد بن معاویہ نیشاپوری اور محمد بن مقاتل مروزی رحمہم اللہ سے آپ نے استفادہ کیا، ابو حاتم بن حبان اپنی کتاب ''صحیح'' میں اور عباس بن فضل نضروی، بشر بن محمد مزنی اور بہت سے علماء آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، سو سال کے قریب عمر پائی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۱۱۵)

(۴۲)......ماہِ ذی قعدہ ۳۰۶ھ: میں حضرت موسیٰ ابوالاسود بن عبدالرحمٰن بن حبیب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ لقطان کے لقب سے مشہور تھے، اور بنوامیہ کے آزاد کردہ غلام تھے، محمد بن سحنون، محمد بن عامر اندلسی اور علی بن عبدالعزیز رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، تمیم بن ابوالعرب اور ابوالقاسم سوری رحمہما اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، آپ کی ولادت ۲۳۲ھ میں ہوئی، آپ فقہ مالکی کے ماہر فقیہ تھے، جب آپ طرابلس کے قاضی مقرر ہوئے، تو آپ نے انصاف کا بول بالا کیا، اور کمزوروں کا حق طاقت وروں سے حاصل کیا، اس کی پاداش میں آپ کو مختلف ایذائیں اور تکالیف بھی پہنچائی گئیں، یہاں تک کہ آپ کو قید بھی کیا گیا، آپ نے احکام القرآن پر ایک کتاب لکھی، جو بارہ جلدوں پر مشتمل تھی۔

(الدیباج المذهب فی معرفة أعیان علماء المذهب لابن فرحون ج ۱ ص ۱۷۱)

(۴۳)......ماہِ ذی قعدہ ۳۱۰ھ: میں حضرت امام حافظ البارع ابوبشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید بن مسلم انصاری دولابی رازی وراق رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۲۲۴ھ میں ہوئی، محمد بن بشار، محمد بن مثنیٰ، احمد بن ابوسریج رازی، زیاد بن

ایوب، محمد بن منصور جواز، ہارون بن سعید ایلی، موسیٰ بن عامر مری، ابوغسان زنیج، محمد بن اسماعیل بن علیہ، ابواسحاق جوز جانی، وابوبکر محمد بن عبدالرحمٰن جعفی، یزید بن عبدالصمد اور محمد بن عوف حمصی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذ ہیں، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم، ابواحمد بن عدی، ابوالقاسم طبرانی، ابوالحسن بن حیویہ، ابوبکر بن مقریٔ، ابوبکر احمد بن محمد مہندس، ابوحاتم بن حبان اور ہشام بن محمد بن قرۃ رعینی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، مکہ اور مدینہ کے درمیان ''عرج'' مقام میں آپ کی وفات ہوئی۔

(سیراعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۳۱۰، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۶۳، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۷۰)

(۴۴)......**ماہ ذی قعدہ ۳۱۱ھ:** میں شیخ الاسلام حضرت ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ بن مغیرہ بن صالح بن بکر سلمی نیشاپوری شافعی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ بہت بڑے فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑے محدث بھی تھے، اور کئی کتابوں کے مصنف تھے، آپ کی ولادت ۲۲۳ھ میں ہوئی، آپ کے علم کے وسیع ہونے کی مثال دی جاتی تھی، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: اسحاق بن راہویہ، محمد بن حمید، محمود بن غیلان، عتبہ بن عبداللہ مروزی، علی بن حجر، احمد بن منیع، بشر بن معاذ، ابوکریب، عبدالجبار بن علاء، احمد بن ابراہیم دورقی، اسحاق بن شاہین، عمرو بن علی، زیاد بن ایوب، محمد بن مہران جمال، ابو سعید اشج، یوسف بن واضح ہاشمی، محمد بن بشار، محمد بن مثنیٰ، حسین بن حریث، محمد بن عبدالاعلی صنعانی، محمد بن یحییٰ، احمد بن عبدہ ضبی اور نصر بن علی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، بخاری، مسلم، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، احمد بن مبارک مستملی، ابراہیم بن ابوطالب، ابوحامد بن شرقی، ابوالعباس دغولی، ابوعلی حسین بن محمد نیسابوری، ابوحاتم بستی، ابواحمد بن عدی، ابوعمرو بن حمدان، اسحاق بن سعد نسوی، ابوحامد احمد بن محمد بن بالویہ، ابوبکر احمد بن مہران مقریٔ، محمد بن فضل بن محمد بن خزیمہ، محمد بن احمد بن علی بن نصیر معدل، ابوبکر بن اسحاق صبغی، ابوسہل صعلوکی، حسین بن علی تمیمی، بشر بن محمد بن محمد بن یاسین، ابومحمد عبداللہ بن احمد بن جعفر شیبانی، ابوالحسین احمد بن محمد بحیری، خلیل بن احمد سجزی قاضی، ابوسعید محمد بن بشر کرابیسی، ابواحمد محمد بن

محمد کرابیسی، ابونصر احمد بن حسین مروانی، ابوالعباس احمد بن محمد صندوقی اورابوالحسن محمد بن حسین آبری رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث سماعت کی، امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک امام ابنِ خزیمہ کے فضائل ایک بڑی کتاب میں سما سکتے ہیں، اوران کی تصنیفات ۱۴۰ سے زیادہ ہیں، اوراس میں مسائل کی کتابیں شامل نہیں، اور مسائل کی تصنیفات ان کی سو اجزاء سے زیادہ ہیں، ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن المضارب فرماتے ہیں کہ: میں نے ابنِ خزیمہ کوخواب میں دیکھا توان سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کواہلِ اسلام کی طرف سے اچھی جزاء عطا فرمائیں، توابنِ خزیمہ نے جواب میں فرمایا کہ یہی دعا مجھے آسمانوں میں جبریل نے بھی دی، آپ کی عمر ۸۹ سال تھی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۳۸۲، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۶۱)

(۴۵)......**ماہِ ذی قعدہ ۳۱۸ھ**: میں حضرت ابومحمد یحییٰ بن محمد بن صاعد بن کاتب ہاشمی بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ عراق کے محدث کے لقب سے مشہور تھے، عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے آزاد کردہ غلام تھے، اورابنِ صاعد کے نام سے مشہور تھے، آپ فرماتے ہیں کہ میری ولادت ۲۲۸ھ میں ہوئی اورابنِ ماسرجس رحمہ اللہ سے میں نے حدیث کا علم ۲۳۹ھ میں حاصل کرنا شروع کیا، یحییٰ بن سلیمان بن نضلہ، عبداللہ بن عمران عابدی، محمد بن سلیمان لوینا، احمد بن منیع، سوار بن عبداللہ قاضی، حسن بن عیسی بن ماسرجس، یعقوب دورقی، محمد بن بشار، عبدالجبار بن علاء عطار اورعمرو بن علی صیرفی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابوالقاسم بغوی (یہ آپ سے عمر میں بڑے ہیں) جعابی، شافعی، طبرانی، ابنِ عدی، اسماعیلی، ابوسلیمان بن زبر، ابوعمر بن حیویہ، ابوطاہر مخلص، عیسیٰ بن وزیر اورابومسلم کاتب رحمہم اللہ اور بہت سے حضرات آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، ابویعلیٰ خلیل فرماتے ہیں کہ: ایک زمانے میں تین ائمہ جمع ہوگئے ہیں ابنِ ابی داؤد، ابنِ خزیمہ اورعبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہم اللہ۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۵۰۵، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۶۴، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۷۷)

(۴۶)......**ماہِ ذی قعدہ ۳۲۱ھ**: میں حضرت ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ ازدی

حجری مصری طحاوی حنفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

''طحا'' مصر کا ایک گاؤں ہے، آپ فقہ حنفی کے بہت بڑے امام اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ہارون بن سعید ایلی، عبدالغنی بن رفاعہ، یونس بن عبدالاعلی، عیسیٰ بن مثرود، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم اور بحر بن نصر رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، احمد بن قاسم خشاب، ابوالحسن محمد بن احمد اخمیمی، یوسف میانجی، ابوبکر بن مقریٔ، طبرانی اور احمد بن عبدالوارث زجاج رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ پہلے شافعی مسلک سے تعلق رکھتے تھے اور شافعی مسلک کی مشہور شخصیت امام مزنی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، ایک دن امام مزنی رحمہ اللہ (جو کہ آپ کے حقیقی ماموں بھی تھے) نے کسی بات پر آپ سے ناراض ہوکر فرمایا کہ خدا کی قسم تجھ سے کچھ بھی نہ ہوگا، آپ کو اس بات سے غصہ آ گیا اور آپ نے ابن ابی عمران (آپ قاضی بکار کے بعد مصر کے قاضی تھے) کی شاگردی اختیار کر لی، جب آپ نے اپنی پہلی کتاب لکھی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے ابوابراہیم (امام مزنی) پر اگر وہ زندہ ہوتے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتے (تذکرۃ الحفاظ ج۳ص ۸۱۰)

(۴۷)......**ماہِ ذی قعدہ ۳۳۳ھ:** میں علامہ مفتی حضرت ابوالعرب محمد بن احمد بن تمیم بن تمام مغربی افریقی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کے دادا افریقہ کے امراء میں شمار ہوتے تھے، عیسیٰ بن مسکین، ابوعثمان بن حداد آپ کے استاد ہیں، قاضی عیاض کے بقول آپ اپنے مذہب کے حافظ اور مفتی تھے، اور علمِ حدیث وعلمِ اسماء الرجال کا آپ پر غلبہ تھا، آپ کی مندرجہ ذیل تصنیفات مشہور ہیں:

"طبقات اھل افریقیۃ، کتاب المحن، کتاب فضائل مالک، کتاب مناقب سحنون، کتاب التاریخ (جو کہ ۱۷ جلدوں پر مشتمل ہے)

آپ کے بیٹے نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۳۹۵، تذکرۃ الحفاظ ج۳ص ۸۹۰)

(۴۸)......**ماہِ ذی قعدہ ۳۴۰ھ:** میں حضرت ابوسعید احمد بن محمد بن زیاد بن بشر بن

درہم بن اعرابی بصری صوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کے مکہ مکرمہ میں رہتے تھے اور شیخ الحرم کے لقب سے معروف، اور ابن الاعرابی کے نام سے مشہور تھے، حسن بن محمد بن صباح زعفرانی، عبداللہ بن ایوب مخرمی، سعدان بن نصر، محمد بن عبدالملک دقیقی، ابوجعفر محمد بن عبید اللہ منادی، عباس ترقفی، عباس بن محمد دوری، ابراہیم بن عبداللہ عبسی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوعبداللہ بن خفیف، ابوبکر بن مقریٔ، ابوعبد اللہ بن مندہ، قاضی ابوعبداللہ بن مفرج، عبداللہ بن یوسف اصبہانی، محمد بن احمد بن جمیع صیداوی، عبداللہ بن محمد دمشقی قطان، صدقہ بن دلم، عبدالرحمٰن بن عمر بن نحاس اور عبدالوہاب بن منیر مصریان رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ابن الاعرابی فرماتے ہیں کہ: پوری ''معرفت'' اپنے جہل کا اعتراف کرنا ہے، اور ''تصوف'' کا حاصل فضولیات ولایعنی امور کا ترک کرنا ہے، اور پورا ''زہد'' یہ ہے کہ جن چیزوں کے بغیر چارہ کار نہیں ان پر اکتفاء کرے (باقی چھوڑ دے) اور پورا پورا ''معاملہ'' یہ ہے کہ الاہم فالاہم کے تحت چیزوں کو عمل میں لائے، اور ''رضا'' اعتراض وناگواری کو ترک کرنے کا نام ہے، اور ''عافیت'' یہ ہے کہ بغیر کسی تکلف کے تکلف ساقط ہو جائے، آپ جنید بغدادی اور ابواحمد قلانسی رحمہما اللہ کی صحبت میں بھی رہے (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۴۱۰، تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص ۸۵۳)

(۴۹)...... **ماہِ ذی قعدہ ۳۵۵ھ:** میں حضرت ابومنصور احمد بن شعیب بن صالح بن حسین وراق رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

صالح بن محمد جزرہ، حامد بن سہل، سہل بن شاذویہ، محمد بن حریث، ابوخلیفہ فضل بن حباب جمحی، زکریا بن یحییٰ ساجی، محمد بن ابراہیم بن ابان سراج، محمد بن جریر طبری، احمد بن حسن بن عبدالجبار صوفی، عمر بن ابی غیلان ثقفی اور حامد بن شعیب بلخی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوالحسن بن رزقویہ، محمد بن طلحہ نعالی اور عبدالغفار بن محمد بن جعفر مؤدب رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ کی ولادت ۲۸۰ھ میں ہوئی، خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ

آپ شیخ، صالح اور ثقہ ہیں، ہفتہ کے دن آپ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۴ص ۱۹۳)

(۵۰)......**ماہِ ذی قعدہ ۳۵۹ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ احمد بن بندار بن اسحاق اصبہانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابراہیم بن سعدان، عبید بن حسن غزال، محمد بن زکریا، عمیر بن مرداس اور ابوبکر بن ابی عاصم رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوبکر بن مردویہ، علی بن عبدکویہ، ابوبکر بن ابی علی، ابوسعید نقاش، ابونعیم حافظ اور ابوسعد عبدالرحمٰن بن احمد صفار رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ فقہ ظاہری سے تعلق رکھتے تھے، ۹۰ سال سے زیادہ عمر پائی (سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص ۶۲)

(۵۱)......**ماہِ ذی قعدہ ۳۶۰ھ:** میں حضرت ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر لخمی شامی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ عظیم محدث ہیں، اور حدیث کی کئی کتابوں کے مصنف ہیں، آپ کی ولادت ''بعک'' مقام میں صفر ۲۶۰ھ میں ہوئی، اور مدائن، شام، حرمین، یمن، مصر، بغداد، کوفہ، بصرہ، اصبہان اور جزیرہ وغیرہ ممالک کے لئے تحصیل علم کے لئے اسفار کئے، اور ہزار سے اوپر حضرات سے استفادہ کیا، آپ کی ''معجم کبیر'' اور ''معجم اوسط'' اور ''معجم صغیر'' اور ''مسند الشامیین'' مشہور کتب اور احادیث کا بڑا ذخیرہ ہیں، ان کے علاوہ بھی آپ کی کئی کتب ہیں، جن میں سے چند کے نام درجِ ذیل ہیں:

كتاب الدعاء ،كتاب المناسک، كتاب عشرة النساء ، كتاب السنة، كتاب الطوالات، كتاب النوادر، كتاب دلائل النبوة، كتاب مسند شعبة، كتاب مسند سفيان، عمل اسانيد جماعة من الكبار، كتاب الاوائل، كتاب الرمی.

۲۸ ذوالقعدہ آپ کی وفات ہوئی (تذکرة الحفاظ ج۳ص ۳۱۷)

(۵۲)......**ماہِ ذی قعدہ ۳۶۷ھ:** میں حضرت قاضی القضاۃ ابوطاہر محمد بن احمد بن عبداللہ بن نصر بن بجیر ذہلی بغدادی مالکی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ مصر کے قاضی تھے، آپ کی ولادت ۲۷۹ھ میں ہوئی، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل

ہیں: بشر بن موسیٰ اسدی، ابو مسلم کجی، ابو شعیب حرانی، یوسف بن یعقوب قاضی، عمر بن حفص سدوسی، ابو خلیفہ فضل بن حباب جمحی، خلف بن عمرو عکبری، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، موسیٰ بن ہارون حمال، محمد بن یحییٰ مروزی، محمد بن عبدوس بن کامل اور جعفر بن محمد فریابی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: تمام رازی، عبدالغنی بن سعید ازدی، ابوالعباس بن حاج اشبیلی، محمد بن فضل بن نظیف، ابوالحسن قابسی، محمد بن حسین طفال اور علی بن منیر خلال رحمہم اللہ۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۲۰۹)

(۵۳)......ماہِ ذی قعدہ ۳۷۰ھ: میں حضرت ابوالحسین محمد بن علی بن محمد بن عبیداللہ بن عبدالصمد بن محمد بن مہتدی باللہ محمد بن واثق ہارون رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

آپ ابن الغریق کے نام سے مشہور تھے، امام دارقطنی، عمر بن شاہین، علی بن عمر سکری، محمد بن یوسف بن دوست، ابوالفتح یوسف قواس، ابوالقاسم بن حبابہ، ابوالطیب عثمان بن منتاب، ابوحفص کتانی، عیسیٰ بن وزیر، ادریس بن علی اور علی بن عمر مالکی قصار رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، خطیب بغدادی، حمیدی، شجاع ہذلی، محمد بن طرخان ترکی، مفتی یوسف بن علی زنجانی، یحییٰ بن عبدالرحمٰن فارقی، ابوبکر محمد بن عبدالباقی فرضی، یوسف بن ایوب ہمزانی، قاضی ابوالفضل محمد بن عمر ارموی اور ابومنصور قزاز رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، بقول خطیب بغدادی آپ بغداد کے قاضی تھے، اور آپ نیکی اور عبادت میں مشہور ومعروف تھے، ابوالفضل بن خیرون فرماتے ہیں کہ آپ کثرت سے روزے رکھتے تھے، اور دنیا سے کنارہ کش تھے، اور امام دارقطنی اور ابنِ دوست سے آخری عمر میں روایت کرنے والے ہیں، آپ کی وفات ذوالحجہ ۴۶۵ھ میں ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۸ ص ۲۴۱)

(۵۴)......ماہِ ذی قعدہ ۳۸۵ھ: میں عظیم محدث، شیخ الاسلام حضرت ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان بن دینار بن عبداللہ بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۳۰۶ھ میں ہوئی، آپ احادیث کی کئی کتابوں کے مصنف ہیں، سب سے زیادہ شہرت ''سنن دارقطنی'' کو حاصل ہوئی، ابوالقاسم بغوی، یحییٰ بن محمد بن صاعد، ابوبکر بن

ابی داؤد، محمد بن نیروز انماطی، ابوحامد محمد بن ہارون حضرمی، علی بن عبداللہ بن مبشر واسطی، ابوعلی محمد بن سلیمان مالکی، محمد بن قاسم بن زکریا محاربی، ابوعمر محمد بن یوسف بن یعقوب قاضی، ابوبکر بن زیاد نیشاپوری اور حسن بن علی عدوی بصری رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، آپ نے ابوبکر شافعی اور ابن المظفر رحمہما اللہ سے بھی استفادہ کیا، اور بڑھاپے کی عمر میں شام اور مصر کا سفر کیا، اور ابنِ حیویہ نیشاپوری، ابوطاہر ذہلی اور ابواحمد بن ناصح رحمہم اللہ سے استفادہ کیا، امام حاکم، حافظ عبدالغنی، تمام بن محمد رازی، ابوحامد اسفرایینی، ابونصر بن جندی، احمد بن حسن طیان، ابوعبدالرحمٰن سلمی، ابومسعد اور ابونعیم اصبہانی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، حافظ عبدالغنی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تین افراد سب سے اچھا پڑھتے تھے، ایک ابن المدینی، دوسرے موسیٰ بن ہارون اور تیسرے دارقطنی، ابوالطیب طبری فرماتے ہیں کہ دارقطنی امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص۴۵۷، طبقات الحفاظ ج۱ ص۷۹، تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص۹۹۵)

(۵۵)...... **ماہِ ذی قعدہ ۳۹۱ھ**: میں عباسی خلیفہ امیر المومنین عبداللہ قائم بامر اللہ بن احمد قادر باللہ بن اسحاق بن جعفر مقتدر باللہ بن احمد معتضد باللہ کی ولادت ہوئی۔

قادر باللہ کی وصیت کے مطابق ذی الحجہ ۴۲۲ھ میں قائم بامر اللہ کے ہاتھ پر ارا کینِ سلطنت نے بیعت کی، تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۳۱ سال تھی، بقول ابنِ کثیر قائم بامر اللہ خوبصورت، عابد، زاہد عالم، اللہ پر بھروسہ رکھنے والا، صدقہ دینے والا، صابر، ادیب، خوشخط، عادل، احسان کرنے والا تھا، ۱۳ شعبان ۴۶۰ھ میں اس کا انتقال ہوا، اپنے پوتے عبداللہ بن محمد کو ولی عہد اور جانشین بنایا، قائم بامر اللہ نے ۴۵ سال خلافت کی۔

(تاریخ بغداد ج۹ ص۳۹۹، تاریخِ ملت، جلد دوم، ص۵۳۶ تا ۵۳۹ ملخصاً)

(۵۶)...... **ماہِ ذی قعدہ ۳۹۵ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن ابویعقوب اسحاق بن حافظ ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن مندۃ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابنِ مندہ کے نام سے مشہور تھے، آپ کی ولادت ۳۱۰ یا ۳۱۱ھ میں ہوئی، عبدالرحمٰن بن

یحییٰ بن مندہ، محمد بن قاسم کوفی کرانی، محمد بن عمر بن حفص، عبداللہ بن یعقوب بن اسحاق کرمانی، ابوعلی حسن بن محمد بن نصر، عبداللہ بن ابراہیم مقری، محمد بن حمزہ بن عمارہ، ابوعمرو بن حکیم، احمد بن محمد لنبانی اور ابوسعید بن اعرابی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوبکر بن مقری، ابوعبداللہ حاکم، ابوعبداللہ غنجار، ابوسعد ادریسی، تمام بن محمد رازی، حمزہ بن یوسف سہمی، ابونعیم اصبہانی، احمد بن فضل باطرقانی، احمد بن محمود ثقفی، ابوالفضل عبدالرحمٰن بن احمد بن بندار رازی، ابوالمظفر عبداللہ بن شبیب اور ابوطاہر عمر بن محمد مؤدب رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ احادیث کی کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں چند مشہور کتب کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

كتاب الايمان، كتاب التوحيد، كتاب الصفات، كتاب التاريخ، معرفة الصحابة، كتاب الكنى.

(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۳۸، تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص۱۰۳۵، طبقات الحفاظ ج۱ ص۸۲)

پانچویں صدی ہجری کے اجمالی واقعات

(۵۷)...... **ماہِ ذی قعدہ ۴۰۱ھ:** میں حضرت ابوعمر احمد بن محمد بن احمد بن سعید بن حباب اموی قرطبی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابن الجسور کے نام سے مشہور تھے، قاسم بن اصبغ، وہب بن مسرہ، محمد بن عبداللہ بن ابی دلیم، محمد بن معاویہ اور احمد بن مطرف رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابوعمر بن عبدالبر، ابوعبداللہ خولانی اور ابومحمد بن حزم رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، ۷۶ سال کی عمر میں اچانک آپ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۱۴۸)

(۵۸)...... **ماہِ ذی قعدہ ۴۰۳ھ:** میں حضرت قاضی ابوبکر محمد بن طیب بن محمد بن جعفر بن قاسم بصری بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابن الباقلانی کے نام سے مشہور تھے، ابوبکر احمد بن جعفر قطیعی اور ابومحمد بن ماسی رحمہما اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابوذر ہروی، ابوجعفر محمد بن احمد سمنانی اور حسین بن حاتم اصولی رحمہم

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کے بیٹے حسن نے آپ کی جنازہ پڑھائی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۱۹۳، تاریخِ بغداد ج۵ ص۳۸۲)

(۵۹)......ماہِ ذی قعدہ ۴۱۲ھ: میں حضرت ابوالفتح محمد بن احمد بن محمد بن فارس بن ابی الفوارس بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابن ابی الفوارس کے نام سے مشہور تھے، ۳۳۸ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، احمد بن فضل بن خزیمہ، جعفر بن محمد خلدی، دعلج بن احمد، ابوعیسیٰ بکار بن احمد، ابوبکر شافعی، ابوبکر نقاش، ابوعلی صواف اور محمد بن حسن بن مقسم رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، طلبِ حدیث کے لئے بصرہ، فارس، خراسان وغیرہ کے اسفار کئے، ابوسعد مالینی، ابوبکر برقانی، ابوبکر خطیب، ابوعلی بناء، ابوالحسین بن مہتدی باللہ، محمد بن علی بن سکینہ اور مالک بن احمد بانیاسی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، بدھ کے دن آپ کی وفات ہوئی، اور جمعرات کے دن بابِ حرب کے مقبرہ میں امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی قبر کے قریب دفن ہوئے۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۲۲۴، طبقات الحفاظ ج۱ ص۸۳، تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص۱۰۵۳، تاریخِ بغداد ج۱ ص۵۳)

(۶۰)......ماہِ ذی قعدہ ۴۲۲ھ: میں حضرت ابوالقاسم طلحہ بن علی بن صقر بن عبدالمجیب کتانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۳۳۶ھ میں ہوئی، احمد عثمان ادمی، ابوبکر نجاد، دعلج، شافعی، ابوعلی بن صواف، ابوسلیمان حرانی اور احمد بن ثابت واسطی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، خطیب بغدادی، ابوبکر بیہقی، عبدالعزیز کتانی، ابوالقاسم مصیقی، ابوالقاسم بن بیان رزاز اور ابوالفضل بن خیرون رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ۸۶ سال کی عمر میں جمعہ کے دن آپ کی وفات ہوئی، ہفتہ کے دن شونیزی کے مقبرہ میں تدفین ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۴۸۰، تاریخِ بغداد ج۹ ص۳۵۲)

(۶۱)......ماہِ ذی قعدہ ۴۳۴ھ: میں حضرت ابوذر عبد بن احمد بن محمد بن عبداللہ بن غفیر بن محمد انصاری ہروی مالکی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۳۳۵یا۳۳۶ھ میں ہوئی، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: محمد بن عبداللہ بن خمیرویہ، بشر بن محمد مزنی، ابوبکر ہلال بن محمد بن محمد، شیبان بن محمد ضبعی، عبیداللہ بن عبدالرحمٰن زہری، ابوعمر بن حیویہ، علی بن عمر سکری، ابوالحسن دارقطنی، عبدالوہاب کلابی اور ابومسلم کاتب رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابومکتوم موسیٰ، موسیٰ بن علی صقلی، علی بن محمد بن ابی الہول، قاضی ابوالولید باجی، ابوعمران موسیٰ بن ابی حاج فارسی، ابوالعباس بن دلہاث، محمد بن شریح، ابوعبداللہ بن منظور، عبداللہ بن حسن تنیسی، ابوصالح احمد بن عبدالملک مؤذن اور علی بن بکاری صوری رحمہم اللہ، مکہ مکرمہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۵۵۷، تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص ۱۱۰۴، تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۱۴۱)

(۶۲)......**ماہِ ذی قعدہ ۴۴۷ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ حسین بن احمد بن محمد بن حبیب قادسی بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ابوبکر قطیعی، ابوبکر وراق اور ابوبکر بن شاذان رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابوالغنائم نرسی رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۸ ص ۱۲، تاریخِ بغداد ج ۸ ص ۱۶)

(۶۳)......**ماہِ ذی قعدہ ۴۵۴ھ:** میں حضرت ابومحمد حسن بن علی بن محمد بن حسن شیرازی بغدادی جوہری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت شعبان ۳۳۶ھ میں ہوئی، ابوبکر قطیعی، ابوعبداللہ عسکری، علی بن لؤلؤ وراق، علی بن محمد بن کیسان، محمد بن ابراہیم عاقولی، ابوعلی محمد بن احمد عطشی، علی بن ابراہیم بن ابی عزہ، علی بن محمد بن ابی العصب، ابوحفص زیات، حسین بن محمد بن عبید دقاق، عبدالعزیز بن حسن صیرفی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابونصر بن ماکولا، ابوعلی بردانی، ابوالنرسی، احمد بن بدران حلوانی، حسن بن احمس سقلاطونی، ابونصر محمد بن ہبۃ اللہ مامون، محمد بن عبدالباقی دوری، محمد بن علی بن طالب خرقی، مبارک بن عبار وتار رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۸ ص ۶۸)

(۶۴)......**ماہِ ذی قعدہ ۴۶۹ھ:** میں حضرت ابوالقاسم حاتم بن محمد بن عبدالرحمٰن بن

حاتم تمیمی اندلسی قرطبی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت شعبان ۳۷۸ھ میں ہوئی، عمر بن حسین بن نابل، ابوالمطرف بن فطیس قاضی، محمد بن عمر بن فخار، حماد بن زاہدی، ابومحمد بن شقاق، ابوالحسن قابسی، احمد بن فراس عبقسی اور مسلم بن ابی سعید سجزی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوعلی اور ابومحمد بن عتاب رحمہما اللہ جیسے بہت سے حضرات آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، تقریباً ۹۰ سال کی عمر پائی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۸ ص ۳۳۷)

(۶۵)......**ماہ ذی قعدہ ۴۸۶ھ:** میں حضرت ابومسعود سلیمان بن ابراہیم بن محمد بن سلیمان اصبہانی ملنجی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۳۹۷ھ میں ہوئی، ابوعبدالرحمٰن جرجانی، ابوسعد احمد بن محمد مالینی، ابوبکر بن مردویہ، عبداللہ بن احمد بن جولہ ابہری، ابونعیم حافظ اور ابوبکر ہارون منقی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، اسماعیل بن محمد تیمی، ابوسعد بغدادی، ابونصر غازی، ہبۃ اللہ بن طاؤس مقری، شرف بن عبدالمطلب حسینی، ابوجعفر محمد بن حسن صیدلانی، محمد بن عبدالواحد مغازلی، رجاء بن حامد معدانی اور مسعود ثقفی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، ۹۰ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۳۵۸، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۴۴۲)

(۶۶)......**ماہ ذی قعدہ ۴۸۸ھ:** میں حضرت ابویوسف عبدالسلام بن محمد بن یوسف بن بندار قزوینی مُفسر رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۳۹۳ھ میں ہوئی، آپ بغداد میں رہتے تھے، اس کے علاوہ طرابلس اور مصر میں بھی آپ قیام پذیر رہے، ابوعمر بن مہدی، قاضی عبدالجبار بن احمد رحمہما اللہ سے علم حاصل کیا، سمعانی فرماتے ہیں کہ آپ کا شمار فضلاء میں ہوتا تھا، اور قرآن مجید کی ایک بڑی تفسیر مرتب کی، اور اس سے بڑی میں نے کوئی تفسیر نہیں دیکھی، بعض حضرات نے آپ کی مرتب تفسیر کی جلدوں کی تعداد تین سو تک بتلائی ہے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۸ ص ۶۲۰)

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

باسمہٖ تعالیٰ

مناسکِ حج

کے

فضائل واحکام

قرآن وسنت کی روشنی میں حج کے مناسک اور اعمال کے فضائل واحکام
حج کرنے کا طریقہ، حج کی قسمیں، حج کے مناسک واحکام کی مدلل ومفصل ابحاث
فقہائے کرام کی آراء کی روشنی میں جدید اور مشکل احکام کی سہل صورتیں
قرآن وسنت اور فقہ کے دلائل اور مستند مآخذ ومراجع اور حوالہ جات کے ساتھ

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی، پاکستان

باسمہٖ تعالیٰ

علمی وتحقیقی سلسلہ نمبر (۱۵)

حج میں قصر واتمام کی تحقیق

حج میں نماز کے قصر کا سبب سفر ہے، یا نسک؟ اور مسافتِ سفر کی مقدار کیا ہے؟
موجودہ دور میں منیٰ ومزدلفہ، سفر وحضر اور قصر واتمام کے اعتبار سے مکہ شہر کے تابع ہو چکے اور مکہ شہر کا حصہ بن چکے ہیں یا نہیں؟ حجاجِ کرام کا حج کے موقعہ پر، منیٰ اور مزدلفہ میں قیام کرنا مکہ میں قیام کرنا کہلائے گا؛ یا الگ الگ مواضع میں قیام کرنا قرار دیا جائے گا، اور حجاجِ کرام ان مقامات پر حج کے قیام کے زمانے میں قصر کریں گے یا اتمام؟
اس سلسلہ میں موجودہ علماء وفقہاء کی کیا آراء اور دلائل ہیں؟
رسالہ ھٰذا میں ان پہلوؤں پر کلام کیا گیا ہے۔
اور آخر میں اہلِ علم واکابر حضرات کی آراء بھی شامل ہیں

مؤلف
مفتی محمد رضوان
مدیر
ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ نمبر (۲۰)

تشریحُ قطعِ المُحرِمِ للخُفَّین
ولبسہِ النعلین اسفل من الکعبین

بحالتِ احرام جوتے وموزے پہننے کا حکم

قرآن وسنت اور فقہ کی روشنی میں مرد وعورت کو احرام کی حالت میں
مختلف اقسام وانواع کے نعلین وخفین پہننے کا تفصیلی جائزہ اور
کعبین وٹخنوں کی تشریح وتفصیل

مؤلف

مفتی محمد رضوان

مدیر

ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی پاکستان

باسمہ تعالیٰ

بسلسلہ: اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

اصلاح واضافہ شدہ جدید ایڈیشن

ذوالحجہ اور قربانی

کے

فضائل واحکام

مصنّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ: اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

اضافہ واصلاح شدہ چھٹا ایڈیشن

ذُوالحجہ اور قربانی

کے

فضائل واحکام

اس کتاب میں اسلامی سال کے بارہویں مہینے یعنی ’’ماہِ ذی الحجہ‘‘ سے متعلق فضائل ومسائل اور بدعات ومنکرات کو مفصّل ومدلّل اور سہل انداز میں جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، ماہِ ذی الحجہ خصوصاً عشرۂ ذی الحجہ، شبِ عید، عیدُ الاضحیٰ اور قربانی کے بارے میں قرآن وحدیث میں وارد ہونے والے فضائل ومسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور معتبر کتبِ فقہ وفتاویٰ کے حوالہ جات بھی پیش کیے گئے ہیں، اسی کے ساتھ موجودہ دور میں ان چیزوں سے متعلق پائے جانے والے منکرات وبدعات کو بھی معتدل طریقہ پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس طرح یہ رسالہ بحمداللہ تعالیٰ فضائل ومسائل، دلائل ورذائل کا مجموعہ بن گیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا وَلِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِمَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی

مصنف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

نام کتاب: ذُوالحجہ اور قربانی کے فضائل واحکام
مؤلف: مفتی محمد رضوان
طباعتِ اوّل: ذُوالحجہ ۱۴۲۱ھ طباعتِ ششم: جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ۔ مارچ 2014ء
صفحات: ۵۷۲

ملنے کے پتے

کتب خانہ ادارہ غفران: چاہ سلطان، گلی نمبر 17، راولپنڈی۔ فون: 051-5507270
ادارہ اسلامیات: ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ فون: 042-37353255
کتب خانہ رشیدیہ: مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی۔ فون: 051-5771798
دارالاشاعت: اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32631861
مکتبہ سید احمد شہید: 10-الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37228196
مکتبہ اسلامیہ: گامی اڈہ، ایبٹ آباد۔ فون: 0992-340112
ادارہ اشاعت الخیر: شاہین مارکیٹ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان۔ فون: 061-4514929
ادارۃ المعارف: دارالعلوم کراچی۔ فون: 021-35032020
مکتبہ سراجیہ: چوک سیٹلائیٹ ٹاؤن، سرگودھا۔ فون 048-3226559
مکتبہ سرحد: خیبر بازار، پشاور۔ فون: 091-2212535
ملت پبلیکیشرز بک شاپ: شاہ فیصل مسجد، اسلام آباد۔ فون: 051-2254111
ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، چوک فوارہ، ملتان۔ فون: 061-4540513
مکتبہ العارفی: نزد جامعہ امدادیہ، ستیانہ روڈ، فیصل آباد۔ فون: 041-8715856
کتب خانہ شمسیہ، نزد ایری گیشن مسجد، سریاب روڈ، کوئٹہ۔ فون: 0333-7827929
مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم کراچی۔ فون: 021-35123130
تاج کمپنی، لیاقت روڈ، گوالمنڈی، راولپنڈی۔ فون: 051-5774634
مکتبۃ القرآن: گورومندر، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ فون: 021-34856701
مکتبہ الفرقان، اردو بازار، گوجرانوالہ۔ فون: 055-4212716
مکتبہ القرآن: رسول پلازہ، امین پورہ بازار، فیصل آباد۔ فون: 041-2601919
اسلامی کتب خانہ، پھولوں والی گلی، بلاک نمبر 1، سرگودھا۔ فون: 048-3712628
اسلامی کتاب گھر: خیابانِ سرسید، سیکٹر 2، عظیم مارکیٹ، راولپنڈی۔ فون: 051-4830451
مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ، 17، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37232536
الخلیل پبلشنگ ہاؤس: اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔ فون: 051-5553248

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

فہرست

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

تمہید

(ازمؤلف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام کے سلسلہ کے ضمن میں بندہ کا ایک کتابچہ ''ماہِ ذی الحجہ اور قربانی کے فضائل واحکام'' کے نام سے کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے، جس میں ماہِ ذی الحجہ اور قربانی سے متعلق فضائل ومسائل اور منکرات پر روشنی ڈالی گئی تھی، لیکن قربانی کے عبادتِ غیر معقولہ ہونے کی وجہ سے، بہت سے مسائل ایسے سامنے آتے رہے کہ جن کی تحقیق اور ان کے حل کی ضرورت تھی، اور کتبِ فقہ میں بصراحت ان کا حکم بآسانی دستیاب نہیں ہو پاتا تھا، اور کئی مسائل اردو فتاویٰ میں ایسے بھی نظر سے گزرتے رہے کہ جن میں تسامح محسوس ہوا، اس لئے بندہ نے موجودہ اشاعت سے قبل قدرے توجہ اور گہرائی کے ساتھ ان مسائل کا جائزہ لینے اور غور وفکر کرنے کا اہتمام کیا، اور ساتھ ہی متعلقہ عبارات ومخارج اور مراجع کو بھی جمع کیا، اس طرح وہ کتابچہ پہلے کے مقابلہ میں غیر معمولی ضخیم ہوگیا، اور کتاب کی شکل اختیار کر گیا، اور اب چھٹی مرتبہ اشاعت سے پہلے مسائل کی تلاش ودستیابی کی سہولت وآسانی کے لئے تفصیلی فہرست بھی تیار کی گئی۔

اب بندہ کے نزدیک موجودہ کتاب کے ایڈیشن میں موجود مسائل کی تحقیق سابقہ ایڈیشنوں کے مقابلہ میں تعارض یا تفاوت کی صورت میں راجح ہے، لیکن بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ کچھ حضرات دیگر ممالک میں بندہ کی اجازت واطلاع کے بغیر، بندہ کی کتب کے قدیمی ایڈیشن شائع کر رہے ہیں، جو کہ درست طرزِ عمل نہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اور بندہ وبندہ کے معاونین اور دیگر مسلمانوں کے لئے نافع ومفید بنائے۔ آمین۔ فقط۔ محمد رضوان

۳/ جمادی الاولیٰ/ ۱۴۳۵ھ 05/ مارچ/ 2014ء بروز بدھ۔ ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

رائے گرامی

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم

(دارالعلوم، کورنگی، کراچی نمبر۱۴، پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرِ مکرم مولانا محمد رضوان صاحب زِیدت مکارِمُکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

محبت نامہ مع مسودہ موصول ہوا۔من کجا و اصلاحِ کار کجا۔

مگر آپ کے مکتوب گرامی کے پیشِ نظر، بہ نظرِ استفادہ دیکھا، جو مشورہ مناسب نظر آیا پنسل سے تحریر کردیا ہے۔

اپنی نااہلی کے ساتھ آج کل ایک مرض کی وجہ سے صاحبِ فراش بھی ہوں، اس لئے ’’رأیُ العلیل علیلٌ ‘‘ کی بناء پر آنجناب احقر کے مشوروں پر خود ہی غور فرمالیں، پھر جیسی رائے ہو اس کے مطابق تحریر مرتب کرلی جائے۔ [۱]

البتہ اس میں شبہ نہیں کہ آپ نے ماشاء اللہ مسائل وفضائل بہت احسن طریقہ سے مفصَّل تحریر فرمادیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نافع بناویں اور اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نوازیں۔آمین۔

والسلام

احقر محمود اشرف غفراللہ لہٗ۔۵/۱۱/۱۴۲۲ھ

---

[۱] حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب موصوف مدظلہم کے اکثر مشوروں پر مناسب انداز میں عمل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔تاہم حضرت کی یہ رائے گرامی ابتدائی ایڈیشن کے متعلق ہے، جبکہ موجودہ ایڈیشن میں بہت سے اضافات شامل کیے گئے ہیں، جن پر حضرت مفتی صاحب موصوف کی رائے گرامی حاصل نہیں کی گئی، اس لئے موجودہ ایڈیشن کے ہر جزئیہ کو مفتی صاحب موصوف کی طرف منسوب نہ سمجھا جائے۔محمد رضوان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہِ ذی الحجہ اور قربانی کے فضائل واحکام

ماہِ ذی الحجہ اسلامی سال کا بارھواں اور آخری مہینہ

اسلامی اعتبار سے ذُوالحجہ کا مہینہ اسلامی وقمری سال کا بارھواں اور آخری مہینہ ہے، اس مہینہ کے ختم ہونے پر اسلامی سال بھی ختم ہوجاتا ہے۔

اسلامی سال کے مہینوں کے بالترتیب نام یہ ہیں:

(۱) مُحَرَّمُ (۲) صَفَرُ (۳) رَبِیْعُ الْاَوَّلُ (۴) رَبِیْعُ الثَّانِیُ
(۵) جُمَادَی الْاُوْلٰی (۶) جُمَادَی الْاُخْرٰی (۷) رَجَبُ
(۸) شَعْبَانُ (۹) رَمَضَانُ (۱۰) شَوَّالُ (۱۱) ذُوالْقَعْدَۃُ
(۱۲) ذُوالْحِجَّۃُ.

ذُو الحِجَّہ کی لفظی ومعنوی تحقیق

''ذُوالحجہ'' عربی زبان کا جملہ ہے، اور یہ دراصل دو لفظوں کا مجموعہ ہے:
ایک ''ذُوْ'' اور دوسرا ''الحجہ''۔
ذُو کے معنٰی ہیں ''والا'' عربی کے قاعدے کے لحاظ سے کبھی یہ ''ذُو'' اور کبھی ''ذی'' استعمال ہوتا ہے، اسی وجہ سے مختلف حالات میں ''ذوالحجہ'' اور ''ذی الحجہ'' دونوں طرح بولا جاتا ہے۔
اور الحجہ کے معنٰی ''حج کرنے'' کے آتے ہیں، تو ذُوالحجہ کے معنٰی ہوئے ''حج کرنے کا مہینہ''۔
اس مہینہ میں کیونکہ حج کی ادائیگی کی جاتی ہے اور حج اسلام کا ایک عظیم رکن ہے۔
لہٰذا اس مہینہ کے ساتھ حج کی ادائیگی کا تعلق ہونے کی وجہ سے اس کو ذُوالحجہ یعنی حج والا مہینہ قرار

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

دیا گیا ہے۔ [1]

ماہِ ذِی الْحِجَّۃ کی فضیلت

''ذُوالحجہ'' کا مہینہ ماہِ ذیقعدہ کے اختتام پر شروع ہوتا ہے، اور ''ذُوالحجہ'' اسلامی سال کا بالکل آخری مہینہ ہے۔

اس کے بعد ''محرم'' کا مہینہ شروع ہونے پر اسلامی سال کا آغاز ہوتا ہے، اس لئے ذُوالحجہ کا مہینہ جو سال کا اختتامی مہینہ ہے گویا کہ پورے سال کا تتمہ اور خلاصہ ہے۔

انسان کی زندگی کا ایک سال مکمل ہونے پر اس کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اپنے گزرے ہوئے سال کا جائزہ لے کہ وہ کس حال میں گزرا، اور اس کو اس پورے سال میں کیا کچھ آخرت کا ذخیرہ جمع کرنے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنے کا موقع نصیب ہوا، اچھی

---

[1] وذو الحجة :شهر الحج ؛ سمى بذلك للحج فيه والجمع ذوات الحجة ولم يقولوا :ذوو على واحده ونقل القزاز -فى غريب البخارى : -وأما ذو الحجة للشهر الذى يقع فيه الحج فالفتح فيه أشهر والكسر قليل (تاج العروس، مادة حدج)

ذو الحجة :بالفتح وأجاز بعضهم الكسر، ج ذوات الحجة .الشهر الثانى عشر من السنة القمرية، وهو من الاشهر الحرم، سمى بذلك لان الحج فيه(معجم لغة الفقهاء، ج ا ص ۲۲۵)

و (ذو الحجة) آخر الشهور القمرية و هو شهر الحج (ج) ذوات الحجة(المعجم الوسيط، باب الحاء)

(ح ج ج) : حَجَّ حَجًّا مِنْ بَابِ قَتَلَ قَصَدَ فَهُوَ حَاجٌّ هَذَا أَصْلُهُ ثُمَّ قُصِرَ اسْتِعْمَالُهُ فِى الشَّرْعِ عَلَى قَصْدِ الْكَعْبَةِ لِلْحَجِّ أَوْ الْعُمْرَةِ وَمِنْهُ يُقَالُ مَا حَجَّ وَلَكِنْ دَجَّ فَالْحَجُّ الْقَصْدُ لِلنُّسُكِ وَالدَّجُّ الْقَصْدُ لِلتِّجَارَةِ وَالِاسْمُ الْحِجُّ بِالْكَسْرِ وَالْحِجَّةُ الْمَرَّةُ بِالْكَسْرِ عَلَى غَيْرِ قِيَاسٍ وَالْجَمْعُ حِجَجٌ مِثْلُ :سِدْرَةٍ وَسِدَرٍ قَالَ ثَعْلَبٌ قِيَاسُهُ الْفَتْحُ وَلَمْ يُسْمَعْ مِنْ الْعَرَبِ وَبِهَا سُمِّىَ الشَّهْرُ ذُو الْحِجَّةِ بِالْكَسْرِ وَبَعْضُهُمْ يَفْتَحُ فِى الشَّهْرِ وَجَمْعُهُ ذَوَاتُ الْحِجَّةِ (المصباح المنير فى غريب الشرح الكبير، باب الحاء مع الجيم)

ذی حجہ: حجہ بالکسر وتشدید جیم بمعنے یکبار حج کردن وقیاس آنست کہ بالفتح باشدنہ بکسر چراکہ وزن فَعلہ بالفتح برائے مرۃ آیدوفِعلۃ بالکسر برائے حالت ونوع آید پس چون درین ماہ یک بار حج کردہ میشود لہٰذا ذی الحجہ گویند یا آنکہ حج بالکسر وتشدید جیم بمعنے سال ہم آمدہ است چوں ایں ماہ منتہائے سال باشد وسال برین کامل میگردد گویا کہ این ماہ صاحبِ سال بہمین جہت ذی الحجہ میگفتہ باشند (غیاث اللغات ص۲۲۶ فصل ذال معجمہ مع یائے تحتانی)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

حالت پر شکر کرے اور بُری حالت پر استغفار کرے، اور آئندہ سال کے لئے ابھی سے بُری حالت کو اچھی حالت سے تبدیل کرنے کا ارادہ اور عہد کرے۔

جیسا کہ گزرا کہ اس مہینہ میں اسلام کا اہم رُکن وفریضہ ''حج'' ادا کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس مہینے کو ذُوالحجہ (یعنی حج والا مہینہ) کہتے ہیں۔

اور حج کے علاوہ اس مبارک مہینے میں اسلامی تہوار ''عیدُ الاضحیٰ'' کی شکل میں ادا کیا جاتا ہے۔ جس میں لاکھوں بندگانِ خدا بارگاہِ خداوندی میں قربانی کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔

اور اسلام کا دوسرا سالانہ بڑا تہوار ''عیدالاضحیٰ'' کے نام سے مقرر کیا گیا ہے، اور جس مہینہ میں ''حج''، ''قربانی'' اور ''عید'' جیسے بڑے بڑے اہم احکامات رکھے گئے ہوں، ظاہر ہے کہ وہ مہینہ انتہائی عظمت وفضیلت والا مہینہ ہوگا؟

ایک عید اگر شوال کے مہینہ میں آتی ہے تو دوسری عید ذُوالحجہ کے مہینہ میں آتی ہے، اور عید کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے حق میں مہمانی کے دن ہیں، ان دنوں میں بندے اللہ تعالیٰ کے مہمان اور اللہ تعالیٰ بندوں کے میزبان ہوتے ہیں، یہ بندوں کے لئے کتنے بڑے اعزاز کی بات ہے؟

پھر شوال کے صرف ایک دن کو ''عید کا دن'' قرار دیا گیا اور صرف اس ایک دن میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، اور ذُوالحجہ کے چار دنوں (دس، گیارہ، بارہ اور تیرہ ذُوالحجہ) میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، اور قربانی کی ادائیگی کا وقت بھی تین دن تک رکھا گیا ہے یعنی دس ذُوالحجہ سے لے کر بارہ ذُوالحجہ تک، جس سے معلوم ہوا کہ ذُوالحجہ کی عید ''بڑی عید'' ہے۔

اس کے علاوہ یہ مہینہ عظمت وفضیلت والے مہینوں میں سے ہے جس میں عبادت کا خاص مقام ہے اور اس مہینہ کا پہلا عشرہ تو بہت ہی فضیلت رکھتا ہے۔

اور عرفہ (یعنی نو ذُوالحجہ) کے دن کی فضیلت کا تو ٹھکانا ہی نہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ (سورہ توبہ آیت نمبر ۳۶)

ترجمہ: مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں جس دن اس نے پیدا کئے تھے آسمان اور زمین، ان میں چار مہینے عظمت کے ہیں، یہی ہے سیدھا دین، سوان (مہینوں) میں ظلم مت کرو اپنے اوپر (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ مبارک روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ السَّنَةُ اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِّنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُّتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِيْ بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے خطبہ میں) ارشاد فرمایا کہ (اس وقت) زمانہ اسی حالت پر گھوم پھر کر آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا تھا (یعنی اب اس کے دنوں اور مہینوں میں کمی زیادتی نہیں ہے جو جاہلیت کے زمانے میں مشرک کیا کرتے تھے۔ اب وہ ٹھیک ہو کر اس طرز پر آ گئی ہے جس پر ابتداء اور اصل میں تھی لہٰذا) ایک سال بارہ مہینہ کا ہوتا ہے، ان میں چار مہینے حرمت وعزت والے ہیں جن میں تین مہینے مسلسل ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور ایک رجب کا مہینہ ہے جو کہ جمادی الاخریٰ اور ماہِ

---

[1] رقم الحدیث ۴۶۶۲، کتاب تفسیر القرآن، باب قوله إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا فی کتاب الله، دارطوق النجاة، بیروت، واللفظ لهٗ، و رقم الحدیث ۳۱۹۷، مسلم رقم الحدیث ۱۶۷۹، ابوداؤد رقم الحدیث ۱۹۴۷، مسند احمد رقم الحدیث ۲۰۳۸۶.

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

شعبان کے درمیان واقع ہے (ترجمہ ختم)

اس آیتِ شریفہ اور حدیث شریف سے واضح ہوا کہ ان مہینوں کی جو ترتیب (یعنی محرم، رجب، ذُوالقعدہ، ذُوالحجہ) اسلام میں معروف ومشہور اور رائج ہے، وہ انسانوں کی اپنی بنائی ہوئی نہیں ہے، بلکہ ربُّ العالمین نے جس دن آسمان وزمین پیدا کئے تھے، اسی دن یہ ترتیب اوران کے ساتھ خاص مہینوں کے خاص احکام بھی متعین فرمادیئے تھے۔

ان احکام کو ان مہینوں کے مطابق رکھنا ہی دینِ مستقیم ہے، اوران میں اپنی طرف سے کمی، زیادتی اور ترمیم وتبدیلی کرنا فہم کے ٹیڑھے اور سوچ کے ناقص ہونے کی نشانی ہے۔

اوران مہینوں میں ان کے متعینہ احکام واحترام کی خلاف ورزی کرنا، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو چھوڑ دینا، کوئی گناہ کرنا، اور عبادت میں کوتاہی کرنا دراصل اپنے اوپر ظلم ہے۔ [1]

---

[1] وَكَانَتْ شُهُورُ الْقَمَرِ ثَلَاثِينَ وَتِسْعَةً وَعِشْرِينَ فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا مِنْ أَحْكَامِ الشَّرْعِ وَلَمْ يَكُنْ لِنِصْفِ الْيَوْمِ الَّذِى هُوَ زِيَادَةٌ عَلَى تِسْعَةٍ وَعِشْرِينَ يَوْمًا حُكْمٌ فَكَانَ ذٰلِكَ هُوَ الْقِسْمَةُ الَّتِى قَسَمَ اللّٰهُ تعالى السَّنَةَ فِى ابْتِدَاءِ وَضْعِ الْخَلْقِ ثُمَّ غَيَّرَتْ الْأُمَمُ الْعَادِلَةُ عَنْ كَثِيرٍ مِنْ شَرَائِعِ الْأَنْبِيَاءِ هٰذَا التَّرْتِيبَ فَكَانَتْ شُهُورُ الرُّومِ بَعْضُهَا ثَمَانِيَةً وَعِشْرِينَ وَبَعْضُهَا ثَمَانِيَةً وَعِشْرِينَ وَنِصْفًا وَبَعْضُهَا وَاحِدًا وَثَلَاثِينَ وَذٰلِكَ عَلَى خِلَافِ مَا أَمَرَ اللّٰهُ تَعَالَى مِنْ اعْتِبَارِ الشُّهُورِ فِى الْأَحْكَامِ الَّتِى تَتَعَلَّقُ بِهَا ثُمَّ كَانَتْ الْفُرْسُ شُهُورُهَا ثَلَاثِينَ إِلَّا شَهْرًا وَاحِدًا وَهُوَ بادماه فَإِنَّهُ خَمْسَةٌ وَثَلَاثُونَ ثُمَّ كَانَتْ تَكْبِسُ فِى كُلِّ مِائَةٍ وَعِشْرِينَ سَنَةً شَهْرًا كَامِلًا فَتَصِيرُ السَّنَةُ ثَلَاثَةَ عَشَرَ أَخْبَرَ اللّٰهُ تَعَالَى أَنَّ عِدَّةَ شُهُورِ السَّنَةِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا لَا زِيَادَةَ فِيهَا وَلَا نُقْصَانَ وَهِيَ الشُّهُورُ الْقَمَرِيَّةُ الَّتِى إِمَّا أَنْ تَكُونَ تِسْعَةً وَعِشْرِينَ وَإِمَّا أَنْ تَكُونَ ثَلَاثِينَ وَلِذٰلِكَ قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ وَالشَّهْرُ ثَلَاثُونَ وَقَالَ صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَعُدُّوا ثَلَاثِينَ فَجَعَلَ الشَّهْرَ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ فَإِنْ اشْتَبَهَ لِغَمَامٍ أَوْ قَتَرَةٍ فَثَلَاثُونَ فَأَعْلَمَنَا اللّٰهُ بِقَوْلِهِ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِى كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ والأرض يَعْنِى أَنَّ عِدَّةَ شُهُورِ السَّنَةِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا لَا زِيَادَةَ عَلَيْهَا وَأَبْطَلَ بِهِ الْكَبِيسَةَ الَّتِى كَانَتْ تَكْبِسُهَا الْفُرْسُ فَتَجْعَلُهَا ثَلَاثَةَ عَشَرَ شَهْرًا فِى بَعْضِ السَّنَةِ وَأَخْبَرَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ انْقِضَاءَ الشُّهُورِ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ فَتَارَةً تِسْعَةٌ وَعِشْرُونَ وَتَارَةً ثَلَاثُونَ فَأَعْلَمَنَا اللّٰهُ فِى هٰذِهِ الْآيَةِ أَنَّهُ كَذٰلِكَ وَضَعَ الشهور والسنين فى ابتداء الخلق أخبر النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَوْدَ الزَّمَانِ إلى ما كان عليه وأبطل به مَا غَيَّرَهُ الْمُشْرِكُونَ مِنْ تَرْتِيبِ الشُّهُورِ وَنِظَامِهَا وَمَا زَادَ بِهِ فِى السِّنِينَ وَالشُّهُورِ وَأَنَّ الْأَمْرَ قَدْ اسْتَقَرَّ عَلَى مَا وَضَعَهُ اللّٰهُ تَعَالَى فِى الْأَصْلِ لِمَا عَلِمَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى من تعلق مصالح الناس فى عبادتهم وشرائعهم بكون الشهور وَالسِّنِينَ عَلَى هٰذَا الْوَجْهِ فَيَكُونُ الصَّوْمُ تَارَةً فِى الرَّبِيعِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں سال کے بارہ مہینے مانے جاتے تھے اور ان میں سے چار'' یعنی ذُوالقعدہ، ذُوالحجہ، محرم اور رجب'' کے مہینے بڑے مبارک اور فضیلت وعظمت، ادب وشرافت، اعزاز واکرام اور احترام والے مہینے سمجھے جاتے تھے۔

تمام نبیوں کی شریعتیں اس بات پر متفق ہیں کہ ان چار مہینوں میں ہر عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، اور اِن مہینوں میں کوئی گناہ کرے تو اس کا وبال بھی زیادہ ہوتا ہے۔

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی شریعتوں میں ان مہینوں کے اندر جہاد وقتال کرنا بھی منع تھا۔

ان چار مہینوں کو عربی زبان میں ''اَشْھُرِ حُرُمٌ'' یعنی عظمت واحترام والے مہینے کہا جاتا ہے،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَتَارَةً فِى الصَّيْفِ وَأُخْرَى فِى الْخَرِيفِ وَأُخْرَى فِى الشِّتَاءِ وَكَذٰلِكَ الْحَجُّ لِعِلْمِهِ بِالْمَصْلَحَةِ فِى ذٰلِكَ(احكام القرآن للجصاص ج ۴ص ۳۰۷، سورة التوبة)

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شهرا -إلى قوله -حرم لَمَّا قَالَ تَعَالَى فِى مَوَاضِعَ أُخَرَ الْحَجُّ أشهر معلومات وقال يسئلونك عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِىَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ فَعَلَّقَ بِالشُّهُورِ كَثِيرًا مِنْ مَصَالِحِ الدُّنْيَا وَالدِّينِ وَبَيَّنَ فِى هٰذِهِ الْآيَةِ هٰذِهِ الشُّهُورَ وَإِنَّمَا تُجْرَى عَلَى مِنْهَاجٍ وَاحِدٍ لَا يُقَدَّمُ الْمُؤَخَّرُ مِنْهَا وَلَا يُؤَخَّرُ الْمُقَدَّمُ وَقَالَ إِنَّ عِدَّةَ الشهور عند الله وذلك يحتمل وجهين أحدهما أن الله وضم هٰذِهِ الشُّهُورَ وَسَمَّاهَا بِأَسْمَائِهَا عَلَى مَا رَتَّبَهَا عَلَيْهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ ذٰلِكَ عَلَى أَنْبِيَائِهِ فِى كُتُبِهِ الْمُنَزَّلَةِ وَهُوَ مَعْنَى قوله إن عدة الشهور عند الله وَحُكْمُهَا بَاقٍ عَلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ لَمْ يُزِلْهَا عَنْ تَرْتِيبِهَا تَغْيِيرُ الْمُشْرِكِينَ لِأَسْمَائِهَا وَتَقْدِيمُ الْمُؤَخَّرِ وَتَأْخِيرُ الْمُقَدَّمِ فِى الْأَسْمَاءِ مِنْهَا وَذَكَرَ ذٰلِكَ لَنَا لِنَتَّبِعَ أَمْرَ اللَّهِ فِيهَا وَنَرْفُضَ مَا كَانَ عَلَيْهِ أَمْرُ الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ تَأْخِيرِ أَسْمَاءِ الشُّهُورِ وَتَقْدِيمِهَا وَتَعْلِيقِ الْأَحْكَامِ عَلَى الْأَسْمَاءِ الَّتِى رَتَّبُوهَا عَلَيْهَا وَلِذٰلِكَ قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى حَجَّةِ الْوَدَاعِ مَا رَوَاهُ ابْنُ عُمَرَ وأبو بكر أَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فى خطبته بالعقبة أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الزَّمَانَ قَدْ اسْتَدَارَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَهُوَ الْيَوْمَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَقَالَ أَبُو بَكْرَةَ قَدْ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَإِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقِعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِى بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ وَإِنَّ النَّسِىءَ زِيَادَةٌ فِى الْكُفْرِ الْآيَةَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَذٰلِكَ أَنَّهُمْ كَانُوا يَجْعَلُونَ صَفَرَ عَامًا حَرَامًا وَعَامًا حَلَالًا وَيَجْعَلُونَ الْمُحَرَّمَ عَامًا حَلَالًا وَعَامًا حَرَامًا وَكَانَ النَّسِىءُ مِنْ الشَّيْطَانِ فَأَخْبَرَ النَّبِىُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الزَّمَانَ يَعْنِى زَمَانَ الشُّهُورِ قَدْ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنَّ كُلَّ شَهْرٍ قَدْ عَادَ إِلَى الْمَوْضِعِ الَّذِى وَضَعَهُ اللَّهُ بِهِ عَلَى تَرْتِيبِهِ وَنِظَامِهِ (احكام القرآن للجصاص ج ۵ص ۳۰۵، سورة التوبة)

ان چار مہینوں کو عظمت اور احترام والے مہینے دو وجہ سے کہا گیا ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ ان مہینوں میں جہاد وقتال حرام تھا، دوسرے اس وجہ سے کہ یہ مہینے عظمت وفضیلت اور ادب وشرافت والے ہیں، ان کا احترام ضروری ہے اور ان مہینوں میں عبادت کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔

اِن دونوں میں سے پہلا حکم یعنی جہاد وقتال کا منع ہونا تو ہماری اسلامی شریعت میں منسوخ اور ختم ہوگیا اور اب ان مہینوں میں قتال وجہاد جائز ہے۔[۱]

اور دوسرا حکم یعنی ادب واحترام اور عبادت کا اہتمام اب بھی اسلام میں باقی ہے۔

مفسّرِ عظیم امام ابوبکر جصّاص رحمہ اللہ اپنی تفسیر ''احکامُ القرآن'' میں فرماتے ہیں کہ:

ان متبرک مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمّت ہوتی ہے، اسی طرح جو شخص کوشش کر کے ان مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور بُرے کاموں سے بچالے تو باقی

---

[۱] اگرچہ اب بھی افضل یہی ہے کہ ان مہینوں میں بطورِ خود بلاضرورت جہاد وقتال کے لئے پیش قدمی نہ کی جائے۔
فلا بأس بالقتال فی الأشهر الحرم وهی ذی العقدة وذی الحجة ومحرم ورجب . وترک البداءة بالقتال فی الأشهر الحرم أفضل(فتاویٰ قاضیخان، ابواب القتال)
ثم نقل عن الخانیة ان الافضل ان لایبتدأ به فی الاشهر الحرم(رد المحتار، ج۴ص ۱۲۳، کتاب الجهاد)
اور جہاد وقتال کی ممانعت کے منسوخ اور ختم ہونے سے ان مہینوں کی عظمت اور فضیلت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لئے کہ ان مہینوں کا احترام جہاد وقتال کی ممانعت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس کی ممانعت خود ان مہینوں کے احترام کی وجہ سے تھی یعنی ان مہینوں کے احترام کا ایک اثر اس ممانعت کی شکل میں تھا، جو کہ اب باقی نہیں رہا، لہٰذا اصل ان مہینوں کا عظمت واحترام والا ہونا اپنی حیثیت پر اب بھی برقرار ہے۔ محمد رضوان۔
وانما سمیت الحرم لحرمتها وحرمة القتال فیها فی الجاهلیة وبدء الاسلام ثم نسخت حرمة القتال فیها عندالجمهور (بذل االمجهود فی حل ابی داوٗد ج ۴ ص ۱۷۲ باب فی صوم اشهرالحرم)
فالجمهور قالوا ان حرمة القتال منسوخة لقوله تعالیٰ فاقتلواالمشرکین حیث وجدتموهم واماتکثیرالثواب فی هذه الاشهرفقد ثبت بالاخبار فالحرمة بهذالمعنی موجودة فی شریعتنا والله اعلم (انجاح الحاجة حاشیه ابن ماجه باب صیام اشهرالحرم للشیخ عبدالغنی المجددی الدهلوی المدنی رحمه الله المتوفی ۱۲۹۵ھ)

سال کے مہینوں میں اس کو ان برائیوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے اس لئے ان مہینوں سے فائدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے (معارف القرآن ج۴ص ۳۷۲، وانوارالبیان ج۴ص۳۷۴بتغیر) [1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّتِهٖ: أَيُّ يَوْمٍ أَعْظَمُ حُرْمَةً ؟قَالُوْا: يَوْمُنَا هٰذَا، قَالَ: فَأَيُّ شَهْرٍ أَعْظَمُ حُرْمَةً ؟قَالُوْا شَهْرُنَا هٰذَا، قَالَ: فَأَيُّ بَلَدٍ أَعْظَمُ حُرْمَةً ؟ قَالُوْا: بَلَدُنَا هٰذَا، قَالَ: فَإِنَّ دِمَاءَ كُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا (مسند احمد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے (نو یا دس ذی الحجہ کے) خطبہ میں فرمایا کہ کون سا دن زیادہ حرمت وعظمت والا ہے؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ ہمارا یہی دن، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون سا مہینہ زیادہ حرمت وعظمت والا ہے؟ تو صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ ہمارا یہ (ذی الحجہ کا) مہینہ،

---

[1] تَعْظِيمُ انْتِهَاكِ الْمَحَارِمِ فِيهَا بِأَشَدَّ مِنْ تَعْظِيمِهٖ فِي غَيْرِهَا وَتَعْظِيمِ الطَّاعَاتِ فِيهَا أَيْضًا وَإِنَّمَا فَعَلَ اللّٰهُ تَعَالَى ذٰلِكَ لِمَا فِيهِ مِنَ الْمَصْلَحَةِ فِي تَرْكِ الظُّلْمِ فِيهَا لِعِظَمِ مَنْزِلَتِهَا فِي حُكْمِ اللّٰهِ وَالْمُبَادَرَةِ إِلَى الطَّاعَاتِ من الاعتمار وَالصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ وَغَيْرِهَا كَمَا فَرَضَ صَلَاةَ الْجُمُعَةِ فِي يَوْمٍ بِعَيْنِهِ وَصَوْمَ رَمَضَانَ فِي وَقْتٍ مُعَيَّنٍ وَجَعَلَ بَعْضَ الْأَمَاكِنِ فِي حُكْمِ الطَّاعَاتِ وَمُوَاقَعَةُ الْمَحْظُورَاتِ أَعْظَمُ مِنْ حُرْمَةِ غَيْرِهِ نَحْوَ بَيْتِ اللّٰهِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الْمَدِينَةِ فَيَكُونُ تَرْكُ الظُّلْمِ وَالْقَبَائِحِ فِي هٰذِهِ الشُّهُورِ وَالْمَوَاضِعِ دَاعِيًا إِلَى تركها في غيره ويصير فِعْلِ الطَّاعَاتِ وَالْمُوَاظَبَةِ عَلَيْهَا فِي هٰذِهِ الشُّهُورِ وَهٰذِهِ الْمَوَاضِعِ الشَّرِيفَةِ دَاعِيًا إِلَى فِعْلِ أَمْثَالِهَا فِي غَيْرِهَا لِلْمُرُورِ وَالِاعْتِيَادِ وَمَا يَصْحَبُ اللّٰهُ الْعَبْدَ مِنْ تَوْفِيقِهِ عِنْدَ إِقْبَالِهِ إِلَى طَاعَتِهِ وَمَا يَلْحَقُ الْعَبْدَ مِنَ الْخِذْلَانِ عِنْدَ إِكْبَابِهِ عَلَى الْمَعَاصِي وَاشْتِهَارِهِ وَأُنْسِهِ بِهَا فَكَانَ فِي تَعْظِيمِ بَعْضِ الشُّهُورِ وَبَعْضِ الْأَمَاكِنِ أَعْظَمُ الْمَصَالِحِ فِي الِاسْتِدْعَاءِ إِلَى الطَّاعَاتِ وَتَرْكِ الْقَبَائِحِ وَلِأَنَّ الْأَشْيَاءَ تَجُرُّ إِلَى أَشْكَالِهَا وَتُبَاعِدُ مِنْ أَضْدَادِهَا فَالِاسْتِكْثَارُ مِنَ الطَّاعَةِ يَدْعُو إِلَى أَمْثَالِهَا وَالِاسْتِكْثَارُ مِنَ الْمَعْصِيَةِ يَدْعُو إِلَى أَمْثَالِهَا(احکام القرآن للجصاص ج ۴ص ۳۰۸،سُورَةُ بَرَاءَةٌ)

[2] رقم الحديث ۱۴۳۶۵، مؤسسة الرسالة، بيروت.

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين .أبو صالح :هو ذكوان السمان.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پس تمہارے خون (یعنی جان) اور تمہارے مال، تم پر (یعنی ایک دوسرے پر) اسی طرح حرام ہیں، جس طرح تمہارے اس مہینے، اس دن اور اس شہر (یعنی حرم) کی عظمت وحرمت ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: أَلَا إِنَّ أَحْرَمَ الْأَيَّامِ يَوْمُكُمْ هٰذَا، أَلَا وَإِنَّ أَحْرَمَ الشُّهُوْرِ شَهْرُكُمْ هٰذَا، أَلَا وَإِنَّ أَحْرَمَ الْبَلَدِ بَلَدُكُمْ هٰذَا، أَلَا وَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ قَالُوْا: نَعَمْ، قَالَ: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے (نو یا دس ذی الحجہ کے) خطبہ میں فرمایا کہ خبردار! دنوں میں سب سے زیادہ عظمت وحرمت والا دن تمہارا یہ دن ہے، خبردار! مہینوں میں سب سے زیادہ عظمت وحرمت والا مہینہ تمہارا یہ مہینہ (یعنی ذی الحجہ) ہے، اور خبردار! تمام شہروں میں زیادہ عظمت وحرمت والا تمہارا یہ شہر (یعنی حرمِ مکہ) ہے، خبردار! اور تمہارے خون اور تمہارے مال، تم پر (یعنی ایک دوسرے پر) اسی طرح حرام ہیں، جس طرح تمہارے اس دن کی، اس مہینے کی، اس شہر کی عظمت وحرمت ہے، خبردار! کیا میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ بے شک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! آپ اس پر گواہ ہو جایئے (ترجمہ ختم)

---

[1] رقم الحديث ۳۹۳۱، كتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن وماله، دار إحياء الكتب العربية، مصر، واللفظ لهٗ، مسند احمد، رقم الحديث ۱۱۷۶۲.

فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير على بن بحر :وهو ابن برى القطان، فقد روى له أبو داود والترمذى، والبخارى تعليقاً، وهو ثقة .عيسى بن يونس :هو ابن أبى إسحاق السبيعى، والأعمش :هو سليمان بن مهران، وأبو صالح :هو ذكوان السمان.

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

سَیِّدُ الشُّهُوْرِ شَهْرُ رَمَضَانَ وَاَعْظَمُهَا حُرْمَةً ذُوالْحِجَّةِ (شعب الایمان للبیهقی) [1]

ترجمہ: تمام مہینوں کا سردار رمضان کا مہینہ ہے اور تمام مہینوں میں زیادہ معظم ومکرم ذوالحجہ کا مہینہ ہے (ترجمہ ختم)

گزشتہ احادیث سے ذی الحجہ کے مہینہ کی فضیلت وعظمت معلوم ہوئی۔ [2]

اور حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے کہ:

اِخْتَارَ اللّٰهُ الْبِلَادَ فَأَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ الْبَلَدُ الْحَرَامُ، وَاخْتَارَ الزَّمَانَ فَأَحَبُّ الزَّمَانِ إِلَى اللّٰهِ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ، وَأَحَبُّ الْأَشْهُرِ الْحُرُمِ إِلَى اللّٰهِ ذُو الْحِجَّةِ، وَأَحَبُّ ذِي الْحِجَّةِ إِلَى اللّٰهِ الْعَشْرُ الْأَوَّلُ، وَاخْتَارَ اللّٰهُ الْأَيَّامَ فَأَحَبُّ الْأَيَّامِ إِلَى اللّٰهِ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، وَاخْتَارَ اللَّيَالِيَ مِنْهَا فَأَحَبُّ اللَّيَالِي إِلَى اللّٰهِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ، وَاخْتَارَ اللّٰهُ

---

[1] رقم الحديث ۳۴۷۹ ،كتاب الصيام، باب تخصيص ايام العشر من ذى الحجة بالاجتهاد بالعمل فيهن الخ،مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض ،فضائل الاوقات رقم الحديث ۱۶۶ .

قال الهيثمى:

رَوَاهُ الْبَزَّارُ ، وَفِيهِ يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ النَّوْفَلِيُّ (مجمع الزوائد ج۵ ص ۳۴۵)

قلت :وقد ورد فى حديث صحيح "أحرم الشهور شَهْرُكُمْ هَذَا" كما مر، وهو فى هذا المعنى.

[2] (سيد الشهور شهر رمضان) أى هو أفضلها (وأعظمها حرمة ذو الحجة) لأن فيه يوم الحج الأكبر ويوم عيد الأضحى قال شيخ الطريقين السهروردى :رمضان أفضل من الحجة وإذا قوبلت الجملة بالجملة وفضلت إحدى الجملتين على الأخرى لا يلزم تفضيل كل أفراد الجملة ويؤيده أن جنس الصلاة أفضل من جنس الصوم وصوم يوم أفضل من ركعتين(البزار) فى مسنده (هب عن أبى سعيد) الخدرى رمز المصنف لحسنه وليس كما قال فقد قال الهيثمى :فيه يزيد بن عبد الملك النوفلى ضعفوه اهـ(فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ۴۷۴۹، حرف السين)

قلت ولكن رمز المصنف صحيح كمامر.

وهذا كله يدل على أن شهر ذى الحجة أفضل الأشهر الحرم؛ حيث كانَ أعظمها حرمة .وروى عن الحسن :أن أفضلها المحرم.وأما ما قاله بعض الفقهاء الشافعية :أن أفضلها رجب :فقوله ساقط مردود .والله تعالى أعلم(فتح البارى لا بن رجب، ج۹ ص ۲۰ ،أبواب العيدين،فضل العمل فى أيام التشريق)

السَّـاعَاتِ فَأَحَبُّ سَاعَاتِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِلَى اللّٰهِ سَاعَاتُ الصَّلَوَاتِ الْـمَكْتُوبَاتِ، وَاخْتَارَ اللّٰهُ الْكَلَامَ فَأَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللّٰهِ : لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ (تعظيم قدر الصلاة لمحمد بن نصر المروزى) [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے شہروں کو چُنا، جن میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب شہر بلدِ حرام (یعنی وہ شہر جو کہ حرم کی حد میں واقع ہے جو کہ مکہ مکرمہ) ہے، اور اللہ تعالیٰ نے زمانوں کو چُنا، جن میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب زمانہ عظمت والے (چار) مہینے (والا زمانہ) ہے، اور ان عظمت والے چار مہینوں میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ذی الحجۃ کا مہینہ ہے، اور ذی الحجہ کے مہینے میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب پہلا عشرہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے دِنوں کو بھی چُنا، اور دِنوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب جمعہ کا دن ہے، اور اللہ تعالیٰ نے راتوں کو بھی چُنا، جن میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب لیلۃُ القدر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے (دن رات کی) ساعات وگھڑیوں کو بھی چُنا، پس اللہ تعالیٰ کو دن رات کی سب سے زیادہ محبوب ساعتیں فرض نمازوں کی ساعتیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے کلام کو بھی چُنا، پس اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب کلام ''لا الٰہ الا اللہ'' اور ''اللہ اکبر'' اور ''سبحان اللہ'' اور ''الحمد للہ'' ہے (ترجمہ ختم)

اور بعض روایات میں مہینوں میں سے رمضان کے مہینے کو، اور زمین کے خطوں میں سے مساجد کو چُننے کا بھی ذکر ہے (شعب الایمان، باب الصوم فی أشهر الحرم، رقم الحديث ۳۴۶۵)

لٰہذا ذُوالحجہ کے بابرکت مہینے کی قدر کرتے ہوئے اس مہینے میں گناہوں سے بچنے اور نیکی وتقوے کو اختیار کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

---

[1] ساعات الصلاة أفضل من غيرها، رقم الحديث ۲۲۶، مكتبة الدار -المدينة المنورة؛ واللفظ لهٗ؛ حلية الاولياء، الجزء السادس، صفحة ۱۵.

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ ذُوالحجہ کا مہینہ عظمت وشرافت والے مہینوں میں سے ہے، جن کو عربی میں حرمت والے مہینے کہا جاتا ہے، اوران مہینوں میں عبادت وطاعت کی خاص فضیلت اسلام میں اب بھی باقی ہے، اور روزہ بھی عبادت وطاعت میں داخل ہے، اس نقطۂ نظر سے اس مہینہ میں نفل روزہ رکھنا بھی باعثِ فضیلت ہے۔

اور حرمت والے مہینوں میں روزے رکھنے کا بطورِ خاص بعض احادیث میں ذکر بھی ملتا ہے، نیز بعض محدثین وفقہائے کرام کی تصریحات سے بھی ان حرمت والے چار مہینوں میں روزے رکھنے کا مستحب ومندوب ہونا ثابت ہے۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک صحابی کوخطاب کرتے ہوئے) ارشادفرمایا کہ:

صُمْ شَهْرَ الصَّبْرِ وَيَوْمًا مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ قَالَ زِدْنِيْ فَإِنَّ بِيْ قُوَّةً قَالَ صُمْ يَوْمَيْنِ قَالَ زِدْنِيْ قَالَ صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ قَالَ زِدْنِيْ قَالَ صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ وَقَالَ بِأَصَابِعِهِ الثَّلَاثَةِ فَضَمَّهَا ثُمَّ أَرْسَلَهَا (ابوداوٗد) [2]

---

[1] وقال النووی فی زیادات الروضة افضل الاشهر للصوم بعدرمضان الاشهر الحرم ذوالقعده وذوالحجة والمحرم ورجب (فتح الملهم شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۸۶)

ویستحب صوم یوم الخمیس والجمعة والسبت من کل شهر حرام، والأشهر الحرم أربعة ذو القعدة وذو الحجة والمحرم ورجب ثلاثة سرد، وواحد فرد (الفتاوٰی الهندیة ،ج ۱ ص ۲۰۱ ،کتاب الصوم اخیر باب الثالث)

صیام الاشهر الحرم وهی اربع ثلاثة متوالیة وهی ذوالقعدة وذوالحجة والمحرم وواحد منفرد وهورجب وهی افضل الشهور للصوم بعدرمضان وافضل الاشهرالحرم المحرم ثم رجب ثم باقی الحرم ثم بعد الحرم شعبان واستحباب صوم هذه الاشهرهوعند المالکیة والشافعیة واکتفی الحنابلة باستحباب صوم المحرم فهو عند هم افضل الصیام بعد صیام شهر رمضان ....وقال الحنفیة المندوب فی الاشهر الحرم ان یصوم ثلاثة ایام من کل منها وهی الخمیس والجمعة والسبت (الفقه الاسلامی وادلتهٗ ج ۳ ص ۱۶۴۳ ،النوع الرابع)

[2] رقم الحدیث ۲۴۲۸، کتاب الصوم، باب فی صوم أشهر الحرم،المکتبة العصریة، صیدا - بیروت، واللفظ لهٗ ،ابن ماجة رقم الحدیث ۱۷۴۱، مسند احمد رقم الحدیث ۲۰۳۲۳،السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۲۷۵۶، شعب الایمان رقم الحدیث ۳۴۶۳،المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث ۹۰۱.

ترجمہ: صبر یعنی رمضان کے مہینے کے روزے رکھو اور ہر مہینے میں ایک دن کا روزہ رکھ لیا کرو، ان صحابی نے عرض کیا کہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے، لہٰذا میرے لئے اور اضافہ کر دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مہینے میں دو دن روزہ رکھ لیا کیجئے، پھر ان صحابی نے عرض کیا کہ میرے لئے اور اضافہ فرما دیجئے (کیونکہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھ لیا کیجئے، پھر ان صحابی نے عرض کیا کہ میرے لئے اور اضافہ فرما دیجئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اَشْہُرِ حُرُم (ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، اور رجب کے مہینوں) میں روزہ رکھو اور چھوڑو (آپ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی) اور آپ نے اپنی تین انگلیوں سے اشارہ فرمایا ان کو ساتھ ملا دیا پھر چھوڑ دیا (یعنی کہ ان مہینوں میں تین دن روزہ رکھو پھر تین دن ناغہ کرو اور اسی طرح کرتے رہو) (ترجمہ ختم)

اس حدیث میں ان چار مہینوں کے اندر روزہ رکھنے کا جو طریقہ بتلایا گیا ہے، ضروری نہیں کہ ہر شخص اس طریقہ پر عمل کرے بلکہ جس طرح اور جتنے روزے کوئی رکھ سکتا ہو، اجازت ہے، رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کے لئے یہی طریقہ مناسب سمجھا تھا اس لئے ان کی شان اور حالت کے مطابق یہ طریقہ تجویز فرمایا۔

وضاحت: سال میں پانچ دن ایسے ہیں جن میں روزے رکھنا جائز نہیں۔

ان میں سے ایک عید الفطر (یعنی یکم شوال) کا دن ہے اور دوسرا عید الاضحیٰ (یعنی دس ذی الحجہ) کا دن ہے، اور باقی چار دن عید الاضحیٰ (یعنی دس ذی الحجہ) کے بعد ہیں، یعنی گیارہویں، بارہویں اور تیرھویں ذی الحجہ۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَهٰى عَنْ صَوْمِ خَمْسَةِ أَيَّامٍ فِي السَّنَةِ:

يَوْمِ الْفِطْرِ وَيَوْمِ النَّحْرِ وَثَـلَاثَةِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ (سنن الدارقطنی) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سال میں پانچ دنوں کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا، ایک عیدالفطر کے دن کا، اور دوسرے عیدالاضحیٰ کے دن کا، اور تین دن ایامِ تشریق (یعنی گیارہ، بارہ، تیرہ ذی الحجہ) کا (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْ صِيَامِ هٰذِهِ الْأَيَّامِ الثَّـلَاثَةِ -يَعْنِىْ: أَيَّامَ التَّشْرِيْقِ (مسند عبد بن حميد) [۲]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے ان تین دنوں یعنی ایامِ تشریق کے روزوں سے منع فرمایا (ترجمہ ختم)

اور بعض روایتوں میں عید کے دن سمیت ایامِ تشریق (یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ) کو کھانے پینے کے دن قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

---

[۱] رقم الحديث ٢٤٠٩، كتاب الصيام، باب طلوع الشمس بعد الافطار، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، مسند ابى يعلىٰ، رقم الحديث ٢٩١٣، ورقم الحديث ٤١١٧، الحجة على اهل المدينة، ج١، ص ٣٩٠، كتاب الصيام، بَاب الرجل ينسى صِيَام ثَلَاثَة ايام فِى الْحَج وَقد وَجب عَلَيْهِ.

وله شواهد كثيرة فلايضر الضعف فى بعض الاسناد . محمد رضوان

[۲] رقم الحديث ٨٢٨، ج٢ ص ٤٩، احاديث ابن عمر رضى الله عنهما ،دار بلنسية للنشر والتوزيع،رياض.

فى حاشية مسند احمد: أخرج عبد بن حميد(٨٣٠)وابن خزيمة(٢١٤٨)من طريق عبد الرزاق، عن معمر، عن عاصم بن سليمان الأحول، عن المطلب بن عبد الله :دعا أعرابياً إلى طعام له، وذلك بعد النحر بيوم، فقال الأعرابى :إنى صائم، فقال :إنى سمعت عبد الله بن عمر يقول : سمعت رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ينهى عن صيام هذه الأيام الثلاثة، يعنى أيام التشريق.

وهذا إسناد جيد، وفيه تصريح المطلب بن عبد الله بن حنطب بالسماع من ابن عمر، وزعم بعض أهل العلم بأن روايته عن ابن عمر مرسلة(مسنداحمد،مسند عبد الله بن عمر رضى الله عنهما)

وَهِيَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَّشُرْبٍ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: اور یہ کھانے اور پینے کے دن ہیں (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَلَا وَإِنَّ هٰذِهِ الْأَيَّامَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (ابوداؤد) [2]

ترجمہ: خبردار ہوجاؤ، یہ دن کھانے پینے اور اللہ عزوجل کے ذکر کے دن ہیں (ترجمہ ختم)

اور کھانے پینے کے دن ہونے سے اس طرف اشارہ ہے کہ ان دنوں میں روزہ رکھنے کے بجائے کھانا پینا عبادت ہے۔

ماہِ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کی فضیلت

ویسے تو ذُوالحجہ کا پورا مہینہ ہی اپنی ذات میں خیر و برکت والا مہینہ ہے، لیکن اس مہینہ کا پہلا عشرہ خصوصیت کے ساتھ مزید فضیلت کا حامل ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالْفَجْرِ. وَلَيَالٍ عَشْرٍ. وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ. (سورہ فجر آیت ۱تا۳)

ترجمہ: قسم ہے فجر کی، اور دس راتوں کی، اور جفت اور طاق کی (ترجمہ ختم)

---

[1] رقم الحدیث ۷۷۳، ابواب الصوم، باب ما جاء فی کراھیة الصوم فی أیام التشریق، شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی -مصر.

قال الترمذی: وَفِي البَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَسَعْدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَجَابِرٍ، وَنُبَيْشَةَ، وَبِشْرِ بْنِ سُحَيْمٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُذَافَةَ، وَأَنَسٍ، وَحَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الأَسْلَمِيِّ، وَكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، وَعَائِشَةَ، وَعَمْرِو بْنِ العَاصِ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو :.وَحَدِيثُ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ: يَكْرَهُونَ الصِّيَامَ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ.

[2] رقم الحدیث ۲۸۱۳، کتاب الضحایا، باب فی حبس لحوم الأضاحی، المکتبة العصریة، بیروت.

قال الالبانی:

قلت: إسناده صحیح علی شرط مسلم، وکذا قال الحاکم، ووافقه الذهبی، وصححه الترمذی وابن خزیمة وابن حبان والحاکم والذهبی (صحیح ابی داوٗد، تحت حدیث رقم ۲۰۹۰)

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کئی چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے کسی چیز کی قسم کھانے سے یقینی طور پر اس چیز کی عظمت وفضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

پہلی چیز جس کی قسم کھائی گئی ''فجر'' یعنی صبح صادِق کا وقت ہے۔

ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ہر روز کی صبح ہو کہ وہ عالَم میں ایک عظیم انقلاب لاتی ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرتِ کاملہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے کسی خاص دن کی فجر مراد ہو (فِیْ صُوْرَۃِ لَامِ الْعَھْدِفِی الْفَجْرِ) [1]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

(وَالْفَجْرِ) قَالَ: فَجْرُ النَّهَارِ (وَلَيَالٍ عَشْرٍ)قَالَ:عَشْرُ الْأَضْحٰى

(مستدرک حاکم) [2]

ترجمہ: قسم ہے فجر کی یعنی دن کی صبح کی، اور دس راتوں کی یعنی ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کی دس راتوں کی (ترجمہ ختم)

اور بعض حضرات نے اس سے خاص دس ذُوالحجہ کی صبح مراد لی ہے۔

دوسری چیز جس کی قسم کھائی گئی ہے وہ دس راتیں ہیں۔

کئی مفسّرین مثلاً حضرت ابنِ عباس، حضرت قتادہ، حضرت مجاہد، حضرت سُدّی، حضرت ضحّاک اور حضرت کلبی رحمہم اللہ کے نزدیک ان دس راتوں سے مراد ذُوالحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں، کیونکہ حدیث میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

تیسری اور چوتھی چیز جس کی قسم کھائی گئی ہے شفع اور وتر ہے، شفع کے لغوی معنٰی جوڑ کے ہیں جس کو اردو میں جُفت کہتے ہیں اور وتر کے معنٰی طاق اور فرد کے ہیں۔

---

[1] حَدَّثَنَا نُوحُ بْنُ قَيْسٍ الْحُدَّانِيُّ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ مِحْصَنٍ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ، كَانَ يَقُولُ فِي (الْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ) قَالَ " :الْفَجْرُ هُوَ الْمُحَرَّمُ فَجْرُ السَّنَةِ "(شعب الایمان للبیہقی،رقم الحدیث ۳۴۹۴)

[2] رقم الحديث ۳۹۲۷، كتاب التفسير، تفسير سورة والفجر، دارالكتب العلمية، بيروت .

قال الحاكم:هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ، وَأَبُو نَصْرٍ هَذَا هُوَ الْأَسْوَدُ بْنُ هِلَالٍ "

وقال الذهبی فی التلخيص: صحيح.

طاق اور جفت سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔
مگر حدیث میں جفت سے عیدالاضحیٰ کا دن اور طاق سے عرفہ کا دن مراد ہونا بیان کیا گیا ہے۔
چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (وَالْفَجْرِ وَلَیَالٍ عَشْرٍ) عَشْرِ الْأُضْحِیَّۃِ وَالْوِتْرِ یَوْمِ عَرَفَۃَ وَالشَّفْعِ یَوْمِ النَّحْرِ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی، یعنی ذی الحجہ کی دس راتوں کی، اور قسم ہے طاق کی یعنی عرفہ کے دن کی، اور قسم ہے جفت کی یعنی عیدالاضحیٰ کے دن کی (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْعَشْرَ عَشْرُ الْأَضْحٰی، وَالْوِتْرَ یَوْمُ عَرَفَۃَ، وَالشَّفْعَ یَوْمُ النَّحْرِ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس سے مراد ذی الحجہ کا پہلا عشرہ ہے، اور طاق سے مراد یومِ عرفہ ہے، اور جفت سے مراد عیدالاضحیٰ کا دن ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ أَیَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِیْھَا

---

[1] رقم الحديث ۷۵۱۷، كتاب الاضاحى، دار الكتب العلمية، بيروت.
قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ"
وقال الذهبى فى التلخيص: على شرط مسلم.

[2] رقم الحديث ۱۴۵۱۱، مؤسسة الرسالة، بيروت ،واللفظ لهٗ،كشف الاستار عن زوائد البزار، رقم الحديث ۲۲۸۶.
فى حاشية مسند احمد:هذا إسناد لا بأس برجاله.
قال الهيثمى:
رواه البزار وأحمد، ورجالهما رجال الصحيح غير عياش بن عقبة وهو ثقة(مجمع الزوائد ج۷ص۱۳۷)

أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ يَعْنِيْ أَيَّامَ الْعَشْرِ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ، فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ (سنن ابی داؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں اِن (ذی الحجہ کے) دس دنوں کے نیک عمل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا یہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے بھی بڑھ کر ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے بھی بڑھ کر ہے، مگر وہ شخص جو جان اور مال لے کر اللہ کے راستے میں نکلے، پھر ان میں سے کوئی چیز بھی واپس لے کر نہ آئے (سب اللہ کے راستے میں قربان کر دے، اور شہید ہو جائے یہ ان دنوں کے نیک عمل سے بھی بڑھ کر ہے) (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

مَا مِنْ عَمَلٍ أَزْكٰى عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا أَعْظَمَ أَجْرًا مِّنْ خَيْرٍ يَّعْمَلُهٗ فِيْ عَشْرِ الْأَضْحٰى. قِيْلَ: وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ: وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ، قَالَ: وَكَانَ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ إِذَا دَخَلَ أَيَّامُ الْعَشْرِ اِجْتَهَدَ اِجْتِهَادًا شَدِيْدًا حَتّٰى مَا يَكَادُ يَقْدِرُ عَلَيْهِ (سنن دارمی) [2]

---

[1] رقم الحديث ۲۴۳۸، واللفظ لهٗ، كتاب الصوم، باب فی صوم العشر، المكتبة العصرية، بيروت، بخاری، رقم الحديث ۹۶۹، ترمذی، رقم الحديث ۷۵۷، مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۶۸.
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين .مسلم البطين :هو مسلم بن عمران، ويقال :ابن أبی عمران الكوفی.

[2] رقم الحديث ۱۸۱۵، كتاب الصوم، باب فی فضل العمل فی العشر، دار المغنی للنشر والتوزيع، السعودية.
قال حسين سليم اسد دارانی: إسناده صحيح ((تعليق سنن دارمی)

ترجمہ: اللہ عزوجل کے نزدیک کوئی عمل زیادہ پاکیزہ اور اجر کے اعتبار سے زیادہ عظیم نہیں ہے، اس نیک عمل کے مقابلہ میں، جس کو انسان ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں کرتا ہے، عرض کیا گیا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا بھی (ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کے نیک عمل سے) افضل نہیں ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل کے راستے میں جہاد کرنا بھی (اس سے) افضل نہیں ہے، سوائے اس آدمی کے کہ جو اپنی جان اور مال کے ساتھ (اللہ کے راستے میں) نکلا، پھر ان میں سے کوئی چیز بھی لوٹ کر نہیں لایا۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر (جو اس حدیث کے راوی ہیں) جب ذی الحجہ کا پہلا عشرہ داخل ہو جاتا تھا، تو انتہائی جدوجہد کرتے تھے، یہاں تک کہ (بعض اوقات) اس کی قدرت بھی نہیں ہوتی تھی (ترجمہ ختم)

اسی قسم کی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت جابر اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم وغیرہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

---

[1] عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ الْعَمَلُ فِيهِنَّ مِنْ أَيَّامِ الْعَشْرِ. قِيلَ: وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا مَنْ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ، ثُمَّ لَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذَلِكَ بِشَيْءٍ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۱۷۵۶، واللفظ لہٗ، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۱۰۴۵۵، مستخرج ابی عوانۃ، رقم الحدیث ۳۰۲۷)

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ": مَا مِنْ أَيَّامٍ أَفْضَلَ عِنْدَ اللهِ مِنْ أَيَّامِ الْعَشْرِ" قَالُوا: وَلَا مِثْلُهَا فِي سَبِيلِ اللهِ؟ قَالَ ": إِلَّا مَنْ عَفَّرَ وَجْهَهُ فِي التُّرَابِ" (شرح مشکل الآثار للطحاوی، رقم الحدیث ۲۹۷۳، واللفظ لہٗ، اخبارِ مکۃ للفاکھی، رقم الحدیث ۱۷۰۱)

عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو عَبْدِ اللهِ مَوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو، وَنَحْنُ نَطُوفُ بِالْبَيْتِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ فِيهَا أَحَبُّ إِلَى اللهِ تَعَالَى مِنْ أَيَّامِ الْعَشْرِ. "قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ؟ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ": وَلَا الْجِهَادُ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ، ثُمَّ لَمْ يَرْجِعْ" (اخبارِ مکۃ للفاکھی، رقم الحدیث ۶۷۰)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: حَضَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذُكِرَ عِنْدَهُ أَيَّامُ الْعَشْرِ فَقَالَ: مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ الْعَمَلُ فِيهِ مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ فَأَكْبَرَهُ وَقَالَ: وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ وَكَانَ مُهْجَتُهُ فِيهِ (مسند الطیالسی، رقم الحدیث ۲۳۹۷)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: أَفْضَلُ أَيَّامِ الدُّنْيَا أَيَّامُ الْعَشْرِ ، يَعْنِيْ: عَشْرَ ذِي الْحِجَّةِ (كشف الاستار عن زوائد البزار) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کے دنوں میں سب سے افضل دن ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کے دن ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ أَيَّامٍ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ، وَلَا أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنَ الْعَمَلِ فِيهِنَّ مِنْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ، فَأَكْثِرُوْا فِيهِنَّ مِنَ التَّهْلِيْلِ ، وَالتَّكْبِيْرِ، وَالتَّحْمِيْدِ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عظیم اور زیادہ پسندیدہ نہیں ہیں، جن میں کوئی عمل کیا جائے، ذی الحجہ کے اِن دس دنوں کے مقابلہ میں، تو تم ان دس دنوں میں تہلیل اور تکبیر اور تحمید کی کثرت کیا کرو (ترجمہ ختم)

---

[1] رقم الحديث ١١٢٨ ،باب في ايام العشر، مؤسسة الرسالة، بيروت.

قال الهيثمي:

رواه البزار، وإسناده حسن، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد ج۴ص۱۷)

[2] رقم الحديث ٥٤٤٦ ،مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، شرح مشكل الآثار للطحاوى، رقم الحديث ٢٩٧١، مستخرج ابى عوانة، رقم الحديث ٣٠٢٤، مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ١٤١١٠.

فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

وقال البوصيرى:

رواه أبوبكر بن أبى شيبة، وعبد بن حميد وأبويعلى، والبيهقى فى الشعب بسند صحيح. وله شاهد من حديث عبدالله بن مسعود رواه الطبرانى بإسناد صحيح (اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، ج۳ص۱۷۰، باب العمل الصالح وفضله فى عشر ذى الحجة)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ أَيَّامٍ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰہِ، وَلَا أَحَبُّ إِلَيْہِ الْعَمَلُ فِيْهِنَّ مِنْ أَيَّامِ الْعَشْرِ فَأَكْثِرُوْا فِيْهِنَّ التَّسْبِيْحَ، وَالتَّكْبِيْرَ، وَالتَّهْلِيْلَ (المعجم الكبير للطبراني) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عظیم اور زیادہ پسندیدہ نہیں ہیں، جن میں (نیک) عمل کیا جائے، ذی الحجہ کے دس دنوں کے مقابلہ میں، تو تم ان دس دنوں میں تسبیح، اور تکبیر اور تہلیل کی کثرت کیا کرو (ترجمہ ختم)

تہلیل سے مراد ''لا الٰہ الا اللہ'' اور تکبیر سے مراد ''اللہ اکبر'' اور تحمید سے مراد ''الحمد للہ'' اور تسبیح سے مراد ''سبحان اللہ'' یا ان جیسے وہ کلمات ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور بڑائی اور حمد وثناء اور تسبیح بیان کی گئی ہو۔

کیونکہ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ انتہائی فضیلت کا حامل ہے، اور اس میں دوسری عبادتوں کی بھی فضیلت ہے، اسی کے ساتھ ساتھ ان اذکار کی بھی خاص فضیلت ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۱۱۱٦، مكتبة ابنِ تيمية، القاهرة.

قال الهيثمی:

رواه الطبرانی فی الكبير، ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد، ج۴ص۱۷، كتاب الأضاحی ،باب فی عشر ذی الحجة)

[2] (أفضل أيام الدنيا) خرج به أيام الآخرة فأفضلها يوم المزيد يوم يتجلى الله لأهل الجنة فيرونه (أيام العشر) أی عشر ذی الحجة لإجتماع أمهات العبادة فيه وهی الأيام التی أقسم الله بها فی التنزيل بقوله (والفجر وليال عشر) ولهذا سن الإكثار من التهليل والتكبير والتحميد فيه ونسبتها إلى الأيام كنسبة مواضع النسک إلى سائر البقاع ولهذا ذهب جمع إلى أنه أفضل من العشر الأخير من رمضان لكن خالف آخرون تمسكا بأن اختيار الفرض لهذا والنفل لذلک يدل على أفضليته عليه وثمرة الخلاف تظهر فيما لو علق نحو طلاق أو نذر بأفضل الأعشار أو الأيام .وقال ابن القيم: الصواب أن ليالی العشر الآخر من رمضان أفضل من ليالی عشر الحجة وأيام عشر الحجة أفضل من أيام عشر رمضان لأن عشر الحجة إنما فضل ليومی النحر وعرفة وعشر رمضان إنما فضل بليلة القدر وفيه فضل بعض الأزمنة على بعض(فيض القدير للمناوی، تحت حديث رقم ۱۳۰۱)

اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ (سورة الحج آيت نمبر ۲۸)

ترجمہ: اور چند مقرر دنوں میں اللہ کا نام لیں (ترجمہ ختم)

کئی مفسرین کے نزدیک ان مقرر دنوں سے ذی الحجہ کا پہلا عشرہ مراد ہے، کہ جس میں اللہ کے ذکر کی خاص فضیلت واہمیت ہے۔ [۱]

---

[۱] البتہ بعض مفسرین نے مقرر دنوں سے قربانی کے دن یا ایامِ تشریق مراد لئے ہیں۔

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ كنى بالذكر عن الذبح والنحر لاشتراطه فى حل الذبائح وتنبيها على انه المقصود مما يتقرب به الى الله فِي أَيَّامٍ مَعْلُوماتٍ يعنى عشر ذى الحجة وهو قول اكثر المفسرين قيل لها معلومات للحرص على علمها بحسابها من أجل كون وقت الحج فى آخرها وروى عن على رضى الله عنه انها يوم النحر وثلثة ايام بعده وفى رواية عطاء عن ابن عباس انها يوم عرفة والنحر وايام التشريق وقال مقاتل المعلومات التشريق(التفسير المظهرى، تحت آيت ۲۸ من سورة الحج)

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عند النحر فِي أَيَّامٍ مَعْلُوماتٍ أى مخصوصات وهى أيام النحر كما ذهب إليه جماعة منهم أبو يوسف ومحمد عليهما الرحمة وعدتها ثلاثة أيام يوم العيد ويومان بعده عندنا وعند الثورى وسعيد بن جبير وسعيد بن المسيب لما روى عن عمر وعلى وابن عمر وابن عباس .وأنس وأبى هريرة رضى الله تعالى عنهم أنهم قالوا :أيام النحر ثلاثة أفضلها أولها، وقد قالوه سماعا لأن الرأى لا يهتدى إلى المقادير، وفى الأخبار التي يعول عليها تعارض فأخذنا بالمتيقن وهو الأقل، وقال الشافعي والحسن وعطاء :أربعة أيام يوم العيد وثلاثة بعده

لقوله صلّى الله عليه وسلّم :أيام التشريق كلها أيام ذبح.

وعند النخعي وقت النحر يومان، وعند ابن سيرين يوم واحد، وعند أبى سلمة وسليمان بن يسار الأضحى إلى هلال المحرم ولم نجد فى ذلك مستندا يعول عليه .واستدل بذكر الأيام على أن الذبح لا يجوز ليلا، قال أبو حيان :وهو مذهب مالك وأصحاب الرأى انتهى .والمذكور فى كتب الأصحاب أنه يجوز الذبح إلا أنه يكره لاحتمال الغلط فى ظلمة الليل.

وأما الاستدلال على عدم الجواز بذكر الأيام فكما ترى، وقيل الأيام المعلومات عشر ذى الحجة وإليه ذهب أبو حنيفة عليه الرحمة وروى عن ابن عباس والحسن وإبراهيم وقتادة ولعل المراد بذكر اسمه تعالى على هذا ما قيل حمده وشكره عز وجل وعلى الأول قول الذابح :بسم الله والله أكبر على ما روى عن قتادة، وذكر أنه يقال مع ذلك :اللهم منك ولك عن فلان، وسيأتى إن شاء الله تعالى قول آخر .ورجح كونه بمعنى الشكر بأنه أوفق بقوله تعالى :عَلى ما رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعامِ(تفسير روح المعانى، تحت آيت ۲۸ من سورة الحج)

(وَيَذْكُرُواْ اسم الله فِي أَيَّامٍ معلومات) أى عشر ذى الحجة أو يوم عرفة أو يوم النحر إلى آخر أيام التشريق أقوال(تفسير الجلالين، تحت آيت ۲۸ من سورة الحج)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض روایات میں ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں نیک عمل کرنے کی اور بھی فضیلت آئی ہے۔ [1]
اور بعض روایات میں عیدالاضحیٰ کے دن سے پہلے ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں نفلی روزے رکھنے کی بھی عظیم فضیلت آئی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُوماتٍ عَلى ما رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعام،فَرُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عُمَرَ أَنَّ الْمَعْلُومَاتِ يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهُ،وَاذْبَحْ فِي أَيِّهَا شِئْتَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ الْمَعْلُومَاتُ أَيَّامُ النَّحْرِ وَالْمَعْدُودَاتِ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ عَنْ شَيْخِهِ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي عِمْرَانَ عَنْ بِشْرِ بْنِ الْوَلِيدِ الْكِنْدِيِّ الْقَاضِي قَالَ كَتَبَ أَبُو الْعَبَّاسِ الطُّوسِيُّ إلَى أَبِي يوسف يسئله عَنْ الْأَيَّامِ الْمَعْلُومَاتِ فَأَمْلَى عَلَيَّ أَبُو يُوسُفَ جَوَابَ كِتَابِهِ اخْتَلَفَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا.

فَرُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عُمَرَ أَنَّهَا أَيَّامُ النَّحْرِ.وَإِلَى ذَلِكَ أَذْهَبُ لِأَنَّهُ قَالَ عَلى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعامِ وَذَلِكَ فِي أَيَّامِ النَّحْرِ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَالْحَسَنِ وَإِبْرَاهِيمَ أَنَّ الْمَعْلُومَاتِ أَيَّامُ الْعَشْرِ وَالْمَعْدُودَاتِ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ وَرَوَى مَعْمَرٌ عَنْ قَتَادَةَ مِثْلَ ذَلِكَ وَرَوَى ابْنُ أَبِي لَيْلَى عَنْ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْله تعالى وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُوداتٍ يَوْمُ النَّحْرِ وَثَلَاثَةُ أَيَّامٍ بَعْدَهُ وَذَكَرَ أَبُو الْحَسَنِ الْكَرْخِيُّ أَنَّ أَحْمَدَ الْقَارِيّ رَوَى عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْمَعْلُومَاتِ الْعَشْرُ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهَا أَيَّامُ النَّحْرِ الثَّلَاثَةُ يَوْمُ الْأَضْحَى وَيَوْمَانِ بَعْدَهُ وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ أَنَّ مِنْ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ أَنَّ الْمَعْلُومَاتِ الْعَشْرُ وَالْمَعْدُودَاتِ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ وَالَّذِي رَوَاهُ أَبُو الْحَسَنِ عَنْهُمْ أَصَحُّ(احكام القرآن جصاص، تحت آيت ۲۸ من سورة الحج، بَابُ الْأَيَّامِ الْمَعْلُومَاتِ)

[1] حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ مُوسَى، قَالَ :سَمِعْتُ الْحَسَنَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ " :كَانَ يُقَالُ فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ بِكُلِّ يَوْمٍ أَلْفٌ، وَيَوْمُ عَرَفَةَ عَشْرَةُ آلَافِ يَوْمٍ ."يَعْنِي فِي الْفَضْلِ(شعب الايمان للبيهقى،رقم الحديث ۳۴۸۸)

قال المنذرى:

رواه البيهقى والأصبهانى وإسناد البيهقى لا بأس به(الترغيب والترهيب ، ج۲ص۱۲۸ ، كتاب الحج)

حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيدِ بْنِ مَزْيَدَ، أَخْبَرَنِي أَبِي، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، قَالَ " :بَلَغَنِي أَنَّ الْعَمَلَ فِي الْيَوْمِ مِنْ أَيَّامِ الْعَشْرِ كَقَدْرِ غَزْوَةٍ فِي سَبِيلِ اللهِ، يُصَامُ نَهَارُهَا وَيُحْرَسُ لَيْلُهَا إِلَّا أَنْ يُخْتَصَّ امْرُؤٌ بِشَهَادَةٍ ."قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ :حَدَّثَنِي بِهَذَا الْحَدِيثِ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ(شعب الايمان للبيهقى،رقم الحديث ۳۴۷۷)

[2] عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ أَنْ يُتَعَبَّدَ لَهُ فِيهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ، يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ، وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ(ترمذى، رقم الحديث ۷۵۸،واللفظ لهٗ،سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۱۷۲۸ ، شعب الايمان للبيهقى، رقم الحديث ۳۴۸۰،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اسی وجہ سے عیدالاضحیٰ کے دن سے پہلے ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں حسبِ استطاعت نفلی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مستخرج ابی عوانة، رقم الحديث ۳۰۲۱، مسند البزار، رقم الحديث ۸۱۶۷)

قال الترمذی:

هَـذَا حَـدِيـثٌ غَـرِيـبٌ لَا نَـعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مَسْعُودِ بْنِ وَاصِلٍ، عَنِ النَّهَّاسِ .وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا، عَنْ هَذَا الحَدِيثِ فَلَمْ يَعْرِفْهُ مِنْ غَيْرِ هَذَا الوَجْهِ مِثْلَ هَذَا وَقَدْ رُوِيَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا شَيْءٌ مِنْ هَذَا وَقَدْ تَكَلَّمَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ فِي نَهَّاسِ بْنِ قَهْمٍ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

وقال المنذری:

رواه الترمذی وابن ماجه والبيهقی وقال الترمذی حديث غريب لا نعرفه إلا من حديث مسعود بن واصل عن النهاس بن قهم وسألت محمدا يعنى البخاری عن هذا الحديث فلم يعرفه من غير هذا الوجه،قال الحافظ روى البيهقی وغيره عن يحيى بن عيسى الرملی،حدثنا يحيى بن أيوب البجلی عن عدی بن ثابت وهؤلاء الثلاثة ثقات مشهورون تكلم فيهم(الترغيب والترهيب ، ج۲ص۱۲۷، ۱۲۸،كتاب الحج)

أخبرنا أبو القاسم عبد الواحد بن علی بن فهد ببغداد، ثنا أبو الفتح بن أبی الفوارس، أنا أبو إسحاق : إبراهيم بن محمد بن حمدان البخاری قدم علينا، ثنا عثمان بن عبد الله، عن قتادة، عن سعيد بن المسيب، عن أبی هريرة -رضی الله عنه -قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أحب الأعمال إلى الله -عز وجل -ما عمل فی عشر ذی الحجة العمل يضاعف فيها ما لا يضاعف فی غيرها، صيام يوم منها يعدل صيام سنة وقيام ليلة منها يعدل قيام ليلة القدر(الترغيب والترهيب لقوام السنة للاصبهانی، رقم الحديث ۳۷۲)

عن عطاء بن أبی رباح، عن ابن عباس -رضی الله عنه -قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :كل يوم من أيام العشر يعدل صومه صوم سنة، وعرفة سنتين، وعاشوراء سنة .وليلة جمع تعدل بليلة القدر(الترغيب والترهيب لقوام السنة للاصبهانی، رقم الحديث ۳۶۹)

حَدَّثَنَا علی بن إسماعيل، حَدَّثَنا عامر بن سيار، حَدَّثَنا مُحمد بْنُ عَبد الْمَلِكِ، حَدَّثَنا مُحمد بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ أَيَّامَ الْعَشْرِ كُتِبَ لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ صَوْمُ سَنَةٍ غَيْرَ عَرَفَةَ فَإِنَّهُ مَنْ صَامَ يَوْمَ عَرَفَةَ كُتِبَ لَهُ صَوْمُ سَنَتَيْنِ (الكامل لابن عدی ج۷ص۳۴۷)

حديث :من صام أيام العشر ؛ كتب له بكل يوم صوم سنة غير عرفة ، فانه من صام يوم عرفة ؛ كتب له صوم سنتين .رواه محمد بن عبد الملك الأنصاری :عن محمد بن المنكدر ، عن جابر . ومحمد متروك الحديث (ذخيرة الحفاظ،تحت رقم الحديث ۵۳۸۲)

عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّه عَنْهُمَا قَالَ :قَالَ رَسُول اللَّه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ صَامَ يَوْمًا مِنْ شَهْرٍ حَرَامٍ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ يومٍ شَهْرًا وَمَنْ صَامَ أَيَّامَ الْعَشْرِ كَانَ لَهُ بِكُلِّ يومٍ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

روزے رکھنا مستحب ہے، جبکہ نو ذی الحجہ کے روزے کی خصوصیت کے ساتھ عظیم فضیلت ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حَسَنَةٌ(فضائل شهر رجب للخلال، رقم الحديث ۵)

عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ يَوْمًا مِنْ شهرٍ حرامٍ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ يومٍ شَهْرًا وَمَنْ صَامَ أَيَّامَ الْعَشْرِ كَانَ لَهُ بِكُلِّ يومٍ حَسَنَةٌ(فضائل شهر رجب للخلال، رقم الحديث ۱۵)

عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ :مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمًا فِي الْعَشْرِ قَطُّ(مسلم، رقم الحديث ۱۱۷۶، واللفظ له ، ابوداؤد، رقم الحديث ۲۴۳۹، مسنداحمد، رقم الحديث ۲۴۹۲۶)

[1] ولا يرد على ذلك ما رواه أبو داود وغيره عن عائشة قالت ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم صائما العشر قط لاحتمال أن يكون ذلك لكونه كان يترك العمل وهو يحب أن يعمله خشية أن يفرض على أمته(فتح البارى لابن حجر، ج۲ص ۴۶۰، قوله باب فضل العمل فى أيام التشريق)

لَا يُعْتَرَضُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ بِمَا رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :مَا رَأَيْت رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمًا الْعَشْرَ قَطُّ، انْتَهَى .أَخْرَجُوهُ 3فِي "الصَّوْمِ "إلَّا الْبُخَارِيَّ، وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ :4لَمْ يُرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمًا الْعَشْرَ قَطُّ، وَرَجَّحَ التِّرْمِذِيُّ الرِّوَايَةَ الْأُولَى، فَإِنَّ بَعْضَ الْحُفَّاظِ، قَالَ: يُحْتَمَلُ أَنْ تَكُونَ عَائِشَةُ لَمْ تَعْلَمْ بِصِيَامِهِ عليه السلام، فَإِنَّهُ كَانَ يَقْسِمُ لِتِسْعِ نِسْوَةٍ، فَلَعَلَّهُ لَمْ يَتَّفِقْ صِيَامُهُ فِي نَوْبَتِهَا، وَيَنْبَغِي أَنْ يُقْرَأَ :لَمْ يُرَ، مبنية للفاعل، لتتفق الروايتين، عَلَى أَنَّ حَدِيثَ الْمُثْبِتِ أَوْلَى مِنْ حَدِيثِ النَّافِي، وَقِيلَ :إذَا تَسَاوَيَا فِي الصِّحَّةِ، يُؤْخَذُ بِحَدِيثِ هُنَيْدَةَ، أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد 5. وَالنَّسَائِيُّ، عَنْ هُنَيْدَةَ عَنْ امْرَأَةٍ عَنْ بَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ :كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ تِسْعَ ذِي الْحِجَّةِ، وَيَوْمَ عَاشُورَاءَ، وَثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَأَوَّلَ اثْنَيْنِ مِنْ الشَّهْرِ، وَالْخَمِيسَ، وَهُوَ ضَعِيفٌ، قَالَ الْمُنْذِرِيُّ فِي "مُخْتَصَرِهِ :"اُخْتُلِفَ فِيهِ عَلَى هُنَيْدَةَ، فَرُوِيَ كَمَا ذَكَرْنَا، وَرُوِيَ عَنْهُ عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرُوِيَ عَنْهُ عَنْ أُمِّهِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، مُخْتَصَرًا، انْتَهَى(نصب الراية لاحاديث الهداية،كتاب الصلاة، باب ادارك الفريضة)

وأما خبر مسلم عن عائشة لم ير رسول الله صلى الله عليه وسلم صائما العشر قط وخبرها ما رأيته صامه فلا يلزم منه عدم صيامه فإنه كان يقسم لتسع فلم يصمه عندها وصامه عند غيرها كذا ذكره جمع وأقول :ولا يخفى ما فيه إذ يبعد كل البعد أن يلازم فى عدة سنين عدم صومه فى نوبتها دون غيرها فالجواب الحاسم لعرق الشبهة أن يقال المثبت مقدم على النافى على القاعدة المقررة عندهم وزعم بعض أهل الكمال أن الرواية فى خبر عائشة ير بمثناة تحتية وبنائه للمجهول(فيض الحديث للمناوى، تحت رقم الحديث ۸۰۱۳)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ذُوالحجہ کے مہینہ کے پہلے دس دنوں کی بڑی فضیلت اور اہمیت ہے۔
دراصل یہ عشرہ حج کا عشرہ ہے اور ان دنوں کا خاص عمل حج ہے، لیکن حج مکہ معظّمہ جا کر ہی ہوسکتا ہے، پس جو لوگ وہاں نہیں جاسکتے ان کو اپنی جگہ رہتے ہوئے ان دنوں میں خاص فضیلت عطا کردی گئی ہے۔

لٰہذا ان مُبارک دنوں میں غیر ضروری تعلُّقات سے ہٹ کر اللہ جَلَّ شانہٗ کی عبادت اور اطاعت بہت لگن اور توجہ کے ساتھ کرنی چاہئے اور ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہنا اور ذکر وفکر، تسبیح وتلاوت، صدقہ، خیرات اور نیک اعمال میں کچھ نہ کچھ اضافہ کرنا اور گناہوں سے بچنا چاہئے اور نفلی روزوں کا بھی جہاں تک ہوسکے اہتمام کرنا چاہئے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعن عائشة -رضی الله عنها -قالت :ما رأيت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -صائما فی العشر) أی العشر الأول من ذی الحجة (قط) قيل :دل الحديث المشهور وهو ما من أيام أحب إلى الله أن يتعبد له فيها من عشر ذی الحجة، يعدل صيام كل يوم منها بصيام سنة، وقيام كل ليلة منها بقيام ليلة القدر، على أن صوم تسعة أيام من أول ذی الحجة سنة فكيف لا يصوم، وقول عائشة :ما رأيت . .إلخ لا ينافی كونها سنة إذا جاز أنه -صلى الله عليه وسلم -يصوم ولا تعلم هی، وإذا تعارض النفی والإثبات فالإثبات أولى، ذكره الطيبی، وفيه أن الإثبات أولى على فرض الإثبات، وأما على احتماله فلا مع بعد أنه -صلى الله عليه وسلم -يصوم وهی لا تعلم، ومن جملة الأيام أوقات نوبتها وقولها قط ينفی القول بحمل الرؤية على الرؤية العلمية، وأيضا عدم صيامه لا ينافی كونها سنة لأنها كما تثبت بالفعل تثبت بالقول، وقد حث النبی -صلى الله عليه وسلم -ورغب فی صيامها بما ذكر من الثواب، ولعله كان يحصل له -صلى الله عليه وسلم -فيها ما يقتضی اختيار الفطر على الصوم، ولذا ما كاد يصوم يوما ويفطر يوما، مع أنه قال " :أحب الصيام إلى الله صيام داود -صلى الله عليه وسلم " -وسيأتی فی الحديث الآتی بعض ما يناسب المقام، ثم رأيت أنه روى أحمد وأبو داود والنسائی أنه -صلى الله عليه وسلم -كان يصوم تسع الحجة فهو محمول على أنه كان يصومها أحيانا(مرقاة المفاتيح، ج۴ص۱۴۱۳، باب صيام التطوع)

[1] الاحاديث فی فضل صيام ايام عشر ذی الحجة وردفيهااحاديث صحيحة وردت فی كتب الستة واما ما ورد فی فضل مايعادل صوم كل يوم وفضل قيام ليلتها فلقداخرج الترمذی فی جامعه كتاب الصوم باب ماجاء فی العمل فی ايام العشر(حاشيه كنزالعمال ج ۸ ص ۵۷۹ اداره تاليفات اشرفيه ملتان)

ويستحب الاجتهاد فی عمل الخير ايام العشر من الذكر والصيام والصدقة وسائر اعمال البر(المغنی لابن قدامه ج ۲ ص ۲۵۹)

پہلے عشرہ میں بال اور ناخُن نہ کاٹنا

اُمُّ المؤمنین حضرت امِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا رَأَيْتُمْ هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ، وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ، فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهِ وَأَظْفَارِهِ (مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ذُوالحجہ کا چاند دیکھ لو، اور تم میں سے کسی کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو وہ اپنے بال اور ناخن کاٹنے سے رک جائے (ترجمہ ختم)

اس جیسی احادیث کو مدِّنظر رکھتے ہوئے فقہائے کرام نے فرمایا کہ قربانی کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ ذُوالحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک اپنے ناخن نہ کاٹے اور سر، بغل اور ناف کے نیچے، بلکہ بدن کے کسی حصہ کے بھی بال نہ کاٹے۔

لیکن یاد رہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے ضروری نہیں۔

لہٰذا اگر کوئی شخص قربانی سے پہلے ایسا کر لے تو بھی کوئی گناہ نہیں ہے اور اس سے قربانی میں کوئی خلل نہیں آتا۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٩٧٧ ، كتاب الصيد والذبائح، باب نهى من دخل عليه عشر ذى الحجة وهو مريد التضحية أن يأخذ من شعره، أو أظفاره شيئا، داراحياء التراث العربى، بيروت، واللفظ لهٗ، سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ٣١٥٠، شرح معانى الآثار ،رقم الحديث ٦٢٤٦.

[2] (وعن أم سلمة قالت :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-إذا دخل العشر) أى :أول عشر ذى الحجة .(وأراد) أى :قصد .(بعضكم أن يضحى) : سواء وجب عليه الأضحية، أو أراد التضحية على الجهة التطوعية، فلا دلالة فيه على الفرضية، ولا على السنية...........والحاصل أن المسألة خلافية، فالمستحب لمن قصد أن يضحى عند مالك والشافعى أن لا يحلق شعره، ولا يقلم ظفره حتى يضحى، فإن فعل كان مكروها .وقال أبو حنيفة :هو مباح، ولا يكره، ولا يستحب. وقال أحمد :بتحريمه كذا فى رحمة الأمة فى اختلاف الأئمة .وظاهر كلام شراح الحديث من الحنفية أنه يستحب عند أبى حنيفة فمعنى قوله :رخص .أن النهى للتنزيه فخلافه خلاف الأولى، ولا كراهة فيه خلافا للشافعى(مرقاة، ج٣ص ١٠٨٠، ١٠٨١، باب فى الاضحية)

وماوردفى صحيح مسلم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اذا دخل العشر وارادبعضكم ان يضحى فلايأخذن شعراً ولايقلمن ظفرا"

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ قربانی سے پہلے اگر چالیس دن گذر گئے ہوں تو پھر ناخن کاٹنا اور ناف کے نیچے اور بغل کے بالوں کی صفائی ضروری ہے۔ ؎۱

یاد رہے کہ کم از کم ایک مٹھی کی مقدار ڈاڑھی رکھنا ہمیشہ واجب ہے اور اس سے کم کرنا یا مونڈنا جائز نہیں۔ ؎۲

نو ذُوالحجہ اور اِس دن کے روزہ کے فضائل واحکام

نو ذُوالحجہ کا دن مبارک دن ہے، نو ذی الحجہ کے دن حج کا سب سے بڑا رُکن ''وقوفِ عرفہ'' ادا ہوتا ہے؛ اور اس دن بے شمار لوگوں کی بخشش اور مغفرت کی جاتی ہے، اسلام کے تکمیلی رُکن، حج کا سب سے عظیم رُکن اس دن میں ادا ہونا اس دن کی فضیلت کی بڑی دلیل ہے۔

لیکن عرفات کے میدان میں پہنچ کر تو فضیلت حجاجِ کرام ہی حاصل کر سکتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اس دن کی برکات سے غیر حاجیوں کو بھی محروم نہیں فرمایا؛ اور اس دن روزے کی عظیم الشان فضیلت مقرر کر کے سب کو اس دن کی فضیلت سے اپنی شان کے مطابق مستفید ہونے کا موقع عنایت فرما دیا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فھٰذا محمول على الندب دون الوجوب بالاجماع، فظهر قولهٗ ولايجب التاخير الاان نفى الوجوب لاينافى الاستحباب فيكون مستحبا الاان استلزم الزيادة علٰى وقت اباحة التاخير ونهايتهٗ مادون الاربعين فلايباح فوقها .قال فى القنية الافضل ان يقلم اظفاره ويقص شاربهٗ ويحلق عانتهٗ وينظف بدنهٗ بالاغتسال فى كل اسبوع والا ففى كل خمسة عشر يوماً ولاعذر فى تركه وراء الاربعين ويستحق الوعيد فالاول افضل والثانى الاوسط والاربعون الابعد اھ (ردالمحتار ج ۲ ص ۱۸۱ كتاب الصلاة باب العيدين ،مطلب فى إزالة الشعر والظفر فى عشر ذى الحجة)
(كذا فى الهندية ،ج ۵ ص۳۵۷ كتاب الكراهية ،الباب التاسع)

؎۱ وُقِّتَ لَنَا فِىْ قَصِّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمِ الْاَظْفَارِ وَنَتْفِ الْاِبِطِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ اَنْ لَّانَتْرُكَ اَكْثَرَمِنْ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (مسلم رقم الحديث ۲۵۸ ،باب خصال الفطرة، عن انس)

؎۲ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَوْفُوْا اللُّحٰى، وقُصُّوْا الشَّوَارِبَ قَالَ :وَكَانَ إِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ، يُوْفِّىْ لِحْيَتَهٗ، ويَقُصُّ شَارِبَهٗ (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۱۱۷۲۴، عن ابنِ عباس) والتفصيل فى المطولات.

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ. وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ. وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ (سورہ بروج، آیت نمبر ۱تا۳، پ ۳۰)

ترجمہ: قسم ہے آسمان کی جس میں بُرج ہیں اور اُس دن کی جس کا وعدہ ہے، اور اُس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اُس کی کہ جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں (ترجمہ ختم)

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہد سے جمعہ کا دن مراد ہے اور مشہود سے عرفہ کا دن مراد ہے اور یومِ موعود سے قیامت کا دن مراد ہے۔ جمہور مفسرین نے اسی تفسیر کو اختیار فرمایا ہے، اگرچہ اس سلسلہ میں بعض دوسری تفسیریں بھی منقول ہیں۔

بہر حال اس آیت کی راجح اور مشہور تفسیر کے مطابق ''یومِ موعود'' (یعنی جس دن کا وعدہ ہے) سے مراد قیامت کا دن اور ''شاہد'' (یعنی وہ دن جو حاضر ہوتا ہے) سے مراد جمعہ کا دن ہے اور ''مشہود'' (یعنی جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں) سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ [1]

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْيَوْمُ الْمَوْعُوْدُ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، وَالْيَوْمُ الْمَشْهُوْدُ يَوْمُ عَرَفَةَ، وَالشَّاهِدُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ (ترمذی) [2]

---

[1] عرفہ کے دن کیونکہ حجاج کرام اپنے اپنے مقامات سے سفر کر کے عرفات میں جمع ہوتے ہیں، اس اعتبار سے وہ دن مشہود و مقصود ہے، اور جمعہ کا دن ہر جگہ والوں پر خود آتا ہے، اس اعتبار سے وہ شاہد ہے، شاہد کے معنیٰ ہیں حاضر ہونے والا اور مشہود جو حاضر کیا جائے (کذا فی بیان القرآن)

وقال :الأكثرون على أن الشاهد :يوم الجمعة، والمشهود :يوم عرفة(ابن كثير، ج۸ ص ۳۶۶، تحت سورة البروج)

[2] رقم الحديث ۳۳۳۹، واللفظ لهٗ، شعب الايمان للبيهقى رقم الحديث ۴۳۸۲، المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۱۰۸۷، الكامل لابنِ عدى، ج۲ ص ۲۱۹.

قال الملاعلى القارى:

أقول :لكن يقويه أحاديث أخر من المتقدم ذكرها وغيرها(مرقاة المفاتيح ج۳ص۱۰۱۷، باب الجمعة)

وقال الالبانى: حسن (صحيح وضعيف سنن الترمذى، حواله بالا)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یومِ موعود'' قیامت کا دن ہے، اور ''یومِ مشہود'' عرفہ کا دن ہے، اور ''شاہد'' جمعہ کا دن ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْيَوْمُ الْمَوْعُوْدُ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّ الشَّاهِدَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، وَإِنَّ الْمَشْهُوْدَ يَوْمُ عَرَفَةَ (المعجم الكبير للطبرانی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یومِ موعود'' قیامت کا دن ہے، اور ''شاہد'' جمعہ کا دن ہے، اور ''مشہود'' عرفہ کا دن ہے (ترجمہ ختم)

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کی قسم کھائی، اوّل بُرجوں والے آسمان کی، پھر قیامت کے دن کی، پھر جمعہ اور عرفہ کے دنوں کی، یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت پر اور قیامت کے دن کے حساب کتاب اور جزا سزا پر دلیل ہیں اور جمعہ وعرفہ کے دن مومنوں کے لئے آخرت کا ذخیرہ جمع کرنے کے مبارک دن ہیں۔

---

[1] رقم الحديث ٣٤٥٨، واللفظ لهٗ، مسند الشاميين للطبرانی، رقم الحديث ١٦٨٠.

قال الهيثمی:

رواه الطبرانی، وفيه محمد بن إسماعيل بن عياش وهو ضعيف (مجمع الزوائد ج٧ص١٣٥)

وقال الالبانی:

قلت: وهذا إسناد رجاله ثقات، فاستثناء ابن إسماعيل، ثم هو منقطع بين شريح ابن عبيد وأبی مالک الأشعری. ومحمد بن إسماعيل بن عياش قال الهيثمی (7/135): "ضعيف". وبين وجهه الحافظ فی "التقريب" بقوله: "عابوا عليه أنه حدث عن أبيه بغير سماع". لكنه أفاد فی "التهذيب" فائدة هامة فقال: "وقد أخرج أبو داود عن محمد بن عوف عنه عن أبيه عدة أحاديث، لكن يرونها (الأصل: يروونها) بأن محمد بن عوف رآها فی أصل إسماعيل". قلت: فإذا صح هذا، فرواية ابن عوف عنه قوية لأنها مدعمة بموافقتها لما وجده ابن عوف فی أصل إسماعيل، وهی وجادة معتبرة، كما لا يخفى على المهرة. وبالجملة فالحديث بهذا الشاهد حسن. والله أعلم (السلسلة الصحيحة، تحت رقم الحديث ١٥٠٢)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ يَّوْمٍ أَكْثَرَ مِنْ أَنْ يُّعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِّنَ النَّارِ، مِنْ يَّوْمِ عَرَفَةَ، وَإِنَّهُ لَيَدْنُوْ، ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمِ الْمَلَائِكَةَ، فَيَقُوْلُ: مَا أَرَادَ هٰؤُلَاءِ؟ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ عرفہ (یعنی نو ذی الحجہ) کے دن سے زیادہ بندوں کو جہنم سے نجات دیتے ہوں، اور اللہ تعالیٰ (عرفہ کے دن) بندوں کے قریب ہوتے ہیں، پھر فخر کے طور پر فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ یہ بندے کیا چاہتے ہیں؟ (ترجمہ ختم)

اور کئی احادیث میں نو ذُوالحجہ کے دن کے روزے کی بیش بہا فضیلت بیان کی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

وَسُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ؟ فَقَالَ: يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ (مسلم) [2]

ترجمہ: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفہ (یعنی نو ذی الحجہ) کے دن کے روزہ کے بارے میں سوال کیا گیا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک سال گزشتہ، اور ایک سال آئندہ (کے صغیرہ گناہوں) کا کفارہ کردیتا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَوْمُ عَاشُوْرَآءَ يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ، وَصَوْمُ عَرَفَةَ يُكَفِّرُ سَنَتَيْنِ الْمَاضِيَةَ وَالْمُسْتَقْبِلَةَ (السنن

---

[1] رقم الحديث ١٣٤٨، كتاب الحج، باب في فضل الحج والعمرة، ويوم عرفة، داراحياء التراث العربي، بيروت، واللفظ لهٗ، سنن نسائي، رقم الحديث ٣٠٠٣، سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٣٠١٤.

[2] رقم الحديث ١١٦٢، كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر وصوم يوم عرفة وعاشوراء والاثنين والخميس، داراحياء التراث العربي، بيروت، واللفظ لهٗ، شرح معاني الآثار، رقم الحديث ٣٢٦٧.

الکبریٰ للنسائی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عاشوراء (یعنی دس محرم) کا روزہ گزشتہ سال (کے صغیرہ گناہوں) کا کفارہ کردیتا ہے، اور عرفہ (یعنی نو ذی الحجہ) کا روزہ دوسالوں (کے صغیرہ گناہوں) کا کفارہ کردیتا ہے، ایک گزشۃ سال کا اور ایک آئندہ سال کا (ترجمہ ختم)

اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَامَ يَوْمَ عَرَفَةَ غُفِرَ لَهُ سَنَتَيْنِ مُتَتَابِعَتَيْنِ (مسند ابی یعلیٰ الموصلی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے یومِ عرفہ (یعنی نو ذی الحجہ) کا روزہ رکھا، تو اس کے لگاتار دوسال کے (صغیرہ گناہ) معاف کردیئے جائیں گے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَوْمُ يَوْمِ عَرَفَةَ كَفَّارَةُ السَّنَةِ الْمَاضِيَةِ وَالسَّنَةِ الْمُسْتَقْبِلَةِ (المعجم الاوسط للطبرانی) [3]

---

[1] رقم الحديث ٢٨٠٩، كتاب الصيام، صوم يوم عرفة والفضل فى ذلک، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، مسند احمد، رقم الحديث ٢٢٦٢١ ورقم الحديث ٢٢٥١٧.
فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

[2] رقم الحديث ٧٥٤٨، ج١٣ ص٥٤٢، دار المأمون للتراث -دمشق، واللفظ لهٗ، مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ٩٨١٠، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٥٩٢٣، تهذيب الآثار للطبرى، رقم الحديث ٥٥٨، مسند عبد بن حميد، رقم الحديث ٤٦٦.
قال المنذرى: رواه أبو يعلى ورجاله رجال الصحيح (الترغيب والترهيب، ج٢ ص٦٨، كتاب الصوم)
وقال الهيثمى: رواه أبو يعلى والطبرانى فى الكبير، ورجال أبى يعلى رجال الصحيح (مجمع الزوائد ج٣ ص١٨٩)

[3] رقم الحديث ٢٠٦٥، دار الحرمين، القاهرة، واللفظ لهٗ، مسند عبد بن حميد، رقم الحديث ٩٦٩.
قال المنذرى: رواه الطبرانى فى الأوسط بإسناد حسن (الترغيب والترهيب، ج٢ ص٦٨، كتاب الصوم)
وقال الهيثمى: وإسناد الطبرانى حسن (مجمع الزوائد ج٣ ص١٨٩)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفہ (یعنی نو ذی الحجہ) کا روزہ ایک سال گزشتہ، اور ایک سال آئندہ (کے صغیرہ گناہوں) کا کفارہ ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ:

سَأَلَ رَجُلٌ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ عَنْ صَوْمِ، يَوْمِ عَرَفَةَ؟ فَقَالَ: كُنَّا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعْدِلُهُ بِصَوْمِ سَنَتَيْنِ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۷۵۱،دارالحرمین، القاهرة) [۱]

ترجمہ: ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے عرفہ کے دن کے بارے میں سوال کیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس روزے کو دو سالوں کے روزوں کے برابر شمار کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ:

عَنْ عَائِشَةَ ؛ أَنَّهَا كَانَتْ تَصُوْمُ عَرَفَةَ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [۲]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عرفہ کے دن کا روزہ رکھتی تھیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت مسروق سے ہی روایت ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا مِنَ السَّنَةِ يَوْمٌ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصُوْمَهُ مِنْ يَّوْمِ عَرَفَةَ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [۳]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سال بھر میں مجھے کوئی روزہ عرفہ کے دن کے روزے سے زیادہ محبوب نہیں ہے (ترجمہ ختم)

ملحوظ رہے کہ علمائے کرام کی تحقیق کے مطابق اس روزہ سے صغیرہ گناہوں کی بخشش ہوتی

---

[۱] قال الهیثمی:
رواه الطبرانی فی الأوسط، وهو حدیث حسن (مجمع الزوائد، ج۳ص ۱۹۰)

[۲] رقم الحدیث ۹۸۰۸، کتاب الصیام، باب ما قالوا فی صوم یوم عرفة ، بغیر عرفة.

[۳] رقم الحدیث ۹۸۰۹، کتاب الصیام، باب ما قالوا فی صوم یوم عرفة ، بغیر عرفة.

ہے۔ [1]

اور صغیرہ گناہوں کی بخشش بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

اور کبیرہ گناہوں کے لئے توبہ ضروری ہے اور سچی توبہ کے لئے تین باتیں ضروری ہیں۔

(۱)......پہلی یہ کہ گزرے ہوئے گناہوں پر افسوس اور شرمندگی کا ہونا اور ساتھ ہی جن چیزوں کی قضاء ضروری ہے، خواہ وہ اللہ کے حقوق ہوں (جیسے قضاء نمازیں، قضا روزے، زکاۃ، حج، قربانی، صدقۂ فطر، قسم کا کفارہ، جائز منت وغیرہ) ان کو حسبِ قدرت ادا کرنا اور خواہ بندوں کے حقوق ہوں (جیسے قرض و دین، تقسیمِ میراث، کسی بھی قسم کا جانی، مالی نقصان اور ایذاء رسانی وغیرہ) ان کو ممکنہ حد تک ادا کرنے کی کوشش کرنا یا حقدار سے معافی حاصل کرنا۔

(۲)...... دوسری یہ کہ اس وقت فوراً ان گناہوں کو چھوڑ دینا اور ان سے الگ ہوجانا۔

(۳)......تیسری یہ کہ آئندہ کے لئے ان گناہوں کو نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلینا

(کذا فی معارف القرآن ج۲ تحت سورۃ نسآء آیت ۳۱) [2]

---

[1] (صوم یوم عرفة یکفر سنتین ماضیة) یعنی التی هو فیها (ومستقبلة) أی التی بعده یعنی یکفر ذنوب صائمه فی السنتین والمراد الصغائر (وصوم عاشوراء) بالمد (یکفر سنة ماضیة) لأن یوم عرفة سنة المصطفی ویوم عاشوراء سنة موسی فجعل سنة نبینا تضاعف علی سنة موسی قال ابن العماد قال بعض العلماء وفیه إشارة إلی أن من صام یوم عرفة لا یموت فی ذلک العام(التیسیر بشرح الجامع الصغیر، ج۲ ص۹۵، حرف الصاد)

[2] لأن حد التوبة الرجوع عن الذنب والعزم ان لا یعود إلیه والاقلاع عنه والاستغفار بمجرده لا یفهم منه ذلک انتهی وقال غیره شروط التوبة ثلاثة الاقلاع والندم والعزم علی ان لا یعود والتعبیر بالرجوع عن الذنب لا یفید معنی الندم بل هو إلی معنی الاقلاع أقرب وقال بعضهم یکفی فی التوبة تحقق الندم علی وقوعه منه فإنه یستلزم الاقلاع عنه والعزم علی عدم العود فهما ناشئان عن الندم لا أصلان معه ومن ثم جاء الحدیث الندم توبة وهو حدیث حسن من حدیث بن مسعود أخرجه بن ماجة وصححه الحاکم وأخرجه بن حبان من حدیث أنس وصححه وقد تقدم البحث فی ذلک فی باب التوبة من أوائل کتاب الدعوات مستوفی(فتح الباری لابنِ حجر، ج۱۳ ص۴۷۱، کتاب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس موقع پر یہ بات یادرکھنی چاہئے کہ بعض روایات میں عرفہ کے دن کو بھی کھانے پینے کا دن قرار دیا گیا ہے، اوراس دن میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، تو اس بارے میں سمجھ لینا چاہیے کہ یہ حکم حجاجِ کرام کے ساتھ خاص ہے۔ [۱]

کیونکہ وہ اپنے حج کے اعمال میں مشغول ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے انہیں عرفہ کے دن یعنی نو ذی الحجہ کوروزہ رکھنے کی وجہ سے اپنے حج کے اعمال ومناسک انجام دینے اورروزہ وافطار میں مشغولی کے باعث مزدلفہ کی طرف کوچ کرنے میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ التوحيد، قوله باب قول الله تعالى يريدون ان يبدلوا كلام الله)

ثم اعلم ان التوبة اما من الكفر واما من الذنب فتوبة الكافر مقبولة قطعا وتوبة العاصى مقبولة بالوعد الصادق ومعنى القبول الخلاص من ضرر الذنوب حتى يرجع كمن لم يعمل ثم توبة العاصى اما من حق الله واما من حق غيره فحق الله تعالى يكفى فى التوبة منه الترك على ما تقدم غير ان منه ما لم يكتف الشرع فيه بالترك فقط بل أضاف إليه القضاء أو الكفارة وحق غير الله يحتاج إلى ايصالها لمستحقها والا لم يحصل الخلاص من ضرر ذلك الذنب لكن من لم يقدر على الايصال بعد بذله الوسع فى ذلك فعفو الله مأمول فإنه يضمن التبعات ويبدل السيئات حسنات والله اعلم (فتح البارى لابنِ حجر، ج ۱۱ ص ۱۰۳، كتاب الدعوات، باب التوبة)

باب التوبة قال العلماء :التوبة واجبة من كل ذنب، فإن كانت المعصية بين العبد وبين الله تعالى لا تتعلق بحق آدمي، فلها ثلاثة شروط :أحدها :أن يقلع عن المعصية .والثاني :أن يندم على فعلها .والثالث :أن يعزم أن لا يعود إليها أبداً، فإن فقد أحد الثلاثة لم تصح توبته .وإن كانت المعصية تتعلق بآدمي فشروطها أربعة :هذه الثلاثة، وأن يبرأ من حق صاحبها :فإن كانت مالاً أو نحوه رده إليه، وإن كانت حد قذف ونحوه مكنه منه أو طلب عفوه وإن كانت غيبة استحله منها ويجب أن يتوب من جميع الذنوب فإن تاب من بعضها صحت توبته عند أهل الحق من ذلك الذنب وبقى عليه الباقى وقد تظاهرت دلائل الكتاب، والسن، وإجماع الأمة على وجوب التوبة (شرح رياض الصالحين للعثيمين ، باب التوبة)

[۱] حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَوْشَبُ بْنُ عُقَيْلٍ، عَنْ مَهْدِيٍّ الْهَجَرِيِّ، حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ، قَالَ :كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ، فِي بَيْتِهِ فَحَدَّثَنَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ (ابوداؤد، رقم الحديث ۲۴۴۰)

[۲] (وعن أبى هريرة أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -نهى) أى نهى تنزيه (عن صوم يوم عرفة بعرفة) أى فى عرفات لئلا يضعف عن الدعاء ولئلا يسيء خلقه مع الرفقاء ، وفى معناه من يكون مثله، ولو من أهل الحضر، قال ابن الملك :وليس هذا نهى تحريم، روى عن عائشة أنها كانت تصوم، وقال عطاء :أصومه فى الشتاء ولا أصومه فى الصيف (رواه أبو داود) وقال الحاكم :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ جس حاجی کو اپنے بارے میں یقین ہو کہ اس کو اس دن کا روزہ رکھنے سے وقوفِ عرفات اور دعائیں وغیرہ مانگنے اور سورج غروب ہونے کے فوراً بعد مزدلفہ روانگی میں کوئی خلل نہ ہوگا اس کے لئے مکروہ نہیں؛ بلکہ ایسی صورت میں یہ روزہ اس کے حق میں بھی مستحب ہوگا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إنه على شرط البخارى، وأقره الذهبى وصححه ابن خزيمة(مرقاة، ج۴ص ۱۴۲۴، باب صيام التطوع)

وقد جاء تسمية عيدا من حديث مرفوع خرجه أهل السنن من حديث عقبة بن عامر، عن النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال " :يوم عرفة ويوم النحر وأيام التشريق عيدنا أهل الإسلام، وهى أيام أكل وشرب "وقد أشكل وجهه على كثير من العلماء ؛ لأنه يدل على أن يوم عرفة يوم عيد لا يصام، كما روى ذلك عن بعض المتقدمين، وحمله بعضهم على أهل الموقف وهو الأصح لأنه اليوم الذى فيه أعظم مجامعهم ومواقفهم بخلاف أهل الأمصار فإن اجتماعهم يوم النحر، وأما أيام التشريق فيشارك أهل الأمصار أهل الموسم فيها؛ لأنها أيام ضحاياهم وأكلهم من نسكهم .هذا قول جمهور العلماء .وقال عطاء :إنما هى أعياد لأهل الموسم، فلا ينهى أهل الأمصار عن صيامها . وقول الجمهور أصح (فتح البارى لابنِ رجب، ج ۱ ص ۱۷۳)

[1] والمندوب كأيام البيض من كل شهر ويوم الجمعة ولو منفردا وعرفة ولو لحاج لم يضعفه(الدرالمختار)

(قوله :لم يضعفه) صفة لحاج أى إن كان لا يضعفه عن الوقوف بعرفات ولا يخل بالدعوات محيط فلو أضعفه كره(ردالمحتار، ج۲ ص۳۷۵، كتاب الصوم)

ومن المكروه......صوم يوم عرفة للحاج إن أضعفه(البحرالرائق، ج۲ص۲۷۸، كتاب الصوم، اقسام الصوم)

وأما صوم يوم عرفة :ففى حق غير الحاج مستحب، لكثرة الأحاديث الواردة بالندب إلى صومه، ولأن له فضيلة على غيره من الأيام، وكذلك فى حق الحاج إن كان لا يضعفه عن الوقوف، والدعاء لما فيه من الجمع بين القربتين وإن كان يضعفه عن ذلك يكره لأن فضيلة صوم هذا اليوم مما يمكن استدراكها فى غير هذه السنة، ويستدرك عادة، فأما فضيلة الوقوف، والدعاء فيه لا يستدرك فى حق عامة الناس عادة إلا فى العمر مرة واحدة، فكان إحرازها أولى(بدائع الصنائع، ج۲ص ۷۹، كتاب الصوم، فصل شرائط انواع الصيام)

(قوله وأن يكون مفطرا) عد فى اللباب من مستحبات الوقوف الصوم لمن قوى والفطر للضعيف . قال وقيل يكره قال شارحه وهى كراهة تنزيه لئلا يسىء خلقه فيوقعه فى محذور أو محظور، وكذا صوم يوم التروية؛ لأنه يعجزه عن أداء أفعال الحج وقد ثبت أنه -صلى الله عليه وسلم -أفطر يوم عرفة مع كمال القوة إلا أنه لم ينه أحدا عن صومه فلا وجه لكراهته على الإطلاق، وأما ما فى الخانية ويكره صوم يوم عرفة بعرفات وكذا صوم يوم التروية؛ لأنه يعجزه عن أداء أفعال الحج فمبنى على حكم الأغلب فلا ينافيه ما فى الكرمانى من أنه لا يكره للحاج الصوم فى يوم عرفة عندنا إلا إذا كان يضعفه عن أداء المناسك فحينئذ تركه أولى وفى الفتح إن كان يضعفه عن الوقوف والدعوات والمستحب تركه اهـ(منحة الخالق على هامش البحرالرائق ج۲ص۳۶۵، كتاب الحج، باب الاحرام)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱...... عرفہ کے دن کی فضیلت ہر شخص کو اس ملک کے وقت اور اس کی تاریخ کے اعتبار سے حاصل ہوگی جس ملک میں وہ شخص موجود ہے۔

پس جو شخص کسی ایسے ملک میں ہے کہ وہاں کی تاریخ سعودی عرب سے ایک دن پیچھے ہے تو اس ملک والے کے لئے سعودی عرب کی تاریخ کا اعتبار نہ ہوگا کہ سعودیہ کی نو تاریخ کو اپنے یہاں عرفہ کا دن سمجھے بلکہ اپنے ملک کی تاریخ کا اعتبار ہوگا خواہ اس دن سعودیہ میں دس ذُوالحجہ یعنی بقرعید کا دن ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ عیدالاضحیٰ ہر شخص اپنے ملک کی تاریخ کے اعتبار سے کرتا ہے، اور نمازیں بھی اپنے یہاں کے اوقات کے اعتبار سے پڑھتا ہے، اور سحری وافطار بھی اپنے یہاں کے اوقات کے اعتبار سے کرتا ہے، اسی طرح عرفہ کے دن کی فضیلت بھی اپنے یہاں کے اوقات وتاریخ کے اعتبار سے حاصل ہوگی۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۲...... بعض لوگ عرفہ کے دن کسی ایک مقام پر اکٹھے ہونے اور جمع ہونے کو ثواب سمجھتے ہیں اور عرفات میں حاجیوں کے اجتماع کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، بلکہ بے بنیاد اور من گھڑت بلکہ گناہ کی بات ہے، لہٰذا اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قوله" :صوم يوم عرفة الخ "فيندب صومه إلا للحاج لأنه ربما يضعف بصومه عن المطلوب منه يومه (حاشية الطحطاوى على المراقى، ص ۴۰۰، كتاب الصلاة، فصل فى تحية المسجد وصلاة الضحىٰ واحياء اليالى)

[۱] بخلاف الأضحية فالظاهر أنها كأوقات الصلوات يلزم كل قوم العمل بما عندهم فتجزء الأضحية فى اليوم الثالث عشر وإن كان على رؤيا غيرهم هو الرابع عشر (ردالمحتار، ج ۲، ص ۳۹۴، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان)

[۲] (ووقوف الناس يوم عرفة فى غيرها تشبيها بالواقفين ليس بشىء) هو نكرة فى موضع النفى فتعم أنواع العبادة من فرض وواجب ومستحب فيفيد الإباحة، وقيل يستحب ذلك كذا فى مسكين .وقال الباقانى :لو اجتمعوا لشرف ذلك اليوم ولسماع الوعظ بلا وقوف وكشف رأس جاز بلا كراهة اتفاقا (الدرالمختار)

(قوله :يوم عرفة) الإضافة بيانية لأن عرفة اسم اليوم وعرفات اسم المكان شرنبلالية (قوله فى غيرها) أى غير عرفة، وأراد بها المكان تجوزا والمراد كما فى شرح المنية اجتماعهم عشية يوم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳......عشرۂ ذی الحجہ اور نو ذُوالحجہ کے روزوں کے مسائل دوسرے نفل روزوں کی طرح ہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۴......نفل روزوں کی دل میں نیت اگر یہ مقرر کر کے کی جائے کہ میں نفل کا روزہ رکھتا ہوں یا رکھتی ہوں تو بھی صحیح ہے اور اگر صرف یہ نیت کرے کہ میں روزہ رکھتا ہوں یا رکھتی ہوں تب بھی صحیح ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عرفة فی الجوامع أو فی مكان خارج البلد يتشبهون بأهل عرفة .اهـ .(قوله وقيل يستحب) لعله المراد من قول النهاية .وعن أبی يوسف ومحمد فی غير رواية الأصول أنه لا يكره لما روی أن ابن عباس فعل ذلک بالبصرة .اهـ.قال فی الفتح :وهذا يفيد أن مقابله من رواية الأصول الكراهة ثم قال :وهو الأولی حسما لمفسدة اعتقادية تتوقع من العوام ونفس الوقوف وكشف الرء وس يستلزم التشبه وإن لم يقصد فالحق أنه إن عرض للوقوف فی ذلک اليوم سبب يوجبه كالاستسقاء مثلا لا يكره، أما قصد ذلک اليوم بالخروج فيه فهو معنی التشبه إذا تأملت .وفی جامع التمرتاشی :لو اجتمعوا لشرف ذلک اليوم جاز يحمل عليه بلا وقوف وكشف اهـ .والحاصل أن الصحيح الكراهة كما فی الدرر بل فی البحر أن ظاهر ما فی غاية البيان أنها تحريمية وفی النهر أن عباراتهم ناطقة بترجيح الكراهة وشذوذ غيره (قوله وقال الباقانی إلخ) مأخوذ من آخر عبارة الفتح المتقدمة، والحاصل أن المكروه هو الخروج مع الوقوف وكشف الرء وس بلا سبب موجب كاستسقاء أما مجرد الاجتماع فيه علی طاعة بدون ذلک فلا يكره(ردالمحتار، ج۲ص۱۷۷، باب العيدين)

[1] ويستحب صوم يوم الخميس والجمعة والسبت من كل شهر حرام، والأشهر الحرم أربعة ذو القعدة وذو الحجة والمحرم ورجب ثلاثة سرد، وواحد فرد.

ويستحب صوم تسعة أيام من أول ذی الحجة كذا فی السراج الوهاج(الفتاوی الهندية،كتاب الصوم،الباب الثالث فيما يكره للصائم وما لا يكره)

وأما صوم يوم عرفة فی حق الحاج فإن كان يضعفه عن الوقوف بعرفة ويخل بالدعوات فإن المستحب له أن يترک الصوم لأن صوم يوم عرفة يوجد فی غير هذه السنة فأما الوقوف بعرفة فيكون فی حق عامة الناس فی سنة واحدة وأما إذا كان لا يخالف الضعف فلا بأس به

وأما فی حق غير الحاج فهو مستحب لأن له فضيلة علی عامة الأيام(تحفة الفقهاء، ج۱،ص۳۴۳،كتاب الصوم)

[2] أما كيفية النية فينظر إن كان الصوم عينا يكفيه نية مطلق الصوم حتی لو صام رمضان بنية مطلق الصوم يقع علی رمضان،وكذا فی صوم التطوع إذا صام مطلقا خارج رمضان يقع عن النفل لأن الوقت متعين للنفل شرعا(تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج۱ص۳۴۷،كتاب الصوم)

(قال) : ولا يكون صائما فی رمضان ولا فی غيره ما لم ينو الصوم، وإن اجتنب المفطرات إلی آخر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵......نفل روزے کی رات سے نیت کرنا ضروری نہیں، اگر کسی کا دن کے شروع وقت میں روزہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا لیکن صبح صادق کے بعد سے ابھی تک کچھ کھایا پیا نہیں پھر روزہ رکھنے کا ارادہ ہوگیا تو زوال سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے (یعنی ضحوۂ کبریٰ جو صبح صادق سے سورج غروب ہونے تک کے آدھے حصہ کا نام ہے) تک نفل روزے کی نیت کرلینا صحیح ہے اس کے بعد نیت کرنا صحیح نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يومه بمرض أو غير مرض، وقد بينا قول زفر -رحمه الله تعالى- في الصحيح المقيم إنه يتأدى منه الصوم بمجرد الإمساك من غير النية فإن كان مريضا أو مسافرا فلا خلاف أنه لا يكون صائما ما لم ينو وعند زفر -رحمه الله تعالى- ما لم ينو من الليل قال: لأن الأداء غير مستحق عليه في هذا الوقت نفسه فلا يتعين إلا بنيته بخلاف الصحيح المقيم وعندنا اشتراط النية ليصير الفعل قربة فإن الإخلاص والقربة لا يحصل إلا بالنية قال الله تعالى (: وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين) (البينة: ۵) ففي هذا المسافر والمقيم سواء إنما فارق المسافر المقيم في الترخيص بالفطر فإذا لم يترخص صحت منه النية قبل انتصاف النهار كما تصح من المقيم(المبسوط للسرخسي، ج۳ص ۸۶، كتاب الصوم)

[1] وأما وقت النية فالأفضل أن ينوي من الليل أو مقارنا لطلوع الفجر في الصيامات كلها،فأما إذا نوى بعد طلوع الفجر فإن كان الصوم دينا فلا يجوز بالإجماع وإن كان الصوم عينا فيجوز عندنا سواء كان فرضا أو نذرا أو تطوعا،وقال الشافعي لا يجوز إلا في التطوع،وقال مالك لا يجوز في التطوع أيضا،ولو صام بنية بعد الزوال في التطوع لا يجوز عندنا خلافا للشافعي وبعض أصحابه قالوا لا يجوز،والصحيح قولنا لأنه ما وجد الإمساك لله تعالى في وقت الغداء ووقت الغداء من وقت طلوع الفجر إلى وقت الزوال يختلف باختلاف أحوال الناس والصوم هو الإمساك عن الغداء وتأخير العشاء إلى الليل وبعد الزوال لا يجوز لأنه لم يوجد الإمساك عن الغداء لله تعالى (تحفة الفقهاء للسمرقندي، ج ۱ ص ۳۴۹، كتاب الصوم)

(فيصح) أداء (صوم رمضان والنذر المعين والنفل بنية من الليل) فلا تصح قبل الغروب ولا عنده (إلى الضحوة الكبرى لا) بعدها(الدر المختار، كتاب الصوم)

(قوله: إلى الضحوة الكبرى) المراد بها نصف النهار الشرعي والنهار الشرعي من استطارة الضوء في أفق المشرق إلى غروب الشمس والغاية غير داخلة في المغيا كما أشار إليه المصنف بقوله لا عندها .اهـ ح وعدل عن تعبير القدوري والمجمع وغيرهما بالزوال لضعفه؛ لأن الزوال نصف النهار من طلوع الشمس ووقت الصوم من طلوع الفجر كما في البحر عن المبسوط قال في الهداية وفي الجامع الصغير قبل نصف النهار

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۶ ...... مشہور ہے کہ جب تک فجر کی اذان کی آواز نہ آئے اس وقت تک سحری کھانا جائز رہتا ہے، یہ غلط ہے۔

اور اصل بات یہ ہے کہ سحری کا وقت صبح صادق ہونے پر ختم ہوجاتا ہے خواہ ابھی اذان بھی نہ ہوئی ہو۔ [1]

اور صبح صادق کا وقت مستند جنتریوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۷ ...... نیت زبان سے الفاظ ادا کرنے کا نام نہیں بلکہ دل کے ارادہ کا نام ہے۔

لہٰذا دل میں نیت کرلینا کافی ہے، زبان سے الفاظ ادا کرنا ضروری نہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر ۸ ...... سحری کھانا سنت ہے اگر بھوک نہ ہو تو تھوڑا بہت سنت کی نیت سے کچھ کھالینا چاہئے، لیکن اگر کسی نے بالکل سحری نہ کھائی اور بغیر سحری کے روزہ رکھ لیا تب بھی روزہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهو الأصح؛ لأنه لا بد من وجود النية في أكثر النهار ونصفه من وقت طلوع الفجر إلى وقت الضحوة الكبرى لا وقت الزوال فتشترط النية قبلها لتتحقق في الأكثر .اهـ.وفي شرح الشيخ إسماعيل وممن صرح بأنه الأصح في العتابية والوقاية وعزاه في المحيط إلى السرخسي وهو الصحيح كما في الكافي والتبيين اهـ وتظهر ثمرة الاختلاف فيما إذا نوى عند قرب الزوال كما في التتارخانية عن المحيط وبه ظهر أن قول البحر والظاهر أن الاختلاف في العبارة لا في الحكم غير ظاهر .(تنبيه) قد علمت أن النهار الشرعي من طلوع الفجر إلى الغروب(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص۳۷۷)

[1] وعليه اجماع الامة اى لايجوز الاكل والشرب للصائم بعد الصبح الصادق.
تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''رمضان المبارک کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں۔

[2] النية شرط في الصوم وهي ان يعلم بقلبه انهٗ يصوم وليست النية باللسان شرطاً (ردالمحتار، ج ۲ ص ۳۷۷ كتاب الصوم ملخصاً)

والنية معرفته بقلبه أن يصوم كذا في الخلاصة، ومحيط السرخسي .والسنة أن يتلفظ بها كذا في النهر الفائق .ثم عندنا لا بد من النية لكل يوم في رمضان كذا في فتاوى قاضي خان .والتسحر في رمضان نية ذكره نجم الدين النسفي، وكذا إذا تسحر لصوم آخر، وإن تسحر على أنه لا يصبح صائما لا يكون نية، ولو نوى من الليل ثم رجع عن نيته قبل طلوع الفجر صح رجوعه في الصيامات كلها كذا في السراج الوهاج، ولو قال نويت أن أصوم غدا إن شاء الله -تعالى -صحت نيته هو الصحيح كذا في الظهيرية (الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص ۱۹۵ كتاب الصوم، الباب الاول)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

ہوجائے گا۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۹ ...... نفلی روزہ اگر رکھ کر پورا کرنے سے پہلے توڑ دیا جائے تو اس کی قضاء ضروری ہوجاتی ہے لیکن کفارہ وغیرہ لازم نہیں ہوتا۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۱۰ ...... عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنا منع ہے۔ [۳]

---

[۱] التسحر مستحب، ووقته آخر الليل قال الفقيه أبو الليث، وهو السدس الأخير هكذا فى السراج الوهاج ثم تأخير السحور مستحب كذا فى النهاية ويكره تأخير السحور إلى وقت يقع فيه الشک هكذا فى السراج الوهاج(الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص ۲۰۰، کتاب الصوم، الباب الثالث)

[۲] ومن دخل فى صوم التطوع ثم أفسده قضاه كذا فى الهداية سواء حصل الفساد بصنعه أو بغير صنعه حتى إذا حاضت الصائمة المتطوعة يجب القضاء فى أصح الروايتين كذا فى النهاية(الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص ۲۱۵)

(قوله ومن دخل فى صوم التطوع ثم أفسده قضاه) لا خلاف بين أصحابنا -رحمهم الله- فى وجوب القضاء إذا فسد عن قصد أو غير قصد بأن عرض الحيض للصائمة المتطوعة، خلافا للشافعي -رحمه الله-، وإنما اختلاف الرواية فى نفس الفساد هل يباح أولا؟ ظاهر الرواية لا إلا بعذر، ورواية المنتقى يباح بلا عذر.

ثم اختلف المشايخ رحمهم الله على ظاهر الرواية هل الضيافة عذر أو لا؟ قيل نعم، وقيل لا، وقيل عذر قبل الزوال لا بعده، إلا إذا كان فى عدم الفطر بعده عقوق لأحد الوالدين لا غيرهما حتى لو حلف عليه رجل بالطلاق الثلاث ليفطرن لا يفطر(فتح القدير ج۲ ص ۳۶۰، کتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة)

[۳] ولا تصوم المرأة تطوعاً إلا بإذن زوجها إن أمكنه وطؤها فله أن يفطرها(فتاوى قاضى خان، ج ۱، ص ۱۵۳، کتاب الصوم)

ولا تصوم المرأة تطوعاً بغير إذن زوجها، فإن كان صيامها لا يضر به بأن كان صائماً أو مريضاً، فلها أن تصوم وليس له منعها(المحيط البرهانی، ج۳ص ۳۸۹، کتاب الصوم، الفصل الرابع عشر فى المتفرقات)

(قوله ولا تصوم المرأة نفلا إلخ) أى يكره لها ذلک كما فى السراج.

والظاهر أن لها الإفطار بعد الشروع رفعا للمعصية فهو عذر وبه تظهر مناسبة هذه المسائل هنا تأمل، وأطلق النفل فشمل ما أصله نفل لكن وجب بعارض ولذا قال فى البحر عن القنية للزوج أن يمنع زوجته عن كل ما كان الإيجاب من جهتها كالتطوع والنذر واليمين دون ما كان من جهته تعالى كقضاء رمضان وكذا العبد إلا إذا ظاهر من امرأته لا يمنعه من كفارة الظهار بالصوم لتعلق حق المرأة به .اهـ.(قوله إلا عند عدم الضرر به) بأن كان مريضا أو مسافرا أو محرما بحج أو عمرة فليس له منعها من صوم التطوع، ولها أن تصوم وإن نهاها لأنه إنما يمنعها لاستيفاء حقه من الوطء، وأما فى هذه الحالة فصومها لا يضره فلا معنى للمنع سراج، وأطلق فى الظهيرية المنع واستظهره فى البحر(رد المحتار على الدر المختار ج ۲، ص ۴۳۰، کتاب الصلاة)

تکبیرِ تشریق کے فضائل واحکام

جیسا کہ پہلے گذر چکا کہ ذُوالحجہ کا پورا مہینہ ہی عبادت وفضیلت والا مہینہ ہے اور اس مہینہ کا پہلا عشرہ خاص طور پر فضیلت رکھتا ہے اس میں عبادت، ذکر (تکبیر، تہلیل اور تحمید یعنی اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ، اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وغیرہ) کی کثرت کرنی چاہئے۔

پھر اس میں بھی ایامِ تشریق میں تکبیر کی خاص تاکید اور فضیلت ہے، اور اسی وجہ سے ان دنوں میں پڑھی جانے والی تکبیر کو تکبیرِ تشریق کہا جاتا ہے۔

اور ایامِ تشریق میں ہر فرض نماز کے بعد تکبیرِ تشریق کا حکم ہے۔

اور ان دنوں میں حجاج کرام کو بھی ذکر کی خاص تاکید کی گئی ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

وَاذْكُرُوااللهَ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ (سورہ بقرۃ آیت ۲۰۳)

ترجمہ: اور اللہ کو یاد کرو گنتی کے چند دنوں میں (ترجمہ ختم)

ان چند دنوں سے بعض مفسرین کے نزدیک ذی الحجہ کے وہ مخصوص دن مراد ہیں، جن میں ہر نماز کے بعد تکبیر کہی جاتی ہے، اور ان کو ایامِ تشریق کہا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُوداتٍ وهى ايام التشريق سميت معدودات لقلتهن كذا روى عن ابن عباس وغيره ويدل على ذلک قوله تعالى فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ من ايام التشريق يعنى استعجل فى النفر ونفر فى ثانى ايام التشريق(التفسير المظهرى، تحت آيت ۲۰۳ من سورة البقرة)

وَاتَّفَقَ أهلِ العلم على أن قوله بيان المراد الآية فى قوله (أَيَّامٍ مَعْدُوداتٍ) وَلَا خِلَافَ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الْمَعْدُودَاتِ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ وَقَدْ رُوِيَ ذَلِکَ عَنْ عَلِيٍّ وعمر وَابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ وَغَيْرِهِمْ إلَّا شَيْءٌ،رَوَاهُ ابْنُ أَبِي لَيْلَى عَنْ الْمِنْهَالِ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ الْمَعْدُودَاتُ يَوْمُ النَّحْرِ ويومان بعده اذبح فِي أَيِّهَا شِئْتَ،وَقَدْ قِيلَ إنَّ هَذَا وَهْمٌ وَالصَّحِيحُ،عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ ذَلِکَ فِي الْمَعْلُومَاتِ ،وَظَاهِرُ الْآيَةِ يَنْفِي ذَلِکَ أَيْضًا لِأَنَّهُ قَالَ (فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ) وَذَلِکَ لَا يَتَعَلَّقُ بِالنَّحْرِ وَإِنَّمَا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ کون کون سے دنوں اور کون کون سی فرض نمازوں کے بعد تکبیر کا حکم ہے؟

اس بارے میں فقہائے کرام کے کئی اقوال ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ اور امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ وغیرہ کے نزدیک نو ذی الحجہ کی فجر سے لے کر تیرہ ذی الحجہ کی عصر تک تکبیرِ تشریق کا حکم ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ يَتَعَلَّقُ برمي الجمار والمفعول فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ وَأَمَّا الْمَعْلُومَاتُ فَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عُمَرَ أَنَّ الْمَعْلُومَاتِ يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهُ وَاذْبَحْ فِي أَيِّهَا شِئْتَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ الْمَعْدُودَاتُ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ الْمَعْلُومَاتُ الْعَشْرُ وَالْمَعْدُودَاتُ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ وَقَدْ رَوَى ابْنُ أَبِي لَيْلَى عَنْ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ الْمَعْلُومَاتُ يَوْمُ النَّحْرِ وَثَلَاثَةُ أَيَّامٍ بَعْدَهُ أَيَّامُ التَّشْرِيقُ وَالْمَعْدُودَاتُ يَوْمُ النَّحْرِ وَثَلَاثَةُ أَيَّامٍ بَعْدَهُ التَّشْرِيقُ وَرَوَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عُمَارَةُ بْنُ ذَكْوَانَ عَنْ مُجَاهِدٍ عن ابن عباس قال المعدودات أَيَّامُ الْعَشْرِ وَالْمَعْلُومَاتُ أَيَّامُ النَّحْرِ فَقَوْلُهُ الْمَعْدُودَاتُ إنَّهَا أَيَّامُ الْعَشْرِ لَا شَكَّ فِي أَنَّهُ خَطَأٌ وَلَمْ يَقُلْ بِهِ أَحَدٌ وَهُوَ خِلَافُ الْكِتَابِ(احكام القرآن جصاص، تحت آيت ۲۰۳ من سورة البقرة، بَابُ أَيَّامِ مِنًى وَالنَّفْرِ فِيهَا)

قَالَ اللهُ جَلَّ ذِكْرُهُ :(وَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ)الْآيَةَ .كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ، وَابْنُ عُمَرَ، وَسَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ، وَالْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ، وَمُجَاهِدٌ، وَالسُّدِّيُّ، وَالضَّحَّاكُ، وَعَطَاءٌ،وَقَتَادَةُ يَقُولُونَ فِي قَوْلِهِ :(وَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ) الْآيَةَ :أَنَّهَا أَيَّامُ التَّشْرِيقِ(الاوسط لابن المنذر، ج۴ص۲۹۷، جِمَاعُ أَبْوَابِ التَّكْبِيرِ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ " :وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ :أَيَّامُ العَشْرِ، وَالأَيَّامُ المَعْدُودَاتُ : أَيَّامُ التَّشْرِيقِ "وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ، وَأَبُو هُرَيْرَةَ :يَخْرُجَانِ إِلَى السُّوقِ فِي أَيَّامِ العَشْرِ يُكَبِّرَانِ، وَيُكَبِّرُ النَّاسُ بِتَكْبِيرِهِمَا وَكَبَّرَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ خَلْفَ النَّافِلَةِ(بخارى، كتاب الجمعة، باب فضل العمل فى ايام التشريق)

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ :فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ :(وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ)قَالَ :هِيَ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ وَقَالَ فِي هَذِهِ :(وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ) قَالَ: أَيَّامُ الْعَشْرِ قَالَ عَلِيٌّ :حَدَّثَنِي بِهِ هُشَيْمٌ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ(معرفة السنن والآثار للبيهقى،رقم الحديث ۱۰۸۷۲)

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ " :فِي هَذِهِ الْآيَةِ (وَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ)قَالَ :التَّشْرِيقِ "(الاوسط لابن المنذر، رقم الحديث ۲۱۹۲)

عَنِ الْفَزَارِيِّ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ قَالَ " :بَلَغَنِي فِي قَوْلِهِ :(وَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ) الْآيَةِ هُوَ التَّكْبِيرُ فِي دُبُرِ الصَّلَوَاتِ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ "(الاوسط لابن المنذر، رقم الحديث ۲۱۹۶)

اور احناف کا اسی پر فتویٰ ہے۔ ؎

؎ وبيانه أن أيام النحر ثلاثة وأيام التشريق ثلاثة، والمجموع أربعة لأن العاشر من ذى الحجة نحر فقط، ويومان بعده نحر وتشريق، ويوم بعدهما تشريق فقط(مرقاة المفاتيح، ج۴ص۱۴۱۷، باب صيام التطوع)

وللعلماء اختلاف أيضا فى ابتدائه وانتهائه فقيل من صبح يوم عرفة وقيل من ظهره وقيل من عصره وقيل من صبح يوم النحر وقيل من ظهره وقيل فى الانتهاء إلى ظهر يوم النحر وقيل إلى عصره وقيل إلى ظهر ثانيه وقيل إلى صبح آخر أيام التشريق وقيل إلى ظهره وقيل إلى عصره حكى هذه الأقوال كلها النووى إلا الثانى من الانتهاء (فتح البارى لابنِ حجر، ج۲ص۴۶۲،قوله باب التكبير أيام منى)

قال أبو بكر :اختلف أهل العلم فى الوقت الذى يبدأ فيه بالتكبير فى أيام منى إلى وقت ثان ، فقالت طائفة :يكبر من صلاة الصبح يوم عرفة إلى آخر أيام التشريق ، يكبر فى العصر ثم يقطع التكبير ، هكذا قال عمر بن الخطاب ، وعلى بن أبى طالب ، وابن عباس ، والزهرى ، ومكحول ، وبه قال سفيان الثورى ، وأحمد بن حنبل ، وأبو ثور ، ويعقوب ، ومحمد .

وفيه قول ثان ، وهو :أن يبدأ التكبير من غداة عرفة إلى صلاة العصر من يوم المنى ، هذا قول عبد الله بن مسعود ، وبه قال علقمة ، والنخعى ، وعثمان .وقد روينا عن عبد الله بن مسعود أنه قال غير ذلك ، روينا عنه :أنه كان يكبر من صلاة الفجر يوم عرفة ويقطع فى الظهر من يوم النحر............

وفيه قول رابع قاله يحيى الأنصارى قال :السنة عندنا فى التكبير فى أيام التشريق من صلاة الظهر يوم النحر إلى آخر أيام التشريق يكبر الظهر ثم يمسك .وفيه قول خامس قاله الزهرى قال : مضت السنة أن يكبر الإمام فى الأمصار دبر صلاة الظهر من يوم النحر إلى العصر من آخر أيام التشريق ، وروى ذلك عن عطاء .وفيه قول سادس ، وهو :أن التكبير فى أيام التشريق خلف صلاة الظهر من يوم النحر إلى صلاة الصبح من آخر أيام التشريق ، هذا قول مالك والشافعى .قال أبو بكر :وقد روينا هذا القول عن ابن عمر ، وعمر بن عبد العزيز............وفيه قول سابع :وهو أن التكبير فى الأمصار يوم عرفة عند الظهر إلى بعد العصر من آخر أيام التشريق ، روى هذا القول عن ابن عباس ، وسعيد بن جبير...........وفيه قول ثامن :وهو أن التكبير من صلاة الظهر من يوم النحر إلى صلاة الظهر من يوم النفر الأول ، هكذا قال الحسن البصرى .وفيه قول تاسع حكاه أحمد بن حنبل عن ابن عيينة واستحسنه أحمد قال :أما أهل منى فإنهم يبتدئون بالتكبير من يوم النحر صلاة الظهر ، لأنهم يقطعون التلبية عند رمى الجمار يأخذون فى التكبير ، وأما غيرهم من أهل الأمصار فإنهم يبتدئون غداة عرفة ، قال أحمد :ما أحسن ما قال سفيان ، وكان أبو ثور يميل إلى هذا القول .

وفيه قول عاشر :قد اختلف عن قائله فيه ، روينا عن أبى وائل أنه كان يكبر من صلاة الصبح يوم عرفة إلى صلاة الظهر من آخر أيام التشريق ، وروينا عنه أنه كان يكبر من يوم عرفة صلاة الصبح إلى صلاة الظهر يعنى من يوم النحر .وقد روينا عن ابن سيرين غير ذلك كله كان لا يكبر فى أيام التشريق ، وروينا عنه أنه قال :كان بعض الأئمة يكبر فى أيام التشريق وبعضهم لا يكبر ، لا يعتب بعضهم على بعض .قال أبو بكر :القول الأول أحب إلى (الاوسط لابن المنذر، كتاب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ:

عَنْ عُمَرَ ؛ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ يَوْمَ عَرَفَةَ إِلٰى صَلَاةِ الظُّهْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ(مصنف ابنِ ابی شیبۃ) [1]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یومِ عرفہ (یعنی نو ذُوالحجہ) کی فجر کی نماز سے ایامِ تشریق کے آخری دن کی ظہر کی نماز تک تکبیرِ تشریق پڑھتے تھے (ترجمہ ختم)

اور بعض روایات میں عصر تک پڑھنے کا ذکر ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ: كَانَ يُكَبِّرُ مِنْ يَّوْمِ عَرَفَةَ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ إِلٰى آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ، ثُمَّ يُمْسِكُ صَلَاةَ الْعَصْرِ(الاوسط لابن المنذر) [2]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یومِ عرفہ (یعنی نو ذُوالحجہ) کی صبح کی نماز سے لے کر ایامِ تشریق کے آخری دن (یعنی تیرہ ذی الحجہ) تک تکبیرِ تشریق پڑھتے تھے، پھر عصر کی نماز پر رُک جاتے تھے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ عُمَرَ كَانَ يُكَبِّرُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ يَوْمَ عَرَفَةَ إِلٰى صَلَاةِ الظُّهْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ يُكَبِّرُ فِي الْعَصْرِ يَقُولُ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَآ إِلٰهَ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

العیدین، ج۴ص۲۹۷تا۳۰۲، ملخصاً، ذکر اختلاف أهل العلم فی التکبیر فی أدبار الصلوات أیام منی)

وأما وقته فأوله عقیب صلاة الفجر من یوم عرفة وآخره فی قول أبی یوسف ومحمد -رحمهما الله تعالی- عقیب صلاة العصر من آخر أیام التشریق، هکذا فی التبیین، والفتوی والعمل فی عامة الأمصار وکافة الأعصار علی قولهما، کذا فی الزاهدی(الفتاویٰ الهندیة، ج۱ص۱۵۲، الباب السابع عشر فی صلاة العیدین)

فالحاصل ان الفتویٰ علٰی قولهما فی آخر وقته وفیمن یجب علیه (البحرالرائق ج ۲ ص ۱۷۹، باب العیدین)

[1] رقم الحدیث ۵۶۸۱، کتاب الصلاة، باب التَّکْبِیرُ مِنْ أَیِّ یَوْمٍ هُوَ ، وَإِلَی أَیِّ سَاعَةٍ ؟واللفظ لهٗ، مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۱۱۲.

[2] رقم الحدیث ۲۲۰۰، کتاب العیدین، ذکر اختلاف أهل العلم فی التکبیر فی أدبار الصلوات أیام منی، دارطیبة، الریاض، السعودیة.

إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ (الاوسط لابن المنذر) [1]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرفہ (یعنی نو ذی الحجہ) کی فجر کی نماز سے لے کر ایامِ تشریق کے آخری دن (یعنی تیرہ ذی الحجہ) کی ظہر کی نماز تک تکبیر کہتے تھے، عصر میں بھی تکبیر کہتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ إِلٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ (كتابُ الآثار لمحمد بن الحسن) [2]

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یومِ عرفہ (یعنی نو ذُوالحجہ) کی فجر کی نماز سے لے کر ایامِ تشریق کے آخری دن (یعنی تیرہ ذی الحجہ) کی عصر کی نماز تک تکبیرِ تشریق پڑھتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت شقیق سے روایت ہے کہ:

كَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُكَبِّرُ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ غَدَاةَ عَرَفَةَ، ثُمَّ لَا يَقْطَعُ حَتّٰى يُصَلِّيَ الْإِمَامُ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ، ثُمَّ يُكَبِّرُ بَعْدَ الْعَصْرِ (سنن البيهقى) [3]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ عرفہ (یعنی نو ذُوالحجہ) کے دن کی فجر کی نماز سے تکبیر

---

[1] رقم الحديث ۲۲۰۷، كتاب العيدين، كيفية التكبير فى أيام التشريق، دارطيبة، الرياض، السعودية.

[2] رقم الحديث ۲۰۸، باب التكبير ايام التشريق، دارالكتب العلمية، بيروت، واللفظ لهٗ، الآثار لابى يوسف، رقم الحديث ۲۹۵.

[3] رقم الحديث ۶۲۷۵، كتاب صلاة العيدين، باب من استحب أن يبتدء بالتكبير خلف صلاة الصبح من يوم عرفة، دارالكتب العلمية، بيروت، واللفظ لهٗ، مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۵۶۷۷، مستدرک حاكم، رقم الحديث ۱۱۱۳، فضل عشر ذى الحجه للطبرانى، رقم الحديث ۳۵، الاوسط لابن المنذر، رقم الحديث ۲۱۶۰.

کہنا شروع کرتے تھے، پھر (ہر نماز کے بعد) تکبیر پڑھنے کا سلسلہ جاری رکھتے تھے، یہاں تک کہ امام ایامِ تشریق (یعنی تیرہ ذی الحجہ) کی آخری نماز پڑھاتا تھا، تو عصر کے بعد تکبیر کہتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عمیر بن سعید سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَلِيٍّ ؛ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ مِنْ صَلاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ عَرَفَةَ إِلٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ یومِ عرفہ (یعنی نو ذُوالحجہ) کی فجر کی نماز سے تکبیر کہنا شروع کرتے تھے، اور ایامِ تشریق کے آخری دن (یعنی تیرہ ذی الحجہ) کی عصر تک جاری رکھتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت حارث سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ مِنْ صَلاةِ الْغَدَاةِ يَوْمَ عَرَفَةَ إِلٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ يَقُوْلُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ (فضل عشر ذی الحجه للطبرانی) [2]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ یومِ عرفہ (یعنی نو ذی الحجہ) کی فجر کی نماز سے لے کر ایامِ تشریق کے آخری دن (یعنی تیرہ ذی الحجہ) کی عصر کی نماز تک اس طرح تکبیر کہتے تھے کہ:

---

[1] رقم الحديث ۵٦٧٨، كتاب الصلاة، باب التَّكْبِيرُ مِنْ أَيِّ يَوْمٍ هُوَ ، وَإِلَى أَيِّ سَاعَةٍ ؟

قال الالبانی:

وقد صح عن على رضى الله عنه " :أنه كان يكبر بعد صلاة الفجر يوم عرفة ,إلى صلاة العصر من آخر أيام التشريق ,ويكبر بعد العصر ."رواه ابن أبى شيبة (۲/۱/۲) من طريقين ,أحدهما جيد .ومن هذا الوجه رواه البيهقى(۳/۳۱۴)ثم روى مثله عن ابن عباس ,وسنده صحيح(ارواء الغليل، ج۳ص۱۲۵، تحت رقم الحديث ٦۵۳)

[2] باب من كان يبتدء بالتكبير يوم عرفة بعد صلاة الفجر ويقطع بعد صلاة العصر من آخر أيام التشريق، رقم الحديث ۳٦.

"اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ"(ترجمہ ختم)

اور حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ:

عَـنِ ابْـنِ عَبَّـاسٍ :أَنَّـهُ كَانَ يُكَبِّرُ مِنْ غَدَاةِ عَرَفَةَ إِلٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ(سنن البيهقى) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ عرفہ (یعنی نو ذی الحجہ) کی صبح سے لے کر آخری ایامِ تشریق (یعنی تیرہ ذی الحجہ) کی عصر تک تکبیر کہتے تھے (ترجمہ ختم)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ مضمون اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

اور حضرت عمیر بن سعید سے روایت ہے کہ:

قَـدِمَ عَـلَيْـنَـا ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَكَانَ يُكَبِّرُ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ يَوْمَ عَرَفَةَ إِلٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ(مستدرک حاکم) [3]

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے، تو وہ عرفہ (یعنی نو ذُوالحجہ) کی فجر سے ایامِ تشریق کے آخری دن (یعنی تیرہ ذی الحجہ) کی عصر کی نماز تک تکبیرِ تشریق پڑھتے تھے (ترجمہ ختم)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ نو ذی الحجہ کی فجر سے لے کر تیرہ ذی الحجہ کی عصر کی نماز تک ہر فرض نماز کے بعد تکبیرِ تشریق پڑھنی چاہیے۔ [4]

---

[1] رقم الحديث ٦٢٧٦، كتاب صلاة العيدين، باب من استحب أن يبتدء بالتكبير خلف صلاة الصبح من يوم عرفة، دارالكتب العلمية، بيروت، واللفظ له، ورقم الحديث ٦٢٧٧.

[2] حَدَّثَنِى أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ بَالَوَيْهِ، ثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنِى أَبِى، ثـنـا يَـحْيَـى بْـنُ سَـعِيدٍ، ثنا الْحَكَمُ بْنُ فَرُّوخٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ مِنْ غَدَاةِ عَرَفَةَ إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ(مستدرک حاکم، رقم الحديث ١١١٤)

[3] رقم الحديث ١١١٥، كتاب صلاة العيدين، دارالكتب العلمية، بيروت.

[4] دلالة الآثـار عـلـى قول ابى يوسف ومحمد والجمهور ظاهرة ان مبدأ التكبير من صبح عرفة الـى عصر ايام التشريق ، وقد مرتاويل فعل عمر من تكبيره الى ظهر آخرها فتذكر .وفيها دلالة ايضا على ان محل هذا التكبير هو دبر الصلوات المكتوبات المؤدات جماعة فانها هى المتبادرة بالصبح والظهر والعصر ونحوها دون النوافل (اعلاء السنن ج٨ص ١٥٥ ، باب تكبيرات التشريق)

البتہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے بعض روایات میں دس ذی الحجہ کی عصر تک تکبیرِ تشریق پڑھنا منقول ہے۔ [1]

اور حضرت عمر، حضرت علی، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم، اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے تکبیرِ تشریق کے یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

”اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ“ [2]

---

[1] عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ فِي التَّكْبِيرِ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ: "مِنْ دُبُرِ صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ عَرَفَةَ إِلَى دُبُرِ صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ، وَكَانَ يُكَبِّرُ فَيَقُولُ: اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ "(الآثار لابی یوسف، رقم الحدیث ۲۹۷)

عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللهِ يُكَبِّرُ مِنْ صَلاَةِ الْفَجْرِ يَوْمَ عَرَفَةَ إِلَى صَلاَةِ الْعَصْرِ مِنْ يوم النَّحْرِ، يَقُولُ: اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ(مصنف ابنِ ابی شیبۃ، رقم الحدیث ۵۶۷۹، کتاب الصلاۃ، باب التَّكْبِيرُ مِنْ أَيِّ يَوْمٍ هُوَ، وَإِلَى أَيِّ سَاعَةٍ؟)

عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ؛ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ مِنْ صَلاَةِ الْفَجْرِ يَوْمَ عَرَفَةَ إِلَى صَلاَةِ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ(مصنف ابن ابی شیبۃ، رقم الحدیث ۵۶۸۰، کتاب الصلاۃ، باب التَّكْبِيرُ مِنْ أَيِّ يَوْمٍ هُوَ، وَإِلَى أَيِّ سَاعَةٍ؟)

واما ماروی عن ابن مسعود انہ کبر الی عصر یوم النحر فانہ وان کان رواتہ ثقات، ولکنہ شاذ مخالف لعمل الجمہور من الصحابۃ فلایقبل، لاسیما وقد ثبت عن ابنِ مسعود مایوافقھم وھو الاولیٰ بالقبول(اعلاء السنن ج۸ص ۱۵۲، باب تکبیرات التشریق)

[2] حدثنا محمد بن الصباح، قال: ثنا عبد الرزاق، عن ابن التيمي، عن الحجاج بن أرطأة، عن عطاء بن أبي رباح، عن عبيد بن عمير، أن عمر: كان يكبر من صلاة الغداة يوم عرفة إلى صلاة الظهر من آخر أيام التشريق يكبر في العصر يقول: الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله، والله أكبر الله أكبر ولله الحمد (الاوسط لابن المنذر، رقم الحدیث ۲۲۰۷)

عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ؛ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ: اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ(مُصنف ابن أبي شيبة، رقم الحدیث ۵۶۹۷، كَيْفَ يُكَبِّرُ يَوْمَ عَرَفَةَ؟)

حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي إِسْحَاقَ: كَيْفَ كَانَ تَكْبِيرُ عَلِيٍّ، وَعَبْدِ اللهِ؟ فَقَالَ: كَانَا يَقُولاَنِ: اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ(مُصنف ابن أبي شيبة، رقم الحدیث ۵۶۹۹، كَيْفَ يُكَبِّرُ يَوْمَ عَرَفَةَ؟)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: كَانُوا يُكَبِّرُونَ يَوْمَ عَرَفَةَ وَأَحَدُهُمْ مُسْتَقْبِلٌ الْقِبْلَةَ فِي دُبُرِ الصَّلاَةِ: اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ(مُصنف ابن أبي شيبة، رقم الحدیث ۵۶۹۶، كَيْفَ يُكَبِّرُ يَوْمَ عَرَفَةَ؟)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ اس طرح تکبیر پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَأَجَلُّ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ (مُصنف ابن أبی شيبة) [1]

اور بعض حضرات سے صرف اَللّٰهُ أَكْبَرُ کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ [2]

پس گنجائش تو ان میں سے کسی بھی تکبیر کے کہہ لینے کی ہے، لیکن حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہم کی تکبیر زیادہ جامع ہونے کے ساتھ ساتھ امت میں متعارف بھی ہے (کیونکہ اس میں تکبیر، تہلیل، اور تحمید کے تینوں جملے موجود ہیں) اس لئے ہمارے فقہائے کرام نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ۵۷۰۱، كتاب الصلاة، كَيْفَ يُكَبِّرُ يَوْمَ عَرَفَةَ ؟

[2] حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ ، قَالَ :أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ ؛ أَنَّ الْحَسَنَ كَانَ يُكَبِّرُ :اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ ، ثَلاَثَ مَرَّاتٍ(مُصنف ابن أبی شيبة،رقم الحديث ۵۷۰۰، كَيْفَ يُكَبِّرُ يَوْمَ عَرَفَةَ ؟)

[3] حدثنا على بن عبد العزيز ، قال :ثنا حجاج ، قال :ثنا حماد ، عن حجاج ، عن أبى إسحاق ، عن عاصم بن ضمرة ، عن على أن عليا : كان يكبر يوم عرفة صلاة الفجر إلى العصر من آخر أيام التشريق يقول :الله أكبر الله أكبر ، لا إله إلا الله ، والله أكبر الله أكبر ولله الحمد .وبه قال النخعى ، والثورى ، وأحمد ، وإسحاق ، وسفيان ، ومحمد .وقالت طائفة :يكبر ثلاثا ، الله أكبر ، الله أكبر ، الله أكبر ، هذا قول مالک ، والشافعى ، وبه قال الحسن البصرى .وفيه قول ثالث : وهو أن يقول :الله أكبر ، الله أكبر ، الله أكبر كبيرا ، الله أكبر تكبيرا ، الله أكبر وأجل ، الله أكبر ولله الحمد ، روينا هذا القول عن ابن عباس(الاوسط لابن المنذر، ج۴ص ۳۰۹، تحت رقم الحديث ۲۲۰۹)

اختلفت الروايات عن الصحابة -رضى الله عنهم -فى تفسير التكبير، روى الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله، والله أكبر الله أكبر ولله الحمد وهو قول على وابن مسعود -رضى الله عنهما -، وكان ابن عمر يقول :الله أكبر الله أكبر الله أكبر وأجل، الله أكبر ولله الحمد، وبه أخذ الشافعى.

وكان ابن عباس يقول :الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله الحى القيوم يحيى ويميت وهو على كل شىء قدير، وإنما أخذنا بقول على وابن مسعود -رضى الله عنهما -؛ لأنه المشهور والمتوارث من الأمة؛ ولأنه أجمع لاشتماله على التكبير والتهليل والتحميد فكان أولى(بدائع الصنائع، ج ا ص ۱۹۵ ، كتاب الصلاة، فصل حكم التكبير فى أيام التشريق)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تکبیرِ تشریق کی حِکمت

اِن دنوں میں تکبیرِ تشریق کہنے کی ایک حکمت یہ ہے کہ عید اور قربانی کے دنوں میں بطورِ خاص اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت دلوں میں پختہ ہو، اور جس ذات کی دل میں عظمت ہوتی ہے آدمی اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے بلکہ اس کے اشاروں پر چلتا اور اس کی چاہت کو مدِّنظر رکھ کر عمل کرتا ہے۔

بار بار مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کو دلوں میں بٹھائیں، اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلے میں نفس وشیطان، رشتہ دار، دوست واحباب کسی کی بات نہ مانیں، عظمت وکبریائی صرف اللہ کے لئے ہے، اسی کی اطاعت کریں، اس کی اطاعت میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(صيغة التكبير)م :(والتكبير أن يقول مرة واحدة " :الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله والله أكبر، الله أكبر ولله الحمد ") ش :وهو قول عمر بن الخطاب وابن مسعود، وبه قال الثورى وأحمد وإسحاق، وفيه أقوال أخر، الأول قول الشافعي -رَحِمَهُ اللَّهُ- أنه يكبر ثلاثا معا، وهو قول ابن جبير والحسن .وفى "المحيط "قال الشافعي :التكبير أن يقول :الله أكبر الله أكبر الله أكبر ثلاث مرات أو خمسا أو سبعا أو تسعا، لأن التنصيص عليه فى القرآن التكبير، قال الله تعالى :(وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ)والتكبير قوله " :الله أكبر "، وأما قوله " :لا إله إلا الله "فتهليل، وقوله ": الحمد لله "تحميد فمن شرط هذا فقد زاد على الكتاب .قال صاحب "الدراية :"فعلم أن قول المصنف والتكبير ....إلخ احترازا عن قول الشافعي -رَحِمَهُ اللَّهُ- فى موضعين وفى المدة وتعيين الكلام .الثانى :قول لمالك أنه يقف على الثانية ثم يقطع فيقول الله أكبر لا إله إلا الله، حكاه الثعلبى عنه.

الثالث :عن ابن عباس :الله أكبر الله أكبر أجل الله أكبر ولله الحمد.

الرابع :هو :الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد وهو على كل شىء قدير، روى عن ابن عمر -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ-.

الخامس :عن ابن عباس :الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله الحى القيوم يحيى ويميت وهو على كل شىء قدير .السادس :عن ابن عباس عن عبد الرحمن :الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله، الله أكبر الله أكبر الحمد لله، ذكره فى "المحلى ."السابع :أنه ليس فيه شىء موقت، قاله الحاكم وحماد .وقول أصحابنا أولى، لأن عليه جماعة من الصحابة والتابعين(البناية شرح الهداية، ج۳ص ۱۲۹ ، فصل فى تكبيرات التشريق)

آنے والی ہر رکاوٹ کا مقابلہ کریں۔ یہ حقیقت پیشِ نظر رکھ کر یہ تکبیرات کہنا چاہئے۔
پھر اپنا جائزہ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت دل میں پیدا ہورہی ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوٹ رہی ہے یا نہیں؟ اور آخرت کی فکر دل میں پیدا ہورہی ہے یا دن بدن دنیا کی ہوس اور محبت میں اضافہ ہورہا ہے؟

تکبیرِ تشریق کے اَحکام

اب تکبیرِ تشریق سے متعلق چند مسائل ذکر کیے جاتے ہیں:
مسئلہ نمبر۱......کُل پانچ دن یعنی نو ذی الحجہ کی فجر کی نماز سے لے کر تیرہ ذی الحجہ کی عصر کی نماز تک تکبیرِ تشریق ہر فرض نماز کے بعد مرد، عورت، شہری، دیہاتی، مقیم ومسافر، حاجی وغیر حاجی، تنہا اور جماعت سے نماز پڑھنے والے ہر ایک کو پڑھنی چاہئے۔ [۱]
مسئلہ نمبر۲......جس شخص کی امام کے ساتھ کچھ رکعتیں رہ گئی ہوں، اسے اپنی باقی ماندہ نماز پوری کر کے سلام پھیرنے کے بعد تکبیرِ تشریق پڑھنی چاہئے۔ [۲]

---

[۱] واما عندهما فهوواجب علىٰ كل من يصلى المكتوبة لانهٗ تبع لها فيجب على المسافر والمرأة والقروى قال فى السراج الوهاج والجوهرة والفتوىٰ علىٰ قولهما فى هذا ايضاً، فالحاصل ان الفتوىٰ علىٰ قولهمافى آخر وقتهٖ وفيمن يجب عليه (البحرالرائق ج ۲ ص ۱۶۶، آخر باب العيدين)
وعليه الاعتماد والعمل والفتوىٰ فى عامة الامصاروكافة الاعصار (رد المحتارج ۲ ص ۱۸۰)
وأما الكلام فيمن يجب عليه هذا التكبير فنقول :على قول أبى حنيفة رحمه الله :لا يجب هذه التكبيرات مقصوداً إلا على الرجال المقيمين فى الأمصار عقيب الصلوات المكتوبات بالجماعة، فلائجب على المنفرد ، ولا على اهل السواد، ولا على اهل الامصار، اذا صلوا خارج المصر بجماعة ، ولا على المسافرين اذا صلوا فى المصر خلف المسافر، ولا على جماعة النساء اذا كان الامام امرأة، واختلفوا فى قول ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ فى العبيد، اذا صلوا خلف عبد، والاصح هو الوجوب، وهو مذهب عبد الله بن عمر رضى الله عنهما.
وقال أبو يوسف، ومحمد رحمهما الله :يجب على كل من تجب عليه الصلاة المكتوبة فى أيام التشريق، والرستاقى والبلدى والمسافر والمقيم والذى يصلى وحده والذى يصلى بجماعة سواء، وهو قول إبراهيم، وعامر (المحيط البرهانى، ج۲ص۵۰۷، كتاب الصلاة، الفصل السابع والعشرون فى تكبير ايام التشريق)
[۲] وكذا يجب على المسبوق ويكبر بعدما مضى ما فاته (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۵۲، الباب السابع عشر فى صلاة العيدين)

مسئلہ نمبر۳...... تکبیرِ تشریق صرف فرض نماز (اور جمعہ کی نماز) کے بعد پڑھنے کا حکم ہے سنت اور نفل نماز کے بعد نہیں ہے۔ ؎۱

مسئلہ نمبر۴...... احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد بھی تکبیرِ تشریق پڑھی جائے۔ ؎۲

؎۱ ولا تكبير فى شيء من النوافل لأن الجهر بالتكبير عرف قربة شرعاً بخلاف القياس والشرع إنما ورد به فى المكتوبات، ففى غير المكتوبات يبقى على أصل القياس(المحيط البرهانى، ج۲ص۵۰۹، كتاب الصلاة ، الفصل السابع والعشرون فى تكبير ايام التشريق)

وقال أبو يوسف ومحمد :يجب على كل من يؤدى مكتوبة فى هذه الأيام على أى وصف كان فى أى مكان كان وهو قول إبراهيم النخعى، وقال الشافعى فى أحد قوليه :يجب على كل مصل فرضا كانت الصلاة أو نفلا؛ لأن النوافل أتباع الفرائض فما شرع فى حق الفرائض يكون مشروعا فى حقها بطريق التبعية.

(ولنا) ما روى عن على وابن مسعود أنهما كانا لا يكبران عقيب التطوعات ولم يرو عن غيرهما خلاف ذلک فحل محل الإجماع؛ ولأن الجهر بالتكبير بدعة إلا فى موضع ثبت بالنص وما ورد النص إلا عقيب المكتوبات ولأن الجماعة شرط عند أبى حنيفة لما نذكر، والنوافل لا تؤدى بجماعة وكذا لا يكبر عقيب الوتر عندنا.

أما عند أبى يوسف ومحمد فلأنه نفل، وأما عند أبى حنيفة فلأنه لا يؤدى بجماعة فى هذه الأيام، ولأنه وإن كان واجبا فليس بمكتوب والجهر بالتكبير بدعة إلا فى مورد النص والإجماع ولا نص ولا إجماع إلا فى المكتوبات(بدائع الصنائع، ج ۱ ص۱۹۷، ۱۹۸،فصل بيان من يجب عليه تكبير التشريق)

؎۲ ولابأس به عقب العيد ، لان المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم وعليه البلخيون (الدر المختار)

(قوله فوجب) الظاهران المراد بالوجوب الثبوت لاالوجوب المصطلح عليه وفى البحرعن المجتبىٰ والبلخيون يكبرون عقب صلٰوة العيدلانها تؤدىٰ بجماعة فاشبهت الجمعة ۱ھ وهو يفيد الوجوب المصطلح عليه ط (ردالمحتارج ۲ ص ۱۸۰)

قوله" :ولا بأس بالتكبير عقب صلاة العيدين الخ "فى الظهيرية عن الفقيه أبى جعفر قال سمعت أن مشايخنا كانوا يرون التكبير فى الأسواق فى أيام العشر كما فى البحر،وفى الدراية عن جمع التفاريق قيل لأبى حنيفة ينبغى لأهل الكوفة وغيرها أن يكبروا أيام التشريق فى المساجد والأسواق قال نعم وذكر أبو الليث كان إبراهيم بن يوسف يفتى بالتكبير فى الأسواق أيام العشر اهـ(حاشية الطحطاوى على المراقى ص ۵۴۱،باب الجمعة)

قال القاضى ظاهر كلام احمد انه يكبر عقيب صلاة العيد وهو قول ابى بكر لانها صلاة مفروضة فى جماعة فاشبهت الفجر وقال ابوالخطاب لايسن لانها ليست من الصلوات الخمس اشبهت النوافل والاول اولٰى لان هذه الصلاة اخص بالعيد فكانت احق بتكبيره (المغنى لابن قدامه ج ۲ ص ۲۵۸)

مسئلہ نمبر۵...... تکبیرِ تشریق مرد حضرات کو درمیانی بلند آواز سے پڑھنی چاہیے، اور خواتین کو آہستہ آواز میں پڑھنی چاہیے۔

بہت سی خواتین اور مرد حضرات یہ تکبیر نہیں پڑھتے، اسی طرح بعض مرد حضرات آہستہ یا بہت بلند آواز سے پڑھتے ہیں یہ سب باتیں قابلِ اصلاح ہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر۶...... فرض نماز کا سلام پھیرنے کے فوراً بعد یہ تکبیر پڑھنی چاہیے۔ [۲]

مسئلہ نمبر۷...... سلام کے فوراً بعد اگر کوئی یہ تکبیر پڑھنا بھول جائے تو اگر نماز کے خلاف کوئی کام نہیں کیا اور یاد آ گیا تو تکبیر کہہ دینی چاہیے۔ [۳]

مسئلہ نمبر۸...... ان پانچ دنوں کی کوئی فوت شدہ نماز اسی سال اِن پانچ دنوں کے اندر ہی قضاء کرے تو اس نماز کے بعد بھی یہ تکبیر کہنا چاہیے۔

---

[۱] قوله" :والمرأة تخفض صوتها "بحيث تسمع نفسها والتعليل يفيد الوجوب قوله" :لأنه عورة "هذا غير معتمد والصحيح أنه يؤدى إلى الفتنة أفاده السيد وقد سبق والمراد بالعورة معناها اللغوى وهو العيب (حاشية الطحطاوى على المراقى ص ۵۳۹،باب الجمعة)

ومنها :تكبيرات التَّشريق، يجهر بها الإمام ومَن خَلفَهُ من الرّجال، والمرأةُ تُخافت، مِن فجرِ عرفة إلى عصرِ يوم النَّحرِ، أو إلى آخر أيام التَّشريق، على اختلاف القولين، والمختارُ هو الأخير(سباحة الفكر فى الجهر بالذكر، للامام اللكنوى، ص۸۸)

[۲] وينبغى أن يكبر متصلا بالسلام حتى لو تكلم أو أحدث متعمدا سقط، كذا فى التهذيب ولا يكبر عقيب الوتر وعقيب صلاة العيد(الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص ۱۵۲، الباب السابع عشر فى صلاة العيدين)

[۳] اور اگر نماز کے خلاف کوئی کام کرلیا (مثلاً آواز سے ہنس پڑا، جان بوجھ کر وضو توڑ دیا، جان بوجھ کر یا بھول کر بات کرلی یا اسی طرح کا کوئی اور نماز کے خلاف عمل کرلیا) تو اصل تکبیر کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اس لیے تکبیر جلد کہنی چاہیے اور تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ محمد رضوان

قوله" :فور كل صلاة فرض "لأنه من خصائص الصلاة فيؤدى فى حرمتها من غير فاصل يمنع البناء كقهقهة وحدث عمد وكلام مطلقا وخروج من المسجد ومجاوزة الصفوف فى الصحراء وإن لم يخرج منه أو لم يجاوزها يكبر لأن حرمة الصلاة باقية كما فى حاشية المؤلف فإن فصل بشىء من هذه الأشياء سقط عنه لأنها تقطع حرمة الصلاة لكنه إن فعل المنافى عمدا أثم ولو سبق حدث بعد السلام إن شاء كبر فى الحال لبقاء حرمة الصلاة ولا يشترط له الطهارة كما سيأتى لأنه لا يؤدى فى تحريمة الصلاة واختاره السرخسى وان شاء توضأ وأتى به وصححه الزيلعى (حاشية الطحطاوى على المراقى ص ۵۳۹،باب الجمعة)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

البتہ اگر اِن پانچ دنوں سے پہلے کی کوئی نماز اِن پانچ دنوں کے اندر قضاء کرے یا اِن دنوں کی کوئی فوت شدہ نماز ان دنوں کے گذر جانے کے بعد قضاء کرے تو پھر تکبیر نہ کہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۹...... اگر کسی نماز کے بعد امام یہ تکبیر کہنا بھول جائے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ فوراً خود تکبیر کہہ دیں امام کے تکبیر کہنے کا انتظار نہ کریں۔ [2]

مسئلہ نمبر ۱۰......تکبیرِ تشریق ہر فرض نماز کے بعد صرف ایک مرتبہ کہنے کا حکم ہے۔
اور صحیح قول کے مطابق ایک سے زیادہ مرتبہ کہنا سنت نہیں۔
لہٰذا صرف ایک مرتبہ تکبیرِ تشریق کہنے پر اکتفاء کرنا چاہئے۔ [3]

---

[1] ومن نسی صلاة من أيام التشريق فذكرها فی أيام التشريق من تلك السنة قضاها وكبر، كذا فی الخلاصة،وإذا فاتته صلاة قبل هذه الأيام فقضاها فيها لا يكبر وكذا لو فاتته صلاة فی أيام التشريق فقضاها فی غير أيام التشريق أو قضاها فی أيام التشريق من قابل لا يكبر عقيبها (الفتاویٰ الهندية، ج ا ص ۱۵۲، الباب السابع عشر فی صلاة العيدين)

قوله" :ولو كان قضاء من فروض هذه المدة فيها الخ "خرج به ثلاث صور الأولى فائتة غيرها فيها الثانية فائتتها فی غير هذه الأيام الثالثة فائتتها قضاها فی أيامها من العام القابل وفی هذ الأخيرة خلاف أبی يوسف والصحيح أنه لا تكبير لها(حاشية الطحطاوی علی المراقی ص ۵۳۹،باب الجمعة)

[2] ولو ترک الإمام التكبير يكبر المقتدی وينتظر المقتدی الإمام حتی يأتی بشیء يقطع التكبير وهی الأشياء التی تقطع البناء كالخروج من المسجد والحدث العمد والكلام، كذا فی التبيين(الفتاویٰ الهندية، ج ا ص ۱۵۲، الباب السابع عشر فی صلاة العيدين)

ولو نسی الإمام التكبير أتی به المؤتم وجوبا كسامع السجدة مع تاليها (حاشية الطحطاوی علی المراقی ص ۵۴۰، باب الجمعة)

[3] (قوله وإن زاد إلخ) أفاد أن قوله مرة بيان للواجب، لكن ذكر أبو السعود أن الحموی نقل عن القراحصاری أن الإتيان به مرتين خلاف السنة .اهـ.

قلت :وفی الأحكام عن البرجندی ثم المشهور من قول علمائنا أنه يكبر مرة وقيل :ثلاث مرات (ردالمحتار، ج۲ص۱۷۸ ،باب العيدين)

قوله" :ويأتی به مرة "وما زاد فهو مستحب قال البدر العينی فی شرح التحفة وأقره فی الدر وفی الحموی عن القرا حصاری الإتيان به مرتين خلاف السنة وفی مجمع الأنهر أن زاد فقد خالف السنة اهـ ولعل محله ما إذا أتی به علی أنه سنة وأما إذا أتی به علی أنه ذكر مطلق فلا ويحرر(حاشية الطحطاوی علی المراقی ص ۵۳۹،باب الجمعة)

عیدُ الاضحیٰ کی رات کی فضیلت

ذُوالحجہ کا مہینہ برکتوں والا مہینہ ہے، خاص طور پر اس کا پہلا عشرہ (یعنی ابتدائی دس دن) اوراس میں بھی بطورِ خاص ابتدائی عشرہ کی دس راتیں زیادہ فضیلت واہمیت کی حامل ہیں، جیسا کہ ''ذُوالحجہ کے پہلے عشرے کی فضیلت'' کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

اوراس عشرہ کی آخری اور دسویں رات (جو کہ نو ذُوالحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے سے لے کر عیدُ الاضحیٰ کے دن کی صبح صادق تک ہوتی ہے) کیونکہ عیدُ الاضحیٰ کی بھی رات ہے، اور کئی روایات میں عیدین کی راتوں کی فضیلت کا تذکرہ موجود ہے۔

اس لئے اس رات کی بھی عظیم فضیلت ہے۔

چنانچہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَامَ لَيْلَتَي الْعِيْدَيْنِ مُحْتَسِبًا لِلّٰهِ لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عیدین (یعنی عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ) کی راتوں میں اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی خاطر (عبادت کے ساتھ) قیام کیا، تو اُس کا دل اُس دن مُردہ نہیں ہوگا، جس دن (لوگوں کے) دل مُردہ ہوجائیں گے (ترجمہ ختم)

قیام سے مراد نفلی عبادت ہے، جس میں ذکر، تلاوت، دعا، اور استغفار کے ساتھ ساتھ نفل نماز بھی داخل ہے، اور اُس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، کہ جس کی دہشت سے لوگوں کے

---

[1] رقم الحديث ١٧٨٢، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى القنوت قبل الركوع وبعده.
قال المنذرى:
رواه ابن ماجه ورواته ثقات إلا أن بقية مدلس وقد عنعنه (الترغيب والترهيب، ج٢ ص٩٨، كتاب العيدين والأضحية الترغيب فى إحياء ليلتى العيدين)

دل مُردہ ہو جائیں گے۔ [1]

اور کئی روایات میں عیدین کی رات کی فضیلت آئی ہے (تفصیل کے لئے ہماری دوسری کتاب ''شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

عیدین کی راتوں کی فضیلت کے بارے میں وارد ہونے والی روایات سند کے اعتبار سے اگرچہ کچھ کمزور ہیں۔

لیکن ایک تو عید الاضحیٰ کی رات کی فضیلت صرف اِن روایات پر موقوف نہیں کیونکہ یہ ذُوالحجہ کے پہلے عشرے کی آخری رات ہے اور اس عشرے کی راتوں کی فضیلت صحیح حدیث سے ثابت ہے، جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا۔

دوسرے فضائل کے معاملہ میں روایات کا ضعف بعض شرائط کے ساتھ قابل قبول ہوتا ہے۔

تیسرے اِن روایات کے مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہونے کی وجہ سے ضعف کسی درجہ میں دور بھی ہو جاتا ہے۔

چوتھے فقہائے اُمّت اور محدّثین نے عیدین کی راتوں کی فضیلت کو قبول کیا ہے؛ جس کے بعد یہ ضُعف مضر نہیں (لان التلقی بالقبول یدفع الضعف)

لہٰذا اس موقعہ پر روایات کی سندوں کے ضعف کو بنیاد بنا کر عیدین کی راتوں کی فضیلت کا یک طرفہ انکار کرنا درست نہیں۔ [2]

---

[1] قوله (من قام ليلتى العيدين)ظاهره أن يحيى كل الليلة بالعبادة والمرجو أن قيام التهجد يكفى. (يوم تموت القلوب)أى لكثرة الذنوب والمراد إن أدركه ذلك اليوم يكون هو مخصوصا من بين الناس بحياة القلب وفى الزوائد إسناده ضعيف لتدليس بقية والله تعالى أعلم (حاشية السندى على ابن ماجه، ج ۱ ص ۵۴۲، باب من قام ليلتى العيدين)

[2] اِتَّفَقُوْا عَلٰى اِسْتِحْبَابِ إِحْيَاءِ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ(شرح النووى على مسلم، ج۸ ص ۱۷، باب صوم عشر ذى الحجة، دار إحياء التراث العربى -بيروت)

اِعْلَمْ أَنَّهٗ يُسْتَحَبُّ إِحْيَاءُ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ فِيْ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَالصَّلَاةِ، وَغَيْرِهِمَا مِنَ الطَّاعَاتِ، لِلْحَدِيْثِ الْوَارِدِ فِيْ ذٰلِكَ "مَنْ أَحْيَا لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ، لَمْ يَمُتْ قَلْبُهٗ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ" وَرُوِيَ "مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ لِلّٰهِ مُحْتَسِبًا لَمْ يَمُتْ قَلْبُهٗ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ" هٰكَذَا جَاءَ فِيْ رِوَايَةِ الشَّافِعِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ، وَهُوَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس اس رات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا جائے ذکر، تلاوت، تسبیح، توبہ واستغفار اور دعا ونفل نماز کا نیز گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیا جائے، اہل وعیال کے ساتھ اُنس ومحبت سے پیش آئے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ رَوَيْنَاهُ مِنْ رِوَايَةِ أَبِيْ أُمَامَةَ مَرْفُوْعًا وَمَوْقُوْفًا، وَكِلَاهُمَا ضَعِيْفٌ، لٰكِنْ أَحَادِيْث الْفَضَائِلُ يُتَسَامَحُ فِيْهَا، كَمَا قَدَّمْنَاهُ فِيْ أَوَّلِ الْكِتَابِ.

وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي الْقَدْرِ الَّذِيْ يَحْصُلُ بِهِ الْإِحْيَاءُ، فَالْأَظْهَرُ أَنَّهُ لَا يَحْصُلُ إِلَّا بِمُعْظَمِ اللَّيْلِ، وَقِيْلَ: يَحْصُلُ بِسَاعَةٍ(الاذكار النووية، ۱۷۱، كتاب الاذكار فى صلوات مخصوصة،باب الأذكار المشروعة فى العيدين،دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت -لبنان.)

قَالَ أَصْحَابُنَا: يُسْتَحَبُّ إِحْيَاءُ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ بِصَلَاةٍ أَوْ غَيْرِهَا مِنَ الطَّاعَاتِ وَاحْتَجَّ: لَهُ أَصْحَابُنَا بِحَدِيْثِ أَبِيْ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ أَحْيَا لَيْلَتَيِ الْعِيْدِ لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ "وَفِيْ رِوَايَةِ الشَّافِعِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ "مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ مُحْتَسِبًا لِلّٰهِ تَعَالٰى لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ حِيْنَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ "رَوَاهُ عَنْ أَبِى الدَّرْدَاءِ مَوْقُوْفًا، وَرُوِيَ مِنْ رِوَايَةِ أَبِيْ أُمَامَةَ مَوْقُوْفًا عَلَيْهِ وَمَرْفُوْعًا كَمَا سَبَقَ، وَأَسَانِيْدُ الْجَمِيْعِ ضَعِيْفَةٌ، قَالَ الشَّافِعِيُّ فِي الْأُمِّ: وَبَلَغَنَا أَنَّهُ كَانَ يُقَالُ: إِنَّ الدُّعَاءَ يُسْتَجَابُ فِيْ خَمْسِ لَيَالٍ: فِيْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ، وَلَيْلَةِ الْأَضْحٰى، وَلَيْلَةِ الْفِطْرِ، وَأَوَّلِ لَيْلَةٍ فِيْ رَجَبٍ، وَلَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَأَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: رَأَيْتُ مَشْيَخَةً مِّنْ خِيَارِ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ يَظْهَرُوْنَ عَلٰى مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْعِيْدَيْنِ فَيَدْعُوْنَ وَيَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى، حَتّٰى تَذْهَبَ سَاعَةٌ مِّنَ اللَّيْلِ، قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَبَلَغَنَا أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُحْيِيْ لَيْلَةَ النَّحْرِ، قَال الشَّافِعِيُّ: وَأَنَا أَسْتَحِبُّ كُلَّ مَا حَكَيْتُ فِيْ هٰذِهِ اللَّيَالِيْ مِنْ غَيْرِ أَنْ تَكُوْنَ فَرْضًا هٰذَا آخِرُ كَلَامِ الشَّافِعِيِّ، وَاسْتَحَبَّ الشَّافِعِيُّ وَالْأَصْحَابُ اَلْإِحْيَاءَ الْمَذْكُوْرَ، مَعَ أَنَّ الْحَدِيْثَ ضَعِيْفٌ، لِمَا سَبَقَ فِيْ أَوَّلِ الْكِتَابِ أَنَّ أَحَادِيْثَ الْفَضَائِلِ يُتَسَامَحُ فِيْهَا، وَيُعْمَلُ عَلٰى وَفْقِ ضَعِيْفِهَا وَالصَّحِيْحُ أَنَّ فَضِيْلَةَ هٰذَا الْإِحْيَاءِ لَا تَحْصُلُ إِلَّا بِمُعْظَمِ اللَّيْلِ، وَقِيْلَ تَحْصُلُ بِسَاعَةٍ، وَيُؤَيِّدُهُ مَا سَبَقَ فِيْ نَقْلِ الشَّافِعِيِّ عَنْ مَشْيَخَةِ الْمَدِيْنَةِ، وَنَقَلَ الْقَاضِيُ حُسَيْنٌ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ إِحْيَاءَ لَيْلَةِ الْعِيْدِ أَنْ يُصَلِّيَ الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ، وَيَعْزِمَ أَنْ يُصَلِّيَ الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ وَالْمُخْتَارُ مَا قَدَّمْتُهُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ (المجموع ، شرح المهذب، ج۵ ص۴۲،۴۳، باب صلاة العيدين،فرع فى مسائل تتعلق بالعيدين، دارالفكر، بيروت)

إِحْيَاءُ اللَّيْلَتَيْنِ الشَّرِيْفَتَيْنِ بِعِبَادَةِ الْمَوْلٰى سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى الْمَنْدُوْبِ إِلٰى إِحْيَائِهِمَا كَمَا هُوَ مَعْلُوْمٌ مَشْهُوْرٌ (المدخل لابن الحاج، جلد ۱، صفحة ۲۸۹، الموسم الثانى عيد الفطر،دارالتراث، بيروت)

(وَفِيْ اِسْتِحْبَابِ قِيَامِهَا) اَىْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ (مَافِيْ)إِحْيَاءِ (لَيْلَةِ الْعِيْدِ)(كشاف القناع عن متن الاقناع ،ج ۱ ص ۴۴۴،كتاب الصلاة ، باب صلاة التطوع، فصل صلاة الضحیٰ،دارالكتب العلمية، بيروت)

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

غرضیکہ خیر کے کاموں میں یہ رات گزاری جائے اگر زیادہ عبادت کی توفیق اور ہمت نہ ہو سکے تو کم از کم عشاء اور فجر کی نماز اپنے اپنے وقت پر پڑھ لی جائے اور درمیان میں کوئی گناہ نہ کیا جائے۔

مگر افسوس کہ آج عام طور پر لوگوں نے اپنے آپ کو ان سب فضیلتوں سے محروم کیا ہوا ہے اور نہ صرف محروم بلکہ اس مبارک رات کو طرح طرح کی لغویات، فضولیات، بے ہودہ سیر و تفریح، گانے بجانے، بے پردگی اور بدنظری وغیرہ جیسی خرافات کی نظر کر کے ''نیکی برباد گناہ لازم'' کا مصداق کیا ہوا ہے۔

بعض لوگ خاص عیدالاضحیٰ کی رات میں قربانی کے جانور کی خرید و فروخت یا ویسے ہی جانوروں کا معائنہ کرنے میں ساری ساری رات خرچ کر دیتے ہیں اور اس کی وجہ سے نمازیں تک قضاء یا ضائع کر دیتے ہیں۔

اگر ضرورتاً کبھی قربانی کے جانور کی خریداری کے لئے جانا پڑ جائے تو اس کی اگرچہ گنجائش ہے، لیکن اس کی وجہ سے نماز قضاء و ضائع کرنا یا خواہ مخواہ اس مبارک رات کا قیمتی وقت ضائع کرتے پھرنا اور بلاوجہ اس کی عادت بنا لینا بھاری غلطی ہے۔

(تفصیل کے لئے ہماری دوسری کتاب ''شوال اور عیدالفطر کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَمِنَ الْمَنْدُوْبَاتِ اِحْيَاءُ لَيَالِي الْعَشْرِمِنْ رَمَضَانَ وَلَيْلَتَي الْعِيْدَيْنِ وَلَيَالِي عَشْرِ ذِی الْحِجَّةِ وَلَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ كَمَا وَرَدَتْ بِهٖ الْاَحَادِيْثُ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۲ ص ۵٦، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

وَمِنَ الْمَنْدُوْبَاتِ ...... اِحْيَآءُ لَيْلَةِ الْعِيْدَيْنِ وَالنِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَالْعَشْرِ الْاَخِيْرِ مِنْ رَمَضَانَ وَالْاَوَّلِ مِنْ ذِی الْحِجَّةِ (الدر المختار مع شرح رد المحتار ج ۲ ص ۲۴، ۲۵، دار الفكر، بيروت)

وَيُسْتَحَبُّ إِحْيَاءُ لَيْلَتَي الْعِيْدَيْنِ (البناية شرح الهداية، ج۲ ص ۵۲۱، كتاب الصلاة، باب النوافل، دار الكتب العلمية، بيروت)

وَنُدِبَ إِحْيَاءُ لَيَالِي الْعَشْرِ الْأَخِيْرِ مِنْ رَمَضَانَ وَإِحْيَاءُ لَيْلَتَي الْعِيْدَيْنِ وَلَيَالِي عَشْرِ ذِی الْحَجَّةِ (نور الإيضاح، ص ۸۰، فصل فی تحية المسجد وصلاة الضحى وإحياء الليالی، المكتبة العصرية، بيروت)

عیدُ الاضحیٰ کے فضائل واحکام

سال میں دو موقعوں پر اسلام میں عید کے دن مقرر کیے گئے ہیں، جن میں سے ایک کا نام ''عیدُ الفطر'' ہے اور دوسرے کا نام ''عیدُ الاضحیٰ'' ہے۔

شوال کے مہینے کی پہلی تاریخ میں عیدُ الفطر اور ذُوالحجہ کے مہینے کی دس تاریخ میں عیدُ الاضحیٰ کے نام سے اسلامی سال کا عظیمُ الشان تہوار ادا کیا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْفِطْرُ یَوْمَ یُفْطِرُ النَّاسُ، وَالْأَضْحٰی یَوْمَ یُضَحِّی النَّاسُ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عید الفطر اس دن ہے، جس دن لوگ رمضان کے روزوں کا افطار کرتے ہیں (یعنی رمضان کے روزوں کی فرضیت ختم ہوجاتی ہے) اور عید الاضحیٰ اس دن ہے، جس دن لوگ قربانی کرتے ہیں (ترجمہ ختم)

''عید'' عربی کا لفظ ہے، جس کے عربی میں کئی معنٰی آتے ہیں۔

ایک معنٰی خوشی کے ہیں اور کیونکہ عیدین کے دِنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشی کا موقع ہوتا ہے اس لئے اس کو عید کہا جاتا ہے۔

اور ایک معنٰی لوٹ کر آنے والی چیز کے ہیں، اور کیونکہ عیدین کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر سال بندوں پر مختلف قسم کے احسانات لوٹ کر آتے ہیں مثلاً عیدُ الفطر کے موقع پر

---

[1] رقم الحدیث ٨٠٢، ابواب الصوم، باب ما جاء فی الفطر والأضحی متی یکون؟ شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی -مصر.
قال الترمذی: هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ غَرِیبٌ صَحِیحٌ مِنْ هَذَا الوَجْهِ.
(حکم الألبانی): صحیح

روزے میں کھانے پینے کی ممانعت کے بعد افطار کی اجازت ہے اور عیدُ الاضحیٰ کے موقع پر قربانی اور حج کی عبادت وغیرہ، یہ خوشی اور عبادت کے عظیمُ الشان اعمال ہر سال ان مواقع پر لوٹ کر آتے ہیں؛ اس لئے اس کا نام عید رکھا گیا۔

اس کے علاوہ اور وجوہات بھی عید نام رکھنے کی بیان کی گئی ہیں۔ [1]

اور ''اضحیٰ'' عربی میں قربانی کو کہا جاتا ہے، اور عیدُ الاضحیٰ کے موقع پر کیونکہ جانوروں کی قربانیاں کی جاتی ہیں، اس لیے اس کا نام ''عیدُ الاضحیٰ'' تجویز کیا گیا ہے۔ [2]

---

[1] أى :الفطر والأضحى .قيل :إنما سمى العيد عيدا لأنه يعود كل سنة، وهو مشتق من العود، فقلبت الواو ياء لسكونها وانكسار ما قبلها .وفى الأزهار :كل اجتماع للسرور، فهو عند العرب عيد لعود السرور بعوده .وقيل :لأن الله تعالى يعود على العباد بالمغفرة والرحمة، ولذا قيل :ليس العيد لمن لبس الجديد، إنما العيد لمن أمن الوعيد، وجمعه أعياد وإن كان أصله الواو لا الياء للزومها فى الواحد، أو للفرق بينه وبين أعواد الخشب(مرقاة المفاتيح، ج۳ص۱۰۶۰ ،باب صلاة العيدين)

سمى العيد بهذا الاسم لأن لله تعالىٰ فيه عوائد الاحسان اى انواع الاحسان العائدة على عباده فى كل عام : منها الفطر بعد المنع عن الطعام وصدقة الفطر واتمام الحج بطواف الزيارة ولحوم الاضاحى وغير ذلک ، ولان العادة فيه الفرح والسرور والنشاط والحبور غالباً بسبب ذلک . اوتفاؤلا اى بعوده على من ادركه كما سميت القافلة قافلة تفاؤلا بقفولها أى رجوعها بحر(ردالمحتار ج ۲ ص ۱۶۵ و۱۶۶ ،باب العيدين)

سمى العيد عيدا لأنه يعود ويتكرر لأوقاته وقيل يعود به الفرح على الناس وكلاهما متقارب المعنى وقيل تفاؤلا لأن يعود ثانية على الإنسان(مشارق الانوار على صحاح الآثار،ج۲ص۱۰۵، حرف العين،مادة ع و د)

[2] الاضحى :ما يضحى به من الشاء ونحوها فى عيد الاضحى ج أضاحى(معجم لغة الفقهاء، ج ا ص ۷۲)

ومنه :عيد الاضحى.الاضحية :شاة، ونحوها، يضحى بها فى عيد الاضحى.(ج) أضاحى، وأضاحى (القاموس الفقهى، ص ۲۲۰، مادة ض خ و)

وَالْأُضْحِيَّةُ فِيهَا لُغَاتٌ ضَمُّ الْهَمْزَةِ فِي الْأَكْثَرِ وَهِيَ فِي تَقْدِيرِ أُفْعُولَةٌ وَكَسْرُهَا إتْبَاعًا لِكَسْرَةِ الْحَاءِ وَالْجَمْعُ أَضَاحِي وَالثَّالِثَةُ ضَحِيَّةٌ وَالْجَمْعُ ضَحَايَا مِثْلُ عَطِيَّةٍ وَعَطَايَا وَالرَّابِعَةُ أَضْحَاةٌ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَالْجَمْعُ أَضْحَى مِثْلُ أَرْطَاةَ وَأَرْطَى وَمِنْهُ عِيدُ الْأَضْحَى وَالْأَضْحَى مُؤَنَّثَةٌ وَقَدْ تُذَكَّرُ ذَهَابًا إلَى الْيَوْمِ قَالَهُ الْفَرَّاءُ وَضَحَّى تَضْحِيَةً إذَا ذَبَحَ الْأُضْحِيَّةَ وَقْتَ الضُّحَى هَذَا أَصْلُهُ ثُمَّ كَثُرَ حَتَّى قِيلَ ضَحَّى فِي أَيِّ وَقْتٍ كَانَ مِنْ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ وَيَتَعَدَّى بِالْحَرْفِ فَيُقَالُ ضَحَّيْتُ بِشَاةٍ (المصباح المنير فى غريب الشرح الكبير، باب الضاد مع الحاء)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عیدُ الاضحیٰ کو بعض اوقات بڑی عید اور اس کے مقابلے میں عیدُ الفطر کو چھوٹی عید بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ عیدُ الفطر کا صرف ایک دن ہوتا ہے، اور عیدُ الاضحیٰ کے تین دن ہوتے ہیں۔ ۱

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أورد الأضحية بعد الذبح لما فيهما من الذبح إلا أن الذبح أعم من الأضحية والخصوص يكون بعد العموم ا هـ، وكتب ما نصه قال فی المصباح المنير والأضحية فيها لغات ضم الهمزة فی الأكثر، وهی فی تقدير أفعولة، وكسرها اتباعا لكسرة الحاء والجمع أضاحی والثالثة ضحية والجمع ضحايا مثل عطية، وعطايا والرابعة أضحاة بفتح الهمزة والجمع أضحى مثل أرطاة، وأرطى، ومنه عيد الأضحى والأضحى مؤنثة، وقد تذكر ذهابا إلى اليوم قاله الفراء وضحى تضحية إذا ذبح الأضحية وقت الضحى هذا أصله ثم كثر حتى قيل ضحى فی أی وقت كان من أيام التشريق، ويتعدى بالحرف فيقال ضحيت بشاة ا هـ (تبيين الحقائق، ج٦ ص ٢، كتاب الاضحية)

بعض لوگ اس کو "عیدُ الاَضحیٰ" کے بجائے "عیدُ الضحیٰ" کہتے ہیں، جو کہ صحیح نام نہیں؛ صحیح نام "عیدُ الاَضحیٰ" ہی ہے (بہشتی زیور حصہ سوم صفحہ ۷۶)

۱ وقدم الأضحى ;فإنه العيد الأكبر قاله الطيبی (مرقاة المفاتيح ج٣ص ١٠٦٩، باب صلاة العيدين)

(يوم النحر) : أی :أول أيام النحر؛ لأنه العيد الأكبر، ويعمل فيه أكبر أعمال الحج، حتى قال -تعالى -فيه :(يوم الحج الأكبر) (التوبة:٣)(مرقاة المفاتيح ج٥ص ١٨٢٦، باب الهدی)

فأما الأعياد التی يجتمع عليه الناس فلا يتجاوز بها شرعه الله لرسوله وشرعه الرسول لأمته . والأعياد :هی مواسم الفرح والسرور؛ وإنما شرع الله لهذه الأمة الفرح والسرور بتمام نعمته وكمال رحمته، كما قال تعالى (قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا) (يونس:٥٨) فشرع لهم عيدين فی سنة وعيدا فی كل أسبوع، فأما عيدا السنة:

فأحدهما :تمام صيامهم الذی افترضه عليهم كل عام، فإذا أتموا صيامهم أعتقهم من النار، فشرع لهم عيدا بعد إكمال صيامهم وجعله يوم الجوائز يرجعون فيه من خروجهم إلى صلاتهم وصدقتهم بالمغفرة وتكون صدقة الفطر وصلاة العيد شكرا لذلك.

والعيد الثانی :أكبر العيدين عند تمام حجهم بإدراك حجهم بالوقوف بعرفة وهو يوم العتق من النار، ولا يحصل العتق من النار والمغفرة للذنوب والأوزار فی يوم من أيام السنة أكثر منه، فجعل الله عقب ذلك عيدا؛ بل هو العيد الأكبر، فيكمل أهل الموسم فيه مناسكهم ويقضوا فيه تفثهم ويوفون نذورهم ويطوفون بالبيت العتيق ويشاركهم أهل الأمصار فی هذا العيد؛ فإنهم يشاركونهم فی يوم عرفة فی العتق والمغفرة وإن لم يشاركوهم فی الوقوف بعرفة، لأن الحج فريضة العمر لا فريضة كل عام، بخلاف الصيام ويكون شكر عند أهل الأمصار :الصلاة والنحر، والنحر أفضل من الصدقة التی فی يوم الفطر؛ ولهذا أمر الله نبيه صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أن يشكر نعمته عليه بإعطائه الكوثر بالصلاة له والنحر كما شرع ذلك لإبراهيم خليله عليه السلام عند أمره بذبح ولده وافتدائه بذبح عظيم (فتح الباری لابنِ رجب، ج ١ ص ١٧٤، ١٧٥)

ہر قوم اور ملّت میں سال کے کچھ دن خوشی کا جشن منانے کے لئے مقرر ہوتے ہیں۔
جنہیں عام بول چال میں تہوار کہا جاتا ہے، تہوار منانے کے لئے ہر قوم کا مزاج و مذاق، انداز اور طور طریقے مختلف ہو سکتے ہیں، لیکن ان سب میں ایک بات مشترک طور پر پائی جاتی ہے اور وہ ’’خوشی منانا‘‘ ہے۔
اسلام میں بھی سال میں دو موقعے عید کے اس غرض کے لئے دوسری قوموں سے علیٰحدہ عبادت کے طور پر مقرر کئے گئے ہیں۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا، فَقَالَ: مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ؟ قَالُوْا: كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا: يَوْمَ الْأَضْحٰى، وَيَوْمَ الْفِطْرِ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینے کے لوگ (جن میں بہت سے لوگ پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکے تھے) دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معلوم کیا کہ یہ دو دن کیا ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم جاہلیت میں (اسلام سے پہلے) ان دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے (بس وہی رواج اب تک چل رہا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اِن دو دنوں کے بدلے میں اِن سے بہتر دو دن عطا فرما دیئے ہیں (اب وہی تمہارے

---

[1] رقم الحديث ۱۱۳۴، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، المكتبة العصرية، بيروت، واللفظ لهٗ، سنن نسائی، رقم الحديث ۱۵۵۶، مسنداحمد، رقم الحديث ۱۲۸۲۷.
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين من جهة يزيد بن هارون، وأما متابعه سهل بن يوسف، فمن رجال البخاری وأصحاب السنن.

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

قومی اور مذہبی تہوار ہیں) ایک عیدالاضحیٰ کا دن اور دوسرا عیدالفطر کا دن (ترجمہ ختم)

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے یہ دو دن ایسے وقت پر مقرر کئے گئے جن میں پوری امت ایک ایسی اجتماعی عبادت مکمل کر کے فارغ ہوتی ہے جو سال میں ایک بار ہی انجام دی جاتی ہے۔

عیدالفطر اس وقت منائی جاتی ہے جب مسلمان رمضان المبارک میں نہ صرف روزوں کی تکمیل کرتے ہیں، بلکہ اس مقدس مہینے کے ایک تربیتی دور سے گذر کر اپنی روحانیت کو تازگی بخشتے ہیں۔

اور عیدالاضحیٰ اس وقت منائی جاتی ہے جب ایک دوسری سالانہ عبادت یعنی حج کی تکمیل ہوتی ہے اور لاکھوں مسلمان عرفات کے میدان میں اپنے رب سے مغفرت کی دعائیں اور توبہ کر کے ایک نئی زندگی کا آغاز کر چکے ہوتے ہیں اور جو لوگ براہِ راست حج میں شریک نہیں ہو سکے وہ قربانی کی عبادت انجام دیتے ہیں۔

عید کے دن اللہ تعالیٰ کی مہمانی کے دن ہیں، اسی وجہ سے ان دنوں میں روزہ رکھنا گناہ اور کھانا پینا عبادت ہے۔

چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أَلَا وَإِنَّ هٰذِهِ الْأَيَّامَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: خبردار ہو جاؤ، یہ دن کھانے پینے اور اللہ عزوجل کے ذکر کے دن ہیں (ترجمہ ختم)

---

[1] رقم الحديث ٢٨١٣، كتاب الضحايا، باب فى حبس لحوم الأضاحى، المكتبة العصرية، بيروت.

قال الالبانی:

قلت :إسناده صحيح على شرط مسلم، وكذا قال الحاكم، ووافقه الذهبى، وصححه الترمذى وابن خزيمة وابن حبان والحاكم والذهبى(صحيح ابى داوٗد، تحت حديث رقم ٢٠٩٠)

عیدُ الاضحیٰ کے دن مسنون و مستحب اعمال

عید کا دن چونکہ عبادت اور خوشی کے مجموعے کا دن ہے، اس لیے شریعت کی طرف سے اس دن ایسے کام عبادت قرار دیے گئے ہیں کہ جو ان دونوں عناصر کو شامل ہوں؛ یعنی ان میں عبادت کا پہلو بھی ہو، اور خوشی و مسرت کا پہلو بھی ہو۔

چنانچہ احادیث وروایات سے عیدُ الاضحیٰ کے دن چند اعمال کا سنت و مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱)......عید کی رات میں حسبِ توفیق نفلی عبادت و ذکر کرنا، اور بطورِ خاص گناہوں سے بچنا مستحب ہے۔

عیدین کی راتوں میں نفلی عبادت کی احادیث میں فضیلت آئی ہے، اس لئے ہر شخص کو حسبِ توفیق نفلی عبادت کرنی چاہئے، خواہ نفل نماز پڑھے، یا ذکر، تلاوت ودعا کرے۔

کسی کو زیادہ توفیق نہ ہو سکے، تو عشاء اور فجر کی نماز اپنے وقت پر اور مَرد حضرات کو باجماعت ادا کرنا چاہئے، اور اس رات میں بطورِ خاص گناہوں سے بچنا چاہئے۔

(۲)......عید کے دن صبح کو سویرے اُٹھنا، اور فجر کی نماز اپنے وقت پر ادا کرنا، اور مرد حضرات کو فجر کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھنا بہت اہمیت رکھتا ہے۔

کیونکہ عید کا دن عبادت کا دن ہے، اس لئے اس دن کا آغاز عبادت کے ساتھ ہونا چاہئے۔ لہٰذا عید کے دن صبح سویرے اُٹھنا چاہیے، اور فجر کی نماز اپنے وقت پر اور مرد حضرات کو باجماعت ادا کرنی چاہیے۔

(۳)......عید کے دن شریعت کے موافق طہارت ونظافت اور صفائی ستھرائی اور زیب وزینت اختیار کرنا سنت ہے۔

کیونکہ شریعت کی طرف سے عید کے دن کے ساتھ صفائی ستھرائی کا بھی خاص تعلق ہے۔

اور اسی وجہ سے جمعے کے دن بھی اس قسم کے بہت سے کام سنت ومستحب ہیں۔ [1]

(۴)...... خوب اہتمام کے ساتھ میل کچیل دور کرکے غسل کرنا سنت ہے۔ [2]

جو شخص (کسی عذر یا عید کی نماز واجب نہ ہونے کی وجہ سے جیسا کہ عورت اور نابالغ بچہ) عید کی نماز ادا نہ کرے اس کو بھی غسل کرلینا بہتر ہے، کیونکہ یہ دن صفائی اور زینت کا بھی ہے۔ [3]

آج کل مرد حضرات تو عید کی نماز سے پہلے غسل اور شرعی طریقہ پر صفائی وغیرہ کرکے فارغ ہوجاتے ہیں، مگر خواتین اس میں کوتاہی کرتی ہیں، اور اگر کہیں آنا جانا ہوتا ہے، تو اس غرض سے غسل وصفائی کرلیتی ہیں، ورنہ نہیں کرتیں؛ حالانکہ یہ کام عید کے دن کی وجہ سے عبادت ہیں، کسی کو دکھانے کی غرض سے نہیں اور اگر نامحرموں کو دکھانا مقصود ہو تو یہ مستقل گناہ ہے۔

(۵)......خاص اہتمام کے ساتھ مرد وعورت سب کو مسواک کرنا سنت ہے۔ [4]

عید کا دن چونکہ ذکر وعبادت اور صفائی ونظافت کا بھی دن ہے، اور مسواک عبادت اور صفائی ونظافت کا ذریعہ ہے، اور بطورِ خاص منہ کی صفائی کا ذریعہ ہے، اور منہ کے ساتھ ہی عموماً ذکر

---

[1] ثم یستحب لصلاۃ العید ما یستحب للجمعة من الاغتسال والاستیاک والتطیب ولبس احسن الثیاب والتکبیر الی المصلی لانه یوم اجتماع للعبادة کالجمعة فیستحب التنظیف واظهار النعمة والمسارعة وذکر السروجی علی الجواهری قال یغتسل بعد الفجر فان فعلهٗ قبلهٗ اجزأه ویتطیب بازالة الشعر وقلم الاظفار ومس الطیب(حلبی کبیر صفحه ۵۶۶،فصل فی صلاۃ العید)

[2] (قَوْلُهُ وَنُدِبَ یَوْمُ الْفِطْرِ إلَخْ) النَّدْبُ قَوْلُ الْبَعْضِ وَعَدَّ الْمُصَنِّفُ الْغُسْلَ سَابِقًا مِنْ السُّنَنِ وَالصَّحِیحُ أَنَّ الْکُلَّ سُنَّةٌ لِخُصُوصِ الرِّجَالِ قُهُسْتَانِیٌّ عَنْ الزَّاهِدِیِّ ط وَزَادَ فِی الْبَحْرِ عَنْ الْمُجْتَبَی وَإِنَّمَا سَمَّاهُ مُسْتَحَبًّا لِاشْتِمَالِ السُّنَّةِ عَلَی الْمُسْتَحَبِّ قَالَ نُوحٌ أَفَنْدِی وَحَاصِلُهُ تَجْوِیزُ إطْلَاقِ اسْمِ الْمُسْتَحَبِّ عَلَی السُّنَّةِ وَعَکْسُهُ وَلِهَذَا أُطْلِقَ فِی الْهِدَایَةِ اسْمَ الْمُسْتَحَبِّ عَلَی الْغُسْلِ ثُمَّ قَالَ فَیُسَنُّ فِیهِ الْغُسْلُ اهـ وَفِی الْقُهُسْتَانِیِّ أَیْضًا أَنَّ هَذِهِ الْأُمُورَ مَنْدُوبَةٌ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَمِنْ آدَابِهَا لَا مِنْ آدَابِ الْیَوْمِ کَمَا فِی الْجَلَّابِیِّ لَکِنْ فِی التُّحْفَةِ أَنَّ فِی غُسْلِهِ اخْتِلَافَ الْجُمُعَةِ .اهـ (ردالمحتار، جزء۲، صفحه ۱۶۸، باب العیدین، مَطْلَبٌ یُطْلَقُ الْمُسْتَحَبُّ عَلَی السُّنَّةِ وَبِالْعَکْسِ)

[3] وقال المالکیة والشافعیة یستوی فی ذالک الذاهب الی الصلاۃ والقاعد لانهم یوم الزینة بخلاف الجمعة قال السروجی وهٰذا صحیح (حلبی کبیر صفحه ۵۶۶،فصل فی صلاۃ العید)

[4] ویستحب یوم الفطر للرجل الاغتسال والسواک ولبس أحسن ثیابه، کذا فی القنیة جدیدا کان أو غسیلا، کذا فی محیط السرخسی(الفتاویٰ الهندیة، ج ۱ ص ۱۴۹، کتاب الصلاۃ، الباب السابع عشر فی صلاۃ العیدین)

وعبادت اور اذکار انجام دیئے جاتے ہیں۔

اس لیے عید کے دن خاص اہتمام کے ساتھ مسواک کرنا سنت و مستحب ہے، اور مسواک خواتین کے لیے بھی سنت ہے۔

لہٰذا عید کے دن مرد وعورت سب کو اور خاص طور پر مرد حضرات کو عید کی نماز سے پہلے مسواک کا اہتمام کرنا چاہئے ، اور مسواک کی سنت ادا کرنے کے لیے اگر مسواک موجود نہ ہو تو عید کا دن آنے سے پہلے ہی اس کا انتظام کرلینا چاہئے۔

(۶)...... فاضل (یعنی زیرِ ناف وبغلوں اور مونچھوں کے) بال اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے ناخن وغیرہ کاٹنا سنت ہے۔ [۱]

البتہ جس کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو، اس کو ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک اپنے ناخن نہ کاٹنا اور سر، بغل اور ناف کے نیچے، بلکہ بدن کے کسی حصہ کے بال بھی نہ کاٹنا مستحب ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص قربانی سے پہلے ایسا کرلے تو بھی کوئی گناہ نہیں ہے اور اس سے قربانی میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ [۲]

(۷)...... پاک وصاف عمدہ لباس جو میسر ہو پہننا سنت ہے۔

---

[۱] ویتطیب بازالة الشعر وقلم الاظفار ومس الطیب وقال المالكية والشافعية یستوی فی ذالک الذاهب الی الصلاة والقاعد لانهم یوم الزینة بخلاف الجمعة قال السروجی وهٰذا صحیح (حلبی كبیر، صفحه ۵۶۶،فصل فی صلاة العید)

ویستحب إزالة الشعر والظفر والریح الكریهة (حاشیة البجیرمی علی الخطیب، جزء۲، صفحه ۲۲۲، كتاب الصلاة، فصل فی صلاة العیدین)

(قَوْلُهُ وَإِزَالَةُ نَحْوِ شَعْرٍ إلَخْ) أَيِّ شَعْرٍ تُطْلَبُ إزَالَتُهُ كَالْعَانَةِ وَالْإِبطِ فَلَوْ لَمْ يَكُنْ بِبَدَنِهِ شَعْرٌ فَالظَّاهِرُ بَلُ الْمُتَعَيِّنُ أَنَّهُ لَا يُسَنُّ لَهُ إمْرَارُ الْمُوسَى عَلَى بَدَنِهِ؛ لِأَنَّ إزَالَةَ الشَّعْرِ لَيْسَتْ هُنَا مَطْلُوبَةً لِذَاتِهَا بَلْ لِلتَّنْظِيفِ وَبِهَذَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مَا هُنَا وَبَيْنَ تَحَلُّلِ الْمُحْرِمِ ع ش (حاشیة الشروانی علی تحفة المحتاج فی شرح المنهاج، جزء۳، صفحه ۴۷، باب صلاة العیدین)

[۲] ویندب لمن أراد أن یضحی تأخیر تقلیم الأظفار وحلق الرأس (منیة المصلی وغنیة المبتدی،ص ۳۰۶)

مگر شرعی حدود کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہئے، مثلاً مرد ریشمی لباس نہ پہنیں، اور تکبر اور فخر کی نیت نہ ہو اور اس معاملہ میں حد سے نہ بڑھا جائے نہ ہی اس کے لئے قرض وغیرہ لیا جائے، بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق میانہ روی اختیار کرنی چاہئے۔ [1]

پس عید کے دن اچھا لباس پہننا سنت ہے، اور سنت کی نیت سے ہی اچھا لباس پہننا چاہئے، شہرت اور دکھلاوے وغیرہ کی نیت سے نہیں پہننا چاہئے۔

اسی طرح خواتین کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اجنبی اور نامحرموں کے سامنے اپنی زیب وزینت کا اظہار کریں۔

البتہ شریعت کی طرف سے خواتین کو اپنے شوہروں کے سامنے حسن وجمال کے اظہار کو جائز بلکہ شوہروں کے لئے زیب وزینت اختیار کرنے کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔

(۸)......عید کے دن عمدہ خوشبو، جو میسر ہو لگانا سنت ہے۔

مگر خواتین کو تیز خوشبو لگانا منع ہے، اس لیے ان کو ہلکی خوشبو لگانی چاہیے، تاکہ نامحرموں تک ان کی لگائی ہوئی خوشبو نہ پہنچے۔ [2]

---

[1] (قوله ولو غير أبيض) قال في البحر :وظاهر كلامهم تقديم الأحسن من الثياب في الجمعة والعيدين وإن لم يكن أبيض، والدليل دال عليه فقد روى البيهقي أنه -عليه الصلاة والسلام -كان يلبس يوم العيد بردة حمراء وفي الفتح الحلة الحمراء عبارة عن ثوبين من اليمن فيهما خطوط حمر وخضر لا أنها أحمر بحت فليكن محمل البردة أحدهما اهـ أي أحد الثوبين اللذين هما الحلة أي فلا يعارض ذلك حديث النهي عن لبس الأحمر.

والقول مقدم على الفعل والحاظر على المبيح إذا تعارضا فكيف إذا لم يتعارضا بالحمل المذكور اهـ بزيادة وسيأتي إن شاء الله تعالى تمام الكلام على لبس الأحمر في كتاب الحظر والإباحة (ردالمحتار، ج۲، ص ۱۶۸، باب العيدين)

[2] وأما بيان ما يستحب في يوم العيد فيستحب فيه أشياء منها ما قال أبو يوسف :إنه يستحب أن يستاك، ويغتسل، ويطعم شيئا، ويلبس أحسن ثيابه، ويمس طيبا، ويخرج فطرته قبل أن يخرج، أما الاغتسال والاستياك ومس الطيب ولبس أحسن الثياب -جديدا كان أو غسيلا -؛ فلما ذكرنا في الجمعة(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۷۹، فصل بيان ما يستحب في يوم العيد)

وهي واجبة وهو الأصح، هكذا في محيط السرخسي، ويستحب يوم الفطر للرجل الاغتسال والسواك ولبس أحسن ثيابه، كذا في القنية جديدا كان أو غسيلا، كذا في محيط السرخسي.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۹)......عید کی نماز کے لئے جلدی پہنچنا سنت ہے۔

عید کی نماز کے لیے فجر کی نماز پڑھ کر جتنی جلدی ہو سکے جانا چاہیے، اور امام کے قریب والی جگہ بیٹھنا چاہیے، تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب وانعام حاصل کیا جاسکے۔ [۱]

(۱۰)......کوئی عذر نہ ہو تو عید کی نماز ادا کرنے کے لیے پیدل جانا سنت ہے۔

اس لئے عید کی نماز کے لئے پیدل جانے کی کوشش کرنی چاہیے، البتہ اگر کوئی عذر ہو، تو سواری پر جانے میں بھی حرج نہیں۔ [۲]

(۱۱)......کوئی عذر نہ ہو تو عید کی نماز، عیدگاہ میں ادا کرنا سنت ہے۔

البتہ عذر کی صورت میں مسجد یا آبادی کے اندر کسی مقام پر پڑھنے میں بھی حرج نہیں، خاص طور پر ضعفاء اور کمزور لوگوں کے لئے آبادی کے اندر یا اپنے محلّہ میں پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ویستحب التختم والتطیب والتبکیر وهو سرعة الانتباه والابتکار وهو المسارعة إلى المصلى وأداء صدقة الفطر قبل الصلاة وصلاة الغداة فی مسجد حیه (الفتاویٰ الهندیة، ج ۱ ص ۱۴۹، کتاب الصلاة،الباب السابع عشر فی صلاة العیدین)

ویندب التطیب للذکر بأحسن ما یجده عنده من الطیب (حاشیة البجیرمی علی الخطیب، ج ۲، ص ۲۲۲، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة العیدین)

[۱] فقہاء نے جمعہ کی طرح عیدین کی نماز کے لیے بھی تبکیر (سویرے جانے) کو مستحب قرار دیا ہے، اور جمعہ کے لیے تبکیر (سویرے جانے) کی فضیلت کا وقت فجر کے بعد شروع ہوجاتا ہے، اسی طرح عیدین کی تبکیر (سویرے جانے) کی فضیلت کا وقت بھی فجر کے بعد شروع ہوجاتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یستحب ان یبکر الی صلاة العید ویکون التبکیر بعد الفجر (المجموع شرح المهذب ج ۵ ص ۱۰، باب صلاة العیدین)

اور تبیین الحقائق میں ہے:

ویستحب التبکیر والابتکار ماشیا بعد ماصلی الفجرفی مسجد حیة ویرجع من طریق اخریٰ (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۲۵، باب صلاة العیدین)

[۲] وَالْخُرُوجُ إلَى الْمُصَلَّى مَاشِيًا وَالرُّجُوعُ فِي طَرِيقٍ آخَرَ، كَذَا فِي الْقُنْيَةِ. وَلَا بَأْسَ بِالرُّكُوبِ فِي الْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ وَالْمَشْيُ أَفْضَلُ فِي حَقِّ مَنْ يَقْدِرُ عَلَيْهِ، كَذَا فِي الظَّهِيرِيَّةِ (الفتاویٰ الهندیة، ج ۱ ص ۱۴۹، کتاب الصلاة، الباب السابع عشر فی صلاة العیدین)

آج کل بڑے بڑے شہروں میں آبادی سے باہر نکل کر عید کی نماز ادا کرنا عام طور پر مشکل ہوتا ہے، یہ بھی ایک طرح سے عذر میں داخل ہے۔

ایسے حالات میں آبادی کے اندر متعدد مقامات پر عیدین کی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ کوشش کرنی چاہئے کہ جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے اجتماعات منعقد نہ کئے جائیں۔ [1]

(۱۲)......عید کی نماز کے لیے جاتے ہوئے راستے میں کچھ بلند آواز کے ساتھ تکبیر کہنا سنت ہے، اور تکبیر ان الفاظ میں کہنا بہتر ہے:

”اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ“

عید کا دن کیونکہ اللہ عزوجل کے ذکر اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے اظہار کا بھی دن ہے، اس لئے عید کی نماز کے لیے جاتے ہوئے راستے میں بلکہ بعض حضرات کے نزدیک عیدگاہ پہنچ کر امام کی آمد سے پہلے بھی تکبیر کہنا سنت ہے۔

(۱۳)......کوئی عذر نہ ہو تو عیدُ الاضحیٰ کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا مستحب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ کے دن عید کی نماز سے پہلے کچھ کھاتے پیتے نہیں تھے۔

---

[1] اگر کسی عیدگاہ کے امام کا عقیدہ یا عمل صحیح نہ ہو، تو یہ بھی عذر میں داخل ہے۔

(والخروج إليها) أى الجبانة لصلاة العيد (سنة وإن وسعهم المسجد الجامع) هو الصحيح (الدرالمختار)

(قوله :هو الصحيح) قال فى الظهيرية .وقال بعضهم :ليس بسنة وتعارف الناس ذلك لضيق المسجد وكثرة الزحام والصحيح هو الأول .اهـ.

وفي الخلاصة والخانية السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره ليصلي فى المصر بالضعفاء بناء على أن صلاة العيدين فى موضعين جائزة بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذلك .اهـ. نوح (ردالمحتار، جزء۲، صفحه ۱۶۸، باب العيدين)

بيان استنباط الأحكام وهوعلى وجوه :الأول :فيه استحباب خروج الإمام مع القوم إلى مصلى العيد فى الجبانة لأجل صلاة العيد، ولم يزل الصدر الأول كانوا يفعلون ذلك، ثم تركه أكثرهم لكثرة الجوامع، ومع هذا فإن أهل بلاد شتى لم يتركوا ذلك(عمدة القارى للعينى، ج۳ص۲۷۲، كتاب الحيض،باب ترك الحائض الصوم)

اور بعض روایات کے مطابق عیدالاضحیٰ کے دن اپنی قربانی کے گوشت سے کھانے کی ابتداء کرتے تھے۔ [1]

اس لئے اگر کوئی عذر نہ ہو، تو عیدالاضحیٰ کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا پینا مستحب ہے۔

اور قربانی کرنے والے کے لئے افضل ہے کہ اگر عید کی نماز کے بعد جلدی قربانی کرنی ہو، تو اپنی قربانی کے گوشت سے کھانے کی ابتداء کرے۔ [2]

لیکن اگر کوئی عذر ہو، مثلاً بھوک لگی ہوئی ہو یا قربانی تاخیر سے کرنے کا ارادہ ہو، تو عیدالاضحیٰ کی نماز سے پہلے کچھ کھانے میں بھی حرج نہیں؛ کیونکہ یہ صرف مستحب درجے کا عمل ہے؛ فرض یا واجب درجے کا عمل نہیں۔

اور اسی وجہ سے اگر کوئی بلا عذر بھی عیدالاضحیٰ کی نماز سے پہلے کچھ کھا، پی لے، تب بھی گناہ

---

[1] أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَأْكُلَ، وَكَانَ لَا يَأْكُلُ يَوْمَ النَّحْرِ حَتّٰى يَرْجِعَ (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ١٧٥٦، كتاب الصيام، باب فى الأكل يوم الفطر قبل أن يخرج، عن بريدة)

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ": لَا يَغْدُو يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَأْكُلَ، وَلَا يَأْكُلُ يَوْمَ الْأَضْحَى حَتَّى يَرْجِعَ فَيَأْكُلَ مِنْ أُضْحِيَّتِهِ "(مسند احمد، رقم الحديث ٢٢٩٨٤، عن بريدة)

فى حاشية مسند احمد:

حديث حسن، وهذا إسناد ضعيف من أجل عقبة بن عبد الله الرِّفاعي، فهو ضعيف، لكنه قد توبع، وباقي رجاله ثقات رجال الشيخين .وأخرجه الدارمي(١٦٠٠)والطبراني فى "الأوسط(٣٠٨٩) "وابن عدى ١٩١٧/٥، والبيهقي ٢٨٣/٣من طرق عن عقبة بن عبد الله، بهذا الإسناد .ووقع فى رواية البيهقي :وكان إذا رجع، أكل من كبد أضحيته.

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ عیدُ الاضحیٰ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہیں کھاتے تھے، یہاں تک کہ نماز پڑھ کر لوٹ آتے، اور بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ واپس آ کر اپنی قربانی سے کھاتے تھے۔

غالباً فقہاء کا یہ اختلاف کہ یہ حکم عام ہے یا قربانی کرنے والے کے ساتھ خاص ہے، انہیں روایات پر مبنی ہے؛ اور راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل تو امساک عن الطعام کا یہ حکم عام ہے، قربانی کرنے والے کے ساتھ خاص نہیں؛ لہٰذا عیدُ الاضحیٰ کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا پینا سب کے لئے مستحب ہے، لیکن اگر کوئی شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اور عیدُ الاضحیٰ کی نماز کے بعد بآسانی جلد ہی اپنی قربانی کا گوشت میسر آ سکتا ہو تو اس سے ابتداء کرنا بھی مستحب ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔

نہیں۔ [1]

[1] و لا بأس بالأكل يوم الأضحى قبل الصلاة فى رواية و فى رواية يكره و الصحيح هو الأول لأن الإمساك مستحب و ليس بواجب(فتاوىٰ قاضيخان، كتاب الحظر والاباحة و ما يكره أكله و ما لا يكره و ما يتعلق بالضيافة)

يستحب يوم الأضحى أن لا يأكل أولا إلا من أضحيته قالوا ولو أكل من غيرها فليس بمكروه (البحرالرائق، ج۲ ص ۳۴، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها)

(لكن هنا يؤخر الأكل) للاتباع فيهما، وهو مستحب، ولا يلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة إذ لا بد لها من دليل خاص فلذا كان المختار عدم كراهة الأكل قبل الصلاة وأطلقه فشمل من لا يضحى وقيل إنه لا يستحب التأخير فى حقه وشمل من كان فى المصر، ومن كان فى السواد وقيده فى غاية البيان بأن هذا فى حق المصرى أما القروى فإنه يذوق من حين أصبح، ولا يمسك كما فى عيد الفطر؛ لأن الأضاحى تذبح فى القرى من الصباح(البحرالرائق، ج۲ص ۱۷۲، باب العيدين)

قال -رحمه الله -(لكن هنا يؤخر الأكل عنها) لما روى أنه -عليه الصلاة والسلام -كان لا يطعم في يوم الأضحى حتى يرجع فيأكل من أضحيته وقيل :هذا فى حق من يضحى ليأكل من أضحيته أو لا أما فى حق غيره فلا، ثم قيل الأكل قبل الصلاة مكروه والمختار أنه ليس بمكروه ولكن يستحب أن لا يأكل(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ۱ ص ۲۲۶، باب صلاة العيدين)

(قوله :ويستحب فى يوم الأضحى أن يغتسل ويتطيب ويؤخر الأكل حتى يفرغ من الصلاة) ليخالف الأيام التى قبله فإن أكل قبل الخروج هل يكره فيه روايتان، والمختار أنه لا يكره لكن يستحب أن لا يأكل اقتداء برسول الله -صلى الله عليه وسلم -فإنه كان لا يأكل حتى يرجع(الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۹۴، باب صلاة العيدين)

وفى الكبرىٰ الاكل قبل الصلاة يوم الاضحى هل هو مكروه فيه روايتان والمختار انه لايكره لكن يستحب له ان لايفعل كذافى التتارخانيه ويستحب ان يكون اول تناولهم من لحوم الاضاحى التى هى ضيافة الله كذا فى العينى شرح الهداية (الفتاوىٰ الهندية ج ۱ ص ۱۵۰ ،الباب السابع عشر فى صلاة العيدين)

(ويندب تأخير أكله عنها) وإن لم يضح فى الأصح(الدرالمختار)

(قوله :ويندب تأخير أكله عنها) أى يندب الإمساك عما يفطر الصائم من صبحه إلى أن يصلى فإن الأخبار عن الصحابة تواترت فى منع الصبيان عن الأكل والأطفال عن الرضاع غداة الأضحى قهستانى عن الزاهدى ط (قوله وإن لم يضح) شمل المصرى والقروى وقيده فى غاية البيان بالمصرى وذكر أن القروى يذوق من الصبح لأن الأضاحى تذبح فى القرى من الصباح بحر (قوله فى الأصح) وقيل :لا يستحب التأخير فى حق من لم يضح بحر(ردالمحتار،ج۲ص ۱۷۶، باب العيدين)

ثم ان ظاهر الحديث يدل على ان الامساك يستحب لكل رجل يضحى او لا ، وكذلك فى الدرالمختار قال وهو الاصح ،وفى المغنى لابنِ قدامة: قال احمد: والاضحى لاياكل فيه حتى يرجع اذا كان له ذبح لان النبى صلى الله عليه وسلم كان ياكل من ذبيحته ، واذا لم يكن له ذبح لم يبال ان ياكل اھ (معارف السنن ج۴ ص ۴۵۱،باب فى الاكل يوم الفطر قبل الخروج)

(۱۴)......جس راستہ سے نمازِ عید کے لئے جائیں اس کے علاوہ سے واپس آنا سنت ہے۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے لئے ایک راستے سے جاتے تھے، اور دوسرے راستے سے واپس تشریف لاتے تھے، اس لئے عید کے دن جس راستہ سے عید کی نماز کے لئے جائیں اس کے علاوہ سے واپس آنا سنت ہے۔ اور اگر پورا راستہ مختلف نہ ہوسکے، تو جتنا راستہ مختلف ہوسکے، اتنا اختیار کرلینے سے امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ سنت ادا ہو جائے گی اور اگر کوئی عذر ہو، تو ایک ہی راستے سے آنے جانے میں بھی کوئی گناہ نہیں۔ [۱]

(۱۵)......اپنی وسعت وحیثیت کے مطابق مستحق مساکین کو صدقہ کرنا مستحب ہے۔

پس عید کے دن اپنی وسعت وحیثیت کے مطابق صحیح مستحقین ومساکین کو صدقہ کرنا بھی سنت ومستحب ہے، بشرطیکہ صحیح مستحقین اور غریبوں کا انتخاب کیا جائے، اور پیشہ ور بھکاریوں سے اجتناب کیا جائے۔ [۲]

---

[۱] وفی الجملة الاقتداء به سنة؛ لاحتمال بقاء المعنى الذى فعله من أجله، ولأنه قد يفعل الشىء لمعنى ويبقى فى حق غيره سنة، مع زوال المعنى، كالرمل والاضطباع فى طواف القدوم، فعله هو وأصحابه لإظهار الجلد للكفار، وبقى سنة بعد زوالهم(المغنى لابنِ قدامة، ج۲ص ۲۸۹،كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

والتاسع ان يرجع من طريق غير الطريق الذى خرج منه لان النبى عليه السلام كان يفعل ذلك(النتف فى الفتاوىٰ، ج ۱ ص ۹۹، كتاب الصلاة)

(و) يسن (رجوعه) أى المصلى (فى غير طريق غدوه) لحديث جابر (كان النبى صلى الله عليه وسلم إذا خرج إلى العيد خالف إلى الطريق) رواه البخارى ورواه مسلم عن أبى هريرة وعلته شهادة الطريقين ، أو تسويته بينهما فى التبرك بمروره ، أو سرورهما بمرور ، أو الصدقة على فقرائهما ونحوه فلذا قال (وكذا جمعة) ولا يمتنع فى غيرها (شرح منتهى الارادات ،كتاب الصلاة، باب احكام صلاة العيدين)

[۲] واكثار الصدقة (الدرالمختار مع شرحه رد المحتار ج۲ ص ۱۶۹ ،باب العيدين كذا فى درر الحكام شرح غرر الحكام جلد ۱ ،باب صلاة العيدين ،وكذا فى الموسوعة الفقهية، جلد۲)

(و) تسن (الصدقة) فى يومى العيدين إغناء للفقراء عن السؤال(شرح منتهى الارادات كتاب الصلاة، باب احكام صلاة العيدين)

(و) يسن يوم العيدين (التوسعة على الأهل والصدقة) على الفقراء ليغنيهم عن السؤال(كشاف القناع عن متن الاقناع، ج۲ص ۵۲، باب صلاة العيدين)

(۱۶)...... حسبِ حیثیت اپنے اہل وعیال اور گھر والوں کی ضروریات (لباس، اور کھانے پینے وغیرہ) میں وسعت وفراخی کرنا بھی مستحب ہے۔

عید کے دن صدقہ کی ترغیب دی گئی ہے، اور اپنے ضرورت مند رشتہ دار اور اہل وعیال پر نفلی صدقہ کی فضیلت زیادہ ہے۔ اس لئے عید کے دن حسبِ حیثیت اپنے اہل وعیال اور گھر والوں کے لیے وسعت کرنا بھی باعثِ اجر وثواب ہے، جس میں گھر والوں کے لئے اچھے لباس اور کھانے پینے وغیرہ کا انتظام بھی داخل ہے۔

اور اگر نقدی کی شکل میں وسعت کی جائے، تو بھی حرج نہیں، بشرطیکہ اس میں غلو نہ ہو۔ [1]

(۱۷)...... گھر والوں، عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا مستحب ہے۔

عید کا دن کیونکہ خوشی ومسرّت کا دن ہے، بلکہ عید کے ایک معنیٰ بھی خوشی ومسرّت کے ہیں، اس لئے اپنے گھر والوں اور عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے اور منکرات سے بچتے ہوئے بشاشت کا اظہار کرنا اور غیض وغضب سے پرہیز کرنا اور عفو ودرگزر سے کام لینا بھی عبادت وثواب ہے۔

(تفصیل کے لئے ہماری دوسری کتاب ''شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

---

[1] وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى هؤلاء لقوله عليه السلام نفقة الرجل على نفسه صدقة وعلى عياله صدقة وكل معروف صدقة(تحفة الفقهاء، ج ا ص ۳۰۴، كتاب الزكاة، باب من يوضع فيه الصدقة)

(و) يسن (التوسعة على الأهل) لأنه سرور(شرح منتهى الارادات كتاب الصلاة، باب احكام صلاة العيدين)

(و) يسن يوم العيدين (التوسعة على الأهل والصدقة) على الفقراء ليغنيهم عن السؤال(كشاف القناع عن متن الاقناع، ج ۲ ص ۵۲، باب صلاة العيدين)

والسنة في عيد الفطر التوسعة فيه على الأهل بأى شىء كان من المأكول، إذ لم يرد الشرع فيه بشىء معلوم فمن وسع على أهله فيه، فقد امتثل السنة، ويجوز أن يتخذ فيه طعاما معلوما، إذ هو من المباح لكن بشرط عدم التكلف فيه وبشرط أن لا يجعل ذلک سنة يستن بها فمن خالف ذلک فكأنه ارتكب كبيرة، وإذا وصل الأمر إلى هذا الحد ففعل ذلک بدعة، إذ أنه بسبب ذلک ينسب إلى السنة ما ليس منها، وكذلک يشترط فيه أن يكون على لسان العلم(المدخل لابن الحاج، ج ا ص ۲۸۷، الموسم الثانى عيد الفطر)

ملحوظ رہے کہ حج کرنے والا کیونکہ اس دن احرام کی حالت میں ہوتا ہے اس لئے اس کے حق میں عید کے دن احرام سے نکلنے سے پہلے یہ بہت سے کام سنت ومستحب نہیں بلکہ جائز بھی نہیں جیسا کہ بال وغیرہ کاٹنا، خوشبو لگانا، مرد کو احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہننا وغیرہ۔

البتہ احرام کی پابندی ختم ہونے کے بعد ان کاموں کے کرنے میں حرج نہیں۔ [1]

عیدُ الاضحیٰ کے دن سے متعلّق چند مسائل

مسئلہ نمبر۱...... عید کے دن فجر کے بعد عید کی نماز سے پہلے گھر یا کسی بھی جگہ کوئی نفل نماز پڑھنا مرد وعورت دونوں کے لئے مکروہ ہے۔

اور عید کی نماز کے بعد جہاں عید کی نماز ادا کی ہے وہاں نفل پڑھنا مکروہ ہے کسی دوسری جگہ یا گھر میں مرد وعورت دونوں کے لئے مکروہ نہیں۔

البتہ قضاء نماز عید سے پہلے پڑھنے میں حرج نہیں، مگر بہتر یہ ہے کہ وہ عیدگاہ میں یا مسجد میں دوسروں کے سامنے نہ پڑھی جائے، تاکہ لوگوں کو غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ [2]

---

[1] یحرم بالإحرام أمور :الأول الجماع ودواعیه الثانی :إزالة الشعر کیفما کان حلقا وقصا وتنورا من أی مکان کان الرأس والوجه والإبط والعانة وغیرها،الثالث :لبس المخیط علی وجه لبس المخیط إلا المکعب فیدخل الخف ویخرج القمیص إذا اتشح به علی ما سیأتی .الرابع: التطیب .الخامس :قلم الأظفار .السادس :الاصطیاد فی البر لما یؤکل لحمه وما لا یؤکل .السابع: الادهان علی ما یذکر من تفصیله(فتح القدیر، ج۲ص ۴۳۹،۴۴۰، باب الاحرام)

ولا یحلق رأسه ولا شعر بدنه ویستوی فی ذلک الحلق بالموسی والنورة، والقلع بالأسنان، وغیره ولا یقص من لحیته، کذا فی السراج الوهاج ولا یأخذ من ظفره شیئا کذا فی محیط السرخسی ولا یمس طیبا بیده، وإن کان لا یقصد به التطیب، کذا فی فتاوی قاضی خان ولا یدهن کذا فی الهدایة ولیس له أن یختضب بالحناء لأنه طیب کذا فی الجوهرة النیرة(الفتاویٰ الهندیة، ج۱ص ۲۲۴، کتاب المناسک،الباب الرابع فیما یفعله المحرم بعد الإحرام)

[2] (ویکره النفل قبل صلاة العید) مطلقا ؛ (و) کذا یکره (بعدها فی الجبایة) أی الصحراء والمراد بها فناء المصر المعد لصلاة العید والجمعة ولا فرق فی هذا الحکم بین الجبانة والجامع (

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲......عید کے دن مبارک باد دینے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اگر خرابیوں سے بچ کر ہو، تو مستحب ہے، کیونکہ صحابہ وتابعین کے کئی اقوال وافعال سے عید کی مبارک باد ثابت ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وينتقل) فی غير الجبانة أما (فی مسجده) أی مسجد محلته (أو فی بيته (منية المصلی ،كتاب الصلاة)
إذا قضى صلاة الفجر قبل صلاة العيد لا بأس به ولو لم يصل صلاة الفجر لا يمنع جواز صلاة العيد وكذا يجوز قضاء الفوائت القديمة قبلها لكن لو قضاها بعدها فهو أحب وأولى(الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص ۱۵۰ ، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر فی صلاة العيدين)

وعامة أصحابنا على أنه لا يتطوع قبل صلاة العيد لا فی المصلی ولا فی بيته، فأول الصلاة فی هذا اليوم صلاة العيد والله أعلم(بدائع الصنائع، ج ا ص۲۹۷، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يكره من التطوع)

و "يكره التنفل "قبل "صلاة "العيد ولو "تنفل "فی المنزل و "كذا "بعده "أی العيد "فی المسجد "أی مصلی العيد لا فی المنزل فی اختيار الجمهور لأنه صلى الله عليه وسلم كان لا يصلی قبل العيد شيئا فإذا رجع إلى منزله صلى ركعتين (مراقی الفلاح شرح نورالايضاح، ص۷۷، فصل فی الاوقات المكروهة)

قوله" :فی المصلى اتفاقا "فی القهستانی عن المضمرات أنها لا تكره فی ناحية المسجد عند ابن مقاتل فكأنه لم يعتبر خلافه والكراهة تثبت مطلقا ولو فی صلاة الضحى أو تحية المسجد وسواء من تجب عليه صلاة العيد وغيره حتى يكره للنساء أن يصلين الضحى يوم العيد قبل صلاة الإمام كما فی النهر وغيره عن الخانية قوله " :لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ "أی مع حرصه على النوافل فلولا الكراهة لفعل(حاشية الطحاوی على المراقی، ص ۵۳۱، ۵۳۲)

(ويكره التنفل قبل صلاة العيد) مطلقا ؛(و) كذا يكره (بعدها)ای بعد صلاة العيد، لكن (فی الجبانة)فقط وهی الصحراء والمراد بها فناء المصر المعد لصلاة العيد والجمعة ولا فرق فی هذا الحكم بين الجبانة والجامع (وينتفل) فی غير الجبانة أما (فی مسجده) أی مسجد محلته (أو فی بيته)لما تقدم من الدليل فی بيان اوقات الكراهة (غنية المستملی فی شرح منية المصلی ، المعروف بشرح الكبير ص۳۶۵، كراهية الصلاة)

[۱] عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ قَالَ :لَقِيتُ وَاثِلَةَ بْنَ الْأَسْقَعِ فِي يَوْمِ عِيدٍ ,فَقُلْتُ :تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ ,فَقَالَ " :نَعَمْ، تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ , "قَالَ وَاثِلَةُ " :لَقِيتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عِيدٍ فَقُلْتُ :تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ ,قَالَ " :نَعَمْ ,تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ(السنن الكبرى للبيهقی، رقم الحديث ۶۲۹۴)

حَدَّثَنِي حَبِيبُ بْنُ عُمَرَ الْأَنْصَارِيُّ، أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ " :لَقِيتُ وَاثِلَةَ يَوْمَ عِيدٍ فَقُلْتُ :تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ فَقَالَ :نَعَمْ، تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۲۳)

حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ الْبَزَّازُ، عَنْ أَدْهَمَ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، قَالَ " :كُنَّا نَقُولُ لِعُمَرَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اسی وجہ سے محقق فقہائے کرام نے عید کے دن مبارک باد دینے کے جائز و مستحب ہونے کا حکم بیان فرمایا ہے۔ [1]

البتہ اس کو ضروری اور لازم سمجھنا اور اگر کوئی مبارک باد نہ دے، تو اس کو معیوب سمجھنا، اور اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فِي الْعِيدَيْنِ :تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، فَيَرُدُّ عَلَيْنَا وَلَا يُنْكِرُ ذَلِكَ عَلَيْنَا(شعب الإيمان للبيهقي، رقم الحديث ٣٤٤٦)

عن راشد بن سعد ، أن أبا أمامة الباهلي ، وواثلة بن الأسقع ، رضى الله عنهما لقياه في يوم عيد فقالا : تقبل الله منا ومنك(الدعاء للطبراني، رقم الحديث ٨٥٤)

ذكره من طريق محمد بن ابراهيم الشامي عن بقية ثم قال (قال أبو احمد بن عدى هذا منكر لا اعلم يرويه عن بقية غير محمد بن ابراهيم هذا) ثم قال البيهقي (رأيته باسناد آخر عن بقية موقوفا ولا اراه محفوظ)قلت في هذا الباب حديث جيد

اغفله البيهقي وهو حديث محمد بن زياد قال كنت مع ابى امامة الباهلي وغيره من اصحاب النبي صلى الله عليه و سلم فكانوا إذا رجعوا يقول بعضهم لبعض تقبل الله منا ومنك قال احمد بن حنبل اسناده اسناد جيد (الجوهر النقي لابن التركماني، ج٣ص ٣١٩، ٣٢٠،باب قول الناس في العيد تقبل الله منا ومنك)

وقد روى بن عدى من حديث واثلة أنه لقي رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عيد فقال تقبل الله منا ومنك فقال نعم تقبل الله منا ومنك وفي إسناده محمد بن إبراهيم الشامي وهو ضعيف وقد تفرد به مرفوعا وخولف فيه فروى البيهقي من حديث عبادة بن الصامت أنه سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال ذلك فعل أهل الكتابين وإسناده ضعيف أيضا وكأنه أراد أنه لم يصح فيه شيء وروينا في المحامليات بإسناد حسن عن جبير بن نفير قال كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا التقوا يوم العيد يقول بعضهم لبعض تقبل الله منا ومنك(فتح الباري لابن حجر، ج٢ص ٤٤٦،قوله باب سنة العيدين لأهل الإسلام)

[1] اَلتَّهْنِئَةُ مُسْتَحَبَّةٌ فِي الْجُمْلَةِ لِاَنَّهَا مُشَارَكَةٌ بِالتَّبْرِيْكِ وَالدُّعَاءِ مِنَ الْمُسْلِمِ لِاَخِيْهِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا يَسُرُّهُ وَيُرْضِيْهِ وَلِمَا فِيْ ذَالِكَ مِنَ التَّوَادِّ وَالتَّرَاحُمِ وَالتَّعَاطُفِ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَقَدْ جَاءَ فِي الْقُرْآنِ الْكَرِيْمِ ،تَهْنِئَةُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلىٰ مَايَنَالُوْنَ مِنْ نَعِيْمٍ ،وَذَالِكَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالىٰ "كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ"وَالتَّهْنِئَةُ تَكُوْنُ بِكُلِّ مَايُسِرُّوَيُسْعِدُ مِمَّا يُوَافِقُ شَرْعَ اللهِ تَعَالىٰ ،وَمِنْ ذَالِكَ اَلتَّهْنِئَةُ بِالنِّكَاحِ ،وَالتَّهْنِئَةُ بِالْمَوْلُوْدِ ،وَالتَّهْنِئَةُ بِالْعِيْدِ وَالْاَعْوَامِ وَالْاَشْهُرِ وَالتَّهْنِئَةُ بِالْقُدُوْمِ مِنَ السَّفَرِوَالتَّهْنِئَةُ بِالْقُدُوْمِ مِنَ الْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ وَالتَّهْنِئَةُ بِالطَّعَامِ وَالتَّهْنِئَةُ بِالْفَرَجِ بَعْدَ الشِّدَّةِ ...... ذَهَبَ جُمْهُوْرُالْفُقَهَاءِ اِلىٰ مَشْرُوْعِيَّةِ التَّهْنِئَةِ بِالْعِيْدِ مِنْ حَيْثُ الْجُمْلَةِ (الموسوعة الفقهية ج١٤ ،ص٩٧،ماده تهنئة)

وَالتَّهْنِئَةُ بِقَوْلِهٖ تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ لَاتُنْكَرُ بَلْ مُسْتَحَبَّةٌ لِوُرُوْدِ الْاَثَرِ بِهَا......قَوْلُ الرَّجُلِ لِصَاحِبِهٖ عِيْدٌ مُبَارَكٌ عَلَيْكَ وَنَحْوُهٗ وَيُمْكِنُ اَنْ يُلْحَقَ هٰذَااللَّفْظُ فِي الْجَوَازِ الْحَسَنِ وَاسْتِحْبَابِهٖ لِمَا بَيْنَهُمَا مِنَ التَّلَازُمِ (طحطاوى على المراقى ص ٢٨٩ ،باب احكام العيدين)

پر لعن طعن کرنا درست نہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۳...... مصافحہ اور معانقہ کرنے (یعنی ہاتھ ملانے اور گلے ملنے) میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپس میں ملاقات ہوتی تو سنت کے مطابق سلام کرتے اور کوئی عذر نہ ہوتا تو سلام کے ساتھ مصافحہ بھی کرتے اور جب سفر سے آتے تو معانقہ کرتے (یعنی گلے ملتے) اس سے ہٹ کر مصافحہ اور معانقہ کا کوئی خاص وقت یا دن مثلاً کسی نماز کے بعد یا عید کا موقع مقرر نہ تھا۔

اور اسی وجہ سے عید کے دن مصافحہ ومعانقہ سنت ومستحب نہیں، اور آج کل بہت سے لوگ عید کے دن مصافحہ ومعانقہ کرنے کو بہت ضروری سمجھتے ہیں، خواہ کسی سے ابھی ملاقات نہ ہو رہی ہو، اور کوئی سفر سے بھی نہ آیا ہو، اور اگر کوئی یہ عمل نہ کرے، تو اس کو معیوب قرار دیتے ہیں، یہ طرزِ عمل درست نہیں، اور فقہاء واہلِ علم حضرات نے اسی حیثیت سے عید کے موقع پر مصافحہ ومعانقہ کو مکروہ وبدعت قرار دیا ہے۔

لہٰذا مصافحہ ومعانقہ کو عید کی سنت یا ضروری حکم نہیں سمجھنا چاہئے، اور اس سے بچنا چاہئے۔

البتہ اگر کسی سے عید کے دن ملاقات ہو رہی ہو، اور اس سے دوسرے دنوں کی طرح ملاقات کے وقت سنت کے مطابق سلام کر کے مصافحہ کیا جائے، اور کوئی اسی دن سفر سے آیا ہو، تو اس سے سفر سے آمد کی وجہ سے معانقہ کیا جائے، تو کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ مصافحہ، ملاقات کی وجہ سے اور معانقہ سفر سے آمد کی وجہ سے ہو، نہ کہ عید کا دن یا عید کا موقع ہونے کی وجہ سے۔

مسئلہ نمبر ۴...... عید کے دن قبرستان جانا سنت سے ثابت نہیں، لہٰذا اس کو سنت نہیں سمجھنا

---

[۱] ملحوظ رہے کہ جس بات کو شرع نے ناجائز کہا ہو اس کو جائز سمجھنا گناہ ہے اور جس کو جائز بتلایا ہو مگر ضروری نہ کہا ہو اس کو ضروری سمجھ کر پابندی کرنا یا نام کمانے کو (اپنی بڑائی کے لئے) کرنا یہ بھی گناہ ہے۔

اسی طرح جس کام کو شرع نے ثواب نہیں بتلایا اس کو ثواب سمجھنا گناہ ہے اور جس کو ثواب بتلایا ہو مگر ضروری نہ کہا ہو اس کو ضروری سمجھنا گناہ ہے۔ اور جو ضروری نہ سمجھے مگر خلقت (لوگوں) کے طعن کے خوف سے اس کے چھوڑنے کو بُرا سمجھے یہ بھی گناہ ہے (بہشتی زیور چھٹا حصہ ص ۶۲)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

چاہئے، اور آج کل بہت سے لوگ عید کے دن میں قبرستان جانے کا بہت زیادہ اہتمام بلکہ التزام کرنے لگے ہیں، اور اگر کوئی عید کے دن میں قبرستان نہ جائے تو اسے بہت معیوب خیال کرتے ہیں۔

اور اسی پر بس نہیں مَردوں کے علاوہ عورتیں بھی قبرستان جانے کا اہتمام کرتی ہیں، بلکہ خوب زیب وزینت کے ساتھ بن سنور کر اور بے پردہ ہوکر قبرستان جاتی ہیں اور پھر قبرستان میں جاکر بے شمار بدعات ومنکرات کا بھی ارتکاب کیا جاتا ہے۔

اس طرزِ عمل سے بچنے کی ضرورت ہے۔

مسئلہ نمبر۵...... عید کے دن اچھا لباس پہننا، اور صفائی ستھرائی کا اہتمام کرنا، سنت سے ثابت ہے، اس لئے ثواب ہے۔

لیکن آج کل اس عنوان سے عید کی غیر معمولی تیاری بھی ایک مستقل رسم بن گئی ہے، اس میں ہر شخص دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس غرض کے لئے بے شمار فضول خرچیوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے، اور اگر اپنے پاس انتظام نہ ہو، تو اس کے لئے قرض تک لینے سے گریز نہیں کیا جاتا، بلکہ بعض اوقات ناجائز طریقہ پر مال حاصل کر کے عید کی تیاری کا انتظام کیا جاتا ہے۔

عید کی تیاری میں اتنا غلو اور گناہوں کا ارتکاب درست نہیں، شرعی حدود اور اعتدال میں رہنا چاہئے۔

مسئلہ نمبر۶...... بعض لوگ عید کے دن غیر شرعی زیب وزینت کرتے ہیں، جو کہ گناہ ہے، عید کے دن شریعت کے موافق زیب وزینت کرنا ثواب ہے، نہ کہ شریعت کے خلاف۔

آج کل بہت سے لوگ عید کے دن غیر شرعی لباس پہنتے ہیں چنانچہ خاص طور پر نوجوان عید کے دن کے لئے فیشن نُما اور ٹخنوں سے نیچے تک لٹکا ہوا لباس، پینٹ، شرٹ وغیرہ تیار کراتے ہیں، عورتیں باریک نیم برہنہ اور فیشنی لباس پہنتی ہیں، اور بھنویں کٹواتی ہیں، اسی طرح سَر

کے بال بھی کٹواتی ہیں اور دوسری غیر شرعی زیب وزینت اور بے پردگی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔
مرد ڈاڑھی ایک مٹھی سے کم کر کے کاٹتے ہیں، اس دن بطورِ خاص شیو کرتے ہیں، خلافِ شرع فیشن نُما کپڑے پہنتے ہیں، بالوں وغیرہ کی کٹنگ انگریزی اور خلافِ شریعت طرز پر کرائی جاتی ہے، اور ڈاڑھی منڈا کر، انگریزی بال تراش کر عید کی نماز کے لئے آتے ہیں۔
اس قسم کی چیزوں کو عید کے دن کی زینت سمجھنا اور عید کے مبارک دن اختیار کرنا درست نہیں۔
مسئلہ نمبر ۷...... عید کے دن کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مہمانی کے دن ہیں، اس لئے ان دِنوں میں ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔
آج کل عید کے موقع پر بعض جگہ بے پردگی اور بے حیائی کا بھی مظاہرہ کیا جاتا ہے، چنانچہ عورتیں زیب وزینت اور نعوذ باللہ تعالیٰ نیم برہنہ لباس کے ساتھ بے پردہ ہو کر نامحرموں کے سامنے آتی ہیں، تفریح گاہوں اور ہوٹلوں اور بعض گھروں میں بھی عورتوں ومَردوں کا مخلوط، بے محابا اور بلا تکلف اجتماع ہوتا ہے۔
بعض عورتیں عید ملنے کے لئے بن سنور کر نامحرم لوگوں کے سامنے جاتی ہیں، جس میں بسا اوقات ایک دوسرے کے ساتھ مصافحہ بھی ہوتا ہے اور ایک دوسرے کو بے محابا طریقہ پر عید کی مبارک باد پیش کی جاتی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلفی اور ہنسی مذاق تک کی نوبت آجاتی ہے، اور اس قسم کی دوسری خلافِ شرع حرکات ہوتی ہیں، ان بے ہودہ حرکات کا عید کے مبارک اسلامی تہوار سے تعلق نہیں اور ان حرکات کو عید کی آڑ میں انجام دینا کم علمی اور گناہ ونقصان کی بات ہے۔
مسئلہ نمبر ۸...... بعض لوگ بطورِ خاص عید کے بابرکت دِنوں میں موسیقی، ٹی وی اور فلموں کے پروگراموں میں سرگرم نظر آتے ہیں۔
یہ لوگ عید کی خوشی کو سینما بینی اور ان گناہوں کے ناپاک عمل سے گندہ کر دیتے ہیں۔ گناہ میں خوشی نہیں ہوتی، اللہ کو ناراض کرنے والی چیز کیسے خوشی کا باعث بن سکتی ہے؟

مسئلہ نمبر ۹...... بعض لوگ عید کے موقع پر غیر ضروری روشنی اور لائٹنگ کا اہتمام کرتے ہیں، اور اس میں ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ آرائی کرتے ہیں، یہ بھی گناہ ہے، کیونکہ ایک تو اس میں اسراف اور فضول خرچی ہے، خاص طور پر جبکہ بجلی کی قلت کا بھی سامنا ہو، اور دوسرے اس میں دکھلاوے اور فخر وتفاخر کا گناہ ہے، تیسرے اس میں دوسری باطل قوموں کے ساتھ مشابہت بھی ہے۔

لہٰذا عید کے موقع پر غیر ضروری روشنی وچراغاں اور لائٹنگ کرنے سے بچنا چاہئے۔

مسئلہ نمبر ۱۰...... مروجہ عید کارڈ شریعت سے ثابت نہیں، اس لئے اس کو کارِ خیر یا ثواب سمجھنا غلط ہے، اور اگر اس میں خرابیاں بھی شامل ہوں، مثلاً اس کو ضروری سمجھنا، اس میں قیمتی پیسے اور وقت کو خرچ کرنا، اس میں جاندار کی تصاویر کا ہونا اور اس میں فحش اور بے حیائی کی باتوں کا شامل ہونا، وغیرہ وغیرہ، تو پھر اس کے ناجائز وگناہ ہونے میں شبہ نہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۱...... بعض لوگ عید کے دِنوں میں بھیک مانگنے کے پیشہ میں مبتلا ہوتے ہیں، جبکہ یہ تو اللہ سے مانگنے کا موقع ہے اور بلا ضرورت مانگنا یا اس کو پیشہ بنانا تو ویسے ہی گناہ ہے، اس کی عید کے مبارک موقع پر کیسے اجازت ہوسکتی ہے؟

مسئلہ نمبر ۱۲...... اگر کسی موقع پر عید اور جمعہ ایک دن جمع ہو جائیں تو اس کو بعض لوگ، عوام یا حکومت پر بھاری سمجھتے ہیں، اور اس سے طرح طرح کی بدفالی لیتے ہیں۔

اس قسم کی بدفالی سخت گناہ ہے، عید کا جمعہ یا کسی بھی دن واقع ہونا صرف اور صرف اللہ کے حکم سے ہے، بندوں کا اس میں کوئی دخل نہیں، جب اللہ کا حکم ہوتا ہے چاند انتیس دن پر نظر آجاتا ہے اور جب مہینہ کے تیس دن کے ہونے کا حکم ہوتا ہے تو مہینہ تیس دن کا ہوتا اور عید کے دنوں کی تبدیلی ہوتی ہے اور اللہ کے ہر حکم میں بندوں کے لئے کوئی نہ کوئی مصلحت اور حکمت ہوتی ہے، جب شریعت نے عید اور جمعہ ایک دن جمع ہونے کو معیوب قرار نہیں دیا، تو اس کو معیوب یا منحوس سمجھنے اور اس سے بدفالی وبدشگونی لینے کا کیا مطلب؟

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ نبوت اور صحابۂ کرام کے مبارک زمانے میں بھی ایسے مواقع آئے کہ عید اور جمعہ ایک دن واقع ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے اس کو دو عیدوں کے جمع ہونے والا دن قرار دیا، اور عید اور جمعہ کی نمازیں اپنے اپنے وقتوں پر ادا فرمائیں۔

اس لئے اپنی طرف سے اس کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا جائز نہیں، بلکہ اگر غور کیا جائے تو جمعہ اور عید ایک دن جمع ہونے میں زیادہ خیر معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایک تو خود عید کا دن بابرکت ہے، دوسرے جمعہ کا دن بھی بذاتِ خود بابرکت دن اور ہفتہ بھر کے تمام دنوں کا سردار ہے، لہٰذا ایک وقت میں دونوں دنوں کی برکات جمع ہونے میں زیادہ خیر و برکت ہوگی۔

ہاں اگر دنیا دار لوگوں کو اس اعتبار سے بھاری گزرتا ہو کہ ایک ہی دن میں عید اور جمعہ کی دو نمازوں کا اہتمام کرنا پڑتا ہے تو یہ دنیا داروں کا معاملہ ہے، اور دیندار لوگ تو خوش ہوتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ جس نے عید اور جمعہ کی دونوں نمازوں کی ایک ہی دن میں سعادت جمع کر کے عطا فرما دی۔

مسئلہ نمبر ۱۳...... عید کے دن اگر کوئی عذر نہ ہو تو شرعی حدود میں رہتے ہوئے اپنے عزیز واقارب سے ملاقات کے لیے جانا فی نفسہٖ جائز ہے، لیکن اس کو ضروری سمجھنا یا اگر کوئی ملاقات کرنے نہ آسکے، اس پر ناگواری کا اظہار کرنا جائز نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۴...... بعض لوگ عید کی نماز پڑھنے تک یا عید کے دن قربانی کا گوشت کھانے تک بھوکا پیاسا رہنے کو روزہ کا نام دیتے ہیں، یہ کم علمی کی بات ہے۔

---

[1] قد تقدم ان السنة فی الخروج الیٰ صلاة العیدین سُرعة الدوبة الی الاھل فلا یشتغل بزیارة القبور ولہٗ ان یزور اخوانہٗ من الاحیاء لکن ان کان لہٗ اھل فلیبدأ بھم ویزیل تشوفھم الیہ ثم بعد ذالک یمض لما یختارہ من زیارة ماذکر وان لم یکن لہٗ اھل فلیمض الیٰ اخوانہ ومعارفة المتقین من الاولیاء والصالحین للتبرک برؤیتھم والتماس الدعاء منھم لکن یتحری وقت زیارتھم اذ ان الغالب من اخوانہ انھم یضحون والسنة فیھا ان یتولی المکلف ذالک بنفسہ فاذا خرج الوقت الذی ھو معد للذبح غالباً فلیمش علیھم کما تقدم ذکرہ وان علم ان فیھم من لم یذبح فلہٗ ان یأتی الیہ فی ای وقت شاء لعدم المانع (المدخل ج۲ ص ۲۸۸، ۲۸۹، فصل فی انصراف الناس عن صلاة العید)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عیدالاضحیٰ کے دن عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا پینا ثابت ہے، اسی طرح عید کی نماز کے بعد قربانی کے گوشت سے کھانے کی ابتداء بھی ثابت ہے، لیکن نہ تو یہ روزہ ہے، اور نہ ہی کوئی ضروری عمل ہے، بلکہ صرف سنت ومستحب درجے کا عمل ہے، اور وہ بھی اس کے لئے، جس کو کوئی عذر نہ ہو (اس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے) [1]

مسئلہ نمبر ۱۵...... مروَّجہ عیدی کا لین دین عید کی سنت نہیں، اور اگر کوئی سنت اور ضروری سمجھے بغیر خوشی کے طور پر اپنی حسبِ حیثیت ہدیہ یا صدقہ کے طور پر دے اور نہ دینے کی صورت میں کوئی اعتراض والزام بھی نہ ہو اور ادلہ بدلی بھی پیشِ نظر نہ ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ اور اگر اس قسم کی کوئی خرابی شامل ہو تو پھر جائز نہیں۔ اسی طرح گوشت کا لین دین ضروری سمجھنا اور کسی کے گھر سے نہ آئے تو اس کو معیوب قرار دینا یا اس میں ادلا بدلی اور قرض کی نیت کرنا بھی جائز نہیں کہ اگر کسی جگہ سے گوشت آئے تو وہاں اپنی طرف سے بھی بھیجنا ضروری سمجھا جاتا ہے بلکہ بعض جگہ خالی برتن واپس آنے کو بھی بُرا سمجھا جاتا ہے، ہاں اگر تمام رسموں اور خرابیوں سے بچ کر اور ایک ہدیہ یا صدقہ کی شکل میں دوسرے کو گوشت دیا جائے، تو حرج نہیں، بلکہ ثواب ہے (ملاحظہ ہو بہشتی زیور حصہ ۶ ''عید کی رسموں کا بیان'') [2]

---

[1] وفیہ اشارۃ ان ھٰذا الامساک لیس بصوم ولذا لم یشترط النیۃ (مجمع الانھر ج ۱ ص ۱۷۵، باب صلاۃ العیدین، صفۃ صلاۃ العید)

[2] وقریب من ھذا المعنی ما یفعلہ بعضھم فی تفرقۃ لحم الأضحیۃ، إذ أنھم یھدون اللحم للجار وغیرہ، ثم إن بعضھم تتشوف نفسہ للعوض عنہ، ثم إن الجار وغیرہ یکافء علی ذلک فی الغالب بمثلہ، أو أقل، أو أکثر، والمعطی، والآخذ کل واحد منھما ینظر فیما یعطیہ صاحبہ من العوض فیرضی بہ، أو یسخطہ، فقد خرج ھذا عن باب المھاداۃ بقصد من قصد العوض عنہ.
والأضحیۃ لا یتعوض عنھا بخلاف غیرھا من الھدایا، فإنہ یجوز فیھا العوضیۃ بشرطھا، وقد تقدم فی ھدیۃ الجیران الطعام یتعوضون عنہ أن ذلک لا یجوز، فالحاصل من ھذا أن فاعل السنۃ فیما ذکر قلیل من قلیل، واعلم وفقنا اللہ وإیاک أن ھذا المنع المذکور فی إھداء اللحم مبنی علی ما ذکر من المقاصد الذمیمۃ وما شاکلھا، وأما من کان یعطی للہ تعالی ویأخذ للہ تعالی ولا یلتفت إلی التعویض ولا ینظر إلیہ فھذا لا یدخل فی النھی المتقدم ذکرہ، بل ھو من أعلی المراتب وأسناھا (المدخل لابن الحاج، ج ۱ ص ۲۸۵، الموسم الاول، عید الاضحی)

مسئلہ نمبر ۱۶...... عید کے دن اپنے اہل وعیال پر حسبِ حیثیت کسی بھی قسم کے کھانے کی وسعت کرنا اور اس دن گھر میں اپنی استطاعت کے مطابق کوئی بھی اچھا اور اپنا کوئی بھی پسندیدہ کھانا بنالینا مستحب ہے، بشرطیکہ اس میں غلو، اسراف اور تکلف نہ کیا جائے اور کسی خاص قسم کے کھانے کو زیادہ ثواب کا باعث نہ سمجھا جائے۔ [1]

شریعت کی طرف سے اس دن کسی خاص قسم کا کھانا تیار کرنے کی پابندی نہیں لگائی گئی، ہر شخص اپنی حیثیت اور رغبت کو ملحوظ رکھ کر اس عمل کو اختیار کرسکتا ہے۔

اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید کے دن ''شیر'' پکانا، عید کی سنت نہیں، البتہ کوئی شخص اپنی پسند ورغبت کی وجہ سے پکالے، اور اس کو سنت اور ضروری نہ سمجھے، تو اس میں گناہ نہیں۔

اور اگر اس کو عید کی سنت یا ضروری سمجھے، تو پھر گناہ ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۷...... بعض لوگ پہلی عید پر فوتگی والے گھر میں جانے کی رسم ضروری سمجھتے ہیں، جس میں وہاں جا کر تعزیت اور افسوس کا اظہار و دعا کرتے ہیں، جبکہ فوتگی کو کافی عرصہ گزر چکا ہوتا ہے اور اپنے موقع پر تعزیت کی سنت بھی ادا کی جا چکی ہوتی ہے۔

اس کا بھی شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا اس رسم کو اختیار کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

مسئلہ نمبر ۱۸...... بعض علاقوں میں جس گھر میں فوتگی ہوجاتی ہے تو اس کے بعد آنے والی پہلی عید کے موقع پر اس گھر کے افراد خوشی منانا اور اچھے کپڑے وغیرہ پہننا معیوب سمجھتے ہیں، اگرچہ عید سے پہلے فوتگی کے بعد انہوں نے مختلف موقعوں پر تقریبات وغیرہ میں شریک ہوکر اچھے لباس اور خوشی کے اظہار کا کتنا ہی اہتمام کیوں نہ کیا ہو، لیکن جس دن یہ لوگ اللہ تعالیٰ

---

[1] السنة فی عید الفطر التوسعة فیه علی الاهل بای شئ کان من الماکول اذ لم یرد الشرع فیه بشئ معلوم فمن وسع علیٰ اهله فیه فقد امتثل السنة ویجوز ان یتخذ فیه طعاماً معلوماً اذ هو من المباح لکن بشرط عدم التکلف فیه وبشرط ان لا یجعل ذالک سنة یستن بها فمن خالف ذالک فکانهٗ ارتکب کبیرة واذا وصل الامر الیٰ هٰذا الحد ففعل ذالک بدعة اذ انهٗ بسبب ذالک ینسب الی السنة مالیس منها، وکذالک یشترط فیه ان یکون علیٰ لسان العلم (المدخل لابن الحاج، ج ۱ ص۲۸۷، الموسم الثانی عید الفطر)

کے مہمان ہوتے ہیں اور خاص اس دن میں خوشی کا اظہار اور اچھا لباس پہننا، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار کرنا اللہ کو پسند اور ثواب کا کام ہوتا ہے، اس دن یہ لوگ اچھے خاصے سوگوار بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔

اس طرزِ عمل کو ترک کرنے کی ضرورت ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۹...... بعض لوگ عید جیسے مبارک دن پتنگ بازی اور اس جیسے دوسرے گناہ میں مصروف ہوکر یہ بابرکت وقت اور پیسہ برباد کرتے ہیں، اور اگر خود پتنگ بازی یا دوسرے گناہ میں مصروف نہ ہوں تو اپنی اولاد اور ماتحتوں کو اس کے لیے پیسے اور مواقع فراہم کرتے ہیں۔

ان سب چیزوں کا عید کے مبارک دن سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور عید کے مبارک دنوں میں یہ کام کرنا زیادہ بُرائی کا حامل ہے، جن سے اہتمام کے ساتھ بچنے بچانے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

(تفصیل کے لئے ہماری دوسری کتاب ''شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

😐

عیدُ الاضحیٰ کی نماز اور خطبہ کے احکام وآداب

مسئلہ نمبر۱...... عید کے دن دو رکعات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکرانہ کے طور پر مقرر کی گئی ہیں، جس کو عید کی نماز کہا جاتا ہے۔

اور عید کی نماز بعض حضرات کے نزدیک سنت، اور بعض کے نزدیک فرضِ کفایہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سمیت بعض حضرات کے نزدیک واجب ہے۔ [۱]

---

[۱] وأما صلاة العيد، فاختلف العلماء فيها على ثلاثة أقوال:
أحدها :أنها سنة مسنونة، فلو تركها الناس لم يأثموا .هذا قول الثوري ومالك والشافعي وإسحاق وأبي يوسف، وحكي رواية عن أحمد .واختلفوا :هل يقاتلون على تركها؟ وفيه وجهان للشافعية . وقال أبويوسف :آمرهم وأضربهم؛ لأنها فوق النوافل، ولا أقاتلهم؛ لأنها دون الفرائض .وقد يتعلق لهذا القول بإخبار النبي -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -عن المصلي يوم العيد أنه أصاب السنة .ولا دليل فيه؛ فإن السنة يراد بها الطريقة الملازمة الدائمة، كقوله :(سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلاً)والقول الثاني :أنها فرض كفاية فإذا أجمع أهل بلد على تركها أثموا وقوتلوا على تركها .وهو الظاهر مذهب أحمد، نص عليه في رواية المروذي وغيره .وهو قول طائفة من الحنفية والشافعية .والقول الثالث :أنها واجبة على الأعيان كالجمعة .وهو قول أبي حنيفة، ولكنه لا يسميها فرضاً. وحكى أبو الفرج الشيرازي -من أصحابنا -رواية عن أحمد :أنها فرض عين .وقال الشافعي -في) (مختصر المزني) :- من وجب عليه حضور الجمعة وجب عليه حضور العيدين .وهذا صريح في أنها واجبة على الأعيان .وليس ذلك خلافاً لإجماع المسلمين، كما ظنه بعضهم(فتح الباري لابن رجب، ج۸ص،۴۲۴، ۴۲۵، ابواب العيدين)

(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة) فإنها سنة بعدها،وفي القنية :صلاة العيد في القرى تكره تحريما أي لأنه اشتغال بما لا يصح لأن المصر شرط الصحة(الدر المختار)

(قوله :في الأصح) مقابله القول بأنها سنة وصححه النسفي في المنافع لكن الأول قول الأكثرين كما في المجتبى ونص على تصحيحه في الخانية والبدائع والهداية والمحيط والمختار والكافي النسفي .وفي الخلاصة هو المختار لأنه -صلى الله عليه وسلم -واظب عليها وسماها في الجامع الصغير سنة لأن وجوبها ثبت بالسنة حلية قال في البحر :والظاهر أنه لا خلاف في الحقيقة لأن المراد من السنة :المؤكدة بدليل قوله :ولا يترك واحد منهما وكما صرح به في المبسوط، وقد ذكرنا مرارا أنها بمنزلة الواجب عندنا ولهذا كان الأصح أنه يأثم بترك السنة المؤكدة كالواجب . اهـ .وسيأتي له نظير ذلك في تكبير التشريق وفيه كلام ستعرفه(ردالمحتار، ج۲ص۱۶۶،۱۶۷، كتاب الصلاة، باب العيدين)

مسئلہ نمبر۲...... عید کی نماز کا حکم عائد ہونے اور عید کی نماز صحیح ہونے کی اکثر شرائط جمعہ کی نماز کی طرح ہیں۔ [1]

چنانچہ عید کی نماز کا حکم عائد ہونے کے لئے عاقل، بالغ، آزاد، صحت مند، مَرد اور مقیم ہونا ضروری ہے۔

مجنون و پاگل اور نابالغ اور شرعی غلام اور بیمار ومریض اور عورت اور مسافر پر عید کی نماز لازم نہیں ہے۔

تاہم کوئی نابالغ، غلام، بیمار، مسافر، یا عورت عید کی نماز پڑھے، تو ادا ہو جاتی ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۳...... عید کی نماز صحیح ہونے کے لئے عید کی نماز کا وقت ہونا، اور عید کی نماز کا باجماعت پڑھنا، اور عید کی نماز کا شہر یا قصبہ میں ہونا ضروری ہے۔

---

[1] (وشرائطها كشرائط الجمعة وجوبا وأداء) تمييز أى كشرائط وجوب الجمعة ووجوب أدائها من نحو الإقامة والمصر فلا يصلى أهل القرى والبوادى (سوى الخطبة) فإنها تجب فى الجمعة لا فى العيد (مجمع الانهر، ج ا ص ۱۷۲، كتاب الصلاة،باب صلاة العيدين،شرائط صلاة العيد)

[2] الذكورة، والعقل، والبلوغ، والحرية، وصحة البدن، والإقامة من شرائط وجوبها كما هى من شرائط وجوب الجمعة حتى لا تجب على النسوان والصبيان والمجانين والعبيد بدون إذن مواليهم والزمنى والمرضى والمسافرين، كما لا تجب عليهم لما ذكرنا فى صلاة الجمعة ولأن هذه الأعذار لما أثرت فى إسقاط الفرض فلأن تؤثر فى إسقاط الواجب أولى، وللمولى أن يمنع عبده عن حضور العيدين كما له منعه عن حضور الجمعة لما ذكرنا هناك(بدائع الصنائع، ج ا ص ۲۷۵، فصل شرائط وجوب وجواز صلاة العيدين)

(قوله وشرط وجوبها :الإقامة والذكورة والصحة والحرية وسلامة العينين والرجلين) فلا تجب على مسافر، ولا على امرأة، ولا مريض، ولا عبد ولا أعمى، ولا مقعد؛ لأن المسافر يحرج فى الحضور، وكذا المريض والأعمى والعبد مشغول بخدمة المولى والمرأة بخدمة الزوج فعذروا دفعا للحرج والضرر، ولم أر حكم الأعمى إذا كان مقيما بالجامع الذى تصلى فيه الجمعة، وأقيمت وهو حاضر هل تجب عليه لعدم الحرج أو لا، وإنما لم يذكر العقل والبلوغ والإسلام؛ لأنها شرط كل تكليف فلا حاجة إلى ذكرها هنا كما فى الخلاصة وأما الشيخ الكبير الذى ضعف فهو ملحق بالمريض فلا يجب عليه، وفى فتح القدير والمطر الشديد والاختفاء من السلطان الظالم مسقط فلو قال المصنف وشرط وجوبها الإقامة والذكورة والصحة والحرية ووجود البصر والقدرة على المشى وعدم الحبس والخوف والمطر الشديد لكان أشمل(البحرالرائق، ج ۲ ص ۱۶۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

وقت گزرنے کے بعد، اور اسی طرح بغیر جماعت کے، اور اسی طرح حنفیہ کے نزدیک گاؤں یا جنگل میں عید کی نماز پڑھنا درست نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... سورج نکلنے کے تھوڑی دیر بعد (اشراق کا وقت ہونے پر) عید کی نماز کا وقت

---

[1] أما بيان شرائط وجوبها فكل ما هو شرط وجوب الجمعة فهو شرط وجوب صلاة العيدين من الإمام والمصر والجماعة إلا الخطبة فإنها سنة بعد الصلاة بإجماع الصحابة(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ا ص ۱۶۶ ، باب صلاة العيدين)

وأما الشرائط التى ترجع إلى غير المصلى فخمسة فى ظاهر الروايات، المصر الجامع، والسلطان، والخطبة، والجماعة، والوقت(بدائع الصنائع، ج ا ص ۲۵۹ ، كتاب الصلاة،فصل صلاة الجمعة)

الجماعة فى العيدين وإن كانت واجبة أو سنة على القولين فيها فهى شرط الصحة على كل قول؛ لأن شرائط العيدين وجوبا وصحة شرائط الجمعة إلا الخطبة فلا تصح صلاة العيدين منفردا كالجمعة ولا يلزم من بطلان الوصف بطلان الأصل على المذهب(البحرالرائق، ج ا ص ۳۶۶، كتاب الصلاة، باب الامامة)

وحاصله أنه لا تصح إقامتها إلا لمن أذن له السلطان بواسطة أو بدونها، أما بدون ذلك فلا كما هو صريح ما يذكره الشارح عن السراجية، نعم وقع فى فتاوى ابن الشلبى ما يوهم ما أوهمه كلام الشارح حيث سئل عن ثغر فيه جوامع لها خطباء ليس لأحد منهم إذن صريح من السلطان مع علم السلطان بذلك الثغر وبإقامة الجمع والأعياد فى جوامعه فهل يكون ذلك إذنا دلالة؟ فأجاب بأن أمور المسلمين محمولة على السداد، وقد جرت العادة بأن من بنى جامعا، وأراد إقامة الجمعة استأذن الإمام فإذا وجد الإذن أول مرة فقد حصل به الغرض والإذن بعد ذلك اهـ ملخصا لكن يمكن حمله على ما مر أى فلا يشترط إذن السلطان ثانيا بل كل خطيب له أن يستنيب للاكتفاء بالإذن أول مرة والله أعلم(ردالمحتار، ج۲ ص ۱۴۱ ، باب الجمعة)

اور نوادر کی روایت کے مطابق ''لوگوں کے داخلے کی عام اجازت کے ساتھ نماز ادا کرنا'' بھی ضروری ہے۔

لیکن اگر اس شہر یا قصبہ میں اس کے علاوہ دوسری جگہ عید کی نماز ہو رہی ہو تو کسی حفاظتی تدبیر کے طور پر عام داخلے کی ممانعت میں کوئی حرج نہیں۔

(قوله والإذن العام) أى شرط صحتها الأداء على سبيل الاشتهار حتى لو أن أميرا أغلق أبواب الحصن وصلى فيه بأهله وعسكره صلاة الجمعة لا تجوز كذا فى الخلاصة، وفى المحيط، فإن فتح باب قصره وأذن للناس بالدخول جاز ويكره؛ لأنه لم يقض حق المسجد الجامع وعللوا الأول بأنها من شعائر الإسلام وخصائص الدين فيجب إقامتها على سبيل الاشتهار، وفى المجتبى فانظر إلى السلطان يحتاج إلى العامة فى دينه ودنياه احتياج العامة إليه فلو أمر إنسانا يجمع بهم فى الجامع، وهو فى مسجد آخر جاز لأهل الجامع دون أهل المسجد إلا إذا علم الناس بذلك اهـ.

ولم يذكر صاحب الهداية هذا الشرط؛ لأنه غير مذكور فى ظاهر الرواية، وإنما هو رواية النوادر كما فى البدائع(البحرالرائق، ج۲ ص ۱۶۲ ، ۱۶۳ ،كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

شروع ہوجاتا ہے اور زوال سے پہلے تک رہتا ہے، اس دوران کسی وقت بھی عید کی نماز ادا کرنا درست ہے۔ [1]

البتہ مستحب یہ ہے کہ عیدُ الاضحیٰ کی نماز عیدُ الفطر کی نماز کے مقابلہ میں جلدی ادا کی جائے، تاکہ لوگ نماز سے فارغ ہوکر قربانی کا انتظام کرسکیں۔ [2]

مسئلہ نمبر۵...... اگر سخت بارش یا کسی اور عذر سے شہر میں کسی بھی جگہ عیدُ الاضحیٰ کی نماز پہلے دن ادا نہ کی جاسکی یا پڑھنے کے بعد (جبکہ وقت گذر گیا تھا) معلوم ہوا کہ عیدُ الاضحیٰ کی نماز نہیں ہوئی تھی، مثلاً امام کا وضو نہ تھا تو دوسرے دن زوال سے پہلے ادا کی جائے اگر دوسرے دن بھی نہ پڑھی جاسکے تو عیدُ الاضحیٰ کی نماز تیسرے دن بھی زوال تک ادا کی جاسکتی ہے۔

---

[1] وأما الوقت فقال أبو الحسن وقت صلاة العيدين من حين تبيض الشمس إلى أن تزول لما روى عن النبى عليه السلام أنه كان يصلى العيد والشمس قدر رمح أو رمحين(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ا ص ۱۶۶، باب صلاة العيدين)

وأما بيان وقت أدائها فقد ذكر الكرخي وقت صلاة العيد :من حين تبيض الشمس إلى أن تزول لما روى عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه كان يصلي العيد والشمس على قدر رمح، أو رمحين وروى أن قوما شهدوا برؤية الهلال فى آخر يوم من رمضان فأمر رسول الله -صلى الله عليه وسلم - بالخروج إلى المصلى من الغد.ولو جاز الأداء بعد الزوال لم يكن للتأخير معنى؛ ولأنه المتوارث فى الأمة فيجب اتباعهم، فإن تركها فى اليوم الأول فى عيد الفطر بغير عذر حتى زالت الشمس سقطت أصلا سواء تركها لعذر أو لغير عذر(بدائع الصنائع ،ج ا ص ۲۷۶،فصل بيان وقت أداء صلاة العيدين)

[2] اورامساک کے استحباب پر بھی بآسانی عمل کرسکیں۔

ويستحب تعجيل صلاة الأضحى لتعجيل الأضاحى، وفى المجتبى ويستحب أن يكون خروجه بعد ارتفاع قدر رمح حتى لا يحتاج إلى انتظار القوم، وفى عيد الفطر يؤخر الخروج قليلا كتب النبى - صلى الله عليه وسلم -إلى عمرو بن حزم عجل الأضحى وأخر الفطر قيل ليؤدى الفطرة ويعجل الأضحية (البحرالرائق، ج۲ص۱۷۳،كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

ويستحب تعجيل الإمام الصلاة فى أول وقتها فى الأضحى وتأخيرها قليلا عن أول وقتها فى الفطر بذلك كتب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى عمرو بن حزم وهو بنجران عجل الأضحى وأخر الفطر قيل ليؤدى الفطر ويعجل إلى التضحية زاهدى وحلبى وابن أمير حاج(حاشية الطحطاوى على المراقى، ص ۵۳۲، باب الجمعة)

قال ويؤخر الفطر ويعجل الأضحى ومن صلى قبل طلوع الشمس أعاد ،وهذا كله مروى معناه عن مالك وهو قول سائر العلماء (الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار،باب غدو الإمام فى العيدين وانتظار الخطبة)

مگر بلا عذر اتنی تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ ۱؎

۱؎ (وأحكامها أحكام الأضحى لكن هنا يجوز تأخيرها إلى آخر ثالث أيام النحر بلا عذر مع الكراهة وبه) أى بالعذر (بدونها) فالعذر هنا لنفى الكراهة وفى الفطر للصحة(الدرالمختار)

(قوله لكن هنا) أى في الأضحى (قوله :يجوز تأخيرها إلخ) وتكون فيما بعد اليوم الأول قضاء أيضا كما في أضحية البدائع والزيلعي (قوله :بلا عذر مع الكراهة) أثبت في المجتبى والجوهرة والبزازية وغيرها الإساء ة بالتأخير لغير عذر، وبه يعلم أنها كراهة تحريم تأمل رملي.

قلت :إطلاق الكراهة تبعا للبحر والدرر يفيد التحريم، وأما الإساءة فقدمنا في سنن الصلاة الخلاف في أنها دون الكراهة أو أفحش، ووفقنا بينهما بأنها دون التحريمية وأفحش من التنزيهية (ردالمحتار، ج۲ص۱۷۶، باب العيدين)

(قوله وتؤخر بعذر إلى ثلاثة أيام) ؛ لأنها موقتة بوقت الأضحية فتجوز ما دام وقتها باقيا، ولا تجوز بعد خروجه؛ لأنها لا تقضى قيد بالعذر؛ لأن تأخيرها لغير عذر عن اليوم الأول مكروه بخلاف تأخير عيد الفطر لغير عذر فإنه لا يجوز، ولا يصلى بعده فالتقييد بالعذر هنا لنفى الكراهة، وفى عيد الفطر للصحة كذا في أكثر الكتب المعتمدة، وفى المجتبى، وإنما قيده بالعذر؛ لأنه لو تركها في اليوم الأول بغير عذر لم يصلها بعد كذا في صلاة الجلابي، وهو من جملة غرائبه -رحمه الله - (البحرالرائق ج۲ص۱۷۶، باب العيدين)

قال -رحمه الله -(وتؤخر بعذر إلى ثلاثة أيام) أى صلاة الأضحى ولا تؤخر إلى أكثر من ذلك ؛ لأنها مؤقتة بوقت الأضحية فتجوز ما دام وقتها باقيا ولا تجوز بعد خروجه ؛ لأنها لا تقضى ، ثم العذر هنا لنفى الكراهية حتى لو أخروها إلى ثلاثة أيام من غير عذر جازت الصلاة وقد أساء وا وفى الفطر للجواز حتى لو أخروها إلى الغد من غير عذر لا تجوز(تبيين الحقائق، ج۱ص۲۲۵، باب صلاة العيد)

(ويجوز تأخيرها) أى صلاة الأضحى (إلى الثاني والثالث بعذر وبغير عذر) ولا يصلى بعد ذلك لأنها مؤقتة بوقت الأضحية وهو ثلاثة أيام لكنه يسيء بالتأخير من غير عذر لما فيه تأخير الواجب بلا ضرورة عند القائل بالوجوب فالعذر في الأضحى لنفى الكراهة وفى الفطر للجواز(مجمع الانهر ج۱ص۱۷۵، باب صلاة العيدين)

(والأحكام) المذكورة (في الفطر هي الأحكام في الأضحى لكن فيه) أى الأضحى (جاز تأخيرها) أى الصلاة (إلى ثالث أيام النحر بلا عذر بكراهة و) جاز تأخيرها إلى الثالث (به) أى بعذر (بدونها) أى الكراهة فإنها مؤقتة بوقت الأضحية فتجوز ما دام وقتها باقيا ولا تجوز بعد خروجه؛ لأنها لا تقضى والعذر هنا لنفى الكراهة وفى الفطر للجواز حتى لو أخروها إلى الغد بلا عذر لم يجز (درر الحكام شرح غرر الاحكام، ج۱ص۱۴۴، باب صلاة العيدين)

وفى عيد الأضحى إن تركت في يوم النحر لعذر تؤدى في اليوم الثاني فإن تركت في اليوم الثاني لعذر أيضا تؤدى في اليوم الثالث أيضا،وكذلك قالوا إذا تركت بغير عذر تؤدى في اليوم الثاني والثالث وتسقط بعد ذلك سواء دام العذر أو انقطع لأن القياس أن لا تؤدى إلا في يوم العيد لأنها عرفت بصلاة العيد،وإنما عرف جواز الأداء في اليوم الثاني في عيد الفطر بالنص الخاص في حالة العذر وفى عيد الأضحى في اليوم الثاني والثالث استدلالا بالأضحية لأنها تجوز في اليوم الثاني (تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج۱ص۱۶۶، باب صلاة العيدين)

مسئلہ نمبر ۶ ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عید کی نماز کا ہمیشہ با جماعت پڑھنا ہی ثابت ہے، اس لئے عید کی نماز کے لئے جماعت کا ہونا ضروری ہے۔

اور اگر چہ عید کی نماز کا بڑے مجمع کے ساتھ پڑھنا سنت ہے، لیکن عید کی نماز صحیح ہونے کے لئے کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری وکافی ہے۔

پھر بعض حضرات کے نزدیک تو امام سمیت تین آدمیوں کا ہونا کافی ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، جو امام کے ساتھ شروع نماز سے شریک ہوں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷...... جمعہ اور عیدین کی نماز کا حکم جنگل اور عام دیہات میں نہیں ہے، بلکہ شہروں اور قصبوں میں ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی جنگل اور عام دیہات میں جمعہ وعیدین کی نماز پڑھنا ثابت نہیں، اور دیہات والوں کا شہر میں آکر جمعہ وعیدین کی نماز میں شریک ہونا ہی ثابت ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۸...... حجاج کرام پر حج کے مناسک واعمال میں مشغولی کی وجہ سے عیدُ الاضحیٰ کی

---

[1] واشتراط الجماعة لها وكونها ثلاثة سوى الإمام (ردالمحتار، ج۲ص۱۶۵، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

ومن شرائطها :الجماعة وأقلهم عند أبى حنيفة ثلاثة سوى الإمام وقال أبو يوسف ومحمد :اثنان سوى الإمام(المختصر القدورى، باب صلاة الجمعة)

قوله واشتراط الجماعة لها أى لصلاة الجمعة وفيه أن الجماعة كما هى شرط لها شرط لصلاة العيدين .قوله وكونها بالجر عطف على الجماعة أى واشتراط كو الجماعة ثلاثة سوى الإمام وفيه أن كونها ثلاثة سوى الإمام ليس شرطا خاصا بالجمعة بل كذلك صلاة العيدين(غمز عيون البصائر،القول فى أحكام يوم الجمعة)

[2] من شرائطها المصرويشترط لهاجميع مايشترط للجمعة وجوباً واداءً الاالخطبة فانها ليست بشرط لها بل سنة بعدها للنقل المستفيض بذالک .ثم يستحب لصلوٰة العيد مايستحب للجمعة الخ (حلبى كبير ص۲۶۶)

وفى القنية صلاة العيد فى الرساتيق تكره كراهة تحريم اهـ؛ لأنه اشتغال بما لا يصح؛ لأن المصر شرط الصحة(البحر الرائق،ج ۲ ص ۱۷۱، كتاب الصلاة ، باب العيدين)

نماز معاف کردی گئی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۹...... عید کی نماز ایک شہر یا قصبے میں کئی جگہ پڑھنا جائز ہے مگر حتی الامکان ہر محلّہ میں چھوٹے چھوٹے اجتماعوں کی بجائے کم از کم مقامات پر بڑے بڑے اجتماعات کی کوشش کرنی چاہیے۔

بڑے اجتماع میں اسلام کی شوکت کا مظاہرہ بھی ہے، اور کوئی عذر نہ ہو تو عید کی نماز آبادی سے باہر نکل کر بڑے میدان یا عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے۔

مسئلہ نمبر۱۰...... عید اور جمعہ اگر ایک دن واقع ہوں، تو شہر اور قصبہ والوں کو عید اور جمعہ کی دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر پڑھنا ضروری ہوگا۔

---

[1] لا يصلى بمنى صلاة العيد بالاتفاق، لا لعدم المصرية بل لاشتغال الحاج بأعمال المناسک فى ذلک اليوم، فوضع عنهم صلاة العيد بخلاف الجمعة؛ لأنه لا يتفق كل سنة هجوم الجمعة فى ايام الرمى بمنى بخلاف صلاة العيد؛ لأنها لو شرعت كانت فى كل سنة، وإنما تجوز الجمعة بمنى عندهما إذا كان ثمه أمير مكة أو أمير الحجاز أو الخليفة، اما أمير الموسم ليس له حق اقامة الجمعة، انما فوض اليه رعاية الحاج وسياستهم، فإن استعمل على مكة يقيم الجمعة بمنى عندهما أيضاً، وإن لم يستعمل على مكة واستعمل على الموسم لا غير، فإن كان من أهل مكة يقيم الجمعة بمنى عندهما أيضاً، وإن لم يكن من أهل مكة لا يقيم الجمعة عندهما أيضاً(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۲ ص ۴۴۲، کتاب الصلاة،الفصل الخامس والعشرون فى صلاة الجمعة)

(وليس على أهل منى يوم النحر صلاة العيد) ؛ لأنهم فى وقت صلاة العيد مشغولون بأداء المناسک فلا يلزمهم صلاة العيد(المبسوط للسرخسى، ج۱۲ ص ۱۹، باب الأضحية)

وإنما لا تقام صلاة العيد بمنى اتفاقا للتخفيف لا لكونها ليست مصرا(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ ص ۱۵۳، باب صلاة الجمعة)

وكذا لا يصلى بمنى صلاة العيد اتفاقا لاشتغال الناس بأعمال المناسک فى ذلک اليوم(شرح النقاية، ج۱ ص ۴۸۴)

لا يصلى صلاة العيد لأجل التخفيف على الناس، لأنهم مشتغلون بأمور المناسک(البناية شرح الهداية، ج۳ ص ۴۸، باب صلاة الجمعة،الجمعة بمنى وعرفات)

وفى شرح الأشباه للبيرى من كتاب الصيد أن منى موضع تجوز فيه صلاة العيد إلا أنها سقطت عن الحاج، ولم نر فى ذلک نقلا مع كثرة المراجعة(رد المحتار على الدر المختار، ج۲ ص ۵۲۰، کتاب الحج)

قال فى مبسوط السرخسى :ليس على أهل منى يوم النحر صلاة العيد لأنهم فى وقتها مشغولون بأداء المناسک(رد المحتار على الدر المختار، ج٦ ص ۳۱۸، كتاب الأضحية)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

البتہ عام گاؤں، دیہات والے اگر شہر وقصبہ میں آ کر عید کی نماز ادا کریں، توان کو عید کی نماز پڑھ کر اپنے گھر جانے اور وہاں جا کر عید کا باقی دن گزارنے میں حرج نہیں۔ [1]

[1] (قد اجتمع فی یومکم هذا عیدان فمن شاء أجزأه من الجمعة) أی عن حضورها ولا یسقط عنه الظهر (وإنا مجمعون إن شاء الله) قاله فی یوم جمعة وافقت عیدا فإذا وافق یوم الجمعة یوم عید وحضر من تلزمه من أهل القری فصلوا العید سقطت عنهم الجمعة عند الشافعی کالجمهور ولم یسقطها أبو حنیفة(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، تحت حدیث رقم ۲۱۰۳)

وبه استدل أحمد علی سقوط الجمعة علی من صلی العید إذا وافق العید یوم الجمعة، وبه قال مالک مرة :وأجیب بأنهم إنما کانوا یأتون العید والجمعة من مواضع لا یجب علیهم المجیء فأخبر بما لهم فی ذلک(عمدة القاری للعینی، ج ۲۱ص ۱۶۱،کتاب الاضاحی،باب ما یؤکل من لحوم الأضاحی وما یتزود منها)

قال أبو عمر ذهب مالک رحمه الله فی إذن عثمان رضی الله عنه فیما ذهب لأهل العوالی إلی أنه عنده غیره معمول به ، ذکر بن القاسم عنه أنه قال لیس علیه العمل ، وذلک أنه کان لا یری الجمعة لازمة لمن کان من المدینة علی ثلاثة أمیال والعوالی عندهم أکثرها کذلک فمن هنا لم یر العمل علی إذن عثمان ورأی أنه جائز له خلافه باجتهاده إلی رؤی الجماعة العاملین بالمدینة بما ذهب إلیه فی ذلک .

وقال الثوری وأبو حنیفة والشافعی وأکثر أهل العلم إن إذن عثمان کان لمن لا تلزمه الجمعة من أهل العوالی لأن الجمعة لا تجب إلا علی أهل المصر عند الکوفیین،وأما الشافعی فتجب عنده علی من سمع النداء من خارج المصر، ولا یختلف العلماء فی وجوب الجمعة علی من کان بالمصر بالغا من الرجال الأحرار سمع النداء أو لم یسمعه.

قال أبو عمر وقد روی فی هذا الباب عن بن الزبیر وعطاء قول منکر أنکره فقهاء الأمصار ولم یقل به أحد منهم ،وذلک أن عبد الرزاق روی عن بن جریج قال قال عطاء إن اجتمع یوم الجمعة ویوم الفطر فی یوم واحد فلیجمعهما یصلی رکعتین فقط ولا یصلی بعدها حتی العصر .

قال بن جریج ثم أخبرنا عند ذلک قال اجتمع یوم فطر ویوم جمعة فی یوم واحد فی زمن بن الزبیر فقال بن الزبیر عیدان اجتمعا فی یوم واحد فجمعهما جمیعا صلی رکعتین بکرة صلاة الفطر ثم لم یزد علیها حتی صلی العصر .

وروی سعید بن المسیب عن قتادة قال سمعت عطاء یقول اجتمع عیدان علی عهد بن الزبیر فصلی العید ثم لم یخرج إلی العصر.

قال أبو عمر أما فعل بن الزبیر وما نقله عطاء من ذلک وأفتی به علی أنه قد اختلف عنه فلا وجه فیه عند جماعة الفقهاء وهو عندهم خطأ إن کان علی ظاهره لأن الفرض من صلاة الجمعة لا یسقط بإقامة السنة فی العید عند أحد من أهل العلم،وقد روی فیه قوم أن صلاته التی صلاها لجماعة ضحی یوم العید نوی بها صلاة الجمعة علی مذهب من رأی أن وقت صلاة العید ووقت الجمعة واحد وقد أوضحنا فساد قول من ذهب إلی ذلک فی باب المواقیت .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۱...... عید کی نماز کی دو رکعت ہیں، اور عید کی نماز پڑھنے کا طریقہ عام نمازوں کی طرح ہی ہے، البتہ عید کی نماز میں عام نمازوں کے مقابلہ میں چھ تکبیریں زیادہ ہیں، تین پہلی رکعت میں ثناء کے بعد اور سورہ فاتحہ سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قرائت کے بعد اور رکوع سے پہلے۔

پس پہلی رکعت میں تین زائد تکبیرات قرائت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قرائت کے بعد ہیں، اور اس طرح دونوں رکعتوں میں قرائت پے در پے ہے، دونوں سورتوں کی قراءت کے درمیان زائد تکبیرات حائل نہیں ہیں۔

اور اگر تکبیرِ تحریمہ اور دونوں رکعتوں کی رکوع کی تکبیرات کو بھی ان چھ زائد تکبیرات کے ساتھ شمار کیا جائے، تو مجموعی طور پر نو اور تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ آٹھ تکبیرات بن جاتی ہیں۔

عید کی نماز کا مکمل طریقہ یہ ہے کہ پہلے دل میں عیدُ الاضحیٰ کی دو رکعت چھ زائد تکبیروں کے ساتھ پڑھنے کی نیت کرے۔

پھر عام نمازوں کی طرح تکبیرِ تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے، اور ثناء (یعنی سُبحانَکَ اللّٰھُمَّ الخ) پڑھے، پھر وقفہ وقفہ سے تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر "اللہ اکبر" کہے، پہلی اور دوسری

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وتأول آخرون أنه لم يخرج إليهم لأن صلاها فى أهله ظهرا أربعا .
وهذا لا دليل فيه فى الخبر الوارد بهذه القصة عنه .
وعلى أى حال كان فهو عند جماعة العلماء خطأ وليس على الأصل المأخوذ به،والأصل فى ذلك ما ذكره على بن المدينى قال حدثنى يحيى بن سعيد قال حدثنا سفيان سمع عبد العزيز بن رفيع قال حدثنى ذكوان أبو صالح أن عيدين اجتمعا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى بهم صلاة العيد وقال إنكم قد أصبتم ذكرا وخيرا ونحن مجمعون إن شاء الله فمن شاء منكم أن يجمع فليجمع ومن شاء أن يجلس فليجلس،وقد روى حديث عبد العزيز بن رفيع مسندا وإن كان بن المدينى قال إن المرسل فيه عن عبد العزيز حديث شريف..........قال أبو عمر ليس فى شىء من آثار هذا الباب ما ذكرناه منها وما سكتنا عنه أن صلاة الجمعة لم يقمها الأئمة فى ذلك اليوم وإنما فيها أنهم أقاموها بعد إذنهم المذكور عنهم وذلك عندنا لمن قصد العيدين غير أهل المصر والله أعلم(الاستذكار لابن عبدالبر،كتاب العيدين، باب الأمر بالصلاة قبل الخطبة فى العيدين)

مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہنے کے ساتھ کانوں تک ہاتھ اٹھا کر چھوڑتا رہے، اور تیسری مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہنے کے بعد ہاتھ نہ چھوڑے، بلکہ سامنے باندھ لے، اور امام کو چاہئے کہ ہر مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہنے کے بعد کم از کم اتنی دیر ٹھہرے، جتنی دیر تین مرتبہ'' سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم '' کہنے میں لگتی ہے، مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے ضرورت ہو تو اس سے زیادہ بھی وقفہ کیا جاسکتا ہے۔

پہلی رکعت میں تین مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہنے کے بعد امام آہستہ آواز میں ''اَعُوْذُ بِاللہ'' اور ''بِسْمِ اللہ'' پڑھ کر عام نمازوں کی طرح اونچی آواز سے سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کسی سورت کی قرأت کرے اور حسبِ قاعدہ رکوع اور دوسجدوں کے ساتھ پہلی رکعت مکمل کرے۔

پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہو کر حسبِ قاعدہ سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کسی سورت کی قرأت کرے، اور پھر قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے اسی طرح ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہے جیسے پہلی رکعت میں کہا تھا اور تینوں مرتبہ ہاتھ اٹھا کر چھوڑتا رہے۔

پھر چوتھی مرتبہ ہاتھ اٹھائے بغیر رکوع کی تکبیر کہتا ہوا رکوع میں جائے اور حسبِ قاعدہ رکوع اور دوسجدوں اور قعدہ کے ساتھ اور سلام پھیر کر نماز مکمل کرے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۲...... عید کی نماز میں عام نمازوں کے مقابلہ میں چھ زائد تکبیرات اور تکبیرِ تحریمہ اور رکوع کی تکبیرات سمیت دونوں رکعتوں میں مجموعی طور پر نو تکبیرات کا ہونا کئی صحیح احادیث وروایات سے ثابت ہے۔

---

[1] وأما بيان كيفية أداء صلاة العيدين فنقول يصلى الإمام ركعتين فيكبر تكبيرة الافتتاح ويقول سبحانك اللهم وبحمدك إلى آخره ثم يكبر ثلاثا ثم يقرأ جهرا ثم يكبر تكبيرة الركوع فإذا قام إلى الثانية يقرأ أولا ثم يكبر ثلاثا ويركع بالرابعة فتكون التكبيرات الزوائد ستا ثلاثة فى الركعة الأولى وثلاثة فى الركعة الثانية وثلاثة أصليات تكبيرة الافتتاح وتكبيرات الركوع فصار حاصل الجواب عندنا أن يكبر فى صلاة العيدين تسع تكبيرات ستة فى الزوائد وثلاثة أصليات،ويوالى بين القراء تين فيقرأ فى الركعة الأولى بعد التكبيرات وفى الثانية قبل التكبيرات،وهذا هو مذهب عبد الله بن مسعود وحذيفة بن اليمان وعقبة بن عامر الجهنى وأبى موسى الأشعرى وأبى هريرة وابن مسعود الأنصارى رضى الله عنهم(تحفة الفقهاء، ج ا ص ١٦٧، كتاب الصلاة،باب صلاة العيدين)

جس کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے متبعین نے اختیار کیا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۳...... حنفیہ کے نزدیک عید کی نماز میں عام نمازوں کے مقابلہ میں چھ زائد تکبیرات واجب ہیں، اور ہر تکبیر مستقل طور پر واجب ہے۔ مگر ان تکبیرات کا امام کو بآوازِ بلند کہنا واجب نہیں۔

اور ہر تکبیر کے درمیان تین تسبیحات کے بقدر وقفہ کرنا افضل ہے، تاکہ مقتدیوں کو تکبیرات اور ان کی تعداد کے بارے میں اشتباہ نہ ہو، مجمع کے کم وبیش ہونے کی وجہ سے اس سے کچھ کم وبیش وقفہ ہوجائے، تب بھی حرج نہیں، اور ان تکبیرات کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں، بلکہ خاموش رہنا چاہئے۔ [2]

---

[1] قال أبو حنيفة رضي الله عنه في العيدين الفطر والأضحى سواء يكبر الإمام تسع تكبيرات في العيدين يفتتح الصلاة فيكبر اربعا بالتي يفتتح بها الصلاة ثم يقرأ ثم يكبر فيركع ثم يقوم فيقرأ ثم يكبر اربعا يركع بالرابع فيفتتح الصلاة بالتكبير ويختم الصلاة بالتكبير وهذا قول عبد الله بن مسعود رضي الله عنه(الحجة على أهل المدينة، ج ا ص ۲۹۸،باب العيدين)

[2] (قوله وتكبيرات العيدين) هي ست تكبيرات في كل ركعة ثلاثة (قوله وكذا أحدها) أفاد أن كل تكبيرة واجب مستقل ط (ردالمحتار، ج ا ص ۴۶۹، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة)

وأما الجهر في تكبيرات الزوائد فالظاهر استحبابه للإمام فقط للإعلام فتأمل(ردالمحتار، ج۲ ص ۱۷۳، باب العيدين)

وقد روى عن أبي حنيفة أنه يسكت بين كل تكبيرتين قدر ثلاث تسبيحات (بدائع الصنائع، ج ا ص ۲۷۷، فصل بيان قدر صلاة العيدين وكيفية ادائها)

وأشار المصنف إلى أنه يسكت بين كل تكبيرتين؛ لأنه ليس بينهما ذكر مسنون عندنا؛ ولهذا يرسل يديه عندنا وقدره مقدار ثلاث تسبيحات لزوال الاشتباه، وذكر في المبسوط أن هذا التقدير ليس بلازم بل يختلف بكثرة الزحام وقلته؛ لأن المقصود إزالة الاشتباه(البحر الرائق، ج۲ ص ۱۷۴، وقت صلاة العيدين)

(وليس بين تكبيراته ذكر مسنون) ولذا يرسل يديه (ويسكت بين كل تكبيرتين مقدار ثلاث تسبيحات) هذا يختلف بكثرة الزحام وقلته(الدرالمختار ، باب العيدين)

ويسكت بين كل تكبيرتين مقدار ثلاث تسبيحات ؛ لأنها تقام بجمع عظيم وبالموالاة تشتبه على من كان نائيا(تبيين الحقائق، ج ا ص ۲۲۶، وقت صلاة العيد وكيفيتها)

وليس بين التكبيرات ذكر مسنون ولا مستحب لكن يستحب المكث بين كل تكبيرتين مقدار ثلاث تسبيحات.وفي المبسوط ليس هذا القدر بلازم بل يختلف ذلك بكثرة الزحام وقلته (مجمع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۴ا...... دوسری رکعت میں عید کی زائد تکبیروں کو قرأت کے بعد کہنا افضل ہے واجب نہیں لہٰذا اگر غلطی سے امام نے یہ تکبیریں پہلے کہہ دیں تب بھی نماز ہوجائے گی۔
جہاں تک پہلی رکعت کا تعلق ہے، تو اس میں اگرچہ بعض حضرات نے قرائت سے پہلے تکبیرات کہنے کو واجب قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الانہر، ج ا ص ۱۷۴، صفة صلاة العيد)
قال محمد رحمه الله في الأصل: يستحب المكث بين كل تكبيرتين مقدار ما يسبح ثلاث تسبيحات، وهذا؛ لأن صلاة العيد تقام بجمع عظيم فلو والى بين التكبيرات يشتبه على من كان نائياً عن الإمام، والاشتباه يزول بهذا القدر من المكث، وليس بين التكبيرات ذكر مسنون عندنا؛ إذ لو كان بينهما ذكر مسنون، لكان أتى به النبي ﷺ، ولو أتى به لنقل إلينا ولم ينقل...... وما قاله محمد بن الحسن رحمه الله أنه يستحب المكث بين كل تكبيرتين مقدار ثلاث تسبيحات فليس بتقدير لازم، بل يتفاوت بكثرة القوم وبقلتهم لأن المقصود إزالة الاشتباه عن القوم، وذلك يختلف بكثرة القوم وقلتهم (المحيط البرهاني، ج۲ص ۴۸۲، ۴۸۳، كتاب الصلاة ، الفصل السادس والعشرون في صلاة العيدين)

[1] (قوله ويوالي ندبا بين القراء تين) أي بأن يكبر في الركعة الثانية بعد القراء ة لتكون قراء تها تالية لقراء ة الركعة الأولى، أما لو كبر في الثانية قبل القراء ة أيضا كما يقول ابن عباس يكون التكبير فاصلا بين القراء تين، وأشار بقوله: ندبا إلى أنه لو كبر في أول كل ركعة جاز؛ لأن الخلاف في الأولوية كما مر عن البحر. هذا، وأما ما في المحيط من التعليل للموالاة بأن التكبيرات من الشعائر؛ ولهذا وجب الجهر بها فوجب ضم الزوائد في الأولى إلى تكبيرة الافتتاح لسبقها على تكبيرة الركوع وإلى تكبيرة الركوع في الثانية لأنها الأصل فقد قال في البحر: الظاهر أن المراد بالوجوب الثبوت لا المصطلح عليه لأن الموالاة مستحبة اهـ وكذا قوله وجب الجهر بها: أي ثبت في بعض المواضع كما في الأذان والتكبير في طريق المصلى وتكبير التشريق، وأما الجهر في تكبيرات الزوائد فالظاهر استحبابه للإمام فقط للإعلام فتأمل.
لكن في البحر عن المحيط إن بدأ الإمام بالقراء ة سهوا فتذكر بعد الفاتحة والسورة يمضي في صلاته، وإن لم يقرأ إلا الفاتحة كبر وأعاد القراء ة لزوما لأن القراء ة إذا لم تتم كان امتناعا من الإتمام لا رفضا للفرض اهـ ونحوه في الفتح وغيره وظاهره أن تقديم التكبير على القراء ة واجب، وإلا لم ترفض الفاتحة لأجله يؤيده ما قدمناه في باب صفة الصلاة من أنه إن كبر وبدأ بالقراء ة ونسي الثناء والتعوذ والتسمية لا يعيد لفوت محلها. وقد يجاب بأن العود إلى التكبير قبل إتمام القراء ة ليس لأجل المستحب الذي هو الموالاة بل لأجل استدراك الواجب الذي هو التكبير لأنه لم يشرع في الركعة الأولى بعد القراء ة بدليل أنه لو تذكره بعد قراء ة السورة يتركه فكان مثل ما لو نسي الفاتحة، وشرع في السورة ثم تذكر يترك السورة، ويقرأ الفاتحة لوجوبها بخلاف الثناء والتعوذ والتسمية، والله أعلم (رد المحتار على الدر المختار، ج۲ص ۱۷۳، باب العيدين)

لیکن بعض حضرات نے ایسی صورت میں قرائت کے بعد بھی کہہ لینے کی گنجائش دی ہے۔
اس لئے اگر کوئی شخص بھولے سے پہلی رکعت میں تکبیرات سے پہلے قرائت کرلے، تو قرائت کے بعد تکبیرات کہہ کر نماز پوری کر لینے کی گنجائش ہے (عمدۃ الفقہ ج۲، ص۴۶۵) ۱

مسئلہ نمبر ۱۵...... اگر امام عید کی زائد تکبیریں بھول کر رکوع میں چلا گیا تو یاد آنے پر رکوع ہی میں یہ تکبیریں کہہ لے، رکوع چھوڑ کر قیام کی طرف نہ لوٹے لیکن اگر امام رکوع چھوڑ کر لوٹ آیا اور تکبیریں کہہ کر پھر رکوع کرلیا تو بھی نماز ہوجائے گی۔ ۲

مسئلہ نمبر ۱۶...... جو امام عیدین کی بارہ تکبیرات کہے، اس کی اقتداء میں عید کی نماز ادا کرنا جائز ہے۔ ۳

---

۱ وإذا نسي الإمام تكبيرات العيد حتى قرأ فإنه يكبر بعد القراء ة أو في الركوع ما لم يرفع رأسه، كذا في التتارخانية(الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص ۱۵۱، الباب السابع عشر في العيدين)
اور جب رکوع میں بھی یاد آنے کی صورت میں کہنے کی گنجائش ہے، تو قیام میں بدرجہ اولیٰ گنجائش ہونی چاہیئے۔

۲ ولا يقنت في الركوع أيضا بخلاف تكبيرات العيد إذا تذكرها في حال الركوع حيث يكبر فيه، والفرق أن تكبيرات العيد لم تختص بالقيام المحض.
ألا ترى أن تكبيرة الركوع يؤتى بها في حال الانحطاط؟ وهي محسوبة من تكبيرات العيد بإجماع الصحابة، فإذا جاز أداء واحدة منها في غير محض القيام من غير عذر جاز أداء الباقي مع قيام العذر بطريق الأولى، فأما القنوت فلم يشرع إلا في محض القيام غير معقول المعنى فلا يتعدى إلى الركوع الذي هو قيام من وجه(بدائع الصنائع، ج ا ص ۲۷۴، فصل صلاة العيدين)
وإذا نسي الإمام تكبيرات العيد حتى قرأ فإنه يكبر بعد القراء ة أو في الركوع ما لم يرفع رأسه، كذا في التتارخانية(الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص ۱۵۱، الباب السابع عشر في العيدين)

۳ اور بعض مشائخ کے نزدیک تیرہ زائد تکبیرات اور تکبیرِ تحریمہ اور دونوں رکعتوں کے رکوع کی تکبیرات سمیت مجموعی طور پر سولہ تکبیرات تک کہنے والے امام کی اقتداء میں عید کی نماز جائز ہے۔
ولو كان الإمام يقنت في القومة بين الركوع والسجود والمقتدي لا يرى ذلك تابع الإمام وكذا في سجود السهو قبل السلام وكذا في تكبيرات العيدين(فتاوىٰ قاضيخان، كتاب الصلاة، فصل في الوتر)
ثم ذكر ما حاصله أنه تجب متابعته للإمام في الواجبات فعلا، وكذا تركا إن لزم من فعله مخالفته الإمام في الفعل كتركه القنوت أو تكبيرات العيد أو القعدة الأولى أو سجود السهو أو التلاوة فيتركه المؤتم أيضا، وأنه ليس له أن يتابعه في البدعة والمنسوخ، وما لا تعلق له بالصلاة فلا يتابعه لو زاد سجدة أو زاد على أقوال الصحابة في تكبيرات العيدين (ردالمحتار، ج ا ص ۴۷۰، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة)
إذا اقتدى بمن لا يرى رفع اليدين في تكبيرات العيدين يرفع يديه ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۷...... عید کی نماز میں امام کے لئے بآوازِ بلند قرائت کرنا واجب ہے۔ ؎۱

مسئلہ نمبر ۱۸...... مستحب یہ ہے کہ امام پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ پڑھے۔ اور کسی دوسری سورت کی قراءت کرنا بھی جائز ہے۔

اس لیے ہمیشہ ان دوسورتوں ہی کی قراءت نہ کرنی چاہیے، کبھی دوسری سورتوں کی بھی کرلینی چاہیے، تاکہ لوگ ان دوسورتوں ہی کی قراءت کو ضروری نہ سمجھ لیں۔ ؎۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ لأن هـذه مخالفة يسيرة فلا تخل بالمتابعة كذا في الغياثية قال محمد رحمه الله تعالى في الجامع إذا دخل الرجل مع الإمام في صلاة العيد وهذا الرجل يرى تكبيرات ابن مسعود رضي الله تعالى عنهما فكبر الإمام غير ذلك اتبع الإمام إلا إذا كبر الإمام تكبيرا لم يكبره أحد من الفقهاء فحينئذ لا يتابعه كذا في المحيط لكن هذا إذا كان بقرب الإمام يسمع التكبيرات منه فأما إذا كان ببعد منه يسمع من المكبرين يأتي بجميع ما يسمع وإن خرج من أقاويل الصحابة لجواز أن الغلط من المكبرين فلو ترك شيئا منها ربما كان المتروك ما أتى به الإمام كذا في البدائع قال محمد رحمه الله تعالى في الكبير ولو أن رجلا دخل مع الإمام في صلاة العيد في الركعة الأولى بعدما كبر الإمام تكبير ابن عباس رضي الله تعالى عنهما ست تكبيرات فدخل معه وهو في القراءة والرجل يرى تكبيرات ابن مسعود رضي الله عنهما فإنه يكبر برأي نفسه في هذه الركعة حال ما يقرأ الإمام وفي الركعة الثانية يتبع رأي الإمام كذا في التتارخانية(الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۱۵۱،الباب السابع عشر في صلاة العيدين)

ثم إلى كم يتابعه؟ اختلف مشايخنا فيه قال عامتهم :إنه يتابعه إلى ثلاث عشرة تكبيرة، ثم يسكت بعد ذلك، وقال بعضهم يتابعه إلى ستة عشرة تكبيرة؛ لأن فعله إلى هذا الموضع محتمل للتأويل فلعل هذا القائل ذهب إلى ابن عباس أراد بقوله ثلاث عشرة تكبيرة الزوائد، فإذا ضممت إليها تكبيرة الافتتاح وتكبيرتي الركوع صارت ست عشرة تكبيرة لكن هذا إذا كان يقرب من الإمام يسمع التكبيرات منه، فأما إذا كان يبعد منه يسمع من المكبرين يأتي بجميع ما يسمع وإن خرج عن أقاويل الصحابة لجواز أن الغلط من المكبرين، فلو ترك شيئا منها ربما كان المتروك ما أتى به الإمام، والمأتي به ما أخطأ فيه المكبرون فيتابعهم ليتأدى ما يأتيه الإمام بيقين ولهذا قيل إذا كان المقتدي يبعد من الإمام يسمع من المكبرين ينبغي أن ينوي بكل تكبيرة الافتتاح لجواز أن ما سمع قبل هذه كان غلطا من المنادي، وإنما كبر الإمام للافتتاح الآن(بدائع الصنائع ، ج ۱ ص ۲۷۸ ،فصل بيان قدر صلاة العيدين وكيفية أدائها)

؎۱ الجهر يجب على الإمام فيما يجهر فيه وهو صلاة الصبح والأوليان من المغرب والعشاء وصلاة العيدين والجمعة والتراويح والوتر في رمضان(ردالمحتار، ج ۱ ص ۴۶۹، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة)

؎۲ (قوله :ويقرأ كالجمعة) أي كالقراءة في صلاة الجمعة، لما روى أبو حنيفة أنه -صلى الله عليه وسلم -كان يقرأ في العيدين ويوم الجمعة الأعلى والغاشية كما في الفتح .وقال في البدائع فإن تبرك بالاقتداء به -صلى الله عليه وسلم -في قراءتهما في أغلب الأوقات فحسن لكن يكره أن يتخذهما حتما لا يقرأ فيها غيرهما لما ذكرنا في الجمعة اهـ(ردالمحتار، ج ۲ ص ۱۷۳ ، باب العيدين)

مسئلہ نمبر ۱۹...... عام نمازوں کی طرح عیدین کی نماز میں بھی واجب عمل کی خلاف ورزی سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے لیکن اگر عید کی نماز میں بلکہ کسی بھی نماز میں مجمع بہت زیادہ ہو اور سجدہ سہو کرنے سے لوگوں میں فساد وانتشار یا مقتدیوں کی نماز خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو بہتر ہے کہ سجدہ سہو نہ کیا جائے۔ ایسی صورت میں سجدہ سہو معاف ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۲۰...... عید کی نماز کے بعد امام کے لئے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنے کا حکم ہے، اور امام کو عید کی نماز کے بعد دو خطبے پڑھنا چاہئیں، اور دونوں کے درمیان کچھ دیر کے لئے بیٹھنا چاہئے۔

مگر عید کا خطبہ جمعہ کے خطبہ کی طرح فرض نہیں، بلکہ سنت ہے، البتہ اس کا خاموشی سے سننا واجب ہے۔ [۲]

---

[۱] ومنها تكبيرات العيدين قال فى البدائع إذا تركها أو نقص منها أو زاد عليها أو أتى بها فى غير موضعها فإنه يجب عليه السجود كذا فى البحر الرائق ويستوى فى الزيادة والنقصان القليل والكثير فقد روى عن الحسن عن أبى حنيفة رحمه الله إذا سها الإمام عن تكبيرة واحدة فى صلاة العيد يسجد للسهو كذا فى الذخيرة وذكر فى كشف الأسرار أن الإمام إذا سها عن التكبيرات حتى ركع فإنه يعود إلى القيام بخلاف المسبوق إذا ترك الإمام فى الركوع فإنه يأتى بالتكبيرات فى الركوع كذا فى البحر الرائق ولو ترك تكبيرة الركوع الثانى فى صلاة العيد وجب عليه السهو لأنها واجبة تبعا لتكبيرات العيد بخلاف تكبيرة الركوع الأول لأنها ليست ملحقة بها كذا فى التبيين السهو فى الجمعة والعيدين والمكتوبة والتطوع واحد إلا أن مشايخنا قالوا لا يسجد للسهو فى العيدين والجمعة لئلا يقع الناس فى فتنة كذا فى المضمرات ناقلا عن المحيط(الفتاوى الهندية، ج ١ ص ١٢٨، كتاب الصلاة،الباب الثانى عشر فى سجود السهو)

[۲] وكيفية الخطبة فى العيدين كهى فى الجمعة فيخطب خطبتين يجلس بينهما جلسة خفيفة ويقرأ فيها سورة من القرآن ويستمع لها القوم وينصتوا لأنه يعلمهم الشرائع ويعظهم وإنما ينفعهم ذلك إذا استمعوا(بدائع الصنائع ج ١ ص ٢٧٤، فصل صلاة العيدين)

الاترى أنه لو ترك الخطبة فى صلاة الجمعة لا يجوز، فكذا إذا غيّرها عن موضعها، ولو ترك الخطبة فى صلاة العيد يجوز صلاة العيد، فكذا إذا غيّر عن موضعها ،والخطبة فى العيدين كهى فى الجمعة، يخطب خطبتين بينهما جلسة خفيفة كما فى صلاة الجمعة، به ورد الأثر عن رسول الله عليه السلام، ويقرأ فيها بسورة من القرآن ويستمع لها القوم؛ لأن الخطبة فى العيدين إنما شرعت؛ لتعليم ما يجب إقامته فى هذا اليوم من صدقة الفطر، أو الأضحية، وإنما يحصل التعليم بالاستماع والإنصات(المحيط البرهانى، ج ٢ ص ٤٨٣، ٤٨٤، الفصل السادس والعشرون فى صلاة العيدين)

مسئلہ نمبر ۲۱...... عید کے خطبہ کے احکام بھی جمعہ کے خطبہ کی طرح ہیں، فرق اتنا ہے کہ جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے پڑھا جاتا ہے اور عید کا خطبہ نماز کے بعد، اور عید کا خطبہ پڑھنا سنت ہے اور جمعہ کا خطبہ واجب ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۲۲...... خطیب کے لئے بہتر ہے کہ پہلا خطبہ شروع کرنے سے پہلے آہستہ آواز میں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۲۳...... عید کی نماز کے خطبہ میں کثرت سے ''اللہ اکبر'' پڑھنا مستحب ہے، اور ظاہر الروایۃ میں اس کی کوئی تعداد مقرر نہیں۔ [۳]

البتہ بعض حضرات کے نزدیک پہلے خطبہ کے بالکل شروع میں نو مرتبہ اور دوسرے خطبہ کے شروع میں سات مرتبہ، اور دوسرے خطبہ کے بالکل آخر میں چودہ مرتبہ مسلسل ''اللہ اکبر'' کہنا مستحب ہے۔ [۴]

---

[۱] قال :(إلا الخطبة) فإنه يخطب بعد الصلاة، كذا المأثور عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -ولو تركها جاز لأنها سنة وليست بشرط، وقد أساء لمخالفة السنة ;وكذلك إن خطب قبل الصلاة يجوز لحصول المقصود، وهو تعليمهم وظيفة اليوم، ويكره لما بينا، ولا أذان لها ولا إقامة لأنه لم ينقل(الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص ۸۵، باب صلاة العيدين)

[۲] (وأما سننها فخمسة عشر) أحدها الطهارة حتى كرهت للمحدث والجنب (وثانيها) القيام، هكذا في البحر الرائق، ولو خطب قاعدا أو مضطجعا جاز، هكذا في فتاوى قاضي خان.
(وثالثها) استقبال القوم بوجهه (ورابعها) التعوذ في نفسه قبل الخطبة (وخامسها) أن يسمع القوم الخطبة وإن لم يسمع أجزأه (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۴۶، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة)

[۳] كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ بَيْنَ أَضْعَافِ الْخُطْبَةِ، يُكْثِرُ التَّكْبِيرَ فِي خُطْبَةِ الْعِيدَيْنِ(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۱۲۸۷، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في الخطبة في العيدين، عن سعد المؤذن)
ويكبر في الخطبة في العيدين وليس ذلك عدد في ظاهر الرواية لكن ينبغي أن لا يكون أكثر الخطبة التكبير ويكبر في عيد الأضحى أكثر مما يكبر في خطبة عيد الفطر فإن لم يسمعهم جاز ولا يضر تباعدهم(فتاوى قاضي خان،باب صلاة العيدين وتكبيرات أيام التشريق)

[۴] (ويستحب أن يستفتح الأولى بتسع تكبيرات تترى) أي متتابعات (والثانية بسبع) هو السنة (و) أن (يكبر قبل نزوله من المنبر أربع عشرة)(الدر المختار،كتاب الصلاة، باب العيدين)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۴...... عیدُ الاضحیٰ کے خطبہ میں عربی زبان میں قربانی اور تکبیرِ تشریق وغیرہ سے متعلق مضامین اور احادیث وروایات کو پڑھنا مستحب ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۵...... عید کے خطبے کے دوران خاموش رہنا اور خطبہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے خواہ خطبہ کی آواز بھی نہ آ رہی ہو۔

بعض جگہ خطبے کے دوران چندہ جمع کیا جاتا ہے، ایسا کرنا جائز نہیں اور خطبہ کے وقت چندہ دینا بھی گناہ ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۲۶...... خطبہ کے دوران کوئی بات چیت، سلام وکلام کرنا یہاں تک کہ نماز پڑھنا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(قوله ويستحب إلخ) ذكر ذلک في المعراج عن مجمع النوازل وقال في الخانية إنه ليس للتكبير عدد في ظاهر الرواية لكن ينبغي أن لا يكون أكثر الخطبة التكبير ويكبر في الأضحى أكثر من الفطر .اهـ.قلت :وإطلاق العدد في ظاهر الرواية لا ينافي تقييده بما ورد في السنة وقال به الشافعي -رحمه الله تعالى (ردالمحتار، ج۲ص۱۷۵، باب العيدين)

ويكبر في خطبة العيدين وليس لذلک عدد في ظاهر الرواية لكن لا ينبغي أن يجعل أكثر الخطبة التكبير ويكبر في خطبة عيد الأضحى أكثر مما يكبر في خطبة الفطر كذا في قاضيخان ويبدأ الخطيب بالتحميد في الجمعة وغيرها ويبدأ بالتكبير في خطبة العيدين ويستحب أن يستفتح الأولى بتسع تترى متوالية والثانية بسبع قال عبد الله بن مسعود هو السنة ويكبر القوم معه ويصلون على النبي صلى الله عليه وسلم في أنفسهم امتثالا للأمر وسنة الإنصات (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح،ص۲۰۳،باب صلاة العيدين)

[1] (قوله ويعلم الأضحية وتكبير التشريق في الخطبة) ؛ لأنها شرعت لتعليم أحكام الوقت هكذا ذكروا مع أن تكبير التشريق يحتاج إلى تعليمه قبل يوم عرفة ليتعلموه يوم عرفة فإنه ابتداؤه فينبغي للخطيب أن يعلمهم أحكامه في الجمعة التي قبل عيد الأضحى كما أنه ينبغي له أن يعلمهم أحكام صدقة الفطر في الجمعة التي قبل عيد الفطر ليتعلموها ويخرجوها قبل الخروج إلى المصلى، ولم أره منقولا والعلم أمانة في عنق العلماء ويستفاد من كلامهم أن الخطيب إذا رأى بهم حاجة إلى معرفة بعض الأحكام وأنه يعلمهم إياها في خطبة الجمعة خصوصا في زماننا من كثرة الجهل وقلة العلم فينبغي أن يعلمهم أحكام الصلاة كما لا يخفى(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،باب العيدين)

[2] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :مَنْ قَالَ يَوْمَ الجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ : أَنْصِتْ، فَقَدْ لَغَا "، وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ أَبِي أَوْفَى، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ :حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ ، "وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ :كَرِهُوا لِلرَّجُلِ أَنْ يَتَكَلَّمَ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ، فَقَالُوا :إِنْ تَكَلَّمَ غَيْرُهُ فَلَا يُنْكِرْ عَلَيْهِ إِلَّا بِالإِشَارَةِ(ترمذی، رقم الحديث ۵۱۲)

بھی منع ہے، بعض لوگ خطبہ کے دوران نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آنے پر زبان سے درود شریف پڑھتے ہیں یا دعائیہ کلمات پر آمین وغیرہ کہتے ہیں، یا دونوں خطبوں کے دوران ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، یہ سب چیزیں قابلِ اصلاح ہیں۔

البتہ دل ہی دِل میں زبان کو حرکت دیئے بغیر دعا کرنے اور درود پڑھنے میں حرج نہیں۔ [1]

---

[1] حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ سُفْيَانَ ، عَنْ لَيْثٍ ، عَنْ مُجَاهِدٍ (ح) وَعَنْ سُفْيَانَ ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ ، عَنِ الْحَارِثِ ، عَنْ عَلِيٍّ (ح) وَعَنْ سُفْيَانَ ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ، عَنْ عَطَاءٍ ؛ أَنَّهُمْ كَرِهُوا الصَّلاَةَ وَالإِمَامِ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ(مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحديث ۵۲۱۰، كتاب الصلاة، باب مَنْ كَانَ يَقُولُ :إِذَا خَطَبَ الإِمَام فَلاَ يُصَلِّي)

عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ أَبِي مَالِكٍ الْقُرَظِيِّ ، قَالَ :أَدْرَكْتُ عُمَرَ ، وَعُثْمَانَ ، فَكَانَ الإِمَامِ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَرَكْنَا الصَّلاَةَ(ايضاً، رقم الحديث ۵۲۱۶)

عَنْ عَطَاءٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، وَابْنِ عُمَرَ ؛ أَنَّهُمَا كَانَا يَكْرَهَانِ الصَّلاَةَ وَالْكَلاَمَ بَعْدَ خُرُوجِ الإِمَامِ(ايضاً، رقم الحديث ۵۲۱۸)

عَنِ ابْنِ سِيرِينَ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ :إِذَا خَرَجَ الإِمَامُ فَلاَ يُصَلِّ أَحَدٌ حَتَّى يَفْرُغَ الإِمَامِ(ايضاً، رقم الحديث ۵۲۱۱)

عَنِ ابْنِ عَوْنٍ ، قَالَ :كَانَ ابْنُ سِيرِينَ يَجْلِسُ ، وَلاَ يُصَلِّي (ايضاً، رقم الحديث ۵۲۱۵)

حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ ، قَالَ :أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ ، قَالَ :رَأَيْتُ شُرَيْحًا دَخَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ أَبْوَابِ كِنْدَةَ فَجَلَسَ ، وَلَمْ يُصَلِّ(ايضاً، رقم الحديث ۵۲۱۲)

حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ ، قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ تَوْبَةَ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ، قَالَ :كَانَ شُرَيْحٍ إِذَا أَتَى الْجُمُعَةَ ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ خَرَجَ الإِمَامُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ، وَإِنْ كَانَ خَرَجَ جَلَسَ وَاحْتَبَى ، وَاسْتَقْبَلَ الإِمَامِ ، فَلَمْ يَلْتَفِتْ يَمِينًا ، وَلاَ شِمَالاً(ايضاً، رقم الحديث ۵۲۱۹)

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ :إِذَا قَعَدَ الإِمَام عَلَى الْمِنْبَرِ فَلاَ صَلاَةَ(ايضاً، رقم الحديث ۵۲۱۳)

عَنْ مَعْمَرٍ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ؛ فِي الرَّجُلِ يَجِيءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ يَجْلِسُ ، وَلاَ يُصَلِّي(ايضاً، رقم الحديث ۵۲۱۴)

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، قَالَ :خُرُوجُ الإِمَامِ يَقْطَعُ الصَّلاَةَ(ايضاً، رقم الحديث ۵۲۱۷)

(إذا خرج الإمام) من الحجرة إن كان وإلا فقيامه للصعود شرح المجمع (فلا صلاة ولا كلام إلى تمامها) وإن كان فيها ذكر الظلمة فى الأصح (الدرالمختار)

(قوله فلا صلاة) شمل السنة وتحية المسجد بحر قال محشيه الرملى :فلا صلاة جائزة وتقدم فى شرح قوله ومنع عن الصلاة وسجدة التلاوة إلخ أن صلاة النفل صحيحة مكروهة حتى يجب قضاؤه إذا قطعه، ويجب قطعه وقضاؤه فى غير وقت مكروه فى ظاهر الرواية ولو أتمه خرج عن عهدة ما لزمه بالشروع فالمراد الحرمة لا عدم الانعقاد (قوله :ولا كلام) أى من جنس كلام الناس أما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۷...... خطبہ کو نماز سے زیادہ لمبا کرنا مکروہ ہے۔

حدیث میں نماز کو مختصر اور خطبے کو لمبا کرنے کو قیامت کی علامات میں شمار کیا گیا ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ التسبيح ونحوه فلا يكره وهو الأصح كما في النهاية والعناية وذكر الزيلعي أن الأحوط الإنصات ومحل الخلاف قبل الشروع أما بعده فالكلام مكروه تحريما بأقسامه كما في البدائع بحر ونهر وقال البقالي في مختصره وإذا شرع في الدعاء لا يجوز للقوم رفع اليدين ولا تأمين باللسان جهرا فإن فعلوا ذلك أثموا وقيل أساء وا ولا إثم عليهم والصحيح هو الأول وعليه الفتوى وكذلك إذا ذكر النبي -صلى الله عليه وسلم -لا يجوز أن يصلوا عليه بالجهر بل بالقلب وعليه الفتوى رملي(ردالمحتار، ج۲ص۱۵۸، باب الجمعة)

(قوله وإذا خرج الإمام فلا صلاة، ولا كلام) لما رواه ابن أبي شيبة في مصنفه عن علي وابن عباس وابن عمر -رضي الله عنهم -كانوا يكرهون الصلاة والكلام بعد خروج الإمام وقول الصحابي حجة ولأن الكلام يمتد طبعا فيخل بالاستماع والصلاة قد تستلزمه أيضا وبه اندفع قولهما أنه لا بأس بالكلام إذا خرج قبل أن يخطب وإذا نزل قبل أن يكبر وأجمعوا أن الخروج قاطع للصلاة، وفي العيون المراد إجابة المؤذن أما غيره من الكلام فيكره إجماعا كذا في السراج الوهاج وفسر الشارح الخروج بالصعود على المنبر وهكذا في المضمرات وذكر في السراج الوهاج يعني خرج من المقصورة وظهر عليهم وقيل صعد المنبر، فإن لم يكن في المسجد مقصورة يخرج منها لم يتركوا القراءة والذكر إلا إذا قام الإمام إلى الخطبة اهـ(البحرالرائق، ج۲ص۱۶۷، باب صلاة الجمعة)

قال -رحمه الله -(وإذا خرج الإمام) أي صعد على المنبر (فلا صلاة ولا كلام) ، وهذا عند أبي حنيفة -رحمه الله -وقالا لا بأس بالكلام إذا خرج قبل أن يخطب وإذا نزل قبل أن يكبر واختلفا في جلوسه إذا سكت فعند أبي يوسف يباح له وعند محمد لا يباح له ، لهما أن الكراهية للإخلال بفرض الاستماع ولا استماع هنا بخلاف الصلاة ؛ لأنها تمتد ولأبي حنيفة قوله -عليه الصلاة والسلام -إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام من غير فصل ولأن الكلام قد يمتد فأشبه الصلاة والنائي عن المنبر لا يتكلم بكلام الناس ولا بأس بأن يسبح ويهلل ويقرأ القرآن في رواية والأحوط الإنصات(تبيين الحقائق، ج۱ص۲۲۳،باب صلاة العيدين)

[۱] ويكره تطويل الخطبة بان تزيد الخطبتان على سورة من طوال المفصل(منية المصلي وغنية المبتدي، كتاب الصلاة)

فقد سنَّ رسولُ الله صلَّى الله عليه وسلَّم أنَّ تطولَ الصَّلاةُ، وتقصرَ الخطبةُ، وجعلَ تطويلَ الخطبةِ إلى حدٍ يفضي إلى حدِ النَّفرةِ من أشراطِ السَّاعة(اللطائف المستحسنة بجمع خطب شهور السنة للكنوي، ص۷)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِنَّ قِصَرَ الْخُطْبَةِ، وَطُولَ الصَّلَاةِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِ الرَّجُلِ، فَأَطِيلُوا الصَّلَاةَ، وَاقْصُرُوا الْخُطَبَ، وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا، وَإِنَّهُ سَيَأْتِي بَعْدَكُمْ قَوْمٌ يُطِيلُونَ الْخُطَبَ وَيَقْصُرُونَ الصَّلَاةَ (مسند بزار، رقم الحديث ۱۹۰۸)

قال الهيثمي: رواه البزار، وروى الطبراني بعضه موقوفا في الكبير ورجال الموقوف ثقات، وفي رجال البزار قيس بن الربيع وثقه شعبة والثوري وضعفه الناس(مجمع الزوائد،ج۲ص۱۹۰، باب قصر الخطبة)

مسئلہ نمبر ۲۸...... خطبہ سننے والوں کو دونوں خطبوں کے دوران تشہد کی حالت میں یعنی دوزانو بیٹھنا مستحب ہے، ویسے جس طرح چاہیں بیٹھنا جائز ہے۔

بعض لوگ جو پہلے خطبہ کے دوران دونوں ہاتھ باندھتے ہیں اور دوسرے خطبہ میں چھوڑ دیتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں اس کا اہتمام کرنا یا ثواب سمجھنا شریعت سے ثابت نہیں (کذافی احسن الفتاویٰ ج۴ص۱۳۴) [۱]

مسئلہ نمبر ۲۹...... جمعہ وعیدین کا خطبہ سنت سے عربی میں پڑھنا ثابت ہے، اور غیر عربی زبان میں ثابت نہیں، اکثر فقہاء کی تحقیق کے مطابق تو عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ پڑھنا معتبر ہی نہیں ہوتا، اور بعض حضرات کے نزدیک مکروہ تحریمی ہوتا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہٴ کرام اور سلف سے غیر عربی میں جمعہ وعیدین کا خطبہ پڑھنا ثابت نہیں۔

البتہ عید کی نماز سے پہلے کسی اور زبان میں وعظ وتقریر کرنا اور عید کی نماز اور قربانی وغیرہ کے احکام کی تعلیم وتبلیغ کرنا جائز ہے، اور یہ شرعاً عید کا خطبہ نہیں ہے، اور عید کا خطبہ عربی میں عید کی نماز کے بعد پڑھا جاتا ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: جواہر الفقہ، جلد ا صفحہ ۳۴۷، صفحہ ۳۶۹)

مسئلہ نمبر ۳۰...... اگر کوئی شخص عید کی نماز میں اس وقت پہنچا، جبکہ امام پہلی رکعت کی کچھ یا تینوں تکبیریں کہہ چکا تھا، لیکن ابھی رکوع میں نہیں گیا تھا، تو مقتدی کو چاہئے کہ نیت باندھنے کے فوراً بعد وقفہ کے بغیر تین تکبیریں کہہ لے اگرچہ تکبیرات کے دوران امام قرأت شروع کردے یا پہلے سے قرأت کررہا ہو۔ [۲]

---

[۱] إذا شهد الرجل عند الخطبة إن شاء جلس محتبيا أو متربعا أو كما تيسر؛ لأنه ليس بصلاة عملا وحقيقة، كذا في المضمرات، ويستحب أن يقعد فيها كما يقعد في الصلاة، كذا في معراج الدراية (الفتاویٰ الهندية، ج ا ص۱۴۸، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة)

[۲] (ولو أدرك) المؤتم (الإمام في القيام)بعدما كبر (كبر) في الحال برأى نفسه لأنه مسبوق (الدرالمختار، باب صلاة العيدين)

(قوله كبر في الحال) أي وإن كان الإمام قد شرع في القراءة كما في الحلية (ردالمحتار، ج۲ ص۱۷۴، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

مسئلہ نمبر ۳۱...... اگر کوئی شخص پہلی رکعت میں اس وقت پہنچا، جبکہ امام رکوع میں جاچکا تھا، تو اگر غالب گمان ہو کہ میں تین تکبیریں کہہ کر رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہوجاؤں گا، تو نیت باندھ کر کھڑا ہونے کی حالت میں تکبیریں کہہ کر پھر رکوع میں جائے، اور اگر خطرہ ہو کہ کھڑا ہو کر تکبیریں کہنے لگ گیا تو رکوع نہیں ملے گا، تو نیت باندھ کر سیدھا رکوع میں چلا جائے اور ہاتھ اٹھائے بغیر رکوع میں تینوں تکبیریں کہہ لے، اور رکوع کی تسبیح ”سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ“ بھی پڑھ لے، دونوں کے پڑھنے کا وقت نہ ہو تو صرف عید کی تکبیریں کہہ لے، رکوع کی تسبیح چھوڑ دے، کیونکہ عید کی تکبیریں واجب ہیں اور رکوع کی تسبیح سنت ہے، اور اگر اس کے تین تکبیریں کہنے سے پہلے امام رکوع سے اٹھ جائے تو اس کو بھی کھڑا ہوجانا چاہئے، جو تکبیریں رہ گئی ہیں وہ معاف ہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۳۲...... اگر کوئی شخص اس وقت پہنچا، جبکہ امام پہلی رکعت کے رکوع سے سر اٹھا چکا تھا تو کیونکہ اس کی پہلی رکعت رہ گئی، جو بعد میں پڑھنی ہوگی، اس لئے اب پہلی رکعت کی تکبیریں کہنے کی ضرورت نہیں، امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب پہلی رکعت پوری کرے گا تو اس میں تکبیریں کہے۔

پہلی رکعت امام کے بعد پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو کر ثناء، اعوذ باللہ، بسم اللہ پڑھ کر سورہ فاتحہ پڑھے اور سورت ملائے، اس کے بعد تین تکبیریں کہے۔

---

[۱] (فروع) أدرک الإمام راكعا يحرم، ثم إن غلب على ظنه إدراكه فى الركوع إن كبر قائما كبر قائما ثم ركع لأن القيام هو المحل الأصلى للتكبير، ويكبر برأى نفسه؛ لأنه مسبوق، وهو منفرد فيما يقضى، والذكر الفائت يقضى قبل فراغ الإمام بخلاف الفعل، وإن خشى فوت ركوع الإمام ركع وكبر فى ركوعه خلافا لأبى يوسف(فتح القدير ،ج ۲ ص ۷۷، ۷۸، باب صلاة العيدين)

ولو انتهى رجل إلى الإمام فى الركوع فى العيدين فإنه يكبر للافتتاح قائما فإن أمكنه أن يأتى بالتكبيرات ويدرک الركوع فعل ويكبر على رأى نفسه وإن لم يمكنه ركع واشتغل بالتكبيرات عند أبى حنيفة ومحمد -رحمهما الله تعالى -هكذا فى السراج الوهاج.

ولا يرفع يديه إذا أتى بتكبيرات العيد فى الركوع، كذا فى الكافى، ولو رفع الإمام رأسه بعدما أدى بعض التكبيرات فإنه يرفع رأسه ويتابع الإمام وتسقط عنه التكبيرات الباقية، كذا فى السراج الوهاج(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۵۱، الباب السابع عشر فى العيدين)

لیکن اگر کوئی غلطی سے قرائت سے پہلے یہ تکبیریں کہہ لے، تب بھی نماز ہوجاتی ہے۔ [۱]
اور ہر مرتبہ تکبیر کے ساتھ ہاتھ کانوں تک اٹھا کر لٹکا دے۔ پھر چوتھی تکبیر کہتا ہوا ہاتھ اٹھائے بغیر رکوع میں جائے اور باقی رکعت عام نماز کی طرح پوری کرے۔

مسئلہ نمبر۳۳...... اگر کوئی شخص دوسری رکعت میں اس وقت پہنچا، جب امام قرائت وغیرہ کر کے تینوں تکبیریں کہہ چکا تھا، تو ویسے ہی کرے جیسے پہلی رکعت کے بارے میں لکھا گیا ہے، یعنی تکبیرِ تحریمہ کے بعد کھڑے ہو کر تکبیریں کہہ کر رکوع میں مل سکتا ہو تو کھڑا ہو کر یہ تکبیریں کہے، ورنہ یہ تکبیرات رکوع میں کہے، اس کی دوسری رکعت تو ہوگئی، اور پہلی رکعت امام کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھے، جس کا طریقہ وہی ہے، جو اس سے پہلے مسئلہ میں لکھا گیا ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو کر ثناء اور اعوذ باللہ، بسم اللہ پڑھ کر سورہ فاتحہ پڑھے اور سورت ملائے، اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر تین تکبیریں کہے، اور ہاتھ اُٹھائے بغیر چوتھی تکبیر کہتا ہوا رکوع میں جائے، اور حسبِ قاعدہ نماز مکمل کرے۔

مسئلہ نمبر۳۴...... اگر کوئی شخص اس وقت پہنچا، جب امام دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھا چکا تھا، تو وہ اسی حال میں امام کے ساتھ شریک ہوجائے، مگر اس صورت میں دوسری رکعت کا رکوع نہ ملنے کی وجہ سے اس کی دونوں رکعتیں فوت ہوگئیں، اس لئے امام کے سلام کے بعد دونوں رکعتیں پڑھے ان دو رکعتوں کے پڑھنے کا طریقہ وہی ہے، جو عید کی نماز کا طریقہ ہے

---

[۱] اگرچہ قیاس کے مطابق تکبیریں قراءت سے پہلے کہنی چاہئیں تھیں، لیکن چونکہ اس طریقے سے دونوں رکعتوں میں تکبیریں پے درپے ہوجاتی ہیں، اس لئے اس سے عدول کیا گیا، اور تکبیر کو قراءت کے بعد رکھا گیا۔

ولو سبق بركعة يقرأ ثم يكبر لئلا يتوالى التكبير (الدرالمختار، باب صلاة العيدين)

ولو أدركه في القومة لا يقضي فيها؛ لأنه يقضي الركعة الأولى مع التكبيرات واللاحق يكبر برأي إمامه كمن شرع مع الإمام ونام فانتبه يكبر برأي الإمام؛ لأنه كأنه خلف الإمام بخلاف المسبوق، كذا في الكافي (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۵۱، الباب السابع عشر في العيدين)

عَنْ حَمَّادٍ ، قَالَ :إِذَا فَاتَتْكَ مِنْ صَلاَةِ الْعِيدِ رَكْعَةٌ فَاقْضِهَا ، وَاصْنَعْ فِيهَا مِثْلَ مَا يَصْنَعُ الإِمَامُ فِي الرَّكْعَةِ الأُولَى (مُصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ۵۸۶۲، فِي الرَّجُلِ إِذَا فَاتَتْهُ رَكْعَةٌ ، مَا يَصْنَعُ ؟)

عَنِ الْحَسَنِ ، قَالَ :يُكَبِّرُ مَعَهُ فِي هَذِهِ مَا أَدْرَكَ مِنْهَا ، وَيَقْضِي الَّتِي فَاتَتْهُ وَيُكَبِّرُ فِيهَا مِثْلَ تَكْبِيرِ الإِمَامِ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ (مُصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ۵۸۶۳، فِي الرَّجُلِ إِذَا فَاتَتْهُ رَكْعَةٌ ، مَا يَصْنَعُ ؟)

یعنی پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے زائد تکبیریں کہے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے کہے۔

مسئلہ نمبر ۳۵...... اگر کوئی شخص اس وقت پہنچا، جب امام دونوں رکعتیں پڑھ کر تشہد میں بیٹھ چکا تھا، مگر ابھی سلام نہیں پھیرا تھا، تو ایسی صورت میں مقتدی کو چاہئے کہ نیت باندھ کر امام کے ساتھ شریک ہوجائے، اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد عید کی دونوں رکعتیں حسبِ قاعدہ پڑھے۔ [۱]

---

[۱] إذا أدرک الإمام فی صلاۃ العید بعد ما تشهد الإمام قبل أن یسلم أو بعدما سلم قبل أن یسجد للسهو أو بعدما سجد للسهو ولم یسلم الإمام فإنه یقوم ویقضی صلاۃ العید.
ومن المشایخ من قال المذکور قول أبی حنیفة وأبی یوسف -رحمهما الله تعالی- فأما علی قول محمد -رحمه الله تعالی- لا یصیر مدرکا کصلاۃ الجمعة ومنهم من قال هذا بلا خلاف وهو الصحیح، کذا فی الظهیریة(الفتاویٰ الهندیة، ج ۱ ص ۱۵۱، الباب السابع عشر فی العیدین)
وإذا أدرک الإمام فی صلاۃ العید بعدما تشهد الإمام قبل أن یسلم أو بعد ما سلم قبل أن یسجد للسهو أو بعدما سجد للسهو فدخل معه، ثم سلم الإمام فإنه یقوم فیقضی صلاۃ العید لأنه شارک الإمام فی الصلاۃ فیلزمه القضاء .من مشایخنا من قال :المذکور قول أبی حنیفة، وأبی یوسف رحمهما الله، وأما علی قول محمد رحمه الله :لا یصیر مدرکاً لصلاۃ العید کما فی الجمعة :إذا أدرک الإمام فی هذه الحالة لا یصیر مدرکاً للجمعة عنده، حتی یصلی أربعاً عنده فکذلک ها هنا.
ومنهم من قال :هذا بلا خلاف وهو الأصح، فإن صح الخلاف لمحمد فی صلاۃ العید کما فی الجمعة فلا حاجة لمحمد رحمه الله إلی الفرق بین صلاۃ الجمعة وصلاۃ العید، ولو لم یصح الخلاف یحتاج محمد إلی الفرق بین صلاۃ العید وبین صلاۃ الجمعة.
فإنه قال :فی صلاۃ الجمعة لا یصیر مدرکاً للجمعة، ویصلی أربعاً، وفی صلاۃ العید قال :یصیر مدرکاً لصلاۃ العید، ویصلی صلاۃ العید وحده .ووجه الفرق لمحمد رحمه الله وهو :أن القیاس ما قاله أبو حنیفة وأبو یوسف رحمهما الله فی الجمعة، إلا أنه ترک القیاس بالأثر، والأثر ورد فی الجمعة، وما ورد فی العید، فیرد صلاۃ العید إلی أصل القیاس، ولأن محمدا رحمه الله جعله مدرکاً للجمعة فی تلک المسألة بدلیل أنه لو ترک القعدۃ علی رأس الرکعتین لا یجزیه صلاته، کما إذا صلی الجمعة وترک القعدۃ علی رأس الرکعتین، وإذا خرج وقت الظهر فسدت صلاته إلا أنه أمر بزیادۃ رکعتین احتیاطاً لیقوم مقام الظهر، ولیس فی صلاۃ العید زیادۃ یأمره بها احتیاطاً.
ثم إذا سلم الإمام وقام هو إلی القضاء کیف یصنع؟ قال الشیخ الإمام الزاهد المعروف بخواهر زاده رحمه الله :یقوم فیکبر ثلاث تکبیرات، ثم یقرأ؛ لأن ما یقضی أول صلاته فی هذه الحالة بالإجماع، لأنه مسبوق برکعتین، والتکبیر مقدم علی القراءۃ الأولی ومؤخر فی الثانیة عندنا، فکذلک ههنا (المحیط البرهانی، ج۲ ص ۵۰۰، ۵۰۱،الفصل السادس والعشرون فی صلاۃ العیدین)

مسئلہ نمبر ۳۶ ...... اگر کوئی شخص ایسے وقت میں پہنچا، جبکہ عید کی نماز کا سلام پھیرا جا چکا تھا تو کسی اور جگہ عید کی نماز ملنے کی امید ہو تو دوسری جگہ جانا چاہئے، اگر کہیں بھی عید کی نماز ملنے کی امید نہ ہو اور جو لوگ نماز سے رہ گئے ہیں وہ ایک سے زیادہ ہوں تو ان کو کسی دوسری مسجد یا عیدگاہ میں جہاں پہلے عید کی نماز نہ ہوئی ہو اپنی الگ جماعت کر کے عید کی نماز پڑھ لینا درست ہے، ایسی مسجد یا عیدگاہ نہ ملے تو شہر میں کسی دوسری جگہ بھی پڑھ لینا جائز ہے۔ [1]

---

[1] عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ خَادِمِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ": كَانَ أَنَسٌ إِذَا فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعِيدِ مَعَ الْإِمَامِ جَمَعَ أَهْلَهُ فَصَلَّى بِهِمْ مِثْلَ صَلَاةِ الْإِمَامِ فِي الْعِيدِ(السنن الكبرى للبيهقى،رقم الحديث ۶۲۳۷)

عَنْ يُونُسَ ، قَالَ :حَدَّثَنِي بَعْضُ آلِ أَنَسٍ ؛ أَنَّ أَنَسًا كَانَ رُبَّمَا جَمَعَ أَهْلَهُ وَحَشَمَهُ يَوْمَ الْعِيدِ ، فَصَلَّى بِهِمْ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي عُتْبَةَ رَكْعَتَيْنِ(مُصنف ابن أبى شيبة، رقم الحديث ۵۸۵۳،الرَّجُلُ تَفُوتُهُ الصَّلاَةَ فِي الْعِيدَيْنِ ، كَمْ يُصَلِّي ؟)

(ولا يصليها وحده إن فاتت مع الإمام) ولو بالإفساد اتفاقا فى الأصح كما فى تيمم البحر، وفيها يلغز :أى رجل أفسد صلاة واجبة عليه ولا قضاء ؟ (و) لو أمكنه الذهاب إلى إمام آخر فعل لأنها (تؤدى بمصر) واحد (بمواضع) كثيرة (اتفاقا) فإن عجز صلى أربعا كالضحى(الدرالمختار)

(قوله مع الإمام) متعلق بمحذوف حال من ضمير فاتت لا ب فاتت لأن المعنى أن الإمام أداها وفاتت المقتدى لأنها لو فاتت الإمام والمقتدى تقضى كما يأتى أفاده فى معراج الدراية ...... (قوله صلى أربعا كالضحى) أى استحبابا كما فى القهستانى وليس هذا قضاء لأنه ليس على كيفيتها ط.قلت :وهى صلاة الضحى كما فى الحلية عن الخانية فقوله تبعا للبدائع كالضحى معناه أنه لا يكبر فيها للزوائد مثل العيد تأمل(ردالمحتارج ۲ ص ۱۷۵، ۱۷۶، باب صلاة العيدين)

(قوله :ولم تقض إن فاتت مع الإمام) ؛ لأن الصلاة بهذه الصفة لم تعرف قربة إلا بشرائط لا تتم بالمنفرد فمراده نفى صلاتها وحده وإلا فإذا فاتت مع إمام وأمكنه أن يذهب إلى إمام آخر فإنه يذهب إليه؛ لأنه يجوز تعدادها فى مصر واحد فى موضعين وأكثر اتفاقا إنما الخلاف فى الجمعة وأطلقه فشمل ما إذا كان فى الوقت أو خرج الوقت، وما إذا لم يدخل مع الإمام أصلا أو دخل معه وأفسدها فلا قضاء عليه أصلا وقال أبو يوسف إذا أفسدها بعد الشروع يقضى؛ لأن الشروع فى الإيجاب كالنذر كذا فى المحيط، ولا يخفى أنه إذا لم يلزمه القضاء فالإثم عليه لترك الواجب من غير عذر كالسجدة الصلاتية إذا لم يسجد لها حتى فرغ من صلاته، وفى البدائع وأما حكمها إذا فسدت أو فاتت فكل ما يفسد سائر الصلوات والجمعة يفسدها من خروج الوقت، ولو بعد القعود وفوت الجماعة على التفصيل والاختلاف المذكور فى الجمعة غير أنها إن فسدت بنحو حدث عمد يستقبلها، وإن فسدت بخروج الوقت سقطت، ولا يقضيها عندنا كالجمعة ولكنه يصلى أربعا مثل صلاة الضحى إن شاء ؛ لأنها إذا فاتته لا يمكن تداركها بالقضاء لفقد الشرائط فلو صلى مثل الضحى لنيل الثواب كان حسنا، وهو مروى عن ابن مسعود(البحرالرائق، ج۲ ص ۱۷۵، باب صلاة العيدين)

مسئلہ نمبر ۳۷...... اگر ایک ہی آدمی عید کی نماز سے رہ گیا ہو تو وہ عید کی نماز نہیں پڑھ سکتا، اس لئے کہ عید کی نماز جماعت کے ساتھ ہوتی ہے، اکیلے نہیں پڑھی جاتی۔

البتہ اگر عید کی نماز کے بجائے گھر میں نفل کی نیت سے دو یا چار رکعت عام طریقہ پر نفل پڑھ لے تو بہتر ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۳۸...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عید کی نماز اور اس کے بعد خطبہ پڑھنے کا ذکر ملتا ہے، اور بطورِ خاص عید کی نماز یا خطبہ کے بعد دعا کرنے کی صراحت نہیں ملتی، البتہ خطبہ کے دوران عربی میں دعائیہ کلمات اور مسنون دعاؤں کے پڑھنے کے جائز ہونے میں کلام نہیں۔ [۲]

تاہم ہمارے اکثر اکابر فقہائے کرام نے عید کی نماز کے با جماعت ادا کیے جانے کی وجہ سے اس کو فرض نماز کے ساتھ مشابہت حاصل ہونے کی بناء پر فرض نماز کے بعد والی دعا پر قیاس کرتے ہوئے عید کی نماز کے بعد دُعا کا استحباب اور اس کے بعد پھر دوبارہ خطبے سے فراغت کے بعد دُعا نہ ہونے کا حکم بیان فرمایا ہے، اور اگر کوئی یہ دعا نہ کرے، اس میں بھی حرج نہ ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔

جبکہ بعض حضرات نے استسقاء کی نماز کی طرح خطبہ کے بعد دعا کرنے کی بھی گنجائش بیان

---

[۱] عَنْ مَسْرُوقٍ ، قَالَ :قَالَ عَبْدُ اللهِ :مَنْ فَاتَهُ الْعِيدُ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا(مُصنف ابن أبی شیبة،رقم الحدیث ۵۸۵۰،الرَّجُلُ تَفُوتُهُ الصَّلاَةَ فِي الْعِيدَيْنِ ، كَمْ يُصَلِّی ؟)

ولٰکنه یصلی أربعا مثل صلاة الضحی ان شاء لانها اذا فاتته لایمکن تدارکها بالقضاء لفقد الشرائط فان صلی مثل الضحی لنیل الثواب کان حسنا وهومروی عن ابن مسعود(البحرالرائق ج ۲ ص ۱۶۲)

روی عن ابن مسعود رضی اللہ عنه انه قال من فاتته صلوة العیدصلی اربع رکعات یقرأفی الاولٰی سبح اسم ربک الاعلٰی وفی الثانیه والشمس وضحها وفی الثالثة واللیل اذایغشی وفی الرابعه والضحٰی وروی فی ذلک عن رسول اللہ صلی الله علیه وسلم وعدا جمیلاً وثواباً جزیلا (قاضی خان علٰی هامش الهندیة ج ۱ ص ۱۸۴)

[۲] الخطبة مشتملة علی الدعاء كما أنها تشتمل علی غيره من بيان أحكام العيد (عمدة القاری، ج۶، ص ۲۷۲، كتاب العيدين، باب سنة العيدين لأهل الإسلام)

فرمائی ہے۔

لیکن ایک تو اکابر فقہاء کی تصریح کے مطابق عید کی نماز کے بعد کی یہ دُعا مستحب ہے، اس کو ضروری نہ سمجھنا چاہیے، اور اگر کوئی نہ کرے تو اس پر بھی ملامت نہیں کرنی چاہیے۔

دوسرے عید کی نماز کے بعد دعا کو مختصر کرنا چاہیے، جیسا کہ اُن فرض نمازوں کے بعد مختصر دُعا پر اکتفاء کرنا چاہیے جن کے بعد سنتیں ہیں، کیونکہ لمبی دعا سے خطبہ میں فصل ہوجاتا ہے جو کہ خلافِ سنت ہے۔

بہرحال اگر کوئی امام عید کی نماز کے بعد مختصر دعا کرے، اور اس کے بعد خطبہ پڑھے اور خطبہ کے بعد پھر دعا نہ کرے، اس کی بھی گنجائش ہے، بلکہ اکثر اکابر فقہاء کے نزدیک مستحب ہے۔

اور اگر کوئی سِرے سے یہ دعا نہ کرے، تو بھی کوئی گناہ نہیں، لہٰذا اس پر بھی ملامت نہیں کرنی چاہیے۔

اور اگر کوئی نماز کے بعد کے بجائے خطبہ کے بعد دعا کرے، تو اس پر بھی نکیر نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ بعض حضرات کے نزدیک اس کی بھی گنجائش ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۳۹...... عید کی نماز سے فارغ ہوکر گھر آنے کے بعد چار رکعت عام طریقہ پر نفل نماز پڑھنا بہتر ہے، بعض روایات میں دو رکعت کا بھی ذکر ہے، یہ بھی درست ہے۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۴۰...... جہاں عید کی نماز ادا کی جائے، اگر وہاں منبر موجود ہو، تو عید کی نماز کے بعد اس پر کھڑے ہوکر خطبہ دینا چاہئے، اور اگر منبر نہ ہو، تو زمین پر کھڑے ہوکر خطبہ دینا چاہئے۔

---

[۱] جن حضرات نے نماز کے بعد مختصر دعا کو مستحب قرار دیا، انہوں نے اس کو فرض نماز پر قیاس کیا ہے، اور جنہوں نے خطبہ کے بعد گنجائش دی، انہوں نے استسقاء کی نماز و خطبہ پر قیاس کیا، اور بعض نے انکار کیا ہے، انہوں نے صراحتاً ثبوت نہ ہونے کو بنیاد بنایا۔

[۲] المستحب أن يصلى أربعا بعد الرجوع إلى منزله، كذا فى الزاد (الفتاویٰ الهندية، ج ا ص ۱۵۰، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر فى صلاة العيدين)

ثم إذا أراد أن يصلى بعدها صلى أربعا، وفى "زاد الفقهاء": "إن أحب أن يصلى بعدها صلى أربعا، إلا أن مشايخنا قالوا: المستحب أن يصلى أربعا بعد الرجوع إلى منزله، كيلا يظن ظان أنه هو السنة المتوارثة (البناية شرح الهداية، ج۳ ص ۱۰۶، وقت صلاة العيدين)

اور خاص عید کی نماز کے لئے منبر لے جانے کی ضرورت نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۴۱...... عورتوں پر عید کی نماز لازم نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خواتین کا عید کی نماز کے لیے جانا ثابت اور فی نفسہٖ جائز ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فتنے وفساد پیدا ہونے کی وجہ سے اہلِ علم حضرات کا اس سلسلہ میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔

بعض فقہاء کے نزدیک تو فتنہ وفساد سے بچنے کا اہتمام کرتے ہوئے مطلقاً عورتوں کو عید کی نماز کے لئے نکلنا جائز ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک خواتین کو عید کی نماز کے لیے گھر سے باہر نہ نکلنا افضل ہے، اور بہتر یہ ہے کہ وہ گھر میں رہ کر ہی عبادت وذکر کریں، اور دوسرے مسنون اعمال انجام دیں۔

اور جوان عورتوں کو فتنہ وفساد لازم آنے کی وجہ سے عید کی نماز کے لیے گھر سے باہر نکلنا مکروہ ہے۔

البتہ بوڑھی اور معمّر خواتین کو عید کی نماز کے لیے گھر سے نکلنا فی نفسہٖ جائز ہے۔ [2]

---

[1] ولا يخرج المنبر فى العيدين؛ لما روينا أن النبى -صلى الله عليه وسلم -لم يفعل ذلك، وقد صح أنه كان يخطب فى العيدين على ناقته ، وبه جرى التوارث من لدن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -إلى يومنا هذا؛ ولهذا اتخذوا فى المصلى منبرا على حدة من اللبن والطين، واتباع ما اشتهر العمل به فى الناس واجب(بدائع الصنائع، ج ا ص ۲۸۰، فصل بيان ما يفسد صلاة العيدين وبيان حكمها إذا فسدت)

(قوله ولا بأس بإخراج منبر إليها) عزاه فى الدرر إلى الاختيار (قوله لكن فى الخلاصة إلخ) ومثله فى الخانية فإنهما قالا ولا يخرج المنبر إلى الجبانة يوم العيد.

واختلف المشايخ فى بنائه فى الجبانة قيل :يكره، وقيل :لا، فدل كلامهما على أنه لا خلاف فى كراهة إخراجه إليها، وإنما الخلاف فى بنائه فيها .ويمكن حمل الكراهة على التنزيهية وهى مرجع خلاف الأولى المفاد من كلمة لا بأس غالبا فلا مخالفة فافهم، وفى الخلاصة عن خواهر زاده هذا أى بناؤه حسن فى زماننا(ردالمحتار، ج۲ص ۱۶۹، باب صلاة العيدين)

[2] قال ثمة أيضا :وليس على النساء خروج فى العيدين وكان يرخص لهن فى ذلك قال :وقال أبو حنيفة :وأما اليوم فإنى أكره لهن ذلك وأكره لهن شهود الجمعة وصلاة المكتوبة وإنما رخص للعجوز الكبيرة أن تشهد العشاء والفجر والعيدين.

وقال أبو يوسف، ومحمد رحمهما الله :يجوز حضورهن فى الصلاة كلها وفى الكسوف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض فقہاء کے نزدیک بوڑھی خواتین کے ساتھ ساتھ اُن خواتین کو بھی نکلنا جائز بلکہ مستحب ہے، جو کہ بوڑھی تو نہیں ہیں، لیکن حسن و جمال والی نہیں ہیں، اور جو حسن و جمال والی ہوں ان کو فتنہ وفساد لازم آنے کی وجہ سے نکلنا مستحب نہیں ہے۔ [1]

مگر یہ شرط سب حضرات کے نزدیک ضروری ہے کہ فتنہ وفساد سے بچنے بچانے کا پورا پورا اہتمام وانتظام کیا جائے۔

چنانچہ آمدورفت اور نماز پڑھنے کی جگہ نامحرم لوگوں سے الگ اور مکمل پردے کے ساتھ ہو،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والاستسقاء (المحیط البرهانی لابن مازة البخاری، ج۲ ص ۴۸۵، کتاب الصلاة،الفصل السادس والعشرون فی صلاة العیدین، دارالکتب العلمیة، بیروت)

وَأَمَّا الْعَجَائِزُ فَلَا خِلَافَ فِيْ أَنَّهُ يُرَخَّصُ لَهُنَّ الْخُرُوْجُ فِي الْفَجْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَالْعِيْدَيْنِ، وَاخْتَلَفُوْا فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْجُمُعَةِ قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ: لَا يُرَخَّصُ لَهُنَّ فِيْ ذٰلِكَ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يُرَخَّصُ لَهُنَّ فِيْ ذٰلِكَ .... وَأَمَّا صَلَاةُ الْعِيْدِ فَإِنَّهَا تُؤَدّٰى فِي الْجَبَّانَةِ فَيُمْكِنُهَا أَنْ تَعْتَزِلَ نَاحِيَةً عَنِ الرِّجَالِ كَيْ لَا تُصْدَمَ فَرَخَّصَ لَهُنَّ الْخُرُوْجَ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ثُمَّ هٰذَا الْخِلَافُ فِي الرُّخْصَةِ وَالْإِبَاحَةِ فَأَمَّا لَا خِلَافَ فِيْ أَنَّ الْأَفْضَلَ أَنْ لَا يَخْرُجْنَ فِيْ صَلَاةٍ لِمَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِيْ دَارِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ مَسْجِدِهَا، وَصَلَاتُهَا فِيْ بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ دَارِهَا، وَصَلَاتُهَا فِيْ مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ بَيْتِهَا (بدائع الصنائع، ج۱، صفحہ ۲۷۵، کتاب الصلاة، فصل صلاة العیدین، دارالکتب العلمیة، بیروت)

وَقَالَ ابْنُ الْهُمَامِ: وَتَخْرُجُ الْعَجَائِزُ لِلْعِيْدِ لَا الشَّوَابُّ اهـ . وَهُوَ قَوْلٌ عَدْلٌ، لٰكِنْ لَا بُدَّ أَنْ يُقَيَّدَ بِأَنْ تَكُوْنَ غَيْرَ مُشْتَهَاةٍ فِيْ ثِيَابٍ بِذْلَةٍ، بِإِذْنِ حَلِيْلِهَا مَعَ الْأَمْنِ مِنَ الْمَفْسَدَةِ بِأَنْ لَا يَخْتَلِطْنَ بِالرِّجَالِ، وَيَكُنَّ خَالِيَاتٍ مِنَ الْحُلِيِّ وَالْحُلَلِ، وَالْبَخُوْرِ وَالشُّمُوْمِ، وَالتَّبَخْتُرِ وَالتَّكَشُّفِ، وَنَحْوِهَا مِمَّا أَحْدَثْنَ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ مِنَ الْمَفَاسِدِ (مرقاة المفاتیح، ج۳ص ۱۰۶۴، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، دارالفکر، بیروت)

[1] قَالَ أَصْحَابُنَا يُسْتَحَبُّ إِخْرَاجُ النِّسَاءِ غَيْرِ ذَوَاتِ الْهَيْئَاتِ وَالْمُسْتَحْسَنَاتِ فِي الْعِيْدَيْنِ دُوْنَ غَيْرِهِنَّ وَأَجَابُوْا عَنْ إِخْرَاجِ ذَوَاتِ الْخُدُوْرِ وَالْمُخَبَّأَةِ بِأَنَّ الْمَفْسَدَةَ فِيْ ذٰلِكَ الزَّمَنِ كَانَتْ مَأْمُوْنَةً بِخِلَافِ الْيَوْمِ وَلِهٰذَا صَحَّ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا لَوْ رَأٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسَاجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ (شرح النووی علی مسلم، ج۶ ص ۱۷۸، کتاب صلاة العیدین،داراحیاء التراث العربی، بیروت.

وَالْأَوْلٰى أَنْ يُخَصَّ ذٰلِكَ بِمَنْ يُؤْمَنُ عَلَيْهَا وَبِهَا الْفِتْنَةُ وَلَا يَتَرَتَّبُ عَلٰى حُضُوْرِهَا مَحْذُوْرٌ وَلَا تَزَاحَمَ الرِّجَالَ فِي الطُّرُقِ وَلَا فِي الْمَجَامِعِ (فتح الباری لابن حجر، ج۲ ص ۴۷۱،قوله باب اعتزال الحیض المصلی، دار المعرفة ،بیروت)

خواتین پُرکشش لباس وچادر اور زیور وغیرہ سے مزین ہو کر اور زیب وزینت اختیار کر کے اور خوشبو لگا کر نہ نکلیں، تا کہ ہر قسم کے فتنوں کا سدِّ باب رہے، اور ان شرائط کی خلاف ورزی کر کے نکلنا جائز نہیں۔

اور آج کل کے دور میں کیونکہ عام طور پر خواتین ان شرائط کی پابندی کا اہتمام نہیں کرتیں، جس کی وجہ سے بعد کے بعض حضرات نے عورتوں کو عید کی نماز کے لئے گھروں سے نکلنے کو علی الاطلاق منع کر دیا ہے۔

لیکن اگر کسی جگہ ممکنہ حد تک مفاسد کا سدِ باب کرتے ہوئے، اور شرائط کا اہتمام کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے خواتین اور بالخصوص بوڑھی خواتین کے لئے عید، وغیرہ کے موقع پر شرکت کا انتظام کیا جائے، تا کہ اس کے ذریعہ سے ان کو دین کے احکام کی وعظ وتبلیغ کی جاسکے، بشرطیکہ وہ واقعتاً دین کے احکام کی صحیح تبلیغ ہو، تو اس کی گنجائش دی جاسکتی ہے۔

(تفصیل کے لئے ہماری دوسری کتاب ''شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

q

حج وقربانی ماہِ ذی الحجہ کی خاص عبادت

ذُوالحجہ کے مہینے کی اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہوگی کہ دواہم عبادتیں جو سال بھر کے دوسرے دنوں میں انجام نہیں دی جاسکتیں، ان کو انجام دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ذوالحجہ کے اس مہینے کو منتخب فرمایا۔

یہ دو عبادتیں ایسی ہیں کہ اس مہینہ کے علاوہ دوسرے اوقات میں اگر ان عبادتوں کو کیا جائے گا تو وہ عبادت ہی نہیں شمار ہونگی۔

ان میں سے ایک عبادت حج ہے، یہ ایسی عبادت ہے جو اِن دنوں کے علاوہ دوسرے دنوں میں انجام نہیں دی جاسکتی، حج کے ارکان مثلاً عرفات میں جا کر ٹھہرنا، مزدلفہ میں رات گزارنا، جمرات کی رمی کرنا وغیرہ یہ ارکان واعمال ایسے ہیں کہ اگر ان کو انہی دنوں میں انجام دیا جائے تو عبادت ہیں، اور ان دنوں کے علاوہ دوسرے دنوں میں عبادت نہیں، مثلاً اگر کوئی شخص دوسرے دِنوں میں عرفات میں ٹھہرے تو یہ عبادت نہیں۔

جمرات سال بھر کے بارہ مہینے تک منیٰ میں کھڑے ہیں، لیکن دوسرے دنوں میں کوئی شخص جا کر ان کو کنکریاں ماردے تو یہ کوئی عبادت نہیں۔

تو حج جیسی اہم عبادت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان ہی دنوں کو مقرر فرمادیا ہے کہ اگر حج ان دنوں میں انجام دیا جائے گا تو وہ عبادت ہوگا۔ اور اس پر ثواب ملے گا ورنہ نہیں۔

لیکن دوسری عبادتیں مثلاً پانچ وقت کی نماز انسانی فرائض میں سے ہے، مگر جب چاہے نفلی نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ رمضان میں روزہ فرض ہے۔ مگر نفلی روزہ جب چاہیں رکھیں۔ زکاۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے مگر نفلی صدقہ جب چاہیں ادا کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حج، اس مہینے کی خاص عبادت ہے (نیز ادائیگی کا مقام بھی اس کا مخصوص ہے) اور اس مہینے کی دوسری خاص عبادت قربانی ہے۔

قربانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ذُوالحجہ کے تین دن (یعنی دس، گیارہ اور بارہ تاریخ) مقرر فرمادیئے ہیں۔

ان دنوں کے علاوہ اگر کوئی شخص قربانی کی عبادت کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔

یہاں تک کہ اگر کسی نے قربانی کا جانور متعین کیا ہوا تھا لیکن اس کی قربانی نہیں کی اور یہ تین دن گزر گئے، تب بھی اس جانور کو ذبح کرنے کے بجائے اس کو زندہ صدقہ کرنے کا حکم ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ قربانی بھی اس مہینے بلکہ اس مہینے کے مخصوص دِنوں کی خاص عبادت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قربانی سے متعلق تاریخی واقعہ

قربانی کی عبادت اگرچہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے چلی آرہی ہے، لیکن قربانی کی خاص شان حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ایک عظیم واقعہ سے شروع ہوتی ہے اور اسی حیثیت سے شریعتِ محمدیہ میں قربانی کو خاص عبادت قرار دیا گیا ہے۔

یہ واقعہ تاریخ عالم کا ایک بے نظیر اور سبق آموز واقعہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام جو اُس وقت اکلوتے تھے اور بڑھاپے کی عمر میں دعاؤں اور تمناؤں کے بعد حاصل ہوئے تھے یہ کس کو معلوم تھا کہ یہی حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے لئے سب سے بڑے امتحان کا سبب بنیں گے؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (سورہ صافات آیت ۹۹)

ترجمہ: اور (ابراہیم علیہ السلام) کہنے لگے میں تو اپنے رب کی طرف (تم سے ہجرت کرکے) چلا جاتا ہوں وہ مجھ کو (اچھی جگہ کی) ہدایت دے گا (ترجمہ ختم)

یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت ارشاد فرمائی جبکہ آپ اپنے اہلِ وطن کے ایمان قبول کرنے سے مایوس ہوگئے، اور وہاں حضرت لوط علیہ السلام کے سوا کوئی آپ پر

ایمان نہیں لایا۔

’’اپنے رب کی طرف سے چلے جانے‘‘ سے مراد یہ ہے کہ میں دارُالکفر کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں کا مجھے اپنے رب کی طرف سے حکم ہوگا، اور جہاں میں اپنے رب کی بآسانی عبادت کرسکوں گا۔

چنانچہ آپ بحکمِ الٰہی اپنی زوجۂ مطہرہ حضرتِ سارہ رضی اللہ عنہا اور بعض روایات کے مطابق حضرت لوط علیہ السلام کو بھی لے کر سفر پر روانہ ہوئے، اور عراق کے مختلف حصوں سے ہوتے ہوئے بالآخر شام تشریف لے آئے۔ [۱]

اس تمام عرصہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔

اس لئے آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ:

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ(سورہ صافات آیت ۱۰۰)

ترجمہ: اے میرے رب! مجھے نیکوکاروں میں سے (نیک اولاد) عطا فرمایئے (ترجمہ ختم)

---

[۱] وَقالَ ابراهيم حين خرج من النار سالما ولم يؤمنوا به إِنِّي ذاهِبٌ إِلى رَبِّي يعنى اهجر دار الكفر واذهب الى حيث اتجرد فيه بعبادة ربى سَيَهْدِينِ عطف على ما يفهم من قوله فجعلناهم الأسفلين يعنى خرج من النار سالما وقال انّى ذاهب الى ربّى سيهدين الى ما فيه صلاح دينى او الى مقصد قصدته حيث أمرنى ربى وهو الشام وحينئذ فرّ ابراهيم هاربا مع سارة من ارض بابل من خوف نمرود وكانت سارة من أجمل نساء عصرها ومرّ بحدود مصر وفرعونها يومئذ صادف بن صادف(التفسير المظهرى ج۸ص۱۲۵، تحت آیت ۹۹ من سورة الصافات)

وَقالَ إِنِّي ذاهِبٌ إِلى رَبِّي إلى حيث أمرنى أو حيث أتجرد فيه لعبادته عز وجل جعل الذهاب إلى المكان الذى أمره ربه تعالى بالذهاب إليه ذهابا إليه وكذا الذهاب إلى مكان يعبده تعالى فيه لا أن الكلام بتقدير مضاف، والمراد بذلك المكان الشام، وقيل مصر وكأن المراد إظهار اليأس من إيمانهم وكراهة البقاء معهم أى إنى مفارقكم ومهاجر منكم إلى ربى سَيَهْدِينِ إلى ما فيه صلاح دينى أو إلى مقصدى(روح المعانی، ج۱۲ ص۱۲۱،تحت آیت ۹۹ من سورة الصافات)

قوله تعالى :(فآمن له لوط) لوط أول من صدق إبراهيم حين رأى النار عليه بردا وسلاما .قال ابن إسحاق آمن لوط بإبراهيم وكان ابن أخته، وآمنت به سارة وكانت بنت عمه .(وقال إنى مهاجر إلى ربى) قال النخعى وقتادة :الذى قال ":إنى مهاجر إلى ربى "هو إبراهيم عليه السلام .قال قتادة: هاجر من كوثا وهى قرية من سواد الكوفة إلى حران ثم إلى الشام، ومعه ابن أخيه لوط بن هاران بن تارخ، وامرأته سارة(تفسير القرطبى، ج۱۳ ص۳۳۹، تحت آیت ۲۷ من سورة العنكبوت)

چنانچہ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری سنائی:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (سورہ صافات آیت ۱۰۱)

ترجمہ: پس ہم نے ان کو ایک حلیمُ المزاج لڑکے کی بشارت دی (ترجمہ ختم)

''حلیمُ المزاج'' فرما کر اشارہ کر دیا گیا کہ یہ نومولود اپنی زندگی میں ایسے صبر وضبط اور بردباری کا مظاہرہ کرے گا کہ دنیا اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی۔

اس بیٹے کی ولادت کا واقعہ یہ ہوا کہ جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھا کہ مجھ سے کوئی اولاد نہیں ہو رہی تو وہ سمجھیں کہ میں بانجھ ہوچکی ہوں۔

اُدھر مصر کے ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو (ایک واقعہ سے متأثر ہوکر) ایک خاتون، جن کا نام ہاجرہ رضی اللہ عنہا تھا، خدمت گزاری کے لئے دیدیں تھیں۔ [1]

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے یہی ہاجرہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیدیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے نکاح کرلیا۔

انہی ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے یہ صاحبزادے پیدا ہوئے اور ان کا نام اسماعیل (علیہ السلام) رکھا گیا (ملاحظہ ہو بہشتی زیور چھٹا حصہ حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا ذکر)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ ہونہار بیٹا عطا کر دیا گیا، اور کچھ سمجھدار بھی ہوگیا، تو اب ان کی قربانی کا حکم ہوا۔

---

[1] لَمْ يَكْذِبْ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلَّا ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ، ثِنْتَيْنِ مِنْهُنَّ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، قَوْلُهٗ اِنِّيْ سَقِيْمٌ، وَقَوْلُهٗ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا، وَقَالَ بَيْنَا هُوَ ذَاتَ يَوْمٍ وَّسَارَةُ، اِذْ اَتٰى عَلٰى جَبَّارٍ مِّنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّ هٰهُنَا رَجُلًا مَّعَهُ امْرَاَةٌ مِّنْ اَحْسَنِ النَّاسِ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ فَسَاَلَهٗ عَنْهَا فَقَالَ مَنْ هٰذِهٖ قَالَ اُخْتِيْ فَاَتٰى سَارَةَ قَالَ يَاسَارَةُ لَيْسَ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِيْ وَغَيْرُكِ وَاِنَّ هٰذَا سَاَلَنِيْ فَاَخْبَرْتُهٗ اَنَّكِ اُخْتِيْ فَلَا تُكَذِّبِيْنِيْ فَاَرْسَلَ اِلَيْهَا فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ ذَهَبَ يَتَنَاوَلُهَا بِيَدِهٖ فَاُخِذَ فَقَالَ ادْعِي اللّٰهَ لِيْ وَلَا اَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَاُطْلِقَ ثُمَّ تَنَاوَلَهَا الثَّانِيَةَ فَاُخِذَ مِثْلَهَا اَوْ اَشَدَّ فَقَالَ ادْعِي اللّٰهَ لِيْ وَلَا اَضُرُّكِ فَدَعَتْ فَاُطْلِقَ فَدَعَا بَعْضَ حَجَبَتِهٖ فَقَالَ اِنَّكُمْ لَمْ تَاْتُوْنِيْ بِاِنْسَانٍ اِنَّمَا اَتَيْتُمُوْنِيْ بِشَيْطَانٍ فَاَخْدَمَهَا هَاجَرَ فَاَتَتْهُ وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّيْ فَاَوْمَاَ بِيَدِهٖ مَهْيَا قَالَتْ رَدَّ اللّٰهُ كَيْدَ الْكَافِرِ اَوِ الْفَاجِرِ فِيْ نَحْرِهٖ وَاَخْدَمَ هَاجَرَ تِلْكَ اُمُّكُمْ يَا بَنِيْ مَاءِ السَّمَاءِ (صحيح بخارى ج ٢، كتاب الانبياء، باب قول الله عزوجل واتخذ الله ابراهيم خليلا، رقم الحديث ٣٣٥٨، عن ابى هريرة)

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيٓ أَذْبَحُكَ (سورہ صافات آیت ۱۰۲)

ترجمہ: سو جب وہ (بیٹا) ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں (ترجمہ ختم)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تین دن لگاتار دکھایا گیا۔

اور واقعہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے۔ [1]

اس لئے اس خواب کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا ہے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کریں۔

یوں یہ حکم براہِ راست کسی فرشتے وغیرہ کے ذریعہ بھی نازل کیا جا سکتا تھا، لیکن خواب میں

---

[1] إِنِّى أَرَى فِى الْمَنَامِ أَنِّى أَذْبَحُكَ يحتمل انه راى ذلك ويحتمل انه راى ما هو تعبيره قال محمد بن إسحاق كان ابراهيم إذا زاد هاجر وإسماعيل حمل على البراق فيغدو من الشام فيقيل بمكة ويروح من مكة فيبيت بالشام حتى إذا بلغ إسماعيل معه السعى وأخذ بنفسه ورجاه لما كان يأمل فيه من عبادة ربه وتعظيم حرماته امر فى المنام ان يذبحه وذلك انه راى ليلة التروية كانّ قائلا يقول له ان الله يأمرك بذبح ابنك هذا فلمّا أصبح روّى فى نفسه اى فكر من الصباح الى الرواح أمن الله هذا الحلم أم من الشيطان فمن ثم سمى يوم التروية فلما امسى راى فى المنام ثانيا فلما أصبح عرف ان ذلك من الله فمن ثم سمى عرفة كذا اخرج البيهقى فى شعب الايمان من طريق الكلبى عن ابى صالح عن ابن عباس قال ابن إسحاق وغيره فلمّا امر ابراهيم بذبح ابنه قال لابنه خذ الحبل والمدية ينطلق الى هذا الشعب نحتطب فلمّا خلا ابراهيم بابنه فى شعب ثبير أخبره بما امر به قال مقاتل راى فى المنام ثلاث ليال متتابعات فلما تيقن ذلك اخبر به ابنه انّى ارى فى المنام انّى أذبحك(التفسير المظهرى ج۸ص۱۲۸، ۱۲۹، تحت آيت ۱۰۲ من سورة الصافات)

قوله تعالى ":قال يا بنى إنى أرى فى المنام أنى أذبحك فانظر ماذا ترى "قال مقاتل :رأى ذلك إبراهيم عليه السلام ثلاث ليال متتابعات .وقال محمد بن كعب: كانت الرسل يأتيهم الوحى من الله تعالى أيقاظا ورقودا، فإن الأنبياء لا تنام قلوبهم .وهذا ثابت فى الخبر المرفوع، قال صلى الله عليه وسلم ":إنا معاشر الأنبياء تنام أعيننا ولا تنام قلوبنا ."وقال ابن عباس :رؤيا الأنبياء وحى، واستدل بهذه الآية(تفسير القرطبى ج۱۵ ص۱۰۱، ۱۰۲ تحت آيت ۱۰۲ من سورة الصافات)

دکھانے کی حکمت بظاہر یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت شعاری اپنے کمال کے ساتھ ظاہر ہو۔

خواب کے ذریعہ دیئے ہوئے حکم میں انسانی نفس کے لئے تاویلات کی بڑی گنجائش تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاویلات کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

اس کے علاوہ یہاں اللہ تعالیٰ کا اصل مقصد حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرانا نہیں تھا۔ بلکہ اصل منشاء یہ حکم دینا تھا کہ اپنی طرف سے انھیں ذبح کرنے کے سارے سامان کر کے ان کے ذبح کا اقدام کر گزرو۔

اب یہ حکم اگر زبانی دیا جاتا تو اس میں آزمائش نہ ہوتی، اس لئے انہیں خواب میں دکھلایا کہ وہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں، اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سمجھے کہ ذبح کا حکم ہوا ہے، اور وہ پوری طرح ذبح کرنے پر آمادہ ہوگئے، اس طرح آزمائش بھی پوری ہوگئی، اور خواب بھی سچا ہوگیا۔

یہ بات زبانی حکم کے ذریعہ آتی تو یا آزمائش نہ ہوتی، یا حکم کو بعد میں منسوخ کرنا پڑتا۔ [1]

---

[1] قالَ یا بُنَیَّ إِنِّی أَری فِی الْمَنامِ أَنِّی أَذْبَحُکَ یحتمل أنه علیه السلام رأی فی منامه أنه فعل ذبحه فحمله علی ما هو الأغلب فی رؤیا الأنبیاء علیهم السلام من وقوعها بعینها، ویحتمل أنه رأی ما تأویله ذلک لکن لم یذکره وذکر التأویل کما یقول الممتحن وقد رأی أنه راکب فی سفینة رأیت فی المنام أنی ناج من هذه المحنة، وقیل إنه رأی معالجة الذبح ولم یر أنهار الدم فأنی أذبحک أنی أعالج ذبحک، ویشعر صنیع بعضهم اختیار أنه علیه السلام أتی فی المنام فقیل له اذبح ابنک ورؤیا الأنبیاء وحی کالوحی فی الیقظة، وفی روایة أنه رأی لیلة الترویة کأن قائلا یقول إن الله تعالی یأمرک بذبح ابنک فلما أصبح روأ فی ذلک وفکر من الصباح إلی الرواح أمن الله تعالی هذا الحلم أم من الشیطان فمن ثم سمی یوم الترویة فلما أمسی رأی مثل ذلک فعرف أنه من الله تعالی فمن ثم سمی یوم عرفة ثم رأی مثله فی اللیلة الثالثة فهم بنحره فسمی یوم النحر، وقیل إن الملائکة حین بشرته بغلام حلیم قال هو إذن ذبیح الله فلما ولد وبلغ حد السعی معه قیل له أوف بنذرک، ولعل هذا القول کان فی المنام وإلا فما یصنع قوله إِنِّی أَری فِی الْمَنامِ أَنِّی أَذْبَحُکَ وفی کلام التوراة التی بأیدی الیهود الیوم ما یرمز إلی أن الأمر بالذبح کان لیلا فإنه بعد أن ذکر قول الله تعالی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وہ امتحان کس قدر سخت تھا؟

اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہاں اللہ تعالیٰ نے ”فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ“ الفاظ بڑھائے ہیں، یعنی ارمانوں سے مانگے ہوئے اس بیٹے کو قربان کرنے کا حکم اس وقت دیا گیا تھا جب یہ بیٹا اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تھا، اور پرورش کی مشقتیں برداشت کرنے کے بعد اب وقت آیا تھا کہ وہ دست وبازو بن کر باپ کا سہارا ثابت ہو۔

بعض مفسّرین نے فرمایا کہ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی، اور بعض مفسّرین نے فرمایا کہ بالغ ہو چکے تھے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

له عليه السلام خذ ابنك وامض إلى بلد العبادة وأصعده ثم قربانا على أحد الجبال الذى أعرفك به قيل فأدلج إبراهيم بالغداة إلخ فالأمر إما مناما وإما يقظة لكن وقع تأكيدا لما فى المنام إذ لا محيص عن الإيمان بما قصه الله تعالى علينا فيما أعجز به الثقلين من القرآن والحزم الجزم بكونه فى المنام لا غير إذ لا يعول على ما فى أيدى اليهود وليس فى الأخبار الصحيحة ما يدل على وقوعه يقظة أيضا .ولعل السر فى كونه مناما لا يقظة أن تكون المبادرة إلى الامتثال أدل على كمال الانقياد والإخلاص .وقيل :كان ذلك فى المنام دون اليقظة ليدل على أن حالتى الأنبياء يقظة ومناما سواء فى الصدق، والأول أولى، والتأكيد لما فى تحقق المخبر به من الاستبعاد، وصيغة المضارع فى الموضعين قيل لاستحضار الصورة الماضية لنوع غرابة، وقيل :فى الأول لتكرر الرؤيا وفى الثانى للاستحضار المذكور أو لتكرر الذبح حسب تكرر الرؤيا أو للمشاكلة ومن نظر بعد ظهر له غير ذلك(تفسير روح المعانى، ج۱۲ ص۱۲۳،تحت آيت ۱۰۲ من سورة الصافات)

[1] وعن ابن عباس ومجاهد وعكرمة وسعيد بن جبير وعطاء الخراسانى وزيد بن اسلم وغيره (فلما بلغ معه السعى)يعنى شب وارتحل واطاق مايفعله ابوه من السعى والعمل(تفسير ابنِ كثير تحت آيت ۱۰۱ من سوره صافات)

قوله تعالى ":فلما بلغ معه السعى "أى فوهبنا له الغلام، فلما بلغ مع المبلغ الذى يسعى مع أبيه فى أمور دنياه معينا له على أعمال "قال يا بنى إنى أرى فى المنام أنى أذبحك ."وقال مجاهد ":فلما بلغ معه السعى "أى شب وأدرك سعيه سعى إبراهيم .وقال الفراء :كان يومئذ ابن ثلاث عشرة سنة .وقال ابن عباس :هو احتلام .قتادة :مشى مع أبيه .الحسن ومقاتل :هو سعى العقل الذى تقوم به الحجة .ابن زيد :هو السعى فى العبادة .ابن عباس :صام وصلى، ألم تسمع الله عز وجل يقول": وسعى لها سعيها(تفسير القرطبى، ج۱۵ ص۹۹، تحت آيت ۱۰۲ من سورة الصافات)

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْىَ عطف على جملة محذوفة تقديره فولد له الغلام فلمّا بلغ معه السّعى اى بلغ ان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے سے یہ بھی فرمایا کہ:

فَانْظُرْ مَاذَاتَرٰی

ترجمہ: سوتم غور کرلو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ (ترجمہ ختم)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اس لئے نہیں فرمائی کہ آپ کو حکمِ الٰہی کی تعمیل میں کوئی تردُّد یا شک تھا۔

بلکہ ایک تو وہ اپنے بیٹے کا امتحان لینا چاہتے تھے کہ وہ اس آزمائش میں کس حد تک پورا اُترتے ہیں؟

دوسرے انبیاء علیہم السلام کا طرز ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ احکامِ الٰہی کی اطاعت کے لئے تو ہروقت تیار رہتے ہیں، لیکن اطاعت کے لئے ہمیشہ راستہ وہ اختیار فرماتے ہیں جو حکمت اور حتی المقدور سہولت والا ہو۔

اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے سے کچھ کہے بغیر بیٹے کو ذبح کرنے لگتے، تو یہ دونوں کے لئے مشکل کا سبب ہوتا، اب یہ بات آپ نے مشورہ کے انداز میں بیٹے سے اس لئے ذکر کی کہ بیٹے کو پہلے سے اللہ کا یہ حکم معلوم ہوجائے گا تو وہ ذبح ہونے کی اذیت سہنے کے لئے پہلے سے تیار ہوسکے گا، اور اگر بیٹے کے دل میں کچھ تذبذُب ہوا بھی تو اسے سمجھایا جاسکے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یسعی معه فی اعماله ویعینه وقال الکلبی یعنی العمل لله وهو قول الحسن ومقاتل بن حبان وابن زید قالوا هو العبادة وقال ابن عباس وقتادة لما بلغ ان یسعی الی الجبل معه وقال مجاهد عن ابن عباس یعنی انه شبّ حتی بلغ سعیه سعی ابراهیم قیل کان سنه ثلاث عشرة سنة وقیل سبع سنین(التفسیر المظهری، ج۸ص۱۲۸، تحت آیت ۱۰۲، من سورة الصافات)

[1] فَانْظُرْ ماذا تَری من الرأی وإنما شاوره فی ذلک وهو حتم لیعلم ما عنده فیما نزل من بلاء الله عز وجل فیثبت قدمه إن جزع ویأمن علیه إن سلم ولیوطن نفسه علیه فیهون علیه ویکتسب المثوبة بالانقیاد لأمر الله تعالی قبل نزوله ولیکون سنة فی المشاورة، فقد قیل :لو شاور آدم الملائکة فی أکله من الشجرة لما فرط منه ذلک، وقرأ حمزة والکسائی ماذا تری بضم التاء وکسر الراء خالصة أی ما الذی ترینی إیاه من الصبر وغیره أو أی شیء ترینی علی أن ما مبتدأ وذا موصول خبره ومفعولی تری محذوفان أو ماذا کالشیء الواحد مفعول ثان لتری والمفعول الأول محذوف، وقریء ماذا تری بضم التاء وفتح الراء علی البناء للمفعول أی ماذا تریک نفسک من الرأی، و (انظر) فی جمیع القراء ات معلقة عن العمل وفی ماذا الاحتمالان فلا تغفل(تفسیر روح المعانی، ج۲۲ص۱۲۳، تحت آیت ۱۰۲من سورة الصافات)

لیکن وہ بیٹا بھی اللہ کے خلیل علیہ السلام کا بیٹا تھا اور اسے آگے چل کر خود منصبِ رسالت پر فائز ہونا تھا، اس لئے اس نے جواب میں کہا کہ:

یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَاتُؤْمَرُ

ترجمہ: اے میرے والد! جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اُسے کر گزریئے (ترجمہ ختم)

اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بے مثال جذبۂ جاں سپاری کی تو شہادت ملتی ہی ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کم سنی ہی میں اللہ نے انہیں کیسی ذہانت اور کیسا علم عطا فرمایا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے اللہ کے کسی حکم کا حوالہ نہیں دیا تھا، بلکہ صرف ایک خواب کا تذکرہ فرمایا تھا۔

لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام سمجھ گئے، کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، اور یہ خواب بھی درحقیقت حکمِ الٰہی کی ہی ایک شکل ہے۔

چنانچہ انھوں نے جواب میں خواب کے بجائے حکمِ الٰہی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا کہ:

سَتَجِدُنِیٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ

ترجمہ: انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے (ترجمہ ختم)

اس جملے میں حضرت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی غایتِ ادب اور غایتِ تواضع کو دیکھئے۔

ایک تو اِنْ شَآءَ اللّٰہُ کہہ کر معاملہ کو اللہ کے حوالہ کر دیا اور اس وعدے میں دعوے کی جو ظاہری صورت پیدا ہو سکتی تھی اسے ختم فرما دیا۔

دوسرے آپ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ ''آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے'' لیکن اس کے بجائے آپ نے فرمایا کہ ''آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے''

جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ صبر وضبط تنہا میرا کمال نہیں ہے بلکہ دنیا میں اور بھی بہت سے صبر کرنے والے ہیں، ان شاء اللہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں گا۔

اس طرح آپ نے اس جملے میں فخر وتکبر، خود پسندی اور پندار کے ہر ادنیٰ شائبے کو ختم کر کے اس میں انتہا درجے کی تواضع اور انکساری کا اظہار فرمادیا۔ [1]

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو کسی معاملے میں اپنے اوپر خواہ کتنا ہی اعتماد ہو، لیکن اسے ایسے بلند وبانگ دعوے نہیں کرنے چاہئیں، جن سے غرور وتکبر ٹپکتا ہو، اگر کہیں ایسی کوئی بات کہنے کی ضرورت ہو تو الفاظ میں اس کی رعایت ہونی چاہئے، کہ ان میں اپنے بجائے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کا اظہار ہو، اور جس حد تک ممکن ہو تواضع کے دامن کو نہ چھوڑا جائے۔

بالآخر دونوں باپ اور بیٹے باہمی مذاکرہ کر کے اس عمل کے لئے تہِ دل سے راضی اور آمادہ ہوگئے۔

جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا (سورہ صافات آیت ۱۰۳)

ترجمہ: پس جب وہ دونوں جھک گئے (ترجمہ ختم)

اَسْلَمَ کے معنٰی ہیں جُھک جانا، مطیع ہوجانا، رام ہوجانا۔ [2]

مطلب یہ ہے کہ جب وہ اللہ کے حکم کے آگے جُھک گئے، یعنی باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کا اور بیٹے نے ذبح ہوجانے کا ارادہ کرلیا۔ [3]

آگے یہ نہیں بتایا گیا کہ جب یہ واقعات پیش آچکے تو کیا ہوا؟

---

[1] (من الصابرين(دون صابرا وان كانت رؤوس الآى تقتضى ذالک من التواضع مافيه، قيل وفق للصبر ببركته مع بركة الاستثناء وموسىٰ عليه السلام لما لم يسلک هذا المسلک من التواضع فى قوله: (ستجدنى ان شاء صابرا"الكهف: ۶۹" حيث لم ينظم نفسه الكريمة فى سلک الصابرين بل اخرج الكلام على وجه لايشعر بوجود صابر سواه لم يتسر له الصبر مع انه لم يهمل امر الاستثناء(روح المعانى ج۱۲ ص۱۲۴، تحت آيت ۱۰۲ من سورة الصافات)

[2] استسلما وانقادا، ابراهيم امتثل امر الله واسماعيل طاعة الله وابيه (تفسير ابنِ كثير تحت سوره صافات آيت ۱۰۱)

[3] فلما أسلما، انقادا وخضعا لأمر الله تعالى، قال قتادة: أسلم إبراهيم ابنه وأسلم الابن نفسه(تفسير البغوى، ج۴ص۳۷، تحت آيت ۱۰۲ من سورة الصافات)

اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ باپ بیٹے کا یہ اقدامِ فداکاری اس قدر عجیب وغریب تھا کہ الفاظ اس کی پوری کیفیت کو بیان کر ہی نہیں سکتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ سے منیٰ کی طرف ذبح کرنے کی نیت سے ایک چھری ساتھ لے کر چلے تھے۔

درمیان میں شیطان نے مختلف حیلوں سے بہکانے کی کوشش کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اس کو کنکریاں ماریں اور شیطان کا مقابلہ کرتے ہوئے منیٰ میں پہنچ گئے۔

بعض تاریخی اور تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی۔

ہر مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں مار کر بھگا دیا۔

آج تک منیٰ کے تین جمرات پر اسی محبوب عمل کی یاد سات سات کنکریاں مار کر منائی جاتی ہے۔ [1]

---

[1] إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَمَّا أُمِرَ بِالْمَنَاسِكِ، عَرَضَ لَهُ الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَسْعَى فَسَابَقَهُ، فَسَبَقَهُ إِبْرَاهِيمُ، ثُمَّ ذَهَبَ بِهِ جِبْرِيلُ إِلَى جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ، فَعَرَضَ لَهُ شَيْطَانٌ -قَالَ يُونُسُ :الشَّيْطَانُ- فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، حَتَّى ذَهَبَ، ثُمَّ عَرَضَ لَهُ عِنْدَ الْجَمْرَةِ الْوُسْطَى فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، قَالَ :قَدْ تَلَّهُ لِلْجَبِينِ -قَالَ يُونُسُ :وَثَمَّ تَلَّهُ لِلْجَبِينِ -وَعَلَى إِسْمَاعِيلَ قَمِيصٌ أَبْيَضُ، وَقَالَ :يَا أَبَتِ، إِنَّهُ لَيْسَ لِي ثَوْبٌ تُكَفِّنُنِي فِيهِ غَيْرُهُ، فَاخْلَعْهُ حَتَّى تُكَفِّنَنِي فِيهِ، فَعَالَجَهُ لِيَخْلَعَهُ، فَنُودِيَ مِنْ خَلْفِهِ :(أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا)فَالْتَفَتَ إِبْرَاهِيمُ، فَإِذَا هُوَ بِكَبْشٍ أَبْيَضَ أَقْرَنَ أَعْيَنَ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ :لَقَدْ رَأَيْتُنَا نَتْبَعُ ذَلِكَ الضَّرْبَ مِنَ الْكِبَاشِ، قَالَ :ثُمَّ ذَهَبَ بِهِ جِبْرِيلُ إِلَى الْجَمْرَةِ الْقُصْوَى، فَعَرَضَ لَهُ الشَّيْطَانُ، فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ حَتَّى ذَهَبَ، ثُمَّ ذَهَبَ بِهِ جِبْرِيلُ إِلَى مِنًى قَالَ :هَذَا مِنًى (مسند احمد، رقم الحديث ۲۷۰۷، عن ابنِ عباس موقوفاً)

فی حاشية مسند احمد:

رجاله ثقات رجال الصحيح غير أبی عاصم الغنوی، فقد روی له أبو داود، وقال أبو حاتم :لا أعرف اسمه ولا أعرفه، ولا حدث عنه سوی حماد بن سلمة، وقال إسحاق بن منصور عن ابن معين :ثقة، وقال الحافظ فی "التقريب :"مقبول .قلنا :ولمعظم هذا الحديث طرق وشواهد يتقوی بها.

بالآخر جب دونوں باپ بیٹے یہ انوکھی عبادت انجام دینے کے لئے قربان گاہ پر پہنچے تو بعض روایات کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا کہ:

ابّا جان! مجھے خوب اچھی طرح باندھ دیجئے، تاکہ میں زیادہ تڑپ نہ سکوں، اور اپنے کپڑوں کو بھی مجھ سے بچائیے، ایسا نہ ہو کہ ان پر میرے خون کی چھینٹیں پڑیں اور میری والدہ خون دیکھیں تو انہیں غم زیادہ ہو۔

اور آپ کے پاس میرے کفن کے لئے کوئی کپڑا نہیں ہے، آپ میری قمیص اُتار لیجئے تاکہ اسے میرا کفن بنایا جاسکے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے مطابق عمل کیا۔ [1]

اکلوتے بیٹے کی زبان سے اس طرح کے الفاظ سن کر ایک باپ کے دل پر کیا گزری ہوگی؟ لیکن بعض روایات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استقامت کے پہاڑ بن کر جواب میں فرمایا کہ:

”بیٹے! تم اللہ کا حکم پورا کرنے کے لئے میرے کتنے اچھے مددگار ہو“

یہ کہہ کر انھوں نے بیٹے کو بوسہ دیا، پرنم آنکھوں سے انھیں باندھا۔ [2]

---

[1] وفی الخبر :إن الذبيح قال لإبراهيم عليه السلام حين أراد ذبحه :يا أبت اشدد رباطى حتى لا أضطرب، واكفف ثيابک لئلا ينتضح عليها شى من دمى فتراه أمى فتحزن، وأسرع مر السكين على حلقى ليكون الموت أهون على واقذفنى للوجه، لئلا تنظر إلى وجهى فترحمنى، ولئلا أنظر إلى الشفرة فأجزع، وإذا أتيت إلى أمى فأقرئها منى السلام(تفسير القرطبى، ج۱۵ ص۱۰۴، تحت آيت ۱۰۳ من سورة الصافات)

فى حديث أخرجه أحمد وجماعة عن ابن عباس أنه قال لأبيه وكان عليه قميص أبيض يا أبت ليس لى ثوب تكفننى فيه غيره فاخلعه حتى تكفننى فيه فعالجه ليخلعه فكان ما قص الله عز وجل(تفسير روح المعانى، ج۱۲ ص۱۲۵، تحت آيت ۱۰۳ من سورة الصافات)

[2] قال البغوى قالوا قال له ابنه يا أبت اشدد رباطى حتى لا اضطرب واكفف عنّى ثيابک حتى لا ينتضح عليها من دمى شىء فينقص اجرى وتراه أمى فتحزن واستحد شفرتک واسرع مر السكين على حلقى ليكون أهون علىّ فان الموت شديد وإذا أتيت أمى فاقرأ عليها السلام منى وان رايت ان ترد قميصى على أمى فافعل فانه عسى ان يكون اسلى لها قال ابراهيم عليهما السلام نعم العون أنت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آگے اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ:

وَتَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ (سورہ صافات آیت ۱۰۳)

ترجمہ: اورانھیں پیشانی کے بل لٹادیا (ترجمہ ختم)

بعض مفسرین کے مطابق شروع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سیدھا لٹایا تھا، لیکن جب چھری چلانے لگے تو بار بار چلانے کے باوجود گلا کٹتا نہیں تھا۔ اس موقع پر بیٹے نے خود یہ فرمائش کی کہ ابا جان!

مجھے چہرے کے بل کروٹ سے لٹا دیجئے، اس لئے کہ جب آپ کو میرا چہرہ نظر آتا ہے تو شفقتِ پدری جوش مارنے لگتی ہے، اور گلا پوری طرح کٹ نہیں پاتا، اس کے علاوہ چھری مجھے نظر آتی ہے، تو مجھے بھی گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اسی طرح لٹا کر چھری چلانی شروع کی۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یا بنی علی امر اللہ ففعل ابراھیم ما قال له ابنه ثم اقبل عليه وقبله وربطه وهو يبكى(التفسير المظهرى ج۸ص ۱۳۰، تحت آيت ۱۰۳ من سورة الصافات)

فَلَمَّا أَسْلَمَا يعنى انقادا وخضعا لأمر الله وذلک أن إبراهيم عليه الصلاة والسلام أسلم ابنه وأسلم الابن نفسه وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ يعنى صرعه على الأرض قال ابن عباس أضجعه على جبينه على الأرض فلما فعل ذلک قال له ابنه يا أبت أشدد رباطى كيلا أضطرب واكفف عن ثيابک حتى لا ينتضح عليها شىء من دمى فينقص أجرى وتراه أمى فتحزن واستحد شفرتک وأسرع مرّ السكين على حلقى ليكون أهون علىّ فإن الموت شديد، وإذا أتيت أمى فاقرأ عليها السلام منى وإن رأيت أن ترد قميصى على أمى فافعل فإنه عسى أن يكون أسلى لها عنى، فقال إبراهيم عليه السلام :نعم العون أنت يا بنى على أمر الله ففعل إبراهيم ما أمره به ابنه ثم أقبل عليه يقبله وهو يبكى وقد ربطه والابن يبكى(تفسير الخازن، ج۴ص ۲۳، تحت آيت ۱۰۳ من سورة الصافات)

[۱] ثم انه وضع السكين على حلقه فلم يحک السكين وروى انه كان يمرّ الشفرة على حلقه ولا يقطع فشحذه مرتين او ثلاثا بالحجر كل ذلک لا يقطع -اخرج ابن جرير وابن ابى حاتم عن السدىّ انه امرّ السكين بقوّته على حلقه مرارا فلم يقطع وضرب الله على حلقه صفحة من نحاس قالوا فقال الابن عند ذلک يا أبت كبنى بوجهى على جنبى فانک إذا نظرت فى وجهى رحمتنى وأدرکتک رقة تحول بينک وبين امر الله وانى لا انظر الى الشفرة فاجزع ففعل ذلک ابراهيم ثم وضع السكين على قفاه فانقلب السكين(التفسير المظهرى، ج۸ص ۱۳۰، تحت آيت ۱۰۳ من سورة الصافات)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام چھری چلا رہے تھے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آواز آئی کہ:

وَنَادَيْنَاهُ اَنْ يَّآاِبْرَاهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا (سورہ صافات آیت ۱۰۴،۱۰۵)

ترجمہ: اور ہم نے انہیں آواز دی کہ اے ابراہیم! تم نے خواب سچ کر دکھایا (ترجمہ ختم)

یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں جو کام تمہارے کرنے کا تھا اس میں تم نے اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ [۱]

خواب میں بھی صرف یہی دکھایا گیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں ذبح کرنے کے لئے چھری چلا رہے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب یہ آزمائش پوری ہو چکی اس لئے اب انہیں چھوڑ دو۔ جب اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہوگئی، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا اجر وثواب پورا ہو چکا، اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ (سورہ صافات آیت ۱۰۵)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ثم إنـه وضـع السكين على حلقه فلم تحك السكين .ويروى :أنـه كـان يـجر الشفرة فى حلقه فلا تقطع، فشحذها مرتين أو ثلاثا بالحجر، كل ذلك وهى لا تستطيع .قال السدى :ضرب الله تعالى صفحة من نحاس على حلقه، قالوا :فقال الابن عند ذلك :يا أبت كبنى بوجهى (إلى الأرض)على جبينـى فإنك إذا نظرت فى وجهى رحمتنى وأدركتك رقة تحول بينك وبين أمر الله تعالى، وأنا لا أنـظـر إلـى الشـفـرة فـأجـزع، فـفعل ذلك إبراهيم ثم وضع الشفرة على قفاه فانقلبت السكين: ونـاديـنـاه أن يـا إبـراهيـم قد صدقت الرؤيا(تفسير البغوى، ج۴ص۳۶، ۳۷ ، تحت آيت ۱۰۳ من سورة الصافات)

[۱] عَـنْ مُـجَاهِـدٍ، عَـنِ ابْـنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُمَا، فِى قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ (وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ)قَالَ " :مِنْ شِيعَةِ نُوحٍ إِبْرَاهِيمُ عَلَى مِنْهَاجِهِ وَسُنَّتِهِ بَلَغَ مَعَهُ السَّعْىَ شَبَّ حَتَّى بَلَغَ سَعْيُهُ سَعْىَ إِبْرَاهِيمَ فِى الْعَمَلِ، فَلَمَّا أَسْلَمَا مَا أُمِرَا بِهِ وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ وَضَعَ وَجْهَهُ إِلَى الْأَرْضِ فَقَالَ :لَا تَـذْبَحْنِى وَأَنْتَ تَنْظُرُ عَسَى أَنْ تَرْحَمَنِى فَلَا تُجْهِزْ عَلَيَّ ارْبُطْ يَدَيَّ إِلَى رَقَبَتِى، ثُمَّ ضَعْ وَجْهِى عَلَى الْأَرْضِ فَلَمَّا أَدْخَلَ يَدَهُ لِيَذْبَحَهُ فَلَمْ يَحُكَّ الْمُدْيَةَ حَتَّى نُودِىَ (أَنْ يَا إِبْـرَاهِيـمُ قَـدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا)فَأَمْسَكَ يَدَهُ وَرَفَعَ قَوْلُهُ (وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ)بِكَبْشٍ عَظِيمٍ مُتَقَبَّلٍ وَزَعَمَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ الذَّبِيحَ إِسْمَاعِيلُ(مستدرك حاكم رقم الحديث ۳۶۱۲)

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ "

وقال الذهبى فى التلخيص:على البخارى ومسلم

ترجمہ: ہم مخلصین کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں (ترجمہ ختم)

یعنی جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے اپنے تمام جذبات کو قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، تو ہم بالآخر اسے دنیا کی تکلیف سے بھی بچا لیتے ہیں، اور آخرت کا اجر وثواب بھی اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیتے ہیں۔ [1]

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ایک ذبیحۂ خاص اپنی بارگاہ سے ذبح کرنے کے لئے عطا فرمایا، جیسا کہ ارشاد ہے کہ:

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (سورہ صافات آیت ۱۰۷)

ترجمہ: اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ ان کے بدلے میں دیا (ترجمہ ختم)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکمِ الٰہی اس مخصوص جانور کو اپنے بیٹے کے بدلے میں ذبح کر دیا جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا ثواب مل گیا۔

کیونکہ دونوں باپ و بیٹے درحقیقت دل وجان سے اس کام کو انجام دینے کا فیصلہ کر چکے تھے، اور اپنی طرف سے کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کی تھی۔

بعض تفسیری روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ آسمانی آواز سن کر اُوپر کی طرف دیکھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مینڈھا لئے کھڑے تھے۔ [2]

بہر حال یہ جنّتی مینڈھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا، اور انھوں نے اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے کے بجائے اس کو قربان کیا۔

اس ذبیحہ کو ''عظیم'' اس لئے کہا گیا کہ ایک تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا تھا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی چیز عظیم ہی ہوا کرتی ہے، دوسرے اس کی قربانی کے مقبول ہونے میں

---

[1] وقوله :(إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ) أي :هكذا نصرف عمن أطاعنا المكاره والشدائد، ونجعل لهم من أمرهم فرجا ومخرجا(تفسیر ابنِ کثیر، ج۷ص ۳۰، تحت آیت ۱۰۵ من سورۃ الصافات)

[2] فالتفت إبراهيم فإذا بكبش أبيض أقرن أعين .قال ابن عباس :لقد رأيتنا نتبع ذلك الضرب من الكباش(تفسیر ابنِ کثیر، ج۷ص ۲۸، تحت آیت ۱۰۵ من سورۃ الصافات)

کوئی شک نہیں ہوسکتا تھا، اور جو عمل مقبول ہو، وہ ظاہر ہے کہ عظیم ہی ہوتا ہے۔

ملحوظ رہے کہ بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام تھے، لیکن دلائل کی رُو سے صحیح بات یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔ [1]

---

[1] عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ " :الذَّبِيحُ :إِسْمَاعِيلُ "(تفسير طبرى، ج۱۹ ص۵۹۲، ۵۹۳، تحت آيت ۱۰۷ من سورة الصافات)

عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ :الذَّبِيحُ إِسْمَاعِيلُ(مستدرک حاكم،رقم الحديث ۴۰۳۴)

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ"

وقال الذهبى فى التلخيص:على شرط البخارى ومسلم

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :إِنَّ الَّذِى أُمِرَ بِذَبْحِهِ إِبْرَاهِيمُ إِسْمَاعِيلُ(تفسير طبرى، ج۱۹ ص۵۹۳، تحت آيت ۱۰۷ من سورة الصافات)

عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِى رَبَاحٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ :الْمُفْدَى إِسْمَاعِيلُ، وَزَعَمَتِ الْيَهُودُ أَنَّهُ إِسْحَاقُ وَكَذَبَتِ الْيَهُودُ(تفسير طبرى، ج۱۹ ص۵۹۴، تحت آيت ۱۰۷ من سورة الصافات)

قَالَ الْوَاقِدِيُّ :وَحَدَّثَنِي رَبِيعَةُ بْنُ عُثْمَانَ، عَنْ هِلَالِ بْنِ أُسَامَةَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ أَنَّهُ قَالَ :الذَّبِيحُ هُوَ إِسْمَاعِيلُ(مستدرک حاكم، ج۲ص۶۰۵)

وَإِسْمَاعِيلَ :هُوَ الذَّبِيحُ عَلَى الْقَوْلِ الصَّوَابِ عِنْدَ عُلَمَاءِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ.

(بُطْلَانُ الْقَوْلِ بِأَنَّ الذَّبِيحَ هُوَ إِسْحَاقُ)وَأَمَّا الْقَوْلُ بِأَنَّهُ إِسْحَاقُ فَبَاطِلٌ بِأَكْثَرَ مِنْ عِشْرِينَ وَجْهًا وَسَمِعْتُ شَيْخَ الْإِسْلَامِ ابْنَ تَيْمِيَّةَ قَدَّسَ اللَّهُ رُوحَهُ يَقُولُ هَذَا الْقَوْلُ إنّمَا هُوَ مُتَلَقًّى عَنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَعَ أَنّهُ بَاطِلٌ بِنَصّ كِتَابِهِمْ فَإِنّ فِيهِ إنّ اللّهَ أَمَرَ إبْرَاهِيمَ أَنْ يَذْبَحَ ابْنَهُ بِكْرَهُ وَفِي لَفْظٍ وَحِيدَهُ وَلَا يَشُكّ أَهْلُ الْكِتَابِ مَعَ الْمُسْلِمِينَ أَنّ إسْمَاعِيلَ هُوَ بِكْرُ أَوْلَادِهِ وَالّذِى غَرّ أَصْحَابَ هَذَا الْقَوْلِ أَنّ فِي التّوْرَاةِ الّتِي بِأَيْدِيهِمْ اذْبَحْ ابْنَك إسْحَاقَ قَالَ وَهَذِهِ الزّيَادَةُ مِنْ لِأَنّهَا تُنَاقِضُ قَوْلَهُ اذْبَحْ بِكْرَك وَوَحِيدَك وَلَكِنّ الْيَهُودَ حَسَدَتْ بَنِي إسْمَاعِيلَ عَلَى هَذَا الشّرَفِ وَأَحَبّوا أَنْ يَكُونَ لَهُمْ وَأَنْ يَسُوقُوهُ إلَيْهِمْ وَيَحْتَازُوهُ لِأَنْفُسِهِمْ دُونَ الْعَرَبِ وَيَأْبَى اللّهُ إلّا أَنْ يَجْعَلَ فَضْلَهُ لِأَهْلِهِ .وَكَيْفَ يَسُوغُ أَنْ يُقَالَ إنّ الذّبِيحَ إسْحَاقُ وَاَللّهُ تَعَالَى قَدْ بَشّرَ أُمّ إسْحَاقَ بِهِ وَبِابْنِهِ يَعْقُوبَ فَقَالَ تَعَالَى عَنْ الْمَلَائِكَةِ إنّهُمْ قَالُوا لِإِبْرَاهِيمَ لَمّا أَتَوْهُ بِالْبُشْرَى :(لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمِ لُوطٍ وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ)فَمُحَالٌ أَنْ يُبَشّرَهَا بِأَنّهُ يَكُونُ لَهَا وَلَدٌ ثُمّ يَأْمُرُ بِذَبْحِهِ وَلَا رَيْبَ أَنّ يَعْقُوبَ رَضِيَ اللّهُ عَنْهُ دَاخِلٌ فِي الْبِشَارَةِ فَتَنَاوُلُ الْبِشَارَةِ لِإِسْحَاقِ وَيَعْقُوبَ فِي اللّفْظِ وَاحِدٌ وَهَذَا ظَاهِرُ الْكَلَامِ وَسِيَاقُهُ .

فَإِنْ قِيلَ لَوْ كَانَ الْأَمْرُ كَمَا ذَكَرْتُمُوهُ لَكَانَ "يَعْقُوبُ "مَجْرُورًا عَطْفًا عَلَى إسْحَاقَ فَكَانَتْ الْقِرَاءَةُ (وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ) أَيْ وَيَعْقُوبُ مِنْ وَرَاءِ إسْحَاقَ .قِيلَ لَا يَمْنَعُ الرّفْعُ أَنْ يَكُونَ يَعْقُوبُ مُبَشّرًا بِهِ لِأَنّ الْبِشَارَةَ قَوْلٌ مَخْصُوصٌ وَهِيَ أَوّلُ خَبَرٍ سَارّ صَادِقٍ .وَقَوْلُهُ تَعَالَى :(وَمِنْ وَرَاءِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

قربانی ایک اہم سبق

قربانی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے جس عظیم الشّان عمل کی یادگار ہے اس سے ایک مسلمان کو یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ:

وہ ہر وقت اپنے رب کی اطاعت اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہے اور دنیا کی محبت، موت کی کراہیت چھوڑ کر اپنے اندر یہ جذبہ پیدا کرے کہ اگر بیٹے ہی کو ذبح کرنے کا حکم ہماری شریعت میں باقی رہتا تو ہم بخوشی اس پر عمل کرتے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ) جُمْلَةٌ مُتَضَمّنَةٌ لِهَذِهِ الْقُيُودِ فَتَكُونُ بِشَارَةً بَلْ حَقِيقَةُ الْبِشَارَةِ هِىَ الْجُمْلَةُ الْخَبَرِيّةُ . وَلَمّا كَانَتْ الْبِشَارَةُ قَوْلًا كَانَ مَوْضِعُ هَذِهِ الْجُمْلَةِ نَصْبًا عَلَى الْحِكَايَةِ بِالْقَوْلِ كَأَنّ الْمَعْنَى :وَقُلْنَا لَهَا : مِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبُ وَالْقَائِلُ إِذَا قَالَ بَشّرْتُ فُلَانًا بِقُدُومِ أَخِيهِ وَثِقَلِهِ فِى أَثَرِهِ لَمْ يُعْقَلْ مِنْهُ إِلّا بِشَارَتُهُ بِالْأَمْرَيْنِ جَمِيعًا .هَذَا مِمّا لَا يَسْتَرِيبُ ذُو فَهْمٍ فِيهِ الْبَتّةَ ثُمّ يُضْعِفُ الْجَرّ أَمْرٌ آخَرُ وَهُوَ ضَعْفُ قَوْلِك :مَرَرْت بِزَيْدٍ وَمِنْ بَعْدِهِ عَمْرٍو وَلِأَنّ الْعَاطِفَ يَقُومُ مَقَامَ حَرْفِ الْجَرّ فَلَا يُفْصَلُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَجْرُورِ كَمَا لَا يُفْصَلُ بَيْنَ حَرْفِ الْجَرّ وَالْمَجْرُورِ .وَيَدُلّ عَلَيْهِ أَيْضًا أَنّ اللّهَ سُبْحَانَهُ لَمّا ذَكَرَ قِصّةَ إِبْرَاهِيمَ وَابْنَهُ الذّبِيحِ فِى سُورَةِ (الصّافّاتِ) قَالَ (فَلَمّا أَسْلَمَا وَتَلّهُ لِلْجَبِينِ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدّقْتَ الرّؤْيَا إِنّا كَذَلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِينَ إِنّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْآخِرِينَ سَلَامٌ عَلَى إِبْرَاهِيمَ كَذَلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِينَ إِنّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ) . ثُمّ قَالَ تَعَالَى :(وَبَشّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيّا مِنَ الصّالِحِينَ) .فَهَذِهِ بِشَارَةٌ مِنَ اللّهِ تَعَالَى لَهُ شُكْرًا عَلَى صَبْرِهِ عَلَى مَا أُمِرَ بِهِ وَهَذَا ظَاهِرٌ جِدّا فِى أَنّ الْمُبَشّرَ بِهِ غَيْرُ الْأَوّلِ بَلْ هُوَ كَالنّصّ فِيهِ .فَإِنْ قِيلَ فَالْبِشَارَةُ الثّانِيَةُ وَقَعَتْ عَلَى نُبُوّتِهِ أَىْ لَمّا صَبَرَ الْأَبُ عَلَى مَا أُمِرَ بِهِ وَأَسْلَمَ الْوَلَدُ لِأَمْرِ اللّهِ جَازَاهُ اللّه عَلَى ذَلِكَ بِأَنْ أَعْطَاهُ النّبُوّةَ .قِيلَ الْبِشَارَةُ وَقَعَتْ عَلَى الْمَجْمُوعِ عَلَى ذَاتِهِ وَوُجُودِهِ وَأَنْ يَكُونَ نَبِيّا وَلِهَذَا نُصِبَ " نَبِيّا "عَلَى الْحَالِ الْمُقَدّرِ أَىْ مُقَدّرًا نُبُوّتَهُ فَلَا يُمْكِنُ إخْرَاجُ الْبِشَارَةِ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَصْلِ ثُمّ تُخَصّ بِالْحَالِ التّابِعَةِ الْجَارِيَةِ مَجْرَى الْفَضْلَةِ هَذَا مُحَالٌ مِنْ الْكَلَامِ بَلْ إذَا وَقَعَتْ الْبِشَارَةُ عَلَى نُبُوّتِهِ فَوُقُوعُهَا عَلَى وُجُودِهِ أَوْلَى وَأَحْرَى كَانَ بِمَكّةَ وَلِذَلِكَ جُعِلَتْ الْقَرَابِينُ يَوْمَ النّحْرِ بِهَا كَمَا جُعِلَ السّعْىُ بَيْنَ الصّفَا وَالْمَرْوَةِ وَرَمْىُ الْجِمَارِ تَذْكِيرًا لِشَأْنِ إسْمَاعِيلَ وَأُمّهِ وَإِقَامَةً لِذِكْرِ اللّهِ وَمَعْلُومٌ أَنّ إسْمَاعِيلَ وَأُمّهُ هُمَا اللّذَانِ كَانَا بِمَكّةَ دُونَ إسْحَاقَ وَأُمّهِ وَلِهَذَا اتّصَلَ مَكَانُ الذّبْحِ وَزَمَانُهُ بِالْبَيْتِ الْحَرَامِ الّذِى اشْتَرَكَ فِى بِنَائِهِ إبْرَاهِيمُ وَإِسْمَاعِيلُ وَكَانَ النّحْرُ بِمَكّةَ مِنْ تَمَامِ حَجّ الْبَيْتِ الّذِى كَانَ عَلَى يَدِ إبْرَاهِيمَ وَابْنِهِ إسْمَاعِيلَ زَمَانًا وَمَكَانًا وَلَوْ كَانَ الذّبْحُ بِالشّامِ كَمَا يَزْعُمُ أَهْلُ الْكِتَابِ وَمَنْ تَلَقّى عَنْهُمْ لَكَانَتْ الْقَرَابِينُ وَالنّحْرُ بِالشّامِ لَا بِمَكّةَ .وَأَيْضًا فَإِنّ اللّهَ سُبْحَانَهُ سَمّى الذّبِيحَ حَلِيمًا .لِأَنّهُ لَا أَحْلَمَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قربانی کی اصل روح یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنی تمام نفسانی خواہشات کو قربان کردے۔

اس لئے قربانی کی روح کو حاصل کرنے کی کوشش بھی ہونی چاہئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف ایک جانور کی قربانی نہیں کی بلکہ پوری زندگی کا ایک

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

مِمّنْ أَسْلَمَ نَفْسَهُ لِلذّبْحِ طَاعَةً لِرَبّهِ .وَلَمّا ذَكَرَ إسْحَاقَ سَمّاهُ عَلِيمًا فَقَالَ تَعَالَى :(هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلامًا قَالَ سَلامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ)إلَى أَنْ قَالَ (قَالُوا لا تَخَفْ وَبَشّرُوهُ بِغُلامٍ عَلِيمٍ)وَهَذَا إسْحَاقُ بَلا رَيْبٍ لِأَنّهُ مِنْ امْرَأَتِهِ وَهِيَ الْمُبَشّرَةُ بِهِ وَأَمّا إسْمَاعِيلُ فَمِنْ السّرّيّةِ .وَأَيْضًا فَإِنّهُمَا بُشّرَا بِهِ عَلَى الْكِبَرِ وَالْيَأْسِ مِنْ الْوَلَدِ وَهَذَا بِخِلافِ إسْمَاعِيلَ فَإِنّهُ وُلِدَ قَبْلَ ذَلِكَ .وَأَيْضًا فَإِنّ اللّهَ سُبْحَانَهُ أَجْرَى الْعَادَةَ الْبَشَرِيّةَ أَنّ بِكْرَ الْأَوْلَادِ أَحَبّ إلَى الْوَالِدَيْنِ مِمّنْ بَعْدَهُ وَإِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السّلامُ لَمّا سَأَلَ رَبّهُ الْوَلَدَ وَوَهَبَهُ لَهُ تَعَلّقَتْ شُعْبَةٌ مِنْ قَلْبِهِ بِمَحَبّتِهِ وَاَللّهُ تَعَالَى قَدْ اتّخَذَهُ خَلِيلًا وَالْخُلّةُ مَنْصِبٌ يَقْتَضِي تَوْحِيدَ الْمَحْبُوبِ بِالْمَحَبّةِ وَأَنْ لا يُشَارِكَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ فِيهَا فَلَمّا أَخَذَ الْوَلَدُ شُعْبَةً مِنْ قَلْبِ الْوَالِدِ جَاءَتْ غَيْرَةُ الْخُلّةِ تَنْتَزِعُهَا مِنْ قَلْبِ الْخَلِيلِ فَأَمَرَهُ بِذَبْحِ الْمَحْبُوبِ فَلَمّا أَقْدَمَ عَلَى ذَبْحِهِ وَكَانَتْ مَحَبّةُ اللّهِ أَعْظَمَ عِنْدَهُ مِنْ مَحَبّةِ الْوَلَدِ خَلَصَتْ الْخُلّةُ حِينَئِذٍ مِنْ شَوَائِبِ الْمُشَارَكَةِ فَلَمْ يَبْقَ فِي الذّبْحِ مَصْلَحَةٌ إذْ كَانَتْ الْمَصْلَحَةُ إنّمَا هِيَ فِي الْعَزْمِ وَتَوْطِينِ النّفْسِ عَلَيْهِ فَقَدْ حَصَلَ الْمَقْصُودُ فَنُسِخَ الْأَمْرُ وَفُدِيَ الذّبِيحُ وَصَدّقَ الْخَلِيلُ الرّؤْيَا وَحَصَلَ مُرَادُ الرّبّ .حَصَلَ عِنْدَ أَوّلِ مَوْلُودٍ وَلَمْ يَكُنْ لِيَحْصُلَ فِي الْمَوْلُودِ الْآخِرِ دُونَ الْأَوّلِ بَلْ لَمْ يَحْصُلْ عِنْدَ الْمَوْلُودِ الْآخِرِ مِنْ مُزَاحَمَةِ الْخُلّةِ مَا يَقْتَضِي الْأَمْرَ بِذَبْحِهِ وَهَذَا فِي غَايَةِ الظّهُورِ .وَأَيْضًا فَإِنّ سَارَةَ امْرَأَةُ الْخَلِيلِ صَلّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ غَارَتْ مِنْ هَاجَرَ وَابْنِهَا أَشَدّ الْغَيْرَةِ فَإِنّهَا كَانَتْ جَارِيَةً فَلَمّا وَلَدَتْ إسْمَاعِيلَ وَأَحَبّهُ أَبُوهُ اشْتَدّتْ غَيْرَةُ "سَارَةَ "فَأَمَرَ اللّهُ سُبْحَانَهُ أَنْ يُبْعِدَ عَنْهَا "هَاجَرَ "وَابْنَهَا وَيُسْكِنَهَا فِي أَرْضِ مَكّةَ لِتَبْرُدَ عَنْ "سَارَةَ "حَرَارَةُ الْغَيْرَةِ وَهَذَا مِنْ رَحْمَتِهِ تَعَالَى وَرَأْفَتِهِ فَكَيْفَ يَأْمُرُهُ سُبْحَانَهُ بَعْدَ هَذَا أَنْ يَذْبَحَ ابْنَهَا وَيَدَعَ ابْنَ الْجَارِيَةِ بِحَالِهِ هَذَا مَعَ رَحْمَةِ اللّهِ لَهَا وَإِبْعَادِ الضّرَرِ عَنْهَا وَجَبْرِهِ لَهَا فَكَيْفَ يَأْمُرُ بَعْدَ هَذَا بِذَبْحِ ابْنِهَا دُونَ ابْنِ الْجَارِيَةِ بَلْ حِكْمَتُهُ الْبَالِغَةُ اقْتَضَتْ أَنْ يَأْمُرَ بِذَبْحِ وَلَدِ السّرّيّةِ فَحِينَئِذٍ يَرِقّ قَلْبُ السّيّدَةِ عَلَيْهَا وَعَلَى وَلَدِهَا وَتَتَبَدّلُ قَسْوَةُ الْغَيْرَةِ رَحْمَةً وَيَظْهَرُ لَهَا بَرَكَةُ هَذِهِ الْجَارِيَةِ وَوَلَدِهَا وَأَنّ اللّهَ لا يُضِيعُ بَيْتًا هَذِهِ وَابْنُهَا مِنْهُمْ وَلِيُرِيَ عِبَادَهُ جَبْرَهُ بَعْدَ الْكَسْرِ وَلُطْفَهُ بَعْدَ الشّدّةِ وَأَنّ عَاقِبَةَ صَبْرِ "هَاجَرَ "وَابْنِهَا عَلَى الْبُعْدِ وَالْوَحْدَةِ وَالْغُرْبَةِ وَالتّسْلِيمِ إلَى ذَبْحِ الْوَلَدِ آلَتْ إلَى مَا آلَتْ إلَيْهِ مِنْ جَعْلِ آثَارِهِمَا وَمَوَاطِئِ أَقْدَامِهِمَا مَنَاسِكَ لِعِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ وَمُتَعَبّدَاتٍ لَهُمْ إلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهَذِهِ سُنّتُهُ تَعَالَى فِيمَنْ يُرِيدُ رَفْعَهُ مِنْ خَلْقِهِ أَنْ يَمُنّ عَلَيْهِ بَعْدَ اسْتِضْعَافِهِ وَذُلّهِ وَانْكِسَارِهِ .قَالَ تَعَالَى :(وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنّ عَلَى الّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ) وَذَلِكَ فَضْلُ اللّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاَللّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ(زاد المعاد لابن القيم، ج ۱ ص ۷۰،فصل فی نسبه صلی الله علیه وسلم)

ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں گزارا تھا۔

جو حکم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا فوراً اس پر عمل کیا، جان، مال، ماں باپ، وطن ومکان، لختِ جگر غرض سب کچھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قربان کیا۔

ہمیں بھی اپنے اندر یہی جذبہ پیدا کرنا چاہئے کہ دین کا جو تقاضا اور اللہ تعالیٰ کا جو حکم بھی سامنے آئے اس پر عمل کریں گے۔

اپنے رشتہ دار، دوست واحباب، بیوی بچوں، ماں باپ، خاندان، قوم، وطن نفسانی وشیطانی خواہشات غرضیکہ کسی چیز کو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں ترجیح نہیں دیں گے۔ ؎

سارا جہاں خلاف ہو پرواہ نہ چاہئے ☆ مدِّنظر تو مرضیٔ جانانہ چاہئے

اب اس نظر سے جانچ کے کرتو یہ فیصلہ ☆ کیا کیا تو کرنا چاہئے کیا کیا نہ چاہئے

(کشکولِ مجذوب ص ۲۸۰ بعنوان قطعات)

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرما کر دنبے کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ بنادیا اور اب بیٹے کی قربانی کا حکم نہیں ہے۔

مگر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جان، مال کی قربانی کا حکم تو برقرار ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے حکم ہونے پر اپنا سب کچھ قربان کر دینا ہی انسانیت کی تکمیل ہے اور اس پر بھی عبدیت کے حق سے سبکدوشی نہیں ہوسکتی۔ ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی ☆ سچ تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

b

قربانی کی فضیلت واہمیت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّکَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (سورہ مائدہ آیت ۲۷)

ترجمہ: اور ان کو سنا دیجئے، آدم کے دو بیٹوں کا سچا واقعہ، جب ان دونوں نے قربانی پیش کی، تو ان میں سے ایک کی (قربانی) قبول کر لی گئی، اور دوسرے کی قبول نہیں کی گئی (تو جس کی قربانی قبول نہیں کی گئی) اُس نے کہا میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا، اُس نے (جواب میں) کہا کہ بس اللہ تو متقی لوگوں کی ہی طرف سے قبول فرماتے ہیں (ترجمہ ختم)

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عمدہ اور عالیشان جانور کی قربانی پیش کی تھی، جس کی قربانی قبول کر لی گئی تھی۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے نے کچھ غلہ پیش کیا تھا، جس کو قبول نہیں کیا گیا تھا۔ [۱]

---

[۱] حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ ,قَالَ :ثنا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ,قَالَ :ثنا عَوْفٌ ,عَنْ أَبِی الْمُغِيرَةِ ,عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو ,قَالَ :إِنَّ ابْنَیْ آدَمَ اللَّذَيْنِ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ ,كَانَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَ حَرْثٍ ,وَالْآخَرُ صَاحِبَ غَنَمٍ ,وَأَنَّهُمَا أُمِرَا أَنْ يُقَرِّبَا قُرْبَانًا؛ وَإِنَّ صَاحِبَ الْغَنَمِ قَرَّبَ أَكْرَمَ غَنَمِهِ وَأَسْمَنَهَا وَأَحْسَنَهَا طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ ,وَإِنَّ صَاحِبَ الْحَرْثِ قَرَّبَ شَرَّ حَرْثِهِ الْكُوزَنَ وَالزُّوَانَ غَيْرَ طَيِّبَةٍ بِهَا نَفْسُهُ؛ وَإِنَّ اللَّهَ تَقَبَّلَ قُرْبَانَ صَاحِبِ الْغَنَمِ وَلَمْ يَتَقَبَّلْ قُرْبَانَ صَاحِبِ الْحَرْثِ .وَكَانَ مِنْ قِصَّتِهِمَا مَا قَصَّ اللَّهُ فِی كِتَابِهِ ,وَقَالَ :أَيْمُ اللَّهِ ,إِنْ كَانَ الْمَقْتُولُ لَأَشَدَّ الرَّجُلَيْنِ ,وَلَكِنْ مَنَعَهُ التَّحَرُّجُ أَنْ يَبْسُطَ يَدَهُ إِلَى أَخِيهِ .وَقَالَ آخَرُونَ :لَمْ يَكُنْ ذَلِکَ مِنْ أَمْرِهِمَا عَنْ أَمْرِ اللَّهِ إِيَّاهُمَا بِهِ " (تفسير طبری، ج۸ص۳۱۸، تحت آیت ۲۷ من سورۃ البقرۃ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس سے معلوم ہوا کہ قربانی عبادت کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہوئی اور قربانی اُن اسلامی نشانیوں میں سے ہے جن کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے چلا آرہا ہے، اور اُمتِ محمدیہ تک ہر ملّت و مذہب کا اس پر عمل رہا ہے (کذافی: امدادالفتاویٰ، ج ۳ ص ۵۶۴)

اور قرآن مجید میں ہی ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَارَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ (سورہ حج آیت ۳۴)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ,قَالَ :ثنا أَبِي ,عَنْ سُفْيَانَ ,ح ,وَحَدَّثنَا هَنَّادٌ ,قَالَ :ثنا وَكِيعٌ ,عَنْ سُفْيَانَ ,عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ ,عَنْ مُجَاهِدٍ ,عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ :(وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ)قَالَ " :قَرَّبَ هَذَا كَبْشًا وَقَرَّبَ هَذَا صَبِرَةً مِنْ طَعَامٍ؛ فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا .قَالَ :تُقُبِّلَ مِنْ صَاحِبِ الشَّاةِ وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ (تفسير طبری، ج۸ ص ۳۲۰، تحت آیت ۲۷ من سورة البقرة)

حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ هَارُونَ ,قَالَ :ثنا عَمْرُو بْنُ حَمَّادٍ ,قَالَ :ثنا أَسْبَاطٌ ,عَنِ السُّدِّيِّ ,فِيمَا ذَكَرَ عَنْ أَبِي مَالِكٍ ,وَعَنْ أَبِي صَالِحٍ ,عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ,وَعَنْ مُرَّةَ ,عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ ,وَعَنْ نَاسٍ ,مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :كَانَ لَا يُولَدُ لِآدَمَ مَوْلُودٌ إِلَّا وُلِدَ مَعَهُ جَارِيَةٌ ,فَكَانَ يُزَوِّجُ غُلَامَ هَذَا الْبَطْنِ جَارِيَةَ هَذَا الْبَطْنِ الْآخَرِ ,وَيُزَوِّجُ جَارِيَةَ هَذَا الْبَطْنِ غُلَامَ الْبَطْنِ هَذَا الْآخَرِ .حَتَّى وُلِدَ لَهُ ابْنَانِ يُقَالُ لَهُمَا " :قَابِيلُ ,وَهَابِيلُ ,وَكَانَ قَابِيلُ صَاحِبَ زَرْعٍ ,وَكَانَ هَابِيلُ صَاحِبَ ضَرْعٍ .وَكَانَ قَابِيلُ أَكْبَرَهُمَا ,وَكَانَ لَهُ أُخْتٌ أَحْسَنَ مِنْ أُخْتِ هَابِيلَ .وَإِنَّ هَابِيلَ طَلَبَ أَنْ يَنْكِحَ أُخْتَ قَابِيلَ ,فَأَبَى عَلَيْهِ وَقَالَ :هِيَ أُخْتِي وُلِدَتْ مَعِي ,وَهِيَ أَحْسَنُ مِنْ أُخْتِكَ ,وَأَنَا أَحَقُّ أَنْ أَتَزَوَّجَهَا .فَأَمَرَهُ أَبُوهُ أَنْ يُزَوِّجَهَا هَابِيلَ فَأَبَى .وَإِنَّهُمَا قَرَّبَا قُرْبَانًا إِلَى اللَّهِ أَيُّهُمَا أَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ ,وَكَانَ آدَمُ يَوْمَئِذٍ قَدْ غَابَ عَنْهُمَا إِلَى مَكَّةَ يَنْظُرُ إِلَيْهَا ,قَالَ اللَّهُ لِآدَمَ :يَا آدَمُ ,هَلْ تَعْلَمُ أَنَّ لِي بَيْتًا فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ :اللَّهُمَّ لَا .قَالَ :فَإِنَّ لِي بَيْتًا بِمَكَّةَ فَأْتِهِ .فَقَالَ آدَمُ لِلسَّمَاءِ :احْفَظِي وَلَدِي بِالْأَمَانَةِ ,فَأَبَتْ .وَقَالَ لِلْأَرْضِ فَأَبَتْ ,وَقَالَ لِلْجِبَالِ فَأَبَتْ ,وَقَالَ لِقَابِيلَ ,فَقَالَ :نَعَمْ تَذْهَبُ وَتَرْجِعُ وَتَجِدُ أَهْلَكَ كَمَا يَسُرُّكَ .فَلَمَّا انْطَلَقَ آدَمُ قَرَّبَا قُرْبَانًا،وَكَانَ قَابِيلُ يَفْخَرُ عَلَيْهِ ,فَقَالَ :أَنَا أَحَقُّ بِهَا مِنْكَ ,هِيَ أُخْتِي ,وَأَنَا أَكْبَرُ مِنْكَ ,وَأَنَا وَصِيُّ وَالِدِي .فَلَمَّا قَرَّبَا ,قَرَّبَ هَابِيلُ جَذَعَةً سَمِينَةً ,وَقَرَّبَ قَابِيلُ حُزْمَةَ سُنْبُلٍ ,فَوَجَدَ فِيهَا سُنْبُلَةً عَظِيمَةً فَفَرَكَهَا فَأَكَلَهَا .فَنَزَلَتِ النَّارُ فَأَكَلَتْ قُرْبَانَ هَابِيلَ ,وَتَرَكَتْ قُرْبَانَ قَابِيلَ ,فَغَضِبَ وَقَالَ: لَأَقْتُلَنَّكَ حَتَّى لَا تَنْكِحَ أُخْتِي .فَقَالَ هَابِيلُ (إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ)(تفسير طبری، ج۸ ص ۳۲۲، ۳۲۳، تحت آیت ۲۷ من سورة البقرة)

ترجمہ: اور ہر امت کے لئے ہم نے قربانی مقرر کی، تاکہ وہ لوگ اللہ کا نام لیں، چوپاؤں کے مخصوص جانوروں پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کے عمل کو اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے مقرر کیا ہے، اگرچہ قربانی کے طریقۂ کار اور اس کی تفصیلات میں کچھ فرق رکھا ہو۔ [1]

قربانی کے عمل کا ہر اُمت وملت میں جاری ومشروع رہنا، قربانی کے عمل کی اہمیت وفضیلت کو ظاہر کرتا ہے۔

اور قرآن مجید میں ہی اللہ تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ہے کہ:

فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ (سورہ کوثر)

ترجمہ: پس آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیے اور نحر کیجئے (ترجمہ ختم)

ایک تفسیر کے مطابق "فَصَلِّ" "نماز پڑھیے" سے مراد عید کی نماز اور نحر کرنے سے مراد قربانی

---

[1] قوله تعالى :(لكل أمة جعلنا منسكا هم ناسكوه فلا ينازعنك فى الأمر) قيل :إن المنسك الموضع المعتاد لعمل خير أو شر وهو المألف لذلك، ومناسك الحج مواضع العبادات فيه، فهى متعبدات الحج .وقال ابن عباس" :منسكا عيدا "وقال مجاهد وقتادة " :متعبدا فى إراقة الدم بمنى وغيره ."وقال عطاء ومجاهد أيضا وعكرمة ذبائح هم ذابحوه .وقيل إن المنسك جميع العبادات التى أمر الله بها .قال أبو بكر :قال النبى صلى الله عليه وسلم فى حديث البراء بن عازب أن النبى صلى الله عليه وسلم خرج يوم الأضحى فقال صلى الله عليه وسلم" :إن أول نسكنا فى يومنا هذا الصلاة ثم الذبح "فجعل الصلاة والذبح جميعا نسكا"، وهذا يدل على أن اسم النسك يقع على جميع العبادات، إلا أن الأظهر الأغلب فى العادة عند الإطلاق الذبح على وجه القربة، قال الله تعالى :(ففدية من صيام أو صدقة أو نسك)وليس يمتنع أن يكون المراد جميع العبادات ويكون الذبح أحد ما أريد بالآية، فيوجب ذلك أن يكونوا مأمورين بالذبح لقوله تعالى :(فلا ينازعنك فى الأمر) وإذ كنا مأمورين بالذبح ساغ الاحتجاج به فى إيجاب الأضحية لوقوعها عامة فى الموسرين كالزكاة، ولو جعلناه على الذبح الواجب فى الحج كان خاصا فى دم القران والمتعة ;إذ كانا نسكين فى الحج دون غيرهما من الدماء ;إذ كانت سائر الدماء فى الحج إنما يجب على جهة جبران نقص وجناية فلا يكون إيجابه على وجه ابتداء العبادة به، وقوله تعالى :(جعلنا منسكا هم ناسكوه) يقتضى ظاهره ابتداء إيجاب العبادة به(احكام القرآن للجصاص، ج۳ص ۳۲۲، تحت آیت ۳۴ من سورة الحج)

کرنا ہے۔[1]

اور حضرت مخنف بن سُلیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

وَنَحْنُ وُقُوفٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَاتٍ قَالَ: يَا

---

[1] قال عكرمة وعطاء وقتادة فصل لربك صلوة العيد يوم النحر ونحر نسكك فعلى هذا يثبت به وجوب صلوة العيد والاضحية(التفسير المظهرى، تحت آيت ۳ من سورة الكوثر)

(فَصَلِّ لِرَبِّكَ)صَلَاة عِيد النَّحْر (وَانْحَرْ)نُسُكك(تفسير الجلالين، تحت آيت ۳ من سورة الكوثر)

وَمِنْ سُورَةِ الْكَوْثَرِ قَوْله تَعَالَى :(فَصَلِّ لِرَبِّك وَانْحَرْ) ؛ قَالَ الْحَسَنُ " :صَلَاةُ يَوْمِ النَّحْرِ وَنَحْرُ الْبُدْن "وَقَالَ عَطَاءٌ وَمُجَاهِدٌ " :صَلِّ الصُّبْحَ بِجَمْعٍ وَانْحَرْ الْبُدْنَ بِمِنًى " .قَالَ أَبُو بَكْرٍ :وَهَذَا التَّأْوِيلُ يَتَضَمَّنُ مَعْنَيَيْنِ :أَحَدُهُمَا :إيجَابُ صَلَاةِ الْأَضْحَى ، وَالثَّانِي :وُجُوبُ الْأُضْحِيَّةِ ، وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِيمَا سَلَفَ .وَرَوَى حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَاصِمٍ الْجَحْدَرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيٍّ (فَصَلِّ لِرَبِّك وَانْحَرْ) قَالَ :وَضْعُ الْيَدِ الْيُمْنَى عَلَى السَّاعِدِ الْأَيْسَرِ ثُمَّ وَضْعُهُ عَلَى صَدْرِهِ . "وَرَوَى أَبُو الْجَوْزَاءِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ :(فَصَلِّ لِرَبِّك وَانْحَرْ) قَالَ " :وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ عِنْدَ النَّحْرِ فِي الصَّلَاةِ . "وَرُوِيَ عَنْ عَطَاءٍ أَنَّهُ رَفْعُ الْيَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ .وَقَالَ الْفَرَّاءُ " :يُقَالُ :اسْتَقْبِلْ الْقِبْلَةَ بِنَحْرِك . "فَإِنْ قِيلَ :يُبْطِلُ التَّأْوِيلَ الْأَوَّلَ حَدِيثُ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ :(خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَضْحَى إلَى الْبَقِيعِ ، فَبَدَأَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ وَقَالَ :إنَّ أَوَّلَ نُسُكِنَا فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نَبْدَأَ بِالصَّلَاةِ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ ، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ وَافَقَ سُنَّتَنَا ، وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ ذَلِكَ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ عَجَّلَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنْ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ) ، فَسَمَّى صَلَاةَ الْعِيدِ وَالنَّحْرَ سُنَّةً ، فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يُؤْمَرْ بِهِمَا فِي الْكِتَابِ .قِيلَ لَهُ :لَيْسَ كَمَا ظَنَنْت ؛ لِأَنَّ مَا سَنَّهُ اللَّهُ وَفَرَضَهُ فَجَائِزٌ أَنْ نَقُولَ :هَذَا سُنَّتُنَا وَهَذَا فَرْضُنَا كَمَا نَقُولُ : هَذَا دِينُنَا ، وَإِنْ كَانَ اللَّهُ فَرَضَهُ عَلَيْنَا ، وَتَأْوِيلُ مَنْ تَأَوَّلَهُ عَلَى حَقِيقَةِ نَحْرِ الْبُدْنِ أَوْلَى ؛ لِأَنَّهُ حَقِيقَةُ اللَّفْظِ وَلِأَنَّهُ لَا يُعْقَلُ بِإِطْلَاقِ اللَّفْظِ غَيْرُهُ ؛ لِأَنَّ مَنْ قَالَ :نَحَرَ فُلَانٌ الْيَوْمَ ؛ عُقِلَ مِنْهُ نَحْرُ الْبُدْنِ وَلَمْ يُعْقَلْ مِنْهُ وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الْيَسَارِ ؛ وَيَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ الْأَوَّلُ اتِّفَاقُ الْجَمِيعِ عَلَى أَنَّهُ لَا يَضَعُ يَدَهُ عِنْدَ النَّحْرِ .وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الْيَسَارِ أَسْفَلَ السُّرَّةِ ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَضَعُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ مِنْ وُجُوهٍ كَثِيرَةٍ (احكام القرآن للجصاص، تحت سورة الكوثر)

ويحتج فيه بقوله :(فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ)قد روى أنه أراد صلاة العيد وبالنحر الأضحية، والأمر يقتضى الإيجاب، وإذا وجب على النبى صلى الله عليه وسلم فهو واجب علينا لقوله تعالى :(وَاتَّبِعُوهُ) وقوله :(لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ)(احكام القرآن للجصاص، ج۳ص ۳۲۳، سورة الحج، مطلب فى الاضحية)

أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ عَلٰى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِى كُلِّ عَامٍ أُضْحِيَّةً وَعَتِيرَةً (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفات کے وقوف میں تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! ہر گھر والوں پر ہر سال قربانی اور عتیرہ ہے (ترجمہ ختم)

اس حدیث سے دو قسم کی قربانیوں کا حکم ہونا معلوم ہوا، ایک عیدالاضحیٰ کی قربانی، اور دوسرے ''عتیرہ''۔

'' عتیرہ'' اس قربانی کو کہا جاتا تھا جو جاہلیت کے زمانے میں رجب کے مہینے میں کی جاتی تھی، اور یہ جاہلیت کے زمانے میں بتوں کے نام پر ہوتی تھی اور اسلام کے آنے کے بعد اللہ کے نام پر ہونے لگی، اس کو ''رجبیہ'' بھی کہا جاتا تھا۔

کئی حدیثوں میں ''عتیرہ'' کی ممانعت اور نفی آئی ہے۔ [2]

جن کے پیشِ نظر جمہور فقہائے کرام نے ''عتیرہ'' کو منسوخ قرار دیا ہے۔

---

[1] رقم الحديث ۲۷۸۸، کتاب الضحايا، باب ما جاء فی إيجاب الأضاحی، المكتبة العصرية، بيروت، واللفظ لهٗ، سنن نسائی، رقم الحديث ۴۲۲۴، شرح مشكل الآثار للطحاوی، رقم الحديث ۱۰۵۸، مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۸۸۹.

فی حاشية مسند احمد: حسن لغيرهٖ .

[2] لَافَرَعَ وَلَاعَتِيرَةَ وَالْفَرَعُ أَوَّلُ النِّتَاجِ كَانُوا يَذْبَحُونَهُ لِطَوَاغِيتِهِمْ وَالْعَتِيرَةُ فِى رَجَبٍ (بخاری، رقم الحديث ۵۴۷۳، کتاب العقيقة، باب الفرع، دار طوق النجاة، بيروت، عن ابی هريرة)

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَتِيرَةَ فِى الْإِسْلَامِ، وَلَا فَرَعَ (مسند احمد، رقم الحديث ۷۱۳۵، مؤسسة الرسالة، بيروت)

حديث صحيح، وهذا إسناد صحيح على شرط الشيخين إن كان هشيم سمعه من الزهرى، وإن كان الواسطة بينهما سفيان بن حسين، فالإسناد ضعيف، لأن سفيان بن حسين ضعيف فى الزهرى خاصة، ومع ذلک، فهو متابع (حاشية مسند احمد)

نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْفَرَعِ، وَالْعَتِيرَةِ (نسائی، رقم الحديث ۴۲۲۳، کتاب الفرع والعتيرة، مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب، عن ابی هريرة)

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا فَرَعَةَ، وَلَا عَتِيرَةَ (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۳۱۶۹، کتاب الذبائح، باب الفرعة والعتيرة، عن ابنِ عمر)

اور اسی وجہ سے ''عتیرہ'' نام کی قربانی پر اسلام میں عمل بھی نہیں پایا جاتا، جبکہ قربانی کا حکم منسوخ نہیں ہوا، اور اس پر برابر عمل جاری رہا۔

اس لئے قربانی کا حکم برقرار رہا، جو کہ اب بھی ہے۔ ۱

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

۱ أَتَدْرُونَ مَا الْعَتِيرَةُ هَذِهِ؟ الَّتِي يَقُولُ النَّاسُ الرَّجَبِيَّةُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ :الْعَتِيرَةُ مَنْسُوخَةٌ هَذَا خَبَرٌ مَنْسُوخٌ(سنن ابی داوٗد، حوالہ بالا)

(يا أيها الناس، إن على كل أهل بيت) أى :واجب عليهم .(فى كل عام) أى :سنة .(أضحية وعتيرة، هل تدرون ما العتيرة) ؟ هى التى تسمونها الرجبية أى :الذبيحة المنسوبة إلى رجب لوقوعها فيه............(وقال أبو داود :والعتيرة منسوخة) وفى نسخة :(العتيرة) بلا واو .قال أبو عبيدة وغيره :ناسخه الحديث الصحيح :لا فرع ولا عتيرة نقله السيد، وقال البيهقى :إن صح هذا الحديث، فالمراد على طريق الاستحباب، إذ قد جمع بينها وبين العتيرة، العتيرة غير واجبة، ذكره ميرک .وفيه بحث إذ لا يلزم من عدم وجوب العتيرة نفى وجوب الأضحية، إذ يمكن أن يحمل النسخ على الوجوب(مرقاة المفاتيح، ج۳ص ۱۰۹۰، باب العتيرة)

ويحتج لإيجابها أيضا بحديث أبى رملة الحنفى عن مخنف بن سليم عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال " :على كل أهل بيت فى عام أضحية وعتيرة ."قال أبو بكر :والعتيرة منسوخة بالاتفاق، وهى أنهم كانوا يصومون رجب ثم يعترون، وهى الرجبية، وقد كان ابن سيرين وابن عون يفعلانه، ولم تقم الدلالة على نسخ الأضحية فهى واجبة بمقتضى الخبر، إلا أنه ذكر فى هذا الحديث" :على كل أهل بيت أضحية "ومعلوم أن الواجب من الأضحية لا يجزء عن أهل البيت وإنما يجزء عن واحد، فيدل ذلك على أنه لم يرد الإيجاب(احکام القرآن جصاص، ج۳ص ۳۲۴، سورة الحج، مطلب فى الاضحية)

وَأَمَّا الْعَتِيرَةُ فَذَبِيحَةٌ تُذْبَحُ فِي رَجَبٍ يَتَقَرَّبُ بِهَا أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ وَالْإِسْلَامِ فِي الصَّدْرِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ نُسِخَ فِي الْإِسْلَامِ. كَذَا فِي الْأَصْلِ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۸ص۱۹۷، كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ)

فی حاشية مسنداحمد:

قلنا :وادعاء نسخ وجوب العتيرة على فرض صحته لا يستلزم نسخ وجوب الأضحية على الموسر، فقد جاء غير ما حديث يؤكد وجوبها، منها حديث أبى هريرة رفعه "من كان له سَعَة ولم يضح، فلا يقربن مصلانا "وهو فى "المسند(۸۲۷۳)"وفى سنده ضعف خفيف ينجبر بحديث الباب.

ومنها حديث جندب البجلى عند البخارى ومسلم (۱۹۶۰)قال :شهدت النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال " :من ذَبَحَ قبل أن يُصلى فليعُد مكانها أخرى "وظاهر الأمر الوجوب، وهو قول ربيعة الرأى والأوزاعى وأبى حنيفة والليث بن سعد وبعض المالكية.

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰـهُ عَلَيْـهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ أُمِرْتُ بِيَوْمِ الْأَضْـحٰى عِيْدًا جَعَلَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ، فَقَالَ الرَّجُلُ أَرَأَيْتَ إِنْ لَـمْ أَجِـدْ إِلَّا مَـنِيْـحَةً أُنْثٰى أَفَأُضَحِّيَ بِهَا؟ قَالَ لَا، وَلٰكِنْ تَأْخُذُ مِنْ شَـعْرِكَ، وَتُـقَلِّـمُ أَظْفَارَكَ، وَتَقُصُّ شَارِبَكَ، وَتَحْلِقُ عَانَتَكَ، فَذٰلِكَ تَمَامُ أُضْحِيَّتِكَ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (سنن نسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو فرمایا کہ مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے بقرعید کے دن (قربانی کرکے) عید منانے کا جو اللہ عزوجل نے اس امت کے لیے مقرر فرمائی ہے، اس آدمی نے عرض کیا کہ اگر میرے پاس کچھ بھی موجود نہ ہو (یعنی قربانی کے مطابق مالی نصاب اور مال موجود نہ ہو) سوائے ایک مادہ (بکری یا اونٹنی) کے، جو کہ دوسرے کی میرے پاس امانتاً ہو (اور میں اس کا مالک نہ ہوں) تو کیا میں اس کی قربانی کروں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں (آپ اس کی قربانی نہ کریں) بلکہ آپ اپنے بال

---

[1] رقم الحديث ۴۳۶۵ ، كتاب الضحايا، باب من لم يجد الاضحية، مكتب المطبوعات الإسلامية -حلب، واللفظ لهٔ؛ صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۵۹۱۴؛ مستدرک حاکم، رقم الحديث ۷۵۲۹؛ مسند احمد، رقم الحديث ۶۵۷۵.

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ

وقال الذهبى فى التلخيص: هذا حديث صحيح.

وفى حاشية ابنِ حبان:

إسناده صحيح عيسى بن هلال الصدفي :وثقه المؤلف، وروى عنه جمع، وباقى رجاله ثقات رجال مسلم غير يزيد -وهو ابنُ خالد بن يزيد بن موهب -فقد روى له أبو داود والنسائى وابن ماجه، وهو ثقة .وأخرجه النسائى ۷/۲۱۲، ۲۱۳فى الضحايا :باب من لم يجد الأضحية، والدارقطنى ۲/۲۸۲، والحاكم ۲/۲۲۳، والبيهقى ۹/۲۶۳من طريقين عن ابن وهب، بهذا الإسناد .وصححه الحاكم، ووافقه الذهبى .وأخرجه أحمد۲/۱۶۹،وأبو داود "۲۷۸۹ "فى لأضاحى :باب ما جاء فى إيجاب الأضاحى، من طريق أبى عبد الرحمن عبد الله بن يزيد، عن سعيد بن أبى أيوب، به .وأخرجه الدارقطنى ۴/۲۸۲،والحاكم ۴/۲۲۳، والبيهقى ۹/۲۶۳، ۲۶۴من طيقين عن عياش بن عباس، به.والمنيحة:هى الناقة أو الشاة تعار لينتفع بلبنها، وتعاد إلى صاحبها (حاشيه ابنِ حبان)

اور ناخن کاٹ لیں، اور مونچھوں کے بال کاٹ لیں، اور اپنے زیرِ ناف بال کاٹ لیں، پس اللہ عزوجل کے نزدیک یہی آپ کی پوری قربانی ہے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ صاحبِ استطاعت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قربانی کا حکم ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ، وَلَمْ يُضَحِّ، فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا (سنن ابنِ ماجه) [۱]

---

[۱] رقم الحديث ۳۱۲۳، كتاب الاضاحى، باب الأضاحى، واجبة هى أم لا، دار إحياء الكتب العربية، القاهرة، واللفظ لهُ، مستدرك حاكم، رقم الحديث ۷۵۶۵، سنن دارقطنى، رقم الحديث ۴۷۶۲.

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "

وقال الذهبى فى التلخيص : صحيح.

وقال الكنانى:

هذا إسناد فيه مقال عبد الله بن عياش وان روى له مسلم فانما روى له فى المتابعات والشواهد فقد ضعفه أبو داود والنسائى وقال أبو حاتم صدوق وقال ابن يونس منكر الحديث وذكره ابن حبان فى الثقات انتهى.ورواه الحاكم فى المستدرك من طريق يحيى بن أبى طالب ثنا زيد بن الحباب فذكره وعن الحاكم ورواه البيهقى فى الكبرى وقال بلغنى عن ابى عيسى الترمذى أنه قال الصحيح عن أبى هريرة موقوف.

قلت لم ينفرد زيد بن الحباب عن عبد الله بن عياش ولا ابن عياش عن الأعرج ولا الأعرج عن أبى هريرة كما هو مذكور فى زوائد البيهقى على الكتب الستة التى خرجها (مصباح الزجاجة فى زوائد ابنِ ماجه، ج۳ص ۲۲۲،۲۲۳، باب الاضاحى واجبة هى ام لا)

وقال ابن حجر:

أخرجه بن ماجه وأحمد ورجاله ثقات لكن اختلف فى رفعه ووقفه والموقوف أشبه بالصواب قاله الطحاوى وغيره (فتح البارى لابنِ حجر، ج۱۰ ص۳)

قال الألبانى) حسن (صحيح وضعيف سنن ابنِ ماجه، تحت رقم الحديث ۳۱۲۳)

بعض حضرات نے اس حدیث کو عبداللہ بن عیاش کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، مگر سنن دارقطنی میں عبیداللہ بن ابی جعفران کے متابع موجود ہیں۔

عبيد الله بن أبى جعفر المصرى الكنانى مولاهم *(ع) الإمام، الحافظ، فقيه مصر، أبو بكر المصرى، الكنانى مولاهم، الليثى ....قال أحمد بن حنبل :ليس به بأس، كان يتفقه .وقال أبو حاتم: ثقة، بابة يزيد بن أبى حبيب .وقال النسائى :ثقة.وقال ابن سعد :ثقة، فقيه زمانه .وقال أبو نصر الكلاباذى :كان فقيها فى زمانه.وقال ابن يونس :كان عالما، زاهدا، عابدا (سير اعلام النبلاء ج۶ ص۸،۹)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو قربانی کی وسعت حاصل ہو، اور وہ قربانی نہ کرے، تو وہ ہرگز ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے (ترجمہ ختم)

عیدگاہ میں حاضری سے روکنا اظہارِ ناراضگی ہے، جو گناہ کے متعلق ہی ہوسکتی ہے۔

جس شخص کو قربانی کی وسعت ہو اور پھر وہ قربانی نہ کرے اس کے بارے میں کس قدر ناراضگی ٹپکتی ہے، کیا کوئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سہار سکتا ہے؟

کئی فقہائے کرام نے فرمایا کہ ایسی سخت وعید کسی ضروری اور اہم کام کے چھوڑنے پر ہی ہوسکتی ہے۔[1]

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ، فَقَالَ: إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ مِنْ يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ، ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ هٰذَا فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ نَحَرَ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ يُقَدِّمُهُ لِأَهْلِهِ، لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ (بخاری)[2]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے یہ بات سنی کہ ہمارے اس عیدالاضحیٰ کے دن سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں، پھر ہم لوٹ کر قربانی کریں، پس جس نے اس طریقہ پر عمل کیا، تو اس نے ہمارے طریقہ کے مطابق درست کام کیا، اور جس نے (عید کی نماز سے پہلے) قربانی کردی، تو وہ ایک گوشت ہوگیا، جو اس نے اپنے گھر والوں کے لئے جلدی تیار کردیا، اس کا قربانی

---

[1] ومما يؤيد الوجوب خبر :من وجد سعة لأن يضحى فلم يضح فلا يحضر مصلانا وأما قول ابن حجر :أنه موقوف على أبي هريرة فمرفوع ;لأن مثل هذا الموقوف فى حكم المرفوع (مرقاة المفاتيح، ج۳ص۱۰۷۷، باب الاضحية)

[2] رقم الحديث ۵۵۶۰،كتاب الاضاحى، باب الذبح بعد الصلاة، دار طوق النجاة، بيروت.

سے تعلق نہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ، فَقَالَ: مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُّصَلِّيَ فَلْيُعِدْ مَكَانَهَا أُخْرٰى، وَمَنْ لَّمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ (بخاری) [1]

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عیدالاضحیٰ کے دن حاضر ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ جس نے عید کی نماز سے پہلے (قربانی کا جانور) ذبح کردیا، تو اسے چاہئے کہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے، اور جس نے (عید کی نماز سے پہلے) ذبح نہیں کیا، تو اسے چاہئے کہ وہ (عید کی نماز کے بعد) ذبح کرے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عویمر بن اشقر سے مروی ہے کہ:

أَنَّهُ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَذَكَرَهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَعِدْ أُضْحِيَّتَكَ (سنن ابن ماجه) [2]

ترجمہ: انہوں نے عید کی نماز سے پہلے (قربانی کا جانور) ذبح کردیا، پھر اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی قربانی

---

[1] رقم الحديث ۵۵۶۲، كتاب الاضاحي، باب من ذبح قبل الصلاة اعاد، دار طوق النجاة، بيروت.

[2] رقم الحديث، ۳۱۵۳، كتاب الاضاحي، باب النهي عن ذبح الأضحية، قبل الصلاة، دار إحياء الكتب العربية، القاهرة.

قال الكناني:

رجال إسناد حديثه ثقات إلا أنه منقطع عباد بن تميم له يسمع من عويمر بن أشقر رواه الإمام مالك في الموطأ والإمام أحمد في مسنده من طريق عويمر بن أشقر كما رواه ابن ماجة وابن أبي شيبة في مسنده هكذا ورواه البيهقي في الكبرى من طريق مالك عن يحيى بن سعيد به ورواه الإمام مالك في الموطأ أيضا عن يحيى بن سعيد به ورواه أحمد بن منيع في مسنده عن يزيد بن هارون وهشيم كلاهما عن يحيى بن سعيد بالإسناد والمتن وله شواهد في الصحيحين وغيرهما من حديث جندب بن سفيان والبراء بن عازب وأنس وله شواهد أخر أعرضت عن ذكرها اختصارا (مصباح الزجاجة في زوائد ابنِ ماجه، ج۳ص۲۲۸، ۲۲۹، باب النهي عن الأضحية قبل الصلاة)

دوبارہ کیجئے (ترجمہ ختم)

اس قسم کی احادیث کے پیشِ نظر کئی فقہائے کرام نے فرمایا کہ عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنے کی صورت میں قربانی کو لوٹانے کا حکم قربانی کے عمل کے ضروری اور اہم ہونے کی علامت ہے، کیونکہ اگر قربانی ضروری اور اہم نہ ہوتی، تو دوبارہ قربانی کو لوٹانے کا حکم کیوں دیا جاتا؟ [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُضَحِّیْ بِکَبْشَیْنِ، وَأَنَا أُضَحِّیْ

---

[1] والامر بالاعادة يدل على الوجوب (تكملة فتح الملهم ج۳ص ۵۵۰،كتاب الاضاحى، باب وقتها)

ومما يحتج لموجبها ما حدثنا عبد الباقي قال :حدثنا أحمد بن أبى عون البزورى قال :حدثنا أبو معمر إسماعيل بن إبراهيم قال :حدثنا أبو إسماعيل المؤدب عن مجالد عن الشعبى عن جابر والبراء بن عازب قالا :قام النبى صلى الله عليه وسلم على منبره يوم الأضحى فقال " :من صلى معنا هذه الصلاة فليذبح بعد الصلاة "فقام أبو بردة بن نيار فقال :يا رسول الله إنى ذبحت ليأكل معنا أصحابنا إذا رجعنا، قال :ليس بنسك قال :عندى جذعة من المعز، قال " :تجزى عنك ولا تجزى عن غيرك "، فيستدل من هذا الخبر بوجوه على الوجوب، أحدها :قوله صلى الله عليه وسلم" :من صلى معنا هذه الصلاة وشهد معنا فليذبح بعد الصلاة "وهو أمر بالذبح يقتضى ظاهره الوجوب .والوجه الثانى :قوله صلى الله عليه وسلم" :تجزى عنك ولا تجزى عن غيرك ." ومعناه :تقضى عنك ;لأنه يقال جزى عنى كذا بمعنى قضى عنى، والقضاء لا يكون إلا عن واجب فقد اقتضى ذلك الوجوب .ومن جهة أخرى أن فى بعض ألفاظ هذا الحديث " :فمن ذبح قبل الصلاة فليعد أضحيته "وفى بعضها أنه قال لأبى بردة " :أعد أضحيتك"، ومن يأبى ذلك يقول : إن قوله صلى الله عليه وسلم " :من صلى معنا هذه الصلاة وشهد معنا فليذبح "يدل على أنه لم يرد الإيجاب ;لأن وجوبها لا يتعلق بشهود الصلاة عند الجميع، ولما عم الجميع ولم يخصص به الأغنياء دل على أنه أراد الندب.

وأما قوله" :تجزى عنك "فإنما أراد به جواز قربة، والجواز والقضاء على ضربين :أحدهما جواز قربة، والآخر جواز فرض، فليس فى ظاهر إطلاق لفظ الجواز والقضاء دلالة على الوجوب .وأيضا يحتمل أن يكون أبو بردة قد كان أوجب الأضحية نذرا، فأمره بالإعادة، فإذا ليس فيما خاطب به أبا بردة دلالة على الوجوب ;لأنه حكم فى شخص معين ليس بعموم لفظ فى إيجابها على كل أحد.

فإن قيل :لو أراد القضاء عن واجب لسأله عن قيمته ليوجب عليه مثله .قيل له :قد قال أبو بردة: "إن عندى جذعة خير من شاتى لحم "فكانت الجذعة خيرا من الأولى(احكام القرآن للجصاص، ج۳ص ۳۲۴، سورة الحج، مطلب فى الاضحية)

بِكَبْشَيْنِ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے، اور میں بھی دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتا ہوں (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُضَحِّيْ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ، وَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلٰى صَفْحَتِهِمَا وَيَذْبَحُهُمَا بِيَدِهٖ (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفید وسیاہ رنگ والے، بڑے سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے، اور اپنے پاؤں کو ان کے دونوں جانب رکھ لیتے تھے، اور اپنے ہاتھ سے ذبح فرماتے تھے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فَرَأَيْتُهُ وَاضِعًا قَدَمَهُ عَلٰى صِفَاحِهِمَا، يُسَمِّيْ وَيُكَبِّرُ، فَذَبَحَهُمَا بِيَدِهٖ (بخاری) [3]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پاؤں مبارک قربانی کے جانور کے دونوں طرف رکھے ہوئے دیکھا، آپ نے بسم اللہ پڑھی، اور اللہ اکبر پڑھی، اور اپنے ہاتھ سے ذبح کیا (ترجمہ ختم)

فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی اہتمام کے ساتھ قربانی کرنا، اور اس کو حتی الامکان اپنے ہاتھ مبارک سے ذبح کرنا، قربانی کے عمل کی اہمیت کی دلیل ہے۔

---

[1] رقم الحديث ٥٥٥٣، كتاب الاضاحى، باب فى أضحية النبى صلى الله عليه وسلم بكبشين أقرنين، دارطوق النجاة، بيروت.

[2] رقم الحديث ٥٥٦٤، كتاب الاضاحى، باب وضع القدم على صفح الذبيحة، دارطوق النجاة، بيروت.

[3] رقم الحديث ٥٥٥٨، كتاب الاضاحى، باب من ذبح الأضاحى بيده، دارطوق النجاة، بيروت.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ضَحّٰى اِشْتَرٰى كَبْشَيْنِ عَظِيْمَيْنِ، سَمِيْنَيْنِ أَقْرَنَيْنِ ، أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْئَيْنِ قَالَ: فَيَذْبَحُ أَحَدَهُمَا عَنْ أُمَّتِهٖ مِمَّنْ أَقَرَّ بِالتَّوْحِيْدِ، وَشَهِدَ لَهٗ بِالْبَلَاغِ، وَيَذْبَحُ الْآخَرَ عَنْ مُحَمَّدٍ، وَآلِ مُحَمَّدٍ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کا ارادہ فرماتے تو آپ بڑے موٹے تازے سینگوں والے سفید وسیاہ رنگ والے دو خصی مینڈھے خریدتے، اُن دونوں میں سے ایک کی اپنے ان امتیوں کی طرف سے جو اللہ کی وحدانیت اور آپ کی تبلیغ کی شہادت دیں، اور دوسرے کی محمد اور آلِ محمد کی طرف سے قربانی کرتے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے اور امت کو ثواب پہنچانے کی غرض سے قربانی فرمایا کرتے تھے، جس سے قربانی کی فضیلت واہمیت معلوم ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهٗ أَنْ يَّقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهٖ، وَأَنْ يَّقْسِمَ بُدْنَهٗ كُلَّهَا، لُحُوْمَهَا وَجُلُوْدَهَا وَجِلَالَهَا، وَلَا يُعْطِيَ فِيْ جِزَارَتِهَا شَيْئًا (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حکم فرمایا کہ وہ آپ کی قربانی کے قریب کھڑے ہوں، اور آپ کی قربانی کو تقسیم کریں، اس کے گوشت کو، اور اس کی کھال

---

[1] رقم الحدیث ۲۵۸۴۳، مؤسسة الرسالة، بیروت، واللفظ لهٗ، سنن ابنِ ماجه، رقم الحدیث ۳۱۲۲.

فی حاشية مسند احمد: صحیح لغیره.

[2] رقم الحدیث ۱۷۱۷، کتاب الحج، باب: یتصدق بجلود الهدی، دارطوق النجاة، بیروت.

کو، اور اس کی رسیوں کو، اور قصاب کو ان میں سے کوئی چیز اجرت میں نہ دیں

(ترجمہ ختم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قربانی کے قریب ٹھہرنے کا حکم فرمانا اور اس کی رسی تک کو صدقہ کرنے کا حکم فرمانا، اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل بہت اہمیت ونزاکت کا حامل ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَهْدَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةَ بَدَنَةٍ، فَأَمَرَنِيْ بِلُحُوْمِهَا، فَقَسَمْتُهَا ثُمَّ أَمَرَنِيْ بِجِلَالِهَا فَقَسَمْتُهَا، ثُمَّ بِجُلُوْدِهَا فَقَسَمْتُهَا

(بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹوں کی قربانی فرمائی، پھر مجھے ان کے گوشت کو تقسیم کرنے کا حکم فرمایا، جس کو میں نے تقسیم کر دیا، پھر مجھے اُن کی رسیوں کے تقسیم کرنے کا حکم فرمایا، جن کو میں نے تقسیم کر دیا، پھر مجھے ان کی کھالوں کو تقسیم کرنے کا حکم فرمایا، جن کو میں نے تقسیم کر دیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

وَالَّذِيْ أَتٰى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةً، فَنَحَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ ثَلَاثَةً وَّسِتِّيْنَ، ثُمَّ أَعْطٰى عَلِيًّا فَنَحَرَ مَا غَبَرَ، وَأَشْرَكَهٗ فِيْ هَدْيِهٖ، ثُمَّ أَمَرَ مِنْ كُلِّ بَدَنَةٍ بِبَضْعَةٍ، فَجُعِلَتْ فِيْ قِدْرٍ، فَأَكَلَا مِنْ لَحْمِهَا، وَشَرِبَا مِنْ مَّرَقِهَا (مسند احمد) [2]

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سو قربانی کے جانور حاصل کئے، پھر رسول اللہ

---

[1] رقم الحديث ١٧١٨، كتاب الحج، باب يتصدق بجلال البدن، دار طوق النجاة، بيروت.

[2] رقم الحديث ١٤٤٤٠، مؤسسة الرسالة، بيروت.

في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير جعفر - وهو ابن محمد بن علي-، فمن رجال مسلم. يحيى: هو ابن سعيد القطان.

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے تریسٹھ جانوروں کو ذبح فرمایا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باقی جانوروں کو ذبح کرنے کا حکم فرمایا، اور ان کو اپنی قربانی میں شریک فرمایا، پھر ہر قربانی کے جانور میں سے ایک ایک ٹکڑے کو لینے کا حکم فرمایا، جن کو ایک ہانڈی میں ڈال دیا گیا (اور پکا دیا گیا) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس گوشت کو کھایا، اور اس کے شوربے کو پیا (ترجمہ ختم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنی کثرت سے قربانی کے جانور ذبح کرنا کرانا، قربانی کے عمل کی اہمیت کی دلیل ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ كُلَّ سَنَةٍ (سنن ترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ میں رہے، ہر سال قربانی فرماتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْحَرُ يَوْمَ الْأَضْحٰى بِالْمَدِيْنَةِ وَكَانَ إِذَا لَمْ يَنْحَرْ يَذْبَحُ (مسند عبداللہ بن عمر للطرسوسی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ کے دن مدینہ میں بڑے جانور کی قربانی کیا کرتے تھے، اور جب بڑے جانور کی قربانی نہیں کیا کرتے تھے، تو چھوٹے جانور کی قربانی کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

---

[1] رقم الحديث، ۱۵۰۷، ابواب الاضاحى، باب الدليل على ان الاضحية سنة، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى - مصر.
قال الترمذى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

[2] رقم الحديث، ۸۱، ج ۱ ص ۴۴، دارالنفائس، بيروت.

اس سے پہلی احادیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ قربانی کرنا ثابت ہے، اور یہ حدیث مذکورہ احادیث کے مضمون کے مطابق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قربانی کا حکم آنے کے بعد ہمیشہ قربانی کرتے رہنا، قربانی کے حکم کی اہمیت وتاکید کی دلیل ہے۔ [۱]

حضرت جبلہ بن سحیم سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ، عَنِ الْأُضْحِيَّةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ؟ فَقَالَ: ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُوْنَ ، فَأَعَادَهَا عَلَيْهِ، فَقَالَ: أَتَعْقِلُ؟ ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُوْنَ (سنن ترمذی) [۲]

ترجمہ: ایک آدمی نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے قربانی کے بارے میں سوال کیا کہ کیا قربانی واجب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی فرمائی اور تمام مسلمانوں نے قربانی کی، پھر اس شخص نے دوبارہ یہی سوال کیا؟ تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آپ عقل رکھتے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی فرمائی اور تمام مسلمانوں نے قربانی کی (ترجمہ ختم)

اس روایت کے پیشِ نظر بعض حضرات نے فرمایا کہ قربانی تاکیدی درجہ کی سنت ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ قربانی واجب ہے، کیونکہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے دائمی معمول کا ذکر کرنا واجب ہونے کی دلیل ہے، اور اگر قربانی واجب نہ ہوتی تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ واضح طور پر قربانی کے واجب ہونے

---

[۱] وھـذا يدل على المواظبة وان مواظبة النبى صلى الله عليه وسلم من غير ترك دليل للوجوب (تكملة فتح الملهم ج۳ص ۵۴۹، كتاب الاضاحى، باب وقتها)

[۲] رقـم الـحـديث ۱۵۰۶ ، ابـواب الاضاحى، باب الدليل على ان الاضحية سنة ،شركة مكتبة ومطبعة مـصـطـفى البابى الحلبى -مـصـر، والـلـفـظ لـهٗ، ورقـم الحديث ۳۱۲۴، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۱۳۹۹۱ ، المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۲۲۶۸.

کی نفی فرمادیتے۔ [۱]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَوْمِ أَضْحٰى: مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ، أَفْضَلَ مِنْ دَمٍ يُهَرَاقُ، إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ رَحِمًا مَقْطُوْعَةً تُوْصَلُ (المعجم الكبير للطبراني) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن کے متعلق فرمایا کہ ابنِ آدم کا کوئی عمل اس دن میں قربانی کا خون بہانے سے زیادہ افضل نہیں ہے، سوائے اس کے کہ کسی نے قطع رحمی کی ہو، اور اس کو جوڑا جائے (یعنی صلہ رحمی کی جائے) (ترجمہ ختم)

یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے، اور اسی قسم کا مضمون بعض تابعین سے بھی مروی ہے۔ [۳]
مگر اس حدیث سے قربانی کی فضیلت ثابت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، خاص طور پر جبکہ اس کی تائید دوسری روایات سے بھی ہوتی ہو۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

---

[۱] قال الترمذی: هَـذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ أَنَّ الأُضْحِيَّةَ لَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ وَلَـكِـنَّهَـا سُـنَّةٌ مِـنْ سُـنَـنِ رَسُـولِ الـلَّـهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُعْمَلَ بِهَا، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَابْـنِ الـمُبَـارَكِ. وظـاهر جواب ابن عمر رضی اللہ عنه انه اراد الدلالة علی الوجوب، لان السـائـل انما سأله عن الوجوب، فلو كانت الاضحية غير واجبة لنفى الوجوب صراحة، ولكنه ذكر مـواظبة النبی صلی الله علیه وسلم والمسلمين، وهو مما يدل على الوجوب، ولم يصرح بالوجوب كى لا يظن تحتمه كتحتم الفرائض (تكملة فتح الملهم ج۳ص ۵۴۹، كتاب الاضاحی، باب وقتها)

[۲] رقم الحديث ۱۰۹۴۸، مكتبة ابنِ تيمية، القاهرة.

[۳] قال الهيثمی:
رواه الـطبـرانـی فی الـكبيـر، وفيـه الـحسـن بن يحيى الخشنی، وهو ضعيف، وقد وثقه جماعة (مجمع الزوائد ج۴ص۱۸)
عَنْ طَاوُوسٍ قَالَ: مَـا أَنْـفَقَ النَّاسُ مِنْ نَفَقَةٍ أَعْظَمَ أَجْرًا مِنْ دَمٍ يُهَرَاقُ يَوْمَ النَّحْرِ، إِلَّا رَحِمٌ مُحْتَاجَةٌ يَصِلُهَا (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۱۳۳۵۰)

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا عَمِلَ آدَمِيٌّ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ، إِنَّهُ لَيَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَأَشْعَارِهَا وَأَظْلَافِهَا، وَأَنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَّقَعَ مِنَ الْأَرْضِ، فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا (ترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا کوئی عمل بھی جو قربانی کے دن میں کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے بالوں، سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا (اور یہ چیزیں عظیم ثواب ملنے کا ذریعہ بنیں گی) اور فرمایا کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبولیت حاصل کر لیتی ہے لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو (ترجمہ ختم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ضَحُّوْا، وَطَيِّبُوْا بِهَا أَنْفُسَكُمْ؛

---

[1] رقم الحديث ۱۴۹۳، ابواب الاضاحى، باب ما جاء فى فضل الأضحية، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى - مصر، واللفظ لهٗ، سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۳۱۲۶، سنن البيهقى، رقم الحديث ۱۹۰۱۵، مستدرک حاكم رقم الحديث ۷۵۲۳.

قال الترمذى:

وَفِي البَابِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، وَزَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ إِلَّا مِنْ هَذَا الوَجْهِ وَأَبُو المُثَنَّى اسْمُهُ سُلَيْمَانُ بْنُ يَزِيدَ رَوَى عَنْهُ ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ: وَيُرْوَى عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: فِي الْأُضْحِيَّةِ لِصَاحِبِهَا بِكُلِّ شَعَرَةٍ حَسَنَةٌ وَيُرْوَى بِقُرُونِهَا.

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ"

وقال الذهبى فى التلخيص: سليمان واه.

وقال المنذرى:

رواه ابن ماجه والترمذى وقال حديث حسن غريب والحاكم وقال صحيح الإسناد.
قال الحافظ رووه من طريق أبى المثنى واسمه سليمان بن يزيد عن هشام بن عروة عن أبيه عنها وسليمان واه وقد وثق (الترغيب والترهيب، ج۲ص۹۹، كتاب العيدين والاضحية)

فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ مُسْلِمٍ يُوَجِّهُ ضَحِيَّتَهُ إِلَى الْقِبْلَةِ إِلَّا كَانَ دَمُهَا، وَفَرْثُهَا، وَصُوفُهَا حَسَنَاتٍ مُحْضَرَاتٍ فِي مِيزَانِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ(مصنف عبد الرزاق) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی کیا کرو، اور اس کے ذریعہ سے اپنے نفسوں کو پاک کیا کرو، کیونکہ جب مسلمان اپنی قربانی کا رخ (ذبح کرنے کے لئے) قبلہ کی طرف کرتا ہے، تو اس کا خون، گوبر، اور اون قیامت کے دن میزان میں نیکیوں کی صورت میں حاضر کئے جائیں گے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بسندِ ضعیف روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا فَاطِمَةُ، قُومِي إِلٰى أُضْحِيَّتِكِ فَاشْهَدِيهَا، فَإِنَّ لَكِ بِكُلِّ قَطْرَةٍ تَقْطُرُ مِنْ دَمِهَا أَنْ يُغْفَرَ لَكِ مَا سَلَفَ مِنْ ذُنُوبِكِ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَلَنَا خَاصَّةً أَهْلَ الْبَيْتِ، أَوْ لَنَا وَلِلْمُسْلِمِينَ؟ قَالَ: بَلْ لَنَا وَلِلْمُسْلِمِينَ (كشف الاستار عن زوائد البزار) [2]

---

[1] رقم الحديث ٨١٦٧، كتاب المناسك، باب فضل الضحايا والهدى، وهل يذبح المحرم، المكتب الاسلامى، بيروت.

[2] رقم الحديث ١٢٠٢، كتاب الاضاحى، باب فضل الاضحية، مؤسسة الرسالة، بيروت.

قَالَ الْبَزَّارُ:

لا نَعْلَمُ لَهُ طَرِيقًا عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَحْسَنَ مِنْ هَذَا، وَعَمْرُو بْنُ قَيْسٍ كَانَ مِنْ عُبَّادِ أَهْلِ الْكُوفَةِ، وَأَفَاضِلِهِمْ مِمَّنْ يُجْمَعُ حَدِيثُهُ وَكَلامُهُ.

وقال الهيثمى:

رواه البزار، وفيه عطية بن قيس، وفيه كلام كثير، وقد وثق(مجمع الزوائد ج۴ص١٧)

وقال الالبانى:

وعطية -هو :ابن سعد العوفى، وهو :-ضعيف مدلس، ذكره الحاكم شاهداً لحديث عمران بن حصين نحوه وسكت عنه، وتعقبه الذهبى بقوله ":قلت :عطية واه ."

وقد التبس على المنذرى براو آخر؛ فقال فى "الترغيب(٢/١٠٢/٣) " "رواه البزار، وأبو الشيخ بن حيان فى "كتاب الضحايا "وغيره، وفى إسناده عطية بن قيس :وثق، وفيه كلام ."وهذا وهم عجيب؛ فليس لـ(عطية بن قيس) ذكر فى هذا الإسناد كما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے فاطمہ! اپنی قربانی کے قریب کھڑی ہوجائیے، اوراس کا مشاہدہ کیجئے، کیونکہ آپ کے لئے ہراس قطرہ کے بدلہ میں، جواس کے خون سے ٹپکے گا، آپ کے سابقہ گناہوں میں سے گناہ معاف کردیا جائے گا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کیا یہ (فضیلت) ہم اہلِ بیت کے لئے خاص ہے، یا ہمارے لئے اور سب مسلمانوں کے لئے ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب مسلمانوں کے لئے ہے (ترجمہ ختم)

مذکورہ تفصیل سے قربانی کی فضیلت واہمیت اور تاکید معلوم ہوئی۔

اسی وجہ سے قربانی کے مشروع عبادت ہونے پر اہلِ اسلام کا اجماع ہے۔

البتہ فقہائے کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ قربانی سنت ہے یا واجب؟

امام شافعی اور کئی فقہا علیہم الرحمۃ قربانی کے سنت ہونے کے قائل ہیں، مگر بہت سے حضرات اس کو عام سنت کے بجائے تاکیدی سنت قرار دیتے ہیں، جس کا درجہ واجب کے قریب ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بعض دوسرے فقہائے کرام قربانی کو واجب قرار دیتے ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ترى،وأعجب منه أن يقلده الهيثمي فيقول(۴/۱۷) "رواه البزار، وفيه (عطية بن قيس) وفيه كلام كثير، وقد وثق ."وعطية بن قيس -وهو :الكلابى الحمصى، وهو :-ثقة لا كلام فيه؛ فهما يعنيان به عطية بن سعد العوفى ولكنهما وُهِما فى اسم أبيه .والمعصوم من عصمه الله تبارک وتعالى(السلسلة الضعيفة تحت رقم الحديث ۶۸۲۸)

[1] وهى مشروعة فى أصل الشرع بالإجماع، والأصل فيها قبل الإجماع قوله تعالى :(فصل لربک وانحر)أى :صل صلاة العيد، وانحر النسک، كما قاله جمع مفسرون، واختلف هل هى سنة أو واجبة؟ فقال مالک، والشافعي، وأحمد، وصاحبا أبى حنيفة :هى سنة مؤكدة .وقال أبو حنيفة :هى واجبة على المقيمين من أهل الأمصار، واعتبر فى وجوبها النصاب.قال ابن حجر : ودليلنا ما جاء بسند حسن :أن أبا بكر وعمر كانا لا يضحيان مخافة أن يرى الناس ذلک واجبا، وفيه أنه محمول على أنهما ما كانا من أهل الوجوب، وتعليلها وقع لتوهم عموم الوجوب(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۳ص۱۰۷۷ ،باب فى الأضحية)

عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ، قَالَ :رَأَيْتُ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا وَمَا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تاہم حنفیہ کے نزدیک قربانی کے واجب ہونے کے باوجود اس کا درجہ صدقۂ فطر اور سجدۂ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يُضَحِّيَانِ مَخَافَةَ أَنْ يُسْتَنَّ بِهِمَا، فَحَمَلَنِي أَهْلِي عَلَى الْجَفَاءِ بَعْدَ أَنْ عَلِمْتُ مِنَ السُّنَّةِ، حَتَّى إِنِّي لَأُضَحِّي عَنْ كُلٍّ(المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ٣٠٥٨)

قال الهيثمي:

رواه الطبراني في الكبير، ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد، ج۴ص١٨ ،باب في الأضحية)

عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ :قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيُّ :إِنِّي لَأَدَعُ الْأَضْحَى، وَإِنِّي لَمُوسِرٌ مَخَافَةَ أَنْ يَرَى جِيرَانِي أَنَّهُ حَتْمٌ عَلَيَّ(مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ٨١٤٩)

وتبعه ابن حجر ولأن أبا بكر وعمر -رضي الله عنهما -كانا لا يضحيان كراهية أن يرى أنها واجبة بل هي مستحبة أقول :على تقدير صحة النقل عنهما يحمل على أن الأضحية لم تكن واجبة عليهما لعدم وجود النصاب عندهما، وتركاها كراهة أن يرى أنها واجبة حتى على الفقراء ، مع أنه لا يعرف من الصحابة أنهم تركوا السنة لئلا يتوهم الوجوب، فإن هذا وظيفة الشارع حيث يترك الشيء تارة لبيان الجواز، وللعلم بعدم الوجوب، وأيضا هذه العلة لا تعلم إلا من قبلهما لأنها ناشئة من قبلهما .نعم لو صرحا بها لكان يصلح للاستدلال في الجملة، فكان لنا أن نقول مرادهما بالوجوب الفرضية، إذ الفرق بين الفرض والوجوب حادث بعدهما، ونحن نقول بعلوم الفرضية لفقدان الأدلة القطعية، ويكفي للوجوب بعض الأدلة الظنية، ثم قال الطيبي :وهو قول ابن عباس، وهذا مبهم أيضا، فإنه يحتمل أنه قال :سنة، فيحمل على أنها ثابتة بالسنة، فلا تنافي الوجوب، ويحتمل أنه مذهبه، وهذا لا يضرنا لأنا ما ادعينا الإجماع على وجوبها(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٣ص ١٠٨٠، ١٠٨١ ،باب في الأضحية)

واختلفوا فيها فقال سعيد بن المسيب وعطاء بن أبي رباح وعلقمة والأسود والشافعي وأبو ثور : لاتجب فرضا لكنها مندوب إليها من فعلها كان مثابا ومن تخلف عنها لا يكون آثما وروى ذلك عن أبي بكر وعمر وأبي مسعود البدري وبلال .وقال الليث وربيعة :لا نرى أن يتركها الموسر المالك لأمر الضحية، وقال مالك :لا يتركها فإن تركها بئس ما صنع إلا أن يكون له عذر، وحكى عن النخعي أنه قال :الأضحى واجب على أهل الأمصار ما خلا الحجاج وقال ابن المنذر : قال محمد بن الحسن :الأضحى واجب على كل مقيم في الأمصار إذا كان موسرا .وقال أبو حنيفة وأبو يوسف تجب على الحر المقيم المسلم الموسر، وتخصيص ابن المنذر يقول محمد وحده لا وجه له، وتحرير مذهبنا ما قاله صاحب (الهداية) بالأضحية واجبة على كل مسلم حر مقيم موسر في يوم الأضحى عن نفسه وعن ولده الصغار، أما الوجوب فقول أبي حنيفة ومحمد وزفر والحسن وإحدى الروايتين عن أبي يوسف وعن أبي أبي يوسف، إنها سنة وذكر الطحاوي إنها على قول أبي حنيفة واجبة، وعلى قول أبي يوسف ومحمد سنة مؤكدة(عمدة القاري، ج٢١ ص١٤٤، كتاب الأضاحي،باب سنة الأضحية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تلاوت کے وجوب سے کم ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واختلف السلف وفقهاء الأمصار في وجوب الأضحية، فروى الشعبي عن أبي سريحة قال " :رأيت أبا بكر وعمر وما يضحيان ."وقال عكرمة" :كان ابن عباس يعثني يوم الأضحى بدرهمين أشترى له لحما ويقول :من لقيت فقل هذه أضحية ابن عباس"

وقال ابن عمر " :ليست بحتم ولكن سنة ومعروف ."وقال أبو مسعود الأنصاري " :إني لأدع الأضحى وأنا موسر مخافة أن يرى جيراني أنه حتم علي ."وقال إبراهيم النخعي" :الأضحية واجبة إلا على مسافر "وروى عنه أنه قال " :كانوا إذا شهدوا ضحوا وإذا سافروا لم يضحوا ."وروى يحيى بن يمان عن سعيد بن عبد العزيز عن مكحول قال " :الأضحية واجبة ."وقال أبو حنيفة ومحمد وزفر " :الأضحية واجبة على أهل اليسار من أهل الأمصار والقرى المقيمين دون المسافرين، ولا أضحية على المسافر وإن كان موسرا، وحد اليسار في ذلك ما تجب فيه صدقة الفطر "وروى عن أبي يوسف مثل ذلك، وروى عنه أنه ليست بواجبة وهي سنة .وقال مالك بن أنس" :على الناس كلهم أضحية المسافر والمقيم، ومن تركها من غير عذر فبئس ما صنع ."وقال الثوري والشافعي " :ليست بواجبة ."وقال الثوري" :لا بأس بتركها ."وقال عبد الله بن الحسن : "يؤثر بها أباه أحب إلي من أن يضحي."(أحكام القرآن للجصاص ،ج۳ص ۳۲۲، ۳۲۳،سورة الحج،مطلب في الأضحية)

(الأضحية واجبة على كل حر مسلم مقيم موسر في يوم الأضحى عن نفسه وعن ولده الصغار) أما الوجوب فقول أبي حنيفة ومحمد وزفر والحسن وإحدى الروايتين عن أبي يوسف رحمهم الله .

وعنه أنها سنة ، ذكره في الجوامع وهو قول الشافعي .

وذكر الطحاوي أن على قول أبي حنيفة واجبة ، وعلى قول أبي يوسف ومحمد سنة مؤكدة ، وهكذا ذكر بعض المشايخ الاختلاف(الهداية شرح البداية ،ج۴ص ۳۵۵،كتاب الأضحية)

وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي وُجُوبِ الْأُضْحِيَّةِ عَلَى الْمُوسِرِ فَقَالَ جُمْهُورُهُمْ هِيَ سُنَّةٌ فِي حَقِّهِ إِنْ تَرَكَهَا بِلَا عُذْرٍ لَمْ يَأْثَمْ وَلَمْ يَلْزَمْهُ الْقَضَاءُ وَمِمَّنْ قَالَ بِهَذَا أَبُو بكر الصديق وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَبِلَالٌ وَأَبُو مَسْعُودٍ الْبَدْرِيُّ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ وَعَلْقَمَةُ وَالْأَسْوَدُ وَعَطَاءٌ وَمَالِكٌ وَأَحْمَدُ وَأَبُو يُوسُفَ وَإِسْحَاقُ وَأَبُو ثَوْرٍ وَالْمُزَنِيُّ وبن الْمُنْذِرِ وَدَاوُدُ وَغَيْرُهُمْ وَقَالَ رَبِيعَةُ وَالْأَوْزَاعِيُّ وَأَبُو حَنِيفَةَ وَاللَّيْثُ هِيَ وَاجِبَةٌ عَلَى الْمُوسِرِ وَبِهِ قَالَ بَعْضُ الْمَالِكِيَّةِ وَقَالَ النَّخَعِيُّ وَاجِبَةٌ عَلَى الْمُوسِرِ إِلَّا الْحَاجَّ بِمِنًى وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ وَاجِبَةٌ عَلَى الْمُقِيمِ بِالْأَمْصَارِ وَالْمَشْهُورُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ إِنَّمَا يُوجِبُهَا عَلَى مُقِيمٍ يملك نصابا والله أعلم(شرح النووي ،ج۱۳ ص ۱۱۰ ،كِتَابُ الْأَضَاحِي ،بَابُ وَقْتِهَا)

[1] (قوله عملا لا اعتقادا) اعلم أن الفرض ما ثبت بدليل قطعي لا شبهة فيه كالإيمان والأركان الأربعة، وحكمه اللزوم علما :أي حصول العلم القطعي بثبوته وتصديقا بالقلب :أي لزوم اعتقاد حقيته وعملا بالبدن حتى يكفر جاحده ويفسق تاركه بلا عذر .والواجب ما ثبت بدليل فيه شبهة كصدقة الفطر والأضحية، وحكمه اللزوم عملا كالفرض لا علما على اليقين للشبهة، حتى لا يكفر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قربانی پر ایک اقتصادی شبہ اور اُس کا جواب

قربانی کے دنوں میں قربانی کا حکم پورا کرنے کے لئے مخصوص جانور کا ذبح کرنا ہی ضروری ہے، اور مخصوص جانور کو ذبح کئے بغیر رقم یا زندہ جانور یا کسی اور چیز کا صدقہ کرنا کافی نہیں، خواہ وہ صدقہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جاحده ويفسق تاركه بلا تأويل كما هو مبسوط في كتب الأصول .ثم إن الواجب على مراتب كما قال القدوري بعضها آكد من بعض .فوجوب سجدة التلاوة آكد من وجوب صدقة الفطر، ووجوبها آكد من وجوب الأضحية اهـ وذلك باعتبار تفاوت الأدلة في القوة .وقد ذكر في التلويح أن استعمال الفرض فيما ثبت بظني، والواجب فيما ثبت بقطعي شائع مستفيض كقولهم الوتر فرض ونحو ذلك ويسمى فرضا عمليا، وكقولهم الزكاة واجبة ونحوه، فلفظ الواجب يقع على ما هو فرض علما وعملا كصلاة الفجر، وعلى ظني هو في قوة الفرض في العمل كالوتر حتى يمنع تذكره صحة الفجر كتذكر العشاء، وعلى ظني هو دون الفرض في العمل وفوق السنة كتعيين الفاتحة حتى لا تفسد الصلاة بتركها بل تجب سجدة السهو اهـ وتمام تحقيق ذلك بما لم يوجد مجموعة في كتاب مذكور في حاشيتنا على المنار بتوفيق الملك الوهاب(رد المحتار على الدر المختار، ج٦ ص٣١٣، كتاب الأضحية)

وصدقة الفطر بالسنة ، ثم الأضحية لأن صدقة الفطر مجمع على وجوبها والأضحية مختلف فيها(الاختيار لتعليل المختار، ج٥ ص٧٣، كتاب الوصايا)

قال القدوري الواجب على مراتب بعضها آكد من بعض، ووجوب سجدة التلاوة آكد من وجوب صدقة الفطر وصدقة الفطر وجوبها آكد من وجوب الأضحية(تكملة البحر الرائق للطوري، ج٨ ص٢، كتاب الاضحية)

وصدقة الفطر مقدمة على الأضحية، وإن كانت الأضحية أيضا واجبة عندنا لكن صدقة الفطر متفق على وجوبها، والأضحية وجوبها محل الاجتهاد فالمتفق على الوجوب أقوى(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج٧ ص٣٧٢، كتاب الوصايا)

قربانی کا وجوب عندالاحناف باقی تمام واجبات کے مقابلہ میں اخف ہے۔کمافی الهدایہ وغیرھا اور باقی ائمہ کے یہاں تو وجوب کی تعبیر ہی نہیں ہے لہٰذا اداء اضحیہ میں اسہل کو اختیار کر کے اداء اضحیہ کا حکم لگانا زیادہ اقرب الی الفقہ ہے۔ جملہ مسائل اضحیہ میں اس کی رعایت رکھنا مناسب ہے۔۱۲(مولانا مفتی) محمود (اشرف عثمانی صاحب) غفرلہٗ (دارالعلوم کراچی نمبر۱۴)

[1] (ومنها) أن لا يقوم غيرها مقامها حتى لو تصدق بعين الشاة أو قيمتها في الوقت لا يجزيه عن الأضحية؛ لأن الوجوب تعلق بالإراقة والأصل أن الوجوب إذا تعلق بفعل معين أنه لا يقوم غيره

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض لوگ روحانیت سے غافل ہوکر یہ سمجھتے اور کہتے ہیں کہ قوم کا اتنا روپیہ جو تین دن میں جانوروں کے ذبح پر ہر سال خرچ ہوجاتا ہے اور اس کا کوئی خاطر خواہ مفاد نظر نہیں آتا اگر یہی پیسہ رفاہی اور قومی مفادات پر لگایا جائے تو بہت فائدہ ہو؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ قربانی کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم اور اہم عبادت ہے، جیسے حج کرنا، زکاۃ دینا، اور دوسری مالی عبادات۔

تو کیا ان عبادات کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ یہ فضول خرچی اور مال کو بے جا خرچ کرنا ہے؟ اس طرح تو دین کا بہت بڑا حصہ اور بہت سے دینی احکام ہی کا اسلام سے تعلق ختم ہوجاتا ہے؟

پس جب شریعت میں قربانی کا حکم ہے تو اسے عقلی اعتراضوں اور ذہنی ڈھکوسلوں کا شکار بنانا کسی طرح درست نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ دنیا میں ہونے والی دوسری اور اصل فضول خرچیاں (جن کا شریعت نے حکم بھی نہیں دیا) ان لوگوں کو نظر نہیں آتیں جبکہ اصل میں تو ان کے ختم کرنے اور مٹانے کی ضرورت ہے۔

ملک کی کتنی بڑی تعداد ایسی ہے جو سگریٹ نوشی، منشیات، کرکٹ، ہاکی اور دوسرے کھیل جوئے بازی، گھوڑ دوڑ، ناچ گانا، فحش پروگرام، انٹرنیٹ، ٹی وی،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مقامه كما فى الصلاة والصوم وغيرهما، بخلاف الزكاة فإن الواجب أداء جزء من النصاب، ولو أدى من مال آخر جاز؛ لأن الواجب هناك ليس جزءا من النصاب عند أصحابنا، بل الواجب مطلق المال وقد أدى، وعند بعضهم وإن كان الواجب أداء جزء من النصاب لكن من حيث إنه مال لا من حيث إنه جزء من النصاب؛ لأن مبنى وجوب الزكاة على التيسير، والتيسير فى الوجوب من حيث إنه مال لا من حيث إنه العين والصورة، وههنا الواجب فى الوقت إراقة الدم، شرعا غير معقول المعنى فيقتصر الوجوب على مورد الشرع، وبخلاف صدقة الفطر أنها تتأدى بالقيمة عندنا؛ لأن الواجب هناك معلول بمعنى الإغناء ؛ قال النبى -عليه الصلاة والسلام -أغنوهم عن المسألة فى مثل هذا اليوم والإغناء يحصل بأداء القيمة والله عز شأنه أعلم .(بدائع الصنائع ج۵ ص ۶۶،۶۷، كتاب التضحية، فصل فى أنواع كيفية الوجوب)

کیبل، وی۔ سی۔ آر، سینما، فضول تصویر سازی اور مووی بازی اور دوسرے فحش میڈیائی پروگرام، فحش اخبارورسائل اور دیگر ناول اور ڈائجسٹ، بسنت، عید کارڈ، شادی کارڈ، گانوں اور دیگر غلط پروگراموں کی آڈیو وڈیو کیسٹیں اور سی ڈیز، وڈیو گیمز، آتش بازی، شادی بیاہ، مرگ وموت اور غمی خوشی کی رسومات، مختلف فیشن، غیر شرعی بیوٹی پارلر وغیرہ کی زد میں ہے۔

جن کو چھوڑے اور توبہ کیے بغیر دنیا وآخرت کی فلاح اور کامیابی ملنا مشکل ہے اور یہی پیسہ اگر قومی اور رفاہی مفادات پر خرچ کیا جائے تو بہت جلد ترقی حاصل کی جاسکتی ہے۔

اب اللہ کے حکم کے مطابق مال خرچ کرنے کے بارے میں سنیئے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ، وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ، وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (سورہ سباء آیت ۳۹)

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ بے شک میرا رب رزق کو کشادہ کردیتا ہے، اپنے بندوں میں سے، جس کے لئے چاہتا ہے، اور جس کے لئے چاہے تنگ کردیتا ہے، اور جو کوئی چیز بھی تم (اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق) خرچ کروگے، تو رب تعالیٰ ہی اُس کا (دنیا وآخرت میں) بدل عطا فرمائیں گے، اور وہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جو چھوٹی بڑی چیز خرچ کی جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کا دنیا میں بھی بدل عطا فرماتے ہیں، اور آخرت میں بھی بدل عطا فرماتے ہیں۔ [1]

جیسا کہ ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] وقوله: (وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ) أی: مهما أنفقتم من شیء فیما أمركم به وأباحه لكم، فهو یخلفه علیكم فی الدنیا بالبدل، وفی الآخرة بالجزاء والثواب (تفسیر ابن كثیر، تفسیر سُورة سَبأ، ج۶ ص ۵۲۴)

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ، إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ، فَيَقُوْلُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُوْلُ الْآخَرُ اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن بھی ایسا نہیں ہوتا کہ جس میں بندے صبح کرتے ہوں، مگر دو فرشتے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) نازل ہوتے ہیں، پھر ان میں سے ایک یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما، اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ! روکنے (اور بخل کرنے) والے کا (مال) تلف (وضائع) فرما (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ: أَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ أُنْفِقْ عَلَيْكَ (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابنِ آدم! تو (میرے حکم کے مطابق) خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا (ترجمہ ختم)

مذکورہ آیت اور احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اشیائے صرف انسان اور حیوانات کے لئے پیدا فرمائی ہیں جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خرچ ہوتی رہتی ہیں ان کا بدل مِنْجانبِ اللہ پیدا ہوتا رہتا ہے۔

کائناتِ عالم کی تمام چیزوں میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ جس چیز کا خرچ زیادہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی پیداوار بھی بڑھا دیتے ہیں۔

اور جب ضرورت کم ہو جاتی ہے تو پیداوار بھی گھٹ جاتی ہے۔

---

[1] رقم الحديث ۱۴۴۲، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالى فأما من أعطى واتقى الخ، دارطوق النجاة، بيروت، واللفظ لهٗ، مسلم، رقم الحديث ۱۰۱۰.

[2] رقم الحديث ۵۳۵۲، كتاب النفقات، باب فضل النفقة على الأهل، دارطوق النجاة، بيروت.

آسمان سے پانی نازل ہوتا ہے انسان اور جانور اس کو بے دھڑک استعمال وخرچ کرتے ہیں۔

کھیتوں اور درختوں کو سیراب کرتے ہیں وہ پانی ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا اس کی جگہ اور نازل ہوجاتا ہے۔

اسی طرح زمین سے کنواں کھود کر جو پانی نکالا جاتا ہے اس کو جتنا نکال کر خرچ کرتے ہیں اس کی جگہ دوسرا پانی قدرت کی طرف سے جمع ہوجاتا ہے اگر کوئی شخص کنویں کے پانی پر رحم کھا کر اس لئے پانی نکالنا چھوڑ دے کہ کہیں ختم نہ ہوجائے تو اس کے پانی آنے والے سوتے بند اور خشک ہوجائیں گے اور کنواں پانی نہ دے گا۔

انسان غذا کھا کر بظاہر ختم کرلیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسری غذا مہیا کردیتے ہیں، بدن کی نقل وحرکت اور محنت سے جو اجزاء تحلیل ہوجاتے ہیں ان کی جگہ دوسرے اجزاء ان کا متبادل بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عام عادت یہ ہے کہ بچہ بعد میں پیدا ہوتا ہے اور ماں کی چھاتی میں دودھ پہلے پیدا فرمادیتے ہیں۔

اور کیا یہ مثال سارے جہاں کے سامنے نہیں کہ اب سے پہلے کسی زمانے میں سارے سفر عموماً گھوڑوں پر طے کیے جاتے تھے اور ساری دنیا کی جنگیں صرف گھوڑوں کے ذریعے کی جاتی تھیں، فوج کے لئے لاتعداد گھوڑے پالے جاتے تھے، اور اب موجودہ دور میں جب گھوڑوں کی جگہ موٹروں اور ہوائی جہازوں نے لے لی تو کیا دنیا میں گھوڑے زیادہ اور سستے ہوگئے؟

جانوروں میں بکرے اور گائے کا سب سے زیادہ خرچ ہے کہ ان کو ذبح کرکے گوشت کھایا جاتا ہے، اور شرعی قربانیوں اور کفارات وجنایات میں عموماً حج وعمرہ کے موقع پر بکثرت ان کو ذبح کیا جاتا ہے، وہ جتنے زیادہ کام آتے ہیں اللہ تعالیٰ اتنی ہی زیادہ اِن کی پیداوار بڑھادیتے ہیں جس کا ہر جگہ مشاہدہ ہوتا ہے، کہ حلال جانوروں (گائے، بکری، وغیرہ) کی تعداد ہر وقت

چھری کے نیچے رہنے کے باوجود دنیا میں زیادہ ہے، کتے بلی کی تعداد اتنی نہیں۔

حالانکہ کتے بلی کی نسل بظاہر زیادہ ہونی چاہئے کہ ان کے ایک ہی وقت میں چار پانچ بچے تک پیدا ہوتے ہیں، گائے کے ایک وقت میں عام طور سے ایک بچہ ہوتا ہے، گائے ہر وقت ذبح ہوتی رہتی ہے، کتے، بلی کو عام طور پر ذبح نہیں کیا جاتا۔

مگر اس کے باوجود یہ مشاہدہ نا قابلِ انکار ہے کہ دنیا میں گائے وغیرہ کی تعداد بہ نسبت کتے، بلی کے زیادہ ہے، جن ملکوں میں گائے وغیرہ کے ذبح پر پابندی ہے وہاں گائے کی پیداوار اسی نسبت سے کم ہے اور ان کی قیمت بھی زیادہ ہے۔

غرض انسان دنیا میں جو چیز (اللہ کے حکم کے مطابق) خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی عام عادت یہ ہے کہ اس کے قائم مقام اسی جیسی دوسری چیز پیدا اور عطا فرمادیتے ہیں۔

کبھی کسی کو سزا دینے کے لئے یا نعمت کی بے قدری وناشکری کی وجہ سے یا کسی دوسری تکوینی مصلحت سے اس کے خلاف ہوجانا اللہ تعالیٰ کے اس ضابطہ کے خلاف نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ آج اگر وہ تمام لوگ جن پر قربانی واجب ہے قربانی انجام دینا شروع کردیں تو پھر اللہ تعالیٰ اسی نسبت سے ان کی پیداوار بڑھا کر قیمت سَستی فرمادیں، لہٰذا قربانی پر اقتصادی شبہ کرنا درست نہیں، اور روحانیت کے علاوہ مشاہدہ کے بھی خلاف ہے (معارف القرآن ج ۷ بتغیر واضافہ)

d

قربانی کے متعلق احکام

کیا قربانی حاجی یا حرم کے ساتھ خاص ہے؟

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ قربانی کا حکم حرم، منیٰ یا حاجی کے ساتھ خاص ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ یا دوسرے شخص کو قربانی کا حکم نہیں۔ جبکہ یہ سراسر کم علمی کی بات ہے کیونکہ جو قربانی حرم کے ساتھ خاص ہے، وہ عیدالاضحیٰ والی قربانی سے الگ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جو قربانی حج کے نتیجہ میں ادا کی جایا کرتی ہے، اور وہ حرم کے ساتھ خاص ہوتی ہے، اور قربانی کے دِنوں میں حرم میں کی جایا کرتی ہے، اس کو قرآن وسنت کی زبان میں ''ہدی'' کہا جاتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ(سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۶)

ترجمہ: تو جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ کو ملا کر حج کے ساتھ تو اس پر ہے جو کچھ میسر ہو قربانی سے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی حج اور عمرہ کو ملائے، خواہ ایک احرام میں (جس کو حجِ قِران کہا جاتا ہے) یا ایک سفر میں (جس کو حجِ تمتع کہا جاتا ہے) اس کو قربانی کا حکم ہے، جو کہ ''ہدی'' کہلاتی ہے۔ [1]

---

[1] عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: تَمَتَّعْتُ فَأَتَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، فَقُلْتُ لَهُ: إِنِّي تَمَتَّعْتُ، فَقَالَ: (مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ)، فَقُلْتُ: شَاةٌ؟ فَقَالَ: شَاةٌ(مُصنف ابن أبی شیبة،فِيمَا اِسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ،رقم الحدیث ۱۲۹۲۳)

عَنِ الْقَاسِمِ؛ أَنَّ عَائِشَةَ، وَابْنَ عُمَرَ كَانَا يَقُولاَنِ: الْهَدْيُ مِنَ الإِبِلِ وَالْبَقَرِ(مُصنف ابن أبی شیبة،فِيمَا اِسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ،رقم الحدیث ۱۲۹۳۰)

اور اس کو حرم کی حدود میں ذبح کرنے کا حکم ہے۔ ۱؎

اور ایک قربانی وہ ہوتی ہے، جو حج وعمرہ میں کسی غلطی کے سرزَد ہوجانے کی وجہ سے لازم ہوا کرتی ہے، یہ بھی حرم کی حدود میں کی جایا کرتی ہے۔

۱؎ ''دمِ احصار'' کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کو بھی حرم کی حدود میں ذبح کرنا ضروری ہے۔

التمتع بالعمرة الى الحج يشتمل لغة من اتى بهما جميعا في عام واحد فى أشهر الحج سواء اتى بهما بإحرام واحد او بإحرامين كما أريد بقوله تعالى فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ -واطلاق التمتع على ما يقابل القران اصطلاح جديد للفقهاء -وما ذكرنا من الحديثين وغيرهما صريحة فى انه صلى الله عليه وسلم اهل بهما جميعا(التفسير المظهرى، ج٦ص٣٠٧، تحت آيت ٢٩ من سورة الحج)

وأما القارن فحكمه حكم المتمتع فى وجوب الهدى عليه إن وجد، والصوم إن لم يجد، وإباحة الأكل من لحمه للغنى والفقير؛ لأنه فى معنى المتمتع فيما لأجله وجب الدم، وهو الجمع بين الحجة، والعمرة فى سفر واحد(بدائع الصنائع ،ج٢ص١٧٤،كتاب الحج،فصل بيان ما يجب على المتمتع والقارن بسبب التمتع والقران)

وأما مكان هذا الدم فالحرم، لا يجوز فى غيره لقوله تعالى :(والهدى معكوفا أن يبلغ محله)ومحله الحرم، والمراد منه هدى المتعة لقوله تعالى :(فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى) والهدى اسم لما يهدى إلى بيت الله الحرام أى يبعث، وينقل إليه.

وأما زمانه فأيام النحر حتى لو ذبح قبلها لم يجز؛ لأنه دم نسك عندنا فيتوقت بأيام النحر كالأضحية(بدائع الصنائع ،ج٢ص١٧٤،كتاب الحج،فصل بيان ما يجب على المتمتع والقارن بسبب التمتع والقران)

وأما مكان ذبح الهدى فالحرم عندنا .وقال :الشافعى :له أن يذبح فى الموضع الذى أحصر فيه، احتج بما روى أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -نحر الهدى عام الحديبية، ولم يبلغنا أنه نحر فى الحرم؛ ولأن التحلل بالهدى ثبت رخصة وتيسيرا.

وذلك فى الذبح فى أى موضع كان ولنا قوله تعالى (ولا تحلقوا رء وسكم حتى يبلغ الهدى محله) ولو كان كل موضع محلا له لم يكن لذكر المحل فائدة، ولأنه عز وجل قال :(ثم محلها إلى البيت العتيق)أى :إلى البقعة التى فيها البيت .بخلاف قوله تعالى (وليطوفوا بالبيت العتيق)أن المراد منه نفس البيت؛ لأن هناك ذكر بالبيت وههنا ذكر إلى البيت(بدائع الصنائع ،ج٢ص١٧٩،كتاب الحج،فصل حكم الإحصار)

(لأنه) ش :أى لأن القران م :(فى معنى المتعة) ش :لأن كلاً منهما يقال فى سفرة واحدة والمتعة اسم بمعنى المتمتع م :(والهدى منصوص عليه فيها) ش :أى فى المتعة بقوله تعالى :(فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ)أى فعليه ما استيسر من الهدى فإذا كان الهدى واجباً على المتمتع بالنص، فكذلك يجب على القارن، لأنه فى معنى التمتع فى الجمع بين النسكين(البناية شرح الهداية، ج٤ص٢٩٣،كتاب الحج ،باب القران)

جہاں تک عیدُ الاضحیٰ والی قربانی کا تعلق ہے، تو عیدالاضحیٰ والی قربانی کے لئے نہ تو حرم کی حدود ضروری ہیں، اور نہ ہی کسی کا حج وعمرہ کرنا شرط ہے، بلکہ اس کا ہر صاحبِ استطاعت مسلمان کو اپنی شرائط کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہے، خواہ وہ دنیا کے کسی بھی خطہ میں ہو۔ [1]

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے مدینہ منورہ میں کئی سال تک قربانی فرمائی، اور ظاہر ہے کہ مدینہ منورہ حرم کی حدود سے باہر ہے۔

پس حج والی قربانی جو حرم کے ساتھ خاص ہے، اس کو اور عیدالاضحیٰ کی قربانی کو ایک قرار دینا یا قربانی کو حاجی یا حرم کے ساتھ خاص سمجھنا غلط فہمی یا کم علمی یا پھر شرارت پر مبنی ہے۔

قربانی کے ایام اور اوقات سے متعلق احکام

شریعت کی طرف سے جانور کی قربانی کے عمل کو انجام دینے کے لئے مخصوص ایام واوقات مقرر ہیں، کہ انہی ایام واوقات میں مخصوص جانور ذبح کرنے سے قربانی کا عمل بنتا ہے۔

اسی وجہ سے شریعت کی طرف سے مقرر کردہ وقت کے داخل ہونے سے پہلے قربانی جائز نہیں، اور وقت گزرنے کے بعد بھی قربانی جائز نہیں۔

بلکہ وقت گزرنے کے بعد قربانی کا عمل صدقہ کی طرف تبدیل ہو جاتا ہے، اور قربانی کے

---

[1] قال الزيلعي واعلم أن الدماء على أربعة أوجه ما يختص بالزمان والمكان وهو دم القران ودم التطوع في رواية القدوري ودم الإحصار عندهما وما يختص بالمكان دون الزمان وهو دم الجنايات ودم الإحصار عنده والتطوع في رواية الأصل وما كان عكسه وهو دم الأضحية وما لا يختص بهما وهو دم النذور وعند الطرفين وعند أبي يوسف يتعين بالمكان(مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج ۱ ص ۳۱۰، كتاب الحج، باب الهدى)

اعلم إن الدماء على أربعة أوجه منه ما يختص بالزمان والمكان وهو دم المتعة والقران ودم التطوع في رواية القدوري ودم الإحصار عندهما ، ومنه ما يختص بالمكان دون الزمان ، وهو دم الجنايات ، ودم الإحصار عنده ، والتطوع في رواية الأصل ومنه ما يختص بالزمان دون المكان ، وهو الأضحية، ومنه ما لا يختص بالزمان ، ولا بالمكان ، وهو دم النذور عندهما وعند أبي يوسف دم النذور يتعين بالمكان(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج۲ ص ۹۰ ، كتاب الحج، باب الهدى)

بجائے صدقہ بن جاتا ہے۔ لے

لے اوراس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قربانی کا وقت یعنی ایامِ نحر قربانی کے نفسِ وجوب کا سبب ہے، اور شرطِ ادا بھی ہے۔
اور جہاں تک شہر میں عید کی نماز ہونے کا تعلق ہے، تو یہ ایک اضافی شرطِ اداء ہے، جس طرح سے کہ قربانی کے جانور کا مانعِ اضحیہ عیب سے پاک وسالم ہونا شرطِ ادا ہے۔
پس جس طرح وقت داخل ہونے سے پہلے نماز پڑھنا درست نہیں، اور وقت گزرنے کے بعد نماز قضا ہو جاتی ہے، اسی طرح قربانی کے وقت کا بھی معاملہ ہے۔

وفي الشرع هي ذبح حيوان مخصوص بنية القربة في وقت مخصوص وهو يوم الأضحى وشرائطها الإسلام واليسار الذي يتعلق به صدقة الفطر فتجب على الأنثى وسببها الوقت وهو أيام النحر وركنها ذبح ما يجوز ذبحها وحكمها الخروج عن عهدة الواجب في الدنيا والوصول إلى الثواب في العقبى(مجمع الانهر، ج٢ص ٥١٦، كتاب الاضحية)

فصل وأما وقت الوجوب فأيام النحر فلا تجب قبل دخول الوقت؛ لأن الواجبات المؤقتة لا تجب قبل أوقاتها كالصلاة والصوم ونحوهما، وأيام النحر ثلاثة :يوم الأضحى -وهو اليوم العاشر من ذي الحجة -والحادي عشر، والثاني عشر وذلك بعد طلوع الفجر من اليوم الأول إلى غروب الشمس من الثاني عشر، وقال الشافعي -رحمه الله تعالى :-أيام النحر أربعة أيام؛ العاشر من ذي الحجة والحادي عشر، والثاني عشر، والثالث عشر. والصحيح قولنا لما روي عن سيدنا عمر وسيدنا علي وابن عباس وابن سيدنا عمر وأنس بن مالك -رضي الله تعالى عنهم -أنهم قالوا :أيام النحر ثلاثة أولها أفضلها.

والظاهر أنهم سمعوا ذلك من رسول الله -صلى الله عليه وسلم -لأن أوقات العبادات والقربات لا تعرف إلا بالسمع فإذا طلع الفجر من اليوم الأول فقد دخل وقت الوجوب فتجب عند استجماع شرائط الوجوب، ثم لجواز الأداء بعد ذلك شرائط أخر نذكرها في موضعها إن شاء الله تعالى فإن وجدت يجوز وإلا فلا، كما تجب الصلاة بدخول وقتها ثم إن وجدت شرائط جواز أدائها جازت وإلا فلا والله تعالى أعلم(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج ٥،ص ٦٥، كتاب التضحية،فصل في وقت وجوب الأضحية)

وأما الذي يرجع إلى وقت التضحية فهو أنها لا تجوز قبل دخول الوقت؛ لأن الوقت كما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب كوقت الصلاة، فلا يجوز لأحد أن يضحي قبل طلوع الفجر الثاني من اليوم الأول من أيام النحر ويجوز بعد طلوعه سواء كان من أهل المصر أو من أهل القرى، غير أن للجواز في حق أهل المصر شرطا زائدا وهو أن يكون بعد صلاة العيد، لا يجوز تقديمها عليه عندنا(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج ٥،ص ٧٣، كتاب التضحية،فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية)

قلنا الأضحية غير معقولة فلا تكون عبادة إلا في وقت مخصوص بخلاف التصدق وأما جواز الأداء بعد يوم الفطر فلأنها قربة مالية معقولة المعنى فلا تسقط بعد الوجوب إلا بالأداء كالزكاة وقال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سمیت جمہور فقہائے کرام (امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ وغیرہ) کے نزدیک قربانی کے تین دن ہیں، یعنی دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحسن بن زياد تسقط بمضي يوم الفطر لأنها قربة اختصت بيوم العيد فتسقط بمضيه كالأضحية تسقط بمضي أيام النحر قلنا هي قربة معقولة على ما بينا فلا تسقط بمضي الوقت كالزكاة بخلاف الأضحية لأن إراقة الدم غير معقول المعنى فلا تكون قربة إلا في وقتها(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج۱،ص۳۱۱،باب صدقة الفطر)

قال :(فإن مضت ولم يذبح، فإن كان فقيرا وقد اشتراها تصدق بها حية) ; لأنها غير واجبة على الفقير، فإذا اشتراها بنية الأضحية تعينت للوجوب، والإراقة إنما عرفت قربة في وقت معلوم وقد فات فيتصدق بعينها.

(وإن كان غنيا تصدق بثمنها اشتراها أو لا) لأنها واجبة عليه، فإذا فات وقت القربة في الأضحية تصدق بالثمن إخراجا له عن العهدة كما قلنا في الجمعة إذا فاتت تقضى الظهر والفدية عند العجز عن الصوم إخراجا له عن العهدة(الاختيار لتعليل المختار، ج۵ص۱۹، كتاب الاضحية)

وأما شروط صحتها فمنها السلامة من العيوب فلا تصح إذا كان فيها عيب من العيوب المفصلة في المذاهب........ومنها الوقت المخصوص فلا تصح إذا فعلت قبله أو بعده(الفقه على المذاهب الأربعة ،لعبد الرحمن الجزيري،كتاب الحج ،مباحث الأضحية)

[۱] اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی کے چار دن ہیں، تین دن تو یہی جو ذکر کئے گئے، اور چوتھا دن تیرہ ذی الحجہ کا ہے، مگر یہ قول جمہور کے خلاف ہونے کے علاوہ دلائل کے لحاظ سے بھی کمزور ہے۔

(وعن نافع :أن ابن عمر قال :الأضحى) قال الطيبي :هذا جمع أضحاة وهي الأضحية، كأرطى وأرطاة أي :وقت الأضاحي .(يومان بعد يوم الأضحى) وهو اليوم الأول من أيام النحر، وبه أخذ أبو حنيفة، ومالك، وأحمد، وقالوا :ينتهي وقت الذبح بغروب ثاني أيام التشريق .وقال الشافعي: يمتد إلى غروب الشمس آخر أيام التشريق، والحديث بظاهره حجة عليه .قال ابن حجر :للخبر الصحيح :عرفة كلها موقف، وأيام منى كلها منحر، وفي المسألة عدة أحاديث أخر .منها خبر :في كل أيام التشريق ذبح .صححه ابن حبان، واعترضه النووي في موضع بأنه موقوف، وفي آخر بأنه مرسل، نعم إيصاله جاء من طرق ضعيفة .ومنها :خبر أيام التشريق كلها ذبح .إسناده ضعيف، وخبر :أيام منى أيام نحر .صححه أبو إسحاق المروزي، ونظر فيه البيهقي.

أقول :وعلى تقدير ثبوته يمكن حمل أيام التشريق وأيام منى على التغليب جمعا بين الأدلة .قال ابن حجر :والحاصل أن له طرقا يقوى بعضها بعضا ;فهو حسن يحتج به، وبذلك قال ابن عباس، وجبير بن مطعم، ونقل عن علي أيضا، وبه قال كثير من التابعين، فمن زعم تفرد الشافعي به فقد أخطأ، وقال جمع :ينتهي الذبح بانتهاء يوم النحر، وفي مرسل يحتج له على ما قاله البيهقي أنه يمتد إلى آخر الحجة(مرقاة المفاتيح، ج۳ص۱۰۸۸، باب في الاضحية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور دلائل کے لحاظ سے جمہور فقہائے کرام کا قول راجح ہونے کے ساتھ ساتھ احتیاط پر بھی مبنی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثم أيام النحر ثلاثة يوم الأضحى وهو العاشر من ذى الحجة والحادى عشر والثانى عشر يجوز التضحية فى نهار هذه الأيام ولياليها بعد طلوع الفجر من اليوم الأولى إلى غروب الشمس من اليوم الثانى عشر غير أنه يكره الذبح بالليل وهذا عندنا،وعند الشافعى أربعة أيام وزاد اليوم الثالث عشر .
والصحيح قولنا لما روى عن عمر وعلى وابن عباس وابن عمر وأنس رضى الله عنهم وغيرهم أنهم قالوا أيام النحر ثلاثة أفضلها أولها فإذا مضت هذه الأيام فقد فات الذبح فى حق من لم يذبح حتى لا يجوز له أن يذبح(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج۳ص ۸۳،۸۴، كتاب الاضحية)

قال :(وتختص بأيام النحر، وهى ثلاثة :عاشر ذى الحجة وحادى عشره وثانى عشره، أفضلها أولها) لما روى عن عمر وعلى وابن عباس وابن عمر وأنس وأبى هريرة -رضى الله عنهم -أنهم قالوا :أيام النحر ثلاثة أفضلها أولها، وهذا لا يهتدى إليه العقل فكان طريقه السمع فكأنهم قالوه عن النبى -عليه الصلاة والسلام -، وأفضلها أولها لما رويناه، لكونه مسارعة إلى الخير والقربة، وأدناها آخرها لما فيه من التأخير عن فعل الخير، ويجوز ذبحها فى أيامها ولياليها لأن الأيام إذا ذكرت بلفظ الجمع ينتظم ما بإزائها من الليالى كما فى النذر لما عرف من قصة زكريا -عليه السلام (الاختيار لتعليل المختار، ج۵ص ۱۹، كتاب الاضحية)

قلت :أرأيت أيام النحر كم هى؟ قال :ثلاثة أيام، يوم النحر، ويومان بعده، وليس اليوم الرابع من أيام الذبح وإن كان الناس بمنى فإنه ليس من أيام الذبح(المدونة، ج ۱ ص ۵۵۰، كتاب الضحايا)

ثم شرع فى بيان عدة أيام النحر بقوله :(وأيام النحر) أى الذبح للضحية (ثلاثة) اليوم الأول وتالياه يجوز أن (يذبح فيها أو ينحر إلى غروب الشمس من آخرها) على قول مالك وجماعة من الصحابة والتابعين، ورد بقوله ثلاثة على الشافعى حيث قال :أيام النحر أربعة، وقولنا للضحية احترازا من الهدايا، وما فى حكمها فإن وقت ذبحها بعد رمى جمرة العقبة يوم العيد كما تقدم فى باب الحج(الفواكه الدوانى على رسالة ابن ابى زيد القيروانى المالكى، ج ۱ ص ۳۸۱، باب فى الضحايا والذبائح والعقيقة والصيد والختان)

قُلْتُ :كَم الأضحَى ، (ثلاثةَ أيامٍ) ؟ قَالَ :ثلاثةُ أيامٍ :يومُ النحرِ ويومان بعدَه .قَالَ إسحاقُ :كمَا قَالَ(مسائل الامام الاحمد بن حنبل وابن راهويه، تحت رقم المسألة ۲۸۳۶)

فصل :ووقت نحر الأضحية والهدى ثلاثة أيام :يوم النحر، ويومان بعده، نص عليه أحمد، وقال : هو عن غير واحد من أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -.ورواه الأثرم، عن ابن عمر، وابن عباس.

وبه قال مالك، والثورى .ويروى عن على -رضى الله عنه -أنه قال :أيام النحر يوم الضحى، وثلاثة أيام بعده .وبه قال الحسن، وعطاء ، والأوزاعى، والشافعى، وابن المنذر .وقال ابن سيرين :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آج کل بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ قربانی کے تین دن شریعت سے ثابت نہیں، حالانکہ ان لوگوں کی یہ بات صحیح نہیں۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اشارتاً اور حضرت عمر، حضرت ابنِ عمر، حضرت انس، حضرت ابنِ عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے صراحتاً قربانی کے تین دن ہونے کا ثبوت ہے۔[1]

چنانچہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيّ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، فَامْسِكُوْا مَا بَدَا لَكُمْ

(سنن نسائی)[2]

ترجمہ: میں نے تمہیں قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ روکے رکھنے سے منع فرمایا تھا، پس (اب) تم جتنے دن چاہو، روک کر رکھ سکتے ہو (ترجمہ ختم)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يوم واحد .وعن سعيد بن جبير، وجابر بن زيد :فى الأمصار يوم واحد، وبمنى ثلاثة.

ولنا ، أن النبى -صلى الله عليه وسلم -نهى عن الأكل من النسك فوق ثلاث ، وغير جائز أن يكون الذبح مشروعا فى وقت يحرم فيه الأكل، ثم نسخ تحريم الأكل، وبقى وقت الذبح بحاله. ولأن اليوم الرابع لا يجب فيه الرمى، فلم يجز فيه الذبح، كالذى بعده، فأما الليالى المتخللة لأيام النحر، فظاهر كلام الخرقى أنه لا يجزء فيها ذبح الهدى والأضحية؛ لأن الله تعالى قال (ويذكروا اسم الله فى أيام معلومات على ما رزقهم من بهيمة الأنعام) . فذكر الأيام دون الليالى .وقال غيره من أصحابنا :يجوز ليلتى يومى التشريق الأولتين .وهو قول أكثر الفقهاء ؛ لأن هاتين الليلتين داخلتان فى مدة الذبح، فجاز الذبح فيهما كالأيام(المغنى لابنِ قدامة، ج۳ص ۳۸۴، ۳۸۵، باب صفة الحج،فصل وقت نحر الأضحية والهدى)

[1] فتكون أيام النحر ثلاثة؛ يوم العيد، ويومان بعده .وهذا قول عمر، وعلى، وابن عمر، وابن عباس، وأبى هريرة، وأنس .قال أحمد :أيام النحر ثلاثة، عن غير واحد من أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم .-وفى رواية، قال :خمسة من أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم .-ولم يذكر أنسا .وهو قول مالك، والثورى، وأبى حنيفة(المغنى لابنِ قدامة، ج۳ص ۴۵۳، كتاب الاضاحى،مسألة مضى من نهار يوم الأضحى مقدار صلاة العيد وخطبته فقد حل الذبح)

[2] رقم الحديث ۲۰۳۲، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور،مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب.

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ نَهٰى عَنْ أَكْلِ لُحُوْمِ الضَّحَايَا بَعْدَ ثَلَاثٍ، ثُمَّ قَالَ بَعْدُ: كُلُوْا، وَتَزَوَّدُوْا، وَادَّخِرُوْا (مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے گوشت کو تین دن کے بعد کھانے سے منع فرمایا، پھر بعد میں ارشاد فرمایا کہ تم قربانی کے گوشت کو کھاؤ، اور آئندہ کے لئے جمع کر کے، اور ذخیرہ کر کے رکھو (ترجمہ ختم)

اس قسم کی احادیث اور دوسری سندوں سے بھی مروی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت روک کر رکھنے سے منع فرمایا تھا، مگر بعد میں روک کر رکھنے کی اجازت دے دی۔

پس اگر چوتھے دن بھی قربانی جائز ہوتی، تو صرف تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت روک کر رکھنے سے منع فرمانے کے کوئی معنیٰ نہیں تھے؟ بلکہ چار دن سے زیادہ قربانی کا گوشت روک کر رکھنے سے منع کیا جاتا۔

پھر بعد میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھ کر اس سے استفادہ کرنا تو شریعت کی طرف سے جائز قرار دے دیا گیا، اور پہلا حکم یعنی تین دن تک قربانی کا حکم برقرار رکھا گیا۔

متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٩٧٢، كتاب الصيد والذبائح وما يؤكل من الحيوان، باب بيان ما كان من النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث الخ، دار إحياء التراث العربي - بيروت.

[2] فأيام النحر ثلاثة يوم العيد، ويومان بعده وهو قول عمر وابنه وروى وابن عباس وأبو هريرة وأنس أيضا عن علي قال أحمد أيام النحر ثلاثة عن غير واحد من أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وفي رواية عن خمسة من أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم -؛ لأنه - صلى الله عليه وسلم - نهى عن ادخار لحوم الأضاحي فوق ثلاث ويستحيل أن يباح ذبحها في وقت يحرم أكلها فيه ونسخ أحد الحكمين - وهو الادخار - لا يلزمه رفع الآخر وهو إجزاء الذبح فيما زاد على الثلاثة (كشاف القناع عن متن الاقناع، ج٣ص ٩، كتاب الحج، باب الهدى والأضاحى والعقيقة وما يتعلق بها)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ قربانی تین دن تک جائز ہے، اور قربانی کے تین دن ہیں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قَالَ أَحْمَدُ :أَيَّامُ النَّحْرِ ثَلَاثَةٌ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ؛ لِأَنَّهُ -عَلَيْهِ السَّلَامُ- نَهَى عَنِ ادِّخَارِ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثٍ ، وَيَسْتَحِيلُ أَنْ يُبَاحَ ذَبْحُهَا إِلَى وَقْتٍ يَحْرُمُ أَكْلُهَا فِيهِ، وَنَسْخُ أَحَدِ الْحِلَّيْنِ لَا يَلْزَمُ مِنْهُ رَفْعُ الْآخَرِ(المبدع فى شرح المقنع، ج۳ص۲۵۸، باب الهدى والأضاحى،ما يجزء فى الهدى والأضحية)

قال الإمام أحمد :أيام النحر ثلاثة، عن خمسة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، أى : عمر وابنه وابن عباس وأبى هريرة وأنس .ولا مخالف لهم، إلا رواية عن على، رضى الله عنه، ولأنه صلى الله عليه وسلم نهى عن ادخار لحوم الأضاحى فوق ثلاث متفق عليه .فلا يجوز الذبح فى وقت لا يجوز الإدخار فيه(منارالسبيل فى شرح الدليل، ج ا ص۲۷۵، كتاب الحج، باب الاضحية، فصل فى نحرالابل قائمة)

وقت الذبح عندنا ينتهى بمضى يومين من أيام التشريق ، فأيام النحر عندنا ثلاثة أيام يوم الأضحى ، ويومان بعده .لأن النبى صلى الله عليه وسلم قد ثبت عنه بلا ريب أنه نهى عن ادخار لحوم الأضاحى فوق ثلاث ، ويلزم منه تأقيت الذبح بثلاث ، ولا يجوز الذبح فى وقت لا يجوز ادخار الأضحية إليه ، لا يقال :فقد ثبت نسخ ذلك ، لأنا نقول الحديث دل على حكمين ، المنع من الادخار فوق ثلاث ، وأن وقت الذبح ذلك ، ونسخ المنع من الادخار فوق ثلاث لا يلزم منه نسخ الحكم الآخر .

ثم إن هذا قول عمر وعلى وابن عمر وابن عباس ، وأبى هريرة وأنس رضى الله عنهم قال أحمد : أيام النحر ثلاثة عن غير واحد من أصحاب رسول الله .وفى رواية قال :خمسة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يذكر أنسا ولا مخالف لهم إلا رواية رويت عن على رضى الله عنه(شرح الزركشى على مختصر الخرقى،لشمس الدين أبى عبد الله محمد بن عبد الله الزركشى، ج۷ص۳۸، ۳۹، كتاب الأضاحى)

۱؎ ولنا: انه صلى الله عليه وسلم كان قد نهى عن ادخار لحوم الاضاحى فوق ثلاث متفق عليه، وهو حديث مشهور اخرجه الشيخان والجماعة بطرق عديدة عن جماعة من الصحابة ، وورد التصريح بان المراد بالثلاث يوم النحر ويومان بعده ، ففى حديث جابر: كنا لاناكل من لحوم بدننا فوقت ثلاث منى كما فى "فتح البارى" وثلاث منه اولها يوم النحر، وهو يدل على كون التضحية مؤقتة بثلاثة ايام، ولو جازت الى آخر ايام التشريق او الى آخر الشهر لم يكن للنهى عن الادخار فوق ثلاث منى معنى، فكيف يجوز الذبح فى وقت لايجوز ادخار الاضحية اليه؟ فان قيل: كان هذا النهى فى عام واحد ثم اذن لهم فى الادخار فليجز الاضحية كذلک، قلنا: قد اذن لهم فى الادخار الى ماشاء وا فهل يقول ابن حزم بالاضحية كذلک الى ماشاء وا؟ كلا لن يقول بذلک احد له مسكة، فلابد من القول بان النهى عن الادخار فوق ثلاث منه دل على ان وقت التضحية ثلاثة ايام،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت مجاہد، حضرت ماعز بن مالک یا مالک بن ماعز ثقفی سے روایت کرتے ہیں، کہ انہوں نے فرمایا کہ:

سَاقَ أَبِیُ هَدُیَیْنِ عَنُ نَفُسِهٖ وَامُرَأَتِهٖ وَابُنَتِهٖ، فَأَضَلَّهُمَا بِذِی الُمَجَازِ، فَلَمَّا كَانَ يَوُمُ النَّحُرِ ذَكَرَ ذٰلِکَ لِعُمَرَ ، فَقَالَ : تَرَبَّصِ الُيَوُمَ وَغَدًا وَبَعُدَ غَدٍ ، فَإِنَّمَا النَّحُرُ فِیُ هٰذِهِ الثَّلاثَةِ الأَيَّامِ، فَإِنُ وَجَدُتَ هَدُيَيُکَ فَانُحَرُهُمَا جَمِيُعًا ، فَإِنُ لَمُ تَجِدُهُمَا فَاشُتَرِ هَدُيَيُنِ فِی الُيَوُمِ الثَّالِثِ، فَانُحَرُهُمَا (مصنف ابنِ ابی شيبة) [1]

ترجمہ: میرے والد نے حج کی قربانی کے دو جانور لئے، اپنی جانب سے، اور اپنی اہلیہ اور بیٹی کی جانب سے، پھر وہ دونوں ذی المجاز مقام پر گم ہوگئے، پھر جب عیدالاضحیٰ کا دن ہوا، تو انہوں نے اس بات کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ آج اور کل اور پرسوں انتظار کریں، کیونکہ بس قربانی انہی تین دنوں میں ہے، پھر اگر آپ کو (ان تین دنوں کے اندر اندر) آپ کے یہ دونوں قربانی کے جانور مل جائیں، تو ان دونوں کو ذبح کر دیں، اور اگر آپ کو نہ ملیں، تو آپ تیسرے دن دو قربانی کے جانور خرید لیں، اور ان کو ذبح کرلیں (ترجمہ ختم)

اس روایت کی سند درست ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واذنه فی الادخار لم يبطل توقيت الذبح بل توقيت الادخار فقط بدليل مامر من اقوال الصحابة ولامخالف لهم منهم ، وقال احمد :ايام النحر ثلاثة عن غير واحد من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ، كذافی المغنی(اعلاء السنن ج۱۷ ص ۲۳۵، الاضحية يومان بعد يوم الاضحىٰ)

[1] رقم الحديث ۱۴۶۵۶ ، كتاب المناسک،باب فی الرجل يشتری البدنة فتضل فيشتری غيرها.

[2] البتہ بعض نے ماعز بن مالک یا مالک بن ماعز ثقفی کو مجہول قرار دیا ہے، مگر اولاً تو یہ خیر القرون سے تعلق رکھتے ہیں جن کی جہالت مضر نہیں؛ دوسرے حضرت مجاہد جیسے جلیل القدر تابعی ان سے روایت کر رہے ہیں، جن کی مراسیل کو بھی کئی محدثین

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، قَالَ الْأَضْحٰى يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْأَضْحٰى (مؤطا امام مالک) [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عیدالاضحیٰ کے دن کے بعد قربانی کے دو دن ہیں (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ ایک تو عیدالاضحیٰ کا دن قربانی کا ہے ہی، اور اس کے بعد قربانی کے مزید دو دن ہیں۔ اور اس طرح مجموعی طور پر قربانی کے تین دن ہیں۔

اور حضرت نافع سے ہی روایت ہے کہ:

سَأَلَ أَبُوْ سَلَمَةَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا بَعْدَ النَّحْرِ بِيَوْمٍ فَقَالَ إِنِّيْ بَدَا لِيْ أَنْ أُضَحِّيَ . فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مَنْ شَآءَ فَلْيُضَحِّ الْيَوْمَ ثُمَّ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ (سنن البيهقى) [2]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

نے جید قرار دیا ہے، کیونکہ وہ ثقہ سے ہی روایت کرتے ہیں، اور ہر رطب ویابس کو روایت نہیں کرتے، تیسرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ بلکہ کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے، جس سے اس روایت کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

وقد مر فى المقدمة ان مراسيل مجاهد جياد، لكونه لايروى الا عن ثقة ،ولا يأخذ عن كل ضرب ، وايضا فالمجهول فى القرون الفاضلة لايضرنا (اعلاء السنن ج۱۷ ص ۲۳۲، باب ان الاضحية يومان بعد يوم الاضحى)

[1] رقم الحديث ۱۷۷۴، كتاب الضحايا، باب أيام الأضحى، والضحية عما فى بطن المرأة،مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية -أبو ظبى -الإمارات،واللفظ لهٗ، سنن البيهقى، رقم الحديث ۱۹۲۵۴،احكام القرآن للطحاوى،رقم الحديث ۱۵۷۲، كتاب الحج والمناسك، تاويل قوله تعالىٰ واذكروالله فى ايام معدودات.

اسناده صحيح(التحجيل فى تخريج ما لم يخرج فى إرواء الغليل،لعبد العزيز بن مرزوق الطّريفى ، كتاب الحج)

[2] رقم الحديث ۱۹۲۵۳، كتاب الضحايا،باب من قال الأضحى يوم النحر ويومين بعده، دار الكتب العلمية، بيروت.

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عیدالاضحیٰ کے ایک دن بعد سوال کیا کہ مجھے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ اب میں قربانی کروں، تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو چاہے آج قربانی کرے، پھر ان شاء اللہ کل قربانی کرے (ترجمہ ختم)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے یہ سوال عیدُ الاضحیٰ (یعنی دس ذی الحجہ) کے ایک دن بعد (یعنی گیارہ ذی الحجہ کو) کیا گیا تھا، جس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ جو چاہے آج (یعنی گیارہ ذی الحجہ کو) قربانی کرے، اور جو چاہے کل (یعنی بارہ ذی الحجہ کو) قربانی کرے۔ آپ نے بارہ ذی الحجہ کے بعد قربانی کرنے کی اجازت نہیں دی، جس سے معلوم ہوا کہ قربانی کے تین دن ہیں۔

اس روایت کی سند کے رجال ثقہ اور معتبر ہیں۔ [۱]

---

[۱] چنانچہ اس روایت کی سند یہ ہے:
أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ بِشْرَانَ الْعَدْلُ بِبَغْدَادَ ,أنبأ إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّفَّارُ، ثنا عَبْدُ الْكَرِيمِ بْنُ الْهَيْثَمِ، ثنا أَبُو الْيَمَانِ، أنبأ شُعَيْبٌ، قَالَ :قَالَ نَافِعٌ :سَأَلَ أَبُو سَلَمَةَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا

اوراس کے رجال کا حال درجِ ذیل ہے۔

(۱)...... ابن بشران على بن محمد بن عبد الله الأموى ،الشيخ، العالم، المعدل، المسند، أبو الحسين على بن محمد بن عبد الله بن بشران بن محمد بن بشر الأموى، البغدادى.
ولد:سنة ثمان وعشرين وثلاث مائة .وسمع من:أبى جعفر بن البخترى، وعلى بن محمد المصرى، وإسماعيل الصفار، والحسين بن صفوان، وأحمد بن محمد بن جعفر الجوزى، وإسحاق بن أحمد الكاذى ، وعثمان بن السماک، وأبى بكر النجاد، وعدة.
روى شيئا كثيرا على سداد وصدق وصحة رواية، كان عدلا وقورا .قال الخطيب: كان تام المروء ة، ظاهر الديانة، صدوقا ثبتا .قلت :حدث عنه :البيهقى، والخطيب، والحسن بن البناء ، وأبو الفضل عبد الله بن زكرى الدقاق، وعلى بن عبد الواحد المنصورى، ونصر بن البطر، والرئيس أبو عبد الله الثقفى، والحسين بن أحمد بن عبد الرحمن العكبرى، وأبو الفوارس طراد، وعاصم بن الحسن، وأحمد بن عبد العزيز بن شيبان، وآخرون(سيراعلام النبلاء ج۱۷ ص ۳۱۱،۳۱۲)
(۲)...... الصفار إسماعيل بن محمد بن إسماعيل،الإمام، النحوى، الأديب، مسند العراق، أبو على إسماعيل بن محمد بن إسماعيل بن صالح البغدادى، الصفار، الملحى؛نسبة إلى الملح والنوادر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ایک اور سند کے ساتھ حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

سَأَلَ رَجُلٌ ابْنَ عُمَرَ بَعْدَ الْأَضْحٰى بِيَوْمٍ: أُضَحِّي الْيَوْمَ؟ قَالَ : نَعَمْ، وَغَدًا إِنْ شِئْتَ (احکام القرآن للطحاوی) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے عیدالاضحیٰ کے ایک دن بعد سوال کیا کہ کیا میں آج قربانی کرسکتا ہوں؟

تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بے شک، اور اگر آپ چاہیں تو کل بھی کرسکتے ہیں (ترجمہ ختم)

اس روایت کا مفہوم بھی پہلی روایت کے مطابق ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولد سنة سبع وأربعين ومائتين .وسمع من :الحسن بن عرفة أربعة وتسعين حديثا، ومن زكريا بن يحيى بن أسد، وسعدان بن نصر، ومحمد بن عبيد الله بن المنادى، وأحمد بن منصور الرمادى، وعبد الرحمن بن محمد كر بزان، وعدة .وصحب أبا العباس المبرد، وأكثر عنه.حدث عنه:الدارقطني، وابن المظفر، وابن مندة، وأبو عمر بن مهدى، وعبيد الله بن محمد السقطي، وأبو الحسن بن رزقويه، وأبو الحسين بن بشران، ومحمد بن الحسين بن الفضل القطان، وعبد الله بن يحيى بن عبد الجبار السكرى، وأبو الحسين بن مخلد، وخلق سواهم.قال الدارقطني :كان ثقة متعصبا للسنة(سيراعلام النبلاء ج۱۵ ص ۴۴۰، ۴۴۱)

(۳)...... الديرعاقولى عبد الكريم بن الهيثم بن زياد ،الإمام، الحافظ، الحجة، أبو يحيى عبد الكريم بن الهيثم بن زياد بن عمران الديرعاقولى، ثم البغدادى، القطان .ولد :بعد التسعين ومائة، وطوف، وكتب الكثير.سمع :أبا نعيم، وأبا اليمان الحمصى، وأبا بكر الحميدى، ومسلم بن إبراهيم، وسليمان بن حرب، وعلى بن عياش، وطبقتهم .حدث عنه :موسى بن هارون، ويحيى بن صاعد، وعثمان بن السماك، وأحمد بن كامل، وأبو سهل بن زياد، وآخرون .قال أحمد بن كامل القاضى: كتبنا عنه، وكان ثقة مأمونا .وقال الخطيب :كان الديرعاقولى ثقة ثبتا(سيراعلام النبلاء ج۱۳ ص ۳۳۵، ۳۳۶)

(۴،۵،۶)...... ابواليمان وشعيب بن ابى حمزة ونافع :فمن رجال البخارى.

قال البخارى فى موضع:

حَدَّثَنَا أَبُو اليَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ، قَالَ :نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ :حَلَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّتِهِ(بخارى، رقم الحديث ۱۷۲۶)

[1] رقم الحديث ۱۵۷۳ ،كتاب الحج والمناسك، تاويل قوله تعالىٰ واذكروالله فى ايام معدودات،مركز البحوث الإسلامية التابع لوقف الديانة التركى ، استانبول.

اوراس روایت کی سند بھی ثقہ راویوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مستند ہے۔ ل

ل چنانچہ اس روایت کی سند یہ ہے:

وَمَا قَدْ حَدَّثَنَا فَهْدٌ، قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ:

اوراس سند کے راویوں کا حال درجِ ذیل ہے۔

(۱)...... فهد بن سليمان بن يحيى :أحد مشايخ أبي جعفر الطحاوي الذين روى عنهم وكتب وحدث .ذكره أبو سعيد بن يونس في تاريخ الغرباء الذين قدموا مصر، وقال :فهد بن سليمان بن يحيى، يكنى أبا محمد، كوفي قدم مصر قديمًا، وكان بدل في البر وحدث بها عن الغرباء وأهل مصر، توفي بمصر في صفر سنة خمس وسبعين ومائتين، وكان ثقة ثبتًا .قلت :وكذا نقل الحافظ أبو سليمان الربعي، عن أبي جعفر الطحاوي أنه توفي في صفر سنة خمس وسبعين ومائتين (مغاني الاخيار ج۴ص۲۵)

فهد بن سليمان بن يحيى أبو محمد الكوفي النحاس نزيل مصر سمع بدمشق أبا مسهر وسليمان بن عبد الرحمن وسعيد بن المغيرة الصياد وعتبة ابن السكن ومحمد بن كثير المصيصي وموسى بن داود الضبي وأبا نعيم الفضل بن دكين والمعلى بن الوليد القعقاعي ويزيد بن عبد ربه ويحيى بن عبد الله البابلتي ومحمد بن سنان العوفي والمعلى بن أسد البصري وعمر بن حفص بن غياث وأبا بكر بن أبي شيبة ومحمد بن سعيد بن الأصبهاني ....وكان ثقة ثبتا (تاريخِ دمشق لابن عساكر ج۴۸ص ۴۵۹،۴۶۰،ملخصاً، تحت ترجمة فهد بن سليمان)

(۲)......أبو نعيم الفضل بن دكين التيمي الطلحي (ع)الحافظ الكبير، شيخ الإسلام، الفضل بن عمرو بن حماد بن زهير بن درهم، التيمي، الطلحي، القرشي مولاهم، الكوفي، الملائي، الأحول، مولى آل طلحة بن عبيد الله............وكان من أئمة هذا الشأن وأثباتهم.حدث عنه :البخاري كثيرا، وهو من كبار مشيخته، وروى هو والجماعة عن رجل عنه............قال أبو زرعة الدمشقي :سمعت يحيى بن معين يقول :ما رأيت أحدا أثبت من رجلين :أبي نعيم، وعفان.قال أبو زرعة :وسمعت أحمد بن صالح يقول :ما رأيت محدثا أصدق من أبي نعيم.قال يعقوب الفسوي :أجمع أصحابنا أن أبا نعيم كان غاية في الإتقان .وقال أبو حاتم :كان حافظا، متقنا، لم أر من المحدثين من يحفظ ويأتي بالحديث على لفظ واحد لا يغيره سوى قبيصة، وأبي نعيم في حديث الثوري، وكان أبو نعيم يحفظ حديث الثوري حفظا جيدا -يعني :الذي عنده عنه.قال :وهو ثلاثة آلاف وخمس مائة حديث، ويحفظ حديث مسعر، وهو خمس مائة حديث، وكان لا يلقن.قال أحمد بن منصور الرمادي :خرجت مع أحمد ويحيى إلى عبد الرزاق خادما لهما.قال :فلما عدنا إلى الكوفة قال يحيى بن معين :أريد أن أختبر أبا نعيم .فقال أحمد :لا ترد، فالرجل ثقة.(سير اعلام النبلاء ج۱۰ ص ۱۴۲تا۱۴۸ ،ملخصاً)

من التاسعة مات سنة ثماني عشرة وقيل تسع عشرة وكان مولده سنة ثلاثين وهو من كبار شيوخ البخاري (تقريب التهذيب ج۲ص ۱۱)

(۳)...... شعبة ابن الحجاج ابن الورد العتكي مولاهم أبو بسطام الواسطي ثم البصري ثقة حافظ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ، مِثْلُ ذٰلِكَ (مؤطا امام مالک) [1]

ترجمہ: ان کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں اسی (یعنی حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت) کے مثل روایت پہنچی ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

اَلنَّحْرُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ (احکام القرآن للطحاوی) [2]

ترجمہ: قربانی کے تین دن ہیں (ترجمہ ختم)

اس روایت کی سند بھی معتبر ہے۔ [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

متقن كان الثورى يقول هو أمير المؤمنين فى الحديث وهو أول من فتش بالعراق عن الرجال وذب عن السنة وكان عابدا من السابعة مات سنة ستين ع(تقريب التهذيب ج ا ص ٢٦٦)

(۴)...... أيوب ابن أبى تميمة كيسان السختيانى بفتح المهملة بعدها معجمة ثم مثناة ثم تحتانية وبعد الألف نون أبو بكر البصرى ثقة ثبت حجة من كبار الفقهاء العباد من الخامسة مات سنة إحدى وثلاثين ومائة وله خمس وستون ع(تقريب التهذيب ج ا ص ١١٧)

[1] رقم الحديث ١٧٧٥، كتاب الضحايا، باب الضحية فى بطن المرأة، مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية -أبو ظبى -الإمارات.

[2] رقم الحديث ١٥٦٩، كتاب الحج والمناسك، تاويل قوله تعالىٰ واذكروالله فى ايام معدودات، مركز البحوث الإسلامية التابع لوقف الديانة التركى، استانبول.

[3] چنانچہ اس روایت کی سند اور اس کے راویوں کا حال درج ذیل ہے:

قَدْ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي عِمْرَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ التَّيْمِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ حَجَّتِهِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ:

(١)...... ابن أبى عمران أحمد بن موسى البغدادى، الإمام، العلامة، شيخ الحنفية، أبو جعفر، أحمد بن أبى عمران -موسى بن عيسى البغدادى -الفقيه المحدث، الحافظ. ولد: فى حدود المائتين، وسكن مصر. وحدث عن: عاصم بن على، ومحمد بن عبد الله بن سماعة، وسعدويه الواسطى، وبشر بن الوليد الكندى، وجماعة. وتفقه على بشر، وابن سماعة، وأصحاب أبى يوسف، ومحمد. لازمه أبو جعفر الطحاوى، وتفقه به، وولى قضاء مصر مدة بعد بكار بن قتيبة، وكان من بحور العلم، يوصف بحفظ وذكاء مفرط. قال الإمام أبو عبد الله الصيمرى الحنفى: كان شيخ أصحابنا بمصر فى زمانه، أخذ عن أصحاب أبى يوسف. قلت: روى شيئا كثيرا من الحديث من حفظه. وتوفى: فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ایک اور سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المحرم، سنة ثمانين ومائتين(سیراعلام النبلاء ج۱۳ ص ۳۳۴،۳۳۵)

(۲)...... العيشي عبيد الله بن محمد بن حفص *(د، ت، س)الإمام، العلامة، الثقة، أبو عبد الرحمن عبيد الله بن محمد بن حفص بن عمر بن موسى بن عبيد الله بن معمر القرشي، التيمي، البصرى، الأخبارى، الصادق، ويعرف :بابن عائشة، وبالعيشي؛ لأنه من ولد عائشة بنت طلحة بن عبيد الله .ولد :بعد الأربعين ومائة .وسمع :حماد بن سلمة، وجويرية بنت أسماء ، ومهدى بن ميمون، وأبا هلال الراسبي، ووهيب بن خالد، وأبا عوانة، وعبد الواحد بن زياد، وعبد العزيز بن مسلم، وهشام بن زياد، وابن المبارك .حدث عنه :أبو داود، وبواسطة الترمذى، والنسائي، وأحمد بن حنبل، وأبو زرعة، وابن أبي الدنيا، وعثمان بن خرزاذ، وإبراهيم الحربى، وأبو عبد الله البوشنجى، وأبو القاسم البغوى، وخلق كثير .قال أبو حاتم، وغيره :صدوق فى الحديث ، وكان عنده عن حماد بن سلمة تسعة آلاف حديث .وقال أبو داود :كان طلابا للحديث، عالما بالعربية وأيام الناس لولا ما أفسد نفسه، وهو صدوق .وقال .زكريا الساجي :قذف بالقدر، وكان بريئا منه، وكان من سادات أهل البصرة، غير مدافع، كريما، سخيا(سیراعلام النبلاء ج۱۰ ص ۵۶۴،۵۶۵)

قال أبو طالب، عن أحمد بن حنبل :صدوق فى الحديث .وَقَال أبو حاتم :صدوق ثقة ، روى عنه أحمد بن حنبل وكان عنده عن حماد بن سلمة تسعة آلاف حديث ، وكان عنده رقائق وفصاحة وحسن خلق وسخاء .وَقَال أبو عُبَيد الآجرى ، عَن أبي داود :سمعت أبا سلمة ذكر ابن عائشة ، فقال :سمع علما كثيرا ولكنه أفسد نفسه .وَقَال :سمعت أبا داود يقول :كان ابن عائشة طلابا للحديث ، عالما بالعربية ، وأيام الناس لولا ما أفسد نفسه .قال :وسمعت أبا داود يقول :ابن عائشة صدوق فى الحديث .وَقَال ابن خراش :صدوق .وذكره ابنُ حِبَّان فى كتاب "الثقات، وَقَال :مستقيم الحديث .وَقَال زكريا بن يحيى الساجي :صدوق ، قذف بالقدر ، وكان بريئا منه سمعت محمد بن عائشة ابن أخي ابن عائشة يذكر ذلك ، وَقَال :إنما كان له خلق جميل ، وكان يتحبب إلى الناس ويحب المحامد فكان كل من جاء ه لقيه بالبشر ، وما كان مذهبه إلا إثبات القدر .قال الساجي :وكان شيخا من سادات البصرة غير مدافع عن ذلك ، وكان كريما سخيا(تهذيب الكمال ج۱۹ ص ۱۴۹، ۱۵۰)

(۳)...... خت م :حماد بن سلمة بن دينار البَصْرِىّ، أبوسلمة بن أَبي صخرة مولى ربيعة بن مالك بن حنظلة من بنى تميم ، ويُقال :مولى قريش ، ويُقال :مولى حميرى بن كرامة ، وهو ابن أخت حميد الطويل............وَقَال إسحاق بن منصور، عن يحيى بن مَعِين :حماد بن سلمة ثقة .وَقَال عَباس الدُّورِىُّ ، عن يحيى بن مَعِين :حديثه فى أول أمره وآخره واحد .وَقَال عنه أيضا :من خالف حماد بن سلمة فى ثابت فالقول قول حماد .قيل :فسُلَيْمان بن المغيرة عن ثابت قال :سُلَيْمان ثبت ، وحماد أعلم الناس بثابت .وَقَال أبو بكر بن أَبي خيثمة ، عن يحيى بن مَعِين :أثبت الناس فى ثابت البنانى حماد بن سلمة .وَقَال جعفر بن أَبي عثمان الطيالسى ، عن يحيى بن مَعِين من سمع من حماد بن سلمة الاصناف ففيها اختلاف ، ومن سمع من حماد بن سلمة نسخا فهو صحيح(تهذيب الكمال ج۷ص ۲۵۳ تا۲۶۳)

أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ، قَالَ : ثَلاثَةُ أَيَّامٍ : يَوْمُ الْأَضْحٰى، وَيَوْمَانِ بَعْدَهُ، اِذْبَحْ فِيْ أَيِّهِنَّ شِئْتَ (تفسير ابن أبى حاتم) [1]

ترجمہ: چند گنے چنے تین دن ہیں، ایک تو عیدالاضحیٰ کا دن، اور دو دن اس کے بعد، ان میں سے آپ جس میں چاہیں (قربانی کا جانور) ذبح کریں (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی قربانی کے تین دن ہیں۔ [2]

اور حضرت ہشام دستوائی، حضرت قتادہ سے، اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

اَلذِّبْحُ بَعْدَ الْعِيدِ يَوْمَانِ (احكام القرآن للطحاوى) [3]

ترجمہ: ذبح (یعنی قربانی) کے عیدالاضحیٰ کے بعد دو دن ہیں (ترجمہ ختم)

اس روایت کی سند کے رجال بھی ثقہ ہیں۔ [4]

---

[1] رقم الحديث ۱۸۹۴، ج۲ص ۳۶۰،تحت سورة البقرة،مكتبة نزار مصطفى الباز -المملكة العربية السعودية.

ابن ابى ليلىٰ حسن الحديث كما مر غيرمرة (اعلاء السنن ج۱۷ ص ۲۳۲، باب ان الاضحية يومان بعد يوم الاضحى)

والمنال بن عمر بن راشد :وثقه :يحيى بن معين، وغيره.وقال الدارقطنى :صدوق. كما سيأتى ،فهو حسن الحديث.

[2] مالك عن نافع أن عبد الله بن عمر قال الأضحى يومان بعد يوم الأضحى ، مالك أنه بلغه عن على بن أبى طالب مثل ذلك ، قال أبو عمر قول ابن عمر يومان بعد يوم الأضحى يريد بعد يوم النحر وهو العاشر من ذى الحجة ، والأضحى عنده ثلاثة أيام يوم النحر ويومان بعده وهى الأيام المعلومات عنده ، وهو قول على -رضى الله عنه -(وبه) قال مالك وأصحابه وأبو يوسف (يعقوب بن إبراهيم القاضى)(الاستذكار لابن عبدالبر،باب الاضحية عما فى بطن المرأة وذكر أيام الأضحى)

[3] كتاب الحج والمناسك، تاويل قوله تعالىٰ واذكروا الله فى ايام معدودات،مركز البحوث الإسلامية التابع لوقف الديانة التركى ، استانبول.

[4] چنانچہ اس روایت کی سند اور اس کے راویوں کا حال درجِ ذیل ہے:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خُزَيْمَةَ، قَالَ :حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْأَزْدِيُّ، قَالَ :حَدَّثَنَا هِشَامٌ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت سعید بن ابی عروبہ، حضرت قتادہ سے، اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کرتے ہیں کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الدَّسْتَوَائِيُّ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ:

(۱)...... محمد بن خزيمة بن راشد البصرى :عن الحجاج بن منهال، ومحمد بن إسماعيل، والمعلى بن أسد، وسعيد بن سليمان الواسطى، وعلى بن الجعد، وعبد الله بن رجاء ، وغيرهم، وعنه الطحاوى، ذكره ابن حبان فى الطبقة الرابعة من الثقات، وقال :أبو عمر، سكن مصر، يروى عن محمد بن عبد الله الأنصارى وأهل العراق، حدثنا عنه أحمد بن الفضل بن حاتم بالأملة وغيره، مستقيم الحديث .ا.هـ .وقال الذهبى فى الميزان :ثقة .ا.هـ(مغانى الاخيار لبدرالدين العينى، تحت رقم الترجمة ۴۴۳)

(۲)...... مسلم بن إبراهيم أبو عمرو الأزدى *(ع)الإمام، الحافظ، الثقة، مسند البصرة، أبو عمرو الأزدى، الفراهيدى مولاهم، البصرى، القصاب............روى :أحمد بن زهير، عن يحيى بن معين: ثقة، مأمون.وقال الفضل بن سهل الأعرج :كان يحيى بن معين يقدم مسلم بن إبراهيم على معاذ بن هشام، ويقول :لا أجعل رجلا لم يرو إلا عن أبيه، كرجل روى عن الناس.وقال أبو إسماعيل الترمذى :سمعت مسلم بن إبراهيم يقول :كتبت عن ثمان مائة شيخ، ما جزت الجسر.قال أبو داود :ما رحل مسلم إلى أحد، وكتب عن قريب من ألف شيخ، وهؤلاء أصحاب شيوخ :مسلم بن إبراهيم، وعبد الصمد، وإسحاق بن إدريس.وقال أيضا :كان مسلم يحفظ حديثه عن قرة، ويحفظ حديث هشام(سیراعلام النبلاء ج۱۰ ص۳۱۴تاص۳۱۵،ملخصاً)

(۳)...... هشام الدستوائى أبو بكر بن سنبر البصرى *(ع)هو الحافظ، الحجة، الإمام، الصادق، أبو بكر هشام بن أبى عبد الله سنبر البصرى، الربعي مولاهم............محمد بن عمار بن الحارث الرازى :عن على بن الجعد، سمع شعبة يقول :كان هشام الدستوائى أحفظ منى عن قتادة.وقال ابن معين :قال شعبة:هشام أعلم بحديث قتادة منى، وأكثر مجالسة له منى .معلى بن منصور :سألت ابن علية عن حفاظ البصرة، فذكر هشاما الدستوائى .أبو هشام الرفاعى :عن وكيع، قال :حدثنا هشام الدستوائى، وكان ثبتا .وقال ابن معين :كان يحيى القطان إذا سمع الحديث من هشام الدستوائى، لا يبالى أن لا يسمعه من غيره .أبو حاتم :عن أبى غسان التسترى، سمعت أبا داود الطيالسى يقول: كان هشام الدستوائى أمير المؤمنين .وقال أبو حاتم :ما رأيت أبا نعيم يحث على أحد، إلا على هشام الدستوائى. قال أبو حاتم :وسألت أحمد بن حنبل عن الأوزاعى والدستوائى :أيهما أثبت فى يحيى بن أبى كثير؟فقال :الدستوائى، لا تسأل عنه أحدا، ما أرى الناس يروون عن أحد أثبت منه، مثله عسى، أما أثبت منه، فلا .صالح بن أحمد :قال أبى :أكثر من فى يحيى بن أبى كثير بالبصرة هشام الدستوائى .وقال على بن المدينى :هو ثبت.وقال أبو حاتم :سألت عليا :من أثبت أصحاب يحيى بن أبى كثير؟قال :هشام الدستوائى، ثم حسين المعلم، والأوزاعى، وحجاج الصواف، وأراه ذكر على بن المبارك(سیراعلام النبلاء ج۷ص۱۴۹، تا ص۱۵۱، ملخصاً)

اَلذِّبْحُ بَعْدَ النَّحْرِ يَوْمَانِ (سنن البيهقى) [۱]

ترجمہ: ذبح کے یوم النحر (یعنی عید الاضحیٰ) کے بعد دو دن ہیں (ترجمہ ختم)

اس روایت کے رجال بھی معتبر ہیں۔ [۲]

---

[۱] رقم الحديث ۱۹۲۵۵، كتاب الضحايا، باب من قال الأضحى يوم النحر ويومين بعده، دار الكتب العلمية، بيروت.

[۲] چنانچہ اس روایت کی سند اور اس کے راویوں کا حال درج ذیل ہے۔

أَخْبَرَنَا أَبُو نَصْرِ بْنُ قَتَادَةَ، أنبأ أَبُو عَمْرِو بْنُ نُجَيْدٍ، أنبأ أَبُو مُسْلِمٍ، ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ حَمَّادٍ، ثنا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ:

(۱)......اس روایت کے پہلے راوی امام بیہقی کے شیخ ابو نصر عمر بن عبدالعزیز بن قتادہ ہیں، جن سے امام بیہقی رحمہ اللہ کثرت سے احادیث روایت کرتے ہیں، اور امام بیہقی نے ان کی کئی احادیث کو صحیح قرار دیا ہے، چنانچہ ایک مقام پر ان کی حدیث کے متعلق امام بیہقی کا کلام درج ذیل ہے۔

أَخْبَرَنَا أَبُو نَصْرِ بْنُ قَتَادَةَ، أنبأ أَبُو الْحَسَنِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ السَّرَّاجُ ,ثنا مُطَيَّنٌ، ثنا ابْنُ نُمَيْرٍ، ثنا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ، ح وَأَخْبَرَنَا أَبُو نَصْرِ بْنُ قَتَادَةَ، ثنا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ دَاوُدَ السِّجْزِيُّ إِمْلَاءً ,ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ إِدْرِيسَ الْحَنْظَلِيُّ، ثنا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ الْهَمَذَانِيُّ، ثنا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْكِلَابِيُّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَزْرَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ ,فَقَالَ " :مَنْ شُبْرُمَةُ "فَذَكَرَ أَخًا لَهُ أَوْ قَرَابَةً ,قَالَ ": أَحَجَجْتَ قَطُّ؟ "قَالَ :لَا ,قَالَ " :فَاجْعَلْ هَذِهِ عَنْكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ "هٰذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ لَيْسَ فِي هَذَا الْبَابِ أَصَحُّ مِنْهُ (سنن البيهقى، رقم الحديث ۸۶۷۵)

اور ایک مقام پر امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدَانَ ,أنبأ أَحْمَدُ بْنُ عُبَيْدٍ الصَّفَّارُ ,ثنا مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ الْكَرَابِيسِيُّ ,ثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ ح وَأَخْبَرَنَا أَبُو نَصْرِ بْنُ قَتَادَةَ ,وَأَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْفَارِسِيُّ قَدِمَا عَلَيْنَا بَيْهَقَ وَهُمَا صَحِيحٌ سَمَاعُهُمَا (سنن البيهقى، رقم الحديث ۲۱۱۱۵)

(۲)...... ابن نجيد إسماعيل بن نجيد بن أحمد السلمى ،الشيخ، الإمام، القدوة، المحدث، الربانى، شيخ نيسابور، أبو عمرو إسماعيل بن نجيد ابن الحافظ أحمد بن يوسف بن خالد السلمى النيسابورى الصوفى كبير الطائفة، ومسند خراسان (سير اعلام النبلاء ج۱۶ ص۱۴۶)

(۳)...... الكجى أبو مسلم إبراهيم بن عبد الله. الشيخ، الإمام، الحافظ، المعمر، شيخ العصر، أبو مسلم إبراهيم بن عبد الله بن مسلم بن ماعزبن مهاجر البصرى، الكجى، صاحب (السنن) ولد سنة نيف وتسعين ومئة...... وثقه :الدارقطنى، وغيره. وكان سريا نبيلا متمولا، عالما بالحديث وطرقه،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت شعبہ، حضرت قتادہ سے، اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کرتے ہیں کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عالی الإسناد قدم بغداد وازدحموا عليه(سير اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۴۲۳، ۴۲۴،ملخصاً)

أبو مسلم الكجي الحافظ المسند إبراهيم بن عبد الله بن مسلم بن ماعز بن كج البصرى.

صاحب كتاب السنن .وثقه الشيوخ قال الدارقطني :كان ثقة سرياً نبيلاً عالماً بالحديث مدحه البحترى وقيل إنه لما حدث تصدق بعشرة آلاف(طبقات الحفاظ ج ا ص ۵۳)

أبو مسلم الكجي اسمه إبراهيم بن عبد الله من أهل البصرة يروى عن أبى عاصم وأبى الوليد كتب عنه أصحابنا مات ببغداد بعد السبعين والمائتين(كتاب الثقات لابنِ حبان، ج۸ص ۸۹

(۴)...... خ ت :عبد الرحمن بن حماد بن شعيث ، ويُقال :ابن عمارة الشعيثى ، أبو سلمة العنبرى البَصْرِىّ......قال أبو زُرْعَة :لا بأس به .وَقَال أبو حاتم :ليس بالقوى .وذكره ابنُ حِبَّان في كتاب "الثقات"وَقَال :شعيث من بلعنبر .قال أبو الحسين بن قانع ، وأبو القاسم عبد الرحمن بن أبي عَبد الله بن مندة :مات سنة اثنتى عشرة ومئتين .زاد ابن مندة :في ذى الحجة.وروى له التِّرْمِذِىّ (تهذيب الكمال ج۱۷ ص ۶۹، ۷۰ ملخصاً)

"خ ت عبد الرحمن "بن حماد بن شعيب ويقال ابن عمارة الشعيثى أبو سلمة العنبرى البصرى روى عن ابن عون وعباد بن منصور وسعيد بن أبى عروبة والثورى وكهمس بن الحسن وغيرهم وعنه البخارى وروى الترمذى عن محمد بن أحمد بن مدوية وعنه وأبو العباس العصفرى ويعقوب بن سفيان وإبراهيم بن راشد الآدمى وأبو مسلم إبراهيم بن عبد الله الكشى وإسحاق بن سيار النصيبى ومحمد بن يونس الكديمى وغيرهم قال أبو زرعة لا بأس به وقال أبو حاتم ليس بالقوى وذكره ابن حبان فى الثقات قال ابن نافع مات سنة اثنتى عشرة ومائتين وكذا أرخه أبو القاسم بن مندة وزاد فى ذى الحجة قلت وقال الدارقطنى فى الجرح والتعديل ثقة وفى الزهرة روى عنه البخارى ثلاثة أحاديث(تهذيب التهذيب ج۶ ص ۱۶۴)

(۵)...... ابن أبى عروبة سعيد بن أبى عروبة مهران العدوى .الإمام، الحافظ، عالم أهل البصرة، وأول من صنف السنن النبوية، أبو النضر بن مهران العدوى مولاهم، البصرى...... وثقه :يحيى بن معين، والنسائى، وجماعة.

قال يزيد بن زريع :سمعت سعيد بن أبى عروبة يقول :من لم يسمع الاختلاف، فلا تعده عالما.

قال أحمد بن حنبل :لم يكن لسعيد كتاب، إنما كان يحفظ ذلك كله .وقال يحيى بن معين :أثبت الناس فى قتادة :سعيد، وهشام الدستوائى، وشعبة.قال أبو عوانة :لم يكن عندنا فى ذلك الزمان أحد أحفظ من سعيد بن أبى عروبة(سير اعلام النبلاء ج۶ ص ۴۱۳، ۴۱۴، ملخصاً)

وسعيد بن ابى عروبة من رجال البخارى ومسلم.

قال البخارى فى موضع:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اَلْأَضْحٰی یَوْمَانِ بَعْدَهٗ (احکام القرآن للطحاوی) [۱]

ترجمہ: قربانی کے عیدالاضحیٰ کے بعد دو دن ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہلال محمد بن سلیم راسبی، حضرت قتادہ سے، اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کرتے ہیں کہ:

یُضَحّٰی بَعْدَ النَّحْرِ بِیَوْمَیْنِ (احکام القرآن للطحاوی) [۲]

ترجمہ: عیدالاضحیٰ کے بعد دو دن تک قربانی کی جائے گی (ترجمہ ختم)

یہ روایت بھی پہلی روایات کے ساتھ مل کر حسن درجے میں داخل ہے۔ [۳]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ :حَدَّثَنَا رَوْحٌ، قَالَ :حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَسَحَّرَا، فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سَحُورِهِمَا، قَامَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصَّلاَةِ، فَصَلَّى ، فَقُلْنَا لِأَنَسٍ :كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سَحُورِهِمَا وَدُخُولِهِمَا فِي الصَّلاَةِ؟ قَالَ: كَقَدْرِ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِينَ آيَةً(بخاری، رقم الحديث ۱۱۳۴)

وقال المسلم فی موضع:

وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ الضَّرِيرُ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنِّي لَأَدْخُلُ الصَّلَاةَ أُرِيدُ إِطَالَتَهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ، فَأُخَفِّفُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ بِهِ (مسلم، رقم الحديث ۴۷۰)

[۱] رقم الحديث ۱۵۷۶، كتاب الحج والمناسك، تاويل قوله تعالىٰ واذكروالله فى ايام معدودات، مركز البحوث الإسلامية التابع لوقف الديانة التركى ، استانبول.

[۲] رقم الحديث ۱۵۷۴، كتاب الحج والمناسك، تاويل قوله تعالىٰ واذكروالله فى ايام معدودات، مركز البحوث الإسلامية التابع لوقف الديانة التركى ، استانبول.

[۳] اور ابو ہلال راسبی، حسن یا اس سے اعلیٰ درجے کے راوی ہیں۔

خت :محمد بن سليم ، أبو هلال الراسبي..........قال عَمْرو بن علي كان يحيى لا يحدث عنه ، وكان عبد الرحمن يحدث عنه ، وسمعت يزيد بن زريع يقول :عدلت عَن أبي بكر الهذلي وأبي هلال عمدا .وَقَال عثمان بن سَعِيد الدارمي :قلت ليحيى بن مَعِين :حماد بن سلمة أحب إليك في حديث قتادة أو أبو هلال ؟ فقال :حماد أحب إلي ، وأبو هلال صدوق .وَقَال مرة ليس به بأس ، وليس بصاحب كتاب وَقَال عبد الرحمن بن أبي حاتم :أدخله البخاري في كتاب "الضعفاء "

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

اَلنَّحْرُ يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ، وَأَفْضَلُهَا يَوْمُ النَّحْرِ (احکام القرآن للطحاوی) [1]

ترجمہ: قربانی عیدالاضحیٰ کے بعد دو دن ہے، اور قربانی کا افضل دن عیدالاضحیٰ کا دن ہے (ترجمہ ختم)

اس روایت کی سند معتبر ہے، اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت دوسری سندوں کے ساتھ بھی مروی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وسمعت أبي يقول :يحول منه .وَقَال أبو عُبَيد الآجرى ، عَن أبي داود :أبو هلال ثقة ، ولم يكن له كتاب ، وأبو هلال فوق عِمْران القطان .هكذا قال أبو داود .وَقَال النَّسَائي ليس بالقوى.قال البخارى قال محمد بن محبوب :مات في ذى الحجة سنة سبع وستين ومئة.إستشهد به البخارى في "الصحيح "، وروى له في كتاب "القراءة خلف الإمام "وغيره ، والباقون سوى مسلم(تهذيب الكمال، ج۲۵ص ۲۹۲ تاص ۲۹۶ملخصاً)

وقال جمهورُ من يقبل المراسيل: تُقبَلُ روايةُ المدلس مطلقاً، حكاه الخطيب. وأما دعوى النووى فى "شرح المهذب"، تبعاً للبيهقي وابن عبدالبر: أنهم اتفقوا على رد ماعنعنه المدلس، فمحمولةٌ علىٰ اتفاق من لايحتجُّ بالمرسَل (ظفر الامانى للكنوى، صفحه ۳۹۳)

قلت: فان كان المدلس من ثقات القرون الثلاثة يقبل تدليسه كارساله مطلقا، وان كان ممن دون هؤلاء ففيه تفصيل قد مر عن قريب فتذكر، وفى تدريب الراوى وقال جمهور من يقبل المرسل يقبل (المدلس) مطلقا حكاه الخطيب. ونقل المصنف فى شرح المهذب الاتفاق على رد ماعنعنه تبعاً للبيهقى وابن عبدالبر (وهو) محمول على اتفاق من لا يحتج بالمرسل (قواعد فى علوم الحديث، صفحه ۱۵۹)

[1] رقم الحديث ۱۵۷۱،كتاب الحج والمناسك، تاويل قوله تعالىٰ واذكروالله فى ايام معدودات،مركز البحوث الإسلامية التابع لوقف الديانة التركى ، استانبول.

[2] چنانچہ اس روایت کی سند اور اس کے راویوں کا حال درج ذیل ہے:

وَمَا قَدْ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَرْزُوقٍ، قَالَ :حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَيْسَرَةَ بْنِ حَبِيبٍ، عَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ " :

(۱)...... إبراهيم بن مرزوق بن دينار الأُمَوى ، أبو إسحاق البَصْرِيّ ، نزيل مصر ، مولى عثمان بن عفان......قال النَّسَائي :صالح.وَقَال في موضع آخر :لا بأس به.وَقَال في موضع آخر :ليس لي به

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اور سند کے ساتھ یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

اَلْـأَضْحٰی ثَـلَاثَةُ أَيَّامٍ (احکام القرآن للطحاوی) [1]

ترجمہ: قربانی کے تین دن ہیں (ترجمہ ختم)

یہ روایت پہلی روایت کے مطابق ہے، اور سند کے لحاظ سے معتبر ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علم .وَقَال الدَّارَقُطْنِيُّ :ثقة .إلا أنه كان يخطء ، فيقال له ، فلا يرجع .قال أبو سَعِيد بن يونس :مات يوم الخميس لاربع عشرة ليلة خلت من جمادى الآخرة سنة سبعين ومئتين(تهذيب الكمال ج۲ص۱۹۷ تا ۱۹۸ ،ملخصاً)

قال النسائی :صالح.وقال ابن یونس :کان ثقة، ثبتا(سیراعلام النبلاء ج۱۲ ص۳۵۵)

(۲)...... وهب بن جرير بن حازم بن زيد أبو عبد الله الأزدى البصرى ثقة من التاسعة مات سنة ست ومائتين ع(تقريب التهذيب ج ا ص۵۸۵)

(۳)...... بخ د ت س :ميسرة بن حبيب النهدي، أبو حازم الكوفي......قال عَبد الله بن أحمد بن حنبل :أملى علي أبي ان أبا حازم ميسرة ثقة .وَقَال إسحاق بن منصور ، عن يحيى بن مَعِين :ثقة. وكذلك قال العجلي ، والنَّسَائي .وَقَال أبو داود :معروف.وَقَال عبد الرحمن بن أَبي حاتم :سَأَلتُ أبي ، قلت :ميسرة ابن حبيب احب اليك أم حجاج بن أرطاة وابن أَبي ليلى ؟ فقال :ميسرة احب إلي على قلة ما ظهر من حديثه .قلت :فما قولك فيه ؟ قال :لا بأس به.وذكره ابنُ حِبَّان في كتاب "الثقات"روى له البخاري في "الأدب "، وابو داود ، والتِّرْمِذِيّ ، والنَّسَائي(تهذيب الكمال ج۲۹ ص۱۹۲،۱۹۳ ، ملخصاً)

(۴)...... المنهال بن عمرو أبو عمرو الأسدى مولاهم *(خ)الكوفي.يروى عن :أنس بن مالك، وزر بن حبيش، وعبد الرحمن بن أبي ليلى، وأبي عمر زاذان، وسعيد بن جبير .روى عنه :حجاج بن أرطاة، وزيد بن أبي أنيسة، ومنصور، وشعبة، والمسعودي، وسوار بن مصعب، وطائفة كبيرة. وقيل :إن سوارا إنما روى عن الأعمش، عنه، ثم إن شعبة ترك الرواية عنه؛ لكونه سمع آلة الطرب من بيته .وثقه :يحيى بن معين، وغيره .وقال الدارقطني :صدوق.وقال ابن حزم :ليس بالقوى(سیراعلام النبلاء ج۵ص۱۸۴)

[1] رقم الحديث ۱۵۷۰ ،كتاب الحج والمناسك، تاويل قوله تعالىٰ واذكروالله فى ايام معدودات،مركز البحوث الإسلامية التابع لوقف الديانة التركى ، استانبول.

[2] چنانچہ اس روایت کی سند یہ ہے:

حَدَّثَنَا فَهْدُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ :حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ، قَالَ :حَدَّثَنَا شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ مَيْسَرَةَ، عَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ

اور اس کے راویوں کا حال درج ذیل ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورامام بخاری رحمہ اللہ تاریخِ کبیر میں فرماتے ہیں کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(۱)...... فهد بن سليمان، ثقة ثبت، كمامر.

(۲)...... خ ت س :محمد بن سَعِيد بن سُلَيْمان بن عَبد الله الكوفي ، أبو جعفر ابن الأصبهاني ، ولقبه حمدان ، وهو ابن أخي محمد بن سُلَيْمان ابن الأصبهاني ، وابن ابن أخي عبد الرحمن بن عَبد الله بن الاصبهاني...... روى عنه ......ويعقوب ابن شَيْبَة وَقَال :متقن.وَقَال النَّسَائي :ثقة.وذكره ابنُ حِبَّان في كتاب "الثقات"قال البخاري ، وأبو داود :مات سنة عشرين ومئتين .وروى له التِّرْمِذِيّ ، والنَّسائي في "اليوم والليلة(تهذيب الكمال ج۲۵ ص۲۷۲تا۲۷۴ ملخصاً)

(۳)......شریک بن عبداللہ کو ابنِ معین وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے، اور امام مسلم نے ان کو متابعت کے طور پر لیا ہے، اور امام بخاری نے تعلیقاً ان سے تخریج کی ہے، اور امام نسائی نے ان کے بارے میں لیس بہ بأس فرمایا ہے، اور متعدد حضرات نے ان کو سیئ الحفظ قرار دیا ہے۔

لیکن گزشتہ روایت اس کی مؤید ہے، اور اس روایت میں حضرت شعبہ ان کے متابع ہیں، اور اس قسم کی روایات کو محدثین نے قبول کیا، اور حسن قرار دیا ہے۔

شريك بن عبد الله أبو عبد الله النخعي.العلامة، الحافظ، القاضي، أبو عبد الله النخعي، أحد الأعلام، على لين ما في حديثه .توقف بعض الأئمة عن الاحتجاج بمفاريده...... ليس بالمتين عندهم ......وقد وثقه :يحيى بن معين، وقال :هو أثبت من أبي الأحوص.قلت :مع أن أبا الأحوص من رجال (الصحيحين)، وما أخرجا لشريك سوى مسلم في المتابعات قليلا.وخرج له :البخاري تعليقا.قال ابن المبارك :شريك أعلم بحديث بلده من الثوري .فذكر هذا لابن معين، فقال :ليس يقاس بسفيان أحد، لكن شريك أروى منه في بعض المشايخ .وقال النسائي :ليس به بأس .وقال الجوزجاني :سيء الحفظ، مضطرب الحديث، مائل.قلت :فيه تشيع خفيف على قاعدة أهل بلده . وكان من كبار الفقهاء ، وبينه وبين الإمام أبي حنيفة وقائع .مولده :في سنة خمس وتسعين...... قال عيسى بن يونس :ما رأيت أحدا أورع في علمه من شريك .قال محمد بن معاوية النيسابوري : سمعت عبادا يقول :قدم علينا معمر وشريك واسط، فكان شريك أرجح عندنا منه.قال عباس : ذكرت لابن معين إسرائيل، وشريكا، فقال :ما فيهما إلا ثبت .وقال :شريك أثبت من أبي الأحوص، ثم سمعت ابن معين يقول :إسرائيل أثبت من شريك.وقال :كان يحيى القطان لا يحدث عن هذين(سير اعلام النبلاء ج۱۳ ص۲۰۰تا۲۰۴،ملخصاً)

وقال الترمذي:

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ :حَدَّثَنَا شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ النَّخَعِيُّ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ زَرَعَ فِي أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ فَلَيْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَيْءٌ وَلَهُ نَفَقَتُهُ :هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي إِسْحَاقَ إِلَّا مِنْ هَذَا الوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا الحَدِيثِ عِنْدَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حَرَبُ بْنُ نَاجِيَةَ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ: اَلْأَضْحٰى ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ (التاريخ الكبير) [1]

ترجمہ: حرب بن ناجیہ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ قربانی کے تین دن ہیں (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابنِ حزم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

اَلْأَضْحٰى ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ (المحلى بالآثار لابن حزم) [2]

ترجمہ: قربانی کے تین دن ہیں (ترجمہ ختم)

اور امام ابو یوسف، حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے، اور وہ حضرت حماد سے، اور وہ جلیل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ، فَقَالَ :هُوَ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَالَ :لَا أَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي إِسْحَاقَ، إِلَّا مِنْ رِوَايَةِ شَرِيكٍ قَالَ مُحَمَّدٌ، حَدَّثَنَا مَعْقِلُ بْنُ مَالِكٍ الْبَصْرِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ الْأَصَمِّ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ(سنن الترمذى، رقم الحديث ١٣٦٦)

(۴،۵)...... ميسرة بن حبيب النهدى، أبو حازم الكوفى ،ثقة ،كما مر. والمنهال بن عمرو أبو عمرو الأسدى .ثقة وصدوق .كمامر.

[1] ج۳ص ۶۰، باب حرب ،دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد -الدكن.

[2] ج۶ ص ۴۰،كتاب الاضاحى،مسألة التضحية ليلا ونهارا،دارالفكر، بيروت.

ابن ابى ليلىٰ حسن الحديث كما مر غيرمرة ......وهذا شاهد اثر جيد لماتقدم عن ابنِ عباس (اعلاء السنن ج۱۷ ص ۲۳۲، باب ان الاضحية يومان بعد يوم الاضحى)

أما أثر أبى هريرة :فأخرجه ابن حزم فى "المحلى"من طريق ابن أبى شيبة ثنا زيد بن الحُبَاب عن معاوية بن صالح ثنى أبو مريم سمعت أبا هريرة يقول :الأضحى ثلاثة أيام.

وإسناده حسن، أبو مريم الأنصارى ثقة قليل الحديث(التحجيل فى تخريج ما لم يخرج فى إرواء الغليل،لعبد العزيز بن مرزوق الطّريفى،كتاب الحج)

معاوية بن صالح من رجال مسلم ، والاربعة صدوق، وابومريم هو الانصارى، ويقال الحضرمى الشامى، صاحب القناديل ، روى عنه حريز بن عثمان ،وصفوان بن عمرو،وفرج بن فضالة، ويحيىٰ بن ابى عمرو الشيبانى، ومعاوية بن صالح ،قال احمد:ابومريم الذى روى عنه معاوية بن صالح معروف عندنا ، رأيت اهل حمص يحسنون الثناء عليه ،وقال العجلى ابومريم مولىٰ ابوهريرة ثقة، واخطأ ابن حزم فقال هو مجهول (اعلاء السنن ج۱۷ ص۲۳۳، باب ان الاضحية يومان بعد يوم الاضحى)

القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

اَلْأَضْحٰی ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ: يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهُ، وَأَيَّامُ التَّشْرِيقِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ (الآثار لابی یوسف، رقم الحدیث ۳۰۶،باب فی الاضحیٰ، دارالکتب العلمية، بيروت)

ترجمہ: قربانی تین دن ہے، ایک عیدالاضحیٰ کا دن، اور دو دن اس کے بعد، اور ایامِ تشریق، عیدالاضحیٰ کے دن کے بعد تین دن ہیں (ترجمہ ختم)

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ [۱]

اور حضرت سلیمان بن موسیٰ فرماتے ہیں کہ:

اَلنَّحْرُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فَقَالَ مَكْحُولٌ: صَدَقَ (سنن البيهقی) [۲]

ترجمہ: قربانی کے تین دن ہیں، حضرت مکحول نے اس کی تصدیق فرمائی (ترجمہ ختم)

حضرت سلیمان بن موسیٰ شام کے جلیلُ القدر محدث اور فقیہ ہیں۔ [۳]

---

[۱] إبراهيم النخعی *(ع) الامام، الحافظ، فقيه العراق، أبوعمران، إبراهيم بن يزيد بن قيس ابن الاسود بن عمرو بن ربيعة بن ذهل بن سعد بن مالک بن النخع النخعی، اليمانی ثم الكوفی، أحد الاعلام، وهو ابن مليكة أخت الاسود بن يزيد(سير اعلام النبلاء ج۴ص ۵۲۰)
قال أحمد بن عبد الله العجلی : لم يحدث عن أحد من أصحاب النبی صلى الله عليه وسلم وقد أدرک منهم جماعة ، ورأى عائشة رؤيا ، وكان مفتی أهل الكوفة هو والشعبی فی زمانهما ، وكان رجلا صالحا فقيها متوقيا قليل التكلف ، ومات وهو مختف من الحجاج. وقال أبو أسامة عن الأعمش :كان إبراهيم صيرفی الحديث .وقال جرير بن عبدالحميد عن إسماعيل بن أبی خالد : كان الشعبی وإبراهيم وأبو الضحی يجتمعون فی المسجد يتذاكرون الحديث ، فإذا جاء هم شیء ليس عندهم فيه رواية رموا إبراهيم بأبصارهم . وقال عباس الدوری عن يحيی بن معين : مراسيل إبراهيم أحب إلی من مراسيل الشعبی ....قال البخاری : وقال أبو نعيم :مات إبراهيم سنة ست وتسعين .وقال غيره :مات وهو ابن تسع وأربعين ، وقيل :ابن ثمان وخمسين .روی له الجماعة.(تهذيب الكمال ج۲ص ۲۳۳)

[۲] رقم الحديث ۱۹۲۵۲ ،كتاب الضحايا، باب من قال الأضحی يوم النحر ويومين بعده، دارالكتب العلمية، بيروت.

[۳] سُلَيْمان بن موسى القرشی الأُمَوِی،أبو أيوب ، ويُقال :أبو الربيع ، ويُقال :أبو هشام ، الدمشقی الاشدق ، مولى آل أبی سفيان بن حرب ، فيه أهل الشام فی زمانه......قال سَعِيد بن عبد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت مکحول بھی شام کے جلیلُ القدر تابعی اور فقیہ ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

العزيز :كان سُلَيمان بن موسى أعلم أهل الشام بعد مكحول .وَقَال سَعِيد أيضا :لو قيل لى :من أفضل الناس ؟ لاخذت بيد سُلَيمان بن موسى.وَقَال أيضا :كان عطاء بن أَبى رباح إذا جاء سُلَيمان بن موسى يقول :كفوا عن المسألة ، فقد جاء كم من يكفيكم المسألة.وَقَال أبو مسهر :قال لى سَعِيد بن عبد العزيز :ما رأيت أحسن مسألة منک بعد سُلَيمان بن موسى .قال سَعِيد :وَقَال سُلَيمان بن موسى :حسن المسألة نصف العلم.وَقَال سفيان بن عُيَيْنَة :لا نعلم مكحولا خلف بالشام مثل يزيد بن يزيد إلا ما ذكره ابن جُرَيْج من سُلَيمان بن موسى .وَقَال المطعم بن المقدام : سمعت عطاء بن أَبى رباح يقول :سيد شباب أهل الحجاز عَبد المَلِک بن جُرَيْج ، وسيد شباب أهل العراق الحجاج بن أرطاة ، وسيد شباب أهل الشام سُلَيمان بن موسى...... وَقَال أبو مسهر : كان أعلى أصحاب مكحول سُلَيمان بن موسى ومعه يزيد بن يزيد بن جابر .وَقَال عثمان بن سَعِيد الدارمى ، عن دحيم :وسُلَيمان بن موسى ثقة .وَقَال غيره ، عن دحيم :أوثق أصحاب مكحول سُلَيمان بن موسى...... وَقَال عثمان بن سَعِيد الدارمى :قلت ليحيى بن مَعِين :سُلَيمان بن موسى ما حاله فى الزُّهْرِىّ ؟ فقال :ثقة.وَقَال أبو حاتم :محله الصدق ، وفى حديثه بعض الاضطراب ولا أعلم أحدًا من أصحاب مكحول أفقه منه ولا أثبت منه.وَقَال أيضا :أختار من أهل الشام بعد الزُّهْرِىّ، ومكحول للفقه سُلَيمان بن موسى .وقَال البُخارِىُّ :عنده مناكير.وَقَال النَّسَائى :أحد الفقهاء ، وليس بالقوى فى الحديث.وَقَال فى موضع آخر :فى حديثه شىء.وَقَال أبو أحمد بن عدى :وسُلَيمان بن موسى فقيه راو .حدث عنه الثقات من الناس ، وهو أحد علماء أهل الشام ، وقد روى أحاديث ينفرد بها يرويها، لا يرويها غيره ، وهو عندى ثبت صدوق(تهذيب الكمال ج١٢ ص٩٢ تا ٩٧،ملخصاً)

[1] مكحول الشامى أبو عبد الله ...... وذكره محمد بن سعد فى الطبقة الثالثة من تابعى أهل الشام.وذكره أبو الحسن بن سميع فى الطبقة الرابعة .... وَقَال إبراهيم بن عَبد الله بن العلاء بن زبر ، عَن أبيه ، عن الزُّهْرِىّ :العلماء أربعة :سَعِيد بن المُسَيَّب بالمدينة ، وعامر الشعبى بالكوفة ، والحسن بن أَبى الحسن بالبصرة ، ومكحول بالشام .وَقَال أبو مسهر عن سَعِيد بن عبد العزيز :كان سُلَيمان بن موسى يقول إذا جاء نا العلم من الحجاز عن الزُّهْرِىّ قبلناه ، وإذا جاء نا من العراق عن الحسن قبلناه ، وإذا جاء نا من الجزيرة عن ميمون بن مهران قبلناه ، وإذا جاء نا من الشام عن مكحول قبلناه .قال سَعِيد :وكان هؤلاء الأربعة علماء الناس فى خلافة هشام .وَقَال هشام بن خالد :سمعت مروان بن محمد يحدث عن سَعِيد بن عبد العزيز قال :كان مكحول أفقه من الزُّهْرِىّ ، قال :مكحول أفقه أهل الشام .وَقَال ضمرة بن ربيعة عن عثمان بن عطاء :كان مكحول رجلا أعجميا لا يستطيع أن يقول قل ، يقول :كل ، فكل ما قال بالشام قبل منه قال الحافظ أبو بكر الخطيب :أراد عثمان أن مكحولا كان عندهم مع عجمة لسانه بحمل الإمامة وموضع الامانة يقبلون قوله ويعملون بخبره ، ولم يرد أنهم كانوا يحكون لفظه ، والله أعلم.قال أبو مسهر ، عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

محدثِ جلیل امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ قربانی کے تین دن کی مختلف روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَلَـمَّا لَمْ يُرْوَ لَنَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَا الْبَابِ شَـيْءٌ، وَلَـمْ يَكُـنْ هٰـذَا الْبَـابُ مِـمَّـا يُـوْجَدُ مِنْ جِهَةِ الْـإِسْتِخْرَاجِ وَالْإِسْتِـنْبَـاطِ، وَإِنَّـمَـا يُوْجَدُ مِنْ جِهَةِ التَّوْقِيْفِ، وَكُنَّا قَدْ رُوِّيْنَا عَمَّنْ ذَكَرْنَا مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَا الْبَابِ مَـا قَدْ ذَكَرْنَا مِنْ وَقْتِ النَّحْرِ فِيْهِ، وَأَنَّهٗ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، وَلَمْ نَجِدْ عَنْ أَحَدٍ مِّنْهُمْ فِيْ ذٰلِكَ خِلَافًا لِمَا قَالُوْهُ فِيْهِ، لِأَنَّا نَعْلَمُ أَنَّهُمْ لَمْ يَقُوْلُوْا ذٰلِكَ قِيَاسًا، وَلَا رَأْيًا، وَإِنَّمَا قَالُوْهُ، رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ، تَوْقِيْفًا (احكام القرآن للطحاوى) [1]

ترجمہ: اور جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں ہم تک کوئی (صریح) روایت نہیں پہنچی، اور یہ باب اُن چیزوں سے تعلق نہیں رکھتا کہ جن کو غور وفکر اور استنباط کر کے (خود سے) معلوم کیا جائے، بلکہ کسی نقل سے ہی معلوم کیا جاسکتا ہے، اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام سے اس باب میں جو روایات ذکر کیں، ان میں قربانی کا وقت تین دن ہے، اور ہم نے صحابۂ کرام میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سَعِيد بن عبد العزيز :لم يكن فى زمن مكحول أبصر بالفتيا منه .وَقَال محمد بن عَبد الله بن عمار الموصلى :مكحول إمام أهل الشام .وَقَال العجلى :تابعي ، ثقة.وَقَال ابن خراش :مكحول شامى صدوق ، وكان يرى القدر .وَقَال مروان بن محمد ، عن الأَوزاعِيّ :لم يبلغنا أن أحدًا من التابعين تكلم فى القدر إلا هذين الرجلين الحسن ، ومكحول فكشفنا عن ذلك فإذا هو باطل .وَقَال أبو حاتم :ما أعلم بالشام أفقه من مكحول ...... وكان فقهيا عالما رأى أبا أمامة الباهلى ، وأنس بن مالك ، وسمع واثلة بن الأسقع (تهذيب الكمال، جزء٢٨، صفحه ٤٦٤ تاصفحه ٤٧٣، ملخصاً)

[1] كتاب الحج والمناسك، تاويل قوله تعالىٰ واذكروا الله فى ايام معدودات ، مركز البحوث الإسلامية التابع لوقف الديانة التركى ، استانبول.

سے اس (تین دن) کے خلاف کوئی روایت نہیں پائی کہ انہوں نے اس کے خلاف فرمایا ہو (یعنی ان تین دنوں کے قربانی کے دن ہونے کی نفی فرمائی ہو) اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات قیاس اور اپنی رائے سے نہیں کہی، بلکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کر کے ہی کہی ہے

(ترجمہ ختم)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قربانی کے تین دن ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اشارتاً اور متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے صراحتاً صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے، جو کہ مرفوع احادیث کے حکم میں داخل ہے۔ [1]

اور اگرچہ بعض آثار میں قربانی کے چار دن ہونے کا ذکر ہے، لیکن اولاً تو وہ سند کے اعتبار سے کمزور ہیں، اور اس قابل نہیں کہ تین دن کے دلائل کا مقابلہ کر سکیں۔ [2]

---

[1] اقول الأثار نص فی الباب وهی فی حکم المرفوع لان مثل هذا لایقال بالرأی (اعلاء السنن، جلد ۱۷، صفحه ۲۳۰، باب ان الاضحیة یومان بعد یوم الاضحیٰ)

[2] واحتج بما روی عن جبیر بن مطعم وابی هریرة وابی سعید: ان ایام التشریق کلها ذبح.
والجواب عنه: ان ماروی عن ابی هریرة وابی سعید ففی سنده معاویة بن یحییٰ الصدفی وهو واه، ومع ذلک فقد اضطرب فی الاسناد فقال تارة: عن الزهری، عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة، واخری، عن الزهری، عن سعید، عن ابی سعید، ورواه ابن ابی حاتم فی العلل من طریق معاویه، عن الزهری، عن سعید، عن ابی سعید، وحکی، عن ابیه: انه قال: هو موضوع.
واما ماروی عن جبیر بن مطعم، فاختلف فیه علی سلیمان بن موسیٰ، فاحمد یرویه عن ابی المغیرة وابی الیمان، عن سعید بن عبدالعزیز، عن سلیمان بن موسیٰ، عن جبیر بن مطعم، والترمذی یرویه عن عبدالملک بن عبدالعزیز، عن سعید بن عبدالعزیز، عن سلیمان بن موسیٰ، عن عبدالرحمن بن ابی حسین، عن جبیر بن مطعم، بزیادة عبدالرحمن بن ابی حسین، وهکذا یرویه ابن حبان فی "صحیحه" والبزار فی "مسنده" والدارقطنی یرویه عن سوید بن عبدالعزیز، عند سعید بن عبدالعزیز، عن سلیمان بن موسیٰ، عن نافع بن جبیر، عن جبیر وعن ابی سعید حفص بن غیلان، عن سلمان بن موسیٰ، عن عمر وبن دینار عن جبیر، والطبرانی یرویه عن حفص بن غیلان، عن سلیمان بن موسیٰ عن محمد بن المنکدر، عن جبیر بن مطعم، وصحح ابن حبان من بین هذه الطرق طریق ابن ابی حسین، وکذا صوبه البزار ایضا، ولکن اعله بالانقطاع، وقال ابن ابی حسین: لم یلق جبیر بن مطعم، کذا فی "الزیلعی" ملخصا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے چار دن والے آثار میں تین دن کا بھی ثبوت موجود ہے، اور ان سے قربانی کے تین دن ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

لہٰذا قربانی کے تین دن ہونا صحیح سند کے ساتھ ثابت ہونے کے علاوہ احتیاط پر بھی مبنی ہوا۔

پھر قربانی کے تین دن ہونے پر اعتراض کے کیا معنیٰ؟ ۱؎

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقال ابن القیم فی "الھدی" ان حدیث جبیر بن مطعم منقطع لایثبت اصله، واجاب عنه الشوکانی فی "النیل" بان ابن حبان وصله وذکره فی "صحیحه" اھ، ولم یدر ان یوصل ابن حبان وان زال الانقطاع الذی کان فی "مسند احمد" ابن سلیمان وجبیر ولکن لم یزل الانقطاع الذی بین ابن حسین وجبیر الذی اعله به البزار فی "مسنده" فلایندفع جرح ابن القیم بهذا الجواب الذی هو غیر صواب، فما روی عن جبیر مع الاضطراب والانقطاع لایعارض ماروی عن ابن عمر بسند صحیح متصل،فیکون الاخذ به اولی لاسیما اذاکان الاحتیاط فی الاخذ بالاقل هذا، والله اعلم.

قال العبدالضعیف: عبدالرحمن بن ابی حسین لم یذکره احد فی الرواة فیما علمنا والحدیث انما هو من روایة عبدالله بن عبدالرحمن بن ابی حسین عن جبیر بن مطعم ولم یلقه قاله البزار، کما فی "التلخیص" وقال البزار ایضا: ورواه سوید بن عبدالعزیز فقال فیه: عن نافع بن جبیر، عن ابیه وهو رجل لیس بالحافظ ولایحتج به اذا انفرد وحدیث ابن ابی حسین هو الصواب مع انه لم یلق جبیر بن مطعم، وانما ذکرنا هذا الحدیث ، لانا لانحفظ عن رسول اللهﷺ فی کل ایام التشریق ذبح الا فی هذا الحدیث، فلذلک ذکرناه وبینا العلة فیه انتهیٰ. ورواه الطبرانی من طریق سوید، عن سعید، عن سلیمان بن موسیٰ، عن نافع بن جبیر، عن ابیه بنحوه لیس فیه ایام التشریق، ورواه ایضا فی "مسند الشامیین" عن حفص بن غیلان، عن سلیمان بن موسیٰ، عن محمد بن المنکدر، عن جبیر بن مطعم مرفوعا کذلک(لیس فیه ایام التشریق) کذافی "الزیلعی"

وبالجملة:فهذه الزیادة لم تثبت ولم تصح ، وانما وردت فی طریق مرسلة او ضعیفة موصولة لایترک بها ماثبت عن جماعة من الصحابة: ان ایام النحر ثلاثة: یوم النحر ویومان بعده(اعلاء السنن، جلد۱۷، صفحه ۲۳۱،۲۳۲، باب ان الاضحیة یومان بعد یوم الاضحیٰ)

۱؎ قال أبو بکر :قد ثبت عمن ذکرنا من الصحابة أنها ثلاثة واستفاض ذلک عنهم ، وغیر جائز لمن بعدهم خلافهم ؛ إذ لم یرو عن أحد من نظرائهم خلافه فثبتت حجته .

وأیضا فإن سبیل تقدیر أیام النحر التوقیف أو الاتفاق ؛ إذ لا سبیل إلیها من طریق المقاییس ، فلما قال من ذکرنا قوله من الصحابة بالثلاثة صار ذلک توقیفا ، کما قلنا فی مقدار مدة الحیض وتقدیر المهر ومقدار التشهد فی إکمال فرض الصلاة وما جری مجراها من المقادیر التی طریق إثباتها التوقیف أو الاتفاق إذا قال به قائل من الصحابة ثبتت حجته وکان ذلک توقیفا .

وأیضا قد ثبت الفرق بین أیام النحر وأیام التشریق ؛ لأنه لو کانت أیام النحر أیام التشریق لما کان

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

پس قربانی تین دن تک کرنا جائز ہے، یعنی دس ذی الحجہ سے لے کر بارہ ذی الحجہ کے سورج غروب ہونے تک۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بينهما فرق وكان ذكر أحد العددين ينوب عن الآخر ، فلما وجدنا الرمى فى يوم النحر وأيام التشريق ووجدنا النحر فى يوم النحر ، وقال قائلون :إلى آخر أيام التشريق ، وقلنا نحن :يومان بعده ، وجب أن نوجب فرقا بينهما ، لإثبات فائدة كل واحد من اللفظين وهو أن يكون من أيام التشريق ما ليس من أيام النحر وهو آخر أيامها .واحتج من جعل النحر إلى آخر أيام التشريق بما روى سليمان بن موسى عن ابن أبى حسين عن جبير بن مطعم عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :(كل عرفات موقف وارتفعوا عن عرنة ، وكل مزدلفة موقف وارتفعوا عن محسر ، وكل فجاج مكة منحر وكل أيام التشريق ذبح) ، وهذا حديث قد ذكر عن أحمد بن حنبل أنه سئل عن هذا الحديث فقال :لم يسمعه ابن أبى حسين من جبير بن مطعم وأكثر روايته عن سهو .

وقد قيل إن أصله ما رواه مخرمة بن بكير بن عبد الله بن الأشج عن أبيه قال :سمعت أسامة بن زيد يقول :سمعت عبد الله بن أبى حسين يخبر عن عطاء بن أبى رباح وعطاء يسمع قال :سمعت جابر بن عبد الله يقول :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :(كل عرفة موقف وكل منى منحر وكل فجاج مكة طريق ومنحر) ، فهذا أصل الحديث ، ولم يذكر فيه :(وكل أيام التشريق ذبح) ، ويشبه أن يكون الحديث الذى ذكر فيه هذا اللفظ إنما هو من كلام جبير بن مطعم أو من دونه ؛ لأنه لم يذكره .وأيضا لما ثبت أن النحر فيما يقع عليه اسم الأيام وكان أقل ما يتناوله اسم الأيام ثلاثة وجب أن يثبت الثلاثة ، وما زاد لم تقم عليه الدلالة فلم يثبت(أحكام القرآن للجصاص، ج۳ص۳۰۶،سورة الحج،باب الأيام المعلومات،دار إحياء التراث العربى -بيروت)

ويذكروا اسم الله عند النحر فى أيام معلومات أى مخصوصات وهى أيام النحر كما ذهب إليه جماعة منهم أبو يوسف ومحمد عليهما الرحمة وعدتها ثلاثة أيام يوم العيد ويومان بعده عندنا وعند الثورى وسعيد بن جبير وسعيد بن المسيب لما روى عن عمر وعلى وابن عمر وابن عباس وأنس وأبى هريرة رضى الله تعالى عنهم أنهم قالوا :أيام النحر ثلاثة أفضلها أولها وقد قالوه سماعا لأن الرأى لا يهتدى إلى المقادير وفى الأخبار التى يعول عليها تعارض فأخذنا بالمتيقن وهو الأقل(روح المعانى -للألوسى،ج۹ص۱۳۸،سورة الحج)

ثم ذكر (عن ابن عباس قال الاضحى ثلاثة ايام بعد يوم النحر) - قلت -فى سنده طلحة بن عمرو الحضرمى ضعفه ابن معين وأبو زرعة والدارقطنى وقال احمد متروك ذكره الذهبى فى كتاب الضعفاء وقد ذكر الطحاوى فى احكام القرآن بسند جيد عن ابن عباس قال الاضحى يومان بعد يوم النحر)(قال (باب من قال الاضحى يوم النحر ويومين بعده) - قلت -لم يصح فى هذا الباب عن النبى صلى الله عليه و سلم شىء وقد ذكر البيهقى فى هذا الباب عن ثلاثة من الصحابة (أن ايام النحر ثلاثة) وقد تقدم فى الباب السابق انه روى عن ابن عباس ايضا وقال الطحاوى فى احكام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیونکہ شرعی اعتبار سے سورج غروب ہونے پر دن کا حکم ختم ہوجاتا ہے، جس طرح سے کہ شرعی اعتبار سے دن کا آغاز طلوعِ فجر سے ہوتا ہے۔

لہٰذا دس ذی الحجہ کو طلوعِ فجر سے قربانی کا وقت داخل ہوکر بارہ ذی الحجہ کے غروب تک جاری رہتا ہے، جس میں دس ذی الحجہ اور بارہ ذی الحجہ کے دنوں کے درمیان کی دو راتیں بھی داخل ہیں، وہ الگ بات ہے کہ رات میں قربانی کرنا بہتر نہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

القرآن لم يرو عن احد من الصحابة خلافهم فتعين اتباعهم إذ لا يوجد ذلك الا توقيفا وفى الاستذكار روى ذلك عن على وابن عباس وابن عمر ولم يختلف فيه عن أبى هريرة وأنس وهو الاصح عن ابن عمر وهو مذهب أبى حنيفة والثورى ومالك -وفى نوادر الفقهاء لابن بنت نعيم اجمع الفقهاء أن التضحية فى اليوم الثالث عشر غير جائزة الا الشافعى فانه اجازها فيه(الجوهر النقى لابن التركمانى ج۹ص۲۹۶)

قال الإمام أحمد :أيام النحر ثلاثة، عن خمسة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، أى : عمر وابنه وابن عباس وأبى هريرة وأنس .ولا مخالف لهم، إلا رواية عن علي، رضى الله عنه، ولأنه صلى الله عليه وسلم نهى عن ادخار لحوم الأضاحى فوق ثلاث متفق عليه .فلا يجوز الذبح فى وقت لا يجوز الإدخار فيه(منارالسبيل فى شرح الدليل، ج۱ص۲۷۵، كتاب الحج، باب الاضحية، فصل فى نحرالابل قائمة)

قَوْلُهُ (إلَى آخِرِ يَوْمَيْنِ مِنْ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ) هَذَا الصَّحِيحُ مِنْ الْمَذْهَبِ وَعَلَيْهِ جَمَاهِيرُ الْأَصْحَابِ وَقَطَعَ بِهِ كَثِيرٌ مِنْهُمْ(الانصاف للمرداوى، ج۴ص۸۶، باب الهدى و الاضاحى)

قلنا: وهل يقدم خلاف التابعين فى اجماع الصحابة؟ فيه خلاف،فقيل: لايعتد بالتابعى فى اجماعهم مطلقا، وهو رواية عن الامام احمد، والذى عدوه قادحا وانما عدوه كذلك اذا كان من اجلة التابعين الذى زاحموا الصحابة فى الفتوىٰ، كعلقمة ومسروق وامثالها، كابن المسيب وسويد بن غفلة رضى الله عنهم، فهؤلاء من الطبقة الثانية،والذين سردت اسماؤهم ليسوا من هذه الطبقة ، بل بعضهم من الثالثة ، بعضهم من الرابعة، او الخامسة، فلايكون خلافهم قادحا، ولو سلمنا ان الاجماع مع مخالفة التابعى المجتهد ليس اجماعا فلا شك ان قول الصحابة حجة دون قول التابعين لمشاهدتهم التنزيل وصحبتهم للنبى صلى الله عليه وسلم فقولهم، فيما لايدرك بالرأى اقرب الى السماع من النبى صلى الله عليه وسلم بخلاف التابعين، فافهم، والبسط فى "فواتح الرحموت"(اعلاء السنن ج۱۷ صفحه ۲۳۴، باب ان الاضحية يومان بعد يوم الاضحىٰ)

[۱] ويجوز الذبح فى أيام النحر نهارها ولياليها؛ وهما ليلتان :ليلة اليوم الثانى وهى ليلة الحادى عشر، وليلة اليوم الثالث وهى ليلة الثانى عشر، ولا يدخل فيها ليلة الأضحى وهى ليلة العاشر من ذى الحجة لقول جماعة من الصحابة -رضى الله عنهم :-أيام النحر ثلاثة، وذكر الأيام يكون ذكر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ شہر اور قصبہ جات کہ جن مقامات میں عید کی نماز پڑھنا جائز اور واجب ہوتا ہے، ان مقامات میں جب تک عید کی نماز نہ ہو جائے، اس وقت تک قربانی کرنا جائز نہیں ہوتا۔

چنانچہ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ، فَقَالَ: إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ مِنْ يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ، ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ هٰذَا فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ نَحَرَ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ يُقَدِّمُهُ لِأَهْلِهِ، لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ (بخاری)[1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے یہ بات سنی کہ ہمارے اس عیدالاضحیٰ کے دن سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں، پھر ہم لوٹ کر قربانی کریں، پس جس نے اس طریقہ پر عمل کیا (یعنی عید کی نماز کے بعد قربانی کی) تو اس نے ہمارے طریقہ کے مطابق درست کام کیا، اور جس نے (عید کی نماز سے پہلے) قربانی کر دی، تو وہ ایک گوشت ہو گیا، جو اس نے اپنے گھر والوں کے لئے جلدی تیار کر دیا، اس کا قربانی سے تعلق نہیں (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

مَنْ ضَحّٰى قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَإِنَّمَا ذَبَحَ لِنَفْسِهِ، وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الليالى لغة، قال الله -عز شأنه -فى قصة زكريا -عليه الصلاة والسلام -(ثلاثة أيام إلا رمزا)وقال عز شأنه فى موضع آخر (ثلاث ليال سويا)والقصة قصة واحدة إلا أنه لم يدخل فيها الليلة العاشرة من ذى الحجة؛ لأنه استتبعها النهار الماضى وهو يوم عرفة؛ بدليل أن من أدركها فقد أدرك الحج، كما لو أدرك النهار وهو يوم عرفة فإذا جعلت تابعة للنهار الماضى لا تتبع النهار المستقبل فلا تدخل فى وقت التضحية وتدخل الليلتان بعدها، غير أنه يكره الذبح بالليل لا لأنه ليس بوقت للتضحية بل لمعنى آخر ذكرناه فى كتاب الذبائح، والله -عز شأنه -أعلم(بدائع الصنائع، ج۵ص ۷۴، ۷۵، كتاب التضحية،فصل فى شرائط جواز إقامة الواجب فى الأضحية)

[1] رقم الحديث ۵۵۶۰، كتاب الاضاحى، باب الذبح بعد الصلاة، دار طوق النجاة، بيروت .

فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهٗ، وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ (مسلم) [۱]

ترجمہ: جس نے نماز سے پہلے قربانی کردی، تو اس نے اپنے (کھانے) کے لئے ذبح کردیا، اور جس نے نماز کے بعد ذبح کیا، تو اس کا قربانی کا عمل پورا ہوگیا، اور اس نے مسلمانوں کے طریقہ کے مطابق درست عمل کیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ، فَقَالَ: مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُّصَلِّيَ فَلْيُعِدْ مَكَانَهَا أُخْرٰى، وَمَنْ لَّمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ (بخاری) [۲]

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عیدالاضحیٰ کے دن حاضر ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ جس نے عید کی نماز سے پہلے (قربانی کا جانور) ذبح کردیا، تو اسے چاہئے کہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے، اور جس نے (عید کی نماز سے پہلے) ذبح نہیں کیا، تو اسے چاہئے کہ وہ (عید کی نماز کے بعد) ذبح کرے (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ: مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ (مسند احمد) [۳]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کے دن فرمایا کہ جس نے عید کی نماز سے پہلے ذبح کردیا، تو اسے چاہئے کہ وہ قربانی دوبارہ کرے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عویمر بن اشقر سے مروی ہے کہ:

أَنَّهٗ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَذَكَرَهٗ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَعِدْ

---

[۱] رقم الحديث ۱۹۶۱، كتاب الصيد والذبائح وما يؤكل من الحيوان، باب وقتها، دار إحياء التراث العربى -بيروت.

[۲] رقم الحديث ۵۵۶۲، كتاب الاضاحى، باب من ذبح قبل الصلاة اعاد، دار طوق النجاة، بيروت.

[۳] رقم الحديث ۱۲۱۲۰، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، مسلم، رقم الحديث ۱۹۶۲.

أُضْحِيَّتَكَ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: انہوں نے عید کی نماز سے پہلے (قربانی کا جانور) ذبح کر دیا، پھر اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی قربانی دوبارہ کریں (ترجمہ ختم)

امام ترمذی رحمہ اللہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ، وَجُنْدَبٍ، وَأَنَسٍ، وَعُوَيْمِرِ بْنِ أَشْقَرَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَأَبِي زَيْدٍ الْأَنْصَارِيِّ: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنْ لَّا يُضَحّٰى بِالْمِصْرِ حَتّٰى يُصَلِّيَ الْإِمَامُ، وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ لِأَهْلِ الْقُرٰى فِي الذَّبْحِ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ، وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: اور اس باب میں حضرت جابر، اور حضرت جندب اور حضرت انس اور حضرت عویمر بن اشقر اور حضرت ابنِ عمر اور حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ عنہم کی

---

[1] رقم الحديث، ٣١٥٣، كتاب الاضاحى، باب النهى عن ذبح الأضحية، قبل الصلاة، دار إحياء الكتب العربية، القاهرة.

قال الكنانى:

رجال إسناد حديثه ثقات إلا أنه منقطع عباد بن تميم له يسمع من عويمر بن أشقر رواه الإمام مالك فى الموطأ والإمام أحمد فى مسنده من طريق عويمر بن أشقر كما رواه ابن ماجة وابن أبى شيبة فى مسنده هكذا ورواه البيهقى فى الكبرى من طريق مالك عن يحيى بن سعيد به ورواه الإمام مالك فى الموطأ أيضا عن يحيى بن سعيد به ورواه أحمد بن منيع فى مسنده عن يزيد بن هارون وهشيم كلاهما عن يحيى بن سعيد بالإسناد والمتن وله شواهد فى الصحيحين وغيرهما من حديث جندب بن سفيان والبراء بن عازب وأنس وله شواهد أخر أعرضت عن ذكرها اختصارا (مصباح الزجاجة فى زوائد ابنِ ماجه، ج٣ص ٢٢٨، ٢٢٩، باب النهى عن الأضحية قبل الصلاة)

[2] تحت رقم الحديث ١٥٠٨، ابواب الاضاحى، باب ماجاء فى الذبح بعد الصلاة، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

احادیث ہیں، اور یہ (یعنی حضرت براء رضی اللہ عنہ کی) حدیث حسن صحیح ہے، اور اس پر اکثر اہلِ علم کا عمل ہے کہ شہر میں اس وقت تک قربانی نہ کی جائے، جب تک کہ امام عید کی نماز نہ پڑھا دے، اور اہلِ علم کی ایک جماعت نے گاؤں والوں کے لئے طلوعِ فجر کے بعد قربانی کی اجازت دی ہے، اور یہ ابنِ مبارک کا قول ہے (ترجمہ ختم)

جو قول ابنِ مبارک رحمہ اللہ کا امام ترمذی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے، وہی قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور حنفیہ کا بھی ہے۔

چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَبِهٰذَا نَأْخُذُ، إِذَا كَانَ الرَّجُلُ فِيْ مِصْرٍ يُصَلَّى الْعِيْدُ فِيْهِ، فَذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُّصَلِّيَ الْإِمَامُ فَإِنَّمَا هِيَ شَاةُ لَحْمٍ، وَلَا يُجْزِءُ مِنَ الْأُضْحِيَّةِ، وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ مِصْرٍ وَكَانَ فِيْ بَادِيَةٍ أَوْ نَحْوِهَا مِنَ الْقُرٰى النَّائِيَةِ عَنِ الْمِصْرِ فَإِذَا ذَبَحَ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ وَحِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ أَجْزَأَهُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ (المؤطا للامام محمد) [1]

ترجمہ: ہم اسی حدیث پر عمل پیرا ہیں، جب آدمی ایسے شہر میں ہو، جس میں کہ عید کی نماز پڑھی جاتی ہے، پھر وہ امام کے نماز پڑھانے سے پہلے ذبح کر دے، تو وہ بکری (یا جس جانور کو بھی ذبح کیا ہے) کا گوشت ہے، جو کہ قربانی کی طرف سے جائز نہیں ہوگا، اور جو شخص شہر میں نہ ہو، بلکہ شہر سے دور گاؤں، دیہات وغیرہ میں ہو، تو وہ طلوعِ فجر ہونے کے بعد اور سورج طلوع ہونے کے وقت ذبح کر دے، تو اس کے لئے جائز ہے، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے (ترجمہ ختم)

گاؤں، دیہات میں جہاں کہ عید کی نماز کا حکم نہیں ہے، وہاں طلوعِ فجر کے بعد قربانی جائز

---

[1] تحت رقم الحديث ٦٣٧، كتاب الضحايا، باب الرجل يذبح أضحيته قبل أن يغدويوم الأضحى، دار القلم، دمشق.

ہونے کی وجہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنے سے منع فرمایا ہے، لہٰذا جب گاؤں میں عید کی نماز کا حکم ہی نہیں، تو وہاں اس شرط کا وجود ہی نہیں، پس وہاں قربانی کا وقت شروع ہونا کافی ہوگا، اور وہ عیدالاضحیٰ کا دن ہے، اور دن کا آغاز طلوعِ فجر سے ہوجاتا ہے۔

احادیث وروایات کے بعد اب اس سلسلہ میں فقہائے کرام کے بیان کردہ چند مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر۱...... قربانی کے دنوں میں مخصوص جانور کا ذبح کرنا قربانی کا رکن ہے، اس لئے مخصوص جانور کے ذبح کرنے سے ہی قربانی ادا ہوتی ہے، زندہ جانور یا اس کی قیمت صدقہ کردینا کافی نہیں ہوتا۔

اسی طرح قربانی کا وقت داخل ہونے سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں ہوتا (کیونکہ قربانی کا وقت سببِ وجوب ہے) اور قربانی کا وقت گزرنے کے بعد قربانی کا عمل قضا ہوجاتا ہے اور وہ صدقہ سے تبدیل ہوجاتا ہے (کیونکہ قربانی کا وقت سببِ وجوب ہونے کے علاوہ شرطِ اداء بھی ہے)[1]

---

[1] الأضحية وهى فى الشرع اسم لحيوان مخصوص بسن مخصوص يذبح بنية القربة فى يوم مخصوص عند وجود شرائطها وسببها كذا فى التبيين وأما ركنها فذبح ما يجوز ذبحه فى الأضحية بنية الأضحية فى أيامها لأن ركن الشيء ما يقوم به ذلك الشيء والأضحية إنما تقوم بهذا الفعل فكان ركنا كذا فى النهاية (الفتاوى الهندية، ج۵ص ۲۹۱، كتاب الأضحية ،الباب الأول)

ومنها(اى من كيفية وجوب الأضحية) أنه لا يقوم غيرها مقامها فى الوقت حتى لو تصدق بعين الشاة أو قيمتها فى الوقت لا يجزئه عن الأضحية ......ومنها أنها تقضى إذا فاتت عن وقتها ثم قضاؤها قد يكون بالتصدق بعين الشاة حية وقد يكون بالتصدق بقيمة الشاة فإن كان قد أوجب التضحية على نفسه بشاة بعينها فلم يضحها حتى مضت أيام النحر فيتصدق بعينها حية سواء كان موسرا أو معسرا وكذا إذا اشترى شاة ليضحى بها فلم يضح حتى مضى الوقت (الفتاوى الهندية، ج۵ص ۲۹۳، ۲۹۴، كتاب الأضحية ،الباب الأول)

بخلاف الأضحية لأنها تكون قربة فى زمان مخصوص وأما التصدق بالمال فهو قربة فى الأماكن أجمع(غمز عيون البصائر شرح كتاب الأشباه والنظائر، ج۲ص ۶۱، كتاب الزكاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ میں سے کسی بھی تاریخ میں قربانی کرنا جائز ہے۔ البتہ پہلا دن قربانی کے لئے سب سے بہتر ہے، پھر دوسرے دن کا درجہ ہے، پھر تیسرے دن کا۔

اس سے معلوم ہوا کہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو بھی قربانی کرنا جائز ہے، اور پہلے دن (یعنی دس ذی الحجہ) کو ہی قربانی کرنا ضروری نہیں ہے۔

لہٰذا شریعت کی طرف سے دی ہوئی اس سہولت سے فائدہ اٹھانا چاہیئے، اور پہلے ہی دن قربانی کو ضروری سمجھ کر اپنے آپ کو مشکلات میں نہیں ڈالنا چاہیئے۔

پس اگر پہلے دن بآسانی قربانی کا انتظام ہو سکے، تو بہتر ہے، ورنہ دوسرے، یا تیسرے دن

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما الذی یرجع إلی وقت التضحیة فهو أنها لا تجوز قبل دخول الوقت؛ لأن الوقت کما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب کوقت الصلاة، فلا یجوز لأحد أن یضحی قبل طلوع الفجر الثانی من الیوم الأول من أیام النحر ویجوز بعد طلوعه سواء کان من أهل المصر أو من أهل القری، غیر أن للجواز فی حق أهل المصر شرطا زائدا وهو أن یکون بعد صلاة العید، لا یجوز تقدیمها علیه عندنا(بدائع الصنائع ، ج۵ص۷۳، کتاب التضحیة،فصل فی شرائط جواز إقامة الواجب فی الأضحیة)

الأضحیة إراقة الدم من النعم دون سائر الحیوان، والدلیل علی أنها الإراقة أنه لو تصدق بعین الحیوان لم یجز، والصدقة بلحمها بعد الذبح مستحب ولیس بواجب حتی لو لم یتصدق به جاز قال فی الواقعات شراء الأضحیة بعشرة دراهم خیر من التصدق بألف درهم لأن القربة التی تحصل بإراقة الدم لا تحصل بالصدقة(الجوهرة النیرة، ج۲ ص۱۸۶، کتاب الأضحیة)

وفی الشرع هی ذبح حیوان مخصوص بنیة القربة فی وقت مخصوص وهو یوم الأضحی وشرائطها الإسلام والیسار الذی یتعلق به صدقة الفطر فتجب علی الأنثی وسببها الوقت وهو أیام النحر ورکنها ذبح ما یجوز ذبحها وحکمها الخروج عن عهدة الواجب فی الدنیا والوصول إلی الثواب فی العقبی (مجمع الانهر، ج۲ ص۵۱۶، کتاب الاضحیة)

ولا نقول :الأضحیة تسقط بل ینتقل الواجب إلی التصدق بالقیمة؛ لأن إراقة الدم لا تکون قربة إلا فی وقت مخصوص أو مکان مخصوص فأما التصدق بالمال قربة فی کل وقت(المبسوط للسرخسی، ج۳ص۱۰۰، کتاب الصوم، باب صدقة الفطر)

نقول إن الأضحیة تسقط بمضی أیام النحر ولکن ینتقل الوجوب إلی التصدق بالقیمة لأن الإراقة لا تکون قربة إلا فی وقت مخصوص وأما التصدق بالمال فقربة فی کل وقت(الجوهرة النیرة، ج۱ ص۱۳۵، کتاب الزکاة،باب صدقة الفطر)

قربانی کر لینی چاہیے۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... اگرچہ قربانی کا وقت دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر ہونے پر شروع ہو جاتا ہے، لیکن شہر اور قصبہ جات میں جہاں کہ عید کی نماز پڑھنا واجب ہو، وہاں عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں، بلکہ عید کی نماز کے بعد ہی قربانی کرنا جائز ہے (کیونکہ یہ شہر کے حق میں ایک اضافی شرطِ اداء ہے) اور بہتر یہ ہے کہ ان مقامات میں عید کا خطبہ ہو جانے کے بعد قربانی کی جائے۔ [2]

---

[1] والصحیح قولنا لما روی عن عمر وعلی وابن عباس وابن عمر وأنس رضی الله عنهم وغیرهم أنهم قالوا أیام النحر ثلاثة أفضلها أولها فإذا مضت هذه الأیام فقد فات الذبح فی حق من لم یذبح حتی لا یجوز له أن یذبح(تحفة الفقهاء، ج۳ص ۸۴ ،کتاب الأضحیة)

وقت الأضحیة ثلاثة أیام العاشر والحادی عشر والثانی عشر أولها أفضلها وآخرها أدونها ویجوز فی نهارها ولیلها بعد طلوع الفجر من یوم النحر إلی غروب الشمس من الیوم الثانی عشر إلا أنه یکره الذبح فی اللیل(الفتاوی الهندیة، ج۵ص ۲۹۵ ،کتاب الأضحیة،الباب الثالث فی وقت الأضحیة)

(قوله أفضلها أولها) ثم الثانی ثم الثالث كما فی القهستانی عن السراجیة(رد المحتار علی الدر المختار، ج۶ ص ۳۱۶،کتاب الأضحیة)

[2] قال :(ویدخل وقتها بطلوع الفجر أول أیام النحر ، إلا أن أهل المصر لا یضحون قبل صلاة العید) لقوله علیه الصلاة والسلام ' :من ذبح قبل الصلاة فلیعد ذبیحته ، ومن ذبح بعد الصلاة فقد تم نسكه وأصاب سنة المسلمین 'وقال علیه الصلاة والسلام ' :إن أول نسكنا فی هذا الیوم الصلاة ثم الأضحیة 'وهذا الشرط فی حق من تجب علیه الصلاة ؛ أما من لا تجب علیه وهم أهل السواد فیجوز ذبحه بعد طلوع الفجر ، وهذا لأن العبادة لا یختلف وقتها بالمصر وعدمه كسائر العبادات .أما شرطها یجوز أن یختلف ، ألا تری أن الظهر یمنع من فعلها یوم الجمعة قبل صلاة الإمام ولا یمنع ذلك فی السواد كذا هذا (الاختیار لتعلیل المختار، ج۵ص ۱۹ ،کتاب الأضحیة)

قال -رحمه الله .:-(ولا یذبح مصری قبل الصلاة وذبح غیره) یعنی لا یجوز لأهل المصر أن یذبحوا الأضحیة قبل أن یصلوا صلاة العید ویجوز لأهل القری والبادیة أن یذبحوا بعد صلاة الفجر قبل أن یصلی الإمام صلاة العید والأصل فی ذلك قوله - :صلی الله علیه وسلم -من ذبح قبل صلاة الإمام فلیعد ذبیحته ومن ذبح بعد صلاة الإمام فقد تم نسكه وأصاب سنة المسلمین قال صاحب النهایة هذا یشیر إلی ما ذكر فی المبسوط حیث قال :لا یجزیه لعدم الشرط لا لعدم الوقت وقال -علیه الصلاة والسلام :-أول نسكنا فی هذا الیوم الصلاة، ثم الأضحیة وهذا ظاهر فی حق من علیه الصلاة فبقی غیره علی الأصل فیذبح بعد طلوع الفجر(تكملة البحر الرائق للطوری ، ج۸،ص ۱۹۹ ،کتاب الأضحیة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... جو مقامات شہر اور قصبہ میں داخل نہیں، بلکہ وہ عام دیہات اور جنگل کہلاتے ہیں، جہاں کہ عید کی نماز پڑھنا واجب اور جائز نہیں ہوتا، ایسے مقامات پر طلوعِ فجر (یعنی صبح صادق) ہونے کے بعد قربانی کرنا جائز ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ ایسے مقامات پر سورج طلوع ہونے سے پہلے قربانی نہ کی جائے، بلکہ سورج طلوع ہونے کے بعد ہی قربانی کی جائے۔ [1]

مسئلہ نمبر۵...... شہر وقصبہ اور دیہات وجنگل کے سب لوگوں کی قربانی کی ادائیگی کے وقت کا اختتام بارہ ذی الحجہ کے سورج غروب ہونے پر ہوجاتا ہے، کیونکہ بارہ ذی الحجہ کا غروب ہونے پر شرعی اعتبار سے تیسرے دن کا اختتام ہوجاتا ہے۔

لہٰذا بارہ ذی الحجہ کے سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے قربانی کر لینی چاہئے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(قوله وأول وقتها بعد الصلاة إلخ) فيه تسامح إذ التضحية لا يختلف وقتها بالمصرى وغيره بل شرطها، فأول وقتها فى حق المصرى والقروى طلوع الفجر إلا أنه شرط للمصرى تقديم الصلاة عليها فعدم الجواز لفقد الشرط لا لعدم الوقت كما فى المبسوط وأشير إليه فى الهداية وغيرها قهستانى، وكذا ذكر ابن الكمال فى منهيات شرحه أن هذا من المواضع التى أخطأ فيها تاج الشريعة ولم يتنبه له صدر الشريعة(رد المحتار على الدر المختار، ج٦ ص ٣١٨، كتاب الأضحية)

[1] اور منیٰ میں عیدالاضحیٰ کی قربانی طلوعِ فجر کے بعد جائز ہے، یا زوال کے بعد؟ اس میں دونوں قول ہیں (پہلا قول منیٰ کو قریہ میں داخل سمجھنے اور اس کی وجہ سے وہاں عید کی نماز درست نہ ہونے پر مبنی ہے، اور دوسرا قول حجاج سے بوجہ عذر عید کی نماز ساقط ہونے پر مبنی ہے)

مگر یہ اختلاف اس صورت میں ہے، جبکہ منیٰ کو مکہ شہر کا حصہ نہ قرار دیا جائے۔

اور اگر منیٰ کو مکہ شہر کا حصہ قرار دیا جائے (جیسا کہ ہمارے نزدیک راجح بھی یہی ہے) تو منیٰ میں عیدالاضحیٰ کی قربانی کا وقت مکہ شہر کی طرح ہوگا کہ شہر میں عید کی نماز کے بعد قربانی کرنا جائز ہوتا ہے، اس سے پہلے نہیں۔

(تنبيه)قال فى مبسوط السرخسى :ليس على أهل منى يوم النحر صلاة العيد لأنهم فى وقتها مشغولون بأداء المناسک، وتجوز لهم التضحية بعد انشقاق الفجر كما يجوز لأهل القرى اهـ.

ومن الظاهر أن أهل منى هم من بها من الحجاج وأهل مكة شرنبلالية أى أهل مكة المحرمين، ثم إن هذا صريح فى خلاف ما ذكره البيرى حيث قال :إن منى لا تجوز فيها الأضحية إلا بعد الزوال لأنها موضع تجوز فيه صلاة العيد إلا أنها سقطت عن الحاج ولم نر فى ذلک نقلا مع كثرة المراجعة، ولا صلاة العيد بمكة يوم النحر لأنا ومن أدركناه من المشايخ لم يصلها بمكة، والله أعلم ما السبب فى ذلک اهـ (رد المحتار على الدر المختار، ج٦ ص ٣١٨، كتاب الأضحية)

اور قربانی میں اصل عمل قربانی کے جانور کو شرعی طریقہ سے ذبح کرنا ہے، اس لئے اگر بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے قربانی کے جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کردیا گیا، اگرچہ اس کی کھال نہ اتاری گئی ہو، اور گوشت پوست نہ بنایا گیا ہو، تب بھی قربانی کی ادائیگی درست ہوجائے گی۔ [1]

مسئلہ نمبر۲ ...... دس ذی الحجہ، اور بارہ ذی الحجہ کے دن کے درمیان کی دو راتوں میں بھی قربانی کرنا درست ہے، کیونکہ یہ راتیں بھی آگے پیچھے قربانی کے دن ہونے کی وجہ سے قربانی کے وقت میں داخل ہیں۔

لیکن اندھیرے کی وجہ سے قربانی کے جانور کی رگیں نہ کٹنے، یا اپنا ہاتھ وغیرہ کٹ جانے، یا جانور کے آرام میں خلل کے اندیشہ سے رات میں ذبح کرنا بہتر نہیں، البتہ اگر کی جائے تو قربانی ہوجائے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر آج کل انتظامی مشکلات کی وجہ سے رات کے وقت میں قربانی کی جائے، اور روشنی کا معقول انتظام بھی کرلیا جائے، تو رات کو قربانی کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ [2]

---

[1] ویجوز ذبحها فی أیامها ولیالیها لأن الأیام إذا ذکرت بلفظ الجمع ینتظم ما بإزائها من اللیالی کما فی النذر لما عرف من قصة زکریا -علیه السلام (الاختیار لتعلیل المختار، ج۵ ص ۱۹، کتاب الاضحیة)

[2] (وکره) تنزیها (الذبح لیلا) لاحتمال الغلط(الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار، کتاب الاضحیة)

(قوله تنزیها) بحث من المصنف حیث قال :قلت :الظاهر أن هذه الکراهة للتنزیه ومرجعها إلی خلاف الأولی إذ احتمال الغلط لا یصلح دلیلا علی کراهة التحریم اهـ .أقول :وهو مصرح به فی ذبائح البدائع (قوله لیلا) أی فی اللیلتین المتوسطتین لا الأولی ولا الرابعة، إذ لا تصح فیهما الأضحیة أصلا کما هو الظاهر ونبه علیه فی النهایة ومع هذا خفی علی البعض (ردالمحتار، ج۶ ص ۳۲۰، کتاب الاضحیة)

المستحب أن یکون الذبح بالنهار ویکره باللیل والأصل فیه ما روی عن رسول الله -صلی الله علیه وسلم -أنه نهی عن الأضحی لیلا وعن الحصاد لیلا وهو کراهة تنزیه ومعنی الکراهة یحتمل أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... اگر شہر میں کئی جگہ عید کی نماز ہوتی ہے تو شہر میں قربانی صحیح ہونے کے لئے ایک جگہ عید کی نماز ہوجانا کافی ہے، نہ تو شہر میں سب جگہ عید کی نماز ہونا ضروری ہے، اور نہ ہی ہر قربانی کرنے والے کا خود عید کی نماز پڑھ کر قربانی کرنا ضروری ہے۔

پس اگر شہر میں سب سے پہلے عید کی نماز ہوجانے کے بعد کسی نے خود نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کردی تو جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۸...... اگر کسی عذر کی وجہ سے شہر میں کسی بھی ایک جگہ پہلے دن عیدالاضحیٰ کی نماز نہ پڑھی جاسکے تو قربانی کرنے میں اتنی دیر کی جائے کہ نماز کا وقت ختم ہوجائے یعنی زوال ہوجائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يكون لوجوه :أحدها أن الليل وقت أمن وسكون وراحة فإيصال الألم في وقت الراحة يكون أشد، والثاني أنه لا يأمن من أن يخطأ فيقطع يده ولهذا كره الحصاد بالليل، والثالث أن العروق المشروطة في الذبح لا تتبين في الليل فربما لا يستوفي قطعها(بدائع الصنائع، ج۵ص۶۰، كتاب الذبائح والصيود،فصل في بيان شرط حل الأكل في الحيوان المأكول)

[1] اگر عید کی نماز کے بعد اور خطبہ سے فراغت سے پہلے قربانی کی جائے، تو قربانی ہوجائے گی، مگر بہتر نہیں، لیکن اگر امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اور تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد قربانی کی جائے، تو ظاہر الروایۃ کے مطابق جائز نہیں، اور بعض نے جائز ہونے کے باوجود مکروہ قرار دیا ہے، وهو رواية عن ابى يوسف۔

وإن كان يصلى في المصر في موضعين بأن كان الإمام قد خلف من يصلى بضعفة الناس في الجامع وخرج هو بالآخرين إلى المصلى -وهو الجبانة -ذكر الكرخي -رحمه الله -أنه إذا صلى أهل أحد المسجدين أيهما كان جاز ذبح الأضاحي، وذكر في الأصل إذا صلى أهل المسجد فالقياس أن لا يجوز ذبح الأضحية وفي الاستحسان يجوز(بدائع الصنائع ،ج۵ص۷۳،كتاب التضحية،فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية)

(وأول وقتها) (بعد الصلاة إن ذبح في مصر) أي بعد أسبق صلاة عيد، ولو قبل الخطبة لكن بعدها أحب (الدر المختار،كتاب الأضحية)

(قوله بعد أسبق صلاة عيد) ولو ضحى بعدما صلى أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة أجزأه استحسانا لأنها صلاة معتبرة، حتى لو اكتفوا بها أجزأتهم، وكذا عكسه هداية ولو ضحى بعدما قعد قدر التشهد في ظاهر الرواية لا يجوز .وقال بعضهم يجوز ويكون مسيئا وهو رواية عن أبي يوسف خانية (قوله ولو قبل الخطبة) قال في المنح وعن الحسن :لو ضحى قبل الفراغ من الخطبة فقد أساء (رد المحتار على الدر المختار،ج۶ص۳۱۸،كتاب الأضحية)

اور ایسی صورت میں زوال ہونے کے بعد قربانی کی جائے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۹ ...... اگر عید کی نماز کے بعد کسی نے قربانی کرلی، اور پھر معلوم ہوا کہ عید کی نماز درست نہیں ہوئی تھی، مثلاً امام کا وضو نہ تھا، تو ایسی مجبوری کی صورت میں قربانی کو درست قرار دیا جائے گا، اور اس کو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ [2]

مسئلہ نمبر ۱۰ ...... قربانی کے وقت کا ہونا کیونکہ قربانی کے ذمہ میں واجب ہونے کا سبب ہے (جس کو سببِ وجوب کہا جاتا ہے) اور اسی طرح قربانی کا وقت ہونا، اور شہر میں عید کی نماز کا ہونا قربانی کی ادائیگی کی شرط ہے، اس لئے قربانی کا وقت داخل ہونے سے پہلے

---

[1] اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر عید کی نماز کسی عذر سے گیارہویں یا بارہویں تاریخ کو پڑھی جائے تو قربانی عید کی نماز سے پہلے بھی کی جاسکتی ہے۔

وبعد مضی وقتها لو لم یصلوا لعذر، ویجوز فی الغد وبعده قبل الصلاة لأن الصلاة فی الغد تقع قضاء لا أداء زیلعی وغیره (وبعد طلوع فجر یوم النحر إن ذبح فی غیره) وآخره قبیل غروب یوم الثالث(الدر المختار، کتاب الأضحیة)

(قوله وبعد مضی وقتها) أی وقت الصلاة، وهو معطوف علی قوله بعد الصلاة، ووقت الصلاة من الارتفاع إلی الزوال (قوله لعذر) أی غیر الفتنة المذکورة بعد اهـ ط .أقول :ولم یذکر الزیلعی لفظ العذر مع أنه مخالف لما سیذکره الشارح عن الینابیع .وفی البدائع :وإن أخر الإمام صلاة العید فلا ذبح حتی ینتصف النهار، فإن اشتغل الإمام فلم یصل أو ترک عمدا حتی زالت فقد حل الذبح بغیر صلاة فی الأیام کلها لأنه بالزوال فات وقت الصلاة، وإنما یخرج الإمام فی الیوم الثانی والثالث علی وجه القضاء والترتیب شرط فی الأداء لا فی القضاء کذا ذکر القدوری اهـ، وذکر نحوه الزیلعی عن المحیط، ونقل قبله عنه أیضا أنه لا تجزیهم فی الیوم الثانی قبل الزوال إلا إذا کانوا لا یرجون أن یصلی الإمام بهم(رد المحتار علی الدر المختار، ج۶ ص۳۱۸، کتاب الأضحیة)

[2] ولو صلی الإمام ثم تبین أنه صلی بغیر طهارة تعاد الصلاة دون الأضحیة ؛ لأن من العلماء من قال لا یعید الصلاة إلا الإمام وحده فکان للاجتهاد فیه مساغا فجعلناه عذرا فی جواز التضحیة تحریا للجواز وصیانة لأضاحیهم عن الفساد ، ولو وقعت فی البلد فتنة ، ولم یبق فیها وال لیصلی بهم العید فضحوا بعد طلوع الفجر أجزأهم ؛ لأن البلدة صارت فی هذا الحکم کالسواد ، ولو شهدوا عند الإمام أنه یوم العید فصلی ثم انکشف أنه یوم عرفة أجزأتهم الصلاة والتضحیة ؛ لأنه لا یمکن التحرز عن مثل هذا الخطأ فیحکم بالجواز صیانة لجمع(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، کتاب الأضحیة)

(تبین أن الإمام صلی بغیر طهارة) (تعاد الصلاة دون الأضحیة) لأن من العلماء من قال :لا یعید الصلاة إلا الإمام وحده فکان للاجتهاد فیه مساغا زیلعی .وفی المجتبی :إنما تعاد قبل التفرق لا بعده(الدر المختار مع شرحه ردالمحتار، ج۶ ص۳۰۹، کتاب الاضحیة)

کسی کی قربانی کرنا معتبر نہیں، جیسا کہ نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے نماز پڑھنا معتبر نہیں۔ [1]

اور قربانی کا اصل وقت دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر (یا صبح صادق) سے شروع ہو کر بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے پر ختم ہوتا ہے (اور شہر میں عید کی نماز کا ہونا ایک اضافی شرطِ ادا ہے، نہ کہ سببِ وجوب)

لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی قربانی کسی دور دراز ایسے علاقے میں کرائے، کہ وہاں کے اوقات میں اور جہاں قربانی کرانے والا موجود ہے، وہاں کے اوقات میں غیر معمولی تفاوت وفرق ہو، مثلاً ایک مقام پر عیدالاضحیٰ کے دن کی طلوعِ فجر ہو جاتی ہے، اور دوسرے مقام پر اس وقت تک طلوعِ فجر نہیں ہوتی، تو ایسی صورت میں قربانی کی ادائیگی درست ہونے کے لئے ضروری ہوگا کہ قربانی کرانے والا (یعنی موکل) جہاں موجود ہے، وہاں قربانی کا وقت داخل ہو چکا ہو (یعنی دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر ہو چکی ہو) اور بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب نہ ہوا ہو، اور اسی طرح جہاں قربانی کی جارہی ہے، وہاں بھی قربانی کا وقت داخل ہو چکا ہو، اور ختم نہ

---

[1] أقول :وليس هذا أيضا بشىء ، لأن مراد المصنف هناک فوات أداء الاضحية بمضى الوقت لا سقوطها بالكلية فى حق المقيم أيضا، فإن الأداء وهو تسليم عين الثابت بالأمر يفوت بمضى الوقت فى الواجبات المؤقتة مطلقا، لأن الوقت شرط لأدائها على ما عرف فى أصول الفقه.

وأما القضاء وهو تسليم مثل الواجب بالأمر فلا يسقط بمضى الوقت، وإنما الفائت بمضيه شرط الوقت لا غير، وهذا أيضا مما عرف فى أصول الفقه، وقد تقرر فيه أيضا أن القضاء قد يكون بمثل معقول كالصلاة للصلاة، وقد يكون بمثل غير معقول كالفدية للصوم وثواب النفقة للحج، وعدوا الأضحية من القسم الثانى وقالوا :إن أداء ها فى وقتها بإراقة الدم وقضاء ها بعد مضى وقتها بالتصدق بعينها أو بقيمتها، فقول ذلک البعض ثم ظاهر قول المصنف وتفوت بمضى الوقت يدل على أن وجوبها ليس بالقدرة الممكنة غير مسلم، وقوله وإلا لم تسقط وكان عليه أن يضحى وإن لم يشتر شاة فى يوم النحر ليس بصحيح، إذ لم يقل أحد بسقوطها بعد وجوبها حتى يصح قوله وإلا لم تسقط، ولم يقل أحد بصحة أداء المؤقتات بعد مضى وقتها حتى يصح قوله وكان عليه أن يضحى وإن لم يشتر شاة فى يوم النحر فإن التضحية إراقة الدم، وهى إنما تقبل فى وقت الأداء لا بعده، وإنما الذى يلزم بعده قضاؤها وهو إنما يكون بالتصدق بعينها أو بقيمتها لا بغيره (فتح القدير، ج۹، ص۵۰۷، كتاب الأضحية)

ہوا ہو، اور اگر قربانی کے جانور والی جگہ کوئی شہر ہے، تو وہاں عید کی نماز بھی ہو چکی ہو (کیونکہ دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر سے قبل قربانی کا وقت سِرے سے داخل ہی نہیں ہوتا، اور بارہ ذی الحجہ کے غروب کے بعد قربانی کی ادائیگی کی شرط فوت ہو جاتی ہے، اور قربانی کا عمل صدقہ سے تبدیل ہو جاتا ہے)

مثلاً برطانیہ کا وقت ہندوپاکستان کے وقت سے تقریباً پانچ گھنٹے پیچھے ہے کہ جب ہندوپاکستان میں صبح چھ بج رہے ہوتے ہیں اس وقت برطانیہ میں رات کا تقریباً ایک بج رہا ہوتا ہے اب اگر ایک آدمی مثلاً برطانیہ میں ہے اور وہ اپنی قربانی کسی کو کہہ کر ہندوستان یا پاکستان میں کراتا ہے تو جب تک برطانیہ میں وہاں کے اعتبار سے دس ذی الحجہ کی صبح صادق نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی قربانی پاکستان یا ہندوستان میں کرنا درست نہیں۔

اور اسی طرح مذکورہ صورت میں پاکستان یا ہندوستان میں بارہ تاریخ کا سورج غروب ہونے کے بعد قربانی کرنا درست نہیں، اگرچہ برطانیہ میں ابھی تک بارہ تاریخ کا سورج غروب نہ ہوا ہو۔

(اس مسئلہ کی دوسری صورت آگے قربانی کی قضاء میں اور اس کی تفصیل آگے تحقیقی مسائل میں ملاحظہ فرمائیں)

مسئلہ نمبر ۱۱...... قربانی کا وقت داخل ہونے کے بعد شہر وقصبہ میں قربانی صحیح ہونے کے لئے عید کی نماز کا ہونا بھی ایک اضافی شرطِ اداء ہے (اور اس کا تعلق اداء یعنی فعلِ ذبح سے ہے) جس کا حکم شہر وقصبہ کی حدود تک محدود ہے، جیسا کہ گزرا۔

لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی قربانی کے جانور کو شہر کی حدود سے اتنا باہر لے جائے کہ جہاں پہنچ کر سفر کی نیت سے چلنے والے کو نماز کا قصر کرنا جائز ہو جاتا ہے، تو وہاں طلوعِ فجر کے بعد اور عید کی نماز سے پہلے جانور کی قربانی کرنا جائز ہے، کیونکہ اس مقام پر عید کی نماز کا حکم نہیں، لہٰذا وہاں عید کی نماز ہونے کی شرط پایا جانا ضروری نہیں، بلکہ دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر کا ہونا کافی ہے[1]

---

[1] و لو أخرج أضحيته من المصر وذبح قبل صلاة العيد قالوا إن أخرج من المصر مقدار ما يباح للمسافر قصر الصلاة فی ذلک المكان يجوز الذبح قبل صلاة العيد و إلا فلا (فتاوى قاضی خان، کتاب الأضحية)

مسئلہ نمبر۱۲...... اگر کوئی شخص خود تو شہر میں ہے (خواہ وہ شہر میں رہتا ہو، یا گاؤں کا رہنے والا ہو، مگر اس وقت شہر میں موجود ہو) اور اس کی قربانی کا جانور شہر کی حدود سے باہر ایسے گاؤں، دیہات میں ہے، جہاں کہ عید کی نماز نہیں پڑھی جاتی (خواہ اس کی قربانی کا جانور پہلے سے گاؤں میں ہو، یا اس نے گاؤں میں بھیج دیا ہو) تو راجح یہ ہے کہ گاؤں، دیہات میں دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر (یعنی صبح صادق) کے بعد بھی اس جانور کی قربانی کرانا درست ہے، خواہ اُس شہر میں جہاں کہ قربانی کا مالک موجود ہے، عید کی نماز نہ ہوئی ہو، مگر وہاں دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر ہو چکی ہو۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۳...... اگر کوئی شخص شہر کی حدود سے باہر ایسے گاؤں، دیہات میں ہے، جہاں کہ

---

[1] و لو كانت الأضحية في السواد و صاحبها في المصر فأمر أهله بالتضحية فذبح الأهل قبل صلاة العيد يجوز عندنا و يعتبر مكان المذبوح لا مكان المالك و في صدقة الفطر يعتبر مكان المولى لا مكان العبيد في قول محمد و أبي يوسف الأول رحمهما الله تعالى فرجع أبو يوسف رحمه الله تعالى و قال يعتبر مكان العبيد (فتاوى قاضي خان، كتاب الأضحية)

(ثم المعتبر في ذلك) ش :أي في الذبح م :(مكان الأضحية حتى لو كانت في السواد والمضحي في المصر) ش :أي :وكان الذي يضحي في المصر م :(يجوز كما انشق الفجر) ش :لدخول الوقت(البناية شرح الهداية، ج۱۲، ص۲۴، كتاب الاضحية، وقت الاضحية)

م :(وحيلة المصري إذا أراد التعجيل أن يعث بها) ش :أي بالأضحية م :(إلى خارج المصر فيضحي بها كما طلع الفجر) ش :لأن الاعتبار لمكان الأضحية كما مر .م :(هذا) ش :أشار إلى كون مكان الأضحية معتبرا .م :(لأنها) ش :أي الأضحية م :(تشبه الزكاة من حيث إنها تسقط بهلاك المال قبل مضى أيام النحر كالزكاة) ش :تسقط م :(بهلاك النصاب فيعتبر في الصرف) ش :أي صرف الواجب م :(مكان المحل) ش :أي محل الذبح م :(لا مكان الفاعل اعتبارا بها) ش :أي بالزكاة حيث يؤدى في موضع المال دون موضع صاحبه.

م :(بخلاف صدقة الفطر) ش :حيث يعتبر فيها مكان الفاعل وهو المؤدي م :(لأنها لا تسقط بهلاك المال بعدما طلع الفجر من يوم الفطر) ش :فحينئذ يعتبر مكان صاحب الذمة وهو المؤدى (ايضاً ص، ۲۵، كتاب الاضحية، وقت الاضحية)

قال القدوري :لو أن رجلاً من أهل السواد دخل المصر لصلاة الأضحى، وأمر أهله أن يضحوا عنه؛ جاز أن يذبحوا عنه بعد طلوع الفجر؛ قال محمد رحمه الله تعالىٰ :أنظر في هذا إلى موضع الذبح دون المذبوح عنه، ولو كان الرجل بالسواد، وأهله بالمصر لم يجز ذبح الأضحية عنه إلا بعد صلاة الإمام، وهكذا روى عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ (المحيط البرهاني، ج۸ص ۴۶۴، كتاب الأضحية،الفصل الرابع فيما يتعلق بالمكان، والزمان)

عید کی نماز نہیں پڑھی جاتی (خواہ وہ شخص گاؤں کا ہی رہنے والا ہو، یا شہر کا رہنے والا ہو، مگر اس وقت گاؤں میں موجود ہو) اور اس کی قربانی کا جانور شہر میں ہے (خواہ اس کی قربانی کا جانور پہلے سے شہر میں موجود ہو، یا اس نے شہر میں بھیج دیا ہو) تو اس جانور کی شہر میں عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں (لاعتبار مکان الاضحیۃ فی الاداء) [1]

مسئلہ نمبر ۱۴...... ایک شخص خود ایک شہر میں ہے اور وہ دوسرے شہر میں کسی کے ذریعہ سے اپنی قربانی کراتا ہے، تو جس شہر میں اس کی قربانی کی جائے گی، اس شہر میں عید کی نماز کا ہونا ضروری ہے، اور یہ خود جس شہر میں ہے، وہاں عید کی نماز کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ وہاں دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر یا صبح صادق کا ہونا کافی ہے (لاعتبار مکان الاضحیۃ فی الاداء)

چنانچہ اگر کوئی شخص خود تو پاکستان کے مغربی شہر کراچی میں ہے اور وہ پاکستان کے مشرقی شہر راولپنڈی میں اپنی قربانی کا جانور ذبح کراتا ہے، تو راولپنڈی میں عید کی نماز ہونا ضروری ہے، کراچی میں عید کی نماز کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ وہاں طلوعِ فجر یا صبح صادق کا ہوجانا کافی ہے۔ [2]

---

[1] فإن كانت الأضحية في المصر و صاحبها في السواد فوكل رجلا ليضحي في المصر فذبح الوكيل قبل صلاة العيد عندنا لا يجوز (فتاوى قاضي خان، كتاب الأضحية)

(ولو كان على العكس) ش :وهو ما إذا كانت الأضحية في المصر والمضحي في السواد م :(لا يجوز إلا بعد الصلاة) ش :لعدم دخول الوقت قبل الصلاة، قال الكرخي في "مختصره" :"إن كان رجل من أهل السواد، وسكنه فيه دخل المصر لصلاة الأضحى، وأمر أهله أن يضحوا عنه، فإنه يجوز أن يذبحوا عنه بعد طلوع الفجر (البناية شرح الهداية، ج ۱۲، ص ۲۴، كتاب الاضحية، وقت الاضحية)

[2] البتہ حسن بن زیاد کے نزدیک دونوں شہروں میں عید کی نماز کا ہونا ضروری ہے۔

وإنما يعتبر في هذا مكان الشاة لا مكان من عليه، هكذا ذكر محمد -عليه الرحمة- في النوادر وقال :إنما أنظر إلى محل الذبح ولا أنظر إلى موضع المذبوح عنه.

وهكذا روى الحسن عن أبي يوسف -رحمه الله- :يعتبر المكان الذي يكون فيه الذبح ولا يعتبر المكان الذي يكون فيه المذبوح عنه، وإنما كان كذلك؛ لأن الذبح هو القربة فيعتبر مكان فعلها لا مكان المفعول عنه.

وإن كان الرجل في مصر وأهله في مصر آخر فكتب إليهم أن يضحوا عنه روى عن أبي يوسف أنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۵...... قربانی کی نیت سے مالدار (یعنی صاحبِ نصاب) شخص نے جانور خریدا، اور قربانی کے دِنوں میں اس جانور کی قربانی نہیں کی، پھر اس کے بعد (یعنی قربانی کے دن گزرنے کے بعد) وہ شخص غریب ہوگیا (یعنی نصاب کا مالک نہیں رہا) تو اس سے قربانی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

اعتبر مكان الذبيحة فقال :ينبغى لهم أن لا يضحوا عنه حتى يصلى الإمام الذى فيه أهله، وإن ضحوا عنه قبل أن يصلى لم يجزه، وهو قول محمد -عليه الرحمة -وقال الحسن بن زياد :انتظرت الصلاتين جميعا وإن شكوا فى وقت صلاة المصر الآخر انتظرت به الزوال فعنده لا يذبحون عنه حتى يصلوا فى المصرين جميعا، وإن وقع لهم الشك فى وقت صلاة المصر الآخر لم يذبحوا حتى تزول الشمس فإذا زالت ذبحوا عنه.وجه قول الحسن أن فيما قلنا اعتبار الحالين حال الذبح وحال المذبوح عنه فكان أولى.ولأبى يوسف ومحمد رحمهما الله أن القربة فى الذبح، والقربات المؤقتة يعتبر وقتها فى حق فاعلها لا فى حق المفعول عنه(بدائع الصنائع، ج۵ص ۷۴،۷۵،كتاب التضحية، فصل فى شرائط جواز إقامة الواجب فى الأضحية)

وإن سافر رجل فأمر أهله وهم فى المصر أن يضحوا عنه، فإنه لا يجوز أن يذبحوا عنه إلا بعد صلاة الإمام وطلوع الفجر.

قال محمد :أنظر إلى موضع الذابح ولا أنظر إلى موضع المذبوح عنه، وروى ذلك عن ابن سماعه فى "نوادره"، وكذلك روى الحسن بن زياد عن أبى يوسف أنه قال :يعتبر المكان الذى يكون فيه الذبح، ولا يعتبر الموضع الذى يكون فيه المذبوح عنه.

وقال الحسن :إن كان الرجل فى المصر، وأهله فى آخر لم يذبحوا حتى يصلى فى المصرين جميعا، فإن ذبحوا قبل ذلك لم يجزه.

وقال محمد :يؤخر الذبح حتى يصلى فى المصر الذى فيه الذبيحة ولا ينتظر بذلك صلاة المصر الآخر، فإن صلى الإمام العيد ولم يخطب أجزء من الذبح، وقال محمد :إن أخر الإمام صلاة العيد فليس للرجل أن يذبح الأضحية حتى ينتصف النهار(البناية شرح الهداية، ج۱۲، ص۲۴، ۲۵، كتاب الاضحية، وقت الاضحية)

وروى عنهما أيضاً :أن الرجل إذا كان فى مصر، وأهله فى مصر آخر، فكتب إليهم أن يضحوا عنه، فإنه يعتبر مكان الذبيحة، ينبغى أن يضحوا بعد صلاة الإمام فى المصر الذى تذبح فيه، وروى عن أبى الحسن أنه قال :لا تجوز التضحية حتى يصلى فى المصرين جميعاً احتياطاً، وإذا أراد المصرى بأن يتعجل اللحم فى يوم الأضحيه ينبغى أن يأمر بإخراج الأضحية إلى بعض هذه الصور فيصح هناك قبل الصلاة، فيجوز اعتباراً لمكان الأضحية(المحيط البرهانى،ج۸ص ۴۶۴،كتاب الأضحية،الفصل الرابع فيما يتعلق بالمكان، والزمان)

و لو كان هو فى مصر وقت الأضحية و أهله فى مصر آخر فكتب إلى الأهل و أمرهم بالتضحية فى ظاهر الرواية يعتبر مكان الأضحية (فتاوى قاضيخان،كتاب الأضحية)

معاف نہیں ہوگی، البتہ قربانی کا وقت گزرنے کی وجہ سے اس پر اس جانور یا اس جانور کی قیمت کا صدقہ واجب ہوجائے گا۔ [1]

تنبیہ: اگر قربانی کا وقت ختم ہوجائے، اور کوئی قربانی نہ کرسکے، تو اس کے احکام آگے "قربانی کی قضا اور وقت ختم ہوجانے کے متعلق احکام" کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

قربانی کا حکم عائد یا واجب ہونے کی شرائط اور متعلقہ احکام

قربانی کیونکہ عبادت ہے (اور عبادت صحیح ہونے کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے) اور قربانی مالی عبادت ہے (جس کے لئے مال پر ملکیت کا ہونا اور مالی استطاعت کا پایا جانا ضروری ہے) اور اس کے لئے مخصوص جانور کو ذبح کرنا ضروری ہے۔

اس لئے قربانی کا حکم ہر شخص پر عائد نہیں ہوتا، بلکہ اس کا حکم عائد ہونے کے لئے کچھ چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے (جن کو شرائطِ وجوب کہا جاتا ہے)

جن کا خلاصہ حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ جس مرد، یا عورت میں قربانی کے دنوں میں مندرجہ ذیل باتیں موجود ہوں اس پر قربانی کا حکم عائد ہوتا ہے۔

(۱)...... مسلمان ہونا (غیر مسلم قربانی کا مکلّف نہیں)

(۲)...... آزاد ہونا (غلام قربانی کا مکلّف نہیں)

(۳)...... نصاب کا مالک ہونا (غریب قربانی کا مکلّف نہیں)

---

[1] إذا اشترى شاة للأضحية فى أول يوم النحر ولم يضح حتى مضت أيام النحر ثم افتقر كان عليه أن يتصدق بعينها ولا تسقط عنه الأضحية(رد المحتار على الدر المختار، ج٦ ص۳۱۴، كتاب الأضحية) قلت وعلته تقرر الوجوب عليه بمضى الوقت. محمد رضوان

وهى واجبة بالقدرة الممكنة بدليل أن الموسر إذا اشترى شاة للأضحية فى أول يوم النحر ولم يضح حتى مضت أيام النحر ثم افتقر كان عليه أن يتصدق بعينها، أو بقيمتها ولا تسقط عنه الأضحية فلو كانت بالقدرة الميسرة لكان دوامها شرطا كما فى الزكاة والعشر والخراج حيث يسقط بهلاک النصاب والخارج، واصطلام الزرع آفة(تكملة البحر الرائق للطورى، ج٨ص١٩٨، كتاب الاضحية)

(۴)...... مقیم ہونا (مسافر قربانی کا مکلّف نہیں) [1]

[1] مسلمان ہونا شرائط وجوب کے علاوہ شرائطِ اداء میں سے بھی ہے، کیونکہ قربانی کی ادائیگی کے لئے نیتِ تقرب ضروری ہے، اوراس کے بغیروہ لحمِ محض ہے، اورکافر نیتِ تقرب کا اہل نہیں۔

وهي واجبة على كل مسلم حر مقيم موسر(المختار)

وإنما لم تجب على المسافر ;لأنها اختصت بأسباب شق على المسافر تحصيلها وتفوت بمضى الوقت فلم تجب كالجمعة، بخلاف الفطر والزكاة حيث لا تفوت بالوقت، ويجوز فيهما التأخير ودفع القيم وغير ذلك .وعن علي -رضي الله عنه :-ليس على المسافر جمعة ولا أضحية، واختصاصها بالمسلم لأنها عبادة وقربة، وبالحر لأن العبد لا يملك شيئا وبالمقيم لما مر، ويستوى فيه المقيم بالأمصار والقرى والبوادى لأنه مقيم، وبالغنى لقوله -عليه الصلاة والسلام :- لا صدقة إلا عن ظهر غنى والمراد الغنى المشروط لوجوب صدقة الفطر(الاختيار لتعليل المختار، ج۵ص۱۶،۱۷، كتاب الاضحية)

(على حر مسلم مقيم) بمصر أو قرية أو بادية عينى، فلا تجب على حاج مسافر؛ فأما أهل مكة فتلزمهم وإن حجوا، وقيل لا تلزم المحرم سراج (موسر) يسار الفطرة (الدر المختار مع شرحه ردالمحتار، ج۶ص۳۱۵،كتاب الأضحية)

وأما شرائط الوجوب؛ فأما في النوعين الأولين(اى الذى يجب على الغنى والفقير) فشرائط أهلية النذر وقد ذكرناها فى كتاب النذر.

وأما فى النوع الثالث (اى الذى يجب على الغنى دون الفقير)فمنها الإسلام فلا تجب على الكافر لأنها قربة والكافر ليس من أهل القرب...... ومنها الحرية فلا تجب على العبد وإن كان مأذونا فى التجارة أو مكاتبا...... ومنها الإقامة فلا تجب على المسافر؛ لأنها لا تتأدى بكل مال ولا فى كل زمان بل بحيوان مخصوص فى وقت مخصوص ......ومنها الغنى لما روى عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أنه قال :من وجد سعة فليضح(بدائع الصنائع، ج۵ص۶۳تا ۶۵، فصل فى شرائط وجوب فى الاضحية)

وأما شرائط الوجوب منها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكاة وأما البلوغ والعقل فليسا بشرط حتى لو كان للصغير مال يضحى عنه أبوه أو وصيه من ماله ولا يتصدق به ولا يضمنان عند أبى حنيفة وأبى يوسف رحمهما الله تعالى وإن تصدق بها ضمن كذا فى محيط السرخسى ومنها الإسلام فلا تجب على الكافر ولا يشترط الإسلام فى جميع الوقت من أوله إلى آخره حتى لو كان كافرا فى أول الوقت ثم أسلم فى آخره تجب عليه لأن وقت الوجوب منفصل عن أداء الواجب فيكفى فى وجوبها بقاء جزء من الوقت ومنها الحرية فلا تجب على العبد وإن كان مأذونا فى التجارة أو مكاتبا ولا يشترط أن يكون حرا من أول الوقت بل تكفى فيه الحرية فى آخر جزء من الوقت حتى لو عتق فى آخر الوقت وملك نصابا تجب عليه الأضحية ومنها الإقامة فلا تجب على المسافر (الفتاوى الهندية، ج۵ص۲۹۲،كتاب الأضحية،الباب الأول)

(وإنما تجب) التضحية دون الأضحية لما تقرر من أن الوجوب من صفات الفعل إلا أن القدورى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ا...... جس نابالغ بچے کی ملکیت میں نصاب کے بقدر مال ہو، اس پر قربانی کا حکم عائد ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

دلائل کی رُو سے راجح یہ ہے کہ نابالغ قربانی کا مکلّف نہیں، نہ اس کے باپ کو اپنے مال میں سے نابالغ بچہ کی طرف سے قربانی کرنے کا حکم ہے، اور نہ ہی بچے کے مال میں سے ادا کرنے کا حکم ہے۔

البتہ اگر کوئی والد اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی اپنے مال میں سے نفلی قربانی کردے تو کوئی حرج نہیں، بلکہ بعض حضرات کے بقول مستحب ہے۔

اور اگر نابالغ کے مال میں سے قربانی کرے، تو اس قربانی کے گوشت کو نہ خود کھانا جائز ہے، اور نہ اس گوشت کا صدقہ کرنا جائز ہے (کیونکہ نابالغ کی ملکیت سے دوسرا فائدہ نہیں اٹھا سکتا) البتہ وہ نابالغ خود کھا سکتا ہے، اور جو گوشت ضرورت سے زائد ہو، اس کے عوض میں نابالغ بچے کے لئے کوئی باقی رہنے والی چیز مثلاً کپڑا وغیرہ خرید لیا جائے، اور نقدی کے عوض فروخت نہ کیا جائے (اس کی وجہ قربانی کے گوشت کے احکام میں آتی ہے) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومن تبعه قال :ذلک توسعة ومجاز والمراد بالوجوب الوجوب العملی لا الاعتقادی حتی لا یکفر جاحدها کما فی المنح (علی حر) فلا تجب علی العبد (مسلم) فلا تجب علی الکافر (مقیم) فلا تجب علی المسافر لقول علی -رضی الله تعالی عنه -لیس علی مسافر جمعة ولا أضحیة وعن مالک لا یشترط الإقامة ویستوی فیه المقیم بالمصر والقوی والبوادی (موسر) ؛ لأن العبادة لا تجب إلا علی القادر وهو الغنی دون الفقیر ومقداره ما تجب فیه صدقة الفطر(مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، ج۲ص۵۱۶، کتاب الأضحیة)

وأما الإسلام فهو شرط وجوب الصوم وسائر العبادات عندنا خلافا للشافعی،وهو شرط صحة الأداء بلا خلاف ،ولقب المسألة أن الکفار غیر مخاطبین بشرائع هی عبادات عندنا خلافا له(تحفة الفقهاء، ج۱ص۳۵۰، کتاب الصوم)

[1] (عن نفسه لا عن طفله) علی الظاهر، بخلاف الفطرة............(ویضحی عن ولده الصغیر من ماله) صححه فی الهدایة (وقیل لا) صححه فی الکافی .قال :ولیس للأب أن یفعله من مال طفله، ورجحه ابن الشحنة.قلت :وهو المعتمد لما فی متن مواهب الرحمن من أنه أصح ما یفتی به .وعلله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲...... قربانی کا حکم لاگو ہونے کی جو شرائط ہیں، ان کا اعتبار قربانی کے دنوں میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی البرهان بأنه إن كان المقصود الإتلاف فالأب لا يملكه في مال ولده كالعتق أو التصدق باللحم فمال الصبي لا يحتمل صدقة التطوع، وعزاه للمبسوط فليحفظ. ثم فرع على القول الأول بقوله (وأكل منه الطفل) وادخر له قدر حاجته (وما بقي يبدل بما ينتفع) الصغير (بعينه) كثوب وخف لا بما يستهلك كخبز ونحوه ابن كمال وكذا الجد والوصي(الدرالمختار)

(قوله لا عن طفله) أي من مال الأب ط (قوله على الظاهر) قال في الخانية :في ظاهر الرواية أنه يستحب ولا يجب، بخلاف صدقة الفطر .وروى الحسن عن أبي حنيفة يجب أن يضحي عن ولده وولد ولده الذي لا أب له، والفتوى على ظاهر الرواية اهـ (رد المحتار على الدر المختار، ج٦ص ٣١٥، كتاب الأضحية)

(قوله بما ينتفع بعينه) ظاهره أنه لا يجوز بيعه بدراهم ثم يشتري بها ما ذكر ط، ويفيده ما نذكره عن البدائع (قوله وكذا الجد والوصي) أي كالأب في جميع ما ذكر(رد المحتار على الدر المختار، ج٦ص ٣١٦، كتاب الأضحية)

(قوله ومن مال طفل إلخ) حاصله أن الصحيح عدم وجوبها في مال الطفل، ولا يجب على الأب في حق طفله أن يضحي عنه من مال نفسه في ظاهر الرواية كما مر مبسوطا(رد المحتار على الدر المختار، ج٦ص ٣٣٥، كتاب الأضحية،فروع)

الأصح أنه لا يجب ذلك، وليس له أن يفعله من ماله؛ لأنه إن كان المقصود الإتلاف فالأب لا يملكه في مال الولد كالعتق، وإن كان المقصود التصدق باللحم بعد إراقة الدم فذاك تطوع غير واجب ومال الصبي لا يحتمل صدقة التطوع(المبسوط للسرخسي، ج١٢ ص١٢، ١٣،كتاب الأضحية)

وقيل الأصح أنها لا تجب في مال الصبي بالإجماع لأنها قربة فلا يخاطب بها، بخلاف صدقة الفطر على ما بينا، ولأن الواجب الإراقة والتصدق بها ليس بواجب، ولا يجوز ذلك في مال الصبي لأنه لا يقدر على أكل جميعها عادة ولا يجوز بيعها فلا تجب .وذكر القدوري في شرحه الصحيح أنها تجب ولا يتصدق بها لأنه تطوع، ولكن يأكل منها الصغير وعياله ويدخر له ما يمكنه ويبتاع له بالباقي، وما ينتفع بعينه كما يجوز للبالغ ذلك في الجلد .والجد مع الحفدة كالأب عند عدمه (الاختيار لتعليل المختار، ج٥ص١٧، كتاب الاضحية)

لكن إذا ضحى من مال الصغير لا يتصدق به لأن الواجب هو الإراقة فأما التصدق باللحم فتطوع ومال الصغير لا يحتمل التبرع فينبغي أن يطعم الصغير ويدخر له أو يستبدل لحومه بالأشياء التي ينتفع بها الصغير مع بقاء أعيانها كما في جلد الأضحية(تحفة الفقهاء للسمرقندي، ج٣ص ٨٢، كتاب الاضحية)

(وجه) ظاهر الرواية أن الأصل أن لا يجب على الإنسان شيء على غيره خصوصا في القربات؛ لقول الله تعالى (وأن ليس للإنسان إلا ما سعى)وقوله جل شأنه (لها ما كسبت)ولهذا لم تجب عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یعنی دس ذی الحجہ کی صبح صادق سے بارہ ذی الحجہ کی شام کو سورج غروب ہونے تک ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... قربانی کا حکم لاگو ہونے کی شرائط کا قربانی کے پورے وقت میں (دس ذی الحجہ کی تاریخ کی صبح سے بارہ تاریخ کے غروب تک) پایا جانا ضروری نہیں، بلکہ آخری وقت میں بھی اگر یہ شرائط پائی گئیں تو قربانی کا حکم ہے (لان سبب الوجوب ینتھی الی آخر الوقت) لہٰذا اگر بارہ ذی الحجہ کی شام میں سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے کوئی صاحبِ نصاب کافر مسلمان ہوگیا یا مسافر مقیم ہوگیا، یا غریب نصاب کا مالک بن گیا یا صاحبِ نصاب بچہ بالغ ہوگیا تو ان کو قربانی کا حکم ہوگا، جبکہ دوسری شرائطِ وجوب بھی موجود ہوں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن عبده وعن ولده الكبير، إلا أن صدقة الفطر خصت عن النصوص فبقيت الأضحية على عمومها ولأن سبب الوجوب هناك رأس يمونه ويلى عليه وقد وجد فى الولد الصغير وليس السبب الرأس ههنا؛ ألا ترى أنه يجب بدونه وكذا لا يجب بسبب العبد(بدائع الصنائع، ج۵ص۶۵، فصل فى شرائط وجوب فى الاضحية)

وقوله (عن نفسه) يتعلق بقوله تجب؛ لأنه أصل فى الوجوب عليه (لا عن طفله) أى أولاده الصغار فى ظاهر الرواية لكونها قربة محضة فلا تجب على الغير بسبب الغير (وقيل) أى فى رواية الحسن عن الإمام (تجب عنه) أى عن الطفل (أيضا) أى كنفسه لكونها قربة مالية والطفل فى معنى نفسه فيلحق به كما فى صدقة الفطر (وقيل يضحى عنه) أى عن الطفل (أبوه أو وصيه من ماله) إن كان له مال (فيطعم) الطفل (منها ما أمكن) الإطعام بقدر الحاجة (ويستبدل بالباقى ما ينتفع به مع بقائه) كالثوب والخف فلا يستبدل بما ينتفع به بالاستهلاك كالخبز والإدام؛ لأن الواجب هو إراقة الدم فالتصدق باللحم تبرع وهو لا يجرى فى مال الصبى فينبغى أن يطعم الطفل ويدخر له ويستبدل الباقى بالأشياء التى ينتفع الطفل بها مع بقاء أعيانها اعتبارا بجلد الأضحية.

وفى الهداية وإن كان للصغير مال يضحى عنه أبوه أو وصيه من ماله عند الشيخين وقال محمد وزفر والشافعى من مال نفسه لا من مال الصغير فالخلاف فى هذا كالخلاف فى صدقة الفطر وقيل لا تجوز التضحية من ماله الصغير فى قولهم جميعا لما قررناه قبيله والأصح أن يضحى من ماله يأكل منه ما أمكنه ويبتاع بما بقى ما ينتفع بعينه(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج۲ص۵۱۶، ۵۱۷، كتاب الأضحية)

[1] وأيام النحر ثلاثة :يوم الأضحى -وهو اليوم العاشر من ذى الحجة -والحادى عشر، والثانى عشر وذلك بعد طلوع الفجر من اليوم الأول إلى غروب الشمس من الثانى عشر......فإذا طلع الفجر من اليوم الأول فقد دخل وقت الوجوب فتجب عند استجماع شرائط الوجوب(بدائع الصنائع، ج۵ص۶۵، فصل فى وقت وجوب الاضحية)

ان سب باتوں میں مرد وعورت کا حکم برابر ہے۔

اگر تیسرے دن (یعنی بارہ ذی الحجہ کو) غروب سے پہلے وقت کم ہو، جس میں قربانی کرنا ممکن نہ ہو، یا کسی نے غفلت کی اور بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہوگیا، تو اب اس کی قربانی کا وقت نکلنے کی وجہ سے قربانی اس کے ذمہ بشکلِ صدقہ قضا ہو جائے گی، اور قربانی کے قابل ایک درمیانی درجہ کی بھیڑ یا بکری یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت صدقہ کرنی ہوگی۔ [1]

---

[1] ولو جاء یوم الاضحٰی ولامال لہٗ ثم استفاد مأتین فی ایام النحر فعلیه الاضحیة اذالم یکن علیه دین (الجوهرة النیرة ج ۲ ص ۱۸۷، ۱۸۸، کتاب الاضحیة، وقت الاضحیة)

(منها) أنها تجب فی وقتها وجوبا موسعا؛ ومعناه أنها تجب فی جملة الوقت غیر عین کوجوب الصلاة فی وقتها ففی أی وقت ضحی من علیه الواجب کان مؤدیا للواجب سواء کان فی أول الوقت أو وسطه أو آخره کالصلاة، والأصل أن ما وجب فی جزء من الوقت غیر عین یتعین الجزء الذی أدی فیه الوجوب أو آخر الوقت کما فی الصلاة وهو الصحیح من الأقاویل علی ما عرف فی أصول الفقه، وعلی هذا یخرج ما إذا لم یکن أهلا للوجوب فی أول الوقت ثم صار أهلا فی آخره بأن کان کافرا أو عبدا أو فقیرا أو مسافرا فی أول الوقت ثم أسلم أو أعتق أو أیسر أو أقام فی آخره أنه یجب علیه، ولو کان أهلا فی أوله ثم لم یبق أهلا فی آخره بأن ارتد أو أعسر أو سافر فی آخره لا یجب علیه(بدائع الصنائع ج۵ ص ٦٦، کتاب التضحیة، فصل فی أنواع کیفیة الوجوب)

ولا یشترط وجود الإسلام فی جمیع الوقت من أوله إلی آخره؛ حتی لو کان کافرا فی أول الوقت ثم أسلم فی آخره تجب علیه؛ لأن وقت الوجوب یفضل عن أداء الواجب فیکفی فی وجوبها بقاء جزء من الوقت کالصلاة.

ومنها الحریة فلا تجب علی العبد......ولا یشترط أن یکون حرا من أول الوقت إلی آخره بل یکتفی بالحریة فی آخر جزء من الوقت حتی لو أعتق فی آخر الوقت وملک نصابا تجب علیه الأضحیة لما قلنا فی شرط الإسلام.

ومنها الإقامة فلا تجب علی المسافر......ولا تشترط الإقامة فی جمیع الوقت حتی لو کان مسافرا فی أول الوقت ثم أقام فی آخره تجب علیه؛ لما بینا فی شرط الحریة والإسلام......ومنها الغنی لما روی عن رسول الله -صلی الله علیه وسلم -أنه قال :من وجد سعة فلیضح شرط -علیه الصلاة والسلام -السعة وهی الغنی ولأنا أوجبناها بمطلق المال ومن الجائز أن یستغرق الواجب جمیع ماله فیؤدی إلی الحرج فلا بد من اعتبار الغنی......ولا یشترط أن یکون غنیا فی جمیع الوقت حتی لو کان فقیرا فی أول الوقت ثم أیسر فی آخره یجب علیه لما ذکرنا...... وجمیع ما ذکرنا من الشروط یستوی فیها الرجل والمرأة؛ لأن الدلائل لا تفصل بینهما(بدائع الصنائع، ج۵ ص ٦٣، ٦٤، کتاب التضحیة، فصل فی شرائط وجوب فی الأضحیة)

ثم إنها تجب فی وقتها موسعا من غیر تعیین جزء منه کوقت الصلاة وهو الصحیح من الأقاویل حتی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... اگر قربانی کے پہلے وقت (مثلاً پہلے یا دوسرے دن) میں کسی میں قربانی کا حکم لاگو وعائد ہونے کی تمام شرائط موجود تھیں، مگر آخروقت میں (یعنی تیسرے دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے) کوئی ایک شرط بھی باقی نہ رہی، جیسے مالدار غریب ہوگیا یا مقیم مسافر بن گیا، تو ایسی صورت میں قربانی کا حکم عائد نہیں رہے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر۵...... بعض فقہاء کے نزدیک قربانی کے معاملہ میں مقیم اور مسافر کا حکم برابر ہے، اور جس طرح مقیم کو قربانی کا حکم ہے، اسی طرح مسافر کو بھی حکم ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسافر (جس کو نماز میں قصر کا حکم ہو) قربانی کا مکلّف نہیں، جس طرح سے کہ مسافر جمعہ وعیدین کی نماز کا مکلّف نہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إذا صار أهلا في آخره بأن أسلم أو أعتق أو أيسر أو أقام في آخره يجب وبعكسه لا كما يذكره المصنف(حاشية الشرنبلالي على الدرر الحكام شرح غرر الاحكام، ج ا ص ۲۶۵،كتاب الاضحية)

إذا صار أهلا للوجوب في آخره، بأن أسلم أو أعتق أو أيسر أو أقام تلزمه، لا إن ارتد أو أعسر أو سافر في آخره(رد المحتار على الدر المختار، ج۶ ص ۳۱۶، كتاب الأضحية)

[1] وفي الأجناس إن جاء يوم الأضحى وله مائتا درهم أو أكثر ولا مال له غيره فهلك ذلك لا يجب عليه الأضحية، وكذلك لو نقص عن المائتين، ولو جاء يوم الأضحى ولا مال له ثم استفاد مائتي درهم فعليه الأضحية(المحيط البرهاني، ج۸ص ۴۵۵، كتاب الاضحية، الفصل الأول في بيان وجوب الأضحية ومن لا تجب عليه)

ولو انتقص في أيام النحر بغير الزكاة سقطت عنه الأضحية لأن المؤدى لا يعد قائما حكما فيعد فقيرا(البحر الرائق، ج۸ص ۱۹۸،كتاب الاضحية)

وفي الهارونيات إن جاء يوم الأضحى وله مائتا درهم ولا مال له غيره فهلك لم تجب الأضحية عليه وكذا لو نقص عن المائتين ولو جاء يوم الأضحى ولا مال له ثم استفاد مائتي درهم ولا دين عليه وجبت عليه الأضحية الفقر والغنى والموت إنما يعتبر في حق الأضحية آخر أيام التشريق وأيام النحر(لسان الحكام ج ا ص ۳۸۴،الفصل الثاني والعشرون من الفصول الثلاثين في الصيد والذبائح والأضحية)

[2] ثم قوله : من كان له سعة يدل على اشتراط الغنى للوجوب، لان الفقير ليس بذى سعة للعبادات المالية شرعا، ثم هو يدل على اشتراط الاقامة ايضا، لان المسافر جعله الشارع مصرفا للصدقات، ولو كان غنيا في وطنه، فلايكون ذا سعة في سفره، فلا يجب عليه العبادة المالية التي يطالب باقامتها في الحال كالاضحية بخلاف الزكاة وصدقة الفطر فانه لايطالب بهما في السفر،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ امام عبدالرزاق، حضرت سفیان ثوری سے، اور وہ حضرت حسن بن عمرو فقیمی تمیمی سے، اور وہ اپنے بھائی حضرت فضیل بن عمرو فقیمی سے، اور وہ جلیلُ القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

كَانُوْا إِذَا شَهِدُوْا ضَحُّوْا وَإِذَا سَافَرُوْا لَمْ يُضَحُّوْا (مصنف عبد الرزاق) [1]

ترجمہ: صحابۂ کرام جب مقیم ہوتے تھے، تو قربانی کرتے تھے، اور جب مسافر ہوتے تھے، تو قربانی نہیں کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض اوقات جو سفر میں قربانی کرنا ثابت ہے، وہ حنفیہ کے نزدیک تبرعاً اور نفل کے طور پر ہے۔

قربانی کیونکہ مخصوص جانور کو ذبح کرکے ادا ہوتی ہے، اور مسافر کو قربانی کا مکلّف کرنے میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لانه ليس لهما وقت معين تفوتان بفواته بخلاف الاضحية ، فان قلت: قد يكون المسافر ممن لاتحل له الصدقة بان يكون معه مال فينبغي ان يجب عليه الاضحية،قلنا: لا، لان السفر مظنة الاحتياج، فلايؤمر باتلاف المال.

فان قلت: ينبغي ان يجب عليه الاضحية ولايؤمر بها في السفر، بل يجب عليه قضاء ها بعد الاقامة كما في الصوم.

قلنا : المقصود من الصوم هو الامساك، وذا يمكن بعد الاقامة ، ففي ايجابه فائدة ، بخلاف الاضحية فان المقصود هنا الاراقه على وجه التعبد، وذا لايمكن بعد الاقامة ،ففي ايجابه فائدة ، بخلاف الاضحية فان المقصود هنا الاراقة على وجه التعبد، وذا لايمكن بعد الاقامة، لان التعبد بالاراقة مقيد بزمان مخصوص ولايحصل ذلك الا على ذلك الزمان دون غيره فيكون فيه ايجاب التصدق فقط وهو غير مقصود، فلافائدة في الايجاب، بخلاف المقيم الذي وجب عليه الاضحية ولم يضح ، فانه وجب عليه التصدق على سبيل البدلية زجرا له على التهاون والتقصير ، ثم القضاء فرع للاداء ولما لم يجب الاداء لفوات شرطه، وهو الغني غير المشوب بالاحتياج او مظنته لايجب القضاء ، هذا غاية السعي منا في تقرير الاستدلال على اشتراط الاقامة بوجوب الاضحية(اعلاء السنن ج۱۷ ص۲۱۲، ۲۱۳، باب وجوب الاضحية)

فما قاله صاحب الهداية : ان الاداء يختص باسباب يشق على المسافر استحضارها الخ انما هو من تعليل النص لامن تعليل الحكم ، وتعليل النص ليس من القياس في شيئ ، فان القياس انما هو تعليل الحكم كما لايخفى على من له مسكة (اعلاء السنن ج۱۷ ص۲۱۵، باب وجوب الاضحية)

[1] رقم الحديث ۸۱۴۴،كتاب المناسک، باب الضحايا،المكتب الإسلامي -بيروت.

حرج لازم آتا ہے، اور شریعت نے مسافر کے کئی احکام میں تخفیف ورعایت رکھی ہے، چنانچہ مسافر کی نماز کو قصر کیا گیا، مسافر کو فرض روزہ نہ رکھنے اور بعد میں قضا کر لینے کی گنجائش دی گئی، اور مسافر پر جمعہ اور عید کی نماز کو واجب نہیں کیا گیا، وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسافر قربانی کا مکلّف نہیں۔ [۱]

---

[۱] هل يجب على المسافر أضحية؟ اختلفوا فيه .فقال الشافعي :هي سنة على جميع الناس وعلى الحاج بمنى وبه قال أبو ثور .وقال مالك :لا أضحية عليه ولا يؤمر بتركها إلا الحاج بمنى وذكر ابن المواز عن مالك أن من لم يحج من أهل مكة ومنى فليضح وحكى ابن بطال :أن مذهب ابن عمر أن الأضحية تلزم المسافر .قلت :قد مر أن ابن عمر قال :هي سنة ومعروف، نعم هو قول الأوزاعي والليث، وقال أبو حنيفة :لا تجب على المسافر أضحية، وعن النخعي :رخص للحاج والمسافر أن لا يضحي(عمدة القارى ، ج ۲۱ ص ۱۴۶ ، كتاب الاضاحى،باب الأضحية للمسافر والنساء)

اتفق الفقهاء على أن المطالب بالأضحية هو المسلم الحر البالغ العاقل المقيم المستطيع، واختلفوا في مطالبة المسافر والصغير بها .أما المسافر :فقال الحنفية :ليس عليه أضحية؛ لأن أبا بكر وعمر كانا لايضحيان إذا كانا مسافرين .وقال علي :ليس على المسافر جمعة ولا أضحية ، ولأن أداء ها يختص بأسباب تشق على المسافر، وتفوت بمضي الوقت، فلا تجب عليه لدفع الحرج عنه، كالجمعة .وقال المالكية :تسن الأضحية لغير الحاج، لأن سنته الهدي ، وغير الحاج تسن له الضحية مطلقاً، حاضراً في بلده أو مسافراً .وقال الشافعية والحنابلة :تسن الأضحية لكل مسلم، مسافر أو حاج أو غيرهما، لأنه صلّى الله عليه وسلم ضحى في منى عن نسائه بالبقر رواه الشيخان . وبه يرد على القائل بأن الأضحية لا تسن للحاج بمنى، وإن الذي ينحره بها هدى، لا أضحية.

والخلاصة أن غير الحنفية يقولون :تسن الأضحية للمسافر وغيره، وعند الحنفية :ليس عليه أضحية.(الفقه الاسلامي وادلته، ج۴ص ۲۵۲، الباب الثاني الاضحية والعقيقة، المبحث الثاني في شروط الاضحية، المطلب الثالث۔ شروط المكلف بالأضحية)

قال أصحابنا إن الأضحية واجبة على المقيمين من أهل الأمصار والقرى والبوادي من الأعراب والتركمان،وقال الشافعي سنة وهو إحدى الروايتين عن أبي يوسف،وأجمعوا أنها لا تجب على المسافرين،والصحيح قولنا لقوله تعالى (فصل لربک وانحر) قال أهل التفسير المراد منه صلاة العيد ونحر الأضحية والأمر للوجوب والنص ورد في حق المقيم لأن الخطاب للرسول عليه السلام وهو حكم لا يعرف بالقياس فلا يتعدى إلى المسافر كما في الجمعة والعيدين(تحفة الفقهاء ، ج۳ص ۹۱،كتاب الأضحية)

وإنما لا تجب على المسافر لأن أداء ها مختص بأسباب تشق على المسافر وتفوت بمضي الوقت فلا يجب عليه شيء لدفع الحرج عنه كالجمعة بخلاف الزكاة وصدقة الفطر لأنهما لا يفوتان بمضي الزمان فلا يخرج(تكملة البحر الرائق للطورى، ج۸ص۱۹۷،كتاب الأضحية)

مسئلہ نمبر ۶ ...... حنفیہ کے نزدیک مسافر پر اگرچہ قربانی واجب نہیں ہے، لیکن اگر وہ نفلی قربانی کرے، تو جائز ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بعض اوقات سفر میں قربانی کرنا ثابت ہے، کمامرّ۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۷ ...... جو شخص حج کر رہا ہو، اور وہ قربانی کے دنوں میں شرعاً مسافر ہو، تو اس پر حجِ قِران یا حجِ تمتع کی قربانی تو لازم ہے، لیکن وہ مسافر ہونے کی وجہ سے عیدالاضحیٰ کی قربانی کا مکلّف نہیں۔

البتہ اگر وہ قربانی کے دنوں میں شرعاً مقیم ہو، اور نصاب کا مالک بھی ہو، تو کیا وہ عیدالاضحیٰ کی قربانی کا بھی مکلّف ہے، یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ حجاجِ کرام کے حج کے اعمال میں مشغول ہونے کی وجہ سے جس طرح ان سے عید کی نماز معاف کی گئی ہے، اسی طرح ان سے عیدالاضحیٰ کی قربانی بھی معاف ہے۔ [۲]

---

[۱] (قوله والإقامة) فالمسافر لا تجب عليه وإن تطوع بها أجزأته عنها وهذا إذا سافر قبل الشراء، فإن المشترى شاة لها ثم سافر ففى المنتقى أنه يبيعها ولا يضحى بها أى لا يجب عليه ذلک، وكذا روى عن محمد. ومن المشايخ من فصل فقال: إن كان موسرا لا يجب عليه وإلا ينبغى أن يجب عليه ولا تسقط بسفره، وإن سافر بعد دخول الوقت قالوا ينبغى أن يكون الجواب كذلک اهـ ط عن الهندية ومثله فى البدائع(رد المحتار على الدر المختار، ج۶ ص ۳۱۲، كتاب الأضحية)

[۲] عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ: كَانَ عُمَرُ يَحُجُّ فَلاَ يَذْبَحُ شَيْئًا حَتَّى يَرْجِعَ (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۱۴۳۹۴، كتاب المناسک، باب من رخص للحاج ان لا يضحى وماجاء فى ذلک)

عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ: كَانَ أَصْحَابُنَا يَحُجُّونَ وَمَعَهُمَ الأَوْرَاقُ وَالذَّهَبُ ، فَمَا يَذْبَحُونَ شَيْئًا ، وَكَانُوا يَتْرُكُونَهُ مَخَافَةَ أَنْ يَشْغَلَهُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنَ الْمَنَاسِكِ(ايضاً رقم الحديث ۱۴۳۹۶)

عَنْ حَمَّادِ بْنِ أَبِى الدَّرْدَاءِ ، عَنْ مُجَاهِدٍ ، قَالَ: مَانُصَلِّى هَاهُنَا ، وَمَا يُضَحِّى يَوْمَ النَّحْرِ(ايضاً رقم الحديث ۱۴۳۹۸)

عَنْ وَبَرَةَ ؛ أَنَّ الأَسْوَدَ ، وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ يَزِيدَ كَانَا يَحُجَّانِ ، وَلاَ يُضَحِّيَانِ(ايضاً رقم الحديث ۱۴۳۹۹)

عَنْ بَيَانٍ ؛ أَنَّ عَلْقَمَةَ كَانَ يَحُجُّ ، وَلاَ يُضَحِّى(ايضاً رقم الحديث ۱۴۴۰۰)

عَنْ أَبِى الزَّعْرَاءِ ، عَنْ أَبِى الأَحْوَصِ ؛ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يُضَحِّى فِى الْحَجِّ ، فَلَمَّا كَانَ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ ، قَالَ:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اکثر مشائخِ حنفیہ کے نزدیک اگر حج کرنے والا قربانی کے دنوں میں مقیم اور صاحبِ نصاب ہو، تو اس پر عیدالاضحیٰ کی قربانی بھی واجب ہے (اور یہ قربانی حجِ تمتع یا قِران کی قربانی سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اشْتَرُوا بَقَرَةً فَقَدِّدُوهَا نَتَزَوَّدُهَا فِي سَفَرِنَا(ایضاً رقم الحديث ۱۴۴۰۱)

عَنْ وَبَرَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، عَنْ شَيْخٍ مِنَ التَّيْمِ ، قَالَ :كُنَّا مَعَ سَعْدٍ بِمِنًى فَلَمْ يُضَحِّ ، ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى جِيرَانٍ لَهُ :أَطْعِمُونَا مِنْ أُضْحِيَّتِكُمْ(ایضاً رقم الحديث ۱۴۴۰۲)

عَنْ كُلَيْبِ بْنِ وَائِلٍ ، عَنْ عَمِّهِ قَيْسٍ ، عَنْ سَعْدٍ ، بِنَحْوِهِ(ایضاً رقم الحديث ۱۴۴۰۳)

عَنِ الشَّعْبِيِّ ، قَالَ :حَجَجْتُ ثَلاَثَ حِجَجٍ ، مَا أَهَرَقْتُ دَمًا(ایضاً رقم الحديث ۱۴۴۰۴)

حدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى ، عَنْ خَالِدٍ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَكُونُ مَعَ سَالِمٍ فِي الْحَجِّ ، فَلاَ يُضَحِّي بِمِنًى (ایضاً رقم الحديث ۱۴۴۰۵)

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ ، عَنْ عَطَاءٍ ، وَمُجَاهِدٍ قَالاَ :قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ :مَنْ حَجَّ فَأَهْدَى هَدْيًا ، رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ(ایضاً رقم الحديث ۱۴۴۰۶)

(تنبيه)قال في مبسوط السرخسي :ليس على أهل منى يوم النحر صلاة العيد لأنهم في وقتها مشغولون بأداء المناسك، وتجوز لهم التضحية بعد انشقاق الفجر كما يجوز لأهل القرى اهـ.

ومن الظاهر أن أهل منى هم من بها من الحجاج وأهل مكة شرنبلالية أي أهل مكة المحرمين، ثم إن هذا صريح في خلاف ما ذكره البيري حيث قال :إن منى لا تجوز فيها الأضحية إلا بعد الزوال لأنها موضع تجوز فيه صلاة العيد إلا أنها سقطت عن الحاج ولم نر في ذلك نقلا مع كثرة المراجعة، ولا صلاة العيد بمكة يوم النحر لأنا ومن أدركناه من المشايخ لم يصلها بمكة، والله أعلم ما السبب في ذلك اهـ (رد المحتار على الدر المختار، ج۶ ص ۳۱۸، كتاب الأضحية)

الأضحية غير واجبة على الحاج لا سيما المسافرين عندنا(مرقاة المفاتيح، ج۵ص ۱۸۱۹، باب الهدى)

ولا على الحاج اذا كان محرماً وان كان من اهل مكة كذا في الخزانة ولعل وجهه انه يجب على الحاج دم قران او متمتع ويستحب لهم دم افراد فيسقط عنهم دم الاضحية تخفيفا عليهم كما سقط عنهم صلاة العيد اجماعاً وكذا صلاة الجمعة بمنىٰ عند بعضهم .قال السنجاري في منسكه: ولاتجب الاضحية على المسافر والحاج ،لان فيه الحاق المشقة بالمشقة ، وتجب على اهل مكة لعدم المشقة فيهم، ولعله اراد باهل مكة من لم يحج منهم ولايبعد انه اذا اراد عمومهم فقد قال الحدادى: واما اهل مكة فتجب عليهم وان كانوا حجوا،كذافي الكرخي،وذكر في الخجندى : انها لاتجب على الحاج اذا كان محرما وان كان من اهل مكة (مناسكِ ملاعلی قاری، ص ۳۹۶، ۳۹۷، فصل في احكام الدماء وشرائط جوازها)

قوله: كذافي "الخزانة" انه يوافقه ظاهر مافي "الاصل" للامام محمد رحمه الله ،نصه: قال ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم انه قال: الاضحى واجب على اهل الامصار ماخلا الحاج اهـ، وقال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علیحدہ ہے، جیسا کہ گزرا) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الاسبیجابی فی شرحه علی "مختصر الطحاوی" والاضحية انما تجب على البالغين العاقلين الاحرار المقيمين ، ولاتجب على المسافرين ، ولا على الحاج اذا كان محرما من اهل مكة اهـ حباب (ارشاد الساری علی مناسک ملا علی القاری، حواله بالا)

(مسألة)إذا ثبت ذلک فإن الأضحية علی أهل الآفاق وجميع الناس قال ابن حبيب :صغيرهم وكبيرهم ذكورهم وإناثهم قال ابن المواز :الأحرار من أهل منى وغيرها والمقيم والمسافر فی ذلک سواء إلا الحاج خاصة فی ذلک بمنی فإنهم لا أضحية عليهم ووجه ذلک أنه قربة فی المال من غير الزكاة المفروضة فكانت عامة على من وجدها كزكاة الفطر وأما الحاج بمنی فليس عليهم أضاح قال ابن حبيب :وذبيحة الحاج هدی وليست بأضحية وليس وجوبه كوجوب الضحايا ووجه ذلک أن الحاج لما كان نسكه شعارا وهو التلبية كان نسكه بالذبح شعارا وهو التقليد والإشعار والأصل فی ذلک أن النبی -صلی الله عليه وسلم -قلد وأشعر ما ساقه فی حجه وعمرته وجعله هديا ولم يضح بشیء منه (المنتقیٰ شرح المؤطا، ج۳ص ۱۰۰، كتاب الضحايا)

[1] وذكر فی الأصل وقال :ولا تجب الأضحية على الحاج؛ وأراد بالحاج المسافر فأما أهل مكة فتجب عليهم الأضحية وإن حجوا؛ لما روى نافع عن ابن سيدنا عمر -رضی الله عنهما -أنه كان يخلف لمن لم يحج من أهله أثمان الضحايا ليضحوا عنه تطوعا ويحتمل أنه ليضحوا عن أنفسهم لا عنه فلا يثبت الوجوب مع الاحتمال(بدائع الصنائع، ج۵ص ۶۳، كتاب التضحية، فصل فی شرائط وجوب فی الأضحية)

ولا تجب على الحاج المسافر فأما أهل مكة فإنها تجب عليهم وإن حجوا، وفی الخجندی لا تجب على الحاج إذا كان محرما وإن كان من أهل مكة (الجوهرة النيرة، ج۲ص ۱۸۶،حكم الاضحية)

وذكر فی الأصل أنه لا تجب الأضحية على الحاج وأراد بالحاج المسافر، وأما أهل مكة فيجب عليهم الأضحية وإن حجوا كذا فی البدائع، وقال فی مبسوط السرخسی.

وفی الأصل قال هی واجبة على أهل الأمصار ما خلا الحاج وأراد بأهل الأمصار المقيمين وبالحاج المسافرين فأما أهل مكة فعليهم الأضحية وإن حجوا اهـ قلت فما نقله فی الجوهرة عن الخجندی أنه لا تجب على الحاج إذا كان محرما وإن كان من أهل مكة اهـ يحمل على إطلاق الأصل ويحمل كما حمله على المسافر اهـ(حاشية الشرنبلالی على درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ۱ ص ۲۶۵، كتاب الاضحية))

وفی الأصل ذكر عن إبراهيم قال هی واجبة على أهل الأمصار ما خلا الحاج وأراد بأهل الأمصار المقيمين وبالحاج المسافرين فأما أهل مكة فعليهم الأضحية وإن حجوا(المبسوط للسرخسی، ج۱۲ ص ۱۸، كتاب الذبائح، باب الاضحية)

فلا تجب على حاج مسافر :فأما أهل مكة فتلزمهم وإن حجوا، وقيل لا تلزم المحرم.(الدرالمختار) (قوله فتلزمهم وإن حجوا) اقتصر عليه فی البدائع وذلک لأنهم مقيمون (قوله وقيل لا تلزم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸......قربانی کے پہلے وقت (مثلاً پہلے دن) کسی شخص میں قربانی واجب ہونے کی شرائط موجود نہیں تھیں، مثلاً وہ شخص صاحبِ نصاب نہیں تھا، مگر اس نے کسی طرح انتظام کر کے قربانی کے قابل جانور کے ذریعہ سے نفلی قربانی کر دی تھی، پھر بارہ ذی الحجہ کے غروب ہونے سے پہلے اس شخص میں قربانی واجب ہونے کی شرائط پائی گئیں، مثلاً وہ شخص صاحبِ نصاب بن گیا، تو اس صورت میں اس کو دوبارہ قربانی کرنی ہوگی یا نہیں؟

اس میں اہلِ علم حضرات کا اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک اس کو دوبارہ قربانی کا حکم ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک پہلی قربانی کافی ہے، اور دلائل کے لحاظ سے یہی راجح ہے کہ پہلی قربانی ہی کافی ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

المحرم) وإن كان من أهل مكة جوهرة عن الخجندى، وحمله فى الشرنبلالية على المسافر وفيه نظر ظاهر (ردالمحتار، ج٦ص ۳۱۵، كتاب الاضحية)

ويجب على القارن والمتمتع ط، وأما الأضحية فإن كان مسافرا فلا يجب عليه وإلا كالمكى فتجب كما فى البحر (ردالمحتار، ج٢ص ۵۱۵، كتاب الحج)

وإنما يجب على القارن والمتمتع، وأما الأضحية فإن كان مسافرا فلا أضحية عليه، وإلا فعليه كالمكى وقد ثبت فى حديث جابر الطويل أنه -عليه السلام -ذبح بيده ثلاثا وستين بدنة وأمر عليا فذبح ما بقى وأشركه فى هديه ثم أمر من كل بدنة ببضعة فجعلت فى قدر فطبخت فأكلا من لحمها وشربا من مرقها ثم ركب إلى البيت فصلى بمكة الظهر قال ابن حبان والحكمة فى أنه -صلى الله عليه وسلم -نحر ثلاثا وستين بدنة أنه كان له يومئذ ثلاث وستون سنة فنحر لكل سنة بدنة (البحر الرائق، ج٢ص ۳۷۱، ۳۷۲، كتاب الحج، باب الاحرام)

ولا تجب على المسافرين ولا على الحاج إذا كان محرما، وإن كان من أهل مكة، كذا فى شرح الطحاوى (الفتاوىٰ الهندية، ج۵ص ۲۹۳، كتاب الاضحية، الباب الاول)

ثم اعلم إن الدماء على أربعة أوجه منه ما يختص بالزمان والمكان وهو دم المتعة والقران ودم التطوع فى رواية القدورى ودم الإحصار عندهما ، ومنه ما يختص بالمكان دون الزمان ، وهو دم الجنايات ، ودم الإحصار عنده ، والتطوع فى رواية الأصل ومنه ما يختص بالزمان دون المكان ، وهو الأضحية ، ومنه ما لا يختص بالزمان ، ولا بالمكان ، وهو دم النذور عندهما وعند أبى يوسف دم النذور يتعين بالمكان (تبيين الحقائق، ج٢ص ۹۰، كتاب الحج، باب الهدى)

لأن الواجب دم التمتع وإلا الأضحية فليست بواجبة عليه؛ لأنه مسافر (البحر الرائق، ج٢ص۳۹۷، كتاب الحج، باب التمتع)

اور اگر اللہ نے حیثیت دی ہے، تو اختلاف سے بچنے کے لئے دوبارہ قربانی کردے تو بہت اچھا ہے۔ ؎۱

؎۱ فقیر یا مسافر کے قربانی کردینے اور بعد میں ایامِ اضحیہ کے ختم ہونے سے پہلے غنی یا مقیم ہوجانے کی صورت میں قربانی کے اعادہ کے وجوب کے قول کی بنیاد اس پر ہے کہ پہلی قربانی تطوع واقع ہوئی ہے، لہٰذا وہ واجب کے قائم مقام نہیں ہوگی۔
لیکن کیونکہ اوّلاً تو تقررِ وجوب کے بعد قربانی واقع ہوئی ہے، کالمسافر اذا صام، دوسرے قربانی کا واجب یا تطوع ہونا اور مسافر کے لئے قربانی کا حکم ہونا نہ ہونا مجتہد فیہ مسئلہ ہے، جس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، جمہور فقہائے کرام قربانی کو سنت قرار دیتے ہیں، جو تطوع کے مفہوم میں داخل ہے، تیسرے کئی فقہائے کرام مقیم ومسافر کے حق میں یکساں قربانی کو مسنون قرار دیتے ہیں، چوتھے قربانی کے لئے غناء کا وہ درجہ جس کے حنفیہ قائل ہیں، وہ بھی مجتہد فیہ ہے، پانچویں حنفیہ کے نزدیک قربانی کے وجوب کا درجہ کئی دوسرے واجبات سے اہون ہے۔
ان وجوہات کی بناء پر عدمِ وجوبِ اعادہ اور پہلی قربانی کے کافی ہونے کا قول راجح معلوم ہوتا ہے، بالخصوص جبکہ متعدد متاخرین نے اس قول کو اختیار بھی کیا ہے، جن میں صدر الشہید وغیرہ داخل ہیں۔
اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ فقیر کے حج کرلینے کے بعد غنی ہونے کی صورت میں فقہائے کرام نے دوبارہ حج کے اعادے کا حکم نہیں فرمایا، بلکہ پہلے حج کو کافی قرار دیا ہے، اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ مال کی شرط وجوب لذاتہٖ نہیں ہے، بلکہ موضعِ اداء کے تمکن کے لئے ہے، اور ما نحن فیہ میں بھی مال قربانی کی ادائیگی کے تمکن کے لئے ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی جانور ہبہ کردے، تو اس سے بھی قربانی ادا ہوجاتی ہے، اگرچہ بعض جہات سے حج اور قربانی کے باب میں فرق ہو، مثلاً قربانی میں عین مال کا بذل واتلاف ہوتا ہے، اور حج میں بدنی ارکان سے ادائیگی ہوتی ہے، مگر دوسری تائیدات کے ہوتے ہوئے عدمِ وجوبِ اعادہ کے لئے اس کو مذکورہ فرق کے باوجود نظیر بنالینے کی گنجائش ہے۔
اور متن میں جو قربانی کے قابل جانور کی قید لگائی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مثلاً فقیر نے عیب دار جانور کی قربانی کی، تو کیونکہ اس میں اداء کی وہ شرط ملحوظ نہیں، جو شریعت کی جانب سے مقرر کی گئی ہے، اس لئے اس صورت میں بعد میں مالدار ہوجانے کی صورت میں وجوب کا حکم راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم، محمد رضوان۔

ولو اشترى الفقير وضحى ثم أيسر فى أيام النحر، قيل يعيد لأن العبرة لآخر الوقت، وقيل لا لأن الوجوب بطلوع الفجر أول الأيام(الاختيار لتعليل المختار، ج۵ص۲۰، كتاب الاضحية)

ولو ضحى فى أول الوقت وهو فقير ثم أيسر فى آخر الوقت فعليه أن يعيد الأضحية عندنا، وقال بعض مشايخنا ليس عليه الإعادة.

والصحيح هو الأول؛ لأنه لما أيسر فى آخر الوقت تعين آخر الوقت للوجوب عليه وتبين أن ما أداه وهو فقير كان تطوعا فلا ينوب عن الواجب، وما روى عن الكرخى -رحمه الله- فى الصلاة المؤداة فى أول الوقت أنها نفل مانع من الوجوب فى آخر الوقت فاسد عرف فساده فى أصول الفقه (بدائع الصنائع، ج۵ص۶۵، كتاب التضحية، فصل فى أنواع كيفية الوجوب)

ولو ضحى الفقير ثم أيسر فى آخره عليه الإعادة فى الصحيح لأنه تبين أن الأولى تطوع بدائع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹...... قربانی کی نیت سے مالدار یعنی صاحبِ نصاب مقیم شخص نے جانور خریدا، لیکن قربانی کے دن شروع ہونے سے پہلے ہی یا قربانی کے دنوں میں وہ مسافر ہوگیا، یا غریب ہوگیا، اور صاحبِ نصاب نہیں رہا، تو اب اس پر قربانی لازم نہیں رہی، اور اس کو یہ خریدا ہوا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ملخصا، لكن في البزازية وغيرها أن المتأخرين قالوا لا تلزمه الإعادة وبه نأخذ(ردالمحتار، ج۶ص۳۱۶، كتاب الاضحية)

اشترى شاة للأضحية في أيام النحر وهو فقير، فضحى بها، ثم أيسر في أيام النحر؛ قال الشيخ الفقيه أبو محمد الحرميني :عليه أن يعيد، وغيره من المتأخرين قالوا :لا يعيد وبه نأخذ(المحيط البرهاني، ج۶ص۱۰۱، كتاب الاضحية، الفصل التاسع في المتفرقات)

اشترى شاة للأضحية في أيام النحر وهو فقير وضحى بها ثم أيسر في أيام النحر قال الشيخ الفقيه أبو محمد الحرميني -رحمه الله تعالى :-عليه أن يعيد، وغيره من المتأخرين قالوا :لا يعيد وبه نأخذ(الفتاوىٰ الهندية، ج۵ص۳۸۱، كتاب الاضحية، الباب التاسع في المتفرقات)

ولو ضحى في أول الوقت وهو فقير، ثم أيسر في آخره عليه إعادتها هو الصحيح كما في العناية .وقال في الذخيرة من المتأخرين من قال لا يعيد قال الصدر الشهيد وبه نأخذ اهـ(حاشية الشرنبلالي على دررالحكام شرح غرر الاحكام، ج۱ص۲۶۵،۲۶۶، شرائط الاضحية)

وفي المحيط ولو اشترى الفقير شاة فضحى بها، ثم أيسر في آخر أيام النحر قيل عليه أن يعيدها وقيل لا(البحرالرائق، ج۸ص۱۹۷، كتاب الاضحية)

وفي الظهيرية اشترى شاة للأضحية وهو فقير فضحى بها، ثم أيسر في أيام النحر، قال بعضهم :عليه غيرها وقال بعضهم :ليس عليه غيرها وبه نأخذ، وفي العتابية وهو المختار(تكملة البحرالرائق للطورى ، ج۸ص۲۰۳، كتاب الاضحية)

والأداء بعد تقرر سبب الوجوب جائز كالمسافر إذا صام في رمضان والرجل إذا صلى في أول الوقت جاز لوجود سبب الوجوب، وإن كان الوجوب متأخرا(المبسوط للسرخسي، ج۲ص۱۷۷، كتاب الزكاة، باب زكاة الابل)

الفقير إذا حج ماشيا ثم أيسر لا حج عليه هكذا في فتاوى قاضي خان(الفتاوىٰ الهندية، ج۱ص۲۱۷، كتاب المناسك، الباب الاول)

الفقير إذا حج، ثم استغنى حيث جاز ما أدى عن الفرض؛ لأن مالك المال ليس بشرط للوجوب إنما شرط الوجوب التمكن من الوصول إلى موضع الأداء ، ألا ترى أن المكي الذي هو في موضع الأداء لا يعتبر في حقه ملك المال، وفي حق الآفاقي لا يتقدر المال بالنصاب بل يختلف ذلك باختلاف قربه من موضع الأداء وبعده فعرفنا أن الشرط هو التمكن من الوصول إلى موضع الأداء فبأي طريق وصل الفقير إلى ذلك الموضع وجب الأداء فإنما حصل أداؤه بعد الوجوب فكان فرضا(المبسوط للسرخسي، ج۴ص۱۵۰، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره)

جانور فروخت کرنا یا کسی دوسرے مصرف میں لانا درست ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۰...... بعض ظاہر بین سمجھتے ہیں کہ عورت پر کسی حال میں قربانی نہیں، جو غلط فہمی پر مبنی ہے۔

کیونکہ قربانی کی شرائط جس مرد وعورت میں پائی جائیں، اس کو قربانی کا حکم ہے۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا کہ:

يَا فَاطِمَةُ، قُومِي إِلٰى أُضْحِيَّتِكِ فَاشْهَدِيهَا (کشف الاستار عن زوائد البزار) [3]

''اے فاطمہ! جاؤ، اپنی قربانی پر حاضری دو''

اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ظاہر ہے کہ خاتون تھیں۔

مسئلہ نمبر ۱۱...... صرف دل میں نیت کر لینے سے قربانی ذمہ میں لازم نہیں ہوتی، بلکہ قربانی کا حکم لاگو ہونے کی شرائط وہی ہیں جو پیچھے گزر چکیں۔

البتہ بعض صورتوں میں غریب پر بھی قربانی واجب ہو جاتی ہے، مثلاً قربانی کی منت مان لی، یا غریب نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [4]

---

[1] موسر اشترى شاة للأضحية فى أول أيام النحر فلم يضح حتى افتقر قبل مضى أيام النحر أو أنفق حتى انتقص النصاب سقطت عنه الأضحية و إن افتقر بعد ما مضت أيام النحر كان عليه أن يتصدق بعينها أو بقيمتها و لا يسقط عنه الأضحية(فتاوى قاضى خان، كتاب الأضحية، ج ۳ص۲۰۶)

فإن سافر قبل أيام النحر باعها وسقطت عنه الأضحية بالمسافرة (ايضاً صفحه ۲۰۷)

فإن اشترى شاة للأضحية ثم سافر ذكر فى المنتقى أن له بيعها ولا يضحى بها (بدائع الصنائع، ج۵، ص۶۳، كتاب التضحية، فصل فى شرائط وجوب فى الأضحية)

[2] وشرائطها الإسلام واليسار الذى يتعلق به صدقة الفطر فتجب على الأنثى (مجمع الانهر، ج۲ص۵۱۶، كتاب الاضحية)

[3] رقم الحديث ۱۲۰۲، كتاب الاضاحى، باب فضل الاضحية، مؤسسة الرسالة، بيروت.

[4] اور ایک روایت غریب کے بنیتِ اضحیہ جانور خریدنے سے عدمِ وجوب کی بھی ہے۔

أجمع أصحابنا رحمهم الله :أن الشاة تصير واجبة الأضحية بالنذر بأن قال :لله على أن أضحى هذه الشاة، وأجمعوا على أنها لا تصير واجبة الأضحية بمجرد النية، بأن نوى أن يضحى هذه الشاة ولم يذكر بلسانه نيته، وهل تصير واجبة الأضحية بالشراء بنية الأضحية؛ قال :إن كان المشترى غنياً لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۲...... بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر کوئی ایک مرتبہ قربانی کردے تو پھر اس کے بعد اس کو سات سال تک مسلسل قربانی کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔

حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے، قربانی تو اس سال ہی واجب ہوگی جس سال کوئی صاحبِ نصاب ہو اور جس سال صاحبِ نصاب نہ ہو اس سال واجب نہیں ہوگی (آپ کے مسائل اور ان کا حل ج۴ص۱۸۴)

مسئلہ نمبر۱۳...... اگر کوئی عاقل، بالغ مسلمان قربانی کرنے کی نذر و منت مان لے، تو اس پر بھی قربانی واجب ہوجاتی ہے، خواہ منت ماننے والا امیر ہو یا غریب۔

اور قربانی کی نذر یا منت ماننے کی مندرجہ ذیل دو قسمیں ہیں:

(۱)......غیر مشروط منت (۲)......مشروط منت

غیر مشروط منت: جسے عربی میں نذرِ مطلق کہا جاتا ہے وہ ہے کہ جس میں کسی کام کے ہونے کی شرط لگائے بغیر زبان سے الفاظ ادا کرکے قربانی کو اپنے اوپر لازم وواجب کیا جائے، مثلاً کوئی یہ الفاظ کہے کہ "اللہ کے لئے مجھ پر قربانی لازم یا واجب ہے، تو اس طرح منت ماننے سے قربانی واجب ہوجاتی ہے۔

مشروط منت: جسے عربی میں نذرِ معلق کہا جاتا ہے، وہ ہے کہ جس میں مشروط طریقہ پر زبان سے الفاظ ادا کرکے قربانی کو اپنے اوپر لازم وواجب کیا جائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تصير واجبة الأضحية باتفاق الروايات كلها؛ حتى لو باعها، واشترى أخرى، والثانية شر من الأولى جاز، ولا يجب عليه شيء .

وإن كان المشترى فقيراً ذكر شيخ الإسلام خواهر زاده فى شرح كتاب الأضحية أن فى ظاهر رواية أصحابنا تصير واجبة للأضحية.

وروى الزعفراني عن أصحابنا :أنها لا تصير واجبة وإلى هذا أشار شمس الأئمة السرخسي رحمه الله في شرحه ، وذكر شمس الأئمة الحلواني في شرحه :أن في ظاهر رواية أصحابنا لا تصير واجبة الأضحية، وذكر الطحاوي في مختصره :أنها تصير واجبة، وأما إذا صرح بلسانه وقت الشراء أنه اشتراها ليضحي بها، فقد ذكر شمس الأئمة الحلواني أنها تصير واجبة(المحيط البرهاني، ج٨ص ٤٥٩،كتاب الأضحية،الفصل الثاني في وجوب الأضحية بالنذرالخ)

مثلاً کوئی یہ الفاظ کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو مجھ پر قربانی ہے، تو اس طرح کی کسی شرط کے ساتھ نذر ومنت کو اگر مشروط کیا ہو، اور وہ شرط پوری ہو جائے تو نذر ومنت کے مطابق قربانی کرنا ضروری ہو جائے گا۔

پھر اگر نذر ومنت مانتے وقت کسی جانور کو متعین نہیں کیا تھا، تو ایسے جانور کی قربانی ضروری ہوگی، کہ جس میں قربانی کی تمام شرائط موجود ہوں۔

اور اگر نذر ومنت میں کسی خاص جانور کو متعین کر لیا تھا، مثلاً اس طرح کہا تھا کہ ''مجھ پر اِس جانور کی قربانی لازم ہے'' تو پھر اسی جانور کی قربانی واجب ہو جائے گی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۴۱...... قربانی کی نذر ومنت کے منعقد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ نذر ومنت ماننے والے میں اس کی اہلیت موجود ہو، کہ وہ مسلمان اور عاقل بالغ ہو، اور مالدار ہونا ضروری نہیں۔

اور اسی طرح نذر ومنت کے منعقد ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ زبان سے نذر ومنت

---

[1] أما صفة التضحية فالتضحية نوعان :واجب وتطوع؛ والواجب منها أنواع :منها ما يجب على الغنى والفقير ومنها ما يجب على الفقير دون الغنى ومنها ما يجب على الغنى دون الفقير أما الذى يجب على الغنى والفقير فالمنذور به؛ بأن قال :لله على أن أضحى شاة أو بدنة أو هذه الشاة أو هذه البدنة أو قال :جعلت هذه الشاة ضحية أو أضحية وهو غنى أو فقير؛ لأن هذه قربة لله تعالى عز شأنه من جنسها إيجاب وهو هدى المتعة والقران والإحصار وفداء إسماعيل -عليه الصلاة والسلام -وقيل هذه القربة تلزم بالنذر كسائر القرب التى لله تعالى عز شأنه من جنسها إيجاب من الصلاة والصوم ونحوهما، والوجوب بسبب النذر يستوى فيه الفقير والغنى وإن كان الواجب يتعلق بالمال كالنذر بالحج أنه يصح من الغنى والفقير جميعا(بدائع الصنائع، ج۵ص ۶۱،۶۲، كتاب التضحية)

(قوله ناذر لمعينة) قال فى البدائع :أما الذى يجب على الغنى والفقير فالمنذور به، بأن قال لله على أن أضحى شاة أو بدنة أو هذه الشاة أو البدنة، أو قال جعلت هذه الشاة أضحية لأنها قربة من جنسها إيجاب وهو هدى المتعة والقران والإحصار فتلزم بالنذر كسائر القرب والوجوب بالنذر يستوى فيه الغنى والفقير اهـ وقد استفيد منه أن الجعل المذكور نذر وأن النذر بالواجب صحيح . واستشكل بأن من شروط صحة النذر أن لا يكون واجبا قبله .وأجاب أبو السعود بأن الواجب التضحية مطلقا وصحة النذر بالنسبة المعينة اهـ وفيه نظر لما علمت من صحة النذر بغير معينة أيضا(ردالمحتار، ج٦ص ٣٢٠، كتاب الاضحية)

کے الفاظ ادا کئے جائیں (مثلاً یہ کہ میرے اوپر اللہ تعالیٰ کے لئے ایک قربانی واجب ہے، یا اگر فلاں کام ہوجائے تو مجھ پر قربانی ہے) صرف دل میں نیت کر لینے یا زبان سے ایسے الفاظ کہہ دینے سے نذر ومنت منعقد نہیں ہوتی، کہ جو نذر ومنت پر دلالت نہ کرتے ہوں، بلکہ صرف ارادے کے اظہار یا صرف وعدے پر دلالت کرتے ہوں (مثلاً یہ کہ میرا اس سال قربانی کرنے کا ارادہ ہے، یا میں اس سال قربانی کروں گا) [1]

مسئلہ نمبر ۱۵..... اگر کسی نے صرف قربانی کی نذر ومنت مانی، اور کسی جانور کی تعیین نہیں کی، اور نہ ہی کسی خاص جانور کا نام لیا، تو قربانی کے قابل درمیانے درجے کی ایک بکری، دنبہ، بھیڑ وغیرہ کی قربانی واجب ہوگی۔

---

[1] وأما شرائط الوجوب؛ فأما في النوعين الأولين (اى الذى يجب على الغنى والفقير)فشرائط أهلية النذر وقد ذكرناها في كتاب النذر (بدائع الصنائع، ج۵ص ۶۳، كتاب التضحية،فصل في شرائط وجوب في الأضحية)

الكلام في هذا الكتاب في الأصل في ثلاثة مواضع :في بيان ركن النذر، وفي بيان شرائط الركن، وفي بيان حكم النذر أما الأول :فركن النذر هو الصيغة الدالة عليه وهو قوله " :لله عز شأنه على كذا، أو على كذا، أو هذا هدى، أو صدقة، أو مالي صدقة، أو ما أملك صدقة، ونحو ذلك.

(فصل): وأما شرائط الركن فأنواع :بعضها يتعلق بالناذر، وبعضها يتعلق بالمنذور به، وبعضها يتعلق بنفس الركن .أما الذى يتعلق بالناذر فشرائط الأهلية.:(منها) العقل.(ومنها) البلوغ، فلا يصح نذر المجنون والصبى الذى لا يعقل، لأن حكم النذر وجوب المنذور به، وهما ليسا من أهل الوجوب، وكذا الصبي العاقل؛ لأنه ليس من أهل وجوب الشرائع، ألا ترى أنه لا يجب عليهما شيء من الشرائع بإيجاب الشرع ابتداء ؟ فكذا بالنذر، إذ الوجوب عند وجود الصيغة من الأهل في المحل بإيجاب الله -تعالى -لا بإيجاب العبد، إذ ليس للعبد ولاية الإيجاب، وإنما الصيغة علم على إيجاب الله -تعالى -.(ومنها) الإسلام فلا يصح نذر الكافر، حتى لو نذر ثم أسلم لا يلزمه الوفاء به، وهو ظاهر مذهب الشافعي -رحمه الله -؛ لأن كون المنذور به قربة شرط صحة النذر، وفعل الكافر لا يوصف بكونه قربة .(وأما) حرية الناذر فليست من شرائط الصحة؛ فيصح نذر المملوك، ثم إن كان المنذور به من القرب الدينية كالصلاة والصوم ونحوهما يجب عليه للحال، ولو كان من القرب المالية كالإعتاق والإطعام ونحو ذلك يجب عليه بعد العتاق؛ لأنه ليس من أهل الملك للحال ولو قال :إن اشتريت هذه الشاة فهي هدى، أو إن اشتريت هذا العبد فهو حر، فعتق لم يلزمه حتى يضيفه إلى ما بعد العتق في قياس قول أبي حنيفة، وقد ذكرناه في كتاب العتاق.(وأما) الطواعية فليست بشرط عندنا خلافا للشافعي -رحمه الله -كما في اليمين، وكذا الجد والهزل والله -عز شأنه -أعلم(بدائع الصنائع، ج۵ص ۸۱، ۸۲،كتاب النذر،بيان ركن النذر وشرائطه)

اور اگر وہ پورے ایک بڑے جانور (اونٹ یا گائے) کی قربانی کردے، تو بھی جائز ہے۔[1]

مسئلہ نمبر ۱۶...... اگر قربانی کے دن شروع ہونے سے پہلے صاحبِ نصاب شخص نے قربانی کی نذر و منت مانی، یا غریب یعنی غیر صاحبِ نصاب شخص نے قربانی کے دن شروع ہونے سے پہلے قربانی کی نذر و منت مانی، پھر وہ قربانی کے دنوں میں مالدار یعنی صاحبِ نصاب ہوگیا، یا غریب نے قربانی کے دن شروع ہونے کے بعد قربانی کی نذر و منت مانی، پھر قربانی کے دن ختم ہونے سے پہلے وہ صاحبِ نصاب بن گیا، یا کسی صاحبِ نصاب شخص نے قربانی کے دنوں میں قربانی کی نذر و منت مانی، تو ان میں سے ہر ایک شخص پر دو قربانیاں واجب ہونگی، ایک نذر اور منت ماننے کی وجہ سے، اور دوسری مالدار یعنی صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے۔

البتہ اگر کسی صاحبِ نصاب شخص نے قربانی کے دن شروع ہوجانے کے بعد قربانی کی نذر و منت کے الفاظ ادا کئے، اور اس کا مقصود شریعت کی طرف سے اپنے اوپر واجب شدہ قربانی کو ہی ذکر کرنے کا تھا، یا نذر و منت ماننے والا شخص قربانی کے دنوں میں صاحبِ نصاب نہیں ہے، تو پھر ایک ہی قربانی واجب ہوگی (پہلی صورت میں شرعی اور دوسری صورت میں نذر والی)[2]

---

[1] ولو نذر أن يضحى ولم يسم شيئا يقع على الشاة(مجمع الانهر ج۲ ص۵۱۹، كتاب الاضحية)

نذر أن يضحى ولم يسم شيئا، عليه شاة ولا يأكل منها، وإن أكل عليه قيمتها، كذا فى الوجيز للكردرى.

قال لله على أن أضحى شاة فضحى بدنة أو بقرة جاز، كذا فى السراجية .والله أعلم(الفتاوىٰ الهندية، ج۵ص۲۹۵، كتاب الاضحية، الباب الثانى)

و عن محمد رحمه الله تعالى إذا نذر ذبح شاة لا يأكل منها الناذر فإن أكل كان عليه قيمته(فتاوىٰ قاضيخان، ج۳ص۲۱۲، كتاب الاضحية)

[2] ولو نذر أن يضحى بشاة -وذلک فى أيام النحر -وهو موسر فعليه أن يضحى بشاتين عندنا؛ شاة لأجل النذر وشاة بإيجاب الشرع ابتداء إلا إذا عنى به الإخبار عن الواجب عليه بإيجاب الشرع ابتداء فلا يلزمه إلا التضحية بشاة واحدة.

ومن المشايخ من قال لا يلزمه إلا التضحية بشاة واحدة؛ لأن هذه الصيغة حقيقتها للإخبار فيكون إخبارا عما وجب عليه بإيجاب الشرع فلا يلزمه التضحية بأخرى، ولنا أن هذه الصيغة فى عرف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۷...... اگر کسی نے ایک سے زیادہ قربانیوں کی نذر و منت مانی، تو اس پر اتنی ہی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الشرع جعلت إنشاء كصيغة الطلاق والعتاق لكنها تحتمل الإخبار فيصدق فى حكم بينه وبين ربه عز شأنه، ولو قال ذلك قبل أيام النحر يلزمه التضحية بشاتين بلا خلاف؛ لأن الصيغة لا تحتمل الإخبار عن الواجب إذ لا وجوب قبل الوقت، والإخبار عن الواجب -ولا واجب- يكون كذبا فتعين الإنشاء مرادا بها.

وكذلك لو قال ذلك وهو معسر ثم أيسر فى أيام النحر فعليه أن يضحى بشاتين؛ لأنه لم يكن وقت النذر أضحية واجبة عليه فلا يحتمل الإخبار فيحمل على الحقيقة الشرعية وهو الإنشاء فوجب عليه أضحية بنذره وأخرى بإيجاب الشرع ابتداء لوجود شرط الوجوب وهو الغنى(بدائع الصنائع، ج۵ص۶۳، كتاب التضحية)

فى أضحية .البدائع :لو نذر أن يضحى شاة، وذلك فى أيام النحر، وهو موسر فعليه أن يضحى بشاتين عندنا شاة للنذر وشاة بإيجاب الشرع ابتداء إلا إذا عنى به الإخبار عن الواجب عليه، فلا يلزمه إلا واحدة، ولو قبل أيام النحر لزمه شاتان، بلا خلاف لأن الصيغة لا تحتمل الإخبار عن الواجب إذ لا وجوب قبل الوقت، وكذا لو كان معسرا ثم أيسر فى أيام النحر لزمه شاتان .اهـ.

والحاصل أن نذر الأضحية صحيح لكنه ينصرف إلى شاة أخرى غير الواجبة عليه ابتداء بإيجاب الشرع إلا إذا قصد الإخبار عن الواجب عليه، وكان فى أيامها ومثله ما لو نذر الحج لأن الأضحية والحج قد يكونان غير واجبين، بخلاف حجة الإسلام فإنها نفس الواجب عليه لأنها اسم لفريضة العمر كصوم رمضان وصلاة الظهر فلا يصح النذر بها بخلاف ما قد يكون تطوعا واجبا كالصلاة والصوم كما سنحققه فى الأضحية إن شاء الله تعالى(ردالمحتار، ج۳ص۷۳۷، كتاب الايمان)

واعلم أنه قال فى البدائع :ولو نذر أن يضحى شاة وذلك فى أيام النحر وهو موسر فعليه أن يضحى بشاتين عندنا شاة بالنذر وشاة بإيجاب الشرع ابتداء إلا إذا عنى به الإخبار عن الواجب عليه فلا يلزمه إلا واحدة، ولو قبل أيام النحر لزمه شاتان بلا خلاف لأن الصيغة لا تحتمل الإخبار عن الواجب إذ لا وجوب قبل الوقت.

وكذا لو كان معسرا ثم أيسر فى أيام النحر لزمه شاتان اهـ .ومقتضى هذا أن الموسر إذا نذر فى أيام النحر وقصد الإخبار لم يكن ذلك منه نذرا حقيقة وإن لزوم الشاة عليه بإيجاب الشرع .أما إذا أطلق ولم يقصد الإخبار أو كان قبل أيام النحر أو كان معسرا فأيسر فيها، فإنه وإن لزمته شاة أخرى بالنذر لكنها لم تكن واجبة قبل بل الواجبة غيرها فهو نذر حقيقة .وعلى كل فلم يوجد نذر حقيقى بواجب قبله فاتضح الحال وطاح الإشكال وسيأتى فى آخر الأضحية زيادة تحقيق لهذا البحث، ومقتضى ذلك أيضا أنه حيث قصد الإخبار له الأكل منها لأنها لم تلزم بالنذر(ردالمحتار، ج۶ص ۳۲۰، كتاب الاضحية)

قدمناه عن البدائع من أن الغنى لو نذر قبل أيام النحر أن يضحى شاة لزمه شاتان إحداهما بالنذر والأخرى بالغنى لعدم احتمال الصيغة الإخبار عن الواجب إذ لا وجوب قبل الوقت، وكذا لو نذر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قربانیاں واجب ہوجائیں گی، جتنی قربانیوں کی اس نے نذر ومنت مانی ہو۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهو فقير ثم استغنى(رد المحتار على الدر المختار، ج٦ ص ٣٣٢، ٣٣٣، كتاب الأضحية)

وفي أضاحي الزعفراني إن قال :لله علي أن أضحي بشاة في أيام النحر فإن كان موسرا فعليه أن يضحي بشاتين إلا أن يعين بالإيجاب ما يجب عليه فإن كان فقيرا فعليه شاة، وفي السراجية إذا قال لله علي أن أضحي بشاة فضحى ببدنة، أو ببقرة جاز .اهـ.

وفي الشارح إذا نذر وأراد بها الواجب عليه لا يلزمه غيرها، وإن أراد الواجب بسبب الغنى يلزمه غيرها اهـ(تكملة البحر الرائق للطورى، ج٨ص ١٩٩، كتاب الاضحية)

[۱] نذر عشر أضحيات لزمه ثنتان لمجيء الأثر بها خانية، والأصح وجوب الكل لإيجابه ما لله من جنسه إيجاب شرح وهبانية.

قلت :ومفاده لزوم النذر بما ضمن جنسه واجب اعتقادي أو اصطلاحي قاله المصنف فليحفظ(الدر المختار)

(قوله والأصح وجوب الكل) كذا صححه في الظهيرية .ونقل في التتارخانية عن الصدر الشهيد أنه الظاهر وسيأتي في النظم، فيلزمه أن يضحي بالعشر في أيام النحر وبعدها يتصدق بها حية لو كانت معينة كما يؤخذ مما مر متنا .قال الشرنبلالي في شرحه :وأقول في صحة إلزامه بثنتين أو بعشر تأمل .والذي يظهر لي أنه مثل إلزامه على نفسه الظهر عشرا فلا يلزمه غير ما أوجبه تعالى، لأن نذر ذات الواجب وتعدده ليس صحيحا نعم نذر مثله كقوله نذرت ذبح عشر شياه وقت كذا يصح ويلغو ذكر الوقت، وتقدم في الحج :لو قال لله تعالى على حجة الإسلام مرتين لا يلزمه شيء غير المشروع مع أن الحج نفلا مشروع ولكن لا يسمى حجة الإسلام، وكذلك الأضحية لم تشرع لازمة إلا واحدة فنذر تعددها إلزام غير المشروع وجوبا فلا يلزم فليتأمل اهـ .أقول وبالله تعالى التوفيق إن كتب المذهب طافحة بصحة النذر بالأضحية من الغني والفقير، وقدمنا أن الغني إذا قصد بالنذر الإخبار عن الواجب عليه وكان في أيام النحر لزمه واحدة وإلا فثنتان.

ثم لا يخفى أن الأضحية اسم لشاة مثلا تذبح في أيام النحر واجبة كانت أو تطوعا، فإذا نذر أضحية لم تنصرف إلى الواجبة عليه ما لم ينو بالنذر الإخبار، كما إذا قال لله على حجة، وعليه حجة الإسلام، قال الزيلعي :يلزمه أخرى إلا إذا عنى به الواجب عليه اهـ، فإذا نذر عشر أضحيات لم يحتمل الإخبار عن الواجب أصلا كما قدمناه عن البدائع من أن الغني لو نذر قبل أيام النحر أن يضحي شاة لزمه شاتان إحداهما بالنذر والأخرى بالغنى لعدم احتمال الصيغة الإخبار عن الواجب إذ لا وجوب قبل الوقت، وكذا لو نذر وهو فقير ثم استغنى وهنا كذلك لعدم وجوب العشر فتلزمه العشر لأنها عبادة من جنسها واجب، بخلاف ما لو قال :لله على حجة الإسلام مرتين لأن حجة الإسلام اسم للفعل المخصوص على سبيل الفرضية فإذا قال مرة أو مرتين لا يلزمه لأن المرة لازمة قبل النذر والثانية لا يمكن جعلها حجة الإسلام التي هي فرض العمر، ومثله نذر رمضان مرة أو مرتين، فالفرق بين الأضحية التي تطلق على الواجب والتطوع كالصوم والصلاة والحج وبين حجة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۸...... اگر کسی نے قربانی کے بجائے جانور کے صدقہ کرنے کی نذر ومنت مانی، یا جانور کے ذبح کرنے کے ساتھ اس کے گوشت کو صدقہ کرنے کی بھی نذر ومنت مانی، تو یہ نذر ومنت قربانی کے بجائے صدقہ کی نذر ومنت کہلائے گی، اور جانور کو خاص قربانی کے دنوں میں ذبح کرنا، بلکہ دوسرے دنوں میں بھی ذبح کرنا ضروری نہیں ہوگا، اور زندہ جانور صدقہ کرنا، یا جانور کے بجائے اتنی مالیت کا صدقہ کرنا درست ہوجائے گا، اور اگر جانور کو ذبح کردیا، تو اس کا گوشت غریبوں کو صدقہ کرنا ضروری ہوگا، اور اس میں سے خود کھانا جائز نہیں ہوگا۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الإسلام كصوم رمضان وصلاة الظهر أظهر من الشمس، وحيث علمت أن الأضحية اسم لما يذبح فى وقت مخصوص لم يكن فيها إلغاء الوقت، فإذا نذرها يلزم فعلها فيه وإلا لم يكن آتيا بالمنذور لأنها بعدها لا تسمى أضحية ولذا يتصدق بها حية إذا خرج وقتها كما قدمناه، بخلاف ما إذا نذر ذبح شاة فى وقت كذا يلغو ذكر الوقت لأنه وصف زائد على مسمى الشاة ولذا ألغى علماؤنا تعيين الزمان والمكان، بخلاف الأضحية فإن الوقت قد جعل جزء ا من مفهومها فلزم اعتباره، ونظير ذلك ما لو نذر هدى شاة فإنهم قالوا إنما يخرجه عن العهدة ذبحها فى الحرم والتصدق بها هناك مع أنهم قالوا لو نذر التصدق بدرهم على فقراء مكة له التصدق على غيرهم، وما ذاك إلا لكون الهدى اسما لما يهدى إلى مكة ويتصدق به فيها. فقد جعل المكان جزء ا من مفهومه كالزمان فى الأضحية فإذا تصدق به فى غير مكة لم يأت بما نذره، بخلاف ما لو نذر التصدق بالدرهم فيها فإن المكان لم يجعل جزء ا من مفهوم الدرهم فإن الدرهم درهم سواء تصدق به فى مكة أو غيرها بخلاف الهدى، فقد ظهر وجه تصحيح العشر ووجه لزوم ذبحها فى أيام النحر فاغتنم هذه الفائدة الجليلة، التى هى من نتائج فكرتى العليلة؛ فإنى لم أرها فى كتاب، والحمد لله الملك الوهاب(رد المحتار على الدر المختار، ج٦ص ٣٣٢، ٣٣٣، كتاب الأضحية)

[۱] فى الحاوى :ذكر هشام فى نوادره عن محمدرحمه الله تعالىٰ :إذا نذر ذبح شاة لا يأكل منها الناذر، ولو أكل فعليه قيمة ما أكل(المحيط البرهانى، ج٩ص ٤٦٠، كتاب الاضحية ، الفصل الثانى)

(ولو قال إن برئت من مرضى هذا ذبحت شاة أو على شاة أذبحها فبرء لا يلزمه شىء)لأن الذبح ليس من جنسه فرض بل واجب كالأضحية (فلا يصح) (إلا إذا زاد وأتصدق بلحمها فيلزمه) لأن الصدقة من جنسها فرض وهى الزكاة فتح وبحر ففى متن الدرر تناقض منح.

(ولو قال لله على أن أذبح جزورا وأتصدق بلحمه فذبح مكانه سبع شياه جاز) كذا فى مجموع النوازل ووجهه لا يخفى(الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار، ج٣ص ٧٣٩، ٧٤٠، كتاب الايمان)

(قوله لأن الذبح ليس من جنسه فرض إلخ) هذا التعليل لصاحب البحر، وينافيه ما فى الخانية قال :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر جانور کے ذبح کرنے کی منت مانی ہو، اور اس کے گوشت کو صدقہ کرنے کی منت نہ مانی ہو، مگر نیت صدقہ کی ہی ہو (جیسا کہ آج کل ہمارے عرف ورواج میں بھی ایسا ہی ہے) تو اس کا حکم بھی صدقے والا ہی ہوگا (نہ کہ قربانی والا) جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إن برئت من مرضى هذا ذبحت شاة فبرء لا يلزمه شيء إلا أن يقول فلله على أن أذبح شاة اهـ :وهى عبارة متن الدرر وعللها فى شرحه بقوله لأن اللزوم لا يكون إلا بالنذر والدال عليه الثانى لا الأول اهـ.فأفاد أن عدم الصحة لكون الصيغة المذكورة لا تدل على النذر أى لأن قوله ذبحت شاة وعد لا نذر، ويؤيده ما فى البزازية لو قال إن سلم ولدى أصوم ما عشت فهذا وعد لكن فى البزازية أيضا إن عوفيت صمت كذا لم يجب ما لم يقل لله على وفى الاستحسان يجب ولو قال :إن فعلت كذا فأنا أحج ففعل يجب عليه الحج .اهـ.فعلم أن تعليل الدرر مبنى على القياس والاستحسان خلافه وينافيه أيضا قول المصنف على شاة أذبحها أو عبارة الفتح فعلى بالفاء فى جواب الشرط إذ لا شك أن هذا ليس وعدا ولا يقال إنما لم يلزمه شيء لعدم قوله لله على لأن المصرح به صحة النذر بقوله لله على حجة أو على حجة فيتعين حمل ما ذكره المصنف على القول بأنه لا بد أن يكون من جنسه فرض وحمل ما فى الخانية والدرر من صحة قوله لله على أن أذبح شاة على القول بأنه يكفى أن يكون من جنسه واجب، وسيأتى فى آخر الأضحية عن الخانية لو نذر عشر أضحيات لزمه ثنتان لمجيء الأمر بهما.

وفى شرح الوهبانية الأصح وجوب الكل لإيجابه ما لله من جنسه إيجاب، ونقل الشارح هناك عن المصنف أن مفاده لزوم النذر بما من جنسه واجب اعتقادى أو اصطلاحى اهـ ويؤيده أيضا ما قدمناه عن البدائع وبه يعلم أن الأصح أن المراد بالواجب ما يشمل الفرض والواجب الاصطلاحى لا خصوص الفرض فقط (قوله فتح وبحر) يوهم أنه فى الفتح ذكر هذا التعليل مع أن المذكور فيه عبارة المتن فقط وكذلك فى البحر معزيا إلى مجموع النوازل (قوله ففى متن الدرر تناقض) أى حيث صرح أولا بأنه يشترط فى النذر أن يكون له أصل فى الفروض ونص ثانيا على صحة النذر بقوله لله على أن أذبح شاة مع أن النذر ليس له أصل فى الفروض، بل فى الواجبات وأجاب ط :بأن مراده بالفرض ما يعم الواجب بأن يراد به اللازم فلا تناقض(ردالمحتار، ج۳ص ۷۴۰، كتاب الايمان)

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”قربانی سے مراد اگر مطلق ذبح ہے تب تو کسی زمان کی قید نہ ہوگی اور اگر تضحیہ (قربانی) مراد ہے تو ایامِ نحر (قربانی کے دنوں) کی قید ہوگی، اور نیز ذبح مرادلینے میں یہ بھی اختیار ہے خواہ ذبح کرکے تصدق (صدقہ) کرے یا بکری کی قیمت کا تصدق کردے اور بیچ ڈالنے کے بعد بھی دونوں اختیار ہیں خواہ دوسری بکری خرید کر ذبح وتصدق کرے، خواہ وہ قیمت تصدق کردے، اور اگر تضحیہ (قربانی) مرادلیا ہے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۹...... اگر کسی نے اپنے بیٹے یا بیٹی کو قربان یا ذبح کرنے کی نذرومنت مانی، تو اس پر اس نذرومنت کی وجہ سے (اولاد کے بجائے) قربانی کے دنوں میں ایک قربانی کے قابل جانور (بکری یا دنبے) کی قربانی واجب ہوجائے گی۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور پھر بیچ ڈالا تو اگر کسی خاص سال کی قید لگائی تھی تو اس کی قیمت کا تصدق کردے، اور اگر تضحیہ میں کسی سال کی قید نہ لگائی تھی تو ایامِ نحر میں اُس قیمت کی بکری خرید کر قربانی کرے، وکل ہذا ظاہر من القواعد“ (امداد الفتاویٰ ج۲ص ۵۵۸، ۵۵۹)

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

”فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ذبح کرنا غیر ایامِ اضحیہ میں قربتِ مقصودہ نہیں، اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ منذور بہ کا قربتِ مقصودہ ہونا چاہیئے، پس اگر نذر بالذبح میں صرف ذبح سے پوری ہوجائے تو لازم آتا ہے کہ منذور بہ غیر قربتِ مقصودہ ہو وہو باطل، اس سے معلوم ہوا کہ تصدق کو لازم کیا جائے گا، تاکہ اس کے انضمام سے وہ قربتِ مقصودہ ہوجائے، اس قاعدہ سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ تصدق واجب ہوگا، نیز ناذر کا قصد اس نذر ذبح سے یقیناً تصدق کا ہوتا ہے، پس عرفاً نذر بالذبح کا لفظ مستعمل نذر مجموع الذبح والتصدق میں ہے، اور اس مجموع کے نذر میں فقہاء نے انعقادِ نذر کی تصریح کی ہے“ (امداد الفتاویٰ ج۲ص ۵۵۷)

اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”اضحیہ کے سوا نذرِ ذبح سے نذرِ تصدقِ لحم مقصود ہے، ورنہ نفسِ ذبح کی نذر صحیح نہیں، اس لئے کہ اضحیہ کے سوا ذبحِ حیوانات عبادتِ مقصودہ نہیں، جب ذبح مقصود نہیں بلکہ تصدقِ لحم مقصود ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ ذبحِ حیوان واجب نہیں بلکہ اختیار ہے چاہے یہ بکرا ذبح کرکے گوشت صدقہ کرے یا بکرا زندہ صدقہ کردے یا اس کی قیمت صدقہ کرے یا قیمت کے برابر کوئی دوسری چیز“ (احسن الفتاویٰ ج۵ص ۴۸۳، کتاب الایمان)

دوسرے موقع پر فرماتے ہیں کہ:

نذرِ ذبح میں فعلِ ذبح عبادت نہیں، اس لئے نذرِ ذبح تصدقِ لحم کو مستلزم ہے، ورنہ فعلِ عاقل کا ابطال لازم آتا ہے جو عقلاً وشرعاً کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ نذرِ ذبح میں نذرِ تصدق کا عرف ہے، اگر یہ عرف نہ بھی ہوتا تو بھی تصحیحِ فعلِ عاقل کے لئے عقلاً وشرعاً اس کو نذرِ تصدق قرار دیا جائے گا۔ غرضیکہ نذرِ ذبح کا نذرِ تصدق کو مستلزم ہونا تسلیم نہ کیا جائے تو یہ نذر ہی صحیح نہیں، اور استلزام تسلیم کرلیا جائے تو صحتِ نذر و وجوبِ تصدق دونوں اصولِ شرع کے مطابق ہیں (احسن الفتاویٰ ج۷ص ۵۲۷)

[۱] عَنْ عَطَاءٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا " :إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ ابْنِي " فَأَمَرَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا بِكَبْشٍ وَقَالَ (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) "كَذَا وَجَدْتُهُ فِي هَذِهِ الرِّوَايَةِ (سنن البيهقى، رقم الحديث ۲۰۰۸۱)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر کسی نے اپنی اولاد کو قربان یا ذبح کرنے کی نذر ومنت مانی، اور اس کی ایک سے زیادہ اولاد ہے، تو ہر اولاد کے بدلے میں قربانی کے قابل ایک ایک جانور (بکری یا دُنبے) کی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولو قال :لله تعالى على أن أنحر ولدى أو أذبح ولدى يصح نذره ويلزمه الهدى وهو نحر البدنة أو ذبح الشاة، والأفضل هو الإبل ثم البقر ثم الشاة، وإنما ينحر أو يذبح فى أيام النحر سواء كان فى الحرم أو لا، وهذا استحسان وهو قول أبى حنيفة ومحمد رحمهما الله والقياس أن لا يصح نذره وهو قول أبى يوسف وزفر والشافعى -رحمهم الله -.

(وجه) القياس :أنه نذر بما هو معصية، والنذر بالمعاصى غير صحيح، ولهذا لم يصح بلفظ القتل.

(وجه) الاستحسان :قول النبى -عليه الصلاة والسلام :-من نذر أن يطيع الله فليطعه وقوله -عليه الصلاة والسلام -من نذر وسمى فعليه الوفاء بما سمى ، والمراد من الحديثين النذر بما هو طاعة مقصودة وقربة مقصودة، وقد نذر بما هو طاعة مقصودة وقربة مقصودة؛ لأنه نذر بذبح الولد تقديرا بما هو خلف عنه وهو ذبح الشاة، فيصح النذر بذبح الولد على وجه يظهر أثر الوجوب فى الشاة التى هى خلف عنه، كالشيخ الفانى إذا نذر أن يصوم رجب أنه يصح نذره وتلزمه الفدية خلفا عن الصوم، ودليل ما قلنا الحديث وضرب من المعقول.

(أما) الحديث فقول النبى -عليه الصلاة والسلام :-أنا ابن الذبيحين أراد أول آبائه من العرب وهو سيدنا إسماعيل -عليه الصلاة والسلام -وآخر آبائه حقيقة وهو عبد الله بن عبد المطلب، سماهما -عليه الصلاة والسلام -ذبيحين ومعلوم أنهما ما كانا ذبيحين حقيقة فكانا ذبيحين تقديرا بطريق الخلافة لقيام الخلف مقام الأصل.

(وأما) المعقول فلأن المسلم إنما يقصد بنذره التقرب إلى الله تعالى، إلا أنه عجز عن التقرب بذبح الولد تحقيقا، فلم يكن ذلك مرادا من النذر، وهو قادر على ذبحه تقديرا بذبح الخلف وهو ذبح الشاة فكان هذا نذرا بذبح الولد تقديرا بذبح ما هو خلف عنه حقيقة، كالشيخ الفانى إذا نذر بالصوم وإنما لا يصح بلفظ القتل؛ لأن التعيين بالنذر وقع للواجب على سيدنا إبراهيم -عليه الصلاة والسلام -والواجب هناك بالإيجاب المضاف إلى ذبح الولد بقوله -تعالى عز شأنه :-(إنى أرى فى المنام أنى أذبحك)على أن هذا حكم ثبت استحسانا بالشرع، والشرع إنما ورد بلفظ الذبح لا بلفظ القتل، ولا يستقيم القياس؛ لأن لفظ القتل لا يستعمل فى تفويت الحياة على سبيل القربة، والذبح يستعمل فى ذلك.

ألا ترى أنه لو نذر بقتل شاة لا يلزمه، ولو نذر بذبحها لزمه.

ولو نذر بنحر نفسه لم يذكر فى ظاهر الروايات، وذكر فى نوادر هشام أنه على الاختلاف الذى ذكرنا، ولو نذر بنحر ولد ولده ذكر فى شرح الآثار أنه على الاختلاف.

ولو نذر بنحر والديه أو جده أو جدته -يصح نذره عند أبى حنيفة -رحمه الله -، وعند الباقين لا يصح.ولو نذر بذبح عبده :عند محمد -رحمه الله -يصح، وعند الباقين لا يصح، وإنما اختلف أبو

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

قربانی واجب ہوجائے گی۔ ؎۱

مسئلہ نمبر۲۰...... اگر کوئی شخص نہ تو صاحبِ نصاب ہے، اور نہ اس نے قربانی کی نذرومنت مانی، لیکن اس نے قربانی کی نیت سے جانور خریدلیا، تو راجح یہ ہے کہ اس پر بھی اس جانور کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حنيفة ومحمد فيما بينهما مع اتفاقهما فى الولد لاختلافهما فى المعنى فى الولد، فالمعنى فى الولد عند أبى حنيفة -رحمه الله -هو أنه نذر بالتقرب إلى الله -تعالى -بذبح ما هو أعز الأشياء عنده، وهذا المعنى يوجد فى الوالدين ولا يوجد فى العبد، وعند محمد -رحمه الله -المعنى فى الولد أن النذر بذبحه تقرب إلى الله -تعالى -بما هو من مكاسبه، والولد فى معنى المملوك له شرعا، قال النبى -عليه الصلاة والسلام :-إن أطيب ما أكل الرجل من كسبه وإن ولده من كسبه، فعدى الحكم إلى المملوك حقيقة وهو العبد وإلى النفس وولد ولده لكونهما فى معنى المملوك له، ولم يعد إلى الوالدين لانعدام هذا المعنى، وعلى هذا القياس ينبغى أن يصح نذر الجد بذبح الحافد، وعند محمد لا يصح(بدائع الصنائع، ج۵ص ۸۵، كتاب النذر، بيان ركن النذر وشرائطه)

وإذا قال :لله على أن أنحر ولدى، أو أذبح ولدى لم يلزمه شىء فى القياس، وهو قول أبى يوسف والشافعى رحمهما الله تعالى وفى الاستحسان يلزمه ذبح شاة، وهو قول أبى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى لكنه إن ذكر بلفظ الهدى، فذلك يختص بالحرم، وفى سائر الألفاظ إما أن يذبحها فى الحرم أو فى أيام النحر(المبسوط للسرخسى، ج ۸،ص ۱۴۱، كتاب الأيمان)

من نذر بذبح ولد ففداؤه ذبح شاة وروى أن امرأة نذرت بذبح ولدها فى زمن مروان بن الحكم فجمع فقهاء الصحابة رضى الله عنهم وسألهم وفيهم ابن عمر فقال :إن الله تعالى أمر بالوفاء بالعهد فقالت أتأمرنى بقتل ولدى وإن الله حرم قتل النفس وسئل ابن عباس رضى الله عنهما عن هذه المسألة :فأفتى بذبح مائة بدنة ثم أتيا إلى مسروق وكان جالسا فى المسجد وقال للسائل سل ذلك الشيخ فسأله فقال :أرى عليك ذبح شاة فعاد إلى ابن عباس فقال له أرى عليك مثل ذلك وكأن غرض ابن عباس أن يعلم مذهب ابن مسعود من مسروق وعن القاسم بن محمد قال :كنت عند ابن عباس فجاء ته امرأة فقالت إنى نذرت أن أنحر ولدى فقال:لا تنحرى ولدك وكفرى عن يمينك فقال رجل عند ابن عباس لا وفاء لنذر فيه معصية الله فقال ابن عباس :قال :الله تعالى :فى الظهار ما سمعت وأوجب فيه ما ذكره فهؤلاء الصحابة مع اختلافهم فى موجب النذر كان اتفاقهم على صحة النذر فمن أنكر ذلك فقد خالف الإجماع(الغرة المنيفة فى تحقيق بعض مسائل الإمام أبى حنيفة ،لسراج الدين، أبو حفص الحنفى، ج ۱، ۱۸۰،كتاب الأيمان)

؎۱ ومن قال لله على أن أنحر ولدى ففى القياس لا شىء عليه، وفى الاستحسان يلزمه شاة، ولو كان له أولاد لزمه مكان كل ولد شاة، وكذا إذا نذر ذبح عبده عند أبى حنيفة وعند محمد يلزمه الشاة فى الولد لا العبد، وعند أبى يوسف لا يلزمه فى واحد منهما(فتح القدير، ج ۳،ص ۳۷۸،كتاب الحج، باب الهدى، مسائل منثورة)

قربانی واجب ہوجاتی ہے (لانہٗ بمنزلة النذر عرفاً وعادتاً، فھو النذر الحکمی) [1]

اورراجح یہ ہے کہ غریب نے خواہ قربانی کے دنوں میں جانور خریدا ہو، یا قربانی کے دن شروع ہونے سے پہلے خریدا ہو، دونوں کا حکم یکساں ہے۔

(اس مسئلہ کی تفصیل آگے تحقیقی مسائل کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں)

---

[1] اور ایک روایت یہ ہے کہ واجب نہیں ہوتی۔

أن الشراء من الفقير بنية الأضحية بمنزلة النذر عرفا ، وعادة ؛ لأنا لا نجد في العرف فقيرا اشترى شيئا للأضحية إلا ويضحي بها لا محالة فكان بها ملتزما(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج٦،ص٧، باب مايضحى به)

لأن الوجوب على الغني بالشرع ابتداء لا بالشراء فلم تتعين به، وعلى الفقير بشرائه بنية الأضحية فتعينت(الهداية شرح البداية، ج٤ص ٣٥٩، كتاب الاضحية)

وأما الذى يجب على الفقير دون الغنى فالمشترى للأضحية إذا كان المشترى فقيرا بأن اشترى فقير شاة ينوى أن يضحى بها، وقال الشافعي -رحمه الله :-لا تجب وهو قول الزعفرانى من أصحابنا وإن كان غنيا لا يجب عليه بالشراء شيء بالاتفاق (وجه) قول الشافعي -رحمه الله -إن الإيجاب من العبد يستدعي لفظا يدل على الوجوب، والشراء بنية الأضحية لا يدل على الوجوب فلا يكون إيجابا ولهذا لم يكن إيجابا من الغنى.

(ولنا) أن الشراء للأضحية ممن لا أضحية عليه يجرى مجرى الإيجاب وهو النذر بالتضحية عرفا؛ لأنه إذا اشترى للأضحية مع فقره فالظاهر أنه يضحى فيصير كأنه قال :جعلت هذه الشاة أضحية، بخلاف الغنى؛ لأن الأضحية واجبة عليه بإيجاب الشرع ابتداء فلا يكون شراؤه للأضحية إيجابا بل يكون قصدا إلى تفريغ ما في ذمته ولو كان في ملك إنسان شاة فنوى أن يضحى بها أو اشترى شاة ولم ينو الأضحية وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك أن يضحى بها لا يجب عليه سواء كان غنيا أو فقيرا؛ لأن النية لم تقارن الشراء فلا تعتبر(بدائع الصنائع، ج٥ص ٦٢، كتاب التضحية)

من المشايخ من فصل بين الموسر والمعسر فقال :إن كان موسرا فالجواب كذلك لأنه ما أوجب بهذا الشراء شيئا على نفسه وإنما قصد به إسقاط الواجب عن نفسه، فإذا سافر تبين أنه لا وجوب عليه فكان له أن يبيعها كما لو شرع في العبادة على ظن أنها عليه ثم تبين أنها ليست عليه أنه لا يلزمه الإتمام، وإن كان معسرا ينبغي أن تجب عليه ولا تسقط عنه بالسفر؛ لأن هذا إيجاب من الفقير بمنزلة النذر فلا يسقط بالسفر؛ كما لو شرع في التطوع أنه يلزمه الإتمام والقضاء بالإفساد، كذا ههنا وإن سافر بعد دخول الوقت قالوا :ينبغي أن يكون الجواب كذلك لما ذكرنا(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع،ج٦،ص ٦٤،كتاب التضحية،فصل في شرائط وجوب في الأضحية)

وأما الذى يجب على الفقير دون الغنى فالمشترى للأضحية إذا كان المشترى فقيرا، بأن اشترى فقير شاة ينوى أن يضحى بها، وإن كان غنيا لا تجب عليه بشراء شيء (الفتاوى الهندية، ج٥ص ٢٩١،كتاب الأضحية،الباب الأول)

قربانی کا مالی نصاب اور اس کے متعلق احکام

مسئلہ نمبر۱...... حنفیہ کے نزدیک قربانی واجب ہونے کا نصاب وہی ہے، جو نصاب صدقۂ فطر واجب ہونے کا ہے، پس جو مسلمان قربانی کے دنوں میں اتنا مالدار ہو کہ اس پر زکاۃ فرض ہو یا زکاۃ تو فرض نہ ہو، لیکن صدقۂ فطر والے نصاب کا مالک ہو، یعنی اس کی ملکیت میں ضروری سامان سے زائد کم از کم اتنا مال وسامان ہو، جس کی مجموعی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو، ایسے شخص کو قربانی کا حکم ہے۔

مسئلہ نمبر۲......قربانی کے حکم کے لئے ان پانچ قسم کی چیزوں کا اعتبار کیا جاتا ہے:

(۱)......سونا (۲)...... چاندی (۳)...... روپیہ پیسہ (۴)...... تجارت کا مال

(۵)......ضرورت سے زیادہ سامان۔

مسئلہ نمبر۳...... درجِ ذیل چھ قسم کے افراد قربانی کے اعتبار سے صاحبِ نصاب کہلاتے ہیں۔

(۱)......جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے سات تولہ یا اس سے زیادہ صرف سونا ہو (خواہ ڈَلی کی شکل میں ہو، یا زیور کی شکل میں)

(۲)......جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ صرف چاندی ہو (خواہ ڈَلی کی شکل میں ہو، یا زیور کی شکل میں) [۱]

(۳)......جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ چاندی کی مالیت کے برابر صرف روپیہ پیسہ ہو (خواہ کسی بھی ملک کی کرنسی کی شکل میں ہو) [۲]

---

[۱] یادرہے کہ سونا یا چاندی جبکہ منفرد ہوں، تو ان میں تقویم ومالیت کا اعتبار نہیں ہوتا، بلکہ وزن کا اعتبار ہوتا ہے، کیونکہ شریعت کی طرف سے انفرادی طور پر ان دونوں کے مستقل نصاب وزن کے ساتھ منصوص ہیں، جن کی تقدیر میں عقل وقیاس کو دخل نہیں، اور جس طرح وجوبِ زکاۃ کے باب میں بحالتِ انفرادوزن کا اعتبار ہے، اسی طرح قربانی واجب ہونے میں بھی بحالتِ انفرادوزن کا اعتبار کیا جائے گا۔

[۲] یہی حکم ان چیزوں کا بھی ہے جو نقدی کے حکم میں ہوں جیسے دوسرے ملک کی کرنسی، ڈالر، چیک، پرائز بانڈ، وغیرہ (اگرچہ موجودہ دور کے عام پرائز بانڈ پر نفع کے نام سے ملنے والی رقم ناجائز ہے)۔ محمد رضوان

(۴)......جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ چاندی کی مالیت کے برابر صرف تجارت کا مال ہو۔

(۵)......جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ چاندی کی مالیت کے برابر صرف ضرورت سے زیادہ کسی بھی قسم کی کوئی چیز ہو۔

(۶)......جس کی ملکیت میں اوپر ذکر کی ہوئی تھوڑی تھوڑی پانچوں چیزیں یا ان پانچ میں سے دو یا زیادہ چیزیں اتنی مالیت کی ہوں کہ ان سب کو جمع کیا جائے تو ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ چاندی کی مالیت بن جائے۔

خلاصہ یہ کہ جس مرد یا عورت کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا نقدی یا تجارت کا سامان یا ضرورت سے زیادہ سامان میں سے کوئی ایک چیز یا ان پانچوں یا ان میں سے بعض چیزوں کا مجموعہ ساڑھے سات تولہ سونے یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو ایسا شخص (خواہ مرد ہو یا عورت) قربانی کے نصاب کا مالک کہلاتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴......قربانی کے نصاب کی مالیت معلوم کرنے کے لئے عیدالاضحیٰ کے موقع پر ساڑھے سات تولہ سونے اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت صرافوں سے معلوم کی جاسکتی ہے، چونکہ سونے چاندی کی قیمت بدلتی رہتی ہے، اس لئے کسی ایک دن کی قیمت لکھ دینے سے غلط فہمی ہوگی۔

مسئلہ نمبر ۵...... جو چیزیں نہ تو سونے کی شکل میں ہوں، اور نہ چاندی کی شکل میں ہوں، نہ روپیہ پیسہ کی شکل میں ہوں، اور نہ ہی تجارت کے مال کی شکل میں ہوں، بلکہ ان چاروں

---

[1] (قوله ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا من أى مال كان) سواء كان النصاب ناميا أو غير نام حتى لو كان له بيت لا يسكنه يساوى مائتى درهم لا يجوز صرف الزكاة إليه وهذا النصاب المعتبر فى وجوب الفطرة والأضحية قال فى المرغينانى إذا كان له خمس من الإبل قيمتها أقل من مائتى درهم يحل له الزكاة وتجب عليه ولهذا يظهر أن المعتبر نصاب النقد من أى مال كان بلغ نصابا من جنسه أو لم يبلغ وقوله إلى من يملك نصابا بشرط أن يكون النصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية(الجوهرة النيرة، ج ا ص ۱۳۱، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة)

چیزوں کے علاوہ ہوں، ان میں اعتبار حاجتِ اصلیہ یعنی بنیادی ضرورت میں استعمال ومشغول ہونے؛ نہ ہونے کا ہوگا۔

پس جو چیزیں کسی شخص کی حاجتِ اصلیہ اور بنیادی ضروریات میں استعمال ومشغول ہوں گی؛ ان کی مالیت کا حساب نہیں لگایا جائے گا، اور جو چیزیں حاجتِ اصلیہ سے زائد ہونگی؛ ان کی مالیت کا حساب لگایا جائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۶ ...... اگر نصاب کے برابر سونا؛ چاندی (خواہ زیور کی شکل میں ہو) اور اسی طرح کرنسی موجود تو ہے، مگر وہ آئندہ گھریلو یا کاروباری ضرورت کے استعمال میں خرچ کرنے (مثلاً گھر یا دوکان کا سودا سلف، یا مکان دوکان خریدنے، یا شادی بیاہ میں خرچ کرنے) کے لیے رکھی ہوئی ہے، تو بھی قربانی کا حکم ہوگا، کیونکہ صرف آئندہ ضرورت میں خرچ کرنے کی

---

[1] ثم قدر الحاجة ما ذكره الكرخي في مختصره فقال لا بأس بأن يعطى من الزكاة من له مسكن وما يتأثث به في منزله وخادم وفرس وسلاح وثياب البدن وكتب العلم إن كان من أهله فإن كان له فضل عن ذلك ما يبلغ قيمته مائتي درهم حرم عليه أخذ الصدقة لما روى عن الحسن البصرى أنه قال كانوا يعطون الزكاة لمن يملك عشرة آلاف درهم من الفرس والسلاح والخدم والدار.
وقوله: كانوا، كناية عن أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم- وهذا؛ لأن هذه الأشياء من الحوائج اللازمة التي لا بد للإنسان منها فكان وجودها وعدمها سواء(بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۴۸، فصل شرائط ركن الزكاة)

فقہائے کرام نے حاجتِ اصلیہ کی جو قید لاکر اس کے ساتھ مختلف مثالیں ذکر فرمائی ہیں ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت وحاجت کی بنیاد مباح الاستعمال ہونے کے ساتھ ساتھ مشقت پر ہے اور مشقت ایک اضافی چیز ہے۔ اس لئے ضرورت وحاجت کی تعیین میں علاقہ، مقام، احوالِ زمانہ، لوگوں کی قوتِ برداشت وغیرہ کے لحاظ سے فرق واقع ہوسکتا ہے کسی دور میں وقت دیکھنے کے لئے موجودہ گھڑی ضرورت میں داخل نہیں تھی، ایک زمانے میں روشنی کے لئے معمولی چراغ کافی تھے مگر آج کے دور میں عموماً گھڑی، بلب اور بجلی ضرورت میں داخل ہوچکی ہے، کسی دور میں ہاتھ کے پنکھے گرمی میں ہوا حاصل کرنے کے لئے کافی سمجھے جاتے تھے مگر آج ان کے بجائے بجلی کے پنکھے ضرورت وحاجت میں داخل ہیں (اذا کان یستعمل) لہٰذا حوائج اصلیہ کا تعین ہر زمانہ، علاقہ اور افراد کے حالات کی روشنی میں ہوگا، لیکن چونکہ یہ ایک اجتہادی کام ہے اور حیثیات وحالات سے حکم مختلف ہوجاتا ہے اس لئے ہر شخص کی انفرادی حالت کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا۔
اس سلسلے میں مناسب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے حالات اور ضروریات کو سامنے رکھ کر کسی معتبر عالم سے حکم معلوم کرلیا کرے۔ محمد رضوان۔

نیت کر لینے سے سونا چاندی اور کرنسی، ضرورت وحاجت میں مشغول نہیں کہلاتیں۔

البتہ اپنے ذمہ جو کسی کا قرض ودَین ہو، اتنی مقدار کا انسان خود مالک نہیں، اس لئے اس قرض کے بقدر مال (نقدی، سونا، چاندی) کو نصاب میں شامل نہیں کیا جائے گا، جس کا آگے ذکر آتا ہے۔

تاہم اگر کسی شخص نے عیدالاضحیٰ کے دن طلوعِ فجر سے پہلے یا بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے اس مال کو اپنی ضروریات میں استعمال وخرچ کر لیا مثلاً گھر کا سودا سلف خرید لیا اور اب پیچھے مال قربانی کے نصاب کے برابر نہیں بچا، یا ادھار ضروریات کی چیزیں خرید لیں اور اس کے ذمہ اتنا قرض لازم ہو گیا کہ اگر اس کو ادا کیا جائے تو مال نصاب کے برابر نہیں بچتا، تو اس پر قربانی واجب نہیں ہو گی (لانہ مشغول فی الدَین) [1]

---

[1] بعض اہلِ علم نے آئندہ پیش آنے والے ضروری یا رواں اخراجات کو حاجاتِ اصلیہ میں مشغول قرار دیا ہے، مگر یہ بات فقہی اصول وقواعدِ احناف کی روشنی میں درست معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ فقہائے کرام کے بیان کردہ جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجتِ اصلیہ میں مشغول ہونے کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ مال خود مباح الاستعمال طریقہ پر حاجتِ اصلیہ میں استعمال ومشغول ہو، مثلاً رہائشی مکان، پہننے کے کپڑے، سواری کا جانور یا گاڑی اور گھریلو استعمال کا سامان وغیرہ کہ یہ چیزیں حاجاتِ اصلیہ میں خود یعنی ان کی ذات استعمال ہوتی ہے، برخلاف دراہم ودنانیر کے (روپیہ پیسہ بھی اسی حکم میں ہے) کہ یہ خود یعنی ان کی ذات کسی حاجتِ اصلیہ میں استعمال نہیں ہوتی کیونکہ نہ ان میں رہائش ہو سکتی ہے نہ انہیں بذاتِ خود پہنا جا سکتا، نہ کھایا پیا جا سکتا ہے نہ ان پر سواری ہو سکتی ہے البتہ ان کو خرچ کر کے ان کے عوض ایسی چیزیں ضرور خریدی جا سکتی ہیں جو حاجاتِ اصلیہ میں استعمال ہوں، پس جب تک یہ چیزیں اپنی حالت پر برقرار ہوں خرچ نہ ہوں حاجتِ اصلیہ میں مشغول نہیں کہلائیں گی (ماخوذ از نوادرُ الفقہ جلد اول صفحہ ۳۸۳، بتغیر)

جہاں تک قرض ودَین کا تعلق ہے، تو اس کا انسان خود مالک نہیں، جیسا کہ گزرا۔

ثم الفضة مال الزكاة كيفما كانت مضروبة أو غير مضروبة أو تبرا أو حليا يحل استعمالها أو لا أمسكها للنفقة أو لا نوى التجارة أو لم ينو وكذلك حلية السيف واللجام والسرج والكواكب التى فى المصاحف إذا كانت تخلص عند الإذابة (تحفة الفقهاء، ج ا ص ۲۶۴، كتاب الزكاة)

الاان الاعداد للتجارة فى الاثمان المطلقةمن الذهب والفضة ثابت بأصل الخلقة لانهالاتصلح للانتفاع باعيانها فى دفع الحوائج الاصلية فلاحاجة الى الاعداد من العبدللتجارة بالنية اذالنية للتعيين وهى متعينة للتجارة بأصل الخلقة فلا حاجة الى التعيين بالنية فتجب الزكاة فيهانوى التجارة أولم ينوأصلا أونوى النفقة وأمافيما سوى الأثمان من العروض فانما يكون الاعداد فيها للتجارة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۷......فضول چیزیں جو اپنی ضرورت وحاجت کی نہ ہوں، بلکہ نمود ونمائش کی ہوں، اور اسی طرح وہ تمام چیزیں جو گھروں میں رکھی رہتی ہیں اور استعمال میں نہیں آتیں، وہ ضرورت سے زیادہ ہیں، اس لئے ان کی قیمت بھی حساب میں لگائی جائے گی۔

اسی طرح جو چیزیں استعمال کرنے، پرانی یا خراب ہوجانے کے بعد یا ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے ویسے ہی گھروں میں ایک طرف پڑی رہتی ہیں، اور ان کی عام طور پر ضرورت پیش نہیں آتی اور ان کی طرف مدتوں دھیان بھی نہیں جاتا (مثلاً فالتو مشینری، فرنیچر، غیر ضروری لباس وغیرہ، جو زیرِ استعمال نہ ہو) اس قسم کی تمام چیزیں غیر ضروری ہیں ان کی مالیت کو بھی حساب میں شمار کیا جائے گا، اور جو چیز بالکل ناکارہ ہوگئی ہو اور اس کی کچھ بھی مالیت نہ ہو اس کو شمار نہیں کیا جائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالنية لانها كماتصلح للتجارة تصلح للانتفاع باعيانها بل المقصود الاصلى منها ذلك فلابد من التعيين للتجارة وذلك بالنية (بدائع الصنائع ج ٢ ص ١١، فصل الشرائط التى ترجع الى المال)

(وحليهما) سواء كان للنساء أو لا أو قدر الحاجة أو فوقها أو يمسكها للتجارة أو للنفقة أو للتجمل أو لم ينو شيئا .وقال مالك :المباح الاستعمال لا زكاة فيه وهو أظهر القولين عن الشافعى؛ لأنه مبتذل ومباح فشابه ثياب البذلة ولنا أن السبب كونهما مال نام والنماء موجود وهو الإعداد للتجارة خلقة، والدليل هو المعتبر بخلاف الثياب وحلى المرأة معروف جمعه حلى بالضم والكسر ولا يدخل الجواهر واللؤلؤ وبخلافه فى بحث الإيمان (وآنيتهما) جمع إناء(مجمع الانهر ، ج ا ص ٢٠٦، ٢٠٧، كتاب الزكاة، نصاب الفضة)

فإذا كان معه دراهم أمسكها بنية صرفها إلى حاجته الأصلية لا تجب الزكاة فيها إذا حال الحول، وهى عنده، لكن اعترضه فى البحر بقوله :ويخالفه ما فى المعراج فى فصل زكاة العروض أن الزكاة تجب فى النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة، وكذا فى البدائع فى بحث النماء التقديرى . اهـ.قلت :وأقره فى النهر والشرنبلالية وشرح المقدسى، وسيصرح به الشارح أيضا، ونحوه قوله فى السراج سواء أمسكه للتجارة أو غيرها، وكذا قوله فى التتارخانية نوى التجارة أولا......وكذا ما سيأتى فى الحج من أنه لو كان له مال، ويخاف العزوبة يلزمه الحج به إذا خرج أهل بلده قبل أن يتزوج، وكذا لو كان يحتاجه لشراء دار أو عبد فليتأمل، والله أعلم(ردالمحتار، ج٢ص ٢٦٢، ٢٦٣، كتاب الزكاة)

[1] والذى يظهر مما مر أن ما كان من أثاث المنزل وثياب البدن وأوانى الاستعمال مما لا بد لأمثالها منه فهو من الحاجة الأصلية وما زاد على ذلك من الحلى والأوانى والأمتعة التى يقصد بها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸...... رہائشی مکان، پہننے؛ اوڑھنے کے کپڑے، کھانے پینے کے برتن، ضرورت کی سواری اور گھریلو ضرورت کا سامان؛ جو عام طور پر زیرِ استعمال رہتا ہے، مثلاً کپڑے، سلائی اور دھلائی مشین، فریج، ڈیپ فریزر وغیرہ۔

یہ ضرورت کے سامان میں داخل ہیں، اور ان کی وجہ سے انسان شرعاً مالدار نہیں کہلاتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الزينة إذا بلغ نصابا تصير به غنية، ثم رأيت في التتارخانية في باب صدقة الفطر :سئل الحسن بن علي عمن لها جواهر ولآلي تلبسها في الأعياد وتتزين بها للزوج وليست للتجارة هل عليها صدقة الفطر؟ قال :نعم إذا بلغت نصابا .وسئل عنها عمر الحافظ فقال لا يجب عليها شيء . اهـ(ردالمحتار، ج۲ ص۳۴۸، باب مصرف الزكاة والعشر)

ومحل الصدقات الفقراء وإنما يعتبر في المسكن والكسوة وأثاث البيت مقدار الكفاية، بدليل ما روى هشام عن محمد أنه سئل عمن له فضل عن كسوته، أو عن متاع يده بنفسه، أو فضل عن مسكنه قدر مائتي درهم،يعطى من الزكاة؟ قال :لا إذا كان مستغنياً عنه .يعني عن فضل الكسوة والمتاع(المحيط البرهاني،ج۲ص۲۱۵، ۲۱۶،كتاب الزكاة،الفصل الثامن)

الحلي مال فاضل عن الحاجة الأصلية إذ الإعداد للتجمل والتزين دليل الفضل عن الحاجة الأصلية فكان نعمة لحصول التنعم به فيلزمه شكرها بإخراج جزء منها للفقراء (بدائع الصنائع ، ج۲ص۱۷،كتاب الزكاة،فصل صفة نصاب الزكاة في الفضة)

[1] عَنْ عِرَاكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي فَرَسِهِ وَلَا عَبْدِهِ صَدَقَةٌ (مسند أحمد، رقم الحديث ۷۲۹۵)

في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

واذا كان للرجل دار وخادم ولا مال له غير ذلك فليس عليه صدقة الفطر؛ لأنه يحل له أخذ الصدقة؛ ولأنه محتاج فإن الدار تسترم والخادم يستنفق ولا بد له منهما فهما يزيدان في حاجته ولا يغنيانه وقد بينا أن الصدقة لا تجب إلا على الغني؛ لأن وجوبها للإغناء كما قال :أغنوهم ولا يخاطب بالإغناء من ليس يغني في نفسه(المبسوط للسرخسي، ج۳ص۱۱۱، باب صدقة الفطر)

وقوله (فاضلا عن مسكنه) قال في النهاية :حتى لو كان له داران دار يسكنها وأخرى لا يسكنها ويؤاجرها أو لا يؤاجرها يعتبر قيمتها في الغنى حتى لو كانت قيمتها مائتي درهم وجب عليه صدقة الفطر(العناية شرح الهداية، ج۲ص۲۸۱، ۲۸۲،كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)

وفي هذه الآية دلالة على أن من له ثياب الكسوة ذات قيمة كثيرة لا تمنعه إعطاء الزكاة ، ؛ لأن الله تعالى قد أمرنا بإعطاء الزكاة من ظاهر حال مشبه لأحوال الأغنياء (احكام القرآن جصاص ، ج۱ ص۵۶۰، سورة البقرة)

وفي الاجناس رجل به زمانه اشترى حمارا يركبه ويسعى في حوائجه وقيمته مائتا درهم ، فلا اضحية عليه (خلاصة الفتاویٰ ج۴ص۳۱۰، كتاب الاضحية، الفصل الثاني في نصاب الاضحية)

اسی طرح آلاتِ صنعت وحرفت (مثلاً درزی کی سلائی مشینیں، ترکھان کی آری، قصاب کی چُھری، مزدور کی مزدوری کا سامان، صنعت وکارخانے کی مشینری وغیرہ) اور دوسرے وسائلِ رزق جن کے ذریعے کوئی شخص اپنی روزی کماتا ہے (مثلاً سبزی فروش وغیرہ کی ریڑھی) یہ بھی انسان کی حاجتِ اصلیہ میں داخل ہیں، اور ان کی وجہ سے بھی انسان مالدار شمار نہیں ہوتا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۹...... اگر کسی کے پاس ضرورت پوری کرنے کا سامان موجود ہے، لیکن اس نے بلاضرورت مزید کچھ سامان رکھ رکھا ہے، مثلاً ایک سواری سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے، مگر اس نے زیادہ سواریاں رکھی ہوئی ہیں، یا ایک مکان سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے، مگر اس نے ایک سے زیادہ مکان رکھے ہوئے ہیں، تو اس ضرورت سے زیادہ سامان کی مالیت کا مالدار ہونے میں اعتبار کیا جائے گا۔

البتہ اگر ان میں سے کچھ سامان تو اپنی ذاتی ضرورت کے استعمال میں آرہا ہے، اور کچھ سامان (گاڑی وغیرہ) یا جگہ کو کرایہ پر چلا کر اس سے اپنی روزی کا انتظام کر رہا ہے، کہ اگر یہ انتظام نہ ہو، تو اس کے ضروری اخراجات متأثر ہوتے ہیں، تو پھر یہ سامان (گاڑی وغیرہ) اور جگہ بھی ضرورت میں داخل سمجھا جائے گا۔ [2]

---

[1] (قوله :وفارغ عن حاجته الأصلية) أشار إلى أنه معطوف على قوله عن دين (قوله وفسره ابن ملك) أى فسر المشغول بالحاجة الأصلية والأولى فسرها، وذلك حيث قال :وهى ما يدفع الهلاك عن الإنسان تحقيقا كالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر أو البرد أو تقديرا كالدين، فإن المديون محتاج إلى قضائه بما فى يده من النصاب دفعا عن نفسه الحبس الذى هو كالهلاك وكآلات الحرفة وأثاث المنزل ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها فإن الجهل عندهم كالهلاك (ردالمحتار على الدرالمختار، ج۲، ص۲۶۲، كتاب الزكاة، دارالفكر ،بيروت)

[2] (قوله فاضلا عن مسكنه وثيابه وفرسه وسلاحه وعبيده للخدمة) لأن هذه الأشياء مستحقة بالحوائج الأصلية والمستحق بها كالمعدوم وكذا كتب العلم إن كان من أهله ويعفى له فى كتب الفقه عن نسخة من كل مصنف لا غير، وفى الحديث عن نسختين ولو كان له دار واحدة يسكنها ويفضل عن سكناه منها ما يساوى نصابا وجبت عليه الفطرة وكذا فى الثياب والأثاث(الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۳۲، ۱۳۳، باب صدقة الفطر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۰...... جو غلہ (گندم، چاول، مکئ، آٹا، چینی وغیرہ) سال بھر کی کھانے پینے کی ضروریات کے لئے رکھا ہوا ہے، اوراس غلہ کی مالیت قربانی کے نصاب کی مالیت کے برابر (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر) یااس سے بھی زیادہ ہے؛ توراجح یہ ہے کہ یہ غلہ حاجتِ اصلیہ میں داخل ہے، اوراس کی وجہ سے قربانی واجب نہیں۔ [۱]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الفرق بين الأهل وغيرهم في جواز أخذ الزكاة والمنع عنه، فمن كان من أهلها إذا كان محتاجا إليها للتدريس والحفظ والتصحيح فإنه لا يخرج بها عن الفقر، فله أخذ الزكاة إن كانت فقها أو حديثا أو تفسيرا ولم يفضل عن حاجته نسخ تساوى نصابا، كأن يكون عنده من كل تصنيف نسختان، وقيل ثلاث لأن النسختين يحتاج إليهما لتصحيح كل من الأخرى والمختار الأول :أى كون الزائد على الواحدة فاضلا عن الحاجة، وأما غير الأهل فإنهم يحرمون بالكتب من أخذ الزكاة لتعلق الحرمان بملك قدر نصاب غير محتاج إليه، وإن لم يكن ناميا .وأما كتب الطب والنحو والنجوم فمعتبرة في المنع مطلقا ونص في الخلاصة على أن كتب الأدب والمصحف الواحد ككتب الفقه، لكن اضطرب كلامه في كتب الأدب فصرح في باب صدقة الفطر بأنها كالتعبير والطب والنجوم. والذى يقتضيه النظر أن نسخة من النحو أو نسختين على الخلاف لا تعتبر من النصاب، وكذا من أصول الفقه، والكلام غير المخلوط بالآراء بل مقصور على تحقيق الحق من مذهب أهل السنة إلا أن لا يوجد غير المخلوط لأن هذه من الحوائج الأصلية أفاده في فتح القدير.

قلت :والذى يقتضيه النظر أيضا أنه إن أريد بالأدب الظرافة كما فى القاموس وذلك ككتب الشعر والعروض والتاريخ ونحوه تمنع الأخذ، وإن أريد به آداب النفس كما فى المغرب وهو المسمى بعلم الأخلاق كالإحياء للغزالى ونحوه فهو كالفقه لا يمنع، وإن كتب الطب لطبيب يحتاج إلى مطالعتها ومراجعتها لا تمنع لأنها من الحوائج الأصلية كآلات المحترفين، وإن الأهل إذا كان غير محتاج إليها فهو كغير الأهل كما يعلم مما مر، وكذا حافظ قرآن له مصحف لا يحتاجه لأن المناط هو الحاجة (قوله أو تزيد على نسختين) صوابه على نسخة لأن المختار هو كون الزائد على نسخة واحدة فاضلا عن الحاجة كما قدمناه عن الفتح :ومثله فى النهر(رد المحتار على الدر المختار، ج۲ص۲۶۵، كتاب الزكاة)

[۱] ويحل لمن له دور وحوانيت تساوى نصبا، وهو محتاج لغلتها لنفقته ونفقة عياله على خلاف فيه ولمن عنده طعام سنة تساوى نصابا لعياله على ما هو الظاهر بخلاف قضاء الدين فإنه يجب عليه بيع قوته إلا قوت يومه كما فى القنية من الحبس(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ص۲۶۳، كتاب الزكاة،باب مصرف الزكاة)

وذكر فى الفتاوى فيمن له حوانيت ودور للغلة لكن غلتها لا تكفيه وعياله أنه فقير ويحل له أخذ الصدقة عند محمد، وعند أبى يوسف لا يحل وكذا لو له كرم لا تكفيه غلته؛ ولو عنده طعام للقوت

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

مسئلہ نمبر۱۱...... اگر کسی نے تجارت (یعنی فروخت کرنے) کی نیت سے (نہ کہ کھانے کی نیت سے) غلہ خرید کر رکھا ہوا ہے، تو اس کو قربانی کے نصاب میں شامل کیا جائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۲...... قربانی کے نصاب میں سونے، چاندی، تجارت کے سامان اور غیر ضروری چیزوں کی جو قیمت لگائی جاتی ہے وہ قیمتِ فروخت کے اعتبار سے ہوگی (اور جس قیمت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يساوى مائتى درهم، فإن كان كفاية شهر يحل أو كفاية سنة، قيل لا تحل، وقيل يحل؛ لأنه يستحق الصرف إلى الكفاية فيلحق بالعدم، وقد ادخر -عليه الصلاة والسلام- لنسائه قوت سنة، ولو له كسوة الشتاء وهو لا يحتاج إليها فى الصيف يحل ذكر هذه الجملة فى الفتاوى .اهـ.

وظاهر تعليله للقول الثانى فى مسألة الطعام اعتماده.وفى التتارخانية عن التهذيب أنه الصحيح وفيها عن الصغرى له دار يسكنها لكن تزيد على حاجته بأن لا يسكن الكل يحل له أخذ الصدقة فى الصحيح وفيها سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاث آلاف ولا تكفى لنفقته ونفقة عياله سنة؟ يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفا وعليه الفتوى وعندهما لا يحل اهـ (ردالمحتار، ج۲ص ۳۴۸، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

وذكرفى الفتاوىٰ فيمن لهٗ حوانيت ودورالغلة لكن غلتهالاتكفيه ولعياله انهٗ فقيرويحل لهٗ اخذالصدقة عندمحمدوزفروعندابى يوسف لايحل وعلىٰ هٰذااذاكان لهٗ ارض وكرم لكن غلتهٗ لاتكفيه ولعياله ولوكان عنده طعام للقوت يساوى مأتى درهم فان كان كفاية شهرتحل له الصدقة وان كان كفاية سنة قال بعضهم لاتحل وقال بعضهم تحل لان ذالک مستحق الصرف الى الكفاية والمستحق ملحق بالعدم (بدائع الصنائع ج۲ ص۴۸،وامافصل الذى يرجع الى المؤدى اليه)

اورامدادالفتاویٰ میں ہے کہ:

اگراس کاغلہ سال بھر کے خرچ سے بمقدارنصاب نہیں بچتاتومانعِ اخذِ زکوٰۃ وموجبِ فطرواضحیہ نہیں (امدادالفتاویٰ ج۲ص۳۰)

اور یہ حکم مالِ غیرنامی کا ہے، جیسا کہ غلہ کے الفاظ سے ظاہر ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: امدادالفتاویٰ ج۲ص۲۴) لہٰذا بعض حضرات نے اس جزئیہ سے سال بھر کی ضروریات میں خرچ ہونے کے لئے رکھے ہوئے نصاب کے برابر مالِ نامی کو جو وجوبِ صدقۂ فطرواضحیہ کے لئے مانع سمجھا ہے؛ یہ غلط فہمی پرمبنی معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ مسئلہ نمبر۱۱ میں بھی ہے۔

[1] وفى الأجناس :وإن كان خبازا عنده حنطة قيمتها مائتا درهم يتجر به، أو ملح قيمتها مائتا درهم، أو قصار عنده صابون أو أشنان قيمتها مائتا درهم فعليه الأضحية(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۸ص ۴۵۶، كتاب الأضحية،الفصل الأول فى بيان وجوب الأضحية ومن لا تجب)

وان كان خبازا عنده حنطة قيمتها مائتا درهم او ملح قيمته مائتا درهم او قصار عنده اشنان او صابون قيمته مائتا درهم فعليه الاضحية (خلاصة الفتاوىٰ ج۴ص ۳۱۰، كتاب الاضحية، الفصل الثانى فى نصاب الاضحية)

پر کوئی چیز خریدی گئی تھی، اس کا اعتبار نہ ہوگا) چنانچہ فالتو، پرانی اور خراب چیزیں جو گھروں میں رکھی رہتی ہیں، ان کی اس قیمت کا اعتبار ہوگا کہ اگر ان کو فروخت کیا جائے تو کیا قیمت حاصل ہوگی؟ اور قربانی میں اُس مالیت و قیمت کا اعتبار ہوگا جو قربانی کے دنوں میں اُن چیزوں کی ہو۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۳۳......جس قرض کے ملنے کی توقع و امید ہو، اس کو نقدی میں شمار کیا جائے گا خواہ وہ نقدی کی صورت میں کسی کو دیا ہو یا کوئی چیز فروخت کی ہو اور قیمت وصول کرنا باقی ہو سب کو شامل کر کے حساب کیا جائے گا۔ [2]

---

[1] وذكر محمد رحمه الله في الرقيات أنه يقوم في البلد الذى حال الحول على المتاع بما يتعارفه أهل ذلك البلد نقداً فيما بينهم، يعني غالب نقد ذلك البلد، ولا ينظر إلى موضع الشراء، ولا إلى موضع المالك وقت حولان الحول؛ لأن هذا مال وجب تقويمه، فيقوّم بغالب نقد البلد كما في ضمان المتلفات إلا أنه يعتبر نقد البلد الذى حال الحول فيه على المال؛ لأن الزكاة تصرف إلى فقراء البلدة التي فيها المال بالتقويم ،فنقد ذلك البلد أنفع في حق الفقراء من حيث الرواج، فيجب اعتباره(المحيط البرهاني، ج۲ص ۱۶۳،۱۶۴، كتاب الزكاة، الفصل الثالث)

[2] حدثنا يزيد ، عن هشام ، عن الحسن ، قال : إذا حضر الشهر الذى وقت الرجل أن يؤدى فيه زكاته أدى كل مال له ، وكل ما ابتاع من التجارة ، وكل دين إلا ما كان منه ضمارا لا يرجوه(الاموال للقاسم بن سلام،رقم الحديث ۸۹۲)

(و) اعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة :قوى، ومتوسط، وضعيف؛ (فتجب) زكاتها إذا تم نصابا وحال الحول، لكن لا فورا بل (عند قبض أربعين درهما من الدين) القوى كقرض (وبدل مال تجارة) فكلما قبض أربعين درهما يلزمه درهم (و) عند قبض (مائتين منه لغيرها) أى من بدل مال لغير تجارة وهو المتوسط كثمن سائمة وعبيد خدمة ونحوهما مما هو مشغول بحوائجه الأصلية كطعام وشراب وأملاك ،ويعتبر ما مضى من الحول قبل القبض في الأصح(الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

(قوله :عند الإمام) وعندهما الديون كلها سواء تجب زكاتها، ويؤدى متى قبض شيئا قليلا أو كثيرا إلا دين الكتابة والسعاية والدية في رواية بحر((ردالمحتار، ج۲ص۳۰۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

وسئل على أيضا لو كان لرجل دين على مقر هل تحل له الزكاة؟ فقيل له :هل عليه أضحية؟ قال : لا؛ لأن ماله مستقرض لم يصل إليه وسئل أيضا عن رجل له ديون مؤجلة، أو غير مؤجلة على رجل وهو مقر حتى جاء يوم النحر وليس في يده شيء وعليه شراء الأضحية هل عليه أن يستقرض ويشترى أضحية؟فقال :لا قيل له :هل يجب على رب الدين أن يسأل المديون إذا غلب على ظنه أنه لو سأله أعطاه ثمن الأضحية، وإن كان مؤجلا؟قال :نعم(البحرالرائق، ج۸ص۲۰۳، كتاب الاضحية،أجرة الجزار هل تأخذ من الأضحية)

مسئلہ نمبر۱۴۱...... اگر کوئی مقروض یا مدیون ہے تو پانچ قسم کے مالوں (سونے، چاندی، تجارت کا مال، نقدی اور ضرورت سے زیادہ سامان) کی قیمت لگائے، پھر اس سے قرض ودَین کو علیحدہ کرے، قرض ودَین نکالنے کے بعد اگر مال نصاب کے برابر ہے تو یہ قربانی کے نصاب کا مالک ہے ورنہ نہیں۔ [1]

ملحوظ رہے کہ جو رقم کسی سے نقد کی شکل میں قرض لی ہو، اور اس کو ادا کرنا باقی ہو، وہ قرض کہلاتی ہے، اور مثلاً جو چیز کسی سے خریدی، اور اس کی قیمت ادا کرنا باقی ہے، تو وہ دَین کہلاتی ہے، مگر اس کی قیمت بھی قرض کا حکم رکھتی ہے، اور قرض کی طرح اس کی قیمت بھی قربانی کے نصاب سے مستثنیٰ ہوتی ہے۔ [2]

ملازم اور نوکر کی وہ تنخواہ جو قربانی کے دنوں میں اپنے ذمے واجب ولازم ہو چکی ہے، وہ قرض کا حکم رکھتی ہے۔

اسی طرح قربانی کے دنوں میں مکان، دکان کا کرایہ جو ذمہ میں لازم ہو چکا وہ بھی قرض کا حکم رکھتا ہے۔

اور اسی طرح غیر سرکاری اور پرائیویٹ واجبات کی طرح سرکاری ونیم سرکاری واجبات مثلاً فون، بجلی، گیس وغیرہ کے یوٹیلٹی بلز جو قربانی کے دنوں میں اپنے ذمہ واجب ولازم ہو چکے ہیں، اگرچہ ابھی ادا نہ کئے ہوں، وہ بھی قرض کا حکم رکھتے ہیں۔

---

[1] عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ ، قَالَ :سَمِعْتُ عُثْمَانَ يَقُولُ :هَذَا شَهْرُ زَكَاتِكُمْ ، فَمَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَلْيَقْضِهِ ، وَزَكُّوا بَقِيَّةَ أَمْوَالِكُمْ(مُصنف ابن أبی شیبة، رقم الحدیث ١٠٦٥٨)

قال البوصیری:

رواه مسدد موقوفًا بسند صحیح(اتحاف الخیرة المهرة بزوائد المسانید العشرة،للبوصیری،باب لا زکاة فی مال حتی یحول علیه الحول ولا علی من علیه دین حتی یقضی عنه وما جاء فی العمال وتعجیل الصدقة)

[2] والقرض هو أن یقرض الدراهم والدنانیر أو شیئا مثلیا یأخذ مثله فی ثانی الحال، والدین هو أن یبیع له شیئا إلی أجل معلوم مدة معلومة کذا فی التتارخانیة(الفتاوی الهندیة، ج۵ص۳٦٦،کتاب الکراهیة،الباب السابع والعشرون فی القرض والدین)

اس قسم کی رقوم بھی قربانی کے نصاب سے مستثنیٰ ہیں۔ ۱

قرض خواہوں یا اہلِ حقوق کے حقوق ضائع کرکے قربانی کرنا اچھی بات نہیں، اگر کسی کا حق ضائع کئے بغیر قربانی کرے اور مقصود اللہ کی رضا ہو، نہ کہ فخر و دکھلاوا تو حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۵...... اگر کسی کی ملکیت میں نصاب کے برابر مال ہے، مگر وہ اپنے قبضے میں نہیں ہے، اور قربانی کے دن شروع ہوگئے، اور اس مال تک رسائی ممکن نہیں، تو اگر اپنے پاس موجود ضرورت سے زیادہ سامان بیچ کر قربانی کرسکتا ہو، تو قربانی کا حکم ہے۔

اور اگر اتنی مقدار میں ضرورت سے زیادہ سامان نہ ہو، تو قربانی کا حکم نہیں ہے۔ ۲

---

۱ وقد عللوا سقوط الزكاة بالدين بأن المديون محتاج إلى هذا المال حاجة أصلية لأن قضاء الدين من الحوائج الأصلية والمال المحتاج إليه حاجة أصلية لا يكون مال الزكاة (ردالمحتار، ج۲ص ۲۶۱، كتاب الزكاة)

۲ له مال كثير غائب فى يد مضاربه أو شريكه ومعه من الحجرين أو متاع البيت ما يضحى به تلزم، وتمام الفروع فى البزازية وغيرها(رد المحتار على الدر المختار، ج٦ص ۳۱۲، كتاب الأضحية)

ولو كان عليه دين بحيث لو صرف فيه نقص نصابه لا تجب، وكذا لو كان له مال غائب لا يصل إليه فى أيامه(الفتاوىٰ الهندية، ج۵ص ۲۹۲، كتاب الاضحية، الباب الاول)

ولو كان عليه دين بحيث لو صرف إليه بعض نصابه ينقص نصابه لا تجب لأن الدين يمنع وجوب الزكاة فلأن يمنع وجوب الأضحية أولى؛ لأن الزكاة فرض والأضحية واجبة والفرض فوق الواجب.

وكذا لو كان له مال غائب لا يصل إليه فى أيام النحر لأنه فقير وقت غيبة المال حتى تحل له الصدقة بخلاف الزكاة فإنها تجب عليه؛ لأن جميع العمر وقت الزكاة وهذه قربة موقتة فيعتبر الغنى فى وقتها(بدائع الصنائع ،ج۵ص ٦۴،كتاب التضحية،فصل فى شرائط وجوب فى الأضحية)

ومن كان غائبا عن ماله فى أيام الأضحية فهو فقير(تكملة البحرالرائق للطورى، ج۸ص ۱۹۹، كتاب الاضحية)

وسئل على أيضا لو كان لرجل دين على مقر هل تحل له الزكاة؟ فقيل له :هل عليه أضحية؟ قال : لا؛ لأن ماله مستقرض لم يصل إليه وسئل أيضا عن رجل له ديون مؤجلة، أو غير مؤجلة على رجل وهو مقر حتى جاء يوم النحر وليس فى يده شىء وعليه شراء الأضحية هل عليه أن يستقرض ويشترى أضحية؟

فقال :لا قيل له :هل يجب على رب الدين أن يسأل المديون إذا غلب على ظنه أنه لو سأله أعطاه ثمن الأضحية، وإن كان مؤجلا؟ (تكملة البحرالرائق للطورى ، ج۸ص ۲۰۳، كتاب الاضحية،أجرة الجزار هل تأخذ من الأضحية)

مسئلہ نمبر ۱۶...... بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ زکاۃ اور قربانی کا نصاب ایک ہی ہے اور ہم پر چونکہ زکاۃ فرض نہیں، لہٰذا ہم پر قربانی کا حکم بھی عائد ولاگو نہیں، حالانکہ دونوں کے نصاب میں فرق ہے۔

زکاۃ صرف چار قسم کی چیزوں پر لازم ہوتی ہے:

(الف) سونا (ب) چاندی (ج) روپیہ پیسہ (د) تجارت کا سامان۔

اور قربانی میں ان چار چیزوں کے علاوہ ضرورت سے زیادہ چیزوں کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔

پس قربانی کے دنوں میں جس شخص کے پاس زکاۃ والا نصاب ہو اس کو قربانی کا حکم ہے اور اگر کسی شخص کے پاس زکاۃ والا نصاب نہ ہو لیکن ضرورت سے زیادہ مال یا سامان ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر ہو اس کو بھی قربانی کا حکم ہے اگر چہ اس پر زکاۃ فرض نہیں

مسئلہ نمبر ۱۷...... عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ جب تک ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی نہ ہو تو اس پر کسی حال میں قربانی نہیں۔

حالانکہ وزن کا اعتبار اس صورت میں ہے کہ جب کسی کی ملکیت میں صرف سونا یا صرف چاندی ہو، تجارت کا سامان ذرا سا بھی نہ ہو، نقدی ایک پیسہ بھی نہ ہو، اور ضرورت سے زیادہ کوئی چیز نہ ہو (اور آج کل بہت سے لوگوں کے پاس کچھ نہ کچھ نقدی اور فالتو سامان ہوتا ہی ہے) اور اگر کسی مرد یا عورت کی ملکیت میں دو یا زیادہ طرح کی چیزیں ہوں تو ہر ایک کا علیحدہ نصاب پورا ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس صورت میں سب کی مالیت (ویلیو) ملا کر دیکھی جائے گی، اگر سب کی مالیت ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ ہو جائے تو قربانی کا حکم ہے۔

چنانچہ خواتین کے پاس کئی کئی تولے سونا ہوتا ہے، کچھ نہ کچھ نقدی بھی ضرور ہوتی ہے ضرورت سے زیادہ اور فالتو سامان کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں، مگر وہ نہ زکاۃ ادا کرتی ہیں، نہ قربانی، اس غلط فہمی کی اصلاح ہونی چاہئے۔

مسئلہ نمبر ۱۸...... بعض خواتین میں قربانی کا حکم ہونے کی شرائط موجود ہوتی ہیں، مگر اس کے باوجود یہ سمجھتی ہیں کہ ہماری قربانی ہمارے شوہروں کے ذمہ لازم ہے اور اگر ان کے شوہر ادا نہ کریں تو وہ خود بھی ادا نہیں کرتیں جب کہ عورت کے مال اور زیورات وغیرہ کی وجہ سے قربانی ان کے شوہروں پر لازم نہیں، بلکہ ان کو خود اپنے مال میں سے کرنے کا حکم ہے، خواہ اس کے لئے زیور وغیرہ کیوں نہ بیچنا پڑے۔

البتہ اگر کسی عورت کا شوہر اپنی رقم سے اس کی طرف سے قربانی کردے تو جائز ہے (جبکہ بیوی کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً اجازت ہو)

مسئلہ نمبر ۱۹...... بعض جگہ گھر کا سربراہ ایک قربانی کرلے تو اسے سب افرادِ خانہ کی طرف سے کافی سمجھا جاتا ہے۔

حالانکہ سربراہ کے علاوہ گھر کا کوئی اور فرد یا افراد نصاب اور قربانی کا حکم عائد ہونے کی شرائط کے مالک ہوں تو ان کو الگ سے اپنی اپنی قربانی کا حکم ہے۔

ہاں اگر اولاد اپنی سب کمائی مالکانہ طور پر والد یا سربراہ کو دے دیتی ہے اور اولاد و ماتحت کی ملکیت میں اور کوئی مال اور ضرورت سے زیادہ سامان نصاب کے برابر نہیں ہے، تو قربانی صرف والد و سرپرست ہی پر ہے، اولاد و ماتحت پر نہیں۔

مسئلہ نمبر ۲۰...... بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ زندگی میں ایک شخص کی طرف سے ایک دفعہ قربانی ہوجائے تو پھر قربانی کرنے کا حکم نہیں رہتا، یہ بھی غلط ہے۔

قربانی کا ہر سال نصاب والے شخص کو حکم ہے، جبکہ ہر سال قربانی کے دنوں میں اس شخص کے اندر قربانی کی شرائط موجود ہوں جس طرح زکاۃ اور صدقۂ فطر ہر سال واجب ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۱...... بعض لوگوں کے یہاں دستور ہے کہ باری باری قربانی کرتے رہتے ہیں کبھی اپنی طرف سے قربانی کرلی کبھی بیوی کی طرف سے کردی کبھی لڑکے کی طرف سے کبھی لڑکی کی طرف سے، کبھی والد یا کسی اور کی طرف سے کردی۔

حالانکہ سب یا جو لوگ بھی الگ الگ نصاب کے مالک ہوں تو ہر ایک کو علیٰحدہ علیٰحدہ قربانی کا حکم ہے۔

مسئلہ نمبر۲۲......قربانی کا حکم لاگو ہونے کے لئے مرد یا عورت کا شادی شدہ ہونا ضروری نہیں کنوارے بالغ لڑکے، بالغ لڑکی، بیوہ عورت کو بھی قربانی کا حکم ہے، جبکہ نصاب کے مالک ہوں۔

مسئلہ نمبر۲۳......قربانی کا حکم لاگو ہونے کے لئے کسی شخص کا برسرروزگار ہونا بھی ضروری نہیں، اگر کوئی شخص نصاب کا مالک ہے تو اس کو قربانی کا حکم ہے اگر چہ وہ برسرِ روزگار نہ ہو۔ اسی طرح قربانی کا حکم عائد ہونے کے لئے کسی کا صحت مند وتوانا ہونا بھی ضروری نہیں۔ بیمار اور معذور مگر عاقل بالغ صاحبِ نصاب پر بھی قربانی کا حکم عائد ہوتا ہے۔

قربانی کے جانوروں سے متعلق احکام

قربانی کیونکہ مخصوص دِنوں کی مخصوص عبادت ہے، اس لئے ہر حلال جانور کے ذریعہ سے قربانی ادا نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کے لئے مخصوص جانور متعین ہیں، جن کی قرآن وسنت میں تفصیل آئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ (سورة الزمر، آیت ٦)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تمہارے لئے چوپاؤں میں سے آٹھ جوڑیوں کو

(ترجمہ ختم)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَّفَرْشًا كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِّنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ

وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ (سورۃ انعام آیت ۱۴۲، ۱۴۳)

ترجمہ: اور (اللہ تعالیٰ نے) چوپایوں میں بوجھ اٹھانے والے (اونٹ، بیل) بھی پیدا کئے اور زمین سے لگے ہوئے (بکری، دنبہ، بھیڑ وغیرہ) بھی (پس) اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (یہ بڑے چھوٹے چارپائے) آٹھ جوڑے (ہیں) دو (دو) بھیڑوں میں سے اور دو (دو) بکریوں میں سے (یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ) (ترجمہ ختم)

اور مذکورہ آیت کے بعد اگلی آیت میں ارشاد ہے کہ:

وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ (سورۃ انعام آیت ۱۴۴)

ترجمہ: اور دو (دو) اونٹوں میں سے اور دو (دو) گایوں میں سے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مذکورہ آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ:

اَلْأَزْوَاجُ الثَّمَانِيَةُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالضَّأْنِ وَالْمَعْزِ (السنن الکبری للبیہقی، رقم الحدیث ۱۹۰۸۳)

ترجمہ: آٹھ جوڑے، اونٹ سے اور گائے سے، اور بھیڑ و دنبے سے اور بکرے سے ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوجعفر محمد بن علی سے مروی ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ عَلِيًّا عَنِ الْهَدْيِ مِمَّا هُوَ فَقَالَ: مِنَ الثَّمَانِيَةِ اَلْأَزْوَاجِ: فَكَأَنَّ الرَّجُلَ شَكَّ. قَالَ عَلِيٌّ: تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ: فَسَمِعْتَ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْآ أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْأَنْعَامِ قَالَ وَسَمِعْتَهُ يَقُوْلُ لِيَذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ ...وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا قَالَ: فَسَمِعْتَهُ يَقُوْلُ: مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْإِبِلِ

اثْنَيْنِ (تفسیر ابن ابی حاتم) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قربانی کے جانور کے بارے میں سوال کیا کہ وہ کون سا ہوتا ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ آٹھ جوڑوں میں سے ہوتا ہے، مگر اس آدمی کو اس میں کچھ شک ہوا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا آپ قرآن مجید پڑھتے ہیں؟ اس نے کہا کہ بے شک پڑھتا ہوں، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ" اے ایمان والو! اپنے معاہدات کو پورا کرو، تمہارے لئے مخصوص چوپائے حلال کردیئے گئے ہیں، اور فرمایا کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ " لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ " تاکہ جو چوپائے اللہ نے ان کو دیئے ہیں (ان کے ذبح کرنے کے وقت) ان پر اللہ کا نام لیں "وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَّفَرْشًا " اور (اللہ تعالیٰ نے) چوپایوں میں بوجھ اٹھانے والے (اونٹ، بیل) بھی پیدا کئے اور زمین سے لگے ہوئے (بکری، دنبہ، بھیڑ وغیرہ) بھی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ "دو (جوڑے) بھیڑوں میں سے اور دو گایوں میں سے، اور دو بکریوں میں سے، اور دو اونٹوں میں سے" (ترجمہ ختم)

اور بہت سے حضرات نے قرآن مجید میں مذکور "بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ" سے اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ مراد لئے ہیں۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ٦٨٠٧، سورة المائدة، مكتبة نزار مصطفى الباز -المملكة العربية السعودية.

[2] قال الشَّافِعِي رحمه الله: وقد قال الله تعالى: (أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ) الآية. فلا أعلم مخالفاً أنه عنى: الإبل والبقر والغنم والضأن، وهى الأزواج الثمانية (تفسير الامام الشافعي، ج٢ ص ٨٣٠، تحت سورة الانعام)

فالمستأنس منه لا يحل أكله من البهائم سوى الأنعام وهو الإبل والبقر والغنم لقوله تعالى (أحلت لكم بهيمة الأنعام) واسم الأنعام خاص فيما ذكرنا عند أهل اللغة (تحفة الفقهاء، ج٣ ص ٦٤، كتاب الذبائح)

اور حضرت ابو جمرہ سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنِ الْمُتْعَةِ، فَأَمَرَنِي بِهَا، وَسَأَلْتُهُ عَنِ الْهَدْيِ، فَقَالَ: فِيهَا جَزُورٌ أَوْ بَقَرَةٌ أَوْ شَاةٌ أَوْ شِرْكٌ فِي دَمٍ (بخاری) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے حجِ تمتع کی قربانی کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے مجھے اس کو کرنے کا حکم فرمایا، اور میں نے قربانی کے جانور کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ اونٹ ہے، یا گائے ہے، یا بکری ہے، یا قربانی کے (بڑے) جانور میں شرکت ہے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ ان مذکورہ جانوروں کی قربانی جائز ہے، اور اس روایت میں بھیڑ کا ذکر اس لئے نہیں کہ وہ بکری میں داخل ہے۔ [2]

پس خلاصہ یہ کہ جانوروں میں آٹھ قسم کی جوڑیوں سے عیدالاضحیٰ کی قربانی کرنا درست ہے، اور ان ہی جانوروں سے حج وعمرہ میں دَم ادا کیا جاسکتا ہے، اور ان ہی جانوروں کے ذریعہ سے عقیقہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

ان آٹھ جوڑیوں کی تفصیل یہ ہے:

(۱)......اونٹ (۲)......اونٹنی (۳)......گائے (۴)...... بیل (بھینس

---

[1] رقم الحدیث ۱۶۸۸، کتاب الحج، باب فمن تمتع بالعمرۃ إلی الحج فما استیسر من الهدی، دارطوق النجاۃ، بیروت.

[2] اور شرکت سے مراد بڑے جانور، اونٹ، گائے میں شرکت ہے، نہ کہ بکری میں شرکت، جس کی تفصیل الگ مقام پر ذکر کردی گئی ہے۔

روی عن ابن عمر وأنس أنه يجزء فی المتعة والقران شرک فی دم .وروی عن عطاء وطاوس والحسن مثله ، وهو قول أبی حنيفة ، والثوری ، والأوزاعی ، والشافعی ، وأحمد ، وإسحاق ، وأبی ثور ، ولا تجزء عندهم البدنة أو البقرة عن أكثر من سبعة على حديث جابر ، ولا تجزء عندهم الشاة عن أكثر من واحد(شرح صحيح البخاری۔ لابن بطال، ج۴ص ۳۷۲،کتاب الحج،باب فمن تمتع بالعمرة إلی الحج فما استيسر من الهدی فمن)

اور بھینسا، گائے اور بیل کے حکم میں ہے)(۵)...... دنبہ(۶)...... دنبی (بھیڑ، دنبہ کے حکم میں ہے)(۷)...... بکرا (۸)...... بکری۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی انہی جانوروں کی قربانی ثابت ہے، اور ان کے علاوہ کسی اور جانور کی قربانی (نہ کہ صرف ذبح) کرنا کسی معتبر سند سے ثابت نہیں۔

پس ان جانوروں میں سے ہر ایک نر و مادہ جانور کی قربانی درست ہے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے جانور کی قربانی درست نہیں، اگرچہ وہ جانور حلال اور کتنا زیادہ قیمتی اور گوشت کتنا ہی لذیذ ہو یا گھر میں پالا ہوا ہو۔

لہٰذا نیل گائے، ہرن، گھوڑے، خرگوش، مرغ، بطخ، انڈے وغیرہ کی قربانی صحیح نہیں۔ [1]

---

[1] والذی یضحی بہ بإجماع من المسلمین الأزواج الثمانیة وهی الضأن والمعز والإبل والبقر (التمهید لما فی المؤطا، ج۲۳ ص۱۸۸، باب الیاء، تحت ترجمة یحییٰ بن سعید الانصاری، الحدیث العشرون)

وأما محل إقامة الواجب فهذا الفصل یشتمل علی بیان جنس المحل الذی یقام منه الواجب ونوعه وجنسه وسنه وقدره وصفته؛ أما جنسه فهو أن یکون من الأجناس الثلاثة الغنم أو الإبل أو البقر، ویدخل فی کل جنس نوعه والذکر والأنثی منه والخصی والفحل لانطلاق اسم الجنس علی ذلک، والمعز نوع من الغنم، والجاموس نوع من البقر بدلیل أنه یضم ذلک إلی الغنم والبقر فی باب الزکاة ولا یجوز فی الأضاحی شیء من الوحش؛ لأن وجوبها عرف بالشرع والشرع لم یرد بالإیجاب إلا فی المستأنس (بدائع الصنائع، ج۵ ص۶۹، کتاب التضحیة)

الأضحیة تجوز من أربع من الحیوان الضأن والمعز والبقر والإبل ذکورها وإناثها وکذلک الجاموس لأنه نوع من البقر الأهلی ......ولا یجوز البقر الوحشی (فتاوی قاضی خان، ج ۳، ص ۲۰۸، کتاب الأضحیة، فصل فیما یجوز فی الضحایا وما لا یجوز)

قال (والأضحیة من الإبل والبقر والغنم) لأنها عرفت شرعا ولم تنقل التضحیة بغیرها من النبی علیه الصلاة والسلام ولا من الصحابة رضی الله عنهم (الهدایة ، ج۴ ص۳۵۹، کتاب الأضحیة)

قال -رحمه الله :-(والأضحیة من الإبل والبقر والغنم) لأن جواز التضحیة بهذه الأشیاء عرفت شرعا بالنص علی خلاف القیاس فیقتصر علی ما ورد وتجوز بالجاموس لأنه نوع من البقر بخلاف بقر الوحش حیث لا تجوز الأضحیة به لأن جوازها عرف بالشرع، وفی البقر الأهلی دون الوحشی (البحر الرائق، ج۸ ص۲۰۱، کتاب الاضحیة)

(أما جنسه)فهو أن یکون من الأجناس الثلاثة :الغنم أو الإبل أو البقر، ویدخل فی کل جنس نوعه، والذکر والأنثی منه والخصی والفحل لانطلاق اسم الجنس علی ذلک، والمعز نوع من الغنم والجاموس نوع من البقر، ولا یجوز فی الأضاحی شیء من الوحشی (الفتاویٰ الهندیة، ج۵ ص۲۹۷، کتاب الاضیحة، الباب الخامس)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ا...... مرغی کی قربانی جائز نہیں، اور اس میں مجوسیوں کے ساتھ مشابہت ہے، البتہ مرغی کا صدقہ جائز ہے، اور وہ قربانی سے الگ چیز ہے۔

اسی طرح گھوڑے کی قربانی بھی جائز نہیں۔

بعض لوگ آج کل گھوڑے اور مرغی کی قربانی کو جائز قرار دیتے ہیں، یہ درست نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ (قوله والجاموس) نوع من البقر، وكذا المعز نوع من الغنم بدليل ضمها فى الزكاة بدائع (رد المحتار على الدر المختار، ج٦ ص ٣٢٢، كتاب الأضحية)

(قوله :والجاموس كالبقر) والبقر الوحشى ملحق بغير الجنس كالحمار الوحشى حتى لو آلف لا يلتحق بالأهلى حكما بدليل حل أكله فكذا البقر الوحشى ..... واسم البقر لا يتناوله عند الإطلاق فكان القول به شرعا بلا كتاب ، ولا سنة ، ولا قياس صحيح ولهذا لا يجزى فى الأضحية والهدى ، وليس من بهيمة الأنعام فصار كالظباء بل أولى فإن الظبية تسمى عنزا ، ولا تسمى بقر الوحش بقرا بغير إضافة (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق، ج ١ ص ٢٦٣، كتاب الزكاة، باب صدقة السوائم)

[1] وفى الذخيرة من كتاب الحظر والإباحة التضحية بالديك أو الدجاج فى أيام الأضحية ممن لا أضحية عليه لعسرته بطريق التشبيه بالمضحين مكروه؛ لأن هذا من رسوم المجوس اهـ .(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج٢ ص ١٧٧، باب العيدين)

واغرب ابن حزم فقال: والاضحية جائزة بكل حيوان يؤكل لحمه من ذى اربع او طائر كالفرس والابل وبقر الوحش والديك وسائر الطير والحيوان الحلال اكل واحتج بحديث ابى هريرة فى المهجر الى الجمعة وفيه: ثم مثل من يهدى دجاجة ثم كمثل من يهدى عصفور ، ثم كمثل من يهدى بيضة، قال: ففيه جواز هدى دجاجة وعصفور وتقريب بيضة، والاضحية تقريب بلاشك اهـ.

قلت: فما وجه تخصيصك الاضحية بالحيوان ولم لم تقل بجواز التضحية بيضة وهل هذا الا اعمال بعض الحديث واهمال بعض؟ وايضا: يلزمك القول باجزاء الدجاجة والعصفور والفرس ونحوها فى هدايا الحج لورود الحديث بلفظ الهدى، واصله فيما يهدى الى الحرم وانت لاتقول به بل صرحت بان الهدى الواجب على المتمع رأس من الغنم او من البقر او شرك فى بقرة او ناقة : لقوله تعالى "فما استيسر من الهدى" يقع على الشاة والبقرة والبدنة،لماروى البخارى عن ابن عباس سئل عن المتعة فامر بها، وسئل عن الهدى فقال: جزور او بقرة او شاة او شرك فى دم فكان عليك ان ترد قول ابن عباس بقول النبى صلى الله عليه وسلم فى حديث المهجر وتقول بان اسم الهدى يقع على الدجاجة والعصفور والبيضة ايضا، والا فانت متناقض متلاعب، والحق ان الاهداء فيه مفسر بالتصدق دون اراقة الدم بدليل ذكر البيضة فيه ، وبدليل مارواه مالک ، عن سمى ، عن ابى صالح السلمان ، عن ابى هريرة بلفظ: فكانما قرب بدنة ثم كانما قرب بقرة الى ان قال : ثم كانما قرب دجاجة ثم كانما قرب بيضة ، والتقريب التصدق بالمال تقربا الى الله عزوجل ، واما قول: ان الاضحية تقريب بلاشک فنعم ولكنها مقيدة باراقة الدم كالهدى، فان قلت باجزاء كل حيوان فى الاضحية لزمک القول بمثله فى الهدى سواء، من ادعى الفرق فعليه البيان (اعلاء السنن ج١٧ ص٢٠٧، ٢٠٨ ،كتاب الاضاحى، باب ان البدنة عن سبعة بقرة كانت او بعيرا والشاة عن واحد)

مسئلہ نمبر۲...... ہر جانور اپنی ماں کے تابع ہے یعنی اس کی ماں جس جنس سے تعلق رکھتی ہے، اس سے پیدا ہونے والا بچہ ماں کی جنس کا حکم رکھتا ہے، خواہ وہ بچہ صورت وشکل میں کسی اور جانور کے مشابہ ہو اور اگر چہ ماں کسی اور جنس کے نر سے حاملہ ہوئی ہو، مثلاً کسی بکری نے ہرنی کی شکل کا بچہ جنا تو وہ بچہ بکری کی جنس شمار ہوگا اور اس کی قربانی جائز ہوگی۔[1]

اسی طرح بیرونی ممالک سے درآمد گائے کی ایک قسم چھوٹے قد کی اور باریک ٹانگوں والی ہوتی ہے، بعض لوگ اسے خنزیر کے مشابہ بتاتے ہیں۔

اس کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اس قسم کی جو باتیں اس گائے کے بارے میں مشہور ہیں اول تو وہ یقینی اور تحقیقی درجہ کی نہیں اور بغیر تحقیق اس قسم کا حکم لگانا درست نہیں۔

دوسرے اس جنس کی ماں اصلی گائے ہے۔

لہٰذا ماں کے تابع ہو کر یہ گائے بھی حلال شمار ہوگی اور اس کی قربانی جائز ہوگی۔

مسئلہ نمبر۳...... بھینس کے نر یعنی کٹے (بھینسے) کی قربانی جائز ہے۔

بہت سے لوگ اس کی قربانی کو ناجائز یا خلافِ سنت سمجھتے ہیں، اور اس کے مقابلہ میں گائے کی

---

[1] مختلف جانور آپس میں اختلاط کرتے رہتے ہیں، اور مادہ جانور کس جانور کے نطفہ سے حاملہ ہوئی ہے؟ اس کا پتہ چلانا بہت مشکل ہے برخلاف ماں کے کہ اس کا پتہ چلانا مشکل نہیں، اس کا پیدائش سے بآسانی پتہ چلایا جاسکتا ہے۔

فإن كان متولدا من الوحشي والإنسي فالعبرة بالأم فإن كانت أهلية يجوز وإلا فلا حتى إن البقرة الأهلية إذا نزا عليها ثور وحشي فولدت ولدا فإنه يجوز أن يضحى به، وإن كانت البقرة وحشية والثور أهليا لم يجز؛ لأن الأصل في الولد الأم؛ لأنه ينفصل عن الأم وهو حيوان متقوم تتعلق به الأحكام وليس ينفصل من الأب إلا ماء مهين لا حظر له ولا يتعلق به حكم ولهذا يتبع الولد الأم في الرق والحرية، إلا أنه يضاف إلى الأب في بني آدم تشريفا للولد وصيانة له عن الضياع وإلا فالأصل أن يكون مضافا إلى الأم .وقيل إذا نزا ظبي على شاة أهلية فإن ولدت شاة تجوز التضحية بها وإن ولدت ظبيا لا تجوز، وقيل إن ولدت الرمكة من حمار وحشي حمارا لا يؤكل، وإن ولدت فرسا فحكمه حكم الفرس، وإن ضحى بظبية وحشية ألفت أو ببقرة وحشية ألفت لم يجز؛ لأنها وحشية في الأصل والجوهر فلا يبطل حكم الأصل بعارض نادر والله عز شأنه الموفق(بدائع الصنائع، ج۵ ص ۶۹،ص ۷۰، كتاب التضحية، فصل في محل إقامة الواجب في الأضحية)

والذي تولد من الأهلي والوحشي إن كانت الأم أهلية جاز (فتاوى قاضي خان، ج ۳،ص ۲۰۸، كتاب الأضحية،فصل فيما يجوز في الضحايا وما لا يجوز)

قربانی کو ہی ضروری ولازم سمجھتے ہیں، یہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔ [1]

جبکہ احادیث کی رو سے طبّی طور پر گائے کا گوشت مُضِر اور اس کا دودھ اور گھی فائدہ مند ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

عَلَيْكُمْ بِأَلْبَانِ الْبَقَرِ وَسُمْنَانِهَا، وَإِيَّاكُمْ وَلُحُومَهَا فَإِنَّ أَلْبَانَهَا وَسُمْنَانَهَا دَوَاءٌ وَشِفَاءٌ وَلُحُومَهَا دَآءٌ (مستدرک حاکم) [2]

ترجمہ: تم گائے کا دودھ اور اس کا گھی استعمال کیا کرو، اور اس کے گوشت سے بچا کرو، کیونکہ اس کا دودھ اور گھی دوا اور شفا ہے، اور اس کا گوشت بیماری ہے (ترجمہ ختم)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ دیگر سندوں سے

---

[1] عَنِ الْحَسَنِ ، أَنَّهُ كَانَ يقول :الجواميس بمنزلة البقر (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۱۰۸۴۸، باب فى الجواميس تعد فى الصدقة)

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ، كَتَبَ أَنْ تُؤْخَذَ، صَدَقَةُ الْجَوَامِيسِ كَمَا تُؤْخَذُ صَدَقَةُ الْبَقَرِ (الأموال لابن زنجويه، رقم الحديث ۱۴۹۳، باب صدقة الجواميس)

أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ رُزَيْقٍ، قَالَ :سُئِلَ عَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ عَنْ صَدَقَةِ الْجَوَامِيسِ، فَقَالَ :هِيَ بِمَنْزِلَةِ الْبَقَرِ (الأموال لابن زنجويه، رقم الحديث ۱۴۹۴، باب صدقة الجواميس)

ويدخل فى البقر الجاموس لأنه من جنسه(الهداية شرح بداية المبتدى، ج۴،ص۷۵)

(ويدخل فى البقرة والجاموس؛ لأنه من جنسه) ش :كما فى الزكاة فإنه يؤخذ من نصاب الجاموس ما يؤخذ من نصاب البقر، وقال فى "خلاصة الفتاوى ":"والجاموس يجوز فى الهدايا والضحايا استحسانا(البناية شرح الهداية،ج۱۲،ص۴۸، كتاب الأضحية)

الأضحية تجوز من أربع من الحيوان الضأن والمعز والبقر والإبل ذكورها وإناثها وكذلك الجاموس لأنه نوع من البقر الأهلى (فتاوى قاضى خان، كتاب الأضحية ،فصل فيما يجوز فى الضحايا وما لا يجوز)

والبقر جنس، وأنواعه الجاموس، والعراب، والدراسة، وهى التى يحمل عليها(البناية شرح الهداية، ج۳،ص۳۲۴،باب صدقة السوائم)

[2] رقم الحديث ۸۲۳۲،كتاب الطب، دارالكتب العلمية، بيروت.

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخْرِجَاهُ وقال الذهبى التلخيص:سيف وهاه ابن حبان.

قلت وله شاهد كما سيأتى.

بھی یہ حدیث مروی ہے۔[1]

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَلْبَانَهَا أَوْ لَبَنَهَا شِفَاءٌ، وَسَمْنَهَا دَوَآءٌ، وَلَحْمَهَا أَوْ لُحُوْمَهَا دَاءٌ(شعب الایمان للبیہقی)[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گائے کا دودھ شفاء ہے، اور اس کا گھی دوا ہے، اور اس کا گوشت بیماری ہے (ترجمہ ختم)

---

[1] چنانچہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ دَوَاءً، فَعَلَيْكُمْ بِأَلْبَانِ الْبَقَرِ، فَإِنَّهَا تَرِمُّ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ (صحیح ابن حبان، رقم الحديث ۶۰۷۵، كتاب الطب، واللفظ لهٗ، السنن الكبرىٰ للنسائى، رقم الحديث ۶۸۳۴، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۹۱۶۳، ورقم الحديث ۹۷۸۸، مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۱۷۱۴۴، شرح معانى الآثار، رقم الحديث ۷۱۷۶، شعب الايمان للبيهقى، رقم الحديث ۵۵۵۵، مسند الطيالسى، رقم الحديث ۳۶۶، مسند ابى حنيفة برواية ابى نعيم، ص ۲۱۲، باب القاف، وبراوية الحصكفى، رقم الحديث ۴تا۶، الآثار لابى يوسف، رقم الحديث ۱۰۴۶)

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير حميد بن زنجويه، وهو ثقة روى له أبو داود والنسائى محمد بن يوسف :هو الفريابى، وسفيان :هو الثورى، وقيس بن مسلم: هو الجدلى الكوفى(حاشية صحيح ابنِ حبان)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ بِأَلْبَانِ الْبَقَرِ فَإِنَّهَا تَرِمُّ مِنْ كُلِّ شَجَرٍ، وَهُوَ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَآءٍ (مستدرک حاكم، رقم الحديث ۸۲۲۴، كتاب الطب)

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخْرِجَاهُ. وقال الذهبى فى التلخيص: صحيح.

اور اس قسم کی حدیث حضرت طارق بن شہاب سے بھی مروی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً، فَعَلَيْكُمْ بِأَلْبَانِ الْبَقَرِ، فَإِنَّهَا تَرُمُّ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۸۳۱، واللفظ لهٗ، السنن الكبرىٰ للنسائى، رقم الحديث ۶۸۳۵، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۹۱۶۴)

[2] رقم الحديث ۵۵۵۵ "باء"، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض.

اسی قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [۱]

اور آج کل کے ڈاکٹر اور اطباء بھی گائے کے گوشت کو مضر اور کئی بیماریوں کا سبب قرار دیتے ہیں۔ جبکہ طبی لحاظ سے کٹّے (بھینسے) کا گوشت خصوصاً جبکہ جوان ہو، لذیذ ہونے کے ساتھ ساتھ صحت کے لیے فائدہ مند ہے۔ [۲]

---

[۱] عَنْ مُلَيْكَةَ بِنْتِ عَمْرٍو الزَّيْدِيَّةِ، مِنْ وَلَدِ زَيْدِ اللهِ بْنِ سَعْدٍ قَالَتْ " :اشْتَكَيْتُ وَجَعًا فِي حَلْقِي، فَأَتَيْتُهَا فَوَصَفَتْ لِي سَمْنَ بَقَرَةٍ، قَالَتْ :إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :أَلْبَانُهَا شِفَاءٌ، وَسَمْنُهَا دَوَاءٌ، وَلُحُومُهَا دَاءٌ"(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۷۹، سنن البيهقی، رقم الحديث ۱۹۵۷۲ ،معرفة الصحابة لابی نعيم، رقم الحديث ۷۸۵۰، مراسيل ابی داوٗد، رقم الحديث ۴۲۶)

قال الهيثمی:رواه الطبرانی، والمرأة لم تسم، وبقية رجاله ثقات . وقد تقدم حديث أبی موسى فی باب التداوی فی أول الكتاب(مجمع الزوائد ج۵ص۹۰)

وقال السخاوی:ورجاله ثقات، لكن الرواية عن مليكة لم تسم، وقد وصفها الراوی عنها زهير ابن معاوية أحد الحفاظ بالصدق، وأنها امرأته، وذكر أبی داود له فی مراسيله لتوقفه فی صحبة مليكة ظنا، وقد جزم بصحتها جماعة، وله شواهد منها عن ابن مسعود (المقاصد الحسنة، ج ۱ ص۵۲۸، تحت رقم الحديث ۸۵۴)

على أنا زهير عن امرأته وذكر أنها صدوقة أنها سمعت مليكة بنت عمرو وذكر أنها ردت الغنم على أهلها فی إمرة عمر بن الخطاب رضی الله عنه أنها وصفت لها من وجع بها سمن بقر وقالت إن رسول الله ﷺ قال ألبانها شفاء وسمنها دواء ولحمها داء (مسند ابن الجعد،رقم الحديث ۲۲۵۸)

[۲] ماہرینِ فن کی تحقیق کی رُو سے گائے اور بھینس کے 100 گرام پکے ہوئے گوشت میں چکنائی (Fats) حرارے (Calories) اور کولیسٹرول (Cholesterol) کے اجزاء کا موازنہ درج ذیل ہے:

نام حیوان	Fats کی مقدار	Calories کی مقدار	Cholesterol کی مقدار
گائے (Beef)	10.15	219	86
بھینس (Bison)	2.42	143	82

(LIVESTRONG.COM)

اس تقابل سے معلوم ہوا کہ بھینس کے گوشت کے مقابلہ میں گائے کے گوشت میں چکنائی، حرارے اور کولیسٹرول کی مقدار زیادہ ہے۔ اور آج کل کی معاشرتی زندگی میں جسمانی مشقت وریاضت اور نقل وحرکت کی کمی کی وجہ سے گائے کے گوشت سے جسم میں زیادہ فضلات جمع ہوکر مختلف بیماریوں کا سبب ہوتے ہیں، نیز گائے کا دودھ بھینس کے دودھ کے مقابلہ میں ہلکا اور بھینس کا دودھ گائے کے دودھ کے مقابلہ میں ثقیل اور بھاری اور زیادہ چکنائی والا ہوتا ہے، اس لئے گائے کا دودھ زیادہ مفید ہے۔

لحم البقر بارد يابس عسر الانهضام بطیء الانحدار يولد دما سوداويا لا يصلح إلا لأهل الكد والتعب الشديد ويورث إدمانه الأمراض السوداوية كالبهق والجرب والقوباء والجذام وداء الفيل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر لوگ اپنی کم علمی کی وجہ سے کٹے کی قربانی اور اس کے گوشت سے محروم ہیں؛ اور اسی کے نتیجے میں بھینس کے نرینہ بچوں کو آج کل ہمارے علاقوں میں شیر خوارگی کی حالت میں ذبح کر دیا جاتا ہے، جس کا گوشت طبّی لحاظ سے مُضر بھی ہوتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... افضل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے حیثیت دی ہو تو قربانی کا جانور خوب صحت مند، خوبصورت اور بڑی جسامت کا ہو، بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو، بڑائی اور دِکھلاوا پیشِ نظر نہ ہو۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والسرطان والوسواس وحمى الربع وكثير من الأورام وهذا لمن لم يعتده أو لم يدفع ضرره بالفلفل والثوم والدارصيني والزنجبيل ونحوه وذكره أقل برودة وأنثاه أقل يبسا(زادالمعاد لابن القيم، حرف اللام، لحم، لحم البقر)

وأما لحوم البقر فيتولد منها دم غليظ متين جداً وليس بلزج جداً وهو أصلح لمن يديم الكد والتعب ولا تصلح إدامته لغيرهم(الجامع لمفردات الأدوية والأغذية،لابن البيطار، حرف الباء)

[1] ہمارے ملک میں اکثر تعداد ان لوگوں کی ہے جو گائے اور بیل (جسے ویڑھا، یا ویڑہی کہتے ہیں) کی قربانی کرتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں بھینس اور کٹے کی قربانی کو اہمیت نہیں دیتے بلکہ بعض لاعلم لوگ تو اس کی قربانی کو جائز ہی نہیں سمجھتے، چنانچہ بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ ان جانوروں کی کھال سیاہ ہوتی ہے اور سیاہ چیز کوئی مبارک اور نیک فال کی نشانی اور قربانی کے قابل چیز نہیں۔

قیامِ پاکستان سے پہلے ہندوؤں کی طرف سے گائے کے ذبح کرنے پر پابندی تھی اور آج بھی ہندوستان کے کئی علاقوں میں گائے کا ذبح کرنا جرم ہے (کیونکہ ہندو قوم گائے کی پوجا کرتی ہے اور اس کو اپنا معبود و مسجود سمجھتی ہے) قیامِ پاکستان کے بعد ہندوؤں کی اس پابندی کی مخالفت کی گئی اور اس کی ضرورت بھی تھی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے مقابلہ میں بھینس اور کٹے کی قربانی کو بالکل ہی ترک کر دیا جائے یا اس کو ممنوع سمجھا جانے لگے، ہمارے علاقوں میں بھینس کے بچہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی نر ہونے کی صورت میں ذبح کر دیا جاتا ہے اور قصاب عام طور پر اس کا کچا گوشت فروخت کر دیتے ہیں (جو کہ خود صحت کے لئے مضر ثابت ہوا ہے) یا پھر سانڈ بنانے کی غرض سے ایک آدھ نر بچہ زندہ رکھ لیا جاتا ہے۔ جبکہ طبی نقطۂ نظر اور مشاہدہ سے گائے، بیل کے مقابلہ میں بھینس اور کٹے کا گوشت مفید ولذیذ ثابت ہوا ہے اور اس کے مقابلہ میں گائے کا گوشت صحت کے لئے مضر ثابت ہوا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ بھینس اور کٹے کی قربانی کو غلط یا معیوب سمجھنے کے تأثر کو ختم کیا جائے اور بھینس اور کٹے کی قربانی کو بھی رواج دیا جائے، خاص طور پر جبکہ آج مہنگائی کے دور میں گائے بیل کے مقابلہ میں کٹے کم قیمت پر دستیاب ہو جاتے ہیں، اس کی ضرورت زیادہ ہے۔

[2] حَدَّثَنِي أَبُو الْأَسْوَدِ السُّلَمِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: كُنْتُ سَابِعَ سَبْعَةٍ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرِهِ فَأَدْرَكَنَا الْأَضْحَى فَأَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَمَعَ كُلُّ رَجُلٍ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵...... چھوٹے جانوروں میں افضل جانور، سینگوں والا اور سفید وسیاہ دونوں قسم کے بالوں والا خصی مینڈھا ہے۔ ؎

مسئلہ نمبر ۶ ...... جب ایک چھوٹا جانور (بکری، دنبہ وغیرہ) اور بڑے جانور کا ساتواں حصہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

مِنَّا دِرْهَمًا فَاشْتَرَيْنَا أُضْحِيَّةً بِسَبْعَةِ دَرَاهِمَ وَقُلْنَا :يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَقَدْ غَلِينَا بِهَا فَقَالَ :إِنَّ أَفْضَلَ الضَّحَايَا أَغْلَاهَا وَأَسْمَنُهَا قَالَ :ثُمَّ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ رَجُلٌ بِرِجْلٍ وَرَجُلٌ بِرِجْلٍ، وَرَجُلٌ بِيَدٍ وَرَجُلٌ بِيَدٍ، وَرَجُلٌ بِقَرْنٍ وَرَجُلٌ بِقَرْنٍ، وَذَبَحَ السَّابِعُ وَكَبَّرُوا عَلَيْهَا جَمِيعًا(مستدرک حاکم، رقم الحديث ۷۵۶۱)

(وأما) الذى يرجع إلى الأضحية فالمستحب أن يكون أسمنها وأحسنها وأعظمها لأنها مطية الآخرة قال -عليه الصلاة والسلام -عظموا ضحاياكم فإنها على الصراط مطاياكم ومهما كانت المطية أعظم وأسمن كانت على الجواز على الصراط أقدر(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج۵ص ۸۰، كتاب التضحية،فصل في بيان ما يستحب قبل التضحية وبعدها وما يكره)

؎ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ضَحّٰى اِشْتَرٰى كَبْشَيْنِ عَظِيْمَيْنِ، سَمِيْنَيْنِ أَقْرَنَيْنِ ، أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْئَيْنِ قَالَ: فَيَذْبَحُ أَحَدَهُمَا عَنْ أُمَّتِهِ مِمَّنْ أَقَرَّ بِالتَّوْحِيْدِ، وَشَهِدَ لَهُ بِالْبَلَاغِ، وَيَذْبَحُ الْآخَرَ عَنْ مُحَمَّدٍ، وَآلِ مُحَمَّدٍ(مسند احمد، رقم الحديث ۲۵۸۴۳، مؤسسة الرسالة، بيروت ،واللفظ لهٗ،سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۳۱۲۲، عن عائشة)

فى حاشية مسند احمد:صحيح لغيره.

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :خَيْرُ الأُضْحِيَّةِ الكَبْشُ، وَخَيْرُ الكَفَنِ الحُلَّةُ :هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَعُفَيْرُ بْنُ مَعْدَانَ يُضَعَّفُ فِي الحَدِيثِ(سنن الترمذى، رقم الحديث ۱۵۱۷)

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :خَيْرُ الضَّحِيَّةِ الْكَبْشُ الْأَقْرَنُ وَخَيْرُ الْكَفَنِ الْحُلَّةُ(مستدرک حاکم، رقم الحديث ۷۵۵۱،واللفظ لهٗ، مسند الشاميين للطبرانى، رقم الحديث ۲۲۵۲)

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "وقال الذهبى فى التلخيص: صحيح

وأفضل الشاء أن يكون كبشا أملح أقرن موجوء ا؛ لما روى جابر -رضى الله عنه -أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -ضحى بكبشين أملحين أقرنين موجوء ين عظيمين سمينين والأقرن :العظيم القرن، والأملح :الأبيض.

وروى -عليه الصلاة والسلام -أنه قال دم العفراء يعدل عند الله مثل دم السوداوين وإن أحسن اللون عند الله البياض، والله خلق الجنة بيضاء والموجوء :قيل هو مدقوق الخصيتين، وقيل :هو الخصى، كذا روى عن أبى حنيفة -رحمه الله -فإنه روى عنه أنه سئل عن التضحية بالخصى فقال : ما زاد فى لحمه أنفع مما ذهب من خصيتيه(بدائع الصنائع، ج۵ص ۸۰،كتاب التضحية،فصل فى بيان ما يستحب قبل التضحية وبعدها وما يكره)

قیمت اور گوشت کے اعتبار سے برابر ہوں، تو چھوٹے جانور کی قربانی کرنا افضل ہے، ورنہ جو قیمت اور گوشت کے اعتبار سے زیادہ ہو، اس کی قربانی افضل ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷...... ایک شخص کا ایک قربانی کے بڑے جانور (اونٹ، گائے) کی قربانی کرنا چھ چھوٹے قربانی کے جانوروں (بکری، دنبے، مینڈھے) کی قربانی کرنے سے افضل ہے،

---

[1] الشاة أفضل من سبع البقرة إذا استويا فی القيمة واللحم(الدر المختار، كتاب الأضحية)

(قوله أفضل من سبع البقرة إلخ) وكذا من تمام البقرة .قال فی التتارخانية، وفی العتابية :وكان الأستاذ يقول بأن الشاة العظيمة السمينة تساوی البقرة قيمة ولحما أفضل من البقرة لأن جميع الشاة تقع فرضا بلا خلاف .واختلفوا فی البقرة .قال بعض العلماء :يقع سبعها فرضا والباقی تطوع اهـ (قوله إذا استويا إلخ) فإن كان سبع البقرة أكثر لحما فهو أفضل، والأصل فی هذا إذا استويا فی اللحم والقيمة فأطيبهما لحما أفضل، وإذا اختلفا فيهما فالفاضل أولى تتارخانية(رد المحتار على الدر المختار، ج٦ص ٣٢٢، كتاب الأضحية)

واختلف المشايخ رحمهم الله تعالى أن البدنة أفضل أو الشاة الواحدة قال بعضهم إذا كانت قيمة الشاة أكثر من قيمة البدنة فالشاة أفضل لأن الشاة كلها تكون فرضا والبدنة سبعها يكون فرضا والباقی يكون نفلا وما كان كلها فرضا كان أفضل وقال الشيخ الإمام الجليل أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى البدنة تكون أفضل لأنها أكثر لحما من الشاة وما قالوا بأن البدنة يكون بعضها نفلا فليس كذلک بل إذا ذبحت عن واحد كان كلها فرضا *و شبه هذا بالقراء ة فی الصلاة و لو اقتصر على ما تجوز به الصلاة جازت و لو زاد عليها يكون الكل فرضا *و قال الشيخ الإمام أبو حفص الكبير رحمه الله تعالى إذا كانت قيمة الشاة و البدنة سواء كانت الشاة أفضل لأنها أكثر لحما *و الشاة أفضل من سبع البقرة إذا استويا فی القيمة و اللحم لأن لحم الشاة أطيب * فإن كان سبع البقرة أكثر لحما فسبع البقرة أفضل (فتاوی قاضی خان، كتاب الأضحية)

اختلف المشايخ أن البدنة أفضل أم الشاة الواحدة قال بعضهم :إن كانت قيمة الشاه أكثر من قيمة البدنة فالشاة أفضل؛ لأن الشاة كلها فرض والبدنة سبعها فرض، والباقی يكون فضلا قال الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل البدنة أفضل؛ لأنها أكثر لحما من الشاة وما قالوا :إن البدنة يكون بعضها نفلا فليس كذلک بل إذا نحرت عن واحد كان كلها فرضا، وشبهه بالقراء ة فی الصلاة لو اقتصر على ما تجوز به الصلاة جاز، ولو زاد عليه يكون الكل فرضا، قال الشيخ الإمام أبو حفص الكبير إذا كان قيمة الشاة والبدنة سواء كانت الشاة أفضل؛ لأن لحمها أطيب، كذا فی الظهيرية.

والشاة أفضل من سبع البقرة إذا استويا فی القيمة واللحم؛ لأن لحم الشاة أطيب، وإن كان سبع البقرة أكثر لحما فسبع البقرة أفضل، والحاصل فی هذا أنهما إذا استويا فی اللحم والقيمة فأطيبهما لحما أفضل، وإذا اختلفا فی اللحم والقيمة فالفاضل أولى، فالفحل الذی يساوی عشرين أفضل من خصی بخمسة عشر، وإن استويا فی القيمة، والفحل أكثر لحما فالفحل أفضل(الفتاوی الهندية، ج٥ص ٢٩٩، كتاب الأضحية،الباب الخامس فی بيان محل إقامة الواجب)

اور سات چھوٹے جانوروں (بکری، دنبے، مینڈھے) کی قربانی کرنا ایک بڑے جانور (اونٹ، گائے) کی قربانی سے افضل ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۸...... بہتر یہ ہے کہ قربانی سے چند دن پہلے جانور کو گھر میں رکھ کر خوب کھلائے پلائے اور خاطر مدارات کرے۔ [2]

لیکن اس کے گلے اور پیروں وغیرہ میں بلاضرورت گھنٹیاں گھنگرو نہ پہنائے، اسی طرح فضول نمود ونمائش میں پیسہ خرچ نہ کرے۔ [3]

---

[1] و البقرة أفضل من ست شياه إذا استويا و سبع شياه أفضل من البقرة (فتاوى قاضى خان، كتاب الأضحية)

[2] قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ :سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ بْنَ سَهْلٍ، قَالَ :كُنَّا نُسَمِّنُ الْأُضْحِيَّةَ بِالْمَدِينَةِ، وَكَانَ الْمُسْلِمُونَ يُسَمِّنُونَ(بخارى، كِتَابُ الْأَضَاحِي،بَابٌ فِي أُضْحِيَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ، وَيُذْكَرُ سَمِينَيْنِ)

فيستحب أن يربط الأضحية قبل أيام النحر بأيام لما فيه من الاستعداد للقربة وإظهار الرغبة فيها فيكون له فيه أجر وثواب وأن يقلدها ويجللها اعتبارا بالهدايا، والجامع أن ذلك يشعر بتعظيمها قال الله تعالى (ذلك ومن يعظم شعائر الله فإنها من تقوى القلوب(بدائع الصنائع ، ج۵ ص۷۸، كتاب التضحية،فصل في بيان ما يستحب قبل التضحية وبعدها وما يكره)

[3] اختلف العلماء في كراهية تعليق الجرس على الدواب، فمنهم من قال بكراهيته في الأسفار كلها، الغزو وغيره في ذلك سواء ، وهذا القائل يقول بكراهيته في الحضر، كما يقول بكراهيته في السفر، ويقول أيضاً بكراهية اتخاذ الجلاجل في رجل الصغير، والمعنى في ذلك :أن الشيطان يستأنس ويتلهى بصوته، كما يستأنس ويتلهى بصوت المزامير، وقال محمد في السير الكبير : إنما يكره اتخاذ الجرس للغزاة في دار الحرب، وهو المذهب عند علمائنا لأن تعليق الجرس على الدواب إنما يكره في دار الحرب؛ لأن العدو يشعر بمكان المسلمين، فإن كان بالمسلمين قلة يتبادرون إليهم فيقتلونهم، فإن كان بهم كثرة، والكفار يتحرزون عنهم ويتحصنون، فعلى هذا قالوا : إذا كان الركب في المفازة في دار الإسلام ويخافون من اللصوص يكره لهم تعليق الجرس على الدواب أيضاً حتى لا يشعر اللصوص، فلا يستعدون لقتلهم وأخذ أموالهم، والذي ذكرنا في الجواب في الجرس، فهو الجواب في الجلاجل، قال محمد رحمه الله في السيرالكبير :فأما اذا كان في دار الإسلام فيه منفعة لصاحب الراحلة فلا بأس به، قال :وفي الجرس منافع جمة ،منها إذا ضلّ واحد من القافلة يلتحق بها بصوت الجرس، ومنها أن صوت الجرس يبعد هوام الليل عن القافلة كالذئب وغيره، ومنها أن صوت الجرس يريد في نشاط الدواب، وهو نظير الحدو، فإنه جوّز؛ لأنه يزيد في نشاط الدواب(المحيط البرهاني، ج۸ص ۱۲۵، ۱۲۶، كتاب الاستحسان والكراهية،الفصل الثاني والثلاثون في المتفرقات)

مسئلہ نمبر ۹...... قربانی کے جانور کی تصویر اتارنا، مارنا پیٹنا، کھانے پینے، گرمی سردی کا خیال نہ رکھنا یا کسی بھی قسم کی تکلیف پہنچانا گناہ ہے، اسی طرح اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے خواہ مخواہ لوگوں کو دکھلاتے پھرنا بھی گناہ کی بات ہے۔

البتہ اخلاص کے ساتھ قربانی کے جانور کی خاطر تواضع کے لئے چہل قدمی کرانا اور گھمانا پھرانا جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۰...... جو جانور خریدے بغیر کسی اور جائز طریقہ سے اپنی ملکیت میں آ گیا، مثلاً کسی دوسرے شخص نے اپنی خوشی سے ہدیہ کر دیا، یا اپنی طرف سے تبرعاً اس کی قیمت ادا کر دی، اور جانور کو اس کے حوالہ کر دیا، تو بھی اس جانور کی قربانی جائز ہے، خود جانور خریدنا یا قیمت اپنی

---

[1] وقال ابو حنيفة لا يجوز ركوبها ولا الحمل عليها ولا شرب لبنها الا لضرورة لانه لمّا جعلها كلها لله تعالى فلا ينبغى ان يصرف منها شيئا لمنفعة نفسه وهذا المعنى يقتضى المنع مطلقا سواء كان به ضرورة اولا -ويؤيده قوله تعالى وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعائِرَ اللَّهِ فَإِنَّها مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ولا شك ان الركوب والحمل ينافى التعظيم والاستسمان لكن لما ثبت بالأحاديث جواز الركوب قلنا بالجواز فى حالة الضرورة حملا للاحاديث المذكورة على تلك الحالة كيلا يلزم ترك العمل بالسنة ويدل على اشتراط الضرورة ما روى الطحاوى بسندين عن حميد الطويل عن انس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم راى رجلا يسوق بدنة وقد جهد قال اركبها قال يا رسول الله انها بدنة قال اركبها وفى رواية قال اركبها وان كانت -وروى ايضا عن ابن عمر انه كان يقول فى الرجل إذا ساق بدنة فاعيى ركبها وما أنتم بمستن سنة هى اهدى من سنة محمّد صلى الله عليه وسلم وروى مسلم عن ابى الزبير قال سمعت جابر بن عبد الله يسئل عن ركوب البدن قال سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول اركبها بالمعروف إذا الجأت إليها حتى تجد ظهرا -والمراد بالمنافع فى الاية عندنا دفع الضرورة عند الإلجاء (التفسير المظهرى، ج٦ ص ٣٢٠، تحت آيت ٣٣ من سورة الحج)

قال :(ولا يركب الهدى إلا عند الضرورة) لأن فى ركوبها استهانة بها، وتعظيمها واجب .قال تعالى :(ومن يعظم شعائر الله فإنها من تقوى القلوب)والتقوى واجب فيكون التعظيم واجبا وحالة الضرورة مستثناة لما روى أنه -عليه الصلاة والسلام - رأى رجلا يسوق بدنة فقال " :اركبها ويلك "قال :يا رسول الله، إنها بدنة، قال ": اركبها ويلك قالوا :كان مجهودا فأمره بالركوب للضرورة.

(فإن نقصت بركوبه ضمنه وتصدق به) لأنه بدل جزئها، وكذلك إذا نقصت من الحمل عليها لما بينا(الاختيار لتعليل المختار، ج ١ ص ١٧٤، باب الهدى)

جیب سے ادا کرنا ضروری نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۱...... اگر کسی نے مالک سے ادھار قیمت پر جانور خرید لیا، اور اس کی قیمت بعد میں

---

[1] ولو وهب لرجل شاة فضحى بها الموهوب له أجزأته عن الأضحية لأنه ملكها بالهبة والقبض فصار كما لو ملكها بالشراء، .... فلو أنه ضحى بها ثم أراد الواهب أن يرجع فى هبته فعند أبى يوسف -رحمه الله -ليس له ذلك بناء على أن الأضحية بمنزلة الوقف عنده فإذا ذبحها الموهوب له عن أضحيته أو أوجبها أضحية لا يملك الرجوع فيها؛ كما لو أعتق الموهوب له العبد أنه ينقطع حق الواهب عن الرجوع، كذا ههنا.

وعند محمد -عليه الرحمة -له ذلك لأن الذبح نقصان والنقصان لا يمنع الرجوع، ولا يجب على المضحى أن يتصدق بشىء لأن الشاة لم تكن مضمونة عليه فصار فى الحكم بمنزلة ابتداء الهبة، ولو وهبها أو استهلكها لا شىء عليه (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ۵،ص ۷۷ كتاب التضحية، فصل فى شرائط جواز إقامة الواجب فى الأضحية)

فنقول إذا وهب شاة لرجل فضحى الموهوب له بها لم يكن للواهب أن يرجع فيها فى قول أبى يوسف وقال محمد له أن يرجع فيها ويجزيه الأضحية وقال أبو حنيفة مع أبى يوسف رحمهما الله.

وجه قول محمد -رحمه الله -أن ملك الموهوب له لم يزل عن العين والذبح نقصان فيها فلا يمنع الرجوع فيما بقى كشاة القصاب، وهذا؛ لأن القربة لم تقع بعين الشاة بل بالإراقة بدليل أن ما أديت به القربة لا يجوز أن يبقى على ملكه والمذبوح باق على ملكه يأكله ويضمن له مستهلكه ويورث عنه ويبيعه فيجوز إلا أنه يتصدق بثمنه وذلك لا يدل على عدم الملك فإن الأملاك الخبيثة سبيلها التصدق بها مع قيام الملك وإذا ثبت أن أداء القربة لم يقع إلا بالإراقة بقى الحكم فيما وراء الدم على ما لو ذبح لا للأضحية والرجوع فيها لا يغير حكم الإراقة؛ لأن الفائت لا يعمل فيه الفسخ ونظيره وهب شاتين فضحى بأحديهما وأكلها ثم رجع فى الأخرى أو ذبح شاة الهبة وباع جلدها ورجع الواهب فيما بقى لا يبطل البيع.

ولأبى يوسف -رحمه الله -أن القربة كما يتأدى بالدم يتأدى بأجزاء الشاة بدليل أن سلامتها معتبرة للجواز ابتداء وبعد الذبح لو باع شيئا منها يتصدق بثمنه لمكان أنه بقى قربة فيجب صرفه إلى حيث لا يبطل به حق الله عز وجل ولو لم يتعلق معنى القربة بما بقى لبقى على حكم سائر الأغنام فتأدى القربة بإراقة الدم وبإبطال حق التمول من الباقى فلذلك لم يبطل أصل الملك؛ لأن القربة لم تتأد به وإذا كان كذلك لم يصح الرجوع؛ لأنه يبطل ما أدى من القربة بالعين ألا ترى أنه يصير بعد الرجوع مالا يتمول كسائر الأموال كذا فى الأسرار.

فمحمد -رحمه الله -عد سقوط التمول نقصا فيه لا باعتبار ظهور معنى القربة فيه ونحن اعتبرناه أثر القربة(كشف الأسرار، ج ۱۵۵، ۱۵۶ ،باب الامر، القضاء نوعان)

رجل وهب لرجل شاة فضحى بها الموهوب له أو ذبحها لمتعة أو جزاء صيد ثم رجع الواهب فى الهبة جازت الاضحية و المتعة *وعن أبى يوسف رحمه الله تعالى لا يصح رجوع الواهب فيها و فى ظاهر الرواية صح رجوعه (فتاوى قاضيخان، كتاب الأضحية، ج۳ص ۲۱۳)

ادا کرنا طے ہوا، تو اس جانور کی قربانی جائز ہے، قیمت بعد میں بھی ادا کی جاسکتی ہے، لیکن بلاضرورت ادھار کرنا اچھا نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۲...... اگر کوئی شخص مالدار یعنی نصاب کا مالک نہیں تھا لیکن اس نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا، خواہ ابھی قربانی کے دن بھی شروع نہ ہوئے ہوں، تو راجح یہ ہے کہ اس پر بعینہٖ اس جانور کی قربانی لازم ہوجائے گی، اوراس کو اس جانور کا بدلنا بھی جائز نہیں ہوگا۔ [2]

---

[1] لا بأس في البيع والشراء نسيئة؛ لأن شراء النبي كان بالثمن المؤجل .خامسا -لا بأس من الاستدانة؛ لأن الشراء نسيئة استدانة ومع ذلك اللائق بالإنسان الإسراع بإيفاء دينه حتى لا يدركه الموت فيموت مدينا(درر الحكام في شرح مجلة الاحكام، ج۲ص ۶۲، الكتاب الخامس في الرهن)

[2] حتی الامکان فقہ کے نصوص میں غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ راجح روایت کے مطابق غریب کے قربانی کا جانور خرید لینے سے مطلقاً اس جانور کی قربانی لازم ہوجاتی ہے، خواہ قربانی کے دنوں میں خریدا ہو یا پہلے (تفصیل آ گے تحقیقی مسائل کے ذیل میں آتی ہے)

اور ایک روایت کے مطابق غریب کے قربانی کی نیت سے جانور خریدنے سے اس کی قربانی لازم نہ ہوگی۔

لأن الشراء من الفقير بنية الأضحية بمنزلة النذر عرفا ، وعادة ؛ لأنا لا نجد في العرف فقيرا اشترى شيئا للأضحية إلا ويضحي بها لا محالة فكان بها ملتزما(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج۶ ،ص۷، باب مايضحى به)

لأن الوجوب على الغني بالشرع ابتداء لا بالشراء فلم تتعين به، وعلى الفقير بشرائه بنية الأضحية فتعينت(الهداية شرح البداية، ج۴ص ۳۵۹، كتاب الاضحية)

وأما الذي يجب على الفقير دون الغني فالمشترى للأضحية إذا كان المشترى فقيرا بأن اشترى فقير شاة ينوى أن يضحى بها ....(ولنا) أن الشراء للأضحية ممن لا أضحية عليه يجرى مجرى الإيجاب وهو النذر بالتضحية عرفا؛ لأنه إذا اشترى للأضحية مع فقره فالظاهر أنه يضحى فيصير كأنه قال :جعلت هذه الشاة أضحية، بخلاف الغني؛ لأن الأضحية واجبة عليه بإيجاب الشرع ابتداء فلا يكون شراؤه للأضحية إيجابا بل يكون قصدا إلى تفريغ ما في ذمته(بدائع الصنائع، ج۵ص ۶۲، كتاب التضحية،فصل في شرائط وجوب في الأضحية)

من المشايخ من فصل بين الموسر والمعسر فقال :إن كان موسرا فالجواب كذلك لأنه ما أوجب بهذا الشراء شيئا على نفسه وإنما قصد به إسقاط الواجب عن نفسه، فإذا سافر تبين أنه لا وجوب عليه فكان له أن يبيعها كما لو شرع في العبادة على ظن أنها عليه ثم تبين أنها ليست عليه أنه لا يلزمه الإتمام، وإن كان معسرا ينبغي أن تجب عليه ولا تسقط عنه بالسفر؛ لأن هذا إيجاب من الفقير بمنزلة النذر فلا يسقط بالسفر؛ كما لو شرع في التطوع أنه يلزمه الإتمام والقضاء بالإفساد، كذا ههنا وإن سافر بعد دخول الوقت قالوا :ينبغي أن يكون الجواب كذلك لما ذكرنا(بدائع الصنائع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جو شخص مالدار یعنی صاحبِ نصاب ہو، اگر وہ قربانی کی نیت سے جانور خرید ے، تو بہت سے حضرات کے نزدیک صاحبِ نصاب شخص کے جانور خریدنے سے اس کے حق میں یہ جانور متعین نہیں ہوتا، لہٰذا اس جانور کا اس کو بدلنا جائز ہوتا ہے، خواہ دوسرا جانور کم قیمت کا ہو، یا زیادہ قیمت کا۔ [۱]

البتہ بعض حضرات کے نزدیک صاحبِ نصاب شخص کے خریدنے سے بھی جانور قربانی کے لئے متعین ہو جاتا ہے۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی ترتیب الشرائع، ج۶، ص ۶۴، کتاب التضحیة، فصل فی شرائط وجوب فی الأضحیة)
وأما الذی یجب علی الفقیر دون الغنی فالمشتری للأضحیة إذا کان المشتری فقیرا، بأن اشتری فقیر شاة ینوی أن یضحی بها، وإن کان غنیا لا تجب علیه بشراء شیء (الفتاوی الهندیة، ج۵ ص ۲۹۱، کتاب الأضحیة، الباب الأول)

[۱] (قوله لوجوبها علیه بذلک) أی بالشراء وهذا ظاهر الروایة لأن شراء ه لها یجری مجری الإیجاب وهو النذر بالتضحیة عرفا کما فی البدائع (رد المحتار علی الدر المختار، ج۶ ص ۳۲۱، کتاب الأضحیة)

وفی تقریرات الرافعی (قوله وهذا ظاهر الروایة) وفی خزانة الاکمل انه المختار ... ولواشتراها الغنی بنیتهالم تتعین باتفاق الروایات کما فی الخلاصة ...فان المنقول فی الغنی عدم التعین باتفاق الروایات اه (تقریرات رافعی ملخصاً مشموله ردالمحتار ج ۶ ص ۳۰۴)

واصل هذا انه لو نذر فی الاضحیة بان قال لله علی ان اضحی بهذا الشاة یجب علیه بالاجماع ، واجمعوا انه لایصیر واجبة بمجرد النیة بان نوی ان یضحی بهذا الشاة ولم یذکر بلسانه شیئا ، وبالشراء بنیة الاضحیة ان کان المشتری غنیالایجب علیه باتفاق الروایات حتی لوباعها واشتری بثمنهااخری والثانیة دون الاولی جازولایجب علیه شیء(خلاصة الفتاویٰ ج۴ص۳۱۸، کتاب الاضحیة)

لکن ینبغی أن یکون هذا التفصیل محمولا علی الفقیر لأن الغنی لا تجب علیه بالشراء بدلیل ما ذکره فی أضحیة البدائع عن الأصل، من أنه لو اشتری بقرة لیضحی بها عن نفسه فأشرک فیها یجزئهم والأحسن فعل ذلک قبل الشراء قال :وهذا :أی قوله یجزئهم محمول علی الغنی لأنها لم تتعین، أما الفقیر فلا یجوز أن یشرک فیها لأنه أوجبها علی نفسه بالشراء للأضحیة فتعینت اهـ .
لکن سوی فی الخانیة فی مسألة الأضحیة بین الغنی والفقیر فتأمل(ردالمحتار، ج۲ ص ۶۱۵، کتاب الحج، باب الهدی)

[۲] المعسر إذا اشتری شاة لیضحی بها فلم یضح حتی مضی الوقت؛ لأن الشراء للأضحیة من الفقیر کالنذر بالتضحیة وأما الموسر إذا اشتری شاة للأضحیة فکذلک الجواب، ومن المشایخ من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صاحبِ نصاب شخص کو بھی قربانی کے لئے خرید شدہ جانور کو بلاضرورت بدلنا مناسب نہیں۔

لیکن اگر اس کو فروخت کر کے اتنی ہی قیمت کا یا اس سے زیادہ قیمت کا جانور خرید لے تو خیر، اور اگر کم قیمت کا جانور خریدے، تو اضافی رقم کو صدقہ کر دینا چاہئے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال هذا الجواب في المعسر؛ لأن الشاة المشتراة للأضحية من المعسر تتعين للأضحية؛ فأما من الموسر فلا تتعين بدليل أنه يجوز له التضحية بشاة أخرى في الوقت مع بقاء الأولى وتسقط عنه الأضحية، والصحيح أنها تتعين من الموسر أيضا بلا خلاف بين أصحابنا، فإن محمدا -رحمه الله- ذكر عقيب جواب المسألة، وهذا قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله وقولنا.

(ووجهه) أن نية التعيين قارنت الفعل وهو الشراء فأوجبت تعيين المشترى للأضحية، إلا أن تعيينه للأضحية لا يمنع جواز التضحية بغيرها كتعيين النصاب لأداء الزكاة منه لا يمنع جواز الأداء بغيره وتسقط عنه الزكاة، وهذا لأن المتعين لا يزاحمه غيره، فإذا ضحى بغيره أو أدى الزكاة من غير النصاب لم يبق الأول متعينا، فكانت الشاة متعينة للتضحية ما لم يضح بغيرها كالزكاة(بدائع الصنائع، ج۵ص ۶۸، كتاب التضحية، فصل في انواع كيفة الوجوب)

ولا يخفى أن الأضحية تصير واجبة بالنذر فلو قال كلاما نفسيا :لله على أن يضحى بهذه الشاة ولم يذكر بلسانه شيئا فاشترى شاة بنية الأضحية إن كان المشترى غنيا لا تصير واجبة باتفاق الروايات فله أن يبيعها ويشترى غيرها، وإن كان فقيرا ذكر شيخ الإسلام خواهر زاده في ظاهر الرواية تصير واجبة بنفس الشراء وروى الزعفراني عن أصحابنا لا تصير واجبة وأشار إليه شمس الأئمة السرخسي في شرحه، وإليه مال شمس الأئمة الحلواني في شرحه وقال :إنه ظاهر الرواية ولو صرح بلسانه -والمسألة بحالها -تصير واجبة بشراء نية الأضحية إن كان المشترى فقيرا(تكملة البحرالرائق للطورى، ج۸ص ۱۹۹، كتاب الاضحية)

[1] قال (وإذا اشترى أضحية، ثم باعها فاشترى مثلها فلا بأس بذلك)لأن بنفس الشراء لا تتعين الأضحية قبل أن يوجبها، وبعد الإيجاب يجوز بيعها في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله ويكره، وفي قول أبي يوسف -رحمه الله -لا يجوز لتعلق حق الله تعالى بعينها، ولكنهما يقولان تعلق حق الله تعالى بها لا يزيل ملكه عنها، ولا يعجزه عن تسليمها وجواز البيع باعتبار الملك والقدرة على التسليم ألا ترى أنا نجوز بيع مال الزكاة لهذا.

والأصل فيه ما روى أن النبي -عليه الصلاة والسلام -دفع دينارا إلى حكيم بن حزام -رضي الله عنه -ليشترى له شاة للأضحية فاشترى شاة، ثم باعها بدينارين، ثم اشترى شاة بدينار وجاء بالشاة والدينار إلى رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فأخبره بذلك .فقال -صلى الله عليه وسلم - بارك الله في صفقتك أما الشاة فضح بها وأما الدينار فتصدق به فقد جوز رسول الله -صلى الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور احادیث وآثار کی رُو سے احتیاط بھی اسی میں ہے، کہ خواہ غریب ہو یا امیر، ایک مرتبہ جانور خریدنے کے بعد بلاضرورت اس کو تبدیل نہ کرے، اور اسی کی قربانی کرے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علیه وسلم -بیعه بعد ما اشتراها للأضحية، وإن كانت الثانية شرا من الأولى، وقد كان أوجب الأولى فتصدق بالفضل فيما بين القيمتين أما جواز الثانية عن الأضحية فلاستجماع شرائط الجواز وأما التصدق فإنه لما أوجب الأولى فقد جعل ذلك القدر من ماله لله تعالى فلا يكون له أن يستفضل شيئا منه لنفسه فيتصدق بفضل القيمة كما أمر رسول الله -صلى الله عليه وسلم -حكيم بن حزام -رضي الله عنه -بالتصدق بالدينار.

ومن أصحابنا -رحمهم الله -من قال هذا إذا كان فقيرا أما إذا كان غنيا ممن يجب عليه الأضحية فليس عليه أن يتصدق بفضل القيمة؛ لأن في حق الغني الوجوب عليه بإيجاب الشرع فلا يتعين بتعيينه في هذا المحل ألا ترى أنها لو هلكت بقيت الأضحية عليه .فإذا كان ما يضحي به محلا صالحا لم يلزمه شيء آخر وأما الفقير فليس عليه أضحية شرعا، وإنما لزمه بالتزامه في هذا المحل بعينه؛ ولهذا لو هلكت لم يلزمه شيء آخر .فإذا استفضل لنفسه شيئا مما التزمه كان عليه أن يتصدق به.

قال الشيخ الإمام والأصح عندي أن الجواب فيهما سواء ؛ لأن الأضحية، وإن كانت واجبة على الغني في ذمته فهو متمكن من تعيين الواجب في محل فيتعين بتعيينه في هذا المحل من حيث قدر المالية؛ لأنه تعيين مقيد، وإن كان لا يتعين من حيث فراغ الذمة(المبسوط للسرخسي، ج۱۲ ص۱۳، کتاب الأضحية)

[1] عَنْ عُرْوَةَ :أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ دِينَارًا يَشْتَرِي لَهُ بِهِ شَاةً، فَاشْتَرَى لَهُ بِهِ شَاتَيْنِ، فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ، وَجَاءَهُ بِدِينَارٍ وَشَاةٍ، فَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِي بَيْعِهِ، وَكَانَ لَوِ اشْتَرَى التُّرَابَ لَرَبِحَ فِيهِ ، (بخاری، رقم الحديث ۳۶۴۲، مصنف ابن ابی شيبة، رقم الحديث ۳۷۴۴۶)

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ يَشْتَرِي لَهُ أُضْحِيَّةً بِدِينَارٍ، فَاشْتَرَى أُضْحِيَّةً، فَأُرْبِحَ فِيهَا دِينَارًا، فَاشْتَرَى أُخْرَى مَكَانَهَا، فَجَاءَ بِالْأُضْحِيَّةِ وَالدِّينَارِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :ضَحِّ بِالشَّاةِ، وَتَصَدَّقْ بِالدِّينَارِ (سنن الترمذی، رقم الحديث ۱۲۵۷، واللفظ لهٗ، المعجم الكبير للطبرانی ،رقم الحديث ۳۱۳۳، ورقم الحديث ۳۱۳۴)

قال الترمذی :حَدِيثُ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَحَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ لَمْ يَسْمَعْ عِنْدِي مِنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ.

قال العيني:ورواه أبو داود أيضا عن محمد بن كثير .ولما أخرج الترمذي الحديثين لم يسكت عنهما، بل قال :وحبيب بن ثابت لم يسمع عندي من حكيم بن حزام، وأبو لبيد اسمه لمازة، وفي إسناد أبي داود مبهم .وقيل :حديث حكيم لا يصح لأنه إما منقطع أو في إسناده مجهول .قلت: الانقطاع في إسناد الترمذي والمجهول في إسناد أبي داود، وقال ابن العربي :حديث عروة صحيح.وأما الإبهام الذي في إسناد أبي داود فإنه روى عن شبيب عن فرقدة حدثني الحي عن عروة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگرچہ گنجائش اس کی بھی ہے کہ صاحبِ نصاب شخص کے لئے قربانی کا جانور خریدنے کے بعد

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

البارقی الحدیث .وقال الخطابی :یعنی الحی حدثوہ وما کان سبیلہ ھذا من الرواۃ لم تقم بہ الحجۃ، ووقع فی روایۃ الکرخی عن شبیب عن فرقدۃ یسمعہ من قومہ عن عروۃ البارقی، وروی أیضا من حدیث سفیان عن شبیب بن فرقدۃ قال :أخبرنا الحسن عن عروۃ البارقی الحدیث، وھذا الإسناد ما فیہ إبھام وھو صحیح کما قالہ ابن العربی(البنایۃ شرح الھدایۃ، ج۸ص ۳۱۴، کتاب البیوع، فصل فی بیع الفضولی)

عَنِ ابْنِ أَبِی مُلَیْکَۃَ ، وَعَطَاءٍ ؛ أَنَّ عَائِشَۃَ اشْتَرَتْ بَدَنَۃً فَأَضَلَّتْہَا ، فَاشْتَرَتْ مَکَانَہَا ، ثُمَّ وَجَدَتْہَا ، فَنَحَرَتْہُمَا جَمِیعًا ، ثُمَّ قَالَتْ :کَانَ فِی عِلْمِ اللہِ أَنْ أَنْحَرُہُمَا جَمِیعًا .وَذَلِکَ فِی التَّطَوُّعِ(مصنف ابن ابی شیبۃ، رقم الحدیث ۱۴۶۵۴، کتاب المناسک،باب فِی الرَّجُلِ یَشْتَرِی الْبَدَنَۃَ ، فَتَضِلُّ فَیَشْتَرِی غَیْرَہَا)

عَنْ ہِشَامٍ ، عَنْ أَبِیہِ ؛ أَنَّ عَائِشَۃَ نَحَرَتْہُمَا جَمِیعًا (ایضاً، رقم الحدیث ۱۴۶۵۵)

عَنْ ہِشَامِ بْنِ عُرْوَۃَ ، عَنْ أَبِیہِ ، عَنْ عَائِشَۃَ ؛ أَنَّہَا أَہْدَتْ بَدَنَتَیْنِ فَأَضَلَّتْہُمَا ، فَأَہْدَی لَہَا ابْنُ الزُّبَیْرِ بَدَنَتَیْنِ فَنَحَرَتْہُمَا ، ثُمَّ وَجَدَتِ الْبَدَنَتَیْنِ فَنَحَرَتْہُمَا(ایضاً، رقم الحدیث ۱۴۶۵۹)

عَنْ مُجَاہِدٍ ، عَنْ مَاعِزِ بْنِ مَالِکٍ ، أَوْ مَالِکِ بْنِ مَاعِزٍ الثَّقَفِیِّ ، قَالَ :سَاقَ أَبِی ہَدْیَیْنِ عَنْ نَفْسِہِ وَامْرَأَتِہِ وَابْنَتِہِ ، فَأَضَلَّہُمَا بِذِی الْمَجَازِ ، فَلَمَّا کَانَ یَوْمُ النَّحْرِ ذَکَرَ ذَلِکَ لِعُمَرَ ، فَقَالَ :تَرَبَّصِ الْیَوْمَ وَغَدًا وَبَعْدَ غَدٍ ، فَإِنَّمَا النَّحْرُ فِی ہَذِہِ الثَّلاَثَۃِ الأَیَّامِ ، فَإِنْ وَجَدْتَ ہَدْیَیْکَ فَانْحَرْہُمَا جَمِیعًا ، فَإِنْ لَمْ تَجِدْہُمَا فَاشْتَرِ ہَدْیَیْنِ فِی الْیَوْمِ الثَّالِثِ ، فَانْحَرْہُمَا وَلاَ تُحِلَّ مِنْکَ حَرَامًا حَتَّی تَنْحَرَہُمَا ، أَوْ ہَدْیَیْنِ آخَرَیْنِ ، فَإِنْ نَحَرْتَ الْہَدْیَیْنِ اللَّذَیْنِ اشْتَرَیْتَ وَوَجَدْتَ الْہَدْیَیْنِ الضَّالَّیْنِ بَعْدُ فَانْحَرْہُمَا(ایضاً، رقم الحدیث ۱۴۶۵۶)

عَنْ أَبِی الْخُصَیْبِ الْقَیْسِیِّ ؛ أَنَّہُ أَہْدَی عَنْ أُمِّہِ بَدَنَۃً فَأَضَلَّہَا ، فَاشْتَرَی مَکَانَہَا أُخْرَی ، فَقَلَّدَہَا ، ثُمَّ وَجَدَ الأُولَی ، فَسَأَلَ ابْنَ عُمَرَ ؟ فَقَالَ :انْحَرْہُمَا جَمِیعًا(ایضاً، رقم الحدیث ۱۴۶۵۷)

عَنْ قَتَادَۃَ ، عَنْ أَبِی طَالِبٍ الْحَجَّامِ ، وَکَانَ ثِقَۃً ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ :یَنْحَرُہُمَا جَمِیعًا(ایضاً، رقم الحدیث ۱۴۶۵۸)

عَنْ أَیُّوبَ ، عَنْ عَلِیِّ بْنِ نَافِعٍ ، قَالَ :سُقْتُ بَدَنَۃً فَأَضْلَلْتُہَا ، فَاشْتَرَیْتُ أُخْرَی فَنَحَرْتُہَا ، ثُمَّ وَجَدْتُ الأُولَی ، فَسَأَلْتُ عُرْوَۃَ بْنَ الزُّبَیْرِ ؟ فَقَالَ :انْحَرْہُمَا ، وَسَأَلْتُ عِکْرِمَۃَ ؟ فَقَالَ :نَاقَۃٌ مِنْ إِبِلِکَ(ایضاً، رقم الحدیث ۱۴۶۶۰)

عَنْ حَجَّاجٍ ، عَنْ أَبِی بَکْرِ بْنِ أَبِی الْجَہْمِ ، قَالَ :سَأَلْتُ عَنْہُ قَبِیصَۃَ بْنَ ذُؤَیْبٍ ؟ فَقَالَ :انْحَرْہُمَا جَمِیعًا(ایضاً، رقم الحدیث ۱۴۶۶۲)

عَنْ کَثِیرِ بْنِ شِنْظِیرٍ ، عَنْ عَطَاءٍ ، قَالَ :إِذَا کَانَتِ الأُولَی تَطَوُّعًا نَحَرَہُمَا جَمِیعًا ، وَإِذَا کَانَتْ وَاجِبَۃً صَنَعَ بِالأُخْرَی مَا شَاءَ(ایضاً، رقم الحدیث ۱۴۶۶۳)

عَنِ الْحَسَنِ ، وَعَطَاءٍ ؛ أَنَّہُمَا قَالاَ فِی رَجُلٍ أَضَلَّ بَدَنَتَہُ تَطَوُّعًا ، فَاشْتَرَی أُخْرَی ، قَالاَ :إِنْ کَانَ قَلَّدَ الَّذِی اشْتَرَی نَحَرَہُمَا ، وَإِنْ کَانَ لَمْ یُقَلِّدْہَا بَاعَہَا إِنْ شَاءَ(ایضاً، رقم الحدیث ۱۴۶۶۴)

تبدیل کرنا اور اس سے کم قیمت کا لینا جائز ہے، مگر احتیاط وافضلیت اسی میں ہے کہ جب تک کوئی عذر نہ ہو، تو اس کو تبدیل نہ کرے، اور اگر تبدیل کرے، تو اس سے کم قیمت کا نہ خریدے، اور اگر کم قیمت کا خرید لے، تو اضافی رقم کو صدقہ کردے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ نمبر۱۳...... اگر غریب (یعنی غیر صاحبِ نصاب) شخص نے قربانی کے لئے جانور خرید لیا، لیکن وہ اس جانور کی قربانی کرنے سے پہلے فوت ہوگیا، یا یہ جانور چوری ہوگیا، تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر۱۴...... اگر غریب (یعنی غیر صاحبِ نصاب) شخص نے قربانی کا جانور صحیح سالم خریدا، اور پھر اس میں ایسا عیب پیدا ہوگیا کہ جس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں، مثلاً اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، تو غریب کو اسی جانور کی قربانی کرنا جائز ہے۔ [۲]

مسئلہ نمبر۱۵...... اگر غریب (یعنی غیر صاحبِ نصاب) شخص نے قربانی کے لئے جانور خریدا نہیں، بلکہ اس کا پالتو تھا مثلاً اپنے یہاں پیدا ہوا تھا یا اس کو کسی نے ہبہ کیا تھا، پھر بعد میں اس کی قربانی کی نیت کرلی، یا یہ جانور کسی سے خریدا تھا، مگر خریدتے وقت قربانی کی نیت نہیں

---

[۱] الشراء من الفقير للأضحية بمنزلة النذر فإذا هلكت فقد هلك محل إقامة الواجب فيسقط عنه وليس عليه شيء آخر بإيجاب الشرع ابتداء لفقد شرط الوجوب وهو اليسار(بدائع الصنائع، ج۵ص ۶۶، كتاب التضحية، فصل فی انواع كيفة الوجوب)

[۲] بلکہ اگر غریب نے ابتداءً ہی قربانی کی نیت سے عیب دار جانور خریدا ہو، تب بھی فقہی تصریحات کے مطابق اُس غریب کو اِس عیب دار جانور کی قربانی کرنا جائز ہے۔

فأما إذا كان معسرا اشتراها للأضحية أو أوجبها بعينها ثم اعترضت آفة مانعة عن الجواز يجوز له أن يضحى بها لأنها معينة فى حقه ففوات بعضها كفوات كلها حتى لا يجب عليه شيء لكونها معنية حتى لو أوجب الفقير أضحية بغير عينها فاشترى صحيحة ثم تعيبت قبل الذبح بعيب مانع فضحى لا يسقط عنه الواجب لما قلنا(تحفة الفقهاء ،ج۳ص ۸۶،۸۷،كتاب الأضحية)

ثم كل عيب يمنع الأضحية ففى حق الموسر يستوى أن يشتريها كذلك أو يشتريها وهى سليمة فصارت معيبة بذلك العيب لا تجوز على كل حال، وفى حق المعسر تجوز على كل حال، كذا فى المحيط(الفتاوى الهندية، ج۵ص ۲۹۹،كتاب الأضحية،الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب)

وكذا لو كانت معيبة وقت الشراء جاز ذبحها لما ذكرنا أنه ليس بواجب عليه(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج۶ص۷، كتاب الأضحية)

تھی، اگر چہ خریدنے کے بعد قربانی کی نیت کر لی ہو، تو اس پر قربانی واجب نہیں ہوئی۔
اور اس صورت میں اگر قربانی کے دن گزر گئے اور اس نے قربانی نہیں کی یا وہ جانور گم یا چوری ہو گیا یا مر گیا تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۶...... جانور گھر کا پالتو ہو یا خریدنے کے بعد قربانی کی نیت کی ہو، تو یہ جانور قربانی کے لئے متعین نہیں ہوتا، اس لئے اس کا بدلنا امیر اور غریب (یعنی صاحبِ نصاب اور غیر صاحبِ نصاب) دونوں کو جائز ہے خواہ دوسرا جانور پہلے سے کم قیمت کا ہو یا زیادہ کا۔
ایسا جانور اگر گم یا چوری ہو جائے یا مر جائے تو امیر (یعنی صاحبِ نصاب) پر دوسری قربانی لازم ہے (خواہ وہ اس سے کم قیمت کی ہو یا زیادہ کی) اور غریب (یعنی غیر صاحبِ نصاب) پر کچھ بھی لازم نہیں خواہ چوری یا گم شدہ جانور بعد میں مل بھی جائے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۱۷...... قربانی کی نیت سے خریدا ہوا جانور ہلاک ہو جائے یا چوری ہو جائے یا گم ہو جائے اور نہ ملے تو مالدار یعنی نصاب والے شخص پر دوسرے جانور کی قربانی واجب ہے خواہ وہ جانور پہلے جانور سے کم قیمت ہی کا ہو اور غریب پر یعنی جو نصاب والا نہیں دوسرے جانور

---

[1] ولو كان في ملك إنسان شاة فنوى أن يضحي بها أو اشترى شاة ولم ينو الأضحية وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك أن يضحي بها لا يجب عليه سواء كان غنيا أو فقيرا؛ لأن النية لم تقارن الشراء فلا تعتبر (بدائع الصنائع، ج۵ ص ۶۲، كتاب التضحية، صفة التضحية)

ولو ملك إنسان شاة فنوى أن يضحي بها، أو اشترى شاة ولم ينو الأضحية وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك أن يضحي بها لا تجب عليه سواء كان غنيا أو فقيرا (الفتاوى الهندية، ج۵ ص ۲۹۱، كتاب الأضحية، الباب الأول)

(قوله شراها لها) فلو كانت في ملكه فنوى أن يضحي بها أو اشتراها ولم ينو الأضحية وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك لا يجب، لأن النية لم تقارن الشراء فلا تعتبر بدائع (رد المحتار على الدر المختار، ج۶ ص ۳۲۱، كتاب الأضحية)

[2] إذا اشترى شاة بغير نية الأضحية، ثم نوى الأضحية بعد الشراء لم يذكر هذا في ظاهر الرواية، وروى الحسن عن أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- أنها لا تصير أضحية حتى لو باعها يجوز بيعها وبه نأخذ (الفتاوى الهندية، ج۵ ص ۲۹۴، كتاب الأضحية، الباب الثاني)

و أما إذا اشترى شاة بغير نية الأضحية ثم نوى الأضحية بعد الشراء لم يذكر هذا في ظاهر الرواية و روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه لا تصير أضحية لو باعها يجوز بيعها و به نأخذ (فتاوى قاضي خان، كتاب الأضحية)

کی قربانی واجب نہیں، پھر اگر قربانی کے دن گزرنے کے بعد وہ جانور مل گیا تو غریب پر اس جانور کا زندہ صدقہ کرنا واجب ہے اور امیر پر واجب نہیں، جبکہ امیر شخص نے قربانی کے دنوں میں دوسرا جانور خرید کر قربانی کر دی ہو۔ [1]

---

[1] اور یہ سب حکم اس مشہور روایت کے مطابق ہے، جس کی رُو سے فقیر کا شراء موجب ہے، اور غنی کا شراء موجب نہیں۔ چنانچہ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

"اس بار کی وجہ خود اس غریب کا دوسرا جانور خرید کر لینا ہے، اگر یہ دوسرا جانور نہ خریدتا تو اس کے ذمہ کچھ بھی نہ تھا، پھر اگر پہلا بھی مل جاتا تو اس کے ذمہ وہی ایک رہتا کہ وہ بھی خریدنے ہی سے واجب ہوا تھا، سو جب اس نے دوسرا خرید لیا وہ بھی واجب ہو گیا اور امیر آدمی پر خود شرع سے قربانی واجب ہے گو نہ خریدے تب بھی خریدنا واجب ہے اور یہ واجب ایک ہے۔ پس خواہ یہ کتنے ہی خریدے وہ ایک ہی واجب رہے گا، اور اگر پہلا نہ ملتا تو دوسرا خریدنا واجب ہوتا اور غریب آدمی جتنے خریدتا جائے گا سب واجب ہوتے جائیں گے" (امداد الفتاویٰ ج۳ص۵۶۶)

اور احسن الفتاویٰ میں ہے کہ:

راجح یہ ہے کہ فقیر پر دونوں کا ذبح کرنا واجب ہے۔ فقیر پر وجوب کے یہ دونوں قول اس روایت پر مبنی ہیں، جس میں شراء الفقیر بنیۃ الاضحیۃ کو موجب قرار دیا گیا ہے، دوسری روایت عدمِ وجوب کی بھی ہے، یہ دونوں روایتیں ظاہر الروایۃ ہیں، وروایۃ الوجوب احوط واشہر والثانیۃ اوسع وایسر (احسن الفتاویٰ، ج۷ص۵۰۵)

شراء الفقیر بنیۃ الاضحیۃ کے موجب تضحیہ ہونے میں اختلاف ہے، وجوب وعدمِ وجوب دونوں قول ہیں، اور دونوں ظاہر الروایہ ہیں، والاول احوط واشہر واوفق لقاعدۃ "الاحتیاط فی باب العبادات واجب" والثانی اوسع وایسر واوفق لقاعدۃ "ان النذر لا ینعقد حتی یتلفظ بصیغۃ الالتزام والایجاب (احسن الفتاویٰ، ج۷ص۵۳۰)

مگر صاحبِ عنایہ نے عدمِ وجوب کی روایت کو نادرُ الروایۃ قرار دیا ہے۔ محمد رضوان

فی الدر :ضلت اوسرقت فاشتریٰ اخریٰ ثم وجدها فالافضل ذبحهما وان ذبح الاولیٰ جاز وکذاالثانیة لوقیمتها کالاولیٰ اواکثروان قل ضمن الزائد ویتصدق به بلافرق بین غنی وفقیر وقال بعضهم ان وجبت عن یسارفکذالجواب وان عن اعسار ذبحهماینابیع (وفی الشامیة)قوله ثم وجدها ای الضالة اوالمسروقة بمعنی وصلت الی یده وهذا اذا وجدفی ایام النحر.(قوله وقال بعضهم الخ) اقتصرعلیه فی البدائع وقال السائحانی وبه جزم الشمنی کماسیذکره الشارح وهوالموافق للقواعد اه وفی البدائع ولولم یذبح الثانیة حتی مضت ایام النحر ثم وجدالاولیٰ علیه أن یتصدق بافضلهما ولایذبح (ردالمحتار ج ٦ ص ٣٢٣کذا فی ص ٣٢٦، حواله)

اشتری شاتین للأضحیة، فضاعت إحداهما، فضحی بالثانیة، ثم وجدها فی أیام النحر، أو بعد أیام النحر، فلا شیء علیه؛ سواء کانت هی أرفع من التی ضحی بها أو دون منها، ولو اشتری شاة للاضحیة ،ثم اشتریٰ أخری للأضحیة، ثم ضاعت الأولی، فضحی بالثانیة، ثم وجد الأولی، فإن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اگر دوسرا جانور خرید لیا اور پھر اتفاق سے قربانی کے دنوں میں ہی وہ پہلا جانور بھی مل گیا تو اگر اس پر قربانی واجب تھی یعنی یہ صاحبِ نصاب شخص تھا تو ایک ہی جانور کی قربانی اس پر واجب ہے (دونوں میں سے خواہ کسی کی قربانی کر دے اور اگر پہلے جانور کے ملنے سے پہلے ہی دوسرے کی قربانی کر دی ہو تب بھی ٹھیک ہے لیکن اس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر پہلے جانور کی قربانی کرے تب تو خیر اور اگر دوسرے جانور کی قربانی کرے تو دیکھنا چاہئے کہ وہ قیمت میں پہلے جانور سے کم تو نہیں اگر کم ہے تو جتنے دام کم ہوں اتنے دام غریبوں کو صدقہ کرنا بہتر ہے، اور دونوں ہی کو ذبح کر دے تو بہتر ہے)

اور اگر اس پر قربانی واجب نہیں تھی یعنی وہ صاحبِ نصاب نہیں تھا تو دونوں جانوروں کی قربانی اس پر واجب ہوگی (یہ تفصیل قربانی کی نیت سے خریدے ہوئے جانور کے بارے میں تھی) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كانت مثل الثانية أو دون فلا شيء عليه، وإن كان أفضل تصدق بفضل ما بينهما في مسائل الخوميني (المحيط البرهاني، ج٨ص ٤٨١، كتاب الاضحية، الفصل التاسع في المتفرقات)

وقوله (وعلى الفقير ذبحهما) لأن الوجوب عليه بالشراء وقد تعدد، وهذا الذي ذكره من الأصل يوافق ما ذكره شيخ الإسلام -رحمه الله- أن المشترى إذا كان موسرا لا تصير واجبة بالشراء بنية الأضحية باتفاق الروايات، وإن كان معسرا ففي ظاهر الرواية عن أصحابنا -رحمهم الله- تجب. وروى الزعفراني عن أصحابنا أنها لا تجب وهو رواية النوادر(العناية شرح الهداية، ج ٩ ص ٥١٦، كتاب الأضحية)

وإن كان المشترى فقيراً ذكر شيخ الإسلام خواهر زاده رحمه الله تعالىٰ في شرح كتاب الأضحية أن في ظاهر الرواية أصحابنا تصير واجبة للأضحية .وروى الزعفراني عن أصحابنا :أنها لا تصير واجبة وإلى هذا أشار شمس الأئمة السرخسي في شرحه ، وذكر شمس الأئمة الحلواني أن في ظاهر رواية أصحابنا لا تصير واجبة الأضحية(المحيط البرهاني، ج٨ص ٤٥٩، كتاب الأضحية،الفصل الثاني في وجوب الأضحية بالنذر، وما هو في معناه)

[1] وعلى هذا يخرج ما إذا اشترى شاة للأضحية وهو موسر، ثم إنها ماتت أو سرقت أو ضلت في أيام النحر أنه يجب عليه أن يضحي بشاة أخرى؛ لأن الوجوب في جملة الوقت والمشترى لم يتعين للوجوب والوقت باق -وهو من أهل الوجوب- فيجب. إلا إذا كان عينها بالنذر بأن قال لله تعالى على أن أضحي بهذه الشاة -وهو موسر أو معسر- فهلكت أو ضاعت أنه تسقط عنه التضحية بسبب النذر؛ لأن المنذور به معين لإقامة الواجب فيسقط الواجب بهلاكه؛ كالزكاة تسقط بهلاك النصاب عندنا غير أنه إن كان الناذر موسرا تلزمه شاة أخرى بإيجاب الشرع ابتداء لا بالنذر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۸...... قربانی کے لئے خرید شدہ جانور کا دودھ، اُون وغیرہ استعمال میں نہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإن كان معسرا فاشترى شاة للأضحية فهلكت في أيام النحر أو ضاعت سقطت عنه وليس عليه شيء آخر لما ذكرنا أن الشراء من الفقير للأضحية بمنزلة النذر فإذا هلكت فقد هلك محل إقامة الواجب فيسقط عنه وليس عليه شيء آخر بإيجاب الشرع ابتداء لفقد شرط الوجوب وهو اليسار.

ولو اشترى الموسر شاة للأضحية فضلت فاشترى شاة أخرى ليضحي بها ثم وجد الأولى في الوقت فالأفضل أن يضحي بهما؛ فإن ضحى بالأولى أجزأه ولا تلزمه التضحية بالأخرى ولا شيء عليه غير ذلك؛ سواء كانت قيمة الأولى أكثر من الثانية أو أقل، والأصل فيه ما روي عن سيدتنا عائشة - رضي الله عنها - أنها ساقت هديا فضاع فاشترت مكانه آخر ثم وجدت الأول فنحرتهما ثم قالت: "الأول كان يجزء عني "فثبت الجواز بقولها والفضيلة بفعلها - رضي الله عنها -.

ولأن الواجب في ذمته ليس إلا التضحية بشاة واحدة وقد ضحى، وإن ضحى بالثانية أجزأه وسقطت عنه الأضحية وليس عليه أن يضحي بالأولى؛ لأن التضحية بها لم تجب بالشراء بل كانت الأضحية واجبة في ذمته بمطلق الشاة فإذا ضحى بالثانية فقد أدى الواجب بها، بخلاف المتنفل بالأضحية إذا ضحى بالثانية أنه يلزمه التضحية بالأولى أيضا؛ لأنه لما اشتراها للأضحية فقد وجب عليه التضحية بالأولى أيضا بعينها فلا يسقط بالثانية بخلاف الموسر فإنه لا يجب عليه التضحية بالشاة المشتراة بعينها وإنما الواجب في ذمته -وقد أداه بالثانية -فلا تجب عليه التضحية بالأولى.

وسواء كانت الثانية مثل الأولى في القيمة أو فوقها أو دونها لما قلنا، غير أنها إن كانت دونها في القيمة يجب عليه أن يتصدق بفضل ما بين القيمتين؛ لأنه بقيت له هذه الزيادة سالمة من الأضحية فصار كاللبن ونحوه ولو لم يتصدق بشيء ولكنه ضحى بالأولى أيضا -وهو في أيام النحر -أجزأه وسقطت عنه الصدقة؛ لأن الصدقة إنما تجب خلفا عن فوات شيء من شاة الأضحية فإذا أدى الأصل في وقته سقط عنه الخلف وأما على قول أبي يوسف -رحمه الله -فإنه لا تجزيه التضحية إلا بالأولى؛ لأنه يجعل الأضحية كالوقف ولو لم يذبح الثانية حتى مضت أيام النحر ثم وجد الأولى ذكر الحسن بن زياد في الأضاحي أن عليه أن يتصدق بأفضلهما ولا يذبح وذكر فيها أنه قول زفر وأبي يوسف والحسن بن زياد -رحمهم الله -؛ لأنه لم يجب عليه في آخر الوقت إلا التضحية بشاة، فإذا خرج الوقت تحول الواجب من الإراقة إلى التصدق بالعين(بدائع الصنائع ،ج٥ص٦٦،كتاب التضحية،فصل في أنواع كيفية الوجوب)

اگر کسی غیرصاحبِ نصاب نے قربانی کا جانور خریدا، یا صاحبِ نصاب نے قربانی کا جانور خریدا، مگر اس جانور کے خریدنے سے اس کا مال کم ہوگیا، اور وہ صاحبِ نصاب نہیں رہا، پھر ایامِ اضحیہ میں یہ جانور چوری ہوگیا، تو دونوں قسم کے اشخاص پر کچھ بھی واجب نہیں۔

ولو اشترى شاة للأضحية وهو معسر أو كان موسرا فانتقص نصابه بشراء الشاة ثم ضلت فلا شيء عليه ولا يجب عليه شيء آخر؛ أما الموسر فلفوات شرط الوجوب وقت الوجوب وأما المعسر فلهلاك محل إقامة الواجب فلا يلزمه شيء آخر .(بدائع الصنائع ج٥ص٦٦، كتاب التضحية، فصل في أنواع كيفية الوجوب)

لایا جائے، اس پر سواری نہ کی جائے اور اس کو کرایہ پر نہ دیا جائے۔

غرضیکہ اس سے کوئی نفع حاصل نہ کیا جائے ایسے جانور کے تھنوں میں اگر دودھ ہو، تو ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار کر خشک کر دینا چاہیے۔

اگر خشک نہ ہو اور جانور کو تکلیف ہو رہی ہو تو نکال کر صدقہ کر دینا چاہیے اور جتنا اس سے نفع حاصل کر لیا ہو اتنی مالیت کا صدقہ کر دینا چاہیے۔ [1]

---

[1] اور بعض مشائخ نے یہ حکم غریب کے قربانی کی نیت سے خرید کردہ جانور تک محدود رکھا ہے، اور صاحبِ نصاب شخص کے لئے قربانی کی نیت سے خرید کردہ جانور سے انتفاع کو جائز قرار دیا ہے، لانہ لم یتعین للاضحیۃ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولو اشترى شاة للأضحية فيكره أن يحلبها أو يجز صوفها فينتفع به لأنه عينها للقربة فلا يحل له الانتفاع بجزء من أجزائها قبل إقامة القربة فيها، كما لا يحل له الانتفاع بلحمها إذا ذبحها قبل وقتها ولأن الحلب والجز يوجب نقصا فيها وهو ممنوع عن إدخال النقص في الأضحية، ومن المشايخ من قال هذا في الشاة المنذور بها بعينها من المعسر أو الموسر أو الشاة المشتراة للأضحية من المعسر فأما المشتراة من الموسر للأضحية فلا بأس أن يحلبها ويجز صوفها؛ لأن في الأول تعينت الشاة لوجوب التضحية بها بدليل أنه لا تقوم التضحية بغيرها مقامها وإذا تعينت لوجوب التضحية بها بتعيينه لا يجوز له الرجوع في جزء منها، وفي الثاني لم تتعين للوجوب بل الواجب في ذمته وإنما يسقط بها ما في ذمته بدليل أن غيرها يقوم مقامها فكانت جائزة الذبح لا واجبة الذبح، والجواب على نحو ما ذكرنا فيما تقدم أن المشتراة للأضحية متعينة للقربة إلى أن يقام غيرها مقامها فلا يحل الانتفاع بها ما دامت متعينة ولهذا لا يحل له لحمها إذا ذبحها قبل وقتها، فإن كان في ضرعها لبن -وهو يخاف عليها إن لم يحلبها -نضح ضرعها بالماء البارد حتى يتقلص اللبن لأنه لا سبيل إلى الحلب ولا وجه لإبقائها كذلك لأنه يخاف عليها الهلاك فيتضرر به فتعين نضح الضرع بالماء البارد لينقطع اللبن فيندفع الضرر فإن حلب تصدق باللبن لأنه جزء من شاة متعينة للقربة ما أقيمت فيها القربة فكان الواجب هو التصدق به، كما لو ذبحت قبل الوقت فعليه أن يتصدق بمثله لأنه من ذوات الأمثال، وإن تصدق بقيمته جاز لأن القيمة تقوم مقام العين، وكذلك الجواب في الصوف والشعر والوبر (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج۵، ص۷۸، كتاب التضحية، فصل في بيان ما يستحب قبل التضحية وبعدها وما يكره)

ويكره له ركوب الأضحية واستعمالها والحمل عليها، فإن فعل فلا شيء عليه إلا أن يكون نقصها ذلك فعليه أن يتصدق بنقصانها، ولو آجرها صاحبها ليحمل عليها قال بعض المشايخ :ينبغي أن يغرم ما نقصها الحمل فإنه ذكر في المنتقى في رجل أهدى ناقة ثم آجرها ثم حمل عليها فإن صاحبها يغرم ما نقصها ذلك ويتصدق بالكراء كذا ههنا (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج۵، ص۷۹، كتاب التضحية، فصل في بيان ما يستحب قبل التضحية وبعدها وما يكره)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اگر جانور باہر خود چل پھر کر چارہ نہیں کھاتا، بلکہ مالک اس کو چارہ خود کھلاتا ہے، خواہ خرید کر یا خریدے بغیر کہیں سے کاٹ کر لاتا ہے (جیسا کہ آج کل شہروں میں ہوتا ہے) تو ایک روایت کے مطابق اس کا دودھ، اون، گوبر وغیرہ کا اپنے استعمال میں لانا جائز ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولو اشترى شاة للأضحية يكره أن يحلبها أو يجز صوفها فينتفع به؛ لأنه عينها للقربة فلا يحل له الانتفاع بجزء من أجزائها قبل إقامة القربة بها، كما لا يحل له الانتفاع بلحمها إذا ذبحها قبل وقتها، ومن المشايخ من قال :هذا فى الشاة المنذور بها بعينها من المعسر والموسر، وفى الشاة المشتراة للأضحية من المعسر فأما المشتراة من الموسر للأضحية فلا بأس أن يحلبها ويجز صوفها، كذا فى البدائع .والصحيح أن الموسر والمعسر فى حلبها وجز صوفها سواء هكذا فى الغياثية .ولو حلب اللبن من الأضحية قبل الذبح أو جز صوفها يتصدق به، ولا ينتفع به، كذا فى الظهيرية .وإذا ذبحها فى وقتها جاز له أن يحلب لبنها ويجز صوفها وينتفع به؛ لأن القربة أقيمت بالذبح، والانتفاع بعد إقامة القربة مطلق كالأكل، كذا فى المحيط.

وإن كان فى ضرعها لبن ويخاف ينضح ضرعها بالماء البارد، فإن تقلص وإلا حلب وتصدق، ويكره ركوبها واستعمالها كما فى الهدى، فإن فعل فنقصها فعليه التصدق بما نقص، وإن آجرها تصدق بأجرها، ولو اشترى بقرة حلوبة وأوجبها أضحية فاكتسب مالا من لبنها يتصدق بمثل ما اكتسب ويتصدق بروثها(الفتاوىٰ الهندية، ج۵ص ۳۰۰، ۳۰۱، كتاب الاضحية،الباب السادس فى بيان ما يستحب فى الأضحية والانتفاع بها)

(وكره) (جز صوفها قبل الذبح) لينتفع به، فإن جزه تصدق به، ولا يركبها ولا يحمل عليها شيئا ولا يؤجرها فإن فعل تصدق بالأجرة حاوى الفتاوى لأنه التزم إقامة القربة بجميع أجزائها (بخلاف ما بعده) لحصول المقصود مجتبى.(ويكره) (الانتفاع بلبنها قبله) كما فى الصوف، ومنهم من أجازهما للغنى لوجوبهما فى الذمة فلا تتعين زيلعي(الدر المختار، كتاب الاضحية)

(قوله فإن جزه تصدق به إلى قوله حاوى الفتاوى) يوجد فى بعض النسخ :وقوله فإن فعل تصدق بالأجرة :أى فيما لو آجرها، وأما إذا ركبها أو حمل عليها تصدق بما نقصته كما فى الخلاصة . وفى الدر المنتقى عن الظهيرية :وعمل الجلد جرابا وأجره لم يجز وعليه التصدق بالأجرة (قوله لأنه التزم إقامة القربة بجميع أجزائها) فيه أن القربة تتأدى بالإراقة فهى تقوم بها لا بغيرها فكيف يكره منح، ويأتى دفعه قريبا(قوله ويكره الانتفاع بلبنها) فإن كانت التضحية قريبة ينضح ضرعها بالماء البارد وإلا حلبه وتصدق به كما فى الكفاية (قوله لوجوبها فى الذمة فلا تتعين) والجواب أن المشتراة للأضحية متعينة للقربة إلى أن يقام غيرها مقامها فلا يحل له الانتفاع بها ما دامت متعينة ولهذا لا يحل له لحمها إذا ذبحها قبل وقتها بدائع، ويأتى قريبا أنه يكره أن يبدل بها غيرها فيفيد التعين أيضا، وبه اندفع ما مر عن المنح فتدبر(ردالمحتار، ج۶ص ۳۲۹، كتاب الاضحية)

م :(قال :ويكره أن يجز صوف أضحيته وينتفع به قبل أن يذبحها) ش :هذا من مسائل "الأصل"

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا بوقتِ ضرورت مثلاً چارہ کی قیمت میں دشواری ہونے کی صورت میں اس پر عمل کی گنجائش ہے۔ [۱]

اسی طرح اگر جانور گھر کا پالتو ہو، یا جانور خریدا ہو، مگر خریدتے وقت قربانی کی نیت نہ ہو، اگرچہ بعد میں قربانی کی نیت کرلی ہو تو بھی بعض حضرات کے نزدیک اس کا دودھ اور اون

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذكره تفريعا على مسألة القدورى :وعن أحمد :إن كان الجز أنفع لها بأن كان في الربيع لا يكره . م :(لأنه التزم إقامة القربة بجميع أجزائها بخلاف ما بعد الذبح؛ لأنه أقيمت القربة بها) ش :أي بالأضحية م :(كما في الهدى) ش :أي كما لا ينبغي، أن يجز الصوف في الهدى لكونه قربة مع أجزائه. م :(ويكره أن يحلب لبنها) ش :أي لبن الأضحية م :(فينتفع به كما في الصوف) ش: بالنصب أي لأن ينتفع به أي باللبن .وقال الشافعي وأحمد :إن كان الحلب يضر بها أو ينقص لحمها، لم يكن له حلبه وإلا فله حلبه، والانتفاع باللبن، وعندنا إذا كان يضر بها لا يحلبها ولكن يرش على الضرع بالماء، وقالوا :هذا إذا كان يقرب من أيام النحر، أما إذا كان بالبعد منها لا يفيد الرش بل يحلبها ويتصدق باللبن، ثم هذه الكراهة في الحلب وجز الصوف في التي عينها العرق، أما في غيرها لا .وقال القدوري في "شرحه :"من أصحابنا من قال :هذا في التي أوجبها وليست واجبة، مثل المعسر إذا اشترى أو الموسر إذا اشترى ثانية؛ لأن الإيجاب يتعين فيها، فلم يجز الرجوع في جزء منها، أما الموسر إذا عين أضحيته فلا بأس أن يحلبها أو يجزها؛ لأن الوجوب لم يتعين فيها وإنما هو في ذمته ويسقط بالذبح ما يثبت في الذمة. فإذا كان عند الذبح بصفة الجواز فكأنه ابتدأ شراء ها على هذه الصفة، فأما إذا ذبحها في وقتها جاز له أن يحلب لبنها فيأكله ويجز صوفها فينتفع بها في الوجهين؛ لأن القربة تعينت فيها بالذبح فجاز الانتفاع بلبنها وصوفها كما يجوز بلحمها. وقال الكرخي في "مختصره :"ولا ينبغي أن يحلبها قبل الذبح وإن فعل تصدق باللبن(البناية شرح الهداية، ج١٢ ص٥٦، ٥٧، كتاب الأضحية)

واذا اشترى بقرا او بعيرا واوجبه اضحية يكره له ركوبه واستعماله ، فان فعل ذلك ونقصه تصدق بما نقصه ، وان آجره تصدق باجره (خلاصة الفتاوىٰ ج۴ص ۳۲۲، كتاب الاضحية)

واختلف المشائخ رحمه الله في قوله فاوجبها اضحية ، قال بعضهم اوجبها بلسانه بعد الشراء ، فيقول لله على ان اضحى بهذه الشاة ، وقال بعضهم اراد به انه اشتراها بنية الاضحية ، وقوله اوجبها اى بذلك الشراء ،قال وظاهر المذهب هذا (خلاصة الفتاوىٰ ج۴ص ۳۱۹، كتاب الاضحية)

[۱] فإن كان يعلفها فما اكتسب من لبنها أو انتفع من روثها فهو له، ولا يتصدق بشيء ، كذا في محيط السرخسي(الفتاوى الهندية، ج۵ص ۳۰۱، كتاب الأضحية،الباب السادس في بيان ما يستحب في الأضحية والانتفاع بها)

ويتصدق باللبن وما اصاب من لبنها تصدق بمثله او قيمته ، وكذا الاوبار ، الا ان يعلفها بقدرها (خلاصة الفتاوىٰ ج۴ص ۳۲۱، كتاب الاضحية)

وغیرہ کا استعمال میں لانا، اور اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۹...... اگر ذبح کرنے کے بعد اون کاٹی جائے تو اسے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے، اسے بیچ کر قیمت استعمال میں لانا صحیح نہیں، اگر بیچ دی تو قیمت صدقہ کر دینی چاہئے (جیسا کہ کھال کا حکم ہے، جو آگے کھال کے احکام میں آتا ہے) [2]

مسئلہ نمبر۲۰...... اگر خریدار اور فروخت کنندہ زندہ جانور کو وزن کر کے خرید وفروخت پر راضی

---

[1] چنانچہ احسن الفتاویٰ میں ہے کہ:

مندرجہ ذیل صورتوں میں قربانی کے جانور کا دودھ استعمال میں لانا اور اس سے نفع حاصل کرنا بلا کراہت جائز ہے: (۱)...... جانور گھر کا پالتو ہو (۲)...... جانور خریدا ہو، مگر خریدتے وقت قربانی کی نیت نہ ہو (۳)...... قربانی کی نیت سے خریدا ہو، مگر اس کی گزر باہر چرنے پر نہ ہو، بلکہ گھر میں چارہ کھاتا ہو۔

اگر قربانی کی نیت سے خریدا ہو، اور باہر چَر کر گزر کرتا ہو، تو اس کے دودھ کے بارے میں اختلاف ہے، جواز وعدمِ جواز دونوں ظاہر الروایۃ ہیں "والاول اوسع وایسر والثانی احوط واشہر، وفی قول یجوز للغنی لاللفقیر"

قول عدمِ جواز کے مطابق اس کا دودھ استعمال میں لانا مکروہ ہے، اگر دودھ نکال لیا، تو اس کا صدقہ کرنا واجب ہے، ایسے جانور کا دودھ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار کر خشک کر دینا چاہئے، اگر خشک نہ ہو، اور جانور کو تکلیف ہو، تو نکال کر صدقہ کر دیا جائے، قربانی کے جانور کے گوبر کا بھی یہی حکم ہے، کہ اگر جانور باہر چرنے پر گزر کرتا ہے، تو گوبر استعمال میں لانا جائز نہیں، ورنہ جائز ہے (احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۴۷۸)

اگر جانور گھر کا پالتو ہو، یا خریدتے وقت قربانی کی نیت نہ کی ہو، تو اس کی اون استعمال میں لانا جائز ہے، جو جانور قربانی کی نیت سے خریدا ہو، اس کی اون کے جوازِ استعمال میں اختلاف ہے، علی التفصیل الذی حررنا فی جواب السوال السابق، قول عدمِ جواز کے مطابق ذبح کرنے سے پہلے اون کاٹنا جائز نہیں، اگر کاٹ لی، تو صدقہ کرنا واجب ہے، البتہ ذبح کے بعد کاٹ کر اپنے کام میں لاسکتا ہے، یا بیچ کر قیمت صدقہ کر دے، قیمت اپنے کام میں لانا جائز نہیں (ایضاً ص ۴۸۰)

جانور گھر کا پالتو ہونے اور خریدتے وقت قربانی کی نیت نہ ہونے کی صورت میں اس کے دودھ اور اون کے استعمال کے جواز کا مندرجہ بالا حکم ان عبارات پر مبنی ہے، جن کی رو سے مذکورہ صورتوں میں جانور قربانی کے لئے متعین نہیں ہوتا، کیونکہ جب وہ قربانی کے لئے متعین نہیں ہوا، تو اس سے مذکورہ طریقوں پر انتفاع کرنا عام جانور سے انتفاع کرنے کے مترادف ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس روایت کے مطابق بنیتِ اضحیہ خریدنے سے وہ جانور قربانی کے لئے متعین نہیں ہوتا، اس کی رو سے غنی کو انتفاع جائز ہونا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔

[2] فأما إذا ذبحها في وقتها جاز له أن يحلب لبنها فيأكله ويجز صوفها فينتفع بها في الوجهين؛ لأن القربة تعينت فيها بالذبح فجاز الانتفاع بلبنها وصوفها كما يجوز بلحمها (البناية شرح الهداية، ج ۱۲ ص ۵۷، كتاب الأضحية)

ہوں، تو زندہ جانور کو وزن کر کے رقم کے ذریعے خریدنا اور فروخت کرنا دونوں جائز ہیں، جبکہ متعین جانور کی فی کلو وغیرہ کے حساب سے قیمت طے کر لی گئی ہو، اور جانور کا وزن کرنے کے بعد اس کی مجموعی قیمت بھی متعین کر لی گئی ہو۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۲۱...... کسی کا جانور چوری کر کے اس کی قربانی کی تو اس طرح چوری کر کے قربانی

---

[۱] بعض فقہائے کرام نے زندہ جانور کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کے سانس لینے سے وزن کم زیادہ ہوسکتا ہے، اور زندہ حیوان وزن کر کے خرید وفروخت کرنے کی عادت ورواج بھی نہیں ہے۔

ویجوز بیع اللحم بالحیوان عند أبی حنیفة رحمه الله وأبی یوسف رحمه الله وقال محمد إذا باعه بلحم من جنسه لا یجوز إلا إذا کان اللحم المفرز أکثر لیکون اللحم بمقابلة ما فیه من اللحم والباقی بمقابلة السقط إذ لو لم یکن کذلک یتحقق الربا من حیث زیادة السقط او من حیث زیادة اللحم فصار کالخل بالسمسم ولهما أنه باع الموزون بما لیس بموزون لأن الحیوان لا یوزن عادة ولا یمکن معرفة ثقله بالوزن لأنه یخفف نفسه مرة بصلابته ویثقل أخری بخلاف تلک المسألة لأن الوزن فی الحال یعرف قدر الدهن إذا میز بینه وبین الثجیر ویوزن الثجیر(الهدایة شرح بدایة المبتدی، ج۳ص ۶۴، کتاب البیوع،فصل فیما یکره)

جس سے بعض حضرات نے یہ سمجھ لیا کہ زندہ جانور کی کسی حال میں وزن کر کے بیع جائز نہیں، حالانکہ اولاً تو فقہاء نے یہ مسئلہ بابِ ربا میں ذکر فرمایا ہے، جس میں احتمالِ ربا کی وجہ سے بھی ممانعت ہوجاتی ہے، دوسرے اس کا مقصد بھی یہ بتلانا ہے کہ زندہ جانور بذاتِ خود موزونی چیز نہیں ہے۔

جہاں تک زندہ جانور کی رقم کے ساتھ خرید وفروخت کا تعلق ہے، تو عرف ورواج کی صورت میں یہ جائز ہے، اور سانس لینے سے وزن میں معتد بہ فرق نہیں آتا، لہٰذا یہ جہالتِ یسیرہ ہے، جو مفضی الی المنازعت نہیں، نیز زندہ جانور کی وزن کے ساتھ بیع کے عرفِ عام ہوجانے کی وجہ سے اس میں نزاع کا احتمال نہیں رہتا، علاوہ ازیں جانور کا وزن کرنا ایک اندازہ کے لئے ہوتا ہے، اور وزن کے بعد بیع اصل جانور کی غیر موزونی ہونے کی حیثیت سے ہی منعقد ہوتی ہے۔

لہٰذا اس کو ناجائز نہیں قرار دیا جائے گا، بالخصوص جبکہ عرف ورواج بھی ہو (کذا فی احسن الفتاوی ج۶ص۴۹۷، کتاب البیوع)

فاما الغرر بمعنی جهالة المبیع فربما یحتمل اذا کان یسیرا دعت الحاجة الیه، ولم یکن مفضیا الی المنازعة فی العرف............ قال العبدالضعیف عفا الله عنه: ویخرج علی هذا کثیر من المسائل فی عصرنا، فقد جرت العادة فی بعض الفنادق الکبیرة انهم یضعون انواعا من الاطعمة فی قدور کبیرة، ویخیرون المشتری فی اکل ما شاء بقدر ماشاء، ویاخذون ثمنا واحدا معینا من کل احد، فالقیاس ان لایجوز البیع لجهالة الاطعمة المبیعة وقدرها، ولکنه یجوز لان الجهالة یسیرة غیر مفضیة الی النزاع، وقد جری بها العرف والتعامل(تکملة فتح الملهم، ج ۱ ص ۳۲۰، باب بطلان بیع الحصاة والبیع الذی فیه غرر)

کرنے والے کی قربانی ادا نہیں ہوگی۔ [1]

قربانی کی مقدار اور شرکت سے متعلق احکام

ایک فرد کے حق میں قربانی کی مقدار کم از کم ایک پوری بکری، دنبہ، بھیڑ یا پھر اونٹ، گائے وغیرہ کا ساتواں حصہ ہے۔

احادیث وروایات میں اس کی تفصیل آئی ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَلَّتِ الْإِبِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرَهُمْ، أَنْ يَّنْحَرُوْا الْبَقَرَ (سنن ابن ماجه) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اونٹوں کی قلت ہوگئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو گائے کی قربانی کرنے کا حکم فرمایا (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کے معاملہ میں اونٹ اور گائے کا حکم برابر ہے۔

---

[1] قال فی البدائع :غصب شاة فضحى بها عن نفسه لا تجزئه لعدم الملك ولا عن صاحبها لعدم الإذن (ردالمحتار، ج٦ص ٣٣١، كتاب الاضحية)

وعلى هذا يخرج ما إذا غصب شاة إنسان فضحى بها عن صاحبها من غير إذنه وإجازته أنه لا يجوز (بدائع الصنائع، ج٥ص ٧٣، كتاب التضحية، فصل فی شرائط جواز إقامة الواجب فی الأضحية)

وَفِی الْمُنْتَقى لَو غصب أضْحِية غَيره وذبحها عَن نَفسه وَضمن الْقيمَة لصَاحِبهَا أَجزَأَهُ مَا صنع لِأَنَّهُ ملكهَا بسابق الْغَصْب،وَفِی نظم الزندوستی خَمْسَة أَشْيَاء إِذا أَخذهَا من ملك الْغَيْر تجوز بهَا الْأُضْحِية وَضمن قيمتهَا أَولهَا غصب شَاة وضحى بهَا وَالثَّانِی لَو سرق شَاة وضحى بهَا وَالثَّالِث لَو غصب من وَلَده الصَّغِير أَو الْكَبِير وَالرَّابِع لَو غصب من عَبده الْمَأْذُون الْمَدْيُون دينا مُسْتَغْرقا وَالْخَامِس الشِّرَاء الْفَاسِد قَالَ وَسِتَّة لَا تجوز أَولهَا الْمُودع إِذا ضحى بِشَاة الْوَدِيعَة وَالْمُسْتَعِير والمستبضع وَالْمُرْتَهن وَالْوَكِيل بشرَاء الشَّاة وَالْوَكِيل بِحِفْظ مَاله إِذا ضحى بِشَاة مُوكله وَالسَّادِسَة الزَّوْج وَالزَّوْجَة إِذا ضحى كل بِشَاة صَاحبه بِغَيْر إِذْنه وَالْأُضْحِيَّة تدخل فِی ضَمَانه بِالذبْحِ وَلَو لم يَتَقَدَّم ملكه على وَقت الْمُبَاشرَة(لسان الحكام فی معرفة الأحكام،ج ١ ص٣٨٧)

[2] رقم الحديث ٣١٣٤،كتاب الاضاحی، باب عن، كم تجزء البدنة والبقرة،دار إحياء الكتب العربية، القاهرة.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَحَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ(مسلم) [1]

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال میں ایک اونٹ کو سات افراد کی طرف سے اور ایک گائے کو سات افراد کی طرف سے ذبح کیا (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فَأَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَشْتَرِكَ فِي الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ، كُلُّ سَبْعَةٍ مِنَّا فِيْ بَدَنَةٍ (مسلم) [2]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ہم میں سات سات افراد اونٹ اور گائے میں شریک ہوں (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

اشْتَرَكْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ؛ كُلُّ سَبْعَةٍ فِيْ بَدَنَةٍ، فَقَالَ لَهُ إِنْسَانٌ : أَرَأَيْتَ الْبَقَرَةَ يَشْتَرِكُ فِيْهَا مَنْ يَّشْتَرِكُ فِي الْجَزُوْرِ؟ قَالَ: مَا هِيَ إِلَّا مِنَ الْبُدْنِ(مستخرج أبی عوانة) [3]

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج اور عمرہ میں سات افراد ایک

---

[1] رقم الحديث ١٣١٨، كتاب الحج، باب الاشتراک فی الهدی وإجزاء البقرة والبدنة كل منهما عن سبعة، دار إحياء التراث العربی -بيروت، واللفظ لهٗ، ترمذی، رقم الحديث ١٥٠٢، ابوداوٗد، رقم الحديث ٢٨٠٩.

[2] رقم الحديث ١٢١٣، كتاب الحج، باب بيان وجوه الإحرام، وأنه يجوز إفراد الحج والتمتع والقران، دار إحياء التراث العربی -بيروت.

[3] رقم الحديث، ٣٢٦٩، كتاب الحج، باب ذكر الخبر الموجب على المنفسخ حجه الهدی، وإجازته البدنة فيه عن سبعة الخ، دار المعرفة، بيروت، واللفظ لهٗ، مسلم، رقم الحديث ١٣١٨.

بڑے جانور میں شریک ہوئے، ایک آدمی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ کیا گائے میں اتنے ہی لوگ شریک ہونگے، جتنے اونٹ میں شریک ہوتے ہیں؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گائے بھی (اونٹ کی طرح) بڑے جانوروں میں شامل ہے (ترجمہ ختم)

اور ابوداؤد کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اَلْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گائے سات افراد کی طرف سے ہوتی ہے، اور اونٹ بھی سات افراد کی طرف سے ہوتا ہے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ اونٹ اور گائے کی قربانی میں سات افراد شریک ہوسکتے ہیں۔

جمہور فقہائے کرام کا یہی قول ہے۔

چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ وقَالَ إِسْحَاقُ : يُجْزِءُ أَيْضًا الْبَعِيْرُ عَنْ عَشَرَةٍ وَاحْتَجَّ بِحَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ (ترمذی) [2]

---

[1] رقم الحديث ۲۸۰۸، كتاب الضحايا، باب فى البقر والجزور عن كم تجزء؟ المكتبة العصرية، بيروت.

[2] تحت رقم الحديث ۱۵۰۲، ابواب الاضاحى، باب ما جاء فى الاشتراك فى الأضحية، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

ترجمہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور اسی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام اور ان کے علاوہ کا عمل ہے، اور یہی سفیان ثوری، ابنِ مبارک، امام شافعی، امام احمد اور حضرت اسحاق کا قول ہے، اور حضرت اسحاق نے یہ بھی فرمایا کہ اونٹ دس کی طرف سے بھی جائز ہے، اور انہوں نے ابنِ عباس کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَلْبَسَ أَجْوَدَ مَا نَجِدُ، وَأَنْ نَتَطَيَّبَ بِأَجْوَدِ مَا نَجِدُ، وَأَنْ نُضَحِّيَ بِأَسْمَنِ مَا نَجِدُ، وَالْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ، وَأَنْ نُظْهِرَ التَّكْبِيْرَ، وَعَلَيْنَا السَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ (شعب الإيمان للبيهقى) [1]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمایا کہ ہم اپنی حیثیت کے

---

[1] رقم الحديث ۳۴۴۲،فِى لَيْلَةِ الْعِيدَيْنِ وَيَوْمِهِمَا، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض، واللفظ لهٗ، فضائل الاوقات للبيهقى، رقم الحديث ۲۰۹،المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۲۷۵۶،مستدرک حاکم، رقم الحديث ۷۵۶۰.

قال الحاكم: لَوْلَا جَهَالَةُ إِسْحَاقَ بْنِ بُزُرْجٍ لَحَكَمْتُ لِلْحَدِيثِ بِالصِّحَّةِ.

وقال ابن الملقن:

قلت لَيْسَ بِمَجْهُول فقد ضعفه الْأَزْدِيّ وَوَثَّقَهُ ابْن حبَان (تحفة المحتاج إلى أدلة المنهاج لابن الملقن،ج ۱ ص ۵۴۴، باب صلاة العيدين)

وقال ابن حجر:

إسحاق بن بزرج شيخ لليث بن سعد :له حديث فى التجمل للعيد .ضعفه الأزدى انتهى .وزاد ابن يونس :أنه طوسى مولى أم حبيبة وأنه روى عنه أيضاً ابن لهيعة .وقال الأزدى :وى عن الحسن بن على " :أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نلبس أحسن ما نجد . "وذكر فى الطيب والأضحية يجب أن نظهر التكبير وعلينا الوقار . وهو عن أبى صالح كاتب الليث .وقد ذكره ابن حبان فى الثقات وقال :يروى عن أبى سعيد والحسن بن على .وذكره ابن أبى حاتم بروايته عن الحسن ورواية الليث عنه فلم يذكر فيه جرحاً .وأخرج الحاكم حديثه فى مستدركه وقال :لولا جهالة إسحاق لحكمت بصحته انتهى كلامه(لسان الميزان،لابن حجر العسقلانى،ج، ۱ ص۱۴۷)

مطابق اچھا لباس پہنیں، اور اپنی حیثیت کے مطابق اچھی خوشبو لگائیں، اور اپنی حیثیت کے مطابق موٹی تازی قربانی کریں، گائے (بھینس) سات افراد کی طرف سے، اور اونٹ سات افراد کی طرف سے، اور یہ کہ ہم تکبیر کہیں، اور ہم سکینہ اور وقار (یعنی سنجیدگی) کو لازم پکڑیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَیْبِیَةِ یُشْرِکُ بَیْنَ سَبْعَةٍ مِّنْ أَصْحَابِہٖ فِی الْبَدَنَةِ (المعجم الأوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے سال میں دیکھا کہ اپنے صحابۂ کرام میں سے سات افراد کو بڑے جانور میں شریک فرما رہے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنَّہٗ قَالَ: اَلْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ (شرح معانی الآثار) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹ سات افراد کی طرف سے ہوتا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَشْرَکَ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ الْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ (مسند أحمد، رقم الحدیث ۲۳۴۴۶، مؤسسة الرسالة، بیروت) [3]

---

[1] رقم الحدیث ۲۰۲۴، دارالحرمین، القاهرة.
قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، وفیه معاویة بن یحیی الصدفی، وهو ضعیف (مجمع الزوائد، باب الاشتراک فی الهدی، ۵۳۸۹)
قلت: ولهٗ شواهد کثیرة.

[2] رقم الحدیث ۶۲۱۸، کتاب الصید والذبائح والأضاحی، باب البدنة، عن کم تجزء فی الضحایا والهدایا، عالم الکتب، بیروت.

[3] قال الهیثمی: رواه أحمد، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، ج۳ ص۲۲۶)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے درمیان گائے میں سات افراد کو شریک فرمایا (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اَلْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ فِي الْأُضَاحِيِّ (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۱۰۰۲۶، مكتبة ابنِ تيمية، القاهرة) [۱]

ترجمہ: قربانی میں گائے سات افراد کی طرف سے، اور اونٹ سات افراد کی طرف سے ہوتا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

اَلْبَدَنَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ (شرح معانی الآثار) [۲]

ترجمہ: اونٹ سات افراد کی طرف سے، اور گائے سات افراد کی طرف سے ہوتی ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْتَرِكُوْنَ سَبْعَةً فِي الْبَدَنَةِ مِنَ الْإِبِلِ وَالسَّبْعَةُ فِي الْبَدَنَةِ مِنَ الْبَقَرِ (شرح معانی الآثار) [۳]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام اونٹ کی قربانی میں سات افراد اور گائے کی قربانی میں سات افراد شریک ہوا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

---

[۱] قال الهيثمی:
رواه الطبرانی فی الثلاثة، وفيه حفص بن جميع، وهو ضعيف (مجمع الزوائد ج۴ ص۲۰)
قلتُ ولهٗ شواهد كثيرة.

[۲] رقم الحديث ۶۲۱۹، كتاب الصيد والذبائح والأضاحی، باب البدنة, عن كم تجزء فی الضحايا والهدايا، عالم الكتب، بيروت.

[۳] رقم الحديث ۶۲۲۰، كتاب الصيد والذبائح والأضاحی، باب البدنة, عن كم تجزء فی الضحايا والهدايا، عالم الكتب، بيروت.

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ : إِنَّ عَلَيَّ بَدَنَةً، وَأَنَا مُوْسِرٌ بِهَا، وَلَا أَجِدُهَا، فَأَشْتَرِيَهَا فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّبْتَاعَ، سَبْعَ شِيَاهٍ، فَيَذْبَحهُنَّ (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ میرے اوپر ایک بڑا جانور (اونٹ یا گائے) واجب ہو چکا ہے، اور میں مالدار ہوں، لیکن مجھے بڑا جانور نہیں مل رہا کہ میں اسے خریدوں، تو ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمایا کہ وہ سات بکریاں خرید لیں، اور ان کو ذبح کر دیں (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : إِنَّ عَلَيَّ نَاقَةً وَقَدْ غَرَبَتْ عَنِّيْ، فَقَالَ: اشْتَرِ سَبْعًا مِّنَ الْغَنَمِ (شرح معانی الآثار) [2]

ترجمہ: ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے اوپر ایک

---

[1] رقم الحديث ٣١٣٦، كتاب الاضاحى، باب عن، كم تجزء البدنة والبقرة، دار إحياء الكتب العربية، القاهرة.

قال الشوكانى:

وأخرج أحمد وابن ماجه عن ابن عباس (أن النبى صلى الله عليه و سلم أتاه رجل فقال انّ على بدنه وأنا موسر ولاأجدها فأشتريها فأمرة النبى صلى الله عليه و سلم أن يبتاع سبع شياه فيذبهن)ورجاله رجال الصحيح ولا يعارض هذا الحديث حديث ابن عباس عند أحمد والنسائى وابن ماجه والترمذى وحسنه قال : كنا فى سفرة فحضر الأضحى فذبحنا البقرة عن سبعة والبعير عن عشرة "وكذلک لا يعارضه ما فى الصحيحين من حديث أبى رافع بن خديج أنه صلى الله عليه وسلم قسم فعدل عشرا من الغنم ببعير" لأن تعديل البدنة بسبع شياه هو فى الهدى وتعديلها بعشر هو فى الأضحية والقسمة وقد ذهب الجمهور إلى أن عدل البدنة فى الهدى سبع شياه(الدرارى المضية شرح الدرر البهية ،للشوكانى، ج٢ ص ٢٠٠ ،كتاب الحج،فصل فى بيان أفضل أنواع الهدى)

[2] رقم الحديث ٦٢٢١، كتاب الصيد والذبائح والأضاحى، باب البدنة ,عن كم تجزء فى الضحايا والهدايا، عالم الكتب، بيروت.

اونٹنی لازم ہوچکی ہے، لیکن وہ مجھے میسر نہیں ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ سات بکریاں خرید لیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عمرو بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلاً نَذَرَ أَنْ يَّنْحَرَ بَدَنَةً ، فَأَتٰى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ، فَقَالَ : الْبُدْنُ مِنَ الْإِبِلِ ، وَلَا تُنْحَرُ إِلَّا بِمَكَّةَ، إِلَّا إِنْ نَوٰى مَنْحَرًا فَحَيْثُ نَوٰى ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَسَبْعٌ مِّنَ الْغَنَمِ ، قَالَ : وَسَأَلْتُ سَالِمًا فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ .قَالَ : وَسَأَلْتُ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، فَقَالَ : مِثْلَ ذٰلِكَ، إِلَّا أَنَّهُ قَالَ : فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَعَشَرَةٌ مِّنَ الْغَنَمِ ، قَالَ : وَسَأَلْتُ خَارِجَةَ بْنَ زَيْدٍ وَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَالَ الْقَوْمُ ، فَقَالَ :مَا أَدْرَكْتُ أَصْحَابَنَا يَعُدُّوْنَهَا إِلَّا سَبْعًا مِّنَ الْغَنَمِ (مصنف ابن أبي شيبة) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے بُدنہ (یعنی اونٹ) کی قربانی کرنے کی منت مانی، پھر وہ حضرت عبداللہ بن محمد بن علی کے پاس آیا، تو انہوں نے فرمایا کہ بُدنہ، اونٹ سے ہوگا، اور مکہ ہی میں ذبح کریں گے (جبکہ آپ کی نیت مکہ میں ذبح کرنے کی ہو) مگر یہ کہ آپ نے عام مقام پر ذبح کرنے کی نیت کی ہو، تو پھر وہ نیت کے مطابق عام جگہ بھی ذبح کر سکتے ہیں، پھر اگر آپ کو اونٹ نہ ملے، تو سات بکریاں ذبح کرلیں، اور میں نے حضرت سالم سے اس کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے بھی یہی فرمایا، اور میں نے حضرت سعید بن مسیّب سے سوال کیا، تو انہوں نے بھی یہی فرمایا، مگر انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر اونٹ نہ ملے، تو دس بکریاں ذبح کریں، اور میں نے حضرت خارجہ بن زید (بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ) سے سوال کیا، اور لوگوں کے اس کے بارے میں قول کا ذکر کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ

[1] رقم الحديث ۱۲۷۷۹، كتاب الأيمان والنذور والكفارات، باب الرجل يجعل عليه بدنة.

ہم نے اپنے اصحاب کو اونٹ کو سات بکریوں کے برابر ہی شمار کرتے ہوئے پایا ہے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایک اونٹ کو سات بکریوں کے برابر شمار کرتے تھے، اور اونٹ میں سات قربانی کے حصے درست ہیں، اس سے زیادہ نہیں، جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک بکری (یا دنبہ وبھیڑ) کی قربانی ایک سے زیادہ افراد کی طرف سے جائز نہیں۔

اور بعض روایات میں جو بکری کے مقابلہ میں اونٹ میں دس افراد کے شریک ہونے کا ذکر ہے، تو وہ شرکت قربانی کے بجائے ملکیت میں شرکت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں اونٹ اور بکری کو مذکورہ تفصیل کے ساتھ تقسیم فرمایا، اور انہوں نے اپنی اسی ملکیت کے پیشِ نظر وہ اونٹ گوشت حاصل کرنے کی خاطر ذبح کیا تھا؛ یہ ذبح کرنا بطور قربانی کے نہیں تھا کہ جس سے اونٹ میں دس افراد کی شرکت کا شبہ ہو۔

اور اس کی صحیح احادیث میں تصریح پائی جاتی ہے۔ [1]

---

[1] عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ، عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْعَلُ فِي قَسْمِ الْغَنَائِمِ عَشْرًا مِنَ الشَّاءِ بِبَعِيرٍ (سنن نسائی، رقم الحديث ۴۳۹۱)

عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَجْعَلُ فِي قَسْمِ الْغَنَائِمِ عَشْرًا مِنَ الشَّاءِ بِبَعِيرٍ (صحيح ابن حبان،رقم الحديث ۴۸۲۱،ذِكْرُ مَا يَعْدِلُ الْبَعِيرُ، فِي قَسْمِ الْغَنَائِمِ مِنَ الشَّاءِ)

قال شعيب الانؤط:

إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير أحمد بن عبد الله بن الحكم، فمن رجال مسلم .غُندر :لقب محمد بن جعفر(حاشية صحيح ابن حبان،حواله بالا)

عَنْ عِكْرِمَةَ ,عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ,قَالَ " :كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرِنَا فَحَضَرْنَا النَّحْرَ فَاشْتَرَكْنَا فِي الْجَزُورِ عَشَرَةٌ وَالْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ "كَذَا رُوِيَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَحَدِيثُ أَبِي الزُّبَيْرِ ,عَنْ جَابِرٍ أَصَحُّ مِنْ ذَلِكَ وَقَدْ شَهِدَ الْحُدَيْبِيَةَ وَشَهِدَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

احادیث وروایات کے بعد اب چند متعلقہ مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبرا...... قربانی کی کم از کم مقدار ایک چھوٹا جانور (بھیڑ، بکری) یا بڑے جانور (اونٹ،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

,وَأَخْبَرَنَا بِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُمْ بِاشْتِرَاكِ سَبْعَةٍ فِي بَدَنَةٍ فَهُوَ أَوْلَى بِالْقَبُولِ وَبِاللهِ التَّوْفِيقُ ,وَقَدْ رُوِيَ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ ,عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ ,عَنْ جَابِرٍ ,قَالَ: "نَحَرْنَا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ سَبْعِينَ بَدَنَةً الْبَدَنَةُ عَنْ عَشَرَةٍ "وَلَا أَحْسَبُهُ إِلَّا وَهْمًا فَقَدْ رَوَاهُ الْفِرْيَابِيُّ ,عَنِ الثَّوْرِيِّ وَقَالَ :الْبَدَنَةُ عَنْ سَبْعَةٍ ,وَكَذَلِكَ قَالَهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَابْنُ جُرَيْجٍ وَزُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ وَغَيْرُهُمْ ,عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ ,عَنْ جَابِرٍ ,قَالُوا :الْبَدَنَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَكَذَلِكَ قَالَهُ عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ ,عَنْ جَابِرٍ ,وَرَجَّحَ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ رِوَايَتَهُمْ لَمَّا خَرَّجَهَا دُونَ رِوَايَةِ غَيْرِهِمْ وَأَمَّا حَدِيثُ الزُّهْرِيِّ ,عَنْ عُرْوَةَ فَإِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْحَاقَ بْنِ يَسَارٍ تَفَرَّدَ بِذِكْرِ الْبَدَنَةِ عَنْ عَشَرَةٍ فِيهِ ,وَحَدِيثُ عِكْرِمَةَ يَتَفَرَّدُ بِهِ الْحُسَيْنُ بْنُ وَاقِدٍ ,عَنْ عِلْبَاءَ بْنِ أَحْمَرَ ,وَحَدِيثُ جَابِرٍ أَصَحُّ مِنْ جَمِيعِ ذَلِكَ وَأَخْبَرَ بِاشْتِرَاكِهِمْ فِيهَا فِي الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَبِالْحُدَيْبِيَةِ بِأَمْرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ أَوْلَى بِالْقَبُولِ وَبِاللهِ التَّوْفِيقُ(السنن الكبرى للبيهقي، رقم الحديث ۱۰۲۰۳، بَابُ الِاشْتِرَاكِ فِي الْهَدْيِ)

أَفَلَا تَرَى أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ إِنَّمَا عَدَلَهَا بِسَبْعٍ مِنَ الْغَنَمِ ,مِمَّا يُجْزِءُ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ عَنْ رَجُلٍ ,وَلَمْ يَعْدِلْهَا بِعَشْرٍ مِنَ الْغَنَمِ .فَدَلَّ ذَلِكَ عَلَى تَصْحِيحِ مَا رَوَى جَابِرٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي ذَلِكَ ,لَا مَا رَوَى الْمِسْوَرُ ,فَهَذَا وَجْهُ هَذَا الْبَابِ مِنْ طَرِيقِ الْآثَارِ .وَأَمَّا وَجْهُ ذَلِكَ مِنْ طَرِيقِ النَّظَرِ ,فَإِنَّا قَدْ رَأَيْنَاهُمْ قَدْ أَجْمَعُوا أَنَّ الْبَقَرَةَ لَا تُجْزِءُ فِي الْأُضْحِيَّةِ ,عَنْ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعَةٍ وَهِيَ مِنَ الْبُدْنِ بِاتِّفَاقِهِمْ .فَالنَّظَرُ عَلَى ذَلِكَ أَنْ تَكُونَ النَّاقَةُ مِثْلَهَا ,وَلَا تُجْزِءُ عَنْ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعَةٍ .فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ :إِنَّ النَّاقَةَ وَإِنْ كَانَتْ بَدَنَةً كَمَا أَنَّ الْبَقَرَةَ بَدَنَةٌ ,فَإِنَّ النَّاقَةَ أَعْلَى مِنَ الْبَقَرَةِ فِي السَّمَانَةِ وَالرِّفْعَةِ .قِيلَ لَهُ: إِنَّهَا وَإِنْ كَانَتْ كَمَا ذَكَرْتَ ,فَإِنَّ ذَلِكَ غَيْرُ وَاجِبٍ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا حُجَّةٌ .أَلَا تَرَى أَنَّا قَدْ رَأَيْنَا الْبَقَرَةَ الْوُسْطَى ,تُجْزِءُ عَنْ سَبْعَةٍ وَكَذَلِكَ مَا هُوَ دُونَهَا ,وَمَا هُوَ أَرْفَعُ مِنْهَا . وَكَذَلِكَ النَّاقَةُ تُجْزِءُ عَنْ سَبْعَةٍ ,أَوْ عَنْ عَشَرَةٍ ,رَفِيعَةً كَانَتْ أَوْ دُونَ ذَلِكَ .فَلَمْ يَكُنِ السِّمَنُ وَالرِّفْعَةُ ,مِمَّا يُمَيَّزُ بِهِ بَعْضُ الْبَقَرِ عَنْ بَعْضٍ ,وَلَا بَعْضُ الْإِبِلِ عَنْ بَعْضٍ ,فِيمَا تُجْزِءُ فِي الْهَدْيِ وَالْأَضَاحِيِّ .بَلْ كَانَ حُكْمُ ذَلِكَ كُلِّهِ حُكْمًا وَاحِدًا يُجْزِءُ عَنْ عَدَدٍ وَاحِدٍ .فَلَمَّا كَانَ مَا ذَكَرْنَا كَذَلِكَ ,وَكَانَتِ الْإِبِلُ وَالْبَقَرُ بُدْنًا كُلُّهَا ,ثَبَتَ أَنَّ حُكْمَهَا حُكْمٌ وَاحِدٌ ,وَأَنَّ بَعْضَهَا لَا يُجْزِءُ أَكْثَرَ مِمَّا يُجْزِءُ عَنْهُ الْبَعْضُ الْبَاقِي ,وَإِنْ زَادَ بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ فِي السِّمَنِ وَالرِّفْعَةِ .فَلَمَّا كَانَتِ الْبَقَرَةُ لَا تُجْزِءُ عَنْ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعَةٍ ,كَانَتِ النَّاقَةُ أَيْضًا كَذَلِكَ فِي النَّظَرِ لَا تُجْزِءُ عَنْ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعَةٍ ,قِيَاسًا وَنَظَرًا ,عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ .وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ ,وَأَبِي يُوسُفَ ,وَمُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ(شرح معاني الآثار، ج۴ص۱۷۵، كِتَابُ الصَّيْدِ وَالذَّبَائِحِ وَالْأَضَاحِي، بَابُ الْبَدَنَةِ ,عَنْ كَمْ تُجْزِءُ فِي الضَّحَايَا وَالْهَدَايَا)

گائے، بھینس) کا ساتواں حصہ ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۲...... ایک چھوٹے جانور (بکرا بکری، دنبہ، دنبی، بھیڑ، مینڈھے) کو صرف ایک شخص ہی اپنی طرف سے قربان کرسکتا ہے، البتہ اگر ایک شخص اپنی طرف سے کئی افراد کو ایصالِ ثواب کرے تو جائز ہے، جیسا کہ مستقل باب کے تحت آتا ہے۔ [۲]

مسئلہ نمبر۳...... اگر صاحبِ نصاب شخص نے خاص اپنی طرف سے ایک سے زیادہ جانور کی قربانیاں کیں، یا خاص اپنی طرف سے ایک بڑے جانور کو قربان کیا، تو راجح یہ ہے کہ مجموعی طور پر یہ واجب قربانی کہلائے گی۔ [۳]

---

[۱] يجب أن يعلم أن الشاة لا تجزء إلا عن واحد، وإن كانت عظيمة، والبقر والبعير يجزى عن سبعة إذا كانوا يريدون به وجه الله تعالى، والتقدير بالسبع يمنع الزيادة، ولا يمنع النقصان، كذا فى الخلاصة(الفتاوىٰ الهندية، ج۵ص ۳۰۴، كتاب الاضحية،الباب الثامن)

[۲] وأما قدره فلا يجوز الشاة والمعز إلا عن واحد وإن كانت عظيمة سمينة تساوى شاتين مما يجوز أن يضحى بهما؛ لأن القياس فى الإبل والبقر أن لا يجوز فيهما الاشتراک؛ لأن القربة فى هذا الباب إراقة الدم وأنها لا تحتمل التجزئة؛ لأنها ذبح واحد وإنما عرفنا جواز ذلک بالخبر فبقى الأمر فى الغنم على أصل القياس .فإن قيل :أليس أنه روى أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم - ضحى بكبشين أملحين أحدهما عن نفسه والآخر عمن لا يذبح من أمته فكيف ضحى بشاة واحدة عن أمته؟ -عليه الصلاة والسلام -.(فالجواب) أنه -عليه الصلاة والسلام -إنما فعل ذلک لأجل الثواب؛ وهو أنه جعل ثواب تضحيته بشاة واحدة لأمته لا للإجزاء وسقوط التعبد عنهم ولا يجوز بعير واحد ولا بقرة واحدة عن أكثر من سبعة ويجوز ذلک عن سبعة أو أقل من ذلک، وهذا قول عامة العلماء .وقال مالک -رحمه الله :-يجزى ذلک عن أهل بيت واحد -وإن زادوا على سبعة -ولا يجزى عن أهل بيتين -وإن كانوا أقل من سبعة -والصحيح قول العامة؛ لما روى عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -البدنة تجزى عن سبعة والبقرة تجزى عن سبعة وعن جابر -رضى الله عنه -قال :نحرنا مع رسول الله -صلى الله عليه وسلم -البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة من غير فصل بين أهل بيت وبيتين ولأن القياس يأبى جوازها عن أكثر من واحد لما ذكرنا أن القربة فى الذبح وأنه فعل واحد لا يتجزأ؛ لكنا تركنا القياس بالخبر المقتضى للجواز عن سبعة مطلقا فيعمل بالقياس فيما وراءه؛ لأن البقرة بمنزلة سبع شياه ثم جازت التضحية بسبع شياه عن سبعة سواء كانوا من أهل بيت أو بيتين فكذا البقرة(بدائع الصنائع ،ج۵ص ۷۰،كتاب التضحية،فصل فى محل إقامة الواجب فى الأضحية)

[۳] فى النوازل :رجل ضحى بشاتين قال محمد بن سلمة :لا يكون الأضحية إلا بواحدة، وقال غيره من المشايخ :تكون الأضحية بهما، وبه أخذ الصدر الشهيد فى واقعاته ، وروى الحسن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہ حکم اس وقت ہے، جبکہ ایک جانور یا ایک حصہ سے زائد میں کوئی دوسری (مثلاً ایصالِ ثواب وغیرہ کی) نیت نہ کرے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن أبي حنيفة لا بأس بالأضحية بالشاة والشاتين، وقد صح أن رسول الله عليه السلام كان يضحي كل سنة بشاتين، وضحى عام الحديبية بمائة بدنة(المحيط البرهانی، ج۸ص ۴۸۱، کتاب الاضحية،الفصل التاسع في المتفرقات)

وعن محمد بن سلمة لو ضحى بشاتين لا تكون الأضحية إلا واحدة وفي المحيط :الأصح أن تكون الأضحية بهما وعن الحسن عن أبي حنيفة لا بأس بالأضحية بالشاة أو بالشاتين قال الفقيه وبه نأخذ(تکملة البحر الرائق للطوری، ج۸ص ۱۹۹، کتاب الاضحية)

ولو ضحى بشاتين فالأصح أن تكون الأضحية بهما، فإنه روى الحسن عن أبي حنيفة -رحمه الله تعالى :-أنه لا بأس في الأضحية بالشاة والشاتين هكذا في محيط السرخسي .وفي النوازل رجل ضحى بشاتين قال محمد بن سلمة لا تكون الأضحية إلا بواحدة، وقال غيره من المشايخ :تكون الأضحية بهما، وبه أخذ الصدر الشهيد في واقعاته، روى الحسن عن أبي حنيفة -رحمه الله تعالى - لا بأس بالأضحية بالشاة(الفتاویٰ الهندية، ج۵ص ۲۹۴، كتاب الاضحية، الباب الثانی)

غني ضحى شاتين كانت الزيادة على الواحدة تطوعا عند عامة العلماء و قال بعضهم الزيادة على الوحدة تكون لحما و لا تصير أضحية تطوعا......و لو أن رجلا موسرا أو امرأة موسرة ضحى بدنة عن نفسه خاصة كان الكل أضحية واجبة عند عامة العلماء و عليه الفتوى و قد ذكرنا(فتاوی قاضی خان، ج ۳،ص ۲۰۹، كتاب الأضحية)

ل اور اگر کوئی دوسری نیت کرے، مثلاً ایک بکری یا ایک حصہ کو واجب قربانی کے طور پر، اور دوسری بکری یا دوسرے حصہ کو دمِ شکر، یا دمِ جنایت یا اپنی اولاد کے عقیقہ یا کسی کو ایصالِ ثواب کرنے کے طور پر، تو الگ بکری میں تو نیت کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں، البتہ ایک جانور میں دوسرے حصہ سے دمِ شکر، یا دمِ جنایت یا اپنی اولاد کے عقیقہ یا ایصالِ ثواب کی نیت کرنے کی کتبِ فقہ میں صراحت نہیں ملتی، لیکن بظاہر جواز معلوم ہوتا ہے، کیونکہ عقیقہ تو اولاد کی جانب سے ہے، جیسا کہ کوئی صاحبِ نصاب شخص اپنی قربانی کے علاوہ تبرعاً اپنی اولاد کی طرف سے بھی قربانی کردے، تو وہ فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔

(عن نفسه لا عن طفله) على الظاهر، بخلاف الفطرة......(ويضحي عن ولده الصغير من ماله) صححه في الهداية (وقيل لا) صححه في الكافي .قال :وليس للأب أن يفعله من مال طفله، ورجحه ابن الشحنة.قلت :وهو المعتمد لما في متن مواهب الرحمن من أنه أصح ما يفتى به .وعلله في البرهان بأنه إن كان المقصود الإتلاف فالأب لا يملكه في مال ولده كالعتق أو التصدق باللحم فمال الصبي لا يحتمل صدقة التطوع، وعزاه للمبسوط فليحفظ.ثم فرع على القول الأول بقوله (وأكل منه الطفل) وادخر له قدر حاجته (وما بقي يبدل بما ينتفع) الصغير (بعينه) كثوب وخف لا بما يستهلك كخبز ونحوه ابن كمال وكذا الجد والوصي(الدرالمختار)

(قوله لا عن طفله) أي من مال الأب ط (قوله على الظاهر) قال في الخانية :في ظاهر الرواية أنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴......ایک بڑے جانور (اونٹ، گائے، بھینس) میں سات افراد سے زیادہ مثلاً

﴿گزشتہ صفحے کابقیہ حاشیہ﴾ يستحب ولا يجب، بخلاف صدقة الفطر .وروى الحسن عن أبي حنيفة يجب أن يضحى عن ولده وولد ولده الذى لا أب له، والفتوى على ظاهر الرواية اهـ (رد المحتار على الدر المختار، ج٦ ص ٣١٥، كتاب الأضحية)

(قوله بما ينتفع بعينه) ظاهره أنه لا يجوز بيعه بدراهم ثم يشترى بها ما ذكر ط، ويفيده ما نذكره عن البدائع (قوله وكذا الجد والوصى) أى كالأب فى جميع ما ذكر(رد المحتار على الدر المختار، ج٦ ص ٣١٦، كتاب الأضحية)

ان عبارات میں مذکورہ مسئلہ میں اس کی صراحت ہے کہ والد، جد یا وصی کا اپنے مال میں سے ولدِ صغیر کی جانب سے قربانی کرنا درست بلکہ مستحب ہے، اور صغیر کے مال میں سے کرنے کی صورت میں اس کے گوشت کا استعمال جائز نہیں۔

والد، جد اور وصی کو کیونکہ صغیر پر ولایت حاصل ہوتی ہے، والولایۃ کالنیابۃ۔

الولاية إما أن تكون أصلية :بأن يتولى الشخص عقداً أوتصرفاً لنفسه، بأن يكون كامل أهلية الأداء (بالغاً عاقلاً راشداً) ، أو نيابية :بأن يتولى الشخص أمور غيره .والولاية النيابية أو النيابة الشرعية عن الغير :إما أن تكون اختيارية أو إجبارية : الاختيارية :هي الوكالة أى تفويض التصرف والحفظ إلى الغيرعلى ماسيأتي .والإجبارية :هي تفويض الشرع أو القضاء التصرف لمصلحة القاصر، كولاية الأب أو الجد أو الوصى على الصغير، وولاية القاضى على القاصر .فمصدر ولاية الأب أو الجد أو القاضى هو الشرع .ومصدر ولاية الوصى إما اختيار الأب أو الجد، أو تعيين القاضى (الفقه الاسلامى وادلتهٔ، ج۴، ص ۴۹۵، أنواع الولاية)

اور دوسرے حصے سے دمِ شکر وغیرہ کی نیت کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ کوئی دوسرا شخص اس نیت سے شریک ہو، یا کسی دوسرے جانور میں ایسی نیت کرے ''والابل والبقر فى درجة سبع شياه'' البتہ بعض حضرات ایک شخص کے ایک جانور میں مختلف جہات کی نیت کرنے سے اختلاف کرتے ہیں، مگر قربانی کو وہ بھی درست قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ احسن الفتاویٰ میں ہے کہ:

> اپنی واجب قربانی کے ساتھ عقیقہ یا ایصالِ ثواب کے لئے نفل حصہ رکھنے پر اس بحث کا کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، اس لئے کہ عقیقہ واجب نہیں، ہوا یا نہ ہوا، اور ایصالِ ثواب واجب قربانی کا بھی کیا جاسکتا ہے، لہٰذا ایصالِ ثواب کا مقصد بہرصورت حاصل ہے، البتہ اضحیہ کے ساتھ دمِ شکر یا دمِ جنایت جمع کرنے پر یہ بحث مؤثر ہوسکتی ہے۔ چونکہ بدون نیتِ تعدد بھی ایک مرجوح قول تعدد کا ہے، پھر معاصرین کا فتویٰ بھی اعتبار نیتِ تعدد ہے، علاوہ ازیں اس میں ابتلاءِ عام ہے، اور قول عدمِ جواز میں حرجِ عظیم ہے، لہٰذا ایک گائے میں شخصِ واحد کی طرف سے اضحیہ، دمِ شکر اور دمِ جنایت جمع کرنے کے جواز کا قول انسب واوسع ہے (احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۵۴۹، کتاب الاضحیہ والعقیقہ)

مگر فقہاء نے جہاتِ متعددہ کے بجائے ایک جہت کی نیت سے شرکت کو افضل و مستحب قرار دیا ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ جب تک عذر نہ ہو ایک جانور میں مختلف جہات کی نیت سے شمولیت نہ کرے، بلکہ دوسری جہت سے دوسرے جانور میں شرکت کرے۔

ولكن الأفضل أن تكون الشركة فى نوع واحد(تحفة الفقهاء ، ج۳ ص ۸۵، كتاب الأضحية)

آٹھ یا زیادہ کی شرکت جائز نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۵...... اگر قربانی کے بڑے جانور (اونٹ، گائے، بھینس) میں افراد تو سات سے زیادہ شریک نہیں ہیں، مگر کسی شریک کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہے، مثلاً سات میں سے پانچ افراد نے پورا پورا ایک ایک حصہ رکھا اور ایک نے ڈیڑھ حصہ رکھا اور ساتویں شخص کا صرف آدھا حصہ ہے، تو بھی جائز نہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر۶ ...... اگر پانچ افراد برابر سرابر طریقہ پر ایک بڑے جانور (یعنی اونٹ یا گائے) میں شریک ہوئے، پھر ان میں سے چار افراد نے اپنے ساتھ ایک اور شخص کو اس جانور (اونٹ یا گائے) کے حصہ میں برابر کا شریک کرلیا، تو ان سب کی قربانی جائز ہوجائے گی، کیونکہ مذکورہ صورت میں چار افراد کے کسی ایک شخص کو اپنے ساتھ مذکورہ طریقہ پر شریک کرنے سے کسی ایک شریک کا بھی حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں بنتا۔

---

[1] والأصل فی جواز الشركة ما روى جابر قال :نحرنا مع رسول الله -عليه الصلاة والسلام - البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة ، وتجزء عن أقل من سبعة بطريق الأولى، ولا تجزء عن أكثر ;لأن القياس أن لا تجزء إلا عن واحد لأنه إراقة واحدة، إلا أنا تركنا القياس بما روينا وأنه مقيد بالسبعة فلا يزاد عليه(الاختيار لتعليل المختار، ج۵ص۱۸، كتاب الاضحية)

ولا يجوز بعير واحد ولا بقرة واحدة عن أكثر من سبعة ويجوز ذلك عن سبعة أو أقل من ذلك، وهذا قول عامة العلماء (بدائع الصنائع، ج۵ص ۷۰، كتاب التضحية، فصل فی محل إقامة الواجب فی الأضحية)

ولو اشترك ثمانية فی سبع بقرات لم يجزهم؛ لأن كل بقرة بينهم على ثمانية أسهم فيكون لكل واحد منهم أنقص من السبع، وكذلك إذا كانوا عشرة أو أكثر فهو على هذا(بدائع الصنائع، ج۵ص ۷۱، كتاب التضحية، فصل فی محل إقامة الواجب فی الأضحية)

[2] ولو لأحدهم أقل من سبع لم يجز عن أحد(الدر المختار، كتاب الاضحية)

(قوله ولو لأحدهم) أی أحد السبعة المعلومين من قوله أو سبع بدنة، لأن المراد أنها تجزی عن سبعة بنية القربة من كل منهم ولو اختلفت جهات القربة كما يأتی(قوله لم يجز عن أحد) من الجواز أو من الإجزاء والثانی أنسب بما بعده(ردالمحتار، ج۶ص ۳۱۵، كتاب الاضحية)

وفی الأضاحی للزعفرانی :لو اشترك ثلاثة نفر فی بقرة على أن يدفع أحدهم أربع دنانير، والآخر ثلاثة دنانير، والآخر دينار، واشتروا بها بقرة على أن تكون البقرة بينهم على قدر رأس مالهم، وضحوا بها لم يجز ؛ لأن نصيب أحدهم أقل من السبع (المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج۸ص ۴۷۸، كتاب الأضحية،الفصل الثامن فيما يتعلق بالشركة فی الضحايا)

اور اگر چھ افراد کسی ایک بڑے جانور (اونٹ یا گائے) میں شریک ہوئے، پھر ان میں سے پانچ افراد نے ایک شخص کو اپنے ساتھ اس جانور (اونٹ یا گائے) کے حصہ میں برابر کا شریک کرلیا، اور چھٹے آدمی نے شریک نہیں کیا، تو کسی کی بھی قربانی جائز نہیں ہوگی، کیونکہ اس صورت میں بعد میں شریک ہونے اور شریک کرنے والوں کا حصہ ساتویں حصہ سے کم بن جاتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷..... اگر کسی جانور (اونٹ، گائے، بھینس) میں ایسے شخص نے قربانی کا حصہ خریدا، کہ جس پر قربانی واجب نہیں تھی، اور پھر ذبح سے پہلے اس نے اپنا اس جانور کا حصہ کسی اور کو فروخت کردیا، تو اگرچہ اس کو ایسا کرنا جائز نہیں تھا، تاہم اس کی بیع معتبر ہوجائے گی (لانہٗ مالک لھا) اور ایسا کرنے کی صورت میں دوسرے شرکاء کی قربانی بھی درست ہوجائے گی، اور اس غریب کے ذمہ اس کے مثل دوسری قربانی اور قربانی کے دن گزرنے کے بعد اس کی قیمت کا صدقہ واجب ہوگا۔

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے، جبکہ کسی غریب نے قربانی کی نیت سے جانور خرید رکھا تھا، مگر ذبح سے پہلے اس کو فروخت کردیا، تو اگرچہ اس کو ایسا کرنا جائز نہیں، مگر اس کے اس جانور کو فروخت کرنے کا عمل معتبر ہوجائے گا، اور اس غریب پر بھی اس جانور کے مثل دوسرے جانور کی قربانی اور قربانی کے دن گزرنے کے بعد اس کی قیمت کا صدقہ واجب ہوگا، اور جس نے غریب سے اس جانور کو خریدا، وہ اس کا مالک ہوجائے گا۔

اور مالک ہونے کے بعد وہ اگر اِس جانور کی قربانی کرے، تو اس کی قربانی بھی درست

---

[1] ولو اشترک خمسة فی بقرة فأشرک أربعة منهم رجلا فی البقرة تجوز الأضحية عنهم لأن الشركاء أربعة لكل واحد منهم خمسة فتصير الأربعة عشرين وقد جعلوا من أنصبائهم أربعة، والأربعة من عشرين أكثر من السبع ولو كانوا ستة فأشرک خمسة واحدا وأبى الواحد لم تجز أضحيتهم لأن نصيبه أقل من السبع لأن أصل حسابه ستة وثلاثون كل واحد ستة فيكون للخمسة ثلاثون وقد جعلوها ستة لكل واحد خمسة، وخمسة من ستة وثلاثين أقل من السبع كذا فی المحيط(تكملة البحر الرائق للطورى، ج۸ص ۲۰۲، كتاب الأضحية،الأضحية من الإبل والبقر والغنم)

ہوجائے گی۔[1]

[1] اور بعض اردو فتاویٰ میں جوغریب کے اپنے حصہ کوفروخت کردینے کی صورت میں دیگر شرکاء کی قربانی کوغیر درست قرار دیا گیا ہے (کمافی کفایت المفتی، جلد۸، صفحہ۱۹۲)

وہ راجح معلوم نہیں ہوسکا، کیونکہ بے شک روایتِ مشہورہ کی رُو سے شراءُ الفقیر بنیۃ الاضحیہ کے بعد فقیر کواس کی بیع کرنا ممنوع اورناجائز ضرور ہے، لیکن کیونکہ وہ مالک ہے، اس لئے اس کی بیع کا تصرف معتبر کہلائے گا۔

رہا بعض کا یہ شبہ کہ جب گناہ اورناجائز ہے، تو بیع کیسے صحیح ہوجائے گی؟

سو یہ محض عامیانہ شبہ ہے، جس شخص کو فقہ سے کوئی مناسبت ہے، وہ ایسا شبہ نہیں کرسکتا، کیونکہ فقہ میں سینکڑوں نظائر اس کے موجود ہیں، کہ باوجود فعل ناجائز ہونے کے عقد منعقد ودرست ہوجاتا ہے (کذافی: جواہر الفقہ ج۶ص ۳۳۶، ۳۳۷، طبع جدید: نومبر 2010ء، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

علاوہ ازیں شراءُ الفقیر بنیۃ الاضحیہ کے بارے میں ایک روایت عدمِ وجوب کی بھی ہے، جو کہ اگرچہ راجح یا مشہور نہ ہو، لیکن مذکورہ صورت میں جبکہ دیگر شرکاء کا کوئی قصور بھی نہیں، دیگر شرکاء کی قربانی کو درست قرار دینے کی خاطر اس روایت کو لے لینے کی گنجائش ہے۔

إذا اشترى شاة للأضحية ثم باعها حيث يلزمه التصدق بقيمتها لأن شراء ه إياها للأضحية قد صح لوجود الملك فيجب عليه(بدائع الصنائع، ج۵ص ۷۶، كتاب التضحية، فصل فى شرائط جواز إقامة الواجب فى الأضحية)

إذا اشترى بدنة لمتعة مثلا ثم أشرك فيها ستة بعدما أوجبها لنفسه خاصة لا يسعه، لأنه لما أوجبها صار الكل واجبا بعضها بإيجاب الشرع وبعضها بإيجابه، فإن فعل فعليه أن يتصدق بالثمن(رد المحتار على الدر المختار، ج٦ص ٣١٧، كتاب الأضحية)

والفقير إذا اشترى سبع شياه بنية الأضحية، وباع شاة منها، فإنه يشترى شاة مثلها، ويذبحها ما دام الوقت باقياً، وإن مضى الوقت؛ يتصدق بقيمتهن؛ كذا ههنا(المحيط البرهانى ، ج ٨ص٤٧٧، كتاب الأضحية،الفصل الثامن فيما يتعلق بالشركة فى الضحايا)

قال (وإذا اشترى أضحية، ثم باعها فاشترى مثلها فلا بأس بذلك)لأن بنفس الشراء لا تتعين الأضحية قبل أن يوجبها(المبسوط للسرخسي، ج١٢ ص١٣، كتاب الاضحية)

وتجب على الفقير بالشراء بنية التضحية عندنا) ش :خلافا للشافعي وأحمد، واعلم أن الشاة تتعين للأضحية بأن نذر أن يضحى بها أو نوى عند الشراء وأن يضحى بها، وكان المشترى فقيرا .هذا ظاهر الرواية. وروى الزعفرانى عن أصحابنا :أن التضحية بعينها لا تجب إلا بالنذر ولا تجب التضحية بعينها بنية الشرى للأضحية، وإن كان المشترى فقيرا، وهو القياس، وهو قول الشافعي. لأن القرب يلزم بأحد الأمرين :إما بالشروع أو بالنية، لم يوجد بالشراء مع نية الأضحية لا هذا ولا ذاك فلا يلزمه كما لو اشترى مالا بنية التصدق، أو عبدا بنية العتق(البناية شرح الهداية، ج١٢ ص٣١، كتاب الاضحية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸...... اگر کسی جانور میں سات سے کم افراد شریک ہیں، اور کسی شریک کے دو حصے ہیں، تو وہ اپنا ایک حصہ کسی دوسرے کو (خواہ وہ اجنبی ہو یا اس جانور میں پہلے سے شریک ہو) قربانی کرنے کے لئے فروخت کردے، تو اس طرح قربانی جائز ہوجائے گی۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أجمع أصحابنا رحمهم الله :أن الشاة تصير واجبة الأضحية بالنذر بأن قال :لله تعالىٰ على أن أضحى هذه الشاة، وأجمعوا على أنها لا تصير واجبة الأضحية بمجرد النية، بأن نوى أن يضحى هذه الشاة ولم يذكر بلسانه شيئا، وهل تصير واجبة الأضحية بالشراء بنية الأضحية؟ قال :إن كان المشترى غنياً لا تصير واجبة الأضحية باتفاق الروايات كلها؛ حتى لو باعها، واشترى أخرى، والثانية شر من الأولى جاز، ولا يجب عليه شيء . وإن كان المشترى فقيراً ذكر شيخ الإسلام خواهر زاده رحمه الله تعالىٰ في شرح كتاب الأضحية أن في ظاهر رواية أصحابنا تصير واجبة للأضحية . وروى الزعفراني عن أصحابنا :أنها لا تصير واجبة وإلى هذا أشار شمس الأئمة السرخسي في شرحه ، وذكر شمس الأئمة الحلواني في شرحه :أن في ظاهر رواية أصحابنا لا تصير واجبة الأضحية، وذكر الطحاوي في مختصره :أنها تصير واجبة، وأما إذا صرح بلسانه وقت الشراء أنه اشتراها ليضحي بها، فقد ذكر شمس الأئمة الحلواني أنها تصير واجبة(المحيط البرهاني، ج۸ص ۴۵۹،كتاب الاضحية،الفصل الثاني في وجوب الأضحية بالنذر، وما هو في معناه)

وإن كان فقيرا ذكر شيخ الإسلام خواهر زاده في ظاهر الرواية تصير واجبة بنفس الشراء وروى الزعفراني عن أصحابنا لا تصير واجبة وأشار إليه شمس الأئمة السرخسي في شرحه، وإليه مال شمس الأئمة الحلواني في شرحه وقال :إنه ظاهر الرواية ولو صرح بلسانه -والمسألة بحالها - تصير واجبة بشراء نية الأضحية إن كان المشترى فقيرا(تكملة البحر الرائق للطوري ، ج۸ص ۱۹۹، كتاب الاضحية)

وهذا الذي ذكره من الأصل يوافق ما ذكره شيخ الإسلام -رحمه الله -أن المشترى إذا كان موسرا لا تصير واجبة بالشراء بنية الأضحية باتفاق الروايات، وإن كان معسرا ففي ظاهر الرواية عن أصحابنا -رحمهم الله -تجب .وروى الزعفراني عن أصحابنا أنها لا تجب وهو رواية النوادر(العناية شرح الهداية، ج۹ص ۵۱۶، كتاب الاضحية)

فلو قال كلاما نفسيا :لله على أن يضحي بهذه الشاة ولم يذكر بلسانه شيئا فاشترى شاة بنية الأضحية إن كان المشترى غنيا لا تصير واجبة باتفاق الروايات فله أن يبيعها ويشترى غيرها، وإن كان فقيرا ذكر شيخ الإسلام خواهر زاده في ظاهر الرواية تصير واجبة بنفس الشراء وروى الزعفراني عن أصحابنا لا تصير واجبة وأشار إليه شمس الأئمة السرخسي في شرحه، وإليه مال شمس الأئمة الحلواني في شرحه وقال :إنه ظاهر الرواية ولو صرح بلسانه -والمسألة بحالها - تصير واجبة بشراء نية الأضحية إن كان المشترى فقيرا(تكملة البحر الرائق للطوري، ج۸ص ۱۹۹، كتاب الاضحية)

اور اگر کسی شریک کا ایک حصہ تھا، اور وہ اپنا حصہ کسی اور کو یا اپنے شرکاء میں سے کسی کو قربانی کے لئے فروخت کردے، تو بھی قربانی جائز ہوجائے گی۔

وہ الگ بات ہے کہ غریب (یعنی جو نصاب کا مالک نہ ہو) اُسے قربانی کی نیت سے ایک یا زیادہ حصے خریدنے کے بعد اُن کو فروخت کرنا گناہ ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

مسئلہ نمبر۹...... اگر کسی اونٹ، گائے، بھینس میں سات سے کم افراد شریک ہیں، اور وہ باقی ماندہ حصہ کسی اور شخص کو فروخت کریں، یا اپنے میں سے کسی شریک کو فروخت کریں، اور پھر وہ اس جانور کی قربانی کریں، تو بھی قربانی درست ہوجائے گی۔ [2]

مسئلہ نمبر۱۰...... اگر ایک بڑے جانور میں شریک افراد سات سے کم ہوں (مثلاً دو، تین، چار، پانچ یا چھ افراد) اور بعض کا حصہ ساتویں حصہ سے زیادہ ہو لیکن کسی بھی شریک کا حصہ ایک بٹہ سات حصے سے کم نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، بلکہ سب کی قربانی جائز ہوجائے گی۔

جیسے ایک جانور میں صرف دو افراد برابر کے شریک ہیں، اور دونوں افراد کے ساڑھے تین، ساڑھے تین حصے ہیں، یا تین افراد برابر کے شریک ہیں، اور تینوں افراد کے دو اور ایک بٹہ

---

[1] يَصِحُّ بَيْعُ الْحِصَّةِ الْمَعْلُومَةِ الشَّائِعَةِ بِدُونِ إذْنِ الشَّرِيكِ سَوَاءٌ كَانَ الْمَشَاعُ قَابِلًا لِلْقِسْمَةِ أَوْ غَيْرَ قَابِلٍ عَقَارًا أَوْ مَنْقُولًا لِأَنَّهُ كَمَا سَيُذْكَرُ فِي الْمَادَّةِ ١١٩٢ لِكُلٍّ أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي مِلْكِهِ كَمَا يَشَاءُ وَهَذَا الْبَيْعُ مِنْ جُمْلَةِ التَّصَرُّفَاتِ وَعَلَى هَذَا كَمَا يَحِقُّ لِأَحَدِ الشَّرِيكَيْنِ أَنْ يَبِيعَ الْعَرْصَةَ الْمُشْتَرَكَةَ مِنْ شَرِيكِهِ فَكَذَلِكَ يَحِقُّ لَهُ أَنْ يَبِيعَ حِصَّتَهُ مِنْ الْأَجْنَبِيِّ بِدُونِ إذْنٍ مِنْ شَرِيكِهِ وَكَمَا أَنَّ لِمَنْ يَمْلِكُ حِصَّةً فِي دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ أَنْ يَبِيعَ حِصَّتَهُ فِي تِلْكَ الدَّارِ مَعَ عَرْصَتِهَا لِشَرِيكِهِ فَلَهُ أَنْ يَبِيعَ هَذِهِ الْحِصَّةَ مِنْ الْأَجْنَبِيِّ وَلِشَرِيكِهِ حَقُّ الشُّفْعَةِ (درر الحكام فى شرح مجلة الأحكام، لعلى حيدر ، ج ا ، ص ١٨٩ ، كتاب البيوع، المادة: بَيْعُ الْحِصَّةِ الْمَعْلُومَةِ الشَّائِعَةِ بِدُونِ إذْنِ الشَّرِيكِ)

[2] لكل شريك فى شركة الملك أن يبيع نصيبه لشريكه، أو يخرجه إليه عن ملكه على أى نحو، ولو بوصية، إلا أن المشترك لا يوهب دون قسمة، ما لم يكن غير قابل لها .وسيأتى استثناء حالة الضرر .هكذا قرره الحنفية .وهو فى الجملة محل وفاق -إلا أن هبة المشاع سائغة عند جماهير أهل العلم بإطلاق :كما قرره المالكية والشافعية والحنابلة.

والحنفية على أن هبة المشاع لا تجوز -بمعنى عدم إثبات ملك ناجز -فالهبة صحيحة، ولكن يتوقف الملك على الإفراز ثم التسليم .

ذهب الحنفية والشافعية إلى أن للشريك أن يبيع نصيبه لغير شريكه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٦، ص٢٣، أحكام شركة الملك)

تین ایک بٹہ تین حصے ہیں، یا سب افراد برابر کے تو شریک نہیں ہیں بلکہ کمی زیادتی کے ساتھ شریک ہیں لیکن کسی ایک شریک کا بھی حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں، مثلاً چھ افراد اس طرح شریک ہیں کہ ان میں سے چار افراد کا پورا پورا ایک ایک حصہ اور دو افراد کا ڈیڑھ ڈیڑھ حصہ ہے، تو جائز ہے، کیونکہ مذکورہ صورتوں میں کسی ایک شریک کا حصہ بھی ساتویں حصہ سے کم نہیں ہے، بلکہ زیادہ ہے، یا بعض کا پورا ایک ایک حصہ اور بعض کا ایک سے زیادہ ہے۔ [1]

---

[1] یہاں بعض لوگوں کو یہ شبہ پیش آیا کرتا ہے کہ اگر کسی شریک کا حصہ ایک حصہ سے زیادہ بن جائے مثلاً ایک اور آدھا تو کیونکہ یہ آدھا حصہ ہوگیا ہے لہٰذا قربانی جائز نہ ہونا چاہئے۔

لیکن کیونکہ ایک حصہ سے کم ہونا اس وقت مضر ہے جبکہ مستقل طور پر یعنی سرے سے ہی ایک حصہ سے کم ہو اور جب ایک حصہ مستقل ہو تو اس کے بعد نفلی درجہ میں اضافی طور پر تبعاً وضمناً ایک حصہ سے کم ہونا مضر نہیں، اس لئے مذکورہ شبہ درست نہیں، لیکن اس اضافی حصۂ مکسورہ میں کوئی دوسری مستقل نیت کرنا خلافِ احتیاط ہے، کما سیجیٔ۔

وتجوز البدنة بين اثنين نصفين ;لأنه لما جاز ثلاثة أسباع فلأن يجوز ثلاثة ونصف أولى، ولو كان لأحدهم أقل من السبع لا يجزئه(الاختيار لتعليل المختار، ج٥ص١٨، كتاب الاضحية)

ولا شك في جواز بدنة أو بقرة عن أقل من سبعة بأن اشترك اثنان أو ثلاثة أو أربعة أو خمسة أو ستة في بدنة أو بقرة؛ لأنه لما جاز السبع فالزيادة أولى، وسواء اتفقت الأنصباء في القدر أو اختلفت؛ بأن يكون لأحدهم النصف وللآخر الثلث ولآخر السدس بعد أن لا ينقص عن السبع ولو اشترك سبعة في خمس بقرات أو في أكثر فذبحوها أجزأهم؛ لأن لكل واحد منهم في كل بقرة سبعها، ولو ضحوا ببقرة واحدة أجزأهم فالأكثر أولى (بدائع الصنائع، ج٥ص ٧١، كتاب التضحية، فصل في محل إقامة الواجب في الأضحية)

والتقدير بالسبع يمنع الزيادة ولايمنع النقصان كذا في الخلاصة (الفتاویٰ الهندية، ج ٥ ص ٣٠٤، كتاب الاضحية الباب الثامن)

وفي اضاحي الزعفراني ولوكانت البدنةاوالبقرة بين اثنين فضحيابهااختلف المشايخ فيه والمختار انه يجوز ونصف السبع تبع فلا يصير لحما قال الصدرالشهيد رحمه الله تعالیٰ وهذا اختيار الامام الوالد وهواختيارالفقيه أبي الليث رحمه الله تعالیٰ كذا في الخلاصة وان دفع أحدهم ثلاثة دنانير ونصفاوالاخرديناريـن ونصفاوالاخرديناراجازت عنهم لان اقل النصيب هوالسبع وكذلك لواشترك خمسة دفع احدهم دينارين والثاني دينارين ونصفاوالثالث ثلاثة دنانير والرابع كذلك والخامس ثلاثة دنانيرونصفاجازت عنهم لان اقل النصيب هوالسبع كذا في محيط السرخسي (الفتاویٰ الهندية، ج ٥ ص ٣٠٥، كتاب الاضحية، الباب الثامن)

وفي الأضاحي للزعفراني :لو اشترك ثلاثة نفر في بقرة على أن يدفع أحدهم أربع دنانير، والآخر ثلاثة دنانير، والآخر دينار، واشتروا بها بقرة على أن تكون البقرة بينهم على قدر رأس مالهم،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۱...... قربانی کے جانور میں سب شریکوں کا ثواب کی نیت سے قربانی کرنا ضروری ہے اگر شریکوں میں سے کسی ایک شریک کی بھی نیت ثواب کی نہ ہو بلکہ صرف گوشت کھانے یا تجارت یعنی گوشت کو فروخت کرکے نفع کمانے کی نیت ہو تو کسی شریک کی قربانی بھی درست نہیں ہوگی۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۱۲...... ایک بڑے جانور میں سب حصہ داروں کی نیت واجب قربانی کی ہو یا نفل قربانی کی ہو یا بعض کی نفلی اور بعض کی واجب قربانی کی نیت ہو یا بعض کی قربانی کی نیت ہو اور بعض کی عقیقہ کی یا حج تمتع وغیرہ کی نیت ہو، ہر طرح جائز ہے، کیونکہ یہ تمام کام ثواب کے ہیں۔

البتہ بہتر یہ ہے کہ ایک بڑے جانور میں سب افراد ایک ہی قسم کی قربانی کی نیت سے شریک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فضحوا بها لم يجز ؛ لأن نصيب أحدهم أقل من السبع، وإن كانت بقرة أو البدنة بين اثنين، فضحيا بها؛ اختلف المشايخ رحمهم الله تعالىٰ فيه؛ قال بعضم :لا يجزئهما؛ لأن لكل واحد منهما ثلاثة أسباع ونصف سبع ،ونصف السبع لا يجوز فى الأضحية، فإذا لم يجز النصف لم يجز الباقى، وقال بعضهم :يجوز، وبه أخذ الفقيه أبو الليث، والصدر الشهيد برهان الأئمة، وهكذا ذكر الشيخ الفقيه محمد الحرمينى فى مسائله .وصورة ما ذكره الفقيه الحرمينى :إذا اشترک ثلاثة نفر فى بقرة على أن يدفع أحدهم ثلاثة دنانير ونصفاً، وآخر دينارين ونصفاً، وآخر دينارا، فاشتروا بها بقرة على أن تكون البقرة بينهم على قدر رأس مالهم، وضحوا بها جازت الأضحية عنهم، لأحدهم ثلاثة اسباع ونصف سبع ،ولاحدهم سبعان ونصف سبع، ولاحدهم سبع، ووجه ذلک :أن نصف السبع، وإن لم تكن أضحية، فهى قربة تبعاً للأضحية، فلا يصير لحماً(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۸ص ۴۷۸، كتاب الأضحية،الفصل الثامن فيما يتعلق بالشركة فى الضحايا)

[۱] فأما إذا كان أحد الشركاء أراد بالذبح اللحم لا التقرب أو كان أحدهم ذميا لم يقع عن الأضحية لأنها مما لا يتجزأ فإذا لم يكن البعض قربة بطل الكل(تحفة الفقهاء، ج۳ص ۸۵ ، كتاب الأضحية)

(وإن) (كان شريک الستة نصرانيا أو مريدا اللحم) (لم يجز عن واحد) منهم لأن الإراقة لا تتجزأ هداية لما مر(الدر المختار، كتاب الاضحية)

(قوله لأن الإراقة لا تتجزأ إلى قوله ينابيع) وجد على هامش نسخة الشارح بخطه وسقط من بعض النسخ (قوله لما مر) أى من أن بعضها لم يقع قربة(ردالمحتار، ج۶ ص ۳۲۶،۳۲۷، كتاب الاضحية)

ہوں۔ ل

ل اور اگر کوئی ولیمہ کی نیت سے قربانی کے جانور میں حصہ ڈالے، تو امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں، بعد کے مشائخ نے دیگر جہات پر قیاس کر کے اجازت دی ہے۔

چنانچہ امدادُالاحکام میں ہے کہ:

گو ولیمہ بدون اراقۃِ دم کے ادا ہو جاتا ہے، مگر حدیث اولم ولو بشاۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ اراقۃِ دم ولیمہ میں بھی مسنون ہے، پس جو درجہ عقیقہ کا ہے، وہی ولیمہ کا ہے (امدادالاحکام، جلد۴، صفحہ ۲۸۴)

لیکن کیونکہ اضحیہ، عقیقہ، دمِ شکر و دمِ جنایت، ان سب میں اراقۃِ دَم مقصود ہوتا ہے، اگرچہ بعض میں اراقۃِ دم کے ساتھ صدقہ کا بھی حکم ہوتا ہے۔

برخلاف ولیمہ کے کہ ولیمہ میں اراقۃِ دَم کے بجائے ''لحم'' کے مقصود ہونے کا شبہ ہے، اور امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ سے اس کی تصریح بھی منقول نہیں، اور اولم ولو بشاۃ میں محدثین کی تصریح کے مطابق شاۃ کا لفظ اتفاقی ہے، اس لئے گو مشائخ کے نزدیک جائز ہے، مگر بندہ کو اس سے احتراز کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی بنیتِ تصدق ''لحم'' حاصل کر کے صدقہ کرنے کے لئے قربانی کے بڑے جانور میں شرکت کرے، تو اس سے بھی احتراز بہتر معلوم ہوتا ہے۔

بالخصوص جبکہ مختلف جہات کی شرکت کو مکروہ اور خلافِ افضل بھی قرار دیا گیا ہے۔

ولكن إنما يجوز بشرط أن يكون قصدهم من التضحية التقرب إلى الله تعالى سواء كان من نوع واحد كما إذا كانوا شركاء في الأضحية أو في الهدى أو من أنواع مختلفة بأن كان نوى أحدهم الأضحية والآخر الهدى والآخر دم الكفارة ونحو ذلك ولكن الأفضل أن تكون الشركة في نوع واحد،فأما إذا كان أحد الشركاء أراد بالذبح اللحم لا التقرب أو كان أحدهم ذميا لم يقع عن الأضحية لأنها مما لا يتجزأ فإذا لم يكن البعض قربة بطل الكل(تحفة الفقهاء، ج۳ص ۸۵ ، كتاب الأضحية)

ولو أرادوا القربة؛ الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعا أو وجبت على البعض دون البعض، وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد وبعضهم هدى الإحصار وبعضهم كفارة شيء أصابه في إحرامه وبعضهم هدى التطوع وبعضهم دم المتعة والقران وهذا قول أصحابنا الثلاثة ......الجهات -وإن اختلفت صورة -فهي في المعنى واحد؛ لأن المقصود من الكل التقرب إلى الله -عز شأنه -وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل؛ لأن ذلك جهة التقرب إلى الله تعالى -عز شأنه - بالشكر على ما أنعم عليه من الولد، كذا ذكر محمد -رحمه الله -في نوادر الضحايا ولم يذكر ما إذا أراد أحدهم الوليمة -وهي ضيافة التزويج -وينبغي أن يجوز؛ لأنها إنما تقام شكرا لله تعالى - عز شأنه -على نعمة النكاح وقد وردت السنة بذلك عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أنه قال أولم ولو بشاة فإذا قصد بها الشكر أو إقامة السنة فقد أراد بها التقرب إلى الله -عز شأنه -

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۳...... بہتر یہ ہے کہ قربانی کے جانور کو تمام حصے دار مل کر خریدیں یا پھر ایک یا بعض حصے دار دوسرے حصے داروں کی اجازت حاصل کر کے (یعنی ان کے وکیل ونمائندے بن کر) خریدیں، تاکہ جانور کی خریداری میں ابتداء سے ہی شرکت واقع ہو جائے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۴...... قربانی کا بڑا جانور خریدتے وقت اگر دوسروں کو بھی شریک کرنے کا ارادہ تھا یا یہ خیال تھا کہ اگر کوئی اور مل گیا تو اس کو بھی شریک کر لونگا یا جانور اس کا پہلے سے پالتو تھا یا خریدا کسی اور غرض سے تھا یا کسی نے اس کو ہدیہ کیا تھا، اور بعد میں قربانی کی نیت کی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وروى عن أبى حنيفة -رحمه الله -كره الاشتراک عند اختلاف الجهة وروى عنه أنه قال :لو كان هذا من نوع واحد لكان أحب إلى، وهكذا قال أبو يوسف -رحمه الله(بدائع الصنائع، ج۵ص ۷۲، كتاب التضيحة، فصل فى شرائط جواز إقامة الواجب فى الأضحية)

وشمل ما لو كانت القربة واجبة على الكل أو البعض اتفقت جهاتها أو لا :كأضحية وإحصار وجزاء صيد وحلق ومتعة وقران خلافا لزفر، لأن المقصود من الكل القربة، وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد له من قبل لأن ذلک جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد ذكره محمد ولم يذكر الوليمة .وينبغى أن تجوز لأنها تقام شكرا لله تعالى على نعمة النكاح ووردت بها السنة، فإذا قصد بها الشكر أو إقامة السنة فقد أراد القربة .وروى عن أبى حنيفة أنه كره الاشتراک عند اختلاف الجهة، وأنه قال لو كان من نوع واحد كان أحب إلى، وهكذا قال أبو يوسف بدائع(رد المحتار على الدر المختار. ج۶ ص ۳۲۶،كتاب الأضحية)

(أولم) أى اتخذ وليمة (ولو بشاة) مبالغة فى القلة فلو تقليلية لا امتناعية فلا حد لأقلها ولا لأكثرها ونقل القاضى الإجماع على أنه لا حد لقدره المجزء والخطاب لعبد الرحمن بن عوف الذى تزوج والأمر للندب عند الجمهور وصرفه عن الوجوب خبر هل على غيرها أى الزكاة قال :لا إلا أن تطوع وخبر ليس فى المال حق سوى الزكاة ولأنها لو وجبت لوجبت الشاة ولا قائل به > .تنبيه < قال أبو حيان :هذه الواو لعطف حال على حال محذوفة يتضمنها السابق تقديره أولم على كل حال ولو بشاة ولا تجىء هذه الحال إلا منبهة على ما كان يتوهم أنه ليس مندرجا تحت عموم الحال المحذوفة (فيض القدير للمناوى، تحت حديث رقم ۲۸۰۰)

[1] (ولو شرى بدنة للأضحية ثم أشرک فيها ستة جاز استحسانا) وفى القياس لا يجوز وهو قول زفر ورواية عن الإمام لأنه أعدها للقربة فلا يجوز بيعها

وجه الاستحسان أنه قد يجد بقرة سمينة ولا يجد الشريک وقت الشراء فمست الحاجة إلى هذا (والاشتراک قبل الشراء أحب) إذ به يبعد عن الخلاف ويسلم عن الرجوع فى القربة وروى عن الإمام كراهة الاشتراک بعده(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر،ج۲ص۵۱۸،كتاب الأضحية)

تو ان سب صورتوں میں دوسروں کو شریک کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

لیکن اگر جانور خریدتے وقت صرف اپنی طرف سے پورا جانور ذبح کرنے کا ارادہ تھا تو اگر اس شخص پر قربانی واجب تھی (یعنی یہ شخص صاحبِ نصاب تھا) تو دوسروں کو شریک کرنا مکروہ ہے، اور شریک کرنے کی صورت میں بہتر ہے کہ جتنے حصے دوسروں کو دیئے ہیں، اتنے حصے دوسرے جانور میں قربانی کرے، اور قربانی کے دن گزر گئے تو اتنی قیمت صدقہ کرے۔

اور اگر اس پر قربانی واجب نہیں تھی (یعنی یہ شخص صاحبِ نصاب نہیں تھا) تو دوسروں کو شریک کرنا جائز نہیں، اور اگر وہ اس کے باوجود دوسروں کو شریک کرے گا، تو دوسرے شریکوں کی قربانی درست ہوجائے گی مگر اس غریب پر واجب ہے کہ جتنے حصے دوسروں کو دیئے ہیں، اتنے اور اتنی ہی مالیت کے حصے کسی دوسرے جانور میں سے قربانی کرے، اگر قربانی کے دن باقی ہوں۔ ورنہ اتنے حصوں کی مالیت کے حساب سے قیمت غریبوں کو صدقہ کرے۔ [1]

---

[1] اور دوسرے جانور میں سے اتنے حصے کرنے کی صورت میں اگر ان کی مالیت پہلے جانور کے حصوں کے مقابلہ میں کم تھی تو کمی کی مقدار کے برابر صدقہ بھی کرے۔

ومن فروع الابدال والبيع ان يشرك فيها غيره (اعلاء السنن ج۱۷ ص ۲۷۹، باب افضلية مباشرة التضحية بنفسه وجواز الاستنابة والاستعانة)

ولو اشترى بقرة يريد أن يضحى، ثم اشترك فيها معه ستة أجزأه استحسانا والقياس لا يجزء وهو قول زفر لأنه أعدها قربة فيمتنع بيعها، وجه الاستحسان أنه قد يجد بقرة سمينة وقد لا يظفر بالشركاء وقت الشراء فيشتريها، ثم يطلب الشركاء ولو لم يجز ذلك لحرجوا وهو مدفوع شرعا والأحسن أن يفعل ذلك قبل الشراء وعن الإمام مثل قول زفر (تكملة البحر الرائق للطورى، ج۸ص ۱۹۸، كتاب الأضحية)

ولو اشترى بقرة يريد أن يضحي بها، ثم أشرك فيها ستة يكره ويجزيهم؛ لأنه بمنزلة سبع شياه حكما، إلا أن يريد حين اشتراها أن يشركهم فيها فلا يكره، وإن فعل ذلك قبل أن يشتريها كان أحسن، وهذا إذا كان موسرا، وإن كان فقيرا معسرا فقد أوجب بالشراء فلا يجوز أن يشرك فيها، وكذا لو أشرك فيها ستة بعد ما أوجبها لنفسه لم يسعه؛ لأنه أوجبها كلها لله تعالى، وإن أشرك جاز، ويضمن ستة أسباعها، وقيل في الغني :إنه يتصدق بالثمن (الفتاوى الهندية، ج۵ص ۳۰۴، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا)

قال في الفتح عن الأصل والمبسوط :فإن اشترى بدنة لمتعة مثلا ثم اشرك فيها ستة بعد ما أوجبها لنفسه خاصة لا يسعه لأنه لما أوجبها صار الكل واجبا بعضها بإيجاب الشرع وبعضها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۵...... اگر چند افراد کی طرف سے مشترکہ طور پر (مِلے جُلے) کئی جانور خریدے گئے لیکن ہر ایک کے نام کا علیٰحدہ علیٰحدہ جانور متعین نہیں کیا گیا اور اسی طرح ہر ایک کی طرف سے ایک ایک جانور کی قربانی کردی گئی، تب بھی سب کی قربانی درست ہوجائے گی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بإيجابه؛ فإن فعل فعليه أن يتصدق بالثمن وإن نوى أن يشرك فيها ستة أجزأته لأنه ما أوجب الكل على نفسه بالشراء، فإن لم يكن له نية عند الشراء ولكن لم يوجبها حتى شرك الستة جاز: والأفضل أن يكون ابتداء الشراء منهم أو من أحدهم بأمر الباقين حتى تثبت الشركة فى الابتداء. اهـ.وقوله لأنه ما أوجب الكل على نفسه بالشراء إلخ يدل على أن معنى إيجابها لنفسه أن يشتريها لنفسه أو ينوى بعده القربة، ومثله قوله فى شرح اللباب أى بتعيين النية وتخصيصها له .إذا عرفت ذلك فالصور ستة :إما أن يشتريها لنفسه خاصة، أو يشتريها بلا نية ثم يعينها لنفسه، أو يشتريها بلا نية ولم يعينها لنفسه، أو يشتريها بنية الشركة أو يشتريها مع ستة، أو يشتريها وحده بأمرهم، فقول الشارح شريت لقربة لا يصلح على إطلاقه بل هو خاص بما عدا الصورتين الأوليين، لكن ينبغى أن يكون هذا التفصيل محمولا على الفقير لأن الغنى لا تجب عليه بالشراء بدليل ما ذكره فى أضحية البدائع عن الأصل، من أنه لو اشترى بقرة ليضحى بها عن نفسه فأشرك فيها يجزئهم والأحسن فعل ذلك قبل الشراء قال :وهذا :أى قوله يجزئهم محمول على الغنى لأنها لم تتعين، أما الفقير فلا يجوز أن يشرك فيها لأنه أوجبها على نفسه بالشراء للأضحية فتعينت اهـ .لكن سوى فى الخانية فى مسألة الأضحية بين الغنى والفقير فتأمل(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص ۶۱۵،كتاب الحج،باب الهدى)

(وصح) (اشتراك ستة فى بدنة شريت لأضحية) أى إن نوى وقت الشراء الاشتراك صح استحسانا وإلا لا (استحسانا وذا) أى الاشتراك (قبل الشراء أحب(الدر المختار)

(قوله فى بدنة شريت لأضحية) أى ليضحى بها عن نفسه هداية وغيرها، وهذا محمول على الغنى لأنها لم تتعين لوجوب الاضحية بها ومع ذلك يكره لما فيه من خلف الوعد .وقد قالوا إنه ينبغى له أن يتصدق بالثمن وإن لم يذكره محمد نصا، فأما الفقير فلا يجوز له أن يشرك فيها لأنه أوجبها على نفسه بالشراء للأضحية فتعينت للوجوب بدائع وغاية البيان لكن فى الخانية سوى بين الغنى والفقير ثم حكى التفصيل عن بعضهم تأمل(قوله أى إن نوى وقت الشراء الاشتراك صح استحسانا وإلا لا) كذا فى بعض النسخ، والواجب إسقاطه كما فى بعض النسخ، لأن موضوع المسألة الاستحسانية أن يشتريها ليضحى بها عن نفسه كما فى الهداية والخانية وغيرهما، ولذا قال المصنف بعد قوله استحسانا وذا قبل الشراء أحب .وفى الهداية :والأحسن أن يفعل ذلك قبل الشراء ليكون أبعد عن الخلاف وعن صورة الرجوع فى القربة اهـ .وفى الخانية :ولو لم ينو عند الشراء ثم أشركهم فقد كرهه أبو حنيفة.أقول :وقدمنا فى باب الهدى عن فتح القدير معزوا إلى الأصل والمبسوط :إذا اشترى بدنة لمتعة مثلا ثم أشرك فيها ستة بعدما أوجبها لنفسه خاصة لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ بہتر یہ ہے کہ ہر جانور ہر ایک کے نام سے مخصوص کیا جاوے کہ یہ فلانے کی طرف سے ہے اور وہ فلانے کی طرف سے ہے اور وہ فلانے کی طرف سے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۶...... اگر دس افراد نے ایک آدمی سے دس بکریاں اس طرح خریدیں کہ فروخت کرنے والے نے یہ کہا کہ میں نے یہ دس بکریاں تم کو فروخت کیں، ہر بکری مثلاً دس ہزار کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يسعه، لأنه لما أوجبها صار الكل واجبا بعضها بإيجاب الشرع وبعضها بإيجابه، فإن فعل فعليه أن يتصدق بالثمن، وإن نوى أن يشرك فيها ستة أجزأته لأنه ما أوجب الكل على نفسه بالشراء ، فإن لم يكن له نية عند الشراء ولكن لم يوجبها حتى شرك الستة جاز .والأفضل أن يكون ابتداء الشراء منهم أو من أحدهم بأمر الباقين حتى تثبت الشركة في الابتداء اهـ ولعله محمول على الفقير أو على أنه أوجبها بالنذر، أو يفرق بين الهدى والأضحية تأمل(رد المحتار على الدر المختار، ج٦ ص٣١٧، كتاب الأضحية)

[1] في أضاحي الزعفراني :اشترى سبعة نفر سبع شياه بينهم أن يضحوا بها بينهم، ولم يسم لكل واحد منهم شاة بعينها فضحوا بها كذلك ،فالقياس :أن لا يجوز.

وفي الاستحسان :يجوز؛ فقوله اشترى سبعة نفر سبع شياه بينهم؛ يحتمل كل شاة بينهم، ويحتمل شراء سبع شياه على أن يكون لكل واحد منهم شاة، ولكن لا بعينها، فإن كان المراد هو الثاني، فما ذكر من الجواب باتفاق الروايات؛ لأن كل واحد منهم يصير مضحياً بشاة كاملة، وإن كان المراد هو الأول فما ذكر من الجواب على إحدى الروايتين، فإن الغنم إذا كانت بين رجلين ضحيا بها ذكر في بعض المواضع :أنه لا يجوز.

وفي النوازل :شاتان بين رجلين ذبحاها عن نسكهما جاز، وهكذا ذكر القدوري رحمه الله تعالىٰ في آخر كتابه(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج٨ص٤٨٠، كتاب الأضحية،الفصل الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا)

ولو اشترى عشرة عشر أغنام بينهم فضحى كل واحد واحدة جاز.....وفي الأضاحي للزعفراني اشترى سبعة نفر سبع شياه بينهم ولم يسم لكل واحد منهم شاة بعينها فضحوا بها كذلك فالقياس أن لا يجوز، وفي الاستحسان يجوز، فقوله اشترى سبعة نفر سبع شياه بينهم يحتمل شراء كل شاة بينهم ويحتمل شراء شياه على أن يكون لكل واحد شاة ولكن لا بعينها، فإن كان المراد هو الثاني فما ذكر في الجواب باتفاق الروايات؛ لأن كل واحد منهم يصير مضحيا شاة كاملة، وإن كان المراد هو الأول فما ذكر من الجواب على إحدى الروايتين، فإن الغنم إذا كانت بين رجلين ضحيا بها ذكر في بعض المواضع أنه لا يجوز، كذا في المحيط.

شاتان بين رجلين ذبحاهما عن نسكيهما أجزأهما، بخلاف العبدين بين اثنين أعتقاهما عن كفارتيهما لا يجوز(الفتاوى الهندية، ج٥ص٣٠٦، كتاب الأضحية،الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا)

ہے، خریداروں نے ان بکریوں کو مذکورہ قیمت پر خرید لیا، تو یہ دس بکریاں ان دس افراد کے درمیان مشترک ہوجائیں گی، پھر اگر ان میں سے ہر ایک نے کوئی سی بھی ایک ایک بکری کو لے کر اپنی طرف سے قربانی کردی، تو ہر ایک کی قربانی جائز ہوجائے گی۔

اور اگر ان میں سے کوئی بکری ایسی عیب دار نکلی کہ جس کی قربانی جائز نہیں، اور کوئی بھی شریک ان میں سے اس عیب دار بکری کو اپنے لئے لینے پر راضی نہ ہوا، تو نو بکریوں کی دس افراد کی طرف سے قربانی کرنا جائز نہیں ہوگا، تا آنکہ یہ اس ایک بکری کے بارے میں شرعی طریقہ پر معاملہ صاف کرکے اپنے میں سے ایک فرد کو الگ نہ کردیں، پھر نو افراد کی جانب سے نو بکریوں کی قربانی درست ہوجائے گی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۷...... جو شخص قربانی کے لئے جانور متعین کرکے یا کسی جانور میں حصہ لے کر فوت ہوگیا ہو (اور ابھی قربانی نہیں کی گئی تھی) تو اب اگر اس کے سب وارث بالغ ہوں، اور وہ سب میت کی طرف سے قربانی کی اجازت دیں، تو ان کی اجازت سے قربانی جائز ہے، اور وارثوں کے، میت کی طرف سے اجازت دینے کی صورت میں یہ قربانی میت کی طرف سے کہلائے گی، اور اگر ایک وارث بھی اجازت نہ دے گا، تو اس جانور کی قربانی جائز نہ ہوگی۔

کیونکہ اب وہ جانور یا حصہ متوفّٰی کے سب وارثوں کی بطور میراث کے مشترکہ ملکیت ہے اور اگر اس کے وارثوں میں کوئی فرد نابالغ بھی ہے تو اب اس جانور کی قربانی نہ کی جائے، کیونکہ نابالغ کی اجازت معتبر نہیں ہے۔ [2]

---

[1] عشرة نفر اشتروا من رجل عشر شياه جملة فقال البائع بعت هذه العشرة لكم كل شاة بعشرة دراهم قالوا اشترينا فصارت العشرة مشتركة بينهم فأخذ كل واحد منهم شاة و ضحى عن نفسه جاز *فإن ظهر منها شاة عوراء فأنكر كل أحد من الشركاء أن تكون العوراء له لا تجوز تضحيتهم لأن تسع شياه عن عشرة نفر لا تجوز لأنه منقوص كل أضحية فى التسع(فتاوى قاضى خان، كتاب الأضحية)

[2] وذكر فى الأصل إذا اشترك سبعة فى بدنة فمات أحدهم قبل الذبح فرضى ورثته أن يذبح عن الميت جاز استحسانا والقياس أن لا يجوز (بدائع الصنائع، ج۵ص ۷۲، كتاب التضحية، فصل فى شرائط جواز إقامة الواجب فى الأضحية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۸...... اگر قربانی کے بڑے جانور (اونٹ یا گائے) میں چند لوگ اس طرح شریک ہوئے کہ کچھ لوگوں نے گزشتہ سال کی قضا قربانی کی نیت سے حصہ لیا، اور بعض نے اس موجودہ سال کی واجب قربانی کی نیت سے حصہ لیا، تو اس جانور کی قربانی درست ہو جائے گی، لیکن قضا کی نیت سے شامل ہونے والوں کی یہ قربانی نفل بن جائے گی، اور ان کی گزشتہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(وإن) (مات أحد السبعة) المشتركين في البدنة (وقال الورثة اذبحوا عنه وعنكم) (صح) عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل، ولو ذبحوها بلا إذن الورثة لم يجزهم لأن بعضها لم يقع قربة(الدرالمختار، كتاب الاضحية)

(قوله وقال الورثة) أي الكبار منهم نهاية (قوله لقصد القربة من الكل) هذا وجه الاستحسان .... (قوله لأن بعضها لم يقع قربة) فكذا الكل لعدم التجزؤ كما يأتي(ردالمحتار، ج٦ص ٣٢٦، كتاب الاضحية)

وإذا اشترى سبعة بقرة ليضحوا بها فمات أحد السبعة وقالت الورثة وهم كبار :اذبحوها عنه وعنكم جاز استحسانا، ولو ذبح الباقون بغير إذن الورثة لا يجزئهم؛ لأنه لم يقع بعضها قربة لعدم الإذن منهم فلم يقع الكل قربة ضرورة عدم التجزى كذا في الكافي(الفتاوىٰ الهندية، ج٥ص ٣٠٥، كتاب الاضحية، الباب الثامن)

رجل اشترى أضحية وأوجبها على نفسه بلسانه ثم مات قبل أن يضحي بها كان ميراثا عنه في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى(فتاوىٰ قاضيخان، ج٣ص٢٠٧، كتاب الاضحية)

امداد المفتین میں ہے کہ:

قربانی کے جانور کا کوئی حصہ خریدنے کے بعد خریدنے والا مر گیا تو یہ ایک بین بین صورت ہے، نہ تو ملک میت ہے اور نہ ہنوز ملکِ ورثہ اس میں مکمل ہے، بلکہ ایک شئ موقوف کی طرح ہے، کہ اگر ورثہ اجازت دے دیں تو منجانب میت قربانی ہو جائے اور اجازت نہ دیں تو وہ اس کی قیمت شرکاء سے لے کر ترکہ میں شامل کر کے تقسیم کر سکتے ہیں، اس کی ایک نظیر وصیت للوارث یا وصیت بازید من الثلث ہے، کہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے کہ میت کا تصرف اگر اس میں پوری طرح نافذ ہوتا تو اجازت ورثہ کی ضرورت کیا تھی، اور اگر ورثہ کی ملک تام ہوتی تو پھر الا باذن الورثہ کا استثناء بظاہر مناسب نہیں تھا بلکہ یہ ہوتا کہ ورثہ اس کے مالک ہیں، وہ چاہیں کریں، اگر دیں تو وہ ہبہ مبتدیہ ہوگا نہ دیں تو ان کو اختیار ہے، الغرض حدیث میں اس کو بعنوان استثناء تعبیر کرنے سے ظاہر یہ ہے کہ ورثہ کی اجازت اس جگہ بالکل ہبہ مستقلہ نہیں۔

خلاصہ یہ کہ حصہ اضحیہ اگرچہ اجازت ورثہ پر موقوف ہے وہ اجازت نہ دیں تو ترکہ میں شامل ہو جائے گا، لیکن جب وہ اجازت دے دیں، تو یہ تصرف میت ہی کا نافذ ہوگا، اور یہ عمل اسی کی طرف منسوب ہوگا، مثل وصیت زائد عن الثلث کے کہ بعد اجازت ورثہ کے میت کا ہی تصرف ہو کر وصیت ہی کی حیثیت سے نافذ ہوتی ہے،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

واجب قربانی ادا نہیں ہوگی، بلکہ ان کو گزشتہ قربانی کی قضا پوری کرنے کے لئے قربانی کے قابل درمیانی درجہ کی بکری یا دنبہ، یا بھیڑ یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ورثہ کا صدقہ یا ہبہ نہیں کہلاتی، اور اس صورت میں سبع بقرۃ کا تجزیہ نہ ہوا، واللہ اعلم ۲/ جمادی الثانی ۶۷ھ
(امداد المفتین ص ۹۵۸ تا ۹۶۰، کتاب الاضحیۃ والعقیقۃ والختان)

اور ورثہ کی طرف سے ''اذبحوا عنہ'' کے جملہ میں ''عنہ'' کا لفظ بھی اس معنیٰ کی تائید کرتا ہے، کہ یہ تصرف واضحیہ میت کی طرف سے واقع ہو رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر ایک سے زیادہ ورثاء اس سُبُعِ بقرۃ (بقرہ کے ساتویں حصہ) میں اپنی قربانی کی نیت کریں تو پھر یہ صورت جائز نہ ہوگی، کیونکہ اس صورت میں یہ عمل میت کی طرف سے واقع نہ ہوگا، بلکہ ان ورثاء کی طرف سے واقع ہوگا، اور ان کی اپنی ملکیت میں تصرف کہلائے گا، اور اس صورت میں سبعِ بقرۃ کی ذابحین کی طرف سے تجزی لازم آئے گی، جو کہ جائز نہیں ہے۔

اور اسی سے مذکورہ جزئیہ میں استحسان کی وجہ بھی معلوم ہوگئی، کہ وہ اذنِ ورثہ کی وجہ سے قربت بنا ہے۔ محمد رضوان
(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ ''حصولُ الخیر بالتضحیۃِ عن الغیر یعنی غیر کی طرف سے قربانی کی تحقیق)

[1] **وإن نوى بعض الشركاء التطوع وبعضهم يريد الأضحية للعام الذى صار دينا عليه وبعضهم الأضحية الواجبة عن عامه ذلک جاز الكل، وتكون عن الواجب عمن نوى الواجب عن عامه ذلک، وتكون تطوعا عمن نوى القضاء عن العام الماضى، ولا تكون عن قضائه بل يتصدق بقيمة شاة وسط لما مضى، كذا فى فتاوى قاضى خان(الفتاوىٰ الهندية، ج۵ ص ۳۰۵، كتاب الاضحية، الباب الثامن)**

ملحوظ رہے کہ قاضی خان کی ایک روایت کے مطابق اگر ایک شخص نے اس سال کی قربانی کی نیت سے حصہ لیا، اور باقی لوگوں نے گزشتہ سال کی قضاء قربانی کی نیت کی، تو اس سال کی ادا قربانی کرنے والے کی قربانی تو درست ہوجائے گی، اور باقی لوگوں کی قضاء قربانی کی نیت درست نہیں ہوگی، بلکہ یہ ان کی نفلی قربانی بن جائے گی، اور پورے جانور کے گوشت کا صدقہ کرنا واجب ہوجائے گا، کیونکہ واجب قربانی والے کا حصہ اس جانور میں شائع ہے۔

اسی روایت کو علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی خانیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

سبعة اشتروا بقرة للأضحية فنوى أحدهم الأضحية عن نفسه لهذه السنة و نوى أصحابه الأضحية عن السنة الماضية قالوا تجوز الأضحية عن هذا الواحد و نية أصحابه للسنة الماضية باطلة و صاروا متطوعين و وجبت الصدقة عليهم بلحمها و على الواحد أيضا لأن نصيبه شائع......و إن نوى بعض الشركاء التطوع و بعضهم يريد الأضحية للعام الماضى الذى صار دينا عليه و بعضهم الأضحية الواجبة عن عامه ذلک جاز عن الكل و يكون الواجب عمن نوى الواجب عن عامه ذلک و يكون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۹...... اگر کسی بڑے جانور (اونٹ، گائے وغیرہ) کی چندلوگ مشترک طور پر قربانی کریں، اوران میں ایک حصہ کسی نابالغ بچے کا ہو، جس کی طرف سے اس کا والد قربانی کررہا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تطوعا عمن نوى القضاء عن العام الماضى و لا يجوز عن قضائه بل يتصدق بقيمة شاة وسط لما مضى(فتاوى قاضى خان، ج ۳، ص ۲۰۹، كتاب الأضحية)

قد علم أن الشرط قصد القربة من الكل، وشمل ما لو كان أحدهم مريدا للأضحية عن عامه وأصحابه عن الماضى تجوز الأضحية عنه ونية أصحابه باطلة وصاروا متطوعين، وعليهم التصدق بلحمها وعلى الواحد أيضا لأن نصيبه شائع كما فى الخانية، وظاهره عدم جواز الأكل منها تأمل (ردالمحتار ج ۶ ص ۳۲۶، كتاب الاضحية)

مگراس میں یہ شبہ ہے کہ جب ادا کی نیت کرنے والے کی قربانی کو درست اور قضا کی نیت کرنے والوں کی قربانی کو تطوع قرار دیا جارہا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ قربانی لحمِ محض نہیں بنی، اور نہ ہی قضا کی نیت سے شامل ہونے والوں کی قضا کی نیت معتبر ہوئی، پھر اس قربانی کے سارے گوشت کو واجب التصدق قرار دینے کے کوئی معنیٰ نہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ واجب قربانی والے کا حصہ اس میں شائع ہے، تو اولاً تو یہ بات اس وقت معتبر ہے، جبکہ بنیتِ قضا شامل ہونے والوں کی نیت کو مؤثر مان کر اس کے گوشت کو قضا کی غرض سے واجب التصدق قرار دیا جائے، مگر یہ بات اس لئے معتبر معلوم نہیں ہوتی کہ متن کے مسئلہ والی روایت میں قضا کی نیت والوں کی قربانی کو تطوع قرار دینے کے ساتھ ساتھ قیمتِ شاۃ کے تصدق کا الگ سے حکم بیان کیا گیا ہے، جو کہ معقول معلوم ہوتا ہے۔

اور ثانیاً اگر قربانی کے جانور میں کوئی ایسا شخص شریک ہو، جس کے ذمہ میں گوشت کا تصدق بھی واجب ہو، جیسے دمِ جنایت وکفارہ، تو ایسے شخص کو اضحیہ کے ساتھ شمولیت کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور پورے گوشت کو واجب التصدق قرار نہیں دیا گیا، حالانکہ وہاں بھی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ دوسروں کا حصہ شائع ہے، اس لئے سب پر تصدق واجب ہے۔

ولكن إنما يجوز بشرط أن يكون قصدهم من التضحية التقرب إلى الله تعالى سواء كان من نوع واحد كما إذا كانوا شركاء فى الأضحية أو فى الهدى أو من أنواع مختلفة بأن كان نوى أحدهم الأضحية والآخر الهدى والآخر دم الكفارة ونحو ذلك ولكن الأفضل أن تكون الشركة فى نوع واحد(تحفة الفقهاء، ج ۳ ص ۸۵، كتاب الأضحية)

اس لئے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ سنینِ ماضیہ کی نیت کرنے والوں کی نیت کو معتبر نہ مانا جائے، اوران کے حصہ کی قربانی کو اراقتِ دَم کے اعتبار سے تطوع قرار دیا جائے، تا کہ باقی شرکاء کی قربانی درست ہوجائے، جس میں اس سال کی واجب یا تطوع کی نیت کرنے والے سب داخل ہیں، اوراس قربانی کے گوشت کو عام قربانی کا حکم دیا جائے، اور ذمہ میں قضا قربانی والوں پر قیمتِ شاۃ واجب ہو۔

البتہ اگر سنینِ ماضیہ کی نیت کرنے والے یہ لوگ اپنے حصہ کے گوشت کو اپنی واجب قربانی کی طرف سے تصدق کریں، تو اس تصدق کو معتبر قرار دیا جانا چاہئے، اور قیمتِ شاۃ میں سے جتنی مقدار کی کمی ہو، اس کا بھی تصدق واجب ہونا چاہئے، جیسا کہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہو، تو سب کی قربانی درست ہوجائے گی۔ [1]

مسئلہ نمبر۲۰...... اگر ایک بڑے جانور میں کئی افراد شریک ہوں تو ہر شریک کا مسلمان ہونا قربانی صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے اگر کوئی ایک شریک بھی غیر مسلم ہو (خواہ اہلِ کتاب ہی ہو) تو کسی ایک شریک کی قربانی بھی صحیح نہ ہوگی۔ [2]

مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ تمام ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتا ہو، کسی امرِ ضروری

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

غنی شخص اگر ایامِ اضحیہ میں قربانی نہ کرے، تو اس پر ایامِ اضحیہ کے بعد قیمتِ شاۃ کا تصدق واجب ہے، چاہے وہ نقد کی شکل میں ادا کرے، یا کسی اور جنس سے، اور اگر وہ جانور ذبح کردے، تو اس سے اس کا وجوب ادا نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے ذمہ اس وقت اراقۃِ دَم کے بجائے شاۃ یا قیمتِ شاۃ کا تصدق واجب ہے، اور اگر غنی ایامِ اضحیہ کے بعد جانور ذبح کرکے اس کا گوشت صدقہ کرے، تو قیمتِ شاۃ کے مقابلہ میں جتنی قیمت کم ہو، اس کا تصدق بھی واجب ہوتا ہے۔

(و) تصدق (بقيمتها غنى شراها أولا) لتعلقها بذمته بشرائها أولا، فالمراد بالقيمة قيمة شاة تجزى فيها(الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار، ج٦ص ٣٢٠، ٣٢١، كتاب الاضحية)

اور یہاں پر کیونکہ دوسرے کی واجب یا تطوع قربانی کے ضمن میں قضا کی نیت والوں کو متطوع قرار دیا جارہا ہے، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اگر کوئی ابتداء سے ہی تطوع کی نیت سے قربانی کرے، تو اس قربانی کا گوشت کسی دوسرے مالی واجب کی ادائیگی میں تصدق کرنا جائز ہو۔

يغتفر فى التوابع ما لا يغتفر فى غيرها وقريب منها يغتفر فى الشء ضمنا ما لا يغتفر فيه قصدا (الاشباه والنظائر، ج١، ص١٢٠)

[1] سبعة اشتركوا فى تضحية البقرة و معهم صبى ضحى عنه أبوه أو معتوه ضحى عنه وليه أو أم ولد مسلمة ضحى عنها مولاها جاز عن الكل(فتاویٰ قاضيخان،ج٣ص ٢١٠، كتاب الاضحية)

[2] و لو اشترک سبعة فى بدنة و واحد منهم مشرک كان الكل لحما(فتاوى قاضى خان،ج ٣،ص ٢٠٩،كتاب الأضحية)

(وإن) (كان شريک الستة نصرانيا أو مريدا اللحم) (لم يجز عن واحد) منهم لأن الإراقة لا تتجزأ هداية لما مر(الدر المختار مع شرحه رد المحتار،ج٦ص ٣٢٦،كتاب الأضحية)

وإن كان كل واحد منهم صبيا أو كان شريک السبع من يريد اللحم أو كان نصرانيا ونحو ذلک لا يجوز للآخرين أيضا كذا فى السراجية.

ولو كان أحد الشركاء ذميا كتابيا أو غير كتابى وهو يريد اللحم أو يريد القربة فى دينه لم يجزئهم عندنا؛ لأن الكافر لا يتحقق منه القربة، فكانت نيته ملحقة بالعدم، فكأن يريد اللحم والمسلم لو أراد اللحم لا يجوز عندنا، وكذلک إذا كان أحدهم عبدا أو مدبرا ويريد أضحية، كذا فى البدائع (الفتاویٰ الهندية، ج٥ص ٣٠٤،كتاب الاضحية، الباب الثامن)

کا منکر نہ ہو مثلاً عقیدۂ ختمِ نبوت کا منکر وغیرہ، اسی طرح ہر وہ شخص جو دین کے کسی ایسے حکم کا انکار کرتا ہو جس کا ثبوت قطعی اور یقینی ہو اور اس کا دینی حکم ہونا ہر عام و خاص کو معلوم ہو۔

اور اگر کوئی جماعت یا فرد ایسا ہو کہ جس کا کفر، شرک قطعی و یقینی اور بدیہی نہ ہو اور تاویل وغیرہ کی وجہ سے اس پر حتمی کفر یا شرک کا فتویٰ نہ لگایا گیا ہو، تو اگرچہ تاویل کی وجہ سے دوسروں کی قربانی کو درست قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن احتیاط اس میں ہے کہ اس کو بھی قربانی میں شامل نہ کیا جائے بلکہ کوشش کی جائے کہ قربانی جیسی اہم اور عظیم الشان عبادت میں تمام شریک صحیح العقیدہ سنی مسلمان ہوں۔

مسئلہ نمبر ۲۱...... عام طور پر اس کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ سب شریک حلال روپیہ سے قربانی کرنے والے ہوں، بلا امتیاز ہر ایک کو شریک کر لیا جاتا ہے۔

اس طریقہ سے بچنے کی ضرورت ہے۔

پھر اگر حرام آمدنی والے شخص نے کسی جانور کی قربانی میں شرکت کی، تو اگر اس کا مال حلال اور حرام دونوں قسم کا مخلوط ہے، اور اس میں حلال کی مقدار غالب اور زیادہ ہے، تو غالب اور اکثر آمدنی کا اعتبار کرتے ہوئے سب شرکاء کی قربانی درست ہو جائے گی۔

اور اگر حرام کی مقدار غالب اور زیادہ ہے، یا تمام مال حرام ہے، تو پھر بعض علماء کے نزدیک کسی کی بھی قربانی درست نہیں ہوگی (کمافی احسن الفتاویٰ ج ۷، ص ۵۰۳)

اور بعض علماء کے نزدیک اگر مالِ حرام سے قربانی کے جانور میں شرکت کرنے والے نے مالِ حرام سے رقم ادا کرنے کی زبان سے تصریح نہیں کی، تو دیگر شرکاء کی قربانی درست ہو جائے گی۔[1]

بہر حال احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اگر پہلے سے کسی کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ کُل

---

[1] وإن كانا مما لا يتعين فعلى أربعة أوجه فإن أشار إليها ونقدها فكذلک يتصدق (وإن أشار إليها ونقد غيرها أو) أشار (إلى غيرها) ونقدها (أو أطلق) ولم يشر (ونقدها لا) يتصدق فى الصور الثلاث عند الكرخى قيل (وبه يفتى) والمختار أنه لا يحل مطلقا كذا فى الملتقى ولو بعد الضمان هو الصحيح كما فى فتاوى النوازل واختار بعضهم الفتوى على قول الكرخى فى زماننا لكثرة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یا غالب مالِ حرام سے قربانی کے جانور میں شرکت کررہا ہے، تو اس کو اپنے ساتھ قربانی کے جانور میں شریک نہ کیا جائے۔

اور اگر کسی نے شریک کرلیا ہو، اور اس نے شریک ہوتے وقت مالِ حرام سے شرکت کی تصریح نہ کی ہو (جیسا کہ عام طور پر تصریح نہیں کی جاتی) تو دیگر شرکاء کی قربانی درست قرار دے دی جائے گی۔

اور جس کی آمدنی کے بارے میں کچھ علم نہ ہو، اس سے تحقیق کرنا ضروری نہیں۔

قربانی کے جانوروں کی عُمروں سے متعلق احکام

جہاں ایک طرف شریعت کی طرف سے قربانی کے لئے مخصوص جانور مقرر کئے گئے ہیں، اسی کے ساتھ اُن جانوروں کی مخصوص عمریں بھی مقرر کی گئی ہے، جن کا احادیث وروایات میں ذکر ملتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَذْبَحُوْا إِلَّا مُسِنَّةً ، إِلَّا أَنْ تَعْسُرَ عَلَیْکُمْ، فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِّنَ الضَّأْنِ (مسند أحمد) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحرام وهذا كله على قولهما . وعند أبي يوسف لا يتصدق بشيء منه كما لو اختلف الجنس ذكره الزيلعي فليحفظ (الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار، ج٦ ص ١٨٩، ١٩٠، كتاب الغصب)

قال فخر الإسلام : لأن ظاهر هذه العبارة يدل على أنه أراد بها إذا أشار إليها ونقد منها، أما إذا أشار إليها ونقد من غيرها أو نقد منها وأشار إلى غيرها أو أطلق إطلاقا ونقد منها يطيب له، وهذه أربعة أوجه، ففي واحد منها لا يطيب، وفي الباقي يطيب . وذكر في المبسوط وجها آخر لا يطيب فيه أيضا، وهو أنه إذا دفع إلى البائع تلك الدراهم أولا ثم اشترى منه بتلك الدراهم . وهذا التفصيل في الجواب قول الكرخي -رحمه الله -، لأن الإشارة إذا كانت لا تفيد التعيين كان وجودها وعدمها سواء ، فلا بد أن يتأكد بالنقد ليتحقق الخبث . قالوا : والفتوى اليوم على قوله لكثرة الحرام دفعا للحرج عن الناس (العناية شرح الهداية، ج٩ ص ٣٣١، كتاب الغصب)

[1] رقم الحديث ١٤٣٤٨، مؤسسة الرسالة، بيروت ، واللفظ لهٗ، مسلم، رقم الحديث ١٩٦٣ .
في حاشية مسند احمد: إسناده على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير أبي الزبير فمن رجال مسلم.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم (قربانی میں) صرف مُسِنّہ (جانور ہی) قربان کرو، الا یہ کہ تم پر یہ دشوار ہوجائے، تو تم دنبہ کے جذعہ کی قربانی کرلو (ترجمہ ختم)

اور قبیلۂ مزینہ کے ایک صحابی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ الْجَذَعَ يُوَفِّي مِمَّا يُوَفِّي مِنْهُ الثَّنِيُّ (سنن نسائی)[1]

ترجمہ: (دنبے کا) جذع اس چیز کی کفایت کردیتا ہے، جس کی ثنی کفایت کرتا ہے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

إِنَّ الْجَذَعَةَ تُجْزِءُ مَا تُجْزِءُ مِنْهُ الثَّنِيَّةُ (سنن نسائی)[2]

ترجمہ: (دنبے کا) جذعہ اس چیز کی کفایت کردیتا ہے، جس کی ثنیہ کفایت کردیتا ہے (ترجمہ ختم)

اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ''مُسِنّہ'' اور ''ثنی'' یا ''ثنیہ'' سے بڑی عمر کا جانور مراد ہے، اونٹ کم از کم پانچ سال کا، گائے بھینس دو سال کی، اور بکرا ایک سال کا۔

اور ''جذعہ'' سے مراد ایک سال سے کم اور چھ ماہ یا اس سے زیادہ عمر کا دنبہ ہے۔

اور اگر دشوار نہ ہو، تو پورے ایک سال کا دنبہ ہی افضل ہے۔[3]

---

[1] رقم الحدیث ۴۳۸۳، کتاب الضحایا، باب المسنة والجذعة، مکتب المطبوعات الاسلامیة، حلب.

[2] رقم الحدیث ۴۳۸۴، کتاب الضحایا، باب المسنة والجذعة، مکتب المطبوعات الاسلامیة، حلب.

[3] البتہ بعض اہلِ لغت نے ''مسنہ'' کو سن یعنی دانت سے ماخوذ اور ''ثنیہ'' کو دو دانت سے ماخوذ قرار دیا ہے، اور پختہ دو دانت ہوجانے کو مذکورہ عمر کی تکمیل کی علامت قرار دیا ہے کہ اونٹ کے پانچ سالہ اور گائے بھینس کے دو سالہ اور بکرے کے ایک سالہ ہونے کی علامت پختہ دو دانتوں کا مکمل نکل آنا ہے، البتہ بعض اوقات آب وہوا، غذا اور نسل کے فرق کی وجہ سے ان دانتوں کے نکلنے میں عمر کی کمی بیشی بھی ممکن ہے (جس کی تفصیل آگے آتی ہے)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ضَحّٰی خَالِیْ أَبُوْ بُرْدَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تِلْکَ شَاةُ لَحْمٍ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّ عِنْدِیْ جَذَعَةً مِّنَ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(لا تذبحوا إلا مسنة) : وهی الكبيرة بالسن، فمن الإبل التی تمت لها خمس سنين ودخلت فی السادسة، ومن البقر التی تمت لها سنتان ودخلت فی الثالثة، ومن الضأن والمعز ما تمت لها سنة، كذا قاله ابن الملک .(إلا أن يعسر) أی :يصعب .(عليكم) أی :ذبحها، بأن لا تجدوها قاله ابن الملک .والظاهر أی :يعسر عليكم أداء ثمنها .قال ابن الملک :قوله :(إلا أن يعسر) بهذا قال بعض الفقهاء :الجذعة لا تجزء فی الأضحية إذا كان قادرا على مسنة، ومن قال بجوازه حمل الحديث على الاستحباب اهـ .وهو المعتمد فی المذهب . ويؤيده حديث نعمت الأضحية الجذعة من الضأن وروى أحمد وغيره :ضحوا بالجذعة من الضأن فإنه جائز .(فذبحوا جذعة) : بفتحتين. (من الضأن) : بالهمز ويبدل ويحرک خلاف المعز من الغنم، وهو ما يكون قبل السنة قاله ابن الملک، لكن يقيد بأنها تكون بنت ستة أشهر تشبه ما لها سنة لعظم جثتها .وفی النهاية :الجذع من أسنان الدواب، وهو ما يكون منها شابا فهو من الإبل ما دخل فی المسنة، ومن البقر ما دخل فی الثانية، ومن الضأن ما تمت له سنة، وقيل :أقل منها، وفی شرح السنة :اتفقوا على أنه لا يجوز من الإبل والبقر إلا الثنی، وهو من الإبل ما استكمل خمس سنين، ومن البقر والمعز ما استكمل سنتين وطعن فی الثالثة، وأما الجذع من الضأن فاختلفوا فيه، فذهب أكثر أهل العلم من الصحابة ومن بعدهم إلى جوازه، غير أن بعضهم يشترط أن يكون عظيما، وقال الزهری :لا يجوز من الضأن إلا الثنی فصاعدا كالإبل والبقر، والأول أصح لما ورد :نعمت الأضحية الجذعة من الضأن اهـ.

لكن قوله :المعز ما استكمل سنتين مخصوص بمذهب الشافعی، ففی التعبير بالاتفاق تخالف .قال فی الأزهار :النهی فی قوله :لا تذبحوا للحرمة فی الإجزاء ، وللتنزيه فی العدول إلى الأدنی، وهو المقصود فی الحديث بدليل .(إلا أن يعسر عليكم) والعسر قد يكون لغلاء ثمنها، وقد يكون لفقدها وعزتها، ومعنى الحديث الحمل والحث على الأكمل والأفضل، وهو الإبل، ثم البقر، ثم الضأن، وليس المراد الترتيب والشرط .وقال بعض الشارحين :المراد بالمسنة هنا البقرة فقط، وليس كذلک ولا مخصص لها، ذكره السيد (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۳ص ۱۰۷۹ ،كتاب الصلاة،باب فی الأضحية)

وأما حديث عاصم بن كليب عن أبيه عن النبی أنه قال إن الجذع يوفی مما يوفی منه الثنی فهذا إنما هو فی الضأن بدليل حديث البراء وغيره فی قصة أبی بردة بن نيار أن رسول الله قال له فی العناق وهی من المعز أنها لن تجزیء عن أحد بعدک،وأما الأضحية بالجذع من الضأن فمجتمع عليها عند جماعة الفقهاء (التمهيد لما فی المؤطا، ج۲۳ ص۱۸۸ ، باب الياء، تحت ترجمة يحيیٰ بن سعيد الانصاری، الحديث العشرون)

الْمَعْزِ، فَقَالَ ضَحِّ بِهَا، وَلَا تَصْلُحُ لِغَيْرِكَ ، ثُمَّ قَالَ :مَنْ ضَحّٰى قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَإِنَّمَا ذَبَحَ لِنَفْسِهٖ، وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهٗ، وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ (مسلم) [1]

ترجمہ: میرے ماموں ابو بردہ نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کر دی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بکری کا گوشت ہے (کیونکہ عید کی نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں) پھر انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے پاس بکرے کا جذعہ (یعنی ایک سال سے کم کا بکرا) ہے، تو رسول اللہ نے فرمایا کہ آپ اس کو ذبح کرلیں، اور آپ کے علاوہ کسی کے لئے (بکرے کا جذعہ) جائز نہیں، پھر رسول اللہ نے فرمایا کہ جس نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کرلی، تو اس نے اپنے آپ (یعنی اپنے کھانے) کے لئے ذبح کیا، اور جس نے نماز کے بعد ذبح کیا تو اس کی (قربانی کا) نسک مکمل ہوگیا، اور اس نے مسلمانوں کے طریقہ کے مطابق درست کام کیا (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ ''جذعہ'' یعنی ایک سال سے کم عمر بکری یا بکرے کی قربانی جائز نہیں، البتہ ایک سال سے کم عمر کے دنبے کی قربانی جائز ہے۔ [2]

چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَقَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنْ لَا يُجْزِءَ الْجَذَعُ مِنَ الْمَعْزِ، وَقَالُوْا : إِنَّمَا يُجْزِءُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ (سنن الترمذی) [3]

---

[1] رقم الحديث ۱۹۶۱، كتاب الصيد والذبائح وما يؤكل من الحيوان، باب وقتها، دار إحياء التراث العربی - بيروت.

[2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو ایک سال سے کم عمر بکرے کی قربانی کی بطور وحی اجازت دیدی، ممکن ہے کہ اس سے پہلے شریعت کی طرف سے یہ حکم نہ آیا ہو یا ان صحابی تک یہ حکم نہ پہنچا ہو، پھر بعد میں کسی کے لیے بھی بکرے کے جذعہ کی نفی فرمادی گئی۔

[3] تحت رقم الحديث ۱۵۰۸، ابواب الاضاحی، باب ماجاء فی الذبح بعد الصلاة، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابی الحلبی - مصر.

ترجمہ: اور اہلِ علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جذع (یعنی ایک سال سے کم عمر) بکرے کی قربانی جائز نہیں، اور ان کا کہنا ہے کہ بس جذع (یعنی ایک سال سے کم عمر کے) دنبے کی ہی قربانی جائز ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت اِم بلال رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :ضَحُّوا بِالْجَذَعِ مِنَ الضَّأْنِ فَإِنَّهُ جَائِزٌ "(مسند احمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دنبہ کے جذع (یعنی ایک سال سے کم عمر دنبہ) کی قربانی کرلو، کیونکہ وہ جائز ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ضَحَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَذَعٍ مِّنَ الضَّأْنِ (سنن النسائی) [2]

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جذع (یعنی ایک سال سے کم عمر کے) دنبے کی قربانی کی (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : نِعْمَ الْأُضْحِيَّةُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ ، قَالَ: فَانْتَهَبَهُ النَّاسُ (سنن الترمذی) [3]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنبے

---

[1] رقم الحديث ۲۷۰۷۲، مؤسسة الرسالة، بيروت.
فی حاشية مسند احمد: حسن لغيره.

[2] رقم الحديث ۴۳۸۲، كتاب الضحايا، باب المسنة والجذعة، مكتب المطبوعات الاسلامية، حلب.

[3] رقم الحديث ۱۴۹۹، ابواب الاضاحى، باب ماجاء فى الجذع من الضأن فى الاضاحى، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

کے جذع (یعنی ایک سال سے کم عمر دنبہ) کی قربانی بہت اچھی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر لوگوں کو اس بات کا علم ہوا (ترجمہ ختم)

اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ، أَنَّ الْجَذَعَ مِنَ الضَّأْنِ يُجْزِءُ فِي الْأُضْحِيَّةِ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام اور آپ کے علاوہ اہلِ علم کا اسی پر عمل ہے کہ دنبے کے جذع کی قربانی جائز ہے (ترجمہ ختم)

اور امام ترمذی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

قَالَ وَكِيْعٌ : اَلْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ يَكُوْنُ ابْنَ سِتَّةٍ أَوْ سَبْعَةِ أَشْهُرٍ (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: حضرت وکیع نے فرمایا کہ دنبہ کا جذع چھ، یا سات مہینے کا ہوتا ہے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ دنبہ کا جذعہ چھ یا سات مہینے کا ہوتا ہے۔ [3]

---

[1] تحت رقم الحديث ١٤٩٩ ،ابواب الاضاحى، باب ماجاء فى الجذع من الضأن فى الاضاحى، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

[2] تحت رقم الحديث ١٥٠٠ ،ابواب الاضاحى، باب ماجاء فى الجذع من الضأن فى الاضاحى، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

[3] فقہائے احناف کا یہی قول ہے۔

ثم بعد الاتفاق على هذا القدر اختلفوا فى تقدير الجذع والثنى على اقوال والمعتمد عندنا ـ معشر الحنفية ـ ان الجذع من الضأن ابن ستة أشهر، والثنى منها ومن المعز ماتم له سنة ودخل فى الثانية، ومن البقر ماتم له سنتان، ودخل فى الثالثة ومن الابل ماتم له خمس سنين ودخل فى السادسة.

لايقال: ان تفسير الجذع من الضأن مخالف لماعليه أهل اللغة؛ لأن الجذع من الشاة عندهم ماتم له سنة، والثنى ماتم له سنتان، لأنا نقول: من قال ذلک من الفقهاء لم يقل بالرأى والقياس؛ لأنه لا دخل فيه للقياس ولا بالنص؛ لأنه ليس فيه نص بل قال ذلک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور دنبہ کے حکم میں بھیڑ بھی شامل ہے۔

چنانچہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحّٰى بِكَبْشَيْنِ جَذَعَيْنِ خِصِيَّيْنِ -أَوْ قَالَ: مَوْجُوْءَيْنِ (مسند ابنِ ابی شیبة)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوخصی جذعوں (یعنی ایک سال سے کم عمر کے) مینڈھوں کی قربانی فرمائی (ترجمہ ختم)

اس حدیث کی سند کو اگرچہ بعض نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن اس کی وجہ سے اس مسئلہ پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح احادیث میں ''الْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ'' کے الفاظ کے ساتھ ایک سال سے کم عمر دنبے کی قربانی کا جائز ہونا ثابت ہے۔

اور ''ضأن'' اسمِ جنس ہے، جس میں دنبے کے ساتھ بھیڑ بھی داخل ہے۔

قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے بکرے کے مقابلہ میں ضأن کو الگ قسم کر کے بیان فرمایا ہے، جس میں دنبہ اور بھیڑ دونوں داخل ہیں۔

اس کے علاوہ اہلِ لغت نے ''ضأن'' اون والے جانور کو کہا ہے، جس میں دنبہ اور بھیڑ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالاطلاع على اللغه، وان لم نطلع على مأخذهم كمالم نطلع على مأخذ من فسر الجذع بماتم له سنة والثنى بما تم له سنتان فلما قال الفقهاء ماقالوا من حيث اللغة لامن حيث الفقه صار الاختلاف لغويا دون اللغوى والشرعى كما يوهمه عبارات بعض الكتب۔ كالهداية والبناية؛ لأنه قال فى "الهداية": والجذع من الضأن ماتمت له ستة أشهر فى مذهب الفقهاء.

وقال فى شرحه (البناية) : قيد به؛ لأن عند أهل اللغة الجذع من الشاة ماتمت له سنة وطعنت فى الثانية اه. وهذا ظاهر فى أن ماقال الفقهاء معنى شرعى، وماقال أهل اللغة معنى لغوى، وهو خلاف الواقع بل كلاهما معنى لغوى، كماعرفت، فافهم (اعلاء السنن، ج۱۷، ص۲۴۲، باب مايجوز فى الضحايا من السن)

[1] رقم الحديث ۴۱، ج ۱ص ۵۱، دارالوطن، الرياض، واللفظ لهٗ،مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۷۱۳.

یا مینڈھا دونوں داخل ہیں، اور بکرا داخل نہیں ہے۔ ۱؎

مذکورہ احادیث وروایات کے بعد اب اس سلسلہ میں چند مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر۱...... قربانی درست ہونے کے لئے اونٹ، اونٹنی کی عمر کم از کم پانچ سال، گائے، بیل، بھینس، بھینسے کی عمر کم از کم دو سال اور بکرا، بکری کی عمر کم از کم ایک سال ہونا ضروری ہے۔ ۲؎

۱؎ ثَمانِيَةَ أَزْواجٍ بدل من حمولة وفرشا او مفعول كلوا ولا تتبعوا معترض بينهما او حال من ما بمعنى مختلفة او متعددة والزوج ما معه اخر من جنسه يزاوجه وقد يقال لمجموعهما والمراد الاول مِنَ الضَّأْنِ اسم جنس وهى ذات الصوف من الغنم وجمعه ضئين او الضان جمع ضائن والأنثى ضائنة وجمعها ضوائن اثْنَيْنِ زوجين اثنين الذكر والأنثى اعنى الكبش(التفسير المظهرى، ج۳ص۲۹۷، تحت آیت ۱۴۴ من سورة الانعام)

والضأن اسم جنس يتناوَل الْكَبْش والنعجة (النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير، ج ا ص ۱۴۹، كتاب الْحَج،باب فى تقليد البدن)

الضأن جمع ضائن ينتظم الكبش والنعجة(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ا ص ۲۰۰، كتاب الزكاة،فصل زكاة الغنم)

وأما قيد الألية فى الضأن ابن ستة فقيد اتفاقى ذكره بعض المصنفين(العرف الشذى شرح سنن الترمذى، ج۳ص۱۶۵، ابواب الاضاحى ،باب ما جاء فى الجذع من الضأن فى الأضاحى)

اور جواہر الفقہ میں ہے کہ:

> عباراتِ مرقومہ بالا سے واضح ہوگیا کہ "ضأن" کے معنیٰ میں فقہاء اور اہلِ لغت میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ مفسرین، محدثین، فقہاء، اہلِ لغت، عامۃً اس پر متفق ہیں کہ "ضأن" مطلقاً ذوات الصوف (اون والی) کو کہا جاتا ہے، خواہ ذواتِ الیہ ہوں، جس کو اردو میں دُنبہ کہتے ہیں، یا غیر ذواتِ الیہ ہوں، جس کو بھیڑ، یا مینڈھا کہا جاتا ہے...... صدر الشریعہ نے جو شرح وقایہ میں "فالضأن ماتكون لها الية" فرمایا، یا علامہ شامی نے بحوالہ "منح الغفار" "الضأن مالهٗ الية" فرمایا، یہ تفسیر "ببعض اقسام توسعاً" کی گئی ہے، اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے، کہ جو ذوات الالیہ نہ ہوں، وہ "ضأن" میں داخل نہیں، اور یہی عبارات شرح وقایہ وشامی کی بعض علمائے عصر کے لئے اشتباہ کی سبب ہوگئیں (جواہر الفقہ ج۶ص۳۴۹،۳۵۰ ملخصاً، رسالہ "تحفۃ الاخوان فی تحقیق معنی الضأن" کتاب الاضحیۃ، طبع جدید نومبر 2010ء، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی)

۲؎ وفى شرح السنة :اتفقوا على أنه لا يجوز من الإبل والبقر إلا الثنى، وهو من الإبل ما استكمل خمس سنين، ومن البقر والمعز ما استكمل سنتين وطعن فى الثالثة، وأما الجذع من الضأن فاختلفوا فيه، فذهب أكثر أهل العلم من الصحابة ومن بعدهم إلى جوازه، غير أن بعضهم يشترط أن يكون عظيما، وقال الزهرى :لا يجوز من الضأن إلا الثنى فصاعدا كالإبل والبقر، والأول أصح لما ورد :نعمت الأضحية الجذعة من الضأن اهـ. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... دنبہ اگر کم از کم چھ ماہ یا اس سے زیادہ کا ہو اور اس قدر صحت مند، موٹا تازہ ہو کہ دیکھنے میں پورے سال کا معلوم ہوتا ہو جس کی پہچان یہ ہے کہ اگر سال بھر عمر کے عام دنبوں میں چھوڑ دیا جائے تو دیکھنے والا ان میں عمر کا فرق نہ کر سکے تو سال سے کم عمر ہونے کے باوجود اس کی قربانی جائز ہے، اور اگر چھ ماہ سے کم عمر ہو تو کسی صورت میں قربانی درست نہیں، خواہ بظاہر کتنا ہی موٹا اور صحت مند ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لکن قوله :المعز ما استكمل سنتين مخصوص بمذهب الشافعي، ففي التعبير بالاتفاق تخالف(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۳ص ۱۰۷۹ ،باب في الأضحية)

وأما بيان ما يجوز في الأضحية وما لا يجوز وما يكره وذلک أنواع منها أنه لا يجوز في الضحايا والهدايا إلا الثني من الإبل والبقر والغنم والجذع من الضأن خاصة إذا كان عظيما

ثم الثني من الإبل عند الفقهاء ابن خمس سنين ومن البقر ابن سنتين ومن الغنم ابن سنة والجذع من الإبل ابن أربع سنين ومن البقر ابن سنة ومن الغنم ابن ستة أشهر هكذا حكى القدوري

وذكر الزعفراني في الأضاحي وقال الجذع ابن سبعة أشهر أو ثمانية فأما ابن ستة أشهر فهو حمل(تحفة الفقهاء ،ج۳ص ۸۴، كتاب الأضحية)

ويشترط الكامل فلا يجوز الناقص سواء كان النقصان من حيث السن أو من حيث الذات فلا يجوز من الإبل والبقر والمعز إلا الثني *والثني من الإبل ما أتى عليه خمس سنين وطعن في السنة السادسة يقال له سديس وبازل عام *والثني من البقر ما أتى عليه سنتان وطعن في الثالثة *والثني من الغنم والمعز ما تمت له سنة وطعن في الثانية *ويجوز من الإبل والبقر والمعز الثنيان(فتاوى قاضي خان، ج ۳،ص ۲۰۸ ،كتاب الأضحية،فصل فيما يجوز في الضحايا وما لا يجوز)

[1] (وإنما يجزء فيها) أي في الأضحية (الجذع من الضأن) الجذع شاة تمت لها ستة أشهر عند الفقهاء إذا كانت عظيمة لقوله -عليه الصلاة والسلام -لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن وعند أهل اللغة ما تمت له سنة وذكر الزعفراني أنه ابن سبعة أشهر وعن الزهري من المعز لسنة ومن الضأن لثمانية أشهر(مجمع الانهر، ج۲ص ۵۱۹، كتاب الاضحية)

قال -رحمه الله : -(وجاز الثني من الكل والجذع من الضأن) لقوله -عليه الصلاة والسلام -لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن رواه البخاري ، ومسلم ، وأحمد وجماعة ، وقال -عليه الصلاة والسلام : -يجوز الجذع من الضأن أضحية رواه أحمد وابن ماجه ، وقالوا هذا إذا كان الجذع عظيما بحيث لو خلط بالثنيات يشتبه على الناظر من بعد ، والجذع من الضأن ما تمت له ستة أشهر عند الفقهاء ، وذكر الزعفراني أنه ابن سبعة أشهر والثني من الضأن والمعز ابن سنة ، ومن البقر ابن سنتين ، ومن الإبل ابن خمس سنين ، وفي المغرب الجذع من البهائم قبل الثني لا أنه من الإبل قبل السنة الخامسة ، ومن البقر والشاة في السنة الثانية ، ومن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بھیڑ یا مینڈھے کا حکم دنبے کی طرح ہے، لہٰذا جو حکم دنبے کا ذکر کیا گیا، وہی بھیڑ کا بھی ہے۔ [1]

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے کہ ایک سال سے کم عمر ہونے کے بارے میں اس طرح کی گنجائش بکری، بکرے میں نہیں، جس کی تفصیل پیچھے ذکر کی جا چکی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الخيل في الرابعة ، وعن الزهرى الجذع من المعز لسنة ، ومن الضأن لثمانية أشهر(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق،ج٦ص٧،كتاب الأضحية)

قال (ويجزء من ذلك كله الثنى فصاعدا .إلا الضأن فإن الجذع منه يجزء) لقوله عليه الصلاة والسلام (ضحوا بالثنايا إلا أن يعسر على أحدكم فليذبح الجذع من الضأن) وقال عليه الصلاة والسلام (نعمت الأضحية الجذع من الضأن) قالوا :وهذا إذا كانت عظيمة بحيث لو خلطت بالثنيان يشتبه على الناظر من بعيد .

والجذع من الضأن ما تمت له ستة أشهر في مذهب الفقهاء ، وذكر الزعفرانى أنه ابن سبعة أشهر(فتح القدير، ج٤ص ٣٥٩،كتاب الأضحية)

ولا يجوز الجذعان إلا الجذع العظيم من الضأن وهو عند الفقهاء الذى أتى عليه أكثر السنة ستة أشهر وشء من الشهر السابع فيجوز إذا كان عظيما سمينا بحيث لو رآه إنسان يحسبه ثنيا(فتاوى قاضى خان، ج٣،ص ٢٠٨،كتاب الأضحية،فصل فيما يجوز فى الضحايا وما لا يجوز)

[1] ثَمانِيَةَ أَزْواجٍ بدل من حمولة وفرشا او مفعول كلوا ولا تتبعوا معترض بينهما او حال من ما بمعنى مختلفة او متعددة والزوج ما معه اخر من جنسه يزاوجه وقد يقال لمجموعهما والمراد الاول مِنَ الضَّأْنِ اسم جنس وهى ذات الصوف من الغنم وجمعه ضئين او الضان جمع ضائن والأنثى ضائنة وجمعها ضوائن اثْنَيْنِ زوجين اثنين الذكر والأنثى اعنى الكبش(التفسير المظهرى، ج٣ص٢٩٧، تحت آيت ١٤٣ من سورة الانعام)

والضأن اسْم جنس يَتَنَاوَلُ الْكَبْش والنعجة (النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير، ج١ ص ١٤٩، كتاب الْحَج،باب فى تقليد البدن)

الضأن جمع ضائن ينتظم الكبش والنعجة(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج١ ص ٢٠٠، كتاب الزكاة،فصل زكاة الغنم)

وأما قيد الألية فى الضأن ابن ستة فقيد اتفاقى ذكره بعض المصنفين(العرف الشذى شرح سنن الترمذى، ج٣ص١٦٥، ابواب الاضاحى ،باب ما جاء فى الجذع من الضأن فى الأضاحى)

[2] ولا يجوز الجذع من المعز فى الضحايا وإنما يجوز منها الثنى وهو بعد دخوله فى السنة الثانية(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج ٢١ ص ١٥١، كتاب الأضاحى،باب فى أضحية النبى صلى الله عليه وسلم بكبشين أقرنين ويذكر سمينين)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳۳...... قربانی کے جانور کی عمر کا پورا ہونا چاند کی تاریخ کے اعتبار سے ہے، نہ کہ انگریزی یا کسی اور سال وتاریخ کے اعتبار سے، لہٰذا اگر کسی جانور کی عمر چاند کی تاریخ کے اعتبار سے پوری ہوتو اس کی قربانی جائز ہے اگر چہ انگریزی وغیرہ تاریخ کے اعتبار سے پوری نہ ہو۔

چنانچہ جو بکرا، بکری، عیدالاضحیٰ کے دن پیدا ہوا، اس کی قربانی اگلے عیدالاضحیٰ کے دن اس کے پیدا ہونے کے وقت کے بعد جائز ہے۔

اور اگر چاند کے اعتبار سے مذکورہ عمر سے کم ہو، اگر چہ ایک دن ہی کم ہو، تو قربانی جائز نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولا يجزء ما دون الثنى إلا الجذع من الضأن(المختار للفتوى مع شرحه الاختيار لتعليل المختار، ج ا ص ۱۷۳، باب الهدى)

(ويجزء فيها ما يجزء فى الهدى) وهو الثنى من الكل ، وهو من الغنم ما له سنة ، ومن البقر سنتان ، ومن الإبل خمس سنين ؛ ولا يجوز الجذع من الإبل والبقر والمعز(الاختيار لتعليل المختار، ج۵ ص۱۸، كتاب الأضحية)

[1] يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ نزلت فى معاذ بن جبل وثعلبة بن غنم الانصاريين قالا يا رسول الله ما بال الهلال يبدو دقيقا ثم يزيد حتى يمتلى نورا ثم يعود دقيقا كما بدا لا يكون على حال واحد -كذا ذكر البغوى -وأخرجه ابو نعيم وابن عساكر فى تاريخ دمشق من طريق السدى الصغير عن ابن عباس -واخرج ابن ابى حاتم من طريق العوفى عنه قال سال الناس عن الاهلة فنزلت -واخرج ابن ابى حاتم عن ابى العالية قال -بلغنا انهم قالوا يا رسول الله لم خلقت الاهلة فنزلت قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ -ان كان السؤال عن الحكمة فى اختلاف حال القمر وتبدل امره فقد طابق الجواب السؤال حيث امر الله سبحانه بان يجيب بان الحكمة الظاهرة فى ذلك ان يكون معالم للناس يوقتون بها أمورهم ومعالم للعبادات الموقتة كالحج والصوم وغير ذلك يعرف بها أوقاتها(التفسير المظهرى، ج ا ص ۲۱۰، تحت آيت ۱۸۹ من سورة البقرة)

وهى أن يكون معالم للناس يوقتون بها أمورهم الدنيوية ويعلمون أوقات زروعهم ومتاجرهم ومعالم للعبادات الموقتة يعرف بها أوقاتها كالصيام والإفطار وخصوصا الحج، فإن الوقت مراعى فيه أداء وقضاء (روح المعانى، ج ا ص۴۶۷، تحت آيت ۱۸۹ من سورة البقرة)

عن قتاده قوله":يَسألُونک عن الأهلة قُلْ هيَ مواقيت للناس "، قال قتادة :سألوا نبيَّ الله صلى الله عليه وسلم عن ذلک :لم جُعلت هذه الأهلة؟ فأنزل الله فيها ما تَسمعون ":هي مَواقيتُ للناس"، فجعلها لصوم المسلمين ولإفطارهم، ولمناسكهم وحجّهم، ولعدة نسائهم وَمحلّ دَينهم فى أشياء ، والله أعلم بما يُصلح خلقه(تفسير طبرى، تحت آيت ۱۸۹ من سورة البقرة، رقم الحديث ۳۰۶۷)

عن الربيع، قال :ذكر لنا أنهم قالوا للنبى صلى الله عليه وسلم :لم خُلقت الأهلة؟ فأنزل الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴:...... جس جانور کی عمر اس سے زیادہ ہو جس کا ذکر کیا گیا یعنی اونٹ، اونٹنی پانچ سال سے زیادہ، گائے بیل، بھینس بھینسا دو سال سے زیادہ، بکرا بکری وغیرہ ایک سال سے زیادہ، اور موٹا تازہ دنبہ (بھیڑ، یا مینڈھا) چھ ماہ یا اس سے زیادہ، تو اس کی قربانی جائز ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۵...... بعض لوگ جانور کا صرف دوندا ہونا ہی اصل سمجھتے ہیں، حالانکہ اصل دارومدار عمر کے پورا ہونے پر ہے، لہٰذا اگر گزشتہ تفصیل کے مطابق جانور کی عمر پوری ہوگئی ہو تو پھر اس کے بعد عمر کے متعلق کسی دوسری علامت (مثلاً دوندا وغیرہ ہونے) کی ضرورت نہیں پس اگر کسی کے اپنا پالتو جانور ہو، یا اپنے سامنے پیدا ہوا ہو، یا کسی اور معتبر ذریعہ سے معلوم ہو کہ عمر پوری ہے تو اس جانور کی قربانی جائز ہے، خواہ دوندا بھی نہ ہو (بعض اوقات

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تعالیٰ "یسألونک عن الأهلة قل هی مواقیتُ للناس والحج "جعلها الله مواقیتَ لصوم المسلمین وإفطارهم ولحجهم ومناسکهم وعدّة نسائهم وَحلّ دیونهم (ایضاً،رقم الحدیث ۳۰۶۸)

عن قتادة فی قوله ":مواقیتُ للناس والحج "قال :هی مواقیت للناس فی حجهم وصومهم وفطرهم ونُسکهم (ایضاً،رقم الحدیث ۳۰۶۹)

عن ابن جریج، قال :قال الناس :لم خلقت الأهلة؟ فنزلت ":یسألونک عن الأهلة قُل هی مواقیت للناس " لصَومهم وإفطارهم وَحجهم وَمَناسکهم -قال :قال ابن عباس :ووقتَ حجهم، وعدة نسائهم، وَحلّ دَینهم(ایضاً،رقم الحدیث ۳۰۷۰)

عن السدی":یسألونک عن الأهلة قلُ هی مواقیت للناس "فهی مواقیت الطلاق والحیض والحج (ایضاً،رقم الحدیث ۳۰۷۱)

عن الضحاک ":یسألونک عن الأهلة قل هی مواقیت للناس "، یعنی :حَلّ دینهم، ووقت حجهم، وعدة نسائهم(ایضاً،رقم الحدیث ۳۰۷۲)

عن ابن عباس، قال :سأل الناسُ رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الأهلة، فنزلت هذه الآیة":یسألونک عن الأهلة قل هی مواقیت للناس "یعلمون بها حَلّ دینهم، وعدة نسائهم، ووقت حجهم(ایضاً،رقم الحدیث ۳۰۷۳)

[۱] وتقدیر هذه الأسنان بما قلنا لمنع النقصان لا لمنع الزیادة؛ حتی لو ضحی بأقل من ذلک سنا لا یجوز ولو ضحی بأکثر من ذلک سنا یجوز ویکون أفضل(بدائع الصنائع ،ج۵ص۷۰،کتاب التضحیة،فصل فی محل إقامة الواجب فی الأضحیة)

وتقدیر هذه الأسنان بما قلنا یمنع النقصان، ولا یمنع الزیادة، حتی لو ضحی بأقل من ذلک شیئا لا یجوز، ولو ضحی بأکثر من ذلک شیئا یجوز ویکون أفضل(الفتاویٰ الهندیة، ج۵ص۲۹۷، کتاب الاضحیة، الباب الخامس)

عمر پوری ہونے سے پہلے بھی جانور دوندا ہوسکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ عمر پوری ہونے پر بھی دوندا نہ ہوا ہو، آب وہوا، غذاء اور نسل وغیرہ کے فرق سے دوندا ہونے کی تقدیم وتاخیر ممکن ہے) اور دوندا ہونا بذاتِ خود معیار نہیں بلکہ صرف ایک پہچان کے درجہ میں ہے، اور جب کسی معتبر ذریعہ سے عمر کی تصدیق نہ ہوسکے، تو دو سامنے والے پختہ دانتوں کے مکمل طور پر نکل آنے کو عمر پوری ہونے کی علامت قرار دیا جانا بھی درست ہے۔ [1]

(اس مسئلہ کی تفصیل آگے تحقیقی مسائل کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں)

مسئلہ نمبر۷ ...... اگر جانوروں کے فروخت کرنے والا عمر پوری بتاتا ہے اور ظاہری حالات میں اس کے بیان کی تکذیب نہیں ہوتی، تو اس پر اعتماد کرنا جائز ہے (جواھر الفقہ ج۶ ص۲۷۲، کتاب الاضحیۃ، طبع جدید نومبر 2010ء، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی)

قربانی کے جانوروں کے عیوب سے متعلق احکام

قربانی کا جانور کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خاص بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے، اس لیے افضل وبہتر یہ ہے کہ قربانی کا جانور ہر قسم کے عیبوں سے پاک اور صحیح سالم ہو۔

لیکن کیونکہ تمام جانوروں کا ہر قسم کے عیب سے پاک صاف ہونا مشکل ومتعذر ہے، اس لیے شریعت نے تنگی اور حرج کو دُور کرنے کے لیے ہلکے اور تھوڑے بہت عیبوں کو برداشت کیا ہے، اور اُن کے پائے جانے کی صورت میں قربانی کی ادائیگی کو درست قرار دیا ہے۔

---

[1] قربانی کے جانوروں میں حکم کا مدار عمرِ خاص پر ہے، مگر چونکہ اس عمرِ خاص میں اکثر پختہ دو دانت بھی نکل آتے ہیں اس لئے بعض حضرات نے پختہ دانتوں کے نکلنے سے تفسیر کر دی ہے، اور بہت سے اہلِ لغت نے فقہاء کی اختیار کردہ تفسیر کو بھی ذکر کیا ہے اور عمرِ خاص سے تفسیر کی ہے۔

بہر حال پختہ دو دانتوں کے نکلنے پر مدارِ حکم نہیں ہے، لیکن چونکہ اکثر ان عمروں میں دانتوں کے نکلنے کی عادت ہے، اس لئے دانتوں کا بطور علامت بھی ذکر کر دیا جاتا ہے۔

والسن هی المعروفة، والمراد بها هنا ذات سن إطلاقا للبعض علی الكل أو سمی بها صاحبها كما سمی المسنة من النوق بالناب؛ لأن السن مما يستدل به علی عمر الدواب (البحر الرائق، ج۲ ص۲۳۸، كتاب الزكاة)

اور جو عیب زیادہ ظاہر اور فاحش ہوں، اُن کے پائے جانے کی صورت میں قربانی کو جائز قرار نہیں دیا۔

متفرق احادیث وروایات میں ان کا ذکر پایا جاتا ہے، جن کی روشنی میں فقہائے کرام نے مسائل اخذ کیے ہیں۔

پہلے اس سلسلے میں چند احادیث وروایات ملاحظہ فرمائیں، جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ احادیث وروایات سے فقہائے کرام کے مستنبط واخذ کیے ہوئے مسائل کا ذکر کیا جائے گا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أَرْبَعٌ لَا يُضَحّٰى بِهِنَّ : اَلْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا، وَالْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا، وَالْعَرْجَاءُ، الْبَيِّنُ ظَلَعُهَا، وَالْعَجْفَاءُ الَّتِيْ لَا تُنْقِيْ، فَقَالُوْا لِلْبَرَاءِ : فَإِنَّمَا نَكْرَهُ النَّقْصَ فِي السِّنِّ وَالْأُذُنِ وَالذَّنَبِ، قَالَ : فَاكْرَهُوْا مَا شِئْتُمْ، وَلَا تُحَرِّمُوْا عَلَى النَّاسِ (صحيح ابن حبان)[1]

ترجمہ: چار قسم کے جانوروں کی قربانی جائز نہیں، ایک ایسا کانا جانور، جس کا کانا پن واضح وظاہر ہو، اور دوسرا ایسا بیمار جس کی بیماری واضح وظاہر ہو، اور تیسرے ایسا لنگڑا جانور، جس کا لنگڑا پن واضح وظاہر ہو، اور چوتھے ایسا دبلا اور کمزور جانور کہ جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو (کیونکہ یہ بھی بیماری ظاہر ہونے کی علامت ہے)

اس پر لوگوں نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ہم تو دانت میں اور کان میں اور دُم میں نقص ہونے کو مکروہ سمجھتے ہیں، تو حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم جسے چاہو مکروہ سمجھو، لیکن لوگوں پر حرام قرار نہ دو (ترجمہ ختم)

اس حدیث کی سند صحیح ہے، اور اس حدیث میں مذکورہ چیزوں کا بعض دوسری حدیثوں میں بھی

---

[1] رقم الحديث ۵۹۱۹ ، كتاب الاضحية، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۳۱۴۴، ترمذی، رقم الحديث ۱۴۹۷ ،ابوداؤد، رقم الحديث ۲۸۰۲؛ مستدرک حاكم، رقم الحديث ۱۷۱۸.

متفرق انداز میں ذکر آیا ہے۔ ۱؎

اور اسی وجہ سے فقہائے کرام نے قربانی کے جانور کے اندر پائے جانے والے عیبوں کے بارے میں اس حدیث کو بنیاد قرار دیا ہے، اور بعض دوسرے عیبوں کو اس حدیث میں پائے جانے والے عیبوں پر قیاس کیا ہے۔ ۲؎

چنانچہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَبِهٰذَا نَأْخُذُ .فَأَمَّا الْعَرْجَاءُ فَإِذَا مَشَتْ عَلٰى رِجْلِهَا فَهِيَ تُجْزِءُ وَإِنْ كَانَتْ لاَ تَمْشِيْ لَمْ تُجْزِءْ وَأَمَّا الْعَوْرَاءُ فَإِنْ كَانَ بَقِيَ مِنَ الْبَصَرِ الْأَكْثَرُ مِنْ نِصْفِ الْبَصَرِ أَجْزَأَتْ وَإِنْ ذَهَبَ النِّصْفُ فَصَاعِدًا لَمْ تُجْزِءْ وَأَمَّا الْمَرِيْضَةُ الَّتِيْ فَسَدَتْ لِمَرَضِهَا وَالْعَجْفَاءُ الَّتِيْ لاَ تُنْقِيْ فَإِنَّهُمَا لاَ يُجْزِئَانِ (موطأ امام محمد) ۳؎

۱؎ قال الحاكم:

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ لِقِلَّةِ رِوَايَاتِ سُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَقَدْ أَظْهَرَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ فَضَائِلَهُ وَإِتْقَانَهُ وَلِهَذَا الْحَدِيثِ شَوَاهِدُ مُتَفَرِّقَةٌ بِأَسَانِيدَ صَحِيحَةٍ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهَا.

وقال شعيب الارنؤوط:

إسناده صحيح، رجاله رجال الشيخين غير سليمان بن عبد الرحمن -وهو ابن عيسى البصرى -وعبيد بن فيروز، فقد روى لهما أصحاب السنن، وهما ثقتان (حاشيه صحيح ابن حبان)

۲؎ وأجمع العلماء على جواز التضحية بالأجم الذى لم يخلق له قرنان واختلفوا فى مكسورة القرن فجوزه الشافعى وأبو حنيفة والجمهور سواء كان يدمى أم لا وكرهه مالك إذا كان يدمى وجعله عيبا وأجمعوا على استحباب استحسانها واختيار أكملها وأجمعوا على أن العيوب الأربعة المذكورة فى حديث البراء وهو المرض والعجف والعور والعرج البين لاتجزى التضحية بها وكذا ماكان فى معناها أو أقبح كالعمى وقطع الرجل وشبهه وحديث البراء هذا لم يخرجه البخارى ومسلم فى صحيحهما ولكنه صحيح رواه أبوداود والترمذى والنسائى وغيرهم من أصحاب السنن بأسانيد صحيحة وحسنة قال أحمد بن حنبل ما أحسنه من حديث وقال الترمذى حديث حسن صحيح والله أعلم(شرح النووى، ج۱۳ ص ۱۲۰، كتاب الأضاحى، باب استحباب الضحية وذبحها مباشرة بلا توكيل والتسمية والتكبير)

۳؎ ج۲ ص۵۸۷، تحت رقم الحديث ۶۳۲ ، كتاب الضحايا، باب ما يكره من الضحايا، دارالقلم، بيروت.

ترجمہ: اور اسی حدیث کو ہم لیتے ہیں، پس جہاں تک لنگڑے جانور کا تعلق ہے تو وہ اگر اپنے پاؤں پر چلے تو جائز ہے، اور اگر وہ اپنے پاؤں پر نہ چلے تو جائز نہیں، اور رہا کانے جانور کا معاملہ تو اگر اُس کی آدھی سے زیادہ بینائی باقی ہو، تو جائز ہے، اور اگر آدھی یا اس سے زیادہ بینائی جاتی رہی ہو تو جائز نہیں؛ اور ایسا بیمار جانور جو اپنی بیماری کی وجہ سے فاسد ہو چکا ہو، اور ایسا کمزور جانور کہ جس (کی ہڈیوں) میں گودا نہ ہو، تو یہ بھی جائز نہیں (ترجمہ ختم)

حضرت سعید بن مسیّب سے بھی نصف یا اس سے زائد کان کٹے ہوئے جانور کی قربانی کا ناجائز ہونا مروی ہے۔ [1]

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تھوڑا بہت عیب عام طور پر جانوروں میں پایا جاتا ہے، اس لیے تھوڑے بہت عیب کو معاف قرار دیا گیا، اور جو عیب زیادہ ظاہر اور فاحش ہو، اُس سے منع کیا گیا، جس

---

[1] اقول: ماورد فی حدیث علی انه صلی الله علیه وسلم نهی ان یضحی بعضباء الاذن والقرن فتفصیله: ان العضب فی الاذن ان یکون النصف، فما فوقه مقطوعا، کمارواه شعبة، عن قتادة، عن سعید بن المسیب ویرجع الیه ماروی هشام عن قتاده انه قال: قلت لسعید بن المسیب: ماالاعضب؟ قال: النصف فما فوقه ان یقال معنی قول: مالاعضب ای ماعضب الاذن جمعا بین الروایات وارجاعا للمجمل الی المفسر، والعضب فی القرن: ان یکون مستأصلا من اصله بدلیل ان علیا رضی الله عنه افتی السائل لجواز مکسورة القرن مطلقا من غیر تفصیل.

ویحمل ذلک علی مابقی اصله بدلیل ماروی عتبة بن عبدالسلمی ان النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن المستأصلة التی استؤصل قرنها من اصله، فدل جمیع ذلک علی ان العضب فی القرن فی حدیث علی الاستئمال من الاصل لاماهو الاذن وبهذا تجتمع الادلة ولایحتاج الی ماقال الطحاوی: ان النهی عن عضباء القرن منسوخ، فتحصل من ذلک جواز التضحیة بما قطع اقل نصف اذنها، ومکسورة القرن غیر مستاصلتها، وعدم جواز ما قطع النصف من اذنها، او اکثر من ذلک، وما استؤصل قرنها من اصله، هذا هو وجه المسألة، وما قاله فقهاؤنا فی مکسور القرن: ان القرن لیس بمقصود لجواز الاضحیة بالابل مع انها لاقرن بها غیر تام، لان هذا الدلیل جاء فی مستأصلة القرن مع انهم لایقولون لجواز التضحیة بها، فالصحیح ان المتمسک به فی المسألة هو النصوص لاالقیاس، والقیاس انما یصح فی الجماء فقط، فتدبر، والنهی عن المقابلة والمدابرة والشرقاء والخرقاء محمول علی الکراهة بدلیل جواز التضحیة بما قطع اقل من نصف اذنها، وباقی الکلام ظاهر لایحتاج الی الشرح وحکم الذنب والالیة هو حکم الاذن (اعلاء السنن، ج۱۷، صفحه ۲۳۷، ۲۳۸، باب مالایجوز التضحیة بها ویکره)

کا بعض دیگر احادیث وروایات میں بھی ذکر پایا جاتا ہے، اور آدھے سے کم عیب قلیل اور کم شمار ہوتا ہے، جو ظاہر و فاحش نہیں کہلاتا۔ [۱]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ، وَالْأُذُنَ (سنن ابن ماجه) [۲]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ہم (قربانی کے جانور کی) آنکھ اور کان کو دیکھ لیا کریں (ترجمہ ختم)

اور حضرت حجیہ بن عدی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

اَلْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ، قُلْتُ: فَإِنْ وَلَدَتْ؟ قَالَ: اِذْبَحْ وَلَدَهَا مَعَهَا، قُلْتُ: فَالْعَرْجَاءُ، قَالَ: إِذَا بَلَغَتِ الْمَنْسِكَ، قُلْتُ: فَمَكْسُوْرَةُ الْقَرْنِ، قَالَ: لَا بَأْسَ أُمِرْنَا، أَوْ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَيْنِ وَالْأُذُنَيْنِ (ترمذی) [۳]

ترجمہ: گائے سات افراد کی طرف سے ہوتی ہے، میں نے کہا کہ اس کے اگر بچہ پیدا ہو جائے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بچے کو بھی اس کے ساتھ ذبح کر دو، میں نے کہا کہ لنگڑے جانور کا کیا حکم ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ

---

[۱] ودليل ذلك فى النص ان العيب الخفيف معفو عنه فى الاضاحى، ولذا قيده صلى الله عليه وسلم بالبين فالقليل منه غير بين، ولايخفى ان ما دون النصف قليل عرفا، وهذا هو قول ابى يوسف ومحمد رجع ابوحنيفة اليه، وكان يحدده اولا بالثلث والبسط فى "ردالمحتار" (اعلاء السنن ج۱۷ ص ۲۴۰، ۲۴۱، باب مالايجوز التضحية بها ومايكره)

[۲] رقم الحديث ۳۱۴۳، كتاب الاضاحى، باب مايكره ان يضحى به، دار إحياء الكتب العربية، القاهرة.

(حكم الألبانى) حسن صحيح (تعليق ابن ماجه)

[۳] رقم الحديث ۱۵۰۳، ابواب الاضاحى، باب فى الضحية بعضباء القرن والأذن، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

قال الترمذى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ: وَقَدْ رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ.

عنہ نے فرمایا کہ جو (خود سے چل کر) اپنی قربان گاہ تک پہنچ جائے (تو جائز ہے) میں نے کہا کہ سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کا کیا حکم ہے؟ تو فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، ہمیں حکم دیا گیا، یا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم آنکھوں اور کانوں کو اچھی طرح دیکھ لیا کریں (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی جائز ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُضَحّٰى بِالْمُقَابَلَةِ وَالْمُدَابَرَةِ أَوْ شَرْقَاءَ أَوْ خَرْقَاءَ أَوْ جَدْعَاءَ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے سے کان کٹے ہوئے، اور پیچھے سے کان کٹے ہوئے جانور کی، اور لمبائی اور چوڑائی کی طرف سے کان پھٹے ہوئے جانور کی اور ناک کٹے ہوئے جانور کی قربانی سے منع فرمایا (ترجمہ ختم)

اس سے پہلے حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کان میں اور دُم میں نقص والے جانور کی قربانی کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

دونوں قسم کی احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے اور جمع وتطبیق کرتے ہوئے فقہائے کرام نے فرمایا کہ کان اور دُم وغیرہ میں اگر عیب ظاہر اور فاحش ہو، تو جائز نہیں، ورنہ جائز ہے، اگرچہ بہتر نہیں، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۷۵۳۱، کتاب الاضاحی، دارالکتب العلمیة، بیروت.
قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "
وقال الذهبی فی التلخیص: صحیح.

[2] قال -رحمه الله : -(ومقطوع أكثر الأذن أو الذنب أو العين أو الألية) لقول علی -رضی الله عنه -أمرنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أن نستشرف العين والأذن ، وأن لا نضحی بمقابلة ، ولا مدابرة ولا شرقاء ، ولا خرقاء رواه أبو داود والنسائی وغيرهما وصححه الترمذی المقابلة قطع من مقدم أذنها والمدابرة قطع من مؤخر أذنها والشرقاء أن يكون الخرق فی أذنها طولا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَجُوْزُ فِي الْبُدْنِ الْعَوْرَاءُ، وَلَا الْعَجْفَاءُ، وَلَا الْجَرْبَاءُ، وَلَا الْمُصْطَلِمَةُ أَطْبَاؤُهَا (المعجم الأوسط للطبراني) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی کے جانور میں (واضح اور فاحش) کانا اور بالکل لاغر اور خارشی جانور اور جس کے تھن کٹے ہوئے ہوں، وہ جائز نہیں (ترجمہ ختم)

خارشی جانور سے ایسا جانور مراد ہے کہ جس کا مرض ظاہر وفاحش ہو، یعنی جو اس مرض کی وجہ سے بہت دُبلا اور کمزور ہو گیا ہو، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

حضرت عتبہ بن عبد سلمی سے روایت ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ خَمْسٍ: عَنِ الْمُوْصِلَةِ، وَالْمُصْفَرَّةِ، وَالْبَخْقَاءِ، وَالْمُشَيَّعَةِ، وَالْكَسْرَاءِ، قَالَ: وَالْمُوْصِلَةُ الْمُسْتَأْصَلَةُ قَرْنُهَا، وَالْمُصْفَرَّةُ الْمُسْتَأْصَلَةُ أُذُنُهَا، وَالْبَخْقَاءُ الْبَيِّنُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والخرقاء أن يكون عرضا ، وإن بقى أكثر الأذن جاز ، وكذا أكثر الذنب ؛ لأن للأكثر حكم الكل بقاء وذهابا ، وهذا ؛ لأن العيب اليسير لا يمكن التحرز عنه فجعل عفوا(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ٦ ص ٦ ،كتاب الأضحية)

وفى البدائع :وتجزى الشرقاء مشقوقة الأذن طولا والخرقاء :مثقوبة الأذن، والمقابلة ما قطع من مقدم أذنها شيء وترك معلقا؛ والمدابرة :ما فعل ذلك بمؤخر الأذن من الشاة، والنهى الوارد محمول على الندب، وفى الخرقاء على الكثير على الاختلاف فى حد الكثير على ما بينا اهـ(رد المحتار على الدر المختار، ج ٦ ص ٣٢٥، كتاب الأضحية)

[1] رقم الحديث ٣٥٧٨، دارالحرمين ، القاهرة، واللفظ لهٗ؛ المعجم الكبير، رقم الحديث ١٠٩٢٨.

قال الهيثمى:

والأطباء -بالمهملة :-الضروع .أى المقطوعة ضروعها . وفيه على بن عاصم بن صهيب، وفيه ضعف، وقد وثق(مجمع الزوائد ج٤ص ١٩)

عَوَرُهَا، وَالْمُشَيَّعَةُ الْمَهْزُوْلَةُ أَوِ الْمَرِيْضَةُ الَّتِىْ لَا تَتْبَعُ الْغَنَمَ

(مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۷۲۲، کتاب الصوم، دارالکتب العلمیة، بیروت)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا پانچ قسم کے جانوروں کی قربانی سے: ایک موصلہ سے، دوسرے مصفرہ سے، تیسرے بخقاء سے، اور چوتھے مشیعہ سے، اور پانچویں کسراء سے۔

فرمایا کہ موصلہ وہ ہے کہ جس کے سینگ جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں، اور مصفرہ وہ ہے کہ جس کے کان کاٹ دیے گئے ہوں، اور بخقاء وہ ہے کہ جس کا کانا پن واضح ہو، اور مشیعہ اتنا کمزور و بیمار جانور ہے کہ جو ریوڑ کے دوسرے جانوروں کے پیچھے نہ چل سکے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُصْفَرَّةِ، وَالْمُسْتَأْصَلَةِ، وَالْبَخْقَاءِ وَالْمُشَيَّعَةِ، وَكُسْرَاءَ، وَالْمُصْفَرَّةُ : الَّتِىْ تُسْتَأْصَلُ أُذُنُهَا حَتّٰى يَبْدُوَ سِمَاخُهَا " وَالْمُسْتَأْصَلَةُ: الَّتِىْ اسْتُؤْصِلَ قَرْنُهَا مِنْ أَصْلِهٖ، وَالْبَخْقَاءُ : الَّتِىْ تُبْخَقُ عَيْنُهَا، وَالْمُشَيَّعَةُ : الَّتِىْ لَا تَتْبَعُ الْغَنَمَ عَجَفًا وَضَعْفًا، وَالْكُسْرَاءُ: الْكَسِيْرَةُ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا مصفرہ سے، اور مستأصلہ سے، اور بخقاء سے، اور مشیعہ سے، اور کسراء سے۔ اور مصفرہ وہ ہے کہ جس کے کان کاٹ دیے گئے ہوں، یہاں تک کہ اُن کا (اندرونی) سوراخ نظر آنے لگے، اور مستأصلہ وہ ہے کہ جس کے سینگ جڑ سے نکل گئے ہوں، اور بخقاء وہ ہے کہ جس کی آنکھ پھوڑ دی گئی ہو (یا اُس کی آنکھ میں بینائی نہ ہو)، اور مشیعہ وہ ہے کہ جو ریوڑ

---

[1] رقم الحدیث ۲۸۰۳، کتاب الضحایا، باب مایکرہ من الضحایا، المکتبة العصریة، بیروت.
وهٰذه الاحاديث مؤيدة ببعضها ببعض فلا يضر الضعف فى الاسناد منفردة.

کے پیچھے کمزوری اور ضعف کی وجہ سے نہ چل سکے، اور کسراء، لاغر جانور ہے (جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو) (ترجمہ ختم)

اس سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور اس حدیث میں جڑ سے نکلے ہوئے سینگ والے جانور کی قربانی کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، جس سے فقہائے کرام کے نزدیک سینگ کا اس طرح جڑ سے اُکھڑنا ہے، کہ اس کی میخ یا مینگ (جس پر سینگ اُگتا ہے) بھی ختم ہوگئی ہو۔ [۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ضَحّٰى اشْتَرٰى كَبْشَيْنِ عَظِيْمَيْنِ، سَمِيْنَيْنِ أَقْرَنَيْنِ ، أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْئَيْنِ (مسند احمد) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی فرماتے تو دو بڑے موٹے تازے سینگوں والے اور سیاہ وسفید بالوں والے خصی مینڈھے خریدتے (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذِّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مُوْجَأَيْنِ (سنن أبی داود) [۳]

---

[۱] وما قاله فقهاؤنا فی مکسور القرن: ان القرن لیس بمقصود لجواز الاضحیة بالابل مع انها لاقرن بها غیرا تام، لان هذا الدلیل جاء فی مستأصلة القرن مع انهم لایقولون لجواز التضحیة بها، فالصحیح ان المتمسک به فی المسألة هو النصوص لاالقیاس ، والقیاس انما یصح فی الجماء فقط، فتدبر، والنهی عن المقابلة والمدابرة والشرقاء والخرقاء محمول علی الکراهة بدلیل جواز التضحیة بما قطع اقل من نصف اذنها، وباقی الکلام ظاهر لایحتاج الی الشرح وحکم الذنب والالیة هو حکم الاذن (اعلاء السنن، ج۱۷، ص ۲۳۷، ۲۳۸، باب مالایجوز التضحیة بها ویکره)

[۲] رقم الحدیث ۲۵۸۴۳، مؤسسة الرسالة، بیروت، واللفظ لهٗ؛ سنن ابنِ ماجه، رقم الحدیث ۳۱۲۲.
فی حاشیة مسند احمد: صحیح لغیره.

[۳] رقم الحدیث ۲۷۹۵، کتاب الضحایا، باب مایستحب من الضحایا، المکتبة العصریة، بیروت، واللفظ لهٗ؛ مسند ابی یعلیٰ، رقم الحدیث ۱۷۹۲.
قال الهیثمی: رواه أبو یعلی، وإسناده حسن .ولجابر حدیث رواه أبو داود باختصار (مجمع الزوائد، ج۴ص ۲۲، باب أضحیة رسول الله صلی الله علیه وسلم)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن دو سینگوں والے اور سیاہ وسفید بالوں والے خصی مینڈھے ذبح کیے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِکَبْشَیْنِ جَذَعَیْنِ خَصِیَّیْنِ

(مسند احمد، رقم الحدیث ۲۱۷۱۴، مؤسسة الرسالة، بیروت)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو جذعہ (یعنی ایک سال سے کم عمر) خصی مینڈھوں کی قربانی کی (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابورافع سے روایت ہے کہ:

ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِکَبْشَیْنِ أَمْلَحَیْنِ مَوْجِیَّیْنِ خَصِیَّیْنِ (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۳۸۶۰، موسسة الرسالة بیروت) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سینگوں والے اور سیاہ وسفید بالوں والے خصی مینڈھوں کی قربانی کی (ترجمہ ختم)

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ شریعت کی نظر میں قربانی کے جانور کا خصی ہونا عیب نہیں، اور خصی جانور کی قربانی جائز ہے۔

احادیث وروایات کے بعد اب اس قسم کی احادیث وروایات کی روشنی میں فقہائے کرام کے بیان کردہ چند مسائل کو ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱...... جانور کی جس چیز کو شریعت نے قربانی کے بارے میں عیب قرار نہیں دیا، وہ تو عیب میں داخل نہیں، اور فاحش وظاہر عیب کہ جس کی وجہ سے جانور کی منفعت یا جمال مکمل طریقے پر فوت ہو جائے، ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں، اور جو عیب اس سے کمتر درجے کا ہو،

---

[1] قال الهيثمي:
رواه أحمد، وإسناده حسن (مجمع الزوائد، ج۴ص ۲۱، باب أضحية رسول الله صلى الله عليه وسلم)

اس کی وجہ سے جانور کی قربانی ناجائز تو نہیں ہوتی، لیکن قربانی کے لئے اخلاص کے ساتھ ساتھ اچھے سے اچھا اور عمدہ سے عمدہ جانور منتخب کرنا چاہئے اور افضل یہ ہے کہ قربانی کا جانور ہر قسم کے عیب اور نقص سے خالی ہو تاکہ اللہ تعالیٰ کی خاص بارگاہ میں اچھی اور عمدہ بے عیب چیز پیش کی جاسکے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۲...... خصی جانور کی قربانی جائز ہے، کیونکہ قربانی کے جانور کا خصی ہونا شریعت کی نظر میں نہ صرف یہ کہ ایسا عیب نہیں کہ جس کی وجہ سے قربانی ناجائز ہو؛ بلکہ خصی جانور کی قربانی افضل ہے، کیونکہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی جانور کی قربانی کی ہے، نیز جانور کے خصی ہونے سے اس کے گوشت میں نقص وعیب پیدا ہونے کے بجائے افادیت ولذت پیدا ہوتی ہے؛ اور اسی وجہ سے جمہور فقہائے کرام اس پر متفق ہیں کہ خصی جانور کی قربانی درست ہے۔ [۲]

---

[۱] وما جاز مع العيب فهو مع الكراهة وإنما المستحب هو السليمة عن العيوب الظاهرة (تحفة الفقهاء، ج۳ص ۸۵، كتاب الأضحية)

وأما الذى يرجع إلى محل التضحية فنوعان :أحدهما :سلامة المحل عن العيوب الفاحشة (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج۵ ص ۷۵، كتاب التضحية، فصل فى شرائط جواز إقامة الواجب فى الأضحية)

وَمِنْ الْمَشَايِخِ مَنْ يَذْكُرُ لِهَذَا الْفَصْلِ أَصْلًا وَيَقُولُ :كُلُّ عَيْبٍ يُزِيلُ الْمَنْفَعَةَ عَلَى الْكَمَالِ أَوْ الْجَمَالِ عَلَى الْكَمَالِ يَمْنَعُ الْأُضْحِيَّةَ، وَمَا لَا يَكُونُ بِهَذِهِ الصِّفَةِ لَا يَمْنَعُ (الفتاوىٰ الهندية، ج۵، ص ۲۹۹، كتاب الاضحية، الباب الخامس)

[۲] اور خصی، خواہ کسی بھی طرح کیا گیا ہو، خواہ خصیتین نکال کر، یا مسل کر، یا چڑھا کر، بہر صورت جائز ہے (کذا فی امداد الفتاویٰ ج۳ص۵۴۹)

(فصل) ويجزء الخصى لان النبى صلى الله عليه وسلم ضحى بكبشين موجوءين والوجأ رض الخصيتين وما قطعت خصيتاه أو سلتا فى معناه، ولان الخصى اذهاب عضو غير مستطاب يطيب اللحم بذهابه ويسمن قال الشعبى ما زاد فى لحمه وشحمه اكثر مما ذهب منه، وبهذا قال الحسن وعطاء والشعبى والنخعى ومالك والشافعى وأبو ثور وأصحاب الرأى ولا نعلم فيه خلافا (المغنى، لابن قدامة، ج۹ ص ۴۴۲، كتاب الاضاحى، فصل يجزء الخصى فى الأضحية)

وشذ ابن كج فحكى فى الخصى قولين وجعل المنع هو قول الجديد وهذا ضعيف منابذ للحديث الصحيح (فان قيل) فقد فات منه الخصيتان وهما مأكولتان (قلنا) ليستا مأكولتين فى العادة بخلاف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی جانور کے قدرتی طور پر خصیتین (فوطے) نہ ہوں، تو اس کی قربانی بھی جائز ہے، **لانہٗ کالخصی.**

مسئلہ نمبر۳...... ایسا بیمار اور عیب دار جانور کہ جس کی بیماری وعیب ظاہر وفاحش ہو، اس کی قربانی جائز نہیں، البتہ جس کی بیماری وعیب ظاہر وفاحش نہ ہو، اُس کی قربانی جائز ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۴...... اس قدر لنگڑا جانور جو چلنے سے اس قدر قاصر ہو کہ خود چل کر قربان گاہ تک بھی نہ پہنچ سکے، یعنی چلتے وقت ایک پاؤں بالکل زمین پر نہیں رکھتا، اس کی قربانی جائز نہیں، کیونکہ یہ فاحش وظاہر عیب ہے؛ البتہ جو چلنے پر قادر ہو، یعنی چوتھا پاؤں بھی زمین پر رکھتا ہو اور چلنے میں اس سے کچھ سہارا اور مدد لیتا ہو خواہ لنگڑا کر چلتا ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے، کیونکہ یہ فاحش وظاہر عیب نہیں۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الاذن ولان ذلک ینجبر بالسمن الذی یتجدد فیه بالاخصاء فانه انما جاء فی الحدیث أنه ضحی بموجوبین وهما المرضوضان (المجموع شرح المهذب، ج۸ص ۴۰۲، باب الاضحية)

فی شرح السنة :کره بعض أهل العلم الموجوء ة لنقصان العضو، والأصح أنه غیر مکروه ;لأن الخصاء یزید اللحم طیبا ;ولأن ذلک العضو لا یؤکل(مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، ج۳ص ۱۰۸۲، باب فی الأضحية)

وکذلک الخصی جاز وعن أبی حنیفة إنه أحب إلی لأنه أطیب لحما(تحفة الفقهاء، ج۳ص ۸۶، کتاب الأضحية)

[۱] ولا المریضة البین مرضها(المحیط البرهانی، ج۸ص۴۶۷، کتاب الأضحية، الفصل الخامس فی بیان ما یجوز فی الضحایا وما لا یجوز، وفی بیان المستحب، والأفضل منها)

قوله :والمریضة البینة مرضها أی التی یبین أثر المرض علیها؛ لأن ذلک ینقص لحمها .وبه قال أحمد فی الأصح(البناية شرح الهداية، ج۱۲ ص ۳۴، کتاب الأضحية)

والمریضة البین مرضها(بدائع الصنائع، ج۵ص ۷۲، کتاب التضحية، فصل فی شرائط جواز إقامة الواجب فی الأضحية)

[۲] والعرجاء ان کانت یمشی بثلاث قوایم ویجاف الرابعة من الارض لایجوز، وان کانت تضع الرابعة علی الارض وتستعین بها الا انها یتمایل مع ذلک وتضعها وضعاً خفیفاً یجوز (خلاصة الفتاویٰ، ج۴، ص ۳۲۱، کتاب الاضحية، الفصل الخامس فی العیوب)

والعرجاء البین عرجها وهی التی لا تقدر تمشی برجلها إلی المنسک(بدائع الصنائع، ج۵ص ۷۵،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵...... جس جانور کا ایک پاؤں کٹ گیا ہو، اس کی قربانی جائز نہیں، کیونکہ ایسا جانور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كتاب التضحية،فصل فی شرائط جواز إقامة الواجب فی الأضحية)

والعرجاء إن كانت تمشى بثلاث قوائم وتجافى الرابعة عن الأرض لا تجوز وإن كانت تضع الرابعة على الأرض وتستعين بها الا أنها تتمايل مع ذلك وتضعها وضعا خفيفا تجوز (لسان الحكام فی معرفة الأحكام، ج ا ص ۳۸۸،الفصل الثانی والعشرون من الفصول الثلاثين فی الصيد والذبائح والأضحية)

(قوله والعرجاء) أی التی لا يمكنها المشی برجلها العرجاء إنما تمشى بثلاث قوائم، حتى لو كانت تضع الرابعة على الأرض وتستعين بها جاز عناية(رد المحتار على الدر المختار،ج۶ ص۳۲۳، كتاب الأضحية)

والعرجاء البين عرجها :هی ما لا يمكنها المشی برجلها العرجاء وإنما تمشى بثلاث قوائم حتى لو كانت تضع الرابعة على الأرض وتستعين بها جاز(العناية شرح الهداية،ج۹ ص۵۱۴، ۵۱۵،كتاب الأضحية)

والعرجاء إذا كانت تمشى فلا بأس بها، وإذا كانت لا تقوم، ولا تمشى لا يجوز وهو المراد من العرجاء البين عرجها المذكور فی الحديث.

قال مشايخنا :إذا كانت تمشى بثلاث قوائم، وتجافى الرابع عن الأرض لا يجوز، وإذا كانت تضع الرابع على الأرض تستعين بها لا أنه يتمايل مع ذلك وتضعه وضعاً خفيفاً يجوز، وأما إذا كانت تدفع دفعاً، أو تحمل الى المنسك أن يجوز(المحيط البرهانی،ج ۸ص۴۶۲،كتاب الأضحية،الفصل الخامس فی بيان ما يجوز فی الضحايا وما لا يجوزالخ)

قال -رحمه الله :-(لا بالعمياء والعوراء والعجفاء والعرجاء) أی التی لا تمشى إلى المنسك أی إلى المذبح لما روى عن البراء بن عازب أنه -عليه الصلاة والسلام -قال أربع لا تجوز فی الأضاحی؛ العوراء البين عورها والمريضة البين مرضها والعجفاء البين ضلعها والكسيرة التی لا تنقى رواه أبو داود والنسائی وجماعة أخر وصححه الترمذی، وفی الحاوی قال مشايخنا :العرجاء التی تمشى بثلاثة قوائم وتجافى الرابع عن الأرض لا تجوز الأضحية بها، وإن كانت تضع الرابع على الأرض وتستعين به إلا أنها تتمايل مع ذلك وتضعه وضعا خفيفا يجوز، وإن كانت ترفعه رفعا، أو تحمل المنكسر لا تجوز(تكملة البحر الرائق للطوری ،ج۸ص ۲۰۱،كتاب الأضحية)

فأما العرجاء إذا كانت تمشى فلا بأس به ؛ لأنه -عليه الصلاة والسلام -سئل عن العرجاء فقال إذا كانت تبلغ فلا بأس به .فإذا كانت لا تقوم، ولا تمشى لا يجوز؛ لأن ذلك يؤثر فی لحمها فإنها لا تعلف إلا ما حولها .وإذا كانت تمشى فهی تذهب إلى العلف فلا يؤثر فی لحمها(المبسوط للسرخسی ،ج۱۲ ص۱۶،كتاب الذبائح،باب الأضحية)

(قوله ولا) (العرجاء) التی لا تمشى إلى المنسك بكسر السين وهو المذبح فإن كان عرجها لا يمنعها عن المشی جاز(الجوهرة النيرة،ج ا ص ۱۸۱،كتاب الحج،باب الهدی)

بھی پاؤں کٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے اس سے کلی طور پر فائدہ اُٹھانے اور چلنے سے قاصر ہوتا ہے، اور اس کا عیب ظاہر وفاحش شمار کیا جاتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۶ ...... ایسا کانا جانور جس کا کانا پن ظاہر وفاحش ہو، اس کی قربانی جائز نہیں، کیونکہ یہ فاحش وظاہر عیب ہے، البتہ جس جانور کا کانا پن پوری طرح واضح نہ ہو، اس کی قربانی جائز ہے، کیونکہ یہ فاحش وظاہر عیب نہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر۷ ...... ایسا لاغر اور دبلا جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو، اور سوکھ کر بالکل ڈھانچہ نکل آیا ہو، اس کی قربانی جائز نہیں، کیونکہ ایسی صورت میں اس کا عیب فاحش وظاہر ہے، البتہ جس کی ہڈیوں میں کچھ گودا ہو، اس کی قربانی جائز ہے، کیونکہ یہ فاحش وظاہر عیب نہیں۔ [3]

---

[1] وفی الخزانة لا یجوز مقطوع إحدی القوائم الأربع، کذا فی التتارخانیة (الفتاوی الهندیة، ج۵ص ۲۹۹، کتاب الأضحیة،الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب)

[2] وأما الذی یرجع إلی محل التضحیة فنوعان :أحدهما :سلامة المحل عن العیوب الفاحشة؛ فلا تجوز العمیاء ولا العوراء البین عورها(بدائع الصنائع ،ج۵ص۷۵،کتاب التضحیة،فصل فی شرائط جواز إقامة الواجب فی الأضحیة)

[3] والعجفاء التی لا تنقی وهی المهزولة التی لا نقی لها وهو المخ(بدائع الصنائع ، ج۵ص۷۵،کتاب التضحیة،فصل فی شرائط جواز إقامة الواجب فی الأضحیة)

لا یجوز إذا ذهب مخ عظمها *و إن کانت مهزولة فیها بعض الشحم جاز مروی ذلک عن محمد رحمه الله تعالی *فإن کانت مهزولة عند الشراء فسمنت بعد الشراء جاز(فتاوی قاضی خان،کتاب الأضحیة)

والعجفاء :التی لا تنقی :هی التی لیس لها نقی :أی مخ من شدة العجف(العنایة شرح الهدایة، ج۹ص ۵۱۵،کتاب الأضحیة)

ولا تجزیء العجفاء التی لا تنقی (المحیط البرهانی، ج۸ص۴۶۷،کتاب الأضحیة،الفصل الخامس فی بیان ما یجوز فی الضحایا وما لا یجوز، وفی بیان المستحب، والأفضل منها)

(ولا العجفاء) ش :أی المهزولة، من عجف یعجف من باب علم یعلم(البنایة شرح الهدایة، ج۱۲ ص۳۳،کتاب الأضحیة)

وقد قیدت العجفاء :بأنها لا تنقی :أی ما یکون عجفها إلی حد لا یکون فی عظامها نقی أی مخ. (شرح الوقایة،کتاب الأضحیة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۸...... ایسا خارشی جانور کہ جس کی خارش اس طرح سے ظاہر وفاحش ہو کہ وہ اس کی وجہ سے بہت دبلا اور کمزور ہوگیا ہو، اس کی قربانی جائز نہیں؛ کیونکہ ایسی صورت میں یہ عیب ظاہر وفاحش ہے۔

البتہ جو خارشی جانور فربہ یعنی موٹا تازہ ہو اس کی قربانی جائز ہے، کیونکہ ایسی صورت میں خارش کی بیماری اس کی جلد تک محدود ہوتی ہے، اور ظاہر وفاحش عیب شمار نہیں ہوتی۔ [۱]

مسئلہ نمبر۹...... جس جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں (جیسا کہ اونٹ) یا جس جانور کے پیدائشی طور پر بہت چھوٹے چھوٹے سینگ ہوں، یا جس جانور کے سینگ ٹوٹ گئے ہوں، مگر جڑ سے نہ اکھڑے ہوں، اس کی قربانی جائز ہے؛ البتہ جس جانور کا ایک یا دونوں سینگ جڑ سے اس طرح اکھڑ جائیں کہ اندر کی مینگ اور گودا بھی ختم ہوجائے (جس پر سینگ اُگتے ہیں) تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولا تجزء العجفاء التی لا تنقی للنهی الذی روینا، ولأن هذا عیب فاحش أثر فی لحمها ویستوی إن اشتراها كذلك، أو صارت عنده كذلك وهو موسر؛ لأن الواجب فی ذمته بصفة الكمال فلا یتأدی بالناقص .فأما إذا كان معسرا أجزأه؛ لأنه لا واجب فی ذمته بل یثبت الحق فی العین فیتأدی بالعین علی أی صفة كانت، وذلك مروی عن علی -رضی الله عنها(المبسوط للسرخسی،ج۱۲ ص۱۶،كتاب الذبائح،باب الأضحیة)

أخرجه أصحاب السنن الأربع، ومالك فی الموطأ من حدیث البراء بن عازب قال :قام فینا رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال :أربع لا یجوز فی الضحایا :العوراء البین عورها، والمریضة البین مرضها، والعرجاء البین ظلعها، والكسیرة التی لا تنقی .بمثناة فوقیة مضمومة، فنون ساكنة، فقاف مكسورة، أی بلغ بها العجف إلی حد لا یكون فی عظامها نقی أی مخ(شرح النقایة،لعلی بن سلطان محمد القاری،كتاب الأضحیة)

فإن كانت مهزولة فیها بعض الشحم جاز یروی ذلك عن محمد -رحمه الله تعالی-، ولو كانت مهزولة عند الشراء فسمنت بعد الشراء جاز، كذا فی فتاوی قاضی خان .(الفتاوی الهندیة، ج۵ص۲۹۸،كتاب الأضحیة،الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب)

[۱] وتجوز الجرباء إذا كانت سمینة فإن كانت مهزولة لا تجوز(بدائع الصنائع ، ج۵ ص۷۶،كتاب التضحیة،فصل فی شرائط جواز إقامة الواجب فی الأضحیة)

وتجوز الجرباء إذا كانت سمینة، فإن كانت مهزولة لا تجوز (الفتاوی الهندیة،ج۵ص۲۹۸،كتاب الأضحیة،الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب)

کیونکہ بعض جانوروں کی نسلوں میں سینگ پیدا ہی نہیں ہوتے، یا پیدائشی طور پر بہت چھوٹے سینگ ہوتے ہیں، اور یہ عیب شمار نہیں ہوتا، اور جس جانور کے سینگ ٹوٹ جائیں، تو مینگ یا میخ موجود ہونے کی صورت میں اس پر دوبارہ سینگ اُگ آتے ہیں، اس لیے یہ ظاہر وفاحش عیب نہیں، اور مینگ یا میخ ختم ہو جانے کی صورت میں دوبارہ سینگ نہیں اُگتے، اس لیے یہ ظاہر وفاحش عیب ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۰...... اونٹنی، گائے اور بھینس کے عادتاً چار تھن ہوتے ہیں، اور بکری وبھیڑ وغیرہ کے عادتاً دو تھن ہوتے ہیں۔

---

[1] قال (ولا بأس بأن يضحي بالجماء وبمكسور القرن) أما الجماء فلأن ما فات منها غير مقصود؛ لأن الأضحية من الإبل أفضل، ولا قرن له .وإذا ثبت جواز الجماء فمكسور القرن أولى، وقد روى في ذلك عن عمار بن ياسر -رضى الله تعالى عنه (المبسوط للسرخسي، ج١٢ ص ١١، كتاب الذبائح، باب الاضحية)

قوله :(ويجوز أن يضحى بالجماء) وهي التي لا قرن لها خلقة وتسمى الجلحاء أيضا وكذلك القضماء وهي التي انكسر غلاف قرنها(الجوهرة النيرة،ج٢ ص ١٨٩ ،كتاب الأضحية)

وكذا مكسورة القرن تجزى لما روى أن سيدنا عليا -رضي الله عنه -سئل عن القرن فقال :لا يضرك أمرنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أن نستشرف العين والأذن وروى أن رجلا من همذان جاء إلى سيدنا على -رضى الله عنه -فقال :يا أمير المؤمنين البقرة عن كم؟ قال :عن سبعة ثم قال :مكسورة القرن؟ قال :لا ضير ثم قال :عرجاء؟ فقال :إذا بلغت المنسك، ثم قال سيدنا على -كرم الله وجهه :-أمرنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أن نستشرف العين والأذن .

فإن بلغ الكسر المشاش لا تجزيه، والمشاش :رء وس العظام مثل الركبتين والمرفقين(بدائع الصنائع، ج٥ص ٧٦، كتاب التضحية،فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية)

ويجوز بالجماء التي لا قرن لها، وكذا مكسورة القرن، كذا في الكافي.وإن بلغ الكسر المشاش لا يجزيه، والمشاش رء وس العظام مثل الركبتين والمرفقين، كذا في البدائع(الفتاوى الهندية، ج٥ص٢٩٧، كتاب الأضحية،الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب)

(قوله ويضحى بالجماء) هي التي لا قرن لها خلقة وكذا العظماء التي ذهب بعض قرنها بالكسر أو غيره، فإن بلغ الكسر إلى المخ لم يجز قهستاني، وفي البدائع إن بلغ الكسر المشاش لا يجزء والمشاش رء وس العظام مثل الركبتين والمرفقين اهـ (رد المحتار على الدر المختار، ج٦ ص ٣٢٣، كتاب الأضحية)

والتي لا قرن لها من الأصل تجوز فإن انقطع أو انكسر بعض قرنها تجوز إلا إذا بلغ المخ (لسان الحكام في معرفة الحكام، ج ١ ص٣٨٧، الفصل الثاني والعشرون من الفصول الثلاثين في الصيد والذبائح والاضحية)

اس لیے جس جانور کے تمام تھن پوری طرح کٹے ہوئے ہوں یا تمام تھنوں کی اوپر کی گھنڈیاں (یعنی تھن کا سر، جن سے دودھ برآمد ہوتا ہے) کٹی ہوئی ہوں، ایسے جانور کی قربانی درست نہیں، کیونکہ یہ ظاہر وفاحش عیب ہے۔

اسی طرح جس اونٹنی یا گائے، بھینس کے دو یا اس سے زیادہ تھن یا اُن کی گھنڈیاں کٹی ہوئی ہوں، یا بکری وبھیڑ وغیرہ کا ایک تھن یا اُس کی گھنڈی کٹی ہوئی ہو، تو اُس کی قربانی جائز نہیں، کیونکہ یہ عیب بھی ظاہر وفاحش ہے۔

یہی حکم اونٹنی، گائے اور بھینس کے دو تھنوں کے اور بکری اور بھیڑ کے ایک تھن کے بیماری کی وجہ سے اس طرح سوکھ جانے کا ہے کہ ان میں دودھ نہ اُترتا ہو کہ ان کی قربانی بھی جائز نہیں۔

البتہ اگر تمام تھن یا اونٹنی گائے اور بھینس کے تین تھن موجود ہوں، اور بغیر کسی بیماری کے دودھ نہ اترتا ہو تو قربانی جائز ہے، اور اسی طرح اگر تھنوں میں دودھ تو اترتا ہو، مگر پہلے کے مقابلہ میں دودھ کی مقدار کم ہوگئی ہو، تو ایسے جانور کی قربانی بھی جائز ہے، کیونکہ یہ ظاہر وفاحش عیب نہیں، اور آب وہوا؛ اور غذا وعمر وغیرہ کے ساتھ مختلف ہونے والی کیفیت ہے۔ [1]

---

[1] (قوله ولا المصرمة أطباؤها) مصرمة كمعظمة، من الصرم :وهو القطع، والأطباء بالطاء المهملة جمع طبى بالكسر والضم :حلمات الضرع التى من خف وظلف وحافر وسبع قاموس، وما رأيناه فى عدة نسخ بالظاء المعجمة تحريف.

(قوله وهى إلخ) فسرها الزيلعى بالتى لا تستطيع أن ترضع فصيلها، وهو تفسير بلازم المعنى؛ لما فى القاموس :هى ناقة يقطع أطباؤها لييس الإحليل فلا يخرج اللبن ليكون أقوى لها، وقد يكون من انقطاع اللبن بأن يصيب ضرعها شىء فيكون فينقطع لبنها اهـ .وفى الخلاصة :مقطوعة رء وس ضروعها لا تجوز، فإن ذهب من واحدة أقل من النصف فعلى ما ذكرنا من الخلاف فى العين والأذن .وفى الشاة والمعز إذا لم يكن لهما إحدى حلمتيهما خلقة أو ذهبت بآفة وبقيت واحدة لم يجز، وفى الإبل والبقر إن ذهبت واحدة يجوز أو اثنتان لا اهـ وذكر فيها جواز التى لا ينزل لها لبن من غير علة .وفى التتارخانية والشطور لا تجزء، وهى من الشاة ما قطع اللبن عن إحدى ضرعيها، ومن الإبل والبقر ما قطع من ضرعيها لأن لكل واحد منهما أربع أضرع(رد المحتار على الدر المختار، ج٦ ص ٣٢٤، ٣٢٥، كتاب الأضحية)

والتى لاينزل لها لبن من غير علة والتى لها ولد يجوز ...... ومقطوعة رء وس ضروعها لا يجوز، فإن ذهب من واحدة أقل من النصف فعلى ما ذكرنا من الخلاف فى العين والأذن .وفى الشاة والمعز إذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۱...... بھینگے جانور کی قربانی جائز ہے، کیونکہ صرف بھینگا ہونا کوئی ظاہر وفاحش عیب نہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر۱۲...... جو جانور بالکل اندھا ہو اور اس کو نظر نہ آتا ہو اس کی قربانی جائز نہیں، اسی طرح جس جانور کی ایک آنکھ نہ ہو یا ایک آنکھ سے بالکل نظر نہ آتا ہو، اُس قربانی بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ ظاہر وفاحش عیب ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لم يكن لهما أحد حلمتيها خلقة أو ذهبت بآفة وبقيت واحد لم يجز، وفي الإبل والبقر إن ذهبت واحدة يجوز وان ذهبت اثنان لا يجوز، والله اعلم (خلاصة الفتاوىٰ، ج۴، ص ۳۲۱، كتاب الاضحية، الفصل الخامس فى العيوب)

ومقطوعة رء وس ضروعها لا تجوز، فإن ذهب من واحد أقل من النصف فعلى ما ذكرنا من الخلاف فى العين والأذن، وفى الشاة والمعز إذا لم تكن لهماإحدى حلمتيها خلقة أو ذهبت بآفة وبقيت واحدة لم تجز، وفى الإبل والبقر إن ذهبت واحدة تجوز، وإن ذهبت اثنتان لا تجوز، كذا فى الخلاصة......والشطور لا تجزء وهى من الشاة ما انقطع اللبن عن إحدى ضرعيها، ومن الإبل والبقر ما انقطع اللبن من ضرعيهما؛ لأن لكل واحد منهما أربع أضرع، كذا فى التتارخانية(الفتاوى الهندية، ج۵ص۲۹۸، ۲۹۹، كتاب الأضحية،الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب)

ومقطوعة رؤوس ضروعها وإن ذهب من واحد أقل من النصف فعلى ما ذكرنا من الخلاف فى العين والأذن وفى الشاة والمعز إذا لم يكن لها إحدى حلمتيها خلقة أو ذهبت بآفة وبقيت أخرى لم تجز وفى الإبل والبقر إن ذهبت واحدة يجوز وإن ذهب اثنتان لا يجوز والله أعلم(لسان الحكام فى معرفة الأحكام(لسان الحكام فى معرفة الحكام، ج ۱ ص۳۸۸، الفصل الثانى والعشرون من الفصول الثلاثين فى الصيد والذبائح والاضحية)

ولا الحذاء وهى مقطوعة الضرع ولا المصرمة وهى التى لا تستطيع أن ترضع فصيلها ولا الجداء وهى التى يبس ضرعها كذا فى التبيين ولا تجزى الجدعاء وهى مقطوعة الأطباء وهى رء وس ضرعها فإن بقى أكثرها جاز كذا فى منية المفتى (حاشية الشرنبلالى على درر الحكام، ج ۱ ص ۲۷۰، كتاب الأضحية،ما يصح للأضحية)

[۱] وتجوز الحولاء :ما فى عينها حول(رد المحتار على الدر المختار،ج۶ ص۳۲۵،كتاب الأضحية)

والحولاء تجزء وهى التى فى عينها حول، وكذا المجزوزة وهى التى جز صوفها، كذا فى فتاوى قاضى خان(الفتاوى الهندية، ج۵ص۲۹۸، كتاب الأضحية،الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب)

وفى الخانية :وكذا الحولاء التى فى عينها حول(تكملة البحر الرائق للطور، ج۸ص۲۰۱، كتاب الأضحية)

اگر کسی جانور کی بینائی متأثر ہوگئی ہو، اور اس کو کم نظر آتا ہو، تو اگر آدھی یا اس سے کم بینائی باقی رہ گئی ہو تو قربانی جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں عیب ظاہر وفاحش ہے، اور اگر بینائی نصف سے کم متأثر ہو تو اس جانور کی قربانی جائز ہے، کیونکہ یہ ظاہر وفاحش عیب نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۳...... جس جانور کے پیدائشی طور پر ایک یا دونوں کان نہ ہوں، یا کان کا نصف یا اس سے زائد حصہ کٹا یا چرا ہوا ہو اس کی قربانی جائز نہیں (کیونکہ یہ ظاہر وفاحش عیب ہے)

---

[1] اگر ایک آنکھ کی بینائی نصف یا اس سے زائد متاثر ہوگئی ہو، تو بھی اکثر حنفی فقہائے کرام کے نزدیک ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں، اور بینائی کی مقدار کو پہچاننے کا بعض فقہائے کرام نے یہ طریقہ بیان فرمایا ہے کہ جانور کو کچھ وقت بھوکا رکھ کر پہلے عیب دار آنکھ پر کچھ باندھ کر دور سے چارہ دکھاتے ہوئے قریب لائیں، جہاں سے جانور کو نظر آ جائے، وہاں نشان کر دیں، پھر صحیح آنکھ کو باندھ کر یہی عمل دہرائیں، پھر دونوں کے فاصلوں کی نسبت معلوم کریں، اگر فرق نصف یا اس سے زائد ہے، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ نصف یا اس سے زائد بینائی متأثر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولا تجزئ العمياء ولا العوراء ،و هي ذاهبة إحدى العينين بكماله(المحيط البرهاني، ج ٨ص ٤٦٦، كتاب الأضحية،الفصل الخامس في بيان ما يجوز في الضحايا وما لا يجوز، وفي بيان المستحب، والأفضل منها)

و لا تجوز المنفسخة العين وهي التي غارت عينها اهـ .(تكملة البحر الرائق للطور، ج٨ص ٢٠١، كتاب الأضحية)

(قال :ولا يضحى بالعمياء) ش :أي قال القدوري، وقال داود الأصفهاني :يجوز العمياء لأن الشرع ورد في العوراء ولم يرد في العمياء والقياس عندي ليس بحجة، وقالت العامة :الشرع لم يجوز العوراء والعمياء عور وزيادة فيكون النص الوارد في العوراء ، وأراد في العمياء بدلالة النص كما في قوله سبحانه وتعالى :(فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ). م :(والعوراء) ش :وهي الذاهبة إحدى العينين (البناية شرح الهداية، ج١٢، ص٣٣، كتاب الاضحية، مالا يجزء في الأضحية، التضحية بالعمياء)

ثم معرفة مقدار الذاهب والباقي متيسر في غير العين ، وفي العين قالوا يشد عينها المعيبة بعد أن جاعت ثم يقرب العلف إليها قليلا قليلا فإذا رأته في موضع علم ذلك الموضع ثم يشد عينها الصحيحة ، ويقرب العلف إليها شيئا فشيئا حتى إذا رأته من مكان علم عليه ثم ينظر ما بينهما من التفاوت فإن كان نصفا أو ثلثا أو غير ذلك فالذاهب هو ذلك القدر (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق،ج ٦ص ٦ كتاب الأضحية)

ثم معرفة المقدار في غير العين متيسر، وفي العين قالوا :تشد العين المعيبة بعد أن لا تعتلف الشاة يوما أو يومين ثم يقرب العلف إليها قليلا قليلا، فإذا رأته من موضع أعلم على ذلك المكان ثم تشد عينها الصحيحة وقرب إليها العلف قليلا قليلا حتى إذا رأته من مكان أعلم عليه .ثم ينظر إلى تفاوت ما بينهما، فإن كان ثلثا فالذاهب الثلث، وإن كان نصفا فالنصف(فتح القدير،ج٩،ص٥١٥، كتاب الأضحية)

البتہ جس جانور کا کان نصف سے کم کٹا یا چرا ہوا ہو یا جس جانور کے کان تو ہوں، مگر قدرتی طور پر چھوٹے چھوٹے ہوں، تو اس کی قربانی جائز ہے (کیونکہ یہ ظاہر وفاحش عیب نہیں)

اگر تھوڑے تھوڑے دونوں کان کٹے یا چرے ہوئے ہوں، اور کسی ایک کٹے یا چرے ہوئے کان کی مقدار تو باقی ماندہ کان کے حصہ کے نصف سے کم ہو، لیکن دونوں کانوں کی کٹی ہوئی مقدار کا مجموعہ دونوں کانوں کی باقی ماندہ مقدار کے نصف کے برابر یا اس سے زیادہ ہو، تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی قربانی نہ کی جائے، اگر کسی نے کر دی تو امید ہے کہ ادا ہو جائے گی۔ [1]

---

[1] اور ایک روایت کے مطابق کسی جانور کے پیدائشی طور پر کان نہ ہونے کی صورت میں اس کی قربانی جائز ہے۔

ولا التى ليس لها أذنان، أو إحدى الأذنين، ولا مقطوعة الألية، وإن كانت صغيرة الأذن جاز، وروى أسيد بن عمرو عن محمد؛ ما لم يخلق لها أذنان يجوز، وفى الضحايا للحسن بن زياد؛ قال أبو حنيفة :جاز إذا خلقت بلا أذنين، وفى زيادات نوادر هشام قال أبو حنيفة :إذا كان لها أذنان صغيران يجوز بعد أن يسمى أذناً(المحيط البرهانى، ج٨ص ٤٦٦، كتاب الأضحية، الفصل الخامس فى بيان ما يجوز فى الضحايا وما لا يجوز، وفى بيان المستحب، والأفضل منها)

وإن بقى أكثر الأذن جاز وكذا أكثر الذنب لأن للأكثر حكم الكل بقاء وذهابا وهذا لأن العيب اليسير لا يمكن التحرز عنه فجعل عفوا(تكملة البحر الرائق للطورى، ج٨ص ٢٠١، كتاب الأضحية)

وإنما قيد الذهاب بالأكثر لأنه أن يبقى الأكثر من العين والأذن والذنب ونحوها جاز؛ لأن للأكثر حكم الكل بقاء وذهابا .وفى المنح واختاره أبو الليث وعليه الفتوى (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج٢ص ٥٢٠، كتاب الأضحية)

(والسكاء) التى لا أذن لها خلقة فلو لها أذن صغيرة خلقة أجزأت زيلعى (الدرالمختار)

(قوله التى لا أذن لها خلقة) قال فى البدائع :ولا تجوز مقطوعة إحدى الأذنين بكمالها والتى لها أذن واحدة خلقة اهـ (قوله فلو لها أذن صغيرة خلقة أجزأت) وهذه تسمى صمعاء بمهملتين كما فى القاموس(ردالمحتار، ج٦ص ٣٢٤، كتاب الاضحية)

والتى لا أذن لها فى الخلقة .وسئل محمد -رحمه الله -عن ذلك فقال :أيكون ذلك فإن كان لا يجزى ويجزى السكاء وهى صغيرة الأذن، ولا يجوز مقطوعة إحدى الأذنين بكمالها، والتى لها أذن واحدة خلقة(بدائع الصنائع، ج٥ص ٧٥، كتاب التضحية، فصل فى شرائط جواز إقامة الواجب فى الأضحية)

الشاة إذا لم يكن لها أذن ولا ذنب خلقة.قال محمد :لا يكون هذا ولو كان لا يجوز، وذكر فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۴:...... جس گائے، بھیڑ، بکری کے پیدائشی طور پر دم نہ ہو، یا جس جانور کی دم یا دنبہ کی چکتی آدھی یا اس سے زیادہ مقدار میں کٹی ہوئی ہو، اس کی قربانی جائز نہیں (کیونکہ یہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأصل عن أبی حنیفة أنه یجوز خانیة (رد المحتار علی الدر المختار، ج۶ص ۳۲۵، کتاب الأضحیة)

وفی البزازیة :وهل تجمع الخروق فی أذنی الأضحیة؟ اختلفوا فیه .قلت :وقدم الشارح فی باب المسح علی الخفین أنه ینبغی الجمع احتیاطا (ردالمحتار، ج۶ص ۳۲۴، کتاب الاضحیة)

وفی الخلاصة أیضا والخرق فی أذنی الأضحیة هل یجمع اختلف المشایخ فیه(البحرالرائق، ج ا ص ۱۸۶، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین)

ولا یجمع ما ذهب من الأذنین علی ما قال أبو علی الرازی وقال ابن سماعة إنه یجمع(مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، ج۲ ص ۵۲۰، کتاب الأضحیة)

وسئل عمرو بن الحافظ عن الأضحیة إذا کان الذاهب من کل واحدة من الأذنین السدس هل یجمع حتی یکون مانعا علی قول أبی حنیفة -رحمه الله تعالی -قیاسا علی النجاسات فی البدن أم لا یجمع کما فی الخروق فی الخفین؟ .قال :لا یجمع(الفتاوی الهندیة، ج۵، ص ۲۹۸، کتاب الأضحیة، الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب)

ملحوظ رہے کہ کان، دم، چکتی وغیرہ کے متعلق جہاں متن میں نصف یا اس سے زائد حصے کی قید لگا کر حکم بیان کیا گیا ہے، یہ ایک روایت کے مطابق ہے، جو صاحبین کا قول ہے، اور بعض حضرات نے اسی کی طرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا رجوع قرار دیا ہے، اور اس میں عوام کے لئے سہولت ہے، اور بعض حضرات کا فتویٰ بھی اس کے مطابق ہے، اور بندہ کا اب رجحان بعض وجوہ کی بناء پر اسی وسعت والی روایت کی طرف ہے، جبکہ امام صاحب رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق تہائی یا اس سے زیادہ کان، دُم وغیرہ کٹے ہوئے جانور کی قربانی جائز نہیں، اور اس سے کم کٹے ہوئے ہونے کی صورت میں جائز ہے، اور یہ روایت احتیاط پر مبنی ہے، اور بہت سے اکابر فقہاء نے بربنائے احتیاط اسی کو اختیار کیا ہے، اور بندہ نے بھی بعض تحریرات میں پہلے اسی کو اختیار کیا تھا۔ محمد رضوان

(ومقطوع أکثر الأذن أو الذنب أو العین) أی التی ذهب أکثر نور عینها فأطلق القطع علی الذهاب مجازا، وإنما یعرف بتقریب العلف (أو) أکثر (الألیة) لأن للأکثر حکم الکل بقاء وذهابا فیکفی بقاء الأکثر، وعلیه الفتوی مجتبی(الدر المختار)

(قوله ومقطوع أکثر الأذن إلخ) فی البدائع :لو ذهب بعض الأذن أو الألیة أو الذنب أو العین .ذکر فی الجامع الصغیر إن کان کثیرا یمنع، وإن یسیرا لا یمنع .واختلف أصحابنا فی الفاصل بین القلیل والکثیر؟ فعن أبی حنیفة أربع روایات .روی محمد عنه فی الأصل والجامع الصغیر أن المانع ذهاب أکثر من الثلث، وعنه أنه الثلث، وعنه أنه الربع، وعنه أن یکون الذاهب أقل من الباقی أو مثله اهـ بالمعنی والأولی هی ظاهر الروایة، وصححها فی الخانیة حیث قال :والصحیح أنه الثلث، وما دونه قلیل، وما زاد علیه کثیر وعلیه الفتوی اهـ ومشی علیها فی مختصر الوقایة والإصلاح .والرابعة هی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ظاہر وفاحش عیب ہے) اور جس جانور کی دم پیدائشی طور پر بہت چھوٹی ہو یا آدھے سے کم حصہ کٹا ہوا ہو، یا کسی دنبہ کی دم بالکل نہ ہو لیکن چکتی ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے (کیونکہ یہ ظاہر وفاحش عیب نہیں، اور دنبہ کی چکتی دم کے قائم مقام ہے)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قولهما قال في الهداية .وقالا :إذا بقى الأكثر من النصف أجزأه، وهو اختيار الفقيه أبي الليث، وقال أبو يوسف :أخبرت بقولي أبا حنيفة فقال قولي هو قولك، قيل هو رجوع منه إلى قول أبي يوسف، وقيل معناه قولي قريب من قولك.

وفي كون النصف مانعا روايتان عنهما اهـ .وفي البزازية :وظاهر مذهبهما أن النصف كثير اهـ .وفي غاية البيان :ووجه الرواية الرابعة وهي قولهما وإليها رجع الإمام أن الكثير من كل شيء أكثره، وفي النصف تعارض الجانبان اهـ أي فقال بعدم الجواز احتياطا بدائع، وبه ظهر أن ما في المتن كالهداية والكنز والملتقى هو الرابعة، وعليها الفتوى كما يذكره الشارح عن المجتبى، وكأنهم اختاروها لأن المتبادر من قول الإمام السابق هو الرجوع عما هو ظاهر الرواية عنه إلى قولهما والله تعالى أعلم (ردُّ المحتار ج ۶ ص ۳۲۳، ۳۲۴، كتاب الأضحية)

قال -رحمه الله :-(ومقطوعة أكثر الآذان، أو الذنب، أو العين، أو الألية) لقول علي -رضي الله تعالى عنه -أمرنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أن نستشرف العين والأذن وأن لا نضحي بمقابلة ولا مدابرة ولا شرقاء ولا خرقاء رواه أبو داود والنسائي وغيرهما وصححه الترمذي المقابلة قطع من مقدم ذنبها والمدابرة قطع من مؤخر أذنها، والشرقاء أن يكون الخرق في أذنها طويلا والخرقاء أن يكون عرضا، وإن بقي أكثر الأذن جاز وكذا أكثر الذنب لأن للأكثر حكم الكل بقاء وذهابا وهذا لأن العيب اليسير لا يمكن التحرز عنه فجعل عفوا.

وعن أبي حنيفة -رحمه الله تعالى -أن الثلث إذا ذهب وبقي الثلثان يجوز، وإن ذهب أكثر من الثلث لا يجوز لأن الثلث تنفذ فيه الوصية من غير إجازة الورثة فاعتبر قليلا وفيما زاد لا ينفذ إلا برضاهم فاعتبر كثيرا ويروى عنه الربع؛ لأنه يحكى حكاية الكل وقال أبو يوسف ومحمد إذا بقي أكثر من النصف أجزأه اعتبارا للحقيقة وهو اختيار أبي الليث قال أبو يوسف :أخبرت بقولي أبا حنيفة فقال :قولي هو قولك قيل :هو رجوع إلى قول أبي يوسف وقيل معناه :قولي قريب من قولك، وفي كون النصف مانعا روايتان عنهما وتأويل ما روينا إذا كان بعض الآذان مقطوعا على اختلاف الروايتان لأن مجرد الرد الشق من غير ذهاب شيء من الأذن لا يمنع(تكملة البحر الرائق، ج۸ص ۲۰۱، كتاب الأضحية)

فإن أصحابنا رحمهم الله يختلفون في ذلك .فأما أبو حنيفة ,رحمة الله عليه فروى عنه: المقطوع من ذلك ,إذا كان ربع ذلك العضو فصاعدا ,لم يصح بما قطع ذلك منه ,وإن كان أقل من الربع ,ضحى به .وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله :إذا كان المقطوع من ذلك , هو النصف فصاعدا ,فلا يضحى بما إذا قطع ذلك منه .وإن كان أقل من النصف ,فلا بأس أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ دنبہ کی چکتی کے نیچے ایک چھوٹی سی دُم لگی رہتی ہے، اس دُم کا اعتبار نہیں؛ یہ دُم اگر پوری کٹی ہوئی ہوتو قربانی جائز ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یضحی بها .إلا أن أبا یوسف رحمه الله ذکر أنه ذکر هذا القول لأبی حنیفة فقال له :قولی مثل قولک .فثبت بذلک رجوع أبی حنیفة :رحمة الله علیه ,عن قوله الذی قد کان قاله ,إلی ما حدثه به أبو یوسف .وقد وافق ذلک من قولهم ,ما روینا عن سعید بن المسیب فی هذا الباب (شرح معانی الآثار، ج۴ص ۱۷۰، کتاب الصید والذبائح والاضاحی، باب العیوب التی لایجوز الهدایا والضحایا اذا کانت بها)

[۱] فی البدائع :لو ذهب بعض الأذن أو الألیة أو الذنب أو العین .ذکر فی الجامع الصغیر إن کان کثیرا یمنع، وإن یسیرا لا یمنع (رد المحتار ج ٦ ص ۳۲۳،کتاب الأضحیة)

قال -رحمه الله :-(ومقطوعة أکثر الآذان، أو الذنب، أو العین، أو الألیة) لقول علی -رضی الله تعالی عنه -أمرنا رسول الله -صلی الله علیه وسلم -أن نستشرف العین والأذن وأن لا نضحی بمقابلة ولا مدابرة ولا شرقاء ولا خرقاء رواه أبو داود والنسائی وغیرهما وصححه الترمذی المقابلة قطع من مقدم ذنبها والمدابرة قطع من مؤخر أذنها، والشرقاء أن یکون الخرق فی أذنها طویلا والخرقاء أن یکون عرضا، وإن بقی أکثر الأذن جاز وکذا أکثر الذنب لأن للأکثر حکم الکل بقاء وذهابا وهذا لأن العیب الیسیر لا یمکن التحرز عنه فجعل عفوا(تکملة البحر الرائق ، ج۸ص ۲۰۱،کتاب الأضحیة)

(أو أکثر الذنب) ؛ لأنه عضو کامل مقصود فصار کالأذن (أو) أکثر (الألیة) وإنما قید الذهاب بالأکثر لأنه أن یبقی الأکثر من العین والأذن والذنب ونحوها جاز؛ لأن للأکثر حکم الکل بقاء وذهابا .وفی المنح واختاره أبو اللیث وعلیه الفتوی (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، ج۲ص ۵۲۰،کتاب الأضحیة)

ولا التی لا ألیة لها خلقة مجتبی(الدر المختار)

(قوله ولا التی لا ألیة لها خلقة) الشاة إذا لم یکن لها أذن ولا ذنب خلقة .قال محمد :لا یکون هذا ولو کان لا یجوز، وذکر فی الأصل عن أبی حنیفة أنه یجوز خانیة ثم قال :وإن کان لها ألیة صغیرة مثل الذنب خلقة جاز أما علی قول أبی حنیفة فظاهر لأن عنده لو لم یکن لها أذن أصلا ولا ألیة جاز، وأما علی قول محمد صغیرة الأذنین جائزة، وإن لم یکن لها ألیة ولا أذن خلقة لا یجوز(رد المحتار علی الدر المختار، ج٦ ص ۳۲۵،کتاب الأضحیة)

و الشاة إذا لم یکن لها أذن و لا ذنب خلقة یجوز قال محمد رحمه الله تعالی لا یکون هذا و لو کان لا یجوز *و ذکر فی الأصل عن أبی حنیفة رحمه الله تعالی أنه یجوز.......و إن کان لها ألیة صغیرة مثل الذنب خلقة جاز أما علی قول أبی حنیفة رحمه الله تعالی فظاهر لأن عنده لو لم یکن لها أذن و لا ألیة أصلا جاز فصغیرة الأذنین أولی و أما علی قول محمد رحمه الله تعالی صغیرة الأذنین

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۵...... جس جانور کی ناک کٹی ہوئی ہو، اس کی قربانی جائز نہیں (کیونکہ یہ ظاہر وفاحش عیب ہے) اور اگر ناک میں رسی وغیرہ ڈالنے کے لئے سوراخ کرلیا گیا ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے، کیونکہ یہ کوئی ظاہر وفاحش عیب بلکہ عیب ہی نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۶...... جس گائے، بھینس اور بکری کی نصف یا اس سے زیادہ زبان کٹی ہوئی ہو، اس کی قربانی جائز نہیں، اور نصف سے کم مقدار میں کٹی ہوئی ہو، تو جائز ہے۔

البتہ بعض حضرات کے نزدیک بکری کی زبان اگر نصف یا اس سے زائد مقدار میں کٹی ہوئی ہو، لیکن وہ چارہ بآسانی کھاسکتی ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے۔ لیکن خلافِ احتیاط ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جائزة *و إن لم يكن لها إلية و لا أذن خلقة لا يجوز و إن كانت صغيرة الأذنين جاز (فتاوى قاضى خان، كتاب الأضحية)

وفي الأجناس وإن كانت الشاة لها ألية صغيرة خلقت بشبه الذنب تجوز، وإن لم تكن لها ألية خلقت كذلك قال محمد -رحمه الله تعالى :-لا تجوز، كذا فى الخلاصة(الفتاوى الهندية، ج٥ص٢٩٧، كتاب الأضحية،الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب)

[1] ولا تجزء الجدعاء وهي مقطوعة الأنف، كذا في الظهيرية .(الفتاوى الهندية، ج٥ص٢٩٨، كتاب الأضحية،الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب)

ولا الجدعاء :مقطوعة الأنف(الدر المختار مع شرحه ردالمحتار، ج٦ص٣٢٤، كتاب الأضحية)

[2] اور گائے اور بکری میں فرق کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ گائے، بھینس چارہ زبان سے اور بکری دانتوں سے کھاتی ہے۔

والتي لا لسان لها في الغنم خلاصة :أي لا البقر لأنه يأخذ العلف باللسان والشاة بالسن كما في القهستاني عن المنية، وقيل إن انقطع من اللسان أكثر من الثلث لا يجوز .أقول :وهو الذى يظهر قياسا على الأذن والذنب بل أولى لأنه يقصد بالأكل، وقد يخل قطعه بالعلف تأمل (رد المحتار على الدر المختار، ٦ص٣٢٥، كتاب الأضحية)

وفي اليتيمة كتبت إلى أبي الحسن على المرغيناني، ولو كانت الشاة مقطوعة اللسان هل تجوز التضحية بها؟ .فقال :نعم إن كان لا يخل بالاعتلاف، وإن كان يخل به لا تجوز التضحية بها، كذا في التتارخانية .وقطع اللسان في الثور يمنع، وفي الشاة اختلاف، كذا في القنية .والتي لا لسان لها في الغنم تجوز، وفي البقر لا، كذا في الخلاصة(الفتاوىٰ الهندية، ج٥ص٢٩٨، كتاب الاضحية، الباب الخامس)

التي لا أسنان لها إن كانت تعلف لا تجوز في ظاهر الأصول وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى إن بقي من الاسنان ما تعتلف به يجوز وفي الأجناس لا يجوز مطلقا والتي لا لسان لها في الغنم يجوز وفي البقر لا(لسان الحكام، ص٣٨٧، الفصل الثانى والعشرون من الفصول الثلاثين في الصيد والذبائح والأضحية)

مسئلہ نمبر ۱۷...... جس جانور کے دانت (پیدائشی طور پر) بالکل نہ ہوں یا سارے یا اکثر دانت گر جانے یا گِھس جانے کی وجہ سے وہ چارہ کھانے پر قادر نہ ہو (اور کسی غیر عادی طریقہ پر اس کو خوراک فراہم کرنی پڑتی ہو) تو اس کی قربانی جائز نہیں، البتہ جس جانور کے کچھ دانت نہ ہوں، مگر وہ چارہ کھا سکتا ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے۔ [1]

---

[1] اور اس کی وجہ فقہائے کرام نے یہ بیان فرمائی ہے کہ دانت خود مقصود نہیں، بلکہ ان سے مقصود چارہ کھانا ہے، لہٰذا فقہائے کرام نے مقصود کے فوت ہونے نہ ہونے پر نظر فرما کر حکم بیان فرمایا۔

وأما الهتماء وهى التى لا أسنان لها فإن كانت ترعى وتعتلف جازت وإلا فلا، وذكر فى المنتقى عن أبى حنيفة -رحمه الله- أنه إن كان لا يمنعها عن الاعتلاف تجزيه وإن كان يمنعها عن الاعتلاف إلا أن يصب فى جوفها صبا لم تجزه، وقال أبو يوسف فى قول لا تجزى سواء اعتلفت أو لم تعتلف، وفى قول إن ذهب أكثر أسنانها لا تجزى كما قال فى الأذن والألية والذنب، وفى قول إن بقى من أسنانها قدر ما تعتلف تجزى وإلا فلا (بدائع الصنائع ، ج۵ ص۷۵، كتاب التضحية، فصل فى شرائط جواز إقامة الواجب فى الأضحية)

قال :ولا يجوز بالهتماء التى لا أسنان لها، وإن كانت لا تعتلف، وإن كانت تعتلف جاز وهو الصحيح (تكملة البحر الرائق للطورى، ج۸ص ۲۰۱، كتاب الأضحية)

والهتماء لا تجوز ، وهى التى لا أسنان لها ، وعن أبى يوسف -رحمه الله- أنه يعتبر فى الأسنان الكثرة والقلة كالأذن والذنب ، وعنه أنه إن بقى ما يمكن الاعتلاف به أجزأه لحصول المقصود (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج۶ ص۶، كتاب الأضحية)

وأما الهتماء وهى التى لا أسنان لها، فإن كانت ترعى وتعتلف جازت وإلا فلا، كذا فى البدائع .وهو الصحيح، كذا فى محيط السرخسى (الفتاوى الهندية، ج۵ ص۲۹۸، كتاب الأضحية، الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب)

م :(وأما الهتماء وهى التى لا أسنان لها فعن أبى يوسف -رَحِمَهُ اللَّهُ- :أنه يعتبر فى الأسنان الكثرة والقلة) ش :وهو من اللحم وهو كسر الثنايا من أصلها يقال :ضربه ضربة هشم، فإذا ألقى مقدم أسنانه، وإنما اعتبر أبو يوسف الكثرة والقلة فى هذه الرواية؛ لأن الأسنان عضو كالأذن فيعتبر فيه بقاء الأكثر.

م :(وعنه) ش :أى وعن أبى يوسف م :(إن بقى ما يمكن الاعتلاف به أجزأه لحصول المقصود) ش :لأن المقصود من الأسنان الأكل بها فاعتبر بقاء المقصود دون غيره .قال القدورى فى " شرحه :"من أصحابنا لأن الهتماء التى يكسر أطراف أسنانها واعتبر أبو يوسف فيها أن تعتلف؛ لأن الأسنان باقية وإنما نقصت، فإذا لم يؤثر فى الأكل لم يمنع وإذا كانت متعلفة الأسنان فاعتبر بقاء الأكثر (البناية شرح الهداية، ج۱۲ ص۴۲، كتاب الأضحية)

وأما الهتماء فكان أبو يوسف -رحمه الله- يقول أولا لا يجوز أن يضحى بها، وإن كانت تعتلف، ثم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۸...... جس جانور کو جنون کا مرض اس حد تک ہوگیا ہو کہ وہ اس کی وجہ سے بطورِ خود چارہ بھی نہ کھا سکے، اس کی قربانی جائز نہیں، کیونکہ یہ ظاہر و فاحش عیب ہے، جو اس کی ہلاکت کا باعث ہے، البتہ جس کا جنون اس حد تک نہ پہنچا ہو، اور وہ خود سے چارہ کھانے پر قادر ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں اس کا جنون اس کی کامل منفعت کو فوت نہیں کرتا، اور فاحش نہیں کہلاتا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۹...... خنثیٰ جانور جس میں نر و مادہ دونوں کی علامات پائی جائیں، اس کا گوشت کیونکہ عام طور پر گلتا نہیں، اس لئے اس کی قربانی کو علماء نے جائز قرار نہیں دیا، لیکن اگر کسی نے قربانی کر لی، اور اس کا گوشت گل گیا، تو اس کی قربانی کو درست قرار دیا جائے گا۔

اور اگر کسی جانور کے نر یا مادہ ہونے کی علامت کچھ مغلوب ہو، تو اس کی قربانی کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں، کیونکہ یہ خنثیٰ جانور میں داخل نہیں، بلکہ نر و مادہ ہونے کی جو علامت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رجع .وقال يجوز إذا كانت تعتلف؛ لأنه وقع عنده في أن يضحى بها؛ لأن الهتماء ليس لها أسنان، ثم علم بعد ذلك أن الهتماء مكسورة بعض الأسنان .فإذا كانت تعتلف فالباقي من الأسنان أكثر من الذاهب، وذلك لا يمنع الجواز عنده، ثم قال والتي لا أسنان لها بمنزلة التي لا أذن لها فكل واحد منهما مقصود في البدن بل السن في الأنعام أقرب إلى المقصود من الأذن؛ لأنها تعتلف بالأسنان(المبسوط للسرخسي ،ج۱۲ ص۱۷ ، كتاب الذبائح،باب الأضحية)

و التي لا أسنان لها و هي تعتلف أو لا تعتلف لا يجوز *و إن بقي لها بعض الأسنان إن بقي من الأسنان قدر ما تعتلف جاز و إلا فلا(فتاوى قاضي خان، كتاب الأضحية)

والارجح عندي ما اختاره في البدائع من قول ابي حنيفة ،والله اعلم (اعلاء السنن ج۱۷ ص۲۵۳، باب جواز التضحية بالثولاء والهتماء والثرماء)

[1] وتجوز الثولاء وهي المجنونة إلا إذا كان ذلك يمنعها عن الرعي والاعتلاف فلا تجوز لأنه يفضي إلى هلاكها فكان عيبا فاحشا(بدائع الصنائع، ج۵ ص۷۵، كتاب التضحية،فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية)

قال -رحمه الله :-(والتولاء) وهي المجنونة لأنه لا يخل بالمقصود إذا كانت تعتلف فإن كانت سمينة ولم يتلف جلدها جاز لأنه لا يخل بالمقصود(تكملة البحر الرائق ،ج۸ ص۲۰۱، كتاب الأضحية)

وتجوز الثولاء وهي المجنونة إلا إذا كان ذلك يمنع الرعي والاعتلاف فلا تجوز(الفتاوى الهندية، ج۵ ص۲۹۸، كتاب الأضحية،الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب)

غالب ہے، اسی کا حکم رکھتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۰...... جو نَر جانور زیادہ عمر کی وجہ سے جفتی پر قادر نہ ہو یا جو مادہ جانور زیادہ عمر کی وجہ سے بچے جننے سے عاجز ہو، اس کی قربانی جائز ہے، کیونکہ یہ عیب نہیں اور عمر کا تقاضا ہے۔ [2]

---

[1] ولا بالخنثى لأن لحمها لا ينضج شرح وهبانية، وتمامه فيه(الدر المختار)

(قوله لأن لحمها لا ينضج) من باب سمع . وبهذا التعليل اندفع ما أورده ابن وهبان من أنها لا تخلو إما أن تكون ذكرا أو أنثى، وعلى كل تجوز(ردالمحتار ص ۳۲۵ ج ٦،كتاب الأضحية)

لا تجوز التضحية بالشاة الخنثى؛ لأن لحمها لا ينضج(الفتاوىٰ الهندية، ج۵ص ۲۹۹، كتاب الاضيحة،الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب)

فرع ولا يضحى بالخنثى ؛ لأنه لا يمكن إنضاج لحمها هكذا كان يحكي والدى عن الشيخ ظهير الدين المرغيناني ، ومن المشايخ من يذكر في هذا الفصل أصلا ، ويقول كل عيب يزيل المنفعة على الكمال أو الجمال على الكمال يمنع ، وما لا يكون بهذه الصفة لا يمنع ا هـ ظهيرية(حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، ج٦ص ٧ ، كتاب الاضحية)

امدادالفتاویٰ میں ہے کہ:

> اس تقریر سے دو امر مستفاد ہوئے، ایک یہ کہ لان لحمہا الخ علت ہے، حکمت نہیں، اور ظاہر ہے کہ علت کے ارتفاع سے حکم مرتفع ہو جاتا ہے، پس جب گوشت اچھی طرح پک گیا، تو قربانی کو صحیح کہا جاوے گا، دوسرا امر یہ مستفاد ہوا کہ خنثیٰ سے مراد خنثیٰ مشکل ہے، مطلق خنثیٰ نہیں، کما یدل علیہ قولہ لاتخلوا اما ان تکون ذکرا او انثی ، ورنہ ظاہر ہے کہ غیر مشکل کا ذَکر یا انثیٰ ہونا متعین ہے (امدادالفتاویٰ ج۳ص ۵۷۱،۵۷۲، کتاب الذبائح والاضحیۃ والعقیقۃ وغیرہا)

اور احسن الفتاویٰ میں ہے کہ:

> خنثیٰ کی قربانی کے عدمِ جواز کی وجہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس کا گوشت گلتا نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ اگر گوشت گلنے کا عیب نہ ہوتا، تو خنثیٰ کی قربانی جائز ہوتی (احسن الفتاویٰ، ج ۷ص۵۲۲)

اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی نے قربانی میں خنثیٰ جانور ذبح کر دیا اور اس کا گوشت گل گیا تو قربانی کو صحیح کہا جاوے گا۔ لیکن اگر نہ گلا تو قربانی ضائع ہو جائے گی اس لئے احتیاط بہر حال یہی ہے کہ پہلے سے کسی جانور کے خنثیٰ معلوم ہونے کی صورت میں ایسا جانور ذبح نہ کیا جاوے۔ واللہ اعلم۔ محمد رضوان۔

قربانی کا وجوب عندالاحناف باقی تمام واجبات کے مقابلہ میں اخف ہے۔ کمافی الھدایہ وغیرھا اور باقی ائمہ کے یہاں تو وجوب کی تعبیر ہی نہیں ہے لہٰذا اداءِ اضحیہ میں اسہل کو اختیار کر کے اداءِ اضحیہ کا حکم لگانا زیادہ اقرب الی الفقہ ہے۔ جملہ مسائل اضحیہ میں اس کی رعایت رکھنا مناسب ہے۔۱۲ (مولانا مفتی) محمود (اشرف عثمانی صاحب) غفرلہٗ (دارالعلوم کراچی نمبر۱۴)

[2] تجوز التضحية بالمجبوب العاجز عن الجماع، والتي بها سعال، والعاجزة عن الولادة لكبر سنها، والتي لها كي(ردالمحتار، ج٦ص ۳۲۵، كتاب الاضحية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کا تقاضا یہ ہے کہ بانجھ جانور کی قربانی بھی جائز ہے (امداد الفتاویٰ ج۳ص۵۵۹) [1]

مسئلہ نمبر۲۱...... جس نر جانور کا عضوِ تناسل کٹا ہوا ہو اور اس وجہ سے وہ جماع کرنے پر قادر نہ ہو، اس کی قربانی جائز ہے "لانہٗ کالخصی" [2]

مسئلہ نمبر۲۲...... جلاّلہ جانور: یعنی جس کی عادت اس حد تک نجاست اور گندگی کھانے کی ہو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والمجبوب العاجز عن الجماع والتی فیھا سعال والعاجزۃ عن الولادۃ لکبر سنھا والتی بھا کی والتی لا ینزل لھا لبن من غیر علۃ والتی لھا ولد تجوز (لسان الحکام ص۳۸۸، الفصل الثانی والعشرون من الفصول الثلاثین فی الصید والذبائح والأضحیۃ)

ویجوز المجبوب العاجز عن الجماع، والتی بھا السعال، والعاجزۃ عن الولادۃ لکبر سنھا، والتی بھا کی، والتی لا ینزل لھا لبن من غیر علۃ، والتی لھا ولد (الفتاوی الھندیۃ، ج۵ص۲۹۷، کتاب الأضحیۃ، الباب الخامس فی بیان محل إقامۃ الواجب)

[1] اور احسن الفتاویٰ میں ہے کہ:

بانجھ جانور کی قربانی کے عدمِ جواز کی کوئی وجہ نہیں، اور نہ ہی ایسا کوئی جزئیہ نظر سے گزرا ہے، بلکہ وجوہِ ذیل کی بناء پر اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

۱......: بانجھ جانور کے گوشت میں کوئی نقص نہیں، بلکہ نسبتاً اس کا گوشت بہتر ہوتا ہے، اس لئے اس کی قربانی افضل ہونا چاہئے، کما قالوا فی الخصی۔

۲......: خصی جانور کی قوتِ تولید بالکل ختم ہونے کے باوجود اس کی قربانی جائز بلکہ افضل ہے، قیاساً علیہ بانجھ کی قربانی بھی جائز بلکہ افضل ہونا چاہئے، دونوں میں عدمِ قوتِ تولید کا عیب موجود ہے۔

۳......: کبرسنی کی وجہ سے قوتِ تولید نہ رہی ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ ولا تاکل غیرھا) بعنوان (تتمۃ) تجوز التضحیۃ بالمجبوب العاجز عن الجماع والتی بھا سعال والعاجزۃ عن الولادۃ لکبر سنھا (ردالمحتار ج۵ص۲۰۷)

۴......: خنثیٰ کی قربانی کے عدمِ جواز کی وجہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس کا گوشت گلتا نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ اگر گوشت گلنے کا عیب نہ ہوتا، تو خنثیٰ کی قربانی جائز ہوتی، اور خنثیٰ کی بنسبت بانجھ پن اہون ہے، اس لئے اس کی قربانی بطریقِ اولیٰ جائز ہوگی۔

۵......: اصل اباحت ہے، لہٰذا جب تک عدمِ جواز کا کوئی صریح جزئیہ نہ ملے، اباحت کا حکم لگایا جائے گا (احسن الفتاویٰ، ج۷ص۵۲۱، ۵۲۲)

[2] ویجوز المجبوب العاجز عن الجماع (الفتاوی الھندیۃ، ج۵ص۲۹۷، کتاب الأضحیۃ، الباب الخامس فی بیان محل إقامۃ الواجب)

تجوز التضحیۃ بالمجبوب العاجز عن الجماع (ردالمحتار، ج۶، ص۳۲۵، کتاب الاضحیۃ)

کہ نجاست کھانے کی وجہ سے اس کے گوشت میں بدبو پیدا ہوگئی ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں، البتہ چند دن باندھ کر چارہ کھلایا جائے کہ اس کے گوشت سے یہ بدبو ختم ہوجائے تو پھر جائز ہے، اور اگر نجاست کھانے کی وجہ سے گوشت میں بدبو پیدا نہ ہوئی ہو تو پھر چند دن چارہ کھلائے بغیر بھی اس کی قربانی کرنا جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۳...... اگر نَر اور مادہ جانور دونوں قیمت میں برابر ہوں، تو نَر جانور کے مقابلہ میں مادہ جانور کی قربانی افضل ہے، کیونکہ مادہ کا گوشت نر کے مقابلہ میں زیادہ لذیذ ہوتا ہے، ورنہ جس کی قیمت زیادہ ہو، اس کی قربانی افضل ہوگی۔ [2]

---

[1] (و)لا (الجلالة) التی تأکل العذرة ولا تأکل غیرها (الدر المختار، کتاب الأضحیة)
(قوله ولا الجلالة إلخ) أی قبل الحبس .قال فی الخانیة :فإن کانت إبلا تمسک أربعین یوما حتی یطیب لحمها والبقر عشرین وللغنم عشرة (قوله ولا تأکل غیرها) أفاد أنها إذا کانت تخلط تجزی ط.(رد المحتار علی الدر المختار، ج۶ ص ۳۲۵، کتاب الأضحیة)
(قوله التی تأکل العذرة) أی فقط حتی أنتن لحمها قال فی شرح الوهبانیة :وفی المنتقی :الجلالة المکروهة التی إذا قربت وجدت منها رائحة فلا تؤکل ولا یشرب لبنها .ولا یعمل علیها وتلک حالها ویکره بیعها وهبتها وتلک حالها، وذکر البقالی أن عرقها نجس اهـ وقدمناه فی الذبائح(رد المحتار علی الدر المختار، ج۶ ص ۳۴۰، کتاب الحظر والإباحة)
و لا تجوز الجلالة و هی التی تأکل العذرة و لا تأکل غیرها فإن کانت الجلالة ابلا تمسک أربعین یوما حتی یطیب لحمها و البقر تمسک عشرین یوما و الغنم عشرة أیام و الدجاجة ثلاثة أیام *و العصفور یوما(فتاوی قاضی خان، کتاب الأضحیة)
تحبس الجلالة ثلاثة أیام .وعن محمد لم یوقت أبو حنیفة فیه وقتا وقال :تحبس حتی تطیب والجلالة :التی تأکل العذرة، فإن خلطت فلیست بجلالة، ولذلک قالوا :الدجاجة لا تکون جلالة لأنها تخلط .وقال محمد :إذا أنتن وتغیر ووجد منه رائحة منتنة فهی جلالة لا یشرب لبنها ولا یؤکل لحمها ویجوز بیعها وهبتها، وإذا حبست زالت الکراهة لأن ما فی جوفها یزول وهو الموجب للتغیر والنتن، ولم یوقت أبو حنیفة لأنه إذا توقف علی زوال النتن وجب اعتبار هذا المعنی، وفی روایة أبی یوسف قدره بثلاثة أیام اعتبارا للغالب من حالها، وقد روی :أن النبی -علیه الصلاة والسلام -کان یحبس الدجاج ثلاثة أیام ثم یأکله وهذا علی طریق التنزه فیجوز أن یکون روایة التقدیر بالثلاثة بناء علی هذا الحدیث(الاختیار لتعلیل المختار، ج۵ ص ۱۶، کتاب الذبائح)

[2] والأنثی من المعز أفضل من التیس إذا استویا قیمة، والأنثی من الإبل والبقر أفضل حاوی. وفی الوهبانیة أن الأنثی أفضل من الذکر إذا استویا قیمة، والله أعلم . ولدت الأضحیة ولدا قبل الذبح یذبح الولد معها(الدر المختار، کتاب الأضحیة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض لوگ مادہ جانور کی اس لئے قربانی نہیں کرتے کہ شاید گابھن (یعنی حاملہ) ہو۔

اس سلسلے میں سمجھ لینا چاہئے کہ ہر مادہ جانور کے بارے میں اپنی طرف سے بغیر دلیل کے یہ اصول بنا لینا غلط ہے کہ ہر مادہ گابھن (وحاملہ) ہوتی ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ گابھن (وحاملہ) ہوگی تب بھی قربانی بلاکراہت جائز ہے اور اس میں کوئی گناہ نہیں۔

اور اگر قربانی کے وقت پیٹ سے زندہ بچہ برآمد ہو، تو اسے بھی ذبح کر دیا جائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قوله إذا استويا إلخ) فإن كان سبع البقرة أكثر لحما فهو أفضل، والأصل فى هذا إذا استويا فى اللحم والقيمة فأطيبهما لحما أفضل، وإذا اختلفا فيهما فالفاضل أولى تتارخانية (قوله أفضل من النعجة) هى الأنثى من الضأن قاموس (قوله إذا استويا فيهما) فإن كانت النعجة أكثر قيمة أو لحما فهى أفضل ذخيرة ط (قوله والأنثى من المعز أفضل) مخالف لما فى الخانية وغيرها .وقال ط: مشى ابن وهبان على أن الذكر فى الضأن والمعز أفضل لكنه مقيد بما إذا كان موجوءا، أى مرضوض الأنثيين :أى مدقوقهما.

قال العلامة عبد البر :ومفهومه أنه إذا لم يكن موجوءا لا يكون أفضل (قوله وفى الوهبانية إلخ) تقييد للإطلاق بالاستواء أى :أن الأنثى من الإبل والبقر أفضل إذا استويا .قال فى التتارخانية لأن لحمها أطيب اهـ وهو الموافق للأصل المار(رد المحتار على الدر المختار، ج٦ ص ٣٢٢، كتاب الأضحية)

[1] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خُزَيْمَةَ، قَالَ :ثنا حَجَّاجٌ، قَالَ :ثنا حَمَّادٌ، قَالَ سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ , عَنْ حُجَيَّةَ بْنِ عَدِيٍّ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ تَمَّامٍ ,وَمَالِكِ بْنِ حُوَيْرِثٍ فِيمَا يَحْسِبُ سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ أَنَّ رَجُلًا، اشْتَرَى بَقَرَةً أُضْحِيَّةً فَنَتَجَهَا ,فَسَأَلَ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ :هَلْ لَا أُبْدِلُ مَكَانَهَا أُخْرَى ؟ فَقَالَ " :لَا ,وَلَكِنِ اذْبَحْهَا وَوَلَدَهَا يَوْمَ النَّحْرِ ,عَنْ سَبْعَةٍ " (شرح معانى الآثار، رقم الحديث ٦٢٣١، ج٤، ص١٧٨، كِتَابُ الصَّيْدِ وَالذَّبَائِحِ وَالْأَضَاحِي، بَابُ الشَّاةِ ,عَنْ كَمْ تُجْزِءُ أَنْ يُضَحَّى بِهَا ؟)

قال فى الخجندى :إذا ولدت الأضحية فذبح الولد يوم الأضحى بعد الأم أجزأه ويكون حكمه كحكم أمه وإن ذبحه قبل ذبحها لا يحل أكله ويتصدق به(الجوهرة النيرة، ج٢ ص١٨٩، كتاب الاضحية، وقت الاضحية)

قال -رحمه الله :-(ولم يذك جنين بذكاة أمه) يعنى لا يصير الجنين مذكى بذكاة أمه حتى لا يحل أكله بذكاتها وهذا عند الإمام وزفر والحسن رحمهما الله تعالى وقال أبو يوسف ومحمد وجماعة أخرى إذا تم خلقه حل أكله بذكاتها لقوله -عليه الصلاة والسلام -ذكاة الجنين ذكاة أمه ولقوله -عليه الصلاة والسلام -لما قيل له :إنا ننحر الناقة ونذبح الشاة، وفى بطنها الجنين أنلقيه أم نأكله قال :كله إن شئت فإن ذكاته ذكاة أمه ولأنه جزء من أمه حقيقة لكونه متصلا بها حكما حتى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ جس جانور کی ولادت کا زمانہ بالکل قریب ہو اس کی قربانی مناسب نہیں، اگرچہ قربانی میں پھر بھی کوئی خرابی نہیں آتی۔ لے

مسئلہ نمبر ۲۴...... جانور خریدنے کے بعد پتہ چلا کہ ایسا عیب دار ہے کہ جس کی قربانی صحیح نہیں ہوتی، یا خریدا صحیح تھا مگر ذبح کے لئے لانے سے پہلے وہ ایسا عیب دار ہو گیا کہ جو قربانی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یدخل فی الأحکام الواردة علی الأم من البیع والهبة والعتق وللإمام قوله تعالی إن الله حرم المیتة وهو اسم لحیوان مات من غیر ذکاة والجنین مات حتف أنفه فیحرم بالکتاب ویکره ذبح الشاة إذا تقارب ولادتها لأنه یضیع ما فی بطنها(تکملة البحر الرائق للطوری، ج۸ص۱۹۵، کتاب الذبائح)

لے (تنبیه) یکره ذبح الشاة الحامل إذا کانت مشرفة علی الولادة کما فی منیة المفتی (حاشیة الشرنبلالی علی درر الحکام شرح غرر الاحکام، ج ۱ ص ۲۷۰، کتاب الاضحیة)

لکن فی الکفایة إن تقاربت الولادة یکره ذبحها، وهذا الفرع لقول الإمام(رد المحتار علی الدر المختار، ج۶ ص۳۰۴، کتاب الذبائح)

وفی النوازل أیضاً :رجل له شاة حامل، فأراد ذبحها، فإن تقاربت الولادة یکره ذبحها؛ لأنه یضیع ما فی بطنها من غیر زیادة فائدة؛ لأنه تقاربت الولادة، وهذا التفریع إنما یتأتی علی قول أبی حنیفة(المحیط البرهانی، ج۸ص۴۴۵، کتاب الصید، الفصل الثانی عشر فی المتفرقات)

رجل لَهُ شَاة حَامِل أَرَادَ ذَبحهَا إِن تقاربت الْوِلَادَة یکره ذَبحهَا وَهَذَا عِند أبی حنیفة رَحمَه الله بِنَاء علی أَن الْجَنِین لَا یذکی بِذَکَاة الْأُم عِنده(لسان الحکام فی معرفة الأحکام، ج ۱ ص ۳۸۳، کتاب الذَّبَائِح، الْفَصْل الأول)

وعن أبی القاسم الصفار أنه کره ذبح الشاة الحامل إِذَا کانت مشرفة علی الولادة(نصاب الاحتساب، الْبَابُ العاشر فی الاحتساب فی الأکل والشرب والتداوی)

قال :(وإذا کان فی بطن المذبوح جنین میت لم یؤکل) وقالا :إذا تم خلقه أکل وإلا فلا، لقوله - علیه الصلاة والسلام :-ذکاة الجنین ذکاة أمه ، ولأنه جزء الأم متصل بها یتغذی بغذائها ویتنفس بتنفسها ویدخل فی بیعها ویعتق بإعتاقها، فیتذکی بذکاتها کسائر أجزائها .ولأبی حنیفة أنه حیوان بانفراده حتی یتصور حیاته بعد موتها فیفرد بالذکاة، ولهذا یعتق بإعتاق مفرد، وتجب فیه الغرة وتصح الوصیة به وله دونها، ولأنه حیوان دموی لم یخرج دمه فصار کالمنخنقة ;لأن بذکاة الأم لا یخرج دمه بخلاف الصید ;لأن الجرح موجب لخروج الدم، ولأنه احتمل موته بذبح الأم واحتمل قبله فلا یحل بالشک، والحدیث روی بالنصب بنزع الخافض فدل علی تساویهما فی الذکاة لقوله -تعالی :-(ینظرون إلیک نظر المغشی علیه من الموت)وعلی روایة الرفع احتمل التشبیه أیضا کقوله تعالی :(وجنة عرضها السماوات والأرض)فیحمل علیه توفیقا، ولهذا کره أبو حنیفة ذبح الشاة الحامل التی قربت ولادتها لما فیه من إضاعة الولد، وعندهما لا یکره لأنه یؤکل عندهما(الاختیار لتعلیل المختار، ج۵ص۱۳، کتاب الذبائح)

کے لئے مانع ہے، تو مالدار (یعنی صاحبِ نصاب) پر ضروری ہے کہ وہ دوسرے بے عیب جانور کی قربانی کرے۔

اور غریب (یعنی غیر صاحبِ نصاب) کے لیے تبدیل کرنا ضروری نہیں، وہ اسی عیب دار جانور کی قربانی کرسکتا ہے، مگر بسہولت ہوسکے تو دوسرے جانور کی قربانی کرے۔

البتہ اگر غریب نے زبان سے نذر ومنت مان کر قربانی اپنے اوپر واجب کی تھی تو اس پر دوسرے بے عیب جانور کی قربانی واجب ہے، اور اگر خاص اسی جانور کی متعین طور پر قربانی کی منت مانی ہوئی تھی، تو اس عیب دار جانور کی قربانی جائز ہے۔[1]

مسئلہ نمبر ۲۵...... جانور کو ذبح کے لئے لایا گیا اور گراتے یا ذبح کرتے ہوئے کوئی ایسا عیب پیدا ہوگیا کہ جس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں ہوتی مثلاً اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی یا گائے ہاتھ سے

---

[1] ولو اشترى سليمة للأضحية أو أوجب على نفسه ذبح شاة بعينها ثم ظهر بها عيب يمنع عن الجواز يوم النحر فإنه لا يجوز لأن العبرة لوقت الذبح لكن إذا اعترضت آفة عند الذبح بإصابة السكين عينها ونحو ذلك فلا بأس به لأنه من ضرورات الذبح وهذا في حق الموسر لأنه وجب عليه أضحية كاملة بإيجاب الله تعالى

فأما إذا كان معسرا اشتراها للأضحية أو أوجبها بعينها ثم اعترضت آفة مانعة عن الجواز يجوز له أن يضحي بها لأنها معينة في حقه ففوات بعضها كفوات كلها حتى لا يجب عليه شيء لكونها معنية حتى لو أوجب الفقير أضحية بغير عينها فاشترى صحيحة ثم تعيبت قبل الذبح بعيب مانع فضحى لا يسقط عنه الواجب لما قلنا(تحفة الفقهاء، ج۳ص ۸۶،۸۷، کتاب الأضحية)

ولا كذلك الفقير ؛ لأنها لا يجب عليه ، وإنما تعينت بالشراء في حقه حتى لو أوجب الفقير أضحية على نفسه بغير عينها فاشترى أضحية صحيحة ثم تعيبت عنده فضحى بها لا يسقط عنه الواجب ؛ لأنه وجب عليه أضحية كاملة بالنية من غير تعيين كالموسر ، وكذا لو كانت معيبة وقت الشراء جاز ذبحها لما ذكرنا أنه ليس بواجب عليه (تبيين الحقائق، ج۶ص۷، کتاب الاضحية)

ثم كل عيب يمنع الأضحية ففي حق الموسر يستوي أن يشتريها كذلك أو يشتريها وهي سليمة فصارت معيبة بذلك العيب لا تجوز على كل حال، وفي حق المعسر تجوز على كل حال، كذا في المحيط(الفتاویٰ الهندية، ج۵ص ۲۹۹، کتاب الاضحية، الباب الخامس)

اگرچہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ عیب دار جانور کی قربانی جائز نہ ہوتی، اوراس کو اراقۃِ دَم کے بجائے تصدق قرار دیا جاتا، اور غنی کے لئے اس کا گوشت حلال نہ ہوتا، کیونکہ اس میں صحتِ اداء کی شرط نہیں پائی گئی۔

مگر استحساناً اس لئے جائز قرار دیا گیا کہ عیب سے پاک ہونے کی شرط ایجاب من الشرع ہے، اور نذرِ معین اور شراءُ الفقیر بنیۃ الاضحیہ میں ایجاب من العبد ہے، جس میں ایجاب من الشرع کی شرط ملحوظ نہ ہوگی۔

چھوٹ گئی اور اسی دوران اس کی کسی جگہ ٹکرا کر آنکھ وغیرہ پھوٹ گئی، پھر اسے پکڑ کر ذبح کر دیا گیا تو قربانی درست ہوگئی۔

اگر ذبح کرتے ہوئے چھری ہاتھ سے چھوٹ کر ناک وغیرہ ضائع کر دے تو بھی یہی حکم ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۶...... بعض لوگ اپنی من پسند کے خوبصورت اور موٹے تازے جانور کی قربانی کو اتنا اہم اور ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر ان کی پسند کا جانور نہ ملے یا اس کی رقم کا انتظام نہ ہو تو پھر قربانی ہی نہیں کرتے، جو کہ غلط طرزِ عمل ہے۔

مستحب چیز کی خاطر اصل واجب کو چھوڑ دینا کوئی عقل مندی کا تقاضا نہیں ہے، مستحب عمل کا درجہ واجب کی ادائیگی کے بعد ہے۔

---

[1] ثم اعلم ان مقتضى اطلاقه قوله صلى الله عليه وسلم فى حديث البراء : اربع لاتجوز فى الاضاحى العوراء البين عورها الى اخره، ان الاضحية لو تعيبت عنده لم يجز ان يضحى بها مطلقا ولكنا روينا عن على ابن ابى طالب من طريق ابى اسحاق، عن هبيرة بن مريم قال : قال على: اذا اشتريت الاضحية سليمة فاصابها عندک عوار او عرج فبلغت المنسک فضح بها.

ومن طريق الحارث عن على: انه سئل رجل اشترى اضحية فاعورت عنده، قال :يضحى بها، وهو قول حماد بن ابى سليمان والحسن وابراهيم، كما فى "المحلى" فحملنا قول على من طريق هبيرة على العيب الخفيف الذى لايمنع بدليل قوله فى العرج : فبلغت المنسک فلو كان التعييب عنده لايمنع مطلقا لم يكن لهذا القيد معنى وقوله:من طريق الحارث محمول على ما اذا تعيبت بالعيب المانع عند الذبح لاقبله، كما لو قدم اضحية فاضطربت فى المكان الذى يذبحها فيه فانكسرت رجلها ثم ذبحها على مكانها اجزأه ، وكذلک اذا انقلبت الشفرة فاصابت عينهافذهبت ، والقياس ان لايجوز ، لان هذا مما لايمكن الاحتراز عنه، لان الشاة تضطرب ، فتلحقها العيوب من اضطرابها، كذافى البدائع (اعلاء السنن ج۱۷ ص ۲۴۰، ۲۴۱، باب مالايجوز التضحية بها ومايكره)

لكن إذا اعترضت آفة عند الذبح بإصابة السكين عينها ونحو ذلک فلا بأس به لأنه من ضرورات الذبح (تحفة الفقهاء ،ج٦ ص ٨٦، كتاب الأضحية)

وفى الهداية ولو أضجعها فاضطربت فانكسر رجلها فذبحها أجزأه استحسانا عندنا خلافا لزفر والشافعى لأن حالة الذبح ومقدماته ملحق الذبح فكأنه حصل به اعتبارا أو حكما وكذا لو تعيبت فى هذه الحالة فانفلتت ثم أخذت من فوره وكذا بعد فوره عند محمد خلافا لأبى يوسف لأنه حصل بمقدمات الذبح(مجمع الانهر، ج۲ ص ۵۲۰، كتاب الاضحية)

ولو قدم أضحية ليذبحها فاضطربت فى المكان الذى يذبحها فيه فانكسرت رجلها، ثم ذبحها على مكانها أجزأه(الفتاوىٰ الهندية، ج۵ ص ۲۹۹، كتاب الاضحية، الباب الخامس)

مسئلہ نمبر ۷...... بعض لوگ جانور کی خوبصورتی یا موٹے تازے بڑے جانور (مثلاً اونٹ وغیرہ) کا انتخاب لوگوں کی نمود ونمائش اور اپنا نام اونچا کرنے کے لئے کرتے ہیں اور اس کے لئے بھاری رقم خرچ کرتے ہیں، پھر اس کی خوب شہرت کی جاتی ہے اور سارے علاقہ کو دکھلایا اور بتلایا جاتا ہے اور بعض اوقات اخباروں تک میں اس کی خبر اور تصویر شائع کی جاتی ہے۔

لیکن ان لوگوں کو دین کے اس سے اہم فرائض اور احکام کی توفیق نہیں ہوتی۔

ظاہر ہے کہ جب اصلی غرض اپنا نام اونچا کرنا اور نمود ونمائش ہو تو پھر ایسے عمل کے مقبول ہونے کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ [۱]

دوسرے کی طرف سے قربانی کے متعلق احکام

دوسرے کی طرف سے قربانی یا دوسرے کے لئے قربانی کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ قربانی کسی اور شخص کی ہو، اور اس کی قربانی کے جانور کی خریداری یا ذبح کا عمل کوئی دوسرا شخص انجام دے رہا ہو، یا اس میں کسی طرح کی اعانت کر رہا ہو۔

اور دوسرے یہ کہ قربانی تو کرنے والے ہی کی ملکیت ہو، لیکن وہ اس قربانی کے ذریعہ سے دوسرے کو ثواب پہنچانا چاہتا ہو۔

پہلی صورت نیابت، وکالت اور اعانت کی کہلاتی ہے، اور دوسری صورت ایصالِ ثواب کی کہلاتی ہے۔ [۲]

---

[۱] قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:
لَنْ یَنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاؤُھَا وَلٰکِنْ یَنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ (سورة الحج، آیت ۳۷)

[۲] قوله: تقبل من محمد وآل محمد استدل به النووی رحمه الله علی جواز التضحیة الرجل عنه وعن أهل بیته واشتراكهم معه فی الثواب. قال: (وهو مذهبنا ومذهب الجمهور، وكرهه الثوری وأبوحنیفة وأصحابه)

قال العبد الضعیف عفاالله عنه: الاشتراک علی معنیین: الأول ان تقع الأضحیة عن واحد ثم یهب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آ گے ان دونوں صورتوں سے متعلق ترتیب وار کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۱)......قربانی میں نیابت، وکالت اور اعانت کے احکام

جس طرح اپنی طرف سے خود قربانی کرنا جائز ہے، اسی طرح دوسرے کی طرف سے اس کا نائب (ونمائندہ اور وکیل) بن کر قربانی کرنا یا دوسرے کی قربانی میں اعانت وتعاون کرنا بھی جائز ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المضحى ثوابها الىٰ غيره. والثاني: أن يكون الاشتراک فى ملک الشاة وتقع الأضحية عن أكثر من واحد. فإن كان النووى رحمه الله أراد المعنى الأول. فما نقله من خلاف أبى حنيفة فى ذالک غير صحيح، لانه رحمه الله لايكره لرجل أن يهب ثواب اضحيته إلى الآخرين بالغا عددهم مابلغ، وعليه يحمل حديث الباب، وإن أراد المعنى الثانى، فإنه لا يقول به الشافعية أيضاً.

وتفصيل المسألة ان الشاة الواحدة لاتجزئ إلا عن واحد عند أبى حنيفة والشافعى، نعم يجوز له أن يشرک من شاء فى أجر التضحية بطريق هبة الثواب (تكملة فتح الملهم، المجلد الثالث، صفحه ۵۶۴، كتاب الأضاحى، مسألة اشتراک أهل البيت فى شاة واحدة)

ل (ومنها) أنه تجزء فيها النيابة فيجوز للإنسان أن يضحى بنفسه وبغيره بإذنه؛ لأنها قربة تتعلق بالمال فتجزء فيها النيابة كأداء الزكاة وصدقة الفطر؛ ولأن كل أحد لا يقدر على مباشرة الذبح بنفسه خصوصا النساء، فلو لم تجز الاستنابة لأدى إلى الحرج، وسواء كان المأذون مسلما أو كتابيا، حتى لو أمر مسلم كتابيا أن يذبح أضحيته يجزيه؛ لأن الكتابى من أهل الذكاة إلا أنه يكره؛ لأن التضحية قربة والكافر ليس من أهل القربة لنفسه فتكره إنابته فى إقامة القربة لغيره(بدائع الصنائع، ج۵ص۶۷،كتاب التضحية،فصل فى أنواع كيفية الوجوب)

ومنها(اى من كيفية وجوب الأضحية) أنه تجرى فيها النيابة فيجوز للإنسان أن يضحى بنفسه أو بغيره بإذنه لأنها قربة تتعلق بالمال فتجرى فيها النيابة سواء كان المأذون مسلما أو كتابيا (الفتاوى الهندية، ج۵ص ۲۹۴،كتاب الأضحية ،الباب الأول)

والوكالة فى الاصطلاح :عرفها الحنفية بأنها :إقامة الغير مقام نفسه ترفها أو عجزا فى تصرف جائز معلوم. والصلة بين النيابة والوكالة أن النيابة أعم من الوكالة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص ۲۶، مادة الوكالة)

والولاية النيابية أو النيابة الشرعية عن الغير :إما أن تكون اختيارية أو إجبارية ،الاختيارية :هى الوكالة أى تفويض التصرف والحفظ إلى الغيرعلى ماسيأتى .والإجبارية :هى تفويض الشرع أو القضاء التصرف لمصلحة القاصر، كولاية الأب أو الجد أو الوصى على الصغير، وولاية القاضى على القاصر .فمصدر ولاية الأب أو الجد أو القاضى هو الشرع .ومصدر ولاية الوصى إما اختيار الأب أو الجد، أو تعيين القاضى .والولاية النيابية الإجبارية :إما أن يكون ولاية على النفس أو ولاية على المال (الفقه الاسلامى وادلته، ج۴، ص ۲۹۵، انواع الولاية)

پہلے اس سلسلہ میں چند احادیث وروایات ملاحظہ فرمائیں، اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ چند متعلقہ مسائل ذکر کئے جائیں گے۔

حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ دِيْنَارًا يَشْتَرِيْ لَهُ بِهِ شَاةً، فَاشْتَرٰى لَهُ بِهِ شَاتَيْنِ، فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِيْنَارٍ، وَجَاءَهُ بِدِيْنَارٍ وَشَاةٍ، فَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِيْ بَيْعِهِ، وَكَانَ لَوِ اشْتَرَى التُّرَابَ لَرَبِحَ فِيْهِ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن (یعنی عروہ بارقی) کو ایک دینار دیا، تاکہ وہ (بطورِ وکیل) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے (قربانی کی) ایک بکری خریدیں، تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس ایک دینار کی دو بکریاں خرید لیں، پھر ان میں سے ایک بکری کو ایک دینار کے بدلے میں فروخت کردیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دینار اور بکری کو لے کر حاضر ہوئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے خرید وفروخت میں برکت کی دعا فرمائی، جس کے بعد حضرت عروہ اگر مٹی بھی خرید لیتے تھے، تو اس میں بھی انہیں نفع ہوتا تھا (ترجمہ ختم)

اور حضرت حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهُ يَشْتَرِيْ لَهُ أُضْحِيَّةً بِدِيْنَارٍ، فَاشْتَرَاهَا ثُمَّ بَاعَهَا بِدِيْنَارَيْنِ، فَاشْتَرٰى شَاةً بِدِيْنَارٍ وَجَاءَ بِدِيْنَارٍ، فَدَعَا لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَرَكَةِ، وَأَمَرَهُ أَنْ يَّتَصَدَّقَ بِالدِّيْنَارِ (المعجم الكبير للطبرانی) [2]

---

[1] رقم الحديث ۳۶۴۲، كتاب المناقب، دارطوق النجاة، بيروت، واللفظ لهٗ، مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۳۷۴۴۶.

[2] رقم الحديث ۳۱۳۳، مكتبة ابنِ تيمية، القاهرة، ورقم الحديث ۳۱۳۴، واللفظ لهٗ، سنن ترمذی رقم الحديث ۱۲۵۷.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لئے ایک دینار کی قربانی کا جانور خریدنے کے لئے (وکیل بنا کر) بھیجا، تو انہوں نے قربانی کا جانور خرید لیا، پھر اس کو دو دینار میں فروخت کر دیا، پھر ایک دینار کی بکری خرید لی، اور (بکری اور) ایک دینار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی، اور ان کو ایک دینار کے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا (ترجمہ ختم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اپنے لئے قربانی کا جانور خریدنے کے لئے کسی دوسرے کو وکیل ونمائندہ بنانا جائز ہے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

وَالَّذِیْ أَتٰی بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةً، فَنَحَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ ثَلَاثَةً وَّسِتِّيْنَ، ثُمَّ أَعْطٰی عَلِيًّا فَنَحَرَ مَا غَبَرَ ، وَأَشْرَكَهٗ فِیْ هَدْيِهٖ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سو قربانی کے جانور حاصل کئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے تریسٹھ جانوروں کو ذبح فرمایا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باقی جانوروں کو ذبح کرنے کا حکم فرمایا، اور ان کو اپنی قربانی میں شریک فرمایا (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی قربانی کے جانور کو کسی دوسرے سے ذبح کرانا جائز ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک شخص کا ایک سے زیادہ تعداد میں قربانی کے جانور یا حصے کرنا بھی جائز ہے۔

---

[1] رقم الحديث ۱۴۴۴۰، مؤسسة الرسالة، بيروت.
في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير جعفر - وهو ابن محمد بن علي-، فمن رجال مسلم. يحيى: هو ابن سعيد القطان.

اور ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَضْجَعَ أُضْحِيَّتَهُ لِيَذْبَحَهَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلرَّجُلِ أَعِنِّيْ عَلٰى ضَحِيَّتِيْ فَأَعَانَهُ (مسند أحمد، رقم الحديث ٢٣١٦٨، مؤسسة الرسالة، بيروت) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی کا جانور ذبح کرنے کے لئے لٹایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو کہا کہ میری قربانی پر اعانت (ومدد) کیجئے، تو اس آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی میں اعانت (ومدد) کی (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کا جانور ذبح کرنے میں دوسرے سے تعاون ومدد حاصل کرنا جائز ہے، اور دوسرے سے ذبح کرانا بھی درست ہے۔ [2]

احادیث وروایات کے بعد اب اس سلسلہ میں فقہائے کرام کے بیان کردہ چند مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر ا...... اپنی قربانی کی خریداری یا ذبح کے لئے دوسرے کو نائب ووکیل بنانا اور دوسرے سے اعانت ومدد حاصل کرنا جائز ہے (جیسا کہ مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا)

---

[1] في حاشية مسند احمد:
إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير صحابيه. هاشم: هو ابن القاسم الليثي، والليث: هو ابن سعد، وأبو الخير: هو مرثد بن عبد الله اليزني المصري.
وأخرجه أحمد بن منيع في "مسنده" كما في "إتحاف الخيرة" (٢٤٩٢) عن أبي النضر هاشم بن القاسم، بهذا الإسناد. وأخرجه مطولاً الحارث بن أبي أسامة في "مسنده" كما في "إتحاف الخيرة" (٢٤٩٣) عن يونس بن محمد، عن الليث، به.
وأورد فيه قصة.

[2] ذبح اضحية غيره من باب الاعانة، لانه كما يعجز المرء عن امساك الاضحية بنفسه، ويحتاج الى المعين في الامساك، كذلك يعجز عن مباشرة الذبح بسبب من الاسباب، فكما اجيز الاعانة في الامساك نظرا الى العجز، كذلك يجاز الاعانة في الذبح نظرا اليه (اعلاء السنن ج١٧ ص٢٧٢، باب افضلية مباشرة التضحية بنفسه وجواز الاستنابة والاستعانة)

مسئلہ نمبر۲ ...... دوسرے کو اپنی قربانی کا نائب ووکیل بنانا کبھی صراحتاً ہوتا ہے، اور کبھی دلالتاً۔ صراحتاً سے مراد یہ ہے کہ واضح طور پر کسی دوسرے کو اپنی قربانی کرنے کا باضابطہ نمائندہ بنایا ہو، اور دلالتاً سے مراد یہ ہے کہ باضابطہ وضاحت کر کے تو کسی کو نمائندہ نہ بنایا ہو، لیکن حالات وقرائن سے دوسرے کے لئے نیابت واجازت ثابت ہو۔

مثلاً کسی دوسرے شخص کی طرف سے قربانی کرنے کا معمول ہے، اس صورت میں دوسرے کی طرف سے قربانی کرنا دلالۃً اجازت سے سمجھا جائے گا، یا قربانی کے لئے جانور خرید لیا تھا، پھر اس کو ذبح کرنے کے لئے لٹادیا، اور کسی دوسرے شخص نے مالک کی اجازت کے بغیر اس کو ذبح کر دیا، تو یہ ذبح کرنا درست ہو جائے گا، کیونکہ اس میں دلالتاً اجازت پائی جاتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۳ ...... اگر ایک شخص کو کسی نے اپنی قربانی کا جانور خریدنے کا وکیل بنایا، تو اس وکیل کو خریدوانے والے (یعنی موکل) کی رضامندی کے بغیر اس کے لئے خریدے ہوئے جانور کی قربانی کرنا جائز نہیں، لیکن اگر وکیل نے قربانی کر دی، تو خریدنے والے (یعنی موکل) کی قربانی درست ہو جائے گی، الّا یہ کہ خریدنے والا (یعنی موکل) اس وکیل سے اس کا تاوان طلب کرے، تو پھر خریدنے والے (یعنی موکل) کی قربانی درست نہیں ہوگی۔ [2]

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اگر دوسرے کو قربانی کا جانور خریدنے اور ذبح کرنے کا وکیل

---

[1] ولو ضحى عن أولاده الكبار وزوجته لا يجوز إلا بإذنهم .وعن الثانى أنه يجوز استحسانا بلا إذنهم بزازية .قال فى الذخيرة :ولعله ذهب إلى أن العادة إذا جرت من الأب فى كل سنة صار كالإذن منهم، فإن كان على هذا الوجه فما استحسنه أبو يوسف مستحسن (رد المحتار على الدر المختار، ج٦ ص٣١٥، كتاب الأضحية)

وسواء كان الإذن نصا أو دلالة؛ حتى لو اشترى شاة للأضحية فجاء يوم النحر فأضجعها وشد قوائمها فجاء إنسان وذبحها من غير أمره أجزأه استحسانا، والقياس أنه لا يجوز وأن يضمن الذابح قيمتها، وهو قول زفر -رحمه الله(بدائع الصنائع ،ج٥ص٦٧، كتاب التضحية،فصل فى أنواع كيفية الوجوب)

[2] وليس للوكيل أن يضحى ما وكل بشرائه بغير أمر موكله؛ ذكره أبو يوسف -رحمه الله - فى الإملاء .فإن ضحى جاز استحسانا؛ لأنه أعانه على ذلك فوجد الإذن منه دلالة إلا أن يختار أن يضمنه فلا يجزى عنه(بدائع الصنائع ،ج٥،ص٦٧، كتاب التضحية،فصل فى أنواع كيفية الوجوب)

بنادے، اور وہ وکیل اُس کے لئے جانور خریدنے کے بعد قربانی کرے، تو جائز ہے۔

مسئلہ نمبر ۴...... اگر کوئی جانور ایک شخص کی ملکیت اور قبضہ میں ہے، اور اس نے یہ جانور پہلے سے دوسرے شخص کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً وکیل بن کر نہیں خریدا، پھر اس جانور کے مالک کو وہ دوسرا شخص یہ کہے کہ آپ اس پورے جانور یا اس کے اتنے حصوں کی میری طرف سے اتنے پیسوں میں قربانی کردو، جس کو جانور کا مالک قبول کرلے، اور جانور اس کی طرف سے قربانی میں ذبح کردے۔

تو اس صورت میں یہ معاملہ، خرید وفروخت اور وکالت کا کہلائے گا، اور یہ دوسرے کی قربانی کا وکیل بن جائے گا، اور اس کے قربانی کرنے سے دوسرے شخص کی قربانی درست ہوجائے گی، اور اُس دوسرے شخص پر اُس جانور کی قیمت واجب ہوجائے گی، خواہ قیمت پہلے ادا کردی ہو، یا بعد میں ادا کردے، دونوں صورتوں میں اس کی قربانی درست ہوجائے گی۔ [1]

---

[1] جو حکم مندرجہ بالا صورت میں پورے جانور کو دوسرے کی طرف سے ذبح کرنے کا ہے، وہی حکم جانور کے کسی حصے کا بھی ہے۔

کیونکہ مشاع کی بیع جائز ہے، بخلاف ہبہ کے، کما سیجیئ۔

(بعد قبضه) فلو قبله لم يعتق بعتقه بل بعتق البائع بأمره، وكذا لو أمره بطحن الحنطة أو ذبح الشاة فيصير المشترى قابضا اقتضاء (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۵، ص ۹۲، باب البيع الفاسد)

(قوله فلو قبله لم يعتق بعتقه) تخصيصه التفريع على العتق يوهم أن قوله بعد قبضه متعلق بقوله أو أعتقه فقط وليس كذلك، فكان الأظهر أن يقول فلو قبله لم تنفذ تصرفاته المذكورة إلا إذا أعتقه البائع بأمر المشترى (قوله وكذا لو أمره إلخ) وفى جامع الفصولين :ولو برا فخلطه البائع بطعام المشترى بأمره قبل قبضه صار قابضا وعليه مثله بحر (قوله فيصير المشترى قابضا اقتضاء) ما يقدر لتصحيح الكلام كأعتق عبدك عنى بألف فإنه يقتضى سبق البيع ليصح العتق عن الآمر، وهنا كذلك، فإن صحة تصرف البائع عن المشترى تقتضى أن يقدر القبض سابقا عليه ولهذا قال فى المنح عن الفصول العمادية، وإنما كان كذلك؛ لأنه لما أمر البائع بالعتق فقط طلب أن يسلطه على القبض، وإذا أعتق البائع بأمره صار المشترى قابضا قبضا سابقا عليه اهـ فافهم (ردالمحتار، ج۵، ص ۹۲، ۹۳ باب البيع الفاسد)

(قولهٗ بامرهٖ) اى المشترى (قولهٗ وكذا لو أمره بطحن الحنطة الخ) فان المشترى بالامر يكون قابضاً حكماً فذكر ذلك مع مسئلة الاعتاق لاتفاقهما فى القبض الحكمى (قولهٗ اقتضاءً) الاولىٰ ان يكون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵......اگر کسی شخص کی ملکیت میں پہلے سے بڑا جانور (اونٹ، گائے، بھینس) موجود ہے، اور اُس نے اُس جانور کو پہلے سے دوسرے کا صراحتاً یا دلالۃً وکیل بن کر نہیں خریدا، پھر یہ شخص اس جانور میں دوسرے کی طرف سے واجب قربانی کا حصہ اس کو ہبہ کر کے (نہ کہ بیچ کر) کرنا چاہتا ہے، تو اس صورت میں ذبح سے پہلے اس جانور پر دوسرے کو قبضہ دینا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حکماً، لان الاقتضاء لایظهر هنا (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار ج۳، ص ۸۰)

ولو قال :أعتق عبدک عنی بألف درهم فأعتق، فإنه يعتق عن الآمر ويلزمه المال عن الآمراستحساناً (المحيط البرهانی، ج۴، ص۸۸، كتاب العتاق، الفصل الحادى عشر فى المتفرقات)

قال لآخر :أعتق عبدک عنی بألف فأعتق فإنه يصير الأمر مستوياً منه أولاً ثم موكلاً إياه بالعتق تصحيحاً للأمر، حتى لا يلغو (المحيط البرهانی، ج٦، ص ۵۲۰، كتاب البيع، الفصل الثانى عشر: فى البيع بشرط الخيار)

قال لآخر :أعتق عبدک عنی على الألف درهم .فقال :أعتقت اقتضى بيعاً؛ لأنه شرط صحته (المحيط البرهانی، ج۷، ص ۵۸۰، كتاب الاجارات، الفصل السابع والعشرون)

قولهُ أعتق عبدک عنی بألف درهم فقال أعتقت يثبت الملک مقتضى للعتق سابقا عليه ضرورة صحة العتق عنه (تبيين الحقائق، ج۳، ص ۲۳۲، كتاب السرقة، فصل فى كيفية القطع وإثباته)

وقوله :(أعتق طلب التمليک منه) تقديره أعتق عبدک الذى هو لک فى الحال عند بيعک لى إياه بطريق الوكالة عنی، فيكون أمرا بإعتاق عبد الآمر عنه .وقوله :أعتقت يكون بمعنى قوله :بعته منک وأعتقته عنک (العناية شرح الهداية، ج۳، ص ۴۱۰، كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق)

وإذا أمر المشترى البائع بطحن الحنطة فطحن صار قابضا والدقاق للمشترى كذا فى الخانية(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۵، ص ۳۳۲، كتاب البيع)

(تتمة)جميع ما مر إنما هو فى تصرف المشترى فى المبيع قبل قبضه، فلو تصرف فيه البائع قبل قبضه، فإما بأمر المشترى أو لا، فلو بأمره كأن أمره أن يهبه من فلان أو يؤجره ففعل وسلم صح وصار المشترى قابضا، وكذا لو أعار البائع أو وهب أو رهن فأجاز المشترى(رد المحتار على الدر المختار، ج۵، ص ۱۴۹، باب المرابحة والتولية، مطلب فى تصرف البائع فى المبيع قبل القبض)

لو أتلف المشترى المبيع فى يد البائع صار قابضاً للمبيع، وتقرر عليه الثمن؛ لأن التخلية تمكين من التصرف فى المبيع والإتلاف تصرف فيه حقيقة.

والتعييب مثل الإتلاف :وهو أن يحدث المشترى فى المبيع عيباً، كأن يقطع يده أو يشج رأسه، أو أن ينقص منه شيئاً.

وكذا لو أمر المشترى البائع بالإتلاف ففعل، أو أمره بطحن الحنطة فطحن ، لأن فعل البائع بأمر المشترى بمنزلة فعل المشترى بنفسه(الفقه الإسلامى وأدلته، ج۵، ص۷۵، مادة الاتلاف)

هبة المشاع لا تجوز وبيع المشاع جائز(تكملة البحر الرائق للطورى، ج۸، ص ۲۴، كتاب الإجارة)

ضروری نہیں، البتہ اُس دوسرے کی طرف سے اجازت کا ہونا ضروری ہے، جب دوسرا شخص اس کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت دیدے، تو اس حصہ کو ہبہ کرنے والا شخص دوسرے کی قربانی کا وکیل بن جائے گا، اوراس کا دوسرے کی طرف سے قربانی کرنا درست ومعتبر ہوجائے گا، اور دوسرے شخص پر اس حصہ کی قیمت بھی واجب نہ ہوگی (لانها هبة مشاع لايحتمل القسمة فلا يتوقف على القبض، ولكن الايجاب والقبول ركن الهبة) [1]

---

[1] اور یہاں بیع وہبہ میں یہ فرق ہے کہ بیع میں دوسرے پر قیمت واجب ہوتی ہے، اور ہبہ میں دوسرے پر قیمت واجب نہیں ہوتی، بلکہ وہ بغیر کسی معاوضہ کے عطیہ وہدیہ کہلاتا ہے۔

ولو ضحى ببدنة عن نفسه وعرسه وأولاده ليس هذا في ظاهر الرواية وقال الحسن بن زياد في كتاب الأضحية :إن كان أولاده صغارا جاز عنه وعنهم جميعا في قول أبي حنيفة وأبي يوسف -رحمهما الله تعالى -، وإن كانوا كبارا إن فعل بأمرهم جاز عن الكل في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى، وإن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم لا تجوز عنه ولا عنهم في قولهم جميعا؛ لأن نصيب من لم يأمر صار لحما فصار الكل لحما، وفي قول الحسن بن زياد إذا ضحى ببدنة عن نفسه وعن خمسة من أولاده الصغار وعن أم ولده بأمرها أو بغير أمرها لا تجوز عنه ولا عنهم، قال أبو القاسم -رحمه الله تعالى :-تجوز عن نفسه، كذا في فتاوى قاضي خان(الفتاوىٰ الهندية، ج۵ص۳۰۲، كتاب الاضحية،الباب السابع في التضحية عن الغير، وفي التضحية بشاة الغير عن نفسه)

و لو ضحى غني بدنة عن نفسه و عن ستة من أولاده ليس هذا في ظاهر الرواية *و قال الحسن بن زياد رحمه الله تعالى في كتاب الأضحية له إن كان أولاده صغارا جاز عنه وعنهم جميعا في قول أبي حنيفة و أبي يوسف رحمهما الله تعالى و إن كانوا كبارا إن فعل بأمرهم جاز عن الكل في قول أبي حنيفة و أبي يوسف رحمهما الله تعالى و إن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم لا يجوز لا عنه و لا عنهم في قولهم جميعا لأن نصيب من لم يأمر صار لحما فكان الكل لحما(فتاوىٰ قاضيخان، ج۳ص۲۰۹، كتاب الاضحية)

وفي أضاحي الزعفراني لو ضحى ببقرة عن نفسه وعن ستة من أولاده إن كانوا صغارا جاز وأجزأهم وفي الكبار بأمرهم جاز وبغير أمرهم لا يجوز هذا ما يسر الله نقله من الخلاصة والله الموفق(لسان الحكام ج۱ ص۳۸۹،الفصل الثاني والعشرون من الفصول الثلاثين في الصيد والذبائح والأضحية)

ولو ضحى عن أولاده الكبار وزوجته لا يجوز إلا بإذنهم .وعن الثاني أنه يجوز استحسانا بلا إذنهم بزازية .قال في الذخيرة :ولعله ذهب إلى أن العادة إذا جرت من الأب في كل سنة صار كالإذن منهم، فإن كان على هذا الوجه فما استحسنه أبو يوسف مستحسن (رد المحتار على الدر المختار، ج٦ص۳۱۵،كتاب الأضحية)

وظاهره التعارض بين رواية الشاة وبين رواية البدنة ، فالوجه عندى ان البدنة يجوز الهبة فيها مشاعا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر دوسرے کی طرف سے اجازت حاصل نہیں کی گئی، تو اس صورت میں دوسرے کی قربانی کا واجب ادا نہیں ہوگا، البتہ راجح یہ ہے کہ قربانی کرنے والے سمیت اس جانور میں دوسرے شرکاء کی قربانی درست ہوجائے گی۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بقبض الواهب عنهم بامرهم والامر بالذبح امر بالقبض وبقبضه عن الصغار بلا امرهم فاجاز الشيخان تضحيتها عنهم ثم من لم يجوز ابطلها بعضهم و اوقعها بعضهم عن الذابح بخلاف الشاة حيث لم يصح ههنا مشاعا لكونها محلا للقسمة وبقيد عدم الصحة هذه بكونها عن الكبار فافهم (امدادالفتاویٰ ج۳ص ۵۹۹، کتاب الذبائح والاضحية)

وأما ركن الهبة فهو الإيجاب والقبول فالإيجاب قوله وهبت هذا الشىء منک أو جعلته لک أو هذا لک أو نحلته لک(تحفة الفقهاء، ج۳ص ۱۶۰، کتاب الهبة)

أما ركن الهبة فهو الإيجاب من الواهب فأما القبول من الموهوب له فليس بركن استحسانا والقياس أن يكون ركنا وهو قول زفر(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع،ض ۶،ص ۱۱۵، کتاب الهبة)

(وتصح هبة مشاع لا يحتمل القسمة) أى ليس من شأنه أن يقسم بمعنى لا يبقى منتفعا به بعد القسمة أصلا كعبد ودابة ولا يبقى منتفعا به بعد القسمة من جنس الانتفاع الذى كان قبل القسمة كالبيت الصغير والحمام (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج۲ ص ۳۵۶، کتاب الهبة)

[۱] اس صورت میں بہت سے حضرات دوسروں کی قربانی کے درست ہونے کے قائل نہیں، مگر دلیل کے لحاظ سے دوسروں کی قربانی کا درست ہونا راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب دوسرے کا وکیل بننا معتبر نہ ہوا، اور یہ حصہ دوسرے کی ملکیت نہ ہوا، تو حسبِ سابق واہب کی ملکیت رہا، تو اس حصے کی قربانی واہب کی طرف سے درست ہوئی، جب واہب کی درست ہوئی تو بقیہ شرکاء کی بھی درست ہونی چاہئے، بلکہ جن حضرات کے نزدیک واجب کا ایصالِ ثواب بھی جائز ہے، اور عمل کرتے وقت غیر کے لئے نیت کرنے کی صورت میں بھی ایصالِ ثواب ہوجاتا ہے، ان کے نزدیک اپنی واجب قربانی کے ساتھ ساتھ دوسرے کے لئے ایصالِ ثواب بھی معتبر ہوجائے گا، اور دوسرے کے لئے نیابت ووکالت کی نیت لغو ہوجائے گی۔ كمافى الحج عن الغير يقع عن الفاعل اذا فعل بغير امر الغير، وفى هذه المسئلة اذا لم يعتبر اذن الغير فهو يكون بغير الامر۔

و لو ضحى غنى بدنة عن نفسه و عن ستة من أولاده ليس هذا فى ظاهر الرواية *و قال الحسن بن زياد رحمه الله تعالى فى كتاب الأضحية له إن كان أولاده صغارا جاز عنه وعنهم جميعا فى قول أبى حنيفة و أبى يوسف رحمهما الله تعالى و إن كانوا كبارا إن فعل بأمرهم جاز عن الكل فى قول أبى حنيفة و أبى يوسف رحمهما الله تعالى و إن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم لا يجوز لا عنه و لا عنهم فى قولهم جميعا لأن نصيب من لم يأمر صار لحما فكان الكل لحما و فى قول الحسن بن زياد رحمه الله تعالى إذا ضحى بدنة عن نفسه و عن خمسة من أولاده الصغار و عن أم ولده بأمرها أو بغير أمرها لا يجوز لا عنه و لا عنهم و قال أبو القاسم رحمه الله تعالى يجوز عن نفسه(فتاوىٰ قاضيخان، كتاب الاضحية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر مذکورہ صورت میں کوئی شخص پورا جانور (اونٹ، گائے، بکری، دنبہ، بھیڑ، مینڈھا) دوسرے کی طرف سے واجب قربانی میں اس کو ہبہ کرکے (نہ کہ بیچ کر) کرنا چاہتا ہے، تو پھر اس کا لحاظ کرنا چاہئے کہ وہ دوسرا شخص یا تو خود جانور پر قبضہ کرکے اُس کو اپنی طرف سے ذبح

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(قوله وعن ميت) أى لو ضحى عن ميت وارثه بأمره ألزمه بالتصدق بها وعدم الأكل منها، وإن تبرع بها عنه له الأكل لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت، ولهذا لو كان على الذابح واحدة سقطت عنه أضحيته كما فى الأجناس .قال الشرنبلالى :لكن فى سقوط الأضحية عنه تأمل اهـ. أقول :صرح فى فتح القدير فى الحج عن الغير بلا أمر أنه يقع عن الفاعل فيسقط به الفرض عنه وللآخر الثواب فراجعه(ردالمحتار، ج٦ ص٣٣٥، كتاب الاضحية)

وتعليل المسألة يفيد وقوع الحج عن الفاعل، فيسقط به الفرض عنه وإن جعل ثوابه لغيره.....فهذا صريح فى أن النية لم تقع لهما وأن الأعمال وقعت له فله جعل ثوابها لمن شاء بعد الأداء ، فيمكن ادعاء سقوط الفرض عن الفاعل بذلك كما حررناه فى مسألة الحج عن الآمرين، وبه يعلم جواز جعل الإنسان ثواب فرضه لغيره كما ذكرناه أول الباب (ردالمحتار، ج٢ ص٦٠٩، ٦١٠، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

وتعليل المسألة بأنه متبرع بجعل ثواب عمله لأحدهما يفيد وقوع الحج عن الفاعل فيسقط به الفرض عنه، وإن جعل ثوابه لغيره قال فى الفتح :ومبناه على أن نيته لهما تلغو بسبب أنه غير مأمور من قبلهما أو أحدهما فهو معتبر فتقع الأعمال عنه ألبتة، وإنما يجعل لهما الثواب(منحة الخالق على هامش البحر الرائق، ج٣، ص ٧٣ كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

ومن حج عن غيره بغير أمره لا يكون حاجا عنه بل يكون جاعلا ثواب حجه له(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج٢، ص٨٦، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

لو حج عنه غيره بغير أمره، إلا أنا قلنا :لو حج الوارث عنه أو أحج سقط عنه استحسانا لحديث الخثعمية .ولما روى أن رجلا قال :يا رسول الله، إن أمى ماتت ولم تحج أفأحج عنها؟ قال ": نعم(الاختيار لتعليل المختار، ج١، ص١٧٢، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

ومنها :الأمر بالحج فلا يجوز حج الغير عنه بغير أمره؛ لأن جوازه بطريق النيابة عنه، والنيابة لا تثبت إلا بالأمر إلا الوارث يحج عن مورثه بغير أمره، فإنه يجوز إن شاء الله تعالى بالنص، ولوجود الأمر هناك دلالة على ما نذكر -إن شاء الله تعالى(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج٢، ص٢١٣، كتاب الحج)

امدادالفتاویٰ میں ہے کہ:

’’خلاصہ یہ ہے کہ اضحیہ واجبہ میں چونکہ دوسرے کے ذمہ سے ادائے واجب کا قصد ہوتا ہے وہ تو بدون اس کی اجازت کے درست نہیں، البتہ اپنے متعلقین کی طرف سے بدون اس کی اجازت کے بھی درست ہے، جبکہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کرے، یا جانور کا مالک پہلے اس جانور کو اس دوسرے شخص کے حوالہ کردے، یا اس (ہبہ کئے جانے والے شخص) کی طرف سے مقرر کردہ کسی شخص کو اس جانور پر قبضہ دیدے، اگر اتنا بھی نہ ہوسکے تو کم از کم جانور ذبح کرنے والے کسی شخص (قصاب وغیرہ) کو ہی وہ دوسرا شخص اپنی طرف سے اُس قربانی کے جانور پر قبضہ کرکے ذبح کرنے کا وکیل بنادے۔

اور اگر نہ تو اُس دوسرے (ہبہ حاصل کرنے والے) شخص نے مالک سے اس جانور کا خود قبضہ حاصل کیا، اور نہ کسی اور کو اپنے لئے قبضے کا وکیل بنا کر قبضہ حاصل کیا، اور اسی طرح اس کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ان کی طرف سے قربانی کرنے کی عادت ہو اور اگر قربانی کرنے کی عادت نہ ہو تو ان کی طرف سے بھی قربانی صحیح نہ ہوگی، رہا یہ کہ ذابح کی طرف سے بھی ہوجائے گی یا نہیں تو حسن بن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت یہ ہے کہ ذابح کی طرف سے صحیح نہ ہوگی اور ابوالقاسم صفار کا قول یہ ہے کہ ذابح کی طرف سے صحیح ہوجائے گی، ہمارے نزدیک یہی راجح ہے، کیونکہ حج عن الغیر میں تصریح ہے کہ غیر کی طرف سے بلاامر کے حج کیا جائے تو وہ اس شخص کی طرف سے یعنی حج کرنے والے کی طرف سے ہوجائے گا اور غیر کو ثواب ملے گا۔ اور اگر دوسرے کی طرف سے تبرعاً تطوعاً بلا اذن کے قربانی کی جائے تو وہ مطلقاً درست ہے خواہ اس کی طرف سے قربانی کی عادت ہو یا نہ ہو اور اس کو عادت کی اطلاع ہو یا نہ ہو، کیونکہ تبرعاً عن الغیر میں قربانی ذابح کی ملک پر ہوتی ہے دوسرے کو محض ثواب پہنچتا ہے قربانی اس کی ملک پر نہیں ہوتی۔

والحی والمیت فی ذلک سواء واللہ تعالیٰ اعلم "کتبہٗ ظفر احمد عفاعنہ بامرہ سیدہ حکیم الامت دام مجدھم ،۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ (امدادالفتاویٰ، ج۳ص۶۱۰)

اور احسن الفتاویٰ میں ہے کہ:

اس صورت میں دوسرے شرکاء کی قربانی صحیح ہوجائے گی یا نہیں؟ روایتِ ثانیہ میں عدمِ جواز کی تصریح ہے، روایتِ رابعہ جواز کو مقتضی ہے، درایۃً بھی جواز معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ جب نامزد کردہ حصہ کا بھی ذابح ہی مالک ہے، تو اس کی قربانی صحیح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

امدادالفتاویٰ میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواز کا فتویٰ درج ہے، آپ نے روایتِ ثانیہ کے مسئلہ کو اختلافی قرار دے کر ابوالقاسم کے قولِ جواز کو ترجیح دی ہے۔

بندہ کے خیال میں آپ سے اس میں تسامح ہوا ہے، اس لئے کہ روایتِ ثانیہ میں دو مسئلے مذکور ہیں، ابوالقاسم کا قول مسئلہ ثانیہ سے متعلق ہے، اور زیرِ بحث مسئلہ اولیٰ ہے، جس میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ فی قولھم جمیعا کی تصریح موجود ہے (احسن الفتاویٰ، ج۷ص۵۴۱،۵۴۲)

پس مذکورہ صورت میں دوسرے شرکاء کی قربانی کو جائز قرار دیا جائے گا، لیکن قربانی کرنے سے پہلے اس طریقہ سے منع کرنا ہی مناسب ہے۔ محمد رضوان۔

سابقہ مالک نے ذبح کردیا، تو اس سے دوسرے کی واجب قربانی ادا نہیں ہوگی (لان هبة المشاع التی یحتمل القسمة لایتم قبل القبض ولم یوجد القبض) [1]

---

[1] رجل ضحى بشاة نفسه عن غيره لا يجوز ذلك سواء كان بأمره أو بغير أمره لأن لا وجه لتصحيح الأضحية عن الآمر بدون ملك الآمر و الملك للآمر لا يثبت إلا بالقبض و لم يوجد القبض لا من الآمر و لا من نائبه (فتاوى قاضى خان، ج ٣، ص ٢١٠، كتاب الأضحية)

ذكر في فتاوى أبي الليث -رحمه الله تعالى- إذا ضحى بشاة نفسه عن غيره بأمر ذلك الغير أو بغير أمره لا تجوز؛ لأنه لا يمكن تجويز التضحية عن الغير إلا بإثبات الملك لذلك الغير في الشاة، ولن يثبت الملك له في الشاة إلا بالقبض، ولم يوجد قبض الآمر هاهنا لا بنفسه ولا بنائبه، كذا في الذخيرة (الفتاویٰ الهندية، ج ٥ ص ٣٠٢، كتاب الاضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير، وفي التضحية بشاة الغير عن نفسه)

وفي النوازل لو ضحى بشاة نفسه على غيره بأمره أو بغير أمره لا يجوز بخلاف العتق عن غيره فإنه لو أعتق عبده عن كفارة رجل بأمره يجوز (لسان الحكام ج ١ ص ٣٨٩، الفصل الثانى والعشرون من الفصول الثلاثين فى الصيد والذبائح والأضحية)

مذکورہ عبارات میں جو قربانی کے عدمِ جواز کا حکم مذکور ہے، وہ غیر کی طرف سے ہے، نہ کہ ذابح کی طرف سے، لہٰذا راجح یہ ہے کہ یہ قربانی ذابح کی طرف سے واقع ہوگی، نیز دوسرے کی طرف سے قربانی نہ ہونے کا حکم بطور بیع نہیں ہے، بلکہ بطور ہبہ ہے۔

کیونکہ ان عبارات میں قیمت وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں، اور جن عبارات میں قیمت کا ذکر ہے، اُن کا جواز پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی قیمت کا ذکر کیے بغیر مالک کو غلام آزاد کرنے کا حکم کرے، تو وہ دوسرے کی طرف سے آزاد نہیں ہوتا، اس لیے کہ وہ ہبہ ہے، اور ایسی چیز کے ہبہ میں جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہو، حنفیہ کے نزدیک قبضہ شرط ہے، بخلاف مالکیہ کے اور حنابلہ کی ایک روایت کے۔

(فمنها) : ملك الرقبة حتى لو أعتق إنسان عبده عن كفارة الغير لا يجوز وإن أجاز ذلك الغير؛ لأن الإعتاق وقع عنه فلا توقف على غيره، وكذا لو قال لغيره أعتق عبدك عن كفارتي، فأعتق لم يجز عن كفارته وعتق العبد، ولو قال أعتق عبدك على ألف درهم عن كفارة يميني، فأعتقه أجزأه عند أصحابنا الثلاثة؛ لأن العتق يقع عن الآخر (بدائع الصنائع، ج ٥، ص ١٠٧، كتاب الكفارات، فصل في شرط جواز كل نوع)

ونظير هذا ما قال أبو حنيفة فيمن قال لغيره: أعتق عبدك عني بغير شيء لا يثبت الهبة بطريق الاقتضاء؛ لأن القبض شرط لها، وإنه فعل فلا يمكن إثباتها بطريق الاقتضاء إلا إذا سقط اعتبار القبض شرطاً للهبة ولم يسقط، وإن كان ثبوت الهبة مقتضى غيره وهو الإعتاق عن الأمر كذا ههنا (المحيط البرهاني، ج ٦، ص ٣٢٥، كتاب البيع، الفصل السادس: فيما يجوز وما لا يجوز بيعه)

نظير هذا ما قال أبو حنيفة ومحمد فيمن قال لغيره: أعتق عبدك عني بغير شيء لا تثبت الهبة بطريق الاقتضاء إلا إذا سقط اعتبار القبض؛ (لأن القبض) شرط للهبة ولم يسقط (المحيط البرهاني، ج ٧، ص ١٣٢، كتاب البيع، الفصل الثالث والعشرون)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس مذکورہ صورت میں یعنی جبکہ قربانی کے جانور کا مالک اپنا جانور دوسرے کو ہبہ کر کے اس کی قربانی کرنا چاہتا ہے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ جانور خریدنے سے پہلے دوسرے کی طرف سے اجازت حاصل کر کے بطور وکیل ہونے کے جانور خریدے، اور قیمت تبرعاً خود دیدے۔

اور اگر جانور خریدنے سے پہلے ایسا نہیں کیا گیا، تو پھر جانور کے ذبح کرنے سے پہلے پہلے دوسرا شخص (یعنی جس کی طرف سے اس جانور کی بطور ہبہ قربانی مقصود ہے) خود اس جانور پر قبضہ کرلے، یا خود جانور پر قبضہ حاصل کر کے اس کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے، یا ہبہ کرنے والے کے علاوہ کسی دوسرے ذبح کرنے والے کو اپنی طرف سے اس جانور کا مالکانہ قبضہ حاصل کر کے ذبح کرنے کا وکیل بنادے (کذافی: امداد الفتاویٰ ج۳ص ۵۹۸، کتاب الذبائح والاضحیۃ) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وتصح هبة مشاع لا يحتمل القسمة، كمامر. محمد رضوان

الإيجاب والقبول ركن من أركان الهبة باتفاق الفقهاء .أما القبض فلا بد منه لثبوت الملك، وذلك عند الحنفية والشافعية؛ لأن الملك لو ثبت بدونه للزم المتبرع شيء لم يلتزمه، وهو التسلم، فلا تملك بالعقد بل بالقبض، لما روى عن عائشة رضى الله عنها زوج النبى صلى الله عليه وسلم أنها قالت :إن أبا بكر الصديق كان نحلها جاد عشرين وسقا من ماله بالغابة .فلما حضرته الوفاة قال " :والله، يا بنية ما من الناس أحد أحب إلي غنى بعدى منك، ولا أعز علي فقرا بعدى منك، وإني كنت نحلتك جاد عشرين وسقا، فلو كنت جددتيه واحتزتيه كان لك، وإنما هو اليوم مال وارث وما ذهب إليه الحنفية والشافعية هو رأى بعض الحنابلة .قال المجد بن تيمية في شرح الهداية :الملك في الموهوب لا يثبت بدون القبض، وكذا صرح ابن عقيل الحنبلي :أن القبض ركن من أركان الهبة كالإيجاب في غيرها، وكلام الخرقي يدل عليه.والرأى الآخر للحنابلة: أن الهبة تملك بالعقد، فيصح التصرف من الموهوب له فيها قبل القبض، كذا في المنتهى وشرحه، وهو الذى قدمه في الإنصاف .وعلى رأى الحنفية والشافعية، ومن رأى رأيهم من الحنابلة :يجوز الرجوع فيها قبل القبض؛ لأن عقد الهبة لم يتم .ولكنه عند من يرى ذلك من الحنابلة يكون مع الكراهة، خروجا من خلاف من قال :إن الهبة تلزم بالعقد .وعند المالكية :تملك الهبة بالقبول على المشهور، وللمتهب طلبها من الواهب إن امتنع ولو عند حاكم، ليجبره على تمكين الوهوب له منها .لكن قال ابن عبد السلام :القبول والحيازة معتبران في الهبة، إلا أن القبول ركن والحيازة شرط .أى في تمامها، فإن عدم لم تلزم، وإن كانت صحيحة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٢، ص ١٧١، ١٧٢، مادة الهبة)

[1] يجوز للواهب أن يوكل بالتسليم وللموهوب له أن يوكل بالقبض وكذلك الصدقة (الفتاوىٰ الهندية، ج٣، ص ٦٠٠، كتاب الوكالة، فصل في التوكيل بالهبة)

قلت: ولما ارتفعت علة عدم الصحة وهى عدم القبض حيث وجد القبض بالنائب ارتفع حكم عدم الصحة كما هو ظاهر (امدادالفتاوىٰ ج٣ص ٥٩٨، كتاب الذبائح والاضحية)

اور یہ حکم دوسرے کی طرف سے واجب قربانی کا ہے، اور نفل قربانی، جس کا مقصود دوسرے کو ایصالِ ثواب ہوتا ہے، وہ دوسرے کی اجازت کے بغیر بھی کرنا درست ہوجاتی ہے، جس کی تفصیل آگے ایصالِ ثواب کی قربانی کے بیان میں آتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۶ ...... اگر کوئی اپنی بیوی یا بالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرے، تو جانور خریدنے سے پہلے ان سے اجازت لے لینا چاہئے۔

اور اگر کسی شخص کا اپنی بیوی یا بالغ اولاد یا کسی اور کی طرف سے قربانی کرنے کا معمول اور عادت ہے، اور بیوی کو شوہر کے اور بالغ اولاد کو والد کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ وہ ان کی طرف سے قربانی کیا کرتا ہے، تو ایسی صورت میں دلالتاً اجازت کی وجہ سے شوہر یا والد کو جانور کے خریدنے سے پہلے بیوی یا بالغ اولاد کی طرف سے وکیل سمجھا جائے گا، اس لئے اُن کی طرف سے (بطور بیع اور بطور ہبہ دونوں طریقوں سے) قربانی کو درست قرار دیا جائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷ ...... والد کے ذمہ اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرنا واجب نہیں، لیکن اگر کوئی اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے اپنے مال میں سے تبرعاً قربانی کرے، تو جائز ہے۔ [2]

---

[1] اگر بعد میں قیمت وصول کرلی تو وکیل بالشراء ہونا ظاہر ہے، ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ دوسرے کے لئے خرید کر بطور تبرع قیمت خود ادا کردی ہے۔

ولو ضحى عن أولاده الكبار وزوجته لا يجوز إلا بإذنهم .وعن الثاني أنه يجوز استحسانا بلا إذنهم بزازية .قال في الذخيرة :ولعله ذهب إلى أن العادة إذا جرت من الأب في كل سنة صار كالإذن منهم، فإن كان على هذا الوجه فما استحسنه أبو يوسف مستحسن (رد المحتار على الدر المختار، ج٦ ص ٣١٥، كتاب الأضحية)

[2] وليس على الرجل أن يضحي عن أولاده الكبار وامرأته إلا بإذنه (الفتاوىٰ الهندية، ج٥ ص ٢٩٣، كتاب الاضحية، الباب الاول)

ولا يضحي عن الصبي في ظاهر الرواية وكذا الأب لا يضحي عن الصغير من مال الصغير فإن ضحى من مال نفسه يكون متبرعاً (فتاوى قاضي خان، ج٢، ص ١٤٨، كتاب الاضحية)

الولاية إما أن تكون أصلية :بأن يتولى الشخص عقداً أو تصرفاً لنفسه، بأن يكون كامل أهلية الأداء (بالغاً عاقلاً راشداً) ، أو نيابية :بأن يتولى الشخص أمور غيره.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۸...... اگر ایک شخص نے دوسرے کو اپنے لئے قربانی کا جانور خریدنے کا وکیل ونمائندہ بنایا، پھر اس وکیل نے آگے کسی اور شخص کو اس کی طرف سے جانور خریدنے کا وکیل اور نمائندہ بنادیا، تو اگر مالک کی طرف سے اس طرح آگے وکیل بنانے کی اجازت ہو، تو وکیل کا آگے کسی دوسرے کو وکیل بنانا جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۹...... جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو قربانی کا جانور خریدنے کا وکیل بنائے، تو وکیل بنانے والے کو چاہئے کہ وہ جانور کی جنس، صفت اور قیمت وغیرہ ہر چیز کی نشاندہی کردے، اور کسی قسم کا ابہام نہ چھوڑے، تاکہ وکیل کو مالک کی منشاء کے مطابق جانور کی خریداری کرنے میں سہولت حاصل ہو، اور بعد میں اختلاف وانتشار کی نوبت نہ آئے۔

اور اگر دوسرے کو مبہم ومجہول اور گول مول طریقہ سے جانور کی خریداری کرنے کا وکیل بنائے، تو بعض صورتوں میں وکیل بنانا درست ومعتبر نہیں ہوتا، اور بعض صورتوں میں وکیل بنانا درست ومعتبر ہوجاتا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والولاية النيابية أو النيابة الشرعية عن الغير :إما أن تكون اختيارية أو إجبارية:
الاختيارية :هي الوكالة أي تفويض التصرف والحفظ إلى الغير على ماسيأتي.
والإجبارية :هي تفويض الشرع أو القضاء التصرف لمصلحة القاصر، كولاية الأب أو الجد أو الوصي على الصغير، وولاية القاضي على القاصر .فمصدر ولاية الأب أو الجد أو القاضي هو الشرع .ومصدر ولاية الوصي إما اختيار الأب أو الجد، أو تعيين القاضي (الفقه الاسلامي وادلته ، ج۴، ص۴۹۵، أنواع الولاية)

[1] رجل وكل غيره بشراء أضحية فوكل الوكيل غيره ثم و ثم فاشترى الآخر يكون موقوفا على إجازة الأول إن أجاز جاز و إلا فلا (فتاوى قاضی خان، كتاب الأضحية، ج۳ص۲۱۳)
فلو وكل غيره بشرائها فوكل الوكيل غيره ثم وثم فاشترى الأخير يكون موقوفا على إجازة الأول، إن أجاز جاز وإلا فلا بحر عن الخانية(رد المحتار على الدر المختار، ج۵،ص۵۲۷، كتاب الوكالة)

[2] (فصل في الشراء) (قال :ومن وكل رجلا بشراء شيء فلا بد من تسمية جنسه وصفته أو جنسه ومبلغ ثمنه) ليصير الفعل الموكل به معلوما فيمكنه الائتمار(الهداية شرح بداية المبتدی ، ج۳ص۱۳۹، كتاب الوكالة،باب الوكالة بالبيع والشراء فصل في الشراء)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۰۱......اگر کسی نے دوسرے کو مخصوص رنگ کے جانور کے خریدنے کا وکیل ونمائندہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الجهالة ثلاثة أنواع :فاحشة، ويسيرة، وبينهما .فالأولى جهالة الجنس كالتوكيل بشراء ثوب أو دابة فإنه لا يصح وإن سمى الثمن، لأنه لا يمكن الوكيل امتثال ما وكله به لتفاوته تفاوتا فاحشا .والثانية جهالة النوع والصفة كالحمار والفرس وقفيز حنطة وثوب هروى، فإنه يصح وإن لم يقدر الثمن؛ لأن الوكيل يقدر على تحصيل مقصوده وتتعين الصفة بحال الموكل، واختلاف الصفة لا يوجب اختلاف المقصود، فصار كأنه وكله بشراء ثوب هروى بأى صفة كان وبالثمن المعتاد، وقد صح أن النبى -صلى الله عليه وسلم - وكل حكيم بن حزام بشراء شاة للأضحية .والثالثة التوكيل بشراء عبد أو جارية أو دار إن سمى الثمن صح وإلا فلا، لأن الجمال منفعة مقصودة من بنى آدم، ويختلف فى ذلك الهندى والتركى، فإذا سمى الثمن ألحقناه بمجهول النوع، وإن لم يسم ألحقناه بجهالة الجنس؛ لأن بالتسمية يصير معلوم النوع عادة، فإن ثمن كل نوع معلوم عادة .قال :(ومن وكل رجلا بشراء شيء ينبغى أن يذكر صفته وجنسه أو مبلغ ثمنه) لأن بذلك يصير معلوما فيقدر الوكيل عليه .(إلا أن يقول له :ابتع لى ما رأيت) لأنه فوض الأمر إلى رأيه، فأى شيء اشترى كان مؤتمرا(الاختيار لتعليل المختار، ج۲ص۱۵۹، كتاب الوكالة،ما يضيفه الموكل إلى نفسه وإلى الموكل ومتى ترجع الحقوق إليهما)

(قول المصنف أمره بشراء ثوب هروى إلخ) قال فى الكفاية :الأصل أن الجهالة ثلاثة أنواع :فاحشة وهى جهالة الجنس كالتوكيل بشراء الثوب والدابة والرقيق وهى تمنع صحة الوكالة وإن بين الثمن ويسيرة وهى جهالة النوع كالتوكيل بشراء الحمار والبغل والفرس والثوب الهروى والمروى فإنها لا تمنع صحة الوكالة وإن لم يبين الثمن ومتوسطة وهى بين الجنس والنوع كالتوكيل بشراء عبد وشراء أمة أو دار فإن بين الثمن أو النوع تصح وتلحق بجهالة النوع وإن لم يبين الثمن أو النوع لا تصح وتلحق بجهالة الجنس لأنه يمنع الامتثال(منحة الخالق على هامش البحرالرائق، ج۷ص۱۵۳، كتاب الوكالة،باب الوكالة بالبيع والشراء)

(والأصل فيه أن الجهالة اليسيرة تتحمل فى الوكالة كجهالة الوصف استحسانا) هذا بيان لحكم الجهالة اليسيرة ، وإنما قيد بالاستحسان ؛ لأن القياس أن لا تتحمل الجهالة فى الوكالة وإن قلت بناء على أن التوكيل بالبيع والشراء معتبر بنفس البيع أو الشراء ؛ ألا يرى أنا نجعل الوكيل كالمشترى لنفسه ثم كالبائع من الموكل فلا يجوز إلا ببيان وصف المعقود عليه .وجه الاستحسان ما ذكره قوله (لأن مبنى التوكيل على التوسعة ؛ لأنه استعانة وفى اعتبار هذا الشرط) يعنى اشتراط بيان الوصف أو اشتراط عدم الجهالة اليسيرة (بعض الحرج وهو مدفوع) شرعا بالنص(فتح القدير، ج۸ص۳۰، كتاب الوكالة،باب الوكالة فى البيع والشراء)

بنایا، مگر اس وکیل ونمائندے نے اس کے لئے کسی دوسرے رنگ کا جانور خرید لیا، تو اس جانور کی خریداری درست ہے، اور یہ جانور خریدوانے والے (یعنی موکل) پر لازم ہوجائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۱...... اگر ایک شخص نے دوسرے کو گائے خریدنے کا وکیل بنایا، تو وکیل کو اس کی رضا مندی حاصل کئے بغیر اس کے لئے بکری یا مینڈھا خریدنا جائز نہیں، اسی طرح اگر بکری یا مینڈھے کے خریدنے کا وکیل بنایا، تو وکیل کو اس کے لئے اس کی رضا مندی کے بغیر اونٹ، گائے خریدنا جائز نہیں، اور اس طرح اگر مینڈھا خریدنے کا وکیل بنایا، تو وکیل کو اس کی رضا مندی کے بغیر اس کے لئے بھیڑ کا خریدنا جائز نہیں، اگر وکیل نے اس شخص کی رضا مندی کے بغیر کوئی دوسرا جانور خرید لیا، تو وہ خریدوانے والے (یعنی موکل) پر لازم نہیں ہوگا، بلکہ اس کا وکیل خود ذمہ دار ہوگا۔ [2]

مسئلہ نمبر ۱۲...... اگر ایک شخص نے دوسرے کو سینگوں والا مینڈھا خریدنے کا وکیل بنایا، تو وکیل کو اس کی رضا مندی کے بغیر، بے سینگوں والا مینڈھا خریدنا جائز نہیں، اگر وکیل نے اس شخص کی رضا مندی کے بغیر، اس کے لئے بے سینگوں والا مینڈھا خرید لیا، تو وہ خریدوانے والے (یعنی موکل) پر لازم نہیں ہوگا، بلکہ وکیل خود اس کا ذمہ دار ہوگا۔ [3]

---

[1] و ان وكله بأن يشترى له بقرة سوداء للأضحية فاشترى بيضاء أو حمراء لزم الآمر (فتاوى قاضى خان، كتاب الأضحية، ج٣ص ٢١٤)

ولو وكله بأن يشترى له بقرة سوداء للأضحية فاشترى بلقاء وهى التى اجتمع فيها السواد والبياض لزم الآمر (الفتاوى الهندية، ج٥، ص ٣٠٦، كتاب الأضحية، الباب التاسع فى المتفرقات)

[2] الوكيل بشراء الكبش لا يملك شراء النعجة، حتى لو اشترى لا يملك الموكل، وكذا لو وكله بشراء عناق فاشترى جديا كذا فى البدائع (الفتاوى الهندية، ج٣، ص٥٧٧، كتاب الوكالة، الباب الثانى فى التوكيل بالشراء)

الوكيل بشراء الكبش لا يملك شراء النعجة حتى لو اشترى لا يلزم الموكل؛ لأن الكبش اسم للذكر، والنعجة اسم للأنثى، وكذا لو وكله بشراء عناق، فاشترى جديا، أو شراء فرس، أو برذون، فاشترى رمكة، لا يجوز على الموكل (بدائع الصنائع، ج٦ص ٣٢، كتاب الوكالة، فصل فى بيان حكم التوكيل)

[3] وإن وكله بأن يشترى له كبشا أقرن أعين للأضحية فاشترى كبشا أجم ليس أعين لا يلزم الآمر؛ لأن هذا مما يرغب فيه الناس للأضحية فخالف ما أمر به (الفتاوى الهندية، ج٥، ص٣٠٦،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۳...... اگرایک شخص نے دوسرے کو ایک سال کی عمر کا مینڈھا یا دنبہ خریدنے کا وکیل بنایا، تو وکیل کو اس کی رضامندی کے بغیر، اس سے کم عمر کا دنبہ یا مینڈھا خریدنا جائز نہیں، اور اگر وکیل نے اس شخص کی رضامندی کے بغیر، اس سے کم عمر کا دنبہ یا مینڈھا خریدلیا، تو وہ خریدوانے والے (یعنی موکل) پر لازم نہیں ہوگا، بلکہ اس کا وکیل خود ذمہ دار ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۴...... اگرایک شخص نے دوسرے کو مادہ گائے یا مادہ بکری خریدنے کا وکیل بنایا، اور وکیل نے اس کے لئے مادہ کے بجائے نَر جانور خریدلیا، تو یہ خریدوانے والے (یعنی موکل) کی مرضی پر موقوف ہے، اگر وہ راضی ہو، تو ٹھیک ہے، ورنہ اس پر یہ جانور لازم نہیں ہوگا۔

البتہ اگر دوسرے کو وکیل بناتے وقت مادہ یا نَر کی قید نہیں لگائی تھی، تو ایسی صورت میں نَر و مادہ میں سے جونسا جانور بھی وکیل اس کے لئے خریدے گا، وہ خریدوانے والے (یعنی موکل) پر لازم ہوجائے گا۔ [2]

مسئلہ نمبر۱۵...... اگرکسی شخص نے دوسرے کو اپنے لئے قربانی کا جانور خریدنے کا وکیلِ عام بنادیا ہو، بایں طور کہ وہ اس کے لئے جس طرح کا اور جونسا جانور چاہے، خریدے، اس کو ہر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كتاب الأضحية، الباب التاسع فى المتفرقات)

وفى الذخيرة وكله أن يشترى له كبشا أقرن أعين للأضحية فاشترى كبشا ليس بأقرن ولا أعين لم يلزم الآمر اهـ(تكملة البحرالرائق للطورى ، ج۸ص ۲۰۴ ، كتاب الكراهية)

و إن وكله بأن يشترى كبشا أقرن أعين للأضحية فاشترى كبشا ليس بأعين و لا أقرن لا يلزم الآمر (فتاوىٰ قاضيخان، كتاب الاضحية)

[1] و إن وكله أن يشترى له الثنى من الضأن للأضحية فاشترى جذعا من الضأن لا يلزم الآمر و كذا لو أمره أن يشترى له الضأن للأضحية و لم يقل الثنى فاشترى جذعا من الضأن لا يلزم الآمر(فتاوى قاضى خان، ج۳ص ۲۱۴ ،كتاب الأضحية)

[2] و إن وكله بأن يشترى له بقرة أنثى فاشترى ذكرا لا يلزم الآمر و كذا الشاة *و إن قال بقرة و لم يقل أنثى فاشترى ذكرا لزم الآمر(فتاوى قاضى خان،كتاب الأضحية، ج۳ص ۲۱۴)

و لو وكله بأن يشترى له شاة للأضحية فاشترى عنزا تجزى فى الأضحية جاز لأن الشاة اسم جنس يتناول الضأن و المعز، و لو وكله أن يشترى معزا فاشترى شاة من الضأن لا يلزم الآمر(فتاوى قاضى خان، ج۳ص ۲۱۴ ،كتاب الأضحية)

طرح کا اختیار ہے، تو یہ وکیلِ عام کہلائے گا، اور ایسی صورت میں وکیل کو ہر طرح کے قربانی کے قابل جانور کا خریدنا جائز ہو جائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۶...... اگر کسی کو دوسرے نے قربانی کا جانور خریدنے کا وکیل بنایا ہو، تو وکیل کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنا مملوکہ جانور اُس کے لئے خریدے۔

البتہ اگر دوسرا اسے وکیل بنانے کے بجائے خود اس سے جانور خریدنا چاہے، تو اُس کو خریدنا

---

[1] وبیان ذلک أن التوکیل بالشراء نوعان :عام وخاص فالعام :أن یقول له :اشتر لی ما شئت، أو ما رأیت، أو أی ثوب شئت، أو أی دار شئت، أو ما تیسر لک من الثیاب، ومن الدواب، ویصح مع الجهالة الفاحشة من غیر بیان النوع والصفة والثمن لأنه فوض الرأی إلیه فیصح مع الجهالة الفاحشة کالبضاعة، والمضاربة.

والخاص :أن یقول :اشتر لی ثوبا أو حیوانا أو دابة أو جوهرا أو عبدا أو جاریة أو فرسا أو بغلا، أو حمارا أو شاة والأصل فیه أن الجهالة إن کانت کثیرة تمنع صحة التوکیل، وإن کانت قلیلة لا تمنع وهذا استحسان .والقیاس أن یمنع قلیلها وکثیرها(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۶،ص۲۳،کتاب الوکالة)

(إلا أن یوکله وکالة عامة فیقول :ابتع لی ما رأیت) ؛ لأنه فوض الأمر إلی رأیه ، فأی شیء یشتریه یکون ممتثلا .والأصل فیه أن الجهالة الیسیرة تتحمل فی الوکالة کجهالة الوصف استحسانا ، لأن مبنی التوکیل علی التوسعة ؛ لأنه استعانة .وفی اعتبار هذا الشرط بعض الحرج وهو مدفوع(الهدایة شرح بدایة المبتدی ،ج۳ص ۱۳۹ ،کتاب الوکالة،باب الوکالة بالبیع والشراء فصل فی الشراء)

(إلا أن یوکله) ش :هذا استثناء من قوله "فلا بد من تسمیة جنسه "یعنی إذا وکله م :(وکالة عامة فیقول ابتع لی ما رأیت) ش:فلا یحتاج إلی ذکر الجنس وغیره م :(لأنه) ش :أی لأن الموکل م : (فوض الأمر إلی رأیه) ش :أی إلی رأی الوکیل م :(فأی شیء یشتریه یکون ممتثلاً) ش :لأمر الموکل، وفیه خلاف لأحمد -رَحِمَهُ اللَّهُ -فإنه یقول :لا تصح هذه الوکالة العامة(البنایة شرح الهدایة، ج۹ ص ۲۳۵،۲۳۶ ،کتاب الوکالة،باب الوکالة بالبیع والشراء فصل فی الشراء)

قوله (إلا أن یوکله وکالة عامة فیقول له ابتع لی ما رأیت) ؛ لأنه فوض الأمر إلی رأیه فأی شیء یشتریه یکون ممتثلا کما إذا قال له اشتر لی أی ثوب شئت أو أی دابة أردت أو ما تیسر علیک منها فإنه یصح ویصیر حکمه حکم البضاعة والمضاربة(الجوهرة النیرة،ج ۱،ص ۳۰۱،کتاب الوکالة)

(إلا أن یوکله وکالة عامة) استثناء من قوله فلا بد من تسمیة جنسه وصفته أو جنسه ومبلغ ثمنه : یعنی إذا وکله وکالة عامة (فیقول ابتع لی ما رأیت) فلا یحتاج إلی ذکر شیء منها (لأنه) أی الموکل فی هذه الصورة (فوض الأمر إلی رأیه) أی إلی رأی الوکیل (فأی شیء یشتریه یکون ممتثلا) لأمر الموکل فیقع عنه(فتح القدیر،ج۸ص ۲۹ ،کتاب الوکالة،باب الوکالة فی البیع والشراء)

جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۷...... اگر ایک شخص نے دوسرے کو اپنے لئے قربانی کا جانور خریدنے کا وکیل بنایا، تو وکیل کو موکل کی رضامندی کے بغیر یہ جائز نہیں کہ دوسرے کی طرف سے اس جانور کو ہنکانے اور لانے کے لئے کسی کو اجرت ادا کرے۔ [2]

البتہ اگر موکل اس پر راضی ہو، خواہ صراحتاً یا دلالتاً، تو پھر اجرت کا ادا کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ آج کل کے دور میں جانور خریدنے کی صورت میں گاڑی وغیرہ سے لادکر لانے کے

---

[1] لَيْسَ لِلْوَكِيلِ بِالشِّرَاءِ أَنْ يَشْتَرِيَ مَالَهُ لِمُوَكِّلِهِ، يَعْنِي لَوْ اشْتَرَى الْوَكِيلُ بِالشِّرَاءِ مَالَ نَفْسِهِ لِمُوَكِّلِهِ لَا يَصِحُّ شِرَاؤُهُ، وَلَوْ قَالَ :لَهُ :اشْتَرِ مَالَ نَفْسِك لِي؛ لِأَنَّ الشَّخْصَ الْوَاحِدَ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَتَوَلَّى طَرَفَيْ الْعَقْدِ اُنْظُرْ شَرْحَ الْمَادَّةِ ١٦٧ (درر الحكام فی شرح مجلة الأحكام، لعلی حيدر، ج۳، ص ۵۹۹، كتاب الوكالة)

لَيْسَ لِلْوَكِيلِ بِالشِّرَاءِ أَنْ يَشْتَرِيَ لِمُوَكِّلِهِ مَالَ نَفْسِهِ أَوْ الْمَالَ الَّذِي بَاعَهُ مُوَكِّلُهُ أَوَمَالَ الَّذِينَ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ لَهُ أَوْ مَالَ مُوَكِّلِهِ الْمَغْصُوبَ (درر الحكام فی شرح مجلة الأحكام، لعلی حيدر، ج۳، ص ۶۵۲، خُلَاصَةُ الْبَابِ الثَّالِثِ فِي أَحْكَامُ الْوَكَالَةِ)

الوكيل بالشراء لا يملك الشراء من نفسه؛ لأن الحقوق فی باب الشراء ترجع إلى الوكيل، فيؤدی إلى الإحالة :وهو أن يكون الشخص الواحد فی زمان واحد مسلما ومتسلما مطالبا ومطالبا؛ ولأنه متهم فی الشراء من نفسه.

ولو أمره الموكل بذلك لا يصح، لما ذكرنا وكذلك لو اشترى من ولده الصغير؛ لأن ذلك شراء من نفسه.

وكذلك لو اشترى من عبده الذی لا دين عليه، أو مكاتبه.

وكذا الوكيل بالشراء لا يملك الشراء من أبيه، وجده، وولده، وولد ولده، وزوجته، وكل من لا تقبل شهادته له عند أبی حنيفة.

وعندهما يجوز إذا اشترى بمثل القيمة، أو بأقل، أو بزيادة يتغابن فی مثلها(بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، ج ۶، ص ۳۱، كتاب الوكالة، فصل فی بيان حكم التوكيل)

[2] لو استأجر الوكيل بشراء الأضحية من يقودها بدرهم لم يلزم الآمر ظهيرية اهـ ط (رد المحتار على الدر المختار، ج۶، ص۳۳۵، كتاب الأضحية)

وإن وكله بأن يشترى شاة للأضحية فاشترى الوكيل واستأجر إنسانا حتى قادها بدرهم لم يلزم الآمر، كذا فی الظهيرية(الفتاوى الهندية، ج۵، ص ۳۰۶، كتاب الأضحية، الباب التاسع فی المتفرقات)

و لو وكل إنسانا بأن يشترى له شاة للأضحية فاشترى الوكيل شاة و استأجر إنسانا بدرهم يقودها لا يلزم الأجر الآمر(فتاوى قاضی خان، ج۳ص ۲۱۴، كتاب الأضحية)

کرایہ کا معاملہ ہے کہ اس کی ادائیگی خریدوانے والے (یعنی موکل) کے ذمہ ہوگی۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۱۸...... اگر ایک سے زیادہ افراد نے کسی ایک شخص کو الگ الگ قربانی کا جانور خریدنے کا وکیل بنایا، تو وکیل قربانی کا جانور خریدتے وقت جس کے لئے جونسا جانور خریدنے کی نیت کرے گا، وہ اُسی کے لئے کہلائے گا۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۱۹...... اگر کسی شخص نے دوسرے کو قربانی کا جانور خریدنے کا وکیل بنایا، مگر کسی خاص جانور کی تعیین نہیں کی، تو ایسی صورت میں وکیل جب کوئی جانور خریدوانے والے (یعنی موَکل) کی نیت سے خریدے گا، تو وہی جانور خریدوانے والے کے لئے خریدنا کہلائے گا، اور اگر وکیل نے اپنے لئے خریدا تو وہ وکیل کا ہی کہلائے گا۔ [۳]

---

[۱] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کل اجتماعی قربانی کرنے والے بعض لوگ جو قربانی کے جانور اور اُس پر آنے والے واقعی اخراجات سے بچ جانے والی رقم کو شرکاء کی اجازت کے بغیر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، ایسا کرنا جائز نہیں۔
ہاں اگر مالکان خوشدلی سے بچ جانے والی رقم کے بارے میں تصرُّف کی اجازت دیں، تو اُن کی اجازت کے مطابق اُس میں تصرف کرنا جائز ہے۔

[۲] لَوْ وَكَّلَ شَخْصَانِ كُلٌّ مِنْهُمَا عَلَى حِدَةٍ أَحَدًا عَلَى أَنْ يَشْتَرِيَ شَيْئًا فَلِأَيِّهِمَا قَصَدَ الْوَكِيلُ وَأَرَادَ عِنْدَ اشْتِرَائِهِ ذَلِكَ الشَّيْءَ يَكُونُ لَهُ (مجلة الأحكام العدلية، ج ١، ص ٢٨٩، كتاب الوكالة، الْبَابُ الثَّالِثُ، الْفَصْلُ الْأَوَّلُ)
لَوْ وَكَّلَ شَخْصَانِ كُلٌّ مِنْهُمَا عَلَى حِدَةٍ أَحَدًا بِشِرَاءِ شَيْءٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ فَلِأَيِّهِمَا قَصَدَ الْوَكِيلُ وَأَرَادَ عِنْدَ اشْتِرَائِهِ فَيَكُونُ قَدْ اشْتَرَى لَهُ؛ لِأَنَّ الْحُكْمَ فِي شَيْءٍ يَكُونُ بِحَسَبِ الْمَقْصِدِ مِنْهُ. وَذَكَرَ الشَّيْءَ هُنَا مُنَكَّرًا إشَارَةً إلَى أَنَّهُ غَيْرُ مُعَيَّنٍ. أَمَّا إذَا كَانَ ذَلِكَ الشَّيْءُ مُعَيَّنًا فَقَدْ ذَكَرَ حُكْمَهُ فِي شَرْحِ الْمَادَّةِ، ١٤٨٥ (درر الحكام في شرح مجلة الأحكام، لعلي حيدر، ج٣، ص ٥٩٩)

[۳] (وأما) الوكيل بشراء شيء بغير عينه إذا اشترى يكون مشتريا لنفسه، إلا أن ينويه للموكل.
وجملة الكلام فيه: أنه إذا قال: اشتريته لنفسي، وصدقه الموكل، فالمشترى له، وإذا قال الموكل: اشتريته لي وصدقه الوكيل، فالمشترى للموكل؛ لأن الوكيل بشراء شيء بغير عينه يملك الشراء لنفسه، كما يملك للموكل، فاحتمل شراؤه لنفسه، واحتمل شراؤه لموكله، فيحكم فيه التصديق، فيحمل على أحد الوجهين بتصادقهما.
ولو اختلفا فقال الوكيل: اشتريته لنفسي، وقال الموكل: بل اشتريته لي، يحكم فيه الثمن، فإن أدى الوكيل الثمن من دراهم نفسه.
فالمشترى له، وإن أداه من دراهم موكله؛ فالمشترى لموكله؛ لأن الظاهر نقد الثمن من مال من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۰...... اگر ایک شخص نے دوسرے کو قربانی کے لئے جانور خریدنے کا وکیل بنایا، تو وکیل کے حق میں یہ وکالت موجودہ قربانی کے دنوں کے لئے مخصوص ہوگی۔

اگر وکیل نے اس سال قربانی کے دنوں کے بجائے اگلے سال اس کے لئے قربانی کا جانور خریدا، تو اس کا وکیل خود ذمہ دار ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر۲۱...... چند لوگوں نے اپنے اپنے الگ الگ جانور خریدے، پھر بعد میں وہ آپس میں خلط ملط ہوگئے، اور الگ الگ جانوروں کی پہچان وامتیاز نہیں رہا، کہ کون سا جانور کس کی ملکیت ہے؟ تو ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ ان جانوروں کے مالکان میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنی قربانی کے ذبح کرنے کا وکیل بنادے، یا سب مل کر کسی اور شخص کو اپنی قربانی کے ذبح کرنے کا وکیل بنادیں، اس طرح سب کی قربانی درست ہوجائے گی۔ [2]

مسئلہ نمبر۲۲...... اگر مثلاً چار افراد نے اپنے لئے قربانی کے چار جانور خریدے، جو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يشترى له، فكان الظاهر شاهدا للثمن، فكان صادقا فى حكمه.(وأما) إذا لم تحضره النية وقت الشراء ، واتفقا عليه يحكم فيه الثمن أيضا عند أبى يوسف.وعند محمد يكون الشراء للوكيل.

(وجه) قول محمد أن الأصل أن يكون الإنسان متصرفا لنفسه لا لغيره، فكان الظاهر شاهدا للوكيل فكان المشترى له .(وجه) قول أبى يوسف :أن أمور المسلمين محمولة على الصلاح والسداد ما أمكن وذلك فى تحكيم الثمن على ما مر والله -تعالى -أعلم.الوكيل بالشراء لا يملك الشراء من نفسه؛ لأن الحقوق فى باب الشراء ترجع إلى الوكيل، فيؤدى إلى الإحالة :وهو أن يكون الشخص الواحد فى زمان واحد مسلما ومتسلما مطالبا ومطالبا؛ ولأنه متهم فى الشراء من نفسه.

ولو أمره الموكل بذلك لا يصح، لما ذكرنا وكذلك لو اشترى من ولده الصغير؛ لأن ذلك شراء من نفسه(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع،ج٦،ص ٣١،كتاب الوكالة،فصل فى بيان حكم التوكيل)

[1] (والأضحية بزمان الحاجة) متعلق بيتقيد :أى يتقيد التوكيل بشراء هذه الأمور بزمان الحاجة فيتقيد التوكيل بشراء الفحم بأيام البرد، وبشراء الجمد بأيام الصيف، وبشراء الأضحية بأيام النحر أو قبلها، كل ذلك من تلك السنة، حتى لو اشترى ذلك فى السنة الثانية لم يلزم الآمر (فتح القدير،ج٨،ص٧٧،كتاب الوكالة،فصل فى الوكالة البيع)

[2] إن اشترى ثلاثة نفر ثلاث شياه ثم أشكل عليهم عند الذبح قال الشيخ الإمام هذا رحمه الله تعالى ينبغى أن يوكل كل واحد أصحابه بالذبح حتى لو ذبح شاة نفسه جاز *و لو ذبح عنه غيره بأمره جاز أيضا (فتاوى قاضى خان،كتاب الأضحية،ج٣ص ٢١٣)

ظاہری جسم وغیرہ میں یکساں تھے، پھر انہوں نے ان کو کسی ایک جگہ بند کر دیا، بعد میں ان میں سے ایک جانور مرا ہوا پایا گیا، جس کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہو پا رہا کہ وہ مرنے والا جانور کس کی ملکیت ہے، تو باقی ماندہ اِن تین جانوروں کو فروخت کر دیا جائے گا، اور ان کے عوض میں دوسرے چار جانور خریدے جائیں گے، پھر ہر ایک ان میں سے اپنے دوسرے ساتھی کو ان میں سے ہر ایک جانور کو ذبح کرنے کا وکیل بنا دے، اور گوشت کے استعمال کی بھی اجازت دے دے، اس طرح سب کی طرف سے قربانی ہو جائے گی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۳...... اگر دو آدمیوں نے غلطی سے ایک دوسرے کے قربانیوں کے جانوروں کو ذبح کر دیا، تو دونوں کی قربانیاں درست ہو جائیں گی، پھر بعد میں چاہئے کہ اپنے اپنے جانوروں کے گوشت کو لے لیں۔ [2]

---

[1] وفی مجموع النوازل أربعة نفر اشترى كل واحد منهم شاة ولبنها وسمنها واحد فحبسوها فی بيت فلما أصبحوا وجدوا واحدة منها ميتة ولا يدرى لمن هی، فإنها تباع هذه الأغنام جملة ويشترى بقيمتها أربع شياه لكل واحد منهم شاة، ثم يؤكل كل واحد منهم صاحبه بذبح كل واحدة منها ويحلل كل واحد منهم صاحبه لتجوز عن الأضحية اهـ(تكملة البحر الرائق للطورى، ج۸ص۲۰۳، كتاب الاضحية،أجرة الجزار هل تأخذ من الأضحية)

[2] (ولو)(غلط اثنان وذبح كل شاة صاحبه) يعنى عن نفسه على ما دل عليه قوله غلط أو لم يغلطا فيكون كل واحد وكيلا عن الآخر دلالة هداية قاله ابن الكمال، وظاهر كلام صدر الشريعة وغيره وقوعه عن صاحبه(الدر المختار)

قال -رحمه الله : -(ولو غلطا ، وذبح كل أضحية صاحبه صح ، ولا يضمنان) ، وهذا استحسان والقياس أن لا تجوز الأضحية ، ويضمن كل واحد منهما لصاحبه ، وهو قول زفر -رحمه الله -؛ لأنه متعد بالذبح بغير أمره فيضمن كما إذا ذبح شاة اشتراها القصاب ، والتضحية قربة فلا تتأدى بنية غيره .وجه الاستحسان أنها تعينت للذبح لتعينها للأضحية حتى وجب عليه أن يضحى بها بعينها فی أيام النحر ، ويكره أن يبدل بها غيرها فصار المالك مستعينا بمن يكون أهلا للذبح فصار مأذونا له دلالة ؛ لأنها تفوت بمضى هذه الأيام ، ويخاف أن يعجز عن إقامتها لعارض يعتريه فصار كما إذا ذبح شاة شد القصاب رجلها ، وكيف لا يأذن له ، وفيه مسارعة إلى الخير ، وتحقيق ما عينه ، ولا يبالی بفوات مباشرته وشهوده لحصول ما هو أعظم من ذلك ، وهو ما بيناه فيصير إذنا دلالة ، وهو كالصريح ، ومن هذا الجنس مسائل استحسانية لأصحابنا ذكرناها فی الإحرام عن الغير ثم إذا جاز ذلك عنهما يأخذ كل واحد منهما أضحيته إن كانت باقية ، ولا يضمنه ؛ لأنه وكيله فإن كان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۴...... اگر ایک شخص نے کسی دوسرے کی قربانی کا جانور اس کی اجازت کے بغیر اپنی طرف سے نیت کر کے قربانی کے دنوں میں ذبح کر دیا، تو اگر مالک نے ذبح کرنے والے پر اس کی قیمت کا ضمان وتاوان ڈالا، تو اس کی قربانی ذبح کرنے والے کی طرف سے واقع ہوگی، نہ کہ مالک کی طرف سے۔

اور اگر مالک نے ذبح کرنے والے پر اس کا ضمان وتاوان نہیں ڈالا، بلکہ مذبوحہ جانور کو حاصل کر لیا، تو پھر اس کی قربانی مالک کی طرف سے درست ہو جائے گی۔ [1]

اور اگر اُس دوسرے نے اس جانور کو اپنی طرف سے نیت کر کے ذبح نہیں کیا، یا مالک ہی کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كل واحد منهما أكل ما ذبحه يحلل كل واحد منهما صاحبه فيجزئه ؛ لأنه لو أطعمه الكل في الابتداء يجوز ، وإن كان غنيا فكذا له أن يحلله في الانتهاء ، وإن تشاحا كان لكل واحد منهما أن يضمن صاحبه قيمة لحمه ثم يتصدق بتلك القيمة ؛ لأنه بدل عن اللحم فصار كما لو باع أضحيته ، وهذا ؛ لأن التضحية لما وقعت عن المالك كان اللحم له(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج٦ ص ٢، كتاب الأضحية)

(ولو غلط اثنان فذبح كل شاة الآخر صح ولا ضمان) استحسانا ولا يصح قياسا ويضمن كل واحد منهما لصاحبه لما مر قبيله (ويتحالان) يعني يأخذ كل واحد منهما أضحيته إن كانت باقية ولا يضمنه؛ لأنه وكيله إن كانت مأكولة يحلل كل واحد منهما صاحبه ويجريهم؛ لأنه لو أطعمه الكل في الابتداء يجوز وإن كان غنيا فكذا له أن يحل له في الانتهاء (وإن تشاحا) أي تنازعا بأن أضحيتي أعظم وأسمن ولم يرضيا (ضمن كل) واحد منهما (صاحبه قيمة لحمه) ؛ لأن التضحية لما وقعت لصاحبه كان اللحم له ومن أتلف لحم أضحية غيره ضمنه (وتصدق بها) أي بتلك القيمة؛ لأنه بدل لحم الأضحية(مجمع الانهر ج٢ ص ٥٢٢، كتاب الاضحية)

[1] رجل ذبح أضحية غيره عن نفسه بغير أمره، فإن ضمنه المالك قيمتها يجوز عن الذابح دون المالك؛ لأنه ظهر أن الإراقة حصلت على ملكه، وإن أخذها مذبوحة تجزء عن المالك؛ لأنه قد نواها فليس يضره ذبح غيره لها، كذا في محيط السرخسي.(الفتاوى الهندية، ج٥، ص ٣٠٢، كتاب الأضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير وفي التضحية بشاة الغير عن نفسه)

قلت :وفي أوائل القاعدة الأولى من الأشباه :لو شراها بنية الأضحية فذبحها غيره بلا إذنه، فإن أخذها مذبوحة ولم يضمنه أجزأته، وإن ضمنه لا تجزئه، وهذا إذا ذبحها عن نفسه .أما إذا ذبحها عن مالكها فلا ضمان(الدر المختار مع شرحه ردالمحتار، ج٦ ص ٣٠٠، كتاب الاضحية)

لئے ذبح کیا، تو پھر یہ قربانی مالک کی طرف سے واقع ہوگی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۵...... اگر کسی شخص نے قصاب یا کسی دوسرے شخص کو اپنی قربانی ذبح کرنے کا کہا، اور ذبح کرنے والے نے اس جانور کو اپنی قربانی کی نیت سے ذبح کر دیا، تو اس جانور کی قربانی اصل مالک کی طرف سے واقع ہوگی، نہ کہ ذبح کرنے والے کی طرف سے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۲۶...... جس بڑے جانور میں چند لوگ شریک ہوں، تو قربانی کے موقع پر کسی ایک شریک کے بھی اس جانور کو ذبح کرنے سے سب کی قربانی درست ہو جائے گی۔ [3]

مسئلہ نمبر ۲۷...... اگر ایک شخص نے قربانی کے جانور کو (زبان سے منت مان کر، یا غریب نے قربانی کی نیت سے جانور خرید کر) متعین کر لیا تھا، اور پھر قربانی کرنے اور قربانی کے دن گزرنے سے پہلے وہ شخص فوت ہو گیا، تو اس کے وارثوں پر لازم ہوگا کہ وہ فوت شدہ شخص کی طرف سے اس جانور کو قربان کر دیں۔ [4]

---

[1] المسألة الخامسة :إذا ذبح أضحية غيره بغير أمره إن ذبح فى غير أيام التضحية لا يجوز ويضمن الذابح وإن كان الذبح فى أيام الأضحية يجوز ولا يضمن؛ لأن الإذن ثابت فى هذه المسائل دلالة والدلالة يجب اعتبارها ما لم يوجد الصريح بخلافه كذا فى الذخيرة(الفتاوىٰ الهندية، ج۵ص ۱۲۹، كتاب الغصب، الباب الثامن)

المسألة الخامسة :إذا ذبح أضحية غيره بغير إذنه؛ إذا ذبح بغير أيام الأضحية لا يجوز، ويضمن الذابح، وإن ذبح فى أيام الأضحية يجوز، ولا يضمن الذابح؛ لأن الإذن ثبت دلالة فى هذه المسائل، والدلالة يجب اعتبارها ما لم يوجد الصريح بخلاف هذه الجملة ذكرها الشيخ الإمام الأجل شيخ الإسلام رحمه الله فى باب ما لا يجزىء فى الأضحية(المحيط البرهانى ج۸ص ۲۲۱، كتاب الغصب،الفصل الثالث)

[2] رجل دعا قصابا ليضحى عنه فضحى القصاب عن نفسه فهى عن الآمر(فتاوى قاضى خان،ج ۳،ص ۲۱۳،كتاب الأضحية)

[3] وأى الشركاء فيها نحرها يوم النحر أجزأهم؛ لأن كل واحد يستعين بشركائه فى نحرها فى وقته دلالة فيجعل ذلک بمنزلة الأمر به إفصاحا(المبسوط ،لشمس الأئمة السرخسى،ج۴،ص ۱۴۵،كتاب المناسک)

وأى الشركاء نحرها يوم النحر أجزأ الكل(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج۳،ص ۷۶،كتاب الحج،باب الهدى)

[4] رجل اشترى أضحية ثم مات إن كان الميت أوجبها على نفسه بلسانه يجبر الورثة على أن يضحوا عنه(فتاوى قاضى خان،ج ۳،ص ۲۱۰،كتاب الأضحية)

مسئلہ نمبر ۲۸...... اگر قربانی کا جانور وکیل کے پاس ہلاک یا چوری ہوجائے، یا چھوٹ کر بھاگ جائے، یا عیب دار ہوجائے (مثلاً ٹانگ ٹوٹ جائے، یا آنکھ پھوٹ جائے)، تو اگر وکیل نے اس جانور کی حفاظت ونگرانی میں کوتاہی نہیں کی، تو وکیل پر کوئی تاوان نہیں آئے گا، اور اگر وکیل نے حفاظت ونگرانی میں کوتاہی کی، تو مالک کو وکیل سے اس کی قیمت کا تاوان حاصل کرنا جائز ہوگا، کیونکہ وکیل کے پاس موکل کا مال امانت ہوتا ہے۔[1]

(۲)......دوسرے کو قربانی کا ایصالِ ثواب کرنے کے احکام

جب کوئی شخص اپنے مال میں سے دوسرے (زندہ یا فوت شدہ مسلمان) کو ثواب پہنچانے (یعنی ایصالِ ثواب) کی نیت سے قربانی کرتا ہے، تو وہ قربانی دراصل قربانی کرنے والے کی طرف سے واقع ہوتی ہے، اور دوسرے کو صرف ثواب پہنچایا جاتا ہے، اسی لئے جن کو ثواب پہنچایا جائے، ان کی طرف سے قربانی کی اجازت ضروری نہیں ہے۔

اور اس صورت میں ایصالِ ثواب کرنے والا شخص ایک بکری یا بڑے جانور کے ساتویں حصہ کا جس طرح ایک شخص کو ثواب پہنچا سکتا ہے، اسی طرح ایک سے زیادہ افراد کو بھی ثواب

---

[1] الْمَالُ الَّذِى قَبَضَهُ الْوَكِيلُ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ وَإِيفَاءِ الدَّيْنِ وَاسْتِيفَائِهِ وَقَبْضِ الْعَيْنِ مِنْ جِهَةِ الْوَكَالَةِ فِي حُكْمِ الْوَدِيعَةِ فِي يَدِهِ فَإِذَا تَلِفَ بِلَا تَعَدٍّ وَلَا تَقْصِيرٍ لَا يَلْزَمُ الضَّمَانُ (درر الحكام فى شرح مجلة الأحكام لعلى حيدر، الْمَادَّةُ ۱۴۶۳، الْمَالُ الَّذِى قَبَضَهُ الْوَكِيلُ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ وَإِيفَاءِ الدَّيْنِ وَاسْتِيفَائِهِ) الْأَمَانَةُ غَيْرُ مَضْمُونَةٍ .يَعْنِى عَلَى تَقْدِيرِ هَلَاكِهَا أَوْ ضَيَاعِهَا بِدُونِ صُنْعِ الْأَمِينِ وَتَقْصِيرِهِ فَلَا يَلْزَمُ الضَّمَانُ فِي الْأَمَانَةِ قَاعِدَتَانِ .الْقَاعِدَةُ الْأُولَى :الْأَمَانَةُ مَضْمُونَةٌ عَلَى الْأَمِينِ وَحَيْثُ إنَّهُ يُفْهَمُ مِنْ هَذِهِ الْفِقْرَةِ أَنَّ الْأَمَانَةَ لَا تَكُونُ مَضْمُونَةً حَتَّى وَلَوْ هَلَكَتْ بِالتَّعَدِّى أَوْ التَّقْصِيرِ وَلِذَلِكَ فَسَّرَتْهُ الْمَجَلَّةُ كَمَا يَأْتِي لَكِنْ تَبَيَّنَ أَنَّ هَذَا الْإِطْلَاقَ غَيْرُ مَقْصُودٍ .يَعْنِى إذَا هَلَكَتْ الْأَمَانَةُ أَوْ فُقِدَتْ أَوْ طَرَأَ نُقْصَانٌ عَلَى قِيمَتِهَا فِي يَدِ الْأَمِينِ بِدُونِ صُنْعِهِ وَتَعَدِّيهِ وَتَقْصِيرِهِ فِي الْحِفْظِ لَا يَلْزَمُ الضَّمَانُ عَلَى الْأَمِينِ الْمَذْكُورِ .سَوَاءٌ أَهَلَكَتْ بِسَبَبٍ مُمْكِنِ التَّحَرُّزِ مِنْهُ كَالسَّرِقَةِ أَمْ بِسَبَبٍ غَيْرِ مُمْكِنِ التَّحَرُّزِ مِنْهُ كَالْحَرِيقِ الْغَالِبِ .وَسَوَاءٌ أَهَلَكَ مَالُ الْأَمِينِ مَعَ الْأَمَانَةِ الْمَذْكُورَةِ أَمْ لَمْ يَهْلِكْ وَسَوَاءٌ أَشُرِطَ الضَّمَانُ أَمْ لَمْ يُشْرَطْ رَاجِعْ شَرْحَ الْمَادَّةِ (درر الحكام فى شرح مجلة الأحكام لعلى حيدر، الْمَادَّةُ ۷۶۸، ج۲، ص۲۳۵، الْبَابُ الْأَوَّلُ :فِي بَيَانِ بَعْضِ الْأَحْكَامِ الْعُمُومِيَّةِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْأَمَانَاتِ)

الْوَكَالَةُ :الْمَالُ الَّذِى قَبَضَهُ الْوَكِيلُ وَالرَّسُولُ مِنْ جِهَةِ الْوَكَالَةِ وَمِنْ جِهَةِ الرِّسَالَةِ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِمَا (درر الحكام فى شرح مجلة الأحكام لعلى حيدر، الْمَادَّةُ ۷۶۸، ج۲، ص۲۳۶)

پہنچا سکتا ہے۔

لیکن ایک سے زیادہ افراد کا ایک بکری یا بڑے جانور کے ساتویں حصہ میں شریک ہو کر ایصالِ ثواب کرنا درست نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات پوری امت کی طرف سے یا بعض اوقات گھر کے کئی افراد کی طرف سے جو ایک قربانی فرمائی، وہ حنفیہ کے نزدیک ایصالِ ثواب والی نفلی قربانی تھی۔ [1]

---

[1] اور اگر قربانی کرنے والا دوسرے کا نائب بن کر (نہ کہ ایصالِ ثواب کی غرض سے) قربانی کر رہا ہو، تو اس صورت میں دوسرے کی طرف سے صراحتاً یا دلالتاً اجازتِ معتبرہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جن کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے، وہ ایک بکری یا بڑے جانور کے ساتویں حصہ میں ایک سے زیادہ افراد شریک نہ ہوں، جس کے بارے میں پہلے تفصیل ذکر کی جاچکی ہے، اس فرق کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔

قلت: التضحية عن الغير تحتمل وجهين: أحدهما: أن يكون المضحي هو الغير ويكون المباشر نائبا عنه، ومثل هذه التضحية لايجوز بشاة واحدة عن أكثر من واحد عند أبي حنيفة وأصحابه لما دل الدليل على أن الشاة الواحد لاتجزئ إلا عن واحد.والثاني: أن يكون المضحي هو المباشر ويشرك غيره في الثواب أو يهديه له، ومثل هذه التضحية لايمنعه أبوحنيفة وأصحابه، لا لواحد، ولا لأكثر، ومحمل الأحاديث هو الوجه الثاني لا الأول، إذ لو كان محملها المعنى الأول لجاز الشاة الواحدة عن جميع المسلمين، كما يدل عليه حديث أبي رافع أنه صلى الله عليه وسلم ضحى عن جميع أمته، وحديث جابر أنه صلى الله عليه وسلم ضحى عمن لم يضح من أمته، ولايقول به أحد حتى أحمد وإسحاق حيث خصوا الإجزاء بأهل البيت فقط. وحتى الشوكاني نفسه حيث قال: والحق أنها تجزئ عن أهل البيت، وإن كانوا مائة نفس، أو أكثر كما قضت به السنة اهـ.

فالأحاديث المذكورة حجة عليهم لا لهم وهي معاضدة لمذهب أبي حنيفة لا معارضة له. كما ظنه الشوكاني. وأيضاً لوجاز الشاة الواحدة عن أكثر من واحد لجاز البقرة والبعير عن أكثر من سبعة أو عشرة على اختلاف القولين في البعير، لان كلا منهما مشتمل على سبع شياه أو عشر شياه، فلما جاز الشاة الواحدة عن أكثر من واحد فلا بد أن تجوز البقرة عن أكثر من سبعة، والبعير عن أكثر من سبعة أو عشرة كما لايخفى، وحينئذ يبطل تحديد الشارع بالسبعة، أو العشرة فيهما لامحالة.

فالحق هو ماذهب إليه أبو حنيفة وأصحابه أنه لاتجوز الشاة الواحدة إلا عن واحد، وهو القياس، لأن الشاة أدنى ماتجوز به الأضحية، فلو اشترك فيه الاثنان أو الأكثر كان المضحي به عن كل واحد النصف أو الثلث أو الربع أو أقل من ذالك، فلايكون الشاة أدنى ماتجوز به الأضحية، ولم يكن لتخصيص أهل البيت معنى، إذ لما جاز التضحية بأقل من الشاة فأهل البيت الواحد والبيوت الكثيرة سواء (اعلاء السنن، جلد ۱۷، صفحه ۲۰۹، ۲۱۰، باب التضحية بالشاة وتشريك الغير في الثواب أو إيثاره له به)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سلسلہ میں پہلے چند احادیث وروایات ملاحظہ فرمائیں، جن کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ قربانی کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب سے متعلق چند مسائل ذکر کئے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن ہشام سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

وَكَانَ يُضَحِّي بِالشَّاةِ الْوَاحِدَةِ عَنْ جَمِيعِ أَهْلِهِ (بخاری) [1]

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بکری کی اپنے سب گھر والوں کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اس کا حنفیہ کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بکری کے ثواب میں اپنے سب گھر والوں کو شریک فرمایا کرتے تھے۔

یہ مطلب نہیں کہ ایک بکری کی ایک سے زیادہ افراد کی طرف سے واجب قربانی کیا کرتے تھے، کیونکہ ایک بکری میں ایک فرد کی طرف سے ہی اصل قربانی کا واقع ہونا مروی ہے۔ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ضَحّٰى اِشْتَرٰى كَبْشَيْنِ عَظِيْمَيْنِ، سَمِيْنَيْنِ أَقْرَنَيْنِ ، أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْئَيْنِ قَالَ: فَيَذْبَحُ أَحَدَهُمَا عَنْ أُمَّتِهِ مِمَّنْ أَقَرَّ بِالتَّوْحِيْدِ، وَشَهِدَ لَهُ بِالْبَلَاغِ، وَيَذْبَحُ الْآخَرَ عَنْ مُحَمَّدٍ، وَآلِ مُحَمَّدٍ (مسند احمد) [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وبالجملة فابوحنيفة ومن وافقه انما يقولون بعدم وقوع شاة عن اثنين فصاعدا ولايقولون بعدم جواز هبة ثوابها لاكثر من واحد، فقول الشوكاني: والحديثان يردان عليهم رد عليه، لان الحديث انما يدل على هبة ثوابها لاكثر من واحد على وقوعها من اثنين فصاعدا، فافهم (اعلاء السنن ج۱۷ ص ۲۱۱، باب التضحية بالشاة وتشريك الغير فى الثواب أو إيثاره له به)

[1] رقم الحديث ۷۲۱۰، كتاب الاحكام، باب بيعة الصغير، دارطوق النجاة، بيروت.

[2] قلت :هذا لا يدل على وقوعه من الجماعة، بل معناه أنه كان يضحى ويجعل ثوابه هبة لأهل بيته كما ذكرناه آنفا(البناية شرح الهداية، ج۱۲ ص ۱۶ ، كتاب الأضحية)

[3] رقم الحديث ۲۵۸۴۳، مؤسسة الرسالة، بيروت ،واللفظ لهٗ،سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۳۱۲۲. فى حاشية مسند احمد:صحيح لغيره.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کا ارادہ فرماتے تو آپ بڑے موٹے تازے سینگوں اور سفید وسیاہ بالوں والے دوخصی مینڈھے خریدتے، اُن دونوں میں سے ایک کی اپنے ان امتیوں کی طرف سے جو اللہ کی وحدانیت اور آپ کی تبلیغ کی شہادت دیں، اور دوسرے کی محمد اور آلِ محمد کی طرف سے قربانی کرتے (ترجمہ ختم)

اورحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحَرَ عَنْ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بَقَرَةً وَّاحِدَةً (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ایک گائے آلِ محمد کی طرف سے ذبح فرمائی (ترجمہ ختم)

ظاہر ہے کہ آپ کے امتیوں میں بعض لوگ وہ بھی تو تھے، جو فوت ہوگئے تھے، اس لئے امت کی طرف سے یہ قربانی ایصالِ ثواب کے طور پر تھی، اور ضروری نہیں کہ آپ خود صاحبِ نصاب ہوں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَضْحٰى بِالْمُصَلّٰى، فَلَمَّا قَضٰى خُطْبَتَهٗ نَزَلَ مِنْ مِنْبَرِهٖ وَأُتِيَ بِكَبْشٍ فَذَبَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ، وَقَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، هٰذَا عَنِّيْ، وَعَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِيْ (ابوداؤد) [2]

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدُ الاضحیٰ کے دن عیدُ الاضحیٰ کی

---

[1] رقم الحديث ۳۱۳۵، كتاب الاضاحى، باب عن، كم تجزء البدنة والبقرة، دار إحياء الكتب العربية، القاهرة.

[2] رقم الحديث ۲۸۱۰، كتاب الضحايا، باب فى الشاة يضحى بها عن جماعة، المكتبة العصرية، بيروت.

نماز میں عیدگاہ میں حاضر ہوا، جب آپ نے اپنا خطبہ مکمل فرمادیا، تو منبر سے نیچے اترے، اور ایک مینڈھے کو لایا گیا، پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا، اور فرمایا کہ بسم اللہ واللہ اکبر، یہ میری طرف سے ہے، اور ان لوگوں کی طرف سے ہے، جنہوں نے میری امت میں سے قربانی نہیں کی (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ الرَّجُلُ فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يُضَحِّيْ بِالشَّاةِ عَنْهُ، وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ، فَيَأْكُلُوْنَ وَيُطْعِمُوْنَ (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آدمی ایک بکری کی اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربانی کیا کرتا تھا، پھر وہ خود بھی اس کا گوشت کھاتے تھے، اور دوسروں کو بھی کھلاتے تھے (ترجمہ ختم)

یہ قربانی یا تو نفلی ہوتی تھی، جس میں دوسروں کو صرف ثواب میں شریک کیا جاتا تھا۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٣١٤٧، كتاب الاضاحى، باب من ضحى بشاة، عن أهله، دار إحياء الكتب العربية، القاهرة.

[2] قال محمد : كان الرجل يكون محتاجا فيذبح الشاة الواحدة يضحى بها عن نفسه فيأكل ويطعم أهله فأما شاة واحدة تذبح عن اثنين أو ثلاثة أضحية فهذا لا يجزء ولا يجوز شاة إلا عن الواحد . وهو قول أبى حنيفة والعامة من فقهائنا (مؤطا امام محمد ، تحت رقم الحديث ٦٣٧، كتاب الضحايا، باب مايجزئ من الضحايا عن اكثر من واحد)

قوله : كان الرجل ...إلخ، لمّا كان أثر أبى أيّوب دالاًّ على أن الشاة الواحدة تجزء عن الرجل وأهل بيته أوّله إلى أنه محمول على ما إذا كان الرجل محتاجاً إلى اللحم أو فقيراً لا يجب عليه الأضحية فيذبح الشاة الواحدة عن نفسه، ويُطعم اللحم أهل بيته أو يُشْرِكهم فى الثواب، فذلک جائز، فأما الاشتراک فى الشاة الواحدة فى الأضحية الواجبة فلا، فإن الاشتراک خلاف القياس وإنما جُوِّز فى البقر والإِبل لورود النص من طرق متكثرة أنهم اشتركوا فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فى البقرة والإِبل ولا نص فى الشاة فيبقى على الأصل، وأما ما أخرجه الحاكم عن أبى عقيل زهرة بن سعيد عن جده عبد الله بن هشام وكان قد أدرک النبى صلى الله عليه وسلم وذهبت به أمه زينب بنت حميد إليه، وهو صغير فمسح رأسه ودعا له، قال : كان رسول الله يُضَحِّى بالشاة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یا گھر کے سربراہ کے صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے وہ اپنی طرف سے قربانی کیا کرتا تھا، اور گھر کے دوسرے افراد صاحبِ نصاب نہیں ہوتے تھے۔ [۱]

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی روایت میں ہے کہ:

ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ إِنَّ هٰذَا عَنْ أُمَّتِيْ جَمِيْعًا مِمَّنْ شَهِدَ لَکَ بِالتَّوْحِيْدِ وَشَهِدَ لِيْ بِالْبَلَاغِ ثُمَّ يُؤْتٰى بِالْآخَرِ فَيَذْبَحُهٗ بِنَفْسِهٖ وَيَقُوْلُ هٰذَا عَنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ فَيُطْعِمُهُمَا جَمِيْعًا الْمَسَاكِيْنَ وَيَأْكُلُ هُوَ وَأَهْلُهٗ مِنْهُمَا (مسند احمد، رقم الحديث ۲۷۱۹۰، مؤسسة الرسالة، بيروت)

ترجمہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مینڈھے کو ذبح فرما کر) کہتے: اے اللہ! یہ میری پوری اُمت کے اُن افراد کی طرف سے ہے، جو آپ کی وحدانیت اور میری تبلیغِ رسالت کی گواہی دیں، پھر دوسرے مینڈھے کو لایا جاتا، تو اُس کو اپنی طرف سے ذبح فرماتے، اور یوں کہتے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہے، پھر اُن دونوں کے گوشت کو غریبوں کو

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الواحدة عن جميع أهله، قال الحاكم: صحيح الإسناد، فلا يدلّ على وقوعه عن الجماعة، بل معناه أنه كان يُضَحّي ويجعل ثوابها هبة لأهل بيته، وهذا كما ورد أنه ضحى كَبْشاً عن أمته. وبهذه الأخبار ذهب مالک وأحمد والليث والأَوْزاعي إلى جواز الشاة عن أكثر من واحد، كذا ذكره العيني في "البناية شرح الهداية." (قوله أُضْحِيَةٌ فَهَذَا لا يُجْزِءُ) أي في الأضحية الواجبة (التعليق الممجد على موطأ محمد، لعبد الحي اللكنوي الهندي، حواله بالا)

[۱] لانقول بوجوب الاضحية على الموسر عن اولادهم ولا عن زوجتهم، وانما عليه ان يضحى عن نفسه، وهذا مراد ابى ايوب وابى سريحة ان الاغنياء المياسير لم يكونوا يضحون عن اولادهم الصغار ولا عن اهل بيتهم حت تباهى الناس، ولاجل ذلک قال ابوسريحة كان اهل البيت يضحون بالشاة والشاتين، ولو كان ذلک للاشتراک لم يكن حاجة الىٰ ازيد من شاة اصلا، ولكن اليسار انما كان لقيم البيت ولايكون لاهل البيت الا قيم واحد او اثنان غالبا، فلاجل ذلک كان اهل البيت يضحون بالشاة والشاتين ولم يكونوا يضحون عن الصغار ولا عن الكبار الفقراء حتى تباهوا بذلک، فلادليل فيه على اجزاء الشاة عن اهل البيت كلهم اذا كانوا اغنياء فافهم (اعلاء السنن ج۱۷ ص ۲۱۱، كتاب الاضاحى، باب التضحية بالشاة وتشريک الغير فى الثواب او ايثاره له به)

کھلاتے، اور خود بھی کھاتے اور آپ کے گھر والے بھی ان دونوں کے گوشت کو تناول فرماتے (ترجمہ ختم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو قربانی ایصالِ ثواب کے لیے کی جاتی ہے، اُس کا گوشت خود کھانا بھی جائز ہے۔

اور جس قربانی میں دوسرے کو ثواب پہنچانا مقصود ہوتا ہے، وہ کئی افراد کی نیت کر کے بھی جائز ہے۔ [1]

فقہائے احناف کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابۂ کرام کے ایک بکری یا مینڈھے کو ایک سے زیادہ افراد کی طرف سے ذبح کرنے کا یہ عمل ایصالِ ثواب کی غرض سے تھا، جس میں قربانی تو تنہا ذبح کرنے والے کی طرف سے ہی ہوتی ہے، اور دوسرے لوگوں کو اس کے صرف ثواب میں شریک کیا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] انه عليه الصلاة والسلام انما فعل ذالک لاجل الثواب وهو انه جعل ثواب تضحيته بشاة واحدة لأمته لا للاجزاء وسقوط التعبد عنهم (بذل المجهود ج۵ص ۷۶، كتاب الضحايا، باب فى الشاة يضحى بها عن جماعة)

[2] وأما ما روى أنه صلى الله عليه وسلم ضحى بشاة عن أمته فإنما كانت تطوعا(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج۱۰، ص۲۶، كتاب الحج)

ومن الادلة الدالة على وصول ثواب العبادة المالية حديث جابر رضى الله عنه قال: (صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم عيدالاضحىٰ ،فلما انصرف اتى بكبش فذبحه ، فقال عليه الصلاة والسلام :بسم الله والله اكبر ، اللهم هذا عنى وعمن لم يضح من امتى)رواه ابوداؤد والترمذى، وحديث الكبشين اللذين قال عليه الصلاة والسلام فى احدهما (اللهم هذا عن امتى جميعا)وفى الآخر (اللهم هذا عن محمد وآل محمد)رواه احمد ، والقربة فى الاضحية اراقة الدم وقد جعلها لغيره (شرح ملا على القارى على الفقه الاكبر ص ۱۳۱)

وهذا يصح على مذهب من لم يوجب الاضحية وهم اكثر العلماء ويدخل حينئذ من لم يضح ذالک العام من امته فى ثواب تلک الاضحية، وكذالک سائر اهل بيت الرجل يشركهم فى ثوابها وان لم يكونوا يملكون شيئا منها (الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الامصار، ج۵ص ۲۱۶)

وفى رواية عمن لم يضح من أمتى محمول لنص البويطى على أن من نواها عنه وعن أهل بيته أجزأه على الشركة فى الثواب لا الاضحية لاستحالة وقوعها عن كلهم عن كل جزء من شاة ولا أحسب فيه خلافاً اهـ.وبما قدمته علم أن معنى نفى الإجزاء عدم حصول ذالک الثواب المخصوص

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لٰہذا ان احادیث وروایات سے یہ سمجھنا درست نہیں کہ ایک بکری یا مینڈھے میں ایک سے زیادہ افراد اصل واجب قربانی میں شریک ہوسکتے ہیں، یعنی ایک بکری میں ایک سے زیادہ افراد کا واجب ادا ہوسکتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(حاشية ابن قاسم العبادى على تحفة المحتاج فى شرح المنهاج، ج ۹ ص ۳۴۵، كتاب الاضحية)
وأما تفريق من فرق بين العبادات المالية والبدنية -فقد شرع النبى صلى الله عليه وسلم الصوم عن الميت، كما تقدم، مع أن الصوم لا تجزى فيه النيابة، (وكذلك)حديث جابر رضى الله عنه، قال: صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم عيد الأضحى، فلما انصرف أتى بكبش فذبحه، فقال: "بسم الله والله أكبر، اللهم هذا عنى وعمن لم يضح من أمتى ، رواه أحمد وأبو داود والترمذى، وحديث الكبشين اللذين قال فى أحدهما :اللهم هذا عن أمتى جميعا ، وفى الآخر :اللهم هذا عن محمد وآل محمد "، رواه أحمد .والقربة فى الأضحية إراقة الدم، وقد جعلها لغيره (شرح العقيدة الطحاوية لابن ابى العز ، ص ۴۶۳، ۴۶۴)
وقد حمل جماعة الحديث المذكور على الاشتراك فى الثواب وممن ذكر هذا صاحب العدة والشيخ ابراهيم المروروذى (المجموع شرح المهذب، ج ۸ ص ۳۸۴،باب الاضحية)
قال فى غنية الالمعى مامحصله:ان قول من رخص فى التضحية عن الميت مطابق للادلة ولا دليل لمن منعها، وقد ثبت انه صلى الله عليه وسلم كان يضحى كبشين احدهما عن امته ممن شهد له بالتوحيد وشهد له بالبلاغ والآخر عن نفسه واهل بيته، ومعلوم ان كثيرا منهم قد كانوا ماتوا فى عهده صلى الله عليه وسلم، فدخل فى اضحيته صلى الله عليه وسلم الاحياء والاموات كلهم، والكبش الواحد الذى يضحى به عن ا متہ كما كان للاحياء من امته ، كذالك كان للاموات من امته بلاتفرقة، ولم يثبت ان النبى صلى الله عليه وسلم كان يتصدق بذالك الكبش كله ولا يأكل منه شيئا بل قال ابورافع:إن رسول الله صلى الله عليه وسلم يطعمها جميعاالمساكين ويأكل هو واهله منهما، رواه احمد، وكان دأبه صلى الله عليه وسلم انه ياكل من الاضحية هو واهله ويطعم منها المساكين وامر بذالك امته، ولم يحفظ عنه خلافه، فاذا ضحى الرجل عن نفسه وعن بعض امواته او عن نفسه وعن اهله وعن بعض امواته، فيجوز ان يأكل هو وأهله من تلك الاضحية، وليس عليه ان يتصدق بها كلها (تحفة الاحوذى ، ج۵ ص ۶۲، كتاب الاضاحى عن رسول اللهﷺ صلى الله عليه وسلم،باب ماجآء فى الاضحية عن الميت)

[1] وأما قدره فلا يجوز الشاة والمعز إلا عن واحد وإن كانت عظيمة سمينة تساوى شاتين مما يجوز أن يضحى بهما؛ لأن القياس فى الإبل والبقر أن لا يجوز فيهما الاشتراك؛ لأن القربة فى هذا الباب إراقة الدم وأنها لا تحتمل التجزئة؛ لأنها ذبح واحد وإنما عرفنا جواز ذلك بالخبر فبقى الأمر فى الغنم على أصل القياس.
فإن قيل :أليس أنه روى أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -ضحى بكبشين أملحين أحدهما عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت میں آتا ہے کہ:

أَنَّهُ كَانَ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ اَحَدَهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْآخَرَ عَنْ نَفْسِهِ فَقِيلَ لَهُ فَقَالَ أَمَرَنِيْ بِهٖ يَعْنِيُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا أَدَعُهُ أَبَداً (ترمذی) [1]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے، ایک کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، اور دوسرے کی اپنی طرف سے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا؟ تو اُنہوں نے فرمایا کہ: مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم فرمایا تھا، اس لیے میں کبھی اس کو نہیں چھوڑتا (ترجمہ ختم)

امام حاکم اور علامہ ذہبی رحمہما اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نفسه والآخر عمن لا يذبح من أمته فكيف ضحى بشاة واحدة عن أمته؟ -عليه الصلاة والسلام-. (فالجواب) أنه -عليه الصلاة والسلام- إنما فعل ذلك لأجل الثواب؛ وهو أنه جعل ثواب تضحيته بشاة واحدة لأمته لا للإجزاء وسقوط التعبد عنهم ولا يجوز بعير واحد ولا بقرة واحدة عن أكثر من سبعة ويجوز ذلك عن سبعة أو أقل من ذلك، وهذا قول عامة العلماء .

وقال مالك -رحمه الله-: يجزى ذلك عن أهل بيت واحد -وإن زادوا على سبعة- ولا يجزى عن أهل بيتين -وإن كانوا أقل من سبعة- والصحيح قول العامة؛ لما روى عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- البدنة تجزى عن سبعة والبقرة تجزى عن سبعة وعن جابر -رضى الله عنه- قال: نحرنا مع رسول الله -صلى الله عليه وسلم- البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة من غير فصل بين أهل بيت وبيتين ولأن القياس يأبى جوازها عن أكثر من واحد لما ذكرنا أن القربة في الذبح وأنه فعل واحد لا يتجزأ؛ لكننا تركنا القياس بالخبر المقتضي للجواز عن سبعة(بدائع الصنائع ، ج۵ص ۷۰، كتاب التضحية، فصل وأما محل إقامة الواجب)

[1] رقم الحديث ۱۴۹۵، ابواب الاضاحى، باب ماجاء فى الاضحية عن الميت، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر، واللفظ لهٗ ، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۷۵۵۶.

[2] قال أبوعيسى: هذا حديث غريب لانعرفه إلا من حديث شريك وقد رخص بعض أهل العلم أن يضحى عن الميت ولم ير بعضهم أن يضحى عنه .

وقال الحاكم: "هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ، وَأَبُو الْحَسْنَاءِ هَذَا هُوَ :الْحَسَنُ بْنُ الْحَكَمِ النَّخَعِيُّ"

وقال الذهبى فى التلخيص:صحيح

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قربانی کرنے کا یہ عمل ایصالِ ثواب کی غرض سے تھا۔ [1]

احادیث وروایات کے بعد اب ایصالِ ثواب والی قربانی سے متعلق چند مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر۱...... اپنی طرف سے اور اپنے مال میں سے جو قربانی دوسرے (زندہ یا فوت شدہ) کے لئے نفلی طور پر اُس کو ثواب پہنچانے کے لئے تبرعاً کی جاتی ہے، وہ دراصل ایصالِ ثواب کی قربانی کہلاتی ہے، جو ذبح کرنے والے کی ملکیت ہوتی ہے، اور دوسرے کو ثواب پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔

اور ایصالِ ثواب زندہ اور فوت شدہ مسلمان کو کرنا جائز ہے۔ [2]

---

[1] اور اس حدیث کی سند پر بعض حضرات نے جو مختلف اعتراضات کر کے اس کو غیر ثابت قرار دینے کی کوشش کی ہے، وہ درست نہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ہماری کتاب "صدقۂ جاریہ وایصالِ ثواب کے فضائل واحکام")

[2] لأن التضحية عن الغير عرفت قربة ؛ لأنه -صلى الله عليه وسلم- ضحى عن أمته(تبيين الحقائق، ج۶ ص۸، كتاب الاضحية)

و لو ضحى عن ميت من مال نفسه بغير أمر الميت جاز و له أن يتناول منه و لا يلزمه أن يتصدق به لأنها لم تصر ملكا للميت بل الذبح حصل على ملكه و لهذا لو كان على الذابح أضحية سقطت عنه.و إن ضحى عن ميت من مال الميت بأمر الميت يلزمه التصدق بلحمه و لا يتناول منه لأن الأضحية تقع عن الميت(فتاوى قاضى خان، ج ۳،ص ۲۱۰،كتاب الأضحية)

امدادالفتاویٰ میں ہے کہ:

جو قربانی دوسرے کی طرف سے تبرعاً کی جاوے چونکہ وہ ملک ذابح کی ہوتی ہے اور صرف اس دوسرے کو ثواب پہنچتا ہے، اس لئے ایک حصہ کئی کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ مسلم میں ہے کہ اپنی طرف سے ایک حصہ قربانی کر کے متعدد کو ثواب پہنچانا جائز ہے۔ بس یہ بھی ویسا ہی ہے............ اور اسی وقوع الذبح عن الذابح وحصول الثواب للغیر کی فرع یہ ہے کہ اس تضحیۂ نافلہ عن الحی تبرعاً میں اس حی کے اذن کی ضرورت نہیں۔ میں (پہلے) اس کی ضرورت بھی بتلاتا تھا، اس سے بھی رجوع کرتا ہوں، بخلاف زکاۃ وصدقاتِ واجبہ وتضحیۂ واجبہ کے، کہ اس میں اذن غیر کا شرط ہے (امدادالفتاویٰ ج۳ ص۵۷۳ و۵۷۴، ملخصاً)

اور ایک مقام پر ہے کہ:

اگر دوسرے کی طرف سے تبرّعاً تطوعاً بلا اذن کے قربانی کی جائے، تو وہ مطلقاً درست ہے، خواہ اس کی طرف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات کے نزدیک اپنی واجب قربانی کا بھی ایصالِ ثواب جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سے قربانی کی عادت ہو یا نہ ہو، اوراس کو عادت کی اطلاع ہو یا نہ ہو؛ کیونکہ تبرعاً عن الغیر میں قربانی ذابح کی ملک پر ہوتی ہے، دوسرے کو محض ثواب پہنچتا ہے، قربانی اس کی ملک پر نہیں ہوتی؛ **والحی والمیت فی ذالک سواء. واللہ تعالیٰ اعلم.** کتبہٗ: ظفر احمد عفاعنہ بامر سیدہ حکیم الامت دام مجدہم۔ ۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ (امداد الفتاویٰ، جلد سوم، صفحہ ۶۱۰، کتاب الذبائح والاضحیۃ، درذیل عنوان: اضحیۂ نفل غیر کی جانب سے جائز ہے)

[1] نیز ایک قول کی رُو سے ایصالِ ثواب کے لئے عمل کے بعد ایصالِ ثواب کرنا ضروری نہیں، بلکہ عمل کے وقت دوسرے کو ایصالِ ثواب کی نیت ہونے کی صورت میں بھی ایصالِ ثواب ہوجاتا ہے، بلکہ بعض کے نزدیک ایصالِ ثواب کے لئے پہلے نیت کرنا ضروری ہے، پس جو واجب قربانی دوسرے کی طرف سے اس طرح کی جائے، کہ اس میں کرنے والا دوسرے کا وکیل نہ ہو، مثلاً دوسرے کے امر کے بغیر قربانی کرے، یا دوسرے کے امر واذن سے کرے، مگر وہ امر واذن شریعت کی نظر میں معتبر نہ ہو، تو دوسرے کی طرف سے یہ نیت غیر معتبر سمجھی جائے گی، اور یہ قربانی ذابح و مالک کی طرف سے واقع ہوگی، اور مذکورہ قول کی رُو سے دوسرے کو اس کا ثواب پہنچ جائے گا۔

وأما عندنا فالواصل إليه نفس الثواب .وفي البحر :من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع، ثم قال: وبهذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أو حيا .والظاهر أنه لا فرق بين أن ينوي به عند الفعل للغير أو يفعله لنفسه ثم بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره، لإطلاق كلامهم، وأنه لا فرق بين الفرض والنفل .اهـ .وفي جامع الفتاوى :وقيل :لا يجوز في الفرائض اهـ.(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص ۲۴۳ ،باب صلاة الجنازة)

فإن من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع وبهذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أو حيا والظاهر أنه لا فرق بين أن ينوي به عند الفعل للغير أو يفعله لنفسه ثم بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره لإطلاق كلامه .ولم أر حكم من أخذ شيئا من الدنيا ليجعل شيئا من عبادته للمعطي وينبغي أن لا يصح ذلك وظاهر إطلاقهم يقتضي أنه لا فرق بين الفرض والنفل فإذا صلى فريضة وجعل ثوابها لغيره فإنه يصح لكن لا يعود الفرض في ذمته؛ لأن عدم الثواب لا يستلزم عدم السقوط عن ذمته، ولم أر منقولا (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۳، ص ۶۴، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

(قوله :والظاهر أنه لا فرق إلخ) أقول :ذكر هذه المسألة الحافظ ابن قيم الجوزية الحنبلي في كتاب الروح وذكر فيها خلافا عندهم، وقال :هذه المسألة غير منصوصة عن الإمام أحمد والمتقدمين من أصحابه، وإنما اشترط ذلك المتأخرون كالقاضي، وأتباعه فقيل إن نواه حال فعله أو قبله وصل إليه، وإلا فلا؛ لأنه لو لم ينوه، وقع الثواب للعامل فلا يقبل انتقاله عنه إلى غيره ولهذا لو أدى دينا عن نفسه ثم أراد بعد الأداء أن يجعله عن غيره لم يكن له ذلك، وكذا لو حج أو صام أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... ایصالِ ثواب کے لئے نفلی قربانی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی استاذ یا والدین یا کسی بھی فوت شدہ یا زندہ رشتہ دار واجنبی مسلمان کی طرف سے ان کو ثواب پہنچانے کے لئے کرنا درست ہے۔ ۱؎

یہ بھی جائز ہے کہ ایک شخص پورے ایک چھوٹے جانور کا ثواب ایک یا کئی لوگوں کو پہنچائے، اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک بڑے جانور کے ساتویں حصے کی قربانی کا ثواب ایک یا کئی لوگوں کو پہنچائے۔ البتہ ایک چھوٹے جانور یا ایک بڑے جانور کے ساتویں حصہ میں ایک سے زیادہ افراد شریک ہو کر ایصالِ ثواب کریں تو یہ جائز نہیں۔ ۲؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾صلی لنفسه ويؤيد هذا أن الذين سألوا النبي -صلى الله عليه وسلم -عن ذلک لم يسألوه عن ثواب إهداء العمل بعده بل عما يفعلونه عن الميت كما قال سعد أينفعها إن تصدقت عنها، ولم يقل أن أهدى لها ثواب ما تصدقت به عن نفسي، وكذا قول المرأة الأخرى أفأحج عنها، وقول الرجل الآخر أفأحج عن أبي، ولا يعرف عن أحد من الصحابة أنه قال :اللهم اجعل ثواب ما عملته لنفسي أو ثواب عملي المتقدم لفلان فهذا سر الاشتراط، وهو أفقه، ومن لم يشترط ذلک يقول الثواب للعامل فإذا تبرع به، وأهداه إلى غيره كان بمنزلة ما يهديه إليه من ماله، وعلى الأول لا يصح إهداء الثواب الواجب على العامل .وأما على الثاني فقيل يجوز ويجزء فاعله، وقد نقل عن جماعة أنهم جعلوا ثواب أعمالهم من فرض ونفل للمسلمين، وقالوا نلقى الله تعالى بالفقر والإفلاس المجرد، والشريعة لا تمنع من ذلک .اهـ .ملخصا(منحة الخالق على هامش البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۳، ص ۶۴، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

۱؎ الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو غيرها عند أهل السنة والجماعة لما روى عن النبي عليه الصلاة والسلام أنه ضحى بكبشين أملحين أحدهما عن نفسه والآخر عن أمته ممن أقر بوحدانية الله تعالى وشهد له بالبلاغ جعل تضحية إحدى الشاتين لأمته(الهداية شرح بداية المبتدى، ج ۱، ص ۱۸۳، باب الحج عن الغير)

قلت :وقول علمائنا له أن يجعل ثواب عمله لغيره يدخل فيه النبي -صلى الله عليه وسلم -فإنه أحق بذلک حيث أنقذنا من الضلالة، ففي ذلک نوع شكر وإسداء جميل له، والكامل قابل لزيادة الكمال. وما استدل به بعض المانعين من أنه تحصيل الحاصل لأن جميع أعمال أمته في ميزانه. يجاب عنه بأنه لا مانع من ذلک، فإن الله -تعالى -أخبرنا بأنه صلى عليه ثم أمرنا بالصلاة عليه، بأن نقول :اللهم صل على محمد، والله أعلم(رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص ۲۴۴، باب صلاة الجنازة)

۲؎ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قربانی ذابح کی ملکیت ہے، اور ملکیت میں اشتراک جائز نہیں، بخلاف پہلی صورت کے کہ وہ ثواب میں اشتراک ہے، اور وہ جائز ہے، کیونکہ اسی طرح کا اشتراک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری امت کے لئے ثابت ہے، جس میں اضحیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھی، ملکیت میں اشتراک نہیں تھا، صرف ثواب میں اشتراک تھا۔

اور اگر بڑے جانور میں سات سے کم افراد شریک ہوں، اور کسی شریک کا بھی حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو، تو باقیماندہ ساتویں حصہ میں سب یا بعض شرکاء کا ایصالِ ثواب کی نیت کرنا خلافِ احتیاط ہے، جس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(تفصیل کے لئے ہمارا رسالہ ''حصول الخیر بالتضحیۃ عن الغیر'' یعنی ''غیر کی طرف سے قربانی کی تحقیق'' ملاحظہ فرمائیں)

مسئلہ نمبر۳...... جب کوئی شخص بطورِ خود کسی کو ثواب پہنچانے کے لئے قربانی کرے، یا کسی فوت شدہ کی وصیت کے مطابق اپنے مال میں سے قربانی کرے (خواہ الگ جانور کرے، یا بڑے جانور میں کوئی حصہ لے) تو اس کے گوشت کا حکم عام قربانی کی طرح ہے، کیونکہ یہ قربانی کرنے والے کی طرف سے نفلی قربانی ہے، اور اس کا ثواب دوسرے کے لئے ہے۔

البتہ اگر کسی نے فوت ہونے سے پہلے اپنے مال میں سے قربانی کرنے کی وصیت کی ہو، اور اس کی وصیت کے مطابق اس کے ترکہ کے مال میں سے قربانی کی جائے (خواہ الگ جانور قربان کرکے، یا بڑے جانور میں کوئی حصہ لے کر) تو پھر اس (جانور یا اس کے حصہ) کا پورا گوشت صدقہ کرنا چاہیے۔ [1]

مسئلہ نمبر۴...... اگر کوئی شخص اپنے مسلم فوت شدہ والدین یا کسی اور کی طرف سے ان کے حکم کے بغیر ایصالِ ثواب کی غرض سے قربانی کرے، اور پھر اس قربانی کے گوشت کو صدقہ بھی

---

[1] من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع فى أضحية نفسه من التصدق والأكل والأجر للميت والملک للذابح .قال الصدر :والمختار أنه إن بأمر الميت لا يأكل منها وإلا يأكل بزازية، وسيذكره فى النظم (ردالمحتار، ج٦ ص ٣٢٦، كتاب الاضحية)

سبعة نحروا ناقة عن سبعة و أحد الشركاء وارث ميت يذبح عن مورثه قال محمد رحمه الله تعالى الستة يأكلون أنصباء هم من اللحم و يتصدق بنصيب الميت و لا يأكله الوارث *قال رضى الله عنه هذا إذا كان الوارث ضحى من مال الميت بأمر الميت......و ذكر الزعفرانى رحمه الله تعالى إن أمرهم الميت أن يضحى عن الميت ففعل الوارث يقع عن الوارث نفلا و للميت أجر الذبح إن فعل الوارث بمال نفسه و يكون هو بمنزلة ما لو نوى واحد من الشركاء السبعة بنصيبه التطوع...... و لو ضحى عن ميت من مال نفسه بغير أمر الميت جاز و له أن يتناول منه و لا يلزمه أن يتصدق به لأنها لم تصر ملكا للميت بل الذبح حصل على ملكه و لهذا لو كان على الذابح أضحية سقطت عنه.و إن ضحى عن ميت من مال الميت بأمر الميت يلزمه التصدق بلحمه و لا يتناول منه لأن الأضحية تقع عن الميت(فتاوى قاضى خان، ج ٣،ص ٢١٠، كتاب الأضحية)

کردے، تو اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اور اس صورت میں ایصالِ ثواب قربانی کے ساتھ ساتھ صدقہ کی شکل میں بھی معتبر ہوجائے گا۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۵...... مسلِم میت کے لئے ایصالِ ثواب کے طور پر قربانی کرنا افضل ہے، یا اتنی رقم کا صدقہ کر کے میت کو ایصالِ ثواب کرنا افضل ہے؟ اس بارے میں اہلِ علم کے دونوں اقوال ہیں۔

اور اگر ضرورت مند اور غریب زیادہ ہوں، تو ان کو صدقہ کرنا افضل ہوگا۔ [۲]

قربانی کی قضا اور وقت ختم ہوجانے کے متعلق احکام

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ شریعت کی طرف سے جانور کی قربانی کے عمل کو انجام دینے کے لئے مخصوص ایام واوقات مقرر ہیں، کہ انہی ایام واوقات میں مخصوص جانور ذبح کرنے سے قربانی کا عمل ادا ہوتا ہے، کیونکہ قربانی کے دنوں میں جانور کا ذبح کرنا قربانی کا رکن ہے۔

اور جس طرح شریعت کی طرف سے مقرر کردہ وقت کے داخل ہونے سے پہلے قربانی کرنا معتبر نہیں، اسی طرح وقت گزرنے کے بعد قربانی کرنا جائز نہیں، بلکہ وقت گزرنے کے بعد قربانی کا عمل صدقہ کی طرف تبدیل ہوجاتا ہے، اور قربانی کے بجائے صدقہ بن جاتا ہے۔ [۳]

---

[۱] إذا ضحى الرجل عن أبويه بغير أمرهما و تصدق به جاز لأن اللحم ملكه و إنما للميت ثواب الذبح و الصدقة (فتاوى قاضى خان، ج ۳،ص ۲۱۰،كتاب الأضحية)

[۲] واختلفوا هل الأضحية عن الميت أفضل، أو التصدق أفضل؟ذهب بعضهم إلى أن التصدق أفضل وذهب بعضهم إلى أن الأضحية أفضل(تكملة البحر الرائق للطورى، ج۸ص ۲۰۲،كتاب الأضحية)

[۳] وفى الشرع هى ذبح حيوان مخصوص بنية القربة فى وقت مخصوص وهو يوم الأضحى وشرائطها الإسلام واليسار الذى يتعلق به صدقة الفطر فتجب على الأنثى وسببها الوقت وهو أيام النحر وركنها ذبح ما يجوز ذبحها وحكمها الخروج عن عهدة الواجب فى الدنيا والوصول إلى الثواب فى العقبى(مجمع الانهر، ج۲ص ۵۱۶، كتاب الاضحية)

ثم لجواز الأداء بعد ذلك شرائط أخر نذكرها فى موضعها إن شاء الله تعالى فإن وجدت يجوز وإلا فلا، كما تجب الصلاة بدخول وقتها ثم إن وجدت شرائط جواز أدائها جازت وإلا فلا والله تعالى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ا...... اگر کسی پر صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے قربانی واجب تھی مگر اس نے قربانی نہیں کی یہاں تک کہ قربانی کے دن گزر گئے تو اب قربانی کا عمل فوت ہوگیا، اب توبہ استغفار کے ساتھ قربانی کی قضاء کی یہ صورت ہے کہ قربانی کے قابل درمیانی درجہ کے چھوٹے جانور (بھیڑ یا بکری وغیرہ) کی قیمت غریبوں پر صدقہ کرے، گائے کے ساتویں حصہ کی قیمت کا صدقہ کافی نہیں۔

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جبکہ کسی پر ایک سے زیادہ سالوں کی قربانی کی قضاء ہو کہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أعلم(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج ۵،ص ۶۵، کتاب التضحیة،فصل فی وقت وجوب الأضحیة)

وأما الذی یرجع إلی وقت التضحیة فهو أنها لا تجوز قبل دخول الوقت؛ لأن الوقت کما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب کوقت الصلاة(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع،ج ۵،ص ۷۳، کتاب التضحیة،فصل فی شرائط جواز إقامة الواجب فی الأضحیة)

وأما الثانی فنقول إنها لا تقضی بالإراقة؛ لأن الإراقة لا تعقل قربة وإنما جعلت قربة بالشرع فی وقت مخصوص فاقتصر کونها قربة علی الوقت المخصوص فلا تقضی بعد خروج الوقت، ثم قضاؤها قد یکون بالتصدق بعین الشاة حیة وقد یکون بالتصدق بقیمة الشاة؛ فإن کان أوجب التضحیة علی نفسه بشاة بعینها فلم یضحها حتی مضت أیام النحر یتصدق بعینها حیة؛ لأن الأصل فی الأموال التقرب بالتصدق بها لا بالإتلاف وهو الإراقة إلا أنه نقل إلی الإراقة مقیدا فی وقت مخصوص حتی یحل تناول لحمه للمالک والأجنبی والغنی والفقیر؛ لکون الناس أضیاف الله -عز شأنه- فی هذا الوقت، فإذا مضی الوقت عاد الحکم إلی الأصل وهو التصدق بعین الشاة سواء کان موسرا أو معسرا لما قلنا(بدائع الصنائع، ج۵ص ۶۸،کتاب التضحیة،فصل فی أنواع کیفیة الوجوب)

هی قربة معقولة علی ما بینا فلا تسقط بمضی الوقت کالزکاة بخلاف الأضحیة لأن إراقة الدم غیر معقول المعنی فلا تکون قربة إلا فی وقتها(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ج ۱،ص ۳۱۱،باب صدقة الفطر)

فإذا فات وقت القربة فی الأضحیة تصدق بالثمن إخراجا له عن العهدة کما قلنا فی الجمعة إذا فاتت تقضی الظهر والفدیة عند العجز عن الصوم إخراجا له عن العهدة(الاختیار لتعلیل المختار، ج۵ص ۱۹، کتاب الاضحیة)

وأما شروط صحتها فمنها السلامة من العیوب فلا تصح إذا کان فیها عیب من العیوب المفصلة فی المذاهب........ومنها الوقت المخصوص فلا تصح إذا فعلت قبله أو بعده(الفقه علی المذاهب الأربعة ،لعبد الرحمن الجزیری، ج ۱ ص ۶۴۴تا۶۴۷ ،ملخصاً،مباحث الأضحیة)

ہر سال کے عوض قربانی کے قابل ایک درمیانی درجے کی بھیڑ یا بکری کی قیمت کا صدقہ کرے۔ [1]

---

[1] حیوان معین نہ ہونے کی صورت میں تصدق میں اختیار ہے کہ درمیانی درجے کا کوئی حیوان صدقہ کردے، یا اس کی قیمت، اور اعتبار یوم الاداء کا ہے، جس طریقہ سے سوائم کی زکاۃ میں، بوقتِ اداء دونوں میں لزومِ مساوات ہے۔

البتہ اگر کسی معین جانور کی نذر ہو، یا بقول مشہور شراءِ فقیر سے حیوان متعین ہوگیا ہو، تو اسی حیوان کا زندہ تصدق لازم ہے، اور بصورتِ استہلاک اس دن کی قیمت کا تصدق لازم ہوگا، اور ایامِ نحر گزرنے کے بعد قربانی کا حکم نفسِ حیوان سے قیمت کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، اور ایامِ نحر گزرنے کے بعد جانور کا ہلاک ہوجانا، یا اس کی بیع کردینا حکماً استہلاک ہے، جیسا کہ اگلے مسئلہ کے ذیل میں آتا ہے (کذا فی احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۵۳۴)

ثم قضاؤها قد يكون بالتصدق بعين الشاة حية وقد يكون بالتصدق بقيمة الشاة؛ فإن كان أوجب التضحية على نفسه بشاة بعينها فلم يضحها حتى مضت أيام النحر يتصدق بعينها حية؛ لأن الأصل فی الأموال التقرب بالتصدق بها لا بالإتلاف وهو الإراقة إلا أنه نقل إلى الإراقة مقيدا فی وقت مخصوص حتى يحل تناول لحمه للمالک والأجنبی والغنی والفقير؛ لكون الناس أضياف الله -عز شأنه -فی هذا الوقت، فإذا مضى الوقت عاد الحكم إلى الأصل وهو التصدق بعين الشاة سواء كان موسرا أو معسرا لما قلنا(بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، ج۵، ص ۶۸، كتاب التضحية،فصل فی أنواع كيفية الوجوب)

(و) تصدق (بقيمتها غنی شراها أولا) لتعلقها بذمته بشرائها أولا، فالمراد بالقيمة قيمة شاة تجزی فيها(الدرالمختار)

(قوله وتصدق بقيمتها غنی شراها أو لا) كذا فی الهداية وغيرها كالدرر .وتعقبه الشيخ شاهين بأن وجوب التصدق بالقيمة مقيد بما إذا لم يشتر، أما إذا اشترى فهو مخير بين التصدق بالقيمة أو التصدق بها حية كما فی الزيلعی أبو السعود((ردالمحتار، ج۶ص ۳۲۱، كتاب الاضحية)

لا يجوز دفع القيمة فی الضحايا والهدايا والعتق؛ لأن معنى القربة إراقة الدم وفی العتق نفی الرق وذلک لا يتقوم بحر عن غاية البيان، ثم قال :ولا يخفى أنه مقيد ببقاء أيام النحر، أما بعدها فيجوز دفع القيمة كما عرف فی الأضحية .اهـ(ردالمحتار، ج۲ص ۲۸۶، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم)

أقول :وليس هذا أيضا بشیء ، لأن مراد المصنف هناک فوات أداء الاضحية بمضی الوقت لا سقوطها بالكلية فی حق المقيم أيضا، فإن الأداء وهو تسليم عين الثابت بالأمر يفوت بمضی الوقت فی الواجبات المؤقتة مطلقا، لأن الوقت شرط لأدائها على ما عرف فی أصول الفقه.

وأما القضاء وهو تسليم مثل الواجب بالأمر فلا يسقط بمضی الوقت، وإنما الفائت بمضيه شرط الوقت لا غير، وهذا أيضا مما عرف فی أصول الفقه، وقد تقرر فيه أيضا أن القضاء قد يكون بمثل معقول كالصلاة للصلاة، وقد يكون بمثل غير معقول كالفدية للصوم وثواب النفقة للحج، وعدوا الأضحية من القسم الثانی وقالوا :إن أداء ها فی وقتها بإراقة الدم وقضاء ها بعد مضی وقتها بالتصدق بعينها أو بقيمتها، فقول ذلک البعض ثم ظاهر قول المصنف وتفوت بمضی الوقت يدل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... اگر کسی نے کوئی قربانی کا جانور زبان سے منت مان کر متعین کر رکھا تھا، خواہ یہ منت ماننے والا شخص امیر ہو یا غریب، یا غریب نے قربانی کی نیت سے جانور خرید رکھا تھا، تو اب قربانی کے دن گزرنے کے بعد اسی زندہ جانور کو غریب مستحقِ زکاۃ پر صدقہ کرنا چاہئے، اور اگر اس جانور کو فروخت کردیا، یا قربانی کا وقت گزرنے کے بعد یہ جانور فوت ہوگیا، تو اس کی قیمت اور ذبح کردیا تو اس کا سارا گوشت پوست صدقہ کرنا چاہئے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

على أن وجوبها ليس بالقدرة الممكنة غير مسلم، وقوله وإلا لم تسقط وكان عليه أن يضحى وإن لم يشتر شاة فى يوم النحر ليس بصحيح، إذ لم يقل أحد بسقوطها بعد وجوبها حتى يصح قوله وإلا لم تسقط، ولم يقل أحد بصحة أداء المؤقتات بعد مضى وقتها حتى يصح قوله وكان عليه أن يضحى وإن لم يشتر شاة فى يوم النحر فإن التضحية إراقة الدم، وهى إنما تقبل فى وقت الأداء لا بعده، وإنما الذى يلزم بعده قضاؤها وهو إنما يكون بالتصدق بعينها أو بقيمتها لا بغيره(فتح القدير، ج۹،ص۵۰۷،كتاب الأضحية)

فبين أن المراد إذا لم يشترها قيمة شاة تجزء فى الأضحية كما فى الخلاصة وغيرها .قال القهستانى، أو قيمة شاة وسط كما فى الزاهدى والنظم وغيرهما(ردالمحتار، ج٦، ص ۳۲۱، كتاب الأضحية)

(قوله وفى أقله بحسابه) أى يلزمه التصدق بقدره من قيمة الشاة الوسط بحر (ردالمحتار، ج۲، ص ۶۱۹، كتاب، الحج، باب الهدى)

فبقدر الشاة الوسط تجزىء عن الشاة (تحفة الفقهاء، ج ۱، ص۳۳۸، باب صدقة الفطر، كتاب الزكاة)

واختلف على قوله فى السوائم فقيل يوم الوجوب وقيل يوم الأداء حسب الاختلاف السابق وتمامه فيه، وفى المحيط يعتبر فى قيمة السوائم يوم الأداء بالإجماع، وهو الأصح(البحرالرائق، ج۲ص۲۳۸، كتاب الزكاة)

وفى السوائم يوم الأداء إجماعا، وهو الأصح(الدرالمختار)

(قوله وهو الأصح) أى كون المعتبر فى السوائم يوم الأداء إجماعا هو الأصح فإنه ذكر فى البدائع أنه قيل إن المعتبر عنده فيها يوم الوجوب، وقيل يوم الأداء .اهـ.

وفى المحيط :يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح اهـ فهو تصحيح للقول الثانى الموافق لقولهما، وعليه فاعتبار يوم الأداء يكون متفقا عليه عنده وعندها(رد المحتار على الدر المختار، ج ۲ ص ۲۸٦، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم)

والإشارة بهنا فى كلام الجوهرة إلى باب زكاة السائمة؛ لأن اعتبار القيمة فى السائمة يوم الأداء بالاتفاق والخلاف فى زكاة المال فتعتبر القيمة وقت الأداء فى زكاة المال على قولهما وهو الأظهر (حاشية الشرنبلالى على دررالحكام شرح غرر الاحكام، ج ۱ ص ۱۸۱، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

اور ذبح کرنے کی صورت میں اگر ذبح شدہ جانور کی قیمت زندہ جانور سے کم ہوگئی ہے تو جتنی قیمت کم ہوئی، اس کے بقدر صدقہ کرنا بھی ضروری ہے، اگر گوشت پوست میں سے کچھ خود استعمال کرلیا تو اس کے بقدر قیمت بھی صدقہ کرنی چاہئے (کیونکہ اب قربانی کی قربت اس جانور کے اراقۂ دَم کے بجائے تصدُّق سے تبدیل ہوگئی ہے، اور اسی وجہ سے ذبح کرنے کی صورت میں اگر زندہ جانور کی قیمت کے مقابلہ میں کچھ کمی آئی ہے، تو اس کا تصدق بھی واجب ہورہا ہے) [1]

---

[1] اگر ناذِر نے متعین جانور کی قربانی کی نذر مانی ہوئی تھی، یا غریب نے جانور قربانی کے لئے خرید رکھا تھا (جو کہ حکمی نذر ہے) اور وہ جانور قربانی کے دِنوں میں فوت ہوجائے، تو اس پر دوسرے جانور کی قربانی واجب نہیں، کیونکہ محلِ وجوب فوت ہونے سے قربانی کا حکم ساقط ہوگیا ہے، اور ایامِ اضحیہ میں اصل حکم قربانی کا ہے، اور قربانی کے دن گزرنے کے بعد جانور کی قربانی کا حکم، حیوان سے قیمت کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، اب ایامِ اضحیہ گزرنے کے بعد جانور کے فوت ہونے یا بیع کردینے کی صورت میں ادائیگی زندہ جانور کو صدقہ کرنے کی صورت میں تو ممکن نہیں، اس لئے قیمت کا تصدق واجب ہے، کیونکہ اس کے ذمہ میں اراقۂ دَم کے بجائے اس کا تصدق لازم ہوگیا تھا، یعنی اراقۂ دَم کی قربت تصدق سے تبدیل ہوگئی تھی، اور تصدق میں مالیت مقصود ہوتی ہے، جیسا کہ اگر کوئی متعین جانور کے ذبح کی نذر مانے، تو اس جانور کے فوت ہونے یا بیع کردینے کی صورت میں بھی اس پر اتنی مالیت کا تصدق واجب ہوتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

قالوا أيام النحر ثلاثة أفضلها أولها فإذا مضت هذه الأيام فقد فات الذبح في حق من لم يذبح حتى لا يجوز له أن يذبح ثم إن كان أوجب شاة بعينها أو اشتراها ليضحي بها فمضت أيام النحر قبل أن يذبحها تصدق بها حية ولا ينقص منها شيئا من الشعر واللبن ولا يأكل من لحمها لأنه انتقل الواجب من إراقة الدم إلى التصدق .وإن لم يوجب أو لم يشتر والرجل موسر وقد مضت أيام النحر فإن عليه أن يتصدق بقيمة الشاة التي تجوز في الأضحية لما قلنا (تحفة الفقهاء، ج۳ص ۸۴ ، كتاب الأضحية)

وأما الثاني فنقول إنها لا تقضى بالإراقة؛ لأن الإراقة لا تعقل قربة وإنما جعلت قربة بالشرع في وقت مخصوص فاقتصر كونها قربة على الوقت المخصوص فلا تقضى بعد خروج الوقت، ثم قضاؤها قد يكون بالتصدق بعين الشاة حية وقد يكون بالتصدق بقيمة الشاة؛ فإن كان أوجب التضحية على نفسه بشاة بعينها فلم يضحها حتى مضت أيام النحر يتصدق بعينها حية؛ لأن الأصل في الأموال التقرب بالتصدق بها لا بالإتلاف وهو الإراقة إلا أنه نقل إلى الإراقة مقيدا في وقت مخصوص حتى يحل تناول لحمه للمالك والأجنبي والغني والفقير؛ لكون الناس أضياف الله -عز شأنه -في هذا الوقت، فإذا مضى الوقت عاد الحكم إلى الأصل وهو التصدق بعين الشاة سواء كان موسرا أو معسرا لما قلنا.

وكذلك المعسر إذا اشترى شاة ليضحي بها فلم يضح حتى مضى الوقت؛ لأن الشراء للأضحية من الفقير كالنذر بالتضحية وأما الموسر إذا اشترى شاة للأضحية فكذلك الجواب(بدائع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... قربانی کی ادائیگی کا وقت بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے پر ختم ہوجاتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الصنائع، ج۵ص۶۸، کتاب التضحیة، فصل فی انواع کیفیة الوجوب)

وإن كان أوجب شاة بعينها أو اشترى شاة ليضحي بها فلم يفعل حتى مضت أيام النحر تصدق بها حية ولا يجوز الأكل منها، فإن باعها تصدق بثمنها فإن ذبحها وتصدق بلحمها جاز، فإن كانت قيمتها حية أكثر تصدق بالفضل، ولو أكل منها شيئا غرم قيمته، فإن لم يفعل ذلك حتى جاء أيام النحر من العام القابل فضحى بها عن العام الماضي لم يجز، فإن باعها بعد أيام النحر يتصدق بثمنها، فإن باعها بما يتغابن الناس فيه أجزأه، وإن باعها بما لا يتغابن الناس فيه تصدق بالفضل كذا في الظهيرية(الفتاوى الهندية، ج۵ص۲۹۷، كتاب الأضحية،الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان)

ولو عقل أضحية حتى مضت أيام النحر أو ضاعت فأصابها بعد أيام النحر فليس عليه أن يذبحها ولكن يتصدق بها ولا يترك منها شيئا (الجوهرة النيرة، ج۲ص۱۸۸، كتاب الأضحية،وقت الأضحية)

(ولو) (تركت التضحية ومضت أيامها) (تصدق بها حية ناذر) فاعل تصدق (لمعينة) ولو فقيرا، ولو ذبحها تصدق بلحمها، ولو نقصها تصدق بقيمة النقصان أيضا ولا يأكل الناذر منها؛ فإن أكل تصدق بقيمة ما أكل (وفقير) عطف عليه (شراها لها) لوجوبها عليه بذلك حتى يمتنع عليه بيعها (و) تصدق (بقيمتها غني شراها أولا) لتعلقها بذمته بشرائها أولا، فالمراد بالقيمة قيمة شاة تجزى فيها(الدرالمختار)

(قوله ولو تركت التضحية إلخ) شروع في بيان قضاء الأضحية إذا فاتت عن وقتها فإنها مضمونة بالقضاء في الجملة كما في البدائع(قوله ومضت أيامها إلخ) قيد به لما في النهاية :إذا وجبت بإيجابه صريحا أو بالشراء لها، فإن تصدق بعينها في أيامها فعليه مثلها مكانها، لأن الواجب عليه الإراقة وإنما ينتقل إلى الصدقة إذا وقع اليأس عن التضحية بمضي أيامها، وإن لم يشتر مثلها حتى مضت أيامها تصدق بقيمتها، لأن الإراقة إنما عرفت قربة في زمان مخصوص ولا تجزيه الصدقة الأولى عما يلزمه بعد لأنها قبل سبب الوجوب اهـ (قوله تصدق بها حية) لوقوع اليأس عن التقرب بالإراقة، وإن تصدق بقيمتها أجزأه أيضا لأن الواجب هنا التصدق بعينها وهذا مثله فيما هو المقصود اهـ ذخيرة......قوله ولو نقصها) أي الذبح بأن كانت قيمتها بعد الذبح أقل منه قبله تتارخانية(قوله بقيمة النقصان) المناسب إسقاط قيمة، أو يقول بقدر النقصان لأن الفرض أن النقصان من القيمة لا من ذات الشاة تأمل(قوله ولا يأكل الناذر منها) أي نذرا على حقيقته كما علمت .وأقول :الناذر ليس بقيد لأن الكلام فيما إذا مضى وقتها ووجب عليه التصدق بها حية أو بقيمتها، ولذا لو ذبحها ونقصها يضمن النقصان وهذا يشمل الفقير إذا شراها لها، يدل عليه ما في غاية البيان إذا أوجب شاة بعينها أو اشتراها ليضحي بها فمضت أيام النحر قبل أن يذبحها تصدق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی قربانی کسی دور دراز ایسے علاقے میں کرائے، کہ وہاں کے اوقات میں اور جہاں قربانی کرانے والا موجود ہے، وہاں کے اوقات میں غیر معمولی تفاوت وفرق ہو، مثلاً جہاں قربانی کرانے والا موجود ہے، وہاں پر قربانی کے تیسرے دن کا سورج غروب ہو چکا ہے، لیکن جہاں اس کی قربانی کا جانور ذبح کیا جاتا ہے، وہاں قربانی کے تیسرے دن کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بها حية، ولا يأكل من لحمها لأنه انتقل الواجب من إراقة الدم إلى التصدق، وإن لم يوجب ولم يشتر وهو موسر وقد مضت أيامها تصدق بقيمة شاة تجزى للأضحية اهـ ففيه دلالة واضحة على ما قلنا، ثم رأيته في الكفاية قال بعد قوله أو فقير شراها لها وإن ذبح لا يأكل منها، وسيأتي له مزيد بيان إن شاء الله تعالى(ردالمحتار، ج٦ص ٣٢٠، ٣٢١، كتاب الاضحية،ملخصاً)

(فإن فات وقتها قبل ذبحها) أي ولو لم يضح ما أوجب على نفسه بأن عين شاة في ملكه، وقال لله على أن أضحى بهذه الشاة (لزم التصدق بعين المنذورة حية) سواء كان ذلك الموجب فقيرا أو غنيا .ولو نذر أن يضحى ولم يسم شيئا يقع على الشاة ولا يأكل الناذر منها ولو أكل فعليه قيمة ما أكله؛ لأن سبيلها التصدق وليس للمتصدق أن يأكل من صدقته.(وكذا) أي لزم التصدق بعين المنذورة حية (ما شراها فقير للتضحية) ؛ لأن الفقير إنما تجب عليه إذا شراها بنية التضحية فيتعلق بالمحل (والغني يتصدق بقيمتها شراء) أي الشاة (أولا) لأن الواجب يتعلق بذمته(مجمع الانهر، ج٢ص ٥١٩، كتاب الاضحية)

وفي الأضاحي للزعفراني: اشترى أضحية، فأوجبها، ثم باعها، ولم يضح ببدلها حتى مضى أيام النحر؛ تصدق بقيمته التي باع، فإن لم يبعها حتى مضت أيام النحر؛ تصدق بها حية، فإن ذبحها، وتصدق بلحمها جاز، فإن كان قيمتها حية أكثر تصدق بالفضل، ولو أكل منها شيئاً غرم قيمته؛ لأنه فوت المبدل، فيجب عليه البدل، فإن لم يفعل ذلك حتى جاء أيام النحر آضر فضحى بها عن العام الأول؛ لم يجزه؛ لأن إراقة الدم عرفت قربة بالنص، والنص شرعاً قربة اداء بالامضاء ، وإن كان باعها بعدما مضت أيام النحر تصدق بثمنها، فإن باعها بما يتغابن الناس فيه أجزأه بما لا يتغابن الناس فيه تصدق بالفضل(المحيط البرهاني، ج ٨ص ٤٦٤، ٤٦٥، كتاب الاضحية، الفصل الرابع فيما يتعلق بالمكان، والزمان)

لو لم يضح حتى مضت وقته، فالغني إن نذر أن يضحى بهذه الشاة؛ أي شاة بعينها يلزمه التصدق بقيمتها شراها للتضحية أو لا؛ لأن الواجب يتعلق بذمته، وكذا الفقير أوجب على نفسه شراها للأضحية، يلزمه التصدق بعينها؛ لأنه يتعلق بالمحل، ووقع اليأس عن التقرب بالإراقة، وقد بقي العين مستحق الصرف إلى الله، فيلزمه التصدق بعينها، وإنما يجب على الفقير بالشراء بنية الأضحية؛ لأن الشراء من الفقير مقرونا بنية التضحية، بمنزلة النذر، فإذا تعذر الذبح بفوات وقتها فعليه التصدق كالجمعة يقضي ظهرا بعد فوات وقتها، قاله العلوى(عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، كتاب المساقاة والذبائح والاضحية)

سورج غروب نہیں ہوا، تو وہاں اس شخص کی قربانی کی ادائیگی درست نہیں ہوگی (کیونکہ بارہ ذی الحجہ کے غروب کے بعد قربانی والے شخص کے حق میں وقت فوت ہوگیا ہے، اور قربانی کا عمل صدقہ سے تبدیل ہوگیا ہے)

(اس مسئلہ کی تفصیل آگے تحقیقی مسائل میں ملاحظہ فرمائیں)

مسئلہ نمبر ۴...... اگر ایک شخص نے اونٹ یا گائے قربانی کے لئے خریدی، اور ایک حصہ تو اس میں موجودہ قربانی کی نیت سے رکھا، اور باقی چھ حصے گزشتہ زمانے کی قضا شدہ قربانیوں کی نیت سے رکھے، تو موجودہ قربانی درست ہوجائے گی، اور گزشتہ زمانے کی قضا شدہ قربانیاں درست نہیں ہونگیں۔

کیونکہ قربانی کی قضاء میں جانور ذبح کرنے کے بجائے صدقہ واجب ہوا کرتا ہے۔ [1]

اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص گزشتہ سالوں کی قربانی کی قضاء کی نیت سے پورا جانور ذبح کرے، تو اس سے اس کی قربانی کی قضاء کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

کیونکہ اس کے ذمے ہر سال کی قربانی کی قضاء کے بدلے میں ایک درمیانہ درجے کی بکری یا بھیڑ یا اُس کی قیمت کا صدقہ لازم ہوچکا ہے۔

اب اگر جانور کے ذبح ہونے کے بعد وہ اس کے گوشت کو غریبوں پر صدقہ کردے، تو ہر سال کے بدلے میں ایک درمیانہ درجے کی بکری یا بھیڑ کی قیمت میں جتنی مقدار کی کمی آئی ہے، اُتنا حساب لگا کر مزید رقم کا صدقہ کرنا بھی واجب ہوگا۔ [2]

---

[1] ولو اشترى بقرة للأضحية ونوى السبع منها لعامه هذا وستة أسباعها عن السنين الماضية يجوز عن العام ولا يجوز عن الأعوام الماضية، كذا في خزانة المفتين (الفتاوىٰ الهندية، ج۵ص ۳۰۵، كتاب الاضحية، الباب الثامن)

و لو اشترى بقرة للأضحية و نوى السبع منها لعامه هذا و ستة أسباعه عن السنين الماضية لا يجوز عن الماضية و يجوز عن العام (فتاوى قاضى خان، ج ۳ص ۲۰۹، كتاب الأضحية)

[2] وفي الأضاحي للزعفراني : اشترى أضحية، فأوجبها، ثم باعها، ولم يضح ببدلها حتى مضى أيام النحر؛ تصدق بقيمته التي با ع، فإن لم يبعها حتى مضت أيام النحر؛ تصدق بها حية، فإن ذبحها،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵...... جس شخص پر قربانی واجب ہو، اور اس نے قربانی کے دنوں میں قربانی نہ کی ہو، اور نہ ہی بعد میں قربانی کی قیمت صدقہ کی ہو، تو فوت ہونے سے پہلے اس پر قربانی کی قیمت کے صدقہ کرنے کی وصیت کرنا واجب ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۶...... جس شخص نے فوت ہونے سے پہلے قربانی کی وصیت کی، مگر قربانی کے جانور کی کوئی تعیین وتخصیص اور صفت بیان نہیں کی، اور نہ ہی قیمت وغیرہ کی تعیین کی، تو ایسی صورت میں قربانی کے ایک چھوٹے جانور (بکری وغیرہ) سے وصیت پوری کی جائے گی۔ [2]

قربانی کے جانور کو ذبح کرنے سے متعلق احکام وآداب

اسلام میں جہاں ایک طرف جانوروں پر رحم کی تاکید اور ان کے تفصیلی حقوق بیان کئے گئے ہیں، وہاں دوسری طرف ضرورت ومصلحت کی خاطر جانور کو ذبح کرنے کے متعلق بھی ایسے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وتصدق بلحمها جاز، فإن كان قيمتها حية أكثر تصدق بالفضل، ولو أكل منها شيئاً غرم قيمته؛ لأنه فوت المبدل، فيجب عليه البدل، فإن لم يفعل ذلك حتى جاء أيام النحر آضر فضحى بها عن العام الأول؛ لم يجزه؛ لأن إراقة الدم عرفت قربة بالنص، والنص شرعاً قربة اداء بالامضاء ، وإن كان باعها بعدما مضت أيام النحر تصدق بثمنها، فإن باعها بما يتغابن الناس فيه أجزأه بما لا يتغابن الناس فيه تصدق بالفضل(المحيط البرهاني، ج۸ص ۴۶۴، ۴۶۵، كتاب الاضحية، الفصل الرابع فيما يتعلق بالمكان، والزمان)

[1] ومن وجبت عليه الأضحية فلم يضح حتى مضت أيام النحر ثم حضرته الوفاة فعليه أن يوصى بأن يتصدق عنه بقيمة شاة من ثلث ماله؛ لأنه لما مضى الوقت فقد وجب عليه التصدق بقيمة شاة فيحتاج إلى تخليص نفسه عن عهدة الواجب، والوصية طريق التخليص فيجب عليه أن يوصى كما فى الزكاة والحج وغير ذلك(بدائع الصنائع ،ج۵،ص۶۸،كتاب التضحية،فصل فى أنواع كيفية الوجوب)
لو كان موسراً فى أيام النحر، فلم يضح حتى مات قبل مضى أيام النحر؛ سقطت عنه الأضحية حتى لا يجب عليه الإيصاء ، ولو مات بعد مضى أيام النحر لم يسقط عنه التصدق بقيمة الشاة؛ حتى لزمه الإيصاء به، أشار إلى أن الوجوب يتعلق بآخر الوقت كما فى الصلاة(المحيط البرهاني، ج۶ ص ۸۶، كتاب الأضحية،الفصل الأول فى بيان وجوب الأضحية ومن لا تجب)

[2] ولو أوصى بأن يضحى عنه ولم يسم شاة ولا بقرة ولا غير ذلك ولم يبين الثمن أيضا جاز ويقع على الشاة، بخلاف ما إذا وكل رجلا أن يضحى عنه ولم يسم شيئا ولا ثمنا أنه لا يجوز، والفرق أن الوصية تحتمل من الجهالة شيئا لا تحتمله الوكالة فإن الوصية بالمجهول وللمجهول تصح ولا تصح الوكالة(بدائع الصنائع، ج۵،ص۶۸،كتاب التضحية،فصل فى أنواع كيفية الوجوب)

احکام مقرر کئے گئے ہیں، کہ جن میں انسانوں اور جانوروں کی شان کی پوری رعایت کی گئی ہے، تاکہ جانور کو بھی تکلیف کم از کم ہو، اور انسان کے لئے پاکیزہ اور طیّب چیز میسر آئے۔

پہلے اس سلسلہ میں چند احادیث وروایات ملاحظہ فرمائیں، جس کے بعد اس موضوع سے متعلق ان شاء اللہ تعالیٰ مسائل ذکر کئے جائیں گے۔

حضرت جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ أَوْ يَنْحَرْ، فَلْيَذْبَحْ أَوْ يَنْحَرْ بِاسْمِ اللّٰهِ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: اور جس نے (ابھی تک) ذبح یا نحر نہیں کیا، تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ کے نام سے ذبح یا نحر کرے (ترجمہ ختم)

ذبح اور نحر میں فرق آگے آتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَضْحٰى بِالْمُصَلّٰى، فَلَمَّا قَضٰى خُطْبَتَهُ نَزَلَ عَنْ مِنْبَرِهٖ، فَأُتِيَ بِكَبْشٍ، فَذَبَحَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ، وَقَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِيْ (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید الاضحیٰ کے دن عید الاضحیٰ کی نماز میں عیدگاہ میں حاضر ہوا، جب آپ نے اپنا خطبہ مکمل فرمادیا، تو منبر سے نیچے اترے، اور ایک مینڈھے کو لایا گیا، پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

---

[1] رقم الحدیث ۱۸۸۰۵، مؤسسة الرسالة، بيروت.
في حاشية مسند احمد: اسناده صحيح على شرط الشيخين.

[2] رقم الحديث ۱۵۲۱، باب من ابواب الاضاحي، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي -مصر.

ہاتھ سے ذبح کیا، اور فرمایا کہ بسم اللہ واللہ اکبر، یہ میری طرف سے ہے، اور ان لوگوں کی طرف سے ہے، جنہوں نے میری امت میں سے قربانی نہیں کی (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ ذبح کرنے والے کو ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لینا چاہئے، جس کا سنت طریقہ ''بسم اللہ، اللہ اکبر'' پڑھنا ہے۔ [1]

اور حضرت ابنِ عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَرِيْطَةِ الشَّيْطَانِ زَادَ ابْنُ عِيسٰى فِيْ حَدِيْثِهٖ: وَهِيَ الَّتِيْ تُذْبَحُ فَيُقْطَعُ الْجِلْدُ وَلَا تُفْرَى

---

[1] قال الترمذی :هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الوَجْهِ وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ :أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ إِذَا ذَبَحَ :بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ، وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ المُبَارَكِ وَالمُطَّلِبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَنْطَبٍ يُقَالُ إِنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ جَابِرٍ.

وفی رواية بسم الله ،الله اكبر، بغير الواو.

عَنْ أَبِي عَيَّاشٍ،عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَبَحَ يَوْمَ الْعِيدِ كَبْشَيْنِ، ثُمَّ قَالَ حِينَ وَجَّهَهُمَا :إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ مِنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ(صحيح ابن خزيمة،رقم الحديث ٢٨٩٩)

قال الأعظمي :إسناده صحيح.

أبو عياش-هو ابن النعمان المعافري المصري -روى عنه ثلاثة، وقال الذهبي :شيخ .وصحح ابن خزيمة والحاكم والذهبي حديثه هذا.م.ن.ر

وفی المحيط البرهانی.

قال البقالي :والمستحب أن يقول :باسم الله والله أكبر، وذكر شمس الأئمة الحلواني رحمه الله في شرح كتاب الصيد المستحب أن يقول :بسم الله؛ الله أكبر بدون الواو؛ قال :ومع الواو يكره(المحيط البرهانی، ج٨ص ٤٥١،كتاب الذبائح،الفصل الرابع)

وفی البناية شرح الهداية.

وفي "الذخيرة "قال البقال :والمستحب أن يقول :باسم الله، الله أكبر، يعني بدون الواو.ثم قال :وذكر شمس الأئمة الحلواني :ويستحب أن يقول :بسم الله .الله أكبر يعني بدون الواو .لأن الواو تقطع فور التسمية .قال الأترازي -رَحِمَهُ اللَّهُ :-وفيه نظر. قلت :نظره صحيح، لأن الذي ثبت في الحديث الصحيح على ما ذكرنا بالواو(البناية شرح الهداية، ج ١١،ص ٥٤٩،كتاب الذبائح)

الْأَوْدَاجُ، ثُمَّ تُتْرَكُ حَتّٰى تَمُوْتَ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کے شریطہ سے منع فرمایا، ابنِ عیسیٰ نے اپنی حدیث میں آگے یہ بھی بیان فرمایا کہ شیطان کا شریطہ وہ ہے کہ جس کو ذبح کردیا جائے، پھر اس کی جلد کاٹ لی جائے، اور تمام رگیں نہ کاٹی جائیں، پھر اسے اسی طرح مرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ شرعی طریقہ پر ذبح کے لئے جانور کے گلے کی مخصوص رگیں کاٹنا ضروری ہے۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ (مسلم) [2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ احسان (اور نیکی) کرنے کو ضروری فرمایا ہے، لہٰذا جب تم (کسی کو شرعی ضرورت سے) قتل کیا کرو، تو اچھے طریقے سے قتل کیا کرو، اور جب تم (کسی جانور کو) ذبح کیا کرو، تو اچھے طریقے سے ذبح کیا کرو، اور تم میں سے جو کوئی ذبح کیا کرے، وہ اپنی چھری کو تیز کرلیا کرے، اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچایا کرے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ جانور کو تیز چھری سے ذبح کرنا چاہئے، اور اپنی طرف سے اس کو راحت پہنچانے کا اہتمام کرنا چاہئے، اور بے جا تکلیف پہنچانے والے کاموں سے بچنا چاہئے۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ٢٨٢٦، كتاب الضحايا، باب في المبالغة في الذبح، المكتبة العصرية.

[2] رقم الحديث ١٩٥٥، كتاب الصيدو الذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحديد الشفرة، دار إحياء التراث العربي -بيروت.

[3] (فإذا قتلتم) قودا أو حدا غير قاطع طريق وزان محصن لإفادة نص آخر التشديد فيهما وغيره نحو حشرات وسباع فلا حظ لهما في الإحسان على ما قيل لكنه عليل إذ وجوب قتلها لا ينافي إحسان كيفيته، وفرع هذا وما بعده على ما قبله مع أن صور الإحسان لا تحصر لكونها الغاية

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :مَنْ رَّحِمَ ذَبِیْحَۃً رَحِمَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (المعجم الکبیر للطبرانی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ذبح کئے جانے والے جانور پر رحم کیا، تو اس پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رحم فرمائیں گے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ ذبیحہ کے ساتھ نرمی اور شفقت کا معاملہ کرنا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحم حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی رَجُلٍ وَاضِعٍ رِجْلَہٗ عَلٰی صَفْحَۃِ شَاۃٍ، وَھُوَ یَحُدُّ شَفْرَتَہٗ، وَھِیَ تَلْحَظُ إِلَیْہِ بِبَصرِھَا، قَالَ:أَفَلَا قَبْلَ ھٰذَا؟أَوَ تُرِیْدُ أَنْ تُمِیْتَھَا مَوْتَتَانِ(المعجم الکبیر للطبرانی) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی إیذاء الحیوان فإذا طلب الإحسان إلیهما فغیرهما أولی (فأحسنوا القتلة) بکسر القاف هیئة القتل بأن یختاروا أسهل الطرق وأخفها إیلاما وأسرعها زهوقا لکن تراعی المثلیة فی القاتل فی الهیئة والآلة إن أمکن وإلا کلواط وسحر فالسیف (وإذا ذبحتم) بهیمة تحل (فأحسنوا الذبحة) بالکسر بالرفق بها فلا یصرعها بعنف ولا یجرها لتذبح بعنف وبإحداد الآلة وتوجیهها للقبلة والتسمیة والإجهاز ونیة التقرب بذبحها وإراحتها وترکها إلی أن تبرد وشکر الله حیث سخرها لنا ولم یسلطها علینا ولا یذبحها بحضرة أخری سیما بنتها أو أمها (ولیحد أحدکم) أی کل ذابح (شفرته) بالفتح وجوبا فی الکالة وندبا فی غیرها وهی السکین وشفرتها حدها فسمیت به تسمیة للشیء باسم جزئه وینبغی مواراتها منها حال حدها للأمر به فی خبر (ولیرح) بضم أوله من أراح إذا حصلت له راحة (ذبیحته) بسقیها عند الذبح ومر السکین علیها بقوة لیسرع موتها فترتاح وبالإمهال بسلخها حتی تبرد ، وعطف ذا علی ما قبله لبیان فائدته إذ الذبح بآلة کالة یعذبها فراحتها ذبحها بآلة ماضیة والذبیحة فعیلة بمعنی مفعولة وتاؤها للنقل من الوصفیة إلی الإسمیة قالوا وهذا الحدیث من قواعد الدین(فیض القدیر للمناوی، تحت حدیث رقم ۱۷۶۱)

[1] رقم الحدیث ۷۹۱۳، مکتبة ابنِ تیمیة، القاهرة.

[2] رقم الحدیث ۱۱۹۱۶، مکتبة ابنِ تیمیة، القاهرة ، واللفظ لهٗ، سنن البیهقی رقم الحدیث ۱۹۱۴۱، مستدرک حاکم رقم الحدیث ۷۵۶۳)﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک شخص کے پاس سے ہوا جس نے اپنا پیر بکری کے اوپر رکھا ہوا تھا اور اپنی چھری کو تیز کر رہا تھا اور بکری اپنی آنکھوں سے اس چھری کو دیکھ رہی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے پہلے تو نے اپنی چھری کو کیوں تیز نہیں کر لیا تھا، کیا تو اس کو دو دفعہ موت (کی ایذاء) دینا چاہتا ہے (ترجمہ ختم)

دو مرتبہ موت دینے سے مراد یہ ہے کہ ایک مرتبہ تو ذبح کرنے سے بکری کی موت واقع ہوگی ہی، اور دوسری مرتبہ اسے چھری تیز کرتے ہوئے دکھا کر موت کی ایذاء پہنچے گی۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

إِذَا أَحَـدَّ أَحَـدُكُـمُ اَلشَّـفْـرَـةَ فَـلَا يُحِدُّهَا وَالشَّاةُ تَنْظُرُ إِلَيْهِ (مصنف عبدالرزاق) [1]

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی چھری تیز کرے تو وہ بکری کے سامنے تیز نہ کرے (بلکہ اس سے چھپا کر یا پہلے ہی تیز کر کے رکھے) (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَدِّ الشِّفَارِ وَأَنْ تُوَارٰى عَنِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الحاكم: "هذا حديث صحيح على شرط البخارى ولم يخرجاه"
وقال الذهبى فى التلخيص: على شرط البخارى.
وقال الهيثمى:
رواه الطبرانى فى الكبير، والأوسط، ورجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد، ج۴ ص۳۳، باب احداد الشفرة)
وقال المنذرى:
رواه الطبرانى فى الكبير والاوسط، ورجاله رجال الصحيح، ورواه الحاكم الا انه قال: اتريد ان تميتها موتات هلا احددت شفرتك قبل ان تضجعها وقال: صحيح على شرط البخارى (الترغيب والترهيب ج ۲ ص ۱۰۱)

[1] رقم الحديث ٨٦٠٦، كتاب المناسك، باب سنة الذبح، المكتب الاسلامى، بيروت.

الْبَهَائِمِ وَقَالَ إِذَا ذَبَحَ أَحَدُكُمْ فَلْيُجْهِزْ (ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری کو تیز کرنے اور جانوروں سے چھپانے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی ذبح کرے تو جلدی ذبح کرے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ جانور کو ذبح کرنے سے پہلے چھری کو تیز کر لینا چاہئے، لیکن جانور کے سامنے چھری تیز کرنا منع ہے۔

حضرت ابنِ سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

رَأٰى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَجُلًا يَسْحَبُ شَاةً بِرِجْلِهَا لِيَذْبَحَهَا فَقَالَ لَهُ وَيْلَكَ قُدْهَا إِلَى الْمَوْتِ قَوْدًا جَمِيْلًا (مصنف عبدالرزاق) [2]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ بکری کو اس کے ذبح کرنے کے لئے پاؤں سے گھسیٹ کر لے جا رہا تھا، تو اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیرا ناس ہو، اس بکری کو موت کی طرف اچھے طریقے سے ہنکاؤ (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ جانور کو ذبح کرنے کے لئے بُرے طریقہ سے گھسیٹنا گناہ ہے۔

حضرت صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ:

كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَنْهٰى أَنْ تُذْبَحَ الشَّاةُ عِنْدَ الشَّاةِ (مصنف عبدالرزاق) [3]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک بکری کو دوسری بکری کے سامنے

---

[1] رقم الحديث ٣١٧٢، كتاب الذبائح ،باب إذا ذبحتم فأحسنوا الذبح،دار إحياء الكتب العربية ، القاهرة، مسند احمد رقم الحديث ٥٨٦٤، شعب الايمان رقم الحديث ١٠٥٢٣ ،سنن البيهقى رقم الحديث ١٩١٤٠ .

[2] رقم الحديث ٨٦٠٥، كتاب المناسک، باب سنة الذبح،المكتب الاسلامى، بيروت.

[3] رقم الحديث ٨٦١٠، كتاب المناسک، باب سنة الذبح، المكتب الاسلامى،بيروت.

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

ذبح کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنے سے بچنا چاہئے۔

اور حضرت مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

عَنِ الْحَسَنِ ، أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ تُسْلَخَ الشَّاةُ حَتّٰى تَبْرِدَ (مسند ابن الجعد) [1]

ترجمہ: حضرت حسن رحمہ اللہ ٹھنڈا ہونے سے پہلے بکری کی کھال کو اتارنا ناپسند فرماتے تھے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد ٹھنڈا ہونے سے پہلے کھال اُتارنا یا چھیڑ چھاڑ کرنا منع ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ضَحُّوا، وَطَيِّبُوا بِهَا أَنْفُسَكُمْ؛ فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ مُسْلِمٍ يُوَجِّهُ ضَحِيَّتَهُ إِلَى الْقِبْلَةِ إِلَّا كَانَ دَمُهَا، وَفَرْثُهَا، وَصُوفُهَا حَسَنَاتٍ مُحْضَرَاتٍ فِيْ مِيْزَانِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مصنف عبد الرزاق) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی کیا کرو، اور اس کے ذریعہ سے اپنے نفسوں کو پاک کیا کرو، کیونکہ جب مسلمان اپنی قربانی کا رخ (ذبح کرنے کے لئے) قبلہ کی طرف کرتا ہے، تو اس کا خون، گوبر، اور اون قیامت کے دن میزان میں نیکیوں کی صورت میں حاضر کئے جائیں گے (ترجمہ ختم)

اس سے ذبح کے وقت قبلہ رُخ کی فضیلت معلوم ہوئی۔

---

[1] رقم الحدیث ۳۲۴۶، ج ۱ ص ۴۶۸، مؤسسة نادر، بیروت.

[2] رقم الحدیث ۸۱۶۷، کتاب المناسک، باب فضل الضحایا والهدی، وهل یذبح المحرم، المکتب الاسلامی، بیروت.

احادیث وروایات کی روشنی میں فقہائے کرام رحمہم اللہ نے جانور اور بطورِ خاص قربانی کے جانور کے ذبح کے جو احکام وآداب بیان فرمائے ہیں، اب ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱...... جانور کا ذبح کرنا قربانی کا رکن ہے، اس لئے جانور کو صحیح طریقہ سے ذبح کرنا بہت ضروری ہے، اور بطور خاص قربانی کے جانور کو ذبح کرنے میں شرعی احکام وآداب کو بجالانے کی کوشش کرنے کی بہت اہمیت ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۲...... ذبح کرنے کے لئے قربان گاہ کی طرف جانور کو نرمی اور آہستگی سے ہانک کر لے جانا چاہئے، بلاضرورت ٹانگ، یا دم وغیرہ سے گھسیٹ اور کھینچ کر تکلیف نہ پہنچائی جائے، حتی الامکان نرمی والا معاملہ اور برتاؤ کرنا چاہئے۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۳...... جانور کو تیز دھار دار چھری سے ذبح کرنا چاہئے، اور کند چھری سے ذبح کرنے سے اجتناب وپرہیز کرنا چاہئے، اور اگر چھری تیز کرنے کی ضرورت ہو، تو وہ پہلے سے تیز کر لینی چاہئے، جانور کو لٹانے کے بعد تیز نہ کرے، اور جانور کے سامنے بھی چھری تیز نہ کرے، کیونکہ یہ طریقہ جانور کو ایذاء وتکلیف پہنچانے میں داخل ہے۔ [۳]

مسئلہ نمبر ۴...... حتی الامکان ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے، اِلَّا یہ کہ کوئی ضرورت ومجبوری ہو۔ [۴]

---

[۱] (قوله بنية القربة) أى المعهودة وهى التضحية .قال فى البدائع :فلا تجزء التضحية بدونها لأن الذبح قد يكون للحم وقد يكون للقربة، والفعل لا يقع قربة بدون النية......(قوله وركنها ذبح إلخ) لأن ركن الشيء ما يقوم به ذلك الشيء والأضحية إنما تقوم بهذا الفعل فكان ركنا نهاية(ردالمحتار، ج۶ ص ۳۱۲،۳۱۳، كتاب الاضحية)

[۲] وأن يسوقها إلى المنسك سوقا جميلا لا عنيفا وأن لا يجر برجلها إلى المذبح كما ذكرنا فى كتاب الذبائح(بدائع الصنائع ،ج۵ ص ۷۸، كتاب التضحية،فصل فى بيان ما يستحب قبل التضحية وبعدها وما يكره)

[۳] و أن تكون آلة الذبح حادة من الحديد(الفتاوى الهندية،ج۵ ص ۳۰۰، كتاب الأضحية،الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب)

[۴] جیسا کہ آج کل شہروں میں تنگ جگہ کی وجہ سے بعض اوقات دشواری پیش آتی ہے، تو یہ مجبوری میں داخل ہے۔
ويكره ان يذبح شاة والاخرى تنظر اليه (اعلاء السنن ج۱۷ ص۱۳۷ ، كتاب الذبائح، باب الامور التى يستحب مراعاتها عن الذبح واراحة الذبيحة) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵...... سنت یہ ہے کہ جانور کو ذبح کرنے کے لئے قبلہ رخ لٹائے اور خود ذبح کرنے والا بھی قبلہ رخ ہو، اور جب تک کوئی واقعی درجے کا عذر نہ ہو، قبلہ رخ ہوئے بغیر ذبح کرنے سے پرہیز کرے۔ [1]

مسئلہ نمبر۶ ...... سنت ہے کہ جانور کو ذبح کرنے کے لئے لٹانے کے بعد یہ دعا پڑھے:

اِنِّیۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفاً وَّمَا اَنَامِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ. اِنَّ صَلٰوتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ لَاشَرِیۡکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرۡتُ وَاَنَااَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ. [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وکل طریق ادی الحیوان الی تعذیب اکثر من اللازم لازھاق روحه ، فھو داخل فی النھی ...... مثل ان یحد الشفرة بحضرة الحیوان او یذبحه بمرآی حیوان آخر(تکملة فتح الملھم، ج۳ص۵۴۰، باب الامر باحسان الذبح والقتل)

[1] (ومنها) أن يكون الذابح مستقبل القبلة والذبيحة موجهة إلى القبلة لما روينا ولما روى أن الصحابة -رضى الله عنهم- كانوا إذا ذبحوا استقبلوا القبلة فإنه روى عن الشعبى أنه قال :كانوا يستحبون أن يستقبلوا بالذبيحة القبلة، وقوله " :كانوا "كناية عن الصحابة -رضى الله عنهم- ومثله لا يكذب ولأن المشركين كانوا يستقبلون بذبائحهم إلى الأوثان فتستحب مخالفتهم فى ذلک باستقبال القبلة التى هى جهة الرغبة إلى طاعة الله عز شأنه(بدائع الصنائع ،ج۵ص۶۰،کتاب الذبائح والصيود،فصل فى بيان شرط حل الأكل فى الحيوان المأكول)

(و) كره (ترک التوجه إلى القبلة) لمخالفته السنة(الدر المختار،کتاب الذبائح)

(قوله لمخالفته السنة) أى المؤكدة لأنه توارثه الناس فيكره تركه بلا عذر أتقانى(رد المحتار على الدر المختار،ج۶ص۲۹۶،کتاب الذبائح)

[2] عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ :ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مُوجَأَيْنِ، فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ :إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِى فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ عَلَى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا، وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ(سنن ابى داؤد، رقم الحديث ۲۷۹۵، واللفظ لهٗ، سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۳۱۲۱، مسند احمد ،رقم الحديث ۱۵۰۲۲، سنن دارمی، رقم الحديث ۱۹۸۹)

فى حاشية مسند احمد: إسناده محتمل للتحسين.

وأن يدعو فيقول :اللهم منک ولک صلاتى ونسكى ومحياى ومماتى لله رب العالمين لا شريک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض لوگ ذبح سے پہلے جانور کی تصویریں بناتے ہیں، یہ گناہ ہے۔

مسئلہ نمبر ۷...... اگر اچھے طریقے سے ذبح کرنا جانتا ہو تو افضل یہ ہے کہ اپنی قربانی کا جانور خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے، خود تجربہ نہ رکھتا ہو تو دوسرے مسلمان سے ذبح کرائے، مگر خود بھی موجود رہے تو بہتر ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۸...... سنت یہ ہے کہ جانور کو دائیں ہاتھ سے ذبح کرے، اور ضرورت ہو تو بائیں ہاتھ سے بھی ساتھ میں مدد لینے میں حرج نہیں۔ [۲]

البتہ اگر کوئی عذر ہو مثلاً کسی کو پہلے سے عادت ہی بائیں ہاتھ سے کام کرنے کی ہو اور دائیں ہاتھ سے صحیح ذبح نہ ہوتا ہو تو پھر بائیں ہاتھ سے ذبح کرنے میں بھی حرج نہیں (لانہٗ عذر)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لـه وبذلک أمرت وأنا من المسلمين لما روينا، وأن يقول ذلک قبل التسمية أو بعدها لما روى عن جابر -رضـى الـلـه عنه -قال :ضـحـى رسول الله -صـلـى الـلـه عليه وسلـم -بـكبشين فقال حين وجههما :وجهت وجهى للذى فطر السموات والأرض حنيفا مسلما اللهم منک ولک عن محمد وأمته بسم الله والله أكبر .

وروى عـن الحسن بن المعتم الكنانى قال :خـرجت مع سيدنا على بن أبى طالب -رضى الله عنه - يـوم الأضـحـى إلـى عيـد فـلـما صلى قال يا قنبر أدن منى أحد الكبشين فأخذ بيده فأضجعه ثم قال : وجهـت وجهـى لـلـذى فـطـر السـمـوات والأرض حـنيفا وما أنا من المشركين إن صلاتى ونسكى ومـحيـاى ومـماتى لله رب العالمين لا شريک له وبذلک أمرت وأنا من المسلمين بسم الله اللهم مـنک ولک بسـم الـلـه والـلـه أكبـر اللهم تقبل من على فذبحه ثم دعا بالثانى ففعل به مثل ذلک ويستـحـب أن يـجـرد التسـمية عـن الدعاء فلا يخلط معها دعاء وإنما يدعو قبل التسمية أو بعدها، ويكره حالة التسمية(بدائع الصنائع، ج۵ص ۷۹، ۸۰، كتاب التضحية،فصل فى بيان ما يستحب قبل التضحية وبعدها وما يكره)

[۱] فـى فتاوى أهل سمرقند :الأفـضـل أن يضحى الرجل بيده إذا قدرعليه ، وإن لم يقدر فوض إلى غيره، وقد صح أن رسول الله ﷺ تـولـى البعض بنفسه، وولى علياً الباقى، وحكى أن أبا حنيفة فعل بنفسه (المحيط البرهانى، ج۸ص ۴۶۸، كتـاب الأضحية،الفصل الخامس فى بيان مايجوز من الضحايا، ومالايجوز،الخ)

والأفضل أن يذبح أضحيته بيده إن كان يحسن الذبح؛ لأن الأولى فى القربات أن يتولى بنفسه، وإن كـان لا يـحسـنـه فالأفضل أن يستعين بغيره ولكن ينبغى أن يشهدها بنفسه، كذا فى الكافى(الفتاوى الهندية، ج۵ص ۳۰۰، كتاب الأضحية،الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب)

[۲] ويذبح باليمين(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج۲ص ۵۱۱، كتاب الذبائح)

مسئلہ نمبر ۹...... شرعی طریقہ پر ذبح کرنے کے بعد جانور کو اپنی حالت پر چھوڑ دے، ذبح کے بعد جب تک جانور ٹھنڈا نہ ہو جائے، اس کو مزید کوئی ایذاء وتکلیف نہ پہنچائے، متعلقہ چار رگیں کاٹنے پر اکتفاء کرے، نہ تو اتنا زیادہ گردن کو کاٹے کہ گردن کٹ کر الگ ہی ہو جائے، نہ ہی حرام مغز وغیرہ میں چھری گھونپے، اور نہ ہی اس کی گردن توڑے، اور نہ ہی ایک سے زیادہ جگہ سے ذبح کرے۔

بعض قصاب جانور کو مکمل ذبح کرنے کے بعد ٹھنڈا ہونے سے پہلے، کسی حصہ سے کھال اتارنا شروع کر دیتے ہیں، یا جانور کے حرام مغز میں چھُری گھونپ کر اس کو زور زبردستی سے جلدی ٹھنڈا کرنا چاہتے ہیں، اور بعض لوگ اونٹ کو تین تین جگہ سے ذبح کرتے ہیں۔

یہ سب صورتیں جانور کو بے جا تکلیف پہنچانے میں داخل ہونے کی وجہ سے منع ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ایک دفعہ جانور کو مخصوص جگہ سے شرعی طریقہ پر ذبح کرنے کے بعد اپنی حالت پر چھوڑ دینا چاہئے، اور اس کے خود سے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کرنا چاہئے، اس کے بعد ہی کھال وغیرہ اُتارنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ [۱]

---

[۱] ویستحب أن یتربص بعد الذبح بقدر ما یبرد ویسکن من جمیع أعضائه وتزول الحیاة من جمیع جسده، ویکره أن یضحی ویسلخ قبل أن یبرد، هکذا فی البدائع(الفتاوی الهندیة، ج۵ص ۳۰۰، کتاب الأضحیة،الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب)

(و) کره (النخع) أی الذبح الشدید حتی یبلغ النخاع وهو بالفارسیة "حرام مغز "(درر الحکام شرح غررالاحکام،ج ۱ ص۲۷۷، کتاب الذبائح)

(قوله :حتی یبلغ النخاع) هو خیط أبیض فی جوف عظم الرقبة وفیه إشارة إلی أن قطع الرأس مکروه بالأولی وبه صرح فی الکنز ، وقیل فی تفسیر النخاع أن یمد رأسها حتی یظهر مذبحها ، وقیل أن یکسر رقبتها قبل أن تسکن من الاضطراب وکل ذلک مکروه لما فیه من زیادة تعذیب الحیوان بلا فائدة کذا فی التبیین(حاشیة الشرنبلالی علی دررالحکام،ج ۱ ص۲۷۷ ،کتاب الذبائح)

(و) کره کل تعذیب بلا فائدة مثل (قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد) أی تسکن عن الاضطراب وهو تفسیر باللازم کما لا یخفی (الدر المختارمع شرحه ردالمحتار،ج۶ ص ۲۹۶، کتاب الذبائح)

ویکره له بعد الذبح قبل أن تبرد أن ینخعها أیضا وهو أن ینحرها حتی یبلغ النخاع وأن یسلخها قبل أن تبرد؛ لأن فیه زیادة إیلام لا حاجة إلیها، فإن نخع أو سلخ قبل أن تبرد فلا بأس بأکلها لوجود

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۰...... جانور کے حلال کرنے کو شریعت کی زبان میں ''ذکاۃ'' یا ''تذکیہ'' کہا جاتا ہے، جس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک اختیاری، جس کو ذبح یا نحر کہا جاتا ہے۔

ذبح جبڑے اور سینے کے درمیان سے رگیں کاٹنے کا نام ہے، اور نحر حلق کے آخر اور سینے کے قریب سے رگیں کاٹنے کا نام ہے۔

بکری اور گائے وغیرہ کو ذبح کرنا، اور اونٹ کو نحر کرنا سنت ہے۔

اور جانور کو حلال کرنے کی دوسری صورت اضطراری ہے، جو جانور کے بے قابو ہو جانے کی صورت میں اس کے جسم کے کسی بھی حصہ میں بسم اللہ پڑھ کر دھاردار چیز پھینک کر مارنے اور جانور کو زخمی کر دینے کو کہا جاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الذبح بشرائطه، ويكره جرها برجلها إلى المذبح؛ لأنه إلحاق زيادة ألم بها من غير حاجة إليها في الذكاة(بدائع الصنائع ،ج۵ص ۶۰ ،كتاب الذبائح والصيود،فصل في بيان شرط حل الأكل في الحيوان المأكول)

قال -رحمه الله :-(وكره النخع وقطع الرأس والذبح من القفاء) النخع هو أن يصل النخاع وهو خيط أبيض في جوف عظم الرقبة وهو بالفتح، والضم لغة فيه، قال في النهاية :ومن قال هو عرق أبيض فقد سها واعترضه صاحب العناية أن من سمى بما ذكر لم يغلط لأن أهل اللغة ذكروه بلفظ الخيط، وإنما كره لنهيه -عليه الصلاة والسلام -عن أن ننخع الشاة إذا ذبحت وتفسيره ما ذكرنا وقيل أن يمد رأسها حتى يظهر مذبحها وقيل أن يكسر رقبتها قبل أن تسكن من الاضطراب وكل ذلك مكروه وفي قطع الرأس زيادة تعذيب فيكره ويكره أن يجر ما يريد ذبحه وأن يسلخ قبل أن يبرد، ويؤكل في جميع ذلك لأن الكراهة لمعنى زائد وهو زيادة الألم فلا يوجب الحرمة ويكره أن يذبحها موجهة لغير القبلة لمخالفة السنة في توجيهها للقبلة وتؤكل، وفي الذبح من القفا زيادة ألم فيكره ويحل لما ذكرنا إذا بقيت حية حتى يقطع العروق لتحقق الموت بالذكاة، وإن ماتت قبل قطع العروق لا تؤكل لوجود الموت بما ليس بذكاة(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج۵ص ۲۹۲، كتاب الذبائح،ما يكره في الذبح)

[1] النحر :قطع العروق في أسفل العنق عند الصدر ، والذبح :قطعها في أعلاه تحت اللحيين زيلعي . (ردالمحتار،ج۶ ص۳۰۳، كتاب الذبائح)

والذبح هو فرى الأوداج ومحله ما بين اللبة واللحيين............والنحر فرى الأوداج ومحله آخر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۱...... جانور کے حلال ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حلال کرنے والا مسلمان یا صحیح اہلِ کتاب میں سے ہو، اور ذبح کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحلق ، ولو نحر ما يذبح وذبح ما ينحر يحل لوجود فرى الأوداج ولكنه يكره ؛ لأن السنة فى الإبل النحر وفى غيرها الذبح(بدائع الصنائع،ج۵ص ۴۱ ، كتاب الذبائح والصيود، فصل فى بيان شرط حل الاكل فى الحيوان الماكول)

والنحر قطع العروق فى أسفل العنق عند الصدر والذبح قطع العروق من أعلى العنق تحت اللحيين (تكملة البحرالرائق للطور،ج۸ص ۱۹۴ ، كتاب الذبائح ، مايكره فى الذبح)

الذكاة نوعان :اختيارية واضطرارية، أما الاختيارية فركنها الذبح فيما يذبح من الشاة والبقر، والنحر فيما ينحر وهو الإبل عند القدرة على الذبح والنحر، ولا يحل بدون الذبح أوالنحر والذبح هو فرى الأوداج ومحله ما بين اللبة واللحيين، والنحر فرى الأوداج ومحله آخر الحلق، ولو نحر ما يذبح أو ذبح ما ينحر يحل لوجود فرى الأوداج لكنه يكره لأن السنة فى الإبل النحر وفى غيرها الذبح، كذا فى البدائع......وأما الاضطرارية فركنها العقر وهو الجرح فى أى موضع كان وذلك فى الصيد، وكذلك ما ند من الإبل والبقر والغنم بحيث لا يقدر عليها صاحبها لأنها بمعنى الصيد، وإن كان مستأنسا، وسواء ند البعير والبقر فى الصحراء أو فى المصر فذكاته العقر، كذا روى عن محمد -رحمه الله تعالى-، وأما الشاة إن ندت فى الصحراء فذكاتها العقر، وإن ندت فى المصر لم يجز عقرها، وكذلك ما وقع منها فى قليب فلم يقدر على إخراجه ولا مذبحه ولا منحره (الفتاوىٰ الهندية، ج۵ص ۲۸۵،كتاب الذبائح، الباب الاول)

[۱] (وأما شرائط الذكاة فأنواع) : بعضها يعم الذكاة الاختيارية والاضطرارية وبعضها يخص أحدهما دون الآخر، أما الذى يعمهما فمنها أن يكون عاقلا فلا تؤكل ذبيحة المجنون والصبى الذى لا يعقل، فإن كان الصبى يعقل الذبح ويقدر عليه تؤكل ذبيحته، وكذا السكران .(ومنها) أن يكون مسلما أو كتابيا فلا تؤكل ذبيحة أهل الشرك والمرتد؛ لأنه لا يقر على الدين الذى انتقل إليه، ولو كان المرتد غلاما مراهقا لا تؤكل ذبيحته عند أبى حنيفة ومحمد -رحمهما الله تعالى-، وعند أبى يوسف -رحمه الله تعالى -تؤكل بناء على أن ردته صحيحة عندهما، وعنده لا تصح وتؤكل ذبيحة أهل الكتاب ويستوى فيه أهل الحرب منهم وغيرهم، وكذا يستوى فيه نصارى بنى تغلب وغيرهم؛ لأنهم على دين نصارى العرب .فإن انتقل الكتابى إلى دين غير أهل الكتاب من الكفرة لا تؤكل ذبيحته، ولو انتقل غير الكتابى من الكفرة إلى دين أهل الكتاب تؤكل ذبيحته، والأصل فيه أنه ينظر إلى حاله ودينه وقت ذبحه دون ما سواه، وهذا أصل أصحابنا أن من انتقل من ملة من الكفر إلى ملة يقر بها يجعل كأنه من أهل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۲...... جانور کے ذبح کرنے میں چار رگیں کاٹی جاتی ہیں، ایک حلقوم یعنی سانس کی نالی جسے نرخرہ کہتے ہیں، دوسری مری یعنی کھانے پینے کی نالی، تیسری وچوتھی ودجین یعنی شہ رگ جو حلقوم ومری کے دائیں بائیں طرف ہوتی ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تلک الملة من الأصل، والمولود بين كتابي وغير كتابي تؤكل ذبيحته أيهما كان الكتابي الأب أو الأم عندنا، فأما الصابئون فتؤكل ذبائحهم في قول أبي حنيفة -رحمه الله تعالى -، وعند أبي يوسف ومحمد -رحمهما الله تعالى -لا تؤكل، ثم إنما تؤكل ذبيحة الكتابي إذا لم يشهد ذبحه، ولم يسمع منه شيء ، أو شهد وسمع منه تسمية الله تعالى وحده؛ لأنه إذا لم يسمع منه شيء يحمل على أنه قد سمى الله تعالى تحسينا للظن به كما بالمسلم، ولو سمع منه ذكر اسم الله تعالى لكنه عنى بالله عز وجل المسيح -عليه السلام -قالوا تؤكل إلا إذا نص فقال :بسم الله الذي هو ثالث ثلاثة فلا يحل، فأما إذا سمع منه أنه سمى المسيح -عليه السلام -وحده أو سمى الله سبحانه وسمى المسيح لا تؤكل ذبيحته.

(ومنها) التسمية حالة الذكاة عندنا أي اسم كان، وسواء قرن بالاسم الصفة بأن قال : الله أكبر، الله أعظم، الله أجل، الله الرحمن، الله الرحيم، ونحو ذلك، أو لم يقرن بأن قال :الله، أو الرحمن، أو الرحيم، أو غير ذلك، وكذا التهليل والتحميد والتسبيح وسواء كان جاهلا بالتسمية المعهودة أو عالما وسواء كانت التسمية بالعربية أو بالفارسية أو أي لسان كان وسواء كان لا يحسن العربية أو يحسنها، كذا روى بشر عن أبي يوسف -رحمه الله تعالى -، ولو أن رجلا سمى على الذبيحة بالرومية أو بالفارسية وهو يحسن العربية أو لا يحسنها أجزأه ذلك عن التسمية .ومن شرائط التسمية أن تكون التسمية من الذابح حتى لو سمى غيره والذابح ساكت وهو ذاكر غير ناس لا يحل .(ومنها) أن يريد بها التسمية على الذبيحة، فإن أراد بها التسمية لافتتاح العمل لا يحل، وعلى هذا إذا قال :الحمد لله، ولم يرد به التسمية بل أراد به الحمد على سبيل الشكر لا يحل، وكذا لو سبح أو هلل أو كبر ولم يرد به التسمية على الذبيحة، وإنما أراد به وصفه بالوحدانية والتنزه عن صفات المحدث لا غير لا يحل، كذا في البدائع، ولو عطس فقال :الحمد لله يريد به التحميد على العطاس فذبح لا يحل، كذا في فتاوى قاضي خان .(ومنها) تجريد اسم الله تعالى من غيره، وإن كان اسم النبي .(ومنها) أن يقصد بذكر اسم الله تعظيمه على الخلوص لا يشوبه معنى الدعاء ، حتى لو قال :اللهم اغفر لي لم يكن ذلك تسمية؛ لأنه دعاء والدعاء لا يقصد به التعظيم المحض، وأما وقت التسمية فوقتها على الذكاة الاختيارية وقت الذبح لا يجوز تقديمها عليه إلا بزمان قليل لا يمكن التحرز عنه، وأما وقت الاضطرارية فوقتها وقت الرمي والإرسال(الفتاویٰ الهندية، ج۵ص ۲۸۵، ۲۸۶ كتاب الذبائح، الباب الاول)

اگر ذبح کرتے ہوئے یہ ساری رگیں نہ کٹ سکیں، تو جانور کے حلال ہونے اور شرعی ذبیحہ بننے کے لئے کم ازکم تین رگوں کا کٹ جانا بھی کافی ہے، اس سے کم رگوں کا کٹنا کافی نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۳...... عقدہ یعنی گھنڈی کے اوپر ٹھوڑی کے ساتھ والے حصے سے ذبح کرنا منع ہے لیکن اگر کسی نے ذبح کردیا اور چاروں یا کم ازکم تین رگیں کٹ گئیں تو ذبیحہ حلال ہوجاتا ہے۔ [2]

---

[1] قال -رحمه الله :-(والمذبح المرىء والحلقوم والودجان) لما روى عنه -عليه الصلاة والسلام -أنه قال أفر الأوداج بما شئت وهى عروق الحلق فى المذبح والمرىء مجرى الطعام والشراب والحلقوم مجرى النفس والمراد بالأوداج كلها وأطلق عليه تغليبا، وإنما قلنا ذلك لأن المقصود يحصل بقطعهن وهو إزهاق الروح، وإخراج الدم لأنه بقطع المرىء والحلقوم يحصل الإزهاق وبقطع الودجين يحصل إنهار الدم ولو قطع الأوداج وهى العروق من غير قطع المرىء والحلقوم لا يموت فضلا عن التوجه فلا بد من قطعهما ليحصل التوجه ولا بد من قطع الودجين، أو أحدهما ليحصل إنهار الدم، وفى المحيط والمرىء وهو مجرى النفس والودجان مجرى الدم والحلقوم مجرى الطعام والشراب ولو خر عنق شاة بسيف من قبل الأوداج وسمى يحل لأنه أتى بالذكاة وزيادة وقد أساء لأنه جاوز النخاع اهـ.

قال -رحمه الله :-(وقطع الثلاث كاف) والاكتفاء بالثلاث مطلقا هو قول الإمام وقول أبى يوسف أولا وعن أبى يوسف أنه يشترط قطع الحلقوم والمرىء وأحد الودجين وعن محمد لا بد من قطع الأكثر من كل واحد من هذه الأربعة وأجمعوا أنه يكتفى بقطع الأكثر من هذه العروق الأربعة فأما الحلقوم والمرىء فمخالفان للأوداج وكل واحد منهما مخالف للآخر فلا بد من قطعهم وأبو حنيفة يقول :الأكثر يقوم مقام الكل(تكملة البحر الرائق للطورى، ج۸ص۱۹۳،كتاب الذبائح،كيفية الذبح)

[2] قال (وإن نحر البقرة حلت ويكره ذلك) لما بينا أن السنة فى البقرة الذبح قال الله تعالى (إن الله يأمركم أن تذبحوا بقرة)(بخلاف الإبل فالسنة فيها النحر) ، وهذا؛ لأن موضع النحر من البعير لا لحم عليه، وما سوى ذلك من حلقه عليه لحم غليظ فكان النحر فى الإبل أسهل .فأما فى البقر أسفل الحلق وأعلاه فاللحم عليه سواء كما فى الغنم فالذبح فيه أيسر والمقصود تسييل الدم والعروق من أسفل الحلق إلى أعلاه فالمقصود يحل بالقطع فى أى موضع كان منه؛ فلهذا حل وهو معنى قوله -عليه الصلاة والسلام -الذكاة ما بين اللبة واللحيين ، ولكن ترك الأسهل مكروه فى كل جنس لما فيه من زيادة إيلام غير محتاج إليه(المبسوط للسرخسى، ج۱۲ ص۳،كتاب الذبائح، نحر البقرة)

أقول :والتحرير للمقام أن يقال :إن كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلاثة من العروق .فالحق ما قاله شراح الهداية تبعا للرستغفنى، وإلا فالحق خلافه، إذ لم يوجد شرط الحل باتفاق أهل المذهب،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۴۱...... جانور کو گلے کی طرف سے ذبح کرنے کے بجائے پیچھے گدی یا گردن کی طرف سے ذبح کرنا منع اور گناہ ہے، البتہ اگر اس طرح ذبح کرنے سے جانور کے زندہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويظهر ذلک بالمشاهدة أو سؤال أهل الخبرة، فاغتنم هذا المقال ودع عنک الجدال(ردالمحتار، ج٦ص ٢٩٥، کتاب الذبائح)

قال الأتقاني -رحمه الله- بعد حكاية قول الرستغفني ويجوز أكلها سواء بقيت العقدة مما يلى الرأس أو مما يلى الصدر، وإنما المعتبر عندنا قطع أكثر الأوداج ما نصه وهذا صحيح لأنه لا اعتبار لكون العقدة من فوق أو من تحت ألا ترى إلى قول محمد بن الحسن فى الجامع الصغير لا بأس بالذبح فى الحلق كله أسفل الحلق أو وسطه أو أعلاه فإذا ذبح فى الأعلى لا بد أن تبقى العقدة من تحت ولم يلتفت إلى العقدة لا فى كلام الله ولا فى كلام رسوله بل الذكاة بين اللبة واللحيين بالحديث وقد حصلت لا سيما على مذهب أبى حنيفة -رضى الله عنه- فإنه يكتفى بالثلاث من الأربع أى ثلاث كانت ويجوز ترك الحلقوم أصلا فبالطريق الأولى أن يحل الذبيح إذا قطع الحلقوم وبقيت العقدة إلى أسفل الحلقوم وبلغنا أن واحدا ممن يتسمى فقيها فى زعم العوام وقد كان مشتهرا بينهم أمر رمى الذبيح إلى الكلاب حيث بقيت العقدة إلى الصدر لا إلى ما يلى الرأس فيا ليت شعرى ممن أخذ هذا أمن كتاب الله ولا أثر له فيه أو من حديث رسول الله ولم يسمع له فيه نبأ أو من إجماع الأمة ولم يقل به أحد من الصحابة والتابعين أو من إمامه الذى هو أبو حنيفة ولم ينقل عنه ذلک أصلا بل المنقول عنه وعن أصحابه ما ذكرناه أو ارتكب الرجل هواه فضل وأضل قال تعالى (ولا تتبع الهوى فيضلک عن سبيل الله) أو استحى عن الرجوع عن الباطل إلى الحق وخجل من العوام كى لا يفسد اعتقادهم فيه إذا عمل بخلاف ما أفتى أولا فالرجوع إلى الحق خير من التمادى فى الباطل اهـ ما قاله الأتقانى(حاشية الشلبى على التبيين الحقائق، ج٥ص ٢٩٠، كتاب الذبائح، موضع الذبح)

اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

> بندہ نے اس کو تحقیق کیا ہے، اور گائے مذبوح کا سر منگا کر دیکھا ہے، لہٰذا بندہ کی رائے (میں) اکثر عروق قطع ہوجاتی ہیں، اور مذبوح حلال ہے، اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ ذبح بحکم حدیث مابین اللبۃ واللحیین ہے (فتاویٰ مظاہر علوم، ج۱ص ۲۸۸، کتاب الذبائح)

اور امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

> حلت وحرمت دونوں قولوں میں اختلاف کا مبنیٰ صرف یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ میں حلقوم اور مُری قطع ہونگے یا نہیں؟ سو یہ امر مشاہدہ کے متعلق ہے، مشاہدہ کے بعد اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں، اور چونکہ مشاہدہ قطع کا روایتِ ثقات سے محقق ہو چکا، اس لئے حلت کا حکم دیا جاوے گا، مدت ہوئی کہ احقر نے اس کی حرمت کا فتویٰ کتبِ فقہ سے نقل کیا تھا، اب اس سے رجوع کرتا ہوں (امداد الفتاویٰ ج۳ص ۵۳۹، کتاب الذبائح والاضحیۃ والصید والعقیقۃ)

ہونے کی حالت میں وہ رگیں کٹ جائیں، جن کو ذبح میں کاٹنا ضروری ہے، تو وہ جانور حلال ہوجائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۵...... جانور کو قربانی کی نیت سے ذبح کرنا ضروری ہے، تاکہ قربانی اور غیر قربانی (یعنی عقیقہ وغیرہ) میں نیت کے ذریعہ سے فرق ہوجائے، اور نیت کا اصل محل دل ہے، زبان سے نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں۔ اور نیت کا ذبح کے متصل ہونا ضروری ہے۔

البتہ اگر جانور خریدتے وقت قربانی کی نیت تھی مگر اس جانور کو ذبح بغیر نیت کے کر دیا تو بھی بعض حضرات کے نزدیک قربانی درست ہوجاتی ہے، تاہم ایسا کرنا خلافِ احتیاط معلوم ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] وإذا ذبح الشاة من قبل القفاء، فإن قطع الأكثر من هذه الأشياء قبل ان يموت، حلت، وان ماتت قبل قطع الاكثر من هذه الاشياء ،لا يحل، ويكره هذا الفعل؛ لأنه خلاف السنة، وفيه زيادة إيلام(المحيط البرهانى، ج۸ص ۴۴۹، کتاب الذبائح،الفصل الثانى فى صفة الذكاة)

[2] وأما شرائط جواز إقامة الواجب؛ وهى التضحية فهى فى الأصل نوعان :نوع يعم ذبح كل حيوان مأكول ونوع يخص التضحية؛ أما الذى يعم ذبح كل حيوان مأكول فقد ذكرناه فى كتاب الذبائح، وأما الذى يخص التضحية فأنواع :بعضها يرجع إلى من عليه التضحية، وبعضها يرجع إلى وقت التضحية، وبعضها يرجع إلى محل التضحية.

أما الذى يرجع إلى من عليه التضحية فمنها نية الأضحية لا تجزى الأضحية بدونها؛ لأن الذبح قد يكون للحم وقد يكون للقربة والفعل لا يقع قربة بدون النية؛ قال النبى -عليه الصلاة والسلام -لا عمل لمن لا نية له والمراد منه عمل هو قربة؛ وللقربة جهات من المتعة والقران والإحصار وجزاء الصيد وكفارة الحلق وغيره من المحظورات فلا تتعين الأضحية إلا بالنية؛ وقال النبى -عليه الصلاة والسلام -إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرء ما نوى ويكفيه أن ينوى بقلبه ولا يشترط أن يقول بلسانه ما نوى بقلبه كما فى الصلاة؛ لأن النية عمل القلب، والذكر باللسان دليل عليها............ (ومنها) أن تكون نية الأضحية مقارنة للتضحية كما فى باب الصلاة؛ لأن النية معتبرة فى الأصل فلا يسقط اعتبار القران إلا لضرورة كما فى باب الصوم؛ لتعذر قران النية لوقت الشروع لما فيه من الحرج(بدائع الصنائع، ج۵ص ۷۱،۷۲ ملخصاً، كتاب التضحية، فصل فى شرائط جواز إقامة الواجب فى الأضحية)

(قوله بنية القربة) أى المعهودة وهى التضحية .قال فى البدائع :فلا تجزء التضحية بدونها لأن الذبح قد يكون للحم وقد يكون للقربة، والفعل لا يقع قربة بدون النية، وللقربة جهات من المتعة والقران والإحصار وغيره فلا تتعين الأضحية إلا بنيتها، ولا يشترط أن يقول بلسانه ما نوى بقلبه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۶...... اگر جانور بے قابو ہو کر چھوٹ جائے اور پکڑنے میں نہ آئے، اور بھاگ جانے یا ضائع ہونے کا خطرہ ہو (مثلاً کنویں میں گر جائے، یا قریب آنے والے کو مارنے لگے) تو ذبح اضطراری بھی جائز ہے، یعنی چھری، برچھی وغیرہ کسی دھاردار آلہ پر ذبح کی نیت سے کوئی مسلمان بسم اللہ پڑھ کر دور سے مار دے، وہ جانور کے جسم میں جس جگہ بھی لگ جائے اور جانور زخمی ہو کر ہلاک ہو جائے تو جانور حلال ہو جائے گا البتہ اگر بعد میں زندہ پر زخمی حالت میں قابو پالیا گیا، تو پھر شرعی طریقے پر ذبح کرنا ضروری ہو جائے گا۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ کما فی الصلاة اهـ .وفی البزازیة :لو ذبح المشتراة لها بلا نیة الأضحیة جازت اکتفاء بالنیة عند الشراء اهـ.أقول :فیه مخالفة لما ذکره فی البدائع أیضا أن من الشروط مقارنة النیة للتضحیة کما فی الصلاة لأنها هی المعتبرة، فلا یسقط اعتبار القران إلا للضرورة کما فی الصوم لتعذر قرانها بوقت الشروع اهـ وبالأول جزم فی القاعدة الأولی من الأشباه تأمل(ردالمحتار، ج۶ص ۳۱۲، کتاب الاضحیة)

ذبح المشتراة لها بلا نیة الأضحیة جازت اکتفاء بالنیة عند الشراء ، کذا فی الوجیز للکردری(الفتاویٰ الهندیة، ج۵ص ۲۹۴، کتاب الاضحیة، الباب الثانی)

[۱] (وأما) الاضطراریة فرکنها العقر وهو الجرح فی أی موضع کان وذلک فی الصید وما هو فی معنی الصید وإنما کان کذلک؛ لأن الذبح إذا لم یکن مقدورا ولا بد من إخراج الدم لإزالة المحرم وتطییب اللحم وهو الدم المسفوح علی ما بینا فیقام سبب الذبح مقامه وهو الجرح علی الأصل المعهود فی الشرع من إقامة السبب مقام المسبب عند العذر والضرورة کما یقام السفر مقام المشقة، والنکاح مقام الوطء ، والنوم مضطجعا أو متورکا مقام الحدث، ونحو ذلک.

وکذلک ما ند من الإبل والبقر والغنم بحیث لا یقدر علیها صاحبها؛ لأنها بمعنی الصید وإن کان مستأنسا (بدائع الصنائع، ج۵ص ۴۳، کتاب الذبائح والصیود، فصل فی بیان شرط حل الأکل فی الحیوان المأکول)

وأما الاضطراریة فرکنها العقر وهو الجرح فی أی موضع کان وذلک فی الصید وکذلک ما ند من الإبل والبقر والغنم بحیث لا یقدر علیها صاحبها لأنها بمعنی الصید وإن کان مستأنسا وسواء ند البعیر والبقر فی الصحراء أو فی المصر فذکاته العقر (الفتاویٰ الهندیة، ج۵ص ۲۸۵، کتاب الذبائح،الباب الأول)

وإن ندت الأهلیة وتوحشت فرماها عن الأضحیة جاز (فتاوی قاضی خان، ج ۳،ص ۲۰۸، کتاب الأضحیة،فصل فیما یجوز فی الضحایا وما لا یجوز)

شاة ندت فرماها صاحبها و نوی الأضحیة فأصابها السهم و قتل جازت الأضحیة لأنها التحقت بالوحشیة(فتاوی قاضی خان، ج ۳،ص ۲۱۳ ،کتاب الأضحیة)

وفی فتاوی الفضلی :شاة ندت وتوحشت فرماها صاحبها ونوی الأضحیة فأصابها أجزأه عن الأضحیة(تکملة البحر الرائق للطوری ، ج۸،ص ۲۰۴ ،کتاب الأضحیة)

مسئلہ نمبر ۱۷..... کافر، مرتد کا ذبح کیا ہوا جانور حلال نہیں مردار ہے اور ایسا گوشت کھانا حرام ہے، اور اسی وجہ سے قادیانیوں کا ذبیحہ بھی حلال نہیں، کیونکہ وہ بھی مسلمان نہیں ہیں۔ ١

جو رافضی کفریہ عقائد رکھتا ہو، مثلاً نعوذ باللہ تعالیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اُلوہیت کا، یا حضرت جبریل علیہ السلام کے وحی لانے میں غلطی کا قائل ہو، یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر نعوذ باللہ تعالیٰ زنا کی تہمت لگاتا ہو، یا مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت کا منکِر ہو، یا اسی طرح کا کوئی اور ایسا کفریہ عقیدہ رکھتا ہو کہ جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو، تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں۔

اور اگر کسی رافضی کے عقیدہ کا علم نہ ہو، تو بھی اُس سے قربانی کا جانور ذبح کرانے سے پرہیز کرنے میں ہی احتیاط ہے۔ ٢

---

١ ولا تؤكل ذبيحة المجوسي لقوله عليه الصلاة والسلام سنوا بهم سنة أهل الكتاب غيرنا كحي نسائهم ولا آكلي ذبائحهم ولأنه لا يدعي التوحيد فانعدمت الملة اعتقادا ودعوى قال والمرتد لأنه لا ملة له فإنه لا يقر على ما انتقل إليه بخلاف الكتابي إذا تحول إلى غير دينه لأنه يقر عليه عندنا فيعتبر ما هو عليه عند الذبح لا ما قبله قال والوثني لأنه لا يعتقد الملة (الهداية شرح بداية المبتدي، ج۴ص ۶۲، كتاب الذبائح)

ولا يجوز ذبح المجوسي ولا المرتد (تحفة الفقهاء، ج۳ص ۷۱، كتاب الذبائح)

والمرتد لا ملة له فلا تجوز ذبيحته، ويجوز صيد المجوسي والمرتد السمك والجراد ;لأنه لا ذكاة له فحله غير منوط بالتسمية (الاختيار لتعليل المختار، ج۵ص ۱۰، كتاب الذبائح)

٢ قلت :وفي كفر الرافضي بمجرد السب كلام سنذكره إن شاء الله تعالى في باب المرتد، نعم لو كان يقذف السيدة عائشة -رضي الله عنها -فلا شك في كفره (رد المحتار على الدر المختار، ج۴، ۷۰، كتاب الحدود، باب التعزير)

وبهذا ظهر أن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في علي، أو أن جبريل غلط في الوحي، أو كان ينكر صحبة الصديق، أو يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة، بخلاف ما إذا كان يفضل عليا أو يسب الصحابة فإنه مبتدع لا كافر كما أوضحته في كتابي تنبيه الولاة والحكام عامة أحكام شاتم خير الأنام أو أحد الصحابة الكرام عليه وعليهم الصلاة والسلام (رد المحتار على الدر المختار، ج۳، ۴۶، كتاب النكاح)

الرافضي إذا كان يسب الشيخين ويلعنهما والعياذ بالله، فهو كافر، وإن كان يفضل عليا كرم الله تعالى وجهه على أبي بكر -رضي الله تعالى عنه -لا يكون كافرا إلا أنه مبتدع والمعتزلي مبتدع إلا إذا قال باستحالة الرؤية، فحينئذ هو كافر كذا في الخلاصة ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اہلِ کتاب (یہودی یا عیسائی) کا ذبیحہ حلال ہے، مگر اہلِ کتاب سے قربانی کا جانور ذبح کرانا مکروہ ہے، بشرطیکہ وہ ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھے، غیرُ اللہ کا نام نہ لے، اور واقعتاً اہلِ کتاب ہو، اور یہود ونصاریٰ کے دین اور اُن عقائد پر قائم ہو، کہ جن کی وجہ سے یہود ونصاریٰ دوسرے مذہب والوں سے ممتاز ہوتے ہیں، اگرچہ وہ خالص توحید پر ایمان نہ رکھتا ہو، اور موجودہ تورات وانجیل میں تحریف کا قائل نہ ہو، اور نہ ہی حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی شریعتوں کے منسوخ ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو۔

اور آج کل عیسائی اور یہودیوں میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے کہ جو اپنی مردم شماری کے اعتبار سے تو یہودی یا نصرانی کہلاتے ہیں، مگر درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے اور کسی مذہب کے قائل نہیں، بلکہ دہریئے اور مادہ پرست ہیں، اس کائنات کے پیدا کرنے والی ذات کے وجود کو بھی تسلیم نہیں کرتے، نہ تورات وانجیل کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتے ہیں، نہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی ورسول تسلیم کرتے ہیں، یہ ظاہر ہے کہ وہ صرف مردم شماری کے نام کی وجہ سے اہلِ کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہوسکتے، اور اسی وجہ سے ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوسکتا (جواہر الفقہ بتغیر واضافہ، ج۶ ص۲۰۱، کتاب الصید والذبائح، طبع جدید نومبر 2010ء، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولو قذف عائشة -رضى الله تعالى عنها -بالزنا كفر بالله، ولو قذف سائر نسوة النبى -صلى الله عليه وسلم -لا يكفر ويستحق اللعنة، ولو قال عمر وعثمان وعلى -رضى الله عنهم -لم يكونوا أصحابا لا يكفر ويستحق اللعنة كذا فى خزانة الفقه،من أنكر إمامة أبى بكر الصديق -رضى الله عنه -، فهو كافر، وعلى قول بعضهم هو مبتدع وليس بكافر والصحيح أنه كافر، وكذلك من أنكر خلافة عمر -رضى الله عنه -فى أصح الأقوال كذا فى الظهيرية(الفتاوى الهندية، ج ٢،ص ٢٦٤،كتاب السير،الباب التاسع فى أحكام المرتدين،مطلب فى موجبات الكفر أنواع)

[1] ثم إنما تؤكل ذبيحة الكتابى إذا لم يشهد ذبحه ولم يسمع منه شىء أو سمع وشهد منه تسمية الله تعالى وحده؛ لأنه إذا لم يسمع منه شيئا يحمل على أنه قد سمى الله تبارك وتعالى وجرد التسمية تحسينا للظن به كما بالمسلم، ولو سمع منه ذكر اسم الله تعالى لكنه عنى بالله عز

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لئے جانور اور بطورِ خاص قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کے لئے صحیح العقیدہ مسلمان کو تلاش کرنا چاہئے اگر کسی وقت صحیح العقیدہ قصاب دستیاب نہ ہو تو ذبح پھر بھی خود یا کسی صحیح العقیدہ مسلمان سے کرایا جائے، پھر ذبح کے بعد گوشت وغیرہ اس سے بنوانے کی گنجائش ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وجل المسيح -عليه الصلاة والسلام -قالوا :تؤكل؛ لأنه أظهر تسمية هی تسمية المسلمين إلا إذا نص فقال :بسم الله الذی هو ثالث ثلاثة فلا تحل.

وقد روی عن سيدنا علی -رضی الله عنه -أنه سئل عن ذبائح أهل الكتاب وهم يقولون ما يقولون فقال - :رضی الله عنه -قد أحل الله ذبائحهم وهو يعلم ما يقولون فأما إذا سمع منه أنه سمى المسيح -عليه الصلاة والسلام -وحده أو سمى الله سبحانه وتعالى وسمى المسيح لا تؤكل ذبيحته كذا روی سيدنا علی -رضی الله عنه -ولم يرو عن غيره خلافه فيكون إجماعا ولقوله عز وجل (وما أهل لغير الله) وهذا أهل لغير الله عز وجل به فلا يؤكل ومن أكلت ذبيحته ممن ذكرنا أكل صيده الذی صاده بالسهم أو بالجوارح ومن لا فلا؛ لأن أهلية المذكی شرط فی نوعی الذكاة الاختيارية والاضطرارية جميعا(بدائع الصنائع، ج۵ص۴۶ ،كتاب الذبائح والصيود،فصل فی بيان شرط حل الأكل فی الحيوان المأكول)

(وتحل ذبيحة مسلم وكتابی ذمی أو حربی) أما المسلم فلقوله تعالى (إلا ما ذكيتم)والخطاب للمسلمين وأما الكتابی فلقوله تعالى (وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم) والمراد به مذكاهم؛ لأن مطلق الطعام غير المذكی يحل من أی كافر كان(مجمع الانهر، ج۲ص۵۰۷، كتاب الذبائح)

(قوله وكره ذبح الكتابی) أی بالأمر لأنها قربة، ولا ينبغی أن يستعان بالكافر فی أمور الدين، ولو ذبح جاز لأنه من أهل الذبح بخلاف المجوسی أتقانی وقهستانی وغيرهما، وظاهر كلام الزيلعی وغيره عدم الكراهة لو كان بأمره، وبه صرح مسكين مستدلا عليه بقول الكافی :ولو أمر المسلم كتابيا بأن يذبح أضحيته جاز، وكره بدون أمره، لكن نقل أبو السعود عن الحموی أن بعضهم ذكر أن عبارة الكافی على خلاف ما نقل عنه.وفی الجوهرة :فإذا ذبحها للمسلم بأمره أجزأه ويكره (ردالمحتار، ج۶ص۳۲۸، كتاب الاضحية)

(قوله لا تحل ذبيحة غير كتابی) وكذا الدروز كما صرح به الحصنی من الشافعية، حتى قال :لا تحل القريشة المعمولة من ذبائحهم وقواعدنا توافقه، إذ ليس لهم كتاب منزل ولا يؤمنون بنبی مرسل .والكتابی من يؤمن بنبی ويقر بكتاب رملی.

أقول :وفی بلاد الدروز كثير من النصارى، فإذا جیء بالقريشة أو الجبن من بلادهم لا يحكم بعدم الحل ما لم يعلم أنها معمولة بإنفحة ذبيحة درزی، وإلا فقد تعمل بغير إنفحة، وقد يذبح الذبيحة نصرانی تأمل، وسيأتی عن المصنف آخر كتاب الصيد أن العلم بكون الذابح أهلا للذكاة ليس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۸...... ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے اور خاص ''بِسْمِ اللّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' پڑھنا سنت ہے۔

نیز ذبح کے وقت صرف ایک مرتبہ ''بِسْمِ اللّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہہ لینا کافی ہے مسلسل اور بار بار پڑھتے رہنا ضروری نہیں، اگرچہ اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔

اس کے علاوہ اور کوئی دعا ضروری نہیں۔

بعض جگہ دستور ہے کہ قربانی کرنے والا شخص چھری پر پھونک مار کر ذبح کرنے والے کو دیتا ہے، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، اس لئے اس طریقہ کو چھوڑنا چاہئے، اور شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق عمل کرنے پر اکتفاء کرنا چاہئے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۹...... اگر کسی نے جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کے بجائے اللہ اعظم یا اور کوئی ایسا لفظ پڑھ لیا جس میں اللہ کی بڑائی یا اللہ کی کسی صفت کا ذکر تھا، مثلاً ''اللہ الرحمٰن'' وغیرہ، یا عربی کے بجائے اردو یا کسی اور زبان میں اس قسم کے الفاظ ادا کیے (مثلاً اللہ کے نام سے، اللہ سب سے بڑا ہے وغیرہ) تو بھی ذبح حلال ہوجائے گا، لیکن جب تک عربی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بشرط (ردالمحتار، ج۶ ص۲۹۸، کتاب الذبائح)

والحق مااختاره فی متن الدر من الكراهة فقد عرفت مارويناعن جماعة من الصحابة وغيرهم من علماء التابعين انهم قالوا: لايذبح أضاحيكم اليهود ولاالنصارى لايذبحها الا مسلم، واقل مايحمل عليه ان يكون ذبح الكتابی مكروها، والا لزمنا مخالفة جماعة الصحابة ولايعرف لهم مخالف منهم، لايجوز ذلک عندنا، فافهم والله تعالیٰ أعلم (اعلاء السنن، ج۱۷، ص ۲۷۴ باب افضلية مباشرة التضحية بيده)

[1] والشرط فی التسمية هوالذكر الخالص من شوب الدعاء وغيره فلايحل بقوله اللهم اغفرلی لانه دعاء وسؤال بخلاف الحمدلله اوسبحان الله مريدا به التسمية فانه يحل......والمستحب ان يقول بسم الله الله اكبر بلاواو وكره بها (الدرالمختار)

قوله والشرط فی التسمية هوالذكر الخالص بای اسم كان مقرونا بصفة كالله اكبر اواجل اواعظم اولا كالله او الرحمن وبالتهليل والتسبيح جهل التسمية اولا بالعربية اولا ولو قادراعليها وتشترط كونها من الذابح لامن غيره هندية (ردالمحتار ج ۶ ص ۳۰۱، كتاب الذبائح)

کے مسنون کلمات پڑھنے پر قادر ہو، ایسا کرنا مناسب نہیں۔ [1]

[1] (ومنها) التسمية حالة الذكاة عندنا أى اسم كان، وسواء قرن بالاسم الصفة بأن قال :الله أكبر، الله أعظم، الله أجل، الله الرحمن، الله الرحيم، ونحو ذلك، أو لم يقرن بأن قال :الله، أو الرحمن، أو الرحيم، أو غير ذلك، وكذا التهليل والتحميد والتسبيح وسواء كان جاهلا بالتسمية المعهودة أو عالما وسواء كانت التسمية بالعربية أو بالفارسية أو أى لسان كان وسواء كان لا يحسن العربية أو يحسنها، كذا روى بشر عن أبى يوسف -رحمه الله تعالى -، ولو أن رجلا سمى على الذبيحة بالرومية أو بالفارسية وهو يحسن العربية أو لا يحسنها أجزأه ذلك عن التسمية(الفتاوى الهندية، ج۵ص ۲۸۵،۲۸۶،كتاب الذبائح،الباب الأول فى ركن الذبح وشرائطه وحكمه وأنواعه)

أما ركنها فذكر اسم الله عز وجل أى اسم كان وههنا ورد بذكر اسم الله تعالى، وسواء كانت التسمية بالعربية أو بالفارسية أو أى لسان كان وهو لا يحسن العربية أو يحسنها.

كذا روى بشر عن أبى يوسف رحمهما الله لو أن رجلا سمى على الذبيحة بالرومية أو بالفارسية وهو يحسن العربية أو لا يحسنها أجزأه ذلك عن التسمية؛ لأن الشرط فى الكتاب العزيز والسنة ذكر اسم الله تعالى مطلقا عن العربية والفارسية وهذا ظاهر على أصل أبى حنيفة -رحمه الله -فى اعتباره المعنى دون اللفظ فى تكبيرة الافتتاح فيستوى فى الذبح التكبيرة العربية والعجمية من طريق الأولى فأما على أصلهما فهما يحتاجان إلى الفرق بين التكبير والتسمية حيث قالا فى التسمية :إنها جائزة بالعجمية سواء كان يحسن العربية أو لا يحسن .وفى التكبير لا يجوز بالعجمية إلا إذا كان لا يحسن العربية؛ لأن المشروط ههنا ذكر اسم الله تعالى وأنه يوجد بكل لسان والشرط هناك لفظة التكبير؛ لقوله -عليه الصلاة والسلام -لا تقبل صلاة امرء حتى يضع الطهور مواضعه ويستقبل القبلة ويقول الله أكبر نفى -عليه الصلاة والسلام -القبول بدون لفظ التكبير ولا يوجد ذلك بغير لفظ العربية(بدائع الصنائع، ج۵ص۴۷،۴۸، كتاب الذبائح والصيود،فصل فى بيان شرط حل الأكل فى الحيوان المأكول)

وقال الكرخى فى مختصره وقال بشر عن أبى يوسف لو أن رجلا سمى على ذبيحته أو الرمية بالفارسية وهو يحسن العربية أو لا يحسنها أجزأه ذلك من التسمية ، ثم قال فيه :التهليل والتحميد والتكبير والتسبيح بمنزلة التسمية للجاهل بالسنة والعالم بها إلى هنا لفظ الكرخى وذلك لأن المأمور به ذكر الله على وجه التعظيم وهذا موجود فى جميع هذه الألفاظ وهذا ظاهر على أصل أبى حنيفة ومحمد فى تكبير الصلاة،وأما على قول أبى يوسف فلا يجوز الدخول فى الصلاة إلا بالتكبير لقوله -عليه الصلاة والسلام -فى حديث الأعرابى ثم تكبر وقال فى الذكاة إذا أرسلت كلبك وذكرت اسم الله عليه فكل فظهر الفرق .اهـ .أتقانى (حاشية الشلبى على التبيين الحقائق ، ج۵ص ۲۸۹، كتاب الذبائح)

مسئلہ نمبر۲۰...... ذبح کی تکبیر کا پڑھنا ذبح کرنے والے کے ذمہ ضروری اور کافی ہے کسی اور کا پڑھنا کافی نہیں اور نہ ہی کسی اور کا پڑھنا ضروری ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲۱...... عوام میں مشہور ہے کہ ذبح کرنے والے کے علاوہ جانور کو پکڑنے والے اور مدد کرنے والے پر بھی ذبح کی تکبیر کہنا ضروری ہے، حالانکہ یہ غلط ہے، اور شرعی اعتبار سے ذبح کی تکبیر کا پڑھنا صرف ذبح کرنے والے پر ضروری ہے۔

البتہ اگر ذبح کرنے کے عمل میں ایک سے زیادہ افراد اس طرح شریک ہیں، کہ ان سب نے چھری پر ہاتھ رکھا ہوا ہے، تو ہر ایک کے ذمہ تکبیر کہنا ضروری ہے، اس صورت میں اگر ایک شخص بھی جان بوجھ کر تکبیر نہیں کہے گا، تو جانور حلال نہیں ہوگا۔ [2]

مسئلہ نمبر۲۲...... اگر کوئی مسلمان ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا بھول جائے تو وہ ذبیحہ حلال ہے اور اگر کوئی جان بوجھ کر اللہ کا نام چھوڑ دے تو وہ ذبیحہ حلال نہیں۔ [3]

---

[1] ومن شرائط التسمية أن تكون التسمية من الذابح حتى لو سمى غيره والذابح ساكت وهو ذاكر غير ناس لا يحل (الفتاوى الهندية، ج۵ص ۲۸۶، كتاب الذبائح، الباب الأول فى ركن الذبح وشرائطه وحكمه وأنواعه)

و كذا لو نظر إلى جماعة من الغنم فقال بسم الله و أخذوا واحدة و أضجعها و ذبحها و ترك التسمية و ظن أن تلك التسمية تجزيه لا يحل (فتاوى قاضى خان، كتاب الأضحية، ج۳ص ۲۱۳)

[2] ومن شرائط التسمية أن تكون التسمية من الذابح (الفتاوى الهندية، ج۵ص ۲۸۶، كتاب الذبائح، الباب الأول فى ركن الذبح وشرائطه وحكمه وأنواعه)

رجل أراد أن يضحي فوضع صاحب الشاة يده على السكين مع يد القصاب حتى تعاونا على الذبح قال الشيخ الإمام :يجب على كل واحد منهما التسمية حتى لو ترك أحدهما التسمية لا يجوز، كذا فى الظهيرية والله أعلم (الفتاوى الهندية، ج۵ص ۳۰۴، كتاب الأضحية، الباب السابع فى التضحية عن الغير وفى التضحية بشاة الغير عن نفسه)

رجل أراد أن يضحي فوضع صاحب الشاة يده مع يد القصاب فى المذبح و أعانه على الذبح حتى صار ذابحا مع القصاب قال الشيخ الإمام هذا رحمه الله تعالى يجب على كل واحد منهما التسمية حتى لو ترك أحدهما التسمية لاتحل الذبيحة *و كذا لو علم صاحب الشاة أن التسمية شرط إلا أنه ظن أن تسمية أحدهما تكفى لا يحل أكله (فتاوى قاضى خان، كتاب الأضحية، ج۳ص ۲۱۳)

[3] (وتارك تسمية عمدا) خلافا للشافعي (فإن) (تركها ناسيا) (حل) خلافا لمالك (الدر المختار)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۴۳...... جانور ذبح کرنے سے پہلے مرنے کے قریب ہوگیا لیکن زندگی کے آثار موجود ہیں، تو ذبح کرنے سے حلال ہوجائے گا۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قوله خلافا لمالك) كذا في أكثر كتبنا إلا أن المذكور في مشاهير كتب مذهبه أنه يسمى عند الإرسال وعند الذبح، فإن تركها عامدا لا يؤكل على المشهور، وناسيا يؤكل غرر الأفكار(ردالمحتار، ج٦ص ٢٩٩، كتاب الذبائح)

ومنها التسمية حتى لو تركها عامدا لا يحل عندنا وعند الشافعي يحل وأجمعوا أنه لو تركها ناسيا يحل والمسألة معروفة(تحفة الفقهاء، ج٣ص ٦٦ ،كتاب الذبائح)

قال -رحمه الله -(وحل لو ناسيا) أي حل المذكى إن ترك التسمية ناسيا(تبيين الحقائق، ج٥ص٢٨٨، كتاب الذبائح)

ل جس جانور کا ذبح سے پہلے زندہ ہونا یقینی ہو وہ ذبح کے بعد حلال ہے، اگرچہ ذبح کے وقت زندگی کے آثار بھی ظاہر نہ ہوں، لیکن اگر ذبح کے وقت اس کا زندہ ہونا یقینی نہ ہو تو پھر زندگی کی کسی علامت واثر کا ظاہر ہونا ضروری ہے مثلاً یہ کہ ذبح کے وقت اس نے حرکتِ اضطرابی کی ہو یا آنکھ بند کی ہو، یا پیروں کو سکیڑا ہو، یا اس طرح خون نکلا ہو، جس طرح زندہ جانور کا نکلتا ہے۔

(ذبح شاة) مريضة (فتحركت أو خرج الدم) (حلت وإلا لا إن لم تدر حياته) عند الذبح، وإن علم حياته (حلت) مطلقا (وإن لم تتحرك ولم يخرج الدم) وهذا يتأتى في منخنقة ومتردية ونطيحة، والتي فقر الذئب بطنها فذكاة هذه الأشياء تحلل، وإن كانت حياتها خفيفة وعليه الفتوى، -(إلا ما ذكيتم)من غير فصل وسيجيء في الصيد.(ذبح شاة لم تدر حياتها وقت الذبح) ولم تتحرك ولم يخرج الدم (إن فتحت فاها لا تؤكل، وإن ضمته أكلت، وإن فتحت عينها لا تؤكل وإن ضمتها أكلت، وإن مدت رجلها لا تؤكل، وإن قبضتها أكلت، وإن نام شعرها لا تؤكل، وإن قام أكلت) لأن الحيوان يسترخي بالموت؛ ففتح فم وعين ومد رجل ونوم شعر علامة الموت لأنها استرخاء ومقابلها حركات تختص بالحي فدل على حياته، وهذا كله إذا لم تعلم الحياة (وإن علمت حياتها) وإن قلت (وقت الذبح أكلت مطلقا) بكل حال زيلعي(الدرالمختار ، كتاب الذبائح)

(قوله فتحركت) أي بغير نحو مد رجل وفتح عين مما لا يدل على الحياة كما يأتي (قوله أو خرج الدم) أي كما يخرج من الحي .قال في البزازية :وفي شرح الطحاوي :خروج الدم لا يدل على الحياة إلا إذا كان يخرج كما يخرج من الحي عند الإمام، وهو ظاهر الرواية (قوله حلت) لوجود علامة الحياة (قوله حياته) الأولى حياتها كما عبر في المنح لكن ذكر الضمير باعتبار المذبوح (قوله حلت مطلقا) يفسره ما بعده .قال في المنح :لأن الأصل بقاء ما كان على ما كان فلا يحكم بزوال الحياة بالشك (قوله وهذا يتأتى في منخنقة إلخ) أي ومريضة كما يأتي في كتاب الصيد (قوله والتي فقر الذئب بطنها) الفقر :الحفر، وثقب الخرز للنظم :وفي بعض النسخ بقر بالباء الموحدة :أي شق (قوله وإن كانت حياتها خفيفة) في بعض النسخ خفية والأولى أولى، وذلك بأن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۴...... اگر کسی مسلمان کو غسل کی حاجت ہو اور وہ غسل کیے بغیر اسی حالت میں جانور ذبح کردے تو اس کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۲۵......بعض لوگ عورتوں اور نابالغ بچوں کے ذبیحہ کو درست نہیں سمجھتے۔ یہ غلط خیال ہے، عورت اور سمجھدار بچہ و بچی کا ذبیحہ درست ہے، جبکہ یہ بسم اللہ پڑھ کر صحیح ذبح کردیں۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يبقى فيها من الحياة بقدر ما يبقى في المذبوح بعد الذبح كما في البزازية وفيها :شاة قطع الذئب أوداجها وهي حية لا تذكى لفوات محل الذبح، ولو انتزع رأسها وهي حية تحل بالذبح بين اللبة واللحيين (قوله وعليه الفتوى) خلافا لهما (قوله من غير فصل)أي تفصيل بين حياة خفيفة وكاملة(قوله ذبح شاة إلخ) بيان لعلامات أخر (قوله ولم تتحرك إلخ) أي بعد الذبح بحركة اضطرابية كحركة المذبوح وإلا فضم العين وقبض الرجل حركة (قوله وهذا كله إلخ) أعاده للدخول على المتن (قوله بكل حال) سواء وجدت تلك العلامات أو لا(ردالمحتار، ج٦ ص٣٠٨، ٣٠٩، كتاب الذبائح)

(قوله :في المتن ولو ذبح شاة فتحركت أو خرج الدم) انظر ما قاله الشارح في كتاب الصيد قبيل قوله وإن رمى صيدا فقطع عضوا منه أكل الصيد والعضو اهـ .(قوله :وعن أبي حنيفة أنها إلخ) قال الولوالجي في فتاواه رجل ذبح شاة أو بقرة فهذا على أربعة أوجه إن تحرك بعد الذبح وخرج منه دم مسفوح أو تحرك ولم يخرج منه دم مسفوح أو خرج منه دم مسفوح ولم يتحرك ففي الوجوه الثلاثة يحل لأنه وجد علامة الحياة وعلامة الحياة أحد هذين الأمرين إما الدم المسفوح أو الحركة ، وفي الوجه الرابع وهو ما إذا لم يتحرك ولم يخرج منه دم مسفوح لا يحل لأنه لم يوجد علامة الحياة ولكن هذا إذا لم يعلم حياته وقت الذبح فإن علم حل ، وإن لم يتحرك ولم يخرج منه دم أصلا اهـ (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، ج٥ص٢٩٧، كتاب الذبائح)

[۱] وأما من يجوز ذبحه فان ذبح كل مسلم وكل كتابي حلال رجلا كان او انثى حرا كان او عبدا جنبا كان او طاهرا عالما كان او جاهلا برا كان او فاجرا الا ذبيحة ثلاثة المشرك والمرتد الى اى دين كان والذى ترك التسمية عمدا(النتف في الفتاوى، ج١ ص٢٢٥، كتاب الذبائح والصيد)

[۲] عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ بَنَاتِهِ أَنْ يَذْبَحْنَ نَسَائِكَهُنَّ بِأَيْدِيهِنَّ(مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ٨١٦٩)

وذبيحة الأخرس حلال؛ لأنه عاجز عن التسمية بحكم الخرس، فيعتبر بالعجز بحكم النسيان، وذبيحة الصبي الذي يعقل ويضبط حلال، قوله :يضبط ،معناه انه يضبط شرائط الذبح من فرى الأوداج، وقوله: يعقل ،تكلموا في معناه؛ قال بعض مشايخنا معناه يعقل التسمية، وقال بعضهم :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۶...... مخنث (یعنی ہیجڑے وزنخے) کا ذبح کرنا بھی درست ہے، اور اسی طرح گونگے شخص کا ذبح کرنا بھی درست ہے، جبکہ یہ مسلمان ہوں۔ [۱]

مسئلہ نمبر۲۷...... قربانی کا رکن جانور کا ذبح کرنا ہے، جو جانور کو ذبح کرنے سے ادا ہو جاتا ہے، اس لئے جانور کے ذبح ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ ذبح ہونے کے بعد ذبح شدہ جانور میں قربانی کا حصہ حاصل کرلے، تو یہ جائز نہیں۔ [۲]

مسئلہ نمبر۲۸...... ذبح سے پہلے قربانی کا جانور زندہ بچہ جن دے یا ذبح کے وقت پیٹ سے زندہ بچہ نکلے تو اسے بھی ماں کے ساتھ ذبح کر دینا چاہئے، اگر ذبح نہیں کیا اور قربانی کے دن گزر گئے تو اس کو صدقہ کر دے، اگر بعد میں ذبح کر کے کھالیا یا فروخت کر دیا تو اس کی قیمت کا اندازہ کر کے صدقہ کرے۔ [۳]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

معناه أن يعلم أن الحل بقطع الحلقوم، والأوداج(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج۸ص۴۴۸، كتاب الذبائح، الفصل الأول في بيان أهلية الذابح)

ويجوز ذبيحة من يعقل الذبح، والتسمية ويضبط ذلك وإن كانت امرأة أو صبيا ومعنى ضبط الذبح أن يقدر على فرى الأوداج، والأقلف، والمجبوب، والخصي، والخنثى، والمخنث تجوز ذبيحتهم على ما ذكرنا(الجوهرة النيرة، ج۲ص ۱۸۱، كتاب الصيد والذبائح)

[۱] والخنثى والمخنث تجوز ذبيحتهما، هكذا في الجوهرة النيرة .لا يكره ذبح الأبرص، وخبزه وطبخه وغيره أولى، كذا في الغرائب.

المرأة المسلمة والكتابية في الذبح كالرجل وتؤكل ذبيحة الأخرس مسلما كان أو كتابيا، كذا في فتاوى قاضي خان(الفتاوى الهندية، ج۵ص ۲۸۶، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركن الذبح وشرائطه وحكمه وأنواعه)

[۲] الأضحية وهي في الشرع اسم لحيوان مخصوص بسن مخصوص يذبح بنية القربة في يوم مخصوص عند وجود شرائطها وسببها، كذا في التبيين .(وأما) (ركنها) : فذبح ما يجوز ذبحه في الأضحية بنية الأضحية في أيامها؛ لأن ركن الشيء ما يقوم به ذلك الشيء ، والأضحية إنما تقوم بهذا الفعل فكان ركنا، كذا في النهاية(الفتاوىٰ الهندية، ج۵ص ۲۹۱، كتاب الاضحية، الباب الاول)

[۳] قال في الخجندي :إذا ولدت الأضحية فذبح الولد يوم الأضحى بعد الأم أجزأه ويكون حكمه كحكم أمه وإن ذبحه قبل ذبحها لا يحل أكله ويتصدق به(الجوهرة النيرة، ج۲ص۱۸۹، كتاب الاضحية، وقت الاضحية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۹...... آج کل جو یورپ کے ممالک میں خودکار مشینی ذبیحے کا طریقہ رائج ہے، اُس میں شرعی قواعد واُصولوں کی عام طور پر رعایت نہیں ہوتی؛ اس لئے جس مشینی ذبح کے طریقے میں شرعی اُصول وقواعد کی رعایت نہ ہو، اُس سے قربانی کا جانور ذبح کرنا جائز نہ ہوگا۔

ہاں اگر کوئی مسلمان یا صحیح اہلِ کتاب چُھری ہاتھ میں لے کر اور بسم اللہ پڑھ کر جانور کو زندہ حالت میں ذبح کرے، اور اس کے بعد کھال اُتارنے اور گوشت بنانے کا عمل خودکار مشین انجام دے، تو وہ جائز ہوگا (والتفصیل فی احکام الذبائح للشیخ محمد تقی العثمانی مدظلہ)

قربانی کے گوشت وغیرہ سے متعلق احکام

قربانی کا اصل مقصد گوشت وغیرہ حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ان ولدت الاضحية ذبح ولدها معها، وبهذا قال الشافعي وأحمد وعزا الموفق الى ابى حنيفة لايذبحه ويدفعه للمساكين حيا، وان ذبحه دفعه اليهم مذبوحا وأرش مانقصه الذبح؛ لانه من نماء ها فلزمه دفعه اليهم على صفته، كصوفها وشعرها اهـ (اعلاء السنن، ج۱۷، ص۲۷۵، باب أفضلية مباشرة التضحية بيده، فوائد شتى تتعلق بكتاب الاضاحى)

(وإذا ولدت الأضحية قبل أن يذبحها ذبح ولدها معها) ؛ لأن حكم التقرب بإراقة الدم ثبت فى عينها فيسرى إلى ولدها؛ لأنه متولد من عينها والولد، وإن لم يكن محلا للتقرب بإراقة الدم مقصودا يثبت الحكم فيه تبعا للأم، ولأن الشرائط تعتبر فيما هو أصل ووجودها فى الأصل يغنى عن اعتبارها فى البيع فإن باعه تصدق بثمنه؛ لأن معنى القربة يثبت فيه فلا يكون له أن يصرف ماليته إلى نفسه كما فى حق الأم، وكذلک إن أمسک ولدها حتى مضت أيام النحر تصدق به (المبسوط للسرخسى، ج۱۲، ص۱۴، كتاب الذبائح، باب الاضحية، أول وقت الأضحية)

فإن خرج من بطنها حيا فالعامة أنه يفعل به ما يفعل بالأم، فإن لم يذبحه حتى مضت أيام النحر يتصدق به حيا، فإن ضاع أو ذبحه وأكله يتصدق بقيمته، فإن بقى عنده وذبحه للعام القابل أضحية لا يجوز، وعليه أخرى لعامة الذى ضحى ويتصدق به مذبوحا مع قيمة ما نقص بالذبح، والفتوى على هذا خانية (ردالمحتار، ج۶، ص۳۲۲، كتاب الاضحية)

کے حکم کو پورا کرنے کے لئے مخصوص جانور کو قربانی کے دنوں میں ذبح کرنا اور خون بہانا ہے۔ [1]
لہٰذا اگر کوئی ذرا بھی گوشت استعمال نہ کرے یا کسی وقت گوشت کے استعمال ہونے کا کوئی مصرف نہ ہو تب بھی قربانی کا حکم برقرار رہے گا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰـكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (سورہ حج، آیت ۳۷)

ترجمہ: اللہ کو ہرگز نہیں پہنچتا ان (قربانی کے جانوروں) کا گوشت اور نہ ان کا خون، لیکن اللہ کو تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے (ترجمہ ختم)

البتہ قربانی کے ذبح ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے قربانی کے گوشت کے استعمال کو جائز قرار دے دیا ہے۔ [2]

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَكُلُوْا مِنْهَا وَأَطْعِمُوْا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ (سورہ حج، آیت ۲۸)

ترجمہ: پس اُس (قربانی کے گوشت) میں سے خود بھی کھاؤ اور محتاج فقیر کو بھی کھلاؤ (ترجمہ ختم)

اور ایک مقام پر ارشاد ہے کہ:

---

[1] الأضحية إراقة الدم من النعم دون سائر الحيوان، والدليل على أنها الإراقة أنه لو تصدق بعين الحيوان لم يجز، والصدقة بلحمها بعد الذبح مستحب وليس بواجب حتى لو لم يتصدق به جاز قال في الواقعات شراء الأضحية بعشرة دراهم خير من التصدق بألف درهم لأن القربة التي تحصل بإراقة الدم لا تحصل بالصدقة (الجوهرة النيرة، ج۲ ص ۱۸۶، كتاب الأضحية)

[2] الأصل في الأموال التقرب بالتصدق بها لا بالإتلاف وهو الإراقة إلا أنه نقل إلى الإراقة مقيدا في وقت مخصوص حتى يحل تناول لحمه للمالك والأجنبي والغني والفقير؛ لكون الناس أضياف الله -عز شأنه- في هذا الوقت، فإذا مضى الوقت عاد الحكم إلى الأصل وهو التصدق بعين الشاة سواء كان موسرا أو معسرا لما قلنا (بدائع الصنائع، ج۵ ص ۶۸، كتاب التضحية، فصل في أنواع كيفية الوجوب)

فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (سورہ حج، آیت ۳۶)

ترجمہ: پھر جب گر پڑے اِن (جانوروں) کی کروٹ (یعنی یہ ذبح ہو جائیں) تو کھاؤ ان میں سے اور کھلاؤ صبر سے بیٹھنے والے اور بے قرار کو (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے گوشت کے بارے میں فرمایا کہ:

كُلُوا، وَتَزَوَّدُوا، وَادَّخِرُوا (مسلم) [1]

ترجمہ: تم خود کھاؤ، اور آئندہ کے لئے جمع کر کے، اور ذخیرہ کر کے رکھو (ترجمہ ختم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَكُلُوا وَادَّخِرُوا وَتَصَدَّقُوا (مسلم) [2]

ترجمہ: پس تم (قربانی کا گوشت) خود کھاؤ، اور ذخیرہ کر کے رکھو، اور صدقہ کرو (ترجمہ ختم)

اور حضرت نبیشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَكُلُوا وَادَّخِرُوا وَاتَّجِرُوا، أَلَا وَإِنَّ هٰذِهِ الْأَيَّامَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (ابوداؤد) [3]

---

[1] رقم الحديث ۱۹۷۲، كتاب الصيد والذبائح وما يؤكل من الحيوان، باب بيان ما كان من النهى عن أكل لحوم الأضاحى بعد ثلاث الخ، دار إحياء التراث العربى - بيروت.

[2] رقم الحديث ۱۹۷۱، كتاب الصيد والذبائح، باب بيان ما كان من النهى عن أكل لحوم الأضاحى بعد ثلاث، دار إحياء التراث العربى - بيروت، واللفظ لهٗ، ابوداؤد، رقم الحديث ۱۸۱۲.

[3] رقم الحديث ۲۸۱۳، كتاب الضحايا، باب فى حبس لحوم الأضاحى، المكتبة العصرية، بيروت.

واتجروا ولم يرد به التجارة، إنما أراد الصدقة التى يبتغى بها الأجر والثواب، أى: تصدقوا طالبين به الأجر، وأصله: ايتجروا، فشدد، وقيل: اتجروا، كما قيل: اتخذت الشىء، وأصله: ايتخذته وهو من الأخذ، ويروى ايتجروا على الأصل (شرح السنة للبغوى، ج۴ ص ۳۶۱، باب الأكل من الأضحية بعد ثلاث فأكثر)

ترجمہ: پس تم (قربانی کا گوشت) کھاؤ اور ذخیرہ کرو، اور (صدقہ کرکے) اجر حاصل کرو، یہ کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَكُلُوْا مَا بَدَا لَكُمْ، وَأَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا (ترمذی) [1]

ترجمہ: پس تم جتنا چاہو خود کھاؤ، اور دوسروں کو کھلاؤ، اور اس کو جمع کرکے رکھو (ترجمہ ختم)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُ أَنْ يَقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهِ، وَأَنْ يُقْسِمَ بُدْنَهُ كُلَّهَا، لُحُوْمَهَا وَجُلُوْدَهَا وَجِلَالَهَا، وَلَا يُعْطِيَ فِيْ جِزَارَتِهَا شَيْئًا (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حکم فرمایا کہ وہ آپ کی قربانی کے قریب کھڑے ہوں، اور آپ کی سب قربانی کو تقسیم کریں، اس کے گوشت کو، اور اس کی کھال کو، اور اس کی رسیوں کو، اور قصاب کو ان میں سے کوئی چیز اجرت میں نہ دیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

كُلُوْا، وَأَطْعِمُوْا، وَاحْبِسُوْا ، أَوْ اِدَّخِرُوْا (مسلم) [3]

ترجمہ: تم (قربانی کا گوشت) کھاؤ، اور دوسروں کو کھلاؤ، اور روک کر ذخیرہ کرکے

---

[1] رقم الحديث ١٥١٠، ابواب الاضاحى، باب ماجاء فى الرخصة فى اكلها بعد ثلاث، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

[2] رقم الحديث ١٧١٧، كتاب الحج،باب :يتصدق بجلود الهدى، دارطوق النجاة، بيروت.

[3] رقم الحديث ١٩٧٣،كتاب الصيد والذبائح وما يؤكل من الحيوان،باب بيان ما كان من النهى عن أكل لحوم الأضاحى بعد ثلاث الخ ، دار إحياء التراث العربى -بيروت.

رکھو (ہر طرح جائز ہے) (ترجمہ ختم)

قرآن مجید کی مذکورہ آیات اور احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ قربانی کا گوشت خود کھانا، اور دوسروں کو کھلانا، اور صدقہ کرنا سب جائز ہے۔ [۱]

قرآنی آیات اور احادیث وروایات کی روشنی میں فقہائے کرام نے قربانی کے گوشت سے متعلق جو مسائل اخذ کئے ہیں، اب ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱...... قربانی کے گوشت کو خود کھانا، فقراء اور مساکین پر صدقہ کر دینا، اور رشتہ دار و احباب اور مالداروں کو کھلانا اور عطیہ و ہبہ کرنا، سب جائز ہے۔

اور افضل یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لئے رکھے، ایک حصہ رشتہ دار اور دوست واحباب میں تقسیم کرے اور ایک حصہ غریبوں میں تقسیم کرے۔ [۲]

سارا گوشت اپنے گھر میں رکھنے میں بھی حرج نہیں، بالخصوص جبکہ کوئی عیالدار اور ضرورت مند ہو۔ [۳]

---

[۱] وقدر أصحابنا فيه الصدقة بالثلث، وذلک لقوله تعالى :(فكلوا منها وأطعموا البائس الفقير) وقال النبى صلى الله عليه وسلم فى لحوم الأضاحى" :فكلوا وادخروا "فجعلوا الثلث للأكل والثلث للادخار والثلث للبائس الفقير(احکام القرآن جصاص، ج۳ص ۳۰۹، ۳۱۰، سورة الحج)
ولما ثبت جواز الأكل منها دل ذلک على جواز إعطائه الأغنياء لأن كل ما يجوز له أكله يجوز أن يعطى منه الغنى كسائر أمواله وإنما قدروا الثلث للصدقة على وجه الاستحباب لأنه لما جاز له أن يأكل بعضه ويتصدق ببعضه ويهدى بعضه على غير وجه الصدقة كان الذى حصل للصدقة الثلث(احکام القرآن جصاص، ج۵ص ۸۲، سورة الحج)

[۲] قال -رحمه الله :-(وندب أن لا ينقص الصدقة من الثلث) لأن الجهات ثلاثة :الإطعام والأكل والادخار لما روينا ولقوله تعالى (وأطعموا القانع والمعتر) أى السائل والمتعرض للسؤال، فانقسم عليه أثلاثا وهذا فى الأضحية الواجبة والسنة سواء ، ولک أن تقول الأمر لمطلق الوجوب عند أكثر العلماء كما تقرر فى علم الأصول والظاهر من قوله "وأطعموا "وجوب الإطعام والمدعى استحبابه فليتأمل فى الجواب(تكملة البحر الرائق للطورى، ج۸ص ۲۰۳، كتاب الأضحية،الأكل من لحم الأضحية)

[۳] وللمضحى أن يأكل من أضحيته إن شاء كلها وإن شاء أطعم الكل والأحب أن يتصدق بالثلثين ويأكل الثلث إن كان موسرا وإن كان ذا عيال وهو وسط الحال فى اليسار فله أن يتوسع بها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... قربانی کا گوشت آئندہ استعمال کی ضرورت کے لئے رکھنا جائز ہے، اور رکھنے کی کوئی مدت مقرر نہیں، اپنی ضرورت وصوابدید کے مطابق اختیار ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... جس طرح سارا گوشت گھر میں رکھنا جائز ہے، اسی طرح سارا گوشت تقسیم کرنا بھی جائز ہے، لیکن بہتر ہے کہ عذر نہ ہوتو کچھ نہ کچھ خود بھی کھائے۔ [2]

مسئلہ نمبر۴......قربانی کا گوشت اپنے اور پرائے، اور امیر، غریب، اور بنو ہاشم اور سید وغیر سید ہر

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

على عياله ويدخر منها ما شاء (تحفة الفقهاء، ج۳ص۸۷،۸۸، كتاب الأضحية)

ويستحب للمضحي أن يأكل من أضحيته، ويطعم منها غيره، وإن أكل الكل أو أطعم الكل جائزاً واسعاً، ويجوز أن يطعم منه الغني والفقير، ويهب منه ما شاء لغني أو فقير، أو مسلم أو ذمي، ولا بأس بأن يحبس المضحي لحماً، ويدخر كم شاء من المدة، والصدقة أفضل؛ إلا أن يكون الرجل ذا عيال، فإن الأفضل أن يدعه لعياله، ويوسع به عليهم، هذه الجملة في أضاحي الزعفراني.

وروى بشر بن الوليد عن أبي يوسف :في رجل له تسعة من العيال، وهو العاشر، فضحى بعشر من الغنم عن نفسه، وعن عياله، ولا ينوي بعينها؛ لكن ينوي العشرة منهم ومنه؛ جاز في الاستحسان، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله(المحيط البرهاني، ج۸ص ۴۶۹، كتاب الأضحية،الفصل الخامس)

[1] قال -رحمه الله : -(ويأكل من لحم الأضحية ، ويؤكل غنيا ، ويدخر) لما روى أنه -عليه الصلاة والسلام -نهى عن أكل لحوم الضحايا بعد ثلاثة أيام ثم قال بعد كلوا ، وتزودوا وادخروا رواه مسلم والنسائي ، وقال -عليه الصلاة والسلام -فيه بعد النهي عن الادخار كلوا ، وأطعموا وادخروا الحديث ، رواه مسلم والبخاري ، وأحمد والنصوص فيه كثيرة ، وعليه إجماع الأمة (تبيين الحقائق، ج۶ص۸، كتاب الاضحية)

[2] (قوله وندب إلخ) قال في البدائع :والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقربائه وأصدقائه ويدخر الثلث؛ ويستحب أن يأكل منها، ولو حبس الكل لنفسه جاز لأن القربة في الإراقة والتصدق باللحم تطوع (ردالمحتار، ج۶ص۳۲۸، كتاب الاضحية)

ويستحب له أن يأكل من أضحيته لقوله تعالى -عز شأنه -(فكلوا منها وأطعموا البائس الفقير) وروي عن النبي -عليه الصلاة والسلام -أنه قال إذا ضحى أحدكم فليأكل من أضحيته ويطعم منه غيره (بدائع الصنائع، ج۵ص ۸۰، كتاب التضحية، فصل في بيان ما يستحب قبل التضحية وبعدها وما يكره)

ولو تصدق بالكل جاز(الفتاویٰ الهندية، ج۵ص ۳۰۰، كتاب الاضحية، الباب الخامس)

ایک کو دینا جائز ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۵...... گوشت کسی دوسری جگہ یا دوسرے شہر میں ضرورت مندوں کو بھیجنا بھی جائز ہے (لانہ لاتخصیص للمکان)

مسئلہ نمبر۶ ...... سارا گوشت کسی ایک ضرورت مند غریب کو صدقہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ [۲]

مسئلہ نمبر۷...... قربانی کا گوشت دوسرے کو مالکانہ طور پر دینا بھی جائز ہے، اور اباحت کے طور پر بٹھا کر کھلا دینا بھی جائز ہے، اور کچا گوشت دینا اور پکا کر کھلانا بھی جائز ہے۔ [۳]

مسئلہ نمبر۸...... جو حکم قربانی کے گوشت کا ہے، وہی قربانی کی چربی اور ہڈیوں اور سری پائے اور اوجھڑی وغیرہ کا بھی ہے، پس جس طرح گوشت کا خود استعمال کرنا جائز ہے، اسی طرح چربی اور ہڈیوں اور سری پایوں وغیرہ کا خود استعمال کرنا اور کسی کو ہدیہ کرنا، یا غریب کو صدقہ کرنا سب جائز ہے، نیز قربانی کے جانور کی چربی سے اپنے استعمال کے لئے صابن یا کوئی اور چیز بنالینا بھی جائز ہے (کمافی جلد الاضحیه یجوز ان یتخذ به المصلّٰی)

مسئلہ نمبر۹ ...... قربانی کا گوشت جب کسی کو دیا جائے تو بغیر کسی عوض اور معاوضہ کے تبرعاً دینا چاہئے، کسی اجرت کے طور پر دینا جائز نہیں۔

---

[۱] اور مسلمانوں کے ملک میں رہنے والے غیر مسلم (یعنی ذمی) کو دینا بھی جائز ہے۔
اور یہ حکم اس گوشت کا ہے، جس کا تصدق واجب نہ ہو، اور جس کا تصدق واجب ہو، اس کے مصارِف وہی ہیں، جو زکاۃ کے مصارِف ہیں، جن میں غیر مسلم داخل نہیں۔
ویجوز أن یطعم منه الغني والفقیر، ویهب منه ما شاء لغني أو فقیر، أو مسلم أو ذمي(المحیط البرهاني، ج۸ص ۴۶۹، کتاب الأضحیة،الفصل الخامس في بیان ما یجوز في الضحایا وما لا یجوز، وفي بیان المستحب، والأفضل منها)

[۲] وجاز له أن یتصدق بالکل علی فقیر واحد بعد الذبح(حاشیة الشلبي علی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ج۲ص ۹۰ ، کتاب الحج،باب الهدی)

[۳] ویجزی فیه التملیک وإطعام الإباحة(حاشیة الشلبي علی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ج۲ص ۹۰ ، کتاب الحج،باب الهدی)

چنانچہ قصاب کو اس کی اجرت میں یا اس کی اجرت کا حصہ بنا کر دینا جائز نہیں۔

گوشت کے علاوہ چربی بلکہ جانور کا کوئی حصہ بھی قصاب کو مزدوری میں دینا جائز نہیں، مزدوری الگ سے دینی چاہئے، حدیث شریف میں اجرت میں دینے کی صاف ممانعت آئی ہے۔

آج کل بعض لوگ ادلا بدلی اور قرض کے طور پر یا صرف لعن، طعن سے بچنے یا اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے ایک دوسرے کے یہاں گوشت بھیجتے ہیں جو کہ گناہ ہے اخلاص ہونا چاہئے، کوئی لالچ یا دنیاوی معاوضہ و بدلہ پیشِ نظر نہ ہو۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۰...... جس طرح قربانی کے گوشت کو کسی کے معاوضہ و اجرت میں دینا جائز نہیں، اسی طرح قربانی کے گوشت کو اپنے ذمہ لازم شدہ زکاۃ وغیرہ کی مد میں غریب کو دینا بھی جائز نہیں، وہ الگ بات ہے کہ قربانی درست ہوجائے گی۔

---

[1] قال -رحمه الله :-(ولا يعطى أجرة الجزار منها شيئا) والنهى عنه نهى عن البيع لأنه فى معنى البيع لأنه يأخذه بمقابلة عمله فصار معاوضة كالبيع(تكملة البحرالرائق للطورى، ج٨ص٢٠٣، كتاب الاضحية،أجرة الجزار هل تأخذ من الأضحية)

و لا يعطى جلد الأضحية و لا لحمها بأجرة الذابح و السلاخ(فتاوى قاضى خان، كتاب الأضحية)

(ولا يعطى أجر الجزار منها) لأنه كبيع،واستفيدت من قوله -عليه الصلاة والسلام -من با ع جلد أضحيته فلا أضحية له هداية(الدرالمختار)

(قوله لأنه كبيع) لأن كلا منهما معاوضة،لأنه إنما يعطى الجزار بمقابلة جزره والبيع مكروه فكذا ما فى معناه كفاية (قوله واستفيدت إلخ) كذا فى بعض النسخ والضمير للكراهة، لكن صاحب الهداية ذكر ذلک الحديث فى البيع، ثم قال بعد قوله ولا يعطى أجر الجزار منها لقوله -عليه الصلاة والسلام -لعلى -رضى الله عنه -تصدق بجلالها وخطامها ولا تعط أجر الجزاز منها شيئا والنهى عنه نهى عن البيع أيضا لأنه فى معنى البيع اهـ .ولا يخفى أن فى كل من الحديثين دلالة على المطلوب من الموضعين(ردالمحتار، ج٦ص٣٢٨، ٣٢٩، كتاب الاضحية)

ولا أن يعطى أجر الجزار والذابح منها؛ لما روى عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أنه قال من با ع جلد أضحيته فلا أضحية له وروى أن النبى -عليه الصلاة والسلام -قال لعلى -رضى الله عنه -:تصدق بجلالها وخطامها، ولا تعطى أجرا لجزار منها " وروى عن سيدنا على -كرم الله وجهه -أنه قال :إذا ضحيتم فلا تبيعوا لحوم ضحاياكم ولا جلودها وكلوا منها وتمتعوا ولأنها من ضيافة الله -عز شأنه -التى أضاف بها عباده(بدائع الصنائع، ج٥ص٨١، كتاب النذر)

البتہ اگر کسی نے قربانی کا گوشت کسی کو تبرعاً بغیر کسی معاوضہ کے مالکانہ طور پر (نہ کہ وکالت واباحت کے طور پر) دے دیا، پھر وہ لینے والا شخص اس کو اپنی زکاۃ میں ادا کرے، یا اس گوشت کو فروخت کرے، تو اس کے لئے ایسا کرنا درست ہے اور گناہ نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۱...... جو ملازم اور نوکر اس طرح سے رکھا ہوا ہو کہ اس کا کھانا بھی تنخواہ کا حصہ ہو، تو اس کو قربانی کا گوشت تنخواہ کا حصہ سمجھ کر کھلانا درست نہیں، البتہ تنخواہ کا حصہ سمجھے بغیر کھلانے میں حرج نہیں، اور مزید احتیاط کرنی ہو، تو جتنے دن ملازم کو قربانی کا گوشت کھلانا مقصود ہو، تو اتنے دنوں کا حساب نکال کر اس کی تنخواہ الگ سے دے دی جائے، اس طرح یہ کھانا تنخواہ کے حصے سے نکل کر تبرع میں داخل ہو جائے گا، یا پھر نوکر جتنی مقدار میں قربانی کا گوشت کھائے، اتنی مالیت کا حساب کر کے غریبوں پر صدقہ کر دیا جائے (امداد المفتین ص ۹۶۶، بتغیر واضافہ)

مسئلہ نمبر ۱۲...... قربانی کا گوشت اگر کسی نے نقدی کے بدلے میں یا کسی ایسی چیز کے بدلے میں فروخت کر دیا، جس کو باقی رکھ کر فائدہ نہ اٹھایا جا سکتا ہو، جیسے تیل، پٹرول، صابن وغیرہ، تو اس رقم اور اس چیز کو ایسے غریبوں پر صدقہ کرنا ضروری ہو جائے گا، جو زکاۃ کے مستحق ہوں۔

اور اگر کسی ایسی چیز کے بدلے میں فروخت کر دیا، کہ جس کو باقی رکھ کر اس سے استفادہ کیا جاتا ہو، جیسے کپڑے، برتن، کتاب، قلم، موزے وغیرہ، تو ان چیزوں کو غریبوں پر صدقہ کرنا واجب نہیں ہوگا، بلکہ خود استعمال کرنا جائز ہوگا (کیونکہ ان چیزوں کا حکم گوشت کی طرح ہوگا) [2]

---

[1] وإذا دفع اللحم إلى فقير بنية الزكاة لا يحسب عنها في ظاهر الرواية، لكن إذا دفع لغني ثم دفع إليه بنيتها يحسب قهستاني(ردالمحتار، ج٦ ص٣٢٨، كتاب الاضحية)

وفي التتمة سئل علي بن أحمد عن رجل دفع لحم الأضحية عن زكاة ماله هل تسقط عنه الأضحية قال نعم وسئل الوبري عن هذا فقال يقع الموقع ولكنه يأثم(تكملة البحرالرائق للطوري، ج٨ ص٢٠٣، كتاب الاضحية، أجرة الجزار هل تأخذ من الأضحية)

[2] وفي البيع بهذه الاشياء قولان: في قول كراهة وفي قول لاكراهة فيه. محمد رضوان.

ولا يحل بيع جلدها وشحمها ولحمها وأطرافها ورأسها وصوفها وشعرها ووبرها ولبنها الذي يحلبه منها بعد ذبحها بشيء لا يمكن الانتفاع به إلا باستهلاك عينه من الدراهم والدنانير والمأكولات والمشروبات، ولا أن يعطي أجر الجزار والذابح منها؛ لما روي عن رسول الله -صلى الله عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۳۳...... اگر قربانی کے بڑے جانور (اونٹ، گائے) میں کئی شریک ہیں اور آپس میں گوشت تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ پوری احتیاط سے وزن کر کے تقسیم کریں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وسلم -أنه قال من باع جلد أضحيته فلا أضحية له وروى أن النبى -عليه الصلاة والسلام -قال لعلى -رضى الله عنه " :-تصدق بجلالها وخطامها، ولا تعطى أجرا لجزار منها "وروى عن سيدنا على -كرم الله وجهه -أنه قال :إذا ضحيتم فلا تبيعوا لحوم ضحاياكم ولا جلودها وكلوا منها وتمتعوا ولأنها من ضيافة الله -عز شأنه -التى أضاف بها عباده وليس للضيف أن يبيع من طعام الضيافة شيئا فإن باع شيئا من ذلك نفذ عند أبى حنيفة ومحمد.

وعند أبى يوسف لا ينفذ لما ذكرنا فيما قبل الذبح ويتصدق بثمنه؛ لأن القربة ذهبت عنه فيتصدق به ولأنه استفاده بسبب محظور وهو البيع فلا يخلو عن خبث فكان سبيله التصدق وله أن ينتفع بجلد أضحيته فى بيته بأن يجعله سقاء أو فروا أو غير ذلك؛ لما روى عن سيدتنا عائشة -رضى الله عنها -أنها اتخذت من جلد أضحيتها سقاء ولأنه يجوز الانتفاع بلحمها فكذا بجلدها، وله أن يبيع هذه الأشياء بما يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه من متاع البيت كالجراب والمنخل؛ لأن البدل الذى يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه يقوم مقام المبدل فكان المبدل قائما معنى فكان الانتفاع به كالانتفاع بعين الجلد بخلاف البيع بالدراهم والدنانير؛ لأن ذلك مما لا يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه فلا يقوم مقام الجلد فلا يكون الجلد قائما معنى والله تعالى -عز شأنه -أعلم(بدائع الصنائع ، ج۵ص ۸۱،كتاب التضحية،فصل فى بيان ما يستحب قبل التضحية وبعدها وما يكره)

ولا يحل بيع شحمها وأطرافها ورأسها وصوفها ووبرها وشعرها ولبنها الذى يحلبه منها بعد ذبحها بشىء ، لا يمكن الانتفاع به إلا باستهلاك عينه من الدراهم والدنانير والمأكولات والمشروبات(الفتاوىٰ الهندية، ج۵ص ۳۰۱، كتاب الاضحية، الباب السادس)

(فإن) (بيع اللحم أو الجلد به)أى بمستهلك (أو بدراهم) (تصدق بثمنه) ومفاده صحة البيع مع الكراهة(الدرالمختار)

(قوله فإن بيع اللحم أو الجلد به إلخ) أفاد أنه ليس له بيعهما بمستهلك وأن له بيع الجلد بما تبقى عينه، وسكت عن بيع اللحم به للخلاف فيه .ففى الخلاصة وغيرها :لو أراد بيع اللحم ليتصدق بثمنه ليس له ذلك، وليس له فيه إلا أن يطعم أو يأكل اهـ والصحيح كما فى الهداية وشروحها أنهما سواء فى جواز بيعهما بما ينتفع بعينه دون ما يستهلك، وأيده فى الكفاية بما روى ابن سماعة عن محمد :لو اشترى باللحم ثوبا فلا بأس بلبسه اهـ .(فروع)فى القنية :اشترى بلحمها مأكولا فأكله لم يجب عليه التصدق بقيمته استحسانا، وإذا دفع اللحم إلى فقير بنية الزكاة لا يحسب عنها فى ظاهر الرواية، لكن إذا دفع لغنى ثم دفع إليه بنيتها يحسب قهستانى (قوله تصدق بثمنه) أى وبالدراهم فيما لو أبدله بها (قوله ومفاده صحة البيع) هو قول أبى حنيفة ومحمد بدائع لقيام الملك والقدرة على التسليم هداية (قوله مع الكراهة) للحديث الآتى (قوله لأنه كبيع) لأن كلا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اندازہ سے تقسیم کرلینا جائز نہیں، اگرچہ باہم ایک دوسرے کو کمی بیشی معاف کردیں، کیونکہ یہ شریعت کا حق ہے جو کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا، وزن نہ کرنے میں کمی بیشی لازمی بات ہے، جس میں سود کا گناہ ہوگا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

منهما معاوضة،لأنه إنما يعطى الجزار بمقابلة جزره والبيع مكروه فكذا ما فى معناه كفاية(ردالمحتار، ج٦ص ٣٢٨، كتاب الاضحية)

ولو أراد بيع لحم الأضحية ليتصدق بثمنها؛ ليس له ذلك؛ ليس له فى اللحم إلا أن يطعم، أو يأكل؛ هكذا ذكر فى الأجناس .فصار حاصل الجواب فى الجلد أنه لو باعه بشيء ينتفع به بعينه، أو باعه بشيء لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه، وذكر شيخ الإسلام فى شرح كتاب الأضحية :أن الجواب فى اللحم كالجواب فى الجلد إن باعه بشيء ينتفع به بعينه، أو باعه بشيء لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه.

وذكر شيخ الإسلام فى شرح كتاب الأضحية :أن الجواب فى اللحم كالجواب فى الجلد إن باعه بشيء ينتفع به بعينه يجوز، ويتأيد هذا القول بما روى ابن سماعة فى نوادره عن محمد :أنه لو اشترى باللحم ثوباً، فلا بأس بلبسه(المحيط البرهانى، ج٨ص ٤٧١، كتاب الاضحية،الفصل السادس الانتفاع بالأضحية)

مذکورہ عبارات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی وقت ضرورت ومجبوری کی وجہ سے قربانی کا گوشت اس لئے فروخت کیا جائے کہ اس کی رقم غریبوں کو صدقہ کی جائے گی، تو اس کی گنجائش ہے، مثلاً کسی جگہ انتہائی غریب ونادار لوگ ہیں، اور وہاں تک قربانی کا گوشت پہنچانا مشکل ہے، اور جہاں قربانی کی گئی، وہاں ضرورت مند لوگ نہیں ہیں، اور گوشت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے، تو ایسی ضرورت میں قربانی کا گوشت فروخت کرکے اس کی رقم غریبوں تک پہنچانا جائز ہوگا، بشرطیکہ وہ رقم غریبوں پر مالکانہ طور پر (یعنی تملیکاً) خرچ کی جائے۔

[1] قال :وسألت أبا يوسف -رحمه الله -عن البقرة إذا ذبحها سبعة فى الأضحية أيقتسمون لحمها جزافا أو وزنا؟ قال :بل وزنا، قال :قلت فإن اقتسموها مجازفة وحلل بعضهم بعضا؟ قال : أكره ذلك، قال :قلت فما تقول فى رجل باع درهما بدرهم فرجح أحدهما فحلل صاحبه الرجحان؟ قال :هذا جائز؛ لأنه لا يقسم معناه أنه هبة المشاع فيما لا يحتمل القسمة وهو الدرهم الصحيح، أما عدم جواز القسمة مجازفة فلأن فيها معنى التمليك، واللحم من الأموال الربوية فلا يجوز تمليكه مجازفة كسائر الأموال الربوية وأما عدم جواز التحليل فلأن الربوى لا يحتمل الحل بالتحليل ولأنه فى معنى الهبة، وهبة المشاع فيما يحتمل القسمة لا تصح بخلاف ما إذا رجح الوزن (بدائع الصنائع، ج٥ص٦٧، كتاب التضحية، فصل فى أنواع كيفية الوجوب)

سبعة ضحوا بقرة و اقتسموا لحمها وزنا جاز لأن بيع اللحم باللحم وزنا مثلا بمثل جائز فكذلك القسمة فإن اقتسموا اللحم جزافا لا يجوز اعتبارا بالبيع و لو أنهم اقتسموا لحمها جزافا و حلل كل واحد منهم لأصحابه الفضل لا يجوز بخلاف ما إذا باع درهما بدرهم و تربح أحد الدرهمين مقدار

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۴۱..... اگر وزن کی مشکل سے بچنا چاہیں تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ سری یا پائے یا کلیجی کے ٹکڑے کر کے ہر حصہ میں ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا جائے، پھر وزن کئے بغیر اندازہ سے تقسیم کرنا بھی جائز ہو جائے گا۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ما لا يدخل تحت الوزن فحلل صاحبه الآخر فإنه يجوز ذلك *و الفرق أن تحليل الفضل هبة و فى مسئلة اللحم هبة المشاع فيما يحتمل القسمة و هو اللحم فلم يجز و فى مسئلة الدرهم ,الدرهم الواحد لا يحتمل القسمة فجازت الهبة(فتاوىٰ قاضيخان، ج۳ص۲۱۰، كتاب الاضحية)

(ويقسم لحمها) أى إذا جاز على الشركة فيقسم اللحم (وزنا) بين الشركاء ؛ لأنه موزون (لا جزافا) لأن فى القسمة معنى التمليك فلا يجوز جزافا عند وجود الجنس والوزن ولا يجوز التحليل؛ لأنه فى معنى الهبة وهبة المشاع فيما يقسم لا تجوز (مجمع الانهر ج۲ص۵۱۸، كتاب الاضحية)

قال :(ويقتسمون لحمها بالوزن) ; لأنه موزون ولا يتقاسمونه جزافا إلا أن يكون معه الأكارع والجلد فيجوز كما قلنا فى البيع(الاختيار لتعليل المختار، ج۴ص۱۸، كتاب الاضحية)

ويقسم اللحم وزنا لا جزافا إلا إذا ضم معه الأكارع أو الجلد) صرفا للجنس لخلاف جنسه.(الدرالمختار)

(قوله لا جزافا) لأن القسمة فيها معنى المبادلة، ولو حلل بعضهم بعضا قال فى البدائع :أما عدم جواز القسمة مجازفة فلأن فيها معنى التمليك واللحم من أموال الربا فلا يجوز تمليكه مجازفة. وأما عدم جواز التحليل فلأن الربا لا يحتمل الحل بالتحليل، ولأنه فى معنى الهبة وهبة المشاع فيما يحتمل القسمة لا تصح اهـ وبه ظهر أن عدم الجواز بمعنى أنه لا يصح ولا يحل لفساد المبادلة خلافا لما بحثه فى الشرنبلالية من أنه فيه بمعنى لا يصح ولا حرمة فيه (قوله إلا إذا ضم معه إلخ) بأن يكون مع أحدهما بعض اللحم مع الأكارع ومع الآخر البعض مع البعض مع الجلد عناية(ردالمحتار، ج۶ص۳۱۷،۳۱۸، كتاب الاضحية)

۱ قربانی میں اصل جانور ذبح کرنا ہے، جب جانور ذبح ہو گیا تو قربانی ادا ہو گئی، اب اس کا گوشت سب شریکوں کا مشترک مال ہے اور اس کو تقسیم کرنا درحقیقت ''مبادلۃ المال بالمال'' ہے، جس میں کمی بیشی سے اس وقت سود لازم آتا ہے جبکہ دونوں طرف سے جنس ایک ہو، اور سری پائے اور کلیجی وغیرہ اس بارے میں گوشت سے الگ جنس ہیں، لہٰذا اس وقت کمی زیادتی سود میں داخل نہ ہوگی۔

سبعة ضحوا بقرة، وأرادوا أن يقسموا اللحم بينهم؛ إن اقتسموها وزناً يجوز؛ لأن القيمة فيها معنى البيع، والبيع على هذا الوجه يجوز، وإن اقتسموها جزافاً ،إن جعلوا مع اللحم شيئاً من السقط نحو الرأس، والأكارع يجوز، وإن لم يجعلوا لا يجوز؛ لأن البيع على هذا الوجه لا يجوز، فإن فعلوا مع هذا الوجه ، وحللوا الفضل بعضهم لبعض لم يجز(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۸ص۴۷۹، كتاب الأضحية،الفصل الثامن فيما يتعلق بالشركة فى الضحايا)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۵...... اگرایک بڑے جانور میں صرف دوآدمی یا اس سے زیادہ مگر سات سے کم افرادشریک ہیں تو وزن کر کے اپنے اپنے حصوں کے بقدر تقسیم کرلیں گے مثلاً اگر دوآدمی برابر مالیت کے اعتبار سے شریک ہیں تو وزن کرکے آدھا آدھا گوشت دونوں لے لیں گے۔

اوراگر تین افرادشریک ہیں،تو گوشت کےوزن کرکے تین حصے کرلیں گے،اورایک ایک حصہ تینوں شرکاء لےلیں گے،اورفرق کےاعتبار سےشریک ہوں،تو پھراسی حساب سے تقسیم کریں۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۶...... اگرسب شریک باہمی رضامندی سے سارایا کچھ گوشت لوگوں میں تقسیم کرنا چاہیں یا پکاکران کوکھلانا چاہیں تو جائز ہے اورساراگوشت لوگوں میں تقسیم کرنے کی صورت میں باہم وزن کرکے تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وزن کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے، جبکہ آپس میں تقسیم کرنا چاہیں۔

اوراگر کچھ گوشت تقسیم کرکے باقی گوشت آپس میں تقسیم کرنا چاہیں،تو اس باقی ماندہ گوشت کواپنے درمیان اپنے اپنےحصوں کے بقدروزن کرکےتقسیم کرلیں۔

البتہ اگرکوئی حصہ ایساہوکہ جس کاصدقہ واجب ہو،تواس کاحصہ الگ نکال کرغریبوں پرصدقہ کرناواجب ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإذا جاز عن الشركة يقسم اللحم بالوزن لأنه موزون، وإذا قسموا جزافا لا يجوز إلا إذا كان معه شيء آخر من الأكارع والجلد كالبيع لأن القسمة فيها معنى المبادلة(تكملة البحر الرائق للطورى، ج۸ص۱۹۸،كتاب الأضحية)

(إلا إذا خلط) وضم (به) أى باللحم (من أكارعه أو جلده) أى يكون فى كل جانب شيء من اللحم ومن الأكارع أو يكون فى كل جانب شيء من اللحم وبعض الجلد أو يكون فى جانب لحم وأكارع وفى آخر لحم وجلد فحينئذ يجوز صرفا للجنس إلى خلاف الجنس كما فى الدرر(مجمع الانهر ج۲ص۵۱۸، كتاب الاضحية)

[1] وإذا جاز عن الشركة يقسم اللحم بالوزن لأنه موزون(تكملة البحر الرائق للطورى، ج۸ص۱۹۸،كتاب الأضحية)

[2] (قوله ويقسم اللحم) انظر هل هذه القسمة متعينة أو لا، حتى لو اشترى لنفسه ولزوجته وأولاده الكبار بدنة ولم يقسموها تجزيهم أو لا، والظاهر أنها لا تشترط لأن المقصود منها الإراقة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۷...... اگر کسی نے پورا جانور اپنے گھر کے افراد کے لئے قربان کیا، تو تقسیم کرنا ضروری نہیں، مثلاً گائے خریدی اور اس کا ایک حصہ اپنے لئے ایک حصہ بیوی کے لئے اور باقی حصے اولاد کے لئے کئے، پھر ذبح کرنے کے بعد پورا گوشت تقسیم کئے بغیر گھر میں رکھ لیا تو جائز ہے۔

اس صورت میں باہمی رضامندی سے جتنا چاہیں، دوسرے غریبوں یا امیروں کو صدقہ و ہبہ کرنا بھی جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۸...... اگر کوئی شخص قربانی کی وصیت کر کے فوت ہوا، پھر اس کے ترکہ میں سے اس کی وصیت کے مطابق قربانی کی گئی (خواہ مستقل جانور قربان کیا گیا ہو، یا قربانی کے بڑے جانور اونٹ، گائے میں حصہ لیا گیا ہو) تو اس کی قربانی کا گوشت ایسے غریبوں کو صدقہ کرنا ضروری ہے، کہ جنہیں زکاۃ دینا جائز ہو۔

البتہ اگر کوئی شخص میت کے ترکہ کے بجائے اپنے مال میں سے قربانی کرے، یا بغیر وصیت کے اپنی طرف سے میت کو ثواب پہنچانے کی نیت سے قربانی کرے، تو اس صورت میں اس قربانی کا گوشت عام قربانی کے گوشت کی طرح استعمال کرنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد حصلت .وفی فتاوی الخلاصة والفیض :تعلیق القسمة علی إرادتهم، وهو یؤید ما سبق غیر أنه إذا کان فیهم فقیر والباقی أغنیاء یتعین علیه أخذ نصیبه لیتصدق به اهـ ط . وحاصله أن المراد بیان شرط القسمة إن فعلت لا أنها شرط، لکن فی استثنائه الفقیر نظر إذ لا یتعین علیه التصدق کما یأتی، نعم الناذر یتعین علیه فافهم (ردالمحتار، ج۶ ص۳۱۷، کتاب الاضحیة)

(کذافی الطحطاوی علی الدر، ج۴ ص۱۶۲، کتاب الاضحیة)

[1] (قوله ویقسم اللحم) انظر هل هذه القسمة متعینة أو لا، حتی لو اشتری لنفسه ولزوجته وأولاده الکبار بدنة ولم یقسموها تجزیهم أو لا، والظاهر أنها لا تشترط لأن المقصود منها الإراقة وقد حصلت .وفی فتاوی الخلاصة والفیض :تعلیق القسمة علی إرادتهم، وهو یؤید ما سبق غیر أنه إذا کان فیهم فقیر والباقی أغنیاء یتعین علیه أخذ نصیبه لیتصدق به اهـ ط .وحاصله أن المراد بیان شرط القسمة إن فعلت لا أنها شرط، لکن فی استثنائه الفقیر نظر إذ لا یتعین علیه التصدق کما یأتی، نعم الناذر یتعین علیه فافهم (ردالمحتار، ج۶ ص۳۱۷، کتاب الاضحیة)

یہ گوشت ایصالِ ثواب والی نفلی قربانی کے گوشت کا حکم رکھتا ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۱۹...... اگر کسی نے زبان سے منت مان کر قربانی اپنے اوپر لازم کر لی تھی، مثلاً یہ منت مانی تھی کہ اللہ کے لئے مجھ پر قربانی واجب ہے، یا اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو مجھ پر قربانی ہے، اور اس کا وہ کام ہوگیا، تو بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک ایسی قربانی کا گوشت (خواہ وہ مستقل جانور ہو، یا بڑے جانور کا ساتواں حصہ ہو) زکاۃ کے مستحق غریبوں کو صدقہ کرنا ضروری ہے، خود استعمال کرنا، یا امیروں کو دینا اور کھلانا جائز نہیں۔ [۲]

---

[۱] من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل والأجر للميت والـملک للذابح .قال الصدر :والمختار أنه إن بأمر الميت لا يأكل منها وإلا يأكل بزازية، وسيذكره في النظم (ردالمحتار، ج٦ ص٣٢٦، كتاب الاضحية)

سبعة نحروا ناقة عن سبعة و أحد الشركاء وارث ميت يذبح عن مورثه قال محمد رحمه الله تعالى الستة يأكلون أنصباء هم من اللحم و يتصدق بنصيب الميت و لا يأكله الوارث *قال رضى الله عنه هذا إذا كان الوارث ضحى من مال الميت بأمر الميت......و ذكر الزعفراني رحمه الله تعالى إن أمرهم الميت أن يضحى عن الميت ففعل الوارث يقع عن الوارث نفلا و للميت أجر الذبح إن فعل الوارث بمال نفسه و يكون هو بمنزلة ما لو نوى واحد من الشركاء السبعة بنصيبه التطوع...... و لو ضحى عن ميت من مال نفسه بغير أمر الميت جاز و له أن يتناول منه و لا يلزمه أن يتصدق به لأنها لم تصر ملكا للميت بل الذبح حصل على ملكه و لهذا لو كان على الذابح أضحية سقطت عنه.و إن ضحى عن ميت من مال الميت بأمر الميت يلزمه التصدق بلحمه و لا يتناول منه لأن الأضحية تقع عن الميت(فتاوى قاضى خان، ج٣،ص ٢١٠، كتاب الأضحية)

[۲] اور ہمارے اکثر اکابر کے فتاویٰ اسی کے مطابق ہیں۔

إن وجبت بالنذر فليس لصاحبها أن يأكل منها شيئا، ولا أن يطعم غيره من الأغنياء سواء كان الناذر غنيا أو فقيرا؛ لأن سبيلها التصدق وليس للمتصدق أن يأكل صدقته، ولا أن يطعم الأغنياء ، كذا في التبيين.وأما في الأضحية المنذورة سواء كانت من الغني أو الفقير فليس لصاحبها أن يأكل ولا أن يؤكل الغني هكذا في النهاية(الفتاوى الهندية، ج٥ ص٣٠٠، كتاب الأضحية،الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب)

وإذا لم تكن واجبة، وإنما وجبت بالنذر فليس لصاحبها أن يأكل منها شيئا ولا أن يطعم غيره من الأغنياء ، سواء كان الناذر غنيا، أو فقيرا لأن سبيلها التصدق وليس للمتصدق أن يأكل من صدقته ولا أن يطعم الأغنياء (تكملة البحر الرائق للطورى، ج٨ص٢٠٣، كتاب الأضحية)

(قال :ويأكل من لحم الأضحية) ش :أى قال القدورى :هذا في غير المنذورة .أما في المنذورة فلا يأكل الناذر سواء كان معسرا أو موسرا وبه قالت الثلاثة، وعن أحمد في رواية :يجوز الأكل من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک اس قربانی کے گوشت کا حکم عام قربانی کے گوشت کی طرح ہے، اور اس کا غریبوں پر صدقہ کرنا ضروری نہیں، بلکہ خود کھانا اور امیروں وغریبوں کو کھلانا اور دینا سب جائز ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المنذورة أيضا وفى "الذخيرة" :"ولا يجوز أن يأكل الغنى فى المنذورة؛ لأن سببها التصدق وليس للمتصدق أن يأكل من صدقته، حتى لو أكل يجب عليه قيمة ما أكل(البناية شرح الهداية، ج ۱۲ ص ۵۱، كتاب الأضحية)

اور اگرچہ فقہائے کرام نے شراء الفقیر بنیۃ الاضحیہ کو بھی بمنزلہ نذر یا حکماً نذر قرار دیا ہے، جس کا حکم بھی یہی ہونا چاہئے، جیسا کہ ردالمحتار میں اس پر شبہ کیا گیا ہے، مگر اعلاء السنن میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اسے تمام احکام کے اعتبار سے نذر کا حکم حاصل نہیں، اس لئے فقیر نے جو جانور بنیتِ اضحیہ خرید کر قربانی کی ہو، اس کا گوشت عام قربانی کی طرح استعمال کرنا جائز ہے۔

(قوله ويأكل من لحم الأضحية إلخ) هذا فى الأضحية الواجبة والسنة سواء إذا لم تكن واجبة بالنذر، وإن وجبت به فلا يأكل منها شيئا ولا يطعم غنيا سواء كان الناذر غنيا أو فقيرا لأن سبيلها التصدق وليس للمتصدق ذلك، ولو أكل فعليه قيمة ما أكل زيلعى، وأراد بالأضحية السنة أضحية الفقير فإنه صرح بأنها تقع منه سنة قبيل قول الكنز، ويضحى بالجماء لكنه خلاف ما فى النهاية من أنها لا تقع منه واجبة ولا سنة بل تطوعا محضا، وكذا صرح فى البدائع أنها تكون تطوعا وهى أضحية المسافر والفقير الذى لم يوجد منه النذر بها ولا الشراء للأضحية لانعدام سبب الوجوب وشرطه، فالظاهر أنه أراد بالسنة التطوع تأمل .ثم ظاهر كلامه أن الواجبة على الفقير بالشراء له الأكل منها .وذكر أبو السعود أن شراءه لها بمنزلة النذر فعليه التصدق بها اهـ .أقول :التعليل بأنها بمنزلة النذر مصرح به فى كلامهم، ومفاده ما ذكر .وفى التتارخانية :سئل القاضى بديع الدين عن الفقير إذا اشترى شاة لها هل يحل له الأكل؟ قال نعم .وقال القاضى برهان الدين لا يحل اهـ فتأمل (رد المحتار على الدر المختار، ج ۶، ص ۳۲۷، كتاب الأضحية)

وفيه الامر من الاضحية من غير فصل بين الموسر والمعسر، وكان ظاهر حديث الصحابة فى زمنه صلى الله عليه وسلم الاعسار والفقر، فلو لم يجز للمعسر الاكل من الاضحية لبينه النبى صلى الله عليه وسلم، وكون شراء الفقير بمنزلة النذر، انما هو فى حق ايجاب المعين لافى سائر احكام، والله تعالىٰ اعلم (اعلاء السنن ج ۱۷ ص ۲۸۳، باب افضلية مباشرة التضحية بنفسه وجواز الاستنابة والاستعانه)

۱؎ وجملة الكلام فيه أن الدماء أنواع ثلاثة :نوع يجوز لصاحبه أن يأكل منه بالإجماع، ونوع لا يجوز له أن يأكل منه بالإجماع، ونوع اختلف فيه، الأول دم الأضحية نفلا كان أو واجبا منذورا كان أو واجبا مبتدأ، والثانى دم الإحصار وجزاء الصيد ودم الكفارة الواجبة بسبب الجناية على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہاں اگر کسی نے قربانی کی منت کے ساتھ گوشت کے صدقہ کرنے کی بھی نیت کی ہو، تو پھر یہ حضرات بھی اس کے گوشت کے صدقہ کو واجب اور ضروری قرار دیتے ہیں۔

اور اگر کسی نے جانور کو (قربانی کرنے کے بجائے) ذبح یا صدقہ کرنے کی منت مانی تھی، تو بالاتفاق ذبح کی منت پوری کرنے کے لئے جو جانور ذبح کیا جائے، اس کا پورا گوشت صدقہ کرنا ضروری ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الإحرام كحلق الرأس ولبس المخيط والجماع بعد الوقوف بعرفة وغير ذلك من الجنايات، ودم النذر بالذبح، والثالث دم المتعة والقران، فعندنا يؤكل وعند الشافعي -رحمه الله -لا يؤكل، وهي من مسائل المناسك ثم كل دم يجوز له أن يأكل منه لا يجب عليه أن يتصدق به بعد الذبح؛ إذ لو وجب عليه التصدق لما جاز له أن يأكل منه، وكل دم لا يجوز له أن يأكل منه يجب عليه أن يتصدق به بعد الذبح إذ لو لم يجب لأدى إلى التسييب (بدائع الصنائع، ج۵ ص ۸۰، كتاب التضحية،فصل في بيان ما يستحب قبل التضحية وبعدها وما يكره)

[1] حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے اسی موقف کو اختیار کیا ہے، اور اس پر تفصیلی بحث فرمائی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

''اصولِ شرع کے تحت بھی یہی صحیح ہے کہ نذر ذبح میں لحم واجب التصدق ہے، نذر تضحیہ میں نہیں، البتہ نذر تضحیہ میں تصدقِ لحم کی نیت بھی کی ہو تو تصدق واجب ہوگا۔

نذر ذبح ونذر تضحیہ میں یہ تفریق اصولاً اس لئے لازم ہے کہ نذر تضحیہ میں اگر تصدقِ لحم کی نذر نہیں کی تو یہ واجب التصدق کیوں ہوا؟ وجوبِ تضحیہ وجوبِ تصدق کو مستلزم نہیں اور نذر ذبح میں فعلِ ذبح عبادت نہیں، اس لئے نذرِ ذبح تصدق لحم کو مستلزم ہے، ورنہ فعل عاقل کا ابطال لازم آتا ہے جو عقلاً وشرعاً کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ نذر ذبح میں نذر تصدق کا عرف ہے، اگر یہ عرف نہ بھی ہوتا تو بھی تصحیح فعل عاقل کے لئے عقلاً وشرعاً اس کو نذر تصدق قرار دیا جائے گا۔ غرضیکہ نذر ذبح کا نذر تصدق کو مستلزم ہونا تسلیم نہ کیا جائے تو یہ نذر ہی صحیح نہیں، اور استلزام تسلیم کرلیا جائے تو صحت نذر و وجوبِ تصدق دونوں اصولِ شرع کے مطابق ہیں۔ فعلِ ذبح عبادت نہ ہونے کے باوجود اس کی نذر صحیح ہونے میں اشکال کا جواب امداد الفتاویٰ میں یوں دیا ہے:

''اس میں ورودِ نص کی وجہ سے اس کی صحت خلافِ قیاس ہے'' (احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۵۲۷)

بعض شروح وحواشی میں اضحیۂ منذورہ کا وجوبِ تصدق مذکور ہے، اس کو اس پر محمول کرنا ناگزیر ہے کہ نذرِ اضحیہ کے ساتھ نذرِ تصدق بھی کی ہو (احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۵۲۸)

وجوبِ تصدق کا قول سب سے پہلے آٹھویں صدی میں زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۷۶۳ھ نے فرمایا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ یہ کہ منت والی قربانی میں اگر منت ماننے والے نے قربانی کے ساتھ ساتھ گوشت کے صدقہ کی بھی نیت کی ہو، تو قربانی کے دنوں میں قربانی کرنے کے بعد بالاتفاق اس کا گوشت خود کھانا، اور امیروں کو کھلانا جائز نہیں، بلکہ غریبوں پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔

اور اگر قربانی کی منت ماننے والے نے گوشت کے صدقہ کی نیت نہ کی ہو، تو بعض حضرات کے نزدیک ایسی قربانی کا گوشت غریبوں کو صدقہ کرنا واجب ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک اس کا غریبوں پر صدقہ کرنا واجب نہیں، بلکہ اس کے گوشت کا حکم عام قربانی کے گوشت کی طرح ہے۔

پس سارا گوشت صدقہ کردینے میں احتیاط ہے، تاکہ سب کے نزدیک بریُ الذمہ ہو جائے، اور اگر کوئی ضرورت مند ہونے کی وجہ سے خود کھالے، تو بعض حضرات کے نزدیک اس کی بھی گنجائش موجود ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۰...... اگر ایک بڑے جانور میں کئی آدمی شریک ہیں اور کوئی ایک شریک جانور کا گوشت وغیرہ بناتا ہے تو بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک اس کو گوشت وغیرہ بنانے کی اجرت لینا جائز نہیں۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ہے، ان کے بعد بعض دوسرے شراح ومحشین نے بھی یہی لکھا ہے، بعض نے زیلعی کی طرف نسبت ظاہر کی ہے، بعض نے نہیں، بظاہر ان کا مآخذ بھی وہی ہے، شاید ان حضرات کو نذرِ ذبح سے اشتباہ ہو گیا ہے، والتوفیق اولیٰ من التخطئۃ۔ بہشتی زیور کے حاشیہ میں وجوبِ تصدق کی دلیل میں شرح التنویر کا یہ جزیہ نقل کیا ہے "ولا یاکل الناذر منھا" (ردالمحتار ص۲۰۴ ج۵) اس سے استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ یہ ایامِ قربانی گزر جانے کے بعد ذبح کرنے سے متعلق ہے، جیسا کہ اس کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے، اور علامہ ابنِ عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس پر تنبیہ فرمائی ہے (احسن الفتاویٰ ج۷ ص۵۲۸)

[۱] (ولو) استأجره (لحمل طعام) مشترک (بينهما فلا أجر له) ؛ لأنه لا يعمل شيئا لشريكه إلا ويقع بعضه لنفسه فلا يستحق الأجر (الدرالمختار)

(قوله؛ لأنه لا يعمل إلخ) فإن قيل :عدم استحقاقه للأجر على فعل نفسه لا يستلزم عدمه بالنسبة إلى ما وقع لغيره.فالجواب أنه عامل لنفسه فقط؛ لأنه الأصل وعمله لغيره مبنى على أمر مخالف للقياس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اگر کسی جگہ شریک کے مشترکہ کام پر اُجرت کے لین دین کا تعامل ورواج ہو، تو پھر شریک کو گوشت بنانے پر مقرر ومعروف اجرت کا لینا و دینا جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فاعتبر الأول، ولأنه ما من جزء يحمله إلا وهو شريك فيه فلا يتحقق تسليم المعقود عليه؛ لأنه يمنع تسليم العمل إلى غيره فلا أجر عناية وتبيين ملخصا(ردالمحتار، ج٦ص ٦٠، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة)

وقال العلامة الرافعي: (قوله وعمله لغيره مبنى على امر مخالف للقياس الخ) للحاجة وهى تندفع بجعله عاملا لنفسه لحصول المقصود المستأجر عناية (التحرير المختار، ج٢ص٢٦٧)

اوراحسن الفتاویٰ میں ہے کہ:

قربانی میں شریک کو ذبح کی اجرت لینا دو وجہ سے ناجائز ہے:

۱......: ذبح کرنا خود اس پر واجب ہے، اصالۃً یا نیابۃً اور واجب علی التعیین پر اجرت لینا ناجائز ہے۔

۲......: فعل مشترک کی اجرت کا استحقاق نہیں۔

ذبح کے بعد چمڑا اتارنے اور گوشت بنانے کی اجرت صرف دوسری وجہ سے ناجائز ہے (احسن الفتاویٰ ج۷ص۵۱۸)

[1] **قال فى التبيين :ومشايخ بلخ والنسفى يجيزون حمل الطعام ببعض المحمول ونسج الثوب ببعض المنسوج لتعامل أهل بلادهم بذلك، ومن لم يجوزه قاسه على قفيز الطحان .والقياس يترك بالتعارف .ولئن قلنا :إنه ليس بطريق القياس بل النص يتناوله دلالة فالنص يخص بالتعارف ألا ترى أن الاستصناع ترك القياس فيه، وخص من القواعد الشرعية بالتعامل، ومشايخنا - رحمهم الله -لم يجوزوا هذا التخصيص؛ لأن ذلك تعامل أهل بلدة واحدة وبه لا يخص الأثر، بخلاف الاستصناع فإن التعامل به جرى فى كل البلاد، وبمثله يترك القياس ويخص الأثر اهـ.**

وفى العناية :فإن قيل لا نتركه بل يخص عن الدلالة بعض ما فى معنى قفيز الطحان بالعرف كما فعل بعض مشايخ بلخ فى الثياب لجريان عرفهم بذلك .قلت :الدلالة لا عموم لها حتى تخص اهـ (ردالمحتار، ج٦ص٥٨، ٥٩، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة)

اور احسن الفتاویٰ میں تفصیلی عبارات کے بعد ہے کہ:

شریک کو اجیر رکھنے کا عدم جواز کسی نصِ شرعی سے ثابت نہیں۔

حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اس بارے میں کوئی روایت نہیں، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، مگر آپ سے اس کی کوئی علت منقول نہیں۔

بعض مشائخ نے جو علل بیان فرمائیں ہیں، وہ دوسرے مشائخ کی نظر میں مخدوش ہیں۔

علامہ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اجارۃ المشاع کی طرح قرار دیا ہے۔

اجارۃ المشاع باجماع الائمۃ الاربعۃ رحمہم اللہ تعالیٰ جائز ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۱......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر گوشت میں ہڈی نہ ہو تو وہ مکروہ ہوجاتا ہے۔
یہ بے بنیاد بات ہے، جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں پائی جاتی۔

مسئلہ نمبر ۲۲......قربانی کا جانور ذبح کرنے کے بعد اس کا گوشت قربانی کے مالک کی ملکیت ہوتا ہے، لہٰذا اُس کی اجازت کے بغیر کسی شخص کو استعمال کرنا جائز نہیں۔
اگر کوئی شخص مالک کی اجازت کے بغیر استعمال کرے، یا قربانی کے گوشت کو چوری کرلے، یا اُس کو ضائع کردے، تو اُس پر واجب ہوگا کہ وہ مالک کو اُس کی قیمت کا تاوان ادا کرے، اور پھر مالک پر اُس کی قیمت کا غریبوں پر صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ [1]

ذبح شدہ حلال جانور کی ناجائز وممنوع اشیاء

حلال جانور کا شرعی طریقہ پر ذبح وتذکیہ کرنے سے اس کے سارے گوشت کا کھانا حلال ہوجاتا ہے۔
البتہ چند چیزوں کے کھانے کی احادیث میں ممانعت آئی ہے، اور اس ممانعت کی وجہ یہ ہے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

البتہ امام رحمہ اللہ تعالیٰ غیر شریک کے لئے ناجائز فرماتے ہیں۔
ائمۂ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجارۃ المشاع کی طرح شریک کو اجیر رکھنے کے جواز پر متفق ہیں (احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۳۲۸، کتاب الاجارۃ)
نصِ مذہب کو تو تعاملِ خاص سے بھی ترک کردیا جاتا ہے، اور کمپنی کے شرکاء کو اجیر رکھنے کا تو تعامل عام ہے، لہٰذا اس میں بطریقِ اولیٰ نصِ مذہب متروک ہوگی، بالخصوص جبکہ یہ نصِ امام بھی نہیں، بلکہ قولِ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ہے، جس سے تعامل مقدم ہے (ایضاً)

[1] وله أن يضمنه؛ لأن من أتلف لحم الأضحية يضمن ويتصدق بالقيمة؛ لأن القيمة بدل عن اللحم فصار كما لو باعه (بدائع الصنائع، ج۵، ص۷۶، كتاب التضحية، فصل فى أنواع كيفية الوجوب)
التضحية لما وقعت لصاحبه كان اللحم له ومن أتلف لحم أضحية غيره ضمنه (وتصدق بها)أى بتلك القيمة؛ لأنه بدل لحم الأضحية(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج۲،ص ۵۲۲، كتاب الأضحية)
يضمن صاحبه قيمة لحمه ثم يتصدق بتلك القيمة؛ لأنها بدل من اللحم، فصار كما لو باع أضحيته، وهذا لأن التضحية لما وقعت من صاحبه كان اللحم له، ومن أتلف أضحية غيره كان الحكم ما ذكرناه، هداية(اللباب فى شرح الكتاب، ج۱، ص۳۵۱، كتاب الأضحية)

کہ وہ چیزیں خبائث میں داخل ہیں۔

اور وہ مجموعی طور پر مندرجہ ذیل سات چیزیں ہیں:

(۱)......خون (جس سے مراد بہتا خون ہے، اور اس کا حرام ہونا قرآن مجید سے بھی ثابت ہے)
(۲)......نر جانور کی پیشاب گاہ (یعنی ذَکر) (۳)......نر جانور کے خصیتین (یعنی کپورے) (۴)...... مادہ جانور کی پیشاب گاہ (یعنی فَرج) (۵)......نر و مادہ جانور کا مثانہ (یعنی پیشاب کی وہ تھیلی، جس میں پیشاب جمع رہتا ہے) (۶)...... غدود (یعنی جسم کے مختلف اعضاء میں پائی جانے والی گلٹی یا گانٹھ) (۷)...... پِتّہ (یعنی صفراوی خلط کا مقام، جو کہ جگر کے نیچے ایک چھوٹی تھیلی کا نام ہے، جس میں پِت جمع رہتی ہے) [1]

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ مِنَ الشَّاةِ سَبْعًا: اَلْمَرَارَةَ، وَالْمَثَانَةَ ، وَالْمَحْيَاةَ ، وَالذَّكَرَ ، وَالْأُنْثَيَيْنِ ، وَالْغُدَّةَ ، وَالدَّمَ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۹۴۸۰، دارالحرمین، القاهرة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکرے کی سات چیزوں کو مکروہ قرار دیا کرتے تھے پِتّہ، اور مثانہ، اور مادہ کی پیشاب گاہ، اور نر کی پیشاب گاہ، اور خصیتین (یعنی کپورے) اور غدود اور خون (ترجمہ ختم)

یہ حدیث سند کے لحاظ سے قابلِ استدلال ہے، بالخصوص جبکہ اس کے ساتھ دوسری آنے والی روایت کو بھی جمع کرلیا جائے۔ [2]

---

[1] (قوله من الشاة) ذكر الشاة اتفاقی لأن الحكم لا يختلف فی غيرها من المأكولات ط (قوله الحياء) هو الفرج من ذوات الخف والظلف والسباع ، وقد يقصر قاموس (قوله والغدة) بضم الغين المعجمة كل عقدة فی الجسد أطاف بها شحم ، وكل قطعة صلبة بين العصب ولا تكون فی البطن كما فی القاموس (قوله والدم المسفوح) أما الباقی فی العروق بعد الذبح فإنه لا يكره (ردالمحتار، ج۶ ص ۷۴۹، كتاب الخنثى، مسائل شتى)

[2] قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الاوسط وفيه يحيى الحمانی وهو ضعيف (مجمع الزوائد ج۵ ص ۳۶)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت مجاہد سے مرسلاً روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَكْرَهُ مِنَ الشَّاةِ سَبْعًا: اَلدَّمَ، وَالْحَيَا، وَالْأُنْثَيَيْنِ، وَالْغُدَّةَ، وَالذَّكَرَ، وَالْمَثَانَةَ، وَالْمَرَارَةَ (مصنف عبدالرزاق)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکرے کی سات چیزوں کو مکروہ قرار دیا کرتے تھے پتّہ، اور مثانہ، اور مادہ کی پیشاب گاہ، اور نر کی پیشاب گاہ، اور خصیتین (یعنی کپورے) اور غدود اور خون (ترجمہ ختم)

اس حدیث کو بعض نے واصل بن ابی جمیل کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ مقبول درجہ کے راوی ہیں۔[2]

رہا اس حدیث کا مرسل ہونا، تو وہ مضر نہیں، بالخصوص جبکہ حضرت مجاہد کی مراسیل بھی متعدد محدثین کے نزدیک جید شمار ہوتی ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولكن قال ابن معين في يحيى بن عبدالحميد بن عبد الرحمن بن ميمون بن عبد الرحمن الحماني :ثقة (كذافي تهذيب الكمال ج ۳۱ ص ۴۱۹ تا ۴۳۴)

وفيه عبدالرحمن بن زيد بن اسلم :

قَالَ أبو الحسن الميموني : سمعت أبا عَبد الله يقول :عَبد الله بن زيد بن أسلم ، أثبت من عبد الرحمن .قلت :أثبت ؟ قال :نعم ، قلت :فعبد الرحمن ؟ قال :كذا ليس مثله .وضعف أمره قليلا ....وَقَال أبو أحمد بن عدي : له أحاديث حسان .وهو ممن احتمله الناس ، وصدقه بعضهم .وهو ممن يكتب حديثه(تهذيب الكمال ج۱۷ ص ۱۱۴)

[1] رقم الحديث ۸۷۷۱،كتاب المناسك،باب ما يكره من الشاة، المكتب الاسلامي،بيروت،واللفظ لهٗ،المراسيل ابى داوٗد، رقم الحديث ۴۶۵،كتاب الآثار، باب ما يكره من الشاة والدم وغيره ،رقم الحديث ۸۱۱،السنن الكبرىٰ للبيهقي، رقم الحديث ۱۹۷۰۰، كتاب الضحايا، باب ما يكره من الشاة إذا ذبحت.

[2] واصل بن أبي جميل الشامي أبو بكر السلاماني مشهور بكنيته مقبول من السادسة(تقريب التهذيب ج۲ ص ۲۷۹)

اوراس کے علاوہ دوسری روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ [1]

اوراحادیث میں بکری کا ذکر اتفاقی ہے، دوسرے حلال جانوروں (اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، دنبہ وغیرہ) کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ حلال ہونے کی حیثیت سے ان سب کا حکم برابر اور مشترک ہے۔

اوران احادیث میں مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے، جس کا درجہ حرام کے قریب ہوتا ہے، اوروہ گناہ میں داخل ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ان سات چیزوں میں ایک چیز خون ہے، جو کہ حرام ہے، اور ظاہر ہے کہ جو چیزیں حرام چیز کے ساتھ یکساں حکم کے طور پر ذکر کی جائیں، ان سے مکروہِ تنزیہی کے بجائے مکروہِ تحریمی ہی مرادلیا جائے گا۔

اس لئے بعض لوگوں کا ان اعضاء کو مکروہِ تنزیہی سمجھنا یا مکروہ کے لفظ سے ان اعضاء کو ممانعت سے خارج یا ہلکا سمجھنا غلط فہمی پر مبنی ہے۔ [2]

---

[1] وقال أبو عبيد الآجرى :قلت لأبى داود :مراسيل عطاء أحب إليك أو مراسيل مجاهد؟ قال :مراسيل مجاهد(تهذيب الكمال ،ج۲۷ص۲۳۳)

والمرسل عند ابى حنيفه رح أقوى من المرسل وعند مالك رح واحمد رح دونه لكنه حجة مطلقا وعند الشافعى لا يقبل المرسل الا بأحد امور خمسة ان يسند غيره او يرسله غيره،وعلم ان شيوخهما مختلفة او يعضده قول صحابى او قول اكثر اهل العلم أو يعلم من حاله انه لا يرسل الا برواية عن عدل وهاهنا مرسل طاء وس صحيح أيده مرسل عبد الله بن مغفل وهو حسن(التفسير المظهرى، ج۷ص۳۷، تحت سورة الفرقان)

وقد مر فى المقدمة ان مراسيل مجاهد جياد، لكونه لايروى الا عن ثقة ،ولا يأخذ عن كل ضرب ، وايضا فالمجهول فى القرون الفاضلة لايضرنا (اعلاء السنن ج۱۷ ص۲۳۲، باب ان الاضحية يومان بعد يوم الاضحى)

[2] وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول فالذى يحرم أكله منه سبعة :الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة لقوله عز شأنه (ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث)وهذه الأشياء السبعة مما تستخبثه الطباع السليمة فكانت محرمة.وروى عن مجاهد -رضى الله عنه -أنه قال :كره رسول الله -صلى الله عليه وسلم -من الشاة الذكر والأنثيين والقبل والغدة والمرارة والمثانة والدم فالمراد منه كراهة التحريم بدليل أنه جمع بين الأشياء الستة وبين الدم فى الكراهة، والدم المسفوح محرم، والمروى عن أبى حنيفة -رحمه الله -أنه قال :الدم حرام وأكره الستة أطلق اسم الحرام على الدم المسفوح وسمى ما سواه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان سات چیزوں کے علاوہ حلال مذبوحہ جانور کی کوئی چیز جو گوشت کے قبیل سے ہو، جس میں کھال، کلیجی، گردے اور اوجھڑی بھی شامل ہیں، ممنوع نہیں، بلکہ جائز ہیں، لہٰذا حلال مذبوحہ جانور کی کھال، سری پائے، پنجے، کلیجی، گردے اور آنکھ، کان بلکہ اوجھڑی کھانا بھی بلا کراہت جائز ہے (جبکہ غلاظت سے اچھی طرح پاک وصاف کرلیا گیا ہو)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مکروها؛ لأن الحرام المطلق ما ثبتت حرمته بدليل مقطوع به، وحرمة الدم المسفوح قد ثبتت بدليل مقطوع به وهو النص المفسر من الكتاب العزيز قال الله تعالى عز شأنه (قل لا أجد فى ما أوحى إلى محرما) إلى قوله عز شأنه (أو دما مسفوحا أو لحم خنزير)وانعقاد الإجماع أيضا على حرمته فأما حرمة ما سواه من الأشياء الستة فما ثبتت بدليل مقطوع به بل بالاجتهاد أو بظاهر الكتاب العزيز المحتمل للتأويل أو الحديث لذلک فصل بينهما فى الاسم فسمى ذلک حراما وذا مكروها والله عز اسمه أعلم(بدائع الصنائع، ج۵ص ۶۱، كتاب التضحية،فصل فى بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول)

(كره تحريما) وقيل تنزيها والأول أوجه (من الشاة سبع الحياء والخصية والغدة والمثانة والمرارة والدم المسفوح والذكر) للأثر الوارد فى كراهة ذلک وجمعها بعضهم فى بيت واحد فقال :فقل ذكر والأنثيان مثانة كذاک دم ثم المرارة والغدد،وقال غيره :إذا ما ذكيت شاة فكلها سوى سبع ففيهن الوبال،فحاء ثم خاء ثم غين ...ودال ثم ميمان وذال(الدرالمختار)

(قوله كره تحريما) لما روى الأوزاعى عن واصل بن أبى جميلة عن مجاهد قال :كره رسول الله - صلى الله عليه وسلم -من الشاة الذكر والأنثيين والقبل والغدة والمرارة والمثانة والدم ، قال أبو حنيفة :الدم حرام وأكره الستة، وذلک لقوله عز وجل -(حرمت عليكم الميتة والدم) (المائدة:۳)الآية فلما تناوله النص قطع بتحريمه وكره ما سواه، لأنه مما تستخبثه الأنفس، وتكرهه وهذا المعنى سبب الكراهية -لقوله تعالى -(ويحرم عليهم الخبائث) -زيلعى.

وقال فى البدائع آخر كتاب الذبائح :وما روى عن مجاهد فالمراد منه كراهة التحريم بدليل أنه جمع بين الستة وبين الدم فى الكراهة والدم المسفوح محرم والمروى عن أبى حنيفة أنه قال :الدم حرام وأكره الستة فأطلق الحرام على الدم، وسمى ما سواه مكروها لأن الحرام المطلق ما ثبتت حرمته بدليل مقطوع به وهو المفسر من الكتاب قال الله تعالى -(أو دما مسفوحا) (الأنعام145 :)- وانعقد الإجماع على حرمته، وأما حرمة ما سواه من الستة فما ثبت بدليل مقطوع به، بل بالاجتهاد أو بظاهر الكتاب المحتمل للتأويل أو الحديث، فلذا فصل فسمى الدم حراما وذا مكروها اهـ .

أقول :وظاهر إطلاق المتون هو الكراهة (قوله وقيل تنزيها) قائله صاحب القنية فإنه ذكر أن الذكر أو الغدة لو طبخ فى المرقة لا تكره المرقة وكراهة هذه الأشياء كراهة تنزيه لا تحريم اهـ .واختار فى الوهبانية ما فى القنية وقال :إن فيه فائدتين إحداهما أن الكراهة تنزيهية، والأخرى أنه لا يكره

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اگر کسی کو طبعی طور پر یہ چیزیں یا ان میں سے کوئی چیز پسند نہ ہو، تو وہ الگ بات ہے، مگر کسی کے طبعی طور پر ناپسند ہونے سے اس کا شرعاً ممنوع یا مکروہ ہونا لازم نہیں آتا۔

آج کل بعض لوگ ذبح شدہ حلال جانور کی کھال، کلیجی، گردے اور بالخصوص اوجھڑی وغیرہ کو ناجائز یا ممنوع قرار دیتے ہیں، جو کہ درست نہیں۔ [1]

کیونکہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ حلال جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کر کے خون بہانے اور نکال دینے سے اس کے جسم کے تمام اعضاء کا کھانا جائز ہو جانا چاہئے تھا۔

لیکن احادیث میں جن چیزوں کو منع کر دیا گیا ہے، ان کو تو ناجائز سمجھا جائے گا، اور باقی اعضاء

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أكل المرقة واللحم اهـ نقله عنه ابن الشحنة فی شرحه، وأقره (قوله والأول أوجه) لما قدمناه من استدلال الإمام بالآية وأيضا فكلام صاحب القنية لا يعارض ظاهر المتون وكلام البدائع (قوله من الشاة) ذكر الشاة اتفاقی لأن الحكم لا يختلف فی غيرها من المأكولات ط.

(قوله الحياء) هو الفرج من ذوات الخف والظلف والسباع، وقد يقصر قاموس (قوله والغدة) بضم الغين المعجمة كل عقدة فی الجسد أطاف بها شحم، وكل قطعة صلبة بين العصب ولا تكون فی البطن كما فی القاموس (قوله والدم المسفوح) أما الباقی فی العروق بعد الذبح فإنه لا يكره (قوله فی بيت) وقبله بيت آخر ذكره فی المنح وهو.

ويكره أجزاء من الشاة سبعة ...فخذها فقد أوضحتها لک بالعدد

(قوله فقل ذكر إلخ) كذا فی النسخ وعليه فالمعدود ستة والظاهر أن أصل البيت حيا ذكر إلخ (قوله وقال غيره) أی بطريق الرمز ومثله قولی:

إن الذی من المذكاة رمی ...يجمعه حروف فخذ مدغم (قوله إذا ما ذكيت) بالبناء للمجهول والتاء علامة التأنيث(ردالمحتار، ج۶ص ۷۴۹، ۷۵۰، كتاب الخنثیٰ، مسائل شتی)

والمكروه تحريما من الشاة سبع الفرج والخصية والغدة والدم المسفوح والمرارة والمثانة والذكر وقد نظمها بعضهم بقوله:إذا ما ذكيت شاة فكلها ...سوى سبع ففيهن الوبال.ففاء ثم خاء ثم غين ...وذال ثم ميمان ودال.(أقول) وقد كنت نظمتها بقولی.إن الذی من الشياه يحرم ... يجمعه حروف فخذ مدغم(العقود الدرية فی تنقيح الفتاویٰ الحامدية، ج۲ص ۲۱۲، كتاب الذبائح)

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان سبعة :الدم المسفوح والذكر والأنثيان والقبل والغدة والمثانة والمرارة، كذا فی البدائع(الفتاویٰ الهنديه ج ۵ ص ۲۹۰، كتاب الذبائح، الباب الثالث)

[1] اور اگر کسی نے ان میں سے کسی چیز کو مکروہ کہا ہو تو اس سے شرعی مکروہ مراد نہیں، کیونکہ اس کے شرعاً مکروہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ طبعی مکروہ مراد لیا جائے گا، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی نے طبعی طور پر اس کو ناپسند کیا ہو۔

کے حلال اور جائز ہونے کا حکم برقرار رہے گا، اور احادیث میں جن چیزوں سے منع کیا گیا، ان میں کھال، کلیجی، گردے اور اوجھڑی داخل نہیں، لہٰذا یہ چیزیں حلال ہیں۔

اور اسی وجہ سے فقہائے کرام اور سلفِ صالحین سے ان چیزوں کے ناجائز یا حرام ہونے کا حکم منقول نہیں۔

اور بعض لوگوں کا اوجھڑی کو خبائث میں داخل وشامل ماننا درست نہیں، کیونکہ اگر یہ خبائث میں داخل ہوتی تو مفسرین، محدثین وفقہائے کرام (جو دین کے شارح ہیں) ضرور اس کا ذکر فرماتے۔

اسی طرح بعض لوگوں کا اوجھڑی کو مثانہ پر قیاس کرنا اور اس میں خباثت کی علت قرار دینا بھی درست نہیں۔

کیونکہ اوّلاً تو مثانہ کی ممانعت حدیث شریف سے ثابت ہے، اور اوجھڑی وآنتوں کی ممانعت حدیث سے ثابت نہیں۔

دوسرے فقہائے کرام رحمہم اللہ نے مندرجہ بالا سات اشیاء میں خباثت کی علت کو معتبر مانا ہے، لیکن اوجھڑی میں اس علت کو معتبر نہیں مانا، اگر اوجھڑی وغیرہ کا حکم مثانہ کی طرح ہوتا تو فقہائے کرام مثانہ کے ساتھ اس کو ذکر فرماتے، یا اوجھڑی وغیرہ کو مثانہ پر قیاس کر کے اس کا حکم بھی مثانہ والا بیان فرماتے۔ [1]

البتہ اگر کسی عالم نے اوجھڑی میں نجاست وغلاظت لگے ہوئے ہونے کی وجہ سے اس سے منع کیا ہو یا اس کو مکروہ جانا ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا کہ اگر اس سے نجاست وغلاظت کو اچھی طرح پاک، صاف کر لیا جائے تو پھر بھی وہ ناجائز ومکروہ رہے، کیونکہ یہ قاعدہ بالکل

---

[1] فان القیود المذکورۃ تفید بمفھوماتھا المخالفۃ الجواز عند عدمھا (فتح القدیر، ج۲ ص ۳۲۵، کتاب الصوم، فصل فی رؤیۃ الھلال، کتاب الصوم)

والحاصل ان العمل الان علی اعتبار المفھوم فی غیر کلام الشارع (وبعد اسطر) فان العلمآء جرت عادتھم فی کتبھم علیٰ انھم یذکرون القیود والشروط ونحوھا علی اخراج مالیس فیہ ذالک القید الخ (شرح عقود رسم المفتی ص ۴۳)

واضح ہے کہ اگر کسی پاک چیز مثلاً کپڑے پر نجاست وغلاظت لگ جائے تو نجاست کے الگ ہونے سے پہلے تو اسے ناپاک کہا جاتا ہے اور ایسا ناپاک کپڑا پہن کر نماز پڑھنے سے بھی منع کیا جاتا ہے۔

لیکن اگر اس کپڑے سے نجاست وغلاظت کو دور اور پاک کر دیا جائے تو پھر اسی کپڑے کو پاک کہا جاتا ہے اور اس میں نماز پڑھنا بھی جائز قرار دیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر ا...... جانور میں ایک چیز حرام مغز پائی جاتی ہے، جس کو عربی زبان میں ''نخاعُ الصلب'' کہا جاتا ہے، جو کہ جانور کی پشت کے مہرے یعنی ریڑھ کی ہڈی کے اندر سفید رنگ کا گودا لمبے دھاگے کی شکل میں ہوتا ہے۔ [1]

بعض عوام نے اس کے نام کے ساتھ ''حرام'' کا لفظ ہونے کی وجہ سے اس کو حرام سمجھ لیا ہے، بلکہ بعض اہلِ علم نے سات چیزوں کے ساتھ اس کا مکروہ ہونا بھی بیان کر دیا ہے، حالانکہ یہ بات درست نہیں، کیونکہ اس کے ساتھ حرام کا لفظ اس کے حرام اور ناجائز ہونے کے معنیٰ میں نہیں ہے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ ''نخاع الصلب'' یعنی حرام مغز کا کھانا حرام یا مکروہ نہیں، بلکہ جائز ہے،

---

[1] (قوله والنخاع عرق أبيض فى عظم الرقبة). قال فى المغرب :النخاع خيط أبيض فى جوف عظم الرقبة يمتد إلى الصلب ، والفتح والضم لغة فى الكسر ، ومن قال هو عرق فقد سها ، إنما ذلك البخاع بالباء يكون فى القفا ، ومنه بخع الشاة إذا بلغ بالذبح ذلك الموضع ، فالبخع أبلغ من النخع انتهى .

وذكر صاحب النهاية ما فى المغرب بعينه غير أنه لم ينسبه إلى المغرب فصاحب العناية كأنه حسب أن صاحب النهاية ذكر ما ذكره هنا

من عند نفسه حيث قال :فسره المصنف بأنه عرق أبيض فى عظم الرقبة ، ونسبه صاحب النهاية إلى السهو وقال :هو خيط أبيض فى جوف عظم الرقبة يمتد إلى الصلب ......ولا شك أن النخاع من أجزائه وكتب اللغة مشحونة بتفسيره بالخيط :منها المغرب كما ذكرناه فى صدر الكلام ، ومنها صحاح الجوهرى فإنه قال فيه :وهو الخيط الأبيض الذى فى جوف الفقار ، ومنها القاموس فإنه قال فيه :والنخاع مثلثة الخيط الأبيض فى جوف الفقار ينحدر من الدماغ ويتشعب منه شعب فى الجسم إلى غير ذلك من معتبرات كتب اللغة(فتح القدير ج۹ ص۴۹۷،۴۹۸،ملخصاً، كتاب الذبائح)

کیونکہ یہ ان سات چیزوں میں شامل نہیں، جن کا کھانا ممنوع ہے، اور اسی وجہ سے فقہائے کرام نے اس کے ممنوع ہونے کا ذکر نہیں کیا۔

البتہ فقہائے کرام نے جانور کے ذبح کے وقت ''نخاعِ صلب'' یعنی حرام مغز کے عمل کو مکروہ قرار دیا ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ جانور کے ذبح کرتے وقت یا ذبح کرنے کے بعد ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کے نخاعِ صلب یعنی حرام مغز کو کاٹا جائے (جیسا کہ آج کل بعض قصاب ذبح کے بعد حرام مغز میں چھُری گھونپتے ہیں)

اور اس کے مکروہ وممنوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے جانور کو بلاوجہ کی تکلیف وتعذیب دینا لازم آتا ہے، جس کو شریعت نے ممنوع وحرام ٹھہرایا ہے۔

اور غالباً اسی وجہ سے اس کا نام حرام مغز مشہور ہوا، کہ جانور کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس مغز کو کاٹ کر یا توڑ کر جانور کو ایذاء پہنچانا حرام ہے۔ [1]

مگر باوجودیکہ یہ عمل اپنی ذات میں ممنوع اور گناہ ہے، لیکن اس کی وجہ سے ذبیحہ حرام یا مکروہ نہیں ہوجاتا، اور نہ ہی حرام مغز کے کھانے کا ناجائز وحرام ہونا لازم آتا۔

اور اسی قسم کی عبارات سے کہ جن میں نخاعِ صلب یعنی حرام مغز (کے کاٹنے) کے عمل کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، اس سے بعض اہلِ علم کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ انہوں نے اس عمل کے بجائے خود نخاعِ صلب یعنی حرام مغز کے کھانے کا مکروہ ہونا سمجھ لیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [2]

---

[1] چنانچہ کفایت المفتی میں ہے کہ:

حرام مغز، نہ حرام ہے نہ مکروہ، یونہی بے چارہ بدنام ہوگیا (کفایت المفتی ج۸ص۲۶۲، کتاب الاضحیۃ والذبیحۃ، چھٹا باب، فصل دہم کچا گوشت کھانا)

اور امدادُ الاحکام میں ہے کہ:

برحرمتِ مغزِ حرام ہیچ دلیل قائم نہ شُد، واجزائے سبعہ الشاۃ مکروہہ داشتہ اند، دراں ہم مغزِ حرام داخل نیست، پس خوردنِ آں حلال است (امدادُ الاحکام، جلد۴، صفحہ۳۱۲)

[2] چنانچہ حاشیۃ الطحطاوی علی الدر میں ہے:

وزید نخاع الصلب (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج۴ص ۳۶۰، بعد کتاب الخنثیٰ، مسائل شتی)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہرحال دلائل کی رُو سے راجح یہی ہے کہ حرام مغز کا کھانا ممنوع ومکروہ نہیں، اور جائز ہے۔

مسئلہ نمبر۲...... زندہ جانور کے جسم سے کاٹا ہوا عضو حلال نہیں، البتہ اگر کسی نے جانور ذبح کردیا، یعنی اس کی جتنی رگیں کاٹنی ضروری ہیں، وہ رگیں کاٹ دی گئیں، مگر ابھی تک وہ جانور پوری طرح ٹھنڈا نہیں ہوا، اور اس میں زندگی کے کچھ آثار مثلاً حرکت وغیرہ باقی ہے، تو ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کے بدن سے کوئی عضو کاٹنا گناہ ہے، لیکن اگر اس صورت میں کسی نے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور اس کی اتباع میں بعض اردو فتاویٰ میں بھی حرام مغز کا مکروہ ہونا تحریر کردیا گیا ہے، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ فقہائے کرام نے ذبح کرتے ہوئے نخاعِ صلب تک پہنچنے کے عمل کو مکروہ قرار دیا ہے، نہ کہ خود نخاعِ صلب کے کھانے کو۔

اس لئے اس کے کھانے کو مکروہ سمجھنا غلط فہمی پر مبنی ہے، اور جو اردو فتاویٰ میں اس کا مکروہ ہونا بیان کیا گیا ہے، وہ غالباً طحطاوی علی الدر کی اتباع میں ہے۔

(و) كره (النخع) أى الذبح الشديد حتى يبلغ النخاع وهو بالفارسية "حرام مغز" (درر الحكام شرح غرر الاحكام، ج ا ص۲۷۷، كتاب الذبائح)

(قوله :حتى يبلغ النخاع) هو خيط أبيض في جوف عظم الرقبة وفيه إشارة إلى أن قطع الرأس مكروه بالأولى وبه صرح في الكنز ، وقيل في تفسير النخاع أن يمد رأسها حتى يظهر مذبحها ، وقيل أن يكسر رقبتها قبل أن تسكن من الاضطراب وكل ذلك مكروه لما فيه من زيادة تعذيب الحيوان بلا فائدة كذا في التبيين(حاشية الشرنبلالي على درر الحكام، ج ا ص۲۷۷ ،كتاب الذبائح)

(وكره بعده كالجر برجلها إلى المذبح وذبحها من قفاها) إن بقيت حية حتى تقطع العروق وإلا لم تحل لموتها بلا ذكاة (والنخع) بفتح فسكون بلوغ السكين النخاع وهو عرق أبيض في جوف عظم الرقبة(الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار، ج۶ ص۲۹۶، كتاب الذبائح)

وكره النخع وهو أن يبلغ بالسكين النخاع وتؤكل الذبيحة والنخاع عرق أبيض في عظم الرقبة وقبل أن يمد رأسه حتى يظهر مذبحه وقيل أن يكسر عنقه قبل أن يسكن من الاضطراب وكل ذلك مكروه لأنه تعذيب الحيوان بلا ضرورة والحاصل أن كل ما فيه زيادة ألم لا يحتاج إليه في الذكاة مكروه كذا في الكافي (الفتاوىٰ الهندية، ج۵ ص۲۸۸، كتاب الذبائح ، الباب الاول)

قال (ويكره أن ينخع ، وقد نهى عمر بن الخطاب رضى الله عنه عن ذلك) وبينا أن معناه أن يبلغ الحد النخاع وهو عرق أبيض في وسط عظم الرقبة ، ولكن مع هذا تؤكل ؛ لأن النهى ليس لنقصان فيما هو المطلوب للذبح وهو تسييل الدم بل لزيادة إيلام غير محتاج إليه (المبسوط للسرخسي، ج۱۲ ص۴، كتاب الذبائح، نحر البقرة)

کوئی عضو کاٹ لیا، تو اس عضو کا کھانا حلال ہو جائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... ذبح کرنے کے بعد گوشت اور کھال میں جو خون لگا رہ جاتا ہے وہ پاک ہے۔

اسی طرح ذبح شدہ جانور کے جسم سے علیحدہ کی ہوئی کلیجی، تلی اور دل سے برآمد ہونے والا خون بھی پاک ہے۔ [2]

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

وعلمہٗ اتم واحکم، وعلمنا انقص واضعف

r

---

[1] رجل ذبح شاة وقطع الحلقوم والأوداج إلا أن الحياة باقية فيها، فقطع إنسان بضعة منها تحل تلك البضعة كذا فى التتارخانية(الفتاوىٰ الهندية، ج۵ص ۴۳۱، كتاب الرهن، الباب الاول، الفصل الاول)

رجل ذبح شاة وقطع الحلقوم ، والأوداج إلا أن الحياة فيها باقية فقطع إنسان منها قطعة يحل أكل المقطوع لأن المخصوص بعدم الحل ما أبين من الحى وهذا لا يسمى حيا مطلقا (الجوهرة النيرة، ج۲ص ۱۸۴، كتاب الصيد والذبائح)

[2] وما يبقى من الدم فى عروق الذكاة بعد الذبح لا يفسد الثوب وإن فحش .كذا فى فتاوى قاضى خان وكذا الدم الذى يبقى فى اللحم؛ لأنه ليس بمسفوح .هكذا فى محيط السرخسى(الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص ۴۶، كتاب الطهارة، الباب السابع، الفصل الثانى)

وكذا الدم الخارج من اللحم المهزول عند القطع .إن منه فطاهر وإلا فلا، وكذا دم مطلق اللحم ودم القلب .قال القاضى :الكبد والطحال طاهران قبل الغسل، حتى لو طلى به وجه الخف وصلى به جاز .اهـ(ردالمحتار، ج ا ص ۳۱۹، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

چرمِ قربانی کے احکام

شرعی اعتبار سے قربانی کی کھال کے عام احکام اس کے گوشت کی طرح ہیں، اور اسی وجہ سے کھال کو گوشت کی طرح کھانا بھی جائز ہے، جیسا کہ بعض لوگ جانور کے پایوں کے ساتھ کھال پکا کر یا مرغی وغیرہ کے پنجے کھال سمیت پکا کر کھاتے ہیں، اور کھال کا خود استعمال کرنا اور ہبہ وصدقہ کرنا بھی جائز ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَمَرَنِىُ رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ أَنُ أَقُوُمَ عَلٰى بُدُنِهٖ، وَأَنُ أَتَصَدَّقَ بِلَحُمِهَا وَجُلُوُدِهَا وَأَجِلَّتِهَا، وَأَنُ لَّا أُعُطِىَ الُجَزَّارَ مِنُهَا ، قَالَ: نَحُنُ نُعُطِيُهِ مِنُ عِنُدِنَا (مسلم) [1]

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ میں آپ کی قربانی کے قریب کھڑے ہوکر آپ کی قربانی کے جانوروں کے گوشت کو، اور ان کی کھالوں کو اور ان کی رسیوں کو تقسیم کروں، اور مجھے حکم فرمایا کہ میں قصاب کو ان میں سے کچھ نہ دوں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم قصاب کو اپنی طرف سے اجرت دیتے ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ: مَنُ بَاعَ جِلُدَ أُضُحِيَّتِهٖ فَلَا أُضُحِيَّةَ لَهٗ (مستدرک حاکم) [2]

---

[1] رقم الحديث ١٣١٧، كتاب الحج، باب فى الصدقة بلحوم الهدى وجلودها وجلالها، دار إحياء التراث العربى -بيروت، واللفظ لهٗ، مسند أحمد، رقم الحديث ٥٩٣.

[2] رقم الحديث ٣٤٦٨، تفسير سورة الحج، دار الكتب العلمية، بيروت، واللفظ لهٗ، سنن البيهقى، رقم الحديث ١٩٢٣٣.

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ مِثُلُ الْأَوَّلِ وَلَمُ يُخُرِجَاهُ"

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قربانی کی کھال کو فروخت کیا، تو اس کی قربانی (قبول) نہیں ہوگی (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ قربانی پر جو ثواب کا وعدہ ہے، وہ حاصل نہیں ہوگا۔ [1]

اور حضرت عبداللہ بن واقد رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّ النَّاسَ يَتَّخِذُوْنَ الْأَسْقِيَةَ مِنْ ضَحَايَاهُمْ، وَيَجْمُلُوْنَ مِنْهَا الْوَدَكَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَمَا ذَاكَ؟ (مسلم) [2]

ترجمہ: صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! لوگ اپنی قربانیوں کی کھالوں سے مشکیزے بناتے ہیں اور ان کی چربی بھی پگھلاتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ (ترجمہ ختم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

أَتَعْجِزُ إِحْدَاكُنَّ أَنْ تَتَّخِذَ، كُلَّ عَامٍ، مِنْ جِلْدِ أُضْحِيَّتِهَا سِقَاءً؟ (سنن ابن ماجه) [3]

ترجمہ: کیا تم میں سے کوئی اس چیز سے عاجز ہے کہ وہ ہر سال اپنی قربانی کی کھال سے مشکیزہ بنائے؟ (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ قربانی کی کھال سے مشکیزہ (پانی کا برتن) وغیرہ بنانا جائز ہے۔

اور حضرت امام شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] (من باع جلد أضحيته فلا أضحية له) أى لا يحصل له الثواب الموعود للمضحى على أضحيته (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۸۵۵۴)

[2] رقم الحديث ۱۹۷۱، كتاب الصيد والذبائح وما يؤكل من الحيوان، باب بيان ما كان من النهى عن أكل لحوم الأضاحى بعد ثلاث فى أول الإسلام، داراحياء التراث العربى، بيروت.

[3] رقم الحديث ۳۴۰۷، كتاب الاشربة، باب نبيذ الجر، داراحياء الكتب العربية، القاهرة، واللفظ لهٗ، مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۱۶۹۶۴.

(تعليق محمد فؤاد عبد الباقى) فى الزوائد إسناده حسن من أجل سويد فإنه مختلف فيه.

عَـنْ مَسْرُوْقٍ ؛ أَنَّـهُ كَانَ يَدْبُغُ جِلْدَ أُضْحِيَّتِهٖ ، فَيَتَّخِذُهٗ مُصَلًّى يُصَلِّيْ عَلَيْهِ (مصنف ابن أبی شیبة، رقم الحدیث ۴۱۰۴، فی الصلاۃ عَلَی الْفِرَاء)

ترجمہ: حضرت مسروق اپنی قربانی کی کھال کو دباغت دے کر (یعنی صاف طریقہ پر سکھا کر) مصلیٰ بنالیا کرتے تھے، جس پر نماز پڑھا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَـنْ عَـلْـقَمَةَ ؛ أَنَّـهُ كَانَ يَدْبُغُ جِلْدَ أُضْحِيَّتِهٖ ، فَيَتَّخِذُهٗ مُصَلًّى يُصَلِّيْ عَلَيْهِ (مُصنف ابن أبی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت علقمہ اپنی قربانی کی کھال کو دباغت دے کر (یعنی صاف طریقہ پر سکھا کر) مصلیٰ بنالیا کرتے تھے، جس پر نماز پڑھا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

حضرت مسروق اور حضرت علقمہ دونوں کا شمار جلیل القدر تابعین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۴۱۰۵، کتاب الصلاۃ، باب فی الصلاۃ علی الفراء.

[2] مسروق بن الأجدع بن مالک الوادعی الهمدانی *(ع)الإمام، القدوة، العلم، أبو عائشة الوادعی، الهمدانی، الکوفی.وهو :مسروق بن الأجدع بن مالک بن أمیة بن عبد الله بن مر بن سلمان بن معمر......قال أبو بکر الخطیب :یقال :إنه سرق وهو صغیر، ثم وجد، فسمی مسروقا.وأسلم أبوه الأجدع.حدث هو عن :أبی بن کعب، وعمر، وعن أبی بکر الصدیق -إن صح -وعن أم رومان، ومعاذ بن جبل، وخباب، وعائشة، وابن مسعود، وعثمان، وعلی، وعبد الله بن عمرو، وابن عمر، وسبیعة، ومعقل بن سنان، والمغیرة بن شعبة، وزید.حتی إنه روی عن :عبید بن عمیر؛ قاص مکة.وعنه :الشعبی، وإبراهیم النخعی، ویحیی بن وثاب، وعبد الله بن مرة، وأبو وائل، ویحیی بن الجزار، وأبو الضحی، وعبد الرحمن بن عبد الله بن مسعود، وعبید بن نضیلة، ومکحول الشامی -وما أراه لقیه -وأبو إسحاق، ومحمد بن المنتشر، ومحمد بن نشر الهمدانی، وأبو الأحوص الجشمی، وأیوب بن هانء، وعمارة بن عمیر، وحبال بن رفیدة، وأنس بن سیرین، وأبو الشعثاء المحاربی، وآخرون.وعداده فی کبار التابعین، وفی المخضرمین الذین أسلموا فی حیاة النبی -صلی الله علیه وسلم-......قال أحمد بن حنبل :قال ابن عیینة :بقی مسروق بعد علقمة لا یفضل علیه أحد.وقال یحیی بن معین :مسروق ثقة، لا یسأل عن مثله.وسأل عثمان بن سعید یحیی عن مسروق وعروة فی عائشة، فلم یخیر.وقال علی بن المدینی :ما أقدم علی مسروق أحدا من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ عمل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے سن کر یا ان کو دیکھ کر ہی اختیار کیا ہوگا۔

جس سے معلوم ہوا کہ قربانی کی کھال کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے، خواہ مصلّٰی بنا کر، یا مشکیزہ یا اس جیسی دوسری چیز بنا کر، مثلاً موزے، جوتے، ڈول وغیرہ، کیونکہ قربانی کی کھال کا اس طرح استعمال میں لانا ایسا ہی ہے، جیسا کہ گوشت کو سکھا کر استعمال میں لانا۔

احادیث وروایات کے بعد اب قربانی کی کھال سے متعلق مسائل ذکر کیے جاتے ہیں:

مسئلہ نمبر ا...... قربانی کی کھال عام احکام میں قربانی کے گوشت کا حکم رکھتی ہے، بلکہ وہ ایک طرح سے گوشت کا جزو ہے۔

اور اسی وجہ سے کھال کو گوشت کی طرح کھانا بھی جائز ہے، جیسا کہ بعض لوگ جانور کے پایوں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أصحاب عبد الله، صلى خلف أبي بكر، ولقي عمرا وعليا، ولم يرو عن عثمان شيئا. وقال العجلي: تابعي، ثقة، كان أحد أصحاب عبد الله الذين يقرئون ويفتون. وكان يصلي حتى ترم قدماه. وقال ابن سعد: كان ثقة، له أحاديث صالحة(سير اعلام النبلاء ج۴ص ۶۳تا۶۷)

قال أبو نعيم: مات سنة اثنتين وستين. وقال محمد بن عبد الله بن نمير، ويحيى بن بكير، ومحمد ابن سعد: مات سنة ثلاث وستين. وقال هارون بن حاتم عن الفضل بن عمرو: مات وله ثلاث وستون. روى له الجماعة(تهذيب الكمال ج۲۷ص ۴۵۷)

علقمة (ع) فقيه الكوفة وعالمها ومقرئها، الامام، الحافظ، المجود، المجتهد الكبير، أبو شبل علقمة بن قيس بن عبدالله بن مالک بن علقمة بن سلامان ابن كهل، وقيل: ابن كهيل بن بكر بن عوف، ويقال: ابن المنتشر بن النخع، النخعي، الكوفي، الفقيه عم الاسود بن يزيد وأخيه عبدالرحمن، وخال فقيه العراق إبراهيم النخعي. ولد في أيام الرسالة المحمدية، وعداده في المخضرمين، وهاجر في طلب العلم والجهاد، ونزل الكوفة، ولازم ابن مسعود حتى رأس في العلم والعمل، وتفقه به العلماء، وبعد صيته .... قال أحمد بن حنبل: علقمة ثقة، من أهل الخير، وكذا وثقه يحيى بن معين، وسئل عنه وعن عبيدة في عبدالله فلم يخير. وقال عثمان بن سعيد: علقمة أعلم بعبد الله. قال ابن المديني: لم يكن أحد من الصحابة له أصحاب حفظوا عنه، وقاموا بقوله في الفقه إلا ثلاثة: زيد بن ثابت، وابن مسعود، وابن عباس، وأعلم الناس بابن مسعود: علقمة، والاسود، وعبيدة، والحارث. وروى زائدة عن أبي حمزة، قال: قلت لرباح أبي المثنى: أليس قد رأيت عبدالله؟ قال: بلى وحججت مع عمر ثلاث حجات وأنا رجل (سير اعلام النبلاء، جزء۴، صفحه ۵۳، و۵۵)

کے ساتھ کھال بھی پکا کر کھاتے ہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... جس طرح قربانی کے گوشت کا خود کھانا اور غریبوں اور امیروں اور اپنے اور پراؤں کو کھلانا اور دینا اور الغرض اُس کا صدقہ وہدیہ کرنا جائز ہے، اسی طرح قربانی کی کھال کو خود استعمال کرنا، اور قریبی اور اجنبی فقراء اور مساکین پر صدقہ کر دینا، اور احباب اور اپنے قریبی اعزہ (والدین، اولاد) وغیرہ اور اجنبی مالدار لوگوں کو ہدیہ وعطیہ کر دینا سب جائز ہے۔ [2]

اور قیمت کو صدقہ کرنے کی نیت سے رقم کے بدلے میں فروخت کر دینا بھی جائز ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [3]

مسئلہ نمبر۳...... قربانی کی کھال کو سُکھا کر اُس سے جائے نماز، دسترخوان، مشکیزہ، ڈول، جراب، جوتا وغیرہ کوئی بھی چیز بنا کر استعمال کرنا اور کتابوں کی جلد بندی کر کے استعمال میں لانا بھی جائز ہے۔

---

[1] واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح (تکملة البحر الرائق للطوری، ج۸ص۲۰۳، کتاب الأضحیة)

[2] اور گوشت کی طرح مسلمان ملک کے غیر مسلم باشندہ کو بھی دینے کی گنجائش ہے، تاہم مسلمانوں کو دینا افضل ہے۔

قال -رحمه الله :-(ویتصدق بجلدها، أو یعمل منه نحو غربال، أو جراب) لأنه جزء منها وکان له التصدق والانتفاع به ألا ترى أن له أن یأکل لحمها (تکملة البحر الرائق للطوری، ج۸ص۲۰۳، کتاب الأضحیة)

ویجوز أن یطعم منه الغنی والفقیر، ویهب منه ما شاء لغنی أو فقیر، أو مسلم أو ذمی، ولا بأس بأن یحبس المضحی لحماً، ویدخر کم شاء من المدة، والصدقة أفضل؛ إلا أن یکون الرجل ذا عیال، فإن الأفضل أن یدعه لعیاله، ویوسع به علیهم، هذه الجملة فی أضاحی الزعفرانی (المحیط البرهانی، ج۸ ص۴۶۹، کتاب الاضحیة، الفصل الخامس فی بیان ما یجوز فی الضحایا وما لا یجوز)

ویجزی فیه التملیک وإطعام الإباحة (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ج۲ص۹۰، کتاب الحج، باب الهدی)

[3] ولو باعهما بالدراهم لیتصدق بها جاز، لانهٔ قربة کالتصدق بالجلد واللحم (تبیین الحقائق، ج۶ص۹، کتاب الاضحیة، التصدق بجلد الاضحیة)

اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قربانی کا گوشت سکھا کر رکھا جائے اور بعد میں استعمال کیا جائے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... کھال سے جائے نماز، دسترخوان، مشکیزہ، ڈول، جراب، جوتا وغیرہ کوئی چیز بنالی، تو اُس کا حکم کھال کی طرح ہی ہے کہ اسے خود استعمال کرنا یا دوسرے کو بغیر کسی معاوضے کے ہبہ یا صدقے میں مالکانہ طور پر یا استعمال کرنے کے لئے عاریتاً دینا جائز ہے۔

اور جس کو دی جائے خواہ وہ سید اور مالدار ہو، یا اپنے ماں باپ اور اہل وعیال ہوں، کوئی رشتہ دار یا اجنبی ہو، سب کے لئے جائز ہے، جیسا کہ کھال کا بھی یہی حکم ہے۔

لیکن قربانی کی کھال سے بنی ہوئی اس چیز کو کرایہ پر دینا جائز نہیں، کیونکہ یہ معاوضے کے طور پر دینا ہے، جو کہ جائز نہیں۔

---

[1] وينتفع بجلدها فيما يفرش وينام عليه، أو يعمل منه آلة تستعمل كالقربة والدلو والسفرة لما روى عن عائشة اتخذت من جلد أضحيتها سقاء ، أو يشترى به آلة كالمنخل والغربال ولا يشترى به ما لا ينتفع به إلا بالاستهلاك كالأبازير ونحوها ; لأن المأثور أن ينتفع به أو ببدله مع بقاء عينه، ولا يبيعه لقوله -عليه الصلاة والسلام -: من باع جلد أضحيته فلا أضحية له ، فإن باعه بشيء من النقود يتصدق به لأن وقت القربة قد فات فيتصدق به، كذا رواه محمد(الاختيار لتعليل المختار، ج۵ص ۲۰، كتاب الأضحية)

قال -رحمه الله -:(ويتصدق بجلدها، أو يعمل منه نحو غربال، أو جراب) لأنه جزء منها وكان له التصدق والانتفاع به ألا ترى أن له أن يأكل لحمها (تكملة البحر الرائق للطورى، ج۸ص ۲۰۳، كتاب الأضحية)

وينتفع بجلدها فيما يفرش وينام عليه، أو يعمل منه آلة تستعمل كالقربة والدلو والسفرة لما روى عن عائشة اتخذت من جلد أضحيتها سقاء ، أو يشترى به آلة كالمنخل والغربال (الاختيار لتعليل المختار، ج۵، ص ۲۰، كتاب الاضحية)

و لا بأس أن يتخذ من جلد الأضحية فروا أو بساطا أو متكأ يجلس عليه أو يبيع جلد الأضحية بشيء من متاع البيت و الثوب لنفسه يلبسه أو كساء أو خفا أو نحو ذلك و قال بعضهم لو باع الجلد بالثوب لا يجوز (فتاوى قاضي خان،كتاب الأضحية)

ويجوز الانتفاع بجلد الأضحية، وهدى المتعة والتطوع بأن يتخذها فرواً أو بساطاً، أو جراباً، أو غربالاً أو نطعاً (المحيط البرهاني في الفقه النعماني،ج ۸ص ۴۷۰،كتاب الأضحية،الفصل السادس الانتفاع بالأضحية)

اوراگر کسی نے غلطی سے کرایہ پر دے دیا تو جو کرایہ ملے اسے صدقہ کرنا واجب ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۵...... قربانی کی کھال کو قصاب یا کسی کی خدمت اور مزدوری کے معاوضہ میں دینا جائز نہیں۔

بعض علاقوں میں کھال قصاب کو مزدوری کے طور پر دے دی جاتی ہے۔ حالانکہ قربانی کی کوئی چیز قصاب کو اجرت میں دینا جائز نہیں، اس کی اجرت الگ سے دینا چاہئے۔

اوراسی وجہ سے قربانی کی کھال امام اور مؤذن کو بھی تنخواہ یا تنخواہ کے جزو اور حقِّ خدمت کے طور پر دینا جائز نہیں (جس کی پہچان یہ ہے کہ اگران کو نہ دی جائے، تو وہ اپنی خدمت جاری نہ رکھیں، اوراعتراض ہو) البتہ بغیر کسی معاوضے کے ہدیہ وصدقہ کے طور پر امیر وغریب کسی کو

---

[1] وعمل الجلد جرابا وأجره لم يجز وعليه التصدق بالأجرة(ردالمحتار، ج٦ ص ٣٢٩، كتاب الاضحية)

و لو أدخل جلد الأضحية فى الكوارة أو جعله جرابا إن استعمل الجراب فى أعمال منزله جاز و لو آجر لا يجوز و عليه أن يتصدق بالأجر و أما الكوارة إن استعملها فى منزله أو أعار جاز و لو آجر تلك الكوارة هل يطيب له الأجر قالوا ينظر فيه إن كانت الكوارة جديدة لا يلزمه التصدق بالأجر و إن كانت خلقا منخرقا يلزمه التصدق بنصف الأجر دون نصفه نحو ما إذا آجره بدانقين يتصدق بدانق واحد لأن الكوارة إذا كانت جديدة لا يحتاج فى الانتفاع بها إلى الجلد فيكون الجلد تبعا للكوارة و يكون كل الأجر بإزاء الكوارة فيطيب أما إذا كانت الكوارة خلقا يحتاج فى الانتفاع إلى الجلد لامساك ما فيه كان نصف الأجر للكوارة و النصف للجلد (فتاوى قاضى خان، كتاب الأضحية)

ولو أدخل جلد الأضحية فى قرطالة أو جعله جرابا إن استعمل الجراب فى أعمال منزله جاز، ولو آجر لا يجوز وعليه أن يتصدق بالأجر، وأما القرطالة إن استعملها فى منزله أو أعار جاز، وإن آجرها هل يطيب له الأجر قالوا :ينظر إن كانت القرطالة جديدة لا يلزمه التصدق بالأجر، وإن كانت خلقا متخرقا يلزمه التصدق بنصف الأجر دون نصفه، نحو ما إذا آجرها بدانقين يلزمه التصدق بدانق؛ لأن القرطالة إذا كانت جديدة لا يحتاج فى الانتفاع بها إلى الجلد فيكون الجلد تبعا لها ويكون كل الأجر بإزاء القرطالة، أما إذا كانت خلقا يحتاج فى الانتفاع بها إلى الجلد فكان نصف الأجر للقرطالة ونصف الأجر للجلد، والقرطالة الكوارة، كذا فى الظهيرية(الفتاوىٰ الهندية، ج٥ص ٣٠١، كتاب الاضحية، الباب السادس)

بھی دے سکتے ہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۷ ......قربانی کی کھال کو کسی ایسی چیز کے بدلے میں فروخت کرنے کی گنجائش ہے کہ جس کو باقی رکھ کر اُس سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہو، جیسا کہ کپڑے، برتن، قلم، موزے وغیرہ۔

کیونکہ ایسی چیز کے بدلے میں فروخت کرنے کی صورت میں، بدلے میں حاصل شدہ اس چیز کا حکم بھی قربانی کی کھال یا اس سے تیار شدہ چیز (مثلاً مشکیزہ وغیرہ) کی طرح ہے، کہ اُس کو خود استعمال کرنا اور بغیر کسی معاوضے کے دوسرے کو استعمال کرانا اور امیر وغریب کو ہبہ وصدقہ کرنا جائز ہے۔ [2]

---

[1] قال -رحمه الله -:(ولا يعطى أجرة الجزار منها شيئا) والنهى عنه نهى عن البيع لأنه فى معنى البيع لأنه يأخذه بمقابلة عمله فصار معاوضة كالبيع(تكملة البحر الرائق للطورى، ج۸ص۲۰۳، كتاب الاضحية،أجرة الجزار هل تأخذ من الأضحية)

و لا يعطى جلد الأضحية و لا لحمها بأجرة الذابح و السلاخ(فتاوى قاضى خان،كتاب الأضحية)

(ولا يعطى أجر الجزار منها) لأنه كبيع،واستفيدت من قوله -عليه الصلاة والسلام -من با ع جلد أضحيته فلا أضحية له هداية(الدرالمختار)

(قوله لأنه كبيع) لأن كلا منهما معاوضة،لأنه إنما يعطى الجزار بمقابلة جزره والبيع مكروه فكذا ما فى معناه كفاية (قوله واستفيدت إلخ) كذا فى بعض النسخ والضمير للكراهة، لكن صاحب الهداية ذكر ذلك الحديث فى البيع، ثم قال بعد قوله ولا يعطى أجر الجزار منها لقوله -عليه الصلاة والسلام -لعلى -رضى الله عنه -تصدق بجلالها وخطامها ولا تعط أجر الجزاز منها شيئا والنهى عنه نهى عن البيع أيضا لأنه فى معنى البيع اهـ .ولا يخفى أن فى كل من الحديثين دلالة على المطلوب من الموضعين(ردالمحتار، ج۶ص۳۲۸، ۳۲۹، كتاب الاضحية)

ولا أن يعطى أجر الجزار والذابح منها؛ لما روى عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أنه قال من با ع جلد أضحيته فلا أضحية له وروى أن النبى -عليه الصلاة والسلام -قال لعلى -رضى الله عنه -: "تصدق بجلالها وخطامها، ولا تعطى أجرا لجزار منها "وروى عن سيدنا على -كرم الله وجهه -أنه قال :إذا ضحيتم فلا تبيعوا لحوم ضحاياكم ولا جلودها وكلوا منها وتمتعوا ولأنها من ضيافة الله -عز شأنه -التى أضاف بها عباده(بدائع الصنائع، ج۵ص۸۱، كتاب النذر)

[2] وله أن يبيع هذه الأشياء بما يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه من متاع البيت كالجراب والمنخل؛ لأن البدل الذى يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه يقوم مقام المبدل فكان المبدل قائما معنى فكان الانتفاع به كالانتفاع بعين الجلد بخلاف البيع بالدراهم والدنانير؛ لأن ذلك مما لا يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه فلا يقوم مقام الجلد فلا يكون الجلد قائما معنى والله تعالى -عز شأنه - أعلم(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج۵، ص۸۱،كتاب التضحية،فصل فى بيان ما يستحب قبل التضحية وبعدها وما يكره)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... قربانی کی کھال کو رقم یا کسی دوسری ایسی چیز کے بدلے میں فروخت کرنا جائز نہیں کہ جس کو باقی رکھ کر اس سے فائدہ نہ اُٹھایا جا سکتا ہو، بلکہ اُس سے فائدہ اُٹھانے اور ضرورت پوری کرنے کے لئے اس کو خرچ کرنا پڑتا ہو، جیسا کہ سونا، چاندی، کرنسی، کھانے پینے کی کوئی چیز (آٹا، مکئی، چاول وغیرہ) یا پٹرول، صابن، رنگ وروغن وغیرہ۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال (ولا بأس بأن يشترى بجلد الأضحية متاعا للبيت) ؛ لأنه لو دبغه وانتفع به فى بيته جاز، وكذلك إذا اشترى به ما ينتفع به فى بيته؛ لأن للبدل حكم المبدل، وهذا استحسان، وقد ذكر فى نوادر هشام قال يشترى به الغربال والجراب، وما أشبه ذلك، ولا يشترى به الخل والمرى والملح، وما أشبه ذلك والقياس فى الكل واحد ولكنه استحسن فقال ما يكون طريق الانتفاع به تناول العين فهو من باب التصرف على قصد التمول فليس له أن يفعل ذلك فى جلد الأضحية، وما ينتفع به فى البيت مع بقاء العين فهو نظير عين الجلد وكان له أن يفعل ذلك(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى، ج١٢ ص ١٤، ١٥،باب الأضحية،بيع جلد الأضحية بعد الذبح)

وأن له بيع الجلد بما تبقى عينه (ردالمحتار، ج٦ ص ٣٢٨، كتاب الاضحية)

وذكر شيخ الإسلام فى شرح كتاب الأضحية :أن الجواب فى اللحم كالجواب فى الجلد إن باعه بشىء ينتفع به بعينه يجوز، ويتأيد هذا القول بما روى ابن سماعة فى نوادره عن محمد :أنه لو اشترى باللحم ثوباً، فلا بأس بلبسه(المحيط البرهانى، ج٨ ص ٤٧١، كتاب الاضحية،الفصل السادس الانتفاع بالأضحية)

ولا بأس بأن يشترى به ما ينتفع بعينه مع بقائه استحسانا وذلك مثل ما ذكرنا لأن للبدل حكم المبدل (تكملة البحر الرائق ،ج٨ص ٢٠٣،كتاب الأضحية)

وينتفع بجلدها فيما يفرش وينام عليه، أو يعمل منه آلة تستعمل كالقربة والدلو والسفرة لما روى عن عائشة اتخذت من جلد أضحيتها سقاء ، أو يشترى به آلة كالمنخل والغربال(الاختيار لتعليل المختار، ج٥، ص ٢٠، كتاب الاضحية)

وله أن يشترى به متاع البيت كالغربال، والمنخل، والفرو، والكساء ، والخف، وكذلك له أن يشترى به ثوباً يلبسه (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى،ج٦ص ٩٥،كتاب الأضحية،الفصل السادس الانتفاع بالأضحية)

واما استبدال الجلد بما ينتفع به باقيا كالقربة والسفرة والغربال والجراب والدلو ونحوها فلاباس به، لان له ان يتخذ منه ما شاء منها ابتداء فكان الاستبدال بها كاتخاذها انتهاء، ولان البدل الذى يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه يقوم مقام المبدل، فكان المبدل قائما معنى ، فكان الانتفاع به كالانتفاع بعين الجلد، بخلاف البيع بالدراهم والدنانير والخل واللحم ونحوه، لان ذلك ممالايمكن الانتفاع به مع بقاء عينه ، فلايقوم مقام الجلد، فلايكون الجلد قائما معنى فلايكون الا تجارة محضة ، وقد نهى الشارع صلى الله عليه وسلم عن الاتجار بشيئ من الهدى والاضاحى ، هذا هو الفرق بين الغربال والخل(اعلاء السنن ،ج١٧ ص ٢٥٨، باب بيع جلد الاضحية)

اور اگر کسی ایسی چیز کے عوض میں فروخت کردیا تو اس پر استغفار کرنا لازم ہوگا، اور اسی کے ساتھ اس کی قیمت کا غریبوں پر صدقہ کرنا بھی واجب ہوجائے گا، اور غریب کو مالکانہ طور پر دینے کے علاوہ کسی بھی طرح سے استعمال کرنا جائز نہیں رہے گا۔ [1]

البتہ اگر کوئی شخص قربانی کی کھال کو اس نیت سے نقدی وغیرہ کے بدلے میں فروخت کرے کہ وہ اس کی قیمت کو غریبوں پر صدقہ کرنا چاہتا ہے، تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ [2]

---

[1] و إن باعه بدراهم أو فلوس يتصدق بثمنه فی قول أصحابنا رحمهم الله تعالی (فتاوی قاضی خان، كتاب الأضحية)

فان باع الجلد واللحم بالفلوس او الدراهم او الحنطة تصدق بثمنه لان القربة انتقلت الیٰ بدله (الجوهرة النيرة، ج۲ص۱۹۰، كتاب الاضحية)

ولا يشتری به ما لا ينتفع به إلا بالاستهلاک كالأبازير ونحوها ;لأن المأثور أن ينتفع به أو ببدله مع بقاء عينه، ولا يبيعه لقوله -عليه الصلاة والسلام :-من باع جلد أضحيته فلا أضحية له ، فإن باعه بشیء من النقود يتصدق به لأن وقت القربة قد فات فيتصدق به، كذا رواه محمد (الاختيار لتعليل المختار، ج۵، ص۲۰، كتاب الاضحية)

ولا يشتری به ما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاک، نحو اللحم والطعام ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم علی نفسه وعياله والمعنی فيه أنه لا يتصدق علی قصد التمول، واللحم بمنزلة الجلد فی الصحيح فلا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاک ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز لأنه قربة كالتصدق بالجلد واللحم وقوله - :عليه الصلاة والسلام -من باع جلد أضحيته فلا أضحية له يفيد كراهية البيع، وأما البيع فجائز لوجود الملک والقدرة علی التسليم(تكملة البحر الرائق للطوری، ج۸ص۲۰۳، كتاب الأضحية)

ولا يشتری به الخل والمِروی وكذلک لا يشتری به اللحم، ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدق بها، وليس له بيعها بالدراهم لينفقه علی نفسه، ولو فعل ذلک تصدق بثمنها(المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج۸ص۴۷۰، كتاب الأضحية،الفصل السادس الانتفاع بالأضحية)

[2] بقصدِ تصدُّق کھال کو رقم یا اشیائے مستہلکہ کے عوض فروخت کرنا مکروہ نہیں اور فروخت کرنے کے بعد ان کی قیمت کا صدقہ واجب ہے؛ یہی صحیح ہے اور اس کے خلاف جو بعض علمائے عصر کی رائے ہے کہ بقصدِ تصدُّق بھی فروخت کرنا مکروہ ہے، یا فروخت کرنے کے بعد قیمت کا تصدُّق واجب نہیں؛ وہ فقہاء کی تصریح کے مطابق درست معلوم نہیں ہوتی۔

چنانچہ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

درِّمختار وغیرہ کی عبارت "فان بيع اللحم او الجلد به او بدراهم تصدق بثمنه" میں بیع عام ہے، ہر بیع کو خواہ بنیتِ تموُّل ہو یا بنیتِ تصدق ہو؛ دونوں صورتوں میں تصدُّق بثمنہٖ کا جس کا مدلول وجوبِ تصدُّق ہے، حکم ہوگا؛ اور یہ بحث دوسری ہے کہ آیا یہ بیع مکروہ ہے یا غیر مکروہ؛ پس نیتِ تصدُّق انتفاءِ کراہت کی شرط

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸...... کسی نے کھال پہلے کسی باقی رہنے والی چیز (مثلاً ڈول، مشکیزہ وغیرہ) کے بدلہ میں فروخت کی، تو اس کا صدقہ واجب نہیں، جیسا کہ پہلے گزرا، لیکن اگر اس کے بعد پھر اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ہے، نہ کہ وجوبِ تصدُّق کے لیے مانع؛ بلکہ وجوبِ تصدُّق کا موجب حسبِ روایتِ بالا "نفسِ بیع بالمستہلک وبالدراہم" ہے مطلقاً (امداد الفتاویٰ جلد سوم صفحہ ۵۵۱)

ایک اور مقام پر اس سلسلہ میں مفصَّل ومدلَّل بحث کے ضمن میں مذکور ہے کہ:

بہ نیتِ تصدق ثمنِ جلدِ اُضحیہ کا بیع کرنا مکروہ نہیں............ اور فقہاء میں سے کسی نے اس کی کراہت کا حکم نہیں کیا...... حدیث "لاتعط الجزار منھا شیئاً" سے تصرف بقصدِ تموّل کا منہی عنہ ہونا صاف معلوم ہوتا ہے، پس یہ مرجح ہے، مانحن فیہ میں بھی اس کے مدار ہونے کا، پس حدیث من باع الخ کو اسی پر محمول کرلیا، اور چونکہ اشیائے مستہلکہ بھی دراہم کے مثل ہیں؛ توقفُ الانتفاع علی الاستھلاک میں بھی اس میں بھی اس حکم کو متعدی کر دیا یا یہ کہ اس کو بھی لفظِ بیع کے عموم میں داخل کرلیا، بخلاف بدلِ باقی کے کہ اس میں عدمِ استھلاک فارق ہے، اور اس سے استبدال بقصدِ تموّل نہیں ہے، بلکہ وصفِ بقاء میں وہ مثلِ عینِ جلد کے ہے، اس لیے اس سے استبدال کرنے کو مثل بقاءِ عینِ جلد کے قرار دے کر جائز قرار دیا گیا؛ مگر جب اس کو بیچا جاوے گا پھر اس کے ثمن کا تصدق بھی واجب ہوگا، فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے (امداد الفتاویٰ جلد سوم صفحہ ۶۱۵ تا صفحہ ۶۱۷؛ ملخصاً)

اور جواہر الفقہ میں ہے کہ:

اس تفصیل کی بناء پر عباراتِ فقہاء اور حدیثِ ممانعت بیع کا ظاہری تعارض بھی رفع ہوگیا، کیونکہ ممانعتِ حدیث اس شخص کے لئے ہے، جو اپنے کھانے پینے کے لئے فروخت کرتا ہے، اور جو فقراء پر صدقہ کرنے کے لئے فروخت کرے، وہ اس میں داخل نہیں، اور جب عباراتِ مذکورہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ چرمِ قربانی فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوجاتا ہے، خواہ بہ نیت صدقہ ہی فروخت کی ہو، یا اپنی ہی ضرورت میں خرچ کرنے کے لئے، تو یہ بھی واضح ہوگیا کہ اس کا مصرف صرف فقراء ومساکین وغیرہ ہیں، اغنیاء نہیں (جواہر الفقہ ج۶ص ۳۳۷، کتاب الاضحیۃ، طبع جدید نومبر 2010ء، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی)

اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قربانی کی کھالوں کی قیمت ان کے فروخت کرنے کے بعد ازروئے شریعت صدقۂ واجبہ میں داخل ہیں (عزیزُ الفتاویٰ ص ۱۱۷، کتاب الاضحیۃ والعقیقۃ)

فان باع الجلد واللحم بالفلوس او الدراهم او الحنطة تصدق بثمنه لان القربة انتقلت الیٰ بدله (الجوهرة النيرة، ج۲ص ۱۹۰، كتاب الاضحية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چیز کو دوبارہ کھانے پینے یا استعمال سے خرچ ہونے والی کسی چیز (مثلاً نقدی یا غلہ، اناج وغیرہ) کے بدلے میں فروخت کردیا تو حاصل ہونے والی رقم کا صدقہ کرنا واجب ہوجائے گا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۹...... زندہ جانور کی کھال کو ذبح سے پہلے فروخت کرنا کسی بھی نیت سے جائز نہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر ۱۰...... جب قربانی کی کھال یا اُس کی قیمت کسی غریب کو مالکانہ طور پر صدقہ کردی گئی، تو غریب کو اُس میں ہر طرح کا اختیار ہے، خواہ وہ اُس کو خود استعمال کرے، یا اُس سے کوئی چیز

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله والمعنى فيه أنه لا يتصدق على قصد التمول، واللحم بمنزلة الجلد فى الصحيح فلا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاک ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز لأنه قربة كالتصدق بالجلد واللحم (تكملة البحر الرائق للطورى، جلد٨، ص ٢٠٣، كتاب الاضحية)

(فان بدل اللحم او الجلد به) اى بما ينتفع بالاستهلاک جاز و(يتصدق به) لانتقال القربة الى البدل (مجمع الانهر، ج٢ص ٥٢١، كتاب الاضحية)

ولو باعهما بالدراهم ليتصدق بها جاز، لانهٗ قربة كالتصدق بالجلد واللحم (تبيين الحقائق، ج٦ص ٩، التصدق بجلد الاضحية)

ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله واللحم بمنزلة الجلد فى الصحيح حتى لا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاک ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز لأنه قربة كالتصدق كذا فى التبيين وهكذا فى الهداية والكافى(الفتاوى الهندية،ج ٥ص ٣٠١،كتاب الأضحية،الباب السادس فى بيان ما يستحب فى الأضحية والانتفاع بها)

ولابأس ببيعه بالدراهم ليتصدقها ، وليس له ان يبيعه بالدراهم لينفقها على نفسه ، ولو فعل ذلک يتصدق بثمنه ، ولو اراد بيع لحم الاضحية ليتصدق بثمنه ، ليس له فى اللحم الا ان يطعم او ياكله فى الاجناس ، وفى نسخة الامام خواهر زاده الجواب فى اللحم كالجواب فى الجلد، ان باعه بشيئ ينتفع به بعينه يجوز (خلاصة الفتاوىٰ ج٤ص ٣٢٢، كتاب الاضحية)

[1] وصار كما لوباع بمالا ينتفع به الا بعد الاستهلاک، وقد مر حكمهٗ. محمد رضوان

[2] (سئل) فيمن باع جلد جاموس وهو حى فهل لا يصح بيعه؟(الجواب) : نعم بيع جلد الحيوان وهو حى فاسد كما فى البحر والعلائى من البيع الفاسد(العقود الدرية فى تنقيح الفتاوى الحامدية، ج ١، ص٢٤٧، كتاب البيوع)

خرید کر استعمال کرے، یا کسی کو ہبہ وصدقہ کرے۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۱...... جس بڑے جانور کی کئی شریک مل کر قربانی کر رہے ہوں، اس کے گوشت کی طرح کھال بھی سب کی مشترک ملکیت ہوگی۔ لہٰذا کسی شریک کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسروں کے حصے کی کھال بلا اجازت خود رکھے یا کسی کو دے۔

اگر بقیہ شریک اپنا اپنا حصہ اس کو ہبہ کر دیں یا یہ ان سے خرید لے تو اب ہر طرح تصرف کر سکتا ہے۔
البتہ اگر یہ کھال فروخت کر دی اور بدلہ میں رقم یا ایسی چیز حاصل کی جو رقم کے حکم میں ہے یعنی خرچ کئے بغیر استعمال نہیں ہو سکتی تو اپنے حصے کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، بقیہ حصوں کی رقم خود رکھ سکتا ہے "ولانه ملک ابتداء بالهبة او بالشراء" [2]

مسئلہ نمبر۱۲...... جب اونٹ، گائے، بھینس کی قربانی میں ایک سے زیادہ افراد شریک ہوں، تو اس کی کھال تمام شرکاء کی مشترکہ ملکیت ہے۔ شرکاء کی خوشدلی کے بغیر کسی دوسرے کا اپنے پاس رکھ لینا جائز نہیں۔ [3]

مسئلہ نمبر۱۳...... مشترک قربانی کے جانور کی جھول، رسی اور ہار، اُون وغیرہ بھی سب شریکوں کا حق ہے، کسی ایک کو دوسرے کی رضامندی کے بغیر کسی جگہ استعمال کرنا جائز نہیں، اور ان کو صدقہ کر دینا افضل ہے۔

---

[1] وللغنی أن یشتری الصدقة الواجبة من الفقیر ویأکلها، وکذا لو وهبها له علم أن تبدل الملک کتبدل العین فلو أباحها له، ولم یملکها منه ذکر أبو المعین النسفی أنه لا یحل تناوله للغنی وقال خواهر زاده یحل کذا فی الفوائد التاجیة (البحر الرائق، ج۲، ص۲۶۴، باب مصرف الزکاة)

[2] لو کان ملک عقارا مشترکا بین اثنین فلأحدهما بیع حصته فی ذلک العقار إن شاء لشریکه وإن شاء لأجنبی . کذلک لو کانت شاة أو فرس أو أموالا أخری مشترکة بین اثنین وباع أحدهما حصته لأجنبی فالبیع صحیح ولیس للشریک إبطال هذا البیع(درر الحکام فی شرح مجلة الاحکام لعلی حیدر، ج۳ص۴۹، المادة ۱۰۸۸)

[3] جیسا کہ آج کل اجتماعی قربانی کرنے والے بہت سے لوگ اور ادارے، مالکوں کی رضامندی اور اُن سے وضاحت طلب کیے بغیر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، جبکہ مالکوں کی رضامندی کے بغیر ایسا کرنا جائز نہیں۔
ایسی صورت میں مالکوں سے یا تو پہلے ہی وضاحت طلب کر لینی چاہیئے، یا بعد میں ان کی رضامندی سے اس کو استعمال کرنا چاہیئے۔

اور اگر ان کو رقم کے عوض فروخت کر دیا، تو اس کی قیمت کا صدقہ واجب ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۴...... کھال کا حکم کیونکہ گوشت کی طرح ہے، اس لئے جس قربانی کے گوشت کا خود استعمال کرنا اور امیر کو کھانا جائز نہیں، بلکہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہے، اسی طرح ایسی قربانی کی کھال کا صدقہ کرنا بھی واجب ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۵...... جن صورتوں میں کھال سے حاصل کی ہوئی رقم یا چیز کا صدقہ واجب ہے، وہ صدقہ صرف انہی غریبوں کو دیا جاسکتا ہے جنہیں زکاۃ دینا درست ہو، جن لوگوں کو زکاۃ دینا جائز نہیں، انہیں یہ صدقہ دینا بھی جائز نہیں۔

جس پر زکاۃ یا قربانی واجب ہو وہ اس صدقہ کا مستحق نہیں۔ [2]

---

[1] اقول: امـا الامر بالتصدق بالاشياء المذكورة فمحمول على الندب لان الشارع اباح انتفاع المـالک بـاللحوم والجلود ، فالاجلة اولى، واما اعطاء الجزار منها،فلايجوز ، لانه فى معنى البيع ، وهـو غيـر جـائـز بلانية التصدق فافهم(اعلاء السنن ج۷ ا ص ۲۶۰ ، باب التصدق بلحوم الاضاحى وجلودها واجلتها)

[2] م :(والمعنى فيه :أنه تصرف على قصد التمول) ش :أى المعنى فى اشتراء ما لا ينتفع به إلا بـعـداستهـلاكـه، أنـه تـصـرف على قصد التمول، وهو قد خرج عن جهة التمول، فإذا تمولته بالبيع وجـب الـتـصـدق؛ لأن هـذا الـثـمـن حـصل بفعل مكروه، فيكون خبيثا فيجب التصدق(البناية شرح الهداية، ج۱۲ ، ص ۵۴، ۵۵،كتاب الاضحية)

صـرف الـصـدقة الـواجبة إلـى مـن لا يـجـوز إعـطـاء الزكاة إليه لا يجوز(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۸ص ۵۰۱، ۵۰۲،كتاب الوقف،الفصل الثالث)

بـاب المصرف (قوله :أى مـصـرف الزكاة والعشر) يشيـر إلـى وجه مناسبته هنا، والمراد بالعشر ما يـنـسـب إلـيـه كـمـا مر فيشمل العشر ونصفه المأخوذين من أرض المسلم وربعه المأخوذ منه إذا مر على العاشر أفاده ح .وهـو مـصـرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما فى القهستانى (رد المحتار، ج۲، ص ۳۳۹، باب مصرف الزكاة والعشر)

امدادالفتاویٰ میں ہے کہ:

صدقۂ واجبہ کے تو یہی معنیٰ ہیں کہ تصدق اس کے ساتھ واجب ہے، کیونکہ صدقہ تو اعیان سے ہے اور وجوب صفت ہے فعل کی، تو اعیان کا اس کے ساتھ موصوف ہونا مجازاً ہے؛ حقیقت اس کی فعل ملابس بہ کا وجوب ہے، پس جب تصدق کو واجب مان لیا، اسی سے اس صدقہ کا واجب ہونا بھی بالمعنی المذکور لازم آ گیا، اور بجز اس کے تو کوئی معنی ہی نہیں، پس صدقہ واجبہ ہونا اس کا ثابت ہو گیا، تو اب اس کے صدقۂ واجبہ کے مصارف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۶...... اگر کسی کا باپ مالدار ہو تو اس کے نابالغ بچوں کو یہ صدقہ دینا جائز نہیں اور بالغ بچے اگر خود مالدار نہ ہوں تو انہیں یہ صدقہ دینا جائز ہے، اسی طرح اگر کسی مالدار شخص کی بیوی خود مالدار نہ ہو تو اس عورت کو بھی یہ صدقہ دینا جائز ہے۔

اور اگر نابالغ بچوں کی ماں تو مالدار ہے، باپ مالدار نہیں تو ان نابالغ بچوں کو بھی یہ صدقہ دینا جائز ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

میں کیا شبہ رہا؟ یہی دلیل اس پر کافی ہے (امدادالفتاویٰ جلد۳صفحہ۵۶۱)

اور امدادالاحکام میں ہے کہ:

مخفی نیست کہ حکم جلدِ اُضحیۃ ومنافع اضحیۃ در وجوبِ تصدق مساوی است ودر منافع اضحیۃ تصریح بتصدق علی الفقیر واردشدہ است (امدادالاحکام جلد۴صفحہ۲۵۷)

صدقۂ واجبہ عام است ہر صدقۂ واجبہ را کہ واجب از اصل باشد یا نہ، پس تخصیصِ حکم تملیک باحدھما دون الآخر بلا دلیل است ومخفی نیست کہ صدقۂ دراہم جلدِ اُضحیۃ در حکم صدقۂ جلدِ اُضحیۃ ہرگز نیست۔

زیرا کہ جلدِ اُضحیۃ مثل لحمِ اُضحیۃ است، انتفاع بنفسہ ازاں جائز است ودراہم جلدِ اُضحیۃ غیر جائز الانتفاع درحق بائع است؛ پس دراہمِ جلدِ اُضحیۃ مثل دراہمِ لحمِ اُضحیۃ است در وجوبِ تصدق بالتملیک (امدادالاحکام جلد۴صفحہ۲۵۷و۲۵۸)

ان عبارات سے واضح ہے کہ اُضحیۃ کی قیمت کا صدقہ، صدقاتِ واجبہ سے تعلق رکھتا ہے، اور اس کا صدقاتِ واجبہ کے مصارف سے ہٹ کر استعمال جائز نہیں۔

لہٰذا بعض حضرات کا یہ سمجھنا کہ اس صدقہ کا مصرف زکاۃ کا مصرف نہیں، اور یہ صدقہ اپنے اُصول وفروع اور بنوہاشم اور غیر مسلم وغیرہ پر جائز ہے، درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔

[۱] وكذا لا يجوز صرف الصدقات الواجبة إلى ولد الغنى إذا كان صغيرا وإذا كان كبيرا يجوز لأن الصغير يعد غنيا بمال أبيه بخلاف الكبير، وقال أبو حنيفة ومحمد يجوز الدفع إلى امرأة الغنى إذا كانت فقيرة وكذلك إلى البنت الكبيرة الفقيرة لغنى، وهو إحدى الروايتين عن أبي يوسف لأن الزوج لا يدفع جميع حوائج الزوجة والبنت الكبيرة (تحفة الفقهاء، ج ا ص ٣٠٠، كتاب الزكاة، باب من يوضع فيه الصدقة)

وفي قنية المنية إن لم يكن للصغير أب وله أم غنية يجوز الدفع إليه ا هـ غاية (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ا ص ٣٠٣، كتاب الزكاة، باب المصرف)

ولا يجوز دفعها إلى ولد الغنى الصغير كذا في التبيين. ولو كان كبيرا فقيرا جاز، ويدفع إلى امرأة غنى إذا كانت فقيرة، وكذا إلى البنت الكبيرة إذا كان أبوها غنيا؛ لأن قدر النفقة لا يغنيها وبغنى الأب والزوج لا تعد غنية كذا في الكافي (الفتاوىٰ الهندية، ج ا، ص ١٨٩، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح اولاد کے امیر و مالدار ہونے سے اس کا والد مالدار شمار نہیں کیا جاتا، لہٰذا اگر کسی کی اولاد تو مالدار ہے، مگر والد مالدار نہیں، تو والد کو یہ صدقہ دینا جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷...... سید اور بنو ہاشم (یعنی جو لوگ حضرت علی، حضرت عباس، حضرت جعفر، حضرت عقیل، حضرت حارث بن عبدالمطلب کی اولاد دَر اولاد ہوں، ان) کو یہ صدقہ دینا جائز نہیں۔ [2]

اگر یہ ضرورت مند ہوں تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ دوسرے طریقوں (مثلاً عطیہ، نفلی صدقہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

[1] ويجوز صرفها إلى الأب المعسر، وإن كان ابنه موسرا كذا في شرح الطحاوي (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۱۸۹، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف)

[2] قال: وبنو هاشم الذين تحرم عليهم الصدقة آل عباس، وآل جعفر، وآل عقيل، وآل علي، وولد الحارث بن عبد المطلب؛ لأن الله تعالى إنما حرم الصدقة على من عوضه عنه خمس الخمس من الغنيمة، وهو سهم ذوي القربى، وسهم ذوي القربى مختص بهؤلاء، فكذا تحريم الصدقة، وإنما تحرم على هؤلاء الصدقة الواجبة من العشور والنذور والكفارات، فأما الصدقة على وجه التصدق والتطوع، فلا بأس؛ لأن في الواجب المؤدي يطهر نفسه بإسقاط الفرض، فيتدنس المؤدى بمنزلة من استعمل الماء في الوضوء، وهو معنى قوله عليه الصلاة والسلام يا بني هاشم إن الله تعالى كره لكم غسالة الناس (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج ۳ ص ۲۱۴، ۲۱۵، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع الزكاة فيه)

صرف الصدقة الواجبة إلى بني هاشم لا تجوز (المبسوط للسرخسي، ج ۲۴، ص ۱۰۹، كتاب الإكراه، باب ما يخالف المكره فيه ما أمر به)

وتقييده بما ذكر يفيد أنه لا يجوز لهم دفع الصدقة الواجبة ولو غير زكاة (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ج ۱، ص ۷۲۱)

وكذلك الحكم فيما سوى الزكاة من الصدقات الواجبات كصدقة الفطر والكفارات والعشور والنذور وغير ذلك، لأنها في معنى الزكاة، فإنه يطهر نفسه بأداء الواجب وإسقاط الفرض، فيتدنس المؤدى كالماء المستعمل، بخلاف صدقة التطوع حيث تحل للهاشمي لأنها لا تدنس كالوضوء للتبرد (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱، ص ۱۲۱، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة)

امدادالفتاویٰ میں ہے کہ:

اس ثمن کا محلِ تصدق خاص فقیر ہوگا جو بنی ہاشم میں سے نہ ہو (امدادالفتاویٰ جلد ۳ صفحہ ۶۰۱)

اور امدادالاحکام میں ہے کہ:

کھال کا بعینہٖ تصدق صدقۂ نافلہ ہے، اور صدقۂ نافلہ بنو ہاشم کو دینا جائز ہے، مگر کھال بیچ کر اس کی قیمت بنو ہاشم کو دینا جائز نہیں، کیونکہ قیمت کا تصدُّق واجب ہے اور وہ صدقاتِ واجبہ کے مصرف سے نہیں (امداد الاحکام جلد ۴ صفحہ ۲۰۶)

وغیرہ) سے ان کی مدد کریں اور ان کی مدد کو اپنی سعادت سمجھیں۔

مسئلہ نمبر ۱۸...... اپنے اصول یعنی جن کے واسطے سے پیدا ہوا ہے مثلاً اپنے ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، پردادا، پردادی، وغیرہ کو یہ صدقہ دینا جائز نہیں۔

والدین وغیرہ کی خدمت ویسے ہی اولاد کے ذمہ ہے۔

اسی طرح اپنے فروع یعنی جو اس کے واسطے سے پیدا ہوئے ہیں، مثلاً اولاد بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہ کو بھی یہ صدقہ دینا جائز نہیں۔

اور اسی طرح شوہر اور بیوی کا ایک دوسرے کو یہ صدقہ دینا جائز نہیں، اس لیے ضرورت مند ہونے کی صورت میں کسی دوسرے طریقے پر ان کی مدد واعانت کرنی چاہیے۔ [۱]

---

[۱] والشرط الآخر أن لا يكون منافع الأملاک متصلة بين صاحب المال وبين المدفوع إليه لأن الواجب هو التمليک من الغير من كل وجه فإذا كانت المنافع بينهما متصلة عادة فيكون صرفا إلى نفسه من وجه فلا يجوز.

بيان ذلک أنه لو دفع الزكاة إلى الوالدين وإن علوا أو إلى المولودين وإن سفلوا لا يجوز لاتصال منافع الأملاک بينهم ولهذا لا تقبل شهادة بعضهم لبعض ،ولو دفع إلى سائر الأقارب سواهم من الإخوة والأخوات وغيرهم جاز لانقطاع المنافع بينهم من حيث الغالب ولهذا تقبل شهادة بعضهم لبعض،ولو دفع إلى الزوج أو الزوجة لا يجوز عند أبي حنيفة لما قلنا من اتصال المنافع بينهم من حيث الغالب وعلى قول أبي يوسف ومحمد يجوز للزوجة أن تدفع إلى زوجها الفقير ولا يجوز للزوج أن يدفع إلى زوجته الفقيرة(تحفة الفقهاء، ج ا ص ۳۰۳، ۳۰۴،باب من يوضع فيه الصدقة)

(قوله وأصله، وإن علا وفرعه، وإن سفل) بالجر أی لا يجوز الدفع إلى أبيه وجده، وإن علا، ولا إلى ولده وولد ولده، وإن سفل؛ لأن المنفعة لم تنقطع عن الملک من كل وجه كما قدمه فی تعريف الزكاة؛ لأن الواجب عليه الإخراج عن ملكه رقبة ومنفعة، ولم يوجد فی الأصول والفروع الإخراج عن ملكه منفعة وإن وجد رقبة، وفی عبده وجد الإخراج منفعة لا رقبة كذا فی المستصفی، وفيه إشارة إلى أن هذا الحكم لا يخص الزكاة بل كل صدقة واجبة لا يجوز دفعها لهم كأحد الزوجين كالكفارات وصدقة الفطر والنذور، وقيد بأصله وفرعه؛ لأن من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم، وهو أولى لما فيه من الصلة مع الصدقة كالإخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات الفقراء ولهذا قال فی الفتاوى الظهيرية :يبدأ فی الصدقات بالأقارب ثم الموالی ثم الجيران وذكر فی موضع آخر معزيا إلى أبی حفص الكبير :لا تقبل صدقة الرجل، وقرابته محاويج فيسد حاجتهم(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج۲ص ۲۶۲،كتاب الزكاة،باب مصرف الزكاة)

الصدقة الواجبة لا تدفع إلى الولد بالاتفاق (شرح النقاية، ج۲، ص۱۵۷، مصرف الزكاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ افراد کے علاوہ سب رشتہ داروں کو یہ صدقہ دینا جائز ہے، بشرطیکہ وہ زکاۃ کے مستحق ہوں بلکہ ان کو دینے میں دوگنا ثواب ہے، ایک صدقہ کا، دوسرا حسنِ سلوک کا۔

چنانچہ اپنے بھائی، بھابھی، بہن، بہنوئی، چچا، چچی، ماموں، ممانی، خالہ، پھوپھی، اوران سب کی اولادیں، دودھ کے رشتے کے والدین اوردودھ کے رشتے والی اولاد، سوتیلے والدین، سوتیلی اولاد، بہو، داماد اور سسر وغیرہ کو یہ صدقہ دینا جائز ہے، بشرطیکہ یہ مستحق اورغریب ہوں۔

مسئلہ نمبر۱۹...... یہ صدقہ مسلمان غریب کو ہی دینا مناسب ہے، اور غیر مسلم کو دینا خلافِ احتیاط ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کابقیہ حاشیہ﴾

ولأبی حنیفة أن أحد الزوجین ينتفع بمال صاحبه كما ينتفع بمال نفسه عرفا وعادة فلا يتكامل معنى التمليک، ولهذا لم يجز للزوج أن يدفع إلى زوجته كذا الزوجة (بدائع الصنائع، ج۲، ص ۴۰، كتاب الزكاة، فصل ركن الزكاة)

ولا تصح إلى من بينهما أولاد أو زوجية ولا إلى غنى أو هاشمی ونحوهم ممن مر فی باب المصرف، وقدمنا بيان الأفضل فی المتصدق عليه (ردالمحتار، ج۲ص ۳۶۹، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

[1] (ولا) تدفع (إلى ذمی) لحديث معاذ (وجاز) دفع (غيرها وغير العشر) والخراج (إليه) أی الذمی ولو واجبا كنذر وكفارة وفطرة خلافا للثانی وبقوله يفتی حاوی القدسی وأما الحربی ولو مستأمنا فجميع الصدقات لا تجوز له اتفاقا بحر عن الغاية وغيرها، لكن جزم الزيلعی بجواز التطوع له (الدرالمختار)

(قوله :غير العشر) فإنه ملحق بالزكاة ولذا سموه زكاة الزرع، وأما الخراج فليس من الصدقات التی الكلام فيها ومصرفه مصالح المسلمين كما مر ولذا لم يستثن فی الكنز والهداية إلا الزكاة (قوله :خلافا للثانی) حيث قال إن دفع سائر الصدقات الواجبة إليه لا يجوز اعتبارا بالزكاة، وصرح فی الهداية وغيرها بأن هذه رواية عن الثانی، وظاهره أن قوله المشهور كقولهما (قوله :وبقوله يفتی) الذی فی حاشية الخير الرملی عن الحاوی وبقوله نأخذ.

قلت :لكن كلام الهداية وغيرها يفيد ترجيح قولهما وعليه المتون (ردالمحتار، ج۲ص ۳۵۱، ۳۵۲، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

وأما أهل الذمة فلا يجوز صرف الزكاة إليهم بالاتفاق ويجوز صرف صدقة التطوع إليهم بالاتفاق، واختلفوا فی صدقة الفطر والنذور والكفارات قال أبو حنيفة ومحمد -رحمهما الله تعالى -يجوز إلا أن فقراء المسلمين أحب إلينا كذا فی شرح الطحاوی .وأما الحربی المستأمن فلا يجوز دفع الزكاة والصدقة الواجبة إليه بالإجماع ويجوز صرف التطوع إليه كذا فی السراج الوهاج (الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع)

مسئلہ نمبر۲۰...... کسی کی مزدوری یا حقُ الخدمت کے طور پر یہ صدقہ دینا جائز نہیں۔

لہٰذا قصاب کی مزدوری یا امام ومؤذن کی خدمت کے معاوضہ کے طور پر ان کو یہ صدقہ دینے سے واجب ادا نہیں ہوگا، اگر چہ یہ لوگ غریب ومستحق ہی کیوں نہ ہوں۔ [1]

مسئلہ نمبر۲۱...... بعض لوگ مستحق ہونے کے لئے صرف بیوہ، اپاہج یا بے روزگار ہونے کو دیکھتے ہیں خواہ وہ کتنا ہی مالدار ہو، یہ غلط ہے۔

کیونکہ مستحق ہونے کے لئے بیوہ یا اپاہج یا بے روزگار ہونا ضروری نہیں، بلکہ غریب ہونا ضروری اور کافی ہے، خواہ وہ برسرِ روزگار ہو۔ [2]

مسئلہ نمبر۲۲...... زکاۃ اور دوسرے صدقاتِ واجبہ کی طرح اس صدقہ کے ادا ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ کسی غریب کو مالکانہ طور پر دیا جائے، جس میں اس کو ہر طرح کا اختیار ہو، چاہے وہ اس کو خود استعمال کرے یا کسی دوسرے کو فروخت یا ہبہ وصدقہ کرے۔ [3]

چنانچہ اسے مسجد، مدرسہ، شفاخانہ، کنویں، پل یا کسی اور رفاہی ادارے کی تعمیر میں خرچ کرنا جائز نہیں۔ اگر چہ وہ ادارہ غریبوں ہی کی خدمت کے لئے وقف ہو، کیونکہ اس صورت میں کسی غریب کو مالک بنانا اور اس کے قبضہ میں دینا نہیں پایا جاتا۔

---

[1] وإن فرضها عليه فدفعها ينوى الزكاة لا يجوز لأنه أداء واجب فى واجب آخر فلا يجوز (تبيين الحقائق، ج ا ص ۳۰۲، كتاب الزكاة، باب المصرف)

ولو نوى الزكاة بما يدفع المعلم إلى الخليفة ولم يستأجره إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضا أجزأه وإلا فلا وكذا ما يدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء فى الأعياد وغيرها بنية الزكاة كذا فى معراج الدراية (الفتاوى الهندية، ج ا ص ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف)

[2] ويدل على أن الصحيح الجسم جائز أن يعطى من الزكاة ؛ لأن الله تعالى أمر بإعطاء هؤلاء القوم ، وكانوا من المهاجرين الذين كانوا يقاتلون مع النبى صلى الله عليه وسلم المشركين ولم يكونوا مرضى ولا عميانا .(احكام القرآن جصاص، ج۲ ص ۱۸۰ ، سورة البقرة)

[3] الواجب فى باب الصدقة التمليك (المحيط البرهانى، ج۲، ص ۳۱۶، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر فى إيجاب الصدقة)

اسی طرح کسی میت کے کفن دفن یا کسی میت کا قرض ادا کرنے میں خرچ کرنا بھی جائز نہیں۔ [1]
کسی ایسے مدرسہ یا انجمن وغیرہ کو دینا بھی جائز نہیں جہاں غریبوں کو مالکانہ طور پر وہ صدقہ نہ دیا جاتا ہو، بلکہ ملازمین کی تنخواہوں یا تعمیر اور فرنیچر وغیرہ انتظامی امور پر بغیر شرعی اصولوں کے خرچ کر دیا جاتا ہو۔ البتہ اگر کسی ادارے میں غریب طلبہ یا دوسرے غریبوں کو مفت کھانا، کپڑا وغیرہ دیا جاتا ہو یا وہاں شرعی اصولوں کے مطابق خرچ کا انتظام ہو تو وہاں یہ صدقہ یا کھال دینا جائز ہے، جبکہ عموماً دینی مدارس میں ایسا ہی ہے۔

مسئلہ نمبر ۴۳...... جس نے قربانی کی کھال خریدی، وہ اس کا مالک ہوگیا، اس لئے وہ اس میں ہر قسم کا تصرف کرسکتا ہے، خواہ اپنے پاس رکھے یا فروخت کر کے قیمت اپنے خرچ میں لائے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۴۴...... اگر کھال کسی مالدار یا غریب کو یا کھال کی رقم کسی غریب کی ملکیت میں دے دی اور وضاحت کردی کہ تم اس کے پوری طرح مالک ہو، ہمیں اس میں کوئی اختیار نہیں، پھر وہ اپنی خوشی سے اور کسی دباؤ میں آئے بغیر اس کی رقم، مسجد، مدرسہ یا کسی بھی رفاہی ادارہ کی تعمیر یا اس کے ملازمین کی تنخواہوں وغیرہ میں اپنی طرف سے لگا دے تو یہ جائز ہے۔ [3]

---

[1] واعلم أن التمليک شرط .قال تعالى :(وآتوا الزكاة)والإيتاء :الإعطاء ;والإعطاء : التمليک، فلا بد فيها من قبض الفقير أو نائبه كالوصي والأب ومن يكون الصغير في عياله قريبا كان أو أجنبيا، وكذلک الملتقط للقيط؛ لأن التمليک لا يتم بدون القبض ولا يبنى بها مسجد ولا سقاية ولا قنطرة ولا رباط، ولا يكفن بها ميت، ولا يقضى بها دين ميت (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱، ص ۱۲۱، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة)

(قوله :نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليک فيه زيلعي (قوله :ولا إلى كفن ميت) لعدم صحة التمليک منه؛ ألا ترى أنه لو افترسه سبع كان الكفن للمتبرع لا للورثة نهر (ردالمحتار، ج ۲ ص ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

[2] وأما البيع فجائز لوجود الملک والقدرة على التسليم(تكملة البحر الرائق للطوری، ج ۸ ص ۲۰۳، كتاب الأضحية)

اور جب بیع جائز و منعقد ہوجاتی ہے، تو ظاہر ہے کہ مشتری کی جائز ملکیت بھی قائم ہوجاتی ہے، جس سے مالکانہ تمام تصرفات کا جواز بھی خود بخود ثابت ہوجاتا ہے۔

[3] وللغني أن يشتری الصدقة الواجبة من الفقير ويأكلها، وكذا لو وهبها له علم أن تبدل الملک كتبدل العين فلو أباحها له، ولم يملكها منه ذكر أبو المعين النسفي أنه لا يحل تناوله للغني وقال خواهر زاده يحل كذا فی الفوائد التاجية (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۶۴، باب مصرف الزكاة)

مسئلہ نمبر ۲۵...... بعض جگہ حیلۂ تملیک کے نام سے یہ کھیل کھیلا جاتا ہے کہ کھال کی رقم غریب کو دے کر پھر واپس لے لی جاتی ہے۔

جس کو دی جاتی ہے وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ مجھے اس مال کا کوئی اختیار نہیں اگر اپنے پاس رکھ لوں گا تو ادارے کے بڑے اور دوسرے لوگ ملامت کریں گے، اس خوف اور شرم کے مارے بے چارہ یہ رقم واپس چندہ میں دے دیتا ہے، نہ دینے والے کی نیت مالک بنانے کی ہوتی، نہ لینے والا اپنے کو مالک سمجھتا، یہ صرف زبانی جمع خرچ ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

مسئلہ نمبر ۲۶...... اگر قربانی کی کھال کسی کو مالکانہ طور پر نہیں دی گئی، بلکہ اس لئے دی گئی، تاکہ وہ اس کے صحیح مصرف میں استعمال کرے، تو ایسی صورت میں دوسرا شخص قربانی کی کھال کے مالک کا وکیل کہلائے گا، اور اس کو کھال میں وہی تصرفات جائز ہونگے، جو مالک کو جائز ہوتے ہیں، اور اگر کھال کو صدقہ کرنے یا کھال رقم کے عوض فروخت کر کے اس کی قیمت کو صدقہ کرنے کے لئے دی گئی، تو وہ اسی حیثیت سے مالک کا وکیل کہلائے گا، اور اُس کو مالک کی منشاء کے مطابق صدقہ کرنا ضروری ہوگا۔

کسی ادارے یا تنظیم کو جو قربانی کی کھالیں دی جاتی ہیں عام طور پر وہ ان کو مالک بنا کر نہیں دی جاتیں کہ وہ جس طرح سے چاہیں ان میں تصرف کریں، بلکہ ان کو کھال یا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت صحیح مصرف میں خرچ کرنے کا وکیل بنا کر دی جاتی ہیں۔

لہٰذا ادارہ کے ذمہ داران کو کھالوں کو مالکوں کی منشاء کے مطابق صحیح مصرف میں استعمال کرنا ضروری ہے۔ [1]

---

[1] امدادالفتاویٰ میں ہے کہ:

فی الدرالمختار: (فإن)(بیع اللحم أو الجلد به)أی بمستهلک (أو بدراهم)(تصدق بثمنه)،فی ردالمحتار: وسکت عن بیع اللحم به للخلاف فیه (الی قوله)والصحیح انهما سواء الخ. ان روایتوں سے دو امر معلوم ہوئے، ایک یہ کہ کھال کے دام کا تصدق واجب ہے، پس غریب طلباء کی اعانت کے سوا دوسرے مصارف میں صرف کرنا جائز نہیں، دوسرا امر یہ کہ غنی کو کھال بعینہٖ دے دینا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... قربانی کی کھال اور اس کی قیمت کو اس کے صحیح شرعی مصرف میں لگانا قربانی کرنے والے کا شرعی فریضہ ہے۔

اس بارے میں آج کل بہت کوتاہی پائی جارہی ہے، قربانی کا جانور دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کر خریدنے اور اس کو اپنی بساط کے مطابق انجام دینے کا تو کچھ نہ کچھ اہتمام کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے غفلت اختیار کی جاتی ہے کہ اس فریضہ کی تکمیل کرتے ہوئے کھال کو صحیح صحیح اتروایا جائے اور اس کو بہتر مصرف تک پہنچایا جائے بلکہ کھال اترنے کے بعد اسے کسی نہ کسی طرح بوجھ (وزن) سمجھ کر اپنے یہاں سے اٹھوانے کی فکر رہتی ہے خواہ اٹھانے اور لیجانے والا کوئی بھی ہو۔ حالانکہ جس طرح قربانی کرنا ایک مسلمان کی ذمہ داری اور ضرورت ہے۔ اسی طرح کھال کو ایسی جگہ لگانا جو دنیا و آخرت کے لئے زیادہ سے زیادہ فائدہ مند ہو یہ بھی ایک مسلمان کی اہم ضرورت ہے۔

اہلِ حق علماء کی زیرِ نگرانی دینی مدارس و جامعات دین کی اشاعت اور بقاء اور دین کی حفاظت کا ذریعہ ہیں اور دشمنانِ اسلام ان کو مٹانے کے درپے ہیں ان حالات میں ان کے ساتھ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جائز ہے، لیکن اگر اس سے یہ غرض حاصل کرنا ہو کہ اہلِ قربانی غنی کو دے دیں، پھر وہ غنی بیچ کر جہاں چاہے صرف کرے، سو اس کی صحت کے لئے دو شرط ہیں، اول یہ کہ دینے والے اسی کو مالک بنانے کی نیت سے دیں، ایسا نہ ہو کہ ایک بار اس طریق کے مشتہر کرنے کو کافی سمجھا جاوے، کیونکہ جب تک دینے والے لفظی تصریح نہ کریں، کہ ہم خاص تم ہی کو دیتے ہیں، تم مالک ہو، اس وقت تک ظاہر اور غالب عوام کی حالت سے یہی ہے کہ وہ نیت مدرسہ میں صرف کرنے کے دیں گے، اور اس صورت میں وہ غنی مالک نہ ہوگا، بلکہ وکیل ہوگا، جس کی بیع بمنزلہ صاحبِ قربانی کے ہے، اور پھر تصدق واجب ہوگا، جس کی وجہ سے بجز طلباء غرباء کے دوسرے مصارف مندرجہ سوال میں صرف کرنا درست نہیں، دوسری شرط یہ ہے کہ مالک بھی حقیقتاً بنایا جائے، صرف حیلہ نہ ہو، جس کی علامت اور امتحان یہ ہے کہ اگر یہ غنی اس کو بیع کر کے اپنے خاص حوائج میں خرچ کرے، تو اہلِ عطاء کو ناگوار اور گراں نہ ہو، اور اس کی شکایت و مذمت یا دل میں اس سے کدورت و انقباض نہ کریں، اور اگر ان دو شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہوگی، تو وہ غنی مالک ہی نہ ہوگا، بلکہ وکیل ہوگا، جس کا حکم بضمنِ بیانِ شرطِ اول گزر چکا ہے، خوب سمجھ لیا جائے، اور مدرسہ چلانے کی ضرورت سے نامشروع افعال کسی طرح مشروع ومباح نہیں ہوسکتے (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۵۳۳، ۵۳۴، کتاب الذبائح والاضحیۃ والصید والعقیقۃ)

تعاون بہت بڑی نیکی ہے اور ان کی طرف سے کسی کا عطیہ قبول کر لینا، درحقیقت دینے والے کی نیک بختی اور خوش نصیبی ہے نہ کہ ان پر کوئی احسان ہے۔
مسلمان کی سعادت اور خوش بختی کی نشانی یہ ہے کہ از خود ان کو اپنا مال پیش کرے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۸...... آج کل بہت سے دنیا دار لوگوں نے ویلفیئر اور رفاہی عنوان سے ادارے قائم کر لیے ہیں، اور وہ چرمہائے قربانی جمع کرتے ہیں، اولاً تو بعض لوگوں نے آج کل یہ ایک پیشہ اور کاروبار بنا لیا ہے، دوسرے ان لوگوں کو چرمہائے قربانی کو شرعی طریقہ پر خرچ کرنے کے شرعی اُصول وقواعد بھی معلوم نہیں ہوتے، اس لیے ایسے غیر معتبر لوگوں اور اداروں کو چرمہائے قربانی دے کر مطمئن ہو جانا درست نہیں، بلکہ احتیاط ضروری ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۹...... بعض قصاب جانور کی کھال اس طرح اتارتے ہیں کہ اس میں چھری لگ کر سوراخ ہو جاتے ہیں، یا کھال پر گوشت لگا رہ جاتا ہے، جس سے کھال اور گوشت کو نقصان پہنچتا ہے، اسی طرح بعض لوگ کھال اتارنے کے بعد اس کی حفاظت نہیں کرتے، سڑ کر بے کار یا بہت کم قیمت رہ جاتی ہے۔
یہ سب باتیں مال کی اضاعت میں داخل ہیں، اس لئے کھال احتیاط سے اتار کر ضائع ہونے سے بچانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

---

[1] طلب العلم ليس إلا استفادة الأحكام وهل يبلغ طالب رتبة من لازم صحبة النبى -صلى الله عليه وسلم -لتلقى الأحكام عنه كأصحاب الصفة، فالتفسير بطالب العلم وجيه خصوصا وقد قال فى البدائع فى سبيل الله جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى فى طاعة الله وسبيل الخيرات إذا كان محتاجا .اهـ(رد المحتار ،ج ۲ ص ۳۴۳، كتاب الزكاة،باب مصرف الزكاة والعشر)
(قوله :أو طلب العلم) ذكره فى البحر بحثا بقوله وينبغى أن يلحق به أى بالغازى طالب العلم لاشتغاله عن الكسب بالعلم، ولهذا قالوا :إن نفقته على أبيه وإن كان صحيحا مكتسبا كما لو كان زمنا(رد المحتار على الدر المختار، ج ۲ ص ۳۵۵، كتاب الزكاة،باب مصرف الزكاة والعشر)
وفى الحاوى للزاهدى رامز للأسرار لنجم الدين قال الشيخ الإمام أبو منصور الماتريدى لزم على المسلمين كفاية طالب العلم إذا خرج للطلب حتى لو امتنعوا عن كفايته يجبرون كما يجبرون فى دين الزكاة إذا امتنعوا عن أدائها والتصدق على العالم الفقير أفضل منه على الجاهل وعن أبى حفص الدفع إلى من عليه دين ليقضى دينه أحب إلى من الدفع إلى فقير لم يكن عليه دين ا هـ(العقود الدرية فى تنقيح الفتاوى الحامدية، ج ۱ ص ۷۲، كتاب الطلاق، باب النفقة)

عقیقہ اور حج کی قربانی کے احکام

ملحوظ رہے کہ عقیقہ اور حجِ تمتع وحجِ قران کے نتیجے میں کی جانے والی قربانی (یعنی دمِ شکر) کے جانور اور اُس کے ذبح اور اُس کے گوشت پوست کے اکثر احکام قربانی کی طرح ہیں۔

چنانچہ جس جانور کی قربانی جائز ہے، اُسی طرح کے جانور سے عقیقہ کرنا اور حجِ تمتع وحجِ قران کی قربانی (یعنی دمِ شکر) ادا کرنا جائز ہے، اور قربانی کے جانور کے لئے جتنی عمر ہونا اور جن عیوب سے پاک ہونا ضروری ہے، عقیقہ اور حج کی قربانی کا بھی یہی حکم ہے۔

البتہ دمِ شکر کا حرم کی حدود میں کرنا واجب ہے۔

(عقیقہ کے تفصیلی مسائل کے لئے ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب ''نومولود کے احکام واسلامی نام'')

حج ماہِ ذی الحجہ کی ایک اہم عبادت

ذُوالحجہ کے مہینہ کی ایک خاص اور اہم عبادت حج ہے؛ اس کا تقاضا یہ تھا کہ حج سے متعلق ضروری مضمون کو ذی الحجہ کے اس مہینے سے متعلق کتاب میں ہی تحریر کیا جاتا، لیکن اس کتاب کی طوالت کے باعث اُس مضمون کو اس میں شامل نہیں کیا گیا؛ اور کیونکہ حج کے مہینے شوال سے شروع ہوجاتے ہیں، لیکن ماہِ شوال سے متعلق کتاب بھی اپنی طوالت کے باعث اس مضمون کی متحمل نہیں تھی، اور آج کل حج کے لیے عام طور پر ذوالقعدۃ کے مہینے میں سفر ہوتا ہے، اس لیے حج سے متعلق ضروری مضمون ہم نے اپنے رسالہ ''ماہِ ذیقعدۃ کے فضائل واحکام'' اور ''حج کا صحیح طریقہ اور حج کی غلطیاں'' میں تحریر کردیا ہے؛ وہاں ملاحظہ فرمالیا جائے۔ فقط وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ

محمد رضوان۔ یکم ذُوالحجہ ۱۴۲۱ھ

اضافہ بموقعہ اشاعتِ دوم۔ ذُوالقعدہ ۱۴۲۳ھ جنوری 2003ء

اضافہ بموقعہ اشاعتِ سوم۔ شعبان ۱۴۲۶ھ اکتوبر 2005ء

اضافہ بموقعہ اشاعتِ چہارم ۔ ذُوالقعدہ ۱۴۲۸ھ نومبر 2007ء

اضافہ بموقعہ اشاعتِ پنجم۔ شعبان ۱۴۳۲ھ جولائی 2011ء ادارہ غفران راولپنڈی

چند تحقیقی مسائل

آخر میں قربانی سے متعلق چند تحقیق طلب مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱)

شراءُ الاضحیة بنیةِ التضحیة

(شراءُ الفقیر قبل ایام النحر کی تحقیق)

اگر غریب (یعنی غیر صاحبِ نصاب) شخص قربانی کی نیت سے جانور خرید لے، تو کتبِ فقہ حنفی کے مطابق یہ بحکمِ نذر ہے، اور اس پر اس جانور کی قربانی واجب ہو جاتی ہے۔

مگر علامہ شامی رحمہ اللہ نے تاتارخانیہ کی ایک عبارت نقل کی ہے، جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ غریب کے قربانی کے دن شروع ہونے سے پہلے قربانی کی نیت سے جانور خریدنے کی صورت میں اس پر اس جانور کی قربانی واجب نہیں ہوتی۔

اور بعض اردو فتاویٰ میں اسی کے مطابق حکم مذکور ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ کی وہ عبارت یہ ہے:

(قَوْلُهٗ لِوُجُوْبِهَا عَلَيْهِ بِذٰلِكَ) أَیْ بِالشِّرَاءِ وَهٰذَا ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ لِأَنَّ شِرَاءَهٗ لَهَا يَجْرِیْ مَجْرَى الْإِيْجَابِ وَهُوَ النَّذْرُ بِالتَّضْحِيَةِ عُرْفًا كَمَا فِی الْبَدَائِعِ .وَوَقَعَ فِی التَّتَارْخَانِيَّةِ التَّعْبِيْرُ بِقَوْلِهٖ شَرَاهَا لَهَا أَيَّامَ النَّحْرِ، وَظَاهِرُهٗ أَنَّهٗ لَوْ شَرَاهَا لَهَا قَبْلَهَا لَا تَجِبُ وَلَمْ أَرَهٗ صَرِيْحًا فَلْيُرَاجَعْ (رد المحتار، ج۶ص ۳۲۱، کتاب الاضحیة، دارالفکر، بیروت)

علامہ شامی رحمہ اللہ نے اولاً تو شراءِ فقیر کے سببِ وجوب ہونے کی وضاحت فرمائی، کہ وہ

شراء بنیتِ اضحیہ ہے، اور اس کے بعد اس کو ظاہر الروایۃ قرار دیا، اور پھر مزید توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ فقیر کا بنیتِ اضحیہ شراء عرفاً نذر بالتضحیۃ کے قائم مقام ہے۔

پھر علامہ شامی رحمہ اللہ نے تاتارخانیہ میں ایامِ نحر کی قید کے ساتھ تعبیر کا تذکرہ فرمایا، اور پھر تاتارخانیہ کی عبارت کے ظاہر سے یہ مفہوم ہونا بتلایا کہ اگر فقیر ایامِ نحر سے قبل جانور خرید لے، تو قربانی واجب نہیں ہوگی، لیکن ساتھ ہی علامہ شامی رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمادیا کہ میں نے اس بات کی (یعنی ایامِ نحر سے قبل شراء الفقیر کی صورت میں عدمِ وجوب کی) کہیں صراحت نہیں دیکھی؛ لہٰذا دیگر حضرات کو چاہیے کہ وہ مراجعت فرمالیں۔

ہم نے علامہ شامی رحمہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں دیگر کتبِ فقہ میں مراجعت کی، تو ہمیں بھی اس کی کہیں صراحت نہیں مل سکی، بلکہ دیگر کتبِ فقہ میں بھی ''شراء الفقیر بنیۃ اضحیہ'' کو ہی سببِ وجوب قرار دیا گیا ہے، اور ایامِ نحر کو سببِ وجوب میں دخیل نہیں مانا گیا۔ [1]

---

[1] چند عبارات ذیل میں ملاحظہ ہوں:

(وَلَنَا) أَنَّ الشِّرَاءَ لِلْأُضْحِيَّةِ مِمَّنْ لَا أُضْحِيَّةَ عَلَيْهِ يَجْرِي مَجْرَى الْإِيجَابِ وَهُوَ النَّذْرُ بِالتَّضْحِيَةِ عُرْفًا ؛ لِأَنَّهُ إذَا اشْتَرَى لِلْأُضْحِيَّةِ مَعَ فَقْرِهِ فَالظَّاهِرُ أَنَّهُ يُضَحِّي فَيَصِيرُ كَأَنَّهُ قَالَ : جَعَلْت هَذِهِ الشَّاةَ أُضْحِيَّةً ، بِخِلَافِ الْغَنِيِّ ؛ لِأَنَّ الْأُضْحِيَّةَ وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ بِإِيجَابِ الشَّرْعِ ابْتِدَاءً فَلَا يَكُونُ شِرَاؤُهُ لِلْأُضْحِيَّةِ إيجَابًا بَلْ يَكُونُ قَصْدًا إلَى تَفْرِيغِ مَا فِي ذِمَّتِهِ وَلَوْ كَانَ فِي مِلْكِ إنْسَانٍ شَاةٌ فَنَوَى أَنْ يُضَحِّيَ بِهَا أَوْ اشْتَرَى شَاةً وَلَمْ يَنْوِ الْأُضْحِيَّةَ وَقْتَ الشِّرَاءِ ثُمَّ نَوَى بَعْدَ ذَلِكَ أَنْ يُضَحِّيَ بِهَا لَا يَجِبُ عَلَيْهِ سَوَاءٌ كَانَ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا ؛ لِأَنَّ النِّيَّةَ لَمْ تُقَارِنْ الشِّرَاءَ فَلَا تُعْتَبَرُ (بدائع الصنائع، ج۵، ص ۶۲، کتاب التضحیة، صفة التضحیة)

الشِّرَاءَ مِنْ الْفَقِيرِ لِلْأُضْحِيَّةِ بِمَنْزِلَةِ النَّذْرِ فَإِذَا هَلَكَتْ فَقَدْ هَلَكَ مَحَلُّ إقَامَةِ الْوَاجِبِ فَيَسْقُطُ عَنْهُ وَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ آخَرُ بِإِيجَابِ الشَّرْعِ ابْتِدَاءً لِفَقْدِ شَرْطِ الْوُجُوبِ وَهُوَ الْيَسَارُ (بدائع الصنائع، ج۵، ص ۶۶، کتاب التضحیة، فصل فی انواع کیفة الوجوب)

لِأَنَّ الشِّرَاءَ مِنْ الْفَقِيرِ بِنِيَّةِ الْأُضْحِيَّةِ بِمَنْزِلَةِ النَّذْرِ عُرْفًا ، وَعَادَةً ؛ لِأَنَّا لَا نَجِدُ فِي الْعُرْفِ فَقِيرًا اشْتَرَى شَيْئًا لِلْأُضْحِيَّةِ إلَّا وَيُضَحِّي بِهَا لَا مَحَالَةَ فَكَانَ بِهَا مُلْتَزِمًا (تبیین الحقائق، ج۶، ص۷، کتاب الأضحیة، باب مایضحی به)

لِأَنَّ الْوُجُوبَ عَلَى الْغَنِيِّ بِالشَّرْعِ ابْتِدَاءً لَا بِالشِّرَاءِ فَلَمْ تَتَعَيَّنْ بِهِ ، وَعَلَى الْفَقِيرِ بِشِرَائِهِ بِنِيَّةِ الْأُضْحِيَّةِ فَتَعَيَّنَتْ (الهداية، ج۴، ص ۳۵۹، کتاب الاضحية، على من تجب الاضحية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اب جو حضرات شراءُ الفقیر بنیۃ الاضحیہ کے وجوب میں ایامِ نحر کو دخیل مانتے ہیں، ان کی طرف سے جب تک شراءُ الفقیر بنیۃ الاضحیہ کے ساتھ کسی معتبر سند وقاعدہ سے ایامِ نحر کا دخیل ہونا واضح نہ کیا جائے، اس وقت تک اس تحقیق کو قبول کرنے میں تأمل ہے۔

اور فقہائے کرام کی شراءُ الفقیر بنیۃ الاضحیہ سے متعلق عبارات سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر قاعدہ واصول پر غور کیا جائے تو بھی فقیر کے حق میں سببِ وجوب کا شراء ہونا ہی اصل معلوم ہوتا ہے، کیونکہ شراء الفقیر کو عرفاً وعادتاً نذر کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اصل اور حقیقی سببِ وجوب نذر ہے، اور شراءُ الفقیر بنیۃ الاضحیۃ حکماً نذر ہے۔ [1]

تو جس طرح حقیقی نذر میں ایامِ نحر کا دخل نہیں، اسی طرح عادتاً وعرفاً نذر (شراءُ الفقیر بنیۃ الاضحیۃ) میں بھی ایامِ نحر کا دخل نہیں ہونا چاہیے۔

اور ہمارے متعدد اکابر کے فتاویٰ میں بھی اسی اطلاق کے ساتھ (بغیر ایامِ نحر کی قید کے) یہ مسئلہ مذکور ہے، بلکہ بعض فتاویٰ میں تو ایامِ نحر سے قبل کی صورت میں بھی واجب ہونے کی تصریح ہے، جس سے معلوم ہوا کہ تاتارخانیہ میں ایامِ نحر کی قید احترازی نہیں ہے، بلکہ اتفاقی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فَالْمُشْتَرَى لِلْأُضْحِيَّةِ إذَا كان الْمُشْتَرِى فَقِيرًا بِأَنْ اشْتَرَى فَقِيرٌ شَاةً يَنْوِى أَنْ يُضَحِّيَ بها وَإِنْ كان غَنِيًّا لَا تَجِبُ عليه بِشِرَاءِ شَيْءٍ وَلَوْ مَلَكَ إنْسَانٌ شَاةً فَنَوَى أَنْ يُضَحِّيَ بها أو اشْتَرَى شَاةً ولم يَنْوِ الْأُضْحِيَّةَ وَقْتَ الشِّرَاءِ ثُمَّ نَوَى بَعْدَ ذلك أَنْ يُضَحِّيَ بها لَا تَجِبُ عليه سَوَاءٌ كان غَنِيًّا أو فَقِيرًا (الفتاویٰ الهندية، ج۵ ص ۲۹۱، كتاب الاضحية، الْبَابُ الْأَوَّلُ فى تَفْسِيرِهَا وَرُكْنِهَا وَصِفَتِهَا وَشَرَائِطِهَا وَحُكْمِهَا وفى بَيَانِ من تَجِبُ عليه وَمَنْ لَا تَجِبُ)

لِأَنَّ الْوُجُوبَ عَلَى الْغَنِيِّ بِالشَّرْعِ ابْتِدَاءً فَلَمْ يَتَعَيَّنْ بِهِ وَعَلَى الْفَقِيرِ بِشِرَائِهِ بِنِيَّةِ الْأُضْحِيَّةِ فَتَعَيَّنَتْ (مجمع الانهر، ج۲، ص ۵۲۰، كتاب الاضحية)

لأن الشراء بنية الأضحية بمنزلة النذر فكأنه نذر أن يضحى بالأخرى (المحيط البرهانى، ج۳ ص ۴۹۵، كتاب المناسک، الفصل الثامن عشر)

ان تمام عبارات میں شراء الفقیر کو وجوب کا سبب قرار دیا گیا ہے، اور ایامِ نحر کا نہ کوئی ذکر کیا گیا، اور نہ ہی اس کا وجوب میں کوئی دخل ہونا بیان کیا گیا۔

[1] سبب الوجوب هو النذر (بدائع الصنائع، ج۵ ص ۹۴، كتاب النذر، فصل فى حكم النذر)

چنانچہ کفایتُ المفتی میں ہے کہ:

قربانی کا جانور خواہ پہلے سے متعین کردیا جائے خواہ ایام قربانی میں خرید کیا جائے، دونوں صورتیں برابر ہیں، لیکن اگر متعین کرنے والا یا بنیتِ قربانی خریدنے والا صاحبِ نصاب نہیں تو اس پر اسی جانور کی قربانی کرنا واجب ہوجاتا ہے (کفایت المفتی مدلل مکمل مع عنوانات، جلد ہشتم، صفحہ ۱۹۷، مطبوعہ: دارالاشاعت کراچی)

اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے مفصل ومدلل انداز میں اسی موقف کو راجح قرار دیا ہے، اور تاتارخانیہ کی عبارت کا بھی معقول جواب تحریر فرمایا ہے۔

چنانچہ احسنُ الفتاویٰ میں ایک سوال وجواب درج ذیل طریقہ پر ہے:

سوال: شامیہ میں ہے:

ووقع فی التتارخانية التعبير بقوله شراها ايام النحر وظاهره انه لو شراها لها قبلها لاتجب ولم اره صريحافليراجع.

ایامِ النحر کی قید اکثر عبارات میں نہیں ہے، آپ کا فتویٰ کیا ہے، کیا یہ قید معتبر ہے؟ اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جو جانور ایامِ نحر سے پہلے کسی فقیر نے خریدا ہو اس کی قربانی اس پر واجب نہ ہو، اس کا تبدیل کرنا جائز ہو۔

اسی طرح غنی کے لئے بھی ان ایام سے پہلے خرید کردہ جانور کا تبدیل کرنا مکروہ نہ ہو، اور کم قیمت میں بیع کی صورت میں زائد قیمت کا تصدق ذمہ میں نہ ہو۔

بینوا وتوجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

تاتارخانیہ میں ''ایامِ نحر'' سے ''قبل مضي ايام النحر'' مراد ہے، یہ قید احترازی نہیں، بلکہ قید واقعی ہے، اس سے قبل لو تركت التضحية ومضت ايامها میں ''ایام النحر'' کا ذکر تھا، اسی سیاق میں یہاں بھی آ گیا، احتراز مقصود نہیں، اس پر مندرجہ

ذیل قرائن ہیں:

(۱)......دوسری کسی کتاب میں اس کا ذکر نہیں۔

(۲)...... یہ جزئیہ ترکُ التضحیۃ ایام النحر کے بیان میں ہے، اگر یہ قید احترازی ہوتی تو شراءُ الفقیر کی مستقل بحث میں بھی اس کا ذکر لازماً ہوتا، جو اس کا اصل موقع ہے، جبکہ وہاں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

(۳)......نذر حقیقۃً کی صحت میں ایامِ نحر کی قید نہیں تو نذر دلالۃً یعنی شراء الفقیر میں اس تقیید کی کوئی وجہ معقول نہیں۔

(۴)......خانیہ کے جزئیۂ ذیل میں قبل ایام النحر کے الفاظ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایام نحر سے قبل بھی شراء الفقیر بمنزلۂ نذر ہے۔

واذا اشترى شاة للاضحية ثم باعها واشترى اخرى فى ايام النحر (الى قوله) وعن محمد رحمه الله تعالىٰ فى المنتقى اذا اشترى شاة ليضحى بها واضمر نية التضحية عند الشراء تصير أضحية كما نوى، فإن سافر قبل أيام النحر وباعها سقطت عنه الأضحية بالمسافرة، و أما إذا اشترى بغير نية الأضحية ثم نوى الأضحية بعد الشراء لم يذكر هذا فى ظاهر الرواية و روى الحسن عن أبى حنيفة رحمه الله تعالى أنه لا تصير أضحية لو باعها يجوز بيعها و به نأخذ (خانية بهامش الهندية صفحه ۳۴۶، جلد۳)

نیز اس میں یہ بھی ظاہر ہے کہ قبل ایام النحر سے قبل مضیِ ایام النحر مراد ہے۔

وكذا فى قوله: اذا اشترى الغنى اضحية فضلت فاشترى اخرى ثم وجد الاولى فى ايام النحر كان له ان يضحى بايتهما شاء (صفحه ۳۴۷)

اس سے ثابت ہوا کہ یہ سب جزئیات قبل مضیِ الایام سے متعلق ہیں، قبل المجیء سے احتراز مقصود نہیں۔

تنبیہ: شراء الفقیر بنیۃ الاضحیۃ کے موجبِ تضحیہ ہونے میں اختلاف ہے، وجوب وعدمِ وجوب دونوں قول ہیں، اور دونوں ظاہر الروایۃ ہیں۔

والاول احوط واشهر واوفق لقاعدة "الاحتياط فى باب العبادات واجب" والثانى اوسع وايسر واوفق لقاعدة "ان النذر لاينعقد حتى يتلفظ بصيغة الالتزام والايجاب"

(احسن الفتاویٰ جلد ۷ صفحہ ۵۲۹، ۵۳۰)

مگر علامہ شامی نے وجوب کی روایت کو ظاہر الروایۃ اور صاحبِ عنایۃ نے عدمِ وجوب کی روایت کو نادر الروایۃ قرار دیا ہے۔ [1]

پس مذکورہ تفصیل کی روشنی میں ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ شراء الفقیر کے وجوب میں ایامِ نحر کو دخل نہیں ہے۔

اور جن فتاویٰ میں اس کا دخل مذکور ہے، وہ ہمارے نزدیک قواعد ودلائل کی رو سے راجح نہیں ہیں۔

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان

۷/ شعبان/ ۱۴۳۲ھ 10 / جولائی/ 2011ء بروز اتوار

ادارہ غفران راولپنڈی

---

[1] وقوله (وعلى الفقير ذبحهما) لأن الوجوب عليه بالشراء وقد تعدد، وهذا الذى ذكره من الأصل يوافق ما ذكره شيخ الإسلام -رحمه الله -أن المشترى إذا كان موسرا لا تصير واجبة بالشراء بنية الأضحية باتفاق الروايات، وإن كان معسرا ففى ظاهر الرواية عن أصحابنا -رحمهم الله -تجب .وروى الزعفرانى عن أصحابنا أنها لا تجب وهو رواية النوادر(العناية شرح الهداية، ج ۹ ص ۵۱۶، كتاب الأضحية)

وإن كان المشترى فقيراً ذكر شيخ الإسلام خواهر زاده فى شرح كتاب الأضحية أن فى ظاهر رواية أصحابنا تصير واجبة للأضحية.

وروى الزعفرانى عن أصحابنا :أنها لا تصير واجبة وإلى هذا أشار شمس الأئمة السرخسى رحمه الله فى شرحه ، وذكر شمس الأئمة الحلوانى فى شرحه :أن فى ظاهر رواية أصحابنا لا تصير واجبة الأضحية، وذكر الطحاوى فى مختصره :أنها تصير واجبة، وأما إذا صرح بلسانه وقت الشراء أنه اشتراها ليضحى بها، فقد ذكر شمس الأئمة الحلوانى أنها تصير واجبة(المحيط البرهانى، ج۶ ص۸۷، كتاب الأضحية،الفصل الثانى فى وجوب الأضحية بالنذر، وما هو فى معناه)

(۲)

تحقيق سن الاضحية
وتوضيح المسنة و الثنية

(قربانی کے جانور کی عمر اور دو دانتوں کی شرعی حیثیت)

احادیث وروایات میں ''ضأن کے جذعہ کے علاوہ'' دوسرے قربانی کے جانوروں کے متعلق ''مسنّۃ'' اور ''ثنی'' یا ''ثنیہ'' کے الفاظ ہیں۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْبَحُوْا إِلَّا مُسِنَّةً ، إِلَّا أَنْ تَعْسُرَ عَلَيْكُمْ، فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِّنَ الضَّأْنِ (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم (قربانی میں) صرف مُسنّہ (جانور ہی) قربان کرو، الا یہ کہ تم پر یہ دشوار ہو جائے، تو تم دنبہ کے جذعہ کی قربانی کرلو (ترجمہ ختم)

اور قبیلۂ مزینہ کے ایک صحابی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ الْجَذَعَ يُوَفِّيْ مِمَّا يُوَفِّيْ مِنْهُ الثَّنِيُّ (سنن نسائی) [2]

ترجمہ: (دنبے کا) جذع اس چیز کی کفایت کردیتا ہے، جس کی ثنی کفایت کرتا ہے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

---

[1] رقم الحديث ۱۴۳۴۸ ،مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٔ، مسلم، رقم الحديث ۱۹۶۳ .
فی حاشية مسند احمد:إسناده على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير أبي الزبير فمن رجال مسلم.

[2] رقم الحديث ۴۳۸۳، كتاب الضحايا، باب المسنة والجذعة،مكتب المطبوعات الاسلامية، حلب.

إِنَّ الْجَذَعَةَ تُجْزِءُ مَا تُجْزِءُ مِنْهُ الثَّنِيَّةُ (سنن نسائی) [1]

ترجمہ: (دنبے کا) جذعہ اس چیز کی کفایت کر دیتا ہے، جس کی ثنیہ کفایت کر دیتا ہے (ترجمہ ختم)

اکثر اور بالخصوص حنفی فقہائے کرام نے ''مُسنّہ'' اور ''ثنی'' یا ''ثنیہ'' سے بڑی عمر کا جانور مراد لیا ہے، اونٹ کم از کم پانچ سال کا، گائے بھینس دو سال کی، اور بکرا ایک سال کا۔

اور ''جذعہ'' سے مراد ایک سال سے کم اور چھ ماہ یا اس سے زیادہ عمر کا دنبہ و بھیڑ ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۴۳۸۴، كتاب الضحايا، باب المسنة والجذعة، مكتب المطبوعات الاسلامية، حلب.

[2] (لا تذبحوا إلا مسنة) : وهي الكبيرة بالسن، فمن الإبل التي تمت لها خمس سنين ودخلت في السادسة، ومن البقر التي تمت لها سنتان ودخلت في الثالثة، ومن الضأن والمعز ما تمت لها سنة، كذا قاله ابن الملك .(إلا أن يعسر) أي :يصعب .(عليكم) أي :ذبحها، بأن لا تجدوها قاله ابن الملك .والظاهر أي :يعسر عليكم أداء ثمنها .قال ابن الملك :قوله :(إلا أن يعسر) بهذا قال بعض الفقهاء :الجذعة لا تجزء في الأضحية إذا كان قادرا على مسنة، ومن قال بجوازه حمل الحديث على الاستحباب اهـ .وهو المعتمد في المذهب. ويؤيده حديث نعمت الأضحية الجذعة من الضأن وروى أحمد وغيره :ضحوا بالجذعة من الضأن فإنه جائز .(فذبحوا جذعة) : بفتحتين .(من الضأن) : بالهمز ويبدل ويحرك خلاف المعز من الغنم، وهو ما يكون قبل السنة قاله ابن الملك، لكن يقيد بأنها تكون بنت ستة أشهر تشبه ما لها سنة لعظم جثتها .وفي النهاية :الجذع من أسنان الدواب، وهو ما يكون منها شابا فهو من الإبل ما دخل في المسنة، ومن البقر ما دخل في الثانية، ومن الضأن ما تمت له سنة، وقيل :أقل منها، وفي شرح السنة :اتفقوا على أنه لا يجوز من الإبل والبقر إلا الثني، وهو من الإبل ما استكمل خمس سنين، ومن البقر والمعز ما استكمل سنتين وطعن في الثالثة، وأما الجذع من الضأن فاختلفوا فيه، فذهب أكثر أهل العلم من الصحابة ومن بعدهم إلى جوازه، غير أن بعضهم يشترط أن يكون عظيما، وقال الزهري :لا يجوز من الضأن إلا الثني فصاعدا كالإبل والبقر، والأول أصح لما ورد :نعمت الأضحية الجذعة من الضأن اهـ .لكن قوله :المعز ما استكمل سنتين مخصوص بمذهب الشافعي، ففي التعبير بالاتفاق تخالف .قال في الأزهار :النهي في قوله :لا تذبحوا للحرمة في الإجزاء، وللتنزيه في العدول إلى الأدنى، وهو المقصود في الحديث بدليل .(إلا أن يعسر عليكم) والعسر قد يكون لغلاء ثمنها، وقد يكون لفقدها وعزتها، ومعنى الحديث الحمل والحث على الأكمل والأفضل، وهو الإبل، ثم البقر، ثم الضأن، وليس المراد الترتيب والشرط .وقال بعض الشارحين :المراد بالمسنة هنا البقرة فقط، وليس كذلك ولا مخصص لها، ذكره السيد (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۳ص ۱۰۷۹، كتاب الصلاة، باب في الأضحية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ بعض فقہاء اور اہلِ لغت نے ’’مسنہ‘‘ کو سن یعنی دانت سے ماخوذ اور ’’ثنیہ‘‘ کو دو دانت کے معنیٰ میں قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ جب جانور کے سامنے کے کچے اور دودھ کے دو دانت ٹوٹنے کے بعد پختہ دو دانت نکل آئیں، تو اس جانور کو مسنۃ یا ثنیۃ کہا جاتا ہے، جس کو ہماری بول چال میں ’’دوندا‘‘ کہتے ہیں۔

اور ان دانتوں سے جانوروں کی عمروں کو پہچانا جاتا ہے، چنانچہ بکری اور بکرے کے ایک سال مکمل ہونے پر اور گائے، بھینس کے دو سال مکمل ہونے پر، اور اونٹ اور اونٹنی کے پانچ سال مکمل ہونے پر عام حالات میں سامنے کے پختہ دو دانت نکل آتے ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(والثنی فصاعدا من الجميع) وهو ابن خمس من الإبل وحولين من البقر والجاموس وحول من الشاة والمعز(مجمع الانهر، ج۲ص۵۱۹، كتاب الاضحية)

(وهو) أى الثنى (ابن حول من الضأن والمعز و) ابن (حولين من البقر و) ابن (خمس من الإبل) ويدخل فى البقر الجاموس، لأنه فى جنسه(شرح النقاية، ج۴ص۲۴۷، كتاب الاضحية)

[1] قَوْله الا مُسِنَّة اسْم فَاعل من أَسِنَت إِذا طلع سنّهَا وَذَلِكَ بعد السنتين لَا من أسن الرجل إِذا كبر (حاشية السندى على سنن نسائى، ج۷ص۲۱۸، كتاب الضحايا)

والسن هى المعروفة، والمراد بها هنا ذات سن إطلاقا للبعض على الكل أو سمى بها صاحبها كما سمى المسنة من النوق بالناب؛ لأن السن مما يستدل به على عمر الدواب(البحر الرائق، ج۲ص۲۳۸، كتاب الزكاة)

(وفى أربعين مسن ذو سنتين أو مسنة)(الدرالمختار)

(قوله :مسن) بضم الميم وكسر السين مأخوذ من الأسنان :وهو طلوع السن فى هذه السنة لا الكبر قهستانى عن ابن الأثير ط(ردالمحتار، ج۲ص۲۸۰، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم)

(قوله من ذات سن) أشار بتقدير المضاف تبعا للنهر إلى أن المراد بالسن معناها الحقيقى واحدة الأسنان، لكن قال فى المغرب :السن هى المعروفة، ثم سمى بها صاحبها كالناب للمسنة من النوق، ثم استعيرت لغيره كابن المخاض وابن اللبون .اهـ.

زاد فى الدرر وذلك إنما يكون فى الدواب دون الإنسان؛ لأنها تعرف بالسن اهـ أى سميت بذلك؛ لأن عمرها يعرف بالسن بخلاف الآدمى، ومقتضاه أنه مجاز فى اللغة من إطلاق اسم البعض على الكل كالرقبة على المملوك فلا حاجة إلى تقدير مضاف إلا أن يريد الإشارة إلى تجويز كونه من مجاز الحذف تأمل (ردالمحتار، ج۲ص۲۸۷، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم)

والبقَرَةُ والشاةُ يقع عليهما اسم المُسِنّ إذا أَثْنَتا فإِذا سقطت ثَنِيَّتُهما بعد طلوعها فقد أَسَنَّتْ وليس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں باتوں میں درحقیقت کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، کیونکہ اصل دارومدار تو جانور کی عمر کے مکمل ہونے پر ہے، لہٰذا جب جانور کی عمر مکمل ہوجائے، تو اس کی قربانی جائز ہے، خواہ پختہ دو دانت بھی نہ نکلے ہوں، کیونکہ آب وہوا، غذا اور نسل کے فرق کی وجہ سے ان دانتوں کے نکلنے کی عمر میں کمی بیشی کا امکان ہوتا ہے۔

البتہ جب کسی جانور کے بارے میں کسی معتبر ذریعہ سے عمر کے پورا ہونے کا علم واطمینان نہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

معنى إِسْنانها كِبَرَها كالرجل ولكن معناه طُلوع ثَنِيَّتها وتُثْنى البقرةُ فى السنة الثالثة وكذلك المِعْزَى تُثْنى فى الثالثة ثم تكون رَباعِيَة فى الرابعة ثم سِدْساً فى الخامسة ثم سَالِغاً فى السادسة وكذلك البقر فى جميع ذلك وروى مالك عن نافع عن ابن عمر أَنه قال يُتَّقَى من الضحايا التى لم تُسْنَنْ بفتح النون الأُولى وفسره التى لم تَنْبُتْ أَسنانها كأَنها لم تُعْطَ أَسْناناً كقولك لم يُلْبَنْ أَى لم يُعْطَ لَبَناً ولم يُسْمَنْ أَى لم يُعْطَ سَمْناً وكذلك يقال سُنَّتِ البَدَنة إذا نبتت أَسنانها وسَنَّها الله وقول الأَعشى بحِقَّتِها رُبِطَتْ فى اللَّجِينِ حتى السَّدِيسُ لها قد أَسَنّ أَى نَبت وصار سِنّاً قال هذا كله قول القتيبى قال وقد وَهِمَ فى الرواية والتفسير لأَنه روى الحديث لم تُسْنَنْ بفتح النون الأُولى وإنما حفظه عن مُحَدِّث لم يَضْبطْه وأَهل الثَّبْتِ والضَّبْطِ رووه لم تُسْنِنْ بكسر النون قال وهو الصواب فى العربية والمعنى لم تُسِنَّ فأَظهر التضعيف لسكون النون الأَخيرة كما يقال لم يُجْلِلْ وإِنما أَراد ابن عمر أَنه لا يُضَحَّى بأُضحية لم تُثْنِ أَى لم تصر ثَنِيَّة وإذا أَثْنَتْ فقد أَسَنَّتْ وعلى هذا قول الفقهاء وأَدنى الأَسْنان الإِثْناءُ وهو أَن تنبت ثَنِيَّتاها وأَقصاها فى الإِبل البُزُول وفى البقر والغنم السُّلُوغ قال والدليل على صحة ما ذكرنا ما روى عن جَبَلة ابن سُحَيْم قال سأَل رجل ابن عمر فقال أأُضَحِّى بالجَذَعِ ؟ فقال ضَحّ بالثَّنِيِّ فصاعداً فهذا يفسر لك أَن معنى قوله يُتَّقَى من الضحايا التى لم تُسْنِنْ أَراد به الإِثْناءَ قال وأَما خطأُ القُتَيْبىّ من الجهة الأُخرى فقوله سُنِّنَتِ البدنة إذا نبتت أَسْنانُها وسَنَّها الله غيرُ صحيح ولا يقوله ذو المعرفة بكلام العرب وقوله لم يُلْبَنْ ولم يُسْمَنْ أَى لم يُعْطَ لَبَناً وسُناً خطأٌ أَيضاً إنما معناهما لم يُطْعَمْ سمناً ولم يُسْقَ لبناً والمَسَانُّ من الإِبل خلافُ الأَفْتاءِ وأَسَنَّ سَدِيسُ الناقة أَى نبت وذلك فى السنة الثانية وأَنشد بيت الأَعشى بحِقَّتِها رُبِطَت فى اللَّجِينِ حتى السَّدِيسُ لها قد أَسَنّ يقول قيمَ عليها منذ كانتِ حِقَّةً إلى أَن أَسْدَسَتْ فى إطعامها وإِكرامها وقال القُلاخُ بِحِقِّه رُبِّطَ فى خَبْطِ اللُّجُنْ يُقْفَى به حتى السَّدِيسُ قد أَسَنّ وأَسَنَّها اللهُ أَى أَنْبَتها وفى حديث عمر رضى الله تعالى عنه أَنه خطب فذكر الربا فقال إن فيه أَبواباً لا تَخْفى على أَحدٍ منها السَّلَمُ فى السِّنِّ يعنى الرقيقَ والدوابَّ وغيرهما من الحيوان أَراد ذوات السِّنّ وسِنُّ الجارحة مؤَنثة ثم استعيرت للعُمُر استدلالاً بها على طوله وقصره وبقيت على التأْنيث(لسان العرب، ماده سنن)

وَأَسَنَّ الْإِنْسَانُ وَغَيْرُهُ إسْنَانًا إذَا كَبِرَ فَهُوَ مُسِنٌّ وَالْأُنْثَى مُسِنَّةٌ وَالْجَمْعُ مَسَانٌّ قَالَ الْأَزْهَرِيُّ وَلَيْسَ مَعْنَى إسْنَانِ الْبَقَرِ وَالشَّاةِ كِبَرُهَا كَالرَّجُلِ وَلَكِنْ مَعْنَاهُ طُلُوعُ الثَّنِيَّةِ (المصباح المنير فى غريب الشرح الكبير، كتاب السين، باب السين مع النون)

ہو، تو پھر پختہ دو دانتوں کے مکمل نکل آنے کو عمر کے پورا ہونے کی علامت قرار دیا جانا ممکن ہے۔
اس سلسلہ میں چند اُردو فتاویٰ نقل کئے جاتے ہیں۔

امدادُ الفتاویٰ میں ہے کہ:

تفسیر معتبر و مدار حکم عمر خاص ہی کے ساتھ ہے، مگر چونکہ اس عمر خاص میں اکثر دانت بھی طلوع ہو جاتے ہیں، اس لئے اہلِ لغت طلوعِ سن سے تفسیر کر دیتے ہیں، ورنہ دانت نکلنے پر مدار حکم نہیں ہے، شیخ موصوف ہی نے بعد دعویٰ اتحاد سنہ وثنیہ کے لکھا ہے "وهو من الابل مااستكمل خمس سنين وطعن فى السادسة ومن البقر ما استكمل سنتين ومن الغنم ضانا كان او معزا مااستكمل سنة هكذا فى الهداية" چنانچہ بعض اوقات خود اہلِ لغت بھی عمر ہی کے ساتھ تفسیر کر دیتے ہیں، چنانچہ تلخیص النہایہ میں ہے کہ "والمسن من البقر ما دخل فى السنة الثالثة اهـ" (ج۲ص۲۰۳) اور اس سے یہ توہّم نہ کیا جاوے کہ سن بعمر لیا گیا ہے، سن تو بمعنیٰ دندان ہے، لیکن طلوعِ دندان چونکہ عادۃً اس عمر میں ہوتا ہے، اس لئے عمر کے ساتھ تفسیر کر دی، خواہ دانت طلوع ہو یا نہ ہو، اور جب کہ فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ اکثر دانتوں کا ہونا یا اتنے دانتوں کا ہونا جس سے گھاس کھا سکے، جوازِ تضحیہ کے لئے کافی ہے، تو کسی خاص دانت کے نکلنے پر کیسے مدار ہوگا، فی الدر المختار "ولا بالتهماء التى لااسنان لها ويكفى بقاء الاكثر وقيل ما تعتلف به" (امدادالفتاویٰ ج۳ص۶۱۳، کتاب الذبائح والاضحیۃ والصید والعقیقۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ اصل دارومدار جانور کی عمر پورا ہونے پر ہے، لیکن اس عمر میں اکثر جانوروں کے عادتاً دو دانت بھی نکل آتے ہیں، اس لئے بعض اوقات دانتوں کے نکل آنے سے بھی تفسیر کر دی جاتی ہے۔
لیکن اس کا مقصود بھی عمر کے پورا ہونے کو بتلانا ہوتا ہے، جس پر کہ اصل مدار ہے۔

اور کفایت المفتی میں ہے کہ:

قربانی کے لیے جانوروں کی عمریں متعین ہیں، بکری بکرا ایک سال کا ہو، اور گائے دوسال کی، چونکہ اکثری حالات میں جانوروں کی صحیح عمر معلوم نہیں ہوتی، اس لیے ان کے دانتوں کو عمر معلوم کرنے کا اور اس پر عمل کرنے کا احتیاطاً حکم دیا گیا ہے، دانتوں کی علامت ایسی ہے کہ اس میں کم عمر کا جانور نہیں آ سکتا، ہاں زیادہ عمر کا جانور آ جائے تو ممکن ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پس اگر کسی شخص کے گھر بکرا ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو پیدا ہوا، اور اسی کے گھر پرورش پاتا رہا، تو آئندہ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو وہ ایک سال نو دن کا ہوگا، اب اگر اس کے پکے دانت نہ نکلے ہوں، تب بھی وہ اس کی قربانی کرسکتا ہے، کیونکہ اس کی عمر یقیناً ایک سال کی پوری ہوکر آٹھ نو روز زائد کی ہوچکی ہے، لیکن وہ یہ حکم نہیں دے سکتا کہ بے دانت کا ہر بکرا قربانی کیا جاسکتا ہے، خواہ اس کی عمر کا یکسالہ ہونے کا یقین ہو یا نہ ہو۔

بس میرے خیال میں یہ بات صحیح ہے مسنۃ کے معنیٰ دانت والے اور سال بھر والے دونوں ہوسکتے ہیں۔

لیکن سال بھر کا ہونا کسی بکرے کا جس کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہو، یا مشتبہ ہو، بغیر دو دانتوں کے معلوم نہیں ہوسکتا، اس لیے عام حکم یہی دینا مناسب تھا اور وہی دیا گیا (کفایت المفتی، جلد۸صفحہ۲۱۷، کتاب الاضحیۃ والذبیحۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ مسنہ کے معنیٰ سال اور دانت دونوں ممکن ہیں، اور اگر جانور کی عمر پوری ہو تو اس کی قربانی جائز ہے، خواہ سامنے کے پکے دو دانت بھی نہ نکلے ہوں، لیکن اگر جانور کی عمر مشتبہ ہو تو دانتوں کو عمر معلوم کرنے اور اس پر عمل کرنے کا احتیاطاً حکم دینا مناسب ہے۔

اور فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ:

جس طرح سال بھر کا ہونے کے باوجود دو دانت ہونا لازم نہیں، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ سال بھر سے پہلے ہی دانت ہوجائیں، کیونکہ علامات سے ان کے متعلقات کا تخلف کچھ محال نہیں، چنانچہ شیخ المحققین ابن الہمام نے فتح القدیر، کتاب الصوم، باب مایوجب القضاء والکفارۃ، میں تحریر فرمایا ہے:

"فإن المراد بالدليل الأمارة وهي مما قد يجزم بتخلف متعلقها مع قيامها، كوقوف بغلة القاضي على بابه مع العلم بأنه ليس في داره" (فتح القدير ج۲ ص۲۶۷)

لہٰذا دو دانت ہونے پر بھی ایک سال کی عمر کا حکم لگانا قطعی نہیں (فتاویٰ محمودیہ مبوب، ج۱۷ص۳۶۸، فصل فی سن الاضحیۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ عمر پوری ہونے کے لئے سامنے کے پختہ دو دانت ہونا لازم اور ضروری نہیں، بلکہ یہ علامت کے درجہ کی چیز ہے، اور ان کا عمر کے پورا ہونے سے اختلاف ممکن ہے۔

اور فتاویٰ رحیمیہ میں ہے کہ:

اور شرط یہ ہے کہ گائے بھینس دو سال سے کم کی نہ ہو، اور اونٹ پانچ سال سے کم نہ ہو، اور بھیڑ بکری ایک سال سے کم کی نہ ہو، اور چھ ماہ کا دنبہ جس کا ساتواں مہینہ شروع ہوا ہو، وہ جائز ہے، حدیث شریف میں لفظ "مسنۃ" آیا ہے، جس کے معنیٰ دو ہیں: سن رسیدہ جانور، دانت والا جانور۔

فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے عمر کا اعتبار کیا اور دانت کو اس کی علامت قرار دیا ہے، قربانی کا جانور "مسنۃ" ہو، یعنی سن رسیدہ، تو اس کی قربانی درست ہے، دانت کی علامت ہو تو بہتر ہے، دانت کی علامت پر مدار نہیں، دانت سن رسیدگی کی علامت ہے۔

مثال کے طور پر لڑکا، لڑکی سن رسیدگی سے بالغ ہوجاتے ہیں، اور شرعی احکام کے

مکلّف ہوجاتے ہیں، اور شادی کے قابل ہوجاتے ہیں، اور بلوغ کی علامت حیض اور احتلام ظاہر ہو یا نہ ہو، اگر کسی لڑکی کو سن رسیدگی کے بعد بھی حیض نہ آئے، تب بھی وہ بالغہ ہے، اس طرح قربانی کا جانور سن رسیدہ ہو، تو قربانی درست ہے، دانت کی علامت ہو یا نہ ہو، سن رسیدگی کا یقین ہونا ضروری ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ، ج۱۰ص۴۸، کتاب الاضحیہ، باب من الاضحیۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ مسنّۃ کے معنیٰ سن رسیدہ اور دو دانت والے دونوں ہیں۔

اور اصل مدار عمر کے پورا ہونے پر ہے، اور دانت ایک علامت کے درجہ کی چیز ہے، لہٰذا عمر پوری ہو اور پختہ دو دانت نہ ہوں تو قربانی جائز ہے، عمر پوری ہونے کا یقین واطمینان حاصل کر لینا ضروری ہے۔

اور احسن الفتاویٰ میں ایک سوال اور جواب درجِ ذیل طریقہ پر ہے کہ:

سوال: کبھی بکری کی عمر ایک سال اور گائے کی دو سال ہوجاتی ہے، مگر دانت ظاہر نہیں ہوتے، کیا ان کی قربانی جائز ہے؟

جواب: عمر پوری ہونے کا اطمینان ہو، تو جائز ہے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم (احسن الفتاویٰ ج۷ص۵۲۰)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر جانور کے پختہ دو دانت نہ ہوں، لیکن عمر پوری ہونے پر اطمینان ہو تو قربانی جائز ہے۔

اور موجودہ دور کے ماہرینِ فن کی تحقیق بھی مذکورہ فقہائے کرام اور اہلِ لغت کی مذکورہ تحقیق سے مختلف ثابت نہیں ہوسکی۔

کہ انہوں نے بھی نسل، آب وہوا اور غذا کے مختلف ہونے کی وجہ سے پختہ دانتوں کے مختلف عمروں میں نکلنے اور مکمل ہونے کا اعتراف کیا ہے، اور دانتوں کو جانور کی عمر کے پہچاننے کی علامت قرار دیا ہے، اور عام حالات میں بکرے اور بکری میں ایک سال مکمل ہونے پر اور

گائے، بھینس میں دو سال مکمل ہونے پر اور اونٹ میں پانچ سال مکمل ہونے پر دو سامنے کے پختہ دانت مکمل طور پر (نہ کہ ناقص طور پر) نکل آنے کا اعتراف کیا ہے۔ [۱]

خلاصہ یہ کہ دنبے اور بھیڑ کے چھ مہینے مکمل ہونے پر (جبکہ وہ سال بھر کے دنبوں کی طرح

---

[۱] (TEETH AND AGE OF THE GOAT)

The eight teeth in the lower front jaw of your goat can help you to tell his age. They are not an exact or perfect guide, as various factors such as diet will influence the growth of teeth. Also, every goat is an individual just like you and your friends. Remember, not all your baby teeth fell out at the same time as those of other children in your classes. A goat's teeth may grow and fall out at slightly different ages than the teeth of any other goat............

The goat loses the two middle front teeth when it is around 12 months old, and they are replaced by larger, permanent teeth.

(Teeth and age of the Goat by Dr. E. A. B. Oltenacu)

(http://www.ansci.cornell.edu/4H/meatgoats/meatgoatfs11.htm)

(Determining the age of cattle by their teeth)

Factors such as nutritional background, inheritance and geographical location account for these differences............

Eruption of the first permanent incisors (central) occurs when the animal is 19 to 20 months of age. this eruption is a gradual process.

(http://www.agrovetmarket.com/TechnicalArticlesUI.aspx?.language=2&.article=118)

(AGEING CAMELS BY EXAMINATION OF TEETH)

At 4 years deciduous incisors have worn down to small irregularly shaped, loose stumps. At 4.5 - 5 years lower deciduous premolars are shed and are usually not replaced. Permanent central incisors erupt behind the deciduous stumps (if latter still present).

At 5 - 5.5 years upper permanent premolars 2 & 3's, and permanent lower premolar 2's erupt. Deciduous lateral incisors are shed. Upper and lower molar 1's and 2's are in wear and molar 3's about to erupt.

(http://www.camelsaust.com.au/liveage.htm)

ملحوظ رہے کہ مذکورہ ماہرین کی رائے انگریزی سال وماہ کے اعتبار سے ہے، جبکہ شرعاً قربانی کے جانور کی عمر کا اعتبار قمری سال وماہ کے اعتبار سے ہے، اور قمری سال عموماً تین سو چوّن دن کا، اور انگریزی سال تین سو پینسٹھ دن کا ہوتا ہے۔

اس حساب سے قمری سال، مروجہ عیسوی سال سے تقریباً دس دن کم کا ہوتا ہے۔

تندرست وتوانا ہو) اور بکرے، بکری کے ایک سال مکمل ہونے پر اور گائے، بیل، بھینس اور بھینسے کے دوسال مکمل ہونے پر اور اونٹ اور اونٹنی کے پانچ سال مکمل ہونے پر قربانی جائز ہے، خواہ اُس کے سامنے کے دودانت بھی نہ نکلے ہوں، کیونکہ اصل دارومدار عمر کے پورا ہونے پر ہے، پس اگر عمر پوری ہونے کا یقین یا اطمینان ہو تو قربانی جائز ہے۔

اور اگر کسی جانور کے بارے میں عمر پوری ہونے کا یقین نہ ہو، اور نہ ہی کسی معتبر ذریعہ سے علم واطمینان حاصل ہوسکے، تو سامنے کے دودانتوں کے مکمل نکل آنے کو قربانی کے اعتبار سے جانور کی عمر کے مکمل ہونے کی علامت قرار دینا درست ہے۔

لیکن اگر کسی نے دودانت ہونے کی رعایت نہیں کی، اور اپنی طرف سے، جانور کے فروخت کرنے والے مسلمان کے بیان پر اعتبار کرتے ہوئے عمر پوری سمجھ کر قربانی کردی، تو اس کی قربانی کا اعادہ واجب نہیں ہوگا۔

وہ الگ بات ہے کہ فروخت کنندہ غلط بیانی سے کام لیتا ہے، تو اس پر اس کا پورا پورا وبال ہوگا۔

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان

۸/ شعبان/ ۱۴۳۲ھ 09 / جولائی/ 2011ء بروز پیر

ادارہ غفران راولپنڈی

(۳)

من لم يجد السعة

هل عليه التضحية؟

آج کل بعض لوگ صاحبِ نصاب شخص کے بارے میں یہ شکایت کیا کرتے ہیں کہ موجودہ دور میں قربانی کے جانور کی قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے قربانی کرنے میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں، اس لئے اس سلسلہ میں گنجائش کا راستہ نکالنا چاہئے۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ احادیث میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وکیل کو بکری خریدنے کے لئے ایک دینار فراہم کرنے اور وکیل کا ایک دینار میں دو بکریاں اور آدھے دینار میں ایک بکری خریدنے کا ذکر ملتا ہے۔

چنانچہ حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ دِيْنَارًا يَشْتَرِيُ لَهُ بِهِ شَاةً، فَاشْتَرٰى لَهُ بِهِ شَاتَيْنِ، فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِيْنَارٍ، وَجَاءَهُ بِدِيْنَارٍ وَشَاةٍ، فَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِيْ بَيْعِهِ، وَكَانَ لَوِ اشْتَرَى التُّرَابَ لَرَبِحَ فِيْهِ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہ بارقی کو ایک دینار دیا، تاکہ وہ (بطورِ وکیل) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے (قربانی کی) ایک بکری خریدیں، تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس ایک دینار کی دو بکریاں خرید لیں، پھر ان میں سے ایک بکری کو ایک دینار کے بدلے میں فروخت کر دیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دینار اور بکری کو لے کر حاضر ہوئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے خرید وفروخت میں برکت کی دعا فرمائی، جس کے بعد حضرت عروہ اگر مٹی بھی خرید لیتے تھے، تو اس میں بھی انہیں نفع ہوتا تھا (ترجمہ ختم)

---

[1] رقم الحديث ۳۶۴۲، كتاب المناقب، دارطوق النجاة، بيروت، واللفظ لهٔ، مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۳۷۷۴۶.

اور حضرت حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهُ يَشْتَرِيْ لَهُ أُضْحِيَّةً بِدِيْنَارٍ، فَاشْتَرَاهَا ثُمَّ بَاعَهَا بِدِيْنَارَيْنِ، فَاشْتَرٰى شَاةً بِدِيْنَارٍ وَجَاءَ بِدِيْنَارٍ، فَدَعَا لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَرَكَةِ، وَأَمَرَهُ أَنْ يَّتَصَدَّقَ بِالدِّيْنَارِ (المعجم الكبير للطبراني) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لئے ایک دینار کی قربانی کا جانور خریدنے کے لئے (وکیل بنا کر) بھیجا، تو انہوں نے قربانی کا جانور خرید لیا، پھر اس کو دو دینار میں فروخت کر دیا، پھر ایک دینار کی بکری خرید لی، اور (بکری اور) ایک دینار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی، اور ان کو ایک دینار کے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا (ترجمہ ختم)

اور ایک دینار کی مقدار ایک مثقال کے برابر ہوتی ہے۔ [2]

اور ایک مثقال اکثر علماء کے نزدیک ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے (کذافی: جواہر الفقہ ج ۳ ص ۴۱۰، ۴۱۱، رسالہ اوزانِ شرعیہ، طبع جدید: نومبر 2010ء، مکتبہ دار العلوم کراچی)

اور ساڑھے چار ماشہ سونے کا وزن موجودہ رائج وزن کے لحاظ سے 4 گرام 374 ملی گرام کا ہوتا ہے۔

اور آج کے دن (مورخہ: 16 جولائی 2011ء) کو صرافہ بازار، راولپنڈی سے سونے کی

---

[1] رقم الحديث ۳۱۳۳، مكتبة ابنِ تيمية، القاهرة، ورقم الحديث ۳۱۳۴، واللفظ لهٗ، سنن ترمذی رقم الحديث ۱۲۵۷.

[2] وحاصله أن الدينار اسم للقطعة من الذهب المضروبة المقدرة بالمثقال، فاتحادهما من حيث الوزن (ردالمحتار، ج۲ص ۲۹۶، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)
قلت: عشرون قيراطا من الذهب هو مثقال وهو الدينار الواحد، والدينار الواحد ستة دوانق، والدوانق: جمع دانق، والدانق: بكسر النون وفتحها وهو قيراطان، قاله فى "المغرب" (البناية شرح الهداية، ۳ص ۳۷۱، كتاب الزكاة، فصل فى الفضة)

قیمت پچاس ہزار دوسو (50200) روپے فی تولہ معلوم ہوئی، جس کے حساب سے ساڑھے چار ماشہ کی قیمت اٹھارہ ہزار آٹھ سوپچیس (18825) روپے بنتی ہے، اور اس کے آدھے نو ہزار چار سو تیرہ (9413) روپے بنتے ہیں۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری کے لئے تقریباً انیس ہزار سے زائد کی رقم فراہم کی تھی، لیکن تقریباً ساڑھے نو ہزار میں ایک بکری خرید لی گئی تھی۔

اور موجودہ دور میں بھی ساڑھے نو ہزار کی مالیت میں ایک درمیانی درجہ کی بکری کی خریداری ممکن ہوتی ہے، اور انیس ہزار میں تو درمیانے درجہ سے بھی اونچے درجہ کی خریدی جاسکتی ہے۔

اور اگر گائے کے ساتویں حصہ میں شرکت کی جائے، تو وہ اس سے بھی کم قیمت میں حاصل ہوسکتا ہے۔

لہٰذا مذکورہ صورتِ حال میں قربانی کی قیمت میں مہنگائی کا اشکال زیادہ اہمیت کا حامل معلوم نہیں ہوتا۔

البتہ اگر کوئی شخص ادنیٰ نصاب (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی) یا اتنی مالیت کے بقدر رقم یا تجارت کے مال یا ضرورت سے زائد سامان کا مالک ہے، لیکن وہ اس رقم کا سخت ضرورت مند ہے، مثلاً کوئی ضروری علاج معالجہ درپیش ہے، جس کے لئے اس نے کسی طرح سے رقم جمع کر کے رکھی ہوئی ہے، اور اسی حال میں قربانی کے دن شروع ہوجاتے ہیں، اور قربانی کے دن ختم ہونے سے پہلے اس مال کو اس ضرورت میں صَرف وخرچ کر کے صاحبِ نصاب ہونے سے بچنے کی بھی صورت نہیں۔

اور دوسری طرف اس پر اگر قربانی کو واجب قرار دیا جائے، تو اسے اپنی مذکورہ ضرورت پوری کرنے میں سخت مشکلات کا سامنا ہے۔

تو ایسی صورت میں مذکورہ اور اس جیسی حالت میں مبتلیٰ بہٖ شخص کے حق میں قربانی کے سنتِ

مؤکدہ ہونے اور سنتِ مؤکدہ کے اتفاقاً بوجہ عذر ترک سے گناہ گار نہ ہونے کے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، بالخصوص جبکہ قربانی کی مالی حیثیت میں حدیث میں ''سعۃ'' کے الفاظ آئے ہیں، اور مذکورہ شخص کے حق میں سخت ضرورت منداور ادنی درجہ کے نصاب کا مالک ہونے کی وجہ سے ''سعۃ'' کی دلالت کو کمزور قرار دیا جاسکتا ہے۔ [1]

جمہور فقہائے کرام رحمہم اللہ کے نزدیک قربانی سنت اور امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک، اور بعض حضرات کے بقول صرف ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی سنتِ مؤکدہ ہے۔ [2]

---

[1] أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ، وَلَمْ يُضَحِّ، فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۳۱۲۳، كتاب الاضاحى، باب الأضاحى، واجبة هى أم لا، دار إحياء الكتب العربية، القاهرة، واللفظ لهٗ، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۷۵۶۵، سنن دارقطنى، رقم الحديث ۴۷۶۲، عن ابى هريرة)

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ"

وقال الذهبى فى التلخيص: صحيح.

[2] واختلف هل هى سنة أو واجبة؟ فقال مالك، والشافعى، وأحمد، وصاحبا أبى حنيفة: هى سنة مؤكدة. وقال أبو حنيفة: هى واجبة على المقيمين من أهل الأمصار، واعتبر فى وجوبها النصاب (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۳ص۱۰۷۷، باب فى الأضحية)

واختلفوا فيها فقال سعيد بن المسيب وعطاء بن أبى رباح وعلقمة والأسود والشافعى وأبو ثور: لاتجب فرضا لكنها مندوب إليها من فعلها كان مثابا ومن تخلف عنها لا يكون آثما وروى ذلك عن أبى بكر وعمر وأبى مسعود البدرى وبلال. وقال الليث وربيعة: لا نرى أن يتركها الموسر المالك لأمر الاضحية، وقال مالك: لا يتركها فإن تركها بئس ما صنع إلا أن يكون له عذر، وحكى عن النخعى أنه قال: الأضحى واجب على أهل الأمصار ما خلا الحجاج وقال ابن المنذر: قال محمد بن الحسن: الأضحى واجب على كل مقيم فى الأمصار إذا كان موسرا. وقال أبو حنيفة وأبو يوسف تجب على الحر المقيم المسلم الموسر، وتخصيص ابن المنذر يقول محمد وحده لا وجه له، وتحرير مذهبنا ما قاله صاحب (الهداية) بالأضحية واجبة على كل مسلم حر مقيم موسر فى يوم الأضحى عن نفسه وعن ولده الصغار، أما الوجوب فقول أبى حنيفة ومحمد وزفر والحسن وإحدى الروايتين عن أبى يوسف وعن أبى يوسف، إنها سنة وذكر الطحاوى إنها على قول أبى حنيفة واجبة، وعلى قول أبى يوسف ومحمد سنة مؤكدة (عمدة القارى، ج۲۱ص۱۴۴، كتاب الأضاحى، باب سنة الأضحية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی واجب ہے، لیکن فقہائے احناف کی تصریح کے مطابق اس کا وجوب دیگر عام واجبات مثلاً صدقۂ فطر اور سجدۂ تلاوت وغیرہ سے اہون ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واختلف السلف وفقهاء الأمصار فى وجوب الأضحية(أحكام القرآن للجصاص ،ج٣ص ٣٢٢ ، سورة الحج،مطلب فى الأضحية)

(الأضحية واجبة على كل حر مسلم مقيم موسر فى يوم الأضحى عن نفسه وعن ولده الصغار) أما الوجوب فقول أبى حنيفة ومحمد وزفر والحسن وإحدى الروايتين عن أبى يوسف رحمهم الله .

وعنه أنها سنة ، ذكره فى الجوامع وهو قول الشافعى .

وذكر الطحاوى أن على قول أبى حنيفة واجبة ، وعلى قول أبى يوسف ومحمد سنة مؤكدة ، وهكذا ذكر بعض المشايخ الاختلاف(الهداية شرح البداية ،ج٤ص ٣٥٥،كتاب الأضحية)

وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي وُجُوبِ الْأُضْحِيَّةِ عَلَى الْمُوسِرِ فَقَالَ جُمْهُورُهُمْ هِيَ سُنَّةٌ فِي حَقِّهِ إِنْ تَرَكَهَا بِلَا عُذْرٍ لَمْ يَأْثَمْ وَلَمْ يَلْزَمْهُ الْقَضَاءُ وَمِمَّنْ قَالَ بِهَذَا أَبُو بكر الصديق وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَبِلَالٌ وَأَبُو مَسْعُودٍ الْبَدْرِيُّ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ وَعَلْقَمَةُ وَالْأَسْوَدُ وَعَطَاءٌ وَمَالِكٌ وَأَحْمَدُ وَأَبُو يُوسُفَ وَإِسْحَاقُ وَأَبُو ثَوْرٍ وَالْمُزَنِيُّ وابن الْمُنْذِرِ وَدَاوُدُ وَغَيْرُهُمْ وَقَالَ رَبِيعَةُ وَالْأَوْزَاعِيُّ وَأَبُو حَنِيفَةَ وَاللَّيْثُ هِيَ وَاجِبَةٌ عَلَى الْمُوسِرِ وَبِهِ قَالَ بَعْضُ الْمَالِكِيَّةِ وَقَالَ النَّخَعِيُّ وَاجِبَةٌ عَلَى الْمُوسِرِ إِلَّا الْحَاجَّ بِمِنًى وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ وَاجِبَةٌ عَلَى الْمُقِيمِ بِالْأَمْصَارِ وَالْمَشْهُورُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ إِنَّمَا يُوجِبُهَا عَلَى مُقِيمٍ يملك نصابا والله أعلم(شرح النووى ،ج١٣ص ١١٠،كِتَابُ الْأَضَاحِي ،بَابُ وَقْتِهَا)

ل (قوله عملا لا اعتقادا) اعلم أن الفرض ما ثبت بدليل قطعى لا شبهة فيه كالإيمان والأركان الأربعة، وحكمه اللزوم علما :أى حصول العلم القطعى بثبوته وتصديقا بالقلب :أى لزوم اعتقاد حقيته وعملا بالبدن حتى يكفر جاحده ويفسق تاركه بلا عذر .والواجب ما ثبت بدليل فيه شبهة كصدقة الفطر والأضحية، وحكمه اللزوم عملا كالفرض لا علما على اليقين للشبهة، حتى لا يكفر جاحده ويفسق تاركه بلا تأويل كما هو مبسوط فى كتب الأصول .ثم إن الواجب على مراتب كما قال القدورى بعضها آكد من بعض .فوجوب سجدة التلاوة آكد من وجوب صدقة الفطر، ووجوبها آكد من وجوب الأضحية اهـ وذلك باعتبار تفاوت الأدلة فى القوة .وقد ذكر فى التلويح أن استعمال الفرض فيما ثبت بظنى، والواجب فيما ثبت بقطعى شائع مستفيض كقولهم الوتر فرض ونحو ذلك ويسمى فرضا عمليا، وكقولهم الزكاة واجبة ونحوه، فلفظ الواجب يقع على ما هو فرض علما وعملا كصلاة الفجر، وعلى ظنى هو فى قوة الفرض فى العمل كالوتر حتى يمنع تذكره صحة الفجر كتذكر العشاء ، وعلى ظنى هو دون الفرض فى العمل وفوق السنة كتعيين الفاتحة حتى لا تفسد الصلاة بتركها بل تجب سجدة السهو اهـ وتمام تحقيق ذلك بما لم يوجد مجموعة فى كتاب مذكور فى حاشيتنا على المنار بتوفيق الملك الوهاب(رد المحتار على الدر المختار، ج٦ص ٣١٣، كتاب الأضحية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور عام حالات میں سنتِ مؤکدہ کا ترک مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے اتفاقاً ترک کیا جائے تو مکروہ نہیں۔ ۱؎

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان

۱۳/شعبان/۱۴۳۲ھ 16/جولائی/2011ء بروز ہفتہ

ادارہ غفران راولپنڈی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وصدقة الفطر بالسنة ، ثم الأضحية لأن صدقة الفطر مجمع على وجوبها والأضحية مختلف فيها(الاختيار لتعليل المختار، ج۵ص ۷۳، كتاب الوصايا)

قال القدورى الواجب على مراتب بعضها آكد من بعض، ووجوب سجدة التلاوة آكد من وجوب صدقة الفطر وصدقة الفطر وجوبها آكد من وجوب الأضحية(تكملة البحر الرائق للطورى، ج۸ص ۲، كتاب الاضحية)

وصدقة الفطر مقدمة على الأضحية، وإن كانت الأضحية أيضا واجبة عندنا لكن صدقة الفطر متفق على وجوبها، والأضحية وجوبها محل الاجتهاد فالمتفق على الوجوب أقوى(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج۷ص ۳۷۲، كتاب الوصايا)

۱؎ الْحَاصِلُ أَنَّ السُّنَّةَ إنْ كَانَتْ مُؤَكَّدَةً قَوِيَّةً لَا يَبْعُدُ كَوْنُ تَرْكِهَا مَكْرُوهًا تَحْرِيمًا، وَإِنْ كَانَتْ غَيْرَ مُؤَكَّدَةٍ فَتَرْكُهَا مَكْرُوهٌ تَنْزِيهًا(رد المحتار ،ج ۱ ص ۶۵۳، كتاب الصلاة، مكروهات الصلاة،مطلب في بيان السنة والمستحب والمندوب)

قُلْت :لَكِنَّ كَوْنَهُ سُنَّةً مُؤَكَّدَةً لَا يَسْتَلْزِمُ الْإِثْمَ بِتَرْكِهِ مَرَّةً وَاحِدَةً بِلَا عُذْرٍ، فَيَتَعَيَّنُ تَقْيِيدُ التَّرْكِ بِالِاعْتِيَادِ وَالْإِصْرَارِ تَوْفِيقًا بَيْنَ كَلَامِهِمْ كَمَا قَدَّمْنَاهُ(ردالمحتار، ج ۱ ص ۴۷۴، كتاب الصلاة،واجبات الصلاة)

(الجماعة سنة مؤكدة) قال عليه الصلاة والسلام ' :الجماعة من سنن الهدى 'وقال عليه الصلاة والسلام ' :لقد هممت أن آمر رجلا يصلى بالناس ثم أنطلق إلى قوم يتخلفون عن الجماعة فأحرّق عليهم بيوتهم 'وهذا أمارة التأكيد ، وقد واظب عليها (صلى الله عليه وسلم) فلا يسع تركها إلا لعذر ، ولو تركها أهل مصر يؤمرون بها ، فإن قبلوا وإلا يقاتلون عليها لأنها من شعائر الإسلام . (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص۵۷، كتاب الصلاة،فصل فى الجماعة)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

(۴)

شرائطُ التضحية فی اوقاتِ الاضحية

قربانی کے سببِ وجوب، شرطِ وجوب اور شرطِ اداء کی تحقیق

بندہ نے ''شرائطُ التضحية فی اوقات الاضحية'' عنوان سے ایک مستقل مضمون تحریر کیا ہے، جس کے طویل ہونے کے باعث پورے مضمون اور دلائل کی تفصیل کی تو یہاں گنجائش نہیں، البتہ اُس رسالے کی ضروری تلخیص ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔ محمد رضوان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرعی اعتبار سے قربانی کی حقیقت شریعت کی طرف سے مقرر کردہ شرائط کے مطابق قربت کی نیت سے مخصوص جانور کو مخصوص وقت میں ذبح کرنا ہے، اور قربانی کی ادائیگی کا رُکن مخصوص جانور کو ذبح کرنا ہے۔ [1]

---

[1] وفی الشرع هی ذبح حيوان مخصوص بنية القربة فی وقت مخصوص وهو يوم الأضحى وشرائطها الإسلام واليسار الذی يتعلق به صدقة الفطر فتجب على الأنثى وسببها الوقت وهو أيام النحر وركنها ذبح ما يجوز ذبحها وحكمها الخروج عن عهدة الواجب فی الدنيا والوصول إلى الثواب فی العقبى(مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر، ج۲ ص ۵۱۶، كتاب الاضحية)

وأما شرعا فالأضحية اسم لحيوان مخصوص وهو الإبل والبقر والضأن والمعز بسن مخصوص، وهو الثنی فصاعدا من هذه الأنواع الأربعة، والجذع من الضأن يذبح بنية القربة فی يوم مخصوص وهو يوم الأضحى عند وجود شرائطها وسببها انتهى.

وقال صاحب العناية :وفی الشريعة عبارة عن ذبح حيوان مخصوص فی وقت مخصوص وهو يوم الأضحى انتهى .أقول :يرد على ظاهره أن الأضحية فی الشريعة عبارة عما يذبح من حيوان مخصوص فی وقت مخصوص لا عن ذبح ذلك الحيوان فی ذلك الوقت، فإن هذا معنى التضحية لا معنى الأضحية، وقد لوح إليه صاحب الإصلاح والإيضاح حيث قال :هی فی الشريعة ما يذبح فی يوم الأضحى بنية القربة.

وقال فيما نقل عنه :ومن قال عبارة عن ذبح حيوان مخصوص فی وقت مخصوص فإنه لم يفرق بين الأضحية والتضحية وانتهى .أقول :يمكن أن يجاب عنه بحمل الكلام على المسامحة بناء على ظهور المراد فيكون المراد بذبح حيوان مخصوص هو الحيوان المذبوح نفسه، وهذا كما قيل فی تعريف العلم بحصول صورة الشیء فی العقل أن المراد منه هو الصورة الحاصلة فی العقل على المسامحة كما حققه الشريف الجرجانی فی عدة مواضع من تصانيفه .وطعن بعض الفضلاء فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور قربانی کیونکہ مالی عبادت ہونے کے باوجود (زکاۃ وصدقات سے مختلف) قربتِ غیر معقولہ اور نماز کی طرح عباداتِ موقتہ میں سے ہے، اس لئے احناف کے نزدیک قربانی کا سببِ وجوب وقت ہے جو کہ دس ذی الحجہ کے طلوعِ فجر سے لے کر بارہ ذی الحجہ کے سورج غروب ہونے کے درمیان دائر ہے، اور قربانی کی شرطِ وجوب مسلمان، غنی، اور مقیم وغیرہ ہونا ہے، اور قربانی کی شرطِ ادا مسلمان اور وقت وغیرہ ہونا ہے۔

اور عید کی نماز کا ہونا صرف شہر کے حق میں (جہاں کہ عید کی نماز کا حکم ہو) ایک اضافی شرطِ ادا ہے۔

پس قربانی کا وقت داخل ہونے سے پہلے قربانی سرے سے ذمہ میں واجب اور اس کی ادائیگی جائز ومعتبر نہیں ہوتی۔

اور اگر وقت داخل ہو گیا، مگر غنی اور مقیم وغیرہ ہونے کی شرط نہیں پائی گئی تو قربانی کی ادائیگی ذمہ میں واجب نہیں ہوتی۔

اور اگر شہر میں کسی بھی ایک جگہ عید کی نماز نہیں ہوئی، تو اس شہر میں قربانی کا جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہوتا، اسی طرح اگر قربانی کا وقت ختم (یعنی بارہ ذی الحجہ کا سورج غروب) ہو گیا تو قربانی ادا نہیں ہوتی، بلکہ قضاء ہو جاتی ہے، اور وہ اراقۂ دم سے صدقہ بن جاتی ہے۔

جیسا کہ نماز کا معاملہ ہے کہ کسی نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے وہ نماز سرے سے ذمہ میں واجب اور اس کی ادائیگی معتبر نہیں ہوتی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التعريف الذى ذكره صاحب العناية بوجه آخر حيث قال :اعلم أنه لا بد فى التعريف من قيد آخر وهو أن يقول بسن مخصوص لئلا ينتقض التعريف انتهى .أقول :يمكن أن يجاب عنه أيضا بأن قوله حيوان مخصوص يغنى عن ذلك القيد الآخر، فإن المراد بالمخصوص ما يعم المخصوص النوعى وهو الأنواع الأربعة الإبل والبقر والضأن والمعز، والمخصوص السنى أيضا وهو الثنى فصاعدا من الأنواع الأربعة المذكورة، والجذع من الضأن وحده، فلا ينتقض التعريف بشيء .نعم لو فصله كما وقع فى النهاية وغيرها لكان أظهر، لكنه سلك مسلك الإجمال اعتمادا على ظهور تفصيل ذلك فى تضاعيف المسائل الآتية(فتح القدير، ج٩،ص٥٠٥،٥٠٦، كتاب الاضحية)

اوراگر وقت داخل ہوگیا، مگر بلوغ وغیرہ کی شرط نہیں پائی گئی تو نماز کی ادائیگی ذمہ میں واجب نہیں ہوتی۔

اوراگر وقت کی شرط فوت ہوگئی، تو نماز ادا نہیں ہوتی، بلکہ قضاء ہوجاتی ہے۔

اور نفسِ وجوب دراصل مکلّف کے ذمہ کا کسی چیز کے ساتھ مشغول ہونے کا نام ہے، جو ظاہر میں کسی چیز کے سبب سے ثابت ومعلوم ہوتا ہے، اور نفسِ وجوب سے کوئی چیز مکلّف کے ذمہ واجب تو ہوجاتی ہے، مگر اس کی ادائیگی تب واجب ہوتی ہے، جبکہ شرطِ وجوب بھی پائی جائے، جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفسِ وجوب کا تعلق مکلّف اوراس کے ذمہ سے ہے۔ [1]

---

[1] (ثُمَّ هُوَ) أَیْ الْوَقْتُ لَمَّا بَیَّنَ أَنَّ الْوَقْتَ سَبَبٌ لِلْوُجُوبِ أَرَادَ أَنْ یُبَیِّنَ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْوُجُوبِ نَفْسُ الْوُجُوبِ لَا وُجُوبُ الْأَدَاءِ .(سَبَبٌ لِنَفْسِ الْوُجُوبِ؛ لِأَنَّ سَبَبَهَا الْحَقِیقِیَّ الْإِیجَابُ الْقَدِیمُ وَهُوَ رَتَّبَ الْحُكْمَ عَلَى شَیْءٍ ظَاهِرٍ فَكَانَ هَذَا) أَیْ الشَّیْءُ الظَّاهِرُ، وَهُوَ الْوَقْتُ (سَبَبًا لَهَا) أَیْ لِنَفْسِ الْوُجُوبِ (بِالنِّسْبَةِ إلَیْنَا، ثُمَّ لَفْظُ الْأَمْرِ لِمُطَالَبَةِ مَا وَجَبَ بِالْإِیجَابِ الْمُرَتِّبِ الْحُكْمَ عَلَى ذَلِکَ الشَّیْءِ) وَهُوَ الْوَقْتُ (فَیَكُونُ) أَیْ لَفْظُ الْأَمْرِ (سَبَبًا لِوُجُوبِ الْأَدَاءِ، وَالْفَرْقُ بَیْنَ نَفْسِ الْوُجُوبِ وَوُجُوبِ الْأَدَاءِ أَنَّ الْأَوَّلَ هُوَ اشْتِغَالُ ذِمَّةِ الْمُكَلَّفِ بِالشَّیْءِ، وَالثَّانِی هُوَ لُزُومُ تَفْرِیغِ الذِّمَّةِ عَمَّا تَعَلَّقَ بِهَا فَلَا بُدَّ لَهُ مِنْ سَبْقِ حَقٍّ فِی ذِمَّتِهِ فَإِذَا اشْتَرَى شَیْئًا یَثْبُتُ الثَّمَنُ فِی الذِّمَّةِ) فَثُبُوتُ الثَّمَنِ فِی الذِّمَّةِ نَفْسُ الْوُجُوبِ(أَمَّا لُزُومُ الْأَدَاءِ فَعِنْدَ الْمُطَالَبَةِ بِنَاءً عَلَى أَصْلِ الْوُجُوبِ ، وَأَیْضًا وَاجِبٌ عَلَى الْمُغْمَى عَلَیْهِ وَالنَّائِمِ وَالْمَرِیضِ وَالْمُسَافِرِ وَلَا أَدَاءَ عَلَیْهِمْ لِعَدَمِ الْخِطَابِ) أَمَّا فِی الْأَوَّلَیْنِ فَلِأَنَّ خِطَابَ مَنْ لَا یَفْهَمُ لَغْوٌ ، وَأَمَّا فِی الْأَخِیرَیْنِ فَلِأَنَّهُمَا مُخَاطَبَانِ بِالصَّوْمِ فِی أَیَّامٍ أُخَرَ(وَلَا بُدَّ لِلْقَضَاءِ مِنْ وُجُوبِ الْأَصْلِ فَیَكُونُ نَفْسُ الْوُجُوبِ ثَابِتًا وَیَكُونُ سَبَبُهُ) أَیْ سَبَبُ نَفْسِ الْوُجُوبِ (شَیْئًا غَیْرَ الْخِطَابِ وَهُوَ الْوَقْتُ) لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ عَدَمِ الْخِطَابِ ؛ لِأَنَّهُ لَا شَیْءَ غَیْرُ الْوَقْتِ ، وَالْخِطَابُ یَصْلُحُ لِلسَّبَبِیَّةِ فَالسَّبَبِیَّةُ مُنْحَصِرَةٌ فِیهِمَا إمَّا لِهَذَا أَوْ لِلْإِجْمَاعِ فَیَلْزَمُ مِنْ نَفْیِ أَحَدِهِمَا ثُبُوتُ الْآخَرِ ، ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ بَعْضَ الْعُلَمَاءِ لَا یُدْرِكُونَ الْفَرْقَ بَیْنَ نَفْسِ الْوُجُوبِ وَوُجُوبِ الْأَدَاءِ، وَیَقُولُونَ إنَّ الْوُجُوبَ لَا یَنْصَرِفُ إلَّا إلَى الْفِعْلِ، وَهُوَ الْأَدَاءُ فَبِالضَّرُورَةِ یَكُونُ نَفْسُ الْوُجُوبِ هِیَ نَفْسُ وُجُوبِ الْأَدَاءِ فَلَا یَبْقَى فَرْقٌ بَیْنَهُمَا، وَلِلَّهِ دَرُّ مَنْ أَبْدَعَ الْفَرْقَ بَیْنَهُمَا، وَمَا أَدَقَّ نَظَرَهُ، وَمَا أَمْتَنَ حِكْمَتَهُ(التوضیح فی حل غوامض التنقیح مع شرح التلویح ج ا ص ۳۹۱،۳۹۴،الباب الثانی،فصل المأمور به نوعان مطلق ومؤقت، لعبید الله بن مسعود المحبوبی البخاری الحنفی)

نفس الوجوب فی الذمة بوجود السبب ووجوب الأداء بالمطالبة (تبیین الحقائق، ج ا ، ص ۳۴۰، کتاب الصوم، فصل فی العوارض)

الذمم لا تختلف فی نفس الوجوب وإنما تختلف فی الإیفاء (تبیین الحقائق، ج۴، ص ۱۷۲ ، کتاب الحوالة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر سبب اور شرط دو الگ الگ قسمیں ہیں، سبب، مسبب کی طرف موصل و مفضی اور اس سے متصل ہوتا ہے، اور شرط پر مشروط کا وجود موقوف ہوتا ہے، اگر اس شرط کا مشروط، وجوب ہے، تو اس شرط پر وجوب اور اگر اس شرط کا مشروط اداء ہے، تو اس شرط پر اداء موقوف ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے سبب، مسبب پر اور شرط، مشروط پر مقدم ہوا کرتی ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والحاصل أن بتحقق سبب الوجوب يجب الشيء في الذمة فإذا وجد المال النصاب وجبت في الذمة، وتعلقت بالزكاة، وأما وجوب الأداء الموقوف على مطالبة الشارع فهو إنما يتعلق بعد حولان الحول (عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، ج۳،ص ۱۸۹، كتاب الزكاة)

الوقت ظرفاً للمؤدى وشرطا للاداء وسببا للوجوب...... والمراد بالشرط ان لايصح المامور قبل وجوده ويفوت بفوته (نورالانوار،ص ۵۶،مبحث الامر، كون الامر المقيد اربعة انواع)

قوله "للوجوب" اى لنفس الوجوب، فان وجوب الاداء بالامر ، والسبب عندهم مايكون معرفا بتحقق المسبب ومفضيا الى وجوده ،كذاقيل (قمر الاقمار حاشية نورالانوار، حواله بالا)

ولا يصح الاداء قبل دخول الوقت ويفوت بفوته ، فيكون شرطا ، ويختلف الاداء باختلاف صفة الوقت صفة وكراهة ، فيكون سببا للوجوب ،وتقديم المشروط على الشرط جائز اذا كان الشرط شرطا للوجوب،كما فى حولان الحول للزكاة ، واما اذا كان الشرط شرطا للجواز لايصح التقديم عليه كسائر شرائط الصلاة ،وتقديم المسبب على السبب لايجوز اصلا وههنا لما اجتمعت الشرطية والسببية فلاجرم ان لايجوز التقديم على الوقت ،ثم ههنا شيئان نفس الجوب ووجوب الاداء، فنفس الوجوب سببه الحقيقى هو الايجاب القديم ،وسببه الظاهرى ، وهو الوقت اقيم مقامه، ووجوب الاداء سببه الحقيقى تعلق الطلب بالفعل ،وسببة الظاهرى وهو الامر اقيم مقامه (نورالانوار،ص۵۷، مبحث الامر ،كون الامر المقيد اربعة انواع)

نفس الوجوب الذى مناطه وجود السبب(رد المحتار على الدر المختار،ج۲،ص۳۵۷،باب صدقة الفطر)

لَا يَثْبُتُ بِالسَّبَبِ إلَّا نَفْسُ الْوُجُوبِ(كشف الأسرار، ج ۱ ،ص ۲۳۹ ،باب الأمر)

أَنَّ نَفْسَ الْوُجُوبِ بِالسَّبَبِ وَوُجُوبَ الْأَدَاءِ بِالْخِطَابِ إجْمَاعُهُمْ(كشف الأسرار، ج۴،ص ۳۴۲،باب بيان اسباب الشرائع)

[1] قد تقرر فى علم الأصول أن الشرط والسبب قسمان قد اعتبر فى أحدهما ما ينافى الآخر، فإنه قد اعتبر فى السبب أن يكون موصلا إلى المسبب فى الجملة، وفى الشرط أن يكون موصلا إلى المشروط أصلا بل كان وجود المشروط متوقفا عليه، ومن الممتنع أن يكون شيء واحد موصلا إلى شيء واحد آخر، وأن لا يكون موصلا إليه فى حالة واحدة لاقتضائه اجتماع النقيضين، وعن هذا قالوا فى الصلاة إن الوقت سبب لوجوبها وشرط لأدائها فلم يلزم أن يكون سببا وشرطا بالنسبة

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

اور شرطِ وجوب اور شرطِ اداء میں یہ فرق ہے کہ شرطِ وجوب کے بغیر اس فعل کی ادائیگی ذمہ میں لازم نہیں ہوتی، اور اس کو بجالانے اور ادا کرنے کا انسان کو امر نہیں ہوتا اور شرطِ اداء کے بغیر اس فعل کی ادائیگی صحیح نہیں کہلاتی، جس سے معلوم ہوا کہ اداء کا اصل تعلق فعل کے ساتھ ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إلى شيء واحد(فتح القدير، ج۹ ص۵۰۶، كتاب الاضحية)

السبب ما يكون مفضيا إلى المسبب إذ هو في اللغة اسم لما يتوصل به إلى الشيء (بدائع الصنائع، ج۳، ص۲۰، كتاب الايمان، فصل في حكم اليمين بالله تعالى)

أدنى درجات السبب أن يكون مفضيا إلى المسبب (تبيين الحقائق، ج۳، ص۹۸، كتاب الاعتاق، باب التدبير)

ثُمَّ بَدَأَ بِالْأَوْقَاتِ لِتَقَدُّمِ السَّبَبِ عَلَى الْمُسَبَّبِ (البحرالرائق، ج۱، ص۲۵۷، كتاب الصلاة)

وَلَا يُعْقَلُ تَقَدُّمُ الْمُسَبَّبِ عَلَى السَّبَبِ (البحرالرائق، ج۳، ص۲۹۳، كتاب الطلاق، بَابُ أَلْفَاظِ الطَّلَاقِ)

لامتناع تقدم المسبب على السبب (درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج۱، ص۵۰، كتاب الصلاة)

تَقْدِيمُ الْمُسَبَّبِ عَلَى السَّبَبِ، وَهُوَ فَاسِدٌ (البحرالرائق، ج۴، ص۳۰۷، كتاب الايمان)

وقدم الأوقات؛ لأنها الأسباب وهي متقدمة على المسببات (مجمع الانهر، ج۱، ص۶۷، كتاب الصلاة)

المسبب لا يوجد بدون السبب (البناية، ج۵، ص۱۴۹، كتاب النكاح، باب المهر)

وبدون تقرر السبب لا يثبت الوجوب(المبسوط، لشمس الأئمة السرخسي،ج۳،ص۱۰۵،باب صدقة الفطر)

لا خلاف في أن وجوب الأداء لا يتقدم على نفس الوجوب (شرح التلويح على التوضيح، ج۱، ص۳۹۶، الباب الثاني، فصل الماموربه)

فإذا ثبت تقرر السبب ثبت صحة الاداء (أصول السرخسي،ج۲،ص۲۷۹،فصل :في بيان فساد الوضع)

والشروط تكون مقدمة على المشروط له (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، ج۱، ص۲۲۰، باب صلاة الجمعة)

الأصل في السبب هو الاتصال بالمسبب كما في شرح المنار لابن نجيم (رد المحتار، ج۱، ص۳۵۶، كتاب الصلاة)

ان الاصل ان كل مسبب متصل بسببه ،فان اديت الصلاة في اول الوقت يكون الجزء السابق على التحريمة ، وهو الجزء الذى لايتجزأ سببا لوجوب الصلاة(نورالانوار،ص۵۷، مبحث الامر ،كون الامر المقيد اربعة انواع)

فالأضحية اسم لحيوان مخصوص......يذبح بنية القربة في يوم مخصوص وهو يوم الأضحى عند

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور شرطِ اداء وشرطِ وجوب کے درمیان عام خاص من وجہٍ کی نسبت ہے، نہ کہ تلازم کی۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وجود شرائطها وسببها (فتح القدير، ج۹ ص۵۰۵، كتاب الاضحية)

والشرط يكون سابقا على المشروط (تبيين الحقائق، ج۲، ص۲۰۳)

المشروط يجامع الشرط ولا يوجد بدونه والشرط يكون سابقا على المشروط، وكذا الظرف يكون سابقا على المظروف (درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ۱، ص۳۶۳، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق)

وما يثبت شرطا لحكم شرعي يكون مقدما عليه ضرورة تقدم الشرط على المشروط (التقرير والتحرير في علم الأصول، ج ۱، ص ۱۴۱، مسألة الأكثر إذ تعلق)

الشَّرْطَ مُقَدَّمٌ عَلَى الْمَشْرُوطِ لَا مَحَالَةَ (كشف الاسرار، ج ۲ ۱۲۳، باب حروف المعانى)

لَا بُدَّ مِنْ تَقَدُّمِ الشَّرْطِ عَلَى الْمَشْرُوطِ تَحْقِيقًا (ايضاً، ج۲، ص۲۳۶،باب وجوه الوقف على احكام النظم)

الشَّرْطَ لَا بُدَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ سَابِقًا عَلَى الْمَشْرُوطِ (كشف الاسرار، ج۴، ص ۲۱۹، بَابُ تَقْسِيمِ الشَّرْطِ)

۱؎ اسی وجہ سے اگر کسی پر قربانی واجب نہ ہو، بوجہ شرطِ وجوب (مثلاً غناء نہ پائے جانے کے) مگر وہ سببِ وجوب کے بعد قربانی ادا کرے، تو جائز ہے۔

والفرق أن الأداء لا يصح بانتفاء شروطه ويصح بانتفاء شروط الوجوب (رد المحتار على الدر المختار، ج۲ ص۱۳۷، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

وشرائط الوجوب هى ما إذا اجتمعت وجبت الطهارة على شخص .وشرائط الصحة ما لا تصح الطهارة إلا بها، ولا تلازم بين النوعين بل بينهما عموم وجهى (رد المحتار على الدر المختار، ج ۱ ص۸۶، كتاب الطهارة)

والفرق بين هذه الشُّروطِ وتلكَ الشَّرائط، أنَّ شرائطَ الوجوبِ إذا انعدمَ كلُّها أو بعضُها لم يصحَّ الوجوب، لكن لو أدَّى يصحُّ الأداء ، وشرائطُ الأداءِ إذا فقدتْ لم يصحَّ الأداء ُمطلقاً (عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، باب صلاة الجمعة)

قال صدر الإسلام أبو اليسر :نفس الوجوب اشتغال الذمة بالواجب كالصبى إذا أتلف مال إنسان يشتغل ذمته بوجوب القيمة ولا يجب عليه الأداء بل يجب على وليه وكذا القصاص يجب على القاتل ولا يجب عليه أداء الواجب وهو القصاص وإنما يجب عليه تسليم النفس إذا طلب من له القصاص بتسليم النفس لاستيفاء القصاص، ثم قال الوجوب أمر حكمى والأمر الحكمى يعرف بالحكم وحكمه أنه إذا أدى ما فى ذمته يقع واجبا.

قوله (وأفاد صحة الأداء) ؛ لأن الوجوب لما ثبت كان جواز الأداء من ضروراته على ما عليه عامة الفقهاء والمتكلمين فإن الوجوب يفيد جواز الأداء عندهم، لكنه أى لكن السبب أو نفس الوجوب لا يوجب الأداء للحال، وقوله؛ لأن الوجوب يجوز أن يكون دليلا على قوله لا يوجب الأداء للحال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس قربانی کا وقت مکلّف کے ذمہ کے لئے سببِ وجوب ہے، لہٰذا وقت سے پہلے قربانی درست نہیں ہوتی، اور وقت قربانی کی ادائیگی کے لئے شرطِ اداء ہے، اور سببِ وجوب قربانی کی ادائیگی کے عمل سے مقدم و متصل ہوتا ہے، ورنہ قربانی کا عمل ادا نہیں کہلاتا، اور وقت میں ادا کا عمل نہ پائے جانے اور وقت کے ختم ہوجانے سے یہ عمل قضاء ہوجاتا ہے۔

اب اگر مضحی اور اضحیہ دونوں کا مقام متحد ہے یا مختلف ہے، لیکن دونوں مقامات کے اوقات متحد ہیں، تو قربانی کا وقت (ابتداءً وانتہاءً) دونوں کے حق میں ساتھ ساتھ ہوگا۔

لیکن اگر مضحی (یعنی قربانی کا مالک) ایک مقام پر ہے، اور اس کا اضحیہ (یعنی قربانی کا جانور) دور دراز ایسے مقام پر ہے کہ دونوں مقام کے اوقات میں تفاوت پایا جاتا ہے، تو فقہ حنفی کی رو سے اس مضحی کی قربانی کی ادائیگی درست ہونے کے لئے ضروری ہوگا کہ مضحی کے حق میں سببِ وجوب (یعنی وقت) متحقق و موجود ہو، کیونکہ سببِ وجوب کا تعلق مضحی یا مکلّف کے ذمہ سے ہے۔ [1]

اور پھر یہ سببِ وجوب اس کی قربانی کی ادائیگی یعنی ذبح کے عمل کے ساتھ مقارِن و متصل بھی ہو، کیونکہ وقت کا ہونا قربانی کے لئے شرطِ اداء بھی ہے، اور الغرض مقامِ مضحی اور مقامِ اضحیہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(كشف الاسرار، ج ا ص ۲۱۵، باب تقسيم المأمور به فى حكم الوقت)

ومن حكمه أن التأخير عن الوقت يوجب الفوات لذهاب شرط الاداء (أصول البزدوى مع شرحه كشف الاسرار، ج ا، ص ۲۲۹، باب تقسيم المأمور به فى حكم الوقت)

فالاداء إنما يتحقق فى الوقت والتأخير عنه يكون تفويتا، ومعلوم أن الاداء بأركان يتحقق من المؤدى قبل خروج الوقت، فعرفنا أن خروج الوقت مفوت باعتبار أنه يفوت به شرط الاداء .

وبيان أنه سبب للوجوب أنه لا يجوز تعجيلها قبله، وأن الواجب تختلف صفته باختلاف الاوقات، فهذا علامة كون الوقت سببا لوجوبها (أصول السرخسى، ج ا، ۳۰، فصل : فى بيان موجب الامر فى حكم الوقت)

[1] وَالْفَرْقُ بَيْنَ نَفْسِ الْوُجُوبِ وَوُجُوبِ الْأَدَاءِ أَنَّ الْأَوَّلَ هُوَ اشْتِغَالُ ذِمَّةِ الْمُكَلَّفِ بِالشَّيْءِ، وَالثَّانِي هُوَ لُزُومُ تَفْرِيغِ الذِّمَّةِ عَمَّا تَعَلَّقَ بِهَا فَلَا بُدَّ لَهُ مِنْ سَبْقِ حَقٍّ فِي ذِمَّتِهِ (التوضيح فى حل غوامض التنقيح مع شرح التلويح ج ا ص ۳۹۲، الباب الثانى، فصل المأمور به نوعان مطلق ومؤقت، لعبيد الله بن مسعود المحبوبى البخارى الحنفى)

دونوں مقامات پر قربانی کا وقت موجود ہو۔

اور اگر اضحیہ کسی شہر میں ہے، تو ایک اضافی شرطِ اداء کی رو سے قربانی کی ادائیگی کا عمل درست وجائز ہونے کے لئے وہاں عید کی نماز کا ہونا بھی ضروری ہوگا۔

اب مذکورہ تفصیل کے بعد مقامِ مضحی واضحیہ کے اعتبار سے اوقات کے متفاوت ہونے کی ممکنہ ومتوقعہ صورتوں کو مع حکم کے ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)......مقامِ مضحی میں یوم النحر کی طلوعِ فجر نہیں ہوئی، لیکن مقامِ اضحیہ میں یوم النحر کی طلوعِ فجر ہوچکی ہے، تو جب تک مقامِ مضحی میں بھی یوم النحر کی طلوعِ فجر نہ ہوجائے، اور اگر مقام اضحیہ کوئی شہر ہے تو وہاں کسی ایک مقام پر عید کی نماز بھی نہ ہوجائے، اس وقت تک قربانی کرنا جائز نہیں۔

کیونکہ جب تک مقامِ مضحی میں یوم النحر کی طلوعِ فجر نہ ہوگی، اُس وقت تک مضحی کے حق میں سببِ وجوب شروع نہ ہونے کی وجہ سے اس کو اصالتاً اور وکالتاً قربانی کرنا جائز نہیں ہوگا، اور شہر میں عید کی نماز کا ہونا اضافی شرطِ اداء ہے، جس کا تعلق اُضحیہ سے ہے۔

لہٰذا مقامِ اضحیہ میں عید کی نماز کا ہونا بھی ضروری ہوگا۔ [1]

---

[1] وَسَبَبُهَا طُلُوعُ فَجْرِ يَوْمِ النَّحْرِ وَرُكْنُهَا ذَبْحُ مَا يَجُوزُ ذَبْحُهُ وَسَيَأْتِي الْكَلَامُ فِي صِفَتِهَا (تكملة البحرالرائق للطورى، ج٨، ص١٩٧، كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ)

وَالْفَرْقُ بَيْنَ نَفْسِ الْوُجُوبِ وَوُجُوبِ الْأَدَاءِ أَنَّ الْأَوَّلَ هُوَ اشْتِغَالُ ذِمَّةِ الْمُكَلَّفِ بِالشَّيْءِ، وَالثَّانِي هُوَ لُزُومُ تَفْرِيغِ الذِّمَّةِ عَمَّا تَعَلَّقَ بِهَا فَلَا بُدَّ لَهُ مِنْ سَبْقِ حَقٍّ فِي ذِمَّتِهِ (التوضيح فى حل غوامض التنقيح مع شرح التلويح ج ا ص ٣٩٢ ،الباب الثانى،فصل المأمور به نوعان مطلق ومؤقت، لعبيد الله بن مسعود المحبوبى البخارى الحنفى)

ثم الجزء الذى يتعين يصير سببا لتغير صفته من الصحة و الفساد فإن كان صحيحا فلا يتأدى بصفة النقصان، وإن كان ناقصا يجوز أن يتأدى بصفة النقصان وفيه يعتبر حال المكلف(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ا ،ص٧٣، كتاب الصلاة)

لا خلاف فى أن وجوب الأداء لا يتقدم على نفس الوجوب (شرح التلويح، ج ا ، ص ٣٩٦)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)......مقامِ مضحی میں یوم النحر کی طلوعِ فجر ہوچکی ہے، لیکن مقامِ اضحیہ میں یوم النحر کی طلوعِ فجر نہیں ہوئی، تو جب تک مقامِ اضحیہ میں بھی یوم النحر کی طلوعِ فجر نہ ہوجائے، اور اگر مقامِ اضحیہ کوئی شہر ہے تو وہاں کسی ایک مقام پر عید کی نماز بھی نہ ہوجائے، اس وقت تک قربانی کرنا جائز نہیں۔

کیونکہ اگرچہ مضحی کے حق میں سببِ وجوب متحقق ہوچکا ہے، لیکن قربانی کا وقت شرطِ اداء بھی ہے، اور شہر میں عید کی نماز کا ہونا اضافی شرطِ اداء ہے، اور اداء فعل ہے، جس کا تعلق اضحیہ سے ہے۔

اس لئے مقامِ اضحیہ میں قربانی کے عمل کی ادائیگی درست ہونے کے لئے وقت اور عید کی نماز کی شرائطِ اداء کا پایا جانا ضروری ہوگا۔ [1]

(۳)......مقامِ مضحی میں تیسرے دن (یعنی بارہ ذی الحجہ) کا سورج غروب ہوچکا ہے، لیکن مقامِ اضحیہ میں تیسرے دن کا سورج غروب نہیں ہوا، تو اراقۃِ دم سے اس کی قربانی اداء نہیں ہوگی۔

کیونکہ مضحی کے حق میں سببِ وجوب اور شرطِ اداء ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کے ذمہ قضاء متحقق ہوچکی ہے، اور اس کے ذمہ اراقۃِ دم کے بجائے تصدق لازم ہوچکا ہے، لہٰذا اب اس کا وجوب اصالتاً ووکالتاً اراقۃِ دم سے ادا نہ ہوگا، بلکہ تصدق

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإذا ثبت تقرر السبب ثبت صحة الاداء (أصول السرخسی، ج۲، ص۲۷۹، فصل :فی بیان فساد الوضع)

فإذا أدی قبل ذلک الوقت کان مؤدیا قبل وجود سبب الوجوب فلهذا لا یجوز (المبسوط للسرخسی، ج۳ص۱۳۱، کتاب نوادر الصوم)

[1] وَأَمَّا شَرَائِطُ أَدَائِهَا فَمِنْهَا الْوَقْتُ فِی حَقِّ الْمِصْرِیِّ بَعْدَ صَلَاةِ الْإِمَامِ وَالْمُعْتَبَرُ مَكَانُ الْأُضْحِيَّةِ لَا مَكَانُ الْمُضَحِّي (تکملة البحر الرائق للطوری، ج۸، ص۱۹۷، كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ)

فَيُعْتَبَرُ فِی الْأَدَاءِ مَكَانُ الْمَحَلِّ وَهُوَ الْمَالُ لَا مَكَانُ الْفَاعِلِ بِخِلَافِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ حَيْثُ يُعْتَبَرُ فِيهَا مَكَانُ الْفَاعِلِ لِأَنَّهَا تَتَعَلَّقُ بِالذِّمَّةِ وَالْمَالُ لَيْسَ بِمَحَلٍّ لَهَا (تکملة البحر الرائق للطوری، ج۸، ص۲۰۰، كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ)

ضروری ہوگا۔ [1]

(۴)......مقامِ مضحی میں تیسرے دن (یعنی بارہ ذی الحجہ) کا سورج غروب نہیں ہوا، لیکن مقامِ اضحیہ میں تیسرے دن کا سورج غروب ہو چکا ہے، تو اگرچہ مضحی کے حق میں سببِ وجوب موجود ہے، اور اس کے حق میں قربانی قضاء نہیں ہوئی۔ [2]

لیکن مقامِ اضحیہ میں وقتِ اداء فوت ہو جانے (یعنی ظاہراً وحساً تیسرے دن کا سورج غروب ہو جانے) کی وجہ سے شرطِ اداء فوت ہوگئی ہے، جس کا تعلق فعلِ ذبح کے ساتھ ہے، اور اس صورت میں سببِ وجوب کا فعلِ اداء سے اتصال واقتران متعذر ہے، اس لئے اس صورت میں بھی قربانی کی ادائیگی کو فقہی اصولوں کے مطابق درست قرار دیا جانا مشکل ہے۔ [3]

---

[1] أَنَّ بَعْضَ الْوَقْتِ سَبَبٌ إنَّمَا هُوَ فِي الْأَدَاءِ أَمَّا إذَا لَمْ يُؤَدِّ فِي الْوَقْتِ فَفِي حَقِّ الْقَضَاءِ كُلُّ الْوَقْتِ سَبَبٌ؛ لِأَنَّ الدَّلَائِلَ دَالَّةٌ عَلَى سَبَبِيَّةِ كُلِّهِ لَكِنْ فِي الْأَدَاءِ عَدَلْنَا عَنْ سَبَبِيَّةِ الْكُلِّ إلَى سَبَبِيَّةِ الْبَعْضِ لِضَرُورَةٍ، وَهِيَ أَنَّهُ يَلْزَمُ حِينَئِذٍ التَّقَدُّمُ عَلَى السَّبَبِ أَوْ تَأَخُّرُ الْأَدَاءِ عَنْ الْوَقْتِ، وَهَذِهِ الضَّرُورَةُ غَيْرُ مُتَحَقِّقَةٍ فِي الْقَضَاءِ (التوضيح مع شرحه التلويح ج ١ ص٣٩٨، الباب الثانی، فصل المامور به)

[2] اور اس لئے اگر مضحی اپنے مقام پر قربانی کرے تو درست ہے۔ مگر ما نحن فیہ میں بحث دوسرے متفاوت الاوقات مقام پر قربانی کرنے سے ہے۔

[3] التاخير عن الوقت يوجب الفوات لذهاب شرط الاداء (اصول البزدوی، ج ١، ص ٤٣، باب تقسيم المأمور به فی حكم الوقت)

فعرفنا أن الوقت ليس بمعيار ولكنه ظرف للاداء وهو شرط أيضا.

فالاداء إنما يتحقق فی الوقت والتأخير عنه يكون تفويتا، ومعلوم أن الاداء بأركان يتحقق من المؤدی قبل خروج الوقت، فعرفنا أن خروج الوقت مفوت باعتبار أنه يفوت به شرط الاداء.

وبيان أنه سبب للوجوب أنه لا يجوز تعجيلها قبله، وأن الواجب تختلف صفته باختلاف الاوقات، فهذا علامة كون الوقت سببا لوجوبها (اصول السرخسی، ج ١، ص ٣٠)

ومن حكمه أن التأخير عن الوقت يوجب الفوات لذهاب شرط الاداء (أصول البزدوی، ج ١، ص ٤٣، باب تقسيم المأمور به فی حكم الوقت)

فالاداء إنما يتحقق فی الوقت والتأخير عنه يكون تفويتا، ومعلوم أن الاداء بأركان يتحقق من المؤدی قبل خروج الوقت، فعرفنا أن خروج الوقت مفوت باعتبار أنه يفوت به شرط الاداء.

وبيان أنه سبب للوجوب أنه لا يجوز تعجيلها قبله، وأن الواجب تختلف صفته باختلاف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس مقامِ مضحی ومقامِ اضحیہ کے اوقات متفاوت ہونے کی صورت میں قربانی جیسی نازک عبادتِ موقتہ اور قربتِ غیر معقولہ کو فقہ حنفی کی رو سے شرعی اصولوں کے مطابق انجام دینے کا اسلم واحوط طریقہ یہ ہے کہ دونوں کے مقامات میں وقت کے پائے جانے اور موجود ہونے کا لحاظ کیا جائے، اور مقامِ اضحیہ اگر کوئی شہر یا قصبہ ہے جس میں عید کی نماز واجب اور درست ہوتی ہے، تو عید کی نماز کے ہونے کا بھی انتظار کیا جائے، اور اس کے برعکس اس قربتِ غیر معقولہ کو جو مخصوص وقت میں ہی قربت بنتی ہے، قیاسی استدلالات کے ذریعہ سے فقہی اصولوں ونزاکتوں کو نظر انداز کردینے کے طرزِ عمل سے اجتناب کیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ ہمارے نزدیک قربانی کے شرعی وفقہی اعتبار سے صحیح اور سلامتی وعافیت والی بے غبار صورت یہ ہے کہ مقامِ مضحی اور مقامِ اضحیہ دونوں میں دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر سے لے کر بارہ ذی الحجہ کے غروب کے درمیانی وقت کا لحاظ کیا جائے، اور مقامِ اضحیہ کوئی شہر ہے، تو وہاں دس ذی الحجہ کو عید کی نماز ہونے کا بھی لحاظ کیا جائے۔

فقط، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم، وعلمہٗ اتم واحکم

محمد رضوان

۲۷/شعبان المعظم/۱۴۳۲ھ 30/جولائی/2011ء بروز ہفتہ ادارہ غفران، راولپنڈی

(ماخوذاز'' شرائطُ التضحیة فی اوقاتِ الاضحیة''علمی وتحقیقی سلسلہ نمبر ۲۱، ملخصاً)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الاوقات، فهذا علامة كون الوقت سببا لوجوبها (أصول السرخسی، ج ۱، ۳۰، فصل :فی بیان موجب الامر فی حکم الوقت)

لان الأصل فی السبب هو الاتصال بالمسبب كما فی شرح المنار لابن نجیم (رد المحتار، ج ۱، ص ۳۵۶، کتاب الصلاة)

وَأَمَّا شَرَائِطُ أَدَائِهَا فَمِنْهَا الْوَقْتُ فِي حَقِّ الْمِصْرِيِّ بَعْدَ صَلَاةِ الْإِمَامِ وَالْمُعْتَبَرُ مَكَانُ الْأُضْحِيَّةِ لَا مَكَانُ الْمُضَحِّي (تكملة البحر الرائق للطوری، ج۸، ص۱۹۷، كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ)

فَيُعْتَبَرُ فِي الْأَدَاءِ مَكَانُ الْمَحَلِّ وَهُوَ الْمَالُ لَا مَكَانُ الْفَاعِلِ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۸، ص ۲۰۰، كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ)

علاوہ ازیں ظاہراً وحساً تیسرے دن کا غروب ہونے کے بعد قربانی کرنا عوام میں فتنہ وانتشار اور غلط فہمی کا بھی باعث ہے۔

ماہِ ذی الحجہ کے چند اہم تاریخی واقعات

(مرتب: مولانا طارق محمود: ادارہ غفران، راولپنڈی)

پہلی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□......نبوت سے پانچ سال پہلے ذی الحجہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے بعد اہلِ قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔

سرمایہ کی کمی کی وجہ سے خانہ کعبہ کی سابقہ تعمیر کی چار دیواری میں سے کچھ حصہ چھوڑ کر بنیاد اٹھائی گئی، اور حطیم جو اصل میں خانہ کعبہ کا حصہ تھا، اس تعمیر میں نہ آسکا۔

(تاریخ المکۃ المکرّمہ ص۵۹، البدایۃ والنہایۃ ج۲، فصل فی تجدید قریش بناء الکعبۃ قبل المبعث خمس سنین)

□......ماہِ ذی الحجہ ۲ ھ: میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی (تقویم تاریخی ص۱)

آپ کا نکاح اسی سال رجب میں ہوگیا تھا، رخصتی نہایت سادگی کے ساتھ ہوئی، جہیز میں ایک چارپائی، ایک چادر، چمڑے کا ایک تکیہ (جو کھجور کی چھال یا خوشبودار گھاس ''اذخر'' سے بھرا ہوا تھا) ایک مشکیزہ اور ایک آٹا پیسنے کی چکی شامل تھی، رخصتی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لائے اور آپ دونوں کو نصیحتیں فرمائیں۔

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۱۶۶، البدایۃ والنہایۃ ج۳ فصل فی دخول علی ابن ابی طالب علی زوجتہ فاطمہ وفصل فی جمل من الحوادث سنۃ ثنین من الھجرۃ)

□......ماہِ ذی الحجہ ۲ ھ: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ السویق کے لئے تشریف لے گئے۔

اسے غزوہ سویق اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس غزوہ میں مشرکوں کا بیشتر توشہ ستو تھے جو مسلمانوں کو غنیمت میں ہاتھ آئے، یہ غزوہ ''قرقرۃ الکدر'' کے قریب ابوسفیان اور کفارِ قریش سے ہوا تھا، غزوہ بدر کے بعد ابوسفیان نے قسم کھا رکھی تھی کہ وہ جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے انتقام نہ لے اور مقتولینِ بدر کے بدلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو قتل نہ

کرلے نہ گھی کا استعمال کرے گا، نہ غسلِ جنابت کرے گا، چنانچہ ابوسفیان اپنے ساتھ دوسو سواروں کو لے کر ''عریض'' تک پہنچا، یہ جگہ مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ ۵/ذی الحجہ کو اتوار کے دن دوسو سواروں کے ہمراہ مقابلہ کے لئے نکلے، اور مدینہ کا حاکم سباع بن عرفطہ یا ابن ام مکتوم یا ابولبابہ بن منذر رضی اللہ عنہم کو بنایا، ابوسفیان اور اس کے رفقا کو خبر ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے سر پر پاؤں رکھ کر مکہ کا رخ کیا اور بھاگتے ہوئے بوجھ ہلکا کرنے کی خاطر ستو کی بوریاں گراتے گئے، مسلمانوں نے ان کی بوریوں کے علاوہ دیگر سازوسامان کو غنیمت بنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلامقابلہ کامیاب وکامران واپس تشریف لائے ''بعض حضرات کے نزدیک یہ واقعہ محرم ۳ھ میں پیش آیا''

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۷۰تا ۱۷، تاریخ ابنِ خلدون، ج ۲ ص ۲۲، البدایة والنهایة، ج ۳ ص ۳۴۴، فصل غزوة السویق فی ذی الحجة منها)

❑......ماہِ ذی الحجہ ۵ ھ: میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص ۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سعد بن معاذ کی وفات ہوئی تو عرش الٰہی کانپ اٹھا'' اور ایک روایت میں ہے کہ ''ان کے جنازے میں ایسے ستر ہزار فرشتوں نے شرکت کی جن کے قدم اس سے پہلے کبھی زمین پر نہیں لگے تھے'' ان کی موت کا ظاہری سبب یہ ہوا تھا کہ انہیں غزوہ خندق میں ایک کافر کا تیر لگا، جو ان کی رگِ جاں میں پیوست ہوگیا تھا۔

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۲۰۸، البدایة والنهایة ج ۴، ۱۳۰، وفات سعد بن معاذ رضی اللّٰہ عنہ)

❑......ماہِ ذی الحجہ ۶ ھ: میں صحابیہ حضرت امِ رومان رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھیں، آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں فوت ہوگئی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا ''کہ اگر کوئی حورِ عین کو دیکھنا چاہے تو وہ امِ رومان کو دیکھ لے''

(الاصابة ج ۸، کتاب النساء، حرف الراء، من ذکر لها صحبة، تاریخ الاسلام للامام الذهبی،

ج۲ص۴۰۲، المنتظم لابن الجوزی، ج۳ص۲۹۱)

❐...... ماہِ ذی الحجہ ۶ھ: میں غزوہ ''ذی قرد'' ہوا جسے غزوۃ الغابہ بھی کہتے ہیں۔

''ذوقرد'' غطفان سے متصل خیبر کے راستہ میں مدینہ سے کچھ فاصلہ پر ایک کنواں تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی کہ عیینہ بن حصن نامی شخص نے چالیس سواروں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشیوں پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور تین سو افراد کو مدینہ کے پہرے پر مقرر کیا اور خود پانچ سو اور بقول بعض سات سو غازیوں کو لے کر ان ڈاکوؤں کے تعاقب میں نکلے، حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ تن تنہا پیدل سفر کر کے ان ڈاکوؤں کے تعاقب کے لئے تمام مسلمانوں سے آگے نکل گئے مشرکوں پر تیراندازی کرتے ہوئے انہوں نے تمام اونٹ واپس حاصل کئے اور دشمنوں سے بہت سا مال غنیمت لیا، اور اپنے تیروں سے کئی کافروں کو مار کر جہنم رسید بھی کیا، یہ تنِ تنہا اونٹوں کو واپس لا رہے تھے کہ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پہنچ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہیں سے مدینہ واپس تشریف لے آئے''بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ غزوہ ذی قرد دومرتبہ ہوا اس لئے اس کے مہینوں میں اختلاف ملتا ہے''

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۷۹، البدایة والنهایة ج۴ غزوة ذی قرد، تاریخ الطبری، ج۲ص۵۹۶، باب غزوة ذی قرد، سیرت ابن هشام غزوه ذی قرد)

❐...... ماہِ ذی الحجہ ۷ھ: میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''عمرۃ القضاء'' ادا فرمایا۔

اس عمرہ کو ''عمرۃ القصاص'' اور ''عمرۃ الصلح'' اور ''عمرۃ القضیہ'' بھی کہا جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یکم ذی القعدہ کو اس عمرہ کے لئے روانہ ہوئے، اس موقعہ پر مدینہ طیبہ میں ایک صحابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ذوالحلیفہ'' نامی میقات سے عمرہ کا احرام باندھا (ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف راستے میں واقع ہے) اس سفر میں عورتوں اور بچوں کے علاوہ بارہ سو افراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ

تھے۔ذی الحجہ کے مہینے میں طواف وسعی کر کے عمرہ سے فراغت اور مکہ میں تین روز قیام کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۲۳۲، تاریخ الاسلام للذهبی، ج ۲ ص ۴۸۰، تاریخ خلیفة بن خیاط، ج ۱ ص ۸۶)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۸ھ: میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، آپ چھوٹی ہی عمر میں فوت ہوگئے تھے۔

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۲۴۸، المختصر فی اخبار البشر، باب حصار الطائف، تاریخ الیعقوبی، باب مولد ابراهیم بن رسول الله، الاصابة ج ۱ ،حرف الالف،باب الهمزة بعدها الباء،البداية و النهاية ج۵ ،ص۳۰۷،فصل فی اولاده علیه السلام، المنتظم لابن الجوزی، ج۳ص ۳۴۴)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۹ھ: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین سو صحابۂ کرام کو حج کے احکام دے کر بھیجا (تقویم تاریخی ص۳)

ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سورہ توبہ کے اعلان کرنے کا حکم دے کر بھیجا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورہ توبہ کی ابتدائی آیات کو ان کے احکامات سمیت پڑھ کر سنایا، کہ اس سال کے بعد آئندہ کوئی مشرک بیت اللہ میں داخل نہ ہوگا، اور کوئی برہنہ طواف نہیں کرے گا۔

(رحمۃ للعالمین ج۱ص۲۵، المختصر فی اخبار البشر، باب حج أبی بکر الصدیق رضی الله عنه بالناس، البداية والنهاية ج۵ ص ۳۶، ذکر بعث رسول الله ابا بکر الصدیق امیرا علی الحج سنة تسع)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۱۰ھ: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ حج ادا فرمایا (تقویم تاریخی ص۳)

یہ حج ''حجۃ الوداع'' کے نام سے مشہور ہے، اور اس حج کے موقع پر بے شمار اہم واقعات اور شرعی احکام پیش آئے۔۹ ذی الحجہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''قصویٰ'' نامی اونٹنی پر بیٹھ کر تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں امت کو آئندہ زندگی کے بارے میں ہدایات فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں شریک

نہ ہونگے، لوگو! تمہارے خون اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جس طرح تم آج کے دن کی اور اس شہر کی حرمت کرتے ہو، لوگو! تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا، خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا، ایک دوسرے سے جھگڑنا نہیں، لوگو! جاہلیت کی ہر بات کو میں اپنے پاؤں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۳۱۴، البداية والنهاية ج۵ص ۱۰۹، كتاب حجة الوداع في سنة عشر ويقال لها حجة البلاغ، وحجة الإسلام، وحجة الوداع)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۱۰ھ: میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن میدانِ عرفات میں ایک عظیم وبلیغ خطبہ دیا۔

جس میں لوگوں کو احکام حج اور شرائع اسلام کی تعلیم دی، اور اس خطبے میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جاہلیت کے سب خون معاف کردیے گئے ہیں (لہٰذا کوئی شخص جو جاہلیت کے دور میں قتل ہوا۔ آئندہ اس کے خون کا مطالبہ نہیں ہوگا) نیز جاہلیت کے تمام سود ختم کئے جاتے ہیں، چنانچہ میں سب سے پہلے اپنے چچازاد بھائی ''ربیعہ بن حارث'' کا خون معاف کرتا ہوں اور سب سے پہلے (اپنے چچا) عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کا سود معاف قرار دیتا ہوں۔

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۳۱۷ بتغیر، البداية والنهاية ج۵ص ۱۰۹، كتاب حجة الوداع في سنة عشر ويقال لها حجة البلاغ، وحجة الإسلام، وحجة الوداع)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۱۰ھ: میں حجۃ الوداع کے موقع پر ذی الحجہ کی ۹ تاریخ کو میدانِ عرفات میں درجِ ذیل آیتِ مبارکہ ''جس میں دین کی تکمیل کا اعلان ہے'' حج کے مبارک موقع پر نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورہ مائدہ)

ترجمہ: آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے (ہر طرح) کامل ومکمل بنادیا، اور تم پر اپنا انعام (آج) پورا کردیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے

لئے (ہمیشہ کو) پسند کرلیا (کہ قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا، اس کو منسوخ کرکے دوسرا دین تجویز نہ کیا جائے گا)

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۳۱۷، المختصر فی اخبار البشر، باب حجۃ الوداع، البدایۃ والنھایۃ، ج۵ص ۱۰۹، کتاب حجۃ الوداع)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۱۲ھ: میں حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا (تقویم تاریخی ص۳)

آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے، ان کا نکاح بعثتِ نبوی سے پہلے ہی ہو گیا تھا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہی ایمان لے آئیں تھیں، لیکن ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم شعبِ ابی طالب میں محصور تھے تو ابوالعاص رضی اللہ عنہ جان پر کھیل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک کھانے پینے کا سامان پہنچاتے تھے ۷ھ میں اسلام قبول کیا، آپ کی وفات ایک روایت کے مطابق ۱۳ھ میں اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں مسیلمہ کذاب سے جنگ کے دوران شہادت کی صورت میں ہوئی (صحابہ انسائیکلوپیڈیا ص۶۳۶، المنتظم لابن الجوزی، ج۴ص ۱۱۴)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۲۳ھ: میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔

مدینہ منورہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کا ایک ایرانی غلام ''ابولؤلؤ'' رہتا تھا، ایک دن وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے آقا نے مجھ پر بہت زیادہ محصول لگا رکھا ہے آپ اس کو کم کرادیجئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا محصول ہے؟ اس نے کہا دو درہم روزانہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کیا پیشہ کرتے ہو؟ اس نے کہا ''نجاری، نقاشی، آہنگری'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے لئے تو یہ کچھ زیادہ محصول نہیں ہے، غلام اس جواب سے ناراض ہوا اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ اچھا سمجھوں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''مجھے ایک غلام نے ڈانٹ دیا'' اور یہ کہہ کر خاموش ہوگئے، دوسرے روز صبح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کے لئے مسجد نبوی تشریف لائے، ابولؤلؤ زہر آلود خنجر چھپائے پہلے ہی کھڑا

تھا، جوں ہی آپ نے تکبیر کہی اس نے شانہ اور ناف پر چھ وار کیئے، آس پاس کے لوگ اسے پکڑنے کے لئے بھاگے اس نے انھیں بھی زخمی کر دیا مگر جب اس نے دیکھا کہ نجات کی کوئی صورت نہیں تو اپنے آپ کو بھی خنجر مار کر خودکشی کر لی، زخمی ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت کی ہدایت کی، انھوں نے جلدی جلدی نماز پوری کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس دوران زمین پر پڑے رہے، نماز سے فراغت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر لایا گیا، آپ نے لوگوں سے پوچھا! یہ بتاؤ میرا قاتل کون ہے؟ جواب دیا گیا، ابولؤلؤ! آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے خون سے کسی مسلمان کے ہاتھ رنگین نہیں ہوئے۔

(تاریخ ملت ج ا ص ۲۸۹، البداية والنهاية، ج ۷ ص ۱۳۸، ثم دخلت سنة ثلاث وعشرين)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۳۵ھ: میں خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی (تقویم تاریخی ص ۹)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ خاص اور کاتبِ وحی تھے، آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دس حواریوں میں سے تھے جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی، آپ ان چھ بزرگوں میں سے تھے جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ''اہلِ شوریٰ'' تجویز کیا اور خبر دی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت خوش ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض موقعوں پر آپ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بھی تجویز کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بھی مشیر خاص رہے اور خلافت کی خدمات میں دستِ راست اور معاونِ خصوصی بنے رہے، ان کی سخاوت کا ایک عجیب واقعہ یہ ہوا کہ مدینہ منورہ آنے کے بعد مہاجرین کو پانی کی سخت تکلیف تھی پورے شہر میں صرف ''بِیرِ رومہ'' نام کا ایک کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق صاف ستھرا تھا، لیکن اس کا اصل مالک ایک یہودی تھا اور اس کنویں کو اس نے ذریعۂ معاش بنا رکھا تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں

کی اس تکلیف کو دیکھ کر اس کنویں کو خرید کر مسلمانوں کے فائدے کے لئے وقف کرنا چاہا، سخت کوشش کے بعد وہ یہودی کنویں کا صرف آدھا حق فروخت کرنے پر راضی ہوا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بارہ ہزار درہم کی خطیر رقم میں آدھا کنواں خرید لیا اور یہ شرط طے ہوئی کہ ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باری ہوگی اور دوسرے دن یہ کنواں اس یہودی کے لئے مخصوص رہے گا، جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باری ہوتی اس روز مسلمان اس کنویں سے اس قدر پانی بھر لیتے کہ وہ پانی ان کے لئے دو دن تک کافی رہتا، یہودی نے جب دیکھا کہ اب اس کو اس کنویں سے کوئی کمائی نہیں ہو رہی تو وہ باقی آدھا کنواں بھی فروخت کرنے پر راضی ہو گیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آٹھ ہزار درہم کی خطیر رقم سے اس کو خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا، اس طرح مسلمانوں کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فیضِ سخاوت کا یہ پہلا موقعہ تھا جس سے فرزندانِ توحید کے پیاسے ہونٹ سیراب ہوئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت عالم اسلام کی ایک اندوہناک اور تاریخی شہادت ہے، جس میں بے شمار سبق آموز نصیحتیں موجود ہیں۔

(سیر الصحابۃ ج ۱ ص ۱۷۸، الاصابۃ ج ۴ حرف العین المھملۃ، العین بعدھا الثاء، البدایۃ والنھایۃ ج ۷، ص ۱۹۰)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۴۴ ھ: میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی

(تقویمِ تاریخی ص ۱۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنے خاندان کے ایک ذی اثر رئیس تھے، اس لئے ان کی دعوتِ حق نے بہت جلد قبولیت حاصل کر لی اور وہ اپنے ساتھ اپنے تقریباً پچاس ساتھیوں کو لے کر بارگاہِ نبوت کی طرف چل پڑے لیکن طوفان اور مخالف سمت کی ہوا نے اس کشتی کو حجاز کے بجائے حبشہ نامی مقام کی طرف پہنچا دیا، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور مشرکین مکہ کے ہاتھوں ستائے ہوئے دوسرے مسلمان جو حبشہ ہجرت کر کے آئے تھے اور اب تک موجود تھے، یہ حضرات جب مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی

اس قافلہ کے ساتھ مدینے جانے کے لئے شریک ہو گئے ، اور عین اس وقت مدینہ منورہ تشریف لائے جب کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یہودیوں کا مضبوط قلعہ خیبر فتح کر کے آ رہے تھے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو بھی خیبر کے مالِ غنیمت میں سے حصہ مرحمت فرمایا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فتح مکہ اور غزوہ حنین میں بھی شریک تھے۔

(سیر الصحابہ ج۲ ص۳۱۵، تاریخِ مدینة دمشق لابنِ عساکر، ج۳۲ص۱۰۰، حرف القاف فی اسماء آباء العبادلة)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۴۵ھ: میں حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا (تقویم تاریخی ص۱۲)

آپ قبیلۂ عجلان کے سردار تھے، غزوۂ احد، غزوۂ خندق اور دوسرے غزوات میں شریک رہے، آپ کا انتقال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہوا، انتقال کے وقت آپ کی عمر ایک سو پندرہ سے ایک سو بیس سال کے درمیان تھی۔

(سیر الصحابہ ج۵ ص۲۲۶، المنتظم لابن الجوزی، ج۵ ص۲۱۶)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۶۳ھ: میں حضرت صحابیٔ رسول حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

کوفہ میں قیام پذیر تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں مدینہ منورہ تشریف لائے، آپ شکل وصورت سے نہایت حسین وجمیل تھے، ایامِ حرہ میں آپ کی شہادت ہوئی۔

(الاصابة، ج۶، حرف المیم، تاریخِ مدینة دمشق لابنِ عساکر ج۵۹ ص۳۵۹)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۶۳ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

آپ اہلِ صفہ سے تعلق رکھتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالاتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے ہر وقت آپ کے دروازے پر موجود رہتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال تک مدینہ میں رہے، اس کے بعد مدینہ سے منتقل

ہو گئے اور ''ایام حرہ'' میں آپ کا انتقال ہوا۔

(الاصابة ج ۲ ،حرف الراء،ذكر من اسمه ربيعة بزيادة هاء في آخره،تحت ترجمة ربيعة بن كعب بن مالك،المنتظم لابن الجوزى، ج٦ص١٧، ١٨)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۶۳ ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

آپ کے والد جلیل القدر صحابی حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ہیں جو ''غسیل الملآئکۃ'' کے لقب سے مشہور ہیں، چھوٹے صحابۂ کرام میں آپ کا شمار ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی عمر سات سال تھی، ''ایام حرہ'' میں آپ کی شہادت ہوئی۔

(تاريخ مدينة دمشق لابن عساكر، ج٢٧ص٤٢٢، تحت ترجمة عبدالله بن حنظلة،الاصابة ج٤،حرف العين المهملة ،العين بعدها الباء، تاريخ الاسلام للذهبى، ج٥ص١٤٥)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۶۴ ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

آپ مشہور صحابیہ حضرت فاطمہ بنتِ قیس رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے، اور وہ آپ سے دس سال بڑی تھیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوفہ اور دمشق کا گورنر بنایا تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ آپ نے پڑھائی تھی، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مروان کی جنگ کے دوران آپ کی شہادت ہوئی۔

(تاريخِ مدينة دمشق لابنِ عساكر، ج٢٤ص٢٩٦،الاصابة ج٣حرف الضاد المعجمة،الضاد بعدها الباء والجيم والحاء، تاريخ الاسلام للامام الذهبى، ج٥ص١٣٦)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۶۴ ھ: میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کرائی (تقویم تاریخی ص۱۰)

یزید کے دور میں جب یزید نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی اور منجنیقوں سے خانہ کعبہ کی عمارت کو شدید نقصان پہنچایا، اس سال حج کے موقع پر آنے والے بڑے بڑے صحابۂ کرام کے مشورے سے اس کی نئی تعمیر شروع کی گئی، اور خانہ کعبہ کے دو دروازے مشرق اور مغرب کی طرف بنائے گئے اور اس کے لئے بھی بہت سی خصوصیات رکھی گئیں۔

(تاریخ ملت ج ا ص ۵۹۶، الکامل فی التاریخ، باب ذکر بناء ابن الزبیر الکعبة)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۷۳ھ: میں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں خانہ کعبہ کی تعمیر کی گئی (تقویم تاریخی ص ۱۹)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے تعمیری نقشہ کے بجائے اس کو اس حالت پر تعمیر کیا جس حالت پر اس کو اہلِ قریش نے تعمیر کیا تھا، ایک عرصہ بعد خلیفہ ہارون الرشید نے عبدالملک کی تعمیر کو ختم کر کے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نقشہ پر تعمیر کرنا چاہا لیکن اس زمانے کے امام مالک رحمہ اللہ نے فتویٰ کے ذریعے ان کو منع کر دیا کہ بیت اللہ کی بار بار نئے نقشے سے تعمیر اس کی عظمتِ شان کے مناسب نہیں، اور اس طرح یہ ہر آنے والے بادشاہ کا کھلونا بن جائے گا چنانچہ خلیفہ اپنے عزم سے باز آ گئے (تاریخ المکۃ المکرّمہ ج ۲ ص ۹۲، تاریخ ملت ج ا ص ۵۹۶)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۹۷ھ: میں میں فاتحِ اندلس (موجودہ سپین) موسیٰ بن نصیر رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تقویم تاریخی ص ۲۵)

آپ کا شمار مشہور فاتحین میں ہوتا ہے، یورپ کے اکثر علاقوں کی فتوحات آپ ہی کی سرگردگی میں ہوئیں، خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے دور میں آپ پر خیانت کا جھوٹا مقدمہ چلا کر آپ کو افریقہ کی گورنری سے معزول کر کے تین لاکھ دینار جرمانے کا حکم سنایا گیا، آپ نے اپنا سب کچھ فروخت کر کے بڑی مشکل سے ایک لاکھ دینار ادا کئے باقی کسی سفارش وغیرہ سے معاف ہوئے، اس کے بعد آپ ایک عام مفلس اور ستم زدہ شہری تھے ۹۷ھ میں حج کے لئے نکلے تو راستے میں بیمار ہو گئے، وفات سے ایک دن پہلے کہا کہ کل ایک ایسا شخص دنیا سے کوچ کرے گا جس کے کارناموں کا ڈنکا دنیا میں بج رہا ہے، اور اگلے دن دنیائے فانی سے منتقل ہو گئے۔

(تاریخ اندلس ص ۱۲۵، تاریخ ملت ج ا ص ۶۳۳، تاریخِ مدینة دمشق لابنِ عساکر، ج ۶۱ ص ۲۲۴،

دوسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... ماہِ ذی الحجہ ۱۰۷ھ: میں حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ کی وفات ہوئی

(تقویم تاریخی ص ۲۷)

آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے اور اپنے علمی اور اخلاقی لحاظ سے مدینہ منورہ کے ممتاز ترین بزرگوں میں سے تھے، مدینہ کے سات بڑے فقہاء میں شمار ہوتا تھا، اہلِ مدینہ کا جب کسی معاملہ میں اختلاف ہوتا تھا، تو ان سات فقہاء ہی میں سے کسی کے قول پر اعتماد کرتے تھے (سیر الصحابہ ج ۷ ص ۲۰۴ بتغیر، تاریخ الاسلام للامام الذهبی، ج ۷ ص ۲۲۳)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۱۲۶ھ: میں خلیفہ وقت یزید بن ولید بن عبد الملک اموی کا طاعون کے مرض میں انتقال ہوا۔

یزید بن ولید بن عبد الملک عابد، زاہد، حاکم تھا، مگر چونکہ اس نے سابق حاکم کے بے جا ظلم وجور اور عیش پرستی سے تنگ آ کر ایک جتھے کی معاونت سے زبردستی اس سے حکومت لی تھی اور اسے قتل کروادیا تھا، اس لئے اس کی تخت نشینی کے فوراً بعد قصرِ شاہی میں مخالفت اور فتنہ عصبیت بیدار ہوگیا تھا، مگر اس نے حکمت، دانائی وقوت وزور سے بہت حد تک اپنے مخالف بھڑکتے ہوئے شرارے دبا رکھے تھے لیکن اس کی وفات کے بعد اس کی طرف سے نامزد خلیفہ ابراہیم مخالفین سے مقابلہ کی قوت وصلاحیت نہ رکھتے ہوئے جلد ہی ایک مقابلہ میں شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا، پھر نئے خلیفہ مروان بن محمد بن مروان نے اسے امان دے کر واپس بلالیا۔

(البداية والنهاية ج ۱۰ ص ۱۷، المنتظم لابن الجوزی، ج ۷ ص ۲۵۶، تاریخِ ملت ج ۱ ص ۷۰۶)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۱۳۲ھ: میں اموی حکومت کا آخری حاکم مروان بن محمد بن مروان قتل ہوا۔

عباسی تحریک کے امام ابراہیم بن محمد کی زیرِ قیادت یہ تحریک سیاست وجنگ وجدل میں روز بروز زور پکڑتی گئی اور کوفہ پر مکمل قبضہ کے بعد عباسی حکومت کے پہلے حاکم کی حیثیت سے عبداللہ بن علی سفاح نے کوفہ میں بیعت لی، اور ایک لشکر اپنے چچا کے ہمراہ مروان بن محمد بن مروان کے مقابلہ کے لئے بھیجا اس مقابلہ میں اموی بری طرح مارے گئے اور بہت سے دریا میں ڈوب کر بھی مرے، مروان بھاگ کر موصل آ گیا مگر عباسی فوج کے مسلسل تعاقب کی وجہ

سے بہت سے علاقوں (حران، قنسرین، دمشق، اردن، فلسطین) سے ہوتا ہوا بالآخر حدودِ مصر میں عباسی فوج کے گھیرے میں آ گیا اور مقابلہ کے دوران قتل ہوا، خلافت کی مدت پانچ سال دس مہینے اور سولہ دن تھی (البدایة والنهایة ج۱۰ ص۴۶، ذکر من توفی فیها من الاعیان)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۱۵۸ھ: میں حضرت عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کی مکہ میں وفات ہوئی۔ وفات کے وقت عمر ۶۳ سال تھی، اس کی مدتِ خلافت ۲۲ سال ہے، اس کا پورا نام عبداللہ بن محمد بن علی تھا، پہلا عباسی خلیفہ ابوالعباس سفاح ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۶ھ کو فوت ہوا، اور اسی دن ابو جعفر منصور کی خلافت کے لئے بیعت ہوئی، بغداد شہر کی تعمیر اس کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ (العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۲۳۰، الکامل ج۵ ص۲۱۵، المنتظم ج۸ ص۲۲۱، تاریخ الیعقوبی ج۲ ص۳۶)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۱۹۴ھ: میں حضرت ابوبحر سلم بن سالم بلخی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ آپ ابراہیم بن طہمان اور امام ثوری رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں، آپ کا زہد وعبادت لوگوں میں مشہور ومعروف تھا، کہا جاتا ہے کہ آپ چالیس سال تک بستر پر نہیں سوئے، اور چالیس سال تک افطار نہیں کیا مگر عیدین کے دنوں میں۔

(البدایة والنهایة، ج۱۰ ص۲۲۵، المنتظم لابن الجوزی ج۱۰ ص۸، ۹)

تیسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... ماہِ ذی الحجہ ۲۰۳ھ: میں حضرت ابوعثمان محمد بن ابوبکر بصری برسانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کے اساتذہ میں ابنِ جریج، سعید بن ابی عروبۃ اور شعبہ رحمہم اللہ سرِ فہرست ہیں، احمد اور یحییٰ بن معین رحمہما اللہ آپ کے شاگرد ہیں، بغداد میں بھی کچھ عرصہ قیام کیا، بصرہ میں وفات ہوئی "وقیل توفی فی سنة اربع ومائتین" (المنتظم لان الجوزی، ج۱۰ ص۱۲۰)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۲۰۳ھ: میں حضرت نضر بن شمیل بن حرشہ بن زید بن کلثوم بن عنزۃ بن زهیر بن عمرو بن حجر بن خزاعی بن مازن رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

۱۲۲ھ میں ولادت ہوئی، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: ہشام بن عروہ، عثمان بن غیاث، اشعث بن عبدالملک حمرانی اور بہز بن حکیم رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: یحییٰ بن معین، یحییٰ بن یحییٰ، اسحاق بن راہویہ، اسحاق کوسج، احمد بن سعید الدارمی اور احمد بن سعد الرباطی رحمہم اللہ، ذی الحجہ کی آخری تاریخ کو فوت ہوئے اور محرم کی پہلی تاریخ کو دفن ہوئے۔
(سیر اعلام النبلاء ج۹ ص ۳۳۱)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۲۰۷ھ: میں مشہور مورخ حضرت ابوعبداللہ محمد بن عمر واقد المدینی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ امام واقدی کے نام سے مشہور ہیں، ابنِ ابی ذئب، معمر بن راشد، مالک بن انس اور سفیان الثوری رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ مشرقی بغداد کے قاضی بھی رہے ہیں، آپ کی کتب علمِ مغازی، سیرت، حدیث اور فقہ میں کافی مشہور ہیں، ۷۸ سال کی عمر میں وفات ہوئی، ایسی غربت کی حالت میں وفات ہوئی کی کفن تک میسر نہیں تھا، خلیفہ مامون نے کفن کا بندوبست کیا، اور خیزران کے مقبرے میں دفن ہوئے۔
(المنتظم لابن الجوزی ج۱۰ ص ۱۷۶، الطبقات الکبریٰ لابنِ سعد ج۷ ص ۳۳۴، سیر اعلام النبلاء ج۹ ص ۴۵۷)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۲۱۱ھ: میں حضرت ابوالعباس احمد بن ابی خالد رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ خلیفہ مامون کے وزیر تھے، اور بڑے ذہین اور ذی رائے انسان تھے، مامون نے نمازِ جنازہ پڑھائی (المنتظم لابن الجوزی، ج۱۰ ص ۲۴۴)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۲۲۱ھ: میں حضرت ابوعامر ضحاک بن مخلد بن ضحاک بن مسلم شیبانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کو بصرہ کا محدث کہا جاتا تھا، حدیث کی سماعت یزید بن ابی عبید اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت سے کی، اتنا وسیع علم تھا کہ کبھی کسی نے آپ کے ہاتھ میں کتاب نہیں دیکھی، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوعاصم رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں نے جب سے سنا کہ غیبت

حرام ہے، میں نے آج تک کسی کی غیبت نہیں کی۔

(العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۶۲، شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۸، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۲۲۶، سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۴۸۳)

☐...... ماہِ ذی الحجہ ۲۲۲ھ: میں حضرت ابوالیمان حکم بن نافع بہرانی حمصی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

حدیث کی روایت حریز بن عثمان اور ان کے طبقہ سے کرتے ہیں، امام احمد، ابن معین، محمد بن یحییٰ اور عمرو بن منصور رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، حمص کے مقام پر وفات ہوئی، حدیث کے معاملے میں ثقہ اور حجت شمار ہوتے ہیں، اور کثرت سے احادیث روایت کرتے ہیں، ۱۳۸ھ میں ولادت ہوئی۔

(العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۸۵، شذرات الذہب ج ۱ ص ۵۰، الطبقات الکبریٰ ج۷ ص ۴۷۲، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۳۲۵)

☐...... ماہِ ذی الحجہ ۲۲۷ھ: میں حضرت ابو احمد ہیثم بن خارجہ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

امام مالک، لیث، یعقوب القمی، حفص بن میسرہ اور اسماعیل بن عیاش رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، امام احمد بن حنبل، عباس الدوری اور امام بخاری رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، اصلاً آپ کا تعلق خراسان سے تھا، بعد میں بغداد تشریف لے آئے، کچھ عرصہ کے لئے شام بھی تشریف لے گئے اور شامی محدثین سے علم حاصل کیا، اور واپس تشریف لے آئے اور بغداد ہی میں وفات ہوئی۔

(الطبقات الکبریٰ ج۷ ص ۳۴۲، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۴۰۰، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۴۷۹)

☐...... ماہِ ذی الحجہ ۲۲۸ھ: میں حضرت ابو جعفر محمد بن مصعب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کثرت سے عبادت کرنے کی وجہ سے مشہور تھے، ابن المبارک رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، آپ مستجاب الدعوات بزرگ تھے (المنتظم لابن الجوزی ج ۱۱ ص ۱۴۲)

☐...... ماہِ ذی الحجہ ۲۲۹ھ: میں حضرت ابو جعفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن یمان بخاری مسندی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

سفیان بن عیینہ، فضیل بن عیاض اور عبدالرزاق رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، امام بخاری، ابوزرعہ اور ابوحاتم رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں ''المسندی'' اس لئے کہا جاتا تھا کہ آپ صرف مسند احادیث روایت کرتے تھے، اور مقاطیع اور مراسیل احادیث روایت نہیں کرتے تھے ''وقیل توفی فی ذی القعدۃ'' (المنتظم ج ۱۱ ص ۱۴۷)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۲۳۲ھ: میں عباسی خلیفہ الواثق باللہ کی وفات ہوئی۔

پورا نام ابوجعفر ہارون بن معتصم محمد بن رشید بن مہدی عباسی تھا، ۵ سال اور کچھ مہینے خلیفہ رہے، اپنے والد کے زمانہ میں ولی عہد بنادیئے گئے تھے، خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ یہ ایک ادیب اور شاعر بھی تھے، ان کے بعد ان کا بھائی المتوکل علی اللہ خلیفہ بنے ''سامرّاء'' کے مقام پر وفات ہوئی۔

(العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۴۱۲، المنتظم ج ۱۱ ص ۱۸۸، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۳۱۴)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۲۳۲ھ: میں حضرت ابوعثمان عمر بن محمد بن بکیر الناقد رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کے اساتذہ میں سفیان بن عیینہ اور ہشیم رحمہما اللہ جیسے حضرات شامل ہیں، بغوی رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ ایک بڑے محدث ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی تھے، بغداد میں وفات ہوئی۔

(المنتظم ج ۱۱ ص ۱۸۴، شذرات الذهب ج ۱ ص ۷۵، الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۳۵۸، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۱۴۸، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۸)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۲۵۲ھ: میں حضرت ابویعقوب اسحاق بن بہلول بن حسان تنوخی انباری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۱۶۴ھ میں ''انبار'' کے مقام پر ہوئی، آپ نے حدیث کی سماعت بہول بن اسحاق (یہ آپ کے والد ہیں) سفیان بن عیینہ، ابومعاویہ ضریر، یحییٰ بن سعید قطان، اسماعیل بن علیہ، وکیع بن جراح، شعیب بن حرب اور اسحاق ازرق رحمہم اللہ سے کی، ابراہیم حربی،

ابوبکر بن ابی الدنیا، جعفر لفریابی، یحییٰ بن محمد بن صاعد، ابوعبداللہ محاملی اور یوسف بن یعقوب بن اسحاق ازرق رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ کی تصانیف فقہ، حدیث اور علمِ قرأت میں ہیں، ''انبار'' کے مقام میں وفات ہوئی۔
(سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۴۹۰، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۴۴)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۲۵۴ھ: میں حضرت ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم بن یزید بن فروخ قرشی مخزومی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۲۰۰ھ میں ہوئی، ابونعیم، قبیصہ، خلاد بن یحییٰ، مسلم بن ابراہیم اور قعنبی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، مسلم، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ اور ابوعوانہ رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کے حافظے کا یہ عالَم تھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ ''میرے گھر میں ۵۰ سال کی لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں اور جس دن سے میں نے ان کو لکھا ہے میں نے ان کو کبھی پڑھا نہیں، لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ کون سا مسئلہ کس صفحے کی کس سطر میں ہے'' ''ریّ'' کے مقام پر وفات ہوئی (طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۴۹)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۲۶۰ھ: میں حضرت ابوالفضل عبیداللہ بن سعد بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ''سامراء'' میں رہتے تھے، سعد بن ابراہیم (یہ آپ کے والد ہیں) یعقوب (یہ آپ کے چچا ہیں) ابراہیم بن سعد (یہ آپ کے بھائی ہیں) یونس بن محمد، ابوالجواب، روح بن عبادۃ اور یزید بن ہارون رحمہ اللہ آپ کے استاد ہیں، بخاری، ابوداوٗد، ترمذی، نسائی، ابن ابی عاصم، احمد بن یحییٰ بن زہیر، ابنِ خزیمہ اور علی بن جنید الرازی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ دومرتبہ اصبہان کے قاضی بنائے گئے (تھذیب التھذیب ج۷ ص ۱۵)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۲۶۱ھ: میں حضرت ابومحمد حسن بن محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کا شمار سخی علماء میں ہوتا تھا، اور سخاوت میں آپ کی مثال پیش کی جاتی تھی (سیر اعلام

النبلاء ج ۱۲ ص ۵۱۸)

☐...... ماہِ ذی الحجہ ۲۶۶ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن شجاع بغدادی ثلجی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ اپنے وقت میں فقہ کے ایک بڑے امام شمار ہوتے تھے، اور فقہ میں آپ کی رائے کو بڑا مقام حاصل تھا، حسن بن زیاد الوٴلوٴی رحمہ اللہ کے ساتھی تھے، اسماعیل بن علیہ، حسن بن زیاد لوٴلوٴی، ابواسامہ حماد بن اسامہ، عبیداللہ بن موسیٰ اور محمد بن عمر واقدی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، احمد بن حسن بن صالح بغدادی، عبداللہ بن احمد بن ثابت بزاز، عبدالوہاب بن عیسیٰ بن ابوحیہ، محمد بن ابراہیم بن جیش بغوی اور ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ ہروی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے گھر کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں پر میں نے قرآن مجید ختم نہ کیا ہو، البتہ احادیث کی سند کے سلسلہ میں ان پر محدثین نے جرح کی ہے، عصر کی نماز کی دوران سجدہ کی حالت میں وفات ہوئی۔

(تہذیب الکمال ۲۵ ص ۳۶۵، تہذیب التہذیب ج۹ ص ۱۹۵)

☐...... ماہِ ذی الحجہ ۲۷۰ھ: میں حضرت ابوبکرۃ بکار بن قتیبہ بن اسد بن عبیداللہ بن بشیر رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ایک بڑے فقیہ اور مصر کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے، ۱۸۲ھ میں بصرہ کے مقام پر ولادت ہوئی، ابوداوٴد طیالسی، روح بن عبادہ، عبداللہ بن بکر سہمی، ابوعاصم، وہب بن جریر اور سعید بن عامر ضبعی رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، ابوعوانہ، ابنِ خزیمہ، عبداللہ بن عتاب زفتی، یحییٰ بن صاعد، ابن جوصا، ابوجعفر طحاوی، ابنِ زیاد نیشاپوری، ابنِ ابی حاتم اور محمد بن مسیّب ارغیانی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ابنِ خلکان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”بکار کثرت سے قرآن مجید کے تلاوت کرنے والے، اور کثرت سے رونے والے تھے، آپ کی قبر کے بارے میں مشہور ہے کہ وہاں پر اگر دعا کی جائے تو وہ دعا قبول ہوتی ہے“ (سیر اعلام النبلاء ج۱۲ ص ۶۰۳)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۲۷۳ھ: میں حضرت ابو محمد جعفر بن محمد بن شاکر صائغ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

حسین بن محمد مروزی، ابو نعیم، قبیصۃ بن عقبہ، عفان بن مسلم، ابو غسان نہدی، معاویہ بن عمرو اور سریج بن نعمان رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، موسیٰ بن ہارون، ابنِ صاعد، ابو جعفر بن بختری، اسماعیل بن صفار، ابو بکر نجاد، عثمان بن سماک، ابنِ نجیح، ابو بکر شافعی اور محمد بن جعفر انباری رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، ابو الحسین بن منادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''آپ عابد، زاہد اور بڑی فضیلت والے تھے، اور حدیث میں آپ سے بہت سے لوگوں نے فائدہ حاصل کیا کیونکہ آپ حدیث کے معاملہ میں ثقہ شمار ہوتے تھے''

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۱۹۵)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۲۸۰ھ: میں حضرت ابو سعید عثمان بن سعید بن خالد بن سعید دارمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابو الیمان، یحییٰ بن صالح وحاظی، سعید بن ابی مریم، مسلم بن ابراہیم، عبد الغفار بن داؤد حرانی، سلیمان بن حرب، ابو سلمہ تبوذکی اور نعیم بن حماد رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، محمد بن ابراہیم صرام، مؤمل بن حسین، احمد بن محمد الازہر، محمد بن اسحاق ہروی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، ابو الفضل یعقوب بن اسحاق قراب فرماتے ہیں ''ہم نے عثمان بن سعید جیسی شخصیت کبھی نہیں دیکھی، آپ نے ابن الاعرابی سے علمِ ادب، ابو یعقوب بیوطی سے فقہ اور ابنِ معین اور ابن المدینی جیسی شخصیات سے علمِ حدیث حاصل کیا، اور ان علوم میں بڑی مہارت حاصل کی'' آپ کی مشہور کتاب ''سنن دارمی'' ۲ جلدوں میں احادیث کا ایک مستند مجموعہ سمجھا جاتا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۳۲۵، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۵۴، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۲۲)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۲۸۲ھ: میں حضرت ابو اسحاق اسماعیل بن اسحاق بن اسماعیل بن حماد بن زید بن درہم ازدی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ بغداد کے قاضی تھے اور کئی کتابوں کے مصنف تھے، ۱۹۹ھ میں ولادت ہوئی، محمد بن عبداللہ انصاری، مسلم بن ابراہیم، قعنبی، عبداللہ بن رجاء عذالی، حجاج بن منہال، اسماعیل بن ابی اویس، سلیمان بن حرب، عارم اور یحییٰ حمانی رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، آپ نے علمِ فقہ امام احمد معذل سے اور علمِ حدیث علی بن المدینی رحمہما اللہ سے حاصل کیا، ابوالقاسم بغوی، ابنِ صاعد، النجاد، ابوسہل بن زیاد، ابوبکر شافعی، حسن بن محمد بن کیسانی اور ابوبحر محمد بن حسین بر بہاری رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک کو عراق میں رائج کیا، آپ کی ایک کتاب ''احکام القرآن'' ہے جس کی نظیر نہیں ملتی، معانی القرآن اور علمِ قرأت میں بھی ایک ایک کتاب موجود ہے، قاضی یوسف فرماتے ہیں ''خلیفہ معتضد باللہ نے اپنے وزیر کو ان دو بزرگوں اسماعیل بن اسحاق اور موسیٰ بن اسحاق سے اچھا سلوک کرنے کی وصیت کی کیونکہ یہ دونوں بزرگ ایسے ہیں اگر اللہ تعالیٰ اہلِ زمین کو عذاب دینا چاہیں تو یہ دونوں بزرگ اگر دعا کریں تو وہ عذاب رک جائے گا'' آپ ۲۲ سال تک بغداد کے قاضی رہے، اچانک آپ کی وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۳، ص ۳۴۱)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۲۸۵ھ: میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم بن بشیر بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابراہیم حربی کے نام سے مشہور تھے، آپ کی ولادت ۱۹۸ھ میں ہوئی، ہوذۃ بن خلیفہ، عفان بن مسلم، ابونعیم، عمرو بن مرزوق، عبداللہ بن صالح عجلی، ابوعمر حوضی، عمر بن حفص، عاصم بن علی، مسدد بن مسرھد اور موسیٰ بن اسماعیل منقری رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، ابومحمد بن صاعد، ابوعمر بن سماک، ابوبکر نجاد، ابوبکر شافعی، عمر بن جعفر ختلی، ابوبکر احمد بن جعفر قطیعی اور سلیمان بن اسحاق جلاب رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ایک مرتبہ جب آپ اسماعیل قاضی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ابوعمر محمد بن یوسف القاضی نے جلدی سے آپ کی جوتیاں اٹھالیں اور ان سے گرد وغبار کو صاف کیا، تو ابراہیم الحربی رحمہ اللہ

نے ابوعمر کو دعا دی کہ ''اللہ تعالیٰ تجھ کو دنیا وآخرت میں عزت دے'' جب ابوعمر کی وفات ہوئی تو ابوعمر کو کسی نے خواب میں دیکھا اوران سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ توانہوں نے جواب دیا مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک نیک آدمی کی دعا کی بدولت دنیاوآخرت میں عزت دی'' ابراہیم حربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت معلوم ہو اس کو چاہئے کہ اس کو مضبوطی سے پکڑ لے (یعنی اس پر عمل کرے) بغداد میں وفات ہوئی اور یوسف قاضی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۳۸۱، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۱۲۱، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۶۲۴)

چوتھی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... ماہِ ذی الحجہ ۳۱۲ ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن محمد بن سلیمان بن حارث باغندی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ مشہور محدث ابوبکر ازدی واسطی باغندی رحمہ اللہ کے بیٹے تھے، علی بن المدینی، شیبان بن فروخ، ابوبکر بن ابی شیبہ، ہشام بن عمار، سوید بن سعید، محمد بن الصباح جرجرائی، صلت بن مسعود جحدری، ابونعیم، عبید بن ہشام حلبی، عبدالرحمٰن بن عبیداللہ حلبی، محمد بن سلیمان لوین، دحیم، احمد ابن ابی الحواری، عثمان بن ابی شیبہ، عبدالملک بن شعیب بن اللیث، حارث بن مسکین، اور محمد بن زنبور مکی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابنِ عقدۃ، قاضی محاملی، محمد بن مخلد، دعلج سجزی، ابوبکر شافعی، طبرانی، ابوعلی بن الصواف، ابوعمر بن حیویہ، ابوحفص بن شاہین، علی بن عمر سکری، محمد بن مظفر، ابواحمد حاکم، وابوبکر بن مقریٔ، اور ابوبکر احمد بن عبدان رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، اصحابِ جرح نے بالعموم تدلیس کا عیب آپ پر لگایا ہے، اور کسی درج میں تصحیف کا بھی، لیکن مجموعی طور پر آپ کی توثیق کی گئی ہے، اور آپ کی روایات کو قبول کیا گیا ہے، خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ ہم نے کافی بڑی تعداد میں اپنے شیوخ کو آپ کی مرویات کی تصحیح اور ان سے حجت پکڑتے ہوئے پایا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۴۸۷،۳۲۷، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۳۷، طبقات الحفاظ ج ا ص ۶۱)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۳۱۶ھ: میں حضرت امام النحو ابو بکر، محمد بن سری بغدادی نحوی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابن السراج کے نام سے مشہور تھے، اور مشہور نحوی عالم مبرِّد کے ساتھی شمار ہوتے تھے، ابوالقاسم زجاجی، ابوسعید سیرافی اور علی بن عیسی رمانی رحمہم اللہ نے آپ سے علم حاصل کیا، آپ کی چند مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں:

اصول العربیۃ،شرح سیبویہ ،احتجاج القراء ،الھواء والنار ،الجمل ،الموجز ،الاشتقاق، الشعر والشعراء .

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے آپ کی توثیق کی ہے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۴۸۴)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۳۲۳ھ: میں حضرت ابونعیم عبدالملک بن محمد بن عدی الجرجانی استراباذی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ فقہ شافعی کے بڑے علماء میں شمار ہوتے ہیں، اور ابونعیم بن عدی کے نام سے مشہور تھے، آپ کی ولادت ۲۴۲ھ میں ہوئی، علمِ حدیث اور علمِ فقہ میں آپ کو بڑا مقام حاصل تھا، علی بن حرب طائی، حسن بن محمد زعفرانی، عمر بن شبہ نمیری، ربیع مرادی، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، عباس بن ولید بیروتی، علی بن عثمان نفیلی، محمد بن عیسی دامغانی، ابوعتبہ احمد بن فرج حجازی، احمد بن منصور رمادی، سلیمان بن سیف، یزید بن عبد الصمد، یوسف بن مسلم، اسحاق بن ابراہیم طلقی اور عمار بن رجاء رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابومحمد بن صاعد، حافظ ابوعلی نیشاپوری، ابوالقاسم طبرانی، ابواسحاق مزکی، ابوبکر جوزقی، ابومحمد مخلدی، ابوالحسین احمد بن محمد بجیری، اور ابوبکر بن مہران مقرئ رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوالولید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں فقہی اصول وفروع پر پورا عبور اور آثار وتعامل صحابہ پر کامل دسترس خراسان کے علاقہ میں ابونعیم جرجانی سے اور عراق میں ابوزیاد نیشاپوری سے زیادہ کسی کو حاصل نہیں تھی، عظیم محدث حاکم نے آپ کو "ھو

الفقیہ، الحافظ للمسانید والفقهیات عن الصحابة والتابعین'' جیسے بلند پایہ الفاظ سے یاد کیا ہے، اور خطیب بغدادی آپ کی شان میں پوری طرح رطب اللسان ہیں

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۵۴۵)

❑...... ماہِ ذی الحجہ ۳۲۵ھ: میں حضرت امام محدث ابومزاحم موسیٰ بن عبیداللہ بن یحیٰ بن خاقان الخاقانی بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: عباس دوری، ابو قلابہ رقاشی اور ابوبکر مروذی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: ابوبکر آجری، ابنِ ابی ہاشم، ابوعمر بن حیویہ، ابنِ شاہین اور معافی جریری رحمہم اللہ، خطیب بغدادی نے آپ کی توثیق کی ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۹۵)

❑...... ماہِ ذی الحجہ ۳۳۸ھ: میں حضرت علامہ امام العربیہ ابوجعفر احمد بن محمد بن اسماعیل مصری نحوی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ''ابن النحاس'' کے نام سے مشہور تھے، اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں، طلبِ علم کے لئے بغداد کا سفر کیا، اور مشہور عالم زجاج رحمہ اللہ سے علم حاصل کیا، محمد بن جعفر بن اعین، بکر بن سہل دمیاطی، حسن بن غلیب، حافظ ابو عبدالرحمٰن نسائی، جعفر فریابی، محمد بن حسن بن سماعۃ اور عمر بن ابی غیلان رحمہم اللہ سے علم حاصل کیا، ابوبکر محمد بن علی الادفوی رحمہ اللہ آپ سے آپ کی تالیفات روایت کرتے ہیں، آپ کی چند مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں:

اعراب القرآن، اشتقاق الاسماء الحسنی، تفسیر أبیات سیبویه، کتاب المعانی، الکافی فی النحو، الناسخ والمنسوخ.

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۴۰۲، الاکمال لابن ماکولا ج ۲ ص ۱۱۷)

❑...... ماہِ ذی الحجہ ۳۳۹ھ: میں حضرت قاضی ابوالحسین عمر بن حسن بن علی بن مالک شیبانی بغدادی اشنانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

حسن بن علی (یہ آپ کے والد ہیں) محمد بن عیسی مدائنی، موسی بن سہل وشاء، ابوبکر بن ابی الدنیا اور محمد بن شداد مسمعی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابنِ عقدۃ، ابن المظفر، معافی

نہروانی، دارقطنی، ابوالحسین بن بشران اور ابوالحسن بن مخلد رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، دارقطنی نے کذاب کے الفاظ سے آپ پر جرح کی ہے، اور آپ کی مرویات میں کمزوری کو ایک حکایت نقل کر کے بیان کیا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص۴۰۷)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۳۴۶ھ: میں حضرت ابوجعفر محمد بن محمد بن عبداللہ بن حمزۃ بن جمیل بغدادی رحمہم اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ الجمال کے نام سے مشہور تھے، اور سمرقند کے محدث کہلاتے تھے، سمرقند ہی آپ کا وطن تھا، ابوبکر بن ابی الدنیا، احمد بن عبداللہ نرسی، جعفر بن محمد بن شاکر، اور عبدالکریم بن ہیثم، ابو زرعہ نصری، ابوعلاثہ محمد بن عمرو، یحیٰی بن عثمان بن صالح اور عبید کشوری رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ابنِ مندۃ، حاکم، ابوسعد ادریسی اور محمد بن ابراہیم جرجانی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، سمرقند میں آپ کی وفات ہوئی، محدث حاکم نے آپ کو اپنے زمانے میں خراسان کا امام الحدیث قرار دیا ہے، جس کی طرف مشائخ اخذِ روایت کے لئے سفر کر کے جاتے تھے (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص۵۴۸)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۳۴۸ھ: میں امام محدث مفتی حضرت ابوبکر احمد بن سلمان بن حسن بن اسرائیل بغدادی حنبلی نجاد رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ عراق کے شیخ شمار ہوتے تھے، اور آپ کی ولادت ۲۵۳ھ میں ہوئی، ابوداؤد سجستانی، احمد بن ملاعب، یحیٰی بن ابی طالب، حسن بن مکرم، احمد بن محمد برتی، ہلال بن العلاء رقی، اسماعیل قاضی، یزید بن جہور، ابوبکر بن ابی الدنیا قرشی، ابراہیم حربی، حارث بن ابی اسامہ، کدیمی، عبدالملک بن محمد رقاشی، محمد بن اسماعیل ترمذی، جعفر بن ابی عثمان طیالسی، اور معاذ بن مثنیٰ رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابوبکر قطیعی، ابوبکر عبدالعزیز، ابنِ شاہین، دارقطنی، ابنِ مندۃ، ابوبکر محمد بن یوسف رقی، ابوالحسن بن فرات، ابوسلیمان خطابی، ابو عبداللہ حاکم، ابنِ رزقویہ، ابوالحسین بن بشران، ابوالقاسم خرقی، ابوبکر بن مردویہ، ابوعلی بن

شاذان، ابنِ عقیل باوردی اور ابوالقاسم بن بشران رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، حضرت ابواسحاق طبری فرماتے ہیں کہ: نجاد اکثر روزہ رکھتے تھے، اور روزانہ ایک روٹی سے افطار کرتے تھے، اور اس سے ایک لقمہ چھوڑ دیتے تھے، اور جمعہ کی رات ساری روٹی صدقہ کردیتے، اور انہی چھوڑے ہوئے لقموں سے گزارا کرتے، خطیب نے آپ کی توثیق کی ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۵۰۴، تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص ۸۶۹، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۷۰)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۳۵۶ھ: میں حضرت ابوالفرج علی بن حسین بن محمد قرشی اموی اصبہانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ مشہور کتاب ''الاغانی'' کے مصنف ہیں، علمِ ادب، علم الانساب، ایام العرب، اور اشعار میں آپ کو بڑا مقام حاصل تھا، مطین، محمد بن جعفر قتات، علی بن عباس بجلی، ابوالحسین بن ابی الاحوص اور ابوبکر بن درید رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، امام دارقطنی، ابراہیم بن احمد طبری، ابوالفتح بن ابی الفوارس اور علی بن احمد بن داؤد درزاز رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، ۷۲ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص ۲۰۳، تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۳۹۸)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۳۶۷ھ: میں شیخ الصوفیہ حضرت ابوالقاسم ابراہیم بن محمد بن احمد بن احمد بن محمویہ خراسانی نصرابازی نیشاپوری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابوالعباس سراج، ابنِ خزیمہ، احمد بن عبدالوارث عسال، یحیٰ بن صاعد، مکحول بیروتی، ابنِ جوصا اور بہت سے حضرات سے خراسان، شام، عراق، حجاز اور مصر میں حدیث کی سماعت کی، امام حاکم، سلمی، ابوحازم عبدوی، ابوالعلاء محمد بن علی واسطی اور ابوعلی دقاق رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ فرماتے ہیں کہ تصوف کی روح کتاب وسنت کو لازم پکڑنا اور خواہشات اور بدعات کو چھوڑنا ہے، اور اعمال پر مدامت کرنا، اور رخصتوں کو چھوڑنا ہے (سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص ۲۶۵)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۳۷۱ھ: میں حضرت ابومحمد حسن بن احمد بن صالح ہمدانی سبیعی رحمہ

اللہ کی وفات ہوئی۔

محمد بن حبان بصری، عبداللہ بن ناجیہ، قاسم بن زکریا مطرز، عمر بن محمد کاغذی، محمد بن جریر طبری، احمد بن ہارون بردیجی اور عمر بن ایوب سقطی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام دار قطنی، ابومحمد عبدالغنی ازدی، ابوبکر برقانی، ابوطالب بن بکیر، حافظ ابونعیم، ابوالعلاء واسطی اور محمد بن محمد بن نعمانی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابنِ اسامہ حلبی فرماتے ہیں کہ اہلِ حلب کے لئے اگر اہلِ علم میں سے حسن احمد سبیعی ہوتے، تو وہ ان کے لئے کافی ہوتے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۳ص ۹۵۴،طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۷۶ ،تاریخ بغداد ج۷ص ۲۷۳)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۳۸۲ھ: میں حضرت ابواحمد حسن بن عبداللہ بن سعید عسکری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، عبدان اہوازی، احمد بن یحییٰ تستری، ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بغوی، ابوبکر بن ابی داؤد، محمد بن جریر طبری، ابوبکر بن درید، ابراہیم بن عرفہ نفطویہ، محمد بن علی بن روح المؤدب، ابوبکر بن زیاد اور عباس بن ولید اصبہانی رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ابوسعد مالینی، ابوبکر احمد بن محمد بن جعفر یزدی اصبہانی، ابوالحسن علی بن احمد نعیمی، ابوالحسین محمد بن حسن اہوازی، ابوعلی حسن بن علی اہوازی، حافظ ابونعیم، ابوبکر محمد بن احمد وداعی، اور عبدالواحد بن احمد باطرقانی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، آپ کی چند مشہور کتب کے نام یہ ہیں:

الحکم والامثال. التصحیف. راحۃ الارواح، الزواجر والمواعظ

جمعہ کے دن آپ کی وفات ہوئی، نوے سال سے زائد عمر پائی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۴۱۵)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۳۹۲ھ: میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن ابراہیم بن محمد اندلسی اصیلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

قرطبہ میں ابن المشاط سے اور محمد بن سلیم سے، وادی الحجارۃ میں وہب بن مسرہ، مصر میں

قاضی ابوطاہر ذہلی، ابن حیویہ نیشاپوری اور ابواسحاق بن شعبان، مکہ مکرمہ میں ابوبکر آجری سے، بغداد میں ابوبکر شافعی اور ابوعلی بن صواف رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، علمِ حدیث میں بڑا مقام حاصل ہونے کے ساتھ آپ کو فقہ مالکی میں بھی دسترس حاصل تھی، ایک ضخیم کتاب ''الدلائل فی اختلاف العلماء'' کے مصنف بھی ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۳ص ۱۰۲۴، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۸۱)

پانچویں صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... ماہِ ذی الحجہ ۴۱۴ھ: میں حضرت ابوزکریا یحییٰ بن ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن یحییٰ نیشاپوری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۳۳۰ھ کے لگ بھگ ہوئی، ابوالعباس اصم، ابوعبداللہ بن اخرم، حسن یعقوب بخاری، ابوبکر بن اسحاق صبغی، احمد بن محمد بن عبدوس، ابوسہل بن زیاد، ابوبکر نجاد، عبداللہ بن اسحاق خراسانی اور قاضی احمد بن کامل رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوبکر بیہقی، ابوصالح مؤذن، ابوبکر محمد بن یحییٰ، عثمان بن محمد محمی، ہبۃ اللہ بن ابی الصہباء، قاسم بن فضل ثقفی اور علی بن احمد بن اخرم رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کو فقہ شافعی میں بڑی مہارت حاصل تھی، اور کثرت سے حدیث روایت کرتے تھے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۲۹۶)

□...... ماہِ ذی الحجہ ۴۲۲ھ: میں عباسی خلیفہ امیر المومنین احمد القادر باللہ بن اسحاق بن جعفر مقتدر باللہ بن احمد معتضد باللہ بن ابی احمد واثق باللہ کی وفات ہوئی۔

ان کی ولادت ۳۳۶ھ میں ہوئی، شاہی گھرانے کا فرد ہوتے ہوئے بھی آباء واجداد سے ورثہ میں علم عطا ہوا تھا، بڑے فقیہ انسان تھے، یہاں تک ان کو تفقہ میں علامہ ابوبشر الہروی شافعی رحمہ اللہ پر ترجیح دی جاتی تھی، ۳۸۱ھ میں ان کے ہاتھ پر ارا کینِ سلطنت نے خلافت کی بیعت کی، بقول علامہ سیوطی ''قادر باللہ صاحبِ دیانت وسیاست تھا، تہجد اس نے کبھی قضا نہیں کی، صدقہ بہت کرتا تھا، ایک کتاب فضائلِ صحابہ، تکفیرِ معتزلہ اور خلقِ قرآن پر لکھی'' اس

کے علاوہ قادر باللہ کے عہد میں بہت زیادہ علمی ترقی ہوئی، باوجویکہ بنوعباس کی خلافت کا دائرہ محدود تھا، مگر جس قدر اس کے عہد کے امراء تھے، علماء کی قدر دانی کرتے، دولت سے نوازتے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادر باللہ کے عہد میں کثرت سے مسلمانوں میں علماء اور فضلاء پیدا ہوئے، اکتالیس سال، تین ماہ خلافت کے بعد پیر کی دن ان کی وفات ہوئی۔

(تاریخِ بغداد ج۴ص۳۷، تاریخ ملت، ج۲ص۵۲۷تا۵۳۵)

□ ...... ماہِ ذی الحجہ ۴۲۲ھ: میں عباسی خلیفہ امیرالمومنین عبداللہ قائم بامراللہ بن احمد قادر باللہ بن اسحاق بن جعفر مقتدر باللہ کی خلافت کے لئے بیعت ہوئی۔

قائم بامراللہ بقول ابنِ کثیر خوبصورت، عابد، زاہد، عالم، اللہ پر بھروسہ رکھنے والے، صدقہ دینے والے، صابر، ادیب، خوشخط، عادل، احسان کرنے والے تھے، قادر باللہ کی وصیت کے مطابق ذی الحجہ ۴۲۲ھ میں ان کے ہاتھ پر اراکینِ سلطنت نے خلافت کی بیعت کی، تخت نشینی کے وقت ان کی عمر ۳۱ سال تھی۔

(تاریخِ بغداد ج۹ص۳۹۹، تاریخ ملت، ج۲ص۵۳۶تا۵۳۸)

□ ...... ماہِ ذی الحجہ ۴۴۵ھ: میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن عمر بن احمد بن ابراہیم برمکی بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۳۶۱ھ میں ہوئی، ابوبکر قطیعی، ابومحمد بن ماسی، عبداللہ بن ابراہیم زینبی، ابوالفتح ازدی موصلی، ابنِ بخیت دقاق اور اسحاق بن سعد نسوی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوغالب محمد بن عبدالواحد شیبانی، ابوطالب یوسفی، عبدالرحمٰن بن احمد، ابوالعز محمد بن مختار، ابومنصور محمد بن احمد نقور، ابوالبرکات محمد بن محمد خرزی، مبارک بن محمد سدنک اور محمد بن علی فراء رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، اپنے دور کے نامور مفتی تھے، اور فقہ حنبلی کے ماہر علماء میں شمار ہوتا تھا (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۶۰۶)

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم